سرگزشت میں شائع ہونے والا سلسلہ
مقدر
1
محی الدین نواب

مقدر

انسان کے روز وشب پر مقدر کی آہنی گرفت کا دلچسپ تماشا

اس کتاب میں نواب صاحب نے معاشرے کی زہریلی کہانیوں کو بیان کرنے کے لئے ایک نیا اسلوب، نیا ڈھنگ اپنایا ہے کہ یہ کہانیاں کسی انسان کی زبانی بیان نہ کی جائیں بلکہ ان کا راوی اس بازی گر کو بنایا جائے جسے مقدر کہا جاتا ہے جو انسان کی توقع کے خلاف، اس کی سوچ کے برعکس بازی پلٹنے کا ماہر ہے۔ زیرِ نظر کہانی کے کردار بظاہر افسانوی ہیں لیکن درحقیقت ان کا تعلق اسی معاشرے سے ہے اور یہ اسی معاشرے کی کہانی ہے۔

میرا نام مقدر ہے۔ میں جس انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہوں۔ اس کے ساتھ مر جاتا ہوں۔ وہ اس دنیا میں آتے ہی پہلی سانس لیتا ہے تب ہی سے اس کی زندگی میں میرا عمل دخل شروع ہو جاتا ہے۔ میری مداخلت کبھی اسے گراں گزرتی ہے کبھی وہ خوش ہو جاتا ہے۔ کبھی مجھ سے بیزار ہو کر میرے خلاف تدابیر سوچتا ہے اور عمل کرتا ہے۔ کبھی کسی تدبیر سے میرا طریقۂ کار بدل دیتا ہے۔ کبھی ناکام رہتا ہے تو مقدر کا لکھا سمجھ کر صبر کر لیتا ہے۔

دیکھا جائے تو میں انسانوں کی زندگی کا مختارِ کل ہوں۔ چاہوں تو ہنساتا ہوں چاہوں تو رلاتا ہوں۔ وہ موت کے منہ میں جاتا ہے تو اسے وہاں سے بچا لاتا ہوں اور جب میری مرضی نہیں ہوتی تو اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ وہ دم توڑتے وقت پُر اُمید رہتا ہے کہ مقدر ساتھ دے گا لیکن میں ساتھ نہیں دیتا۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور موت کا مالک خدا ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے وہی مارتا ہے وہی مارتے مارتے بھی نئی زندگی دے دیتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی مرضی سے انسانوں کا مقدر بنتا ہوں۔ وہ معبود اپنی دنیا کو جاری وساری رکھنے کے لیے جو تقدیر لکھتا ہے اسی کو مقدر کہتے ہیں۔ اس لیے میں خود کو مقدر کہہ رہا ہوں اور اس دنیا میں اپنے معبود کی مرضی سے آتا ہوں اور اپنے معبود کی مرضی سے جاتا ہوں۔ اسی کی مرضی سے کسی کو پہاڑ جیسے صدمات دیتا ہوں اور کسی کو چٹکی بھر خوشیاں دے دیتا ہوں۔ کسی کو مہکتی زلفوں کی چھاؤں میں زندگی دیتا ہوں تو کسی کو ماں کی گود میں مار ڈالتا ہوں۔

میں لکیر کا فقیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہتھیلیوں پر جو لکیریں بنا ڈالی ہیں، میں ان ہی لکیروں پر چلتا ہوں۔ بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ میں ہی انسان کو مارتا ہوں اور بچاتا ہوں یہ کاتبِ تقدیر کے بھید ہیں اور میں اس کا بھیدی ہوں۔ اس کا محض ایک آلۂ کار ہوں۔

میں یہ تمہید اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ انسان مقدر کو خدا نہ سمجھے۔ انسان چاہے تو مقدر کو بدل سکتا ہے اور جو کبھی نہیں بدلا جا سکتا، جو اٹل ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا وہ صرف خدا ہے۔ میری اس مسلسل داستان میں کبھی کہیں خدائی دعوے کی جھلک ملے تو اپنا محاسبہ کریں، بات سمجھ میں آ جائے گی کہ میں اللہ کی بنائی ہوئی کٹھ پتلیوں کی طرح ہوں اور انسانی ہاتھوں کی لکیروں پر چلتا رہتا ہوں، چلاتا رہتا ہوں۔

میں نے اس محل نما کوٹھی میں قدم رکھا تو بڑے سے ہال میں قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ کتنے ہی جوان اور بوڑھے کلام پاک کی تلاوت میں مصروف تھے۔ مرحوم فلک سکندر کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی جاری تھی۔ قرآن خوانی کرنے والوں میں مرحوم فلک سکندر حیات کا بڑا بھائی فلک آفتاب حیات بھی شامل تھا۔ وہ پڑھنے کے دوران میں بار بار اپنے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے بیٹوں کو دیکھتا تھا پھر دوسرے پڑھنے والوں پر بھی نظر ڈالتا تھا۔ اس کی حرکتوں سے ظاہر تھا کہ اس کا پڑھنے میں جی نہیں لگ رہا ہے۔

جو بات وہ دنیا والوں سے چھپا رہا تھا اسے مجھ سے نہیں چھپا سکتا تھا۔ کیونکہ میں اس کا مقدر ہوں۔ میں اس کے اندر کی باتیں جانتا ہوں۔ وہ ساٹھ برس کا تھا اور اس نے چالیس برسوں سے کلام پاک کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ پڑھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی۔ اس لیے عربی زبان بھول گیا تھا۔ اٹک اٹک کر پڑھ رہا تھا۔ کتنے ہی الفاظ کی ادائیگی غلط ہو رہی تھی۔ اس لیے زیرِ لب پڑھ رہا تھا تاکہ آس پاس والوں کو سنائی نہ دے۔

اس کے دائیں طرف بڑا بیٹا ذیشان آفتاب بیٹھا ہوا تھا۔ وہ صحیح پڑھ رہا تھا لیکن جو پڑھ رہا تھا اسے سمجھ نہیں رہا تھا۔ ننانوے فیصد مسلمان کلام پاک پڑھتے ہیں لیکن اس کے ترجمے اور تشریح سے ناواقف ہوتے ہیں۔ انہیں واقفیت کی فرصت بھی نہیں ملتی۔

اس وقت بڑے بیٹے ذیشان کی زبان پڑھ رہی تھی مگر ذہن اپنے مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ اس کی شادی کو سات برس ہو گئے تھے۔ وہ اپنی بیوی اسما کو بہت چاہتا تھا لیکن اولاد سے محروم تھا۔ اس کی والدہ بیگم آفتاب نے اپنی بہو اسما کو الٹی میٹم دے دیا تھا کہ وہ ایک برس کے اندر اندر ماں نہ بنی تو وہ دوسری بہو لے آئے گی۔ اس الٹی میٹم کے بعد ساس اور بہو کے درمیان محاذ آرائی شروع ہو چکی تھی۔

فلک آفتاب کے بائیں طرف اس کا دوسرا بیٹا بابر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی کلام پاک صحیح پڑھ رہا تھا مگر سمجھ نہیں رہا تھا۔ سمجھتا بھی کیسے۔ اس کا ذہن عینی کی طرف لگا ہوا تھا۔ عینی اس کے مرحوم چچا فلک سکندر حیات کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اسے امید تھی کہ عینی اس سے منسوب کی جائے گی۔ امید ہو تو خیالی پلاؤ پکائے جاتے ہیں لہٰذا وہ تلاوت کے دوران میں یہ ہنڈیا پکا رہا تھا۔

وہ تینوں باپ بیٹے دکھاتے کچھ تھے، کرتے کچھ تھے۔ دکھاوا یہ تھا کہ فلک آفتاب اپنے مرحوم بھائی کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کر رہا تھا۔ خود پڑھ رہا تھا اور لوگوں سے پڑھوا رہا تھا اور اس حقیقت کو سمجھنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ خود غلط ہے تو دوسرے کب صحیح ہوں گے؟

ذیشان نے ایک سپارہ ختم کیا۔ فلک آفتاب نے اپنا سپارہ دیتے ہوئے کہا ''بیٹے! ذرا اسے پڑھ دو۔ میں تھک گیا ہوں۔ مجھ سے پڑھا نہیں جا رہا ہے۔''

ذیشان نے کہا ''ڈیڈ! آپ یہ سپارہ بابر کو دے دیں میں بھی تھکا ہوا ہوں۔''

ادھر سے بابر نے دھیمی آواز میں کہا ''بھائی جان! آپ کی تو عادت ہے اپنا بوجھ مجھ پر ڈال دیتے ہیں۔ ڈیڈی نے آپ سے کہا ہے آپ کو پڑھنا چاہیے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''بوڑھے باپ کا بوجھ دونوں بیٹوں کو اٹھانا چاہیے لہٰذا آدھا سپارہ ذیشان پڑھے گا آدھا تم پڑھو گے۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا سپارہ ذیشان کو دے دیا پھر وہاں سے اٹھ کر جانے لگا۔ اس نے تمام رشتہ داروں اور دوستوں کو قرآن خوانی میں شرکت کی دعوت دی تھی اور اخبارات میں بھی یہ خبر شائع کرائی تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ قرآن خوانی کریں اور مرحوم کو ثواب پہنچائیں۔ قرآن خوانی میں شریک ہونے والوں کے لیے پرتکلف کھانوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس لیے پڑھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ اچھی خاصی تعداد کے باوجود مرحوم کو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟ اس کی ذمہ داری فلک آفتاب پر نہیں تھی۔ اس نے گھر کی چار دیواری سے لے کر اخبارات تک یہ نمائش کی تھی کہ وہ اپنے مرحوم بھائی کو کس قدر چاہتا ہے اور اس کی مغفرت کے لیے کیا کچھ کرتا رہتا ہے۔

وہ وہاں سے اٹھ کر ایک وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں آیا۔ مرحوم فلک سکندر حیات نے اس کوٹھی کو محل بنا رکھا تھا۔ اس قدر مہنگے ساز و سامان سے آرائش کی تھی کہ وہاں آنے والے کبھی رشک و حسد سے اور کبھی تعریفی نظروں سے دیکھتے رہتے تھے۔ ایک دیوار پر مرحوم کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔ تصویر کے پاس ہی مرحوم کی بیوہ بہن فلک ناز ایک شاہانہ طرز کے تخت پر بیٹھی کلام پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ بیگم آفتاب زینے کی بلندی سے اترتی چلی آ رہی تھی اور ملازم سے کہہ رہی تھی ''جاؤ، اگربتیاں سلگا لاؤ۔ ابھی تک کسی نے بھائی صاحب کی تصویر کے سامنے اگربتیاں نہیں لگائیں؟ توبہ ہے، میں نہ رہوں تو کوئی بھائی صاحب کا خیال رکھنے والا نہیں ہوگا۔''

فلک آفتاب نے کہا ''بیگم، تصویر کی پوجا نہیں کی جاتی اس لیے اس کے سامنے اگربتی بھی نہیں سلگائی جاتی۔ میری

بہن تلاوت کر رہی ہے اگربتیاں یہاں لے آؤ۔''
بیگم نے کہا ''بہن کو بھی سمجھائیں کہ تصویر کے پاس بیٹھ کر تلاوت نہیں کی جاتی۔''

فلک ناز نے کلام پاک کو بند کیا، اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا اور جزدان میں لپیٹتے ہوئے کہا ''بھابی جان! میں تصویر سے بہت دور بیٹھی ہوں۔ آپ چاہیں تو فاصلہ ناپ کر دیکھ لیں۔''

''ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر پڑھنا ضروری تو نہیں ہے۔ یہاں ملنے جلنے والے آتے رہتے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ انہیں دکھایا جائے کہ تم اپنے بھائی کی مغفرت کے لیے دن رات پڑھتی رہتی ہو اور دعائیں مانگتی رہتی ہو۔''

وہ مسکرا کر بولی ''یہ آپ کی محرومی کہہ رہی ہے۔ آپ کے بزرگوں نے آپ کو لندن کی آکسفورڈ یونیورسٹی میں پڑھایا لیکن کلام پاک کا ایک لفظ بھی نہیں سکھایا۔ آج اس گھر کے ایمان پرور ماحول میں آپ کچھ پڑھ تو نہیں سکتیں۔ اس لیے اگربتیاں سلگاتی پھر رہی ہیں۔''

فلک آفتاب نے ڈانٹ کر کہا ''خاموش رہو ناز۔ یہ تمہاری بھابی ہیں۔ تم سے بڑی ہیں۔ یہ ایک کہتی ہیں تو تم دس سنانے لگتی ہو۔ کیا بڑوں کا ادب لحاظ نہیں کر سکتیں؟''

ایسے میں ایک نوجوان ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہ چہرے سے ہی احمق دکھائی دیتا تھا۔ اس نے فلک ناز کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا ''اماں مما! میری یہ شرٹ کیسی لگ رہی ہے؟''

فلک ناز نے ناگواری سے کہا ''بیٹے تمہیں کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ مجھے اماں مما نہ کہو، صرف مما کہا کرو۔''

''کیسے کہوں۔ میری عادت ہو گئی ہے۔ جب دادی جان زندہ تھیں تو مجھے ڈانٹ کر کہتی تھیں کہ آپ کو اماں کہہ کر بلایا کروں اور آپ سمجھاتی تھیں کہ میں مما کہا کروں۔ آپ تو جانتی ہیں، میں بہت اچھا بچہ ہوں۔ بڑوں کی باتیں مانتا ہوں اس لیے دونوں کی باتیں مانتا رہا۔ اماں مما کہتے کہتے اب تو یہ میری عادت سی ہو گئی ہے۔''

فلک ناز نے کہا ''میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ عینی کے ساتھ اسپتال جانا ہے۔ تم کیوں نہیں گئے؟''

''میں اس کے ساتھ گیا تھا۔ جب کار میں بیٹھنے لگے تو عینی نے کہا، میں پچھلی سیٹ پر بیٹھوں۔ میں نے پیچھے آ کر دیکھا تو وہاں کوئی پچھلی سیٹ نہیں تھی۔ آگے دیکھا تو وہ کار آگے جا چکی تھی۔''

بیگم آفتاب نے ہنستے ہوئے کہا ''ناز! تم نے لاجواب بیٹا پیدا کیا ہے۔ تمہیں خوش فہمی ہے کہ عینی اسے پسند کرے گی

اور اس سے شادی کرلے گی۔"

"خوش فہمی تو آپ کو ہے کہ عینی آپ کے بیٹے بابر کو پسند کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھائی جان کو جنت نصیب کرے، عینی کو میرے عدنان کے ساتھ دیکھ کر خوشی سے نہال ہو جاتے تھے۔ کہتے تھے زندگی رہی تو میں عدنان کو اپنا داماد بناؤں گا۔"

"اس قدر جھوٹ تو نہ بولو ناز۔ وہ میرے بیٹے بابر کے لیے کہا کرتے تھے کہ اسے اپنا داماد بنائیں گے۔"

"کیا ثبوت ہے کہ بھائی جان بابر کو اپنا داماد بنانا چاہتے تھے۔"

"اور تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ تمہارے اس بیٹے کو اپنی عینی کے لیے پسند کرتے تھے۔"

"بھائی جان نے عینی کی سالگرہ پر میرے عدنان کو ہیرے کی انگوٹھی دی تھی۔"

"وہ ہیرے کی انگوٹھی عینی نے اسے نہیں پہنائی تھی اور نہ ہی ان کی منگنی ہوئی تھی۔"

"تو آپ کے بیٹے کو کون سی انگوٹھی دے دی تھی۔ وہ خود کو پاپ سنگر کہتا ہے۔ بھائی جان اسے پاپ کا سنگر کہتے تھے۔ کہا کرتے تھے جو اس کا گانا سنے گا اس کو پاپ لگے گا۔"

"دیکھو ناز! میرے منہ نہ لگو۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

"یہ تو سب ہی جانتے ہیں، آپ سے برا کوئی ہے بھی نہیں۔"

فلک آفتاب پریشان ہو کر کبھی اپنی بہن کو اور کبھی اپنی بیگم کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے گرج کر کہا "خاموش ہو جاؤ۔ دونوں خاموش ہو جاؤ۔ میرا بھائی کسے چاہتا تھا اور کسے نہیں چاہتا تھا، اب وہ بتانے کے لیے اس دنیا میں نہیں ہے۔ اب تو فیصلہ عینی پر ہے۔ وہ جسے پسند کرے گی اسی کے ساتھ اس کی شادی ہوگی۔"

عدنان نے کہا "اماں مما! وہ مجھے کیسے پسند کرے گی۔ وہ تو اندھی ہے۔ اسے دکھائی نہیں دیتا۔"

بیگم آفتاب نے کہا "خبردار، میری ہونے والی بہو کو اندھی نہ کہنا۔"

فلک ناز نے گھور کر اپنی بھابی کو دیکھتے ہوئے بیٹے سے کہا "بیٹے! میری ہونے والی بہو کو اندھی نہ کہو۔ اس کی آنکھیں کمزور ہیں۔ کبھی دکھائی دیتا ہے اور کبھی اس کی آنکھیں بالکل ہی دیکھنے کے قابل۔۔۔ نہیں رہتیں لیکن وہ اندھی نہیں ہے۔"

عینی اندھی ہے یا نہیں، یہ اس کے مقدر سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ یہ لڑنے والیاں بھول جاتی ہیں کہ مقدر دن رات ان کے ساتھ رہتا ہے اور میں ان میں سے کس کا ساتھ دوں گا۔ اس بات کی کسی کو پروا نہیں تھی۔ سب ہی کو یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اپنی تدبیروں سے کام لے کر ایک دوسرے سے اپنی مطلوبہ چیز جھپٹ لیں گے۔

☆☆☆

میں اسپتال پہنچا۔ اسپتال انسانی زندگی کا آخری اسٹیشن ہے۔ وہاں تمام مسافر ٹرین سے اتر جاتے ہیں پھر بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو زندگی کی طرف لوٹ جانے والی ٹرین میں سوار ہو پاتے ہیں۔ وہ یہاں رہ کر دوا کرتے ہیں، دعا کرتے ہیں۔ خدا کے بعد مجھ سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں کہ میں ساتھ دوں گا تو وہ بچیں گے ورنہ زندگی ہار جائیں گے۔

میں ہر مریض کے ساتھ رہتا ہوں لیکن ہر ایک کا ساتھ نہیں دے پاتا۔ جس کے ہاتھ کی لکیریں آدمی جا کر بجھنے لگتی ہیں، اس کے ساتھ میں بھی بجھنے لگتا ہوں۔ بالآخر اس کے ساتھ ہی مٹ جاتا ہوں۔ بعض اوقات کوئی مریض صحت یاب ہو کر زندگی کی طرف لوٹ آتا ہے لیکن گھر پہنچ کر مر جاتا ہے۔ ایسے وقت کہا جاتا ہے کہ مقدر نے اسے مارا ہے ایسا کہنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اس کے ساتھ تو اس کا مقدر بھی مر جاتا ہے۔ بھلا کوئی اپنے آپ کو مارتا ہے؟ میں تو بیچارہ ہوں۔ لکیر کا فقیر ہوں۔ لکیر چلی تو چلا، لکیر مٹی تو مٹ گیا۔

میں لیڈی ڈاکٹر عروج کے چیمبر میں آیا۔ وہاں عینی ایک ایزی چیئر پر دراز تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ عینی اور عروج بچپن کی سہیلیاں تھیں۔ دونوں نے اسکول تک ایک ساتھ تعلیم حاصل کی تھی۔ کالج تک پہنچتے پہنچتے عینی کی بینائی کمزور ہونے لگی۔ یوں تو بچپن ہی سے بینائی کمزور تھی لیکن وہ اب کمزوری نمایاں ہونے لگی تھی۔ لہٰذا امراض چشم کے ماہر نے رپورٹ دی تھی کہ بینائی کسی وقت بھی جا سکتی ہے۔ البتہ مسلسل علاج کے ذریعے اسے کچھ عرصے تک بحال رکھا جا سکے گا۔

اس کی ڈاکٹر سہیلی عروج جی جان سے کوششیں کر رہی تھی۔ وہ اس کی بینائی اس حد تک بحال رکھنا چاہتی تھی کہ عینک لگا کر اپنی دنیا کی رنگینیوں کو واضح طور پر دیکھ سکے۔ اس نے آئی بینک میں بھی آنکھوں کے عطیے کے لیے اپلائی کیا تھا۔ اسے امید تھی کہ بینائی ختم ہونے سے پہلے ہی نئی آنکھیں مل جائیں گی۔

یوں تو امید پر ہی دنیا قائم ہے لیکن ایسی امیدیں مقدر سے ہی پوری ہوتی ہیں اور یہ ابھی مجھے منظور نہیں تھا۔ اگر تقدیر میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ایک انتہائی دولت مند لڑکی اندھی ہو جائے تو دنیا والے اس کے آس پاس کیسے کیسے تماشے کرتے

ہیں۔ میں مقدر ہوں۔ ایک بازی گر ہوں۔ ہر لمحہ میں تماشے دکھانے والا ہوں۔

عروج اس کی ایک آنکھ کا پپوٹا اٹھا کر پینسل ٹارچ کے ذریعے اس کا معائنہ کرنے لگی پھر اس نے دوسری آنکھ کا بھی اسی طرح معائنہ کیا۔ اس کے بعد بولی "میں نے تجھ سے کہا تھا، میں شام کو گھر آؤں گی۔ تیرا معائنہ کروں گی اور دوائیں دوں گی۔ کیا تو صبر نہیں کر سکتی تھی، کیا یہاں آنا ضروری تھا؟"

"تو نے اسپتال میں دل لگا لیا ہے۔ میرا تنہائی میں کہیں دل نہیں لگتا۔ میں کیا کرتی۔ تیرے پاس محبت سے آئی ہوں تو باتیں سنا رہی ہے۔"

"تیرے بھلے کے لیے کہتی ہوں۔ ایک تو بینائی کمزور ہے دوسرے عینک نہیں لگاتی۔ چہرے پہچان نہیں پاتی۔ اس پر یہ کہ ڈرائیور کے ساتھ تنہا آئی ہے۔ کیا کسی کو ساتھ نہیں لا سکتی تھی۔"

"وہ پھوپی کا بیٹا عدنان آنا چاہتا تھا۔ میں اسے جھانسا دے کر چلی آئی۔ وہ آتا تو بور کرتا رہتا۔ تائی جان نے مجھے آتے نہیں دیکھا۔ دیکھ لیتی تو اپنے بیٹے کو پیچھے لگا دیتیں۔ وہ تو اور زیادہ بور ہے۔"

"یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ کوئی تجھ سے، تیری شخصیت سے پیار نہیں کرتا ہے۔ سب ہی تیری دولت اور شان و شوکت کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔"

"یہ صرف میرے اپنے خاندان میں ہی نہیں ہو رہا ہے بلکہ باہر سے بھی اونچے گھرانے والے رشتہ مانگنے آتے ہیں۔ ان کے ذہن میں بھی یہی بات ہوتی ہے کہ اندھی ہے تو کیا ہوا، دولت مند تو ہے۔"

"اندھے ہوں گے تیرے دشمن۔ ایسی باتیں منہ سے نہ نکالا کر۔ دیکھ رہی ہے تیرے لیے کتنی پریشان رہتی ہوں۔ اللہ نے چاہا تو جلد ہی آئی بینک سے آنکھیں آئیں گی۔ تو پھر سے دنیا کو آئینے کی طرح دیکھ سکے گی۔"

"دیکھنے کے بعد بھی وہیں شادی کروں گی جہاں ہم نے سوچ رکھا ہے۔ تجھے یاد ہے نا؟"

"ہاں بابا یاد ہے۔ ہم ایسے گھرانے میں شادی کریں گے جہاں دو بھائی ہوں اور انہیں دو بہوؤں کی ضرورت ہو۔"

وہ ایک آئی ڈراپر لے کر اس کی آنکھوں میں دوا ٹپکانے لگی۔ عینی نے کہا "ہم ساری زندگی ایک ہی چھت کے نیچے رہیں گے۔ میں تیرے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔"

"کیا میں تیرے بغیر رہ سکوں گی۔ مجھے تیرے سوا کوئی اپنا نہیں لگتا۔"

"اور مجھے تیرے سوا سب پرائے لگتے ہیں۔"

"ہاں یہ دیکھنا ہے کہ ہماری یہ محبت کب تک اسی طرح قائم رہے گی۔"

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہے۔"

"اس لیے کہہ رہی ہوں کہ ہم جوانی کے ایسے دور میں ہیں جہاں کوئی اجنبی ہمیں بہت اچھا بہت پیارا لگنے لگتا ہے۔ وہ اجنبی رفتہ رفتہ اپنا بن جاتا ہے اور اپنوں کو پرایا بناتا چلا جاتا ہے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ اگر کوئی ایسا کرے گا۔ ہمارے مضبوط رشتے کو کاٹنا چاہے گا تو میں اسے اپنی زندگی سے کاٹ کر الگ کر دوں گی۔"

"ہاں، میں بھی یہ ہی سوچتی ہوں۔ کسی سے اتنی گہری وابستگی نہ ہو جتنی تیرے ساتھ ہے۔"

میں ان دونوں کے پاس ہوں مگر نادیدہ ہوں۔ کوئی مجھے دیکھ نہیں سکتا۔ جب انسان اتنے بڑے بڑے دعوے کرتا ہے تو سوچتا ہوں کبھی مجھے ان کی زندگی میں آنا چاہیے۔

دونوں سہیلیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی دوسرے کو اتنی محبتیں نہیں دے سکیں گی جتنی آپس میں کرتی ہیں اور میں سوچ رہا ہوں کہ میں ان کی زندگی میں محبوب بن کر آؤں گا اور انہیں بے حد محبتیں دوں گا۔ تب وہ آزمائشوں سے گزریں گی اور فیصلہ کریں گی کہ سہیلی کی محبت مقدم ہے یا محبوب کی؟

ایسا اکثر ہوتا ہے۔ میں انسانی سراپا اختیار کر کے لوگوں کی زندگی میں آتا رہتا ہوں۔ ہر لڑکی کی زندگی میں کوئی چاہنے والا ضرور آتا ہے۔ میں بھی محبوب بن کر عینی یا عروج میں سے کسی ایک کی زندگی میں آؤں گا اسے بھرپور محبتیں دوں گا۔ اس کا جیون ساتھی بن کر اس کی ضرورت بن جاؤں گا۔ پھر دیکھوں گا اس پر اپنے جیون ساتھی کا رنگ چڑھتا ہے یا سہیلی کا؟

ایسے وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ عینی آنکھیں بند کیے ایزی چیئر پر نیم دراز تھی۔ اس نے کہا "گھر سے فون آیا ہو گا۔ یہ لوگ تو مجھے سکون سے رہنے نہیں دیتے جہاں جاتی ہوں اپنے بیٹوں کو جاسوس بنا کر پیچھے لگا دیتے ہیں یا فون کھڑکاتے رہتے ہیں۔"

عروج نے فون کے پاس آ کر ریسیور اٹھایا پھر اسے کان سے لگا کر کہا "السلام علیکم! میں عروج بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے فلک آفتاب نے کہا "بیٹی! میں عینی کا تایا ابو بول رہا ہوں۔ کیا عینی تمہارے پاس ہے؟"

"جی ہاں، یہ میرے پاس ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

''اطمینان تو ہے بیٹی۔ تم دونوں ایک دوسرے کو کس قدر چاہتی ہو، یہ ہم سب جانتے ہیں لیکن آج اس کا یہاں رہنا ضروری ہے۔ اس کے ابو کی مغفرت کے لیے قرآن خوانی ہو رہی ہے۔''

''جسٹ اے منٹ انکل۔''

عروج نے ریسور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر عینی سے کہا ''تو نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ تیرے ہاں قرآن خوانی ہو رہی ہے۔''

''تجھے کیا بتاتی۔ تایا ابو کا جب جی چاہتا ہے قرآن خوانی کروا دیتے ہیں۔ ابو کے نام سے غریبوں اور محتاجوں کو کچھ نہ کچھ دیتے رہتے ہیں۔ پتا نہیں کچھ دیتے بھی ہیں یا نہیں مگر سخی داتا کی حیثیت سے نام کماتے رہتے ہیں۔''

''کچھ بھی ہو، جب قرآن خوانی ہو رہی ہے تو تجھے گھر میں رہنا چاہیے تھا۔''

''میں وہاں رہ کر کیا کرتی۔ کیا تو نہیں جانتی کہ مجھے اچھی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ میں کلام پاک کیسے پڑھ سکتی ہوں۔''

''کلام پاک نہیں پڑھ سکتی، نماز پڑھ سکتی ہے۔ اپنے ابو کے لیے دعا میں مانگ سکتی ہے۔''

''میں شام کو تیرے ساتھ یہاں سے چلوں گی تو ہم دونوں نماز ادا کریں گے اور ابو کے لیے دعائیں مانگیں گے۔''

''مجھے واپسی میں دیر ہو سکتی ہے۔ تجھے ابھی یہاں سے جانا چاہیے۔ دیکھ عینی، یہ اچھی بات نہیں ہے۔ رشتہ دار باتیں بنائیں گے کہ گھر میں باپ کے لیے قرآن خوانی ہو رہی ہے اور بیٹی باہر سیر و تفریح کے لیے گئی ہوئی ہے۔ کوئی نہیں مانے گا کہ میرے پاس آنکھوں کے علاج کے لیے آئی ہے۔''

اس نے ریسیور پر سے ہاتھ ہٹا کر کہا ''انکل، میں ابھی عینی کو یہاں سے بھیج رہی ہوں۔ وہ ایک گھنٹے کے اندر پہنچ جائے گی۔''

فلک آفتاب نے کہا ''وہاں سے یہاں تک چالیس منٹ کا راستہ ہے۔ ڈرائیور سے کہنا بہت احتیاط سے گاڑی چلائے اور اسے بحفاظت یہاں لے آئے۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔''

فلک آفتاب نے ریسیور رکھ دیا۔ بیگم آفتاب نے پوچھا ''کیا وہ آ رہی ہے؟''

''ہاں، ابھی وہاں سے نکلنے والی ہے۔''

بیگم آفتاب ناگواری سے بڑبڑانے لگی ''یہ آپ کی بہن خوا مخواہ ہماری مخالفت کر رہی ہے۔ کیا عینی اس کے احمق بیٹے کو پسند کرے گی۔''

''نہیں کرے گی۔ تم خوا مخواہ انگاروں پر لوٹ رہی ہو۔ میری بہن کے پیچھے پڑ گئی ہو۔ یہ کیوں نہیں سوچتی ہو کہ تمہاری بیوہ بھابی بھی عینی کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔''

وہ حیرانی سے بولی ''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ دردانہ بیگم میری بھاوج تھی۔ بھائی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اب ان سے کوئی بھاوج کا رشتہ نہیں رہا اور پھر وہ عینی کی سوتیلی ماں ہے۔ کیا اس کے بیٹے سے عینی کا نکاح جائز ہو گا؟''

''بے شک ہو گا۔ کیونکہ دردانہ بیگم کا جو بیٹا ہے وہ اس کے پہلے شوہر سے ہے۔ کیا نام ہے اس کے بیٹے کا...... میں بھول جاتا ہوں۔''

بیگم نے کہا ''جواد۔''

''ہاں، جواد اور عینی کے درمیان لہو کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ہماری بھاوج دردانہ بیگم میٹھی چھری ہے۔ عینی کو بڑی محبتیں دیتی رہتی ہے اور اسی میٹھی چھری سے اسے حلال کر سکتی ہے۔ اپنے بیٹے سے اس کا نکاح پڑھا سکتی ہے۔ ہمیں اس کی طرف سے زیادہ محتاط رہنا چاہیے۔''

''خدا کا شکر ہے۔ وہ اپنی کوٹھی میں بیٹے کے ساتھ رہتی ہے۔ یہاں کبھی کبھی آتی ہے۔ میں نے تو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ آپ آ سکتی ہیں، آپ کا بیٹا نہیں آ سکتا۔ اس سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔''

''یہ بات میں نے بھی دردانہ بھابی سے کہی تھی۔ اسی لیے تو جواد ادھر نہیں آتا ہے مگر اس کے نہ آنے سے کیا ہوتا ہے۔ عینی کی زندگی میں آنے کے لیے کئی چور راستے کھل سکتے ہیں۔ سازشیں ہمیشہ پیٹھ پیچھے ہی ہوا کرتی ہیں۔''

بیگم نے کہا ''وہ سازشیں کر سکتی ہے تو میں بھی اس سے کم نہیں ہوں۔ اگر عینی میری بہو نہ بن سکی تو اسے کسی کی بہو نہیں بننے دوں گی۔ ہم اس کی شادی کا معاملہ برسوں تک ٹالتے رہیں گے۔ ہم برسوں تک اس کے سرپرست بن کر اس کے سر پر سوار رہیں گے۔ یہاں کسی کی دال نہیں گلنے دیں گے۔''

☆☆☆

عینی ایزی چیئر پر نیم دراز تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے عروج سے پوچھا ''کیا آنکھیں کھول دوں؟''

عروج اس کے قریب آئی۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھو جھک کے اس کی پیشانی کو چوما پھر کہا ''ہاں میری جان آنکھیں کھولو اور مجھے دیکھو۔''

عینی نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ اسے دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بولی ''تیری صورت سامنے ہے مگر دھندلی سی دکھائی دے رہی ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔ اسی پر صبر کر۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر، کچھ تو دکھائی دے رہا ہے۔ اللہ نے چاہا تو جلد ہی پوری دنیا کو اور مجھ کو صاف طور سے دیکھ سکے گی۔ چل اٹھ یہاں سے۔ وہاں تیرا انتظار ہو رہا ہے۔''

اس نے ہاتھ پکڑ کر سہارا دیا۔ وہ سہارے کے بغیر بھی اٹھ سکتی تھی، چل سکتی تھی لیکن محبت میں کسی نہ کسی بہانے ایک دوسرے کو چھونا ضروری ہوتا ہے۔

وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر دروازے کی طرف جانے لگیں۔ عروج نے پوچھا ''کیا دروازہ دکھائی دے رہا ہے۔''

''ہاں ذرا دور ہے مگر دھندلا سا نظر آ رہا ہے۔''

وہ دونوں دروازے سے نکل کر اسپتال کے کوریڈور میں آ گئیں۔ باہر ڈرائیور کھڑا تھا۔ اس نے کہا ''گاڑی لے آؤ بی بی گھر جائیں گی۔''

ڈرائیور تیزی سے چلتا ہوا وہاں سے چلا گیا وہ عروج کے ساتھ چلتی ہوئی اسپتال کے باہر آ گئی۔ ڈرائیور گاڑی لے آیا۔ اس نے پیچھے کا دروازہ کھول کر عروج کو وہاں بٹھاتے ہوئے آس پاس دیکھا پھر ڈرائیور سے کہا ''ابھی دن کی روشنی ہے۔ اندھیرا ہونے سے پہلے گھر پہنچ جاؤ۔ میں فون کر کے خیریت معلوم کر لوں گی۔''

ڈرائیور اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ عروج نے کھڑکی میں جھک کر عینی کا ہاتھ تھام کر کہا ''تیرے پاس موبائل فون ہے۔ کوئی پریشانی ہو تو فوراً مجھے فون کرنا۔ میرا دھیان فون کی طرف رہے گا۔''

''اب تو دادی اماں کی طرح میرے لیے پریشان نہ ہونا۔ میں خیریت سے پہنچ جاؤں گی۔ خدانخواستہ کوئی بات ہوئی تو میں تجھے فون ضرور کروں گی۔ اچھا خدا حافظ۔''

عروج نے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا ''خدا حافظ''۔

عینی نے ڈرائیور سے کہا ''چلو۔''

اس نے کار اسٹارٹ کی پھر اسے آگے بڑھا دیا وہ دھیمی رفتار سے چلتا ہوا اسپتال کے احاطے سے باہر آیا پھر مین روڈ پر آ گیا اور تیز رفتاری سے کار ڈرائیو کرنے لگا۔ عروج نے اپنے چیمبر میں آ کر فلک آفتاب کو فون پر مخاطب کیا۔ اس وقت فون کے پاس بیگم آفتاب بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا ''ہاں بیٹی عروج، میں بول رہی ہوں۔''

عروج نے کہا ''آنٹی عینی ابھی یہاں سے روانہ ہوئی ہے۔ انشاء اللہ چالیس یا پچاس منٹ میں آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔''

''شکریہ بیٹی۔ ہم ابھی سے دروازے پر اس کا انتظار کریں گے۔''

بیگم آفتاب نے ریسیور رکھ دیا پھر اپنے بیٹے کو آواز دی ''بابر، کہاں ہو تم جلدی آؤ۔''

دور سے بابر کی آواز سنائی دی ''امی! میں لباس تبدیل کر رہا ہوں۔ ابھی آتا ہوں۔ ذرا انتظار کریں۔''

''یہ تم کیا ہر وقت بنتے سنوارتے رہتے ہو۔ لباس بدلنے کی کیا ضرورت ہے۔ کہاں جا رہے ہو؟''

وہ بولتی ہوئی بیٹے کے کمرے کی طرف آئی۔ بیٹے نے کمرے سے نکل کر شرٹ کے بٹن لگاتے ہوئے کہا ''آپ تو بس سر پر سوار ہو جاتی ہیں۔ کیا بات ہے ایسی جلدی کیا ہے؟''

''عینی آ رہی ہے۔''

''کیا اس نے فون کیا تھا؟''

''ہاں، عروج نے فون کیا تھا۔ وہ ابھی اسپتال سے روانہ ہوئی ہے۔ بیس منٹ میں یہاں پہنچ جائے گی۔ تم دروازے پر جاؤ۔''

وہ بیزار ہو کر بولا ''اوہ ممی! آپ کیا چاہتی ہیں۔ کیا میں ابھی سے دروازے پر دربان بن کر پہنچ جاؤں؟''

''بیٹا، اس کے لیے دربان بھی بننا پڑے تو بن جاؤ۔ جو کہتی ہوں کرتے جاؤ۔''

''جا رہا ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آتا، اس اندھی سے کیسے بات بنے گی۔ وہ تو مجھے ٹھیک طرح سے دیکھ بھی نہیں پاتی۔ میں نے سنا تھا محبت اندھی ہوتی ہے لیکن اس اندھی کو مجھ سے کوئی محبت نہیں ہے میں کئی بار آزما چکا ہوں۔''

''مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کوشش کرتے رہو۔ تمہارے ڈیڈی بھی کوشش کر رہے ہیں۔ میں اسے بہو بنا کر رہوں گی۔''

''آپ زبردستی رشتہ کرنا چاہتی ہیں۔ میں نہیں چاہتا جب تک اس کے دل میں میرے لیے جگہ نہیں بنے میں شادی کے لیے ہاں نہیں کہوں گا۔''

''فضول باتیں نہ کرو، اگر تم انکار کرو گے تو میں تمہارے بھائی جان سے اس کی شادی کر دوں گی۔''

بابر نے حیرانی سے ماں کو دیکھا پھر کہا ''بھائی جان کی شادی ہو چکی ہے۔ آپ جانتی ہیں میں اپنی بھابی سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ کیا آپ میری بھابی پر سوکن لائیں گی۔''

''اور کیا کروں، شادی کو پانچ برس ہو چکے ہیں اور دور دور تک اولاد کا نام و نشان نہیں ہے۔ آئندہ نسل بڑھانے کے لیے اولاد ضروری ہوتی ہے اور میں اپنے پوتے اور پوتی کے لیے دوسری بہو ضرور لاؤں گی۔''

وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

عینی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کار اپنی مخصوص رفتار سے چلی جا رہی تھی۔ پچھلی سیٹ پر اس کے قریب ہی موبائل فون رکھا ہوا تھا۔ دائیں بائیں سے گزرنے والی روشنی عینی کے چہرے پر اور موبائل فون پر پڑتی تھی پھر وہ روشنی گزر جاتی تھی۔ اندھیرا چھا جاتا تھا۔ وہ تاریکی میں بیٹھی ہوئی اپنے دائیں طرف کھڑکی سے باہر دیکھتی تھی۔ دور کہیں قمقمے ایسے دکھائی دیتے تھے جیسے کہیں چراغ ٹمٹما رہے ہوں۔

میں پچھلی سیٹ پر اس کے پاس موجود تھا۔ کچھ ہونے والا تھا اور جب کچھ ہونے والا ہوتا ہے تو مقدر آس پاس ہی ہوتا ہے۔

سامنے بیٹھا ہوا ڈرائیور ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہا تھا اور کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں اس ڈرائیور کا بھی مقدر ہوں۔ وہ سوچ رہا تھا اور کچھ پریشان سا تھا۔ اس نے سر گھما کر عینی کی طرف دیکھا پھر اس سے کہا۔

"بی بی جی، ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں پوچھو۔ کیا بات ہے؟"

"کیا آپ کو باہر کچھ دکھائی دے رہا ہے؟"

"باہر اندھیرا ہے، کیا دکھائی دے گا؟ ونڈ اسکرین کے باہر کبھی کبھی آنے والی کار کی ہیڈ لائٹس سے روشنی دکھائی دیتی ہے پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ بائی دا وے تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "کچھ نہیں، بس یوں ہی۔ آپ اتنی اچھی بی بی جی ہیں۔ مجھ پر مہربان رہتی ہیں۔ مجھے آپ کے بارے میں سوچ کر افسوس ہوتا ہے۔ کیا میں کار کے اندر دکھائی دے رہا ہوں۔"

"ہاں دھندلے سے دکھائی دے رہے ہو اور سر گھما کر میری طرف دیکھ رہے ہو۔ تمہیں سامنے دیکھ کر ڈرائیونگ کی طرف دھیان دینا چاہیے۔"

وہ سر گھما کر ونڈ اسکرین کے باہر دیکھنے لگا۔ عینی ملازموں کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش آیا کرتی تھی۔ انہیں تنخواہ کے علاوہ اچھی خاصی رقمیں دیتی رہتی تھی۔ سب ہی اسے دل و جان سے چاہتے تھے۔ وہ ڈرائیور بھی اس کی تعریفیں کرتا تھا لیکن احسان فراموش تھا اور ابھی احسان فراموشی کا مظاہرہ کرنے والا تھا۔

کار کی رفتار سست ہونے لگی پھر وہ ہلکے ہلکے جھٹکے کھانے لگی۔ عینی نے پوچھا "کیا ہو گیا؟"

"پتا نہیں بی بی جی کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ میں ابھی چیک کرتا ہوں۔"

اس نے ذرا آگے جا کر کار سڑک کے کنارے روک دی پھر اسٹیئرنگ سیٹ سے اتر کر سامنے کی طرف گیا اور بونٹ کو کھول کر انجن کی طرف جھک گیا۔ جھکنے کے بعد سڑک کے دونوں طرف دائیں بائیں چور نظروں سے دیکھنے لگا۔

ایسے ہی وقت سڑک کے ایک طرف ڈھلان سے ایک شخص ابھر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ سڑک کے دوسری طرف سے دو شخص ابھرتے ہوئے آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں لمبا سا چھرا تھا۔ وہ دبے قدموں چلتے ہوئے چھپتے ہوئے بونٹ کے قریب ڈرائیور کے پاس آئے۔ ریوالور والے نے سرگوشی میں پوچھا "کیا وہ دیکھ سکتی ہے؟"

ڈرائیور نے کہا "ہاں اسے دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا ہے۔ مجھ سے ہاتھا پائی شروع کر دو۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں اسے بچانے کے لیے تم لوگوں سے لڑ جھگڑ رہا ہوں۔"

عینی پچھلی سیٹ پر بیٹھی سامنے ونڈ اسکرین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بونٹ اٹھا ہوا تھا پھر بھی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اسے چند سائے سے حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیے جو ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ کبھی الگ ہو رہے تھے کبھی ایک دوسرے سے بھڑ جاتے تھے۔ وہ پریشان ہو گئی۔ اس نے فوراً ہی پاس رکھے ہوئے موبائل فون کو اٹھایا۔ نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر سننے لگی۔ جلد ہی عروج کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو عینی۔ میں بول رہی ہوں۔ خیریت سے ہو؟"

"نہیں شاید خیریت نہیں ہے۔ کار میں خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ ڈرائیور اسے درست کر رہا تھا ایسے وقت مجھے دو تین شخص اس سے لڑتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں کیا کروں؟"

"اپنے وقت حاضر دماغی سے کام لو۔ فوراً ہی کار سے باہر نکلو۔ کسی طرح سڑک کے کنارے چلتے ہوئے مدد کے لیے پکارو۔ وہاں سے گاڑیاں گزر رہی ہوں گی۔ ایک تنہا لڑکی کو دیکھ کر کتنے ہی گاڑیوں والے مدد کے لیے رک جائیں گے۔"

وہ فوراً ہی کار کا پچھلا دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی۔ فون کان سے لگا ہوا تھا۔ عروج کہہ رہی تھی "فون بند نہ کرنا۔ مجھ سے رابطہ جاری رکھنا۔ میں ابھی تمہارے پاس ہی پہنچ رہی ہوں۔"

وہ کار سے نکل کر باہر آئی تو پچھلی طرف گہری تاریکی تھی۔ وہ اب تک سامنے کی طرف ہیڈ لائٹس کی روشنی دیکھ رہی تھی۔ اس لیے آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ تاریکی میں دکھائی نہیں دے رہا تھا پھر بھی وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر اندھوں کی

طرح راستہ ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

میں اس کا مقدر تھا۔ اس کے ساتھ چل رہا تھا لیکن اس کے لیے کچھ نہیں کر رہا تھا۔ وہ مدد کے لیے چیخنا چاہتی تھی۔ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا چیخنا فضول ہوتا۔ اس ویران راستے میں کوئی گاڑی نہیں گزر رہی تھی۔

پھر اس کی چیخ سن کر وہ غنڈے فوراً ہی اس کی طرف آ سکتے تھے۔ ابھی تو وہ تینوں ڈرامائی سین پیش کر رہے تھے اور اس ڈرائیور سے ہاتھا پائی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

میں چاہتا تھا کہ وہ غنڈوں کے ہاتھ نہ آئے۔ وہ تاریکی میں سنبھل سنبھل کر قدم بڑھا رہی تھی۔ ڈگمگا رہی تھی۔ میں نے ایک چٹکی بجائی تو وہ ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ گر پڑی۔ اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ میں نے دوسری چٹکی بجائی تو فون اس کے ہاتھ سے چھٹ کر گر پڑا پھر وہ فون ڈھلان کی طرف گرتا چلا گیا۔ پتا نہیں تاریکی میں کہاں جا کر پہنچا ہو گا۔ ویسے میں نے اسے موبائل فون سے محروم کر دیا۔

یہ سراسر میری زیادتی تھی لیکن میں ہاتھ کی لکیروں کے مطابق سمجھتا ہوں کہ مجھے کس وقت کیا کرنا چاہیے۔ وہ اوندھے منہ سڑک کے کنارے پڑی ہوئی تھی اور کراہتے ہوئے اٹھ رہی تھی۔ میں نے اسے سڑک کے دوسری طرف جانے پر مجبور کیا۔ وہ اندھیرے میں سنبھل سنبھل کر قدم بڑھاتی ہوئی دوسری طرف آ گئی۔ ایسے وقت وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ اس وقت ہیڈ لائٹس کی روشنی میں ایک دوسرے سے الجھے ہوئے تھے اور کار کے پیچھے نیم تاریکی میں دیکھ نہیں سکتے تھے کہ وہ کہاں جا رہی ہے ایسے وقت ڈرائیور نے جھنجلا کر کہا "کب تک یہ سین کرتے رہو گے۔ اب مجھے زخمی کرو اور اسے پکڑو ورنہ وہ کہیں بھاگ جائے گی۔"

جس کے ہاتھ میں چھرا تھا اس نے ایک ہاتھ چلایا۔ چھرے کی نوک ڈرائیور کے بازو کو ہلکا سا چیرتی ہوئی گزر گئی۔ ڈرائیور کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔

دوسری طرف عینی بھی گھبرا کر چیخ پڑی۔ آگے بڑھتے وقت اس کا ایک پاؤں ڈھلان کی طرف گیا تھا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی، گر پڑی اور گرتی ہوئی ڈھلان سے نیچے کی طرف جانے لگی۔

اس کی اور ڈرائیور کی چیخ گڈمڈ ہو گئی۔ وہ بہت دور تھی اس لیے اس کی چیخ زیادہ واضح نہیں ہو سکی۔ وہ تینوں سن نہ سکے۔ اسے زخمی کرنے کے بعد تیزی سے چلتے ہوئے پچھلی سیٹ کی طرف آئے۔ ڈرائیور نے سوچا تھا کہ چاقو سے ہلکی سی خراش پڑے گی وہ اسے برداشت کر لے گا لیکن خراش پڑتے ہی ایسی شدید جلن ہونے لگی تھی جیسے پورے جسم میں آگ بھر گئی ہو۔ وہ اوندھے منہ سڑک پر گر پڑا۔ ایک ہاتھ اٹھا کر ان تینوں کو آوازیں دینا چاہتا تھا مگر اب حلق سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چاقو کا معمولی سا زخم اس کے اندر زہریلی آگ بھر دے گا۔

آدمی نہیں سمجھتا۔ اسے آخری وقت مقدر سمجھ آتا ہے مگر وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ اس نے عینی کے دشمنوں کا ساتھ دیا تھا۔ اس نے ان سے پچاس ہزار روپے لیے تھے اور اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اس ویرانے میں گاڑی روک دے گا۔ اس کے بعد وہ غنڈے عینی سے نمٹ لیں گے اور اس ڈرائیور کو جانے دیں گے۔

لیکن عینی کے خلاف سازش کرنے والے نادان نہیں تھے، وہ جانتے تھے کہ ڈرائیور زندہ گھر واپس جائے گا اور پولیس والے اس کی پٹائی کریں گے۔ وہ سچ اگل دے گا۔ لہٰذا سچ اگلنے سے پہلے ہی اس چاقو کے پھل کو زہریلا بنا دیا گیا تھا۔

اس طرح اس کے ہاتھ کی لکیر اس ویران سڑک پر آ کر ٹوٹ گئی تھی اور میں اس کے مقدر کی لکیر پر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا اس لیے رک گیا تھا۔ میں رکتا ہوں تو سانسیں رک جاتی ہیں۔ اس کی سانسیں رک چکی تھیں۔ وہ بیچ سڑک پر مردہ پڑا ہوا تھا۔

وہ تینوں بدمعاش دوڑتے ہوئے کار کی پچھلی سیٹ کی طرف آئے تو سیٹ خالی تھی۔ ایک نے کہا "یہ کہاں چلی گئی؟"

دوسرے نے کہا "اس طرف دیکھو، دوسری طرف کار کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ ادھر سے گئی ہے۔"

وہ سب تیزی سے اس کھلے دروازے کی طرف آئے۔ عینی اس کے مخالف سمت سڑک کے دوسری طرف ڈھلان میں گری تھی۔ وہاں سے اٹھ کر رینگتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی پھر دونوں پیروں پر کھڑی ہوئی تھی۔ چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ دور تک اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

دور بہت دور روشنی کے چھوٹے چھوٹے نقطے دکھائی دے رہے تھے۔ نظریں کمزور تھیں وہ اسی حد تک دیکھ سکتی تھی۔ بہرحال یہ اندازہ ہو گیا کہ ادھر آبادی ہو گی اور وہاں اس کی مدد کرنے والے مل جائیں گے۔ لہٰذا وہ دونوں ہاتھ بڑھا کر راستہ ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔

وہ تینوں سڑک کے دوسری طرف تھے اور گہری تاریکی میں تھے۔ دوسری طرف گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی وجہ سے نیم

تاریکی بھی گہری تاریکی لگ رہی تھی۔ میں انہیں دوسری طرف بھٹکانا چاہتا تھا اس لیے ایک نے چونک کر کہا ''سنو، کوئی آواز سنائی دے رہی ہے۔''

وہ تینوں توجہ سے سننے لگے۔ ڈھلان کی پستی سے موبائل فون سے عروج کی آواز آرہی تھی۔

''ہیلو.... ہیلو، عینی تم کہاں ہوں؟ جواب کیوں نہیں دے رہی ہو؟''

وہ تینوں سنبھل سنبھل کر ڈھلان سے اترتے ہوئے فون کے پاس پہنچے۔ ایک نے اسے اٹھا کر آواز سنی۔ عروج عینی کو پکار رہی تھی۔ اس نے فون کو بند کرتے ہوئے کہا ''فون ادھر گرا ہوا ہے۔ وہ اسی طرف آگے کہیں گئی ہے۔''

کسی نے کہا ''وہ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔ چلو۔''

وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آگے بڑھنے لگے۔ اب وہ تاریکی کے عادی ہوگئے تھے اس لیے کسی حد تک دیکھ کر آگے بڑھ سکتے تھے اور بڑھتے جارہے تھے۔

میں بھٹکاتا ہوں تو بھٹکنا ہی پڑتا ہے۔

☆☆☆

عروج بری طرح بدحواس ہوگئی تھی۔ اچانک ہی فون کا رابطہ بھی ختم ہوگیا تھا۔ کسی نے فون بند کردیا تھا۔ اب اس کی آواز عینی تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس نے ایک وارڈ بوائے کو بلا کر کہا ''ایک ایمرجنسی ہے۔ میں جارہی ہوں۔ میرے اس کمرے کو لاک کردو۔''

وہ اپنا بیگ اٹھا کر موبائل فون پر نمبر پنچ کرتی ہوئی کمرے سے باہر آئی پھر اس فون کو کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا۔

''انکل، غضب ہورہا ہے۔ عینی گم ہوگئی ہے۔''

دوسری طرف سے فلک آفتاب نے پریشان ہوکر پوچھا ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ وہ کیسے گم ہوگئی؟''

وہ فون کان سے لگائے اسپتال کے کوریڈور سے گزرتے ہوئے کہہ رہی تھی ''تھوڑی دیر پہلے میں نے عینی کو فون کیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ کار کے سامنے ہیڈلائٹس کی روشنی میں اسے تین چار سائے لڑتے جھگڑتے دکھائی دے رہے ہیں۔ تو میں نے اسے مشورہ دیا، وہ کار سے باہر نکل کر سڑک کے کنارے کھڑی ہو جائے اور مدد کے لیے پکارنا شروع کرے، میں وہاں پہنچ رہی ہوں۔''

دوسری طرف سے فلک آفتاب نے کہا ''بات مختصر کرو۔ یہ بتاؤ پھر کیا ہوا۔ وہ کہاں ہے؟''

وہ بولی ''یہی تو کہہ رہی ہوں کہ تھوڑی دیر بعد اس کی آواز مجھے سنائی نہیں دی۔ ایسا لگتا ہے جیسے فون کسی نے چھین لیا ہو۔ میں چیخ چیخ کر ڈرائیور کو بھی مخاطب کر رہی تھی لیکن میری آواز جیسے ان تک پہنچ ہی نہیں رہی تھی پھر فون اچانک ہی بند ہوگیا۔''

وہ بولتی ہوئی باہر آئی۔ باہر اس کی کار پارکنگ ایریا میں کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کار میں بیٹھتے ہوئے بولی ''میں ابھی اس راستے پر جارہی ہوں۔ پلیز آپ بھی فوراً چلے آئیں۔''

وہ کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنے لگی۔ دوسری طرف سے فلک آفتاب نے کہا ''میں بھی آرہا ہوں۔ ہمارے گھر سے تمہارے اسپتال تک ایک ہی راستہ ہے جہاں ٹریفک کی بھیڑ نہیں ہوتی اور عینی اکثر اسی راستے سے گزرتی ہے۔ میں وہاں آرہا ہوں۔''

عروج نے فون کو بند کردیا پھر کار کو آگے بڑھاتے ہوئے اسپتال کے احاطے سے باہر جانے لگی۔ ادھر فلک آفتاب نے ریسیور کریڈل پر رکھا۔ بیگم آفتاب اپنے بیٹے کو آوازیں دینے لگی ''بابر تم کہاں ہو۔ فوراً ہمارے ساتھ چلو۔ عینی مصیبت میں پڑگئی ہے۔''

دوسری طرف فلک ناز اپنے بیٹے کو آوازیں دینے لگیں ''عدنان فوراً آؤ، ہمیں اپنی گاڑی لے کر جانا ہے۔ عینی کو تلاش کرنا ہے۔ وہ کسی پرابلم میں ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''عدنان قرآن خوانی کرنے والوں کو کھانا کھلا رہا ہے۔ اسے یہیں رہنے دو۔ ہم جارہے ہیں۔''

فلک ناز بولی ''بھائی جان آپ اپنے بیٹے کو یہاں مہمانوں کے پاس چھوڑ دیں۔ اس کا جانا ضروری نہیں ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''کیا تمہارے بیٹے عدنان کا جانا ضروری ہے۔ تم چاہتی ہو تمہارا بیٹا عینی کو تلاش کرنے کا کریڈٹ حاصل کرلے اور میرا بیٹا یہاں گھر میں رہ جائے۔''

عدنان نے آکر پوچھا ''اماں مما، کیا بات ہے؟''

فلک ناز نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا ''ہمیں فوراً جانا ہے۔ گاڑی نکالو۔ عینی کسی پرابلم میں ہے۔ میرا بیٹا ذہین ہے، دلیر ہے عینی کو مصیبتوں سے نکال کر لائے گا۔''

وہ کہتی ہوئی باہر چلی گئی۔ بیگم نے اپنے میاں سے کہا ''وہ ہم سے پہلے جارہی ہے۔ اگر عینی کو ڈھونڈ لائے گی تو اپنے اس کارنامے کی ہر جگہ پبلسٹی کرتی پھرے گی۔ آپ کھڑے کیا ہیں۔ فوراً چلیں۔''

وہ دونوں بھی تیزی سے چلتے ہوئے باہر آئے۔ وہاں دو کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ اگلی کار میں فلک ناز بیٹھی ہوئی تھی

اور اس کا بیٹا ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ وہ کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھاتا ہوا احاطے سے باہر جارہا تھا۔ بیگم آفتاب نے اپنے بیٹے سے کہا ''بابر تم یہاں کھڑے کیا کر رہے تھے۔ کیا اپنی کار اس سے آگے لے جاکر نہیں کھڑی کرسکتے؟''

وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا ''ممی آپ فکر نہ کریں۔ فوراً بیٹھیں۔ ہم ان سے آگے نکل جائیں گے۔''

وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ بابر نے کار اسٹارٹ کی پھر تیزی سے آگے بڑھاتا ہوا احاطے کے گیٹ سے باہر آگیا۔ اس کے بعد کار ریسنگ شروع ہوگئی۔

فلک ناز کی کار بہت آگے جارہی تھی۔ بابر اسپیڈ بڑھاتا جارہا تھا پھر اس کے برابر ہوگیا اور اس سے آگے نکلنے لگا۔ فلک آفتاب نے کہا ''بیٹے! اتنی تیز رفتاری سے نہ چلاؤ۔ خدانا خواستہ کوئی حادثہ ہوسکتا ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''ڈر تو مجھے بھی لگ رہا ہے لیکن میں آپ کی بہن کو آگے نہیں نکلنے دوں گی۔''

''اگر اس کار کو حادثہ پیش آئے گا تو ہم اس دنیا سے بھی آگے نکل جائیں گے پھر اپنی ہونے والی بہو کو تم قیامت کے دن ہی دیکھ سکوگی۔''

بیگم نے پریشان ہوکر کہا ''بیٹے! رفتار ذرا کم کردو۔ ہم عینی کی سلامتی کے لیے اسے سلامتی سے ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔''

وہ پندرہ منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد اس جگہ پہنچ گئے جہاں سڑک کے کنارے عینی کی کار کھڑی ہوئی تھی اور بیچ سڑک پر ڈرائیور کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہ وہاں پہنچ کر اس لاش کو دیکھتے ہی پریشان ہوگئے۔ کار میں جھانک کر دیکھا تو وہ خالی تھی۔ عینی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ اسے آوازیں دینے لگے فلک آفتاب نے ڈرائیور کے پاس آکر دیکھا۔ اس کا رنگ سیاہ پڑگیا تھا۔ صاف پتا چلتا تھا کہ اسے سانپ نے ڈس لیا ہے یا پھر زہر سے کسی طرح مارا گیا ہے۔

اسی وقت عروج کار ڈرائیو کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ اس نے سڑک کے کنارے کار روکی پھر دوڑتی ہوئے عینی کی کار کے پاس آکر پوچھا ''کہاں ہے عینی؟''

''ہم سب اسے تلاش کر رہے ہیں۔ بابر ادھر اندھیرے میں گیا ہے۔ ہم جلدی میں ٹارچ لانا بھول گئے۔''

فلک آفتاب نے فون کے ذریعے قریبی تھانے سے رابطہ کیا پھر تھانیدار کو اطلاع دی میں فلک آفتاب حیات بول رہا ہوں۔ میری بھتیجی کو اغوا کیا گیا ہے اور اس کے ڈرائیور کو پتا نہیں کس طرح مارا گیا ہے۔ اس کی لاش سڑک پر پڑی ہوئی ہے۔ آپ فوراً یہاں آئیں۔ ہم ڈیفنس فیز ٹو سے سی ویو جانے والے راستے پر ہیں۔ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

اس نے اطلاع دینے کے بعد فون بند کردیا۔ عروج دور تاریکی میں آتے کے بعد اسے پکار رہی تھی پھر تیزی سے چلتی ہوئی اپنی کار میں آکر بیٹھ گئی۔ اسے اسٹارٹ کرکے کبھی دائیں بائیں ہیڈلائٹس کی روشنی دور تک پھینکنے لگی، دور تک دیکھنے لگی شاید وہ کہیں نظر آجائے لیکن اس کی ایک جھلک بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ سڑک سے دور تاریکی میں بھٹک رہی تھی۔ ننھی ننھی نقطوں جیسی روشنیاں کبھی دکھائی دے رہی تھیں اور کبھی درختوں اور جھاڑیوں کے باعث نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھیں۔

نظر کمزور تھی اس لیے نیم تاریکی بھی گہری لگ رہی تھی۔ اگر نظر درست ہوتی تو وہ نیم تاریکی میں بھی یہ دیکھ سکتی تھی کہ جدھر جارہی ہے ادھر آگے ایک بہت بڑا گڑھا ہے جس میں گرنے کے بعد ہڈی پسلی ٹوٹنے کا اندیشہ تھا۔

وہاں کوئی اسے بتانے والا نہیں تھا کہ آگے گڑھا ہے اور وہاں گرنے کے بعد وہ شاید زندہ رہ جاتی مگر سلامت نہ رہتی، اپاہج ضرور ہو جاتی۔ ایک میں ہی اس کے ساتھ تھا مگر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھما نہیں سکتا تھا۔ اس کا راستہ نہیں بدل سکتا تھا۔ میں اس کا مقدر ہوں۔ اسے بچا سکتا ہوں۔ شاید نہ بھی بچاؤں۔

وہ اس گڑھے سے دس گز کے فاصلے پر تھی اور سیدھی اسی طرف چلی آرہی تھی۔ دور اس پختہ سڑک پر پولیس والے بھی آگئے تھے۔ فلک آفتاب، اس کی بیگم، اس کے بیٹے فلک ناز اور عدنان وغیرہ سے سوالات کر رہے تھے۔ انہیں تھانے چلنے کو کہہ رہے تھے۔ عروج کار چلا رہی تھی۔ سڑک پر دور تک آگے پیچھے جارہی تھی اور سڑک کے دائیں بائیں کار کی ہیڈلائٹس کی روشنی پہنچا رہی تھی اور مایوس ہورہی تھی۔ عینی نہ تو دکھائی دے رہی تھی نہ اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

وہ مایوس ہوکر پولیس والوں کے پاس آگئی۔ سپاہیوں نے لاش کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں رکھ دیا تھا اور اب وہ وہاں سے جارہے تھے۔

عروج مایوس ہوکر جاتے جاتے آگے پیچھے دیکھ رہی تھی شاید اس کی سہیلی اسے نظر آجائے لیکن میں نہیں چاہتا تھا پھر وہ کیسے نظر آتی۔ اسے بھی پولیس والوں کے ساتھ وہاں سے جانا پڑا۔

وہ سڑک ویران ہوگئی۔ سب چلے گئے۔ کوئی عینی تک

پہنچنے کے لیے نہیں رہا۔ صرف وہ تین بدمعاش سڑک کے دوسری طرف مخالف سمت میں اسے تلاش کر رہے تھے۔

وہ بیچاری میرے رحم و کرم پر تھی۔ ایک ایک قدم بڑھاتی ہوئی اس گڑھے کی طرف جا رہی تھی۔ ہر لمحہ جیسے موت کے قریب پہنچ رہی تھی۔

بعض اوقات ایسا ہی ہوتا ہے۔ انسان موت کے قریب جاتا ہے اور اسے بچانے والا اس کے آس پاس نہیں ہوتا۔ عینی کے پاس بھی کوئی نہیں تھا۔ اب وہ بالکل قریب آ گئی تھی۔ اس گڑھے سے صرف چار قدم دور رہ گئی تھی۔ اپنے چوتھے قدم کے بعد وہ گڑھے میں گرنے والی تھی۔

ایسے وقت اس گڑھے کے سرے پر میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سیدھی میری طرف آئی اور مجھ سے ٹکرا گئی پھر ٹکراتے ہی گھبرا گئی۔ دونوں ہاتھوں سے ٹٹول کر محسوس کیا تو پتا چلا کہ وہ بھینس سے ٹکرا گئی ہے اور اس کے ساتھ چلتی چلی جا رہی ہے پھر وہ بھینس ایک جگہ رک گئی۔ وہ اس گڑھے سے دور ہو گئی تھی۔

اس نے ایک طرف گھوم کر دیکھا تو بہت دور ایک گزرتی ہوئی روشنی دکھائی دی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ کوئی گاڑی گزرتی جا رہی ہے۔ اس نے چیخ کر کہا "ہیلپ...... ہیلپ...... کوئی ہے، یہاں کوئی ہے۔ کوئی میری آواز سن رہا ہے؟"

کوئی اس کی آواز سننے والا نہیں تھا۔ وہ جو روشنی گزرتی جا رہی تھی، گزر چکی تھی۔ وہ گاڑی جا چکی تھی۔ اس نے پلٹ کر ہاتھ بڑھایا تو اب ادھر بھینس نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو وہ اس کے سہارے چلتی ہوئی شاید کسی آبادی تک پہنچ جاتی لیکن یہ مجھے منظور نہیں تھا۔

سڑک کے دوسرے طرف بہت دور وہ تینوں اسے تلاش کر رہے تھے۔ ایک نے پریشان ہو کر کہا "کیا وہ کوئی چھلاوہ تھی۔ اچانک کہاں غائب ہو گئی ہے؟"

"وہ ڈرائیور کہہ رہا تھا اسے اچھی طرح نظر نہیں آ رہا ہے۔ تعجب ہے وہ اندھی کتنی تیز بھاگتی ہوئی گئی ہو گی کہ ہمیں دکھائی نہیں دے رہی ہے۔"

تیسرے نے کہا "ہم بڑی دیر سے ساتھ ہیں۔ ہمیں مختلف سمتوں میں جا کر اسے تلاش کرنا چاہیے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک کار تیزی سے چلتی ہوئی ان کے قریب آ کر رک گئی۔ وہ تینوں ایک دم مستعد ہو گئے۔ کار کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ بیگم دردانہ آئی ہے۔

وہ تیزی سے چلتے ہوئے اسٹیئرنگ سیٹ والے دروازے کی طرف آ کر ادب سے کھڑے ہو گئے۔ اس طرف کی کھڑکی کا کلرڈ شیشہ آہستہ آہستہ نیچے ہونے لگا۔ اندر بیٹھی ہوئی بیگم دردانہ کا چہرہ نظر آنے لگا۔ وہ ادھیڑ عمر کی ایک خوش شکل خاتون تھی بڑی باوقار لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر رعب اور دبدبہ طاری تھا۔ اس نے جیسے غراتے ہوئے ان تینوں کو دیکھا پھر سخت لہجے میں پوچھا "وہ کہاں ہے؟"

ایک نے آگے بڑھ کر دروازے کے قریب ہو کر کہا "میڈم، ہم اسے تلاش کر رہے ہیں۔ پتا نہیں وہ اچانک کہاں گم ہو گئی ہے۔"

"وہ اندھی ہے اور تم آنکھ والے ہو۔ وہ اکیلی ہے اور تم تین ہو پھر بھی کتوں کی طرح اس کے پیچھے دوڑ رہے ہو اور ہانپ رہے ہو۔ کیسے شکاری کتے ہو کہ اپنے شکار تک نہیں پہنچ رہے ہو۔"

"میڈم، ہم اسے جانے نہیں دیں گے۔ وہ ان اطراف میں کہیں بھٹک رہی ہے۔ ہم ابھی اسے پکڑ کر لے آئیں گے۔"

دردانہ بیگم نے ایک جھٹکے سے دروازے کو اس طرح کھولا کہ دروازہ اس کے منہ پر لگا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے کھڑے ہوئے دو بدمعاشوں پر گرا۔ وہ تینوں اپنا توازن سنبھال نہ سکے اور زمین پر گر پڑے۔ وہ ایک جھٹکے سے دروازہ بند کرتے ہوئے بولی "اگر اس اندھی کو پکڑ کر نہ لائے تو میں تمہاری آنکھیں نکلوا سکتی ہوں۔ تمہیں دی ہوئی رقم واپس لے سکتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی ایک سمت جانے لگی۔ کچے راستے پر چلتے چلتے پختہ سڑک پر آ گئی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں وہ سڑک دور تک ویران دکھائی دے رہی تھی۔ وہ آرام سے ڈرائیو کرتی ہوئی سوچنے لگی "عینی بڑی مقدر والی ہے۔ یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ اندھی لڑکی اس ویرانے میں تین چھٹے ہوئے بدمعاشوں کو اپنے پیچھے دوڑا رہی ہے اور ان کے ہاتھ نہیں آ رہی ہے۔"

وہ عینی کو مقدر والی کہہ رہی تھی۔ کوئی عینی سے پوچھتا تو خود کو انتہائی بدنصیب کہتی اور یہ سچ بھی ہوتا کیونکہ وہ رات تاریکی میں اور اس ویرانے میں تنہا بھٹک رہی تھی۔ اس کی بدنصیبی یہ تھی کہ آنکھوں سے تقریباً اندھی تھی۔ کچھ کچھ نظر آتا تھا مگر تاریکی میں تو جیسے سب کچھ اندھیرے میں ڈوب جاتا تھا۔

بعض حالات میں انسان بیک وقت خوش نصیب بھی ہے اور بدنصیب بھی...... اس وقت اس کی خوش نصیبی یہی تھی کہ تنہا بھٹکتے رہنے کے باوجود اب تک دشمنوں سے محفوظ تھی۔

دردانہ بیگم خوش نصیب تھی کہ اس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کو خرید کر دوسروں سے دشمنی کر سکتی تھی۔

خوش نصیبی یہ تھی کہ وہ عینی کے مرحوم باپ کی بیوہ رہ چکی [illegible]۔ اس حوالے سے اسے مرحوم کی وصیت کے مطابق بیس [illegible]وڑ روپے مل چکے تھے۔ یہ رقم ساری زندگی عیش و آرام [illegible]گزارنے کے لیے کافی تھی لیکن انسان کا مزاج...... بہتے [illegible]ی کی طرح ہے۔ وہ کسی ایک جگہ نہیں ٹھہرتا۔ بہتے بہتے [illegible]ہشات کے سمندر میں جا گرتا ہے۔

اور یہی بات دردانہ بیگم کے ساتھ تھی۔ بیس کروڑ کافی [illegible]ں تھے۔ وہ عینی کی تمام دولت حاصل کر لینا چاہتی تھی اور [illegible]کا نہایت ہی آسان طریقہ یہ تھا کہ عینی کی شادی اس کے [illegible]ن بیٹے جواد سے ہو جاتی۔

دردانہ بیگم جب اٹھارہ برس کی الہڑ دوشیزہ تھی۔ اس [illegible] سیٹھ ہاشمی سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ وہ شروع سے ہی [illegible]ندار مستقبل بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ دولت حاصل [illegible]نے کے خواب دیکھتی رہی تھی اور اس کے خوابوں کی تعبیر [illegible]ہ ہاشمی تھا۔ بہت ہی معروف جیولر تھا۔ دولت اتنی تھی کہ وہ [illegible]ں ہاتھوں سے لٹاتی رہتی تب بھی ختم نہ ہوتی۔

ایسے میں سیٹھ ہاشمی کی زندگی کا اختتام ہو گیا۔ اس کی تمام [illegible]ت اور جائیداد دردانہ بیگم کے حصے میں آ گئی۔ سیٹھ ہاشمی [illegible] اس کا ایک بیٹا جواد تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ساری [illegible]ی عیش و آرام سے گزار سکتی تھی لیکن وہ پارے کی طرح [illegible] والی عورت تھی۔ ایک جگہ ٹھہر نہیں سکتی تھی۔

پھر اس کی زندگی میں فلک سکندر حیات آ گیا۔ وہ ایک [illegible]ب پتی تاجر تھا۔ بھلا وہ ایسے تاجر کو کبھی چھوڑ سکتی تھی؟ اس [illegible] اس کے ساتھ نکاح پڑھوالیا۔

فلک سکندر حیات کی بیوی عینی کو جنم دینے کے بعد اللہ کو [illegible]ی ہو گئی تھی۔ سکندر حیات نے تقریباً آٹھ برس تک اس کی [illegible]ر شادی نہیں کی اور نہ ہی آئندہ کرنا چاہتا تھا لیکن دردانہ کی [illegible]دہ طرازی اور ناز و انداز ایسے تھے کہ سکندر حیات نے ہزار [illegible]نا سے عاشق ہو کر اس سے شادی کر لی۔

شادی کے بعد ایک عرصے تک دردانہ کا جادو اس پر چلتا [illegible] لیکن فلک سکندر حیات پکا بزنس مین تھا۔ بڑی عملی زندگی [illegible]ارنے والا تھا۔ رفتہ رفتہ سمجھ گیا کہ یہ عورت لالچی ہے۔ [illegible]کی تمام دولت و جائیداد پر اور کاروبار پر قبضہ جمانے کے [illegible]طریقے اختیار کر رہی ہے۔

جب عینی چودہ برس کی ہوئی تو دردانہ نے کہا "ہماری [illegible]ت کو پرائے گھر میں نہیں جانا چاہیے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے جواد سے عینی کی شادی ہو سکتی ہے۔"

فلک سکندر حیات نے کہا "اگر میری عینی کی شادی تمہارے جواد سے نہ ہو تب بھی میری دولت گھر سے باہر نہیں جائے گی۔ میرے بھائی کے دو بیٹے ہیں اور میری بہن فلک ناز کا ایک بیٹا ہے۔ ان کے علاوہ عینی کے کتنے ہی ماموں زاد اور خالہ زاد ہیں۔ سب ہی خاندان کے افراد ہیں۔ عینی کی شادی ہو گی تو خاندان کے انہی لڑکوں میں سے کسی سے ہو گی۔"

وہ بولی "میرے بیٹے میں ایسی کیا خامی ہے کہ آپ انکار کر رہے ہیں؟"

"صرف اس لیے کہ تمہارا بیٹا، تمہارے پہلے شوہر سے ہے اور اس کا خاندان ہم سے مختلف ہے۔ عینی کی شادی اس سے ہو گی تو میری دولت خاندان سے باہر چلی جائے گی۔ تم الٹی بات کر رہی ہو کہ جواد سے شادی ہونے کے بعد یہ دولت میرے خاندان میں رہے گی۔ تم مجھے کیسی الٹی پٹی پڑھا رہی ہو؟"

اس کے بعد دونوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ دردانہ بیگم بڑی نرمی اور محبت سے سمجھاتی رہی۔ عینی کو ایک ماں کا بھرپور پیار دیتی رہی اور اس طرح فلک سکندر حیات کو متاثر کرتی رہی کہ آئندہ بھی وہ اسے بہو بنا کر بھرپور محبتیں دیتی رہے گی۔

لیکن سکندر حیات جھانسے میں آنے والا نہیں تھا۔ اس نے وصیت لکھ دی۔ اس وصیت کے مطابق اس کی موت کے بعد اسے بیس کروڑ اور رہائش کے لیے ایک کوٹھی مل گئی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں مل سکا۔ باقی تمام کاروبار، دولت اور جائیداد عینی کے نام ہو گئی۔

فلک سکندر حیات سے بس ایک ہی غلطی ہوئی کہ اس نے دردانہ سے شادی کی اور اس طرح عینی کی زندگی میں ایک سوتیلی ماں آ گئی۔ اگرچہ اب اس سے تعلق نہیں رہا تھا۔ سکندر حیات کی موت کے بعد دردانہ بیگم اپنی کوٹھی میں چلی گئی تھی اور وہاں اپنے جوان بیٹے کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی لیکن سکون سے نہیں تھی۔ دماغ میں کھچڑی پکتی رہتی تھی کہ کس طرح عینی کو حاصل کیا جا سکتا ہے؟

ویسے ایک چالاکی اس کے کام آ رہی تھی، اس نے عینی کو بچپن ہی سے اتنی محبتیں دی تھیں کہ عینی بھی اسے بہت زیادہ چاہنے لگی تھی۔ اس کی بہت عزت کرتی تھی۔ کبھی اپنی سہیلی عروج کے ساتھ دردانہ کے گھر چلی جایا کرتی تھی اور دردانہ اس کے گھر آ جاتی تھی۔

فلک سکندر حیات کا بڑا بھائی فلک آفتاب حیات، اس کی بیگم اور اس کے تمام خاندان والے دردانہ کو پسند نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ ان کے گھر نہ آیا کرے لیکن عینی کی وجہ سے خاموش رہتے تھے۔ دبی زبان سے اسے سمجھانے کی کوششیں کرتے تھے کہ سوتیلی ماں ہر حال میں سوتیلی ہوتی ہے۔ اس پر نہ تو زیادہ بھروسا کرنا چاہیے، اور نہ ہی زیادہ میل میلاپ رکھنا چاہیے۔

عروج نے بھی یہی سمجھایا تھا کہ دردانہ بیگم آستین کا سانپ ہے۔ اپنی ممتا نچھاور کر رہی ہے لیکن کسی وقت کسی دن بھی اسے ڈس لے گی۔

عینی کسی کی بات مانے نہ مانے مگر عروج کی بات آنکھیں بند کر کے مان لیا کرتی تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دردانہ بیگم سے محبت کیا کرے گی لیکن اس پر اعتماد نہیں کرے گی۔

پہلے پہل دردانہ بیگم کو یقین تھا کہ عینی اس کی ممتا کے فریب میں آ کر اس کی بات مان لے گی اور جواد کو اپنا جیون ساتھی بنانے پر راضی ہو جائے گی۔

پھر پتا چلا کہ عینی اس سے محبت تو کرتی ہے اس کی تمام باتیں بھی مانتی رہتی ہے مگر وہ جواد کی طرف مائل نہیں ہے۔ ایک بار اس نے دبی زبان سے کہہ دیا تھا "ممی! میں ہمیشہ آپ کی بیٹی بن کر رہوں گی لیکن بہو نہیں بننا چاہوں گی۔"

بس یہیں سے دردانہ بیگم کا منصوبہ کمزور پڑ گیا تھا اور اب وہ سازش پر اتر آئی تھی۔ یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ عینی کی دولت و جائیداد اور تمام کاروبار سیدھے راستے سے حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ لہٰذا چور راستے اختیار کرنے ہوں گے اور اب وہ یہی کر رہی تھی۔

اب تک وہ میٹھی چھری بن کر سازشیں کر رہی تھی۔ عینی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہی تھی لیکن اب اس نے اسے نقصان پہنچانے والی سازش کی تھی۔ جس کے نتیجے میں وہ (عینی) رات کی تاریکی اور اس ویرانے میں بھٹک رہی تھی۔ ایک جگہ ٹھہر کر سوچ رہی تھی، کیا کرے؟ کہاں جائے؟

جہاں بھی جاتی تھی، راستہ لمبا ہوتا جاتا تھا اور منزل نہیں ملتی تھی۔ وہاں کوئی اس کا ہاتھ تھامنے والا اور اسے راستہ دکھانے والا نہیں تھا۔

وہ زیرِ لب آیۃ الکرسی پڑھنے لگی۔ جب بھی کوئی مصیبت آتی تھی تو وہ اسی طرح دل ہی دل میں زیرِ لب اس آیت کا ورد کرتی رہتی تھی۔

وہ دیر تک کھڑی رہی اور آیت کا ورد کرتی رہی پھر اس نے اللہ کا نام لے کر ایک طرف رخ کیا اور ادھر سنبھل سنبھل کر آگے بڑھنے لگی۔

وہ کچھ دور جانے کے بعد رک گئی۔ آگے یوں لگا جیسے چڑھائی ہو۔ اس نے جھک کر دونوں ہاتھوں سے ٹٹولا، گھاس اور مٹی محسوس ہوئی۔ وہ اونچائی کی طرف جا رہی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ آگے راستہ رکا ہوا ہے۔ اسے سمت بدل کر جانا ہوگا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ چڑھائی کتنی اونچی ہے؟ اور اس اونچائی پر پہنچ کر وہ گر بھی سکتی تھی۔ لہٰذا وہ سمت بدل کر جانا چاہتی تھی کہ رک گئی۔ اسے کسی گاڑی کی آواز آئی تھی پھر گاڑی بڑی تیزی کے ساتھ اس کے نزدیک سے گزرتی چلی گئی۔ تب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ سڑک کے کنارے پہنچ گئی ہے اور اس چڑھائی کے نیچے کھڑی ہے جو سڑک کے ساتھ ہے۔ یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ وہ اسی راستے پر پہنچ گئی ہے جہاں سے الگ ہونے کے بعد اب تک بھٹکتی رہی تھی۔

وہ اللہ کا نام لے کر دونوں ہاتھ ٹیک کر اس چڑھائی پر چڑھنے لگی۔ اوپر پہنچ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر دیکھا تو وہاں پختہ سڑک محسوس ہوئی۔ وہ کچھ دیر تک وہاں بیٹھی رہی۔ آسمان پر تارے بکھرے ہوئے تھے۔ ان کی مدھم روشنی میں آس پاس کسی حد تک دیکھا جا سکتا تھا۔

اس کی نظر کمزور تھی۔ اس لیے اسے دیکھنے میں دیر لگی۔ رفتہ رفتہ دھندلا سا دکھائی دینے لگا۔ وہ سڑک بھی چند قدم کے فاصلے تک نظر آنے لگی۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر ایک طرف سڑک کے کنارے چلنے لگی۔ امید تھی کہ پھر کوئی گاڑی گزرے گی تو وہ ہاتھ ہلا کر اور چیخ چیخ کر اس گاڑی کو روک لے گی اور اس طرح لفٹ حاصل کر سکے گی۔

عروج سکون سے بیٹھنے والی نہیں تھی۔ اس کا دل عینی کے لیے تڑپ رہا تھا۔ یہ خیال ستا رہا تھا کہ نہ جانے وہ تنہا اس ویرانے میں کہاں بھٹکتی ہوئی گئی ہے؟ یا پھر وہ لوگ اسے لے گئے ہیں۔ جنہوں نے ڈرائیور کو قتل کیا ہے؟

☆☆☆

عروج اپنے بنگلے میں پہنچی تو اس کے والد سید تراب شاہ بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ اس کی والدہ بیگم شاہ نے پوچھا "کیا ہوا بیٹی! عینی خیریت سے تو ہے؟"

ماں نے اس کی سہیلی کی خیریت پوچھی تو آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ وہ روتے ہوئے بولی "کچھ پتا نہیں چل رہا ہے وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ اتنا تو اندازہ ہو چکا ہے کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔"

بیگم شاہ نے کہا "خدا خیر کرے۔ اب تو ہم اس کی سلامتی اور خیر خیریت سے اس کی واپسی کی دعائیں ہی مانگ سکتے ہیں۔"

سید تراب علی شاہ نے کہا "اسے اغوا کرنے والے یہ جانتے ہوں گے کہ وہ انتہائی دولت مند ہے۔ لہٰذا وہ ضرور کوئی رابطہ کریں گے اور بڑی سے بڑی رقم کا مطالبہ کریں گے۔ لہٰذا فون کا انتظار کرنا ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔"

وہ تڑپ کر بولی "میں سکون سے نہیں بیٹھ سکتی۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ میری کیا حالت ہے؟ میں اندر سے بکھر گئی ہوں۔ خود کو سمیٹ نہیں پا رہی ہوں۔ میں پھر وہاں جاؤں گی اسے تلاش کروں گی۔"

"تم ابھی وہاں سے آ رہی ہو۔ کیا اسے آس پاس کے علاقوں میں تلاش نہیں کیا تھا؟"

"وہاں تاریکی تھی، ہمارے پاس ٹارچ نہیں تھی۔ میں نے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں دور تک دیکھا تھا۔ اسے آوازیں بھی دیتی رہی تھی مگر اس کا کچھ پتا نہ چل سکا۔ اب میں کچھ لوگوں کو ساتھ لے جاؤں گی۔ ٹارچ بھی ساتھ ہو گی تو اسے تلاش کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ وہاں تھوڑی بہت آبادی بھی ہے۔ ہم وہاں جائیں گے ہو سکتا ہے وہ کسی کے یہاں پناہ لے رہی ہو۔"

بیگم شاہ نے کہا "بیٹی! ابھی تو تم نے کہا ہے اسے اغوا کیا گیا ہے پھر وہ وہاں کسی بستی میں کیسے ملے گی؟"

"ممی! اغوا کی بات ہم اندازاً کہہ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے ایسا نہ ہوا ہو۔ وہ وہیں کہیں چھپی ہوئی ہو۔ میں وہاں ضرور جاؤں گی۔"

تراب علی شاہ نے اپنے بیٹے کو آواز دی "حشمت......! کہاں ہو؟ فوراً آؤ......"

ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا پھر بولا "جی حضور! کیا حکم ہے؟"

تراب علی نے اسے گھور کر دیکھا پھر پوچھا "کیا تمہارا نام حشمت ہے؟ کہاں ہے حشمت؟"

"میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں۔"

ملازم واپس جانے لگا۔ تراب علی نے کہا "ٹھہرو...... گھر میں دو ملازم اور ہیں۔ انہیں بھی بلاؤ اور ابھی عروج بی بی کے ساتھ عینی کو تلاش کرنے جاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ کچھ دیر بعد حشمت نے آ کر پوچھا "یس ڈیڈ! کیا بات ہے؟"

"بیٹے! عینی کسی پرابلم میں ہے۔ اسے اغوا کیا گیا ہے لیکن عروج کا خیال ہے کہ وہ جہاں سے گم ہوئی ہے۔ وہیں کے کسی علاقے میں مل سکتی ہے۔ یہ اسے تلاش کرنے جا رہی ہے تم اس کے ساتھ جاؤ۔"

حشمت ایک قد آور جوان تھا۔ اسے خوبصورت کہا جا سکتا تھا لیکن خوب سیرت نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ ایک خود غرض اور موقع شناس شخص تھا۔ عینی پر اس کی نیت تھی۔ اس نے کئی بار اس سے لفٹ لینے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا تھا۔

عینی نے عروج سے شکایت کی تھی۔ عروج نے پہلے تو اپنے بھائی کو سمجھایا۔ جب وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو پھر اس نے ماں باپ سے شکایت کی۔

باپ نے بیٹے کو سمجھایا "دونوں سہیلیوں میں بہت محبت ہے۔ اس محبت کو نفرت میں یا عداوت میں نہ بدلو۔"

حشمت نے کہا تھا "ڈیڈ! میں نفرت نہیں...... محبت پیدا کر رہا ہوں۔ میں تو ان کی محبت کو اور مستحکم کرنا چاہتا ہوں۔ عینی یہاں بہو بن کر آئے گی تو ساری زندگی عروج کے قریب رہ سکے گی۔ دونوں کے درمیان محبتیں مزید بڑھتی رہیں گی۔"

بیگم شاہ نے بیٹے کی حمایت کرتے ہوئے کہا "میرا بیٹا کتنی عقل کی بات کر رہا ہے؟ ان کی محبت میں اضافہ کرنے کا ایک ایسا راستہ دکھا رہا ہے جو جائز ہے اور ہماری پسند کے مطابق بھی ہے۔ میں بھی عینی کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں۔"

عروج نے کہا "سوری ممی! آپ یہ بھول رہی ہیں کہ عینی اگر یہاں بہو بن کر آئے گی تو میں بھی کسی کی بہو بن کر یہاں سے چلی جاؤں گی اور عینی سے دور ہو جاؤں گی۔"

"وہ تو ہونا ہی ہے۔ ایک دن تمہیں بھی شادی کرنی ہے اور عینی کو بھی کہیں نہ کہیں شادی کرنی ہے۔ دونوں کو جدا ہونا ہے۔"

"ہم ایسی جگہ شادی کریں گے۔ جہاں دو بھائی ہوں یا دو دوست ہوں مگر ایک ساتھ رہتے ہوں۔ ہم دونوں سہیلیاں شادی کے بعد بھی ایک ہی چھت کے نیچے رہنا چاہتی ہیں۔"

"کیوں نادان بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو؟ ایسے بے تکے خواب کبھی پورے نہیں ہوتے۔ یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ جب پیا گھر جانے کا وقت آتا ہے تو لڑکیاں سہیلیاں تو کیا ماں باپ کو بھی بھول جاتی ہیں۔"

"سب لڑکیاں ایسی نہیں ہوتیں۔ ہم ایک بات جانتی ہیں کہ ہم نے جو سوچا ہے ہمیں وہی کرنا ہے اور ایک دن ہم ایسا کر دکھائیں گے۔"

گھر میں اکثر ایسی بحث ہوتی رہتی تھی۔ جب بھی عروج یا اس کے بھائی حشمت کی شادی کے سلسلے میں کوئی بات نکلتی

تھی تو عروج یہی دعویٰ کیا کرتی تھی۔

بیگم شاہ ناگواری سے کہتی تھی "جب سے تم اسپتال میں جاب کرنے لگی ہو، بہت بے لگام ہوگئی ہو۔ اپنی شادی کے بارے میں یوں خود ہی فیصلے کرنے لگی ہو۔"

وہ کہتی تھی "ہمارا جو بھی فیصلہ ہوگا، عزت و آبرو سے ہوگا۔ آپ لوگوں کے سر نہیں جھکیں گے۔"

بیگم شاہ کے دل میں یہ بات چھپی تھی کہ بیٹا عینی کو چاہتا ہے مگر عروج اس کے معاملے میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ وہ ایک بار عینی کے گھر جا کر اس کا رشتہ مانگنا چاہتی تھی لیکن عروج نے صاف انکار کر دیا تھا۔ "آپ وہاں جائیں گی تو اپنا سا منہ لے کر واپس آئیں گی۔ بہتر ہے وہاں نہ جائیں۔"

سید تراب علی شاہ نے بیٹی کی تائید کرتے ہوئے کہا "عروج درست کہہ رہی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہاں دولت کی جنگ چھڑی رہتی ہے۔ عینی کے کتنے ہی چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد اور پھوپی زاد وہاں موجود ہیں۔ سب ہی اسے حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ ایسے میں تم پرائے خاندان سے جاؤ گی تو تمہاری کوئی آؤ بھگت نہیں ہوگی۔ جب پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں کام کا نتیجہ توقع کے خلاف ہوگا تو پھر وہ کام نہیں کرنا چاہیے۔"

بیگم شاہ اپنے بیٹے کے لیے قسمت آزمانا چاہتی تھی لیکن تراب علی کی مدلل گفتگو نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے۔ وہ دل پر پتھر رکھ کر چپ ہوگئی لیکن بیٹے کی محرومی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ کسی طرح اس کے لیے آسمان سے تارے توڑ لائے؟

شاید وہ بیٹے کے لیے تارے توڑ لاتی لیکن عینی آسمان سے بھی اونچی ہوتی تھی۔

عروج نے ملازموں کو آواز دی "تم سب کہاں رہ گئے ہو؟ وہاں عینی پتا نہیں کس حال میں ہوگی؟ بھائی جان! آپ میرے ساتھ چلیں۔ آپ ٹارچ لے لیں۔ وہاں اندھیرا بہت ہے۔"

حشمت نے ناگواری سے کہا "میں کیوں تمہارے ساتھ جاؤں؟ کیوں اسے تلاش کروں؟ وہ میری کون ہوتی ہے؟"

"وہ آپ کی کوئی نہیں ہوتی مگر میں تو آپ کی بہن ہوں۔ میں رات کو اس ویرانے میں اس کو ڈھونڈنے جا رہی ہوں۔ کیا آپ بہن کو تنہا چھوڑ دیں گے؟"

ایسے ہی وقت تین ملازم ہاتھ میں لاٹھیاں اور ٹارچ لے کر وہاں پہنچ گئے۔ حشمت نے کہا "تم تنہا نہیں جاؤ گی۔ یہ سب تمہارے ساتھ ہوں گے لیکن مجھ سے ایسی کوئی توقع نہ رکھو۔ اس نے ایک بار مجھے نظر انداز کیا ہے۔ میں عمر بھر اس پر تھوکنا بھی نہیں چاہوں گا۔"

وہ اس کی بات سنتے ہی ایک دم سے بپھر گئی۔ اپنی سہیلی کی توہین برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ تلملا کر بولی "آپ اس پر کیا تھوکیں گے؟ اس کا اللہ اور مقدر اس کے ساتھ ہے وہی سب پر تھوک کر گزر جاتی ہے اور اس کے پیچھے تھوک چاٹنے والے رہ جاتے ہیں۔"

حشمت نے غصے سے آگے بڑھ کر ہاتھ اٹھایا۔ باپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "خبردار! جوان بہن پر ہاتھ اٹھاؤ گے تو میں تمہارے ہاتھ توڑ دوں گا۔ بوڑھا ہوں اگر ہاتھ نہ توڑ سکا تو تمہیں اس گھر سے باہر نکال دوں گا۔ تہذیب کے دائرے میں رہ کر گفتگو کرو۔"

بیگم شاہ نے کہا "کیا یہی تہذیب ہے کہ یہ بھائی کو ذلیل کر رہی ہے۔ عینی کے سامنے اسے کمتر بنا رہی ہے اور آپ اسے ڈانٹنے کے بجائے بیٹے کو تہذیب سکھا رہے ہیں۔"

تراب علی نے کہا "پہلے حشمت نے ذلت آمیز گفتگو کی ہے۔ انصاف کی باتیں کیا کرو۔ جاؤ بیٹی۔ ان ملازموں کو ساتھ لے جاؤ۔ میں عینی کے لیے دعائیں کرتا رہوں گا۔"

عروج نے ناگواری سے حشمت کو دیکھا پھر تینوں ملازموں کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

عینی بڑی دیر تک بھٹکتے رہنے کے بعد آخر اسی سڑک پر پہنچ گئی تھی اور اب کنارے کنارے چل رہی تھی۔ اسے کچھ فاصلے تک سڑک دکھائی دے رہی تھی۔ باقی چاروں طرف گھپ اندھیرا سا تھا۔ بینائی پوری طرح درست ہوتی تو وہ ستاروں کی روشنی میں بہت دور تک دیکھ سکتی تھی۔ آس پاس کے درخت بھی نظر آ سکتے تھے۔ مقدر نے اسے نیم اندھی بنا رکھا تھا۔

یہ الزام مجھ پر آ رہا تھا لیکن میں کیا کر سکتا تھا؟ اس کے ہاتھ کی لکیریں ہی یہ کہہ رہی تھیں کہ ابھی اسے ایک مدت تک ان تاریکیوں میں بھٹکنا ہے۔

رات کی تاریکی سے نکلے گی تو دن کے اجالے میں بھی اس کے لیے اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا۔

ویسے وہ بالکل ہی بدنصیب نہیں تھی۔ اس کی ہتھیلی پر مقدر کی لکیر کہتی تھی کہ وہ کانٹوں پر چلتے رہنے کے باوجود سلامت رہے گی۔ ناکامیوں سے گزرتے رہنے کے باوجود بھی کامیابیاں بھی حاصل کرتی رہے گی۔

اور ایسا تو ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں کسی کے

ساتھ اگر زیادتی کرتا ہوں، اسے مصائب میں مبتلا کرتا ہوں تو اسے مصائب سے نکالنے کے راستے بھی ہموار کرتا جاتا ہوں۔

دور بہت دور سے ایک کار کی ہیڈ لائٹس نظر آ رہی تھی۔ وہ کار اسی کی طرف چلی آ رہی تھی پھر وہ ایک جگہ رک گئی۔ اس کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی عینی تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ اگر پہنچتی تو عروج اسے دیکھ لیتی۔ اس نے وہاں اپنی کار روکی تھی۔ جہاں ڈرائیور کو قتل کیا گیا تھا اور عینی کو اغوا کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں۔

وہ اپنی کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے بولی "اسے یہیں تلاش کرنا ہے۔"

تینوں ملازم کار کی پچھلی سیٹ سے باہر آ گئے۔ ان سب کے ہاتھوں میں ٹارچ اور لاٹھیاں تھیں۔ عروج نے دو ملازموں سے کہا کہ وہ سڑک کے اس پار جائیں پھر وہ خود ایک ملازم کے ساتھ ڈھلان سے اتر کر دوسری جانب جانے لگی۔ وہاں کچھ قمقمے جلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بہت دور تھے مگر اب وہ ایک ملازم کے ساتھ وہاں تک جا سکتی تھی۔

عینی سڑک کے کنارے آہستہ آہستہ چلتی جا رہی تھی۔ اسے بہت دور کار کی ہیڈ لائٹس روشنی کی کے دھبوں کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

وہ سنبھل سنبھل کر جلدی جلدی قدم بڑھانے لگی۔ اس کار کے قریب پہنچنے لگی پھر اس نے آواز دی "یہاں کوئی ہے؟ میری مدد کریں۔ پلیز...... کوئی ہے تو مجھے آواز دیں۔"

وہ یہ کہتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور عروج اس کی آواز سے بہت دور اس بستی کی طرف جا رہی تھی۔ دوسری طرف دو ملازم بھی بہت دور نکل گئے تھے اور عینی کی آواز ان تک بھی نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی گاڑی کے قریب پہنچی تو اس کے نمبر پڑھتے ہی خوشی سے کھل گئی۔

وہ نمبر پڑھے بغیر عروج کی کار کو پہچان سکتی تھی لیکن ہیڈ لائٹس کے پیچھے اندھیرا تھا۔ اس لیے گاڑی پوری طرح دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ نمبر پڑھ کر وہ فوراً ہی آگے بڑھی۔ اسٹیئرنگ سیٹ کی کھڑکی میں آ کر اس نے اندر جھانکا۔ وہاں ننھا سا بلب روشن تھا۔ اس کی روشنی میں بھی اس کار کا اندرونی منظر سایہ سایہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

وہ پلٹ کر اندھیرے میں دور دور تک دیکھنے لگی۔ عروج کو پکارنے لگی "عروج...... عروج!...... تم کہاں ہو؟ میں یہاں آ گئی ہوں۔ تمہاری گاڑی کے قریب ہوں۔ فوراً چلی آؤ۔"

اب تو کوئی بات نہیں رہی تھی۔ بلا ٹل رہی تھی۔ وہ عروج کے ساتھ اپنے گھر پہنچنے والی تھی لیکن بلائیں اتنی آسانی سے کہاں ٹلتی ہیں؟ میں ابھی ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں ایسے تماشے نہیں دکھاؤں گا تو لوگ مجھے کب مانیں گے؟

یہ دنیا، دھوپ اور چھاؤں، نرمی اور گرمی، غم اور خوشی، کامیابی اور ناکامی کے تضاد سے نہیں گزرے گی تو پھر اسے دنیا کون کہے گا؟

وہ تینوں بدمعاش ایک طرف چلتے چلتے ٹھٹک گئے۔ انہیں عینی کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے کان لگا کر سنا پھر ایک نے ہاتھ کے اشارے سے کہا "وہ...... ادھر سے آواز آ رہی ہے۔ چلو......"

وہ تینوں دوڑتے ہوئے اس طرف جانے لگے۔ وہ بار بار عروج کو پکار رہی تھی اور پریشان ہو رہی تھی۔ جواب میں نہ عروج کی آواز سنائی دے رہی تھی اور نہ ہی کوئی اس کی مدد کے لیے آ رہا تھا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ عروج اپنی کار اس ویرانے میں چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھی؟

اور اگر گئی ہے تو کتنی دور گئی ہوگی کہ اس کی آواز بھی نہیں سن رہی ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ انسان جسے پکارے اسی تک اس کی آواز پہنچے۔ یہ تو میں زیادہ سمجھتا ہوں کہ آواز کو کہاں سے کہاں پہنچنا چاہیے؟

لہٰذا جہاں میں نے آواز پہنچائی۔ وہاں وہ تینوں سڑک کے کنارے پہنچ گئے پھر دور ایک کار کی روشن ہیڈ لائٹس کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ ان کی روشنی کے سامنے عینی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ دائیں بائیں آگے پیچھے گھوم گھوم کر عروج کو آوازیں دے رہی تھی۔

ایک نے کہا "معلوم ہوتا ہے۔ اس کی مدد کے لیے کچھ لوگ آ پہنچے ہیں۔"

دوسرے نے کہا "اگر آ پہنچے ہیں تو کہاں ہیں؟ وہ کیوں کسی کو آوازیں دے رہی ہے؟"

"معلوم ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اسے تلاش کرتے ہوئے دور چلے گئے ہیں اور یہ یہاں تنہا رہ گئی ہے۔"

"اور یہی موقع ہے۔ کسی کے یہاں آنے سے پہلے ہی اسے اٹھا کر لے جانا چاہیے۔"

وہ تینوں پھر ڈھلان میں اتر گئے اور کار کی سمت دوڑنے لگے۔ ڈھلان میں اترنے کا مقصد یہ تھا کہ عینی کی مدد کو آنے والے انہیں تاریکی میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ قریب پہنچ کر حالات کا جائزہ لینا چاہتے تھے کہ عینی وہاں تنہا کیوں ہے؟ اور اس کی مدد کرنے والے کہاں گئے ہوئے ہیں؟

وہ تینوں چھپتے چھپاتے کار کے قریب پہنچ گئے۔ وہ عینی سے تقریباً دس گز کے فاصلے پر تھے۔ جو شکار ہاتھ سے نکل گیا تھا وہ پھر ہاتھ آنے والا تھا۔ اس کے آس پاس کوئی اس کی مدد کرنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں ان تینوں کو منزل کے قریب لے آیا تھا۔ کامیابی یقینی تھی۔ وہ تینوں خوش تھے کہ مقدر ان کا ساتھ دے رہا ہے لیکن میری تو عجب عادتیں ہیں۔ میں ساتھ دیتے دیتے منہ پھیر لیا کرتا ہوں۔ عین کامیابی کے لمحات میں ناکام بنا دیا کرتا ہوں۔

کسی انسان کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ کامیابی کی دہلیز پر پہنچنے والے کو وہ ناکام بنا دے۔ یہ تو صرف میں ہی کر سکتا ہوں۔ کوئی سمجھ نہیں پاتا کہ ناکام ہونے والا عین موقع پر کس طرح کامیاب ہو جاتا ہے؟ اور کامیاب ہونے والا کس طرح ناکامی کا منہ دیکھتا ہے؟

وہ تینوں، چاروں ہاتھ پاؤں سے رینگتے ہوئے ڈھلان پر چڑھنے لگے۔ عینی، عروج کو پکارتے پکارتے ہلکان ہو گئی تھی مگر اسے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔

وہ تینوں رینگتے ہوئے کار کی پچھلی طرف سے سڑک پر آ گئے۔ اس طرف تاریکی تھی۔ عینی انہیں دیکھ نہیں سکتی تھی۔ اگر کوئی آس پاس ہوتا تو وہ بھی ان تینوں کو نہ دیکھ پاتا۔

وہ کار کے پیچھے پہنچ کر زمین پر گھٹنے ٹیک کر ارد گرد کا جائزہ لے رہے تھے۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے تو وہ تینوں دوڑتے ہوئے آگے کی طرف آنے لگے۔

قدموں کی آواز سنتے ہی عینی نے گھبرا کر پوچھا "کون ہے......؟ یہاں کون ہے؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی وہ ہیڈ لائٹس کے سامنے پہنچ گئے۔ ایک نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ دوسرے نے اسے کاندھے پر اٹھایا پھر وہ کار کے پیچھے تاریکی میں جانے لگے۔

ایسے ہی وقت میں ان کے سامنے آ گیا۔ میں نے ایک چٹکی بجائی۔ اچانک ہی دور سے پولیس موبائل کا سائرن سناٹے کو چیرنے لگا۔ وہ تینوں گھبرا گئے۔ وہ فوراً ڈھلان سے اتر کر تاریکی میں گم ہو جانا چاہتے تھے مگر اس سے پہلے ہی پولیس وین کی ہیڈ لائٹس اندھیرے کو چیرتی ہوئی ان کو روشن کرنے لگیں۔

وہ واردات کرنے والے پولیس کو اپنے پیچھے نہیں لگانا چاہتے تھے اور نہ عینی کا بوجھ اٹھا کر دوڑ سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے عینی کو سڑک پر ہی چھوڑ دیا اور خود ڈھلان سے اتر کر دوڑتے ہوئے تاریکی میں گم ہو گئے۔

پولیس وین عینی کے قریب آ کر رک گئی۔ ایک انسپکٹر اور دو سپاہی باہر آئے۔ انسپکٹر نے پوچھا "تم کون ہو اور تنہا یہاں کیا کر رہی ہو؟"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ انسپکٹر اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ "حسین بھی ہے، پر شباب بھی ہے اور شاید تنہا بھی ہے۔ یقیناً تنہا ہے...... اسی لیے کچھ بدمعاش اسے اٹھا کر لے جاتے ہوئے دکھائی دیئے تھے۔"

وہ آنے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ دو سپاہی اور انسپکٹر دھندلے دھندلے سے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پلکیں جھپکتے ہوئے بولی "چند دشمن میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ مجھے کافی دیر سے پریشان کر رہے ہیں۔ یہ میری سہیلی عروج کی گاڑی ہے۔ یہ یہاں مجھے ڈھونڈنے آئی ہے۔ پتا نہیں کہاں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ یقیناً واپس آئے گی۔"

انسپکٹر نے پھر اسے سر سے پاؤں تک للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا "تم کہتی ہو یہاں کافی دیر سے بھٹک رہی ہو اور دشمن تمہیں پریشان کر رہے ہیں۔ تمہاری سہیلی تمہیں تلاش کر رہی ہے۔ تو اب تک وہ واپس کیوں نہیں آئی؟"

وہ پریشان ہو کر بولی "یہی بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہے کہ وہ مجھے تلاش کرتے کرتے کہاں گم ہو گئی ہے؟"

"کیا تمہاری سہیلی کے پاس فون ہے؟"

"ہاں...... اس کے پاس موبائل فون ہے۔ میں اس کا نمبر بتا سکتی ہے۔ کیا آپ کے پاس فون ہے؟"

انسپکٹر نے اپنی جیب پر ہاتھ رکھا۔ اس کے پاس بھی موبائل فون تھا لیکن اس نے کہا "سوری! اس وقت تو فون نہیں ہے تم میرے ساتھ تھانے چلو۔ میں وہاں سے تمہاری سہیلی کو فون پر اطلاع دوں گا۔ کہ وہ پریشان نہ ہو اور تھانے آ کر تمہیں لے جائے۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے عروج کی گاڑی کو دیکھنے لگی پھر بولی "پلیز! آپ کچھ دیر انتظار کر لیں۔ وہ آتی ہی ہو گی۔"

"جب وہ کئی گھنٹوں سے نہیں آئی تو اب کیا آئے گی؟ اور وہ بدمعاش جو یہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔ وہ مسلح ہو کر واپس آ سکتے ہیں۔ میرے پاس ایک ہی ریوالور ہے۔ میں جوابی فائرنگ زیادہ دیر تک نہیں کر سکوں گا۔ ہم میں سے کسی کی بھی جان جا سکتی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر انسپکٹر کا منہ تک رہی تھی۔ اس نے پوچھا "کیا تم کوئی خطرہ مول لینا چاہو گی؟ مگر ہم تو ایسا نہیں چاہیں گے لہٰذا تم ہمارے ساتھ تھانے چلو...... یہ ہماری ڈیوٹی ہے کہ

ہم تمہیں یہاں تنہا نہ چھوڑیں۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اگلی سیٹ کی طرف لے آیا پھر دروازے کو کھول کر بولا "آرام سے یہاں بیٹھ جاؤ۔ اب تم بالکل محفوظ ہو۔ تمہاری سہیلی جلد ہی تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔"

وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ سپاہی پچھلی سیٹوں پر آ گئے اور انسپکٹر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا "تمہارے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے تم اس ویرانے میں تنہا آئی تھیں۔ دشمن تمہیں پریشان کر رہے تھے پھر کسی طرح تمہاری سہیلی کو معلوم ہوا تو وہ تمہیں تلاش کرنے یہاں آئی ہے۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی پھر تیزی سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔ عینی اسے بتانے لگی کہ وہ اپنی سہیلی عروج سے مل کر آ رہی تھی۔ راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ ایسے میں چند افراد نے اس کے ڈرائیور پر حملہ کیا۔ تو وہ اپنی جان بچا کر دوسری طرف بھاگ گئی پھر اس وقت سے مسلسل بھٹکتی رہی ہے۔

وہ بول رہی تھی اور انسپکٹر کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نظریں ونڈ اسکرین کے پار راستے کو بھی دیکھ رہی تھیں اور پہلو میں بیٹھے سلگتے حسن پر بھی بھٹک رہی تھیں۔

اس نے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا "فکر نہ کرو۔ اب تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ تم میری پناہ میں ہو اور میں تمہیں ایسی پناہ دوں گا کہ ساری زندگی مجھے یاد کرتی رہو گی۔"

یہ کہہ کر اس نے عینی کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ کر ایک طرف ہو گئی۔ سمٹ کر بیٹھ گئی۔ وہ دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ ہرنی اس طرح بدکتی ہے۔ شکاری سے دور بھاگتی ہے لیکن ہوس کے جنگل سے باہر نکل نہیں پاتی آخر شکاری کے ہاتھ لگ ہی جاتی ہے۔

☆☆☆

عروج نے ایک بستی میں پہنچ کر گھر گھر دروازے پر دستک دی اور عینی کے بارے میں پوچھا لیکن ہر جگہ مایوسی ہوئی۔ آخر وہ تھک ہار کر اپنی کار کے پاس واپس آ گئی۔

دو ملازم سڑک کے دوسری طرف دور تک اسے تلاش کرنے گئے تھے۔ وہ بھی ناکام واپس آ گئے تھے۔ وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر رونے لگی۔ زیر لب بڑبڑانے لگی۔ "عینی! تم کہاں ہو؟ کہاں کھو گئی ہو؟ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کہاں ہو تم......؟ چلی آؤ...... کہیں سے آواز دو...... میں دوڑی چلی آؤں گی۔"

اسے کیا معلوم تھا کہ عینی نے اسے کتنی آوازیں دی تھیں؟ اس کی کار کے پاس پہنچ کر اس کا انتظار کرتی رہی تھی۔ آخر میں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ وہ ملتے ملتے بھی جدا ہو گئی تھی۔

وہ تینوں ملازم پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئے۔ وہ کار اسٹارٹ کر کے، اسے ایک یوٹرن دے کر وہاں سے واپس جانے لگی۔ ایسے ہی وقت اس نے اچانک بریک لگائی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں کوئی چیز سڑک پر چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ فوراً ہی کار سے اتر کر تیزی سے چلتی ہوئی قریب آئی تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہ عینی کے کان کا ایک بُندہ تھا۔ اس بندے میں ہیرے کی کنی جڑی ہوئی تھی۔ جو دور ہی سے چمک رہی تھی۔

اس نے جھک کر اسے اٹھایا پھر اس نے دھڑکتے ہوئے سینے سے لگا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ملازموں سے کہنے لگی "وہ یہاں تھی...... یہاں آئی تھی پھر نہ جانے کہاں چلی گئی ہے؟ جاؤ...... آس پاس دیکھو...... اسے آوازیں دو۔ وہ یہیں کہیں ہو گی۔"

وہ تینوں تین سمتوں میں دوڑتے ہوئے جانے لگے۔ اسے آوازیں دینے لگے۔ عروج تیزی سے سوچ رہی تھی کہ عینی کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اسے یاد آیا۔ جب وہ پہلی بار یہاں آئی تھی اور فلک آفتاب بھی اپنے بیٹے اور بیوی کے ساتھ یہاں آیا تھا تو اس وقت کسی کی نظر عینی کے اس بندے پر نہیں پڑی تھی۔

پولیس والے بھی وہاں آئے تھے اور اس ڈرائیور کی لاش بھی اٹھا کر لے گئے تھے۔ انہوں نے بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت یہ بندہ نہیں گرا تھا۔

وہ کار کے پاس آ کر اس سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ موجودہ حالات کا جائزہ لینے لگی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ عینی یہاں دوبارہ آئی تھی۔ پہلی بار اس کا یہ بندہ اس کے کان میں تھا لیکن دوسری بار جب وہ یہاں آئی تو کسی وجہ سے یہ یہاں گر پڑا اور وہ بندہ گرا کر جانے والی نہ جانے کہاں چلی گئی تھی؟

عروج بے قراری سے سوچنے لگی "جب وہ یہاں آئی تھی، تو اس نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟ کیا اسے پہلی بار اغوا نہیں کیا گیا تھا؟ وہ یہاں میری کار کے پاس آ چکی تھی۔ تب شاید اسے اغوا کیا گیا ہے۔ ایسے وقت اس نے خود کو بچانے کی کوششیں کی ہوں گی۔ ایسی جدوجہد کے دوران یہ بُندہ گر گیا

ہوگا۔''

عروج ہر پہلو پر غور کر رہی تھی۔ یہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ اس بار یقینی طور پر عینی کو اغوا کیا گیا ہے۔ ایسے وقت یہ سوال پیدا ہو رہا تھا کہ اسے کس نے اغوا کیا ہوگا؟

جواب یہی تھا کہ یا تو پیشہ ور مجرم اسے اغوا کر کے تاوان وصول کرنا چاہتے تھے یا پھر اپنے ہی خاندان کے لالچی رشتہ داروں نے یہ حرکت کی ہے۔ ایسا کرنے والے اس سے جبراً شادی کر کے اس کے تمام کاروبار، دولت اور جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔

اس طرح کی کئی باتیں اس کے دماغ میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ جہاں تک اپنوں پر شبہ کرنے والی بات تھی تو عروج کا ذہن سیدھا دردانہ بیگم کی طرف جا رہا تھا۔

اس نے کئی بار عینی سے کہا تھا کہ وہ اپنی سوتیلی ماں پر بھروسا نہ کرے۔ وہ میٹھی چھری ہے۔ گلا کاٹے گی تو کسی کو خبر بھی نہیں ہو سکے گی۔ کوئی اسے الزام نہیں دے سکے گا۔

اور اب وہ اس طرح گلا کاٹ رہی تھی اور اسے اغوا کرا رہی تھی کہ کوئی واقعی اسے الزام نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اس کے برعکس سب ہی اس کی حمایت میں یہ کہنے پر مجبور ہوتے کہ وہ عینی کو ایک ماں کی بھرپور ممتا دیتی رہی ہے۔

عینی کا ایک ماموں تھا۔ سب اسے ہادی میاں کہتے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ہمیشہ ایک تسبیح رہا کرتی تھی اور اس کے دانوں پر اس کی انگلیاں چلتی رہتی تھیں۔ سر پر ٹوپی رکھے۔ وہ ہر وقت اللہ ہی اللہ کرتا رہتا تھا۔

ایسے لوگ جب تولتے نہیں صرف بولتے ہیں تو فوراً ہی پہچان لیے جاتے ہیں کہ ان کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ ہے۔

ہادی میاں عینی کا ماموں تھا۔ اس کے مرحوم باپ فلک سکندر حیات کا سالا تھا۔ سکندر حیات نے اسے کچھ عرصے تک اپنے کاروبار میں ساتھ رکھا تھا۔ وہاں کے چند انتظامی امور اس کے حوالے کیے تھے۔ ایسے وقت اس نے بڑی ہیرا پھیری کی تھی اور لاکھوں روپے اپنے بینک اکاؤنٹ میں پہنچا دیے تھے۔ تب سکندر حیات نے انہیں کاروبار سے الگ کر دیا تھا۔ رشتہ داری قائم تھی۔ گھر میں آنا جانا تھا لیکن کاروبار میں ہادی میاں کا عمل دخل ختم ہو چکا تھا۔

فلک سکندر حیات گاہے بگاہے اپنی بیٹی کو سمجھایا کرتا تھا کہ کون سا رشتہ دار کیسا ہے؟ کسی کو اس کی باتوں اور اس کے دوغلے عمل سے کس طرح پہچانا جا سکتا ہے؟ اور جب ایک بار پہچان لو تو پھر کبھی اس پر اعتماد نہ کرو۔

عروج اس ویرانے میں اپنی کار کے پاس کھڑی سوچ رہی تھی کہ اپنوں میں دردانہ بیگم اور ہادی میاں جیسے شر پسند اور سازشی ذہن رکھنے والے افراد ہیں ''کیا ان میں سے کسی نے عینی کو اغوا کرایا ہے؟''

اس نے موبائل فون نکال کر نمبر پنچ کیے پھر رابطہ ہونے پر کہا ''ہادی ماموں! میں عروج بول رہی ہوں۔''

دوسری طرف سے ہادی میاں نے کہا ''ہاں بیٹی! بولو...... بڑے دنوں بعد یاد کیا ہے؟ خیریت تو ہے؟''

''خیریت ہوتی تو آپ کو یاد نہ کرتی۔''

''کیا مطلب......؟''

''عینی کہیں گم ہو گئی ہے اور یہ یقین کیا جا رہا ہے اسے کسی نے اغوا کیا ہے۔ اگر وہ آپ کے پاس ہے تو بتا دیں......؟''

وہ ایک دم سے بھڑک کر بولا ''کیا......؟ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں نے اسے اغوا کیا ہے؟ تم اتنی بڑی بات میرے منہ پر کیسے کہہ رہی ہو؟''

''آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا ہے، کیا وہ آپ کے پاس ہے؟ ہو سکتا ہے، ہمارا اندیشہ غلط ہو۔ اسے اغوا نہ کیا گیا ہو...... وہ آپ سے ملنے آئی ہو؟''

وہ ذرا شانت ہو کر بولا ''اچھا اچھا...... تو یوں کہو ناں...... مگر وہ میرے پاس تو نہیں آئی۔ میں تو بس یوں سمجھو کہ روزہ کھولنے کے بعد سے عبادت میں مصروف ہوں۔ ایسے میں تمہارا فون آیا۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ عینی کہاں ہے؟ ویسے تم نے میری نیند اڑا دی ہے۔ اب میں اسے تلاش کرنے کے لیے پورے شہر میں گھومتا رہوں گا۔ تم تو جانتی ہو۔ وہ میری مرحوم بہن کی اکلوتی نشانی ہے۔ میں اسے دیکھ دیکھ کر جیتا ہوں۔ تمام عمر اپنے کلیجے سے لگا کر رکھنے کے لیے اسے اپنی بہو بنا کر لانا چاہتا ہوں۔ میرا بیٹا صداقت علی اسے دل و جان سے چاہتا ہے۔''

عروج ایک ہاتھ سے سر تھامے اور دوسرے ہاتھ میں فون تھامے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ فون کر کے بری طرح پچھتا رہی تھی۔ اس کی نن اسٹاپ گفتگو سے سر دکھنے لگا تھا۔ وہ بولا

''تم تو جانتی ہو۔ عینی کی ماں کے رشتے سے ہم سب سگے ہیں......''

عروج نے خاموشی سے موبائل فون کان سے ہٹایا اور اس کا ایک بٹن دبا کر اسے آف کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب ہادی میاں عینی سے بھرپور محبت جتانے کے لیے بولتے چلے جائیں گے۔ وہ اپنی باتوں سے یہ ثابت کرنا چاہیں گے کہ عینی

کو اس دنیا میں ان سے زیادہ اور کوئی نہیں چاہتا ہے۔

تمام رشتہ داروں کا یہی حال تھا۔ وہ سب بھی عینی سے محبت کرنے اور اس کا اعتماد حاصل کرنے کے سلسلے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔

اس نے موبائل پر دردانہ بیگم کے نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگایا۔ رابطہ ہونے پر کہا ''ہیلو...... ممی! میں عروج بول رہی ہوں۔''

وہ بڑے ہی ممتا بھرے لہجے میں بولی ''ہاں بیٹی! بولو...... سب خیریت تو ہے؟''

''نہیں ممی! خیریت نہیں ہے۔ عینی کہیں گم ہو گئی ہے اور یہ یقین سے کہا جا رہا ہے کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔''

دردانہ جیسے ایک دم سے چونک گئی تھی۔ اس نے پوچھا ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اسے کون اغوا کر سکتا ہے؟ ایسا کب ہوا اور کہاں ہوا؟ مجھے فوراً بتاؤ۔''

عروج اسے تفصیل سے بتانے لگی۔ دردانہ بیگم نے تمام باتیں سن کر پوچھا ''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''میں اسی جگہ ہوں جہاں سے عینی غائب ہوئی ہے۔ میں نے اسے دور اور نزدیک کی کئی بستیوں میں تلاش کیا ہے مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی ہے۔''

''اور بیٹی! اس کے رشتے دار کیا کر رہے ہیں؟ فلک آفتاب اس کے تایا ابو ہیں۔ کیا وہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں؟''

اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا تو عروج نے کہا ''وہ آنٹی اور بابر کے ساتھ آئے تھے۔ پولیس والوں کے ساتھ باتیں کرتے رہے تھے پھر ان کے ساتھ ہی چلے گئے تھے۔''

''وہ چلے گئے اور تم اب تک اسی ویرانے میں ہو؟ واقعی تم دیوانگی کی حد سے زیادہ میری بیٹی کو چاہتی ہو۔''

''ممی! ایسی چاہت اور دیوانگی کا کیا فائدہ کہ میری عینی مجھے واپس نہ مل سکے۔''

''حوصلہ رکھو...... اگر کسی نے اسے اغوا کیا ہے تو وہ یقیناً تاوان کے طور پر بڑی سے بڑی رقم مانگے گا۔ ہم وہ رقم اس کے منہ پر مار کر اپنی عینی کو لے آئیں گے۔ اب تو یہی ایک راستہ رہ گیا ہے کہ اس اغوا کرنے والے کے فون کا انتظار کریں۔ ورنہ تم ہی بتاؤ کہ اتنے بڑے شہر میں ہم اسے کہاں تلاش کرتے پھریں گے؟ اس کا کوئی تو سراغ ملنا چاہیے۔ تب ہی ہم کچھ کر سکیں گے۔''

''میں یہی سوچ کر تو پریشان ہوں کہ اسے ڈھونڈنے کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا ہے۔''

''تم تنہا پریشان ہوتی رہو گی۔ بہتر ہے، میرے پاس چلی آؤ۔ ہم اسے ڈھونڈ نکالنے کی کچھ تدبیریں کریں گے۔''

عروج نے کہا ''ابھی تو میں تایا ابو کے پاس جا رہی ہوں۔ وہاں اغوا کرنے والے کا فون آ سکتا ہے۔ عینی کے بارے میں کسی وقت بھی کوئی اطلاع مل سکتی ہے۔''

اس نے تھوڑی دیر تک فون پر باتیں کیں پھر اسے بند کر دیا۔ دو ملازم اسے تلاش کرنے کے بعد ناکام ہو کر واپس آ گئے تھے۔ وہ دلبرداشتہ ہو کر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ تینوں پچھلی سیٹ پر آ گئے۔

اس کا محبت کرنے والا دل اس ویران علاقے کی طرح عینی کے وجود سے خالی ہو گیا تھا۔

اس نے کار اسٹارٹ کی پھر وہاں سے چل پڑی۔

☆☆☆

عینی پولیس وین کی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ انسپکٹر ڈرائیونگ کے دوران اس سے باتیں کر رہا تھا۔ عینی نے پوچھا ''اور کتنی دور جانا ہے؟''

''بس اب ہم پہنچنے ہی والے ہیں۔ ویسے تمہیں دیکھنے سے یقین نہیں ہو رہا ہے کہ تمہاری نظر کمزور ہے۔''

''آپ کو کیوں یقین نہیں ہو رہا ہے؟''

وہ بولا ''تم نے جو روداد سنائی ہے اسے سن کر حیران ہوں۔ جب تمہیں صحیح طور پر دکھائی نہیں دیتا تو پھر تم تاریکی میں کس طرح بھٹکتی رہی ہو؟ تمہارے بدن پر کوئی خراش بھی نہیں ہے۔ اس کا مطلب تم ٹھوکریں بھی نہیں کھاتی رہی ہو۔''

وہ مسکرا کر بولی ''اچھی طرح دیکھ کر چلنے والے بھی ٹھوکریں کھا کر گر جاتے ہیں پھر سنبھلتے ہیں۔ میں بھی گرتی اور سنبھلتی رہی تھی۔''

''لیکن تاریکی میں تم آگے کیسے بڑھتی تھیں؟''

''خدا کے سہارے...... خدا کے بعد مقدر کے سہارے......''

وہ مسکرا کر بولا ''مقدر تو ٹھوکریں مارتا ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''ہاں...... مگر جب انسان مجبور ہو جاتا ہے تو مقدر پر ہی بھروسا کرتا ہے۔ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیتا ہے۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''میں مقدر کو نہیں مانتا۔''

''نہیں مانتے تو مجھے دیکھ کر مان لیں۔ کہ میں کس طرح تاریکی میں بھٹکتی ہوئی محفوظ مقام تک پہنچ گئی ہوں؟''

اس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر عینی کو دیکھا پھر کہا ''تم یہاں تک مقدر کے سہارے نہیں پہنچی ہو۔ تمہارا حوصلہ اور مستقل مزاجی تمہیں یہاں تک لائی ہے اور اب تم میرے رحم و

کرم پر ہو۔ اگر میں تمہیں گھر تک نہ پہنچاؤں۔ تمہیں پھر ادھر سے ادھر بھٹکا دوں تو کیا تمہارا مقدر تمہیں گھر تک پہنچا دے گا؟''

وہ اس کی باتیں سن کر ایک دم سے چونک گئی پریشان ہو کر بولی''آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ آپ مجھے گھر کیوں نہیں پہنچائیں گے؟ ایک پولیس افسر ہونے کے ناطے شہریوں کی حفاظت کرنا آپ کا فرض ہے۔''

وہ بڑی خباثت سے مسکرایا پھر بولا''بے شک...... میں ایک سرکاری افسر ہوں اور اپنے فرائض کو بھی خوب جانتا ہوں مگر کچھ لوگ اس ہاتھ لیتے ہیں اس ہاتھ دیتے ہیں۔ خود منافع حاصل کرنے کے بعد دوسرے کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔''

''آپ کو میری ذات سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ میں بتا چکی ہوں کہ غریب نہیں ہوں۔ آپ کا جو بھی مطالبہ ہوگا۔ وہ میں پورا کردوں گی۔

وہ اسے سر سے پاؤں تک للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا پھر گیئر بدلتے ہوئے بولا''ہاں......بس میں یہی چاہتا ہوں کہ جو میرا مطالبہ ہو وہ تم پورا کردو۔ اس کے بعد تمہاری چھٹی ہی چھٹی......''

اس نے گاڑی ایک مکان کے سامنے روک دی۔ عینی نے ونڈ اسکرین کے پار اور کھڑکی سے باہر دیکھا۔ نیم تاریکی میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک سپاہی آ کر سامنے کھڑا ہوا تو وہ بھی دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔

عینی نے پوچھا''کیا ہم تھانے پہنچ گئے ہیں؟''

''ہاں......پہنچ گئے ہیں۔''

اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا پھر سپاہیوں سے کہا''گاڑی لے جاؤ۔ میں فون پر تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے؟''

وہ اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے بولی''تھانے میں اندھیرا کیوں ہے؟''

''ادھر ایک کمرے میں بلب جل رہا ہے۔ باہر سے ہلکی سی روشنی دکھائی دے رہی ہے مگر تم دیکھ نہیں پا رہی ہو۔''

وہ اس کے ساتھ برآمدے کا زینہ چڑھتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ انسپکٹر نے دروازہ کھول کر کہا''اندر آ جاؤ۔''

عینی نے پوچھا''کیا اندر روشنی نہیں ہو سکتی؟''

''تم اندر آؤ تو سہی پھر میں لائٹ آن کرتا ہوں۔''

وہ اندر آ گئی۔ اس نے دروازے کو بند کر کے سوئچ آن کیا تو اسے روشنی میں کچھ کچھ دکھائی دینے لگا۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفے وغیرہ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پلٹ کر بولی''یہ تو رہائشی مکان ہے؟''

''ہاں......یہ میرا گھر ہے۔ میں یہاں رہتا ہوں۔''

عینی نے پوچھا''مگر آپ نے تو کہا تھا کہ یہ تھانہ ہے؟''

وہ ہنسنے لگا پھر بولا''اگر میں ایسا نہ کہتا تو تم یہاں تک کبھی نہ آتیں۔''

وہ پیچھے ہٹ کر پریشانی سے بولی''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کیا آپ مجھے دھوکے سے یہاں لائے ہیں؟''

وہ بولا''تعجب ہے......میری بات اب تک تمہاری سمجھ میں نہیں آئی؟''

وہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا اور دروازے کے پاس ہی کھڑا تھا۔ وہ بولی ''سامنے سے ہٹ جاؤ۔ مجھے جانے دو۔''

''کیسے جاؤ گی؟'' دروازے کی چٹخنی چڑھی ہوئی ہے۔ اسے میں ہی کھول سکتا ہوں اور میں ہی تمہیں باہر لے جا سکتا ہوں۔''

''تو پھر دروازہ کھولو اور مجھے باہر لے جاؤ۔''

''تم نے کہا تھا، میرا ہر مطالبہ پورا کرو گی۔''

وہ بولی''میں نے ہر مطالبے کی بات نہیں کی تھی۔''

وہ ایک ذرا لاپرواہی سے بولا''کوئی بات نہیں......اب بات کرو۔''

''تم جتنی رقم مانگو گے میں دوں گی۔ دس ہزار، پچیس ہزار، پچاس ہزار، ایک لاکھ......''

وہ ہنسنے لگا پھر بولا''میں جانتا ہوں، پچاس لاکھ بھی مانگوں گا تو تم دو گی لیکن میں جلد باز نہیں ہوں۔ پہلے اصل خزانہ وصول کروں گا پھر اس کے بعد سود وصول کرتا رہوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔ عینی بچاؤ کے لیے صوفے کے پیچھے آ گئی پھر بولی''کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ جب میں یہاں سے واپس جاؤں گی تو تمہارے خلاف کوئی کارروائی کروں گی؟''

وہ پھر ہنسنے لگا۔ بڑی بے رحمی سے بولا''واپس جاؤ گی تو کوئی کارروائی کرو گی نا......''

وہ دہشت کے مارے لرز گئی۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ وہ عزت سے بھی جائے گی اور جان سے بھی جائے گی۔ وہ اس کی عزت سے کھیلنے کے بعد اسے جان سے مار دے گا۔ ایسے میں اسے اس درندے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ وہ چیختی رہے گی، چلاتی رہے گی لیکن اس مکان کی چار دیواری سے باہر

نہیں جا سکے گی اور نہ ہی وہ اسے جانے دے گا۔

وہ فرار کا دوسرا راستہ ڈھونڈنے کے لیے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ وہ دور تک نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کچھ فاصلے کے بعد ہی ہر چیز دھندلی سی ہو جاتی تھی۔ صاف طور پر دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ایسی حالت میں دو ہی باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔ یا تو غیبی امداد حاصل ہوگی یا پھر اسے چیخنا چلانا چاہیے۔ شاید آس پاس سے کوئی اس کی مدد کے لیے آ جائے۔

وہ اچانک ہی زور زور سے چیخنے لگی۔''بچاؤ...... بچاؤ......یہاں کوئی ہے۔ خدا کے لیے یہاں آؤ اور میری جان بچاؤ......''

وہ ایک دم سے چپ ہو گئی۔ ٹھائیں کی زوردار آواز سنائی دی تھی۔ گولی چلی تھی پھر اس نے دیکھا انسپکٹر کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ بولا''ادھر دیکھو......تم قریب سے تو دیکھ سکتی ہو......یہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟''

وہ سہم کر ریوالور کو دیکھنے لگی وہ بولا''میری پہلی گولی ضائع ہو گئی، دوسری نہیں ہوگی۔ وہ تمہارے سینے کے آر پار ہو جائے گی۔ کیوں حرام موت مرنا چاہتی ہو؟ میری بات مانتی ہو......تمہاری سلامتی اسی میں ہے۔ اس طرح تم زندہ واپس جا سکو گی۔''

وہ تھوک نگل کر بولی''کیا سچ کہہ رہے ہو؟ تم مجھے جانے دو گے؟ میں......میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گی۔''

وہ مسکرا کر بولا''یہ تو میں جانتا ہوں تم ضرور دو گی لیکن میری بات ماننے کے بعد......''

''میں ایسی کوئی بات نہیں مانوں گی جو میری شرم و حیا کے خلاف ہو۔''

''تمہاری شرم و حیا کو میں نہیں سمجھتا۔ میں صرف اپنی ہوس کو جانتا ہوں اور ہوس پوری کرنا چاہتا ہوں۔ یقین کرو، اس کے بعد میں تم پر کوئی ظلم نہیں کروں گا۔ تمہیں بڑے آرام سے یہاں رکھوں گا اور تمہارے گھر والوں سے تاوان کے طور پر کم از کم پچاس لاکھ روپے حاصل کروں گا پھر تمہیں ان کے حوالے کر دوں گا۔''

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی''تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ دھوکا دے رہے ہو۔ انسپکٹر ہوتے ہوئے مجرمانہ باتیں کر رہے ہو۔''

وہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگا پھر بولا''ایک بات کہوں؟ میں کوئی انسپکٹر نہیں ہوں اور نہ ہی تم کسی پولیس وین میں بیٹھ کر آئی ہو۔''

وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا''میں ایک اسمگلر ہوں۔ اکثر اس ویران راستے سے گزرتا ہوں۔ میری گاڑی میں پولیس موبائل کا سائرن لگا ہوا ہے۔ آڑے وقت میں وہ میرا بچاؤ کرتا ہے۔ اس وقت بھی جب میں نے دور سے دیکھا کہ ویرانے میں گاڑی کھڑی ہوئی ہے اور ایک لڑکی چند بدمعاشوں کے ساتھ ہے۔ تو میں نے سوچا، پتا نہیں کیا معاملہ ہے؟ تب میں نے فوراً ہی پولیس موبائل کا سائرن آن کر دیا۔ اس آواز کو سنتے ہی وہ بدمعاش بھاگ گئے اور تم اکیلی رہ گئیں۔ تب سے میں خود کو پولیس والا ثابت کر کے تمہیں بے وقوف بنا رہا ہوں۔ تمہارا اندھا پن میرے کام آ رہا ہے۔''

اس کی باتیں سن کر عینی کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بڑی خباثت سے مسکرایا پھر ایک ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے چمکارتے ہوئے بولا''آ جاؤ میری جان! آ جاؤ...... پریشان مت ہو۔ میں قانون سے دن رات اسی طرح کھیلتا رہتا ہوں۔ کبھی کبھی تمہارے جیسے حسن و شباب کا چٹخارہ بھی لے لیا کرتا ہوں۔ آؤ......میرے پاس آ جاؤ۔''

وہ پیچھے ہٹ گئی۔ دیوار سے جا کر لگ گئی پھر ایک طرف کھسکتی ہوئی جانے لگی۔ ایسے ہی وقت ایک گلدان سے ٹکرا گئی۔ وہ ایک زوردار آواز کے ساتھ گرتے ہی کرچی کرچی ہو گیا۔ وہ مزید سہم گئی۔

وہ بولا''نو پرابلم...... جہاں جانا چاہتی ہو...... جاؤ جس سے ٹکرانا چاہتی ہو......ٹکراؤ......آخر میں تو تمہیں مجھ سے ہی ٹکرانا ہے۔ یہ پورا گھر تمہارا ہے۔ تم ہر جگہ جا سکتی ہو لیکن شور مچاؤ گی تو گولی مار دوں گا۔''

عینی مارے دہشت کے جیسے بولنا ہی بھول گئی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے......کیا نہ کرے؟ وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔

وہ بولا''دیکھو! کیسے عجیب حالات ہوتے ہیں؟ تم کئی گھنٹوں تک تاریکی میں بھٹکتی رہیں، کسی نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔ یہاں روشنی میں تم سنبھل سکتی ہو، فرار کا راستہ نکال سکتی ہو مگر نہیں نکال سکتیں۔''

یہ کہہ کر اس نے اچانک ہی چھلانگ لگائی اور اسے دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔ وہ کسمسانے لگی۔ چیخنا چاہتی تھی مگر ریوالور پر نظر پڑتے ہی بے بس ہو گئی۔ وہ احمقانہ انداز میں بولا''جو راضی نہیں ہوتی اس پر جھپٹنے کا مزہ آتا ہے۔ میں شکاری ہوں۔ شکار بار بار ہاتھ سے نکلتا رہے تو بار بار لپک کر اسے دبوچنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے عینی کو چھوڑ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گئی پھر

سنبھل کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا کر بولا ''اب میں پھر آؤں گا۔ تم بچنے کی کوشش کرو۔ دیکھو...... یہ کھیل کتنا اچھا لگ رہا ہے نا......؟''

جب کوئی راستہ بجھائی نہ دیتا تو وہ آیۃ الکرسی کا ورد شروع کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی وہ زیر لب اس آیت کو پڑھنے لگی۔

وہ طنزیہ انداز میں قہقہہ لگا کر بولا ''اچھا...... تو اللہ میاں کو بلا رہی ہو؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب عورت پر مصیبت آتی ہے تو ایسے وقت خدا بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اگر وہ ساتھ دیتا تو پھر عورتوں پر مصیبتیں ہی کیوں آتیں؟''

اس نے پھر چھلانگ لگا کر اس کو دبوچنا چاہا مگر اس بار وہ ہاتھ نہ آئی۔ بچ کر نکل گئی۔ وہ بڑی ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا ''ہاں...... کبھی کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے۔ شکار ریت کی طرح ہاتھ سے نکل جاتا ہے مگر ہاتھ ضرور آتا ہے۔ چلو...... پھر بچنے کی کوشش کرو۔''

وہ اندر سے بالکل ٹوٹ گئی تھی۔ اسے کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے کہا ''یا اللہ! بس تیرا ہی آسرا ہے۔ میں اس ویرانے کی تاریکی میں تنہا بھٹکتی رہی، میرا مقدر ساتھ دیتا رہا اور میں عزت آبرو سے یہاں تک پہنچ گئی۔ میرے مالک! اسی طرح اب عزت و آبرو سے مجھے گھر تک بھی پہنچا دے۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''ایسے وقت مقدر بھی ساتھ نہیں دیتا۔ صرف تدبیر آزمائی جاتی ہے اور یہاں تو تدبیر آزمانے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے پھر بھلا مقدر تمہارا کیا ساتھ دے گا؟''

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں عینی کے سامنے ڈھال بن کر پہنچ گیا۔ میں نے ایک چٹکی بجائی۔ دوسرے ہی لمحے میں بجلی چلی گئی۔ گھپ اندھیرا چھا گیا۔

ایسے وقت انسان کی عقل کام نہیں آتی۔ مقدر کام آتا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے بچاؤ کے لیے بجلی جا سکتی ہے۔ تاریکی ہو سکتی ہے اور اس تاریکی سے وہ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

کوئی اپنا پرایا اس کی مدد کو نہ آتا۔ اس کے باوجود مقدر اسے بچا لیتا اور میں اسے بچا رہا تھا۔ ایسی مصیبت کی گھڑی میں جبکہ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہاں نہ کسی ہیرو کی ضرورت پیش آئی اور نہ کسی سیکورٹی گارڈ کی۔

ایسے وقت ایسے قدرتی حالات پیش آ جاتے ہیں جن کی پہلے سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنے ہی مکان کے اندر۔ اپنے ہی دیکھے بھالے کمرے کے اندر وہ ٹھوکریں بھی کھا سکتا ہے۔

اندھیرا ہونے سے پہلے عینی جہاں تھی وہ اسی طرف بڑھ چاہتا تھا مگر سینٹر ٹیبل سے ٹکرا کر اوندھے منہ گر پڑا۔ ایسے م اس کا سر صوفے کی ہتھی سے ٹکرا گیا۔ تو آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔

کیا وہ پہلے کبھی سوچ سکتا تھا کہ شہزور ہونے کے باوجو اس کا مقدر اسے کس طرح کمزور بنا دے گا؟''

اس کا سرا چکرا رہا تھا۔ وہ اوندھے منہ فرش پر پڑا کراہ ر تھا۔ چکراتے ہوئے دماغ میں صرف ایک ہی بات گونج رہ تھی کہ وہ ہاتھ سے نکل رہی ہے۔ دروازے کی طرف جا رہ ہے۔ چٹخنی نیچے گرا کر دروازہ کھول کر باہر جانے والی ہے اسے روکنا ہوگا...... اسے زخمی کرنا ہوگا۔''

ریوالور والا ہاتھ اس کے وجود کے نیچے دبا ہوا تھا اور ا وقت اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ تاریکی میں اٹھ کر کھڑا ہو ہے اور اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ اس نے فوراً ہی ٹر دبایا۔ ٹھائیں سے آواز کے ساتھ عینی کی چیخ بھی کمرے ؛ گونج اٹھی۔ دوسری طرف اس شکاری کے حلق سے ایک ک نکلی۔ وہ ریوالور اس کے نیچے دبا ہوا تھا۔ گولی چلی تو اس ران کے آر پار ہو گئی۔

شکار خود شکار ہو گیا تھا اور چڑیا پنجرے سے نکل چکی تھی۔

☆☆☆

دردانہ بیگم فون پر گرج رہی تھی، برس رہی تھی۔ ان تی بدمعاشوں کو گالیاں دے رہی تھیں۔ ''تم سب بڈ حرام ہو بڑی بڑی رقمیں ہضم کرنا جانتے ہو لیکن کام کرنا نہیں جا ایک نیم اندھی لڑکی کو اپنے قابو میں نہ کر سکے۔ اسے پولیس کے حوالے کر کے چلے آئے؟''

دوسری طرف سے اس بدمعاش نے کہا ''میڈم! بہت مجبور ہو گئے تھے۔ اسے لے جانے ہی والے تھے کہ عی موقع پر پولیس وین وہاں پہنچ گئی۔ اگر ہم اسے چھوڑ کر بھاگتے تو ہم پر فائرنگ شروع ہو جاتی اور وہ ہمیں چارو طرف سے گھیر کر گرفتار کر لیتے۔''

''اور تم گرفتاری کے ڈر سے فرار ہو گئے؟ کیا پولیس مقابلہ نہیں کر سکتے تھے؟''

''ہم بہت کچھ کر سکتے تھے لیکن ہم میں سے ایک مارے جاتے اور ایک بھی گرفتار ہو جاتا تو آپ جانتی ہیں پولیس کیسی تھرڈ ڈگری استعمال کرتی ہیں؟ اور فولاد کا لہجہ ر والے مجرموں سے بھی حقیقت اگلوا لیتے ہیں۔ ہم اس وق مجبور ہو جاتے۔ یہ حقیقت اگل دیتے کہ ہم آپ کے لیے کر رہے ہیں اور آپ ہی کی خاطر ہم نے عینی کے ڈرائیو

کیا ہے۔ ایسے حالات میں آپ قانون کی گرفت میں آ ''

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اسے غصہ تو بہت آ رہا تھا مگر اس ت کرنے والے کی یہ بات بھی درست تھی کہ اس نے بیگم کو قانون کی نظروں سے محفوظ کرنے کے لیے فرار کیا تھا۔ یہ بات خود اس نے تینوں کو سمجھائی تھی کہ عینی کو ر کے ایک خفیہ اڈے میں پہنچانے تک وہ پولیس والوں روں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہیں۔

عینی کے ڈرائیور نے پچیس ہزار روپے لے کر وفاداری ی اور دردانہ بیگم کے لیے کام کر رہا تھا لیکن دردانہ اس پر ا نہیں کر سکتی تھی۔ جو پچیس ہزار میں خود کو بیچ سکتا تھا۔ وہ ں ہزار میں فروخت ہو کر اس کے خلاف گواہی بھی دے تھا۔

لہٰذا اس نے ان تینوں غنڈوں کو سمجھا دیا تھا کہ ڈرائیور کو واپس نہ جانے دیں۔ ان تینوں نے اس کے حکم کی تعمیل ں۔ اس لیے وہ ان پر زیادہ غصہ نہیں دکھا سکتی تھی۔

وہ بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ پریشان ہو کر سوچنے لگی ''اچھی ں پلاننگ کرنے اور بھرپور رقم خرچ کرنے کے باوجود وہ ہیں آئی۔ مقدر نے اس کا ساتھ دیا۔ میرا ساتھ کیوں نہیں ''

میں سازش کرنے والے شر پسندوں کا بھی ساتھ دیتا ں ان کی ہاتھ کی لکیریں بھی مجھے مجبور کرتی ہیں کہ میں ان روں پر ان کے ساتھ چلتا رہوں۔ اس طرح وہ اپنے ل ارادوں میں کامیاب ہوتے رہتے ہیں لیکن میں سچائی ایمانداری پر بھی قائم رہتا ہوں۔ مجھے جیسے ہی موقع ملتا ہے ں ان شر پسندوں کو ان کے برے انجام تک ضرور پہنچاتا ہا۔

قدرت کا یہ اصول ہے کہ جو لوگ نیک نیت اور دیانتدار تے ہیں انہیں ان کی نیکی اور دیانتداری کا انعام دیر سے سہی رملتا ضرور ہے۔

عینی کانٹوں کے درمیان پھول کی طرح تھی۔ اپنی خوشبو ب پر لٹاتی رہتی تھی لیکن کانٹے تو کانٹے ہی ہوتے ہیں۔ میں نوں کے ہاتھوں کی لکیروں پر چل کر عینی کو مصیبتوں میں مبتلا تے دیکھتا رہتا تھا اور جب بھی موقع ملتا تھا میں اسے دلدل ے کھینچ لاتا تھا۔ یہ محض اس لیے کہ وہ نیک نیت تھی، دیانتدار ں، کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی تھی۔ وہ صرف محبت کرنا جانتی ں مگر بھری دنیا میں ایک عروج ہی تھی جسے وہ ٹوٹ کر چاہتی ں۔

میں ایسے لوگوں کا ساتھ دیتا ہوں جو محبت کرتے ہیں اور اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچنے دیتے۔ اگرچہ میں مسلسل ان کی حمایت نہیں کر سکتا، ان کے کام نہیں آ سکتا لیکن جیسے ہی موقع ملتا ہے میں ان کے کام ضرور آتا ہوں۔ انہیں مصائب سے ضرور نکالتا ہوں۔

دردانہ بیگم کے جوان بیٹے جواد ہاشمی نے آ کر کہا ''ممی! کیا ہوا! کیا وہ ہاتھ نہیں لگی؟''

وہ پریشان ہو کر بولی ''میں نے بڑی ٹھوس پلاننگ کی تھی مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ ناکامی کیسے ہو گئی؟ وہ اندھی تاریکیوں میں بھٹکنے کے باوجود اپنی منزل تک پہنچ رہی ہے۔''

اس نے حیرت سے پوچھا ''کیا......؟ وہ بخیریت اپنے گھر پہنچ گئی ہے؟''

''اب تک تو یہی معلوم ہوا ہے کہ پولیس والے اسے اپنی پناہ میں لے گئے ہیں۔ جب وہ قانون کے محافظوں کی پناہ میں پہنچ گئی ہے تو پھر گھر بھی پہنچ جائے گی۔''

''آپ معلوم تو کریں کہ وہ گھر آ چکی ہے یا نہیں؟ کم از کم آپ خوشی کا اظہار کر سکتی ہیں۔ مبارکباد دے سکتی ہیں۔ اسے جا کر گلے لگا سکتی ہیں۔ یہ دکھاوا تو بہت ضروری ہے۔''

وہ تائید میں سر ہلانے لگی پھر فون کی طرف جاتے ہوئے بولی ''ہاں...... دکھاوا ضروری ہے۔ اب تک میٹھی چھری بن کر کام نکالتی رہی ہوں۔ ذرا زہریلی چھری بنی تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ ویسے وہ ہے بڑی مقدر والی......''

وہ ریسیو کان سے لگا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ اس وقت عینی کی کوٹھی میں تمام افراد جاگ رہے تھے۔ سب عینی کے لیے ہی فکرمند تھے اور اس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

فلک آفتاب حیات اپنی بیگم کے ساتھ بیڈروم میں تھا۔ اس کی بیٹی نمرہ، چھوٹا بیٹا بابر اور بڑا بیٹا ذیشان اور اس کی بیوی سب ہی اپنے اپنے کمروں میں تھے۔

صرف فلک ناز اور اس کا بیٹا عدنان وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔

عدنان نے کہا ''اماں مما! میں فون اٹینڈ کروں؟''

فلک ناز نے کہا ''رہنے دو۔ تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے صرف عینی کو اٹینڈ کیا کرو۔ وہ لاپتہ ہو گئی ہے۔ سب اسے تلاش کرتے کرتے تھک ہار کر بیٹھ گئے ہیں مگر تمہیں نہیں بیٹھنا چاہیے۔''

فلک ناز نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا ''ہیلو......؟''

دوسری طرف سے دردانہ بیگم نے کہا ''ہیلو...... میں بول

رہی ہوں۔"

فلک ناز طنزیہ انداز میں بولی "اوہ...... دردانہ بھابی! یہاں کس کی یاد میں فون کیا ہے؟"

"تم میری آواز ہی سن کر جل بھن جاتی ہو۔ میں اپنی بیٹی عینی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ اس کے فون پر رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔"

"اوہو...... سوتیلی ماں کو سوتیلی بیٹی پر بڑا پیار آ رہا ہے؟"

دردانہ نے ناگواری سے کہا "تم تو ایسی ہی طنزیہ باتیں کرو گی۔ میں سوتیلی ضرور ہوں مگر جنم دینے والی ماں سے زیادہ اسے چاہتی ہوں۔"

پھر وہ بڑے ہی معنی خیز انداز میں بولی "جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ میری چاہت کیا رنگ لانے والی ہے؟"

فلک ناز نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر عدنان سے کہا "یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ عینی کو تلاش کرنے جاؤ۔"

عدنان نے بے بسی سے کہا "میں اسے کہاں تلاش کرنے جاؤں۔"

"ارے کہیں بھی جا کر گھومتے پھرتے رہو لیکن واپس آ کر سب کے سامنے یہی کہنا کہ تم صبح تک عینی کے لیے بھٹکتے رہے ہو۔"

وہ خوش ہو کر بولا "ہاں...... یہ ٹھیک ہے۔ میں اپنے ایک دوست کے گھر جا کر سو جاؤں گا۔ صبح اٹھ کر آؤں گا تو سب سے یہی کہوں گا کہ نہ جانے وہ کہاں گم ہو گئی ہے؟ میں ساری رات اسے تلاش کرتا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے...... مگر آنے سے پہلے مجھے فون کر لینا۔"

وہ تائید میں سر ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ فلک ناز نے ماؤتھ پیس پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا "ہاں بھابی جان! میں ذرا عدنان سے باتوں میں الجھ گئی تھی۔ آپ ابھی فرما رہی تھیں کہ آپ کی چاہت کچھ رنگ لانے والی ہے۔ اس کا مطلب کیا ہوا؟"

وہ مسکرا کر بولی "میں عینی کو بھرپور ممتا دے رہی ہوں، تم اسے پھوپی کا پیار دے رہی ہو اور ہمارے بھائی صاحب فلک آفتاب اسے بڑے ابو کا پیار دیتے رہتے ہیں۔ سب ہی اس پر اپنی اپنی چاہت کا رنگ چڑھا رہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کا رنگ پکا ہو گا؟"

"اس پر ہمارا رنگ چڑھے گا اور وہی پکا ہو گا۔ کیونکہ ہم اس کے ہیں۔ ہمارا اس سے خون کا سچا رشتہ ہے۔ تم سوتیلی ہو مگر سگی ماں بننے کا ڈھونگ رچاتی ہو۔ دودھ میں پانی ملا دو تو پھر دودھ دودھ نہیں رہتا۔ اگر آپ خود کو سگی ماں ثابت کرنا چاہتی ہیں تو اس کا ایک ہی راستہ ہے۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولی "اچھا...... تو تم اب مجھے راستہ دکھاؤ گی؟ ذرا سنوں تو۔ بھلا وہ کیا راستہ ہے؟ جس پر چل کر میں سب پر یہ ثابت کر سکتی ہوں کہ میرے پیار میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔"

فلک ناز نے کہا "عینی کا آپ کے ساتھ دودھ کا رشتہ نہیں ہے آپ نے اسے دودھ نہیں پلایا ہے پھر بھی آپ کا اس سے دودھ کا رشتہ ہو سکتا ہے۔"

"بھلا وہ کیسے؟ تم تو ناممکن کو ممکن بنانے والی بات کر رہی ہو۔ جب میں نے اسے دودھ نہیں پلایا تو پھر دودھ کا رشتہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"بس عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذرا سمجھداری سے کام لیں گی تو دنیا والوں پر یہ ثابت کر سکیں گی کہ عینی آپ کی دودھ پیتی بیٹی ہے۔"

وہ ذرا الجھ کر بولی "بھئی تم مجھے تجسس میں مبتلا کر رہی ہو۔ کھل کر بات کرو۔"

فلک ناز منہ بنا کر مسکرانے لگی پھر بولی "بہت ہی آسان سا طریقہ ہے۔ ایک کٹورے میں گائے کا دودھ لو۔ عینی اور اپنے بیٹے جواد کو آمنے سامنے بٹھاؤ۔ دونوں اس ایک کٹورے میں ایک دوسرے کا جھوٹا دودھ پئیں گے۔ تو جواد عینی کا دودھ شریک بھائی اور عینی جواد کی دودھ بہن بن جائے گی۔ اس طرح دونوں کے درمیان دودھ کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔"

وہ تڑخ کر بولی "تم بہت چالاک بننے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہی مشورہ اب میں تمہیں دیتی ہوں کہ اپنے بیٹے عدنان اور عینی کو ایک پیالے میں دودھ پلاؤ اور انہیں بھائی بہن بنا دو۔ کیا تم ایسا کرو گی؟"

"مجھے ایسا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جبکہ ہمارے درمیان خون کا سگا رشتہ ہے۔ یہ مشورہ آپ کے لیے ہے۔ کیونکہ آپ نہ تو گھر کی ہیں نہ گھاٹ کی...... نہ خون کی ہے، نہ دودھ کا...... میں جو کہہ رہی ہوں، آپ کے لیے مناسب ہے۔"

اس نے ذرا خاموش ہو کر جواب کا انتظار کیا تو پتہ چلا کہ دردانہ بیگم نے فون بند کر دیا ہے۔ دوسری طرف بیڈ روم میں فلک آفتاب ریسیور کان سے لگائے لیٹا ہوا تھا۔ اس نے اسے کریڈل پر رکھتے ہوئے بولا "دردانہ نے فون بند کر دیا ہے۔ یہ میری بہن فلک ناز بہت تیز طرار ہے۔ اس نے دردانہ کو سگی ماں بننے کا ایسا مشورہ دیا ہے کہ وہ کبھی اس مشورے

پر عمل نہیں کرے گی۔"

بیگم آفتاب نے کہا "دردانہ بیگم گھاٹے کا سودا کرنے والی عورت نہیں ہے۔ وہ کبھی ایک پیالے میں دودھ پلا کر اپنے بیٹے کو عینی کا بھائی نہیں بننے دے گی۔ وہ تو بڑے اونچے خواب دیکھ رہی ہے۔"

"خواب تو عینی کے ماموں ہادی میاں بھی دیکھ رہے ہیں۔ کم بخت...... بڑی اونچی چھلانگ لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

بیگم نے پوچھا "اونچی چھلانگ سے کیا مطلب؟ کیا کوئی بات معلوم ہوئی ہے؟"

"ہاں...... ہادی میاں آج کل عینی کے وکیل اخلاق احمد سے بڑی دوستی کر رہا ہے۔ پہلے تو اس کے آفس جایا کرتا تھا۔ اب اس کے گھر جانے لگا ہے۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ وہ کتنی گہری چال چل رہا ہے۔"

بیگم سوچتی ہوئی نظروں سے فلک آفتاب کو دیکھ رہی تھی پھر اس کی تائید میں سر ہلا کر بولی "ہاں...... سمجھ تو رہی ہوں۔ عینی اپنے وکیل اخلاق احمد کی ہر بات مانتی ہے۔ اسی کے مشوروں پر عمل کرتی ہے۔ ہادی میاں کی کوشش ہو گی کہ اخلاق عینی کو اس کے بیٹے کی طرف مائل کرے۔"

"ویسے اخلاق احمد بظاہر تو زندہ دل اور نرم دل ہے لیکن اندر سے بڑا سخت ہے۔ بڑا کائیاں ہے۔ ہم میں سے ایک ایک کے چہرے کو اور ہر ایک کے مزاج کو پڑھتا رہتا ہے۔ وہ ہادی میاں کے جھانسے میں نہیں آئے گا۔"

"آپ ذیشان کو بلا کر پوچھیں۔ وہ پولیس افسر ہو کر آخر کیا کر رہا ہے؟ اسے عینی کو تلاش کرنے کے لیے گھر سے جانا چاہیے۔ دوسروں کو معلوم تو ہونا چاہیے کہ ہم عینی کو کیسی ہی سے تلاش کر رہے ہیں؟"

وہ بولا "ذیشان ابھی ایک گھنٹا پہلے ہی یہاں آیا ہے۔ ہوا ہے، کہہ رہا تھا کہ عینی کی تصویریں تمام تھانوں میں پہنچا دی گئی ہیں اور پولیس والے اسے تلاش کر رہے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو وہ صبح سے پہلے ہی مل جائے گی۔"

"بات تو تب ہو گی، جب ذیشان اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر یہاں لائے اور دنیا دیکھے پھر تو سب ہی کہیں گے کہ عینی کو ہم نے تلاش کیا ہے۔ فلک ناز نے اپنے بیٹے عدنان کو باہر بھیجا ہوا ہے۔ نہ جانے وہ اسے تلاش بھی کر رہا ہے یا کہیں سیر و تفریح میں مگن ہے؟ کچھ بھی ہو مگر یہاں آ کر یہی دعویٰ کرے گا کہ وہ اسے تلاش کر رہا تھا پھر ہادی میاں بھی اپنے بیٹے کے ساتھ اسے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔"

فلک آفتاب نے بیزار ہو کر کہا "میرے سامنے دوسروں کا ذکر نہ کرو۔ میں یہ سن سن کر تنگ آ گیا ہوں کہ کون کون عینی کو کہاں کہاں تلاش کر رہا ہے؟ کس قدر چالیں چل رہا ہے؟ اور ہمیں اس کے مقابلے میں کیا کرنا چاہیے؟ ان باتوں سے مجھے بیزاری ہونے لگی ہے۔"

"آپ تو بس یونہی بیزار ہو جاتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہم نے عینی کے معاملے میں ذرا بھی ڈھیل دی تو دوسرے ہم پر سبقت لے جائیں گے۔"

"پھر وہی مرغی کی ایک ٹانگ...... اب اگر تم نے ایسی کوئی بات چھیڑی تو میں اٹھ کر چلا جاؤں گا۔"

وہ جھنجلا کر بولی "آپ کیا چاہتے ہیں، میں عینی کا ذکر نہ کروں۔ نہ جانے وہ کہاں گم ہو گئی ہے؟ کیا اسے نظر انداز کر کے سو جاؤں؟"

"تم سو جاؤ تو بہتر ہے۔ تمہارے جاگنے سے وہ واپس نہیں آ جائے گی۔"

بیگم آفتاب منہ پھلا کر بیڈ پر آئی پھر دوسری طرف منہ پھیر کر لیٹ گئی۔

ذیشان اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑا سر سے پاؤں تک اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ اسما نے پوچھا "کیا اتنی رات کو بن سنور کر جانا بہت ضروری ہے؟"

ذیشان نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر کہا "مرد سلیقے سے لباس پہن لے تو یہ بھی بیوی کو برا لگتا ہے۔ فوراً شبہ ہوتا ہے کہ پتا نہیں کہاں رات رنگین کرنے جا رہے ہیں؟"

"کیا شبہ نہیں کرنا چاہیے؟ ابھی تو آپ ڈیوٹی سے آئے ہیں...... وردی اتار کر یہ لباس پہن لیا ہے۔"

"ہماری ڈیوٹی ایسی ہے کہ ہم سارے لباس میں بھی اپنے فرائض انجام دیتے ہیں پھر یہ تو ہمارے اپنے ہی گھر کا معاملہ ہے۔ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں عینی کو تلاش نہ کروں؟ اسے دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں؟"

وہ بولی "اس کے لیے جو جدوجہد کرنی تھی وہ آپ کر چکے۔ اس کی تصویریں تمام تھانوں میں پہنچا چکے ہیں۔ کتنے ہی سپاہی اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ایسے میں آپ کا جانا ضروری تو نہیں ہے۔"

وہ لباس پر پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے بولا "بہت ضروری ہے۔ وہ میری کزن ہے۔ میرے چچا کی بیٹی ہے۔"

"آج کہیں جانے کے لیے عینی کا بہانہ مل گیا ہے۔ ورنہ آپ تو روز ہی رات کے دو تین بجے واپس آتے ہیں۔"

وہ اپنے کف درست کرتے ہوئے بولا "میں کسی

سرکاری دفتر میں کام نہیں کرتا ہوں۔ جو صبح جاؤں اور شام پانچ بجے واپس آ جاؤں۔ پولیس ڈیوٹی ایسی ہی ہوتی ہے۔ کوئی نہ کوئی واردات ہو جاتی ہے اور ہماری معروفیت بڑھ جاتی ہے۔"

پھر وہ اسا کے قریب آ کر اسے بازوؤں میں بھرتے ہوئے بولا "میں جانتا ہوں کہ تمہارے دل میں شک وشبہات کیوں جنم لیتے ہیں؟ تم یہی سوچتی ہو کہ میں اولاد کی خاطر دوسری شادی کرلوں گا۔"

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی "آپ کی ممی تو یہی چاہتی ہیں۔ ڈنکے کی چوٹ پر کہتی رہتی ہیں کہ جلد ہی دوسری بہو لے آئیں گے تو اس سے پوتی پوتے پیدا ہوں گے۔ اس گھر میں پھول کھلیں گے۔"

"ممی تو کہتی رہتی ہیں۔ میں ایک کان سے سنتا ہوں اور دوسرے کان سے نکال دیتا ہوں۔ یہ تو تم بھی دیکھتی ہو...کہ میں تمہارا دیوانہ ہوں۔ تمہیں کس قدر چاہتا ہوں؟ یہ اپنے دل میں جھانک کر اپنی دھڑکنوں سے پوچھو۔"

وہ اس بات پر فخر کرتی تھی کہ ذیشان اسے دل و جان سے چاہتا ہے۔ اس کا دیوانہ ہے پھر بھی نہ جانے دل کو کیوں دھڑکا سا لگا رہتا تھا...کہ کسی وقت بھی اس کا یہ محبوب شوہر بہک سکتا ہے۔ بھٹک سکتا ہے اسے بہکانے والی اس کی اپنی ماں تھی اور پھر باہر نہ جانے کیسی کیسی منہ زور حسینائیں ہوں گی؟ ایسے میں شوہر کو اپنے آنچل سے باندھ کر رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

وہ اس کے بازوؤں میں قید ہو گئی تھی۔ سر اٹھا کر کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ہی ذیشان نے چپ کی مہر لگا دی۔

☆☆☆

عینی دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کمرے کے اندر فائر ہوا تھا اور اس نے یہی سمجھا تھا کہ وہ شکاری اسے گولی مار رہا ہے لیکن وہ زندہ سلامت تھی۔ گولی اسے نہیں لگی تھی اور وہ دروازہ کھول کر باہر چلی آئی تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اندھیرے کے باعث کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ ٹٹولنے کے انداز میں پھیلائے پھر سنبھل سنبھل کر چلنے لگی۔ کمرے کے باہر برآمدہ تھا۔ اسے یاد آیا کہ یہاں تک پہنچنے کے لیے اس نے دو چار سیڑھیاں چڑھی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے آگے بڑھ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت ایک ستون سے ٹکرا گئی اس نے سنبھل کر ایک قدم آگے بڑھایا تو یوں لگا جیسے فرش آدھا فٹ ہے۔ وہ فوراً ہی سمجھ گئی کہ زینہ آ گیا ہے۔ وہ ناپ ناپ اٹھانے لگی اور سیڑھیاں اترنے لگی۔

آنگن میں پہنچ کر اس نے یاد کیا کہ وہ مین گ داخل ہو کر ناک کی سیدھ میں ہی چلے تھے اور کمرے تھے۔ وہ پھر سنبھل سنبھل کر چلنے لگی۔ آنگن عبور کر گیٹ سے باہر نکلتی چلی گئی۔

اس نے دیدے پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا۔ کہیں ک دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بعد دوسرا گھر اچھے خاصے فاصلے پر بنا ہوا ہے۔ فا آواز سن کر اب تک وہاں کوئی نہیں پہنچا تھا۔ اس ک شاید یہ ہو کہ وہ ایک اسمگلر کا گھر تھا اور ہو سکتا ہے ایسی وارداتیں ہوتی رہتی ہوں۔

اس بار پہلے جیسی تاریکی نہیں تھی۔ پہلے ستاروا روشنی تھی۔ اب چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی میں وہ ک دیکھ سکتی تھی۔ راستہ دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا تیزی سے قدم اٹھانے لگی۔ وہ بہت جلد اس شکاری دور ہو جانا چاہتی تھی۔

وہ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی مگر یہ نہیں جا اسے آگے گھر کا راستہ ملے گا یا نہیں؟ وہ دور دور مکانات میں کسی دروازے پر دستک نہیں دینا چاہتی یہ سمجھا رہی تھی کہ جو لوگ فائرنگ کی آواز سن کر نہیں ہیں وہ اس کی مدد بھی نہیں کریں گے۔ ایسا کرنے ممکن تھا کہ وہ کسی نئی مصیبت کا شکار ہو جاتی۔

وہ دل ہی دل میں خدا سے اپنی سلامتی کی دعا ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ کچھ دور جانے کے بعد رک ایک چھوٹے سے کیفے ٹیریا کے سامنے ایک گاڑی تھی۔ قریب جانے پر پتا چلا کہ وہ ایک ٹیکسی ہے۔

پتا نہیں کتنی رات گزر چکی تھی۔ کیفے کے باہر نوجوان کرسی پر بیٹھا چائے پی رہا تھا اور کیفے والا ا کر رہا تھا۔ اس جوان نے ٹیکسی کے پاس عینی کو حیرت سے سوچنے لگا کہ اتنی رات گئے ایک تنہا لڑ کر رہی ہے؟

وہ چائے کے پیسے دے کر اپنی جگہ سے اٹھا اور چلتا ہوا اس کے پاس آیا پھر بولا "یس میڈم! ہے؟"

وہ اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر رو

ن بولا "ارے ارے...... یہ کیا کر رہی ہو؟ بات کیا ہے۔ ں رو رہی ہو؟"

وہ روتے ہوئے بولی "میں شام سے بھٹک رہی ہوں۔ یہ انجانے دشمن مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ مجھے گھر تک پہنچنے نہیں دے رہے ہیں۔ کیا تم مجھ پر مہربانی کرو گے؟ یز...... مجھے میرے گھر تک پہنچا دو...... پلیز......"

اس نوجوان نے دور تک نظریں دوڑائیں پھر پوچھا کہاں ہیں تمہارے دشمن؟ یہاں تو دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا ہے؟"

وہ اپنے آنچل سے آنسوؤں کو پونچھتی ہوئے بولی "خدا شکر ہے، میرا پیچھا کرنے والے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں اور آگے نکل جاتی ہوں لیکن پھر کسی نئی مصیبت میں پھنس جاتی ں۔ میں تمہاری ٹیکسی میں بیٹھ کر جاؤں گی تو کیا تم بھی رے لیے مصیبت بن جاؤ گے؟"

وہ آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ تم اس وقت مصیبت میں ۔ یہاں کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا تمہیں مجھ بھروسا کرنا ہی ہو گا۔ ورنہ یہاں کب تک بھٹکتی رہو گی؟ لو...... بیٹھ جاؤ۔"

اس نے ایک نظر اس نوجوان پر ڈالی پھر اللہ کا نام لے کر یکسی میں بیٹھ گئی۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیئرنگ سیٹ بیٹھ گیا پھر ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھنے لگا۔

وہ اندیشوں میں گھری ہوئی تھی۔ دروازے سے لگی سمٹی کڑی بیٹھی ہوئی تھی۔ شام سے اب تک کی ٹھوکروں نے سمجھا یا تھا کہ اسے کسی پر بھروسا نہیں کرنا ہے۔ اگر وہ ٹیکسی ڈرائیور بھی اچانک دشمنی پر اتر آئے گا تو وہ دروازہ کھول کر باہر پھلانگ لگا دے گی۔

وہ کبھی کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی اور کبھی کن انکھیوں سے ڈرائیور کو دیکھ رہی تھی۔ باہر چاندنی سفید دھند کی طرح دکھائی دے رہی تھی اور اس دھند میں اسے قریب سے گزرتے ہوئے درخت سایہ سایہ سے دکھائی دے رہے تھے۔ اندر ٹیکسی کے ننھے سے بلب میں ڈرائیور بھی دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک ہاتھ اٹھا کر عقب نما آئینے کا زاویہ بدل رہا تھا۔

پھر ڈرائیور نے آئینے میں عینی کو دیکھ کر کہا "تم اس طرح سہمی ہوئی کیوں بیٹھی ہو؟ ذرا کھل کر آرام سے بیٹھو۔"

"نہیں...... میں یہاں ٹھیک ہوں۔"

"میں تمہاری حالت کو کسی حد تک سمجھ رہا ہوں۔ تم خوفزدہ ہو، مجھ پر بھروسا نہیں کر رہی ہو۔ کوئی بات نہیں۔ میں شہر کی طرف جا رہا ہوں، یہ بتاؤ تمہیں کہاں جانا ہے؟ وہاں پہنچ کر ہی تمہاری جان میں جان آئے گی۔"

اس نے کچھ سوچ کر کہا "مجھے جناح اسپتال پہنچا دو۔"

وہ جانتی تھی کہ عروج اس کی تلاش میں بھٹکتے رہنے بعد ناکام ہو کر اسپتال کے کوارٹر میں گئی ہو گی۔ وہ اکثر ڈیوٹی کرتی تھی وہ کوارٹر اس کے نام الاٹ کیا گیا تھا۔

عینی بھی کبھی وہاں آ کر اس سے ملاقات کیا کرتی وہ عروج کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتی تھی اور اسے یقی وہ اس وقت بھی اسپتال کے اسی کوارٹر میں ہو گی۔

ڈرائیور نے کہا "میں کبھی دن کے وقت اور کے وقت ٹیکسی چلاتا ہوں۔ میری گاڑی میں طرح لوگ آ کر بیٹھتے ہیں۔ میں طرح طرح کے تجربات۔ رہتا ہوں۔ آج پہلی بار تمہارے جیسی خوبصورت اور تنہا اس ویران علاقے میں دیکھ رہا ہوں۔ وہاں ایک مکان ایک اسمگلر بھی رہتا ہے۔"

عینی نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ صرف اس کی پشت اور سر کا پچھلا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سہم کر پوچھا "کیا تم اس اسمگلر کو جانتے ہو؟"

وہ مسکرا کر بولا "میں اس شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاشوں کو بھی جانتا ہوں اور ان شریف لوگوں کو بھی...... جو رات کی تاریکی میں چھپ کر گناہوں کی بستیوں میں جاتے ہیں۔ تم اپنی سناؤ۔ اس علاقے میں کیا کر رہی تھیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میرا بگڑا مقدر مجھے وہاں لے گیا تھا اور پھر اسی مقدر نے مجھے اس اسمگلر سے بچا کر یہاں تمہاری ٹیکسی تک پہنچا دیا۔"

ڈرائیور نے چونک کر پوچھا "تم اس اسمگلر کے ہتھے کیسے چڑھ گئیں؟"

وہ ایک اجنبی ڈرائیور کو تمام تفصیلات نہیں بتانا چاہتی تھی۔ وہ ناگواری سے بولی "تم کوئی پولیس افسر تو نہیں ہو۔ بے جا باتیں نہ کرو۔ خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے رہو۔"

"انسان خاموش رہے تو اس کے دماغ میں شیطان گھس جاتا ہے اور اسے بہکاتا رہتا ہے۔ بھڑکاتا رہتا ہے۔ تم خاموش رہو گی تو میں یہی سمجھوں گا کہ تم کوئی غلط لڑکی ہو۔ اس شہر میں تمہارے جیسی بہت سی لڑکیاں بھٹکتی رہتی ہیں۔"

وہ سخت لہجے میں بولی "یو شٹ اپ...... تم بہت زیادہ بول رہے ہو۔ میں کیسی ہوں؟ یہ میرا خدا جانتا ہے۔ میں

تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش نہیں کروں گی۔"

اس نے ایک جھٹکے سے ٹیکسی روک دی۔ اس نے سہم کر پوچھا "تم نے گاڑی کیوں روک دی؟"

وہ خاموش رہا۔ وہ بولی "گاڑی چلاؤ ورنہ میں چیخنے لگوں گی۔"

"چیخنے کی حسرت پوری کر لو اور دیکھو...... ایک طرف سمندر ہے اور دوسری طرف ویران علاقہ ہے۔ سمندر کی لہریں دور ہیں اور تمہاری چیخیں سن کر واپس چلی جائیں گی۔"

اس نے کھڑکی سے باہر چاندنی میں سفید دھند دکھائی دیتی تھی۔ اس نے دھیان نہیں دیا تھا کہ ٹیکسی کس راستے سے ہوتی ہوئی کہاں جا رہی ہے؟ اب اس نے بغور سنا تو سمندر کی لہروں کا شور پیدا ہو رہا تھا۔

وہ ذرا پریشان ہو کر بولی "تم اس ویران راستے سے کیوں آئے ہو؟"

"میں نے کہا تھا نا......؟ میری ٹیکسی میں طرح طرح کے لوگ بیٹھتے ہیں اور میں مختلف تجربات حاصل کرتا رہتا ہوں۔ تمہارے بارے میں بھی میرے اندر تجسس پیدا ہو رہا ہے۔ تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟ خود کو شریف زادی کہتی ہو تو اس بدنام علاقے میں اتنی رات کو کیا کر رہی تھیں؟"

وہ ایک دم سے رو پڑی پھر بولی "یا خدا! مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا ہے۔ جس کی یہ سزا مل رہی ہے؟ جہاں جاتی ہوں، دشمن ہی دشمن ملتے ہیں۔"

اس نے سر گھما کر عینی کو دیکھا پھر کہا "کبھی کبھی انسان اپنے عمل سے دوسروں کو دشمن بنا لیتا ہے۔ جیسا کہ تم مجھے بنا رہی ہو۔ جبکہ میں دوست بن کر تمہیں تمہاری منزل تک پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"اگر پہنچانا چاہتے ہو تو یہاں کیوں رک گئے ہو؟ گاڑی چلاؤ۔"

"چلاؤں گا، پہلے اپنے بارے میں مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو، کیا دھندہ کرتی ہو؟"

وہ ایک دم بھڑ گئی، حلق پھاڑ کر چیختے ہوئے بولی "بکواس نہ کرو۔ تم سوچے سمجھے بغیر دھندہ جیسا گھٹیا لفظ میرے لیے استعمال کر رہے ہو۔ میں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرے پاس مال و زر کی کمی نہیں ہے۔ میں ابھی گھر پہنچ کر تمہیں لاکھوں روپے دے سکتی ہوں۔ خدا کے لیے...... مجھے میرے گھر پہنچا دو۔"

"ابھی تو تم اسپتال جانے کی بات کر رہی تھیں؟"

وہ الجھ کر بولی "میں کیا کروں؟ تمہیں بڑی رقم دینے کے لیے مجھے گھر جانا ہوگا۔ ورنہ میں تو اپنی سہیلی کے پاس اسپتال ہی جانا چاہتی تھی۔"

"تم اتنی باتیں کر رہی ہو مگر یہ نہیں بتا رہی ہو کہ اس ویرانے میں کیوں پہنچی ہوئی تھیں؟ کس کے ساتھ گئی تھیں؟ کوئی تمہیں لے گیا تھا تو کیوں لے گیا تھا؟ اور اگر تنہا گئی تھیں تو کیوں گئی تھیں؟"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے ڈرائیور کو دیکھا پھر کہا "تمہارے سب سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ میں اندھی ہوں۔ اچھی طرح دیکھ نہیں پاتی۔ یہی میری بدنصیبی ہے۔ جو شام سے اب تک مجھے بھٹکا رہی ہے۔"

اس نے حیرت سے عینی کو دیکھا پھر بے یقینی سے پوچھا "کیا کہا تم نے...... تم اندھی ہو......؟"

وہ اثبات میں سر ہلا کر افسردگی سے بولی "ہاں...... تقریباً اندھی ہوں۔ اس وقت تم مجھے دھندلے سے دکھائی دے رہے ہو۔ میں تمہارا چہرہ صاف طور سے نہیں دیکھ پا رہی ہوں۔"

"تعجب ہے، تم مجھے تو اندھی نہیں لگ رہی ہو؟ کیا مجھے بنا رہی ہو؟"

"اگر تم میرے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو تو گاڑی آگے بڑھاؤ پھر کسی پی سی او کے سامنے رکو۔ میں ٹیلی فون کے ذریعہ اپنے بزرگوں سے باتیں کروں گی تمہاری بھی ان سے بات کراؤں گی۔ تب تمہیں یقین ہوگا کہ میں اپنے بارے میں سچ بول رہی ہوں۔"

ڈرائیور نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا "میں گاڑی چلاؤں گا مگر ایک شرط پر۔"

"میں تمہاری تمام شرائط پوری کر دوں گی۔ خدا کے لیے...... یہاں سے چلو......"

اس نے ٹیکسی اسٹارٹ کی پھر اسے آگے بڑھاتے ہوئے بولا "تمہارا نام کیا ہے؟"

عینی نے ناگواری سے کہا "ایکس وائی زیڈ...... کچھ بھی سمجھ لو۔ نام پوچھنا ضروری ہے؟"

"میں پھر گاڑی روک دوں گا۔"

وہ بے بسی سے بولی "دھمکیاں نہ دو...... میرا نام عینی ہے۔"

"آدھا نام نہ بتاؤ۔"

"میرا پورا نام قرۃ العین ہے۔"

"اور میرا نام سلامت پاشا ہے۔ سب مجھے پاشا جانی کہتے ہیں۔"

"تمہارا نام سلامت پاشا ہے۔ مجھے سلامتی سے گھر پہنچا دو۔ پلیز...... فضول باتیں کر کے مجھے پریشان نہ کرو۔ گھر پہنچتے ہی میں تمہیں ایک لاکھ روپے دوں گی۔"

وہ ایک ذرا بے پروائی سے بولا "یقین تو نہیں آتا کہ تمہارے پاس ایک لاکھ روپے ہوں گے۔ بہر حال جہاں کہو گی، میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔"

وہ کیسے پہنچا سکتا تھا؟

یہ تو مقدر پہنچاتا ہے اور مقدر نہ چاہے تو کوئی اپنی منزل تک نہیں پہنچ پاتا۔ روز صبح ڈیوٹی پر جانے والے یقین سے کہتے ہیں کہ شام کو گھر لوٹ آئیں گے لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ کبھی کسی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے، کبھی ایسی رکاوٹ سامنے آ جاتی ہے کہ وہ اپنے ارادے کے مطابق صحیح وقت پر گھر نہیں پہنچ پاتا۔ یا تو اسپتال پہنچ جاتا ہے یا پھر آخری کال کوٹھری اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

میں دردانہ بیگم کے بیٹے جواد ہاشمی کے پاس آ گیا۔ اس کے ہاتھ کی ایک لکیر کہہ رہی تھی کہ میں اسے عینی تک پہنچا دوں۔ وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا اسی راستے سے گزر رہا تھا۔ وہ ٹیکسی اس سے ذرا آگے جا رہی تھی۔

جواد تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتا ہوا اس سے اوورٹیک کرنے لگا۔ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر ایک لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔ جب لڑکی کا صرف خاکہ دکھائی دے تو اس کی صورت دیکھنے کو دل مچلنے لگتا ہے۔ صورت نظر آ جائے تو سر سے پاؤں تک جائزہ لینے کو جی چاہتا ہے۔

اس نے اوورٹیک کرتے وقت سر گھما کر ٹیکسی میں جھانکا تو ایک دم سے چونک گیا پھر ونڈ اسکرین کے پار دیکھ کر سوچنے لگا۔

"کیا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں؟"

ٹیکسی پیچھے رہ گئی تھی اور دھیرے دھیرے اس کے برابر آ رہی تھی۔ اس نے پھر سر گھما کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا تو واقعی وہاں عینی بیٹھی ہوئی تھی۔

اس نے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر اسے لہراتے ہوئے ڈرائیور سے کہا "اے! ٹیکسی روکو...... ٹیکسی روکو......"

اس نے اپنی کار کی رفتار تیز کی پھر ذرا آگے جا کر ٹیکسی کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ پاشا جانی نے فوراً ہی بریک لگائی پھر کھڑکی سے باہر نکل کر پوچھا "کیا بات ہے؟ کیوں ہمارا راستہ روک رہے ہو؟ کون ہو تم؟"

جواد کار سے اتر کر تیزی سے چلتا ہوا ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کی طرف آیا پھر کھڑکی پر جھک کر بولا "عینی! تم یہاں ہو؟ اور ہم تمہاری تلاش میں نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہے ہیں؟"

پاشا جانی نے ان دونوں کو دیکھا پھر پوچھا ''عینی! یہ تمہارا نام لے رہا ہے۔ یعنی یہ تمہیں جانتا ہے۔ کیا تم اسے پہچانتی ہو؟''

عینی کھڑکی سے ذرا دور ہٹ گئی تھی۔ جواد کو دیکھ کر انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی ''نہیں...... میں انہیں نہیں پہچانتی۔''

جواد پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بولا ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ چلو میرے ساتھ......''

پاشا جانی فوراً ہی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر آیا پھر بولا ''اے بڑے بھائی! ذرا آرام سے۔ یہ میری ٹیکسی ہے۔ تمہارے باپ کی گاڑی نہیں ہے۔''

جواد نے بھنا کر کہا ''خبردار! باپ کا نام نہ لینا۔''

وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا ''کیوں نہ لوں؟ کیا تمہارے باپ کا نام شرمناک ہے؟''

جواد نے گھور کر اسے دیکھا پھر عینی سے کہا ''یہ تم کیا تماشے کر رہی ہو؟ مجھے پہچاننے سے انکار کیوں کر رہی ہو؟''

پھر وہ سر گھما کر پاشا جانی سے بولا ''کیا تم نہیں جانتے کہ یہ تقریباً اندھی ہے؟ اسے بہت ہی دھندلا سا نظر آتا ہے۔ یہ چہروں کو نہیں پہچانتی ہے۔''

وہ پھر عینی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا ''بے شک...... میں تمہیں دھندلا سا نظر آ رہا ہوں۔ اسی لیے تم مجھے پہچاننے سے انکار کر رہی ہو لیکن میری آواز کو تو پہچان رہی ہو گی۔''

وہ سیٹ پر پیچھے کی طرف کھسکتے ہوئے بولی ''ہاں پہچان رہی ہوں لیکن میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ ڈرائیور! گاڑی چلاؤ۔''

پاشا جانی نے جواد کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''بڑے بھائی! سن لیا تم نے؟ یہ لڑکی کیا کہہ رہی ہے؟ اب تم اپنی گاڑی میں بیٹھو اور یہاں سے جاؤ۔''

جواد ہاشمی نے سوچتی ہوئی نظروں سے عینی کو دیکھا وہ گم ہونے کے بعد مقدر سے اس کے ہاتھ آ رہی تھی اور وہ یہ موقع کھونا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے پاشا کے ہاتھ کو تھام کر کہا ''میں ابھی چلا جاؤں گا لیکن میری ایک بات سن لو۔''

''ہاں...... فرماؤ......''

''یہاں نہیں...... میری کار کی طرف چلو۔''

''ٹھیک ہے...... آؤ......''

وہ جواد کے ساتھ چلتا ہوا کار کی اگلی سیٹ کی طرف آیا۔

جواد نے کہا ''تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ اسے نظر نہیں آتا۔ اس کے علاوہ یہ ایب نارمل بھی ہے۔ اس کا دماغ ذرا کھسکا ہوا ہے۔ میں اسے بحفاظت گھر لے جانا چاہتا ہوں۔''

''میں بھی اسے حفاظت سے گھر پہنچانے جا رہا ہوں۔''

جواد نے ایک گہری سانس لی پھر کہا ''کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈالو اور ڈیش بورڈ کا خانہ کھولو۔''

''میں تمہارا مقدر سنوارنا چاہتا ہوں۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولا ''اچھا تو میں ڈیش بورڈ کا خانہ کھولوں گا تو کیا میرے نام لاٹری نکلے گی؟''

جواد نے کہا ''ہاں...... یہی سمجھو......''

پاشا جانی نے کچھ سوچا پھر کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈال کر ڈیش بورڈ کے خانے کو کھولا تو ٹھٹک گیا۔ وہاں بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے دیدے پھاڑ کر ان گڈیوں کو دیکھا پھر کہا ''ارے واہ...... یہاں تو قارون کا خزانہ چھپا ہوا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ جواد کی طرف پلٹا تو ایک دم سے چونک گیا۔ جواد کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ بڑی سفاکی سے کہہ رہا تھا۔

''میں خون خرابا اور شور شرابے کو پسند نہیں کرتا۔ اگر بات بڑھاؤ گے تو یہ رقم تمہیں نہیں ملے گی اور وہ لڑکی میرے ہاتھ نہیں آئے گی۔ اس طرح دونوں نقصان میں رہیں گے۔ بولو! موت چاہتے ہو یا دولت......؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''میں کیا پاگل کا بچہ ہوں؟ جو دولت کو چھوڑ کر موت کو گلے لگاؤں گا۔ بڑے بھائی! ریوالور کو جیب میں رکھ لو اور مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس میں سے کتنی رقم لے سکتا ہوں؟''

''یہ ایک ایک لاکھ کی گڈیاں ہیں۔ بس...... ایک گڈی اٹھا لو......''

معاملات طے ہو گئے۔ ان دونوں نے عینی کے مقدر کا فیصلہ کر دیا۔

واہ...... مقدر میں ہوں اور فیصلہ وہ کر رہے ہیں۔
انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں ایک بازی گر ہوں۔
دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
اے لوگو!
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
میں مقدر ہوں
ایک بازی گر ہوں......

رات بڑی مہربان ہوتی ہے۔ اپنے سیاہ آنچل میں گناہوں کو اور جرائم کو چھپا لیتی ہے۔ وہ دونوں بھی ایک جرم کے سلسلے میں ساز باز کر رہے تھے۔ ان سے ذرا دور ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر عینی بیٹھی ہوئی تھی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں وہ دونوں دھندلے سے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ اتنی دور سے یہ نہیں دیکھ سکتی تھی کہ جواد ہاشمی کے ہاتھ میں ریوالور ہے اور وہ ریوالور کے بل پر پاشا جانی سے عینی کا سودا کر چکا ہے اور اب وہ ڈرائیور اسے جواد کے حوالے کر کے جانے والا ہے۔

وہ سڑک دور تک ویران تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ گاڑی ان کے قریب سے گزرتی تھی لیکن تیز رفتاری سے جانے والے یہ نہیں دیکھ پاتے تھے کہ ایک کے ہاتھ میں ریوالور ہے اور دوسرا نوٹوں کو دیکھ کر اپنا ایمان کھو رہا ہے۔

جواد ہاشمی نے اس سے کہا ''دیر نہ کرو۔ ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک گڈی اٹھاؤ۔ پھر میں عینی کو گن پوائنٹ پر رکھ کر اپنی گاڑی میں لے آؤں گا۔''

پاشا جانی نے کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈال کر ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک گڈی اٹھانی چاہی تو دوسری گڈیاں نیچے گر پڑیں۔ وہ بولا ''سوری بڑے بھائی! میں ابھی انہیں اٹھا کر رکھتا ہوں۔''

انہیں سیٹ کے نیچے سے اٹھانے کے لیے دروازہ کھولنا ضروری تھا۔ اس نے دروازے کو ایک زوردار جھٹکے سے اس طرح کھولا کہ وہ کھلتے ہی جواد سے جا ٹکرایا۔ وہ اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہ تھا۔ ایکدم سے ڈگمگاتا ہوا پیچھے کی طرف گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں اس کے ہاتھ پر ایک لات پڑی۔ ریوالور چھوٹ کر فضا میں اچھلا پھر اس سے پہلے کہ وہ ریوالور زمین تک آتا۔ پاشا جانی نے ایک قلانچ بھر کر فوراً ہی اسے کیچ کر لیا۔

جواد اس کی طرح پھرتیلا نہیں تھا۔ کار کے دروازے سے ٹکراتا ہوا بونٹ کی طرف آیا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر دیکھا تو بازی پلٹ چکی تھی۔ اس کا ریوالور اب اس ڈرائیور کے ہاتھ میں دکھائی دے رہا تھا۔

پاشا نے پوچھا ''کیا خیال ہے بڑے بھائی!''

جواد سہم کر تھوک نگلتے ہوئے اس ریوالور کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا ''اسے سامنے سے ہٹاؤ۔ گولی چل جائے گی۔''

''مجھ پر بھی گولی چل سکتی تھی۔ لیکن میں نے تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگی تھی۔''

اس نے دور ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی عینی کی طرف دیکھا پھر کہا ''دیکھو! سودا طے کر لو...... ایک لاکھ کے بجائے دو لاکھ لے لو۔''

وہ مسکرا کر بولا ''میں نے تمہارے جیسا گدھا نہیں دیکھا۔ جب ہتھیار میرے پاس ہے، طاقت میرے پاس ہے، تو لڑکی بھی میری ہے اور تمہاری ساری دولت بھی میری ہے۔ تم مجھے کیا دو گے؟ اب تو یہ سب کچھ میرا ہے۔''

وہ بولا ''دیکھو! مجھ سے دشمنی نہ کرو۔ تم نہیں جانتے کہ میری پہنچ کتنی اوپر تک ہے؟''

''اور تم یہ بھول رہے ہو کہ اسی ریوالور سے چلنے والی ایک گولی تمہیں بہت اوپر پہنچا دے گی۔''

عینی آگے کی طرف جھک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ اس نے پریشان ہو کر سوچا۔ ''پتا نہیں یہ دونوں کیا سازش کر رہے ہیں کاش! میری آنکھیں ٹھیک ہوتیں تو میں اس ویران علاقے میں کسی جگہ جا کر چھپ جاتی۔ اس اسمگلر نے ایسا خوفزدہ کیا ہے کہ اب تنہا ویران راستوں پر بھٹکنے کا سوچ کر ہی جھرجھری سی آ رہی ہے۔ یا خدایا میری مدد فرما......''

وہ دیکھ رہی تھی۔ ان میں سے ایک ہیولا دروازے سے ٹکرا کر پیچھے کی طرف گیا تھا اور دوسرا ہیولا ایک دم سے اچھل پڑا تھا۔ جیسے کرکٹ کا کھلاڑی گیند کو کیچ کر رہا ہو۔

عینی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ اس سے پہلے اس نے اپنے ڈرائیور کو تین غنڈوں سے لڑتے جھگڑتے دیکھا تھا۔ اسے وہی منظر یاد آنے لگا۔ اس نے گھبرا کر سوچا۔ دور دور تک ویرانہ تھا۔ سمندر کی لہروں کے علاوہ کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی ٹیکسی سے نہ اتر سکی۔ دل ہی دل میں مختلف آیتوں کا ورد کرنے لگی۔

پاشا جانی نے جواد سے کہا ''تم نے ریوالور سے میرا نشانہ لیا تھا۔ اور پوچھا تھا کہ میں موت چاہتا ہوں یا دولت......؟ تم اچھی طرح جانتے تھے، میں اپنی جان بچانے کے لیے دولت کو ترجیح دوں گا۔ مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ ہماری دنیا میں سب بے ایمان اور لالچی نہیں ہوتے۔ اگر مجھے حرام کھانے کی لت ہوتی تو میں ایک لاکھ روپے لے کر فوراً ہی لڑکی کو تمہارے حوالے کر دیتا۔ اب میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ بولو! موت چاہتے ہو یا اپنی سلامتی......؟''

وہ سہم کر عاجزی سے بولا ''میں...... میں سلامتی چاہتا ہوں، پلیز...... مجھے یہاں سے جانے دو۔''

''ہاں...... اسی میں تمہاری خیریت ہے۔ چپ چاپ

اپنی گاڑی میں بیٹھو اور یہاں سے جاؤ۔"

وہ تو جیسے اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا۔ فوراً ہی تیزی سے چلتا ہوا اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اسے اسٹارٹ کر کے آگے جانا ہی چاہتا تھا کہ پاشا جانی نے ایک فائر کیا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی اس کی کار کا ایک پہیہ پنکچر ہو گیا۔

عینی فائر کی آواز پر چونک گئی۔ ایک دم سہم کر دل ہی دل میں گڑگڑانے لگی "یا خدا! یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ایک مصیبت سے نکلتی ہوں تو دوسری مصیبت میں پھنس جاتی ہوں۔ میرے مالک! مجھ پر رحم فرما۔ مجھے کسی طرح عروج کے پاس پہنچا دے۔"

ادھر جواد نے خوفزدہ ہو کر پاشا جانی سے پوچھا "یہ...... یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

وہ بولا "تمہیں بے کار کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میری ٹیکسی کا پیچھا کرو۔"

"میں تمہارا پیچھا نہیں کروں گا۔ میں اپنی ممی کی قسم کھا کر کہتا ہوں پلیز...... مجھ پر گولی نہ چلانا۔ میں چپ چاپ یہاں بیٹھا رہوں گا۔ تم عینی کو لے جاؤ۔"

وہ اسے گن پوائنٹ پر رکھ کر الٹے قدموں چلتا ہوا ٹیکسی کی اسٹیئرنگ سیٹ پر آ گیا۔ عینی نے پوچھا "یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ گولی کس نے چلائی تھی؟"

وہ ٹیکسی اسٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھاتے ہوئے بولا "یہ تمہاری بدنصیبی ہے۔ تم دیکھتے ہوئے بھی دیکھ نہیں پاتیں کہ تمہارے خلاف کیا کچھ ہوتا رہا تھا؟ بہرحال تمہارا مقدر اچھا ہے۔ میں تمہیں اسپتال پہنچا رہا ہوں۔"

وہ خوف سے لرزتے ہوئے بولی "کیا تم نے جواد کو قتل کر دیا ہے؟"

"نہیں...... صرف اس کی گاڑی کا ایک پہیہ پنکچر کیا ہے۔ تاکہ وہ تمہارا پیچھا نہ کر سکے۔"

"میں کیسے یقین کروں کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا ہے؟ تم ٹیکسی چلاتے ہو اور اپنے ساتھ ریوالور بھی رکھتے ہو؟"

وہ عقب نما آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے بولا "یہ ریوالور میرا نہیں...... جواد کا ہے۔ وہ مجھے گن پوائنٹ پر رکھ کر مجبور کر رہا تھا کہ میں اس سے ایک لاکھ روپے لے لوں اور تمہیں اس کے حوالے کر دوں۔ اس کی کار میں لاکھوں روپے کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں چاہتا ابھی تمہارا سودا کر سکتا تھا۔"

وہ بول رہا تھا لیکن عینی یقین نہیں کر سکتی تھی کہ ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور لاکھوں روپے چھوڑ کر ایک تن تنہا لڑکی کی حفاظت کرے گا۔ اور خالی ہاتھ رہے گا۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

اس نے سوچا "پتا نہیں...... یہ مجھے کہاں لے جا رہا ہے؟ اس کے پاس ریوالور بھی ہے۔ میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گی۔ چیخنا چاہوں گی تو یہ مجھے گولی مار دے گا۔"

وہ سوچ رہی تھی اور بار بار کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی۔ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ کس راستے سے گزر رہی ہے؟ چاندنی میں گزرتے ہوئے مناظر سمجھ نہیں آ رہے تھے۔

وہ پریشان ہو کر بولی "تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ کتنی دیر سے گاڑی چلا رہے ہو۔ ابھی تک اسپتال کیوں نہیں آیا؟"

"اسپتال چل کر تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ وہ جہاں ہے وہیں رہے گا۔ تم اسپتال پہنچنے والی ہو۔"

"لیکن تم کس راستے سے گزر رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

"اس وقت ہم ہوٹل میٹروپول سے آگے نکل چکے ہیں اور اب ایئرپورٹ روڈ پر پہنچنے والے ہیں۔ اسپتال زیادہ دور نہیں ہے۔"

وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی ہوئی بے یقینی سے بولی "نہیں...... تم جھوٹ بول رہے ہو۔ باتیں بنا رہے ہو۔"

ٹیکسی اچانک ہی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس نے سہم کر پوچھا "یہ تم نے گاڑی کیوں روک دی؟ میں باہر نہیں نکلوں گی۔ گاڑی چلاؤ۔"

ڈرائیور نے پلٹ کر کہا "ادھر دیکھو......"

اس نے دیکھا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے ریوالور دکھا رہا تھا۔ وہ دہشت زدہ سی ہو کر پیچھے کھسک گئی۔ ٹیکسی کے ننھے سے بلب میں ریوالور دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بولا "ڈرو مت...... میں یہ ریوالور تمہیں دے رہا ہوں۔ تاکہ تم اپنی حفاظت کر سکو۔"

اس نے بے یقینی سے پاشا جانی کو دیکھا پھر فوراً ہی لپک کر اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ پاشا نے پوچھا "کیا تم اسے چلانا جانتی ہو؟"

وہ ریوالور کا چیمبر چیک کر رہی تھی پھر بولی "ہاں...... جہاں دولت ہوتی ہے، وہاں ان ہتھیاروں کا استعمال سیکھ پڑتا ہے۔"

"یہ پوری طرح لوڈ ہے۔ میں نے صرف ایک گولی چلائی تھی۔ کیا اب تم مطمئن ہو؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہاں...... اب گاڑی چلاؤ اور شارٹ کٹ راستہ اختیار کرو۔"

وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا "کوئی شارٹ کٹ راستہ نہیں ہے۔ تم چاہو تو مجھے گولی مار سکتی ہو۔ مگر اسپتال پہنچنے کے بعد ایسا کرنا۔ اس سے پہلے مجھے مارو گی تو تمہیں وہاں تک پہنچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے، بہت سے مدد کے لیے آئیں۔ لیکن تم آزما چکی ہو کہ مدد کو آنے والے کیسے کیسے گل کھلاتے ہیں؟"

اب اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ مطمئن تھی۔ اگر وہ اسے بھٹکانا چاہتا تو وہ کسی وقت بھی اس سے پیچھا چھڑا سکتی تھی۔

وہ بولی "ایک بات بتاؤ، تم نے یہ ریوالور اپنی حفاظت کے لیے رکھا ہے پھر اسے میرے حوالے کیوں کر دیا؟"

"اب میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں؟ یہ ریوالور میرا نہیں ہے۔ اسی جواد کا ہے۔ جو تمہیں جبراً لے جانا چاہتا تھا۔ کیا وہ تمہارا کوئی رشتہ دار ہے؟"

"ہاں...... وہ میرا سوتیلا بھائی ہے۔"

وہ بولا "تو پھر گھر پہنچ کر یہ ریوالور اس کے حوالے کر دینا پھر تمہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ میرا نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں ایسی خطرناک چیزیں پالتا ہوں۔"

عینی جواد کے بارے میں سوچنے لگی کہ وہ اسے جبراً اپنے ساتھ کیوں لے جانا چاہتا تھا۔ پاشا جانی کے بیان کے مطابق جواد نے اسے گن پوائنٹ پر رکھا تھا لیکن پاشا نے اس سے ریوالور چھین لیا تھا۔ اس کی کار کے ایک پہیے کو پنکچر کر دیا تھا۔

پاشا جانی کا یہ بیان جھوٹا ہو سکتا تھا۔ لیکن جواد کا ریوالور اس وقت عینی کے ہاتھ میں تھا۔ اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ جواد نے یقیناً پاشا جانی کو گن پوائنٹ پر رکھا ہوگا۔ اور ایک نیم اندھی لڑکی کا سودا کرنا چاہا ہوگا۔

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے پاشا جانی کو دیکھنے لگی۔ وہ ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے ٹیکسی ڈرائیو کر رہا تھا۔ عینی کو صرف اس کی پشت نظر آ رہی تھی۔ اس نے بڑے اعتماد سے ریوالور اس کے حوالے کیا تھا۔ اس بات کا خوف نہیں تھا کہ وہ اسے گولی مار سکتی ہے۔ اس کا یہ اعتماد عینی کو متاثر کر رہا تھا۔

وہ ٹیکسی کی رفتار سست کرتے ہوئے بولا "یہ لو...... تم اسپتال کے احاطے میں داخل ہو چکی ہو۔ اب بتاؤ، کس طرف جانا ہے؟"

"یہاں ایک پی سی او ہے، وہاں چلو۔"

اس نے پی سی او کے سامنے ٹیکسی روک دی۔ وہ ٹیکسی سے اترنے لگی تو پاشا نے کہا "ریوالور کو آنچل میں چھپا لو۔"

عینی نے اترتے وقت ریوالور کو آنچل میں چھپا لیا۔ پھر پی سی او کے کمرے میں آ کر عروج کے موبائل پر رابطہ کیا۔ وہ عینی کی آواز سنتے ہی ایک دم سے اچھل پڑی۔ پھر بولی "تو کہاں ہے؟ خیریت سے تو ہے ناں......؟"

"بالکل خیریت سے ہوں اور اس وقت تیرے اسپتال کے احاطے میں ہوں۔ پی سی او سے بول رہی ہوں۔ فوراً یہاں آ جا۔"

"بس ابھی آئی......"

عینی نے پی سی او سے باہر آ کر پاشا جانی کو احسان مندی سے دیکھا پھر کہا "سوری! میں تم پر شبہ کر رہی تھی۔"

"سوری نہ کہو۔ تم جن حالات سے گزرتی آ رہی ہو۔ ان کے نتیجے میں شبہ کرنا ہی تھا۔ میں کون سا تمہارا سگا ہوں۔ جو تم مجھ پر اعتماد کر لیتیں" "میرے جو سگے ہیں وہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ میں فی الحال جس دنیا میں سانس لے رہی ہوں اس مختصر سی دنیا میں میرا کوئی اپنا نہیں ہے۔ کوئی قابل اعتماد نہیں ہے۔"

وہ بولا "ایسا نہ کہو۔ یہ سہیلی ضرور قابلِ اعتماد ہے اسی لیے تم سب سے پہلے اس کے پاس آئی ہو۔"

وہ مسکرا کر بولی "ہاں...... تم درست کہتے ہو۔ بس یہی ایک سہیلی ہے۔ جسے میں ٹوٹ کر چاہتی ہوں۔ اور اس پر اندھا اعتماد کرتی ہوں۔"

"کیا یہ اسپتال میں ملازمت کرتی ہے؟"

"ہاں...... اس کا نام ڈاکٹر عروج ہے۔ اس کے والد سید تراب علی شاہ ایک اچھے بزنس مین ہیں۔ ان کے پاس مال و دولت کی کمی نہیں ہے پھر بھی یہ یہاں ملازمت کرتی ہے۔ اس کے اندر دکھی انسانیت کے کام آنے کا جذبہ ہے اور یہ یہاں اپنے جذبے کی تسکین کرتی رہتی ہے۔"

وہ عروج کا نام سنتے ہی چونک گیا۔ ایسے ہی وقت اسے عروج کی آواز سنائی دی۔ وہ دور ہی سے چیختی چلاتی ہوئی آ رہی تھی۔ "عینی...... ! میری جان! تو آ گئی؟"

دونوں سہیلیاں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ پاشا جانی ایک طرف کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ عروج اسے بھی مخاطب کرے گی۔

عینی رو رو کر کہہ رہی تھی "پتا نہیں...... مجھے کس گناہ کی سزا مل رہی تھی؟ میں شام سے بھٹک رہی تھی۔ تاریکی میں ویرانے میں اپنوں کو پکارتی رہی تھی مگر کہیں سے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اگر کوئی آتا بھی تھا تو وہ دشمن ہوتا تھا۔ میری سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ میں کس طرح دلدل میں دھنستی جا رہی ہوں؟ یوں لگ رہا تھا جیسے میں کبھی اس ویرانے سے نکل نہیں پاؤں گی۔"

وہ بولتی جا رہی تھی اور روتی جا رہی تھی۔ عروج نے اسے تھپکتے ہوئے کہا "چپ ہو جا۔ بس آنسو پونچھ لے۔ پہلے کمرے میں چل کر آرام سے بیٹھ۔ میں تیرے لیے کھانے کا انتظام کرتی ہوں تو شام سے بھوکی ہوگی۔"

پاشا جانی ایک طرف کھڑا عروج کو دیکھ رہا تھا۔ ان لمحات میں اس کی نظریں عروج پر جم گئی تھیں۔ اس کا انتظار انتظار ہی رہ گیا۔

ایسے وقت عروج نے اسے دیکھا پھر عینی سے کہا "ہمیں چلنا چاہیے۔ اس بے چارے ڈرائیور کو تو رخصت کر دو۔"

عینی نے کہا "میں تو خالی ہاتھ بھٹکتی ہوئی یہاں تک آئی ہوں۔"

عروج نے پاشا جانی کو دیکھا پھر کہا "تم ذرا انتظار کرو۔ میں پیسے لے کر آتی ہوں۔"

وہ ہاتھ اٹھا کر بولا "نہیں۔ مجھے کرایہ مل چکا ہے۔"

عینی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا پھر پوچھا "تمہیں کس نے کرایہ دیا ہے؟ جھوٹ کیوں بول رہے ہو؟"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ زندگی میں کبھی کبھی کسی کے ساتھ نیکی کرنے کا موقع ملتا ہے تو میں ایسے وقت نیکی کر کے دریا میں ڈال دیتا ہوں۔"

وہ پلٹ کر ٹیکسی میں بیٹھنا چاہتا تھا۔ عروج نے آگے بڑھ کر کہا "رک جاؤ......"

پاشا کو اس کا اپنی طرف آنا اور رکنے کے لیے کہنا بہت اچھا لگا۔ یوں لگا جیسے، زندگی اسے اپنی طرف بلا رہی ہو۔ وہ قریب آ کر بولی "رات کے دو بج رہے ہیں۔ تم بڑی حفاظت سے میری محبت کو میرے پاس لے آئے ہو۔ تمہیں کرایہ لینا ہوگا۔"

وہ اسے بڑی لگن سے دیکھتے ہوئے بولا "ہاں۔ میں یہی محسوس کر رہا ہوں کہ میں محبت کو محبت کے پاس لے آیا ہوں۔ میرا مقدر مجھے محبت کرنا سکھا رہا ہے اور محبت سیکھنے کی نہ فیس لی جاتی ہے، نہ دی جاتی ہے۔"

اس نے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر دروازے کو بند کیا۔ عینی نے آگے بڑھ کر کہا "پاشا جانی! تم بہت اچھے ہو۔ میں تم سے پھر ملاقات کرنا چاہوں گی۔ آج دشمنوں کے ہجوم میں تم اپنے اپنے سے لگے ہو۔ کیا پھر ملو گے؟"

اس نے عروج کی طرف دیکھا پھر کہا "اگر تم چاہتی ہو تو میں تم دونوں سے ملوں گا۔"

عروج نے پوچھا "تمہارے پاس کاغذ قلم ہے؟ میرا فون نمبر نوٹ کرو۔"

اس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے کاغذ اور قلم نکالا پھر عروج کے اسپتال کا اور موبائل کا نمبر لکھنے لگا۔ اس کے بعد بولا "میں کل کسی وقت عینی کی خیریت معلوم کرنے آؤں گا۔"

"آنے سے پہلے فون کر لینا۔ تاکہ معلوم ہو سکے، ہم یہاں اسپتال میں ہیں یا گھر میں......؟"

پاشا جانی ٹیکسی ڈرائیو کرتا ہوا واپسی کے لیے مڑ گیا۔ وہ دونوں کھڑی ہوئی اسے دیکھ رہی تھیں۔ پاشا نے عقب نما آئینے کو ایسے زاویے پر رکھا کہ دور تک جانے کے بعد بھی عروج نظر آتی رہے۔

وہ آہستہ آہستہ ٹیکسی چلا رہا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں کھڑی ہوئی عروج دکھائی دے رہی تھی۔ آگے جا کر اسے مین سڑک پر مڑنا پڑا۔ ایسے وقت وہ حسین نظارہ عقب نما آئینے سے غائب ہو گیا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر وہاں سے دور ہوتا چلا گیا۔

وہ دونوں اسپتال کے احاطے میں آ گئیں۔ عینی نے کمرے میں آتے ہی دوپٹے میں چھپے ہوئے ریوالور کو نکالا۔ عروج نے اسے دیکھتے ہی چونک کر پوچھا "یہ ریوالور تیرے پاس کہاں سے آ گیا؟"

وہ بولی "یہ میرے سوتیلے بھائی جواد ہاشمی کا ریوالور ہے۔ وہ اس ریوالور کے بل پر مجھے جبراً لے جانا چاہتا تھا۔ اگر یہ ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی نہ ہوتا تو پتا نہیں وہ مجھے کہاں لے جاتا؟"

"آرام سے بیٹھ کر باتیں کر۔ میں تیرے لیے کھانا گرم کرتی ہوں۔"

وہ کھانا گرم کرنے لگی اور وہ اسے اپنی روداد سنانے لگی۔ کھانے کے دوران بھی اس کی روداد جاری رہی۔ عروج بڑے دکھ سے اور بڑی محبت سے اس کی تمام باتیں سنتی رہی پھر اس نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کی پیشانی کو چوم کر کہا "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تجھ پر ایسی مصیبتیں نازل ہوں گی۔ نہ جانے کیوں تیرے مقدر میں یہ مصیبتیں لکھی ہوئی تھیں؟ خدا کا شکر ہے کہ تو خیر خیریت سے واپس آ گئی ہے۔"

وہ بولی "یوں دیکھا جائے تو جو مقدر بگڑ گیا تھا۔ وہی مجھے بہ حفاظت تیرے پاس لے آیا ہے۔"

"سمجھ نہیں آتی کہ کون تجھ سے دشمنی کر رہا ہے؟ تیری روداد سننے کے بعد یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ تیرا سوتیلا بھائی

جواد ہی ایسا کر رہا ہے۔ اسی نے وہ غنڈے تیرے پیچھے لگائے تھے جو تجھے اغوا کرنا چاہتے تھے۔ آخر میں بھی وہی ریوالور لے کر آیا تھا اور تجھے جبراً اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔"

عینی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔ عروج نے پوچھا "کیا سوچ رہی ہے؟"

وہ چونک کر بولی "وہ...... میں اس ڈرائیور کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ اگر وہ نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟"

عروج کو وہ قد آور جوان یاد آیا۔ اس نے اسے محض ایک ڈرائیور سمجھ کر نظر انداز کیا تھا لیکن عینی کی روداد سننے کے بعد اس کی اہمیت کا احساس ہونے لگا۔ وہ بولی "وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہے مگر نہایت ہی دلیر اور ایمان دار ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اس نے تیری خاطر لاکھوں روپے چھوڑ دیئے۔ یہ ریوالور جواد کے پاس تھا۔ اس نے کتنی دلیری سے مقابلہ کر کے یہ ریوالور اس سے چھینا ہوگا؟ تو تو وہاں موجود تھی۔ انہیں لڑتے جھگڑتے دیکھ رہی ہوگی؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "میں کچھ فاصلے پر تھی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں وہ بہت دھندلے دھندلے سے دکھائی دے رہے تھے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟"

عروج نے پوچھا "تو نے اس کا کوئی نام لیا تھا۔"

"ہاں اس نے اپنا نام سلامت پاشا بتایا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ سب اسے پاشا جانی کہتے ہیں۔ اس کی جواں مردی اور فرض شناسی نے مجھے متاثر کیا ہے۔ ویسے یہ بتا، وہ دیکھنے میں کیسا ہے؟ میں نے تو جب بھی دیکھا وہ دھندلا دھندلا سا دکھائی دیا۔"

وہ جیسے عروج کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے توجہ سے پاشا جانی کو نہیں دیکھا تھا۔ بس اس حد تک یاد آیا کہ وہ ایک خوب رو جوان تھا۔

عروج نے کہا "میں نے اسے توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ تجھے پا لینے کی خوشی ایسی تھی کہ میں کسی دوسری طرف دھیان دے ہی نہیں سکتی تھی۔"

وہ دونوں تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئیں۔ عینی اپنے تصور میں اس دھندلے دھندلے سے نوجوان کو دیکھ رہی تھی اور عروج سوچ رہی تھی کہ اس نے اسے توجہ سے کیوں نہیں دیکھا تھا؟ اور جب توجہ سے دیکھا ہی نہیں تھا تو اب وہ کیوں متاثر کر رہا تھا؟ کیا اس لیے کہ اس نے اس کی جان سے زیادہ عزیز سہیلی کی جان بچائی ہے۔ اسے بہ حفاظت اس کے پاس پہنچایا ہے؟ یا اور کوئی بات تھی جو اس وقت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

☆☆☆

داؤد سبحانی پچاس برس کا ایک صحت مند بوڑھا تھا۔ اسے دیکھنے والے بوڑھا نہیں کہتے تھے لیکن جوان بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ یعنی وہ ابھی جوانی اور بڑھاپے کے درمیان سانسیں لے رہا تھا۔ بظاہر امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس کرتا تھا لیکن درپردہ انڈر ورلڈ کے چار گاڈ فادر میں سے ایک تھا۔ ملک کے سیاست دانوں کی کمزوریوں سے کھیلتا رہتا تھا اور انہیں بلیک میل کر کے اپنا الو سیدھا کرتا رہتا تھا۔

وہ دردانہ بیگم کے دور کے رشتے کا بھائی تھا۔ اسے چھوٹی بہن کی طرح چاہتا تھا اور اس کے اچھے برے وقت میں کام آتا رہتا تھا۔ عینی کے معاملے میں بھی اس کے کام آ رہا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ دردانہ بیگم ہر حال میں عینی کو اپنی بہو بنا لینا چاہتی ہے۔ یہ رشتا قائم ہونے کے بعد عینی کے باپ فلک سکندر حیات کے تمام کاروبار پر قبضہ جما سکتی تھی اور تمام دولت و جائیداد پر بھی ہاتھ صاف کر سکتی تھی۔

اس نے داؤد سبحانی سے کہا "بھائی! گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکل رہا ہے۔ میں اس نیم اندھی لڑکی کو بھرپور ممتا دے رہی ہوں۔ کسی بات کی کمی نہیں کر رہی ہوں۔ پھر بھی وہ میرے بیٹے جواد کی طرف مائل نہیں ہو رہی ہے اب تو ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ میں جبراً اس کی شادی اپنے بیٹے سے کراؤں۔ جب میرا بیٹا اسے زیر کرے گا، اسے اپنے بچے کی ماں بنائے گا تب وہ ٹھنڈی پڑ جائے گی اور حالات کے سامنے سر جھکا لے گی۔"

داؤد سبحانی نے تائید کی "ہاں۔ یہ اچھی تدبیر ہے۔ تم اس ارب پتی شہزادی کو اسی طرح اپنے قابو میں کر سکتی ہو۔"

دونوں نے پلاننگ کی پھر داؤد سبحانی نے کہا "میرے پاس کئی خفیہ اڈے ہیں۔ عینی کو اغوا کر کے وہاں پہنچایا جائے گا۔ وہیں جواد سے اس کا نکاح پڑھا دیا جائے گا پھر جواد اس کے ساتھ وہاں ازدواجی زندگی گزارتا رہے گا اور جب تک وہ ماں نہیں بنے گی۔ اس وقت تک کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ ہم نے اسے کہاں چھپا کر رکھا ہے؟"

داؤد سبحانی نے اس منصوبے کے مطابق اپنے تینوں غنڈوں کو حکم دیا کہ وہ عینی کو اغوا کر کے اس کے ایک خفیہ اڈے میں پہنچا دیں۔ ایک نیم اندھی لڑکی کو اغوا کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

لیکن جب اغوا کی واردات شروع ہوئی تب پتا چلا کہ وہ لڑکی تر نوالہ نہیں ہے۔ آسانی سے حلق میں نہیں اترے گی۔

دردانہ نے آدھی رات کے بعد فون کیا اور داؤد سبحانی کو بتایا کہ اس کے تین حواری ناکام ہو گئے ہیں۔ عینی ہاتھ آتے آتے پولیس کی کسٹڈی میں پہنچ گئی ہے۔

داؤد سبحانی ایک گھنٹے بعد اس سے ملنے کے لیے آیا پھر بولا ''پولیس کے محکمے میں میری پہنچ بہت دور تک ہے۔ میں عینی کو پولیس کسٹڈی سے نکال کر اپنے خفیہ اڈے میں پہنچا سکتا ہوں۔''

دردانہ نے کہا ''پھر تو آپ کو یہ کام فوراً ہی کرنا چاہیے۔ ورنہ پولیس والے اسے اس کے گھر پہنچا دیں گے۔''

''اب اسے گھر پہنچنے ہی دو۔ میرے لیے مشکل یہ ہے کہ عینی کا چچازاد بھائی ذیشان سپرنٹنڈنٹ آف پولیس ہے۔ اس نے عینی کو اپنی تحویل میں رکھا ہوگا اور شاید اب تک اسے گھر لے گیا ہوگا۔''

وہ بولی ''میں حیران ہوں کہ وہ اندھی اس تاریکی میں ان حواریوں کو کس طرح دھوکا دیتی رہی؟ اور ان سے بچ کر کیسے نکل گئی؟''

''اندھی کے لیے تاریکی کیا اور روشنی کیا؟ وہ تاریکی میں اس لیے کامیاب ہوئی کہ ہمارے تین حواری روشنیوں کے عادی تھے۔ اس لیے اندھیرے میں اسے تلاش نہ کر سکے اور بھٹکتے رہے۔ تم فلک آفتاب کو یا ذیشان کو فون کرو۔ معلوم کرو کہ وہ وہاں پہنچ گئی ہے یا نہیں؟''

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنا چاہتی تھی۔ اسی وقت جواد ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ دردانہ نے پوچھا ''تم اتنی رات کو کہاں سے آ رہے ہو؟''

''کچھ نہ پوچھیں کہ کہاں سے آ رہا ہوں؟ اس اندھی نے بہت خوار کیا ہے۔ ہاتھ آتے آتے پھر سے نکل گئی ہے۔''

دردانہ نے چونک کر پوچھا ''کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم عینی تک پہنچ گئے تھے؟''

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا ''ہاں۔ میں نے ابھی ایک گھنٹا پہلے اسے ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ دیکھا تھا۔ میں نے اس ٹیکسی والے کو روک کر عینی سے کہا کہ وہ میرے ساتھ چلے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ وہ مجھ پر بھروسا کرنے کے بجائے اس ٹیکسی والے پر بھروسا کر رہی تھی۔''

پھر وہ دردانہ بیگم اور داؤد سبحانی کو تمام تفصیلات بتانے لگا کہ وہ ٹیکسی والا نہ تو لاکھوں روپے کے لالچ میں آیا اور نہ ہی ریوالور کی دھونس میں۔ وہ بڑا اجیدار تھا۔ اس کا ریوالور بھی چھین کر لے گیا۔

داؤد سبحانی نے غصے سے کہا ''تمہیں شرم نہیں آتی۔ وہ نہتا تھا اور تمہارے پاس ریوالور تھا پھر بھی تم اس سے مات کھا گئے اور عینی کو اس کے ساتھ روانہ کر کے یہاں آ گئے۔''

''انکل! میں بزدل اور کمزور نہیں ہوں۔ اس نے اچانک ہی ایسی چال چلی تھی، جس کی میں توقع نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لیے وہ مجھ سے بازی لے گیا اور جاتے جاتے میری کار کا ایک پہیہ بھی پنکچر کر گیا تھا۔ میں بڑی مشکلوں سے دھکیل چینج کرنے کے بعد یہاں پہنچا ہوں۔''

دردانہ بیگم نے ناگواری سے کہا ''لعنت بھیجو۔ اس ڈرائیور پر۔ میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ آخر وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر کہاں گئی ہے؟ کیا اپنے گھر پہنچ گئی ہے؟''

جواد نے کہا ''میں یقین سے کہتا ہوں۔ وہ گھر نہیں جائے گی۔ اسی ڈرائیور کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی رہے گی۔''

دردانہ نے اسے ڈانٹ کر کہا ''کیا بکواس کر رہے ہو؟ وہ اپنے معیار سے نیچے گرنے والی لڑکی نہیں ہے۔''

''ممی! وہ گر چکی ہے۔ یقین نہ آئے تو گھر فون کر کے معلوم کر لیں۔ وہ یقیناً وہاں نہیں ہوگی۔''

دردانہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹے کو دیکھا پھر داؤد سبحانی سے کہا ''آپ کے حواریوں نے کہا تھا کہ وہ پولیس کسٹڈی میں پہنچ گئی ہے، جب وہاں پہنچی ہے تو ذیشان تک پہنچی ہوگی۔ کیا ذیشان اسے گھر نہیں لے گیا ہے؟ کیا وہ پولیس کسٹڈی سے نکل کر اس ٹیکسی والے کے ساتھ گھومتی پھر رہی ہے؟''

داؤد سبحانی نے کہا ''تم فون کرو۔ ابھی معلوم ہو جائے گا۔''

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ رابطہ ہونے پر فلک آفتاب کی آواز سنائی دی ''ہیلو......! کون......؟''

''میں دردانہ بول رہی ہوں۔''

''خیریت تو ہے؟ اتنی رات کو فون کر رہی ہو؟ صبح کا انتظار کر لیتیں۔''

وہ بولی ''صبح بہت دور ہے اور ممکن ہے صبح نہ ہو۔ آج رات ہی قیامت آ جائے۔''

اس نے چونک کر پوچھا ''تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''میں ابھی اپنی بات کی وضاحت کروں گی۔ پہلے میرے سوال کا ہاں یا ناں میں جواب دیں۔ کیا عینی گھر پہنچ گئی ہے؟''

''نہیں...... لیکن تمہیں عینی کی فکر ہم سے زیادہ کیوں ہے؟''

وہ بولی ''آپ لاکھ مجھے اس کی سوتیلی ماں سمجھیں، لیکن ...تو میں ہی کروں گی۔ ماں آخر ماں ہوتی ہے۔''

وہ چڑ کر بولا ''تم فضول بکواس کر رہی ہو۔ کوئی کام کی ...ہو تو کرو۔ ورنہ میں ریسیور رکھ دیتا ہوں۔''

''کام کی بات یہ ہے کہ عینی ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ ...رات کو سڑکوں پر گھومتی پھر رہی ہے لیکن گھر نہیں آ رہی ...آخر کیوں؟ آپ اس کے بڑے ابو ہیں۔ اس کے ...پرست ہیں۔ ذمہ دار ہیں اس کے...... آپ کو جواب دینا ...ہیے۔''

''میں فضول باتوں کا جواب نہیں دیتا۔ تم خوامخواہ عینی پر ...ام لگا رہی ہو کہ وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ گھوم رہی ...ہے۔ تمہاری یہ بات کوئی نہیں مانے گا۔''

وہ ایک ذرا بے پروائی سے بولی ''نہ مانیں...... مگر حقیقت ...ہے۔ آپ کسی بھی طرح میری بات کی تصدیق کر سکتے ...''

دردانہ نے ریسیور رکھ کر داؤد سبحانی کو دیکھا، پھر کہا ...نی گھر نہیں پہنچی ہے۔ جواد صحیح کہہ رہا ہے۔ وہ ضرور اس ...ئیور کے ساتھ گھوم پھر رہی ہوگی۔ وہ ایسی تو نہیں تھی، پھر کیوں کر رہی ہے؟''

داؤد نے کہا ''تم نے بتایا تھا کہ عینی اپنی ایک سہیلی عروج ...بہت زیادہ چاہتی ہے۔ کیا اس کا کوئی فون نمبر تمہارے ...ہے؟''

''ہاں۔ میرے پاس اس کا موبائل نمبر بھی ہے اسپتال کا ...بھی۔ میں دونوں پر ٹرائی کرتی ہوں۔''

اس نے ایک بار پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ کچھ دیر ...ہی عروج کی آواز سنائی دی ''ہیلو آنٹی! آپ یقیناً عینی ...بارے میں پوچھنا چاہیں گی۔''

وہ لہجے کو افسردہ بنا کر بولی ''ہاں بیٹی! میں اس کے لیے ...ت پریشان ہوں۔''

''پریشان تو ہونا ہی چاہیے۔ میری عینی پارے کی طرح ...ہے۔ کسی کے ہاتھ آتی ہے اور کسی کے ہاتھ سے پھسل جاتی ...ہے۔''

''تمہارے لہجے سے بہت اطمینان جھلک رہا ہے۔ اس ...مطلب ہے، عینی تمہارے پاس پہنچی ہوئی ہے؟''

''جی ہاں۔ آپ کا اندازہ درست ہے۔ وہ میرے پاس ...ہے اور آپ کا بیٹا نامراد ہو کر آپ کے پاس پہنچ چکا ہوگا۔''

''میں پہلی بار تمہارے لہجے میں طنز اور گستاخی محسوس ...کر رہی ہوں۔''

وہ عینی کی زبانی جواد کی ذلالت سن چکی تھی۔ طنزیہ لہجے میں بولی ''اگر میں گستاخ ہوں تو آپ کا بیٹا کیا ہے؟ چور...... بدمعاش...... مجرم اور اٹھائی گیر......''

دردانہ نے غصے سے بپھر کر کہا ''یو شٹ آپ...... سوچے سمجھے بغیر ایسی باتیں نہ کرو۔ تم خوامخواہ میرے بیٹے کو الزام دے رہی ہو۔''

''میں ثبوت کے ساتھ الزام دے رہی ہوں۔ آپ کے بیٹے کا ریوالور اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔''

کچھ دیر کے لیے دردانہ کو چپ سی لگ گئی۔ اس نے گھور کر جواد کو دیکھا پھر فون پر باتیں بناتے ہوئے کہا ''اگر میرے بیٹے کا ریوالور عینی کے پاس ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میرا بیٹا مجرم ہے۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور کو ریوالور دکھا کر عینی کو اپنے ساتھ یہاں لانا چاہتا تھا...... یا گھر پہنچانا چاہتا تھا۔ کیا ایسا کرنا جرم ہے؟''

''اگر کوئی ساتھ نہ جانا چاہتا ہو اور اسے جبراً لے جانے کی کوشش کی جائے تو اسے اغوا کی واردات کہا جاتا ہے اور یہ جرم ہے۔''

وہ جل کر بولی ''میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ عینی کو فون دو۔''

''وہ تھکی ہاری میرے پاس آئی ہے۔ اس وقت گہری نیند میں ہے۔ کسی سے بات نہیں کرے گی۔ کل دن میں کسی وقت آپ اسی نمبر پر اس سے بات کر سکتی ہیں۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ دردانہ نے غصے سے اپنے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کریڈل پر پٹخ کر جواد سے کہا ''تم کیسی حماقتیں کرتے ہو؟ وہ ریوالور عینی کے پاس ہے۔ تمہارے خلاف کھلا ثبوت ہے کہ تم اسے ریوالور کے ذریعے دھمکا رہے تھے اور اغوا کرنا چاہتے تھے۔ اب تو وہ تم پر طرح طرح کے الزامات عائد کریں گے۔''

وہ دانت پیس کر بولا ''وہ بہت بول رہی ہے۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے۔ غلطی سے میرا ریوالور اس کے ہاتھ لگ گیا ہے تو اب میں کیا کر سکتا ہوں؟ اس کم بخت ڈرائیور نے اسے وہ ریوالور دیا ہے۔ میں کب سے کہتا آ رہا ہوں کہ عینی اس دو ٹکے کے ڈرائیور پر مرمٹی ہے اور وہ بھی موقع شناس ہے۔ وہ میری ایک لاکھ روپے کی آفر ٹھکرا کر ایک امیرزادی کا اعتماد حاصل کر رہا ہے۔''

وہ اس کی باتیں سننے کے بعد سر ہلا کر بولی ''ہوں...... اس ٹیکسی ڈرائیور کا مقدر جاگ رہا ہے اور ہمارا مقدر سو رہا ہے۔''

داؤد سجانی نے کہا "میرے سامنے مقدر کی باتیں نہ کرو۔ میں پریکٹیکل آدمی ہوں۔ تدبیر سے تقدیر بدلنا جانتا ہوں۔"

وہ بولی "بھائی! ہم آج شام سے تقدیر بدلنے کے لیے تدبیریں کررہے ہیں لیکن مسلسل ناکام ہورہے ہیں۔"

"ناکامی کی وجوہات ہوتی ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ناکام ہوکر تقدیر کے رحم وکرم پر بیٹھ جائے۔ کبھی کبھی مخالفین کا منصوبہ ہمارے منصوبے سے زیادہ پاورفل ہوتا ہے اور وہ ہم پر سبقت لے جاتے ہیں۔ تو ایسے وقت ہم کہتے ہیں کہ ان کا مقدر اچھا ہے۔"

وہ بولی "تقدیر اور تدبیر کی بات چھوڑیں۔ یہ بتائیں، اب کیا ہوگا؟"

وہ ایک ذرا سوچنے کے بعد بولا "بات بگڑ چکی ہے۔ پہلے تمہارا پلڑا کسی حد تک اس لیے بھاری تھا کہ تم بڑی مکاری سے ایک سگی ماں کا رول پلے کررہی تھیں۔ اسے اپنی ممتا سے متاثر کررہی تھیں لیکن اب جواد کی ایک غلطی سے تمہاری ممتا کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ اب وہ نیم اندھی لڑکی تم ماں بیٹے پر بھروسا نہیں کرے گی۔"

وہ پُرعزم لہجے میں بولی "یہ کروڑوں اور اربوں روپے کی بازی ہے میں آسانی سے مات نہیں کھاؤں گی۔ ایک بار پھر عینی کا اعتماد حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کروں گی۔"

جواد نے مداخلت کی "انکل! آپ یہ تو معلوم کریں کہ وہ کم بخت ٹیکسی والا کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ آپ تو اسے ایک چٹکی میں مسل سکتے ہیں۔"

وہ بڑی سفاکی سے بولا "میرے اشارے پر کہیں سے بھی ایک اندھی گولی چلے گی اور اس کی زندگی کو چاٹ جائے گی۔ تم بتاؤ، کیا تمہیں اس ٹیکسی کا نمبر یاد ہے؟"

جواد نے ذرا سوچنے کے بعد کہا "نہیں انکل! مجھے نمبر پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔"

داؤد نے مسکرا کر کہا "کوئی بات نہیں۔ میرے آدمی اسے زمین کی تہ سے بھی نکال لائیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔"

دردانہ بیگم کو ٹیکسی ڈرائیور سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ان دونوں کی باتوں سے بے نیاز کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے کانوں میں داؤد سجانی کا یہ جملہ گونج رہا تھا کہ کبھی کبھی مخالفین کا منصوبہ ہمارے منصوبے سے زیادہ پاورفل ہوتا ہے اور وہ ہم پر سبقت لے جاتے ہیں۔

دردانہ بیگم نے بڑے اعتماد سے ایک گہری سانس لی۔ جیسے اپنی ناکامی کو پھونک میں اڑا رہی ہو پھر زیرِ لب کہا

"گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں......"

☆☆☆

فلک آفتاب کو دردانہ بیگم کی اس بات نے پریشان تھا کہ عینی کسی ٹیکسی والے کے ساتھ دیکھی گئی ہے۔ وہ اس ساتھ کہیں گھوم پھر رہی ہے اور گھر واپس نہیں آرہی ہے۔

دردانہ کی یہ بات ماننے والی نہیں تھی۔ ایک خیال آرہا تھا کہ وہ اپنی سوتیلی بیٹی پر خوامخواہ کیچڑ اچھال رہی پھر دوسری بات یہ بھی سمجھ میں آرہی تھی کہ اس نے آج عینی پر کیچڑ نہیں اچھالی تھی۔ وہ فراڈ ہی سہی مگر بڑی مکاری اس پر اپنی ممتا کی چھاپ لگاتی رہی ہے۔ اس کے بار بات ماننے والی تھی کہ وہ عینی کے خلاف نہ کبھی کوئی بات تھی، نہ کسی کی کوئی بات سن سکتی تھی۔

اب وہ اسے کسی ڈرائیور سے منسوب کررہی تھی تو آفتاب کے لیے یہ بات قابلِ غور تھی۔ وہ بڑی سنجید سوچ رہا تھا پھر اس نے فون کے ذریعے اپنے بڑے ذیشان سے رابطہ کیا اور پوچھا "ذیشان! تم کہاں ہو رات ہوگئی ہے اور تم اب تک واپس کیوں نہیں آئے؟"

وہ بولا "ڈیڈ! میں کیسے واپس آسکتا ہوں؟ عینی تک کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے۔"

"ابھی دردانہ فون پر کہہ رہی تھی کہ جواد نے عینی ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ دیکھا ہے۔"

"اچھا......؟ تو پھر جواد اسے گھر کیوں نہیں لایا؟"

"وہ کہتی ہے کہ عینی نے جواد کے ساتھ آنے سے کردیا تھا اور وہ اس ٹیکسی والے کے ساتھ بڑی بے تکلف اتنی رات گئے سڑکوں پر گھوم رہی ہے۔"

ذیشان نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں عینی ایسی نہیں ہے۔ دردانہ بیگم بکواس کررہی ہیں۔ جب عینی واپس نہیں آئے گی، اور بھٹکتی رہے گی۔ اس وقت سب ہی اس کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں بنائیں گے۔"

"کیا تم نے عروج کو فون کیا تھا؟ شاید اسے بارے میں کچھ معلوم ہوا ہو؟"

"میں نے دو گھنٹے پہلے فون پر اس سے بات کی بھی پریشان ہے اور اس کی واپسی کا انتظار کررہی ہے۔"

"میں تو کسی کڈنیپر کے فون کا انتظار کررہا ہوں۔ اس کی واپسی کے لیے بڑی سے بڑی رقم کا مطالبہ کر تعجب ہے۔ اب تک ایسا کوئی فون نہیں آرہا ہے۔ ا سے سوچنے کے بعد یقین کرنا پڑ رہا ہے کہ دردانہ در

رہی ہے۔ عینی کچھ بے لگام ہوگئی ہے۔"

"نو ڈیڈ! آپ اس کے بارے میں ایسی رائے قائم نہ کریں۔ وہ بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ وہ کبھی اپنے معیار سے نیچے آکر کسی ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ کوئی اسکینڈل نہیں بنائے گی۔"

"تم کب تک گھر آرہے ہو؟"

"شاید صبح تک آجاؤں۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ اس کی کچھ سن گن مل جائے تو میں فوراً ہی اسے اغوا کرنے والوں سے چھین لاؤں گا۔"

فلک آفتاب فون کا رابطہ ختم کرکے سوچنے لگا۔ یہ سوچ کر مایوسی ہوتی تھی کہ عینی دن بدن آزاد اور خودسر ہوتی جارہی ہے۔ پہلے وہ عروج سے بھی ملنے جاتی تھی تو اپنے بڑے ابو اور بڑی امی سے اجازت لیتی تھی یا انہیں مطلع ضرور کرتی تھی کہ وہ فلاں جگہ جارہی ہے۔

لیکن اب تو ڈرائیور کو حکم دیتی تھی کہ وہ گاڑی نکالے اور پھر پرس اٹھا کر چلی جاتی تھی۔

فلک سکندر حیات نے اس کے بڑے ابو یعنی فلک آفتاب حیات کو اس کا سرپرست بنایا تھا لیکن اس کی سرپرستی صرف گھر کی چاردیواری تک ہی محدود تھی۔ بزنس اور جائیداد کی دیکھ بھال کے سلسلے میں مرحوم نے اپنے وکیل اخلاق احمد کو ٹرسٹی بنایا تھا۔ عینی بائیس برس کی تھی۔ وہ اپنے باپ کا کاروبار سنبھال سکتی تھی۔ دولت اور جائیداد کی دیکھ بھال بھی کرسکتی تھی لیکن آنکھوں کی وجہ سے مجبور تھی پھر بھی عروج کی مدد سے کسی حد تک اپنے کاروبار اور دوسرے اہم معاملات کی دیکھ بھال کررہی تھی اور زیادہ تر اخلاق احمد پر بھروسا کرتی تھی۔

اخلاق احمد مرحوم فلک سکندر حیات کا بہت گہرا اور بچپن کا دوست تھا۔ بہت ہی قابلِ اعتماد تھا۔ عینی کو بیٹی کی طرح چاہتا تھا اور بڑی دیانت داری سے اس کے کاروبار کی نگرانی کررہا تھا۔

فلک آفتاب کو اپنے مرحوم بھائی سے یہ شکایت رہی تھی کہ اس نے اس پر بھروسا نہیں کیا۔ اسے صرف عینی کا سرپرست بنایا ہے۔ یہ بھی غنیمت ہی تھا کہ سرپرستی کے صلے میں اسے ماہانہ ایک لاکھ روپے ملتے تھے۔ تاکہ وہ عینی کے تمام اخراجات پورے کرتا رہے۔

فلک آفتاب ایک ناکام بزنس مین تھا۔ اس لیے وہ سکندر حیات کی طرح اپنے کاروبار کو اوورسیز تک نہ پھیلا سکا۔ اب جو بھی کاروبار رہ گیا تھا اسے اس کا چھوٹا بیٹا بابر سنبھال رہا تھا۔ بڑے بیٹے ذیشان کو کاروبار سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ بچپن ہی سے پولیس افسر بننے کے خواب دیکھتا رہا تھا۔

ذیشان نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد باقاعدہ ٹریننگ حاصل کی تھی اور اب پولیس کے شعبے میں ترقی حاصل کرتے کرتے سپرنٹنڈنٹ آف پولیس بن گیا تھا۔

فلک آفتاب کے دونوں بیٹے اپنے بل پر اچھا کمانے اور کھانے والا مزاج رکھتے تھے، لالچی نہیں تھے مگر آفتاب عینی کے سلسلے میں آنے والے ماہانہ ایک لاکھ روپے کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا پھر اس کی اور بیگم کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح بابر کا عینی سے رشتا ہوجائے تو پھر سب ہی کچھ ان کا اپنا ہوجائے گا۔

فلک آفتاب اور بیگم آفتاب اسی لالچ میں عینی کے سرپرست بنے ہوئے تھے اور بزرگ بننے کے بجائے اس کی جی حضوری میں لگے رہتے تھے۔ وہ شام سے لاپتا تھی اور انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی زندگی کا تمام سرمایہ کوئی ان سے چھین کر لے گیا ہے۔ کسی ٹیکسی والے کا سننے کے بعد تو یقین سا ہوگیا تھا۔

رات کے دو بج چکے تھے اور آنکھوں سے نیند اڑی ہوئی تھی۔ بیگم آفتاب بھی بیڈ پر تھی مگر کروٹیں بدل رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر عروج کے نمبر پنچ کیے رابطہ ہونے پر اس کی آواز سنائی دی "ہیلو......! انکل! آپ ہیں یا آنٹی؟"

وہ بولا "بیٹی! میں بول رہا ہوں۔ ہم سب پریشان ہیں۔ اب تک عینی کا کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ عینی میرے پاس خیریت سے ہے۔"

وہ خوشی سے اچھل پڑا پھر بولا "کیا......؟ کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟ وہ...... وہ تمہارے پاس ہے؟ کہاں ہے؟ کیا تمہارے گھر میں ہے؟"

"نہیں۔ ہم اس وقت اسپتال والے کوارٹر میں ہیں۔"

عینی کے بارے میں یہ سن کر کہ وہ عروج کے پاس خیریت سے ہے کروٹیں بدلنے والی بیگم آفتاب بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ ذرا سرک کر شوہر سے لگ کر دوسری طرف کی باتیں سننے کی کوشش کررہی تھی۔

آفتاب نے فون پر کہا "بیٹی! عینی سے بات کراؤ۔"

"سوری انکل! وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ یہاں آتے ہی سوگئی ہے۔ اب کل صبح دس بجے تک آپ اس سے بات کرسکیں گے۔ میں چاہتی ہوں، وہ آرام سے سوتی رہے۔"

"بیٹی! جب وہ تمہارے پاس آئی تھی تو تم نے فوراً ہمیں اطلاع کیوں نہیں دی؟"

وہ بولی ''میں کیا اطلاع دیتی؟ وہ بہت پریشان تھی، رو رہی تھی۔ اپنی روداد سنا رہی تھی۔ میں اسے سمجھاتی رہی۔ وہ ابھی تھوڑا بہت کھا پی کر سوئی ہے۔ اس کے بعد میں نے سوچا کہ اب آپ کو فون کروں تو ایسے ہی وقت آپ نے فون کر لیا۔''

وہ بولا ''بیٹی! ذرا ایک منٹ...... میں ابھی تم سے بات کرتا ہوں۔''

بیگم آفتاب بار بار ہاتھ کے اشارے سے کہہ رہی تھی کہ وہ بھی عینی سے بات کرنا چاہتی ہے۔ فلک آفتاب نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر جھنجلاتے ہوئے کہا ''کیوں پریشان کر رہی ہو؟ عینی سو رہی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسے نیند سے جگایا جائے تم اس شہزادی کا مزاج تو سمجھتی ہی ہو۔ وہ شاید ہم سے کترا رہی ہے۔ میں ابھی بات بناتا ہوں۔''

پھر اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر سے ہاتھ ہٹا کر کہا ''بیٹی عروج! تمہاری آنٹی اس سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہیں۔ جب سے وہ گم ہوئی تھی، تب سے تڑپ رہی ہیں۔ اب تک بھوکی بیٹھی ہیں۔ وہ ابھی عینی سے ملنے آ رہی ہیں۔''

عروج نے پریشان ہو کر عینی کو دیکھا پھر فون پر کہا ''انکل! میں نے ابھی کہا ہے کہ وہ سو رہی ہے۔ کیا آنٹی اسے نیند سے جگانا چاہتی ہیں؟''

''نہیں بیٹی! وہ سو رہی ہے۔ سوتی رہے گی۔ وہ تو صرف اسے دیکھ کر اپنے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچانا چاہتی ہیں۔ وہ اسے نہیں جگائیں گی بلکہ صبح تک وہاں رہ کر اس کے جاگنے کا انتظار کرتی رہیں گی۔''

عروج نے ناگواری سے منہ بنایا پھر کہا ''انکل! آپ تو جانتے ہیں، یہاں ہم ڈاکٹرز کے لیے ایک کمرے کا کوارٹر ہے۔ زیادہ افراد کی گنجائش نہیں ہے۔ آنٹی یہاں آ کر خوانخواہ پریشان ہوں گی۔ آپ انہیں سمجھائیں، وہ کل صبح فون پر عینی سے باتیں کر سکتی ہیں۔ بہت رات ہو چکی ہے۔ میں بھی سونے جا رہی ہوں۔ صبح مجھے ڈیوٹی پر جانا ہے۔ شب بخیر......''

اس نے فون بند کر دیا۔ فلک آفتاب نے چونک کر اپنے ریسیور کو دیکھا پھر ناگواری سے اسے کریڈل پر پٹختے ہوئے کہا ''اس نے فون بند کر دیا ہے۔ یہ سراسر ہماری انسلٹ ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''میں یقین سے کہتی ہوں، عینی سوئی نہیں ہے۔ جاگ رہی ہے اور عروج اس کے سامنے بیٹھی ہماری توہین کر رہی ہے۔ میں تو شروع سے ہی کہہ رہی ہوں کہ وہ اپنے بھائی حشمت سے عینی کو منسوب کرنا چاہتی ہے۔''

فلک آفتاب سوچتی ہوئی نظروں سے بیگم کو دیکھنے لگا۔ بولی ''اب وہ چاہتی ہے کہ ہم سب عینی سے ذرا دور دو رہیں۔ وہ فاصلہ رکھ کر اس کے دل سے ہماری محبت کم کر چاہتی ہے۔ اسی لیے تو عینی سیدھی ادھر گئی ہے۔ ہمارے پا نہیں آئی۔ وہ ہماری محبت، ہمارے خلوص اور ہماری بزرگ نظر انداز کر رہی ہے۔''

''ہوں...... سب اپنے اپنے طور پر چالیں چل رہے ہ مگر محبت سے چل رہے ہیں۔ ادھر دردانہ بیگم اس پر ممتا نچھاو کرتی آ رہی ہے اور اب عروج کے تیور بھی سمجھ میں آ ر ہیں۔ پتا نہیں عینی کو کسی نے اغوا کیا بھی تھا یا نہیں؟ مجھے تو لگ ہے کہ عروج نے ہی اسے شام سے غائب کر رکھا تھا۔''

بیگم نے پوچھا ''کیا ابھی ہمیں وہاں چلنا چاہیے؟''

''اگر وہ واقعی سو رہی ہوگی تو ہمارے وہاں جانے پر مانے گی۔ بیدار ہو کر جھنجلا جائے گی۔ ہمیں اسے جھنجلاہ میں مبتلا نہیں کرنا چاہیے۔ صبح تک صبر کرو۔''

اس عالیشان محل نما کوٹھی میں ایک ہی ٹیلی فون تھا۔ ا فون کے کنکشن دوسرے تمام کمروں میں پہنچے ہوئے تھے جنہیں ذاتی یا پرائیویٹ گفتگو کرنی ہوتی تھی وہ اپنا موبائل فو استعمال کرتے تھے۔ ورنہ عام دوست احباب اور ر داروں سے گفتگو کرنے کے لیے گھر کا وہ واحد فون ہی استعما ہوتا تھا۔

ایسے وقت جب فلک آفتاب عروج سے باتیں کر ر تو فلک ناز اپنے کمرے میں ریسیور کان سے لگائے ان باتیں سن رہی تھی۔ اس طرح اسے بھی معلوم ہو گیا کہ عروج کے اسپتال والے کوارٹر میں پہنچی ہوئی ہے۔

اس نے یہ بھی سنا کہ عینی ابھی سو رہی ہے۔ وہ کسی نہیں ملنا چاہے گی۔ کل صبح سب سے ملاقات کرے گی۔

فلک ناز نے یہ بھی سنا کہ اس کا بھائی فلک آفتاب اس کی بھابی ابھی وہاں جانے کی ضد کر رہے تھے لیکن عر نے انہیں ٹال دیا تھا۔ بلکہ فون ہی بند کر دیا تھا۔

وہ سوچنے لگی ''عینی خود انہیں ٹال رہی ہے۔ ورنہ عر کی کیا مجال تھی کہ وہ اس کے بڑے ابو اور بڑی امی کو و جانے سے روکتی؟ میں اچانک ہی وہاں پہنچوں گی۔ عینی ض جاگ رہی ہوگی۔ وہ مجھ سے ملاقات کرنے سے انکار کرے گی۔ وہ گستاخ نہیں ہے اور میری تو بہت عزت ہے۔ مجھے بہت چاہتی ہے، میرے عدنان کو بھی بہت چ ہے۔''

یہ سوچتے ہی اس نے فوراً لباس بدلا، پھر اپنا پرس ا

کمرے سے باہر چلی گئی۔

بیگم آفتاب نے دوسری طرف کروٹ بدلتے ہوئے کہا ''لائٹ آف کریں وہ شہزادی صاحبہ کل کسی وقت ہم سے ملاقات کرنا چاہیں گی تو ہم مل سکیں گے پھر ابھی اپنی نیند کیوں حرام کریں؟''

فلک آفتاب نے کہا ''لائٹ آف کر دینے سے تمہیں نیند نہیں آئے گی۔ اس وقت تم انگاروں پر لوٹ رہی ہو۔''

''تو آپ کیا پھولوں کی سیج پر ہیں؟''

''نہیں۔ عروج اس وقت کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے......''

وہ آگے بھی کچھ کہنا چاہتا تھا پھر ٹھٹک گیا، سر اٹھا کر آواز سننے لگا۔ بیگم آفتاب بھی کروٹ بدل کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا ''گاڑی کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ کوئی گھر سے جا رہا ہے۔''

بیگم نے کہا ''شاید بابر کہیں جا رہا ہے۔''

''اتنی رات کو وہ کہاں جائے گا؟''

فلک آفتاب نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر نمبر پنچ کر کے نائٹ چوکیدار سے رابطہ کیا۔ وہ بولا ''حکم بڑے صاحب!''

فلک آفتاب نے پوچھا ''ابھی یہاں سے کون گیا ہے؟''

''صاحب! آپ کی سسٹر گئی ہیں۔''

اس نے تعجب سے پوچھا ''فلک ناز......؟ مگر وہ اس وقت کہاں گئی ہے کیا تمہیں کچھ بتایا ہے؟''

وہ بولا ''نہیں صاحب جی! کوئی ہمیں بتا کر کہیں نہیں جاتا۔ ہم تو ملازم ہیں۔ آپ لوگوں کے لیے دروازہ کھولتے ہیں یا بند کرتے ہیں۔''

اس نے ریسیور رکھ کر بیگم کو دیکھا پھر ناگواری سے کہا ''ناز کہیں باہر گئی ہے۔''

وہ بولی ''ذرا گھڑی دیکھیں۔ اتنی رات کو وہ کہاں جائے گی؟ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ عینی عروج کے پاس پہنچ گئی ہے۔ وہ اسی سے ملنے گئی ہوگی۔''

بیگم آفتاب اٹھ کر بیٹھ گئی پھر بولی ''ابھی آپ نے عروج سے فون پر باتیں کی تھیں۔ ناز نے وہ تمام باتیں سن لی ہیں۔ اس کی تو عادت ہے۔ وہ گھر میں بیٹھے بیٹھے ہمارے خلاف جاسوسی کرتی رہتی ہے۔ آپ کو موبائل پر بات کرنی چاہیے تھی۔''

وہ بیڈ سے اتر کر الماری کے پاس آئی پھر اسے کھول کر ایک لباس نکالنے لگی۔ فلک آفتاب نے پوچھا ''کیا کر رہی ہو؟''

''اور کیا کروں گی؟ کیا آپ کی بہن سے پیچھے رہوں گی؟ ہمیں ابھی عینی کے پاس جانا چاہیے۔''

وہ بیزار ہو کر بولا ''کیا مصیبت ہے؟ میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔ اتنی رات کو کیا ضروری ہے کہ ہم وہاں جائیں۔ جب عینی ملنا نہیں چاہتی وہ عروج کے ذریعے کہہ چکی ہے کہ کل صبح ملے گی تو بے چینی کس بات کی ہے؟''

''بے چینی کیوں نہ ہو؟ ناز وہاں ہم سے پہلے پہنچ رہی ہے۔ یہ تاثر دینا چاہتی ہے کہ اس کی خاطر وہ اتنی رات کو بھی جاگ رہی ہے اور اس کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''ہوں...... اس وقت نند اور بھاوج کا روایتی جھگڑا ہے۔ میں سمجھاؤں گا تو میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس لیے بابر کو ساتھ لے جاؤ۔''

''وہ تو ساتھ جائے گا ہی...... مگر آپ بھی چلیں۔ آپ اس خاندان کے بڑے ہیں۔ عینی کے سرپرست ہیں۔ آپ جائیں گے تو وہ زیادہ متاثر ہوگی۔ ناز کے مقابلے میں آپ کا پلڑا بھاری ہوگا۔''

پھر وہ دروازے کے پاس جاتے ہوئے بولی ''آپ ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کے لیے کہیں۔ میں بابر کو جگاتی ہوں۔''

فلک آفتاب نے گھڑی دیکھی۔ تین بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ اس وقت بستر پر گر کر سو جانے کو جی چاہ رہا تھا لیکن بیگم کی وجہ سے جبراً جاگنا پڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی تو اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس کی سرپرستی سے باز آ جائے۔ وکیل اخلاق احمد سے کہہ دے کہ اب وہ اپنی امیر کبیر بھتیجی کے ناز نخرے برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ اس لیے اس کی سرپرستی سے دستبردار ہو رہا ہے۔

لیکن ماہانہ ایک لاکھ روپے کی آمدنی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ پچاس ساٹھ ہزار روپے سے گھر کے تمام اخراجات پورے کرتا تھا اور چالیس ہزار بچا کر اپنے اکاؤنٹ میں جمع کر دیتا تھا۔ گھر میں بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی رقم جمع ہو رہی تھی۔ اس لیے دودھ دینے والی گائے کی لاتیں برداشت ہو جاتی تھیں۔

اس نے دراز کھول کر گاڑی کی چابی نکالنی چاہی تو یاد آیا کہ چابی ڈرائیور کے پاس ہی ہے۔ وہ کمرے سے نکل کر کوٹھی کے باہر جانے لگا۔

دوسری طرف بیگم نے بابر کے دروازے پر دستک دی۔

رات کا سہ پہر تھا۔ ایسے وقت سب ہی گہری نیند میں ہوتے ہیں۔ وہ بھی سو رہا تھا۔ دروازے پر مسلسل دستک ہونے کے باعث وہ آنکھیں ملتا ہوا بیڈ سے اتر کر دروازے کے پاس آیا۔ کھول کر دیکھا تو ماں سامنے دکھائی دی۔ اس نے بیزار ہو کر پوچھا "کیا بات ہے ممی! اتنی رات کو کیوں جگا رہی ہیں؟"

وہ بولی "بیٹا! فوراً تیار ہو جاؤ۔ عینی کے پاس جانا ہے۔"

"اتنی رات کو کہاں جانا ہے؟ کہاں ہے عینی......؟"

"وہ عروج کے پاس اسپتال میں ہے۔"

"خیریت تو ہے؟ کیا عینی زخمی ہو گئی ہے؟"

"وہ بیمار نہیں ہے۔ اپنی سہیلی عروج کے پاس اس کے کوارٹر میں ہے۔"

وہ بیزاری سے بولا "تو اسے وہاں رہنے دیں۔ کل صبح واپس آ جائے گی۔"

وہ الجھ کر بولی "بے وقوف! وہ خود واپس آئے گی تو اسے کیسے معلوم ہوگا کہ ہم تمام رات اس کے لیے کس قدر پریشان رہے ہیں؟ ہم اسے لینے جائیں گے تو وہ بڑے جذبے سے سوچے گی اور یقین کرے گی کہ ہم دل و جان سے چاہتے ہیں اور اس کے لیے پریشان رہتے ہیں۔"

"سوری ممی! میں اسے چاہنے یا چاہے جانے کا سرٹیفکیٹ حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ میری نیند خراب نہ کریں۔ پلیز جائیں۔ مجھے سونے دیں۔"

وہ دروازہ بند کرنا چاہتا تھا مگر وہ جبراً اسے دھکیلتی ہوئی اندر آ کر غصے سے بولی "بکواس مت کرو۔ تم واپس آ کر بھی نیند پوری کر سکتے ہو۔ کیا ایک رات اس کی خاطر جاگ نہیں سکتے؟"

"ممی! یہ کیا زبردستی ہے؟ ایک تو آپ ڈیڈی سے جبراً اپنی باتیں منواتی رہتی ہیں اور میرے ساتھ بھی یہی سلوک کرتی ہیں۔ خدا کے لیے چلی جائیں۔ میں نہیں جاؤں گا۔"

"کیسے نہیں جاؤ گے؟ جب میں نے کہہ دیا ہے تم تو کیا تمہارے باپ کو بھی جانا پڑے گا۔"

ڈیڈی تو ضرور جائیں گے یہ میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میں نہیں جاؤں گا۔"

وہ بیڈ پر جا کر لیٹ گیا۔ بیگم آفتاب نے اسے غصے سے دیکھا پھر پاؤں پٹختی ہوئی کوٹھی کے باہر آ گئی۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آفتاب سے بولی "گاڑی کہاں ہے؟"

"اور کہاں ہوگی؟ ناز ہماری گاڑی لے گئی ہے۔"

وہ غصے سے تلملا کر بولی "کیا......؟ وہ ہماری گاڑی کیوں لے گئی ہے؟ کیسے لے گئی ہے؟ آپ نے اسے چابی کیوں دی تھی؟"

"بھئی میں نے اسے چابی نہیں دی تھی۔ وہ ڈرائیور کے پاس ہی تھی اور ناز ڈرائیور سمیت ہماری گاڑی لے گئی ہے۔"

"اس کی اپنی گاڑی کیا ہوئی؟"

وہ جھنجلا کر بولا "سیدھی سی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس کی گاڑی عدنان لے گیا ہے اور وہ ہماری گاڑی لے گئی ہے۔ اب خواہ مخواہ جھگڑا نہ کرو۔ میں نے نائٹ چوکیدار سے کہا ہے۔ وہ ٹیکسی لینے گیا ہے۔"

"وہ وہاں پہلے پہنچ کر اپنا مقدر بنا رہی ہے۔"

"اس میں مقدر بنانے کی کیا بات ہے؟ جب عینی کو معلوم ہوگا کہ وہ ہماری گاڑی چھین کر ہمیں وہاں جانے سے روک رہی تھی تو خود ہی اس کی سبکی ہوگی اور تم جو یہ مقدر بنانے والی بات کہہ رہی ہو نا تو ایک بات اچھی طرح سمجھ لو اگر ہمارا مقدر اچھا ہوگا تو ہم اس سے پہلے پہنچ جائیں گے۔"

"ہم بھلا اس سے پہلے کیسے پہنچیں گے؟ جبکہ وہ نکل چکی ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا "تم مقدر کے تماشے کیا جانو؟ کبھی اپنے اور کبھی دوسروں کے حالات پر توجہ دیا کرو۔ ذرا غور کرو گی تو پتا چلے گا کہ مقدر کس طرح بنتا اور بگڑتا ہے؟ وہ جو ہم سے آگے گئی ہے۔ اس کی گاڑی خراب ہو سکتی ہے۔ اسے کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح اسے دیر ہو سکتی ہے اور ہم اس سے پہلے عینی کے پاس پہنچ سکتے ہیں۔"

بیگم آفتاب اس کی باتیں سن رہی تھی پھر منہ بنا کر بولی "یہ تو آپ میرا دل بہلانے والی باتیں کر رہے ہیں۔"

ایسے ہی وقت ٹیکسی آ گئی۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے پھر وہاں سے جانے لگے۔

فلک آفتاب میرے بارے میں درست کہہ رہا تھا۔ میں عجب تماشے دکھاتا ہوں۔ کبھی آگے جانے والوں کو پیچھے کر دیتا ہوں اور کبھی پیچھے جانے والوں کو آگے کر دیتا ہوں۔ یہ ایک عام سی بات ہے۔ جو سب کی سمجھ میں آ سکتی ہے لیکن جو سب کی سمجھ میں نہیں آتیں، میں ایسی چالیں بھی چلتا ہوں پھر بعد میں پتا چلتا ہے کہ سوچا کیا تھا مگر کیا ہو گیا؟

ادھر عینی اور عروج یہ اچھی طرح سمجھ رہی تھیں کہ رشتے دار آج ضرور آئیں گے اتنی رات گئے اپنی محبتیں ظاہر کر کے اسے پریشان کریں گے۔ عینی نے کہا "عروج! کوئی تدبیر کر۔ میں ابھی کسی سے نہیں ملنا چاہوں گی، بہت تھکی ہوئی ہوں۔"

وہ بولی "دیکھا جائے تو تیرے رشتے دار تجھے پریشان

نہیں کر رہے ہیں تیری دولت تجھے پریشان کر رہی ہے۔ یہ نہ ہوتی تو آج تجھے کوئی نہ پوچھتا......"

عینی نے ذرا سوچنے کے بعد کہا "کیوں نہ ہم کسی ہوٹل میں جا کر رہیں؟"

"ہم دو جوان لڑکیاں ہوٹل میں کمرا کرائے پر لیں گی اور وہاں بھی تماشا بن جائیں گی۔ پولیس والے انکوائری کے لیے چلے آئیں گے۔ وہاں بھی ہمیں ملنے ملانے والوں سے اور محاسبہ کرنے والوں سے نجات نہیں ملے گی۔"

"ہم لڑکیوں کے لیے بڑی مشکل ہے۔ لڑکوں کی طرح آزادی سے کہیں جا نہیں سکتیں۔ کہیں پناہ نہیں لے سکتیں۔ کاش! ہم میں سے ایک لڑکا ہوتا۔"

عروج فوراً ہی اس سے لپٹ کر بولی "ہائے میری جان! لڑکا ہوتی تو تجھے بھگا کر لے جاتی۔"

وہ خود کو چھڑا کر بولی "نہیں۔ لڑکا میں ہوتی۔ تجھے کیا پتا تو کتنی حسین اور پرکشش ہے؟ تجھے دیکھ دیکھ کر میں جیتی رہتی۔ تجھے اتنی محبتیں دیتی۔ اتنی محبتیں دیتی کہ عشق و محبت کے پچھلے تمام ریکارڈز توڑ دیتی۔"

"تو تو الٹی باتیں کرتی ہے۔ مجھ سے زیادہ کشش تو تجھ میں ہے۔"

عینی نے سر ہلا کر کہا "میں مانتی ہوں کہ مجھ میں زیادہ کشش ہے لیکن وہ دولت کی مصنوعی کشش ہے......مگر تیرے اندر ایک قدرتی کشش ہے۔ جسے تو نہیں سمجھتی ہے۔ میں اکثر یہ بات نوٹ کرتی رہتی ہوں کہ ہمارے قریب سے گزرنے والے تجھے زیادہ دیکھتے ہیں، تجھ سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔"

"یہ تو کہاں کی باتیں لے بیٹھی ہے؟ ابھی اپنا مسئلہ حل کر تیرے رشتے دار آنے والے ہیں۔ ان سے کیسے نجات حاصل کرے گی؟"

وہ پریشان ہو کر بولی "میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

عروج نے کہا "میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ ہم نے فون تو بند کر رکھا ہے اب ایسا کرتے ہیں کہ دروازے کھڑکیاں بند کر کے کمرے میں اندھیرا کر دیتے ہیں اور بیرونی دروازے پر باہر سے تالا ڈال دیتے ہیں پھر جو بھی آئے گا وہ تالا دیکھ کر چلا جائے گا۔"

عینی خوش ہو کر بولی "یہ بہت اچھی تدبیر ہے مگر باہر تالا ڈال کر اندر کیسے آئیں گے؟"

"بھئی یہاں نائٹ چوکیدار ہوتا ہے۔ میں ابھی اسے بلاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی پھر تالا چابی لے کر باہر آ گئی۔ نائٹ چوکیدار کونے والے کوارٹر کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ عروج نے اسے پکارا تو وہ دوڑتا ہوا اس کے قریب آ کر بولا "جی بی بی جی!"

وہ بولی "دیکھو! میں آرام سے سونا چاہتی ہوں، میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے ڈسٹرب کرے۔ تم یہ تالا باہر سے لگا دو۔ کوئی بھی مجھ سے ملنے آئے تو کہہ دینا کہ میں یہاں موجود نہیں ہوں۔ کہیں چلی گئی ہوں۔"

"جی بی بی جی! میں یہی کہوں گا۔"

"میرے سگے رشتے دار بھی آ جائیں اور وہ کتنی ہی ایمرجنسی ظاہر کریں۔ تب بھی انہیں یہ نہ بتانا کہ میں اندر موجود ہوں۔"

وہ اس سے تالا لیتے ہوئے بولا "جی میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ میں ابھی تالا لگا دیتا ہوں۔"

"تمہاری ڈیوٹی صبح چھ بجے ختم ہو جائے گی؟"

"جی بی بی جی!"

"تمہارے بعد قادر بخش ڈیوٹی پر آئے گا، اس سے کہہ دینا کہ وہ صبح دس بجے کال بیل کا بٹن دبا کر مجھے جگا دے۔ میں اسے چابی دوں گی تو وہ باہر سے تالا کھول دے گا۔"

"جی! میں قادر بخش کو سمجھا دوں گا۔"

وہ اندر چلی گئی۔ نائٹ چوکیدار نے دروازہ بند کر کے تالا ڈال دیا۔ وہ دروازہ مقفل ہو گیا۔ اس کوارٹر میں دو کھڑکیاں تھیں۔ انہیں اندر سے بند کر دیا گیا پھر عروج نے ایک ایک کر کے تمام لائٹس آف کر دیں۔ صرف بیڈ روم میں ایک زیرو پاور کے بلب کو روشن رہنے دیا۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس لیے اس ننھے بلب کی مدھم روشنی باہر سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ دونوں یہ نہیں جانتی تھیں کہ واقعی عینی کے رشتے دار دندناتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے تو احتیاطاً یہ تدبیر کی تھی اور اکثر تدبیر سے ہی تقدیر بدلا کرتی ہے۔

فلک آفتاب اور اس کی بیگم ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ٹیکسی اسپتال کی طرف رواں دواں تھی۔ فلک آفتاب نے کہا "تم عینی کو بابر سے منسوب کرنے کے خواب دیکھ رہی ہو اور بابر ہے کہ عینی میں کوئی دلچسپی ہی نہیں لیتا ہے۔ ہمارے کہنے پر اس کے پیچھے جاتا ہے، پھر پلٹ کر چلا آتا ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی "پتا نہیں کیسے مزاج کا لڑکا ہے؟

کسی لڑکی میں دلچسپی نہیں لیتا ہے۔ میں نے آج تک اس کے بارے میں کوئی اسکینڈل نہیں سنا......"

"تم نے دراصل ذیشان پر تکیہ کیا ہوا ہے۔ یہ سوچ کر بیٹھی ہوئی ہو کہ بابر شادی کے لیے راضی نہ ہوا تو عینی کی شادی ذیشان سے کرادی جائے گی۔"

"ظاہر ہے۔ یہی کرنا ہوگا۔ پانچ برس سے اوپر ہوگئے ہیں اور اب تک اولاد کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔ اسما بانجھ ہے۔ اس کی گود کبھی ہری نہیں ہوگی۔ خاندان کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی نسل چلانے کے لیے ہمیں ہی کچھ کرنا ہوگا۔"

"تم کیا سمجھتی ہو؟ عینی ایک شادی شدہ لڑکے سے شادی کرنے پر راضی ہوجائے گی۔ کیا اسما کی سوکن بننا پسند کرے گی؟"

"میں نہیں جانتی کہ کیا ہوگا؟ لیکن ابھی آپ نے کہا تھا کہ تقدیر کے تماشے عجیب ہوتے ہیں۔ جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے، وہ ہوجاتا ہے۔ اللہ کرے وہ ہوجائے جس کے بارے میں ہمیں یقین نہیں ہے۔ عینی کا مقدر بدلے گا تو وہ ضرور ذیشان سے شادی کرنے پر راضی ہوجائے گی۔"

فلک آفتاب کھڑکی کے باہر دور دیکھتے ہوئے ایک دم سے چونک گیا پھر بیگم سے بولا "وہ...... ادھر دیکھو۔ وہاں ہماری گاڑی ہے۔ شاید خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ ڈرائیور اسے درست کررہا ہے۔"

بیگم نے خوش ہوکر کہا "خدا کا شکر ہے۔ دیکھیں! ٹیکسی نہ روکیں۔ اپنی بہن سے ہمدردی نہ کریں۔ سیدھے اسپتال چلیں......"

پھر وہ ڈرائیور سے بولی "گاڑی ذرا تیز چلاؤ۔"

ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار تیز کردی۔ انہوں نے اپنی کار کے قریب سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ ناز پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور ڈرائیور بونٹ اٹھائے خرابی دور کررہا تھا۔ وہاں سے گزر کر ذرا دور نکل جانے کے بعد بیگم آفتاب نے اپنے میاں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "آپ نے درست کہا تھا۔ مقدر عجیب تماشے دکھاتا ہے۔ وہ ہم سے بہت پہلے نکل چکی تھی مگر پیچھے رہ گئی ہے۔ اب ہم آگے جارہے ہیں۔"

میں انسانوں کی ایسی باتوں پر اور خوش فہمیوں پر مسکراتا ہوں۔ وہ ایک ذرا سی کامیابی پر خوش ہوجاتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ آگے ناکامی کا سامنا ہوسکتا ہے۔

فلک ناز نے انہیں اپنے قریب سے گزرتے نہیں دیکھا تھا۔ ویسے ان کے گزرتے ہی گاڑی ٹھیک ہوگئی۔ ڈرائیور اسے اسٹارٹ کرکے اسپتال کی طرف جانے لگا۔ وہ د
اسپتال کے احاطے میں پہنچ گئے۔ ڈرائیور نے ٹیکسی ایک
روک دی۔ فلک آفتاب کرایہ ادا کرکے باہر آیا۔ بیگم آ
نے پوچھا "کیا آپ جانتے ہیں، عروج کا کوارٹر کس
ہے؟"

وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا "جانتا تو نہیں ہو
پوچھنے سے معلوم ہوجائے گا۔"

وہ اسپتال کی عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔ اِ
وقت فلک ناز ان کی کار میں وہاں پہنچ گئی۔ وہ دونوں
دیکھ کر رک گئے۔ بیگم نے اسے دیکھ کر ناگواری سے منہ
فلک ناز کار سے اترتے ہوئے انہیں وہاں دیکھ کر چونک

بیگم آفتاب نے پوچھا "تم اجازت کے بغیر گاڑی لے کر کیوں آئی ہو؟"

"بھابی جان! ناراض نہ ہوں۔ میں نے سوچا
ہوں گی۔ میرا یہاں آنا ضروری تھا۔ یہ گاڑی پورچ میں
ہوئی تھی، چابی بھی ڈرائیور کے پاس تھی۔ اس لیے ا
لینے کی نوبت نہیں آئی اور ویسے بھی یہ میرے بھائی
ہے۔ اسے استعمال کرنے کے لیے آپ سے اجاز
ضروری نہیں ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "خدا کے لیے۔ تم دونوں
جھگڑا شروع نہ کردینا۔ میری عزت کا ہی خیال کرو
عروج کی طرف چلو۔ میں معلوم کرتا ہوں کہ اس کا کوار
ہے؟"

فلک ناز نے کہا "میں ایک بار یہاں آچکی ہوں
میرے ساتھ چلیں۔"

وہ تینوں کوارٹر کی طرف جانے لگے۔ بیگم آفتاب
"دیکھو ناز! تمہاری یہ بات اچھی نہیں ہے کہ تم صرف
غرض کو دیکھتی ہو۔ جب یہ معلوم ہوچکا تھا کہ عینی یہاں
ہے تو تم ہمیں بھی نیند سے جگا سکتی تھیں اور ہمار
یہاں آسکتی تھیں۔ جبکہ ہم جاگ رہے تھے۔"

فلک ناز نے مصلحتاً نرم ہوکر کہا "بھابی جان! مجھ
ہوگئی۔ میں سمجھ رہی تھی، آپ سو رہی ہیں۔ بہر حال
ایسی غلطی نہیں ہوگی۔"

وہ نند بھاوج لڑتی بھی تھیں، جھگڑتی بھی تھیں
صلح بھی کرلیا کرتی تھیں۔ وہ سب عینی تک پہنچنے کے
دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششیں کرتے رہے
اب ایک ساتھ وہاں پہنچ رہے تھے۔

جب اتنی جدوجہد کے بعد اس کوارٹر کے سا

دروازے پر تالا دیکھ کر انہیں اللہ تعالیٰ یاد آگیا۔

وہ تینوں جیسے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو مایوسی سے دیکھا۔ فلک ناز نے آگے بڑھ کر کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ بیگم آفتاب نے کہا "گھنٹی بجانے کا کیا فائدہ ہے؟ جب دروازے پر تالا لگا ہوا ہے تو اندر کون ہوگا؟"

وہ دونوں اندر سونے ہی والی تھیں۔ ایسے وقت کال بیل کی آواز سن کر چونک گئیں۔ عروج نے اس کے کان میں سرگوشی کی "آفت کے فرشتے آگئے۔"

عینی نے بھی سرگوشی میں کہا "یہ زیرو پاور والا بلب بھی بجھادو۔ میں نہیں چاہتی کہ انہیں کسی بھی طرح کا کوئی شبہ ہو۔"

عروج اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی "میرے ساتھ بیڈ سے اتر اور دروازے تک چل۔ ذرا دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، وہ کب تک وہاں کھڑے رہیں گے؟"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بیڈ سے اتر گئی۔ دونوں ہی ننگے پاؤں چلتی ہوئی سوئچ بورڈ کے پاس آئیں۔ عروج نے زیرو پاور کے بلب کو آف کردیا پھر وہ کوریڈور میں آئیں تو وہاں گہری تاریکی تھی۔ عروج اندازے کے مطابق چلتی ہوئی عینی کو لے کر دروازے تک پہنچ گئی۔

باہر بیگم آفتاب کہہ رہی تھی "ابھی ایک گھنٹا پہلے عروج نے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ اس کوارٹر میں ہے پھر وہ یہاں سے کہاں چلی جائے گی؟"

فلک ناز کی آواز سنائی دی "صرف عینی ہی نہیں، عروج بھی یہاں سے چلی گئی ہے۔"

فلک آفتاب نے پریشان ہوکر کہا "آخر یہ دونوں کہاں جاسکتی ہیں؟"

بیگم آفتاب نے کہا "یہ عروج بڑی مکار ہے۔ عینی کو ہم سے دور کررہی ہے اور کہاں جائے گی؟ ضرور اسے اپنے گھر لے گئی ہے۔"

فلک ناز نے کہا "عینی بھی کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ آخر عروج کے بہکاوے میں کیوں آجاتی ہے؟"

فلک آفتاب نے کہا "عینی کے پاس فون نہیں ہے اور عروج کا موبائل بند ہے۔ ہمیں اس کے گھر میں فون کرنا چاہیے مگر یہاں سے چلو۔"

بیگم آفتاب نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرا دل نہیں کہتا کہ یہاں سے جاؤں۔ ایسا لگتا ہے، جیسے اس بند دروازے کے پیچھے عینی کو قید کرکے رکھا گیا ہے۔"

فلک ناز نے تائید میں کہا "میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔ ہوسکتا ہے۔ عروج نائٹ ڈیوٹی کے لیے اسپتال میں گئی ہو اور باہر سے تالا لگادیا ہو۔ عینی اندر ہوسکتی ہے۔"

بیگم آفتاب دروازے کے قریب آکر کال بیل کے بٹن کو دبانے لگی۔ ایک بار...... دو بار وہ وقفے وقفے سے بٹن دباتی رہی اور انتظار کرتی رہی۔

فلک آفتاب نے بیزار ہوکر کہا "یہ تم لوگوں کا وہم ہے۔ عینی اندر نہیں ہے۔ چلو یہاں سے......"

"یہاں نہیں ہے تو کہاں ہے؟ آپ ابھی عروج کے گھر فون کریں۔ اس کے گھر والوں سے پوچھیں کہ عینی عروج کے ساتھ وہاں پہنچی ہے یا نہیں......؟"

فلک آفتاب نے موبائل فون نکال کر نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد سید تراب علی شاہ کی نیند بھری آواز سنائی دی "اتنی رات کو کون ہے بھئی؟ ذرا گھڑی دیکھو......!"

وہ بولا "معافی چاہتا ہوں شاہ جی! میں فلک آفتاب بول رہا ہوں۔"

وہ خوش دلی سے بولا "اوہو...... آپ ہیں؟ میں سمجھ گیا، آپ عینی کے لیے پریشان ہیں۔ کیا وہ ابھی تک گھر نہیں پہنچی ہے؟"

"نہیں۔ وہ گھر تو نہیں پہنچی ہے مگر اتنا معلوم ہوا تھا کہ وہ عروج کے پاس اسپتال پہنچی تھی ابھی ہم اسپتال والے کوارٹر کے سامنے ہیں لیکن یہاں دروازے پر تالا پڑا ہوا ہے۔ کیا یہ دونوں آپ کے پاس نہیں ہیں؟"

"نہیں آفتاب بھائی! اگر عینی یہاں آتی تو میں سب سے پہلے آپ کو اطلاع دیتا۔"

آفتاب نے کوارٹر کے مقفل دروازے کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے کہا "تو پھر عروج عینی کو لے کر کہاں چلی گئی ہے؟"

"عروج اسے کہیں کیوں لے جائے گی؟"

"دو گھنٹے پہلے اس سے فون پر بات ہوئی تھی۔ اس نے خود ہمیں بتایا تھا کہ عینی اس کے پاس پہنچ گئی ہے مگر ہم یہاں آئے ہیں تو دیکھ رہے ہیں کہ دروازے پر تالا پڑا ہوا ہے اور اندر تاریکی ہے۔ کئی بار کال بیل کا بٹن دبا چکے ہیں لیکن کوئی جواب نہیں مل رہا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ دونوں اس کوارٹر میں نہیں ہیں۔ اسپتال میں بھی نہیں ہیں، آپ کے گھر میں بھی نہیں ہیں پھر یہ کہاں چلی گئی ہیں؟"

تراب علی نے کہا "آپ کے یہ تمام سوالات مجھے پریشان کررہے ہیں، فکر میں مبتلا کررہے ہیں۔ مجھے بھی سوچنا ہوگا کہ یہ دونوں لڑکیاں آخر کہاں چلی گئی ہیں؟"

فلک آفتاب نے کہا "آپ بھی اپنی جگہ سوچیں۔ ہم بھی سوچ رہے ہیں۔ پہلے تو صرف عینی کو تلاش کرنے کی بات تھی۔ اب عروج کو بھی تلاش کرنا ہے۔"

عروج اور عینی دیوار سے لگی ان کی باتیں سن رہی تھیں اور منہ دبا کر ہنس رہی تھیں۔ فلک آفتاب نے رابطہ ختم کر کے اپنی بیگم سے کہا "سنا تم نے......؟ وہ دونوں وہاں بھی نہیں ہیں۔"

"آپ مانیں یا نہ مانیں...... مگر میرا دل کہہ رہا ہے کہ عینی اسی کوارٹر میں ہے۔ عروج نے ہمیں دھوکا دینے کے لیے یہ تالا لگایا ہوا ہے۔"

فلک ناز نے کہا "ہمیں ابھی اسپتال میں جا کر معلوم کرنا چاہیے کہ عروج ڈیوٹی پر ہے یا نہیں......؟"

اسی وقت چوکیدار نے آ کر پوچھا "آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

فلک آفتاب نے کہا "ہم عروج کے رشتے دار ہیں۔ اس سے ملنے آئے ہیں۔"

"چوکیدار نے کہا "آپ دیکھ رہے ہیں، دروازے پر تالا لگا ہوا ہے۔ وہ یہاں نہیں ہیں۔"

"تمہیں تو معلوم ہوگا، وہ کہاں گئی ہے؟"

"ہم نوکر لوگ ہیں۔ مالکان بھی نوکروں کو بتا کر نہیں جاتے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟"

"تم نے یہ تو دیکھا ہوگا کہ ڈاکٹر عروج کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تھی۔"

وہ بولا "میں نے تو ڈاکٹر صاحبہ کو یہاں سے جاتے ہی نہیں دیکھا ہے۔"

فلک ناز نے پوچھا "کیا تمہاری ڈاکٹر صاحبہ اس وقت اسپتال میں ڈیوٹی پر ہوں گی؟"

وہ بولا "میں یہاں کسی کی ڈیوٹی کے بارے میں نہیں جانتا۔ صرف اپنی ڈیوٹی انجام دیتا ہوں، آپ کہتے ہیں کہ آپ سب ڈاکٹر صاحبہ کے رشتے دار ہیں تو میں آپ کو یہاں سے جانے کے لیے بھی نہیں کہہ سکتا لیکن جب تک آپ کھڑے رہیں گے تب تک مجھے بھی یہاں رہنا ہوگا۔"

فلک آفتاب نے اپنی بیگم کو اور فلک ناز کو دیکھا پھر کہا "چلو یہاں سے......"

وہ تینوں وہاں سے مایوس ہو کر جانے لگے، نائٹ چوکیدار بھی ان کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ جب وہ کار میں بیٹھ کر وہاں سے چلے گئے تو چوکیدار پھر عروج کے کوارٹر کے سامنے آ گیا۔ دروازے پر دستک دے کر بولا "بی بی جی! وہ لوگ جا چکے ہیں۔"

عروج نے کہا "تم کھڑکی کے قریب آؤ۔"

وہ کھڑکی کے پاس گیا تو عروج نے اس کا ایک پٹ کھول کر ایک لال نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اسے رکھ لو۔ اب میں سونے جا رہی ہوں۔ صبح دس بجے قادر بخش سے کہنا کہ وہ مجھے جگا دے۔"

یہ کہہ کر اس نے کھڑکی بند کر لی پھر عینی کا ہاتھ تھام کر بیڈ روم میں آ گئی۔ وہاں زیرو پاور کے بلب کو آن کیا تو کمرے کی تاریکی کسی حد تک کم ہو گئی۔ عینی کا ہاتھ مسلسل اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اسے لے کر بیڈ پر آ گئی۔

عینی نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا "اف...... میرا تو جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔ شام سے ویرانے میں بھٹکتی رہی ہوں اور اب ذرا سکون ملا تو رشتے دار پریشان کر رہے ہیں۔"

عروج نے اس کے ہاتھ کو دباتے ہوئے کہا "بے فکر ہو جا! اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ آرام سے سو جا۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔"

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف کروٹ لی پھر ایک دوسرے پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ سونے کی کوشش کرنے لگیں۔

عروج کو بستر پر لیٹتے ہی سو جانے کی عادت تھی لیکن وہ بری طرح تھک جانے کے باوجود جاگ رہی تھی۔ بند آنکھوں کے پیچھے دھندلا دھندلا سا پاشا جانی دکھائی دے رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار کوئی اس کے خیالوں میں آ رہا تھا اور اب شاید خوابوں میں بھی آنے والا تھا۔

☆☆☆

اچانک کسی سے نظریں چار ہونا اور محبت میں مبتلا ہو جانا، اچانک بچھڑ جانا، اچانک مر جانا اور اچانک ہی مرتے مرتے جی اٹھنا۔ ایسا اکثر ہماری دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔ ایسے وقت کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا ہے۔ یہ اتفاقات ہیں زمانے کے......

لیکن نہیں۔ ایسا اتفاقاً نہیں ہوتا۔ ایسا مقدر سے ہوتا ہے۔ میری مرضی سے ہوتا ہے۔ میں کبھی انسانوں کی زندگی میں قبرستان کی سی خاموشی پیدا کرنے اور کبھی ہلچل پیدا کرنے کے لیے کسی کو کسی سے ملا دیتا ہوں یا کسی کو کسی سے جدا کر دیتا ہوں۔

میں نے ایسا ذیشان کے ساتھ بھی کیا۔ وہ عینی کو تلاش کرنے کے سلسلے میں آدھی رات کے بعد گھر سے نکلا ہوا تھا۔ کار ڈرائیو کرتا ہوا اپنے دفتر کی طرف آ رہا تھا۔ ایسے ہی وقت

اسے اچانک بریک لگانا پڑا۔ کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔ ونڈ اسکرین کے پار ایک عورت چادر میں لپٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اگر وہ فوراً ہی بریک نہ لگاتا تو کار کے سامنے آنے والی گاڑی سے ٹکرا جاتی اور شاید دوسری دنیا میں پہنچ جاتی۔

دفتر ذرا فاصلے پر تھا۔ کتنے ہی سپاہی بریک کی آواز سن کر اور ذیشان کی گاڑی کو دیکھ کر دوڑتے ہوئے وہاں چلے آئے تھے اور اس عورت کو لعنت ملامت کر رہے تھے۔

ذیشان نے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا "اسے کچھ نہ کہو۔ پہلے یہ معلوم کرو کہ یہ کون ہے جو آدھی رات کو سڑک پر چہل قدمی کر رہی ہے۔"

وہ کار سے نہیں ٹکرائی تھی۔ ٹکرانے سے پہلے ہی دہشت زدہ ہو کر سڑک کے کنارے گر پڑی تھی۔ ذیشان کے ایک ماتحت نے آگے بڑھ کر کڑک دار لہجے میں پوچھا "اے! کون ہو تم......؟"

وہ کراہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ چادر سر سے ڈھلک گئی تھی۔ اس نے گھوم کر سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اس کا چہرہ دیکھ کر سب کو چپ سی لگ گئی۔ وہ ملک کی مشہور گلوکارہ گل خانم تھی۔

حیرانی اس بات پر تھی کہ وہ کبھی بے پردہ ہو کر اپنی کوٹھی سے نہیں نکلتی تھی۔ شاپنگ کے لیے بھی اپنے شوہر کے ساتھ برقع پہن کر نکلا کرتی تھی۔ صرف ٹی وی اسکرین پر ہی وہ بے پردہ دکھائی دیتی تھی۔ گیت گاتی تھی اور گیت کے بول کے مطابق ایسی ایسی ادائیں دکھاتی تھی کہ دیکھنے اور سننے والے اسے دل و جان سے پسند کرتے تھے۔ ایک آئیڈیل محبوبہ کی طرح اس کی تمنا بھی کرتے تھے۔

دوسری حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ ذیشان کی کار سے ٹکرائی نہیں تھی پھر بھی لہولہان تھی۔ اس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ بھرے بھرے بازوؤں کی ایک آستین پھٹی ہوئی تھی۔ وہاں سے بھی خون جھلک رہا تھا۔

چادر درست کرتے ہوئے بولی "میں ایس پی صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔"

ذیشان نے ایک ماتحت سے کہا "انہیں میرے کمرے میں لے چلو اور فوراً ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

وہ دو سپاہیوں کے ساتھ وہاں سے جانے لگی۔ ذیشان اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا پھر اپنی کار سے اتر کر ایک ماتحت سے بولا "یہ چابی لو...... اور کار کو پارک کر دو۔"

سپاہی اس سے چابی لے کر کار کی طرف بڑھ گیا۔ گل خانم دو سپاہیوں کے ساتھ تھانے کی عمارت میں داخل ہو رہی تھی۔ ذیشان بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس طرف جانے لگا۔

گل خانم کو ذیشان کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جب وہ وہاں آیا تو وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا "آرام سے بیٹھی رہو۔"

وہ بیٹھ گئی۔ ذیشان نے اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا "اس وقت رات کے دو بج رہے ہیں اور میں تمہیں اس حالت میں دیکھ کر شدید حیران ہو رہا ہوں۔"

وہ بڑی افسردگی سے بولی "جب حالات بگڑتے ہیں تو انسان کی حالت اس سے بھی ابتر ہو جاتی ہے۔"

"ابھی ڈاکٹر آ رہا ہے۔ تمہاری مرہم پٹی کرے گا۔ ویسے میں یہ زخم دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ حادثاتی زخم نہیں ہیں۔ کسی نے تم پر حملہ کیا ہے۔"

"آپ زخم دیکھتے ہیں اور پہچان لیتے ہیں۔ آپ کو زخم کھانے والوں کا تجربہ ہے اور مجھے زخم کھانے کا تجربہ ہے۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اب سے پہلے بھی زخم کھاتی رہی ہو؟"

وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی پھر بولی "میرا نام گل ہے اور میری زندگی میں زخموں کے گل کھلتے ہی رہتے ہیں۔ جو بدن پر کھلتے ہیں، وہ دکھائی دیتے ہیں لیکن جو دل پر کھلتے ہیں انہیں کوئی نہیں دیکھ پاتا۔"

"تعجب ہے۔ ٹی وی اسکرین پر تمہارے گیت، تمہاری ادائیں، تمہارے ناز و انداز دیکھ کر سب یہی سمجھتے ہیں کہ تم بہت خوش نصیب ہو اور ایک خوش حال زندگی گزار رہی ہو...... مگر اس وقت تمہاری آواز، تمہارا لہجہ، تمہارا چہرہ اور تمہارا وجود زخموں سے چور چور دکھائی دے رہا ہے۔ کوئی سنے گا، دیکھے گا، تب بھی یقین نہیں کرے گا کہ تم اس قدر برے حالات سے گزرتی رہتی ہو۔"

ڈاکٹر آ گیا۔ اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرنے لگا۔ تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموشی رہی ڈاکٹر اپنی کارروائی مکمل کر کے اور انجکشن لگا کر چلا گیا۔

ذیشان نے کہا "میں ابھی محرر کو بلا کر تمہارا بیان لکھواؤں گا۔ اس سے پہلے چائے پینا پسند کرو گی؟"

وہ تلخ لہجے میں بولی "زہر مل جائے تو اچھا ہے۔ میں اس زندگی سے تنگ آ چکی ہوں، مر جانا چاہتی ہوں لیکن یہ زندگی بھی عجیب ہوتی ہے۔ جتنی تلخ ہوتی ہے، اتنی ہی میٹھی بھی ہوتی ہے۔ بڑی دلفریب دکھائی دیتی ہے۔ اسے خوب انجوائے کرنے کا جی چاہتا ہے لیکن مقدر بگڑ جائے تو زندگی کی صورت

بھی بگڑ جاتی ہے۔ میری عجیب حالت ہے، میں مرنا بھی چاہتی ہوں اور جینا بھی چاہتی ہوں۔"

ذیشان کے اندر تجسس کروٹیں لینے لگا۔ وہ بولا "میں تمہاری مکمل روداد سننا چاہوں گا۔ اس سے پہلے اگر کسی کے خلاف رپورٹ لکھوانا چاہتی ہو تو بتاؤ۔ تاکہ فوری طور پر اس کے خلاف ایکشن لیا جاسکے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہاں۔ میں اس کے خلاف جلد سے جلد ایکشن لینا چاہتی تھی۔ گھر سے یہاں تک کوئی ٹیکسی نہیں ملی تھی۔ یہاں آنے میں اتنی دیر ہوچکی ہے کہ اب شاید اس کے خلاف ایکشن لینے سے میرا کچھ بھلا نہیں ہوگا۔"

"تم اس کا نام اور پتہ بتاؤ، ہوسکتا ہے، تمہارا بھلا ہوجائے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں۔ وہ میرے بچے کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ اس نے میرے سامنے ہی اس کا گلا دبوچنے کی کوشش کی تھی مگر میں بار بار اپنے بچے کے آگے ڈھال بنتی رہی تھی، اس وحشی سے اسے بچاتی رہی تھی۔ جب اس نے مجھے یہ زخم پہنچائے تو میں مجبور ہوگئی۔ وہاں سے بھاگ کر یہاں آگئی۔ میرے اندر کی ممتا چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ شاید میں پولیس کی مدد سے اپنے بچے کو بچاسکوں گی۔"

"تم عجیب عورت ہو، تمہارے بچے کی جان خطرے میں ہے اور تم یہاں اتنی دیر سے باتیں کررہی ہو۔"

"اس لیے کہ مجھے یقین ہے، میرا بچہ اب اس دنیا میں نہیں رہا ہوگا وہ بہت ظالم انسان ہے جو کہتا ہے، اسے کرگزرتا ہے۔"

ذیشان نے پوچھا "آخر وہ دشمن کون ہے جو تمہیں اور تمہارے بچے کو نقصان پہنچا رہا ہے؟"

گل خانم کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں پر پھسلنے لگے۔ وہ سسکیوں کو روکتے ہوئے بڑی مشکل سے بولی "وہ وحشی میرے بچے کا باپ اور میرا شوہر ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ چادر میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ ذیشان بھی چونک گیا تھا یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ایک باپ اپنے بچے کی جان لینے کے درپے بھی ہوسکتا ہے۔ اس نے کہا "حوصلہ کرو۔ ہوسکتا ہے، جو تم سوچ رہی ہو، وہاں ویسا نہ ہوا ہو۔ شاید اس کے اندر باپ کی شفقت جاگ گئی ہو۔ تم مجھے اپنی کوٹھی کا ایڈریس بتاؤ۔ میں ابھی سپاہیوں کو وہاں بھیجوں گا۔"

وہ اسے ایڈریس بتانے لگی۔ ذیشان نے اسے ایک کاغذ پر نوٹ کیا پھر سپاہیوں کو بلا کر وہ کاغذ دیتے ہوئے کہا "اس کوٹھی میں گل خانم کا شوہر یاور خان موجود ہوگا۔ اسے حراست میں لے کر یہاں لے آؤ۔ اس کے ساتھ ایک بچہ بھی ہوگا۔"

اس نے گل خانم سے پوچھا "بچے کی عمر کیا ہے؟"

وہ بھیگی ہوئی آواز میں بولی "ایک ماہ......"

ذیشان نے ایک سپاہی سے کہا "یہ اندیشہ ہے کہ اس نے بچے کو نقصان پہنچایا ہوگا۔ اگر بچہ صحیح سلامت ہو تو اسے بحفاظت یہاں لے آنا۔"

"اگر" کا لفظ سنتے ہی گل خانم ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ وہ بہت سخت جان تھی لیکن بچے کے صحیح سلامت ہونے نہ ہونے کی بات نے اسے رلا دیا تھا۔

سپاہی چلے گئے۔ ذیشان اسے تسلی دیتے ہوئے بو...
"ملک کے بے شمار ناظرین تمہارے فین ہیں، میں بھی تمہیں اور تمہاری آواز کو پسند کرتا ہوں۔ تمہارے فن کی قدر کرتا ہوں اور تمہارے کام آنا چاہتا ہوں۔ ہوسکے تو مجھے اپنے حالات بتاؤ اپنی پوری روداد سناؤ۔"

وہ بولی "میں اس وقت بہت ٹوٹی ہوئی ہوں۔ بکھر ہوئی ہوں۔ اپنی مکمل روداد نہیں سناسکوں گی۔ بس اتنا ہے میں نے یاور خان کو ٹوٹ کر چاہا تھا، وہ بھی میرا دیوانہ تھا دیوانہ ہے۔ میں نے اس کی خاطر اپنے ماں باپ اور ا... خاندان والوں سے بغاوت کی تھی۔ ان دنوں میں بی، اے طالبہ تھی۔ سخت پردہ داری کے باوجود میرے گھر والوں مجھے ٹی، وی پر گانے کی اجازت دے دی تھی اور یہ تختی سے دیا تھا کہ ٹی وی کے علاوہ میں کہیں بے پردہ نہیں رہوں گی گھر کی دہلیز کے باہر ہمیشہ چہرہ ڈھانپ کر نکلوں گی۔"

وہ توجہ سے سن رہا تھا۔ وہ ایک ذرا توقف کے بعد بو...
"میں آج بھی ان ہدایات پر عمل کرتی ہوں۔ دراصل ہم بچپن ہی سے اپنے رسم و رواج کے پابند رہنے کے عادی ہو... ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود ہمیں پردہ داری ا... خاندانی سخت اصول بہت اچھے لگتے ہیں۔"

وہ بولتے بولتے ذرا رکی پھر ایک گہری سانس لے دوبارہ بولنے لگی "ہم عورتیں جب اپنے محبوب کو یا اپنے شو... اپنی دنیا بنالیتی ہیں تو پھر ہمیں دنیا کے دوسرے معاملات کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ ہمارا پہننا، اوڑھنا، ہمارا بناؤ سنگھ... سب اپنے شوہر کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے ہم اپنی محدود... میں مست رہتی ہیں یہی وجہ ہے کہ میں نے توقع سے زیا... شہرت حاصل کرنے کے باوجود اپنے یاور خان کی مرضی... مطابق خود کو چار دیواری میں محدود کر رکھا ہے۔ اس کی ہر با... میں خوش دلی سے مانتی ہوں۔ وہ اٹھنے کے لیے کہتا ہے تو اٹھ...

بیٹھنے کے لیے کہتا ہے، تو بیٹھتی ہوں۔ اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل کرنے کا نشہ ہی کچھ عجیب ہوتا ہے۔ جسے ہم جیسی وفا شعار عورتیں ہی سمجھتی ہیں۔"

ذیشان نے پوچھا "جب تم اتنی فرماں بردار ہو تو پھر اس نے تم پر ظلم کیوں کیا ہے؟"

وہ بازو پر بندھی پٹیوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے طنزیہ انداز میں مسکرائی پھر بولی "ایسی مار پیٹ تو وہ کرتا ہی رہتا ہے۔ بہت غصے والا ہے۔ اپنے مزاج کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرسکتا۔ پریس والے انٹرویو لیتے ہیں۔ تصویریں اتارتے ہیں تو اعتراض کرتا ہے۔ اشتہاری فلموں والے آکر لاکھوں روپے کا کنٹریکٹ کرتے ہیں تو وہ اس پر بھی خوش نہیں ہوتا۔ بس اسے یہ شکایت ہوتی ہے کہ میں کیوں ان سے ہنس کر بات کرتی ہوں؟"

"وہ کرتا کیا ہے؟"

"کوئی خاص روزگار نہیں ہے۔ اس نے بی، اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔ کوششیں کرتا رہتا ہے۔ کوئی نوکری نہیں ملتی مگر ہڈ حرام نہیں ہے۔ کہیں نہ کہیں سے کچھ نہ کچھ کرکے لے ہی آتا ہے پھر کھاتے وقت فخر سے کہتا ہے کہ وہ میری نہیں اپنی کمائی کھا رہا ہے لیکن میرے لیے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ مجھے ٹی وی اسکرین پر اور اشتہاری فلموں میں آنے سے منع نہیں کرتا ہے، میرے شوق کو سمجھتا ہے۔ میں محبت سے مناتی ہوں تو مان لیتا ہے۔"

ذیشان نے پوچھا "پھر اس قدر جھگڑا کیوں بڑھا کہ اس نے تمہیں لہولہان کردیا۔ جب وہ تمہیں اتنا چاہتا ہے تو تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ اس نے بچے کو مار ڈالا ہوگا۔ اسے تم نے جنم دیا ہے۔ وہ اسے اتنا ہی عزیز ہوگا جتنی کہ تم اسے عزیز ہو۔ کیا وہ تم سے اولاد نہیں چاہتا تھا؟"

"جب میں نے بیٹے کو جنم دیا تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور بڑا فخر کررہا تھا پھر نہ جانے اچانک کیا ہوا کہ وہ میرے گانے کے سلسلے میں میری مخالفت کرنے لگا۔ اس نے حکم دیا کہ آئندہ میں ٹی وی کے کسی پروگرام میں حصہ نہ لوں اور نہ ہی کسی اشتہاری فلم کے لیے کوئی کنٹریکٹ سائن کروں۔ کسی حاکم کو ایسا حکم نہیں دینا چاہیے جس کی تعمیل نہ ہوسکے۔ یہ میرے لیے ایسی ہی بات تھی جیسے وہ مجھے بلندی پر جانے کے بعد نیچے پھینک رہا ہو۔ ایک تو وہ لاکھوں روپے کا نقصان کرنا چاہتا تھا۔ دوسرا یہ کہ جو عزت اور شہرت مجھے حاصل ہوئی تھی اسے ڈبو دینا چاہتا تھا۔"

ذیشان نے پوچھا "لیکن اس نے ایسا حکم کیوں دیا؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میں نے بھی اس سے یہ سوال کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ مرد ہے، کمانا اس کا کام ہے گھر والی کا کام صرف کھانا ہے۔ وہ جو کماتا ہے مجھے اسی میں گزارا کرنا ہے۔ آئندہ عزت آبرو سے زندگی گزارنے کے لیے اس نے کہا کہ میں شوبز کو خیر باد کہہ دوں۔ اس حکم پر میں نے جل کر کہا۔ کیا میں اب تک عزت آبرو سے نہیں ہوں؟ کیا میں بے حیائی سے دولت کما رہی ہوں؟ اگر تم نے مجھ میں ذرا سی بھی بے حیائی دیکھی ہو تو بتاؤ۔ میری اس بات پر اس نے کہا کہ دیکھی نہیں ہے مگر آثار بتا رہے ہیں کہ تم ان راستوں پر چل پڑوگی۔ غیر نامحرم مرد یہاں آتے ہیں۔ تم ان سے ہنستی بولتی ہو۔"

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔ شاید ماضی میں جھانکتے رہنے سے اسے تکلیف ہونے لگی تھی پھر وہ بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی "اس نے کہا تھا، وہ صرف ایک بات جانتا ہے کہ میں اس کی شریکِ حیات ہوں۔ مجھے صرف اس کے ساتھ ہنسنا بولنا چاہیے۔ صرف اس کے ساتھ زندگی گزارنی ہے کسی غیر کے سامنے نہیں جانا ہے۔ کوئی میرا چہرہ بھی نہیں دیکھے گا۔"

وہ ایک ذرا رکی پھر ایک گہری سانس لے کر بولی "اپنے مرد کی جو پابندیاں مجھے بہت اچھی لگتی تھیں اب وہ بوجھ لگنے لگیں۔ میں نے اسے محبت سے، منت سماجت سے سمجھایا لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اس طرح ہمارا جھگڑا بڑھتا گیا۔ نوبت مار پیٹ تک آگئی...... پھر یہ لڑائی جھگڑے آج انتہا کو پہنچ گئے۔"

ذیشان نے پوچھا "آج کیا ہوا تھا؟"

"آج اس نے کہا۔ اگر میں شوبز کی دنیا نہیں چھوڑوں گی تو وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ طلاق دے گا اور میرے بچے کو جان سے مار ڈالے گا۔"

"وہ بچے کو کیوں مارنا چاہتا ہے جبکہ وہ اس کا اپنا بیٹا ہے؟"

"وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے خون اور اپنی نسل کو مجھ جیسی عورت کے سائے میں پرورش پانے نہیں دے گا۔ وہ یہ قانونی نقطہ سمجھتا تھا کہ بچہ کم از کم چھ برس تک تو میرے ہی پاس پرورش پائے گا اور وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ میں اپنے بیٹے کا شاندار مستقبل بنانا چاہتی ہوں اور ایسا صرف میری بھرپور کمائی سے ہی ہوسکتا ہے۔ اس کی محدود آمدنی سے بیٹے کا مستقبل نہیں سنور سکے گا۔"

وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولی "اس بات پر اس نے

مجھے مارنا شروع کر دیا۔ کیونکہ میں اپنی آمدنی کے مقابلے میں اسے کم تر کہہ رہی تھی اور یہ بات اس سے برداشت نہ ہو سکی۔ میں نے بھی اپنا بچاؤ کرتے ہوئے یہ فیصلہ سنا دیا کہ میں شوبز کی دنیا میں رہ کر اپنے بچے کو اپنے ساتھ رکھوں گی اور اس کی محدود آمدنی پر بھروسا نہیں کروں گی۔"

پھر وہ ایک آہ بھر کر بولی "آہ......! پھر اس نے مجھے مارتے ہوئے غصے میں تین طلاقیں دے دیں۔ کچھ دیر کے لیے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ غصے میں اس حد سے گزر جائے گا۔"

گل خانم مضبوط ارادوں والی عورت تھی پھر بھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ انہیں پونچھتے ہوئے بولی "طلاق دینے کے بعد وہ مجھے دھکے دے کر کمرے سے نکالنا چاہتا تھا۔ میرے بچے کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ میں فوراً ہی پلٹ کر اپنے بیٹے کے پاس آ گئی اور اس کے سامنے ڈھال بن گئی۔ وہ مجھے مارنے لگا۔ میرے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر مجھے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا پھر ایک طرف دھکا دے کر کمرے کے اندر چلا گیا۔ جب تک میں نے خود کو سنبھالا۔ اس دوران میں اس نے کمرے کے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ میں دروازے کو پیٹتی رہی چیخ چیخ کر کہتی رہی۔ میرے بچے کو ہاتھ نہ لگانا۔ مجھ سے جو قیمت چاہے لے لو۔ چاہے تو میری جان لے لو...... مگر میرے بچے کو نقصان نہ پہنچاؤ۔"

وہ کہتے کہتے ایک دم سے چپ ہو گئی۔ شاید آنسوؤں کے طوفان کو روکنے کے لیے صبر کا بند باندھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ذیشان اسے بڑے دکھ سے دیکھ رہا تھا۔ آج گل خانم ایک نئے روپ میں نظر آ رہی تھی۔ وہ اس ممتا کی ماری کے دکھ کو سمجھ رہا تھا۔ وہ جیسے سکتے میں آ گئی تھی۔ ذیشان نے گلا کھنکارتے ہوئے پوچھا "پھر اس نے دروازہ کھولا......؟"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی "نہیں...... اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ خاموش تھا۔ میرا بچہ بھی خاموش تھا اور بچے کی خاموشی میرا دل دہلا رہی تھی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں فوراً ہی وہاں سے پلٹ کر یہاں چلی آئی۔"

یہ کہہ کر اس نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے ذیشان کو دیکھا۔ وہ ہمدردی کی مستحق تھی۔ وہ بولا "خدا پر بھروسا رکھو۔ اگر بچے کے مقدر میں زندگی ہو گی تو وہ ابھی تمہاری گود میں آ جائے گا۔"

ایسے وقت اس کے ماتحت نے آ کر سلیوٹ کیا پھر کہا "سر! ہم نے یاور خان کو گرفتار کر لیا ہے۔ اسے باہر بٹھایا گیا ہے۔"

گل خانم نے بے چینی سے پوچھا "اور میرا بچہ......؟"

ماتحت نے ہچکچا کر گل خانم کو اور پھر ذیشان کو دیکھا اس کے بعد کہا "ہم نے بچے کی لاش اسپتال پہنچا دی ہے۔ پوسٹ مارٹم ہو رہا ہے۔"

گل خانم کرسی سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ چیختے ہوئے کہنے لگی "نہیں۔ نہیں۔ میرا بچہ نہیں مر سکتا۔"

وہ چیختی چلاتی تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ ذیشان وغیرہ بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گئے۔ وہاں ایک دفتری کمرے میں یاور خان زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ گل خانم تیزی سے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی پھر اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے بولی "تو انسان نہیں، درندہ ہے۔ ایسا درندہ جس نے اپنے ہی بچے کو کھا لیا۔ تو نے ایسا کیوں کیا...... بول......! کیوں کیا......؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے اسے مارنے لگی۔ وہ غصے سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایک عورت سے مار کھانے کی توہین برداشت نہ کر سکا۔ اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن تین سپاہیوں نے اسے چاروں طرف سے جکڑ کر بے بس کر دیا۔

ذیشان نے گل خانم کا بازو پکڑ کر اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا "تم غصے میں بھول رہی ہو کہ یہ تمہیں طلاق دے چکا ہے۔ یہ نامحرم ہے، تمہیں اس سے پردہ کرنا چاہیے۔"

گل خانم جیسے چونک گئی۔ فوراً ہی دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ چادر کو گھونگھٹ بناتے ہوئے بولی "خدا کے لیے مجھے میرے بچے کے پاس لے چلیں۔ میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں اپنے بچے کا انتقام اس درندے سے ضرور لوں گی۔ اگر مجھے عدالت سے انصاف نہ ملا تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے گولی مار دوں گی۔"

یاور خان نے غصے سے تلملا کر کہا "تو مجھے کیا مارے گی۔ میں ہی تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ پولیس والے جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں نے اپنے بیٹے کو قتل نہیں کیا ہے اور...... یہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا میں نے تجھے طلاق دی ہے؟ کیا اس نے اپنے کانوں سے طلاق کا لفظ سنا ہے؟"

ذیشان نے گل خانم کو دیکھا۔ وہ بولی "انہوں نے نہیں سنا...... کسی نے نہیں سنا۔ میں نے سنا ہے اور میں اس بات کی گواہ ہوں کہ تو نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں۔"

وہ دہاڑا "بکواس مت کر...... غصے میں اگر میں طلاق کا لفظ استعمال کر لیا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ

میرے نکاح سے خارج ہو گئی ہے۔ تو میری بیوی ہے اور رہے گی۔"

ذیشان نے مداخلت کی "تم خر دماغ ہو۔ دینِ اسلام کے اصولوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہو۔ علمائے دین سے پوچھو گے تو وہ فتویٰ دے دیں گے کہ طلاق ہو چکی ہے۔"

گل خانم دہرے صدمات سے گزر رہی تھی۔ بری طرح ٹوٹنے کے باوجود خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے ذیشان سے کہا "آپ اس بدبخت سے کہہ دیں کہ یہ میری کوٹھی کے احاطے میں قدم نہ رکھے۔"

"یہ تو جیل سے باہر قدم نہیں نکال سکے گا پھر تمہاری کوٹھی تک کیسے پہنچے گا؟ ایک معصوم بچے کو ہلاک کرنے کے جرم میں نہ جانے اسے کتنی لمبی سزا ملے گی؟"

یاور خان کو سزا پانے کا خوف نہیں تھا۔ وہ ذرا پریشان سا ہو کر چادر میں چھپی گل خانم کو دیکھ رہا تھا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ غصے سے طلاق دے گا تو وہ سچ مچ کی طلاق ہو جائے گی اور اس کی محبوبہ جیسی بیوی بیگانی ہو جائے گی۔

یاور نے ایک دم سے چونک کر ذیشان سے کہا "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ انسان غصے میں طلاق کہے گا تو طلاق ہو جائے گی؟ غصے میں کسی کو گالیاں دے گا تو وہ گالیاں اسے لگ جائیں گی؟ غصے میں قتل کرنے کو کہے گا تو کیا وہ قاتل بن جائے گا؟"

"ہاں...... تم نے غصے میں یہی کیا ہے۔ اپنے بیٹے کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"میں اتنا ظالم نہیں ہوں کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دوں۔ مجھے جھوٹا الزام نہ دو۔"

ذیشان نے پوچھا "اگر تم نے اسے نہیں مارا ہے تو وہ کیسے مر گیا؟ کیا تم نے اس کا گلا نہیں دبایا تھا؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "نہیں۔ میں نے اس کا گلا نہیں دبایا تھا۔"

"کیا تم نے اس کے منہ پر ہاتھ نہیں رکھا تھا؟"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے ذیشان کو دیکھنے لگا پھر گل خانم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "ہاں۔ جب میں نے اسے کمرے سے باہر نکال کر دروازے کو اندر سے بند کیا تھا تو یہ دروازے کو پیٹنے لگی تھی۔ ایسے میں بچہ زور زور سے رونے لگا تھا۔ تو میں نے اس کا منہ دبایا تھا تاکہ اس کا رونا بند ہو جائے۔"

گل خانم یہ باتیں سن کر صدمے سے چور ہو رہی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ذیشان نے ناگواری سے یاور کو دیکھا پھر کہا "تم نے بچے کا منہ اس وقت تک دبائے رکھا۔ جب تک گل خانم دروازہ پیٹتی رہی پھر اس کے جانے کے بعد تم نے بچے کے منہ پر سے ہاتھ ہٹایا؟"

یاور خان نے سر کو جھکا لیا پھر کہا "خدا گواہ ہے، میں نے جان بوجھ کر اسے ہلاک نہیں کیا ہے۔ اگر وہ ایسے مر گیا ہے تو خدا مجھے معاف کرے۔"

گل خانم نے تڑپ کر کہا "خدا تجھے معاف نہیں کرے گا۔ میں بھی معاف نہیں کروں گی۔ میرے بیٹے کی طرح تو بھی مارا جائے گا اور بہت جلد مارا جائے گا۔"

میز پر رکھے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ماتحت نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر دوسری طرف کی باتیں سننے کے بعد کہا "ذرا ایک منٹ......"

اس نے ذیشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "سر! پوسٹ مارٹم ہو چکا ہے۔ کیا بچے کی لاش یہاں منگوائی جائے؟"

گل خانم نے تڑپ کر ماتحت کو دیکھا۔ ذیشان نے کہا "نہیں۔ اسے کوٹھی میں لے جاؤ۔ گل خانم وہیں جا رہی ہیں۔"

گل خانم دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ کر رونے لگی۔ اس ماں نے نو ماہ تک اس بچے کو اپنی کوکھ میں رکھا تھا۔ بڑے چاؤ سے اس کی آمد کا انتظار کرتی رہی تھی اور جب وہ اس دنیا میں آیا تو اس کے سفاک اور سنگ دل باپ نے اسے ہلاک کر ڈالا۔

اس ماں نے ناقابلِ بیان تکالیف سے گزر کر موت سے لڑتے ہوئے اس بچے کو جنم دیا تھا۔ درندے ممتا کے کرب کو نہیں سمجھتے۔ ایک چٹکی میں اس کی تخلیق کو مسل ڈالتے ہیں۔

☆☆☆

ٹینی تمام معاملات سے نمٹ کر بڑے سکون سے عروج کے ساتھ سو رہی تھی۔ اس کی کوٹھی میں سب ہی جاگ رہے تھے۔ فلک ناز، بیگم آفتاب، اور فلک آفتاب اسپتال تک بھٹکتے رہنے کے بعد واپس آ گئے تھے اور اب ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر عروج کو کوس رہے تھے۔

ادھر اسبا اپنے بیڈ روم میں جاگ رہی تھی۔ ذیشان کا انتظار کر رہی تھی۔ صبح کے پانچ بجنے والے تھے اور وہ اب تک واپس نہیں آیا تھا۔

پولیس والوں کی ڈیوٹی اکثر ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔ وہ راتوں کو گھر واپس نہیں آتے۔ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتی تھی پھر بھی دل کو دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ یہ اندیشہ ستاتا رہتا تھا کہ میاں صاحب رات کی تاریکی میں کسی سے نیا رشتا جوڑنے

جاتے ہوں گے۔

وہ کبھی کبھی ڈیوٹی پر جاتے وقت بہترین سادہ لباس پہن کر جاتا تھا آج بھی وہ اسی طرح گیا تھا۔

اس نے پھر گھڑی کی طرف دیکھا۔ اب اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بیڈ سے اتر کر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی پھر برابر والے کمرے کے دروازے پر دستک دینے لگی۔

دوسری تیسری دستک کے بعد بابر کی نیند بھری آواز سنائی دی۔ ''کیا مصیبت ہے؟ اب کون ہے؟ اس گھر میں سکون سے کوئی سو بھی نہیں سکتا۔''

بیگم آفتاب نے سر اٹھا کر اوپری منزل کی طرف دیکھا پھر کہا ''یہ کس کے دروازے پر دستک ہو رہی ہے؟ وہاں کون ہے؟''

فلک ناز نے ناگواری سے کہا ''اوپر تو صرف دو ہی ہیں۔ بابر اور ہماری بہو رانی۔ ذیشان تو اپنی ڈیوٹی پر ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''مگر اتنی رات کو کیا ہو رہا ہے؟''

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اوپر جانا چاہتی تھی۔ فلک آفتاب نے پوچھا ''تم کہاں جا رہی ہو؟ کیا بہو کے خلاف جاسوسی کرو گی؟ یہ سوچو کہ وہ تمہارے بیٹے کے ساتھ ہے۔ بہو پر نہ سہی مگر اپنے بیٹے کے کریکٹر پر تو بھروسا کرو۔''

''مجھے اپنے بابر پر بھروسا ہے لیکن معلوم تو ہو وہ اتنی رات کو کیوں جاگ رہے ہیں؟''

''ہم کیوں جاگ رہے ہیں؟ اسی طرح وہ بھی جاگ رہے ہیں یہاں چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔''

بیگم نے بے بسی سے شوہر کو دیکھا پھر منہ بنا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ ادھر بابر نے نیند میں آنکھیں ملتے ہوئے دروازے کے پاس آ کر جھنجلاتے ہوئے اسے کھولا تو اسما کو دیکھتے ہی ایک دم سے نرم پڑ گیا۔ پریشان ہو کر بولا ''بھابی جان! آپ......؟ اتنی رات کو؟ آیئے اندر آ جایئے......''

اس نے دروازے کو پوری طرح کھولا۔ وہ اندر آ کر بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ بابر نے اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا ''کیا بھائی جان نہیں ہیں؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''صبح کے پانچ بج رہے ہیں۔ وہ رات کے گئے ہوئے ہیں۔ اب تک واپس نہیں آئے۔''

''اوہ...... بھابی جان! آپ تو جانتی ہیں کہ عینی نے سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ سب اسی کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ بھائی جان پولیس افسر ہیں۔ وہ اسے ڈھونڈ نکالنے کے لیے اپنے تمام ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ انہیں آنے میں دیر تو ہوگی۔''

''کیا کسی کو تلاش کرنے یا کسی مجرم کو گرفتار کرنے کے لیے لباس پر پرفیوم اسپرے کر کے جایا جاتا ہے؟''

بابر نے اسے مسکرا کر دیکھا پھر کہا ''آپ بھائی جان کی عادت جانتی ہیں۔ جب وہ سادے لباس میں باہر جاتے ہیں پرفیوم وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی انہیں وردی پر پرفیوم اسپرے کرتے دیکھا ہے؟''

وہ ایک ذرا خفگی سے بولی ''تم تو بھائی کی حمایت میں ضرور بولو گے۔ میرے اندیشوں کو کبھی نہیں سمجھو گے۔''

''بھابی جان! اس گھر میں جتنا میں آپ کو سمجھتا ہوں جتنی محبتیں میں دیتا ہوں۔ اتنا آپ کو نہ تو کوئی سمجھ سکتا ہے نہ ہی محبتیں دے سکتا ہے۔ آپ کی میڈیکل رپورٹ نیگیٹو اور بھائی جان کی پوزیٹیو ہے۔ بس اسی لیے آپ کے دل دھڑکا سا لگا رہتا ہے کہ وہ دوسری شادی کر لیں گے یا کہیں بہک جائیں گے۔''

''تمہاری ممی تو دوسری شادی کے لیے پورا زور لگا رہی ہیں۔ آخر ذیشان کب تک انکار کرتے رہیں گے؟''

''میں بھائی جان کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا ہوں بچپن سے دیکھتا آیا ہوں اور آپ بھی یہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ بھائی جان رومانٹک نہیں ہیں۔ کبھی کسی عورت کو نظر بھر نہیں دیکھتے ہیں۔ پولیس والے کی نظروں سے ایسے دیکھتے ہیں جیسے گولی مار رہے ہوں۔ ان میں دلچسپی لینے والیاں سہم جاتی ہیں۔''

پھر اس نے اسما کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا ''بھابی جان! نہیں جانتیں کہ بھائی جان آپ کو کس قدر چاہتے ہیں؟ وہ تو ممی کی زبان سے آپ کے خلاف ایک لفظ سننا بھی پسند نہیں کرتے۔''

''یہ تو میں جانتی ہوں کہ وہ مجھے دل و جان سے چاہتے ہیں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ خود نہیں بہکیں گے لیکن بہکانے والیاں بہکا دیتی ہیں اور پھر ممی کا پریشر ان پر پڑتا رہتا ہے آخر وہ کب تک دوسری شادی سے کتراتے رہیں گے؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''شک کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ اگر آپ کے پاس کوئی علاج ہے تو مجھے بتائیں۔''

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی پھر بولی ''ہاں...... ایک راستہ ہے۔''

''اچھا......؟ تو پھر بتائیں۔ ہم ابھی اس راستے پر چلیں گے۔''

''پہلے تو یہ سمجھ لو کہ تمہارے ممی ڈیڈی صرف اس لیے مجھ سے خوش نہیں ہیں کہ میں انہیں ایک پوتی یا پوتے کا تحفہ نہیں دے رہی ہوں۔ اگر اس گھر میں اولاد ہو جائے تو ان کی شکایتیں کسی حد تک دور ہو جائیں گی۔''

''لیکن پوتی یا پوتا آئے گا کہاں سے؟''

''تم چاہو گے تو اس گھر میں بچے ہی بچے کھیلتے کودتے دکھائی دیں گے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''اچھا...... تو آپ مجھے شادی کے جھمیلے میں الجھانا چاہتی ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں ڈیڈی کے ڈوبتے ہوئے کاروبار کو سنبھال رہا ہوں اور اسے آگے بڑھانے کی کوششیں کر رہا ہوں میرا سارا دھیان صرف کاروبار کی طرف ہے۔''

''تم کاروبار کی طرف دھیان دیتے ہوئے پاپ سنگنگ کر سکتے ہو، اس کے لیے وقت نکال سکتے ہو لیکن شادی کے لیے نہیں نکال سکتے؟''

وہ مسکرا کر بولا ''گانے بجانے کے شوق سے میں کسی دن بھی چھٹکارا پا سکتا ہوں لیکن بیوی آ گئی تو اس سے کبھی نجات نہیں ملے گی۔ سو طرح کے جھمیلے ہوں گے۔ سو طرح کے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے۔''

وہ اسے گھورتے ہوئے بولی ''اس کا مطلب ہے، میں تمہارے بھائی کی زندگی میں آ کر سو طرح کے جھمیلے اور مسائل پیدا کر رہی ہوں؟''

''اس سے بڑا اور کیا مسئلہ ہوگا کہ اولاد نہیں ہو رہی ہے اور اس وجہ سے آپ تنقید کا نشانہ بنتی رہتی ہیں۔ کیا یہ اس گھر کا سب سے بڑا مسئلہ نہیں ہے؟ اگر آپ دلہن بن کر نہیں آتیں تو یہ مسائل بھی پیدا نہیں ہوتے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''شادی سے پہلے یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ میں بانجھ ہوں۔''

''میں تو کہتا ہوں، شادی کے طور طریقے بدل دیئے جائیں۔ پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ جو لڑکی بیوی بن کر آنے والی ہے وہ ماں بن سکتی ہے یا نہیں اس کی ایک شادی پہلے ہو جائے وہ ماں بن جائے پھر اس کے بعد وہاں سے طلاق لے کر ہماری زندگی میں چلی آئے اور ہمارے گلشن میں ننھے ننھے پھول کھلاتی رہے۔''

وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت مار کر بولی ''کہاں کی باتیں کر رہے ہو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

''ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ جو مقدر ہے نا یہ بہت بڑا بازیگر ہے۔ طرح طرح کے تماشے دکھاتا رہتا ہے۔ ہمارے گھر میں بھی ایسا کوئی تماشا ہو سکتا ہے۔ جس کے متعلق ابھی ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ میں جو کہہ رہی ہوں وہ کرو۔''

''آپ چاہتی ہیں میں شادی کر لوں۔ ٹھیک ہے کر لوں گا لیکن وہ بھی بانجھ نکلی تو کیا ہوگا؟''

''تم باتیں بنا رہے ہو۔ دنیا کی ساری لڑکیاں بانجھ نہیں ہوتیں۔ تم بہانے نہ کرو۔ شادی کے لیے ہاں کرو۔ تمہارے پہلے بچے کو میں گود لے لوں گی۔ اسے اپنی اولاد بنا کر رکھوں گی۔ اس کے بعد ہونے والے بچوں کو تم اپنی بیوی کے ساتھ سنبھالتے رہنا۔ اس طرح ہمارے بزرگ مطمئن ہو جائیں گے۔ تم چاہو تو مجھے اولاد کی محرومی سے بچا سکتے ہو۔''

''بھابی جان! آپ یہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ اس گھر میں میری شادی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جب تک عینی راضی نہیں ہوگی۔ تب تک کوئی میری طرف توجہ نہیں دے گا اور نہ ہی مجھے کسی دوسری جگہ شادی کرنے کی اجازت دی جائے گی۔''

وہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی پھر چہک کر بولی ''وہ اجازت نہ دیں۔ تم چھپ کر شادی کر لو۔ تم چاہو تو میرے لیے بہت کچھ کر سکتے ہو۔''

''بھابی جان! میں آپ کے لیے جان دے سکتا ہوں لیکن کیا یہ مناسب رہے گا کہ میں چھپ کر شادی کروں اور چھپ کر اولاد پیدا کروں اور پھر اس اولاد کو تو ماں باپ کے سامنے لانا ہی ہوگا۔''

''جب اولاد ہو جائے گی تو تمہارے ممی اور ڈیڈی کو سب سے زیادہ خوشی ہوگی۔ وہ اس بات کو بھول جائیں گے کہ تم نے انہیں دھوکا دے کر کہیں چھپ کر شادی کی تھی۔ وہ اس پھل دینے والی بہو کو بھی قبول کر لیں گے۔''

''ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ عینی کی موجودگی میں وہ کسی دوسری لڑکی کو اس گھر کی بہو نہیں بننے دیں گے۔ آپ اس بات کو سمجھتی کیوں نہیں ہیں؟''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بولی ''میں سب سمجھتی ہوں مگر کچھ سمجھنا بھی نہیں چاہتی۔ بس ایک بات کہتی ہوں تمہیں میری خاطر شادی کرنی ہوگی۔ میں تمہاری بھابی ہوں تم مجھے ماں کی طرح چاہتے ہو۔ کیا اس ماں کی گود میں ایک اولاد نہیں دے سکتے؟''

یہ کہہ کر وہ کوئی جواب سنے بغیر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ کھلے ہوئے دروازے کو دیکھنے

لگا۔ وہ اسما کی بہت عزت کرتا تھا۔ اسے دل و جان سے چاہتا تھا اور اس کی محرومیوں کو بھی سمجھتا تھا۔ سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ وہ اس کے لیے کیا کر سکتا ہے؟

☆☆☆

جوانی میں نیند بھی آتی ہے اور خواب بھی آتے ہیں۔ اگر کوئی چپکے سے دل کی خواب گاہ میں چلا آئے تو پھر نیند نہیں آتی۔ خواب آتے ہیں۔ پاشا جانی اپنے بستر پر ساری رات کروٹیں بدلتا رہا اور خواب میں اسے دیکھتا رہا۔

اب سے پہلے بھی وہ اسے بارہا دیکھ چکا تھا۔ تقریباً آٹھ ماہ پہلے ایک عمر رسیدہ شخص حادثے سے دوچار ہوا تھا۔ سڑک کے کنارے زخمی پڑا ہوا تھا۔ لوگوں کی بھیڑ تھی۔ ایسے وقت وہ بھی اپنی ٹیکسی لے کر وہاں پہنچ گیا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ اس زخمی کو اپنی ٹیکسی میں ڈال کر اسپتال پہنچا دے پھر دو شخص اسے اٹھا کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر لے آئے تھے۔

وہ اسے اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں لے گیا۔ وہ عمر رسیدہ شخص بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ بہت سارا خون بہہ چکا تھا۔ اسے اٹینڈ کرنے کے لیے لیڈی ڈاکٹر عروج وہاں پہنچی تو پتا چلا کہ وہ زخمی اس کا باپ سید تراب علی شاہ ہے۔ وہ اسے اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی اور پاشا جانی اسے دیکھ کر دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی حسینہ عالم تھی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ دل و دماغ کو متاثر کرنے والی لڑکی حسین ترین ہو۔ ایک معمولی شکل و صورت کی لڑکی بھی اپنے اندر بلا کی جاذبیت رکھتی ہے۔

عروج میں بھی ایسی ہی جاذبیت تھی۔ جسے پاشا جانی پہلی نظر میں نہیں سمجھ سکا تھا لیکن متاثر ہوتا چلا گیا تھا۔

سید تراب علی شاہ کو فوراً ہی آپریشن تھیٹر میں پہنچایا گیا۔ خون زیادہ بہہ جانے کے باعث خون کی دو بوتلوں کی ضرورت تھی۔ عروج اس اسپتال کی مشہور و معروف ڈاکٹر تھی۔ اس کے لیے خون حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ تراب علی شاہ کے خون کا گروپ او نیگیٹو تھا اور یہ بلڈ گروپ بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔

اسے بتایا گیا کہ اسپتال کے اسٹاک میں یہ بلڈ گروپ نہیں ہے۔ عروج نے فوراً ہی بلڈ بینک والوں سے فون پر رابطہ کیا تو دوسری طرف سے کہا گیا ”ڈاکٹر صاحبہ! آپ تو جانتی ہیں، یہ گروپ بڑا نایاب ہوتا ہے۔ ابھی ہمارے بلڈ بینک میں او نیگیٹو کی ایک بھی بوتل نہیں ہے۔“

اس خون کی کمیابی نے اسپتال کے ڈاکٹروں کو اور خصوصاً عروج کو پریشان کر دیا تھا۔ آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھل رہا تھا، کبھی بند ہو رہا تھا۔ کبھی عروج اور کبھی دوسرے ڈاکٹرز آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ شہر میں جتنے بلڈ بینک تھے ر... سے رجوع کیا جا رہا تھا لیکن ہر طرف سے مایوسی ہو رہی تھی۔

وہ سب ایک دوسرے سے کہتے پھر رہے تھے کہ او نیگ... بلڈ کی ضرورت ہے اور وہ کہیں نہیں مل رہا ہے۔ یہ بات پا... جانی تک پہنچی تو وہ سیدھا عروج کے چیمبر میں آ گیا۔ وہ وہا... پریشانی سے ٹہل رہی تھی۔ ایک ڈاکٹر بھی وہاں موجود تھ... نرسیں سر جھکائے کھڑی ہوئی تھیں۔

پاشا جانی نے اندر آ کر عروج کو دیکھا پھر کہا ”ڈا... صاحبہ! میرا بلڈ گروپ او نیگیٹو ہے۔“

عروج نے بے یقینی سے اسے دیکھا پھر آگے بڑھ کر ا... کے قریب آ کر کہا ”کیا تم اپنا خون دو گے؟“

”جی ہاں۔ میں اسی لیے آیا ہوں۔“

وہ عروج سے متاثر ہوا تھا اور اب اپنے بہترین عمل... اسے متاثر کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا آپریشن تھ... میں آیا۔ اگرچہ وہ اس کے باپ سید تراب علی شاہ کو سڑک... کنارے سے اٹھا کر لایا تھا لیکن اب تک اس کی صورت نہ... دیکھی تھی۔ دو آدمیوں نے اسے اٹھا کر پچھلی سیٹ پر ڈالا تھا... وہ اس کے ساتھ ہی اسپتال تک آئے تھے۔ پاشا جانی ا... دوران میں اسٹیئرنگ سیٹ پر ہی بیٹھا رہا تھا۔ ان آدمیوں... ہی تراب علی شاہ کو ٹیکسی سے نکال کر اسپتال کے ایمرجنسی و... میں پہنچایا تھا۔

وہاں وہ سید تراب علی شاہ کو دیکھ سکتا تھا مگر عروج پر... پڑتے ہی کسی دوسری طرف دیکھنا بھول گیا تھا لیکن ا... آپریشن تھیٹر میں آ کر اس نے عروج کے باپ کو دیکھا تو چونک گیا۔

اسے دیکھ کر پتہ چلا کہ وہ اپنے دشمن کو خون دینے آیا اور وہ لیڈی ڈاکٹر عروج کوئی اور نہیں، اس کے دشمن کی ہے۔ پاشا جانی نے ایک نظر عروج پر ڈالی۔ اس کا چہرہ خ... سے دمک رہا تھا۔ باپ کی زندگی بچ جانے کی امید نے ... اسے مزید نکھار دیا تھا۔ دشمن کی بیٹی ہونے کے باوجود وہ ... کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔

ایک نرس نے آ کر اسٹریچر کی طرف اشارہ کرتے ہو... پاشا سے کہا ”آپ وہاں لیٹ جائیں۔“

وہ کن انکھیوں سے عروج کو دیکھ رہا تھا۔ نرس کی با... سنتے ہی جیسے چونک گیا۔ ذرا ہچکچا کر بیڈ پر پڑے ہوئے ا... دشمن کو دیکھنے لگا۔ جو ابھی بے ہوش تھا اور پاشا کا خون نہ... کی صورت میں یہ بے ہوشی اس کی موت بننے والی تھی۔ ا...

دشمن ختم ہونے والا تھا۔

ایک تدبیر سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنے کا بہترین موقع اس وقت پاشا کے ہاتھ آیا ہوا تھا۔ وہ کسی بھی تدبیر سے کام لے کر موت کو اس کا مقدر بنا سکتا تھا۔

میں دور کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔ تدبیر دماغ سے لڑائی جاتی ہے مگر وہ تو دل سے سوچ رہا تھا۔ میں تراب علی شاہ کے ساتھ بھی تھا۔ اس کے ہاتھوں کی لکیریں اس کی زندگی کا پتا دے رہی تھیں۔ میں ان پر چل پڑا اور پاشا دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہچکچاتے ہوئے اسٹریچر کی طرف بڑھنے لگا۔ مجھے بدلنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔“

پاشا جانی دھیرے دھیرے چلتا ہوا بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گیا عروج نے اس کے قریب آ کر کہا ”تم شاید پہلی بار خون دے رہے ہو......؟ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اچھے خاصے صحت مند اور حوصلہ مند دکھائی دیتے ہو۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“

عروج اس کی ہچکچاہٹ کو نوٹ کر رہی تھی اور یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ شاید خوف زدہ ہے۔ پاشا نے کہا ”نہیں۔ مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ وہ...... دراصل میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا یہ آپ کے والد ہیں؟“

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی ”میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔“

تصدیق ہو گئی تھی۔ وہ ذرا بجھے ہوئے لہجے میں بولا ”نہیں۔ میں کوئی احسان نہیں کر رہا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ لیٹ گیا۔ ایک ڈاکٹر اس کا خون تراب علی کے جسم میں ٹرانسفر کرنے کے انتظامات کرنے لگا۔ عروج نے کہا ”ایک بوتل سے اتنا سہارا تو ملے گا کہ ابو کو بڑی حد تک توانائی حاصل ہو جائے گی لیکن دوسری بوتل بھی ضروری ہے۔“

پھر اس نے ایک اسسٹنٹ سے کہا ”تم جاؤ اور پھر معلوم کرو کہ کہیں سے یہ خون دستیاب ہو سکتا ہے یا نہیں......؟ تمام ڈاکٹرز سے کہو کہ وہ اس سلسلے میں اپنے جان پہچان والوں سے رابطہ کریں۔ ہو سکتا ہے، ان کے شناساؤں میں کوئی او نیگیٹو والا مل جائے اور ہماری مدد کے لیے راضی ہو جائے۔“

وہ اسسٹنٹ وہاں سے چلا گیا۔ خون منتقل ہونے کے انتظامات ہو گئے۔ وہ اپنے خون کے ذریعے اپنے ہی دشمن کو توانائی دے رہا تھا۔

جب تک پاشا جانی کا خون تراب علی کے جسم میں منتقل ہوتا رہا تب تک عروج اپنے باپ کے پاس ہی کھڑی رہی۔ اس کا معائنہ کرتی رہی اور پاشا اس کی طرف سر گھمائے بڑی چاہت سے دیکھتا رہا۔

محبت بھی کیا چیز ہے؟ اس کا خون نچوڑا جا رہا تھا اور وہ اس لہو نچوڑنے والی کو بڑے پیار سے دیکھ رہا تھا۔ جذبوں میں ڈوب کر سوچ رہا تھا ”میری جان! میں اپنے بدن کا سارا لہو تمہیں دے دوں گا۔ بس اسی طرح میرے سامنے رہو۔ میں تمہیں دیکھتے دیکھتے آنکھیں بند کر لوں اور اپنے لہو کی آخری بوند کے ساتھ اپنی زندگی ہار جاؤں۔ یہ ہار میری بہت بڑی جیت ہوگی۔“

وہ خون دینے کے بعد آپریشن تھیٹر کے باہر آ کر بیٹھ گیا۔ اسے ایک گلاس دودھ پینے کے لیے دیا گیا۔ ایک نرس نے آ کر کہا ”ڈاکٹر صاحبہ مصروف ہیں انہوں نے کہا ہے کہ آپ ان کے چیمبر میں انتظار کریں۔ وہ تھوڑی دیر میں آ ئیں گی۔“

وہ وہاں سے اٹھ کر عروج کے چیمبر میں جانا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت اس کی ملاقات ایک شناسا سے ہو گئی۔ اس نے کہا ”اچھا ہوا پاشا بھائی! جو تم مل گئے۔ میں اپنی ماں کو علاج کے لیے یہاں لایا تھا۔ ابھی اسپتال سے چھٹی ہوئی ہے انہیں گھر لے جانا ہے۔“

ایک دوست کا اور اس کی بیمار ماں کا معاملہ تھا۔ وہ انکار نہ کر سکا۔ انہیں لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اس نے راستے میں سوچا کیا ضروری ہے کہ وہ لیڈی ڈاکٹر سے ملاقات کرے؟ اگر اس نے نیکی کی ہے تو اسے دریا میں ڈال دینا چاہیے اس کے صلے میں یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ ایک معزز لیڈی ڈاکٹر ایک ٹیکسی ڈرائیور کی طرف مائل ہو جائے گی اور اس سے عشق کرنے لگے گی۔ ایسی سوچ محض فلمی یا افسانوی ہوا کرتی ہے۔

وہ اس بیمار عورت کو اس کے گھر پہنچا کر دوسری سواری لے کر دوسرے علاقے میں چلا گیا۔ اس طرح وہ شام تک مصروف رہا۔ دل نہیں مان رہا تھا۔ بار بار عروج کی طرف جانے کو جی چاہ رہا تھا۔

آخر کو اس نے وہاں جانے کے لیے یہ جواز پیدا کیا کہ اس کے باپ کی خیریت معلوم کرنی چاہیے۔ وہ اگرچہ دشمن تھا مگر دل اس کی بیٹی کو دوست مان رہا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ دشمنی شاید دوستی میں نہ بدلے اس کے باوجود اس کا دل ڈانواڈول تھا۔

وہ رک رک کر اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ اسپتال آیا تو شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اس نے ایک نرس سے پوچھا ”ڈاکٹر عروج کہاں ہیں؟“

وہ بولی ''ڈاکٹر بہت پریشان ہیں۔ ابھی تک خون کی دوسری بوتل کا انتظام نہیں ہوا ہے۔ وہ میڈیکل بورڈ کے چیئرمین سے ملاقات کرنے گئی ہیں۔''

اس نے پوچھا ''ان کے والد کیسے ہیں؟''

''ہوش میں ہیں لیکن بہت کمزور ہیں۔ انہیں خون کی اشد ضرورت ہے۔''

اس نے پوچھا ''کیا ایک ہی دن میں دو بار خون دیا جاسکتا ہے؟''

''ہاں۔ خون دینے والا صحت مند ہو اور کئی گھنٹوں کے وقفے سے دوبارہ خون لیا جائے تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔''

''تو پھر مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔''

یہ بات ڈاکٹر تک پہنچی تو اس نے پاشا کو بلا کر اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا ''تم بہت گریٹ ہو۔ ایسے انسان دوست ہو کہ کوئی تمہارا دشمن نہیں ہوسکتا۔''

اس نے دل میں کہا ''جسے خون دینے جارہا ہوں وہی میرا دشمن ہے۔ میری نیکی کا اتنا صلہ تو ملے کہ اس کی بیٹی میری دوست بن جائے۔''

وہ خون دینے کے بعد تھوڑی دیر تک ڈاکٹر کے پاس بیٹھا رہا۔ ڈاکٹر نے کہا ''ہم نے ڈاکٹر عروج سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہیں مگر ان کا فون شاید آف ہے اور پتا نہیں وہ اس وقت کہاں ہیں؟''

وہ مایوس ہو کر اٹھتے ہوئے بولا ''میں پھر کسی دن آؤں گا۔''

ڈاکٹر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑی عقیدت مندی کے ساتھ اس سے مصافحہ کیا پھر وہ وہاں سے چلا آیا۔

میں سب کا مقدر ہوں۔ اس کا بھی مقدر ہوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ پھر عروج سے ملاقات کرے۔ ایک دوسرے سے شناسائی حاصل کرنے کا اور ملاقات کرنے کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے اور ابھی میں وہ مناسب وقت ان کی زندگی میں نہیں لانا چاہتا تھا۔

پاشا جانی کو لاہور سے اطلاع ملی کہ اس کی ماں کی طبیعت بہت خراب ہے اور اسے اسپتال پہنچایا گیا ہے۔ لہٰذا وہ اسی رات کی ٹرین سے لاہور روانہ ہوگیا۔ وہاں اس کی ماں اتنی سخت بیمار تھی کہ اپنی زندگی کے لیے موت سے نہ لڑسکی۔ ایک ماہ بعد ہی اس کا انتقال ہوگیا۔

دس برس پہلے باپ کا سایہ سر سے اٹھا تھا اب ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔

ماڈل ٹاؤن کے قریب ہی اس کا اپنا ایک مکان تھا۔ وہ چاہتا تھا اسے فروخت کرنے کے بعد کراچی چلا جائے اور وہاں کوئی کاروبار شروع کرے۔ اس نے بی، اے تک تو حاصل کی تھی۔ کہیں ملازمت نہیں ملتی تھی۔ اس لیے ٹ چلانے پر مجبور ہوگیا تھا اور اب ٹیکسی کے سلسلے میں اتنا تج ہوگیا تھا کہ وہ دو چار ٹیکسیاں خرید کر ان کے ذریعے اپنی آ بڑھا سکتا تھا۔

مکان فروخت ہونے میں کافی وقت لگ گیا۔ تق سات ماہ بعد وہ کراچی واپس آیا تو سب سے پہلے لیڈی ڈ عروج کو دیکھنے کے لیے دل مچلنے لگا۔

وہ ٹرین سے اترنے کے بعد اپنے کرائے کے مکان گیا۔ وہاں سامان رکھ کر فوراً ہی اسپتال پہنچ گیا۔ دن کے بجنے والے تھے۔ عروج اس روز تین مریضوں کے آپر میں مصروف تھی۔

پاشا جانی باہر اسے تلاش کررہا تھا۔ اس نے ایک ڈ سے پوچھا ''آپ بتا سکتے ہیں، ڈاکٹر عروج کہاں ہیں؟''

''وہ آپریشن تھیٹر میں مصروف ہیں۔''

ڈاکٹر اسے نہیں پہچانتا تھا۔ سات ماہ پہلے اس نے اسپتال میں خون کی دو بوتلیں دی تھیں۔ اس وقت یہ ڈاکٹر تھا اور جو ڈاکٹر اس وقت موجود تھا وہ اب دکھائی نہیں دے تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی عروج آپریشن تھیٹر سے باہر آ اس کے ایک طرف اسسٹنٹ ڈاکٹر تھا اور دوسری طرف نرس تھی۔ وہ دونوں کو کچھ ہدایات دیتی جارہی تھی اور پر دکھائی دے رہی تھی پھر تیزی سے چلتی ہوئی اپنے چیمبر میں گئی۔

پاشا جانی دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ عروج نے سر ا اسے دیکھا تک نہیں۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس وقت ذہن پر بہت الجھی ہوئی تھی۔

کچھ دیر بعد اسسٹنٹ اور نرس چیمبر سے باہر آپریشن تھیٹر کی طرف چلے گئے۔ چیمبر کا دروازہ کھلا رہ اور وہ وہاں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر ادھ ادھر ٹہل رہی تھی۔ کچھ سوچ رہی تھی پھر وہ ریسیور اٹھا کر فو کسی سے باتیں کرنے لگی۔ اس دوران میں وہ پیپر پیڈ لکھتی بھی جارہی تھی پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کا پیپر پیڈ سے علیحدہ کرکے اسے پڑھتی ہوئی باہر آگئی۔

پاشا جانی اسے مخاطب کرنا چاہتا تھا مگر نہ کرسکا۔ وہ سے چلتی ہوئی اس کے قریب سے گزرتی چلی گئی تھی۔ پا خود کو سمجھایا ''وہ بہت الجھی ہوئی ہے۔ کیس شاید بہت

ہے۔ اسی لیے وہ بہت زیادہ پریشان ہے اور آس پاس کے ول سے بیگانہ ہے۔ اس کا سارا دھیان اپنے مریض کی ف ہے۔ ایسے میں اس سے ملاقات کے بارے میں سوچنا ول ہے۔''

پھر بھی وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے چیمبر کے امنے کوریڈور میں ٹہلنے لگا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد وہ آپریشن تھیٹر ے باہر آئی۔ اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے نرسیں اور سٹنٹ ڈاکٹر وغیرہ تھے۔ وہ سب خوش تھے اور عروج بھی طمئن نظر آرہی تھی۔ اس سے پتا چلا کہ جو کیس الجھا ہوا تھا وہ لجھ گیا ہے۔

پاشا جانی دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا۔ مسکرا کر اسے یکھنے لگا۔ عروج نے چیمبر میں داخل ہوتے ہوئے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ انداز ایسا تھا جیسے گزرتے ہوئے یونہی کسی کو یکھ رہی ہو۔ وہ نرسوں اور ڈاکٹرز کے ساتھ چیمبر میں چلی گئی۔ روازہ بند ہوگیا اور وہ سوچتا رہ گیا ''کیا بات ہے اس نے مجھے دیکھا ہے لیکن پہچانا نہیں ہے؟ اب تو وہ الجھی ہوئی نہیں تھی۔ مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ اس نے مجھے کسی اجنبی کی طرح کیوں دیکھا ہے؟ کیا وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور سے راہ و رسم ڑھانا نہیں چاہتی......؟''

اسے یقین نہیں ہورہا تھا کہ عروج ایسی بے مروت ہوسکتی ہے۔ اپنے باپ کی جان بچانے والے کو سات ماہ کے مختصر عرصے میں بھول سکتی ہے۔ پاشا جانی نے اس کی زندگی میں بہت اہم رول ادا کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے ہیرو کو بھول گئی تھی۔

اس نے سوچتے ہوئے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو پتا چلا کہ شیو بہت بڑھی ہوئی ہے۔ تب ہی عروج اسے دیکھ کر اس کی طرف نہیں بڑھی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر تیزی سے چلتا ہوا پبلک باتھ روم میں آیا۔ وہاں ایک ٹوٹا ہوا آئینہ رکھا تھا۔ اس نے اس آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھا تو ایک دم سے یوں لگا جیسے وہ کسی اجنبی کو دیکھ رہا ہو۔

چہرے پر صرف شیو نہیں بڑھی ہوئی تھی بلکہ سفر کی گرد بھی جمی ہوئی تھی۔ عروج سے ملنے کی بے چینی نے اس کی عقل خبط کردی تھی۔ اسے غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد یہاں آنا چاہیے تھا۔

جلد بازی کا نتیجہ سامنے تھا۔ وہ آئینے میں خود کو دیکھ کر کوس رہا تھا۔ اب تو عروج سے ملنے کا راستہ ہموار ہو بھی جاتا تو وہ اس حلیے میں ہرگز اس کے سامنے نہ جاتا۔ وہ فوراً ہی گھر واپس آگیا۔ ملاقات کو اس نے دوسرے دن پر رکھ دیا۔

ایک تو انسان آئندہ کی منصوبہ بندی بہت کرتا ہے۔ اس نے بھی عروج سے ملنے کے لیے دوسرے دن جانے کا ارادہ کیا تھا مگر ارادے سے کیا ہوتا ہے؟ فیصلہ تو مقدر کا ہوتا ہے، میرا ہوتا ہے۔ میں نے اسی رات عروج سے اس کا سامنا کرا دیا۔

وہ اس طرح کہ آدھی رات کے بعد پہلے اسے عینی سے ٹکرایا۔ تاکہ عینی اس سے متاثر ہوجائے۔ دو سہیلیوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ شادی کے بعد ایک ہی چھت کے نیچے رہیں گی لیکن میں انہیں ایک ہی شخص کے سائے میں لا رہا تھا۔

اس رات بھی عروج اسپتال کے احاطے میں عینی سے ملنے آئی تو جذبات سے بھری ہوئی تھی۔ وہ فوراً ہی اس سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔ اس وقت عینی اس کے لیے اتنی اہم تھی کہ وہ ایک بار پھر پاشا جانی کی طرف توجہ نہ دے سکی۔

یہ محبت کی آنکھ مچولی تھی کہ وہ اسے سامنے پا کر بھی پہچان نہیں پارہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ اسے دوسرے معاملات میں الجھا رہا تھا۔

دن کے وقت وہ آپریشن میں مصروف رہی تھی اور اب رات کو عینی کے ملنے کی خوشی ایسی تھی کہ وہ برداشت نہیں کرپارہی تھی۔ اس سے لپٹ کر خوشی کے آنسو بہا رہی تھی۔

پاشا جانی دوسرے دن صبح سو کر اٹھا تو معمول کے کاموں سے فارغ ہو کر سوچنے لگا ''شاید وہ اسپتال نہ آئے۔ اسے بچھڑی ہوئی سہیلی مل گئی ہے۔ وہ اس کے ساتھ وقت گزار رہی ہوگی۔ لہٰذا پہلے فون پر اس سے بات کرنی چاہیے۔''

اس نے فوراً ہی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ پرچی نکالی جس پر عروج کا موبائل نمبر اور اسپتال کا نمبر لکھا ہوا تھا پھر وہ قریبی پی سی او میں جا کر اسے کال کرنے لگا۔

مقدر کی رکاوٹ بڑی ظالم ہوتی ہے اور وہ مسلسل میرے ظلم کا نشانہ بن رہا تھا۔ وہ پندرہ منٹ تک اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر اس کا نمبر انگیج تھا۔ مسلسل ناکامی نے اسے مایوس کردیا۔ وہ ریسیور پٹخ کر پی سی او سے نکل آیا پھر سوچنے لگا ''وہ بڑے لوگ ہیں۔ لمبی گاڑی میں بیٹھ کر بھی مہنگے فون پر لمبی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ وہ بھی کسی سے کوئی ضروری بات کررہی ہوگی۔ میں ایک دو گھنٹے بعد رابطہ کروں گا۔ پتا نہیں وہ مجھ جیسے ٹیکسی ڈرائیور سے بات بھی کرنا چاہے گی یا نہیں......؟''

یہ سوچ کر اس نے ایک گہری سانس لی۔ ایسے وقت نگاہوں کے سامنے تراب علی شاہ کا چہرہ گھوم گیا۔ وہ حقارت سے سر جھٹک کر اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت سید تراب علی شاہ کے ڈرائنگ روم میں فلک آفتاب، بیگم آفتاب اور فلک ناز وغیرہ مختلف صوفوں پر براجمان تھے اور عروج کو یہ الزام دے رہے تھے کہ اس نے پچھلی رات سے عینی کو کہیں غائب کر رکھا ہے۔ وہ اسے چھپا کر ہم سے دشمنی کیوں کر رہی ہے؟

عروج کے بھائی حشمت علی نے کہا ''میری بہن آپ لوگوں سے کیوں دشمنی کرے گی؟ عینی خود چھپنا چاہتی ہے۔ وہ آپ سب سے دور بھاگ رہی ہے۔ آپ میں سے کسی سے ملنا نہیں چاہتی تو اس میں عروج کا کیا قصور ہے؟ آپ اسے کیوں الزام دے رہے ہیں؟''

وہ ذرا تیز لہجے میں بول رہا تھا۔ فلک آفتاب نے کہا ''برخوردار! ذرا دھیمے لہجے میں بات کرو۔ پہلے بزرگوں سے بات کرنے کے آداب سیکھو پھر بولو۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''یہ کیا آداب سیکھے گا؟ یہ تو اپنے بزرگوں کے طور طریقوں پر چل رہا ہے۔''

عروج کی ممی نے پوچھا ''ہمارے ایسے کون سے طور طریقے ہیں جو آپ کو چبھ رہے ہیں؟''

''کیا یہ کم ہے کہ آپ کی بیٹی ہماری بیٹی کو ہم سے دور کر رہی ہے؟ صاف پتا چل رہا ہے کہ یہ پلاننگ آپ سب گھر والوں کی ملی بھگت ہے۔ آپ سیدھے راستے سے اپنی بہو نہ بنا سکے تو چور راستہ اختیار کر رہے ہیں۔''

حشمت نے کہا ''آپ بہت زیادہ بول رہی ہیں۔ اس وقت ہمارے گھر میں ہیں۔ اس لیے میں لحاظ کر رہا ہوں۔ ورنہ کھری کھری سنا دیتا۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مجھے آپ کی نک چڑھی بھتیجی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں آپ کی اس امیر زادی پر تھوکنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔''

تراب علی شاہ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا ''حشمت! چپ ہو جاؤ۔ جاؤ یہاں سے......''

وہ بولا ''جا رہا ہوں...... مگر اتنا کہے دیتا ہوں کہ اگر عینی ہمارے گھر میں آئی تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ اسے گولی مار دوں گا لیکن یہ الزام برداشت نہیں کر پاؤں گا کہ ہم اسے بہکا کر اپنے گھر کی بہو بنانا چاہتے ہیں۔ لعنت ہے اس پر اور ایسا سوچنے والوں پر......''

وہ ایک جھٹکے سے صوفے پر سے اٹھا پھر پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ تراب علی نے کہا ''ہمارے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم پہلے عروج سے فون پر بات کریں اور یہ معلوم کریں کہ وہ عینی کے ساتھ کہاں ہے؟''

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے پھر رابطہ ہونے پر کہا ''عروج! تم کہاں ہو؟ عینی کہاں ہے؟''

وہ بولی ''عینی میرے پاس خیریت سے ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''

''پریشان کیسے نہ ہوں؟ یہاں ہم پر اغوا کا الزام لگا جا رہا ہے۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہارے ذریعے عینی کو اغ کیا ہے۔ بیٹا! یہ تم نے کیا مصیبت مول لے لی ہے؟ کہاں ہے عینی......؟''

وہ بولی ''آپ ریسیور عینی کے تایا ابو کو دیں۔ میں ان سے بات کروں گی۔''

عینی اس کی باتیں سن رہی تھی پھر اس کے ہاتھ سے فو لیتے ہوئے بولی ''لاؤ فون مجھے دو۔ میں بات کرتی ہوں۔''

اس نے فون لے کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے فلک آفتاب کی آواز سنائی دی ''ہیلو...... عروج! میں بول رہا ہوں۔ عینی کہاں ہے؟ صاف اور سیدھا جواب دو۔ کل رات سے تم ہمیں کیوں بھٹکا رہی ہو؟''

وہ ذرا سپاٹ لہجے میں بولی ''میں عروج نہیں...... عینی بول رہی ہوں۔''

وہ ایک دم سے نرم پڑتے ہوئے بولا ''میری بچی! میری جان! تم کہاں ہو؟ تمہیں کیا پتا کہ ہم تمہارے لیے کیسے پاگل ہو رہے ہیں؟ نہ کھانا ہے، نہ پینا ہے، نہ سونا ہے، نہ جاگنا ہے۔ عجیب حالت ہو گئی ہے ہماری......''

وہ ناگواری سے منہ بنا رہی تھی پھر بولی ''جب عروج آپ سے کہہ دیا تھا کہ میں اس کے پاس خیریت سے ہوں پھر آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟''

''بیٹی! تم کل شام سے بھٹک رہی ہو۔ ہم سے دور نہ جانے کن حالات سے گزر رہی ہو؟ جب تک ہم تم ملاقات نہیں کریں گے ہمیں سکون نہیں ملے گا۔''

''اور جب میں بھٹکنے کے بعد عروج کے پاس پہنچی تھی وہاں کچھ دیر سکون سے رہنا چاہتی تھی۔ آرام کرنا چاہتی تھی آپ لوگوں نے مجھے پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ کیا یہ آپ کی محبت تھی؟ کیا میرے لیے آپ کا یہ رویہ مناسب تھا؟''

باتوں کے دوران میں بیگم آفتاب نے بے چینی ہو وائڈ اسپیکر آن کر دیا تھا۔ عینی کی آواز سب کے کانوں تک رہی تھی۔ بیگم آفتاب نے فون کی طرف جھکتے ہوئے بڑ میٹھے لہجے میں کہا ''بیٹی! ہم تو تمہارے آرام و سکون کے لیے اپنی نیندیں حرام کر رہے ہیں۔ تم ہمارے اندر کے جذبو نہیں سمجھ رہی ہو۔ ہم دل سے مجبور ہو کر تمہارے پاس

اچھے تھے۔ ہمارا مقصد تمہیں پریشان کرنا نہیں تھا۔ آخر یہ روج تمہیں کہاں لیے پھر رہی ہے؟''

وہ بولی ''میں ننھی بچی نہیں ہوں کہ یہ اپنی انگلی پکڑائے لی اور میں اس کی انگلی پکڑ کر کہیں بھی چلی جاؤں گی۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''مگر کل رات تو تم دونوں اس کوارٹر نہیں تھیں۔ وہ تمہیں کہاں لے گئی تھی؟''

''میں جانتی تھی کہ میری خیر خیریت معلوم کرنے کے لیے ارا خاندان یہاں چلا آئے گا۔ رات سے صبح ہو جائے گی ر مجھے سونے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ اس لیے میں رات زارنے کے لیے دوسری سہیلی کے گھر چلی گئی تھی۔''

فلک ناز بھی فون کی طرف جھکتے ہوئے بولی ''بیٹی! اگر تمہیں کسی اور سہیلی کے پاس جانا تھا تو کم از کم ہمیں فون پر اطلاع دے دیتیں۔ ہم مطمئن ہو جاتے۔ کل رات سے ایک ل پلک نہیں جھپکائی ہے۔ میرا عدنان تو تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر گل ہو رہا ہے۔''

بیگم آفتاب نے جل کر کہا ''بس کرو ناز! اب مجھے بھی کچھ بولنے دو۔''

فلک ناز نے کہا ''بھابی جان! آپ بولتی ہیں تو بولتی ہی لی جاتی ہیں۔''

وہ پھر فون کی طرف جھک کر بولی ''ہاں تو بیٹی! میں کہہ ہی تھی......''

دوسری طرف سے عینی اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی ''پلیز...... آپ کچھ نہ کہیں۔ میں جانتی ہوں۔ آپ مجھے واپس آنے کو کہیں گی...... یا آپ میرے پاس آنا چاہیں گی مگر دونوں ہی باتیں ممکن نہیں ہیں۔''

فلک آفتاب نے پریشان ہو کر کہا ''بیٹی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ آخر گھر واپس آنا ممکن کیوں نہیں ہے؟''

عینی نے کہا ''وہ میرا گھر ہے۔ مجھے تو وہاں آنا ہی ہے۔ فی الحال ناممکن ہے۔ وہ اس لیے کہ میں ابھی عروج کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ یہ میری دیکھ بھال بھی کر رہی ہے اور آئی اسپیشلسٹ نے جو دوا تجویز کی ہیں۔ وہ باقاعدگی سے مجھے استعمال کرا رہی ہے۔ آپ لوگ مطمئن رہیں۔ میں شام تک واپس آ جاؤں گی۔''

فلک آفتاب نے پوچھا ''کیا تم عروج کے کوارٹر میں ہو؟''

اس نے ایک نظر عروج پر ڈالی پھر فون پر کہا ''جی ہاں۔ آپ کو اطمینان ہونا چاہیے۔''

''بیٹی! ہمیں اطمینان ہے پھر بھی ہم شام کو تمہارے پاس آئیں گے اور تمہیں اپنے ساتھ گھر لے جائیں گے۔''

وہ اپنی جھنجلاہٹ کو ضبط کرتے ہوئے بولی ''تایا ابو! آپ بے وجہ تکلیف کریں گے۔ میں عروج کے ساتھ آ جاؤں گی۔''

''نہیں بیٹی! کل بھی تم وہاں سے تنہا آ رہی تھیں مگر کیسی کیسی مشکلات میں گھر گئی تھیں؟ عروج اپنی ڈیوٹی پر ہوتی ہے۔ اسے ڈیوٹی کرنے دو اور مجھے وہاں آنے دو۔''

وہ ہتھیار ڈالتے ہوئے بولی ''آپ ضد کر رہے ہیں تو یونہی سہی۔ آپ چھ بجے یہاں آ جائیں۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔''

بیگم آفتاب نے یہ سنتے ہی ایک ذرا فخر سے فلک ناز کو دیکھا۔ جیسے آنکھوں کے ذریعے کہہ رہی ہو کہ دیکھ لو۔ جیت ہماری ہی ہوئی ہے۔

فلک ناز کہاں پیچھے رہنے والی تھی؟ فوراً ہی فون پر جھک کر بولی ''بیٹی! میں بھی آؤں گی۔''

بیگم آفتاب محبت جتانے میں کمی گوارہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے بھی فون کی طرف منہ کر کے کہا ''یہ بات ہے تو بیٹی! میں بھی آؤں گی۔''

وہ تینوں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے۔ تراب علی نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا ''عینی نے فون بند کر دیا ہے۔''

حشمت ڈرائنگ روم سے باہر تو چلا گیا تھا مگر دروازے پر کھڑا عینی سے فون پر ہونے والی باتیں سن رہا تھا۔ یہ پتا چلا کہ وہ عروج کے ساتھ اس کے کوارٹر میں ہے۔

وہ وہاں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ عینی اسے کانٹے کی طرح چبھتی رہتی تھی۔ پہلے تو اس نے بڑی محبت سے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ بڑے ہی رومانٹک انداز میں اسے اپنے قریب کرنا چاہا تھا مگر وہ طرح دے جاتی تھی۔ اس کے ہاتھ نہیں آتی تھی۔ اسے سمجھاتی تھی کہ وہ اس سے ایسی توقع نہ کرے۔

ایک دن وہ عروج کے ساتھ اس کے کمرے میں تھی۔ عروج واش روم میں گئی ہوئی تھی۔ ایسے وقت حشمت نے آ کر دیکھا تو سمجھا کہ وہ تنہا ہے اس نے آتے ہی اس کے بازو کو تھام لیا پھر کہا ''میں محبت سے تمہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہوں مگر تم نخرے دکھاتی رہتی ہو۔ اگر میں تمہیں جبراً حاصل کر لوں تو پھر کیا کرو گی؟''

یہ کہہ کر وہ اس کا دوسرا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچنا چاہتا تھا۔ عینی نے ایک جھٹکے سے بازو چھڑا لیا۔ وہ غصے سے

کھول رہی تھی اور اسی غصے میں اس نے ایک زور دار تھپڑ حشمت کے منہ پر جڑ دیا۔

وہ غصے سے تلملا کر رہ گیا۔ ایک لڑکی سے مار کھانے والی توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ آگے بڑھ کر اسے دبوچ لینا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت عروج واش روم سے باہر آئی اور چیخ کر بولی "بھائی جان! یہ کیا ہو رہا ہے......؟"

عینی دوڑتی ہوئی آ کر عروج سے لپٹ گئی۔ وہ بولا "تم نے سنا نہیں......؟ میں سہولت سے بات کر رہا تھا لیکن اس نے میرے منہ پر طمانچہ مار دیا یہ خود کو سمجھتی کیا ہے۔ میں اس تھپڑ کا بدلہ ضرور لوں گا۔"

وہ گرج کر بولی "آپ نے اسے ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"تم کیا کر لو گی؟"

"میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ نہ میں یہاں رہوں گی اور نہ عینی یہاں آیا کرے گی۔"

پھر وہ عینی کو لے کر اپنے ممی ڈیڈی کے پاس پہنچ گئی اور حشمت کی گھٹیا حرکت کے بارے میں انہیں بتانے لگی۔

حشمت نے آ کر کہا "یہ بھی بتاؤ کہ اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ میں اپنی توہین کبھی نہیں بھولوں گا۔"

تراب علی شاہ نے گھور کر حشمت کو دیکھا پھر کہا "ایسی گھٹیا حرکت کرنے کے بعد تمہیں تو بولنا ہی نہیں چاہیے۔ عینی تمہاری بہن کو صرف سہیلی ہی نہیں بلکہ اپنی بہن سمجھ کر آتی ہے۔ ان دونوں کے بیچ کتنا پیار ہے؟ یہ ہم سب ہی جانتے ہیں۔ عینی بھی میری بیٹی ہے۔ آئندہ تم نے اسے ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

بیگم شاہ نے کہا "تم سے غلطی ہو گئی ہے تو کوئی بات نہیں سوری کہہ دو۔ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ خوانخواہ بات نہ بڑھاؤ۔"

وہ حقارت سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ بات تو بڑھ چکی ہے۔ یہ نواب زادی سمجھتی ہے کہ جسے چاہے گی اپنے پیروں تلے کچل کر گزرتی چلی جائے گی اور کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔"

عروج نے کہا "اگر آپ کو اپنے آپ پر غرور ہے تو اس کے خلاف کوئی حرکت کر کے دیکھیں۔ اس کی حمایت میں بولنے والے اور آپ کو عدالت میں گھسیٹنے والے بہت سے پیدا ہو جائیں گے پھر آپ کو یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔"

بیگم شاہ نے گھور کر عروج کو دیکھا۔ حشمت نے کہا "میں میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جو ہوگا...... وہ دیکھ لوں گا......"

پھر وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

اب بدلہ لینے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم سے یہ سن کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا کہ عینی عروج کے ساتھ اس کے کوارٹر میں ہے۔ وہ ٹہل رہا تھا اور سوچ رہا تھا "اگر عروج ڈیوٹی پر جائے گی تو وہ تنہا اس کوارٹر میں رہ جائے گی۔ ایسے میں' میں اس سے نمٹ لوں گا۔"

وہ اس پہلو پر پچھلی رات سے غور کر رہا تھا کہ اس نخریلی کو کس نے اغوا کرنے کی کوشش کی ہوگی؟ اور کم بخت نہ جانے کس طرح بچ کر پھر عروج کے پاس آ گئی ہے؟

اس نے سوچا "وہ امیر زادی ہے۔ تاوان کے طور پر لاکھوں کروڑوں روپے حاصل کرنے کے لیے کوئی بھی اسے اغوا کر سکتا ہے اور اغوا کرنے کے بعد اس کے حسن و شباب کی ایسی کی تیسی بھی کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے ہی مجھے بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لینا چاہیے۔"

اس نے پلٹ کر قد آدم آئینے میں خود کو دیکھا پھر اپنی مونچھوں کو تاؤ دینے لگا۔ مونچھ والے اور چوٹی والی کی لڑائی کا کیا انجام ہوتا ہے؟ یہ سب ہی جانتے ہیں۔ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود بھی بچ نہیں پاتی۔ اسے زیر ہونا ہی پڑتا ہے۔

☆☆☆

عینی نے فون بند کرنے کے بعد عروج کو دیکھا پھر بے بسی سے کہا "میں ان رشتے داروں سے کیسے پیچھا چھڑاؤں؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ تایا ابو ہیں، پھوپی ہیں، ہاری ماموں ہیں۔ سب سے میرا خون کا رشتا ہے۔ میں ان سے صاف صاف نہیں کہہ سکتی کہ وہ مجھے جتنا پیار کرتے ہیں اتنا ہی میری زندگی میں زہر بھی گھول رہے ہیں۔ وہ بزرگ ہیں۔ مجھے ان کے سامنے اخلاقاً چپ رہنا پڑتا ہے۔"

عروج نے کہا "تو ان سے کتراتی رہتی ہے۔ یہی بہت ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی سمجھ میں یہ آ جائے گا کہ ان میں سے کوئی بھی اپنی چال میں کامیاب نہیں ہو سکے گا اور نہ ہی تجھے اپنی بہو بنا سکے گا۔"

"آج اتنے عرصے بعد سوتیلی ماں کا اصلی چہرہ سامنے آ چکا ہے۔ آئندہ وہ اپنی جھوٹی ممتا سے مجھے فریب نہیں دے سکیں گی۔"

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی "رفتہ رفتہ سب کے اصلی چہرے سامنے آ جائیں گے۔ تو ذرا دیکھتی جا۔"

موبائل فون سے بزر کی آواز ابھرنے لگی۔ عینی نے "ذرا دیکھ تو سہی۔ کس کا نمبر ہے؟"

عروج نے آگے بڑھ کر فون کو اٹھایا پھر نمبر پڑھتے ہوئے کہا "کوئی نیا نمبر ہے۔ پتا نہیں کس کا ہے؟"

عینی کے دل نے دھڑک کر کہا "ہو سکتا ہے پاشا جانی نے فون کیا ہو؟"

یہ خیال آتے ہی اس نے عروج سے کہا "آن کر کے دیکھ......!"

عروج نے اس کا ایک بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو...... عروج علی شاہ ہیئر......"

پاشا جانی کی آواز سنائی دی "میں پچھلے پون گھنٹے سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن آپ شاید کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھیں؟"

وہ مسکرا کر بولی "ہاں۔ عینی کے گھر والے اس سے باتیں کر رہے تھے۔ تم وہی ٹیکسی ڈرائیور ہو نا۔ جس نے میری سہیلی کو میرے پاس پہنچایا ہے؟"

عینی ٹیکسی ڈرائیور کا سن کر خوشی سے کھل گئی۔ پاشا نے فون پر کہا "جی...... میں وہی ہوں۔ ٹیکسی ڈرائیور کسی کو اس کی منزل پر پہنچانے کے بعد پھر اس کی خیریت پوچھنے نہیں آتا پھر بھی میں نے سوچا، مس عینی کی خیریت معلوم کر لوں۔"

"کیوں نہیں؟ تمہیں فون نمبر اسی لیے دیا گیا تھا کہ تم ہمیں فون کرو۔ عینی تم سے بہت متاثر ہے۔ تمہاری احسان مند ہے۔ میں فون اسے دے رہی ہوں اس سے باتیں کرو۔"

وہ فون عینی کی طرف بڑھانا چاہتی تھی۔ وہ جلدی سے بولا "جسٹ اے منٹ......"

عروج نے پوچھا "ہاں بولو!"

"عام طور پر ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں اچھی رائے قائم نہیں کی جاتی۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟"

وہ تھوڑی دیر کے لیے ماضی میں پہنچ گئی۔ اسے وہ ٹیکسی ڈرائیور یاد آیا۔ جس نے اس کے باپ کے لیے خون کی دو بوتلیں دی تھیں پھر اس نے مسکرا کر فون پر کہا "دنیا کے ہر شعبے میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں دو ٹیکسی ڈرائیوروں کو دیکھا ہے اور دونوں کو فرشتہ پایا ہے۔ ایک تو تم ہو۔ تم نے لاکھوں روپے کی رشوت کو ٹھکرا کر میری عینی کو مجھ سے ملایا ہے۔"

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ اپنا فرض ادا کیا ہے۔ بائی داوے۔ وہ دوسرا ٹیکسی ڈرائیور کون ہے؟"

"اس نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے، جسے میں ساری زندگی بھلا نہیں پاؤں گی۔ میرے ڈیڈی ایک حادثے میں زخمی ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے خون سے انہیں نئی زندگی دی تھی۔ میں اس سے بہت متاثر ہوئی تھی اور آج بھی ہوں۔"

پاشا جانی کے جسم میں لہو کی گردش تیز ہو گئی۔ بہت زیادہ خوشی ملے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ وہ مرد تھا۔ آنسو نہیں بہا سکتا تھا۔ پسینہ بہا رہا تھا پھر آستین سے ماتھے کو اور چہرے کو پونچھتے ہوئے بولا "پھر تو آپ اسے اچھی طرح جانتی ہوں گی؟ کیا نام ہے اس کا......؟"

عینی اس سے باتیں کرنے کے لیے بے چین ہو رہی تھی مگر عروج سے فون نہیں چھین سکتی تھی۔ بے قرار سی ہو کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ عروج فون پر کہہ رہی تھی "اس ڈرائیور نے اپنا نام کمال احمد لکھوایا تھا۔ میں بڑی عقیدت مندی سے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی لیکن وہ دوبارہ مجھے نظر ہی نہیں آیا۔"

پاشا نے خوشی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا "اگر وہ نظر آ جائے تو کیا آپ اسے پہچان لیں گی؟"

"ہاں۔ میں اسے لاکھوں میں پہچان سکتی ہوں مگر یہ بتاؤ، تم مجھ سے ایسے سوالات کیوں کر رہے ہو؟ کیا تم اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

وہ مسکرا کر بولا "ہاں میں کمال احمد کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ بھی میری طرح بی، اے پاس ہے اور میری طرح ہی بے روزگاری سے مجبور ہو کر ٹیکسی چلاتا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی "اچھا۔ کیا اس نے میرے ڈیڈی کو خون دینے کے بارے میں تمہیں کچھ بتایا تھا؟"

"ہاں۔ بتایا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم دوسری بار ڈاکٹر عروج سے ملنے کیوں نہیں گئے؟"

"مجھے اس سے یہی شکایت ہے۔ اسے میرے پاس آنا چاہیے تھا۔ مجھ سے ملنا چاہیے تھا۔ کم از کم وہ مجھے شکریہ ادا کرنے کا موقع تو دیتا۔"

وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولا "وہ حالات کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا۔ اس کی امی کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ کافی عرصے تک لاہور میں ہی رہا تھا۔"

"یہ سن کر افسوس ہو رہا ہے۔ اللہ اسے صبر کی توفیق دے۔"

"وہ لاہور سے آتے ہی تم سے ملنے کے لیے اسپتال آیا تھا مگر تم نے اسے پہچانا ہی نہیں۔"

وہ چونک کر بولی "اوہ گاڈ! وہ یہاں آیا تھا؟"

وہ ہنسی کو دباتے ہوئے بولا "ہاں۔ آپ کسی آپریشن میں مصروف تھیں اور کافی پریشان بھی تھیں۔"

عینی کبھی ٹہل رہی تھی اور کبھی ایک جگہ رک کر اسے دیکھ

رہی تھی۔ عروج نے فون پر ذرا پریشانی سے کہا ”نہ جانے اس نے میرے بارے میں کیا رائے قائم کی ہوگی؟ اس نے تمہیں کچھ بتایا ہوگا؟“

”اس نے تمہارے بارے میں کوئی غلط رائے قائم نہیں کی ہے اسے تمہاری مصروفیت اور پریشانی پر پیار آ تا رہا تھا۔“

وہ اچانک ہی آپ سے تم پر آ گیا۔ عروج اس تبدیلی پر دھیان دیئے بغیر بولی ”کیا تم اسے میرا پیغام دے سکتے ہو؟“

وہ بے چینی سے پہلو بدل کر بولا ”ہاں...... ہاں ضرور......“

”میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔“

وہ ایک دم سے خوش ہو کر بولا ”تم جب کہو گی وہ تمہارے پاس چلا آئے گا۔“

پھر عروج نے عینی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”عینی تم سے ملنا چاہتی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اسے اپنے ساتھ یہاں لے آؤ؟“

عینی صبر کر رہی تھی۔ آخر اس کے قریب آ کر سرگوشی میں بولی ”مجھے بھی دو باتیں کر لینے دو۔“

عروج نے فون پر کہا ”پاشا! یہ عینی تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے موبائل فون عینی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی ”ہیلو پاشا......!“

وہ بولا ”ہیلو عینی! خیریت سے ہو؟“

وہ بڑی لگاوٹ سے بولی ”جب تمہارے جیسا محافظ مل جائے تو خیریت ہی خیریت ہوتی ہے۔ تم یہاں آؤ گے؟“

پاشا جانی کے تصور میں عروج آ گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی ”آؤ گے نا......؟“

وہ سحر زدہ سا ہو کر فون پر بولا ”ضرور آؤں گا۔ بلکہ ابھی آ رہا ہوں۔“

دوسری طرف سے عینی نے چہک کر کہا ”میں انتظار کروں گی...... خدا حافظ......!“

پھر وہ فون بند کر کے مسکراتے ہوئے بولی ”وہ آ رہا ہے۔“

عروج اس کے چہرے کو اپنی ہتھیلیوں میں بھرتے ہوئے بولی ”میں دیکھ رہی ہوں، تو اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گئی ہے۔“

”ہاں۔ میں کل سے اپنے دل کو ٹٹول رہی ہوں، یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ وہ مجھے کیوں اچھا لگ رہا ہے؟ اور کیوں بار بار یاد آ رہا ہے؟“

عروج نے اس کے پہلو میں چٹکی بھرتے ہوئے شوخی سے پوچھا ”بھلا میں بھی تو جانوں...... وہ تجھے کیوں یاد آ رہا ہے؟“

وہ اپنے دل کو کریدنے لگی پھر بولی ”شاید اس لیے کہ اب تک میں نے اپنے آس پاس ایسے چاہنے والوں کی بھیڑ دیکھی ہے جو خود غرض ہیں۔ مطلب پرست ہیں اور صرف میری دولت کی خاطر مجھے سر آنکھوں پر بٹھائے رکھتے ہیں۔ کل رات اس نے میری خاطر ایک لاکھ روپے ٹھکرا دیئے۔ کئی گھنٹوں تک میرے ساتھ رہا مگر ہاتھ لگانا تو درکنار اس نے مجھے میلی نظر سے بھی نہیں دیکھا عزت و آبرو سے تیرے پاس پہنچا دیا۔ متاثر ہونے کی یہی وجہ میری سمجھ میں آ رہی ہے اور یوں بھی کسی سے متاثر ہونے پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔“

عروج بڑی محبت سے اس کی پیشانی کو چوم کر بولی ”خدا تجھے ایک سچا اور محبت کرنے والا لائف پارٹنر دے۔ کل رات میں نے اسے توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ تو تو بڑی دیر تک اس کے ساتھ رہی تھی۔ کیسا ہے وہ......؟“

عینی ایک دم سے بجھ سی گئی پھر افسردگی سے بولی ”تو مجھ سے پوچھ رہی ہے، یہ جانتی ہے کہ مجھے چہرے صاف طور سے دکھائی نہیں دیتے۔ وہ مجھے دھندلا دھندلا سا نظر آ تا رہا تھا۔“

وہ اس کے لہجے کی مایوسی کو سمجھ رہی تھی پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی ”میں تو بھول ہی گئی کہ تیری آنکھوں میں دوا ڈالنی ہے۔ چل پاؤں اوپر کر کے لیٹ جا۔ میں دوا لاتی ہوں۔“

وہ اس کے کہنے کے مطابق بیڈ پر نیم دراز ہو گئی۔

حشمت کار سے اتر کر محتاط انداز میں چلتا ہوا عروج کے کوارٹر کی طرف آیا۔ اسپتال کے باہر مرد، عورتوں اور بچوں کا ہجوم تھا۔ اسے ڈر تھا کہ وہاں کوئی شناسا نہ مل جائے اور چوری کرنے سے پہلے ہی اسے جائے واردات پر دیکھ لے۔

وہ چلتے چلتے ایک دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ چوکیدار عروج کے کوارٹر کے قریب سے گزرتا ہوا آ رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر عروج کے بھائی کی حیثیت سے اسے پہچانتا تھا۔ جب وہ ٹہلتا ہوا وہاں سے پلٹ کر اسپتال کی طرف جانے لگا۔ تب وہ دیوار کی آڑ سے نکل کر تیزی سے چلتا ہوا عروج کے کوارٹر کے سامنے آ گیا۔

دروازہ بند تھا مگر اندر سے کھلا ہوا تھا۔ اس نے آہستگی سے ہینڈل کو گھما کر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ دونوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے دبے قدموں اندر آ کر دروازے کو پہلے کی طرح بند کر دیا۔ وہ حتی الامکان ان

سے چھپنا چاہتا تھا۔

اگر غلطی سے پکڑا جاتا تو یہی کہتا کہ وہ بہن سے ملنے آیا ہے۔

وہ دیوار سے لگ کر ان کی باتیں سننے لگا اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ عروج اس کی آنکھوں میں دوا ٹپکاتے ہوئے کہہ رہی تھی ”بس اب آنکھیں نہ کھولنا۔ آرام سے اسی طرح پڑی رہو۔“

عینی نے ایک ہاتھ آگے بڑھا کر ٹٹولتے ہوئے اس کے ہاتھ کو تھام لیا پھر بڑے جذبے سے کہا ”عروج! میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں نے اب تک اسے دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھا ہے۔ کیا اس دوا کے اثر سے وہ مجھے صاف طور پر دکھائی دے گا؟“

عروج اسے محبت اور ہمدردی سے دیکھ رہی تھی پھر بولی ”میں تجھے پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ آئی اسپیشلسٹ نے یہ دوائیں تیری موجودہ بینائی کو بحال رکھنے کے لیے تجویز کی ہیں۔ تجھے دھندلا نظر آتا ہے۔ اسی طرح نظر آتا رہے گا۔ ڈاکٹر کوشش کر رہا ہے کہ بینائی اس سے زیادہ خراب نہ ہو۔“

عینی بجھ سی گئی۔ عروج نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ”خدا نے چاہا تو بہت جلد تجھے آنکھوں کا عطیہ مل جائے گا۔ اس بارے میں مایوس نہ ہوا کر۔ اب چپ کر کے لیٹی رہ۔ میں ذرا واش روم جا رہی ہوں۔“

عینی کی محرومی اسے رلا دیتی تھی مگر یہ اچھا ہی تھا کہ وہ اس کے آنسو نہیں دیکھ پاتی تھی۔ وہ واش روم میں جا کر خوب آنسو بہا کر دل ہلکا کرنا چاہتی تھی۔ بے دھیانی میں اٹھ کر جانے لگی تو ایک چھوٹی سی میز سے ٹکرا گئی اس پر رکھا ہوا گلدان فرش پر گر پڑا۔

عینی نے آنکھیں بند کیے ہوئے چونک کر پوچھا ”کیا ہوا؟“

وہ گلدان کو اٹھاتے ہوئے بولی ”کچھ نہیں۔ یہ شیشے کا گلدان گر گیا تھا۔“

”کیا ٹوٹ گیا ہے؟“

وہ مسکرا کر بولی ”نہیں۔ بڑا مضبوط ہے۔ میری قسمت سے بچ گیا۔ یہ مجھے بہت پسند ہے۔“

وہ گلدان کو پھر اسی جگہ پر رکھ کر واش روم میں چلی گئی۔ وہ دروازے کے پیچھے سے دیکھ رہا تھا۔ جب عروج نے واش روم میں جا کر دروازے کو اندر سے بند کیا تو یہ دبے قدموں چلتا ہوا کمرے میں آ گیا۔

عینی بیڈ پر نیم دراز تھی۔ وہ بند آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی بھی ہوتیں تو وہ آنے والے کو پہچان نہیں پاتی۔ حشمت کو بس یہ اندیشہ تھا کہ وہ آہٹ سن سکتی ہے۔

وہ ذرا رک کر واش روم کے دروازے کو دیکھنے لگا۔ وہ عینی کو آہٹ سن کر چیخنے چلانے سے روک نہیں سکتا تھا۔ اس کی چیخ سن کر عروج باہر آ سکتی تھی۔

پھر وہ کچھ سوچ کر بڑی احتیاط سے واش روم کی طرف بڑھنے لگا۔ ایسے وقت عینی نے کوئی آہٹ سنی مگر وہ آہٹ اسے اپنے تصور میں سنائی دی تھی۔ وہ آ رہا تھا۔ پاشا جانی اس کے قریب آ رہا تھا۔

وہ آنکھیں بند کیے سوچ رہی تھی ”وہ ابھی اور قریب آئے گا اور مجھے چھو لے گا۔“

پھر اس نے چھو لیا۔ وہ خوش ہوئی مگر ایک دم سے چونک

گئی۔ خیال آیا کہ وہ تو تصور میں اسے دیکھ رہی تھی پھر اس نے سچ مچ آ کر کیسے چھولیا؟ اس نے گھبرا کر پوچھا "کون ہے؟"

اسے چہرے پر اور گردن پر سانسوں کی آنچ محسوس ہونے لگی پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، اس کے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا دی گئی وہ کسمسانے لگی۔ اپنے ہونٹوں کو ان اجنبی ہونٹوں کی سختی سے بچانے کی کوشش کرنے لگی۔

اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ کوئی دھندلا سا شخص تھا جو اس پر چھا گیا تھا۔ اسے بری طرح اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔

اسے مقدر کی خرابی کہتے ہیں۔ وہ بے چاری واضح طور پر دیکھ نہیں سکتی تھی اور میں اسے دیکھنے نہیں دے رہا تھا۔ بھلا کیسے دیکھنے دیتا؟ اس کی بینائی تو کمزور تھی اور اس دنیا میں کمزوروں کی کمزوری سے شہ زور فائدہ اٹھایا ہی کرتے ہیں۔

اس کے ہونٹوں کو ایک ذرا سی نجات ملی۔ اس نے ہانپتے ہوئے ایک چیخ ماری "عروج......!"

حشمت نے اس کے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ دیا۔ عروج نے باتھ روم کے اندر سے پوچھا "کیوں چیخ رہی ہو؟ ابھی آتی ہوں۔"

اب وہ جواباً یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ کیوں چیخ رہی تھی؟ شکاری کا ایک ہاتھ سختی سے اس کے منہ پر جما ہوا تھا۔ وہ اس ہاتھ کو ہٹا نہیں پا رہی تھی اور وہ دوسرے ہاتھ سے اس کے بدن کے بیچ کر رہا تھا اور وہ شرم سے پانی پانی ہو کر تڑپ رہی تھی۔

ایک ہاتھ سے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر جھٹکے دے رہی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی پیٹھ پر کبھی تھپڑ اور کبھی مکے مار رہی تھی۔

میں اس کے ہاتھوں کی لکیریں پڑھ رہا تھا۔ تحریر کہہ رہی تھی۔

سلامتی ہے،
جان کی سلامتی ہے،
آبرو کی سلامتی ہے،

عروج نے داش روم کے اندر سے پوچھا "عینی! تو چپ کیوں ہو گئی ہے؟ اب آنکھیں کھول دے۔"

اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے پریشان ہو کر دروازے کی چٹخنی گرائی۔ ایک جھٹکے سے اسے کھولنا چاہا تو پتا چلا وہ باہر سے بند ہے۔ اس نے حیران ہو کر سوچا "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

وہ دروازے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی "عینی! یہ کیا شرارت ہے؟ دروازہ کیوں بند کیا ہے؟ کھول اسے......"

وہ شکاری کے چنگل سے خود کو چھڑا نہیں سکتی تھی تو دروازہ کیسے کھولتی؟ جب اس حشمت نے سنا کہ عروج دروازے کو اندر سے پیٹ رہی ہے اور چیخ رہی ہے تو اس نے سوچا۔ سلامتی اسی میں ہے کہ فوراً عینی کا گلا دبوچے اس کا کام تمام کرے اور یہاں سے چلا جائے۔

میں عینی کا ہاتھ میز پر رکھے ہوئے گلدان کی طرف لے گیا۔ اس نے اسے اپنی گرفت میں لیا۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ بری طرح بدحواس تھی۔ ایسے میں گلدان پر اس کی گرفت بہت ڈھیلی تھی۔ وہ اسے اٹھا کر جوابی حملہ نہیں کر پا رہی تھی۔

لیکن میں نے اسے یہ قوت بخشی کیونکہ میں اس کا مقدر ہوں۔ میں اس کی سلامتی چاہتا تھا۔ گلدان اس کی گرفت میں تھا لیکن حملہ میری مرضی سے ہوا اور بڑی قوت سے ہوا۔ وہ گلدان آ کر حشمت کی پیشانی پر ٹکرایا تو اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ ضرب ایسی زوردار تھی کہ شیشے کا وہ مضبوط گلدان ٹوٹ گیا۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے کی طرف گیا تو عینی ہانپتے ہوئے اور روتے ہوئے کہنے لگی "عروج......! یہاں کوئی ہے۔ مجھے بچا لے......"

حشمت کا کھیل بگڑ چکا تھا۔ وہ پہلے اپنی ہوس پوری کرنا چاہتا تھا پھر اس کا کام تمام کرنا چاہتا تھا۔ بس اس کی یہی غلطی اسے لے ڈوبی۔ ایک کی غلطی سے ہی دوسرے کا مقدر سنورتا ہے۔

عروج اندر سے چیخ رہی تھی "عینی! وہ کون ہے؟ اسے غور سے دیکھو۔ کسی طرح یہاں آ کر دروازہ کھول دو۔"

وہ فوراً بیڈ سے اتر گئی۔ ڈگمگاتی ہوئی واش روم کے دروازے پر آئی اور دونوں ہاتھوں سے چٹخنی کو ٹٹولنے لگی۔

پھر تھوڑی دیر بعد ہی وہ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئی۔

میں بازیگر ہوں
اور دشمن بھی ہوں
اے لوگو!
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
میں مقدر ہوں
ایک بازیگر ہوں......!

دروازہ کھلتے ہی عروج باہر آئی۔ عینی روتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ وہ اسے تھپکتے ہوئے بولی "کون تھا یہاں......؟ کہاں ہے وہ......؟"

وہ کمرے میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہی تھی۔ کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن ٹوٹا ہوا گلدان اور عینی کا پھٹا ہوا لباس ثبوت پیش کر رہا تھا کہ وہاں کوئی آیا تھا اور اس پر ظلم کرتا رہا تھا۔

وہ بولی "معلوم ہوتا ہے، وہ یہاں سے بھاگ گیا ہے، ابھی باہر ہی ہوگا میں دیکھتی ہوں۔"

وہ عینی کو خود سے الگ کر کے جانا چاہتی تھی مگر وہ مسلسل اس سے لپٹی رہی اور بولی "نہیں۔ میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔ میں تجھے یہاں سے جانے نہیں دوں گی۔"

"تو بھی میرے ساتھ باہر چل......"

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ پھٹے ہوئے لباس کو دیکھ کر بولی "تیری تو حالت بہت خراب ہے۔ باہر کیسے جائے گی؟ وہ جو کوئی بھی تھا یہاں چوری کی نیت سے نہیں آیا تھا۔ ایک کے بعد ایک تیرے دشمن کہاں سے پیدا ہوتے جا رہے ہیں؟"

وہ اسے اپنے ساتھ لے کر بیڈ کے سرے پر آئی۔ پھر بولی "یہاں بیٹھ جا۔ میں اپنا ایک لباس لاتی ہوں۔ اسے پہن لے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں۔ میں تیرے ساتھ ساتھ رہوں گی۔"

عروج بڑی محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "میری جان! اتنا نہ ڈر۔ یہ سامنے تو الماری ہے۔ میں اسی کمرے میں تیرے ساتھ ہوں۔ کہیں دور نہیں جا رہی ہوں۔ تجھے حوصلے سے کام لینا چاہیے تیری خاطر میں باہر نہیں گئی۔ پتا نہیں وہ کون کم بخت تھا؟ اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا ہے۔"

وہ اب بھی خوفزدہ تھی۔ اس کے ہاتھ کو تھام کر بولی "کمرے کا دروازہ بند کر دے۔ نہیں تو وہ پھر آ جائے گا۔"

وہ اس کے ہاتھ کو تھپکتی ہوئی تائید میں سر ہلا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ چھوٹا سا کوریڈور ویران پڑا ہوا تھا۔ آنے والا جا چکا تھا۔

اس نے کوریڈور سے گزر کر پہلے بیرونی دروازے کو بند کیا۔ پھر کمرے میں آ کر اس کے دروازے بھی بند کر دیے۔ عینی آہٹ سن کر ذرا چونک گئی تھی۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے۔ وہ ذرا تیز آواز میں بولی "عروج! یہ تو ہے؟"

وہ مسکرا کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "تیری نظر اتنی بھی خراب نہیں ہے کہ تو مجھے نہ پہچان سکے۔ ذرا ذہن پر زور ڈال تو نے اسے کسی حد تک تو دیکھا ہوگا؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی۔ "ہاں...... اتنا دیکھا اور پہچانا تھا کہ وہ کوئی لڑکا تھا اور میرے ساتھ ایسی حرکتیں کر رہا تھا کہ میں شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی۔"

"وہ یہاں داخل ہوا تو اس وقت تو نے اسے نہیں دیکھا تھا؟"

"میری آنکھوں میں دوا تھی۔ میں تو آنکھیں بند کیے بڑے آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔ وہ کم بخت بہت تیز تھا۔ اس نے کوئی آہٹ بھی پیدا نہیں ہونے دی، ورنہ میں فوراً ہی آنکھیں کھول کر چیخنا چلانا شروع کر دیتی۔"

باتوں کے دوران عروج بستر کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ممکن تھا وہاں اس لٹیرے کو پہچاننے کا کوئی ثبوت مل جاتا۔ ایسے ہی وقت اس کی نظریں بھٹکتی ہوئی فرش پر پڑیں۔ وہاں کئی جگہ خون کے دھبے دکھائی دیے۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا "کیا تو نے اس پر حملہ کیا تھا؟"

"ہاں۔ گلدان سے اس کے سر پر ضرب لگائی تھی۔ تب ہی مجھے اس سے نجات ملی تھی۔"

وہ خوش ہو کر بولی "میری جان! تو نے تو کمال کر دیا۔ اتنی دلیری کا مظاہرہ کیا اور اب ڈر رہی ہے۔"

وہ بولی "مگر تیرا وہ گلدان ٹوٹ گیا ہے۔"

عروج اس کے رخسار کو چوم کر بولی "ٹوٹنے کی چیز تھی، ٹوٹ گئی۔ یہ دوسرا بھی آ سکتا ہے۔ مگر آبرو کا کانچ ٹوٹ جاتا تو نہ کبھی جڑتا اور نہ ہی دوسرا آ سکتا تھا۔"

پھر وہ وہاں سے چلتی ہوئی الماری کے پاس آئی اور لباس نکالتے ہوئے کہنے لگی۔ "تو لباس بدلے گی تو میں ذرا باہر جا کر چوکیدار سے معلوم کروں گی۔ شاید اس نے کسی کو یہاں آتے دیکھا ہو۔"

عینی پریشان ہو گئی۔ عروج ایک لباس نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "سب کھڑکیاں دروازے بند رہیں گے۔ میں ابھی جاؤں گی اور ابھی آ جاؤں گی۔"

وہ بولی "نہیں۔ میں نے کہا نا۔ میں اکیلی نہیں رہوں گی۔"

وہ مسکرا کر بولی "اچھا...... لباس بدل لے پھر میرے ساتھ باہر چل۔"

وہاں سے فرار ہونے والے حشمت کی خیریت نہیں تھی

سر پر زخم لگا ہوا تھا۔ خون بند نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے رومال رکھ کر اسے دبا لیا تھا۔ پھر بھی چہرے اور کالر پر خون کے دھبے واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے۔

وہ آستین سے چہرے کو پونچھتا ہوا کوارٹر سے باہر آیا تھا اور تیزی سے چلتا ہوا گلی عبور کر رہا تھا۔ اس وقت تک تو خیریت تھی۔ دن کے وقت چوکیدار باقاعدہ ڈیوٹی پر نہیں رہا کرتا تھا۔

ان لمحات میں اسے اپنے زخموں کی تکلیف کا احساس نہیں تھا۔ دل میں یہ خوف سمایا ہوا تھا کہ کوئی بھی اسے اس حالت میں دیکھ کر روک سکتا ہے۔ طرح طرح کے سوالات پوچھ سکتا ہے۔ اسے ایمرجنسی وارڈ میں لے جا سکتا ہے۔

زخم کا تقاضہ تھا کہ فوراً ہی مرہم پٹی ہو جائے۔ خون کی نکاسی کو روکا جائے۔ ورنہ وہ کہیں بھی چکرا کر گر سکتا تھا۔ لیکن اسی ہاسپٹل میں اس کی مرہم پٹی ہوتی تو عروج عینی کے ساتھ وہاں پہنچ سکتی تھی۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا اور وہ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا اپنی کار کی طرف جا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک ٹیکسی کار کے قریب آ کر رک گئی۔ اس میں سے پاشا جانی نے اترتے ہوئے حشمت کی طرف دیکھا۔ وہ سر پر خون آلودہ رومال رکھے تیزی سے اپنی کار کی طرف جا رہا تھا۔

پاشا جانی نے فوراً ہی آگے بڑھ کر پوچھا ”اے مسٹر! تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس حالت میں ادھر کہاں آ رہے ہو؟ ہاسپٹل تو ادھر ہے۔ چلو۔ ایمرجنسی وارڈ کی طرف چلو۔“

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس سے کترا کر اپنی کار کی طرف جانے لگا۔ پاشا فوراً ہی اس کے آگے آ کر بولا ”اے بھائی! میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ اپنی مرہم پٹی کراؤ۔ دیکھو کیسے خون بہہ رہا ہے؟“

وہ اسے سامنے سے ہٹاتے ہوئے بولا ”پلیز۔ مجھے جانے دو۔ میں اپنے کلینک میں جا کر مرہم پٹی کراؤں گا۔“

پاشا نے کہا ”کیا پاگل ہوئے ہو بڑے بھائی؟ چند قدم کے فاصلے پر سہولت ہے اسے چھوڑ کر کہیں اور جا رہے ہو۔ کیا مرنے کا ارادہ ہے؟“

وہ جھنجلا کر بولا ”ہاں۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں اس سے کیا؟ جاؤ۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔“

وہ اسے دھکا دے کر کار کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ سیٹ پر آ گیا اور اسے اسٹارٹ کرنے لگا۔ پاشا جانی نے کھڑکی پر جھک کر کہا ”معلوم ہوتا ہے۔ دشمنوں نے تم پر حملہ کیا ہے اور وہ تمہارا پیچھا کر رہے ہیں۔ مجھے بتاؤ۔ وہ کون ہیں؟ میں تمہاری مدد کروں گا۔“

وہ ایک جھٹکے سے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔ پاشا جانی تعجب سے اسے جاتے دیکھتا رہ گیا۔ احتیاطاً اس گاڑی کا نمبر پڑھنے لگا۔

پھر اس نے پلٹ کر ہاسپٹل کی طرف دور تک دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک یا ایک سے زیادہ دشمنوں نے اس بیچارے پر حملہ کیا ہوگا۔ وہ ضرور اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئیں گے۔

وہ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتا رہا۔ مگر کوئی ایک بھی مشتبہ شخص اسے دکھائی نہیں دیا۔ اس نے ٹیکسی کو لاک کیا پھر عروج کے کوارٹر کی طرف جانے لگا۔ وہاں ہر دروازے پر رہائش پذیر ڈاکٹرز کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ وہ ایک دروازے پر سید عروج علی شاہ پڑھ کر رک گیا۔ بڑی محبت اور لگن سے اس تختی کو دیکھنے لگا۔

ایسا لگ رہا تھا، جیسے عروج سامنے چلی آئی ہے۔ وہ بے خیالی میں ہاتھ بڑھا کر انگلیوں سے اسے سہلانے لگا۔ پھر اپنی حماقت پر چونک گیا اس نے ایک گہری سانس لے کر کال بیل کے بٹن کو دبایا۔

بیل کی آواز سنتے ہی عینی نے گھبرا کر عروج کے بازو کو تھام لیا ”پھر وہ۔ وہ پھر آ گیا ہے۔“

وہ اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بولی ”پاگل ہوئی ہے؟ آنے والا دشمن کیا گھنٹی بجا کر آئے گا؟ تو آرام سے بیٹھ۔ میں دیکھتی ہوں۔ ہاسپٹل میں اچانک ایمرجنسی ہو تو مجھے بلایا جاتا ہے۔“

وہ اسے تسلی دے کر کمرے سے باہر آئی۔ پھر کوریڈور سے گزر کر بیرونی دروازے کے قریب آ کر بولی ”کون ہے؟“

باہر سے آواز سنائی دی ”جی...... میں ہوں، پاشا جانی......“

اس کی آواز کمرے میں بیٹھی ہوئی عینی کے کانوں تک بھی پہنچی تو وہ ایک دم سے کھل گئی۔ محافظ آ گیا تھا۔ وہ دھڑکتے سینے پر ہاتھ رکھ کر مسکرانے لگی دل کی دھڑکن تیز ہو کر بے ترتیب ہو گئی تھی۔

دوسری طرف عروج کی دھڑکنیں ابھی بے ترتیب نہیں ہوئی تھیں۔ دروازہ بند تھا مگر اسے کھولتے ہی دنگ رہ گئی۔ اس کے سامنے کمال احمد کھڑا ہوا تھا۔ وہی کمال احمد جس نے اس کے ڈیڈی کو خون کی دو بوتلیں دی تھیں۔ اس بار اس کا شیو بڑھا ہوا نہیں تھا۔ حلیہ بگڑا ہوا نہیں تھا۔ بہت خوبرو اور اسمارٹ

دکھائی دے رہا تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہے۔

وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی پھر بولی ”تم......؟ تم تو کمال احمد ہو؟“

وہ مسکرا کر بولا ”ہاں۔ میں کمال احمد ہوں۔“

”لیکن ابھی تو تم نے اپنا نام پاشا جانی بتایا تھا؟“

وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولا ”وہ بھی درست تھا۔ میں ٹو اِن وَن ہوں۔“

وہ مسکرا کر بولی ”یعنی بندے ایک ہو اور نام دو ہیں۔“

”نہیں نام بھی ایک ہے۔ میرا اصل نام سلامت پاشا ہے۔ سب مجھے پاشا جانی کہتے ہیں۔“

”اور وہ جو تم نے اپنا نام کمال احمد لکھوایا تھا؟“

”وہ میرا فرضی نام تھا۔ میں اپنا اصل نام بتانا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ایڈریس بھی فرضی لکھوایا تھا۔“

”تعجب ہے۔ تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟“

اسے تراب علی شاہ یاد آ گیا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ”یہ میری ایک مجبوری تھی۔ پھر کسی وقت بتاؤں گا۔ کیا مس عینی یہاں نہیں ہیں؟“

وہ چونک کر بولی۔ ”اوہ...... میں تو دروازے پر ہی باتیں کرنے لگی تمہیں اندر آنے کو بھی نہیں کہا۔ آؤ اندر آ جاؤ......“

وہ ایک طرف ہو کر اسے راستہ دینے لگی۔ عینی سنبھل کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی اور ان کی باتیں سن رہی تھی۔ جب وہ کمرے میں آیا تو دھندلا دھندلا سا دکھائی دیا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

پاشا نے پوچھا ”کیسی ہو؟“

وہ مسکرا کر بولی ”اچھی ہوں۔ تم نے بہ حفاظت مجھے یہاں تک پہنچایا تھا۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔“

وہ بولا ”احسان کی کوئی بات نہیں ہے۔ جب میں کوئی نیک کام کرتا ہوں تو مجھے ایک روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔“

عروج نے کہا ”اچھائی تو تم نے میرے ساتھ بھی کی تھی اور پھر ایک دم سے غائب ہو گئے تھے۔“

پھر وہ عینی سے بولی ”تمہارے یہ پاشا صاحب بہروپیے ہیں۔ انہوں نے کمال احمد کے نام سے میرے ڈیڈی کو خون کی دو بوتلیں دی تھیں۔ یہ ان کا مجھ پر اتنا بڑا احسان ہے کہ میں انہیں ساری زندگی بھلا نہیں سکوں گی۔“

اس کے آخری الفاظ پاشا کے دل میں اترتے چلے گئے۔ وہ بولا ”محبت سے کیا جانے والا کام احسان نہیں ہوتا اور پھر میں نے ابھی کیا ہی کیا ہے؟ محبت میں تو لوگ جان دے دیتے ہیں۔“

عروج نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا ”محبت......؟“

وہ ایک دم سے گڑبڑا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا ”آں۔ ہاں دشمن نفرت سے خون بہاتے ہیں۔ میں نے محبت سے بہایا ہے۔“

عینی نے پوچھا ”کس کی محبت سے؟“

وہ بولا ”ابھی عروج نے پوچھا تھا کہ میں نے اس وقت اپنا نام کمال احمد کیوں لکھوایا تھا؟ یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب میں ابھی نہیں دے سکتا۔ تمہارا سوال بھی ذرا مشکل ہے کہ میں نے کس کی محبت میں خون بہایا تھا؟ اس کا جواب بھی میں ابھی نہیں دے سکوں گا۔“

عینی اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ عروج نے کہا ”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ تم نے میرے ڈیڈی کو خون دیا ہے۔ کیا تمہیں میرے ڈیڈی سے محبت ہے؟“

اس نے عروج کو بڑی محبت سے دیکھا۔ وہ ذرا گڑبڑا گئی۔ اس سے نظریں چرانے لگی۔ دل آپ ہی آپ تیزی سے دھڑکنے لگا۔ عینی نے پوچھا ”پاشا! تم نے جواب نہیں دیا؟“

اس نے عروج پر سے نظریں ہٹا کر عینی کو دیکھتے ہوئے کہا ”کچھ سوال ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا جواب زبان سے نہیں نظروں سے دیا جاتا ہے۔“

وہ دھندلے دھندلے سے محبوب کو دیکھتے ہوئے بولی ”تم تو پہیلیاں بھجوا رہے ہو۔“

عروج آہستہ آہستہ چلتی ہوئی عینی کے قریب آ گئی۔ وہ اسے دیکھے جا رہا تھا اور وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔ وہ بولا۔ ”ہاں...... یہ محبت میرے لیے بھی ایک پہیلی ہے۔ میں بھی اسے بوجھنا چاہتا ہوں۔“

عروج نے بے اختیار نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ نظریں چار ہوئیں پھر فوراً ہی جھک گئیں۔ عینی نے مسکرا کر کہا۔ ”میں سمجھ گئی، تم کسی ایسی لڑکی سے محبت کرتے ہو جس سے اظہار نہیں کر سکتے۔ یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ بھی تم سے پیار کرتی ہے یا نہیں۔“

وہ بولا ”تم کسی حد تک درست کہہ رہی ہو۔“

عینی شرمانے لگی۔ اس کے برابر کھڑی ہوئی عروج کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ پاشا کی نظروں کو اپنی طرف آنے سے کیسے روکے؟

ایسی بات نہیں تھی کہ وہ ایک دم سے اس پر عاشق ہوگئی تھی۔ وہ دراصل الجھ گئی تھی۔ اس کی احسان مند تھی، اس طرح دیکھنے پر اسے ٹوک نہیں سکتی تھی۔

وہ محسن تھا، بہت اچھا انسان تھا۔ وہ اسے سمجھا سکتی تھی کہ وہ عشق ومحبت کی قائل نہیں ہے۔ ایک پریکٹیکل لائف گزار رہی ہے۔ البتہ اس کی سہیلی اس سے متاثر ہوچکی ہے اور شاید اس سے محبت کرنے لگی ہے۔

لیکن یہ بعد کی باتیں تھیں۔ پہلی ملاقات میں یہ سب کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ عینی نے کہا ''تم ابھی تک کھڑے ہوئے ہو...... بیٹھ جاؤ۔''

پھر وہ عروج سے بولی۔ ''کچھ ٹھنڈا یا گرم منگواؤ۔''

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا ''کوئی تکلف نہ کریں۔''

پھر وہ عروج پر نظریں جما کر معنی خیز انداز میں بولا۔ ''میں تو بس ملنے اور دیکھنے آیا تھا۔''

جانے کیوں اس کے دیکھنے سے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوجاتی تھیں۔ وہ اس سے کترا کر کمرے سے جاتے ہوئے بولی۔ ''میں ابھی کولڈ ڈرنکس لاتی ہوں۔''

وہ اس کمرے سے نکل کر کچن میں آ گئی۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیوں اس کی نظروں کی تاب نہیں لا رہی ہے؟ فریج سے بوتلیں اور گلاس نکالتے وقت بھی اس کی حالت عجیب تھی۔

پاشا جانی نے عینی سے پوچھا۔ ''کیا تمہارا وہ سوتیلا بھائی پھر تمہیں پریشان کرنے آیا تھا؟''

وہ بڑی افسردگی سے مسکرا کر بولی۔ ''نہیں...... اس کا اصلی چہرہ سامنے آچکا ہے، شاید وہ اب کبھی میرا سامنا نہ کرسکے۔''

''جو دشمن سامنا نہیں کرتے، وہ سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے، کیا وہ تمہارے خلاف سازش نہیں کرے گا؟''

وہ سر ہلا کر بولی۔ ''ہاں۔ کرے گا۔ جو بدنیت ہوتے ہیں وہ اپنی بدنیتی سے باز نہیں آتے۔''

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''دشمن بدنیت ہے اور میں بدنصیب ہوں۔ ابھی کچھ دیر پہلے پھر کسی دشمن نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔''

اس نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا؟''

عروج ایک ٹرے میں تین گلاس لاتے ہوئے بولی۔ ''یہ درست کہہ رہی ہے۔ پتا نہیں کون یہاں گھس آیا تھا؟ اس وقت میں واش روم میں تھی۔''

وہ ٹرے کو سینٹر ٹیبل پر رکھ کر کرسی کو دیکھنے لگی، وہاں تین کرسیاں تھیں اور وہ خالی کرسی پاشا کے قریب تھی۔ وہ سوچنے لگی، وہاں بیٹھنے سے ہچکچانے لگی۔ عینی نے کہا۔ ''کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ۔''

اسے مجبوراً وہاں بیٹھنا پڑا۔ پاشا نے خوش ہوکر اسے دیکھا پھر عینی سے پوچھا۔ ''تم نے اس دشمن کو دیکھا تو ہوگا؟''

وہ گہری افسردگی سے بولی۔ ''یہی میری بدنصیبی ہے، میں دیکھ کر بھی دیکھ نہیں پاتی۔ وہ دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ میں اس کے حملے سے بدحواس ہوگئی تھی۔ میں نے چیخنا چاہا تو اس نے میرے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ پھر موقع پاتے ہی میں نے عروج کو پکارا۔''

پاشا نے عروج کو دیکھ کر کہا۔ ''پھر تو تم اس کی مدد کے لیے آئی ہوگی؟''

''ہاں۔ میں آنا چاہتی تھی۔ مگر جب میں نے واش روم کے دروازے کو کھولنا چاہا تو وہ باہر سے بند تھا۔''

پھر وہ دونوں اسے تفصیل بتانے لگیں۔ پاشا جانی نے توجہ سے سننے کے بعد کہا۔ ''ہوں۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم دونوں کیسی مصیبت میں پڑ گئی تھیں۔ یہ بتاؤ، پھر اس سے نجات کیسے حاصل ہوئی؟''

عینی نے کہا۔ ''میرے ہاتھ میں شیشے کا گلدان آ گیا تھا۔ میں نے وہ گلدان اس کے سر پر دے مارا۔ زوردار ضرب نے اسے چکرا دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے کی طرف گیا تو میں فوراً ہی بیڈ سے اتر کر واش روم کے دروازے پر پہنچ گئی۔ مگر اسے کھولنے اور عروج کے باہر آنے تک وہ کم بخت جاچکا تھا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ بری طرح زخمی ہوچکا تھا۔''

عروج نے تائید میں کہا۔ ''ہاں۔ ادھر دیکھو۔ فرش پر خون کے دھبے ہیں۔''

پاشا ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر بولا۔ ''کیا عینی نے اس کے سر پر ضرب لگائی تھی؟''

''ہاں۔ اتنی زور سے مارا تھا کہ گلدان ٹوٹ گیا تھا۔''

وہ جلدی سے بولا ''او گاڈ! میں نے جسے زخمی حالت میں یہاں سے جاتے ہوئے دیکھا ہے وہی تمہارا دشمن ہوگا۔ اس نوجوان کے ماتھے پر زخم تھا۔''

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر عروج نے کہا۔ ''اگر تم نے ایسے کسی زخمی شخص کو دیکھا ہے تو پھر وہ وہی دشمن ہوگا۔ یہ بتاؤ، وہ کس طرف گیا ہے؟''

''میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں گیا ہے؟ مگر کسی کلینک میں جاکر مرہم پٹی کرانے کی بات کر رہا تھا۔''

''کیا وہ کسی ٹیکسی میں گیا تھا؟''

''نہیں۔ اس کی اپنی گاڑی تھی۔ ویسے ایک بات سمجھ ں آتی ہے کہ وہ دشمن تمہیں اچھی طرح جانتا ہے، یہ جانتا ہے ہ وہ دن کی روشنی میں تمہارے سامنے آئے گا تب بھی تم ے پہچان نہیں سکو گی۔''

عروج نے سوچتی ہوئی نظروں سے عینی کو دیکھا پھر کہا۔ مجھے تو یہ جواد کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔''

پاشا نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں۔ میں واد کو پہچانتا ہوں وہ جواد نہیں تھا۔ کوئی دوسرا ہی جوان تھا۔''

عینی نے پریشان ہوکر سر جھکا لیا۔ عروج نے کہا۔ ''اب ک ہم ایک ہی دشمن کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور کوئی وسرا دشمن ہماری اس نادانی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔''

پاشا نے کہا ''وہ جو بھی ہے۔ اس کے خلاف رپورٹ رج کرانی چاہیے۔''

عروج نے کہا ''عینی کے کزن سپرنٹنڈنٹ آف پولیس یں۔ میں ان کے نمبر پنچ کرتی ہوں۔ عینی! تم ان سے بات کرو۔''

اس نے موبائل پر نمبر پنچ کرکے اسے عینی کی طرف بڑھا یا۔ وہ اسے کان سے لگا کر رابطہ ہونے کے بعد بولی ''ہیلو۔ یشان بھائی! میں عینی بول رہی ہوں۔''

''ہاں۔ بولو۔ کیسی ہو؟ سنا ہے شام کو گھر آنے والی ہو؟''

''جی آنے والی ہوں۔ مگر اس سے پہلے ایک نئی مصیبت میرے پاس چلی آئی ہے۔''

''کیسی مصیبت......؟''

وہ فون پر اسے تفصیل بتانے لگی۔ ذیشان نے پوچھا ''تم نے اس کا چہرہ تو دیکھا ہوگا؟''

وہ بولی ''آپ تو جانتے ہیں کہ میری بینائی کمزور ہے۔ پھر بھی میں نے اپنا بچاؤ گلدان کے ذریعے کرلیا تھا۔ اس کے ماتھے پر ایسی ضرب لگائی تھی کہ وہ لہولہان ہوکر یہاں سے گیا ہے۔''

''اچھا۔ ماتھے پر زخم کے نشان کے علاوہ اور کوئی نشانی بتا سکتی ہو؟''

عینی نے پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا 'جس ٹیکسی ڈرائیور نے کل رات مجھے بہ حفاظت یہاں تک پہنچایا تھا۔ اس نے اس دشمن کو ایک کار میں جاتے دیکھا ہے۔''

''کیا وہ اس کا ماڈل اور نمبر بتا سکتا ہے؟''

عینی نے پاشا سے پوچھا ''کیا تم نے کار کا نمبر پڑھا تھا؟''

پاشا نے فون اس سے لے کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا ''سر! میں ٹیکسی ڈرائیور بول رہا ہوں۔ میں نے کار کا نمبر پڑھا ہے آپ نوٹ کریں۔ کے۔ ایچ۔ آئی۔ سیون ٹو سیون زیرو ون۔''

یہ سنتے ہی عروج اور عینی اپنی اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہوگئیں۔ پھر عروج نے فوراً ہی موبائل اس سے لے کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔''

بھائی جان! میں عروج بول رہی ہوں۔ یہ تو میرے بھائی کی کار کا نمبر ہے میں سمجھ گئی، وہی یہاں آئے تھے۔ میں بہن ہوکر ان کے خلاف گواہی دینے کے لیے تیار ہوں۔ آپ فوراً انہیں حراست میں لینے کے انتظامات کریں۔''

عروج نے یہ کہہ کر فون بند کردیا۔ عینی اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ کہنے لگی۔ ''یہ تمہارے بھائی جان نے کیا کیا؟''

وہ نفرت سے بولی ''انہوں نے ذلالت کی ہے۔ وہ مجرم ہیں اور مجرم کسی کا بھائی نہیں ہوتا۔ میں تیرے پیار کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آئندہ کبھی میں انہیں اپنا بھائی نہیں کہوں گی۔''

پاشا ان دونوں سہیلیوں کی محبت دیکھ رہا تھا اور عروج کے پیار کے انداز کو دیکھ کر سوچ رہا تھا ''کیا یہ میرے دل میں گھس آنے والی مجھے بھی ایسا بھرپور پیار دے گی؟ میرے گلے لگ کر میرے غموں کو اپنے گلے لگا لیا کرے گی؟''

یہ حسرتیں بڑی سرکش ہوتی ہیں۔ دور سے دیکھتی ہیں اور قریب پہنچنے کی ضد کرنے لگتی ہیں۔ وہ ان لمحات میں عینی کی جگہ پہنچ گیا تھا اور اسے گلے لگا رہا تھا۔

☆☆☆

ذیشان صبح چھ بجے گھر آیا تھا اور آتے ہی بستر پر گر پڑا تھا۔ اسما کو اپنے قریب کھینچ کر بولا ''کوئی شکایت نہ کرنا۔ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔'' مجھے سونے دو۔ سوکر اٹھوں گا تو ہم خوب باتیں کریں گے۔''

وہ اس کے بازوؤں میں آکر چپ ہوگئی تھی۔ سارے شکوے گلے بھول گئی تھی۔ وہ پانچ گھنٹوں تک ایک ہی کروٹ گہری نیند سوتا رہا اور وہ اپنا سر اس کے سینے سے لگائے اس کی دھڑکنیں سنتی رہی۔ کبھی سوتی رہی، کبھی جاگتی رہی، کبھی سوچتی رہی، کبھی اندیشوں میں مبتلا ہوتی رہی کہ اسے اس قدر چاہنے والا شوہر رات بھر کہاں رہا تھا؟ کسی سوکن کے پاس تو نہیں تھا؟

وہ اس کے اس قدر قریب تھی کہ اس کے بدن سے پرائی مہک کو محسوس کرلینا چاہتی تھی۔ کیا وہ کسی سوکن کی بو تک پہنچ سکتی تھی؟ نہیں۔ کبھی نہیں......

اندیشوں میں مبتلا رہنے والی بیویاں دور تک شوہر کے پیچھے بھاگتی رہتی ہیں۔ انہیں سوکن کا سایہ دکھائی دیتا رہتا ہے۔ لیکن سوکن دکھائی نہیں دیتی۔

اگر اسما کی گود میں کم از کم ایک ہی اولاد آ جاتی تو کم بخت تمام انجانی سوکنوں کو موت آ جاتی اور تمام اندیشے یک لخت ختم ہو جاتے۔

سرہانے رکھے ہوئے فون کا بزر بولنے لگا۔ اس نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بجنے والے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ذیشان کی نیند میں خلل پڑے۔ اور وہ بیدار ہو جائے۔ مگر وہ دانستہ فون کو اپنے سرہانے رکھتا تھا تاکہ اگر کوئی ایمرجنسی کال ہو تو فوراً ہی کال کرنے والے کا اس سے رابطہ ہو جائے۔

دوسری ہی بیل پر اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھنے لگا وہ بھی اٹھتے ہوئے بولی "کیا مصیبت ہے؟ آپ اپنی نیند بھی پوری نہیں کر پاتے اور کوئی نہ کوئی کال آ جاتی ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "تم تو فون کال کو بھی اپنی سوکن سمجھتی ہو یہ جانتی ہو کہ مجھے ایڈونچر لائف پسند ہے۔ پھر بھی......؟

اسما نے ناگواری سے منہ بنایا۔ وہ فون اٹھا کر نمبر پڑھ رہا تھا پھر اسے آن کر کے کان سے لگا کر بولا "ہیلو۔ عروج!"

دوسری طرف عینی تھی۔ وہ اسے بتانے لگی کہ وہ عروج کے پاس ہے اور کسی دشمن نے اس پر حملہ کیا ہے۔ یہ وہی وقت تھا جب پاشا جانی عروج اور عینی کے پاس تھا اور پھر اس نے فون پر ذیشان کو کار کا نمبر بتایا تھا۔ عروج کی گواہی سے ثابت ہوا تھا کہ وہ حشمت کی کار ہے اور اسی نے عینی پر حملہ کیا ہے۔

ذیشان تمام تفصیلات سننے کے بعد فون کو آف کر کے فوراً ہی بیڈ سے اتر گیا۔ اسما نے پوچھا "کیا ہو گیا؟ عینی آخر کہاں بھٹک رہی ہے؟ گھر کیوں نہیں آ رہی ہے؟ اب کس نے اس پر حملہ کیا ہے؟"

اس نے حشمت کے بارے میں بتایا تو وہ تعجب سے بولی۔ "حیرت ہے، اس کی اتنی عزیز ترین سہیلی کے بھائی نے ایسی حرکت کی ہے۔"

"عروج اس کی جتنی بہترین سہیلی ہے اس کا بھائی اتنی ہی بدترین خصلتوں کا مالک ہے۔ بہت ہی آوارہ اور عیاش ہے۔"

ذیشان نے ٹیلی فون کے قریب آ کر ریسیور اٹھایا اور اپنے ایک ماتحت سے رابطہ کرنے لگا۔ اسے حشمت کا پورا نام گھر کا پتا اور اس کی کار کا نمبر نوٹ کرانے لگا۔ پھر بولا "فوراً اس کار کو تلاش کرو۔ وہ زخمی ہے۔ ضرور کسی کلینک یا ہاسپٹل کی طرف گیا ہو گا۔ ایسی جگہوں کو اہمیت دیتے ہوئے اپنا لائن آف ایکشن تیار کرو۔ میں ایک گھنٹے کے اندر آ رہا ہوں۔"

اس نے مزید کچھ ہدایات دے کر فون کو بند کر دیا۔ اسما نے شکایت بھرے لہجے میں کہا "آپ پھر جا رہے ہیں اگرچہ یہ ہماری عینی کا معاملہ ہے پھر بھی آپ یہاں بیٹھے بیٹھے ساری کارروائیاں کر سکتے ہیں۔"

"تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ مجھے میرے کام کے طریقے نہ سمجھایا کرو کیا اب میں تمہارے مشوروں پر چل کر مجرموں کا تعاقب کیا کروں گا؟ میری وردی نکالو اور پریس کرو۔ میں غسل کر رہا ہوں۔"

وہ باتھ روم میں جا کر دانتوں کو برش کرنے لگا۔ باتھ روم کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ وہ الماری سے وردی نکالتے ہوئے بولی "آپ نے کہا تھا، سو کر اٹھیں گے تو باتیں کریں گے۔ کیا یہ باتیں ہو رہی ہیں؟ آنکھ کھلتے ہی پھر بھاگ دوڑ شروع ہو گئی ہے۔"

"بھئی میں ابھی غسل کر رہا ہوں۔ پھر ناشتا کروں گا۔ اس کے بعد کپڑے بدل کر جاؤں گا۔ اس دوران میں تم بہت سی باتیں کر سکتی ہو پہلے ناشتے کے لیے کہہ دو۔"

اس نے انٹرکام کے ذریعے گھر کے خانساماں سے کہا "ٹھیک بیس منٹ کے بعد صاحب کے لیے ناشتا لے آؤ۔"

پھر اس نے ذیشان سے کہا "آدھی رات کے بعد ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ عینی عروج کے پاس پہنچی ہوئی ہے پھر آپ گھر واپس کیوں نہیں آئے؟"

"اسما! سمجھا کرو۔ دوسرے بھی معاملات ہوتے ہیں۔ ایک ایسا اہم کیس آ گیا تھا، جس سے نمٹنا ضروری تھا۔"

وہ برش کرنے کے بعد لباس اتار کر شاور کے نیچے آ گیا۔ پھر بولا۔ "تم گل خانم کے گانے بہت شوق سے سنتی ہو۔"

وہ استری آن کرتے ہوئے بولی "ہاں...... بہت خوبصورت گلوکارہ ہے۔ اس کے گانے کا انداز سب سے الگ ہے اور وہ خود بھی رنگ و روپ میں یکتا ہے لیکن اس وقت اس کا تذکرہ کہاں سے نکل آیا؟ آپ اپنے کیس کی بات کر رہے تھے۔"

وہ بولا "میں کیس کی ہی بات کر رہا ہوں۔ پچھلی رات وہی میرے آفس میں آئی تھی۔"

اسما نے ایک دم سے چونک کر باتھ روم کی طرف دیکھا۔ ادھ کھلے دروازے سے ذیشان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

...ر رہا تھا "وہ جتنی خوبصورت ہے اتنی ہی بدنصیب ہے۔"

"آپ اس بدنصیب کے ساتھ صبح تک کیا کرتے ...؟"

ذیشان نے اس کے طنز پر دھیان نہیں دیا۔ بڑی سادگی ...لا "مقدر بھی کیا چیز ہے؟ کسی کو اولاد سے محروم رکھتا ہے ...ماں نہیں بن سکتیں اور کسی کو ماں بننے کا موقع دیتا ہے، ...ی دیتا ہے پھر اولاد ہوتے ہی چھین لیتا ہے۔"

اس بات نے اسما کو متاثر کیا۔ وہ بولی "اب آپ گل ...بات کرتے کرتے کسی اولاد سے محروم ہو جانے والی ...ذکر کر رہے ہیں۔"

"میں اسی گل خانم کی بات کر رہا ہوں۔ ایک ماہ پہلے اس ...ے کو جنم دیا تھا اور پچھلی رات اس کے شوہر نے اس بچے کو ...ردیا۔"

وہ استری کرتے کرتے ایک دم سے اچھل پڑی۔ پھر ...ی سے بولی "نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کوئی باپ اپنی ...جان کیسے لے سکتا ہے؟"

"ایسا ہی ہوا ہے۔ تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"بھلا یہ بھی کوئی یقین کرنے والی بات ہے؟ ہم اولاد ...ے ترس رہے ہیں اور اس ظالم باپ کی نظروں میں بچے ...یت ہی نہیں تھی۔ اس بے چاری ماں نے کیسے کیسے ...ب سے گزر کر اس بچے کو جنم دیا ہو گا اور اس کم بخت نے ...ر ڈالا......؟ کیا انسان ایسا ظالم بھی ہو سکتا ہے؟"

"ہاں۔ انسان ہی ظالم ہوتا ہے۔ شیطان تو خواہ مخواہ ...ہے۔ انسان سے بڑا شیطان اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

...نہاتا رہا اور اسے گل خانم کے تفصیلی حالات بتاتا رہا۔ ...اولاد کے لیے ترس رہی تھی۔ اس لیے اسے گل خانم ...ہمدردی ہو گئی تھی۔ وہ بڑی افسردگی سے اس کے بارے ...رہی تھی۔ پھر اس نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں کہا ...بیچاری۔ اب بچے کے بغیر کیسے زندہ رہے گی؟ میری تو ...ں ہوئی۔ میں صبر کر رہی ہوں۔ مگر اس کی تو ہو کر مر گئی، ...صبر کرے گی؟"

...توں کے دوران میں وہ غسل سے فارغ ہو کر وردی ...اب ناشتا کر رہا تھا۔ وہ ایک توس پر مکھن لگا کر اس کی ...بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ مقدر ایسے تماشے کیوں دکھاتا ہے؟ اب میں بڑی ...سے سوچتی رہوں گی کہ کاش! وہ بچہ میری گود میں ہوتا، ...ے کلیجے سے لگا کر رکھتی۔ پتا نہیں کیوں، مجھے ایسا لگ رہا ...ہے میرے بچے کو میرے پاس آنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیا گیا ہے۔"

اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ ذیشان نے بڑی محبت سے اسے دیکھا۔ پھر اس کے ہاتھ کو تسلی دینے کے انداز میں تھپکنے لگا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہم مقدر کے ہاتھوں کس قدر مجبور ہیں! ہماری تقدیر بگڑتی ہے تو سب کچھ بگڑ جاتا ہے۔"

"ہمارا مقدر وہی کرتا ہے جو ہمارے ہاتھوں کی لکیریں کہتی ہیں ہم انہیں اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ہم انہیں بدل سکتے ہیں۔ ہماری دنیا میں کتنے ہی حوصلہ مند ایسے ہیں جو واقعی انہیں بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ جب لکیریں بدلتی ہیں تو مقدر کی چال بھی بدل جاتی ہے۔"

اس وقت ذیشان درست کہہ رہا تھا۔ میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ ایسا کہنے والا اپنے ہاتھ کی لکیروں کو نہیں جانتا تھا کہ میں اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟"

اسما نے ایک پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا "اب تو وہ بے چاری ماں بھی نہیں بن سکے گی۔ طلاق ہو چکی ہے اور اچھا ہی ہوا کہ ایسا ظالم مرد اس سے چھوٹ گیا۔"

وہ چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے بولا "ماں تو وہ بنے گی اس ظالم سے نجات کے بعد کہیں تو شادی کرے گی۔ اب اس میں ماں بننے کا جذبہ شدت اختیار کر گیا ہو گا۔ اسے شوہر کی آرزو چاہے نہ ہو مگر بچے کی آرزو اسے چین سے نہیں رہنے دے گی۔ وہ مقتول بچہ اس کی کوکھ میں کہتا رہے گا۔ ماں میں آنا چاہتا ہوں، پھر سے آنا چاہتا ہوں۔"

اسما اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے تڑپ کر بولی "بس کریں ایسی باتیں سن کر ایک ماں کا کلیجہ پھٹ پڑتا ہے۔ میں تو کہتی ہوں جب وہ بانجھ نہیں ہے تو اسے ضرور دوسری شادی کر لینی چاہیے۔"

میں نے مسکرا کر اسما کو دیکھا۔ ذیشان نے کہا "ہاں۔ کرنی چاہیے مگر ابھی تو اس کے زخم تازہ ہیں۔ عدت کے ایام گزارنے اور اپنے سابقہ شوہر کو پھانسی کے تختے تک پہنچانے کے بعد ہی اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرے گی۔ مقدمے کے دوران مجھے معلوم ہوتا رہے گا کہ وہ آئندہ کیا کرنا چاہتی ہے؟ میں اس کے ساتھ رہا کروں گا۔"

اسما نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ چائے کے گھونٹ حلق سے اتار رہا تھا۔ وہ تڑخ کر بولی "آپ اس کے ساتھ کیوں رہیں گے؟"

"یہ میرا کیس ہے۔ میں اسے ہینڈل کر رہا ہوں تو مجھے اس کے ساتھ رہنا ہی ہو گا۔ مقدمہ ختم ہوتے ہی یہ سارا سلسلہ

بھی ختم ہو جائے گا۔"

وہ پیالی رکھ کر آئینے کے سامنے آ گیا۔ وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے آ کر بولی "کیا ضروری ہے کہ آپ اس کے ساتھ ساتھ رہیں؟ آپ یہ کیس کسی دوسرے افسر کے حوالے بھی تو کر سکتے ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "ابھی تم اس عورت کی مجروح ممتا پر تڑپ رہی تھیں۔ اس سے گہری ہمدردی کر رہی تھیں اور اب حسد اور جلن سے ایسا کہہ رہی ہو۔"

"آپ کچھ بھی سمجھتے رہیں۔ مگر میری بات مان لیں۔"

وہ پلٹ کر بولا "میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ میرے دفتری معاملات میں مداخلت نہ کیا کرو۔ یہ نہ سمجھایا کرو کہ مجھے کس کیس میں کس مجرم کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے؟ مجھے تمہارے ہی مشوروں پر عمل کرنا ہوتا تو میں رسال پور جا کر پولیس ٹریننگ کا کورس مکمل نہ کرتا۔"

پھر وہ جوتے پہن کر جانے لگا۔ تو اسما اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "میں آپ کے دفتری معاملات میں مداخلت نہیں کروں گی۔ لیکن آپ گھریلو معاملات میں تو میری بات مانتے رہیں گے نا؟"

"وہ تو میں مانتا ہوں اور مانتا ہی رہوں گا۔ بولو۔ کیا چاہتی ہو؟"

وہ ذرا اس کے نزدیک ہوتے ہوئے بولی "میں اپنے دل کی تسلی کے لیے ایک بات کہہ رہی ہوں۔ وعدہ کریں، انکار نہیں کریں گے۔"

وہ اسے دونوں بازوؤں میں جکڑ کر بولا "تم جانتی ہو کہ میں تمہیں خوش کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا ہوں۔ اب کہہ بھی دو، کیا چاہتی ہو؟"

وہ اٹکتے ہوئے بولی "وہ۔ آپ۔ میری تسلی کے لیے ایک۔ جھوٹا میڈیکل...... سرٹیفکیٹ حاصل کریں۔"

ذیشان نے ذرا چونک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کا کالر درست کرتے ہوئے بولی "اس سرٹیفکیٹ سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ آپ بھی بانجھ ہیں۔ کبھی باپ نہیں بن سکیں گے۔"

ذیشان اسے بہت چاہتا تھا۔ مرد کسی حال میں بھی اپنی مردانگی پر حرف نہیں آنے دیتا۔ یہ اسما کے لیے اس کی بھرپور چاہت ہی تھی۔ وہ مسکرا کر بولا "یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ میں کل ہی ایک سرٹیفکیٹ بنوا کر لے آؤں گا۔ مگر اس سے کیا ہوگا؟"

وہ ایک دم سے خوش ہو کر بولی "یہ پوچھیں، کیا نہیں ہوگا؟ میں اس سرٹیفکیٹ کو آپ کے ممی اور ڈیڈی کے پیش کروں گی۔ انہیں یقین دلاؤں گی کہ میری طرح یعنی آپ بھی بانجھ ہیں اور جب انہیں یقین ہو جائے بھی آپ کی دوسری شادی کی بات نہیں کریں گے۔"

وہ ہنستے ہوئے اسے پیار کرتے ہوئے بولا "یہ آئیڈیا خوب ہے۔ اس طرح کم از کم ممی کی زبان ہو جائے گی۔ یہ ترکیب پہلے تمہارے دماغ میں کیوں آئی؟"

"اب آئی ہے مگر عمل کرنے سے ہی بات بنے گی"

وہ اس کی پیشانی کو چوم کر بولا "میری جان تمہارے لیے سب کچھ کروں گا۔ مجھے اولاد کی تمنا ہے لیکن تم میری زندگی کی پہلی اور آخری آرزو ہو۔ میں ہار کر اپنی زندگی کی دوسری کوئی بازی جیتنا نہیں چاہتا"

وہ اسے اپنے سینے سے لگا کر پیار دیتا رہا، اعتماد وہ خوب جانتی تھی کہ میرا یہ چاہنے والا صرف شوہر ہے۔ میرا عاشق بھی ہے، دیوانہ بھی ہے اور یہ کبھی بھٹک کر کسی دوسری طرف نہیں جائے گا۔

پھر وہ دونوں کمرے سے نکل کر باہر آئے۔ گاڑی تک چھوڑنے جایا کرتی تھی۔ جب وہ دونوں روم میں پہنچے تو پتا چلا کہ عینی عروج کے ساتھ آئی ہوئی اپنے تایا ابو اور تائی امی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ فلد وہاں موجود تھی۔

اسما نے اسے دیکھتے ہی گلے سے لگا لیا۔ پھر پیشانی کو چوم کر کہا "خدا کا شکر ہے، تم خیریت سے گھر آ گئی ہو۔ میں تو تمہارے بھائی جان سے کہہ رہی تھی تمہاری سیکورٹی کے انتظامات بہت سخت ہوں تمہیں کے ساتھ باہر جانا آنا چاہیے۔"

وہ بولی "میں نے وکیل صاحب کو بلایا ہے۔ مشورہ کروں گی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

ذیشان نے کہا "تم ان سے مشورہ کرتی رہو۔ نے فیصلہ کر لیا ہے۔ آئندہ میرے سپاہی دور ہی تمہاری نگرانی کرتے رہا کریں گے۔"

پھر وہ عروج سے بولا "میری بہن کے لیے تمہا اور جذبہ ہے، میں اس کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن تمہار نے یہ بہت برا کیا ہے۔ اس کا ہاتھ میری بہن کے لباس ہے۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ اسے ننگا لٹکا کر ایسی اذیتیں دوں گا کہ دیکھنے والے عبرت حا گے۔"

ں کے منہ سے بہن کا لفظ سنتے ہی بیگم آفتاب نے اسے دیکھا پھر دل ہی دل میں کہا "بے وقوف! رشتا نہیں جانتا۔ میں عینی کو اس کی بیوی بنانے کے لیے سر ش کر رہی ہوں اور یہ ہے کہ میری کوششوں پر پانی پھیر اسے بہن کہہ رہا ہے۔ اونہہ......!"

روج نے ذیشان سے کہا "آپ جو سلوک حشمت کے رنا چاہیں، کریں میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں، مجرم کسی کا یں ہوتا۔ اب مجھے ان کے نام سے بھی نفرت ہو گئی

پھر وہ ایک کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "یہ ی کی رپورٹ ہے۔ اس کے خون کے دھبوں کا تجزیہ کیا ے اور رپورٹ میں اس خون کا گروپ بی پوزیٹو آیا ہے۔ ت کا بلڈ گروپ ہے۔"

ذیشان نے اس سے وہ کاغذ لے کر کہا "تم واقعی ایک دار ڈاکٹر اور بہت محبت کرنے والی سہیلی ہو۔ تم میری ں میں عینی سے بھی زیادہ بلند ہو گئی ہو۔"

عینی نے کہا "عروج! بھائی جان کو وہ ریوالور نکال ـ"

ذیشان نے پوچھا "کیسا ریوالور......؟"

عروج نے اپنے پرس میں سے ریوالور نکال کر اس کی بڑھایا وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ عینی نے کہا "یہ ا ہے۔ وہ اس کے بل پر جبراً مجھے اپنے ساتھ لے جانا تھا۔"

سب ہی نے چونک کر اسے اور اس ریوالور کو دیکھا۔ عینی بڑے تلخ لہجے میں کہا "ادھر حشمت...... ادھر جواد...... ہی آستین کے سانپ ہیں۔ بھائی جان! آپ کو جواد کا اسبہ کرنا ہوگا۔"

"تم دیکھتی جاؤ کہ میں ان سب کے ساتھ کیسا سلوک ہوں؟ پتا نہیں تمہاری آستین کے اور کتنے سانپ ہیں۔ ں ان کے برے انجام تک پہنچانا ضروری ہے۔ کہتے ہیں ں نصیب ہوتے ہیں، انہیں دولت ملتی ہے۔ لیکن تمہاری ت تمہارے لیے عذابِ جان بن گئی ہے۔"

بیگم آفتاب نے جلدی سے آگے بڑھ کر عینی کو چمکارتے ے کہا "میری جان! اب تمہیں فکر نہیں کرنی چاہیے۔ بس سمجھو کہ ذیشان تمہارے لیے ہی اتنا بڑا پولیس افسر بنا ہے رف تمہاری ہی مدد کرتا رہے گا۔"

بیگم نے اپنی بہو اسما کی طرف طنزیہ نظروں سے دیکھا۔ نی سے کہا "یہ ساری زندگی تمہاری حفاظت کرتا رہے گا۔"

اسما بھی پیچھے رہنے والی نہیں تھی۔ فوراً ہی بولی "کیوں نہیں؟ آخر کو بھائی ہیں، اپنی بہن کی حفاظت تو ان کا فرض ہے۔"

ذیشان نے عروج سے پوچھا "کیا حشمت سے اس کے موبائل پر رابطہ ہو سکتا ہے؟"

"میں کئی بار کوششیں کر چکی ہوں۔ اس نے فون آف کر رکھا ہے۔"

"وہ ضرور گھر گیا ہوگا۔ وہاں فون کر کے دیکھو۔"

عروج تائید میں سر ہلا کر فون پر نمبر پنچ کرنے لگی۔ رابطہ ہونے پر اسے اپنے باپ کی آواز سنائی دی۔ وہ بولی "میں اس وقت عینی کے ساتھ ہوں۔ ابھی آپ کے بیٹے حشمت سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ چونک کر بولا "بیٹی! یہ کس انداز میں گفتگو کر رہی ہو؟ تم حشمت کو بھائی جان کہنے کے بجائے اس کا نام لے رہی ہو۔"

وہ سپاٹ لہجے میں بولی "ڈیڈی! میرا کوئی بھائی نہیں ہے اور جو تھا وہ مر چکا ہے۔ اس نے عینی پر ایسا شرم ناک حملہ کیا ہے کہ میں شرم سے پانی پانی ہو رہی ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ ایسی کوئی حرکت کر سکتا ہے۔"

"وہ کر چکا ہے اور میں اس کے خلاف رپورٹ درج کرا چکی ہوں۔ آپ اسے سمجھائیں کہ وہ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دے۔ اس کی بہتری اسی میں ہے۔"

ذیشان نے اشارے سے فون طلب کیا۔ عروج نے فوراً ہی وہ فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اسے کان سے لگایا۔ تو دوسری طرف سے تراب علی کہہ رہا تھا۔ "میں حشمت کی گمراہیوں کو سمجھتا ہوں۔ پھر بھی بیٹی! ہم اس کی نادانی پر آپس میں سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔ اسے گھر کی چار دیواری کے اندر سزا دے سکتے ہیں۔ بات آگے نہیں بڑھانی چاہیے۔"

وہ ذرا طنزیہ لہجے میں بولا "بات تو آگے بڑھ چکی ہے۔ انکل! میں ایس پی ذیشان بول رہا ہوں۔ اس ذلیل کمینے کا ہاتھ میری بہن کے لباس تک پہنچا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کا کتنا برا انجام ہوتا ہے؟"

وہ عاجزی سے بولا "بیٹے! تمہارا غصہ بجا ہے۔ میں تمہاری ذہنی کیفیت سمجھ رہا ہوں۔ اس وقت تمہیں میری کوئی بات سمجھ نہیں آئے گی۔"

"اگر عینی کے بجائے آپ کی عروج ہوتی اور اس کے

لباس تک کسی کا ہاتھ پہنچتا تو آپ کیا کرتے؟"

"بیٹے! میں اس بات کا جواب نہیں دے سکوں گا۔ بہت شرمندہ ہوں۔"

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بیٹا زندہ سلامت رہے تو اسے مشورہ دیں کہ وہ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دے۔ ورنہ اگر وہ فرار ہونے کی کوشش کرے گا تو ہم ان کا ؤنٹر فائرنگ کا بہانہ کر کے اسے گولی مار دیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "او گاڈ! تم اتنی دور تک سوچ رہے ہو؟ نہیں بیٹے! ایسی دشمنی نہ کرنا وہ یہاں آئے گا تو میں اسے سمجھاؤں گا۔ میری بات پر بھروسہ کرو اور ابھی اسے گرفتار نہ کرو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اسے لے کر تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اپنے دفتر میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

اس نے موبائل کو بند کیا پھر اسے عروج کے حوالے کرتے ہوئے کہا "تم ہمارے ساتھ تعاون کر رہی ہو۔ میرا مشورہ ہے، اس وقت گھر جاؤ اور اپنے ماں باپ کو سمجھاؤ کہ اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ خود کو ہمارے حوالے کر دے۔ ورنہ ہم پولیس والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ کوئی مجرم ہاتھ نہ آئے تو اسے کس طرح ٹھکانے لگایا جاتا ہے؟"

یہ کہہ کر وہ اسما کے ساتھ باہر چلا گیا۔ فلک ناز نے کہا "عروج! تم واقعی عینی کی سہیلی ہونے کا حق ادا کر رہی ہو۔ میرا جی چاہتا ہے کہ تمہیں کوئی بہت بڑا انعام دوں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "میں تو کہتی ہوں، عینی کروڑوں روپے کی لاگت سے عروج کے لیے ایک ہاسپٹل بنوا سکتی ہے۔"

عینی نے کہا "پلیز بڑی امی! میں عروج کے لیے ایسا کچھ نہیں کرنا چاہتی۔ اس لیے کہ یہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ محبت کا معاوضہ طلب نہیں کرتی۔"

پھر وہ فلک ناز کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "اور نہ ہی یہ کسی بڑے انعام کا لالچ کرتی ہے۔"

عروج نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا "آؤ۔ باہر تک چلو۔ میں گھر جا رہی ہوں۔"

وہ دونوں وہاں سے باہر جانے لگیں۔ فلک ناز اور بیگم آفتاب ناگواری سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

دردانہ بیگم قدِ آدم آئینے کے سامنے ایک خوبصورت سا لباس پہنے کھڑی ہوئی تھی اور مختلف زاویوں سے خود کو دیکھ رہی تھی۔ جواد دروازے کے سامنے سے گزرتے ہو گیا۔ پھر اندر آ کر بولا "ممی! آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

"ہاں۔ عینی شام کو گھر آنے والی تھی۔ اب آ... اس سے ملنے جا رہی ہوں۔"

"آپ خوہ مخواہ وہاں جا رہی ہیں۔ وہ آپ... نہیں کرے گی۔ اسے یقین ہو گیا ہے کہ ہم محبت کی... اس سے دشمنی کر رہے ہیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ ایسا کچھ نہیں ہوا ہے۔ ... ذرا شبہ ہو گیا ہوگا۔ میں کسی نہ کسی طرح اس کا شبہ د... گی۔"

وہ مسکرا کر بولا "یہ تو میں نے دیکھا ہے، آپ ... ہوئی بازی بھی جیت لیا کرتی ہیں۔ لیکن ممی! یہ معاملہ ... ہی بگڑ چکا ہے۔"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی پھر بولی "تم دیکھ... میں کرتی کیا ہوں؟ بس جو باتیں تمہیں سمجھائی جائیں... رکھنا جب بھی تم پر الزام آئے تو تم وہی جواب دینا ج... تمہیں سمجھایا ہے۔"

وہ آئینے کے سامنے تیار ہو کر پھر اپنا پرس اٹھ... سے جاتے ہوئے بولی "میری واپسی تک تم گھر میں... آ کر تمہیں بتاؤں گی کہ میں نے پھر اسے کیسے شیشے... ہے؟"

دونوں ماں بیٹے وہاں سے چلتے ہوئے ڈرا... میں آئے پھر وہاں سے گزرتے ہوئے باہر جانے... وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی دونوں رک گئے۔ جواد... بڑھ کر سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔ پھر کہا "پتہ نہیں... ہے؟"

دردانہ بیگم نے کہا "اٹینڈ کرو گے تو پتا چلے گا... اٹھاؤ......"

جواد نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے... "ہیلو...... جواد اسپیکنگ......!"

دوسری طرف سے ذیشان نے کہا "اور م... ذیشان بول رہا ہوں۔ تمہیں اپنے آفس میں ط... ہوں۔ فوراً حاضر ہو جاؤ۔"

جواد نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا۔ اشارے... قریب بلاتے ہوئے فون کے وائڈ اسپیکر کو آن کر د... پر کہا "ذیشان بھائی! ہم ایک دوسرے کے عزیز... آپ پولیس افسر کی طرح کیوں بات کر رہے ہیں؟"

"تمہارے خلاف رپورٹ ہے اور ثبوت

لہٰذا کوئی سوال نہ کرو۔ فوراً یہاں آ جاؤ۔"

دردانہ نے فون کی طرف جھک کر کہا "بیٹے ذیشان! ایسی کیا بات ہوگئی ہے کہ تم رشتے داری کا لحاظ نہیں کر رہے ہو؟"

"آپ جاننے کے باوجود انجان بن رہی ہیں۔ پچھلی رات آپ کے صاحبزادے نے عینی کے ساتھ جو حرکت کی ہے، وہ ناقابلِ معافی ہے۔ وہ اسے اغوا کرنا چاہتا تھا۔"

"بیٹے! تمہیں غلط رپورٹ دی گئی ہے۔ عینی کو غلط فہمی ہوئی ہے میں اسے سمجھاؤں گی وضاحت کروں گی تو بات تمہاری سمجھ میں آ جائے گی اور جب تمہاری سمجھ میں آ جائے گی تو تم عینی کو بھی سمجھا دو گے۔"

وہ بولا "اگر بات سمجھ میں آ گئی تو جواد کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ ویسے یہ اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ ہمارے خاندان میں اور خاندان کے باہر آستین کے سانپ پل رہے ہیں۔ حشمت نے عینی پر حملہ کیا تھا اور میں اس کے خلاف بھی کارروائی کر رہا ہوں۔ میں نے اس کے باپ کو وارننگ دی ہے کہ حشمت جلد ہی خود کو پیش کر دے، ورنہ وہ مفت میں مارا جائے گا اور یہی آپ کے بیٹے کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ رابطہ ختم کرنا چاہتا تھا۔ دردانہ نے جلدی سے کہا "ایک منٹ بیٹے! فون بند نہ کرنا۔ تم ایک بہت بڑے پولیس افسر کی حیثیت سے حکم دے رہے ہو۔ میرا بیٹا اس کی تعمیل کرے گا۔ لیکن ایک ذرا سی مہلت دے دو بس دو گھنٹے کی مہلت دے دو۔ اس کے بعد میں خود اسے لے کر تمہارے آفس میں آ جاؤں گی۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں آپ کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ چھوٹ دے رہا ہوں۔ دو گھنٹے بعد ہی اسے یہاں لے آئیں۔"

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ دردانہ نے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کریڈل پر پٹختے ہوئے ناگواری سے کہا "یہ کیا نئی مصیبت آ گئی ہے؟ میں یہ بھول ہی گئی تھی کہ ذیشان ایس پی ہے اور اپنی بہن کی حمایت میں تمہارے خلاف سخت کارروائی کر سکتا ہے۔"

وہ غصے سے دانت پیس کر بولا "وہ بڑا افسر ہوگا اپنے گھر کا۔ انکل داؤد کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آپ ابھی انکل کو فون کریں۔"

"وہ تو کرنا ہی ہوگا۔ لیکن یہ مت بھولو کہ یہ بہت کڑک افسر ہے جب کسی کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کرتا ہے تو اپنے اعلیٰ افسران کی طرف سے آنے والی سفارش کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔ کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔"

جواد نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے پھر رابطہ ہوتے ہی اسے دردانہ کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی "ہیلو۔ میں بول رہی ہوں۔ داؤد بھائی! میں بہت مشکل میں پڑ گئی ہوں۔"

دوسری طرف سے داؤد سجانی نے پوچھا "اب کیا ہوا؟"

"وہ ایس پی ذیشان جواد کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ اس نے ابھی اسے دفتر میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے دو گھنٹے کی مہلت لی ہے۔ پلیز۔ کچھ ایسا کریں کہ وہ میرے بیٹے کو گرفتار نہ کر سکے۔

وہ سوچنے کے انداز میں بولا "ہوں۔ عینی نے جواد کا ریوالور ذیشان کو دیا ہوگا یہ اس کے خلاف بہت بڑا ثبوت ہے اور اسی کی وجہ سے کیس بہت اسٹرونگ ہوگیا ہے۔"

"اسی لیے تو ہم نے آپ کو فون کیا ہے۔ آپ کسی بھی طرح اسے گرفتاری سے بچائیں۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گی کہ میرے بیٹے کو حوالات میں بند کیا جائے۔"

جواد نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "ممی! انکل سے کہیں کہ وہ ضمانت قبل از گرفتاری حاصل کر لیں۔"

یہ بات دردانہ نے فون پر کہی۔ داؤد نے کہا "کورٹ کچہری کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ فی الحال ضمانت قبل از گرفتاری حاصل نہیں کی جا سکتی۔"

ماں بیٹے نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر دردانہ نے روہانسی لہجے میں فون پر کہا "میں نہیں جانتی۔ آپ کچھ بھی کریں۔ آپ تو بڑے بڑے جج حضرات کے گھر دار میں بھی پہنچ جاتے ہیں۔ کیا میرے بیٹے کے لیے ضمانت نامہ حاصل نہیں کریں گے؟"

"ٹھیک ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔ ایک آدھ گھنٹے میں فون پر بتاؤں گا۔"

"آپ وقت کا خیال رکھیں۔ ذیشان بہت ہی بے مروت ہے وہ رشتے داری کا خیال نہیں کرے گا۔ دو گھنٹے پورے بھی نہیں ہوں گے اور وہ اسے گرفتار کرنے یہاں آ جائے گا۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ بس میرے فون کا انتظار کرو۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ دردانہ نے ریسیور رکھ کر پریشانی سے بیٹے کو دیکھا پھر پوچھا "وہ کم بخت ٹیکسی ڈرائیور کون تھا؟ تم نے اب تک اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کیا۔"

"ممی! اتنے بڑے شہر میں کسی کو تلاش کرنا آسان کام نہیں ہے انکل نے کہا تھا کہ وہ اسے تلاش کروا کے گولی

مار دیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

وہ بڑبڑانے لگی "کوئی نہ کوئی نئی مصیبت سامنے چلی آ رہی ہے۔ میں ابھی عینی کے پاس جا کر اسے شیشے میں اتارنا چاہتی تھی لیکن قسمت ہی خراب ہے۔ کچھ اچھا کرنے سے پہلے ہی برا سامنے آ رہا ہے۔ لگتا ہے، اب وہ لڑکی سیدھے طریقے سے ہاتھ نہیں آئے گی۔ اس نے ایس پی ذیشان کے ساتھ مل کر میرے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی ہے۔ اس کی یہ حرکت اسے بہت مہنگی پڑے گی۔"

"ممی! اب محاذ آرائی ہمیں بھی شروع کر دینی چاہیے۔ اس کے دشمنوں کو اپنا دوست بنانا چاہیے۔"

دردانہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا "ابھی ذیشان نے فون پر بتایا تھا کہ حشمت نے بھی عینی پر حملہ کیا ہے وہ اس کے خلاف بھی کارروائی کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سید تراب علی شاہ کا پورا خاندان اب عینی کے خلاف ہو گیا ہوگا۔ ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

وہ سوچنے لگی۔ صوفے سے اٹھ کر ٹہلنے لگی پھر بولی "ہوں...... حشمت ان کا ایک ہی بیٹا ہے۔ وہ ان کے لیے بہت پریشان ہوں گے یہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ اس کے خلاف قانونی کارروائی ہو۔ اور اسے سزا ملے۔ ذیشان کیسا سخت افسر ہے یہ سب ہی جانتے ہیں۔ وہ واقعی اسے ان کاؤنٹر فائرنگ میں گولی مار سکتا ہے اور تمہارے ساتھ بھی یہی کر سکتا ہے۔"

جواد نے کہا "آپ تراب علی سے بات کریں۔"

"میں یہ فون مصروف رکھنا نہیں چاہتی۔ داؤد بھائی کسی وقت بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔"

جواد نے اپنا موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "آپ یہ لیں۔ ادھر لوہا گرم ہوگا۔ زبردست ضرب لگائیں۔ وہ ٹیڑھے ہو کر ہماری طرف جھک جائیں گے۔"

اس نے موبائل فون سے رابطہ کیا دوسری طرف سے تراب علی کی آواز سنائی دی۔ ہیلو۔ کون؟"

"میں دردانہ بول رہی ہوں اور یہ جانتی ہوں کہ آپ اس وقت بہت پریشان ہیں۔ میں بھی پریشان ہوئی تھی۔ ذیشان میرے بیٹے کو بھی گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں ہرگز ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ ہم پر جھوٹا الزام لگایا جا رہا ہے میں اپنے بیٹے کی بے گناہی ثابت کر دوں گی۔ اسے خواہ مخواہ بدنام کیا جا رہا ہے اور یہی آپ کے بیٹے کے ساتھ بھی ہو رہا ہے۔"

"انہوں نے میرے بیٹے کے خلاف ٹھوس ثبوت حاصل کیے ہیں۔ ابھی میری بیٹی عروج آئی ہوئی ہے۔ یہ خود اپنے بھائی حشمت کے خلاف گواہی دے رہی ہے۔ میری اپنی بیٹی دشمنی کر رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں؟"

"اگر آپ میرا ساتھ دیں گے تو میں آپ کا ساتھ دوں گی اور آپ کے بیٹے کو گرفتاری سے بچا لوں گی۔"

"تم اسے کس طرح بچا سکتی ہو؟"

"کیا اس وقت عروج آپ کے پاس ہے؟"

"تراب علی نے عروج کی طرف دیکھا۔ پھر مختصر سا جواب دیا "ہاں۔"

"پھر میں ابھی لمبی بات نہیں کروں گی۔ اتنا مشورہ دیتی ہوں کہ کل کچہری کے کھلنے تک آپ اپنے بیٹے کو کہیں چھپا کر رکھیں۔ ذیشان کے ہاتھ نہ لگنے دیں۔ اس کے بعد پھر وہ اسے گرفتار نہیں کر سکے گا۔ میں اس کی ضمانت حاصل کروں گی۔"

"اگر ایسا ہوگیا تو میں زندگی بھر تمہارا یہ احسان نہیں بھولوں گا۔"

"ارے نہیں۔ میں احسان نہیں کر رہی ہوں۔ آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ آئندہ بھی اپنی بیٹی اور عینی کے خلاف میرا ساتھ دے سکیں گے؟"

لوہا گرم تھا، ہر چوٹ پر دردانہ کی طرف جھک رہا تھا۔ تراب نے فوراً کہا "میں زبان کا دھنی ہوں۔ تمہیں کبھی میری طرف سے مایوسی نہیں ہوگی۔"

دردانہ نے ایک آنکھ دبا کر جواد کی طرف دیکھا پھر فون پر کہا "بس پھر آپ میری یہ بات مانیں کہ کل تک حشمت کہیں روپوش رہے۔ پھر ذیشان جیسا ایس پی آپ کے بیٹے کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ تراب علی نے ریسیور کو کریڈل پر رکھا عروج بڑی توجہ سے اپنے باپ کی باتیں سنتی رہی تھی۔ اس نے کہا "آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ دردانہ بیگم سے کیا باتیں ہوئی ہیں لیکن جس حد تک میں نے سنا ہے، وہی میرے سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ آپ ان کا ساتھ صرف اس لیے دے رہے ہیں کہ آپ اپنے مجرم بیٹے کو قانون کی گرفت سے بچانا چاہتے ہیں۔"

بیگم شاہ دوسرے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ غصے سے بولی "تو کیا ہم تمہاری اس اندھی سہیلی کی خاطر اپنے بیٹے کو حوالات میں جانے دیں؟ اس پر کیسے ظلم ہوں گے تم جانتی ہو؟ اور ذیشان تو ویسے ہی بہت ظالم ہے۔"

"ممی! عینی کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہی میرے ساتھ ہوتا تو کیا آپ اس مجرم کو معاف کر دیتیں؟"

"تمہارے ساتھ کچھ ہوتا تو ہم تمہارا ساتھ دیتے اس مجرم کے خلاف کارروائی کرتے۔ مگر اس وقت معاملہ حشمت کا

ہے۔ ہم بیٹی کے سلسلے میں بیٹی کا ساتھ دیتے اور اب بیٹے کے معاملے میں بیٹے کا ساتھ دے رہے ہیں میں تمہارے سامنے مانتی ہوں کہ حشمت سے غلطی ہوئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اس کے خلاف اتنی سخت کارروائی کی جائے؟ تم عینی کو ذرا پیار سے سمجھا سکتی ہو، وہ حشمت کو معاف کردے گی۔''

''سوری ممی! میں ایسا کچھ نہیں کروں گی۔''

تراب علی نے کہا ''بیگم! خاموش ہو جاؤ۔ اس سے کچھ نہ کہو۔ یہ تو اسے بھائی بھی کہنا گوارا نہیں کر رہی ہے۔ یہ اس کے بچاؤ کے لیے کچھ نہیں کرے گی۔ یہ جو کرنا چاہتی ہے اسے کرنے دو۔''

عروج نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ''میں اپنا ضروری سامان لے کر یہاں سے جا رہی ہوں۔ جب تک عینی کو انصاف نہیں ملے گا اور اس کے مجرم کو سزا نہیں ملے گی اس وقت تک میں واپس نہیں آؤں گی۔''

وہ ان سے منہ پھیر کر چلی گئی۔ ان دونوں کو اس وقت عروج سے زیادہ حشمت کی فکر تھی۔ یوں بھی وہ خود کفیل تھی۔ لیڈی ڈاکٹر کی حیثیت سے زندگی گزار رہی تھی۔ وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ ملا کی دوڑ مسجد تک۔ وہ یہاں سے نکل کر کوارٹر میں جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے اس کے اس طرح جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

☆☆☆

ذیشان اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ دردانہ بیگم نے اس سے دو گھنٹے کی مہلت لی تھی اور سید تراب علی نے وعدہ کیا تھا کہ جیسے ہی حشمت گھر آئے گا تو فوراً ہی اسے لے کر اس کے آفس میں پہنچ جائے گا۔

وہ ان دونوں کا منتظر تھا۔ انتظار کے ان لمحات میں اسے گل خانم یاد آئی تو اس نے انٹر کام کے ذریعے اپنے ماتحت سے کہا ''اندر آؤ۔''

ماتحت فوراً ہی دروازہ کھول کر اس کے سامنے حاضر ہو گیا۔ سیلوٹ مارتے ہوئے بولا ''یس سر!''

''گل خانم کے پاس گئے تھے؟''

''نو سر! آپ حکم دیں تو ابھی چلا جاتا ہوں۔''

''تمہیں اپنے طور پر بھی وہاں کی خیر خبر رکھنی چاہیے۔''

''آل رائٹ سر! میں ابھی جاتا ہوں۔''

''پہلے گل خانم سے فون پر رابطہ کرو بلکہ میری بات کراؤ۔''

''او کے سر......!''

وہ سیلوٹ کر کے چلا گیا۔ وہ تصور میں اجڑی اجڑی گل خانم کو دیکھنے لگا۔ اسے اس ماں سے ہمدردی تھی جس کے شوہر نے اس کی گود ویران کر دی تھی۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق بچے کا گلا نہیں دبایا گیا تھا۔ یاور خان نے بھی یہی بیان دیا تھا کہ اس نے بچے کا گلا نہیں دبایا تھا۔ اس نے اس کی آواز بند کرنے کے لیے ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا تھا۔ مگر باپ قاتل ثابت نہیں ہو سکا تھا۔

انٹر کام کا بزر سنائی دیا۔ اس نے بٹن دبا کر پوچھا ''یس؟''

ماتحت نے کہا ''سر! فون ریسیو کریں۔ گل خانم کی سیکریٹری سے بات ہو سکے گی۔''

اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ پھر کہا ''ہیلو، ایس پی ذیشان اسپیکنگ۔''

دوسری طرف سے نسوانی آواز سنائی دی ''السلام علیکم سر! میں گل کی سیکریٹری بتول بات کر رہی ہوں۔ اسے اپنی بیٹی کی طرح مانتی ہوں۔ میں بظاہر تو ایک سیکریٹری ہوں۔ لیکن ایک ذمے دار خاتون کی حیثیت سے پوری کوٹھی کے انتظامات بھی سنبھالتی ہوں اور گل خانم کا بھی بہت خیال رکھتی ہوں۔ میں کل سے اس کے لیے بہت پریشان ہوں۔ نئی نئی الجھنیں سامنے آ رہی ہیں۔''

''کیسی الجھنیں؟''

''جب سے بچے کی تدفین ہوئی ہے۔ تب سے گل خانم بالکل ہی گم صم سی ہو گئی ہے۔ نہ کچھ کھا رہی ہے، نہ پی رہی ہے۔ پچھلی رات میں نے جس صوفے پر اسے بیٹھے دیکھا تھا وہ ابھی تک وہیں بیٹھی ہوئی ہے۔ کل سے اب تک جاگ رہی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، میں کیا کروں؟ وہ تو نہ کچھ بول رہی ہے، نہ سن رہی ہے۔ بس اتنا کہتی ہے کہ اسے تنہا چھوڑ دوں۔''

ذیشان بڑے دکھ سے سن رہا تھا۔ وہ ایسی عورت تھی جس کی مانگ بھی اجڑ گئی تھی اور گود بھی۔ وہ بولا۔ ''میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ ذرا انتظار کریں۔ میں ابھی بات کراتی ہوں۔''

وہ ریسیور کان سے لگائے انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کی مترنم آواز سنائی دی ''ہیلو۔ میں بول رہی ہوں۔''

''ہیلو میں ذیشان بات کر رہا ہوں۔ تم جن صدمات سے گزر رہی ہو ان کے پیشِ نظر یہ نہیں پوچھ سکتا کہ خیریت سے ہو یا نہیں؟''

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی ''آپ درست کہہ رہے ہیں۔

ے پاس سب کچھ ہے مگر خیریت نہیں ہے۔''

''تم صبر اور حوصلے سے کام لو گی تو سب کچھ ایک بار پھر نارمل ہو جائے گا اور تم بہتری کی طرف لوٹ آؤ گی مگر تم جو نقصان اٹھایا ہے وہ تو کبھی پورا نہیں ہوگا۔ اس کے لیے رنا ہی ہوگا۔''

''میں کوشش تو کر رہی ہوں۔''

''تم کوشش نہیں کر رہی ہو، مجھے ابھی معلوم ہوا ہے۔ تم لی رات سے گم صم ہو۔ نہ کچھ کھا رہی ہو نہ پی رہی ہو۔ یہ تو ظلم کرنے والی بات ہے اور ایسا کرنا دانشمندی نہیں ''

''آپ اچھی باتیں سمجھا رہے ہیں۔ لیکن میں جن لات سے گزر رہی ہوں، ایسے میں کوئی بات سمجھ میں نہیں ی۔''

''کیا تم میری بات نہیں مانو گی؟''

''پلیز۔ آپ اپنی کوئی بات نہ منوائیں۔ آپ میرے اتھ تعاون کر رہے ہیں۔ میں آپ کی احسان مند ہوں۔ پ نے یاور خان کو آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیج کر مجھے کسی حد ں مطمئن کیا ہے۔''

وہ یاور خان کا ذکر کرتے کرتے ایک دم سے چپ ہو گئی۔ ذیشان نے پوچھا ''تم خاموش کیوں ہو گئیں؟''

وہ ایک ذرا چونک کر بولی ''آں...... میں سوچ رہی تھی کہ مرد کتنی ہی محبت کر لے۔ لیکن تین الفاظ کے جوتے کسی بھی ت عورت کو اس کی زندگی سے نکال پھینکتے ہیں۔ یاور نے بھی مجھے ایسے ہی جوتے مارے ہیں جن کے نشانات میں کبھی نہیں مٹا سکوں گی۔''

اتنا کہہ کر وہ رونے لگی۔ ذیشان اسے تسلیاں دیتے ہوئے بولا ''یہ نشانات تمہارے آنسوؤں سے نہیں دھلیں گے۔ تم انہیں حوصلے سے اور اپنی قوتِ ارادی سے مٹا سکو گی۔''

وہ آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے بولی ''آپ بہت اچھے انسان ہیں آپ کی تسلیاں اور دلاسے مجھے بہت حوصلہ بخش رہے ہیں۔ کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے یہاں آ سکتے ہیں؟''

ذیشان نے گھڑی میں وقت دیکھا پھر کہا ''ہاں۔ آدھے گھنٹے کے لیے آ سکتا ہوں۔ ابھی آ رہا ہوں۔''

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ ریسیور رکھ کر اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ پھر کمرے سے باہر آ کر اپنے ماتحت سے بولا ''دردانہ بیگم اور تراب علی شاہ کا فون آئے یا وہ خود یہاں آ جائیں تو مجھے فوراً میرے موبائل پر مطلع کر دینا۔ میں آدھے گھنٹے بعد واپس آؤں گا۔''

پھر وہ اپنی کار میں بیٹھ کر گل خانم کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ اس کی سیکریٹری بتول اسے گل خانم کے دروازے تک لائی پھر دروازے پر دستک دے کر بولی ''خانم! ایس پی صاحب تشریف لائے ہیں۔''

کچھ دیر بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ گل خانم نے سر کے آنچل کو درست کرتے ہوئے کہا ''اندر آ جائیں۔''

ذیشان اندر آیا۔ پھر پلٹ کر بتول سے بولا ''ان کے لیے ناشتا لے آئیں۔''

گل خانم نے کہا ''میں ابھی کچھ کھانا نہیں چاہتی۔''

''لیکن میں چائے پینا چاہتا ہوں اور اسی شرط پر پیوں گا کہ پہلے تم ناشتا کرو گی پھر اس کے بعد میرے ساتھ چائے پیو گی اور اگر انکار کرو گی تو میں ابھی چلا جاؤں گا۔''

اس نے بے بسی سے ذیشان کو دیکھا۔ پھر سر جھکا لیا۔ بتول نے مسکرا کر ذیشان کو دیکھا۔ پھر کہا ''میں ابھی ناشتا اور چائے لے کر آتی ہوں۔''

وہ چلی گئی اور وہ دونوں صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ ذیشان نے پوچھا ''کیا تم کل سے اب تک اسی صوفے پر بیٹھی ہوئی ہو؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ بولا ''تمہاری خاموشی بتا رہی ہے کہ تم اس صوفے پر پتھر بن گئی ہو۔ تمہارے کتنے ہی چاہنے والے تمہیں اسکرین پر دیکھتے ہیں۔ کیا تم ان کے لیے پتھر کا مجسمہ بن جانا چاہتی ہو؟ کیا اپنی فنکارانہ صلاحیتوں سے اب ان کے دل نہیں جیتو گی؟ ان کی محبت حاصل نہیں کرو گی؟ ہم اس دنیا میں کیوں آتے ہیں؟ اس لیے کہ اس دنیا کو کچھ اور زیادہ خوبصورت بنا کر جائیں۔ یہ دنیا ماتم کدہ نہیں ہے۔ تمہاری آواز اور تمہارے گیتوں کی طرح بہت ہی مترنم ہے۔''

''میں کیا کروں؟ کل سے سوچ رہی ہوں کہ مجھے بھی موت آ جائے مگر نہیں آ رہی ہے، سوچتی ہوں، صبر آ جائے تو صبر بھی نہیں آتا۔ میرے اندر میرا بچہ ہمک رہا ہے، رو رہا ہے۔''

''یہ تمہارے اندر کی ممتا بول رہی ہے۔ ایک ماں کے احساسات اور جذبات تم پر حاوی ہیں۔''

''ہاں...... مگر یہ سچ ہے کہ میرا بچہ میرے اندر رو رہا ہے۔ کیا آپ دیکھنا چاہیں گے......؟''

ذیشان نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس چادر کے اندر اس کا ہاتھ اِدھر سے اُدھر حرکت کر رہا تھا۔ پھر اس نے اپنا دہ ہاتھ چادر سے باہر نکالا تو اس

کی ہتھیلی بھیگی ہوئی تھی۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ یہ اس کے بچے کے آنسو ہیں۔ وہ چادر کے ایک کونے سے منہ ڈھانپ کر بولی ''کل سے میرے اندر دودھ کی نہر بہہ رہی ہے اور اس سے سیراب ہونے والا بچہ نہیں ہے۔ میں یہ دودھ کسے پلاؤں......؟''

ذیشان نے بڑے دکھ سے اسے دیکھا پھر بولا ''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آ گئی ہے اب پتا نہیں تمہارے لیے اس خبر کی کیا اہمیت ہوگی؟ مگر اس رپورٹ سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ تمہارے بچے کی موت گلا دبانے یا۔ دم گھٹنے سے نہیں ہوئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق رونے کی زیادتی کے باعث اس کی سانس رک گئی تھی۔''

گل خانم نے چادر کو چہرے پر سے ہٹا کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی آنکھوں کے سوال کو سمجھتے ہوئے بولا ''ہاں یاور خان بے قصور ہے۔ اس نے تمہارے بچے کو قتل نہیں کیا ہے۔

وہ ایک ذرا صدمے سے مسکرائی ''میرے بچے کو چاہے قتل کیا گیا ہے یا وہ طبعی موت مارا گیا ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں میری گود اجڑی ہے۔ مگر یہ سن کر ایک ذرا بوجھ کم ہوا ہے کہ یاور خان نے اسے قتل نہیں کیا ہے۔''

وہ بولا ''رپورٹ کے مطابق وہ بچہ طبعی موت مرا ہے۔ لہٰذا عدالت یاور خان کو چھ ماہ ایک سال کی سزا سنا سکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے باعزت بری کر دیا جائے۔''

گل خانم کی گیلی ہتھیلی اب تک نگاہوں کے سامنے تھی۔

یہ ممتا کا ایسا متاثر کرنے والا نظارہ تھا جسے دیکھ کر ذیشان کا سر جھک گیا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ اس نے بچے کو کل سے دودھ نہیں پلایا ہے اور ممتا کے پیالے بھر بھر کر چھلک رہے ہیں گل خانم کو یوں لگ رہا تھا جیسے بچہ بلک بلک کر رو رہا ہے اور اس کے آنسو رہ رہ کر چھلک رہے ہیں ماں کے پورے وجود کو بھگو رہے ہیں۔

پھر وہ بڑی دیر بعد ایک گہری سانس لے کر بولا ''تمہارے صدمات نا قابلِ برداشت ہیں اس کے باوجود تم شعوری یا غیر شعوری طور پر برداشت کر رہی ہو اور اس لیے برداشت کر رہی ہو کہ تمہارا بچہ واپس آنے والا ہے۔''

اس بات نے اسے چونکا دیا اس نے سوالیہ نظروں سے ذیشان کو دیکھا وہ بولا ''ہاں اپنا یہ ایمان مضبوط رکھو کہ قدرت کی طرف سے نقصان پہنچتا ہے تو اس کے بعد فائدہ بھی پہنچتا ہے گلشن میں صرف خزاں نہیں آتی پھول مرجھاتے ہیں تو دوسرے کھلتے بھی ہیں تمہاری کوکھ میں ایک دوسرا بچہ آنے والا ہے۔''

اس نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔ پھر کہا ''آپ مجھے تسلی دے رہے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔''

''ماں کے ارادے کبھی کمزور نہیں ہوتے اور تم کمزو[ر نہیں] ہو تمہارے اندر وہ بچہ ہمکتا رہے گا اور مچلتا رہے گا [...] رہے گا اور تم اسے دوبارہ اس دنیا میں لانے پر مجبور ہو جا[ؤ گی] میری آج کی بات یاد رکھو اور اسے لکھ لو۔''

وہ تڑپ کر بولی ''آپ کیوں ایسی باتیں کر رہے ہیں [...] جانتے ہیں کہ طلاق ہو چکی ہے۔ اب میرا کوئی شوہر نہیں ر[ہا]

جب شوہر دوسری شادی کر سکتا ہے تو مطلقہ بیوی دو[سری] شادی کیوں نہیں کر سکتی؟ آج نہیں تو کل ایک برس یا دو [برس] بعد ایک بچے کے خاطر تم ضرور شادی کرو گی۔''

''پلیز آپ ایسی باتیں نہ کریں۔''

''میں تمہارے اندر ایک بچے کے لیے جذبات [بیدار] کرنا چاہتا تھا اور میرا خیال ہے میں نے کسی حد تک اس [کو] بیدار کیا ہے جو آئندہ دوسری شادی کرتے ہوئے شرما[ئے گی] اور ہچکچائے گی انکار کرے گی لیکن ایک بچہ اس کے انکار کو [اقرار] میں بدل دے گا۔''

اس نے منہ پھیر لیا چہرہ یوں چھپا لیا جیسے ذیشان [سے] چھپ رہی ہو اسے یہ منظور نہیں تھا کہ اس کے سامنے بیٹھا پولیس افسر اس کے لاشعور میں چھپی ہوئی باتوں کو سمجھے۔

بتول خانم ایک ٹرالی میں ناشتا اور چائے لے آئی ٹرالی کو ان دونوں کے درمیان چھوڑ کر چلی گئی ذیشان۔

''چلو شروع ہو جاؤ۔''

وہ بولی ''آپ ضد نہ کریں میرا دل نہیں چاہتا ہے۔''

''دل چاہنے لگے گا تمہیں کسی کی خاطر زندہ رہنا ہے''

اس نے چونک کر سوالیہ نظروں سے ذیشان کو دیکھ[ا] پوچھا ''کس کی خاطر؟''

وہی جو تم سے چھین لیا گیا ہے اور جسے تم واپس لاؤ گی

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک پلیٹ اس کی طرف بڑھ[ائی] اس نے وہ پلیٹ لی۔ پھر سر جھکا کر ناشتا کرنے لگی دو چار [نوالے] کھانے کے بعد رونے لگی۔ چادر سے آنسو پونچھنے لگی پھر [ایک] گہری سانس لے کر بولی ''یہ سن کر اطمینان ہوا ہے کہ میرے بچے کا قاتل نہیں ہے وہ بہت اچھا ہے میں اسے مخواہ ظالم اور سنگدل کہہ رہی تھی۔''

''وہ سنگدل تو ہے۔ تم پر ظلم کرتا رہا ہے۔''

''وہ ساری زندگی مجھ پر ظلم کرتا رہتا تو میں کبھی اس [کی] شکایت نہ کرتی لیکن اس نے طلاق دی یہ بہت برا کیا اب

[...]کروں؟''

''تم سوچو کہ کیا کر سکتی ہو؟''

''میں اسے بہت چاہتی ہوں اتنا چاہتی ہوں کہ لفظوں [میں] بیان نہیں کر سکتی جب سے سنا ہے کہ اس نے میرے بچے کو [قتل] نہیں کیا ہے تب سے میرا دل اس کی طرف کھنچا جا رہا [ہے۔]''

''تعجب ہے اس نے تمہیں کتنی بری طرح زخمی کیا تھا [...]ہیں طلاق دی ہے پھر بھی تمہارا دل اس کی طرف مائل ہو رہا [ہے۔]''

''وہ مجھے اور زخمی کرتا زخموں سے چور کر دیتا مار ڈالتا۔ مگر [طلا]ق نہ دیتا۔ اف خدایا میں کیا کروں؟''

''وہ چپ ہو کر سوچنے لگی ذیشان نے دوسری پلیٹ [بڑھ]اتے ہوئے کہا ''کھاتی بھی رہو۔ بولتی بھی رہو۔''

اس نے دوسری پلیٹ لی پھر بولی ''میں آپ کی بات [ما]ن رہی ہوں کھا رہی ہوں کیا آپ میری ایک بات مانیں [گ]ے؟''

''میں تمہیں خوش رکھنے کے لیے تمہاری ہر جائز بات مان[و]ں گا۔''

''میرے یاورا کو سزا سے بچا لیں ابھی وہ حوالات میں ہے اسے جیل میں نہ پہنچائیں۔''

''میں حیران ہوں کہ تم کس قسم کی عورت ہو پاگل ہو [دی]وانی ہو اس کی سلامتی اور رہائی چاہتی ہو۔''

''......دیکھیں میرا مطالبہ جائز ہے اس نے کوئی بڑا جرم [ن]ہیں کیا ہے۔ مجھے زخمی کیا ہے میاں بیوی میں تو جھگڑے [ہ]وتے رہتے ہیں۔ میں اپنی شکایت واپس لیتی ہوں خدا کے لیے اسے رہا کر دیں۔''

ذیشان حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا جس نے اس پر ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ طلاق دے دی تھی اس کی حمایت میں وہ بول رہی تھی اور اس کی رہائی چاہتی تھی اس نے پوچھا ''تمہیں اس کی رہائی سے اب کیا ملے گا؟ کیا تم اسے اپنے گھر میں آنے دو گی؟''

نہیں وہ تو اب میرے لیے نامحرم ہو چکا ہے میرے خدا میں کیا کروں میں چاہتی ہوں کہ وہ میرے پاس چلا آئے مگر یہ گناہ ہوگا۔''

''تم عورت ہو محتاط رہو گی گناہ گار نہیں بنو گی۔ لیکن وہ مرد ہے رہا ہونے کے بعد تم سے ملنے کی ضد کرے گا یہاں آنا چاہے گا۔''

''میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اسے گھر کے اندر نہیں آنے دوں گی ہاں مگر......؟

''مگر کیا......؟ آگے بولو۔''

''مگر میں اسے دور ہی دور سے دیکھ تو سکوں گی۔''

''مجھے تم سے ہمدردی ہے میرا دل جتنا نرم ہے اتنا سخت بھی ہے یہ یاد رکھو، اگر مجھے کبھی معلوم ہوا کہ وہ چھپ کر یہاں آتا ہے اور تم سے ملتا ہے تو میں تم دونوں کو بے حیائی کے الزام میں گرفتار کر لوں گا پھر تم جانتی ہو کہ ہمارے ملک میں بے حیائی کی کتنی سخت سزا ہے۔''

''خدا کے لیے آپ مجھے بے حیا نہ سمجھیں میں مر جاؤں گی لیکن کبھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤں گی۔ بس آپ مجھ پر یہ مہربانی کریں اسے رہا کر دیں۔''

میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے میں اس کیس کو اور کمزور بنا دوں گا پھر تمہاری طرف سے کوئی شکایت نہیں رہے گی تو وہ رہا کر دیا جائے گا۔ لیکن ایک شرط ہے۔''

میں آپ کی ہزار شرطیں بھی مان لوں گی۔ بولیں آپ کیا چاہتے ہیں؟''

میں ابھی یہاں سے جاؤں گا تو تم آرام سے سو جاؤ گی تمام فکر و پریشانی اپنے دماغ سے نکال دو گی بچے کے لیے ماتم نہیں کرو گی......اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تمہاری گود میں اور پھول کھلیں گے۔ یہ میری دعا ہے۔

وہ اسے محبت اور عقیدت سے دیکھتے ہوئے بولی ''آپ بہت اچھے ہیں۔ بہت اچھے انسان ہیں۔ میں اندر سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ آپ نے مجھے سمیٹ لیا ہے پھر سے جوڑ رہے ہیں۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا ''مجھے ضروری کام ہے اس لیے جا رہا ہوں۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی ''میں بھی چلوں گی وہاں یاورا سے ملوں گی۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا ''میں ابھی اجازت نہیں دوں گا۔ اس سے ملنا چاہتی ہو تو شام چھ بجے تک گہری نیند سوتی رہو۔ سات بجے وہاں آؤ تو میں تمہیں ملنے کی اجازت دوں گا۔

وہ اس کے ساتھ بیڈ روم سے باہر آئی ''میں وعدہ کرتی ہوں، شام چھ بجے تک سوتی رہوں گی۔''

''اب وہ تمہارے لیے نامحرم ہے اس کے سامنے کیسے جاؤ گی۔''

''میں پردہ کروں گی اپنے چہرے کو اچھی طرح چھپا لوں گی۔ میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گی جو دینی احکامات کے

خلاف ہو۔"

"تم دینی احکامات کو اچھی طرح نہیں سمجھتی ہو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عدت کے ایام گزارنے تک عورت کو نہ تو گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنا چاہیے نہ ہی اسے اپنی آواز سنانا چاہیے اور نہ ہی اسے کسی غیر مرد کی آواز سننا چاہیے۔"

"یا خدا آپ عالم دین کی طرح اتنی سختی سے نہ بولیں۔ مجھے اس سے ملنے کے لیے کچھ تو رعایت دیں۔"

"میں رعایت دینے والا ہوتا کون ہوں؟ میں تو صرف دینی احکامات کی بات کر رہا ہوں۔"

اس نے بے اختیار اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایسی نرمی اور ایسی گرمی تھی کہ پہلی بار اس کا لمس ملتے ہی ذیشان نے اندر سے جھرجھری سی محسوس کی۔ وہ ہاتھ چھڑانا چاہتا تھا اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ کو دبوچ کر کہا "آپ نہیں سمجھیں گے۔ میں کیسے سمجھاؤں جس طرح اکثر مسلمان پانچوں وقت کی نمازیں نہیں پڑھتے ایک آدھ وقت کی پڑھ لیتے ہیں۔ اسی طرح میں تمام دینی احکامات پر عمل نہیں کر سکوں گی۔ خدا کے لیے مجھ پر سختی نہ کریں مجھے اس سے ملنے کی اجازت دیں۔"

اس نے گھبرا کر ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ تم سات بجے آ جاؤ۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔

وہ فوراً ہی پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا اس کوریڈور سے باہر آ گیا اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے آگ کو چھو کر آیا ہو اسے اپنا ہاتھ اب تک اس کے ہاتھوں میں محسوس ہو رہا تھا۔ عجیب سا احساس تھا کہ خود تو آ گیا ہے اپنا ہاتھ وہیں چھوڑ آیا ہے۔

میں اس کی قسمت کی لکیر پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

عروج نے گھر چھوڑ دیا۔ کار ڈرائیو کرتی ہوئی ہاسپٹل والے کوارٹر کی طرف جانے لگیں۔ ابھی وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے عارضی طور پر ماں باپ سے علیحدگی اختیار کی ہے یا یہ علیحدگی مستقل ہوگی؟

ویسے حالات اور والدین کے جذبات بتا رہے تھے کہ وہ بیٹے کو زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ اسے ایک بہت بڑے جرم کی سزا سے بچانے کے لیے غلط راستے اختیار کر رہے ہیں اور ایسے میں وہ اپنے ماں باپ سے سمجھوتہ کرنے والی نہیں تھی۔

وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی ڈرائیو کر رہی تھی اور یہ سوچ کر دلبرداشتہ ہو رہی تھی کہ اچانک ہی بالکل تنہا ہو گئی ہے۔ اگرچہ یہ جانتی تھی کہ عینی کو اس کے گھر چھوڑنے کا [illegible] تو وہ اس کے پاس دوڑی چلی آئے گی اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رہنے کی کوشش کرے گی اس کی تنہائی دور کرے گی لیکن تنہائی صرف ایک سہیلی سے دور نہیں ہوتی۔

پہلی بار اس کے دل میں یہ بات آئی کہ اب [illegible] ہو چکی ہے کہ ایک جیون ساتھی ضروری ہو چکا ہے [illegible] دونوں سہیلیاں اپنے اپنے جیون ساتھی کے بارے میں [illegible] تھیں اور باتیں کرتی تھیں اور اس نتیجے پر پہنچتی تھیں کہ [illegible] خاندان میں شادی کریں گی جہاں دو بھائی ہوں اور دونوں مل جل کر ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوں تاکہ دونوں سہیلیاں بھی دن رات ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکیں۔

عینی نے پوچھا "اگر کسی خاندان سے دو بھائیوں [illegible] نہ آئے تو ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"

دو بھائی نہ سہی دو ایسے گہرے دوست ہوں۔ جیسے [illegible] گہری سہیلیاں ہیں تو ان کے ساتھ بھی ہمارا گزارا ہوگا [illegible] ایک دوسرے کے زیادہ سے زیادہ قریب رہا کریں گی۔

"اور اگر دو گہرے دوست بھی نہ ہوئے تو کیا ہوگا؟"

اس وقت عروج نے عاجز ہو کر کہا "ہم کسی ایک ہی [illegible] شادی کریں گے جب مرد کے لیے دو شادیاں جائز ہیں [illegible] ہم ان کی بیویاں بن کر نہیں رہ سکتیں؟"

یہ ایسا عجیب سا خیال تھا کہ عینی چونک گئی ایسا کبھی [illegible] ہوتا سہیلیاں آپس میں جتنی بھی محبت کرتی ہوں وہ شوہر [illegible] محبت سہیلی کو کبھی نہیں دیتیں ایسا ہو تو وہ سہیلی سے سوکن بن [illegible] ہیں۔

جب ان کے ذہنوں میں ایسا خیال پیدا ہوا تو انہوں [illegible] ایک دوسرے سے حسد اور رقابت محسوس نہیں کی ان میں [illegible] گہری وابستگی اتنا گہرا پیار تھا کہ وہ ایک دوسری کو اپنی [illegible] سمجھ ہی نہیں سکتی تھیں۔

ویسے انہوں نے محض باتیں بنائی تھیں کوئی ارادہ نہیں [illegible] تھا کہ وہ ایسا ہی کریں گی۔ وہ تعلیم یافتہ اور ذہین تھیں۔ [illegible] نادانی نہیں کر سکتی تھیں جذباتی طور پر ایسا سوچا تو جاتا ہے [illegible] عملی طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے۔

آج پہلی بار گھر چھوڑنے کے بعد اس نے تنہائی محسوس کی اور ایک جیون ساتھی کے بارے میں سوچا تو اچانک پاشا جانی اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ اس نے گھبرا [illegible] فوراً ہی بریک لگائی اسے اچانک سامنے دیکھ کر اسٹیئرنگ [illegible] لگا تھا۔ اگر وہ کار نہ روکتی تو اسے کہیں ٹکرا دیتی۔

کار روکنے کے بعد وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی [illegible]

[illegible] لگی جیسے پاشا سے ٹکراتے ٹکراتے بچ گئی ہو وہ پریشان [illegible] ہو کر سوچنے لگی یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ میں رہ رہ کر اس کے [illegible] بارے میں کیوں سوچنے لگتی ہوں؟

مجھے کیا ہو گیا ہے؟ آج وہ کوارٹر میں عینی کی خیریت معلوم کرنے آیا تو عینی اس میں دلچسپی لے رہی تھی اور وہ میری [illegible] ذات میں دلچسپی لے رہا تھا بڑی بے باکی سے بار بار دیکھ رہا تھا جیسے میں اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہوں۔ جب کہ میں کچھ نہیں کر رہی تھی۔ میں تو اس سے کترا رہی تھی۔

کار سڑک کے کنارے رکی ہوئی تھی۔ ونڈ اسکرین کے پار اب وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دور تک سڑک جاتی ہوئی نظر آ رہی تھی اور اِکّا دُکّا گاڑیاں اس کے قریب سے گزر رہی تھیں اس نے پھر کار اسٹارٹ کی اور اسے آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتی آگے بڑھانے لگی گاڑی کی رفتار اتنی سست تھی جیسے وہ سوچتے سوچتے چل رہی ہو اور چلتے چلتے سوچ رہی ہو اگرچہ پاشا جانی کے دیکھنے کا انداز اسے لاشعوری طور پر گدگدا رہا تھا اس کے باوجود وہ عینی کے لیے جذباتی ہو کر سوچ رہی تھی یہ دل سے چاہتی تھی کہ پاشا جانی جیسے سچے اور بے لوث نوجوان کو عینی کی زندگی میں آنا چاہیے۔

وہ دونوں عادتاً ایسی ہی تھیں۔ انہیں کچھ بھی حاصل ہوتا تھا تو وہ ایک دوسرے کے حوالے کر دیتی تھیں اپنی سہیلی کو سب کچھ دے کر اور اپنے لیے کچھ نہ رکھ کر بڑی خوشی ہوتی تھی۔

جب وہ ہاسپٹل میں اپنے کوارٹر کے سامنے پہنچی تو اندھیرا پھیل چکا تھا کار سے اترتے وقت اس نے دیکھا ایک ٹیکسی اس کے قریب آ کر رکی تھی اس کی ہیڈ لائٹس آف کرنے کے بعد جب دروازہ کھولنے کے بعد پاشا جانی باہر آیا تو وہ اسے دیکھ کر چونک گئی حیرانی سے بولی "تم تو چلے گئے تھے؟"

"اگر چلا گیا ہوتا تو یہاں نظر نہ آتا۔ تم یہاں سے عینی کی کوٹھی میں گئی تھیں۔ میں تمہارے پیچھے تھا آدھے گھنٹے بعد تم وہاں سے نکل کر اپنی کوٹھی میں گئیں میرا دل تمہارے پیچھے چل رہا تھا۔

یہ ایسے الفاظ تھے کہ ایک بار پھر عروج کا دل دھڑکنے لگا دن کے وقت وہ اپنے کوارٹر میں اس کی بے باکی دیکھ چکی تھی وہ بار بار صرف اسے ہی دیکھے جا رہا تھا اور اب اتنی بے باکی سے ایسے الفاظ استعمال کر رہا تھا جو اس کی دیوانگی کو ظاہر کر رہے تھے۔

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی یہ...... "یہ مناسب نہیں ہے۔"

"کیا مناسب نہیں ہے۔"

یہی کہ تم سائے کی طرح میرے ساتھ رہو اور یوں بے باکی سے اپنے دل کے معاملات بیان کرو۔"

"تم چاہتی ہو کہ جو بات میرے دل میں ہے اسے چھپا لوں اندر کے سچ کو باہر نہ نکالوں منافقت کروں۔ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ ہو کیا تم یہی چاہتی ہو؟"

"میں اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ مجھ سے کسی طرح کی توقع نہ رکھو۔"

"نہیں رکھوں گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ محبت کا صلہ محبت سے ملے اگر تم محبت کرنے والوں کو محبتیں دینا جانتی ہو تو میں ضد نہیں کروں گا۔ میں تو صرف اپنی چاہت کو اپنے دل کی دیوانگی کو سمجھتا ہوں۔ مجھے جواباً کچھ ملے یا نہ ملے میں تو محبت کرتا رہوں گا جہاں بھی تم نظر آؤ گی تمہیں دیکھتا رہوں گا میرا دل کہے گا، تمہارے پیچھے چلنا چاہیے میں چلتا رہوں گا۔ تم مجھے اس بات سے روک نہیں سکتیں یہ میرا اپنا ذاتی معاملہ ہے۔

وہ الجھ سی گئی سوچنے لگی "عجیب شخص ہے مجھ سے محبت کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب مجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میں اس کی مطلوب ہوں تو پھر بے اختیار میری نظریں اس کی طرف اٹھا کریں گی۔ یہ قریب آئے گا تو میں اس کی آنچ محسوس کروں گی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچنے لگوں گی۔ مجھے اس سے کترانا چاہیے۔"

وہ کار کی ڈگی کے پاس آ گئی اسے کھول کر بڑی اٹیچی نکالنے لگی۔ اب وہ والدین سے ناراضگی تک کوارٹر میں رہنا چاہتی تھی۔ اس کے لیے اپنا بہت سا ضروری سامان ساتھ لے کر آئی تھی۔ اٹیچی کے علاوہ دوسری چھوٹی بڑی چیزیں تھیں۔ پاشا نے قریب آ کر کہا باسکٹ اٹھا کر جاؤ اور دروازہ کھولو۔ میں سامان لے کر آ رہا ہوں۔"

"نہیں رہنے دو میں ابھی نائٹ چوکیدار کو بلاتی ہوں۔"

"پلیز، مجھ پر بھروسہ کرو میں سامان لے کر نہیں بھاگوں گا۔"

اسے ایک دم سے ہنسی آ گئی وہ بولی "تم کس قسم کے انسان ہو؟"

"تم جس قسم کا بناؤ گی، ویسا ہی بن جاؤں گا۔"

اس نے بڑی بھاری سی اٹیچی کو اٹھا کر اپنے ایک شانے پر رکھا پھر دوسری بڑی اٹیچی کو دوسرے ہاتھ سے اٹھا لیا وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی اٹیچی اتنی بھاری تھی کہ اگر وہ اسے اٹھانا چاہتی تو اس کے نیچے دب کر رہ جاتی لیکن وہ بڑی آسانی سے دونوں اٹیچیاں اٹھائے اس کے کوارٹر کی طرف جا رہا تھا۔

اس نے ڈگی کو بند کیا پھر ایک باسکٹ اور بریف کیس کو

اٹھا کر تیزی سے چلتے ہوئے اس سے آگے نکلتے ہوئے دروازے پر آئی۔ اس کے تالے کو کھولا پھر اندر جا کر لائٹ آن کر دی۔ اس نے کمرے میں آ کر وہ بھاری سامان اتار کر اسے ایک جگہ رکھ دیا پھر تن کر کھڑا ہو گیا وہ اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہتی تھی کترا رہی تھی۔ مگر نہ دیکھنے کے باوجود اس کی قد آوری اور جوانمردی حواس پر چھا رہی تھی۔

وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی "تم بیٹھو میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔"

"چائے نہیں صرف پانی لے آؤ۔"

وہ اس کی بات سننے کے لیے رکی پھر چلی گئی وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر میں ایک گلاس پانی لے آئی اس نے گلاس لے کر ایک گھونٹ پینے کے بعد کہا "میں تم سے باتیں کرنے آیا ہوں۔"

"ایسی کیا باتیں ہیں جو مجھ سے کرنا چاہتے ہو؟"

"کیا تمہارے دل میں کوئی بات نہیں ہے؟" اس نے نظریں ملاتے ہوئے پوچھا تو وہ فوراً ہی دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے بولی "نہیں......"

"کیا تمہارے دل میں یہ بات پیدا نہیں ہوتی کہ میں کون ہوں؟ میں نے تمہارے ابو کو اپنا خون کیوں دیا ہے؟ اور اگر خون دیا ہے تو اپنا اصلی نام اور پتا کیوں نہیں لکھوایا تھا؟"

"میں نے یہ سوال تم سے کیا تھا اور تم نے ٹال دیا تھا؟"

"کیا ٹالنے کے بعد تمہارے اندر تجسس پیدا نہیں ہوا؟"

"بے شک، میں نے سوچا تھا کہ تم سے بعد میں پوچھوں گی لیکن عینی کے معاملات میں اس قدر الجھ گئی ہوں کہ تمہارے بارے میں کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی "اب اپنے بارے میں بتاؤ؟"

"میں بہت کچھ بتاؤں گا لیکن تمہارے اور عینی کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ عینی کے ساتھ کون لوگ دشمنی کر رہے ہیں؟"

"میں کیا بتاؤں؟ عینی جتنی دولت مند ہے اتنی ہی بدنصیب ہے تمام لالچی رشتے دار اس کے آس پاس پھیلے ہوئے ہیں۔ صرف اس کے تایا زاد بھائی ذیشان کے سوا سب ہی مجھے دشمن دکھائی دیتے ہیں۔ عینی بھی کسی پر بھروسہ نہیں کرتی ہے میں تمہیں اس کے ایک ایک رشتے دار کی ہسٹری سناؤں گی مگر پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔"

پاشا نے گلاس کو منہ سے لگا کر پانی پیا۔ پھر خالی گلاس کو ایک طرف میز پر رکھ کر رومال سے منہ پونچھتے ہوئے بولا۔

میری روداد بہت طویل ہے اور بہت مختصر بھی ہے۔ اب سے سولہ یا سترہ برس پہلے لاہور میں دو دوست تھے۔ دونوں نے مل کر ایک کاروبار شروع کیا کاروبار میں بڑی ترقی ہوئی۔ ان میں سے ایک دوست میرے ابو تھے ان کا نام عظمت پاشا تھا۔ دوسرا دوست ایک شاہ صاحب تھے دس بارہ برسوں میں منافع کی شرح بڑھنے لگی کروڑوں کا منافع ہونے لگا تو شاہ صاحب کی نیت میں فتور آ گیا۔

انہوں نے ایک داشتہ پال رکھی تھی اس پر جی جان سے عاشق ہو گئے تھے اور اس پر خوب رقم لٹایا کرتے تھے ایک بار انہوں نے میرے ابو پر الزام لگایا کہ وہ ان کی داشتہ پر بری نیت رکھتے ہیں۔ ابو نے انہیں سمجھایا کہ اس بازاری عورت کے خاطر ان پر شبہ نہ کریں۔

لیکن جب بات بگڑتی ہے تو بگڑتی ہی چلی جاتی ہے۔ وہ عورت بہت چالاک تھی ان کے کاروبار میں حصے دار بننا چاہتی تھی۔ لیکن ابو اس کے لیے راضی نہیں تھے اس وجہ سے اختلافات بڑھنے لگے۔

ایسے وقت شاہ صاحب نے یہ چالا کی کی کہ کاروبار میں خسارہ دکھانے لگے۔ ابو بیماری کے باعث کاروبار کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیتے تھے۔ کبھی کبھی نفع و نقصان کا کھاتہ چیک کیا کرتے تھے۔ تب معلوم ہوتا تھا کہ کاروبار خسارے میں جا رہا ہے۔

مختصر یہ کہ شاہ صاحب نے کاروبار میں اچھی طرح خسارہ دکھایا اور اس کاروبار کو بظاہر بند کر دیا جب وہ کاروبار بند ہوا تو ہمارے پاس رہنے کے لیے صرف ایک مکان رہ گیا تھا اور بینک میں صرف پچاس ہزار روپے رہ گئے تھے بعد میں پتا چلا کہ وہ کراچی میں نیا کاروبار شروع کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی اس داشتہ سے بھی پیچھا چھڑا لیا تھا۔

میں نے ان دنوں دسویں جماعت پاس کی تھی بے روزگاری ایسی تھی کہ ملازمت نہیں مل سکتی تھی اس لیے میں ٹیکسی چلانے لگا۔ ابو بہت بیمار ہو گئے ایک بار ان کے آپریشن کے لیے پچیس ہزار روپے کی ضرورت پیش آئی۔ میری امی شاہ صاحب کے پاس گئیں اور ان سے منت و سماجت کی کہ کم از کم وہ پچیس ہزار روپے ادھار دے دیں لیکن انہوں نے صاف جواب دے دیا۔ جو دوست بن کر میری پیٹھ میں چھرا گھونپتا رہا اور جس کی وجہ سے میرا کاروبار تباہ ہو گیا۔ میں اسے پھوٹی کوڑی نہیں دوں گا۔

امی وہاں سے مایوس ہو کر گھر واپس آئیں تو اس وقت تک ابو کا دم نکل چکا تھا۔

عروج نے بہت ہی دکھ سے اور ہمدردی سے پاشا کو دیکھا۔ پھر کہا "وہ شاہ صاحب تو بہت ہی گرے ہوئے انسان تھے ایک تو کاروبار میں خسارہ دکھا کر تمہارے ابو کو کاروبار سے ہٹا دیا۔ پھر ایسے برے وقت میں مدد نہیں کی جب کہ انسانی ہمدردی کے تحت کرنا چاہیے تھا۔

جو زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں وہ صرف اپنا منافع دیکھتے ہیں۔ انسانیت کو نہیں سمجھتے تم بتاؤ کہ ایسا شخص کبھی کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو کیا اس کے کام آنا چاہیے؟

"نہیں...... ایسے شخص کو اپنے اعمال کی سزا پانے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔"

"لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس لیے کہ میں انسانیت کو سمجھتا ہوں۔ ایک دن وہ شخص اچانک حادثہ کا شکار ہو گیا۔ اسے ہاسپٹل پہنچایا گیا۔ وہاں اسے خون کی ضرورت تھی اور کہیں سے خون نہیں مل رہا تھا۔ تب میں نے انہیں اپنا خون دیا۔"

عروج نے ایک دم سے چونک کر سر اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس سے آنکھیں چار ہوئیں تو اس نے نظریں جھکا لیں پھر اس سے پوچھا "کیا تم نے اب سے پہلے بھی کسی اور کو خون دیا ہے اور وہ بھی دشمن کو؟

پاشا جانی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولی "اس دشمن کو ہوش میں آنے کے بعد تمہارے بارے میں معلوم ہوا ہوگا؟"

پاشا جانی نے نہیں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا "نہیں جب وہ ہوش میں آیا تو میں اس کے سامنے نہیں گیا میں نے ایک فرضی نام لکھوایا۔ احمد کمال۔"

عروج کے ذہن کو جھٹکا سا لگا اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر کہا "تم نے یہ نام یہاں بھی لکھوایا تھا؟"

"ہاں پھر تمہارے ابو کے ہوش میں آنے کے بعد میں ان کے سامنے نہیں گیا اگر جاتا تو وہ مجھے پہچان لیتے۔"

وہ ایک دم سے چیخ کر بولی "نہیں...... نہیں...... تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ......"

پاشا جانی نے اس کے کہنے سے پہلے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ ایک دم سے روتے ہوئے بولی "نہیں خدا کے لیے نہیں میرے ابو ایسے نہیں ہیں۔ جو کچھ میں سن رہی ہوں وہ سب میری سماعت کا دھوکا ہے۔"

وہ بولا "میں تمہیں تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا لیکن تمہیں میرے بارے میں معلوم ہونا چاہیے تھا کہ میں کون ہوں کہاں سے آیا ہوں اور آئندہ کبھی تمہارے ابو سے اور امی سے سامنا ہوگا تو وہ دونوں مجھے پہچان لیں گے۔ لہٰذا میں نے اس سے پہلے ہی اپنے متعلق یہ سب کچھ بتا دیا ہے۔"

وہ یہ سوچ سوچ کر شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی کہ اس کے ابو نے ایسے وقت مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جب پاشا جانی کا باپ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا اور پاشا نے ایسے وقت دشمنی اور انتقام کو پس پشت ڈال دیا تھا جب عروج کے ابو کو او بلڈ کے گروپ کا خون نہیں مل رہا تھا۔ ایسے میں پاشا جانی نے انہیں بڑی صاف دلی سے خون کی دو بوتلیں دی تھیں۔

عروج کا سر جھک گیا تھا اور وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ ساری زندگی اس عظیم شخص کے سامنے اس کا سر جھکا رہے گا۔

وہ بڑی دیر تک دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ پاشا نے کہا "تمہیں شرمندہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ تم نے کچھ نہیں کیا ہے۔ جس کا عمل باعثِ شرم ہو، اسے شرمندہ ہونا چاہیے۔"

وہ بولی "بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں۔ جنہیں بزرگ کرتے ہیں اور شرمندگی ان کی اولاد کو ہوتی ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں تم سے کبھی نظریں نہیں ملا سکوں گی۔"

"تو پھر یہ میری محبت اور نیکی کا صلہ نہ ہوگا بلکہ ایک سزا ہوگی۔ میں تمہیں ایک نظر دیکھنے کے لیے ترستا رہوں گا اور تم مجھ سے چھپتی پھرو گی۔"

وہ چپ رہی وہ تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا کہ شاید وہ کچھ بولے گی۔ پھر اس نے کہا "فرشتے نیکی کرتے ہیں تو صلہ نہیں مانگتے۔ میں فرشتہ نہیں ہوں انسان ہوں صلہ مانگتا ہوں۔ میں نے جو اچھائیاں کی ہیں۔ اس کے بدلے مجھے...... دیکھو......"

وہ نظریں کیا ملاتی اس بار اس نے دوپٹے سے منہ کو ڈھانپ لیا۔ وہ بولا "ابھی مجھے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ تمہیں چھو لوں اور تمہارے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر دوں اس لیے التجا کر رہا ہوں۔ مجھے دیکھو......"

باپ نے اس قدر شرمندہ کیا تھا کہ وہ نظریں نہیں ملانا چاہتی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا "مجھے دیکھو......"

اس کی گردن اور جھک گئی پاشا جانی اس کے حواس پر چھا گیا تھا۔ ایسا پہاڑ بن گیا تھا جس کے نیچے گردن دبی ہوئی تھی اور وہ اسے اٹھا نہیں پا رہی تھی۔

"وہ پلٹ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا دو قدم دور گیا پھر اسے

دیکھ کر بولا "مجھے دیکھو......"

اس کے سسکیاں بتا رہی تھیں کہ وہ اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی ہے ایسے وقت یہ بات سمجھ میں آئی کہ کبھی کبھی آنکھوں کی شرم رکھ لینی چاہیے۔ اگر کوئی ندامت سے دیکھ نہیں پا رہا ہے تو اسے وقتی طور پر نادم ہونے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے پاس آیا پھر اس نے پلٹ کر دیکھا دل کہہ رہا تھا، شاید وہ دیکھے گی۔ اسے پھر اصرار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن اس نے آخری بار کہا "مجھے دیکھو......"

وہ دوپٹے نے منہ ڈھانپے سوچ رہی تھی "میرے محسن میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں لیکن ابھی نہیں ابھی کیسے دیکھوں؟ ندامت سے مری جا رہی ہوں آنکھیں کیسے چار کروں......؟"

وہ اپنے اندر بول رہی تھی جیسے وہ سن رہا ہو اور اس کی ندامت کو سمجھ رہا ہو شاید اسی لیے اب وہ اصرار نہیں کر رہا تھا۔ اس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔

اسے بڑی دیر بعد احساس ہوا کہ کمرے میں گہری خاموشی ہے اس کا محسن اس کے قریب ہے وہ اس سے نہ بول رہی ہے اور نہ کسی بہانے اس کی خاطر تواضع کر رہی ہے۔

یہ درست ہے کہ وہ اس سے آنکھیں نہیں ملا سکتی تھی لیکن نظریں جھکا کر بھی تو بول سکتی تھی۔ وہ اتنی دیر سے خاموش تھا۔ انتظار کر رہا تھا۔ اسے آنے والے کا کچھ تو لحاظ کرنا چاہیے تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لی دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے پہلے فرش کی طرف دیکھا، جدھر وہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے پاؤں دکھائی نہیں دیے۔ اس نے نظریں اٹھائیں تو کرسی خالی تھی پھر اس نے کمرے میں دیکھا تو کمرا اس کے وجود سے خالی تھا۔

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے محسن کو مایوس کیا تھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی کوریڈور میں آئی پھر وہاں سے گزر کر دروازے کے پاس آ کر اسے کھول کر دیکھا۔ دور اس کی کار کے پاس اس کی ٹیکسی کھڑی تھی اور اب وہ ٹیکسی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس کے گھر آیا تھا وہ اس کے دل میں بھی آنا چاہتا تھا اور اس نے آنے والے کو بری طرح مایوس کیا تھا۔ وہ جا چکا تھا۔

☆☆☆

حشمت نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر دیکھا وہ ایک بیڈ پر پڑا تھا۔ اسے ایک کمرے کی چھت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا اسے یاد آیا کہ بری طرح زخمی ہونے کے بعد کار ڈرائیو کرتا ہوا اپنی ایک گرل فرینڈ کی کوٹھی میں آیا تھا وہ ایک لیڈی ڈاکٹر تھی وہ اس کے دروازے پر پہنچ کر کال بیل کا بٹن دبانے کے بعد گر پڑا تھا۔

ڈاکٹر آرزو نے دروازہ کھول کر دیکھا تو گھبرا گئی اور جھک کر بولی "یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہاں سے زخمی ہو کر آ رہے ہو؟"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا "کسی طرح خون بہاؤ روکو نہیں تو میں مر جاؤں گا اور مجھے کسی ہاسپٹل میں نہ لے جانا......"

اس کے بعد وہ کچھ نہ کہہ سکا اپنے آپ سے غافل ہو چلا گیا اب ہوش میں آنے کے بعد اسے یہ تمام باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر اپنے سر کو ٹٹول کر دیکھا پیشانی پر اور سر کے اوپر سے نیچے ٹھوڑی تک پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک طرف سر گھما کر دیکھا ڈاکٹر آرزو کمرے میں آئی تھی۔ اس نے قریب آتے ہوئے کہا "تھینکس گاڈ! ہوش میں آ گئے۔"

وہ اس کی ایک کلائی کو تھام کر نبض ٹٹولتے ہوئے بولی "تم کہاں سے موت کو گلے لگا کر آئے تھے اتنا خون بہہ چکا تھا کہ بچنے کی امید نہیں تھی اگر میرے گھر میں خون دینے کے انتظامات نہ ہوتے تو تم ابھی تک مٹی میں مل چکے ہوتے۔"

"میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی یہاں آیا تھا یہ جانتا ہوں کہ تم نے اپنے گھر کو ایک منی ہاسپٹل بنا رکھا ہے۔"

"کیا تم نے کسی سے لڑائی کی تھی؟"

"میں لڑنے جھگڑنے والا آدمی نہیں ہوں کوئی خطرہ دیکھتا ہوں تو اپنی حکمتِ عملی سے جان بچا کر نکل آتا ہوں۔"

"تم پر کس نے حملہ کیا تھا؟"

اس نے ایک گہری سانس لے کر آرزو کو دیکھا پھر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کمزور سی لڑکی مجھ پر اتنا زبردست حملہ کر سکے گی۔"

آرزو نے حیرانی سے پوچھا "لڑکی......؟"

ہاں میں نے تمہیں عینی کے بارے میں بتایا ہے وہ عروج کے ہاسپٹل والے کوارٹر میں تھی میں نے موقع پا کر اس پر حملہ کرنا چاہا میرا ارادہ تھا کہ میں پہلے اس کی عزت کی ایسی تیسی کروں گا پھر اسے ہلاک کر کے چپ چاپ چلا آؤں گا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اس نے ایک کانچ کے گلدان کو اتنی زور سے میرے سر پر مارا کہ میں چکرا کر رہ گیا۔ جتنا خون بہہ چکا ہے اس سے تم اندازہ کر سکتی ہو کہ اس وقت اس کمزور سی لڑکی کے ہاتھ میں کتنی طاقت آ گئی تھی۔"

"واقعی زخم بہت گہرا تھا میں نے ٹانکے لگا دیے ہیں تمہیں یہ سمجھایا تھا کہ عینی سے انتقام نہ لو۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔"

"کیسے انتقام نہ لوں؟ اس نے میرے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔ میں یہ توہین کبھی برداشت نہیں کروں گا اور اب تو مجھے اور زیادہ غصہ آ رہا ہے اگر ابھی تم نہ ہوتیں تو وہ مجھے خاک میں ملا چکی ہوتی۔"

"آج میں نے نہیں تمہارے مقدر نے تمہیں بچایا ہے اب یہ اندیشہ ہے کہ تم پر آفت آ سکتی ہے کیا اس نے تمہیں پہچانا نہیں ہو گا تم نے اس پر دن کی روشنی میں حملہ کیا تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ اس اندھی نے مجھے پہچانا نہیں ہو گا۔"

"تم کہہ رہے تھے کہ اسے دھندلا دھندلا سا دکھائی دیتا ہے۔"

"ہاں دکھائی دیتا ہے لیکن وہ چہرے اچھی طرح پہچان نہیں پاتی۔"

"کیا عروج وہاں نہیں تھی؟"

"وہ باتھ روم میں تھی اور میں نے باتھ روم کے دروازے کو باہر سے لاک کر دیا تھا اس طرح وہ بھی مجھے دیکھ نہ سکی۔"

جب تم باہر نکلے تو تمہارے زخم سے خون رس رہا تھا۔ کیا تمہیں کسی نے دیکھا نہیں تھا؟

"نہیں۔ میں نے چھپ چھپا کر آنے کی کوشش کی تھی ایک ٹیکسی ڈرائیور نے دیکھا تھا وہ میرے پیچھے پڑ گیا تھا کہ میں ہاسپٹل میں جا کر مرہم پٹی کراؤں۔ لیکن میں اس سے اپنا پیچھا چھڑا کر یہاں آ گیا۔

وہ پریشان ہو کر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بولی "حشمت...... چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور تمہارے لیے مصیبت بن جائے۔"

وہ سوچنے لگا پھر بولا "میرا موبائل فون کہاں ہے؟"

وہ اٹھ کر الماری کے پاس گئی۔ اسے کھول کر اس کا موبائل فون نکال کر لے آئی۔ پھر بولی کس سے بات کرو گے؟"

"میں محتاط رہنا چاہتا ہوں کسی سے بھی رابطہ کروں گا تو بات بگڑ سکتی ہے اس لیے امی سے بات کرتا ہوں۔"

اس نے بیگم تراب علی شاہ سے رابطہ کیا وہ بیٹے کی آواز سن کر تڑپ گئی۔ فوراً بولی "حشمت! تم کہاں ہو یہ پولیس والے تمہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ عینی نے تمہارے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے تم تو جانتے ہو کہ اس کا بھائی ایس پی ہے اس نے تمہارے ابو کو وارننگ دی ہے کہ اگر وہ تمہیں لے کر اس کے دفتر میں حاضر نہ ہوئے تو تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا جائے گا۔"

"آپ مجھے بتائیں کہ عینی نے میرے خلاف کیا بیان دیا ہے؟"

"وہی بیان دیا ہے جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے کتنی بار سمجھایا ہے کہ بدمعاشی اور آوارگی سے بعض آ جاؤ لیکن تم میری نہیں سنتے۔ نتیجہ دیکھو کہ ہم کس قدر پریشان ہو رہے ہیں۔"

آپ پریشان نہ ہوں اس کے پاس میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"ثبوت کیسے نہیں ہے خود تمہاری بہن تمہاری دشمن بنی ہوئی ہے وہاں کمرے میں تمہارا خون فرش پر گرا ہوا تھا۔ عروج نے اسے لیبارٹری میں بھیجا تھا جس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ خون تمہارے بلڈ گروپ سے تعلق رکھتا ہے پھر ایک ٹیکسی ڈرائیور نے تمہیں اپنی کار میں بیٹھ کر جاتے دیکھا تھا۔ اس نے ذیشان کو تمہاری کار کا نمبر بتایا ہے۔"

"یہ کمبخت ٹیکسی ڈرائیور بیچ میں کہاں سے مرنے آ گیا؟"

"یہ وہی ٹیکسی ڈرائیور ہے جس نے پچھلی رات عینی کو جواد سے بچایا تھا۔ اس ڈرائیور نے جواد کے خلاف بھی بیان دیا ہے۔"

"اوہ گاڈ میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور عینی جیسی امیر زادی کی زندگی میں اتنا اہم رول پلے کرے گا۔"

"بیٹے اس کی سوتیلی ماں دردانہ چیلنج کر رہی ہے کہ ایس پی ذیشان نہ اس کے بیٹے جواد کا کچھ بگاڑ سکے گا اور نہ ہی وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکے گا۔ وہ عینی کی مخالفت کا منہ توڑ جواب دینے والی ہے۔"

"امی دردانہ بیگم بہت مکار عورت ہے اس کی پہنچ بہت دور تک ہے۔ فی الحال اس سے دوستی کریں اور اس سے تعاون حاصل کریں۔"

دوسری طرف سے تراب علی شاہ کی آواز سنائی دی "ہم یہی کر رہے ہیں۔ لیکن تم نے جو کیا ہے وہ ناقابلِ معافی ہے۔ قانون کی نظروں میں بھی اور اس باپ کی نظروں میں بھی۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں بھی اپنی بیٹی عروج کا ساتھ دوں اور اس کی حمایت میں تمہارے خلاف بیان دوں۔ لیکن کیا

کروں؟ دل سے مجبور ہوں تم میرے ایک ہی بیٹے ہو۔ غلطی کر چکے ہو تو اس غلطی پر مٹی ڈالنی ہی ہوگی۔''

ابو مجھے آپ سے ایسی ہی دانشمندی کی امید ہے۔ میں نے کیا کیا ہے کیا نہیں کیا ہے اس کا حساب آپ بعد میں کریں لیکن میرے بچاؤ کی صورت نکالیں۔''

''فی الحال تمہارے بچاؤ کی یہی ایک صورت ہے کہ جہاں بھی ہو وہیں چھپے رہو باہر نہ نکلو اور پولیس والوں کو اپنی کار تک بھی نہ پہنچنے دو۔''

آپ اطمینان رکھیں وہ مجھ تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ میں بعد میں آپ سے رابطہ کروں گا۔''

اس نے فون بند کر کے آرزو سے کہا ''میری کار تمہاری کوٹھی کے احاطے میں ہے۔ پولیس والے اسے آ کر دیکھ سکتے ہیں۔''

وہ مسکرا کر بولی ''میں اتنی نادان نہیں ہوں تمہاری مرہم پٹی کرنے کے بعد اس کار کو گیرج میں بند کر دیا ہے۔ وہ باہر سے کسی کو نظر نہیں آئے گی اور نہ ہی تم کسی کو دکھائی دو گے۔ جب تک اپنی سلامتی کا یقین نہ ہو جائے۔ اس وقت تک یہاں سے باہر نہیں نکلو گے۔''

وہ اس پر بڑے پیار سے جھک گئی وہ اسے دل و جان سے چاہتی تھی۔ اس کی خاطر اس نے اب تک شادی نہیں کی تھی وہ جھوٹی باتیں کرتا رہتا تھا اور وہ اس کی باتوں سے بہلتی رہتی تھی اچھی تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر تھی اس کے جھوٹ کو فراڈ سمجھتی تھی۔ اس کے باوجود اس پر جان دیتی رہتی تھی۔

وہ اکثر اس سے کہتی تھی کہ مجھے بالکل نادان بچی نہ سمجھو۔ تم مجھے محبتیں دے رہے ہو اور میں تمہاری محبتیں سمیٹ رہی ہوں۔ یہی میری زندگی کا حاصل ہے۔ لیکن کبھی مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم نے کسی اور کی خاطر مجھے چھوڑا ہے تو تمہیں میری دشمنی مہنگی پڑے گی۔

وہ کہتی تھی کہ اپنی ماں باپ کی مرضی سے جہاں چاہو شادی کروا اپنی نئی نویلی دلہن کے پاس جاؤ لیکن واپس میرے پاس آ جایا کرو۔ بس اس سے زیادہ اور میں کچھ نہیں چاہتی......

☆☆☆

دردانہ بیگم نے فون پر رابطہ کیا پھر کہا ''ذیشان تم نے ہمیں دو گھنٹے کی مہلت دی تھی اس سے پہلے ہی میں تمہیں فون کر رہی ہوں۔ تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے مزید ایک گھنٹے کی اور مہلت چاہیے۔''

''سوری میں مزید وقت نہیں دوں گا۔''

''وہ تو تمہیں دینا ہی ہوگی۔ میں اپنے گھر سے بیٹے کو لے کر نکل چکی ہوں۔ یہاں آؤ گے تو ہمیں نہیں پاؤ گے مگر میرا وعدہ ہے کہ ٹھیک تین گھنٹے کے بعد یعنی چھ بجے میں تمہارے گھر میں موجود رہوں گی۔ میرا بیٹا بھی رہے گا۔''

''میں یہاں پر جواد کو حاضر ہونے کا حکم دے رہا ہوں آپ اسے وہاں نہ لے جائیں۔''

''میں وہیں جاؤں گی اور عینی کے سامنے اپنے بیٹے کی گرفتاری پیش کروں گی اور دیکھوں گی کہ تم کس طرح اسے گرفتار کر سکو گے۔''

آپ کے لہجے میں زبردست چیلنج چھپا ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے کچھ کر رہی ہو یہ اعتماد ہے کہ میں اسے گرفتار نہیں کر سکوں گا۔ ایک ماں کی کوشش یہی ہوگی کہ اس کے بیٹے پر کوئی آنچ نہ آئے۔''

''آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ویسے ایک مشورہ دینا چاہتی ہوں تم کیا مانو گے؟''

''آپ مشورہ پیش کریں۔ ماننا نہ ماننا میرا کام ہے۔''

''اس ٹیکسی ڈرائیور کے بارے میں چھان بین کرو کہ وہ کون ہے ابھی مجھے حشمت کی والدہ نے فون پر بتایا ہے کہ جس ٹیکسی ڈرائیور نے میرے بیٹے جواد کا ریوالور چھین لیا تھا۔ اسی ٹیکسی ڈرائیور نے حشمت کے خلاف بھی بیان دیا ہے آخر یہ ٹیکسی ڈرائیور کون ہے؟ کیا ٹیکسی چلانا چھوڑ کر دن رات عینی کے ساتھ لگا رہتا ہے؟ اور اگر دن رات اس کے ساتھ رہتا ہے تو عینی سے اس کا کیا تعلق ہے کیا رشتا ہے؟ تم اس کے غیرت مند بھائی ہو تو تم... ٹیکسی ڈرائیور کو ایک گھنٹے بعد یعنی چھ بجے اپنے گھر لے آؤ۔ ہم سب وہاں موجود رہیں گے۔''

''اچھی بات ہے میں آپ کے مشورے پر غور کروں گا اور چھ بجے اپنے گھر آ کر تمہارا انتظار کروں گا۔''

انتظار نہیں کرنا پڑے گا میں ٹھیک وقت پر وہاں حاضر ہو جاؤں گی۔ اپنے بیٹے کے ساتھ......

دردانہ نے رابطہ ختم کر دیا۔ ذیشان ریسیور کو کریڈل پر رکھ کر سوچنے لگا۔ دردانہ کی اس بات میں وزن ہے کہ ٹیکسی ڈرائیور کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم کرنا چاہیے اور اسے بلا کر اس کا بھی محاسبہ کرنا چاہیے وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے ریسیور اٹھا کر اپنے گھر کے نمبر پنچ کیے تھوڑی دیر بعد رابطہ ہوا اسے اپنے ڈیڈی کی آواز سنائی دی اس نے کہا میں ذیشان بول رہا ہوں اور عینی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''وہ اپنے کمرے میں ہے شاید اس نے اپنے کمرے کا ریسیور اٹھایا ہوگا۔ دوسری طرف سے عینی کی آواز سنائی دی۔

جی ہاں بڑے ابو میں نے ریسیور اٹھایا ہے میں بھائی جان سے باتیں کر رہی ہوں۔''

ذیشان نے کہا ''عینی ابھی چھ بجے دردانہ بیگم گھر آنے والی ہیں۔ اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لائیں گی۔ وہ کہتی ہیں کہ تمہارے سامنے اسے گرفتار کروں۔''

''وہ ایسا کیوں چاہتی ہیں؟ کیا میری ہمدردی حاصل کرنا چاہتی ہیں؟''

شاید یہ بات نہیں ہے ان کے لہجے میں بڑی پختگی تھی اور یہ یقین تھا کہ میں ان کے بیٹے کو گرفتار نہیں کر سکوں گا۔''

''بھائی جان وہ بہت مکار ہیں انہوں نے جواد کے بچاؤ کا کوئی راستہ نکال لیا ہوگا۔''

''ہاں ایسی ہی کوئی بات ہے ویسے میں تم سے اس ٹیکسی ڈرائیور کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''جی ہاں۔ فرمائیے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

''اس کا نام کیا ہے اور وہ کہاں رہتا ہے؟''

''اس کا نام سلامت پاشا ہے اور سب اسے پاشا جانی کہتے ہیں۔ میں اس کا رہائشی پتا نہیں جانتی۔''

تم کل رات سے اس کے ساتھ ہو آج وہ دن کے وقت بھی عروج کے کوارٹر میں تمہارے ساتھ تھا اور تم نے اب تک اس کا پتا ٹھکانہ معلوم نہیں کیا۔''

''میں نے سوچا تھا کہ اس کے گھر کا پتا پوچھوں گی پھر دھیان نہیں رہا۔''

''کیا اس کی ٹیکسی کا نمبر جانتی ہو؟''

''ہاں آپ نوٹ کریں۔''

اس نے نمبر بتایا ذیشان نے نوٹ کرنے کے بعد کہا ''اس کے بارے میں کچھ اور بتاؤ؟''

''کیا بتاؤں وہ انسان نہیں فرشتہ ہے اب سے آٹھ ماہ پہلے عروج کے ابو حادثہ کا شکار ہوئے تھے انہیں خون کی ضرورت تھی اور او نیگیٹو کہیں دستیاب نہیں ہو رہا تھا۔ پاشا نے اپنا خون انہیں دیا تھا۔''

پھر تو ہاسپٹل میں اس کا نام اور گھر کا پتا ضرور ہوگا۔ میں ابھی عروج سے معلوم کرتا ہوں۔

''آپ معلوم نہیں کر سکیں گے۔ اس نے خون دیتے وقت اپنا نام اور پتا غلط لکھوایا تھا۔''

''اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟''

''وہ کچھ عجیب سا مزاج رکھتا ہے وہ نہ کسی پر احسان جتانا چاہتا ہے اور نہ اپنا نام کرنا چاہتا ہے نیکی کرتا ہے اور دریا میں ڈال دیتا ہے۔''

مجھے ایسے فرشتے سے ملنا چاہیے میں اسے ابھی ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کرتا ہوں۔

اس نے رابطہ ختم کیا اور ماتحت کو بلایا ماتحت نے آ کر سیلوٹ کیا ذیشان نے اسے ایک پرچی پر ٹیکسی کا نمبر دیتے ہوئے کہا ''اس نمبر کے ذریعے معلوم کرنا ہے کہ یہ ٹیکسی چلانے والا کہاں رہتا ہے؟ تم ٹریفک پولیس والوں کے تعاون سے جلد از جلد معلوم کر سکتے ہو۔''

''یس سر! میں ابھی جا رہا ہوں آپ کو اطلاع دینا چاہتا تھا کہ گل خانم آئی ہوئی ہیں۔''

اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر کہا ''اسے یہاں بھیج دو۔''

ماتحت سیلوٹ کر کے چلا گیا تھوڑی دیر بعد گل خانم اندر آئی۔ اس نے کہا ''میں نے تم سے کہا تھا تم سات بجے آؤ گی تب تمہیں یاور خان سے ملنے کی اجازت دی جائے گی۔''

وہ سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی ''آپ یقین کریں میں آپ کی ہدایت کے مطابق سو گئی تھی لیکن کیا کروں اندر سے بے چینی تھی چار بجے ہی آنکھ کھل گئی۔ اس کے بعد سو نہ سکی یہاں چلی آئی۔ آپ ناراض نہ ہوں۔''

ایک مطلقہ عورت عدت کے ایام گھر کی چار دیواری میں گزارتی ہے باہر نہیں نکلتی کسی کا سامنا نہیں کرتی اور تم دینی احکامات کے خلاف گھر سے نکل کر یہاں آ گئی ہو۔ مزید یہ کہ جس نے تمہیں طلاق دی ہے اسی کے سامنے جانا چاہتی ہو۔''

''میں کہہ چکی ہوں کہ میرے چہرے پر اسی طرح نقاب رہے گا اسی طرح میں چادر میں لپٹی رہوں گی۔''

''دینی احکامات اگرچہ سخت ہیں۔ لیکن ان کے پیچھے گہرے مقاصد ہیں۔ تم یوں چادر لپیٹ کر بھی غلطی کر سکتی ہو...... اگر نہ کرو۔ تو مرد سے غلطی ہو سکتی ہے بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ لیکن جب غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ تب بات سمجھ میں آتی ہے۔''

خدا کے لیے آپ دینی احکامات کی باتیں نہ کریں۔ مجھ پر بھروسا کریں میں آپ سے وعدہ کر رہی ہوں کہ آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی۔ یاور اسے دور دور رہوں گی کچھ باتیں کروں گی دل کو تسلی ہو جائے گی تو یہاں واپس آ جاؤں گی۔''

اس نے ایک سپاہی کو بلا کر حکم دیا انہیں یاور خان کے پاس لے جاؤ مگر حوالات کا دروازہ نہ کھولنا۔''

وہ وہاں سے اٹھ کر سپاہی کے ساتھ چلتی ہوئی دفتر کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی ایک کمرے کی طرف آئی۔ اس

کمرے میں آہنی سلاخوں والا دروازہ تھا یاور خان ان سلاخوں کے پیچھے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سپاہی نے کہا ''خان تمہاری ملاقات آئی ہے۔''

اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی چہرہ بھی چھپا ہوا تھا۔ صرف دو آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی وہ تیزی سے چلتا ہوا دروازے کے پاس آیا پھر آہنی سلاخوں کو تھام کر بولا ''گل خانم ...... میری گل جاناں! میرا دل کہتا تھا کہ تم ضرور آؤ گی تم میرے بغیر نہیں رہ سکو گی میری محبت تمہیں کھینچ کر لائے گی اور تم کھنچی چلی آئی ہو۔''

گل خانم نے سپاہی کو دیکھا پھر کہا ''تم یہاں سے جاؤ۔''

وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے کہا ''مجھے اس انداز سے مخاطب نہ کرو۔ میں اب تمہاری کوئی نہیں ہوں میرا تم سے اب کوئی رشتا نہیں ہے تم اب مجھے محبت سے پکارنے کا بھی حق نہیں رکھتے ہو۔''

''ایسی باتیں نہ کرو میں جب تک زندہ رہوں گا جب تک میری سانسیں چلتی رہیں گی میں تمہیں محبت سے پکارتا رہوں گا۔''

''تم نے مجھے طلاق دے کر مجھ پر اور اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کیا ہے اپنے وجود کو میرے وجود سے کاٹ ڈالا ہے۔ اب نہ میں تمہارے پاس آسکتی ہوں اور نہ تم میرے پاس آسکتے ہو۔''

''ہمیں کون روکے گا، گل خانم؟ ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے۔ کسی نے یہ نہیں سنا ہے کہ میں نے تمہیں طلاق دی تھی۔''

''خدا سنتا ہے۔ خدا جانتا ہے۔ اس سے کچھ چھپا نہیں رہتا۔ یہ بات گرہ میں باندھ لو، اب تمہارا میرا ملاپ نہیں ہوسکتا۔ ہم دریا کے دو کنارے بن چکے ہیں۔''

''تم یہاں آئی ہو اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے اور تمہارے دل میں میرے لیے جگہ ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہ کرو کہ تمہارا دل آج بھی میرے لیے دھڑک رہا ہے۔''

''میں انکار نہیں کروں گی۔ تم میری زندگی کا پہلا اور آخری پیار ہو اور آخری ہی رہو گے اس کے باوجود اب ہم نہیں مل سکیں گے۔ تم نے طلاق دے کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔''

''سچ بتاؤ کیا تم ابھی محبت سے نہیں آئی ہو؟''

ہاں۔ محبت سے آئی ہوں اور کہنے آئی ہوں کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے بعد تم بے گناہ ثابت ہوئے ہو۔ تم نے میرے بچے کو ہلاک نہیں کیا ہے۔''

وہ خوش ہو کر بولا ''کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟ میری بے گناہی ثابت ہو چکی ہے؟''

''اسی لیے میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے اور اپنی شکایتیں واپس لے رہی ہوں اس طرح تمہارے خلاف کوئی کیس نہیں ہوگا تو تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔''

''گل خانم میں جانتا تھا کہ ایسے برے وقت میں کوئی میرا اپنا ساتھ نہیں دے گا تم ہی ہزار ناراضگی اور مخالفتوں کے باوجود میرے کام آؤ گی اور کام آرہی ہو۔''

''میں تو کام آرہی ہوں۔ لیکن ایس پی صاحب نے کہا ہے کہ تم رہا ہونے کے بعد میرے گھر کی طرف آؤ گے اور مجھ سے ملنا چاہو گے تو وہ ہم دونوں کو بے حیائی کے الزام میں گرفتار کرلیں گے۔ پھر ہمارے خلاف مقدمہ چلے گا لہٰذا یہ ابھی طے کرلو کہ یہاں سے رہا ہونے کے بعد تم میری طرف نہیں آؤ گے۔''

ایسی رہائی کا کیا فائدہ کہ تم سے ملاقات نہ ہوسکے تم سے باتیں نہ کرسکوں۔ تمہارا چہرہ نہ دیکھ سکوں۔ اس سے بہتر ہے۔ میں ایک قیدی بن کر ساری زندگی کسی کال کوٹھری میں گزار دوں۔''

اب کال کوٹھری میں رہو یا آزاد پرندے کی طرح کھلی فضاؤں میں پرواز کرتے رہو یہ تمہاری اپنی مرضی پر ہے میں تمہیں رہائی دلانے کا فرض ادا کر رہی ہوں اس کے بعد میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔''

''نہیں خانم ...... میں رہائی حاصل کروں گا لیکن کچھ ایسا کرو کہ میں تمہیں دیکھ سکوں دور ہی دور سے اپنے دل کی باتیں تم سے کہہ سکوں۔''

وہ اس کی طرف سے منہ پھیر کر بولی ''سچ تو یہ ہے کہ میں بھی تم سے دور نہیں رہ سکتی۔ اس لیے تمہیں دور ہی سے دیکھنے کی اجازت دوں گی۔ لیکن ہم کبھی قریب نہیں آئیں گے۔ تم میری کوٹھی کے احاطے میں کبھی داخل نہیں ہوگے۔''

''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے میں رہائی حاصل کرنے کے بعد دین کے علماؤں سے ملوں گا ان سے پوچھوں گا کہ میری گل خانم پھر کس طرح مجھے مل سکتی ہے میں تمہیں حاصل کرنے کے لیے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھٹکتا رہوں گا۔ تمہاری دہلیز پر سر پھوڑتا رہوں گا مگر تمہیں ایک دن حاصل کر کے رہوں گا۔''

وہ اس کی جذباتی باتیں نہ سن سکی اس کا دل تیزی سے

ک رہا تھا اور اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا وہ محسوس کر رہی تھی تھوڑی دیر اور وہاں رہے گی تو سچ مچ اس کی طرف کھنچی چلی ے گی۔ لہٰذا وہ فوراً ہی وہاں سے چلتی ہوئی ذیشان کے رے میں آگئی۔

یاور خان کی نظروں سے اوجھل ہو کر اس نے چہرے سے در ہٹالی۔ اب ذیشان کے سامنے بیٹھی یوں ہانپ رہی تھی ے بہت دور سے دوڑتی آرہی ہو اس کا گورا گلابی چہرہ سرخ گیا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے رخساروں پر انگارے دہک رہے ں۔ وہ اسے توجہ سے دیکھ رہا تھا اس نے کہا ''وہ سلاخوں ے پیچھے تھا۔ تم اس سے بہت فاصلے پر تھیں۔ اس مختصری قات میں تمہارا یہ حال ہو رہا ہے تو آئندہ کیا ہوگا؟''

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ بڑی محبت سے بولی مجھے اس پر ترس آرہا ہے۔ وہ مجھے بہت چاہتا ہے دل و جان ے چاہتا ہے اور اب مجھ سے محروم ہو گیا ہے۔''

''تم عجیب باتیں کرتی ہو، محروم تو تم اس سے ہوئی ہو اور ں سے ہمدردی ظاہر کر رہی ہو۔''

آپ نہیں جانتے وہ تنہا ہو گیا ہے میرے بغیر کیسے زندگی زارے گا؟''

''سب ایک دوسرے کے بغیر زندگی گزار لیتے ہیں۔''

''مرنے والوں پر صبر آجاتا ہے لیکن جو زندہ رہ کر بچھڑ تے ہیں ان کی جدائی برداشت نہیں ہوتی۔''

''تو پھر ارادہ کیا ہے؟ جلدی بولو مجھے ایک ضروری کام ے جانا ہے۔''

میں آپ سے وعدہ کر چکی ہوں کہ دینی احکامات کے طابق کبھی اس کے روبرو بہت قریب نہیں جاؤں گی دور سے اقات ہوگی دور سے باتیں ہوں گی۔

اس نے اپنا پرس کھولا اس میں سے نوٹوں کی گڈیاں ال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا ''یہ پچاس ہزار روپے ں۔ آپ اسے رہا کرتے وقت دے دیں اس کے کام آئیں گے۔''

''اچھی بات ہے میں اسے دے دوں گا۔''

''یہ یاد رکھیں کہ وہ غیرت مند ہے میری دی ہوئی رقم ہیں لے گا آپ اسے سختی سے کہہ دیں کہ رقم نہیں لے گا تو ے رہائی بھی نہیں ملے گی۔ تب شاید وہ اسے قبول کرلے۔''

وہ اٹھ کر بولی ''میں جاتی ہوں آپ کا احسان کبھی نہیں بولوں گی۔ پھر کسی وقت آپ سے ملوں گی۔ خدا حافظ۔

وہ وہاں سے چلی گئی اس کے ماتحت نے انٹرکام پر کہا سر! میں پاشا جانی کو یہاں لے آیا ہوں۔''

''اسے یہاں بھیج دو۔''

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی ہلکا سا دروازہ کھلا پھر پاشا جانی نے پوچھا ''مے آئی کم ان سر؟''

اس نے کہا۔ ''یس کم ان ......''

اسے توقع نہیں تھی کہ ایک ٹیکسی ڈرائیور انگریزی بولے گا۔ اس نے اندر آکر سلام کیا ذیشان نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''بیٹھو......!''

وہ بیٹھ گیا۔ ذیشان نے پوچھا ''تعلیم یافتہ ہو؟''

''یس سر بی اے تک تعلیم حاصل کی ہے پھر حالات نے مجبور کیا تو آگے نہ پڑھ سکا۔ ملازمت کہیں ملتی نہیں۔ اس لیے ٹیکسی چلاتا ہوں۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ عینی میری چھوٹی بہن ہے؟''

''جی ہاں جانتا ہوں۔''

''اس سے کیسے ملاقات ہوئی تھی؟''

کل رات تقریباً ایک بجے سی ویو کے قریب ایک چھوٹی سی بستی میں تھی وہاں میں چائے کی ایک دکان پر چائے پی رہا تھا وہ اچانک میری ٹیکسی کے پاس آئیں اور مجھ سے مدد طلب کی۔ مجھ سے کہا کہ میں انہیں عروج کے پاس ہاسپٹل کے کوارٹر میں پہنچا دوں۔ میں انہیں ہاسپٹل کی طرف لے جا رہا تھا راستے میں ان کے ایک کزن جواد نے ہمارا راستہ روک لیا اس نے عینی سے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو عینی نے انکار کر دیا تب وہ ریوالور کے زور پر اسے لے جانا چاہتا تھا اس نے پہلے مجھ سے سمجھوتہ کرنا چاہا کہ میں اس سے ایک لاکھ روپے لوں اور عینی کو اس کے ساتھ جانے دوں۔ میں نے دھوکے سے اس کا ریوالور اس سے چھین لیا پھر اس کی کار کے ایک ٹائر کو پنکچر کر کے عینی کو وہاں سے ٹیکسی میں لے گیا۔''

ذیشان اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اس نے کہا ''ایک لاکھ روپے بہت ہوتے ہیں ایک ٹیکسی ڈرائیور کی اوقات سے بہت زیادہ ہوتے ہیں تم نے عینی کی خاطر وہ ایک لاکھ کیوں چھوڑ دیے؟''

''آپ دولت والوں سے پوچھیں تو میں نے وہ رقم چھوڑ کر بہت بڑی حماقت کی ایمان والوں سے پوچھیں تو میں نے اپنے ایمان کا تقاضا پورا کیا ہے۔''

تم نے جو نیکی کی اس کا کچھ تو صلہ چاہتے ہو اگر نہیں چاہتے تو پھر آج دن کے وقت اس سے ملنے کیوں گئے تھے؟''

عینی نے فون نمبر دیا تھا اور رابطہ کرنے کو کہا تھا جب میں نے رابطہ کیا تب مجھے وہاں بلایا گیا میں چلا گیا۔''

فون کی گھنٹی بجنے لگی ذیشان نے ریسیور اٹھا کر کان سے

لگایا پھر کہا ''ہیلو میں ذیشان بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے اس کے والد فلک آفتاب حیات کی آواز سنائی دی ''بیٹے یہاں دردانہ بیگم آئی ہوئی ہیں اور اپنے ساتھ بیٹے اور وکیل کو لائی ہیں۔''

''ان سے کہیں کہ میں دفتر سے نکل رہا ہوں اور آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔''

''اس نے ریسیور رکھتے ہوئے پاشا جانی سے کہا ''میرے ساتھ چلو، وہاں دردانہ بیگم اپنے بیٹے جواد کے ساتھ آئی ہیں۔ تمہیں ان کے سامنے بیان دینا ہے۔''

پاشا جانی اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر وہ دونوں کمرے سے باہر چلے گئے۔

☆☆☆

فلک سکندر حیات کی زندگی میں دردانہ بیگم اس کوٹھی کی مالکہ تھی۔ سب اس کے آگے ادب سے سر جھکاتے تھے فلک سکندر حیات کی موت کے بعد اس کی قدر و قیمت گر گئی دردانہ کی توقع کے خلاف مرحوم نے اسے اپنی جائیداد میں سے صرف ایک چھوٹی سی کوٹھی دی تھی اور دو کروڑ روپے دیے تھے۔

وہ اپنی کوٹھی میں چلی گئی تھی کبھی کبھی عینی سے ملنے آتی تھی تو رسمی طور پر اس کا استقبال کیا جاتا تھا۔ اس وقت بھی دردانہ بیگم کی آمد پر فلک آفتاب نے ناگواری سے منہ بنایا تھا۔ بیگم آفتاب نے صاف صاف کہہ دیا ''نہ اب تم ہماری بھابی رہی ہو نہ عینی کی ماں ...... اور جو کل رات عینی کے ساتھ سلوک ہوا ہے اس کے بعد تو ہم تمہیں اور تمہارے بیٹے کو اپنا دشمن سمجھ رہے ہیں۔''

وہ مسکرا کر بولی ''کل رات کچھ نہیں ہوا جو کچھ ہوا میں اس کی وضاحت کرنے آئی ہوں۔ جب غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی تو آپ اس طرح نفرت سے بات نہیں کریں گی۔''

کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ سب منہ بنائے بیٹھے رہے وہ بولی ''کم از کم عینی کو تو بلائیں میں اس سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

فلک ناز نے کہا ابھی ذیشان آئیں گے تو عینی ان کی موجودگی میں یہاں آئے گی۔ پھر آپ اس سے باتیں کر سکیں گی۔''

''سوتیلی ماں تو مفت میں بدنام ہوتی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ میں بھی دوسری سوتیلی ماؤں کی طرح عینی کی دشمن ہوں۔ یہ مرحوم اچھی طرح جانتے تھے اور آپ لوگوں نے بھی دیکھا ہے کہ میں نے ایک سگی ماں سے بھی بڑھ کر محبتیں دی ہیں۔''

وہ سب ایسے بیٹھے تھے جیسے اس کی باتیں نہ سن رہے ہوں۔ جواد نے کہا ''ممی! آپ خواہ مخواہ بول رہی ہیں خاموش ہو جائیں۔ یہاں جو کام کی باتیں کرنی ہیں۔ وہ ذیشان کے سامنے ہوں گی۔ اس کے بعد ہم چلے جائیں گے۔''

وہ سب چپ رہے تھوڑی دیر بعد ہی ذیشان ڈرائنگ روم میں آیا پھر اس نے دردانہ اور جواد کو دیکھ کر دروازے کی طرف گھوم کر کہا ''پاشا جانی اندر آ جاؤ......''

پاشا نے اندر آ کر ان سب کو دیکھا پھر ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔ ذیشان نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''یہاں بیٹھو۔''

وہ بیٹھ گیا دردانہ بیگم کے ساتھ ایک شخص کالا کوٹ پہن کر آیا تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک کاغذ ذیشان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''میں ان کا وکیل ہوں اور کورٹ سے جواد کا ضمانت نامہ لایا ہوں۔''

ذیشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''یہ ضمانت نامہ اپنے پاس رکھیں'' جب میں جواد کو گرفتار کروں تو پھر اسے پیش کریں۔ ابھی تو میں اس سے چند سوالات کروں گا۔''

اس نے جواد کی طرف دیکھ کر کہا ''کل رات عینی ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ اپنی سہیلی عروج سے ملنے کے لیے جا رہی تھی۔ تم نے اس کا راستہ روکا تھا؟''

''ہاں میں نے اس کا راستہ روکا تھا۔''

''کیا تم نہیں چاہتے تھے کہ عینی گھر واپس آ جائے؟''

میں چاہتا تھا۔ اسی لیے میں نے راستہ روکا تھا مجھے معلوم تھا کہ وہ آدھی رات کو کہاں بھٹک رہی ہے وہ صرف آپ کی ہی نہیں میری بھی بہن ہے اسے گھر واپس لے جانا میرا فرض ہے اور میں اپنا فرض ادا کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اسے اپنے ساتھ یہاں لانا چاہتا تھا۔''

''راستہ روکنے کے بعد تمہیں معلوم ہوا کہ عینی تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتی تب تم نے کیا کیا تھا؟''

وہی جو ایک غیرت مند بھائی کو کرنا چاہیے مجھے شبہ تھا کہ یہ ٹیکسی ڈرائیور اسے بہلا پھسلا کر لے جا رہا ہے اگر میں اسے جبراً روکتا تو ہمارے خاندان کی عزت خاک میں مل جاتی۔ اس لیے میں نے ریوالور دکھا کر اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔''

ذیشان نے سر گھما کر پاشا جانی کو دیکھا۔ پاشا مسکرانے لگا۔ ذیشان نے پوچھا ''صرف ریوالور دکھا کر راستہ روکا تھا یا اس سے اور بھی کسی طرح کا سمجھوتہ کرنا چاہا تھا؟''

جواد نے ذرا ہچکچاتے ہوئے اپنی ماں کی طرف دیکھا پھر کہا ''ہاں میں نے سوچا خون خرابے سے بات بگڑ جائے گی اور ہم خواہ مخواہ کسی مقدمے میں پھنس جائیں گے اس لیے میں نے اس ڈرائیور کو سمجھایا کہ یہ عینی کو میرے ساتھ جانے دے گا تو میں اسے اچھی خاصی رقم دوں گا۔''

ذیشان نے طنزیہ لہجے میں کہا ''اچھی خاصی رقم......؟ یعنی تم نے کتنی رقم کی آفر دی تھی؟''

وہ پھر ہچکچاتے ہوئے بولا ''یہی کوئی ایک لاکھ روپے......''

''کیا ایک لاکھ روپے بہت زیادہ نہیں ہیں؟ جب کوئی مجرمانہ لین دین ہوتا ہے تب ہی اتنی بڑی رقم کی آفر دی جاتی ہے۔''

''ذیشان صاحب آپ میرے جذبات کو سمجھیں میں عینی کو عزت آبرو سے گھر پہنچانے کے لیے ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ دے سکتا تھا۔''

''اچھا تو پھر کیا ہوا؟''

اس ڈرائیور کو یقین نہیں تھا کہ میرے پاس ایک لاکھ روپے ہیں۔ میں نے کہا ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر دیکھو اس نے جب اس خانے کو کھول کر دیکھا تو اس میں نوٹوں کی بڑی بڑی گڈیاں تھیں۔ اتنی بڑی رقم دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اچانک ہی اس نے مجھ پر حملہ کیا اور مجھ سے ریوالور چھین کر کہا'' جب میں پوری کی پوری رقم لے سکتا ہوں تو ایک لاکھ روپے پر سمجھوتہ کیوں کروں؟ اس نے تمام رقم کو سمیٹ کر اپنے لباس کے اندر ٹھونس لیا۔ پھر میری گاڑی کے پہیے کو گولی مار کر بیکار کر دیا۔''

پاشا جانی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا ''سر! یہ جھوٹ کہہ رہا ہے میں نے اس کی رقم کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔''

ذیشان نے ذرا سخت لہجے میں کہا ''پاشا خاموش بیٹھے رہو جب میں تم سے کچھ پوچھوں تب اپنی صفائی میں کچھ کہنا۔''

پاشا خاموشی سے بیٹھ گیا ذیشان نے اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے کہا ''ممی! عینی کو بلائیں۔''

عینی تو پاشا جانی کا نام سنتے ہی چلی آئی تھی دروازے کے پیچھے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ صاف طور سے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ وہ دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ اس کے گھر آیا ہوا ہے۔

وہ ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے بولی ''بھائی جان میں یہاں ہوں ان کی تمام باتیں سن رہی ہوں یہ سراسر جھوٹ بول رہے ہیں پاشا جانی نے ان سے رشوت کے طور پر ایک روپیہ بھی نہیں لیا ہے۔''

دردانہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا ''بیٹی تمہیں تو نظر نہیں آتا۔ پھر وہ رات کا وقت تھا۔ تم کیسے دیکھ سکتی تھیں یہ تمام رقم لوٹ کر لباس کے اندر چھپا کر لے آیا تھا اور تمہیں معلوم بھی نہ ہو سکا۔

ذیشان نے کہا ''دردانہ آنٹی میں پہلی اور آخری بار سمجھا رہا ہوں جب تک میں کوئی بات نہ پوچھوں آپ میں سے کوئی کچھ نہیں بولے گا۔ آپ پلیز خاموشی سے بیٹھی رہیں۔''

دردانہ بیگم اپنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ عینی اپنی پھوپھی فلک ناز کے پاس آ کر بیٹھی کیوں کہ وہاں سے پاشا جانی کسی حد تک قریب تھا اور واضح طور پر اسے دکھائی دے رہا تھا۔ ذیشان نے پوچھا ''عینی جب یہ دونوں ایک دوسرے سے سمجھوتہ کر رہے تھے یا لڑ جھگڑ رہے تھے تو تم اس وقت کہاں تھیں؟''

میں ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں مجھے کچھ دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا جیسے دونوں میں لڑائی ہو رہی ہو تھوڑی دیر بعد میں نے گولی چلنے کی آواز سنی۔ اس کے بعد پاشا جانی اپنی ٹیکسی میں آ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ جواد کی گاڑی کا ایک پہیہ بیکار کر دیا ہے اور اب یہ ہمارا تعاقب نہیں کر سکے گا۔

''تم دور سے واضح طور پر دیکھ نہیں سکتیں۔ لیکن پاشا جانی جب قریب آ کر اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا تو کیا تم نے اس کے پاس نوٹوں کی گڈیاں دیکھیں تھیں؟''

''نہیں میں نے نہیں دیکھیں تھیں۔''

ہو سکتا ہے اس نے لباس کے اندر اس رقم کو چھپایا ہو؟''

''میں یقین نہیں کروں گی پاشا صاحب نے اپنے عمل سے ثابت کیا ہے کہ یہ نیک اور ایماندار ہیں میں جوان ہوں دولت مند ہوں یہ مجھ سے فائدہ اٹھا سکتے تھے لیکن انہوں نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ عروج کے پاس پہنچانے کے بعد ٹیکسی کا کرایہ بھی نہیں لیا۔ دردانہ بیگم نے کہا'' جب آٹھ لاکھ روپے ہاتھ لگ گئے تھے تو کرایہ کیا لیتا؟''

''جب یہ اتنی بڑی رقم چرا کر لے گیا تو اس کے خلاف رپورٹ درج کیوں نہیں کرائی گئی؟''

جواد نے کہا کیسے درج کرائی جاتی میں تو گاڑی کا پہیہ بدلنے میں لگا رہا بڑی مشکلوں سے گاڑی چلنے کے قابل ہوئی تو گھر آ کر پتا چلا کہ ممی کو اور مجھ کو الزام دیا جا رہا ہے کہ ہم نے عینی کو اغوا کرنے کوشش کی تھی۔''

دردانہ بیگم نے کہا ''ہم سوتیلے ہیں ہم پر آسانی سے الزام لگایا جا سکتا ہے آٹھ لاکھ روپے کی کیا اہمیت ہے ہم اس

سے زیادہ رقم عینی پر نچھاور کر کے خیرات کر سکتے ہیں۔ ہم تو اس الجھن میں رہے کہ کسی طرح اپنے اوپر لگنے والے الزام کو مٹائیں اور یہ ثابت کریں کہ ہمارے خلاف بھی سازشیں ہو رہی ہیں۔ ہمیں خواہ مخواہ بدنام کیا جا رہا ہے۔"

جواد نے کہا "آپ کہتے ہیں کہ ہم نے چوری کے خلاف رپورٹ درج کیوں نہیں کرائی؟ اب تو آپ کے سامنے حقیقت پیش کی جا رہی ہے اور یہ جو لوٹ کر جانے والا اور میرے آٹھ لاکھ روپے لے جانے والا آپ کے قریب موجود ہے آپ اس کا محاسبہ کیوں نہیں کر رہے ہیں؟"

عینی نے کہا "تمہارے کہنے سے پاشا صاحب کا محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔"

دردانہ بیگم نے پوچھا "یہ تم ٹیکسی ڈرائیور کو پاشا صاحب کیوں کہہ رہی ہو؟"

"کیا ٹیکسی چلانے والے عزت کے قابل نہیں ہوتے کیا ان کا احترام نہیں کرنا چاہیے اور پھر یہ ایسے شخص ہیں جنہوں نے مجھے عزت و آبرو سے عروج کے پاس پہنچا دیا تھا اس کے علاوہ یہ آپ کے بیٹے جواد سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں اور ایک بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔"

فلک ناز نے کہا "جب ہماری عینی کہہ رہی ہے کہ پاشا صاحب قابلِ احترام ہیں تو پھر ہمارے لیے بھی قابلِ احترام ہیں۔ ان کا محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔"

ذیشان نے کہا "خدا کے لیے آپ سب خاموش ہو جائیں محاسبہ سب کا ہوگا۔ پاشا جانی کا بھی ہوگا۔ وہ سب خاموش ہو گئے۔ عینی پاشا کو دیکھنے لگی ذیشان نے پاشا کی طرف گھوم کر پوچھا "تم کیا کہتے ہو؟ کیا تم نے ان کے آٹھ لاکھ روپے نہیں لیے ہیں؟"

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں، میں نے جواد سے ایک روپیہ بھی نہیں لیا ہے آٹھ لاکھ تو بہت ہوتے ہیں۔

"ہم پولیس والے ہیں صرف تمہارے بیان پر یقین نہیں کریں گے اپنے طور پر تفتیش کریں گے۔"

بے شک آپ جس طرح بھی معلوم کرنا چاہیں۔ میں حاضر ہوں۔"

میں اور میرے سپاہی تمہارے گھر جا کر وہاں کی تلاشی لیں گے۔"

میں آپ کو ویلکم کہتا ہوں آپ ابھی میرے ساتھ چلیں۔

دردانہ بیگم نے کہا "رقم کل رات کو چوری ہوئی تھی اب تقریباً بیس گھنٹے گزر چکے ہیں کیا بیس گھنٹوں میں وہ رقم اس نے اپنے گھر میں چھپا کر رکھی ہوگی چور ڈاکو ایسے اناڑی نہیں ہوتے۔"

ذیشان نے سختی سے کہا "آپ چپ رہیں گی یا نہیں؟ پولیس والے بھی اناڑی نہیں ہیں محلے پڑوس والوں سے معلومات حاصل کریں گے۔ جن لوگوں سے پاشا جانی کا لین دین رہتا ہے ان سے بھی بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔"

پھر اس نے پاشا کی طرف گھوم کر پوچھا کیا تمہارا بینک اکاؤنٹ ہے؟"

پاشا جانی نے چونک کر سر اٹھایا اسے دیکھا اور پھر "ایک بینک میں میرا اکاؤنٹ ہے۔"

میں پاشا جانی کے پیچھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اب اس کی شامت آگئی تھی۔ بیچارا عروج اور عینی کے درمیان ہیرو بن رہا تھا اب زیرو بننے کا وقت آ گیا تھا۔

ذیشان نے کہا میں تمہارا بینک اکاؤنٹ چیک کروں گا۔"

وہ ذرا پریشان ہوا پھر بولا "جی ہاں بے شک دیکھ لیں میں نے آج صبح ہی اپنے اکاؤنٹ میں ساڑھے سات لاکھ روپے جمع کیے ہیں۔"

یہ بات سنتے ہی سب نے چونک کر پاشا جانی کی طرف دیکھا۔ عینی کے دماغ میں ایک دھماکا سا ہوا ایک ٹیکسی ڈرائیور کے پاس آج صبح ساڑھے سات لاکھ روپے کہاں سے آگئے جب کہ پچھلی رات جواد کے بیان مطابق اس کے آٹھ لاکھ روپے چوری ہوئے ہیں۔ وہ پریشان ہو کر بولی "پاشا..... یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

دردانہ بیگم نے کہا "اب یہ سچ بولنے پر مجبور ہے اس نے سمجھ لیا ہے کہ ذیشان اس کا بینک اکاؤنٹ چیک کرے گا تو حقیقت سامنے آجائے گی اور ہمارا الزام درست ثابت ہوگا۔"

پاشا جانی نے کہا "آپ کا الزام غلط ہے میں نے آپ کے بیٹے کی رقم نہیں چرائی ہے۔"

ذیشان نے سخت لہجے میں پوچھا "اگر تم نے چوری نہیں کی ہے تو اچانک اتنی بڑی رقم تمہارے پاس کہاں سے آگئی؟"

پاشا جانی نے کہا "سر! آپ یقین کریں میں سچ کہہ رہا ہوں یہ رقم میری اپنی ہے میں لاہور سے لے کر آیا ہوں کل صبح کی ٹرین سے یہاں آیا تھا مجھے کل یہ رقم جمع کرنے کا موقع نہیں ملا میں نے آج صبح ساڑھے سات لاکھ روپے جمع کیے ہیں۔

جواد نے طنزیہ انداز میں پوچھا "کیا لاہور میں تمہاری

لاٹری نکلی تھی؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "لاٹری نہیں...... یہ میرے مرحوم ابو کی محنت کی کمائی ہے۔"

وہ ذیشان کو دیکھتے ہوئے بولا "ہم کوئی لکھ پتی نہیں ہیں۔ لیکن ہمارے ابو نے ہمارے لیے ایک مکان چھوڑا تھا جب امی کا انتقال ہو گیا تو میں نے سوچا وہ مکان فروخت کر کے یہاں کوئی اپنا دوسرا کاروبار شروع کروں گا۔"

ذیشان نے پوچھا "اچھا تو تم نے وہ مکان ساڑھے سات لاکھ میں فروخت کر دیا؟"

"آٹھ لاکھ میں فروخت کیا تھا وہاں ہم نے کچھ لوگوں سے قرض لیا تھا اس قرض کی ادائیگی میں پچاس ہزار خرچ ہو گئے باقی ساڑھے سات لاکھ روپے آج صبح میں نے بینک میں جمع کیے ہیں۔"

عینی نے کہا "بھائی جان آپ یقین کریں پاشا صاحب کبھی جھوٹ نہیں کہتے ہیں۔"

"پلیز عینی ذرا خاموش رہو۔ مجھے اپنے طور پر سوالات کرنے دو۔"

پھر اس نے پاشا سے کہا "تم مکان فروخت کر کے آئے ہو اس فروخت نامہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں تمہارے پاس ہوں گی۔"

"جی ہاں میرے گھر میں موجود ہیں آپ ابھی چل کر دیکھ سکتے ہیں۔" ذیشان کے ماتحت اور سپاہی باہر کھڑے ہوئے تھے اس نے ماتحت کو بلا کر کہا "اپنے سپاہیوں کے ساتھ پاشا جانی کے گھر جاؤ اس کے پاس اپنی جائیداد فروخت کرنے کے کاغذات ہیں وہ کاغذات یہاں لے آؤ۔"

پاشا جانی اس ماتحت کے ساتھ ڈرائنگ روم سے باہر آ گیا۔ احاطے میں ایک وین کھڑی تھی ماتحت نے اس سے کہا "پیچھے سپاہیوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گیا ماتحت اگلی سیٹ پر آ گیا۔ پھر وہ وین وہاں سے چل پڑی۔

میں مقدر ہوں اور کبھی کبھی لوگوں کی طبیعت مکدر کر دیتا ہوں کبھی ساتھ دیتے دیتے ان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہوں میں پاشا جانی سے پہلے اس کے گھر پہنچ گیا وہ پولیس والوں کے ساتھ اپنے گھر کا دروازہ کھول کر اندر آیا پھر اس نے ایک چھوٹی سی الماری کو کھولا! اس میں ایک چھوٹا سا سیف تھا وہ اس میں اپنے اہم کاغذات رکھتا تھا۔ ان اہم کاغذات میں اس کے اسکول و کالج کے سرٹیفکیٹس بھی تھے اس کے مرحوم باپ کی کچھ ڈائریاں بھی رکھی تھیں ٹیکسی کا لائسنس اور دوسرے ضروری کاغذات بھی تھے اور اس فروخت نامہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں بھی تھیں۔

وہ ایک ایک ڈائری ایک ایک فائل اور ایک ایک کاغذ اٹھا کر دیکھنے لگا پریشان ہونے لگا ماتحت اس کے قریب کھڑا ہوا تھا اس نے پوچھا کیا ہوا؟"

اس نے پریشان ہو کر ماتحت کو دیکھا پھر سیف بند کر کے الماری کے دوسرے حصوں میں کاغذ تلاش کرنے لگا۔ وہ وہاں ہوتا تو اسے ملتا۔ اس نے اپنی اٹیچی کھولی وہ لاہور سے اپنا سامان اسی اٹیچی میں لایا تھا خیال تھا کہ بھول سے وہ کاغذ اس میں رہ گیا ہے لیکن وہ وہاں بھی نہیں تھا۔

لاہور میں عروج کے عشق نے الجھایا ہوا تھا وہ جلد سے جلد مکان فروخت کر کے کراچی آنا چاہتا تھا اور اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا۔ ملاقات کر کے اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا اسے عروج کی طلب تھی۔ کاغذات کی اہمیت نہیں تھی اس لیے شاید وہ کاغذ وہاں بھول کر آ گیا تھا ماتحت نے طنزیہ انداز میں کہا اب ڈھونڈنے کے لیے فرش رہ گیا ہے اسے بھی کھود کر دیکھ لو۔"

وہ بے بسی سے بولا "آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ میں وہ اہم کاغذ لاہور میں بھول آیا ہوں۔"

وہ بولا "میں تو کیا ایس پی صاحب بھی یقین نہیں کریں گے۔ کوئی عدالت ثبوت کے بغیر کسی سچائی کو تسلیم نہیں کرتی اب چلو یہاں سے......"

وہ شکست خوردہ انداز میں ان کے ساتھ چلتا ہوا باہر آیا دروازے کو تالا لگایا پھر ان کے ساتھ وین میں بیٹھ کر واپس جانے لگا۔

عینی اپنے ڈرائنگ روم میں تمام افراد کے درمیان بیٹھی ہوئی پاشا کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ پاشا نے جھوٹ نہیں کہا ہے وہ اپنے مکان کا فروخت نامہ دکھائے گا تو دردانہ بیگم اور جواد کا عائد کردہ الزام غلط ثابت ہو جائے گا۔

ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا۔ پاشا جانی ماتحت کے ساتھ سر جھکائے اندر آیا اس ماتحت نے ذیشان کے سامنے سلیوٹ کرتے ہوئے کہا۔ سر اس کے پاس مکان کا فروخت نامہ نہیں ہے۔

عینی نے گھبرا کر پاشا کی طرف دیکھا ذیشان نے پوچھا۔ "کیوں مسٹر پاشا! تم جھوٹ کیوں بول رہے تھے؟ کیوں پولیس کا وقت برباد کر رہے تھے؟ کیا یہاں سچ اگل نہیں سکتے تھے؟"

"ایس پی صاحب! سچ یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں وہ

اہم کاغذ میں لاہور میں بھول آیا ہوں۔ آپ مجھے موقع دیں میں اپنے ایک عزیز سے رابطہ کروں گا کہ وہ کاغذ تلاش کرکے یہاں بھیج دے یا پھر میں وہ کاغذ لینے جاؤں گا۔"

جواد نے کہا "پھر وہاں سے واپس نہیں آؤ گے فرار کا موقع مل جائے گا۔"

ذیشان نے کہا "پاشا جانی! تم زبردست بہروپیے ہو۔ تم نے عروج کو اور عینی کو تو اچھی طرح بے وقوف بنایا۔ لیکن ہم پولیس والوں کو نہ بنا سکے۔"

پھر اس نے ماتحت سے کہا "اسے گرفتار کرلو۔"

عینی چیختی ہوئی کھڑی ہوگئی نہیں۔ بھائی جان! آپ اسے گرفتار نہ کریں آپ میری ہر بات مان لیتے ہیں یہ بات بھی مان لیں۔"

وہ بولا "عینی یہ قانونی معاملات ہیں۔ یہاں میں تمہاری بات نہیں مانوں گا۔"

"کیوں نہیں مانیں گے؟ صرف آٹھ لاکھ کی چوری کا الزام ہے کون سی بڑی رقم ہے؟ میں ابھی اس سے زیادہ ضمانت دینے کو تیار ہوں۔ آپ اسے گرفتار نہ کریں۔"

"سوری۔ میں اسے گرفتار کرکے لے جارہا ہوں۔ تم چاہو تو اپنے وکیل کے ذریعے اس کی ضمانت حاصل کرنے میرے دفتر چلی آؤ۔"

اس کے ماتحت نے پاشا کو ہتھکڑی پہنادی دردانہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ ہتھکڑی میرے بیٹے کے لیے لائی گئی تھی ذیشان اب کیا کہتے ہو کیا میرا بیٹا بے قصور ہے؟ کیا میرا بیٹا تمہاری بلیک لسٹ میں نہیں ہے؟"

"پہلے میں ایک معاملے سے نمٹ لوں پھر دوسرے سے بھی نمٹ لوں گا۔"

پاشا جانی ہتھکڑیاں پہن کر سر جھکا کر ماتحت افسر کے ساتھ جانے لگا۔ اس کے پیچھے ذیشان جارہا تھا۔

دردانہ بیگم نے ہاری ہوئی بازی جیت لی۔ ایسی ہی اچانک اور اتفاقیہ جیت کو مقدر کا کھیل کہتے ہیں۔ ذیشان جو ہتھکڑی اس کے بیٹے جواد کو پہنانے لایا تھا وہی ہتھکڑی پاشا جانی کو پہنا کر لے جارہا تھا۔

عینی، عروج اور ذیشان وغیرہ یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جو بالکل بے گناہ دکھائی دے رہا ہے اور جو اپنے بہترین عمل سے خود کو ہیرو ثابت کرتا آرہا ہے وہ اچانک ایک مجرم ثابت ہوگا اور قانون کی گرفت میں آجائے گا۔

سب حیران تھے کہ کیا سوچا تھا اور کیا ہوگیا؟ وہ سب چاہتے تھے کہ جواد کو سزا ملے اور دردانہ بیگم عبرت حاصل کرے لیکن توقع کے خلاف بازی ایسے پلٹ گئی تھی کہ سب کے سر جھک گئے تھے اور دردانہ بیگم کا سر فخر سے تن گیا تھا۔

پاشا جانی ہتھکڑی پہنے ماتحت افسر کے ساتھ باہر چلا گیا تھا۔ ذیشان بھی جارہا تھا۔ عینی نے آگے بڑھ کر کہا "بھائی جان......! رک جائیں۔"

وہ رک گیا۔ پلٹ کر بولا "ہاں بولو، کیا کہتی ہو؟"

"کیا اس گھر میں اور آپ کی نظروں میں میری کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ کیا میں آپ لوگوں کے لیے قابلِ اعتماد نہیں ہوں؟"

ذیشان نے کہا "عینی تم اس سے بھی زیادہ ہو ہمارے لیے بہت کچھ ہو میں کسی بھی معاملے میں تم پر اندھا اعتماد کرسکتا ہوں۔"

"تو پھر آپ مجھ پر اعتماد کیوں نہیں کررہے ہیں۔ میری ضمانت پر پاشا کو رہا کیوں نہیں کررہے ہیں؟"

"صرف اس لیے کہ اس وقت تم پاشا جانی کی اندھی حمایت کررہی ہو۔"

"آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں نے اسے آزمایا ہے اس کی شرافت کو، اس کی سچائی کو، اس کے ایمان کو، تبھی میں اس کی حمایت کررہی ہوں۔"

"جسے تم ایمان والا کہہ رہی ہو۔ وہ بے ایمان ثابت ہوچکا ہے۔ وہ کبھی ثابت نہیں کرسکے گا کہ اتنی بڑی رقم وہ اچانک صبح کہاں سے لے آیا تھا۔"

"آپ اسے موقع دیں۔ وہ لاہور جاکر مکان کا فروخت نامہ لے آئے گا۔"

"عینی......! میری بہن......! میں جانتا ہوں۔ تم اس کی ضمانت لینے کے لیے آٹھ لاکھ تو کیا آٹھ کروڑ ابھی ادا کردو گی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم دھوکا کھارہی ہو۔ تو کیا میں بھی پولیس والا ہوکر دھوکا کھا جاؤں۔ اس نے لاہور میں کوئی مکان فروخت نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس کے پاس کوئی فروخت نامہ ہے۔"

"کیا آپ میرے کہنے پر لاہور میں اس کے متعلق انکوائری نہیں کراسکتے؟"

"تم ضد کررہی ہو تو انکوائری کراؤں گا لیکن اس میں وقت لگے گا اور جب تک یہ بے گناہ ثابت نہیں ہوگا اس وقت تک حراست میں رہے گا۔"

"آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔ جب میں ضمانت دے رہی ہوں جواد کی رقم بھی ابھی لوٹا دوں گی اور آپ اس کی ضمانت کے لیے جتنی رقم کہیں گے وہ جمع کردوں گی تو پھر آپ

اسے رہا کیوں نہیں کریں گے؟ اگر یہ فرار ہوگا تو آپ مجھے گرفتار کرسکیں گے۔"

"یہی تو مشکل ہے، تم میری بہن ہو۔ میں تمہیں گرفتار نہیں کرسکوں گا۔ ایسا وقت آنے سے پہلے ہی میں محتاط رہنا چاہتا ہوں اور پاشا جانی کو اپنی کسٹڈی میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "بیٹے! ہم نے آج تک عینی کو اس طرح التجا کرتے اور گڑگڑاتے نہیں سنا۔ تم اتنے سخت کیوں ہوگئے ہو۔ پاشا کو رہا کردینا تمہارے لیے کوئی مشکل کام تو نہیں ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "ہاں بیٹے یہاں پولیس افسر نہ بنو اور اگر بننا چاہتے ہو، اسی طرح سختی دکھانا چاہتے ہو تو صرف عینی نہیں میں بھی پاشا جانی کی ضمانت دینے کو تیار ہوں۔ جب ہمارا پورا خاندان اس کی حمایت کررہا ہے تو تم اپنے اصولوں میں نرمی اور لچک کیوں نہیں پیدا کررہے ہو؟"

وہ بولا "ڈیڈ! میں آپ سے اور عینی سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے کل تک اپنے طور پر کارروائیاں کرنے کا موقع دیں۔ میں کل شام تک پاشا جانی کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرلوں گا۔ لاہور سے انکوائری کا جواب آجائے گا۔ اس کے بعد میں اسے رہا کردوں گا۔ آپ ضد نہ کریں۔ مجھے میرا کام کرنے دیں۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹ کر جانے لگا۔ عینی نے تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے کہا "بھائی جان! صرف ایک آخری بات......"

وہ پھر رک گیا۔ بے بسی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا "عینی! تم میری لاڈلی بہن ہو مگر اس وقت بہت پریشان کررہی ہو۔"

"پلیز آپ صرف ایک منٹ کے لیے ذرا ایک گوشے میں چلیں میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

اسما نے آگے بڑھ کر کہا "آپ بہت زیادہ سختی دکھا رہے ہیں۔ عینی کی بات کیوں نہیں مان لیتے۔ چلیں یہ کیا کہنا چاہتی ہے، پہلے وہ سن لیں۔"

وہ بولا "ٹھیک ہے۔ اس کمرے میں چلو۔"

عینی نے اسما کا ہاتھ تھام کر کہا "بھابی جان! آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔"

وہ تینوں دوسرے کمرے کی طرف جانے لگے۔ دردانہ بیگم سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ جواد نے اس کے قریب آکر کانوں میں سرگوشی کی "ممی! یہ کیا ہورہا ہے۔ یہ اکیلے کمرے میں لے جاکر کیا کہنا چاہتی ہے؟"

"خدا جانے کیا کہنا چاہتی ہے۔ ابھی یہ تینوں باہر آئیں گے تو کچھ معلوم ہوسکے گا۔"

وہ تینوں ایک کمرے میں آگئے۔ ذیشان نے عینی کو دیکھ کر کہا "ہاں بولو کیا کہنا چاہتی ہو؟"

اس نے ذیشان کو دیکھا پھر اسما کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھی اور اس سے لپٹ گئی۔ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسما نے اسے تھپکتے ہوئے کہا "کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟ کیا اپنے بھائی کی سنگ دلی پر رونا آرہا ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا "بھابی جان! وہ......وہ پاشا جانی......"

وہ آگے نہ کہہ سکی پھر رونے لگی۔ اسما نے اسے تھپکتے ہوئے کہا "ہاں ہاں بولو کیا کہنا چاہتی ہو۔ کیا پاشا جانی کے بارے میں کچھ اور بتانا چاہتی ہو؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر بڑی مشکل سے اٹکتے ہوئے کہا "میں بھابی جان...... میں اسے چاہتی ہوں۔"

اسما نے ایک دم سے چونک کر ذیشان کو دیکھا۔ ذیشان بھی یہ سن کر پریشان ہوگیا۔ اس کے قریب آکر بولا "عینی! یہ کیا کہہ رہی ہو۔ تم سمجھ دار ہو، تعلیم یافتہ ہو، تمہیں اپنے اسٹیٹس کے مطابق اپنے شایانِ شان کسی جیون ساتھی کا انتخاب کرنا چاہیے۔"

وہ روتے ہوئے بولی "بھابی جان! میں نے بچپن سے اب تک اپنے خود غرض اور لالچی رشتے داروں کو دیکھا ہے۔ پاشا ایسا نہیں ہے اس نے میرے ساتھ جو نیکی کی ہے اس کا معاوضہ طلب نہیں کیا صرف میرے ساتھ ہی نہیں عروج کے ساتھ بھی اس نے بہت بڑی نیکی کی ہے۔ اس کے ڈیڈی حادثے کا شکار ہوکر ہاسپٹل پہنچ گئے تھے۔ اس نے ان کو خون کی دو بوتلیں دی تھیں اور ان سے بھی کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔ میں اور عروج اسے جتنا جانتے ہیں، اتنا اسے کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ آپ کو رفتہ رفتہ اس کی سچائی اور ایمان داری کا یقین آجائے گا۔"

"عینی میں چاہتا ہوں کہ تمہاری زندگی میں کوئی ایسا شخص آئے، جو لالچی نہ ہو۔ بے لوث ہو، بے غرض ہو، لیکن تم پاشا جانی کا انتخاب کرکے مجھے الجھا رہی ہو۔"

اسما نے کہا "آپ محض اس لیے الجھ رہے ہیں کہ وہ ٹیکسی چلاتا ہے۔ جب وہ عروج کا لائف پارٹنر بنے گا تو کیا اس وقت بھی ٹیکسی چلائے گا۔ کیا آپ نے سنا نہیں کہ وہ اچھا خاصا تعلیم یافتہ ہے اور اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے پھر آپ

کیوں الجھ رہے ہیں۔"

وہ بے بسی سے بولا "اسما! پاشا پر چوری کا الزام ہے۔ میں وہ معاملہ نمٹانا چاہتا ہوں۔ عینی اب یہ نیا معاملہ پیش کر رہی ہے۔"

"آپ اس نئے معاملے کو اہمیت دیں۔ عینی سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کوئی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے میں دفتر سے واپس آؤں گا تو اس موضوع پر بات کریں گے۔"

اسما نے کہا "آپ ابھی دفتر نہیں جائیں گے۔ پہلے پاشا کو رہا کریں گے۔"

"یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"یہ بکواس ہی سہی۔ اگر آپ نے اسے رہا نہ کیا تو میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔ کھانا پینا چھوڑ دوں گی۔"

وہ پریشان ہو کر ٹہلنے لگا۔ اسما نے کہا "ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ آپ اپنے اصولوں پر اتنی سختی سے عمل کرتے ہیں کہ کبھی ان میں لچک پیدا نہیں کرتے لیکن آج آپ کو یہ کرنا ہی ہوگا۔ ورنہ میں آپ کو باہر نہیں جانے دوں گی۔ جائیں گے تو بہت برا ہوگا۔"

میں دردانہ اور جواد کے پاس آ گیا اور جواد کے سر پر ایک چپت مارتے ہوئے بولا "میں مقدر ہوں سب کا ہوں اور کسی کا بھی نہیں ہوں۔ اب تمہاری شامت آنے والی ہے۔"

مقدر کی چپت سر پر پڑتی ہے تو پتا نہیں چلتا۔ بعد میں تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ عینی، اسما اور ذیشان کمرے سے باہر آ گئے۔ ذیشان تیزی سے چلتا ہوا بیرونی دروازے کو کھول کر باہر گیا پھر ماتحت سے بولا "پاشا جانی کو یہاں لے آؤ۔"

وہ پھر ڈرائنگ روم میں واپس آ گیا۔ دردانہ اور جواد عینی کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑی خوش نظر آ رہی تھی۔ اسما بھی مسکرا رہی تھی۔ ذیشان نے دردانہ کے وکیل سے پوچھا "ہاں تو مسٹر! وہ جواد کا ضمانت نامہ کہاں ہے؟"

وکیل نے فوراً ہی اپنا بریف کیس کھول کر وہ ضمانت نامہ نکالا پھر اسے ذیشان کی طرف بڑھایا۔ ذیشان نے اسے لے کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پاشا جانی ماتحت کے ساتھ اندر آ رہا تھا۔ اس نے ماتحت سے کہا "پاشا کی ہتھکڑیاں کھول دو۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ ہتھکڑیاں کھول دی گئیں۔ جواد نے تڑپ کر کہا "یہ کیا ہو رہا ہے میرے آٹھ لاکھ روپے چرائے گئے ہیں۔ چور گرفت میں آیا ہے اور اسے رہا کیا جا رہا ہے؟"

ذیشان نے کہا "اس نے تمہارے آٹھ لاکھ روپے چرائے ہیں یا نہیں۔ یہ معلوم کرنا میرا کام ہے اور میں کل اس وقت تک ساری معلومات حاصل کر لوں گا۔ جسٹ اے منٹ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا ایک دروازے سے گزر کر کوٹھی کے کسی اندرونی حصے میں گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس کے ایک ہاتھ میں کاغذ جل رہا تھا۔ اس نے کہا "میں ذرا کچن کی طرف گیا تھا اسے آگ لگانا تھا۔"

دردانہ اور اس کے وکیل نے سوالیہ نظروں سے اس جلتے ہوئے کاغذ کو دیکھا۔ وہ تقریباً جل گیا تھا۔ آخری حصہ رہ گیا تھا۔ ذیشان نے اسے ایش ٹرے میں ڈال دیا وہ باقی حصہ بھی جل گیا پھر اس نے اپنے ماتحت سے کہا "جواد کو ہتھکڑیاں پہنا دو۔"

دردانہ نے چیخ کر پوچھا "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

حکم کی تعمیل ہو رہی تھی۔ جواد کو ہتھکڑی پہنائی جا رہی تھی۔ اس کے وکیل نے کہا "ایس پی صاحب میں نے اس کا ضمانت نامہ پیش کیا ہے۔"

ذیشان نے پوچھا "کہاں ہے وہ ضمانت نامہ؟"

"ابھی تو میں نے آپ کو دیا تھا۔"

"آپ کیسے وکیل ہیں، کیا یہ نہیں جانتے کہ مجرم کا ضمانت نامہ تھانے میں یا کسی افسر کے دفتر میں دیا جاتا ہے کسی کے گھر میں ضمانت نامہ کیوں لے کر آئے تھے اور کیا ثبوت ہے کہ آپ نے مجھے ایسا کوئی کاغذ دیا ہے؟"

دردانہ نے کہا "ذیشان! تم اپنے اعلیٰ عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔"

آپ بھی نہ جانے کیسے کیسے بااختیار مجرموں کے ذریعے فائدہ اٹھانے یہاں آئی تھیں۔ بڑی زبردست چال چلی تھی۔ اب ناکام ہو کر جائیں گی۔"

پھر اس نے ماتحت سے کہا "جواد" کو لے جا کر گاڑی میں بٹھاؤ۔"

وہ جواد کو کھینچتے ہوئے لے جانے لگا۔ دردانہ بیٹے کے پیچھے کھینچتی ہوئی جانے لگی اور وکیل بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔ ذیشان نے عینی سے کہا "دیکھو میں نے تمہاری بات مان لی۔ پاشا جانی کو رہا کر دیا۔ اب اسے میرے ساتھ دفتر جانے دو۔ یہ مسٹر میرے ساتھ وہاں بیٹھ کر لاہور کے اپنے کسی عزیز سے بات کریں گے اور مکان کے فروخت نامے کے متعلق معلومات حاصل کریں گے۔ اس طرح مجھے بھی کچھ معلوم ہو سکے گا۔"

عینی نے مسکراتے ہوئے کہا "بھائی جان آپ انہیں

اپنے ساتھ ضرور لے جائیں۔ اب مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

اس نے اپنا موبائل پاشا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اسے رکھ لو۔ میں ایک گھنٹے بعد رابطہ کروں گی۔"

وہ بولا "اس کی کیا ضرورت ہے۔ میں کسی پی، سی، او سے رابطہ کر لوں گا۔"

"نہیں یہ موبائل اب مستقل تمہارے پاس رہے گا۔ میں جب چاہوں گی تم سے بات کر سکوں گی۔"

وہ موبائل فون لے کر بولا "شکریہ یہ تمہاری ہمدردی اور حمایت سے مجھے رہائی حاصل ہوئی ہے۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ جو الزام مجھ پر عائد ہو رہا ہے وہ غلط ثابت ہو۔"

وہ ذیشان کے ساتھ چلا گیا۔ اسما نے اپنے ساس سسر اور اپنی پھوپی ساس فلک ناز کو دیکھ کر عینی کے کان میں کہا "اب تو میں تمہارے کمرے میں چلوں گی یا پھر تم میرے کمرے میں چلو گی۔ میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔ تم نے تو آج مجھے چونکا دیا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی "میں آپ کے کمرے میں چلوں گی پہلے ذرا عروج سے باتیں کر لوں۔"

وہ تینوں صوفوں پر بیٹھے ان دونوں کی کانا پھوسی دیکھ رہے تھے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ آج نند اور بھاوج میں اتنی رازداری سے کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

اسما نے کہا "ٹھیک ہے پہلے تم عروج کو فون کرو۔"

فلک ناز اور بیگم آفتاب کے کان کھڑے ہو گئے "پتا نہیں اب عینی عروج سے کیا باتیں کرنے والی ہے اور اسما بھی بڑی دلچسپی لے رہی ہے۔"

عینی فون کے پاس آ کر بیٹھی تو بیگم آفتاب نے اٹھتے ہوئے کہا "میں کمرے میں جا رہی ہوں۔ بس ذرا کمر سیدھی کروں گی۔"

فلک ناز نے بھی اٹھتے ہوئے کہا "میں بھی جا رہی ہوں ابھی آ جاؤں گی۔"

ان دونوں کے ذہنوں میں یہ تھا کہ اگر ڈرائنگ روم میں رہیں گی تو صرف عینی کی باتیں سن سکیں گی لیکن وہاں اپنے اپنے کمرے میں جا کر دوسری طرف سے عروج کی باتیں بھی سن سکیں گی۔

عینی نے انہیں سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر اسما سے پوچھا "بھابی جان! آپ کے پاس موبائل فون ہے؟"

وہ بولی "ایک ہی موبائل فون ہے وہ تمہارے بھائی جان لے جاتے ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "تمہیں فون کی ضرورت ہے۔ میرا فون لے لو۔"

عینی اٹھ کر اس کے پاس گئی پھر فون لے کر شکریہ کہتی ہوئی اسما کے ساتھ اس کے کمرے میں جانے لگی۔ فلک ناز اور بیگم آفتاب مایوسی سے اسے جاتے دیکھ رہی تھیں۔ جب وہ چلی گئی تو فلک آفتاب نے دونوں کو دیکھا پھر پوچھا "کیوں بیٹھ گئیں۔ تم دونوں ابھی جا رہی تھیں؟"

فلک ناز نے کہا "میں تو یوں ہی جا رہی تھی۔ ویسے جانا ضروری نہیں ہے۔" فلک آفتاب نے بیگم کو دیکھا پھر پوچھا "کیا تم اپنی کمر سیدھی نہیں کرو گی؟"

وہ ناگواری سے منہ بنا کر بولی "یہ آپ کی بہو بیگم پتا نہیں عینی کے ساتھ کیا کھچڑی پکا رہی ہے۔ آپ نے دیکھا ہمارے سامنے کانوں میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔"

فلک ناز نے کہا "عینی، اسما اور ذیشان کو الگ کمرے میں لے گئی تھی۔ تب سے اسما اس سے بے تکلف ہو گئی ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "وہ کمرے میں ذیشان کو سمجھانے منانے گئی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے اسما کی حمایت حاصل کی ہوگی پھر ان دونوں نے ذیشان کو مجبور کر دیا ہوگا۔ اسی لیے اس نے پاشا کو رہا کر دیا ہے لیکن......؟"

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ بیگم آفتاب نے سوالیہ نظروں سے اپنے میاں کو دیکھا پھر پوچھا "لیکن کیا؟"

وہ سوچنے کے انداز میں بولا "یہ عینی اس ٹیکسی ڈرائیور سے کچھ زیادہ ہی مانوس ہو گئی ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "یہ بات مجھے بھی کھٹک رہی ہے۔"

فلک ناز نے کہا "صرف مانوس نہیں ہوئی ہے بلکہ اس میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہی ہے۔ اپنا موبائل فون بھی اسے دے دیا ہے تاکہ آئندہ سلام و پیام کا سلسلہ بھی جاری رہے۔"

فلک آفتاب نے اپنی بہن ناز سے کہا "اب اتنا بھی آگے نہ سوچو۔ عینی سمجھ دار ہے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو اتنی زیادہ لفٹ نہیں دے گی۔"

بیگم آفتاب نے کہا "وہ اسے ٹیکسی ڈرائیور سمجھتی ہی نہیں ہے۔ آپ نے سنا نہیں تھا وہ دردانہ سے کہہ رہی تھی کہ پاشا جانی اس کے بیٹے جواد سے بہتر ہے۔ اس سے زیادہ تعلیم یافتہ ہے اور اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔"

فلک ناز نے کہا "وہ پاشا جانی کو نہ کسی سے کم تر سمجھتی ہے اور نہ ہی یہ ماننے کو تیار ہے کہ اس نے جواد کے آٹھ لاکھ روپے چرائے ہیں۔ بھائی جان! آپ کا کیا خیال ہے کیا اس

نے چرائے ہوں گے؟"

"وہ چہرے سے تو ایسا لگتا نہیں ہے لیکن چہرے پر نہیں جانا چاہیے جو بھولے بھالے ہوتے ہیں، وہ ہی دل کے کالے ہوتے ہیں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "بلا سے وہ چور ہو، ڈاکو ہو یا ایمان دار اور شریف ہو۔ ہمیں اس سے کیا لینا ہے۔ فی الحال تو یہ نئی تشویش پیدا ہوگئی ہے کہ وہ اس ڈرائیور میں دلچسپی لے رہی ہے اور اس دلچسپی کی حد کیا ہے۔ اس کا کچھ اندازہ ہمیں ہو رہا ہے۔"

وہ تینوں تشویش میں مبتلا ہو رہے تھے۔ تینوں کو یوں لگ رہا تھا کہ عینی گیلے صابن کی طرح ہاتھ سے پھسل رہی ہے اور اب رکنے والی نہیں ہے۔"

☆☆☆

میں کب کس کا ساتھ دیتا ہوں اور کب کس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ دیکھا جائے تو میں خود بہت کچھ نہیں جانتا بس ہاتھ کی لکیروں پر چلتا ہوں۔ جہاں ہاتھ کی لکیریں انکار کرتی ہیں وہاں رک جاتا ہوں پھر اس کا ساتھ چھوڑ کر دوسرے کسی مخالف کا ساتھ دیتا ہوں۔

میں نے دردانہ بیگم کا ساتھ دیا تھا۔ اس نے بڑی آسانی سے اپنے بیٹے جواد کا ضمانت نامہ حاصل کرلیا تھا پھر میں نے اس کے مقابلے میں پاشا جانی کی تقدیر بگاڑ دی تھی۔ اس کے مکان کا فروخت نامہ گم کردیا تھا اور وہ خود کو آٹھ لاکھ روپے کی چوری کے الزام سے بچا نہیں پا رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنادی تھیں۔

میں مقدر ہوں۔ پل پل میں بدلتا رہتا ہوں۔ ابھی تبدیلیاں لانے کے لیے بہت سی وجوہات باقی تھیں۔ مثلاً یہ کہ ذیشان، جواد اور دردانہ بیگم پر خار کھایا ہوا تھا۔ اس نے یہ طے کرلیا تھا کہ جواد کو ہر حال میں سزا دے کر رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس کی بہن کو ریوالور کی زد پر اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔

ضمانت حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اغوا کرنے کے الزام سے بری ہوگیا ہے۔ ذیشان پاشا جانی کو ہتھکڑی پہنانے کے بعد جواد سے نمٹنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت عینی اور اسما نے اس کو مجبور کیا کہ وہ پاشا جانی کو رہا کردے اس کی رہائی کے لیے عینی بڑی سے بڑی ضمانت دے رہی تھی پھر جب ذیشان کو عینی کے دلی جذبات کا پتا چلا کہ وہ پاشا جانی میں دلچسپی لے رہی ہے تو اسما نے اسے مجبور کیا وہ خود بھی چاہتا تھا کہ عینی جلد سے جلد اپنے جیون ساتھی کے لیے کسی کا انتخاب کرے تاکہ اسے بیوی یا بہو بنانے کے لیے رشتے دارو جو بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ وہ چھٹ جائے ختم ہو جائے۔

پاشا جانی پر جو چوری کا الزام تھا۔ اس کے متعلق ذیہ نے سوچا کہ لاہور انکوائری کرے گا اور حقیقت معلوم کر۔ کہ پاشا جانی کس حد تک سچ بول رہا ہے؟ میں نے پہلے جانی کو کچھ دیر کے لیے بدنصیب بنایا پھر ذیشان کے دل اس کے لیے نرم گوشہ پیدا کیا تو اس کی ہتھکڑیاں کھل گئیں وہ ہتھکڑیاں جواد کو پہنادی گئیں۔

دردانہ بیگم کامیابی حاصل کرتے کرتے اچانک نا ہونے لگی تو بوکھلا گئی اور کار ڈرائیو کرتی ہوئی داؤد سبحانی کی کو میں آگئی۔ وہ رات کا کھانا کھانے سے پہلے اپنے بیڈروم ‌ اک نوجوان عورت کے ساتھ پینے میں مصروف تھا۔ دردا نے ڈرائنگ روم میں اپنے موبائل فون کے ذریعے کہا "دا بھائی! میں آئی ہوں بڑی گڑبڑ ہوگئی ہے۔"

"اوہ دردانہ! تم نے تو مجھے پریشان کردیا ہے۔ میں۔ تمہارے بیٹے کی ضمانت کا انتظام کردیا ہے۔ اب کیا پریشا ہے؟"

ذیشان نے اس ضمانت نامے کو جلا دیا ہے اور میر۔ بیٹے کو گرفتار کردیا ہے اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے سٹی کورٹ کے جج سے ضمانت نامہ لیا تھا وہ اس سے کیسے انکار کرسکتا ہے؟"

"میں کیا جانوں کیسے انکار کرسکتا ہے۔ آپ ابھی میرے سامنے آئیں یا مجھے اپنے پاس بلائیں۔"

"اوہ دردانہ! تم جانتی ہو کہ میں اس وقت کس موڈ میں رہتا ہوں۔ تم رنگ میں بھنگ ڈالنے آئی ہو۔"

"یہاں میری جان پہ بنی ہے میرا بیٹا حوالات میں رہے گا اور آپ اپنے رنگین لمحات کا حساب کر رہے ہیں۔"

"اچھا اچھا زیادہ نہ بولو۔ میں ابھی آرہا ہوں۔"

وہ موبائل بند کرکے ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ جی چاہ رہا تھا ابھی دوڑ کر جائے اور ذیشان کا منہ نوچ کر اپنے بیٹے کو حوالات سے لے آئے۔

داؤد سبحانی نشے میں لڑکھڑاتا ہوا وہاں آیا پھر بولا "دیکھو دردانہ! تم دور کے رشتے سے میری بہن لگتی ہو مگر کوئی سگی نہیں ہو۔ میں تمہارے کام اس لیے آتا ہوں کہ تمہارے بیٹے سے کبھی کبھی اپنا کام نکال لیا کرتا ہوں پھر تم کبھی کبھی میرے سامنے بڑے حسین تحفے پیش کرتی ہو لیکن پچھلے دو ماہ سے تم نے کوئی حسین چہرہ نہیں دیکھایا ہے۔"

"آپ نے میرا تو کوئی کام نہیں کیا ہے۔ صرف اپنے مطلب کی بات کر رہے ہیں۔ میں نے کہا تھا عینی کو اغوا کرا کے کسی خفیہ اڈے میں پہنچادیں لیکن آپ کے وہ آدمی اسے اغوا کرنے میں ناکام رہے پھر میں نے کہا کہ میرے بیٹے کی ضمانت لے کر اسے رہا کرائیں۔ آپ اس میں بھی ناکام رہے ہیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں نے ضمانت نامہ حاصل کرلیا تھا۔ اگر ذیشان نے ضمانت نامہ جلا دیا ہے تو وہ بہت پچھتائے گا۔ کسی جج کے جاری کردہ ضمانت نامے کو تسلیم نہ کرنا سراسر جرم ہے اور اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔"

"جب آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے تو فوراً ایکشن لیں۔ آپ ایکشن لیں گے تو میرا بیٹا حوالات سے باہر آئے گا۔"

وہ صوفے پر بیٹھ کر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ دردانہ نے پوچھا "کسے فون کر رہے ہیں؟"

"جس جج سے وہ ضمانت نامہ حاصل کیا تھا اسے بتادوں کہ اس کے جاری کردہ حکم نامے کا کیا حشر ہوا ہے۔"

رابطہ ہونے پر اس نے کہا "ہیلو میں داؤد سبحانی بول رہا ہوں اور رانا ظہیر الدین سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد رانا ظہیر الدین کی آواز سنائی دی "ہیلو داؤد بھائی! میں انتظار ہی کررہا تھا کہ آپ ضرور فون کریں گے۔"

"آپ کیوں میرے فون کا انتظار کر رہے تھے؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ایس پی ذیشان نے مجھے فون پر بتایا ہے کہ اس نے میرے ضمانت نامے کو جلا ڈالا ہے اور ایسا میری بھلائی کے لیے کیا ہے۔"

داؤد سبحانی نے پوچھا "یہ کیا بکواس ہے اس نے آپ کے جاری کردہ ضمانت نامے کو جلا ڈالا ہے اور آپ فرمارہے ہیں کہ اس نے آپ کی بھلائی کے لیے ایسا کیا ہے۔"

"ہاں وہ یہ جانتا ہے کہ میں پچھلے دو دنوں سے چھٹی پر ہوں جب میں عدالت میں حاضر نہیں ہو رہا ہوں تو پھر ایک ضمانت نامے پر کیسے دستخط کرسکتا ہوں۔ میں نے تمہارے اصرار پر اس کاغذ پر دستخط کیے تھے جبکہ میرا یہ عمل غیر قانونی تھا اور میں نے تمہیں بتایا بھی تھا لیکن تم ضد کرتے رہے۔ دوسرے لفظوں میں میری ایک کمزوری کے باعث مجھے بلیک میل کرتے رہے۔ میں نے مجبور ہوکر سائن کردیا تھا۔ ذیشان کو میری چھٹیوں پر رہنے کا علم ہوگیا ہے۔ وہ اس ضمانت نامے کو چیلنج کرتا تو سوچو ایسی صورت میں میری پوزیشن کیا ہوتی؟"

داؤد سبحانی یہ وضاحت سن کر ٹھنڈا پڑ گیا۔ بات بالکل درست تھی۔ ان حالات میں ذیشان کا پلڑا بھاری تھا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ دردانہ نے پوچھا "کیا ہوا؟" وہ دردانہ کو بتانے لگا کہ کیا ہوچکا ہے۔ وہ سن کر سکتے میں رہ گئی۔ آنکھیں پھاڑے منہ کھولے داؤد سبحانی کو تکتی رہ گئی پھر بولی "اب میرے بیٹے کا کیا بنے گا؟"

"میں نے سوچا تھا کہ ذیشان نے اس ضمانت نامے کو جلا کر بہت بڑا جرم کیا ہے۔ میں اس کے اعلیٰ افسران کے ذریعے اس پر دباؤ ڈالوں گا اور ابھی تمہارے بیٹے کو حوالات سے نکال لاؤں گا لیکن اب یہ ممکن نہیں ہے۔"

"تعجب ہے آپ انڈر ورلڈ کے بے تاج بادشاہ کہلاتے ہیں اور ایک چھوٹی سی بات کو ناممکن کہہ رہے ہیں؟"

"میری بات سمجھو۔ میں صرف آج کی رات کے لیے ناممکن کہہ رہا ہوں کل صبح عدالت کے وقت میرا وکیل ضمانت نامہ حاصل کرے گا۔ تمہارے بیٹے کو کل رہائی ملے گی۔ آج یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیا آپ کو انسلٹ محسوس نہیں ہو رہی ہے کہ ایک ایس پی نے آپ کو چاروں شانے چت کردیا ہے؟"

"ہاں میں پہلے کبھی اتنی بری طرح ناکام نہیں ہوا جو چاہتا ہوں وہ کر گزرتا ہوں۔ میں اس ایس پی سے نمٹ لوں گا یا تو اس کی وردی اتروادوں گا یا پھر اسے خاک میں ملا دوں گا۔"

"تو پھر مجھے مایوس ہوکر جانا چاہیے؟"

"تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ میدانِ جنگ میں کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لیے پیچھے ہٹنا پڑتا ہے پھر آگے بڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ کل تمہارا بیٹا تمہارے پاس آجائے گا لیکن اس سے پہلے میرے لیے بھی تو کچھ کرو۔ اتنا بڑا بیوٹی پارلر قائم کر رکھا ہے۔ کتنی ہی خوب صورت جوان عورتیں اور لڑکیاں وہاں آتی رہتی ہیں۔"

"لیکن سب ہی ایسی نہیں ہوتیں۔ کسی کسی کو شیشے میں اتارنا مشکل ہوجاتا ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں میرے بیٹے کو حوالات سے نکلوادیں گے اور اس کا کیس ختم کروادیں گے تو ایسا حسین تحفہ پیش کروں گی کہ ساری زندگی یاد رکھیں گے۔"

"اس کا مطلب ہے، کوئی تمہاری نظر میں ہے۔"

"ہاں ایک نہایت ہی خوب صورت لڑکی ہے۔ آپ دیکھیں گے تو رال ٹپکنے لگے گی۔"

"وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ بھی اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا "تم مجھے تڑپا کر جارہی ہوں۔"

"میں یہی چاہتی ہوں۔ آپ تڑپتے رہیں تاکہ میرا کام جلد از جلد ہوجائے۔ آپ جانتے ہیں، جب میں زبان دیتی

ہوں تو اسے پورا کرتی ہوں۔ اس حسینہ سے آپ کی دوستی ہوگی لیکن میرا کام ہونے کے بعد......"

وہ وہاں سے چلتی ہوئی باہر آئی پھر اپنی کار ڈرائیو کرتی ہوئی جانے لگی۔ وہ دولت، طاقت اور اختیارات حاصل کرنے کے جنون میں مبتلا رہتی تھی۔ خود کوئی گئی گزری نہیں تھی۔ اچھی خاصی دولت مند تھی۔ اس کے باوجود بے حساب دولت حاصل کرنے کے لیے اس نے عینی کو تاڑ لیا تھا۔ طاقت اور اختیارات حاصل کرنے کے لیے داؤ دسجانی سے دوستی کر رکھی تھی۔ کسی کو دوست بنانے سے مقدر دوست نہیں بن جاتا۔ میں جس کا دوست بن جاتا ہوں۔ اس کے سب ہو جاتے ہیں۔ ورنہ سارا زمانہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔

وہ دوسروں پر حکومت کرنا چاہتی تھی۔

کیا خیال ہے؟ اگر میں اسے بے حد طاقت واختیار دے دوں؟

اس ملکِ خداداد میں مردوں نے بھی حکومت کی، عورت نے بھی حکومت کی سب نے فرعونیت دکھائی اور سب ہی در بدر کے ہوگئے۔

ایک دردانہ بیگم کو بھی موقع دیا جائے۔ کیا خیال ہے؟

لوگوں کو مشکلات میں ڈالنے اور پھر انہیں مشکلات سے نکالنے کے چند مخصوص فارمولے میرے پاس ہیں۔ میں انہیں آزماتا رہتا ہوں۔ اس وقت میں نے ایک ایسا ہی فارمولا استعمال کیا۔

دردانہ بیگم کی گاڑی میں کچھ خرابی پیدا ہونے لگی۔ وہ چلتے چلتے جھٹکے کھانے لگی۔ اس نے گاڑی کو سڑک کے کنارے روکا۔ ڈیش بورڈ کے خانے سے چھوٹی سی ٹارچ نکالی پھر دروازہ کھول کر باہر آئی۔ اس کے بعد بونٹ اٹھا کر کار کی خرابی معلوم کرنے لگی۔

مجھے تو ایک بہانہ چاہیے تھا کہ وہ کسی طرح تھوڑی دیر کے لیے کار روک کر باہر نکلے۔ ایک منٹ کے اندر ہی کار کی خرابی دور ہوگئی۔ اس نے بونٹ کو نیچے گرایا پھر اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ ایسے ہی وقت تڑاتڑ فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ دو الگ مقامات سے فائرنگ ہوئی تھی اس نے فوراً ہی کار اسٹارٹ کی پھر اسے آگے بڑھا کر رفتار تیز کرنے لگی۔ ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سنائی دی لیکن اب وہ آواز دور ہوگئی تھی۔ وہ تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتی ہوئی دور نکل آئی تھی۔

اب کوئی خطرہ نہیں تھا۔ سڑک بھی ویران نہیں تھی۔ گاڑیاں آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ کار کے اندر گہری خاموشی تھی ایسی ہی خاموشی میں کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک دم سے چونک گئی۔ گاڑی کو سڑک کے کنار روک کر اس نے سر گھمایا تو اسے اپنے سامنے ریوالور کی دکھائی دی۔

کار کے اندر تاریکی تھی لیکن قریب سے گزرنے ایک آدھ گاڑیوں کی روشنی میں وہ ریوالور جھلک رہا ریوالور والا پچھلی سیٹ کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ کرا ہوئے کہہ رہا تھا "گاڑی مت روکو چلاتی رہو۔ میرے حکم تعمیل کرتی رہو گی تو سلامت رہو گی۔"

پھر وہ زخمی شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے بولا "گا چلاؤ......"

اس نے گاڑی فوراً ہی اسٹارٹ کی پھر اسے آ بڑھانے لگی۔ اس کے حکم کے مطابق رفتار بھی بڑھانے لگی

☆☆☆

اسما، عینی کے ساتھ اس کے بیڈ روم میں آ گئی۔ اس شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی "تم آرام سے بیڈ پر لیٹ جاؤ۔"

"نہیں بھابی جان! میں ابھی بیٹھوں گی آپ سے با کروں گی مگر آپ سے پہلے ذرا عروج سے باتیں کرلوں۔"

وہ اپنے بڑے ابو فلک آفتاب کا موبائل فون لائی تھی اس فون کے ذریعے اس نے عروج سے رابطہ کیا۔ عروج اس کی آواز سن کر پوچھا "ہیلو! عینی کیسی ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تو گھر میں ہے یا ہاسپٹل میں؟"

"میں ہاسپٹل میں ہوں۔"

"کیا نائٹ ڈیوٹی ہے؟"

"نہیں میں اپنا گھر چھوڑ آئی ہوں۔"

وہ چونک کر بولی "کیا کہہ رہی ہے؟"

"جو سن رہی ہے۔ وہی بول رہی ہوں۔"

"تو نے گھر چھوڑتے وقت مجھے فون کیوں نہیں کیا؟ کیوں نہیں بتایا کہ وہاں تنہا رہنے گئی ہے؟"

"میں تجھے صبح فون کر کے بتانے والی تھی۔ یہ نہیں چا تھی کہ ابھی رات کو معلوم ہو اور تو میری تنہائی کا خیال کر دوڑی چلی آئے۔"

"تو کیا سمجھتی ہے میں نہیں آؤں گی۔ ابھی آ ہوں۔"

"دیکھ عینی! تجھے میری قسم ہے۔ ابھی نہ آنا۔"

"کیوں نہ آؤں؟ کیوں مجھے قسم دے رہی ہے؟"

"عینی سمجھنے کی کوشش کر تو پچھلی رات سے اپنے گھر گئی تھی۔ گھر سے باہر بھٹکتی رہی تھی پھر میرے پاس آ کر تو صبح کر دی اب گھر گئی ہے تو کم از کم ایک رات وہاں

ہے۔ اپنے بزرگوں کا کچھ خیال کر۔ بڑے ابو تیرے رگ ہیں۔ ان کی بھی بہت ساری ذمّے داریاں ہیں۔ ان ذمّے داریوں کا احساس کر۔"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ یہ بتا گھر کیوں چھوڑا ہے؟"

"میر ممی ڈیڈی تیرے خلاف بول رہے تھے اور تیرے لاف اپنے بیٹے کی حمایت کر رہے تھے۔ صرف یہی نہیں، وہ ری سوتیلی ماں دردانہ بیگم سے اس لیے دوستی کر رہے ہیں کہ محترمہ نے حشمت کو قانون کی گرفت سے بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ میں ایسے ماحول میں اور ایسے والدین کے سائے میں ہیں رہنا چاہتی تھی۔ اس لیے چلی آئی۔"

"تو نے میرے لیے گھر چھوڑ دیا اور یہ سمجھ رہی ہے کہ یں تیرے لیے اپنا گھر نہیں چھوڑوں گی۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ دوسری طرف سے روج کا کوئی جواب نہیں سنا۔ کرسی سے اٹھ کر الماری کی طرف گئی اور اپنی چھوٹی سی اٹیچی نکال کر ضروری سامان اور کپڑے رکھنے لگی۔ اسما نے پوچھا "عینی یہ کیا کر رہی ہو۔ روج تمہیں سمجھا رہی ہے۔ ابھی تمہیں نہیں جانا چاہیے ایک تو تم کل سے گم ہوگئی تھیں۔ سب تمہارے لیے پریشان تھے پھر یہ کہ حالات سازگار نہیں ہیں۔ باہر دشمن تمہاری تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں کون کس وقت کیا کر بیٹھے۔"

وہ اٹیچی میں سامان رکھتے ہوئے بولی "میں دشمنوں کے ڈر سے عروج کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ پلیز بھابی جان! آپ باہر جا کر سیکورٹی افسر سے کہیں کہ دو مسلح گارڈز بھیجے جائیں وہ مجھے ہاسپٹل پہنچا کر آئیں گے۔"

اسما نے باہر آ کر زینے سے اترتے ہوئے، فلک آفتاب سے کہا "انکل! عینی باہر جا رہی ہے۔"

فلک آفتاب اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ حیرانی سے بولا "کیوں جا رہی ہے؟ کہاں جا رہی ہے؟"

"عروج کے پاس اس کے ہاسپٹل والے کوارٹر میں جا رہی ہے۔"

"اتنی رات کو جانا کیا ضروری ہے؟"

"عروج نے اس کی خاطر اپنے گھر کو اور اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا ہے۔"

فلک ناز نے کہا "کیا مصیبت ہے اب اسے روکو تو بھی نہیں رکے گی ایک نمبر کی ضدی ہے۔ ضرور جائے گی۔"

عینی اٹیچی اٹھا کر زینے کی بلندی سے بولی "ہاں اسے آپ میری ضد سمجھ لیں لیکن میں اپنی عروج کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ زینے سے اترنے لگی۔ فلک آفتاب نے کہا "بیٹی! میں تم دونوں سہیلیوں کی محبت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم نے ضد کی ہے تو ضرور جاؤ گی لیکن کیا یہ دانش مندی ہے؟ کل سے اب تک کیسے کیسے دشمن پیدا ہو رہے ہیں، تمہارے خلاف کیا کیا نہیں ہو رہا ہے؟ ایسے میں تمہیں گھر کی چار دیواری کے اندر رہنا چاہیے۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بولی "بڑے ابو! کیا آپ اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ گھر کی چار دیواری کے اندر مجھے موت نہیں آئے گی۔ اگر ابھی آنا ہے تو ابھی آئے گی اور اگر نہیں آنا ہے تو باہر جانے کے بعد بھی نہیں آئے گی۔"

ایسے ہی وقت ایک ملازم نے آ کر کہا "وکیل صاحب ملنا چاہتے ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "خدا کا شکر ہے۔ وہ صحیح وقت پر آئے ہیں انہیں فوراً بلاؤ۔"

ملازم باہر گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد وکیل اخلاق احمد اندر آیا۔ فلک آفتاب نے کہا "اخلاق صاحب! آپ کہاں رہ گئے تھے؟ ہم کب سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

اخلاق احمد نے پہلے عینی کی طرف دیکھا پھر کہا "مجھ پر عینی کی بڑی ذمّے داریاں ہیں۔ ان ذمے داریوں کو پورا کرنے کے لیے اس کی سیکورٹی کے انتظامات کر رہا تھا۔ گھر میں جو سیکورٹی ہے میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔"

عینی نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسے دیکھا پھر پوچھا "تم کہیں جا رہی ہو؟"

"جی ہاں۔ عروج ہاسپٹل والے کوارٹر میں ہے۔ میں اس کے پاس جا رہی ہوں۔"

"سوری بے بی! تم وہاں تو کیا کہیں بھی نہیں جاؤ گی۔ گھر سے باہر قدم نہیں نکالو گی۔"

وہ آگے بڑھ کر بولی "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں اپنی سہیلی کے پاس جا رہی ہوں۔ آپ مجھے کیوں روکیں گے؟"

"اس لیے کہ کل سے اب تک تمہیں خطرات پیش آ رہے ہیں۔ ایک تو تم بہت بے پروا ہو۔ اپنے ساتھ سیکورٹی گارڈز نہیں لے جاتی ہو۔ دوسری بات یہ کہ اپنی من مانی کرتی رہتی ہو۔ اپنے بڑے ابو کی ہدایات پر بھی عمل نہیں کرتیں۔"

"میں آپ سب کی ہدایات پر عمل کروں گی مگر ابھی عروج کے پاس جاؤں گی۔"

اخلاق احمد نے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ہماری ذمّے داریوں کو سمجھو۔ اگر کل شام تمہارے

ساتھ سیکورٹی گارڈز ہوتے تو کوئی تمہیں اغوا کرنے کی کوشش نہ کرتا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی اپنے ساتھ مسلح گارڈز لے جاؤں گی۔"

"نہیں عینی......! ابھی صرف ایک مجرم گرفت میں آیا ہے۔ دوسرا کہیں آزاد پھر رہا ہے۔ جب تک وہ گرفت میں نہیں آئے گا اور جب تک ہمیں یہ نہیں معلوم ہوگا کہ تمہارے اور کتنے دشمن چھپے ہوئے ہیں جو تمہاری تاک میں ہیں، اس وقت تک تم گھر سے باہر نہیں جاؤ گی۔ سیکورٹی گارڈز کے ساتھ بھی نہیں نکلو گی۔"

"انکل......! آپ مجھ پر بے جا سختی کر رہے ہیں۔ میں اسے نہیں مانوں گی۔"

"کیا آج سے پہلے کبھی میں نے سختی کی ہے؟"

"نہیں کی ہے اس لیے چاہتی ہوں آج بھی محبت سے پیش آئیں اور عروج کے لیے میری محبت کو سمجھیں۔"

"تم دونوں سہیلیوں کے درمیان کتنا پیار ہے، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں لیکن تمہارے لیے جو حفاظتی تدابیر کر چکا ہوں۔ پہلے ان پر عمل کروں گا۔ جب تک تمہارے دشمنوں کو قانون کی گرفت میں نہیں لاؤں گا، اس وقت تک تمہیں باہر جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

وہ پریشان ہو کر وکیل اخلاق احمد کو دیکھنے لگی۔ دھندلا دھندلا سا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بہت ہی معروف شخصیت کا مالک تھا اور بہت ہی اصول پسند تھا۔ عینی اپنے والد مرحوم کی وصیت کے مطابق اس کے احکامات کی پابند تھی۔ وصیت نامے کی ایک شق کے مطابق وہ وکیل اخلاق احمد کے احکامات کی اس وقت تک پابند رہتی جب تک کہ شادی نہ کر لیتی۔ شادی کے بعد اسے آزادی ملنے والی تھی۔ اس سے پہلے وکیل اخلاق احمد اس کے مرحوم والد کے تمام کاروبار اور دولت و جائداد کا نگرانِ اعلیٰ تھا۔ مرحوم کو اپنے دوست وکیل پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کو اس کی سرپرستی میں چھوڑ دیا تھا۔

وہ بولا "میں یہاں کی سیکورٹی سے مطمئن نہیں ہوں۔ اس لیے اپنے ساتھ چار مزید سیکورٹی گارڈز لے کر آیا ہوں۔ ان میں سے دو دن کے وقت یہاں رہیں گے اور دو رات کے وقت اور یہ چاروں تمہاری نگرانی کرتے رہیں گے۔ تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔"

عینی نے غصے سے اٹیچی پھینک دی پھر بولی "آپ مجھے یہاں قیدی بنا کر رکھ رہے ہیں۔ میں اپنے مزاج کے خلاف یہاں نہیں رہوں گی۔"

"بے بی! تمہیں مجھ پر غصہ آئے گا۔ تم جھنجلاؤ گی، [illegible] دکھاؤ گی لیکن یہاں سے باہر نہیں جا سکو گی۔ میں اپنی ذمہ داریاں نباہنا جانتا ہوں۔"

وہ ایک دم سے پلٹ گئی۔ تیزی سے چلتی ہوئی۔ زینے چڑھتی ہوئی اوپر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ وکیل اخلاق احمد نے کہا "مجھے افسوس ہے اس وقت تم میرے خلاف سوچ رہی ہو لیکن بعد میں یہ تسلیم کرو گی کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، تمہاری بہتری کے لیے کر رہا ہوں۔"

وہ اوپر کی طرف جاتے ہوئے بولی "میں اپنی بہتری نہیں چاہتی۔ میں مرجانا چاہتی ہوں۔ آپ یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہاں قیدی بن کر نہیں رہوں گی۔ عروج کے پاس جاؤں گی اور ابھی جاؤں گی۔"

وہ ایسا کہتی ہوئی اوپر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی نیچے ڈرائنگ روم میں وہ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے بیگم آفتاب نے کہا "وکیل صاحب! یہ اچھا ہوا کہ آپ آ گئے۔ ورنہ یہ ہمارے روکنے سے رکنے والی نہیں تھی۔"

اخلاق احمد نے کہا "عینی سمجھ دار ہے۔ وہ اپنا اچھا خوب سمجھتی ہے لیکن عروج کی محبت میں نادانی کر رہی ہے بہر حال اس کی سمجھ میں آ جائے گا۔ یہ ابھی غصہ دکھا رہی ہے رفتہ رفتہ ٹھنڈی پڑ جائے گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ٹھائیں سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ سب نے گھبرا کر اوپر کی طرف دیکھا۔ عینی ہاتھ میں پستول لیے زینے کی بلندی پر کھڑی تھی۔ وکیل اخلاق احمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی "انکل! یہ میرے ہاتھ میں کھلونا نہیں ہے۔ میں نے ایک گولی ضائع کی ہے لیکن دوسری گولی میرے سر میں سوراخ کرتی ہوئی گزر جائے گی۔"

اس نے یہ کہتے ہوئے پستول کو اپنی کنپٹی سے لگا لیا سب ہی پریشان ہو کر زینے کی طرف بڑھنے لگے "نہیں بیٹی نہیں گولی چل جائے گی۔ پستول پھینک دو۔"

"میرے قریب کوئی نہ آئے۔ میں عروج کی قسم کھاتی ہوں، کسی نے بھی مجھ سے پسٹل چھیننے کی کوشش کی تو میں اپنے آپ کو گولی مار لوں گی۔"

وہ سب پریشان ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی انگلی ٹریگر پر رکھی ہوئی تھی اور کسی بھی وقت وہ ٹریگر دب سکتا تھا۔ گولی چل سکتی تھی اور وہ بلندی سے گر سکتی تھی۔

اخلاق احمد نے کہا "عینی! ہوش میں آؤ۔ ہم ابھی سہولت سے باتیں کریں گے۔ ٹریگر پر سے انگلی ہٹاؤ۔"

یہ انگلی نہیں ہٹے گی۔ آپ سب ایک طرف ہو جائیں۔

نیچے آ رہی ہوں۔ باہر جا کر اپنی کار میں بیٹھ کر یہاں سے [illegible] جاؤں گی۔ کوئی میرا راستہ روکنے کی کوشش کرے گا تو اسے [illegible] لاش ملے گی۔"

وہ زینے کے ایک ایک پائیدان پر قدم رکھتے ہوئے اترنے لگی۔ ڈرائنگ روم کی طرف آنے لگی۔ ابھی وہ بلندی پر تھی اور مجھے یہ منظور نہیں تھا کہ وہ وکیل اخلاق احمد [illegible] مجبور کر کے وہاں سے چلی جائے۔

میں اس کی ہاتھ کی لکیر پر کھڑا ہوا تھا اور ایسا ہونے والا [illegible] تھا۔ اس لیے ویسا ہوا جیسا میں چاہتا تھا۔ زینے کے ایک پائیدان پر قدم رکھتے وقت اچانک ہی وہ لڑکھڑائی تو چیخ مار کر پڑی۔ لڑھکتی ہوئی نیچے آنے لگی۔ پستول چھوٹ کر [illegible] چلا گیا تھا اور وہ کہیں اوپر چلی آئی تھی پھر نیچے آتے ہی بے ہوش ہو گئی۔ انسان کیا سوچتا ہے اور کیا ہو جاتا ہے اور خوامخواہ [illegible] سوچتا ہے کہ وہ ایسا کرے گا ویسا کرے گا۔ وہ ایسا کرتا [illegible] تو ویسا ہو جاتا ہے اور ویسا کرتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے۔

اخلاق احمد فون کے ذریعے ڈاکٹر کو کال کرنے لگا۔ عینی [illegible] پاس موبائل فون تھا وہ بھی نیچے آ گرا تھا۔ اب اس میں بزر کی آواز ابھر رہی تھی۔ اسما نے لپک کر فون اٹھا لیا۔ آفتاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "انکل! عروج کا فون [illegible]"

فلک آفتاب نے فوراً ہی وہ فون لیا پھر اسے کان سے لگا [illegible] "ہیلو عروج......! میں بول رہا ہوں۔"

وہ بولی "بڑے ابو! ابھی عینی نے فون پر کہا تھا کہ میرے [illegible] آ رہی ہے۔ پلیز اسے روکیں اس وقت رات کو اس کا باہر [illegible] مناسب نہیں ہے۔"

"ہاں بیٹی! تم درست کہہ رہی ہو۔ ابھی میں نے بھی سمجھایا ہے اور وکیل اخلاق احمد بھی آ گئے ہیں۔ لہٰذا وہ سمجھا رہے ہیں۔ تم فکر نہ کرو ہم اسے گھر سے نکلنے نہیں دیں گے۔ میں ابھی فون بند کر رہا ہوں۔ عینی تم سے ایک آدھ [illegible] بعد رابطہ کرے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ بیگم آفتاب نے کہا "اچھا تو آپ نے اسے عینی کی حالت نہیں بتائی اسے معلوم ہوگا [illegible] سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہو گئی ہے اور بے ہوش ہو گئی ہے [illegible] فوراً ہی دوڑی چلی آئے گی۔ توبہ ہے ان سہیلیوں کی محبت [illegible] جان بن گئی ہے۔"

ادھر عروج فون پر وکیل اخلاق احمد کا ذکر سن کر مطمئن [illegible]۔ وہ جانتی تھی کہ عینی اخلاق احمد کی بہت عزت کرتی ہے۔ باپ کی جگہ سمجھتی ہے۔ لہٰذا یہ یقین ہو گیا تھا کہ اتنی رات کو عینی دیوانہ وار اس کے پاس نہیں آئے گی۔ اسے سمجھا منا کر وہاں روک لیا جائے گا۔

وہ دل سے چاہتی تھی کہ عینی اپنی کوٹھی میں رہے۔ وہاں وہ محفوظ بھی رہے گی اور آرام سے بھی رہے گی۔ ادھر وہ پاشا جانی کے معاملے میں الجھی ہوئی تھی۔ معاملہ یہ تھا کہ وہ دیوانہ وار اس سے محبت کر رہا تھا۔ وہ اس سے کترا رہی تھی اور دیوانے کا تقاضا تھا کہ اسے محبت کے جواب میں محبت ملے۔ اگر وہ اس سے کتراتی رہے گی۔ تب بھی وہ اپنے حصے کی محبت اسے دیتا رہے گا۔

پھر عروج پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ اس کے ڈیڈی نے پاشا جانی کے والدین سے دشمنی کی تھی۔ اس کے باوجود اس نے انہیں اپنا خون دیا تھا۔ یہ بہت بڑا احسان تھا۔ اس کے سامنے شرم سے اس کا سر نہیں اٹھ رہا تھا اور جب بڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ وہاں سے جا چکا تھا۔

اس کے اس طرح چلے جانے سے وہ اور زیادہ متاثر ہو گئی تھی۔ دل اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا اور بار بار اسے پکار رہا تھا "واپس آ جاؤ۔ میں تمہیں دیکھوں گی۔ تم سے نظریں ملاؤں گی۔ تم مجھ سے کہتے رہے اور میں تم سے کتراتی رہی۔ یہ میں نے اچھا نہیں کیا۔ واپس آ جاؤ پاشا جانی......!"

ابھی وہ نہیں جانتی تھی کہ پاشا جانی کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ بعد میں رہا کر دیا گیا ہے لیکن اب بھی اس کے خلاف انکوائری ہو رہی ہے۔

وہ سوچ رہی تھی، پاشا کے پاس فون ہوتا یا اس کا کوئی کونٹیکٹ نمبر ہوتا تو ابھی اس سے بات کرتی اور شرمندگی ظاہر کرتی کہ اس کی طویل خاموشی کے باعث اسے وہاں سے جانا پڑا۔ اسے واپس آنا چاہیے۔ اس کے ساتھ رات کا کھانا کھانا چاہیے یا کم از کم ایک کپ چائے پینا چاہیے۔ اسے کسی بھی بہانے سے روبرو آنا چاہیے۔

وہ ذیشان کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا اور فون کے ذریعے لاہور کے اپنے ایک سابقہ پڑوسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اسے مخاطب کر کے کہہ رہا تھا "دینا چاچا! میں پاشا جانی بول رہا ہوں۔"

دینا چاچا نے کہا "تم تو کراچی چلے گئے تھے پھر یہاں کیسے بول رہے ہو؟"

"میں لاہور میں نہیں ہوں۔ کراچی سے بول رہا ہوں۔"

"اچھا ہوا پترا جو تم نے فون کیا۔ تم سے ضروری بات کرنی تھی مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تمہارا اتا پتا کیسے معلوم کیا

جائے؟"

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہاں ایک چھوٹا سا مکان خریدوں گا پھر آپ کے پاس آکر اپنا بقیہ سامان لے جاؤں گا۔"

"بیٹے تمہارے بقیہ سامان کی ہی بات کر رہا ہوں۔ یہاں تو ڈکیتی پڑ گئی ہے۔"

پاشا جانی نے چونک کر ذیشان کی طرف دیکھا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ کے گھر میں ڈاکو آئے تھے؟"

"ہاں میرا تو جو کچھ بھی تھا وہ لے گئے لیکن تمہارے صندوق کا تالا توڑ کر بھی بہت کچھ لے گئے ہیں۔"

"چاچا! اس صندوق میں ایک بہت پرانا بریف کیس تھا۔ وہ ہے یا نہیں ہے؟"

"نہیں بیٹا......! وہ نہیں ہے۔"

ذیشان نے پاشا سے کہا "تھانے والوں نے اس ڈکیتی کے متعلق معلومات کی ہوں گی۔ تم ان سے اس تھانے کا نمبر لے لو۔"

پاشا نے فون نمبر پوچھا۔ اسے ایک کاغذ پر لکھ کر ذیشان کی طرف بڑھایا اور ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ اس نے پوچھا "تمہارے صندوق میں کوئی اور قیمتی سامان تھا۔"

"جی ہاں امی کے زیورات تھے۔ وہ چالیس ہزار کے ہوں گے۔ چونکہ بہت پرانے ڈیزائن کے تھے۔ اس لیے میں نے وہ بریف کیس میں رکھ دیئے تھے۔"

"چالیس ہزار اچھی خاصی رقم ہوتی ہے اور تم انہیں وہاں چھوڑ آئے۔ آخر کیوں؟"

"وہاں سے لانے کے لیے بہت سی اور اہم قیمتی چیزیں تھیں۔ مثلاً میرے امی، ابو کی بہت سی البم تھیں پھر ابو کے کپ، ٹرافی وغیرہ جو انہوں نے اپنی جوانی میں جیتے تھے وہ سب یادگار چیزیں وہاں چھوڑ آیا ہوں۔ یہ ایسی قیمتی چیزیں ہیں جو سونے کے زیورات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔"

ذیشان اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے لاہور کے تھانہ انچارج سے رابطہ کیا "ہیلو میں کراچی سے ایس پی ذیشان بول رہا ہوں۔ آپ کے علاقے میں ایک دین محمد نام کا شخص رہتا ہے۔ کل رات اس کے گھر میں چوری ہوئی ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کیا واقعی چوری ہوئی ہے۔ اگر ہوئی ہے تو ڈاکو وہاں سے کیا لے گئے ہیں۔ کیا آپ مختصری معلومات فراہم کر سکتے ہیں؟"

دوسری طرف سے تھانہ انچارج نے کہا "سر! جب ہمیں ڈکیتی کی اطلاع ملی اور ہم وہاں گئے تب تک ڈاکو فرار ہو چکے تھے۔ اس مکان کے دو کمروں کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ بھی کچھ زیادہ نہیں تھا۔ ان کے حالات سے پتا چلتا ہے غریب لوگ ہیں۔ دین محمد بوڑھا ہے۔ کسی کام کے قابل ہے۔ اس کا جوان بیٹا بے روزگار ہے ان کے گھر میں ا ٹی وی بھی نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاکو وہاں کیوں تھے اور وہاں سے کیا لے گئے ہیں؟"

"دین محمد کا کیا بیان ہے؟"

"وہ کہتا ہے کہ ایک صندوق میں لاکھوں رو زیورات چھپا کر رکھے گئے تھے۔ گھر میں پچیس ہزار رو رکھے ہوئے تھے۔ ڈاکو وہ سب لے گئے ہیں۔ یہ تو آپ ہیں، کسی کے ہاں پانچ لاکھ کی چوری ہو تو وہ پچاس ل رپورٹ لکھواتا ہے اور دین محمد تو بالکل ہی کنگال ہے۔ ا پاس پچیس ہزار روپے نقد کہاں سے آئیں گے، اور ل روپے کے زیورات والی بات تو مضحکہ خیز ہے۔ ہم نے بیان لکھ لیا ہے اور انکوائری بھی کر رہے ہیں۔ ویسے یہ ڈ رپورٹ بالکل ہی جھوٹی ہوگی۔ ہم معلوم کرنے کی کر رہے ہیں کہ دین محمد نے یہ ڈرامے بازی کیوں کی۔"

"میں ایک اشارہ آپ کو دیتا ہوں۔ دین محمد ک پڑوسی پاشا جانی ہے۔"

ذیشان نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر "تمہارے والد کا نام کیا ہے؟"

"میرے والد کا نام عظمت پاشا ہے۔"

اس نے فون پر کہا "دین محمد کے پڑوسی کا نام عظمہ تھا۔ اس کے بیٹے پاشا جانی نے پچھلے دنوں ایک فروخت کیا ہے۔ آپ معلوم کریں، کیا یہ درست واقعی پاشا جانی نے کوئی مکان فروخت کیا ہے اور اگر ک وہ مکان کتنے میں فروخت ہوا ہے؟ پاشا جانی نے اپنا اہم سامان ایک صندوق میں بند کر کے دین محمد کے ک امانت کے طور پر رکھا تھا۔ اسی صندوق میں تقریباً چالیہ کے زیورات تھے۔"

تھانہ انچارج نے کہا "سر! بات کچھ سمجھ میں آ رہ دین محمد نے امانت میں خیانت کی ہے۔ پاشا جانی کے میں سے وہ زیور نکلوا لیے ہیں اور ڈکیتی کا ڈراما پلے کیا۔"

ذیشان نے کہا "ایسا ہی کچھ ہوا ہوگا۔ آپ ذرا انکوائری کریں اور یہ بتائیں کہ عظمت پاشا کے مکان ک فروخت کے سلسلے میں مجھے کب تک معلومات فرا گے؟"

"میں ابھی ایک آدھ گھنٹے میں معلوم کرتا ہوں۔

"ٹھیک ہے آپ میرے دفتر کا اور ذاتی موبائل فون نمبر نوٹ کریں۔"

اس نے اپنے دونوں فون نمبر نوٹ کرائے پھر ریسیور رکھتے ہوئے بولا "پاشا! اگر تم ایمان دار ہو تو پھر اس وقت بہت گردش میں ہو اگر دھوکا دے رہے ہو تو ابھی دو چار گھنٹوں میں تمہارا جھوٹ اور فراڈ سامنے آ جائے گا۔"

"میرا ایمان ہے اچھے عمل کا اچھا نتیجہ نکلتا ہے۔ میں دعا کر رہا ہوں کہ موجودہ گردش سے نکل آؤں۔"

اس نے انٹرکام کے ذریعے اپنے ماتحت سے پوچھا "جواد کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟"

"ماتحت نے کہا "سر! ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی ماں نے کس کے ذریعے اس کا ضمانت نامہ حاصل کیا تھا۔ وہ کیسے کیسے ذرائع اختیار کرتی رہتی ہے لیکن جواد بہت ڈھیٹ ہے۔ کوئی بات نہیں اگل رہا ہے ہم نے اس کی اچھی طرح پٹائی کی ہے۔ اب آپ کا حکم ہوگا تو اس پہ تھرڈ ڈگری استعمال کریں گے۔"

"پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ دردانہ بیگم کے پیچھے کیسے کیسے بااختیار لوگ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ فی الحال اسے اس طرح ٹارچر کرو کہ اندر سے چوٹیں لگیں اوپر سے ظاہر نہ ہو کہ ہم نے اس پر زیادتی کی ہے۔"

"یس سر! میں یہی کروں گا۔"

اس نے انٹرکام کو بند کیا۔ پاشا نے کہا "آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے سے زیادہ ماں تیز طرار عورت ہے۔"

"بہت غلط عورت ہے مجرمانہ ذہن رکھتی ہے۔ پتا نہیں ہمارے چچا فلک سکندر حیات نے اس سے کیسے شادی کر لی تھی؟ کیسے اس کے جال میں پھنس گئے تھے۔ وہ تو اب اس دنیا میں نہیں رہے لیکن وہ چڑیل عینی کے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

پاشا نے کہا "عینی ایک بدنصیب امیر زادی ہے۔ میں نے کل سے اب تک یہی اندازہ لگایا ہے جب تک اس کے ساتھ دولت رہے گی تو دشمن اس کے پیچھے لگے رہیں گے اور دشمن ایک نہیں دو نہیں کئی ہیں۔ اب تک تو دو ہی سامنے آئے ہیں۔ جواد اور حشمت کے علاوہ پتا نہیں کتنے چھپے ہوئے ہوں گے۔"

"جواد اور حشمت ظاہر ہو چکے ہیں لیکن چھپے ہوئے دشمن ان سے زیادہ خطرناک ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس طرح کے مجرمانہ اقدامات نہ کریں لیکن ایسی چالیں چلیں جن کے نتیجے میں عینی کو اندر ہی اندر نقصان پہنچتا رہے اور ہم سمجھ نہ پائیں کہ اس کے خلاف کون کیا کر رہا ہے؟"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا "ہاں دشمن ایسی بھی چالیں چلتے ہیں۔"

ذیشان نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "اور جو چال محبت سے چلی جاتی ہے اس کے پیچھے چھپی ہوئی دشمنی یا خود غرضی کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔ تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟"

وہ اس کے سوال کو نہ سمجھ سکا اس نے پوچھا "آپ کس بارے میں میرا خیال پوچھ رہے ہیں؟"

"یہی عینی کے بارے میں، وہ تمہاری طرف مائل ہے۔ تم نے دیکھا، وہ تمہیں رہائی دلانے کے لیے مجھ سے کس طرح لڑتی رہی ہے۔"

"میں عینی کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ اس نے میرے ہاتھوں میں پڑی ہوئی ہتھکڑیاں اتروا دیں۔ میں نے اس سے جو نیکی کی تھی اس سے وہ متاثر تھی۔ اس کے بدلے اس نے مجھ سے یہ نیکی کی ہے۔"

"بات صرف نیکی کی نہیں ہے ذرا اس سے آگے بڑھ گئی ہے۔ اس کے دل میں تمہارے لیے محبت تھی۔ اس لیے اس نے ایسا کیا ہے۔ تمہارا اپنا کیا خیال ہے۔ مجھ سے اپنے دل کی بات مت چھپاؤ جو دل میں ہے صاف کہو۔ میں اس کی بہتری کے لیے تمہارے بارے میں سنجیدگی سے غور کروں گا۔"

ذیشان کی اس بات نے پاشا کو الجھا دیا۔ اس کے دل میں عینی کے لیے ایسی محبت کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ جو مستقبل میں آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔ وہ بولا "ایس پی صاحب! آپ میرے بارے میں غلط رائے قائم کر رہے ہیں۔ میں عینی کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ساری عمر اس کی قدر کرتا رہوں گا لیکن میرے دل میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ میں کسی بھی امیر زادی سے عشق کروں اور اس کی دولت پر عیش کروں۔"

"کسی امیر زادی سے عشق کرنا اور اس کی دولت پر عیش کرنا سراسر مجرمانہ عمل ہے۔ میں صرف محبت کی بات کر رہا ہوں۔ کیا تمہارے دل میں عینی کے لیے محبت ہے۔ کیا تم اسے اپنی شریکِ حیات بنانا چاہتے ہو؟"

اس نے ایک دم سے چونک کر اسے دیکھا پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں ایس پی صاحب آپ اس حد تک نہ سوچیں میں عینی کے بارے میں کبھی ایسا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ وہ بے چاری بہت ہی بھولی ہے۔ بہت معصوم ہے اسے کوئی بھی دھوکا دے سکتا ہے۔ میں دعا کروں گا اسے ایسا چاہنے والا ملے جس کے دل میں محبت ہی محبت ہو۔

دولت کی ہوس نہ ہو۔"

ذیشان اس کے اس جواب سے مایوس ہو کر سوچ میں پڑ گیا۔ عینی نے صاف طور پر کہا تھا کہ وہ پاشا کو چاہتی ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آئی تھی کہ پاشا بھی اسے چاہتا ہے اور محبت کی تالی دونوں ہاتھوں سے بج رہی ہے۔

اس نے پوچھا "اس کا مطلب ہے تم عشق و محبت کے قائل نہیں ہو؟"

"دیکھیے اس عمر میں سبھی جوانوں کے دل دھڑکتے ہیں اور انہیں کسی نہ کسی سے محبت ہوتی ہی ہے۔ جو آگے چل کر دونوں کو لائف پارٹنر بنا دیتی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے دل میں عینی کے لیے عزت ہے۔ عقیدت ہے۔"

ذیشان نے گہری سانس لی اور کہا "جب سے تم میرے سامنے آئے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں، تم سچی اور سیدھی باتیں کر رہے ہو۔ تمہاری اس صاف گوئی نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ تمہارے دل میں دولت کی ہوس نہیں ہے میری بہن بے انتہا دولت مند ہے وہ تمہیں چاہنے لگی ہے لیکن تم نے وضاحت کر دی ہے کہ اس کے لیے تمہارے دل میں احترام ہے۔ آج سے میں تمہاری بہت عزت کروں گا اور یہ کبھی تسلیم نہیں کروں گا کہ تم نے جواد کے آٹھ لاکھ روپے چرائے ہیں۔"

"آپ کی اس محبت اور اعتماد کا بہت بہت شکریہ۔ میں اس وقت خود کو بہت ہی خوش نصیب سمجھ رہا ہوں۔"

"ویسے تمہاری صاف گوئی نے مجھے فکر میں مبتلا کر دیا ہے۔"

اس نے تعجب سے پوچھا "آپ کس فکر میں مبتلا ہو گئے ہیں؟"

"عینی میری بہت ہی معصوم اور بہت ہی پیاری بہن ہے۔ اسے زندگی میں کبھی کسی کا سچا پیار نہیں ملا۔ اس کے آس پاس جتنے بھی ہیں سب فریبی ہیں اب وہ ایک سچے اور بے غرض ساتھی کی طرف بڑھ رہی ہے لیکن اسے مایوسی ہی مایوسی ملے گی۔"

پاشا نے سر جھکا لیا اس نے پوچھا "ایک بات بتاؤ۔ میری عینی خوب صورت نہیں ہے؟"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ تو بہت ہی خوب صورت ہیں بہت ہی اچھی ہیں۔ ہر پہلو سے محبت کیے جانے کے قابل ہیں۔"

"تو پھر تمہارے دل میں اس کے لیے محبت کیوں نہیں ہے؟"

وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کچھ کہتے ہوئے ہچکچانے لگا۔

ذیشان نے پوچھا "دیکھو تمہارے دل میں جو کچھ ہے، مجھ سے نہ چھپاؤ۔ صاف صاف کہو کیا کسی اور کو چاہتے ہو؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ ذیشان نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا "اوہ گاڈ! یہ تو میری عینی کے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔ اگر اسے پیار کے جواب میں پیار نہ ملا تو وہ بالکل ہی ٹوٹ جائے گی۔ وہ بچپن ہی سے جھوٹ اور فریب کے چہرے دیکھتی آ رہی ہے۔ اب اسے ایک ایسا شخص ملا ہے جسے وہ اپنا سکتی ہے مگر اپنا نہیں سکے گی۔ تم اس کے لیے خوابوں اور خیال بن کر رہ جاؤ گے اور وہ اپنی زندگی تباہ کر لے گی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں عینی کو سمجھاؤں گا۔ آپ بھی سمجھائیں گے۔ عروج بھی سمجھائے گی تو رفتہ رفتہ وہ سمجھ لے گی۔"

ذیشان اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے کے انداز میں بولا "میں اکثر سوچتا تھا کہ اپنی بہن کے لیے کس طرح سچی خوشیاں خرید سکتا ہوں۔ کیونکہ دولت سے اسے صرف جھوٹ ہی جھوٹ مل رہا ہے۔ میں اس کی خوشیوں کی خاطر تمہیں خرید نہیں سکتا اور تم کوئی بکنے والے انسان نہیں ہو پھر بھی پوچھتا ہوں۔ کیا کوشش کرو تو عینی سے محبت نہیں کر سکو گے!"

"ایک محبت ہی ایسا جذبہ ہے جو اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ یہ جذبہ بے اختیار کسی کی طرف لے جاتا ہے اور جب لے جاتا ہے تو واپسی کا راستہ بالکل ہی مٹا دیتا ہے۔"

ذیشان نے پاشا کو دیکھا اس کا چہرہ، اس کی باتیں اس کے ارادے بتا رہے تھے کہ وہ اپنی محبت میں بہت ہی اعتماد، مستحکم اور پُرعزم ہے اس کے سامنے میز پر عینی کا موبائل فون رکھا ہوا تھا۔ وہ بولا "جب تم میرے ساتھ یہاں آ رہے تھے۔ تو عینی نے کتنی محبت اور اعتماد سے یہ فون تمہیں دیا تاکہ تم اس سے رابطہ کرتے رہو۔"

"جی ہاں میں نے اسے اسی لیے اپنے سامنے رکھا۔ کہ میرے متعلق آپ کی انکوائری ختم ہو جائے گی تو میں سب سے پہلے اسے ہی خوش خبری سناؤں گا۔"

"میری انکوائری ختم ہو چکی ہے میں تمہاری طرف سے مطمئن ہوں۔ تم اس سے رابطہ کر سکتے ہو۔"

اس نے موبائل فون کو میز پر سے اٹھایا۔ ذیشان نے کہا "جسٹ اے منٹ اب جبکہ تمہیں عینی کے دلی جذبات کا احساس ہو چکا ہے۔ تو تم اس سے کیا بات کرو گے؟"

"میں اسے اپنے بارے میں بتاؤں گا کہ آپ مجھ پر کسی طرح کا شبہ نہیں کر رہے ہیں اور شاید اب یہاں سے جانے کی اجازت دے دیں گے۔"

"وہ جواباً بہت ہی محبت سے بولے گی پھر کیا کرو گے؟"

"آپ اپنی بہن کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ بہت حیا والی ہے۔ کبھی کھل کر باتیں نہیں کرے گی۔ اگر وہ اشارے کنائے میں کچھ کہے گی تو میں اسے اشاروں میں اچھی اچھی باتیں سمجھاؤں گا۔ آپ میری طرف سے اطمینان رکھیں۔"

"تمہاری طرف سے اطمینان ہے۔ اسی لیے میں عینی سے رابطہ رکھنے کی اجازت دے رہا ہوں۔"

پاشا نے موبائل کے نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد فلک آفتاب کی آواز سنائی دی "ہیلو میں فلک آفتاب بول رہا ہوں۔"

اس نے کہا "السلام علیکم میں پاشا جانی بول رہا ہوں۔ عینی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا تم ذیشان کے دفتر میں ہو؟"

"جی ہاں میں ان کے پاس ہی بیٹھا ہوں یہ میرے سامنے ہیں۔"

"فون ذیشان کو دو۔"

پاشا نے فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "آپ کے والد گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

ذیشان نے فون لے کر کان سے لگایا اور کہا "ہیلو ڈیڈی! عینی کہاں ہے؟"

"بیٹا کچھ نہ پوچھو۔ اس نے تو ایک بہت بڑا طوفان کھڑا کیا ہوا ہے۔"

"اب کیا ہو گیا؟"

فلک آفتاب اسے بتانے لگا کہ عروج نے اس کی خاطر اپنا گھر چھوڑ دیا ہے۔ وہ بھی گھر چھوڑ کر جانا چاہتی تھی۔ وکیل اخلاق احمد نے آ کے اسے روک دیا۔ وہ نئے سیکورٹی گارڈز لے کر آیا ہے اور اس پر سخت پابندیاں عائد کر رہا ہے۔ کہتا ہے جب تک دشمنوں کو قرار واقعی سزا نہیں ملے گی۔ اس وقت تک وہ گھر سے باہر قدم نہیں نکالے گی۔"

"وکیل اخلاق احمد کا یہ رویہ بالکل درست ہے۔ یہی ہونا چاہیے۔"

"بیٹا تم جانتے ہو کہ عینی کتنی ضدی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر اپنا پستول لے آئی تھی اور اس نے ایک فائر بھی کیا تھا پھر اس پستول کو اپنی کنپٹی سے لگا کر کہنے لگی، کوئی اس کا راستہ روکے گا تو وہ اپنی جان دے دے گی۔ خودکشی کر لے گی۔"

ذیشان نے پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اوہ گاڈ! یہ تو عروج کی محبت میں بالکل پاگل ہو جاتی ہے پھر کیا ہوا کیا وہ عروج کے پاس گئی ہے؟"

"نہیں بیٹے اتفاقاً اس کا پاؤں سیڑھی پر لڑکھڑا گیا اور وہ نیچے گر پڑی۔ بری طرح زخمی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا تھا۔ جلد ہی ہوش میں آ گئی تھی لیکن ڈاکٹر نے اسے نیند کا انجکشن دیا ہے۔ اب وہ گہری نیند میں ڈوبی ہوئی ہے۔"

"ٹھیک ہے ڈیڈ! میں فون بند کر رہا ہوں۔ یہاں جواد کے معاملے سے نمٹ کر جلد از جلد گھر آنے کی کوشش کروں گا۔"

اس نے فون بند کر کے موبائل پاشا کو دیا پھر اسے عینی کے بارے میں تفصیلی باتیں بتانے لگا۔ پاشا نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا "میں کل سے ان دونوں سہیلیوں کو دیکھتا آ رہا ہوں۔ واقعی یہ دونوں ایک دوسرے کی دیوانی ہیں۔ خدا کا شکر ہے اب وہ گہری نیند میں ہے۔ آپ صبح تک ایسا کریں کہ وہ بیدار ہونے کے بعد عروج کی طرف نہ جائے بلکہ عروج اس کے پاس آ جائے۔"

ذیشان نے تائید میں سر ہلا کر کہا "میں یہی کروں گا۔ اس کا وکیل اخلاق احمد بہت ہی سمجھ دار ہے۔ اس نے اس کے تحفظ کے لیے مزید اقدامات کیے ہیں اور ہمیں ان انتظامات کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔"

پاشا نے پوچھا "کیا میں جا سکتا ہوں۔"

"ہاں جاؤ مگر کل صبح سے پہلے اسے فون نہ کرنا۔ اسے گہری نیند سونے دو۔"

"جی ہاں میں فون نہیں کروں گا۔ اتنا جانتا ہوں کہ جب بھی وہ نیند سے بیدار ہوگی تو مجھے فون ضرور کرے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ذیشان نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔ آئندہ بھی ملتے رہو گے ناں؟"

"یس سر! میں ضرور آپ سے ملوں گا۔"

وہ اس دفتری عمارت سے باہر آ گیا۔ وہاں اس کی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ٹیکسی سے لگ کر سوچنے لگا "رات کے گیارہ بج رہے ہیں کیا عروج سو گئی ہوگی؟ میں نے اس کے سامنے اس کے باپ کی سنگ دلی اور بے حسی کا ذکر کیا تھا اور اسے شرمندہ کیا تھا۔ وہ شرم سے سر نہیں اٹھا رہی تھی اور میں چلا آیا تھا۔

میرے یوں چلے آنے کا ردِعمل کیا ہوا ہوگا؟

"کیا اس کے دل نے اسے تڑپایا ہوگا؟ اور اس نے تڑپ کر مجھے پکارا ہوگا؟"

اس نے موبائل فون کو دیکھا پھر بڑے پیار سے اسے سہلاتے ہوئے کہا "آؤ میں تمہیں پکارتا ہوں......"

☆☆☆

کوئی ضروری نہیں کہ گاڑی پیٹرول سے چلتی ہو۔ بعض اوقات ریوالور کے زور پر بھی چلتی ہے۔ اس وقت دردانہ بیگم کے سر سے ریوالور کی نال لگی ہوئی تھی اور وہ گاڑی چلائے جا رہی تھی۔

وہ بیٹے کو قانون کی گرفت سے رہائی دلانے کے لیے بھاگ دوڑ میں لگی ہوئی تھی۔ ایسے وقت خود ہی ایک ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پیچھے کون ہے؟ اور اسے کہاں لے جانا چاہتا ہے؟

وہ راستہ بتاتا جا رہا تھا۔ وہ چلتی جا رہی تھی پھر وہ ایک محل نما کوٹھی کے بڑے آہنی گیٹ کے سامنے پہنچ گئی۔ اس گیٹ کے ایک طرف پیتل کی چمک دار نیم پلیٹ تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا ''شہباز درّانی......''

اس نے گیٹ کے سامنے گاڑی روکی۔ دو مسلح گارڈز تیزی سے چلتے ہوئے آئے اور کار کے اندر جھانکتے ہوئے کہنے لگے ''کون ہو تم؟''

پچھلی سیٹ سے ایک شخص نے ابھرتے ہوئے کہا ''میں ہوں دروازہ کھولو۔''

فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ بڑا سا آہنی گیٹ کھلتا چلا گیا اور اس کے پیچھے بہت دور تک وسیع و عریض باغیچے کے ساتھ ایک جگمگاتی ہوئی کوٹھی دکھائی دینے لگی۔ اندر دور تک مسلح گارڈز الرٹ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ڈرائیو کرتی ہوئی پورچ میں آ کر رک گئی۔ ایک مسلح گارڈ نے آ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ جب وہ باہر نکلا تو اس کا ایک بازو اور لباس خون سے تر بتر تھا۔ اس کی پرسنل سیکریٹری دوڑتی ہوئی آئی پھر چیخ کر بولی ''فوراً ڈاکٹر کو فون کرو۔''

وہ اپنے زخمی بازو کو تھام کر بولا ''ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔ گولی میرے بازو میں گھسی ہوئی ہے۔ میں اسے نکال لوں گا۔ آپریشن کا سامان نکالو۔''

سیکریٹری نے اسے پریشان ہو کر دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا باس کس قدر ضدی ہے پھر بھی اس نے سمجھانے کے لیے کہا ''سر! یہ مناسب نہیں ہوگا۔ میں کسی سرجن کو فون کرتی ہوں۔''

''یو شٹ اپ...... ڈو واٹ آئی سے...... ہری اپ!''

وہ پلٹ کر دوڑتی ہوئی کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ دردانہ اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی تھی اور حیرانی سے شہباز درّانی کو دیکھ رہی تھی۔ حیرانی اس بات پر نہیں تھی کہ وہ ادھیڑ عمر کا ہونے کے باوجود بہت ہی صحت مند اور جاندار تھا۔ گولی بازو میں گھسی ہوئی تھی۔ ایسی حالت میں بدن کے اندر آگ سی لگی ہوتی ہے اسے تکلیف کے باعث کم از کم کراہنا چاہیے تھا لیکن وہ دوسرے ہاتھ سے زخمی بازو کو تھام کر تن کر کھڑا ہوا تھا۔ وہاں سے جانا ہی چاہتا تھا۔ تب دردانہ نے اسے مخاطب کیا ''شہباز!''

وہ جاتے جاتے رک گیا۔ پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے بولا ''اوہ گاڈ! دردانہ یہ تم ہو؟''

دردانہ نے فوراً ہی قریب آ کر اسے تھام کر پوچھا ''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہاں سے زخمی ہو کر آ رہے ہو؟''

''اندر چلو۔''

وہ اس کے ساتھ اندر آ گئی۔ ایک کمرے میں ایزی چیئر کے پاس ایک سینٹر ٹیبل پر آپریشن کا تمام سامان لا کر رکھا جا رہا تھا۔ فوری طبی امداد کا ایک بڑا سا بیگ بھی رکھا ہوا تھا۔ وہ دردانہ کے ساتھ چلتا ہوا آ کر اس ایزی چیئر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ دردانہ نے اپنا موبائل فون نکال کر پوچھا ''تمہارا قابلِ اعتماد ڈاکٹر کون ہے۔ اس کا نمبر بتاؤ۔''

وہ سخت لہجے میں بولا ''میں کہہ چکا ہوں خود گولی نکال لوں گا۔ میں اتنا بزدل اور کمزور نہیں ہوں۔''

وہ غصے سے بولی ''بکواس مت کرو!''

یہ ایسے توہین آمیز الفاظ تھے کہ وہ لیڈی سیکریٹری اور تمام سیکورٹی گارڈز اپنے باس کی توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی اپنی گن کا رخ اس کی طرف کیا۔ وہ دوسرے ہی لمحے میں اسے گولیوں سے بھون کر رکھ دیتے۔ شہباز درّانی نے فوراً ایک ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا ''نو...... لٹ ڈاؤن یور گنز...... اینڈ سلیوٹ ہر......''

فوراً ہی حکم کی تعمیل کی گئی۔ انہوں نے اپنی اپنی گن نیچے کر کے دردانہ کو سلیوٹ کیا۔ اس نے انہیں حیرت سے دیکھا پھر شہباز درّانی سے کہا ''تم اتنی طاقت اور اتنا رعب و دبدبہ رکھتے ہو پھر بھی خودکشی کرنا چاہتے ہو؟ میں مانتی ہوں کہ تم بہت ہی دلیر اور سخت جان ہو لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ خطرے سے خواہ مخواہ کھیلتے رہو۔ ابھی تم گولی خود نکال لو گے لیکن اس کے بعد خون کی ضرورت ہوگی۔ تمہیں خون دینے کے انتظامات کرنے ہوں گے یہ کیسے ہوگا؟''

پھر وہ سیکریٹری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''فوراً کسی سرجن کو فون کرو۔ ایسا جو قابلِ اعتماد ہو۔''

لیڈی سیکریٹری نے شہباز کی طرف دیکھا۔ وہ بولا ''یہ تم سب کی میڈم ہیں۔ ان کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے۔''

سیکریٹری نے فوراً ہی موبائل کے ذریعے ڈاکٹر سے

رابطہ کیا اور اسے فوراً حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دردانہ اس کے پاس گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ وہ بولا ''ڈاکٹر کے آنے تک مجھے گولی تو نکال لینے دو۔ بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ تم میری فکر مت کرو میں آگ اور خون سے کھیلتا رہتا ہوں۔ گولی نکلنے کے بعد خون بہتا رہے گا تو میں عارضی طور پر اسے روکنا جانتا ہوں پھر ڈاکٹر آ کر مجھے سنبھال لے گا۔''

دردانہ دیکھ رہی تھی۔ وہ واقعی بہت تکلیف میں مبتلا تھا لیکن بڑے صبر سے اور جبر سے تکلیف برداشت کر رہا تھا۔ اس نے کہا ''ٹھیک ہے۔ تم گولی نکالو۔''

اس نے قینچی اٹھا کر اپنی آستین کو کاٹا پھر اس آستین کو پھاڑ کر الگ کر دیا۔ بازو کے جس حصے میں گولی لگی ہوئی تھی۔ وہ حصہ سوج گیا تھا۔ اس نے چاقو لے کر اس حصے کو کاٹا پھر تکلیف سے کراہنے لگا۔ اس نے چاقو سے اس حد تک جگہ بنائی کہ گولی باہر نکل سکے پھر وہ ایک چمٹا نما آلہ لے کر اس کے ذریعے گولی باہر نکالنے لگا۔ دردانہ اور لیڈی سیکریٹری نے آنکھیں بند کر لیں۔ شہباز درّانی کی ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو گولی نکل چکی تھی۔

اس کی آنکھیں تکلیف کی شدت سے بند ہو رہی تھیں۔ جیسے وہ بے ہوش ہونے والا ہے۔ اس کے باوجود ایسا سخت جان ایسا دلیر تھا کہ اس زخم پر مرہم لگا کر پٹی باندھ رہا تھا۔ اس کا خاص بھروسے والا ڈاکٹر کوٹھی کے ایک حصے میں رہتا تھا۔ وہ فوراً ہی حاضر ہو گیا پھر اس کی مرہم پٹی کرنے لگا۔ تکلیف کم کرنے کے لیے انجکشن لگانے لگا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں شاید بے ہوش ہو گیا تھا یا گہری نیند میں ڈوب گیا تھا۔

اس کے ملازم ایک اسٹریچر لے کر آئے۔ اسے اس پر ڈال کر بیڈ روم میں لے گئے پھر اسے بڑے آرام سے بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ دردانہ اس کے بیڈ روم میں آ گئی۔ اسے دیکھتی رہی۔ اس کے گھریلو ملازم بھی ہمیشہ مسلح رہتے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی پتا نہیں یہ شہباز درّانی کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ جب وہ ملازم چلے گئے تو اس نے لیڈی سیکریٹری سے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے۔''

اس نے کہا ''میرا نام تہمینہ ہے۔ اب باس کو یہاں آرام سے سونے دیں۔ ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔''

''نہیں میں اسی کمرے میں رہوں گی۔''

وہ پریشان ہو کر کبھی اسے اور کبھی اپنے باس کو دیکھنے لگی۔ دردانہ نے کہا ''کیا تمہیں یاد نہیں ہے؟ شہباز نے کیا کہا تھا؟ میرے ہر حکم کی تعمیل کی جائے اور میرا حکم ہے، تم یہاں سے جاؤ۔''

تہمینہ کے چہرے سے پتا چل رہا تھا۔ جیسے وہ حکم ماننا نہیں چاہتی ہے اپنے باس کو اس کے پاس تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی ہے لیکن وہ مجبور تھی۔ دردانہ نے کہا ''کیا تم نے نہیں سنا۔ جاؤ یہاں سے۔''

وہ پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ دردانہ نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا پھر آہستہ سے چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آ گئی۔ شہباز درّانی کو توجہ سے دیکھنے لگی۔ بیڈ کے سرے پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔

جب وہ چودہ برس کی تھی۔ تب شہباز اس کی زندگی میں آیا تھا۔ وہ اٹھارہ برس کا تھا۔ اسے باڈی بلڈنگ کا شوق تھا اور وہ سیاست سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ اتنا ذہین تھا کہ سولہ برس کی عمر میں جب اس نے بورڈ کا امتحان پاس کیا تو صوبے بھر میں اول آیا تھا۔ وہ اس وقت سے سیاست دانوں کے ساتھ رہتا تھا۔ ان کی خدمت کرتا تھا اور ان سے فائدے اٹھاتا تھا۔ ایک سیاست دان اناڑی تھا۔ دولت کے اور طاقت کے بل پر اسمبلی پہنچ گیا تھا۔ وہ شہباز درّانی کے مشوروں پر عمل کرتا تھا اور اس طرح عمل کرتے کرتے ایک صوبے کا وزیر بن گیا تھا۔ اس وزیر نے اسے حکومت کے اخراجات پر اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن بھیج دیا تھا۔

شہباز درّانی ملک سے باہر لندن پہنچتے ہی ہاتھ پاؤں پھیلانے لگا۔ سیاسی چالیں چلنے لگا۔ وہ ابتداء ہی سے اپنے ملک کے تمام سیاست دانوں کی کمزوریاں معلوم کرتا رہتا تھا اور ثبوت بھی حاصل کرتا رہتا تھا۔ لندن پہنچ کر اس نے ہاتھ پاؤں پھیلانے شروع کیے۔ وہاں سے وہ واشنگٹن پہنچ گیا۔ وہ اس قدر خوب رو اور پرکشش تھا کہ واشنگٹن کے سیاست دانوں کی بیگمات اس میں دلچسپیاں لینے لگی تھیں۔ اپنے شوہر سیاست دانوں کے ذریعے رفتہ رفتہ اسے اس منزل تک پہنچا رہی تھیں، جہاں تک وہ پہنچنا چاہتا تھا۔ بارہ برس کی طویل جدوجہد کے بعد وہ امریکی ''سی، آئی، اے'' کے چیف کی آنکھوں کا تارا بن گیا۔ سی، آئی، اے ''ایف، بی، آئی'' اور امریکی ملٹری انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسران کی متفقہ رائے تھی کہ یہ جوان قابلِ اعتماد ہے اور ان کے لیے پاکستان میں رہ کر خفیہ ہاتھ کے طور پر کام کر سکتا ہے۔

وہ بتیس برس کی عمر میں امریکن خفیہ ایجنٹ کی حیثیت سے پاکستان واپس آ گیا۔ یہاں رہ کر وہ ایک ایک سیاست دان اور فوج کے ایک ایک اعلیٰ افسر کی پوری ہسٹری معلوم کرتا رہتا تھا۔ ان کے مزاج کو اور ان کی پالیسیوں کو سمجھتا رہتا تھا۔ خاص طور پر یہ اہم معلومات حاصل کرتا رہتا تھا کہ ان میں سے کون

امریکا کا وفادار رہ سکتا ہے اور کون کس وقت غداری کر سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ پاکستان میں امریکا کا ایک قابلِ اعتماد خفیہ ہاتھ بن گیا تھا۔

یہ شہباز دُرّانی کی مختصری ہسٹری تھی۔ دردانہ نہیں جانتی تھی کہ شہباز اس سے جدا ہو جانے کے بعد کیا کرتا رہا ہے؟ اور کن مراحل سے گزرتا ہوا آج ایسی شاہانہ زندگی گزار رہا ہے کہ اس کے ادنیٰ ملازم بھی مسلح رہتے ہیں۔ وہ اس کی قوت اور ذرائع آمدنی کو نہیں جانتی تھی۔

جب وہ نویں جماعت کی طالبہ تھی، تب شہباز اس کی زندگی میں آیا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی تھی۔ شہباز نے دوسری ملاقات پر کہا ''میں لڑکیوں سے دور بھاگتا ہوں۔ پتا نہیں کیوں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ نہ جانے تمہارے اندر کیا بات ہے کہ میں بے اختیار تمہاری طرف کھنچا چلا آتا ہوں؟''

یہ سنتے ہی وہ اس کی طرف کھنچی چلی آئی۔ وہ ایسا قد آور پہاڑ جیسا تھا کہ اس کے بازوؤں میں چھپ کر وہ تمام دنیا والوں کی نظروں سے گم ہو جاتی تھی۔ اس کی پناہ میں آ کر خود کو بھی بھول جاتی تھی۔

وہ ایک برس بعد بولی ''مجھ سے شادی کر لو۔''

وہ بولا ''تم میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی ہو۔ میں تم سے ہی شادی کروں گا لیکن ابھی نہیں...... میرے عزائم بہت بلند ہیں۔''

''تم اپنے ارادوں کے مطابق جو کرنا چاہتے ہو وہ شادی کے بعد بھی تو ہو سکتا ہے؟''

''نہیں۔ شادی کے بعد انسان بہت سے جھمیلوں میں الجھ جاتا ہے اور میں اپنے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں چاہتا۔ آگے چل کر تم میری کمزوری بنتی چلی جاؤ گی۔ میں ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ لہٰذا میرا انتظار کر سکتی ہو تو کرو۔ پانچ برس، دس برس، جتنا بھی عرصہ گزرتا ہے گزرنے دو۔

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے شہباز کو دیکھا پھر کہا ''میں وعدہ کرتی ہوں۔ کبھی تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ شادی کے بعد تمہاری زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈالوں گی۔ مجھے اپنے نام کر کے چاہے کسی بھی جگہ چھوڑ دو۔ میں وہاں تمہارا انتظار کرتی رہوں گی۔ بس کبھی کبھی مجھ سے ملتے رہنا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتی۔''

''سوری دردانہ! میں کہہ چکا ہوں، میری پرواز بہت اونچی ہے۔ میرا نشیمن تمہارا سلگتا ہوا بدن نہیں ہے۔ میں قصرِ سلطانی کے گنبد پر پہنچنا چاہتا ہوں اور ایک دن پہنچ کر رہوں گا۔''

دردانہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کوشش کرے گی، چاہے کتنے ہی برس گزر جائیں، اس کا انتظار کرتی رہے گی مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس کے والدین نے مجبور کیا تو اسے شادی کرنی پڑی۔ اس کے عزائم بھی بلند تھے۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ دولت مند گھرانے میں بیاہ کر جانا چاہتی تھی۔ جس سے اس کی شادی ہوئی وہ ایک امیر کبیر شخص تھا لیکن جواد کی پیدائش کے بعد ہی اسے بیوگی کا داغ دے گیا اور اپنی تمام دولت و جائداد اس کے لیے اور اپنے بیٹے کے لیے چھوڑ گیا۔

دردانہ نے کئی برس تک دوسری شادی کے بارے میں نہیں سوچا لیکن پھر دولت کی ہوس نے مجبور کیا تو اس نے فلک سکندر حیات سے شادی کر لی۔ وہ ایک بیٹی کا باپ تھا۔ دردانہ نے سوچا کہ فلک سکندر کو اپنے شکنجے میں جکڑ کر رکھنے کے لیے اس کی بیٹی پر بھرپور ممتا نچھاور کرنا ہو گی۔ وہ جانتی تھی کہ ایسا کرنے سے دودھ بھی حاصل ہو گا اور بالائی بھی......

ایسی بڑی بڑی پلاننگ کرتے وقت انسان اپنے مقدر کو بھول جاتا ہے۔ یہ یاد نہیں رکھتا کہ جو مجھے منظور ہوتا ہے، وہی آگے چل کر اس کے سامنے آتا ہے پھر آگے چل کر جو کچھ ہوا وہ آج دردانہ کے سامنے تھا۔

وہ اپنی اور شہباز کی عمر کا حساب کرنے لگی۔ وہ چودہ برس کی عمر میں ملا تھا اور ایک برس بعد ہی بچھڑ گیا تھا۔ سولہ برس کی عمر میں اس کی شادی ہوئی۔ ایک برس بعد جواد پیدا ہوا پھر اس کے دو برس بعد وہ بیوہ ہو گئی۔ بیوگی کے سات برس گزارنے کے بعد یعنی جب وہ پچیس برس کی ہوئی تو اس نے فلک سکندر حیات سے شادی کر لی۔ دوسری شادی کے پانچ برس بعد ہی دوبارہ بیوہ ہو گئی اور اب وہ پورے چالیس برس کی تھی۔ اس حساب سے شہباز دُرّانی چوالیس برس کا تھا۔

اس نے شہباز دُرّانی کو دیکھا۔ وہ آج بھی مضبوط چٹان کی طرح تھا۔ اسے گزرے ہوئے دن یاد آنے لگے تو یوں لگا جیسے کل ہی کی بات ہو۔ بستر سونے کے لیے ہوتا ہے مگر اس کے اس عاشقِ دلدار نے ایسے ہی ایک بستر پر اسے بچپن کی نیند سے جگایا تھا اور ایسا جگایا تھا کہ وہ آج تک غیر شعوری طور پر اس کے لیے جاگ رہی تھی اور جاگتے جاگتے بھٹکتے بھٹکتے آج ایک بار پھر اس بستر کے سرے پر پہنچ گئی تھی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔ وہ بیڈ سے اتر کر دروازے کے پاس آئی پھر بولی ''کون ہے؟''

باہر سے آواز آئی ''ڈاکٹر۔''

اس نے دروازہ کھول دیا۔ ڈاکٹر نے کہا ''میں نے باس

کو بلڈ دینے کے انتظامات کیے ہیں۔''

اس کے پیچھے ایک اسسٹنٹ تھا۔ اس کے پاس خون کی بوتل اور دوسرا ضروری سامان تھا۔ وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ کمرے کے اندر آ گئے۔ ان کے پیچھے لیڈی سکریٹری تہمینہ تھی۔ وہ بولی ''میڈم! میں آپ سے کھانے کے لیے پوچھنا چاہتی تھی لیکن آپ نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ آپ میرے ساتھ کچن میں آنا چاہیں گی یا ڈائننگ روم میں جانا چاہیں گی۔''

اس وقت دردانہ پر دوہرے جذبات حاوی تھے۔ ایک تو یہ کہ برسوں کا بچھڑا ہوا محبوب مل گیا تھا اور اسے دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت ہی دولت مند، طاقت ور اور نہ جانے کیا کیا بن چکا ہے؟

دوسری طرف بیٹے کے لیے جذبات حاوی تھے کہ وہ حوالات میں ہے اور ذیشان نہ جانے اس کے ساتھ کیسا سلوک کر رہا ہو گا؟ بھوک تو لگ رہی تھی مگر کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے تہمینہ کو دیکھ کر کہا ''میں ابھی کچھ نہیں کھاؤں گی۔''

''میڈم! اگر میں نے آپ کی خاطر داری نہ کی تو باس مجھے سزا بھی دیں گے اور ملازمت سے بھی نکال دیں گے۔ پلیز میڈم! چاہے ذرا سا ہی سہی لیکن کچھ کھا لیں۔''

دردانہ نے سوچا۔ اس لیڈی سیکریٹری سے شہباز کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہیے۔ اس نے ذرا سوچنے کے بعد مسکرا کر کہا ''ٹھیک ہے۔ ہم کچن میں چلتے ہیں۔''

ڈاکٹر ٹریٹمنٹ میں مصروف تھے۔ وہ دونوں کچن میں آ گئیں۔ وہاں ایک چھوٹی سی میز تھی۔ وہ دونوں اس کے اطراف آ کر بیٹھ گئیں۔ تہمینہ نے خانساماں کو حکم دیا کہ وہ کھانا گرم کر کے لے آئے۔ وہ حکم کی تعمیل کرنے لگا۔ اس نے دردانہ کی طرف جھک کر کہا ''ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں ہاں...... پوچھو......! میں بھی تم سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔''

''آپ کا نام دردانہ ہے؟''

وہ چونک کر بولی ''تم کیسے جانتی ہو؟''

اس نے ایک گہری سانس لی پھر کہا ''آج باس کے رویے سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ دردانہ ہی ہو سکتی ہیں۔ پتا ہے؟ وہ مجھے تہمینہ نہیں کہتے ہیں۔''

''پھر کیا کہتے ہیں؟''

''وہ مجھے دردانہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ انہیں یہی نام پسند ہے۔ مجھ سے پہلے جو سیکریٹری تھی باس اسے بھی دردانہ کہتے تھے۔''

دردانہ سن رہی تھی۔ خوش ہو رہی تھی۔ دل شہباز کے لیے محبت سے بھر گیا تھا۔ اس نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر پوچھا ''باس تو تم پر بہت مہربان ہوں گے؟''

''وہ بہت سخت اور اصول پسند انسان ہیں۔ صرف کام کی باتیں کرتے ہیں۔ کوئی غیر ضروری بات کی جائے تو بالکل لحاظ نہیں کرتے۔ ایسے شخص کو سزا کے طور پر جاب سے نکال دیتے ہیں یا پھر ایک الٹا ہاتھ رسید کر دیتے ہیں۔''

پھر وہ ذرا سر جھکا کر بولی ''ایک بار میں بھی مار کھا چکی ہوں۔ آپ بہت خوش نصیب ہیں۔''

دردانہ نے ایک ذرا چہک کر پوچھا ''وہ کیسے......؟''

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی ''باس بہت ہی پتھر دل ہیں۔ کبھی کسی عورت کی طرف نہیں جھکتے۔ کوئی حسین سے حسین عورت بھی ان کے سامنے چلی آئے تو وہ ایسے منہ پھیر لیتے ہیں۔ جیسے اس پر تھوک کر گزر رہے ہوں۔''

دردانہ خوشی سے کھل رہی تھی۔ یہ سوچ کر فخر کر رہی تھی کہ شہباز دُرّانی جیسا شہزور جواں مرد صرف اس کا ہے۔ برسوں کی طویل جدائی کے باوجود اس نے کسی دوسری عورت کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ صرف اس کا انتظار کرتا رہا اور ایسے انتظار کرتا رہا کہ جو لڑکی اس کے قریب آئی تو اس نے اسے دردانہ کہہ کر مخاطب کیا۔ اتنی بڑی دنیا میں کوئی عورت تو کیا۔ کسی عورت کا نام بھی اسے پسند نہیں آیا تھا۔ اگر پسند تھا تو صرف ایک نام اور وہ تھا...... دردانہ!

اس نے پوچھا ''باس کرتے کیا ہیں؟''

خانساماں کھانا لگا چکا تھا۔ تہمینہ نے ایک ڈش اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''سچ پوچھیں تو میں خود نہیں جانتی کہ وہ کیا کرتے ہیں۔''

''تم ان کی پرسنل سیکریٹری ہو، تمہیں تو معلوم ہونا چاہیے۔''

''بس اسی حد تک معلوم ہے کہ بڑے بڑے مشہور و معروف ملکی اور غیر ملکی سیاست دانوں سے ان کے تعلقات ہیں۔ دن رات ان کے فون آتے رہتے ہیں یا پھر یہ فون کرتے ہیں۔''

وہ ایک گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے بولی ''کبھی تم بھی تو فون کال اٹینڈ کرتی ہو گی؟''

تہمینہ نے ایک لقمہ چبانے کے بعد اسے حلق سے اتارتے ہوئے کہا ''ہاں...... فون میں ہی اٹینڈ کرتی ہوں پھر ڈیل کم کرنے کے بعد باس کی طرف بڑھا دیتی ہوں۔''

''کوٹھی کے اندر اور باہر مسلح افراد کی فوج ہے۔ کیا تمہارے باس کو اتنی تعداد میں مسلح افراد رکھنے کی قانونی اجازت ہے؟''

میں نے کہا نا۔ باس کے تعلقات بہت وسیع ہیں۔ اسلام آباد تو کوئی چیز ہی نہیں ہے واشنگٹن سے ان کی کالیں آتی رہتی ہیں۔''

دردانہ بیگم نے اپنے بیٹے کے بارے میں سوچا پھر پوچھا ''کیا باس کی پہنچ پولیس کے شعبے تک ہے؟''

تہمینہ نے حقارت سے کہا ''پولیس کا شعبہ کیا چیز ہے؟ وہ اوپر سے لے کر نیچے تک تمام افسران کا جہاں چاہیں، تبادلہ کرا سکتے ہیں۔ جس کی چاہیں وردی اتار سکتے ہیں۔''

وہ دونوں کھانے سے فارغ ہو کر کچن سے باہر آئیں۔ ڈاکٹر اور اس کا اسسٹنٹ شہباز درانی کے کمرے سے باہر آ رہا تھا۔ اس نے تہمینہ کو دیکھ کر کہا ''مس تہمینہ! ہمارے باس دنیا کے عجیب و غریب انسان ہیں۔ انہیں کانٹوں پر چلاؤ تو شوق سے چلیں گے، انگاروں پر لٹاؤ تو لیٹ جائیں گے، میں ڈاکٹر ہو کر یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی اپنے جسم میں پیوست ہونے والی گولی کو خود اپنے ہاتھوں سے نکال سکتا ہے۔''

دردانہ نے ڈاکٹر کو دیکھا۔ تہمینہ نے کہا ''ہمیں اپنے باس پر ناز ہے۔ بائی داوے۔ اب وہ کیسے ہیں؟ سو رہے ہوں گے؟''

''یہی تو میں کہنے والا ہوں۔ وہ بہت عجیب ہیں۔ ہم نے انہیں بلڈ دینا شروع کیا تو ان کی آنکھ کھل گئی۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ انہیں نیند کا انجکشن دیا گیا تھا۔ ان پر اس دوا کا بھی اثر نہیں ہوا۔''

دردانہ ان کی باتیں سن رہی تھی پھر بولی ''کیا وہ جاگ رہے ہیں؟''

''ہاں۔ ابھی آپ کو پوچھ رہے تھے۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی شہباز کے بیڈ روم میں آئی۔ وہ اپنے بیڈ پر چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ ایک اسٹینڈ سے خون کی بوتل لٹک رہی تھی اور اسے خون دیا جا رہا تھا۔ اس نے سر گھما کر دردانہ کو دیکھا پھر مسکرانے لگا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی آ کر بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی ''کیسے ہو......؟''

وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولا ''تم آ گئی ہو۔ پہلے سے اچھا ہو گیا ہوں۔''

وہ جواباً مسکرا کر بولی ''تمہاری سیکریٹری کا نام تہمینہ ہے لیکن تم اسے دردانہ کہتے ہو۔''

''میرے کاروبار میں جو بھی لڑکی میرے سامنے آتی ہے اور مجھے اسے مخاطب کرنا ہوتا ہے تو میں اسے دردانہ کہتا ہوں۔ مجھے تمہارے نام کے سوا کوئی دوسرا نام پسند نہیں ہے۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''تم آج بھی مجھے پہلے کی طرح دیوانہ وار چاہتے ہو۔''

''ہاں...... چاہتا ہوں اور آخری سانس تک چاہتا رہوں گا۔''

''مگر شہباز! بہت وقت گزر چکا ہے۔ پچیس برس کم نہیں ہوتے۔ اب میں تمہارے قابل نہیں رہی ہوں۔''

وہ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا ''فضول باتیں نہ کرو۔ اگر تمہاری شادی ہو چکی ہے تو میں اس بدنصیب شوہر کو گولی مار کر تمہیں یہاں لے آؤں گا۔ تم مدتوں کے بعد ملی ہو اب میں تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گا۔''

''میں جانتی ہوں، تم کتنے ضدی ہو؟ میری شادی ہوئی تھی لیکن اب میں بیوہ ہوں۔''

''تھینکس گاڈ! تم آزاد ہو۔ میرے ساتھ رہ سکتی ہو۔''

وہ ذرا جھجکتے ہوئے بولی ''میں ایک جوان بیٹے کی ماں ہوں۔''

وہ مسکرا کر بولا ''تو کیا ہوا؟ میں اسے اپنا بیٹا بنا لوں گا۔ مجھے تمہاری خوشی عزیز ہے۔''

وہ ایک دم سے کھل کر بولی ''او شہباز! تم مجھے اس قدر چاہو گے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیا فی الحال میری ایک پریشانی دور کر سکتے ہو؟''

وہ اٹھ کر بیٹھنے لگا۔ وہ اسے زبردستی لٹاتے ہوئے بولی ''یہ کیا کر رہے ہو؟ لیٹے رہو۔''

''تم پریشان ہو اور میں لیٹا رہوں؟ بولو! تمہیں کیا پریشانی ہے؟''

''میرے بیٹے کو گرفتار کر کے حوالات میں رکھا گیا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ تمام رات وہاں رہے۔''

وہ ہنسنے لگا پھر بولا ''بس...... اتنی سی بات ہے؟ تہمینہ کو بلاؤ۔''

وہ کمرے سے باہر آئی۔ تہمینہ دروازے کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ دردانہ نے کہا ''اندر آ جاؤ۔''

وہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آئی تو شہباز نے کہا ''ہوم منسٹر کو فون کرو۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی فون کے قریب آئی پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ شہباز نے دردانہ سے پوچھا

''اسے کس علاقے کے تھانے میں لے جایا گیا ہے؟''

دردانہ اسے بتانے لگی۔ ادھر تہمینہ نے فون پر کہا ''ہیلو...... میں شہباز درانی کی پی اے بول رہی ہوں۔ سر ہوم منسٹر سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

تہمینہ نے ایک ذرا انتظار کے بعد ریسیور شہباز کے حوالے کر دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولا ''ہیلو...... شہباز درانی اسپیکنگ......''

دوسری طرف سے آواز سنائی دی ''یس سر! فرمایئے۔''

''کراچی شہر میں ایک ایس پی ذیشان حیات ہے۔ اس نے ایک نوجوان جواد ہاشمی کو گرفتار کیا ہے اور میں اس جوان کی رہائی چاہتا ہوں۔ آپ ایک گھنٹے کے اندر اسے میرے سامنے حاضر کر دیں۔''

پھر دوسری طرف کی باتیں سن کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ دردانہ خوش ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بولا ''تمہارا بیٹا ایک گھنٹے کے اندر یہاں پہنچ جائے گا۔''

تہمینہ کمرے سے باہر چلی گئی تو دردانہ خوشی سے جھوم کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ اس کی قربت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا ''ہائے...... یہ خوشبو کہاں گم ہو گئی تھی؟''

وہ بولی ''اب میں پہلے جیسی خوشبو نہیں رہی ہوں۔ ایک مرجھایا ہوا پھول بن گئی ہوں۔''

''نہیں دردانہ! عورت جب تک محبتیں دینے کے قابل رہتی ہے تب تک نہ وہ بوڑھی ہوتی ہے اور نہ ہی مرجھاتی ہے۔ پھول کی خوشبو اڑ جاتی ہے لیکن محبت کی خوشبو کبھی نہیں اڑتی۔ وہ آخری سانس تک اپنے چاہنے والے کے اندر بسی رہتی ہے اور اسے معطر معطر کرتی رہتی ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ تم کس قدر شہزور ہو... تم بڑے بڑے طوفانوں کا رخ پھیر سکتے ہو پھر کیا وجہ ہے کہ کہیں سے اس طرح گولی کھا کر آئے ہو؟ کیا تمہارا کوئی دشمن تم پر حاوی ہو رہا ہے؟''

وہ مسکرا کر بولا ''نہیں میری جان! میں تو ابھی اسے چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہوں۔''

''تو پھر کیوں اسے ڈھیل دے رہے ہو؟''

''ابھی تمہارے بیٹے کا معاملہ سامنے آ گیا ہے۔ پہلے تمہاری خوشی پوری ہو گی پھر میں انتقام لوں گا۔''

وہ اپنے چہرے کو اس کے چٹان جیسے سینے پر رگڑتے ہوئے بولی ''او شہباز! تم مجھے کتنی خوشیاں دے رہے ہو؟''

خوشیاں وہ کیا دیتا......؟ خوشیاں تو میں دے رہا تھا۔ دردانہ کو با اختیار بنا رہا تھا اور ذیشان کے اختیارات کم کر رہا تھا۔ وہ اپنے دفتر سے جانا ہی چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ جاتے جاتے رک گیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا ''ہیلو...... ایس پی ذیشان ہیئر......!''

دوسری طرف سے رعب دار آواز سنائی دی ''میں آئی جی نعیم الدین کھوکھر بول رہا ہوں۔''

ذیشان ایک دم سے الرٹ ہو کر بولا ''یس سر......!''

اس اعلیٰ افسر آئی جی آف پولیس نے کہا ''تم نے جواد ہاشمی نامی ایک نوجوان کو گرفتار کیا ہے۔''

''یس سر!''

''تم نے اسے حوالات میں رکھا ہے؟''

''یس سر......!''

''اسے رہا کر دو۔''

ذیشان نے ایک دم سے چونک کر کہا ''کیا......؟ سر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ اغوا کی واردات کا مجرم ہے۔''

''ابھی پندرہ منٹ کے اندر اس کے آدمی اسے لینے آئیں گے۔ تم اسے ان کے حوالے کر دو۔''

وہ ایک دم سے چیخ کر بولا ''سر! اس نے میری بہن کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اس مجرم کو چھوڑ دوں؟''

''چھوڑنا ہی ہو گا۔ ہوم منسٹر کا حکم ہے۔''

وہ جھنجلا کر بولا ''سر! یہ منسٹرز کیا ہوتے ہیں؟ پانچ برس کے لیے انتخابات جیت کر آتے ہیں اور پانچ برس بھی پورے نہیں کر پاتے کہ اقتدار کی کرسی سے نیچے گر جاتے ہیں اور ہمیں ان کے بے جا احکامات کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔''

''ذیشان! زیادہ نہ بولو۔ مجھے صرف پندرہ منٹ کا وقت دیا گیا ہے۔ وہ لوگ جواد ہاشمی کو لینے کے لیے آنے ہی والے ہیں۔ تم انکار کرو گے تو مجبوراً تمہیں اپنے سامنے حاضر ہونے کا حکم دینا پڑے گا پھر تمہاری جگہ دوسرا افسر جائے گا اور وہ اس نوجوان کو رہا کر دے گا۔ بولو...... کیا کہتے ہو؟''

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا ''او کے سر! آپ جو کہہ رہے ہیں، وہی ہو گا۔ جواد ہاشمی کو اس کے آدمیوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔''

پھر اس نے غصے سے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ مقدر میں شکست لکھی ہو تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے قبول کرنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

پاشا جانی ٹیکسی ڈرائیو کر رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے موبائل پر عروج کے نمبر پنچ

کررہا تھا پھر اسے کان سے لگا کر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔

عروج اپنے بیڈ پر سونے جارہی تھی۔ موبائل فون کا بزر سن کر اٹھ بیٹھی۔ دل نے کہا ''یہ ضرور عینی ہوگی۔''

اس نے تکیے کے پاس رکھے ہوئے فون کو اٹھا کر نمبر پڑھا۔ وہ عینی کا موبائل نمبر تھا۔ اس نے اسے آن کرکے کان سے لگا کر کہا ''میں جانتی تھی۔ تو جب تک مجھ سے بات نہیں کرے گی، تجھے نیند نہیں آئے گی۔''

دوسری طرف سے پاشا جانی کی بھاری بھرکم آواز نے دل کو دھڑکا دیا ''میں پاشا بول رہا ہوں۔''

اس کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ اس نے دھڑکتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھا پھر ذرا سنبھل کر پوچھا ''آ...... آپ......؟''

''آپ نہیں...... تم......''

''ہاں...... وہ میں کہہ رہی تھی۔ یہ تو عینی کا فون ہے کیا تم اس کے پاس ہو؟''

''میں عینی کے گھر گیا تھا اس نے مجھے یہ فون دیا ہے۔ تاکہ میں ضرورت کے وقت رابطہ کرسکوں۔ اب یہ پوچھو کہ میں اس کے گھر کیوں گیا تھا؟''

''یہ پوچھنا ضروری نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم اس سے ملنے گئے تھے۔''

وہ مسکرا کر بولا ''یہی تو بات ہے میں ملنے نہیں گیا تھا، مجھے گرفتار کرنے کے لیے وہاں لے جایا گیا تھا۔''

اس نے حیران ہوکر پوچھا ''کیا......؟ یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تمہیں کس نے گرفتار کیا تھا؟''

''اس کے بھائی ایس پی ذیشان صاحب نے......''

پھر وہ اسے تفصیل بتانے لگا۔ وہ توجہ سے سننے کے بعد بولی ''عینی کے بھائی جان بہت سخت ہیں۔ وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے تم پر بھروسا کیا ہے اور تمہیں رہا کردیا ہے۔ ویسے بھائی جان کا فرض تھا کہ وہ پہلے تم پر لگائے گئے الزام کی تصدیق کرتے لیکن انہوں نے ایسا کیے بغیر تمہیں ہتھکڑی پہنائی۔ اس کا مجھے بہت افسوس ہورہا ہے۔''

''جو ہوچکا اس پر افسوس نہ کرو۔ پولیس والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

''اس وقت تم کہاں ہو؟''

پاشا کے دل نے دھڑک کر کہا ''تمہارے پاس...... مجھے محسوس کرو......''

وہ مسکرایا پھر فون پر بولا ''میں اس وقت سڑک پر ہوں۔ ڈرائیونگ کررہا ہوں اور فون پر تم سے بات کررہا ہوں۔''

''رات کا کھانا کھاچکے......؟''

''ابھی تو رہائی ملی ہے۔ کھانے کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ اب سوچ رہا ہوں، کسی ہوٹل میں جاکر یہ فرض ادا کردوں۔''

وہ سوچنے لگی ''یہ اب تک بھوکے ہیں، اور ہماری وجہ سے جواد وغیرہ کی سازشوں کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ میں ان سے کھانے کے لیے پوچھوں۔''

اس نے پوچھا ''چپ کیوں ہو؟ کیا سوچ رہی ہو؟''

وہ چونک کر بولی ''آں...... کچھ نہیں ہاں...... میں سوچ رہی تھی......''

''ہاں۔ بولو......! جب لڑکی کانوں میں بولتے بولتے اٹکنے لگتی ہے تو دل دھڑکنے لگتا ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''تم ایسی باتیں کرتے ہو تو میں کہنے والی بات بھی کہتے کہتے بھول جاتی ہوں۔''

وہ مسکرا کر بولا ''اپنی بے نیازی کی وجہ سے بھولتی ہو۔ میں بار بار تمہارے دل پر دستک دے رہا ہوں مگر تم دروازہ نہیں کھول رہی ہو۔ بند دروازے کے پیچھے بے چین ہوتی رہتی ہو۔ پتا نہیں...... کیوں کترا رہی ہو؟''

''او گاڈ! کیا تم ماہرِ نفسیات ہو؟ خوامخواہ میرے اندر کی باتیں بول رہے ہو۔ ویسے جناب! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''چلو مان لیتا ہوں۔ تم اپنی بات پوری کرو۔''

''وہ...... تم کھانا کھانے کے لیے یہاں چلے آؤ۔''

وہ خوش ہوکر بولا ''تم مجھے بلا رہی ہو یہ سن کر بھوک اڑ گئی ہے لیکن میں کھانے کے بہانے آؤں گا ضرور......''

وہ ذرا جھجکتے ہوئے بولی ''بس آتے آتے ایک کام کرنا۔ میں کھانا کھاچکی ہوں۔ اس لیے سالن تو ہے مگر روٹیاں نہیں ہیں۔ کسی ہوٹل سے لیتے آنا۔''

''بس میں ابھی روٹیاں لے کر پہنچ رہا ہوں۔''

وہ فون بند کرکے بیڈ سے اتر گئی۔ چادر کی شکنیں اور کمرے کی بکھری ہوئی چیزیں نظروں میں کھٹکنے لگیں۔ وہ جلدی جلدی انہیں سمیٹنے لگی۔ بستر درست کرنے لگی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون سا جذبہ اسے ایسا کرنے پر مجبور کررہا ہے؟ اس کام سے فارغ ہوکر وہ آئینے کے سامنے آگئی۔ زاویے بدل بدل کر اپنے سراپے کو دیکھنے لگی پھر برش اٹھا کر بالوں کو سلجھانے لگی۔

ایسے ہی وقت اسے خیال آیا کہ لباس بدل لینا چاہیے۔ اس جذبے سے یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ خوب سے خوب تر بن کر اس کے سامنے آنا چاہتی ہے۔

وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ آئینے میں خود کو غور سے دیکھنے لگی، سوچنے لگی ''میں کیوں اتنی خوش ہورہی ہوں؟ کیا اس لیے کہ وہ آرہا ہے؟''

اس کے اندر ایک سوال پیدا ہوا ''وہ آرہا ہے تو کیا ہوا؟ میرے اندر کون سا ایسا جذبہ ہے جو مجھے خوش کررہا ہے؟''

وہ بے چینی سے خود کو آئینے میں دیکھنے لگی۔ اپنے آپ کو سمجھانے لگی پھر اس نے بات بنائی ''وہ میرا محسن ہے۔ ڈیڈی کی دشمنی کے باوجود اس نے بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میری سہیلی کی عزت بچائی ہے۔ وہ اسے بہ حفاظت میرے پاس لایا تھا۔ کیا ایسے شخص سے مل کر خوش نہیں ہونا چاہیے؟''

آئینے میں اس کے عکس نے کہا ''ضرور خوش ہونا چاہیے لیکن اس کے آنے پر لباس بدلنے اور خوب سے خوب تر نظر آنے کی کیا ضرورت ہے؟ خود کو ٹٹولو عروج! ان جذبوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم خوب ہو یہی کافی ہے، خوب تر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟''

اس کا سر جھک گیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ سوچنے لگی ''ہاں...... میں اپنے آپ سے جھوٹ بول رہی ہوں۔ خود کو دھوکا دے رہی ہوں۔ اس کے جانے سے اداس ہوگئی تھی۔ اب آنے سے خوش ہورہی ہوں اور میں ایسا جان بوجھ کر نہیں کررہی ہوں۔''

اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سر کو جھکایا، وہ جانتی تھی کہ عینی پاشا کو چاہنے لگی ہے۔ اسی کی باتیں کرتی رہتی ہے۔ اسی کے بارے میں سوچتی رہتی ہے۔ وہ عینی کی خوشی چاہتی تھی۔ اس کی دلی تمنا تھی کہ کوئی دل و جان سے چاہنے والا اس کی زندگی میں آئے۔ اسے اپنی شریکِ حیات بنائے اور وہ تمام خودغرض رشتے داروں سے نجات حاصل کرلے۔

اور اب عینی پاشا کے لیے اپنے دل کے دروازے کھول چکی تھی۔ اگرچہ وہ اس طرف نہیں بڑھ رہا تھا، لیکن بڑھ سکتا تھا۔ اگر عروج پیچھے ہٹ جاتی۔

اور وہ سر جھکائے سوچ رہی تھی ''یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ میں پاشا کو اپنی طرف بڑھنے سے پہلے ہی روک دوں گی۔ اپنی عینی کے لیے راستہ ہموار کردوں گی۔ مجھے محتاط رہ کر پاشا سے باتیں کرنی چاہئیں اور اس کی پیش قدمی کو روکنا چاہیے۔''

کال بیل کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے کمرے سے باہر آکر بیرونی دروازہ کھولا تو وہ سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ ایک طرف ہٹ کر بولی ''اندر آجاؤ۔''

وہ اندر آکر ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھیلی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا ''میں روٹیاں لے آیا ہوں۔''

اس نے بیرونی دروازہ بند کرکے اس کے ہاتھ سے روٹیوں کی تھیلی لی پھر کہا ''اندر کمرے میں بیٹھو۔ میں سالن گرم کرکے لاتی ہوں۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔ وہ کچن میں آکر سالن گرم کرنے لگی اور سوچنے لگی کہ اس نے پاشا کو یہاں کیوں بلایا ہے؟ کیا اپنے ہاتھ کا سالن کھلانے کے لیے......؟ یا اس بہانے وہ اس کے روبرو ہونا چاہتی تھی؟ اس سے باتیں کرنا چاہتی تھی؟ اس کی باتیں سننا چاہتی تھی؟

اس نے اپنے دل کو سمجھایا ''اب بلا ہی لیا ہے تو پریشانی کی کیا بات ہے؟ میں زیادہ سے زیادہ عینی کی باتیں کروں گی۔''

پھر وہ کھانے کی ٹرے تیار کرکے کمرے میں آگئی۔ پاشا کے سامنے میز پر برتن چننے لگی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ بعض لمحات اتنے اچھے لگتے ہیں کہ جی چاہتا ہے وقت وہیں تھم جائے۔ اس وقت اس کا دل بھی یہی چاہ رہا تھا۔ عروج اس کی توجہ کھانے کی طرف کرتے ہوئے بولی ''سالن ٹھنڈا کرنے کا ارادہ ہے۔ شروع کرو۔''

وہ ذرا سنبھل کر بیٹھا پھر بولا ''کیا تم میرے ساتھ دو چار لقمے بھی نہیں لوگی؟''

''سوری۔ بالکل بھی گنجائش نہیں ہے۔ بس چائے پیتے وقت تمہارا ساتھ دوں گی۔''

وہ روٹی کا لقمہ توڑتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولا ''کیا صرف چائے پیتے وقت ساتھ دوگی؟''

اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے سوال میں بڑی گہرائی تھی۔ وہ سوال دور تک اس کے مستقبل کی طرف جارہا تھا۔ وہ اسے الجھا کر لقمہ چبا رہا تھا۔ وہ بولی ''میں تم سے عینی کے بارے میں باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

وہ ذرا چونک کر بولا ''ارے ہاں۔ مجھے پہلے عینی کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔''

وہ خوش ہوکر بولی ''پھر تو تمہیں یہاں آتے ہی عینی کا نام لینا چاہیے تھا۔ تم نہیں جانتے میں اسے کتنا چاہتی ہوں؟''

''میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم دونوں ہی ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتی ہو۔ جانتی ہو، آج اس نے تمہاری خاطر کیا کیا ہے؟''

اس نے سوالیہ نظروں سے پاشا کو دیکھا۔ وہ بولا ''جب اسے معلوم ہوا کہ تم نے اس کی خاطر اپنا گھر چھوڑ دیا ہے اور یہاں تنہا چلی آئی ہو تو وہ بھی یہاں آنا چاہتی تھی۔''

وہ مسکرا کر بولی "ہاں ...... یہ تو میں جانتی ہوں۔ اس نے مجھے فون پر کہا تھا کہ وہ آ رہی ہے۔ میں نے منع کیا تو اس نے رابطہ ختم کر دیا تھا پھر میں نے فون کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہاں اخلاق انکل اس کے وکیل آئے ہوئے ہیں۔ تب میں مطمئن ہو گئی کہ اب وہ نہیں آئے گی۔"

پاشا نے پوچھا "کیا تمہیں اتنا ہی بتایا گیا ہے؟"

"ہاں ...... کیا اس سے بھی آگے کوئی بات ہے؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "میں سمجھ گیا۔ اصل بات تم سے چھپائی گئی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "الجھا کیوں رہے ہو؟ کھل کر بات کرو۔"

"وہ وکیل صاحب کے روکنے کے باوجود جبراً یہاں آنا چاہتی تھی۔ سب نے روکا تو اس نے پستول کے ذریعے سب کو دھمکی دی کہ اگر وہ لوگ اس کے راستے میں رکاوٹ بنیں گے تو وہ خودکشی کر لے گی۔"

عروج نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا "یا خدا! یہ لڑکی تو پاگل ہو جاتی ہے پھر وہ رکی کیسے......؟"

"تم سمجھ سکتی ہو۔ وہ کسی کے روکنے سے رکنے والی نہیں تھی۔ بس اتفاقیہ طور پر رک گئی ہے۔ وہ زینے سے اتر رہی تھی ایسے ہی وقت اس کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ لڑھکتی ہوئی بلندی سے نیچے آئی تو بے ہوش ہو گئی۔"

عروج ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہو گئی پھر بولی "تمہیں یہاں آتے ہی مجھے یہ بات بتانی چاہیے تھی۔ اب چلو...... ہم ابھی اس کے پاس جائیں گے۔"

وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے بولا "آرام سے بیٹھو۔ اس وقت وہ دوا کے اثر سے گہری نیند میں ہے اور صبح تک سوتی رہے گی۔ کیا تم وہاں جا کر اسے جگانا چاہتی ہو؟"

وہ بیٹھتے ہوئے بولی "کیا اسے بہت زیادہ چوٹیں آئی ہیں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔"

وہ جھنجلا کر بولی "تو پھر تم کیا جانتے ہو؟ اتنی بری خبر سنا رہے ہو اور وہ بھی ادھوری......"

وہ ہنستے ہوئے بولا "پہلے وہ تمہارے لیے پاگل ہو رہی تھی۔ اب تم اس کے لیے پاگل ہو رہی ہو۔ پلیز نارمل رہو۔ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ آرام سے ہے اور نیند پوری کر رہی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ پھر کھانے لگا۔ عروج نے سوچا "واقعی اگر وہ آرام سے سو رہی ہے تو مجھے ابھی وہاں نہیں جانا چاہیے۔ وہ جاگنے کے بعد سب سے پہلے مجھ سے ہی رابطہ کرے گی۔"

پھر اس نے پاشا سے کہا "ان لوگوں کو اس کا راستہ نہیں روکنا چاہیے تھا۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو......؟"

"اگر وہ رات کو گھر سے باہر نکلتی اور باہر اسے کچھ ہو جاتا تو......؟ کیا تم نہیں دیکھ رہی ہو کہ گھر کے باہر وہ محفوظ نہیں ہے۔ اس کے دو دشمن تو نظروں میں ہیں اور نہ جانے کتنے پوشیدہ ہیں؟"

"چلو۔ انہوں نے اسے روک کر اچھا کیا مگر وہ اسے غصہ تو نہ دلاتے۔ اگر وہ ضد کر رہی تھی تو فون پر میری اس سے بات کراتے۔ میں اس سے کہتی کہ وہ یہاں نہ آئے۔ میں اس کے پاس آ رہی ہوں۔"

پاشا جانی نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں۔ یہ مناسب ہوتا اور یہ بات نامناسب ہے کہ انہوں نے تم سے حقیقت چھپائی۔ اگر وہ تمہیں بتا دیتے کہ وہ زینے سے گر کر زخمی ہو گئی ہے تو تم فوراً اس کے پاس پہنچ جاتیں۔"

"ڈاکٹر نے ان کے مشورے کے مطابق ہی اسے نیند کا انجکشن دیا ہوگا۔ پتا نہیں کیوں؟ وہ سب ہمیں ایک دوسرے سے دور کرنا چاہتے ہیں؟"

"یوں سلانے سے کیا ہوتا ہے؟ وہ بیدار ہوتے ہی تمہارے پاس آنے کی ضد کرے گی۔ اس کے وکیل نے نئی سیکورٹی کا انتظام کیا ہے۔ آئندہ وہ مسلح گارڈز کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکل سکے گی اور نہ ہی یہاں تمہارے پاس آ کر زیادہ وقت گزار سکے گی۔"

"بزرگوں کے اقدامات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ میرے خلاف سازشیں کی جا رہی ہیں۔ عینی پر بڑی محبتوں سے پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں اور جتایا جا رہا ہے کہ وہ یہ سب کچھ اس کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں عینی کو ان کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہوں۔ اسی لیے وہ مجھے اس کی زندگی سے الگ کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ نادانی کر رہے ہیں۔ عینی کا ردِ عمل ان کے سامنے ہے۔ آئندہ ہمیں جدا کرنے کی کوشش کی گئی تو میں بھی بھیانک ردِ عمل دکھاؤں گی۔"

وہ بولا "کیا تم دونوں پاگل ہو؟ کیا سہولت سے نہیں سوچ سکتیں کہ دشمنوں کے یہ ہتھکنڈے دیرپا نہیں ہیں۔ غصہ دکھانے سے، ضد کرنے سے خوامخواہ جان جا سکتی ہے لیکن سہیلی نہیں مل سکتی۔ ذہانت سے سوچو۔ دانشمندی سے دشمنوں کے خلاف جوابی کارروائی کرو۔"

عروج نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا

...تو میری سہیلی ہمیشہ کے لیے مجھے مل سکتی ہے۔"

...تھا...... وہ کیسے......؟"

...تمہیں پسند کرتی ہے۔ تم اسے محبت کا جواب محبت...

...چونک کر بولا "ارے ہاں۔ میں تو بتانا ہی بھول گیا۔ ...لڑکی مجھے چاہنے لگی ہے۔"

...وج نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا "خبردار! اسے بے... کہنا۔"

"...بے وقوفی نہیں ہے تو کیا ہے؟ اگر وہ مجھے چاہتی ہے ...تی مگر اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا اور اپنے بھائی جان ...کچھ بتا دیا۔"

...چونک کر بولی "کیا......؟ اس نے بھائی جان کو اپنے ...ات بتائی ہے؟"

"...ہاں...... پہلے تو وہ میری ہتھکڑیاں کھلوانے کے لیے ...رہی۔ جب اس کے بھائی جان نہیں مانے تو وہ انہیں ...بھابی کو ایک کمرے میں لے گئی۔ وہاں ان کے ...نہ جانے کیا باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد بھائی جان ...آ کر میری ہتھکڑیاں کھلوا دیں پھر وہ مجھے اپنے ساتھ ...لے گئے وہاں انہوں نے بتایا کہ عینی نے اپنی محبت کا حوالہ ...انہیں مجبور کر دیا تھا۔ اسی لیے انہوں نے مجھے رہا کر دیا..."

وہ خوش ہو کر بولی "اس بات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ...کتنی شدت سے چاہنے لگی ہے؟"

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا "میں اسے ...کرنے سے نہیں روکوں گا۔ اسے سمجھاؤں گا کہ بعض ...ت میں محبت یک طرفہ بھی ہوتی ہے۔ ہم کسی کو ٹوٹ کر ...رہتے ہیں لیکن پھر بھی ہمیں جوابی محبت نہیں ملتی۔ جیسا ...تم سے محبت کر رہا ہوں مگر جواباً محبت سے محروم ہوں۔"

وہ فوراً ہی اس سے نظریں چرا کر بولی "یہ...... یہ تم کیا ...رہے ہو؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا ..."

"اور میں نے کہا تھا کہ میں اپنے جذبوں کا اظہار کرتا ...گا۔ اپنی طرف سے محبت کرتا رہوں گا۔ تم صلہ نہیں دو گی ...ضد نہیں کروں گا۔"

وہ پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر اس سے کترانے لگی۔ اس کے بعد ...دیکھو پاشا! اگرچہ عینی بے انتہا دولتمند ہے لیکن بہت ہی ...نصیب ہے۔ بہت مظلوم ہے۔"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا "میں بھی بدنصیب ہوں۔ مظلوم ہوں۔"

عروج کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ بولی "تم پر کیا ظلم ہو رہا ہے؟"

"محبت کا جواب محبت سے نہ ملے تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم عینی کی محبت کا جواب محبت سے نہ دے کر اس پر ظلم کر رہے ہو۔"

"یہ تو عینی کی یک طرفہ محبت ہے، اس کی اپنی مرضی ہے، میں نے تو اس سے نہیں کہا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرے۔"

وہ اس سے نظریں ملا کر بولی "بالکل اسی طرح میں نے بھی تم سے نہیں کہا ہے کہ مجھ سے محبت کرو۔"

پاشا نے ایک گہری سانس لی پھر کہا "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں بھی مجبور ہوں۔ عینی بھی مجبور ہے اور تم بھی مجبور ہو۔ ہم تینوں ہی ایک دوسرے کو محبتوں کا صلہ نہیں دے سکتے۔ پتا نہیں...... ہمارا انجام کیا ہوگا؟"

وہ کھانا کھا چکا تھا۔ وہ بولی "ہم دونوں چاہیں تو اس کے لیے قربانی دے سکتے ہیں۔"

"قربانی تو میری ہوگی۔ کیونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے اپنی محبت کو خیرباد کہہ کر عینی سے رسمی لگاؤ کا ڈراما پلے کرنا ہوگا۔ تم تو مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو پھر تم کیسے قربانی دو گی؟"

اس کا ایک ہاتھ میز پر رکھا ہوا تھا۔ عروج نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ شدید حیرت سے۔ مسرت سے اور بے یقینی سے کبھی اسے اور کبھی اس کے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔ وہ بولی "پاشا! رسمی طور پر ہی سہی مگر پلیز۔ میری عینی سے محبت کرو۔ جب تمہیں اس کی چاہت ملے گی تو ہو سکتا ہے وہ رفتہ رفتہ تمہارے دل میں گھر کر لے۔"

وہ اسے بڑی حسرت سے دیکھنے لگا۔ وہ اسے مل کر بھی نہیں مل رہی تھی۔ پاشا نے ایک گہری سانس لے کر کہا "تم کہتی ہو تو میں اس سے دکھاوے کی محبت کر سکتا ہوں لیکن ایک شرط پر......"

"بولو۔ میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔"

"بس ایک چھوٹی سی شرط ہے کہ تم اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہنے دو گی۔"

پاشا نے میز پر رکھے ہوئے ہاتھ کو سیدھا کیا تو عروج کی ہتھیلی اس کی ہتھیلی پر آ گئی۔ وہ اسے گرفت میں لینا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیا پھر کہا "خدا کے لیے۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تمہیں اپنی عینی کے نام کرنا چاہتی ہوں۔"

''اور میں تمہیں اپنے نام کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم فضول سی بات کہہ رہے ہو۔''

''فضول سی بات تو یہ ہے کہ میں تمہارے کہنے پر عینی سے جھوٹی محبت کرنے لگوں۔ کیا محبت جبراً کرائی جاتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو چلو۔ یہی سہی۔ تم مجھ سے جبراً محبت کرو۔''

وہ اسے پریشانی سے دیکھتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ برتن سمیٹ کر لے جاتے ہوئے بولی ''تم نے مجھے الجھا دیا ہے۔ سیدھی سی بات ہے اور تم نہیں مان رہے ہو۔''

''ایک بات کا جواب دو۔ میں کس رشتے سے تمہاری بات مانوں؟''

وہ رک گئی۔ پلٹ کر بولی ''جب تم نے میرے ڈیڈی کو اپنا خون دیا...تو اس وقت تمہارا مجھ سے کوئی رشتا نہیں تھا۔ انسانیت کے رشتے سے تم نے ایسا کیا تھا۔''

''بے شک۔ میں انسانیت کے رشتے سے بہت کچھ کرتا ہوں لیکن تمہارے ساتھ میں نے جو کیا۔ وہ محبت سے کیا ہے۔ گھڑی میں وقت دیکھو۔ رات کا ایک بجنے والا ہے۔ مجھے جواب دو، میں اتنی رات گئے کس رشتے سے تمہارے پاس تمہارے کمرے میں ہوں؟''

وہ بڑے عزم سے بولی ''عینی کے رشتے سے۔ میں نے اسی لیے تمہیں بلایا تھا اور تم دیکھ رہے ہو کہ جب سے یہاں آئے ہو۔ میں تمہیں عینی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

''اگر میں عینی کی طرف مائل نہ ہوا تو کیا تم مجھے یہاں برداشت نہیں کرو گی؟''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے سر جھکا لیا پھر کمرے سے نکل کر کچن میں آ گئی۔ اس کی حالت عجیب سی تھی۔ وہ منع کرنے کے باوجود بار بار اس سے اپنی محبت کا اظہار کیے جا رہا تھا۔ جبراً اس کے دل میں گھسا آ رہا تھا اور اس کی یہ زبردستی اچھی لگ رہی تھی۔

لیکن جو دل اس کی طرف جھکنا چاہتا تھا، وہی دل عینی کے لیے بھی تڑپ رہا تھا۔ یہ بات ذہن میں نقش ہو گئی تھی کہ عینی کو پاشا جیسا جیون ساتھی پھر نہیں ملے گا یہ اچھا موقع ہے۔ اسے کسی نہ کسی طرح عینی کی طرف مائل کرنا ہی ہوگا۔

وہ برتن دھونے لگی۔ جبکہ یہ ضروری نہیں تھا۔ وہ یہ کام بعد میں بھی کر سکتی تھی لیکن پاشا کے پاس جانے میں دیر کر رہی تھی۔ اپنے موجودہ حالات پر غور کر رہی تھی۔ یہ بات بھی دل میں تھی کہ اس نے اس کے آخری سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس سے منہ پھیر کر چلی آئی تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا یوں چلے آنا اسے برا لگا ہو۔

وہ جلدی جلدی ہاتھ دھو کر کمرے میں آئی تو وہ وجود سے خالی تھا۔ اس نے فوراً ہی کوریڈور میں آ کر بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس سے ظاہر تھا کہ بتا کر یا بتائے بغیر جا چکا ہے۔

پھر بھی وہ کوارٹر سے باہر آ کر گلی میں دور دور تک لگی مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

مقدر سنوارنے کے لیے آیا تھا مگر وہ اسے سنوار وہ ایک بار پھر مایوس ہو کر چلا گیا تھا۔

وہ سر جھکا کر کمرے میں آ گئی۔ موبائل فون اٹھا کرنے لگی۔ رابطہ ہونے پر پاشا کی آواز سنائی دی بولو......''

وہ بولی ''یہ کیا حرکت ہے؟ تم مجھ سے ملے بغیر گئے؟''

''تم نے میری آخری بات کا جواب نہیں دیا، منہ چلی گئیں۔ اس طرح مجھے اپنی حیثیت معلوم ہو گئی تمہارے مزاج پر گراں گزرتا ہوں۔ تم صرف عینی کی مجھے برداشت کرتی ہو۔''

''میں نے ایسا کب کہا ہے؟ تمہاری الٹی عقل سمجھایا، تم نے وہی سمجھ لیا۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''عروج! تم میر میں ایسے اتر چکی ہو کہ اب عقل کام نہیں آتی۔ میں د سوچنے لگا ہوں۔ ذہن سے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔''

''او گاڈ! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟''

''دیوانوں کو لاکھ سمجھاؤ مگر وہ نہیں سمجھتے۔ اسی لیے پتھر مارے جاتے ہیں اور تم مجھے انکار کے پتھر مار رہی ہو''

وہ ایک دم سے چپ ہو گئی پھر بولی ''میں تم سے میں نہیں جیت سکوں گی۔''

''یہ باتیں نہیں ہیں۔ محبت کی سچائی ہے۔ اگر تم ما گی تو کل پھر ملوں گا۔ یہ بتاؤ، تمہاری ڈیوٹی کب سے کر ہے؟''

''کل میری چھٹی ہے۔ میں صبح تک عینی کے انتظار کرتی رہوں گی۔ تم فون کے ذریعے رابطہ کرو تمہیں عینی کی خیریت بھی معلوم ہو جائے گی۔ ٹھیک ہے ملاقات ہوگی۔ او کے خدا حافظ!''

دونوں طرف سے فون کا رابطہ ختم ہو گیا لیکن دلوا رابطے بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ پریشان ہو رہی تھی۔ آگے لا کر خود پیچھے جانا چاہتی تھی مگر دل تھا کہ آگے کی رہا تھا۔

☆☆☆

ات کے دو بجے تھے۔ میں عینی کی کوٹھی میں تھا۔ سب تھے۔ میں جاگ رہا تھا۔ اس لیے کہ میں سونے کے ساتھ رہ کر بھی جاگتا رہتا ہوں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہاگنے والوں کے پاس آ کر سو جاتا ہوں۔ میں ایسا ہی میری کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔

ک ناز، فلک آفتاب اور بیگم آفتاب اپنے اپنے کمروں ی نیند سو رہے تھے۔ ڈاکٹر نے عینی کو نیند کا انجکشن لگایا کے بعد وہ سو گئی تھی۔ گھر والے اس لیے بھی مطمئن پہلی رات عینی کے گم ہو جانے کے باعث جاگتے رہے اب اس رات کی نیند بھی پوری کر رہے تھے۔

لبتہ اسما جاگ رہی تھی اور اپنے دیور بابر کو بھی جگا رہی اس وقت وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی تھے۔ بابر نے کہا ''بھابی جان! دو بج چکے ہیں اور میں رح جانتا ہوں، بھائی جان صبح تک نہیں آئیں گے تو مجھے صبح تک جگاتی رہیں گی۔''

وہ مسکرا کر بولی ''میں ابھی تمہیں چھٹی دے دوں گی، تم سے جا کر سو جانا، مگر پہلے یہ بتاؤ شادی کب کر رہے

''میں نے کہا تو ہے، جیسے ہی کوئی لڑکی پسند آئے گی، کر لوں گا۔''

''تم لڑکیوں کی طرف دیکھو گے تب ہی کوئی پسند آئے تم تو ان سے ایسے کترا کر گزر جاتے ہو۔ جیسے وہ حملہ نے آ رہی ہوں۔ تم نے تو کبھی عینی میں بھی دلچسپی نہیں

وہ مسکرا کر بولا ''ارے بھابی! اس کے پیچھے تو دیوانوں کی لگی ہوئی ہے، آپ مجھے کیوں اس لائن میں کھڑا کرنا ہتی ہیں؟''

''خیر۔ عینی کی بات چھوڑو۔ اب تو وہ خود ہی پار لگ رہی ''

''پار لگ رہی ہے؟ اس کا مطلب کیا ہوا؟''

''وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور کو چاہنے لگی ہے۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا ''کیا......! ٹیکسی ئیور......؟''

''ہاں......لیکن وہ تعلیم یافتہ لڑکا ہے۔ اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ وہی عینی کو جواد سے بچا کر عروج کے پاس گیا تھا۔''

''یعنی وہ ڈرائیور ہیرو بن کر رئیس زادی کا دل جیت چکا ہے۔''

''ہاں۔ میں نے اس جوان کو دیکھا ہے۔ بہت ہی خوب رو اور اسمارٹ ہے۔ عینی اس کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزارے گی۔''

''کیا یہ بات ممی، ڈیڈی اور پھوپی جان کو معلوم ہے؟''

''ہاں۔ وہ کسی حد تک سمجھ گئے ہیں۔ اب آئندہ پاشا جانی کے خلاف محاذ آرائی ہوا کرے گی۔''

وہ ذرا سوچنے کے انداز میں بولا ''ہمارے گھر میں شطرنج کی بساط بچھی رہتی ہے۔ تمام مہرے ایک دوسرے کے سامنے تن کر کھڑے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو مات دینے کے سلسلے میں سازشیں کرتے رہتے ہیں۔''

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی ''ہم کہاں عینی کی باتوں میں الجھ گئے؟ تم اپنی شادی کی بات کرو۔ میری نظر میں دو لڑکیاں ہیں۔ بہت اچھی ہیں۔ گھر گرہستی والا مزاج رکھتی ہیں۔ تم ابھی راضی ہو جاؤ تو میں رشتے کی بات چلاتی ہوں۔''

''بھابی جان! میری زندگی میں آنے والی آپ کی طرح بانجھ ہوگی تو کیا ہوگا؟''

''فضول باتیں نہ کرو۔ میں نے پہلے بھی سمجھایا تھا۔ سب کے نصیب کھوٹے نہیں ہوتے۔ تم اپنی پہلی اولاد کو میری گود میں رکھو گے۔''

وہ سنجیدہ سے لہجے میں بولا ''آپ اپنی محرومی دیکھ رہی ہیں۔ یہ نہیں سوچ رہی ہیں کہ جو میرے پاس آ کر ایک بچے کی ماں بنے گی۔ کیا وہ ماں اپنا پہلا بچہ آپ کو دے سکے گی؟''

''میں اس بچے کو اس سے دور تو نہیں کروں گی، وہ تمہارے اور اس کے سامنے ہی رہے گا۔ بس اتنا ہوگا کہ وہ زیادہ وقت میرے پاس رہا کرے گا۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''آپ ناممکن کو ممکن بنانا چاہتی ہیں۔ آپ اس بچے کو کلیجے سے لگائے رکھیں گی۔ اسے اپنے ساتھ سلایا کریں گی؟''

''ہاں۔ یہ میرا ارمان ہے۔''

''اور اس ماں کے ارمان کہاں جائیں گے؟''

وہ ایک دم سے خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا ''دیکھیے بھابی جان! اس طرح گریلو جھگڑے بڑھیں گے۔ ایسا کرتے ہیں کہ جس لڑکی سے میری شادی کرائی جائے گی۔ پہلے اس سے ایک تحریری معاہدہ کیا جائے کہ وہ اپنا پہلا بچہ آپ کی گود میں ڈالے گی۔ اگر وہ راضی ہوگی تو میں اس سے شادی کر لوں گا۔''

اسما سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے پوچھا ''کیا ہوا؟ آپ کس سوچ میں پڑ گئیں؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''کوئی بھی لڑکی شادی سے پہلے ایسا معاہدہ نہیں کرے گی۔ اس کے والدین بھی رشتا دینے سے انکار کر دیں گے۔''

''خدا کا شکر ہے، ایک عقل کی بات آپ کی سمجھ میں آ رہی ہے۔''

وہ ذرا خفگی سے بولی ''تم بہت خوش ہو رہے ہو یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گی۔ تمہیں میری گود میں ایک بچہ دینے کے لیے کچھ بھی کرنا ہوگا۔''

''آپ حکم دیں... میں کسی کا بھی بچہ چرا کر لے آتا ہوں۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ اس طرح تو ہم یتیم خانے سے بھی بچہ لا سکتے ہیں مگر وہ اس خاندان کا لہو نہیں ہوگا۔ اسی لیے تو مجھے تمہاری خوشامد کرنی پڑ رہی ہے۔''

''آپ میرے راستے میں کیلے کا چھلکا پھینک رہی ہیں۔ میں کسی وقت بھی پھسلنے والا ہوں۔''

وہ ذرا سوچنے کے بعد بولی ''ایک تدبیر ہے......''

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولی ''کسی ایسی غریب اور مجبور لڑکی سے شادی کرو جو تمہارے ہر حکم کے سامنے سر جھکا لے۔''

''کیا اب آپ کسی غریب اور مجبور لڑکی کو ڈھونڈنے نکلیں گی؟''

''میں اس خاندان کا ایک وارث لانے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو تمہارے ماں باپ میرے لیے سوکن لے آئیں گے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''یہ تو میں کہہ چکا ہوں۔ مجھے کیلے کے چھلکے پر پھسلنا ہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میرا مقدر میرے ساتھ کیا گل کھلائے گا؟''

وہ سر جھکا کر سنجیدگی سے سوچنے لگی۔ بابر تھوڑی دیر تک اسے بڑی محبت سے دیکھتا رہا پھر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا ''بھابی جان! پتا نہیں کیوں؟ میں اپنی ممی سے زیادہ آپ کو چاہتا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ اس خاندان میں وارث لانے کا کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔''

عینی اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی۔ یہ مجھے منظور نہیں تھا۔ سکوت اور خاموشی موت کی نشانی ہے۔ وقتاً فوقتاً ہلچل پیدا ہوتی رہے تو زندگی کے چہرے پر رونق آتی رہتی ہے۔

میں نے اسے جگا دیا۔ اس نے آنکھیں [illegible] ادھر دیکھا پھر سوچنے لگی، وہ کہاں ہے؟ اسے یاد آ[illegible] زینے کی بلندی سے گر پڑی تھی۔ اس کے بعد ا[illegible] رہا تھا۔

اس نے اپنے سر کو چھو کر دیکھا تو پیشانی کے [illegible] ایک پٹی چپکی ہوئی تھی۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھنا چا[illegible] جسم میں جگہ جگہ درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ وہ آ[illegible] لیٹ گئی پھر تھوڑی دیر بعد دھیرے دھیرے اٹھ[illegible] کوشش کرنے لگی۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپ[illegible] کامیاب ہوگئی تھی۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیٹھ گئی تھ[illegible] آ رہا تھا کہ عروج نے اس کی خاطر اپنا گھر چھوڑ د[illegible] ہاسپٹل کے کوارٹر میں رہنے کے لیے گئی ہے۔ یہ خیا[illegible] وہ بیڈ سے اتر کر کھڑی ہوگئی۔ سر بری طرح چکرا[illegible] تھوڑی دیر تک خود کو سنبھالتی رہی پھر آہستہ آہستہ دروازے کے پاس آئی۔ اسے کھول کر وہاں [illegible] ہوئی بالکونی کی ریلنگ کے پاس آ گئی۔ نیچے ڈرائنگ [illegible] دھیمی دھیمی سی روشنی تھی۔ وہاں اسما اور بابر دھند[illegible] سے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ ریلنگ کے سہارے چلتی ہوئی زینے ک[illegible] پھر ایک ایک پائیدان پر قدم جماتی ہوئی نیچے ا[illegible] نصف زینہ طے کرنے کے بعد وہ کمزوری کے باع[illegible] اس نے اسما کو پکارا ''بھابی جان......!''

اسما اور بابر نے چونک کر زینے کی طرف [illegible] ریلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں [illegible] اٹھ کر زینے کی طرف آئے۔ اسما نے کہا ''تم یہاں آئی ہو؟ انٹر کام کے ذریعے مجھے بلا لیتیں۔''

''میرے لیے گاڑی نکلوائیں۔''

وہ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اس کے پاس آ[illegible] بابر نے حیرانی سے پوچھا ''کیا کہہ رہی ہو؟ اس و[illegible] جاؤ گی؟''

''عروج وہاں اکیلی ہے۔''

اسما نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''عینی! [illegible] ہو... ایسی نادانی کی باتیں نہ کرو۔ اس وقت رات [illegible] بج رہے ہیں پھر تمہیں یاد نہیں کہ اخلاق انکل نے کیا ک[illegible] گھر سے باہر قدم نہیں نکالو گی۔''

وہ الجھ کر بولی ''وہ کون ہوتے ہیں مجھے روکنے [illegible] میں جاؤں گی اور ابھی جاؤں گی۔''

اسما نے کہا ''بس ابھی دو تین گھنٹے میں صبح ہونے والی [illegible] عروج کو یہیں بلا لیں گے۔''

''کیا آپ نے اسے میرے بارے میں بتایا تھا؟''

''نہیں۔ ہم جانتے ہیں وہ بھی تمہاری طرح پاگل ہے۔ [illegible]نہاری حالت کا سنتے ہی آدھی رات کو دوڑی چلی آتی۔ ہم [illegible]نے اسی لیے ابھی کچھ نہیں بتایا ہے۔''

وہ اطمینان کی سانس لیتے ہوئے بولی ''میں جانتی تھی، [illegible]ے میرے بارے میں پتا نہیں ہے ورنہ وہ دوڑی چلی آتی لیکن میں جاؤں گی... ابھی جاؤں گی۔''

وہ یہ کہہ کر کھڑی ہوگئی۔ ریلنگ کے سہارے ایک ایک پائیدان پر قدم رکھتے ہوئے نیچے اترنے لگی۔

اسما نے اسے شانوں سے تھام کر کہا ''کیا کر رہی ہو [illegible]ینی......؟ میری بات مان لو۔ دیکھو! میں تمہاری بھابی ہوں، کیا تم میری بات نہیں مانو گی؟''

''میں آپ کی عزت کرتی ہوں مگر آپ کی بات مان کر عروج کو نہیں بھول سکتی۔ وہ اس وقت تنہا ہے اور میری وجہ سے تنہا ہے۔ پلیز...... مجھے نہ روکیں۔''

وہ اترتی جا رہی تھی اور بولتی جا رہی تھی۔ اسما اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولی ''اچھا...... چلو۔ وہاں صوفے پر آرام سے بیٹھو۔ ابھی تمہارے بھائی جان آئیں گے... تم ان کے ساتھ عروج کے پاس چلی جانا یا پھر اسے یہاں بلا لینا۔''

''نہیں بھابی جان! میں یہ برداشت نہیں کروں گی کہ وہ تنہا کوارٹر میں رات گزارے اور وہ بھی میری وجہ سے......''

وہ اسما کے سہارے چلتی ہوئی صوفوں کے درمیان آئی۔ بابر نے بیٹھنے کے لیے کہا تو وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''نہیں۔ دروازے کی طرف چلیں۔ ڈرائیور کو بلائیں۔''

بابر نے جھنجلا کر کہا ''عینی! پاگل ہوئی ہو کیا؟ جانتی ہو، وکیل انکل نے کتنے سخت انتظامات کیے ہیں؟ سیکورٹی گارڈز تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے گھر میں قیدی بن کر رہوں گی؟ مجھے نہیں چاہیے یہ دولت اور جائداد۔ مجھے نہیں چاہیے وصیت کی پابندی۔ میں اپنے پاپا کی وصیت اور جائداد سے انکار کرتی ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ مجھے صرف عروج چاہیے۔''

وہ آگے بڑھنے لگی تو بابر نے سامنے آ کر راستہ روکتے ہوئے کہا ''ذرا دیر کے لیے رک جاؤ۔ ہم ابھی عروج کو فون کرتے ہیں۔ تم اس سے بات کرو اور یہ طے کرو کہ تم وہاں جاؤ گی یا وہ یہاں آئے گی؟''

اس نے قائل ہو کر بابر کو دیکھا۔ اسما نے اسے ایک صوفے پر بٹھا دیا۔ بابر ریسیور کو کان سے لگا کر بولا ''عروج کے نمبر بتاؤ۔''

اس کے کچھ کہنے سے پہلے دروازہ کھلا۔ ان تینوں نے اس طرف دیکھا۔ کھلے ہوئے دروازے سے ذیشان اندر آ رہا تھا۔ اسما فوراً ہی اٹھ کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی ''اچھے وقت پر آئے ہیں۔ عینی نے تو پریشان کر دیا ہے۔ یہ اتنی رات کو عروج کے پاس جانے کی ضد کر رہی ہے۔''

ذیشان نے عینی کے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''تم عروج سے ملنے کے لیے بے چین ہو رہی ہو۔ ہم تمہاری بے چینی سمجھ سکتے ہیں مگر یہ ضد تمہیں نقصان پہنچا رہی ہے۔ کیوں اپنی جان سے دشمنی کر رہی ہو؟ تم صبح اس سے مل سکتی ہو۔''

''نہیں بھائی جان! آپ نہیں جانتے۔ اس نے میری خاطر اپنے ماں باپ سے جھگڑا کیا ہے اور اپنا گھر چھوڑ دیا ہے۔ کیا میں ایسی حالت میں اسے تنہا رہنے دوں گی؟''

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا ''بے شک۔ اسے تنہا نہیں رہنا چاہیے۔ میں ابھی فون پر اس سے بات کرتا ہوں اور ابھی اسے یہاں بلاتا ہوں۔''

بابر ریسیور لیے کھڑا ہوا تھا پھر بولا ''عروج کا نمبر بتاؤ۔''

وہ نمبر بتانے لگی اور وہ ڈائل کرنے لگا... کچھ دیر بعد دوسری طرف سے بیل کی آواز سنائی دینے لگی۔ بابر نے ریسیور عینی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی پھر عروج کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو...... میں عروج بول رہی ہوں۔''

وہ بولی ''میں عینی ہوں۔ کیا ابھی تک جاگ رہی ہے؟ سوئی نہیں ہے؟''

''کیسے سوتی......؟ پاشا نے بتایا تھا کہ تو سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر نے تجھے نیند کا انجکشن لگایا ہے اور تو سو رہی ہے۔''

وہ مسکرا کر بولی ''میری جان! مجھے زہر بھی کھلایا جاتا تو میں موت کی نیند نہیں سوتی۔ تجھ سے ملنے کے لیے تڑپتی رہتی۔''

وہ تینوں اس کی باتیں سن رہے تھے۔ دوسری طرف سے عروج نے کہا ''تو نے یہ کیا حماقت کی تھی؟ کیا پستول کو کھلونا سمجھ لیا ہے؟''

وہ ذیشان کو دیکھتے ہوئے بولی ''تیرے پاس آنے سے مجھے روکا جائے گا تو میں جان کی بھی پروا نہیں کروں گی۔ اس

وقت سیڑھیوں سے گر پڑی تھی اس لیے تیرے پاس آنے کی بات ٹل گئی تھی مگر اب نہیں ٹلے گی۔ میں ابھی آؤں گی۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔ کیا تو اس وقت اکیلی ہے؟"

"نہیں۔۔ یہاں بھائی جان میرے پاس بیٹھے ہیں۔ اسما بھابی اور بابر بھی ہیں۔"

"ریسیور ذیشان بھائی کو دے۔"

عینی نے ریسیور ذیشان کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولا "ہیلو...... عروج!"

وہ بولی "بھائی جان! آپ جانتے ہیں وہ کیسی سرپھری ہے؟ یہاں آنے سے باز نہیں آئے گی۔ اس لیے مناسب ہے کہ میں وہاں چلی آؤں۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن تم اتنی رات کو تنہا نہیں آؤ گی۔ میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔"

عینی نے مداخلت کی "بھائی جان! اس سے پوچھیں۔ اس نے رات کا کھانا کھایا ہے یا نہیں......؟"

ذیشان نے کہا "اوہو۔۔ وہ یہاں آئے گی تو پوچھتی رہنا۔"

پھر اس نے فون پر عروج سے کہا "ٹھیک ہے۔۔ میں ابھی تمہیں لینے کے لیے آ رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اسما نے کہا "آپ ابھی آفس سے تھک کر آئے ہیں۔ بہتر ہوگا، آپ کی جگہ بابر چلا جائے۔"

وہ بولا "نہیں... میں سپاہیوں کے ساتھ آیا ہوں۔ انہی کے ساتھ جا کر عروج کو لے آؤں گا۔"

پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا "عینی! میں تمہاری بات مان رہا ہوں۔ تم میری بات مانو۔ یہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام سے لیٹ جاؤ۔"

اسما نے عینی کا ہاتھ تھام کر کہا "چلو......اٹھو......"

وہ اٹھ کر اسما کے ساتھ جانے لگی۔ ذیشان اسے زینے پر چڑھتے ہوئے اور اسے اپنے کمرے تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر مطمئن ہو کر وہاں سے باہر آ گیا۔

باہر سیکورٹی گارڈز کے علاوہ مسلح سپاہی بھی کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے سپاہیوں سے کہا "میرے پیچھے آؤ۔"

سپاہی فوراً ہی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کی کار کے پیچھے ایک گاڑی میں جانے لگے۔ وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا مین روڈ پر آ گیا۔ ایسے وقت فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو...... ایس پی ز[illegible] ہیئر......!"

دوسری طرف سے اس کے اعلیٰ افسر آئی جی کی [illegible] سنائی دی "ذیشان! تم نے جواد ہاشمی کو رہا کر دیا تھا؟"

وہ مستعدی سے بولا "یس سر! میں نے آپ کے [illegible] تعمیل کی ہے۔"

"لیکن وہ ابھی تک شہباز درانی کے پاس نہیں [illegible] ہے۔"

"سر! یہ شہباز درانی کون ہے؟"

"ہمارے ملک میں بے شمار اثر و رسوخ والے ہیں۔ یہ انہی بڑے لوگوں میں سے ایک ہے۔ کیا تم نے [illegible] کے سلسلے میں جواد سے کوئی تحریر لی تھی؟"

"سر! میں پکا کام کرتا ہوں۔ اس کے تحریری کاغذ [illegible] صرف اس کے دستخط ہیں۔ بلکہ جو چار افراد اسے لینے کے آئے تھے۔ میں نے اس کاغذ پر ان کے دستخط بھی لیے [illegible] اس کے بعد اسے ان کے حوالے کیا تھا۔ ان میں سے ایک [illegible] کسی سے فون پر رابطہ کر کے کہا تھا کہ جواد کو رہائی مل گئی۔ وہ اسے لے کر آ رہے ہیں۔"

آئی جی نے مطمئن ہو کر کہا "پھر تو ٹھیک ہے۔ اب [illegible] وہ اپنے گھر تک نہیں پہنچتا ہے تو اس کے ذمے دار ہم [illegible] ہیں۔ اس کم بخت نے تمہاری بہن کو اغوا کرنے کی [illegible] کوشش کی تھی۔ اس کے باوجود تم نے میرے حکم کی تعمیل [illegible] ہے۔ تم اپنا فرض ادا کر چکے ہو۔ اوکے گڈ نائٹ......"

رابطہ ختم ہو گیا۔ ذیشان ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھ[illegible] ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس نے موبائل کو آف کرتے ہ[illegible] ناگواری سے سوچا "اونہہ۔ میری بہن کو اغوا کرنے [illegible] خیریت سے گھر پہنچ جائے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابھی [illegible] ماں بیٹے کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوتا رہے گا......"

☆☆☆

شہباز درانی کی پہنچ بہت اوپر تک تھی اور وہ وہاں تک [illegible] کر یہ کہہ چکا تھا کہ ایک گھنٹے کے اندر جواد ہاشمی کو رہا ہو کر [illegible] کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔

اسے یقین دلایا گیا تھا کہ ایسا ہی ہوگا اور پھر ایک [illegible] کے اندر ہی اس کے چار آدمی جواد ہاشمی کو لینے کے لیے ذ[illegible] کے دفتر میں پہنچ گئے تھے۔ وہاں سے ایک آدمی نے فون [illegible] ذریعے شہباز کو بتایا تھا کہ جواد کو رہائی مل چکی ہے اور وہ ا[illegible] لے کر آ رہے ہیں۔

[illegible] دردانہ بیگم خوش ہو گئی تھی کہ اس کا بیٹا رہا ہو کر آ رہا ہے۔ [illegible]ہباز کے جو چار آدمی اسے لینے گئے تھے ان میں سے ایک [illegible]نے آدھے گھنٹے کے اندر ہی فون پر پریشان ہو کر کہا "باس! [illegible]م مصیبت میں ہیں۔ ہم پر چاروں طرف سے فائرنگ ہو رہی ہے۔"

شہباز نے کہا "یہ کون ہیں جو ایسا کر رہے ہیں۔ دشمنوں [illegible]کو پہچاننے کی کوشش کرو اور جواد کو بہ حفاظت یہاں لاؤ۔ اپنا [illegible]ون آن رکھو اور مجھے پل پل کی خبر دیتے رہو۔"

دردانہ یہ باتیں سن کر پریشان ہو گئی۔ کہنے لگی "شہباز! یہ [illegible]یرے بیٹے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے بولا "تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میرے کئی جانے انجانے دشمن ہیں۔ ان میں سے کوئی میرے خلاف ایسی حرکت کر رہا ہے۔"

وہ اسے تسلیاں دینے لگا۔ دوسری طرف فون پر بہت دیر تک خاموشی رہی پھر اس کے ماتحت نے رابطہ کر کے کہا "باس! وہ لوگ فرار ہو چکے ہیں۔ ہمارے دو آدمی مارے گئے ہیں۔ ہم جواد صاحب کو تلاش کر رہے ہیں مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہے ہیں۔"

شہباز نے دھاڑتے ہوئے پوچھا "کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم جیسے کتوں کے ہوتے ہوئے وہ کہاں غائب ہو گیا؟"

"باس! حملہ ایسے اچانک ہوا تھا کہ ہم سب ہی تتر بتر ہو گئے تھے۔ دشمنوں کے حملے کے بعد پتا چلا کہ ہمارے دو ساتھی مارے گئے ہیں اور جواد صاحب لاپتا ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ اسے کہیں سے بھی تلاش کر کے لاؤ۔"

دردانہ نے تڑپ کر پوچھا "میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا ہے۔ تمہارے آدمی چھپا رہے ہیں۔"

وہ فون بند کرتے ہوئے بولا "اسے کچھ نہیں ہوا ہے۔ میرے دو بندے مارے گئے ہیں۔ جب وہ ان کی ہلاکت کے بارے میں مجھے بتا سکتے ہیں تو وہ جواد کے بارے میں بھی ایسی کوئی بری خبر سنا سکتے ہیں۔ فی الحال تو بات صرف اتنی سمجھ میں آ رہی ہے کہ اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی پھر بولی "کیا تمہارے انہی دشمنوں نے اسے اغوا کیا ہوگا جنہوں نے تم پر فائرنگ کی تھی؟"

وہ ذرا سوچتے ہوئے بولا "ہو سکتا ہے کہ یہ وہی ذلیل دشمن ہوں۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

اس نے اپنی سیکریٹری تہمینہ سے کہا "اشرف چنگیزی کو اس کے تمام نمبروں پر تلاش کرو اور رابطہ ہوتے ہی مجھ سے بات کراؤ۔"

وہ حکم کی تعمیل کے لیے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد ہی اس نے فون پر کہا "باس! اشرف چنگیزی سے بات کریں۔"

تہمینہ سے رابطہ ختم ہوتے ہی اس کی آواز سنائی دی۔ شہباز درانی نے غراتے ہوئے کہا "چنگیزی! میں بول رہا ہوں۔"

"ہاں......زخمی شیر! غرا رہے ہو؟ میں تو سمجھ رہا تھا، گولی کھانے کے بعد مر چکے ہو گے مگر بڑے ڈھیٹ ہو۔"

شہباز نے دردانہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فون پر کہا "چنگیزی! ایک طویل مدت کے بعد میری محبت مجھے واپس ملی ہے۔ اسی لیے تم اب تک سانسیں لے رہے ہو۔ میں محبت کے معاملے میں الجھ کر انتقام کو بھولا ہوا ہوں۔ ویسے آج صبح ٹھیک چھ بجے تمہاری زندگی کا اختتام ہو جائے گا۔"

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "شہباز! تمہارا ایک خاص بندہ میرے قبضے میں آ گیا ہے۔ میرے آدمیوں نے ابھی اسے اغوا کیا ہے۔"

"جانتا ہوں۔ اسی لیے فون کیا ہے۔ اگر تم مزید چوبیس گھنٹے زندہ رہنا چاہتے ہو تو میرے آدمی کو میرے حوالے کر دو۔"

"اسد عزیزی تمہارا رائٹ ہینڈ ہے۔ بہت اہم بندہ ہے۔ تمہارے لیے بھی اور میرے لیے بھی۔ جب تک یہ میرے قبضے میں رہے گا۔ تم مجھے نقصان پہنچانے کی غلطی نہیں کرو گے۔"

شہباز درانی نے ذرا سوچا پھر کہا "میں اپنے دستِ راست اسد عزیزی کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ یہ تو مجھے بہت پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ تمہارے قبضے میں ہے۔ میں اسے کسی نہ کسی طرح تمہارے شکنجے سے نکال لاؤں گا۔ اس وقت میں اپنے دوسرے بندے کی بات کر رہا ہوں۔ اسے ابھی اغوا کیا گیا ہے۔ اس کا نام جواد ہاشمی ہے۔"

"یہ میرے لیے نیا نام ہے۔ میں تمہارے ایک ایک بندے سے واقف ہوں پھر یہ جواد ہاشمی کون ہے؟"

اس نے دردانہ کو بڑی محبت سے دیکھا پھر فون پر کہا "وہ میرا بیٹا ہے۔"

دردانہ یہ سنتے ہی خوش ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ شہباز فون پر غرا رہا تھا "دیکھو چنگیزی! انجان بننے کی کوشش نہ کرو۔

اگر اسے ذرا بھی نقصان پہنچا تو تمہارا جوان بیٹا مارا جائے گا۔"

چنگیزی نے کہا "تم خواہ مخواہ مجھ پر شبہ کر رہے ہو۔ اگر میں نے تمہارے بیٹے کو اغوا کیا ہوتا تو میں یہ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہتا۔ تم جانتے ہو، مجھے چوہے بلی کا کھیل پسند نہیں ہے۔"

شہباز ایک ذرا توقف کے بعد بولا "میں تمہاری بات کا یقین کرتا ہوں لیکن پھر بھی کہتا ہوں، اگر تم نے ایسی گھٹیا حرکت کی ہے تو اسے واپس کر کے مزید کچھ عرصے تک زندہ رہنے کی مہلت حاصل کر لو۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم کتنے خطرناک ہو؟ جب کسی دشمن کی موت کا وقت مقرر کرتے ہو تو وہ ہر حال میں اسی وقت مرتا ہے۔ اگر میں نے جواد کو اغوا کیا ہوتا تو مزید جینے کے لیے اسے ضرور تمہارے حوالے کر دیتا۔ فی الحال میرے قبضے میں اسد عزیزی ہے۔ لہٰذا اس کی بات کرو۔"

"اسد عزیزی کی وجہ سے ہی میں تمہیں صبح چھ بجے تک جینے کی مہلت دے رہا ہوں۔"

وہ حقارت سے بولا "اونہہ۔ تم تو ملک الموت بننے کا دعویٰ کر رہے ہو۔ اس وقت رات کے تین بجے ہیں۔ چھ بجنے میں صرف تین گھنٹے رہ گئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم میرے لیے ملک الموت ثابت ہو گے یا نہیں۔"

شہباز نے کوئی جواب دیئے بغیر فون بند کر دیا پھر دردانہ سے کہا "جواد اس کے پاس نہیں ہے میں حیران ہوں کہ اسے کس نے اغوا کیا ہے؟ میرا کون سا دشمن مجھے چیلنج کر رہا ہے؟"

دردانہ اس سے الگ ہو کر ذرا سوچنے کے بعد بولی "ضروری نہیں کہ یہ کام تمہارے ہی کسی دشمن نے کیا ہو۔ ایسا کرنے والا میرا دشمن بھی ہو سکتا ہے۔"

وہ بولا "تمہارا کون سا دشمن ہے؟"

وہ حقارت سے بولی "وہی۔ ایس پی ذیشان۔ اس کے دماغ میں بہت گرمی ہے۔ میرے بیٹے نے اس کی بہن کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ یہ توہین برداشت نہیں کر پا رہا ہے اور میرے بیٹے کو نقصان پہنچا رہا ہے۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا "تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اس نے ہوم منسٹر کے حکم سے جواد کو رہا تو کر دیا ہے لیکن در پردہ اسے پھر اپنے قبضے میں کر لیا ہے؟"

"ہاں۔ تم خود ہی سوچو۔ کیا وہ ایسا نہیں کر سکتا؟"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا "ہاں ...... کر سکتا ہے، میں معلوم کروں گا کہ وہ ایس پی کتنے پانی میں ہے؟"

ابھی میں شہباز درانی اور ذیشان کے درمیان کھڑا ہوں۔ دونوں کے ہاتھوں کی لکیروں پر ہوں۔ ذیشان ابھی نہیں جانتا تھا کہ شہباز درانی کون ہے؟ اور کتنا طاقت ور ہے؟ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے آگے اس ملک کے حکمران بھی بے بس ہو جاتے تھے اور یہ نہیں سمجھ پاتے تھے کہ شہباز درانی دراصل وہ خفیہ ہاتھ ہے جو سُپر پاور کا آشیر داد حاصل کرتا رہا ہے اور اس ملک کی تقدیر بدلتا رہتا ہے۔

اسکے مقابلے میں ذیشان محض ایک پولیس افسر تھا۔ بااختیار اور بے جا اختیارات کے ذریعے بہت کچھ کر سکتا تھا پھر بھی شہباز درانی جیسے پہاڑ کے سامنے محض ایک ذرہ تھا۔

ذیشان کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ بہت ہی باہمت، حوصلہ مند اور مستقل مزاج رکھنے والا جوان مرد تھا۔

اور مقدر صرف اسی کا ساتھ دیتا ہے جو حوصلہ مند ہوتے ہیں۔ فی الحال مجھے یہ دیکھنا تھا کہ ان دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں کیا کہتی ہیں؟ میں ایک بار پھر وضاحت کر دوں کہ تقدیر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس خدائے برتر کو کاتب تقدیر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر انسان کے ساتھ مجھے پیدا کرتا ہے اور انسان کی دونوں ہتھیلیوں پر جو لکیریں بناتا ہے۔ مجھے ان پر ہی چلنے کا حکم دیتا ہے۔

اور یہ لکیریں کیا ہیں؟ ان کا مزاج کیا ہے؟ یہ لکیریں پل میں تولہ، پل میں ماشہ ہوتی ہیں۔ پل میں دوست ہوتی ہیں، پل میں دشمن بن جاتی ہیں۔ البتہ کاتب تقدیر نے ہاتھوں پر لکیروں کی صورت میں یہ لکھ دیا ہے کہ جو بھی ایمان والا ہوگا۔ حوصلہ مند ہوگا۔ وہ اپنے عمل سے تقدیر کا رخ پھیر سکے گا اور اسی لیے کبھی کبھی میرا رخ اچانک ہی پھر جاتا ہے۔

آئندہ دیکھا جائے گا کہ شہباز درانی اور ذیشان کے ہاتھوں کی لکیریں انہیں کس طرح زیر و زبر کر سکتی ہیں؟

میں اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں ...... میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں۔

م سے مقدر ...... م سے محبت ...... م سے میں ...... اور میں ان تینوں کے درمیان م سے مثلث بنا رہا تھا۔ انہیں الجھا رہا تھا۔

عروج اور پاشا کی الجھنیں شروع ہو گئی تھیں لیکن عینی ابھی الجھی ہوئی نہیں تھی۔ ان دونوں کے مسائل سے بے خبر تھی اور یہ بے خبری رنگ لانے والی تھی۔

عروج ذیشان کے ساتھ عینی کی کوٹھی میں آ گئی تھی۔ دونوں سہیلیاں تھوڑی دیر تک گلے لگ کر روتی رہیں، ایک دوسرے کے آنسو پونچھتی رہیں۔ گھر کے دوسرے افراد بھی اس کے کمرے میں چلے آئے تھے۔

فلک آفتاب نے کہا "تم دونوں نے کل رات سے ہماری نیند اڑا رکھی ہے۔ نہ کل چین سے سو سکے نہ آج رات ...... خدا کے لیے۔ اب دونوں یہاں ایک ساتھ رہو، باتیں کرو، خود بھی نیند پوری کرو اور ہمیں بھی ذرا سونے دو۔"

وہ سب اپنے اپنے کمروں کی طرف جانے لگے۔ ذیشان اور اسما بھی اس کے کمرے سے باہر آ گئے۔ ذیشان ذرا رک کر عینی کے کمرے کی طرف دیکھنے لگا۔ اسما نے پوچھا "کیا ہوا ......؟ وہاں کیا دیکھ رہے ہیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "یہ لڑکی بہت بدنصیب ہے۔"

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟"

"عینی کی بات کر رہا ہوں۔"

"اب ایسا کیا ہو گیا جو اسے بدنصیب کہہ رہے ہیں؟"

عینی اور عروج نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ ذیشان اسما کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "عینی نے کہا تھا کہ وہ پاشا کو چاہنے لگی ہے۔"

"ہاں ...... اس نے کہا تھا ...... پھر ......؟"

"پھر یہ کہ اس کی محبت یکطرفہ ہے۔ پاشا کے دل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہ کسی دوسری لڑکی کو چاہتا ہے۔"

وہ دونوں کمرے میں آ گئے تھے۔ اسما نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا "کیا یہ سچ ہے؟ وہ عینی جیسی دولت مند لڑکی کو چھوڑ کر کسی اور کو چاہتا ہے؟"

"ہاں ...... اس کی اسی صاف گوئی نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ پاشا واقعی ایماندار ہے، اتنا سچا ہے کہ جو اس کے دل میں ہوتا ہے وہی اس کی زبان پر آ جاتا ہے۔ ورنہ وہ ایک امیرزادی کو اپنی طرف مائل دیکھ کر اس سے محبت کا دعویٰ کر سکتا تھا۔"

"وہ کس لڑکی کو چاہتا ہے؟"

"نہ اس نے بتایا اور نہ میں نے پوچھا۔ پوچھ کر کرتا بھی کیا ......؟ مجھے تو عینی کی طرف سے صدمہ ہو رہا ہے کہ پتا نہیں اس لڑکی کا کیا ہوگا؟ جب اسے معلوم ہوگا کہ اس کی محبت یکطرفہ ہے تو نہ جانے اس کے دل پر کیا بیتے گی؟"

ذیشان یہ کہہ کر مایوسی سے بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔

دوسری طرف عینی چہک کر عروج سے کہہ رہی تھی "ہائے میری جان! میں تو اپنی تمام تکلیفیں بھول گئی ہوں۔ اب ہم ساری رات جاگیں گے اور خوب باتیں کریں گے۔"

عروج نے کہا "بالکل نہیں ...... آرام سے لیٹ کر سو جا ...... نیند پوری کر ...... باتیں کل دن میں ہوں گی۔"

یہ کہہ کر اس نے کمرے کی تمام لائٹس کو آف کر کے زیرو پاور کے بلب کو آن کر دیا پھر اس کے برابر آ کر لیٹ گئی۔ عینی نے کہا "پتا ہے آج میں نے بھائی جان سے صاف صاف کہہ دیا ہے ......"

وہ اس کی بات کاٹ کر بولی "مجھے سب پتا ہے۔ جو تو نے بھائی جان سے کہا۔ وہ انہوں نے پاشا سے کہا اور پھر اس سے مجھے معلوم ہوا۔"

وہ چونک کر بولی "ہائے اللہ! بھائی جان نے ساری باتیں پاشا کو بتا دیں؟"

عروج اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی۔ پھر بھی وہ ذرا خفگی سے بولی "بھائی جان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پتا نہیں پاشا جانی کیا سوچ رہا ہوگا؟"

زیرو پاور کے بلب میں بھی اس کا چہرہ دمک رہا تھا پھر اس نے ذرا شرماتے ہوئے پوچھا "ویسے ...... یہ بتا! پاشا کا ردِ عمل کیا ہے؟"

وہ تفصیل بتانے سے گریز کرنے لگی۔ "میں تجھ سے کہہ چکی ہوں۔ چپ چاپ سو جا! باتیں صبح ہوں گی۔"

"کیوں زبردستی سلا رہی ہے؟ مجھے نیند نہیں آ رہی۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ بیٹھی۔ عروج نے پوچھا "تجھے نیند کیوں نہیں آ رہی ہے؟"

وہ ایک تکیے کو گود میں رکھ کر اسے بھینچتے ہوئے بولی "پتا نہیں کیوں ......؟ ایسا لگ رہا ہے جیسے پاشا بھی جاگ رہا ہے ......"

وہ بولی "صبح کے چار بجنے والے ہیں۔ ساری دنیا سو رہی ہے، پاشا بھی سو رہا ہوگا۔ تو بھی سو جا!"

"چل شرط لگا لے۔ وہ ضرور جاگ رہا ہوگا۔"

"تیرا دماغ چل گیا ہے۔ وہ بے چارہ سو رہا ہوگا اور تو

اسے جگانا چاہتی ہے۔"

"جب میں یقین سے کہہ رہی ہوں کہ وہ جاگ رہا ہوگا تو پھر جگانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اپنا موبائل فون دے۔ میں ابھی جانی سے رابطہ کرتی ہوں۔"

عروج نے مسکرا کر اسے ٹوکا "اوہو...... پہلی بار اسے جانی کہہ رہی ہے۔ پاشا نہیں کہہ سکتی۔"

وہ دھپ سے اس کے برابر لیٹتے ہوئے بولی "یہ ایک عام سا نام ہے۔ نچلے طبقے کے لوگ اپنے محبوب کو جانی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔"

"ہاں...... اونچے طبقے میں ایسے نام نہیں ہوتے۔ تجھے پاشا کہنا چاہیے۔"

"اچھا...... اب نہیں کہوں گی۔ اپنا فون تو دے۔"

"کیوں خواہ مخواہ ضد کر رہی ہے؟ وہ سو رہا ہوگا۔ اسے سونے دے۔"

"میں یہی ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ وہ جاگ رہا ہے۔"

عروج نے الجھ کر کہا "ظاہر ہے، جب فون کا بزر بولے گا...تو وہ جاگ کر ہی اسے کان سے لگائے گا اور بات کرے گا۔"

"کچھ بھی ہو۔ تو فون دے گی یا نہیں؟"

وہ تنگ آ کر بولی "میں جانتی ہوں، تو اپنی ضد پوری کرے گی۔"

وہ بیگ سے اپنا فون نکال کر نمبر پنچ کرنے لگی پھر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "لے......! اپنے جانی سے بات کر!"

عینی جلدی سے فون کو کان سے لگا کر دوسری طرف کی آواز سننے لگی۔ بیل جا رہی تھی۔ اس نے عروج سے کہا "پہلے میں کچھ نہیں بولوں گی۔ خاموش رہ کر اسے پریشان کروں گی۔"

عروج کچھ کہنا چاہتی تھی۔ عینی نے فوراً ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اِدھر سے پاشا نے کہا "ہیلو عروج! میں نے اپنے فون پر تمہارا نمبر پڑھا ہے۔ میں جانتا تھا کہ میرے اس طرح چلے آنے کے بعد تمہیں نیند نہیں آئے گی۔"

عینی نے اپنے سامنے دھندلی دھندلی سی عروج کو دیکھا۔ اِدھر وہ کہہ رہا تھا "تم اپنی سہیلی عینی کی خاطر اپنی محبت کی قربانی دینا چاہتی ہو اور میں جانتا ہوں، یہ ممکن نہیں ہے۔ تم دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاؤ گی۔ تم مجھ سے کتراتی رہتی ہو اور میرا انتظار بھی کرتی رہتی ہو...... آج بھی تم کترا رہی تھیں لیکن اب جاگ رہی ہو۔ تمہارا یہ رت جگا بتا رہا ہے کہ تمہاری ز پر ناں...... ناں ہے لیکن دل میں ہاں...... ہاں ہے۔"

عینی دھیرے دھیرے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا ڈوب رہا تھا۔ آنکھوں کی نمی نے عروج کو مزید دھندلا کر د اس نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے موبائل فون اس کی طر بڑھا دیا۔ عروج نے اسے لے کر کان سے لگایا۔

پاشا کہہ رہا تھا "ہیلو...... تم میری باتیں سن رہی ناں......؟ کیا صرف سنتی رہو گی...... کچھ بولو گی نہیں......؟...... ٹھیک ہے...... نہ بولو۔ تم مجھے فون کر کے میری باتیں سن رہ ہو، میرے لیے یہی کافی ہے لیکن ایک وقت وہ بھی آئے جب تم بولو گی اور میں سنوں گا۔"

عروج نے فوراً ہی فون کو آف کر دیا۔ عینی گم صم سی بیٹھ ہوئی تھی۔ عروج کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھے بغیر اس ک کیفیت کو سمجھ رہی تھی۔ کمرے میں ایسا سناٹا چھا گیا تھا جیسے وہاں کوئی ذی روح نہ ہو اور واقعی وہاں کوئی نہیں تھا۔ عروج ک دماغ عینی کی طرف بھٹک رہا تھا اور عینی کا دھیان پاشا کی طرف تھا۔

میں اس وقت ان دونوں کے ہاتھوں کی لکیروں پر کھڑا ہوا تھا اور دوسری طرف پاشا کے پاس بھی تھا۔ مثلث مکمل ہو چکی تھی۔

عینی ڈوبتے ہوئے دل سے سوچ رہی تھی "میں ہواؤں میں اڑ رہی تھی مگر وہ مجھے نہیں عروج کو چاہتا ہے۔"

عروج سر جھکائے سوچ رہی تھی۔ "یہ پاشا بولتا ہے تو بولتا ہی چلا جاتا ہے۔ عینی اِدھر خاموش تھی اور وہ اُدھر بولتا جا رہا تھا۔ اسے پوچھنا تو چاہیے تھا کہ اِدھر فون کون اٹینڈ کر رہا ہے؟"

عینی سوچ رہی تھی "پاشا نے اپنے فون پر عروج کا نمبر پڑھا ہے۔ مجھے عروج سمجھ کر دل کی باتیں کتاب کی طرح کھولتا چلا گیا۔"

عروج نے جھجکتے ہوئے سر اٹھا کر عینی کو دیکھا۔ پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "وہ تو باؤلا ہے بے تکی باتیں کرنے لگتا ہے۔ مجھے بتا، وہ کیا کہہ رہا تھا؟" وہ اپنے شانے سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔

"میں تجھ سے نہیں بولوں گی۔ وہ تجھے چاہتا ہے اور تو اس کی چاہت مجھ سے چھپا رہی تھی۔"

"اس کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ میں تو اسے نہیں چاہتی۔"

"جھوٹ مت بول۔ اس نے صاف لفظوں میں کہا ہے

کہ تو میری خاطر اپنی محبت کی قربانی دے رہی ہے۔ اپنی محبت کو مجھ سے چھپا رہی ہے کیا صرف اس لیے کہ میرا دل نہ ٹوٹے......؟"

"دل ٹوٹنے کی بات نہیں ہے۔ میں اسے سمجھا رہی ہوں کہ اسے تیری طرف مائل ہونا چاہیے۔ تجھ سے محبت کرنی چاہیے۔ تجھے اس سے اچھا اور کوئی جیون ساتھی نہیں ملے گا۔"

عینی نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا "اور پاشا کا دل کیا کہتا ہے؟ کہ تیری جیسی شریکِ حیات اسے کہیں نہیں ملے گی۔"

"وہ تو پاگل ہے...... سر پھرا ہے۔ عقل کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔"

وہ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "عروج......! میری جان! عشق حاوی ہو جائے تو عقل باقی نہیں رہتی۔"

وہ اسے دیکھنے لگی پھر بولی "تو بھی تو اس سے عشق کر رہی ہے۔ کیا تیرے پاس عقل رہ گئی ہے؟ کیا تیرا دل اس کے بغیر کہیں لگے گا؟ یہ بے انتہا دولت، یہ زمانے بھر کی آسائشیں اور یہ دنیا کی رنگینیاں کیا تجھے اچھی لگیں گی؟ کبھی نہیں...... تو بالکل مرجھا جائے گی۔ جیتے جی مر جائے گی......"

"اور تو کیا اس کے بغیر جی لے گی؟"

"ہاں...... جی لوں گی۔"

"میں تیری بچپن کی سہیلی ہوں۔ تیرے لیے جان دیتی آئی ہوں۔ پاشا کو تیرے حوالے کر کے جی کر دکھاؤں گی۔ میں تیرے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں۔"

"فضول باتیں نہ کر۔ تیرے آس پاس خود غرض اور لالچی لوگوں کی بھیڑ ہے۔ یہی ایک سچا ساتھی مل رہا ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ اسے تیری طرف جھکا کر رہوں گی۔"

عینی نے ایک گہری سانس لے کر ذرا افسردگی سے کہا "زبردستی تو خدا کے سامنے بھی کسی کو نہیں جھکایا جا سکتا۔ سجدہ ہمیشہ دل سے کیا جاتا ہے اور عشق کی بارگاہ میں بھی پہلے دل ہی جھکتا ہے۔ تب سر جھکتا ہے۔"

عروج اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ بے بسی سے بولی "عینی! ایسے تو بات نہیں بنے گی۔ ہم دونوں ہی ضدی ہیں اور ہماری ضد کے نتیجے میں وہ ہم میں سے کسی کا نہیں رہے گا۔"

عینی نے سر جھکا کر گہری سنجیدگی سے کہا "ہاں...... تو میرے لیے قربانی دے گی...... تو میں بھی تیرے لیے قربانی دوں گی۔ مجھے یہ بتا کہ پاشا سے تیری کیا باتیں ہوئی ہیں؟"

"اس دیوانے کی بات نہ پوچھ...... میں نے اسے سختی سے کہہ دیا ہے، اگر وہ تیری طرف مائل نہیں ہوگا اور آگے چل کر تجھ سے شادی نہیں کرے گا تو میں اس سے ملنا چھوڑ دوں گی۔"

"پھر اس نے کیا جواب دیا؟"

عروج اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کچھ کہنے سے کترانے لگی۔

عینی اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی "چپ کیوں ہے؟ مجھ سے کچھ نہ چھپا۔ ہم نے آج تک ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپائی ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہاں...... میں تجھ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ پہلے میں یہ بات چھپانا چاہتی تھی......"

عینی دھندلائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولی "وہ...... پاشا نے کہا ہے کہ وہ ایک ہی شرط پر تجھ سے محبت کرے گا۔"

عینی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی زبان چپ تھی مگر نظریں سوال کر رہی تھیں۔ عروج اس کی انگلیوں سے کھیلتے ہوئے بولی "اس کی شرط یہ ہے کہ...... میں اس کی محبت کا جواب محبت سے دیتی رہوں۔"

اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔ عینی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی پھر اس کے ہاتھ کو دباتے ہوئے بولی "عروج! ہم اکثر یہی سوچتی رہتی ہیں ناں...... کہ شادی کریں گی تو ایسے خاندان میں جہاں دو بھائی ہوں۔ تاکہ ہم شادی کے بعد ایک ہی چھت کے نیچے ایک ساتھ رہ سکیں۔ یا پھر دو دوست ہوں جو ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہوں۔ تاکہ ہمارا ساتھ بھی زندگی بھر رہے۔"

"ہاں...... ہم یہی سوچتی رہتی ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایک ہی شخص ہم دونوں کی زندگی میں آئے گا۔"

"تو آنے دے...... اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

عروج نے چونک کر پوچھا "کیا کہہ رہی ہے؟ یہ ہماری

بے حیائی کہلائے گی۔"

"ہرگز نہیں...... جب ایک مرد دو عورتوں سے شادی کر سکتا ہے تو کیا دو لڑکیاں کسی ایک مرد سے شادی نہیں کر سکتیں؟"

ان لمحات میں ان دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں مجھے عجیب موڑ پر لے آئی تھیں۔ وہ ایسی لڑکیاں تھیں جو راضی خوشی ایک دوسرے کی سوکن بن کر ایک ہی شخص کی پناہ میں جانا چاہتی تھیں۔

کیا ہماری دنیا میں ایسا ہوتا ہے؟

اگر نہیں ہوتا ہے تو یہ تماشا میں دکھانے والا ہوں۔

☆☆☆

بعض افراد بے انتہا طاقت ور اور وسیع اختیارات کے باعث فرعون بن جاتے ہیں۔ جو بھی ان کے مقابل آتا ہے، اسے حقیر چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیتے ہیں۔ موت کے ہرکارے بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی ہرکاروں میں ایک شہباز درّانی بھی تھا۔

اس نے اپنے دشمن اشرف چنگیزی کے لیے موت کا وقت مقرر کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ صبح ٹھیک چھ بجے وہ اپنی آخری سانس پوری کر لے گا۔

اشرف چنگیزی نے شہباز کے دوسرے مخالفین کو وقتاً فوقتاً اسی طرح مرتے دیکھا تھا۔ اس لیے بظاہر مطمئن رہنے کے باوجود اندر سے سہما ہوا تھا کہ پتا نہیں وہ شیطان کس طرح ٹھیک وقت پر اس کی موت کا سامان کرنے والا ہے؟"

اگرچہ وہ سہما ہوا تھا لیکن اسد عزیزی کی وجہ سے ایک ذرا مطمئن بھی تھا۔ وہ شہباز کا دستِ راست تھا مگر اس وقت اشرف چنگیزی کے پاس تھا۔ بظاہر یہ ڈراما پلے کیا جا رہا تھا کہ اس نے اسد عزیزی کو اپنے بندوں کے ذریعے اغوا کرایا ہے اور اب اسے قیدی بنا کر رکھا گیا ہے۔

لیکن وہ قیدی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اشرف چنگیزی کے دوست کی حیثیت سے اس وقت وہاں موجود تھا اور شہباز درّانی کے اہم راز چرا کر اس کے پاس لے آیا تھا۔

شہباز درّانی کے تمام مخالفین اس جستجو میں رہتے تھے کہ کسی بھی طرح اس کی کمزوریاں معلوم ہو جائیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ بھارتی ایجنٹ ہے، اسرائیلی ایجنٹ ہے؟ یا پھر اسے امریکا کی دست گیری حاصل ہے؟"

اسد عزیزی ایسی دستاویزات چرا کر لایا تھا۔ جن سے یہ ثابت ہو جاتا کہ شہباز درّانی کس ملک کا ایجنٹ ہے اور پاکستان میں رہ کر کس کے لیے کام کر رہا ہے؟

اشرف چنگیزی نے خوش ہو کر اسد عزیزی کو گلے لگا لیا پھر کہا "کل صبح ہوتے ہی میں پریس والوں کو بلاؤں گا اور ا[ن] کے سامنے یہ اہم انکشاف کروں گا پھر شہباز درّانی کو اس ملک سے فرار ہونے کا بھی راستہ نہیں ملے گا۔"

اس نے کہا "آپ صبح ہونے کی بات کر رہے ہیں۔ دیکھیں کہ آپ کی زندگی کی دوسری صبح ہو گی بھی یا نہیں...... آپ کے ساتھ ساتھ میری جان کو بھی خطرہ ہے۔"

اس نے پوچھا "تمہارے لیے کیسا خطرہ ہے؟"

وہ بولا "شہباز درّانی زخمی حالت میں اپنے گھر پہنچا ہو گا ایسے میں وہ اپنا سیف کھول کر نہیں دیکھے گا اور نہ ہی ا[سے] معلوم ہو گا کہ اس کے اہم کاغذات غائب ہو چکے ہیں اِدھ[ر] آپ نے ابھی اسے اطلاع دی ہے کہ مجھے اغوا کر کے یہاں پہنچایا گیا ہے۔ اس طرح وہ ان معاملات میں الجھا ر[ہے] گا لیکن جب وہ کل کسی ضرورت کے تحت اس سیف کو کھولے [گا] تو اسے میری غداری کا علم ہو جائے گا پھر وہ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"ہم دونوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ اس کا بھید جلد ا[ز] جلد کھل جائے اور وہ قانون کی گرفت میں آ جائے۔ یہ بھی [سیف] کھولنے کے لیے مجھے صبح چھ بجے کے بعد بھی زندہ رہنا ہو گا۔ آؤ......! میں تمہیں دکھاؤں کہ میں نے کیسے کیسے حفاظتی انتظامات کیے ہیں؟"

وہ اپنے ایک خفیہ اڈّے میں تھا۔ اس نے اس چھوٹے سے بنگلے کے اندر اور باہر جدید الیکٹرانک آلات نصب کیے تھے۔ باہر چاروں طرف سیکورٹی گارڈز پہرہ دے رہے تھے۔ کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ تمام کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ اگر کوئی چھپ کر اندر آنا چاہتا تو جدید آلات کے ذریعے فوراً ہی سب کو خبر ہو جاتی کہ دشمن آ رہا ہے۔

اشرف چنگیزی نے اپنے خاص کمرے میں ایک بڑا سا ٹی وی رکھا تھا۔ وہ اس کی اسکرین پر اپنے بنگلے کے تمام اندرونی حصوں کو دیکھ سکتا تھا۔

صرف اسے ہی نہیں...... اسد عزیزی کی جان کو بھی خطرہ تھا۔ اس لیے دونوں کے پاس بھرے ہوئے ریوالور تھے اور کسی بھی آنے والے دشمن پر بے دریغ فائر کر سکتے تھے۔

ویسے اتنے سخت حفاظتی انتظامات کے پیشِ نظر یہ اطمینان تھا کہ کوئی دشمن بنگلے کے اندر قدم نہیں رکھ سکے گا پھر اشرف چنگیزی کو یہ بھی یقین تھا کہ اس کے اس خفیہ اڈّے کا علم نہ شہباز درّانی کو ہے اور نہ ہی کسی دوسرے دشمن کو ہے۔

اس وقت صبح کے پانچ بج چکے تھے۔ وہ دونوں اپنی سلامتی کے لیے اس قدر محتاط تھے کہ انہوں نے شہباز سے فون پر بات کرنے کے بعد ایک گھونٹ پانی بھی حلق سے نہیں اتارا

تھا۔ کھانے پینے کی کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ دشمن کسی بھی طرح ان چیزوں کے ذریعے انہیں ہلاک کر سکتا ہے۔

پانچ بجتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اشرف نے سی ایل آئی پر نمبر پڑھتے ہوئے کہا "شہباز ہے۔"

اسد نے کہا "ریسیور اٹھا کر بات کریں۔"

اشرف نے ایک ذرا سوچنے کے بعد ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو...... میں اشرف چنگیزی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے لیڈی سیکریٹری تہمینہ کی آواز سنائی دی "جسٹ اے منٹ...... باس بات کرنا چاہتے ہیں۔"

چند سیکنڈ بعد ہی شہباز درّانی فون پر غرّایا "چنگیزی! تم مجھ سے ڈراما بازی کر رہے تھے۔ تم نے اسد عزیزی کو اغوا نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ غدار کمینہ میرے اہم کاغذات چرا کر تمہارے پاس گیا ہے۔"

اشرف چنگیزی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "بڑی دیر سے آنکھ کھلی ہے۔ میں نے تمہیں صرف گولی کا زخم نہیں دیا ہے۔ ایسی دماغی چوٹ پہنچائی ہے کہ کل پریس میٹنگ کے بعد جب تمہارا اصلی چہرہ سب کے سامنے آئے گا تو تمہیں منہ چھپانے کے لیے اپنے ہاتھ بھی نہیں ملیں گے۔"

"کس خوش فہمی میں ہو چنگیزی......؟ کیا تم کل صبح تک زندہ رہو گے؟"

وہ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "صرف پچاس منٹ رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد تم خود ہی دیکھ لو گے اور پہلی بار تسلیم کرو گے کہ کسی پہاڑ سے ٹکرا رہے تھے۔ تم میرے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔"

"میں مانتا ہوں کہ تم جس خفیہ بل میں گھسے ہوئے ہو۔ میں وہاں تک نہیں پہنچ پاؤں گا لیکن چھ بجے سے پہلے تم اس بل سے باہر آؤ گے اور باہر کھلی فضا میں اپنی زندگی کی آخری سانس پوری کرو گے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "کیا تم کوئی جادوگر ہو، منتر پڑھو گے اور میں باہر آ جاؤں گا۔ یا تم کوئی سپیرے ہو کہ بل کے سامنے آگ جلاؤ گے اور میں سانپ کی طرح گھبرا کر باہر نکل آؤں گا؟"

اسے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا پھر پتا چلا کہ شہباز نے رابطہ ختم کر دیا ہے۔ اس نے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کریڈل پر رکھ کر اسد عزیزی سے کہا "یہ کیا بکواس کر رہا تھا؟"

اسد عزیزی وائیڈ اسپیکر کے ذریعے ان کی باتیں سنتا رہا پھر بولا "وہ بڑے اعتماد سے بول رہا تھا کہ آپ یہاں سے باہر نکلیں گے۔ کیا وہ ایسی کوئی چال چل رہا ہے جو ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے؟"

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ اس کے آدمی باہر کوئی گڑبڑ نہ کر رہے ہوں۔"

اس نے فون کے ذریعے سیکورٹی افسر کو مخاطب کیا۔ "ہیلو...... میں بول رہا ہوں۔ باہر کی پوزیشن بتاؤ۔"

وہ بولا "سر! ہم سب الرٹ ہیں۔ ابھی تک کہیں سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہمارے سامنے والی سڑک عموماً ویران ہی رہتی ہے۔"

"کوئی پرندہ بھی اڑتا ہوا دکھائی دے تو فوراً مجھے فون پر اطلاع دو۔ میں بہت ٹینشن میں ہوں۔"

پھر وہ ریسیور رکھ کر پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کہنے لگا۔ "اس نے یہ چیلنج کیوں کیا ہے، کہ اپنی اس خفیہ پناہ گاہ سے باہر نکلوں گا؟"

پھر اس نے ایک چابی اسد عزیزی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ اس کمرے کی چابی ہے۔ دروازہ لاک ہے۔ اگر میں باہر جانا بھی چاہوں تو مجھے جانے نہ دینا۔"

اسد نے اس سے چابی لے کر اپنی جیب میں رکھ لی۔ چنگیزی نے سینٹر ٹیبل پر رکھے ہوئے بریف کیس کو دیکھا پھر کہا۔ اس میں وہ تمام کاغذات ہیں، جنہیں تم وہاں سے چرا کر لائے ہو۔ انہیں سیف میں محفوظ کر دینا چاہیے۔"

یہ کہہ کر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ چھ بجنے کے لیے صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر لپک کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے سیکورٹی افسر نے کہا "سر! ہمارے سامنے والی سڑک پر ایک وین آ کر رکی ہے۔"

اشرف چنگیزی نے کہا "فوراً معلوم کرو۔ وہ کس کی وین ہے؟ اور وہاں کیوں رکی ہے؟"

سیکورٹی افسر نے کہا "سر! مین گیٹ لاکڈ ہے۔ اسے کھولنے کا ریموٹ کنٹرولر آپ کے پاس ہے۔ ایسے میں ہم باہر اس وین تک نہیں جا سکتے۔"

"تم احاطے کے اندر رہ کر اونچی آواز میں انہیں مخاطب کرو۔ کسی بھی طرح معلوم کرو اور مجھے فون پر بتاؤ۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اب خطرہ بڑھ گیا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر اپنا ریوالور نکالنا چاہا تو پتا چلا، ریوالور وہاں نہیں ہے۔

اس نے پریشانی سے پلٹ کر دیکھا تو اسد عزیزی دونوں ہاتھوں میں دو ریوالور لیے کھڑا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا "سینکس گاڈ! باس نے مجھے بلایا ہے۔ اب مجھے جانا ہو گا۔ وہ بریف

کیس اٹھاؤ اور چلو......"

اشرف چنگیزی حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے کانوں میں شہباز درانی کے الفاظ گونج رہے تھے۔ "چھ بجے سے پہلے تم اس بل سے باہر آؤ گے...... اور باہر کھلی فضا میں اپنی زندگی کی آخری سانس پوری کرو گے۔"

اس نے لرزتے ہاتھوں سے وہ بریف کیس اٹھایا۔ اسد عزیزی نے دروازے کی چابی اس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا "یہ لو...... دروازہ کھولو اور میرے آگے چلتے رہو۔"

اشرف چنگیزی نے ہکلاتے ہوئے پوچھا "تم...... تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟ دیکھو! تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔"

"تمہیں دھوکا نہ دیتا تو اپنے باس کو دیتا لیکن میں نمک حرامی نہیں کروں گا۔ باس مجھ پر اندھا اعتماد کرتا ہے اور مجھے شہزادوں کی طرح رکھتا ہے۔"

"عزیزی! مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ میرے خلاف ایسی پلاننگ کی گئی ہے۔"

"اب سے پہلے میرے باس کے جو مخالفین مارے گئے ہیں۔ مرنے سے پہلے انہیں بھی یقین نہیں آتا تھا پھر جب میں اس طرح اپنا اصلی چہرہ دکھاتا تھا تو وہ یقین کر لیتے تھے لیکن اس وقت تک وہ اپنا بچاؤ کرنے کے قابل نہیں رہتے تھے۔ چلو، دیر نہ کرو۔ باس کے فرمان کے مطابق چھ بجے سے پہلے اس پناہ گاہ سے باہر نکلنا ہے۔"

اس کے سامنے موت ناچنے لگی وہ خوف سے لرزتے ہوئے بولا "نہیں...... میں باہر نہیں جاؤں گا۔ وہاں میری موت ہے۔"

"موت تو یہاں بھی ہے لیکن میں یہاں تمہیں قسطوں میں ماروں گا۔"

اس کے اپنے ریوالور پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔ یہ بات اشرف چنگیزی کی سمجھ میں آ گئی کہ وہ اسے قسطوں میں زخمی کرتا رہے گا تو باہر تک آواز نہیں جائے گی۔ اسد عزیزی نے کہا "میں آخری بار کہہ رہا ہوں۔ دروازہ کھولو اور باہر چلو۔"

وہ بے بسی سے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اسی وقت ہلکی سی آواز کے ساتھ ایک گولی چلی۔ چنگیزی اپنے ایک بازو کو تھام کر کراہنے لگا۔ گولی اس کے بازو کو زخمی کرتی ہوئی گزر گئی تھی۔ وہ بولا "چنگیزی! اب میں نہیں بولوں گا۔ صرف گولیاں بولتی رہیں گی۔"

اس نے فوراً ہی جھک کر فرش پر سے چابی اٹھائی۔ اسد عزیزی الرٹ کھڑا ہوا تھا۔

چنگیزی دروازہ کھول کر بریف کیس ہاتھ میں اٹھائے اس کے آگے آگے چلنے لگا۔ اسد عزیزی نے اس کے ریوالور کو اپنے لباس کے اندر رکھ لیا تھا اور ریموٹ کنٹرولر کو نکال لیا تھا۔

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے بنگلے کے بیرونی دروازے سے باہر احاطے میں آئے۔ اسد عزیزی نے للکارتے ہوئے کہا "سیکورٹی افسر! اپنے گارڈ سے کہو۔ ہتھیار پھینک دیں۔ ورنہ تمہارا باس مارا جائے گا۔"

تمام گارڈز نے ایک دم سے اپنی اپنی گن کا رخ اسد عزیزی کی طرف کر لیا۔ چنگیزی نے چیخ کر کہا "کوئی فائر نہیں کرے گا۔ اپنی اپنی گن پھینک دو۔ مجھے اس کے ساتھ جانے دو۔ میں شہباز سے ایک اور سودا کروں گا۔"

سب نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہتھیار پھینک دیے۔ ریوالور کی نال چنگیزی کی کھوپڑی سے لگی ہوئی تھی۔ اسد عزیزی نے ریموٹ کنٹرولر کا ایک بٹن دبایا تو بنگلے کا آہنی گیٹ کھلتا چلا گیا۔ باہر کھڑی ہوئی وین اسٹارٹ ہو کر اندر آ گئی۔

اسد عزیزی نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا "چلو...... گاڑی میں بیٹھو۔"

وہ عاجزی سے بولا "مجھے ایک بار شہباز درانی سے بات کر لینے دو۔"

"تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کی جائے گی۔ اندر بیٹھو۔"

دروازہ کھولا گیا۔ وہ دونوں اندر بیٹھ گئے۔ وین اسٹارٹ ہو کر جانے لگی۔ تمام گارڈز نے ہتھیار اٹھا لیے مگر فائر نہ کر سکے۔ ان کا باس موت کے شکنجے میں تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے۔ وین تیز رفتاری سے آگے بڑھتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

بہت دور جانے کے بعد وہ گاڑی رک گئی۔ دروازہ کھلا اسد عزیزی نے چنگیزی کو دھکا دے کر باہر پھینکتے ہوئے کہا "اپنی گھڑی میں وقت دیکھو......!"

اس نے فوراً ہی سنبھلتے ہوئے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ چھ بجنے میں صرف ایک منٹ رہ گیا تھا۔ وہ گڑگڑاتے ہوئے بولا "تم نے وعدہ کیا تھا، شہباز درانی سے بات کراؤ گے۔"

اسد عزیزی تمام مسلح افراد کے ساتھ باہر آ گیا تھا۔ اس نے کہا "بے شک میں بات کراؤں گا۔"

اس نے موبائل فون نکال کر اسے پوری قوت سے دور پھینکتے ہوئے کہا "جاؤ...... اسے اٹھاؤ اور رابطہ کرو مگر یاد رہے، چھ بجنے نہ پائیں۔"

وہ فوراً ہی پلٹ کر موبائل فون کی طرف دوڑنے لگا۔ تمام مسلح افراد نے اپنی گنیں سیدھی کر لیں۔ اسے نشانے پر رکھ لیا۔ اسد عزیزی اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھ رہا تھا۔ تیس سیکنڈ گزر چکے تھے اور وہ فون کے قریب پہنچ رہا تھا۔ وقت ایک ایک سیکنڈ کے حساب سے گزرتا جا رہا تھا۔

چنگیزی نے قریب پہنچ کر موبائل فون کو اٹھایا پھر جلدی جلدی نمبر پنچ کرنے لگا۔ موت کی ایسی دہشت طاری تھی کہ نمبر پنچ کرتے وقت برابر غلطیاں کر رہا تھا۔ آخر اس نے صحیح نمبر پنچ کیا۔ رابطہ ہونے پر لیڈی سیکریٹری تہمینہ کی آواز سنائی دی۔

وہ بولا "فوراً شہباز درانی سے بات کراؤ۔ میں چنگیزی بول رہا ہوں۔"

"جسٹ اے منٹ......!"

اور چند سیکنڈ گزر گئے۔ شہباز کی آواز سنائی دی "ہیلو چنگیزی! گھڑی ہے تو وقت دیکھو! چھ بج چکے ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی تڑاتڑ گولیاں چلنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ موبائل ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور وہ گولیوں سے چھلنی ہو کر لڑکھڑاتا ہوا زمیں بوس ہو گیا۔

ایسے وقت کیا کہنا چاہیے؟ آدمی نے آدمی کو مارا؟ یا مقدر نے آدمی کو مارا؟

☆☆☆

وہ دونوں دن کے ایک بجے تک سوتی رہیں پھر عروج کی آنکھ پہلے کھل گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے عینی کا چہرہ تھا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ بہت ہی معصوم اور پیاری پیاری سی لگ رہی تھی۔ وہ اسے بڑی محبت سے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ عینی ابھی سوتی رہے۔ اچھی طرح نیند پوری کر لے۔ وہ پچھلی دو راتوں سے الجھنوں کا شکار ہوتی رہی تھی۔ اب سہیلی کی قربت میں آرام سے سو رہی تھی۔

وہ تکیے کے پاس رکھے ہوئے موبائل فون کو اٹھا کر بیڈ سے اتر گئی۔ واش روم کے دروازے کے پاس آ کر رک گئی۔ وہاں سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ ابھی جاگنے والی نہیں تھی۔

وہ مطمئن ہو کر واش روم کا دروازہ کھول کر اندر آئی پھر دروازے کو بند کر کے موبائل فون پر نمبر پنچ کرنے لگی۔ رابطہ ہوتے ہی پاشا جانی کی آواز سنائی دی "ہیلو عروج! کیوں مجھے تڑپا رہی ہو؟ کل رات مجھے فون کیا۔ میں بولتا رہا اور تم خاموش رہیں پھر تم نے اچانک فون بند کر دیا۔ اس کے بعد اب تک کئی بار رابطہ کرتا رہا۔ ہر بار یہی معلوم ہوا کہ تم نے فون بند کر رکھا ہے۔ کیا تم نے اپنے پیار کے لیے مجھے ترسانے کی قسم کھا رکھی ہے؟"

"پاشا......! تم بولتے ہو تو بولتے ہی چلے جاتے ہو۔ کل رات میں نے نہیں عینی نے تمہیں فون کیا تھا۔ وہ فون کو کان سے لگائے ہوئے تھی اور تم نہ جانے کیا کیا بولتے چلے گئے۔ یہ بھید کھل گیا کہ تم اسے نہیں مجھے چاہتے ہو۔"

"میں کیسے جان سکتا تھا کہ عینی نے مجھے فون کیا ہے۔ مجھے تو یہ معلوم تھا کہ اسے نیند کا انجکشن دیا گیا ہے اور وہ گہری نیند سو رہی ہے پھر وہ کیسے بیدار ہو گئی تھی؟"

"آج کل کی دوائیں برائے نام اثر کرتی ہیں۔ وہ رات کو ہی بیدار ہو گئی تھی۔ میرے پاس آنے کی ضد کر رہی تھی پھر بھائی جان مجھے اس کے پاس لے آئے۔ یہاں اس نے میرا موبائل فون لے کر تمہارے نمبر پنچ کیے تھے اور تم نے میرے نمبر پڑھ کر یہ سمجھ لیا کہ میں تمہیں کال کر رہی ہوں۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ وہاں یہ سب کچھ ہو چکا ہے؟ بہرحال میں نے انجانے میں عینی سے سچ بات کہہ دی۔ تم سے اپنی محبت کا اظہار کر دیا۔ یہ تمہارے خیال سے غلط ہوا لیکن میں کہتا ہوں کہ جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ آج نہیں تو کل اسے معلوم ہونا ہی تھا۔"

"کیا تم میری بات نہیں مانو گے؟"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ تم عینی سے محبت کرو۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو؟ کیا میں کسی دکان پر آیا ہوں کہ یہ مال خریدا نہیں جا سکتا اس لیے دوسرا مال خرید کر لے جاؤں؟"

"ایسی سستی باتیں نہ کرو۔"

"ایسی باتیں تم ہی کر رہی ہو۔ کل رات میں نے تمہاری ضد سے مجبور ہو کر ایک شرط پر عینی سے محبت کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن تم نے وہ شرط نہیں مانی۔"

"جس طرح تم چاہتے ہو اس طرح ہم میں سے کوئی کسی کے ساتھ دل سے محبت نہیں کر سکے گا۔ عینی تمہیں چاہتی رہے گی۔ تم مجھے چاہتے رہو گے اور میں عینی کی خاطر تم سے محبت کرتی رہوں گی تو بات نہیں بنے گی۔"

"اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اور عینی کی قسم کھا کر کہو کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو؟ کیا تمہارا دل میری طرف مائل نہیں ہے؟ دیکھو جھوٹ نہ بولنا۔"

"میں جھوٹ نہیں بولوں گی اور سچ بھی نہیں بولوں گی۔ بس تمہیں میری بات ماننا ہو گی۔"

"تمہیں بھی میری بات ماننا ہو گی۔"

"تم بہت ضدی ہو۔ میں ایک شرط پر مانوں گی۔"

"میں تمہاری ہزار شرطیں ماننے کو تیار ہوں۔ بس تمہاری

محبت چاہتا ہوں۔"

"وعدہ کرو عینی کے سامنے مجھ سے زیادہ نہیں بولو گے۔ میری طرف زیادہ مائل نہیں ہو گے۔ اس پر زیادہ سے زیادہ توجہ دو گے اور اس کا دل رکھو گے۔"

"جب تم نے میرا دل رکھ لیا ہے۔ تو میں عینی کی طرف سے تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ ابھی آدھے گھنٹے کے بعد عینی نیند سے بیدار ہو گی۔ تم اسے فون کرو گے اور اس سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کرو گے۔"

"تم جو کہو گی میں وہ کروں گا۔"

اس نے ایک گہری سانس لی پھر کہا "میں فون بند کر رہی ہوں عینی اٹھنے والی ہے۔"

"یہ بتاؤ میں اس سے ملنے آؤں گا تو تم موجود رہو گی؟"

"اگر شام تک ملنے آؤ گے تو میں موجود رہوں گی۔ رات کے آٹھ بجے سے میری ڈیوٹی ہے۔ اچھا خدا حافظ۔"

اس نے فون بند کیا پھر دروازے کو ذرا سا کھول کر دیکھا تو وہ اسی طرح سو رہی تھی۔ اس نے دبے قدموں بیڈ کے پاس آ کر موبائل فون کو تکیے کے قریب رکھ دیا پھر جھک کر عینی کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا "اٹھو میری جان!...... دن کے دو بجنے والے ہیں۔"

وہ نیند میں کسمسائی۔ اس نے پھر آواز دی "بس اٹھ جا عینی! بہت سو چکی۔"

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا پھر اپنی دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ عروج اس کی بانہوں میں سما گئی۔ وہ بولی "جی چاہتا ہے تیرے ساتھ اسی طرح لیٹی رہوں۔ اب تو کوارٹر میں نہیں میرے ساتھ یہیں رہا کرے گی۔"

"ہاں بابا......! تیرے ہی ساتھ رہوں گی چل اب اٹھ جا۔"

"تو کہہ رہی تھی آج رات کی ڈیوٹی ہے؟"

"ہاں...... وہ تو ہے۔"

"میں رات کو پھر اکیلی رہ جاؤں گی۔"

"میں تیرا بندوبست کر رہی ہوں پھر تو کبھی تنہا نہیں رہے گی۔"

"اچھا تو، تو نے پاشا سے کوئی بات کی ہے؟"

"بالکل نہیں ...... میں تو تیرے جاگنے کا انتظار کر رہی تھی۔ چل اٹھ کر منہ ہاتھ دھو میں ناشتے کے لیے کہتی ہوں۔ اس کے بعد پاشا سے رابطہ کر لینا۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی پھر بولی "میں اسے کال نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ اسی قابل ہے کہ اسے منہ نہ لگایا جائے۔"

عینی نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا "کیوں اس کے بارے میں ایسی بات کہہ رہی ہے؟"

"کیوں نہ کہوں۔ کل رات تو نے اسے فون کیا اور اس نے تیرے کانوں میں الٹی سیدھی بات کہہ دی۔"

"کوئی الٹی سیدھی بات نہیں کی۔ جو سیدھی بات تھی کہہ دی۔"

وہ بیڈ سے اتر کر واش روم میں چلی گئی۔ عروج نے انٹرکام کے ذریعے خانساماں کو ناشتا لانے کے لیے کہا پھر اس سے بولی "جلدی سے باہر آ جا۔ مجھے بھی فریش ہونا ہے۔"

وہ اسے جلدی بلا رہی تھی۔ تاکہ پاشا کا فون آئے تو اسے اٹینڈ کرنے کے لیے کمرے میں موجود رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ کمرے میں آ گئی۔ عروج واش روم میں چلی گئی۔

عینی نے موبائل فون کی طرف دیکھا۔ تھوڑی دیر سوچتی رہی پھر ادھر سے دھیان ہٹانے کے لیے آئینے کے پاس آ گئی۔ بالوں کو برش کرنے لگی۔ اس نے پچھلی رات پاشا کو اپنا موبائل فون دیا تھا۔ اس چاہت سے دیا تھا کہ وہ اسے فون پر یاد کرے گا لیکن جب اس نے یاد کیا تو اس کے لبوں پر عروج کا نام تھا۔

اور وہ نام ایسا تھا جسے سن کر عینی نے حسد اور رقابت محسوس نہیں کی تھی۔ ایک ذرا مایوس ہوئی تھی۔ کچھ کھونے کا احساس ہوا تھا پھر دوسرے ہی لمحے میں یہ خوشی بھی حاصل ہوئی تھی کہ پاشا اسے نہ سہی اس کی عروج کو دل و جان سے چاہتا ہے۔

فون کے بزر کی آواز ابھری تو وہ چونک گئی۔ فوراً ہی پلٹ کر بیڈ کے پاس آئی اور فون کو اٹھا کر نمبر پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ دھندلا دھندلا سا نمبر سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ فون اس کے ہاتھ میں چیخ رہا تھا۔ عروج نے واش روم کا دروازہ کھول کر پوچھا "تو کہاں ہے؟ فون اٹینڈ کیوں نہیں کر رہی ہے؟"

"پتا نہیں کس کا ہے۔ میں نمبر نہیں پڑھ سکتی۔"

"نمبر پڑھنے کی ضرورت کیا ہے؟ فوراً اسے آن کر۔"

"یہ تیری کال ہو گی تجھے اٹینڈ کرنا چاہیے۔"

"میں ابھی کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ جو کوئی بھی ہے، اس سے پیغام لے لے۔"

عروج نے یہ کہہ کر دروازے کو ایک زوردار آواز کے ساتھ بند کر دیا۔ عینی نے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ فون آن کر کے کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو......! کون......؟"

دوسری طرف سے پاشا کی آواز سنتے ہی دل بے اختیار دھڑکنے لگا۔ اِدھر اس نے انجان بن کر پوچھا "ہیلو...... یہ تو عروج کا فون ہے۔ آپ کون ہیں؟"

پھر وہ فوراً ہی بولا "اوہ...... یاد آیا یہ تو عینی کی آواز ہے۔ عینی ہو ناں......؟"

اس کا دل مسرتوں سے بھر گیا تھا۔ جسے وہ چاہتی تھی وہ اسے آواز سے پہچان رہا تھا۔ یہ پہچان کہہ رہی تھی کہ وہ جانے نجانے میں اسے یاد رکھتا ہے۔ وہ بولی "ہاں...... میں عینی ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنی ضد پوری کر لی اور عروج کے پاس اس کے کوارٹر میں آ گئی ہو؟"

"نہیں...... عروج میرے گھر آئی ہوئی ہے۔ کل رات سے میرے ساتھ ہے۔"

"عینی......! تم نے مجھے اپنا موبائل فون دیا ہے لیکن پچھلی رات میں تم سے رابطہ نہ کر سکا۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ تمہیں نیند کا انجکشن دیا گیا ہے اور تم گہری نیند سو رہی ہو۔ میں نے سوچا دوسری صبح فون کروں گا۔ آج تقریباً گیارہ بجے فون کیا تو تمہاری بڑی امی نے بتایا کہ تم اب تک سو رہی ہو۔"

"ہاں...... رات ہم دونوں دیر تک جاگتی رہیں۔ اس لیے دیر تک سوتی رہیں۔"

"ویسے عینی......! کل رات تم نے اچھا نہیں کیا۔ مجھے سن کر تکلیف پہنچی ہے۔"

وہ خوش ہو گئی، پھر انجان بن کر بولی "میں نے ایسا کیا کیا تھا؟"

"انجان نہ بنو۔ تم نے عروج کے پاس جانے کی بے جا ضد کی تھی۔ جب کہ تمہارے بزرگ تمہیں اچھی باتیں سمجھا رہے تھے۔ آخر اس ضد کا نتیجہ کیا نکلا؟ زینے کی بلندی سے گر کر خود کو زخمی کر لیا۔ یہ کہاں کی دانش مندی ہے؟"

"اگر میں زینے کی بلندی سے نہ گرتی تو خود کو گولی مار کر مر جاتی۔ یہ کبھی برداشت نہ کرتی کہ میری عروج میری وجہ سے اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر کہیں چلی جائے اور میں آرام سے رہوں۔ یہ نہ کبھی ہو سکتا ہے اور نہ کبھی ہو گا۔"

"تم اس کے لیے پاگل ہوتی رہتی ہو اور وہ تمہاری دیوانی ہے۔ تمہیں زیادہ سے زیادہ مسرتیں دینے کے راستے ہموار کرتی رہتی ہے۔"

"اور مجھے مسرتیں دینے کے لیے تم اس کے ساتھ تعاون کر رہے ہو۔"

"عینی......! تم بہت اچھی ہو۔ بہت خوبصورت اور پُرکشش ہو۔"

"مجھ سے زیادہ میری دولت میں کشش ہے۔ میں کبھی یہ فخر حاصل نہ کر سکوں گی... کہ کسی نے میرے وجود اور میری ذات سے پیار کیا ہے۔"

"تم نے دیکھا ہے، میں لالچی اور زر پرست نہیں ہوں۔"

"میں مانتی ہوں۔"

"اگر میں کہوں کہ تمہیں چاہتا ہوں تو......؟"

"تو...... میں تمہاری چاہت کو پیار نہیں ہمدردی کہوں گی۔"

"کیوں......؟ میرے پیار کو ہمدردی کیوں کہو گی؟"

"تم محبت کے مدرسے میں عروج کی انگلی پکڑ کر آؤ گے جو سبق وہ پڑھاتی رہے گی تم مجھے وہ سناتے رہو گے۔ مجھے بہلاتے رہو گے۔"

"ایسی بات نہ کرو عینی......!"

"جیسی بات ہوتی ہے۔ ویسی ہی کی جاتی ہے۔ میں پیار کی طلبگار رہوں گی اور تم مجھے محبت کی خیرات دیتے رہو گے۔ تم ہمیشہ سچ بولتے ہو۔ اس وقت بھی بولو۔ میں درست کہہ رہی ہوں ناں......؟"

اسے چپ لگ گئی۔ وہ فوراً ہی کوئی جواب نہ دے سکا پھر اس نے کہا "عینی......! یہ باتیں فون پر نہیں ہو سکیں گی۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

عینی کو یوں لگا۔ جیسے سامنے سے وہ قد آور محبوب چلا آ رہا ہے۔ وہ بہت خوش ہوئی پھر ذرا سنجیدگی سے بولی "ہاں...... تم جب چاہو آ سکتے ہو۔"

"آج شام چھ بجے آ جاؤں؟"

"ہاں...... لیکن عروج آٹھ بجے ڈیوٹی پر چلی جائے گی۔ اس کے ساتھ تمہاری ملاقات ادھوری رہ جائے گی۔ لہٰذا جلدی آنے کی کوشش کرو۔"

"عینی......! میں تم سے ملنے آ رہا ہوں۔ ابھی عروج کی باتیں نہ کرو۔ تم مائنڈ نہ کرو تو ایک بات کہوں؟"

"میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گی۔"

"عروج آٹھ بجے ڈیوٹی پر جائے گی۔ تو اس کے بعد میں تمہارے ساتھ کم از کم ایک گھنٹا رہنا چاہتا ہوں۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم عروج کے جانے کے بعد جب تک چاہو میرے ساتھ وقت گزار سکتے ہو۔"

"تمہارے گھر کے بزرگ مائنڈ کریں گے؟"

''میں کسی کی پروا نہیں کرتی۔ ہم جب نیک نیت ہیں اور ہمارے دلوں میں کھوٹ نہیں ہے تو پھر ہم کسی کی پروا کیوں کریں؟''

''اچھی بات ہے۔ میں شام چھ بجے آؤں گا۔ اب فون بند کر دوں؟''

عینی نے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا پھر کہا ''عروج واش روم میں ہے۔ تھوڑی دیر میں باہر آئے گی۔ میں چاہتی ہوں آدھے گھنٹے کے بعد تم اس سے رابطہ کرو۔''

''اچھی بات ہے۔ میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں گا۔''

فون بند ہو گیا۔ اس کا یہ آخری جملہ عینی کو بہت اچھا لگا کہ وہ اس کی خواہش پوری کرے گا۔ یعنی اس کی خواہش کے مطابق عروج سے بات کرے گا پھر وہ اچانک سنجیدہ ہو کر سوچنے لگی کہ اس نے ایسی بات کیوں کہی؟

کیا وہ عروج کو مجھ سے کم تر بنا رہا ہے؟ میں خواہش ظاہر کروں گی تب ہی وہ بات کرے گا ورنہ نہیں کرے گا؟ یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ آئندہ وہ ایسی بات کرے گا تو میں فوراً اسے ٹوک دوں گی اور صاف صاف کہہ دوں گی کہ آئندہ وہ عروج کو ترجیح دے گا۔ تب ہی میں اس سے ملاقات کروں گی ورنہ نہیں......

واش روم کا دروازہ کھل گیا۔ عروج تولیے سے منہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے باہر آئی پھر اس کے ہاتھ میں موبائل فون دیکھ کر بولی ''کیا ابھی تک باتیں ہو رہی تھیں؟''

''ہاں...... ابھی فون بند کیا ہے۔''

''کیا باتیں ہوتی رہیں؟''

''یہ پاشا جانی فلرٹ ہے مجھ سے ایسے باتیں کر رہا تھا جیسے صرف مجھ سے ہی محبت کرتا ہو۔ تجھ سے باتیں کرنے کے لیے میرے حکم کا محتاج ہو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''اس نے ایسی کیا بات کہہ دی؟''

وہ فون پر ہونے والی گفتگو تفصیل سے بتانے لگی۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ عروج نے دروازہ کھولا تو ملازم ناشتے کی ٹرالی لے آیا تھا۔ وہ ٹرالی کو اندر لاتے ہوئے بولا ''بی بی جی......! آپ نے ناشتے کا آرڈر دیا تھا لیکن بڑے صاحب نے کہا ہے کہ لنچ کا وقت ہو گیا ہے۔ اس لیے ناشتا اور لنچ دونوں ساتھ لایا ہوں۔''

عینی نے کہا ''ٹھیک ہے...... تم جاؤ۔''

عروج نے دروازہ بند کیا پھر وہ دونوں کھانے کے لیے بیٹھ گئیں۔ کھانے کے دوران باتیں کرتی رہیں۔ عروج نے کہا ''عینی......! تو یہ غلط کہتی ہے کہ تجھے محبت خیرات کے طور پر رہے گی دیکھ اس نے کتنی چاہت سے خود ہی آج تجھ سے ... کی خواہش کی ہے پھر یہ بھی کہا ہے کہ جب میں آٹھ ... اسپتال چلی جاؤں گی تو وہ تیرے ساتھ یہاں ایک آدھ ... گزارے گا۔ کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ تیری ذات ... دلچسپی لے رہا ہے؟''

''ہاں...... صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ مجھ میں ظاہر ... دلچسپی لے رہا ہے۔''

عروج نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر ... ''مجھے یہ بتا کیا میں تجھ سے زیادہ کسی کو چاہتی ہوں؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''نہیں...... نہ میں کسی کو تجھ ... زیادہ چاہتی ہوں اور نہ تو مجھ سے زیادہ کسی کو چاہتی ہے۔''

وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی ''تیری قسم م... پاشا کو بھی چاہتی ہوں۔ تو تیرے بعد......''

''ہاں...... مجھے پورا یقین ہے۔ اسی لیے تو پاشا کو میر... طرف مائل کر رہی ہے۔''

''یہ دیکھ کہ میں اسے تیری طرف مائل کرنے کے ... اس سے محبت کر رہی ہوں۔ تیرے ہی لفظوں میں کہتی ہوں اگر پاشا تجھے محبت کی خیرات دے رہا ہے تو میں بھی پاشا ... محبت کی خیرات دے رہی ہوں۔ پاشا جانی اہم ہے۔ تو دونوں کے لیے ہے۔ ورنہ نہیں ہے۔''

وہ بولی ''ہم سب خیراتی محبت کے ایک دائرے ... گھومتے رہیں گے۔ اس کا انجام کیا ہو گا؟''

''محبت دل سے ملے۔ دیوانگی سے ملے یا خیرات ... ملے۔ وہ محبت ہی ہو گی۔ جب پاشا ہم دونوں کو چاہتا ر... اور ہم دونوں اسے چاہتی رہیں گی تو یہ چاہت رفتہ رفتہ پھر ... گہری محبت میں تبدیل ہوتی جائے گی۔ ہم تینوں میں سے ... کے دل میں کھوٹ نہیں ہے۔ اس لیے محبت کی سچائی ضر... رنگ لائے گی۔''

عینی نے بڑی محبت اور عقیدت سے اپنا ہاتھ اس... ہاتھ پر رکھ دیا۔

☆☆☆

سید تراب علی شاہ اور بیگم شاہ کی نیندیں اڑی ہ... تھیں۔ پچھلے ایک دن اور رات سے ان کا جوان بیٹا حشم... کہیں روپوش تھا۔ ایس پی ذیشان سے چھپتا پھر رہا تھا اور ا... کے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

بیگم شاہ نے کہا ''دردانہ بیگم نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ا... بیٹے جواد پر اور ہمارے بیٹے پر آنچ نہیں آنے دے گ...

...ن ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا لیکن کل سے اب تک نہ ...ہ ہمیں فون کر رہی ہے اور نہ ہی ہمیں فون پر مل رہی ہے۔ ...ں کہاں مر گئی ہے؟''

تراب علی نے کہا ''دردانہ کی بس باتیں ہی باتیں تھیں۔ ...خواہ ڈینگیں مار رہی تھی میرا خیال ہے وہ اپنے بیٹے کی ...کے لیے بھی کچھ نہیں کر پائی ہے۔ اس لیے کہیں منہ چھپا ...بی ہے۔''

''میں کہتی ہوں آپ ذیشان سے بات کریں اور حشمت ...لیے معافی کا کوئی راستہ نکالیں۔''

''بیگم......! تم نہیں جانتی ہو ذیشان بہت ہی سنگدل اور ...رحم افسر کہلاتا ہے۔ وہ ہماری بیٹی عروج کے حوالے سے بھی ...اور شناسائی کا لحاظ نہیں کرے گا۔''

''آپ ایک بار بات کر کے تو دیکھیں۔ ہو سکتا ہے ...ے بیٹے کی نجات کا کوئی راستہ نکل آئے۔''

تراب علی نے فون کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا پھر ...یور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ بیگم نے کہا ''اسے موبائل پر ...ب کریں۔ ضرور رابطہ ہو گا۔''

''میں یہی کر رہا ہوں۔''

اس نے ریسیور کو کان سے لگایا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ...ان کی آواز سنائی دی ''ہیلو...... میں ایس پی ذیشان بول ...ہوں۔''

''بیٹے......! میں تمہارا انکل، عروج کا باپ تراب علی ...ہوں۔''

''اوہ شاہ صاحب......! کیا ابھی تک آپ سو رہے تھے؟ ...بول گئے تھے کہ بیٹے کو میرے سامنے لے کر حاضر ہونا ...؟''

''بیٹے......! مجھے سب یاد ہے مگر یقین کرو حشمت لاپتا ...ہے۔ پتا نہیں کہاں اور کس حال میں ہے؟ ہم اس کے لیے ...ت پریشان ہیں۔ تم ایک جوان بیٹے کے لیے بوڑھے باپ ...ا پریشانی کو سمجھ سکتے ہو۔''

''اور آپ بھی ایک جوان بہن کے لیے مجھ جیسے بھائی کی ...رت کو سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں کہہ ...تا ہوں کہ مجھ سے بیٹے کی معافی کے لیے کوئی بات نہ کریں۔ ...انے میری بہن کے لباس کو پھاڑا ہے اور جس ہاتھ سے اس ...نے ایسا کیا ہے۔ پہلے میں اس کا وہ ہاتھ توڑوں گا پھر اسے ...پ کے حوالے کر دوں گا۔ یہ نہ سوچیں کہ وہ چھپ کر محفوظ ...ہے گا۔''

''بیٹے......! میں تمہارے غصے اور نفرت کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ لیکن کیا انتقام لینے سے تمہارا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے گا؟ اگر ایسا ہے تو میں تمہارے پاس آ رہا ہوں مجھے اتنی سزا دو، اتنی سزا دو کہ مجھ جیسا باپ حشمت جیسے بیٹے کو پیدا کرنے کی غلطی کبھی نہ کرے۔''

''سزا چور کو دی جاتی ہے۔ چور کے باپ کو نہیں دی جاتی۔ آپ ایسی جذباتی باتیں نہ کریں اور مجھ سے کسی قسم کی نرمی کی توقع نہ کریں۔ میرا وقت ضائع ہو رہا ہے لہٰذا خدا حافظ۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ تراب نے اپنے ریسیور کو دیکھا۔ بیگم کو دیکھا پھر ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ بیگم نے پوچھا ''وہ کیا کہہ رہا ہے......؟''

''وہ حشمت کو تلاش کر رہا ہے۔ اسے کسی حال میں معاف نہیں کرے گا۔ کہہ رہا تھا کہ جب وہ گرفت میں آ جائے گا۔ تو اس کا وہ ہاتھ توڑے گا جس سے اس نے اس کی بہن کا لباس پھاڑا تھا پھر وہ اسے ہمارے حوالے کرے گا۔''

بیگم شاہ ہائے ہائے کرنے لگی۔ ذیشان کو گالیاں دینے لگی۔ وہ ڈانٹ کر بولا ''کیا اسے گالیاں دینے اور کوسنے سے تمہارا بیٹا واپس آ جائے گا؟ اور اسے قانون کی گرفت سے نجات مل جائے گی؟ تم کل سے پولیس کو اور ذیشان کو برا بھلا کہہ رہی ہو۔ حشمت کو اور اپنے آپ کو گالیاں کیوں نہیں دے رہی ہو۔ نہ تم اسے پیدا کرتیں اور نہ ہی وہ ہمارے دماغ کا پھوڑا بنتا۔ اس کی وجہ سے میں نے اپنی پھول جیسی بیٹی کو ناراض کیا ہے۔''

''وہ پھول جیسی بیٹی ہی کانٹا بنی ہوئی ہے۔ اگر وہ چاہے تو عینی کے ذریعے ذیشان کے فیصلے میں لچک پیدا کر سکتی ہے۔ ہمارے بیٹے کو معافی دلوا سکتی ہے۔''

''کوئی آ کر تمہاری عزت پر ہاتھ ڈالے تو کیا تم اسے معاف کر دو گی؟''

''ہائے ہائے...... یہ اس بڑھاپے میں کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میری عزت پر کون ہاتھ ڈالے گا؟''

''فرض کرو، کوئی ایسا کرے گا تو تم اسے معاف کر دو گی؟''

''میں اس کا منہ نوچ لوں گی۔ اسے گولی مار دوں گی۔''

''بس عینی اور ذیشان بھی تمہارے بیٹے کے ساتھ یہی کرنا چاہتے ہیں۔''

''آپ باپ ہو کر بیٹے کی مخالفت میں باتیں کر رہے ہیں۔''

''میں گھر کی چار دیواری میں اس کی مخالفت کر رہا ہوں''

لیکن اسے کسی طرح قانون کی گرفت سے نجات دلوانے کے لیے پل پل مرتا جا رہا ہوں۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگایا۔ دوسری طرف دردانہ بیگم کی آواز سنائی دی "ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔"

"دردانہ بھابی......! تم کہاں ہو۔ میں تراب علی بول رہا ہوں۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے بیٹے کو قانون کی گرفت سے نجات دلاؤ گی۔"

وہ بڑی بے رخی سے بولی "سوری میں کسی کے لیے کچھ نہیں کرسکوں گی۔ اس وقت بہت پریشان ہوں۔ میرا بیٹا لاپتا ہوگیا ہے۔ پتا نہیں اسے کس نے اغوا کیا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ ایسے وقت میں کسی سے کوئی بات نہیں کرسکتی۔ آئندہ مجھے فون نہ کریں۔"

اس نے فون بند کردیا۔ تراب علی نہیں جانتا تھا کہ دردانہ بیگم کتنی اونچی جگہ پہنچی ہوئی ہے۔ وہاں سے اس نے اپنے بیٹے کو رہائی دلوائی تھی۔ اس کے باوجود بیٹا اس کے پاس نہیں پہنچا تھا۔ اسے کسی نے اغوا کرلیا تھا اور وہ اس کے لیے پاگل ہو رہی تھی۔ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اسے کس نے اغوا کیا ہے؟"

شہباز درّانی اسے یقین دلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا "صبر کرو۔ میں جلد ہی معلوم کرلوں گا کہ وہ کہاں ہے؟ اور کون اس سے دشمنی کر رہا ہے؟"

تراب علی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ بیگم نے پوچھا "وہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"اس نے ٹکا سا جواب دے دیا ہے۔ کہہ رہی تھی کہ اسے فون نہ کیا جائے وہ خود اپنے بیٹے کے لیے پریشان ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا بیٹا ابھی تک ذیشان کی حراست میں ہے۔"

"پتا نہیں...... وہ اس کی حراست میں ہے یا کہیں گم ہوگیا ہے۔ دردانہ اس کے لیے پریشان ہے اور اسے تلاش کر رہی ہے۔"

"جہنم میں جائیں دونوں ماں بیٹے۔ آپ اپنے بیٹے کی بات کریں۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ تراب علی نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر دوسری طرف کی آواز سنتے ہی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بولا "حشمت......! تم کہاں ہو......؟ کل سے فون کیوں نہیں کیا؟ ہم تمہارے لیے کس قدر پریشان ہیں کیا تم اندازہ کرسکتے ہو؟"

بیگم شاہ اپنے بیٹے کا نام سنتے ہی قریب آ کر بیٹھ گئی وائیڈ اسپیکر آن کر کے ان کی باتیں سننے لگی۔ بیٹا کہہ رہا "میری فکر نہ کریں۔ میں جہاں بھی ہوں محفوظ ہوں خیریت سے ہوں۔"

بیگم شاہ نے کہا "بیٹے! تمہیں فون تو کرنا چاہیے تمہیں ماں کی یاد بھی نہیں آ رہی ہے؟"

"ممی......! میں آپ کو بہت یاد کرتا ہوں لیکن بار فون نہیں کرسکتا۔ یہ اندیشہ ہے کہ میری کال ٹیپ کی جائے اور پولیس والے مجھ تک پہنچ جائیں گے۔"

وہ جلدی سے بولی "نہیں...... نہیں بیٹے! فون بالکل کرو۔ کوئی ضروری نہیں ہے۔ تم جہاں بھی رہو سلامتی رہو۔ میں تمہارے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں۔"

"آپ لوگوں نے کہا تھا دردانہ بیگم ہم سے تعاون کر ہے اور وہ مجھے قانون کی گرفت سے بچا سکتی ہے۔"

"بیٹے......! یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ وہ اپنے کو نہیں بچا پا رہی ہے تو تمہارے لیے کیا کرے گی؟ میں نے ایک وکیل کی خدمات حاصل کی ہیں۔ وہ کہہ رہا تھ تک کورٹ سے تمہارے لیے ضمانت نامہ حاصل کرلے گا۔"

"ڈیڈ......! کل تک میری ضمانت ہو جائے گی تب میں اپنی پناہ گاہ سے باہر نہیں آؤں گا۔ ذیشان میری تاک رہے گا اور کسی نہ کسی بہانے مجھے قانون کی گرفت میں بری طرح ٹارچر کرے گا۔"

"تم درست کہتے ہو۔ ذیشان تمہارے خلاف کچھ سکتا ہے لیکن تم کب تک چھپتے رہو گے؟ آخر کبھی نہ کبھی جگہ سے باہر نکلو گے۔"

"میں اس ملک سے باہر جانے کے انتظامات ہوں۔ آپ بے فکر رہیں۔ جب میں یہاں سے با جاؤں گا تو پھر آپ سے فون پر رابطہ کروں گا مجھے یہاں نکلنے کے لیے کم از کم پانچ لاکھ روپوں کی ضرورت ہے۔ کب تک رقم کا انتظام کرسکتے ہیں؟"

بیگم شاہ نے کہا "بیٹے......! تم رقم کی فکر نہ کرو یہاں سے دور چلے جاؤ۔ اللہ تمہیں ہمیشہ دشمنوں سے رکھے۔ یہ بتاؤ، رقم تمہیں کہاں بھیجی جائے؟"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ آپ میرے اگلے انتظار کریں فی الحال خدا حافظ۔"

حشمت نے مسکرا کر ڈاکٹر آرزو کو دیکھا پھر موبائل بٹن دبا کر اسے آف کردیا۔ وہ اسے گھور کر بولی "تم نے سے جھوٹ کیوں کہا کہ ملک سے باہر جا رہے ہو؟"

وہ آنکھ دبا کر بولا "سمجھا کرو۔ یہاں گھر بیٹھے بیٹھے پانچ لاکھ روپے کما رہا ہوں۔ اب ہم عیش کریں گے۔"

وہ اس کی گردن میں باہیں ڈال کر بولی "تم پکے معاش ہو۔ ماں باپ سے بھی فراڈ کرتے ہو۔"

وہ اسے بازوؤں کی گرفت میں لے کر بولا "باپ کی ت آخر کس کے لیے ہے؟ میں ہی ایک بیٹا ہوں...... اری دولت اور جائیداد میرے ہی حصے میں آئے گی۔"

وہ بولی "ہم دس پندرہ دنوں کے لیے سنگاپور جائیں ے۔ تمہیں زیادہ رقم کا مطالبہ کرنا تھا۔"

"فکر نہ کرو میری جان......! میں سنگاپور جا کر فون کے ریعے اپنی مصیبتیں بیان کروں گا تو بینک کے تھرو وہاں دس کھ پہنچ جائیں گے۔ میری امی بہت بھولی ہیں۔ میرا دکھڑا سن نہیں سکیں گی۔ میں دنیا کے جس حصے سے پکاروں گا ں......! وہ اپنی ممتا کا سارا خزانہ لٹا دیں گی۔"

ڈاکٹر آرزو اپنے پیار کا خزانہ اس پر لٹانے لگی۔ وہ نوں بڑی دیر تک چپ رہے۔ چپ کی زبان بڑی پُراسرار تی ہے۔ وہ چپ چاپ ایک دوسرے سے بولتے رہے پھر بولی "پانچ لاکھ روپے اپنی ماں سے کس طرح لاؤ گے؟ میں ہیں وہاں جانے نہیں دوں گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "تم تو مجھے کھڑکی سے باہر بھی جھانکنے یں دیتی ہو پھر باہر کیا جانے دو گی...... تم وہاں جاؤ گی۔"

وہ تعجب سے بولی "میں......؟"

"ہاں...... میں فون پر کہہ دوں گا کہ امی بیماری کا بہانہ ریں۔ ڈاکٹر آرزو ان کا علاج کرنے آئے گی تو وہ تمہیں نچ لاکھ روپے دے دیں گی۔"

"یہ اچھی تدبیر ہے۔"

"رقم لینے کے بعد تم سیدھی یہاں نہیں آؤ گی۔ اپنے لینک میں جاؤ گی اور محتاط رہ کر معلوم کرتی رہو گی کہ کوئی ہاری نگرانی کر رہا ہے یا نہیں؟ پھر رات کو کلینک بند کرنے کے بعد یہاں آؤ گی۔"

"جھوٹ اور فراڈ کے معاملات میں تمہارا دماغ خوب ام کرتا ہے۔"

"تمہارے دماغ کو بھی کام کرنا چاہیے۔ میں نے کہا تھا عینی سے انتقام لیے بغیر مجھے سکون نہیں ملے گا۔ میں بھی وچ رہا ہوں اور تم بھی کوئی تدبیر سوچو کہ آسانی سے انتقام لے سکوں اور ایسے وقت مجھے کوئی دیکھ نہ سکے۔"

"تم نے کہا تھا، اسے جان سے نہیں مارنا چاہتے لیکن سے اپاہج بنا دینا چاہتے ہو۔ بدصورت بنا دینا چاہتے ہو۔"

"ہاں...... میں یہی چاہتا ہوں۔"

"اسے اپاہج بنانے کے لیے اس پر حملہ کرنا ہوگا۔ کیوں خواہ مخواہ رسک لینا چاہتے ہو؟ سیدھی سی بات ہے۔ وہ نیم اندھی ہے، اسے پوری طرح نابینا بنا دو۔ یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔"

"آسانی سے کیسے ہوسکتا ہے؟"

"عروج اسے آئی اسپیشلسٹ وغیرہ کے پاس لے جاتی ہے پھر خود ہی اسے دوائیں کھلاتی پلاتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں جو آئی ڈراپس ڈالے جاتے ہیں۔ اگر اس میں میری دوا کے دو قطرے بھی ملا دیے جائیں تو وہ مکمل طور پر اندھی ہو جائے گی۔"

وہ اسے اپنی طرف کھینچ کر بولا "کیا بات ہے میری جان! تم نے تو دل خوش کردیا۔ اب یہ سوچو کہ اس کے آئی ڈراپس میں تمہاری دوا کیسے ملائی جاسکے؟"

وہ ایک ذرا سوچنے کے بعد بولی "اس کے لیے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ عروج یا عینی ان آئی ڈراپس کو کہاں رکھتی ہے؟ وہ دوا اس کے بیڈ روم میں ہوتی ہے یا عروج کے پاس......؟"

"وہ عروج کے پاس ہی ہوتی ہے۔ عینی اپنے ہاتھوں سے آنکھوں میں دوا نہیں ڈالتی ہے۔ عروج کے پاس ایک چھوٹا سا ہینڈ بیگ رہتا ہے وہ عینی کی تمام دوائیں اور نسخے اسی میں رکھتی ہے۔"

وہ دونوں تھوڑی دیر تک سر جھکائے سوچتے رہے پھر آرزو نے کہا "جب عروج اپنی ڈیوٹی پر ہوگی، تب ہم اس کے کوارٹر میں جائیں گے۔ وہ ضرور اس بیگ کو وہاں چھوڑ کر جاتی ہوگی۔"

حشمت نے کہا "ہاں...... ہم ایسے وقت جا کر اپنے منصوبے پر عمل کرسکتے ہیں۔"

"ہم نہیں...... صرف میں وہاں جاؤں گی۔ تمہیں اس چار دیواری سے باہر نہیں نکلنا ہے لیکن عروج جب اپنی ڈیوٹی پر ہوگی تو اس کے کوارٹر کا دروازہ مقفل ہوگا۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا پھر بولا "اس دروازے کو کھولنے کے لیے مجھے تمہارے ساتھ جانا ہوگا۔"

وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر بولی "میں نہیں چاہتی کہ تم یہاں سے باہر نکلو اور کسی کی نظروں میں آؤ مگر اس کام کے لیے تمہارا باہر جانا ضروری ہے۔"

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا "پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ عروج کی ڈیوٹی کب سے کب تک ہوتی ہے؟"

آرزو وہاں سے اٹھ کر ٹیلیفون کے پاس آئی پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ رابطہ ہونے پر اسپتال کی انکوائری سے پوچھا گیا ''ہیلو...... فرمایئے......؟''

''میں لیڈی ڈاکٹر عروج علی شاہ سے ملنا چاہتی ہوں۔ ان کے ڈیوٹی آورز کیا ہیں؟''

''آج ان کی نائٹ ڈیوٹی ہے۔ وہ رات نو بجے کے بعد اسپتال میں مل سکیں گی۔''

''بہت بہت شکریہ......!''

اس نے ریسیور رکھ کر حشمت کو دیکھا پھر معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا ''آج اس کی نائٹ ڈیوٹی ہے۔''

وہ خوش ہو کر بولا ''واؤ...... نائٹ ڈیوٹی...... یعنی آج رات کی تاریکی عینی کی آنکھوں کو مکمل طور پر تاریک کرنے کا سنگِ میل ثابت ہوگی۔''

☆☆☆

اسما نے دروازے پر دستک دی۔ عروج نے دروازہ کھولا۔ اس نے اندر آ کر کہا ''تم دونوں سہیلیاں کل رات سے کمرے میں بند ہو۔ گھر والوں سے بھی ملنا ملانا چاہیے اور عینی! تم تو بڑی بے مروّت ہو۔ کل پاشا کو رہائی دلوانے کے لیے مجھے پکڑ کر کمرے میں لے گئی تھیں۔ مجھ سے سفارش کروا رہی تھیں۔ اگر میں تمہاری حمایت نہ کرتی تو کیا تمہارے بھائی جان پاشا کو رہا کر دیتے؟''

وہ مسکرا کر بولی ''بھابی جان! آپ نے واقعی میری حمایت کی تھی۔ آپ کی شکایت بجا ہے مگر خود ہی دیکھیں، اس کے بعد بات کرنے کا موقع ہی کب ملا؟ میں تو زخمی ہو گئی تھی اور نیند کے انجکشن کی وجہ سے سو گئی تھی۔''

وہ اس کے قریب آ کر بولی ''ہاں...... اور جب نیند سے اٹھیں تو پھر عروج کی طرف دوڑنے لگی تھیں۔ یہ یہاں آ گئی تو اپنی بھابی جان کو بالکل ہی بھول گئیں۔''

عروج نے ہنستے ہوئے کہا ''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہ واقعی بے مروّت ہے، آپ ایسا کریں کہ پاشا جانی کو ایک بار پھر گرفتار کرا دیں پھر دیکھیں، یہ آپ سے کس طرح چپک کر رہے گی؟''

اسما نے عینی کے برابر بیٹھتے ہوئے عروج سے کہا ''تم ٹھیک کہتی ہو۔ مجھے ایسا ہی کرنا ہوگا۔ اسے ایسی ہتھکڑیاں پہناؤں گی کہ اس ہتھکڑی کا دوسرا حصہ ہماری بنو کی کلائی میں ہوگا۔''

وہ تینوں ہنسنے لگیں پھر عینی نے اسما سے کہا ''بھابی جان! خانساماں سے کہہ دیجئے گا کہ وہ رات کا کھانا ذرا اسپیشل بنائے۔''

اس نے پوچھا ''کیوں...... کیا کوئی مہمان آنے والا ہے؟''

عروج نے کہا ''جی...... شام کو پاشا آئے گا۔''

اسما نے چہک کر کہا ''تب ہی تو کھانے کا آرڈر دیا جا رہا ہے۔ میں بھی سوچوں، کھانے سے دور بھاگنے والی آرزو فرمائش کر رہی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ رات کے کھانے کا سارا اہتمام میں خود کراؤں گی۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک ملازمہ نے آ کر اسما سے کہا ''صاحب آ گئے ہیں۔''

وہ حیرت سے بولی ''تعجب ہے...... یہ آج جلدی کیسے آ گئے؟''

پھر وہ وہاں سے اٹھ کر چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی۔ ذیشان نے مسکرا کر پوچھا ''عینی کے پاس تھیں؟''

وہ اس کے قریب آ کر اس کی گردن میں بانہیں ڈالے ہوئے بولی ''آپ نے کہا تھا۔ عینی پاشا کو چاہتی ہے لیکن وہ کسی اور کو چاہتا ہے۔''

''ہاں...... یہی بات ہے۔''

''جی نہیں۔ ان دونوں کے درمیان تو اچھی خاصی انڈراسٹینڈنگ ہے۔ آج شام پاشا یہاں آ رہا ہے اور وہ بہت خوش ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاشا اس کی محبت کا جواب محبت سے دے رہا ہے۔''

ذیشان تعجب سے سوچنے لگا پھر ذرا چونک کر بولا ''ہاں...... یاد آیا۔ میں نے پاشا کو سمجھایا تھا کہ عینی کو اس کے بچے اور ایماندار جیون ساتھی کی ضرورت ہے۔ ہو سکے تو وہ دوسری لڑکی کا خیال دل سے نکال کر عینی کے بارے سوچے۔''

اسما نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''ہوں...... بات ہوگی، پاشا آپ کا احسان مند ہے پھر ہماری عینی لاکھوں میں ایک ہے۔ وہ اس کی طرف مائل ہو گیا ہے۔''

''یہ ہمارے لیے خوشی کی بات ہے۔ عینی کو ایک محبت کرنے والا محافظ مل جائے گا۔ اس خوشی میں، میں تمہیں ایک تحفہ پیش کرنے والا ہوں۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''واقعی......؟ آپ میرے لیے لے کر آئے ہیں؟''

''ہاں...... پوچھو کہ وہ کیا ہے؟''

وہ ذرا دور ہو کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگی پھر اس کے لباس کو ٹٹولنے لگی۔ وہ اس کا ہاتھ دور کرتے ہوئے

نہیں بھئی...... دور سے بتاؤ، میں تمہارے لیے...... کیا لایا ہوں؟''

''کوئی پہننے اوڑھنے کی چیز نہیں ہے۔ کوئی نیکلس بھی نہیں ہو سکتا، آپ کے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔''

وہ مسکرا کر بولا ''تمہاری یادداشت بہت کمزور ہے۔ ورنہ تم فوراً بوجھ لیتیں کہ میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں؟''

وہ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے پھر اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگی پھر بولی ''کوئی اشارہ تو دیں۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولا ''اشارہ دوں گا تو تم فوراً بوجھ لو گی۔''

''نہیں...... آپ کو اشارہ تو دینا ہوگا۔''

''اچھی بات ہے۔ وہ چیز سفید ہے اور اس پر اوپر سے نیچے تک کالے کالے دھبے پڑے ہیں۔''

وہ حیرانی سے بولی ''یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟ آپ نے تو اشارہ دے کر اور الجھا دیا ہے۔''

وہ ہنسنے لگا۔ کاغذ کو کھول کر اسے دکھاتے ہوئے بولا ''یہ ایک سفید کاغذ ہے اور اس پر جو کالے کالے دھبے ہیں یہ دراصل تحریر ہے۔ یہ میری میڈیکل رپورٹ ہے کہ میں بچے کا باپ نہیں بن سکتا۔''

وہ خوشی سے چہک کر بولی ''اوہ ذیشان......! تم نے میری بات رکھ لی۔ اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنی جعلی میڈیکل رپورٹ لے آئے۔''

''جی ہاں...... بیگم صاحبہ کا حکم جو تھا میں بچے کا باپ بن سکتا ہوں لیکن مجھے ظاہر کرنا ہے کہ میں بانجھ ہوں۔ یہ میڈیکل رپورٹ بھی یہی کہتی ہے جو آپ چاہتی ہیں۔''

وہ اس سے کاغذ جھپٹ کر وہاں سے جانے لگی۔ وہ ہاتھ پکڑ کر بولا ''کہاں جا رہی ہو؟''

''ابھی جا کر آپ کے ممی ڈیڈی کو یہ رپورٹ دکھاؤں گی۔ آپ کی والدہ محترمہ نے میرا جینا حرام کر دیا تھا۔''

وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر کمرے سے باہر آئی۔ تیزی سے چلتی ہوئی بالکونی کی ریلنگ کے پاس آ کر دیکھا نیچے ڈرائنگ روم میں بیگم آفتاب، فلک ناز اور فلک آفتاب بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ وہ سوچنے لگی ''اپنے ہاتھوں سے میڈیکل رپورٹ پیش کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ میں کیا کروں؟ کس کے ذریعے یہ رپورٹ وہاں تک پہنچاؤں؟''

اس نے عینی کے دروازے کی طرف دیکھا پھر تیزی سے چلتی ہوئی وہاں آئی۔ دستک دینے پر عروج نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر آ کر بولی ''عروج! تم ڈاکٹر ہو یہ میڈیکل رپورٹ پڑھو۔''

وہ کاغذ لے کر اسے کھولتے ہوئے بولی ''کس کی رپورٹ ہے؟''

''تمہارے بھائی جان کی نیگیٹو رپورٹ ہے۔ وہ کبھی باپ نہیں بن سکتے۔''

دونوں نے چونک کر اسما کو دیکھا۔ وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ عینی نے کہا ''بھابی! یہ رپورٹ نیگیٹو ہے اور آپ خوش ہو رہی ہیں؟''

''کیا مجھے خوش نہیں ہونا چاہیے؟ میری ساس صاحبہ پیچھے پڑ گئی تھیں کہ ذیشان کی دوسری شادی کرائیں گی تو دوسری بہو سے بچے ہوں گے۔ اب یہ رپورٹ میرے لیے ایک ڈھال ہے۔ میری سوکن کا راستہ روکنے والی دیوار ہے۔''

عینی نے قریب آ کر اس کے بازو کو تھام کر کہا ''بھابی جان......! میں آپ کے جذبات کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ یہ رپورٹ آپ کے لیے خوشیاں لے کر آئی ہے لیکن یہ سن کر افسوس ہو رہا ہے کہ بھائی جان کبھی باپ نہیں بن سکیں گے۔''

عروج نے کہا ''ایسی کوئی بات نہیں ہے اگر علاج ہوتا رہے تو ان کے اندر تبدیلیاں آ سکتی ہیں۔''

''نہیں عروج......! علاج ہوگا تو پہلے میرا جب میں ماں بننے کے قابل ہو جاؤں گی اور میڈیکل رپورٹ میرے فیور میں ہوگی۔ تب میں تمہارے بھائی جان کا علاج کرانے دوں گی۔ ورنہ اپنی سوکن کے لیے کوئی راستہ کھلنے نہیں دوں گی۔''

عروج نے کہا ''مقدر جو چاہتا ہے۔ وہی ہوتا ہے اور اس وقت مقدر آپ سے بہت خوش ہے۔''

''ایک کام کرو عروج......! یہ رپورٹ لے جا کر ابھی میری ساس صاحبہ کو دو۔ وہ سب نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی ''آپ یہ کام مجھے دے رہی ہیں۔ جب کہ یہ آپ کے گھر کا معاملہ ہے اور میں باہر والی ہوں۔''

''عینی نے کہا ''کون کہتا ہے کہ تو باہر والی ہے۔ یہ گھر میرا ہے تو تیرا بھی ہے۔ میرا جو کچھ ہے وہ سب کچھ تیرے لیے ہے۔ چل میرے ساتھ اور یہ رپورٹ بڑی امی کے سامنے پیش کر۔''

وہ دونوں وہاں سے ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ انہیں سیڑھیوں سے اترتا دیکھ کر فلک آفتاب نے کہا ''آؤ بیٹی عینی......! کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ سر کا زخم کیسا ہے؟''

وہ مسکراتے ہوئے بولی ''بڑے ابو......! ڈاکٹر میرے ساتھ ساتھ ہے تو پھر زخم کیسے اچھا نہیں ہوگا۔''

وہ سب ہنسنے لگے۔ حالانکہ ہنسنے کی بات نہیں تھی لیکن وہ جتانا چاہتے تھے کہ عینی کی باتیں انہیں بہت خوش کرتی ہیں۔

عروج نے کہا ''بڑے ابو......! بھائی جان نے اپنا میڈیکل چیک اپ کروایا تھا۔ وہ اس کی رپورٹ لے کر آئے ہیں۔ یہ آپ دیکھیں۔''

اس نے وہ کاغذ فلک آفتاب کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے کھولتے ہوئے بولا ''یہ رپورٹ کس سلسلے میں ہے؟''

عروج نے کہا ''اولاد کے سلسلے میں......''

فلک ناز اور بیگم آفتاب نے سر اٹھا کر عروج کی طرف دیکھا پھر فلک آفتاب کو دیکھنے لگیں۔ وہ کاغذ پڑھنے کے بعد بے یقینی سے بولا ''نہیں...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔''

بیگم آفتاب نے پوچھا ''کیا بات ہے......؟''

''یہ ہمارے بیٹے ذیشان کی میڈیکل رپورٹ ہے۔ اس کے مطابق ہمارا بیٹا کبھی باپ نہیں بن سکتا۔''

بیگم آفتاب نے غصے سے چیخ کر کہا ''کیا بکواس ہے۔ کس جاہل ڈاکٹر نے یہ رپورٹ لکھی ہے؟ میں نہیں مانتی......''

عروج نے کہا ''میں بھی ایک ڈاکٹر ہوں اور جانتی ہوں کہ یہ ایک بہت بڑے ڈاکٹر کی رپورٹ ہے۔ اسے جھٹلایا نہیں جا سکے گا۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''میں پوچھتی ہوں۔ ذیشان کو ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ اپنا میڈیکل چیک اپ کرواتا۔ ایسا کرنے سے پہلے وہ ہم سے مشورہ نہیں لے سکتا تھا؟''

اسما زینے سے اترتے ہوئے بولی ''آپ کیا مشورہ دیتیں کہ وہ چیک اپ نہ کروائیں اور گھر کے بزرگ اسی خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ صرف میں بانجھ ہوں اور آپ کے صاحبزادے اس معاملے میں پاک باز ہیں۔ لہٰذا ان کی دوسری شادی کرائی جا سکتی ہے۔ کیا آپ اب اس رپورٹ کے سامنے ان کی دوسری شادی کروائیں گی؟''

بیگم آفتاب اٹھ کر کھڑی ہو گئی ''ہاں کراؤں گی۔ ڈنکے کی چوٹ پر کراؤں گی۔ کیا تم مجھے دوسری بہو لانے سے روک سکو گی؟''

''بے شک...... پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر شوہر دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو اسے شادی کا جواز پیش کرنا ہوگا اور میرے پاس یہ جواز ہے کہ آپ کے صاحبزادے دوسری شادی کے قابل نہیں ہیں۔''

پھر وہ عروج کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''عروج......! وہ رپورٹ مجھے دو۔''

بیگم آفتاب نے تیزی سے آگے بڑھ کر اپنے شوہر سے وہ رپورٹ لی پھر اسے پھاڑتے ہوئے کہا ''اس رپورٹ کو میں نہیں مانتی۔ یہ کسی کے پاس نہیں رہے گی۔''

اسما نے کہا ''خواہ مخواہ انگاروں پر لوٹ رہی ہیں۔ رپورٹ پھاڑ دینے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ میں رپورٹ کی دوسری نقل اسپتال سے حاصل کر لوں گی۔''

وہ واپس زینے پر چڑھتے ہوئے بولی ''خدا کی پناہ...... مجھے طعنے دے دے کر چھلنی کر دیا گیا تھا۔ ایک انجانی سوکن کو آسیب بنا کر میرے حواس پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ آج میں سکون سے کھاؤں پیئوں گی اور آرام سے سوؤں گی۔''

وہ بولتی ہوئی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ فلک آفتاب نے کہا ''بیگم......! غصہ ضبط کیا کرو۔ اس رپورٹ کو پھاڑنے کے بعد کیا حاصل کر لو گی؟ کیا واقعی حقیقت بدل دو گی؟ کبھی نہیں...... یہ تحریر جو تم نے پھاڑی ہے۔ یہ کسی ڈاکٹر نے نہیں لکھی تھی۔ مقدر نے لکھی ہے اور مقدر کا لکھا بدلا نہیں جا سکتا۔''

عینی نے کہا ''بڑی امی......! آپ کے دل میں کیسے کیسے ارمان ہیں یہ میں جانتی ہوں۔ آپ دوسری بہو لانا چاہتی ہیں لیکن کیا ضروری ہے کہ اولاد کے لیے آپ بھائی جان کی ہی دوسری شادی کریں، بابر بھی تو ہے آپ اس کی شادی کر سکتی ہیں۔ دوسری بہو لا سکتی ہیں۔''

ایسے ہی وقت بابر بیرونی دروازہ کھول کر اندر آیا۔ بیگم نے کہا ''بیٹی......! اس کی شادی کیسے کردوں؟ تم ہاں کر دو گی تو بات بنے گی۔''

اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ بابر بہت دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے پوچھا ''کون ہے؟''

عروج نے اس کے قریب جھک کر کان میں کہا ''بابر ہے۔''

بابر نے ان کے قریب آتے ہوئے کہا ''عینی تم کوئی جواب نہ دو۔ تم سے پہلے میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ ہم دونوں کے مزاج مختلف ہیں اور میں نے کبھی خواب و خیال میں بھی تمہیں شریک حیات کی حیثیت سے نہیں دیکھا ہے۔''

بیگم نے ناگواری سے کہا ''اگر نہیں دیکھا ہے تو کیا ساری عمر کنوارے ہی رہو گے؟''

''ممی......! کیا دنیا میں لڑکیوں نے پیدا ہونا بند کر دیا ہے؟ آپ کیوں عینی کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں؟''

عینی نے کہا ''آپ سب نے پاشا صاحب کو دیکھا ہے؟ وہ ابھی شام کو آئیں گے۔ آئندہ بھی وہ یہاں اپنوں کی طرح آتے جاتے رہیں گے۔ میں آپ بزرگوں سے توقع کرتی

ہوں کہ آپ سب انہیں محبت و عزت دیتے رہیں گے۔''

وہ عروج کا ہاتھ پکڑ کر زینے کے پاس آئی پھر اوپر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ وہ سب اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ بابر نے اپنی ماں سے کہا ''سن لیا آپ لوگوں نے...... اس نے کوئی بات کھل کر نہیں کی ہے مگر بہت کچھ کہہ گئی ہے۔''

ناز نے مسکرا کر کہا ''ہاں میاں......! عقل مند کے لیے تو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کے لیے عینی ضروری ہے یا اس گھر کا ایک وارث؟ اگر آپ اپنے پوتے پوتیاں دیکھنا چاہتی ہیں۔ تو بابر کی شادی کر دیں۔ عینی سے توقع نہ رکھیں۔ ورنہ اس کے سائے کے پیچھے بھاگتی رہیں گی۔''

''تم بھی تو اس کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔ اپنے عدنان کے لیے خواہ مخواہ آس لگائے بیٹھی ہوئی ہو۔''

''میری بات الگ ہے۔ آپ کو میرے بھائی جان کی نسل آگے بڑھانی ہے۔ ذیشان سے نہ بڑھی تو بابر سے بڑھانی ہے۔ میرے ساتھ یہ مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے اپنے مرحوم شوہر کی نسل بڑھانے کی اتنی زیادہ خواہش نہیں ہے۔ اس لیے میں آرام سے انتظار کر رہی ہوں۔ اگر آج مایوسی ہو رہی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمیشہ مایوسی سے دن گزریں گے۔ کبھی ہمارا بھی مقدر چمکے گا۔''

بابر نے کہا ''ڈیڈ......! ہم چچا مرحوم کی طرح دولت مند نہیں ہیں۔ اس کے باوجود ہمارا اپنا کاروبار صحیح چل رہا ہے۔ لاکھوں روپے کی آمدنی ہے پھر بھی آپ اس گھر سے اور خاص طور پر عینی سے چپکے ہوئے ہیں۔''

''بیٹے......! مجھے لالچی نہ سمجھو۔ تمہارے مرحوم چچا نے مجھے عینی کا سرپرست بنایا ہے۔ میں اس گھر کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ یہاں کے اخراجات میرے ذمے ہیں۔ وکیل اخلاق احمد مجھے ماہانہ ایک لاکھ روپے دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے اس ایک لاکھ کا لالچ ہے۔ اس گھر میں دس افراد ہیں۔ اندر اور باہر کے سیکورٹی گارڈز کو ملا کر پندرہ ملازم ہیں۔ ان سب کے اخراجات کتنے ہوں گے؟ یہ سب اندازہ کر سکتے ہیں پھر عینی کس طرح شاہانہ زندگی گزارتی ہے یہ سب دیکھ رہے ہیں۔

وہ جو مجھے ایک لاکھ روپے ماہانہ دیے جاتے ہیں۔ اس میں سے ایک پیسہ بھی میرے پاس نہیں بچتا ہے۔ میں تو وکیل اخلاق احمد سے کہنے والا ہوں کہ مجھے ایسی ذمے داریوں سے نجات دیں۔ یہ ایک لاکھ اپنے پاس رکھ کر اس گھر کے اخراجات پورا کیا کریں۔

فلک ناز نے کہا ''بھائی جان......! آپ وکیل صاحب سے ایسا کیوں کہیں گے۔ صاف طور سے کہہ دیں کہ آپ یہاں کی ذمّہ داریاں سنبھالنا نہیں چاہتے۔ وہ ذمّہ داریاں مجھے دے دیں۔ میں ایک لاکھ روپے لے کر یہاں کے اخراجات پورے کر دوں گی۔''

فلک آفتاب نے گھور کر بہن کو دیکھا۔ بیگم آفتاب نے کہا ''تم تو ہمیشہ ایسے ہی موقع کی تاک میں رہتی ہو۔ ہمارا پیچھا کبھی نہیں چھوڑو گی۔ ہم عینی کی طرف چلتے ہیں۔ ہمارے پیچھے چلی آتی ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ وکیل صاحب ایک لاکھ میں اضافہ کریں مگر تم چیلنج کرتی ہو کہ اتنی رقم میں اخراجات پورے کر لو گی۔''

''جب میں ایسا کر سکتی ہوں تو پھر ضرور کروں گی۔ اس میں چیلنج کرنے کی کیا بات ہے۔ جو کام بھائی جان سے نہیں ہو سکتا۔ وہ نہ کریں جو کام میں کر سکتی ہوں اس کام کے کرنے سے آپ کو تکلیف کیوں پہنچ رہی ہے؟''

''میں پوچھتی ہوں تم اپنی کوٹھی میں جا کر کیوں نہیں رہتیں؟''

''اور میں بھی یہی پوچھتی ہوں میرے مرحوم بھائی نے صرف مجھے کوٹھی اور لاکھوں روپے نہیں دیے ہیں۔ بھائی جان کو بھی دیے ہیں اور پھر بھائی جان کا اپنا الگ کاروبار ہے۔ آپ لوگ کیوں اپنی کوٹھی میں جا کر نہیں رہتے ہیں؟''

''اس لیے کہ ہمیں عینی کا سرپرست مقرر کیا گیا ہے۔''

''اور وہ میری بھتیجی ہے۔ میں بھی لہو کے رشتے سے اس کی سرپرست ہوں اور رہوں گی جب تک اس کی شادی نہیں ہوتی۔ میں اس کے سر پر سایہ بن کر رہوں گی۔''

بابر نے ان سب کو بیزاری سے دیکھا پھر تیزی سے چلتا ہوا، زینے پر چڑھتا ہوا، اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ اوپر پہنچ کر دیکھا تو اسما ریلنگ کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی پھر بولی ''ان کے جھگڑے کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ ان جھگڑوں کا یہ فائدہ ہے کہ تمہاری ممی اپنے ایک بیٹے کے اولاد نہ ہونے کا غم بھول رہی ہیں۔''

وہ قریب آ کر بولا ''اور آپ بہت خوش ہو رہی ہیں؟''

''کیا مجھے خوش نہیں ہونا چاہیے؟''

''ہاں...... آپ کے لیے یہ بہتر ہوا کہ سوکن کا راستہ رک گیا لیکن یہ سوچ کر افسوس ہوتا ہے کہ بھائی جان کبھی باپ نہیں بن سکیں گے۔''

''افسوس کیوں کرتے ہو؟ اس کمی کو تم پورا کرو گے اور

ضرور کرو گے۔"

"اب تو آپ میرے پیچھے نہ پڑیں۔ آپ کو اب کسی سوکن کا ڈر نہیں ہے۔"

"ہاں بے شک...... مجھے کسی سوکن کا ڈر نہیں ہے لیکن میں اولاد سے محروم ہوں۔ مجھے ایک بچہ چاہیے اور اسی خاندان کا چاہیے اور وہ تم دو گے۔"

وہ ایک ہاتھ سے اپنا کان پکڑتے ہوئے بولا "پہلے تو آپ میرے پیچھے پڑی رہتی تھیں اب میرے ممی ڈیڈی بھی یہی رٹ لگائیں گے کہ جلد از جلد مجھے شادی کر لینی چاہیے۔"

اسما نے ہنستے ہوئے کہا "اب آیا ہے پنچھی دام میں......"

اس نے بڑی بے بسی سے مگر بڑی محبت سے اسے دیکھا پھر وہاں سے پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ وہ ریلنگ کے پاس کھڑی نیچے ڈرائنگ روم کی طرف دیکھتی رہی۔ واپس اپنے کمرے میں ذیشان کے پاس نہیں جا رہی تھی۔ ابھی ساس سسر کی بے بسی اور جھنجلاہٹ دیکھ رہی تھی۔ اسے بڑا مزہ آ رہا تھا۔

ذیشان اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھا ہوا موبائل فون کے ذریعے بول رہا تھا۔ "ہیلو بچھو بابا......! میں ایس پی ذیشان بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے بچھو بابا نے سلام کیا "سلام صاحب......! شکاری بری طرح پھڑ پھڑا رہا ہے۔ اب اور زیادہ تشدد کروں گا تو مر جائے گا۔"

"نہیں...... اسے مارنا نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس سے کیا اگلوایا ہے؟"

"وہ کہہ رہا ہے کہ اس کی ماں ایک شخص داؤد سبحانی سے ملتی ہے۔ وہ اس کے دور کے رشتے کا بھائی لگتا ہے یہ ایک امیر کبیر مجرم ہے اور اس کا تعلق انڈر ورلڈ سے ہے۔"

"یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر رہی ہے کہ انڈر ورلڈ کا کوئی مجرم ہوم منسٹر پر دباؤ ڈال کر جواد کو رہا کروائے گا۔ اس کی ماں ضرور کسی اور بڑے پہنچے ہوئے شخص سے ملتی ہے۔"

"وہ اپنی ماں کی قسم کھا رہا ہے۔ خدا رسولؐ کی قسم کھا کھا کر کہہ رہا ہے کہ اس سے زیادہ وہ اور کچھ نہیں جانتا۔"

"اسے کسی سڑک کے کنارے لے جا کر پھینک دو اور اس کے ماں کے موبائل فون پر اطلاع دو کہ اسے فلاں جگہ پھینک دیا گیا ہے اور پھر چھپ کر دیکھو کہ اسے کون لوگ اٹھا کر لے جاتے ہیں اور کہاں لے جاتے ہیں؟"

"جو حکم صاحب......! میں ابھی یہی کرتا ہوں مگر صاحب!......"

"ہاں...... تمہیں آگے بولنے کی ضرورت نہیں ہے میں کل صبح تمہارے بھائی کو رہا کر دوں گا۔"

بچھو بابا نے خوش ہو کر کہا "بہت بہت شکریہ صاحب......! آپ تو ہمارے مائی باپ ہیں۔"

"تم میرا کام کرتے رہو گے۔ میں تمہارا کام کرتا رہوں گا مگر اس بار بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ بڑے پہنچے ہوئے لوگ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم تک پہنچ جائیں اور پھر تم تک پہنچ کر یہ اگلوا لیں کہ تمہارے پیچھے میں جواد سے دشمنی کر رہا ہوں۔"

"صاحب......! بیس برس کی مجرمانہ زندگی میں میری گردن صرف آپ کے ہاتھ آئی ہے۔ آج تک کوئی مائی کا لعل مجھے اپنے شکنجے میں نہ لا سکا۔ آپ مجھے اپنے شکنجے میں ضرور رکھتے ہیں لیکن مہربانی کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے آپ کا نام کبھی زبان پر نہیں آئے گا۔ ایسا ہونے سے پہلے میں اپنی جان دے دوں گا۔"

"میں جانتا ہوں تم بہت جی دار ہو۔ فی الحال میں جو کہہ رہا ہوں وہ ابھی جا کر کرو۔"

"یہ کام ابھی ہوگا صاحب!"

"ٹھیک ہے میں ایک گھنٹے کے بعد تمہیں فون کروں گا۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ اسی وقت اسما مسکراتے ہوئے اندر آئی۔ وہ بھی مسکرانے لگا۔ بچھو بابا سے باتیں کرتے وقت وہ ایک بہت ہی ظالم اور بے رحم پولیس آفیسر تھا۔ اب بیوی کو دیکھتے ہی ایک مہربان اور محبت کرنے والا شوہر بن گیا تھا۔

☆☆☆

پاشا وعدے کے مطابق شام کو آ گیا۔ عروج اور عینی دونوں ہی اس کی راہ میں آنکھیں بچھائے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ بڑی محبت سے اس کا استقبال کیا۔ اس کے بزرگ اسے پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ اسے جانتے تھے۔ اس کے باوجود اس کا پھر سے تعارف کروایا گیا۔

فلک ناز بیگم آفتاب اور فلک آفتاب ایسے جبراً مسکرا رہے تھے جیسے ان تینوں کو گن پوائنٹ پر رکھا گیا ہو اور کہا جا رہا ہو کہ مسکراؤ ورنہ عینی گولی مار دے گی۔ فلک آفتاب نے خوشی سے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ بیگم آفتاب نے اس کی بلائیں لیں اور فلک ناز نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیں پھر کہا "آؤ بیٹا......! بیٹھو۔"

پاشا فلک آفتاب کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ سامنے صوفے پر عینی اور عروج بیٹھ گئیں اور ان کے دائیں

بائیں والے صوفے پر فلک ناز اور بیگم آفتاب بیٹھی ہوئی تھیں۔ بیگم آفتاب نے پاشا سے کہا "عینی تو تمہاری اتنی تعریفیں کرتی ہیں کہ بس ہم تو سنتے ہی رہتے ہیں اور خوش ہوتے رہتے ہیں۔"

فلک ناز نے کہا "تعریفیں کیوں نہیں کرے گی۔ پاشا نے جان پر کھیل کر عینی کو جواد سے بچایا ہے۔ ایسے وقت نہ سگے کام آ سکتے تھے نہ سوتیلے۔ پاشا نے ہی انسانیت اور شرافت کا ثبوت دیا ہے۔"

عینی اس کی تعریفیں سن کر خوش ہو رہی تھی اور مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ وہ بہت ہی دھندلا دکھائی دے رہا تھا اور وہ یہ نہیں دیکھ سکتی تھی کہ وہ نظریں بچا کر عروج کو دیکھ رہا ہے۔ فلک آفتاب نے کہا "پاشا......! یہ تم نے اچھا کیا جو لاہور سے یہاں چلے آئے۔ اب آئندہ تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

وہ بولا "زندگی سلیقے سے گزارنے کے لیے کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ میرے پاس کوئی کاروباری تجربہ نہیں ہے۔ میں ٹیکسیوں کے بارے میں بڑی حد تک معلومات رکھتا ہوں۔ اس لیے سوچا کہ میرے پاس جتنی رقم ہے اس سے دو ٹیکسیاں خرید کر آمدنی میں اضافہ کروں گا۔"

بیگم آفتاب نے کہا "دو ٹیکسیوں سے کیا ہوتا ہے؟ تمہیں بیک وقت دس ٹیکسیاں خرید کر چلانی چاہئیں۔ رقم کی پروا نہ کرو۔ جتنے روپوں کی ضرورت ہوگی وہ یہاں سے مل جائیں گے۔"

پاشا نے کہا "آپ مائنڈ نہ کیجیے گا میں آگے بڑھنے کے لیے کبھی کسی کا سہارا قبول نہیں کرتا۔"

عینی نے ناگواری سے کہا "بڑی امی......! پہلے انسان کے مزاج کو سمجھنا چاہیے پھر کوئی بات کہنی چاہیے۔

"ہائے بیٹی......! میرا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ ہم یونہی رقم اٹھا کر پاشا کو دے دیں گے۔ کیا کاروبار کرنے کے لیے بینک سے قرض نہیں لیا جاتا؟ اسی طرح پاشا کو ہم قرض دیتے پھر رفتہ رفتہ قرض کی رقم ہمیں واپس مل جاتی۔"

عینی نے عروج سے کہا "ہم نے پاشا کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ تم ذرا بتاؤ۔"

عروج نے پاشا کو دیکھا "وہ اسے بڑی میٹھی مسکراہٹ سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ بتانے سے پہلے گڑبڑا گئی۔ نظریں چرانے لگی۔ فلک ناز بڑی گہری نظروں سے کبھی عروج اور کبھی پاشا کو دیکھ رہی تھی۔ عروج نے عینی کا ہاتھ پکڑ کر کہا "میں نہیں بولوں گی۔ پلیز...... تم بولو۔"

عینی نے کہا "پہلے ہم پاشا سے تنہائی میں باتیں کریں گے اور ان کی مرضی معلوم کریں گے۔ اس کے بعد آپ بزرگوں کو بتائیں گے۔"

فلک آفتاب نے کہا "میں تو کہتا ہوں پاشا کو ٹیکسیوں کا کاروبار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ٹیکسی چلانا چاہیے۔ تمہارا اتنا بڑا کاروبار ہے وکیل اخلاق احمد سے کہہ کر پہلے اپنے کاروبار کی ایک چھوٹی موٹی سی ذمہ داری سونپی جائے۔ انہیں تجرباتی مرحلوں سے گزرنے کا موقع دیا جائے۔ رفتہ رفتہ یہ تمہارے پورے کاروبار کو سمجھ لیں گے۔"

عینی نے خوش ہو کر کہا "بڑے ابو......! آپ نے تو ہمارے دل کی بات کہہ دی۔ ہم پاشا سے یہی کہنا چاہتے تھے۔"

فلک ناز نے پوچھا "کیوں پاشا......! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

پاشا نے کہا "میں نے ابھی یہ بات سنی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ عینی کے مرحوم والد کا کاروبار کتنا وسیع ہے۔ میں اسے سمجھ بھی پاؤں گا یا نہیں۔ اس پر مجھے غور کرنا ہوگا۔"

عروج نے کہا "کوئی غور نہیں کرنا ہوگا۔ جب ہم نے فیصلہ کیا ہے تو تم یہی کرو گے۔"

عروج نے ایسی نظروں سے پاشا کو دیکھا۔ جیسے آنکھوں آنکھوں میں اقرار کروا رہی ہو۔ وہ مسکرا کر بولا "ٹھیک ہے عینی کی خواہش کے مطابق میں کوشش کروں گا۔"

فلک ناز بلی کی طرح عروج اور پاشا کو تک رہی تھی۔ ان کی نگاہوں کی زبان کو بڑی دور تک سمجھ رہی تھی اور عینی کو دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ یہ بے چاری تو دیکھتے ہوئے بھی کچھ دیکھ نہیں پا رہی ہے۔

ویسے نہ دیکھ پائے تب بھی باتوں سے سمجھ سکتی تھی کہ جب پاشا کو اپنے کاروبار میں دلچسپی لینے کو کہا تو وہ ٹال رہا تھا لیکن جب عروج نے کہا تو راضی ہو گیا۔ فلک ناز کی سمجھ میں یہی آ رہا تھا کہ عروج اپنی سہیلی کے نیم اندھے پن سے فائدہ اٹھا رہی ہے اور پاشا سے فلرٹ کر رہی ہے۔ پاشا بھی عینی سے زیادہ عروج کی طرف مائل ہے۔

عروج پاشا جانی کی نظروں سے گھبرا رہی تھی۔ اس کے بار بار اس طرح دیکھنے سے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں چوری پکڑی نہ جائے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی "عینی......! تم بیٹھو میں کچن میں جا کر دیکھتی ہوں کہ کھانا تیار ہو چکا ہے یا نہیں۔"

عینی نے کہا "ہاں...... تمہیں آٹھ بجے ڈیوٹی پر جانا

ہے۔ خانساماں سے کہو کھانا تیار ہے تو فوراً لگائے۔"

عروج کچن کی طرف چلی گئی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ تمام افراد ڈائننگ ٹیبل کے اطراف جمع ہو کر کھانا کھا رہے تھے اور ہنس بول رہے تھے۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کی کوشش یہی تھی کہ عینی کو زیادہ سے زیادہ خوش کرنے کے لیے پاشا کے ساتھ محبت سے بولتے رہیں۔ ناز بھی محبت سے بول رہی تھی لیکن عروج اور پاشا کو گہری نظروں سے دیکھتی اور سمجھتی جا رہی تھی۔ عینی کوئی ڈش پاشا کی طرف بڑھاتی تھی تو پاشا اس میں سے کچھ لینے کے بعد وہ ڈش عروج کی طرف بڑھا دیتا تھا۔

کھانا شروع کرتے وقت عروج نے کہا تھا کہ اسے جھینگے پسند نہیں ہیں پھر پاشا نے بھی جھینگوں کے سالن کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ناز نے آزمانے کے لیے وہ ڈش اٹھا کر پاشا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ سالن چکھ کر دیکھو......"

اس نے وہ ڈش لے کر کہا "میں جھینگے نہیں کھاتا۔"

یہ کہہ کر اس نے وہ سالن عینی کی طرف بڑھایا۔ عینی نے وہ ڈش لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے کہا "جو چیز عروج کو پسند نہ ہو اسے میں بھی پسند نہیں کرتی۔"

فلک ناز سوچنے لگی یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ جو چیز عروج کو پسند نہیں ہوتی۔ اسے عینی بھی پسند نہیں کرتی۔ اب پاشا کے متعلق بھی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی عروج کی پسند کے مطابق کھاتا، پیتا ہے۔ وہ عینی کی طرف صرف بات کرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن عروج سے بات ہو یا نہ ہو اسے میٹھی نظروں سے دیکھتا رہتا ہے۔

اور عروج بھی جواباً اسے مسکرا کر دیکھتی ہے تو کبھی نظریں چرانے لگتی ہے۔ نظریں چرانے کے انداز میں بھی پیار ہی پیار ہوتا ہے۔"

کھانے کے بعد چائے یا کافی کا دور چلتا ہے لیکن عروج نے انکار کر دیا کیوں کہ اسے ڈیوٹی پر جانا تھا۔ دیر ہو رہی تھی۔ عینی نے کہا "میں یہاں چائے نہیں پیوں گی۔ پاشا کے ساتھ ٹیرس پر جاؤں گی۔ ہم وہاں چائے پئیں گے اور باتیں کریں گے۔"

فلک ناز نے بھی چائے نہیں پی۔ وہاں سے اٹھ کر فوراً ہی کوٹھی کے باہر آ گئی۔ باہر پورچ میں عروج کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ایک دیوار کی آڑ میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ عروج عینی اور پاشا دروازہ کھول کر باہر آئے۔ وہاں عینی نے عروج کا ہاتھ تھام کر کہا "تیری ڈیوٹی رات کے تین بجے ختم ہو گی اور تو وہاں کوارٹر میں تنہا رہے گی۔ کیا تو یہاں نہیں آ سکتی؟ میں یہاں سے دو سیکورٹی گارڈز تیرے لیے بھیج دوں گی۔"

"میں تین بجے تک نہیں صبح پانچ بجے تک ڈیوٹی پر رہوں گی۔ اس کے بعد اپنے کوارٹر میں جاؤں گی۔ اپنا ہینڈ بیگ لوں گی پھر یہاں آؤں گی۔ اس وقت تک دن نکل چکا ہوتا ہے۔"

وہ عینی سے رخصت ہو کر پاشا کے ساتھ چلتی ہوئی اپنی کار تک آئی پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پاشا نے کھڑکی پر جھک کر کہا "میں دس بجے تم سے ملنے آؤں گا۔"

وہ بولی "اتنی جلدی نہیں۔ میں یہاں سے جاتے ہی مریضوں کو اٹینڈ کرتی ہوں۔ بہت مصروف ہوتی ہوں۔ تم بارہ بجے کے بعد آ سکتے ہو۔"

"چلو یہی سہی مگر میں ضرور آؤں گا۔"

وہ کار اسٹارٹ کر کے شب بخیر کرتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ پاشا عینی کے پاس آیا پھر اس کے ساتھ کوٹھی کے اندر چلا گیا۔ فلک ناز دیوار کی آڑ سے نکل کر سوچنے لگی "میں ٹھیک سمجھ رہی ہوں۔ عروج اور پاشا کا چکر چل رہا ہے۔ یہ دونوں عینی کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ عروج اپنے اس یار کے ذریعے عینی کو پھانس رہی ہے۔ ان دونوں کی شادی کروانا چاہتی ہے پھر اپنے یار کے ذریعے اپنی سہیلی کی دولت پر عیش کرنا چاہتی ہے۔ یہ تو ہم سے بھی زیادہ مکاری دکھا رہی ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ یک جان دو قالب بن کر رہنے والی سہیلی ایسی غضب کی چالیں چل رہی ہے۔"

ناز اپنے بیٹے عدنان کا مقدر بنانا چاہتی تھی اور دیکھ رہی تھی کہ عروج بڑی مکاری سے اپنا مقدر بنا رہی ہے۔ بے شک میں ایسا ہوں کہ مکاری سے چالیں چلنے والوں کا بھی ساتھ دیتا ہوں اور انہیں کامیابی کے راستے پر لے جاتا ہوں لیکن بہت دور تک نہیں...... آئندہ یہ دیکھنا ہے کہ میں فلک ناز کے ساتھ کتنی دور تک چلوں گا۔

☆☆☆

شہباز درانی غصے سے تلملا رہا تھا۔ یہ معلوم کرنے میں ناکام ہو رہا تھا کہ جواد کو کس نے اغوا کیا ہے۔ وہ بار بار ہوم منسٹر سے رابطہ کر رہا تھا۔ ہوم منسٹر انٹیلی جنس والوں سے سختی سے کہہ رہا تھا "معلوم کرو کہ جواد ہاشمی کو کس نے اغوا کیا ہے؟"

پولیس کے تمام اعلیٰ افسران سے بھی کہہ رہا تھا کہ شہر میں جتنے چھوٹے بڑے بدمعاش ہیں سب کو گرفتار کرو۔ سب سے سختی سے پیش آؤ۔ تھرڈ ڈگری استعمال کرو۔ کوئی نہ کوئی سچ اگل دے گا۔

شہر کے ان تمام مجرموں کی شامت آ گئی۔ جو پولیس اور

انٹیلی جنس والوں کی بلیک لسٹ میں تھے۔ ان سب کو گرفتار کیا جا رہا تھا۔ ان کی پٹائی ہو رہی تھی۔ ذیشان یہ سارے ہتھکنڈے جانتا تھا۔

اسی لیے اس نے جواد ہاشمی کو اغوا کروانے سے پہلے بچھو بابا کو شراب فروخت کرنے کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ اور اسے حوالات میں بند کر دیا تھا۔ جتنے مجرم جیل یا حوالات میں تھے۔ ان سے باز پرس نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کس مجرم نے ان حوالات سے نکل کر واردات کی ہے اور پھر واپس حوالات میں آ گیا ہے۔

بچھو بابا نے حوالات سے نکل کر اپنے تین حواریوں کے ذریعے جواد ہاشمی کو اغوا کیا تھا۔ اسے ایک ٹارچر سیل میں پہنچا دیا تھا۔ وہاں اس پر اس قدر تشدد کیا گیا تھا کہ وہ ادھ موا ہو گیا تھا۔

بچھو بابا واپس حوالات میں آ گیا تھا پھر ذیشان نے فون کے ذریعے رابطہ کیا اور اسے حکم دیا کہ اب اسے سڑک کے کنارے پھینک کر دردانہ بیگم کو اس کے بارے میں اطلاع دے دی جائے پھر دیکھا جائے کہ دردانہ اور اس کے آدمی جواد کو کہاں لے جا رہے ہیں۔

آخر شہباز درانی کی تلاش ختم ہوئی۔ دردانہ نے فون موصول کیا۔ کسی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "تمہارا بیٹا صدر کے بڑے کچرا گھر میں پڑا ہوا ہے۔ فوراً اسے اسپتال پہنچاؤ۔ ابھی اس کی سانس چل رہی ہے۔"

دردانہ نے ایک دم سے چیخ کر کہا "نہیں...... نہیں...... میرے بیٹے کو کچھ نہیں ہو گا۔"

شہباز اٹھ کر بیٹھ گیا پھر بولا "کس کا فون ہے؟"

"کوئی کہہ رہا ہے کہ میرا جواد صدر کے بڑے کچرا گھر میں پڑا ہوا ہے اور اس کی سانسیں چل رہی ہیں۔ اسے فوراً اسپتال پہنچایا جائے۔"

اس نے دردانہ سے فون لے کر اپنے کان سے لگا کر پھر ہیلو...... ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اطلاع دینے والا رابطہ ختم کر چکا تھا۔ شہباز تیزی سے چلتا ہوا اپنے بیڈروم سے باہر آیا۔ اسد عزیزی سے بولا "جواد کا پتا چل گیا ہے۔ اسے کسی نے صدر کے بڑے کچرا گھر میں پھینک دیا ہے اور اس کی حالت بہت بری ہے۔ اسے وہاں سے اٹھا کر فوراً اسپتال پہنچاؤ اور مجھے ایک ایک پل کی رپورٹ دیتے رہو۔"

اسد عزیزی "یس باس!" کہتا ہوا وہاں سے دوڑتا ہوا چلا گیا۔ دردانہ نے روتے ہوئے کہا "میں بھی جاؤں گی۔ اپنے بیٹے کو دیکھوں گی۔"

شہباز نے کہا "نہیں...... تم نہیں جاؤ گی۔ جو تمہارے بیٹے سے دشمنی کر سکتے ہیں وہ تم سے بھی کر سکتے ہیں۔ تمہیں کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"نقصان پہنچے دو۔ مجھے جانے دو۔"

"فضول ضد نہ کرو۔ یہاں میرے پاس رہو۔ تمہیں ایک ایک پل کی خبر ملتی رہے گی۔ میرے آدمی اسے فوری طبی امداد کے لیے لے جا رہے ہیں۔"

وہ روتے ہوئے بولی "میں اسے دیکھے بغیر سکون سے نہیں رہ سکوں گی۔ مر جاؤں گی۔ میں جانتی ہوں کہ تم بہت شہ زور ہو۔ بڑے وسیع ذرائع کے مالک ہو۔ مجھے حفاظت سے اس اسپتال میں پہنچا سکتے ہو۔ جہاں میرے بیٹے کو پہنچایا جا رہا ہے۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا "ٹھیک ہے...... ذرا انتظار کرو۔ ابھی اسد عزیزی فون پر بتائے گا کہ اسے کس اسپتال میں پہنچایا گیا ہے پھر میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔"

وہ اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ پریشانی سے بڑبڑانے لگا "یہ کون ہے؟ جس نے جواد کو اغوا کیا؟ میں حیران ہوں کہ اب تک وہ میری نظروں میں کیوں نہیں آیا۔ پولیس اور انٹیلی جنس والے...... اس کا سراغ لگانے میں کیوں ناکام ہو رہے ہیں؟"

وہ روتے ہوئے بولی "جب پولیس والے ہی ایسا کر رہے ہیں تو انہیں کون پکڑ سکے گا؟"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا "اچھا...... تو تم ابھی تک ایس پی ذیشان پر شبہ کر رہی ہو؟"

"میں یقین سے کہتی ہوں کہ اسی کمینے شخص نے ایسا کیا ہے۔"

"دیکھو دردانہ......! جب پہلی بار تم نے ذیشان پر شک کیا۔ تب سے ہی میں نے اپنے آدمی اس کے پیچھے لگا دیے۔ وہ اس کے دفتر سے لے کر گھر تک اس کا پیچھا کرتے رہے ہیں۔ اس کی مصروفیت معلوم کرتے رہے ہیں۔ میں اس کے گھر اور دفتر کا فون ٹیپ کروا رہا ہوں۔ کہیں سے ایسی کوئی بات معلوم نہیں ہو رہی ہے۔ جس کی بنا پر ایس پی ذیشان پر شبہ کیا جائے۔"

اس نے فون کے ذریعے اپنے ایک ماتحت سے رابطہ کیا پھر کہا "ایس پی ذیشان کے بارے میں بتاؤ؟"

دوسری طرف سے کہا گیا "باس!...... وہ اس وقت اپنی

کوٹھی میں ہے۔ میں نے دفتر سے اس کا تعاقب کیا۔ وہ شام کے چار بجے نکل کر دفتر سے اپنے گھر گیا تھا۔ تب سے اب تک باہر نہیں نکلا ہے۔"

"اس سے ملنے کوئی کوٹھی میں آیا ہے؟"

"جی ہاں...... ایک ٹیکسی ڈرائیور وہاں آیا ہے۔ اس کی ٹیکسی کوٹھی کے اندر کھڑی ہے۔ وہ شام کے چھ بجے آیا تھا اور اب تک وہیں ہے۔"

"تم اس پر نظر رکھو۔ جب بھی وہ ٹیکسی ڈرائیور باہر نکلے اس کا تعاقب کرو۔ معلوم کرو کہ وہ کون ہے؟"

اس نے فون بند کیا۔ تو دردانہ نے کہا "میں اس ٹیکسی ڈرائیور کو جانتی ہوں۔ جواد عینی کو بہلا پھسلا کر میرے پاس لانا چاہتا تھا لیکن اس ڈرائیور نے اس کی کوششوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ اس کم بخت کی وجہ سے میرے بیٹے پر مصیبتیں آئی ہیں۔ میں اس دشمن کو تو بھول ہی گئی تھی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ذیشان نے اس ٹیکسی ڈرائیور کے ذریعے میرے بیٹے کو اغوا کروایا ہو......؟"

"دردانہ! ایک ٹیکسی ڈرائیور کی کیا اوقات ہے؟ تم نے سنا تھا کہ جواد کو اغوا کرتے وقت کتنی زبردست فائرنگ ہوئی تھی۔ ہمارے دو آدمی مارے گئے تھے۔ میں جرائم کی دنیا کے منجھے ہوئے لوگوں سے کام لیتا ہوں۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور کی کیا مجال ہے کہ ایسے چھٹے ہوئے مجرموں سے مقابلہ کرے؟ اور ان سے جواد کو چھین کر لے جائے؟ تم بچکانہ ذہن سے سوچ رہی ہو۔"

"تم یہ بتاؤ کہ ذیشان چھپ کر ہمارے خلاف ایسی دشمنی کر رہا ہوگا تو تمہیں کیسے معلوم ہو سکے گا؟"

"میں نے ذیشان کے پیچھے اپنے آدمی لگائے ہیں۔ اب وہ ٹیکسی ڈرائیور کی بھی نگرانی کرتے رہیں گے پھر یہ کہ جواد کو اسپتال پہنچایا جا رہا ہے۔ میرا خاص ماتحت اسد عزیزی بہت ذہین ہے۔ وہ جواد سے معلوم کرے گا کہ کن لوگوں نے اسے ٹارچر کیا ہے اور وہ اس سے کس طرح کی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے؟ ٹارچر کرنے کے دوران میں اس سے کیا کیا کہتے تھے؟ اس طرح ہمیں کچھ نہ کچھ معلوم ہو ہی جائے گا۔"

تہمینہ نے آ کر کہا "باس......! اسد عزیزی کا فون ہے۔"

اس نے تیزی سے فون کے پاس آ کر ریسیور اٹھایا پھر کہا "ہیلو عزیزی......! بولو جواد کیسا ہے؟"

"سر بہت بری حالت ہے۔ ہم نے اسے اسپتال پہنچا دیا ہے۔ وہاں کے بڑے ڈاکٹر کو پکڑ کر لے آئے ہیں دوسرے ڈاکٹر بھی اسے اٹینڈ کر رہے ہیں۔"

"کیا جواد ہوش میں ہے؟"

"نہیں۔ بے ہوش ہے...... بڑی مشکلوں سے سانس لے رہا ہے۔ یوں سمجھیں کہ موت سے لڑ رہا ہے۔"

"ان تمام ڈاکٹروں سے کہو کہ جب تک اس کی حالت سنبھل نہ جائے وہاں سے کوئی نہیں جائے گا۔ سب موجود رہیں گے۔ ان ڈاکٹروں کو منہ مانگی رقم دی جائے گی۔ یہ بتا کہ کس اسپتال میں ہو......؟"

"ہم اس وقت شری بائی اسپتال میں ہیں۔"

"میں ابھی آ رہا ہوں۔"

اس نے فون رکھ کر ایک مسلح ملازم کو حکم دیا "فوراً گاڑی نکالو۔"

ملازم دوڑتا ہوا چلا گیا۔ وہ اپنے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے بولا "دردانہ......! ہم ابھی اسپتال جا رہے ہیں۔"

وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے بولی "میرا بیٹا کیسا ہے؟ تمہاری باتوں سے پتا چل رہا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی بڑا مسئلہ ہے؟"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ فکر نہ کرو۔ ڈاکٹر اسے بچا لیں گے۔"

"بچا لیں گے کا مطلب کیا ہوا؟ اس کا مطلب ہے کہ اس کی جان خطرے میں ہے۔"

"پلیز...... صبر کرو۔ حوصلے سے کام لو۔ ہم ابھی وہیں جا رہے ہیں۔"

وہ بیڈ روم میں آ کر اپنے ریوالور کو چیک کرنے کے بعد اسے لباس کے اندر چھپانے لگا پھر بولا "چلو......"

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر آئی۔ باہر گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ آگے پیچھے مسلح گارڈز اپنی اپنی گاڑیوں میں تھے۔ وہ اپنی گاڑی میں اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دردانہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر آ گئی پھر وہ گاڑیاں قافلے کی صورت میں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔

جواد اسپتال کے بیڈ پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ چہرے اور بازوؤں پر زخم ہی زخم دکھائی دے رہے تھے۔ اسے زخم پہنچانے والوں نے اتنی مہربانی کی تھی کہ لہو زیادہ بہنے نہیں دیا تھا۔ اپنے ایک ڈاکٹر کے ذریعے زخموں پر مرہم لگا دیا تھا اور لہو کو بہنے سے روک دیا تھا۔ پورا بدن بری طرح سوج گیا تھا۔ چہرہ بری طرح سوجا ہوا تھا۔ وہ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ تکلیف کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ دردانہ نے وہاں پہنچ کر اپنے بیٹے کی

حالت دیکھی تو دونوں ہاتھوں سے سینہ کوٹنے لگی۔ رونے لگی۔

شہباز درانی نے وہاں کے بڑے ڈاکٹر سے کہا "اسے زندہ حال میں بچانا ہے۔ مجھے یہ بتائیں کہ کچھ بولنے کے قابل ہے یا نہیں؟ میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"اس کے دماغ کو بجلی کے جھٹکے پہنچائے گئے ہیں۔ آپ اس کا ایک گھٹنا دیکھیں۔ ڈرل مشین کے ذریعے اس کے گھٹنے میں سوراخ کیا گیا ہے۔"

دردانہ یہ سن کر لرز گئی۔ ڈاکٹر نے کہا "اس پر تھرڈ ڈگری استعمال کی گئی ہے اور اس سے کچھ اگلوانے کی کوشش کی گئی ہے۔"

دردانہ نے روتے ہوئے کہا "آپ صرف باتیں کر رہے ہیں۔ میرے بیٹے کا علاج کیوں نہیں کر رہے ہیں۔"

"میڈم......! ہم نے جو کرنا تھا وہ کر چکے ہیں اور ابھی بھی کر رہے ہیں۔ ان کی حالت بہت نازک ہے۔ ہم دوا کر رہے ہیں۔ آپ دعا کریں۔"

وہ بیٹے کی طرف جھک کر بولی "بیٹے......! مجھے دیکھو...... میں تمہاری ماں ہوں...... کیا مجھے پہچان رہے ہو؟"

اس نے سر گھما کر اسے دیکھا پھر بڑی کمزوری آواز میں کہا "مم...... می......!......"

شہباز نے کہا "دردانہ! یہ بول رہا ہے۔ اس سے پوچھو وہ کون لوگ تھے؟"

اس نے پوچھا "بیٹے......! تم سے کس نے دشمنی کی ہے؟ وہ کون دشمن تھا؟"

وہ کمزوری لرزتی ہوئی آواز میں بولا "مم...... میں...... نن...... نہیں...... جان...... تا......"

شہباز نے پوچھا "وہ تم سے کیا پوچھ رہے تھے؟"

دردانہ نے کہا "ہاں بیٹے......! کوشش کرو...... ہمیں بتاؤ وہ تم سے کیا پوچھ رہے تھے؟"

وہ اٹک اٹک کر سانس لے رہا تھا۔ اسے یاد تھا۔ اس نے ان دشمنوں کے پوچھنے پر بتایا تھا کہ اس کی ممی کے تعلقات داؤد سبحانی سے ہیں۔ جو انڈر ورلڈ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی ممی نے داؤد سبحانی کے ذریعے ضمانت نامہ حاصل کیا تھا۔

یہ بات اگر وہ کہہ دیتا تو دردانہ اور شہباز سمجھ لیتے کہ ایسی اکوائری کرنے والا صرف ذیشان ہی ہو سکتا ہے۔

لیکن وہ کیسے کہہ سکتا تھا۔ میں اس کی زندگی کی لکیر پر کھڑا ہوا تھا اور جہاں کھڑا ہوا تھا وہاں وہ لکیر ختم ہو چکی تھی۔ میں اس لکیر پر آگے بڑھا تو گر پڑا۔ اس کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ وہ زندگی کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا تھا۔

ڈاکٹر نے اس کی نبض ٹٹولی۔ اس کے سینے پر اسٹیتھسکوپ رکھا پھر سر جھکا کر کہا "سوری...... ہی از نو مور......"

دردانہ نے ایک زوردار چیخ ماری پھر بیٹے سے لپٹ کر دھاڑیں مار کر رونے لگی۔

گل خانم عجیب حالات سے گزر رہی تھی۔ اب وہ مطلقہ تھی۔ طلاق ہو چکی تھی لیکن دل نہیں مان رہا تھا۔ بار بار اپنے یاور خان کو مانگ رہا تھا۔

پچھلی شام ذیشان نے اس وعدے پر یاور خان کو رہا کیا تھا کہ گل خانم اس کے روبرو نہیں جائے گی۔ اس سے پردہ کرے گی۔ اسے اپنی کوٹھی میں آنے کی اجازت نہیں دے گی۔ کیونکہ وہ نامحرم ہو چکا ہے۔ اب شوہر اور بیوی کا رشتہ باقی نہیں رہا ہے۔

وہ مان رہی تھی کہ شوہر بیوی کا رشتہ ختم ہو چکا ہے لیکن دل سے دل کا رشتہ ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ عاشقی جو شادی سے پہلے دونوں کے درمیان تھی۔ اب پھر سے رنگ لا رہی تھی پھر سے مستحکم ہو رہی تھی اور بار بار اسے یاور خان کی طرف کھینچ رہی تھی۔ اگر وہ اس سے دور کہیں چلا جاتا۔ گم ہو جاتا۔ اس کا کوئی اتا پتا نہ ملتا تو اسے رفتہ رفتہ صبر آ جاتا۔

لیکن پچھلی رات یاور خان نے رہا ہوتے ہی پی سی او کے ذریعے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے ہوئے تھی اور اس کی آواز کان سے اترتی ہوئی رگوں میں لہو کی طرح دوڑنے لگی تھی۔ دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا پھر بھی اس نے بظاہر سخت لہجے میں کہا "یاور......! میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ مجھے مخاطب نہ کرنا۔"

"تم نے کہا تھا کہ میں روبرو نہ آؤں۔ تمہاری کوٹھی میں قدم نہ رکھوں۔ تم جیسا کہتی ہو ویسا ہی کروں گا لیکن ہم فون پر باتیں تو کر سکتے ہیں؟"

"اب کچھ کہنے سننے کو کیا رہ گیا ہے۔ اب تمہیں معلوم ہو رہا ہے کہ غصہ حرام ہوتا ہے۔ تم نے غصے میں مجھے طلاق دے دی۔ اب اس کے نتیجے میں تم دربدر ہو گئے اور میں تم سے بچھڑ کر کانٹوں کے بستر پر پڑی ہوئی ہوں۔"

"گل جاناں......! میں نے اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کی ہے۔ میں تم سے اس کی سزا پانا چاہتا ہوں لیکن یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں بھی اس کی سزا ملے۔"

"تم جب بھی فون کرو گے۔ میرے کانوں کے راستے دل میں اترتے رہو گے اور میں تڑپتی رہوں گی۔ فون نہیں کرو گے تو تمہاری یادیں تڑپاتی رہیں گی۔ مجھے کسی بھی پہلو سے

سکون نہیں ملے گا۔ میں اب ساری زندگی سزا پاتی رہوں گی۔ اس کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔"

"میں شرمندہ ہو رہا ہوں۔ میں کسی عالم دین سے باتیں کروں گا۔ ان سے اس بارے میں مشورہ لوں گا۔ وہ ہمیں پھر سے میاں بیوی بننے کا راستہ دکھائیں گے۔"

"ہاں...... ضرور دکھائیں گے۔ وہ راستہ میں اور تم بھی جانتے ہیں کہ تم سے دوبارہ رجوع کرنے کے لیے مجھے عدت کے ایام گزارنے ہوں گے۔ اس کے بعد کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا ہوگی پھر وہ شخص مجھے طلاق دے گا تو میں تم سے شادی کر سکوں گی۔"

"ایسی باتیں نہ کرو گل جاناں......!"

"تم میرے قریب کسی دوسرے شخص کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اب یہ کیسے برداشت کرو گے کہ کوئی دوسرا شخص میرا دوسرا شوہر بن کر میری تنہائی میں آئے...... بولو کیا یہ سب برداشت کر لو گے؟"

"نہیں...... نہیں...... نہیں...... تمہاری یہ باتیں میرے منہ پر جوتے کی طرح پڑ رہی ہیں۔"

"یاورا......! تم بہت غیرت مند ہو۔ میں جانتی ہوں یہ سب برداشت نہیں کرو گے۔ ہماری بہتری اب اسی میں ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بہت دور ہو جائیں۔ تم یہاں سے دور چلے جاؤ پھر اپنے وطن کی طرف لوٹ جاؤ۔ اگر نہیں جاؤ گے تو میں یہ شہر چھوڑ کر کہیں گم ہو جاؤں گی۔"

"گل جاناں......! ایسا کبھی نہ کرنا۔ اگر تم گم ہو جاؤ گی۔ تمہارا کوئی پتا ٹھکانہ نہیں ملے گا۔ تمہاری خیریت معلوم نہیں ہو گی تو میں خود کو گولی مار لوں گا۔ تم تو جانتی ہو میں جو کہتا ہوں وہ ضرور کرتا ہوں۔"

"تم مجھے مشکل میں ڈال رہے ہو۔ میں کہیں جا بھی نہیں سکتی اور یہاں رہ بھی نہیں سکتی۔"

"گل جاناں......! یہ پی سی او بند ہو رہا ہے۔ اس کا مالک بار بار مجھے بات ختم کرنے کو کہہ رہا ہے۔"

وہ بولی "اب تو آدھی رات ہو چکی ہے۔ کسی اور جگہ سے فون نہیں کر سکو گے۔"

"کل صبح جیسے ہی پی سی او کھلے گا۔ میں تمہیں مخاطب کروں گا۔ مجبوری ہے گل جاناں......!"

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس ریسیور کو حسرت سے دیکھنے لگی پھر اسے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ لگا کر کچھ سوچنے لگی۔ اس نے اسے کریڈل پر نہیں رکھا۔ دوسرے دن دس یا گیارہ بجے سے پہلے اس کا فون نہیں آ سکتا تھا اور وہ کسی اور کی کال ریسیو کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس اسے دل کی دھڑکنوں سے لگائے رہی۔

صدمات نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ایک تو شوہر طلاق دے دی تھی۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ اپنے نوزائیدہ سے بھی محروم ہو گئی۔ اسے کبھی یاور خان کی جدائی تڑپاتی اور کبھی اس کے اندر کی ممتا چیخ چیخ کر کہتی تھی کہ اب میری کیسے بھرے گی؟ میرا گم شدہ بچہ مجھے واپس کیسے ملے گا؟ نہیں ملے گا تو اس کی جگہ کوئی اور مل سکتا ہے مگر کیسے؟

نہ اس کی زندگی میں یاور خان دوبارہ آ سکے گا اور نہ ہی دوبارہ اس کے بچے کی ماں بن سکے گی۔

ایسی محرومی کا احساس شدت اختیار کرتا تھا...تو ا ذیشان کی باتیں یاد آتی تھیں اس نے کہا تھا "تمہاری گود ایک نیا پھول کھلے گا۔ جو بچہ گم ہو چکا ہے وہ واپس آئے گا اس ننھے سے بچے کی خاطر تم مجبور ہو کر دوسری شادی ضرور گی۔"

"نہیں...... کبھی نہیں کروں گی۔ میری تنہائی میں یا خان کی جگہ دوسرا کوئی نہیں آئے گا۔ کبھی نہیں آئے گا۔"

میں تمام انسانی جذبوں کو سمجھتا ہوں۔ گل خانم جذبات کو بھی سمجھ رہا تھا۔ وہ پارسا تھی۔ اپنے سابقہ شوہر سوا کسی دوسرے کا تصور بھی کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن حیا والی کہے کہ وہ بے حیائی نہیں کرے گی تو واقعی نہیں کرنا چاہیے لیکن یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دوسری شادی نہیں کرے گی ا اپنے دوسرے شوہر کی تنہائی میں نہیں جائے گی۔ وہ کیا جا ہے کہ میں کیا کرنے والا ہوں؟

یاور خان غیرت مند تھا۔ اس کی غیرت یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ اس کی گل خانم دوسری شادی کے بہانے کر دوسرے کے پہلو میں جائے لیکن غصہ کرنے والوں کی ا غلطیاں کرنے والوں کی غیرت کھوکھلی ہو جایا کرتی ہے۔ ا ابتدا تھی وہ نہیں مان سکتا تھا کہ وہ ہاتھ کی لکیر کا فقیر بن سا ہے۔

وہ ابھی حالات کی دھیمی دھیمی آنچ میں پک رہے تھے ابھی وہ فون کال تک محدود تھے۔ آگے دیکھنے کی تمنا شدت اختیار کرنے والی تھی۔ دیکھنے کے بعد چھونے کی تمنا او چھونے کے بعد پا لینے کی ضد انہیں پاگل بنا دینے والی تھی۔

☆☆☆

فلک ناز کو کسی پہلو سے سکون نہیں مل رہا تھا۔ پہلے تو ا نے عروج اور پاشا کی نگاہوں کے تبادلے دیکھے تھے۔ وہ ا کی نگاہوں کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرتی رہی

اس نے پورچ کی ایک دیوار کی اوٹ کھڑے ہو کر باتیں سنیں اور یہ معلوم ہوا کہ پاشا آج رات کے بارہ سپتال میں اس سے ملنے جائے گا تو اسے یقین ہو گیا کہ اور پاشا نے بڑی زبردست پلاننگ کی ہے اور عینی کی ساری زندگی عیش کرنے کے لیے اس بے چاری کو ن بنا رہے ہیں۔

اس کے اندر یہ بے چینی پیدا ہو گئی تھی کہ ان کے فراڈ کو کس طرح سب کے سامنے کھول کر رکھ دے اور رح عینی کے سامنے یہ ثابت کر دے کہ اس کی جان عزیز سہیلی اسے دھوکا دے رہی ہے۔ عینی پر عروج کا دو چلا ہوا تھا کہ وہ ٹھوس ثبوت کے بغیر اپنی پھوپی کی بھی تسلیم نہ کرتی۔ فلک ناز کے سامنے یہ ایک اہم مسئلہ ن دونوں کے خلاف کس طرح ثبوت حاصل کیا جائے؟ اس وقت وہ لان میں کھڑی ہوئی تھی اور کبھی کبھی سر اٹھا کی چھت کی طرف دیکھتی تھی۔ عینی پاشا کو چھت پر لے اس کے ساتھ وہاں چائے پی رہی تھی۔ پتا نہیں پاشا ے کیا باتیں کر رہا تھا اور کس طرح اپنی چکنی چپڑی باتوں سے لبھا رہا تھا۔

وہ چھت پر جا کر ان کی باتیں سننا چاہتی تھی مگر نہیں جا سکتی چھت بالکل کھلی ہوئی تھی اور وہ کہیں چھپ کر ان کی ہیں سن سکتی تھی۔ ایسے ہی وقت اسے اپنے بیٹے عدنان کی سنائی دی۔ وہ اسے پکارتا ہوا آ رہا تھا۔ "مما...... مما...... آپ کہاں ہیں؟"

وہ اس کے قریب آ کر بولا "میں آپ کو پوری کوٹھی میں تا پھر رہا ہوں۔ پتا ہے ہماری کوٹھی میں وہ ٹیکسی ڈرائیور بانی آیا ہوا ہے اور عینی کے ساتھ چھت پر گیا ہے۔ میں جانا چاہتا تھا لیکن ماموں جان (فلک ناز) نے مجھے جانے نہیں دیا۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ مجھے وہاں ے کیوں روکا جا رہا ہے؟"

"یہ بتاؤ تم کہاں گھومتے پھر رہے ہو؟ یہاں آ کر پاشا کی ایسے اطلاع دے رہے ہو جیسے میں گھر میں نہیں رہتی اور مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم ک عینی کا دل نہیں جیت سکے۔ اب ایک ٹیکسی ڈرائیور جیتنے کے لیے آ گیا ہے۔"

"اماں مما......! آپ مجھے شرم نہ دلائیں۔ آپ عینی کی ت ہیں۔ ماموں اور ممانی جان بھی بزرگ ہیں۔ شرم تو سب کو آنی چاہیے کہ آپ لوگوں کی موجودگی میں وہ ایک ور کو دل دینے کے لیے چھت پر گئی ہے۔ مجھے وہاں جانے نہیں دیا گیا اور وہ نیچے نہیں آئے گی۔ ورنہ میں اس ڈرائیور کے آگے دیوار بن جاتا۔"

"دیوار تو میں بنوں گی۔ میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے۔ اگر کسی طرح سے پاشا اور عروج کی تصویریں اتار لی جائیں تو ان کا پول کھولنے کے لیے تصویری ثبوت ہی کافی ہو گا۔"

"کیا عروج بھی چھت پر ہے؟"

"نہیں...... وہ اسپتال ڈیوٹی پر گئی ہے اور پاشا آج رات بارہ بجے اس سے ملنے وہاں جائے گا۔"

"کیا وہ علاج کے لیے جائے گا؟"

وہ جھنجلا کر بولی "سمجھا کرو۔ کوئی آدھی رات کو کسی لڑکی سے ملنے کیوں جاتا ہے؟"

وہ ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "سمجھ گیا...... سمجھ گیا...... مگر اماں مما......! یہ تو گناہ ہے۔ اللہ میاں پاشا اور عروج کو جہنم کی آگ میں جلائیں گے۔"

"جب جلائیں گے تب جلائیں گے۔ ابھی تو میں جل رہی ہوں۔ کسی طرح ان کے خلاف ثبوت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ تم تو اچھی فوٹو گرافی کر لیتے ہو؟ ہمارے گھر میں بہترین کیمرہ ہے۔ کیا تم ان سے تصویریں نہیں اتار سکتے؟"

"کیوں نہیں...... جب میں کیمرہ لے کر وہاں جاؤں گا تو دونوں ہی خوش ہو کر تصویریں اتروائیں گے۔"

"لعنت ہے تمہاری کھوپڑی پر۔ تم نے چھپ کر رازداری سے ان کی تصویریں اتارنی ہیں۔"

"اماں مما......! اب آپ اپنی کھوپڑی پر لعنت بھیجیں۔ بھلا رات کو چھپ کر کیسے تصویریں اتار سکتا ہوں۔ فلیش لائٹ کے آن ہوتے ہی دونوں کو خبر ہو جائے گی اور وہ میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی "اس معاملے میں دماغ ایسا الجھ گیا ہے کہ میری عقل بھی کام نہیں کر رہی ہے...... وہ کم بخت عشق کرنے کے لیے آدھی رات کو اسپتال جائے گا اور میں تصویری ثبوت حاصل نہیں کر سکوں گی۔ کوئی اور تدبیر سوچنی ہو گی۔"

"جب آپ جانتی ہیں کہ پاشا عروج سے آدھی رات کے بعد ملنے والا ہے۔ تو آپ وہاں جا کر انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیں بلکہ پولیس کو بھی ساتھ لے جائیں۔"

اس نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی "پولیس والا تو ہمارے ہی گھر میں ہے۔ مجھے ذیشان سے بات کرنا چاہیے۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے اندر آئی پھر ذیشان کے دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی۔ اندر سے اسما نے پوچھا ''کون ہے......؟''

''بیٹی......! میں ہوں...... تمہاری پھوپی جان......!''

دروازہ کھل گیا۔ اسما بولی ''اندر آجائیں......''

وہ اندر آتے ہوئے بولی ''سوری...... میں تم دونوں کے آرام میں خلل ڈال رہی ہوں مگر کیا کروں۔ ذیشان سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

ذیشان نے کہا ''کوئی بات نہیں پھوپی جان...... آپ آرام سے بیٹھ کر بات کریں۔''

وہ بولی ''بیٹے......! اب یہ بات تو چھپی ہوئی نہیں ہے کہ عینی پاشا کو چاہتی ہے اور آئندہ شاید اس سے شادی کرنا بھی چاہے گی؟''

''جی ہاں...... وہ سیدھی اور صاف دل کی لڑکی ہے۔ اس کے دل میں جو تھا اس نے ہم سب کو بتا دیا۔ پاشا جانی تعلیم یافتہ ہے۔ سلجھا ہوا ذہن رکھتا ہے۔ سچا اور ایماندار بھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عینی کا انتخاب بالکل درست ہے۔''

''عینی ابھی بچی ہے۔ اس نے دنیا ہی کہاں دیکھی ہے پھر یہ آنکھوں سے بھی مجبور ہے۔ کچھ دیکھ کر بہت کچھ دیکھ نہیں پاتی۔ اسی لیے ہم بزرگوں کا فرض ہے کہ پاشا جانی کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کریں۔''

''میں نے آج پاشا کے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا ہے اور آئندہ بھی معلوم کروں گا۔ میری بہن کی زندگی کا سوال ہے۔ میں آنکھیں بند کر کے یہ رشتا نہیں ہونے دوں گا۔''

''بیٹے......! پتا نہیں تم کب آنکھیں کھول کر معلوم کرو گے؟ میری آنکھیں تو ہمیشہ کھلی رہتی ہیں۔ آج پاشا پہلی بار ایک مہمان کی حیثیت سے یہاں آیا ہے اور میں نے پہلے ہی دن اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر لیا ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کی معلومات کیا ہیں؟''

''سب سے پہلے تو میں یہ جانتی ہوں کہ عینی ضرور پاشا کو چاہتی ہے لیکن اس کی محبت یکطرفہ ہے۔ پاشا اسے نہیں چاہتا ہے۔''

اسما اور ذیشان نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پچھلی رات پاشا نے کہا تھا کہ وہ عینی کو نہیں کسی اور لڑکی کو چاہتا ہے اور آج اس کی چاہت بدل گئی تھی۔ وہ مہمان بن کر عینی کے گھر آیا تھا اور ابھی اوپر بیٹھا اس کے ساتھ چائے پی رہا تھا اور باتیں کر رہا تھا۔

اسما نے پوچھا ''آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ پاشا محبت نہیں کرتا؟''

وہ اپنی ایک ہتھیلی کو دوسری انگلی سے مار کر بو دعوے سے کہتی ہوں کہ پاشا عینی کو نہیں عروج کو چاہتا

اسما، ذیشان نے پھر ایک دوسرے کو حیرانی سے

ذیشان نے کہا ''پھوپی جان......! آپ یہ بات دعو کیسے کہہ سکتی ہیں؟''

''میں آج شام سے عروج اور پاشا کا تماشا ہوں۔ گھر میں تو کسی نے ان دونوں پر توجہ نہیں دی ان دونوں کا آنکھ مٹکا دیکھتی رہی ہوں۔''

''پھوپی جان......! نہ عروج ایسی ہے اور نہ ہی ہے۔ ہم عروج کو بہت عرصے سے جانتے ہیں اور پا پچھلی رات سے اچھی طرح جان چکا ہوں۔ پلیز...... آ کے بارے میں ایسی باتیں نہ کریں۔''

''بیٹے!...... اگر میں یہ بات ثابت کر دوں کہ عر پاشا دونوں مل کر عینی کو بے وقوف بنا رہے ہیں تو......؟''

''آپ کیسے ثابت کریں گی؟''

''تم تو پولیس والے ہو۔ اگر رات کی تنہائی جوان لڑکی کو ایک جوان مرد کے ساتھ ملتے دیکھو انہیں گرفتار نہیں کرو گے؟ کیا ان کا محاسبہ نہیں کرو گے وہ رات کو چھپ کر مل رہے ہیں؟''

''بے شک...... اگر ان کے درمیان کوئی رشتا نہیں پھر ان کا محاسبہ بھی کیا جا سکتا ہے اور انہیں گرفتار بھی کر ہے۔''

اسما نے پوچھا ''کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ عر پاشا رات کی تنہائی میں کہیں ملتے ہیں؟''

''بے شک...... ملتے ہیں...... ذیشان!...... تم بہتری چاہتے ہو تو آج ہی ان دونوں کو رنگے ہاتھوں ہو۔''

''آپ یہ کیسے جانتی ہیں کہ وہ دونوں آج رات ملنے والے ہیں؟''

''بیٹے!...... میں نے چھپ کر ان دونوں کی با ہیں۔ پاشا عروج سے کہہ رہا تھا کہ وہ ایک آدھ گھنٹا باتیں کرنے کے بعد یہاں سے نکلے گا تو اس کے پاس میں آئے گا۔ اس کے جواب میں عروج نے کہا تھا کہ گیارہ بارہ بجے تک بہت مصروف رہے گی۔ ڈیوٹی پر کتنے مریضوں کو اٹینڈ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اسے بارہ بعد آنا چاہیے۔''

''وہ دونوں ایسی باتیں کہاں کر رہے تھے؟ آپ نے باتیں کہاں سنی ہیں؟''

''میں نے کہیں بھی سنی ہوں۔ تمہیں اپنی پھوپی کی بات سا کرنا چاہیے۔ میرے کہنے پر آج رات بارہ بجے کے اسپتال جا کر چھپ کر ان کا تماشا دیکھو۔''

اسما بولی ''جب پھوپی جان اتنے یقین سے کہہ رہی ہیں کو جانا چاہیے۔''

وہ بولا ''یہ بات ایسی ہے کہ مجھے جانا ہی ہوگا۔''

لک ناز نے کہا ''یہ تو تم جانتے ہی ہو گے کہ اسپتالوں ڈاکٹر نائٹ ڈیوٹی نہیں کرتے ہیں۔ اپنے اپنے روں میں سوتے رہتے ہیں۔ کوئی ایمرجنسی کیس ہوتا ہے یں بلوایا جاتا ہے۔ عروج کیا خاک نائٹ ڈیوٹی کرتی میں دعوے سے کہتی ہوں کہ وہ پاشا کے ساتھ گل ے اڑاتی ہوگی۔ تم جا کر دیکھ لینا۔''

''یہ بات آپ نے ممی ڈیڈی کو بتائی ہے؟''

''نہیں...... صرف تم سے کہہ رہی ہوں اور جب تک تم رنگے ہاتھوں نہ پکڑ لو۔ اس وقت تک کسی کو معلوم نہ ہو تو ا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ میں آج آدھی رات کے بعد اسپتال گا۔''

اسما بولی ''کیا مصیبت ہے۔ کل بھی آپ ساری رات رہے اور آج بھی رت جگا ہوگا۔''

ذیشان بولا ''اگر پھوپی جان کی بات درست نکلی تو یہ ماننا عینی بہت ہی بدنصیب ہے۔ اس کے حصے میں بے انتہا آئی ہے لیکن محبت کے سلسلے میں وہ کنگال ہے۔ اسے سے بھی سچی محبت نہیں مل رہی ہے۔''

لک ناز نے اٹھتے ہوئے کہا ''بیٹے!...... میں جا رہی جب تک سچ سامنے نہ آئے تب تک اس بات کو اپنے سے نکلنے نہ دینا۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ ج کے کانوں تک یہ بات پہنچے گی تو وہ ہوشیار ہو جائے م اسے پکڑ نہیں سکو گے۔''

''آپ فکر نہ کریں۔ آرام سے سو جائیں۔''

''ہائے بیٹا!...... ہماری عینی کے ساتھ فراڈ ہو رہا ہے۔ ام سے کیسے سو سکتی ہوں۔ کبھی نہیں...... میں تو تمہاری ک جاگتی رہوں گی۔ چاہے صبح ہی ہو جائے، اچھا میں ں۔''

وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ اسما نے کہا ''پچھلی دو سے یہی ہو رہا ہے آپ سو نہیں پاتے ہیں۔ صبح آتے ہیں تو دو چار گھنٹے سونے کے بعد پھر ڈیوٹی پر چلے جاتے ہیں۔ آج بھی آپ کے ساتھ یہی ہوگا۔''

''کیا کیا جائے؟ مجبوری ہے۔ اگر پھوپی جان کی بات درست ہے تو اپنی بہن کو پاشا کے فراڈ سے بچانا ہی ہوگا۔''

''عروج ایسی لگتی تو نہیں ہے۔ میرا دل نہیں مانتا۔ کیا وہ عینی کو بھی دھوکا دے سکتی ہے؟''

''نیت بدل جائے تو محبت کے انداز بھی بدل جاتے ہیں۔ مجھے آج ہی دیکھنا ہے کہ بچپن سے محبت کرنے والی سہیلی اور عینی پر جان دینے والی کی نیت کیسے بدل گئی ہے؟''

''اب تک ان کی زندگی میں کوئی مرد نہیں آیا تھا اور جب کوئی مرد آتا ہے تو پھر وہ حواس پر چھا جاتا ہے۔''

وہ ذیشان کے شانے پر سر رکھ کر بولی ''وہی اس کا دل اور دنیا ہوتا ہے۔ اس کے آگے خون کے سارے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔ تو پھر سہیلی کیا چیز ہے؟''

وہ گھڑی میں وقت دیکھ کر بولا ''ابھی نو بجے ہیں۔ میں ذرا دو گھنٹے سو لوں پھر اسپتال جاؤں گا۔ لائٹ آف کر دو۔''

اس نے لائٹ آف کر دی۔ وہ بستر پر آرام سے لیٹتے ہوئے بولا ''تم بھی آ جاؤ۔''

''نہیں...... میں آؤں گی تو آپ سو نہیں پائیں گے۔''

وہ پائنتی آ کر بیٹھ گئی پھر اس کا پاؤں دابنے لگی۔ وہ ان شوہروں میں سے تھا جو شادی کے بعد بھی اپنی بیوی سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ اپنی زندگی اور گھر میں اسی کو تمام رشتے داروں پر ترجیح دیتے ہیں۔

اور آج تو ذیشان نے اس کے لیے بہت بڑا کام کیا تھا۔ کسی آنے والی سوکن سے اسے نجات دلائی تھی اور یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس کی زندگی میں صرف وہی رہے گی۔ کوئی دوسری کبھی نہیں آئے گی۔

شوہر ایسے ہوں تو بیویاں قربان ہونے لگتی ہیں۔ اس نے بڑی محبت اور عقیدت سے جھک کر اس کے پیروں کو چوم لیا۔

کمرے میں گہری خاموشی اور تاریکی تھی۔ ایسے وقت فون کے بزر نے چونکا دیا۔ اسما نے بیزاری سے کہا ''توبہ ہے۔ اب یہ فون آپ کے کان کھائے گا۔ سونے نہیں دے گا۔ کوئی نئی مصیبت لائے گا۔ آپ اسے بند کر کے کیوں نہیں سوتے ہیں؟''

اس نے فون اٹھاتے ہوئے کہا ''میں کیا کروں؟ میری ڈیوٹی ہی ایسی ہے۔ کوئی ایمرجنسی ہو سکتی ہے۔''

اس نے فون آن کرتے ہوئے کان سے لگا کر کہا ''ہیلو...... ایس پی ذیشان بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے بچھو بابا کی آواز سنائی دی ''سر!...... میں بول رہا ہوں۔ میں نے آپ کے حکم کے مطابق جواد کو اس کی ماں تک پہنچا دیا ہے۔''

''وہ ماں بیٹا کہاں ہیں؟''

''اب تو بیٹا نہیں رہا۔ صرف ماں ہے۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو......؟''

''سر!...... جو نہیں چاہتے تھے وہ ہو گیا۔ جواد مر چکا ہے۔''

''او مائی گاڈ!...... میں نے تم سے کہا تھا کہ ہاتھ ذرا نرم رکھو گے۔''

''سر!...... میں نے تو یہی کوشش کی تھی۔ اسے زیادہ ٹارچر نہیں کیا تھا۔ اب وہ برداشت نہ کر سکا تو میں کیا کروں؟ شاید مقدر کو یہی منظور تھا۔''

''ہاں...... اب تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے مقدر نے مارا ہے۔ یہ بتاؤ تم نے اسے جہاں پھینکا تھا۔ وہاں سے اسے کون اٹھا کر لے گیا تھا؟''

''چار بندے ایک ایمبولنس لے کر آئے تھے پھر اسے شری بائی اسپتال لے گئے تھے۔ وہاں تھوڑی دیر کے بعد میں نے شہباز درّانی کو ایک عورت کے ساتھ دیکھا۔ بعد میں پتا چلا کی وہی جواد کی ماں دردانہ بیگم ہے۔''

''اچھا...... تو وہ شہباز درّانی کے ساتھ آئی تھی۔ یہ شخص بہت گہرا ہے۔ اس کی پہنچ بہت اوپر تک ہے اور دردانہ اس کے پاس پہنچی ہوئی ہے۔''

''سر!...... میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''تمہیں کل حوالات سے نکال دیا جائے گا۔ تم کچھ عرصے کے لیے ملک سے باہر ہی چلے جاؤ۔ شہباز درّانی جواد کے قاتل تک پہنچنے کے لیے ہوم منسٹر کے سر پر سوار ہو جائے گا۔ پتا نہیں اس کی پہنچ اور کتنی اوپر تک ہے؟ تم یہاں رہو گے تو خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔''

''آپ میری بہتری کے لیے ہی مشورہ دے رہے ہیں۔ میں چوبیس گھنٹے کے اندر اس ملک سے باہر چلا جاؤں گا۔''

ذیشان نے فون بند کر دیا۔ اسما نے حیرانی اور بڑے دکھ سے پوچھا ''کیا جواد کو کسی نے قتل کیا ہے؟''

ذیشان نے چونک کر اسما کی سمت دیکھا۔ کھڑکی کے پردے کے باوجود باہر کی دھیمی سی روشنی اندر آ رہی تھی۔ جس میں وہ سائے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ وہ فون پر بات کرتے وقت بھول گیا کہ وہ اس کے قریب ہی موجود ہے۔

بچھو بابا سے ایسی راز کی باتیں ہو رہی تھیں۔ جو کسی کو نہیں جا سکتی تھیں۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا ''تم ہے؟''

''میں ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں پائی۔ آپ کہہ کہ شہباز درانی جواد کے قاتل تک پہنچنے کے لیے کرے گا؟ اور آپ کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ جواد کے قاتل سے بات کر رہے ہوں اور اسے ملک بھاگ جانے کا مشورہ دے رہے ہوں۔''

''بات یہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔ میں جسے باہر جانے کا مشورہ دے رہا ہوں۔ وہ میرا خاص آد اب صورتِ حال یہ ہے کہ جواد میری قید میں تھا۔ میں اسے رہائی دی تھی اور رہا ہوتے ہی اسے کسی نے تھا۔ اس پر اس قدر تشدد کیا تھا کہ وہ اسپتال پہنچ کر مر میں دردانہ اور اس کے حمایتی یہی شبہ کریں گے کہ والوں نے اسے اغوا کروا کے مار ڈالا ہے۔

پھر وہ میرے خاص آدمی کو پکڑ کر اس پر تشدد کریں بے چارہ مفت میں ہی مارا جائے گا۔ اس لیے میں ملک سے باہر جانے کا مشورہ دیا ہے۔''

''پتا نہیں...... آپ کو پولیس کی ملازمت میں کیا خواہ مخواہ خطرات سے کھیلتے رہتے ہیں۔ جن مجرموں کرتے ہیں۔ انہیں سزا دلواتے ہیں۔ وہی آپ کے بن جاتے ہیں۔''

''اب تم مجھے نصیحتیں کرتے کرتے صبح نہ کر دینا سے کھیلنا ہی جوان مردوں کا کام ہے۔ موت ہر انسا مقدر میں لکھی ہوئی ہے۔ جو دفتروں میں کام کرتے ہیں گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔ انہیں موت آتی ہے تو پھر میں کیوں نہ جوانمردی سے خطر سامنا کرتے ہوئے موت کو گلے لگاؤں؟''

''آپ ایسی بات کرتے ہیں تو مجھے بڑا ڈر لگتا ہے''

''صبح اٹھ کر ڈرنا ابھی سو جاؤ اور ہاں...... یاد رکھ کے قتل ہونے والی بات تم گھر میں کسی سے نہ کہنا۔ اخبارات یا دردانہ کے ذریعے پہنچے دو اور اب خدا کے جاؤ۔''

وہ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہیں اس کے قدموں کے پاس لیٹ اپنے شوہر کے لیے اس کے دل سے دعائیں نکلتی تھیں۔ یہ فخر بھی حاصل تھا کہ وہ صرف اسے چاہتا ہے اس پر کسی نہیں دیتا۔ وہ دوسری بیوی لا کر باپ بن سکتا ہے لیکن

بیوی کی خاطر ساری عمر لاولد رہنا پسند کر چکا ہے۔

☆☆☆

فلک ناز کو نیند آنے والی نہیں تھی۔ وہ بے چین روح کی طرح کوٹھی کے اندر باہر بھٹک رہی تھی۔ عینی اور پاشا اب تک اوپر ٹیرس پر ہی تھے۔ اس کا دل بار بار اوپر جانے کے لیے مچل رہا تھا۔

آخر اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے اپنے بیڈ روم میں آ کر ایک سونٹی پہنی تا کہ چلتے وقت قدموں کی آہٹ سنائی نہ دے پھر وہ چھت پر جانے والے زینے پر چڑھتی ہوئی اوپر آ گئی۔ خالی چھت پر کوئی دیوار یا ستون نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو وہ چھپ کر ان کی باتیں سن سکتی تھی۔

اس نے زینے کے آخری پائیدان پر کھڑے ہو کر جھکتے ہوئے ادھر دیکھا تو ٹیرس کے آخری سرے پر وہ دونوں ایک میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ کیا باتیں کر رہے تھے؟ وہ اتنی دور سے سن نہیں سکتی تھی۔

ادھر پاشا کہہ رہا تھا ''عینی!...... اگر میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں محبت کا جواب تمہاری محبت جیسا نہیں دے سکوں گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم محبت کے قابل نہیں ہو۔ تم بہت اچھی ہو۔ میں چاہوں گا کہ جس طرح تم عروج کو ایک سہیلی کی بھرپور محبت دے رہی ہو۔ اسی طرح مجھے ایک دوست سمجھ کر محبت کرو۔ میں بھی تمہیں ایک دوست کی صرف محبت ہی نہیں، وفاداری بھی دوں گا۔''

''مجھے تمہاری صاف گوئی بہت متاثر کرتی ہے۔ اسی لیے میں تمہیں چاہتی ہوں اور ہمیشہ چاہتی رہوں گی لیکن عروج مجھے اور تمہیں ازدواجی زندگی میں منسلک کرنا چاہتی ہے۔''

''تم اس کی ضد نہ مانو۔ اس کی بات سے انکار کر دو۔''

''تم عروج کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہو اگر وہ تمہاری ضد نہ مانے تمہاری بات سے انکار کر دے تو......؟''

''محبت کرنے والے صلہ نہیں مانگتے۔ وہ میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دے گی۔ تب بھی میں آخری سانس تک اسے ہی چاہتا رہوں گا۔''

''میں بھی تم سے محبت کا صلہ نہیں چاہوں گی۔ کوئی ضروری نہیں کہ تمام عمر چلتے رہنے والے کو منزل مل جائے۔ وہ منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی اس دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔ میں بھی اس دنیا سے نامراد ہی جاؤں گی۔''

''عروج کبھی ایسا نہیں چاہے گی۔ وہ تمہاری خاطر اپنی محبت کی قربانی دینا چاہتی ہے۔''

''میں بھی اس کی خاطر اپنی محبت کی قربانی دے سکتی ہوں اور دوں گی۔''

''عروج نے ایک ایسی بات کہی ہے جو قابلِ عمل نہیں ہے۔''

''اس نے ایسی کیا بات کہہ دی؟''

''وہ کہتی ہے میں تم سے محبت کرتے کرتے تمہارا لائف پارٹنر بن جاؤں اور میں ایک ہی شرط پر ایسا کر سکتا ہوں کہ جب وہ مجھے اپنی طرف سے بھرپور محبتیں دے گی اور محبتیں دیتے دیتے ایک دن میری لائف پارٹنر بن جائے گی۔''

''میں جانتی ہوں مجھے دنیا جہان کی خوشیاں دینے کی خاطر وہ کسی بھی حد سے گزر سکتی ہے۔ وہ میری خاطر تم سے کتراتی رہے گی اور ایک دن کہیں دور چلی جائے گی اور میں بھی اس کی خاطر تم سے بہت دور ہو جاؤں گی۔''

''اتنی بات تو سمجھ میں آ گئی ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے سے عشق کرتی ہو اور عشق دیوانگی کا دوسرا نام ہے۔ اس دیوانگی میں تم دونوں ہی مجھ سے دور ہو جاؤ گی اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔''

''میں ایک بات کہتی ہوں کہ عروج ساری زندگی ہم دونوں کو چاہتی رہے گی اور میں بھی ساری زندگی تم دونوں کو چاہتی رہوں گی۔ تم کہو تمہاری محبت کا انداز کیا ہوگا؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''تم نے مجھے ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے۔ جہاں بیک وقت تم دونوں سے مجھے ایک جیسی محبت کرنی ہوگی۔''

''جبراً محبت کرو گے تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ انصاف کرنا ہوگا۔''

''بے شک...... محبت زیادہ سے زیادہ کی جاتی ہے۔ کم نہیں کی جاتی۔ اس لیے میں کسی سے کم نہیں کروں گا۔''

فلک ناز زینے کی بلندی پر تاریکی میں چھپی ہوئی تھی۔ ان کی باتیں سنائی نہیں دے رہی تھیں اور اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ آخر وہ ٹیرس پر آ کر بولی ''ہائے بیٹی!...... تم یہاں کتنی دیر سے بیٹھی ہو۔ کھلے آسمان کے نیچے اتنی دیر تک نہیں رہنا چاہیے۔''

پاشا نے پوچھا ''آنٹی!...... کیا وقت ہوا ہے؟''

''دس بج چکے ہیں۔ تم دونوں اتنے پیار سے باتیں کر رہے ہو کہ تم دونوں کو وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چل رہا ہے۔''

پاشا نے کہا ''جی ہاں...... کچھ پتا ہی نہیں چلا۔ ہم یہاں دو گھنٹے سے بیٹھے ہوئے ہیں۔''

عینی نے کہا ''تو کیا ہوا؟ تمہیں صبح ڈیوٹی پر نہیں جانا

ہے۔"

وہ اس کے قریب جھک کر بولا "بزرگوں کا تو کچھ خیال کرو۔ ہمیں اتنی دیر تک یہاں تنہا نہیں بیٹھنا چاہیے۔ پلیز...... چلو......"

وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔ زینے سے اتر کر ڈرائنگ روم میں آئے۔ فلک ناز پیچھے پیچھے تھی۔ عینی نے پلٹ کر ناگواری سے کہا "پھوپی جان!...... آپ کو اپنے کمرے میں جا کر آرام کرنا چاہیے۔"

"ہاں...... ہاں بیٹی!...... میں جا رہی ہوں۔ تم پاشا کو باہر جا کر سی آف کرو۔ کوئی بات نہیں...... میں جا رہی ہوں۔"

وہ پلٹ کر آہستہ آہستہ جانے لگی۔ عینی پاشا کے ساتھ باہر چلی گئی تو وہ سیڑھیاں چڑھ کر تیزی سے ذیشان کے کمرے کی طرف آنے لگی۔ وہاں دروازے کے قریب اسما ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ فلک ناز نے کہا "اے بیٹی!...... تم یہاں کرسی پر بیٹھی ہوئی ہو، کیا ذیشان سے ناراض ہو کر باہر آ گئی ہو؟"

اسما نے ناگواری سے کہا "پھوپی جان!...... میں جانتی تھی کہ نہ آپ سکون سے رہیں گی اور نہ ہی ذیشان کو سکون سے رہنے دیں گی۔ جب پاشا یہاں سے جائے گا تو آپ پھر یہاں پر ان کی نیند خراب کرنے آ جائیں گی۔"

"ہائے ہائے بیٹی!...... یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا میں دشمن ہوں جو اس کی نیند حرام کروں گی؟ یہ تو میری بھتیجی کی عزت کا سوال ہے۔ میں یہ بتانے آئی ہوں کہ پاشا یہاں سے جا چکا ہے اب اس کا پیچھا کرنا چاہیے۔"

"ذیشان آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ کہ کس مجرم کا پیچھا کب کرنا چاہیے اور کیسے کرنا چاہیے۔ پلیز...... آپ اپنے کمرے میں جا کر سو جائیں۔ میں بارہ بجے انہیں جگا دوں گی تو وہ اسپتال چلے جائیں گے۔ خدا کے لیے آپ انہیں دو گھنٹے تک تو سونے دیں۔"

وہ واپس جاتے ہوئے بولی "میری عینی کے ساتھ دھوکا ہو رہا ہے لیکن میں اسے دھوکا کھانے نہیں دوں گی۔ اسے پاشا کے فراڈ سے بچاؤں گی۔ ابھی تو جا رہی ہوں مگر جاگتی رہوں گی۔"

وہ وہاں سے چلی گئی۔ عینی نے باہر آ کر پاشا سے کہا "یہاں کے سیکورٹی گارڈز کو دیکھ رہے ہو۔ میرے باہر آتے ہی سب الرٹ ہو گئے ہیں۔ مجھ پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں ورنہ میں کل تم سے باہر کہیں ملتی۔"

یہ پابندیاں تمہاری بہتری کے لیے ہیں۔ تمہیں کچھ عرصے تک یہاں سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔"

"میں تو نہیں نکلوں گی لیکن وعدہ کرو کل یہاں آ[ؤ] سے ملاقات کرو گے؟"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے وہ بولی "پل[یز] انکار نہ کرنا۔ کیوں کہ کل عروج بھی میرے ساتھ رہے[گی] تم سر کے بل آؤ گے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "یہ بات نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں روز روز آنا مناسب نہیں ہے۔ تمہ[ارے] بزرگ برا مان جائیں گے۔"

"میں اپنے بزرگوں سے نمٹ لوں گی۔ یہ بتاؤ کر[ب] آؤ گے؟ چلو میں ہی بتا دیتی ہوں۔ عروج کل بھی رات [...] بجے ڈیوٹی پر جائے گی۔ اگر تم آج کی طرح شام چھ [بجے آؤ] گے تو اس سے زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ لہٰ[ذا] تم چار بجے آؤ گے۔ بولو ہاں......!"

وہ ہنستے ہوئے بولا "تم تو جبراً قبول کرا رہی ہو۔"

"جبراً نہیں جناب!...... میں جانتی ہوں تم چار ضرور آؤ گے۔ چونکہ انکار کی تو گنجائش ہی نہیں رہی ہے۔ تم اب جا سکتے ہو۔"

وہ ٹیکسی کی طرف پلٹنا چاہتا تھا۔ عینی نے مصافحے [کے] لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اس کے ہاتھ کو دیکھا پھر مسکر[ا کر] اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ وہ ہاتھ نرم وگرم اور نازک سا تھا۔ جیسے ننھی سی کبوتری ہاتھوں میں ہو۔

ان لمحات میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اگر پا[شا کو] لاشعوری طور پر ٹٹولا جاتا اس کا نفسیاتی تجزیہ کیا جاتا تو یہ [بات] فوراً معلوم ہو جاتی کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طر[ف] جھک رہا تھا۔ وہ شعوری طور پر اس بات کو کبھی تسلیم نہ کر[تا] البتہ یہ مان رہا تھا کہ وہ اسے دل و جان سے چاہتی ہے اپنے حصے کی محبت اپنی نرم و نازک ہتھیلی کے ذریعے پیش کر[رہی] ہے۔

عینی کو جیسے اعتماد تھا کہ وہ اس کی طرف مائل ہو یا [نہ ہو] لیکن وہ یہاں سے جانے کے بعد مصافحے کے درمیان [...] ہوئی چھپی ہوئی لرزتی ہوئی ہتھیلی کو یاد ضرور کرے گا۔

پھر وہ کوری اور کنواری ہتھیلی اس کے ہاتھوں کے درمی[ان] سے آہستہ آہستہ نکل گئی۔ مصافحہ کا اختتام ہو گیا۔ وہ ٹیکسی [میں] بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا "شب بخیر۔"

وہ آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتا ہوا بڑے مین گیٹ [سے] باہر ایک مخصوص رفتار سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔ وہ دونو[ں] ہاتھوں سے اسٹیئرنگ کو تھامے ہوئے تھا لیکن ابھی تک یو[ں]

لگ رہا تھا جیسے اس کا ہاتھ اس کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہی ہو اور آہستہ آہستہ پھسلتے ہوئے جدا ہو رہا ہو۔ وہ ایک عاشق کی طرح نہیں سوچ رہا تھا لیکن بڑے پیار سے یہ مان رہا تھا کہ عینی بہت اچھی ہے۔ بے شک مجھے دل سے چاہتی ہے لیکن میرا دل ایک ہی ہے۔ یہ ایک ہی لڑکی کے لیے دھڑکتا رہے گا اور وہ لڑکی عروج اور صرف عروج ہے۔

اس کی زندگی میں بیک وقت دو لڑکیاں آئی تھیں اور حالات بتا رہے تھے کہ وہ گیند کی طرح دونوں کے درمیان کبھی ادھر کبھی ادھر لڑھکتا رہے گا۔ ان دونوں نے اسے ایسا الجھایا تھا کہ وہ ان سے تعلقات رکھنے کے دوسرے پہلو پر غور نہیں کر رہا تھا۔

اور وہ دوسرا پہلو یہ تھا کہ اس کے دشمن پیدا ہو رہے تھے۔ عینی کے بزرگ تو دشمنی کرنے ہی والے تھے لیکن سب سے خطرناک انتقامی کارروائی دردانہ کر رہی تھی۔ شہباز درانی نے اپنے ایک ماتحت کو حکم دیا تھا کہ وہ پاشا کی نگرانی کرے۔

شہباز یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ پاشا عینی کے گھر کیوں گیا ہے؟ کیا وہاں ذیشان سے ملاقات کر رہا ہے؟ کیا ذیشان کا آلہ کار بن کر اس نے جواد کو اغوا کیا تھا؟ اور اسی نے جواد کو قتل کیا تھا؟

شہباز جہاندیدہ تھا۔ شطرنج کا کھلاڑی تھا۔ اس کی عقل یہ تسلیم نہیں کرتی تھی کہ ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور بڑے منظم طریقے سے اس کے آدمیوں کے ساتھ فائرنگ کرے گا اور جواد کو اغوا کر کے لے جائے گا اور اسے قتل بھی کر دے گا۔

وہ صرف دردانہ کی تسلی کے لیے پاشا کی نگرانی کروا رہا تھا۔ اس وقت اس کا ماتحت ٹیکسی سے کچھ فاصلہ رکھ کر تعاقب کر رہا تھا۔ موبائل فون کے ذریعے اسد عزیزی سے کہہ رہا تھا "میں اس کے حکم سے ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی کی نگرانی کر رہا ہوں۔ وہ تقریباً چار گھنٹے ذیشان کی کوٹھی میں رہا تھا۔ اس کے بعد اب کہیں جا رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کی نگرانی جاری رکھو۔ کوئی خاص بات معلوم ہو تو مجھے فوراً اطلاع دو۔"

جس طرح شطرنج کی بساط پر مختلف خانے ہوتے ہیں۔ اسی طرح تقدیر کی بساط پر کئی آڑھی ترچھی لکیریں ہوتی ہیں اور دنیا میں پیدا ہونے والے ان لکیروں پر چلنے کے پابند ہوتے ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں چلنا پڑتا ہے۔

انسان عام طور پر یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق چل رہا ہے۔ جیسے پاشا سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق عروج سے ملنے جا رہا ہے۔ عروج اور عینی سمجھ رہی تھیں کہ وہ پاشا کو اپنی مرضی کے مطابق بیک وقت دونوں کی طرف مائل کر سکیں گی۔

شہباز درانی اپنی پلاننگ کے مطابق اس کی نگرانی کروا رہا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے؟ ذیشان بارہ بجے کے بعد اسپتال جانے والا تھا۔ اس طرح شہباز کو یہ اطلاع ملنے والی تھی کہ پاشا جانی وہاں گیا تھا پھر اس کے دو گھنٹے کے بعد ذیشان وہاں گیا۔ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟

پاشا چار گھنٹے ذیشان کی کوٹھی میں رہا اس سے با[ت] کرتا رہا پھر دو گھنٹے بعد وہ دونوں اسپتال میں کیا رہے ہیں؟

اس طرح میری (مقدر) ہیرا پھیری سے حالات نئی نئی کروٹیں بدلنے والے تھے۔

اور حالات کا رخ بدلنے کے لیے حشمت بھی لیڈی ڈاکٹر آرزو کے ساتھ گھر سے نکل پڑا تھا۔ یہ تمام افراد بیک وقت اپنے اپنے عمل سے ایک دوسرے کی تقدیر پر اثر انداز ہونے والے تھے۔ اسی کو مقدر کا کھیل کہا جاتا ہے۔

آرزو کار ڈرائیو کرتی ہوئی اسپتال کے احاطے میں پہنچ گئی۔ حشمت اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا تھا کہ آرزو کے بنگلے سے باہر نہیں نکلے گا۔ وہیں روپوش رہے گا لیکن اس کے سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے اسے چار دیواری سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ سمجھ رہا تھا کہ عینی سے انتقام لینے کے لیے وہاں پر آیا ہے۔

بے شک...... وہ انتقامی کارروائی کرے گا لیکن کس حد تک جس حد تک میں چاہوں گا۔ وہ کار کے اندر چھپا بیٹھا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ کوئی اسے دیکھنے نہ پائے۔ رات اندھیری تھی۔ اسپتال کے احاطے میں جا بجا روشنی تھی۔ آرزو نے ایسی جگہ پر کار روکی، جہاں پر تاریکی تھی۔ اس نے کہا "پہلے میں اسپتال میں جا کر دیکھتی ہوں۔ عروج ڈیوٹی پر آئی ہے یا نہیں؟ اور اگر آئی ہے تو کس قدر مصروف ہے؟"

وہ بولا "تمہیں عروج نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ کوشش کرنا کہ اس وقت بھی اس کی نظر تم پر نہ پڑے اور تم اسے دیکھتی رہو۔ اس کی مصروفیات کا اندازہ کرتی رہو۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے بولی "فکر نہ کرو۔ میں محتاط رہوں گی۔"

وہ دروازہ بند کر کے تیزی سے چلتی ہوئی اسپتال کی عمارت کی طرف جانے لگی۔ اس وقت رات کے دس بجنے والے تھے۔ عروج نے پاشا سے کہا تھا کہ وہ بارہ بجے سے پہلے نہ آئے۔ لہٰذا حشمت کے لیے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ پہلے کی طرح پاشا اسے وہاں دیکھ لے گا۔

پھر ذیشان بھی وہاں بارہ بجے کے بعد ہی آنے والا تھا۔ یوں کہنا چاہیے کہ میں ابھی حشمت پر مہربان تھا۔ آرزو اسپتال میں آ گئی۔ رات کے وقت زیادہ بھیڑ نہیں ہوتی ہے۔ صرف ایمرجنسی وارڈ میں لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔

آرزو اسپتال کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی اس کمرے کی طرف آ گئی۔ جس کے دروازے پر لیڈی ڈاکٹر عروج کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ دروازہ بند تھا۔ باہر دو سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے کھڑکی کے پاس آ کر دیکھا تو اندر پولیس انسپکٹر بیٹھا ہوا تھا لیکن عروج وہاں نہیں تھی۔ اس کی سیٹ خالی تھی۔

اس نے ایک سپاہی سے پوچھا ''کیا لیڈی ڈاکٹر عروج نہیں ہیں؟''

سپاہی نے کہا ''وہ ایک زخمی کا آپریشن کر رہی ہیں۔''

آرزو اپنے تجربات سے سمجھ گئی کہ کوئی پولیس کیس ہے۔

اس نے انجان بن کر پوچھا ''کیا کوئی پولیس کیس ہے؟''

''ہاں...... ایک شخص کو گولی ماری گئی ہے۔ اس کے بدن سے گولی نکالی جا رہی ہے۔ آپ ڈاکٹر سے ملنا چاہتی ہیں تو ایک گھنٹے کے بعد آئیں۔ ابھی وہ آپریشن میں مصروف ہیں پھر اس کی رپورٹ لے کر ہمیں دیں گی۔ تب وہ آپ کو اٹینڈ کر سکیں گی۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں ایک گھنٹے بعد آ جاؤں گی۔''

وہ وہاں سے واپسی پر سوچتی رہی تھی کہ یہ اچھا موقع ہے۔ وہ ایک آدھ گھنٹے تک بری طرح مصروف رہے گی۔ اس وقت تک ہم اپنا کام کر کے نکل جائیں گے۔

اس نے کار کے پاس آ کر کھڑکی پر جھک کر یہی بات حشمت سے کہی۔ تو اس نے کہا ''پھر تو ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ میں ابھی تمہارے ساتھ اس کے کوارٹر تک چلتا ہوں۔''

وہ بولی ''حشمت!...... ہمیں عروج کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا ہے پھر بھی میرا دل ڈرتا ہے۔ یہاں کوئی تمہیں دیکھ نہ لے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ یہاں سے اس کا کوارٹر صرف پچاس قدم کے فاصلے پر ہے۔ ہمیں وہاں تک جانے کا اور پھر واپسی کا رسک لینا ہی پڑے گا اور یہ تم جانتی ہی ہو کہ نو رسک، نو گیم......''

وہ دروازہ کھول کر باہر آ گیا پھر وہ دونوں روشنی سے بچتے ہوئے تاریکی سے گزرتے ہوئے کوارٹر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ اس نے جیب سے دو قسم کے تار نکالے پھر دروازے کے لاک کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

ہر کام آسانی سے نہیں ہوتا۔ کچھ تو محنت کرنی ہوتی ہے۔ کچھ انتظار بھی کرنا ہوتا ہے۔ آرزو گھبرا رہی تھی۔ اِدھر اُدھر دور تک محتاط نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر وہ آہستگی سے بولا ''کھل گیا۔''

وہ دروازہ کھول کر فوراً ہی اندر آئے۔ اسے اندر سے بند کیا پھر ایک ٹارچ کی روشنی میں کوریڈور سے گزرتے ہوئے ایک کمرے میں آئے۔ یہ وہی کمرا تھا جہاں حشمت نے عینی سے پہلی بار انتقام لینے کی کوشش کی تھی۔ اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔ اس کی عزت سے کھیلنا چاہتا تھا لیکن ناکام رہا تھا۔ وہاں سے بری طرح زخمی ہو کر گیا تھا۔

وہ ٹارچ کی روشنی میں کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھنے لگے۔ حشمت کی معلومات کے مطابق عروج اپنے چھوٹے سے ہینڈ بیگ میں ضروری سامان رکھتی تھی اور اسی میں عینی کی دوائیں بھی رکھا کرتی تھی۔ وہ بیگ وہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آئے۔ وہاں بیڈ پر روشنی ڈالتے ہی وہ بیگ تکیے کے پاس رکھا ہوا دکھائی دیا۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے اس کے قریب آئے۔

آرزو جھپٹ کر کھول کر اس کے اندر کی چیزیں دیکھنے لگی۔ اس میں عروج کی ضرورت کا کچھ سامان تھا، دو مختلف قسم کی آئی ڈراپس کی شیشیاں تھیں اور کچھ ٹیبلیٹس اور کیپسول تھے۔

حشمت نے سرگوشی میں کہا ''یہی عینی کی دوائیں ہیں۔''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی ''ہاں...... میں سمجھ رہی ہوں۔''

اس نے اپنا بیگ کھول کر ایک چھوٹا سا ڈبہ نکالا۔ اس میں کسی دوا سے بھری ہوئی ایک سرنج رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اس کا سیفٹی کیپ ہٹا کر آئی ڈراپس میں چند قطرے انجیکٹ کیے پھر اسے بند کرنے کے بعد دوسری شیشی میں بھی یہی کیا۔

ایسا کرتے وقت اس کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا۔ وہ اپنے محبوب کی خاطر پہلی بار ایسی واردات کر رہی تھی۔

وہ جلدی سے فارغ ہو کر وہاں سے جانا چاہتی تھی۔ کام ایسا تھا کہ اسے کرتے وقت اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

حشمت نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''تمہیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بات بگڑے گی تو میں بناؤں گا۔ تم پر کسی طرح کی کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔''

اس نے کارروائی مکمل کرنے کے بعد وہ دونوں آئی ڈراپس عروج کے بیگ میں رکھے پھر اسے بند کرتے ہوئے کہا ''فوراً یہاں سے چلو۔''

حشمت نے ٹارچ کی روشنی سرنج کے ڈبے پر ڈالتے

ہوئے کہا ''گھبراہٹ میں اپنی چیزیں نہ بھول جانا...... اسے بیگ میں رکھو۔''

وہ اسے بیگ میں رکھنے کے بعد ٹارچ کی روشنی میں اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی وہاں سے پہلے کمرے میں آ گئی۔ حشمت نے کوریڈور میں جانے سے پہلے ٹارچ بجھا دی۔ وہ اس سے لپٹ کر بولی ''اندھیرے میں ڈر لگتا ہے۔''

وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا ''باہر قدموں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔''

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولی ''کیا عروج آ گئی ہے؟''

''خاموش رہو...... مجھے سننے دو۔''

وہ دونوں دھڑکتے ہوئے دل سے سننے لگے باہر چوکیدار تھا۔ وہ کوارٹروں کے سامنے سے گزرتے وقت اپنی لاٹھی کو پختہ فرش پر بجاتے ہوئے چلتا تھا۔ وہ دونوں دم سادھے کھڑے رہے پھر حشمت نے اس کے کان میں کہا ''میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ قدموں کی آواز ابھرنی نہیں چاہیے۔''

آرزو نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا۔ وہ دونوں تاریکی میں سنبھلتے ہوئے کوریڈور سے گزر کر بیرونی دروازے تک آئے۔ حشمت سمجھ گیا تھا کہ باہر گلی میں چوکیدار اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔ لاٹھی بجنے کی آواز دور ہوتے ہوتے گم ہو گئی تھی۔ یعنی وہ ایک گلی سے دوسری گلی میں چلا گیا تھا۔

حشمت نے دروازے کو کھولا۔ آرزو باہر آ گئی۔ حشمت نے دروازے کے لاک کو اندر سے پنچ کر کے باہر آ کر اسے بند کیا تو وہ لاک ہو گیا پھر وہ تیزی سے چلتے ہوئے محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ میں ان پر مہربان تھا۔ اس لیے انہیں کسی نے نہیں دیکھا۔

آرزو کار میں بیٹھنے کے بعد ذرا مطمئن ہو گئی تھی۔ وہ گاڑی کو اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگی۔ وہ اسپتال سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ کوئی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔ میں بھی انہیں کسی طرح کی کوئی سزا نہیں دے سکتا تھا۔ اگر دیتا تو کیا فرق پڑتا......؟ وہ ابھی سفر کے دوران کسی حادثے کا شکار ہو سکتے تھے۔ کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے تھے لیکن... سب کچھ ہونے کے باوجود وہ دوائیں نہیں بدل سکتی تھیں۔ جو عروج کے بیگ میں رکھی ہوئی تھیں۔

وہ بیگ بند کمرے کے اندر رکھا ہوا تھا۔ اس میں رکھی ہوئی دوائیں کل کسی وقت بھی عینی تک پہنچنے والی تھیں اور اس کی جان سے زیادہ عزیز سہیلی عروج اپنی دواؤں کو اس کی آنکھوں تک پہنچانے والی تھی۔

ایسی ہونی کو کون روک سکتا تھا؟ ہونی تو ہو کر رہتی ہے۔ لوحِ مقدر پر جو لکھا تھا، وہ مٹ نہیں سکتا تھا اور یہ کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ لوحِ مقدر پر کیا لکھا ہے؟

میں جانتا ہوں۔
میں ایک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں......

کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ اس تاریکی میں وہ بیگ بیڈ کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ اس کے اندر آئی ڈراپس کی دو شیشیاں تھیں۔ وہ دونوں دوائیں عینی کے نام ہو چکی تھیں۔ کل کسی وقت ان میں سے کوئی ایک دوا اس کی آنکھوں میں ٹپکنے والی تھی اور قیامت برپا کرنے والی تھی۔

وہ بیگ دونوں سہیلیوں کے درمیان محبت کا ایک پل تھا۔ ایک سہیلی محبت کے اس پل سے دوا لے کر گزرتی تھی اور بڑی محبت سے دوسری سہیلی کا علاج کرتی تھی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آج وہ پل ٹوٹ جاتا۔ وہ بیگ کہیں گم ہو جاتا۔ ابھی کوئی چور آ کر رات کی تاریکی میں اسے چرا کر لے جاتا۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ جب عروج وہاں آتی اور اس بیگ کو اٹھاتی تو چند سیکنڈ کے لیے اس بیگ کو زبان مل جاتی اور وہ بتا دیتا کہ ارے او سہیلی......! تو سوکن بن رہی ہے۔ اس کے لیے دوا نہیں لے جا رہی ہے بد دعا لے جا رہی ہے۔

لیکن وہ بیگ بے زبان تھا۔ بول نہیں سکتا تھا۔ ایک بھری ہوئی بندوق کی طرح بستر پر رکھا ہوا تھا۔ بندوق بھی بے جان ہوتی ہے لیکن انسانی انگلیاں اس کے اندر کی گولیاں چلاتی ہیں۔ عروج کی انگلیاں بھی اس کے اندر کی دوا نکال کر ٹپکانے والی تھیں۔

یہ اچھا ہی ہے کہ انسان کو اپنی بدنصیبی کا علم پہلے سے نہیں ہوتا۔ اگر معلوم ہو جائے کہ اس کی شامت آنے والی ہے تو شامت آنے سے پہلے ہی ہیبت سے اس کا دم نکل جائے۔! پھر وہ پہلے سے اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لے۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ اِدھر تدبیر ہوتی رہتی ہے۔ اُدھر تقدیر اپنا کام کر جاتی ہے۔

عروج نے گھڑی دیکھی۔ رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ گھڑی ٹک ٹک کر رہی تھی اور دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ جانِ حیات آنے والا تھا۔ اس کے آنے سے پہلے اس نے ایک بہت ہی سیریس کیس کو اٹینڈ کیا تھا۔ زخمی کے جسم سے دو گولیاں نکالی تھیں۔ اس کے بچنے کی امید نہیں تھی لیکن اس نے اپنی ذہانت اور بھرپور صلاحیتوں سے اسے بچا لیا تھا۔

پولیس والے اس سے مکمل میڈیکل رپورٹ لے کر انتہائی نگہداشت والے کمرے میں چلے گئے تھے جہاں ایک دوسرا ڈاکٹر اس پر بھرپور توجہ دے رہا تھا۔

اسے آپریشن اور پولیس والوں کے جھمیلوں سے نجات مل گئی تھی اور وہ اب دھڑکتے دل سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ یہ معلوم تھا کہ وہ عینی کے ساتھ اچھا خاصا وقت گزارنے کے بعد اب اس سے ملنے آ رہا تھا۔ دل نے پوچھا ''اس نے گھنٹوں عینی کے ساتھ بیٹھ کر کیا باتیں کی ہوں گی؟''

اب تک تو یہی دیکھنے میں آ رہا تھا کہ وہ عینی کا نہیں اس کا دیوانہ ہے۔ وہ اس کے اصرار پر عینی سے محبت جتا رہا ہے۔ ایک طرح سے وہ ہی پاشا کو مجبور کر رہی تھی اور اس سے جبراً محبت کروا رہی تھی۔ جبکہ محبت تو خود بخود دل سے ہوتی ہے۔ جبراً نہیں ہوتی۔

لیکن ایک تدبیر یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے رہیں۔ ایک دوسرے کے گفتار و رفتار سے اور شخصیت سے متاثر ہوتے رہیں تو یہ تاثر محبت کرنا سکھا دیتا ہے اور عروج کو یقین تھا کہ پاشا عینی سے بھی محبت کرنا سیکھ جائے گا۔

کاروباری دنیا میں اپنی پروڈکٹس کو زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لیے یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر فلاں ٹوتھ پیسٹ خریدا جائے گا تو ساتھ ایک برش مفت ملے گا۔ اگر فلاں شیمپو خریدا جائے گا تو اس کے ساتھ ایک برش مفت ملے گا۔ فی الحال پاشا کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا کہ وہ اگر عینی سے محبت کرے گا تو اسے عروج حاصل ہو گی۔

ہر انسان عروج حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ بھی چاہت میں یہی کر رہا تھا۔ فون کے بزر نے اسے چونکا دیا۔ وہ اپنا موبائل آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولی ''ہیلو...... عینی کیا یہ تم بول رہی ہو؟ یہ تو تمہارے بڑے ابو کا فون ہے؟''

''ہاں میں نے ان سے لے رکھا ہے۔ کل میں نیا فون خرید لوں گی۔''

''کیا وہ جا چکے ہیں؟''

عروج نے نام نہیں لیا لیکن عینی سمجھ گئی۔ پاشا ان کا مشترکہ محبوب تھا۔ اس لیے نام لینا ضروری نہیں تھا۔ وہ بولی ''ہاں وہ یہاں سے دس بجے گئے ہیں۔ ان کے جاتے ہی میں نے تجھے فون کیا تو پتا چلا تیرا موبائل آف ہے پھر اسپتال فون کیا تو معلوم ہوا کہ تو کسی پیچیدہ آپریشن میں مصروف ہے۔''

''ہاں بڑا ہی تھکا دینے والا کیس تھا۔ خدا کا شکر ہے کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اب میں سکون سے بیٹھی ہوئی ہوں۔''

''کیا وہ ابھی تک تیرے پاس نہیں آئے؟''

وہ اسے یہ بتانے سے جھجکنے لگی کہ وہ ابھی آنے والا ہے اس نے بات بنائی۔ ''ابھی تک تو نہیں آئے۔ کیا انہوں نے یہاں آنے کے بارے میں کچھ کہا تھا؟''

''نہیں مجھ سے تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے آدھے گھنٹے بعد فون کیا تھا تو پتا چلا کہ وہ اپنے گھر پہنچے ہوئے ہیں۔ بڑی

دیر تک فون پر باتیں ہوتی رہیں۔ کیا بتاؤں عروج! میں تو سمجھ رہی تھی وہ تیرے اصرار کرنے پر مجھ سے رسمی محبت کریں گے لیکن بہت دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے ان کی باتوں میں کوئی بناوٹ محسوس نہیں کی۔ وہ واقعی بہت سچے اور صاف گو ہیں اور بڑی اچھی اور دلچسپ باتیں کرتے ہیں۔ ان کی باتیں دل میں اترتی جاتی ہیں۔''

''تو خوش تو ہے ناں؟''

''بہت خوش ہوں۔ تو واقعی سہیلی ہونے کا حق ادا کر رہی ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کے قریب کر کے ایک دوسرے کو اچھی طرح جاننے کا موقع دے رہی ہے۔''

''میری جان! ہم نے آج تک اپنی کسی ضرورت کی چیز کے لیے ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی نہیں کی ہے۔ اگر ہمیں ایک روٹی ملی ہے تو ہم نے اسے آدھا کر کے کھایا ہے۔ ان کی محبت بھی آدھی تجھے اور آدھی مجھے ملے گی لیکن وہ آدھی محبت ہی ہمارے لیے مکمل ہو گی۔''

''عروج! بعض اوقات انسان ایسی انہونی بات سوچتا ہے جو بظاہر ممکن نہ ہو لیکن وہ پھر بھی ہو جاتی ہے۔ یہ بھی انہونی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی محبوب سے محبت کر رہی ہیں۔''

عروج نے مسکرا کر پوچھا ''یہ بتا آج صرف باتیں ہی ہوتی رہیں یا کوئی پیش قدمی بھی ہوئی؟''

عینی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ پیش قدمی ہوئی تھی۔ پاشا کے رخصت ہوتے وقت اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ گویا اس بہانے اس کا ہاتھ مانگا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔ یہ پیار کا ایسا جذباتی مطالبہ تھا۔ مطالبہ کرنے والی پہلے پیار کی ابتدا کسی کو نہیں بتاتی۔ اپنے دل ہی میں چھپائے رکھتی ہے۔

پھر اس کی یہ جذباتی کمزوری بھی سامنے آتی ہے کہ اس نے اپنے محبوب کو پہلے ترسایا نہیں تڑپایا نہیں اور فوراً ہی اس کا مطالبہ پورا کر دیا۔ لڑکیاں اپنی یہ جذباتی کمزوری کسی سہیلی کو بھی نہیں بتاتیں اور پھر عروج تو ایسی سہیلی تھی کہ جو پاشا کے ہر معاملے میں اس کی حصے دار تھی۔

وہ دونوں ایک جان ہونے کے باوجود دو الگ الگ لڑکیاں تھیں۔ ان دونوں کے اندر یہ تجسس پیدا ہوتا تھا کہ ان کا محبوب کس کے ساتھ کس طرح پیش آ رہا ہے؟ اس کی کچھ باتیں بتانے کی ہوں گی اور کچھ باتیں چھپانے کی ہوں گی۔

عروج نے پوچھا ''تو چپ کیوں ہو گئی؟ میں نے پوچھا ہے کیا ان کی طرف سے کوئی پیش قدمی ہوئی ہے؟''

''ہاں میں یہی سوچ رہی تھی کہ انہوں نے کوئی ایسی بات کی ہے جسے میں سمجھوں کہ وہ بات آگے بڑھانا چاہتے ہیں لیکن انہوں نے ایسی کوئی خاص بات نہیں کی ہے۔ کرنا بھی نہیں چاہیے۔ آج پہلی ہی تو ملاقات تھی۔ رفتہ رفتہ بات آگے بڑھے گی۔''

دروازہ کھلا تو کھلے دروازے کی طرف دیکھتے ہی عروج کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہاں پاشا کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس نے فون پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے کہا ''عینی ہے تم ذرا خاموش رہنا۔''

ادھر سے عینی نے پوچھا ''اب تو کیوں خاموش ہو گئی ہے؟ کیا کوئی آیا ہے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی ''ہاں ہاں ایمرجنسی وارڈ سے بلاوا آیا ہے۔ رات کو اکثر بڑے پیچیدہ کیس آتے ہیں۔ میں پھر تجھ سے بات کروں گی۔ ابھی جا رہی ہوں۔ شب بخیر۔''

اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

وہ میز کے دوسری طرف اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بولی ''تم نے اسے یہ تو نہیں بتایا ہے کہ یہاں آ رہے ہو؟''

اس نے انکار میں سر ہلایا ''نہیں یہ میرا اور تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ اسے بتانا کوئی ضروری نہیں تھا۔''

''اس سے چھپانا بھی مناسب نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپاتیں۔ جب سے تم ہماری زندگی میں آئے ہو۔ میں اس سے جھوٹ بولنے لگی ہوں۔ باتیں چھپانے لگی ہوں۔ میری ایک چوری تمہاری وجہ سے پکڑی گئی ہے۔''

''کون سی چوری؟''

''میں اس سے یہ چھپا رہی تھی کہ تم میری طرف مائل ہو لیکن پچھلی رات تم نے فون پر اسے عروج سمجھ کر ساری باتیں اگل دیں اور اسے معلوم ہو گیا کہ تم اسے نہیں مجھے چاہتے ہو۔''

''سچ کبھی چھپا نہیں رہ سکتا۔ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔''

''تو پھر تم نے اس سے یہ بات کیوں چھپائی کہ آج مجھ سے ملنے آ رہے ہو؟''

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا ''چھپانا ضروری نہیں تھا مگر میں تمہاری ہر بات عینی یا کسی سے بھی نہیں کرنا چاہتا۔ ہماری اپنی ایک رازداری اچھی لگتی ہے۔''

وہ اس بات سے اندر ہی اندر لہرا گئی۔ اس کا چاہنے والا صرف اسے اہمیت دے رہا تھا۔ باقی دنیا کی نفی کر رہا تھا۔ ایسے وقت وہ بھول گئی کہ محبوب کی نظروں میں اپنی قدر و قیمت

بڑھ رہی ہے لیکن سہیلی کا بھاؤ گر رہا ہے۔

کیا کیا جائے زندگی میں صرف ایک ہی چاہنے والا آتا ہے۔ دل کا مکان کرائے پر بھی نہیں دیا جاتا ہے۔ کیونکہ کرائے دار بدلتے رہتے ہیں۔ اس مکان کا تو صرف ایک ہی گاہک آتا ہے جو اسے خرید لیتا ہے۔ اس مکان میں رہ کر بولتا ہے۔ اس کے لیے ہنستا ہے۔ اسی کے لئے روتا جیتا اور مرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو اور وہ ہرجائی ہو تو اپنے وجود کا سارا مکان بیچنے والی گھاٹے میں رہتی ہے۔

اور عروج اپنی سہیلی کی محبت میں گھاٹے کا سودا کر رہی تھی۔ ابھی ابتدا تھی۔ ابھی دھیرے دھیرے ابھرنے والے چور جذبے سمجھا رہے تھے کہ دنیا والوں سے اور خصوصاً اپنی سہیلی سے بھی بہت سے جذبوں کو چھپانا ہوگا اور چھپانے کے لیے جھوٹ بولنا ہوگا۔ اگر جھوٹ نہیں بولے گی۔ سہیلی کو فریب نہیں دے گی تو اپنے مرد سے رازدارانہ محبت کرنے کی فطری خواہش بھی پوری نہیں ہوگی۔

ٹھیک ان ہی لمحات میں عینی اپنے بیڈ پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ بار بار اپنے اس ہی ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ جو پاشا جانی کے ہاتھوں میں پہنچ گیا تھا۔ وہ ہاتھ اب تک اسے اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھے اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اسے اسی طرح ہمیشہ گرفتار کیے رہیں گے۔

اس نے مسکرا کر اس ہاتھ کو دیکھا۔ اس ایک ہاتھ کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے اسے چھونے لگی۔ اس ہتھیلی کی نزاکت و حرارت کو اور جاذبیت کو وہ اتنا نہیں سمجھ سکتی تھی۔ جتنا کہ اسے تھامنے والے نے سمجھا ہوگا۔ وہ شرما گئی۔ اس نے ہتھیلی کو شرماتے ہوئے اپنے چہرے پر رکھا۔

پھر کیا ہوا؟...... وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جذبے کتنی دور تک بھٹکانے لگتے ہیں۔ وہ ہتھیلی چہرے پر آئی تو ایک دم سے یوں لگا جیسے پاشا کا چہرہ چہرے پر آ گیا ہو۔ اس نے فوراً ہی ہتھیلی کو ہٹا دیا۔ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سینے پر یوں ہاتھ رکھا جیسے دھڑکنوں کو سمجھا رہی ہو کہ چپ ہو جاؤ۔ شور نہ مچاؤ۔ کوئی سن لے گا۔ یہ باتیں کسی کو بتانے کی نہیں ہوتیں۔ اسی لیے تو میں نے زندگی میں پہلی بار اپنی جان سے زیادہ عزیز سہیلی سے یہ بات چھپائی ہے۔

چھپانا پڑتا ہے۔ اسے پہلی بار یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اپنے چاہنے والے کی کچھ باتیں دل میں چھپا کر رکھی جائیں اور تنہائی میں سر جھکا کر دل میں جھانک کر انہیں دیکھا جائے تو پھر تنہائی، تنہائی نہیں رہتی۔ وہ بڑھانے والا اچانک آ کر خلوت کو جلوت میں بول دیتا ہے۔ جیسے کہ ابھی وہ ہتھیلی کے بہار چہرے پر چھا گیا تھا۔

اس کے دل میں خیال آیا کہ کیا اس نے عروج کا ہا بھی اپنے ہاتھوں میں لیا ہوگا؟

ہاں جب وہ بہت پہلے سے ایک دوسرے سے رہے ہیں تو بات بہت آگے بڑھی ہوگی۔ لیکن عروج نے کم نہیں بتایا کہ پاشا نے اسے چھو لیا ہے۔ وہ تو اپنی اور پاشا محبت کو شروع سے ہی چھپا رہی ہے۔ اگر پاشا فون پر انجا میں اسے عروج سمجھ کر حقیقت نہ اگل دیتا تو وہ آج بھی ام سے حقیقت چھپاتی رہتی۔

''لیکن مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ بلکہ محبت او بڑھ گئی ہے۔ وہ میری خاطر اپنی محبت کی قربانی نہیں دینا چاہ تھی۔ پاشا سے دور ہو جانا چاہتی تھی لیکن اب اس شرط پر پا کو اپنا رہی ہے کہ وہ مجھے بھی اپنا تا رہے گا۔

میں عروج کی بے لوث محبت سے انکار نہیں کروں گ لیکن یہ کیا ہو رہا ہے کہ پاشا کے آنے سے وہ مجھ سے جھو بولنے لگی ہے اور آج میں بھی اس سے جھوٹ بول رہی تھی ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے سچی ہیں لیکن ہمارے اند جھوٹ رینگنے لگا ہے۔ کیا آئندہ بھی ایسا ہوگا؟

آئندہ کیا ہوگا۔ یہ اس کی کیا، کسی کی بھی سمجھ میں نہیں سکتا تھا۔ بس انسان اندازے لگاتا ہے کہ آگے یہ ہونے وا ہے وہ ہونے والا ہے اور میں وہ کر رہا تھا جو ان کے ہاتھوں ک لکیریں کہہ رہی تھیں۔

ذیشان رات کے ایک بجے کار ڈرائیو کرتا ہوا اسپتال کے احاطے میں آیا پھر ایک جگہ کار روک کر پچھلی سیٹ پر بیٹھے سپاہی سے بولا ''تم جاؤ اور دیکھو کہ وہاں پاشا ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کس کے ساتھ ہے؟ اور کیا کر رہا ہے؟''

وہ ''یس'' سر کہتا ہوا دروازہ کھول کر کار سے باہر آیا۔ ذیشان نے پھر کہا ''سنو......''

وہ کھڑکی کے سامنے آ کر بولا ''یس سر؟''

''تم نے پاشا کو صرف ایک بار میرے سامنے دفتر مل دیکھا ہے۔ کیا اسے پہچان لو گے؟''

''یس سر! میں کسی کو ایک بار دیکھ کر ہمیشہ اس کا چہرہ یا رکھتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، جاؤ میں یہاں انتظار کروں گا۔''

وہ وہاں سے اسپتال کی عمارت کی طرف جانے لگا۔ ذیشان اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا ''پاشا جانی اب تک ایک سچا اور کھرا انسان ثابت ہوتا رہا ہے۔ یقین نہیں

آرہا ہے کہ وہ بیک وقت دو لڑکیوں کو محبت کا فریب دے رہا ہے۔ کچھ مجرمانہ ذہن رکھنے والے بہت گہرے ہوتے ہیں۔ اوپر سے فرشتے اور اندر سے شیطان ایسے زبردست بہروپئے ہوتے ہیں کہ ہم پولیس والے بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ اب تک ایک ٹیکسی ڈرائیور سے میں کس طرح دھوکا کھاتا رہا؟''

سپاہی اسپتال کے اندر آ کر وہاں کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا اس راہداری میں آیا۔ جہاں ڈاکٹروں کے الگ الگ کمرے تھے۔ اس نے پاشا کو ایک کمرے کے دروازے کے سامنے دیکھا۔ اس دروازے پر ڈاکٹر عروج کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

سپاہی اس سے انجان بن کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے سامنے سے گزر گیا۔ پاشا دروازے پر کھڑا عروج کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ ایمرجنسی وارڈ کی طرف گئی ہوئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ جلد ہی واپس آ جائے گی۔ اسے وہاں دیر ہو رہی تھی اور ذیشان کمرے میں بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تھا۔ اس لیے باہر آ گیا تھا۔

اس راہداری میں اِکّا دُکّا افراد آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سپاہی راہداری کے آخری سرے تک گیا پھر وہاں سے پلٹ کر واپس آنے لگا۔ واپسی میں اس نے عروج کو دیکھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی آ رہی تھی اور پاشا کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کے قریب آ کر بولی ''باہر کیوں آ گئے؟ اندر آرام سے بیٹھئے۔''

وہ بولا ''تم تو ایسے گئیں کہ واپسی بھول گئیں۔''

وہ دروازہ کھول کر اس کے ساتھ اندر جاتے ہوئے بولی ''سوری ایمرجنسی وارڈ میں ایک کے بعد دوسرا مریض آ گیا تھا۔ اس لیے دیر ہو گئی۔''

ان کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ سپاہی دروازے سے کچھ فاصلے پر کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ دروازہ بند ہونے کے بعد وہ تیزی سے چلتا ہوا اسپتال کے باہر آیا۔ ذیشان نے اسے آتے دیکھا۔ وہ قریب آ کر بولا ''سر! وہ لیڈی ڈاکٹر عروج کے کمرے میں ہے۔''

''ہوں......'' اس نے اپنی رسٹ واچ دیکھی۔ ایک بج کر تیس منٹ ہوئے تھے۔ وہ سوچنے لگا ''پھوپی جان نے کہا تھا کہ پاشا بارہ بجے عروج سے ملنے جائے گا۔ اس حساب سے وہ ڈیڑھ گھنٹے سے اس کے ساتھ ہے۔ وہ ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ عشق بھی کر رہی ہے۔''

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ نائٹ ڈیوٹی کرنے والے سب ہی ڈاکٹر آدھی رات کے بعد اسپتال میں نہیں ہوتے اپنے کوارٹر میں چلے جاتے ہیں۔ کوئی بہت ہی سیریس کیس ہوتا ہے تو انہیں ان کے کوارٹر سے بلوایا جاتا ہے۔ اس نے سوچا ''جب عاشق ساتھ ہے تو پھر عروج کو بھی اپنے کوارٹر میں ہونا چاہیے تھا۔ کیا ان دونوں کی ملاقات اسپتال تک محدود رہے گی؟''

اس نے سپاہی سے پوچھا ''کیا ڈاکٹر عروج مصروف ہے یا پاشا سے بات کر رہی ہے؟''

''سر! میں جب وہاں گیا تو پاشا اس کے کمرے کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے انتظار میں۔ ڈاکٹر عروج نے ایمرجنسی وارڈ سے آ کر کہا کہ وہ کچھ زیادہ مصروف تھی بس اتنا ہی میں نے سنا۔ پھر وہ دونوں کمرے کے اندر چلے گئے پھر دروازہ بند ہو گیا تھا۔''

ذیشان سمجھ گیا کہ ایمرجنسی وارڈ میں مریض ہیں۔ اس لیے عروج مصروف ہے۔ اس نے سوچا ''میں آج یہاں بیٹھ کر دیکھوں گا پاشا اس کے ساتھ کب تک رہے گا؟ کب یہاں سے جائے گا؟''

اس نے سپاہی سے کہا ''گاڑی میں آ کر بیٹھ جاؤ ہمیں یہاں اچھا خاصا وقت گزارنا ہے۔''

وہ پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ عروج کے کمرے میں ایک وارڈ بوائے نے چائے پہنچائی تھی۔ وہ دونوں چائے پی رہے تھے۔ پاشا نے پوچھا ''کیا تم ہر رات اسی طرح مصروف ہوتی ہو؟''

''ایمرجنسی وارڈ میں میرے اسسٹنٹ ڈاکٹر مریضوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ راتوں کو اکثر ایسے مریض بھی آتے ہیں جن کی حالت بہت ہی نازک ہوتی ہے۔ ایسے مریضوں کو میں خود اٹینڈ کرتی ہوں۔ ورنہ اپنے کوارٹر میں آرام کرتی ہوں اور ضرورت پر مجھے بلوا لیا جاتا ہے۔''

''پھر تو تمہیں کوارٹر میں چل کر آرام کرنا چاہیے۔''

اس نے ہچکچا کر پاشا کو دیکھا۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولی لیکن دل میں یہ بات تھی کہ میں کوارٹر میں جاؤں گی تو پاشا بھی میرے ساتھ آئے گا اور میں اسے منع نہیں کر سکوں گی۔

وہ مسکرا کر بولی ''تم میرے ساتھ ہو۔ اس لیے مجھے یہاں اچھا لگ رہا ہے۔''

''کوارٹر میں بھی اچھا لگے گا۔''

وہ اس سے نظریں چرانے لگی۔ وہ بولا ''تم کہتی ہو۔ مجھے تم دونوں کو برابر کا پیار دینا چاہیے۔ جیسے میں تمہارے ساتھ وقت گزاروں۔ اسی طرح عینی کے ساتھ بھی گزاروں۔''

"بے شک تم میرے ساتھ جتنی دیر رہو گے اتنی دیر عینی کے ساتھ بھی رہنا ہوگا۔"

"ضرور رہوں گا لیکن آج جس طرح میں نے عینی کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ اسی طرح سے تمہارے ساتھ بھی گزارنا چاہتا ہوں اور تم انکار نہیں کرو گی۔"

"یہاں ہم اس کمرے میں تنہا ہیں۔"

"لیکن کوٹھی میں عینی کے ساتھ جو تنہائی تھی وہاں مداخلت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ یہاں کوئی نہ کوئی آ جاتا ہے۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ اس نے پوچھا "کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟"

وہ جلدی سے سر اٹھا کر بولی "نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"جب ایسی کوئی بات نہیں ہے تو چلو اٹھو یہاں سے۔"

دل تو اس کا بھی یہی چاہ رہا تھا کہ کوئی مداخلت کرنے والا نہ ہو وہاں ذرا ذرا سی بات پر نرس یا وارڈ بوائے بلانے آ جاتے تھے۔ جب وہ اپنے کوارٹر میں چلی جاتی تھی تو پھر کوئی اسے ڈسٹرب نہیں کرتا تھا۔ بہت ہی ایمرجنسی کے وقت اسے بلوایا جاتا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی "تم آہستہ آہستہ کوارٹر کی طرف چلو۔ میں ابھی ایمرجنسی وارڈ سے آتی ہوں۔"

وہ دونوں کمرے سے باہر آئے۔ راہداری سے گزرتے ہوئے ایمرجنسی کے پاس پہنچے تو پاشا آگے بڑھ گیا۔ عروج نے ایک اسسٹنٹ ڈاکٹر کو بلا کر کہا "میں ذرا م آرام کرنے جا رہی ہوں۔ کوئی ایمرجنسی ہو تو مجھے بلوا لینا۔"

وہ بولا "یس ڈاکٹر! آپ آرام کریں۔ ہم یہاں سنبھال لیں گے۔"

ذیشان کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پاشا کو اسپتال سے باہر آتے دیکھا تو سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد عروج بھی آ گئی پھر وہ دونوں وہاں سے کوارٹرز کی طرف جانے لگے جب وہ آگے بڑھتے ہوئے عمارت کے ایک طرف مڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گئے تو وہ سپاہی سے بولا "تم یہاں بیٹھو۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

وہ کار سے نکل کر کوارٹرز کی طرف جانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا "یہ دونوں محبت کی حد سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ اسی لیے عروج اس کے ساتھ کوارٹر میں جا رہی ہے۔ اگر ان کے تعلقات تہذیب کے دائرے میں ہوتے تو وہ ایک غیر مرد کے ساتھ شادی سے پہلے اپنے بند کوارٹر میں نہ جاتی۔"

گنہگار بند مکان کے بند کمرے میں ہوتے ہیں۔ اس لیے کوئی ان کے گناہ کا چشم دید گواہ نہیں ہوتا۔ لیکن جب ایک جوان عورت اور مرد بند کمرے میں پائے جاتے ہیں تو ان کا محاسبہ کیا جاتا ہے کہ ان کے درمیان کیا رشتہ ہے۔ کیا وہ میاں بیوی ہیں؟ کیا ان کا نکاح پڑھوایا گیا ہے؟ اگر نہیں تو وہ کس رشتے سے ایک بند کمرے میں تھے؟

یہ تو موٹی عقل سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ بند کمرے میں کیا کر رہے تھے؟

عروج نے دروازہ کھولا اور وہ دونوں اندر آ گئے۔ اندر گہری تاریکی تھی وہ بولی "یہاں ٹھہرو...... میں لائٹ آن کرتی ہوں۔"

اس نے سوئچ بورڈ کے پاس آ کر لائٹ آن کی تو تاریکی دور ہو گئی۔ وہ روشنی راہداری میں بھی آنے لگی۔ پاشا اس کے ساتھ کمرے میں آ گیا۔ وہ کمرے کو چاروں طرف سے دیکھ کر بولا "یہاں پہلے بھی آ چکا ہوں لیکن آج یہ گھر مجھے اپنا لگ رہا ہے کیونکہ تم میری اپنی بن چکی ہو۔"

وہ شوخی سے مسکرا کر بولی "میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔ کیا بی بی سی کی نیوز سنا رہے ہو؟"

وہ اس کے قریب آ گیا۔ عروج ذرا پریشان ہو گئی۔ وہ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر بولا "اپنا ہاتھ مجھے دو۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہو کر بولی "نہیں ہمارے درمیان ایک حد مقرر ہونی چاہیے۔"

"میں اپنی حد میں رہوں گا لیکن تم نے کہا تھا کہ مجھے تم دونوں سہیلیوں سے برابر انصاف کرنا ہے۔ لہٰذا انصاف کرنے میں تم مجھ سے تعاون کرو۔"

"تم کس طرح کا تعاون چاہتے ہو؟"

"یہی کہ جو میں نے عینی کے ساتھ کیا ہے وہی تمہارے ساتھ بھی ہونے دوں۔"

وہ الجھ سی گئی۔ دل گھبرانے لگا۔ پتا نہیں اس نے عینی کے ساتھ کیا کیا ہے؟

"میں نے آج عینی کا ہاتھ پکڑا تھا۔ اس کا ہاتھ میرے دونوں ہاتھوں میں آ چکا ہے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ جھوٹ بول کر میرا ہاتھ پکڑنا چاہتے ہو۔"

"تم جانتی ہو۔ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے تو ابھی فون کر کے عینی سے پوچھو۔ وہ بتائے گی کہ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا یا نہیں؟"

"تمہارے آنے سے پہلے فون پر عینی سے بات ہوئی تھی اور میں نے پوچھا بھی تھا کہ تم صرف اس سے باتیں کرتے

...یا آگے بھی بڑھے؟ اس نے صاف طور پر کہا کہ تم صرف ...ن تک محدود رہے تھے۔"

"پھر تو اس نے اصل بات چھپائی ہے۔ یہ اس کی حیا کا ...نا ہوگا۔ وہ نہیں بتانا چاہتی کہ پہلی بار ایک چاہنے والے ...ز اس کے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔"

"وہ مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپاتی ہے۔"

"تمہارا ابھی یہی دعویٰ تھا کہ تم اس سے کوئی بات نہیں ...پاتی ہو لیکن میری محبت اور دیوانگی اس سے چھپاتی رہی ...یں۔ بولو! کیا تم نے ایسا نہیں کیا تھا؟"

"میں مانتی ہوں کہ لڑکیاں اپنے چاہنے والے کی کچھ ...یں اپنی سہیلیوں سے بھی چھپاتی ہیں لیکن فی الحال ہمارے ...میان فاصلہ رہنا چاہیے۔"

وہ پلٹ کر دوسرے کمرے کی طرف جانے لگی۔ وہ اس ...ے پیچھے چلتے ہوئے بولا "تم انکار کرو گی تو میں کل عینی کا ہاتھ ...یں پکڑوں گا۔ وہ ہاتھ پیش کرے گی تو میں انکار کر دوں گا۔"

وہ دوسرے کمرے میں آ کر رک گئی۔ پریشان ہو کر پاشا ...و دیکھ کر بولی "دیکھو...... اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرنا کہ ...س کا دل ٹوٹ جائے۔"

وہ بیڈ کے سرہانے آ گئی۔ وہاں تکیئے کے پاس اس کا ...یگ رکھا ہوا تھا اور اس بیگ میں آئی ڈراپس کی دو بوتلیں رکھی ...وئی تھیں۔ پاشا بولا "عینی نے اپنا ہاتھ خود میرے ہاتھوں میں ...یا تو میں نے یہ سوچ کر اس کا ہاتھ تھام لیا کہ اس کے بعد مجھے ...مہارا ہاتھ ملے گا۔ تم مجھے انصاف کرنے دو گی، انکار نہیں کرو ...گی۔ اپنا ہاتھ دو۔"

پاشا نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا وہ ایک قدم پیچھے ...ہٹ کر بیگ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا کر بولی "پلیز...... ذرا ...ٹھہرو...... ضد نہ کرو۔"

وہ مسکرا کر بولا "تم نے بیگ کو اپنے سینے سے لگایا ہے ...یے مجھ سے بچنے کے لیے ڈھال سامنے کر رہی ہو......"

وہ بیگ سہلاتے ہوئے بولی "ہاں... یہ میری سہیلی کی دوا ...ہے اور مجھے اس وقت ایسا لگ رہا ہے جیسے تم میری عینی کی ...امانت ہو۔ اگر میں نے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیا تو عینی کی ...امانت میں خیانت کروں گی۔"

"یہ تم بے تکی باتیں کر رہی ہو۔ اپنی زبان سے پھر رہی ...ہو۔ میں تمہاری سہیلی کی امانت نہیں ہوں۔ پہلے تمہارا پیار ...ہوں۔ یہ بات تو عینی کو کہنا چاہیے کہ میں تمہاری امانت ہوں ...اور تمہاری اس سہیلی کو امانت میں خیانت نہیں کرنا چاہیے۔"

پاشا کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا ہوا تھا اور وہ سمجھ رہی تھی کہ انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر وہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں دے گی تو وہ دونوں سہیلیوں کے درمیان پیار کا توازن قائم رکھنے کے لیے خود ہی اس کا ہاتھ پکڑ لے گا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح باتیں بنا کر اس سے ذرا فاصلہ رکھے۔ ایسے ہی وقت کال بیل کی آواز سنائی دی۔ تو اس کی جان میں جان آئی۔ پاشا نے چونک کر پوچھا "یہ اس وقت کون آیا ہے؟"

"کون ہو سکتا ہے۔ اسپتال سے وارڈ بوائے آیا ہوگا۔ کوئی ایمرجنسی ہو گی۔"

وہ ناگواری سے بولا "کیا مصیبت ہے؟"

وہ بیگ کو تکیئے کے پاس رکھ کر پاشا سے کتراتی ہوئی کمرے سے باہر جانے لگی۔ وہ بھی پیچھے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں آیا۔ کال بیل دوبارہ بجی۔ عروج کوریڈور کی طرف جاتے ہوئے بولی "ایک منٹ...... آ رہی ہوں۔"

وہ سمجھ رہی تھی کہ معمول کے مطابق وارڈ بوائے بلانے آیا ہے لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ جو سوچا جائے وہی سامنے آ جائے۔ سامنے تو وہ آتا ہے جسے میں لاتا ہوں۔ میں ان لمحات میں ذیشان، پاشا جانی، عروج، عینی کا مرکزی مقدر بنا ہوا تھا۔ ایک مرکز پر کھڑے رہ کر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے دھکیلنا تھا۔ کسی کو گرانا کسی کو سنبھالنا تھا۔

عروج نے دروازہ کھولا تو اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی "آ...... آپ......؟"

وہ اسے نفرت سے دیکھ کر بولا "ہاں...... کیا مجھے دیکھ کر ہوش اڑ گئے ہیں؟"

"آں...... ن...... نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر میں اندر آؤں یا تم دونوں باہر آؤ گے۔"

وہ خاموشی سے سر جھکا کر ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ اندر آ کر کوریڈور سے گزرتا ہوا کمرے کے دروازے پر پہنچا تو پاشا اسے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ ذیشان نے کمرے کے اندر آتے ہوئے پوچھا "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

وہ ہچکچا کر بولا "میں اسپتال میں عروج سے ملنے آیا تھا۔"

"اسپتال میں ملنے آئے تھے تو یہاں کیا کر رہے ہو؟"

عروج نے کمرے میں آ کر کہا "بھائی جان!"

ذیشان نے اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "نو...... مجھے بھائی جان نہ کہنا۔ میں اس وقت صرف ایک پولیس والا

ہوں۔ قانون کا محافظ ہوں۔ مجرموں اور گنہگاروں کو رات کی تاریکی میں پکڑتا ہوں اور میں نے تم دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔"

وہ ایک دم چیخ کر بولی "بھائی جان!...... یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ مجھے عینی کی طرح بہن مانتے ہیں اور ایسا شرمناک الزام بھی لگا رہے ہیں؟"

"تمہاری جیسی بے شرم لڑکی میری بہن نہیں ہوسکتی۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں مجھے بھائی جان نہ کہنا ورنہ بہت بری طرح پیش آؤں گا۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر پاشا کو دیکھ کر بولا "اور تم!...... تم بہت ہی مکار اور چھٹے ہوئے بدمعاش ہو۔ میری معصوم بہن کو محبت کا فریب دے رہے ہو۔"

"آپ اس وقت میرے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ گالیاں دے سکتے ہیں۔ مجھے گرفتار کر کے لے جا سکتے ہیں لیکن مجھے صفائی پیش کرنے کا حق ہے۔ یہ حق تو دے سکتے ہیں؟"

"پہلے تمہیں تھانے پہنچایا جائے گا۔ وہاں تم اپنی صفائی میں بیان دے سکو گے۔"

عروج ناگواری سے بولی "ایس پی صاحب!...... آپ کس جرم میں پاشا کو گرفتار کریں گے؟"

"تم نادان بچی نہیں ہو۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہی ہو کہ تم دونوں نامحرم ہوتے ہوئے ایک بند مکان کے بند کمرے میں پکڑے گئے ہو۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ پاشا میرے محسن ہیں یہ اس وقت ایک ضرورت کے تحت میرے پاس آئے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ میں ان کی ضرورت پوری کرنے اور کام آنے کے لیے انہیں مکان کے اندر بلاؤں۔"

وہ ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے بولی "جناب ایس پی صاحب!...... آپ اپنے اعلیٰ عہدے کے بل پر مجھ پر کیچڑ نہیں اچھال سکتے۔ میں بھی ایک معزز ڈاکٹر ہوں اور کوئی بھی مریض میرے پاس کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔"

"تم بہت چالاک بننے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کے باوجود میں تمہیں بدکاری کے الزام میں گرفتار کر سکتا ہوں۔"

وہ چیخ کر بولی "شٹ اپ!...... میں اب تک لحاظ کر رہی ہوں۔ کیونکہ تم میری عینی کے بڑے بھائی ہو۔"

وہ موبائل فون نکال کر اسے دکھا کر بولی "میں ابھی یہاں کے سینئر ڈاکٹر کو بلا کر بیان دوں گی کہ ایس پی جبراً میرے کوارٹر میں گھس آیا ہے اور ایک مجبور شخص ... سے مجھے بدنام کر رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ مجھے الزام دے ابھی فوراً میرا میڈیکل چیک اپ کروایا جا... ثابت ہو جائے کہ میں نے کوئی بدکاری نہیں کی ہے۔"

ذیشان سوچ میں پڑ گیا۔ سوچ یہ تھی کہ اس نے ... میں آنے کے سلسلے میں جلدی کی ہے۔ اگر کچھ وقت ... آتا تو وہ دونوں رات کی تنہائی میں حد سے آگے بڑ... اور گنہگار بن جاتے۔ تب میڈیکل رپورٹ سے ان... ہونا ثابت ہو جاتا لیکن اب ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔

عروج فون پر نمبر ملا رہی تھی۔ وہ جلدی سے ا...

"رک جاؤ......"

وہ طنزیہ انداز میں بولی "کیا ہوا ایس پی صاح... آپ کو اپنی قانونی کمزوریاں سمجھ میں آ گئی ہیں؟"

"مجھے طعنے نہ دو۔ میں تمہیں الزام نہیں دوں گا... حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ تم دونوں مل کر میری بہ... دے رہے ہو۔"

"کیا آپ بہن کو دھوکا دینے کے الزام میں گرفت... گے؟ عینی نادان بچی نہیں ہے۔ آپ ابھی میرے سا... سے فون پر بات کریں۔ اس کے سامنے مجھے اور پاشا ک... دیں پھر دیکھیں کہ وہ آپ کو کتنا سخت جواب دے گی۔"

"یہ میں جانتا ہوں بلکہ سب ہی جانتے ہیں ک... اسے اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے۔ تمہاری جتنی بھی ... جائے وہ کبھی نہیں مانے گی۔"

"جب وہ مانے گی کہ ہم اسے دھوکا دے رہے... جب ہم نہیں مانیں گے کہ ہم دھوکے باز ہیں تو پھر آ... کریں گے؟ آپ کے دل میں ہتھکڑیاں پہنانے کی... ہی رہ جائے گی۔"

وہ ذرا نرم ہو کر بولا "مجھے غلط نہ سمجھو۔ اگر تم دونو... ثابت ہوتے تب بھی میں تمہیں گرفتار نہ کرتا۔ یہ اچھ... جانتا ہوں کہ عینی تمہارے خلاف میری کوئی بھی... کارروائی برداشت نہیں کرے گی۔ تمہاری توہین پر پا... جائے گی۔ میں یہاں یہ سوچ کر آیا ہوں کہ تمہارے ا... کے خلاف کچھ کرنا ہوگا تو سب سے پہلے عینی کو اطلاع دو... اسے تم دونوں کے فراڈ کے بارے میں بتاؤں گا۔"

"تو پھر دیر کیوں؟ آپ ابھی اسے بتائیں۔"

"وہ سو رہی ہو گی۔ میں صبح اسے سمجھاؤں گا اور ا... دونوں سے دور رہنے کا مشورہ بھی دوں گا۔"

"آپ اور آپ کا پورا خاندان اسے مشورے د...

...بھی وہ مجھ سے دور نہیں ہوگی۔ اب تو آپ میرے مخالف ... گئے ہیں۔ میرا وہاں آنا بھی برداشت نہیں کریں گے لیکن ... کبھی نہیں سکیں گے۔ میں ابھی پاشا کو رخصت کرنے کے ... بعد وہاں آؤں گی۔ پلیز! آپ جائیں مجھے روکنے کی کوشش ... کریں۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا پھر سخت لہجے میں بولا "تم نہیں جانتیں جب ہم پولیس والے اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں تو کس طرح چور دروازوں سے انتقامی کارروائی کرتے ہیں۔ عروج! تم بہت پچھتاؤ گی۔"

"جب میرا مقدر میرا ساتھ نہیں دے گا اور پچھتانا ہوگا تو پچھتاؤں گی۔ فی الحال آپ یہاں سے جائیں ورنہ"

اس نے موبائل فون کو گرفت میں لے کر اس کے سامنے کیا۔ اس نے عروج کی طرف دیکھا پھر وہاں سے پلٹ کر غصے سے پاؤں پٹختا ہوا کوارٹر سے باہر آ گیا۔ اس کی ایک غلطی نے عروج کے سامنے اسے کمزور کر دیا تھا۔ اگر وہ کچھ دیر ٹھہر کر کوارٹر میں آتا تو اس کے خیال کے مطابق وہ دونوں گنہگار ہو چکے ہوتے اور میڈیکل رپورٹ بھی ان کے خلاف ہی ہوتی۔ تب وہ بھرپور قانونی کارروائی کر سکتا تھا لیکن اس سے غلطی ہو گئی تھی۔ جس کے نتیجے میں عروج کا پلڑا بھاری ہو گیا تھا۔

ذیشان کے وہاں سے جاتے ہی عروج دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔ کہنے لگی "تمہارے پیار کی دیوانگی نے مجھے کس مقام پر پہنچا دیا ہے۔ تم یہاں نہ آتے تو مجھ پر بدکاری کا الزام کبھی نہ لگتا۔"

وہ قریب آ کر بولا "یہ کیا کہہ رہی ہو؟ خوا مخواہ رو رہی ہو۔ ہم پر بدکاری کا الزام ثابت نہیں ہوا ہے۔"

"ہاں ثابت نہیں ہوا ہے لیکن ہم پر الزام تو لگایا گیا ہے۔ میں نے تمہیں اپنا ہاتھ بھی پکڑنے نہیں دیا پھر بھی اتنا بڑا الزام برداشت کر رہی ہوں۔ تم میری شرم و حیا کو نہیں سمجھو گے۔ مجھے تم سے منسوب کر کے بے حیا کہا گیا ہے۔"

"ہم مارنے والے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں لیکن بدنام کرنے والے کی زبان نہیں پکڑ سکتے۔ ایک سر پھرے پولیس افسر کے الزام لگا دینے سے تم بدنام نہیں ہو جاؤ گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو چھپائے روتی رہی۔ اس نے کہا "دیکھو! اس وقت میرا دل تمہاری طرف کھنچا جا رہا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ آگے بڑھ کر تمہارے آنسو پونچھوں لیکن میں اب تم کو چھو کر الزام لینا نہیں چاہتا اور نہ ہی تمہاری بدنامی چاہتا ہوں۔ پلیز اپنے آنسو پونچھ لو۔"

وہ آنچل سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہنے لگی "کوئی اور وقت ہوتا تو میں تمہیں جانے کو نہ کہتی لیکن تم حالات کی نزاکت کو سمجھو اور فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ ذیشان بھائی جیسے افسر بڑے بددماغ ہوتے ہیں۔ ناکامی برداشت نہیں کرتے۔ وہ پھر پلٹ کر ہمارے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں۔ تم انہیں موقع نہ دو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں جا رہا ہوں گھر پہنچ کر ایک بار فون پر بات کروں گا۔ اس کے بعد ہم سو جائیں گے۔"

وہ شب بخیر کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ عروج دروازہ بند کر کے پھر اپنے بیڈ پر اوندھے منہ گر کر رونے لگی۔ اب سے پہلے کسی نے اس پر اتنا بڑا الزام نہیں لگایا تھا اور پھر جسے وہ دل و جان سے چاہتی تھی۔ اس کے سامنے اسے بدکار کہا گیا تھا۔ یہ بات اس کے دل کو بہت ہی صدمہ پہنچا رہی تھی۔

وہ بیگ اس کے سامنے رکھا ہوا تھا اور اپنی زبان بے زبانی سے کہہ رہا تھا کہ ابھی تم نے صدمات دیکھے ہی کہاں ہیں۔ ابھی میرے اندر کے بارود کو آگ اگلنا ہے۔ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔

☆☆☆

رات کے تین بجنے والے تھے۔ فلک ناز کی آنکھوں کی نیند اڑی ہوئی تھی۔ وہ بے چینی سے ذیشان کا انتظار کر رہی تھی۔ کبھی اپنے بیڈ روم میں جاتی تھی کبھی ڈرائنگ روم میں آ کر ٹہلنے لگتی تھی۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس وقت وہ کچن میں اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔ وہ چائے کو چھوڑ کر تیزی سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تو فون کی گھنٹی بج کر خاموش ہو چکی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کوٹھی کے کسی کمرے میں ریسیور اٹھایا گیا ہے۔

اس فون کا کنکشن دوسرے کمروں میں بھی تھا۔ فلک ناز نے ریسیور کو آہستہ سے اٹھا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے اسما کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ذیشان سے کہہ رہی تھی "ہاں...... میں جاگ رہی ہوں۔ آپ تو جانتے ہیں جب تک آپ آ نہیں جاتے میں جاگتی ہی رہتی ہوں۔ یہ بتائیں کب تک آ رہے ہیں؟"

"بس ابھی آنے ہی والا ہوں۔"

فلک ناز نے کہا "بیٹے!...... میں بھی یہ کال سن رہی ہوں۔ مجھے بتاؤ میں نے عروج اور پاشا پر جو الزام لگایا ہے وہ درست ہے یا نہیں؟"

"ہاں پھوپی جان! آپ نے صحیح کہا تھا۔ میں ابھی آ کر بات کروں گا۔"

''بس بیٹے!...... تم نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا۔ میری عزت رہ گئی کہ میں جھوٹی نہیں ہوں۔''

ذیشان بولا ''اسما! تم ایسا کرو۔ ڈیڈی کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ میں آ رہا ہوں اور کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

فلک ناز نے خوش ہو کر کہا ''آج تو یقیناً ضروری باتیں ہوں گی اور ہم سب کے درمیان ہوں گی۔ میں ابھی جا کر بھائی جان کو جگاتی ہوں۔''

وہ بولا ''ایک بات کا خیال رکھیں۔ عینی کو نیند سے جگایا نہ جائے۔ ابھی اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہم کیا باتیں کرنے والے ہیں۔''

''اسے بالکل معلوم نہیں ہوگا۔ وہ ابھی گہری نیند سو رہی ہوگی۔ صبح تک سوتی رہے گی۔''

رابطہ ختم ہو گیا۔ فلک ناز جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی۔ خوشی سے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی فلک آفتاب کے بیڈ روم کے دروازے پر پہنچی پھر دستک دینے لگی۔ دوسری دستک پر بیگم آفتاب کی آواز سنائی دی۔ وہ بے زاری سے کہہ رہی تھی ''اتنی رات کو کون آیا ہے؟ توبہ ہے چین سے سونا بھی نصیب نہیں ہوتا۔''

وہ بولی ''بھابی جان!...... میں ہوں ناز...... دروازہ کھولیں۔ بھائی جان سے بات کرنا ہے۔''

''ایسی کیا قیامت آ گئی ہے جو آدھی رات کو ہمیں جگا رہی ہو؟''

''آپ کے بڑے صاحب زادے ذیشان کا فون آیا ہے۔ وہ ابھی یہاں پہنچنے والا ہے اور آپ لوگوں سے بہت ضروری باتیں کرنا چاہتا ہے۔''

فلک آفتاب کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ یہ باتیں سن رہا تھا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا پھر گھڑی کی طرف دیکھ کر حیرانی سے بولا ''اوہ رات کے تین بجے ایسی کیا بات ہے کہ ہمارا بیٹا ہمیں نیند سے جگا رہا ہے؟''

وہ فوراً ہی بیڈ سے اتر کر دروازے کے پاس آیا پھر اسے کھول کر ناز کو دیکھ کر بولا ''کیا بات ہے ناز!...... خیریت تو ہے؟''

وہ خوشی سے بولی ''بالکل خیریت ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ہمارے فائدے کی ہی باتیں ہیں۔''

بیگم آفتاب نے قریب آ کر پوچھا ''آخر بات کیا ہے کچھ معلوم تو ہو؟''

''پاشا نے ہماری نیندیں اڑا دی تھیں۔ یہاں داماد بننے آیا تھا۔ اب اس کا پول کھل گیا ہے۔ وہ پکا فراڈ ہے۔''

آفتاب نے کہا ''یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''آپ کے صاحبزادے ذیشان اس کے انکوائری کرنے گئے تھے اور اس کے بارے میں بہت معلوم کر کے آ رہے ہیں۔ بس آنے ہی والے ہیں۔ ڈرائنگ روم میں چلنا چاہیے۔''

فلک آفتاب اور بیگم آفتاب نے پاشا کے فراڈ ہو... بات سنی تو اطمینان کی سانس لی۔ وہ اپنے گھر اور عینی کی ز... سے پاشا کے قدم اکھاڑنا چاہتے تھے۔ ان کی یہ آرزو پو... رہی تھی۔ ان کا بیٹا ذیشان شاید ثبوت کے ساتھ پا... اصلیت معلوم کر چکا تھا۔

وہ سب بڑے جذبے سے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم آئے۔ ملازم کو جگا کر حکم دیا گیا کہ گرما گرم چائے بنا... چائے تیار ہونے تک ذیشان بھی وہاں آ گیا۔ اسما ڈرائنگ روم میں آ گئی تھی۔ وہ سب ذیشان کو سوالیہ نظ... سے دیکھنے لگے۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک صوفے... گیا۔ اسما بولی ''چائے آ رہی ہے۔ کیا آپ پانی پیئ... گے۔''

اس نے اثبات میں سر کو ہلایا۔ وہ پانی لانے کے جا رہی تھی کہ ملازم چائے کے ساتھ پانی بھی لے آیا... نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ وہ ایک گھونٹ پی ک... ''اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ ہماری عینی بہ... بدنصیب ہے۔''

یہ کہہ کر وہ پھر پانی پینے لگا۔ سب اسے سوالیہ نظروں... دیکھ رہے تھے۔ وہ آدھا گلاس پینے کے بعد بولا ''وہ دولت مند ہے لیکن پیار کے معاملے میں بالکل کنگال... کوئی اس سے سچی محبت نہیں کرتا ہے۔ سب اسے دھوکا دیتے رہتے ہیں۔''

بیگم آفتاب بولی ''بیٹے!...... ایسی باتیں نہ کرو۔ اس پر قربان ہوتے رہتے ہیں۔''

فلک ناز بھی کچھ کہنا چاہتی تھی۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا ''آپ بھی عینی سے محبت کا دعویٰ کریں گی؟ ڈیڈی بھی چاہیں گے؟ لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اسے صرف اپنی بہو بنانے کے لیے خوشامدانہ محبتیں کی جاتی ہیں... آپ صرف بزرگوں کی حیثیت سے اس سے محبت کر... اپنی بزرگانہ سنجیدگی برقرار رکھتے تو وہ اپنی ضدی اور خو... ہوتی۔ وہ آپ کی محبتوں کے پیچھے چھپی ہوئی خودغرضی... طرح جانتی ہے۔ اسی لیے آپ لوگوں کی کوئی بات نہیں...

...ی ایسا احترام کرتی ہے جیسا اسے کرنا چاہیے۔''

آفتاب بولا ''آخر کچھ بتاؤ تو سہی۔ ناز کہہ رہی تھی۔ تم ...کو فراڈ ثابت کرنے والے ہو۔ جب کہ تم آتے ہی ہمیں ...سی باتیں سنا رہے ہو؟''

وہ بولا ''پھوپی جان نے مجھے اور اسما کو بتایا تھا کہ پاشا ...سے محبت نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ عروج کے ساتھ مل کر اسے ...دے رہا ہے۔ میں اسی لیے اسپتال گیا تھا۔ یہ ثابت ہو چکا ...کہ یہ الزام درست ہے۔''

فلک ناز نے بڑے ناز سے تن کر کہا ''میں کبھی جھوٹ ...بولتی۔ کسی پر غلط الزام نہیں لگاتی۔ آخر میری سچائی ثابت ...''

وہ بولا ''پھوپی جان کی یہ بات بھی درست ثابت ہو گئی ...عروج اور پاشا کا گٹھ جوڑ ہے۔ وہ دونوں مل کر عینی کو بے... بنا رہے ہیں۔ وہ نادان ہے۔ ان کے فریب میں آ گئی ... اگر میں اپنے ساتھ عینی کو اسپتال لے جاتا اور اسے وہ ...دکھاتا کہ پاشا اس سے ملنے کے بعد عروج سے ملتا ہے۔ ...رات کو اسپتال جاتا ہے اور وہ دونوں وہاں کوارٹر میں ...گزارتے ہیں تو......؟''

بیگم آفتاب نے اپنے گالوں پر ہاتھ مار کر کہا ''ہائے ...توبہ توبہ یہ تو کھلی بے شرمی ہے۔''

آفتاب بولا ''بیٹے!...... یہ تو سراسر گناہ ہے۔ تم پاشا کو ...تار کر سکتے تھے؟''

''صرف پاشا کو نہیں عروج کو بھی گرفتار کیا ہوتا۔ کیونکہ ...دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ وہ دونوں برابر کے گنہگار ...لیکن میں اگر عروج کو گرفتار کرتا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ عینی ...یسے ہنگامے برپا کرتی۔ عروج نے اسے بری طرح سحرزدہ کر ...ہے۔ وہ کبھی یقین نہیں کرے گی کہ اس کی سہیلی پاشا کے ...تھ مل کر اسے بہت بڑا فریب دے رہی ہے۔''

''تم ان دونوں کو گرفتار کر لیتے تو ثبوت مل جاتا۔ اس کی ...یلی کا فراڈ کھل جاتا۔ پاشا جانی کی اصلیت بھی اس کے ...امنے آ جاتی اور اسے یقین ہو جاتا کہ ہم کس طرح اس کی ...تری کے لیے اس کے دشمنوں کو بے نقاب کرتے رہتے ...ں۔''

ذیشان بولا ''میں آپ لوگوں کو تفصیل سے نہیں بتا سکتا۔ ...رف اتنا بتا رہا ہوں کہ عروج بہت ہی چالاک ہے۔ اس نے ...نے اور پاشا کے بچاؤ کا راستہ نکال لیا تھا۔ اس لیے نہ تو میں ...ہیں گرفتار کر سکتا تھا اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی ثبوت حاصل ...ر سکتا تھا۔''

''تو پھر ہمیں حاصل کیا ہوا بیٹے؟ تم نے آج رات اتنی دوڑ بھاگ کی۔ انہیں رنگے ہاتھوں پکڑا۔ ان کی اصلیت معلوم کی لیکن اب ان کے خلاف ثبوت مل بھی گیا تو ہم عینی کو کیسے یقین دلائیں گے؟''

''ڈیڈی ہم عروج پر بھروسا کرتے تھے۔ اسے جان دینے والی سہیلی سمجھتے تھے تو یہ کیا کم ہے کہ اس کا اصلی چہرہ ہمارے سامنے آ گیا ہے اور وہ پاشا جو اس گھر کا داماد بننا چاہتا تھا اب نہیں بن سکے گا۔ ہم آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگلیں گے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''اب تو میں اس مکار لڑکی کو اپنے گھر میں گھسنے نہیں دوں گی۔''

ذیشان بولا ''تو پھر عینی اس گھر سے نکل جائے گی۔ پچھلی بار بھی اسے عروج سے ملنے کو روکا گیا تھا تو اس نے کتنے لرزہ دینے والے ردِعمل کا اظہار کیا تھا۔ یہ بات ذہن سے نکال دیں کہ آپ عروج کو یہاں آنے سے روک سکیں گی۔ اس نے آج مجھے چیلنج کیا ہے کہ اسے عینی سے ملنے سے کوئی نہیں روک سکے گا اور وہ اپنی ڈیوٹی پوری کر کے یہاں آنے والی ہے۔''

فلک ناز، بیگم آفتاب اور فلک آفتاب ایک دوسرے کو بے بسی سے دیکھنے لگے۔ اسما بولی ''عروج کتنی اچھی لڑکی تھی۔ اس نے ہم سب کے دل جیت لیے تھے۔ تعجب ہے اچانک کیسے بدل گئی؟ اب وہ آئے گی تو ہمارے ذہن پر بوجھ بنی رہے گی۔''

فلک آفتاب بولا ''بیٹا اس پورے میں گھر عینی سب سے زیادہ تمہاری عزت کرتی ہے اور تمہاری ہر بات مانتی ہے۔ تم ہی اسے کسی طرح اپنے قابو میں کرو اور عروج کا طلسم توڑنے کی کوشش کرو۔''

''وہ اسما کی بات بھی مانتی ہے۔ میں اور اسما اس کو سمجھائیں گے۔ کل کسی وقت اس کے سامنے عروج اور پاشا کا محاسبہ کریں گے۔ ان سے سچ اگلوانے کی کوشش کریں گے۔ مجھے امید ہے اچھی اور سچی باتیں عینی کی سمجھ میں آئیں گی اور اس کی آنکھیں کھل جائیں گی۔''

فلک آفتاب بولا ''اگر دیوار مضبوط ہے اور ہم اسے گرا نہیں سکتے تو کم از کم اسے اینٹ اینٹ کر کے توڑ تو سکتے ہیں۔ اس طرح سے ایک دن پوری دیوار گر جائے گی۔ اسی طرح ہم عروج کی ایک ایک کمزوری اور خامی کو عینی کے سامنے لاتے رہیں گے تو اس کا طلسم ٹوٹتا رہے گا اور ایک دن وہ عینی کی نظر میں بالکل صفر ہو کر رہ جائے گی۔''

ذیشان ایک گہری سانس لے کر بولا ''کچھ تو کرنا ہی ہو

گا۔ میں نے بڑے بڑے مجرموں کے چھکے چھڑا دیے ہیں یہ عروج اور پاشا کیا چیز ہیں؟ عینی کی طرف سے کچھ پریشانی ہو گی لیکن میں اس سے بھی نمٹ لوں گا۔"

☆☆☆

گل خانم رات دیر تک کروٹیں بدلتی رہی تھی۔ یادر خان سے فون پر باتیں ہوتی رہی تھیں۔ اگر پی سی او بند نہ ہوتا تو وہ صبح تک اس سے بات کرتا رہتا۔ یہ دیوانگی صرف یادر خان کی نہیں تھی۔ اس کی اپنی بھی تھی۔ وہ نامحرم ہو چکا تھا۔ اس سے مل نہیں سکتی تھی لیکن دل مچل مچل کر کہتا تھا "اس کی باتیں تو سن سکتی ہے؟"

رات کے تین بجے بڑی مشکل سے آنکھ لگی۔ وہ گہری نیند میں ڈوبتی چلی گئی۔ ایسے ہی وقت وہ رات کی تاریکی میں احاطے کی پچھلی دیوار پھلانگ کر اندر آیا لان سے چھپ چھپ کر گزرتا ہوا کوٹھی کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

وہ جانتا تھا کہ اگلے حصے میں باڈی گارڈز ہیں اور ان میں سے ایک گارڈ کبھی کبھی کوٹھی کے پچھلے حصے کا بھی چکر لگاتا تھا۔ وہ گارڈ وہاں سے چکر لگا کر اگلے حصے کی طرف چلا گیا تھا تو فوراً ہی یادر خان دیوار کود کر اندر آیا اور کوٹھی کے اندر پہنچ گیا تھا۔

گل خانم اپنے شاہانہ طرز کے بیڈ روم میں سو رہی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آیا اور اسے بڑے پیار سے دیکھنے لگا۔ یہ وہی خواب گاہ تھی جہاں وہ کسی روک ٹوک کے بغیر اس کے پاس چلا آتا تھا اور وہ اسے اپنی بانہوں میں بلا لیتی تھی لیکن اب وہ ایک چور کی طرح چھپ کر وہاں آیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا۔ اس کے قدموں کے پاس کھڑا ہو گیا۔ بڑی حسرت اور محبت سے اسے دیکھنے لگا۔ وہی حسن و شباب تھا جو اسے بے اختیار اپنی طرف کھینچتا رہتا تھا۔ آج اس پر پابندیاں تھیں کہ وہ اسے چھونا تو دور کی بات ہے۔ دور سے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔

جب پابندیاں عائد کی جاتی ہیں تو دیوانے پابندیوں کو توڑ دیتے ہیں۔ دیواریں کھڑی کی جاتی ہیں تو دیواریں پھلانگ کر آ جاتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح چلا آیا تھا۔

اس نے ہولے سے آواز دی "گل خانم!"

آواز اس کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے پاؤں کو چھو لیا۔ پاؤں کی انگلیاں تلوے، ایڑھی، ٹخنے سب ہی کہہ رہے تھے کہ ہم کل بھی تمہارے تھے اور آج بھی تمہارے ہیں اور ہمیشہ تمہارے رہیں گے۔

اس کی انگلیاں اس کے پیروں کی چکناہٹ پر پھسل رہی تھیں۔ اس نے جھک کر وہاں اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ ...ے گزر جائیں تو دیوانے قدم بوسی تک پہنچ جاتے ہیں۔

"ہائے گل! تیرے قدموں کی حرارت کہہ رہی ... تجھے کھو دینے کے بعد پا لینے کی کتنی شدت پیدا ہو گئی ہے۔ تو زمین تھی میں جھک کر تجھے چھو لیا کرتا تھا۔ اب آسمان ... ہے میں ہاتھ اٹھاتا ہوں تو ہاتھ نہیں آتی ہے۔"

وہ ہونٹ پیاسے تھے اور وہ بہتی ندیا تھی۔ وہ اس ند... لہر لہر پر اپنے ہونٹ رکھ رہا تھا۔ لہر لہر آگے بڑھ رہا تھا۔ بڑھتے بڑھتے چہرے تک پہنچ گیا پھر سانس لینے رک... سانسوں کی حرارت نے گل کے اندر بے چینی پیدا کی۔ و... میں کسمسائی پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

نگاہوں کے سامنے اسے دیکھ کر پہلے حیران ہوئی پھ... سے یادرا کہہ کر اس سے لپٹ گئی۔ کچھ نیند کا خمار تھا۔ ... لینے کی شدت تھی۔ وہ کچھ خواب خواب سا لگ رہا تھا او... وہ بھول گئی کہ نامحرم ہے۔ شجرِ ممنوعہ ہے۔ اسے اس شج... سائے سے بھی دور رہنا ہے۔

وہ دور نہ رہ سکی۔ سایہ خود آ کر اس پر چھا گیا تھا۔ ہوس غالب آتی ہے تو پھر کوئی اچھی بات سمجھ میں نہیں آ... نہ ہی یاد آتا ہے کہ کیا گناہ ہے کیا ثواب ہے؟

اور اگر گناہ ہے تو کیا اسی دنیا میں اس کی سزا ملے گی ...

اچانک ہی منظر بدل گیا۔ پولیس والے آ گئے اور رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا۔ انہیں سزا سنائی گئی کہ ان گنہگار ... پہلے کوڑے مارے جائیں پھر سنگسار کیا جائے۔ گل زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور دیکھ رہی تھی کہ اس کے کو...... باندھ دیا گیا ہے اور ایک ظالم اس پر کوڑے ... رہا ہے۔ وہ گنہگار دیوانہ عاشق تکلیف کی شدت سے ... ہے۔

گل خانم ایک دم سے چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔ پھٹی ... آنکھوں سے خلا میں تکنے لگی۔ خواب گاہ میں زیرو بلب ... ہلکی روشنی تھی۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر گہری سانس لی اور کہا "خدا کا شکر ہے۔ یہ خواب تھا۔"

اس نے دروازے کو دیکھا۔ اس کی چٹخنی اندر ... ہوئی تھی۔ باہر سے کوئی آ نہیں سکتا تھا پھر بھلا یادرا ... جاتا؟ وہ سچ مچ ایک خواب تھا۔

وہ بیڈ سے اتر کے ہلکے ہلکے چلتے ہوئے چھوٹے فریج کے پاس آئی۔ اسے کھول کر پانی کی ٹھنڈی بوتل اور اسے منہ سے لگا کر پینے لگی۔ سلگتے بدن میں ٹھنڈک لگی۔

...کے بعد اس نے سوچا "ایسے کس طرح زندگی ...ی؟ ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ یادرا دیوانہ اور ... کسی وقت بھی دیوانے کی طرح گھر میں گھس آئے گا ... روک نہیں سکے گی۔ اس زبردست کے آگے زیر ... جائے گی۔"

...اپنے آپ پر خود ہی اعتماد نہیں تھا۔ وہ بڑی کمزوری ...تی تھی کہ وہ جب بھی تنہائی میں آئے گا تو اس کی ...ے پگھل جائے گی۔ دینی احکامات بھی یاد نہیں رہیں ...گمراہی لازم ہو جائے گی پھر گنہگاروں کا جو انجام ہوتا ہے ...ی خواب میں دیکھ چکی تھی۔

وہ بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی بیڈ کے سرے پر آئی پھر ...م سی ہو کر گر پڑی۔ چھت کی طرف تکتے ہوئے سوچنے لگی ...را میرے لیے ضروری ہے۔ بہت ضروری ہے۔ اگر وہ ... زندگی میں پھر سے نہ آیا تو غضب ہو جائے گا۔ یا تو مجھ ...گناہ سرزد ہو جائے گا یا پھر میں اپنی جان دے دوں گی۔"

"ہم دونوں پھر ایک ہو سکتے ہیں۔ ہماری شادی ہو سکتی ...لیکن......؟"

لیکن کے بعد اسے اپنے اور یادر خان کے درمیان ایک ...ظر آتا تھا۔ اس پل کو عبور کر کے ہی وہ اپنے سابقہ شوہر تک ...سکتی تھی۔ اس پل کے سرے پر ایک اجنبی شخص کھڑا ہوا ...وہ اسے تھام کر بازوؤں میں اٹھا کر پل کے اس پار پہنچا ...تا اور اسے یہ منظور نہیں تھا کہ اس کے بدن کو ہاتھ لگانے ...کوئی دوسرا شخص اس کی زندگی میں آئے۔

وہ زیر لب بڑبڑانے لگی۔ "یا خدا!...... میں کیا کروں؟ ...ں جاؤں؟ ایسا کون سا راستہ ہے جس پر چل کر میں اپنے ...ا تک پہنچ سکتی ہوں؟"

ایسا کوئی راستہ نہیں تھا۔ بس ایک پل تھا اور اسے اس پل ...ے گزرنا تھا۔ اس نے شرم سے آنکھیں بند کر لیں۔ سوچنے ...ا "کیا مجھے ایسا کرنا ہو گا؟ نہیں...... نہیں...... کل میں کسی ...دین سے رابطہ کروں گی۔ معلوم کروں گی کہ کیا یادرا تک ...نے کا کوئی دوسرا راستہ مل سکتا ہے؟"

اس نے تکیے کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا پھر ...نکھیں بند کر لیں۔ اس کے بعد کبھی سوچتی رہی۔ کبھی سوتی ...۔ مجھے اس سے ہمدردی تھی۔ وہ حالات کی دلدل میں ...س رہی تھی اور میں چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ وقت کا انتظار کر ...تھا۔ جب وہ مجبور ہوتی تب ہی کوئی مناسب فیصلہ کر سکتی ...تھا۔

☆☆☆

گھر کے تمام افراد جاگ رہے تھے۔ عینی کا مسئلہ اتنا پیچیدہ ہو گیا تھا کہ کسی کو نیند نہیں آ سکتی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد چائے پر چائے پی رہے تھے اور اس الجھے ہوئے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے اور زیادہ الجھ رہے تھے۔

باہر گاڑی کی آواز سنائی دی۔ فلک ناز نے کہا "شاید وہ آ گئی ہے۔"

وہ سب ذرا سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی پھر تھوڑی دیر کے بعد کوٹھی کا بیرونی دروازہ کھلا۔ وہ ہاتھ میں اپنا بیگ لیے کھڑی ہوئی تھی اور ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا "السلام علیکم......"

کسی نے جواب نہیں دیا۔ صرف اسما نے کہا "وعلیکم السلام۔"

اس نے مسکرا کر ان سب کو دیکھا پھر زینے کی طرف جانے لگی۔ آفتاب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا "رک جاؤ......"

وہ زینے کے ایک پائیدان پر پہنچ کر رک گئی۔ پلٹ کر بولی "فرمائیے......!"

"عینی ابھی سو رہی ہے۔ بہتر ہے اسے ڈسٹرب نہ کرو۔ ابھی دوسرے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔"

"آپ جانتے ہیں کہ میں صرف عینی کی سہیلی ہی نہیں، اس کی ڈاکٹر بھی ہوں۔ میں بہتر جانتی ہوں کہ مریضہ کو ابھی جگانا چاہیے یا نہیں؟ ویسے میری کوشش ہو گی کہ میں خاموشی سے جا کر اس کے پاس سو جاؤں۔"

ذیشان بولا "تم اس کی ڈاکٹر نہیں ہو۔ ایک آئی اسپشلسٹ اس کا علاج کر رہا ہے۔"

"بے شک وہ اس کا معائنہ کرتا ہے۔ دوائیں تجویز کرتا ہے۔ اس کے بعد میں ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کی نگرانی کرتی ہوں۔"

اس نے اپنے ہینڈ بیگ کو اوپر کر کے دکھایا پھر کہا "اس بیگ میں اس کی دوائیں ہیں وہ کبھی کوئی دوا نہ اپنے ہاتھ سے کھاتی ہے نہ آئی ڈراپس ڈالتی ہے اور نہ ہی دواؤں کو کہیں ٹھکانے سے رکھتی ہے۔ اِدھر اُدھر پھینک دیتی ہے۔ یا گم کر دیتی ہے۔ اس بچی کی دیکھ بھال کوئی بزرگ نہیں کرتا۔ میں ہی کرتی ہوں۔"

بیگم آفتاب بولی "طعنے کیا دے رہی ہو؟ ہم نے ہی اسے پال پوس کر جوان کیا ہے۔ تم نے تو اماں جان بن کر اس کی پرورش نہیں کی ہے؟"

"میں اماں جان نہیں ہوں لیکن اس کی ماں سے بڑھ کر

ہوں۔"

اسما بولی "عروج!...... بزرگوں سے بحث نہ کرو۔ یہ کیا ضروری ہے کہ تم ابھی اس کے کمرے میں جاؤ؟ کل تو ملنا ہے۔"

"سوری کل کبھی نہیں آتا اور جب آتا ہے تو آج بن جاتا ہے۔"

وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی عینی کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ آفتاب نے اپنے بیٹے ذیشان کو دیکھتے ہوئے کہا "ہم کل صبح عینی کو اپنے طور پر سمجھانے والے تھے لیکن یہ تو ابھی جا کر اسے جگائے گی اور پتا نہیں کیا الٹی سیدھی باتیں سمجھائے گی۔"

بیگم آفتاب بولی "وہ ہمارے خلاف ایسا زہر اگلے گی کہ عینی ہمیں دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گی۔ دشمن بن جائے گی ہماری"

وہ بولا "ممی!...... ہمیں زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ جا کر آرام سے سو جانا چاہیے۔ صبح جو ہوگا دیکھا جائے گا، چلو اسما!"

وہ اسما کے ساتھ زینے کی طرف جانے لگا۔ ناز نے آگے بڑھ کر اسما سے کہا "بیٹی!...... ذرا وہاں سے گزرتے وقت دیکھنا عینی کے کمرے کی لائٹ جل رہی ہے یا نہیں؟ اور عینی سو رہی ہے یا بیدار ہو گئی ہے؟"

ذیشان زینے پر رک کر بولا "پھوپی جان! پلیز آپ جائیں اور آرام سے سو جائیں۔"

وہ اسما کے ساتھ اوپر آیا پھر عینی کے کمرے کی طرف دیکھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ عینی کے کمرے میں روشنی تھی۔ اس سے بات سمجھ میں آتی تھی کہ وہ بیدار ہو گئی ہے۔ وہ تو نیند میں بھی عروج کی آہٹ سن لیتی تھی پھر بھلا بیدار کیسے نہ ہوتی۔ عروج نے پوچھا "تو جاگ رہی ہے؟"

"مجھے معلوم تھا ڈیوٹی آف ہوتے ہی تو یہاں آئے گی۔ اس لیے کبھی سو رہی تھی۔ کبھی جاگ رہی تھی۔"

وہ اپنے بیگ کی دوائیں نکال کر سرہانے والی میز پر رکھ کر بولی "ڈاکٹر نے کچھ دوائیں تبدیل کی ہیں۔ کل سے تو انہیں استعمال کرے گی۔"

"آتے ہی ڈاکٹر نہ بن۔ یہ بتا جلدی کیسے آ گئی؟ تیری ڈیوٹی تو پانچ بجے تک تھی؟"

"ہاں بات ہی کچھ ایسی تھی کہ میں نے تین بجے چھٹی لے لی۔ تجھ سے بہت سی باتیں کرنی تھیں۔"

"ڈیوٹی سے تھک کر آئی ہے اور باتیں کرنا چاہتی ہے۔ کیا بہت ضروری باتیں ہیں؟"

"ہاں ضروری ہیں۔ اسی لیے تو جلدی آئی ہوں"

"پھر تو میرے اندر بے چینی پیدا ہو رہی ہے۔ وہ باتیں کیا ہیں؟"

"ہم دونوں کی زندگی میں پاشا بہت اہم ہو جب بھی کوئی بات چلے گی تو اس کے حوالے سے ہی ہو"

"اب تو تمہید باندھے گی پھر اصل بات کی طرف گی۔ ٹو دی پوائنٹ بات کر۔"

"پہلی بات تو یہ ہے بلکہ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا دونوں کو برابر کی محبت دے گا؟"

"یہ تو پاشا کی دیانتداری پر ہی ہے۔ ویسے م طرح جانتی ہوں کہ وہ تجھے زیادہ چاہتا ہے۔ تجھے زیا دے گا۔"

"یہی باتیں تیرے دل میں خلش پیدا کریں گ پاشا کی کوئی بات مجھ سے چھپائے گی تو میرے دل م پیدا ہو گی۔ ہمیں ایسا راستہ اختیار کرنا چاہیے کہ ہم دوسرے سے بدگمانی نہ ہو۔ پاشا ہم دونوں کے معا دیانتدار ہو یا نہ ہو۔ ہمیں ایک دوسرے سے دیانت چاہیے اور ایک دوسرے سے کبھی کوئی بات نہیں چاہیے۔"

"بالکل درست کہہ رہی ہے۔ ہمیں یہ طے کر لینا کہ پاشا کے تعلق سے ہم کبھی کوئی ایسی بات نہیں چھپا جس سے بعد میں بدگمانی پیدا ہو۔"

"لیکن ہم دونوں نے آج یہ غلطی کی ہے۔"

عینی نے چونک کر پوچھا "میں نے کیا غلطی کی ہے"

"میں نے فون پر پوچھا کہ پاشا سے صرف با ہوتی رہی یا کچھ آگے بھی بڑھے؟ تو، تو نے مجھ سے جھ کہ صرف باتوں تک ہی محدود رہے جبکہ اس نے تیرا ہا تھا۔"

عینی نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ "سوری عروج میں یہ بات کہتے ہوئے جھجک رہی تھی، شرما رہی تھی۔ جب تو یہاں آئے گی تو تنہائی میں تجھ سے لپٹ کر بتاؤں گی۔"

عروج اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی "کو نہیں...... میں نے بھی تجھ سے ایک بات چھپائی تھی۔"

عینی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی نے مجھ سے کہا تھا یہاں بزرگوں کی وجہ سے کھل کر با ہو سکیں۔ لہٰذا وہ آج رات بارہ بجے مجھ سے ملنے اسپتال

ا۔"

"تو کیا وہ آیا تھا؟"

"ہاں آیا تھا لیکن مجھے یہ بات چھپانی نہیں چاہیے تھی۔ تجھے بتا دیتی تو اچھا ہوتا۔"

"چل کوئی بات نہیں مجھ سے غلطی ہوئی تو مجھے معاف کر دے۔ میں تجھے معاف کر دیتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔ عروج سنجیدگی سے بولی "بات بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ تیرے بھائی جان نے پاشا کا پیچھا کیا تھا۔ ہاں ہم دونوں کو پہلے اسپتال پھر کوارٹر میں دیکھ لیا۔"

"تو اتنی پریشان کیوں ہے؟ اگر انہوں نے دیکھ لیا ہے تو پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"وہ ایک پولیس والے بن کر آئے تھے اور انہوں نے یہ الزام لگایا کہ ہم بند کوارٹر میں گنہگار بن رہے تھے۔"

عینی نے چونک کر اسے دیکھا "اوہ گاڈ...... ! بھائی جان نے تجھ سے اتنی بڑی بات کہہ دی؟"

"جب مجھ جیسی جوان لڑکی اور پاشا جیسا جوان مرد تنہا بند مکان کے ایک کمرے میں ہوں تو ساری دنیا ہی طرح طرح کے الزامات لگائے گی۔ تیرے بھائی کو ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ جبکہ میں اپنی صفائی کے طور پر بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ پولیس والے بن گئے تھے اور ہمیں گرفتار کرنا چاہتے تھے۔"

"تعجب ہے...... یہ بھائی جان کو کیا ہو گیا تھا؟"

"پہلے تو یہ بتا کہ تو یہ سمجھتی ہے کہ میں گنہگار ہوں؟"

"ہرگز نہیں...... میں ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"یہ بات ہی میں نے تیرے بھائی جان سے کہی پھر چیلنج کیا کہ ابھی میرا میڈیکل چیک اپ کروایا جائے اس سے یہ ثابت ہوگا کہ میں پاک دامن ہوں یا نہیں؟"

"یہ تو نے اچھا کیا کہ میڈیکل چیک اپ والی بات کہہ دی پھر کیا ہوا؟"

"ہونا کیا تھا۔ میرا یہ چیلنج سن کر تیرے بھائی ٹھنڈے پڑ گئے۔ پتا نہیں وہ کیوں دشمن بن کر آئے تھے؟ میں نے بھی دشمن بن کر کہہ دیا کہ میرے کوارٹر سے وہ فوراً چلے جائیں۔ ورنہ میں الٹا ان پر الزام لگا دوں گی کہ وہ کسی وارنٹ کے بغیر میرے کوارٹر میں گھس آئے تھے اور مجھے پریشان کر رہے تھے۔"

وہ حیرانی سے بولی "میرے خدا!...... کیا بھائی جان سے ایسی سخت کلامی ہوئی ہے؟"

"کیوں نہ ہوتی؟ جس زبان سے وہ مجھے بہن کہتے تھے۔ اسی زبان سے پاشا کے سامنے انہوں نے بدکار کہا ہے۔ یقین کر مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے بدن سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ پاشا کے سامنے مجھے اتنی شرم آ رہی تھی کہ میں اس سے نظریں نہیں ملا سکتی تھی۔"

"بے شک یہ شرم سے ڈوب مرنے والی بات تھی جسے تو دل و جان سے چاہتی ہے اس کے سامنے تجھے بدکار کہا گیا۔ میں بھائی جان سے لڑائی کروں گی۔"

"تو لڑ یا نہ لڑ۔ لیکن میں نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ آج سے میں انہیں کبھی بھائی نہیں کہوں گی۔ اگر وہ پولیس والے ہیں تو میں بھی ایک معزز لیڈی ڈاکٹر ہوں۔ دیکھتی ہوں وہ میرا کیا بگاڑ لیں گے۔"

"عروج! غصہ تھوک دے۔ میں پوچھوں گی۔ انہوں نے تیرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا تھا؟ جسے بہن کہتے ہیں اس پر اتنا شرمناک الزام کیوں لگایا تھا؟"

"وہ سمجھتے ہیں کہ میں پاشا سے مل کر تیرے ساتھ فراڈ کر رہی ہوں۔ ایک طرف چوری چھپے پاشا سے محبت کا چکر چلا رہی ہوں اور دوسری طرف تجھے اس کے فریب میں مبتلا کر رہی ہوں۔"

"میں کیا نادان بچی ہوں جو تو فریب دے گی اور میں آسانی سے فریب میں آ جاؤں گی؟ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ بھائی جان کو یہ معلوم کیسے ہوا کہ پاشا آج رات بارہ بجے تجھ سے ملنے جائیں گے؟"

"وہ پولیس والے ہیں۔ شبہ کرنا تو ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ انہوں نے پاشا کا پیچھا کیا ہوگا۔ اس طرح ہماری خفیہ ملاقات ان کی نظروں میں آ گئی۔"

وہ دونوں سر جھکا کر سوچنے لگیں پھر عینی نے کہا "اب یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ بھائی جان کا تعاقب کرنا ہمارے حق میں اچھا نہیں ہوا۔ سب ہی یہ سوال کریں گے کہ جب وہ مجھے چاہتا ہے تو آدھی رات کے بعد تجھ سے کیوں ملتا ہے؟"

"تیرے بھائی جان آج کوارٹر میں آ کر یہی سوال کر رہے تھے کہ پاشا کس رشتے سے میرے پاس آیا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ میرا محسن ہے کسی وقت بھی ملاقات کرنے آ سکتا ہے پھر یہ کہ میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ یہ ایک مریض کی حیثیت سے میرے پاس آ سکتا ہے۔ اس پر تو کوئی گرفت نہیں ہو سکتی۔ اسی بات سے تو تمہارے بھائی بری طرح بھنا گئے ہیں اور چیلنج کے طور پر یہ کہا ہے کہ جب پولیس والے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے تو پھر انتقامی کارروائی کے لیے چور راستے اختیار کرتے ہیں۔"

"بھائی جان تو بالکل ہی پولیس والے بن گئے ہیں۔ فی

الحال ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے سوال کا جواب کیا دیں گے؟"

"تو فکر کیوں کرتی ہے؟ میں نے جواب دے دیا ہے۔ کہہ دیا ہے وہ ایک محسن کی حیثیت سے مجھ سے ملتا ہے اور پھر وہ تجھے چاہتا ہے تجھ سے آئندہ رشتہ ہونے والا ہے۔ اس وجہ سے بھی میں اس سے مل سکتی ہوں۔ کہیں بھی مل سکتی ہوں۔"

وہ قائل ہو کر بولی "ہاں یہ کسی حد تک مناسب جواب ہے لیکن تو اپنے لیے پاشا کی محبت کو کب تک چھپائے گی؟ یہ کہاوت ازل سے ثابت ہوتی آئی ہے کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔"

"عینی! ہمیں یہ بات اس وقت تک چھپانا ہے۔ جب تک تیری شادی پاشا سے نہ ہو جائے۔ بعد میں میری اور اس کی محبت کا راز کھلے گا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جب تو مجھ سے راضی رہے گی۔ میری اور پاشا کی محبت پر اعتراض نہیں کرے گی تو پھر دنیا والے کیا کریں گے؟"

اسی وقت فون کا بزر سنائی دیا "عروج بولی "پاشا کا فون ہے۔ تو بات کر۔"

"نہیں...... پہلے تو بات کر۔"

"تو بات کرے گی تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں تیرے پاس پہنچ گئی ہوں۔"

"تو بات کرے گی۔ تب بھی اسے معلوم ہو جائے گا۔"

"تو بحث بہت کرتی ہے۔ دیکھ بیل بج رہی ہے۔ وہ انتظار کر رہا ہے۔"

"عروج! پاشا پہلے تیری زندگی میں آیا ہے۔ اس لیے ہر کام پہلے تو کرے گی پھر میں کروں گی۔"

"تو بہت ضدی ہے۔ پتا نہیں اپنے شوہر کے ساتھ کیسے گزارہ کرے گی؟"

اس نے فون آن کر کے کان سے لگا کر کہا "ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔"

پاشا بولا "تم کہاں ہو؟"

"عینی کے پاس ہوں۔"

"کیا تم نے اسے تمام باتیں بتا دی ہیں؟"

"ہاں تم فکر نہ کرو۔ ہم ایک دل ایک جان ایک دماغ ہیں۔ کوئی ہمارے درمیان عداوت پیدا نہیں کر سکے گا۔"

"عینی کو فون دو۔"

اس نے فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "وہ بات کرنا چاہتا ہے۔"

اس نے فون کان سے لگا کر کہا "ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔"

"عینی!...... عروج نے تمہیں تمام باتیں بتائیں۔ یہ یقین تھا کہ تم ہم سے بدظن نہیں ہو گی اور عروج کے خلا کبھی تمہارے دل میں میل نہیں آئے گا۔"

"تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا۔ جیسے میں عروج اندھا اعتماد کرتی ہوں۔ تم پر بھی کرتی رہوں گی۔"

"ویری نائس آف یو عینی! اسی طرح ہم ایک دوسرے اندھا اعتماد کرتے رہیں گے تو دشمن ہمارے خلاف کبھی ساز نہیں کر سکیں گے۔"

عینی نے مسکرا کر عروج کو آنکھ مار کر کہا "تم اندھے اع کی بات کرتے ہو تو پھر مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ یہاں رخصت ہونے کے بعد عروج سے ملنے جاؤ گے؟"

"ہاں مجھ سے غلطی ہوئی اور یہ غلطی تم سے بھی ہوئی نے بھی عروج سے کچھ چھپایا اور عروج سے بھی غلطی ہوئی اس نے بھی تم سے کچھ چھپایا۔ ہم تینوں کو یہ طے کر لینا چا کہ ہم اب کوئی غلطی نہیں کریں گے۔"

"میں نے اور عروج نے تو قسم کھا لی ہے آئندہ ایک دوسرے سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائیں گی۔"

"تم دونوں کو اب مجھ سے بھی یہ شکایت نہیں ہو گی۔ اچ اب عروج تو تمہارے پاس آ گئی ہے۔ کسی نے اسے تم ملنے سے نہیں روکا اور نہ ہی روک سکتا ہے۔ مگر میرا کیا ہ گا؟ ابھی جو کچھ ہوا ہے اس کے پیش نظر تمہارے بھائی جا مجھے گھر میں گھسنے نہیں دیں گے۔ تم سے ملنے نہیں دیں گے۔"

عینی نے سوالیہ نظروں سے عروج کو دیکھا پھر بولی "میں اتنی دیر سے تم دونوں سے باتیں کر رہی ہوں۔ یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔ یہاں تم پر پابندی عائد کی جائے گی۔ تم مجھ سے مل نہیں سکو گے۔"

عروج فون کے قریب ہو کر بولی "پاشا! یہ بات تو ہے تمہارے خلاف ضرور محاذ آرائی ہو گی۔ ایسی محاذ آرائی کو ختم کرنے کے لیے ہمیں کچھ کرنا ہو گا۔ اس سلسلے میں کوئی تدبیر کرنی ہو گی۔ ابھی ہمارا ذہن تھکا ہوا ہے پھر یہ کہ کل اس گھر میں میرے خلاف بھی محاذ آرائی ہو گی۔ مجھے ان تمام حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔ مجھے آرام کرنا ہے سونا ہے اور عینی سے بھی یہی کہوں گی کہ یہ بھی سو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم دونوں آرام کرو۔ میں بھی اب نیند پوری کروں گا۔ اللہ نے چاہا تو کل حالات ہمارے موافق ہوں گے۔ اچھا۔ شب بخیر۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ عینی نے فون بند کر دیا۔ ابھی ان تینوں

کے درمیان محبت کی ابتدا ہوئی تھی اور ابتدا ہی میں بڑے جذبوں سے پیار بھری باتیں کی جاتی ہیں لیکن وہ مسائل میں گرفتار ہو رہے تھے۔ یہ کہاوت ان پر صادق آ رہی تھی کہ "سر منڈاتے ہی اولے پڑنے لگے۔"

محبت کی ابتدا ہوتے ہی ان کی طرف پتھر آنے لگے تھے۔

☆☆☆

دوسری صبح جواد کی آخری رسومات ادا کر دی گئیں۔ اسے منوں مٹی تلے سلا دیا گیا انسان جب تک سانس لیتا رہتا ہے۔ جب تک یہ نہیں سوچتا کہ اسے ایک اچھے انسان کی طرح زندگی گزارنی چاہیے۔ کوئی غیر انسانی فعل اس سے سرزد نہ ہو۔ لیکن وہ غیر انسانی حرکتیں یوں کرتا رہتا ہے۔ جیسے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ ہمیشہ زندہ ہی رہے گا اور زندوں پر عذاب نازل کرتا رہے گا۔

جواد بھی ان میں سے ایک تھا۔ آخر حرام موت مر گیا۔ اس کے بعد بھی اس کی ماں یا شہباز درانی نے یہ سبق نہیں سیکھا کہ غلط راستے ہمیشہ حرام موت کی طرف لے جاتے ہیں۔ جب بیٹے کا جنازہ اٹھایا گیا تو دردانہ نے قسم کھائی کہ اس کے قاتل اور قاتل کے گھر والوں سے بھیانک بدلہ لے گی۔ اب تو وہ درانی کے سائے میں رہ کر بے انتہا دولت' طاقت وسیع ذرائع اور لامحدود اختیارات کے ذریعے کسی کو بھی الٹا لٹکا سکتی تھی۔ کسی کی بھی زندگی چھین سکتی تھی۔

شہباز نے کہا "دردانہ! تم جوان بیٹے کا صدمہ برداشت کر رہی ہو۔ میرا مشورہ ہے ملک سے باہر چلی جاؤ۔ یہاں رہ کر اس کی یادیں ستائیں گی۔"

"میں دنیا کے کسی حصے میں بھی چلی جاؤں۔ اس کی یاد تو آخری سانس تک میرے ساتھ رہے گی۔"

"پھر میں کیا کروں؟ تمہیں غم زدہ دیکھتا ہوں تو میرا دل دکھتا ہے۔"

"تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میری آنکھیں دیکھو۔ یہ خشک ہو گئی ہیں۔ میں صبر کر رہی ہوں۔ تمہاری خاطر بلاوجہ مسکرانے لگوں گی۔ لیکن بیٹے کی موت کا بدلہ ضرور لوں گی۔"

"میں تمہارے جذبوں کو سمجھ سکتا ہوں۔ اور میں نے اسد زیزی سے کہہ دیا ہے کہ جلد سے جلد قاتل کا سراغ مل جانا چاہیے۔"

"شہباز! میں نے پہلے بھی کہا ہے پھر کہتی ہوں اور آئندہ بھی کہوں گی کہ ایس پی ذیشان ہی میرے بچے کا قاتل ہے۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو۔ آخر وقت میں اسی نے جواد سے دشمنی کی تھی۔ لیکن وہ سرکاری ملازم ہے۔ حکم کا بندہ ہے۔ حکم ملتے ہی اس نے تعمیل کی اور اسے رہا کر دیا۔"

"تم نہیں جانتے وہ بہت ہی خطرناک شخص ہے۔ جس کا دشمن بن جاتا ہے۔ اسے پھر معاف نہیں کرتا۔ تم دیکھ لینا وہ حشمت کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"یہ حشمت کون ہے؟"

"ایک نوجوان ہے۔ اس نے بھی ذیشان کی بہن عینی پر حملہ کیا تھا۔ اب چھپتا پھر رہا ہے اور ذیشان کے آدمی اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ تم ایک تدبیر سے میرے بیٹے کے قاتل تک پہنچ سکتے ہو۔"

"تم تدبیر بتاؤ۔ میں ابھی اس پر عمل کروں گا۔"

"میں چاہتی ہوں تم حشمت کی گرفتاری سے قبل اس کا ضمانت نامہ حاصل کرو۔ تمام اعلیٰ افسران کے ذریعے ذیشان کو تاکید کرو کہ حشمت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس نے اس کی بہن کو نقصان پہنچایا ہے تو قانونی کارروائی کرے اور اسے عدالت میں بلائے۔"

"اس سے کیا ہم جواد کے قاتل تک پہنچ جائیں گے؟"

"ہاں میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ حشمت کے خلاف جو قانونی کارروائی ہو گی۔ اسے عدالت سے جو سزا ملے گی وہ بہت معمولی ہو گی اور ذیشان یہ برداشت نہیں کرے گا اور درپردہ اس کے لیے مصیبت بنے گا یا اس پر کسی طرح حملہ کروائے گا۔ جس طرح میرے بیٹے کی رہائی کے بعد اس پر حملہ کیا گیا تھا۔ میں ذیشان کو پچھلے پندرہ برس سے جانتی ہوں۔ تم میری بات مانو اور میری تدبیر پر عمل کرو۔"

"ٹھیک ہے یہ ابھی لو۔"

اس نے اسد عزیزی کو طلب کیا پھر بولا "دردانہ بیگم! تمہیں ایک نوجوان حشمت شاہ کا پتا بتا رہی ہے۔ ذیشان اس نوجوان کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ کہیں روپوش ہے میں اس نوجوان کی ضمانت حاصل کرا رہا ہوں۔ ضمانت کے بعد جب وہ اپنی پناہ گاہ سے باہر آ جائے تو تمہارے آدمی اس کی نگرانی کریں گے۔"

"یس باس! آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔"

"میں اس کی ضمانت کیوں لے رہا ہوں۔ یہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔"

"جی باس! بتائیے۔"

"ایس پی ذیشان نے جواد کو بھی گرفتار کیا تھا۔ ہم نے

اسے رہا کروایا تھا۔ دردانہ بیگم کو یقین ہے کہ اسی نے جواد کو اغوا کر کے ہلاک کرایا ہے۔ اب ہم دوسرا کھیل شروع کریں گے۔ حشمت کو ضمانت پر رہا کرائیں گے۔ دیکھیں گے کہ وہ ایس پی حشمت کے خلاف کچھ کرتا ہے یا نہیں؟''

اگر اس نے انتقامی کارروائی کی تو یہ یقین ہو جائے گا کہ اسی نے ہمارے جواد سے بھی دشمنی کی ہے۔''

''باس! میں سمجھ گیا معلومات کی روشنی میں بہت سوچ سمجھ کر یہ گیم کھیلوں گا۔ ایک اور رپورٹ دینا چاہتا ہوں۔''

''ہاں بولو کیا رپورٹ ہے؟''

''ہمارا ایک آدمی ذیشان کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس نے رپورٹ دی تھی کہ ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی شام کو اس کی کوٹھی میں آیا تھا۔ وہ رات کے دس بجے تک وہاں رہا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ایس پی کے ساتھ پاشا کی اتنی طویل ملاقات کیوں رہی؟''

دردانہ بولی ''کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ ذیشان سے ہی ملاقات کرتا رہا ہو۔ وہ اس رئیس زادی میں دلچسپی لے رہا ہے۔ جواد عینی کو میرے پاس لانا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اور پاشا نے بھی اس کی شہ پر میرے بیٹے کو نقصان پہنچایا۔ وہ رئیس زادی اس ڈرائیور سے پھنسی ہوئی ہے۔''

اسد عزیزی بولا ''میڈم اگر ایسی بات ہے تو پھر وہ ڈرائیور آدھی رات کے بعد لیڈی ڈاکٹر عروج سے ملنے کیوں گیا تھا؟ وہاں وہ بارہ بجے سے ایک بجے تک اسپتال میں اس کے ساتھ رہا تھا۔ پھر اس کے کوارٹر میں آ گیا وہ دونوں تقریباً پندرہ بیس منٹ تک بند کوارٹر میں رہے تھے۔ پھر ذیشان وہاں پہنچ گیا۔ وہ آدھے گھنٹے تک وہاں رہا پھر واپس چلا گیا۔ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ان کے درمیان کیا کھچڑی پک رہی ہے؟''

دردانہ بولی ''ہاں یہ بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہے کہ پاشا آدھی رات کو عروج کے پاس کیوں گیا تھا؟ بند کوارٹر میں رہنے کا مطلب یہی ہے کہ ان کے درمیان جسمانی تعلقات قائم ہیں۔''

شہباز نے پوچھا ''لیکن وہ ایس پی اتنی رات کو وہاں کیوں گیا تھا؟ کیا وہ تنہا تھا؟''

اسد بولا ''نہیں اس کے ساتھ ایک سپاہی بھی تھا۔''

دردانہ بولی ''عینی، عروج، پاشا اور ذیشان کے درمیان کیا ہو رہا ہے؟ یہ بھاگ دوڑ کیوں لگی ہوئی ہے؟ اسے سمجھنا ہو گا۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور بیک وقت عینی اور عروج میں دلچسپی لے رہا ہے اور ذیشان اس بات کا برا نہیں مان رہا۔ بلکہ اسے اپنے گھر بلاتا ہے۔ وہ اسپتال جاتا ہے تو وہ ایس پی بھی اس کے پیچھے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ آخر ان دونوں میں اتنی گہری دوستی کیوں ہے؟''

شہباز بولا ''ہمیں اس گھر میں گھس کر وہاں کے حالات معلوم کرنے ہوں گے۔ عینی تمہاری سوتیلی بیٹی ہے۔ اس گھر میں تمہارا آنا جانا رہا ہے۔ کیا تم اب وہاں نہیں جا سکتیں؟''

''میں نے سوچا تھا اب اس خاندان پر تھوکنے بھی نہ جاؤں گی۔ لیکن حالات مجبور کر رہے ہیں تو مجھے وہاں جانا ہو گا۔''

''تم وہاں ضرور جاؤ۔ اگر ہمیں ناکامی ہوئی تو ہم اس سپاہی کو بڑی سے بڑی قیمت دے کر خرید لیں گے جو ذیشان کے ساتھ اسپتال گیا تھا۔ اس سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو گا ہے۔''

وہ اٹھتے ہوئے بولی ''کسی کو خریدنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ میں تنہا ہی کافی ہوں۔ وہاں سے ساری معلومات حاصل کر کے ہی آؤں گی۔ میرے لیے گاڑی نکلواؤ۔''

شہباز نے اسد عزیزی سے کہا ''ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔ گاڑی کے آگے پیچھے مسلح گارڈز کی گاڑیاں ہوں گی۔''

دردانہ فخر سے تن گئی۔ آج پہلی بار وہ بڑے ہی شاہانہ انداز میں سوتیلی بیٹی کے گھر جانے والی تھی۔ شہباز اسے رخصت کرنے کے لیے کوٹھی کے باہر آیا پھر بولا ''جلدی واپس آنا۔ مجھے بے چینی سے انتظار رہے گا۔ اور مجھ سے فون پر برابر رابطہ رکھنا۔''

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنا شہ زور اور رعب دبدبہ رکھنے والا یہ شخص اس کا طلبگار ہو گا کہ وہ ذرا دیر کے لیے کہیں جائے گی تو اس کی کمی محسوس کرے گا۔ وہ بیٹے کے صدمے سے نڈھال تھی۔ اس کے باوجود اس نے بے اختیار اسے مسکرا کر دیکھا۔ پھر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس گاڑی کے آگے پیچھے دو اور گاڑیاں تھیں۔ جن میں مسلح گارڈز تھے۔ تینوں گاڑیاں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ وہ راستے میں سوچنے لگی کہ عینی سے رابطہ کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے اس سے باتیں کرنے کے دوران میں پہلے سے کچھ اہم باتیں معلوم ہو جائیں۔ اس نے پرس میں سے موبائل نکال کر عینی کے موبائل کے نمبر ملائے اور رابطے کا انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف پاشا گہری نیند میں تھا۔ سرہانے رکھا موبائل بولے جا رہا تھا۔ اس نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ پھر فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ذہن میں یہ بات تھی کہ عروج اور عینی نے اسے مخاطب

کیا ہے۔ اس نے موبائل اٹھا کر جب نمبر دیکھا تو وہ کسی اور کا نمبر تھا۔ ان دونوں نے فون نہیں کیا تھا۔ اس نے اسے کان سے لگایا۔ پھر کہا ''ہیلو کون؟''

دردانہ کو امید نہیں تھی کہ عینی کے فون پر کسی مرد کی آواز سنائی دے گی۔ اس نے پوچھا ''تم کون ہو......؟ یہ تو عینی کا فون ہے؟''

''جی ہاں فی الحال یہ میرے پاس ہے۔ آپ کون ہیں؟ اگر کوئی پیغام ہے تو دے دیں۔ یا پھر عینی کے گھر کے نمبر پر رابطہ کر لیں۔''

''وہ تو میں کر ہی لوں گی۔ لیکن تم کون ہو؟ تمہاری آواز کچھ مانوس سی لگ رہی ہے۔''

''آپ کی آواز بھی کچھ مانوس سی لگ رہی ہے۔''

''میں یہ سوچ رہی ہوں کہ عینی کا فون تمہارے پاس کیسے آ گیا؟ وہ عروج کو تو کسی ضرورت کے وقت یہ فون دیتی ہے ورنہ اس نے کبھی کسی کو اپنا فون نہیں دیا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ عینی کے بارے میں بڑی وسیع معلومات رکھتی ہیں اور اسے قریب سے جانتی ہیں۔ لیکن یہ بتانا نہیں چاہتی کہ آپ کون ہیں؟''

''تم بھی اپنے بارے میں نہیں بتا رہے ہو؟ کم از کم یہ تو بتا دو کہ یہ فون تمہارے پاس کیسے آ گیا؟''

''میں سمجھ گیا آپ باتیں بنا رہی ہیں۔ تو پھر سن لیں۔ میں نے عینی سے یہ فون خرید لیا ہے۔ اس بے چاری پر برا وقت آ گیا ہے۔ اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ یہی ایک چیز تھی۔ اس نے بیچی اور میں نے خرید لی۔''

''تم تو باتیں بنانا بھی نہیں جانتے۔ ایک رئیس زادی کو اس قدر کنگال کہہ رہے ہو کہ اس نے مجبور ہو کر اپنا موبائل فون بیچ دیا۔''

''بعض حالات میں امیر زادیوں کے پرس بھی خالی ہو جاتے ہیں۔ وہ میری ٹیکسی میں سفر کر رہی تھی۔ اپنا پرس گھر بھول گئی تھی۔ کرائے کے لیے رقم نہیں تھی اس لیے اس نے یہ فون مجھے دے دیا۔''

دردانہ نے چونک کر کہا ''او مائی گاڈ! اب میں نے پہچان لیا ہے تم وہی ذلیل ٹیکسی ڈرائیور ہو۔ جو میرے بیٹے سے آٹھ لاکھ روپے چھین کر لے گیا تھا۔''

وہ چہک کر بولا ''آہا میں نے بھی پہچان لیا ہے۔ تم وہی چڑیل بیگم ہو۔ جس نے آٹھ لاکھ کی چوری کا الزام لگایا تھا۔ مجھے ہتھکڑیاں پہنوائی تھیں مگر افسوس وہ ہتھکڑیاں فوراً ہی اتر گئی تھیں۔''

''وہ رئیس زادی تمہارا پہلو گرم کرتی ہے۔ تمہاری دیوانی ہے۔ اسی لیے تمہاری ہتھکڑیاں کھلوا دیں۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اس نے آٹھ لاکھ کی چوری کے الزام سے تمہیں بری کروا دیا؟ بڑا لمبا ہاتھ مارا ہے تم نے۔ مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے غافل رہتی ہوں۔ تمہارے بارے میں بڑی معلومات رکھتی ہوں۔''

''میں نہیں پوچھوں گا کہ تم میرے بارے میں کتنی قیمتی معلومات رکھتی ہو۔''

''مگر میں بتاؤں گی وہ قیمتی معلومات یہ ہیں کہ تم ڈبل گیم کھیل رہے ہو۔ دونوں سہیلیوں کو پھانس رہے ہو۔ ایک طرف عینی اور دوسری طرف عروج کو اسی لیے تو اس کے اسپتال والے کوارٹر میں پہنچے ہوئے تھے۔''

پاشا نے حیرانی و پریشانی سے کہا ''اوہ گاڈ! پھر تو تم واقعی بہت خطرناک ہو۔ میرے دن رات کا حساب رکھ رہی ہو!''

''میں اپنے بیٹے کے قاتل تک پہنچنے کے لیے تمہارا اور ذیشان کا پیچھا کر رہی ہوں اور کرتی رہوں گی۔''

''تمہارے بیٹے کا قاتل؟ کیا تمہارے بیٹے کو قتل کیا گیا ہے؟''

''انجان بننے کی بہت اچھی ایکٹنگ کر رہے ہو۔ مگر میں نادان بچی نہیں ہوں۔ تمہارے اور ذیشان کے گٹھ جوڑ کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔''

''تم میرے بارے میں غلط اندازے لگا رہی ہو۔ ایس پی جیسے اعلیٰ افسر سے بھلا میرا گٹھ جوڑ کیا ہو گا؟ وہ تو میرا دشمن بنا ہوا ہے۔ مجھ پر آٹھ لاکھ کی چوری ثابت نہیں ہوئی۔ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ میں نے اپنا مکان فروخت کیا تھا۔ اور اس طرح مجھے آٹھ لاکھ روپے حاصل ہوئے تھے۔ جو میرے بینک کے اکاؤنٹ میں ہیں۔ بہر حال میں تمہاری جیسی عورت کے سامنے صفائی پیش نہیں کرنا چاہتا۔ تم میرے بارے میں کچھ بھی سوچو۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ پھر پریشانی سے سوچا ''تعجب ہے دردانہ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ میں پچھلی رات عروج کے کوارٹر میں تھا۔ عینی کے گھر والوں کی طرح دردانہ بھی یہی سوچ رہی ہے۔ کہ میں ڈبل گیم کھیل رہا ہوں۔ ایک طرف عروج سے محبت کر رہا ہوں۔ دوسری طرف عینی کو پھانس رہا ہوں۔''

وہ بستر سے اتر کر باتھ روم میں آ گیا۔ وہ بھی سوچتا رہا ''یہ خبر افسوس ناک ہے کہ جواد کو قتل کیا گیا ہے۔ بھلا اسے کس نے قتل کیا ہو گا؟ دردانہ کی باتوں سے یوں لگ رہا ہے۔ جیسے

وہ مجھ پر شک کر رہی ہے۔ پاگل کی بچی ہے۔ پہلے چوری کا الزام لگایا۔ اب بیٹے کا قاتل سمجھ رہی ہے۔

دردانہ بھی سوچ رہی تھی ''ذیشان نے عینی کی سفارش پر اس کی ہتھکڑیاں کھول دی تھیں۔ لیکن اسے اپنے ساتھ دفتر لے گیا تھا۔ وہاں کیا ہوا میں نہیں جانتی۔ اب تک میں سمجھ رہی تھی کہ ذیشان سے اس کا گٹھ جوڑ ہو گیا ہے۔ اور یہ دونوں میرے بیٹے کی مخالفت میں کارروائی کر رہے ہیں۔ لیکن پاشا نے ابھی یہی کہا ہے کہ ذیشان اس کا بھی دشمن ہو گیا ہے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے۔ مجھے معلوم کرنا ہوگا۔''

وہ عینی کی کوٹھی کے احاطے کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کوٹھی کے مین گیٹ اور احاطے کے اندر مسلح گارڈز موجود تھے۔ انہوں نے جب کار کے آگے پیچھے مسلح گارڈز کو دیکھا تو دردانہ کے لیے گیٹ نہیں کھولا۔ سیکورٹی افسر نے اسے سلام کر کے کہا ''میڈم! آپ اپنی کار میں احاطے کے اندر جا سکتی ہیں۔ لیکن آپ کے گارڈز نہیں جائیں گے۔''

اس نے اپنے ایک گارڈ سے کہا ''تم سب باہر رہو۔ میں اندر جا رہی ہوں۔ کوئی بات ہوگی تو فون پر رابطہ کروں گی۔''

وہ دونوں گاڑیاں گیٹ کے اطراف کھڑی ہو گئیں۔ گیٹ کھول دیا گیا۔ وہ کار وہاں سے رینگتی ہوئی احاطے کے اندر پورچ میں آ کر رک گئی۔ وہ اپنا پرس سنبھال کر پچھلی سیٹ سے باہر آئی۔ تو ایک سیکورٹی گارڈ نے روک کر کہا ''ایکسکیوزمی مجھے پرس چیک کرنے دیں۔''

وہ اپنا پرس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے حیرانی سے بولی ''تعجب ہے۔ یہاں تو ایسی سختی سے چیکنگ ہو رہی ہے۔ جیسے یہ ہمارے ملک کا کوئی حساس علاقہ ہو۔''

گارڈ نے چیک کرنے کے بعد کہا ''اب آپ جا سکتی ہیں۔''

وہ آگے بڑھ کر دروازہ کھول کر کوٹھی کے اندر آئی۔ ڈرائنگ روم میں گھر کا کوئی فرد نہیں تھا۔ ایک ملازم صفائی کر رہا تھا... اس نے پوچھا ''تمہارے بڑے صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ سو رہے ہیں۔''

''دن کے گیارہ بج رہے ہیں اور وہ ابھی تک سو رہے ہیں؟''

''جی ہاں رات کو سب ہی جاگتے رہے اس لیے سب ہی سو رہے ہیں۔''

''تعجب ہے اس گھر کے طور طریقے ہی بدل گئے ہیں۔ باہر سخت سیکورٹی ہے۔ اور اندر گھر والے رات کو جاگتے ہیں۔ جاؤ انہیں اطلاع دو کہ میں آئی ہوں۔''

ملازم پلٹ کر جانے لگا اسی وقت فلک ناز دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں آئی تو اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی پھر آگے بڑھتے ہوئے بولی ''اوہ تو آپ آئی ہیں؟''

دردانہ بیگم کو بیٹے کا تو غم تھا ہی اس نے اپنے چہرے کو مزید غم زدہ کر لیا۔ فلک ناز کو یوں دیکھا جیسے رونے ہی والی ہو۔ پھر اس نے آنچل کے کونے کو اپنے چہرے پر رکھ لیا۔ اس کے لرزتے ہوئے بدن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی ہے۔

فلک ناز اس کی مدھم ہچکیوں کو سن کر آگے بڑھی پھر تعجب سے بولی ''آپ رو رہی ہیں......؟ کیا ہوا......؟''

وہ اسی طرح آنچل سے چہرے کو ڈھانپ کر بولی ''میرا بیٹا...... میرا جوان بیٹا...... میرا جواد اب اس دنیا میں نہیں رہا۔''

فلک ناز نے ایک دم سے چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھا پھر پوچھا ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی ''میرے بچے کو کسی بد بخت دشمن نے قتل کر دیا ہے۔ میں یہی اطلاع دینے یہاں آئی ہوں۔''

فلک ناز نے اس کے لباس پر غور کیا۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ ماتمی لباس میں تھی۔ اس نے اس کے بازو کو ہمدردی سے تھام کر کہا ''آئیں! یہاں بیٹھیں۔''

وہ اس کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ فلک ناز نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر بڑی ہمدردی سے کہا ''مجھے یہ سن کر بہت دکھ ہو رہا ہے۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ یہ دشمنی کس نے کی ہے؟''

اس نے انکار میں سر ہلایا پھر دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا ''میں نہیں جانتی کہ وہ نامراد کون ہے؟ خدا اسے غارت کرے۔ اس نے میرے معصوم اور بے گناہ بچے کو مار ڈالا ہے، خدا اسے بھی حرام موت مارے گا۔''

فلک ناز اسے تھپکتے ہوئے بولی ''بھابی آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں اور بھائی جان کو بلاتی ہوں۔''

وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ عروج عینی کے ساتھ اس کے کمرے میں سو رہی تھی۔ موبائل فون نے انہیں پکارا تو وہ فوراً ہی جاگ گئیں۔ عروج نے اس کا بٹن دبا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے پاشا نے کہا ''ہیلو میں بول رہا ہوں! کیا تم دونوں سو رہی ہو؟''

''ہاں...... تمہارے فون نے ہمیں جگایا ہے۔ تم نے نیند

ری کی ہے یا نہیں؟''

''ہاں مجھے بھی فون کی آواز نے جگایا تھا۔ جانتی ہو۔ کس نے فون کیا تھا؟''

عروج نے عینی کو دیکھتے ہوئے فون پر پوچھا ''کس نے کیا تھا؟''

''دردانہ بیگم نے وہ سمجھ رہی ہوگی کہ اس فون سے عینی کی آواز سنائی دے گی۔ لیکن میری آواز سن کر انکوائری کرنے لگی کہ میں کون ہوں اور عینی کے فون پر کیوں بول رہا ہوں؟''

پاشا اسے دردانہ بیگم سے ہونے والی باتیں تفصیل سے بتانے لگا۔ عروج سنتی رہی اور سننے کے دوران میں کچھ نہ کچھ بولتی رہی۔ اس طرح عینی کی سمجھ میں آ گیا کہ دردانہ بیگم کے سلسلے میں باتیں ہو رہی ہیں۔

پھر تمام باتیں سننے کے بعد عروج نے تعجب سے پوچھا ''پاشا! کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے؟ پہلے تو ذیشان بھائی کو معلوم ہوا کہ تم آدھی رات کے بعد مجھ سے اسپتال میں ملنے آ رہے ہو۔ پھر یہ بات دردانہ آنٹی کو بھی معلوم ہو گئی۔ ایسا لگتا ہے کہ میرے، تمہارے اور عینی کے تمام مخالفین ہمارے خلاف جاسوسی کر رہے ہیں۔ اور آئندہ بھی یہی کرتے رہیں گے۔''

عینی نے اس کے ہاتھ سے فون لے کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا ''پاشا! وہ میرے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں؟''

وہ اسے بتانے لگا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی پھر تمام باتیں سننے کے بعد بولی ''بھائی جان بھی تمہیں فراڈ سمجھ رہے ہیں۔ اور یہ محترمہ بھی یہی سمجھ رہی ہیں کہ تم بیک وقت ہم دونوں سے محبت کر رہے ہو۔''

پاشا نے کہا ''ہاں پہلے مجھ پر آٹھ لاکھ کی چوری کا الزام عائد کیا جا رہا تھا۔ اور جب وہ الزام ثابت نہ ہو سکا تو اب مجھے تمہارے حوالے سے فراڈ کہا جا رہا ہے۔ تمہارے بھائی جان اس بات کو بھی بہت الجھائیں گے اور ہماری ملاقاتوں کے تمام راستے بند کر دیں گے۔''

''تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ تم جلد ہی دیکھو گے کہ میں کیسی ضدی ہوں؟ اور کس طرح اپنی بات منوا لیتی ہوں؟''

ادھر ڈرائنگ روم میں فلک ناز نے فلک آفتاب اور بیگم آفتاب کو بلا لیا تھا۔ وہ دردانہ بیگم کے آس پاس بیٹھ گئے تھے۔ اور جواد کی ناگہانی موت پر صدمہ ظاہر کر رہے تھے۔

بیگم آفتاب نے ایک گہری سانس لے کر کہا ''جواد کیسا گبرو جوان تھا! مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ کسی نے اسے قتل کر دیا ہے۔ یہ سچ ہے، زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا جوان ہو یا بوڑھا کسی کو بھی کسی وقت بھی موت آ سکتی ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''ہم تمہارا دکھ کم نہیں کر سکتے۔ لیکن بانٹ سکتے ہیں۔ ہم تمہارے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ بس صبر کرو۔ اور اپنا مقدمہ خدا کی عدالت پر چھوڑ دو۔ جس کم بخت نے بھی تم سے دشمنی کی ہے۔ ایک ماں کو تڑپایا ہے۔ وہ بھی سکون سے نہیں رہے گا۔ اوپر والے کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ پولیس والے آج نہیں تو کل اس بد بخت قاتل کو گرفتار کر لیں گے۔''

ذیشان اسما کے ساتھ زینے سے اترتا ہوا آ رہا تھا۔ دردانہ کو دیکھ کر ناگواری سے بولا ''یہ محترمہ یہاں کیوں آئی ہیں؟''

فلک آفتاب نے کہا ''بیٹے! کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنا۔ ان پر صدمات کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ جواد کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔''

اسما اور ذیشان کو یہ خبر پچھلی رات ہی مل گئی تھی۔ پھر بھی انہوں نے انجان بن کر حیرانی ظاہر کی۔ ذیشان نے زینے سے اتر کر ان کے درمیان ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا ''یہ کب ہوا......؟ کس تھانے کی پولیس تفتیش کر رہی ہے؟ میں اس وقت تمام اختلافات بھلا کر آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کے کام آنا چاہتا ہوں۔''

دردانہ بیگم نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا ''تم نے اسے رہا کر دیا تھا۔ رہائی کے بعد وہ میرے پاس آ رہا تھا۔ ایسے وقت کسی منحوس نے اسے اغوا کر لیا۔ اسے اپنی حراست میں رکھ کر ٹارچر کیا۔ وہ تشدد نہ سہ سکا۔ اسپتال میں پہنچتے ہی ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو گیا۔ میں نہیں جانتی کہ کس نے میرے بیٹے سے ایسی جان لیوا دشمنی کی ہے؟ لیکن میری پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ اور میں بڑی سختی سے انکوائری کرا رہی ہوں۔ مجھے امید ہے، جلد ہی اس کا قاتل گرفتار ہو جائے گا۔''

ذیشان نے کہا ''جو پولیس افسر اس کیس کی تفتیش کر رہا ہے۔ میں اس سے ملاقات کروں گا اور اس نامعلوم قاتل کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔''

دردانہ نے کہا ''میں اس وقت تم سے مدد حاصل کرنے نہیں آئی ہوں۔ میری مدد کرنے والے اور میرے برے وقت میں کام آنے والے بہت ہیں۔ لیکن جوان بیٹے کی موت کے بعد مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں آپ لوگوں کے بغیر بالکل تنہا ہوں۔ میرے اپنے میرے پاس ہوتے ہوئے

بھی پاس نہیں ہیں۔ میرے مرحوم شوہر کا یہی ایک خاندان ہے، جہاں آ کر میں رو سکتی ہوں، اپنے آنسو بہا سکتی ہوں۔ اور آپ سب کی ہمدردیاں حاصل کر سکتی ہوں۔ اس طرح میرے دل کو کچھ تو اطمینان ہو گا کہ میرا دکھ سمجھنے والے میرے اپنے ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "بے شک ہم سب تمہارے اپنوں میں سے ہیں۔ تم نے یہاں آ کر بہت اچھا کیا۔ میں ابھی عینی کو بلاتا ہوں۔ وہ بھی تمہارے دکھ میں برابر کی شریک رہے گی۔"

"عینی میری بیٹی ہے۔ دنیا والوں کی نظروں میں، میں سوتیلی ماں ہوں۔ لیکن میں نے کبھی اسے سوتیلی بیٹی نہیں سمجھا۔ اگر میرے بیٹے جواد سے جانے انجانے میں کوئی غلطی ہو گئی ہے تو میں اس کی طرف سے معافی مانگ رہی ہوں۔ خدا کے لیے میرے مظلوم اور مقتول بیٹے کو معاف کر دیں۔"

اس نے ایسے گڑگڑا کر کہا کہ سب ہی متاثر ہو گئے۔ بیگم آفتاب نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا "ہم نے معاف کیا ہمارے خدا نے معاف کیا۔"

ذیشان نے پوچھا "کیا تدفین ہو چکی ہے؟"

وہ سر ہلاتی ہوئی بولی "آج صبح ہو چکی ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "تم تدفین کے بعد آئی ہو۔ ہمیں پہلے اطلاع کیوں نہیں دی؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ایک تو میں صدمے سے نڈھال تھی پھر میرے اندر یہ شرمندگی تھی کہ میں نے آپ لوگوں کو ناراض کیا ہے، میرے مرحوم بیٹے سے بھی آپ کو شکایتیں رہی ہیں۔ میں نے یہی سوچ کر اطلاع نہیں دی کہ پتا نہیں آپ جنازے میں شریک ہوں گے یا نہیں؟ میں کشمکش میں تھی۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا۔"

عینی اور عروج کمرے سے نکل کر ریلنگ کے پاس آئیں۔ عروج نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا "اوہو...... آنٹی آئی ہوئی ہیں۔"

اس کی آواز سن کر اس نے اوپر دیکھا۔ عینی بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ فلک آفتاب نے کہا "بیٹی عینی! یہاں آؤ...... تمہاری ممی کے ساتھ بہت بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔ کسی نے جواد کو قتل کر دیا ہے۔"

وہ دونوں سیڑھیاں اترتی ہوئی وہاں آئیں۔ انہوں نے نہ تو ہمدردی کا اظہار کیا اور نہ ہی محبت جتائی۔ بڑی خاموشی سے آ کر صوفوں پر بیٹھ گئیں۔ پھر عینی نے دردانہ کو دیکھتے ہوئے کہا "بے شک یہ صدمہ آپ کے لیے بہت بڑا ہے۔ ایسے وقت سب ہی صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ میں بھی یہی کہوں گی کہ آپ صبر کریں۔"

وہ روتے ہوئے بولی "بیٹی! میں اپنے جوان بیٹے سے محروم ہو چکی ہوں۔ اب صرف تم ہی میری ایک بیٹی رہ گئی ہو۔ یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو۔"

"سوری ممی! جواد بھائی کی زندگی میں جو کچھ میرے ساتھ ہو چکا ہے۔ وہ ان کی موت کے بعد بھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ چونکہ مرنے والوں سے دشمنی نہیں کی جاتی۔ انہیں معاف کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے میں نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ لیکن میں آپ سے فاصلہ رکھوں گی، مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں کہ آپ کے پاس آ کر بیٹھوں گی۔ اور پہلے کی طرح رشتہ داری نبھاؤں گی۔"

دردانہ نے کہا "میں جانتی ہوں۔ میرے مقتول بیٹے سے جو شکایتیں ہیں، وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ تمہاری ناراضگی بجا ہے۔ میں یہ عزم کر کے آئی ہوں کہ میرے بیٹے نے جو غلطیاں کی ہیں، جو دکھ تمہیں پہنچایا ہے اس کی تلافی کروں اور اس طرح کروں کہ تم میری محبت اور دیانتداری کی قائل ہو جاؤ"

"ٹوٹے ہوئے آئینے کو لاکھ جوڑو۔ تب بھی اس میں بال پڑ جاتا ہے، بھلا آپ کس طرح تلافی کریں گی؟"

اس نے ایک نظر عروج اور ذیشان پر ڈالتے ہوئے عینی سے کہا "میں ثبوت کے ساتھ تمہیں یہ بتاؤں گی کہ تمہارے دشمن کون ہیں اور کس طرح دوستی کے پردے میں چھپ کر تم سے دشمنی کر رہے ہیں؟"

عینی نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر کہا "اس طرح آپ میری معلومات میں اضافہ کریں گی۔ بتائیں، کون مجھ سے دشمنی کر رہا ہے؟"

دردانہ بیگم نے پوچھا "بیٹی! ایک بات بتاؤ، کیا تم اس ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی کو چاہتی ہو؟ اس سے دلچسپی رکھتی ہو؟"

"جی ہاں...... میں یہ بات اپنے تمام بزرگوں کو بتا چکی ہوں۔"

دردانہ نے بڑی گہری نظروں سے عروج کو دیکھا پھر عینی سے کہا "اور اگر میں یہ ثابت کر دوں کہ پاشا تم سے محبت نہیں کر رہا ہے، تمہیں دھوکا دے رہا ہے تو کیا تم میری بات پر اعتبار کرو گی؟"

کوئی مداخلت نہیں کر رہا تھا۔ سب ہی خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ عینی نے کہا "ثبوت کے ساتھ کہیں گی

ردو اعتبار کرلوں گی۔"

دردانہ نے عروج کی طرف دیکھا پھر کہا "عروج! خدا کو ردو ناظر جان کر کہو، کیا تم پاشا سے فلرٹ نہیں کر رہی ہو؟ وہ تنہائی میں تم سے ملنے نہیں آتا ہے؟ کل رات بھی اس تمہاری ملاقات ہوئی ہے۔"

عروج نے کہا "میں اس سے فلرٹ کر رہی ہوں۔ یہ غلط ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ تنہائی میں مجھ سے ملنے آیا "

"وہ کس رشتے سے تمہاری تنہائی میں آیا تھا؟ اور وہ بھی نال کے بند کمرے میں؟"

عروج نے وہاں بیٹھے ہوئے تمام افراد کو دیکھا۔ فلک اب، بیگم آفتاب، فلک ناز، ذیشان، اسما وغیرہ سب ہی یہ لہ اٹھانے والے تھے۔ لیکن ان سے پہلے ہی دردانہ بیگم یہ لہ پیش کر رہی تھی۔ اس لیے سب ہی دلچسپی سے دردانہ اور رج کو دیکھنے لگے۔

عروج نے کہا "آنٹی! کل رات آپ کے بیٹے کو قتل کیا یا۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کو اس کے قتل کی اطلاع ب ملی تھی؟"

دردانہ نے کہا "یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

عروج نے کہا "میرے سوال کا جواب دیں گی تو آپ کو پنے سوال کا جواب خود ہی مل جائے گا۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی "میں نے وقت نہیں دیکھا تھا۔ لیکن آدھی رات سے پہلے میرے بیٹے نے شری بائی اسپتال میں دم توڑا تھا۔"

عروج نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "جوان بیٹے کی ات سے ماں کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔ آپ کیسی ماں ہیں کہ بیٹے کی موت بھول کر ہماری جاسوسی کر رہی ہیں؟ اور صرف اتنا ہیں، آپ نے ذیشان بھائی کی بھی جاسوسی کی ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ذیشان بھائی کل آدھی رات کے بعد سپتال گئے تھے۔ آپ کو شبہ ہے کہ پاشا اور ذیشان بھائی کے رمیان گٹھ جوڑ ہے اور انہوں نے مل کر آپ کے صاحبزادے کو قتل کیا ہے یا کرایا ہے۔"

سب چونک کر عروج کو دیکھ رہے تھے۔ اور اس کی باتیں ن رہے تھے۔ دردانہ نے چیخ کر کہا "تم بکواس کر رہی ہو۔ یں ذیشان پر کوئی شبہ نہیں کر رہی ہوں۔"

"آپ بزرگ ہو کر ہمارے سامنے جھوٹ بول رہی ہیں۔ آپ نے یہاں آنے سے پہلے پاشا سے فون پر باتیں کی تھیں۔ اس سے جھگڑا کیا تھا۔ اور اسے چیلنج کیا تھا۔ جس کے جواب میں پاشا نے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ ذیشان بھائی سے اس کا کوئی گٹھ جوڑ نہیں ہے۔ بلکہ بھائی جان تو اس کے خلاف ہیں۔ اس سے ان کی کوئی دوستی نہیں ہے۔"

دردانہ بیگم نے ذیشان کو دیکھ کر کہا "بیٹے! تم یقین کر دیا نہ کرو۔ یہ عروج بہت ہی مکار ہے۔ میں پاشا کو جانتی ضرور ہوں لیکن اس حد تک نہیں کہ مجھے اس کا فون نمبر بھی معلوم ہو۔ میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی ہے۔"

عروج نے کندھے اچکا کر کہا "پھر تو میں یہی کہوں گی کہ ہم دونوں میں کوئی جھوٹ بول رہا ہے۔"

ذیشان نے عروج کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا "اور میں جانتا ہوں کہ تم ہی جھوٹ بول رہی ہو۔ کل رات میں نے تمہارا اصلی روپ دیکھ لیا ہے۔ اور آج میں عینی سے تمہارے بارے میں بات کرنے والا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ تم مجھ سے پہلے عینی کے پاس پہنچ کر کیا کچھ کہہ چکی ہو اور کیسی الٹی سیدھی باتیں بنا کر اس کا اعتماد حاصل کر چکی ہو"

عینی نے ذرا سخت لہجے میں کہا "بھائی جان......! میں کوئی نادان بچی نہیں ہوں کہ یہ مجھے بہکائے گی اور میں بہک جاؤں گی۔"

"اور تم کوئی دادی اماں بھی نہیں ہو۔ تم نہیں جانتیں کہ لوگ کس طرح ایک چہرے کے پیچھے کئی چہرے چھپا کر رکھتے ہیں۔ یہ زبان سے تمہیں سہیلی کہتی ہے لیکن درپردہ دھوکا دیتی رہتی ہے۔"

"آپ درست کہتے ہیں۔ انسانوں پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ کسی کی زبان پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ خود آپ کی مثال سامنے ہے۔ آپ جس زبان سے اسے بہن کہا کرتے تھے آج اسی زبان سے اس پر بدکاری اور دھوکا دہی کا الزام لگا رہے ہیں۔ منہ زبانی بہن کہنے والے بھائی تو نہ ہوئے۔ دشمن ہوئے۔"

"میں نے کوئی جھوٹا الزام نہیں لگایا ہے۔"

"عینی نے دھندلے سے ذیشان کو دیکھا پھر پوچھا "کیا آپ اس الزام کو سچ ثابت کر سکیں گے؟"

وہ عروج کو گھور رہا تھا پھر عینی سے بولا۔ "کل مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔ میں نے جلد بازی کی، اگر انتظار کرتا، کچھ دیر کے بعد اس کے کوارٹر میں جاتا تو میڈیکل رپورٹ کے ذریعے ثابت کر دیتا کہ تمہاری یہ سہیلی بدترین گناہ گار ہے۔"

عینی نے چیخ کر کہا "بس کریں بھائی جان! بنا ثبوت کے ایسا شرمناک الزام نہ لگائیں۔ آپ مجھے بہن کہتے ہیں، ابھی

بہن کے سامنے کسی ثبوت کے بغیر ایک لڑکی پر بہتان لگاتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہیے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "تعجب ہے بیٹی! تم اپنے بھائی سے لڑ رہی ہو؟ اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی کہ پاشا آدھی رات کو تمہاری اس سہیلی سے ملنے بند کوارٹر میں کیوں گیا تھا؟"

وہ بولی "پاشا خود نہیں گیا تھا۔ میں نے اسے عروج کے پاس بھیجا تھا۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ ذیشان نے ہمدردی سے کہا "عینی میں جانتا ہوں، عروج تمہیں اچھی طرح سحر زدہ کر دے گی اور تم ہمیشہ کی طرح اس پر اندھا اعتماد کرو گی۔ اس وقت تم جھوٹ بول رہی ہو۔ اور میرے لگائے ہوئے الزام کو غلط ثابت کرنے کے لیے یہ جھوٹ بول رہی ہو۔"

پھر وہ ایک ذرا توقف سے بولا "تم بچپن سے دیکھتی آ رہی ہو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور ہر معاملے میں تمہاری حمایت کرتا ہوں۔ تم اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ سوچو کہ یہ محبت کرنے والا بھائی تمہیں ایک سچی محبت کرنے والی سہیلی سے کیوں جدا کرے گا؟ کیوں خوا مخواہ اس سے دشمنی کرے گا؟ جس دن اس کے بھائی حشمت نے تمہاری عزت پر حملہ کیا۔ مجھے اسی دن سے اس کے گھر والوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں صرف تمہاری خاطر عروج کی عزت کرتا رہا۔ لیکن کل رات یہ بھی میری نظروں سے گر گئی۔ اس کے باوجود یہ دیکھو کہ میں نے اسے یہاں آنے سے نہیں روکا۔ میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ میرے کسی بھی عمل سے تمہیں کوئی صدمہ یا نقصان نہ پہنچے، میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ ممی ڈیڈی اور پھوپی جان تمہارے بزرگ ہیں۔ ہم سب فیصلہ کریں کہ عروج کو یہاں نہیں آنا چاہیے تو تمہیں ہمارے فیصلے کے سامنے سر جھکانا ہوگا۔"

"بے شک آپ ابھی حکم دیں کہ عروج کو یہاں نہیں آنا چاہیے۔ یہ ابھی چلی جائے گی۔ میں اس گھر میں بزرگوں کا حکم مان لوں گی لیکن اس کے ساتھ میں بھی چلی جاؤں گی۔"

فلک آفتاب نے کہا "نہ تم یہاں سے جاؤ گی نہ عروج جائے گی۔ ہمیں اس کے یہاں آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن پاشا جانی یہاں نہیں آئے گا۔ اگر تم اسے پسند کرتی ہو تو ہم بزرگوں کا فرض ہے کہ ہم اس کے بارے میں اچھی طرح چھان بین کریں۔ اس کی پوری ہسٹری معلوم کریں۔ فی الحال ابتدائی معلومات کے مطابق وہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ ہم مزید معلومات حاصل کریں گے۔ اگر وہ واقعی تمہارے شایانِ شان ہوگا تو ہم بھی اسے داماد بنانے سے انکار نہیں کریں گے۔"

عینی نے کہا "آپ جانتے ہی ہیں کہ میں بالغ ہوں اپنے مستقبل کا کوئی بھی فیصلہ خود کر سکتی ہوں۔ آپ ابھی انکل کو فون کریں۔ میں ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

سب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بڑ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی "جو فیصلہ ہونا ہے۔ وہ آ ہو جائے تو بہتر ہے۔"

فلک آفتاب نے گہری سنجیدگی سے کہا "ہوں..... معاملہ بہت ہی پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ وکیل اخلاق احمد کو آ کر اس معاملے کو سلجھانا ہوگا۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر ان کے نمبر ملائے۔ عینی اپنی سے اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب آ گئی۔ فلک آفتاب نے ر ہوتے ہی ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے کر سننے لگی۔ دوسری طرف سے وکیل اخلاق احمد کی آواز دی "ہیلو...... بیرسٹر اخلاق احمد اسپیکنگ!"

وہ سلام کے بعد بولی "انکل! میں عینی بول رہی ہوں"

"ہاں بیٹی! بولو......"

"آپ نے ڈیڈی کی وصیت سنانے کے ساتھ سات تھا کہ اس وصیت کے دو حصے ہیں۔ دوسرا حصہ اس وقت جائے گا جب میں بالغ ہو جاؤں گی۔ اور شادی کا فیصلہ کر گی۔ جس دن منگنی ہو گی اس دن آپ وصیت کا دوسرا سنائیں گے۔"

"ہاں بیٹی! اس وصیت کا دوسرا حصہ میرے پاس مح ہے۔ تمہیں جلد سے جلد اپنی شادی کا فیصلہ کر لینا چاہیے۔"

"انکل! میں نے یہی کہنے کے لیے فون کیا ہے، شادی کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ ڈیڈی کی وصیت کے مطابق اپنی پسند سے شادی کر رہی ہوں۔ اور آج ہی منگنی کی رسم کی جائے گی۔"

وہ ایک دم سے چونک گئے۔ وہ کیا ڈرائنگ روم بیٹھے ہوئے سب ہی افراد چونک گئے تھے۔ ذیشان نے کہنے کے لیے منہ کھولا تو اسما نے اس کا پاؤں دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ فلک ناز کے ارمانوں پر تو جیسے پڑ گئی تھی۔ بیگم آفتاب کی حالت بھی اپنی نند سے جدا نہیں تھی

وکیل نے فون پر عینی سے کہا "بیٹی! کیا اس فیصلے کا تمہارے بزرگوں کو ہے؟ تم نے ان سے کوئی مشورہ کیا ہے"

اس نے ایک ایک کی صورت دیکھتے ہوئے کہا "ہاں...... علم ہے مگر انہیں میری پسند پر اعتراض ہے۔ لیکن وہی کروں گی، جو بہتر سمجھوں گی۔ اس سلسلے میں آپ

بزرگوں سے باتیں کرنا چاہیں تو ابھی آ جائیں۔ اس دوپہر کا ایک بج رہا ہے۔ اور میں چاہوں گی کہ شام چھ منگنی کی رسم ادا ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی ایک گھنٹے کے اندر وہاں پہنچ رہا "

عینی نے ریسیور رکھ کر کہا "وکیل انکل ایک گھنٹے کے اندر آ رہے ہیں۔"

سب کو چپ لگ گئی تھی۔ کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جلدی اپنی منگنی کی رسم ادا کرنا چاہے گی۔ فلک آفتاب کہا "بیٹی! وصیت کے مطابق تم اپنی پسند سے شادی کر سکتی ہو لیکن اتنی جلدی منگنی کرنا کیا ضروری ہے؟"

وہ حتمی لہجے میں بولی "آج ہی منگنی ہو گی۔ پھر پاشا اس کے ہونے والے داماد بن جائیں گے۔ تب کوئی انہیں آنے سے نہیں روک سکے گا۔"

"شادی بیاہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہاں سے اور امریکہ تک ہمارے رشتہ دار ہیں۔ ان سب کو اطلاع ہو گی۔ رئیس خاندانوں میں رشتہ داروں کی موجودگی میں بڑی بڑی تقریبات ہوتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو بدنامی ہوتی طرح طرح کی باتیں بنائی جاتی ہیں۔"

عینی نے کہا "میں صرف ایک بات جانتی ہوں، مجھے اپنی ج کو بدنامی سے بچانا ہے۔ جب میری منگنی پاشا سے ائے گی تو اسے بدنام کرنے والوں کی زبانیں بند ائیں گی۔"

ذیشان نے کہا "ڈیڈ! ہم عینی کو نہیں سمجھا سکیں گے۔ وکیل حب آ رہے ہیں۔ انتظار کریں۔ شاید وہ ہی اسے کوئی نک کی بات سمجھا سکیں۔"

دردانہ بیگم نے کہا "عینی نے مجھ سے دور رہنے کا فیصلہ لیا ہے۔ اب مجھے یہاں نہیں رکنا چاہیے چلے جانا چاہیے۔ نا وکیل صاحب آ کر وصیت کا دوسرا حصہ سنانے والے ا۔ اور میں مرحوم فلک سکندر حیات کی بیوہ ہوں۔ مجھے یہ حق ہے کہ میں ان کی وصیت کو آخر تک سنوں۔ شاید اس میں ے متعلق بھی کچھ کہا گیا ہو۔"

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی "ذیشان! میں تم سے کچھ نا چاہتی ہوں۔ کیا تم دس پندرہ منٹ کے لئے میرے ساتھ ی لاؤنج میں چل سکتے ہو؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "آپ میرے ساتھ ما برابر والے کمرے میں آ جائیں۔"

وہ دونوں وہاں سے چلتے ہوئے ایک کمرے میں آ گئے اور ایک دوسرے کے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ دردانہ بیگم نے کہا "عینی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے جا رہی ہے۔ کیا ہم اسے ایسا کرنے دیں گے؟"

"میں اس کے اس احمقانہ فیصلے سے پریشان ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اسے کس طرح روکا جائے؟"

"تم بہت بڑے پولیس افسر ہو۔ چاہو تو اسے وقتی طور پر روک سکتے ہو۔ کسی جھوٹے سچے الزام میں گرفتار کرا کے حوالات میں بند کر سکتے ہو۔ اس طرح نہ وہ آج شام کو یہاں آ سکے گا اور نہ ہی منگنی ہو سکے گی۔"

"آنٹی یہ مسئلے کا حل نہیں ہے۔ عینی کل صبح ہی اپنے وکیل کے ذریعے اس کی ضمانت کرا لے گی۔ منگنی آج نہ ہوئی تو کل ہو جائے گی۔ پھر میں اسے خوا مخواہ گرفتار کراؤں گا تو عینی اور بھی مجھے اپنا دشمن سمجھنے لگے گی۔"

وہ دونوں سر جھکا کر سوچنے لگے۔ ذیشان نے کہا "آپ کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ آپ نے ہوم منسٹر کے ذریعے جواد کو رہا کرایا تھا۔ میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ کس طرح اوپر والوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ صرف اتنا چاہوں گا کہ پاشا آج ہی یہ شہر چھوڑ کر جانے پر مجبور ہو جائے یا اسے اغوا کرا لیا جائے۔"

"تم اپنی بہن کو پاشا کے فریب سے بچانا چاہتے ہو۔ میں اس معاملے میں تمہاری مدد کروں گی پاشا یہاں نہیں آ سکے گا، کہیں گم ہو جائے گا۔ لیکن وعدہ کرو، تم بھی میرے برے وقت میں کام آیا کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں، آپ عینی کو عروج اور پاشا سے نجات دلائیں گی تو میں آئندہ آپ کے کام آیا کروں گا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہاں...... عروج کو بھی عینی کی زندگی سے نکالنا ہے۔ مگر فی الحال منگنی کی رسم کو رد کرنے کے لئے پہلے پاشا سے نمٹنا ہوگا۔"

"پلیز، آپ ابھی کچھ کریں۔"

"تم اطمینان رکھو۔ میں وکیل صاحب کا انتظار کر رہی ہوں۔ پہلے دیکھو کہ ان کی موجودگی میں کیا باتیں ہوتی ہیں۔ پاشا کی فکر نہ کرو۔ وہ دودھ کی مکھی کی طرح یہاں سے نکل جائے گا۔ مجھے اس کی ٹیکسی کا نمبر اور مکان کا پتا لکھ کر دے دو۔"

وہ ایک کاغذ پر ٹیکسی کا نمبر اور مکان کا پتا لکھنے لگا۔ دردانہ بیگم اسے مکاری سے دیکھ رہی تھی۔ اور دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔

"اس گھر کے سب ہی لوگ مجھ سے دشمنی کر رہے تھے۔ میرے یہاں آنے کا راستہ بند کر رہے تھے۔ اب میں سرنگ

بنا رہی ہوں۔ یہ ایس پی میرا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اسے دوست بنا رہی ہوں۔ یہ پاشا جانی کا ایڈریس لکھ رہا ہے اور اس کا ایڈریس تو میں نے اپنے دل پر لکھ لیا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے میرے بیٹے سے جو دشمنی کی ہے میں اسے بھول جاؤں گی۔ نہ یہ اسے گرفتار کرتا اور نہ وہ رہائی پانے کے بعد اغوا کیا جاتا اور قتل کیا جاتا۔ میرے اندر یہ شبہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اسی نے میرے جواد کو قتل کرایا ہے اور میں نے بھی اس گھر میں دوبارہ گھس آنے کا ذریعہ اسی کو بنایا ہے۔ اب برابر میرا آنا جانا لگا رہے گا اور میں اس کی درپردہ سازشوں کو سمجھتی رہوں گی۔ پھر عینی کے بھی قریب رہوں گی۔ وہ مجھ سے کترا رہی ہے۔ شکار تو اپنے شکاری سے کتراتا ہی ہے۔ ہاتھ آ آ کر پھسلتا ہے اور پھسل پھسل کر پھر ہاتھ آتا ہے۔ شکار کا لطف اسی طرح حاصل ہوتا ہے۔''

ذیشان پاشا کا پتا ٹھہر ٹھہر کر یوں لکھ رہا تھا جیسے سوچ سوچ کر یاد کر رہا ہو اور لکھ رہا ہو۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا ''دردانہ بیگم! تم صحیح وقت پر آئی ہو۔ جوان بیٹے کی موت نے تمہاری کمر توڑ دی ہے۔ اب تم نے جتنے بھی اپنے وسیع ذرائع بنائے ہیں، میں ان کی ایک ایک تفصیل معلوم کرتا رہوں گا۔ اسی لئے تم سے دوستی کر رہا ہوں۔ ان حالات میں یہی ہوتا ہے۔ دشمنی بھی دوستی کی طرح کی جاتی ہے۔''

☆☆☆

ڈاکٹر آرزو کی گاڑی احاطے میں داخل ہوئی تو سید تراب علی شاہ سامنے ہی کھڑا تھا۔ وہ کار سے اتری تو وہ آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے بولا ''تم ڈاکٹر آرزو ہو؟''

جی ہاں۔ مجھے آپ کے بیٹے حشمت نے بھیجا ہے۔''

''میں تمہیں دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا۔ آؤ۔ اندر آ جاؤ۔''

وہ اس کے ساتھ کوٹھی کے اندر آ گئی۔ تراب علی نے کہا ''اس کی ممی بیڈ روم میں ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ خود کو بیمار ظاہر کرنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کوئی تمہارا تعاقب کرتا ہوا یہاں آ جائے۔ تو معلوم ہونا چاہئے کہ تم اپنی مریضہ کو دیکھنے آئی ہو۔''

وہ دونوں ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے ایک بیڈ روم میں آئے۔ وہاں بیگم شاہ مسہری پر لیٹی ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ تراب نے آرزو کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''یہ تمہارے بیٹے کی پسند۔ تمہاری ہونے والی بہو ہے۔''

آرزو نے اپنی ہونے والی ساس کو سلام کیا۔ بیگم شاہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ ''خدا تمہیں خوش رکھے۔ تم نے میرے بیٹے کو پناہ دی ہے، ایسے برے وقت میں اس کے کام آ کر ہمارا دل جیت لیا ہے۔''

پھر وہ الگ ہو کر اس کی بلائیں لیتے ہوئے بولی ''ماشاء اللہ بہت پیاری ہو اور ڈاکٹر بھی ہو۔ حشمت کہہ رہا تھا، تمہارا اپنا کلینک ہے۔ ماشاء اللہ! اتنی سی عمر میں تم نے بڑی ترقی کی ہے۔''

تراب نے کہا ''کیا کھڑے کھڑے ہی باتیں کرتی رہو گی؟''

وہ آرزو کا ہاتھ تھام کر اسے مسہری کے سرے پر بٹھاتے ہوئے بولی۔ ''یہاں بیٹھو میرے پاس۔''

تراب نے کہا ''بیٹی! چائے پیو گی یا کوئی ٹھنڈا......؟''

وہ بولی ''نہیں انکل! میں کچھ نہیں پیوں گی اور نہ ہی زیادہ دیر یہاں رکوں گی۔''

بیگم شاہ نے کہا ''ارے بیٹی! تم پہلی بار آئی ہو۔ اتنی جلدی چلی جاؤ گی؟''

''میں پھر کسی دن آؤں گی تو آپ کے ساتھ کھانا بھی کھاؤں گی اور خوب باتیں بھی کروں گی۔ ابھی دل کو دھڑکا ہوا ہے کہ کسی نے میرا پیچھا نہ کیا ہو۔ ویسے میں بہت محتاط رہی ہوں۔ واپسی میں بھی محتاط رہنا ہوگا۔''

''بیگم! یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ حشمت وہاں اکیلا ہوگا اندیشوں میں مبتلا رہ کر اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔''

ایک سینٹر ٹیبل پر چھوٹا سا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ تراب نے اسے اٹھا کر آرزو کو دیتے ہوئے کہا ''اس میں پورے پانچ لاکھ روپے ہیں۔ بیٹی! سنبھال کر لے جانا۔''

''آپ اطمینان رکھیں۔ میں یہاں سے سیدھی حشمت کے پاس نہیں جاؤں گی۔ سڑکوں پر اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے دیکھوں گی کہ کوئی میرا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔ پھر مطمئن ہو کر ہی حشمت کے پاس جاؤں گی۔''

وہ خوش ہو کر بولا ''شاباش بیٹی! تم بہت سمجھدار ہو۔''

وہ جانا چاہتی تھی۔ بیگم شاہ نے کہا ''بیٹی! ایک ذرا رک جاؤ۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتی ہوئی اپنی الماری کے پاس گئی۔ پھر اسے کھول کر اس کے سیف میں سے زیورات کا ایک بکس نکالتے ہوئے بولی ''پہلی بار آئی ہو۔ اس گھر کی ہونے والی بہو ہو۔ ہماری جان ہو۔ اس لئے ہماری طرف سے یہ تحفہ قبول کرو۔''

آرزو نے شکریہ کہتے ہوئے اس بکس کو اپنے بیگ میں رکھا۔ پھر بیگم شاہ کے گلے لگ کر بولی ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ لوگ مجھے اتنی محبتیں اتنا مان دیں گے۔''

بیگم شاہ نے اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا ''تم میرے حشمت کی پسند ہو۔ ہمارے لئے بہت اہم ہو۔ اس گھر سے تمہیں ہمیشہ محبتیں ملیں گی۔''

آرزو نے اپنا ہینڈ بیگ اور بریف کیس اٹھاتے ہوئے کہا ''اب مجھے اجازت دیجئے۔''

وہ اس سے رخصت ہو کر تراب علی شاہ کے ساتھ چلتی ہوئی کوٹھی کے باہر آ گئی۔ وہ بولا ''بیٹی! خیریت سے پہنچنے کے بعد ہمیں فون ضرور کرنا۔''

وہ کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرتے ہوئے بولی ''جی کلینک میں پہنچتے ہی آپ کو فون کروں گی اور پوچھوں گی کہ آپ کی بیگم کی طبیعت کیسی ہے؟ تو آپ جواب دیں گے کہ ان کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ تب میں کہوں گی کہ وہ بہتری محسوس کر رہی ہیں تو انہیں وہ کیپسول نہ دیں۔ کیپسول کا لفظ سن کر آپ سمجھ لیجئے گا کہ میں رقم لے کر بہ خیریت حشمت کے پاس پہنچ چکی ہوں۔ اگر میں نے کوئی اور بات کی تو سمجھ لیجئے گا کہ ہم خطرہ محسوس کر رہے ہیں اور میں پھر کسی وقت فون کروں گی۔''

''ٹھیک ہے بیٹی، میں سمجھ گیا۔ اگر پولیس والے ہماری کال ٹیپ کر رہے ہوں گے تو وہ ہمارے کوڈ ورڈز کو کبھی سمجھ نہیں پائیں گے۔''

وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی کوٹھی سے باہر آ کر مین روڈ کی طرف جانے لگی۔ ڈرائیونگ کے دوران میں محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر اور عقب نما آئینے میں دیکھتی رہی۔ اسے کوئی مشکوک گاڑی یا آدمی نظر نہیں آیا۔ کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔ وہ مطمئن ہو کر گاڑی کی رفتار بڑھانے لگی۔

اس کا رخ اپنے کلینک کی طرف نہیں تھا۔ وہ یوں ہی ایک سڑک سے دوسری سڑک پر مڑتی جا رہی تھی۔ بہت دور جا کر اس نے ایک کیمسٹ کی دکان کے سامنے گاڑی روکی۔ دروازے کو لاک کر کے اس دکان میں گئی۔ وہ کیمسٹ اسے دوائیں سپلائی کیا کرتا تھا۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگی اور باتوں کے دوران میں دور دور تک سڑک کے دائیں بائیں دیکھتی رہی پھر اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئی۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک بے مقصد گھومنے پھرنے کے بعد اپنے کلینک میں آ گئی۔ کلینک کے اوپری حصے میں ہی اس کی رہائش تھی۔ حشمت وہیں چھپا ہوا تھا۔ وہ اوپر رہائش گاہ کی طرف نہیں گئی۔ اس نے کلینک میں آ کر ایک چھوٹی الماری کو کھولا۔ بریف کیس کو اس میں رکھا۔ پھر کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہاں ایک مریضہ اس کی منتظر تھی۔ وہ اسے اٹینڈ کرنے لگی۔

آرزو کو کسی حد تک اطمینان ہو گیا تھا کہ کسی نے اس کا پیچھا نہیں کیا ہے۔ اس کے باوجود وہ مزید ایک گھنٹے تک کلینک میں رہنے کے بعد حشمت کے پاس جانا چاہتی تھی۔

اس نے مریضہ کو دوائیں دینے کے بعد رخصت کر دیا۔ ایسے ہی وقت اسد عزیزی ایک جوان لڑکی کے ساتھ وہاں آیا اور میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔ آرزو نے اس لڑکی سے پوچھا ''ہاں بولو! کیا تکلیف ہے؟''

لڑکی نے سر جھکا لیا۔ کچھ شرمانے لگی۔ اسد عزیزی نے کہا ''یہ نہیں بتا سکے گی۔ بات یہ ہے کہ اس کے پاؤں بھاری ہو گئے ہیں اور یہ شرما رہی ہے۔''

آرزو نے کہا ''شرمانے کی کیا بات ہے؟ شادی کے بعد تو دنیا کی ہر لڑکی ماں بنتی ہے۔''

اسد عزیزی نے کہا ''یہی تو پرابلم ہے، اس کی شادی نہیں ہوئی ہے میں یہ حمل ضائع کرانا چاہتا ہوں۔''

وہ ذرا ناگواری سے بولی ''آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں یہ غیر قانونی کام کروں گی۔''

وہ ایک پھولا ہوا لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا ''اس میں پچاس ہزار ہیں۔ ایک لیڈی ڈاکٹر نے اسے چیک کیا تھا، یہ ماں بننے والی ہے، مجھے پوری طرح یقین نہیں ہے۔ پلیز...... آپ اس کا مکمل چیک اپ کریں۔''

وہ بولی ''میں اس کا چیک اپ تو کر دوں گی اور یہ بھی بتا دوں گی کہ یہ ماں بننے والی ہے یا نہیں۔ مگر اس کے بعد آپ مجھ سے کوئی توقع نہ کریں۔ میں کوئی غلط کام نہیں کروں گی۔''

وہ بولا ''چلیں آپ ہماری تسلی تو کر دیں۔ اگر یہ ماں بننے والی نہیں ہوگی تو میں اس خوشی میں یہ پچاس ہزار آپ کے پاس چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔''

''یعنی آپ رشوت دینے سے باز نہیں آئیں گے۔ پلیز اس رقم کو اپنے پاس رکھیں۔ ورنہ میں معائنے سے بھی انکار کر دوں گی۔''

اسد عزیزی نے وہ لفافہ اٹھا لیا۔ آرزو اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس لڑکی سے بولی ''میرے ساتھ آؤ۔''

وہ لڑکی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے چلتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اسد عزیزی بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسی کمرے کے دروازے پر آیا۔ وہاں کچھ دیر انتظار کرتا رہا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ آرزو نے پلٹ کر اسے دیکھا، پھر کہا ''پلیز۔ آپ تو باہر بیٹھیں۔''

اس نے لباس کے اندر سے ریوالور نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا ''اس میں سائلنسر لگا ہوا ہے۔ تمہارے چیخنے سے پہلے ہی گولی چلے گی اور کوئی آواز نہیں ہوگی۔''

وہ سمجھ گئی کہ پولیس والے اس کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں چلے آئے ہیں۔ اس نے پریشان ہوکر پوچھا ''آپ کون ہیں؟''

وہ بڑے ہی سفاک لہجے میں بولا ''تم کوئی سوال نہیں کروگی۔ صرف میرے سوالوں کا جواب دوگی۔ یہ بتاؤ حشمت کے گھر کیوں گئی تھیں؟''

''آ...... آپ کس حشمت کی بات کررہے ہیں؟ میں کچھ دیر پہلے سوسائٹی کے بنگلے میں اپنی مریضہ کو دیکھنے گئی تھی۔''

''تم نے مریضہ کا معائنہ کیا ہوگا۔ اسے دوائیں دی ہوں گی؟''

''ظاہر ہے میں اسی لئے گئی تھی۔''

''اس مریضہ کو کیا بیماری ہے؟''

وہ اس کے سوالوں سے بوکھلا گئی تھی۔ پھر بولی ''وہ ایک خاتون ہیں۔ انہیں شاک پہنچا ہے، ان کا بیٹا کہیں گم ہوگیا ہے۔''

''تم نے اسے ذہنی سکون کے لئے دوائیں دی ہوں گی۔؟''

وہ الجھ کر بولی ''بے شک میں نے یہی کیا ہے، اسے انجکشن بھی لگایا ہے، تاکہ وہ گہری نیند سوجائے۔''

''تمہاری فیس کتنی ہے؟''

''میں مریضوں کے گھر جاکر معائنہ کرنے کے آٹھ سو لیتی ہوں اور دواؤں کے الگ لیتی ہوں۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولا ''آٹھ سو روپے اتنے زیادہ تو نہیں ہوتے کہ انہیں بریف کیس میں رکھ کر لایا جائے؟''

آرزو کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی پریشان ہوکر اسے دیکھنے لگی۔ فوراً ہی بات بناکر کوئی معقول جواب نہ دے سکی۔ ہچکچاتے ہوئے بولی ''آ...... آپ کون ہیں؟''

وہ مسکرا کر بولا ''میں پولیس والا نہیں ہوں۔''

آرزو نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بولا ''میں حشمت کا دوست ہوں اور اسے تلاش کررہا ہوں۔ تم سیدھی طرح مجھے اس کے پاس نہیں لے جاؤ گی اس لئے پہلے بریف کیس دکھاؤ۔ اسے کہاں رکھا ہے؟''

وہ ہچکچانے لگی۔ پھر بولی ''اس کمرے میں چلو۔ وہ الماری میں رکھا ہے۔''

''نہیں الماری کی چابی اس لڑکی کو دو۔''

آرزو نے نہ چاہتے ہوئے بھی الماری کی چابی ا اور وہ لڑکی وہاں سے چلی گئی۔''

وہ بولا ''اگر تم میرے احکامات کی تعمیل کرتی ر حشمت کے ساتھ خیریت سے رہوگی۔ تم یقین کرو ا میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔ اس لئے بہتر ہوگا، مجھے ا پاس لے چلو۔''

''کیا تم واقعی حشمت کے دوست ہو؟''

وہ مسکرانے لگا۔ پھر بولا ''نہیں۔ دوست نہیں ہو وہ مجھے جانتا ہے۔ نہ میں نے کبھی اس کی صورت دیکھ میں نے تم سے کہا ہے، مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔ ابھی مجھے اس کے پاس لے نہیں۔؟''

وہ لڑکی بریف کیس لے آئی۔ اس نے آرزو ''اسے کھولو!''

آرزو نے اسے لے کر اسٹریچر بیڈ پر رکھ کر کھولا۔ کیس نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسد عزیزی نے کہا ''ا کردو۔ میں یہ رقم نہیں لوں گا۔ آخری بار... پوچھتا مجھے حشمت کے پاس پہنچاؤ گی یا نہیں؟''

وہ سائلنسر لگے ہوئے ریوالور کو دیکھ کر تھوک نگلتے بولی ''ہاں۔ پہنچاؤں گی۔ میرے ساتھ چلو!''

''کتنی دور جانا ہے؟''

''وہ۔ اوپر۔ اسی کلینک کے اوپر رہائشی حصے میں۔''

''کیا سیڑھیاں باہر سے ہیں؟''

''نہیں۔ یہاں کوریڈور میں زینہ ہے۔''

اسد عزیزی نے لڑکی سے کہا ''جاؤ۔ تم گاڑی مع میں ابھی آتا ہوں۔''

وہ آرزو کے ساتھ چلتا ہوا کوریڈور میں آیا۔ پھر ا پیچھے پیچھے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپری حصے میں پہنچا۔ آرز آگے بڑھ کر ایک دروازے پر دستک دی۔ پھر کہا ''ڈ میں ہوں۔ دروازہ کھولو۔''

دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ حشمت اسد عزیزی کو ایک دم سے بوکھلا گیا۔ اسد نے دروازے پر ایک لات تو وہ پوری طرح کھل گیا۔ حشمت پیچھے ہٹتے ہوئے آرز بولا ''یہ...... یہ کیا ہورہا ہے؟''

وہ روتی ہوئی صورت بناکر بولی ''میں دھوکا ہوں۔ پتا نہیں یہ کیسے میرا تعاقب کرتا ہوا یہاں پہنچ گیا۔'' حشمت نے اس سے پوچھا ''تم کون ہو؟''

''اگر مجھ پر بھروسا کروگے تو دوست ہوں۔ ورنہ دشمن۔''

''میں دوست بنانا چاہتا ہوں۔ اس لئے بھروسا کروں

ا۔ آؤ۔ بیٹھو!''

وہ تینوں میز کے اطراف کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اسد زیزی نے کہا ''تم نے کسی کا مرڈر نہیں کیا ہے۔ کسی بینک کو یں لوٹا ہے، کوئی چھوٹی سی چوری بھی نہیں کی ہے، صرف ایک ی کی عزت لوٹنا چاہتے تھے، اس میں بھی ناکام رہے ہو۔ تم نے کوئی بہت بڑا جرم نہیں کیا ہے۔ پھر کیوں چوروں اور دلوں کی طرح یہاں چھپے ہوئے ہو؟''

''تم نہیں جانتے، اس لڑکی کا بھائی ایس پی ہے اور بہت خردماغ ہے۔ میں نے اس کی بہن کی عزت نہیں لوٹی ہے۔ بے عزتی کی ہے اور وہ اس بے عزتی کا انتقام لے گا۔''

اسد عزیزی نے اپنی جیب سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کر ا کی طرف بڑھایا۔ پھر کہا ''اسے پڑھو۔''

حشمت نے اسے کھول کر دیکھا تو وہ کورٹ سے جاری ہ ضمانت نامہ تھا۔ وہ اسے پڑھنے کے بعد حیرانی سے بولا کیا میری ضمانت منظور ہوچکی ہے؟''

''تم تعلیم یافتہ ہو۔ پڑھے لکھے ہو۔ دیکھو۔ اس پر الت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ ایک جج کے دستخط ہیں۔ اب وہ پی تمہارا کیا بگاڑ لے گا؟''

''میں نے کہا نا...... ؟ وہ بہت ہی خردماغ ہے۔ پھر ڈی نے مجھے فون پر بتایا ہے کہ دردانہ بیگم نے کورٹ سے پنے بیٹے کے لئے ضمانت نامہ حاصل کیا تھا، اس ایس پی نے ضمانت نامے کو جلا ڈالا تھا اور جواد کو گرفتار کرکے لے گیا ۔ وہ میرے ساتھ بھی ایسا کرسکتا ہے۔''

عزیزی نے کہا ''اس کا باپ بھی ایسا نہیں کرسکے گا۔ اد کا ضمانت نامہ غیر قانونی تھا۔ لیکن ہم نے پکا کام کیا ہے۔ سے جلائے گا تو اس کی وردی اتر جائے گی۔''

حشمت نے سوچتی ہوئی نظروں سے آرزو کو دیکھا وہ اس ہ ضمانت نامہ لے کر پڑھ رہی تھی۔ پھر بولی ''یہ تو واقعی پکا ہے۔ وہ ایس پی تمہیں گرفتار نہیں کرسکے گا۔''

حشمت نے کہا ''تم تو واقعی دوست بن کر آئے ہو۔ پھر والور دکھا کر ہمیں دھمکیاں کیوں دے رہے تھے؟''

''اسے سہارا نہ بناتا تو یہ ڈاکٹر مجھے تمہارے پاس نہ لاتی ر بھی مجھے کوئی دشمن سمجھ کر یہاں سے بھاگ جانے کی کوشش کرتے۔''

حشمت نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا واقعی تم میرے دوست ہو۔ دشمن نہیں ہو۔''

عزیزی نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''اب یہاں سے اٹھو اور اپنے گھر واپس چلو!''

''میں تھوڑی دیر بعد جاؤں گا۔ ابھی آرزو سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

آرزو نے کہا ''میں حشمت کے ساتھ جاؤں گی۔''

عزیزی نے کہا ''پھر یہاں باتیں کرنا کیا ضروری ہے؟''

انہوں نے تائید میں سرہلایا۔ پھر وہ تینوں نیچے کلینک میں آگئے۔ آرزو تمام دروازے لاک کرکے ان کے ساتھ باہر آئی۔ وہاں گاڑی میں وہ لڑکی دو مسلح افراد کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ عزیزی نے ان سے کہا ''میں حشمت کے ساتھ اسی گاڑی میں جارہا ہوں۔ تم میرے پیچھے آؤ۔''

آرزو ڈرائیونگ سیٹ پر آگئی تھی۔ حشمت اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ اسد عزیزی بھی اپنے حواریوں کو حکم دے کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ آرزو کار اسٹارٹ کرکے اسے آگے بڑھانے لگی اور اسد عزیزی کے گارڈ نے اس کے حکم کے مطابق ان کے پیچھے اپنی گاڑی لگادی۔

حشمت نے پوچھا ''تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کون ہو؟ اور کیوں میرے کام آرہے ہو؟''

وہ بولا ''میں ابھی تمہارے گھر چل رہا ہوں۔ وہاں تمہارے والدین کے سامنے اہم باتیں ہوں گی۔''

آرزو کار ڈرائیو کررہی تھی اور دل ہی دل میں سوچ رہی تھی ''ایک طرح سے یہ اچھا تو ہوا کہ حشمت کی ضمانت ہوگئی اور ایس پی ذیشان اسے گرفتار نہیں کرسکے گا۔ لیکن دوسری طرف میرا نقصان ہورہا ہے۔ وہ پانچ لاکھ روپے میں اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرنے والی تھی۔ مگر اب حشمت کے والدین کہیں گے کہ ملک سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اتنی بڑی رقم واپس لے لیں گے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گی۔''

وہ جان بوجھ کر اس بریف کیس کو اپنے کلینک میں چھوڑ آئی تھی۔ فی الحال حشمت کے ممی ڈیڈی سے کوئی بات بنانا چاہتی تھی۔ اس کے بعد حشمت کو سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ ایسی کوئی تدبیر کرے جس سے وہ رقم واپس نہ کرنی پڑے۔

وہ کوٹھی تک پہنچ گئے۔ تراب علی نے بیٹے کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے پوچھا ''بیٹے! تم اچانک کیسے آگئے؟''

آرزو نے عزیزی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''انکل! یہ ہمارے محسن ہیں۔ انہوں نے کورٹ سے ضمانت

نامہ حاصل کیا ہے۔ یہ دیکھیں......"

آرزو نے وہ ضمانت نامہ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے لے کر پڑھنے لگا۔ پھر خوش ہو کر اسد عزیزی سے معانقے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا "مسٹر! ہم آپ کا احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔"

بیگم شاہ نے وہاں آ کر بیٹے کو دیکھا تو خوشی سے چیخ پڑی۔ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی اور خوشی سے رونے لگی۔ پھر اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر چومنے لگی۔

تراب علی نے عزیزی سے کہا "کیا آپ اپنا تعارف کرانا پسند کریں گے؟"

وہ سب مختلف صوفوں پر بیٹھ گئے تھے۔ عزیزی نے کہا "میرا نام اسد عزیزی ہے، میں دردانہ کا خادم ہوں۔ میں نے ان کے حکم سے ہی حشمت کی ضمانت حاصل کی ہے۔"

بیگم شاہ نے خوش ہو کر کہا "دردانہ نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں ابھی ان کا شکریہ ادا کروں گی۔"

عزیزی نے کہا "آپ لوگ میری باتیں ذرا توجہ سے سنیں اور ان پر عمل کریں۔ میں یہاں یہ کہنے آیا ہوں کہ حشمت کی ضمانت کے سلسلے میں دردانہ بیگم کا نام نہیں آنا چاہئے۔"

تراب علی نے پوچھا "آپ منع کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔ پھر وہ اپنا نام کیوں چھپانا چاہتی ہیں؟"

"انہوں نے کہا ہے کہ آپ اس سلسلے میں بحث نہ کریں۔ صرف ایک بات کا جواب دیں، انہوں نے آپ سے نیکی کی ہے، آپ کے بیٹے کو صحیح سلامت گھر پہنچایا ہے اور آئندہ وہ ایس پی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اس کے صلے میں کیا آپ ان کی اتنی سی بات نہیں مانیں گے؟"

تراب علی نے بیٹے اور اپنی بیگم کو دیکھا پھر کہا "ٹھیک ہے۔ اگر دردانہ بیگم یہی چاہتی ہیں تو ہم کسی کے سامنے ان کا نام نہیں لیں گے۔ اپنی طرف سے یہی کہیں گے کہ ہم نے اپنی کوششوں سے بیٹے کی ضمانت حاصل کی ہے۔"

بیگم شاہ نے پوچھا "ہم ان سے فون پر تو بات کر سکتے ہیں؟"

"ان سے آج شام کے بعد آپ باتیں کر سکیں گی۔ ابھی وہ کسی اور معاملے میں مصروف ہیں۔"

"جب انہوں نے ہمارے بیٹے کو اس مغرور ایس پی سے بچایا ہے تو اپنے بیٹے کو بھی رہا کرا لیا ہوگا؟"

عزیزی نے کہا "جی ہاں۔ رہا کرایا تھا۔ لیکن بہ[illegible] ٹریجڈی ہو گئی۔ کسی نے جواد کو قتل کر دیا ہے۔" [illegible] چونک کر اسے دیکھا۔ پھر حشمت نے پوچھا "اسے [illegible] کر سکتا ہے؟"

"اس معاملے کی تحقیقات ہو رہی ہیں۔ دردانہ بیگم پریشان ہیں۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ ابھی انہیں [illegible] نہ کریں۔ میرا خیال ہے، وہ خود ہی فون پر آپ سے [illegible] کریں گی۔"

اتنا کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "اب چلنا چاہئے۔"

تراب علی نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ کچھ ٹھنڈا تو پئیں۔ ہم باتوں میں ایسے الجھ گئے کہ آپ کی خاطر مدا[رات] بھی بھول گئے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں بہت مصروف رہتا ہوں۔ [اس] وقت بھی ذرا جلدی میں ہوں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ د[ردانہ] بیگم کے بیٹے کا مرڈر ہوا ہے اور ہم اس سلسلے میں کس [قدر] مصروف ہوں گے؟"

"بے شک میں سمجھ رہا ہوں۔ آیئے۔ میں آپ [کو باہر] تک چھوڑ آؤں۔"

وہ تراب علی کے ساتھ باہر چلا گیا۔ ماں نے بیٹے [کے سر] پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "خدا تمہیں ہمیشہ اپنے حفظ [و امان] میں رکھے۔ پتا نہیں جواد کو کس نے قتل کیا ہے؟"

"ممی یہ دردانہ بیگم بہت پہنچی ہوئی ہے۔ پتا نہیں کیسے بڑے لوگوں سے اس کے تعلقات ہیں؟ اور ان لوگوں میں کوئی اس کا دشمن بھی ہو سکتا ہے۔ وہ چین [سے نہیں] بیٹھے گی۔ اس قاتل کا سراغ لگا کر ہی رہے گی۔"

تراب علی واپس آ کر ایک صوفے پر بیٹھتے ہو[ئے بولا] "جواد کے قتل نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے بلکہ گھبراہ[ٹ میں] مبتلا کر دیا ہے۔"

بیگم شاہ نے پوچھا "آپ کیوں گھبرا رہے ہیں؟"

"بیگم! ایس پی ذیشان نے ہمیں فون پر دھمکی دی [تھی کہ اگر] ہم نے حشمت کو اس کے سامنے حاضر نہ کیا تو وہ بہ[ت برے] طرح پیش آئے گا۔ حشمت جہاں بھی چھپ کر رہے [گا وہ] اسے ڈھونڈ نکالے گا۔ جب پولیس والے اپنی ضد پر آ[تے ہیں تو] سے انتقام لیتے ہیں تو اس مجرم کو پولیس مقابلوں کے ذ[ریعے] ہلاک کر دیتے ہیں۔ ہمارے بیٹے کا بھی یہ حشر ہو سکتا [ہے۔"]

اس کی باتیں سن کر سب ہی چپ ہو گئے تھے۔ [بیگم شاہ] نے گھبرا کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "آ[پ ایسی باتیں کیوں]

[کر] رہے ہیں؟ کیوں میرا دل دہلا رہے ہیں؟ کیا آپ یہ [ک]ہنا چاہتے ہیں کہ ذیشان نے جواد کو قتل کیا ہے؟"

"اگر اس نے قتل نہیں کیا ہے تو کسی سے کرایا ہے۔"

حشمت نے کہا "اوہ ڈیڈ! ذیشان ایسا بھی تیس مار خان [ن]ہیں ہے کہ جسے چاہے گولی سے اڑا دے۔ میرا دل نہیں مانتا [ک]ہ اس نے ایسا کیا ہے۔"

"بیٹے! میں بھی یقین سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ جو بات [می]رے دل میں آ رہی ہے وہی زبان پر لا رہا ہوں۔ خدا کرے میرا خیال غلط ہو۔ خدا کرے، وہ تم سے دشمنی نہ کرے۔ ہم آج ہی کسی وکیل کی خدمات حاصل کریں گے۔ پھر اس کے ذریعے ذیشان کو اطلاع دیں گے کہ تمہاری ضمانت ہو چکی ہے۔ ہمیں قانونی طور پر ہر پہلو سے مضبوط رہنا چاہئے۔ میں ابھی یہ ضمانت نامہ لے کر کسی وکیل کے پاس جاؤں گا اور اس کی کئی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں کرا لوں گا۔"

بیگم شاہ نے کہا "میرا دل گھبرا رہا ہے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جواد کو کس نے قتل کیا ہے میں شام کو دردانہ سے فون پر بات کروں گی۔ اس سے پوچھوں گی کہ قاتل کا کچھ سراغ لگا یا نہیں؟"

"اگر قاتل کا سراغ لگ چکا ہوتا تو اسد عزیزی ابھی ہمیں بتا دیتا۔"

آرزو نے اپنی ہونے والی ساس کا ہاتھ تھام کر کہا "آنٹی! آپ کی طرح میرا بھی دل گھبرا رہا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ ضمانت حاصل کرنے کے بعد بھی حشمت یہاں رہیں۔ انہیں کچھ عرصے کے لئے ملک سے باہر چلے جانا چاہئے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں اپنے بیٹے کو یہاں نہیں رہنے دوں گی۔"

پھر اس نے اپنے شوہر سے پوچھا "کیوں جی! آپ کیا کہتے ہیں؟"

"ہاں۔ یہ یہاں سے چلا جائے تو بہتر ہے۔ ہمیں بھی اطمینان رہے گا کہ یہ ہم سے دور ہے لیکن جہاں بھی ہے محفوظ ہے۔"

آرزو خوش ہو گئی۔ اس کا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ وہ پانچ لاکھ روپے اس کے ہاتھوں سے پھسل رہے تھے لیکن اب وہ اس کے اکاؤنٹ میں پہنچنے والے تھے۔

☆☆☆

وکیل اخلاق احمد نے آ کر دیکھا۔ خاندان کے تمام افراد ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا بریف کیس میز پر رکھتے ہوئے عینی سے کہا "مجھے یہ سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ تم شادی کے لئے راضی ہو گئی ہو۔ شادی کے بعد ففٹی پرسنٹ کاروبار تمہارے ہاتھوں میں ہوگا۔ دولت اور جائیداد کے آدھے حصے پر بھی تمہیں پورا اختیار حاصل ہوگا۔"

فلک آفتاب نے کہا "اخلاق صاحب! آپ پہلی بار یہ کہہ رہے ہیں کہ عینی آدھے کاروبار اور آدھی جائیداد کی مالکہ ہوگی لیکن باقی آدھا حصہ کس کا ہوگا؟"

فلک ناز، بیگم آفتاب اور دردانہ بیگم نے ذرا بے چینی سے وکیل کو دیکھا وہ بولا "میں وصیت کا دوسرا حصہ سناؤں گا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔"

پھر وہ اپنا بریف کیس کھول کر اس میں سے ایک فائل نکالتے ہوئے بولے "مرحوم فلک سکندر حیات نے وصیت میں بھی لکھا ہے اور مجھے تاکید بھی کی تھی کہ جب تک عینی شادی کے قابل نہ ہو جائے اور راضی نہ ہو جائے اور کسی سے منسوب نہ ہو جائے، اس وقت تک وصیت کا دوسرا حصہ محفوظ رکھا جائے اور اسے کسی دوسرے کے علم میں نہ لایا جائے۔ میں اسے پڑھنے سے پہلے عینی سے پوچھنا چاہوں گا کہ اس نے اچانک ہی شادی کا فیصلہ کیسے کر لیا؟ آج شام منگنی کی رسم ادا کی جا رہی ہے۔ اتنی جلدی کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

ذیشان نے کہا "ہم اس کی پسند کے خلاف ہیں۔ یہ جس شخص کو اس گھر کا داماد بنانا چاہتی ہے وہ ہمارے معیار کا نہیں ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق وہ عادتاً فریبی ہے۔"

اخلاق احمد نے سوچتی ہوئی نظروں سے عینی کو دیکھا پھر پوچھا "بیٹی تم کیا کہتی ہو؟"

"اگر میں بزرگوں کی پسند کے مطابق کسی سے شادی کروں گی تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ عادتاً فریبی نہیں ہوگا؟ ہمارے بزرگوں کے قول کے مطابق ہر انسان اپنے چہرے کے پیچھے کئی چہرے چھپا کر رکھتا ہے اور ان پوشیدہ چہروں کو سمجھنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ بعد میں جا کر علم ہوتا ہے کہ ان کی اصلیت کیا ہے؟"

عروج نے کہا "اگر لڑکیاں بالغ ہونے کے بعد لائف پارٹنر کے انتخاب میں دھوکا کھا سکتی ہیں تو لڑکیوں کے بزرگ بھی دھوکا کھا سکتے ہیں اور جب دھوکا کھاتے ہیں تو خود کو شرمندگی سے بچانے کے لئے یہ بزرگ اپنی غلطی نہیں مانتے۔ یہی کہتے ہیں کہ لڑکی کا مقدر خراب تھا۔ عینی اپنی تقدیر سنوارنے کا حق رکھتی ہے۔"

ذیشان نے ناگواری سے کہا "تم ہمارے گھریلو معاملات میں نہ بولو۔"

عینی نے کہا ’’بے شک عروج کو ہمارے گھریلو معاملات میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اس وقت میرا ذاتی معاملہ زیر بحث ہے اور یہ میرے ہر معاملے میں بول سکتی ہے۔ میں اس کے علاوہ کسی اور کو اپنے ذاتی معاملات میں بولنے کا حق نہیں دوں گی۔‘‘

ذیشان نے کہا ’’جب تم اچھے برے کی تمیز سکھانے کا حق ہمیں نہیں دو گی تو پھر ہم یہاں بیٹھ کر کیا کریں؟‘‘

وہ کندھے اچکا کر بے پروائی سے بولی ’’یہ میں نہیں جانتی کہ آپ بیٹھیں گے یا چلے جائیں گے۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میرے بزرگ ضرور یہاں بیٹھے رہیں گے۔کیونکہ وصیت کا دوسرا حصہ سنایا جانے والا ہے۔‘‘

وہ سب ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ عینی کی منگنی اور شادی کا معاملہ بہت اہم تھا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم وصیت کا دوسرا حصہ تھا۔ جسے سننے کے لئے سب ہی بے تاب تھے۔

ذیشان نے کہا ’’میں خوا مخواہ تمہیں اپنا سمجھ کر غصہ دکھا رہا ہوں۔ لیکن اتنا بتا دو، اگر ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ پاشا جانی جھوٹا اور فریبی ہے اور تم سراسر دھوکا کھا رہی ہو تو کیا ثبوت اور گواہوں کی موجودگی میں بھی تم حقیقت سے انکار کرو گی؟‘‘

’’ثبوت اور گواہوں کی موجودگی میں کوئی بھی سچائی سے انکار نہیں کر سکتا، میں بھی نہیں کروں گی۔ لیکن منگنی کی رسم نہیں رکے گی اور آپ سب سن لیں کہ ٹھیک ایک ہفتے کے بعد میں شادی بھی کرنے والی ہوں۔ اگر آپ اپنے دعوے کو درست، ثابت کر دیں گے تو میں شادی سے انکار کر دوں گی۔‘‘

وکیل نے کہا ’’عینی کی بات معقول ہے۔ ایک تو وصیت کی رو سے یہ اپنی پسند سے شادی کرنے کا حق رکھتی ہے۔ پھر اس بات کو بھی تسلیم کر رہی ہے کہ اگر اس کے انتخاب کو غلط ثابت کر دیا گیا تو یہ اس شادی سے باز آ جائے گی۔ آج شام جو منگنی ہونے والی ہے اسے سچائی ثابت ہو جانے کے بعد توڑا بھی جا سکتا ہے۔‘‘

پھر اس نے عینی سے پوچھا ’’بیٹی اگر یہ منگنی کنفرم ہے تو میں یہ وصیت پڑھوں؟‘‘

’’جی انکل منگنی بالکل کنفرم ہے۔ ہم نے فون کے ذریعے پاشا جانی کو اطلاع دے دی ہے شام تک دوسرے رشتے داروں کو بھی مطلع کر دیا جائے گا۔ آپ سے بھی درخواست ہے ضرور شرکت کیجئے گا۔ آپ کے بغیر منگنی کی رسم ادا نہیں کی جائے گی۔‘‘

وکیل نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا ’’میرا خیال ہے۔ مجھے وصیت سنا دینی چاہئے۔ دن کے دو بج رہے ہیں آپ لوگوں کو دوسرے کام بھی نمٹانے ہوں گے۔‘‘

سب ہی وصیت سننے کے لئے بے چین ہو رہے تھے۔

وکیل نے چشمہ لگا کر فائل کو پڑھتے ہوئے کہا ’’اس وصیت کے پہلے حصے کے مطابق عینی کو کروڑوں روپے کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد مل چکی ہے۔ پانچ سو کروڑ روپے یہاں سے اوورسیز تک پھیلے ہوئے کاروبار میں گردش کر رہے ہیں۔ یہ کاروبار میری اور ایک نوجوان کی نگرانی میں جاری ہے اور جاری رہے گا۔ لیکن شادی کے بعد میں اس کاروبار کی ذمے داری سے بری الذمہ ہو جاؤں گا۔ عینی اپنے شوہر کے ساتھ اس کاروبار کو سنبھالنے کی ذمے داری قبول کرلے گی۔‘‘

عینی نے کہا ’’نہیں انکل! میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب بھی کہتی ہوں کہ میری شادی کے بعد بھی آپ اس کاروبار کے نگرانِ اعلیٰ رہیں گے۔ پاشا کو کاروبار کا تجربہ نہیں ہے۔ وہ آپ کی رہنمائی میں تجربات حاصل کرتے رہیں گے اور اپنی ذمے داریاں پوری کرتے رہیں گے۔‘‘

فلک آفتاب نے پوچھا ’’جناب اخلاق احمد صاحب! وہ نوجوان کون ہے جو آپ کے ساتھ اس کاروبار کو سنبھال رہا ہے؟ آج سے پہلے آپ نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا۔‘‘

اخلاق احمد نے کہا ’’اس سے پہلے میں نے وصیت کا دوسرا حصہ سنایا بھی نہیں تھا۔ اب چونکہ سنایا جا رہا ہے اس لئے اس نوجوان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اس وصیت کے مطابق اب وہ تین سو کروڑ روپے کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کا مالک ہے اور مرحوم فلک سکندر حیات کے کاروبار میں عینی کا ففٹی پرسنٹ کا حصے دار ہے۔‘‘

دردانہ بیگم، بیگم آفتاب، فلک آفتاب اور فلک ناز کی سانسیں اوپر کی اوپر رہ گئیں تھیں۔ یہ نیا انکشاف ہو رہا تھا کہ مرحوم کی دولت، جائیداد اور کاروبار میں عینی کا کوئی ففٹی پرسنٹ کا پارٹنر بھی ہے اور عینی سے بھی زیادہ دولت اور جائیداد کا مالک ہے۔

فلک آفتاب نے حیرانی سے پوچھا ’’آخر یہ نوجوان ہے کون؟ جسے میرے مرحوم بھائی نے آدھا کاروبار اور عینی سے زیادہ دولت سونپ دی ہے۔‘‘

وکیل اخلاق احمد نے باری باری ایک ایک کے چہرے کو دیکھا پھر کہا ’’آپ لوگوں کو یاد ہوگا کہ مرحوم نے عینی کی والدہ سے شادی کی تھی۔ لیکن شادی کے چھ برس گزر جانے کے بعد بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اس قدر پھیلے ہوئے کاروبار کے لئے ایک وارث بہت ضروری تھا۔ اس لئے مرحوم نے چھپ کر ایک اور شادی کی۔‘‘

سب نے ایک دم سے چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ بولا ’’میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اسی وصیت میں لکھا ہوا ہے۔ آپ ابھی باری باری اسے پڑھ سکیں گے۔ اس دوسری بیوی سے ایک بیٹے نے جنم لیا تھا۔ مرحوم اپنی پہلی بیوی کو بہت چاہتے تھے۔ انہیں دوسری شادی کی بات بتا کر ان کا دل نہیں توڑنا چاہتے تھے۔ اس لئے یہ شادی ہمیشہ راز میں رکھی۔ تین برس بعد ان کی پہلی بیوی بھی ماں بن گئیں، اور انہوں نے عینی کو جنم دیا۔‘‘

عینی نے عروج کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کے باپ نے اب تک جو راز داری برتی تھی، اسے اس سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا اور جو ہو چکا تھا اس سے ایک نئی دلچسپی پیدا ہو رہی تھی۔ وہ بولی ’’انکل! یہ سن کر حیرت بھی ہو رہی ہے اور مسرت بھی کہ میرے ایک بڑے بھائی ہیں۔‘‘

پھر وہ دردانہ بیگم کی طرف دیکھ کر بولی ’’مگر افسوس۔ میں ایک سوتیلے بھائی کا زخم کھا چکی ہوں اب نہ جانے میرے یہ دوسرے سوتیلے بھائی کیسے ہوں گے؟‘‘

اخلاق احمد نے کہا ’’میں تمہیں یقین دلاتا ہوں، وہ سگوں سے بھی بڑھ کر ہے، تمہیں بہت چاہتا ہے، اس کی دیانت داری کا ثبوت یہی ہے کہ اس نے بڑی ذہانت سے اور بڑی ایمانداری سے یہ کاروبار سنبھالا ہوا ہے۔ اتنا پھیلا ہوا بزنس ہے کہ میں پوری طرح توجہ نہیں دے سکتا۔ لیکن ہر سال آڈیٹر کی رپورٹ بتاتی ہے کہ وہ بڑی ایمانداری سے تمہارا حصہ ادا کرتا جا رہا ہے اور کوئی ہیرا پھیری نہیں کر رہا ہے۔‘‘

عینی نے خوش ہو کر کہا ’’میں ایسے سچے اور دیانتدار بھائی سے آج ہی ملنا چاہوں گی۔‘‘

’’ابھی وہ لندن میں ہے۔ جلد ہی آئے گا تو تم سے ملاقات ہوگی۔‘‘

فلک ناز، بیگم آفتاب اور دردانہ بیگم کو تو جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ وہ ان کی باتیں سن رہی تھیں لیکن چاہنے کے باوجود کچھ بول نہیں پا رہی تھیں۔ مخالفین میں ایک اور مخالف کا اضافہ ہو گیا تھا۔ دردانہ بیگم انتظار ہی کرتی رہ گئی تھی کہ شاید اس کے جواد کے بارے میں بھی وصیت میں کچھ لکھا ہو۔

فلک آفتاب نے پوچھا ’’اس نوجوان کا نام کیا ہے؟‘‘

’’وہ قسمت کا دھنی ہے۔ مقدر کا سکندر ہے، اس کا نام مقدر حیات ہے۔ فلک مقدر حیات۔‘‘

بیگم آفتاب کو یوں لگا جیسے مقدر حیات کے آنے سے اس کے مقدر کا ستارہ چمکنے والا ہے۔ بیگم آفتاب کی ایک جوان بیٹی نمرہ تھی۔ جو ذیشان اور بابر سے چھوٹی تھی۔ وہ بھی کبھی وہاں آتی تھی۔ ورنہ زیادہ تر لاہور اپنے ننھیال میں رہا کرتی تھی۔

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کے ذہن میں فوراً ہی یہ بات آئی کہ عینی کی طرف سے ناکام ہونے کے بعد ان کے لئے پھر دولت کے حصول کا ایک نیا راستہ کھل رہا ہے۔ نمرہ کی لاٹری نکل سکتی ہے۔

فلک ناز کے دماغ میں بھی یہ خیال بجلی کی طرح کوندا۔ اس کی بھی ایک جوان بیٹی تھی۔ جو بچپن ہی سے اپنی دادی اور دادا کے پاس پرورش پا رہی تھی۔ اس کا نام آسرا تھا اور وہ کہا

کرتی تھی" میں کسی پر آسرا نہیں کرتی۔ اپنا مقدر آپ بناتی ہوں۔"

فلک ناز نے فوراً ہی یہ سوال داغا۔" کیا مقدر حیات کی شادی ہو چکی ہے؟"

اخلاق احمد نے انکار میں سر ہلا کر کہا" وہ کہتا ہے، شادی کرے گا تو اپنے خاندان میں۔ اسی لئے وہ لندن سے یہاں آنے والا ہے۔"

سب ہی کے چہرے ایک دم سے کھل گئے وہ ایک دوسرے کو خوشی سے دیکھنے لگے۔ دیکھنے کا انداز ایسا تھا، جیسے وہاں بیٹھے نہ ہوں۔ ہواؤں میں اڑ رہے ہوں۔ اب وہ عینی کو بھول گئے تھے۔ اپنے جوان بیٹوں کو بھی بھول گئے تھے کہ ان میں سے کسی کو عینی سے منسوب کرنا ہے۔ اب تو وہ اپنی اپنی جوان بیٹیوں کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

بیگم آفتاب نے اخلاق احمد سے کہا" پلیز آپ مقدر حیات کا فون نمبر ہمیں دیں۔ میں ابھی اس سے باتیں کروں گی۔"

فلک ناز بھلا کیوں پیچھے رہتی جلدی سے بولی" اخلاق بھائی! آپ مجھے مقدر حیات کا مکمل ایڈریس لکھ کر دیں۔ میں کل ہی کی فلائٹ سے لندن جاؤں گی۔"

بیگم آفتاب نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر کہا" ناز! تم تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو جاتی ہو۔ تیز دوڑنے والے ہمیشہ منہ کے بل گرتے ہیں۔"

دردانہ بیگم نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر کہا" اب اس گھر میں ایک نئی رسہ کشی شروع ہوگی۔"

عروج اور عینی ان کی حالت پر مسکرا رہی تھیں۔ فلک آفتاب نے اپنی بیگم کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔" خاموش رہو۔ جب موقع ملتا ہے، آپس میں الجھنے لگتی ہو۔ ہمیں ابھی اخلاق صاحب سے بہت کچھ سننا ہے۔ بہت کچھ سمجھنا ہے۔"

ایسے ہی وقت عروج کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے نمبر پڑھا۔ پاشا کی کال تھی۔ اس نے اسے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے وہ بولا" ہیلو! تم کون ہو؟ عروج۔ یا عینی؟"

" میں عروج بول رہی ہوں۔ تم شام کو چھ بجے آ رہے ہو ناں؟"

" ہاں۔ آنا تو ہے۔ لیکن راستے میں دیواریں کھڑی ہو رہی ہیں۔"

" کیا مطلب؟"

" ابھی مجھ پر فائرنگ ہوئی ہے۔ اگر میں اپنی ٹیکسی میں نہ ہوتا تو شاید اس وقت اس دنیا میں نہ ہوتا۔"

عروج نے ایک دم سے پریشان ہو کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا:" اوہ نو۔ تم پر کون فائرنگ کر سکتا ہے؟"

یہ سنتے ہی عینی بھی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ وہ عروج سے فون چھین کر اپنے کان سے لگا کر بولی" ہیلو۔ میں عینی بول رہی ہوں۔ پاشا! یہ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"

جو ہو رہا تھا۔ مقدر سے ہو رہا تھا اور جو مقدر سے ہوتا ہے، وہ چھپتا نہیں ہے۔ سب کے سامنے آتا ہے۔ پاشا کے ساتھ جو ہو رہا تھا۔ وہ بھی آگے چل کر سب کے سامنے آنے والا تھا۔

اس وقت ذیشان نے چور نظروں سے دردانہ بیگم کی طرف دیکھا۔ وہ ایسی خاموش اور سنجیدہ بنی بیٹھی تھی، جیسے کچھ جانتی ہی نہ ہو۔ عروج گھور گھور کر کبھی ذیشان کو اور کبھی دردانہ کو دیکھ رہی تھی۔

میں یہ کہتا آ رہا ہوں کہ، مقدر ہوں، ہر انسان کے ساتھ جنم لیتا ہوں اور اسی کے ساتھ مر جاتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں ہر پیدا ہونے والے کا ہمزاد ہوں۔ وہ ہمزاد جو کسی کو نظر نہیں آتا۔ میرا کوئی ٹھوس جسمانی وجود نہیں ہے۔

نہیں ہے تو کیا ہوا؟

جو نہیں ہے وہ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ انہونی کو ہونی کر دیتا ہے۔ اس دنیا میں عجیب و غریب حیرت انگیز تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ ایک تماشا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے ایک انسانی جسم مل جائے۔ قدرت کے کارخانے میں ایسی چیز بھی تخلیق ہو جاتی ہے، جس کی انسان کبھی توقع نہیں کر سکتا۔ کوئی یقین کرے یا نہ کرے میں جسمانی طور پر پیدا ہو چکا ہوں۔ اور میرا نام ہے۔ مقدر حیات۔ فلک مقدر حیات......

میں کیا ہوں......؟
میں اک بازی گر ہوں۔
ہاتھوں کی لکیروں پر۔
تمہارا ہم سفر ہوں۔
تمہارا دوست بھی ہوں۔
اور دشمن بھی ہوں۔
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں۔
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں۔
مقدر ہوں۔ مقدر حیات۔
حیات کی دہلیز پر مقدر رکھ چکا ہوں۔"

یہ پچیس برس پہلے کا ذکر ہے۔ فلک سکندر حیات اولاد ے محروم تھا۔ شادی کو چھ برس ہو گئے تھے۔ یہ فکر لاحق تھی کہ تنے وسیع کاروبار، دولت اور جائیداد کو سنبھالنے والا وارث ہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ کیا اتنی محنت سے کمائی ہوئی دولت خود رض رشتے داروں میں تقسیم ہو جائے گی یا محکمۂ اوقاف میں لی جائے گی؟

وہ اپنی بیوی کو بہت چاہتا تھا۔ ایک سوکن لا کر اس کا دل ہیں دکھانا چاہتا تھا لیکن مجبور ہو گیا تھا۔ ایک وارث نہایت رروری تھا۔ آخر اس نے دوسری شادی چھپ کر کی اور یہ طے کرلیا کہ وہ کبھی اس شادی کا ذکر اپنی بیوی اور دوسرے رشتے داروں سے نہیں کرے گا۔ اس دوسری بیوی نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔

سکندر حیات نے خوش ہو کر بیوی سے کہا" یہ بیٹا مجھے تقدیر سے ملا ہے۔ اس لیے میں اس کا نام مقدر حیات رکھتا ہوں......"

مقدر نام رکھنے سے مقدر مہربان نہیں ہوتا۔ وہ بچہ پیدائش کے دن سے ہی کمزور تھا۔ اکثر بیمار رہتا تھا۔ خوب صورت اور ذہین ہونے کے باوجود ہمیشہ مسئلہ بنا رہتا تھا۔ بڑے بڑے مہنگے ڈاکٹر اس کا علاج کرتے تھے۔ علاج اور دواؤں میں لاکھوں روپے خرچ ہوتے رہتے تھے۔ وہ اتنا ذہین تھا کہ اس نے بارہ برس کی عمر میں ہی دس جماعتیں پاس کرلی تھیں۔ بہت ہی حاضر دماغ تھا۔ یادداشت بھی غیر معمولی طور پر مستحکم تھی۔ اردو، عربی، انگریزی اور فارسی زبانوں کو پڑھ کر سمجھتا رہتا تھا پھر رفتہ رفتہ روانی سے بولنے بھی لگا تھا۔

اتنا باصلاحیت ہونے کے باوجود بیماریوں کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔ روز ہی کوئی نہ کوئی بیماری آ کر اسے دبوچ لیا کرتی تھی۔ جب وہ بیس برس کا ہوا تو میڈیکل رپورٹ کے ذریعے معلوم ہوا کہ اسے برین کینسر ہے۔

ماں تو یہ سنتے ہی صدمے سے مر گئی۔ باپ اسے لاہور والی کوٹھی میں لے آیا۔ دوائیں بے اثر ہو گئی تھیں۔ ایسے میں صرف دعاؤں کا ہی سہارا ہوتا ہے، جب انسان ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو پھر اسے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے۔

فلک سکندر حیات ساری زندگی دولت کمانے کی دھن میں لگا رہا تھا۔ بے انتہا مصروفیات کے باعث کبھی عید کی نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی نبض ڈوبنے لگی تو اسے خدا یاد آیا۔

وہ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھنے لگا۔ مسجدوں اور دینی درس گاہوں میں لاکھوں روپے زکوۃ اور عطیے کے طور پر دینے لگا۔ اس نے رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر اپنے ایک خاص ڈاکٹر سے کہا" میں مقدر حیات کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ جب تک اس کی سانسیں چل رہی ہیں، تب تک اس کی دیکھ بھال کرتے رہو۔ میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا رہوں گا۔"

وہ داتا دربار میں آیا، وہاں دوزانو ہو کر سر جھکا کر بڑی عاجزی سے بولا" میں حضرت داتا گنج بخش کے وسیلے سے دعا مانگتا ہوں۔ مجھے نماز پڑھنی آتی ہے لیکن کبھی نہیں پڑھی۔ میں روزہ رکھ سکتا ہوں، لیکن نہیں رکھتا۔ کل پہلا روزہ ہے۔ میں کل سے تیس روزوں تک یہاں رہوں گا، روزے رکھوں گا اور پانچوں وقت کی نمازیں پڑھوں گا۔ مسلسل عبادت میں مصروف رہوں گا۔ اس کے عوض بس ایک چھوٹی سی التجا کروں گا کہ میرے بیٹے کو زندگی دے دے، اسے بیماریوں سے نجات دلا میرے مالک! اسے شفائے کلی عطا فرما! میں اس لمحے سے زندگی کی آخری سانس تک عبادت میں مصروف رہوں گا۔ میرا بیٹا بہت ذہین ہے۔ اگر تو نے اسے زندگی اور صحت دی تو میں کاروبار اس کے حوالے کر کے صرف داتا صاحب کے در کا بھکاری بن کر رہوں گا اور یہیں ساری زندگی گزار دوں گا۔"

وہ داتا دربار کے فرش پر دوزانو بیٹھا ہوا تھا۔ صدقِ دل سے روزے نماز کی نیت کر رہا تھا اور پاک پروردگار تو نیتوں کا حال جانتا ہے۔ وہ انتظار نہیں کرتا کہ بندہ نماز پڑھے گا، روزے رکھے گا، دعائیں مانگے گا تو وہ اس کی دعا قبول کرے گا۔ وہ تو دعائیں مانگنے سے پہلے ہی دنیا جہان کی نعمتیں عطا کرتا رہتا ہے۔

وہ معبود ہمارے روزے نماز یا عبادتوں کا محتاج نہیں ہے، ہم بندے ہی اس کے محتاج ہیں۔ نماز اور روزوں کا حکم اس لیے ہے کہ ہم تہذیبی اور اخلاقی زندگی دینی اصولوں کے مطابق گزاریں۔ ہماری زندگی میں نیکی، شرافت، ایمان داری اور دیانت داری ایک حسنِ ترتیب کے ساتھ رہے۔

جن لمحات میں فلک سکندر حیات صدقِ دل سے دعاؤں میں مصروف تھا، ان ہی لمحات میں اس کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ باہر موسلا دھار بارش تھی۔ طوفانی ہوائیں چل رہی تھیں۔ بادل گرج رہے تھے۔ بجلیاں کڑک رہی تھیں اور مقدر حیات بسترِ مرگ پر پڑا ہوا تھا۔

وہ موت کا بستر تھا، اسے زندگی کی طرف واپس نہیں آنا تھا۔ اس کی ہتھیلی پر زندگی کی جو لکیر تھی وہ بجھ رہی تھی لیکن بجھتے

بجھتے اس کو جوت ملنے لگی۔ ہتھیلی کی سطح پر جو لکیر ڈوب گئی تھی۔ وہ ابھرنے لگی۔ مقدر سانس لینے لگا اور اس طرح میرا جنم ہونے لگا۔

وہ مقدر حیات جس نے بیس برس پہلے جنم لیا تھا، جو فلک سکندر حیات کا بیٹا تھا، اس کی طبعی عمر کے مطابق زندگی تمام ہو چکی تھی۔ جہاں سے وہ ڈوبتا چلا گیا تھا، وہاں سے میں ابھرتا چلا آیا تھا۔

انسان کے ساتھ اس کا مقدر جیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی مر جاتا ہے۔ لہٰذا جب میں جی رہا تھا تو میرے ساتھ وہی مقدر حیات زندگی پا رہا تھا لیکن اب وہ تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں۔ اس کے جسم و جاں میں۔ اس کی رگوں کے اندر دوڑتے ہوئے لہو میں صرف میں ہی میں تھا۔

اور جہاں مقدر ہوتا ہے، وہاں دکھ بیماریاں نہیں ہوتیں۔ لہٰذا اب نہ برین کینسر تھا اور نہ ہی کوئی اور بیماری۔ صحت مندی اور تندرستی انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی تھی۔ میں دونوں ہاتھوں سے اپنے جسم کو چھو کر دیکھنے لگا۔ یقین کرنے لگا کہ اب میرا ایک انسانی وجود ہے۔

میں بیڈ سے اتر کر ایک قد آدم آئینے کے سامنے آیا، خود کو مختلف زاویوں سے دیکھنے لگا۔ پہلے اس جسم کو کوئی اور اس آئینے میں دیکھا کرتا تھا۔ آج میں دیکھ رہا تھا۔ شکل و صورت وہی تھی، جسم وہی تھا۔ اتنی تبدیلی ہوئی تھی کہ برین کینسر کے مریض کا مقدر سراپا انسانی ہو گیا تھا۔

کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں فوراً ہی بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ ہمارا فیملی ڈاکٹر دروازہ کھول کر ایک نرس کے ساتھ اندر آیا۔ میں یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اچانک ہی حیرت انگیز طور پر میں صحت مند ہو چکا ہوں۔ ڈاکٹر نے خود ہی معائنہ کرنے کے دوران مجھے دیکھ کر کہا ”آج تو تمہارے چہرے پر بڑی رونق ہے۔ لگتا ہی نہیں ہے کہ بیمار ہو۔“

میں مسکرا کر رہ گیا۔ یوں رفتہ رفتہ دن گزرنے لگے۔ میرا طبی معائنہ ہوتا رہا اور میڈیکل رپورٹ کہتی رہی کہ میں حیرت انگیز طور پر صحت مند ہو رہا ہوں پھر میری برین اسکیننگ ہوئی تو بڑے بڑے ڈاکٹر حیران رہ گئے۔ کہنے لگے ”یہ تو معجزہ ہو رہا ہے۔ برین میں کینسر کے آثار نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اگر موجودہ دوائیں جاری رکھی گئیں تو کینسر کا نام تک نہیں رہے گا۔“

میرے ڈیڈی زیادہ سے زیادہ وقت داتا دربار میں گزارتے تھے۔ چوبیس گھنٹوں میں دو بار گھر آیا کرتے تھے اور مجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ ایک ماہ بعد ہی میں ہیلتھ کلب جانے لگا۔ صبح سے شام تک ڈیڈی کے کاروبار میں دلچسپی لینے لگا۔

میں مقدر ہوں، یہ جانتا ہوں کہ کس حال سے گزر رہا ہوں اور مجھے کیسے مستقبل کی طرف جانا ہے میں اپنی ذات میں ایک ایسا نجومی تھا، جسے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ڈیڈی کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں چند ماہ میں کاروبار کے وہ تمام گر سیکھ لوں گا، جنہیں بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں۔

میں کاروبار کو اتنی ذہانت سے سنبھال رہا تھا کہ ڈیڈی مطمئن ہو گئے تھے اور گوشہ نشین رہ کر صرف عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ دو برس بعد وہ میرے اور عینی کے نام تمام دولت و جائداد اور کاروبار لکھ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ان کے انتقال کے بعد وکیل اخلاق احمد نے مجھ سے کہا ”مرحوم کی وصیت کے مطابق تمہیں اب بھی اپنے خاندان والوں سے دور رہنا ہوگا۔ تمہارے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا ہے۔ جب عینی شادی کرنا چاہے گی اور کسی سے اس کا رشتہ طے ہوگا تو اس روز میں انہیں وصیت کا دوسرا حصہ پڑھ کر سناؤں گا اور تمہارے بارے میں انکشاف کروں گا۔“

ڈیڈی کے انتقال کے تقریباً ڈیڑھ برس بعد عینی نے سلامت پاشا عرف پاشا جانی کو اپنا لائف پارٹنر بنانے کا فیصلہ کیا تو وکیل اخلاق احمد نے ڈیڈی کی وصیت کا دوسرا حصہ انہیں سنا دیا اور یہ بتا دیا کہ میں جلد ہی اپنی بہن عینی سے اور تمام دوسرے رشتے داروں سے ملنے کے لیے آنے والا ہوں۔ میرا ذکر سننے کے بعد سب ہی مجھے دیکھنے اور مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے بے چین ہو گئے تھے۔ اخلاق احمد نے یہی بتایا تھا کہ میں لندن میں ہوں۔ جبکہ میں لاہور آ چکا تھا۔

میں اکثر اپنے کاروبار کے سلسلے میں کراچی، اسلام آباد اور لاہور آتا جاتا رہتا ہوں۔ میں نے عینی کو اور دوسرے تمام رشتے داروں کو دور ہی دور سے دیکھا ہے۔ لاہور میں تو نمرہ کو دیکھتا ہی رہتا ہوں۔

اسے دیکھتے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر کچھ بات ہے۔ میرے دل سے پوچھا جائے تو یہ دھڑک کر کہے گا ”اس کے اندر کچھ نہیں۔ بہت کچھ ہے۔ وہ بہت ہی حسین اور دل نشین ہے۔ اداؤں سے بھرپور ہے۔ وہ منہ پھیر کر بیٹھتی ہے تو دل بیٹھنے لگتا ہے۔ اٹھتی ہے تو انگڑائی کی اٹھان پر آ جاتی ہے، چلتی ہے تو لگتا ہے، قیامت کی چال چل رہی ہے اور بولتی ہے تو کانوں میں رس گھولنے لگتی ہے۔ وہ میرے

[دل پر چھا گئی] اس پر چھا گئی ہے۔ لہٰذا پہلے میں اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کروں گا۔ کچھ ابتدائی ملاقاتیں ہوں گی، اس کے بعد میں عینی اور اس کے بزرگوں سے ملنے جاؤں گا۔“

☆☆☆

ڈرائنگ روم میں خاندان کے تمام افراد موجود تھے۔ وکیل اخلاق احمد مرحوم فلک سکندر حیات کی وصیت کا دوسرا حصہ سنا چکا تھا اور میرے بارے میں بتا چکا تھا کہ میں کون ہوں، کیا ہوں اور جلد ہی وہاں آنے والا ہوں۔ بیگم آفتاب، فلک ناز اور فلک آفتاب کو اس بات سے گہری دلچسپی تھی کہ میں کنوارہ ہوں۔

اور ایسے ہی وقت پاشا جانی نے فون پر عروج اور عینی کو بتایا کہ اس کے راستے میں دیواریں کھڑی کی جا رہی ہیں۔ کچھ نادیدہ افراد نے فائرنگ کی ہے اور وہ ان سے بچتا پھر رہا ہے۔

عروج نے ایک دم سے پریشان ہو کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ”او نو! تم پر کون فائرنگ کر سکتا ہے؟“

یہ سنتے ہی عینی بھی کھڑی ہو گئی۔ اس سے فون چھین کر اپنے کان سے لگا کر بولی ”ہیلو...... میں عینی بول رہی ہوں۔ پاشا! یہ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟“

ایسے وقت عروج گھور گھور کر کبھی ذیشان کو اور کبھی دردانہ بیگم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں بھی ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پاشا نے کہا ”میں کسی محفوظ جگہ پہنچنے کے بعد فون کروں گا۔ اپنا موبائل آن رکھو۔ خدا حافظ......“

عینی فون بند کر کے عروج سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔ وہ پریشان ہو کر بولی ”ارے...... کیا ہوا، کیوں رو رہی ہے؟ وہ خیریت سے تو ہے؟“

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا ”وہ کہیں چھپتا پھر رہا ہے۔ کسی محفوظ جگہ پہنچنے کے بعد ہم سے رابطہ کرے گا۔“

اخلاق احمد نے کہا ”اس نے کچھ تو بتایا ہوگا، کون اس پر فائرنگ کر رہا ہے؟“

”فائرنگ کرنے والے کہیں اِدھر اُدھر چھپے ہوئے تھے۔ وہ انہیں دیکھ نہیں سکتے ہیں۔ ابھی کچھ دیر بعد فون کر کے تفصیل سے باتیں کریں گے۔“

عروج نے اخلاق احمد سے کہا ”انکل! اب آپ ایک نیا مقدمہ لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس سلسلے میں میرا اور عینی کا بیان یہ ہوگا کہ پاشا سے دشمنی رکھنے والے اسے آج ہی جان سے مار ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ وہ منگنی کی رسم ادا کرنے کے لیے یہاں نہ آ سکے۔“

فلک آفتاب نے کہا ”عروج! تم یہاں ہمارے درمیان خوامخواہ آگ لگا رہی ہو۔ صاف صاف کہو، کیا کہنا چاہتی ہو؟ یہاں ہم پاشا کی مخالفت کر رہے ہیں، اسے داماد نہیں بنانا چاہتے ہیں مگر مخالفت کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اس کے جانی دشمن بن گئے ہیں۔“

عینی نے کہا ”چچا جان! ہم آپ کو الزام نہیں دے رہے ہیں لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ آج سے پہلے پاشا سے کسی نے ایسی دشمنی نہیں کی۔ کسی نے اس پر گولی نہیں چلائی پھر آج ہی ایسا کیوں ہو رہا ہے؟“

ذیشان نے کہا ”وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ اس کے کتنے ہی دوست اور کتنے ہی دشمن ہو سکتے ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ تم اس کے تمام دوستوں اور دشمنوں کو جانتی ہو۔ اگر تم ہم میں سے کسی پر شبہ کر رہی ہو تو صاف صاف کہہ دو۔“

”آپ ہمیں صاف صاف بتائیں کہ وکیل انکل کے آنے سے پہلے آپ دردانہ آنٹی کو یہاں سے دوسرے کمرے میں لے گئے تھے، آپ دونوں وہاں بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ میں پوچھتی ہوں، محفل سے اٹھ کر، چپکے سے رازداری کی باتیں کرنا خلافِ تہذیب نہیں ہے؟ وہاں ضرور ہماری مخالفت میں باتیں ہوئی ہیں جو اب تک ہم سے چھپائی جا رہی ہیں۔“

دردانہ بیگم نے کہا ”ہم نے تمہاری مخالفت میں کوئی بات نہیں کی ہے۔ مجھے اپنے بیٹے کی ہلاکت کا صدمہ ہے۔ میں اندر سے ٹوٹ رہی ہوں۔ میں ذیشان سے کہہ رہی تھی کہ یہ جلد از جلد میرے جواد کے قاتلوں کا سراغ لگائے۔“

اخلاق احمد نے کہا ”آپ یہ باتیں یہاں بھی کر سکتی تھیں۔ الگ کمرے میں جا کر کہنے کی کیا ضرورت تھی؟“

دردانہ بیگم ایک ذرا گڑبڑائی پھر بولی ”دیکھیں! کچھ ایسی ذاتی باتیں ہوتی ہیں جو سب کے سامنے نہیں کی جاتیں۔ میں کہنا نہیں چاہتی تھی لیکن اب کہہ رہی ہوں، عروج کا بھائی حشمت عینی کے ساتھ اپنی ذلالت دکھانے کے بعد چھپتا پھر رہا ہے اور ذیشان اسے گرفتار کرنا چاہتا ہے لیکن اچانک پتا چلا کہ اس کی ضمانت ہو گئی ہے۔ اب یہ اسے گرفتار نہیں کر سکے گا۔ ذیشان کو شبہ ہے کہ میں نے اس کی ضمانت لی ہے۔ ہم دوسرے کمرے میں اسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ میں یقین دلا رہی تھی کہ میں نے حشمت کی ضمانت نہیں لی ہے۔ مجھے اس سے کوئی لگاؤ، کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

پھر وہ عروج کو بڑی حقارت سے دیکھتے ہوئے بولی ”جس کی بہن مجھے دشمن سمجھتی ہے، میں اس کے بھائی سے

کیوں ہمدردی کروں گی؟"

ذیشان نے وکیل سے کہا "جب دلوں میں میل آ جائے تو اپنے بھی میلے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ عینی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ اس خاندان میں سب سے زیادہ مجھ پر ہی اعتماد کرتی ہے لیکن آج میری مخالفت صرف اس لیے کر رہی ہے کہ میں نے پاشا کی مخالفت کی ہے۔ جبکہ یہ مخالفت اسی کی بہتری کے لیے ہے۔ خدا نے چاہا تو میں جلد ہی یہ ثابت کر دوں گا کہ پاشا جھوٹا اور فراڈ ہے۔ تب ہی اسے یقین آئے گا کہ میں اس کا سچا محبت کرنے والا بھائی ہوں۔"

عینی وہاں بیٹھے ہوئے دھندلے دھندلے سے افراد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے مجبور تھی۔ ایسے وقت فون کا بزر بولنے لگا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگا کر کہا "ہیلو...... پاشا! تم ہو؟"

"ہاں...... میں ہوں۔ محفوظ جگہ پہنچ گیا ہوں۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"دیکھو! اگر وہ جگہ محفوظ ہے تو وہیں رہنا، وہاں سے بالکل نہ نکلنا۔ تمہیں کچھ تو اندازہ ہوگا کہ کون تم سے دشمنی کر رہا ہے؟"

اس نے کہا "ہاں...... یقین کی حد تک اندازہ کر رہا ہوں، فائرنگ سے ایک گھنٹا پہلے کسی نے فون پر مجھ سے کہا تھا کہ میں نے پولیس والوں سے پنگا لے کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ اگر زندگی چاہتے ہو تو جس راستے پر چل رہے ہو، وہاں سے لوٹ آؤ۔"

عینی نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے ذیشان کو گھورا پھر کہا "پاشا! جسٹ اے منٹ۔ یہی بات پھر دہراؤ میں وکیل انکل کو یہ بات سنانا چاہتی ہوں۔"

اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اخلاق احمد کو فون دیتے ہوئے کہا "آپ پاشا کی باتیں سنیں۔"

وہ فون کان سے لگا کر بولا "ہیلو...... میں بیرسٹر اخلاق احمد بول رہا ہوں۔ مجھے بتاؤ، کیا ہو رہا ہے؟"

وہ بولا "جناب اخلاق صاحب! ابھی کچھ دیر پہلے مجھ پر فائرنگ ہوئی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ دشمن کون تھے؟ میں ٹیکسی کے اندر تھا۔ اس لیے محفوظ رہا پھر وہاں سے فرار ہو گیا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں ایک جگہ آ کر چھپا ہوا ہوں۔"

"یہ بتاؤ! تمہیں کس پر شبہ ہے؟"

"فائرنگ سے ایک گھنٹا پہلے کسی نے مجھ سے فون پر کہا تھا کہ میں نے پولیس والوں سے پنگا لے کر اپنی موت کو دعوت دی ہے، اگر زندگی عزیز ہے تو اس راستے سے لوٹ جاؤ۔ اس کے بعد ہی رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔ میں ہیلو...... ہیلو کہہ کر چیختا رہا، پوچھتا رہا، لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے ری کال کی تو کسی نے فون ریسیو ہی نہیں کیا۔"

اخلاق احمد نے کہا "لیکن دشمنی کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیے۔ آخر پولیس والے تم سے دشمنی کیوں کریں گے؟"

پولیس کا ذکر سنتے ہی سب نے چونک کر ذیشان کو دیکھا۔ وہ بھی حیرت زدہ تھا۔ پاشا نے فون پر کہا "میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ آپ یہ سوال ایس پی ذیشان سے کریں۔"

اخلاق احمد نے ذیشان کو دیکھتے ہوئے کہا "فائرنگ سے پہلے پاشا کو کسی نے فون پر کہا تھا کہ پولیس والوں سے پنگا لینے کا مطلب موت کو دعوت دینا ہے اور اس کال کے بعد ہی اس پر فائرنگ ہوئی ہے۔ پاشا آپ پر شبہ ظاہر کر رہا ہے۔"

عروج نے کہا "اور میں بھی یقین کی حد تک شبہ کر رہی ہوں۔"

ذیشان اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ دھاڑتے ہوئے بولا "بکواس مت کرو۔ عروج! میں عینی کی وجہ سے تمہارا بہت لحاظ کر رہا ہوں۔ ورنہ ابھی دھکے دے کر یہاں سے نکال دیتا۔"

عینی نے کہا "بھائی جان! ذرا ہوش میں رہ کر بات کریں۔ یہ میرا گھر ہے۔ آپ اسے یہاں سے نہیں نکال سکیں گے۔ جب سچائی سامنے آ رہی ہے تو آپ غصہ کیوں دکھا رہے ہیں؟"

دردانہ بیگم یہ ساری باتیں سن رہی تھی اور اندر ہی اندر مسکرا رہی تھی۔ یہ فون اسی نے اپنے آدمیوں کے ذریعے کرایا تھا اور پولیس والوں کا حوالہ دے کر پاشا کو دھمکی دی تھی۔ اب یہ تدبیر بڑی کارگر ثابت ہو رہی تھی۔ ان سب کے درمیان آپس میں ہی پھوٹ پڑ گئی تھی اور وہ سب ہی ایک دوسرے کو دشمن سمجھ رہے تھے۔

ایسے وقت فلک آفتاب، بیگم آفتاب اور فلک ناز خاموش بیٹھے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ ان کے لیے یہ اطمینان کی بات تھی کہ موت پاشا کا پیچھا کر رہی ہے، آج شام کو منگنی نہیں ہو سکے گی۔ وہ اس سے منسوب نہیں ہو سکے گی۔

دوسری طرف سے پاشا نے فون پر کہا "جناب وکیل صاحب! یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آ رہی ہے کہ میری اور عینی کی منگنی کو روکنے کے لیے ایسا کیا جا رہا ہے لیکن میں بزدل اور کمزور نہیں ہوں۔ میں آج شام ضرور عینی کو منگنی کی انگوٹھی پہنانے آؤں گا پلیز عینی اور عروج سے میری بات کرائیں۔"

اخلاق احمد نے عینی کو فون دیتے ہوئے کہا "پاشا کہہ رہا ہے کہ اس کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں تاکہ یہ منگنی نہ ہو سکے لیکن آج شام وہ ہر حال میں تمہیں منگنی کی انگوٹھی پہنانے آئے گا۔"

عینی فخر سے تن گئی۔ خوش ہو کر عروج کو دیکھنے لگی۔ اس نے کہا "فون مجھے دو۔ میں پاشا سے ایک ضروری فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔"

عینی نے اسے فون دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی "پاشا! آج شام عینی تم سے ضرور منسوب ہوگی لیکن تم یہاں نہیں آؤ گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ تم کوئی خطرہ مول لو۔ تمہاری جان ہمارے لیے قیمتی ہے۔"

اس نے پوچھا "اگر میں نہیں آؤں گا تو وہ مجھ سے کس طرح منسوب ہوگی؟"

"جب حالات مجبور کرتے ہیں تو نئے راستے خود بہ خود سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ ٹیلی فون کے ذریعے نکاح پڑھایا جاتا ہے؟ تم کسی عالم دین سے رجوع کر کے معلوم کر سکتے ہو۔ آج شام منگنی نہیں ہوگی بلکہ تمہارا اور عینی کا نکاح پڑھایا جائے گا۔"

اس کی یہ بات دھماکے کی طرح سب کے دماغوں تک پہنچی۔ وہ سب چونک کر عروج کو اور عینی کو دیکھنے لگے۔ فلک آفتاب نے غصے سے کہا "عروج! اپنی اوقات میں رہو۔ ہم بڑوں کی موجودگی میں تم کون ہوتی ہو ہماری بیٹی کے نکاح کا فیصلہ کرنے والی......؟"

عینی نے کہا "بڑے ابو! آپ ناراض نہ ہوں۔ یہ میرے دل کی بات کہہ رہی ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "بیٹی! یہ سراسر نادانی ہے۔ شادی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہوتا کہ بیٹھے بٹھائے نکاح پڑھا لیا۔"

وہ بولی "دشمن ہمیں ایسا گڑیا گڈے کا کھیل کھیلنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ اب میں جیوں گی تو پاشا کی سہاگن بن کر۔ خدانخواستہ دشمن کامیاب ہوں گے تو میں بیوہ بن کر جیوں گی...... لیکن پاشا کے نام سے ہی زندگی گزاروں گی۔"

فلک ناز نے کہا "اخلاق بھائی! آپ اس کے وکیل ہیں، یہ آپ کی باتیں مانتی ہے، آپ اسے سمجھائیں۔"

اخلاق احمد نے کہا "میں کیا سمجھاؤں؟ حالات موافق نہیں ہیں، ایسے وقت شادی بیاہ کی بات ذہن میں نہیں لانا چاہیے لیکن عینی کو حالات مجبور کر رہے ہیں۔ میں نے بھی اسی شرط پر وصیت کا دوسرا حصہ سنایا ہے کہ آج عینی کسی سے منسوب ہو جائے گی۔ لہٰذا میرے اصولوں کے مطابق آج اسے پاشا سے منسوب ہو جانا چاہیے۔ خواہ یہ منگنی کرے یا نکاح پڑھوائے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اس وقت میں جا رہا ہوں۔ شام چھ بجے یہاں آ جاؤں گا۔"

وہ اٹھ کر جانے لگا۔ عروج نے کہا "انکل! آپ سے گزارش ہے، آپ عینی کو بیٹی کی طرح چاہتے ہیں۔ اب تک اس کی دولت و جائداد کی نگرانی کرتے چلے آئے ہیں۔ ہر اچھے برے وقت میں اس کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔ آج اس کی زندگی کا بہت اہم دن ہے، یہ نکاح پڑھوانے والی ہے۔ آپ اپنا ایک فرض ادا کریں۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولی "جب آپ شام کے وقت یہاں آئیں تو قاضی صاحب کو ساتھ لائیے گا۔"

بیگم آفتاب، فلک ناز، دردانہ بیگم اور ذیشان خوں خوار نظروں سے اس غیر لڑکی کو بڑھ چڑھ کر بولتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ہر ایک کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اسے دھکے دے کر کوٹھی سے نکال دے۔ وہ ایسا سوچ تو سکتے تھے مگر کر نہیں سکتے تھے۔ اخلاق احمد نے کہا "ٹھیک ہے۔ میں نکاح کے تمام انتظامات کر کے آؤں گا۔"

اس دوران میں عینی فون کو کان سے لگائے ہوئے تھی اور دھیرے دھیرے وہاں کے حالات بتا رہی تھی۔ دوسری طرف پاشا وہاں کی تفصیلات سن رہا تھا۔ جب وکیل وہاں سے چلا گیا تو عروج نے فون لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "تم جہاں چھپے ہوئے ہو، وہیں رہو۔ تم اور عینی فون پر نکاح قبول کرو گے۔"

وہ بولا "تم فکر نہ کرو۔ میں اپنی حفاظت خود کرتا رہوں گا۔ عروج...... میری جان! تم بہت دل والی ہو، کتنی محبت سے مجھے اور عینی کو منسوب کر رہی ہو؟ آئی لو یو مائی سویٹ ہارٹ......!"

عروج نے ایک ذرا جھجک کر آس پاس بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھا پھر فون پر کہا "اچھا...... اب میں فون بند کر رہی ہوں۔ تم تھوڑی تھوڑی دیر بعد فون کر کے ہمیں اپنی خیریت سے آگاہ کرتے رہو۔"

عینی نے کہا "مجھے تو بات کرنے دو......"

عروج نے فون بند کرتے ہوئے کہا "ہرگز نہیں۔ تم اس کی ہونے والی دلہن ہو، جب تک نکاح نہیں پڑھایا جاتا اور وہ دولہا کی حیثیت سے تمہارے سامنے نہیں آتا، تب تک تم اس سے بات نہیں کرو گی۔"

عینی بڑی محبت سے اسے دیکھ رہی تھی، پھر خوش ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ فلک ناز نے فلک آفتاب سے کہا ''بھائی جان! یہ کہاوت درست ہے۔ میاں بیوی راضی، تو کیا کرے گا قاضی۔ عینی راضی ہے، پھر وکیل صاحب بھی اس کی حمایت کر رہے ہیں۔ تو ہم بھی کیوں نہ اس کی خوشی میں خوش رہیں؟''

فلک آفتاب نے کہا ''میں کب ناخوش ہوں؟ یہ ہماری بیٹی ہے۔ ہمیں ہر حال میں اس کی خوشی عزیز ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''صرف اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ شام کو اس کا نکاح پڑھایا جائے گا، جتنے رشتے داروں کو انہوں نے فون کیا ہے ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنا چاہیے۔ آپ یہاں بیٹھ کر صرف باتیں کرتے رہیں گے تو یہ تمام انتظامات کون کرے گا؟''

دردانہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا ''میں تو عینی کی ماں ہو کر بھی ماں نہیں سمجھی جا رہی ہوں۔ مجھے دشمن سمجھا جا رہا ہے۔ لہٰذا مجھے چلے جانا چاہیے۔''

عینی نے کہا ''اگر ہم آپ کو دشمن سمجھ رہے ہیں تو آپ تو بیٹی کو دشمن نہ سمجھیں، اس کی خوشی میں شریک رہیں۔''

''سوری۔ تم یہ بھول رہی ہو کہ کل ہی میرا جوان بیٹا مجھے عمر بھر کا صدمہ دے کر اس دنیا سے جا چکا ہے، اپنے اس غم کے پیشِ نظر میں کسی خوشی میں شریک نہیں ہو سکتی۔''

وہ پلٹ کر جانے لگی۔ ذیشان نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ''چلیں میں آپ کو باہر تک چھوڑ دوں۔''

وہ دونوں وہاں سے چلتے ہوئے باہر آئے۔ ذیشان نے دھیمی آواز میں کہا ''آنٹی! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا......''

وہ انجان بن کر بولی ''میں نے کیا کیا ہے؟''

''آپ کے آدمیوں نے آپ کے حکم سے پاشا کو فون پر کہا ہے کہ پولیس والوں سے ٹکر لینا گویا موت کو دعوت دینا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ ڈائریکٹ مجھ پر شبہ کیا جا رہا ہے۔''

''میرے کسی آدمی نے فون پر ایسی کوئی بات نہیں کی ہے۔ پاشا جھوٹ بول رہا ہے۔''

''اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟''

وہ بولی ''جب تم اس سے دشمنی کر رہے ہو تو کیا وہ جواباً تم سے دشمنی نہیں کرے گا؟ تم پر جھوٹا سچا الزام نہیں لگائے گا؟''

ایسے وقت موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ ذیشان نے جیب سے فون نکالتے ہوئے کہا ''جسٹ اے منٹ......''

پھر اسے آن کر کے کان سے لگایا تو دوسری طرف سے ماتحت نے کہا ''سر! آپ کو اہم اطلاع دینا چاہتا ہوں۔ کسی نے حشمت علی شاہ کی ضمانت کرائی ہے۔ وہ جہاں بھی روپوش تھا اب وہاں سے نکل کر اپنے گھر پہنچ چکا ہے۔ ہم اسے نہیں کر سکیں گے۔''

''تم نے معلوم نہیں کیا، کس نے اس کی ضمانت ... ہے؟''

''میں معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر انداز ... ہے کہ شہباز درانی نے ہی ایسا کیا ہوگا۔''

ذیشان نے چبھتی ہوئی نظروں سے دردانہ کو دیکھا ... فون پر کہا ''ٹھیک ہے۔ معلومات کنفرم ہونے کے بعد ... فون کرو۔''

اس نے فون بند کر کے دردانہ بیگم سے کہا ''آنٹی ... تو پولیس والے سے ہی ڈبل گیم کھیل رہی ہیں۔''

وہ انجان بن کر بولی ''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''ابھی آپ نے ڈرائنگ روم میں وکیل اخلاق ... سامنے کہا تھا کہ ہم دونوں دوسرے کمرے میں جا کر ... کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ مجھے آپ پر شبہ ... آپ نے حشمت کی ضمانت کرائی ہے۔ آپ نے کہا ... نا؟''

''ہاں...... کہا تھا...... تو کیا ہوا......؟''

''ہوا یہ کہ آپ تب سے اب تک اندر ڈرائنگ روم ... بیٹھی ہوئی تھیں پھر آپ کو یہ کیسے پتا چل گیا کہ حشمت ... ضمانت ہو چکی ہے؟''

وہ کندھے اچکا کر بولی ''میں کیا جانوں کہ ضمانت ہے یا نہیں؟ میں نے تو بات بنانے کے لیے ایسا کہا تھا۔''

''بے شک۔ آپ نے بات بنائی، لیکن بات ... وقت آپ کے منہ سے سچ نکل گیا۔''

''دیکھو ذیشان! تم خوامخواہ مجھ پر شبہ کر رہے ہو ... طرح ہماری دوستی قائم رہ سکے گی؟''

اس نے پھر اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا ''میرے آدمی معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حشمت ... ضمانت کس نے کرائی ہے اور یہ معلوم کرنا زیادہ مشکل ... ہے۔ جب حقیقت معلوم ہوگی تو پھر میں سوچوں گا کہ ... سے دوستی قائم رکھنی چاہیے یا نہیں فی الحال خدا حافظ......''

وہ اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ آگے ڈرائیور ... ایک مسلح گارڈ تھا۔ باہر بھی اس کے مسلح گارڈز کی دو گا... کھڑی ہوئی تھیں۔ اس کی کار ان دو گاڑیوں کے ... وہاں سے جانے لگی۔

ذیشان اسے وہاں سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا ... ہی دل میں کہتا رہا ''بہت مکار عورت ہو، یہ جانتی ہو کہ ...

...ری بہن کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اس کا لباس پھاڑ ڈالا ... میں اسے چیر پھاڑ کر رکھ دینا چاہتا ہوں، اسے کسی ... میں معاف نہیں کروں گا، یہ جانتے ہوئے بھی تم نے ... کے ذریعے اس کی ضمانت حاصل کی ہے، ادھر میرے ... انجان بن رہی ہو، مجھے دوستی کا فریب دے رہی ہو۔''

...وہ ایک گہری سانس لے کر پھر سوچنے لگا ''مجھ سے بڑی ... ہوئی، پاشا کا راستہ روکنے اور اسے عینی سے دور کرنے ... لیے مجھے دردانہ کا تعاون حاصل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ادھر ...بل گیم کھیل رہا ہے۔ ایک طرف عروج سے محبت کر رہا ...ر دوسری طرف عینی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں اپنی ...ی زندگی تباہ نہیں ہونے دوں گا۔ پاشا کا جھوٹ اور ... کھول کر رہوں گا۔''

پھر وہ حشمت کے بارے میں سوچنے لگا ''اب بات سمجھ ...رہی ہے کہ دردانہ نے اس کی ضمانت کیوں کرائی ہے۔ ...ورت کو پورا یقین ہے کہ میں نے ہی جواد کو ہلاک کرایا ... میرے بارے میں یہ مشہور ہے کہ میں کسی مجرم کو معاف ...کرتا۔ اگر اسے ضمانت پر رہا کرا لیا جائے، یا کسی شاطر ... کے ذریعے عدالت سے اسے رہا کرا لیا جائے تو بھی میں ...جرم کو معاف نہیں کرتا ہوں۔ وہ رہا ہونے کے بعد چند ... میں اپاہج بن جاتا ہے یا پھر موت کے گھاٹ اتر جاتا ...''

وہ دردانہ بیگم کی یہ چال سمجھ رہا تھا۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتی ...ہ جس طرح اس کے بیٹے کو رہائی کے بعد ہلاک کیا گیا ...ٹھیک اسی طرح حشمت بھی عدالت سے ضمانت لینے کے ...ارا جائے گا اور اس کی موت یہ ثابت کرے گی کہ ذیشان ...ن کو اور اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتا ہے۔

اور واقعی وہ حشمت کو معاف کرنے والا نہیں تھا۔ کم از کم ... اپاہج بنا کر چھوڑنے والا تھا تاکہ آئندہ وہ کسی لڑکی کی ...ت پر حملہ نہ کر سکے اور عینی کے لباس کی طرح کسی کے لباس ...جیاں نہ اڑا سکے۔

لیکن اب دردانہ کی چالبازیوں کو سمجھنے کے بعد وہ ایسی ...غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اسی وقت سوچ لیا کہ وہ ...ت کو ڈھیل دے گا۔ کافی عرصے تک اس کے خلاف کوئی ...روائی نہیں کرے گا پھر موقع دیکھ کر اسے کسی ایسے حادثے ...دوچار کرے گا کہ وہ اپاہج ہو جائے اور اس پر کوئی شبہ نہ ...ے۔

دردانہ بیگم کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی شہباز درانی کے پاس ...ی تھی۔ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی ''اونہہ...... ایس پی ذیشان! تم خود کو بہت چالاک سمجھتے ہو۔ میں کیسے کیسے گھیر کر تمہیں قانون کی گرفت میں لا رہی ہوں، یہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

وہ زیرِ لب مسکرائی پھر دل میں کہنے لگی ''شیر کا شکار کرنے کے لیے بکرے کو جنگل میں چھوڑا جاتا ہے۔ اسی طرح میں نے حشمت کو ضمانت نامے پر چھڑایا ہے۔ ذیشان اسے ضرور شکار کرے گا۔ اگر وہ میری چالبازی کو سمجھ کر ایسا نہیں کرے گا، تب بھی بری طرح پھنسے گا۔ میں چوبیس گھنٹوں تک انتظار کروں گی کہ وہ حشمت کو کوئی نہ کوئی نقصان پہنچائے یا تو اسے اپاہج بنا ڈالے یا پھر مار ہی ڈالے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو میں شہباز سے کہوں گی، اس کے آدمی حشمت کو ہلاک کریں گے اور الزام ذیشان پر آئے گا۔''

پھر اس نے حقارت سے منہ بنا کر سوچا ''ایس پی ذیشان! تم نے ایک ناگن کے سنپولیے کو مارا ہے۔ تم میرے زہر سے نہیں بچو گے۔ میں وہ عورت ہوں، جو اپنے دو شوہروں کو کھا چکی ہے۔ تم کیا چیز ہو؟''

☆☆☆

حشمت مطمئن ہو گیا تھا کہ ضمانت مل چکی ہے۔ ذیشان اسے گرفتار نہیں کر سکے گا۔ اب وہ آزادی سے گھر کی چار دیواری سے باہر جا سکے گا۔

گھر سے تو کیا، اس نے اور اس کی محبوبہ ڈاکٹر آرزو نے ملک سے باہر جانے کی پلاننگ کی تھی اور اس منصوبہ بندی کے تحت انہوں نے ماں باپ سے پانچ لاکھ روپے حاصل کر لیے تھے۔ اب آرزو یہ چاہتی تھی کہ یہ رقم اس کے اکاؤنٹ میں چلی جائے اور اس کے ماں باپ کو واپس نہ کی جائے اور اس کے لیے ان کا ملک سے باہر جانا ضروری تھا تاکہ وہ یہ بہانہ کر سکے کہ وہ تمام رقم خرچ ہو چکی ہے۔

آرزو نے اپنی ہونے والی ساس بیگم شاہ سے کہا ''آنٹی ضمانت تو ہو چکی ہے پھر بھی خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔ ذیشان بہت ہی خبیث افسر ہے۔ اس نے حشمت کے خلاف ایف آئی آر درج کی ہے۔ جب تک عدالت سے آپ کے بیٹے کو رہائی نہیں ملے گی، تب تک وہ ان کے پیچھے پڑا رہے گا۔ کسی نہ کسی طرح انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہے گا۔''

بیگم شاہ نے کہا ''ہاں بیٹی! یہ دھڑکا تو مجھے بھی لگا ہوا ہے۔''

''اسی لیے کہہ رہی ہوں۔ ہمیں کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر چلے جانا چاہیے۔ جب عدالت میں پیشی کی تاریخ آئے گی تو ہم دونوں واپس آ جائیں گے۔''

تراب علی شاہ نے حشمت کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا ''ہم تمہاری وجہ سے بہت پریشان رہے ہیں۔ تمہاری سلامتی کی دعائیں مانگتے رہے ہیں۔ تمہیں ملک سے باہر بھیجنے کے لیے پانچ لاکھ روپے بھی دیئے۔ خدا کا شکر ہے، ضمانت ہوچکی ہے اور دردانہ کی مہربانی سے تمہارا تحفظ ہو رہا ہے لیکن میں تم سے سخت ناراض ہوں۔ جی چاہتا ہے، تمہیں گھر سے نکال دوں۔ عاق کردوں۔ اپنی دولت و جائداد میں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ دوں۔''

بیگم شاہ نے کہا ''خدا کو مانیں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میرا بچہ اتنی مصیبتیں اٹھا کر آج گھر آیا ہے اور آپ اسے غصہ دکھا رہے ہیں؟''

''تو اور کیا کروں......؟ اس کی وجہ سے میری ہیرے جیسی بیٹی گھر سے چلی گئی ہے۔ وہ لڑکی ہے۔ اس کی ذہانت، اور صلاحیت دیکھو۔ کامیاب ڈاکٹر بن کر آج اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی ہے۔ ہماری محتاج نہیں ہے اور یہ...... جواں مرد ہو کر ہمارے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ میں اس عمر میں تنہا اپنا کاروبار سنبھال رہا ہوں۔ اسے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ آگے چل کر کیا کرے گا؟ یہی کہ میری آنکھیں بند ہوتے ہی یہ پھلتے پھولتے کاروبار کو تباہ کر کے رکھ دے گا؟''

حشمت نے کہا ''ایسی بات نہیں ہے ڈیڈ! مجھے ذرا اس مقدمے سے نجات حاصل کرلینے دیں، پھر دیکھیں، میں آپ کے کاروبار میں کس طرح دلچسپی لیتا ہوں؟ بزنس کو ایسا سنبھالوں گا کہ آپ دنگ رہ جائیں گے اور گھر بیٹھ کر کہیں گے کہ لو بیٹا! اب تم ہی اس کاروبار کو سنبھالو۔''

بیگم شاہ نے فخر سے بیٹے کو دیکھا پھر خوش ہو کر کہا ''دیکھیں! اس کے اندر کیسا جذبہ ہے۔ اسے موقع ملے گا، دشمنوں سے نجات ملے گی تو آپ کے بزنس کو چار چاند لگا دے گا۔''

تراب علی نے جل کر کہا ''پچھلے سال میں نے اپنی ایک برانچ آفس اسے سنبھالنے کے لیے دی تھی۔ اس نے پورے پچاس لاکھ کا نقصان پہنچایا تھا۔ تم چار چاند کی بات کررہی ہو۔ میں جو ایک چاند کا اجالا کیے ہوئے ہوں، یہ اسے بھی بجھا دے گا۔''

''ڈیڈ! گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں۔ جب آپ میری عمر کے تھے تو کیا غلطیاں نہیں کرتے تھے؟ دادا جان بھی آپ کو باتیں سناتے ہوں گے۔ میں بھی آپ سے باتیں سنتا ہوں، لیکن کبھی برا نہیں مانوں گا۔ کچھ کر کے ہی دکھاؤں گا۔''

''فی الحال تو یہ کرو کہ میری بیٹی کو کسی طرح واپ[س] آؤ۔ تمہاری ماں سے اتنا نہیں ہوتا کہ یہ خود جائے، ا[س سے] ملے اور اسے سمجھا منا کر یہاں لے آئے۔''

بیگم شاہ نے کہا ''آپ تو ایسے بول رہے ہیں، ج[یسے] اپنی بیٹی سے کوئی محبت ہی نہیں ہے؟ آپ کیا جانیں کہ [اس] کی کمی کیسے برداشت کر رہی ہوں؟ اپنے بیٹے کے [لیے] پریشان تھی۔ خدا کا شکر ہے یہ گھر آ گیا ہے۔ اب بیٹی کو لے آؤں گی۔''

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ بیگم نے ریسیور اٹھا کر کا[ن سے] لگایا پھر کہا ''ہیلو......!''

دوسری طرف سے دردانہ نے کہا ''میں بو[ل رہی] ہوں۔''

وہ بولی ''السلام علیکم دردانہ بھابی! آپ نے ج[و] احسان کیا ہے، اسے ہم زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔''

دردانہ نے کہا ''میں بھی یہی چاہتی ہوں، آپ [اس] احسان کو کبھی نہ بھولیں لیکن یہ بھی یاد رکھیں، کسی کو یہ [معلوم نہ] ہونے پائے کہ میں نے آپ کے بیٹے کی ضمانت کرائی [ہے۔'']

''آپ فکر نہ کریں۔ ہم مرتے مرجائیں مگر یہ کس[ی کو نہیں] بتائیں گے کہ ضمانت آپ نے کرائی ہے۔''

دردانہ بیگم نے کہا ''آپ تو جانتی ہیں، ذیشان آ[پ کے] بیٹے کا دشمن بنا ہوا ہے۔''

''میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ پتا نہیں، اس ای[س پی کی] میرے بیٹے سے کیا دشمنی ہوگئی ہے؟ اب وہ اس [کو] عدالت میں پہنچائے گا اور وہاں سے اسے سزا دلوا[نے کی] کوشش کرے گا۔''

''آپ بے فکر رہیں۔ ہمارا وکیل حشمت پر کو[ئی آنچ] نہیں آنے دے گا۔ اسے باعزت طور پر بری کرائے گا[۔''

بیگم شاہ خوشی سے کھل کر بولی ''بھابی! آپ کے [بہت] شکر۔ میں آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ ب[س یہ] ہی اندیشہ ہے، وہ ایس پی میرے بیٹے سے پھر ب[دلہ لینے کی کوشش] کرے گا، اسے قانون کی گرفت میں لے گا اور اگر نا[کام رہا] تو در پردہ اسے نقصان پہنچانا چاہے گا۔ اس لیے ہم [نے فیصلہ] کیا ہے کہ جب تک عدالت میرے بیٹے کو بری نہ کر[ے اس وقت] تک یہ ملک سے باہر رہے۔''

دردانہ بیگم نے چونک کر سنا، سوچا، پھر کہا ''نہ[یں] ہرگز نہیں...... حشمت کو ملک سے باہر نہ جانے دیں۔ د[شواری] ہوجائے گی۔''

دردانہ نے وضاحت نہیں کی کہ گڑبڑ کیسے ہوگی[۔ وہ کیا سوچ]

[...]رہی ہے، کیا منصوبہ بنا رہی ہے؟ یہی کہ ذیشان نے [...] کے خلاف انتقامی کارروائی نہیں کی تو وہ خود شہباز [...] کے آدمیوں کے ذریعے حشمت کو ٹھکانے لگوا دے گی۔

[...]نے کہا ''آپ نہیں جانتی ہیں، ضمانت پر رہا ہونے والوں [پر کئی طرح کی] پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ انہیں ایک ہی شہر اور [اس]ی علاقے تک محدود رہنا پڑتا ہے۔ پولیس والے مسلسل [ن]ظر رکھتے ہیں تاکہ وہ فرار نہ ہونے پائیں۔ حشمت ملک [سے با]ہر جائے گا تو اس پر کوئی نیا کیس بن سکتا ہے۔''

بیگم شاہ پریشان ہو کر شوہر کو اور بیٹے کو دیکھنے لگی پھر فون [پر بولی] ''لیکن یہ تو کاروبار کے بہانے جائے گا۔''

''وہ کسی بھی بہانے سے جائے...... مگر یہی سمجھا جائے گا [کہ وہ قانون] سے فرار ہو رہا ہے۔ آپ تراب بھائی کو فون دیں۔''

کچھ دیر بعد تراب علی کی آواز سنائی دی ''ہاں بھابی! میں [سن رہ]ا ہوں۔''

وہ بولی ''میں ایک بات اچھی طرح سمجھا دوں، میں نے [آپ] کے بیٹے کی ضمانت لی ہے اور یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ وہ [ملک] سے باہر جائے۔ ایسا ہونے سے مجھ پر الزام آئے گا کہ [میں] نے ضمانت لے کر اسے یہاں سے بھگا دیا ہے۔''

تراب علی نے کہا ''ہاں...... ہم نے اس پہلو پر غور نہیں [کی]ا۔ حشمت کو ملک سے باہر تو کیا اس شہر سے بھی باہر نہیں [جانا چا]ہیے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ یہ اس شہر کی حدود میں ہی [رہے] گا۔''

آرزو یہ باتیں سن رہی تھی اور پریشان ہو رہی تھی۔ اسے [پانچ ل]اکھ روپے کی موٹی رقم اپنے ہاتھوں سے نکلتی دکھائی دے [رہی تھ]ی۔ اس نے حشمت کو دیکھا۔ اس نے ذرا جھک کر اس [کے کا]ن میں کہا۔ ''صبر کرو۔ میں ابھی بات بناؤں گا۔ اتنی [بڑی ر]قم ہاتھ سے نہیں نکلنے دوں گا۔''

ادھر دردانہ بیگم نے پوچھا ''کیا عروج سے آپ کا رابطہ [ہوا] ہے؟''

''نہیں...... وہ حشمت کی وجہ سے ناراض ہو کر گئی ہے۔ [اس]ے منا کر واپس گھر لانے کی کوشش کریں گے۔''

''آپ کی بیٹی کی سہیلی عینی کی زندگی میں بہت بڑا [انقلا]ب آنے والا ہے۔ کیا عروج نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟''

''کیسا انقلاب آنے والا ہے؟ عروج نے ہمیں کچھ نہیں [بتایا۔] آپ کو علم ہے تو ہمیں بھی بتائیں۔''

''ہاں...... میں نے یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے۔ [آج] شام چھ بجے عینی کی شادی ہے، ایک ٹیکسی ڈرائیور سے نکاح پڑھایا جا رہا ہے۔''

تراب علی نے حیرت سے پوچھا ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ عینی کی شادی یوں اچانک کیوں ہو رہی ہے؟ اور وہ بھی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے؟ بھابی! مجھے تو یقین نہیں آ رہا ہے۔''

وہ مسکرا کر بولی ''یقین بھی آ جائے گا۔ آپ عینی کے گھر فون کریں۔ آپ کی بیٹی وہاں موجود ہے، اس سے بات کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ جب میں آپ کے بیٹے کی بھلائی چاہتی ہوں، اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ عروج واپس گھر آ جائے تو آپ کا فرض ہے کہ ابھی اسے فون کریں اور یہ خواہش ظاہر کریں کہ لاکھ اختلافات کے باوجود آپ عینی کی خوشیوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اس طرح میں چاہوں گی کہ آپ کا اس خاندان سے تعلق رہے۔''

وہ قائل ہو کر بولا ''آپ درست کہتی ہیں۔ ہم اس خاندان سے تعلقات رکھیں گے تو ہماری بیٹی بھی خوش ہوگی اور ہماری بات مان کر گھر واپس آ جائے گی۔ میں ابھی اس سے فون پر بات کرتا ہوں۔''

دردانہ بیگم نے رابطہ ختم کردیا۔ تراب علی نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا ''میں حیران ہوں۔ وہاں اتنی بڑی بات ہو رہی ہے اور ہم بے خبر ہیں؟''

بیگم شاہ اور حشمت نے اس کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ عینی کی شادی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے آج شام ہو رہی ہے۔ وہ دونوں بھی حیران تھے۔ تراب نے کہا ''عروج ہم سے اس قدر ناراض ہے کہ اس نے اتنی بڑی خبر ہمیں نہیں سنائی اور نہ ہی شادی میں شریک ہونے کے لیے ہمیں فون کیا ہے۔''

حشمت اچانک ہی اٹھ کر کھڑا ہوگیا پھر بولا ''ڈیڈ! ہم ذرا اپنے کمرے میں جا رہے ہیں۔''

پھر وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا ''آرزو! میرے ساتھ آؤ۔''

وہ اسے لے کر اپنے کمرے میں آ گیا پھر پریشان ہو کر بولا ''تم نے اس کی دواؤں میں کیا ڈالا تھا؟ وہ تو اب تک اندھی نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ سہاگن بننے جا رہی ہے۔''

وہ بھی پریشان تھی۔ بولی ''میں تو خود حیران ہوں۔ وہاں ماتم ہونا چاہیے تھا مگر شادی کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔''

''وہ نیم اندھی لڑکی میرے لیے چیلنج بن گئی ہے۔ میں جب بھی انتقامی کارروائی کرتا ہوں۔ اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہوں تو الٹا مجھے نقصان پہنچتا ہے۔ اس کی وجہ سے میں اب تک پولیس والوں سے چھپتا رہا، آئندہ اس کی وجہ سے عدالت میں پیشیاں بھگتتا رہوں گا۔ تم نے کہا تھا، اب اس سے ایسا انتقام لیا

جائے کہ کسی کو مجھ پر شبہ نہ ہو۔"

"ہاں تو میں نے تمہاری بھلائی کے لیے ہی کہا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اسے کوئی نقصان پہنچے اور شبہ تم پر کیا جائے۔"

وہ الجھ کر بولا "مگر نتیجہ کیا نکلا......؟ تم نے اس کی دوا میں تبدیلی کی اور یہ یقین سے کہا کہ وہ مکمل طور پر اندھی ہوجائے گی لیکن وہ تو اب تک ٹھیک ہے، دیکھ رہی ہے...... اور نکاح نامے پر دستخط کر کے اس ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ جانے والی ہے۔"

آرزو پریشان ہوکر سوچنے لگی، اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگی پھر ایک جگہ ٹھہر کر بولی "یہ نہیں ہوسکتا کہ اس دوا نے اپنا اثر نہ دکھایا ہو۔ بس ایک ہی بات سمجھ میں آرہی ہے۔"

اس نے پوچھا "کون سی بات......؟"

"وہ یہ کہ اس نے ابتک آنکھوں میں دوا نہیں ڈالی ہے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ عروج اس کا بہت خیال رکھتی ہے۔ اسے باقاعدگی سے دوائیں وغیرہ دیتی رہتی ہے۔"

"تو پھر اس نے کوئی اور آئی ڈراپس استعمال کیے ہوں گے۔ ہم نے جن دو شیشیوں میں تبدیلی کی ہے، وہ ابھی استعمال نہیں کیے گئے ہیں۔"

وہ ایک ذرا سوچنے کے بعد بولا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آئی ڈراپس استعمال نہیں کیے جائیں گے؟"

وہ اس کے قریب آ کر بولی "ایسی بات نہیں ہے، اس کی بینائی بہت کمزور ہے، عروج اس کمزور بینائی کو بحال رکھنے کے لیے نسخے میں کچھ تبدیلیاں کرتی ہوگی۔ کیا پتا وہ آئی ڈراپس ایک ایک یا دو دو دنوں کے وقفے سے ٹپکائے جاتے ہوں؟"

"میں اس اندھی کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا ہو رہا ہوں، اس کی وجہ سے مجرم کہلا رہا ہوں۔"

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی "فکر نہ کرو۔ آج نہیں تو کل وہ دوائیں استعمال ہوں گی اور اس نیم اندھی کو مکمل طور پر اندھی بنادیں گی۔"

وہ اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا، کہنے لگا "ہمیں وہاں کی خبر رکھنی چاہیے۔ ہم اندھیرے میں ہیں۔ پتا نہیں چل رہا ہے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ پتا نہیں وہ کب ان دواؤں کو استعمال کرے گی؟"

آرزو نے کہا "عینی سے تو ہمارے تعلقات بحال نہیں ہوسکتے...... مگر عروج تمہاری بہن ہے، تم اس سے رابطہ کرو۔ اس سے محبت سے پیش آؤ۔ اس طرح وہ یہاں واپس آئے گی تو اس کے ذریعے ہمیں عینی کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔"

وہ بولا "ممی ڈیڈی کے پاس چلو۔ آج عینی کی ہے۔ وہ عروج سے باتیں کررہے ہوں گے۔ ہم دیکھ کہ اسے گھر واپس بلانے اور اس کا اعتماد حاصل کر سلسلے میں کیا کیا جاسکتا ہے؟"

وہ جانے لگا۔ آرزو نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا جاؤ۔ تم تو اپنے ہی معاملے میں پریشان ہوتے رہے کچھ خیال نہیں ہے۔ کیا وہ پانچ لاکھ روپے ہاتھ سے نکل دو گے؟"

"نہیں...... تم اس کی فکر نہ کرو۔ کل بینک کھلتے ہی اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرادو۔ میں یہاں ممی ڈیڈی لوں گا۔"

وہ دونوں کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ تراب علی فون پر عروج سے باتیں کررہا تھا۔ کہہ "بیٹی......! تمہاری سہیلی کی زندگی میں اتنی بڑی خوشی ہے اور تم ہمیں اس خوشی سے محروم رکھ رہی ہو۔"

عروج نے کہا "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ابھی کو فون کرنے والی تھی۔"

"تو پھر کیوں نہیں کیا......؟"

"یہاں بہت سے مسائل سے نمٹنا پڑ رہا ہے۔ بتاؤں کہ عینی کی شادی کن حالات میں ہو رہی ہے؟"

"تم نہ بتاؤ۔ تب بھی کسی حد تک اندازہ ہو رہا جب اچانک ہی ہنگامی حالت میں شادی جیسی بڑی خوشی جائے تو اس کے پیچھے بہت سے اچھے برے سوال ہیں۔ بنی! تم باپ کو غیر سمجھتی ہو۔ کیا اپنے مسائل میں شریک نہیں کرسکتیں؟ کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے ایسے وقت تمہارے اور تمہاری سہیلی کے کام آؤں گا؟

وہ خوش ہوکر بولی "ڈیڈی! آپ کی باتیں مجھے دے رہی ہیں۔ میں چاہوں گی کہ آپ ممی کے ساتھ یہاں چلے آئیں۔ ممی سے بات کرائیں۔"

اس نے ریسیور اپنی بیگم کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے لگا کر بولی "میں ابھی سوچ رہی تھی کہ تم جہاں بھی وہاں تمہیں منانے آؤں گی۔ ایسے وقت پتا چلا کہ عینی کی آج شام کسی ٹیکسی ڈرائیور سے ہونے والی ہے۔ یہ بات بھی ہے اور حیرانی کی بھی۔ میں نہیں جانتی کہ تمہاری یافتہ اور دولت مند سہیلی نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کا انتخاب کیا ہے؟ بہرحال تم دونوں نادان نہیں ہو۔ عینی نے سمجھ کر ہی ایسا کیا ہوگا۔ میں تمہاری خوشیوں میں شر

ی ہوں بنی......!"

"ممی! آپ ابھی ڈیڈی کے ساتھ آئیں گی تو مجھے بہت ہوگی۔"

"ہم ابھی آرہے ہیں لیکن پہلے ایک خوش خبری دوں، تمہارا بھائی اب کہیں روپوش نہیں ہے۔ گھر آگیا ہے۔"

"سوری ممی! یہ آپ کے لیے خوش خبری ہوگی مگر میرے بری خبر ہے اور میں آپ کو یہ بری خبر سنادوں کہ میرا ایک ی تھا جو مر چکا ہے۔ اب وہ کبھی زندہ نہیں ہوگا۔"

بیگم شاہ نے غصے سے بپھر کر کہا "عروج! یہ تم کیا بکواس رہی ہو؟ بیٹے کو ماں کے سامنے مردہ کہہ رہی ہو۔"

وہ سپاٹ لہجے میں بولی "جب وہ میرے لیے مر چکا تو میں اسے مردہ ہی کہوں گی۔"

"خدا کرے، تمہاری زبان جل جائے۔ تم بولنے کے ل نہ رہو۔"

تراب علی نے اس سے ریسیور چھین کر کان سے لگاتے ئے کہا "بنی! یہ کیا ہو رہا ہے؟ تمہاری ماں ایک دم سے غصے کیوں آگئی ہے؟ تم نے کیا کہا ہے؟"

"ڈیڈی! وہ صرف یہ سن کر غصہ ہو رہی ہیں کہ میرا ایک ی تھا جو مر چکا ہے۔ اب جو آپ کے گھر میں ہے وہ میرا ی نہیں لگتا ہے۔ میں اس کے لیے بھائی جیسا مقدس لفظ تعمال نہیں کروں گی۔"

تراب علی نے حشمت کی طرف غصے سے دیکھا، پھر کہا ٹھیک ہے۔ میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ں۔ اس کم بخت نے جو حرکت کی ہے، وہ ہمارے لیے بھی رناک ہے لیکن تمہاری ماں اپنی ممتا سے مجبور ہے۔ بہرحال انہیں سمجھا منا کر ابھی تمہارے پاس لا رہا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ کر رابطہ ختم کردیا پھر بیگم کی طرف یکھ کر غصے سے کہا "تم بنی کو کیا غصہ دکھا رہی تھیں، کیا مصلحت ریشی سے کام نہیں لے سکتی ہو؟ وہ حشمت کے خلاف جو کہہ ی ہے، سچ ہی تو کہہ رہی ہے۔ تم صرف ممتا کو نہیں۔ اس بہن کے، اس سہیلی کے جذبات کو بھی سمجھو...... اور اپنے بیٹے کی ینگی پر سر جھکاؤ۔"

حشمت نے ناگواری سے کہا "ڈیڈ! آپ اس کی کچھ یادہ ہی حمایت کررہے ہیں۔"

"یوشٹ اپ...... ایسے وقت تو میں تم سے بولنا بھی گوارہ ہیں کرتا۔"

"ڈیڈ! آپ ناراض ہو رہے ہیں۔ سچ پوچھیں تو میں ابھی آرزو سے یہی کہہ رہا تھا کہ مجھے شرمندہ ہونا چاہیے اور کسی طرح عروج سے سمجھوتا کرنا چاہیے۔ آخر کو وہ میری بہن ہے کوئی دشمن نہیں ہے۔ اگر وہ مجھ سے ناراض ہے تو اس کی ناراضگی بجا ہے۔ آپ ایک بار مجھے اس سے ملا دیں۔ میں اپنی بہن کو منالوں گا۔"

ماں نے بیٹے کی یہ مصلحت اندیشی دیکھی تو وہ بھی نرم پڑتے ہوئے بولی "دیکھیں! میرا بیٹا کتنا سمجھ دار ہے؟ اپنی غلطی تسلیم کررہا ہے۔ آپ عروج کو یہاں بلائیں تو سہی۔ دونوں بھائی بہن ملیں گے، گلے شکوے کریں گے پھر ایک دوسرے کے گلے لگ جائیں گے۔"

تراب علی نے کہا "ابھی تو یہ ممکن نہیں ہے۔ شام چھ بجے عینی کا نکاح پڑھایا جائے گا۔ وقت بہت کم ہے، شادی کے بعد ہم عروج کو اپنے ساتھ یہاں لے آئیں گے پھر ان بھائی بہن کو ملائیں گے۔"

"ٹھیک ہے ڈیڈی! آپ ابھی ممی کے ساتھ وہاں جائیں۔"

پھر اس نے آرزو کو معنی خیز نظروں سے دیکھا، اس کے بعد کہا "ممی! کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ آرزو کو اپنے ساتھ اس تقریب میں لے جائیں؟ اور وہاں اپنی ہونے والی بہو کی حیثیت سے اس کا تعارف کرائیں؟"

بیگم شاہ نے خوش ہوکر کہا "ہاں ہاں بیٹے! کیوں نہیں؟ میں تو بڑے فخر سے اپنی آرزو کا تعارف کراؤں گی۔"

آرزو اور حشمت نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا وہ دل میں بولے "اسے کہتے ہیں، راستہ ہموار کرنا۔ اس نیم اندھی کی آنکھوں میں دوائیں ٹپکانی ہیں۔ وہ دوائیں عروج کے بیگ میں بند ہیں۔ انہیں نکلوانا ہے اور سپیرے جانتے ہیں کہ سانپ کو بل سے کیسے نکالا جاتا ہے۔"

☆☆☆

ڈرائنگ روم سے بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ دردانہ تو پہلے ہی چلی گئی تھی۔ اسما اور ذیشان اوپر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ عروج اور عینی بھی اپنے بیڈروم کی طرف جانے لگیں۔ فلک ناز، بیگم آفتاب اور فلک آفتاب وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ تینوں کے دلوں میں یہ کھلبلی مچی ہوئی تھی کہ عینی اور پاشا کا معاملہ جلد از جلد نمٹ جائے تو وہ مقدر حیات سے رابطہ کریں۔

میدان صاف ہوتے ہی سب سے پہلے فلک ناز نے لپک کر ریسیور اٹھایا پھر نمبر ملاتے ہوئے کہا "میں ابھی مقدر سے بات کرتی ہوں۔"

بیگم آفتاب نے اسے ناگواری سے دیکھا پھر وہاں سے اٹھتے ہوئے اپنے میاں سے کہا "آپ کے پاس تو موبائل ہے اپنے کمرے میں چلیں۔ ہم مقدر سے باتیں کریں گے۔"

وہ اور فلک آفتاب وہاں سے جانے لگے۔ بیگم نے جاتے جاتے پلٹ کر کہا "زیادہ لمبی باتیں نہ کرنا۔ ہمیں بھی اس سے رابطہ کرنا ہے۔"

فلک ناز نے کندھے اچکا کر کہا "مقدر حیات میرا بھتیجا ہے، میں اس کی پھوپی ہوں۔ اگر وہ محبت سے لمبی بات کرے گا تو کیا میں اس سے یہ کہوں گی کہ وہ بات ختم کردے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔"

بیگم آفتاب ناگواری سے منہ ہٹا کر جانے لگی۔ فلک ناز نے کریڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "سنیے! میں مقدر سے بات کرنے والی ہوں۔ اول تو آپ اپنے کمرے میں ریسیور اٹھا کر ہماری باتیں نہ سنیں اور اگر سنیں تو بیچ میں مداخلت نہ کریں۔"

"مجھے کیا پڑی ہے کہ میں تمہاری باتیں سنوں؟ میں تو خود اس سے بات کرنے والی ہوں۔"

فلک آفتاب نے کہا "تم دونوں کی نوک جھونک کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اب یہاں سے چلو بھی......"

وہ بیگم کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا وہاں سے لے گیا۔ فلک ناز نمبر ملا کے انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد ہی ایک مردانہ بھاری بھرکم آواز سنائی دی "ہیلو...... میں مقدر حیات بول رہا ہوں۔"

"ہیلو بیٹے! میں جانتی تھی، ادھر سے نمبر گھماؤں گی تو تم لاٹری کی طرح مجھے مل جاؤ گے۔"

"ایکسکیوزمی۔ آپ کون ہیں؟"

"اے ہے بیٹے! میں تمہاری پھوپی جان ہوں۔ میرا تمہارا خون کا رشتہ ہے۔"

"آپ کو میرے موبائل کا نمبر کہاں سے ملا؟"

"اے بیٹا! دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ کیسے نہ ملتا؟ میں نے بڑی مشکل سے تمہارا نمبر حاصل کیا ہے۔"

میں نے کہا "پھوپی جان! آپ کی آواز سن کر...... آپ کی باتیں سن کر مجھے بہت خوشی ہورہی ہے۔ زندگی میں پہلی بار کسی سے اپنائیت مل رہی ہے۔ آئی لو یو پھوپی جان......!"

وہ تو خوشی سے کھل اٹھی۔ مسرت سے لرزتی ہوئی آواز میں بولی "آئی لو یو ٹو مائی چائلڈ!"

بیگم آفتاب اس کی باتیں سننے کے لیے بے چین تھی۔ کمرے میں آ کر بولی "پتا نہیں۔ آپ کی بہن مقدر حیات سے کیا کیا کہہ رہی ہوگی؟ کیسی باتیں بنا رہی ہوگی؟ میں اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں، وہ بات شروع کرے گی تو ہمیں اس کی نظروں میں گرانے کی کوشش کرے گی اور اپنی بیٹی کا بھاؤ بڑھانا چاہے گی۔"

"اسے اپنے طور پر کچھ بھی کہنے دو۔ مقدر حیات نادان نہیں ہے جو اس کی باتوں میں آجائے گا۔ وہ کاروبار سنبھال رہا ہے جس میں پانچ سو کروڑ روپے گردش کر رہے ہیں۔ وہ فلک ناز کی باتوں میں نہیں آئے گا۔"

"مرد دنیا کے ہر شعبے میں بہت ذہین ہوتا ہے اپنی دولت اور شہرت کے ڈنکے بجاتا رہتا ہے لیکن عورت کی چاپلوسی، چالاکی کے سامنے اس کی ذہانت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ وہ عورت چاہے اس کی محبوبہ ہو یا پھوپی جان!"

"وہ پھوپی جان ہے تو تم اس کی چچی جان ہو تم بھی اسے اپنی باتوں سے مائل کر سکتی ہو۔"

"اس سے بات کروں گی تب ہی تو اسے اپنی طرف کر سکوں گی۔ پتا نہیں وہ کب تک اسے اپنی باتوں الجھائے رکھے گی؟ میں ابھی سنتی ہوں، وہ کیا باتیں کر رہی ہے؟"

وہ فون کی طرف بڑھنے لگی۔ فلک آفتاب نے کہا "رک جاؤ۔ جب اس نے منع کیا ہے تو اس کی باتیں نہ سنو۔"

"کیوں نہ سنوں......؟ وہ ہماری بیٹی نمرہ کے مقابلے میں اپنی بیٹی آسرا کو مقدر کے سامنے لانے والی ہے وہ فون پر کیا کہہ رہی ہے؟ کیسی باتیں بنا رہی ہے؟ کیسی چالیں چل رہی ہے؟ یہ ہمیں معلوم ہونا چاہیے۔"

اس نے میاں کے منع کرنے کے باوجود آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا پھر اسے کان سے لگا کر سننے لگی۔ اس وقت مقدر فون پر اپنی پھوپی فلک ناز سے کہہ رہا تھا "پھوپی جان! آپ تو آسرا کی ایسی تعریفیں کر رہی ہیں کہ کوئی شاعر بھی نہیں کرے گا۔ آپ کہہ رہی ہیں کہ وہ لاہور میں ہے۔ آپ ایڈریس بتائیں۔ میں اس سے ضرور ملوں گا۔"

"میں بتا رہی ہوں۔ تم فوراً نوٹ کرو اور فون نمبر بھی لو بیٹے! ویسے تو وہ بہت ذہین ہے، خوب صورت ہے، مگر نادان ہے۔ کم سن ہے نا۔ ابھی سترہ برس کی ہے۔"

فلک ناز نے اپنی بیٹی کی عمر اتنی کم بتائی تھی جسے سنتے ہی بیگم آفتاب کے تلوے سے سر کی چوٹی تک انگارے دہکنے لگے۔ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اپنے میاں سے کہا "غضب خدا کا۔ آپ کی بہن کس قدر جھوٹی ہے۔ آسرا چوبیس برس کی ہے اور وہ اسے سترہ برس کی بتا رہی ہے!"

پھر اس نے ریسیور کو کان سے لگا کر سنا۔ میں فلک ناز سے پوچھ رہا تھا "ہمارے چچا جان کی بھی تو ایک بیٹی ہے؟"

فلک ناز نے بے دلی سے کہا "ہاں...... ہے...... میری آسرا سے تین برس بڑی ہے۔"

بیگم آفتاب، ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر زور سے چیخ ماری۔ فلک آفتاب نے گھبرا کر پوچھا "کیا ہوا......؟"

وہ غصے سے کانپتے ہوئے بولی "میں فلک ناز کا منہ نوچ لوں گی۔ مکار عورت۔ اپنی ذلالت دکھا رہی ہے۔ ہماری نمرہ کو آسرا سے تین برس بڑی بتا رہی ہے۔"

فلک آفتاب نے ایک گہری سانس لے کر کہا "استغفر اللہ۔ اس میں چیخنے کی کیا بات ہے؟ اس کے کہہ دینے سے ہماری نمرہ تین برس بڑی نہیں ہوجائے گی۔ وہ تو آسرا سے دو برس چھوٹی ہے۔ خدا کے لیے ریسیور رکھ دو۔ ورنہ پھر کسی بات پر چیخ پڑو گی۔ جب اسے معلوم ہوگا تو وہ لڑنے کے لیے آجائے گی۔"

"آپ اپنی اس بیوہ بہن سے ڈرتے کیوں ہیں؟"

"میں ڈرتا نہیں ہوں۔ تم دونوں کے درمیان اکثر ہی تو تو میں میں ہوتی رہتی ہے۔ میرا سر دکھنے لگتا ہے۔ ذیشان بھی پریشان ہوجاتا ہے۔ وہ گھر میں ہے۔ اس کا کچھ خیال کرو۔"

فلک آفتاب نے اس سے ریسیور چھین کر آہستگی سے کریڈل پر رکھ دیا۔ بیگم نے کہا "وہ اسے آسرا کا پتا اور فون نمبر لکھوا رہی تھی، اب مقدر اس سے ملنے جائے گا۔ ہماری بیٹی کو بھی اس سے ملنا چاہیے۔ آپ ابھی نمرہ سے رابطہ کریں۔ اسے مقدر حیات کا ایڈریس اور فون نمبر بتائیں اور...... اور......"

وہ جھنجلا کر بولی "آپ سنتے جا رہے ہیں مگر فون نکال کر رابطہ نہیں کر رہے ہیں۔ موبائل کے ذریعے نمرہ سے رابطہ کریں۔ میری اس سے بات کرائیں۔ میں اسے اچھی طرح سمجھاؤں گی کہ مقدر سنوارنے کے لیے مقدر حیات سے کس طرح ملاقات کرنی ہے۔"

فلک آفتاب بڑبڑانے لگا "کیا مصیبت ہے؟ ناز میری بہن ہے مگر اپنا مطلب نکالتے وقت رشتوں کو بھی بھول جاتی ہے۔ مخالفت پر اتر آتی ہے۔"

وہ موبائل نکال کر نمبر ملاتے ہوئے بڑبڑاتا رہا "پہلے عینی کو بہو بنانے کا مسئلہ تھا تب بھی وہ مخالفت کرتی رہی تھی۔ اپنے بیٹے عدنان سے اسے منسوب کردینا چاہتی تھی۔ اب باہر کا ایک آدمی آ کر عینی کو لے جا رہا ہے اور ہم چپ چاپ تماشا دیکھ رہے ہیں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "آپ کی بہن اسی طرح مخالفت کرتی رہی تو مقدر حیات بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ وہ بھی گھر کے لڑائی جھگڑے دیکھ کر کسی باہر کی لڑکی کو بیاہ کر لے آئے گا۔ ناز تو بہت ہی مطلب پرست ہے۔ پہلے عینی کی وجہ سے بیٹے کو اپنے سسرال والوں سے لے آئی تھی اور بیٹی کو ان کے حوالے کر آئی تھی۔ اب مقدر حیات کا سنتے ہی آسرا آسرا کرتی پھر رہی ہے۔ کیا اس کے سسرال والے آسرا کو اس کے حوالے کردیں گے؟"

رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بولا "اس کے دادی دادا نے بچپن سے اس کی پرورش کی ہے۔ ناز مہینے میں ایک بار جا کر ماں ہونے کا فرض ادا کرتی ہے۔ بیٹی کے دل میں ایسی ماں کے لیے کیا جگہ ہوگی جس نے بیٹے کے بدلے بیٹی کو چھوڑ دیا۔"

بیگم آفتاب کا دھیان بار بار ٹیلی فون کی طرف جا رہا تھا۔ دل میں یہ تجسس پیدا ہو رہا تھا کہ نہ جانے فلک ناز اور کیا کیا کہہ رہی ہو؟ کیسے کیسے نمرہ کا پتا صاف کرنے کی کوشش کر رہی ہوگی؟ فلک آفتاب کھڑکی کے قریب آ کر موبائل فون پر نمبر ملانے لگا۔ اس کا منہ دوسری طرف ہوگیا تھا۔ ادھر بیگم نے چپکے سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور دوسری طرف کی باتیں سننے لگی۔

نمرہ کا فون شاید بند تھا۔ فلک آفتاب رابطہ کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر بیگم کو دیکھا تو وہ ریسیور کان سے لگائے کھڑی تھی۔ وہ اسے گھور کر دیکھنے لگا۔ بیگم نے ریسیور کو فوراً ہی کریڈل پر رکھتے ہوئے ذرا جھینپ کر کہا "وہ...... ان کی باتیں ختم ہوچکی ہیں...... لیکن وہ آخری بات یہ کہہ رہی تھی کہ کل صبح کی کسی فلائٹ سے لاہور جا رہی ہے۔ ایک تو بیٹی کو اس کے پیچھے لگا رہی ہے دوسرے خود اس کے پیچھے لگنے جا رہی ہے...... آ...... آپ مجھے گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟ نمرہ سے رابطہ کیوں نہیں کر رہے؟"

"پتا نہیں۔ ہماری بیٹی کے ساتھ کیا پرابلم ہے۔ وہ اکثر اپنا فون بند رکھتی ہے۔"

"اس وقت سہ پہر کے تین بجے ہیں، آپ تو جانتے ہیں کہ وہ لنچ کرنے کے بعد سوتی ہے اور ایسے وقت فون بند رکھتی ہے۔"

پھر وہ ہاتھ مسلتے ہوئے بولی "یا اللہ! میں کیا کروں؟ ادھر اس نے مقدر کو آسرا کا فون نمبر اور پتا بتا دیا ہے۔ وہ ضرور اس سے ملے گا۔ اوپر سے یہ ناز صبح لاہور جا رہی ہے۔ ہم تو پیچھے رہ

جائیں گے۔ ایسے وقت ہمارے بچوں نے کبھی ہمارا ساتھ نہیں دیا۔ اِدھر بابر سے کہا کہ وہ عینی کو اپنی طرف مائل کرے، لیکن وہ اس سے کتراتا رہا۔ اب اُدھر نمرہ نواب زادی کی طرح فون بند کر کے سو رہی ہے۔ اب میں کروں تو کیا کروں؟"

"تم کچھ نہیں کر سکو گی۔ سوائے صبر کے۔"

"آپ اچھی طرح سن لیں۔ میں صبر کرنے والی نہیں ہوں۔ آپ کی بہن کل صبح لاہور جانے والی ہے، لیکن میں آج عینی کا نکاح ہوتے ہی رات کی کسی فلائٹ سے لاہور جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے بیگم کو دیکھنے لگا پھر بولا "تم لاہور اپنے میکے فون کرو۔ ہوسکتا ہے نمرہ اپنے ہوسٹل کے بجائے، وہاں ہو۔ اگر وہ وہاں سو رہی ہو گی تو تمہاری امی جان اسے جگا دیں گی۔"

اس نے بیگم کے میکے کے نمبر ملائے پھر فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی اور رابطہ ہونے پر بولی "ہیلو" امی جان! میں بول رہی ہوں۔ نمرہ ہوسٹل میں ہے یا آپ کے پاس آئی ہوئی ہے؟"

"بٹی! وہ نہ تو میرے پاس آئی ہے اور نہ ہی ہوسٹل میں ہے۔ کالج کے ٹورنگ گروپ کے ساتھ پہاڑی علاقوں میں گئی ہوئی ہے۔"

وہ یہ سن کر الجھ گئی۔ غصے سے بولی "آپ نے اسے جانے کیوں دیا؟"

"تم مجھے غصہ نہ دکھاؤ۔ جوانی میں تم بھی میری بات نہیں مانتی تھیں پھر تمہاری بیٹی کیسے میری بات مانتی؟ اور میں اسے روکتی بھی کس لیے؟ کیا تم نہیں جانتیں، وہ ہر سال گرمیوں کے موسم میں کہیں نہ کہیں سیر و تفریح کے لیے جاتی ہے؟"

بیگم نے الجھ کر فلک آفتاب کو دیکھا پھر فون پر پوچھا "کیا آپ کو پتا ہے، اس بار وہ کس طرف گئی ہے؟"

"وہ مینگورہ اور کالام کی طرف گئی ہے۔"

"کیا مصیبت ہے؟ اس علاقے میں تو موبائل فون کام ہی نہیں کرتا ہے۔ اب میں اس سے کیسے رابطہ کروں؟"

"بہت بے چین ہو، کوئی خاص بات ہے کیا......؟ بیٹی کے لیے پہلے تو ایسی محبت نہیں دکھائی۔"

مقدر ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ دوسری طرف اس کی ماں فون پر اسے طعنے دے رہی تھی۔ وہ جھنجلا کر بولی "امی! کیا آپ میرے دل میں جھانک کر دیکھتی ہیں کہ میں اپنی بیٹی کو کتنا چاہتی ہوں؟ کوشش کر رہی ہوں، آج رات کی فلائٹ سے مجھے سیٹ مل جائے تو میں لاہور چلی آؤں۔ اگر نمرہ کا فون آ جائے تو کہیے گا کہ وہ مجھ سے پی سی او کے ذریعے رابطہ کرے۔"

اس نے فون بند کر دیا پھر فلک آفتاب سے کہا "آپ ابھی جائیں اور میری سیٹ کنفرم کرائیں۔ بٹی صاحبہ سیر و تفریح کے لیے کالام اور مینگورہ گئی ہوئی ہیں۔ مجھے تو اب الجھن ہو رہی ہے۔ وہ پتا نہیں وہاں سے کب لوٹے گی؟"

فلک آفتاب بھی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ بولی "اب آپ کیوں دیر کر رہے ہیں؟ اٹھیں...... جائیں......!"

وہ بولا "ہاں...... ہاں...... جا رہا ہوں، دیکھتا ہوں، با[...] آ گیا ہو گا تو اس سے کہوں گا وہ تمہارے لیے ٹکٹ لے آ[ئے] گا۔"

وہ پلٹ کر جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت موبائل کا بزر بول[نے] لگا۔ وہ جاتے جاتے رک گیا۔ بیگم نے نمبر پڑھا اور اسے آ[ن] کرتے ہوئے کہا "پتا نہیں کون ہے؟"

وہ فون کو کان سے لگا کر بولی "ہیلو...... کون......؟"

دوسری طرف سے میں نے کہا "ہیلو۔ میں مقدر حیا[ت] بول رہا ہوں۔ آپ کون ہیں؟"

وہ خوشی سے چیخ کر بولی "ہائے بیٹا! یہ تم ہو؟ میں تمہار[ی] چچی جان بول رہی ہوں۔ بڑی لمبی عمر ہے تمہاری...... ابھی [...] تمہیں یاد ہی کر رہے تھے۔ تمہاری ہی باتیں کر رہے تھے [...] جب سے تمہارے بارے میں سنا ہے، دل تم سے ملنے [کے] لیے پنچھی کی طرح پھڑ پھڑا رہا ہے۔ میں ابھی رابطہ کرنا چا[ہ رہی] تھی تو پتا چلا کہ تم اپنی پھوپی سے باتیں کر رہے ہو۔ اب [...] تمہیں کیا روکتی......؟ کیا ٹوکتی؟ تم اس خاندان میں نئے [...] تمہیں علم نہیں ہے کہ کس سے بات کرنی چاہیے؟ کس سے نہ[یں] کرنی چاہیے؟ اور اگر کرنی چاہیے تو کتنی لمبی بات کرنی چا[ہیے] بیٹے! میں آج رات تمہارے پاس آ رہی ہوں پھر تمہیں [...] ایک بات سمجھاؤں گی۔"

فلک آفتاب نے دبی زبان سے کہا "بولے چلے جا ر[ہی] ہو۔ بولے چلی جا رہی ہو۔ کچھ اسے بھی تو بولنے دو۔"

وہ اس کی نہیں سن رہی تھی، تو میاں کی کیا سنتی......؟ [...] پر بول رہی تھی "اب یہی دیکھ لو بیٹا! وہ اپنی بیٹی کی عمر کم [...] بتاتی ہے۔ جبکہ آسرا چوبیس برس کی ہے اور ہماری نمرہ [...] سے تین برس چھوٹی ہے لیکن میں اپنی اور اپنی بیٹی کی عمر کبھی [نہیں] چھپاتی۔ سچ بولتی ہوں۔"

فلک آفتاب مٹھیاں بھینچ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ غصے [...] دبی آواز میں بولا "بیگم......! خدا کے لیے۔ ذرا دیر [...] ہو جاؤ۔ اسے بھی کچھ بولنے کا موقع دو۔ بلکہ یہ دیکھو کہیں اس نے رابطہ تو ختم نہیں کر دیا ہے؟"

بیگم نے چونک کر میاں کو دیکھا پھر فون پر پوچھا "ہیلو...... بیٹا! تم سن رہے ہو ناں......؟ میں بولتی جا رہی ہوں۔ تمہیں کچھ کہنے کا موقع نہیں دے رہی ہوں۔ کیا کروں؟ دل میں تمہارے لیے محبت کا ایسا طوفان بھرا ہوا ہے کہ تمہاری آواز سنتے ہی جی چاہتا ہے، سارے بند توڑ دوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، کیا کہوں......؟ کیا نہ کہوں؟ جب سے معلوم ہوا ہے کہ تم میرے دیور فلک سکندر حیات مرحوم کی اولاد ہو، بڑے بیٹے ہو، تب سے میری تو خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ کیونکہ میرے بڑے بیٹے کے اولاد نہیں ہو رہی ہے، چھوٹا بیٹا شادی کرنے پر راضی نہیں ہے۔ یہاں وارث کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے، اچانک تم پیدا ہو گئے ہو تو اب اس خاندان میں وارث ہی وارث پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ میری بیٹی نمرہ تو گھر گرہستی کے بھی سارے کام جانتی ہے اور اپنے ڈیڈی کے کاروبار میں بھی دلچسپی لیتی ہے۔ جب وہ تمہارے پھیلے ہوئے بزنس میں ہاتھ بٹائے گی تو تم حیران رہ جاؤ گے۔ ہیلو...... ہیلو......؟ ہیلو......"

بیگم آفتاب نے پریشان ہو کر فون کی طرف دیکھا پھر میاں سے کہا "یہ تو فون ہی بند ہو گیا ہے۔"

وہ بولا "بے چارہ ننھا سا فون ہے۔ اس کا حوصلہ دیکھو! اتنی دیر تک تمہیں برداشت کرتا رہا۔ آخر اس کا دم نکل ہی گیا۔"

"مجھے تو پتا ہی نہیں چلا کہ کب لائن کٹ گئی؟ اس کا مطلب ہے، مقدر نے میری آدھی باتیں سنی ہیں۔ کتنی ضروری باتیں کی تھیں میں نے۔ باتوں ہی باتوں میں فلک ناز کا کچا چٹھا بیان کر دیا تھا۔"

"تمہیں آسرا اور نمرہ کی عمریں بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ سمجھ گیا ہو گا کہ تم نے چھپ کر ان کی فون والی گفتگو سنی ہے۔"

"جھوٹ کو پکڑنے کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ میں نے چھپ کر فلک ناز کی باتیں سنی ہیں تو کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ میں تو نمرہ کا برتھ سرٹیفکیٹ مقدر کو دکھاؤں گی اور کہوں گی کہ وہ آسرا کا بھی سرٹیفکیٹ دیکھے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا پھر وہ مان لے گا کہ اس کی چچی جان کیسی سچی ہیں؟ خوامخواہ اپنی بیٹی کو ننھی منی سولہ سترہ برس کی نہیں بتاتی ہیں؟"

پھر وہ کچھ سوچ کر سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پریشانی سے بولی "ہائے اللہ! میں کیا کروں؟ میں نے مقدر کو کتنی اہم باتیں بتائی تھیں مگر وہ ساری کی ساری خاک ہو گئیں۔ اس نے تو کچھ سنا ہی نہیں ہو گا۔"

فلک آفتاب نے ناگواری سے کہا "فون پر کم سے کم بولنا چاہیے۔ دوسری طرف کی باتیں بھی سنی چاہئیں۔ اس طرح معلوم ہوتا رہتا ہے کہ رابطہ قائم ہے۔"

وہ موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "میں نے ذرا رک کر پوچھا تو تھا۔ آپ مجھے طعنے نہ دیں۔ مقدر کا نمبر ملائیں۔ اس سے رابطہ کریں۔"

اتنے میں موبائل کا بزر پھر سنائی دیا۔ اس نے فوراً ہی اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا "ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے میں نے کہا "ہیلو چچی جان! بات دراصل یہ ہے کہ میرا فون بہت ہی حساس ہے، کوئی زیادہ دیر تک بولتا رہے تو یہ خود بخود بند ہو جاتا ہے پھر سے رابطہ کرنا پڑتا ہے۔"

"اچھا بیٹا! میں سمجھ گئی۔ اب کم سے کم بولوں گی۔ بلکہ کچھ نہیں بولوں گی۔ میں تو رات کو تمہارے پاس آ ہی رہی ہوں۔ وہاں کھل کر باتیں ہوں گی۔"

میں نے کہا "ادھوری چچی جان! میں تو آج رات یہاں نہیں رہوں گا۔ اسلام آباد جا رہا ہوں۔ وہاں سے لندن...... فرینکفرٹ اور سوئٹزر لینڈ جانا ہے۔ یہ سب ہماری پروڈکٹس کی بڑی مارکیٹیں ہیں۔"

وہ بولی "اے ہے بیٹا! تم تو بڑے لمبے ٹور پر جا رہے ہو۔ ہم تو تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ یہ انتظار برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے میں آج رات ہی تمہارے پاس آ رہی تھی۔ اب سوچ رہی ہوں کہ میں اسلام آباد پہنچ جاؤں۔ وہاں سے تمہارے ساتھ لندن جاؤں پھر جہاں جہاں تم جاؤ گے، وہاں وہاں میں تمہارے ساتھ جاتی رہوں گی۔"

میں نے پریشان ہو کر کہا "کیسی باتیں کر رہی ہیں چچی جان! یہ بزنس کے معاملات ہیں۔ میں ایسے وقت بالکل تنہا رہتا ہوں۔ آپ کی باتوں سے، آپ کی چاہت سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ مجھ سے ملنے کے لیے کس قدر بے چین ہیں۔ بس ہفتے دو ہفتے کی بات ہے۔ میں جلد سے جلد آپ کے پاس آنے کی کوشش کروں گا۔"

"بیٹے! کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی کہ سوئٹزر لینڈ میں کہیں ہماری ملاقات ہو جائے؟"

"نہیں چچی جان! میں بزنس کے معاملات میں الجھتا ہوں تو پھر کسی دوسری طرف دھیان نہیں رہتا۔ ابھی تو میں نے

آپ سے ایک ضروری بات کرنے کے لیے فون کیا ہے۔''

''ہاں بیٹا! بولو...... کیا بات ہے؟''

''کیا بتاؤں چچی جان! میں تو نمرہ کے بارے میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن......''

وہ خوشی سے بولی ''ہاں ہاں بیٹے! بولو...... رک کیوں گئے؟''

''وہ بات یہ ہے چچی جان! میں نمرہ کے بارے میں کچھ بولنا چاہتا تھا مگر آپ کی آواز سن کر مجھے ایک اور خوشی مل گئی۔''

''کیسی خوشی بیٹا! جلدی بولو۔ تم بار بار رک کر میرے تجسس کو بھڑکا رہے ہو۔''

''تجسس کی کوئی بات نہیں ہے۔ جب سے آپ کی آواز سنی ہے تب سے مجھے اپنی امی جان یاد آرہی ہیں۔ آپ کی آواز اور لہجہ بالکل میری مرحومہ امی کی طرح ہے۔''

وہ خوشی سے چیخ پڑی ''ہائے بیٹا! تم نے تو مجھے زمین سے اٹھا کر اپنے سر پر بٹھا لیا ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ بس مجھے اپنی سگی ماں ہی سمجھو۔ تمہاری امی اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔ میں تمہیں بھرپور ممتا دوں گی۔''

میں مسکرا کر بولا ''یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے بھرپور ممتا دیں گی۔ لیکن خود کو میری سگی امی نہ کہیں۔''

''کیوں بیٹا! کیوں؟ اس میں کیا حرج ہے؟''

''وہ۔ میں کیا بولوں...؟ چچی جان! بات یہ ہے کہ اگر آپ میری سگی ماں بن جائیں گی تو پھر نمرہ۔ یعنی کہ نمرہ۔ میں کیا بولوں؟ آگے بولتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے۔''

وہ اس کی جھجک سمجھتے ہوئے خوشی سے کھل کر بولی۔

''میں سمجھ گئی بیٹا! بس میں سمجھ گئی۔ تم نے تو اپنی محبت سے مجھے خرید لیا ہے۔ میں مسرتوں سے پھٹ پڑوں گی۔ تم نے تو ابھی صرف نمرہ کا ذکر ہی سنا ہے۔ جب اسے دیکھو گے تو بس دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔ میری بیٹی چندا آفتاب۔ چندا مہتاب ہے۔''

''آپ چندہ مانگنے والی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟ میں تو نمرہ کی بات کر رہا تھا۔''

وہ گڑبڑا کر بولی ''بیٹا! وہی۔ میں نمرہ کی ہی باتیں تو کر رہی ہوں۔ اس کے حسن کی تعریفیں کر رہی ہوں۔ کیا تم چندا آفتاب اور چندا مہتاب کے معنی نہیں سمجھتے...؟''

''سوری چچی جان! میری پرورش لندن میں ہوئی ہے۔ میری اردو ذرا کمزور ہے۔ میں نے نمرہ کے بارے میں یہی پوچھنے کے لیے فون کیا تھا کہ اسے انگریزی آتی ہے یا نہیں...؟''

''ہائے بیٹا! وہ تو ایسی انگریزی بولتی ہے۔ ایسی انگریزی بولتی ہے۔ جیسے کسی انگریز باپ کی اولاد ہو۔''

فلک آفتاب نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر دبی زبان میں کہا۔ ''کیا بکواس کر رہی ہو؟''

بیگم نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ فلک میاں تلملا کر رہ گئے۔ وہ فون پر کہہ رہی تھی۔ ''بس بیٹا! مجھے تو اطمینان ہو گیا ہے۔ تم نے میرے سر سے سارا بوجھ اتار دیا ہے۔ اب تو میں خوب گہری نیند سویا کروں گی اور دن بھر کھایا پیا کروں گی۔ تم ایک ہفتے میں ہی یہاں آنے کی کوشش کرو۔ میں اور تمہارے چچا جان بڑی شدت سے تمہارا انتظار کرتے رہیں گے۔ اچھا بیٹا! ہاں۔ ٹھیک ہے۔ ہاں۔ اچھا خدا حافظ بیٹا!''

فلک آفتاب اسے غصے سے گھور رہا تھا۔ وہ فون بند کر کے بولی۔ ''آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟''

اس نے غرا کر پوچھا۔ ''یہ نمرہ کس کی اولاد ہے؟''

''آپ کا تو دماغ چل گیا ہے۔ اس بڑھاپے میں شبہ کر رہے ہیں۔ میرے ایسا کہہ دینے سے کیا وہ کسی انگریز کی اولاد ہو جائے گی۔ یہ دیکھئے کہ میں نے کس طرح مقدر کو قائل کیا ہے؟ وہ مطمئن ہو گیا ہے۔''

''اس کے مطمئن ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ ہماری بیٹی گاڑھی اردو بولتی ہے۔ اس کے تو پلے نہیں پڑے گی۔''

''ہماری نمرہ انگریزی بھی تو بولتی ہے۔''

''چوبیس گھنٹے نہیں بولتی۔''

''اس کے ساتھ بولے گی۔ اسے بولنا پڑے گا۔ کیسے نہیں بولے گی...؟''

''فضول بحث نہ کرو۔ کسی طرح بیٹی سے رابطہ کرو۔ اسے سمجھاؤ۔ کہ وہ گاڑھی اردو بولنا چھوڑ دے اور زیادہ سے زیادہ انگریزی بولتی رہا کرے۔ مقدر کی واپسی تک ایسی روانی سے انگریزی بولنے لگے، جیسے وہ انگریز باپ۔ نہیں۔ میری اولاد تو ہو مگر یوں لگے جیسے اسے کسی انگریز ماں نے جنم دیا ہو۔''

بیگم آفتاب نے گھور کر مسکراتے ہوئے اپنے میاں کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ ''کیا اس بڑھاپے میں کسی انگریزن کا شوق ہو رہا ہے؟''

وہ ہنسنے لگا۔ وہ بھی ہنستی ہوئی آ کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ گھبرا کر بولا۔ ''یہ کیا کر رہی ہو؟ بچے دیکھ لیں گے تو کیا سوچیں گے۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''آج تو میں پھر سے جوان ہو گئی ہوں۔ مقدر حیات نے میرا دل، میرا دماغ اور میری روح

تک کو جیت لیا ہے وہ ہماری نمرہ میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اس سے بڑی خوشی کی کوئی اور بات ہو ہی نہیں سکتی۔ عینی سے تو ہم مایوس ہو چکے ہیں۔ بلا سے۔ وہ ہماری بہو بنے یا نہ بنے۔ مقدر حیات تو ہمارا داماد بنے گا اور انشاء اللہ ضرور بنے گا۔''

وہ سب خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے اور میں ان سب کو باری باری خوش کرتا جا رہا تھا۔ مقدر تو چاہتا ہے کہ سب ہی خوش رہیں لیکن جب انسان اپنے اعمال سے خود ہی مصیبتیں خرید لے تو پھر بھلا میں کیا کر سکتا ہوں؟

میں نے ایک طرف بیگم آفتاب کو خوش کیا تو دوسری طرف فلک ناز کو بھی خوش کیا۔ اس سے بھی وعدہ کیا کہ میں اس کی بیٹی آسرا سے ملاقات کروں گا اور اس سے ملاقات کرنی ہی تھی۔ سب کا دل جو رکھنا تھا۔ جتنوں کے دل رکھ رہا تھا اب ان کے ہاتھ کی لکیریں ٹیڑھی میڑھی کہاں سے کہاں جانے والی تھیں؟ کس طرح ان کے راستے اور حالات بدلنے والے تھے؟ یہ میں ابھی بتا نہیں سکتا۔

میں عینی کے پاس آ گیا۔ اس نے غسل کر کے لباس بدل لیا تھا۔ سنگھار میز کے آئینے کے سامنے آ کر بیٹھ گئی تھی۔ عروج اسے خوب سجا سنوار کر شام تک بھرپور دلہن بنا دینا چاہتی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر میک اپ کا جدید سامان رکھا ہوا تھا۔ ایک طرف جیولری سیٹ، کنگن اور چوڑیاں وغیرہ رکھی ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی عروج کا وہ بیگ بھی رکھا ہوا تھا۔ جس میں آئی ڈراپس کی شیشیاں پچھلی رات سے عینی کی منتظر تھیں۔

جس طرح ہر انسان کے ساتھ اس کا مقدر جنم لیتا ہے اسی طرح ہر انسان کے ساتھ اس کی موت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اگر موت کے آنے میں دیر ہو تو شامت آتی رہتی ہے اور اس بیگ میں وہ دو شیشیاں شامتِ اعمال کی طرح رکھی ہوئی تھیں۔ عینی اور عروج کے اعمال درست تھے۔ لیکن حشمت کے اعمال بگڑے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ ان کی زندگی کو بگاڑنے کے ٹھوس انتظامات کر چکا تھا۔

ابھی مجھے یہ منظور نہیں تھا۔ اسی لیے وہ شیشیاں کل رات سے اسی بیگ میں ہی رکھی ہوئی تھیں۔ انہیں دوسرے دن استعمال کرنا تھا۔ لیکن وہ دوپہر تک سوتی رہی تھیں۔ اور جب بیدار ہوئیں تو خاندانی جھگڑوں میں الجھ گئی تھیں۔ پھر پاشا پر ایسی افتاد آ پڑی تھی کہ دونوں کے دل گھبرا رہے تھے۔ ایسے میں وہ دوا تو کیا کھانا پینا بھی بھول گئی تھیں۔

چونکہ دلہن بننا ضروری تھا، شام کو نکاح پڑھایا جانے والا تھا۔ اس لیے وہ آئینے کے سامنے آ کر بیٹھ گئی تھی۔ ہر آدھے گھنٹے بعد پاشا فون کر رہا تھا۔ اور انہیں اپنی خیریت سے مطلع کر رہا تھا۔ اس طرح وہ کچھ مطمئن بھی ہو رہی تھیں۔

عروج نے میک اپ کرنے کے دوران میں پوچھا۔ ''آنکھوں میں تکلیف تو نہیں ہے؟''

''نہیں۔ ہم اتنے مسائل سے اور اتنے ہنگاموں سے گزر رہے ہیں کہ تکلیف کا بھی احساس نہیں رہا ہے۔''

''پھر بھی آنکھوں میں دوا ڈالنا بہتر ہوگا۔ کل سے اب تک تو نے دوا استعمال نہیں کی ہے۔''

''ابھی نہیں۔ پہلے میرا میک اپ کر دے۔ میں پوری طرح دلہن بن جاؤں تب دوا ڈالنا۔''

پھر وہ ایک سرد آہ بھر کر مایوسی سے بولی۔ ''میری بھی کیا زندگی ہے؟ میں دنیا کی کسی بھی چیز کو واضح طور پر نہیں دیکھ پاتی۔ اپنے دولہا کو بھی صاف طور پر نہیں دیکھ سکوں گی۔ بلکہ دیکھ ہی نہیں سکوں گی۔''

عروج نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیوں۔ کیوں؟ تو پاشا کو کیوں نہیں دیکھ سکے گی؟''

''اس لیے کہ نکاح فون پر ہوگا۔ اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے یہاں نہیں آئے گا۔ مجھے میکے سے سسرال نہیں لے جائے گا۔ اور نہ ہی میں اسے دیکھ پاؤں گی۔''

عروج نے بڑی محبت سے اس کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔ ''تجھے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ خدا نے چاہا تو کل تک حالات سازگار ہو جائیں گے۔ وہ تیرے سامنے آئے گا۔ تو اسے دیکھ سکے گی۔''

''ہاں۔ میری زندگی کا ہمسفر میرا مجازی خدا بھی مجھے دھندلا سا ہی دکھائی دیتا رہے گا۔''

''تجھے مشورہ دیتی ہوں کہ عینک لگایا کر۔ لیکن تو نہیں مانتی۔ جب پاشا سامنے آئے اور تو اسے صاف طور پر دیکھنا چاہے تو پھر عینک لگا لینا۔''

''ہاں۔ میں اسے صاف طور پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ سر سے لے کر پاؤں تک اس کے ایک ایک روئیں کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ مگر عینک لگانے والی دلہن کیسی عجیب سی لگے گی...؟''

''تو جیسی بھی نظر آئے۔ لیکن جو تجھے دکھائی دینے والا ہے وہ تو تجھے آئینے کی طرح صاف نظر آئے گا۔''

اس نے عروج کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔ ''وہ تیرا پیار ہے۔ پہلے اس سے تیری شادی ہونی چاہیے تھی۔ لیکن تو نے اچانک ہی میری اور اس کی نکاح خوانی کا فیصلہ سنا دیا۔ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے تجھ جیسی سہیلی ملی ہے۔''

''اچھا اب میرا ہاتھ چھوڑ! مجھے کام کرنے دے۔''

''نہیں چھوڑوں گی۔ پہلے وعدہ کر کہ میری شادی کے ایک ہفتے بعد ہی تو پاشا سے نکاح پڑھوائے گی۔''

عروج ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔ ''تیرا دماغ چل گیا ہے۔ کیا اپنی اور میری شادی کو تماشہ بنانا چاہتی ہے؟ لوگ تو یہ نہیں سمجھیں گے کہ ہم دونوں کتنی محبت سے ایک ہی شخص کو اپنا مجازی خدا بنا کر ایک دوسرے کی سوکن بننا چاہ رہی ہیں؟ لوگ تو یہی کہیں گے کہ تو پاشا کے قابل نہیں تھی۔ اس لیے ایک ہفتے بعد ہی اس نے مجھ سے شادی کرلی۔''

''چل۔ ایک ہفتے بعد نہ سہی، دو چار ماہ بعد تو کرے گی نا۔؟''

''ایسی جلدی کیا ہے؟ تو میری شادی کی بات ابھی نہ کر۔''

''کیوں نہ کروں۔؟ تیرے کہنے پر میں ابھی شادی کر رہی ہوں۔ کیا تو میرے کہنے پر نہیں کرے گی؟''

''کروں گی۔ لیکن تم دونوں کو کم از کم ایک برس تک بھرپور ازدواجی زندگی گزارنی ہوگی۔ جب میں تمہیں خوش دیکھوں گی، پاشا تجھے دل سے چاہنے لگے گا اور تیری ہر خوشی پوری کرتا رہے گا۔ تب میں شادی کے بارے میں سوچوں گی۔''

عروج یہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ پاشا عینی کا نہیں اس کا دیوانہ ہے۔ اگر وہ اس کی بیوی بن کر اور عینی کی سوکن بن کر رہے گی تو پاشا کی تمام تر توجہ عروج کی طرف رہے گی اور وہ جانے انجانے میں عینی کو نظر انداز کرتا رہے گا۔ اس طرح عینی سے سراسر ناانصافی ہوگی۔ اور وہ کبھی اپنی سہیلی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کرسکتی تھی۔

عینی جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی مگر چپ ہی رہی۔ فون کا بزر سنائی دے رہا تھا۔ عینی نے سامنے رکھے ہوئے موبائل فون کو فوراً اٹھایا اور اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو پاشا! میں بول رہی ہوں۔''

دوسری طرف سے میں نے کہا۔ ''میں پاشا نہیں ہوں۔ تمہارا بھائی ہوں۔ مقدر حیات''

عینی نے چونک کر حیرانی سے پوچھا۔ ''مقدر حیات۔؟ میرے بھائی جان؟''

''ہاں۔ میری بہن! میں تمہارا بھائی مقدر حیات ہوں۔''

وہ خوش ہوکر عروج کو دیکھنے لگی پھر بولی۔ ''یہ میری دوست عروج کا فون ہے۔ آپ کو اس کا نمبر کیسے معلوم ہوا۔؟''

''ہمارے وکیل انکل نے تمہارا موبائل نمبر بتایا تھا۔ میں نے اس پر رابطہ کیا تو کسی پاشا صاحب نے کہا کہ تم اس نمبر پر ملو گی کیا یہ وہی پاشا صاحب ہیں، جن سے ہنگامی حالت میں تمہاری شادی ہونے والی ہے۔؟''

وہ ایک ذرا شرما کر بولی۔ ''جی ہاں۔ وکیل انکل نے آپ کو یہ بھی بتادیا ہے؟''

''ہاں...... وہ تمہارے بارے میں بہت کچھ بتاتے رہتے ہیں اور میں بڑی دلچسپی سے بہت کچھ پوچھتا رہتا ہوں۔ تم ابھی یہ نہیں سمجھ سکو گی کہ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں؟ میں چاہت کا دعویٰ نہیں کروں گا۔ اپنے عمل سے ثابت کروں گا۔''

''بھائی جان! یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ آپ کی طرح میرا ایک اور سوتیلا بھائی جواد تھا۔ اس نے ایسی حرکتیں کی تھیں کہ بھائی کے رشتے سے میرا اعتبار اٹھ گیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ آپ بھی ویسے ہی ہوں گے۔ بس آپ سے گزارش ہے کہ مجھے پیار دیں اور میرا ٹوٹا ہوا اعتماد بحال کردیں۔''

''میری بہن......! میری جان......! فکر نہ کرو۔ میں تمہیں بھرپور محبتیں دوں گا۔ فی الحال تو میں تمہیں شادی کی مبارک باد دیتا ہوں۔''

''آپ کو خود آنا چاہیے۔ اب تو وصیت کا دوسرا حصہ سنایا جاچکا ہے۔ اب کوئی رازداری نہیں رہی ہے۔''

''ہاں...... میں ابھی کاروباری معاملات میں بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ ذرا ان الجھنوں سے نجات ملے گی تو ضرور آؤں گا۔ آج کل تمہاری آنکھیں کیسی ہیں؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''ساری دنیا دھندلا گئی ہے۔ کوئی چیز مجھے صاف طور پر دکھائی ہی نہیں دیتی۔ کبھی کبھی آنکھوں میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ آئی اسپیشلسٹ علاج کررہے ہیں۔ میری سہیلی عروج بھی میرا بہت خیال رکھتی ہے۔''

''تمہیں نئی آنکھیں ملنی چاہئیں۔ آئی بینک والے کیا کہہ رہے ہیں؟''

''بہت عرصہ ہوچکا ہے۔ درخواست دی ہوئی ہے۔ ہم نے آئی بینک والوں کو زیادہ سے زیادہ عطیہ دینے کی پیشکش بھی کی ہے، لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ دنیا کے سارے ہی کام دولت سے نہیں ہوتے۔ مقدر سے ہوتے ہیں۔ جب خدا کو

منظور ہوگا، تب ہی میرا مقدر سنورے گا۔''

میں نے کہا ''ہاں...... مقدر کو ماننا پڑتا ہے۔ اس کے سامنے تو نہ دولت کام آتی ہے اور نہ ہی تدبیر ویسے جب تک نئی آنکھیں نہ ملیں، تب تک اپنی آنکھوں کا بہت خیال رکھو۔ باقاعدگی سے علاج کراتی رہو۔ تھوڑے کو بہت جانو...... اور خدا کا شکر ادا کرتی رہو۔''

''میں تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں کہ بالکل اندھی نہیں ہوں۔ کسی حد تک تو دنیا کو دیکھ ہی لیتی ہو۔''

اب میں چاہتا تھا کہ اسے آنکھوں کی دوا یاد آئے۔ میں نے پوچھا ''کیا آنکھوں میں کوئی آئی ڈراپس وغیرہ ڈالتی ہو؟''

عینی نے بے اختیار عروج کے بیگ کی طرف یوں دیکھا، جیسے وہ آئی ڈراپس اسے پکار رہے ہوں۔ اس نے کہا ''ہاں...... دوائیں رکھی ہوئی ہیں۔ میں ابھی آنکھوں میں ڈالوں گی۔''

میں بھائی تھا۔ بہن کا برا نہیں چاہتا تھا لیکن کیا کروں؟ مقدر ہوں۔ ہاتھ کی لکیریں جہاں لے جاتی ہیں، مجھے جانا پڑتا ہے۔ میں نے اس کے اندر تحریک پیدا کی ''دواؤں کے معاملے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ مقررہ وقت پر باقاعدگی سے استعمال کرنی چاہئیں۔''

وہ مسکرا کر بولی ''آپ درست کہہ رہے ہیں۔ میں ابھی آنکھوں میں دوا ڈالوں گی۔ کیا آپ عروج سے بات کرنا چاہیں گے؟ یہ صرف میری سہیلی نہیں ہے۔ میری جان بھی ہے۔''

''بے شک۔ میں تمہاری جان سے بات کرنا چاہوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد ہی عروج کی آواز سنائی دی ''ہیلو...... بھائی جان! السلام علیکم......''

میں نے سلام کا جواب دینے کے بعد کہا ''میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ وکیل انکل تم دونوں کے بارے میں بتاتے رہتے ہیں کہ تم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتی ہو بلکہ عشق کرتی ہو...... اور عشق میں بھی انتہا کرتی ہو۔ ایک دوسرے کی خاطر ساری دنیا سے لڑ جاتی ہو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''وکیل انکل نے آپ کو ہمارے بارے میں کچھ زیادہ ہی بتادیا ہے۔''

''اچھے اعمال دلوں پر اثر کرتے ہیں اور تمہارے اعمال نے مجھے متاثر کیا ہے۔ عینی کی طرح تم بھی میری بہن ہو۔ تم اس کے لیے قربانیاں دیتی رہتی ہو۔ وقت آئے گا تو میں بھی تمہارے لیے قربانی دوں گا۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ بھائی جان! آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے، جلد آنے کی کوشش کریں۔''

''انشاء اللہ جلد ہی آؤں گا۔ اب میں فون بند کرتا ہوں۔ عینی کا خیال رکھنا۔ ابھی اس کی آنکھوں میں دوا ڈال دینا۔''

''جی ہاں...... ابھی تو میں اسے دلہن بنا رہی ہوں۔ اس کے بعد دوا ڈالوں گی۔''

میں نے فون بند کردیا۔ سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ مقدر کی کسی سے رشتے داری نہیں ہوتی۔

آہ......! وہ اندھی دلہن کیسی لگے گی؟

☆☆☆

ذیشان سمجھ رہا تھا کہ دردانہ بیگم اسے مشکل میں ڈال رہی ہے۔ اس نے حشمت کی ضمانت لے کر ذیشان کو سوچنے پر مجبور کردیا تھا کہ وہ کیسی ڈھکی چھپی چالیں چل رہی ہے؟ ایک تو وہ چالبازی دکھا رہی تھی، اوپر سے انکار کر رہی تھی کہ اس نے حشمت کی ضمانت نہیں لی ہے۔

ذیشان کے ماتحت نے پہلے یہ اطلاع دی تھی کہ اچانک ہی روپوش ہوجانے والا حشمت منظرِ عام پر آ گیا ہے۔ اب وہ اپنے گھر میں آزادی سے رہ رہا ہے اور وہ اسے گرفتار نہیں کرسکیں گے۔ یہ سنتے ہی ذیشان کو شبہ ہوا تھا کہ اس کی قبل از گرفتاری ضمانت کرانے والی صرف دردانہ بیگم ہی ہوسکتی ہے پھر آدھے گھنٹے بعد ہی اس ماتحت نے تصدیق کردی۔ اس نے کہا ''سر......! جس وکیل نے کورٹ سے حشمت کی ضمانت لی ہے۔ وہ وکیل اسد عزیزی کے کیس ڈیل کرتا ہے۔''

اس نے پوچھا ''یہ اسد عزیزی کون ہے؟''

''سر! یہ شہباز درانی کا دستِ راست ہے، جب جواد زخموں سے چور تھا، تب اسی اسد عزیزی نے اسے کچرا گھر سے اٹھا کر ہاسپٹل پہنچایا تھا۔ وہاں دردانہ بیگم شہباز درانی کے ساتھ آئی تھی اور یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ شہباز درانی کیسی زبردست فولادی شخصیت ہے؟ وہ صرف اعلیٰ حکام تک ہی نہیں، فوج کے اعلیٰ حکام تک بھی رسائی حاصل کرلیتا ہے۔''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا ''بے شک...... وہ زبردست ہے۔ اس نے پلک جھپکتے ہی میری حراست سے رہا کرالیا تھا اور دردانہ اسی زبردست کی آغوش میں جا کر بیٹھی ہوئی ہے۔ وہاں سے ایسی چالیں چل رہی ہے کہ میرے لیے چیلنج بن گئی ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں تم سے بعد میں رابطہ کروں گا۔''

یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ سوچنے لگا ''دردانہ نے حشمت کی ضمانت کیوں کرائی

ہے؟''

سیدھی سی ایک بات یہ سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ ذیشان پر شبہ کررہی ہے۔ اسے اپنے بیٹے کا قاتل سمجھ رہی ہے۔ یہ تو سب ہی جانتے تھے کہ ایس پی ذیشان بہت ہی ضدی اور غصہ ور ہے۔ کوئی مجرم ناجائز طور پر رہائی حاصل کرتا تھا تو رہا ہوتے ہی ذیشان کی انتقامی کارروائی کا شکار ہوجاتا تھا۔

دردانہ کو اسی لیے یقین کی حد تک یہ شبہ تھا کہ اس کا جوان بیٹا صرف اور صرف ذیشان کی سازشوں کا شکار ہوا ہے۔ جواد واقعی مجرم تھا۔ دردانہ نے بڑے وسیع ذرائع استعمال کرکے اسے سزا سے بچالیا تھا لیکن ذیشان کی دی ہوئی سزائے موت سے نہیں بچاپائی۔

اب وہ اپنے طور پر ایک چال چل رہی تھی۔ حشمت بھی سزا کا مستحق تھا اور ذیشان اسے سخت سے سخت سزا دینا چاہتا تھا۔ حشمت اس کے خوف سے روپوش ہوگیا تھا لیکن اب اس کی قبل از گرفتاری ضمانت ہوگئی تھی اور وہ بڑی آزادی سے اپنے گھر چلا آیا تھا۔ اس طرح دردانہ بیگم درپردہ ذیشان کو چیلنج کررہی تھی کہ لو...... اسے بھی سزا دو۔ ہم نے تو اسے قانون کی گرفت سے بچالیا ہے۔ اب تم کیا کروگے؟

ذیشان یہ سمجھ رہا تھا کہ دردانہ ایسے مجرموں کے ریکارڈ جمع کررہی ہوگی جو عدالت سے تو رہائی پاچکے تھے لیکن ذیشان کی انتقامی کارروائی کا شکار ہوگئے تھے۔ ان مجرموں کی فہرست میں جواد کا بھی نام ہوگا اور اس کے بعد اب وہ چاہتی تھی کہ اس فہرست میں حشمت کا بھی نام آجائے اور یہ ثابت ہوجائے کہ ذیشان ایک قصائی افسر ہے۔ وہ عدالت کے فیصلوں کا احترام نہیں کرتا ہے۔ اپنے طور پر فیصلہ کرتا ہے اور مجرموں کو سزا دیتا ہے۔

دردانہ بیگم کی یہ چال اچھی طرح سمجھ میں آگئی تھی اور ذیشان ایسا نادان نہیں تھا کہ حشمت کو نقصان پہنچاتا۔ اس نے یہ طے کرلیا تھا کہ ایک طویل عرصے تک حشمت سے دور رہے گا پھر کبھی موقع دیکھ کر اسے ایسے کسی حادثے سے دوچار کرے گا۔ جس سے یہ ثابت ہوگا کہ وہ ایک اتفاقی حادثے کے نتیجے میں اپاہج ہوگیا یا پھر مارا گیا۔

وہ ٹہل رہا تھا، اور سوچ رہا تھا پھر رک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اسما دروازہ کھول کر کھانے کی ٹرالی لا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ''شام کے پانچ بجنے والے ہیں۔ آج ہم میں سے کسی نے لنچ نہیں کیا ہے۔ مسائل تو ہر گھر میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ کھانا پینا ہی چھوڑ دیا جائے۔''

وہ دونوں کھانے کے لیے ٹرالی کے اطراف بیٹھ گئے۔

اسما نے پوچھا ''کیا عینی کا مسئلہ پریشان کررہا ہے؟ دیکھیے! وہ بالغ ہوچکی ہے اور پھر وکیل انکل بھی کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنا فیصلہ خود کرسکتی ہے تو اسے اپنے فیصلے کرنے دیں۔ کہاں تک پریشان ہورہے ہیں؟''

''اسما! یہ تو سوچو، اس کا فیصلہ غلط ہے۔ پاشا جانی غلط ہے، عروج غلط ہے، وہ دونوں مل کر عینی کو دھوکا دے رہے ہیں اور یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ آدھی رات کے بعد عروج سے ملنے گیا تھا اور وہ اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر اسے کوارٹر میں لے گئی تھی۔ کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ ان دونوں کے درمیان بے شرمی کی حد تک بے تکلفی ہے۔''

''میں مانتی ہوں، ان کی بے شرمی صاف ظاہر ہورہی ہے، لیکن جب عینی ہی نہیں مان رہی ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ آدھی رات کے بعد ہونے والی ملاقات کا علم اسے پہلے سے تھا تو پھر ہم کیا کرسکتے ہیں؟''

وہ لقمہ چبا رہا تھا اور گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسما نے کہا ''سچ پوچھیں تو میں عروج کو بے حیا نہیں سمجھتی۔ ہم اسے پچھلے چھ برسوں سے دیکھتے اور سمجھتے آئے ہیں۔ وہ عینی کو دل جان سے چاہتی ہے، اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانیاں دے سکتی ہے پھر پاشا کے معاملے میں اسے دھوکا کیوں دے گی؟ اور یہ بات تو صاف ہے کہ اس نے آدھی رات کے بعد پاشا سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں عینی کو پہلے سے مطلع کردیا تھا۔''

اسما نے ذیشان کو ایسی نظروں سے دیکھا، جیسے سمجھنا چاہتی ہو کہ اس کی بات کا اثر ہورہا ہے یا نہیں...... پھر اس نے کہا ''آپ خود ہی اس بات کے گواہ ہیں کہ جب آپ اس کے کوارٹر میں گئے اور دروازہ کھلوایا تو وہ گنہگار کی حیثیت سے دکھائی نہیں دیئے۔ عروج نے تو صاف کہا تھا کہ وہ اپنا میڈیکل چیک اپ کرانے کے لیے تیار ہے۔ جس سے ثابت ہوجائے گا کہ وہ گنہگار نہیں ہیں پھر آپ کیوں نہیں مان رہے ہیں......؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر دوسرا لقمہ منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ وہ بولی ''آپ قائل ہورہے ہیں، مگر کچھ کہہ نہیں رہے ہیں۔''

وہ بولا ''اسما! تم میری اتنی محبوب ہستی ہو کہ تمہارے سامنے میں اپنی کوئی کمزوری نہیں چھپا سکتا، تمہاری ہر جائز ناجائز بات کو مان لیتا ہوں۔ اس وقت تم بالکل درست کہہ رہی ہو۔ اول تو مجھے جلدی غصہ نہیں آتا اور جب آتا ہے تو میں اس وقت کچھ سوچتا نہیں ہوں۔ جو دماغ میں آتا ہے کر گزرتا ہوں۔''

''اب آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچ رہے ہیں۔ مجھ سے بات کررہے ہیں...... پلیز...... اپنے دل کی بات کہتے رہیے۔''

اس نے ایک گھونٹ پانی پیا پھر بولا ''مجھے اسی وقت قائل ہوجانا چاہیے تھا کہ عروج سچی اور کھری ہے۔ تب ہی میڈیکل چیک اپ کے لیے راضی ہوگئی ہے۔ جو لوگ سچے ہوتے ہیں۔ وہ ہر طرح کی آزمائش سے گزرنے پر تیار ہوجاتے ہیں۔''

اسما نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''آپ بہت اچھے ہیں۔ جب عروج کی طرف سے دل صاف ہورہا ہے تو پاشا کی طرف سے بھی آپ کو مطمئن ہوجانا چاہیے۔ عینی اور عروج نے اس میں خوبیاں ہی خوبیاں دیکھی ہوں گی۔ تب ہی اس کی طرف مائل ہوگئی ہیں۔ ایک اسے اپنا جیون ساتھی بنانا چاہتی ہے اور دوسری اس سلسلے میں اس سے تعاون کررہی ہے۔ ایسے وقت ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ آج تمام دن دونوں لڑکیاں اپنے حقوق کے لیے لڑتی رہیں اور ہم میں سے کسی نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔''

''تم درست کہتی ہو۔ نہ جانے کیوں میرا دماغ پلٹ گیا تھا۔ میں اب حیران ہورہا ہوں کہ دردانہ نے کیسے مجھے اپنی باتوں سے قائل کرلیا تھا اور میں اس بات پر راضی ہوگیا تھا کہ پاشا کو آج شام ہر حال میں یہاں آنے سے روکا جائے۔''

اسما نے چونک کر ذیشان کو دیکھا پھر پوچھا ''اس کا مطلب عروج آپ کے خلاف سچ بول رہی تھی کہ پولیس والوں نے پاشا پر فائرنگ کی تھی؟''

''نہیں...... میرے کسی آدمی نے پاشا پر گولی نہیں چلائی تھی۔ یہ دردانہ کا کارنامہ ہے۔ مجھے رفتہ رفتہ معلوم ہورہا ہے کہ وہ بہت پہنچی ہوئی ہے۔ آج کل ایک ایسے شخص کی پناہ میں ہے جو بہت وسیع ذرائع کا مالک ہے۔ اس کے ہاتھوں میں ایسے اختیارات ہیں جو شاید یہاں کے حکمرانوں کے پاس بھی نہیں ہوں گے۔''

اسما نے ناگواری سے کہا ''وہ تو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی ہے۔ کم بخت...... اس گھر سے چلی گئی تھی، لیکن بیٹے کی موت کا ماتم کرتی ہوئی واپس آگئی مگر اس کی مکاری دیکھیں کہ اس نے یہاں آکر بیٹے کی زیادہ باتیں نہیں کیں۔ عینی کے مسئلے کو ہی اچھالتی رہی اور عروج اور پاشا پر کیچڑ اچھالتی رہی۔ اسے ان دونوں سے دور کرنے کے لیے اس کے پیچھے گولی چلانے والے دشمن لگادیئے۔ آپ عینی کو دل و جان سے چاہتے ہیں لیکن وہ اس کے خلاف آپ کے اندر زہر بھر کر چلی گئی۔ وہ تو ناگن سے بھی زہریلی ہے۔ اس سے دور رہنا چاہیے۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا ''اب اس سے دور نہیں رہا جائے گا۔ وہ ایسی چال چل رہی ہے۔ اس کی چالبازیوں کو سمجھنے کے لیے، اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھنے کے لیے اس سے ملتے رہنا ہوگا۔''

''جب عینی اور عروج اسے اپنے معاملات میں کسی طرح کی مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیں گی تو پھر وہ نہ ہمارے درمیان آئے گی اور نہ ہمارے خلاف کچھ کرپائے گی۔''

''اسما! تم سمجھ نہیں رہی ہو۔ وہ نفرتوں اور عداوتوں کے بیج بوگئی ہے۔ اب ہمیں فصل کاٹنی ہے۔''

وہ پریشان ہوکر بولی ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......؟''

''میں نے اس کی باتوں میں آکر عروج اور عینی سے نفرت کی۔ ان کی خوشیوں اور فیصلوں کی مخالفت کی۔ اس طرح ان کے دلوں میں میرے خلاف نفرت بھر گئی ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ آپ ابھی جائیں گے، انہیں محبت سے پچکاریں گے تو وہ دوڑتی ہوئی آکر آپ کے گلے لگ جائیں گی۔''

''میں جانتا ہوں، وہ دل کی اچھی ہیں۔ مجھ سے پھر محبت کرنے لگیں گی لیکن ان کے دل سے یہ میل کیسے دھویا جائے کہ میں نے پولیس والوں کے ذریعے پاشا پر فائرنگ کرائی ہے۔''

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی ''میں انہیں سمجھاؤں گی کہ یہ سب دردانہ کی چال ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔''

''تم دردانہ کی دوسری چال کو نہیں سمجھ رہی ہو۔ تم یہ نہیں جانتیں کہ دردانہ نے حشمت کی قبل از گرفتاری ضمانت لی ہے۔ تاکہ وہ روپوش نہ رہے۔ کھلے عام گھومتا پھرے تاکہ میں اس پر حملہ کراؤں۔ اسے اس لیے نقصان پہنچاؤں کہ اس نے میری بہن کی عزت پر حملہ کیا تھا اور واقعی میں نہ تو کبھی یہ بھول سکتا ہوں اور نہ ہی کبھی حشمت کو معاف کرسکتا ہوں۔''

اسما نے پریشان ہوکر پوچھا ''کیا آپ اس سے انتقام لیں گے؟''

''دردانہ یہی چاہتی ہے تاکہ اسے میرے خلاف ایک اور ثبوت مل جائے لیکن میں ایسی نادانی نہیں کروں گا۔ حشمت کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کروں گا۔''

''خدا کا شکر ہے۔ آپ اس طرح دانائی سے کام لیں گے تو دردانہ اپنی چالبازیوں میں ناکام رہے گی۔''

اس نے انکار میں سر ہلایا۔اسما نے پوچھا ”کیوں......؟ کیا ایسا نہیں ہوگا؟“

”نہیں اسما! وہ بہت مکار ہے۔اب مجھے اس کی دوسری چال سمجھ میں آ رہی ہے...... اور وہ یہ کہ اگر میں نے حشمت کو نقصان نہ پہنچایا تو وہ اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے نقصان پہنچائے گی اور ہوسکتا ہے اسے ہلاک ہی کرا دے۔تم دیکھ ہی رہی ہو کہ وہ پاشا کے خلاف کیا کر رہی ہے اس پر بھی حملے کرا رہی ہے اور اس کا الزام میرے سر آ رہا ہے۔“

”یہ عورت تو چڑیل بن گئی ہے۔عینی کی سوتیلی ماں ہے مگر آپ سے دشمنی کر رہی ہے۔آپ کو اس کی چالبازیوں کا توڑ کرنا چاہیے۔“

”ہاں۔ وہ تو کرنا ہی ہوگا لیکن اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے میں بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔اس کم بخت نے اپنی پناہ گاہ بہت اونچی جگہ بنائی ہے۔“

باہر ہادی میاں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔وہ زور زور سے اونچی آواز میں کہہ رہا تھا ”اگر میری بہن مر چکی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عینی میری بھانجی نہیں رہی ہے اور میں اس کا سگا ماموں نہیں ہوں۔غضب خدا کا۔ابھی شادی ہو رہی ہے اور ابھی مجھے اطلاع دی گئی ہے۔جیسے میں کوئی غیر ہوں۔“

دروازے پر دستک سنائی دی۔ذیشان نے کہا ”اندر آجائیں۔دروازہ کھلا ہے۔“

ہادی میاں نے اندر آ کر انہیں کھاتے پیتے دیکھا پھر کہا ”واہ...... خوب! کھانا پینا ہو رہا ہے۔خوشیاں منائی جا رہی ہیں! ہمیں اچھے وقت کوئی نہیں پوچھتا۔ہادی ماموں برے وقت میں ہی یاد آتے ہیں۔خدانخواستہ لڑکا ایسا ویسا نکلا تو بعد میں یہی بات آئے گی کہ میں کس نام کا سگا ماموں تھا؟ میں نے لڑکے کے بارے میں چھان بین کیوں نہیں کی......؟ اب دنیا والے تو یقین نہیں کریں گے کہ مجھے اتنے بڑے ہونے والے فیصلے سے بے خبر رکھا گیا ہے۔یہاں تک کہ میں...... یعنی لڑکی کا سگا ماموں دولہا کا نام تک نہیں جانتا ہے۔نام نہیں جانتا تو اس کی ہسٹری کیسے معلوم ہوگی؟ جب اس کی ہسٹری معلوم نہیں ہوگی تو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس کے لچھن کیا ہیں؟ کیا وہ نشہ کرتا ہے؟ کسی چھوٹے خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟ میری اتنی دولت مند بھانجی کو اس نے اپنی طرف مائل کیسے کرلیا؟ یا تو وہ بہت قابل ہے...... پھر بہت شاطر ہے؟“

اسما نے کہا ”ماموں! آئیں...... آرام سے بیٹھیں۔ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔ہم آپ کو لڑکے کے بارے میں بتاتے ہیں۔“

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا ”اب میں اس کے میں سن کر کیا کروں گا؟ اگر وہ ٹیڑھا ہے تو کیا اسے کردوں گا؟“

پھر وہ کھانے کی ٹرالی کے قریب ہی ایک کرسی ہوئے بولا ”کھانے میں کیا ہے......؟ واہ...... چکن ہے؟ ذرا دینا......! یہ جو تم ابھی اس لڑکے کے بارے چاہتی ہو کیا بھابی اور آفتاب بھائی مجھے پہلے سے نہیں تھے؟“

اسما نے چکن قورمے کی ڈش اس کی طرف بڑ ذیشان نے کہا ”کل سے پہلے اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔“

وہ ایک پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے بولا ”تو کل بتانا چاہیے تھا۔میں کچھ تو اس لڑکے کے بارے میں کر کے اپنا فرض ادا کر دیتا۔“

”ہادی ماموں! میں پولیس والا ہوں۔مجھ سے آپ انکوائری نہیں کر سکتے۔ویسے کل ہم نے لڑکے کو لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ عینی آج اچانک اس سے کرنے کا فیصلہ سنا دے گی۔“

”اسے سمجھانا تو چاہیے کہ اتنا بڑا فیصلہ وہ تنہا نہ ہم اس کے بزرگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔آخر کس لیے ہیں؟ کیا ہم شادی میں صرف نان اور قورمہ کھا لیے ہیں؟ اور یہ تم نے کیا قورمے کی ڈش دی ہے۔ ہیں مگر ٹانگ نہیں ہے۔مطلب...... لیگ پیس نہیں۔ مرغی کی ٹانگ شوق سے کھاتا ہوں۔“

اسما نے ایک ذرا ناگواری سے کہا ”جو ہے۔ گزارہ کریں۔آپ وقت دیکھیں۔ہم دوپہر کا کھانا رہے ہیں۔مرغ کی رانیں کسی نے کھالی ہوں گی۔ بعد آپ کو مرغ مسلم مل جائے گا۔“

ہادی میاں نے ایک لقمہ چباتے ہوئے ذیشان جھک کر بڑی رازداری سے پوچھا ”میاں! ویسے یہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔یہ اچانک شادی کیوں ہے؟ ہم تو اپنے ہیں۔لڑکی پر کوئی الزام نہیں لگائیں۔ دنیا والے تو پوچھیں گے۔کیا شادی سے پہلے کوئی گڑ تھی؟“

ذیشان نے گھور کر ماموں کو دیکھا پھر کہا ”آ سیدھے ہو کر بیٹھیں...... اور کھانا کھائیں۔آپ میری اس طرح شک کر رہے ہیں، بڑے شرم کی بات ہے۔“

”میاں! اتنے غیرت مند نہ بنو۔تم اگر بھائی

موں ہوں اور وہ بھی سگا ہوں۔مجھے معلوم ہونا چاہیے جی کی شادی یوں اچانک کیوں ہو رہی ہے؟“

عینی کی مرضی ہے۔کیا آپ اس کی مرضی کے خلاف رک سکیں گے؟ وکیل اخلاق احمد بھی اس کی حمایت ہیں۔کیونکہ وہ بالغ ہے اور اپنے والد مرحوم کی کے مطابق شادی کا فیصلہ خود کرنے کا حق رکھتی ہے۔“

میں سگا ماموں ہوں۔عینی نے مجھ سے رضامندی نہیں کی چلو۔کوئی بات نہیں۔کیا اس نے آفتاب بھائی ی کی بھی رضامندی حاصل نہیں کی ہے؟“

”عینی نے اپنے فیصلے میں کسی کو شامل نہیں کیا ہے۔وہ رضی سے یہ سب کچھ کر رہی ہے اور ہم اس کی خوشی میں ہیں۔آپ بھی خوش ہیں۔اسی لیے شادی میں شرکت نے آئے ہیں۔“

وہ لقموں پر لقمے چبا رہا تھا اور گھٹی گھٹی آواز میں بول رہا ایسی بات نہیں ہے۔میں تو مجبور ہو کر آیا ہوں۔وہ میری بھانجی ہے۔اس کی خوشیوں میں تو شریک ہونا ہی پڑے گا میں پوچھتا ہوں، کیا خاندان میں جوان لڑکوں کی کمی تھی؟ صداقت کو ہی دیکھو۔کیسا گبرو جوان ہے؟ عینی کو دل و سے چاہتا ہے۔ہم خاندان والے قریب رہ کر بھی اس کا نہ جیت سکے اور کوئی باہر والا آ کر اسے جیت کر لے جا رہا ۔یہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کی بات ہے۔“

”دیکھیں۔پہلے شادی ہو جانے دیں پھر اس کے بعد ب مرنے کا فیصلہ کریں۔“

ہادی میاں نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا ”کیا تم میری ل کو مذاق میں اڑا رہے ہو؟“

”آپ تو خود اپنا مذاق بنا رہے ہیں۔یہ جانتے ہیں کہ پ عینی کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔اگر کرنے کا صلہ ہے تو ابھی کر دکھائیں۔ورنہ جو ہو رہا ہے۔اسے خوشی سے برداشت کریں۔“

”کیوں برداشت کروں؟ اگر ہم تمام بزرگ یک جا ہو ر۔یعنی کہ متحد ہو کر یہ فیصلہ صادر کر دیں کہ عینی اس وقت تک س لڑکے سے شادی نہیں کرے گی جب تک کہ ہم اس کے رے میں انکوائری نہ کرلیں۔اس طرح آج کی شادی ٹل ئے گی پھر بعد میں ہم یہ شادی ہونے ہی نہیں دیں گے اگر آپس میں متحد رہیں تو کیا نہیں کر سکتے؟“

”میں نے کہا ناں۔ہم کچھ نہیں کر سکتے۔آپ کرنا ہیں تو کریں۔ہم عینی کی خوشی میں خوش ہیں۔“

وہ پلیٹ صاف کرتے ہوئے بولا ”دیکھو میاں! اتنی جلدی ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔میں تو تمہارے فائدے کی بات کرنے آیا ہوں۔“

”آپ ہمارے فائدے کی کیا بات کریں گے؟“

”یہی کہ میرا بیٹا صداقت اگر عینی کے قابل نہیں ہے تو بابر یعنی کہ تمہارا بھائی تو اس کے قابل ہے۔میں تمہارے بھائی سے عینی کی شادی کرانا چاہتا ہوں۔اس کی تمام دولت و جائداد کو اسی گھر میں رہنا چاہیے اور تم لوگوں کے پاس رہنا چاہیے۔“

فلک ناز دروازہ کھول کر اندر آ رہی تھی لیکن ہادی میاں کی باتیں سن کر رک گئی پھر وہاں سے تڑخ کر بولی ”واہ...... ہادی بھائی واہ! ابھی تو ڈرائنگ روم میں مجھ سے کہہ رہے تھے کہ بابر مغرور ہے۔نااہل ہے۔عینی کی شادی میرے بیٹے عدنان سے ہونی چاہیے۔اگر میں آپ کا ساتھ دوں تو آج عینی کی شادی رک سکتی ہے۔کایا پلٹ سکتی ہے۔پاشا کے بجائے اس کی شادی عدنان سے ہوسکتی ہے لیکن یہاں آ کر پینترا بدل رہے ہیں۔ذیشان کے سامنے منہ دیکھی باتیں کر رہے ہیں۔“

ہادی میاں ذرا گڑبڑا گئے۔فوراً ہی بات نہ بنا سکے پھر بولے ”دیکھو ناز! تم میری باتوں کو غلط سمجھ رہی ہو۔میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ عینی کی جائداد کو اسی گھر میں رہنا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی شادی یا تو تمہارے بیٹے سے ہو جائے یا پھر بابر سے۔بھئی ہم سب ہم خیال اور متحد ہوں گے تب ہی بات بن سکے گی۔تم وہاں کیوں کھڑی ہو؟ اندر آؤ! یہ چکن قورمہ کھاؤ۔شامی کباب بھی ہیں۔ہم اچھا کھائیں گے، اچھی باتیں کریں گے تب ہی گھر کی چیز کو گھر میں رکھ سکیں گے۔“

اسما نے کہا ”نہیں رکھ سکیں گے۔“

ہادی میاں نے پوچھا ”کیوں......؟ کیوں نہیں رکھ سکیں گے۔“

”اس لیے کہ چھ شامی کباب تھے۔آپ پانچ کھا چکے ہیں، اب یہ چھٹا بھی آپ باتوں ہی باتوں میں کھا جائیں گے تو پھر گھر کی چیز گھر میں کیسے رکھ سکیں گے؟“

”اوہو...... تم تو بالکل ہی بھولی ہو۔میں شامی کباب کی نہیں عینی کی بات کر رہا ہوں۔“

فلک ناز نے کہا ”تو پھر یہاں کیوں باتیں بنا رہے ہیں؟ ساتھ والا کمرا عینی کا ہے۔وہاں جائیں۔اس سے کہیں کہ وہ خاندان سے باہر شادی نہ کرے۔کرے تو اسی گھر کے کسی لڑکے سے کرے۔“

''ہاں۔ میں یہ بات تو ضرور بولوں گا۔ کیا میں اس سے ڈرتا ہوں؟ آخر اس کا بزرگ ہوں۔ سگا ماموں ہوں۔ میں تو پہلے اسی کے پاس جا رہا تھا۔ دروازے پر دستک دی تو اندر سے عروج نے کہا کہ بعد میں آئیں۔ عینی ابھی تیار ہو رہی ہے۔''

ذیشان نے کہا ''وہ تیار ہو چکی ہوگی۔ اب آپ ہم پر مہربانی کریں اور یہاں سے جائیں۔''

وہ ذرا خفگی سے بولا ''یعنی کہ میں تم لوگوں پر بوجھ ہوں؟ ناقابلِ برداشت ہوں؟ یہاں سے جاؤں گا تو مہربانی کروں گا؟''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ عینی کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ آپ گھر کی چیز گھر ہی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اسے راضی کر لیں گے تو یہ ہم پر بڑی مہربانی ہوگی۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا ''میں خوب سمجھتا ہوں۔ آخر پولیس والے ہوں ناں۔ باتوں کو گھمانا خوب جانتے ہو۔ میں کوئی نادان بچہ نہیں ہوں کہ تمہارے طعنے نہ سمجھ سکوں۔ جا رہا ہوں۔ ابھی جا رہا ہوں۔''

وہ تیزی سے چلتا ہوا، بولتا ہوا، دروازے پر آیا۔ ناز نے اس کے لیے دروازے کو پوری طرح سے کھول دیا۔ وہ وہاں رک کر بولا ''میری نیک نیتی کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ میں تو عدنان اور بابر کی حمایت میں بول رہا ہوں۔ دونوں میں سے کسی ایک کو عینی سے منسوب ہونا چاہیے۔ لعنت ہے مجھ پر۔ جو میں اس گھر کی بھلائی کے لیے سوچتا ہوں۔ وہ آخری شامی کباب بھی کھانے نہیں دیا گیا اور مجھے یہاں سے جانے کے لیے کہہ دیا گیا۔ واہ میاں! واہ کیا طوطا چشمی ہے؟''

اس نے ناگواری سے ان سب کو دیکھا پھر کمرے سے باہر آ گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا ساتھ والے کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ وہاں دستک دی، اندر سے عروج کی آواز سنائی دی ''کون ہے......؟''

وہ بڑی نرمی اور محبت سے بولا ''بیٹی! میں ہوں۔ عینی سے کہو۔ ہادی ماموں آئے ہیں۔''

دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر آیا تو عینی اور عروج نے اسے سلام کیا۔ وہ ان کے سلام کا جواب دینے کے بعد بولا ''آہا...... آج تو میری بیٹی بالکل دلہن لگ رہی ہے۔''

عروج نے کہا ''ہادی ماموں! اسے دلہن بنایا گیا ہے۔ اسی لیے یہ دلہن لگ رہی ہے۔''

''ہاں...... ہاں...... مجھے پتا ہے۔ یہ تم دونوں نے بہت اچھا کیا جو شادی کا فیصلہ کر لیا۔''

''ہادی ماموں! ہم دونوں کی شادی نہیں ہو [illegible] صرف عینی کی ہو رہی ہے۔ اسی نے یہ فیصلہ کیا ہے۔''

''ہاں۔ میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ شادی [illegible] ہے لیکن ہر معاملے میں فیصلہ تو تم دونوں مل کر ہی [illegible] تمہارے مشورے کے بغیر عینی کبھی اتنا بڑا فیصلہ [illegible] سکتی۔''

عروج وہاں سے چلتی ہوئی سنگھار میز کے قریب [illegible] بیگ میں ہاتھ ڈال کر آئی ڈراپس کی شیشیاں نکا[illegible] بولی ''عینی! بیڈ پر لیٹ جا۔ آنکھوں میں دوا ڈالنی [illegible]''

ہادی میاں نے کہا ''تم اس کی آنکھوں میں [illegible] ڈالتی رہتی ہو؟ کوئی فائدہ تو ہو نہیں رہا ہے۔ کیوں [illegible] تمہیں صاف طور سے دکھائی دے رہا ہوں؟''

وہ بولی ''نہیں۔ مجھے ہر چیز دھندلی دکھائی د[illegible] عروج ڈاکٹر ہے اور یہ آئی اسپیشلسٹ کے مشور[illegible] مجھے دوائیں دیتی ہے۔''

عروج نے کہا ''آئی اسپیشلسٹ جو دوائی[illegible] ہے۔ میں اسے وہی استعمال کراتی ہوں۔''

وہ بولا ''تو پھر فائدہ کیوں نہیں ہو رہا ہے؟''

''فی الحال تو اتنا ہی فائدہ پہنچ رہا ہے کہ [illegible] بحال رہے گی۔ اسے دھندلا سا نظر آتا رہے گا [illegible] نہیں۔ یہ ہماری دنیا کو اس حد تک تو دیکھتی رہے گی [illegible]''

ایک ملازمہ نے آ کر عروج سے کہا ''آپ [illegible] آئے ہوئے ہیں۔ آپ کو پوچھ رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ تم چلو، میں آتی ہوں۔''

عینی نے کہا ''عروج! پہلے تو نیچے جا۔ ممی او[illegible] ملاقات کر۔ یہ آئی ڈراپس بعد میں بھی ڈالے جا [illegible]''

عروج نے کہا ''وہ تجھ سے ملنا چاہیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ تو چل......! میں بھی نیچے آ ر[illegible]''

''نہیں۔ جب تک نکاح نہ ہو جائے۔ [illegible] کمرے کے اندر ہی رہنا ہے۔ باہر نہیں نکلنا ہے [illegible] ڈیڈی کو یہاں لے آتی ہوں۔''

ہادی میاں نے کہا ''عروج ٹھیک کہتی [illegible] گھونگھٹ میں چھپا کر رکھا جائے تو اس کے ح[illegible] رہتی ہے۔''

عروج چلی گئی۔ ہادی میاں دواؤں کی طرف [illegible] اور سوچ رہا تھا ''اگر مسلسل دوائیں نہ ڈالی جا[illegible] کے قابل نہیں رہے گی۔ ہو سکتا ہے۔ یہ ابھی بینا[illegible]

[illegible] یہ صدمہ پہنچے گا تو نکاح نہیں پڑھایا جائے گا۔''

[illegible] نے پوچھا ''بیٹی! کیا تم یہ دوائیں مسلسل استعمال [illegible]؟''

[illegible] نے سر ہلا کر کہا ''ہاں...... لیکن کل سے مکمل ناغہ ہو رہا [illegible] رات سے اب تک میں نے ایک بار بھی یہ دوا [illegible] ں کی ہے۔''

[illegible] تو آنکھوں میں تکلیف ہو رہی ہوگی؟''

[illegible]...... دوپہر کو میں نے تکلیف محسوس کی تھی لیکن ایسے [illegible] گرفتار تھی کہ دوا استعمال نہ کر سکی۔''

[illegible] میاں نے دل ہی دل میں کہا ''اگر اب بھی دوا [illegible] نہ کرو تو شاید آنکھوں کی تکلیف مزید بڑھ جائے اور......''

[illegible] سوچتا ہوا، دھیرے دھیرے آگے بڑھتا ہوا سنگھار [illegible] قریب آ گیا۔ دوا کی ایک شیشی کو اٹھا کر بولا ''تم کسی [illegible] ـپیشلسٹ سے یہ کیوں نہیں کہتیں کہ دوائیں تبدیل کی [illegible] شاید نئی دواؤں سے کوئی افاقہ ہو۔''

[illegible] ینی نے اپنے ماموں کے ہاتھ میں ایک شیشی دیکھی۔ [illegible] نے پوچھا ''کیا میں تمہیں دھندلا سا دکھائی دے رہا [illegible]''

''جی ہاں۔ اب تو نظر بہت زیادہ دھندلا گئی ہے۔ بس [illegible] روج آ کر دوا ڈالے گی۔''

''کیا اس دوسری شیشی کی دوا بھی استعمال کرتی ہو؟''

عینی نے سر جھکا کر اس دوسری شیشی کو دیکھا۔ اس کی [illegible] اوپر سے نیچے ہوئیں تو ہادی نے اپنے ہاتھ میں پکڑی [illegible] شیشی کو زور سے فرش پر دے مارا۔ وہ شیشی ایک چھناکے [illegible] ساتھ ہی چکنا چور ہو گئی۔ اس کے اندر کی دوا فرش پر دور [illegible] پھیل گئی۔ عینی نے حیرانی سے پوچھا ''ماموں جان! یہ [illegible] نے کیا کیا؟''

''بیٹی! وہ...... وہ...... میں نے کچھ نہیں کیا۔ شیشی [illegible] ک ہی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی ہے۔''

''بیٹی! میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ کیا تم مجھے اپنا دشمن [illegible] تی ہو؟ کیا میں نے جان بوجھ کر شیشی گرائی ہے؟ یوں مجھ [illegible] بدنہ کرو۔ میں تمہارا سگا ماموں ہوں۔''

''ٹھیک ہے، آپ نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا لیکن [illegible] رج آ کر بتائے نہیں ان میں سے کون سی دوا میری آنکھوں [illegible] ماڈالنے والی تھی؟''

''پریشان کیوں ہوتی ہو؟ عروج آئے گی تو میں ابھی [illegible] سے اس دوا کا نام لکھواؤں گا اور فوراً کسی میڈیکل اسٹور سے یہ دوا لے آؤں گا۔''

وہ اپنے ماموں کی طرف سے منہ پھیر کر بیڈ کی طرف آئی پھر اس کے سرے پر بیٹھ گئی۔ ہادی میاں اس دوسری شیشی کو اس کی مٹھی میں دیکھ رہا تھا۔ سوچ رہا تھا ''وہ اس شیشی کو کہیں رکھے تو میں اسے چرا کر یہاں سے لے جاؤں گا۔ آج اس کی آنکھوں میں دوا نہ ڈالی جائے تو بہتر ہوگا۔ اگر قاضی صاحب کے آنے تک اس کی آنکھوں میں جلن شروع ہوگی، تکلیف بڑھنے لگے گی تو پھر نکاح نہیں پڑھایا جا سکے گا۔''

وہ سوچ رہا تھا ''میں ایسے وقت نکاح پر اعتراض کروں گا۔ ایک تو فون پر نکاح پڑھایا جا رہا ہے اور دولہا نظروں سے اوجھل رہے گا۔ ادھر دلہن کی بینائی نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ یہ تکلیف میں مبتلا رہے گی۔ ایسے وقت میں تو کیا، سب ہی کہیں گے کہ نکاح کو ملتوی کر دیا جائے۔ آج نہ سہی۔ کل پڑھایا جائے...... اور کل کبھی نہیں آتا۔''

وہ سگا ماموں سوچ رہا تھا کہ اس کی سگی بھانجی آج ہی کسی طرح اندھی ہو جائے۔ اس کی یہ خواہش پوری ہو سکتی تھی، اگر وہ کوئی سازش نہ کرتا۔ جو دوائیں رکھی ہوئی ہیں۔ انہیں استعمال کرنے کا موقع دیتا۔ یوں اس کی مراد بر آتی۔

بعض اوقات سازش کرنے والے یہ سمجھ نہیں پاتے کہ اپنے مخالف کے خلاف جو چال چل رہے ہیں، وہ چال انہیں نقصان پہنچانے کے بجائے الٹا فائدہ پہنچا رہی ہے۔

اس مضر دوا کی دوسری اور آخری شیشی عینی کی مٹھی میں تھی۔ ہادی میاں اس آخری شیشی سے بھی اسے محروم کر دینا چاہتا تھا۔ ادھر ہادی ماموں تدبیر کر رہا تھا، ادھر عینی تقدیر اور تدبیر کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ آنے والے لمحات میں فیصلہ ہونے والا تھا کہ وہ آخری شیشی ہادی میاں کے ہاتھ لگ جائے گی اور وہ اندھی ہونے سے بچ جائے گی یا پھر ہادی ماموں ناکام رہے گا اور اس شیشی کی خطرناک دوا اس کی آنکھوں تک پہنچ جائے گی؟

میں ایسے ہی تماشے کرتا ہوں۔ اس تماشے کے کردار ہادی میاں کو عینی کا بدترین دشمن بنا سکتا ہوں اور رحمت کا فرشتہ بھی۔

☆☆☆

گل خانم کا ذکر بہت ضروری ہے۔ کیونکہ وہ آئندہ فلک سکندر حیات مرحوم کے خاندان میں اور ذیشان اور اسما کی زندگی میں بہت اہم رول ادا کرنے والی تھی۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ گل خانم کن مراحل سے گزرتی ہوئی اس خاندان تک پہنچنے والی ہے؟

ابھی تو وہ یاور خان کے غصے اور بے اعتمادی کی سزا بھگت رہی تھی۔ اس نے غصے میں آ کر اسے طلاق دی تھی اور اب وہ مطلقہ کی حیثیت سے عدت کے ایام گزار رہی تھی۔ اس نے خود کو اپنی کوٹھی میں مقید کر لیا تھا۔ چار ماہ اور دس دنوں تک نہ تو کسی نامحرم سے ملنا تھا اور نہ ہی کسی سے بات کرنی تھی۔ اسے سخت پردے میں رہنا تھا لیکن یاور خان اسے طلاق دینے کے بعد بری طرح پچھتا رہا تھا۔ اس سے رجوع کرنا چاہتا تھا۔

اگرچہ وہ غصہ ور تھا لیکن اس کا دیوانہ تھا۔ گل خانم بھی کچھ کم نہ تھی۔ شادی سے پہلے ہی اس کی دیوانی ہو گئی تھی۔ ماں باپ اور گھر والوں کی مخالفت کے باوجود اس نے یاور سے شادی کی تھی۔ پچھلے تین برسوں میں ان دونوں نے ایک دوسرے کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا اور ایک دوسرے کے ایسے عادی ہو گئے تھے کہ اب جدائی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

اگر دنیا والے انہیں روکتے تو وہ کبھی نہ رکتے، دنیا والے جتنی بھی دیواریں کھڑی کرتے، وہ انہیں توڑ کر ایک دوسرے کے گلے لگ جاتے لیکن مسئلہ دین و ایمان کا تھا۔ دینی اصولوں کے مطابق گل خانم چار ماہ دس دنوں تک یاور خان تو کیا......؟ کسی بھی نامحرم کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی اور نہ ہی اپنا چہرہ دکھا سکتی تھی۔ عدت کے ایام گزارنے کے بعد اگر وہ پھر سے یاور کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہتی تو اس کے لیے حلالہ کے مرحلے سے گزرنا لازم تھا۔

پھر جب وہ دوسرا شوہر اسے اپنی مرضی سے طلاق دیتا تو وہ دوبارہ عدت کے ایام پورے کر کے یاور خان کے نکاح میں آ سکتی تھی۔

طلاق کے بعد جدائی نے بتایا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے کتنے ضروری ہیں؟ جدائی کے ہر لمحے میں وہ تڑپ رہے تھے۔ نہ بھوک لگ رہی تھی، نہ نیند آ رہی تھی۔

انسان پابندیوں میں رہنے کا عادی نہیں ہوتا۔ اگر اسے جبراً روکا جائے تو وہ ملنے کے لیے چور دروازوں سے آ جاتا ہے گل خانم کو یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ یاور خان کبھی چھپ کر آدھی رات کے بعد آ سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ کیا کرے گی؟ کیا اسے روک سکے گی؟ اس کی قربت اسے بہکائے گی۔ وہ ایسے خواب دیکھنے لگی تھی کہ وہ رات کو چوری چھپے آتا ہے اور اسے اپنی آغوش میں رات بھر جگاتا رہتا ہے۔

وہ بہت مستقل مزاج تھی۔ بہت ہی مضبوط قوتِ ارادی کی مالک تھی لیکن یاور خان کی طلب اسے کمزور بناتی جا رہی تھی۔ وہ سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ اپنے ایمان پر قائم رہنا ہے، دینی اصولوں کے مطابق چلنا ہے، اور جلد ہی ایسا راستہ نکالنا ہے کہ یاور خان کی طلب آسان ہو جائے احکامات کی نفی بھی نہ ہونے پائے۔

سچ تو یہ ہے کہ اس کی طلب نے اسے ایب[illegible] تھا۔ رات کے دو بجے اچانک ہی اس کی آنکھ کھل گئ[illegible] خان نے خواب میں آ کر اسے جگایا تھا۔ وہ اس قریب آ گیا تھا کہ گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی تھی۔ ساتھ یہی ہونے لگا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، یہ اچھی طرح سمجھ گئی کہ اب آئے گی، وقت نہیں گزرے گا۔ صبح نہیں ہو گی۔ اپ[illegible] کی بے چینی کو سمجھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ کوئی ایسا غمگسار بھی نہیں تھا جو اسے مشورہ دے سکے کہ ایسے کیا کرنا چاہیے؟

ذیشان نے اسے مشورہ دیا تھا کہ کم از کم عدت تک تو اسے صبر کرنا ہی ہو گا۔ اس کا نوزائیدہ بچہ مر[illegible] اس کے لیے بھی تڑپتی تھی۔ دل کو یہ صدمہ لگا ہوا ت[illegible] خان اب اس کی زندگی میں نہیں آ سکے گا۔ وہ ماں بن سکے گی پھر کوئی بچہ اس کی گود میں نہیں آئے گا۔ اس[illegible] دور نہیں کرے گا۔

ذیشان نے کہا تھا، وہ صدا محروم نہیں رہے گی بچے کی خاطر ہی شادی کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ عورت ماں نہیں بنتی، مکمل عورت نہیں بنتی اور اسے مکمل عورت بننا ہے۔

دو طرفہ تقاضے تھے اور درمیان میں وہ تھی۔ ا[illegible] یہ تقاضا تھا کہ نوزائیدہ بچہ مر چکا ہے، وہ اسے جی[illegible] سے نہ لگا سکی، اپنا دودھ نہ پلا سکی، اس پر اپنی بھرپور[illegible] نہ کر سکی۔ ممتا کی یہ محرومی تقاضا کر رہی تھی کہ اسے [illegible] ماں بننے کے لیے شادی کرنا ہی ہو گی۔

دوسری طرف یاور خان کا تقاضا تھا کہ وہی [illegible] ہے، وہی اس کا آخر ہے۔ اس عاشق شوہر کے سوا[illegible] اس کی تنہائی میں نہیں آئے گا۔ لہٰذا وہ اسے بلائے بلائے۔ کسی طرح بھی بلائے۔ دیر نہ کرے، در[illegible] ہو جائے گا۔

اندھیریوں ہوتا ہے کہ انسان جذبات کی ش[illegible] بھٹک جاتا ہے۔ بہک جاتا ہے۔ گمراہ ہو جاتا ہے اور[illegible] اسے گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ اب اپنے شوہر جانا بھی سراسر گناہ ہو گا اور اسے ہر حال میں گناہ بچانا تھا۔

موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ دھڑکنیں ایک [illegible]

[illegible] فون کا بزر سنتے ہی وہ سمجھ لیتی تھی کہ اس کا یاور اسے [illegible] ہے اس کا اور کوئی ایسا دیوانہ نہیں تھا جو رات کے ڈھائی [illegible] ے پکارتا۔ اس نے سی ایل آئی میں نمبر پڑھا۔ وہ کوئی نیا [illegible]۔ وہ تعجب سے سوچنے لگی "یہ کس کا موبائل نمبر ہے؟" اس نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو ......؟"

یاور خان کی آواز نے اس کے دل کو مٹھی میں لے لیا [illegible] خاناں! میں ہوں...... اور کون ہو سکتا ہے؟"

وہ حیرانی سے بولی "مگر یہ تو موبائل نمبر ہے؟"

"میں نے تمہاری خاطر یہ موبائل فون خرید لیا ہے۔ اب [illegible] دیا رات۔ میں کسی وقت بھی تم سے بات کر سکتا ہوں۔"

ایسے وقت وہ چپ ہو جاتی تھی۔ اس کی باتیں سنتی رہتی [illegible]۔ دل چاہتا تھا کہ اس کی آواز کان کے راستے دل میں [illegible] رہے۔ وہ کہہ رہا تھا "میرے فون کرتے ہی تم نے اپنی [illegible] سنائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی میری طرح جاگتی ہو۔"

وہ بڑے دکھ سے بولی "ہاں...... تم نے مجھے بیمار بنا دیا [illegible]۔ راتوں کو جاگنے کی بیماری لگ گئی ہے۔"

"جب پہلی بار ہمارے دلوں میں محبت پیدا ہوئی تھی۔ [illegible] ے ہم ایک دوسرے کے بیمار بن گئے تھے۔ میری ذرا سی [illegible] ف پر تم تڑپ جاتی تھیں۔ تم ذرا سی بیمار ہوتیں تو میں رات [illegible] تمہارے سرہانے جاگتا رہتا تھا۔ آج بھی یہی سلسلہ ہے۔ [illegible] جاگ رہا ہوں اور تمہاری کوٹھی کے باہر کھڑا تمہاری بالکونی [illegible] طرف دیکھ رہا ہوں۔"

یہ سنتے ہی گل خانم کا دل سینے میں تڑپنے لگا۔ بالکونی کی [illegible] ف بھاگنے لگا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی دروازے کی طرف [illegible] منے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا "تم نے سختی سے کہہ دیا ہے کہ میں [illegible] اری کوٹھی میں قدم نہ رکھوں اور پھر ہمارے دینی احکامات [illegible] ا یہی کہتے ہیں۔ میں کیا کروں؟ جب کچھ سمجھ میں نہیں آتا [illegible] دیوانگی یہی سمجھاتی ہے کہ غلطی کرنے والے! تو سزا پاتا [illegible] ہے، راتوں کو سونا چھوڑ دے، اور اپنی محبوبہ کی گلیوں میں [illegible] ھکتا رہے، اس کے دروازے کے سامنے سر پھوڑتا رہے۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی، جذبات سے لڑکھڑاتی ہوئی، [illegible] لکونی میں پہنچی۔ کوٹھی کے باہر اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں وہ [illegible] یوانہ دکھائی دے رہا تھا۔ بجلی کے کھمبے کے پاس کھڑا بالکونی [illegible] طرف دیکھ رہا تھا پھر بولا "واہ گل جاناں! تیرا سایہ دکھائی [illegible] ے رہا ہے۔ تو پرائی ہو گئی ہے، اب تو تیرا وجود بھی سایہ سا لگتا ہے۔"

وہ اس کی طرف بڑی محبت سے دیکھتے ہوئے بولی "ہاں...... تم نے مجھے ایسا بنا دیا ہے کہ میرا وجود اب تمہارے لیے معتبر ہو گیا ہے۔ سایہ بن گیا ہے۔ تم اسے چھونا بھی چاہو گے تو کچھ حاصل نہیں کر سکو گے۔ تم نے مجھے لاحاصل بنا ڈالا ہے۔"

"گل خاناں! مجھے بار بار طعنے نہ دو۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ ایک غلطی نے ہمیں ایک دوسرے سے کتنا دور کر دیا ہے؟ ہم دریا کے دو کنارے بن گئے ہیں۔ میں دن رات سوچتا رہتا ہوں کہ کس طرح مل پائیں گے؟ لیکن کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ لے دے کر یہ ایک فون رہ گیا ہے۔ اس کے ذریعے ہم ایک دوسرے کی آواز سن سکتے ہیں۔"

وہ بالکونی سے واپس اپنے کمرے میں آئی، ایک سوئچ کو آن کر کے دوبارہ بالکونی میں آئی تو وہاں روشنی ہو چکی تھی وہ فون پر آہ بھر کر بولا "ہائے گل خاناں! بالکونی میں چاند نکل آیا ہے۔"

"انسان نے اپنی جدوجہد سے آسمان کے چاند کو چھو لیا، اس کی آغوش میں پہنچ گیا لیکن تم زمین کے چاند کو کبھی نہیں چھو سکو گے۔"

"سرخ پوشے کہ لب بام نظر نی آئید۔"
"نہ بہ زور، نہ بہ زاری، نہ بہ زرنی آئید۔"

"یہ جو تمہیں نظر آ رہی ہے، اسے تم نہ تو طاقت سے حاصل کر سکتے ہو، نہ دولت سے اور نہ ہی آہ و زاری سے۔ ہمارا کیا ہو گا یاورا......؟"

"تم چاہو تو گل جاناں! میں چاند کو چھو سکتا ہوں۔"

"کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ ایک چاند کو چھونے کے لیے اپنا ایمان خراب کرو گے؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا "یہی ایک مجبوری ہے۔ ہم جان سے جا سکتے ہیں مگر ایمان سے نہیں جا سکتے۔ دین ایمان نہ ہو تو انسان تہذیب اور شرافت سے خالی ہو جاتا ہے۔ میں ایمان کی سلامتی کے ساتھ تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہمیں کسی عالمِ دین سے رجوع کرنا چاہیے۔ وہ ضرور ہمیں کوئی مناسب راستہ بتائیں گے۔ ایسا راستہ جس پر میری شرم و حیا اور ایمان برقرار رہے اور ہم پھر سے ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں۔"

وہ بولا "میں نے معلوم کیا ہے۔ یہاں گرد مندر کے پاس ایک بلوری مسجد ہے۔ وہاں کتنے ہی علمائے دین موجود رہتے ہیں۔ ہم وہاں جائیں گے، اور قابلِ عمل ہدایات حاصل کریں گے۔"

''میں بہت مجبور ہوگئی ہوں۔ کسی عالمِ دین سے جلد ہی ملنا چاہتی ہوں۔''

اس نے کہا'' کل صبح ہی میرے ساتھ بلوری مسجد چلو۔''

''ہاں۔ میں ضرور جاؤں گی مگر تمہارے ساتھ نہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ تم اپنی کار میں رہوگی اور میں ٹیکسی میں تمہارے پیچھے پیچھے آؤں گا۔ وہاں عالمِ دین کی موجودگی میں بھی تم چادر میں چھپی رہوگی، مجھ سے پردہ کروگی پھر بھی مجھے کتنی تسکین حاصل ہوگی تم پردہ کرنے کے باوجود میرے قریب رہوگی۔''

یاور خان کی چاہت اور قریب سے قریب تر ہوجانے کی دیوانگی ایسی تھی کہ اس کے تڑپنے سے گل خانم کا دل اندر ہی اندر لوٹ پوٹ ہونے لگتا تھا۔ اس نے طے کرلیا کہ وہ دوسرے دن کسی عالمِ دین کے پاس جاکر اپنے اس الجھے ہوئے مسئلے کا کوئی آسان حل معلوم کرے گی۔

اس کے لیے تو آسان حل یہی ہوسکتا تھا کہ اسے حلالہ کے مرحلے سے نہ گزرنا پڑے کوئی شخص اس کی تنہائی میں اس کا دوسرا شوہر بن کر نہ آئے......اور ایسا ممکن نہیں تھا۔

☆☆☆

شہباز درانی بڑی بے چینی سے دردانہ بیگم کا انتظار کررہا تھا۔ ایک مسلح ملازم نے آکر اطلاع دی'' باس! میڈم آرہی ہیں۔''

وہ تڑپ کر اٹھ گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا اپنے بیڈروم سے نکل کر کوٹھی کے باہر آیا۔ اس کی بے چینی اور اس کی تڑپ ظاہر کرتی تھی کہ وہ دردانہ کا کیسا دیوانہ ہے؟ وہ کار کا پچھلا دروازہ کھول کر باہر آرہی تھی۔ تمام مسلح گارڈز مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بڑے ناز و انداز سے چلتی ہوئی شہباز کے قریب آئی۔ وہ بولا'' مجھے لگ رہا تھا، تم نے پاؤں میں مہندی لگائی ہے۔ جب تک رنگ نہیں چڑھے گا، تم یہاں نہیں آؤگی اور میں انتظار میں سوکھتا چلا جاؤں گا۔''

وہ مسکرا کر اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی آہستہ سے بولی ''تم تو آس پاس کھڑے ہوئے گارڈز کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ بس عاشقوں کی طرح بولتے چلے جاتے ہو۔ یہ لوگ کیا سوچتے ہوں گے؟ اس قدر شہ زور، دولت مند اور وسیع اختیارات کا مالک میرے پیچھے دیوانہ ہوگیا ہے۔''

''یہ گارڈز کیا چیز ہیں؟ میں تو ساری دنیا کو دکھانا چاہتا ہوں کہ تم میرے لیے کتنی اہمیت رکھتی ہو؟ کسی شہنشاہ نے اپنی محبوب بیوی کے لیے تاج محل بنوایا۔ کسی نے اپنی محبت کے لیے تخت و تاج چھوڑ دیا اور کسی حکمران نے اپنی بیگم کے اشارے پر ہزاروں مخالفین کے سر قلم کردیے۔ میں تمہا لیے کیا کرسکتا ہوں یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔''

وہ بولی'' میرے دشمن ہزاروں میں نہیں ہیں۔ میں انگلیوں پر گن سکتی ہوں اور اپنی انگلیوں پر انہیں نچانا ہوں۔''

وہ بیڈروم میں آگئے۔ اس نے کہا'' تمہارا سب دشمن ایس پی ذیشان حیات ہے، تمہیں یقین کی حد تک شُ کہ اسی نے جواد کو قتل کرایا ہے۔ تم کہتی ہو تو میں بھی کہتا یہ اسی کا کام ہے اور اب اسے اس کی سزا ضرور ملے بولو......کیا چاہتی ہو؟''

''میں نہیں چاہتی کہ اسے فوراً ہی گولی مار کر ہلاک جائے۔ چٹ سے گولی لگے گی اور وہ پٹ سے مرجائے بہت ہی آسان سی موت ہے۔ میں اپنے جواد کے قاتل کو آسانی سے نہیں مرنے دوں گی۔''

''یعنی......تم چاہوگی کہ وہ سسک سسک کر مرے؟''

''ہاں......پہلے میں اس کی وردی اتروانا چاہتی اسے ذلیل کرانا چاہتی ہوں۔ جب ایک اعلیٰ افسر کے اختیارات اس سے چھین لیے جائیں گے تو وہ بے دست ہوجائے گا۔''

وہ بولا'' کسی کو اچانک چھپ کر مار ڈالنا بہت آسا ہے، لیکن دوڑا دوڑا کر، سسکا سسکا کر مارنے میں جتن ہوتی ہے۔ اتنی ہی مشکلات بڑھتی جاتی ہیں اور وہ کوئی شخص نہیں ہے۔ پولیس کا اعلیٰ افسر ہے۔ اس کی اتارنے کے لیے بڑی منصوبہ بندی سے کام لینا ہوگا۔''

وہ مسکرا کر بولی'' میں یہی کررہی ہوں۔ اسی لیے نے تمہارے ذریعے حشمت کی ضمانت لی ہے۔''

''ہاں۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ جس طرح اس تمہارے بیٹے کو رہائی کے بعد ہلاک کرایا ہے۔ وہ اسی حشمت کو بھی ختم کرے گا۔ کیا یہ ضروری ہے؟ کیا تمہیں ہے کہ وہ ایسا ضرور کرے گا؟''

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی'' میں جوان بیٹے کی مو صدمہ برداشت کررہی ہوں۔ چالیس دنوں تک کوئی نہیں مناؤں گی۔ تم میرے لیے جتنی بڑی طاقت بن گ مجھے اس کے صلے میں تمہیں خوش کرنا چاہیے مگر افسوس کہ تمہارے زیادہ قریب نہیں آسکتی۔''

وہ اس کے شانے کو تھپک کر بولا'' میں تمہارے جذبات سمجھ رہا ہوں اور بڑی بے چینی سے انتظار کررہا ہو

چالیس دنوں بعد تم سے شادی کروں گا۔ اس سے پہلے میں اپنی دلہن کی ہر خواہش اور مطالبہ پورا کررہا ہوں۔ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ایس پی ذیشان تمہارے قدموں میں آکر گڑگڑائے گا معافیاں مانگے گا اور تم اسے ٹھوکریں مارو گی۔ لیکن جیسا کہ کہہ چکا ہوں۔ ذرا چالبازی سے کام لینا ہوگا۔ بڑی حکمتِ عملی سے اس کی وردی اتروانی ہوگی۔ وردی اترنے کے بعد وہ پہاڑ سے چیونٹی بن جائے گا۔''

وہ بولی'' تم نے ابھی پوچھا ہے کہ کیا وہ حشمت سے بھی انتقام لے گا اور اسے موت کے گھاٹ اتارے گا؟ تو میرا جواب ہے کہ وہ ایسا ضرور کرے گا۔ میں برسوں اس خاندان میں رہ کر اسے قریب سے دیکھتی آئی ہوں۔ وہ بہت ہی ضدی اور خود دماغ شخص ہے۔ جس مجرم کو عدالت سے رہائی ملتی ہے۔ اسے معاف نہیں کرتا۔ موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ یہ میرے سامنے کی بات ہے۔ پچھلے دس برس میں دو مجرم ایسے تھے۔ جنہیں عدالت سے رہائی کا حکم مل گیا تھا۔ ان میں سے ایک حادثے کا شکار ہوگیا اور دوسرے کو کسی نے گولی ماردی۔

ان مرنے والوں کے رشتے داروں نے احتجاج کیا تھا۔ ایس پی ذیشان کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ لیکن ان آوازوں کو دبا دیا گیا تھا۔ تم اپنے دستِ راست اسد عزیزی کو حکم دو کہ وہ اس معاملے کی چھان بین کرے تو دو چار اور ایسے مجرموں کے ریکارڈ سامنے آئیں گے۔ جنہیں ایس پی ذیشان نے عدالتی فیصلوں کے خلاف مار ڈالا ہے۔''

''میں اسد عزیزی کو ابھی حکم دوں گا۔ وہ چوبیس گھنٹوں کے اندر ایسے مجرموں کا ریکارڈ دیکھ سکے گا۔ جنہیں ایس پی ذیشان نے پچھلے دس بارہ برسوں میں گرفتار کیا تھا۔ انہیں عدالت میں پیش کیا تھا اور جو مجرم ہوتے ہوئے بھی عدالت سے باہر آئے تھے اور پھر ذیشان کے ہاتھوں مارے گئے۔ یہ ساری معلومات حاصل کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔''

''میں بھی چوبیس گھنٹوں تک انتظار کروں گی کہ ذیشان حشمت کو ٹھکانے لگاتا ہے یا نہیں؟ ویسے بھی وہ محتاط ہوگیا ہے۔ میری چال بازی سمجھ رہا ہے۔ شاید اس سے دور ہی رہے۔ لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ تمہارے آدمی حشمت کو ٹھکانے لگادیں گے۔ اور اس کا الزام ذیشان پر آئے گا۔''

وہ مسکرا کر اسے تھپکتے ہوئے بولا۔'' میری جان! تم جیسا چاہوگی ویسا ہی ہوگا۔''

اس نے اسد عزیزی کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ پچھلے دس بارہ برسوں میں جتنے مجرم بھی ایس پی ذیشان کی حراست میں آئے ہیں اور وہ مجرم ہونے کے بعد اپنی چال بازی سے رہا ہوئے ہیں ان سب کے ریکارڈ نکلوا کر لائے۔ ان کے نام پتے اور ان کے جرائم کی لسٹ۔ پھر یہ کہ وہ عدالت سے بری ہونے کے باوجود کس طرح مرے؟

اسد عزیز نے تمام احکامات سننے کے بعد کہا'' یس سر! میں کل تک ساری معلومات حاصل کرلوں گا۔''

دردانہ نے پوچھا'' اس ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی کا کیا بنا......؟''

''ہمارے آدمیوں نے فائرنگ کی تھی۔ وہ ٹیکسی کے اندر تھا اس لیے بچ گیا۔ اور فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ ہمارے آدمی اسے تلاش کررہے ہیں۔''

شہباز درانی نے پوچھا'' تم ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور کو اہمیت کیوں دے رہی ہو؟''

''وہ معمولی ہے لیکن زبردست مہرہ ہے۔ ایس پی ذیشان اس سے نفرت کرتا ہے۔ یہ نہیں چاہتا کہ اس کی بہن کی شادی اس سے ہو۔ اس لیے میں نے پہلے فون پر پاشا کو یہ دھمکی دی کہ پولیس والوں سے دشمنی کروگے تو موت کو دعوت دوگے۔ اسی طرح پھر ہمارے آدمیوں نے اس پر فائرنگ کی اور اب یہ الزام ذیشان پر آرہا ہے کہ اسی نے پاشا پر فائرنگ کروائی ہے۔ یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ وہ جس سے نفرت کرتا ہے اس کے خلاف ایسی کارروائی کرتا ہے۔''

شہباز نے اسد سے کہا'' جاؤ۔ اور یہ کام کرو۔''

وہ سلام کرکے چلا گیا۔ شہباز نے مسکرا کر دردانہ سے کہا'' تم بہت ہوشیار ہو۔ بڑی چالاکی سے ایس پی کو گھیر رہی ہو۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ ایسا لگتا ہے تم میرے ایسے بہت سے معاملات میں ساتھ دے سکوگی۔ اور میری غیر موجودگی میں میری ذمہ داریاں سنبھال سکوگی۔''

وہ ایک ایزی چیئر پر آرام سے بیٹھتے ہوئے بولی'' میں نے شطرنج کی جو بساط بچھائی ہے۔ اس پر ایک نیا مہرہ آیا ہے میں اسے ڈرائیو کرنا چاہتی ہوں۔ اور پوری طرح اپنے قابو میں رکھنا چاہتی ہوں۔''

''اگر وہ بہت اہم مہرہ ہے تو قابو میں ضرور آئے گا۔ بتاؤ وہ کون ہے؟''

''مقدر حیات۔ اس کا نام مقدر حیات ہے۔ میرے شوہر فلک سکندر حیات نے اپنے تمام رشتہ دار اور خاندان والوں سے چھپ کر ایک شادی کی تھی۔ اس بیوی سے ایک بیٹا ہوا تھا۔ سکندر حیات نے اتنی رازداری سے کام کیا تھا کہ آج تک یہ راز معلوم نہ ہوسکا۔ آج اس کے وکیل اخلاق احمد نے

اس کی وصیت کا دوسرا حصہ سنایا تھا تو معلوم ہوا کہ مرحوم فلک سکندر حیات کی صرف ایک ہی بیٹی عینی نہیں ہے اس کے علاوہ بھی ایک بیٹا ہے۔ جواب تک اس کا کاروبار سنبھالتا آیا ہے۔ اس کے باپ کی جائیداد میں اس کا حصہ عینی سے زیادہ ہے۔"

"میری جان!۔ صرف دولت کی بات ہے تو اسے اہمیت نہ دو۔ اب تم اتنی دولت مند ہوگئی ہو کہ جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ دنیا کے کتنے ملکوں کے کتنے شہروں میں ہمارا بینک اکاؤنٹ ہے۔ اور کتنے لاکرز میں ہیرے جواہرات رکھے ہوئے ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "مجھے اندازہ ہے تم دنیا کے امیر ترین لوگوں میں سے ایک ہو۔ لیکن میں صرف دولت کی خاطر مقدر حیات کو ٹریپ کرنا نہیں چاہتی بلکہ جس خاندان میں میرے بیٹے جواد کو جگہ نہیں ملی۔ میں اس خاندان کو.... بالکل تباہ و برباد کرنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ شطرنج کی یہ بازی تمہارے لیے دلچسپ ہے تو پھر خوب جم کر کھیلو۔ میں تمہارے مہروں کو آگے بڑھاتا رہوں گا۔"

دردانہ نے اپنا پرس کھول کر ایک چھوٹی سی ڈائری نکالی۔ پھر اسے کھولتے ہوئے بولی۔ "وکیل اخلاق احمد نے مقدر حیات کا فون نمبر اس کا پتا وغیرہ بتایا تھا۔ میں نے بھی وہ سب کچھ نوٹ کیا تھا۔ ابھی رابطہ کرتی ہوں۔"

اس نے اپنے موبائل پر نمبر ملائے۔ چھوٹی اسکرین پر دیکھتی رہی۔ پھر اسے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو کیا میں مقدر حیات سے بات کرسکتی ہوں؟"

دوسری طرف سے میں نے کہا۔ "جی ہاں۔ آپ اس وقت مقدر حیات سے ہی بات کررہی ہیں کیا آپ اپنا تعارف کروانا پسند کریں گی؟"

"بیٹے!۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ میرا نام دردانہ بیگم ہے۔ جیسا کہ آج وکیل اخلاق احمد نے انکشاف کیا ہے کہ مرحوم نے ایک اور شادی کی تھی۔ تو اس حساب سے میں مرحوم کی تیسری بیوی تھی۔ اب بیوہ بن کر زندگی گزار رہی ہوں۔"

میں نے چہک کر کہا۔ "اوہ مائی ڈیئر ممی!۔ آپ دردانہ بیگم ہیں؟ یعنی کہ میری امی ہیں۔ میں نے وکیل اخلاق احمد سے کہا تھا کہ جب کراچی آؤں گا تو اپنی ممی دردانہ بیگم سے ضرور ملوں گا۔ جانتی ہیں کیوں۔؟"

"بیٹے!۔ تمہاری باتیں سن کر اتنی خوشی ہورہی ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتی۔ تم مجھ سے باتیں کر کے خوش ہورہے ہو اور مجھ سے ملنا بھی چاہتے ہو۔ یہ بتاؤ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟ مجھے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟"

"یہ تو سیدھی سی بات ہے کہ میرے ڈیڈی نے ز شادیاں کیں۔ تین میں سے دو مائیں اللہ کو پیاری ہو ہیں۔ ایک آپ ہی رہ گئی ہیں۔ جنہیں میں اب امی یا ممی۔ آپ چاہیں گی وہ کہوں گا لیکن آپ کو چھوڑوں گا نہیں۔"

وہ خوشی سے کھل کر بولی "تم نے گفتگو کی ابتدا کرتے میرا دل جیت لیا ہے۔ مجھے بتاؤ بیٹا تم کہاں ہو؟ میں تم سے چاہتی ہوں۔"

"میں کل صبح کی فلائٹ سے لندن جارہا ہوں۔ اس بعد سوئٹزر لینڈ اور پھر فرینکفرٹ جاؤں گا۔ کاروباری دو ہے۔ شاید پندرہ دنوں میں واپسی ہوگی تو میری نگاہیں آپ ڈھونڈتی ہوں گی۔"

وہ مسکرا کر بولی "معلوم ہوتا ہے۔ میرے بیٹے کی زند میں کوئی لڑکی نہیں آئی ہے؟ اسی لیے ماں سے اتنی رومانی محب کررہے ہو؟"

"آپ نے بالکل صحیح اندازہ لگایا ہے۔ میری زندگی ابھی تک کوئی لڑکی نہیں آئی ہے۔ دراصل میں کاروبار ذہانت رکھتا ہوں۔ عشق و محبت کے چکر میں نہیں پڑتا۔ یہ سو رکھا ہے کہ خاندان کی ہی کسی لڑکی سے شادی کروں گا۔ ا آپ نے مجھے فون پر مخاطب کیا ہے تو یہ صاف صاف کہہ د ہوں کہ آپ ہی میرے لیے کوئی لڑکی پسند کریں گی۔"

دردانہ اگرچہ بہت مکار تھی لیکن میں بھی عورتوں جذبات سے کھیلنا جانتا ہوں اور خاص طور پر ایک ماں جذبات کو چھیڑنا اور متاثر کرنا کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ وہ خو سے رو پڑی۔ میں نے کہا "ارے امی آپ کیوں رو ر ہیں؟"

"بیٹے......! اب میں کیا کہوں کہ کل ہی میرا جوان قتل ہوگیا ہے۔"

میں نے حیرانی ظاہر کی "یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ ابھی تو م آپ سے مل کر خوش ہورہا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ اند سے ٹوٹی ہوئی ہیں اور جوان بیٹے کا صدمہ سہہ رہی ہیں۔"

"بیٹے......! میں بہت مضبوط دل کی عورت ہوں۔ م نے بیٹے کی موت پر زیادہ آنسو نہیں بہائے۔ بڑے حو سے یہ صدمہ برداشت کیا ہے۔ اچانک تمہاری باتیں سن کر ا لگا جیسے وہ پھر سے زندہ ہوگیا ہے اور مجھے اپنی طرف بلا ر ہے۔ تمہاری پیار بھری باتیں مجھے رلا رہی ہیں۔"

"امی......! آپ مجھے اپنا ہی بیٹا سمجھیں گی تو آپ کو رو نہیں آئے گا۔ آنسو تھم جائیں گے۔ پلیز......میری بات مان

نسو پونچھ لیں۔"

وہ اپنے دوپٹے کے آنچل سے آنسو صاف کر کے بولی بیٹے......! میں تمہاری بات مان رہی ہوں اور ہمیشہ ں گی۔ میری دعا ہے کہ تم اپنے کاروبار میں ہمیشہ کامیاب تے رہو۔ یہاں واپسی سے پہلے مجھے فون کرنا۔ میں تمہیں ائرپورٹ آؤں گی۔"

"میں فون تو ضرور کروں گا لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں ؟"

"کون سی بات......؟"

"یہی کہ آپ کو اتنا بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ آپ کے بیٹے کو ہلاک کیا گیا ہے۔ تو پھر عینی اور گھر والے شادی کی خوشی ں منا رہے ہیں؟"

"اب تم خود ہی سمجھو بیٹے......! یہ لوگ مجھے کس قدر برا سمجھتے ہیں؟ میں نے عینی کو ایک سگی ماں کا پیار دینے میں ں کمی نہیں کی۔ اس کے باوجود وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ ف رہی نہیں خاندان کے سب ہی لوگ مجھ سے کتراتے ۔"

"وہ لاکھ کترائیں...... لیکن آپ میرے مرحوم والد کی یک حیات رہ چکی ہیں۔ اس اعتبار سے آپ کی عزت کرنا ہیے۔ انہیں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہونا چاہیے۔ دی ابھی نہ سہی پھر کسی روز ہوسکتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں تا کہ یہ کیسا سوتیلا پن ہے؟"

"بیٹے......! میں ان کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی۔ تم اپنی انت سے بہت کچھ سمجھ لوگے۔"

"بے شک۔ میں سمجھ رہا ہوں اور بہت کچھ سمجھ رہا ہوں۔ اں آنے کے بعد میں ان سب کا محاسبہ کروں گا...... لیکن پ وعدہ کریں کہ اب کبھی نہیں روئیں گی؟"

"بیٹے......! میں وعدہ کرتی ہوں۔ دیکھو...... میں نے پنے آنسو پونچھ لیے ہیں۔"

"اور وعدہ کریں کہ اپنے جواد کی جگہ اب مجھے دیکھیں ں۔ سوچیں گی اور یاد کریں گی؟"

"ہاں بیٹے......! اب میری ممتا جوان بیٹے سے محروم یں ہے۔ اس کی جگہ تم مل گئے ہو اور اب میں تمہیں ہمیشہ یاد کروں گی۔ جلد آنے کی کوشش کرنا۔"

"میں جلد آؤں گا۔ او کے امی......! خدا حافظ......"

میں نے فون بند کردیا۔ وہ شہباز درانی سے کہنے لگی "یہ ڑکا تو بہت عجیب نکلا۔ میں اسے ٹریپ کرنا چاہتی تھی۔ اس نے اپنی محبت بھری باتوں سے مجھے ٹریپ کرلیا ہے۔ اس کی باتوں میں اتنی سچائی اور اپنائیت تھی کہ میں بیان نہیں کرسکتی۔"

شہباز نے کہا "تمہارا چہرہ بتا رہا ہے۔ وہ نوجوان مقدر حیات تمہارے مقتول بیٹے کی جگہ لے رہا ہے۔ چلو اچھا ہے۔ بیٹے کے غم کو بھولنے میں آسانی ہوگی۔"

میں مسکرا رہا تھا۔ میں نے پلک جھپکتے ہی دردانہ کا دل جیت لیا تھا۔ اس سے پہلے فلک ناز سے باتیں کرتے وقت کہا تھا "پھوپی جان......! آپ کا لہجہ میرے مرحوم ڈیڈی جیسا ہے۔ آپ بولتی ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے آپ کے پیچھے میرے ڈیڈی بول رہے ہوں۔"

اس طرح وہ خوش ہوگئی تھی پھر میں نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی بیٹی آسرا سے فون پر بات کروں گا اور ملاقات بھی کروں گا۔

دوسری بار میں نے بیگم آفتاب سے بات کی تھی اور اسے کہا تھا کہ اس کی آواز بالکل میری ممی جیسی ہے اور میں انہیں بالکل اپنی ممی سمجھتا ہوں۔

اس بات نے بیگم آفتاب کو خوش کردیا تھا۔ میں نے اسے بھی یقین دلایا تھا کہ مجھے اس کی بیٹی نمرہ سے دلچسپی ہے۔

ادھر دردانہ کے جذبات سے کھیلنے کا موقع مل گیا تھا۔ میں نے اس کے بیٹے کی جگہ لے لی تھی اور اس کی ممتا کو جیت لیا تھا۔

میں تو مقدر ہوں۔ مجھے کسی سے دوستی کرتے اور دشمنی کرتے دیر نہیں لگتی۔ سوچنے کی بات ہے کہ میں ایسے لوگوں سے دیر تک دوستی کیوں کروں جو فطرتاً لالچی بے ایمان اور خود غرض ہیں؟

بے شک...... میں ابھی دردانہ کی ممتا سے کھیلتا رہا۔ اس کے اندر چھپی ہوئی ماں کے جذبات کا شاید مذاق بھی اڑاتا رہا لیکن اگر اسی ماں اور دردانہ کو پاشا فون کرتا اور کہتا کہ میں تمہارے بیٹے کی جگہ ہوں۔ میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں۔ تمہارے بیٹے کی کمی کو میں پوری کروں گا۔ تو کیا وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور کو اپنا بیٹا بنالیتی......؟ نہیں...... وہ میری محبت پا کر اس لیے روئی کہ وہ مجھے ٹریپ کرنا چاہتی تھی۔ میرے پورے خاندان کو برباد کرنا چاہتی تھی۔ جب میں آسانی سے اس کے ہاتھ آگیا اور اسے اپنی ماں تسلیم کرنے لگا تو اس کے لاشعور میں یہ بات تھی کہ آئندہ وہ مجھے مہرہ بنا کر میرے پورے خاندان کو برباد کردے گی۔

اسی طرح میری وہ پھوپی جان فلک ناز تھی اور میری چچی جان بیگم آفتاب تھی۔ سب خودغرض اور لالچی تھیں۔ انہیں مجھ سے نہیں میری دولت اور جائداد سے محبت تھی اور وہ اپنی اپنی

بیٹی کو میری دولت سے بیاہنا چاہتی تھیں۔

مجھے عینی پر افسوس ہے کہ اس کی راہ کی رکاوٹیں ابھی دور نہیں کر سکوں گا۔ پاشا اس سے اور عروج سے بچھڑ رہا تھا۔ میں اسے کسی فلمی ہیرو کی طرح ان دونوں کے پاس نہیں پہنچا سکوں گا۔

عینی کی شامت آنے والی تھی۔ وہ آئی ڈراپس اس کی آنکھوں تک آنے والے تھے۔ میں کیا کر سکتا تھا؟ مجھے تو اس کے ہاتھ کی لکیروں کے مطابق چلنا ہے اور چل رہا ہوں پھر بھی میں نے اتنا تو کیا تھا کہ ہادی میاں کے ذریعے ایک شیشی توڑ ڈالی تھی۔ اب دوسری شیشی کس گھاٹ اترے گی؟ یہی دیکھنا رہ گیا تھا۔

ویسے عینی کے ہاتھ کی ایک لکیر مجھے بہت کچھ بتا چکی ہے۔

☆☆☆

میں نے فون کے ذریعے پاشا سے رابطہ کیا پھر کہا ''وکیل اخلاق احمد نے مجھے عینی کا موبائل نمبر دیا تھا۔ میں نے اس نمبر پر رابطہ کیا تو تم سے بات ہوئی تھی...... یاد ہے نا......؟''

''ہاں...... مجھے یاد ہے۔ تمہارا نام مقدر حیات ہے۔ میں نے تمہیں عروج کا فون نمبر بتایا تھا۔''

''ہاں۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو عینی اور عروج دونوں سے بات کی تھی۔''

''عینی کے بارے میں تمہارے کیا تاثرات ہیں؟''

''وہ میری بہت ہی پیاری بہن ہے۔ اگرچہ سوتیلی ہے لیکن میں اسے سگے بھائی سے بھی زیادہ محبت دینے کی کوشش کروں گا۔''

''اس امیر زادی کی زندگی میں ایک محبت کی کمی ہے۔ جو پوری نہیں ہوتی ہے۔ وہ اپنے چچازاد بھائی ذیشان کو بہت چاہتی ہے۔ ایک بہن کی بھرپور محبت دیتی رہتی ہے لیکن پتا نہیں ذیشان کو کیا ہو گیا؟ پچھلی رات سے وہ بغاوت پر اتر آیا ہے۔ ہمارے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ میں چاہوں گا کہ تم جلد آؤ تاکہ اس خاندان میں، اس گھر میں اسے ایک بھائی کی محبت ملتی رہے۔''

میں بولا ''محبتیں ملنے کے باوجود بدنصیبی تو پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اب یہی دیکھو کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔ آج شادی کرنے والے ہو لیکن یہ کیسی بدنصیبی ہے کہ اس کے روبرو جا کر نکاح نہیں پڑھوا سکتے۔ ہمارے گھر کا ایک بھی فرد تم سے خوش نہیں ہے۔ تم کانٹوں کا سہرا باندھ کر نکاح پڑھوانے والے ہو۔''

''میں نے اسے سمجھایا تھا جلد بازی اچھی نہیں۔ شادی پھر کسی دن ہو جائے گی۔ فی الحال ہمیں اپنے حالات کا سامنا کرنا ہے۔''

''تم نے درست سمجھایا تھا...... پھر عینی نے تمہاری بات کیوں نہیں مانی؟''

''اس کے اور عروج کے لیے ایس پی ذیشان اور ... چیلنج بن گئے تھے۔ وہ مجھے ان کی زندگی سے بہت دور ... چاہتے تھے۔ مجھ پر فائرنگ بھی اسی عداوت کی وجہ سے ہے۔ ان کی یہ حرکتیں عینی اور عروج کے لیے چیلنج بن ... انہوں نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ شادی آج ہی ہو گی۔ ہوئی تو فون پر ہو گی لیکن ہو گی ضرور۔''

''میں اپنے خاندان اور گھر سے دور ہوں مگر ہوں کہ بڑے بڑے تماشے ہو رہے ہیں۔ عداوت کی کہ دردانہ بیگم کا جوان بیٹا جواد مارا گیا اور تم پر گولیاں ... ہیں۔ کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ عینی اور عروج پر بھی جان ... ہو سکتے ہیں؟ یا انہیں کسی طرح کا بھی نقصان پہنچا ... ہے؟''

''ہاں...... یہ اندیشہ ہے کہ ان کے ساتھ بھی ... ہو سکتا ہے۔ ویسے وہ دونوں بہت ذہین ہیں۔ آ... سانپوں کو اچھی طرح پہچانتی ہیں۔ ذہانت اور تدبیر ... بچاؤ کریں گی۔ جیسا کہ میں اپنا بچاؤ کر رہا ہوں۔''

''اس طرح کب تک روپوش رہو گے؟ میرا اندازہ ... ذیشان ایک پولیس افسر ہے۔ بڑے اختیارات کا مالک ... دردانہ بیگم بھی بہت پہنچی ہوئی خاتون ہیں۔ تمہارے ... دشمن ہیں۔ وہ دولت مند اور طاقت ور ہیں۔ ان سے ... بچ سکو گے۔''

''مجھے صرف اوپر والے کا آسرا ہے۔ دنیا میں ... والے بہت ہوتے ہیں لیکن بچانے والا بس ایک وہ ... ہوتا ہے۔ اس کے بعد مقدر سے امید رکھی جاتی ہے ... مہربان ہو تو دشمن اپنی دشمنی بھول جاتے ہیں۔''

میں بولا ''میں نہیں مانتا کہ مقدر سے دشمن اپنی ... بھول جائیں گے۔ جو شیطان ہوتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی حرکت سے باز نہیں آتے۔''

''شیطان ہم انسانوں کے اندر ہی ہوتا ہے۔ جب ... بدلنا چاہتا ہے تو اس شیطان کے اندر رفتہ رفتہ انسانیت ... ہوتی ہے اور دشمن اچانک ہی دوست بن جاتا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ میں بھی دیکھوں گا کہ تم ... کرنے والوں میں سے کون تمہارا دوست اور مددگار بن...

...ل چھ بج چکے ہیں۔ ادھر نکاح کی تیاری پوری ہو چکی ... قاضی صاحب آ چکے ہوں گے اور تمہیں فون پر مخاطب ...ے گا۔ اس لیے میں رابطہ ختم کر رہا ہوں تاکہ تمہارا یہ ...نج نہ رہے۔ میں تمہیں شادی کی پیشگی مبارک باد دے ... حافظ کہہ رہا ہوں۔ میری دعا ہے بخیریت نکاح ...ے۔ ویسے اس شادی کا خدا ہی حافظ ہے...... خدا ...''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ شام کے چھ بجنے والے تھے۔ ... نکاح پڑھوایا جانے والا تھا۔ سید تراب علی شاہ اپنی بیگم ... ہونے والی بہو ڈاکٹر آرزو کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ ... روٹھی ہوئی بیٹی عروج سے ملنا بھی چاہتے تھے اور عینی کو ... کی مبارک باد بھی دینا چاہتے تھے۔ ایسے وقت حشمت ... کوٹھی میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔

اسے آرزو کے فون کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔ وہ ... بتانے والی تھی کہ جو دوائیں عروج کے بیگ میں رکھی گئی ... انہیں استعمال کیا جا رہا ہے یا نہیں......؟ اگر نہیں...... تو ... ل نہ کرنے کی وجہ کیا ہے......؟ اگر ان کی یہ پلاننگ ...م ہو رہی ہے تو انہیں آئندہ کیا کرنا ہو گا؟ کیا وہیں شادی ... تقریب میں کوئی چال چلی جا سکتی ہے؟

حشمت وہیں اپنی کوٹھی کی چار دیواری میں بیٹھے بیٹھے ... کچھ معلوم کرنے والا تھا۔ اس کی ماں اور اس کی محبوبہ ... رزو بھی جائزہ لینے والی تھیں کہ ذیشان کے تیور کیسے ہیں؟ کیا ... صفائی پر آمادہ ہو سکتا ہے؟

اسے یقین تھا کہ اس کا باپ اپنے بیٹے کی خاطر ذیشان ... معافی مانگے گا۔ اس کا دل صاف کرنے کی کوشش کرے ... اگر بات بن گئی۔ صلح ہو گئی تو ذیشان کی طرف سے انتقامی ... کارروائی کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

وہ اپنے حالات کے پیش نظر صرف ذیشان کو ہی اپنا جانی ... سمجھ رہا تھا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دردانہ در پردہ دشمنی ... کرے گی اور وہ ایسا کر رہی تھی۔

اس نے شہباز درانی کے ایک ماتحت سے کہہ دیا تھا کہ ... حشمت کو وقت بے وقت دہشت میں مبتلا کیا جائے اور یہ تاثر ... دیا جائے کہ ایس پی ذیشان اس پر حملے کروا رہا ہے اور وہ اپنے ... گھر کی چار دیواری میں بھی محفوظ نہیں ہے۔

فون کی گھنٹی نے حشمت کو چونکا دیا۔ وہ صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ آرزو اسے مخاطب کر رہی ہے۔ اس نے جھک کر سی ایل آئی پر نمبر پڑھا تو پتا چلا کوئی نیا نمبر ہے۔ کسی اجنبی کا فون ہے۔ رانگ نمبر بھی ہو سکتا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا ''ہیلو......! کون......؟''

دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی آواز سنائی دی ''ہم تمہارے باپ ہیں۔''

وہ غصے سے بولا ''کیا بکواس کر رہے ہو؟''

''ابے کتے......! غصہ دکھا رہا ہے۔ آرام سے بیٹھا ہوا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ تیرے سر پر موت ناچ رہی ہے۔''

اس نے پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ اجنبی فون پر کہہ رہا تھا ''تیرا باپ اتنا دولت مند ہے کہ اپنے گیٹ پر ایک مسلح گارڈ نہیں رکھ سکتا؟ ایسے میں موت کسی روک ٹوک کے بغیر تیرے پاس آ سکتی ہے......یعنی......؟''

وہ خوف سے ہکلاتے ہوئے بولا ''تت...... تم کون ہو......؟''

''ابھی تو کہا ہے کہ ہم تمہارے باپ ہیں۔ تو سمجھتا ہے ایک پولیس والے سے دشمنی لے کر آرام کی زندگی گزارے گا۔ تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ پولیس والے ضمانت نامے کو موت کا پروانہ بنا دیتے ہیں۔''

''ہاں...... میں اپنی غلطی سمجھ رہا ہوں۔ ابھی ایس پی صاحب کے پاس جاؤں گا۔ ان کے قدموں میں گر کر گڑگڑا کر معافی مانگوں گا۔''

''گھر سے باہر کیسے جائے گا؟ باہر تو قدم قدم پر موت ہے۔ کیا اپنے گھر کے کھڑکی دروازے بند نہیں کرے گا؟ کیا یہ چاہتا ہے کہ موت باہر سے اندر آ جائے؟''

وہ فوراً ہی ریسیور کو پھینک کر کھڑا ہو گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا بلکہ دوڑتا ہوا باہر آیا اور مین گیٹ کو لاک کر دیا۔ کھڑکیوں پر لوہے کی جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ باہر سے کوئی اندر نہیں آ سکتا تھا لیکن تڑاتڑ چلنے والی گولیاں اندر آ سکتی تھیں۔ وہ کھڑکیوں کو بند کرنے لگا۔ ایک کھڑکی کو بند کرتے وقت ٹھائیں سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ یوں لگا جیسے وہ گولی کھڑکی کے قریب ہی آ کر کہیں لگی ہے۔ وہ مارے خوف کے اس طرح فرش پر گر پڑا۔ جیسے گولی اسے لگی ہو۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

ان لمحات میں وہ سمجھ رہا تھا کہ ایس پی جیسے پولیس افسر کی بہن کو چھیڑنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ ایسے ہی وقت اسے خیال آیا کہ کوٹھی کا پچھلا دروازہ جو کچن کے اندر کھلتا ہے۔ وہ لاک نہیں ہے۔ وہ دوڑتا ہوا کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا کچن میں آیا۔ دروازے کی طرف دیکھا تو اس کے دونوں پٹ لگے ہوئے تھے لیکن کنڈی چڑھی ہوئی نہیں تھی۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر کنڈی چڑھائی پھر دروازے کو لاک

کردیا۔

ایسے وقت پھر گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ گولی دروازے کے نچلے حصے میں آکر لگی تھی۔ وہاں ایک سوراخ ہوگیا تھا۔ وہ اچھل کر فرش پر دور جا گرا خوف سے لرزنے لگا۔ اسے کوٹھی کے چاروں طرف موت ہی موت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ توبہ کررہا تھا اور گڑگڑا رہا تھا ''میں کان کو ہاتھ لگا کر توبہ کرتا ہوں۔ کبھی کسی پولیس والے سے دشمنی تو کیا دوستی بھی نہیں کروں گا۔ ذیشان بھائی مجھے معاف کردیں۔ میں آپ کی بہن کو ہاتھ لگانا تو دور کی بات ہے۔ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ بس ایک بار معاف کردیں۔ معافی کا جو بھی راستہ ہے۔ مجھے بتادیں۔ میں اس راستے پر چلوں گا اور ہر طرح سے معافی مانگوں گا۔''

اِدھر گولیاں چل رہی تھیں اور اُدھر شادی کی چہل پہل تھی۔ اگرچہ وہ شادی دھوم دھام سے نہیں ہورہی تھی پھر بھی کتنے ہی رشتے دار جمع ہوگئے تھے۔ رنگ برنگے ملبوسات میں عورتیں اور لڑکیاں ہنس بول رہی تھیں۔ تراب علی بھی اپنی بیگم اور ہونے والی بیگم آرزو کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

عروج عینی کے کمرے سے آکر اپنی ماں کے گلے لگ گئی تھی۔ باپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا ''بیٹی! کیا ماں باپ سے اس طرح ناراض ہوتے ہیں؟''

وہ بولی ''ڈیڈی......! اس خوشی کے موقع پر ناراضگی کی بات نہ کریں۔''

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے...... بیٹی......! ہم ایسی کوئی بات نہیں کریں گے لیکن ابھی عینی سے ملیں گے۔ اس سے معافی مانگیں گے۔''

''آپ کیوں معافی مانگیں گے؟ غلطی آپ نے یا ممی نے نہیں کی ہے۔ آپ لوگوں سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ عینی سے بھی ایسی کوئی بات نہ کریں۔''

اس کی ماں نے کہا ''چلو...... جو تم کہتی ہو۔ ہم وہی کریں گے۔ میری ہونے والی بہو اور اپنی ہونے والی بھابی سے تو ملو......!''

اس نے آرزو کی طرف اشارہ کیا۔ عروج نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر پوچھا ''ہونے والی بھابی......؟ کس کی ہونے والی بھابی......؟''

''اے بیٹی......! تمہاری بھابی...... ہماری ہونے والی بہو......''

''سوری ممی......! میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ جو تھا وہ مر چکا ہے۔ میں شادی کے گھر اس کی موت کی کوئی بات کرنا نہیں چاہتی اور نہ ہی آپ کچھ سننا چاہتی ہوں۔''

تراب علی نے اپنی بیوی سے کہا ''بیگم......! میں تمہیں سمجھایا تھا، حشمت کے حوالے سے کوئی بات نہ کرنا''

''لیکن...... ہم اپنی ہونے والی بہو کا تعارف کروائیں؟ یہاں اس شادی کے گھر میں معلوم تو ہونا چا کہ ہم کسے اپنے ساتھ لائے ہیں؟''

عروج بولی ''آپ رشتے داری نہ بتائیں۔ یہاں سے کوئی سوال نہیں کرے گا۔''

پھر وہ آرزو سے مخاطب ہوکر بولی ''میں کسی رشتے نہیں ایک مہمان کی حیثیت سے ویل کم کرتی ہوں۔ تم بات کا برا نہ ماننا۔''

آرزو نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ عروج اس سے مصافحہ کیا۔ آرزو نے کہا ''میں جانتی ہوں۔ حشم سے آپ کی جو شکایت ہے۔ وہ بالکل جائز ہے۔ اس لیے اس سلسلے میں کوئی بحث نہیں کروں گی اور برا بھی نہیں ما گی۔''

ایسے ہی وقت اخلاق احمد قاضی صاحب کے سا آگیا۔ عروج ان کا استقبال کرنے کے لیے آگے بڑھ گ آرزو نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر دل ہی دل میں ''میرے ہونے والے شوہر کے خلاف بول رہی ہو اور چا ہو کہ برا نہ مانوں۔ میں تو یہاں جس مقصد کے لیے آئی ہ خدا کرے وہ مقصد پورا ہو جائے۔''

اخلاق احمد نے عروج سے کہا ''کافی رشتے دار آ ہیں۔ اچھی چہل پہل ہوگئی ہے۔ بہرحال دلہن تیار ہے؟''

عروج بولی ''بالکل تیار ہے۔ آپ تشریف رکھیں۔''

اخلاق احمد نے کہا ''عینی کو یہاں ٹیلی فون کے پاس آؤ۔ یہیں سے پاشا کے ساتھ رابطہ کیا جائے گا۔''

''میں اسے ابھی لے کر آتی ہوں۔''

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانے لگی۔ اس کی ماں آرزو بھی اس کے پیچھے چلنے لگیں۔ آرزو اسی فکر میں لگی ہ تھی کہ آخر دوا کی وہ شیشیاں کہاں گئیں؟ اگر عروج کے بَ میں نہیں ہیں تو پھر عینی کے کمرے میں ہوں گی وہ سب عینی کمرے میں آئیں۔ وہ دلہن بنی ایک کرسی پر دونوں ہاتھو سے منہ ڈھانپے سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

عروج نے جلدی سے آگے بڑھ کر پوچھا ''کیا ہوا......

آنکھوں میں درد ہو رہا ہے؟''

عینی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ عروج نے اپنی ...انی پر ہاتھ مار کر کہا ''میری بھی مت ماری گئی ہے۔ اتنی دیر ...سوچ رہی ہوں۔ آنکھوں میں دوا ڈالوں پھر دوبارہ بھول ...ی ہوں۔ چل بیڈ پر لیٹ جا۔ میں ابھی دوا ڈال رہی ہوں۔ ...ے آرام آجائے گا۔''

آرزو کی نظریں میز پر رکھے بیگ پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ...روج کے اس بیگ کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔ اس نے اسی میں ...ے شیشیاں نکال کر ان میں مضر رساں دوا ملائی تھی۔ اب وہ ...وچ رہی تھی ''میں وقت پر پہنچی ہوں۔ ہمارا منصوبہ اب کامیاب ہونے والا ہے۔''

عینی بیڈ پر جاکر لیٹ گئی۔ عروج اپنے بیگ کی طرف جانے لگی تو عینی نے کہا ''دوا بیگ میں نہیں ہے۔ تو نے اسے باہر نکال کر رکھا تھا۔ اس میں سے ایک شیشی ہادی ماموں سے ٹوٹ گئی ہے۔''

عروج نے تعجب سے پوچھا ''ہادی ماموں نے شیشی کیوں توڑی ہے؟''

''بس ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ اب وہ ماموں جان ہیں۔ ان سے کیا کہا جاسکتا ہے؟''

''دوسری شیشی کہاں ہے۔''

عینی نے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا ''میں نے یہاں رکھی ہے۔''

عروج نے اس شیشی کو لے کر دیکھا۔ دوا کا نام پڑھا پھر کہا ''ٹھیک ہے۔ پہلے مجھے یہی دوا ڈالنی تھی۔''

وہ ڈھکن کھولنے لگی۔ آرزو دم سادھے دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ ابھی کچھ دیر میں ہی شادی کا گھر ماتم کدہ بننے والا ہے۔ وہ دلہن نکاح قبول کرنے سے پہلے اندھی ہونے والی ہے۔

عروج کو وہ دوا اس کی آنکھوں میں ٹپکانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ کسی کو کسی طرح کا بھی شبہ نہیں تھا۔ اس کے مقدر میں اندھا ہونا لکھا تھا۔ اس لیے کہ وہ اندھی ہونے والی تھی۔

عینی بیڈ پر چاروں شانے چت لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی ایک ہتھیلی کھلی ہوئی تھی۔ اس ہتھیلی کی لکیروں پر میں کھڑا ہوا تھا اور خوش بختی کی لکیر کہہ رہی تھی ''اسٹاپ...... اپنے ہاتھ روک لو......''

عروج کا شیشی والا ہاتھ عینی کی آنکھوں کی طرف جا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت اس کی کلائی ایک مضبوط ہاتھ کی گرفت میں آگئی۔

وہ ہاتھ کس کا تھا......؟
ہاتھ کسی کا بھی ہوسکتا ہے۔
مگر گرفت مقدر کی تھی۔
میں کیا ہوں......؟
اک بازی گر ہوں۔
ہاتھوں کی لکیروں پر......
تمہارا ہم سفر ہوں......
تمہارا دوست بھی ہوں......
اور دشمن بھی ہوں......
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں......
تمہارے ساتھ ہی مرجاتا ہوں......
میں مقدر ہوں۔
اک بازی گر ہوں۔

سب چونک کر دیکھ رہے تھے۔ عروج کی کلائی ذیشان کی گرفت میں تھی۔ ذیشان نے وہ شیشی اس کے ہاتھ سے چھین کر سب کو دکھاتے ہوئے کہا "یہ ایک زہریلی دوا ہے' میری بہن کو اندھی بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔"

سب نے حیرانی سے یہ بات سنی۔ عروج ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے بولی۔ "بھائی جان! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں' مجھے ایسا الزام دے رہے ہیں جسے آپ ثابت نہیں کرسکتے۔"

عینی بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر بولی "بھائی جان آخر آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ اچانک ایسی عداوت پر کیوں اتر آئے ہیں؟"

ڈاکٹر آرزو کا چہرہ اتر گیا تھا وہ مایوس ہوگئی تھی۔ دوا آنکھوں تک پہنچتے پہنچتے رہ گئی تھی۔ منصوبہ ناکام ہوگیا تھا وہ سوچ رہی تھی "پتا نہیں ...... پولیس افسر کو حقیقت کیسے معلوم ہوگئی؟"

ذیشان نے کہا "عینی میں عداوت نہیں کررہا ہوں اور نہ ہی عروج کو کوئی الزام دے رہا ہوں۔ یہ اچھا ہی ہے کہ اس کے والدین بھی یہاں موجود ہیں میں انہیں ایک کیسٹ سنانا چاہتا ہوں۔"

اسما ایک بڑا سا ٹیپ ریکارڈر لے آئی تھی۔ اسے سینٹر ٹیبل پر رکھ رہی تھی ذیشان نے کہا "ابھی تھوڑی دیر پہلے جناب تراب علی شاہ کے بیٹے اور عروج کے بھائی حشمت نے مجھ سے فون پر گفتگو کی تھی میں نے اس کی تمام باتیں اس کیسٹ میں ریکارڈ کی ہیں' وہ اس وقت اپنی کوٹھی کے دروازے' کھڑکیاں بند کیے بیٹھا ہوا ہے۔ اور خوف سے لرز رہا ہے اس کا خیال ہے کہ میں اس پر فائرنگ کروا رہا ہوں' بہرحال آپ یہ کیسٹ سنیں......"

اسما نے ریکارڈر کو آن کردیا۔ کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی تھی پھر اس ریکارڈر سے حشمت کی آواز ابھرنے لگی۔ وہ بری طرح سہما ہوا تھا اور عاجزی سے کہہ رہا تھا "ذیشان بھائی ......! مجھے معاف کردیں میں آپ کا اور عینی کا گنہگار ہوں مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی میں نے یہ نہیں سوچا کہ میری سگی بہن عروج کی طرح وہ بھی میری بہن ہے مجھے اس پر شرمناک حملہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

اسی وقت گولی کی آواز سنائی دی۔ بیگم شاہ نے چیخ کر کہا "ہائے ...... کوئی میرے بچے کو گولی مار رہا ہے۔"

ذیشان نے کہا "پلیز ...... خاموش رہیں جب تک یہ کیسٹ چلتا ہے تب تک کوئی نہ بولے۔"

اب ذیشان کی آواز کیسٹ ریکارڈر سے سنائی دے رہی تھی "بے وقوف کے بچے ......! میں گولیاں نہیں چلا رہا ہوں یہ تیرے اعمال کا نتیجہ ہے۔"

حشمت نے کہا "نہیں بھائی جان ......! میں اچھی طرح جانتا ہوں آپ مجرموں کو کبھی معاف نہیں کرتے۔ اگر مجھے معاف کردیں تو میں ابھی عینی کو ایک بہت بڑی مصیبت سے بچالوں گا۔ اس کی زندگی اس وقت خطرے میں ہے۔"

ذیشان دھاڑا۔ "کیا بکواس کررہے ہو؟ اس کی زندگی کس طرح خطرے میں ہے؟"

"پہلے آپ عینی کی قسم کھا کر کہیں کہ مجھے معاف کردیں گے۔"

ذیشان نے کہا "ٹھیک ہے میں عینی کی قسم کھا کر کہتا ہوں تمہیں معاف کردوں گا تم سے کبھی انتقام نہیں لوں گا بلکہ تمہارا تحفظ کروں گا۔"

حشمت کی آواز ابھری۔ "آپ ابھی عینی کے کمرے میں جائیں وہاں عروج کے بیگ میں دو آئی ڈراپس کی شیشیاں ہیں ان شیشیوں کو فوراً اپنے قبضے میں لے لیں' ان میں زہریلی دوا ابھری ہوئی ہے ان میں سے کوئی بھی دوا عینی کی آنکھ میں جائے گی تو وہ مکمل اندھی ہوجائے گی۔"

ڈاکٹر آرزو پریشانی سے حشمت کی آواز سن رہی تھی۔ اس نے اچانک ہی کامیاب ہونے والے منصوبے کو خاک میں ملا دیا تھا۔ ذیشان کی آواز ابھری۔ "جلدی بتاؤ! ان آئی ڈراپس میں زہریلی دوا کس نے ملائی ہے؟"

ڈاکٹر آرزو نے تھوک نگل کر ریکارڈر کی طرف دیکھا' حشمت کی آواز سنائی دی "میری ہونے والی بیوی آرزو نے اور میں نے ...... دیکھئے ذیشان بھائی! آپ ہمیں معاف کرنے کا وعدہ کرچکے ہیں۔"

اسما نے ریکارڈر بند کردیا' تراب علی اور بیگم شاہ تعجب سے ڈاکٹر آرزو کو دیکھ رہے تھے' وہ سب سے نظریں چرا رہی تھی۔ عروج شدید غصے کی حالت میں اس کے قریب آئی پھر اسے ایک زوردار طمانچہ رسید کرتے ہوئے ذیشان سے بولی "بھائی جان! یہی ڈاکٹر آرزو ہے۔"

ذیشان اپنے کمرے سے صرف ٹیپ ریکارڈر ہی نہیں ہتھکڑی بھی لایا تھا۔ اس نے آرزو کے ہاتھ میں وہ ہتھکڑی پہنا دی۔ یہ ہے میرا تماشا ...... جن دشمنوں نے عینی کا مقدر بگاڑنا چاہا تھا اب ان کا مقدر بگڑ رہا تھا۔ اس دوا میں زہر ملانے والے ہاتھوں پر گولیاں چلانے والے بھی تاثر دے رہے تھے کہ یہ گولیاں ذیشان کی طرف سے چلائی جارہی ہیں اس طرح

حشمت دہشت زدہ ہوکر اقبالِ جرم کرچکا تھا۔

بیگم شاہ نے اس کیسٹ ریکارڈر کے ذریعے سنا تھا کہ اس کے بیٹے حشمت پر گولیاں چلائی جارہی تھیں تب ہی سے وہ تڑپ رہی تھی۔ اپنے بیٹے کے پاس جانا چاہتی تھی لیکن اس وقت ذیشان بہت ہی غضب ناک پولیس افسر بنا ہوا تھا۔ اس نے سختی سے حکم دیا تھا کہ اس کمرے سے کوئی باہر نہ جائے۔ اور ریکارڈر سے ابھرنے والی حشمت کی آوازیں توجہ سے سنی گئیں۔

وہ سب توجہ سے سن رہے تھے۔ اور سید تراب علی شاہ کا سر شرم سے جھک گیا تھا۔ کیونکہ حشمت نے یہ اعتراف کیا تھا کہ اس نے ایک بار عینی کی عزت پر حملہ کیا تھا اور ناکام رہا تھا۔ پھر دوسری بار اس نے آئی ڈراپس میں زہریلی دوا ملا دی تھی۔ اس کے استعمال کے بعد عینی اندھی ہونے والی تھی۔

اب وہ اچانک بچ گئی تھی تو اسے ایسا تحفظ حاصل ہونے کے پیچھے میرا ایک لمبا کھیل تھا۔ اس کھیل میں حشمت' فرزانہ' شہباز اور ذیشان سب ہی اپنا اپنا رول ادا کررہے تھے۔ میں دن رات ایسے کھیل سب ہی کے ساتھ کھیلتا رہتا ہوں۔ اور کھیلنے والے سمجھ نہیں پاتے ہیں کہ آگے چل کر ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

حشمت کی محبوبہ' بیگم شاہ اور سید تراب علی شاہ کی ہونے والی بہو آرزو بھی نہیں جانتی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ بیج بو دیا ہے کانٹے کی فصل ضرور اگے گی۔ یہ بھول گئی تھی کہ خدا کانٹوں میں گلاب بھی لگاتا ہے۔ بیگم شاہ اور سید تراب علی شاہ کے سر ندامت سے جھک گئے تھے۔ اب وہ بیٹے کی خیریت معلوم کرنے کے لیے گھر کی طرف جانا چاہتے تھے ایسے ہی وقت ذیشان نے ان کی ہونے والی بہو کو ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

پھر اس نے تراب علی اور اس کی بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا ہیں آپ لوگ اور کیا ہے آپ کا خاندان؟ آپ کا بیٹا اور ہونے والی بہو؟ بیٹا جرم کرتا ہے اور آپ والدین ہوکر اس کے جرم پر پردہ ڈالتے ہیں اس کی ضمانت حاصل کرتے ہیں اور آپ کی ہونے والی بہو جرم میں پیش پیش رہتی ہے۔"

بیگم شاہ نے گڑگڑا کر کہا "بیٹے! تم چاہے جتنی باتیں سنالو جتنی چاہے سزا دو لیکن ابھی مجھے بیٹے کے پاس جانے دو۔ پتا نہیں اس پر کون گولیاں چلا رہا ہے؟ میں جا کر اسے اپنے آنچل میں چھپالوں گی۔"

ذیشان بولا "ماں کا آنچل بہت مقدس ہوتا ہے۔ اس آنچل کی بھی مجرم کو چھپایا نہیں جاتا۔ خواہ وہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ آپ یہاں سے نہیں جائیں گی یہاں سے کوئی نہیں جائے گا۔ پہلے میرے اس سوال کا جواب دینا ہوگا کہ عروج کو چھوڑ کر آپ اور آپ کا پورا خاندان میری بہن عینی کا دشمن کیوں ہے؟ آپ کیوں اسے اندھی بنانا چاہتے تھے؟"

سید تراب علی شاہ نے کہا "بیٹے! میں خدا اور رسول کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔ میرا بیٹا اور یہ ہونے والی بہو عینی کو اندھی بنانے کی سازش کررہے ہیں مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ سب کچھ کرنے والے ہیں تو میں عروج کو پہلے سے ہی ان کی سازش سے آگاہ کردیتا۔"

"آپ کیا آگاہ کرتے؟ اس دنیا میں اتنی لمبی عمر گزارنے کے بعد کیا اتنی سی عقل نہیں ہے کہ آپ مجرم کو پناہ دیں گے تو وہ مجرم آپ کی پناہ میں رہ کر دوسرا جرم بھی کرسکتا ہے؟ آپ کے بیٹے نے بھی آپ کی پناہ میں رہ کر یہی کیا ہے۔"

عروج بولی "ڈیڈ! اب آپ یہ کہیں گے کہ اپنے بیٹے کے جرم میں برابر کے شریک نہیں ہیں تو کوئی نہیں مانے گا۔ آپ کے اس بیٹے کی خاطر میں نے گھر چھوڑ دیا۔ آپ کو اور ممی کو یہ منظور تھا کہ بیٹی چلی جائے مگر بیٹا ہاتھ سے نہ جائے اس سے بڑی ذلالت کیا ہوسکتی ہے کہ آپ کے اسی بیٹے نے یہ زہریلی دوا آپ کی اس بیٹی کے ہاتھوں میں پہنچائی جرم بیٹا کررہا تھا اور اس کا الزام ایک بیٹی پر آنے والا تھا۔ اگر یہ الزام مجھ پر آجاتا تو آپ اس بیٹی کو مجرمہ کہلوانے کے لیے اسی طرح چھوڑ دیتے جس طرح گھر سے باہر جانے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ اس طرح آپ کے بیٹے کے جرم پر ایک بار پھر پردہ پڑ جاتا۔"

تراب علی شاہ نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کہا "بس کرو...... بس کرو، میں اتنا گرا ہوا انسان نہیں ہوں جتنا تم مجھے گرا رہی ہو۔ خدا گواہ ہے اگر مجھے اس زہریلی دوا کا علم ہوتا تو میں سب سے پہلے تمہیں اطلاع دیتا۔ عینی بھی تمہاری طرح میری بیٹی ہے میری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ بے شک پہلی بار میں نے اپنے مجرم بیٹے کی حمایت کی تھی لیکن اس کے بعد پچھتا رہا ہوں' شرمندہ ہو رہا ہوں اور آج تو ندامت کی ایسی انتہا ہے کہ چپ چاپ جا کر خودکشی کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ مگر کیا کروں؟ بزدل ہوں اپنی جان لینے کا حوصلہ نہیں ہے کوئی مجھے گولی ماردے تو اس کا بہت بڑا احسان ہوگا۔"

ذیشان بولا "ایسی جذباتی باتوں سے میں متاثر ہونے والا نہیں ہوں۔ عروج کا لحاظ کررہا ہوں اس لیے بڑی سہولت سے پوچھ رہا ہوں کہ کیا اتنا کچھ ہونے کے بعد آپ اپنے بیٹے

کو مجرم تسلیم کر رہے ہیں؟''

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا ''ہاں...... میرا بیٹا مجرم ہے۔''

ذیشان نے کہا ''اسما! تم کاغذ اور قلم لے کر آؤ...... انکل یہ بیان دیں گے کہ ان کے بیٹے نے عینی کے ساتھ کیسی کیسی زیادتیاں کی ہیں۔ ان کے اس بیان پر آنٹی بھی دستخط کریں گی۔''

دونوں نے پریشانی سے ذیشان کو دیکھا پھر بیگم تراب نے کہا ''بیٹے...... ابھی ہم نے کیسٹ ریکارڈر میں سنا ہے تم نے حشمت سے کہا تھا کہ اگر وہ سچ بولے گا اور عینی کو کسی آنے والی مصیبت سے بچالے گا تو تم اسے معاف کردو گے۔''

وہ بولا ''بے شک...... میں زبان کا دھنی ہوں خدا سے ڈرتا ہوں۔ میں نے جب زبان دی ہے تو حشمت کو صرف اس لیے معاف کردوں گا کہ اس کے سچ سے میری بہن اندھی ہونے سے بچ گئی۔ میں آپ دونوں کا تحریری بیان اپنے پاس محفوظ رکھوں گا تاکہ آئندہ آپ اپنے بیٹے کو بے لگام نہ چھوڑیں۔''

تراب علی نے کہا ''ٹھیک ہے بیٹے! اگر ایسی بات ہے تو ہم ابھی تحریری بیان دیں گے۔''

ذیشان نے فون کے ذریعے اپنے ماتحت سے رابطہ کیا پھر اسے سید تراب علی شاہ کا پتا بتاتے ہوئے کہا ''ابھی اس کوٹھی کے باہر فائرنگ ہوئی ہے اور کوٹھی کے اندر حشمت چھپا ہوا ہے۔ اس کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیر لو اور دیکھو کہ وہ فائرنگ کرنے والے کون ہیں۔ مجھے امید ہے کہ حشمت بند کوٹھی کے اندر محفوظ ہوگا۔ وہاں جا کر اسے مزید تحفظ فراہم کرو۔ اور اس سے فون پر میری بات کراؤ۔''

اس نے فون بند کردیا۔ پھر ریسیور تراب کی طرف بڑھا کر کہا ''آپ چاہیں تو اپنی تسلی کے لیے اپنے بیٹے سے رابطہ کرسکتے ہیں۔''

بیگم شاہ نے لپک کر ریسیور لیا پھر جلدی جلدی نمبر ڈائل کرنے لگی۔ ڈاکٹر آرزو بولی ''مسٹر ذیشان! آپ بہت بڑے پولیس افسر ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ میں بھی ایک معزز ڈاکٹر ہوں اور میڈیکل بورڈ کے سابق چیئرمین کی بیٹی ہوں۔ تم نے کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنائی ہے۔ اس کے بہت برے نتائج تمہارے سامنے آئیں گے۔''

''معزز لیڈی ڈاکٹر صاحبہ! ہم پولیس والے وردی پہنتے ہوئے یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلیتے ہیں کہ کفن پہن رہے ہیں۔ کسی بھی مجرم کی گولی کسی بھی وقت ہماری زندگی ہم سے چھین سکتی ہے۔ ہم موت سے نہیں ڈرتے اور تم برے نتائج کی دھمکی دے رہی ہو۔''

''میں ابھی اپنے وکیل سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''میں تمہاری وکیل سے تو کیا...... پورے میڈیکل بورڈ سے بات کراؤں گا لیکن ذرا صبر کرو پہلے میں انکل آنٹی کا بیان لوں گا۔ اس کے بعد حشمت کا تحریری بیان لیا جائے گا وہ اپنے بیان میں لکھے گا کہ تم نے کس طرح میری بہن کی دوا میں زہریلی دوا ملائی تھی، پہلے میں تمہارے ہونے والے شوہر کو تمہارے خلاف گواہ بناؤں گا پھر اس سے تمہارے بارے میں اور بھی بہت کچھ معلوم کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ پچھلے دنوں تمہارے پاس ہی روپوش رہا تھا۔ تم ایک غیر شادی شدہ لیڈی ڈاکٹر ہو۔ وہ تمہارے پاس کس رشتے سے تمہار رہتا تھا اس کا جواب تمہیں بھی دینا ہوگا اور حشمت کو بھی۔ اس طرح میں تم دونوں کو بدترین گناہ گار ثابت کرسکوں گا۔''

وہ پریشان ہوکر ذیشان کا منہ تکنے لگی۔ یہ سمجھ گئی کہ اس دھمکی ذیشان پر اثر نہیں کرے گی۔ بعد میں یہ بات کھلے گی کہ واقعی حشمت نے پچھلے دنوں اس کے ہاں پناہ حاصل کی تھی وہ دونوں ایک مکان میں تنہا رہے تھے۔ پھر یہ کہ بیگم تراب تراب علی کا بھی یہ بیان ہوگا کہ انہوں نے ملک سے باہر جانے کے لیے انہیں پانچ لاکھ روپے دیئے تھے۔ اس طرح وہ لاکھ بھی اس کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔

جب اتنی بڑی رقم ہاتھ سے نکل جانے کا خیال آیا تو جھاگ کی طرح بیٹھ گئی اور غرور بھول کر التجا آمیز نظروں سے ذیشان کو دیکھنے لگی۔ تراب علی اور اس کی بیگم کمرے کے ایک گوشے میں جا کر فون پر بات کر رہے تھے پھر واپس آ کر بولے ''ہمارا بیٹا خیریت سے ہے اور ابھی تم سے بات کرنے والا ہے۔''

اسما نے قلم اور کاغذ تراب علی شاہ کی طرف بڑھا دیا۔ کہا ''انکل! آپ وہاں آرام سے میز کے پاس بیٹھ کر لکھیں۔''

وکیل اخلاق احمد نے کمرے میں داخل ہوکر کہا ''کیا بات ہے؟ دلہن کو نیچے لانے میں اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ قاضی صاحب وہاں انتظار کر رہے ہیں۔''

ایسا کہتے وقت اخلاق احمد کی نظر آرزو پر پڑی تو حیرانی سے بولے ''ذیشان! تم نے اسے ہتھکڑی کیوں پہنائی ہے؟''

ذیشان انہیں وہاں کے حالات بتانے لگا۔ اخلاق نے تمام باتیں سننے کے بعد حیرانی سے کہا ''مائی گاڈ!''

اندھی بنانے کی سازش کی جارہی تھی۔ میں اس کی حفاظت کے لیے باہر سیکورٹی کے انتظامات سخت کرتا آرہا ہوں لیکن جب گھر کے اندر ہی آستین میں سانپ پل رہے ہوں تو عینی کا اللہ ہی حافظ ہے اور آج تو اللہ کی رضا سے ہی اسے ایک نئی زندگی حاصل ہو رہی ہے۔''

ان باتوں کے دوران میں عینی ان سے ذرا دور جا کر بیٹھ گئی تھی۔ اور فون پر پاشا سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے اب سے پہلے ایک گھنٹے میں دو بار اس سے رابطے کی کوشش کی تھی۔ ہر بار یہی معلوم ہوا کہ اس کا فون بند ہے۔ دوسری طرف سے آواز آتی رہی کہ ''آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الحال جواب نہیں مل رہا ہے کچھ دیر بعد دوبارہ ڈائل کریں۔''

اس نے ایک بار پھر پاشا کے نمبر ڈائل کیے تو وہی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ ''آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الحال جواب نہیں مل رہا ہے کچھ دیر بعد دوبارہ ڈائل کریں۔''

اس نے پریشان ہوکر عروج کو آواز دی۔ عروج نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ بولی ''یہاں آؤ......''

وہ اس کے قریب جاتے ہوئے بولی ''کیا ہوا پاشا سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے؟''

عینی بولی ''نہیں...... بار بار وہی ٹیپ چل رہا ہے تم سنو......''

اس نے فون کو کان سے لگا کر سنا۔ پھر کہا ''اس کا مطلب ہے پاشا نے فون بند کر رکھا ہے یا کسی وجہ سے فون پاشا کے ہاتھ سے نکل گیا ہے یا گم ہوگیا ہے یا کوئی ایسی بات ہوگئی ہے کہ وہ اسے آن کرکے ہم سے رابطہ نہیں کر پا رہا ہے۔''

تراب علی اور بیگم تراب الگ الگ کاغذ پر اپنی طرف سے بیان لکھ رہے تھے۔ ذیشان لکھنے کے دوران میں انہیں ٹوک رہا تھا اور سمجھا رہا تھا کہ جیسی حقیقت ہے بالکل ویسا ہی بیان ہونا چاہیے۔ بیٹے اور ہونے والی بہو کے بارے میں کچھ نہ چھپایا جائے۔

اور وہ دونوں اس کی ہدایت کے مطابق لکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے بیان مکمل ہونے کے بعد دستخط کیے۔ ذیشان نے ڈاکٹر آرزو سے پوچھا ''اب تم بولو کیا تحریری بیان دوگی؟''

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر ساس سسر کو دیکھا پھر ذیشان سے کہا ''آپ ابھی حشمت کا تحریری بیان لینے والے ہیں، میں چاہتی ہوں کہ ان سے ایک بار ملوں وہ اپنا بیان لکھیں گے تو پھر میں بھی لکھوں گی۔''

وکیل اخلاق احمد نے کہا ''ذیشان یہ معاملہ تو بہت طول پکڑے گا۔ تم قانونی کارروائی کرتے رہو گے تو نکاح کب پڑھوایا جائے گا؟''

ذیشان نے کہا ''میں اپنے ماتحت کو فون کرتا ہوں وہ حشمت کو یہاں لائے گا تو میں یہیں اس سے بیان لکھوا لوں گا اس وقت تک آپ نکاح پڑھوائیں۔ یہ کام ہو جانا چاہیے۔ اب میں اپنی بہن کی خوشی میں خوش ہوں۔''

عینی اور عروج نے خوش ہوکر ذیشان کی طرف دیکھا۔ اخلاق احمد نے کہا ''اب دولہا سے رابطہ کرو۔ معلوم کرو کہ وہ نکاح قبول کرنے کے لیے تیار ہے یا نہیں؟ وہاں اس کے ساتھ دو گواہوں کو بھی ہونا چاہیے تاکہ وہ بعد میں گواہی دیں کہ واقعی پاشا نے فون پر نکاح قبول کیا تھا۔''

ذیشان نے عروج کو دیکھتے ہوئے کہا ''تم پاشا سے رابطہ کرو۔''

وہ پریشان ہوکر بولی ''ہم پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن پاشا کی طرف سے جواب نہیں مل رہا ہے۔''

انہوں نے موبائل کے نمبر ملائے۔ پھر اسے ذیشان کی طرف بڑھایا اس نے اسے کان سے لگایا تو دوسری طرف سے وہی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ''آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الحال جواب موصول نہیں ہو رہا ہے کچھ دیر بعد دوبارہ رابطہ کریں۔''

ذیشان نے فون بند کرتے ہوئے کہا ''اگر پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے یہی ٹیپ چل رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پاشا نے فون کو بند رکھا ہوا ہے۔''

عروج بولی ''نکاح کا وقت ہو چکا ہے اس اہم موقع پر پاشا فون بند کیوں کریں گے؟ میرا تو دل ڈر رہا ہے پتا نہیں وہاں ان کے ساتھ کیا مجبوری پیش آرہی ہے کہ انہوں نے فون بند کردیا ہے یا پھر وہ اس فون سے کہیں دور ہیں۔''

عینی رونے لگی ذیشان نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''رو کیوں رہی ہو؟ سب ٹھیک ہو جائے گا تم پریشان نہ ہو۔''

وہ بولی ''پریشان ہونے کی تو بات ہے بھائی جان! جب ادھر حشمت پر فائرنگ ہو رہی ہے تو دشمن پاشا کو بھی معاف نہیں کریں گے۔ اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوگا اور وہ جان بچانے کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہا ہوگا۔ ایسے میں ہاتھ سے فون نکل گیا ہوگا۔ میرے دل میں تو ایسے ہی خیالات آرہے ہیں۔''

ذیشان نے تائید میں سرہلا کر کہا" ہاں ان حالات میں سوچا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ حالات کچھ ایسے پیش ہے ہیں کہ وہ مجبور ہوگیا ہے اور ہم سے رابطہ نہیں رہا ہے۔"

وکیل اخلاق احمد نے عینی کو بڑے پیار سے دیکھا اور دل کہا" یہ جتنی دولت مند ہے اتنی ہی بدنصیب ہے۔ آج جیون ساتھی اس کا ساتھ اور محبت دینے آرہا تھا۔ وہ بھی ل بھٹک گیا ہے۔ اگر آج اس کا مقدر ساتھ نہ دیتا تو یہ اب اندھی ہوچکی ہوتی۔ پتا نہیں اس کی خوش قسمتی کے دن آئیں گے؟"

اس نے ذیشان سے کہا" جب ایسی مجبوری ہے اور پاشا رابطہ نہیں ہورہا ہے تو اس وقت تک حشمت آرزو کی قانونی روائی مکمل کرلو میں نیچے جارہاں ہوں۔ وہاں قاضی نب سے کہوں گا کہ وہ ایک آدھ گھنٹے انتظار کریں ہوسکتا اس وقت تک پاشا سے رابطہ ہوجائے۔"

افسوس...... رابطہ کیسے ہوگا؟

میں چاہوں گا تو رابطہ ہوگا میں عینی اور پاشا کے ہاتھ کی ریں پڑھ چکا ہوں۔ ابھی ان کا رشتہ ازدواج میں منسلک ممکن نہیں ہے۔ یہ تو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں لکیر کا ہوں۔ ان لکیروں کے مطابق مجھے کچھ اور تماشے کرنے

ایسی بات نہیں ہے کہ دردانہ کے آدمی پاشا کے پیچھے پڑ ہیں اور وہ پھر کہیں چھپتا پھر رہا ہے...... نہیں ایسی کوئی بات ہے یہ تو عینی عروج اور ذیشان سوچ رہے تھے لیکن میں تو تماشے دکھاتا ہوں کہ جو انسانی سوچ کے برعکس ہوتے

☆☆☆

میں کالام کے خوبصورت پہاڑی علاقے میں پہنچا ہوا انسان وہیں جاتا ہے جہاں اس کا مقدر اسے لے جاتا اور میں تو ہوں ہی مقدر...... لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ میں خود ہاں کھینچ لایا تھا۔ دل سے مجبور ہوگیا تھا۔ نمرہ کی کشش مجھے تی تھی اور میں اس کے پیچھے کشاں کشاں چلا آتا تھا۔

میں پہلے بھی اسے چھپ چھپ کر دیکھتا رہا تھا لیکن کبھی کے روبرو نہیں آیا تھا۔ میں مقدر ہوں مناسب وقت پر سب کام کرتا ہوں اور اب وہ مناسب وقت آگیا تھا۔

اس بڑے سے ہوٹل کے احاطے میں ایک بڑی سی بس ڑی ہوئی تھی اس بس میں کالج کے لڑکے، لڑکیاں وتفریح کے لیے آئے تھے۔ ان میں نمرہ بھی تھی انہوں نے ہوٹل کے چند کمرے کرائے پر لیے تھے اور ہر کمرے میں چار چار طلبہ طالبات کی مشترکہ رہائش تھی۔

کالج کی اس پوری پارٹی میں نمرہ بہت ہی مغرور اور نک چڑھی سمجھی جاتی تھی۔ صرف دو سہیلیوں کے علاوہ کسی سے زیاد بولتی نہیں تھی۔ لڑکوں کو تو ذرا سی لفٹ نہیں دیتی تھی۔ اس نے اپنی دونوں سہیلیوں سے بھی کہہ دیا تھا" میں اپنا کمرا کسی سے شیئر نہیں کرسکتی۔ میری بات کا برا نہ ماننا یہ میری عادت ہے رات کو میرے بیڈروم میں اگر ممی بھی آجاتی ہیں تو میں کہہ دیتی ہوں کہ صبح ملاقات ہوگی۔"

اس نے اسی ہوٹل میں اپنے لیے الگ کمرا لیا تھا آئند میرے اور اس کے نصیب ملنے والے تھے اس لیے میرا کمرا بھی اس کے ساتھ ہی تھا میری یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ مجھے دیکھنے نہ پائے اور میں اسے چھپ چھپ کر دیکھتا رہوں۔

عام طور پر لوگ اپنے برج کے مطابق کتابیں پڑھتے ہیں یا نجومی سے مشورہ کرتے ہیں کہ کسی اہم کام کے لیے کون سا دن اور وقت مناسب رہے گا۔ میں تو خود اس دنیا کا سب سے بڑا نجومی ہوں مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ کسی کے دل پر دستک دینے کے لیے کون سا دن اور وقت مناسب رہے گا۔

میں اپنی معلومات کے مطابق اس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ میری معلومات کبھی غلط نہیں ہوتیں۔ اس وقت وہ اپنے گروپ کے ساتھ باہر جانے سے پہلے غسل کرکے تیار ہو جاتی تھی۔ اس نے اپنے کمرے کے دروازے کو بند کیا تھا لیکن اسے لاک کرنا بھول گئی تھی۔ یا یہ کہنا چاہیے کہ یہ میرا تماشا تھا کہ اسے نادانستگی میں لاک کرنا یاد نہیں رہا تھا۔

میں اسے آہستہ سے کھول کر اندر آگیا۔ وہ کمرے میں نہیں تھی واش روم میں شاور کی آواز آرہی تھی اور اس آواز کے ساتھ اس کی ہلکی سی گنگناہٹ بھی ابھر رہی تھی۔ اس باتھ روم کا دروازہ ایک ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ کمرے کا دروازہ لاک ہے۔ کوئی نہیں آئے گا اس لیے اس نے باتھ روم کے دروازے کو اندر سے بند نہیں کیا تھا۔

میں دبے قدموں چلتا ہوا بیڈ کے پاس آیا پھر اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ میرا ایک کام ہوگیا تھا اب وہاں زیادہ دیر رکنا مناسب نہیں تھا لیکن دل اس کی گنگناہٹ کی طرف کھنچا جارہا تھا۔ ایسی مترنم اور رس بھری گنگناہٹ تھی کہ ایک عجیب سی بے خودی طاری ہورہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ اسی کمرے کی آغوش میں رہ جاؤں۔

پھر گنگناہٹ ختم ہوگئی مجھے ذرا ہوش آیا تو میں نے سوچا اب واپس جانا چاہیے۔ ایسے ہی وقت اچانک واش روم

دروازہ کھلا اور وہ تولیہ لپیٹے باہر نکلی۔ وہ کیا آئی قیامت آگئی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

وہ تولیے کو سنبھالتی ہوئی بدن کو اچھی طرح سے ڈھانپتے ہوئے باتھ روم میں واپس گئی پھر دروازے کی آڑ میں ہوکر چیخ کر بولی" تم کون ہو؟ میرے کمرے میں کیسے آگئے؟"

میں نے فوراً ہی اپنے ہاتھ آگے بڑھائے پھر ایک اندھے کی طرح راستہ ٹٹولتے ہوئے پوچھا" تم کون ہو؟ اور میرے کمرے کو اپنا کمرا کیوں کہہ رہی ہو؟"

وہ غصے سے بولی" اندھے کے بچے! یہ تمہارا کمرا نہیں ہے۔"

میں نے حیرانی ظاہر کی" اوہ گاڈ! کیا یہ میرا کمرا نہیں ہے؟ میں غلطی سے یہاں آگیا ہوں؟"

وہ بولی" ہاں غلطی سے آئے ہو فوراً یہاں سے جاؤ۔"

وہ دروازے کے پیچھے چھپی ہوئی تھی صرف اس کا چہرہ نظر آرہا تھا میں بولا" جاتا ہوں تمہیں ناراض نہیں ہونا چاہیے کسی نابینا کو اندھا نہیں کہنا چاہیے اور تم نے تو مجھے اندھے کا بچہ کہا ہے۔"

"اچھا...... اچھا مجھے نہ سمجھاؤ...... جاؤ فوراً یہاں سے جاؤ۔"

"نہیں جاؤں گا' پہلے مجھ سے معافی مانگنی ہوگی' تم نے ایک اندھے کی توہین کی ہے۔ تہذیب واخلاق کے خلاف مجھے اندھے کا بچہ کہا ہے۔ جب کہ میرا باپ اندھا نہیں تھا۔ میں اندھے کا بچہ نہیں ہوں۔"

"ارے واہ...... ایک تو میرے کمرے میں گھس آئے ہو اور اوپر سے مجھے ہی کہہ رہے ہو کہ معافی مانگوں۔"

میں بولا" کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ میں جان بوجھ کر یہاں نہیں آیا ہوں؟ اگر یہ روم نمبر ٹو زیرو سیون نہیں ہے تو پھر بتاؤ کہ اس کمرے کا نمبر کیا ہے؟"

وہ بولی" یہ روم نمبر ٹو زیرو سکس ہے اور تمہارا ٹو زیرو سیون اس کے بعد والا کمرا ہے۔"

"تمہارا شکریہ...... میں جارہا ہوں' جلدی سے معافی مانگ لو۔"

اس نے دروازے کے پیچھے سے مجھے گھور کر دیکھا پھر کہا" خدا کے لیے مجھے معاف کرو اور یہاں سے فوراً جاؤ۔"

میں وہاں سے پلٹ کر دونوں ہاتھوں سے راستہ ٹٹول کر آگے بڑھتے ہوئے ایک دیوار سے ٹکرا گیا وہ بولی" دروازہ تمہارے بائیں طرف ہے۔"

میں دیوار کو ٹٹولتا ہوا دروازے تک پہنچا پھر اسے کھولتے ہوئے سر گھما کر پیچھے دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے میں اسے د رہا ہوں، وہ ذرا اور چھپ گئی۔ میں بولا" میں غلطی سے یہ آیا ہوں مجھے بھی معافی مانگنی چاہیے لہٰذا آپ مجھے بھی معا کردیں آنٹی!"

یہ کہہ کر میں دروازے سے باہر آگیا۔ وہ بڑبڑائی" آ کیا میں اسے بوڑھی نظر آرہی تھی؟"

پھر اسے یاد آیا کہ وہ تو اندھا ہے۔ اندازے سے آ بول کر چلا گیا ہے اس نے کمرے کے دروازے کو دیکھا، کیا کہ وہ بند ہے اور وہ اندھا جاچکا ہے تو تیزی سے چلتی تولیے کو سنبھالتی ہوئی دروازے کے قریب آئی پھر اسے ا سے لاک کرلیا۔

پہلی بار نظریں ملتے ہی وہ مارے شرم کے بدحواس ہ تھی۔ اس کی شرم رکھنے کے لیے اچانک ہی مجھے یہ تد سوجھی کہ اندھا بن جاؤں۔ ہر لڑکی کا بدن قیمتی سرمایہ ہوتا

میرے اندھے پن نے اسے مطمئن کردیا تھا کہ میں اس کے حسن کا چھپتا ہوا جلوہ نہیں دیکھا ہے۔

میں اپنے کمرے میں آگیا۔ جذبات کی شدت۔ لرز رہا تھا اور سوچ رہا تھا" کیا ایسے نظارے بھی ہوتے جن کی ایک جھلک دیکھتے ہی وجود کے اندر گرم ہوا چلنے ہے؟ اور آنکھیں بند کرنے کے باوجود وہی جھلکیاں بار با جھلملاتی رہتی ہیں۔"

ایک گھنٹے کے بعد اس کی دونوں سہیلیوں نے آ دروازے پر دستک دی پھر کہا" نمرہ! جلدی چلو ہم آؤٹنگ کے لیے جارہے ہیں۔"

اس نے کمرے کے اندر سے کہا" ایک منٹ...... آرہ ہوں بھئی۔"

وہ پانچ منٹ کے بعد دروازہ کھول کر باہر آئی۔ ایک سہ نے پوچھا" اتنی دیر تک کیا کررہی تھیں؟"

"وہ میں گرم پانی سے غرارہ کررہی تھی۔"

دوسری نے پوچھا" کیا گلے میں تکلیف ہے؟"

"نہیں...... بس یوں ہی میری آواز کچھ گڑبڑا گئی ہے۔ دونوں ابھی سن رہی ہو یہ بتاؤ کیا میری آواز کسی بوڑھی طرح لگ رہی ہے؟"

وہ دونوں ہنسنے لگیں۔ ایک نے پوچھا" تجھے یہ وہم کیو ہورہا ہے؟"

وہ جواب نہ دے سکی' ان سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ ایک اندھے نے اسے آنٹی کہا ہے۔

اس نے ساتھ والے کمرے ٹوزیر دسیون کی طرف دیکھا پھر کہا ''چلو...... دیر ہو رہی ہے۔''

وہ ان کے ساتھ جانے لگی میں بھی اپنے کمرے سے نکلا تھوڑی دیر بعد کالج کے تمام طلبہ اور طالبات بس میں بیٹھ رہے تھے نمرہ بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھ گئی تو میں ہوٹل سے باہر آیا میری کرایہ کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے ڈرائیور سے کہا ''اس بس کے پیچھے چلو۔''

میں پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ جب وہ بس آگے جانے لگی تو ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کی اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ میں نے نمرہ کے تکیے کے نیچے ایک بڑا سا لفافہ رکھ دیا تھا اس لفافے پر ابھی اس کی نظر نہیں پڑی تھی اگر وہ اسے کھول کر دیکھ لیتی تو حیران رہ جاتی۔ میں نے سوچا کہ کوئی بات نہیں آؤٹنگ سے واپس آئے گی تو رات کو سوتے وقت اس کی نظر اس لفافے پر ضرور پڑے گی۔

تقریباً دس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ بس ایک جگہ رک گئی۔ وہ بہت ہی خوبصورت جگہ تھی طلبہ و طالبات وہاں رک کر پکنک منانا چاہتے تھے ڈرائیور نے وہیں ایک جگہ کار روک دی۔ میں کھڑکی سے باہر تمام طلبہ و طالبات کو دیکھنے لگا۔ سب ہنس بول رہے تھے کوئی گٹار بجا رہا تھا' کوئی تصویریں اتار رہا تھا کچھ لڑکے اور لڑکیاں چٹائیاں بچھا رہے تھے اور دستر خوان بچھا کر اس پر کھانے پینے کی چیزیں رکھ رہے تھے۔

نمرہ اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ بس میں سے سامان اٹھا کر لا رہی تھی اور کام میں ان کا ہاتھ بٹا رہی تھی میں بڑے پیار سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ چل رہی تھی تو ایسا لگ رہا تھا جیسے پھولوں سے بھری شاخ لچکتی جا رہی ہے۔

میں نے ڈرائیور سے کہا ''میں یہاں ایک ناٹک کرنا چاہتا ہوں' تم میرا ساتھ دو گے؟''

وہ بولا ''سر! آپ جو کہیں گے میں وہی کروں گا۔''

''میں یہاں اندھا بن کر رہوں گا' باہر نکلوں گا تو تمہارے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چلوں گا میں جہاں اشارہ کروں گا تم مجھے کسی پتھر پر بٹھا دینا۔''

''میں سمجھ گیا آپ کوئی رومانٹک ڈراما کر رہے ہیں۔''

''ہاں...... یہی سمجھو۔''

میں کار سے باہر آیا وہ میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا' میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا پھر ایک طرف چلنے لگا۔ نمرہ طلبہ و طالبات کے درمیان ایک چٹائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ رومانی جوڑے اِدھر اُدھر فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے، کچھ بیٹھے ہوئے تھے اور پیار بھری سرگوشیاں کر رہے تھے' مسکرا رہے تھے۔ دریا کا کنارہ تھا لہریں شور مچاتی گزر رہی تھیں۔ بڑا ہی رومانٹک ماحول تھا۔

جب میں ان کے درمیان سے گزرنے لگا تو نمرہ کی نظر مجھ پر پڑی' اس کی آنکھوں میں بے اختیار کمرے کے اندر کا وہی منظر گھوم گیا جب وہ تولیہ لپیٹے واش روم سے باہر نکلی تھی اور مجھ سے سامنا ہو گیا تھا۔

دو چار لڑکے اور لڑکیاں مجھے وہاں سے گزرتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک پتھر کے قریب سے گزرتے وقت ڈرائیور کے کندھے کو دبایا اس نے رک کر کہا ''صاحب جی آپ یہاں بیٹھ جائیں اس پتھر پر...... ادھر دریا کا کنارہ ہے آپ تو دریا کی لہروں کی آوازیں سن رہے ہوں گے؟''

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا ''ہاں میں صرف آوازیں ہی سن سکتا ہوں یا پھر یہاں چلنے والی ٹھنڈی ہواؤں کو محسوس کر سکتا ہوں۔ پھولوں کی مہک میری سانسوں تک پہنچتی ہے لیکن میں پھولوں کی رنگینیاں نہیں دیکھ سکتا یہاں کی ہریالی نہیں دیکھ سکتا۔''

میں بولتے بولتے پتھر پر بیٹھ گیا کچھ فاصلے پر وہ دکھائی دے رہی تھی میں اسے دیکھنے لگا وہ بھی مجھے دیکھ رہی تھی پھر نظریں چرا کر سوچنے لگی ''مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ مجھے دیکھ رہا ہے۔''

ایک سہیلی بولی ''کتنا ہینڈسم اور اسمارٹ ہے یقین نہیں آتا کہ یہ اندھا ہے۔''

نمرہ نے چونک کر اس سہیلی کو دیکھا۔ اس کا دل بھی یہ کہہ رہا تھا کہ میں اندھا نہیں ہوں لیکن وہ میرے اندھے پن کو اپنے کمرے میں دیکھ چکی تھی۔ اس نے پھر نظریں اٹھائیں اور مجھے دیکھا۔ میں اسے ایک ٹک دیکھ رہا تھا نظریں ملتے ہی وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ دل کہہ رہا تھا کہ واقعی کتنا ہینڈسم خوبرو اور صحت مند ہے اسے اندھا نہیں ہونا چاہئے۔

پھر اس نے چونک کر سوچا ''میں ایسا کیوں سوچ رہی ہوں؟ اگر یہ اندھا ہے تو ہوا کرے۔ مجھے اس کے اندھے پن سے کیا لینا ہے؟''

ایک لڑکی نے کہا ''مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ ہم میں سے کسی کو دیکھ رہا ہے۔''

نمرہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا وہ یہی سوچ رہی تھی کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں پھر دوسرا خیال آتا تھا کہ میں اندھا ہوں اگر میری نظریں اس کی طرف ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے میری دنیا میں تو تاریکی ہی تاریکی ہے۔ اس تاریکی میں وہ کیا دیکھوں گا؟''

میں مسکرانے لگا ایک نوجوان نے کہا ''وہ دیکھو! وہ [illegible]ا رہا ہے میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ اندھا نہیں ہے اور تم [illegible]ے کسی ایک لڑکی کو دیکھ رہا ہے۔''

دوسرے نوجوان نے کہا ''اگر وہ اندھا نہیں ہے اور [illegible]وں کو تاڑنے کا بہانہ کر رہا ہے تو ہم اس کی آنکھیں نکال [illegible] گے۔''

تیسرے نوجوان نے کہا ''آؤ...... وہاں چل کر اس کا [illegible] کرتے ہیں۔''

لڑکیوں نے کہا ''ہاں...... ہاں چلو ذرا معلوم تو ہو کہ وہ [illegible] اندھا ہے یا بہروپیا؟''

وہ سب وہاں سے اٹھنے لگے۔ اس کی سہیلیوں نے کہا [illegible]! اٹھو تم بھی چلو......''

وہ بولی ''ان سب کو روکو...... کیا ضرورت ہے اس سے [illegible]چھاڑ کرنے کی؟ اگر وہ دیکھتا ہے تو دیکھتا رہے' ساری دنیا [illegible] تو ہمیں دیکھتی ہے، ایک اندھے نے دیکھا تو کیا ہوا؟''

دوسری سہیلی نے اسے کھینچتے ہوئے کہا ''چل اٹھ...... [illegible]ں جا کر دیکھیں تو سہی وہ ہے کیا چیز......؟''

''مجھے تو ہینڈسم لگ رہا ہے۔ سچ کہتی ہوں وہ تو مقناطیس [illegible] طرح کھینچ رہا ہے۔''

نمرہ بھی جانا چاہتی تھی میرے بارے میں معلوم کرنا [illegible]ہتی تھی لیکن جھجک رہی تھی جب سہیلیوں نے اسے کھینچا تو وہ [illegible]بھی چلی آئی۔ اس کے ساتھ چھ سات لڑکے اور اتنی ہی [illegible]لیاں تھیں۔ میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا تھا کہ وہ گاڑی کے [illegible]ں چلا جائے جب وہ سب قریب آئے تو میں نے چہرے [illegible]ے یوں ظاہر کیا جیسے آتے ہوئے محسوس کر رہا ہوں۔ ایک [illegible]کے نے ہاتھ کی پانچ انگلیاں میری آنکھوں کے سامنے [illegible]تے ہوئے غور سے دیکھا۔ پھر اپنے دوستوں کی طرف [illegible]یکھتے ہوئے انکار میں سر ہلایا میں نے پوچھا ''کیا یہاں کوئی [illegible]ہے؟ میں نے آہٹیں سنی ہیں۔''

میں خلا میں تک رہا تھا پھر میں نے سر جھکا کر سامنے [illegible]کھڑے ہوئے لڑکے لڑکیوں کو دیکھا میری نظریں ٹھیک نمرہ پر [illegible]یں اس کے دل میں جیسے چور تھا وہ گھبرا رہی تھی۔ پھر ذرا [illegible]ہنے لگی ایک سہیلی کے پیچھے چلی گئی ایک اسٹوڈنٹ نے پوچھا۔ [illegible]یا تم اندھے ہو؟''

میں نے کہا ''معلوم ہوتا ہے تم یہاں کے مقامی [illegible]شندے ہو؟ تعلیم یافتہ نہیں ہو؟ اگر کچھ سمجھ بوجھ ہوتی تو اتنا تو [illegible]سمجھتے کہ کسی اندھے کو اندھا نہیں کہنا چاہئے۔''

نمرہ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا میں نے یہی بات اسے بھی کہی تھی اس اسٹوڈنٹ نے مجھ سے کہا ''سوری...... ہم اسٹوڈنٹ ہیں واقعی مجھے نابینا نہیں کہنا چاہئے تھا۔''

''تم نے ابھی کہا ہے کہ ہم اسٹوڈنٹ ہیں، اس کا مطلب ہے کہ یہاں ایک نہیں کئی طلبہ ہیں؟''

ایک لڑکے نے کہا ''جی ہاں...... طلبہ بھی اور طالبات بھی ہیں۔''

ایک لڑکی نے کہا ''تم اتنے ہینڈسم اور اسمارٹ ہو یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ تم ان......''

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا پھر وہ جلدی سے بولی ''میرا مطلب ہے کہ تم نابینا نہیں لگتے ہو۔''

''ایک طرح سے تم درست کہہ رہی ہو' میں نابینا ہوتے ہوئے بھی نابینا نہیں ہوں۔''

سب نے حیرانی سے مجھے دیکھا پھر ایک طالب علم نے پوچھا ''اس کا مطلب کیا ہوا کہ نابینا ہو بھی اور نہیں بھی......؟''

''نابینا اس لیے نہیں ہوں...... کہ جسے چاہتا ہوں اسے دیکھتا رہتا ہوں۔''

ایک لڑکی نے پوچھا ''یہ کیا بات ہوئی؟ یعنی تم ہم میں سے جسے چاہو گے اسے دیکھتے رہو گے؟ اور جسے نہیں چاہو گے اسے نہیں دیکھو گے؟''

''ایسی بات نہیں ہے...... میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو میرے دل میں بستی ہے میں صرف اسے ہی دیکھ سکتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے اس لڑکی کی طرف دیکھا جس کے پیچھے نمرہ چھپی ہوئی تھی۔ میرے ایسا کہنے اور دیکھنے پر وہ کچھ اور پریشان ہو گئی۔

ایک اسٹوڈنٹ نے پوچھا ''اس کا مطلب ہے تم بھی کسی سے عشق کرتے ہو؟''

''کیوں نہیں...... آخر میں بھی انسان ہوں میرے سینے میں بھی دل ہے جو کسی کے لیے دھڑکنا جانتا ہے۔''

ایک نے کہا ''ہم آپ کے بارے میں ذاتی سوال کر رہے ہیں آپ مائنڈ تو نہیں کر رہے ہیں؟''

میں نے مسکرا کر کہا ''نہیں جو باتیں محبت کے حوالے سے ہوتی ہے وہ خوشبو کی طرح مہکتی ہیں اور خوشبو سب ہی کو پسند ہوتی ہے۔''

سب ہی اس بات پر واہ واہ کرنے لگے۔ ایک نے کہا ''مجھے بھی خوشبو پسند ہے اور ایک خوشبو والی سے پیار ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ایک لڑکی کی طرف دیکھا۔ اس لڑکی نے شرما کر سر جھکا لیا۔ ایک نے پوچھا ''مسٹر! تمہارا نام کیا ہے؟''

میں نے نمرہ کی طرف دیکھا پھر کہا ''میں اس کا مقدر

ہوں' میرا نام مقدر حیات ہے۔"

"بڑا عجیب نام ہے۔ پہلی بار سنا ہے۔ ویسے ہر چاہنے والے ایک دوسرے کا مقدر بن جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے تمہارا نام بہت ہی خوبصورت ہے۔"

میں بولا "شکریہ...... میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ نام اسے بھی پسند آجائے۔"

ایک لڑکی نے پوچھا "کسے پسند آجائے......؟"

"جسے میں چاہتا ہوں۔"

"تعجب ہے تم اس کی پسند اور ناپسند کو نہیں جانتے؟"

"مجھے جاننے کا موقع نہیں ملا، میں تو اسے دیکھتے ہی اندھا ہو گیا تھا۔"

"کیا......؟"

سب مجھے حیرانی سے تکنے لگے۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "میں پہلے اندھا نہیں تھا تقریباً آدھی دنیا دیکھ چکا ہوں۔ حسین نظارے دیکھ چکا ہوں لیکن ایسا حسین نظارہ نہ کبھی دیکھا اور نہ کبھی دیکھ سکوں گا۔"

ایک لڑکی نے پوچھا "وہ کون تھی؟"

میں نے پھر نمرہ کی طرف یوں دیکھا جیسے میری نظریں اِدھر اُدھر سے بھٹکتی ہوئی وہاں آکر رک گئی ہوں۔ اس پر جب بھی نظر جاتی تھی وہ کچھ گھبرا سی جاتی تھی۔

ایک جوان نے پوچھا "وہ کیسی تھی؟"

"وہ ایسی تھی کہ اب ویسی کوئی نہیں ہوگی وہ پہلی بار نظر کے سامنے آئی تو بھیگی ہوئی تھی پتا نہیں وہ بارش میں بھیگتی رہی تھی یا کسی جھرنے سے نہا کر آئی تھی؟ وہ مختصر سے لباس میں خود کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن چھپ نہیں پا رہی تھی۔ میرا سامنا ہوتے ہی اس کا شرمانا، گھبرانا اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ وہ ایک تصویر کی طرح میری آنکھوں کی پتلیوں میں نقش ہو گئی۔"

میں نے ایک سرد آہ بھری سب بے چینی سے اور دلچسپی سے سن رہے تھے ایک نے بڑی بے قراری سے پوچھا "پھر کیا ہوا؟"

"اس کی آنکھوں میں حیا تھی۔ ایسے وقت میں اس کی شرم رکھنا چاہتا تھا اس لیے دعا مانگی کہ اندھا ہو جاؤں اسے یقین ہو جائے کہ میں نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے۔"

میں ذرا چپ ہوا پھر ایک سرد آہ بھر کر بولا "اس حسین نظارے کے بعد میں دنیا کا کوئی اور نظارہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ کسی کی صورت اور کسی کا سراپا کسی بھی کھلتے ہوئے پھول کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ ان ہی لمحات میں میری آنکھوں کے چراغ بجھ گئے۔ اندھیرا چھا گیا اس گھپ اندھیرے میں صرف اسی کا وہ آخری جلوہ رہ گیا جسے میں نے دیکھا تھا اور جب تک زندہ ہوں وہ میری اندھی آنکھوں میں جیتی جاگتی رہے گی۔"

نمرہ ایک دم گم صم سی ہو گئی تھی وہ سن رہی تھی اسے اپنے کمرے کا وہ منظر یاد آرہا تھا جب میرا اور اس کا سامنا ہوا تھا۔ وہ میری باتیں سن رہی تھی سوچ رہی تھی اور الجھ رہی تھی "کیا ممکن ہے کہ یہ پہلے اندھا نہیں تھا اور مجھے اس حالت میں دیکھ کر میری شرم رکھنے کے لیے اندھا ہو گیا تھا؟ کیا یہ ماننے والی بات ہے کہ آدمی خواہش کرے کہ وہ اندھا ہو جائے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے؟ خواہش کرے کہ وہ مر جائے تو مر جاتا ہے؟"

"نہیں یہ باتیں بنا رہا ہے یہ اندھا نہیں ہے ایک بہروپیا ہے۔ یہ اب بھی مجھے دیکھ رہا ہے۔"

وہ غصے سے ہونٹوں کو بھینچ کر مجھے دیکھنے لگی، سوچنے لگی خدا...... اگر اس نے مجھے ویسی حالت میں دیکھ لیا ہے تو میں شرم سے مر جاؤں گی مجھے کسی طرح آزمانا چاہئے کہ یہ واقعی اندھا ہے یا بہروپیا۔"

وہ اپنی سہیلیوں اور ساتھیوں سے بولی "یہ بہروپیا جھوٹا ہے کیا یہ ماننے کی بات ہے کہ اس نے اندھا ہونے کی دعا مانگی اور اسی وقت اندھا ہو گیا؟"

کچھ طلبہ اور طالبات نے اس کی تائید میں کہا "ہاں یقین تو ہمیں بھی نہیں آرہا ہے۔"

نمرہ نے کہا "تم سب میرے سامنے سے ہٹ جاؤ اس کی حقیقت ابھی سامنے آجائے گی۔"

اس کے سامنے کھڑے ہوئے لڑکے ہٹ گئے۔ اس نے جھک کر ایک پتھر اٹھایا پھر میرا نشانہ لیا میں اس کا مقدر ہوں جانتا ہوں کہ وہ مجھے چوٹ نہیں پہنچائے گی' اس نے کہا تمہاری طرف پتھر آرہا ہے بچنے کی کوشش کرو ورنہ سر پھوٹ جائے گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے وہ پتھر کھینچ کر مارا اس طرح کہ نشانہ خطا ہو جائے اور یہی ہوا وہ پتھر میرے قریب سے گزر گیا میں جوں کا توں ساکت بیٹھا رہا جیسے نہ مجھے پتھر دکھائی دیا اور نہ پتھر مارنے والی دکھائی دے رہی ہو میں نے انجان بن کر حیرانی سے کہا "تم کون ہو؟ اور میرے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہو؟ کیا واقعی مجھے پتھر مارنے والی ہو؟"

ایک نوجوان نے چاقو نکال لیا اسے کھول کر مٹھی میں دبا کر تیزی سے دوڑتے ہوا میرے قریب آیا پھر ہاتھ اٹھا کر مجھ پر حملہ کرنے لگا چاقو تیزی سے میری طرف آیا پھر اس کی نوک میری گردن کے قریب رک گئی۔

میں چپ چاپ انجان بنا بیٹھا رہا میرے ہاتھ کی لکیر

ہی تھی کہ مجھے کسی کے ہاتھوں زخمی نہیں ہونا ہے، میں نے کہا۔ "مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے قریب کوئی آیا ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر ٹٹولنے کے انداز میں ہاتھوں کو اس کی طرف بڑھایا تو وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا چاقو بند کر کے بولا "سوری مسٹر مقدر حیات! میں تمہیں آزما رہا تھا تم تو واقعی نابینا ہو۔"

میں نے پوچھا "تمہیں کیسے یقین ہو گیا؟"

"میں نے ابھی تمہیں اپنے طور پر آزمایا ہے ویسے مجھے اس بات کا یقین نہیں آرہا ہے کہ تم نے اندھے ہونے کی دعا مانگی اور اندھے ہو گئے۔"

میں بولا "میں ابھی تو یقین نہیں دلا سکتا میرے لیے دعا کرو کہ وہ لڑکی ایک بار پھر میرے سامنے آجائے اور اسے بھی یقین ہو جائے کہ وہ سامنے آئے گی تو میں اسے دیکھ نہیں پاؤں گا لیکن میں اسے کہوں گا کہ وہ تم سب کو میرے نابینا ہونے کا یقین دلائے۔"

میں پتھر سے اٹھ گیا پھر بولا "میں جا رہا ہوں مجھے یہ کہنا چاہئے کہ تم لوگوں سے مل کر خوشی نہیں ملی بے اعتمادی ملی ہے چلو کچھ تو ملا ہے۔"

میں نے ڈرائیور کو آواز دی وہ تیزی سے چلتا ہوا آیا میں بولا "مجھے واپس لے چلو۔"

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا میں اس کے ساتھ چلنے لگا تو ایک اسٹوڈنٹ نے ڈرائیور سے پوچھا "تمہارے یہ صاحب کتنے عرصے سے نابینا ہیں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "میں نہیں جانتا میں تو ابھی انہیں ہوٹل سے لایا ہوں انہوں نے ہوٹل سے یہ کار کرائے پر لی ہے اور میں رینٹ کار والوں کا ملازم ہوں۔"

میں ڈرائیور کے ساتھ چلتا ہوا کار کی پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا وہ سب مجھے چپ چاپ دیکھ رہے تھے اور اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے کہ ہم نے مقدر حیات کو غلط سمجھا تھا وہ بے چارہ تو واقعی اندھا ہے۔

نمرہ کی سہیلی نے کہا "ہماری دنیا میں عجیب و غریب واقعات ہوتے ہیں یہ بھی کتنی عجیب بات ہوئی کہ اس کی دعا فوراً ہی قبول ہو گئی۔ اور وہ بینائی سے محروم ہو گیا۔"

نمرہ نے اسے دیکھا' اس کی بات کی تردید کرنا چاہی مجھے آزمانے کے باوجود یقین نہیں ہو رہا تھا اس نے سہیلی سے کچھ نہیں کہا وہاں سے پلٹ کر دریا کی طرف جانے لگی میں ہوٹل واپس آیا۔ اپنا سامان پیک کر کے ڈرائیور کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کاؤنٹر پر آیا' ہوٹل کے منیجر نے مجھے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا "یہ آپ کو کیا ہوا ہے؟"

"بس کیا کہوں...... اچانک میری بینائی چلی گئی ہے میں یہاں سے جا رہا ہوں۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "یہ اچانک بینائی کیسے چلی گئی؟"

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں جانے والی بینائی کو واپس لے آتا۔ میں کسی آئی اسپیشلسٹ سے ملنے اسلام آباد جا رہا ہوں۔"

میں نے وہاں کا بل ادا کیا' پھر ڈرائیور کے ساتھ آکر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا نمرہ یقین اور بے یقینی کے درمیان الجھی ہوئی تھی۔ میں نے تمام طلبہ و طالبات کو وہی واقعہ سنایا تھا جو اس کے ساتھ کمرے میں پیش آیا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ میں اسے بے وقوف بنا رہا ہوں۔ میری یہ حقیقت اس کے سامنے تھی کہ اس نے پتھر اٹھا کر میری طرف پھینکا تھا اور میں ٹس سے مس نہیں ہوا تھا اس کے بعد ایک لڑکے نے چاقو سے اچانک حملہ کیا تھا کوئی بھی آنکھ والا ایسے حملے کے وقت بے اختیار بچنے کی کوشش کرتا ہے جب کہ ایسے وقت میں انجان بنا بیٹھا رہا تھا۔

وہ جس قدر سوچ رہی تھی اسی قدر الجھ رہی تھی۔ شام کو گروپ کے ساتھ واپس ہوٹل آئی اپنے کمرے کی طرف جانے سے پہلے دل میں سوچا "میں کاؤنٹر کلرک یا منیجر سے کچھ معلوم کر سکتی ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ہوٹل کے کاؤنٹر پر آئی۔ پھر منیجر سے بولی "ایکسکیوزمی کمرہ نمبر ٹو زیرو سیون میں مقدر حیات ہیں؟"

وہ بولا "ہیں نہیں تھے...... وہ جا چکے ہیں۔"

نمرہ کو ہلکا سا شاک پہنچا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں اچانک وہاں سے جا سکتا ہوں۔ اس نے پھر منیجر سے پوچھا "کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں گئے ہوں گے؟"

"کسی آئی اسپیشلسٹ سے ملنے اسلام آباد گئے ہیں۔"

"آئی اسپیشلسٹ......؟"

"ہاں ان کے ساتھ ٹریجڈی ہو گئی ہے۔ جب یہاں آئے تو اچھے بھلے تھے پھر پتا نہیں اچانک کیسے ان کی بینائی چلی گئی؟ وہ اندھے ہو چکے ہیں۔"

وہ بے چین سی ہو گئی اس نے پوچھا "کیا آپ یقین سے کہتے ہیں کہ وہ سچ مچ اندھے ہو گئے ہیں؟"

منیجر نے عینک کو ناک پر درست کرتے ہوئے کہا "ایک تو خود انہوں نے اپنی زبان سے یہ بات کہی ہے پھر وہ ڈرائیور

کے سہارے یہاں سے گئے ہیں۔ وہ کوئی اداکار یا مسخرے تو نہیں تھے کہ ہمیں ہنسانے یا الّو بنانے کے لیے یہاں سے اندھے بن کر جائیں گے۔"

نمرہ نے ایک گہری سانس لی، پہلی بار میرے لیے ہمدردی سے زیرِلب کہا "بے چارہ......"

اب اسے یقین ہو رہا تھا کہ میں واقعی اندھا ہو چکا ہوں وہ بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کیا۔ باتھ روم کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ اس نے تصور میں خود کو وہاں دیکھا وہ اپنے بدن پر تولیے کو صحیح کر رہی تھی اور اس کے سامنے میں کھڑا ہوا تھا۔ اب یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اندھا ہو چکا ہوں لیکن اندھا ہونے سے پہلے اسے جی بھر کر دیکھ چکا ہوں یہ بات ایسی تھی کہ وہ بے اختیار شرمانے لگی، پریشان ہونے لگی۔

اسے تصور کی آنکھ سے میں نظر آ رہا تھا۔ وہ پہلی بار لاشعوری طور پر میرے قد و قامت اور شکل و صورت کے بارے میں سوچنے لگی توجہ سے یاد کرنے لگی کہ میں کیسا ہوں؟ اور کیسا نظر آتا ہوں؟

اسے پھر یاد آیا کہ اس کے گروپ کی کتنی ہی لڑکیاں مجھ پر مرمٹی تھیں۔ میرے وہاں سے جانے کے بعد بھی انہوں نے مجھے ہی موضوعِ گفتگو بنا رکھا تھا۔

اس نے اٹیچی کیس میں سے ایک لباس نکالا پھر اسے پہن کر تھکے ہوئے انداز میں بیڈ پر لیٹ گئی لیٹتے وقت تکیے کے نیچے سے لفافے کا کونا نظر آیا تجسس پیدا ہوا کہ تکیے کے نیچے کیا چیز ہے؟ اس نے سر اٹھا کر اسے کھینچا۔ وہ ایک بڑا اور پھولا ہوا لفافہ تھا لگتا تھا جیسے اس کے اندر بہت کچھ بھرا ہوا ہے۔

لفافے پر لکھا ہوا تھا "گفٹ فور نمرہ......"

وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی، اسے دونوں ہاتھوں میں لے کر سوچنے لگی "یہ یہاں کیسے آیا ہے؟ میں تو دروازے کو لاک کر کے گئی تھی۔ کمرے کی چابی بھی میرے پاس تھی۔ میں نے چابی کاؤنٹر پر بھی جمع نہیں کی تھی۔ میری غیر موجودگی میں یہاں کوئی نہیں آ سکتا تھا پھر یہ لفافہ کیسے آ گیا؟"

اس نے لفافے کو چاک کیا تو اندر سے اس کی اپنی ہی تصاویر نکلنے لگیں اس نے تمام تصویروں کو نکالا جو تقریباً تمیں عدد تھیں. وہ ایک ایک تصویر کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ کس نے اتاری ہیں؟ اور کب اتاری ہیں؟

ان میں سے ایک تصویر کہہ رہی تھی کہ وہ لاہور کے ایک خوبصورت سے پارک میں پھولوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے اور خلا میں تک رہی ہے، مسکرا رہی ہے بہت ہی خوبصورت تصویر تھی۔

دوسری تصویر نے دکھایا کہ وہ شالیمار باغ میں ایک محرابی ستون کے سہارے انگڑائی کے انداز میں ہاتھ کر کھڑی ہوئی تھی پورا جسم کمان کی طرح کھنچ گیا تھا۔ ا انگ پکار رہا تھا کہ آؤ اور مجھے کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کرا اور کسی نے اسے محفوظ کر لیا تھا۔

وہ ایک تصویر دیکھ کر حیران ہو گئی کہ وہ اپنے بیڈ پر سو ہے دوپٹا اس سے دور پڑا ہوا ہے سانسوں کی سینہ زوری ا پورے عروج پر تھی۔

اس کے بیڈروم میں چھ مختلف تصاویر مختلف زاویوں کھینچی گئی تھیں پتا نہیں وہ تصویریں کب کھینچی گئی تھیں۔ حیرا اس بات کی تھی کہ کون اس کے بیڈروم میں آیا ہوگا؟ جب دروازہ اندر سے بند ہوتا ہے۔

پھر اسے یاد آیا کہ اس سے خود بھی بھول چوک ہوتی ر ہے آج بھی دروازہ کھلا رہ گیا تھا اور وہ نہانے چلی گئی تھی، ا میں ہی وہ مقدر حیات اس کے کمرے کو اپنا کمرہ سمجھ کر چلا تھا۔

اسی طرح کسی رات وہ اپنے بیڈروم کا دروازہ کرنا بھول گئی ہوگی۔ وہ تصویر اتارنے والا بے باکی سے وہا آ گیا ہوگا اور بڑے آرام سے تصویریں اتارتا رہا ہوگا۔ وہ سوچ کر حیران ہو رہی تھی کہ تصویر اتارتے وقت فلیش لائ بجلی کی طرح کوندتی ہے ایسے وقت اس کی آنکھ کیوں نہیں کھل وہ مدہوش کیوں رہی؟

باقی تصاویر آؤٹ ڈور دن کی روشنی میں اتاری گئی تھ ایک تصویر میں اس کی آنکھوں کا بگ کلوز اپ تھا وہ ہرنی جی آنکھیں بڑی مخمور تھیں جیسے میخانے کھل گئے ہوں اور شرا چھلک رہی ہو۔

ایک تصویر میں اس کی ستواں ناک سر پُرغرور کی طر اٹھی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی کہ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی بڑی ناک والی ہے۔

اس نے تصویروں کو دھڑکتے ہوئے سینے سے لگا سوچا "یہ سب کیسے ہوا؟ اتنی ساری تصاویر اتاری گئیں اور م بے خبر کیسے رہی؟ کیا کوئی جادوگر ہے جو مجھے ہوش سے بیگا کرتا رہا؟

اس دن دل کو دھڑکانے والی دو وارداتیں اس کے ساتھ ہوئی تھیں ایک تو یہ کہ میں نے اسے بے لباس دیکھا اور بڑی حد تک یہ یقین دلا چکا تھا کہ اس کے بعد ہی میں اند ہو چکا ہوں اگرچہ یہ یقین کرنے والی بات نہیں تھی۔ اس کے

باوجود میرے اندھے پن کے کئی ثبوت اور گواہ تھے۔

اور دوسری عجیب واردات یہ ہوئی تھی کہ کسی بازی گر نے بے خبری میں اس کی اتنی ساری تصاویر اتاری تھیں۔

اس روز اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اسے خواب و خیال میں بھٹکانے کے لیے کافی تھا۔ اب وہ دھڑکتے ہوئے دل سے سوچ رہی تھی کہ کوئی میرا چاہنے والا ہے جو مجھے چھپ چھپ کر دیکھتا ہے اور میرے ہر انداز کو کیمرے میں محفوظ کرتا ہے۔ وہ کتنے پُراسرار طریقے سے پیار کی ابتدا کر رہا ہے۔

اس کے دل نے پکارا "کون ہو تم؟ اسرار کے پردے میں نہ رہو اتنے پُراسرار بنو گے تو میں تجسس کے مارے مر ہی جاؤں گی خدارا، آ جاؤ"

فون کی گھنٹی سنائی دی، وہ فوراً اٹھ کر تیزی سے چلتی ہوئی فون کے قریب آئی پھر کرسی پر بیٹھ کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر کہا "ہیلو؟"

میری آواز سن کر اس کے اندر شناسائی کی ایک لہر اٹھی میں بولا "میں بول رہا ہوں اپنا نام نہیں بتاؤں گا تمہارے اندر میری شناسائی چھپی ہوئی ہے۔"

"ہاں میں نے پہچان لیا ہے تم مقدر حیات ہو، اتنی جلدی بھولنے کی عادت نہیں ہے۔ ابھی تو ہماری ملاقات ہوئی تھی۔"

"نہیں ملاقات نہیں ہوئی تھی......سامنا ہوا تھا۔ اور بڑے غضب کا سامنا ہوا تھا۔"

اسے چپ لگ گئی۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ میں بولا "تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے کہ تمہیں دیکھنے کے بعد اب میں کسی کا بھی جلوہ نہیں دیکھوں گا، اس وقت اسلام آباد میں ایک آنکھوں کے اسپتال میں ہوں۔ ایک بیڈ پر لیٹا ہوا ہوں میری آنکھوں کا معائنہ ہو چکا ہے ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ خرابی کوئی نہیں ہے میری بینائی واپس آ سکتی ہے لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ بینائی واپس نہیں آنی چاہئے۔ میری آنکھوں میں اندھیرا رہنا چاہئے یہ اندھیرا بہت مہربان ہے یہاں صرف تم ہی تم نظر آتی ہو۔ بینائی ملتے ہی ساری دنیا دکھائی دینے لگے گی پھر میں تمہارے نظارے سے محروم ہو جاؤں گا۔"

"کیوں فضول باتیں کرتے ہو؟ ڈاکٹر جب کہتے ہیں کہ تمہاری آنکھوں کا علاج ہو سکتا ہے بینائی واپس آ سکتی ہے تو اسے آنے دو، کیا اندھا رہنا چاہتے ہو؟"

"میں نہیں جانتا کہ تمہیں پا سکوں گا یا نہیں۔ اگر نہ پا سکا تو اندھی آنکھوں سے آخری سانس تک تمہیں دیکھتا رہوں گا، اور اگر یہ امید ہو جائے کہ تمہیں پا سکتا ہوں تو پھر میں اپنی آنکھوں کا علاج کراؤں گا۔"

"پلیز......ایسی باتیں نہ کرو میں اس بات کی قائل نہیں ہوں کہ پہلی ہی ملاقات میں محبت ہو جاتی ہے۔ لیلیٰ مجنوں اور ہیر رانجھا کا زمانہ گزر چکا ہے ہم اکیسویں صدی میں سانس لے رہے ہیں مجھے ایسے جیون ساتھی کی تمنا ہے جو صرف میرا مستقبل ہی شاندار نہ بنائے بلکہ اس صدی میں ایک نیا مقام حاصل کرے، اور انسانی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے۔"

میں نے دل میں کہا "میں تو اس دنیا میں پیدا ہوا تھا پہلے انسان کے ساتھ......اور اس دنیا کے آخری انسان کے ساتھ جیتا جاگتا رہوں گا صرف اکیسویں صدی ہی نہیں ہر صدی میں میرا نام اور کام جاری رہے گا۔"

"تم جیسے جیون ساتھی کی تمنا کر رہی ہو ویسے تو بہت مشکل سے ملتے ہیں میرا تعلق جہاں تک ہے یہ تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ تمہارا مستقبل شاندار بناؤں گا، اور رہی یہ بات کہ موجودہ صدی میں مجھے کوئی نمایاں مقام حاصل کرنا ہے تو میں تمہارے مشورے کے مطابق عمل کروں گا۔ دیکھوں گا کہ کس طرح نمایاں مقام حاصل کر سکتا ہوں۔"

"ابھی تو میں تمہیں دیکھوں گی، سوچوں گی، پرکھوں گی، پھر کوئی فیصلہ کروں گی۔

"بس تمہارا اتنا کہنا ہی کافی ہے تمہاری باتیں مجھے امید دلا رہی ہیں کہ میں تمہیں جیت سکتا ہوں۔"

"آج میری زندگی میں دو انوکھی باتیں ہوئی ہیں ایک تو یہ کہ تم مجھے دیکھتے ہی اندھے ہو گئے چونکہ ثبوت اور گواہ بھی ہیں اس لیے یقین کر رہی ہوں۔"

"اور دوسری انوکھی بات؟"

"مجھے اپنے تکیے کے نیچے سے ایک بڑا سا لفافہ ملا ہے، اس میں میری ڈھیر ساری تصویریں ہیں۔ اب یہ بات میری سمجھ میں آ رہی ہے کہ یہ لفافہ تم نے ہی یہاں رکھا ہے کیوں کہ آج تم ہی میرے کمرے میں آئے تھے، دیکھو جھوٹ نہ بولنا۔"

"کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے......ہاں ......وہ تمام تصاویر میں نے ہی اتاری ہیں۔"

اس نے ایک گہری سانس بھری پھر کہا "مائی گاڈ! اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے بہت پہلے سے جانتے ہو؟ اور جگہ جگہ میرا پیچھا کرتے رہے ہو؟ جلدی سے بتاؤ کہ تم میرے بیڈروم میں کیسے گھس آئے تھے؟"

"جیسے آج تمہارے کمرے میں چلا آیا تھا تمہیں بھولنے کی عادت ہے تم دروازے کو لاک کرنا بھول گئی تھیں۔"

"تم پکے بدمعاش ہو، ایک لڑکی کی خواب گاہ میں آتے

ہوئے شرم نہیں آئی۔ تصویریں بتا رہی تھیں کہ میں کیسے کیسے انداز میں بے ترتیبی سے سو رہی تھی' تم نے چوروں کی طرح میرے بیڈروم میں آکر میری توہین کی ہے۔"

"پلیز...... مجھے غلط نہ سمجھو۔"

"غلط نہ سمجھوں؟ ارے تم تو غلط ہی غلط ہو۔ آج تم نے میرے کمرے میں آکر مجھے ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ سوچ کر ہی شرم سے پانی پانی ہو رہی ہوں۔ اس رات میرے کمرے میں تصویریں اتارنے آئے تو پتا نہیں مجھے کس کس انداز سے دیکھتے رہے؟ یہ سراسر بدمعاشی ہے خبردار! آئندہ مجھے فون پر مخاطب نہ کرنا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے بھی مسکرا کر اپنا فون بند کر دیا "اری جانِ حیات! کہاں جائے گی تو......؟ کیوپڈ نے تیر چلا دیا ہے وہ تیر تیرے سینے میں ترازو ہو چکا ہے۔ اب اس سینے میں دل صرف میرے لیے ہی دھڑکے گا دھڑکن ...... دھڑکن ...... مقدر ...... مقدر دھڑکن دھڑکن مقدر مقدر۔"

☆☆☆

وہ سب ڈرائنگ روم میں آ گئے تھے قاضی صاحب نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "اخلاق احمد صاحب! آٹھ بج گئے ہیں مجھے ایک جگہ اور نکاح پڑھانے جانا ہے لہٰذا مجھے اجازت دیں۔"

عینی اور عروج نے پریشان ہو کر قاضی صاحب کو دیکھا۔ عروج بولی "پلیز قاضی صاحب! تھوڑا اور انتظار کر لیں پاشا سے فون پر ابھی رابطہ ہو جائے گا۔"

وہ بولے "بیٹی! میرا وہاں جانا ضروری ہے وہاں بھی دولہا اور دلہن کے گھر والے میرے انتظار میں ہوں گے میں ابھی جا رہا ہوں ایک گھنٹے بعد واپس یہاں آ جاؤں گا۔"

عروج بولی "ٹھیک ہے...... آپ کو بھی اپنا فرض ادا کرنا ہے آپ میرے ساتھ چلیں میں اپنی گاڑی دیتی ہوں میرا ڈرائیور آپ کو وہاں لے جائے گا پھر نکاح پڑھانے کے بعد اسی گاڑی میں واپس لے آئے گا۔"

عروج قاضی صاحب کے ساتھ باہر جانا چاہتی تھی بابر نے اٹھ کر کہا: "تم یہاں ٹھہرو' میں ڈرائیور سے کہتا ہوں وہ انہیں لے جائے اور پھر واپس لے آئے۔"

بابر قاضی صاحب کے ساتھ باہر چلا گیا۔ بیگم آفتاب نے عروج اور عینی کو طنزیہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا "ہم تو دعائیں مانگ رہے تھے کہ آج عینی کی خوشیاں پوری ہو جائیں گی تو ہم کل شادی کی خوشی دھوم دھام سے منائیں گے دور و نزدیک کے رشتہ داروں کو مدعو کریں گے۔"

ایک رشتہ دار خاتون نے کہا "یہ کیسا دولہا ہے جس کا کوئی پتا ٹھکانہ نہیں ہے اس کے کوئی دوسرے رشتہ دار تو ہوں گے؟"

فلک آفتاب نے کہا "اس کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے وہ بالکل تنہا ہے۔"

ایک بوڑھی خاتون نے کہا "میاں تم نے کیا دیکھ کر لڑکا پسند کیا ہے؟ نہ کوئی آگے، نہ پیچھے اگر شادی کے بعد وہ کہیں بھاگ جائے تو اسے کہیں سے ڈھونڈ کر بھی نہیں لایا جا سکے گا۔"

ایک خاتون نے ہنستے ہوئے کہا "بڑی اماں آپ کا بھی جواب نہیں ہے آپ شادی کے بعد کی بات کر رہی ہیں وہ تو شادی سے پہلے ہی بھاگ گیا ہے۔"

اس بات پر سب ہی ہنسنے لگے۔ ذیشان نے گرج کر کہا "خاموش ہو جائیں' خدا کے لیے خاموش ہو جائیں۔ آپ لوگوں کو کس بات پر ہنسی آ رہی ہے؟ کیا اس بات پر کہ میری بہن کا ہونے والا دولہا کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے؟"

سب کو چپ لگ گئی۔ اس نے کہا "اگر وہ اب تک نہیں آیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ فرار ہو گیا ہے۔ کیا اتنی سی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ کسی وجہ سے مجبور ہو گیا ہے؟"

ایک بزرگ رشتہ دار نے کہا "بے شک وہ مجبور ہو گیا ہو گا لیکن فون یا کسی دوست و رشتہ دار کے ذریعے خبر تو بھیج سکتا ہے کہ اسے دیر کیوں ہو رہی ہے؟"

ذیشان بولا "آپ پاشا کے حالات سے واقف نہیں ہیں۔ میں پولیس افسر ہوں جانتا ہوں کہ اس کے پیچھے دشمن لگے ہوئے ہیں اور دشمنی صرف عینی کی وجہ سے ہو رہی ہے وہ پاشا عینی کا محافظ ہے۔ دشمن یہ نہیں چاہتے کہ وہ ساری زندگی کے لیے اس کا محافظ بن جائے۔

عینی اور عروج بڑے پیار سے ذیشان کو دیکھ رہی تھیں۔ آج دوپہر تک وہ ان کا مخالف تھا شادی کی بھی مخالفت کر رہا تھا اور عروج کا بھی دشمن بنا ہوا تھا۔ اب اچانک ہی اس کا مزاج بدل گیا تھا۔ عینی اور عروج کی حمایت میں بول رہا تھا اور دوپہر تک جس دردانہ کا حامی تھا اب اس کے خلاف بول رہا تھا۔

ایک خاتون نے کہا "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی نے عینی کے خلاف ہونے والے دولہا کے کان بھر دیے ہوں اور وہ شادی سے پہلے ہی دلہن سے بدظن ہو گیا ہو۔"

عروج ناگواری سے بولی "آپ بے تکی باتیں کر رہی ہیں عینی کی قریبی رشتے دار ہو کر جب ایسا کہہ رہی ہیں تو پھر

دشمن کیا کہیں گے؟ کیا آپ اسے بچپن سے نہیں جانتی ہیں؟ کیا آپ اس کا کوئی عیب بتا سکتی ہیں؟"

دوسری خاتون نے کہا "ہماری عینی میں کوئی عیب نہیں ہے لیکن لڑکا بدک گیا ہے اسے شادی سے انکار ہے اسی لیے وہ نہیں آ رہا ہے۔"

ذیشان بولا "آپ لوگ ذرا عقل سے سوچیں عینی کتنی دولت مند ہے' اتنی کہ اس کے آگے پیچھے رشتے والے دوڑتے ہی رہتے ہیں خدا نہ کرے کہ اس میں کوئی عیب ہو لیکن اس میں سو عیب ہوتے تب بھی اس سے شادی کرنے کے لیے سب ہی قدموں میں گرتے رہتے۔ یہ بیئرر چیک ہے کروڑوں روپے کے ڈھیر پر بیٹھی ہوئی ہے جسے چاہے اپنے قدموں میں جھکا سکتی ہے۔"

اس نے ایک ذرا توقف سے کہا "میں جانتا ہوں کہ پاشا دولت کا لالچی نہیں ہے۔ وہ عینی کو دل سے چاہتا ہے۔ وہ دغا نہیں دے گا۔ بے وجہ کہیں چھپ کر بے وفائی نہیں کرے گا۔ اس لیے آپ سب کو یہ یقین کر لینا چاہیے کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔"

پھر اس نے ایک ایک کی طرف انگلی اٹھا کر کہا "اور اگر کسی کو یقین نہیں ہے اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ میری بہن کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور میری بہن کی توہین کر رہا ہے تو پلیز...... ابھی اسی وقت آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ ہمیں بے وجہ کیچڑ اچھالنے والوں کی رشتے داری منظور نہیں ہے۔"

ایک بزرگ نے کہا "میاں...... تم تو بچپن سے ہی غصہ ور ہو' پولیس افسر بننے کے بعد دماغ کچھ اور زیادہ گرم ہو گیا ہے۔ عینی ہماری بھی بیٹی ہے ہم بھلا اس کا مذاق کیوں اڑائیں گے؟ بس یہ ہے کہ ہم اس نوجوان پاشا کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اس لیے اس کے بارے میں غلط بول رہے تھے، اب تم نے اس کے بارے میں وضاحت کی ہے تو ہماری سمجھ میں آیا ہے کہ واقعی وہ کسی وجہ سے مجبور ہو گا۔ اس لیے نہیں آ رہا ہے۔"

ایک بوڑھی خاتون نے کہا "سوال تو یہ پیدا ہو رہا ہے کہ وہ نہیں آئے گا تو کیا ہو گا؟ اس کا کب تک انتظار کیا جائے گا؟"

"ہم تو اس کا انتظار کرتے رہیں گے آج بھی کل بھی اور اس کی خیریت معلوم ہونے تک نجانے کب تک انتظار کرتے رہیں گے لیکن رات کے کھانے کا وقت ہو چکا ہے آپ لوگ کھانا کھا لیں اور رخصت ہو جائیں۔ پاشا آئے گا تو نکاح پڑھا دیا جائے گا شادی کی خوشیاں دوسرے دن منائیں گے۔ ہم ان خوشیوں میں آپ کو بھی بلوائیں گے۔"

تمام مہمان کھانے کے لیے ڈائننگ روم کی طرف چلے گئے' فلک ناز اور بیگم آفتاب بھی ان کی میزبانی کے لیے وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں۔ عینی نے ذیشان سے کہا "بھائی جان! میرا تو دل ڈوب رہا ہے۔ اگر آپ کی حمایت نہ ہوتی تو میں اندر سے ٹوٹ ہی جاتی۔ پتا نہیں...... پاشا کہاں گم ہو گئے ہیں؟ کیا آپ کسی طرح انہیں تلاش نہیں کر سکتے؟"

"میں ابھی یہی کرنے والا ہوں۔"

اس نے موبائل فون پر نمبر ملائے پھر رابطہ ہونے پر کہا "دردانہ بیگم! میں ذیشان بول رہا ہوں۔"

دردانہ نے پوچھا "میری یاد کیسے آ گئی؟ کیا عینی کا نکاح ہو چکا ہے؟"

"دردانہ بیگم! انجان نہ بنو یہ تم بہت برا کر رہی ہو۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ میں نے کیا برائی کی ہے؟"

"پاشا کہاں ہے......؟"

وہ حیرانی سے بولی "پاشا......؟ کیا وہ شادی کے لیے وہاں نہیں پہنچا ہے؟"

"اتنی معصومیت سے انجان بن کر نہ پوچھو۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔"

"تم بکواس کر رہے ہو تمہارا خیال ہے میں نے اسے اغوا کروایا ہے یا ہمیشہ کے لیے ختم کروا دیا ہے؟ تمہارے ایسا کہنے سے میں مجرم نہیں کہلاؤں گی۔"

"دیکھو! میں تم سے بحث نہیں کروں گا' مجھ سے سمجھوتہ کرو میں ہر قیمت پر پاشا کی واپسی چاہتا ہوں۔"

"تم یقین کرو یا نہ کرو پاشا میں اب نہ میری کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی میں نے اسے اغوا کروایا ہے۔"

"تمہیں اس سے بہت گہری دلچسپی ہے تم نہیں چاہتیں کہ تمہاری سوتیلی بیٹی عینی کا گھر آباد ہو۔ آج ہی تمہارے آدمیوں نے پاشا پر گولیاں چلائی تھیں' اور تمہاری ہدایت کے مطابق اس سے کہا تھا کہ پولیس والے اس پر حملہ کر رہے ہیں۔ اگر اس کو خدانخواستہ کچھ ہو جائے گا تو پولیس والوں پر اور خاص طور پر مجھ پر شبہ کیا جائے گا۔"

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں میرے آدمیوں نے پاشا پر گولیاں نہیں چلائی تھیں۔"

"تم اس حقیقت سے بھی انکار کرو گی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارے آدمیوں نے حشمت پر بھی گولیاں چلائی تھیں؟ وہ دہشت کے مارے اپنے گھر میں چھپا ہوا ہے۔"

’’تم مجھ پر اور ایسے دس طرح کے الزام عائد کرسکتے ہو‘ مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور نہ ہی میرا کچھ بگاڑ سکو گے۔‘‘

’’تم جو کھیل کھیل رہی ہو۔ اسے میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں ایسی حرکتوں سے تم یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں کوئی جنونی افسر ہوں‘ عدالت کے فیصلوں کے خلاف مجرموں کو سزا دیتا ہوں۔ تمہارے بیٹے کو اوپر والوں کے حکم سے رہا کیا گیا تھا پھر بعد میں وہ مارا گیا۔ تم مجھے اس کی موت کا ذمہ دار ٹھہراؤ گی تم نے حشمت کو ضمانت پر رہا کروایا ہے تم چاہتی ہو کہ میں جنون میں مبتلا ہوکر اسے بھی مار ڈالوں اور اگر میں ایسا نہ کروں تو تم اسے مار ڈالو اور اس کی موت کا الزام بھی مجھ پر عائد کردو۔‘‘

اس نے قہقہہ لگایا۔ پھر کہا ’’تم اس وقت انگاروں پر لوٹ رہے ہو‘ چیخ رہے ہو‘ مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے......اوکے......سوفار......‘‘

اس نے رابطہ ختم کردیا ذیشان نے اپنے فون کو دیکھا۔ اس کا پُراعتماد قہقہہ بتا رہا تھا کہ وہ جو بھی منصوبہ بنا چکی ہے اس پر عمل ضرور کرے گی۔ سید تراب علی اور اس کی بیگم دونوں ہی وہاں موجود تھے پریشان ہوکر ذیشان کی باتیں سن رہے تھے۔ بیگم نے گھبرا کر پوچھا ’’ذیشان! یہ تم کیا کہہ رہے تھے؟ کیا دردانہ نے میرے بیٹے کو اسی لیے ضمانت پر رہا کروایا ہے؟ کیا وہ میرے بیٹے کی جان لینا چاہتی ہے؟‘‘

’’جی ہاں......آپ نہیں جانتیں کہ وہ کتنی مکار عورت ہے۔ آپ کو اتنا تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ آپ کی کوئی سگی رشتے دار نہیں ہے اس نے کبھی آپ سے ہمدردی نہیں کی پھر اچانک اتنی ہمدرد اور محبت کرنے والی کیسے بن گئی؟ آپ کے بیٹے کو اس نے ضمانت پر رہا کروایا اور آپ نے ہم سے یہ بات چھپائی۔‘‘

تراب علی شاہ بولا ’’بیٹے! دردانہ کے خاص آدمی نے ہمیں سختی سے منع کیا تھا کہ ہم حشمت کی ضمانت کی بات کسی کو نہ بتائیں خاص طور پر دردانہ کا ذکر نہ کریں کہ حشمت کی ضمانت اس نے کروائی ہے۔‘‘

’’وہ ہم سب کو آپس میں لڑا رہی ہے اس کی وجہ سے ہی عینی اور عروج مجھ سے بدظن ہوگئیں اور مجھ سے بھی ایک غلطی ہوگئی کہ میں نے پاشا کے خلاف دردانہ کے کہنے پر بھروسا کیا جس کے نتیجے میں آج میری بہن کی شادی رک گئی ہے۔‘‘

تراب علی بولا ’’اب اس کی چال بازی اچھی طرح سمجھ میں آرہی ہے ادھر اس نے عینی کی شادی روک دی ہے اور پاشا کو کہیں چھپنے پر مجبور کررہی ہے اور ادھر ہمارے بیٹے پر فائرنگ کروا رہی ہے۔ اب میں اس عورت کو اپنے گھر میں گھسنے نہیں دوں گا۔‘‘

ایک ملازم نے آکر ذیشان سے کہا ’’پولیس والے حشمت صاحب کو لے کر آئے ہیں۔‘‘

’’انہیں اندر بھیج دو۔‘‘

تھوڑی دیر بعد حشمت سر جھکائے ذیشان کے ماتحت کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ بیگم تراب اسے دیکھ کر تیزی سے چلتی ہوئی آکر اس سے لپٹ گئی۔ اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے بولی ’’بیٹے یہ کیا ہورہا ہے؟ دشمن تم پر گولیاں چلا رہے تھے‘ تم ٹھیک تو ہونا......؟‘‘

’’خدا کا شکر ہے میں نے کھڑکی دروازے بند کردئے تھے ورنہ شائد وہ اندر گھس آتے۔‘‘

پھر اس نے ذیشان کو دیکھتے ہوئے کہا ’’میں سمجھ رہا تھا کہ ذیشان بھائی مجھ سے دشمنی کررہے ہیں اور ان کے حکم سے پولیس مجھ پر فائرنگ کررہی ہے لیکن یہ پولیس والے تو مجھے آپ کے اور ڈیڈی کے پاس لے آئے ہیں۔‘‘

تراب علی نے کہا ’’ہم سب ہی اس ذلیل عورت کے فریب میں آگئے لیکن اب ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور جہاں تک فریب کھانے کا تعلق ہے تو ذیشان میاں بھی اس سے دھوکا کھا چکے ہیں لیکن جو سب سے شرم ناک بات ہے وہ یہ کہ تم نے عینی سے بدترین دشمنی کی ہے۔ تم اسے اندھی کردینا چاہتے تھے یہ معلوم ہونے کے بعد میں اندر ہی اندر مررہا ہوں۔‘‘

عروج بولی ’’یہ بھائی نہیں ہے قصائی ہے۔ اس کے دماغ میں خناس بھرا ہوا ہے یہ میری عینی کے خلاف جیسی حرکتیں کرچکا ہے اس کے بعد میں اسے زندگی بھر کبھی بھائی نہیں کہوں گی۔‘‘

حشمت نے پریشان ہوکر ذیشان کو دیکھا پھر کہا ’’میری بہن کی نفرت بجا ہے لیکن ذیشان بھائی! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں سچ بولوں گا اور عینی سے ہونے والی دشمنی سے آپ کو آگاہ کروں گا تو آپ مجھے معاف کردیں گے۔‘‘

ذیشان نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا ’’بے شک تم نے عینی سے دشمنی کی لیکن عین وقت پر اسے اپنی دشمنی سے محفوظ رکھا اسے اندھی ہونے سے بچالیا‘ اس لیے میں تمہیں معاف کردوں گا۔‘‘

بیگم تراب نے بیٹے سے کہا ’’دیکھو! انسان ایسے ہوتے ہیں تمہاری بدترین دشمنی کو بھی معاف کررہے ہیں تمہیں تو ان کے قدموں میں گر جانا چاہئے۔‘‘

ذیشان بولا ’’میں نہیں چاہوں گا کہ یہ میرے قدموں

...ں کرے لیکن اسے تحریری بیان دینا ہوگا کہ اس نے اب تک ...ی سے کیسے کیسے دشمنی کی ہے اور اس کی اس دشمنی کے ...نصوبے میں اس کی ہونے والی بیوی لیڈی ڈاکٹر آرزو بھی ...ریک رہی ہے۔ اگر یہ بیان دیتا ہے تو پھر میں بھی معاف کردوں گا اور عینی سے بھی کہوں گا کہ اسے معاف کردے۔‘‘

تراب علی بولا ’’دانش مندی تو یہی ہے حشمت! تم یہاں بیٹھ کر تحریری بیان دو۔ ہماری آپس کی دشمنی اور نفرت کو ختم ہوجانا چاہئے۔ ہم متحد رہیں گے تو دردانہ اپنی شر پسندی سے ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔‘‘

ذیشان نے لیڈی ڈاکٹر آرزو کو دیکھ کر کہا ’’صرف حشمت ہی نہیں ڈاکٹر آرزو بھی اپنا بیان لکھیں گی اور جو میں کہوں گا وہی لکھیں گی۔‘‘

آرزو اور حشمت نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر حشمت بولا ’’آرزو! ہمیں ذیشان بھائی پر بھروسا کرنا چاہئے یہ ہماری بہت بڑی غلطی کو معاف کررہے ہیں پھر یہ کہ ہم ان کے سائے میں رہ کر ہی دردانہ جیسی شر پسند عورت سے محفوظ رہ سکیں گے۔‘‘

وہ دونوں تحریری بیان دینے پر راضی ہوگئے۔ کاغذ اور قلم منگوائے گئے۔ آرزو اور حشمت ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ ذیشان ان سے اپنے طور پر بیان لکھوانے لگا ان سے ذرا فاصلے پر عینی اور عروج بیٹھی ہوئی تھیں۔ دونوں کا دل ڈوب رہا تھا وہ دونوں ہی پاشا کے بارے میں سوچ رہی تھیں کہ آخر وہ کہاں گم ہوگیا ہے؟ ان دونوں کو پاشا پر بھروسا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ پاشا انہیں دھوکا دے گا‘ چھپ کر رہے گا یا انہیں چھوڑ کر کہیں چلا جائے گا یا دشمن سے گھبرا کر ان کی محبتوں سے باز آجائے گا۔

عینی نے پریشان ہوکر عروج کو دیکھا پھر آہستگی سے پوچھا ’’وہ کہاں ہوگا؟ کس حال میں ہوگا؟‘‘

وہ ایک گہری سانس بھر کر بولی ’’وہ تمہارا ہوکر اچھی بھلی زندگی گزار رہا تھا ہمارا پیار اس کے لیے عذاب بن گیا ہے۔‘‘

’’میری دولت مجھے بدنصیب بنا رہی ہے اور مجھ سے محبت کرنے والوں کو مجھ سے دور کررہی ہے۔ اگر یہی شادی آج تجھ سے ہوتی تو اب تک نکاح پڑھوایا جاچکا ہوتا۔ کوئی دشمنی نہیں کرتا۔‘‘

’’ہماری دنیا میں نہ غریب کو سکون اور نہ ہی امیر کو۔ کسی غریب لڑکی سے اس لیے دشمنی اور زیادتی کی جاتی ہے کہ وہ کمزور ہوتی ہے‘ اور کسی امیرزادی سے اس کی دولت چھین لینے کی خاطر چالیں چلی جاتی ہیں۔

عینی روتے ہوئے عروج کے گلے لگ گئی۔ پاشا صرف عینی کا ہی نہیں عروج کا بھی محبوب تھا۔ پہلے محبت عروج سے ہی ہوئی تھی وہ بہت محتاط رہتی تھی کھل کر محبت کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ اظہار کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا؟ وہ شخص تو اس کے اندر آسن جما کر بیٹھ گیا تھا۔ اب اس کے دل میں کوئی دوسرا آکر بیٹھنے والا نہیں تھا۔

اسے بھی عینی کی طرح رونا چاہئے تھا مگر وہ خود کو سمجھا رہی تھی صبر کررہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اگر روئی تو عینی اور زیادہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے گی۔

اس نے عینی کو دونوں بانہوں میں بھینچ لیا۔ ان لمحات میں وہ پاشا کے پیار کو سمیٹ رہی تھی۔

کچن‘ ڈائننگ روم اور دوسرے کمروں میں مہمان مرد و خواتین کھانے میں مصروف تھے۔ فلک ناز اور بیگم آفتاب میزبانی کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ ملازم ہر جگہ کھانے پینے کی اشیا پہنچا رہے تھے اور وہ دونوں مہمانوں سے باتیں کرتی جارہی تھیں‘ گفتگو کا موضوع عینی کی شادی ہی تھی سب ہی رشتے دار خواتین کہہ رہی تھیں کہ یہ شادی اب نہیں ہوسکے گی۔

جن رشتہ داروں کے ہاں جوان بیٹے تھے‘ وہ ناگواری سے کہہ رہے تھے کہ کیا عینی کو اپنے خاندان کے جوان مرد نظر نہیں آئے اگر ہمارے لڑکوں میں کوئی عیب تھا تو وہ بتاتی۔ ایک تو اسے نظر نہیں آتا اوپر سے لڑکا دیکھ کر پسند کیا تھا جو شادی سے پہلے ہی بھاگ گیا۔

ایک بزرگ خاتون بولیں ’’اے فلک ناز! تم بھی تو اپنے بیٹے عدنان کے لیے آس لگائے بیٹھی تھیں کیا تم نے عینی کو نہیں سمجھایا؟‘‘

فلک ناز نے کہا ’’مجھ سے زیادہ تو بھابی جان آس لگائے بیٹھی تھیں اسے اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں۔‘‘

بیگم آفتاب نے کہا ’’جھوٹ تو نہ بولو مجھ سے زیادہ تم اسے بہو بنانے کے چکر میں تھیں۔‘‘

ناز بولی ’’بھابی جان! آپ کو تو یاد نہیں رہتا میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ آپ کا بابر میرے عدنان سے چار برس بڑا ہے‘ پہلے اس کی شادی ہونی چاہئے اس لیے عینی کو آپ ہی اپنی بہو بنالیں۔‘‘

’’دیکھو ناز! اتنی صفائی سے تو جھوٹ نہ بولو۔ عینی اب ہاتھ سے نکلتی جارہی ہے تو کیسے مکر رہی ہو جیسے اس سے تمہیں کبھی کوئی لگاؤ نہیں رہا تھا۔ تم تو سائے کی طرح اس کے پیچھے رہتی تھیں۔‘‘

''آپ دس باتیں بنالیں میری تو ایک ہی بات ہے کہ مجھے عینی سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میرے عدنان کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے میں تو اپنی آسرا کی فکر میں تھی' اب جب سے مقدر حیات آیا ہے تب سے اس نے میرے سر کا بوجھ ہی اتار دیا' صاف طور پر کہہ چکا ہے کہ شادی کرے گا تو میری بیٹی آسرا سے۔''

اس بات پر بیگم آفتاب ہنسنے لگی۔ ایک خاتون نے پوچھا ''آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟''

بیگم آفتاب نے ناز کی طرف دیکھ کر کہا ''میری نند صاحبہ بہت اونچی اڑتی ہیں لیکن ان کے پاس اونچی اڑان کے لیے پر نہیں ہوتے۔ انہیں تو خبر ہی نہیں ہے کہ مقدر حیات میری نمرہ کو پسند کر چکا ہے۔ پتا ہے اس نے مجھ سے کیا کہا تھا؟''

کئی خواتین اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں' وہ بڑے فخر سے بولی ''اس نے فون پر میری آواز سنتے ہی کہا چچی جان! آپ کی آواز تو بالکل میری ممی جیسی ہے' میرا دل تو اتنا بڑا ہو گیا۔ میں نے کہا بیٹے! تم مجھے ممی ہی کہا کرو...... پھر پتا ہے اس نے جواب میں کیا کہا؟''

پھر کئی خواتین اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں وہ ایک خاتون سے بولی ''ممانی جان! آپ رک کیوں گئیں کہاتی تو رہیں۔''

ممانی جان نے کہا ''پہلے تم یہ تو بتاؤ کہ مقدر نے تم سے کیا کہا؟''

وہ ہنستی ہوئی بڑے فخر سے بولی ''اس نے کہا چچی جان! اگر میں آپ کو ممی کہوں گا تو آپ میری سگی ممی ہو جائیں گی اور پھر نمرہ میری بہن بن جائے گی جب کہ میں تو نمرہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ مجھے تو کچھ کہنا ہی نہیں پڑا۔ وہ کھل کر خود ہی سب کچھ کہہ گیا۔''

ممانی جان نے تائید میں سر ہلا کر کہا ''ہاں بھئی...... اس کے بعد کچھ کہنے کے لیے رہ ہی نہیں جاتا۔''

ناز نے چیخ کر کہا ''کہنے کے لیے بہت کچھ رہ جاتا ہے۔ بات کبھی ختم نہیں ہوتی' آگے ہی بڑھتی ہے۔ بھابی جان تو مرچ نمک لگا کر جھوٹ کو بھی سچ بنا دیتی ہیں' انہیں تو اسٹوری رائٹر ہونا چاہیے تھا۔''

ایک بزرگ خاتون نے پوچھا ''کیا اسٹوری رائٹر جھوٹے ہوتے ہیں؟ وہ جھوٹ لکھتے ہیں؟''

''تم کیا جانو کہ وہ جھوٹ بھی لکھتے ہیں تو اس کے پیچھے زندگی کی سچائیاں چیختی رہتی ہیں پڑھنے والا سمجھنا چاہے تو ان کہانیوں میں اپنا عکس دیکھ سکتا ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''ناز نے کبھی کہانیاں پڑھی ہوں تو پڑھ کر سمجھنا آئے گا یہ تو بس ہواؤں میں اڑتی رہتی ہیں۔ مقدر حیات نے اسے پھوپی جان سمجھ کر دو میٹھی باتیں کی ہوں گی۔ بس اس کے بعد ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے ہیں۔''

ناز نے کہا ''بھابی جان! زمین تو آپ کے پاؤں سے کھسکنے والی ہے' ساری خوش فہمی ختم ہو جائے گی پتا ہے اس نے فون پر میری آواز سن کر کہا کہ میرا لہجہ بالکل اس کے ڈیڈی کی طرح ہے یعنی میرے بھائی جان جیسا۔ اور کیوں نہ ہو بھائی کی آواز اور لہجہ میری ہی طرح تھا۔''

بیگم آفتاب بولی ''تو پھر تمہیں کہنا چاہیے تھا کہ وہ تمہیں پھوپی جان نہ کہے ڈیڈی کہا کرے۔''

اس بات پر سب ہی مرد و خواتین قہقہے لگانے لگے۔ ناز نے غصے سے تمام ہنسنے والوں کو دیکھا پھر پیر پٹخ کر وہاں سے جانے لگی' دروازے پر رک گئی پھر وہاں سے پلٹ کر چیختے ہوئے بولی ''شٹ اپ آل آف یو۔''

سب ہی ایک دم چپ ہو گئے اس نے ایک ایک کو دیکھ کر کہا ''ایک بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ کوئی آنکھیں رکھ کر اندھا نہیں ہوتا۔ اور اندھا ہو کر کسی لڑکی کو ساری زندگی کے لیے پسند نہیں کرتا کیا آپ یہ مانتے ہیں؟''

کتنے ہی مرد اور خواتین نے باری باری کہا ''بے شک ہر آنکھ والا پہلے لڑکی کو دیکھتا ہے' پسند کرتا ہے پھر شادی کے لیے ہاں کرتا ہے۔''

''تو پھر پہلے سے آپ لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ مقدر حیات نے نہ تو میری بیٹی آسرا کو دیکھا ہے اور نہ ہی ان کی بیٹی نمرہ کو ......مقدر نے اگر ان کی بیٹی نمرہ کے لیے پسندیدگی ظاہر کی ہے تو میری بیٹی کے لیے بھی پسندیدگی ظاہر کی ہے۔ اس نے اس سے بھی آگے بہت کچھ کہا ہے آپ جانتے ہیں کیا کہا ہے؟''

سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے' ناز نے کہا ''اس نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ وہ یہاں آ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ خاندان کی ہی کسی لڑکی سے شادی کرے اور ہمارے اتنے بڑے خاندان میں صرف میری یا ان کی ہی بیٹی نہیں ہے۔ آپ سب کی جوان بیٹیاں بھی ہیں اور سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔''

یہ جوان بیٹیوں کے والدین کو خوش کرنے والی بات تھی۔ سب نے ہی تعریف کہ کی واہ ناز! تم نے کیا بات کہی ہے؟ بے شک جب مقدر حیات نے یہ کہا ہے کہ خاندان کی ہی کسی لڑکی سے شادی کرے گا تو پھر ہم اور ہماری بیٹیاں بھی اس کا استقبال کریں گی۔

ناز نے پوچھا ''اس نے اگر آپ میں سے کسی کی بیٹی کو ...یا تو کیا آپ دوسروں کی بیٹیوں کا مذاق اڑائیں گے؟ ...کے ماں باپ پر ہنسیں گے؟''

''نہیں...... ہرگز نہیں......'' سب نے انکار میں سر ہلایا۔

وہ بولی ''تو پھر آپ سب مجھ پر کیوں ہنس رہے ...؟ مقدر حیات کے آنے کا انتظار کریں کہ وہ کس کی بیٹی کو شریکِ حیات بنائے گا پھر میں دیکھوں گی کہ باقی رہ جانے ...لڑکیوں پر تم میں سے کتنے ہیں جو ہنسیں گے؟''

اس نے یہ کہا اور پلٹ کر چلی گئی۔ ان سب کے سامنے ...شا چھوڑ دیا کہ مقدر حیات ان میں سے کسی کی بیٹی کو بھی ...ر سکتا ہے۔

وہ تمام خواتین بیگم آفتاب کے پیچھے پڑ گئیں کہ جب ...ر حیات یہاں آئے تو اس سے تمام رشتے داروں کو ملوایا ...ئے اور اس مقصد کے لیے ایک شاندار دعوت کا بھی اہتمام ...ا جائے۔

بیگم آفتاب نے تو سوچ رکھا تھا کہ مقدر حیات آئے گا تو ...ے کسی کی ہوا لگنے نہیں دے گی' پہلے اپنی بیٹی نمرہ سے رشتہ پکا ...ے گی اس کے بعد رشتہ داروں سے ملوائے گی پھر تو مقدر ...بہکنے اور بھٹکنے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔ اس نے جم کر فلک ناز ...دل ہی دل میں گالیاں دیں پھر دل میں کہا ''میں جب سے ...ا خاندان میں بیاہ کر آئی ہوں تب سے یہ نند ہر بات ...میری کاٹ کرتی آ رہی ہے آج بھی کاٹ کے لیے یہ چال ...گئی ہے۔''

تمام رشتے داروں کو یہ کہہ کر بھڑکا دیا ہے کہ مقدر صرف ...دیا آسرا میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے وہ تو اس خاندان کی کسی ...لڑکی میں دلچسپی لے سکتا ہے۔ پھر اسے جو بھی پسند آئے گی ...اسے اپنی شریکِ حیات بنا سکتا ہے۔

فلک ناز نے سب ہی کی آنکھ میں سہانے خواب سجا دیے ...اپنی بھابی کو انگاروں پر لوٹنے کے لیے چھوڑ دیا۔

ادھر ڈرائنگ روم میں ڈاکٹر آرزو اور حشمت نے تحریری ...ن لکھ کر اپنے دستخط کیے۔ ذیشان نے ان کاغذات کو لے کر ...سرسری سے نگاہ ڈالی پھر کہا ''میں تم دونوں کے بیانات کو ...پنے پاس چھپا کر رکھوں گا اور تمہارے خلاف کوئی کارروائی ...نہیں کروں گا یہ میں وعدہ کر چکا ہوں لیکن کبھی میری مزاج کے ...خلاف کوئی حرکت کرو گے تو پھر میں انتقامی کارروائی کرنے ...سے باز نہیں آؤں گا۔''

بیگم تراب نے کہا ''بیٹے! میں وعدہ کرتی ہوں میرا بیٹا ...بھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ تمہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دے گا۔''

تراب علی نے ذیشان سے پوچھا ''کیا تم دردانہ کو ایسی حرکتوں سے باز نہیں رکھ سکتے؟''

''میں اسے لگام دینے کی کوشش کروں گا لیکن اس میں دقت لگے گا کیوں کہ وہ بہت ہی خطرناک اور پُراسرار شخص کی پناہ میں ہے وہ شخص بہت ہی وسیع ذرائع کا مالک ہے۔''

''اگر تم اس کے خلاف کارروائی میں دیر کرو گے تو وہ پھر حشمت پر فائرنگ کروا سکتی ہے۔''

''فی الحال تو آپ کے بیٹے کی سلامتی کا ایک ہی راستہ ہے کہ یہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس ملک سے چپ چاپ کہیں چلا جائے جب مجھے دردانہ پر قابو پانے اور بے بس کرنے میں کامیابی ہو گئی تو یہ واپس چلا آئے گا۔''

یہ معقول مشورہ تھا۔ فی الحال حشمت کی سلامتی اسی میں تھی کہ وہ اچانک کہیں گم ہو جائے شہباز درانی کے آدمی بھی اسے تلاش نہ کر سکیں۔ ابھی ذیشان، حشمت اور تراب علی وغیرہ شہباز درانی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے لیکن اتنا سمجھ گئے تھے کہ دردانہ کے پیچھے کوئی زبردست قوت ہے جس سے وہ اتنی باثر ہو گئی ہے کہ حشمت کی ضمانت حاصل کر لیتی ہے کبھی پاشا اور کبھی حشمت پر فائرنگ کرواتی ہے اور اس کے خلاف کوئی پولیس کارروائی نہیں ہوتا۔

ذیشان کے لیے یہ ضروری تھا کہ ایسی مکار عورت سے نمٹنے سے پہلے حشمت کو اس کی پہنچ سے بہت دور کر دے حشمت نے کہا ''آپ میری سلامتی کے لیے بہترین مشورہ دے رہے ہیں۔ میں گھر جاتے ہی اس پر عمل کروں گا۔ لندن۔ پیرس اور فرینکفرٹ میں ہمارے رشتے دار اور دوست احباب ہیں میں وہاں کسی کے پاس چلا جاؤں گا۔''

پھر وہ ڈاکٹر آرزو اور اپنے والدین کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ ڈرائنگ روم میں صرف سائیں اور عروج رہ گئی تھیں۔ وہ عینی سے بولا ''میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ بس مجھے پاشا کا انتظار ہے ایک بار اس سے فون پر رابطہ ہو جائے تو میں تمہاری مشکل آسان کر دوں گا۔''

عینی نے پوچھا ''آپ کس طرح میری مشکل آسان کریں گے؟ وہ سوتیلی ماں تو پاشا کے پیچھے پڑ گئی ہے اسے اتنی سہولت بھی حاصل نہیں ہو رہی ہے کہ وہ ہم سے فون کے ذریعے ہی رابطہ کر لے۔''

وہ بولا ''بس مجھے پاشا کے ایک فون کا انتظار ہے' بس ایک بار اس سے رابطہ ہو جائے تو میں اس سے بات کروں گا اور اسے ایسی جگہ بحفاظت پہنچا دوں گا جہاں دردانہ اور اس

کے یار و مددگار کبھی نہیں پہنچ پائیں گے۔"

"بھائی جان! خدا کے بعد ایک آپ کا ہی سہارا ہے کہ آپ ضرور پاشا کی حفاظت کرسکیں گے۔"

"میری بہن! لندن میں تمہارا کاروبار پھیلا ہوا ہے مقدر حیات اس کاروبار کو سنبھال رہا ہے۔ وہاں رہائشی سہولت بھی ہے ہم پاشا کو وہاں پہنچا سکتے ہیں۔"

عروج نے کہا "یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے اس طرح عینی بھی وہاں آسکے گی وہیں ان دونوں کا نکاح پڑھا دیا جائے گا۔"

عینی نے کہا "میں ضرور جاؤں گی اور تو بھی میرے ساتھ چلے گی۔"

"ابھی مجھے ساتھ لے جانے کی بات نہ کر پہلے تو جائے گی وہاں شادی ہوگی۔ تو حفاظت سے وہاں رہے گی میں پھر بعد میں کسی وقت آجاؤں گی۔"

"کسی وقت کیوں؟ ابھی میرے ساتھ کیوں نہیں جائے گی؟"

اسما نے کہا "تم دونوں پھر آپس میں لڑنے لگیں ہم سب جانتے ہیں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتیں اس لیے عروج تمہیں بھی عینی کے ساتھ جانا ہوگا۔ یوں بھی ہم اسے اکیلی یہاں سے جانے نہیں دیں گے۔"

دونوں سہیلیوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ عینی کی آنکھوں میں پھر سے آنسو آگئے یہ تو آگے کی پلاننگ تھی کہ ذیشان کس طرح پاشا کو لندن پہنچائے گا، ادھر سے یہ دو سہیلیاں جائیں گی اور پھر وہاں تینوں کی محبتوں کا مثلث بن جائے گا، لیکن ابھی یہ صرف خیال ہی تھا۔ ان دونوں کا دولہا بن کر آنے والا لاپتا تھا' پتا نہ ہو تو خط کا ایک لفافہ بھی اپنی منزل تک نہیں پہنچتا۔

☆☆☆

یہ دو برس پہلے کی بات ہے۔ پاشا روزگار کی تلاش میں لاہور سے کراچی آیا تھا۔ کراچی میں رہائش کا مسئلہ تھا سوچا تھا یہ مسئلہ حل ہوتے ہی ماں کو یہاں اپنے پاس بلالے گا۔

ایک کچی آبادی میں ایک بڑا سا مکان تھا وہاں پاشا کو عارضی طور پر رہنے کے لیے ایک کمرا مل گیا تھا۔ مالک مکان نے پاشا سے کہا "ایک کمرے کے ہزار روپے ہوں گے۔ اگر تم میری بیٹی کو روز صبح کالج لے جاؤ اور دوپہر کو واپس لے آؤ تو میں تم سے صرف پانچ سو کرایہ لوں گا۔"

مالک مکان کا ایک جوان بیٹا اور ایک جوان بیٹی تھی' بیٹا ذرا سر پھرا تھا۔ اس علاقے میں غنڈے اور بدمعاشوں کا دادا بن کر رہتا تھا۔ اس نے پاشا سے کہا "میں یاروں کا یار ہوں' اور دشمنوں کا دشمن' میری بہن کو سلامتی سے لے جانا سلامتی سے ہی لے آنا۔ کوئی گڑبڑ ہوگی تو تم ٹیکسی چلانے کے قابل نہیں رہو گے۔"

پاشا نے مسکرا کر کہا "مجھے دھمکی نہ دو میں کسی کی دھمکی میں نہیں آتا۔ ہاں دوست بن کر رہو گے تو میں یہاں رہتے ہوئے تمہاری بہن کو کالج لانے اور لے جانے کے لیے تیار ہوں۔"

وہ پاشا سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا "میرا نام جلال الدین ہے سب مجھے جلالی کہتے ہیں میں دیکھوں گا کہ ہم کب تک دوست بن کر رہتے ہیں۔"

پاشا نے وہاں چھ ماہ تک رہائش اختیار کی، سوچا تھا آمدنی میں اضافہ ہوگا تو اپنی والدہ کو بلالے گا۔ وہ جلالی کی بہن رخسانہ کو روز صبح ٹیکسی میں بیٹھا کر کالج پہنچایا کرتا تھا۔ دن کے دو بجے تک اسے واپس لے آتا تھا کالج میں کبھی دیر سویر بھی ہوتی تھی۔ ایک دن جلالی نے پوچھا "تم کبھی رخسانہ کو دیر سے کیوں لاتے ہو؟"

"اپنی بہن سے پوچھ لو' کبھی اس کی پریکٹیکل کی کلاس ہوتی ہے کبھی کالج میں تقریب ہوتی ہے تو دیر ہو جاتی ہے۔"

جلالی مطمئن ہوگیا۔ پاشا اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ رخسانہ کالج کے ایک پروفیسر سے عشق کرتی ہے وہ روزانہ کالج جاکر دو چار کلاسیں اٹینڈ کرتی تھی اس کے بعد پھر پروفیسر کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارتی تھی۔

عشق اور مشک کی خوشبو چھپائے نہیں چھپتی۔ ہر سو پھیل جاتی ہے وہ ایک دوپہر کالج کے سامنے ٹیکسی لے کر آیا رخسانہ کا انتظار کرنے لگا۔ ایک اسٹوڈنٹ نے ہنستے ہوئے کہا "میاں ڈرائیور! کس کا انتظار کر رہے ہو؟ وہ تو اڑتی ہوئی ہے کالج کی کلاس لگتی ہے تو اڑ جاتی ہے جب چھٹی کا وقت ہوتا ہے تو واپس چلی آتی ہے۔"

پاشا نے غصے سے کہا "کیا بکواس کر رہے ہو؟ وہ میرے دوست کی بہن ہے۔ تو میری بھی بہن ہے اس کے خلاف بولو گے تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

"میرا منہ توڑنے سے پہلے اپنی بہن کے لچھن دیکھ لو' میں غلط ہوا تو میرا منہ تو کیا سر بھی توڑ دینا۔"

پاشا نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا "کیا تم جانتے ہو وہ ابھی کہاں ہے؟"

"ہاں، جس دن پروفیسر کالج سے چھٹی کرتا ہے تو اس دن وہ اس کے گھر چلی جاتی ہے میں تمہیں وہاں پہنچا سکتا ہوں کیا مجھے ٹیکسی میں لے چلو گے؟"

پاشا نے اس اسٹوڈنٹ کو اپنے ساتھ ٹیکسی میں بٹھایا پھر اس کے بتائے ہوئے پتے پر ایک مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ اسٹوڈنٹ نے کہا "پروفیسر حمید کی بیوی بچے ایک گوٹھ میں ہیں اور یہ یہاں تنہا رہتا ہے۔ دیکھو! دروازہ بند ہے۔"

پاشا نے ٹیکسی سے اتر کر دروازے پر دستک دی' اندر خاموشی رہی' دوسری دستک پر پروفیسر حمید کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے......؟"

پاشا نے کہا "باہر آؤ...... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"پہلے بتاؤ کون ہو......؟ اور مجھ سے ملنا کیوں چاہتے ہو؟"

"زیادہ باتیں نہ کرو' اگر تم نے دروازہ نہ کھولا تو میں توڑ کر اندر آجاؤں گا۔"

اندر کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا "اچھا ٹھیک ہے میں ابھی آرہا ہوں۔"

وہ باہر کھڑا دس منٹ تک انتظار کرتا رہا۔ اس کے بعد دروازہ کھلا' پروفیسر نے غصے سے پوچھا "تم کون ہو......؟"

وہ پروفیسر کو دھکا دیتے ہوئے اندر گیا پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا ایک کمرا دکھائی دیا اس نے اسے کھولنا چاہا تو دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی پھر کہا "باہر آؤ۔"

پروفیسر نے پیچھے سے آکر اسے پکڑتے ہوئے جھنجوڑ کر کہا "یہ کیا غنڈہ گردی ہے؟ تم میرے گھر میں گھس آئے ہو جاؤ ورنہ پولیس کو بلاؤں گا۔"

"تو پھر بلاؤ...... میں بھی دیکھتا ہوں پولیس کسے پکڑ کر لے جائے گی؟"

پروفیسر پریشان ہوکر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر عاجزی سے بولا "دیکھو! میں بہت عزت دار آدمی ہوں تم کہو کون......؟"

اس سے پہلے کہ پاشا جواب دیتا' دروازہ کھل گیا اس کے دروازے پر رخسانہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے لباس اور بالوں کی بے ترتیبی بتا رہی تھی کہ اب تک کیا گل کھلاتی رہی ہے۔ وہ نظریں جھکا کر بولی "پاشا بھائی! حمید صاحب کا کوئی قصور نہیں ہے میں اپنی مرضی سے یہاں آئی ہوں' پلیز...... یہاں سے چلیں۔"

اس نے رخسانہ کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بات بڑھے اور یہ لڑکی بدنام ہو جائے' وہ رخسانہ کے ساتھ چپ چاپ باہر آگیا۔ ٹیکسی کے پاس آیا تو اس اسٹوڈنٹ نے ہنستے ہوئے کہا "کیوں رخسانہ! میں نے کہا تھا ناں...... ہم پہلے ہی دل جلے ہیں ہمارا دل نہ جلاؤ' ورنہ تم بھی جل جاؤ گی؟"

پھر وہ پاشا سے بولا "میاں ڈرائیور! اسے سمجھاؤ کہ اس بڈھے میں کیا رکھا ہے؟ مجھ جیسے جوان سے دل لگائے۔"

پاشا نے اس کو گریبان سے دبوچ کر جھنجوڑ کر کہا "کتے کے بچے! اگر تو نے یہ بات دوسری بار کہی تو بولنے کے قابل نہیں رہے گا۔"

اس نے یہ کہہ کر لڑکے کو دھکا دیا تو وہ دور جاکر گر پڑا۔ رخسانہ ہمیشہ کی طرح پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پاشا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی پھر ٹیکسی کو اسٹارٹ کر کے وہاں سے گھر کی طرف جانے لگا اس نے عقب نما آئینے میں پیچھے بیٹھی ہوئی رخسانہ کو دیکھا پھر پوچھا "جانتی ہو اگر جلالی کو تمہارے بارے میں معلوم ہوگا تو وہ کیا کرے گا؟"

اس نے سر جھکا کر کہا "میں بھائی کا غصہ اچھی طرح جانتی ہوں' وہ مجھے زندہ گاڑ دے گا۔"

"جب جانتی ہو تو ایسی حرکتیں کیوں کر رہی ہوں؟"

"میں دل سے مجبور ہوں۔ میں پروفیسر حمید صاحب کو اپنا سب کچھ مان چکی ہوں۔"

"یہ تمہارا پاگل پن ہے' وہ بڈھا تقریباً پچاس برس کا ہوگا اور تم انیس برس کی ہو' وہ تم سے عمر میں ڈھائی گنا بڑا ہے۔"

"عشق ناپ تول نہیں کرتا۔ عمر کا حساب نہیں کرتا۔"

"یہ مجھے نہ سمجھاؤ' تم بھی بدنامی کے راستے پر چل رہی ہو۔"

"پلیز...... بحث نہ کریں میں آپ سے التجا کرتی ہوں یہ بات بھائی تک نہ پہنچائیں۔"

"کیوں نہ پہنچاؤں؟ تمہارا بھائی اور باپ دونوں ہی مجھ پر اندھا اعتماد کرتے ہیں وہ تم جیسی جوان لڑکی کو صبح میرے ساتھ بھیجتے ہیں اور دوپہر تک بھروسا کرتے ہیں کہ میں تمہیں عزت و آبرو کے ساتھ بخیریت گھر واپس لاؤں اور میں یہی کر رہا ہوں۔"

پچھلی سیٹ سے اس کی سسکی سنائی دی۔ اس نے عقب نما آئینے میں دیکھا وہ رو رہی تھی اور آنچل سے آنسو صاف کر رہی تھی۔ وہ بولا "آنسو کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوتے۔ تمہیں کوئی ایک فیصلہ کرنا ہوگا آئندہ اس پروفیسر سے نہیں ملو گی؟"

وہ روتی ہوئی بولی "میں کیسے وعدہ کروں؟ اسی کالج میں پڑھتی ہوں پروفیسر سے تو ملنا ہی ہوگا؟"

"بے شک کلاس میں ملا کرو اس سے علم حاصل کرو' گمراہی حاصل نہ کرو۔ تنہا اس سے نہ ملو۔"

وہ چپ ہو کر سوچتی رہی اس نے کہا ''جلدی بولو گھر قریب آرہا ہے وعدہ کرو اس سے نہیں ملو گی ورنہ میں جلالی سے یہ بات کہہ دوں گا۔''

وہ گھبرا کر بولی ''نہیں ...... آپ بھائی سے کچھ نہیں کہیں گے میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ پروفیسر سے نہیں ملوں گی۔

''کالج اور کلاس میں ملو گی' تنہائی میں نہیں ملو گی؟''

''ٹھیک ہے...... آپ جو کہہ رہے ہیں وہی کروں گی۔''

وہ اسے لے کر گھر پہنچا تو جلالی غصے سے ٹہل رہا تھا' بہن کا انتظار کر رہا تھا اسے دیکھتے ہی پاشا سے بولا ''کالج کی چھٹی ایک بجے ہوتی ہے اور اس وقت چار بج رہے ہیں' اتنی دیر سے تم اس کے ساتھ کہاں تھے؟''

پاشا نے کہا ''ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو۔ میں اس کے ساتھ نہیں تھا بلکہ یہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ تھی' امتحان میں کامیابی ہوئی ہے اس لیے یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ خوشیاں منا رہی تھیں۔ کھانے پینے میں مصروف تھیں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ دیر سویر ہو جایا کرے گی اسے برداشت کر دیا پھر گھر پر ٹیلی فون لگواؤ' اسے کسی وجہ سے دیر ہو گی تو میں فون پر تمہیں اطلاع دے سکوں گا۔''

جلالی نے کہا ''ٹھیک ہے...... تم کہہ رہے ہو تو میں مان لیتا ہوں لیکن آئندہ دیر نہیں ہونی چاہئے۔''

پاشا ناگواری سے بولا ''میں تمہارا نہیں کھاتا اور نہ ہی تمہارے دباؤ میں رہنا چاہتا ہوں' اس لیے ایک ہفتے کے اندر یہ گھر چھوڑ رہا ہوں' اپنی بہن کے لیے کسی دوسری ٹیکسی کا انتظام کر دیا اسے بس میں آنے جانے دو۔''

اس نے دو دن کے اندر ہی دوسرے علاقے میں مکان کرائے پر لیا پھر وہاں شفٹ ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ رخسانہ کی گمراہی کا الزام اس پر آئے۔ تقریباً ایک برس بعد اس نے ایک اسپتال میں عروج کو دیکھا۔

پھر عینی آئی دونوں سہیلیوں سے محبت اور اعتماد کا رشتہ اتنا مضبوط ہوا کہ عینی سے بات شادی تک پہنچ گئی اچانک ہی ایک شام چھ بجے ان کی شادی کا فیصلہ ہو گیا۔

اس نے شادی کی خوشی میں بینک سے دو لاکھ روپے نکلوائے تھے' اپنے لیے نئے جوڑے اور ضرورت کی دوسری اشیا خریدی تھیں۔ عینی کی منہ دکھائی کے لیے ایک انگوٹھی بھی خریدی تھی۔ یہ سب کچھ خریدنے کے بعد وہ گھر کی طرف واپس جا رہا تھا ایسے ہی وقت اس پر فائرنگ ہو گئی اچانک ہی ایسی افتاد آپڑی اور وہ فوراً سمجھ نہ پایا ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اور کون کر رہا ہے؟

کراچی شہر میں دہشت گردی کسی وقت بھی ہو اور کہیں بھی ہو جاتی ہے پہلے تو یہی خیال آیا کہ دہشت گرد فائرنگ کر رہے ہیں اور وہ فائرنگ کی زد میں آگیا ہے اپنا کوئی دشمن نہیں ہے۔ اس نے گاڑی کی رفتار تیز کی وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن آگے جانے کے بعد گولیاں گاڑی کی باڈی پر لگیں تو وہ سمجھ گیا کہ اسے خاص نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ تیز رفتاری کی وجہ سے کوئی گولی لگی تھی لیکن مسلسل فائرنگ کے باعث آئندہ کوئی بھی لگ سکتی تھی۔

وہ شاہراہ کو چھوڑ کر ایک تنگ سی گلی میں گھس گیا اس طرح یہ ہوا کہ اب کوئی دائیں بائیں طرف سے فائرنگ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ گلی تنگ تھی ایک وقت میں ایک گاڑی ہی گزر سکتی تھی' لہٰذا فائرنگ کرنے والے پیچھے آرہے تھے۔ وہ ڈرائیور تھا شہر کی ایک ایک گلی کوچے سے واقف تھا بدل بدل کر مختلف گلیوں سے گزرتا رہا اور پیچھا کرنے والوں کو بہت پیچھے چھوڑتا گیا۔

آخر فائرنگ کی آوازیں بند ہو گئیں عقب نما آئینے میں اب کوئی گاڑی نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ اس گلی سے پھر شاہراہ پر آگیا۔ وہاں اسے پھر سے خطرہ پیش آسکتا تھا ...... یہی تھی کہ وہ ٹیکسی کو چھوڑ دے کیونکہ وہ ٹیکسی پہچان بن گئی تھی۔

یہ بات تو سمجھ میں آرہی تھی کہ فائرنگ کرنے والے کے آلہ کار ہی ہوں گے وہ اسے چہرے سے اگر نہیں تو ٹیکسی کے نمبر سے پہچان رہے ہوں گے۔ اس نے آگے سڑک کے کنارے ٹیکسی روک دی۔ موبائل فون اور بیگ اٹھا کر ٹیکسی سے نکل کر دوڑتا ہوا ایک اور گلی میں اس گلی کے نکڑ پر ایک ٹی اسٹال تھا وہ وہاں جا کر بیٹھ دیکھنا چاہتا تھا کہ کون لوگ اس کا پیچھا کر رہے ہیں بیٹھنے سے پہلے اس نے چائے خانے کا پچھلا دروازہ دیکھ رکھا تھا تاکہ ضرورت کے وقت ادھر سے فرار ہو سکے۔

وہاں سے اس نے عینی اور عروج سے فون پر رابطہ کیا پہلی بار بتایا کہ اس پر فائرنگ ہو رہی ہے۔ اس نے نہیں بتائی کہ وہ کس قدر پریشان ہے۔ اگر وہ تفصیل بیان کرتا دونوں پریشان ہو جاتیں اور وہ انہیں پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے مختصر سی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ انہیں اپنے حالات سے آگاہ کرے گا۔ فون بند کرنے کے بعد اس نے دیکھا دور سڑک

جہاں کھڑی تھی وہاں دو گاڑیاں آئی تھیں' ایک گاڑی آکر رک گئی اور دوسری پیچھے رکی۔ ان گاڑیوں سے مسلح افراد ٹیکسی کے پاس آئے' اندر دیکھا تو وہ خالی تھی ان میں سے ایک اپنی گاڑی کے پاس گیا وہاں سے پیٹرول کا کین لا کر اسے کھول کر ٹیکسی پر چھڑکنے لگا آس پاس کے لوگ دور ہٹنے لگے دیکھتے ہی دیکھتے ٹیکسی شعلوں میں لپٹ گئی۔

وہ سب مسلح تھے' پولیس والے بھی ان کے قریب نہیں آتے تھے۔ ٹیکسی کو آگ لگاتے ہی وہ سب اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر چلے گئے انہوں نے پاشا کو تلاش نہیں کیا اس طرح یہ بات سمجھ میں آگئی کہ فائرنگ کرنے والے اسے چہرے سے نہیں پہچانتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد موبائل کا بزر سنائی دیا' اس نے سی ایل آئی میں دیکھا' تو وہ عینی کا نمبر نہیں تھا۔ اس نے فون آن کر کے کان سے لگایا پھر پوچھا ''ہیلو...... کون......؟''

دوسری طرف سے بھرائی ہوئی آواز سنائی دی ''تمہیں پہلی وارننگ دی گئی تھی کہ پولیس والوں سے پنگا نہ لینا۔ اپنی خیریت چاہتے ہو تو یہ شہر چھوڑ کر چلے جاؤ۔''

''میں نے گولیاں چلانے والوں کو دیکھا ہے وہ پولیس والے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اور مجھ سے دشمنی کیوں کر رہے ہو؟''

دوسری طرف خاموشی رہی فون بند ہو گیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ اب کیا کرے؟ پریشانی یہ نہیں تھی کہ دشمن اس پر گولیاں چلا رہے ہیں بلکہ پریشانی یہ تھی کہ وہ شام چھ بجے نکاح کے لیے عینی سے کیسے رابطہ کرے گا؟

اگر وہ فون کرنے والے کی بات پر یقین کرتا کہ وہ سب پولیس والے تھے اس کا مطلب تو پھر یہی تھا کہ ایس پی ذیشان اس سے دشمنی کر رہا ہے وہ اسی دلہن کے گھر میں موجود ہو گا اگر وہ پولیس والے نہیں تھے تو پھر اس کی دشمن دردانہ بیگم تھی۔ عینی اور عروج نے اسے بتایا تھا کہ فی الحال یہی دو افراد اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔

یہ تو کسی حد تک یقین ہو گیا تھا کہ حملہ کرنے والے اسے چہرے سے نہیں پہچانتے ہیں لیکن حملہ کروانے والے اسے اچھی طرح پہچانتے ہیں انہوں نے کسی وجہ سے یا کسی مجبوری سے اپنے مسلح کارندوں کو اس کی تصویر نہیں دی ہو گی لیکن آئندہ دے سکتے تھے۔

وہ سوچنے لگا ''ویسے تو میری تصویر کسی کے پاس نہیں ہے عروج اور عینی کے پاس بھی نہیں ہے پھر وہ کہاں سے حاصل کریں گے؟''

اس کے اندر ایک بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ اگر وہ چہرے سے پہچانا نہیں جاتا ہے تو پھر آزادی سے شہر میں گھوم سکے گا اور اگر پہچانا گیا تو اس کے لیے کوئی گلی کوئی گھر محفوظ نہیں رہے گا۔ اگر دردانہ اور ذیشان ہی اس کے دشمن ہیں تو پھر وہ بڑے وسیع اختیارات کے مالک ہیں اس شہر میں ان سے چھپ کر رہنا مشکل ہو گا۔

وہ ٹی اسٹال سے نکل کر سڑک کے کنارے چلتا ہوا ایک پی سی او میں پہنچا۔ اس نے سی ایل آئی پر جو نمبر دیکھا تھا اس پر رابطہ کرنا چاہا وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کو کس نے فون پر دھمکی دی تھی۔ اگر وہ موبائل کے ذریعے رابطہ کرتا تو ادھر عینی کے موبائل کا نمبر پڑھ لیا جاتا اور اس سے کوئی بات نہ کرتا۔

اس نے پی سی او میں آکر اس فون پر رابطہ کیا تھوڑی دیر دوسری طرف بیل بجتی رہی پھر ایک خاتون کی آواز ابھری ''ہیلو......؟''

وہ خاموش رہا' دوسری طرف سے وہ بولی' ہیلو...... کون ہے؟ اپنا نام بتاؤ؟''

وہ غرا کر بولا ''اچھا تو تم ہو دردانہ بیگم۔''

دوسرے ہی لمحے فون بند ہو گیا وہ پی سی او سے باہر آکر سوچنے لگا ''اب کہاں جانا چاہئے؟ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ دردانہ کے ہی آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا ہے لیکن ایس پی ذیشان بھی میرا مخالف ہے حالات ایسے ہیں کہ اب شام کو منگنی نہیں ہو سکے گی مجھے پہلے اپنی حفاظت کے لیے کہیں کوئی پناہ گاہ ڈھونڈنی ہو گی۔''

وہ ایک طرف چلتا رہا اور سوچتا رہا یہ غنیمت تھا کہ اس کی جیب میں اچھی خاصی رقم تھی وہ کہیں بھی جا کر چھپ سکتا تھا اور اپنے اخراجات پورے کر سکتا تھا لیکن اپنے گھر نہیں جا سکتا تھا۔ ایس پی ذیشان کے پولیس والے اور دردانہ کے حواری سب ہی اس کا گھر جانتے ہوں گے۔

پھر اسے یاد آیا کہ اسے جلالی کے پاس جانا چاہئے۔ وہ اپنے علاقے کا دادا ہے لوہا' لوہے کو کاٹتا ہے۔ وہی اسے دردانہ بیگم کے آدمیوں سے تحفظ دے سکے گا۔

وہ ایک آٹو رکشا میں بیٹھ کر مختلف سڑکوں سے گزر کر سوچتا رہا اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتا رہا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے یا نہیں۔ پھر وہ جلالی کے پاس پہنچ گیا۔

اس نے اپنے تمام حالات اسے بتائے اس نے کہا۔ ''دشمن پولیس والے بھی ہیں اور ایک بہت ہی وسیع ذرائع کی مالک مکار عورت بھی ہے کیا تم مجھے کل صبح تک اپنے گھر میں پناہ دو گے؟''

وہ پاشا کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا" ہم یاروں کے یار ہیں تم نے ہمارے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے پھر ہماری بہن کو روز کالج لاتے لے جاتے رہے اور اسے بھائی کا پیار دیتے رہے۔ تمہارے جانے کے بعد مجھے بہت افسوس ہوا کہ تم جیسا دوست اور اچھا انسان مجھ سے چھوٹ گیا۔"

"اب تو میں آ گیا ہوں انہوں نے میری ٹیکسی بھی جلا دی ہے لیکن میں تم پر بوجھ نہیں بنوں گا۔"

اس کے جواب میں جلالی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن موبائل کا بزر سن کر چپ ہو گیا۔ پاشا نے اسے آن کر کے کان سے لگایا دوسری طرف سے عروج بول رہی تھی اور اسے اپنا ہنگامی فیصلہ سنا رہی تھی کہ اب منگنی نہیں ہو گی بلکہ فون کے ذریعے نکاح پڑھایا جائے گا۔

پاشا نے کہا" میں اس فیصلے کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اور شام چھ بجے قاضی صاحب کا انتظار کروں گا۔ اسی فون پر میرا اور عینی کا نکاح پڑھایا جائے گا۔" باتیں ختم ہونے کے بعد فون بند کر دیا۔ پھر جلالی سے کہا" وہاں دو لڑکیاں ہیں جو بہت ہی حوصلہ مند ہیں اور ذہانت سے ہر طرح کے چیلنج کا مقابلہ کر رہی ہیں' اب یہ فیصلہ ہوا ہے کہ فون کے ذریعے نکاح پڑھایا جائے گا میں چاہتا ہوں کہ یہاں ایک دو بزرگ نکاح کے وقت موجود ہوں جو میری طرف سے گواہی دے سکیں۔"

جلالی نے کہا" او یار! فکر نہ کر سب بندوبست ہو جائے گا۔"

پاشا ٹھیک جگہ پہنچا تھا' وہاں اسے ہر طرح کا تحفظ ملتا لیکن یہ مقدر یعنی مجھے منظور نہیں تھا میں پاشا کی ہاتھ کی لکیر دیکھ رہا تھا اس لکیر پر عارضی طور پر بدنصیبی کا سایہ پڑ رہا تھا۔ اب میری یہ ڈیوٹی تھی کہ میں پاشا کو عینی اور عروج سے دور کرتا چلا جاؤں، ایک گھنٹے کے بعد ہی پتا چلا کہ گھر میں رخسانہ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے اور لیڈی ڈاکٹر کو بلایا گیا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے آ کر اس کا معائنہ کیا پھر جلالی کو بلا کر رازداری سے کہا" تم مجھ سے شادی کا وعدہ کرتے رہتے ہو اور مجھ سے کھیلتے ہو لیکن کبھی وعدہ پورا نہیں کرتے میں نے کئی بار کہا کہ اس کے نتائج برے ہوں گے اگر میں کبھی ماں بنی تو کیا ہو گا؟"

جلالی نے ہنس کر کہا" میری جان! تم تو لیڈی ڈاکٹر ہو فوراً ہی صفائی کر دو گی' بات ختم ہو جائے گی۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی" لیکن تمہاری بہن کا کیا بنے گا؟"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ اس معاملے میں میری بہن کہاں سے آ گئی؟"

"میں نے ابھی اس کا معائنہ کیا ہے وہ ماں بننے والی ہے۔"

جلالی نے گرج کر اس کی گردن دبوچ لی' "بکواس کر رہی ہے میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا۔"

جلالی کا باپ دوڑتا ہوا آیا پھر لیڈی ڈاکٹر کو چھڑاتے ہوئے بولا" یہ کیا کر رہا ہے؟ کیوں گرج اسے کیوں مارنا چاہتا ہے؟"

لیڈی ڈاکٹر نے اس کی گرفت سے آزاد ہو کر کہا" میں اس سے سچ بول رہی ہوں تو یہ مجھے مار ڈالنا چا[ہتا ہے کیا] مجھے مارنے سے سچائی ختم ہو جائے گی؟ کیا آپ لوگ [بدنامی] سے بچ سکیں گے؟"

باپ نے حیرانی سے اپنے بیٹے کو دیکھ کر پوچھا" [کیسی] بدنامی؟"

"پہلے اپنے بیٹے کو یہ سمجھائیں کہ اس بدنامی سے [میں ہی] اسے نجات دلوا سکتی ہوں اور یہ مجھے ہی مارنا چاہتا ہے [کیا یہ] خردماغ ہے؟" باپ نے جھنجلا کر پوچھا" آخر کیسی بد[نامی؟] کون بدنام ہو رہا ہے؟"

لیڈی ڈاکٹر نے کہا" آپ کی بیٹی ماں بننے والی [ہے۔"] باپ یہ سنتے ہی سکتے میں آ گیا۔ وہ بولی" اگر آ[پ] عزت بچانا چاہتے ہیں تو دو ہی راستے ہیں۔ یا تو فو[راً] شادی اسی شخص سے کر دیں جو اس ہونے والے بچے کا [باپ] ہے یا پھر اس کا حمل ضائع کروائیں' میں جا رہی ہو[ں جو] فیصلہ ہو اس سے مجھے آگاہ کر دیں۔"

وہ جانا چاہتی تھی باپ نے راستہ روک کر کہا" نہ[یں] ہمیں ایسے وقت میں چھوڑ کر نہ جاؤ یہ تو واقعی خرد[ماغ ہے۔"]

جلالی غصے سے پیر پٹختا ہوا دوسرے کمرے میں گ[یا] رخسانہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی گھبرا رہی تھی' پریشان ہو رہی تھی [بھائی کو] دیکھ کر بستر سے اتر کر دوڑتی ہوئی کمرے کے کونے میں سہم سمٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی" بھائی! مجھے معاف کر[و] معاف کر دو' دیکھو...... مجھے ہاتھ نہ لگانا۔"

وہ اسے مارنے کے لیے اس پر لپکنا چاہتا تھا پیچھے [سے] باپ نے آ کر اس کی کمر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی' [اور کہتے] ہوئے بولا" یہ غصہ دکھانے کا وقت نہیں ہے تو چیخے گا [تو] تو بدنامی ہماری ہو گی۔ محلے پڑوس والے پوچھیں گے [کہ] کیا ہو رہا ہے؟ پھر تو کیا کہے گا؟"

وہ رک گیا غصے سے بولا" ابا اس سے پوچھو [وہ کون] ہے جس کے بچے کی ماں بن رہی ہے؟ میں ابھی جا[کر اس کی] گردن دبوچ کر کہوں گا کہ یہاں آ کر نکاح پڑھوا[ئے اور] بدنامی سے بچائے ورنہ اس کی اور اس کمینے کی جا[ن نہیں چھو]

[چھو]ڑوں گا' چھوڑوں گا نہیں مار کر ایسی جگہ پھینکوں گا کہ پولیس کو بھی ان کی لاشیں نہیں ملیں گی۔"

رخسانہ سن رہی تھی' اور خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ [تب]ھی یہ شور سن کر اس کمرے کے دروازے پر آ گیا تھا وہ [درو]ازہ کھول کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ اندر رخسانہ سے باپ پوچھ [رہا] تھا" بتا وہ کون ہے؟ کہاں تو نے منہ کالا کیا ہے؟"

اگرچہ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی لیکن پروفیسر سے اتنی [محبت] کرتی تھی کہ اس کے لیے کوئی خطرہ پیدا کرنا نہیں چاہتی [تھی] اور اس کی عزت بھی رکھنا چاہتی تھی وہ انکار میں سر ہلا کر [بولی]" میں نہیں جانتی ہوں وہ کون ہے؟ آپ مجھے جان سے [مار ڈا]لیں میں اس کا نام کبھی نہیں بتاؤں گی۔"

جلالی غصے سے طلملاتا ہوا اپنے کمرے میں گیا جب [وہاں] سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں بھرا ہوا ایک ریوالور [تھا۔] باپ فوراً ہی بیٹی کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا۔ بیٹے [کے] سامنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا" جلالی! اس وقت [ایسا] نہ کر گولی نہ چلا ایک گولی چلے گی تو ہماری بدنامی دور تک [پھی]لے گی' ذرا صبر سے کام لے ابھی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

لیڈی ڈاکٹر بولی" جلالی! تم غصے سے باپ کو بدنام کرو [گ]ے، پورے خاندان کو بدنام کرو گے، اور خود کو بھی بدنام کرو گے، یہ کون سی عقل مندی ہے؟"

وہ گرج کر بولا" میں کچھ نہیں جانتا اگر تم لوگ چاہتے ہو [کہ] گولی نہ چلے بدنامی نہ ہو' تو اس ذلیل کتیا سے کہو کہ اس شخص [کا] نام بتائے میں ابھی اسے پکڑ کر لاؤں گا اور اس کا نکاح اس [س]ے پڑھواؤں گا۔"

پاشا کمرے کے اندر آیا تو رخسانہ کی نظر اس پر [پڑ]ی' دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر پاشا نے کہا" رخسانہ! آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا میں نے تمہیں سمجھایا بھی [تھا] کہ گمراہی کے راستے سے باز آ جاؤ لیکن میری بات تمہاری [س]مجھ میں نہیں آئی۔"

وہ بولی" تم خاموش ہو جاؤ ہمارے درمیان نہ بولو۔"

"کیوں نہ بولوں؟ تم اپنے بھائی کا غصہ جانتی ہو اس کے غصے کی وجہ سے بدنامی دور دور تک پھیلے گی جو بات ابھی ختم [ہو] سکتی ہے اسے ختم کر دو۔ دانش مندی یہی ہے کہ اب تمہیں [ک]چھ نہیں چھپانا چاہیے۔ بھائی سے صاف صاف کہہ دو۔"

رخسانہ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ اگر وہ نہیں بتائے گی تو [پرو]فیسر کا نام و پتا پاشا بتا دے گا تو پھر جلالی اسے مار ڈالے گا یا [ا]پنے حواریوں کے ذریعے اسے اٹھا کر لائے گا۔ اس کی اچھی [ط]رح پٹائی کرے گا پھر زبردستی نکاح کرے گا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے عاشق پروفیسر حمید پر ظلم ہو' اور اس عزت دار پروفیسر کی بدنامی ہو' اس نے گھور کر پاشا کو دیکھا پھر کہا" تم جب کہہ رہے ہو کہ حقیقت بتا دینی چاہیے تو مجبور ہو کر بتا رہی ہوں۔"

پھر اس نے باپ کو دیکھ کر کہا" ابا! یہ پاشا ہمارا مکان چھوڑ کر چلا گیا لیکن باہر مجھ سے تنہا ملتا رہا تھا اسی نے مجھے سبز باغ دکھائے تھے میں اس کے فریب میں آ گئی۔"

اس کے باپ اور جلالی کے ریوالور کا رخ پاشا کی طرف مڑ گیا' اسے کہتے ہیں مقدر کا تماشا یعنی۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔

پاشا غصے سے چیخا" یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اپنے عاشق کو بدنامی سے بچانے کے لیے مجھے کیوں بدنام کر رہی ہو؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ میں نے تو تم سے ہمدردی کی تھی۔"

جلالی نے ریوالور کی نال پاشا کے سینے پر رکھ دی پھر کہا" ہمدردی کے بچے! تو تو آستین کا سانپ نکلا' ہمارے گھر کا کھایا اور جس تھال میں کھایا اسی میں چھید کر دیا۔"

'جلالی! مجھے غلط نہ سمجھ تیری بہن جھوٹ کہہ رہی ہے۔"

جلالی نے ایک الٹا ہاتھ اسے رسید کیا' وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا پھر بولا" دیکھ مجھ پر ہاتھ نہ اٹھا پہلے سچائی کو سمجھنے کی کوشش کر' تو جانتا ہے میں کسی دوسری لڑکی کو چاہتا ہوں اور آج اس سے نکاح پڑھوانے والا ہوں۔"

جلالی نے ایک گھونسہ اس کے منہ پر مارا۔ وہ پیچھے جا کر دیوار سے لگ گیا' پھر جھنجلا کر بولا" کیا مردانگی دکھا رہا ہے؟ ریوالور پھینک کر مجھ پر حملہ کر...... پھر میں دکھاتا ہوں کہ میں کیا ہوں؟ تیری ساری دادا گیری یہاں دھو کر رکھ دوں گا۔"

وہ بولا" کوئی دوسرا وقت ہوتا تو میں ریوالور پھینک کر تیری یہ حسرت پوری کر دیتا' اور تجھ سے مقابلہ کرتا لیکن ابھی تو میری بہن کی عزت کا معاملہ ہے' تیری شادی وہاں فون کے ذریعے نہیں ہو گی یہاں میری بہن سے ہو گی یا پھر تیری لاش گرے گی۔"

پھر اس نے اپنے باپ سے کہا" ابا! باہر جا فیقے اور رمضانی کو بلا کر لے آ' ان سے ابھی کچھ نہ کہنا۔"

باپ نے جاتے ہوئے کہا" میں جا رہا ہوں لیکن خبردار! اس پر گولی نہ چلانا۔"

پھر وہ لیڈی ڈاکٹر سے بولا" بیٹی! تم یہاں رہو اور اسے قابو میں رکھو اس کا دماغ گرم ہوتا ہے تو یہ خون خرابے پر اتر

آتا ہے۔''

جلالی نے جھنجلا کر کہا ''ابا! میں گولی نہیں چلاؤں گا تو جا اور انہیں جلدی سے بلا کر لے آ۔''

باپ چلا گیا ایسے وقت فون کا بزر سنائی دیا' پاشا نے جیب سے موبائل فون نکالا جلالی نے ریوالور کا نشانہ لیتے ہوئے کہا ''خبردار! فون مجھے دے میں تجھے کسی لڑکی سے بات کرنے نہیں دوں گا۔ کیوں کہ اب تو میری بہن کی امانت ہے۔''

پاشا نے نمبر دیکھا تو وہ عینی اور عروج کی طرف سے فون نہیں تھا بلکہ وردانہ کا نمبر نظر آ رہا تھا وہ بولا'' جلالی! یہ ان لڑکیوں کا فون نہیں ہے بلکہ یہ میری دشمن کا ہے جو میری جان کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔''

جلالی نے ہاتھ بڑھا کر کہا ''فون مجھے دے میں اس سے بات کروں گا' تو شادی کے لیے ہاں کرے گا تو میں تیری حفاظت کروں گا تیری خاطر ساری دنیا سے لڑ جاؤں گا اور انکار کیا تو میں تجھے ان دشمنوں کے حوالے کر دوں گا۔''

پاشا نے بے بسی سے ریوالور کو دیکھا جلالی کی گرفت اس پر مضبوط تھی اور ایک انگلی ٹریگر پر تھی ذرا سے دباؤ سے گولی چل سکتی تھی' اس نے رخسانہ کی طرف دیکھ کر عاجزی سے کہا ''رخسانہ! یہ تم مجھ سے کیسی دشمنی کر رہی ہو؟ مجھے کس مصیبت میں ڈال رہی ہو؟ گناہ کسی نے کیا اور الزام مجھے لگا رہی ہو؟''

جلالی نے گرج کر کہا'' بکواس مت کر...... میری بہن سے اس وقت تک بات نہیں کر سکتا جب تک نکاح نہ ہو جائے۔''

فون کا بزر بول رہا تھا' جلالی نے آگے بڑھ کر اس سے فون چھین لیا' اسے آن کر کے کان سے لگایا دوسری طرف سے وردانہ بول رہی تھی'' پاشا تم کہاں چھپتے پھر رہے ہو؟ کب تک چھپو گے؟ ابھی حملے میں اس لیے بچ گئے کہ حملہ کرنے والے تمہیں چہرے سے نہیں پہچانتے تھے لیکن اب ہم نے تمہاری تصویر وہاں سے حاصل کی ہے جہاں سے تم نے ڈرائیونگ لائسنس حاصل کیا تھا اب اس ایک تصویر کی کئی تصویریں بن چکی ہیں ہر جگہ پہنچا دی گئی ہیں تم جہاں جاؤ گے وہاں موت تمہارے انتظار میں ہو گی۔''

جلالی فون کو کان سے لگائے چپ چاپ سن رہا تھا پھر وہ بولا'' میں پاشا نہیں ہوں جسے تم قتل کروانا چاہتی ہو۔ وہ اس وقت میری پناہ میں ہے۔''

وہ بولی'' تم کون ہو......؟ اسے پناہ کیوں دے رہے ہو؟ کیا مجھ سے کوئی سودا کر سکتے ہو؟''

جلالی نے پاشا کو دیکھا پھر فون پر کہا'' شاید...... سودا ہو سکتا ہے لیکن ابھی نہیں' ابھی میں پاشا سے سودا کر رہا ہوں اگر یہ سودا نہیں ہوا تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

وردانہ نے کہا'' بہتر یہی ہو گا کہ اسے میرے حوالے کر دو' اور اس کے بدلے منہ مانگی رقم مجھ سے لے لو' بولو کتنے چاہتے ہو؟ لاکھ...... دو لاکھ...... دس لاکھ؟''

وہ حیرانی سے بولا'' اوہ خدایا...... میں نہیں جانتا تھا پاشا اتنا قیمتی ہے۔ دس لاکھ میرے لیے بہت ہیں میں غور کر سکتا ہوں لیکن تمہیں انتظار کرنا ہو گا۔''

''میں قیامت تک انتظار کروں گی' بولو کب تک کرو گے؟''

جلالی نے پاشا کو سوچتی نظر سے دیکھا' پھر کہا'' میں صبح تک اسے سمجھاؤں گا۔ کیونکہ میں اپنی بہن کی شادی اس سے کرنا چاہتا ہوں' اگر یہ راضی ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ میں ٹھکانہ تمہیں بتاؤں گا تم اپنے آدمیوں کے ساتھ آ کر اسے لے جا سکو گی۔''

وہ بولی'' یہ بات بھی میرے حق میں ہے کہ تم اپنی بہن کی شادی اس سے کرنا چاہتے ہو اگر شادی ہو گئی تو میں تمہیں پانچ لاکھ روپے دوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ تم اسے اس شہر بلکہ ملک سے باہر بھیج دو تا کہ یہ ان دونوں لڑکیوں کے قریب نہ رہ سکے۔''

وہ بولا'' او...... ہم دونوں کے تو مزاج ملتے ہیں میری بہن سے شادی پر راضی ہو یا نہ ہو...... دونوں صورتوں میں میرا فائدہ ہے اگر راضی ہو جائے گا اور میری بہن سے شادی کر لے گا تو تم مجھے پانچ لاکھ روپے دو گی' اور اگر یہ نہیں ہو گا، شادی نہیں کرے گا تو مجھے دس لاکھ دو گی' اور میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ بولو معاملہ ڈن ہے؟''

''بالکل...... سو فیصد ڈن ہے۔ میں صبح تمہارے انتظار کروں گی۔''

رابطہ ختم ہو گیا' جلالی نے فون بند کرتے ہوئے کہا'' چلا...... وہ عورت تم سے کیوں دشمنی کر رہی ہے وہ نہیں چاہتی کہ تم وہاں ان لڑکیوں کے قریب بھی جاؤ' اور ان میں سے شادی کرو۔ میں بھی نہیں چاہتا۔ اس لیے یہ فون میں لے رہا ہوں تا کہ وہ لڑکیاں تم سے رابطہ نہ کر سکیں۔ پھر تمہاری ہاں یا ناں کے مطابق اس عورت سے رابطہ کروں گا۔''

اس کا باپ فیقے اور رمضانی کے ساتھ آ گیا۔ جلالی نے اشارہ کر کے اپنے حواریوں سے کہا'' اسے بیٹھک میں لے جا کر باندھ

لو۔''

انہوں نے اسے دونوں طرف سے جکڑ لیا پھر بیٹھک کی طرف لے جانے لگے جلالی ریوالور لیے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اس نے بیٹھک میں پہنچ کر کہا'' اسے کرسی پر بٹھاؤ اور ہاتھ کرسی کے ہتھوں اور پاؤں دونوں پایوں سے باندھ دو۔''

وہ دونوں اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگے فیقے نے کہا۔ ''استاد! بات کیا ہے؟ یہ تو بڑا اچھا آدمی تھا؟ تم بھی اس کی تعریفیں کرتے تھے کیا یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا ہے؟''

''ہاں...... یہی بات ہے اس کے بارے میں ابھی کچھ نہ پوچھو' ہم بہت لمبا ہاتھ مارنے والے ہیں اس کے ذریعے لاکھوں روپے ملیں گے' میں تمہیں بعد میں سب کچھ بتاؤں گا' اب یہاں سے جاؤ میں تھوڑی دیر میں آؤں گا۔''

وہ دونوں چلے گئے' جلالی نے اسے اچھی طرح بندھے ہوئے دیکھا پھر ریوالور کو اپنے لباس میں رکھتے ہوئے بولا'' شام کے چھ بجنے والے ہیں' وہاں تمہارا نکاح پڑھایا جانے والا تھا' جواب کبھی نہیں پڑھایا جائے گا' تم اپنی زندگی کی وہ کتاب بند کر دو اور یہاں نئی کتاب کھولو' اسی میں تمہاری سلامتی ہے۔''

اس کے باپ نے بڑی نرمی سے کہا'' پاشا! تم تو بہت اچھے انسان ہو' سمجھدار بھی ہو' اس وقت سمجھداری سے کام لو۔ تم ہماری عزت سے کھیلتے رہے ہو ہم پھر بھی معاف کر دیں گے، شادی کے لیے ہاں کہہ دو اور یہاں عزت آبرو کے ساتھ ہماری بیٹی کی ساتھ زندگی گزارو۔''

جلالی بولا'' میں نے کسی سے سودا کر لیا ہے' یہ رخسانہ سے شادی کرنے کے بعد یہاں نہیں رہے گا میں اسے یہاں سے بہت دور کسی دوسری جگہ بھیج دوں گا اگر یہ وہاں سے واپس آنا چاہے گا تو یہاں اسے قدم قدم پر موت ہی ملے گی چلو ابا اسے تنہا سوچنے دو۔ میں اس پر ترس کھا کر صبح تک سوچنے کا موقع دے رہا ہوں' یہ مرنا چاہے تو مرے گا' جینا چاہے گا تو جیئے گا' یہ اپنا فیصلہ خود کرے گا۔''

وہ دونوں کمرے سے نکل گئے' دروازے کو باہر سے بند کر دیا، وہ بند کمرے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا دونوں ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے' کیا بدنصیبی تھی دولہا بننے والا قیدی بنا ہوا تھا' اور قیدی بھی اس لیے بنایا گیا تھا کہ اسے عینی کا نہیں بلکہ رخسانہ کا دولہا بننے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔

وہ دو اطراف سے مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف تو وردانہ اس پر جان لیوا حملے کروا رہی تھی' دوسری طرف جلالی اس کا دشمن ہو گیا تھا۔ اگر وہ صبح تک رخسانہ سے شادی پر راضی نہ ہوتا تو وردانہ کے آدمی اسے قتل کرنے وہاں پہنچ جاتے۔ ابھی جو پناہ گاہ تھی وہ اس کی قتل گاہ بھی بن سکتی تھی' اب فیصلہ اس پر تھا اسے سوچنا تھا کہ ایسے وقت کیا کرنا ہو گا؟

☆☆☆

وردانہ بہت خوش تھی' جہاں بھی حملے کر رہی تھی۔ وہاں سے بڑی حد تک کامیابی ہو رہی تھی اگرچہ پاشا قابو میں نہیں آیا تھا لیکن جلالی سے گفتگو ہونے کے بعد یقین ہو گیا تھا کہ جلالی دس لاکھ کے لالچ میں اسے اس کے حوالے ضرور کر دے گا۔ جلالی نے اپنا نام و پتا اسے نہیں بتایا تھا' شہباز درانی نے کہا ''تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس وقت پاشا کس کی پناہ میں ہے؟ اور تم سے فون پر کون گفتگو کر رہا تھا؟''

وردانہ بولی'' وہ پاشا سے سودا کر رہا ہے اپنی بہن کی شادی اس سے کرانا چاہتا ہے اگر وہ راضی نہ ہوا تو اسے میرے حوالے کر دے گا اور مجھ سے دس لاکھ روپے لے گا' اور اگر پاشا اس کی بہن سے شادی کر لے گا تب بھی میں نے اس شخص کو لالچ دیا ہے کہ اسے پانچ لاکھ روپے دوں گی' لہٰذا وہ کم از کم پانچ لاکھ روپے حاصل کرنے کے لیے مجھ سے رابطہ کرے گا' اپنا نام و پتا بتائے گا۔ یا پانچ لاکھ لینے کے لیے میرے پاس آئے گا تب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ اور اب پاشا کہاں ہے؟''

''تمہیں میری موجودگی میں گفتگو کرنی چاہیے تھی میں تمہیں گائیڈ کرتا اگر تم اسے پچاس لاکھ روپے کی آفر دیتیں تو وہ بہن کی شادی کو بھول جاتا اور فوراً ہی پاشا کو ہمارے حوالے کرنے پر راضی ہو جاتا۔''

وہ اس کی گردن میں باہیں ڈال کر بولی'' ہاں...... مجھ سے بھول ہو گئی مجھے تم سے مشورہ کرنا چاہئے تھا آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گی۔''

وہ اسے گلے لگا کر بولا'' کوئی بات نہیں صبح تک فیصلہ ہو جائے گا' وہ دس لاکھ لے یا پانچ لاکھ۔ تمہیں تو کسی بھی طرح پاشا کی پناہ گاہ تک پہنچنا ہے' بس تم پہنچ جاؤ گی۔''

وہ جلدی سے الگ ہو گئی' شہباز نے پوچھا'' کیا ہوا؟''

''میں جذبات میں بہہ کر تمہارے قریب آ گئی تھی مجھے محتاط رہنا چاہئے میں چالیس دن کے بعد تمہارے قریب آؤں گی۔''

اسے اچانک اپنا جوان بیٹا جواد یاد آ گیا تھا اور یہ بھی یاد آ گیا تھا کہ چالیس دن تک اسے کوئی خوشی نہیں منانی ہے اور نہ ہی شہباز کے قریب جانا ہے' شہباز نے کہا'' بے شک...... میں بھی جذبات میں بھول گیا تھا' چلو پاشا کے متعلق بتاؤ اسے قتل

کروانا چاہتی ہو یا قیدی بنا کر رکھنا چاہتی ہو؟''

''تم کیا مشورہ دیتے ہو؟''

''اسے قیدی بنا کر رکھنے سے تمہاری سوتیلی بیٹی عینی کی کمزوری ہمیشہ تمہارے ہاتھ میں رہے گی۔''

''میں پہلے اسے اپاہج بناؤں گی' پھر قیدی بناؤں گی تا کہ وہ میری قید سے کبھی فرار نہ ہو سکے۔''

وہ ہنسنے لگا پھر بولا ''حشمت کا کیا بنا؟''

وہ بھی ہنستی ہوئی بولی ''اس کا مت پوچھو وہ سہما ہوا اپنی کوٹھی کے اندر بیٹھا ہوگا۔ تمہارے آدمی بہت ہی کام کے ہیں۔ میں جیسا حکم دیتی ہوں اسی طرح سے عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے کوٹھی کے چاروں طرف ایسی فائرنگ کی ہے کہ وہ پوری طرح دہشت زدہ ہو گیا ہوگا' اور یہی سمجھ رہا ہوگا کہ ایس پی ذیشان اپنے آدمیوں کے ذریعے اس پر گولیاں چلا رہا ہے۔''

''تمہیں اس بے چارے سے ہمدردی کرنی چاہیے فون پر اس سے بات کرو' ایک طرف سے مار کر دوسری طرف سے سہلاؤ۔''

''میں اب تک پاشا کے معاملے میں مصروف تھی پھر تم کہیں چلے گئے تھے' میں تمہارا انتظار کرتی رہی تھی۔ ذہن تمہاری طرف الجھا ہوا تھا۔ اب میں اس سے بات کرتی ہوں۔''

وہ فون کے پاس آ کر بیٹھ گئی' ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے پھر اسے کان سے لگایا' تھوڑی دیر کے بعد ہی آواز ابھری۔

''ہیلو...... میں سید تراب علی شاہ بول رہا ہوں' آپ کون ہیں؟''

''میں دردانہ بول رہی ہوں۔''

تراب اپنے ڈرائنگ روم میں حشمت لیڈی ڈاکٹر آرزو اور اپنی بیگم کے ساتھ تھا۔ اس نے فوراً ہی ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا ''دردانہ کا فون ہے۔''

حشمت نے بھی ہلکے سے کہا ''ہم نے جو پلاننگ کی ہے۔ آپ اسی کے مطابق بولیں گے۔''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا ''ہیلو...... دردانہ بیگم! تم کہاں ہو؟ ہم نے فون کیا لیکن تمہارا فون تو ہر وقت مصروف ہی رہتا ہے۔''

ادھر سے دردانہ نے پوچھا ''ابھی میرا نام سننے کے بعد آپ نے جواب میں دیر کیوں کی؟''

''میں حشمت کو بتا رہا تھا کہ تمہارا فون ہے وہ ابھی تم سے بات کرے گا میں کیا بتاؤں کہ اس پر کیا گزر رہی ہے؟''

وہ انجان بن کر بولی ''کیا گزر رہی ہے؟ کیا کوئی پریش... ہے؟''

''کوئی ایک پریشانی ہو تو بتاؤں' آج شام کو عینی کی شادی تھی' عروج نے ضد کی ہمیں وہاں آنا ہوگا' ہم تو ان سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے تھے لیکن عروج نے کہا کہ اگر اس کی سہیلی کی شادی میں شریک نہیں ہوئے تو وہ ہمیشہ ہم سے ناراض رہے گی۔ آخر ہمیں مجبوراً وہاں جانا پڑا۔''

دردانہ نے کہا ''کوئی بات نہیں...... دل نہ چاہے تب بھی ایسے لوگوں سے مجبوراً ملنا پڑتا ہے لیکن وہاں جانے کا فائدہ ہوا؟ میں نے سنا ہے کہ عینی کی شادی نہیں ہو سکی؟''

''جی ہاں...... بارات کا دولہا شادی سے پہلے ہی بھاگ گیا مگر کہا جا رہا ہے کہ اس کی کچھ مجبوریاں ہیں' نا معلوم افراد اس پر فائرنگ کر رہے ہیں یہی بات میں تم سے فون پر کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میرے بیٹے پر بھی فائرنگ ہو چکی ہے۔''

دردانہ نے حیرانی ظاہر کی ''اوہ گاڈ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا حشمت پر فائرنگ ہوئی ہے؟''

''ہاں...... خدا کا شکر ہے کہ وہ محفوظ ہے کیونکہ وہ کوٹھی کے اندر تھا اور اس نے کھڑکیاں اور دروازے بند کر رکھے تھے۔''

''اس کا مطلب ہے ذیشان اپنی کمینگی دکھا رہا ہے؟''

''بے شک...... یہی بات ہے ہم تو وہاں عینی کے گھر... حشمت نے فون پر بتایا کہ اس پر فائرنگ ہو رہی ہے تو پریشان ہو گئے۔ وہاں سے آنے لگے لیکن میں نے ذیشان کو پکڑ لیا۔ اور اس سے کہا' صاف کہو ہمارے بیٹے سے کیا دشمنی ہے؟ اگر اس نے عینی کے ساتھ کچھ برا کیا تھا تو اسے کتنی سزا دو گے؟ کیا اسے جان سے مار دو گے؟ تب وہ قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ اس نے حشمت پر گولیاں نہیں چلائی ہیں۔''

وہ بولی ''وہ جھوٹا اور مکار ہے دوہری چالیں چل رہا ہے۔ عروج کی وجہ سے آپ لوگوں سے اچھے تعلقات ظاہر کر رہا ہے لیکن دوسری طرف آپ کے بیٹے کو مار دینا چاہتا ہے۔''

تراب علی نے کہا ''تم ٹھیک کہہ رہی ہو ہم اس کی مکاریوں کو اچھی طرح سے سمجھ رہے ہیں لیکن میں نے بڑی مصلحت سے کام لیا ہے کہ وہ مجھ سے لاکھوں روپے جرمانے کے طور پر لے لے یا عینی سے کہے کہ وہ حشمت کو اپنے طور سے کوئی سزا دے لیکن اس طرح سے اس کی جان کی دشمن نہ بنے۔''

وہ بولی ''آپ کو مصلحتاً بھی اس کے ساتھ کوئی سمجھوتا نہیں کرنا چاہیے۔''

''میں کوئی دل سے سمجھوتا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے آزما رہا تھا آخر وہ سچ مچ مکار ہی ثابت ہوا۔ باتیں بناتا رہا لیکن اس نے سمجھوتے کی کوئی بات نہیں کی۔ یہ لو حشمت سے بات کرو۔''

حشمت نے ریسیور لے کر سلام کیا پھر کہا ''آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے میں اب تک چھپتا پھر رہا تھا' آپ نے ضمانت لے کر مجھے آزادی دلائی ہے لیکن یہ آزادی بھی مہنگی پڑ رہی ہے۔''

وہ بولی ''تم جوان مرد ہو تمہیں خوفزدہ نہیں ہو جانا چاہیے۔ شیطان کے لیے مشہور ہے کہ وہ جان سے نہیں مارتا مگر ہلکان کرتا ہے اگر وہ تم پر فائرنگ کروا رہا ہے تو سمجھ لو کہ صرف دہشت زدہ کر رہا ہے' وہ تمہیں جان سے نہیں مارے گا لیکن دہشت زدہ کرتے کرتے تمہیں ذہنی مریض بنا دے گا۔''

وہ بولا ''ذہنی مریض بن کر رہنا موت سے بدتر ہے مگر میں ایسا نہیں چاہتا میں کسی طرح اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ معنی خیز انداز میں بولی ''میں تمہیں نجات دلانے کے بارے میں ہی غور کر رہی ہوں' جب نجات دلاؤں گی تو ذیشان کو دن میں تارے نظر آ جائیں گے۔''

حشمت نے انجان بن کر پوچھا ''آپ ایسا کیا کرنا چاہتی ہیں کہ وہ حیران و پریشان ہو جائے گا اور اسے دن میں تارے نظر آ جائیں گے؟''

''تم بس دیکھتے جاؤ۔ میں نے اسی لئے تمہیں ضمانت پر رہائی دلوائی ہے میں اس کے لیے چیلنج بن گئی ہوں اور اس سے کہہ چکی ہوں کہ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ایک بات اچھی طرح سمجھ لو کبھی اس کی باتوں میں نہ آنا۔ کبھی اس پر بھروسا نہ کرنا۔''

''ہرگز نہیں آنٹی! میں شیطان پر بھروسا کر لوں گا مگر اس پر بھروسا نہیں کروں گا۔''

''شاباش اب ایسا کرو، اس کے خلاف بھرپور رپورٹ لکھو کہ گرفتاری سے قبل تمہاری ضمانت کی گئی تھی۔ یہ ہی بات اس خر دماغ افسر کو پسند نہیں آئی اور وہ تمہارے خلاف انتقامی کارروائی کر رہا ہے اور تم پر فائرنگ کروا رہا ہے۔ لہٰذا اس جنونی افسر کے خلاف ایکشن لیا جائے۔ یہ لکھ کر مجھے دو۔ میں اس سے خود ہی نمٹ لوں گی۔''

اس نے بڑی فرمانبرداری سے کہا ''ٹھیک ہے آنٹی! میں اس کے خلاف بھرپور درخواست لکھ کر دوں گا' مجھے یقین ہے کہ آپ ہی اس خر دماغ افسر سے نمٹ سکیں گی۔''

دردانہ نے مطمئن ہو کر رابطہ ختم کر دیا' حشمت نے ناگواری سے ریسیور رکھ کر کہا ''الو کی پٹھی! خود کو بہت چالاک سمجھتی ہے۔ ڈیڈ! وہ کہہ رہی تھی میں ذیشان بھائی کے خلاف درخواست لکھ کر دوں کہ وہ مجھے جان سے مارنے کے لیے اپنے آدمیوں کے ذریعے مجھ پر فائرنگ کروا رہے ہیں ان کے خلاف قانونی طور پر ایکشن لیا جائے۔''

''تم اس کے خلاف کچھ نہیں لکھو گے اور نہ ہی کسی قسم کی تحریر دردانہ کو دو گے۔ وہ رائی کا پہاڑ بنا دے گی۔''

''اسے کچھ لکھ کر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو کل رات تک کسی بھی طرح اس ملک سے چلا جاؤں گا۔''

آرزو بولی ''تمہارے پاسپورٹ اور ضروری کاغذات میرے گھر میں ہیں کل صبح وہ ضروری کاغذات لے کر انڈس

ایمبیسی جاؤں گی میں ایک معروف لیڈی ڈاکٹر ہوں' حشمت کی میڈیکل رپورٹ پیش کروں گی کہ اسے فوری علاج کے لیے لندن لے جانا ضروری ہے اس طرح ہمیں فوراً ہی لندن جانے کی اجازت مل جائے گی۔"

تراب علی نے کہا" تمہاری ماں تو اس وقت بھی مصلے پر بیٹھی تمہارے لیے دعائیں مانگ رہی ہے کہ یہاں سے.... ایئرپورٹ جانے اور یہاں سے روانہ ہونے تک کوئی بھی دشمن تمہیں نہ دیکھے۔ اور نہ ہی تم پر کوئی آنچ آئے۔ ذیشان کا نمبر ملاؤ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں وہ بھی تمہارے ساتھ... ایئرپورٹ تک جائے گا تو ہمیں اطمینان ہوگا۔"

حشمت نے نمبر ڈائل کیے پھر ریسیور اپنے باپ کو دیا وہ اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف سے ذیشان کی آواز ابھری" ہیلو...... میں ذیشان بول رہا ہوں۔"

تراب علی نے کہا" بیٹے! میں بول رہا ہوں حشمت نے کل یہاں سے جانے کے تمام انتظامات کرلیے ہیں۔ آرزو میڈیکل رپورٹ کی بنیاد پر لندن کا ویزا حاصل کرلے گی اب صرف یہ دھڑکا لگا ہے کہ حشمت کے روانہ ہونے تک دردانہ کوئی بھی چال چل سکتی ہے۔"

ذیشان بولا" آپ حشمت اور آرزو کا پاسپورٹ مجھے دیں۔ میں رازداری سے کسی بھی فلائٹ میں سیٹیں ریزرو کروادوں گا اور اپنی نگرانی میں انہیں ایئر پورٹ پہنچاؤں گا، حشمت کی سلامتی میرے لیے بھی ضروری ہے کیوں کہ وہ اسے قتل کرواکے مجھے قاتل ثابت کرنا چاہے گی۔ اور میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

" آرزو کل کسی وقت پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات تمہارے پاس لے آئے گی۔"

" ٹھیک ہے...... میں انتظار کروں گا' شب بخیر۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا' اسما بولی" آدھی رات گزر چکی ہے پاشا نے اب تک رابطہ نہیں کیا ہے ہمیں بیڈ روم میں چلنا چاہیے۔"

وہ دونوں اٹھ کر وہاں سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں جانے لگے' ذیشان نے کہا" وہ کسی بڑی مصیبت میں ہی گرفتار ہوگیا ہے ورنہ عینی اور عروج سے ضرور رابطہ کرتا' میرے آدمی اسے تلاش کررہے ہیں' اللہ کرے کہیں سے اس کا سراغ مل جائے۔"

وہ دونوں عینی کے کمرے کے سامنے سے گزرنے لگے تو ذرا رک کر دیکھنے لگے' اندر روشنی تھی وہ دونوں ہی جاگ رہی تھیں اور جاگنا ان کے مقدر میں تھا۔ انہیں نیند نہیں آسکتی تھی۔ پتا نہیں کتنی راتیں پاشا کے انتظار میں جاگنا تھا؟ وہ اسما کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔

کمرے کے اندر عینی کی آنکھیں رو رہی تھیں' اور عروج کا دل رو رہا تھا' وہ اپنی آنکھوں میں آنسوؤں کو آنے سے روک رہی تھی' عینی پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کے ہونے والے دولہا پر اس کا بھی حق ہے اگرچہ عینی اس کی اور پاشا کی محبت کو سمجھتی تھی پھر بھی ایسے وقت دلہن کا غم بھاری ہوتا ہے۔ اس وقت اپنے دولہا کے لیے رونے کا حق عینی کو تھا' عروج کا فرض تھا کہ وہ اپنے آنسوؤں کو روکتی رہے۔

وہ بولی" عینی! آدھی رات گزر چکی ہے تجھے سوجانا چاہیے۔"

" اور کیا تجھے جاگنا چاہیے؟"

" نہیں...... میں بھی سوجاؤں گی مگر پہلے تو سوجا۔"

" تو کیا سمجھتی ہے کہ آج ہم دونوں کو نیند آجائے گی؟"

عروج ایک گہری سانس لے کر بولی" نہیں ہماری قسمت میں رت جگا لکھا ہوا ہے' اور نہ جانے ہم کتنی راتیں جاگ کر گزاریں گی اور اس کا انتظار کرتی رہیں گی؟"

وہ بیڈ پر آکر بیٹھ گئی' پھر بولی" ہم سو نہیں سکیں گی لیکن ذرا کمر سیدھی کرلینا چاہیے آ میرے پاس آجا۔"

عروج بیڈ کے سرہانے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اپنے پاؤں پھیلا کر بولی" ادھر آ...... میرے زانوں پر سر رکھ کر لیٹ جا۔"

عینی ایک ننھی بچی کی طرح اس کے پاس آگئی۔ پھر اس کی آغوش میں گھس گئی' لپٹ کر رونے لگی' پھر بولی" ہماری محبتوں نے اسے ڈبو دیا ہے پتا نہیں وہ کس مصیبت میں ہوگا؟ کیا محبت ایسی ہوتی ہے عین شادی کے وقت عذاب نازل کرتی ہے؟"

عروج نے جلدی سے آنکھیں بند کرلیں' عینی آغوش میں تھی اور اس کا چہرہ عینی پر جھکا ہوا تھا' اگر آنکھیں کھولتی تو آنسو اس پر ٹپکتے اور اس دلہن سے کہہ دیتے کہ صرف اس کا دکھ ہی بھاری نہیں ہے اس سے بھی زیادہ کوئی اس کی محبت میں رو رہی ہے۔

اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا" میں آنکھیں نہیں کھولوں گی اے آنسوؤں! جہاں تک آچکے ہو بس وہیں رک جاؤ' خبردار آنکھوں کی دہلیز تک نہ آنا' اگر آنکھ کھل بھی جائے تو دہلیز پار نہ کرنا' قطرہ قطرہ گر کر اس بے چاری دلہن کو نہ رلانا۔ اگر اسے معلوم ہوگیا کہ میں رو رہی ہوں تو سہیلی کا دکھ اسے اور رلائے گا' یہ باؤلی ہے دنیا میں سب سے زیادہ مجھے

چاہتی ہے سب سے زیادہ میرے ساتھ ہی ہنستی ہے اور سب سے زیادہ میرے لیے ہی صدمہ اٹھاتی ہے۔

یا خدا...... اسے محبتیں دے اور اسے محبت دینے والے کو سلامتی دے...... آمین۔"

☆☆☆

وہ کرسی پر ہاتھ پاؤں سے بندھا بیٹھا تھا رات کے تین بجنے والے تھے اور تین گھنٹوں کے بعد صبح ہوجاتی تو جلالی اس کا آخری فیصلہ سننے کے لیے آتا پھر اس کے انکار کرنے پر اسے دردانہ کے حوالے کردیتا۔ یوں کہنا چاہیے کہ دردانہ اور جلالی نے مل کر اس کی تقدیر کا فیصلہ لکھ دیا تھا اور اس فیصلے پر تین گھنٹے کے بعد عمل ہونے والا تھا۔

اس نے کئی بار زور لگا کر ہاتھ پاؤں کو کھولنا چاہا تھا' کوشش کی تھی کہ کسی طرح آزاد ہوجائے لیکن عقل نے یہ پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ آزاد ہونے کے بعد وہ کمرے سے باہر نہیں جاسکے گا۔ کیونکہ دروازہ باہر سے بند کردیا گیا تھا' کھڑکی کے بھی پٹ بند تھے اور اگر وہ کھلے ہوئے بھی ہوتے تو باہر نہیں جاسکتا تھا۔ کیونکہ وہاں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

ویسے یہ ایک قدرتی عمل ہے کہ رہائی ملے یا نہ ملے پنچھی پنجرے میں پھڑپھڑاتا ہے۔

جلالی اسے قید کرنے کے بعد دوبارہ نہیں آیا تھا وہ اور اس کا باپ دوبارہ وہاں آکر اسے سمجھا منا سکتے تھے۔ اسے رخسانہ سے شادی کرنے پر آمادہ کرسکتے تھے لیکن یوں لگ رہا تھا کہ انہیں اب اس بات کی بھی پروا نہیں ہے۔ ان کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر تھی جو ان کی ہمراز تھی وہ ان کی مشکل آسان کرسکتی تھی۔ اس طرح پاشا ان کے لیے غیر اہم ہوسکتا تھا اور ایسا ہی ہورہا تھا' شاید وہ خود بھی جلالی اور اس کے باپ کے لیے اہم ہونا نہیں چاہتا تھا' اسے ایک نہیں ہزار بار شادی سے انکار تھا۔ وہ تو عینی سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن عروج نے مجبور کردیا تھا۔ اپنی عروج کو ہی آئندہ پانے کے لیے عینی سے شادی کررہا تھا۔ اب تو دونوں میں سے کوئی بھی اسے ملنے والی نہیں تھیں اس نے سوچ لیا کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا جو مقدر میں لکھا ہوگا وہی سامنے آئے گا۔

اور میں تو آمنے سامنے رہتا ہی ہوں' ٹھیک تین بج کر بیس منٹ پر دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ کوئی اسے باہر سے کھول رہا تھا' پھر اس کے دونوں پٹ کھلتے ہی رخسانہ اس کی دہلیز پر آگری۔ وہ برسوں کی بیمار لگ رہی تھی' کمزوری سے ہانپ رہی تھی۔ کمرے کے اندر آکر بولی" پاشا بھائی! مجھے معاف کردو تم مجھے بہن کہتے رہے اور میں تمہارے لیے مصیبت بن گئی میں بہت مجبور تھی۔ میں مرسکتی تھی لیکن اپنے پروفیسر حمید کی بدنامی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے میں نے تمہیں بدنام کردیا۔"

پاشا بولا" میں نے تمہارے ساتھ نیکی کی اس کا نتیجہ دیکھ لو کہ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے؟ تمہارا بھائی مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

" آہستہ بولو' میرے ابا سو رہے ہیں' اور بھائی باہر گیا ہوا ہے وہ فیصلہ کرچکا ہے کہ تمہیں اس عورت کے حوالے کردے گا جس نے اسے دس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا ہے۔"

وہ اس قدر کمزور تھی کہ بری طرح ہانپ رہی تھی اپنے پیروں پر کھڑی بھی نہیں ہوپارہی تھی' اس نے روتے ہوئے کہا۔

" وہ لیڈی ڈاکٹر میرے بھائی کی داشتہ ہے اس نے میرا بچہ گرادیا ہے میری حالت کیا ہوگئی ہے؟ میں موت سے لڑتی یہاں تک آئی ہوں۔"

اور قریب آگئی' پھر بولی" میں نے بھائی کو فون پر کہتے سنا ہے کہ وہ اگر دس لاکھ روپے لے آئے گی تو تمہیں اس کے حوالے کردیا جائے گا۔"

وہ کمزوری کی شدت سے ہانپتی ہوئی گر پڑی پھر اپنے وجود کو گھسیٹتے ہوئے کرسی کے قریب آگئی۔ اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی مجھے معاف کردو' میں نے جو غلطی کی ہے اس کی تلافی کرنا چاہتی ہوں یہاں سے بھاگ جاؤ' کسی طرح اپنی جان بچاؤ۔"

وہ پاشا کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر پوری قوت لگا کر گھٹنوں کے بل اٹھ گئی پھر اس کے ہاتھ کی رسی کو اپنے دانتوں سے کھولنے لگی۔

ذرا سی کوشش سے رسی کھل گئی۔ پھر پاشا نے فوراً دوسرے ہاتھ کی گرہ کھولی اس کے بعد پیروں کو رسیوں سے آزاد کرکے... اٹھ کر کھڑا ہوگیا وہ فرش پر گر پڑی تھی' پاشا اس پر جھکتے ہوئے بولا" تم اپنے کمرے تک واپس جاسکوگی یا میں پہنچادوں؟"

" تم میری فکر نہ کرو یہاں سے فوراً نکلو' اگلے دروازے پر بھائی کے آدمی ہوں گے تم پچھلے دروازے سے باہر جاؤ' جلدی کرو۔"

وہ تیزی سے دبے قدموں چلتا ہوا۔ اس مکان کے مختلف حصوں سے گزر کر پچھلے دروازے پر آیا پھر اسے آہستگی سے کھول کر جھانکنے لگا باہر سناٹا تھا نیم تاریکی تھی' وہ اللہ کا نام لے کر باہر نکل گیا وہاں کے رستے جانے پہچانے تھے وہ ایک

گلی میں آ کر کبھی چلنے اور کبھی دوڑنے لگا۔

مکان کے اگلے دروازے پر بیٹھا جلالی اپنے حواریوں کے ساتھ چرسی سگریٹ کے کش لگا رہا تھا اور دردانہ کے خاص آدمی کا انتظار کر رہا تھا۔

ایسے ہی وقت ایک کار اس کے مکان کے سامنے آ کر رکی، اس کے آگے پیچھے دو ویگنیں تھیں، جن میں مسلح افراد بیٹھے ہوئے تھے، اسد عزیزی نے کار کی پچھلی سیٹ سے نکل کر ان کی طرف دیکھا، پھر پوچھا ’’جلالی کون ہے؟‘‘

جلالی نے آگے بڑھ کر کہا ’’میں ہوں ...... یہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟‘‘

’’میرا نام اسد عزیزی ہے اور یہ تمہارے دس لاکھ روپے ہیں۔‘‘

اس نے اپنے ایک حواری کی طرف اشارہ کیا، اس حواری نے ایک بریف کیس جلالی کے حوالے کیا اسد عزیزی بولا ’’رقم گن لو اور بندے کو ہمارے حوالے کر دو۔‘‘

جلالی بولا ’’آپ میرے ساتھ اندر آئیں اور پاشا کو اپنے ساتھ لے جائیں۔‘‘

اسد عزیزی اپنے چند حواریوں کے ساتھ مکان کے اندر آیا، جلالی کے ساتھ بیٹھک میں پہنچا تو سب چونک گئے کرسی خالی تھی، رسیاں کھلی ہوئی تھیں اور رخسانہ فرش پر چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی، اس کے لباس کا زیریں حصہ لہو سے بھیگ رہا تھا۔ جلالی نے آگے بڑھ کر اسے غصے سے ایک لات مار کر پوچھا ’’رخسانہ! کہاں ہے وہ......؟‘‘

وہ بے حس و حرکت پڑی تھی اس کی آواز نہیں سن رہی تھی، دنیا کی تمام آوازوں سے بہت دور جا چکی تھی۔

اسد عزیزی نے جلالی کے ہاتھ سے بریف کیس چھین کر کہا ’’معلوم ہوتا ہے شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ جب وہ ملے گا تب یہ بریف کیس بھی تمہیں مل جائے گا۔‘‘

جلالی بولا ’’میرا خیال ہے وہ ابھی یہاں سے گیا ہے زیادہ دور نہیں گیا ہوگا، آپ میرے ساتھ چلیں آپ کی گاڑیوں میں اس کا تعاقب ہوگا تو وہ ضرور ہمارے ہاتھ آ جائے گا۔‘‘

وہ سب دوڑ کر باہر آئے، جلالی نے اسد عزیزی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر اپنے حواریوں سے کہا ’’تم میں سے جتنے بھی ان گاڑیوں میں بیٹھ سکتے ہو بیٹھ جاؤ، وہ فرار ہو گیا ہے اس کا پیچھا کرنا ہے۔‘‘

سب ہی ان تین گاڑیوں میں بیٹھ گئے پھر وہ گاڑیاں وہاں سے چل پڑیں۔ پاشا کبھی دوڑتا ہوا کبھی تیزی سے چلتا ہوا اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ اس کی کوئی منزل نہیں تھی، کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔

اس نے فوری طور پر سوچا کہ کھوکھرا پار یہاں سے قریب ہے جیب میں اچھی خاصی رقم ہے کوئی ٹیکسی رکشا ملے گا تو بیٹھ کر ادھر جائے گا، پھر سرحد پار جانے کی کوشش کرے گا۔ کیوں کہ اس شہر میں اب اس کے لیے پناہ نہیں تھی، قدم قدم پر دشمن پھیلے ہوئے تھے۔

وہ بھاگ رہا تھا، اور سوچ رہا تھا کہ حالات سازگار ہوں گے تو وہ فون خریدے گا پھر عینی عروج سے رابطہ کرے گا ان کے حالات معلوم کرے گا۔ انہیں یقین دلائے گا کہ وہ مجبور ہے ان سے بہت دور جا چکا ہے لیکن جیسے ہی حالات بہتر ہوں گے تو وہ ان کے پاس واپس آ جائے گا۔

بہت دور نکل جانے کے بعد اس نے پلٹ کر دیکھا گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں، پہلے تو سوچا کہ شاید کوئی ٹیکسی ہے لیکن وہ ایک نہیں تین تین گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس تھیں وہ اس کی طرف تیزی سے آ رہی تھیں اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی وہ پلٹ کر بھاگنے لگا، جس سمت بھاگ رہا تھا ادھر ویرانہ تھا، دور کہیں چھوٹی چھوٹی بستیاں ہوں گی۔ جو رات کے اس پہر خاموش تھیں، اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

گاڑیوں کی رفتار اس سے زیادہ تیز تھی، ان کی ہیڈ لائٹس کی روشنی اس پر پڑنے لگی، جلالی نے چیخ کر کہا ’’وہ بھاگ رہا ہے۔‘‘

وہ تینوں گاڑیاں تین مختلف سمتوں میں جانے لگیں ان کا انداز ایسا ہی تھا، جیسے وہ اسے چاروں طرف سے گھیرنا چاہتے ہوں اور یہی ہو رہا تھا، اس کے دائیں بائیں دو گاڑیاں فاصلہ رکھ کر اس سے بہت آگے نکل گئی تھیں۔ ایک گاڑی پیچھے تھی، پھر وہ تینوں گاڑیاں رک گئیں ان میں سے مسلح افراد اتر کر اس پر فائرنگ کرنے لگے اور اس کے چاروں طرف پھیلنے لگے، وہ پریشان ہو کر چاروں طرف گھوم کر دیکھنے لگا، کہیں سے بھاگنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔

اس نے پھر ایک سمت بھاگنا شروع کیا ہر طرف سے گولیاں چل رہی تھیں، وہ ایسا بھی مقدر کا سکندر نہیں تھا کہ گولیوں کی بوچھاڑ سے بچ نکلتا، کوئی گولی تو اسے لگنی ہی تھی، آخر لگ ہی گئی۔

وہ لڑکھڑا کر گرا۔ جسم میں پیوست ہونے والی گولی انگارے کی طرح دہک رہی تھی، پھر بھی وہ ہمت کر کے اٹھا اور

لڑکھڑا کر آگے جانے لگا پھر دوسری گولی لگی، وہ ایک دم سے اچھل کر زمین پر آ گرا۔

’’آہ......!‘‘ اس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ ’’عروج!‘‘

وہ اپنے تھرتھراتے جسم کو لے کر اٹھنے لگا، پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا لڑکھڑا کر ایک قدم آگے بڑھا، پھر بولا ’’ہائے عروج تیری محبت شادیانے بجا رہی ہے۔‘‘

اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ بینڈ باجوں کی آواز سنائی دے رہی تھی، وہ دولہا بنا گھوڑے پر سوار تھا اور بینڈ باجوں کی دھن کہہ رہی تھی۔

’’مکھڑے پہ سہرا ڈالے، آ جا او آنے والے

چاند سی بنو میری تیرے حوالے‘‘

تھائیں سے ایک گولی چلی۔ وہ چکرا کر گر پڑا۔ اکھڑتی سانسوں کے دوران اس نے عینی کو نہیں عروج کو دلہن بنے دیکھا وہ دونوں بازو پھیلا کر اسے اپنی طرف بلا رہی تھی۔

زندگی تو بلاتی ہی رہتی ہے لیکن موت کی دہلیز پر پہنچ کر کون واپس آتا ہے۔

بہت سارے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اسے گھیرنے والے قریب آ رہے تھے۔ انہوں نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا اس کا جسم ساکت ہو گیا تھا وہ چاروں شانے چت تھا۔ اس کی دونوں ہتھیلیاں پھیل گئی تھیں۔ آج اس کی سہاگ رات تھی اور آج رات وہ اپنے لہو میں نہا چکا تھا۔ کچھ بدنصیب اپنا آخری غسل اپنے لہو سے ہی کرتے ہیں۔

اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلیوں پر مقدر کی لکیریں تھیں اور میں اس کی زندگی کی لکیر پر کھڑا ہوا تھا۔ میں تو جس کے ساتھ پیدا ہوتا ہوں اس کے ساتھ مر جاتا ہوں۔ پھر میں زندہ کیسے تھا؟

اس لیے کہ زندگی کی وہ لکیر ابھی باقی تھی۔ بہت دور تک گئی ہوئی تھی اور مجھے دور تک چلتے ہوئے اپنی بازی گری دکھانی تھی۔

میں مقدر ہوں۔

اک بازی گر ہوں۔

ہاتھوں کی لکیروں پر۔

تمہارا ہم سفر ہوں۔

تمہارا دوست ہوں۔

اور دشمن بھی۔

تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں۔

تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں۔

میں مقدر ہوں۔

اک بازی گر ہوں۔
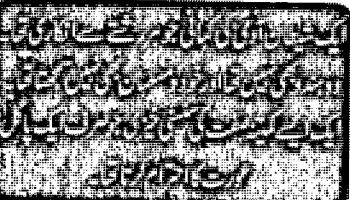
عروج بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ عینی اس کے زانو پر سر رکھے سو رہی تھی۔ پاشا کی جدائی کا صدمہ ایسا تھا کہ نہ نیند آ سکتی تھی اور نہ ہی کسی پہلو قرار آ سکتا تھا، لیکن ذہنی طور پر دونوں اس قدر تھک گئی تھیں کہ ہارے ہوئے سپاہیوں کی طرح نڈھال سی ہو کر سو گئی تھیں۔

آنکھیں بند ہوں تو ہر سُو تاریکی نظر آتی ہے۔ اس تاریکی میں پاشا نظر آ رہا تھا۔ وہ اِدھر سے اُدھر بھٹک رہا تھا اور عروج کو پکار رہا تھا۔ اس ویرانے میں عروج کی آواز گردش کر رہی تھی "کہاں ہو......؟ کہاں ہو......؟ تم کہاں ہو......؟"

وہ دوڑتا ہوا ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ کہنے لگا "میں تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں لیکن مجھے راستہ نہیں مل رہا۔"

"تم اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آؤ گے تو راستہ دکھے گا۔ فوراً چلے آؤ۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"میں آ رہا ہوں۔ ابھی آ رہا ہوں۔"

وہ پھر دوڑتا ہوا ایک طرف جانے لگا۔ ایک جگہ رک کر آوازیں سننے لگا۔ گاڑیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آگے پیچھے سے دائیں بائیں سے۔ وہ اِدھر اُدھر گھوم گھوم کر دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا "دشمن قریب آ رہے ہیں۔ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ میں دشمن سے خوف زدہ نہیں ہوں لیکن یہ ایک نہیں بے شمار ہیں۔ کس کس سے مقابلہ کروں گا؟ تم تک کیسے پہنچوں گا؟"

عروج اسے ڈھونڈتی ہوئی آ رہی تھی۔ پتا نہیں وہ کون سی جگہ تھی کہ اسے اپنا دلدار دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی "مجھے بتاؤ تم کہاں ہو؟ میں تمہارے پاس آ رہی ہوں۔ میں تم سے لپٹ کر تمہارے لیے ڈھال بن جاؤں گی۔"

پاشا اچانک روشنی میں آ گیا۔ کئی طرف سے ہیڈ لائٹس کی روشنیاں اس پر پڑ رہی تھیں۔ وہ چیخ کر کہہ رہا تھا "عروج......! اِدھر نہ آنا۔ یہاں موت ہی موت ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ٹھائیں سے گولی چلنے کی آواز آئی پھر تڑاتڑ کی آواز کے ساتھ کئی گولیاں چلیں۔ پاشا اِدھر سے اُدھر بھاگ رہا تھا مگر گولیاں کھا رہا تھا۔ اس کا لباس اپنے ہی لہو سے تر بتر ہو رہا تھا۔ وہ لڑکھڑا رہا تھا۔ سنبھل رہا تھا۔

عروج دوڑتی آ رہی تھی لیکن جھاڑیوں میں الجھ گئی تھی۔ دونوں بانہیں پھیلائے وہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی اور چیخ رہی تھی "نہیں......نہیں!......تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔"

وہ بار بار جھاڑیوں سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اور الجھ رہی تھی۔ پاشا اپنے لہو میں ڈوب چکا تھا۔ وہ چکراتا ہوا زمین پر گرتا ہوا بولا "آہ...... عروج......! عروج......! عروج......!"

ایک آخری گولی ٹھائیں کی آواز کے ساتھ چلی اور وہ اچھل کر زمین پر گر پڑا۔

عروج کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ تیزی سے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ اس وقت وہ عینی کے بیڈ روم میں تھی۔ بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی اور عینی اس کے زانو پر سر رکھے سو رہی تھی۔

اس کا ہاتھ دھڑکتے دل پر تھا اور دل کی ہر دھڑکن کہہ رہی تھی "یہ خواب تھا۔ یہ خواب تھا۔ یہ سچ نہیں ہو سکتا۔ پاشا دھڑکنوں میں جاگ رہا ہے تو پھر زندہ ہی ہے اور زندہ رہے گا۔ خواب جھوٹے ہوتے ہیں۔"

اس کے اندیشوں نے کہا "خواب سچے بھی تو ہوتے ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی "کیا میں نے پہلے کبھی ایسے خواب دیکھے ہیں؟ جو سچے ہوئے ہوں؟"

وہ سوچنے لگی۔ یاد کرنے لگی۔ یادداشت کے اوراق الٹنے لگی تو ایک صفحے پر اس نے دیکھا کہ چند ماہ پہلے اسے خواب میں ایک خوب رو قد آور جوان دکھائی دیا تھا۔ وہ آگ اور خون کے دریا سے گزرتا آ رہا تھا اور اس کی طرف دونوں بازو پھیلائے کہہ رہا تھا "میری جان میں تیرے لیے آگ اور خون کا دریا پار کرتا رہوں گا اور تیرے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کروں گا۔"

اس آنے والے کا چہرہ دھندلایا ہوا سا تھا لیکن اس کی آواز پاشا جیسی تھی پھر چند ماہ کے بعد ہی اس نے پاشا کو اسپتال میں دیکھا۔ وہ اس کے زخمی ڈیڈی کو اسپتال لایا تھا اور وہاں اس نے اپنا خون اسے دیا تھا۔

مختصر یہ کہ وہ خواب سچا ہوا تھا اور یہ بات بھی سچ ہوئی تھی کہ وہ آگ اور خون کے دریا سے گزرتا ہوا اس کے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔

یہ عروج کی خود غرضی تھی کہ اس نے اپنی محبت کو عینی کے حوالے کیا تھا۔ پاشا نے خواب میں لہو میں ڈوبتے ہوئے کہا تھا "ہائے عروج......! تم مجھے عینی کے حوالے نہ کرتیں تو مجھ پر آج یہ مصیبتیں نہ آتیں۔ ہم دونوں کا کوئی دشمن نہ ہوتا اور ہم کسی رکاوٹ کے بغیر ایک ہو جاتے۔"

عروج نے نظریں جھکا کر عینی کو دیکھا۔ وہ اس کے زانو

رکھے گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس نے دل میں کہا ...کیسے تمہیں عینی کے حوالے نہ کرتی۔ یہ تو میری جان ...۔ جب میں نے تمہیں اپنا دل دیا ہے تو جان کیسے نہ ...؟"

وہ بڑے پیار سے اس کے سر کو سہلانے لگی۔ وہ نیند میں ...کسمائی۔ عروج اسے تھپکنا چاہتی تھی۔ اس نے اچانک ہی ...کھول دی۔ بہت گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی پھر اٹھ کر بیٹھ ...ی۔ کچھ نیم بیداری کچھ نیم خوابی کی سی حالت تھی۔ پھر عروج ...دیکھتے ہی وہ اس سے لپٹ گئی۔ اس نے پوچھا "کیا ہوا ...ری جان......؟"

اس کا دل عروج کے دل پر دھڑک رہا تھا اور بے تحاشا دھڑک رہا تھا۔ جیسے دہشت زدہ ہو۔ اس نے تھپکتے ہوئے پوچھا "بولو تو سہی...... کیا بات ہے......؟"

وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی "میں نے خواب دیکھا ہے۔ بہت ہی دل توڑنے والا خواب دیکھا ہے۔"

اب تو خواب دیکھنا ہی رہ گیا تھا۔ خواب دل توڑنے والا ہو یا جوڑنے والا۔ خوش فہمی میں مبتلا کرنے والا ہو یا خوشی چھین لینے والا ہو۔ عروج سمجھ گئی کہ اس نے بھی اسی کی طرح دہشت زدہ کرنے والا کوئی خواب دیکھا ہے۔

عینی نے کہا "یہ اچھا ہے کہ تو جاگ رہی ہے۔ مجھے بھی جاگتے رہنا چاہیے۔ اس طرح کوئی برا خواب آنکھوں میں نہیں آئے گا۔ وہ خیریت سے ہوگا ناں......؟ بول تیرا دل کیا کہتا ہے؟"

"دل کا کیا ہے۔ یہ تو گیند کی طرح کبھی اِدھر کبھی اُدھر لڑھکتا ہے۔ کبھی دلاسے دیتا ہے کبھی حوصلے توڑ دیتا ہے۔ یہ تو بتا کہ تو نے دیکھا کیا ہے؟"

وہ لرزتی آواز میں بولی "میں نے جنازہ دیکھا ہے۔"

عروج کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی آواز بھی لرزنے لگی۔ اس نے پوچھا "کس کا جنازہ......؟"

"پہلے تو میں سمجھ نہ سکی۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے اس جنازے کو اٹھا کر لے گئے اور جدھر لے گئے۔ ادھر میرا دل کھنچا جا رہا تھا۔ جب میں نے خود کو دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میرے بدن پر سیاہ ماتمی لباس تھا۔ مجھے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ جو نہیں ہونا تھا وہ ہو رہا ہے۔"

عروج اسے تھپک کر بولی "دیکھ...... تو نے صرف جنازہ دیکھا ہے۔ کسی کا چہرہ تو نہیں دیکھا......؟"

وہ عروج سے الگ ہو گئی۔ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک تو ویسے ہی ہر چہرہ دھندلا سا نظر آتا تھا۔ اس وقت آنسوؤں نے سہیلی کو اور دھندلا دیا تھا۔ وہ بولی "ایسے کیوں دیکھ رہی ہے؟"

وہ بولی "میں نے دیکھا کہ رات کا وقت ہے اور میں قبرستان میں ہوں۔ مختلف قبروں کے درمیان سے گزر رہی ہوں پھر میں ایک قبر کے پاس آ کر رک گئی۔ میں نے دل پر ہاتھ رکھ کر قبر کے سرہانے دیکھا۔ وہاں کتبے پر لکھا ہوا تھا۔ سلامت پاشا عرف پاشا جانی۔"

یہ سنتے ہی عروج اس سے لپٹ گئی۔ دونوں ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ نہ جانے تعبیر کیا ہوگی......؟ مگر خواب رلا رہے تھے۔ خواب کبھی آگہی دیتے ہیں کہ ایسا ہو چکا ہے اور کبھی پیش گوئی کرتے ہیں کہ ایسا ہونے والا ہے۔ کبھی وسوسے پیدا کرتے ہیں اور کبھی اندیشوں میں مبتلا کرتے ہیں۔

ایک نے دوسری کو تھپک کر کہا "رو کیوں رہی ہے۔ چپ ہو جا؟"

"تو بھی تو رو رہی ہے۔ تو کیوں چپ نہیں ہوتی؟"

"کیا تو نہیں جانتی کہ تیرے ساتھ میں بھی روتی ہوں۔ تو چپ ہوگی تو میں بھی چپ ہو جاؤں گی۔"

"ہمیں خدا پر بھروسا کرنا چاہیے۔ وہی اسے زندہ و سلامت رکھے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ خواب سچا ہو۔"

وہ دونوں الگ ہو گئیں۔ ایک دوسرے کے آنسو پونچھنے لگیں پھر عینی نے کہا "میں چاہتی ہوں کہ یہ خواب سچا ہو۔"

عروج نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا "یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"میں نے آگے نہیں بتایا ہے کہ خواب میں اور کیا دیکھا ہے۔"

عروج نے اس کے دونوں بازو تھام کر پوچھا "کیا دیکھا ہے؟ جلدی بول...... سلامتی کا خواب ہے ناں......؟"

عینی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر بولی "میں نے ایک ہری بھری وادی میں اسے دیکھا۔ وہ بہت ہی ہینڈسم اور اسمارٹ نظر آ رہا تھا۔"

عروج نے خوش ہو کر پوچھا "کیا سچ......؟ کیا تو نے اسے زندہ و سلامت دیکھا ہے؟"

وہ پھر ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی "اسے دیکھتے ہی میں دوڑ کر اس کے پاس پہنچی پھر پوچھا تم کہاں بھٹک رہے ہو۔ میں دلہن بنی انتظار ہی کرتی رہی لیکن تم نہیں آئے۔ کیا تم مجھے بھول گئے ہو؟ کیا عروج کو بھی بھول گئے ہو؟"

اس نے حیرانی سے پہلے مجھے دیکھا پھر پوچھا "کون ہو

تم......؟"

اس کے اس سوال نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے حیرانی سے پھر پوچھا "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میرا تمہارا نکاح پڑھایا جانے والا تھا۔ کیا یہ بات بھول گئے ہو؟"

"پتا نہیں تم کون ہو......؟ اور یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا پھر تمہارے ساتھ میرا نکاح کیسا؟"

میرا دل ٹوٹ رہا تھا پھر بھی پوچھا "کیا تم مجھے بھول گئے ہو؟ کیا اپنی پہلی محبت کو بھی بھول گئے ہو؟ اس پہلی محبت کو یاد کرو۔ جس کا نام عروج ہے۔ تم اسے حاصل کرنا چاہتے تھے؟"

وہ بولا "سب ہی عروج حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کون سی نئی بات کہہ رہی ہو؟"

میں نے جھنجلا کر کہا "عروج اس لڑکی کا نام ہے جسے تم دل و جان سے چاہتے ہو۔ میں آگے نہ بول سکی۔ اسی وقت ایک حسین لڑکی وہاں آ گئی۔ وہ پاشا سے بولی "ہائے ہینڈسم!"

وہ بھی بولا "ہائے سویٹی!"

اس حسینہ نے ایک پھول اسے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ہیپی ویلنٹائن ڈے۔"

پاشا نے اس سے پھول لیا پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر میری طرف سے منہ پھیر کر چلا گیا۔ یہ ایسا دل توڑنے والا خواب تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں پھر عینی نے پوچھا "ایسے خواب کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے؟ یہ تو وہی بتا سکتے ہیں جو خوابوں کے اسرار جانتے ہوں۔ مجھے تو یہ سن کر اطمینان ہو رہا ہے کہ تو نے پاشا کو زندہ و سلامت دیکھا ہے۔"

"ہاں...... مگر یہ بھی تو دیکھا ہے کہ وہ ہرجائی ہو گیا ہے۔"

"میں نہیں مانتی۔ وہ مجبوری میں تو ہم سے دور ہو سکتا ہے لیکن ہرجائی نہیں ہو سکتا۔"

"پھر میں نے ایسا خواب کیوں دیکھا؟"

"وہ نکاح کے وقت نہیں آیا۔ تیرے لاشعور میں یہ بات چھپی ہوئی ہے کہ وہ بے وفا ہے۔ اس نے دھوکا دیا ہے۔ کیا تو ایسا نہیں سوچ رہی تھی؟"

"ہاں۔ کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ وہ لاکھ مجبور سہی لیکن کہیں سے بھی فون پر ہم سے دو بات تو کر سکتا تھا لیکن وہ بھی نہیں کر رہا ہے۔ کچھ تو دل میں شبہ پیدا ہو گا۔"

"تو نے اسی شبے میں مبتلا ہو کر یہ خواب دیکھا ہے۔"

"ہمیں صبر کرنا ہو گا۔ انتظار کرنا ہو گا۔ ذیشان بھائی بھی اپنے ماتحتوں کو حکم دیا ہے۔ وہ سب اسے تلاش کر رہے ہیں۔ صبح تک کوئی اچھی خبر ضرور ملے گی۔"

عینی نے آگے کو جھک کر اس کے شانے پر سر رکھ دیا۔

☆☆☆

فلک ناز دوسری صبح لاہور پہنچ گئی۔ وہاں اس کی سسرال تھی۔ ساس سسر نند بھاوج سب ہی تھیں اور وہیں اس کی آسرا بچپن سے پرورش پا رہی تھی۔

فلک ناز نے پندرہ برس پہلے اپنے شوہر کی وفات کے بعد سسرال والوں کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اپنے بیٹے عدنان اور آسرا بیٹی کو میکے لانا چاہتی تھی۔ ساس سسر نے اس سے کہا کہ وہ ان کی پوتی اور پوتے کو نہ لے جائے۔ یہ ان کے بیٹے کی نشانی ہیں۔ انہیں وہیں پرورش پانی چاہیے لیکن فلک ناز نے ان کی بات نہیں مانی۔ آسرا بچپن سے ہی اپنی دادی سے بہت مانوس تھی۔ وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ دادی نے کہا تھا "کم از کم میری پوتی کو میرے پاس رہنے دو۔"

ناز نے بھی سوچا تھا، ٹھیک ہے بیٹی کا بوجھ کیوں اٹھائے۔ بیٹا ہی جوان ہو کر کام آتا ہے۔ اسی لیے وہ بیٹے عدنان کو اپنے ساتھ لے کر آ گئی تھی۔

اس کی ساس سسر سے بنتی نہیں تھی۔ وہ کئی برس تک ان سے بھی ملنے نہیں گئی لیکن عدنان جب جوان ہوا تو اپنے دادا دادی سے ملنے وہاں اکثر جانے لگا۔ ناز نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ ماں کی بات نہیں مانتا تھا۔ کچھ ابنارمل سا تھا۔

پچھلے اتنے برسوں میں اس نے بیٹی کو کبھی نہیں پوچھا تھا اب وہ اسے اپنے ساتھ لینے آئی تھی۔ ساس نے کہا "جب یہ چھ برس کی تھی۔ جب تم اسے ہمارے پاس چھوڑ گئی تھیں۔ تب سے ہم نے اس کی پرورش کی۔ اب اسے ہم تمہارے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔"

وہ بولی "آسرا میری بیٹی ہے۔ میں اسے جب چاہوں لے جا سکتی ہوں۔ جہاں چاہوں لے جا سکتی ہوں۔"

آسرا نے کہا "ممی آپ یہ خیال دل سے نکال دیں کہ میں آپ کے کہنے سے کہیں چلی جاؤں گی۔ اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔ قانونی طور پر اپنی مرضی کی مالک ہوں۔"

"اے بیٹی......! تم میری مخالفت کیوں کر رہی ہو؟ میں تمہیں جہنم میں تو لے جا نہیں رہی ہوں۔"

"میں آپ کے ساتھ جنت میں بھی نہیں جاؤں گی۔ آپ نے پچھلے پندرہ برسوں میں پلٹ کر مجھے نہیں پوچھا اور اب دوڑی چلی آئی ہیں۔ آخر مطلب کیا ہے؟"

"بیٹی......! میرا کیا مطلب ہو گا؟ میں تو اپنی اولاد کی بھلائی سوچتی ہوں۔ ادھر عدنان کی بہتری سوچ رہی تھی کہ کسی طرح عینی سے اس کی شادی ہو جائے اور اب انکشاف ہوا ہے کہ میرے مرحوم بھائی نے ایک اور شادی کی ہوئی تھی۔ اس سے ایک بیٹا ہوا تھا۔ اب وہ جوان ہو گیا ہے اور کروڑوں کا کاروبار سنبھال رہا ہے اور کروڑوں کی جائیداد کا مالک ہے۔ اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ تم سے متاثر ہو جائے اور تمہیں پسند کر لے۔ میں نے یہاں کا فون نمبر بھی دیا تھا۔ تاکہ وہ تم سے بات کرے اور ملاقات کر لے۔"

آسرا نے کہا "ہاں۔ کسی مقدر حیات کا فون آیا تھا کہہ رہا تھا کہ وہ اسلام آباد میں ہے۔ شام تک یہاں آئے گا تو مجھ سے ملے گا۔ آپ سے پہلے وہ فون پر بتا چکا ہے کہ وہ کون ہے اور ہمارے خاندان میں اس کی کتنی اہمیت ہے۔"

ناز نے خوش ہو کر کہا "یہ تو بڑی اچھی بات ہے بیٹی کہ اس نے تمہیں فون کیا تھا۔ کیا تم نے اسے اپنے گھر بلایا ہے؟"

"ہاں۔ اس لیے بلایا ہے کہ آج میری سالگرہ کی تقریب ہے اور ہمارے تمام رشتے دار بھی آ رہے ہیں۔ اس لیے میں نے اسے بھی بلا لیا۔"

ناز بولی "چلو۔ میرے سر سے تو بوجھ اتر گیا۔ میں چاہتی تھی کہ وہ نمرہ سے پہلے تم سے ملاقات کرے اور پہلے تم سے متاثر ہو جائے۔"

"ممی! آپ اپنی کہے جاتی ہیں۔ دوسروں کی بھی سنا کریں۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ میں اسے پسند کروں اور اس سے شادی کروں۔"

"کیوں شادی نہیں کرو گی؟ اس میں کوئی خرابی تو نہیں ہے۔ مالدار ہے۔ تمہارا مقدر چمکا دے گا۔"

آسرا نے کہا "ممی! میرا نام آسرا ہے اور میں مقدر کا آسرا نہیں تکتی، تدبیر سے اپنی تقدیر چمکانا جانتی ہوں۔"

"میں تدبیر ہی تو بتا رہی ہوں۔"

فلک ناز کی ساس یعنی آسرا کی دادی نے کہا "بیٹی! ابھی اپنی ماں کے فیصلے سے انکار نہ کرو۔ پہلے مقدر حیات کو دیکھ لو۔ اس سے ملاقات کر لو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں اچھا لگے اور تم اسے پسند کر لو۔"

پھر ساس نے بہو سے کہا "ہم تو خود چاہتے ہیں کہ ہماری طرح تاجر برادری کا کوئی لڑکا آسرا کو پسند کر لے بہو۔ تم کبھی ہماری بن کر نہیں رہیں۔ آسرا کا رشتہ اس دولت مند لڑکے سے ہو جائے گا اور میری پوتی شاد و آباد رہے گی تو میں تمہاری پچھلی غلطیوں کو معاف کر دوں گی اب تم یہاں رہو۔ شام کو وہ لڑکا یہاں آئے تو اس سے ہمارا تعارف کروا دینا۔"

"میں کیا تعارف کرواؤں گی۔ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ پھر یہ ہے کہ میں شام تک نہیں رہ سکتی۔ میرا کراچی واپس جانا ضروری ہے۔ وہاں عینی کی شادی ہونے والی تھی۔ جو رک گئی ہے اور اللہ کرے کہ اب وہ شادی نہ ہو۔ اس طرح میرے بیٹے کے لیے بھی موقع نکل آئے گا۔ اگر میں وہاں نہیں گئی تو بھابی جان اپنے بیٹے بابر کے لیے راستہ ہموار کرنے لگیں گی۔"

ساس نے کہا "عینی اپنے خاندان میں کبھی شادی نہیں کرے گی۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہی ہوں۔ تم خوامخواہ عدنان کو اس سے منسوب کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہاں آج شام مقدر حیات آنے والا ہے۔ بیٹی کی قسمت سنورنے والی ہے۔ تمہیں یہاں رہنے پر غور کرنا چاہیے لیکن بیٹے کی اتنی اہمیت ہے کہ بیٹی کو نظر انداز کر کے پھر واپس جا رہی ہو۔"

ناز بولی "آپ پھر ساس ہونے کا ثبوت دے رہی ہیں۔ بیٹی کو میرے خلاف بھڑکا رہی ہیں۔ میرے جانے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں اپنی بیٹی کو نظر انداز کر رہی ہوں؟ یہ آج مقدر حیات سے ملے گی پھر ایک ہفتے کے بعد میرے پاس آ جائے گی۔ کیونکہ مقدر وہاں پہنچنے والا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس سے پہلے آسرا وہاں پہنچ جائے۔ وہاں نمرہ اور خاندان کی پتا نہیں کتنی لڑکیاں ہوں گی۔ میری آسرا کو بھی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔"

فلک ناز وہاں چار گھنٹے رکی پھر لنچ کے بعد کراچی کے لیے روانہ ہو گئی۔ میں تو نمرہ کا دیوانہ تھا۔ اس کے سامنے کوئی لڑکی نگاہوں میں نہیں جچتی تھی۔ کتنی ہی حسینائیں اب تک میرے قریب آ چکی تھیں اور مایوس ہو کر واپس جا چکی تھیں۔ میں آسرا میں دلچسپی لینا نہیں چاہتا تھا لیکن سب کو خوش کرنا مقدر کا کام ہے۔

میری اپنی کوشش ہوتی ہے کہ کسی کو میری ذات سے دکھ نہ ہو۔ ان کے اعمال ہی انہیں بدنصیبی کی طرف لے جاتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ میں تو کیا دنیا کا کوئی بھی شخص ہر ایک کو خوش نہیں رکھ سکتا۔ میں بھی ہر ایک کو خوش رکھنے کے سلسلے میں ناکام

ہو جاتا ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آسرا کو کس حد تک خوش رکھ سکوں گا۔ ویسے میرا پیار میری دیوانگی صرف نمرہ کے لیے ہے اور اسی کے لیے رہے گی۔

شام کو آسرا کی سالگرہ تھی۔ میں اس تقریب میں پہنچ گیا۔ یہ جانتا تھا کہ آسرا سے سامنا ہوگا۔ اسے بہلانے کے لیے میں نے ایک تدبیر کی۔ اپنے ایک شناسا سے کہا کہ وہ آج چند گھنٹوں کے لیے مقدر حیات بن جائے۔ میرا وہ دوست ماہر بیگ بڑا زندہ دل تھا۔ وہ بولا ''میں سمجھ گیا۔ تم اتنے امیر کبیر ہو کہ تم کسی بھی تقریب میں جاتے ہو تو لڑکیاں تمہارے آگے پیچھے ہو جاتی ہیں۔ یہی بات ہے ناں......؟''

میں نے کہا ''ہاں۔ یہی بات ہے تم مقدر حیات ہو۔ آج سے بارہ دنوں کے بعد تم کراچی جانے والے ہو اور وہاں اپنی سوتیلی بہن عینی سے ملو گے۔ اس بہن کو تم بہت چاہتے ہو۔ وہاں تمہارے ایک چچا ہیں۔ ایک چچی ہیں۔ ایک پھوپی جان ہیں اور پھوپی زاد بھائی عدنان بھی ہے۔ چچا کے بیٹوں کے نام ذیشان اور بابر ہیں۔ ان کی ایک چھوٹی بہن نمرہ ہے اور پھوپی جان کی بیٹی آسرا سے ابھی تقریب میں سامنا ہوگا۔''

تقریب کا اہتمام کوٹھی کے بڑے سے لان میں کیا گیا تھا۔ جب ہم احاطے میں داخل ہوئے تو استقبال کرنے والوں میں آسرا کے دادا دادی بھی تھے۔ ہم نے انہیں سلام کیا۔ دادا نے مصافحہ کر کے کہا ''آپ کی تعریف؟''

میرے دوست ماہر بیگ نے کہا ''جی میرا نام مقدر حیات ہے۔ میری آسرا سے فون پر گفتگو ہو چکی ہے۔''

یہ سنتے ہی دادا نے اسے گلے لگا لیا۔ دادی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیں پھر کہا ''آؤ۔ تمہیں آسرا سے ملاتی ہوں۔''

دادا نے مجھ سے صرف مصافحہ کیا تھا۔ میں دادی اور ماہر بیگ کے پیچھے چلتا ہوا آسرا کے پاس پہنچا۔ وہ سہیلیوں اور دوستوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ وہ سب باتیں کر رہے تھے اور بات بات پر ہنس رہے تھے۔ آسرا ان کے مقابلے میں کچھ سنجیدہ تھی۔ اس لیے کہ اس کے مزاج میں ہمیشہ سے سنجیدگی رہی تھی۔

دادی نے مسکرا کر کہا ''آسرا......! یہ دیکھو کون آیا ہے......؟''

سب چپ ہو کر مجھے اور ماہر بیگ کو دیکھنے لگے۔ مقدر میں زیادہ کشش ہوتی ہے۔ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے یہ تجسس قائم رہتا ہے کہ آئندہ ان کا مقدر کیا کھیل کھیلنے والا ہے۔ کچھ ایسی ہی کشش میری شخصیت میں تھی۔ اس لیے وہ سب مجھے دیکھ رہے تھے۔ خصوصاً لڑکیاں تو میری طرف چلی آتی ہیں۔ میں اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بن رہا ہوں ایک حقیقت ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے مقدر کا حال معلوم میری طرف کھنچا چلا آتا ہے۔

آسرا ماہر بیگ کو دیکھ کر مایوس ہو گئی۔ فلک ناز اور دادی نے اسے سمجھایا تھا کہ مرد کی خوب صورتی کو نہیں کے قد کاٹھ اور ہنر مندی کو دیکھا جاتا ہے اور پسند ہے۔

آسرا نے اوپری دل سے مسکرا کر کہا ''آیئے مسٹر حیات......! میں آپ کو اپنے ساتھیوں سے ملاتی ہوں۔

وہ اپنے بوائے فرینڈز اور سہیلیوں سے اس کا کروانے لگی۔ سب نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا ''یہ کون ہیں؟''

ماہر بیگ بولا ''یہ میرے دوست ہیں۔ ان کا بیگ ہے اور یہ بہت پہنچے ہوئے نجومی ہیں۔''

یہ سنتے ہی وہ سب مجھے بڑے اشتیاق سے دیکھنے ایک لڑکی نے میرے قریب آ کر اپنا ہاتھ بڑھا ''مسٹر......! کیا میری قسمت کا حال بتا سکتے ہو؟''

میں بولا ''لڑکیوں کا بایاں ہاتھ دیکھا جاتا ہے۔''

وہ ذرا جھجک کر بولی ''میرا بایاں ہاتھ گندا ہے۔''

''دنیا کے ہر انسان کا ہاتھ باتھ روم میں جا کر ہے۔ کیا تم صابن استعمال نہیں کرتیں؟''

اس بات پر سب ہی ہنسنے لگے۔ وہ جھینپ کر بولی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آئس کریم کھا رہی تھی۔ مٹھاس اور چپچپاہٹ انگلیوں میں رہ گئی ہے۔ ابھی ہاتھ آتی ہوں۔''

وہ وہاں سے فوراً ہی چلی گئی۔ ایک اور نوجوان بڑھا کر کہا ''پلیز۔ میرے بارے میں کچھ بتاؤ؟''

میں نے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ لکیروں کو غور ضروری نہیں تھا۔ میں تو ہر ایک کی زندگی کا ہم سفر ہو جوان کی بھی رگ رگ سے واقف تھا۔ میں بولا ''تم ایک بہت بڑی مصیبت سے نکل آئے ہو۔ مرتے مر ہو۔''

وہ بولا ''یہ بالکل درست ہے۔''

میں نے کہا ''ایک ہفتے پہلے تمہیں پرائز بونڈ کے ہزاروں روپے حاصل ہوئے ہیں۔''

وہ بولا ''کیا بات ہے...... واہ......تم تو واقعی تجربہ کار نجومی ہو۔''

آسرا بولی ''میں نہیں مانتی کہ ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ کر کی سچی بات بتا سکتا ہے۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ عرصہ تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور تم بہت ہی بری حالت میں ڈاکٹروں نے بڑی مشکلوں سے بچایا تھا۔ یہ بات دور تک پھیلی ہوئی تھی پھر پرائز بونڈ سے تمہیں پچاس ہزار ملے تم نے ہم سب کو دعوت دی تھی اور ہم سب نے جشن منایا یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ان حضرت کو بھی ی ذریعے سے معلوم ہو گیا ہوگا۔''

ایک اور لڑکی نے اپنا بایاں ہاتھ پیش کرتے ہوئے کہا تم مجھے ایسی بات بتاؤ جو کوئی نہ جانتا ہو۔ صرف میں جانتی وں۔''

میں نے اس کی لکیروں کو دیکھا پھر تھوڑی دیر تک ایسے سوچا جیسے میں ان لکیروں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ایک نوجوان نے طنزیہ انداز میں کہا ''کیوں مسٹر نجومی! عظمیٰ نے تمہیں یہ کہہ کر الجھا دیا ہے کہ اس کی کوئی ذاتی راز کی بات بتائیں اور آپ بتا نہیں پا رہے ہیں؟''

ماہر بیگ نے کہا ''میرا دوست مانا ہوا نجومی ہے۔ یہ ہمیشہ سچی بات بتاتا ہے۔''

میں نے عظمیٰ کا ہاتھ چھوڑ کر کہا ''تمہارے ذاتی اور اہم راز کی بات میں بتا سکتا ہوں۔ کیا تم سب کے سامنے سننا چاہو گی؟''

وہ ذرا چونک گئی۔ مجھے سوچتی نظروں سے دیکھنے لگی۔ لڑکیاں لڑکے کہنے لگے کہ ''ہاں...... ہاں بتاؤ ہم بھی تو سنیں۔ تم کتنے پہنچے ہوئے نجومی ہو۔''

میں نے کہا ''سہیلیاں آپس میں ایک دوسرے کو اپنے دل کی بات بتاتی ہیں لیکن اکثر اپنے گھر کے راز نہیں بتاتیں۔ بہت گہری سہیلیاں بتا بھی دیتی ہیں لیکن ایسا راز کبھی ظاہر نہیں کرتیں جس کے ظاہر ہونے پر سر شرم سے جھک جاتا ہے۔''

عظمیٰ جھینپ کر اپنی سہیلیوں اور دوستوں کو دیکھ رہی تھی پھر ناگواری سے بولی ''مسٹر...... تم بکواس کر رہے ہو۔ ایسی کوئی راز کی بات نہیں ہے جس کے ظاہر ہونے سے میرا سر شرم سے جھک جائے۔ تم خوامخواہ کی بات مجھ سے کہو گے۔ میرے کردار اور میرے گھر والوں پر کیچڑ اچھالو گے تو کیا میں اسے تسلیم کر لوں گی؟''

''یہی وجہ ہے میں ہر ایک کو اس کے بارے میں سچ اس لیے نہیں بتاتا کہ وہ کبھی اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اپنے راز کو راز ہی رکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا یہ بات رہنے دو۔ مجھ سے آگے کچھ نہ سنو،''

''میں جھوٹی اور بے تکی بات سننا بھی نہیں چاہتی۔''

وہ پلٹ کر آسرا کے پاس چلی گئی۔ ایک جوان نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر کہا ''مسٹر ماہر بیگ ماہر! میرا ہاتھ دیکھ کر میری زندگی کا کوئی راز بتاؤ۔ سب کے سامنے ہی بتاؤ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔''

میں نے اس کے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھا پھر کہا ''میں ضرور بتاؤں گا لیکن تم سچ سے انکار کرو گے۔ اس سے پہلے میں یہ کہہ دوں کہ اگر تم نے انکار کیا تو میں ثبوت بھی پیش کروں گا اور جب یہ ثابت ہوگا کہ میں سچ بول رہا ہوں اور تم جھوٹ بول کر مجھے جھوٹا اور بے ایمان کہہ رہے ہو تو اس کی سزا کیا ہوگی؟''

''تم جو سزا دو گے، میں سب کے سامنے وہ سزا قبول کروں گا۔''

میں نے معلوم کیا تھا کہ عظمیٰ اس نوجوان کی دشمن ہے اور اس سے سخت نفرت کرتی ہے۔ میں نے کہا ''اگر میں سچا اور تم جھوٹے ثابت ہوئے تو عظمیٰ تمہارے منہ پر ایک طمانچہ رسید کرے گی۔''

اس نے گھور کر عظمیٰ کو دیکھا۔ وہ مسکرانے لگی۔ ایک نے کہا ''عظمیٰ اور حمید پہلے ہی ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں تم انہیں اور لڑوانا چاہتے ہو۔ یہ طمانچہ مارنے ہی آئے گی تو حمید اس کا ہاتھ توڑ دے گا۔''

میں نے کہا ''جب حمید مجھے جھوٹا اور فریبی ثابت کر دے گا تو پھر طمانچہ کھانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔''

حمید بولا ''مجھے تو یہ سننا بھی گوارہ نہیں ہے کہ یہ لڑکی مجھ پر ہاتھ اٹھائے۔ اور نہ اٹھا سکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ عظمیٰ نہ سہی۔ میں اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے بعد تمہیں طمانچہ ماروں گا۔''

وہ اچھا خاصا باڈی بلڈر تھا۔ ہنستے ہوئے بولا ''مجھے منظور ہے۔ بشرطیکہ تم مجھے طمانچہ مار سکو۔''

''ٹھیک ہے۔ تم مجھے روک سکو تو روک لینا۔''

دو بزرگ حضرات ہماری باتیں سن رہے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر کہا ''کیا ہو رہا ہے؟ تم اس خوشی کی تقریب میں لڑنے کی بات کیوں کر رہے ہو؟ کیا یہاں کا ماحول خراب کرنا چاہتے ہو؟''

حمید نے اس بزرگ سے کہا ''ڈیڈی......! یہ بہت بڑا نجومی بنتا ہے۔ ماضی حال اور مستقبل کی سچی باتیں بتانے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اس کی بات سے انکار کرو تو کہتا ہے کہ ہم سچ سے انکار کر رہے ہیں۔''

حمید کے باپ نے مجھے غور سے دیکھا پھر کہا ''نوجوان......! میرے ساتھ آؤ۔''

میں اس کے ساتھ چلتا ہوا۔ ایک میز اور کرسیوں کے پاس آیا پھر اس نے مجھ سے پوچھا ''کیا تم میرا ماضی حال اور مستقبل بتا سکتے ہو؟''

''بے شک......اپنا ہاتھ لائیں۔''

میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھنے کے بعد مجھے اپنا ہاتھ پیش کر کے بولا ''اگر تم سچی باتیں بتاؤ گے تو میں ہاتھ دیکھنے کا اچھا خاصا معاوضہ دوں گا۔''

میں تھوڑی دیر تک اس کے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتا رہا پھر بولا ''آپ دوہری زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک طرف بیوی اور بچے ہیں۔ یہ حمید آپ کا بڑا بیٹا ہے اور آپ کا یہ راز جانتا ہے کہ کہیں آپ نے ایک داشتہ رکھی ہوئی ہے۔ بیٹے کا منہ بند کرنے کے لیے آپ اسے دس ہزار روپے ماہانہ دیتے ہیں۔ وہ اپنی ماں سے یہ راز چھپاتا ہے۔''

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا پھر ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا ''تم درست کہہ رہے ہو لیکن خبردار! یہ بات یہاں کسی سے نہیں کہنا۔''

''میں کبھی کسی ایک کا راز دوسرے سے نہیں کہتا۔''

''شکریہ۔ میں بلقیس بانو سے بہت محبت کرتا ہوں اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ میری وفادار ہے یا نہیں۔ کیا میں اس سے کبھی شادی کر سکوں گا؟''

''آپ کے ہاتھ میں دوسری شادی کی لکیر نہیں ہے اور وہ بلقیس بانو آپ کو بہت بڑا نقصان پہنچانے والی ہے۔''

اس نے چونک کر پوچھا ''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''پہلے میں پچھلی ایک بات بتادوں کہ آپ نے اسے تیس لاکھ کی ایک کار دلوائی تھی۔ دو ماہ میں وہ کار چوری ہوگئی۔''

اس نے کہا ''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''وہ کار چوری نہیں ہوئی تھی۔ اس نے چوریاں کرنے والے ایک گروپ کے سرغنہ کو وہ گاڑی پندرہ لاکھ میں بیچ دی تھی۔ اب وہ گاڑی سرحدی علاقے میں ہے۔ اسی لیے پولیس والے اسے بازیاب نہیں کروا سکے۔''

''میں کیسے یقین کروں کہ تم یہ بات سچ کہہ رہے ہو؟''

''جس دن وہ کار چوری ہوئی تھی۔ اس کے دوسرے دن کا بلقیس بانو کا بینک اکاؤنٹ چیک کرو۔ وہاں پندرہ لاکھ روپے جمع کیے گئے تھے۔''

اس نے اسی وقت موبائل فون کے ذریعے بینک منیجر سے رابطہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا ''یہ بینک منیجر میرا [illegible] آدمی ہے۔ یہ مجھ سے کوئی بات نہیں چھپائے گا۔''

اس نے رابطہ ہونے پر کہا ''ہیلو۔ ثناء اللہ! میں وحید [illegible] بول رہا ہوں۔''

اس نے کہا ''وحید اکبر صاحب آپ نے اس وقت [illegible] یاد کیا؟''

''مجھے ایک اہم معلومات چاہیے۔ اس وقت بینک [illegible] ہے۔ اگر آپ کو ایک ہفتے پہلے کی بات یاد ہو تو مجھے بتا [illegible] جمعرات اٹھارہ تاریخ کو بلقیس بانو نے اپنے اکاؤنٹ میں [illegible] جمع کروائی تھی؟''

وہ بولا ''آپ نے مجھے اپنا راز دار بنایا ہے۔ میں آ[illegible] کے اور بلقیس بانو کے تعلقات کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ [illegible] جانتا ہوں کہ آپ اسے ماہانہ پچاس ہزار روپے دیا کر[illegible] ہیں۔ اس بار تو آپ اس پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہوگئے۔ [illegible] نے اٹھارہ تاریخ کو اپنے اکاؤنٹ میں پندرہ لاکھ روپے [illegible] کروائے ہیں۔''

اس نے حیرانی سے یہ بات سنی پھر کہا ''شکریہ ثنا[illegible] بلقیس بانو کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ میں اس کے بارے انکوائری کررہا تھا۔''

''نہیں جناب......! میں آپ کا تابعدار ہوں۔ ا[illegible] کبھی معلوم نہیں ہوگا۔''

وحید اکبر نے شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا پھر مجھے [illegible] کر کہا ''تعجب ہے تم نجومی ہو یا جاسوس......؟ ہاتھ کی لکیر[illegible] کر بہت کچھ بتایا جاتا ہے لیکن یہ کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ کس[illegible] دھوکے سے رقم حاصل کی ہے تو وہ کتنی ہے؟ اور اسے بینک [illegible] جمع کروایا گیا ہے یا نہیں؟ ایسی تفصیلی باتیں ہاتھ کی لکیر[illegible] سے معلوم نہیں ہوتیں۔ میں نجومی تو نہیں ہوں لیکن علم نجوم [illegible] متعلق کتابیں ضرور پڑھی ہیں۔''

''آپ نے کتابیں پڑھی ہیں اور میں پندرہ برس [illegible] سے لوگوں کے ہاتھ دیکھتا آیا ہوں اور بے شمار ہاتھوں [illegible] لکیریں پڑھ چکا ہوں۔ یہ علم سمندر کی طرح گہرا ہے۔ [illegible] میں ڈوب کر سیپیاں لانے اور ان میں سے موتی نکالنے وا[illegible] ہی جانتے ہیں کہ ہاتھ کی لکیریں سمندر کی لہروں کی طرح ہوتی ہیں۔ اوپر ہی اوپر دکھائی دیتی ہیں لیکن ان لہروں [illegible] ڈوب کر بہت کچھ سیکھنا پڑتا ہے۔ آپ یہ بتائیں، جو میں [illegible] ابھی تک کہا وہ سچ ہے یا نہیں؟''

''سچ ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ اس نے [illegible] کار فروخت کرنے کے بعد پندرہ لاکھ حاصل کیے ہیں یا [illegible] کہیں اور سے وہ رقم ملی ہے؟''

''آپ اس کے عشق میں دیوانے ہیں۔ اس لیے یہ نہیں سوچ رہے ہیں کہ بلقیس بانو کی آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ وہ اتنی بڑی رقم کہیں اور سے حاصل نہیں کرے گی۔ اگر کرے گی تو کسی غلط راستے سے ہی حاصل کرے گی۔''

''پھر بھی میں اپنے طور پر معلوم کروں گا کہ اس نے وہ پندرہ لاکھ روپے کہاں سے حاصل کیے ہیں۔''

''بے شک...... معلوم کریں۔ آج رات کو ہی آپ بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے......؟''

''اب میں کہوں گا تو آپ پھر کہیں گے کہ میں نجومی نہیں جاسوس ہوں۔''

''نہیں کہوں گا۔ بتاؤ میں کیسے معلوم کر سکتا ہوں؟ میں بلقیس کی اصلیت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کسی دھوکے میں رہنا نہیں چاہتا۔''

''آپ یہاں آنے سے پہلے ایک فائل اپنے بیڈ روم میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ اس میں ضروری کاغذات ہیں۔ جس پر سائن کرنے ہیں۔ آپ انہیں پڑھنے کے بعد سائن کرنا چاہتے ہیں۔ بلقیس بانو آپ کی یہ کمزوری سمجھتی ہے کہ آپ جب پی لیتے ہیں تو کاغذ پوری طرح سے پڑھتے نہیں ہیں اور سائن کر دیتے ہیں۔ اس لیے اس نے فائل کے اندر کاغذات کے درمیان ایک اور کاغذ چھپا دیا ہے۔''

''اس کاغذ پر کیا لکھا ہوا ہے؟''

''بلقیس بانو آپ کے پارٹنر کی معشوقہ ہے۔ وہ اس کے لیے کام کر رہی ہے۔ آپ کو دھوکا دے رہی ہے۔ اس کاغذ پر لکھا ہوا ہے کہ آئندہ آپ کا پارٹنر اسی فیصد کا شیئر ہولڈر ہوگا اور آپ صرف بیس فیصد کے حصے دار رہ جائیں گے۔''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا ''میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں کہ اس فائل میں وہ کاغذ ہے یا نہیں؟''

''وہ کاغذ ضرور ہے لیکن آپ کو یقین نہیں ہوگا کہ اسے بلقیس نے ہی اس فائل میں رکھا ہے۔ لہٰذا آپ انتظار کریں۔ یہاں سے جانے کے بعد اپنی عادت کے مطابق تھوڑی سے پئیں پھر ان کاغذات پر دستخط کریں۔ بلقیس اس وقت آپ کے سامنے ہوگی اور دیکھتی رہے گی کہ آپ اس کے مطلوبہ کاغذ پر دستخط کر رہے ہیں یا نہیں۔''

وہ بولا ''میں ابھی جا رہا ہوں اور اگر تمہاری یہ پیش گوئی درست ہوگی تو میں تمہارا منہ موتی سے بھر دوں گا۔''

میں نے کہا ''میں موتیاں نہیں چباتا۔ آپ جائیں اور اپنا بھلا کریں۔''

وہ وہاں سے جانے لگا۔ اس کے بیٹے حمید نے آگے جا کر اس کا راستہ روک کر پوچھا ''ڈیڈی......! کیا بات ہے؟ کیا اس نے کچھ سچ بیانی کی ہے؟''

''ہاں بیٹے! وہ جانتا ہے کہ میں بلقیس بانو کے ساتھ وقت گزارتا ہوں اور اس کے ساتھ چھپ کر شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری زبان بند رکھنے کے لیے میں ماہانہ دس ہزار دیتا ہوں۔''

''تعجب ہے......! وہ ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر ایسی باتیں معلوم کیسے کر لیتا ہے؟''

''اس نے بہت کچھ معلوم کیا ہے اور میں اس کی تصدیق کے لیے ابھی جا رہا ہوں۔ تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔''

حمید میرے پاس آ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا کر بولا ''سوری مسٹر! میں خوا مخواہ تم سے جھگڑا کرنے والا تھا۔ تم تو واقعی ماہر نجومی ہو اپنے نام کی طرح۔''

وہ میری کمر میں ہاتھ ڈال کر دوستانہ انداز میں چلتا ہوا پھر لڑکے لڑکیوں کے درمیان لے گیا۔ آسرا ماہر بیگ کو مقدر حیات سمجھ کر اس سے باتیں کر رہی تھی۔ حمید بولا ''بھئی۔ میں تم سب کے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے مسٹر ماہر بیگ ماہر کے آگے ہار مان لی ہے۔ یہ واقعی بہت سچے اور پکے نجومی ہیں۔ جو کہتے ہیں وہ سچ ہوتا ہے۔ میرے ڈیڈی ان سے متاثر ہو کر ایک ضروری کام سے گئے ہیں۔''

پھر تو کتنے ہی لڑکے لڑکیوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ سب ہی اپنے مستقبل کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ ادھر ماہر بیگ نے آسرا سے کہا ''تم بھی اپنا ہاتھ دکھاؤ۔ میرا دوست تمہارے مقدر کے بارے میں بھی بہت کچھ بتائے گا۔''

''اونہہ۔ میرا نام آسرا ہے۔ میں ہاتھ کی لکیروں کا آسرا نہیں کرتی۔ اپنی تقدیر خود بناتی ہوں۔ میرے ساتھ آئیں میں آپ کو اپنے رشتے داروں سے ملواؤں۔''

وہ ماہر بیگ کو اپنے ساتھ کوٹھی کے اندر لے گئی۔ میں اس کی سہیلیوں اور دوستوں کے درمیان گھر گیا تھا اور ایک ایک کا ہاتھ دیکھ کر مختصر سی باتیں بتاتا جا رہا تھا اور انہیں مطمئن کرتا جا رہا تھا۔ جب کیک کاٹنے کا وقت آیا تو مجھے ان سے نجات ملی۔ آسرا کیک کاٹنے آئی۔ کیک کے اطراف بیس موم بتیاں روشن تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بیس برس کی ہو چکی ہے۔ جبکہ وہ چوبیس برس کی تھی۔

کیک کاٹنے کے بعد سب نے اسے مبارک باد دی۔

رات کے کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کھانے پینے میں اچھا خاصا وقت گزر گیا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد وحید اکبر نے آسرا کے فون پر اسے مخاطب کیا پھر کہا ''بٹی! تمہارے ہاں جو نجومی آیا ہے۔ میں تو اس کا نام پوچھنا بھی بھول گیا۔ بھئی وہ تو غضب کا نجومی ہے۔ اس سے ذرا فون پر بات کراؤ۔ اس نے تو میرے ڈوبتے کاروبار کو بچالیا ہے۔''

آسرا بولی ''میں ابھی بات کراتی ہوں۔''

وہ موبائل فون ہاتھ میں لیے مہمانوں کے ہجوم میں مجھے تلاش کرنے لگی۔ وحید اکبر نے یہاں سے جاتے ہوئے کار کے ڈیش بورڈ سے شراب کی چھوٹی سی بوتل نکالی تھی پھر اس کا ایک گھونٹ بھرا تھا۔ تاکہ منہ سے شراب کی بو آتی رہے پھر اس نے شراب کو چلو میں لے کر کپڑوں پر ادھر ادھر چھڑک لیا تھا۔

جب وہ اپنی پرائیویٹ کوٹھی کے اندر پہنچا تو اس کے منہ اور کپڑوں سے شراب کی بو آرہی تھی۔ بلقیس بانو نے اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہا ''معلوم ہوتا ہے آج کچھ زیادہ ہی پی لی ہے؟ چلو......! بیڈروم میں آرام کرلو۔''

وہ اس کے ساتھ بیڈروم میں آیا پھر بستر پر چاروں شانے چت گر پڑا۔ بلقیس نے وہ فائل اٹھا کر اسے دکھاتے ہوئے کہا ''تم بھول رہے ہو۔ یہ بہت ضروری فائل ہے۔ تمہیں ان کاغذات پر سائن کرنا ہے۔''

وہ اٹھتے ہوئے نشے میں جھومتے ہوئے بولا ''فائل کو ابھی رکھ دو۔ میں کاغذات پڑھنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میرے پاس آؤ۔ مجھے خوش کرو۔''

وہ فائل لے کر اس کے قریب بیٹھ کر بولی ''آج تو میں تمہیں ایسا خوش کروں گی کہ آئندہ مجھے کبھی بھلا نہ پاؤ گے لیکن پہلے یہ ضروری کام کرو۔ فائل کھولو اور ان کاغذات پر دستخط کرتے چلے جاؤ۔ موڈ نہیں ہے تو نہ پڑھو۔ صبح اٹھ کر پڑھ لینا۔'' وہ فائل لے کر اس کے پہلے کاغذ کو پڑھنے لگا۔ سرسری انداز میں پڑھنے کے بعد دوسرے کاغذ کو پڑھنے لگا۔ وہ بولی ''ابھی تو تم پڑھنے کے موڈ میں نہیں تھے؟ خوامخواہ وقت ضائع کیوں کررہے ہو؟ میں تمہارے بازوؤں میں آنے کے لیے بے چین ہورہی ہوں۔ جلدی سے دستخط کردو۔''

وہ تیسرا کاغذ پڑھتے ہوئے بولا ''ایسی بھی کیا بے چینی ہے پوری رات پڑی ہے؟''

اس نے چوتھے کاغذ پر نظر ڈالی۔ اسے سرسری انداز میں پڑھ کر چونک گیا۔ وہ بزنس کے کاغذات تھے اور اس میں اس کے پارٹنر کا اسّی فیصد حصہ لکھا ہوا تھا اور یہ بھی درج تھا کہ اس کے پارٹنر رانا وہاب نے اسے ایک معقول رقم دی ہے۔ جس کے عوض وہ رانا وہاب کو اپنے کاروبار میں اسّی فیصد کا حصے دار بنا رہا ہے۔ آئندہ وہ صرف بیس فیصد کا حصے دار رہے گا۔

وحید اکبر نے بلقیس بانو کو گھور کر دیکھا۔ وہ ذرا سہم کر پیچھے ہٹ گئی پھر انجان بن کر بولی ''کیا بات ہے؟''

اس نے وہ کاغذ اسے دکھا کر کہا ''یہ کاغذ اس فائل میں کہاں سے آیا؟''

''میں کیا جانوں......؟ یہ آپ کے کاروباری معاملات ہیں۔ یہ فائل آپ دفتر سے خود ہی لائے تھے۔ مجھے کیا پتا یہ کاغذ اس فائل میں کیسے آگیا ہے؟ آخر یہ کاغذ ہے کیسا......؟''

وحید نے ایک زوردار طمانچہ اس کے گال پر رسید کرتے ہوئے کہا ''جس دن تمہاری کار چوری ہوئی۔ اس کے دوسرے دن تم نے اپنے بینک اکاؤنٹ میں پندرہ لاکھ روپے جمع کروائے۔ اتنی بڑی رقم تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ کیا وہ کار تم نے چوری نہیں کروائی تھی؟''

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر بولی ''خبردار! مجھ پر ہاتھ نہ اٹھانا اور کوئی جھوٹا الزام نہ لگانا۔ مجھے کمزور نہ سمجھو۔ میں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتی ہوں۔''

وحید نے فون کے ذریعے سیکورٹی گارڈ کو مطلع کیا پھر اس کے آنے پر کہا ''اس عورت کو دھکے دے کر نکال دو اور اسے آئندہ یہاں قدم بھی رکھنے نہ دینا۔''

اس نے پریشان ہوکر سیکورٹی گارڈ کو دیکھا پھر پلٹ کر جاتے ہوئے کہا ''میں خود ہی جارہی ہوں۔ تھوکتی ہوں تم پر اور تمہاری دولت پر۔''

وحید بولا ''تم خوش نصیب ہو کہ میں تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ کیونکہ مجھے اپنی عزت کا بھی خیال ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری بیوی کو تمہارے بارے میں کچھ معلوم ہو۔ ویسے تم اگر یہ نہیں چاہتی ہو کہ تم سے وہ کار خرید کر لے جانے والا گرفتار ہو اور اسے سرحدی علاقے سے لایا جائے اور تمہارا جرم ثابت ہوجائے تو اس سے پہلے ہی وہ پندرہ لاکھ واپس کردو ورنہ بری طرح پچھتاؤ گی۔''

وہ رک گئی تھی۔ پریشان ہوکر اس کی باتیں سن رہی تھی پھر یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ تمہارے پندرہ لاکھ تمہیں واپس مل جائیں گے۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں

سرگزشت میں شائع ہونے والا سلسلہ
مقدر
2
محی الدین نواب

مقدر

انسان کے روز و شب پر مقدر کی آہنی گرفت کا دلچسپ تماشا

اس کتاب میں نواب صاحب نے معاشرے کی زہریلی کہانیوں کو بیان کرنے کے لئے ایک نیا اسلوب، نیا ڈھنگ اپنایا ہے کہ یہ کہانیاں کسی انسان کی زبانی بیان نہ کی جائیں بلکہ ان کا راوی اس بازی گر کو بنایا جائے جسے مقدر کہا جاتا ہے جو انسان کی توقع کے خلاف، اس کی سوچ کے برعکس بازی پلٹنے کا ماہر ہے۔ زیر نظر کہانی کے کردار بظاہر افسانوی ہیں لیکن درحقیقت ان کا تعلق اسی معاشرے سے ہے اور یہ اسی معاشرے کی کہانی ہے۔

اس کے جانے کے بعد ہی وحید اکبر نے فون پر آسرا سے رابطہ کیا تھا پھر آسرا نے مجھے ڈھونڈ کر اپنا موبائل فون دیا اور کہا ''حمید کے ڈیڈی تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

میں نے فون لے کر کان سے لگا کر کہا ''ہیلو مسٹر وحید اکبر......! کیا میری سچائی ثابت ہوگئی؟''

وہ بولا ''مسٹر......! تم کون ہو......؟ کہاں رہتے ہو......؟ مجھ سے صبح آ کر ملاقات کرو۔ آج اگر تم مجھے عین وقت پر یہ بات نہ بتاتے تو میں بہت بڑا دھوکا کھا جاتا۔ اپنے پارٹنر کو اسی فیصد کا حصے دار بنا دیتا۔ اب میں اس پارٹنر سے بھی نمٹ لوں گا۔ تم کل صبح ضرور آؤ۔ میں تمہیں ایک لاکھ روپے دوں گا۔ اپنی خوشی سے۔''

''آپ یہ ایک لاکھ روپے اپنے پاس ہی رکھیں اور کسی دماغی علاج کے ڈاکٹر سے اپنا علاج کروائیں۔ دراصل قصور دشمنوں کا نہیں ہوتا ہے۔ خود اپنا ہوتا ہے۔ ہم غلطیاں کرتے ہیں اس کے نتیجے میں ہمیں جھوٹ اور فریب ملتا ہے۔ اگر آپ اپنی وفادار بیوی سے بے وفائی نہ کریں۔ اس سے چھپ کر ایک داشتہ کو نہ پالیں تو ایسے دن دیکھنے نہ پڑیں۔ پھر بھی خوش نصیب ہیں کہ ڈوبنے سے پہلے ہی کنارے تو لگ گئے۔''

یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ آسرا میرے سامنے کھڑی میری باتیں سن رہی تھی اور مجھ سے متاثر ہو رہی تھی۔ اس نے کہا ''میں نہیں جانتی کہ قصہ کیا ہے لیکن اتنا سمجھ گئی ہوں کہ انکل آنٹی کو دھوکا دے رہے تھے کسی بازاری عورت پر بھروسا کر رہے تھے۔ تم نے انکل کو اچھی طرح طعنے دیئے ہیں لیکن انہیں ڈوبنے سے بھی بچایا ہے۔''

''میں تمہارے ہاتھ کی لکیریں بھی دیکھنا چاہتا ہوں لیکن تم کہہ چکی ہو کہ تمہارا نام آسرا ہے اور تم مقدر کا آسرا نہیں کرتیں خود اپنی تقدیر بناتی ہو۔''

''ہاں یہ تو ہے لیکن انکل کی باتیں سن کر میرے اندر تجسس پیدا ہو گیا ہے۔''

''تو پھر یہاں کرسی پر بیٹھو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔''

انسان خواہ کتنا ہی ذہین ہو، عملی طور پر زندگی گزارتا ہو اور اپنی تدابیر سے بدنصیبی کا علاج کرتا ہو، پھر بھی وہ مقدر کی لکیروں پر چلتا ہے اور معلوم کرنا چاہتا ہے کہ آئندہ اس کی زندگی میں کیا ہونے والا ہے۔

آسرا بھی ذہین تھی۔ اپنی زندگی آپ گزارنے کے سلسلے میں بڑی پُراعتماد تھی پھر بھی اس کے اندر تجسس پیدا ہو رہا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ دکھانا چاہتی تھی ایسے ہی وقت اس کی پھوپی آگئی۔ اگرچہ وہ سگی پھوپی تھی لیکن عمر رسیدہ نہیں تھی اس نے آتے ہی مجھے بڑی لگاوٹ سے دیکھا پھر اس سے کہا ''ہائے آسرا! تم یہاں ہو اور میں تم کو ادھر ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔''

آسرا نے مجھ سے کہا ''یہ میری پھوپی ہیں۔''

وہ بولی ''دیکھو آسرا کتنی بار سمجھایا ہے کہ مجھے پھوپی کہہ کر کسی سے تعارف نہ کرایا کرو۔ کیا ہم سہیلیاں نہیں ہیں؟''

میں نے کہا ''ہاں یہ تو کسی صورت سے پھوپی نہیں لگ رہی ہیں۔ تمہاری ہم عمر لگتی ہیں۔''

وہ خوش ہوگئی۔ مجھ سے بولی ''یہ میری بدنصیبی ہے کہ اس خاندان میں اس کی پھوپی بن کر پیدا ہوگئی۔ ورنہ عمر میں اس سے چھ مہینے چھوٹی ہوں۔''

میں نے پوچھا ''تمہارا کوئی نام تو ہوگا؟''

وہ شرماتے ہوئے بولی ''میرا نام حجاب ہے۔''

میں نے حجاب کو سر سے پاؤں تک دیکھا، جو تقریباً بے حجاب تھی۔ اس نے بغیر آستین کا بلاؤز اور ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ پیٹ کمر تک ننگا تھا۔ ہندوستانی عورتیں ناف سے نیچے ساڑھیاں باندھتی ہیں اس نے بھی یہی کیا تھا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ میری طرف بڑھایا جیسے خود کو پیش کر رہی ہو۔ میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی ''میں تمہاری بڑی تعریفیں سن رہی ہوں۔ سب کہہ رہے ہیں کہ تم بہت ہی سچی پیش گوئی کرتے ہو۔ میں اپنے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔''

آسرا نے حجاب کا ہاتھ تھام کر کہا ''یہ اگرچہ پھوپی ہے لیکن میری اچھی سہیلی ہے۔ پلیز پہلے اس کا ہی ہاتھ دیکھ لو۔''

میں نے اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی کو تھام لیا پھر اس سے پوچھا ''کیا سچ کو سچ تسلیم کرو گی یا انکار کرو گی؟''

''میں سچ بولتی ہوں اور سچ سنتی ہوں جھوٹ سے مجھے نفرت ہے۔''

''تو پھر یہ بتاؤ کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ جیسے چوری پکڑی گئی ہو پھر وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''میں تو ابھی کنواری ہوں۔ قسم سے کنواری ہوں۔ آسرا سے پوچھ لو۔''

آسرا نے کہا ''تم مجھے بیچ میں کیوں لاتی ہو؟ اپنی باتیں سچ بولو یا جھوٹ بولو، خود ہی سمجھو۔''

حجاب ہچکچاتے ہوئے بولی ''یہ تم کیسے نجومی ہو۔ مجھ سے ہی پوچھ رہے ہو۔ میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر خود ہی سمجھ لو اور مجھے بتاؤ؟''

''تمہارے ہاتھ میں شادی کی ایک ہی لکیر ہے اور وہ شادی ہو چکی ہے۔''

حجاب نے پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ آس پاس سے گزرنے والے مہمان یہ بات سن لیں۔

اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر کہا ''یہ کیا مذاق ہے۔ یہاں سب جانتے ہیں میری شادی نہیں ہوئی ہے۔''

''ہاں سب سے یہ بات چھپائی گئی ہے۔ صرف آسرا کی دادی اور دادا جانتے ہیں تم پہلے انڈیا میں تھیں۔ اپنے ننھیال میں پرورش پا رہی تھیں۔ وہیں تمہاری شادی ہوئی پھر تم ایک بچے کی ماں بن گئیں۔''

وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر بولی ''اٹ از ٹو مچ! میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتی۔''

''اگر اسے مذاق کہتی ہو تو چلو یہی سہی لیکن تم چاہو تو تمہارے ہاتھ میں شادی کی دوسری لکیر بن سکتی ہے۔''

وہ ناگواری سے بولی ''کیا قسمت کی لکیر بنانا اور بگاڑنا انسان کے ہاتھ میں ہے؟''

''بے شک انسان خود کو بگاڑ سکتا ہے تو خود کو بنا بھی سکتا ہے۔ وہ طنزیہ انداز میں بولی ''اچھا ذرا معلوم تو ہو کہ میں اپنے ہاتھ پر شادی کی دوسری لکیر کیسے بنا سکتی ہوں؟''

میں نے کہا ''ایک کروڑ پتی بزنس مین ہے۔ وہ کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ کہتا ہے لڑکیاں اناڑی ہوتی ہیں اس کے بزنس کو سنبھالنے میں اس کا ساتھ نہیں دے سکیں گی۔ کوئی ایسی شادی شدہ عورت ہو جو بیوہ ہوگئی ہو یا طلاق یافتہ ہو تو وہ اس سے شادی کرے گا۔''

وہ ذرا نرم پڑ گئی پھر بولی ''کون ہے وہ کروڑ پتی؟ کیا تم اسے جانتے ہو؟''

''جانتا ہوں تبھی تو کہہ رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں بے شمار عورتوں کے ہاتھ دیکھتا رہتا ہوں۔ اگر ایسی کوئی عورت نظروں میں آئے جو بیوہ ہو یا مطلقہ ہو، بہت سمجھ دار ہو، تعلیم یافتہ ہو اور کاروبار کی اونچ نیچ کو سمجھتی ہو تو وہ فوراً ہی اس سے شادی کر لے گا۔''

آسرا نے کہا ''میں ہوں حجاب ہے، ہم سب نے تاجروں کے خاندان میں جنم لیا ہے اور حجاب نے تو کامرس پڑھا ہوا بھی ہے اور اسے کاروبار کی بڑی سوجھ بوجھ ہے۔''

''صرف کاروباری سوجھ بوجھ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ بزنس مین تو بیوہ یا مطلقہ عورت چاہتا ہے۔''

حجاب سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے آسرا کو دیکھا پھر مجھ سے کہا ''ایکسکیوز می۔ ذرا ایک منٹ۔ میں آتی ہوں۔''

وہ آسرا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتی ہوئی ذرا دور لے گئی پھر بولی ''کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟ کوئی ایسا کروڑ پتی بزنس مین کسی مطلقہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے؟''

آسرا نے کہا ''اگرچہ یہ اجنبی ہے لیکن ایک بات تو میں یقین سے کہتی ہوں کہ یہ سچ بولتا ہے۔''

دونوں نے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھا پھر آسرا نے کہا ''وہ بڑا خطرناک نجومی ہے۔ ہاتھ کی لکیریں اس کے سامنے ایک ایک بات بول دیتی ہیں کوئی بات نہیں چھپاتیں۔''

حجاب نے بڑی بے قراری سے کہا ''مجھے مشورہ دو میں کیا کروں؟''

''کرنا کیا ہے رشتے بہت مشکل سے ملتے ہیں تمہاری ایک شادی ناکام ہو چکی ہے شوہر نے چھوڑ دیا۔ بچہ تم سے چھین لیا۔ تم ہندوستان چھوڑ کر یہاں چلی آئیں۔''

''وہ خود غرض اور بے وفا تھا۔ اس نے میری قدر نہیں کی۔''

''فضول باتیں نہ کرو میں نے دادی اور دادا کی زبان سے سنا ہے وہ شوہر ہیرا تھا۔ تم نے اس کی قدر نہیں کی۔ اپنی حرکتوں سے اسے مجبور کر دیا کہ وہ تمہیں طلاق دے اور بچہ چھین لے۔''

''اب زور سے تو نہ بولو۔ ادھر ادھر سے گزرنے والے سن لیں گے۔ میں ابھی کیا کروں؟''

''سچ بولو۔ سچ بولنے سے اگر کبھی فائدہ نہ پہنچے تو نقصان بھی نہیں پہنچتا۔''

''ٹھیک ہے میں سچ بولوں گی پہلے تم اسے اس بات پر راضی کرو کہ مجھے اس کروڑ پتی سے ملائے۔ باقی میں اس رئیسِ اعظم سے نمٹ لوں گی۔''

وہ دونوں وہاں سے پلٹ کر میرے پاس آئیں آسرا نے کہا ''میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔''

میں نے کہا ''اگر تمہاری بات ہے تو تم پوچھو اور حجاب کی بات ہے تو حجاب پوچھے۔''

حجاب نے کہا ''ٹھیک ہے میں پوچھتی ہوں کیا تم مجھے اس کروڑ پتی سے ملا سکتے ہو؟''

میں نے پوچھا ''کس کروڑ پتی کی بات کر رہی ہو؟''

''وہی جس کا ذکر تم نے ابھی کیا تھا کہ وہ کسی مطلقہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''ہاں مگر تمہیں اس سے کیا لینا ہے تم تو مطلقہ نہیں ہو۔''

اس نے مجبور ہو کر کہا ''میں ہوں۔ تم درست کہہ رہے تھے میری شادی ہوئی تھی طلاق بھی ہوگئی اور بچہ اس نے چھین لیا ہے۔''

میں نے کہا ''میرے ساتھ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے جب میں سچ بولتا ہوں تو سننے والے سچ سے انکار کرتے ہیں اور مجھے جھوٹا کہنے لگتے ہیں۔ ایسے میں مجبور ہو کر مجھے ان سے سچ اگلوانا ہی پڑتا ہے جیسا کہ ابھی میں نے تم سے اگلوایا ہے۔''

دونوں نے چونک کر مجھے دیکھا پھر حجاب نے پوچھا ''کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نے جھوٹ بول کر مجھ سے سچ اگلوایا ہے؟''

''جب جھوٹ بولنے والوں کا آپریشن کیا جاتا ہے تب ہی ان کے حلق سے سچ نکلتا ہے۔ میں کسی ایسے احمق کروڑ پتی کو نہیں جانتا جو تمہاری جیسی جھوٹی مطلقہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہو۔''

حجاب نے غصے سے چیخ کر کہا ''یو شٹ اپ......!''

آس پاس کے لوگ چونک کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے کہا ''دیکھو لوگ ادھر دیکھ رہے ہیں۔ سچ سب کے سامنے کھلنے والا ہے۔ اگر ابھی تم نے مجھ سے معافی نہ مانگی تو میں ان سب سے کہوں گا کہ تم کنواری نہیں ہو ڈھول کا پول ہو۔''

وہ چھ ماہ پہلے طلاق حاصل کرنے کے بعد یہاں اپنے میکے آئی تھی۔ یہاں ماں باپ نے یعنی آسرا کی دادی اور دادا نے یہ حقیقت سب سے چھپائی تھی کہ انڈیا میں اس کی شادی ہو چکی تھی اور وہ ایک بچے کی ماں تھی۔ وہاں کے حالات دوسرے نہیں جانتے تھے اس لیے پردہ پڑا ہوا تھا۔ اب وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں پردہ اٹھاؤں اس نے عاجزی سے کہا ''سوری......''

میں نے کہا ''سب تمہاری سوری نہیں سن رہے ہیں۔''

وہ جبراً ہنستی ہوئی سب کی طرف دیکھتی ہوئی بولی ''کوئی بات نہیں۔ یہ ہماری آپس کی بات ہے ماہر بیگ ماہر بہت ہی نفیس انسان ہیں۔''

آس پاس پھیلے ہوئے مہمان اپنی اپنی باتوں میں مصروف ہوگئے۔ حجاب نے گھور کر مجھے دیکھا پھر پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ میں نے آسرا سے کہا ''تمہیں بھی میرے جھوٹ پر غصہ آ رہا ہوگا؟''

وہ مسکرا کر بولی ''نہیں تم نے مصلحتاً اس لیے جھوٹ کہا کہ سچ سامنے آ جائے اور وہ آ گیا۔ کیا اب میرا ہاتھ دیکھو گے؟''

میں نے کہا ''ہاتھ دیکھنے سے پہلے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم سچ بولتی ہو اور سچ سننا پسند کرتی ہو اور کیا سچ کا زہر برداشت کر سکتی ہو؟''

''ہاں میں سچ بولتی ہوں۔ جھوٹ سے مجھے نفرت ہے لیکن کبھی کبھی مصلحتاً مجبور ہو جاتی ہوں جیسا کہ آج ہو گئی تھی۔''

''آج کیا مجبوری تھی؟''

''میں آج پورے چوبیس برس کی ہو چکی ہوں لیکن دادی جان اور دادا جان میری عمر چھپاتے ہیں۔ انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں خود کو بیس برس کی کہتی رہوں۔ اسی لیے آج میرے کیک کے اطراف بیس موم بتیاں روشن کی گئی تھیں۔ میرے دادا جان پکے کاروباری ہیں۔ مصلحتاً منافع دیکھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کا خیال ہے بیٹیوں کو کم عمر بتا کر رکھا جائے تو کاروباری نقطہ نظر سے منافع بخش رشتے آ ہی جاتے ہیں۔''

''تمہارے سچ نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ ہم بہت دیر سے کھڑے ہوئے ہیں۔ آؤ یہاں بیٹھو۔''

وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے کرسی کھسکا کر اس کے قریب کرتے ہوئے کہا ''لاؤ اپنا ہاتھ۔''

اس نے اپنا ہاتھ پیش کیا۔ میں نے اس نرم و نازک سے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دیکھا۔ گوری اور گلابی ہتھیلی پر یوں انگلی پھیرنے لگا جیسے لکیروں کو پڑھ رہا ہوں۔

وہ بولی ''میری قسمت کا حال بتانے سے پہلے اپنے دوست مقدر حیات کے بارے میں بتاؤ۔ کیا یہ حضرت اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں! مقدر حیات مجھ سے کہہ رہا تھا کہ وہ کراچی جائے گا اور اپنے خاندان کی لڑکیوں سے ملے گا۔ جو بھی اسے متاثر کرے گی۔ وہ اس سے شادی کر لے گا۔''

''اب میرا ہاتھ دیکھ کر بتاؤ کیا وہ میرے مقدر میں ہے؟''

میں نے اس کی نرم و نازک ہتھیلی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''یہ جو مقدر حیات ابھی تم سے ملنے آیا ہے یہ تمہاری زندگی میں نہیں آئے گا۔''

وہ مطمئن ہو کر بولی ''تھینکس گاڈ! میں سوچ رہی تھی کہ اس سے کیسے پیچھا چھڑاؤں گی۔''

میں نے کہا ''تعجب ہے وہ رئیس اعظم ہے وہ ایک دو کروڑ کی نہیں پانچ سو کروڑ کی دولت اور جائداد کا مالک ہے۔''

''میں لعنت بھیجتی ہوں دولت اور جائداد پر۔ میں صرف اپنے آئیڈیل سے شادی کروں گی۔''

میں نے پوچھا ''کون ہے تمہارا آئیڈیل؟''

''ایسا جوان جو ہماری ہی تاجر برادری سے تعلق رکھتا ہو لیکن دیکھنے میں خوش شکل ہو، خوش لباس ہو اور مردانہ وجاہت رکھتا ہو۔''

میں نے کہا ''ایسا شخص شاید تمہاری زندگی میں آ سکتا ہے۔''

''یعنی یقینی بات نہیں ہے۔ آ بھی سکتا ہے اور نہیں بھی آ سکتا؟''

''ہاں! کچھ ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں اور ایسے حالات میں تم اپنے بہتر اعمال سے ذہانت سے یعنی تدبیر سے تقدیر کو بدل سکو گی۔ اس سے آگے کچھ نہ پوچھو۔''

''کیوں نہ پوچھوں؟''

''آئندہ پھر ہماری ملاقات ہو گی تو تمہیں آگے کچھ بتا سکوں گا۔''

یہ کہہ کر میں نے اس کی کھلی ہوئی ہتھیلی کو بند کر دیا پھر کہا ''اب یہ مٹھی بندھ گئی ہے۔ انسان کوئی عزم کرتا ہے تو بڑے جوش اور جذبے سے مٹھی باندھ کر مستحکم ارادہ کرتا ہے۔ تم نے ہاتھ کی ان لکیروں کو مٹھی میں بند کر لیا ہے۔ اب یہ عزم کرتی رہو کہ ناموافق حالات کو موافق بنا کر رہو گی۔''

وہ الجھ کر بولی ''تم آگے کچھ کہنے سے جان بوجھ کر گریز کر رہے ہو۔ شاید کوئی دل توڑنے والی بات ہے۔''

''دل کی کیا بات ہے۔ دنیا کی ہر چیز ٹوٹتی ہے اسے جوڑنے کا سلیقہ آنا چاہیے اور تم میں یہ سلیقہ ہے۔''

''تم باتیں بناتے جا رہے ہو۔ پلیز مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ میرے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر خود سمجھ لو کہ میں کتنی مستقل مزاج اور عزم و حوصلے والی لڑکی ہوں۔ میں کبھی کسی سے شکست نہیں کھاتی۔ میرا نام آسرا ہے۔ میں کسی کا آسرا نہیں کرتی۔''

بے شک وہ بڑے عزم اور حوصلے والی لڑکی تھی۔ میں نے کہا ''اچھی بات ہے۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ جو بدنصیبی ہے اسے بیان کرتا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں اس بدنصیبی کو دور کرنے کے سلسلے میں تم سے تعاون کروں گا۔''

میں چپ ہو گیا۔ وہ بھی چپ رہی میرے بولنے کا انتظار کرنے لگی پھر میں نے کہا ''تمہارے ہاتھ پر زندگی کی جو لکیر ہے۔ اس پر بہت سی کاٹ چھانٹ ہے۔''

''بس اتنی سی بات ہے۔ میں سمجھ گئی۔ میری زندگی مختصر ہے اور موت قریب ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے۔ زندگی مختصر ہے اور نہیں بھی۔ ایک خاص موقع پر تمہاری موت واقع ہو سکتی ہے۔''

''وہ خاص موقع کیا ہو گا؟''

''جب تمہارا آئیڈیل تمہارا چاہنے والا تمہاری زندگی میں آئے گا اور تم اس کی چاہت کو قبول کر دو گی۔''

وہ ذرا پریشان ہو کر بولی ''یہ کیا بات ہوئی محبت تو زندگی دیتی ہے اور میرے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ محبت سے مجھے موت ملے گی؟''

''ہاں! تمہاری زندگی میں دولت ہے، شہرت ہے، عزت ہے، خوش حالی ہے سب کچھ ہے بس محبت نہیں ہے۔ محبت چاہو گی تو زندگی ہار جاؤ گی۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ کسی سے محبت ہو گی نہ کبھی شادی ہو گی۔''

''ہمیں اتنی بڑی دنیا میں سبھی کچھ حاصل نہیں ہو جاتا۔ کسی نہ کسی بات کی کمی رہ جاتی ہے۔ تمہیں تو بہت کچھ حاصل ہوتا رہتا ہے۔ صرف محبت نہیں ملے گی۔''

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کوئی مجھ سے محبت نہیں کرے گا؟''

''ایسی بات نہیں ہے تم اتنی خوب صورت ہو اتنی پرکشش ہو کہ تمہارے چاہنے والوں کی کمی نہیں ہو گی لیکن یہ تمہارے اختیار میں ہے۔ تم چاہنے والوں سے دوری اختیار کرو۔ نہ اپنا دل کسی کو دو۔ نہ دل سے کسی کو چاہو۔''

اس کا سر جھک گیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ یہ بات ہی ایسی تھی۔ ہر نوجوان لڑکی سہانے سپنے دیکھتی ہے۔ کیسے کیسے آئیڈیل کا تصور کرتی ہے اور اپنی زندگی میں اس کے آنے کا انتظار کرتی ہے یہاں تو آنے والے کے لیے دروازہ ہی بند ہو رہا تھا۔ اگر وہ دروازہ کھولتی تو محبوب کے لیے نہیں موت کے لیے کھولتی۔

میں نے اس کی ہتھیلی پر ایک انگلی رکھتے ہوئے کہا ''دیکھو یہاں شادی کی ہلکی سی لکیر ہے لیکن یہ کٹی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی جبراً تمہاری شادی کی گئی یا تم نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی کسی سے شادی کی تو ازدواجی زندگی نہیں گزار سکو گی اس دولہا کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی تمہاری سانسیں پوری ہو جائیں گی۔''

یہ ایسی بات تھی جو کسی کو بھی صدمے سے توڑ دیتی ہے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ وہ بہت ہی حوصلہ مند تھی۔ موت سے ڈرتی نہیں تھی لیکن جو صدمہ پہنچ رہا تھا وہ یہ تھا کہ اسے کسی کی محبت نہیں ملے گی۔ اگر ملے گی تو وہ اسے قبول نہیں کرے گی۔ اگر قبول کرے گی تو محبوب کو حاصل نہیں کر پائے گی۔ یہ سانسیں کیا ہیں؟ دن رات کی سہیلیاں ہیں ہمارے اندر آتی جاتی ہیں لیکن وہ تنہائی میں اپنے محبوب سے ملنے جائے گی تو یہ سہیلیاں اس کا ساتھ چھوڑ دیں گی۔

میں نے اس کی ہتھیلی کو تھپکتے ہوئے کہا ''وہ جو ہم سب کا کاتب تقدیر ہے وہ اپنے لکھے ہوئے کو حرفِ آخر نہیں بناتا۔ انسان کا حوصلہ اس کا ایمان اور نیک نیتی دیکھتا ہے۔ تم بہت نیک لڑکی ہو خدا تمہاری نیک نیتی کو سمجھنے والا ہے۔ کراچی میں ایک بہت بڑے بابا انعام الحق رہتے ہیں۔ ان کی زندگی صرف اور صرف عبادت کرتے ہوئے گزر رہی ہے۔ وہ روزانہ شام کو صرف اپنے عقیدت مندوں سے ملتے ہیں انہیں نیک مشورے دیتے ہیں۔ راہِ مستقیم دکھاتے ہیں اور ان کے مسائل کا حل بھی بتاتے رہتے ہیں۔ تم کراچی جاؤ تو ان سے ضرور ملاقات کرنا۔ زندگی کی یہ لکیر جو ٹوٹ رہی ہے۔ شاید وہ اسے آگے بڑھا سکیں ایمان کی قوت کے آگے تقدیر کا لکھا بھی بدل جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ بدلنے والا نیک نیت اور ایمان دار ہو۔''

☆☆☆

دو ہفتے گزر گئے۔ دردانہ کو پتا چلا کہ حشمت اچانک ہی غائب ہو گیا ہے۔ اس کے حکم سے اسد عزیزی نے معلومات حاصل کیں تو پتا چلا وہ یہ ملک چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ شہباز درانی نے کہا ''دردانہ ایس پی ذیشان نے بڑی تیزی دکھائی کر تمہاری ایک چال کو ناکام بنا دیا ہے۔ اب تم نہ تو حشمت پر جان لیوا حملہ کرا سکو گی اور نہ ہی اس کی موت کا الزام ذیشان پر عائد کر سکو گی۔''

اسے دشمن کی کامیابی پر غصہ آ رہا تھا۔ اس نے شہباز سے کہا ''تم اتنے وسیع ذرائع کے مالک ہو۔ کیا ذیشان کی وردی نہیں اتروا سکتے؟''

''وہ کوئی معمولی افسر نہیں ہے۔ ایس پی ہے۔ پھر یہ کہ اس کا سروس ریکارڈ بہت ہی اچھا ہے۔ سبھی اعلیٰ افسران اس کی تعریفیں کرتے ہیں۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ میں وہی افسر زبردست اور قانون کا محافظ سمجھا جاتا ہے جس سے بڑے بڑے مجرم دہشت زدہ رہتے ہیں۔''

اسد عزیزی نے کہا ''ہم اس کی وردی اتروانے کے لیے ہی ایسی چالیں چل رہے ہیں۔ ہم نے ایسے مجرموں کے ریکارڈ حاصل کیے ہیں جنہیں عدالت سے رہائی مل گئی تھی لیکن بعد میں وہ اچانک ہی بے موت مارے گئے اور اس کا شبہ ذیشان پر کیا گیا۔ لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں ہوا۔ آپ کے صاحب زادے کی ہلاکت کے بعد بھی ہم اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں کر سکے اب حشمت کی موت سے ثابت کر سکتے تھے۔ ان کے علاوہ ایسے دو مجرم روپوش ہیں، جو ذیشان سے دہشت زدہ رہتے ہیں۔ وہ بھی اس کے خلاف بیان دینے کے لیے راضی ہیں لیکن اس کے خلاف کیس کو مکمل کرنے کے لیے حشمت کی موت لازمی تھی۔''

شہباز درانی نے کہا ''ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ حشمت کب یہاں سے گیا ہے اور کس ملک کی طرف گیا ہے تو ہم وہیں حشمت پہ تشدد کر کے ذیشان کے خلاف بیان لکھوا سکتے ہیں اور اس کا قتل کرا سکتے ہیں۔''

دردانہ وہاں شہباز کے سامنے ٹہلتی رہی۔ سوچتی رہی پھر اس نے کہا ''میرے ایک داؤد بھائی ہیں۔ دور کے رشتے دار ہیں۔ ان کا تعلق انڈر ورلڈ والوں سے ہے۔ وہ معلوم کر سکتے ہیں کہ حشمت یہاں سے کہاں گیا ہوگا۔''

شہباز درانی نے کہا ''ہاں انڈر ورلڈ والوں کا ایک جال پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ ایک ملک کے مجرم دوسرے ملک کے مجرموں سے با آسانی رابطہ کرتے ہیں۔ تمہارے داؤد بھائی جلد از جلد معلوم کر سکتے ہیں کہ حشمت کس ملک کے کس شہر میں ہوگا۔''

دردانہ نے فون کے ذریعے داؤد بھائی سے رابطہ کیا پھر کہا ''ہیلو داؤد بھائی! میں دردانہ بول رہی ہوں۔''

دوسری طرف سے اس نے چہک کر کہا ''ہائے دردانہ! تم تو ایسے غائب ہو گئی ہو جیسے گدھے کے سر سے سینگ......''

''کوئی اچھی مثال دیا کریں داؤد بھائی! میں آپ کی بہن ہوں۔''

''تم نے بہن بن کر مجھے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ مجھ سے اپنے کام کراتی رہی ہو اور میرا کام کرنے سے کتراتی رہی ہو۔ میں نے تمہارے کہنے پر تمہارے بیٹے سے کام لینا شروع کیا تھا لیکن وہ آخری وقت مجھے دس لاکھ روپے کا نقصان پہنچا کر چلا گیا۔ کہاں ہے وہ؟ تم نے اپنے ساتھ اسے بھی کہیں چھپا کر رکھا ہے۔''

''آپ تو اپنی ہی بولے چلے جا رہے ہیں۔ میری بھی کچھ سنیں گے یا نہیں؟''

''سناؤ کیا سنانا چاہتی ہو؟''

''میرا بیٹا جواد اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔''

وہ بے یقینی سے بولا ''کیا......؟ کیا مجھ سے کوئی نیا ڈراما کر رہی ہو؟ جوان بیٹا ہلاک ہوا ہے اور اس قدر چہکتی ہوئی بول رہی ہو؟ تمہیں ایکٹنگ بھی کرنی نہیں آتی؟''

''میں نہ کوئی ڈراما کر رہی ہوں۔ نہ کوئی ایکٹنگ کر رہی ہوں۔ سچ بول رہی ہوں یقین کرنا چاہتے ہو تو کر لو۔ میرے بیٹے کا قاتل اس ملک سے باہر کہیں فرار ہو گیا ہے۔ تم اس کا سراغ لگا سکتے ہو اسی لیے میں نے تمہیں فون کیا ہے۔''

''میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔ تم نہایت ہی خود غرض اور مکار عورت ہو۔ یاد رکھو تمہارا بیٹا پچھلے دنوں میرے لیے جو کام کرتا رہا اس کا تمام ریکارڈ میرے پاس موجود ہے۔ میں وہ ریکارڈ پولیس والوں کے حوالے کر دوں گا تو وہ اسے کہیں سے بھی ڈھونڈ کر گرفتار کر لیں گے۔ اس ریکارڈ کے مطابق اس نے کئی قتل بھی کیے ہیں۔''

وہ بڑے دکھ سے بولی ''میرے مظلوم اور مقتول بیٹے کو قاتل اور مجرم بنانا چاہتے ہو۔ اس کا جو بھی ریکارڈ تمہارے پاس ہے اسے میرے حوالے کر دو۔''

''کیا مفت میں حوالے کر دوں؟''

''جو قیمت چاہو گے، میں دوں گی۔''

''تمہارے بیٹے نے مجھے دس لاکھ روپے کا نقصان پہنچایا ہے۔ ایک تو مجھے وہ رقم چاہیے۔ اور دوسرا مطالبہ تم اچھی طرح جانتی ہو، مجھے ایک نئی نویلی حسین دوشیزہ چاہیے۔ ایسا لگتا ہے اس ملک میں یا شہر میں حسیناؤں کا قحط پڑ گیا ہے۔''

فون کا اسپیکر کھلا ہوا تھا۔ اس کی باتیں شہباز درانی سن رہا تھا۔ اس نے اسپیکر کو آف کر کے دردانہ سے کہا ''وہ جو کہہ رہا ہے اس پر راضی ہو جاؤ۔''

پھر اس نے اسپیکر کو آن کر دیا۔ وہ بولی ''ٹھیک ہے میں تمہارا مطالبہ پورا کروں گی۔ ایک نہایت ہی حسین لڑکی میری نظر میں ہے۔ میں آج رات اسے دس لاکھ روپے کے ساتھ بھیجوں گی۔''

''بھئی واہ! بہت خوب۔ تم تو بڑی جلدی راضی ہو گئیں۔ ایک بات یاد رکھو۔ میں نے اپنی کوٹھی کے اندر اور باہر سخت سیکورٹی کے انتظامات کیے ہیں۔ یہ بتاؤ اس لڑکی کو یہاں کون پہنچائے گا؟''

''اسے پہنچانے والا کوٹھی کے باہر ہی رہے گا اور لڑکی اندر چلی جائے گی۔''

''ہاں یہی ہونا چاہیے۔ اس لڑکی کو بھی پوری طرح چیک کیا جائے گا۔ تب اسے میرے بیڈ روم میں آنے کی اجازت ملے گی۔''

وہ بولی ''مجھے اس بات سے دلچسپی نہیں ہے کہ تم میرے جواد کے قاتل کو بیرونی ممالک میں تلاش کرو گے یا نہیں۔ مجھے صرف وہ فائل اور ثبوت چاہئیں جو میرے بیٹے کے خلاف تمہارے پاس ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کی موت کے بعد تم اسے بدنام کرو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''اگر وہ واقعی مر چکا ہے۔ تب بھی اس کے ساتھ تم بدنام ہو سکتی ہو۔ کیونکہ اپنی سوتیلی بیٹی عینی کو اغوا کرانے کے سلسلے میں جتنی باتیں تم نے کی تھیں اس کی آڈیو اور

ویڈیو کیسٹس میرے پاس موجود ہیں۔''

دردانہ نے پریشان ہو کر شہباز درانی کو دیکھا۔ اس نے آنکھ کے ذریعے اشارہ کیا۔ وہ بولی ''میں وہ تمام کیسٹس لینا چاہتی ہوں کیا آج رات وہ لڑکی دس لاکھ روپے لے کر آئے گی تو تم وہ تمام کیسٹس اس لڑکی کے ذریعے ہمیں پہنچا دو گے؟''

''تم جانتی ہو میں زبان کا دھنی ہوں جو کہتا ہوں وہ ضرور کرتا ہوں۔ تمہارے خلاف جو بھی ثبوت ہیں وہ سب میرے بیڈ روم میں موجود رہیں گے۔ جب مال وصول کروں گا تو رسید کے طور پر وہ تمام ثبوت دے دوں گا۔ لیکن آج رات نو بجے تک اس لڑکی کو دس لاکھ روپے کے ساتھ یہاں پہنچ جانا چاہیے۔''

''میں بھی زبان کی دھنی ہوں۔ ٹھیک رات نو بجے وہ حسینہ دس لاکھ روپے کے ساتھ تمہارے سامنے موجود رہے گی۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ شہباز درانی نے اسد عزیزی کو دیکھتے ہوئے پوچھا ''کیا تم نے تمام باتیں سنی ہیں؟''

''یس سر! میں سن چکا ہوں اور بہت کچھ سمجھ چکا ہوں۔''

''ہماری تربیت یافتہ لڑکیوں میں جو بہت حسین اور چالاک ہے اسے آج رات وہاں بھیج دو۔ اس کے بیڈ روم میں دردانہ کے خلاف کوئی ثبوت ہو یا نہ ہو میں ایسے شخص کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا، جو دردانہ کی شان میں ایسی کوئی بات کہتا ہو یا اس کے خلاف کوئی ثبوت رکھتا ہو۔ اس کا کام تمام ہو جانا چاہیے۔''

''یس سر۔ وہ زندہ نہیں رہے گا۔''

دردانہ نے کہا ''اسد عزیزی یہ بہت مشکل کام ہوگا۔ سیکورٹی کے سخت انتظامات ہوں گے اس لڑکی کے ساتھ کوئی اندر نہیں جا سکے گا۔ پھر لڑکی اپنے ساتھ کوئی ہتھیار بھی نہیں لے جا سکے گی۔''

وہ ادب سے بولا ''میڈم! پھر بھی وہ زندہ نہیں رہے گا۔''

دردانہ نے پوچھا ''کیا وہ لڑکی اتنی زبردست فائٹر ہے کہ اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دے گی؟''

اسد عزیزی نے انکار میں سر ہلا کر کہا ''نہیں، وہ بہت ہی نازک اندام لڑکی ہے۔ وہ لڑنا جھگڑنا نہیں جانتی۔ سہولت سے کام کر کے واپس چلی آئے گی۔''

''کیا وہ اپنے لباس میں زہر چھپا کر لے جائے گی؟''

اسد عزیزی نے انکار میں سر ہلا کر کہا ''نو میڈم! ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ ہم کچے کھلاڑی نہیں ہیں۔ ہم جانتے

ہیں سر سے پاؤں تک اس کی تلاشی لی جائے گی۔ اس لڑکی کے پاس سے نہ تو زہر کی کوئی شیشی برآمد ہوگی اور نہ ہی کوئی کاغذ کی پڑیا دکھائی دے گی۔ وہ ایک سیدھی سادی لڑکی کی طرح جائے گی اور اپنا کام کر کے واپس آجائے گی۔''

دردانہ نے اسے حیرت سے دیکھا۔ شہباز درانی نے کہا ''میری جان! حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا یہ دستِ راز بہت پہنچا ہوا ہے۔ اپنا کام کر گزرے گا۔''

اسد عزیزی انہیں سلام کر کے وہاں سے چلا گیا۔ شہباز نے کہا ''میں نے سوچا تھا، تمہارے اس داؤد بھائی کے ذریعے حشمت کا سراغ مل جائے تو اچھا ہے، ورنہ میں ایسے کسی داؤد بھائی کا محتاج نہیں رہتا۔ تم فکر نہ کرو۔ میرے آدمی حشمت کو ڈھونڈ نکالیں گے۔''

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی ''تمہارے سائے میں رہ کر مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں دنیا کی سب سے طاقتور عورت ہوں۔ جو چاہتی ہوں وہ ہو جاتا ہے۔ حشمت عارضی طور پر میرے ہاتھوں سے نکل گیا ہے لیکن میں جانتی ہوں تمہارے آدمی اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ پھر داؤد بھائی جیسا انڈر ورلڈ کا شہ زور آدمی مجھے نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ چیونٹی کی طرح مارا جائے گا۔''

وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر بولی ''تم تو جیسے طلسمی چراغ کے جن ہو، میں جو کہتی ہوں، وہ کر گزرتے ہو میں عینی کی شادی روکنا چاہتی تھی۔ میرے پیچھے تمہاری اتنی قوتیں کارفرما ہیں کہ پاشا دولہا بن کر اس کے دروازے تک نہ پہنچ سکا ہمارے ہتھے چڑھ گیا۔''

''تم اس ٹیکسی ڈرائیور کو مار ڈالنا چاہتی تھیں۔ اس کی موت سے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔ میرے مشوروں پر عمل کر رہی ہو اور دیکھ رہی ہو کہ تم اس سے کس قدر فائدہ اٹھانے والی ہو۔''

وہ خوش ہو کر جھومنے کے انداز میں ہونٹوں کو سکیڑ کر بولی ''آئی لو یو شہباز!''

وہ بولا ''آئی لو یو ٹو۔ آؤ چلیں۔ ذرا اس ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھیں۔ کس حال میں ہے؟''

وہ دونوں بیڈ روم سے نکلے اور ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر اس محل نما کوٹھی کے ایک دور افتادہ کمرے کی طرف چل دیئے۔ اس کمرے میں پاشا جانی کو زیرِ علاج رکھا گیا تھا۔

☆☆☆

پاشا تو جیسے ایک زندگی ہار چکا تھا۔ اب مقدر سے ایک نئی زندگی مل رہی تھی۔ شہباز درانی نے اسد عزیزی کو حکم دیا تھا کہ اسے جان سے نہ مارا جائے۔ اس حد تک زخمی کیا جائے کہ وہ قابو میں آجائے اور پھر کہیں فرار نہ ہونے پائے لیکن اس رات تاریکی میں اندھا دھند گولیاں چل رہی تھیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ پاشا جانی اس بار بچ کر نکل جائے۔ محتاط فائرنگ کے باوجود اسے تین گولیاں لگی تھیں۔ ایک اس کی ران میں پیوست ہوئی تھی۔ دوسری بازو میں لگی تھی۔ تیسری گولی۔۔۔۔ سر کی پچھلی ہڈی کو توڑتی ہوئی گزر گئی تھی۔ وہ بے دم ہو کر گر پڑا تھا۔ اس کے بعد اس کو ہوش نہیں رہا کہ وہ کہاں ہے اور اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

آپریشن کے ذریعے اس کی ران سے اور اس کے بازو سے گولیاں نکالی گئی تھیں۔ سر کے پچھلے حصے کی ہڈی میں سوراخ ہو گیا تھا۔ وہ گولی دماغ کو تقریباً چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ دماغ پر برا اثر پڑے گا۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد ذہنی طور پر ابنارمل رہے گا۔

وہ آپریشن کے بعد تقریباً بارہ گھنٹے تک بے ہوش پڑا رہا۔ سر کے پچھلے حصے پر ٹانکے لگائے گئے تھے۔ اس لیے اسے اوندھا لٹایا گیا تھا۔ نرسوں اور ملازمین کو اس بات کی ہدایت تھی کہ اسے ہوش آنے پر چت لیٹنے یا کروٹ لینے سے باز رکھیں۔ سر کا زخم کچا تھا ٹانکے کچے تھے۔ ڈاکٹر نے سختی سے سمجھایا تھا کہ اسے کم از کم چوبیس گھنٹوں تک اوندھا پڑا رہنا چاہیے۔

تین گولیاں کھانے اور زیادہ خون بہہ جانے کے باعث وہ اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ ادھر سے ادھر کروٹ بھی نہیں لے سکتا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ جیسے اپنے آپ سے غافل رہا۔ اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ اور کس حال میں پڑا ہوا ہے؟ اور پھر گہری نیند سو گیا تھا۔ تقریباً تیس گھنٹوں تک یہی ہوتا رہا کبھی وہ آنکھیں کھول کر دیکھتا تھا۔ دھندلا دھندلا سا کچھ دکھائی دیتا تھا پھر نیند میں ڈوب جاتا تھا۔

تقریباً تیس گھنٹے کے بعد صحیح معنوں میں اسے ہوش آیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو سامنے ایک ڈاکٹر تھا۔ ایک نرس تھی اور ایک ملازم کھڑا ہوا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس وقت کس دنیا میں ہے۔ ڈاکٹر اور نرس بھی پوری طرح سمجھ نہیں آرہے تھے۔ ڈاکٹر نے اس پر جھک کر پوچھا ''ہیلو ینگ مین! کیسا فیل کر رہے ہو؟''

پاشا نے پوچھا ''تم کون ہو؟ میں کہاں ہوں؟''

''تم ایک محفوظ پناہ گاہ میں ہو۔ یہاں تمہیں کوئی دشمن نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

''دشمن؟'' پاشا نے ذہن پر زور ڈال کر سوچنا چاہا تو سر

...نے لگا۔ وہ ایک ہاتھ اٹھا کر سر پر لے گیا پٹیاں بندھی ہوئی ...ں۔ اس نے پوچھا ''یہ میرے سر میں کیا ہو گیا ہے؟''

ڈاکٹر نے کہا ''یاد کرو۔ تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

وہ سوچنے لگا۔ یاد کرنے لگا۔ اسے کچھ یاد نہیں آرہا تھا۔ ...نے کہا ''میرے ساتھ کیا ہوا تھا، مجھے بتاؤ۔ کچھ یاد نہیں رہا ہے۔''

ڈاکٹر نے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

وہ سوچنے لگا پھر پریشان ہو کر بولا ''میرا نام کیا ہے؟ مجھے یاد نہیں آرہا ہے۔ میں کون ہوں؟ یہاں کیسے آ گیا ہوں؟''

وہ بے چینی سے کسمسانے لگا۔ کروٹ بدل کر چت لیٹنا چاہتا تھا۔ اسے ملازم اور نرس نے پکڑ لیا۔

ڈاکٹر نے کہا ''نہیں چت نہ لیٹنا۔ سر کے پچھلے حصے میں ...ہے جب تک اوندھے لیٹ سکتے ہو یا ایک کروٹ سے ...سکتے ہو، لیٹے رہو۔''

ڈاکٹر نے اس کے بازو میں ایک انجکشن لگایا پھر نرس سے کہا ''اسے سوپ پلاؤ۔''

نرس اس کے پاس آکر اسے ایک ایک چمچ کر کے سوپ پلانے لگی۔ اسے ایک بازو اور ران میں تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر اسے بتا رہا تھا کہ وہ کہاں کہاں سے زخمی ہو چکا ہے۔ اس وقت زیرِ علاج ہے اور اسے اس طرح پتا نہیں کتنا عرصہ بستر پر رہنا پڑے۔

اس نے پوچھا ''مجھے یہ تو بتاؤ، میں کون ہوں؟ میرا نام کیا ہے؟ تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ کیا مجھے پہلے سے جانتے ہو؟''

''میں تمہیں نہیں جانتا۔ یہاں تمہیں زخمی حالت میں لایا گیا ہے۔ ہمارے درمیان ڈاکٹر اور مریض کا رشتہ ہے۔ اس سے زیادہ میں تمہارے بارے میں نہیں جانتا۔''

پھر اس نے سمجھایا ''میرا مشورہ ہے تم اپنے بارے میں زیادہ مت سوچو۔ اپنے ذہن پر زور مت ڈالو۔ تمہارے دماغ کی تکلیف اور بڑھ جائے گی۔''

وہ بولا ''میرے اندر بے چینی ہے۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں کون ہوں؟ میں تو سوچتا ہی رہوں گا۔ مجھے سکون نہیں ملے گا۔''

ڈاکٹر نے کہا ''تمہیں صبر کرنا چاہیے۔ انتظار کرنا چاہیے۔ زخم بھرتے رہیں گے تو تمہاری یادداشت واپس آجائے گی۔ تم اپنے بارے میں سب کچھ یاد کرنے لگو گے۔ فی الحال تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

ڈاکٹر وہاں سے چلتا ہوا کمرے سے باہر آیا پھر ایک کوریڈور سے گزر کر دوسرے کمرے میں پہنچا وہاں دردانہ اور شہباز بیٹھے ہوئے تھے۔

اس نے کہا ''سر! اسے ہوش آ گیا ہے۔ ابھی اس نے کچھ باتیں کی ہیں۔''

دردانہ نے پوچھا ''وہ کیا کہہ رہا ہے؟''

''وہ کیا کہے گا؟ وہ تو اپنے آپ کو بھول چکا ہے۔ اپنا نام تک اسے یاد نہیں ہے۔''

شہباز نے کہا ''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے؟''

''یہی بات ہے۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں ہے کہ دشمنوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ اس پر گولیاں برسائیں تھیں۔ وہ اپنی پچھلی زندگی کی تمام باتیں بھول چکا ہے۔''

دردانہ نے مسکرا کر شہباز کو دیکھا۔ شہباز نے کہا ''میں نے تم سے کہا تھا کہ جب یہ ہوش میں آئے گا تو ہم دواؤں اور انجکشن کے ذریعے اس کے دماغ کو اس قدر کمزور بنا دیں گے۔ یہ پچھلی تمام باتوں کو بھول جائے گا۔ دردانہ! مقدر تمہارا ساتھ دے رہا ہے ہماری کسی کوشش کے بغیر ہی یہ تمام باتیں بھول چکا ہے۔''

ڈاکٹر نے کہا ''اس کے دماغ کے پاس گولی لگی تھی اس لیے دماغ متاثر ہوا ہے خون زیادہ بہہ جانے کے باعث وہ دماغی اور جسمانی طور پر بہت کمزور ہو گیا ہے۔''

شہباز نے کہا ''وہ ہمیشہ کمزور نہیں رہے گا۔ اس کا توجہ سے علاج ہو رہا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ دماغی اور جسمانی توانائی حاصل کرتا رہے گا۔ کیا اس کے بعد اس کی یادداشت واپس آجائے گی؟''

''ہو سکتا ہے واپس آجائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی پچھلی زندگی کو یاد نہ کر سکے اور خود اپنے لیے ایک اجنبی بن کر رہ جائے۔''

دردانہ نے کہا ''میں نہیں چاہتی کہ وہ توانائی حاصل کرنے کے بعد خود کو پہچانے۔ عینی اور عروج کو یاد کرے۔ پھر ان کے پاس جانا چاہے۔''

شہباز نے کہا ''ڈاکٹر میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ میں کسی بھی طرح اس کا برین واش کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تنویمی عمل کے ذریعے ایسا ممکن ہے؟''

''ہپناٹزم کے ذریعے برین واش ہو جاتا ہے لیکن یہ عمل پائیدار نہیں رہتا۔ رفتہ رفتہ یادداشت واپس آجائے گی۔ آپ اطمینان رکھیں۔ ابھی ہم اس مریض کی اسٹڈی کر رہے ہیں جب

یہ دیکھیں گے کہ توانائی حاصل کرنے کے دوران یہ پچھلی باتیں یاد کرنے لگا ہے تو میں دواؤں اور انجکشن کے ذریعے اس کے دماغ کو کمزور بناتا جاؤں گا۔ یہ جسمانی توانائی تو حاصل کر سکے گا لیکن ذہنی توانائی اسے حاصل نہیں ہو سکے گی۔"

دردانہ نے کہا" ڈاکٹر! اگر تم ایسا کرتے رہے اور اسے ہمیشہ دماغی کمزوری میں مبتلا رکھتے رہے تو میں تمہیں منہ مانگی رقم دیتی رہوں گی۔"

وہ بولا" میں تو آپ کا خادم ہوں۔ باس مجھے اتنا کچھ دیتے ہیں کہ پھر کسی سے کچھ لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ میں جارہا ہوں اسے اٹینڈ کرتے رہنا ضروری ہے۔"

وہ وہاں سے چلا گیا۔ دردانہ نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے ایک ڈائری نکالی۔ شہباز نے پوچھا" یہ کیا ہے؟"

وہ بولی" اسد عزیزی نے پاشا کے مکان میں گھس کر اس کے سامان کی تلاشی لی تھی۔ وہاں سے اس کا ایک اٹیچی اٹھا کر لے آیا تھا۔ اس اٹیچی میں یہ ڈائری رکھی ہوئی تھی۔"

" کیا اس ڈائری میں کوئی اہم بات لکھی ہوئی ہے؟"

" ایسی اہم بات لکھی ہوئی ہے جس کے بارے میں ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔"

" اچھا۔ ایسی کیا بات ہے؟"

" پاشا نے جگہ جگہ اپنی محبوبہ کے قصیدے لکھے ہیں۔"

" اور اس کی وہ محبوبہ عینی ہوگی؟"

" یہی تو چونکانے والی بات ہے، وہ عینی سے نہیں، عروج سے محبت کرتا ہے اور عینی پاشا سے محبت کرتی ہے۔ میں ان دو سہیلیوں کے بارے میں کسی حد تک بتا چکی ہوں۔ ان دونوں میں آپس میں اتنی محبت ہے کہ وہ شادی کے بعد بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں رہنا چاہتیں۔"

شہباز نے کہا" ذرا ٹھہرو مجھے سمجھنے دو تم کہہ رہی ہو کہ پاشا عروج کو چاہتا ہے اور عینی پاشا کو چاہتی ہے تو کیا عروج بھی پاشا کو چاہتی ہے؟"

" ہاں دونوں ہی سہیلیاں اس کی دیوانی ہیں۔ عروج چاہتی تھی کہ پاشا عینی سے محبت کرے اور اسی سے شادی کرے۔ وہ اپنی محبت کی قربانی دینا چاہتی تھی لیکن پاشا کو یہ منظور نہیں تھا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ دونوں ہی پاشا سے شادی کریں گی اور شادی کے بعد ایک دوسرے کی سوکن نہیں ہمیشہ کی طرح سہیلیاں بن کر رہیں گی۔"

" یہ تو بڑی عجیب اور دلچسپ بات ہے ایسا میں نے کبھی نہیں سنا۔ یہ تو پہلی مرتبہ سن رہا ہوں کہ دو لڑکیاں ایک ہی شخص سے شادی کر کے سوکن بن کر رہنا قبول کر رہی ہیں۔ پاشا تو بڑا خوش نصیب ہے۔"

دردانہ نے کہا" ان تینوں سے زیادہ خوش نصیب تو میں ہوں۔ عینی اور عروج کیا ہیں؟ پاشا میری شطرنج کی بسا بادشاہ، میری مٹھی میں ہے اس کی یادداشت کبھی واپس نہ آئے گی۔ میں اسے جیسا سمجھاؤں گی وہ ویسا ہی سمجھے گا او دو سہیلیوں کی کمزوریاں بن کر ہمیشہ میرے پاس رہے گا۔"

" اگر وہ دونوں اس کی دیوانی رہیں گی تو پھر تمہاری بڑی زبردست ہوگی۔ تمہاری سوتیلی بیٹی یعنی تمہاری طر جھکنے پر مجبور ہو جائے گی اور اگر عروج بھی پاشا کو دل و سے چاہتی ہے تو وہ بھی تمہارے سامنے کمزور پڑ جائے گی۔"

" میں تو انہیں اب تگنی کا ناچ نچاؤں گی۔ بس اب دیکھنے کے لیے بے چین ہوں کہ پاشا ہمیشہ کے لیے یادداشت کھو چکا ہے یا اس کی یادداشت واپس آ جائے گی۔"

" میری جان اس کی فکر نہ کرو۔ اس کی فکر نہ کرو۔ یادداشت کبھی واپس نہیں آئے گی۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔"

پھر پندرہ دن گزر گئے۔ پاشا اب سر کے پچھلے حصے پر رکھ کر چاروں شانے چت لیٹ سکتا تھا اور اٹھ کر بستر کے سرہانے بیٹھ سکتا تھا۔ دردانہ اور شہباز کی پلاننگ کے ڈاکٹر نے پاشا کو بتایا تھا کہ اس کا نام سلامت پاشا عرف جانی ہے۔ وہ ایک امیر کبیر خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ ممی کا نام دردانہ بیگم ہے اور وہ دنیا میں سب سے زیادہ کو چاہتا ہے۔

پاشا نے پوچھا" جب میں اپنی ممی کو اتنا چاہتا ہوں تو میرے پاس کیوں نہیں آرہی ہیں۔ وہ کہاں ہیں؟"

" وہ آنا چاہتی ہیں لیکن میں نے انہیں یہاں آ روک دیا ہے۔"

" آپ ماں بیٹے کو ملنے سے کیوں روک رہے ہیں؟"

" اس لیے کہ تم اپنی تمام پچھلی باتیں بھول چکے ہو تمہارا علاج بھی کرتا جارہا ہوں اور تمہیں پچھلی باتیں جارہا ہوں۔"

اس نے ایک اردو کی اور ایک انگریزی کی کتاب دیتے ہوئے پوچھا" کیا تم یہ زبانیں پڑھ سکتے ہو۔"

اس نے ان کتابوں کو کھول کر پڑھا۔ ڈاکٹر نے نے جو تعلیم حاصل کی ہے، وہ سب کچھ تمہیں یاد ہے کتاب کی طرح تمہیں اپنا گھر یاد ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ ڈاکٹر نے پوچھا" اپنی ممی دردانہ بیگم کا چہرہ یاد ہے؟"

اس نے پھر انکار میں سر ہلایا۔ ڈاکٹر نے دردانہ اور شہباز کی تصویریں اس کے سامنے پیش کیں، پھر کہا" یہ تمہاری ممی دردانہ بیگم ہیں اور یہ تمہارے ڈیڈی شہباز درانی ہیں اور یہ تمہارا شناختی کارڈ ہے۔"

اس نے اپنا شناختی کارڈ لے کر پڑھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا سلامت پاشا عرف پاشا جانی ولد شہباز درانی۔"

ڈاکٹر نے کہا" ان تصویروں کو دیکھو۔ کیا ان کے لیے اپنائیت محسوس کر رہے ہو؟ تمہارا شناختی کارڈ بھی کہہ رہا ہے کہ شہباز درانی کے بیٹے ہو اور شہباز درانی کی وائف دردانہ تمہاری ممی ہیں۔"

وہ ان تصویروں کو دیکھتے ہوئے بولا" میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔ خود کو تنہا محسوس کر رہا تھا۔ ان تصویروں کو دیکھ کر دل میں ایک امنگ پیدا ہوئی ہے کہ میرے اپنے اس دنیا میں موجود ہیں اور یہ میرے ماں باپ ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد دردانہ اور شہباز اس کے کمرے میں آئے۔ دردانہ بیگم اسے دیکھتے ہی پاس آ کر لپٹ گئیں "میرے بچے تمہارا کیا حال ہو گیا تھا۔ میں تمہارے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔ منتیں مانگ رہی تھی اور علاج کرا رہی تھی۔ خدا کا شکر ہے اب تم اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہو گئے ہو۔"

شہباز نے اس کی پیشانی کو چوم کر کہا" بیٹے! تم سب کچھ بھول گئے ہو۔ رفتہ رفتہ تمہیں بہت کچھ یاد آ جائے گا۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ تم کتنے رئیس اعظم کے بیٹے ہو اور میری ایک ہی اولاد ہو۔ دردانہ تم اسے البم دکھاؤ۔ اس کی بہت سی تصویریں دیکھ کر شاید اسے کچھ یاد آ جائے۔"

دردانہ نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے ایک بڑی سی البم نکالی پھر اسے کھول کر پہلی تصویر دکھاتے ہوئے کہا" دیکھو یہ اس وقت کی تصویر ہے، جب تم پیدا ہوئے تھے اور میری گود میں آئے تھے۔ اس البم میں ترتیب وار ہر برس کی تصویر ہے دس برس کی عمر میں ہم نے تمہیں تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن بھیج دیا تھا۔ اس کے بعد کوئی تصویر نہیں اتاری گئی۔ جب تم بیس برس کے ہوئے تو اس کے بعد میری تمہاری یہ تصویر ہے۔"

اس تصویر میں پاشا نے خود کو دردانہ بیگم کے ساتھ دیکھا۔ وہ اپنی ماں سے لپٹا ہوا تھا یہ کمپیوٹر کا کمال تھا۔ اسد عزیزی پاشا کے مکان میں گھس کر جو سامان اٹھا کر لایا تھا۔ اس میں پاشا کی البم تھی اور البم میں ایسی بہت سی تصویریں تھی جس میں وہ اپنی اصل ماں سے لپٹا ہوا تھا۔ اس ماں کی جگہ دردانہ بیگم آ گئی تھیں۔ کسی تصویر میں وہ ٹیکسی چلا رہا تھا۔ ٹیکسی کی جگہ کار آ گئی تھی۔ ایک سالگرہ کی تقریب میں وہ اپنی ممی کے ساتھ تھا کیک کاٹ رہا تھا اور کیک کا ایک پیس اپنی ممی کو کھلا رہا تھا۔

شہباز کے وفاداروں میں ایک ایسا ماتحت تھا جو تحریر کی اور دستخطوں کی کامیابی سے نقالی کیا کرتا تھا۔ دردانہ بیگم نے اس سے پچھلے دو سال کی ڈائریاں لکھوائیں۔ اس نے پاشا کی تحریر میں وہ سب کچھ لکھا جو دردانہ چاہتی تھی۔ اس نے بیگ میں سے وہ ڈائریاں نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا" بیٹے! یہ ڈائریاں تم نے مختلف اوقات میں لکھی ہیں۔ انہیں پڑھتے رہو گے تو شاید تمہیں اپنی پچھلی باتیں یاد آتی رہیں گی۔"

شہباز درانی نے کہا" ڈاکٹر نے ہمیں تاکید کی ہے کہ تم سے زیادہ باتیں نہ کریں اور تمہاری پچھلی زندگی کے بارے میں زیادہ کچھ نہ بولیں۔ اس لیے ہم یہ سب چیزیں لائے ہیں۔ ہم جارہے ہیں تم انہیں پڑھتے رہو۔ اس کے بعد جب تم ہمیں بلاؤ گے تو ہم چلے آئیں گے۔"

اس نے پوچھا" میں اس وقت کہاں ہوں؟"

" بیٹے! اس وقت تم اپنی ذاتی کوٹھی میں ہو۔ یہ عالی شان محل نما کوٹھی تمہاری ہے۔ تم جب چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ گے تو خود ہی ہر طرف گھوم پھر کر دیکھو گے۔ بے انتہا دولت اور شان و شوکت دیکھ کر ہماری اولاد ہونے پر فخر کرو گے۔"

دردانہ نے مسکرا کر اس کی پیشانی کو چوما پھر وہ دونوں اس کمرے سے چلے گئے۔ اس کے ہاتھوں میں دو برسوں کی تحریریں تھیں۔ اس نے ایک ڈائری کو کھولا۔ دوسرے لفظوں میں کہنا چاہیے کہ میں اس کی تقدیر کا ایک نیا دروازہ کھول رہا تھا۔ ایک نئی داستان شروع کر رہا تھا۔ اس ٹیکسی ڈرائیور کی زندگی ایک نئی کروٹ لے رہی تھی۔

☆☆☆

پندرہ دن گزر چکے تھے۔ پاشا کی طویل غیر حاضری نے عینی اور عروج کو مایوس کر دیا تھا۔ اس کی گمشدگی یہ سمجھا رہی تھی کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔ لیکن ان کا دل نہیں مانتا تھا پھر بھی طرح طرح کے سوالات اندر ہی اندر بھڑکتے رہتے تھے۔

اگر وہ زندہ ہے تو رابطہ کیوں نہیں کر رہا ہے؟ اب تو پندرہ دن گزر چکے ہیں۔ اتنے دنوں میں اسے رابطہ کرنے کا موقع نہیں ملا ہوگا؟

عروج نے کہا" اس کے ساتھ کوئی ایسی مجبوری ہے جو ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ وہ اچانک ہی ایک دن آئے گا پھر جب آئے گا اور اپنی مجبوریاں بتائے گا تب ہمیں

یقین ہوگا کہ اس کے ساتھ کتنا ظلم ہوتا رہا تھا اور اس نے ہمارے پیار کی خاطر کتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔''

مرنے والوں پر صبر آ جاتا ہے لیکن جو زندہ ہو اور لا پتا ہو جس کے نہ مرنے کی خبر ہو اور نہ جینے کی، اس کے لیے طرح طرح کے اندیشے پیدا ہوتے ہیں لیکن دل میں امید کی کرن بھی جگمگاتی رہتی ہے۔ مرنے والا کبھی واپس نہیں آتا لیکن جینے والے کی آس بندھی رہتی ہے کہ کبھی نہ کبھی وہ ضرور آئے گا اور اچانک آئے گا۔

ساری زندگی کسی کا سوگ منایا نہیں جاتا۔ دنیا داری بھی ضروری ہوتی ہے اس لیے عروج پھر ڈیوٹی پر جانے لگی۔ عینی ہمیشہ کی طرح اس کے ساتھ لگی رہتی تھی۔ جب پاشا اس کی زندگی میں نہیں آیا تھا تب بھی عروج کا ساتھ تھا۔ اب بھی عروج اس کی کل کائنات تھی۔

صرف وہی دونوں بجھی بجھی سی رہتی تھیں۔ ورنہ گھر میں بڑی رونق تھی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ کیونکہ میں نے پندرہ دنوں کے اندر آنے کا وعدہ کیا تھا پھر دو روز پہلے فون پر کہا تھا کہ میں آ رہا ہوں لیکن وقت اور دن نہیں بتا سکتا کیونکہ بہت مصروف ہوں۔ میری اس اطلاع کے بعد اس گھر میں ہر روز عید کا سماں تھا اور ہر رات رت جگا ہوتا تھا۔ منصوبے بنتے رہتے تھے کہ کس طرح مجھے اپنی اپنی طرف مائل کیا جا سکے گا۔

نمرہ وہاں آ چکی تھی۔ اس کے آتے ہی بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اس کے ساتھ ایک کمرے میں بند ہو گئے تھے۔ نمرہ نے حیرانی سے پوچھا ''ڈیڈی آپ دروازہ اندر سے کیوں بند کر رہے ہیں؟''

ممی نے کہا ''بیٹی ابھی ہم نہیں چاہتے کہ تم اپنی پھوپی فلک ناز سے ملو۔ وہ پتا نہیں، کیا الٹی پٹی پڑھا دے گی۔ وہ تو کم بخت اپنی بیٹی آسرا کے لیے راستہ ہموار کر رہی ہے۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا ''کیسا راستہ ہموار کر رہی ہے۔ آخر بات کیا ہے؟''

''بات کہنے کے لیے ہی ہم نے دروازے کو اندر سے بند کیا ہے۔ کتنی بار تم سے فون پر رابطہ کرنا چاہا لیکن تم پہاڑی علاقوں کی طرف گئی ہوئی تھیں۔ کیا تمہاری نانی نے ہمارا کوئی پیغام نہیں دیا تھا؟''

''جب میں لاہور واپس آئی تو انہوں نے صرف اتنا ہی کہا کہ آپ نے مجھے کئی بار فون کیا ہے۔ آپ مجھ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔''

باپ نے پوچھا ''تو پھر تم نے ہم سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟''

''میں ایک سہیلی کی شادی میں مصروف ہو گئی تھی۔ شادی کی تقریبات ختم ہونے کے بعد آج ہی یہاں ہوں۔''

ماں نے کہا ''تمہیں سہیلیوں کی شادی میں ناچنے گا۔ بہت شوق ہے۔ اپنی شادی کی فکر نہیں ہے؟''

''اوہ ممی! ہمارے خاندان میں تو بس یہی رہتا۔ جہاں لڑکیاں جوان ہوئیں۔ ماں باپ ان کے پیچھے پڑ جا ہیں۔ شادی کرو۔ شادی کرو۔ میں تو نہیں کروں گی۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو؟ شادی کیوں نہیں کرو گی؟ جا ہو، تمہاری عینی کا ایک سوتیلا بھائی بھی ہے۔''

''میں بچپن سے جانتی ہوں وہ سوتیلا بھائی جواد ہے۔''

''وہ تو مر چکا ہے۔ میں اس کی نہیں ایک اور بھائی بات کر رہی ہوں۔ تمہارے چچا فلک سکندر حیات نے چھ کر ایک شادی کی تھی۔ ان سے ایک بیٹا ہوا تھا۔ آج وہ جوان ہو گیا ہے۔ اپنے باپ کا کاروبار سنبھال رہا۔ کروڑوں کی دولت اور جائیداد کا تنہا وارث ہے۔ عینی تو یونہی ہے۔''

''ارے واہ! پہلے تو آپ عینی کو بہو بنانے کے لیے ا پاؤں پر کھڑی ہوئی تھیں اور اس کے گن گاتی تھیں۔ اب رہی ہیں کہ وہ یونہی ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''بیٹی تمہارے چچا نے عینی کو اچھی خاصی دولت اور جائیداد دی ہے لیکن مقدر حیات کی با ہی کچھ اور ہے۔''

وہ میرا نام سنتے ہی چونک گئی۔ ایک دم سے میں اس نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

میں نے مسکرا کر کہا ''میری جان! مجھ سے کتنی دور گی؟ میں تمہارا مقدر ہوں۔ تمہاری حیات کی دہلیز پر آ ہوں۔''

ماں نے پوچھا ''کیا سوچ رہی ہو؟''

وہ چونک کر بولی ''یہ صاحب کون ہیں؟''

''تمہارے مرحوم چچا کا بیٹا ہے۔ عینی کا سوتیلا بھائی بس یوں سمجھو کہ وہ تمام دولت و جائیداد اور تمام کاروبار سیاہ اور سفید کا مالک ہے۔''

''ہم نے اسے تمہارا فون نمبر دیا تھا۔ تمہارا پتا دیا تھ لیکن تم تو پہاڑی علاقوں میں چلی گئی تھیں۔ وہاں بھی جا کر فو بند رکھا تھا۔ اس بے چارے نے تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہوں گی۔ آخر تمہارا بچپنا کب جائے گا؟''

بیگم آفتاب نے کہا ''اس نے فون پر مجھ سے باتیں

تھیں۔ وہ تم سے بڑی دلچسپی ظاہر کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا، تم سے فون پر باتیں کرے گا۔ تم سے ملاقات کرے گا پھر تم سے شادی کرے گا۔''

میں پھر نمرہ کے سامنے آ گیا۔ مسکرا کر بولا ''اور دیکھ لو کہ میں نے تم سے فون پر بھی گفتگو کی تم سے ملاقاتیں بھی کیں۔ تمہیں سر سے پاؤں تک دیکھ بھی لیا۔ کہو کیسی رہی؟''

ماں نے پوچھا ''تم ادھر گلدان کو کیا تک رہی ہو؟''

وہ پھر چونک کر بولی ''وہ پہاڑی علاقے میں آیا تھا۔ اس نے فون پر بات کی تھی۔ مجھ سے ملاقات کی تھی۔ میں نہیں جانتی یہ وہی ہے یا نہیں؟ لیکن اس کا نام بھی مقدر حیات تھا۔''

ماں نے خوش ہو کر اس کے بازو کو تھام کر پوچھا ''سچ کہہ رہی ہو؟ تم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ہے؟ باتیں کی ہیں؟''

''ہاں مگر میں یہ نہیں جانتی کہ وہی میرے مرحوم چچا کا بیٹا تھا یا نہیں؟''

وہ خوشی سے اٹھ کر بولی ''بیٹی پھر تو وہی ہوگا۔ ٹھہرو میں اس کی تصویر دکھاتی ہوں۔ اخلاق احمد نے اس کی ایک ایک تصویر مجھے اور فلک ناز کو دی ہے۔''

وہ الماری کے پاس گئی اور ایک تصویر لے کر آئی اسے نمرہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''یہ ہے ہمارا مقدر......''

وہ میری تصویر دیکھتے ہی چونک گئی۔ میں پھر اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ اس کی طرف جھک کر کان میں بولا ''شادی سے پہلے تصویر دکھائی جاتی ہے بول میری بنو! یہ البیلا چھیل چھبیلا کیسا ہے؟''

وہ میری تصویر کو ماں کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے بولی ''میں ایک اندھے سے شادی نہیں کروں گی۔''

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے حیرانی سے بیک وقت پوچھا ''اندھا......؟''

''ہاں یہ اندھا ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''بیٹی یہ کیا کہہ رہی ہو؟ وکیل اخلاق احمد نے کبھی ہم سے اس کے اندھے پن کا ذکر نہیں کیا۔ تمہیں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''ڈیڈی! میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

اس نے روانی میں کہہ دیا ''یہ پہلے اندھا نہیں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ہو گیا۔''

''کیا......؟'' ماں باپ نے اسے حیرانی اور بے یقینی سے دیکھا پھر ماں نے ناگواری سے کہا ''یہ کیا بکواس کر رہی ہو۔ یہ تمہیں دیکھتے ہی کیسے اندھا ہو گیا؟''

یکبارگی اس کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر آ گیا۔ جب اس سے پہلی بار سامنا ہوا تھا اور وہ تولیہ لپیٹے باتھ روم سے باہر آ رہی تھی۔

ماں نے پوچھا ''یہ بار بار تم گلدان کی طرف کیوں دیکھنے لگتی ہو؟''

اس نے چونک کر ماں کو دیکھا پھر جھینپ گئی۔ اب وہ کیسے کہہ سکتی تھی کہ میں نے ایسا کیا دیکھ لیا تھا جو دیکھتے ہی اندھا ہو گیا تھا۔

باپ نے پوچھا ''کیا تم ابنارمل ہو گئی ہو؟ کیسی بچکانہ باتیں کر رہی ہو؟ وہ تمہیں دیکھتے ہی بھلا اندھا کیسے ہو جائے گا؟''

ماں نے کہا ''کوئی سنے گا تو کیا کہے گا کہ لڑکی منحوس ہے۔ اس سے شادی کے خواہش مند اسے دیکھتے ہی اندھے ہو جاتے ہیں۔''

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ منہ پھیر کر بولی ''میں کچھ نہیں جانتی لیکن یہ سچ ہے کہ یہ اندھا ہو چکا ہے۔ اپنے علاج کے لیے اسلام آباد گیا تھا۔ وہاں ایک بار اس سے فون پر رابطہ ہوا۔ اس کے بعد وہ پھر کہیں گم ہو گیا۔ میں نے کئی بار اس سے فون پر رابطہ کرنے کی کوششیں کیں لیکن اس کا موبائل ہمیشہ بند رہتا تھا۔ اس طرح میں نے سمجھ لیا کہ اس کی آنکھوں کا علاج نہیں ہو رہا ہے اور وہ مستقل اندھا ہو چکا ہے۔''

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر فلک آفتاب نے کہا ''میں یقین نہیں کر سکتا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وکیل اخلاق احمد ہمیں ضرور اس سانحے کی اطلاع دیتے یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے کہ اخلاق احمد صاحب ہم سے یہ بات چھپانا چاہیں گے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''آپ اپنا فون مجھے دیں۔ میں ابھی وکیل صاحب سے بات کرتی ہوں۔''

اس نے فون لے کر نمبر ملائے پھر اسے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے ٹیپ چل رہا تھا ایک خاتون کی آواز سنائی دے رہی تھی ''آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الحال رابطہ نہیں ہو رہا ہے آپ کچھ دیر بعد کوشش کریں!''

وہ جھنجلا کر بولی ''رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ پتا نہیں وکیل صاحب کہاں مر گئے ہیں؟''

پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی بیٹی کے سامنے آ کر بولی ''کیا منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی ہو۔ اگر وہ اندھا ہوا تو کیا ہوا؟ یہ دیکھو کہ وہ کس قدر دولت مند ہے ساری زندگی نوٹ گنتی رہو گی۔ تب بھی دولت ختم نہیں ہو گی۔''

''سوری ممی! اگر مجھے نوٹ گننے کا شوق ہوگا تو میں کسی بینک میں ملازمت کرلوں گی لیکن کسی اندھے سے شادی نہیں کروں گی۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی دروازے کے پاس گئی پھر اسے کھول کر کہا ''میں سفر سے تھک کر آئی ہوں۔ نہا کر فریش ہونا چاہتی ہوں۔ پلیز مجھے تنہا چھوڑ دیں۔''

ماں نے جاتے ہوئے کہا۔ ''ایک گھنٹے کے اندر باہر آجانا۔ ہم لنچ کے لیے انتظار کریں گے۔''

وہ دونوں باہر گئے۔ نمرہ نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا پھر الماری سے ایک جوڑا نکال کر اسے بیڈ پر رکھا اور تولیہ لے کر باتھ روم کی طرف جانے لگی۔ ایسے ہی وقت ٹھٹک گئی۔ رک گئی۔ باتھ روم کے دروازے پر میں کھڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے مسکرا کر پوچھا ''کیا ایک اندھے کی لاٹھی نہیں بنو گی؟''

وہ سحر زدہ سی ہوکر مجھے دیکھنے لگی۔ میں اس کے دل کا حال جانتا ہوں۔ وہ مجھ سے متاثر ہوگئی تھی۔ اس کے لاشعور میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ہر شریف زادی کی زندگی میں صرف ایک ہی شخص آتا ہے جو اسے تنہائی میں دیکھتا ہے اور جب وہ دیکھ لیتا ہے تو پھر کسی دوسرے کو یہ حق نہیں دیا جاتا اور نہ ہی یہ حق وہ کسی کو دے گی۔

میں نے پوچھا ''پھر میرے اندھے پن کا کیا بنے گا؟''

وہ بڑے پیار سے کھل کر بولی ''کس نے کہا تھا دیکھنے کو؟ اچھا ہوا اندھے ہوگئے۔ کیوں میرے خیالوں میں آتے ہو اور مجھے اپنی طرف کھینچتے رہتے ہو۔ جاؤ یہاں سے۔ میں غسل کرنے جارہی ہوں۔''

اس نے تولیہ پھینک کر مجھے مارا۔ میں نے اسے کیچ کرتے ہوئے تولیے کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا ''اس کا بھی کیا مقدر ہے۔ غسل کرنے کے بعد یہ تم سے لپٹ پڑے گا۔''

وہ گھور کر بولی ''تم جاتے ہو یا نہیں؟''

تولیہ فرش پر گر پڑا۔ میں وہاں نہیں تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر تولیہ کو اٹھایا پھر باتھ روم میں جا کر دروازہ اندر سے بند کرلیا۔

وہ ایک گھنٹے بعد تازہ دم ہوکر کمرے سے نکلی پھر سیدھی عینی اور عروج کے پاس پہنچی۔ عینی کو دیکھتے ہی اس کے گلے لگ کر کہا ''مجھے تمہاری ٹریجڈی کا علم ہے۔ ایک تو شادی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ دوسرے یہ کہ دولہا اب تک لاپتا ہے۔ یہ تمہارے ساتھ کیا ہورہا ہے عینی؟''

وہ نمرہ اور آسرا سب ہی بہنیں سہیلیوں کی طرح میل محبت سے رہتی تھیں۔ نمرہ کے گلے لگتے ہی اسے رونا آگیا۔ وہ روتے ہوئے بولی ''میں کیا بتاؤں۔ کوئی بندہ مارے تو اس کا ہاتھ پکڑا جاسکتا ہے لیکن مقدر مارتا ہے تو کوئی اسے روک نہیں پاتا۔''

''کچھ تو معلوم ہونا چاہیے عینی کہ وہ کہاں گم ہوگیا ہے؟ ہمارے بھائی جان بہت بڑے پولیس افسر ہیں۔ میں نے سنا ہے وہ بھی اس کا سراغ لگانے میں ناکام ہورہے ہیں۔''

وہ عینی سے الگ ہوکر عروج کے گلے لگ گئی۔ عروج نے کہا ''ہمارا تو یہ حال ہے کہ صبح نکلتی ہیں اور شام کو واپس آنے تک تمام راستے اسے ڈھونڈتی رہتی ہیں۔ سڑکوں کے کنارے، بازاروں میں اور تفریح گاہوں میں جہاں جاتی ہیں۔ ہماری نگاہیں اسی کو تلاش کرتی رہتی ہیں۔''

عینی نے کہا ''بھائی جان اور ان کی پولیس تھک ہار گئی ہے۔ ہمارے پاس لے دے کے دعائیں رہ گئی ہیں۔ ہم دعائیں مانگتی رہتی ہیں کہ وہ زندہ سلامت رہے۔''

نمرہ نے کہا ''میں بھی دل سے دعائیں مانگتی رہوں گی۔ اب یہاں سے چلو کھانے کا وقت ہوگیا ہے۔''

عینی نے کہا ''میں ابھی نہیں کھاؤں گی۔''

''یہ تو ہو نہیں سکتا۔ میں اتنے عرصے بعد یہاں آئی ہوں اور تم میرے ساتھ نہیں کھاؤ گی؟''

عینی اور عروج نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا پھر عروج نے کہا ''گھر والوں کو اس بات کی بالکل پروا نہیں ہے کہ عینی کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ ہم یہ نہیں چاہتیں کہ پاشا کی گمشدگی کا سوگ منایا جائے۔ ہمیں کسی کو فکر اور پریشانی میں مبتلا کرنا گوارا نہیں ہے لیکن یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ یہاں قہقہے لگائے جائیں اور خوشیاں منائی جائیں۔''

عینی نے کہا ''میرے ایک بھائی مقدر حیات ہیں۔ ان کے بارے میں تمہیں معلوم ہوچکا ہوگا۔''

نمرہ نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ عینی نے کہا ''وہ آج کل میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ان کے استقبال کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ یہاں سب کا ہر دن عید کی طرح اور رات شب برات کی طرح گزرتی ہے۔ پتا نہیں یہ کب سوتے ہیں کب جاگتے ہیں۔''

عروج نے کہا ''پاشا کے گم ہوتے ہی یہاں سب کو توقع تھی کہ عینی عدنان کی طرف یا بابر کی طرف مائل ہوجائے گی لیکن اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ ساری زندگی پاشا کا انتظار کرتی رہے گی۔''

عینی نے کہا ''میرے اس فیصلے نے ان سب کو مایوس کردیا ہے۔ اب وہ جیسے مجھ سے انتقام لے رہی ہیں۔ میں یہاں صدمات سے دوچار ہورہی ہوں اور وہاں وہ سب خوشیاں منا رہے ہیں۔''

نمرہ نے سر جھکا کر کہا ''بڑے افسوس کی بات ہے۔ ہمارے بزرگ بہت ہی بچکانہ حرکتیں کرتے ہیں۔ پہلے تو وہ سب تمہارے آگے پیچھے گھومتے رہتے تھے۔ تمہاری خوشامدیں کرتے رہتے تھے۔ ٹکا سا جواب ملنے پر انہوں نے یہ رویہ اختیار کیا ہے۔ میں ممی اور ڈیڈی سے بات کروں گی۔''

عینی نے اسے تھپکتے ہوئے کہا ''نہیں نمرہ! اپنے بزرگوں سے کوئی گستاخی نہ کرنا۔ تم بہت دنوں بعد آئی ہو.... ان سے اچھی طرح ہنستی بولتی رہو۔ میرے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ میرے بھائی جان مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں اور میرے دکھ میں برابر کے شریک رہتے ہیں۔''

نمرہ نے کہا ''ہمارے خاندان میں لوگ لالچی ہیں۔ بغض اور کینہ رکھنے والے افراد ہیں لیکن محبت کرنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ تمہیں بھائی جان دل و جان سے چاہتے ہیں۔ میں جانتی ہوں عروج کی چاہت تمہارے لیے بے مثال ہے اور آسرا بھی یہاں پہنچنے والی ہے۔ تم یہاں تنہا نہیں رہو گی۔ ہم سب کی محبتیں تمہارے ساتھ رہیں گی۔''

عروج نے مسکرا کر کہا ''تم اسما بھابی کو بھول رہی ہو۔ وہ اگرچہ ہماری بھابی ہیں لیکن عینی کو اور مجھ کو ایک ماں کی طرح چاہتی ہیں۔''

نمرہ نے کہا ''ہماری بھابی جان تو بہت ہی اچھی ہیں۔ اچھا اب کھانے کے لیے چلو۔''

عینی نے کہا ''یہاں دو گھریلو سیاسی پارٹیاں بن گئی ہیں۔ ایک پارٹی تمہارے والدین کی اور پھوپی جان کی ہے اور دوسری پارٹی میں ہم ہیں بھائی جان اور اسما بھابی ہیں۔ ابھی بھابی جان کھانا لے کر کمرے میں آئیں گی پھر ہم ان کے اور بھائی جان کے ساتھ مل کر یہیں کھائیں گے۔''

''پھر تو میں بھی یہاں تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گی۔''

عروج نے کہا ''نہیں نمرہ تم بہت دنوں بعد آئی ہو۔ ابھی اپنے والدین کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔ آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھالینا۔''

دروازے پر دستک ہوئی پھر کچھ کہنے سے پہلے ہی اسما نے دروازہ کھول کر جھانکتے ہوئے کہا ''کھانا تیار ہے چلیے۔''

پھر اس نے نمرہ کو دیکھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا ''ہائے نمرہ! تم تو آتے ہی اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھیں۔ میں تم سے ملنے گئی تو پتا چلا فی الحال تم سے ملنے پر پابندی ہے۔''

نمرہ نے ہنستے ہوئے اس سے لپٹ کر اسے پیار کیا پھر کہا ''آپ تو یہاں کی سیاست جانتی ہیں۔ عینی کی طرف سے سب کا دل ہٹ گیا ہے۔ سب کو احساس ہوگیا ہے کہ کوئی اسے بہو نہیں بنا سکے گا۔ اس لیے اب مقدر حیات پر جال پھینکا جارہا ہے۔ ایک جال تو میں ہوں دوسری آسرا آنے والی ہے۔''

اسما نے کہا ''ہمارے گھر میں ایک تماشا ختم ہوتا ہے تو دوسرا شروع ہوجاتا ہے۔ فی الحال تم نیچے جاؤ۔ کھانے پر تمہارا انتظار ہورہا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ جارہی ہوں، لیکن جلد ہی واپس آؤں گی۔''

وہ کمرے سے باہر آئی۔ دوسرے کمرے سے ذیشان باہر آرہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی چہک کر بولا ''ارے آگئی میری گڑیا......!''

اس نے دونوں بازو پھیلائے۔ نمرہ دوڑتی ہوئی جاکر اس کے بازوؤں میں سما گئی پھر ایک ہاتھ سے اسے مارتے ہوئے بولی ''میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔''

''کیوں بھئی! ناراضگی کیوں ہے؟''

''آپ عینی کی صورت دیکھتے ہیں؟ کیسی بجھ گئی ہے؟ معلوم ہوتا ہے خون کے آنسو روتی رہتی ہے۔ آپ اتنے بڑے افسر ہیں اس کے لیے کیا کررہے ہیں؟''

''کیا کروں میری بہن؟ سمجھ میں نہیں آتا پاشا کو زمین نگل گئی ہے یا آسمان کھا گیا ہے طرح طرح کے اندیشے پیدا ہوتے ہیں لیکن عینی کی محبت عزم اور حوصلہ کہتا ہے کہ وہ جہاں بھی ہے زندہ سلامت ہے۔''

''اب تو اس بے چاری کے پاس دعاؤں کے سوا کچھ نہیں رہا ہے۔''

''دعاؤں میں سب سے زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ ہم بھی اس کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو ہم سب کی دعائیں قبول ہوں گی۔''

نیچے ڈرائنگ روم سے بیگم آفتاب کی آواز سنائی دی ''نمرہ کہاں ہو۔ اب آبھی جاؤ۔''

ذیشان نے کہا ''جاؤ پہلے کچھ کھالو پھر باتیں ہوں گی۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی سیڑھیاں اترتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی پھر وہاں سے ڈائننگ روم میں پہنچی۔ کھانے کی میز کے اطراف بیگم آفتاب، فلک آفتاب، فلک ناز، بابر اور عدنان بیٹھے ہوئے تھے۔ نمرہ نے اپنی پھوپی ناز، عدنان اور

بابر سے سلام دعا کی اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئی پھر ان کے ساتھ کھانے لگی۔ بیگم آفتاب نے پوچھا ''اوپر اتنی دیر کیا کر رہی تھیں؟''

وہ بولی ''کیا مجھے یہاں آ کر کہیں آنے جانے کا اور کسی سے ملنے کا حساب دینا ہوگا؟''

فلک آفتاب نے کہا ''یہ بات نہیں ہے بیٹی! تم یہاں کے حالات نہیں سمجھ رہی ہو۔ عینی کے تیور بدل چکے ہیں۔ وہ ہماری عزت نہیں کر رہی ہے پھر بھی ہم بزرگ ہیں۔ اسے بچی سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں لیکن یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے بچے اس کے پاس جائیں اور اس کے ساتھ پاشا کی گمشدگی کا سوگ منائیں۔''

وہ بولی ''بھائی جان اور بھابی جان اس کے ساتھ ہیں لیکن اس کے ساتھ سوگ نہیں منا رہے ہیں۔ بلکہ اس کی دل جوئی کر رہے ہیں۔''

پھر وہ بابر کو دیکھ کر بولی ''بابر بھائی! کیا آپ بھی گھریلو سیاست میں حصہ لے رہے ہیں؟''

وہ بولا ''ہرگز نہیں۔ میں کسی کا حمایتی نہیں ہوں اور نہ کسی کا مخالف ہوں۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ میں بھابی جان سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ میں ابھی کھانے کے بعد ان کے پاس جاؤں گا اور جب ان کے پاس جاؤں گا تو عینی سے بھی ملوں گا۔''

نمرہ نے عدنان سے پوچھا ''تم کیا کہتے ہو؟''

وہ بولا ''میری مما جو کہتی ہیں میں وہی کرتا ہوں۔''

اس نے پوچھا ''پھوپی جان! آپ کیا کہتی ہیں؟''

''کہنا کیا ہے؟ عینی تو دن بدن ضدی اور خود سر ہوتی جا رہی ہے۔ خاندان سے باہر ایک ٹیکسی ڈرائیور کو پسند کیا۔ وہ ہمارے خاندان کا نہیں تھا۔ نہایت ہی نچلی سطح کا انسان تھا، دیکھ لو کہ کس طرح شادی کے موقع پر دھوکا دے کر چلا گیا۔ آج پندرہ دن ہو چکے ہیں۔ کیا کوئی اتنی دیر تک کہیں گم رہتا ہے؟ یا تو مر جاتا ہے یا کہیں فرار ہو جاتا ہے، یا منہ چھپا لیتا ہے۔ یہ بات عینی کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ وہ اس کے پیچھے دیوانی ہو گئی ہے اور اسے دیوانی بنانے والی عروج ہے۔ اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر ہمارے گھر میں گھسی رہتی ہے۔''

''یہ آپ کا گھر تو نہیں ہے پھوپی جان!''

وہ تڑخ کر بولی ''تو کیا تمہارا گھر ہے؟ تمہارے باپ کا گھر ہے؟''

فلک آفتاب نے گرج کر کہا ''یو شٹ اپ! اپنی حد میں رہو۔ یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟ اگرچہ یہ میرا گھر نہیں ہے لیکن میں اپنے مرحوم بھائی کی وصیت کے مطابق عینی کا سرپرست بن کر یہاں رہتا ہوں۔ تم کس حیثیت سے رہتی ہو جبکہ اسی شہر میں تمہاری اپنی کوٹھی ہے؟''

وہ تڑخ کر بولی ''آپ کتنی دیانت داری سے سرپرست بنے ہوئے ہیں، یہ دکھائی دے رہا ہے۔ عینی کی چھت کے نیچے رہتے ہیں۔ اس کا کھاتے ہیں اور اسی کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہاں مقدر حیات آنے والا ہے۔ اسے داماد بنانے کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔ عینی سے اس لیے بیزاری ہے کہ اس نے آپ کے بیٹے بابر کی دلہن بننے سے انکار کر دیا ہے۔''

بابر نے ناگواری سے کہا ''وہ آپ کے بیٹے عدنان کی دلہن بننے سے بھی انکار کر چکی ہے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ میں نے کبھی عینی میں دلچسپی نہیں لی۔ آپ کا بیٹا تو دن رات اس کے خواب دیکھتا رہتا ہے۔''

فلک ناز نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا ''بابر! جب بزرگ آپس میں بول رہے ہوں تو بچوں کو نہیں بولنا چاہیے۔ چپ چاپ کھاتے رہو۔''

ایک ملازم نے آ کر کہا ''آسرا بی بی آئی ہیں۔''

فلک ناز ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ نمرہ بھی ہو کر اٹھتے ہوئے بولی ''ہائے! آسرا آ ہی گئی......''

فلک ناز نے کہا ''تم بیٹھو نمرہ پہلے میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ میرا مطلب ہے میں اسے یہاں لے کر آتی ہوں۔ کھانا چھوڑ کر مت جاؤ۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ڈائننگ روم سے باہر چلی گئی۔ بیگم آفتاب نے مسکرا کر کہا ''ہم نے آتے ہی تمہیں کمرے میں بند کیا تھا اور ضروری باتیں کی تھیں۔ وہ بھی کرے گی آسرا کو لے جا کر کمرے میں بند کر دے گی پھر داماد کے سلسلے میں کھچڑی پکاتی رہے گی۔''

عدنان نے کہا ''میری مما بہت اچھی کھچڑی پکاتی ہیں۔ میں جب بھی فرمائش کرتا ہوں۔ مجھے پکا کر کھلاتی ہیں۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''برخوردار یہ کھچڑی تمہاری ممی نہیں پکا سکیں گی اور نہ ہی میں پکانے دوں گی۔''

نمرہ نے کہا ''ممی! آپ بھی نہیں پکا سکیں گی میں بتا رہی ہوں۔ وہ اندھا ہے اور میں کسی اندھے سے شادی نہیں کروں گی۔''

بابر نے چونک کر پوچھا ''کیا......؟ کون ہے......؟''

بیگم آفتاب نے کہا ''یہ تمہاری بہن مقدر حیات کو اندھا کہہ رہی ہے۔ اس کا دماغ چل گیا ہے۔''

''واہ ممی واہ! میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا ہے اور آپ نے اسے نہیں دیکھا ہے لیکن آپ دیکھنے والی کو جھوٹی سمجھ رہی ہیں۔''

بیگم آفتاب نے سخت لہجے میں کہا ''وہ اندھا ہے تو کیا ہوا؟ میں اسے اپنا داماد بناؤں گی اور تم انکار نہیں کرو گی۔''

نمرہ وہاں سے اٹھنا چاہتی تھی۔ فلک آفتاب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''نہیں بیٹی! کھانا چھوڑ کر نہیں اٹھنا چاہیے۔''

پھر اس نے بیگم کو ڈانٹ کر کہا ''کھاتے وقت تو خاموش رہا کرو۔ کیا تم ضد اور غصے سے اپنی بات منوا سکو گی؟ یہاں بیٹھ کر چپ چاپ کھاؤ اس کے بعد وکیل اخلاق احمد سے رابطہ کیا جائے گا۔ اسے بتانا ہوگا کہ وہ مقدر حیات کا ایک عیب ہم سے کیوں چھپا رہا ہے؟''

فلک ناز ڈائننگ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں پہنچی تو آسرا اندر آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے ملازم سامان اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو چوم کر بولی ''سیدھی میرے ساتھ کمرے میں چلو۔ بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

پھر وہ ملازم سے بولی ''یہ سامان آسرا بی بی کے کمرے میں رکھو۔''

پھر وہ آسرا کو لے کر اپنے کمرے میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے بولی ''یہ بھابی جان خود کو بہت چالاک سمجھتی ہیں۔ نمرہ یہاں آئی تو سیدھے اپنے کمرے میں لے گئیں۔ مجھ سے ملنے بھی نہیں دیا۔ ان کا خیال ہے میں نمرہ کو مقدر حیات کے خلاف بھڑکاؤں گی اور تمہارے لیے راستہ ہموار کروں گی۔ بہت ہی چھوٹے خیال کی ہیں بھابی جان۔ تم یہاں بیٹھو۔''

''کیا بیٹھوں ممی......؟ آپ سیدھی مجھے یہاں لے آئی ہیں۔ میں سفر سے تھکی ہوئی آئی ہوں۔ شاور لینا چاہتی ہوں فریش ہونا چاہتی ہوں۔ پلیز آپ جائیں۔''

''میں ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''ضروری باتیں میرے فریش ہونے کے بعد بھی تو ہو سکتی ہیں۔ میں کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی ہوں۔ اور آپ کیا باتیں کریں گی یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس لیے پہلے سے کہہ دوں مقدر حیات مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔''

وہ غصے سے بولی ''کیا......؟ تمہارا تو دماغ چل گیا ہے۔ لڑکیاں اچھے رشتوں کے لیے گھر بیٹھی رہ جاتی ہیں یہاں وہ رشتہ خود چل کر ہمارے پاس آ رہا ہے۔ اس کے پاس اتنی دولت ہے کہ تم گنتے گنتے گنتی بھول جاؤ گی۔''

''سوری مجھے دولت نہیں چاہیے۔ مجھے عزت آبرو سے تین وقت کی روٹیاں کھلانے والا اور مستقبل کو تحفظ دینے والا جیون ساتھی مل گیا ہے۔ بس میں یہی چاہتی ہوں اور وہ مقدر حیات؟ کیا آپ نے اسے دیکھا ہے۔ اگر نہیں دیکھا ہے تو پلیز مت دیکھیے الٹی ہو جائے گی۔''

''کیا الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہو۔ وہ خوبرو اور اسمارٹ نوجوان ہے۔ اس کے پیچھے تو لڑکیاں پاگل ہو جاتی ہوں گی اور تم اس کی برائیاں کر رہی ہو۔ میں ابھی اس کی تصویر دکھاتی ہوں۔''

وہ الماری کی طرف جانے لگی۔ آسرا نے اسے روک کر کہا ''پلیز اس کی تصویر دکھا کر میرا موڈ خراب نہ کریں۔ میں اسے اپنی سالگرہ کی تقریب میں دیکھ چکی ہوں۔ اس کے بعد دیکھنا نہیں چاہتی۔''

وہ ناگواری سے بولی ''بیٹی! کیا تمہاری نظریں کمزور ہو گئی ہیں۔ تم اچھے بھلے آدمی کو برا بھلا کیوں کہہ رہی ہو۔ وہ آج یا کل کسی وقت پہنچنے والا ہے اور تم ابھی سے اس کی توہین کر رہی ہو۔''

''اگر وہ آ رہا ہے تو اچھا ہے اسے آنے دیں لیکن وعدہ کریں اس کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گی۔''

''اچھی بات ہے، تم بھی وعدہ کرو کہ اس کے سامنے نفرت اور بیزاری ظاہر نہیں کرو گی۔''

''آل رائٹ! میں وعدہ کرتی ہوں۔ پلیز اب مجھے جانے دیں۔''

وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ اپنے کمرے میں جانے کے لیے ڈرائنگ روم سے گزرنے لگی۔ ادھر سے نمرہ ڈائننگ روم سے باہر آئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آسرا نے کہا ''ہائے نمرہ تم ڈائننگ روم میں تھیں، کھانا ٹھونس رہی تھیں؟''

نمرہ نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا ''اور تم کہاں بھٹک رہی ہو۔ تمہاری ممی نے تمہیں اتنی جلدی چھوڑ دیا۔ میں تو پورے دو گھنٹے قید رہی تھی۔''

دونوں ہنسنے لگیں۔ آسرا نے کہا ''اب سے دو ہفتے پہلے مجھے مقدر حیات کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ ایک صاحب ہمارے خاندان میں شادی کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ وہ ہم میں سے کسی لڑکی کو پسند کریں گے۔ میں نے کئی بار تم سے فون پر رابطہ کرنا چاہا مگر تمہارا موبائل مسلسل بند تھا۔''

''وہ اس لیے بند تھا کہ میں پہاڑی علاقے میں تھی اور وہاں موبائل کام نہیں کر رہا تھا۔''

وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی ایک صوفے پر آ کر بیٹھ

گئیں۔ نمرہ نے کہا ”ہمارے بزرگ مقدر حیات کو اپنا اپنا داماد بنانے کے لیے ہمارے درمیان اختلافات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔“

آسرا نے کہا ”نہ تو میں گئی گزری ہوں اور نہ کسی جیون ساتھی کے لیے باؤلی ہورہی ہوں۔ ہمارے درمیان کبھی اختلافات پیدا نہیں ہوں گے۔ ویسے میں ابھی سے کہہ دوں، مقدر حیات مجھے بالکل پسند نہیں ہے اور شاید تو بھی دیکھے تو اسے ناپسند کردے“ بائی داوے، کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟“

نمرہ نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ وہ یہ نہیں کہنا چاہتی تھی کہ اسے دیکھ چکی ہے اور کن حالات میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بات بدلتے ہوئے کہا ”تو یہ بتا کہ تجھے مقدر حیات کیوں پسند نہیں ہے؟“

آسرا نے ایک گہری سانس لی پھر کہا ”میں کیا کروں، یہ دل بڑا بے ایمان ہے۔ اُسے دیکھتے ہی مجھے بھول گیا ہے اور اس کا ہوگیا ہے۔“

نمرہ نے مسکرا کر پوچھا ”ہائے! وہ کون خوش نصیب ہے؟“

وہ بولی ”میری خوش نصیبی تو اس وقت ہوگی، جب مجھے اس کے دل کا حال معلوم ہوگا۔“

پھر وہ ایک دم سے اداس ہوگئی۔ سر جھکا کر بولی ”میں اس کے بارے میں سوچتی ہوں تو ہواؤں میں اڑنے لگتی ہوں پھر زمین پر آگرتی ہوں۔ مجھے اپنی بدنصیبی کا علم ہو چکا ہے۔“

نمرہ نے اسے غور سے دیکھا پھر پوچھا ”یہ تم اچانک اتنی سنجیدہ کیوں ہوگئی ہو اور خود کو بدنصیب کیوں کہہ رہی ہو؟“

اس نے اپنی ایک ہتھیلی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ”دیکھو ہتھیلی کے اس کنارے پر شادی کی لکیر ہوتی ہے اور میرے ہاتھ میں یہ لکیر نہیں ہے بہت ہی مٹی مٹی سی ہے اور اس پر کراس کا نشان ہے۔ یعنی یہ لکیر کٹی ہوئی ہے۔ میری شادی کبھی نہیں ہوسکے گی۔“

نمرہ اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی ”یہ تم نجومی کب سے بن گئی ہو؟“

”میں نجومی نہیں ہوں لیکن ایک بہت ہی پہنچے ہوئے نجومی نے مجھے یہ بتایا ہے۔“

”نجومی تو الٹی سیدھی ہانکتے رہتے ہیں۔“

”نہیں نمرہ! وہ ایسا نہیں تھا۔ اس نے انکل وحید اکبر کے بارے میں بڑی سچی باتیں بتائی ہیں اور بڑے عین وقت پر بتائی ہیں۔ اگر وہ نہ سنبھلتے تو ان کا پورا کاروبار ڈوب چکا ہوتا پھر میری ایک پھوپی حجاب ہیں ان کے بارے میں بھی ایسی ہی راز کی باتیں بتائی ہیں جنہیں صرف دادی اور دادا جان جانتے تھے۔“

”کیا اس بوڑھے تجربہ کار نجومی نے یہ نہیں بتایا کہ ہاتھ کی لکیروں میں تھوڑی بہت تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ آئندہ تمہارے ہاتھ پر شادی کی لکیر بن سکتی ہے۔“

”وہ کوئی بوڑھا نجومی نہیں ہے۔ بہت ہی خوب رو اور جوان ہے۔ ایسا صحت مند اور قد آور ہے کہ دیکھو تو دیکھتے ہی رہنے کو جی چاہتا ہے۔“

نمرہ نے اس کے بازو میں چٹکی لیتے ہوئے کہا ”ہوں اب سمجھ گئی۔ تیرا دل اس نجومی پر آیا ہے۔“

”ہاں...... مگر میں اس سے کترا رہی ہوں۔ اس نے بعد میں فون پر مجھ سے باتیں کی تھیں۔ میں نے بہت ہی مختصر گفتگو کی پھر رابطہ ختم کردیا۔ جب میری شادی کی کوئی منزل ہی نہیں ہے تو میں کسی راستے پر کیوں چلوں؟“

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ”میری بات چھوڑ دو۔ اپنی بات کرو۔ میں تو مقدر حیات سے دستبردار ہوچکی ہوں۔ اب وہ تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا۔“

نمرہ نے انکار میں سر ہلایا۔ اس نے اسے گھور کر دیکھا پھر پوچھا ”یہ انکار میں سر کیوں ہلا رہی ہو۔ کیا تمہارا دل بھی کسی دوسری جگہ اٹک گیا ہے؟“

وہ ایک آہ بھر کر بولی ”تم نے ابھی ٹھیک ہی کہا تھا کہ دل بڑا بے ایمان ہوتا ہے۔ اچھے برے کی تمیز نہیں کرتا۔ کسی ایسے ویسے پر آجاتا ہے۔“

”کسی ایسے ویسے کا کیا مطلب ہوا؟ کیا وہ کوئی غریب نوجوان ہے؟“

”نہیں غریب تو نہیں ہے لیکن بینائی سے محروم ہے۔“

وہ حیرت سے چیخ کر بولی ”کیا......؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ کیا تم کسی اندھے سے عشق کرنے لگی ہو؟ کون ہے؟ تمہاری اس سے ملاقات کہاں ہوئی تھی؟“

”ابھی کچھ نہ پوچھو۔ میں خود ہی الجھن میں ہوں۔ وہ یہاں آنے والا ہے۔ تم اسے خود ہی دیکھ لوگی۔“

”تم تو پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔“

”وہ اندھا میرے لیے بھی ایک پہیلی بن گیا ہے۔ یہاں آئے گا تو اس کی حقیقت معلوم ہوگی۔“

وہ دونوں نہیں جانتی تھیں کہ ان کے گھر آنے والا ہے، اور وہ دونوں مجھے دیکھ چکی تھیں۔

بابر نے ڈرائنگ روم میں آسرا کو دیکھا پھر کہا ”آسرا! کیسی ہو؟“

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے بولی ”میں تو ٹھیک ہوں مگر تمہاری صحت کچھ گر گئی ہے۔ کیا بات ہے؟ شادی کرنے کی فکر لاحق ہوگئی ہے؟“

وہ اور نمرہ ہنسنے لگیں۔ اس نے کہا ”شادی کی بات پر مجھے بھی ہنسی آتی ہے لیکن اب اس گھر میں شادی کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔“

”اور تم ہو کہ شادی کے نام سے بھاگتے ہو۔“

اسما سیڑھیاں اترتی ہوئی آرہی تھی۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا ”بھابی جان! آپ تو اس قدر مصروف رہتی ہیں کہ مجھ سے ملنے کا وقت بھی نہیں نکال سکتیں۔ میں کب سے انتظار میں ہوں کہ آپ کو فرصت ہوگی تو ایک ضروری بات کروں گا۔“

اسما نے مسکرا کر کہا ”تمہارے لیے تو فرصت ہی فرصت ہے۔ بولو کیا بات ہے؟“

”بات ایسی ہے کہ پہلے بزرگوں سے کرنی چاہیے لیکن میں پہلے آپ سے کروں گا۔ آپ میری بزرگ بھی ہیں اور دوست بھی۔“

آسرا نے کہا ”اگر بزرگوں سے کرنے والی بات ہے تو پھر وہ شادی کی بات ہوگی۔“

بابر نے مسکرا کر کہا ”بھابی جان! یہ آسرا بہت تیز ہے۔ چہرے پڑھ لیتی ہے اتنے دنوں کے بعد آئی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگی کہ میں شادی کی فکر میں مبتلا ہوگیا ہوں۔“

اسما نے ہنستے ہوئے کہا ”اگر آسرا نے درست کہا ہے تو اس کے منہ میں گھی شکر۔ جلدی بولو شادی کے لیے راضی ہوگئے ہو نا؟“

”آپ کی خاطر فیصلہ کررہا ہوں۔“

پھر اس نے آسرا اور نمرہ کو دیکھ کر کہا ”انہیں خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ اولاد نہ ہوئی تو ممی اور ڈیڈی ان پر سوکن لے آئیں گے اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔“

نمرہ نے کہا ”ہاں بابر بھائی! یہ بہت غلط ہوگا۔ بہتر تو یہی ہے کہ آپ شادی کرلیں۔ اللہ نے چاہا تو ممی اور ڈیڈی کی مرادیں بر آئیں گی۔“

آسرا نے کہا ”بابر! تمہاری باتوں سے پتا چل رہا ہے کہ تم نے کوئی لڑکی پسند کرلی ہے۔“

بابر نے اسما کو دیکھا پھر کہا ”مگر وہ ہمارے خاندان کی نہیں ہے۔“

اسما نے کہا ”بلا سے ہمارے خاندان کی نہ ہو۔ تم شادی کے لیے راضی ہوگئے اور تم نے اسے پسند کرلیا تو سمجھو بات بن گئی۔ تمہاری ممی اور ڈیڈی تو چاہتے ہیں کہ تم کسی لڑکی سے بھی شادی کرلو مگر اس گھر میں اولاد ہونی چاہیے۔“

نمرہ نے پوچھا ”بابر بھائی کون ہے وہ لڑکی؟“

”وہ میری لیڈی سیکریٹری ہے۔“

آسرا نے کہا ”اچھا تو یہ چکر بہت دنوں سے چل رہا ہے؟“

”ہاں! پہلے ایک ہاتھ سے تالی بج رہی تھی۔ وہ میری طرف مائل تھی اور مجھے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھی۔ تم سب کو پتا ہے کہ میں عاشق مزاج نہیں ہوں لیکن اس لڑکی نے رفتہ رفتہ مجھے اپنی طرف مائل کر ہی لیا۔“

اسما نے خوش ہوکر کہا ”پھر تو تمہیں مبارک ہو۔“

وہ بولا ”آپ کو مبارک ہو اس لیے کہ آپ کے سر سے سوکن کا بوجھ اترنے والا ہے۔“

اسما نے دونوں ہاتھوں سے بابر کے چہرے کو تھام لیا پھر اسے اپنی طرف جھکا کر اس کی پیشانی کو چوم کر بڑی محبت سے بڑی ممتا سے بولی ”میرا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ تمہارے جیسا ہوتا میری ہر بات مانتا جیسے تم میری بات مان کر اب شادی کرنے والے ہو۔“

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب ڈرائنگ روم میں داخل ہورہے تھے۔ بیگم نے کہا ”کیا بات ہے دیور بھابی میں بڑی محبتیں ہورہی ہیں؟“

نمرہ نے کہا ”ممی بہت بڑی خوش خبری ہے۔ بابر بھائی شادی کرنا چاہتے ہیں۔“

بیگم آفتاب نے خوش ہوکر کہا ”آخر میرا بیٹا ہے۔ اس نے میری بات مان ہی لی اب تو میں چاند سی دلہن لاؤں گی اور اپنی پسند سے لاؤں گی۔“

”ممی! آپ کو پسند کرنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی۔ بابر بھائی نے لڑکی دیکھ لی ہے۔“

فلک آفتاب نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا ”بیٹے! کون ہے وہ؟ ہماری ہونے والی بہو کے بارے میں کچھ بتاؤ؟“

”ڈیڈ! آپ دفتر آتے جاتے رہتے ہیں۔ آپ نے اسے دیکھا ہے۔“

”تمہارا اشتہارات کا شعبہ ہے۔ کتنی ہی لڑکیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ تم کس کی بات کررہے ہو؟“

”میں سمیرا کی بات کررہا ہوں۔“

فلک آفتاب کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے سوچنے کے انداز میں پوچھا ”کون سمیرا؟“

''میری لیڈی سیکریٹری......''

فلک آفتاب نے ناگواری سے کہا ''کیا بک رہے ہو؟''

''ڈیڈی......! وہ کوئی جھاڑو برتن صاف کرنے والی فرش پر ٹاکی مارنے والی ماسی نہیں ہے۔ پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ زندگی میں پہلی بار مجھے کوئی لڑکی پسند آئی ہے۔ اگر آپ نے اور ممی نے اسے بہو نہیں بنایا تو پھر میں کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔''

بیگم نے فوراً ہی کہا ''نہیں نہیں ہم اسے پسند کریں گے، اسے ضرور بہو بنائیں گے۔ میں تو بس پوتی اور پوتے چاہتی ہوں مجھے آم کھانے سے مطلب ہے۔ میں یہ نہیں دیکھنا چاہتی کہ کس پیڑ کے آم ہیں اس کا مالی میرا بیٹا ہوگا بس یہی کافی ہے۔''

فلک آفتاب نے ناگواری سے اپنے بیٹے کو دیکھا پھر کہا ''جوان ہو اپنی مرضی کے مالک ہو پھر کاروبار بھی سنبھال رکھا ہے۔ اب میں تمہارے آگے کیا بول سکتا ہوں، جبکہ تمہاری ماں بھی راضی ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''بیٹے! تم آج ہی لڑکی والوں سے ہمیں ملواؤ۔''

''لڑکی والے نہیں ہیں۔''

فلک آفتاب نے ناگواری سے پوچھا ''کیا مطلب......؟ کیا وہ لڑکی آسمان سے اتر کر آئی ہے؟''

''اس کے ماں باپ مر چکے ہیں وہ اپنے ماموں کے گھر میں رہتی ہے۔ ماموں نہایت ہی لالچی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لڑکی کماتی رہے اور انہیں کھلاتی رہے۔ اگر شادی ہو کر کہیں جائے گی تو ان کی ماہانہ آمدنی ختم ہو جائے گی۔ سمیرا کا رشتہ کہیں سے بھی آتا ہے تو وہ ہزار بہانوں سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس کی شادی نہیں ہونے دیتے۔''

''تو پھر وہ تم سے کیسے شادی کرے گی؟''

''سیدھی سی بات ہے۔ ہم شادی سے پہلے اس کے ماموں اور ممانی کو خبر نہیں ہونے دیں گے۔ یا تو کورٹ میرج کر آئیں گے یا خفیہ طور پر قاضی صاحب کو بلا کر نکاح پڑھوا لیں گے اور بعد میں شادی کا اعلان کر دیں گے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''یہ ہمارے گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ ابھی دو ہفتے پہلے عینی نے ہنگامی طور پر شادی کا اعلان کیا۔ وہ شادی نہ ہو سکی اب یہ برخوردار کورٹ میرج کرنے کا اعلان کر رہے ہیں۔ شادی چھپ چھپا کر کیوں ہوگی کیا تم کوئی جرم کرنے جا رہے ہو؟''

بیگم نے کہا ''آپ کی سمجھ میں بات نہیں آئی ہے تو چپ رہیں۔ لڑکی کے ماموں اور ممانی شادی میں رکاوٹ پیدا کریں گے اور میں ایسی کوئی بات نہیں چاہتی۔ بیٹا راضی ہو گیا ہے تو فوراً شادی ہونی چاہیے۔''

پھر اس نے بیٹے سے کہا ''مجھے ابھی سمیرا کے پاس لے چلو۔ کل ہی کورٹ میرج ہوگی۔''

''ممی! اتنی جلدی شادی نہیں ہو سکتی۔''

''کیوں نہیں ہو سکتی؟''

''لڑکی کی ایک شرط ہے وہ پوری کرنی ہوگی۔''

اسما نے پوچھا ''کیا اس کی شرط کوئی مسئلہ پیدا کرے گی؟''

''ہو سکتا ہے مسئلہ پیدا کرے اور نہ بھی کرے۔''

ماں نے کہا ''تم بات کو الجھا کیوں رہے ہو۔ سیدھی طرح بتاؤ اس کی شرط کیا ہے؟''

''ممی! میں نے اسے اپنے گھر کے حالات بتائے ہیں۔ یہ بھی بتایا ہے کہ بھائی جان کی شادی کو کئی برس ہو چکے ہیں اور گھر میں اولاد نہیں ہو رہی ہے۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق بھائی جان باپ نہیں بن سکتے۔''

بیگم نے پوچھا ''تمہیں یہ سب باتیں بتانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''ضرورت تھی۔ میں صرف اپنی بھابی جان کے لیے شادی کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ ان پر کوئی سوکن لے کر آئیں لیکن اب وہ لڑکی میرے گلے پڑ گئی ہے۔ کہتی ہے مجھے بھی میڈیکل چیک اپ کرانا چاہیے۔ جب میری میڈیکل رپورٹ پوزیٹیو ہوگی۔ تب ہی وہ مجھ سے شادی کرے گی۔''

ماں نے کہا ''یہ تم نے کس لڑکی کو پسند کیا ہے۔ شادی سے پہلے بے تکی شرط منوا رہی ہے۔''

''ممی! یہ شرط بے تکی نہیں ہے اسے یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں بھی بھائی جان کی طرح بانجھ ہوا تو اس کے لیے بعد میں خطرہ ہوگا کہ آپ اس پر بھی سوکن لانا چاہیں گی۔ وہ شادی کے بعد اندیشوں میں مبتلا نہیں رہنا چاہتی۔''

ماں نے کہا ''تم سمیرا پر لعنت بھیجو۔ میں دوسری لڑکی پسند کروں گی۔''

''آپ اس لڑکی کو تاریکی میں رکھیں گی میں بھی تاریکی میں رہوں گا۔ شادی کے بعد ہم انتظار کرتے رہیں گے۔ آپ اس بہو کو بھی سوکن لانے کی دھمکی دیں گی۔''

''بابر تم فضول بکواس کر رہے ہو۔ تم زیشان کی طرح بدنصیب نہیں ہو۔ صاحب اولاد بن سکتے ہو ماں کی دعا تمہارے ساتھ ہوں گی۔''

''ممی آپ کی دعائیں بھائی جان کے ساتھ بھی رہی ہیں۔ آپ منتیں مانگتی رہی ہیں مزاروں پر جاتی رہی ہیں ایک سیدھی سی بات ہے۔ اس لڑکی کا مطالبہ پورا کر دیا جائے اور میں اپنا میڈیکل چیک اپ کرا لوں پھر سب کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ میری میڈیکل رپورٹ پازیٹیو ہوگی تو میں فوراً ہی شادی کر لوں گا۔''

زیشان سیڑھیوں سے اترتا ہوا آ رہا تھا۔ اس نے کہا ''بابر ٹھیک کہہ رہا ہے جو کچھ میرے ساتھ ہو چکا ہے وہ اس کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے اسے شادی سے پہلے اپنا میڈیکل چیک اپ کرانا چاہیے۔''

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھنے لگے۔ اسما نے اپنے سسر سے کہا ''انکل جو بات جائز ہے اسے مان لینا چاہیے۔''

فلک آفتاب نے اپنے بڑے بیٹے زیشان کو دیکھا پھر بابر کو دیکھتے ہوئے کہا ''ٹھیک ہے۔ میں ڈاکٹر آفریدی کو فون کرتا ہوں۔ کل میرے ساتھ اسپتال چلو۔''

بابر نے کہا ''نو ڈیڈ! ہمارے میڈیکل چیک اپ کرانے سے سمیرا کی تسلی نہیں ہوگی۔ اس کا ایک کزن ڈاکٹر باسط ہے وہ اس سے چیک اپ کرانا چاہتی ہے تاکہ کسی قسم کا دھوکا نہ ہو۔''

بیگم آفتاب نے جل کر کہا ''یہ کیسی لڑکی پسند کی ہے جو تم پر بھروسا نہیں کرتی ہے؟''

''زندگی گزر جاتی ہے اور انسان کا انسان پر اعتماد قائم نہیں ہوتا اور سمیرا تو ابھی میرے ساتھ ایک نئی زندگی کی ابتدا کرنے والی ہے رفتہ رفتہ اعتماد قائم ہوگا۔''

بیگم نے جل کر کہا ''شادی سے پہلے ہی تمہارے منہ میں سمیرا کی زبان آ گئی ہے۔ شادی کے بعد تو اپنے بھائی کی طرح تمہیں بھی صرف بیوی ہی بیوی دکھائی دے گی۔ ماں باپ نظر نہیں آئیں گے جو جی میں آتا ہے کرو میں تو بس پوتی اور پوتے چاہتی ہوں۔''

وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

فلک آفتاب نے اپنی بہو اسما کو دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کو اس بات پر فخر تھا کہ شادی کے بعد بھی اس کا شوہر اس کا محبوب ہے۔ اس کا دیوانہ ہے۔ وہ بڑے فخر سے چلتی ہوئی زیشان کے پاس آئی پھر اس کے بازو کو تھام لیا۔ فلک آفتاب منہ پھیر کر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

داؤد سبحانی انڈر ورلڈ کے چار بڑوں میں سے ایک تھا۔ دردانہ جیسی عورت سے دھوکا نہیں کھا سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اتنے دنوں تک وہ کہاں غائب رہی اور اب کس طرح چہک کر بول رہی تھی؟ آخر یہ عورت کیا کرتی پھر رہی ہے؟

وہ کئی بار دردانہ کی کوٹھی میں جا چکا تھا۔ ہمیشہ یہی معلوم ہوا کہ وہ کوٹھی مقفل رہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے کوئی لمبا ہاتھ مارا ہے۔ داؤد کو یاد آیا کہ دردانہ فون پر باتیں کرتے کرتے اچانک چپ ہو گئی تھی۔ اس وقت ایسا لگا جیسے وہ کسی سے کوئی مشورہ کر رہی ہے۔ اس کے بعد ہی اس نے کہا تھا ٹھیک ہے وہ ایک حسینہ کو اس کے پاس بھیجے گی وہ دس لاکھ روپے لے کر آئے گی تو داؤد اس کی ویڈیو اور آڈیو کیسٹس اس کے حوالے کر دے گا۔

وہ داؤد سے رقم لے کر کبھی واپس نہیں کرتی تھی اور ہمیشہ اپنی تنگ دستی کا رونا روتی تھی آج وہ بڑی آسانی سے دس لاکھ روپے ادا کرنے پر راضی ہو گئی تھی۔ داؤد نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ ایک تو وہ پہلے سے جانتا تھا کہ دردانہ بہت مکار ہے۔ قابل اعتماد نہیں ہے لیکن اب اسے اس کی طرف سے کچھ خطرہ بھی محسوس ہو رہا تھا۔

وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آج کل وہ کس کے پاس ہے؟ اور کیسے کھیل کھیل رہی ہے؟ اس نے فون سی ایل آئی سے اس کے نمبر نوٹ کیے تھے پھر اپنے ذرائع سے معلوم کیا تو پتا چلا کہ وہ شہباز درانی کا فون نمبر ہے۔

اس معلومات نے اسے چونکا دیا۔ انڈر ورلڈ والے شہباز درانی کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے تھے۔ پاکستان میں پچھلے انتخاب کے دوران اسی کی وجہ سے انڈر ورلڈ والوں کی پالیسی ناکام رہی تھی۔ اس نے فوراً ہی انڈر ورلڈ کے تین بڑوں سے رابطہ کیا۔ ان میں سے ایک نے پوچھا ''ہاں...... داؤد! کیا بات ہے؟''

وہ بولا ''ہم نے پچھلے انتخابات کے دوران میں شہباز درانی کو چیلنج کیا تھا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ چیلنج کا جواب ضرور دیتا ہے۔ انتقامی کارروائی ضرور کرتا ہے۔''

''ہاں یہ ہم سب جانتے ہیں لیکن اتنے عرصے بعد تم شہباز درانی کا ذکر کیوں کر رہے ہو؟''

''اس لیے کہ اب وہ ہماری طرف توجہ دے رہا ہے اور پہلے مجھ تک پہنچنا چاہتا ہے۔''

''کیا اس نے تم سے رابطہ کیا تھا؟''

''اس نے براہِ راست مجھ سے گفتگو نہیں کی لیکن ایک مکار عورت دردانہ بیگم ہے۔ شاید وہ اس کے ذریعے مجھے شکار کرنا چاہتا ہے۔''

داؤد انڈر ورلڈ کے تینوں پارٹنرز کو دردانہ کے بارے میں

بتانے لگا پھر اس نے کہا ''آج رات نو بجے میرے پاس ایک حسین لڑکی آنے والی ہے۔ دردانہ اسے میرے پاس بھیج رہی ہے۔ میں نے اسے یہ اچھی طرح جتا دیا ہے کہ کوٹھی کے اندر اور باہر سخت سیکورٹی ہے۔ میری اجازت کے بغیر ایک چیونٹی بھی اندر رینگ کر نہیں آسکے گی۔''

ایک پارٹنر نے کہا ''یہ بات ہمارے علم میں ہے، اس کے کئی دشمنوں نے سیکورٹی کے جدید انتظامات کیے انہیں یقین تھا کہ شہباز درانی کی طرف سے بھیجی ہوئی موت ان تک نہیں پہنچ پائے گی لیکن اس کا دستِ راست اسد عزیزی موت کا فرشتہ ہے۔ جب وہ کسی کی موت کا دن تاریخ اور وقت مقرر کرتا ہے تو اسی وقت اس کی موت واقع ہوتی ہے۔''

''لیکن ہم اس کی دھونس میں نہیں آئیں گے ہمیں اس سے نمٹنا ہے۔''

تیسرے پارٹنر نے کہا ''ہم تو بہت پہلے ہی اس سے نمٹ لیتے لیکن اپنے معاملات میں مصروف رہتے ہیں۔ اب جب وہ خود ہی ہماری طرف آرہا ہے تو پھر آنے دو......''

ایک نے کہا ''سب سے پہلے تو ہم اسد عزیزی کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ بھی اس لڑکی کے ساتھ آئے؟''

داؤد نے کہا ''نہیں دردانہ نے مجھ سے فون پر کہا ہے لڑکی تنہا آئے گی اس کے ساتھ کوئی نہیں ہوگا اور میں نے کہہ دیا ہے کہ لڑکی تنہا بھی ہوگی تو اسے سر سے پاؤں تک چیک کیا جائے گا میں اس کے پاس ایک ہیئر پن بھی نہیں رہنے دوں گا۔ وہ خالی ہاتھ رہے گی۔''

دوسرے پارٹنر نے کہا ''اب تک ہم نے یہی دیکھا ہے کہ جتنے بھی دشمنوں کو ہلاک کیا گیا ہے اس وقت اسد عزیزی جائے واردات کے قریب موجود تھا۔''

داؤد نے کہا ''ہوسکتا ہے وہ لڑکی کو میری کوٹھی تک چھوڑنے آئے پھر باہر ذرا دور رہ کر اس کی واپسی کا انتظار کرے؟''

''پھر تو ہمارا کام بن سکتا ہے۔ تم اس لڑکی کو خوش ہو کر نقد رقم دو گے اور اسے سونے کا ہار پہناؤ گے اس ہار میں کیپسول نما ایک لاکٹ ہوگا۔ اس لاکٹ میں دھماکا خیز مادہ بھرا ہوگا جب وہ لڑکی ہار پہن کر تمہاری کوٹھی سے واپس جائے گی اور باہر جا کر اسد عزیزی سے ملاقات کرے گی تو اسی وقت ریموٹ کنٹرول کے ذریعے ایک دھماکا کیا جائے گا تو اس لڑکی کے ساتھ اسد عزیزی کے بھی چیتھڑے اڑ جائیں گے۔''

''یہ تو یقین ہے کہ اسد عزیزی اس لڑکی کو میری موت بنا کر میری کوٹھی میں بھیجے گا تو اس کوٹھی کے قریب ضرور موجو رہے گا لیکن ہمارے ریموٹ کنٹرول کو استعمال کرنے وا کہاں رہے گا؟''

ایک پارٹنر نے کہا ''تمہارا ایک ملازم اس لڑکی کو واپس باہر پہنچانے جائے گا اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہوگا وہ خا ہاتھ رہے گا۔ صرف ایک موبائل فون اس کے پاس رہے گا دراصل ریموٹ کنٹرولر ہوگا۔ اس طرح اسد عزیزی کو کو طرح کا شبہ نہیں ہوگا۔''

دوسرے پارٹنر نے کہا ''داؤد اب تم اپنے تحفظ کی بار کرو۔ کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ وہ تنہا اور نہتی لڑکی تمہیں کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی؟''

''میں اپنے حفاظتی انتظامات سے مطمئن ہوں پھر ا لڑکی کو سر سے پاؤں تک چیک کیا جائے گا۔ میں اس کے بد پر زیورات بھی نہیں رہنے دوں گا بعد میں وہ میرے بیڈر میں آسکے گی۔ اسد عزیزی کا باپ بھی اس لڑکی کو آلہ کار بنا میری موت کا سامان نہیں کر سکے گا۔''

تینوں پارٹنرز نے کہا ''تو پھر ٹھیک ہے۔ اس لڑکی کو آ دو۔''

اسد عزیزی آج تک شہباز درانی کے دشمنوں کی موت سامان کرتا آیا تھا۔ اس وقت انڈر ورلڈ کے چار بڑوں اس کی موت کا سامان کیا تھا۔ ان کی پلاننگ میں ایسی پختگی کہ اسد عزیزی کا وہاں سے بچ نکلنا بہت مشکل تھا۔ یہ درد کی سمجھ سے باہر تھا کہ کس طرح ایک نازک اندام لڑکی تنہا نہتی وہاں جائے گی اور داؤد سجانی کا کام تمام کرکے آڈیو ویڈیو کیسٹس لے آئے گی۔

اسد عزیزی نے یقین دلایا تھا ''میڈم! آپ اطمی رکھیں وہ لڑکی اگر آپ کے کیسٹس یہاں نہ لاسکی تو وہیں کے بیڈروم میں اس کو ضائع کر دے گی۔ وہ ہر حال میں دا کام تمام کرکے آئے گی۔''

دردانہ نے فون کے ذریعے پھر داؤد سے رابطہ کیا ''ا بھائی! اس وقت ساڑھے سات بجے ہیں۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد ٹھیک نو بجے وہ حسینہ آپ کے دروازے پر ہوگی لیکن وہ صر ایک گھنٹے کے لیے آئے گی۔''

داؤد نے کہا ''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ میرے زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں اسے ایک گھنٹے میں فارغ کر گا۔''

''جب وہ آپ کے پاس آئے گی تو اپنے سیکورٹی سے یہ ضرور کہیں کہ وہ لڑکی ٹھیک دس بجے کوٹھی سے باہر آ

گی تو اسے واپس جانے دیا جائے کوئی اس کا راستہ نہیں روکے گا۔''

''میں یہی کروں گا۔ میرا ایک ملازم اس لڑکی کو چھوڑنے کے لیے باہر تک جائے گا۔ کیا اس لڑکی کو چھوڑنے والا اور پھر واپس لے جانے والا باہر موجود ہوگا؟''

''ہاں۔ میرا ایک خاص آدمی ہے جو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس لڑکی کو چھوڑنے آئے گا لیکن آپ کی کوٹھی سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر رہے گا۔''

''ٹھیک ہے میرا جو آدمی اس لڑکی کو باہر چھوڑنے آئے گا وہ مسلح نہیں ہوگا۔ وہ لڑکی کے ساتھ سو گز کے فاصلے تک جائے گا پھر اسے تمہارے آدمیوں کے حوالے کرکے واپس آجائے گا۔''

دونوں کے درمیان تمام معاملات طے ہوگئے۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مطمئن ہوگئے۔ اسد عزیزی بظاہر دردانہ کا کام کر رہا تھا لیکن دراصل اپنے باس شہباز درانی کے ایک دشمن کا کام تمام کرنے والا تھا وہ اپنی پلاننگ سے مطمئن تھا۔ دوسری طرف داؤد کو بھی پورا اطمینان تھا کہ اس قدر سخت سیکورٹی کے بعد کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔

سب اپنی اپنی جگہ تدبیریں کرتے رہتے ہیں اور ایسے وقت تقدیر کو بھول جاتے ہیں۔ میں رات کے ٹھیک نو بجے اس حسینہ کے ساتھ داؤد کے بنگلے میں پہنچ گیا۔ حسین لڑکیاں داؤد کی کمزوری بن جایا کرتی تھیں۔ اس کے باوجود اس نے خود کو بہت طاقت ور بنا رکھا تھا۔ اس حسینہ کو دیکھتے ہی داؤد کی رال ٹپکنے لگی۔ اس کے سیکورٹی افسر نے ڈیٹکٹیو آلے کے ذریعے اس لڑکی کو سر سے پاؤں تک چیک کیا پھر ایک عورت اسے کمرے کے اندر لے گئی۔ لباس کے اندر اس کی تلاشی لی پھر باہر آکر بولی ''کچھ نہیں ہے لڑکی نہتی ہے۔ اس کے بالوں میں ہیئر پن تک نہیں ہے۔''

داؤد نے مطمئن ہو کر لڑکی سے پوچھا ''تم کس کے ساتھ آئی ہو؟''

وہ بولی ''مجھے دردانہ بیگم کے محافظ یہاں تک لائے ہیں۔ وہ اس کوٹھی سے بہت دور اپنی گاڑی میں بیٹھے ہوئے میری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔''

وہ بولا ''میرے ساتھ بیڈروم میں آؤ۔''

وہ بولی ''پہلے اپنے سیکورٹی افسر سے کہہ دو۔ میں ٹھیک دس بجے اس کوٹھی سے باہر نکل آؤں گی اور مجھے باہر جانے سے کوئی نہ روکے۔''

داؤد نے سیکورٹی افسر سے کہا ''تم نے اس کی باتیں سن لیں میرا بھی یہی حکم ہے۔ جب یہ دس بجے باہر جائے تو اسے نہ روکا جائے اس کے ساتھ میرا یہ آدمی مین گیٹ کے باہر جائے گا اور اسے اس کے آدمیوں تک پہنچا کر آئے گا۔''

سیکورٹی افسر نے مؤدب ہو کر کہا ''یس سر! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔''

پھر وہ کوٹھی کے باہر چلا گیا۔ داؤد اس حسینہ کے ساتھ اپنے بیڈروم میں آکر بولا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

وہ بڑی اداؤں سے مسکراتی ہوئی ادھر سے ادھر جاتی ہوئی اپنے بدن کے پیچ و خم دکھاتی ہوئی بولی ''میرا نام اور پتا پوچھنے میں وقت ضائع کرو گے تو یہ ایک گھنٹا گزر جائے گا۔''

''درست کہتی ہو وقت بوند بوند کرکے گزرتا ہے لیکن یہ ایک گھنٹا بعد میں معلوم ہوگا کہ تیزی سے گزر چکا ہے۔''

اس نے ساڑھی کے آنچل کو پکڑ کر کھینچا تو وہ گول گھومتی گئی اور ساڑھی کھلتی چلی گئی۔ اسے چیک کیا جا چکا تھا۔ لباس کے اندر کچھ نہیں تھا۔ موت کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی اور

وہ بدبخت بھول گیا تھا کہ موت دکھائی نہیں دیتی۔ دنیا کے ہر بدبخت کو یاد رکھنا چاہیے کہ موت ہتھیاروں سے نہیں آتی مقدر سے آتی ہے۔

وہ حسینہ اسے ترسانے اور تڑپانے کے لیے اس سے کترانے لگی۔ اس نے نوٹوں کی ایک گڈی دیتے ہوئے کہا۔ ''لو۔ ان سے عیش کرنا اور یہ اتنے ہیں کہ یہاں سے جا کر جی بھر کے شاپنگ کر سکو گی۔''

وہ بولی ''بس......؟''

اس نے زیورات کا ایک ڈبا کھول کر کہا ''تمہارے لیے سونے کا یہ ہار ہے۔''

اس نے ہار نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا ''بہت قیمتی ہے امید ہے تمہیں پسند آئے گا۔''

وہ اسے ہار پہنانے کے بہانے اس کے قریب آیا تو لوہے کی طرح مقناطیس سے چپک کر رہ گیا۔ ہماری دنیا میں سب سے زیادہ موت کے اندر کشش ہوتی ہے۔ ایک بار آدمی اس سے چپک جائے تو زندگی کی طرف واپس نہیں آتا۔

اس کوٹھی کے باہر سو گز کے فاصلے پر اسد عزیزی اپنی کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس کی گاڑیوں میں مسلح افراد موجود تھے۔ دشمنوں کا یہ خیال درست تھا کہ اسد عزیزی جائے واردات کے وقت آس پاس ضرور موجود رہتا ہے۔ اس وقت بھی وہ اس حسینہ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

ٹھیک دس بجے وہ داؤد کے بیڈ روم سے باہر آئی۔ ڈرائنگ روم میں اس کا ایک خاص ملازم ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول لیے ہوئے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بولی ''مجھے باہر لے چلو......!''

اس نے حسینہ کے گلے میں سونے کے ہار کو دیکھا پھر مطمئن ہو کر اس کے ساتھ باہر آ گیا۔ حسینہ کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا بیگ تھا ''جس کے اندر آڈیو اور ویڈیو کیسٹس تھے۔

سیکورٹی افسر نے اس بیگ کو چیک کیا پھر اسے جانے کی اجازت دے دی وہ اس شخص کے ساتھ چلتی ہوئی کوٹھی کے احاطے کے باہر آئی پھر ایک ایک قدم چلتی ہوئی دور انتظار کرنے والے اسد عزیزی کی طرف جانے لگی۔ اس نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ داؤد کی طرف سے کوئی بھی تحفہ ملے تو اسے قبول نہ کرے پھر وہ اس قدر تربیت یافتہ تھی کہ اس نے ہار کے ساتھ منسلک سونے کے کیپسول نما لاکٹ کو دیکھ لیا تھا اور سمجھ گئی تھی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

جب وہ آگے بڑھتے ہوئے اسد عزیزی سے پچاس گز کے فاصلے پر رہ گئی تو ہار کو اپنے گلے سے نوچ کر فضا میں پوری قوت سے اچھالتے ہوئے دور پھینکتے ہوئے چیخ کر بولی ''ماسٹر! شوٹ ہم!''

اسد عزیزی نے پھرتی سے ریوالور نکال کر فائر کیا۔ اس شخص نے ہار کو نوچ کر پھینکتے ہوئے دیکھا تھا وہ ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی اس کے سینے میں گولی آ کر لگی وہ لڑکھڑا کر گرا ایسے ہی وقت اس کی انگلی سے وہ بٹن دب گیا فضا کی بلندی تک جا کر واپس آنے والے نیکلس میں ایک زوردار دھماکا ہوا وہ حسینہ اسد عزیزی کے ساتھ دوڑتی ہوئی کار میں آ کر بیٹھ گئی پھر وہ گاڑیاں وہاں سے یوٹرن لیتی ہوئی جانے لگیں۔ دور کھڑے ہوئے کوٹھی کے احاطے میں سیکورٹی افسر اور دوسرے مسلح گارڈز نے فائر کی بھی آواز سنی تھی پھر وہ زوردار دھماکے سے چونک گئے تھے۔

سیکورٹی افسر دوڑتا ہوا کوٹھی کے اندر آیا اور ڈرائنگ روم اور مختلف حصوں سے گزرتا ہوا داؤد کے بیڈ روم میں پہنچا تو ٹھٹک گیا۔ وہاں فرش پر اس کی لاش پڑی ہوئی تھی اور لاش کی نیلی رنگت بتا رہی تھی کہ اسے زہر کے ذریعے مارا گیا ہے۔

لیکن زہر اس حسینہ کے پاس کہاں تھا؟ اس کے پاس نہ زہر کی شیشی تھی نہ کاغذ کی کوئی پڑیا تھی۔ داؤد کی زندگی کی لکیر نے کہا تھا کہ اسے مرنا ہے، ہزار حفاظتی انتظامات کے باوجود اسے مرنا ہے، اس لیے اسد عزیزی کی تدبیر سے داؤد کی تقدیر کا لکھا ہوا پورا ہوا۔ اس نے حسینہ کے پورے جسم پر زہریلا لوشن لگایا تھا۔ جو خشک ہو چکا تھا خوردبین کے ذریعے بھی اسے دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا کہ اس حسینہ کا بدن عارضی طور پر زہریلا ہو گیا ہے۔ بعض ہوس پرست کتے کی طرح بدن کو سونگھتے ہیں اور چاٹتے ہیں وہ بھی ہوس پرستی میں کتا بن گیا تھا اور کتے کی موت مارا گیا تھا۔

اب کوئی سوچے اور سمجھے کہ میں نے اسد عزیزی کی تدبیر کو کس طرح داؤد کی بدنصیبی بنا دیا اور پھر سوچے اور سمجھے کہ میں کیا ہوں؟

اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں!

دردانہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ شہباز درانی کے سامنے کیسٹ ریکارڈر کو آن کر کے موسیقی کی دھن پر رقص کر رہی تھی۔ اور جھوم جھوم کر کہہ رہی تھی ''شہباز تمہارے جیسا محبوب کوئی نہیں ہوگا۔ تم نے تو مجھے دنیا کی سب سے طاقتور عورت بنا دیا ہے۔ میں نے تمہاری آغوش میں آ کر انڈر ورلڈ کے ایک ستون داؤد بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں بڑے بڑے شہ زوروں کو ٹھوکروں میں اڑا سکتی ہوں۔''

وہ مستی میں رقص کرتی ہوئی آ کر اس پر گر رہی تھی۔ اسے چومتی تھی۔ پھر ایک ادائے نازک سے الگ ہو کر رقص کرنے لگتی تھی۔ خوشی سے چہکتی جاتی تھی ''تمہارا یہ اسد عزیزی کمال کا آدمی ہے۔ دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کیسے کیسے خطرناک منصوبے بناتا ہے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس حسین لڑکی کے بدن پر زہریلا لوشن لگائے گا۔ اس کے پاس موت کا کوئی ہتھیار دکھائی نہیں دے گا لیکن وہ موت بن کر جائے گی۔''

وہ پھر ہنسنے لگی۔ اور کہنے لگی ''یہ مرد بھی عورت کے کیسے دیوانے ہوتے ہیں کہ اسے کھانے کی ڈش سمجھ کر منہ مارنے لگتے ہیں۔ وہ لڑکی اس کی زندگی کی آخری ڈش بن کر گئی تھی۔''

شہباز درانی اسے خوش دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا۔ اس نے کہا ''تم نے اس سے بھی بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے پاشا کو بیٹا بنا کر اپنے شکنجے میں کس لیا ہے۔ جو سوتیلی بیٹی تمہارے قابو میں نہیں آ رہی تھی، اب پاشا کی خاطر تمہارے پیچھے پیچھے آئے گی۔''

وہ بولی ''اس کی سہیلی عروج میرے خلاف زہر اگل رہی تھی۔ میں اس سے بھی نمٹ لوں گی۔ وہ بھی پاشا کی دیوانی ہے میں اس کی ساری دیوانگی نکال دوں گی۔ پاشا کے ہاتھوں اسے بازاری لڑکی بنا دوں گی۔ میں حکم دوں گی تو وہ ان دونوں سے محبت کرے گا میں حکم دوں گی تو وہ ان دونوں کو خاک میں ملا دے گا۔''

''میری جان! کب تک جھومتی ناچتی رہو گی؟ تھک جاؤ گی۔ میرے پاس آ جاؤ۔''

وہ اس کی آغوش میں آ کر گر پڑی۔ اتنی قربت کے باوجود دوری تھی۔ مقتول بیٹے کا سوگ منانا بھی ضروری تھا اس لیے وہ چالیس دنوں کے بعد اپنے بدن کی جاگیر اس کے نام کرنے والی تھی۔

وہ بھی عجیب دیوانہ تھا۔ اس کی خاطر اس نے آج تک شادی نہیں کی تھی۔ اور اب اس کی عمر کا حساب نہیں کر رہا تھا۔ وہ سچا عاشق تھا۔ کسی حساب کتاب کے بغیر اپنے مطلوب کو طلب کر رہا تھا اور اس کے قریب رہ کر بھی بڑے صبر سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ دردانہ نے فون اٹھا کر اس کی اسکرین پر نمبر پڑھا پھر مسکرا کر کہا ''مقدر حیات کال کر رہا ہے۔''

شہباز نے کہا ''میں تو اسے بھول ہی گیا تھا۔ یہ بھی تمہارا ایک زبردست مہرہ بنے گا۔ تمہارے بہت کام آئے گا تم بات کرو میں خاموش رہوں گا۔''

وہ فون آن کر کے کان سے لگا کر بولی ''ہیلو بیٹے مقدر حیات! یہ تم بول رہے ہو؟''

میں نے کہا ''یس ممی! میں ہی بول رہا ہوں۔ آپ خیریت سے ہیں ناں؟''

''بیٹے! میں بالکل خیریت سے ہوں۔ تمہاری سلامتی کے لیے خدا سے دعا کرتی رہتی ہوں، میں نے ایک آدھ بار تم سے رابطہ کرنا چاہا لیکن تمہارا فون بند رہتا ہے یا شاید تمہارے فون میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی؟''

''جب ملک سے باہر جاتا ہوں تو میں یہ فون بند کر کے یہیں چھوڑ جاتا ہوں۔ واپس آ کر استعمال کرتا ہوں۔''

''تم نے کہا تھا کہ دو ہفتے کے اندر یہاں آؤ گے' بتاؤ کب آ رہے ہو؟''

''میں نے یہی بتانے کے لیے ابھی فون کیا ہے۔ میں کل صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے کراچی پہنچ رہا ہوں۔''

وہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی ''سچ......؟ اب تو مجھے رات کو نیند نہیں آئے گی، میں صبح کا انتظار کرتی رہوں گی۔''

''رات کو جاگنا نہیں چاہیے۔ آپ وعدہ کریں سو جائیں گی اور صبح فریش ہو کر مجھے لینے ایئرپورٹ آئیں گی۔''

''وہاں تو عینی اور اس کا پورا خاندان ہوگا۔ وہ مجھے برداشت نہیں کریں گے۔''

''میں اپنے آنے کی اطلاع کسی کو نہیں دے رہا ہوں۔ ایئرپورٹ پر کوئی نہیں آئے گا۔ صرف ہم ماں اور بیٹے ہی ہوں گے۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''بیٹے! اب تم تمام رشتے داروں کو نظر انداز کر کے صرف مجھے اہمیت دے رہے ہو۔ تم ایسا کر کے مجھے ہمیشہ کے لیے خرید رہے ہو۔''

میں ہنس کر بولا ''میں بارہ سال کی عمر سے ڈیڈی کے ساتھ کاروباری معاملات میں شریک رہا ہوں۔ مجھے خرید و فروخت میں مہارت حاصل ہے آپ کو تو ایسا خرید دوں گا کہ

آپ پھر کہیں بکنے کے قابل نہیں رہیں گی۔"

یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی وہ الجھ کر بولی "یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا میں کوئی بکنے والی چیز ہوں؟"

"جی ہاں...... ایسی بکنے والی ہیں کہ صرف محبت سے خریدی جاسکتی ہیں اور آپ کو محبت کی کیسی کرنسی سے خریدنا چاہیے یہ صرف میں ہی جانتا ہوں۔"

وہ ہنس کر بولی "تم بہت اچھی ہوئی باتیں کرتے ہو۔ مگر تمہاری باتیں محبت سے لبریز ہوتی ہیں۔ میں ابھی ملازموں سے کہہ کر تمہارے لیے ایک کمرا ٹھیک کرواتی ہوں۔"

"اوہ نو ممی! میں آپ کے ساتھ نہیں ٹھہروں گا آپ میری مصلحت اندیشی کو سمجھیں۔ مجھے عینی کے گھر جا کر رہنا چاہیے۔ میں ان رشتے داروں کے ساتھ رہوں گا لیکن آپ سے ملتا رہوں گا۔"

"وہ رشتے دار ہم ماں بیٹے کا پیار برداشت نہیں کریں گے۔"

"جو برداشت نہیں کرے گا وہ اپنے گھر میں خوش رہے گا۔ میں کسی کے دباؤ میں آنے والا نہیں ہوں۔ آپ ہی بتائیں کیا میں کسی کا محتاج ہوں؟"

"ہرگز نہیں...... خدا نہ کرے تم کسی کے محتاج رہو۔ ایک بات پوچھوں؟"

"آپ ہزار باتیں پوچھیں میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔"

"تم نے اپنے ڈیڈی کا تمام کاروبار سنبھالا ہوا ہے یہ بتاؤ کہ اس میں عینی کا کتنا حصہ ہے؟"

"وہ چالیس فیصد کی حصہ دار ہے۔ پہلے وکیل اخلاق احمد اس کے شیئر کا حساب کتاب رکھتے تھے بعد میں اتنا بھروسا ہوگیا ہے کہ اب وہ کوئی حساب نہیں کرتے۔ میں عینی کا جتنا شیئر دیتا ہوں اسے قبول کرلیتے ہیں۔ میرا عینی کے قریب رہنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ میں اسے پوری طرح اپنی مٹھی میں رکھوں گا، اور اسے کبھی حساب کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔"

"شاباش بیٹے! تم تو بالکل اپنے ہم مزاج ہو۔"

میں نے مسکا لگایا "آپ کا بیٹا ہوں اس لے آپ کا ہم مزاج ہوں۔"

وہ خوشی سے کھلی جارہی تھی بولی "آئی لو یو...... مائی چائلڈ!"

میں نے بھی کہا "آئی لو یو ٹو ممی! اب کل آٹھ بجے ایئرپورٹ پر ہی ملاقات ہوگی...... سی یو...... گڈ نائٹ۔"

میں نے رابطہ ختم کردیا۔ اس نے فون بند کر کے شہباز سے کہا "وہ کل صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے آرہا ہے ایسا لگتا ہے اس نے اپنی محبت سے سچ مچ مجھے خرید لیا ہے بالکل میرے مزاج کے مطابق باتیں کرتا ہے۔"

شہباز نے کہا "اس کی باتوں میں نہ آؤ' یہ نہ دیکھو کہ وہ صرف باتیں کرتا ہے بلکہ یہ دیکھو جو کہتا ہے وہ کرتا ہے یا نہیں؟"

"بالکل وہی کررہا ہے۔ اپنے باپ کے کاروبار پر پوری طرح مسلط رہنے کے لیے یہاں عینی کو اپنی مٹھی میں جکڑنے آرہا ہے۔ وہ وہی کررہا ہے جو میں چاہتی ہوں۔"

"پھر تو اس پر بھروسا کیا جاسکتا ہے۔"

"صرف یہی نہیں...... اس نے اپنے آنے کی اطلاع کسی بھی رشتے دار کو نہیں دی ہے۔ اسی سے اندازہ کرو کہ وہ مجھے اپنے تمام رشتے داروں پر کس طرح فوقیت دے رہا ہے۔"

"تم واقعی بہت خوش نصیب ہو۔ اِدھر پاشا کو اپنا تابعدار بنا کر عینی کو اپنے پیچھے دوڑاؤ گی' اِدھر وہ کاروبار میں عینی کا کباڑا کرتا رہے گا۔ ویسے ہونا یہ چاہیے کہ عینی کی تمام دولت اور جائیداد تمہاری طرف چلی آئے۔"

"تم دیکھنا یہی ہوگا۔ مقدر حیات میرے دماغ سے سوچتا ہے میری زبان سے بولتا ہے میں اسے اپنے رنگ میں رنگ لوں گی۔"

وہ خوش ہورہی تھی۔ خدا خوش رکھے میں سب ہی کو خوش کرتا آرہا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ مجھ سے ملنے والی خوشیاں بہت مہنگی پڑتی ہیں۔

دوسری صبح ایئر پورٹ پر پہلی بار دردانہ سے سامنا ہوا۔ وہ مجھے چہرے سے پہچان نہیں سکتی تھی۔ اس لیے ہاتھ میں پلے کارڈ اٹھائے ہوئے تھی، میں نے وہ کارڈ پڑھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا "ممی! میں ہی آپ کا بیٹا مقدر حیات ہوں۔"

اس نے مجھے گلے لگایا۔ پھر پیشانی کو چوم کر کہا "تم بہت ہی قد آور اور وجیہہ ہو' کسی پہلو سے بزنس مین نہیں، مارشل آرٹ کے ماہر دکھائی دے رہے ہو۔"

میں نے مسکرا کر کہا "میں بزنس مین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فائٹر بھی ہوں۔ نجومی بھی ہوں یہ سمجھئے کہ ہر فن مولا ہوں۔ آپ کو رفتہ رفتہ میرے گر معلوم ہوتے رہیں گے۔"

میں اس کے ساتھ ایئرپورٹ کی عمارت کے باہر آیا۔ اس کی کار میں بیٹھ گیا۔ وہ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا کر بولی "ابھی میں تمہیں عینی کی کوٹھی میں پہنچا دوں گی، تم مجھ سے

بچھڑ جاؤ گے ہماری یہ ملاقات اتنی مختصر ہوگی کہ میرا دل تمہارے بغیر نہیں لگے گا۔"

"مجبوری ہے ممی! اپنے سوتیلوں سے نمٹنے کے لیے ایک دوسرے سے دور رہنا ہوگا۔"

"ہاں...... یہی سوچ کر میں تمہاری دوری برداشت کرلوں گی۔"

"میں نے موبائل نکال کر نمبر ملاتے ہوئے کہا "اب میں انہیں اپنے آنے کی اطلاع دے رہا ہوں۔"

"پہلے کس سے بات کروگے؟"

"میں گھر کا نمبر ملا رہا ہوں جو بھی اٹینڈ کرے اسی سے بات ہوگی۔"

میں نے فون کو کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے رابطہ ہوتے ہی فلک ناز کی آواز سنائی دی "ہیلو مقدر حیات میں سی ایل آئی پر تمہارا نمبر پڑھ رہی ہوں۔ کیا تم بول رہے ہو؟"

"ہاں پھوپی جان! میں ہوں' یہاں آگیا ہوں بس راستے میں ہوں گھر پہنچنے ہی والا ہوں۔"

وہ حیرانی سے بولی "یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اچانک یہاں پہنچ گئے ہو؟ آنے کی اطلاع تو دیتے ہم ایئرپورٹ تمہیں لینے کے لیے آتے۔"

"پھوپی جان! اب تو آ ہی گیا ہوں۔ آدھے گھنٹے میں پہنچنے والا ہوں۔ باقی باتیں ملاقات ہونے پر ہوں گی۔ خدا حافظ۔"

پھر میں نے فلک آفتاب کے نمبر ملائے۔ اس نے موبائل فون کی اسکرین پر میرا نمبر پڑھا تو خوش ہوکر پوچھا "بیٹے مقدر حیات! میں تمہارا تایا ابو ہوں۔ تم یہاں کب آرہے ہو؟"

"تایا ابو! میں آچکا ہوں' راستے میں ہوں بس آدھے گھنٹے میں گھر پہنچنے والا ہوں۔"

"ارے بیٹا! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اچانک ہی آگئے۔ اپنے آنے کی اطلاع تو کرتے؟"

"میں جانتا ہوں آپ سب یہی شکایت کریں گے۔ بہرحال میں آرہا ہوں پھر باتیں ہوں گی۔"

میں نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔ دردانہ نے ہنستے ہوئے کہا "تم نے بڑی مختصر باتیں کی ہیں۔ سب کو سرپرائز دیا ہے اب وہاں ہنگامہ برپا ہوگا سب بھاگ دوڑ میں لگے ہوں گے۔ تمہارے استقبال کی تیاریاں کررہے ہوں گے۔ اور تیاریاں کرنے کے لیے ان کے پاس وقت بھی زیادہ نہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "عورتوں کے لیے بڑی مصیبت یہ ہے کہ کم سے کم وقت میں تیار نہیں ہو پاتیں۔"

وہ بولی "فلک ناز اور بیگم آفتاب کے لیے پریشانی یہ ہوگی کہ وہ اتنے کم وقت میں اپنی بیٹیوں کو تیار نہیں کرسکیں گی۔"

یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگی۔ اس کی ہنسی کے پیچھے یہ خوشی چھپی ہوئی تھی کہ وہ پوری طرح تیار ہوکر مجھے لینے ایئرپورٹ آئی تھی۔ خواہ وہ عمر میں کتنی ہی ہو، خواہ وہ رشتے میں میری سوتیلی ماں ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ بھی عورت تھی۔ اسے بھی تیاری میں دیر لگتی تھی۔ وہ بیٹے کو لینے آئی تھی مگر دنیا والوں کو انداز دکھانے آئی تھی' یہ عورت کی مجبوری ہوتی ہے۔

ہماری کار عینی کی کوٹھی کے احاطے میں پہنچ گئی۔ وہاں فلک ناز بیگم آفتاب اور فلک آفتاب میرا انتظار کررہے تھے۔ مجھے دردانہ کی کار سے اترتے دیکھ کر سب کے چہرے لٹک گئے پھر بھی وہ جبراً مسکرانے لگے۔ فلک آفتاب نے آگے بڑھ کر کہا "خوش آمدید میرے بیٹے! آؤ اپنے تایا ابو کے سینے سے لگ جاؤ۔"

میں بڑھ کر ان کے گلے لگ گیا۔ بیگم آفتاب میرے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دینے لگی۔ فلک ناز میری پیٹھ سہلا رہی تھی۔ مجھے چھونا ضروری تھا کہ میری کشش انہیں کھینچ رہی ہے۔ فلک ناز نے کہا "تم نے ہمیں سرپرائز دینے کے لیے اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی۔"

پھر فلک ناز نے دردانہ کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا "دردانہ بھابی کے ساتھ آئے ہو؟"

میں نے فلک آفتاب سے الگ ہوکر کہا "میری ممی نے تو مجھ سے محبت کی انتہا کردی ہے مجھے لینے کے لیے لاہور پہنچ گئیں' وہاں سے لے کر یہاں آئی ہیں۔ یہ مجھے اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتی ہیں' میں نے انہیں پیار سے سمجھا دیا ہے کہ مجھے اپنے تایا ابو، تائی امی اور پھوپی جان کے ساتھ رہنا چاہیے۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان رنجشیں ہیں۔ اس کے باوجود ممی میرے ساتھ یہاں تک آئی ہیں آپ سب مائنڈ تو نہیں کررہے ہیں؟"

فلک آفتاب نے کہا "بیٹے! اب ہم کچھ کہیں گے تو بات بڑھے گی مگر تمہارے آنے کی خوشی میں رنجش والی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ ہم ماحول کو خوشگوار رکھنا چاہتے ہیں۔"

دردانہ نے کہا "میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ میری موجودگی یہاں کسی پر بھی گراں گزرے۔ اس لیے میں جارہی ہوں، بیٹے! یہ بتاؤ تم میرے ہاں کب آرہے ہو؟"

"میں آج رات کا کھانا آپ کے ساتھ کھاؤں گا۔ آپ اپنی گاڑی رات آٹھ بجے بھیج دیں میں چلا آؤں گا۔"

فلک آفتاب نے مجھے تھپک کر کہا" آؤ بیٹے! اندر چلیں۔"

میں ان کے ساتھ جانے لگا۔ بیگم آفتاب اور فلک ناز بھی ساتھ آ رہی تھیں۔ دردانہ نے کہا" ناز! ذرا رک جاؤ میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

فلک ناز رک گئی۔ بیگم آفتاب نے سوالیہ نظروں سے دردانہ اور ناز کو دیکھا۔ دردانہ نے مسکرا کر کہا" بھائی جان! آپ بھی رک جائیں میں مختصر سی بات کہوں گی پھر چلی جاؤں گی۔"

وہ دونوں اپنی اپنی بیٹی کو سمجھا کر آئی تھیں کہ جب تک انہیں بلایا نہ جائے' وہ میرے سامنے نہ آئیں۔ وہ دونوں اپنی موجودگی میں انہیں میرے سامنے پیش کرنا چاہتی تھیں۔ فلک آفتاب نے کہا" دردانہ! جو کہنا ہے جلدی کہو۔ اندر بہت کام ہے۔"

"میں جانتی ہوں کیا کام ہے۔ آپ دونوں اپنی اپنی بیٹی کو مقدر سے منسوب کرنا چاہتی ہیں۔ آپ یہ دیکھ چکی ہیں کہ میں مقدر پر کس طرح سے حادی ہو رہی ہوں۔ اور وہ بھی مجھے کس قدر چاہتا ہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اس خاندان کی جس لڑکی کو میں پسند کروں گی وہ اسی سے شادی کرے گا۔"

فلک ناز نے کہا" آپ ایسی ڈینگیں نہ ماریں آج کل کے نوجوان کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں تو سگی ماں تک کو نہیں پوچھتے پھر آپ تو مقدر کی سوتیلی ماں ہیں۔"

دردانہ نے کہا" میں اگر کچھ کہوں گی تو کہا جائے گا کہ ڈینگیں مار رہی ہوں۔ ویسے آزمائش شرط ہے۔ میں یہ تماشا دکھاؤں گی کہ وہ اگر بھائی جان کی بیٹی نمرہ کو پسند کرے گا تو میں اسے آسرا سے شادی کرنے پر مجبور کروں گی۔ اور اگر وہ آسرا کو پسند کرے گا تو میں اسے نمرہ سے شادی کرنے پر مجبور کر دوں گی۔ میں یہ راز کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ میرا سوتیلا بیٹا مقدر حیات کس طرح میری مٹھی میں رہتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتی ہوئی اپنی کار تک آئی اور اسے اسٹارٹ کر کے وہاں سے چلی گئی۔ وہ دونوں اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ جانے والی اپنی اہمیت جتا کر ان دونوں کے اندر تجسس پیدا کر گئی تھی۔

بیگم آفتاب نے دل میں سوچا کہ دردانہ سے اب رشتے داری نہ سہی لیکن اسے اپنا بنا کر رکھنا چاہئے۔ یہ کسی بھی وقت کام آ سکتی ہے۔

وہ بظاہر منہ بنا کر فلک ناز سے بولی" یہ دردانہ بڑی مکار ہے اپنی مکاری دکھا گئی ہے۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔"

فلک ناز نے دل میں سوچا" مجھے مقدر حیات کو ٹٹولنا چاہئے کہ وہ دردانہ سے اس قدر متاثر کیوں ہے؟ مقدر حیات کو خوش کرنے کے لیے مجھے دردانہ سے رنجش ختم کر دینا چاہئے۔ میں کسی وقت دردانہ سے بات کروں گی۔"

پھر وہ بھی بظاہر ناگواری سے بولی" یہ دردانہ بھابی ہمیشہ مجھے زہر لگتی ہیں، میں اس زہر کو کبھی منہ نہیں لگاؤں گی۔"

وہ دونوں وہاں سے پلٹ کر کوٹھی کے دروازے کی طرف جانے لگیں۔ اندر ڈرائنگ روم میں ذیشان' اسما' عینی' عروج' بابر اور عدنان موجود تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا۔ ذیشان نے مجھے گلے لگا کر کہا" اخلاق احمد کے ذریعے تمہارا غائبانہ تعارف ہو چکا ہے۔ اپنی بہن عینی سے ملو۔"

عینی نے سامنے آ کر سلام کیا۔ میں نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ پھر اس کی پیشانی کو چوم کر کہا" جب بھائی بہن کے گھر آتے ہیں تو اس کے لیے بہترین تحفہ لے کر آتے ہیں اور میں تو پہلی بار آیا ہوں۔ جانتی ہو کیا تحفہ لایا ہوں؟"

عروج نے آگے بڑھ کر کہا" اسلام علیکم...... آپ تو خالی ہاتھ ہیں۔"

عینی نے کہا" یہ میری جان سے زیادہ عزیز سہیلی عروج ہے۔"

میں نے عروج کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا" تم دونوں سہیلیوں کے چرچے لندن تک پہنچے ہوئے ہیں۔ عروج کا بھی غائبانہ تعارف ہو چکا ہے۔"

عروج نے پوچھا" وہ تحفہ کہاں ہے؟ جو عینی کے لیے لائے ہیں۔"

"اب تو وہ تحفہ تم دونوں کے لیے ہے۔"

"مگر کہاں ہے؟"

میں نے کہا" یہاں میں کھڑا ہوا ہوں جو وہ تمہارا سوتیلا بھائی بہت پہلے پیدا ہوا تھا وہ مر چکا ہے۔ یہ جو مقدر حیات تمہارے سامنے ہے اسے میں سگے بھائی کے طور پر تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں یہی ہے تمہارا تحفہ۔"

عینی نے خوش ہو کر آگے بڑھتے ہوئے اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔ میں نے کہا" اور یہ تحفہ صرف تمہارے لیے نہیں عروج کے لیے بھی ہے۔ جب تمہارا سگا ہوں تو میں عروج کا بھی سگا بھائی ہوں۔"

عروج نے بھی آگے بڑھ کر اپنا سر میرے سینے پر رکھ

دیا۔ میں نے اسما کو دیکھ کر کہا" آداب بھابی جان! آپ اتنی پیچھے کھڑی ہوئی ہیں کہ میں نے آپ کو ڈھونڈ کر نکالا ہے۔"

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ اسما نے کہا" میں ہمیشہ پیچھے ہی رہتی ہوں۔ صرف محبت کرنے والوں کو دکھائی دیتی ہوں تم نے محبت سے دیکھا تو میں نظر آ گئی۔"

بیگم آفتاب اور فلک ناز ڈرائنگ روم میں آئیں۔ بیگم آفتاب نے کہا" یہ کیا' کوئی مقدر کو بیٹھنے کے لیے نہیں کہہ رہا ہے، میرا بیٹا کب سے کھڑا ہوا ہے۔"

فلک ناز نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ کو تھام کر ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا" یہاں صوفے پر بیٹھو۔"

بیگم آفتاب نے گھور کر ناز کو دیکھا۔ وہ صرف بیٹھنے کا کہہ رہی تھی۔ ناز نے مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔

بیگم آفتاب میرے برابر صوفے پر بیٹھنا چاہتی تھی۔ فلک آفتاب نے کہا" بیگم...... یہ کیا تم یہاں بیٹھنے جا رہی ہو؟ کیا اپنے مقدر بیٹے کو کچھ کھلاؤ پلاؤ گی نہیں؟ انہیں بھوکا رکھو گی؟"

وہ وہاں سے تیزی سے جاتے ہوئے بولی" میں نے کھانے کے لیے سارا انتظام کر دیا ہے۔ بس کیا کروں اپنے مقدر بیٹے کو دیکھ کر سب کچھ ہی بھول گئی۔ ابھی لاتی ہوں بس اپنے ہاتھوں سے منہ میٹھا کراؤں گی۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر آئی۔ وہ مٹھائی سے پہلے اپنی بیٹی نمرہ کی مٹھاس پیش کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ملازم سے کہا" جاؤ ٹرالی لے کر یہاں آؤ۔ جلدی' میں ابھی آ رہی ہوں۔ خبردار وہ ٹرالی ڈرائنگ روم میں نہ لے جانا۔"

پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی نمرہ کے بیڈ روم کی طرف گئی۔ وہاں جا کر دروازے پر دستک دی اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکتے ہوئے پوچھا" نمرہ کہاں ہو تم؟"

نمرہ کے اندر تو بے چینی بھری ہوئی تھی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ مقدر حیات کون ہے؟ کیا یہ وہی ہے جس سے پہاڑی علاقے میں سامنا ہوا تھا؟

وہ مجھے چھپ کر دیکھنا چاہتی تھی۔ ڈرائنگ روم کی طرف آ رہی تھی کہ ٹھٹک گئی میں اسے روبرو دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ نظریں چرانے لگی۔ میں نے پوچھا" کہاں جا رہی ہو؟ مجھے دیکھنے کے لیے اتنی دور ڈرائنگ روم میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ذرا سر جھکا کر تم اپنے دل میں جھانکو وہاں میں دکھائی دوں گا۔"

وہ بولی" تمہیں اپنے بارے میں بڑی خوش فہمی ہے۔ میرے دل میں نہ کوئی تھا، نہ ہے اور نہ ہی ہو گا۔"

"بڑا بول نہ بولو۔ جب عشق ہوتا ہے تو اندھے لنگڑے اور لولے سے بھی ہو جاتا ہے۔ پھر مجھے تو تمہاری تجلی نے اندھا کیا ہے۔ بس تمہاری ایک جھلک دیکھی تھی۔ پھر اس کے بعد کچھ نہ دیکھ سکا۔ اور نہ ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے بعد ان آنکھوں میں اب تک دوسری نہیں سمائی۔"

"اچھا...... زیادہ نہ بولو' راستے سے ہٹو مجھے جانے دو۔"

بیگم آفتاب اس کی طرف آ رہی تھی اور حیرانی سے دیکھ رہی تھی اسے اپنی بیٹی کے سامنے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے شانے جھنجوڑ کر پوچھا" یہ تم کس سے بات کر رہی ہو؟"

نمرہ نے چونک کر ماں کو دیکھا پھر اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی نہیں تھا اس کے اندر کا چھپا ہوا خیال تھا دھیما دھیما سا پیار تھا جو اس کے سامنے چلا آیا تھا۔ ماں کی مداخلت سے پھر اس کے اندر آ کر چھپ گیا تھا۔

ماں نے پوچھا" تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

نمرہ کو یوں لگا جیسے چوری پکڑی گئی ہے۔ اس نے فوراً ہی بات بنائی" وہ...... وہ کیمسٹری کا ایک سوال ہے میں اسے چلتے پھرتے یاد کرتی ہوں۔"

"تعلیم حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چلتے پھرتے پڑھو۔ اور یہ کوئی پڑھنے کا وقت ہے؟ مقدر حیات آیا ہوا ہے چلو میرے ساتھ۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے چلتی ہوئی اس کوریڈور میں آئی جہاں ملازم کھانے پینے کے سامان کی ٹرالی کے ساتھ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے نمرہ سے کہا" چلو یہ ٹرالی تم لے جاؤ اس کے سامنے پہنچتے ہی سر جھکا کر سلام کرنا، کوئی الٹی سیدھی بات نہ کرنا۔"

نمرہ کے اندر تجسس بھرا ہوا تھا۔ اس نے ماں کی طرف جھک کر آہستگی سے پوچھا" آپ مجھے سچ سچ بتائیں وہ اندھا ہے ناں؟"

اس نے چونک کر بیٹی کو دیکھا پھر کہا" کیوں اس بے چارے کو اندھا بنا رہی ہو؟ وہ اچھا خاصا آنکھوں والا ہے تم ملو تو سہی۔"

وہ ٹرالی کو دھکیلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ میں فلک ناز کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اسے میری پشت دکھائی دے رہی تھی، وہ میری صورت دیکھنا چاہتی تھی۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک طرف ٹرالی گھما کر لا رہی تھی۔ میں ذیشان سے بات کرنے کے بہانے اس

کی طرف سے منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

''بھائی جان! ہمارے باپ دادا تاجر تھے ہم بھی بزنس کر رہے ہیں۔ آپ کیوں ملازمت کی طرف چلے گئے؟ اور وہ بھی پولیس کی ملازمت' دن رات خطرات سے کھیلتے ہوں گے!''

نمرہ نے ٹرالی کو ایک جگہ روک دیا تھا۔ میری باتیں سن رہی تھی۔ پھر میرے پیچھے آ کر بولی ''خطرات سے تو تم بھی کھیلو گے مجھ سے منہ چھپا رہے ہو۔ میں نے آواز سے تمہیں پہچان لیا ہے۔''

میں نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ پھر حیرانی سے کہا ''ارے تم......؟ یہ تم ہو......؟''

وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کو بولی'' ہاں...... میں ہوں۔ زیادہ بھولے نہ بنو تم ایک نمبر کے مکار ہو۔''

فلک آفتاب نے ایک دم سے اٹھ کر کہا'' نمرہ......! یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تم مقدر میاں کو کیا کہہ رہی ہو؟''

میں نے فلک آفتاب کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا'' تایا ابو! ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ آرام سے بیٹھیں میں آپ کی اس کالی بلی کو پہلے سے جانتا ہوں۔''

وہ پیچھے ہٹ کر بولی'' میں تمہیں کالی دکھائی دے رہی ہوں؟ جھوٹے بہروپیئے۔ اندھے بن کر مجھے دھوکا دے رہے تھے۔''

بیگم آفتاب نے تیزی سے اس کی طرف آتے ہوئے کہا۔ ''نمرہ! یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تمہیں شرم نہیں آتی مقدر میاں کو جھوٹا اور بہروپیا کہہ رہی ہو۔ فوراً ان سے معافی مانگو۔''

وہ بولی'' ممی ! آپ کے مقدر میاں نے درجنوں اسٹوڈنٹس کے سامنے مجھے اُلو بنایا ہے۔ معافی میں نہیں مانگوں گی۔ یہ مجھ سے معافی مانگیں گے۔''

میں نے کہا'' ارے واہ...... میں کیوں معافی مانگوں؟ تم اُلو بن رہی تھیں۔ اس لیے میں بنا رہا تھا۔''

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ نمرہ نے ٹرالی سے ایک کانٹا اور ایک چھری اٹھا کر کہا'' تمہیں اندھا بننے کا بہت شوق ہے، ناں......؟ میں تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں گی۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو مجھ سے معافی مانگو۔''

وہ اس انداز میں حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھی جیسے میری آنکھیں پھوڑ ہی ڈالے گی۔ میں نے پیچھے ہٹ کر ادھر ادھر جاتے ہوئے کہا'' تایا ابو! آپ نے یہ کیا چیز پیدا کی ہے؟ سنا تھا کہ چڑیلیں کلیجہ نوچ کر لے جاتی ہیں۔ یہ چڑیل تو میری آنکھیں نکالنا چاہتی ہے!''

میں اِدھر سے اُدھر جا رہا تھا' کبھی صوفے کے درمیان اور کبھی پیچھے اور وہ میرے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ سب ہنس رہے تھے۔ فلک ناز کا چہرہ اتر گیا تھا۔ یہ دیکھ کر مایوس ہو رہی تھی کہ میرے اور نمرہ کے درمیان پہلے سے بے تکلفی ہے۔

میں اِدھر سے اُدھر بھاگتا ہوا آ کر بیگم آفتاب کے پیچھے آ پھر اسے پکڑ کر کھڑا ہو گیا'' بڑی امی! اب آپ ہی مجھے اس سے بچا سکتی ہیں۔''

بیگم آفتاب نے اپنی بیٹی کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر کہا'' نمرہ! اب رہنے بھی دو تمہاری ان حرکتوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں پہلے سے مل چکے ہو۔''

وہ ایسا کہتے ہوئے طنزیہ انداز میں چور نظروں سے فلک ناز کو دیکھ رہی تھی۔ نمرہ نے کانٹا اور چھری کو ٹرالی پر پھینکتے ہوئے ادھر سے جاتے ہوئے کہا'' یہ حضرت جب تک مجھے سوری نہیں کہیں گے میں یہاں نہیں آؤں گی۔''

وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔ بیگم آفتاب آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا'' آپ رہنے دیں میں اسے منا کر لے آتا ہوں۔''

وہ خوش ہو کر بولی'' ہاں بیٹا اب تو تم اسے مناتے رہو گے۔''

میں ڈرائنگ روم سے نکل کر ایک کوریڈور میں آیا۔ وہ دروازے کے باہر دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ تو وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے قریب آ کر سرگوشی میں کہا'' تم دوسری طرف دیکھ رہی ہو۔ وہاں بھی میں ہی دکھائی دے رہا ہوں۔''

وہ ایک ادائے ناز سے بولی'' جی نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے تم ایسے نہیں ہو کہ تم پر کوئی لڑکی بھروسا کرے۔''

''میں نے ایسا کیا کیا ہے جو بھروسے کے قابل نہیں رہا؟''

''فریب دینے والے کبھی نہیں مانتے کہ وہ فریبی ہیں۔''

''میں نے کس سے فریب کیا ہے؟ کیا تم سے؟''

''اور نہیں تو کیا...... اندھے بن کر مجھے دھوکا نہیں دے رہے تھے؟''

''میں تمہاری شرم رکھنے کے لیے اندھا بن گیا تھا۔ اس وقت اگر اچانک اندھے کی ایکٹنگ نہ کرتا تو تم شرم سے زمین میں گڑ جاتیں۔ میری اس حرکت سے تمہیں اطمینان ہوا کہ ایک اندھے نے کچھ نہیں دیکھا ہے۔''

اس نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ میں نے کہا'' چلو دوسری باتیں کرتے ہیں۔ وہ تصویریں کیسی تھیں؟

...نے ان تصویروں کو دیکھ کر اندازہ کیا ہوگا کہ میں کس طرح تمہارے پیچھے رہا کرتا تھا؟ جب بھی موقع ملتا تھا تصویر اتار لیتا تھا۔ کیا وہ تصویریں تم سے یہ نہیں کہتیں کہ تم میرے دل میں آ کر بیٹھ گئی ہو؟''

وہ دیوار کی طرف منہ کر کے بولی'' تم دھوکے باز بھی ہو اور کے بے شرم بھی، نہ جانے کس رات میرے بیڈروم میں گھس آئے تھے۔ وہاں تم نے کیسی کیسی تصویریں اتاری ہیں۔ تمہیں شرم نہیں آئی؟''

''شرم آتی تو میں نہ آتا، میں نے تمہارے بیڈروم کے خوبصورت لمحات کی تصویریں اتاری ہیں۔ تم گہری نیند میں تھیں' تمہارے سونے کے انداز میں بھی حسن اور ادائیں ہیں۔ تمہاری تصویریں کہتی ہیں کہ خوابیدہ حسن میں بڑی دلکشی ہوتی ہے۔''

''ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے شرم آتی ہے۔ میں چلی جاؤں گی۔''

''چلو...... ایسی باتیں نہیں کروں گا۔ اب ڈرائنگ روم میں چلو۔ وہاں سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔''

وہ میرے ساتھ چلتی ہوئی۔ ڈرائنگ روم میں آئی۔ اس کی خاموشی دیکھ کر بابر نے کہا'' تالیاں۔''

سب ہی تالیاں بجانے لگے۔ بابر نے کہا'' نمرہ کا جھکا ہوا سر بتا رہا ہے کہ دونوں میں صلح ہو چکی ہے۔ ہم سب ایک جنگِ عظیم سے بچ گئے ہیں۔''

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ بیگم آفتاب سے تو خوشی کے مارے صوفے پر ٹکا نہیں جا رہا تھا۔ عروج نے کہا'' نمرہ! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ تم نے اتنی جلدی ہار کیوں مانی؟''

میں نے کہا'' اس لیے ہار مان لی کہ یہ مقدر حیات کسی سے ہار ماننے والا نہیں ہے۔''

نمرہ نے مجھے بڑے پیار سے گھور کر دیکھا پھر کہا۔ ''عروج! یہ حضرت بڑی ہی اکڑ دکھا رہے ہیں۔ وہاں تنہائی میں جا کر کہہ رہے تھے کہ سب کے سامنے سوری کہتے ہوئے شرم آ رہی ہے مجھ سے غلطی ہو گئی پلیز! مجھے معاف کر دو۔ اب تم ہی بتاؤ ہم لڑکیوں کے دل کتنے بڑے ہوتے ہیں۔ آخر معاف کرنا ہی پڑا۔''

ذیشان نے کہا'' مقدر میاں! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ تم نے اس چھپکلی سے معافی مانگی ہے؟''

''بھائی جان! یہ بات جھوٹی ہے یہاں آ کر خوامخواہ لڑکیوں کی برتری ثابت کر رہی ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا'' بھئی...... مجھے تو اس نوک جھونک میں بڑا مزہ آ رہا ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا'' مقدر میاں نے آتے ہی یہاں کے ماحول کو قہقہوں سے بھر دیا ہے۔ ورنہ یہاں تو اداسی اور خاموشی رہتی ہے۔''

اس نے ان الفاظ کے دوران عینی اور عروج کو دیکھا۔ عینی نے کہا'' کل سے ماتمی خاموشی تھی۔ آج قہقہے گونج رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ کل یہ قہقہے نہ رہیں۔''

اسی وقت فلک ناز اپنی بیٹی آسرا کے ساتھ وہاں آئی۔ اسے دیکھ کر فلک آفتاب اور بیگم آفتاب ذرا بجھ سے گئے۔ عروج نے کہا'' آنے والا کوئی بھی لمحہ قہقہے چرا کر لے جاتا ہے۔''

فلک ناز نے کہا'' بیٹے مقدر! یہ میری بیٹی آسرا ہے۔''

آسرا نے چونک کر پوچھا'' تم......؟ تم مقدر حیات ہو؟''

اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔ پھر آگے بڑھی میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا'' دیکھو آسرا! ابھی ایک زبردست حملے سے بال بال بچا ہوں۔ پہلے میری بات سن لو۔''

میں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی'' کیا سنوں......؟ تم تو پکے جھوٹے اور فریبی ہو۔''

فلک ناز نے کہا'' ارے تم بھی اسے وہی کہہ رہی ہو۔ جو نمرہ کہہ رہی تھی؟''

وہ بولی'' نمرہ تو کیا ساری دنیا یہی کہے گی۔ میری سالگرہ کی پارٹی میں کتنے ہی مہمان آئے تھے۔ ان صاحب نے ان سب کو بے وقوف بنایا تھا۔''

پھر اس نے مجھ سے پوچھا'' ان سب کو تو رہنے دو۔ تم نے مجھے بے وقوف کیوں بنایا؟ مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟''

اس نے چونک کر اپنی ہتھیلی کو دیکھا پھر کہا'' اوہ گاڈ! تم تو بہت بڑے نجومی بن کر آئے تھے۔ خوامخواہ سب کے ہاتھ دیکھ رہے تھے۔ اور بے وقوف بنا رہے تھے تم نے مجھے بھی بے وقوف بنایا۔''

اس نے ایک اسٹینڈ پر رکھے گلدان کو اٹھا لیا۔ پھر کہا'' میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔ تم پھر نجومی بننے کے قابل نہیں رہو گے۔''

میں ایک بار پھر اپنے بچاؤ کے لیے اِدھر اُدھر بھاگنے لگا اور وہ میرے پیچھے دوڑنے لگی۔ وہاں سب ہنس رہے تھے صرف آفتاب اور بیگم آفتاب مایوس تھے اور ناگواری سے آسرا کو دیکھ رہے تھے۔ نمرہ کے ساتھ ہونے والی شوخیاں انہیں اچھی لگ رہی تھیں۔ لیکن اب آسرا کے ساتھ ہونے والی

یہی شوخیاں انہیں اندیشوں میں مبتلا کررہی تھیں۔ یہ سمجھارہی تھیں کہ مجھے داماد بنانے کے سلسلے میں نمرہ اور آسرا کے درمیان زبردست مقابلہ رہے گا۔

میں فلک ناز کے پیچھے آکر کھڑا ہوگیا۔اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا'' پھوپی جان! اس گھر میں تو بلیاں ہی بلیاں ہیں۔ایک سے نجات ملی تو دوسری پنجے ماررہی ہے پلیز مجھے بچائیں۔''

فلک ناز خوشی سے نہال ہورہی تھی۔ اس نے بیٹی کے ہاتھ سے گلدان چھین کر کہا'' بس کرو آسرا! مقدر میاں نے تمہیں بےوقوف نہیں بنایا ہے تم ان کی زندہ دلی کو سمجھو۔ان کی قدر کرو۔''

آسرا ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔ اس نے سر گھما کر نمرہ کی طرف دیکھا۔نمرہ اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک دوسرے کے قریب آگئیں۔

نمرہ نے کہا تھا کہ اسے مقدر حیات سے نہیں بلکہ ایک اندھے سے محبت ہوگئی ہے' اب بھید کھلا تھا کہ وہ اندھا یہ ہی مقدر حیات ہے۔

آسرا نے کہا تھا کہ اسے مقدر حیات سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔اس کا دل تو ایک نجومی پر آگیا ہے اور اب پتا چل رہا تھا کہ وہی نجومی مقدر حیات ہے۔

وہ دونوں الگ الگ راستوں پر بھٹک رہی تھیں۔ لیکن ایک منزل کے قریب پہنچ چکی تھیں۔

آسرا نے نمرہ کا ہاتھ تھام کر دھیمی آواز میں کہا'' کیا تم اسی کو اندھا کہہ رہی تھیں؟''

وہ بولی'' ہاں ...... یہ اپنی زندہ دلی سے مجھے بےوقوف بنا رہے تھے۔''

'' پھر تو تمہیں محبت کا یہ اندھا مبارک ہو۔''

'' پھر تو میں بھی تمہیں مبارک باد دوں گی۔ تمہارا نجومی بھی یہی ہے۔''

'' یہ کہتے ہی آسرا نے اپنا بایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ پھر ہتھیلی کو پھیلا کر کہا'' میرے ہاتھ میں دولت' عزت' شہرت اور زندگی کی تمام لکیریں ہیں لیکن۔''

سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ بولی'' لیکن اس ہاتھ میں شادی کی لکیر نہیں ہے مقدر حیات! تم نجومی ہو' تم نے ثابت کیا ہے کہ سچی پیش گوئیاں کرتے ہو۔ یہاں سب کو بتاؤ کہ میں کتنی بدنصیب لڑکی ہوں۔ میری زندگی میں مجھے کوئی چاہنے والا نہیں آئے گا۔''

ایسا کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے کہا'' اور اگر آئے گا تو زندگی مجھ سے روٹھ جائے گی۔ اس خاندان میں ایک دلہن عینی ہے۔ جس کی زندگی میں دولہا آتے آتے واپس چلا گیا۔ دوسری دلہن میں ہوں میری زندگی میں جب بھی کوئی دولہا آئے گا تو میں موت کو گلے لگالوں گی یہی میرا مقدر ہے۔''

یہ کہہ کر وہ روتی ہوئی ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے قہقہے گونج رہے تھے۔ اچانک ہی گہری ما
خاموشی چھاگئی۔ میرا سر جھک گیا میں نے آسرا سے جھوٹ نہیں کہا تھا' دھوکا نہیں دیا تھا۔ جو اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ
اس کے سامنے آئے گا۔ ابھی یہ دیکھ کر دکھ ہورہا تھا کہ وہ
سے محبت کرنے لگی ہے اور یہ سمجھ رہی ہے کہ میں اسے چاہو
گا۔ تب بھی میری چاہت نہیں ملے گی۔ اسے تو موت ہی
گی۔

بیٹی کے آنسوؤں نے ماں کو پریشان کردیا۔ اسے یوں جیسے بیٹی بازی جیتنے سے پہلے ہار کر چلی گئی ہے۔ وہ اس
پیچھے تیزی سے جارہی تھی۔ پھر دروازے کے پاس پہنچ کر رک
گئی۔ کچھ سوچ کر پلٹ کر مجھے دیکھنے لگی پھر بولی'' یہ کیا بکوا
کررہی تھی؟ اپنے ہاتھ کی لکیریں دکھارہی تھی۔ اس نے تمہ
نجومی کہا ہے۔ کیا تم نے ہی اسے کہا تھا کہ اس کی شادی
نہیں ہوسکے گی؟''

میں نے فلک ناز کی طرف دیکھا۔ پھر سر جھکالیا۔ میرے قریب آکر بولی'' بیٹے! تم نے اس کا دل توڑا ہے
آخر اس کی کوئی وجہ تو ہوگی؟''

'' پھوپی جان! آپ مجھے غلط نہ سمجھیں' آسرا بہت ا
ہے میں اسے بہت چاہتا ہوں لیکن جسے چاہتا ہوں ا
دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا۔ میرے علم نجوم کے مطابق مجھے
حقائق معلوم ہوئے وہ میں نے اس کے سامنے رکھ دیئے۔''

'' بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں جو ظاہر نہیں کیے جا
کیونکہ سننے والوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر تمہارا علم یہ کہتا
کہ میری بیٹی کی شادی نہیں ہوسکے گی تو اسے یہ بتانا ضرو
نہیں تھا۔ وہ خوش فہمی میں مبتلا رہتی اور اپنی زندگی ہنسی
گزارتی۔''

'' یہی تو بات ہے پھوپی جان! وہ اپنی زندگی ہنسی
نہیں گزارتی' اگر کوئی گڑھے کی طرف گرنے جارہا ہو تو
فرض ہے کہ میں اسے گرنے سے روکوں۔ اگر میں ا
حقیقت نہ بتاتا تو وہ کسی سے شادی کرلیتی اور پھر اسے
سہاگن کی خوشیاں کبھی نصیب نہ ہوتیں۔ زندگی بالکل ہی
ہوجاتی۔ آپ ایک ماں ہیں چاہیں گی کہ اس کو ایک لمبی اور

حال زندگی ملے۔ اور وہ لمبی زندگی اسی طرح جی سکتی ہے کہ کبھی شادی نہ کرے۔''

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھا۔ دونوں اندر ہی اندر خوش ہورہے تھے۔ ان کی بیٹی نمرہ کے مقابلے پر آنے والی کو مقدر خود ہی اپنے سے دور کررہا تھا۔ فلک ناز نے کہا'' میں نہیں مانتی ایسے علم نجوم کو۔ کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ ہاتھ کی لکیریں بالکل سچ بولتی ہوں۔''

میں نے کہا'' نہ ماننے والوں کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ورنہ ہاتھ کی لکیریں پتھر کی لکیر ہوتی ہیں جو کہہ دیتی ہیں وہ ہوکر رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نجومی ان لکیروں کو صحیح طرح سے پڑھنا نہیں جانتے۔ اور الٹی سیدھی پیش گوئی کرتے ہیں۔ مجھے اس علم میں دس برس کی مہارت حاصل ہے۔ اور میں جو کہتا ہوں وہ ہوکر رہتا ہے' یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہونے والی بات نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہی کاتبِ تقدیر ہے' وہی لکھتا ہے اور اس کا لکھا ہوا اٹل ہوتا ہے۔ صرف وہ چاہے تو اپنے لکھے کو مٹا سکتا ہے یا بدل سکتا ہے۔''

وہ بولی'' تم میرا ہاتھ دیکھ کر میرے ماضی کی کوئی بات بتا سکتے ہو؟ اور مستقبل کی کوئی پیش گوئی کرسکتے ہو؟''

'' میں سچ بولتا ہوں' لیکن میرا سچ سننے والے کے لیے اتنا کڑوا ہوتا ہے کہ وہ اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اور مجھے جھوٹا کہہ دیتا ہے۔''

وہ اپنا بایاں ہاتھ میری طرف بڑھا کر بولی'' میں سب کے سامنے سچ کو تسلیم کروں گی۔''

میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر لکیریں دیکھنے لگا۔ ان لکیروں کو پڑھنا ضروری نہیں تھا۔ مقدر تو پہلے ہی بہت کچھ پڑھ چکا ہوتا ہے۔ میں بظاہر لکیروں کو دیکھ کر سوچتا رہا۔ پھر میں نے کہا'' آپ کو کون سی بات بتاؤں؟ آپ کی شادی یا آپ کی اولاد کی؟''

'' دونوں باتیں بتاؤ۔''

'' آپ کے ساس سسر آپ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بہو بنانا نہیں چاہتے تھے لیکن پھوپا جان آپ کو بہت چاہتے تھے۔ انہوں نے والدین کی مرضی کے خلاف آپ سے شادی کی تب انہوں نے بیٹے کی خاطر آپ کو برداشت کرلیا۔''

'' یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں۔ تمہیں بھی کسی کے ذریعے معلوم ہوگئی ہوگی۔''

'' لیکن یہ تو نہیں جانتے کہ پھوپا جان کی موت آپ کی وجہ سے ہوئی تھی۔''

اس نے ایک دم سے گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر ناگواری سے کہا'' یہ کیا بکواس کررہے ہو؟''

پھر اسے احساس ہوا کہ میں کس حکمت عملی سے اس کا داماد بن سکتا ہوں۔ اس نے فوراً ہی سنبھل کر کہا'' بیٹے! میرا مطلب یہ ہے کہ تم یہ کیسی بات کررہے ہو بھلا تمہارے پھوپا جان کی موت میری وجہ سے کیوں ہوگی؟''

'' آپ چاہتی تھیں کہ پھوپا جان اپنے نام کی جائیداد آپ کے نام کردیں۔ اور آپ ان سے ضد کرتی رہتی تھیں۔ انہوں نے آپ کی محبت سے مجبور ہوکر اپنا سب کچھ آپ کے نام اس شرط پر لکھا کہ آپ جائیداد کے وہ کاغذات کسی کو نہیں دکھائیں گی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے والدین کو یہ بات معلوم ہو کہ بیٹے کا سب کچھ بہو کے نام ہوچکا ہے۔''

'' تم غلط کہہ رہے ہو۔ تمہارے پھوپا نے اپنی مرضی سے میرے نام سب کچھ لکھا تھا۔ اور میرے ساس سسر اس پر اعتراض نہیں کرسکتے تھے۔''

'' آپ مجھے غلط تو کہہ رہی ہیں' لیکن یہ خوب سمجھ رہی ہیں کہ میں ایک ایک بات سچ کہہ رہا ہوں۔ پھوپا جان ایک زبردست ایکسیڈنٹ سے دوچار ہوئے تھے۔ اس حادثے میں ان کے پھیپھڑے متاثر ہوئے تھے۔ انہیں سانس لینے میں دقت محسوس ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ انہیلر لیتے رہتے تھے تاکہ سانس بحال رہے۔ آپ یہ تسلیم نہیں کریں گی کہ آپ ان سے بےزار ہوگئی تھیں۔ ایک رات ان سے لڑ جھگڑ کر کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔ انہیلر اپنے ساتھ لے گئی تھیں اور دروازے کو باہر سے بند کردیا تھا۔ وہ آپ کے بغیر تنہا سوسکتے تھے۔ لیکن انہیلر کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کی جب سانسیں رکنے لگیں تو انہوں نے وہ انہیلر تلاش کیا۔ تکیے کے نیچے اِدھر اُدھر الماری میں درازوں میں، لیکن وہ کہیں نہیں ملا۔ اور اِدھر اُدھر ہانپتے کانپتے لڑکھڑاتے گرتے رہے پھر وہ دروازے پر آئے تو پتا چلا کہ وہ باہر سے بند ہے۔ انہوں نے دروازے کو پیٹنا چاہا لیکن اس وقت ان میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ دروازے کو پیٹ کر آواز دیتے۔ وہ وہیں گر پڑے جب صبح کو دروازہ کھولا گیا تو وہیں ان کی لاش پڑی ہوئی تھی۔''

فلک ناز نے چیخ کر کہا'' تم یہ کیا بکواس کررہے ہو؟ تم مجھے اپنے شوہر کی قاتلہ کہہ رہے ہو؟ میں تمہاری سگی پھوپی ہوں؟ تمہیں شرم آنی چاہیے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔''

'' میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ نے جان بوجھ کر انہیں قتل کیا تھا۔ آپ تو غصے میں انہیلر لے کر چلی گئی تھیں۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ اس کے بغیر ان کی موت واقع ہوجائے گی۔

آپ تو یہی سمجھ رہی تھیں کہ صبح تک ان کی سانس بحال رہے گی۔"

وہ ذرا دھیمی پڑ گئی۔ میں نے اسے نرم کرنے کے لیے ذرا جھوٹ بولا ورنہ حقیقت تو یہی تھی کہ اس نے جان بوجھ کر انہیلر چھپایا تھا۔ گویا ان کی زندگی اپنی مٹھی میں بند کر لی تھی۔ وہ اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولی "تمہارے پھوپا کا انہیلر میرے پرس میں ہی رہا کرتا تھا جب میں کمرے سے گئی تو وہ اسی پرس میں رہ گیا۔ انہیں کمرے میں آ کر مردہ حالت میں دیکھا تو انہیلر کو تلاش کرنے لگی۔ تب یاد آیا کہ وہ تو میرے پرس میں تھا۔"

میں نے تائید کے انداز میں سر ہلا کر کہا "بے شک یہی ہوا تھا میں بھی اپنی پھوپی جان پر خوامخواہ بے جا الزام کیوں لگاؤں گا؟"

وہ مطمئن ہو کر بولی "خدا کا شکر ہے کہ تم نے سچ کو مان لیا ورنہ یہاں سب ہی مجھے اپنے شوہر کی قاتلہ سمجھنے لگتے۔"

میں نے کہا "آپ یہ تسلیم کر ہی لیں کہ پھوپا جان کے آخری لمحات میں جو کچھ ہوا اسے میں نے آپ کی ہتھیلی پر دیکھا ہے۔"

وہ پھر اپنی ہتھیلی بڑھا کر بولی "میری بات چھوڑو، میرے عدنان کے بارے مین بتاؤ۔ میں اس کے لیے بہت ہی فکرمند رہتی ہوں۔ کیا یہ میرا بیٹا ہمیشہ ابنارمل رہے گا؟"

میں نے اس کی ہتھیلی پر نظر ڈال کر کہا "شادی کے چھ ماہ بعد ہی آپ کے پاؤں بھاری ہوئے۔ آپ پریشان ہو گئیں پھوپا سے کہا کہ آپ اتنی جلدی ماں بننا نہیں چاہتیں۔ دنیا گھومنا چاہتی ہیں آپ کے شوہر اور ساس سسر نے اعتراض کیا کہ نہیں، اولاد ہونی چاہئے۔ ہمیں اپنے خاندان کا وارث چاہئے۔ اس بات پر بڑے جھگڑے ہوئے آپ نے بظاہر خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن درپردہ دواؤں سے بچے کو ضائع کرنا چاہا، لیکن ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "دیکھو بیٹے! تم بے تکی باتیں کر رہے ہو۔ میں بھلا اپنے بچے کو ضائع کیوں کروں گی؟"

"ان دنوں آپ کے اندر ایک ہی دھن سمائی ہوئی تھی کہ شادی کے بعد بھی آپ کو کنواری دوشیزہ نظر آنا چاہئے، بچہ ابھی نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن ضرر رساں دواؤں نے کچھ اثر کیا کچھ نہیں کیا۔ اور آپ نے عدنان کو جنم دے دیا۔"

"تم بے تکی باتیں کر رہے ہو۔ اگر میں بچے کو جنم دینا نہیں چاہتی تو میرا یہ بیٹا کیسے پیدا ہوتا؟"

"جی ہاں...... اپنے مقدر سے پیدا ہوا ہے۔ لیکن ضرر رساں دواؤں کے باعث ابنارمل ہو گیا۔"

وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی "پہلے تو تم نے الزام لگایا کہ میں نے تمہارے پھوپا کو قتل کیا ہے پھر فوراً ہی بات بدل دی کہ جو کچھ ہوا تھا محض دھوکے سے ہوا تھا اب یہ الزام دے رہے ہو کہ میں اپنے بیٹے کو جنم نہیں دینا چاہتی تھی اور جب جنم دیا ہے تو اسے ضرر رساں دواؤں کے ذریعے ابنارمل بنا دیا ہے۔ ادھر میری آسرا کا دل یہ کہہ کر توڑ دیا ہے کہ اس کی شادی کبھی نہیں ہو سکے گی۔ آخر تم کیا چاہتے ہو کیوں میرے بیٹے اور بیٹی کے خلاف ایسی باتیں کر رہے ہو؟"

"پھوپی جان! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ نجومی کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی اس کے منہ سے ہاتھ کی لکیریں بولتی ہیں۔ ویسے جو کچھ میں نے کہا ہے اسے سن کر ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ جو غلطیاں آپ سے ہوئی ہیں وہ غلطیاں دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ دوسرے اپنی کمزوریاں چھپا لیتے ہیں۔ اگر آپ اپنا ہاتھ نہ دکھاتیں تو آپ کی غلطیاں اور کمزوریاں بھی چھپی رہتیں۔"

وہ بولی "نہ میں اپنے شوہر کی دشمن تھی نہ اپنے بیٹے کی دشمن ہوں۔ یہ تو کوئی ماننے والی بات نہیں ہے کہ میں اپنے ہی شوہر سے اور اپنی اولاد سے دشمنی کروں گی۔"

"میں ماضی کی جو بھی باتیں بتاؤں گا اسے فوراً ہی جھٹلا دیا جائے گا اور ایسا میرے ساتھ اکثر ہوتا ہے۔ سبھی مجھے جھٹلا دیتے ہیں لیکن جب مستقبل کی پیش گوئی کرتا ہوں اور وہ بات سامنے آتی ہے تو مجھے جھوٹا کہنے والوں کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔"

"کیا اب میرے مستقبل کے بارے میں بھی پیش گوئی کرو گے؟"

"جی ہاں! میں صرف دو اہم باتیں بتاؤں گا تاکہ جب یہ باتیں سچ ثابت ہوں تو یہاں تمام سننے والوں کو یقین ہو جائے کہ میں سچ کہتا ہوں۔"

گھر کے تمام افراد بڑی توجہ اور دلچسپی سے میری باتیں سن رہے تھے۔ میں نے کہا "میری پہلی پیش گوئی تو یہ ہے کہ آپ عنقریب اپنے ایک بدترین دشمن کو دوست بنا لیں گی۔ دوسری پیش گوئی یہ ہے کہ آپ اپنی بیٹی آسرا کو خود ہی موت کے قریب لے جانا چاہیں گی۔"

وہ پریشان ہو کر مجھے دیکھ رہی تھی پھر بڑے دکھ سے بولی "تم سب کے سامنے ایسی باتیں کر رہے ہو جن سے میری توہین ہو رہی ہے۔"

"کیا کروں پھوپی جان! میں دوسروں کے آگے کسی کا راز ظاہر نہیں کرتا لیکن جب کوئی میرے آگے اپنی ہتھیلی پھیلاتا ہے تو اس کے ہاتھ کی لکیریں میری زبان سے بولنے لگتی ہیں۔"

میں نے فلک ناز کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "آپ میری پھوپی ہیں میں خوامخواہ آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ قسمت کی لکیریں بدلتی رہتی ہیں ہو سکتا ہے کہ آسرا کے ہاتھ میں شادی کی لکیر اتنی گہری ہو جائے کہ اس کا تعلق میرے ہاتھ کی لکیر سے ہو جائے اور وہ میری بن جائے۔"

وہ ایک دم سے چونک کر خوش ہو کر مجھے دیکھنے لگی، میں نے کہا "کاتبِ تقدیر کے کھیل بڑے انوکھے اور ناقابلِ فہم ہوتے ہیں کبھی ہونی انہونی ہو جاتی ہے اور کبھی انہونی ہونی ہو جایا کرتی ہے۔"

میں نے ایسا کہتے ہوئے اس کے شانے پر اپنے ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالا، جیسے اشارتاً کہہ رہا ہوں کہ "میں آپ کا ہوں اور آپ ہی کا داماد بننے والا ہوں۔"

وہ اندر سے مرجھا گئی تھی ایک دم سے کھل اٹھی، میرے گال پر ہلکی سی چپت مارتے ہوئے بولی "تم نے تو نجومی بن کر مجھے الجھا ہی دیا تھا۔ ٹھیک ہے بیٹا! میں ذرا آسرا کے پاس جا رہی ہوں۔ اسے تسلی دوں گی پھر تم سے تنہائی میں باتیں کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی تو بیگم آفتاب نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا "اچھا ہوا بیٹا! جو تم نے سب کے سامنے اس کی حقیقت بتا دی۔ مگر ہے بڑی ڈھیٹ تسلیم نہیں کر رہی تھی۔"

فلک آفتاب نے کہا "تم بہت چالاک ہو بیٹے پہلے تو تم نے اس کے سامنے کڑوا سچ کہا۔ پھر اپنی باتوں سے مٹھاس گھول دی۔ آسرا کے بارے میں یہ آسرا دیا کہ اس کے ہاتھ کی لکیر بدل سکتی ہے اس کی شادی ہو سکتی ہے یہ سن کر تو وہ نہال ہو گئی کہ آسرا تمہاری دلہن بن سکتی ہے۔"

میں نے کہا "بڑے ابو میں نے جھوٹ نہیں کہا ہے یہ سچ ہو سکتا ہے۔"

نمرہ نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا "ابھی ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن یہ مان لو کہ اکثر جو ہم نہیں سوچتے وہی سامنے آ جاتا ہے۔"

نمرہ مجھے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے بے اختیار اپنی بائیں ہتھیلی میری طرف پھیلا دی "مجھے بتاؤ میری لکیریں کیا کہتی ہیں!"

میں نے بڑے پیار سے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اس بہانے اسے چھونے کا موقع مل گیا اس کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو رہی تھیں کیونکہ پہلی بار کسی چاہنے والے کے ہاتھوں میں اس کا ہاتھ آیا تھا۔

میں تھوڑی دیر تک اس کی ہتھیلی پر اپنی انگلیاں پھیرتا رہا۔ ایسا لگ رہا تھا کھلتا ہوا گلاب میرے ہاتھوں میں آ گیا ہے پھر میں نے کہا "میں تمہارے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہوں اتنا بتا سکتا ہوں کہ تم پر ایک کتاب لکھ سکتا ہوں۔"

سب لوگ توجہ سے مجھے دیکھنے لگے۔ میں نمرہ کے ساتھ آ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا، پھر بولا "تم میڈیکل کالج میں فرسٹ ایئر کی طالبہ ہو ایک ماہ پہلے تم نے ایک پریکٹیکل کلاس اٹینڈ کی اپنے پروفیسر اور طلبہ و طالبات کے ساتھ ایک مردہ گھر میں گئیں تم ذرا ڈرپوک ہو اندر سے سہمی ہوئی تھیں اور اس مردہ خانے میں جا کر مردوں سے نظریں چرا رہی تھیں جو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ وہ بیچارے دیکھ بھی نہیں سکتے تھے کہ تمہاری جیسی خوبصورت لڑکی وہاں آئی ہوئی ہے۔ لیکن پھر ایک عجیب بات ہوئی ایک نوجوان لاش کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں تمہیں یوں لگا جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

نمرہ مجھے حیرانی سے دیکھ رہی تھی میں نے پوچھا "کیا میں سچ کہہ رہا ہوں؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا میں نے کہا "اب میں تم سے پوچھتا ہوں تمہیں ایسا کیوں لگا کہ وہ مردہ تمہیں دیکھ رہا تھا؟"

اس نے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھا پھر کہا "اس مردہ خانے میں جب پروفیسر مختصر سا لیکچر دے رہا تھا تب میں نے دیکھا تھا، اس مردے نے پلک جھپکائی تھی پھر دوسرے ہی لمحے میں اسی طرح اس کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ وہاں سے باہر آ کر میں نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ یہ میرا وہم تھا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے اس مردہ گھر میں جگہ جگہ ٹھنڈک کی وجہ سے برف جمی ہوئی تھی مردے جمی ہوئی برف کے درمیان پڑے ہوئے تھے۔ کوئی زندہ شخص دن رات وہاں نہیں رہ سکتا تھا اگر وہ مردہ نہیں تھا، زندہ تھا تو اتنی ٹھنڈک میں نہیں رہ سکتا تھا۔"

"میں نے کہا" آگے تم نہ بولو میں بولتا ہوں تم پچھلے ایک ماہ سے آسیب زدہ ہو تمہیں ایسا لگ رہا ہے کہ وہ تمہارا پیچھا کرتا رہتا ہے۔ اسکی کھلی ہوئی آنکھیں چھپ چھپ کر کہیں نہ کہیں سے تمہیں دیکھتی رہتی ہیں۔"

اسما، عینی، عروج سبھی دم سادھے یہ باتیں سن رہی تھیں۔

بیگم آفتاب نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا'' ہائے میں مر جاؤں یہ میری بچی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟''
فلک آفتاب نے کہا'' بیٹی تم آسیب زدہ ہو کر کسی سے خوف زدہ ہو اور ہم سے یہ بات چھپاتی رہتی ہو؟''
ماں نے کہا'' کوئی بدروح اس کے پیچھے لگی ہے۔''
ذیشان نے کہا'' ممی آج کے ترقی یافتہ دور میں آپ بدروحوں کی باتیں کر رہی ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے' ذرا مقدر میاں کی باتیں تو سن لینے دیں۔''
اسما نے کہا'' مقدر میاں یہ ماننا پڑتا ہے کہ تم نے علم نجوم میں بڑی مہارت حاصل کی ہے۔''
میں ان کی باتوں کے دوران میں نمرہ کی نرم و نازک ہتھیلی کو سہلا رہا تھا اسے ایک طرح سے یہ سہارا مل رہا تھا کہ آسیب ہو' جن ہو' یا کوئی بلائے ناگہانی ہو اس کا ہاتھ ایک محافظ کے ہاتھوں میں آ گیا ہے۔ وہ بولی'' تم ایسی باتیں بتا رہے ہو جنہیں کوئی نہیں جانتا صرف میں محسوس کرتی رہتی ہوں۔ کیا یہ بتا سکتے ہو کہ واقعی وہ آنکھیں مجھے دیکھتی رہتی ہیں؟''
'' اگر دیکھتی رہتی ہیں تو کیسے؟ کیا وہ مردہ نہیں ہے؟''
'' جب اس مردے کے ہاتھ کی لکیریں پڑھوں گا تو بتا سکوں گا۔ ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔''
'' اس کے بعد کیا ہوا تم بتا سکتے ہو؟''
میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا'' فرسٹ ایر میں ڈائی سیکشن کی کلاس ہوتی ہے اس کلاس میں مردے کو ایک بڑی سی میز پر ڈالا جاتا ہے۔ وہاں آپریشن کے تمام آلات رکھے جاتے ہیں۔ طلبا و طالبات کو بتایا جاتا ہے کس طرح انسانی جسم کو چیر کر آپریشن کیا جاتا ہے اور پھر کس طرح ٹانکے لگائے جاتے ہیں لیکن اس روز ڈائی سیکشن کی کلاس نہ ہو سکی' کیونکہ اسپتال کے دو بھنگیوں نے آ کر اطلاع دی کہ مردہ گھر سے جس نمبر کے مردے کو لانے کے لیے کہا گیا تھا اس نمبر کا مردہ وہاں نہیں ہے' غائب ہو گیا ہے۔''
'' کیا......؟'' سب حیرانی سے کبھی مجھے اور کبھی نمرہ کو دیکھنے لگے بیگم آفتاب نے گھبرا کر پوچھا'' نمرہ کیا یہ سچ ہے وہ مردہ غائب ہو گیا تھا؟''
نمرہ نے کہا'' جی ہاں! یہ درست کہہ رہے ہیں۔ اسپتال میں اس بات پر ہنگامہ برپا ہو گیا تھا یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ مردہ خود ہی اٹھ کر اپنے پیروں سے چلتا ہوا اس مردہ گھر سے باہر کہیں چلا گیا ہوگا۔''
عینی نے پوچھا'' اگر وہ خود کہیں نہیں گیا تھا تو پھر غائب کیسے ہو گیا تھا؟''

نمرہ نے کہا'' پولیس والے اس اسپتال کے وارڈ بوائز ک
اور بھنگیوں کی پٹائی کرنے لگے پوچھنے لگے کہ وہ مردہ کہاں
چند سال پہلے ایسے دو مجرم پکڑے گئے تھے جو مردہ گھر
مردے چرا کر دوسرے اسپتالوں میں لے جا کر فروخت کر
تھے۔ کتنے ہی اسپتالوں اور میڈیکل کالجوں میں لاوار
مردوں کی سخت ضرورت پڑتی رہتی ہے ان مردوں کے ذر
طلبا و طالبات کو انسانی اعضا کے بارے میں تفصیل سے بتا
جاتا ہے پولیس والوں کا اور اسپتال کے منتظمین کا خیال تھا
وارڈ بوائز یا بھنگیوں نے اس مردے کو لے جا کر کہیں فروخ
کر دیا ہے۔''
میں نے کہا'' اگر ایسا ہوا تھا تو کوئی مجرم پکڑا نہیں گیا۔ ثابت نہیں ہو سکا کہ مردہ چور اسے چرا کر لے گئے ہیں۔''
بیگم آفتاب نے سہم کر کہا'' پھر تو وہ مردہ نہیں ہوگا
بدروح ہوگی جو میری بیٹی کا پیچھا کر رہی ہے۔''
بابر نے کہا'' ممی آپ خواہ مخواہ نمرہ کو خوف زدہ کر
والی باتیں کر رہی ہیں۔ میں نہیں مانتا کہ کوئی نیک رو
بدروح ہوا کرتی ہے۔ کیوں مقدر بھائی؟ جب آپ اتنی با
جانتے ہیں تو اس روح کے بارے میں بھی بہت کچھ جا
ہوں گے۔''
'' میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر
کچھ بتا سکتا ہوں اور میں نے اس مردے کا ہاتھ نہیں دیکھا
میں اتنا ہی بتا سکتا ہوں... جتنا کہ نمرہ کے ہاتھ کی لکیر
بتا رہی ہیں۔''
اسما نے کہا'' مقدر میاں! تم نے تشویش میں مبتلا کر دینے والا تجسس پیدا کر دیا ہے۔ آگے کچھ بتاؤ؟''
میں نے نمرہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا'' میں آگے بتاؤں؟''
اس نے ہچکچاتے ہوئے اپنے والدین کو اور اپنے بھائی جان کو دیکھا پھر التجا آمیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے انکار میں سر ہلایا۔ اس کی یہ ادا مجھے بہت اچھی لگی۔ میں نے کہا'' چلو ہم دوسری باتیں کرتے ہیں۔''
عینی نے کہا'' یہ تو کوئی بات نہ ہوئی آپ ہمیں تجسس میں مبتلا کر کے بات بدل رہے ہیں۔''
میں نے کہا'' میری بہنا! میں کسی کی مرضی سے ہاتھ دیکھتا ہوں جب وہ مجھے کچھ کہنے سے منع کر دے میری زبان بند ہو جاتی ہے۔ میں نے یہاں آنے سے
تھا کہ میں اس خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کر
ہوں اس وقت سب کے سامنے نمرہ کا ہاتھ میرے ہا

ہے اور یہی میری آئیڈیل ہے میں بڑے ابو سے بڑی امی سے اور ذیشان بھائی سے نمرہ کو مانگنا چاہتا ہوں لیکن......''
میری اس بات نے بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کو خوش کر دیا تھا کہ میں کھل کر اپنی پسند کا اظہار کر رہا ہوں اور ان کا داماد بننا چاہتا ہوں لیکن وہ خوش ہوتے ہوتے ذرا سے بجھ گئے تھے کیونکہ میں نے لفظ'' لیکن'' استعمال کیا تھا۔
بیگم آفتاب نے بے چین ہو کر پوچھا'' بیٹے لیکن کیا؟ تمہارے دل میں کوئی بات ہو تو صاف صاف کہو۔''
'' میرا دل آئینے کی طرح صاف ہے لیکن میرے اور نمرہ کے درمیان بہت سی رکاوٹیں ہیں اور خاص طور پر وہ آسیب سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔''
پھر ایک بار بھی چونک گئے فلک آفتاب نے پریشان ہو کر پوچھا'' آخر یہ آسیب ہے کیا چیز؟ تم آگے بتانا چاہتے تھے لیکن اس نے تمہیں منع کر دیا۔ کیوں نمرہ! آخر بات کیا ہے؟.... کیوں ہمیں فکر اور پریشانی میں مبتلا رکھنا چاہتی ہو؟''
وہ بولی'' ڈیڈ! میں آپ لوگوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے تنہا پریشان رہنے دیں میں خود سمجھنا چاہتی ہوں کہ وہ کون ہے۔ اس کا کوئی وجود نظر نہیں آتا پھر بھی وہ ہے۔ یہیں کہیں ہے۔ میرے بھائی جان پولیس افسر ہیں مجھے کوئی خطرہ پیش آئے گا تو میں سب سے پہلے انہیں بتاؤں گی۔''
اس نے بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں سے چھڑا لیا۔ پھر کہا'' میں جانا چاہتی ہوں' پھر کسی وقت ملوں گی۔''
بیگم آفتاب نے کہا'' بیٹے تم سفر سے تھکے ہوئے آئے ہو اور ہم نے تمہیں اپنے ساتھ یہاں مصروف رکھا ہے تمہیں تو شاور لے کر آرام کرنا چاہیے۔ میرے ساتھ چلو میں تمہارا کمرا دکھاؤں۔''

وہ اٹھنا چاہتی تھی' عروج نے کہا'' ذرا ایک منٹ۔''
پھر اس نے مجھ سے کہا'' بھائی جان آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ علم نجوم میں واقعی آپ کو مہارت حاصل ہے پلیز عینی کا ہاتھ دیکھیں اور بتائیں اس کے دل کی مراد پوری ہوگی یا نہیں؟ کیا آپ اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر پاشا کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟''
میں نے کہا'' عینی! آؤ میرے پاس آ کر بیٹھو۔''
وہ بولی'' بھائی جان پہلے میرا نہیں عروج کا ہاتھ دیکھیں۔''

عروج نے کہا'' مجھے اپنا ہاتھ دکھانے کا شوق نہیں ہے میں تو تیرا ہاتھ اس لیے دکھانا چاہتی ہوں کہ شاید پاشا کا کوئی سراغ مل جائے۔''

عینی نے عروج کو معنی خیز نظروں سے دیکھا پھر کہا'' ہم دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں ایک جیسی ہیں۔ تیرا ہاتھ دیکھ کر بھی پاشا کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔''
عروج نے جھینپ کر ہم سب کو دیکھا پھر عینی کو گھور کر کہا'' کیوں تو بچوں جیسی باتیں کر رہی ہے اپنا ہاتھ کیوں نہیں دکھاتی؟''
'' تو سمجھتی کیوں نہیں۔ میں بہت بدنصیب ہوں میرے ہاتھ میں پاشا کے لیے کوئی لکیر ہوتی تو وہ نکاح کے وقت ضرور آ جاتا۔''
عروج نے کہا'' کیا میرے ہاتھوں میں نکاح کی لکیر ہے؟ کیوں ایسی بے تکی باتیں کر رہی ہے؟''
میں نے کہا'' تم دونوں آپس میں جھگڑا نہ کرو دونوں ہی میرے سامنے آؤ۔ میں بیک وقت دونوں کے ہاتھ دیکھوں گا۔''
عینی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا'' ہاں یہ ٹھیک رہے گا' چل اٹھ ابھی بھائی جان ہم دونوں کا ہاتھ دیکھیں گے ہم میں کسی نہ کسی کے ہاتھ کی لکیر پاشا کے بارے میں ضرور کچھ بتائے گی۔''
وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آئیں' عینی میرے قریب صوفے پر بیٹھ گئی عروج بیٹھنے کے لیے ایک اسٹول لے کر آئی پھر دونوں نے اپنی اپنی بائیں ہتھیلی میرے آگے کر دیں۔ میرے سامنے ہر انسان کھلی ہوئی کتاب کی طرح رہتا ہے ان دونوں کی بھی زندگی کا ایک ایک صفحہ میرا پڑھا ہوا تھا۔
میں کبھی عینی کے ہاتھ کو اور کبھی عروج کے ہاتھ کو دیکھنے لگا' چہرے سے یوں ظاہر کرنے لگا جیسے کچھ الجھ رہا ہوں۔ کہنا چاہتا ہوں لیکن کہنا بھی نہیں چاہتا۔ عروج نے پریشان ہو کر پوچھا'' آپ چپ کیوں ہیں بھائی جان؟''
میں نے کہا'' میں نے ایسے بہت کم ہاتھ دیکھے ہیں جن کی لکیریں ایک دوسرے سے اس قدر ملتی ہوں۔''
میں نے عروج کی ہتھیلی کو بند کرتے ہوئے کہا'' میں عینی کا ہاتھ پکڑ کر تمہارے حالات بتا سکتا ہوں۔''
پھر میں نے عینی کی مٹھی بند کی اور عروج کی مٹھی کھول کر کہا'' اور تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر عینی کا حال بتا سکتا ہوں تمہارا وجود الگ الگ ہے لیکن روح ایک ہے۔ تمہاری خوشی اس کی خوشی ہے، تمہارا صدمہ اس کا صدمہ ہے دونوں کا مزاج ایک ہے دونوں کی پسند ایک ہے اور دونوں کا جیون ساتھی بھی ایک ہی ہوگا۔''

عینی اور عروج پریشان ہو کر بیگم آفتاب' فلک آفتاب اور ذیشان وغیرہ کو دیکھنے لگیں۔ یہ بھید کھل رہا تھا کہ وہ دونوں ایک ہی شخص کو چاہتی ہیں' انہیں ایک ہی شخص کے نکاح میں آ کر سوکن بن کر رہنا گوارہ تھا۔

عروج نے جلدی سے کہا'' بھائی جان! آپ یہ بات رہنے دیں صرف اتنا بتا دیں کہ پاشا عینی کی زندگی میں آئے گا یا نہیں؟''

میں نے ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''صرف......ایک ہی کی نہیں دونوں کی زندگی میں آئے گا۔''

وہ دونوں خوش ہو گئیں عروج نے کہا'' اس کا مطلب ہے پاشا زندہ ہے اور وہ ضرور واپس آئے گا۔''

ذیشان کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے کہا۔ ''مقدر میاں یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو کہ ان دونوں کا جیون ساتھی ایک ہی ہوگا اور دونوں کے ہاتھ دیکھ کر کہہ رہے ہو کہ وہ ایک کی نہیں دونوں کی زندگی میں آئے گا؟''

میں نے ذیشان سے کہا'' بھائی جان میں کچھ نہیں کہتا یہ جو ہاتھ کی لکیریں ہوتی ہیں یہ میرے منہ میں زبان بن کر بولنے لگتی ہیں اور یہ سچ ہے کہ یہ ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہنا چاہتی ہیں''۔ ذیشان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے عروج کو دیکھتے ہوئے کہا'' مقدر میاں نے اب تک جتنی باتیں بتائی ہیں سب ہی سچ ہو رہی ہیں کیا تم تسلیم کرتی ہو کہ عینی کی سوکن بن کر رہنے کا ارادہ ہے؟''

عروج نے سر جھکا لیا۔ عینی نے کہا'' بھائی جان پلیز ناراض نہ ہوں ہم دونوں بچپن سے ساتھ رہتی آئی ہیں اور آخر وقت تک ایک دوسرے کے ساتھ ہی رہیں گی ایک ہی چھت کے نیچے اور ایک ہی مجازی خدا کے سائے میں۔ یہ کوئی گناہ نہیں ہے' کوئی جرم نہیں ہے۔''

اسما نے کہا'' عینی کیوں بچوں جیسی باتیں کر رہی ہوں؟ سہیلیاں بن کر رہنا بہت آسان ہے لیکن سوکن بن کر رہنا ممکن نہیں ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا'' عروج ہم تمہیں عینی سے زیادہ سمجھدار مانتے ہیں۔ تم ایسی غلطی کیوں کرنا چاہتی ہو جو دنیا کی کوئی عورت جان بوجھ کر نہیں کرتی۔''

عروج نے کہا'' ہماری دنیا کی کتنی ہی عورتیں ایسی غلطی کرتی ہیں۔ کبھی تو ایک عورت دوسری عورت پر سوکن بن کر آتی ہے پھر دونوں ہی حالات سے سمجھوتا کر لیتی ہیں۔''

ذیشان نے ناگواری سے کہا'' ایسے احمقانہ دلائل نہ دو' دو عورتیں مجبوراً ایک دوسرے کی سوکن بنتی ہیں اور ہماری عینی کے لیے کوئی مجبوری نہیں ہے' یہ تمہاری محبت میں اندھی ہو کر ایسی بات مان رہی ہے' جسے عقل تسلیم نہیں کرتی۔ مقدر میاں! تم عینی کو سمجھاؤ۔ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ عقل آنی چاہیے مگر یہ بچی بنتی جا رہی ہے۔''

میں نے کہا'' میں ان دونوں کو نہیں سمجھا سکتا آپ بھی نہیں سمجھا سکتے۔ کوئی بھی نہیں سمجھا سکتا ان کے مقدر میں جو لکھا ہے وہی ہونے والا ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا'' ہم ایسے مقدر کو نہیں مانتے اگر بچے غلطیاں کر رہے ہوں تو انہیں روکنا ہمارا فرض ہے۔''

'' ہماری گھریلو کہانیاں' سماجی اور معاشرتی کہانیاں اسی طرح بنتی ہیں کہ ہم مقدر کو نہیں مانتے اس کے خلاف لڑتے ہیں۔''

عروج نے میرا ایک ہاتھ تھام لیا عینی نے دوسرا ہاتھ تھام لیا دونوں نے مجھے التجا آمیز نظروں سے دیکھا پھر بیک وقت دونوں کی زبان سے نکلا'' پاشا......؟''

''پلیز اتنا بتا دیں' پاشا زندہ سلامت ہے نا؟''

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا عروج نے تڑپ کر پوچھا'' وہ واپس آئے گا ناں؟''

میں نے ایک گہری سانس لی پھر کہا'' آئے گا مگر نہ آنے کے برابر آئے گا۔ وہ ملے گا لیکن ملتے ہوئے بھی نہیں ملے گا۔''

'' یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟''

میں نے کہا'' پاشا تم دونوں کے لیے ایک خوشبو کی طرح ہے کیا کوئی خوشبو کو مٹھی میں بند کر سکتا ہے؟''

دونوں نے انکار میں سر ہلا دیا'' کیا خوشبو کو کوئی چھو سکتا ہے؟''

دونوں نے بیک وقت کہا'' نہیں......لیکن اس کا مطلب کیا ہوا؟''

'' یہی کہ وہ تمہاری زندگی میں ایک خوشبو کی طرح آئے گا تمہاری سانسوں میں بستا رہے گا لیکن ہاتھ نہیں آئے گا اس سے آگے نہ کچھ پوچھو نہ میں کچھ بولوں گا۔'' یہ کہہ کر میں ان کے پاس سے اٹھ گیا۔

☆☆☆

پاشا بیڈ کے سرہانے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا وہ اپنے بارے میں متجسس تھا یہ معلوم کرنے کی بے چینی تھی کہ وہ کون ہے؟ اور اب سے پہلے کیسی زندگی گزارتا رہا ہے؟

کچھ تو ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا اور کچھ دردانہ بیگم اور شہباز درانی نے سمجھایا تھا انہوں نے اس کا شناختی کارڈ اسے دیا تھا جس پر لکھا تھا سلامت پاشا عرف پاشا جانی ولد شہباز درانی۔

رانی۔ اس شناختی کارڈ کے ذریعے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ شہباز رانی اس کا باپ ہے اور دردانہ بیگم نے ایک البم اسے دی تھی......ان تمام تصویروں کو دیکھنے سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ وہ دردانہ بیگم کا بیٹا ہے اور بچپن سے اس کی گود میں پرورش پاتا رہا ہے۔ جوانی میں بھی اس کی تصویر دردانہ بیگم کے ساتھ تھی اور ہر تصویر میں دردانہ اپنی ممتا اس پر نچھاور کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

دردانہ نے اسے دو ڈائریاں دیتے ہوئے کہا تھا'' یہ تم نے لکھی ہیں انہیں پڑھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اب تک تم کن حالات سے گزرتے آئے ہو۔''

دوسری ڈائری سالِ رواں کی تھی۔ اس کے آخری چند ماہ کے صفحات سادے تھے اس نے نرس سے کہا'' مجھے ایک قلم لا کر دو میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔''

نرس وہاں سے گئی پھر ایک قلم لا کر اسے دیا اس نے پوچھا'' یہ کون سا مہینا ہے آج کون سا دن اور کون سی تاریخ ہے؟''

نرس نے اسے مہینا دن اور تاریخ بتائی۔ وہ اسی تاریخ کے صفحے پر لکھنے لگا'' یا خدا! یہ میری زندگی میں کیسا موڑ آیا ہے کہ میں خود کو بھول چکا ہوں؟ میری ممی اور ڈیڈی نے بتایا ہے کہ میں ان کا بیٹا ہوں، انہوں نے بہت سی تصاویر بھی دکھائی ہیں۔ شناختی کارڈ بھی دیا ہے یہ ڈائریاں بھی دی ہیں تا کہ میں اپنے متعلق زیادہ سے زیادہ جان سکوں اور پچھلی زندگی کو یاد کر سکوں۔

میں اپنے شناختی کارڈ کو جھٹلا نہیں سکتا۔ البم میں جو تصویریں ہیں وہ بالکل میری اور میری ممی کی ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ڈائریاں میں نے لکھی ہیں یا نہیں؟ لہٰذا انہیں پڑھنے سے پہلے میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں پھر اس تحریر سے اس ڈائری کی تحریر کا موازنہ کروں گا۔ میں پوری طرح یقین کرنا چاہتا ہوں کہ جو زندگی میرے سامنے ہے وہی میری ہے اور ایسی ہی زندگی میں گزارتا آیا ہوں۔''

اس نے اتنا لکھنے کے بعد قلم بند کر دیا پھر اوراق الٹ کر اس ڈائری میں لکھی ہوئی تحریر کو دیکھنے لگا۔ کبھی اسے دیکھ رہا تھا کبھی اپنی لکھی ہوئی تحریر کو دیکھ رہا تھا' دونوں ہی ایک جیسی تھیں، اگر ان میں کوئی بال برابر فرق ہوگا تو وہ اس فرق کو نہیں سمجھ سکتا تھا کیونکہ وہ کوئی ماہر تحریر شناس نہیں تھا۔

فی الحال تصدیق ہو گئی کہ وہ اسی کی لکھی ہوئی ڈائریاں ہیں پھر وہ اس ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگا۔ کبھی اِدھر سے تو کبھی اُدھر سے پڑھنے لگا جہاں اسے دلچسپی ہوتی تھی وہ اس صفحے کو پڑھنے لگتا تھا۔

ایک صفحے پر لکھا تھا'' شاید میں اسی لیے بیمار ہوا تھا کہ عروج میری زندگی میں مسیحا بن کر آئے گی میں اسپیشل وارڈ کے ایک کمرے میں ہوں۔ اور عروج صبح و شام میرا معائنہ کرنے کے لیے آتی ہے۔ کیا حسن ہے کیا شباب ہے میں تو اسے دیکھتے ہی اپنی بیماری بھول کر اس کا بیمار ہو گیا ہوں سوچتا ہوں اسے کس طرح اپنی طرف مائل کروں؟

میری زندگی میں اب تک کئی لڑکیاں آ چکی ہیں لیکن عروج ان سے مختلف ہے اور سنجیدہ مزاج کی حامل ہے ایسی لڑکیوں کو اپنی طرف فوراً مائل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ پھر بھی میں کوشش کروں گا۔''

دوسرے صفحے پر لکھا تھا آج اس نے اسٹیتھسکوپ کو دونوں کانوں سے لگا کر اسے میرے سینے پر رکھا تو میں نے کہا'' میرے دل کی دھڑکن یوں تو نارمل رہتی ہے لیکن تم قریب ہوتی ہو تو نہ جانے یہ دھڑکنیں کیوں پاگل ہونے لگتی ہیں۔''

وہ سنجیدہ رہنے والی ڈاکٹر پہلی بار مسکرائی پھر بولی۔ ''مریضوں کو زیادہ بولنا نہیں چاہیے۔''

میں نے کہا'' بیمار اپنے مسیحا سے بولے گا۔ تبھی اس کا خاطر خواہ علاج ہو سکے گا۔''

اس نے مسکرا کر کہا'' لگتا ہے تم عاشق مزاج ہو۔''

میں نے جھوٹ کہا'' میری زندگی میں کوئی لڑکی آج تک نہیں آئی میں نے کل پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔ تب سے نہ جانے کیوں تمہارے ہی بارے میں سوچتا چلا جا رہا ہوں۔''

وہ بولی'' میں تم سے صاف کہہ دوں کہ میں ایک معزز لیڈی ڈاکٹر ہوں۔ عشق کے چکر میں پڑ کر تماشا بننا نہیں چاہتی۔''

'' میں بھی تماشا بننا نہیں چاہتا۔ اگر مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو تو لو میں تمہارے بارے میں بہت ہی سنجیدہ ہوں۔''

اس نے ڈائری کے دوسرے اوراق الٹے پھر ایک صفحے کو پڑھا اس میں لکھا تھا میں پچھلے دو دنوں سے باتوں میں اسے الجھا رہا ہوں اور یہ سمجھ رہا ہوں کہ وہ میری طرف مائل ہو رہی ہے۔ آج اس نے میری نبض ٹٹولنے کے لیے کلائی پکڑی تو میں نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا پھر بازوؤں میں دبوچ لیا وہ ذرا کسمسائی اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔ وہ بڑی بے جان کوششیں تھیں یوں لگ رہا تھا کہ خود کو میرے حوالے کرتی جا رہی ہے اور شرمانے لجانے کا رسمی تکلف کر رہی ہے۔

ایک اور صفحہ پر لکھا تھا ''اسپتال سے چھٹی مل چکی ہے، اس کے ساتھ ہی ہمارے درمیان بے تکلفی بڑھ چکی ہے اب وہ ڈیوٹی سے فارغ ہونے کے بعد مجھ سے دفتر میں آ کر ملتی ہے۔ اسپتال کے پیچھے وہ ایک کوارٹر میں رہتی ہے۔ ایک رات میں اس کے کوارٹر میں پہنچ گیا اس نے کہا ''یہاں کیوں آئے ہو میں بدنام ہو جاؤں گی۔''

اس کا وہ اعتراض بھی برائے نام تھا۔ میں نے پہلی بار اس کے ساتھ ایک رات وہاں گزاری جب ہمارے درمیان کوئی پردہ نہ رہا تو اس نے کہا ''میری ایک بچپن کی سہیلی ہے اس کا نام عینی ہے۔ بے انتہا دولت مند ہے میں اس کی دولت پر قبضہ جمانا چاہتی ہوں کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کرو گے؟''

میں نے پوچھا ''تم کیا چاہتی ہو؟''

اس نے کہا ''میں نے تمہاری تصویر اسے دکھائی تھی وہ تمہیں دیکھتے ہی تمہاری دیوانی ہو گئی ہے۔ میں اس پر ظاہر نہیں کروں گی کہ ہمارے درمیان ایسے تعلقات قائم ہو چکے ہیں' میں چاہتی ہوں تم اس سے محبت کرو اور اس سے شادی کرو پھر ہم دونوں اس کی دولت پر عیش کریں گے۔''

میں نے کہا ''میں اس قدر دولت مند ہوں کہ اس کی دولت کا لالچ نہیں کر سکتا۔''

''تم دولت مند ہو میں تو نہیں ہوں' میں تمہارے ذریعے رفتہ رفتہ اس کی ساری دولت اور جائیداد حاصل کر سکتی ہوں کیا تم میری خاطر ایسا نہیں کرو گے؟''

میں تو حسن پرست ہوں اور یہی چاہتا ہوں کہ نت نئی لڑکیاں میری زندگی میں آتی جاتی رہیں۔ میں عروج کے ذریعے عینی کو حاصل کر سکتا تھا اس لیے راضی ہو گیا۔

ڈائری میں جا بجا یہ بھی لکھا تھا کہ اس کے باپ شہباز درانی کا کاروبار کیا ہے اور وہ کس طرح اپنے باپ کے کاروبار میں اس کا ساتھ دیتا رہتا ہے۔ ایک صفحے پر لکھا ہوا تھا کہ شہباز درانی سیاست کا بہت بڑا کھلاڑی ہے اس کی پہنچ یہاں سے واشنگٹن تک ہے۔

پاشا اپنے باپ کے ساتھ خطرناک سیاسی کھیل کھیلتا ہے۔ مقامی سیاستدانوں سے اور انڈر ورلڈ کے بڑے بڑے مجرموں سے ان کے اختلافات بڑھتے رہتے ہیں اور خون خرابہ ہوتا رہتا ہے۔ پاشا نے اب تک اپنے باپ کے دو مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

پاشا اپنی ڈائری میں اپنی ہی یہ تحریر پڑھ کر پریشان ہو گیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ مجرمانہ زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے قتل بھی کیے ہیں اور ایک سپر پاور کا آلۂ کار بن کر مفادات کے خلاف بھی کام کرتا رہا ہے۔

وہ ڈائری پاشا کی زندگی کے کتنے ہی پہلوؤں پر ر ڈال رہی تھی۔ ایک پہلو تو یہی تھا کہ وہ عروج اور عینی ملوث ہو رہا تھا' دوسرا پہلو یہ تھا کہ وہ اپنے باپ شہباز در کے ساتھ خطرناک سیاسی کھیل کھیلتا رہا تھا۔

ایک صفحے پر پاشا کی تحریر میں لکھا ہوا تھا کہ آج ع نے عینی سے ملاقات کروائی، میں اسے دیکھتے ہی حیران ر ایک تو اس لیے کہ وہ بہت ہی خوبصورت اور پرکشش تھ دوسری بات یہ کہ وہ میری ممی کی سوتیلی بیٹی تھی۔ میں اسے دجان سے چاہتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن شادی سے محض اس لیے انکار کرتی رہتی تھی کہ میں ا سوتیلی ماں کا بیٹا ہوں اور وہ کسی سوتیلے سے رشتہ نہیں چاہتی تھی۔

پھر یہ کہ وہ بہت مغرور تھی۔ میری ممی سے اس کی نہیں تھی، اور میری ممی اتنی نرم دل خاتون ہیں کہ ہزار اختلا کے باوجود انہیں یہ معلوم ہوا کہ میں عینی کو چاہتا ہوں تو وہ بہو بنانے کے لیے راضی ہو گئی تھیں۔

لیکن عینی کے تو مزاج ہی نہیں ملتے تھے۔ جب نے اس سے ملاقات کرائی تو ہم نے بتایا کہ ہم دونوں ا دوسرے کو جانتے ہیں اور ایک دوسرے نے سوتیلا رشتہ میں نے عروج کے سامنے شادی کی پیش کش کی۔ عینی۔ ''میں اس شرط پر شادی کروں گی کہ تم ماں باپ کے سا میرے ساتھ رہو گے۔''

میں نے یہ بات اپنی ممی کو بتائی، ممی نے کہا '' تمہاری خوشی میں خوش ہیں۔ اگر تم اسے دل و جان سے چا ہو اور اس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو ہمیں کوئی اعتراض ہے۔''

میرے ڈیڈی نے کہا ''تم ہمارے ایک ہی بیٹے ہو بھی رہو گے' ہمارے ہی بیٹے کہلاؤ گے۔ ہماری تمام تر د جائیداد تمہاری ہی رہے گی اور پھر تم عینی کے ساتھ رہ در پردہ میرے سیاسی کھیلوں میں میرا ساتھ دیتے رہو گے

دوسرے صفحے پر لکھا تھا ''میں نے عینی کو اپنے ماں فیصلہ سنا دیا ہے اور یہ کہ میں شادی کے بعد اس کے رہوں گا اور اپنے ماں باپ سے ہفتے میں ایک آد ملاقات کرتا رہوں گا۔''

عینی نے اپنے وکیل اخلاق احمد سے بات کی او سنایا ''وکیل اخلاق احمد کو ہماری شادی پر کوئی اعتراض

ن اس کے تایا ابو کے بیٹے ایس پی ذیشان نے مخالفت ا۔ ادھر میں نے عروج سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں ں کو شادی کے بعد دھوکا نہیں دوں گا اور اس کی دولت اور ئیداد پر عروج کو قبضہ جمانے کا موقع نہیں دوں گا۔ اس بات روج مجھ سے ناراض ہو گئی مجھے چیلنج کیا کہ مجھ سے دشمنی مہنگی ے گی۔ میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا' وہ نہیں جانتی تھی کہ سیاست کا کتنا خطرناک کھلاڑی ہوں۔ زندگی اور موت کا یل کھیلتا رہتا ہوں۔''

اس نے ڈائری کا ایک اور ورق الٹ کر پڑھا وہاں لکھا ا۔ ''آج عروج کی اصلیت اور اس کی کمینگی کا پتا چل گیا۔ معلوم ہوا کہ اس کے اور ایس پی ذیشان کے ناجائز تعلقات ں اور وہ دونوں عینی اور میرے خلاف سازشیں کر رہے ں۔

میں نے عینی کو تنہائی میں سمجھایا کہ عروج کو تم جان سے یادہ عزیز کہتی ہو اور اپنے ایس پی بھائی جان پر بہت بھروسا رتی ہو۔ لیکن یہ دونوں ہی تمہاری خوشیاں نہیں چاہتے۔ اری شادی کی مخالفت کر رہے ہیں۔''

عینی نے کہا ''تم میری سہیلی کو بہت غلط سمجھ رہے ہو وہ تو یری شادی کے اس فیصلے سے بہت خوش ہے البتہ بھائی جان اراض ہیں۔ وہ صرف اس لیے کہ تم لوگوں سے سوتیلا رشتہ ہے۔ اور وہ نہیں چاہتے کہ میں بہو بن کر سوتیلی ماں کے گھر جاؤں۔''

''کیا تم نے یہ نہیں بتایا کہ شادی کے بعد میں تمہارے پاس آ کر رہوں گا؟''

''میں نے بتایا ہے لیکن انہیں یقین نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم کچھ دنوں تک میرے ساتھ رہو گے پھر مجھے اپنی ماں کے پاس چلنے پر مجبور کر دو گے اور میں ایک بیوی کی حیثیت سے مجبور ہو جاؤں گی۔

افسوس میں عینی کو نہیں سمجھا سکتا وہ عروج اور ذیشان پر اندھا اعتماد کرتی ہے۔''

اگلے صفحے پر لکھا ہوا تھا ''آج اچانک ہی مجھ پر حملہ ہوا ہے۔ میں اپنی کار ڈرائیو کرتا جا رہا تھا کہ میرے دائیں بائیں سے گزرتی ہوئی گاڑیوں نے مجھ پر فائرنگ کی۔ میں بال بال بچا ہوں جب میں گھر آیا تو ایس پی ذیشان کی آواز فون پر سنائی دی۔ اگرچہ وہ آواز بدل کر بول رہا تھا لیکن میں نے اسے پہچان لیا وہ کہہ رہا تھا ''پولیس والوں سے دشمنی مول لو گے تو موت ہر دم تمہارے آگے پیچھے رہے گی۔ آج تم بچ گئے۔ کل نہیں بچو گے۔''

میں نے عینی کو فون پر بتایا کہ مجھ پر جان لیوا حملہ ہوا ہے اور مجھے پولیس والوں کی طرف سے دھمکیاں ملی ہیں کہ میں تم سے شادی نہ کروں۔

عینی نے پہلی بار اپنے ایس پی بھائی ذیشان کو باتیں سنائیں اور صاف صاف کہہ دیا کہ شادی ہو کر رہے گی۔ اس نے اس وقت یہ فیصلہ سنایا کہ آج ہی شام کو پاشا سے اس کا نکاح پڑھایا جائے گا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے کہا ''میں ایک جگہ چھپا ہوا ہوں ابھی، میرے لیے خطرہ ہے، نکاح پڑھوانے کے لیے نہیں آ سکوں گا۔ تب اس نے فیصلہ کیا کہ ٹیلی فون کے ذریعے ہمارا نکاح پڑھایا جائے گا۔

میں ایک جگہ چھپا ہوا ہوں اور وہیں یہ ڈائری لکھ رہا ہوں' ابھی پتا چلا ہے کہ دشمنوں کو میری اس پناہ گاہ کا علم ہو چکا ہے۔ لہٰذا...... اب یہ جگہ بھی چھوڑ کر جا رہا ہوں، میں نے اپنے دوست سے کہہ دیا ہے کہ یہ میری ڈائری اور دوسرا سامان میری ممی اور ڈیڈی تک پہنچا دے۔ زندگی رہی تو میں بعد میں آ کر ان سے ملاقات کروں گا۔''

اس کے بعد ڈائری کے صفحات خالی تھے۔ آگے کیا ہوا یہ کچھ لکھا ہوا نہیں تھا۔ پاشا بے چینی سے سوچنے لگا۔ اس کے بعد میں نے ڈائری کیوں نہیں لکھی؟

پھر خیال آیا کہ وہ ڈائری تو اپنی اس پناہ گاہ میں دوست کے پاس چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا تھا یہ تو اب اس کی ممی دردانہ اور اس کے ڈیڈی شہباز درانی ہی بتا سکتے تھے۔

اس نے بیڈ کے سرہانے ایک بٹن کو دبایا اس کی ڈیوٹی بدل گئی تھی۔ دوسری نرس تیزی سے چلتی ہوئی آئی پھر کہا ''یس سر......؟''

''میں اپنی ممی اور ڈیڈی سے ملنا چاہتا ہوں۔ ابھی ملنا چاہتا ہوں۔''

''یس سر! میں ابھی انہیں اطلاع دیتی ہوں۔''

وہ پلٹ کر جانے لگی۔ پاشا نے کہا ''ٹیلی فون میرے پاس لا کر رکھا جائے تاکہ میں وقتِ ضرورت ان سے رابطہ کر سکوں۔''

''یس سر! میں ابھی یہاں ٹیلی فون کا انتظام کرتی ہوں۔''

وہ چلی گئی' دس منٹ کے اندر ہی دردانہ اور شہباز تیزی سے چلتے ہوئے اس کے پاس آئے پھر دردانہ نے کہا ''کیا بات ہے بیٹے زخم تو ٹھیک ہیں؟ تکلیف تو نہیں ہو رہی ہے؟''

''نہیں ممی! میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ دونوں بیڈ کے قریب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ شہباز نے

کہا" ہاں بیٹے بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟ پھر وہ اس کے پاس ڈائریوں کو دیکھ کر بولا" معلوم ہوتا ہے تم نے ڈائریاں پڑھ لی ہیں۔"

پاشا نے اس کھلی ہوئی ڈائری کو دکھاتے ہوئے کہا" یہ پندرہ دن پہلے کی تحریر ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ دشمن میری پناہ گاہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اس لیے میں وہ پناہ گاہ چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہوں۔ اس کے بعد ڈائری کے اوراق خالی ہیں۔ میں نے کچھ نہیں لکھا۔"

دردانہ نے کہا" کیسے لکھتے؟ حساب کرلو پندرہ دن سے یہاں زخمی حالت میں پڑے ہو تمہارا علاج ہو رہا ہے۔ دشمنوں نے تم پر حملے کیے تھے یہ تو تم دیکھ ہی رہے ہو تمہیں تین گولیاں لگی تھیں خدا کا شکر ہے کہ زخم بھرتے جا رہے ہیں۔"

وہ شہباز سے بولا" ڈیڈی! میں نے ڈائری میں پڑھا ہے کہ میں سیاسی کھیلوں میں آپ کے ساتھ خطرناک کھیل کھیلتا رہتا ہوں کیا انہی سیاست کے کھلاڑیوں میں سے کسی دشمن نے مجھ پر حملہ کرایا تھا؟"

"نہیں بیٹے! اگر وہ دشمن ایسا کرتے تو میں اب تک انہیں جہنم میں پہنچا چکا ہوتا، یہ ایس پی ذیشان نے تم پر حملہ کرایا تھا، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت میرے پاس نہیں ہے، چونکہ وہ بہت بڑا پولیس افسر ہے اس لیے میں انتقام لینے کے سلسلے میں جلد بازی نہیں کرنا چاہتا۔"

دردانہ نے کہا" ہمارے آدمیوں نے اطلاع دی تھی کہ جس رات تم پر قاتلانہ حملہ ہوا اس رات عروج ذیشان کے ساتھ اس ویرانے علاقے میں تھی جہاں تم نیم مردہ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ ہمیں فون پر کسی نے اطلاع دی کہ تمہاری لاش وہاں پڑی ہوئی ہے ہم وہاں جا کر اسے اٹھالیں۔ جب ہم اپنے آدمیوں کے ساتھ وہاں گئے تو خدا کا شکر ہے تمہاری سانس چل رہی تھی ہم فوراً ہی تمہیں یہاں لے آئے۔ ہمارا یہ فیملی ڈاکٹر بہت تجربہ کار ہے۔ وہ تمہیں زندگی کی طرف واپس لے آیا ہے۔"

دردانہ اپنی جگہ سے اٹھ کر پاشا کے پاس آئی پھر بستر کے سرے پر بیٹھ کر اس کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے کر بولی" دشمن جائیں جہنم میں۔ وہ جئیں یا مریں، میرے بیٹے کو نئی زندگی مل گئی ہے۔ مجھے اب کچھ نہیں چاہیے۔"

شہباز درانی نے کہا" ہم اپنے بیٹے کی صحت یابی کا جشن منائیں گے لیکن ایس پی ذیشان اور عروج کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔ میں نے اعلیٰ حکام سے شکایتیں کی ہیں۔ ایس پی ذیشان کے خلاف انکوائری ہو رہی ہے۔ میں اسے قانونی شکنجے میں لانے کی کوششیں کرتا رہوں گا۔ اگر وہ اس طرح شکنجے نہ آیا تو اسے جہنم میں پہنچانے کے لیے چور راستے اخ کرنے پڑیں گے۔"

دردانہ نے شہباز سے کہا" آپ میری بات اچھی ط سن لیں۔ میں عینی کو اپنی بہو ضرور بناؤں گی۔ میرے بیٹے اس کی خاطر گولیاں کھائی ہیں۔ موت سے لڑتا رہا ہے۔"

پھر وہ اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے بولی" تم تو عینی ک وجان سے چاہتے ہو ڈائری پڑھنے کے بعد کچھ یاد آیا ک کیسی ہے اور تم سے کتنا پیار کرتی تھی اور تم بھی اسے کتنا چ تھے؟"

وہ پیشانی پر شکنیں ڈال کر سوچنے لگا۔ پھر بولا" میر بہت یاد کرنے کی کوشش کی عینی کا چہرہ میری نظروں کے س نہیں آرہا ہے۔ میں بھول گیا ہوں کہ وہ کیسی تھی؟ اس ک کا کوئی لمحہ مجھے یاد نہیں آرہا ہے۔"

دردانہ اس کا ہاتھ تھپکنے لگی۔ شہباز بھی اس کے شانے لگا۔ ان کی تھپکیاں کہہ رہی تھیں۔ بیٹے! تمہیں تو وہی یاد آ جو ہم چاہیں گے اور ہم تدبیر سے جو چاہتے ہیں اسے تقد نہیں بدل سکتی۔

میں ان کی باتیں سن رہا تھا اس وقت وہ درست کہ تھے۔ فی الوقت ان کے راستے میں دور تک کامیابی ہی تھی۔ آگے جا کر وہ کامیابی دھندلانے والی تھی۔ فی الحا دونوں مقدر کے سکندر تھے۔

☆☆☆

دروازے پر دستک ہوئی۔ نمرہ آئی تھی میں نے بن کر پوچھا" کون......؟"

اس نے کہا" میں ہوں۔"

میں نے دروازے کو کھولا۔ وہ سر جھکائے کھڑی دروازہ کھلتے ہی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اندر آگئی دروازے کو بند کرتے ہوئے کہا۔" بیٹھو!"

وہ بیٹھ گئی، میں نے اس کے ہاتھ کی لکیروں کو پڑ بعد بتایا تھا کہ وہ آسیب زدہ ہے۔ اور اس نے یہ بات تھی۔ مردہ خانے کا ایک مردہ اس کے حواس پر چھایا ہ میں معلوم ہوا تھا کہ مردہ خانے سے وہ لاش غائب ہ مگر پولیس اس لاش تک اور اسے چرانے والے تک ناکام رہی تھی۔

نمرہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے میری طرف د نے کہا" اس لاش نے تمہیں الجھا دیا ہے تمہیں یقین اسے کسی نے چرایا نہیں تھا بلکہ وہ مردہ خود اٹھ کر وہا

تھا؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا" تم بہت کچھ انتے ہو میں حیران ہوں کہ ہاتھ کی لکیریں اتنی تفصیل سے نی، حال اور مستقبل کی باتیں بتا دیتی ہیں۔"

میں نے کہا" میں دوسرے نجومیوں سے بہت مختلف ں، نجومی حضرات ہتھیلی کی سطح پر لکیروں کو پڑھتے ہیں۔ میں ن لکیروں پر چلتا ہوا معلومات کی وسیع دنیا میں پہنچ جاتا ں۔ جس رات وہ مردہ غائب ہوا اسی رات تمہیں ایک فون وصول ہوا تھا۔"

وہ بولی" ہاں کسی اجنبی کا فون تھا۔"

میں نے پوچھا" وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

"وہ کہہ رہا تھا، حرارت ختم ہو جائے تو موت واقع جاتی ہے مگر تمہیں دیکھتے ہی میرے اندر حرارت پیدا ہو گئی ی۔"

میں نے پوچھا" تم کون ہو اور مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"میں نے تمہیں وہاں دیکھا ہے جہاں برف ہی برف ہوتی ہے۔ جہاں زندہ انسان کو نہیں رکھا جاتا۔ وہاں جو بھی وہ موت کی گہری نیند سویا ہوا ہوتا ہے۔ ایسی ہی گہری نیند ے تمہاری حرارت نے مجھے جگا دیا تھا۔"

میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا" مبارک ہو ایک دہ تم پر عاشق ہو گیا ہے۔"

وہ پیار بھری ناراضگی سے دیکھتے ہوئے بولی" میرا مذاق ڑاؤ۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے۔"

"یہ روحیں ہیں؟"

پھر بولی" کیا تمہیں ایسی باتوں پر اعتقاد ہے؟"

"میرے عقیدے کی بات نہ کرو اپنی بات بتاؤ' پھر کیا ا؟"

وہ بولی" اس کی ایسی باتیں سن کر میں سمجھ گئی کہ یہ وہی بتال کا مردہ ہے میں نے کہا۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے ا مردہ گھر میں ایک لاش دیکھی تھی اور اس لاش نے ایک بار بھی جھپکائی تھی۔"

وہ بولا" ان آنکھوں سے گستاخی ہو گئی۔ تمہیں دیکھنے کے تو پلک جھپکانا بھول جانا چاہیے۔"

میں نے کہا" ارے واہ! وہ مردہ تو کوئی شاعر معلوم ہوتا یسی شاعرانہ بات کی" دیکھو تم میرا مذاق اڑاؤ گے تو میں نہیں بولوں گی۔"

"اچھا اب کچھ نہیں بولوں گا تم آگے بتاؤ۔"

وہ بولی" میں نے اس سے کہا۔ میں یہ نہیں مان سکتی کہ تم مردہ تھے اور مجھے دیکھ کر زندہ ہو گئے اور جب تم مردہ تھے تو تم نے مجھے کیسے دیکھا؟"

وہ بولا" تم میری بات نہیں سمجھ رہی ہو مجھے تمہاری حرارت اپنے اندر محسوس ہوئی تھی اور مجھے زندگی مل گئی تھی۔ دراصل پہلے میں پیٹرول سے چلتا تھا، جب سے پٹرول مہنگا ہوا ہے میں گیس استعمال کرنے لگا ہوں۔ مجھے دشمنوں سے چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ اس لیے میں مردہ گھر میں گھس گیا تھا اور وہیں ایک مردے کو برف کے نیچے دبا کر اس کے اوپر لیٹ گیا تھا۔ ایسے ہی وقت میری گیس ختم ہو گئی اور میں مر گیا۔"

میں نے جھنجلا کر کہا" یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"پلیز غصہ نہ کرو یقین کرو جس طرح پیٹرول یا گیس کے بغیر گاڑی کھڑی ہو جاتی ہے' بے جان ہو جاتی ہے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اسی طرح میں بھی پیٹرول یا گیس کے بغیر زندگی سے خالی ہو جاتا ہوں۔ جب تم وہاں آئیں تو ایسا لگا کہ جیسے حرارت میرے اندر پہنچ گئی ہے۔"

میں نے کہا" وہاٹ نان سینس! یا تو تم کوئی پاگل ہو یا تو جان بوجھ کر مجھ سے اپنی اصلیت چھپانے کے لیے اس طرح کی باتیں کر رہے ہو۔"

"تم کچھ بھی سمجھ لو تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو کبھی ایمرجنسی میں مجھے کسی پٹرول پمپ سے یا گیس اسٹیشن سے گیس نہ ملی تو میں دوڑتا ہوا تمہارے پاس آؤں گا تاکہ تمہاری حرارت سے مجھے پھر زندگی مل جائے۔"

میں نے گھبرا کر کہا" خبردار! کبھی میری طرف نہ آنا میں تمہیں دیکھتے ہی خوف سے مر جاؤں گی۔"

"ارے واہ! مجھے زندگی دینے والی خود مر سکتی ہے تم تو ایمرجنسی میں کام آنے والی ہستی ہو۔ میں کبھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

"شٹ اپ! کبھی تم میرے سامنے آؤ گے تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"میں تمہارے ہاتھوں مر جاؤں گا اب تو ہمارا مرنا جینا ایک ساتھ ہے ذرا عقل سے سوچو تم مجھے گولی مارو گی تو میں کیسے مروں گا؟ تمہاری حرارت مجھے ملتی رہے گی۔ گولی کھانے کے بعد پھر اسی طرح زندہ ہو جاؤں گا' جس طرح مردہ خانے سے زندہ ہو کر آیا ہوں۔"

"میں بری طرح الجھ گئی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا چیز ہے؟ عقل نہیں مانتی تھی کہ ایک مردہ زندہ ہو کر مردہ خانے سے باہر آگیا ہے۔ پولیس اسے تلاش کر رہی ہے اور وہ مجھ سے فون پر

باتیں کررہا ہے۔''

اچانک فون پر اس کے کراہنے کی آواز آئی پھر وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا'' جب گیس ختم ہونے لگتی ہے تو مجھے معلوم ہوجاتا ہے ابھی میرے اندر پندرہ منٹ کی گیس ہے مجھے فوراً ہی جانا ہے اور کہیں سے گیس فل کرانا ہے میں کل کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا یا تم سے روبرو ملاقات کروں گا۔

اس کے بعد اس نے رابطہ ختم کردیا۔ مقدر......! اب تم ہی بتاؤ یہ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے؟ کیا عقل تسلیم کرتی ہے کہ پہلے وہ مردہ رہا ہوگا؟''

میں نے کہا'' میں کیا بتا سکتا ہوں کبھی اس کے ہاتھ کی لکیر پڑھنے کا موقع ملے گا تبھی بتا سکوں گا۔ یہ بتاؤ اس کے بعد کیا ہوا؟''

''پلیز اسے کوئی دلچسپ کہانی سمجھ کر مت سنو۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے۔''

''دوسری رات پھر اس نے فون کیا اور پوچھا'' تم کہاں ہو میں تمہارے کالج کی طرف گیا تھا پھر گھر کی طرف گیا تھا میں مجبور ہوں، مر چکا ہوں، کسی کے سامنے نہیں آسکتا تمہاری حرارت سے جی رہا ہوں اس لیے تمہارے سامنے آسکتا ہوں لیکن تم میرے خوف سے کہیں چلی گئی ہو پلیز بتاؤ اس وقت کہاں ہو؟''

''تم ایسی بے تکی بات کروگے تو میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی، بھلا یہ ماننے کی بات ہے کہ تم مرچکے ہو کسی کے سامنے نہیں آسکتے صرف میرے سامنے آسکتے ہو؟ تمہاری باتوں سے صاف پتا چل رہا ہے کہ تم پاگل ہو۔''

''تم مجھے پاگل ہی سمجھ لو۔ مگر یہ بتاؤ کہاں ہو؟''

''میں کبھی نہیں بتاؤں گی۔ تم جہنم میں جاؤ۔''

میں نے فون بند کر کے اسے آف کردیا تاکہ وہ دوبارہ رابطہ نہ کرسکے۔ دو ہفتے بعد لاہور سے سہیلیوں نے فون کیا کہ ہمارے کالج کے طلبا و طالبات پہاڑی علاقوں کی سیر کے لیے جارہے ہیں اس لیے میں بھی فوراً آجاؤں۔

میں نے کہا'' اس طرح تم ان طلبا و طالبات کے ساتھ پہاڑی علاقے میں چلی گئیں جہاں مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''ہاں! تمہارے جیسے بہروپیے سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں اکثر تمہارے بارے میں سوچتی ہوں کہ آخر تم ہو کیا؟''

وہ میرے بارے میں بہت کچھ بولنا چاہتی تھی میں نے کہا'' پلیز ابھی میری بات چھوڑو صرف اس مردہ عاشق کی بات کرو۔''

''میں ہمیشہ اپنا فون بند نہیں رکھ سکتی تھی، اسے ایک بار کھولا تو اس کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا'' میں دن ر تمہارے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ کبھ پی سی او میں جاتا کبھی اُس پی سی او میں جاتا ہوں۔ میرے حالات ٹھیک نہیں ہیں لیکن جلد ہی امیر کبیر شخص بن جاؤں دشمنوں پر غالب آنے کے بعد پھر کوئی تمہاری طرح مجھے پاگل نہیں کہے گا، پلیز مجھے بتاؤ تم کہاں ہو؟''

میں اس وقت اسلام آباد میں تھی اور ٹورنگ پارٹ ساتھ پہاڑی علاقے کی طرف جارہی تھی میں کہا'' میں جہاں بھی ہوں تم مجھ تک نہیں پہنچ پاؤ گے۔''

''مجھے پٹرول یا گیس ملتی رہے، اس کے بعد بھ تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ اس لیے تمہیں تلا رہوں گا۔''

میں نے کہا'' میں فون بند کررہی ہوں۔''

اس نے التجا کی'' پلیز ابھی فون بند نہ کرنا۔ تم پیار کی سچائی اور لگن دیکھ لو کہ میں تمہارے بارے مم معلومات حاصل کرتا رہتا ہوں۔ جب مجھے معلوم ہو فیصل آباد گئی ہو تو میں وہاں پہنچ گیا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہاں پہنچنے تک تم واپس لاہور آگئی ہو میں واپس لاہو اب تک یہ معلوم نہ ہوسکا کہ تم یہاں سے کہاں چلی گئی میں جلد ہی معلوم کرلوں گا۔''

میں نے پھر فون آف کردیا۔

اس نے مجھے نظر بھر کر دیکھا پھر کہا'' پہاڑی علا پہنچ کر تم نے اپنے معاملات میں مجھے الجھادیا۔ تم کسی سے کم نہیں، ہو میں سحر زدہ ہو کر تمہارے بارے میں سو اور اس مردے کو کسی حد تک بھول گئی۔''

''تم بار بار اسے مردہ کہہ رہی ہو، پتا نہیں اس کی کیا ہے تمہیں اس کا نام تو پوچھنا چاہیے تھا۔''

''جب میں فون پر اس کی آواز سنتی ہوں تو سہم جا مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ نام پوچھ کر کیا گی؟''

''تمہیں اس کی قدر کرنی چاہیے تم پہلی لڑکی ہو محبت کرنے کے لیے کوئی موت کے گھر سے پلٹ کر آیا

''تم نے جس طرح اندھا بن کر مجھ سے ملاقا اسی طرح وہ مردہ بھی کوئی بہروپیا ہے، اپنی اصلیت چھپا رہا ہے یا پھر سچ مچ پاگل ہے۔''

''وہ نارمل ہے یا ایب نارمل مردہ ہے یا عار تمہارے لیے زندہ ہوگیا ہے، یہ بھید کسی دن تو کھلے گا۔ یہ بتاؤ کہ جب تم پہاڑی علاقے سے لاہور واپس آ

کیا ہوا؟''

''میں نے سوچ لیا تھا کہ لاہور میں چھپ کر رہوں گی معلوم کروں گی کہ وہ کون ہے لاہور پہنچتے ہی دادی اور در یہ ادا جان نے بتایا کہ تم مجھ سے فون پر بات کرنا چاہتے ہو مجھ سے ملنا چاہتے ہو ممی مجھے یہاں کراچی آنے کو کہہ رہی تھیں۔ بں نے سوچا'' یہ میرے لیے بہتر ہوگا۔ اس طرح میں اس اگل مردے سے دور رہوں گی۔''

وہ ذرا چپ ہوئی پھر بولی'' دوسری صبح کی فلائٹ سے مجھے یہاں آنا تھا میں اپنی سہیلی کے ساتھ ایک شاپنگ سینٹر میں گئی۔ وہاں ایک خوبرو جوان کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی وہ جینز اور ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا، آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا۔ ایک دکان کے کاؤنٹر پر کھڑا اپنے لیے ٹائی پسند کررہا تھا۔ میں دکان کے باہر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ میری سہیلی نے پوچھا'' ادھر کیا دیکھ رہی ہو؟''

میں نے کہا اس جوان کو دیکھ رہی ہوں جس کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ ہے مجھے ایسا لگتا ہے، جیسے میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔''

میری سہیلی نے ہنستے ہوئے کہا'' ایسے خوبصورت جوان خوابوں میں آتے ہیں، تم نے بھی خواب میں ہی اسے دیکھا ہوگا۔''

دفعتاً میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ اگر اس جوان کی داڑھی بڑھی ہوئی ہو اور چہرے پر مردنی چھائی ہو تو وہ بالکل اسی مردے کی طرح دکھائی دے گا جو میرے حواس پر چھایا ہوا ہے اور میرا پیچھا کرتا رہتا ہے۔

اسی وقت اس جوان نے اپنا موبائل فون نکال کر اس کے نمبر پنچ کیے دوسرے ہی لمحے میں میرے فون کا بزر بولنے لگا میں نے چونک کر اپنے فون کو دیکھا پھر اس کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا، میری نظریں اس جوان پر تھیں وہ اُدھر سے بول رہا تھا۔ اِدھر مجھے اس کی آواز سنائی دے رہی تھی'' ہیلو! تم بار بار کہاں گم ہوجاتی ہو؟''

اس بار میں نے ذرا لگاوٹ سے کہا'' اب مجھے تم سے دلچسپی پیدا ہوگئی ہے مجھے بتاؤ تم اس وقت کہاں ہو؟''

''میں اس وقت ایک شاپنگ سینٹر میں ہوں اور اپنے لیے ٹائی پسند کررہا ہوں تمہیں کس طرح کی ٹائی پسند ہے۔ ہلکے رنگوں کی یا چیختے ہوئے رنگوں کی؟''

میں ایک دم سے گھبراگئی وہ مردہ جو میرے حواس پر چھایا رہتا تھا میرا پیچھا کرتا رہتا تھا۔ عین میری آنکھوں کے سامنے تھا اور مجھ سے باتیں کررہا تھا میں نے فوراً ہی فون بند کیا پھر سہیلی کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتی ہوئی وہاں سے جانے لگی وہ بولی'' ارے اس طرح کھینچ رہی ہو، مجھے کہاں لے جارہی ہو؟''

میں نے کہا'' بس ہم واپس جائیں گے۔''

''کیا کہہ رہی ہو ابھی تو شاپنگ کرنی ہے۔''

''نہیں میں کراچی جاکر شاپنگ کرلوں گی۔''

''کس کا فون تھا جسے تم سنتے ہی پریشان ہوگئی ہو؟''

''رانگ کال تھی۔ کوئی بھی اجنبی فون کرتا ہے تو میں پریشان ہوجاتی ہوں۔''

میں نے باتیں بنا کر سہیلی کو ٹال دیا۔ پھر دوسرے دن کی فلائٹ سے یہاں آگئی۔ میں نے اس مردے کے بارے میں اب تک کسی کو کچھ نہیں بتایا ہے تمہیں بھی نہ بتاتی لیکن تم تو بہت ہی خطرناک ہو۔ ہاتھ کی لکیریں دیکھتے دیکھتے کسی کی بھی پوری ہسٹری معلوم کرلیتے ہو۔''

''تعجب ہے تم اس تنہائی میں مجھ جیسے خطرناک آدمی سے ملنے آئی ہو۔''

''میں دوسروں کے سامنے پوچھ نہیں سکتی تھی اب پوچھ رہی ہوں مجھے بتاؤ، میرے ہاتھ کی لکیریں کیا کہتی ہیں۔ اس اجنبی سے پیچھا چھوٹے گا یا نہیں؟''

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا'' نہیں...... وہ تمہاری زندگی میں بہت دور تک دکھائی دے رہا ہے اور ہمارے درمیان دیوار بننے والا ہے۔''

وہ جھنجلا کر بولی'' آخر وہ ہے کون؟ کیا تم معلوم نہیں کرسکتے؟''

''معلوم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے تم اس سے ملاقات کرواور اس سے میری ملاقات کراؤ میں اس مردہ ہاتھ کی مردہ لکیریں دیکھوں گا جو زندگی کو چیلنج کررہی ہیں۔''

نمرہ نے ذرا چبھتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا پھر پوچھا ''کیا صرف وہی ہمارے درمیان دیوار بننے والا ہے یا آسرا بھی بن رہی ہے؟''

میں نے مسکرا کر پوچھا ''جلن محسوس کر رہی ہو؟''

''جلیں میرے دشمن مجھے کیا پڑی ہے تم نے وہاں سب کے سامنے کہا تھا کہ ہاتھ کی لکیریں بدل سکتی ہیں اس کے ہاتھ میں شادی کی لکیر بن سکتی ہے اور وہ تمہاری دلہن بن سکتی ہے۔''

''میں نے امکانات بیان کیے ہیں کوئی بھی بات کسی بھی وقت ممکن ہو سکتی ہے۔''

وہ ذرا غصہ سے بولی ''اگر یہ ممکن ہوگا تو کیا تم اس سے شادی کر لو گے؟''

''مقدر سے کوئی نہیں لڑ سکتا۔ اگر ابھی دعویٰ کروں کہ اس سے شادی نہیں کروں گا تو کل حالات مجھے کس سمت لے جائیں گے نہ تم یہ جانتی ہو نہ میں جان سکتا ہوں۔ وہ مردہ جو تمہارے پیچھے پڑا ہوا ہے' وہ زندگی کے کس موڑ پر تم سے کب ملے گا؟ کہاں ملے گا اور کس طرح تمہیں متاثر کرے گا اور تم کس طرح حالات سے مجبور ہو جاؤ گی کیا تم یہ کہہ سکتی ہو؟''

وہ بڑے عزم سے بولی ''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تمہارے سوا کوئی میری زندگی میں نہیں آئے گا۔''

''بے شک تمہارے ہاتھ کی لکیریں یہ کہتی ہیں کہ تم صرف مجھ سے منسوب رہو گی لیکن کئی چاہنے والے تمہاری زندگی میں ضرور آئیں گے۔ اور تم حالات سے مجبور ہو جایا کرو گی۔''

''تم اپنے ہاتھ کی لکیروں کے بارے میں بتاؤ' کیا آسرا کی طرف جاؤ گے؟''

''میرے ہاتھ کی لکیریں یہی کہتی ہیں اور تمہیں یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ کوئی مقدر سے لڑ نہیں سکتا اور میں بھی نہیں لڑ پاؤں گا۔''

وہ غصے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی ''صاف کیوں نہیں کہتے کہ ہرجائی ہو بھنورے کی طرح پھولوں پر منڈلاتے رہو گے اور مقدر کو بدنام کرو گے۔''

''تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو' ویسے تمہارے ناراض ہونے سے مجھے دکھ نہیں پہنچے گا۔ میں یہ جانتا ہوں کہ میں بار بار تمہیں مناتا رہوں گا اور تم مانتی رہو گی۔ مجھے بے وفا ہرجائی کہنے کے باوجود میری ہی طرف آتی رہو گی۔''

''اونہہ......! تمہیں اپنے بارے میں بہت خوش فہمی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے جانے لگی میں نے اسے نہیں روکا وہ دروازہ کھول کر جانا چاہتی تھی۔ اپنی ماں دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ بیگم آفتاب دروازے پر کھڑی ہوئی مسکرا بولی ''بیٹی تم میری وجہ سے نہ جاؤ میں تم دونوں کو ڈسٹرب نہی کرنا چاہتی۔ اچھا ہے تنہائی میں خوب دل کھول کر بات کرو۔''

وہ بولی ''مجھے مزید کوئی بات نہیں کرنی ہے۔''

وہ ماں سے کتراتی ہوئی چلی گئی۔ بیگم آفتاب نے ا آکر مجھ سے کہا ''اسے کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں...... اس عمر میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ا دوسرے سے ناراض ہوتے ہیں ایک دوسرے کو مناتے ہیں ابھی ناراض ہو کر گئی ہے میں بعد میں اسے منا لوں گا۔ آ کچھ کہنے آئی ہیں؟''

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی ''ہاں تم نے تو یہ کہ سب کو چونکا دیا ہے کہ یہ عروج اور عینی ایک ہی شخص سے شا کرنا چاہتی ہیں اور پاشا کے نکاح میں آکر ایک دوسرے سوکن بن کر رہنا چاہتی ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب اور ناقابل یا بات تھی اگر تم نہ کہتے تو کوئی یقین نہ کرتا۔''

میں نے کہا ''جی ہاں' ان دونوں نے بہت پہلے فیصلہ کیا تھا کہ پہلے عینی پاشا سے شادی کرے گی پھر اس کچھ عرصے بعد عروج پاشا کے نکاح میں آجائے گی۔''

''یہ تو سراسر بے شرمی ہے میاں......! ابھی ایک نہیں بنی دوسری بھی اس کی دلہن بننے کی بات کر رہی۔ دونوں ہم سے یہ باتیں چھپا رہی تھیں۔ جب تم نے ظاہ بڑی بے شرمی سے اقرار بھی کر لیا۔''

''آپ اسے بے شرمی کہہ سکتی ہیں لیکن دینی اور د قوانین کے مطابق یہ بے شرمی نہیں ہے۔ وہ دونوں بیک پاشا کے نکاح میں نہیں آرہی ہیں پہلے ایک اس کے نکا آئے گی۔ پھر وہ پہلی بیوی کی حیثیت سے دوسری شاد اجازت دے گی تو دوسری اس کے نکاح میں آجائے گی۔''

''میں کہتی ہوں' پاشا میں ایسے کون سے سرخاب لگے ہیں کہ دونوں اس پر مرمٹی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بچپن ہی سے دونوں ہم مزاج ہیں، ہم خیال ہیں، ا بات سوچتی ہیں اور ایک ہی کام کرتی ہیں' مجھے تو اس با غصہ آرہا ہے کہ وہ دونوں ہم بزرگوں کو کتنے ہی معاملا دھوکا دیتی رہتی ہیں۔ میں کیا بتاؤں کہ ہم کتنی مجبوری سے یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ مجبوریاں نہ ہوتیں تو ہم ا پر تھوکتے بھی نہیں۔''

میں نے پوچھا ''ایسی کیا مجبوری ہے؟''

''تمہیں تو معلوم ہوگا تمہارے مرحوم ڈیڈی نے وصیت میں لکھا تھا کہ بڑے ابو عینی کے سرپرست بن کر یہاں رہیں گے۔''

''جی ہاں! لیکن وصیت میں سرپرست بننے کے لیے پابند نہیں کیا گیا تھا۔ آج بھی یہ پابندی توڑی جا سکتی ہے' سرپرستی سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ میری بات مانیں تو میں اپنے دل کی بات کہنا چاہتا ہوں۔''

وہ بولی ''بیٹا تم تو میرے بیٹوں سے بھی بڑھ کر ہو، بہت سمجھدار ہو۔ جب بھی بولو گے تو ہمارے بھلے کے لیے ہی بولو گے۔''

میں نے کہا ''میں نے یہاں آتے ہی محسوس کیا ہے کہ عینی بہت مغرور ہو گئی ہے اور عروج اسے بہکاتی رہتی ہے۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''کیا بات ہے بیٹا! تم واقعی تیز نظر رکھتے ہو۔ یہاں آتے ہی ان کی اصلیت کو جان رہے ہو۔''

''بڑی امی! میں عینی کو جتنا بھی پیار دوں گا پھر بھی وہ سوتیلی ہی رہے گی' اور جب نمرہ سے شادی ہو جائے گی تو وہ میری اپنی ہوگی۔ میری زندگی کی ہمسفر ہوگی تو آپ ہی بتائیں مجھے نمرہ کو اہمیت دینی چاہئے یا عینی کو......؟''

''بیٹے مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔ تم تو خود بہت سمجھ دار ہو۔ تم نے تو یہاں آتے ہی میری نمرہ کو سر پر بٹھا لیا ہے۔''

''تو پھر آپ میری ایک بات مانیں اس گھر میں نہ رہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ عینی کا احسان اٹھائیں سارے رشتے دار تو یہی کہتے ہوں گے کہ ماہانہ اخراجات کے لیے ایک لاکھ روپے ملتے ہیں اس لیے آپ سب اس ایک لاکھ روپے کے لالچ میں یہاں رہنے لگے ہیں۔''

''تم درست کہتے ہو بیٹا! رشتے دار تو باتیں بناتے ہی ہوں گے اور اب ہمارا دل عینی سے کھٹا ہو گیا ہے پھر تم ہمیں عینی سے زیادہ محبتیں دے رہے ہو تو میں ابھی جا کر تمہارے بڑے ابو سے بات کروں گی اور ہم جلد سے جلد یہ گھر چھوڑ دیں گے۔ آؤ اب اٹھو' لنچ کا وقت ہو گیا ہے ہمارے ساتھ کھانے پر چلو۔''

''میں آپ کے ساتھ کل دوپہر کا لنچ کروں گا۔ اس وقت میں نے آسرا کے ساتھ لنچ کرنے کا وعدہ کیا ہے رات کا کھانا اپنی سوتیلی امی وردانہ بیگم کے ساتھ کھاؤں گا۔ کل آپ کا ساتھ دوں گا میں چاہتا ہوں کہ سب کو خوش رکھوں اور نمرہ کو اس طرح اپنا بناؤں کہ کسی کو مجھ سے شکایت نہ رہے۔''

''ہاں بیٹے! تم واقعی بہت ہی سمجھدار ہو میں تمہاری مصلحت اندیشی کو سمجھ گئی ہوں۔ ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں کل ہمارے ساتھ لنچ کرنا۔''

وہ خوش ہو کر چلی گئیں۔ میں چاہتا تھا عینی کو خود غرض اور مطلب پرست رشتے داروں سے نجات مل جائے۔ میں نے بیگم آفتاب کو راضی کر لیا تھا اور یہ جانتا تھا کہ وہ اپنے میاں کو بھی راضی کر لیں گی۔ اب فلک ناز کی باری تھی' میں کمرے سے باہر آیا۔ وہ میری ہی طرف آرہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ''بیٹے تم نے میرا اور آسرا کا ہاتھ دیکھ کر ایسی ایسی باتیں کی ہیں کہ ہمیں بھوک لگے گی نہ نیند آئے گی۔ کیا سب کے سامنے یہ کہنا ضروری تھا کہ تمہارے پھوپا جان کی موت کس طرح واقع ہوئی تھی کیا یہ کہنا ضروری تھا کہ میں شادی کے بعد بچے نہیں چاہتی تھی اسی وجہ سے عدنان پیدائش کے بعد ایب نارمل ہو گیا ہے؟''

''سوری پھوپی جان! میں پیٹھ پیچھے کسی کے بارے میں کچھ نہیں بولتا منہ پر سچ کہتا ہوں۔ چاہے اچھا لگے یا برا لگے۔''

''بیٹے! تم میرے مرحوم بھائی کا خون ہو مجھے برا لگے گا تب بھی میں تمہیں کلیجے سے لگاؤں گی۔ ابھی تو یہ کہنے آئی ہوں کہ آسرا کھانے سے انکار کر رہی ہے اور ڈاکٹر نے کہا ہے اسے السر کی شکایت ہے بھوکا نہیں رہنا چاہئے وقت پر ضرور کھا لینا چاہئے۔''

''آپ فکر نہ کریں میں اسے کھلاؤں گا۔''

میں فلک ناز کے ساتھ کچن میں آیا۔ پھر ٹرالی میں کھانے کا سامان رکھ کر اسے دھکیلتے ہوئے آسرا کے کمرے کی طرف جانے لگا۔ فلک ناز خوشی سے کھل رہی تھی۔ اگر ماں باپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ شادی سے پہلے ہی ہونے والا داماد ان کی بیٹی کا خدمت گار بن گیا ہے تو وہ ایک ایک رشتہ دار کو سناتے پھرتے ہیں کہ داماد تو ان کی بیٹی کا غلام بن کر رہتا ہے' وہ بیگم آفتاب پر برتری جتانے کے لیے ڈائننگ روم کی طرف چلی گئی۔ میں نے دروازے پر دستک دی اندر سے آسرا کی آواز آئی ''آجاؤ۔''

میں نے دروازہ کھولا اور ٹرالی کو دھکیلتا ہوا اندر آیا اس نے مجھے حیرانی سے دیکھا پھر پوچھا ''کیا ملازم نہیں ہیں جو تم میرے لیے کھانا لائے ہو؟''

''ہاں۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ سوچا تمہارے ساتھ کھاؤں گا۔''

''میں نہیں کھاؤں گی۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''میرے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ تم اس وقت میرے ساتھ کھاؤ گی۔''

''تم پکے فراڈ ہو۔ کیا ہاتھ کی لکیریں یہ کھانے پینے کی

باتیں کرتی ہیں؟ تم نجومی نہیں ہو کوئی پراسرار علم جانتے ہو ہم سب کو بے وقوف بنا رہے ہو۔''

''تم جو سمجھنا چاہو سمجھ لو لیکن یہ مان لو کہ میں سچ کہتا ہوں اور میرا سچ سن کر سب ہی بدحواس ہو جاتے ہیں تمہیں کیا خبر کہ تمہاری اپنی ممی کا کیا حال ہوا تھا؟''

''میں نے اپنی سالگرہ کی پارٹی میں بھی تمہارا سچ سنا ہے۔ اور میں مانتی ہوں کہ تم جھوٹ نہیں بولتے۔''

''تو پھر مان لو کہ اس وقت بھی میرے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ گی۔''

وہ دوسری طرف گھوم کر بولی ''میں نہیں کھاؤں گی۔''

میں نے اس کے گداز بازو کو مٹھی میں جکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ ایک جھٹکا کھا کر میرے سینے سے آ لگی۔ میں نے اس کے دوسرے بازو کو بھی جکڑ لیا۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔ میری طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ بڑی مشکلوں سے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی ''پلیز مجھے چھوڑ دو۔''

''میرے ساتھ کھاؤ' ورنہ یہ بے باکی بڑھتی جائے گی۔''

یہ کہہ کر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ دونوں ہاتھ اپنے دھڑکتے ہوئے سینے پر رکھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ میں نے کھانے کی ٹرالی کو کرسی کے پاس لا کر کہا ''چلو بیٹھ جاؤ۔''

اب وہ انکار نہیں کر سکتی تھی۔ میری بے باکی سے گھبرا گئی تھی فوراً ہی بیٹھ گئی میں نے ایک ڈش اٹھا کر اس کی پلیٹ میں تھوڑا سا سالن ڈالا وہ جھجکتے ہوئے کھانا شروع کرنا چاہتی تھی۔ میں نے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر ایک لقمہ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اندر ہی اندر میرے پیار کے اس انداز سے بے حال ہو رہی تھی۔ میرا یہ انداز دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا تھا کہ میں واقعی ہر جائی ہوں بھنورے کی طرح کبھی اس پھول پر کبھی اس پھول پر منڈلا رہا ہوں۔

حقیقتاً یہ بات نہیں تھی۔ نمرہ محبت تھی' میری جان تھی' آسرا بھی اگرچہ محبت تھی لیکن اس محبت میں صرف ہمدردی تھی میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے نہ بہکاؤں تب بھی وہ بہکے گی' بھٹکے گی' محبت سے شادی سے انکار کرنے کے باوجود میری طرف جھکتی رہے گی اور اس طرح موت کے قریب آتی رہے گی۔ میری معلومات کے مطابق اس کی زندگی مختصر تھی۔ اسی لیے میں اس سے پیار کر رہا تھا اور جتنی خوشیاں اسے دے سکتا تھا دے رہا تھا بعد میں کیا ہو گا؟ کیا کاتب تقدیر اپنی تحریر بدل دے گا؟ یہ تو میں نہیں جانتا تھا۔

فلک ناز دروازہ کھول کر اندر آئی پھر یہ دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئی کہ میں اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کر آسرا کو کھلا رہا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی مجھے دعائیں دیتی ہوئی دونوں ہاتھوں سے میری بلائیں لینے لگی پھر بولی ''میں تم دونوں کو ڈسٹرب نہیں کروں گی۔ ابھی چلی جاؤں گی بس ایسی بات سنی ہے کہ مجھ سے رہا نہیں گیا میں تم سے پوچھنے آئی ہوں۔''

میں نے انجان بن کر پوچھا ''کیا بات ہے؟''

''وہاں سب کہہ رہے ہیں کہ عروج اور عینی دونوں ہی پاشا سے شادی کرنا چاہتی ہیں' ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہنا چاہتی ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟''

''جی ہاں!' عینی اور عروج دونوں نے سب کے سامنے اعتراف کیا ہے کہ وہ ایک ہی شخص کی بیویاں بن کر رہیں گی اور وہ شخص پاشا ہے۔''

''لیکن مقدر میاں' یہ تو سراسر بے حیائی ہے۔''

میں نے ہاں میں ہاں ملائی ''بے شک بے حیائی ہے کھلی بے حیائی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ آسرا کے ساتھ ایسے گھر میں رہیں میں نے عینی اور عروج دونوں کے ہاتھ کی لکیریں دیکھی ہیں اور وہ لکیریں کہہ رہی ہیں کہ وہ دونوں آپ لوگوں کی بڑی بے عزتی کریں گی اور یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیں گی۔''

وہ بولی ''میں لعنت بھیجتی ہوں ایسے گھر پر...... جب تم چاہتے ہو کہ آسرا کے ساتھ یہاں نہ رہوں تو نہیں رہوں گی۔ میں تمہاری خوشی میں خوش رہوں گی۔ آج ہی یہ گھر چھوڑنے کی تیاری کر رہی ہوں' بس۔''

پھر وہ آسرا کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی ''تم مقدر سے مایوس ہو رہی تھیں۔ دیکھو میرا یہ بیٹا تمہیں کیسی خوشیاں دینے والا ہے۔''

وہ دعائیں دیتی ہوئی وہاں سے چلی گئی' میں نے آسرا کو دوسرا لقمہ کھلانا چاہا اس نے میرا ہاتھ تھام کر کہا ''بس کرو تم اتنی محبت دو گے تو میرا کیا بنے گا؟''

میں نے پوچھا ''کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''تم نے میرے بارے میں جو پیش گوئی کی ہے اسے بھول رہے ہو۔''

''مجھے یاد ہے میں نے کہا تھا کہ کبھی کسی سے محبت نہیں کرو گی' کبھی کسی سے شادی نہیں کرو گی۔ تب ایک طویل خوشحال زندگی گزارو گی ورنہ......''

''ورنہ زندگی مختصر ہو جائے گی کیا تم چاہتے ہو کہ میں مر جاؤں؟''

تمہارے دشمن مریں' میں تمہاری محبت اور زندگی دونوں

ہی چاہتا ہوں۔''

''محبت نہ چاہو' محبت شادی کی طرف لے جائے گی اور شادی موت کی طرف......''

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا ''فی الحال تمہارے نصیب میں یہی لکھا ہے لیکن میں نے یہ بھی کہا ہے کہ شادی کی جو لکیر ہے اس میں تبدیلی آ سکتی ہے۔ نمازوں میں دعاؤں میں بڑی طاقت ہوتی ہے تم نمازیں پڑھا کرو اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو پھر میں نے تمہیں کہا تھا کہ یہاں اس شہر میں ایک بہت پہنچے ہوئے عالم دین ہیں انہیں سب بابا انعام الحق کہتے ہیں۔ میں ایک آدھ روز یہاں مصروف رہوں گا۔ اس کے بعد تمہیں ان کے پاس لے چلوں گا۔ میرے ساتھ چلو گی نا؟''

اس نے خوش ہو کر مجھے دیکھا۔ پھر آگے جھک کر اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا۔ ان لمحات میں میرے دل سے دعائیں نکلنے لگیں ''یا اللہ! اس لڑکی کو محبتیں بھی دے اور زندگی بھی...... آمین!''

☆☆☆

اسد عزیزی بندوق کی گولی کی طرح تھا۔ شہباز درانی کے ٹریگر دباتے ہی وہ ٹھائیں سے سیدھے نشانے پر جا کر لگتا تھا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ حشمت کا سراغ لگایا جائے۔ وہ ایک بار لیڈی ڈاکٹر آرزو کے کلینک میں پہنچ کر حشمت کا سراغ لگا چکا تھا اس بار بھی وہ سیدھا اسی کے کلینک پر گیا تھا۔

وہ کلینک بند تھا۔ اس کے ساتھ دواؤں کی دکان تھی وہ کھلی ہوئی تھی اس نے دکاندار سے پوچھا ''یہ لیڈی ڈاکٹر کہاں ہے؟''

اس نے کہا ''ملک سے کہیں باہر گئی ہوئی ہیں۔ شاید ایک آدھ ماہ بعد آئیں گی۔''

اس نے پوچھا ''یہ کس دن گئی ہیں؟''

''ابھی تین دن پہلے آٹھ تاریخ کی شام کو گئی ہیں۔''

اسد عزیزی وہاں سے سیدھا ایئرپورٹ پہنچا۔ وہاں کے ایک متعلقہ عہدے دار سے ملاقات کی پھر اسے اپنا ایک کارڈ دکھایا اس کارڈ پر لکھا ہوا تھا ''اسپیشل آفیسر آن ڈیوٹی'' نیچے لکھا ہوا تھا ''سی آئی اے۔''

اس عہدے دار نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''آیئے تشریف رکھئے ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟''

اس نے کہا ''آٹھ تاریخ کی شام کو جتنی بھی فلائٹس بیرونی ممالک کی طرف گئی ہیں مجھے ان کے مسافروں کی لسٹ چاہئے۔''

اس عہدے دار نے اپنے ماتحت افسر کو حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس روز کی فلائٹس کے مسافروں کے ناموں کی فہرست آنے لگی۔ اسد عزیزی ان تمام فہرستوں کو ایک ایک کر کے پڑھتا رہا۔ پھر بنکاک جانے والی فلائٹ میں اسے لیڈی ڈاکٹر آرزو اور حشمت علی شاہ کا نام دکھائی دیا وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس عہدے دار سے بولا ''آپ نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

وہ وہاں سے سیدھا دردانہ بیگم اور شہباز درانی کے پاس آیا اور بولا ''حشمت کا سراغ مل گیا ہے وہ اس وقت بنکاک میں ہے اس سے پہلے کہ وہ بنکاک سے کسی دوسری جگہ چلا جائے اسے ٹھکانے لگا دینا چاہئے۔''

شہباز درانی نے کہا ''ٹھیک ہے تم پہلی فلائٹ سے بنکاک چلے جاؤ۔''

وہ سلام کر کے چلا گیا۔ لیڈی سیکریٹری نے انٹرکام کے ذریعے اطلاع دی ''سر! مسٹر مقدر حیات آئے ہوئے ہیں۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا ہے۔''

اس نے انٹرکام کو آف کرتے ہوئے کہا ''دردانہ تمہارا سوتیلا بیٹا آ گیا ہے۔ آؤ ڈرائنگ روم میں چلیں۔''

میں اس کوٹھی کی شان و شوکت دیکھ رہا تھا وہ کوٹھی نہیں تھی محل تھا۔ بیش قیمت سامان سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شہباز درانی بے انتہا دولت مند ہے۔

وہ دوسروں کے لیے پراسرار تھا لیکن مجھ سے کوئی چھپا نہیں رہتا' میں اس کی بھی پوری اصلیت جانتا تھا۔ اس نے دردانہ کے ساتھ آ کر مجھ سے مصافحہ کیا۔ دردانہ نے آگے بڑھ کر میری پیشانی کو چوما مجھے دعائیں دیں پھر کہا ''تمہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ میرا بیٹا پھر سے زندہ ہو گیا ہے۔''

میں نے کہا ''میں مرا کب تھا' جو آپ دوبارہ زندہ ہونے کی بات کر رہی ہیں' میں اپنی محبت سے اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر دوں گا کہ میں واقعی آپ کا بیٹا جواد ہوں۔''

''خوش رہو بیٹا! یہ بتاؤ عینی وغیرہ سے ملاقات کر چکے ہو۔ تمہارے تاثرات کیا ہیں؟''

''ایک سوتیلی بہن سے مل کر کیا تاثرات ہو سکتے ہیں؟ وہ رسمی طور پر مسکرا کر مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ اس کے دل میں کینہ بھرا ہوا ہے۔''

''تم اس کے لچھن نہیں جانتے۔ وہ اور عروج اس قدر بے حیا ہیں کہ دونوں ہی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے بے حیائی کی حد تک تعلق رکھتی تھیں۔''

میں نے کہا" آپ میرے بارے میں ایک بات نہیں جانتیں کہ میں علم نجوم میں مہارت رکھتا ہوں۔ میں نے عینی اور عروج کے ہاتھ کی لکیروں کو پڑھتے ہی بتا دیا تھا کہ وہ دونوں ایک ہی شخص سے شادی کرنا چاہتی ہیں اور آئندہ ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہنا پسند کرتی ہیں۔"

شہباز درانی نے کہا" تم نے ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر یہ بات معلوم کرلی۔ پھر تو کمال کے نجومی ہو۔"

"میں نے عینی کے گھر میں ایک ایک رشتے دار کا ہاتھ دیکھا ہے اور ہر ایک کا کچا چٹھا بیان کر دیا ہے۔"

دردانہ نے کہا" پھر تو ہم بھی اپنا ہاتھ دکھائیں گے، کیوں شہباز؟"

شہباز نے کہا" میں اپنا مقدر خود بناتا ہوں پھر بھی اپنا ہاتھ ضرور دکھاؤں گا' دیکھتا ہوں یہ جوان کس حد تک اپنے علم میں مہارت رکھتا ہے۔"

"ایک بات ہے۔جب بھی میں کسی کا ہاتھ دیکھتا ہوں تو وہ میرے سچ بولنے پر ناراض ہو جاتا ہے۔ میں نے عینی کے گھر میں کتنوں کو ناراض کیا ہے اگر میں کوئی معمولی حیثیت کا آدمی ہوتا تو وہ سب میرے دشمن بن جاتے۔ بہر حال کچھ میں نے انہیں منالیا اور کچھ وہ خود ہی مان گئے۔"

دردانہ نے کہا" ہم برا نہیں مانیں گے لیکن کھانے کا وقت ہو گیا ہے آؤ پہلے کھا پی لیں پھر کھانا ہضم کرنے کے لیے مقدر کی لکیروں پر چہل قدمی کریں گے۔"

اس بات پر ہم تینوں نے قہقہہ لگایا۔ پھر ڈرائنگ روم میں آکر کھانے کی میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ میں نے کھانے کے دوران میں کہا" ممی! میں نے اس گھر میں پہنچتے ہی نفرتوں کے بیج بو دیے ہیں۔ پھوپی جان اور بڑی امی وغیرہ سب ہی عینی کی دشمن ہو گئی ہیں۔ وہ گھر چھوڑ کر جانے والی ہیں۔"

دردانہ نے خوش ہو کر کہا" تم تو کمال کر رہے ہو۔ ابھی تمہیں آئے ہوئے پورے بارہ گھنٹے بھی نہیں ہوئے ہیں۔ کیا واقعی وہ سب عینی کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں گے؟"

"ضرور جائیں گے۔ میں یہی سوچ کر آیا تھا کہ عینی کو اس گھر میں بالکل تنہا کر دوں گا۔ اس کے وکیل اخلاق احمد کو تو ایسا چکر دیا ہے کہ وہ مجھ پر اندھا اعتماد کرنے لگا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ میں عینی کے بزنس شیئر میں کیسی ہیرا پھیری کرتا رہتا ہوں۔"

وہ مجھے بڑے پیار سے دیکھتے ہوئے بولی" بیٹے اتنی خوشیاں نہ دو کہ برداشت نہ کر سکوں۔"

میں نے دل میں کہا" میری ممی جان! میں آگے جو دینے والا ہوں' اسے تو آپ کا یہ شہباز درانی بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔"

کھانے کے بعد ہم پھر ڈرائنگ روم میں آگئے۔ وہاں قہوے کا دور چلنے لگا۔ دردانہ نے کہا" بیٹے میرا ہاتھ دیکھو گے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں ضرور دیکھوں گا۔ اپنا بایاں ہاتھ لائیں۔"

اس نے بایاں ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے اس ہاتھ کو اپنے ایک ہاتھ میں لیا پھر دوسرے ہاتھ سے پیالی اٹھا کر قہوہ کا ایک گھونٹ پیا۔ ٹیڑھی میڑھی لکیروں کو یوں دیکھنے لگا جیسے بہت توجہ سے پڑھ رہا ہوں پھر میں نے کہا" آج کل آپ کا ستارہ عروج پر ہے۔جو قدم اٹھاتی ہیں' وہ کامیابی کی طرف لے جاتا ہے۔"

شہباز درانی نے مسکرا کر کہا" عام طور پر نجومی ایسی ہی زبان بولتے ہیں ان کے چند مقررہ فقرے ہوتے ہیں اور یہ کہ ماضی میں تم بہت بیمار پڑے تھے۔ اس کے بعد تمہیں ایک خوشی حاصل ہوئی اور اب تم پھر کامیابی کی طرف جانے والے ہو وغیرہ وغیرہ۔"

میں نے کہا" ابھی تو میں نے ابتدا کی ہے۔ آگے آگے سنیے۔"

میں نے دردانہ کی ہتھیلی کو دیکھا پھر کہا" آپ نے پچھلی رات اپنے کسی مخالف کو قتل کرایا ہے۔"

دردانہ اور شہباز نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر شہباز نے پوچھا" کسے قتل کرایا ہے؟"

"میں پورا نام نہیں بتا سکتا اس کے نام کا پہلا حرف "ڈی" ہے۔"

شہباز درانی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا" تم درست کہہ رہے ہو۔"

میں نے دردانہ سے کہا" آپ نے جسے قتل کرایا ہے اس سے پہلے بہت دوستی تھی اور آپ اسے حسین لڑکیاں سپلائی کرتی تھیں۔"

دردانہ نے فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ شہباز نے سخت لہجے میں کہا" کیا بکواس کر رہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا" میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جب میں سچ بولتا ہوں تو وہ کسی سے برداشت نہیں ہوتا۔ میں ممی کا ہاتھ تو پڑھ چکا ہوں۔ آپ کے لیے بہتر ہو گا کہ اپنا ہاتھ نہ دکھائیں ورنہ سچ برداشت نہیں کر سکیں گے۔"

دردانہ نے کہا" تم مجھے ماں بھی کہہ رہے ہو' اور لڑکیوں

کی دلالہ بھی؟"

"یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں آپ کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی ہیں۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے کہ تمہاری بات درست ہو کتنے ہی نجومی الٹی سیدھی ہانکتے ہیں ان میں سے دو چار باتیں درست ہوتی ہیں، باقی باتیں غلط ثابت ہوتی ہیں۔"

میں نے کہا" چلیں یہی سہی میں غلط کہہ رہا ہوں۔ کیا یہ بھی غلط ہے کہ آپ ایک اور شخص کو قتل کرانے والی ہیں اور جسے قتل کیا جائے گا اس کے نام کا پہلا حرف "ایچ" ہے۔"

ان دونوں نے خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر دردانہ نے پوچھا" کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں اسے کیوں قتل کرانا چاہتی ہوں؟"

میں نے کہا" آپ کی اس سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے آپ اپنے ایک بدترین دشمن کو اس کے قتل کے الزام میں پھانسنا چاہتی ہیں اور اس بدترین دشمن کا نام حرف "زیڈ" سے شروع ہوتا ہے۔"

اس بار دونوں نے ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھا پھر دردانہ نے کہا" اوہ گاڈ! تم تو بہت ہی خطرناک نجومی ہو۔"

شہباز نے کہا" دردانہ نے ایک بڑی کامیابی حاصل کی ہے اس کے بارے میں کچھ کہہ سکتے ہو؟"

میں نے پھر دردانہ کی ہتھیلی کو دیکھا۔ قہوے کا آخری گھونٹ پی کر پیالی کو رکھ دیا پھر کہا" آپ نے اپنی سوتیلی بیٹی عینی کے خلاف بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے، اس کے ہونے والے شوہر کو اس سے دور کر دیا ہے۔ اسے اپنا قیدی بنا کر رکھا ہے اور اب وہ قیدی آپ کے ہاتھوں کے نیچے کٹھ پتلی بن کر ناچتا رہے گا۔"

پہلی بار شہباز درانی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے کہا" مقدر حیات! میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے اگرچہ میں نجومی نہیں ہوں لیکن مشہورِ زمانہ نجومیوں کے ساتھ رہ چکا ہوں۔ اس علم کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ لکیریں صرف اس حد تک بتاتی ہیں کہ کسی نے کسی چیز پہ قبضہ جما رکھا ہے اتنی تفصیل سے نہیں بتاتیں کہ کسی کو قیدی بنا کر رکھا ہے۔ اور وہ کسی کے ہاتھوں کے نیچے رہ کر کٹھ پتلی بنا رہے گا اور لکیریں بھی کسی کے نام کا پہلا یا آخری حرف نہیں بتاتیں۔ لکیریں یہ تو کہتی ہیں کہ کوئی غلط کام کر رہا ہے۔ لیکن اتنی تفصیل سے نہیں بتاتیں کہ کوئی لڑکیوں کی دلالی کر رہا ہے اور کس کو سپلائی کر رہا ہے۔ تم نے دردانہ کے بارے میں بتایا کہ یہ لڑکیاں سپلائی کرتی تھی اور داؤد سبحانی کو سپلائی کرتی تھی۔ تم ساری دنیا کو بے وقوف نہیں بنا سکتے' خاص طور پر مجھ سے فراڈ نہیں کر سکتے۔"

میں نے ہنس کر کہا" بے شک آپ نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہو گا، لیکن میرے گھاٹ میں پہلی بار آئے ہیں۔ میں ثابت کر دوں گا کہ ہاتھ کی لکیریں اپنی گہرائیوں تک لے جاتی ہیں۔ بشرطیکہ ان گہرائیوں تک پہنچنے والا کوئی مجھ جیسا ہو۔"

"تم بلاشبہ فراڈ ہو کوئی پراسرار علم جانتے ہو۔ جس کے ذریعے اتنی دور تک اتنی گہرائی تک کسی کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر لیتے ہو۔"

میں نے دردانہ سے کہا" ممی میں مسٹر شہباز کو یقین نہیں دلا سکوں گا کہ کس طرح ہاتھ کی لکیروں پر چلتا ہوں اور ان کی گہرائیوں میں اترتا جاتا ہوں۔"

میں نے اس کی مٹھی بند کر کے کہا" آپ اپنا ہاتھ اپنے پاس رکھیں اب میں کسی کے ہاتھ کی لکیریں نہیں پڑھوں گا۔"

دردانہ نے کہا" شہباز کیوں میرے بیٹے پر شبہ کر رہے ہو! اس کی اس غیر معمولی صلاحیت کو کیوں تسلیم نہیں کر رہے ہو؟"

"دردانہ! تم نہیں جانتیں یہ کوئی عمل جانتا ہے یہاں آنے سے پہلے اس نے میرے اور تمہارے بارے میں کسی پراسرار علم کے ذریعے ہم دونوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا ہو گا اب یہاں آکر وہی باتیں بتا رہا ہے۔"

میں نے کہا" آپ کسی ایسے شخص کو میرے سامنے لائیں' جسے میں نہیں جانتا پہلے میں نے اسے کبھی دیکھا نہیں۔ میں اس کے بارے میں بھی سچی اور کھری باتیں بتاؤں گا۔"

اس نے مجھے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر اپنی لیڈی سیکریٹری تہمینہ کو بلایا۔ اس نے آکر پوچھا" یس سر......؟"

شہباز نے کہا" ایک اسٹول لے کر مسٹر مقدر حیات کے سامنے بیٹھو یہ تمہارا ہاتھ دیکھیں گے۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ میرے سامنے آکر بیٹھ گئی۔ اپنا بایاں ہاتھ میری طرف بڑھایا میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر لکیروں کو دیکھا، سوچا۔ پھر کہا" میرے ساتھ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ میں سچ بولتا ہوں اور جھوٹا سمجھا جاتا ہوں۔ کیونکہ سچ بہت کڑوا ہوتا ہے۔ کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ مسٹر شہباز آپ ابھی تہمینہ سے یہ وعدہ کریں کہ یہ سچ بولے گی اور میری بات کو سچ تسلیم کرے گی تو آپ سچائی کے طور پر اسے انعام دیں گے اور جسے یہ چاہتی ہے اس کے پاس اسے تنہائی میں وقت گزارنے دیں گے۔"

شہباز نے کہا ''میں وعدہ کرتا ہوں تہمینہ! مسٹر مقدر حیات تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر جو کہہ رہے ہیں اگر وہ سچ ہے تو اسے تسلیم کرو اگر وہ بات میرے خلاف ہوگی تب بھی میں تمہیں سزا نہیں دوں گا انعام دوں گا۔''

میں نے کہا ''ممی! آپ نے جسے قیدی بنا رکھا ہے اس پر تہمینہ کا دل آگیا ہے یہ اس سے محبت کرنے لگی ہے اس کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنا چاہتی ہے۔''

شہباز درانی نے کہا ''تہمینہ! اگر یہ سچ ہے تو میں تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔''

اس نے سر جھکا کر کہا ''جی ہاں یہ سچ ہے میں اسے پسند کرتی ہوں۔''

میں نے کہا ''مسٹر شہباز آپ فرما رہے تھے کہ ہاتھ کی لکیریں کسی کا نام یا اس کے نام کا پہلا حرف نہیں بتاتیں لیکن مجھے بتا دیتی ہیں۔ تہمینہ جسے چاہتی ہے اس کے اصل نام کا پہلا حرف ''ایس'' ہے اور جس نام سے وہ عام طور پر پکارا جاتا ہے اس نام کا پہلا حرف ''پی'' ہے۔''

شہباز نے مجھے حیرانی سے اور پریشانی سے دیکھا میں اس کے لیے معما بن گیا تھا میں نے کہا ''میں اپنی ممی کو اور آپ کو پہلے سے جانتا تھا لیکن آپ کی اس لیڈی سیکریٹری تہمینہ کو آج ہی دیکھا ہے اور ابھی اس کے ہاتھ کی لکیروں کو پڑھا ہے کیا اب بھی آپ یہی کہیں گے کہ میں کوئی پراسرار علم جانتا ہوں اور میں نجومی نہیں ہوں؟''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ''ذرا ٹھہرو میں ایک بار اور آزمانا چاہتا ہوں۔''

پھر وہ تہمینہ سے بولا ''تم جسے چاہتی ہو۔ اس کے پاس جا سکتی ہو۔ اس کا بھی دل بہلتا رہے گا۔''

وہ تیزی سے چلتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آکر بولا ''مقدر حیات یہاں آؤ۔''

میں دروازے کے پاس آیا۔ اس نے کہا ''اس دروازے کے پیچھے کوئی کھڑا ہوا ہے تمہیں صرف اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھنی ہیں۔''

اس کے حکم سے دروازے کے پیچھے جو کھڑا ہوا تھا' اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا مجھے صرف اس کی کلائی اور ہتھیلی نظر آرہی تھی میں تھوڑی دیر تک اس کے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتا رہا پھر بولا ''آپ کوئی دوسرا ہاتھ دکھاتے تو بہتر ہوتا اس کا ہاتھ تو صاف چغلی کھا رہا ہے کہ یہ بارود سے کھیلتا رہتا ہے۔ پہلے یہ فوج میں تھا۔ ریٹائر ہونے کے بعد سیکورٹی افسر بن گیا ہے اس سیکورٹی افسر کے نام کا پہلا حرف ''ٹی'' ہے۔''

شہباز درانی سن رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا۔ میں نے کہا ''میں اس کے بارے میں اور بہت کچھ بتا سکتا ہوں فی الحال سب سے اہم بات یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کے دو بیٹے ہیں ایک سات برس کا ہے دوسرا پانچ برس کا اور ابھی ان دونوں کو خطرہ پیش آنے والا ہے۔''

سیکورٹی آفسر فوراً ہی دروازے کے پیچھے سے نکل آیا اس نے پوچھا ''کیسا خطرہ پیش آئے گا؟''

میں نے کہا ''تمہارے پاس دو ریوالور ہیں' لوڈ کیا ہوا ریوالور تمہارے ہولسٹر میں رہتا ہے۔ اور ان لوڈ کیا ہوا ریوالور تم اپنی الماری میں چھوڑ کر آتے ہو اس بار تم بھولے سے بھرا ہوا ریوالور الماری میں چھوڑ آئے ہو اور خالی ریوالور تمہارے ہولسٹر میں ہے۔ یقین نہ ہو تو دیکھ لو۔''

اس نے فوراً ہی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر چیک کیا تو واقعی اس کے چیمبرز خالی تھے۔ اس نے پریشان ہو کر شہباز درانی کو دیکھا۔ میں نے شہباز سے کہا ''پلیز اسے جانے دیں اس کے بچوں کو خطرہ ہے وہ ریوالور سے کھیل رہے ہیں۔''

یہ سنتے ہی وہ سیکورٹی افسر وہاں سے دوڑتا ہوا چلا گیا۔ شہباز درانی نے مجھے تعجب سے دیکھتے ہوئے کہا ''میں حیران ہوں کہ تم کیا چیز ہو؟ میں اب بھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ ہاتھ کی لکیریں اتنی تفصیل سے بتاتی ہیں تم نے تو یہ بھی بتا دیا کہ اس کے بچے بھرے ہوئے ریوالور سے کھیل رہے ہیں۔ میں کبھی نہیں مانوں گا کہ یہ علم نجوم ہے۔''

میں نے دردانہ کو دیکھتے ہوئے کہا ''ممی مجھے ہاتھ کی لکیریں سب کچھ بتا دیتی ہیں تو میں کیا کروں؟''

دردانہ نے کہا ''شہباز درانی کیوں میرے بیٹے پر شبہ کر رہے ہو؟ کیوں نہیں مان لیتے کہ اسے علم نجوم میں مہارت حاصل ہے؟''

''دردانہ تم نہیں جانتیں علم نجوم ایسا نہیں ہوتا کہ نجومی جادوگر بن جائے اور اندر کی چھپی ہوئی باتیں بیان کر دے۔ کسی کے ہاتھ کی لکیر کبھی یہ نہیں بتا سکتی کہ وہ یہاں ہے تو اس کے بچے ریوالور سے کھیل رہے ہیں یہ سراسر ہمیں بے وقوف بنا رہا ہے۔''

میں نے مسکرا کر کہا ''چلیں میں آپ کی بات مان لیتا ہوں' میں نجومی نہیں ہوں آپ کے خیال کے مطابق جادوگر ہوں۔ کیا میرے جادوگر ہونے سے آپ کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہے؟ ویسے آپ کی معلومات کے لیے یہ عرض کر دوں کہ دنیا کا کوئی جادوگر ماضی' حال اور مستقبل کے بارے میں اتنی سچی اور کھری باتیں نہیں بتا سکے گا' جیسا کہ میں بتا رہا ہوں۔''

پھر میں نے دردانہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''میں نے آپ کا بہت وقت ضائع کیا ہے اب مجھے جانا چاہئے۔''

شہباز درانی نے کہا ''نہیں......ابھی رک جاؤ میں پھر ایک بار تمہاری جادوگری دیکھنا چاہتا ہوں۔''

میں نے ہنستے ہوئے پوچھا ''اب دیکھنے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟''

''آؤ آرام سے بیٹھو۔''

ہم پھر صوفوں پر آکر بیٹھ گئے اس نے کہا ''اب میرے بارے میں بتاؤ۔''

''میں ہاتھ دیکھے بغیر کچھ نہیں بتا سکتا۔''

وہ سخت لہجے میں بڑی سنجیدگی سے بولا ''دیکھو مقدر! میرے سامنے پُراسرار نہ بنو کھل کر بات کرو میں تمہیں بہت عزیز رکھوں گا۔ تمہیں سر پر بٹھاؤں گا۔ اس خوش فہمی میں نہ رہو کہ مجھ سے جھوٹ بول کر مجھے فریب دے کر یہاں سے جا سکو گے۔''

دردانہ نے پریشان ہو کر کہا ''یہ کیا شہباز؟ تم مقدر میاں کو چیلنج کر رہے ہو؟ یہ ہمارا اپنا ہے۔ ہمارا ہم مزاج ہے۔ مگر تمہارا رویہ اچانک ہی تبدیل کیوں ہو گیا ہے؟''

وہ بولا ''دردانہ تم نہیں جانتیں۔ میرے اندر ایسے ایسے راز چھپے ہوئے ہیں جنہیں صرف وہی چند لوگ جانتے ہیں جن کا تعلق ان رازوں سے ہے' ورنہ کوئی ایسا ویسا نجومی' کوئی جادوگر' کوئی پراسرار علم جاننے والا بھی ان رازوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ وہاں تک پہنچتا ہے یا نہیں۔''

''اگر یہ تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر تمام راز بتا دے تو کیا تم اس کے دشمن بن جاؤ گے؟''

''پہلے اسے بتانے دو پھر میں بتاؤں گا کہ کیا چاہتا ہوں؟''

پھر اس نے مجھے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا ''ہاں تو بولو میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''میں کسی کی دھمکیوں میں نہیں آتا۔ کسی کی دھونس میں آکر جھوٹ نہیں بولتا۔ جو سچ معلوم ہوتا ہے وہی اگل دیتا ہوں۔ اور سچ اسی وقت معلوم ہوگا جب میں ہاتھ کی لکیریں دیکھوں گا اور جب تک نہیں دیکھوں گا آپ مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکیں گے۔''

ایسا کہتے وقت اس کی اور میری نظریں ٹکرا رہی تھیں۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ پہاڑ سے ٹکرا رہا ہے۔ اسے میری بات ماننی ہی ہوگی۔ جب تک وہ اپنا ہاتھ نہیں دکھائے گا میں کچھ نہیں بولوں گا اور نہ ہی وہ مجھے بولنے پر مجبور کر سکے گا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے سامنے آیا پھر سینٹر ٹیبل پر بیٹھ کر اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا ''لو دیکھو۔''

میں اس کے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد بولا ''آپ کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ آپ کا قول ہے کہ بھیک مانگنے والے ہاتھ پھیلاتے

ہیں لیکن آج زندگی میں پہلی بار آپ میرے آگے ہاتھ پھیلائے بیٹھے ہیں۔''

اس نے چونک کر غصے سے دیکھا۔اس کے سامنے سر اٹھا کر اس سے آنکھیں ملا کر اونچی آواز میں بولنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ کجا یہ کہ میں نے اسے طعنہ دیا تھا کہ وہ ضرورت مند بن کر اپنے حالات معلوم کرنے کے لیے میرے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے۔

کوئی بات اس کے مزاج کے خلاف ہوتو وہ مجھ جیسے شہہ زور جوانوں کی بھی پٹائی کر دیتا تھا۔اتنا زبردست فائٹر تھا کہ اپنے مقابل کو مارتے مارتے جان سے ہی مار ڈالتا تھا۔ پتا نہیں اس نے کتنے قتل کیے تھے۔کبھی قانون کی گرفت میں نہیں آتا تھا۔ بلکہ قانون کو کھلونا بنا کر کھیلتا تھا۔

اس کے جی میں آیا کہ وہ ایک الٹا ہاتھ میرے منہ پر رسید کرے پھر مجھے مارتا چلا جائے مجھے ٹھوکروں میں رکھ کر لہولہان کر دے وہ جب تک مجھے جان سے نہ مار دیتا اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا۔

یہ مار پیٹ' یہ خون خرابہ' یہ فرعونیت اس وقت ممکن ہے جب جسم میں توانائی ہو۔مقدر اسے بیمار اور کمزور بنا دیتا ہے۔ بعض اوقات شہباز درانی جیسا شہہ زور بھی کسی پر بھی ہاتھ اٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔ وہ اس وقت مجھے گالیاں بھی نہیں دے سکتا تھا۔کیونکہ میرے مقدر میں یہ لکھا تھا کہ میں کسی سے گالیاں نہیں سنوں گا۔ اور ان لمحات میں کوئی مجھ پر حملہ نہیں کرے گا اور شہباز درانی کے مقدر میں لکھا تھا کہ وہ اپنی طاقت کا بے جا استعمال نہیں کرے گا۔ اس وقت یہ بات اس کے ذہن میں سمائی ہوئی تھی کہ میں کوئی بہت ذہین چالباز سیکریٹ ایجنٹ ہوں۔ اس کے خفیہ معاملات کے بارے میں اہم معلومات حاصل کرنے کے لیے وہاں پہنچا ہوا ہوں۔لہٰذا وہ مجھے مار ڈالے گا تو اس کو میری اصلیت معلوم نہیں ہو سکے گی اور وہ میری تہہ تک پہنچنے کے لیے فی الحال مجھے نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

میں نے کہا''تم اپنے دوستوں اور دشمنوں کے لیے بہت ہی پراسرار شخص ہو۔کوئی تمہاری اصلیت نہیں جانتا۔ سب ہی جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں۔تمہارے بارے میں طرح طرح کے اندازے لگائے جاتے ہیں اور اب تک متفقہ طور پر یہی اندازہ قائم کیا گیا ہے کہ تم پاکستان میں رہ کر امریکی مفادات کے لیے کام کرتے رہتے ہو۔''

اس نے کہا''دوسروں کو چھوڑو اپنی بات کرو' تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو۔''

''میں کچھ نہیں جانتا یہ لکیریں جانتی ہیں اور جو جانتی ہیں' وہ مجھ سے کہہ رہی ہیں — واشنگٹن میں امریکی سی آئی اے کا جو مرکزی شعبہ ہے' تم اس شعبے کے فارن آفیسر ہو۔''

وہ مجھے حیرانی سے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا''سی آئی اے اپنے مطلوبہ ممالک میں جاسوسی کراتی ہے۔وہاں کے حکومتی اور فوجی راز معلوم کرتی ہے۔ وہاں کے سیاستدانوں کی بڑی بڑی کمزوریاں معلوم کرتی ہے۔پھر اپنے مفادات کے مطابق وہاں سیاسی تبدیلیاں لاتی رہتی ہے۔ ایسا کرنے کے لیے وہ تمہارے جیسے ذہین' تجربہ کار' معاملہ فہم' سیکریٹ ایجنٹ کی تقرری کرتی ہے۔ ہمارے ملک پاکستان میں کہا جاتا ہے کہ یہاں کوئی خفیہ ہاتھ ہے' جو یہاں سیاسی تبدیلیاں لے آتا ہے تم سپر پاور کا وہی خفیہ ہاتھ ہو۔''

وہ مجھے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے دانت پیسنے لگا۔ پھر بولا''کیا اب بھی تم سچ نہیں بولو گے کہ نجومی نہیں ہو. ہم کسی بھی ملک کے اہم سیاسی افراد کے اندر گھس کر اس کی ایسی ایسی باتیں معلوم کر لیتے ہیں' جنہیں صرف ان کا مقدر جانتا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا تم بھی ہماری طرح کوئی بہت ہی خطرناک سیکریٹ ایجنٹ ہو لیکن ہماری امریکی سی آئی اے کے مخالف ہو۔''

''تم مجھے نجومی تسلیم کرو یا نہ کرو میں ایف بی آئی' سی آئی اے' کے جی بی اور انٹرپول جیسی کسی بھی خفیہ تنظیم کا کارندہ نہیں ہوں میں تمہارے یا تمہاری امریکی سی آئی اے کے خلاف جاسوسی کرنے نہیں آیا ہوں۔''

اس نے غرا کر پوچھا''میں کیسے مان لوں؟''

''تمہارے نہ ماننے سے میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''تم بہت خطرناک ہو یہاں میں کیسے سیاسی گیم کھیلتا رہتا ہوں' اس کی تمام تفصیلات تم جانتے ہو گے۔''

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا''بے شک میں تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے کے بعد بہت کچھ جاننے لگا ہوں۔''

''جو میرے راز جاننے کی کوشش کرتا ہے میں اسے زندہ نہیں چھوڑتا اور تم تو بہت کچھ معلوم کر چکے ہو میں تمہیں یہاں سے زندہ نہیں جانے دوں گا یا تو حرام موت مرو گے یا پھر میرے قیدی بن کر رہو گے۔''

میں نے اس کی ہتھیلی پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا''یہ لکیر کہہ رہی ہے کہ میں تمہارا مقدر ہوں میں نے تمہارے ساتھ جنم لیا ہے تمہارے ساتھ ہی مروں گا جب تک تم زندہ

ہو گے' مجھے نہیں مار سکو گے مجھے مارنے کے لیے خود کو مارنا ہو گا۔''

وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بولا''ایسی بکواس کرو گے تم زندہ نہیں رہ سکو گے۔''

''رہوں گا۔تم اپنی زندگی کی خیر مناؤ یہ گزرتے ہوئے لمحات تم پر بھاری پڑ رہے ہیں۔ اگر تم چالیس منٹ کے بعد زندہ رہ گئے تو پھر سمجھو کہ تمہیں نئی زندگی مل گئی۔ ورنہ گھڑی دیکھو ٹھیک چالیسویں منٹ پر موت تمہارے سر پر کھڑی ہو گی۔''

وہ پریشانی سے سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ دردانہ نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔

''بیٹے! کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''میں نے اب تک کون سی بات جھوٹ کہی ہے؟ تم دونوں گواہ ہو کہ اب تک جو کہتا رہا ہوں' وہ سچ ثابت ہوتا رہا ہے۔''

''بیٹے! تم ہماری عزت کر رہے تھے ہمیں آپ کہہ کر مخاطب کر رہے تھے اب تم کیوں کہہ رہے ہو؟''

''میں حالات کے مطابق بدلتا ہوں۔ مسٹر شہباز کے مزاج بدل گئے' رویہ بدل گیا اس لیے میں بھی بدل گیا ہوں۔ تم شہباز سے الگ نہیں رہ سکتیں۔ اس کے لیے ساری دنیا کو چھوڑ سکتی ہو مجھے بھی چھوڑ سکتی ہو. اس سے پہلے میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔''

شہباز درانی نے کہا''بے شک تم نے اب تک تمام باتیں سچ بیان کی ہیں۔ یہ بتاؤ کس طرح مجھے چالیسویں منٹ پر موت آئے گی؟''

''تم مجھے مارنا چاہتے تھے میں نے تمہاری موت کی خبر سنا دی۔ یہ بھی سن لو کہ اس موت سے صرف میں ہی تمہیں بچا سکوں گا۔ تم اپنے سپر پاور کی پوری فوج' پوری طاقت' پورا سرمایہ اور پورے اختیارات استعمال کر لو پھر بھی نہیں بچ پاؤ گے۔''

میں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا''یہ سمجھ لو کہ میں یہاں آج رات کا کھانا کھانے کے لیے نہیں آیا تھا۔ صرف تمہیں موت کے منہ سے بچانے آیا تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے میں تمہیں کیوں بچاؤں؟''

وہ غصے سے دہاڑتے ہوئے بولا''میں چالیس منٹ پورے ہونے سے پہلے تمہیں مار دوں گا۔ جہنم میں پہنچا دوں گا میں موت سے نہیں ڈرتا موت آئے گی تو میں خود اس سے نمٹ لوں گا۔''

دردانہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا''شہباز! فضول باتیں نہ کرو۔ اگر اسے مارنے کے بعد تم بھی زندہ نہ بچ سکے تو میرا کیا ہو گا۔ جب یہ دیکھ رہے ہو کہ اس کی تمام باتیں درست ہو رہی ہیں تو یہ بات بھی درست ہو گی کہ چالیس منٹ کے بعد تم موت سے بچ نہیں پاؤ گے' اگر تمہیں کوئی بچائے گا تو صرف یہی ایک مقدر ہے۔''

شہباز درانی نے سوچتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا میں نے کہا''دس منٹ گزر چکے ہیں تم نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے یہاں سے امریکا تک سیاسی بازی گری دکھاتے آئے ہو اب اپنی پوری ذہانت سے سوچو کہ یہاں اس ڈرائنگ روم میں تمہیں کس طرح موت آ سکتی ہے؟''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ ذہن پر زور دے کر سوچنے لگا''کس طرح موت آ سکتی ہے۔ اس کمبخت کا نام مقدر حیات ہے اور یہ میرے مقدر کی بات کر رہا ہے میری بدنصیبی مجھے بتا چکا ہے اور مجھے یقین کرنا ہو گا۔ کیونکہ اس کی ہر بات اب تک درست ثابت ہوئی ہے۔''

وہ اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہاں اندر اور باہر سخت سیکورٹی کے انتظامات ہیں لیکن انتظامات ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ داؤد سبحانی نے بھی تو جدید آلات کے ذریعے اپنی سیکورٹی کے انتظامات کیے تھے۔ وہ کبھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ ایک لڑکی اپنے بدن پر زہریلے لوشن کی مالش کر کے آئے گی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دے گی۔

یہاں میرے پاس کوئی آنے والا نہیں ہے اور نہ ہی میں کسی کو آنے دوں گا صرف میرے وفادار سیکورٹی گارڈز ہی میرے سامنے آ سکتے ہیں اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی میرے وفاداروں کو بڑی رقم دے کر خرید لے اور میری موت کا سامان کر دے۔

بیس منٹ گزر چکے ہیں اور بیس منٹ رہ گئے ہیں۔ میں اگلے آدھے گھنٹے تک کسی کھانے پینے کی چیز کو منہ نہیں لگاؤں گا پھر موت کیسے آ سکے گی؟

میں بیمار نہیں ہوں، کمزور نہیں ہوں' مجھے کوئی ایسی بیماری نہیں ہے جو اچانک ہی آ کر دبوچ لے پھر میں کیسے مروں گا؟

آدمی نہیں سمجھتا۔ وہ بہت ذہین ہوتا ہے پھر بھی سمجھ نہیں پاتا کہ اگلے چند لمحوں کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ یہ معلوم ہو جائے کہ موت آنے والی ہے تو عقل کام نہیں کرتی کہ موت کس طرح آئے گی؟

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دردانہ نے آگے بڑھ کر ریسیور

اٹھایا دوسری طرف سیکورٹی افسر کی آواز سنائی دی" میڈم! میں آپ کا خادم بول رہا ہوں' آپ کے اس مہمان نے بالکل درست کہا تھا اگر میں اپنے گھر پہنچنے میں دیر کرتا تو کوئی نہ کوئی مارا جاتا۔ میرے دونوں بچے اس بھرے ہوئے ریوالور سے کھیل رہے تھے۔ میں آپ کے مہمان کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ میں ڈیوٹی پر واپس آ رہا ہوں آپ کے مہمان کا شکریہ بھی ادا کروں گا۔"

وردانہ نے کہا" ٹھیک ہے یہاں فوراً پہنچو تمہارے باس کسی طرح کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ تمہیں کوٹھی کے باہر اپنے تمام مسلح گارڈز کے ساتھ محتاط اور مستعد رہنا ہے۔"

"یس میڈم! میں راستے میں ہوں ابھی پانچ منٹ میں وہاں پہنچنے والا ہوں۔"

وردانہ نے ریسیور رکھ کر شہباز سے کہا" ہمارے سیکورٹی افسر کا فون تھا دیکھو شہباز! مقدر میاں کتنی درست باتیں کرتے آ رہے ہیں۔ ابھی اس سیکورٹی افسر نے بتایا ہے کہ اس کے دونوں بچے بھرے ہوئے ریوالور سے کھیل رہے تھے۔ اگر وہ صحیح وقت پر نہ پہنچتا تو ان میں سے کوئی ایک مارا جاتا۔ یہ مان لو کہ یہ تمہاری طرح کوئی سیکریٹ ایجنٹ نہیں ہے۔ نجومی ہے اپنے علم میں مہارت رکھتا ہے اگر تم کہتے ہو کہ یہ کوئی پراسرار علم جانتا ہے تو چلو یہی سہی۔ جانتا ہے جبھی تو تمہاری موت کی پیش گوئی کر رہا ہے اور یہ بھی کہہ رہا ہے کہ یہی تمہیں بچا سکتا ہے"۔

شہباز نے جھنجلا کر مجھے دیکھا۔ پھر کہا" تم نے مجھے الجھا دیا ہے میرا ذہن کام نہیں کر رہا ہے کہ یہاں کس طرح موت آ سکتی ہے یہاں میرا ایک ایک سیکورٹی گارڈ اتنا وفادار ہے کہ میری خاطر اپنی جان پر کھیل سکتا ہے۔"

میں نے کہا" سوچتے سوچتے ذہن تھک جائے گا پھر بھی سمجھ نہیں پاؤ گے' مقدر کا کھیل اگر انسان کی سمجھ میں آ جائے تو پھر وہ خود ہی اپنی تقدیر کا مالک بن جائے گا اور ایسا کبھی نہیں ہوتا۔"

اس نے گھڑی دیکھی پھر کہا" باتیں نہ بناؤ پندرہ منٹ باقی بچے ہیں مجھے بتاؤ موت کس طرح آئے گی؟"

"میں نہیں بتاؤں گا۔ میری دو شرائط مان لو گے تو تم پر آنچ نہیں آنے دوں گا تمہیں یہاں میری موجودگی سے ایک نئی زندگی مل سکے گی۔"

وردانہ نے پریشان ہو کر کہا" اس کی شرائط مان لو۔"

اس نے کہا" ہوں ٹھیک ہے بولو کیا چاہتے ہو؟"

"پہلی شرط یہ ہے کہ ملک الموت تمہارے سامنے آئے اور تم بچ جاؤ تو پھر اس ملک الموت کو کوئی سزا نہ دو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے' جو مجھے قتل کرنا چاہے گا میں ا زندہ چھوڑ دوں؟"

"تب تو پھر زندہ نہ چھوڑنا۔ اسے آنے دو اس سے ہی نمٹ لینا۔"

وردانہ نے کہا" کیوں ضد کر رہے ہو شہباز؟ ار بات مان لو اپنی خیر مناؤ اپنی زندگی کو اہمیت دو تمہیں عرصے تک زندہ رہنا ہے، کم از کم میری خاطر......"

میں نے لقمہ دیا" اور سپر پاور کی خاطر......"

اس نے مجھے غرا کر دیکھا۔ پھر ہاں کے انداز سر ہلا کر کہا" ٹھیک ہے میں اسے معاف کر دوں گا۔ کوئی نہیں دوں گا دوسری شرط بیان کرو۔"

"دوسری شرط یہ ہے کہ میں یہاں سے جاؤں میرے راستے میں رکاوٹ نہیں بنو گے اور اگر رکاوٹ بنو اس کے نتیجے میں کیا ہوگا یہ میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔"

وہ غصے سے مٹھی بھینچ کر بولا" وردانہ! دیکھو یہ مجھے دلا رہا ہے۔ یہ دھمکیاں دے رہا ہے۔ اپنی پیش گوئیوں ذریعے مجھے کمزور بنا رہا ہے۔ میں آج تک اتنا بے بس نہیں تھا۔ جی چاہتا ہے ابھی ریوالور نکال کر تمام گولیاں اس کے میں پیوست کر دوں۔"

وردانہ نے چیخ کر کہا" شہباز! صرف پانچ منٹ رہ ہیں۔ غصہ نہ دکھاؤ ٹھنڈے دماغ سے کام لو۔ اس سے کرو کہ اس کی دوسری شرط بھی پوری کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں اس کی ہر شرط مان لوں گا۔ یہ بتائے تو سہی کہ اس وقت کون مجھ سے دشمنی کر رہا ہے؟"

میں نے گھڑی دیکھی پھر کہا" تین منٹ رہ گئے ہیں بتا رہا ہوں القائدہ کے مجاہد تمہیں کتے کی موت مارنا چا ہیں کیونکہ تم ان کے بدترین دشمن امریکا کے ایجنٹ افغانستان میں سی آئی اے کی ٹیم کو اسامہ بن لادن تک کے سلسلے میں درپردہ ان کی مدد کر رہے ہو۔"

میں باتیں کرتے ہوئے دروازے کے قر آیا پھر بولا" تم پاکستانی ہو' لیکن پاکستان کے خلاف سر کے پیچھے ہو۔ تم مسلمان ہو لیکن مسلمان مجاہدین کے ہمنوا نہیں میرا فرض ہے کہ میں تمہیں نہ بچاؤں مرنے کے لیے چھوڑ د لیکن میں کاتب تقدیر کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا۔ تمہار ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ تمہیں زندہ رہنا ہے اور القائدہ مجاہدین کا مقدر کہہ رہا ہے کہ انہیں اپنے مقصد میں فی الح ناکام رہنا ہے۔ اس لیے میں مجبوراً تمہیں آنے والی مو

ارہا ہوں۔ دیکھو گھڑی دیکھو یہ چالیسواں منٹ ہے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی سیکورٹی افسر تیزی سے چلتا ہوا ے پر آیا' پھر اس نے ریوالور نکالتے ہوئے اندر آتے شہباز درانی کا نشانہ لیا۔ میں نے گھوم کر ایک کک ماری دراس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فضا میں اچھلتا ہوا دور جا کر گرا وہ اس ریوالور کی طرف لپکنا چاہتا تھا میں نے اس پر لگائی۔ پھر اسے رگیدتا ہوا دیوار سے جا کر لگا دیا۔ گھونسوں اور لاتوں پر رکھ لیا۔ وہ اپنے داؤ آزمانا چاہتا تھا۔ ہی وقت اس کا ریوالور میرے ہاتھوں میں آ گیا میں نے بس رک جاؤ دونوں ہاتھ اپنی گردن پر رکھو اور فرش پر ٹیک دو۔"

اس نے میرے حکم کی تعمیل کی' میں نے اس کے پیچھے آ کر لور کی نال اس کے سر سے لگا کر کہا" اب بتاؤ تم اپنے باس کیوں کرنا چاہتے تھے؟"

شہباز درانی تیزی سے چلتا ہوا اس کے پاس آیا پھر ایک تھ اس کے منہ پر رسید کرتے ہوئے بولا" نمک حرام کتے۔ یرا وفادار تھا۔ میں تجھ پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔ سوچ بھی سکتا تھا کہ تو مجھے قتل کرے گا بول! کیوں مجھے قتل کرنا چاہتا "

وہ روتے ہوئے بولا" باس! آپ جانتے ہیں میں پتھر بھی میری آنکھ سے ایک آنسو نہیں ٹپکا لیکن آج رو رہا ۔ بری طرح پھنس گیا ہوں نہ گھر کا رہا ہوں' نہ گھاٹ ...."

جب میں یہاں سے گھر پہنچا تو وہاں چند مسلح افراد نے ے گھر پر قبضہ جما رکھا تھا انہوں نے میرے دونوں بچوں بیوی کو یرغمال بنا لیا تھا ایک نے مجھ سے کہا کہ ان کی مجھ کوئی دشمنی نہیں ہے، اگر میں یہاں آ کر آپ کو گولی مار دوں میرے بیوی اور بچوں کو چھوڑ دیں گے۔ ورنہ ایک ایک کو یانہ انداز میں قتل کر دیں گے۔"

"اور تو اپنے بیوی اور بچوں کو بچانے کے لیے مجھے مار لنے آیا ہے۔"

وہ روتے ہوئے بولا" میں نے اور آپ نے بہت دنیا لی باس! میرے بچوں کو ابھی بہت کچھ دیکھنا ہے۔ بہت ھو کرتا ہے اس دنیا میں پیدا ہونے کے حقوق حاصل کرنے اور میں یہ حقوق ان بچوں سے چھین نہیں سکتا تھا۔ وہ رے بہت پیارے ہیں۔ لاڈلے ہیں میں ان کے لیے ان بھی دے سکتا ہوں تو پھر ان کے لیے کسی کی جان کیوں ہیں لے سکتا۔"

"اب تیرے بچوں کو کون بچائے گا، تو یہاں کتے کی موت مارا جائے گا اور وہ شخص تیرے بچوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

میں نے کہا" ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ القائدہ کے مجاہدین درندے نہیں ہیں کہ بے گناہ عورتوں اور معصوم بچوں کو قتل کریں۔ انہوں نے محض اسے دھمکی دی تھی اگر یہ آپ کو قتل کرنے میں ناکام رہے گا تب بھی اس کی بیوی اور بچوں پر آنچ نہیں آئے گی۔ وہ مجاہدین مسلمان ہیں۔ خدا سے ڈرتے ہیں۔ ان بچوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر انہیں چوم کر چلے جائیں گے...... مسٹر شہباز تم اپنا وعدہ پورا کرو اسے چھوڑ دو جانے دو۔"

"وہ بولا" میں نے آج تک اپنے کسی دشمن کو معاف نہیں کیا پھر یہ تو جانی دشمن ہے؟ اسے کیسے معاف کر دوں؟"

وردانہ نے اس کے پاس آ کر اس کے بازو کو تھام کر کہا۔ "تم تو زبان کے پکے ہو۔ اپنا وعدہ پورا کرتے ہو۔ اس کے ساتھ مقدر حیات کو بھی جانے دو۔ یہ کہہ چکا ہے اگر تم نے وعدہ پورا نہ کیا اور اس کے راستے میں رکاوٹ پیدا کی تو پھر کوئی برا نتیجہ سامنے آئے گا۔"

میں اب تک جو کہتا آیا تھا وہ سچ ثابت ہوتا رہا تھا۔ شہباز درانی کسی کی دھونس میں آنے والا نہیں تھا۔ لیکن میری سچائی اور میری پیش گوئی نے اسے اندر سے دہشت زدہ کر دیا تھا۔ وہ مجھ سے وعدہ خلافی کر کے پھر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ناگواری سے کہا" ٹھیک ہے یہاں سے جاؤ۔ دونوں چلے جاؤ۔ میں وعدے کے مطابق آج جانے کی اجازت دے رہا ہوں۔ کل میں وعدے کا پابند نہیں رہوں گا۔ کل تمہارے خلاف کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

میں مسکراتے ہوئے وہاں سے جانے لگا۔

میں کیا ہوں؟
اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر

تمہارا ہمسفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
ایک بازی گر ہوں۔

میں نے عینی اور عروج کے ہاتھوں کو دیکھ کر انہیں یہ امید دلائی تھی کہ پاشا زندہ ہے اور کبھی بھی واپس آسکتا ہے۔

عینی نے کہا" میں تو اب صبر وتحمل سے پاشا کا انتظار کروں گی تو اپنے دل کی بات بتا کیا سوچ رہی ہے؟"

عروج نے کہا" سچ تو یہ ہے کہ ہمارے ذہن سے بوجھ اتر گیا ہے اور اندیشے ختم ہو گئے ہیں۔ اب تو صرف یہی انتظار ہے کہ وہ آرہا ہے۔ مجھے اس کی آہٹ محسوس ہوتی ہے کال بیل کی آواز سنائی دیتی ہے تو میں دوڑ کر باہر جا کر دیکھتی ہوں' ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے تو چونک جاتی ہوں کہ شاید اسی کی کال ہے۔"

عینی نے کہا" میرا بھی یہی حال ہے۔ میں ہر آہٹ پر چونکنے لگی ہوں۔ ہمیں مقدر بھائی سے اور بھی کچھ پوچھنا چاہئے تھا۔"

عروج نے کہا" بھائی نے تو ہم دونوں کے ہاتھوں کو دیکھتے ہی ایسی بات کہہ دی تھی کہ اس کے بعد کچھ پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ سب ہی یہ سن کر چونک گئے تھے کہ پاشا ہی ہم دونوں کی منزلِ مراد ہے اور ہم ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہنا چاہتی ہیں۔"

"ہاں دوسروں کے لیے یہ چونکا دینے والی بات ہے۔ اور ہمارا یہ فیصلہ کوئی آسانی سے تسلیم کرنے کو تیار بھی نہیں ہے۔ سب نے مجبور ہو کر خاموشی اختیار کی ہے۔"

"سبھی مجھے دل میں گالیاں دے رہے ہوں گے کہ میں تجھے بہکا رہی ہوں تو میری باتوں میں آکر سوکن بننے پر راضی ہو گئی ہے۔"

"مجھے نہ تو دنیا والوں کی پروا ہے اور نہ ہی میں گھر والوں کی۔ سب ہی خود غرض اور لالچی ہیں۔ ہمیں تو مقدر بھائی کو تنہائی میں پکڑنا چاہئے اور ان سے پاشا کے بارے میں مزید پوچھنا چاہئے۔"

ان دونوں سے میری ملاقات بہت مختصر رہی تھی پہلے دن فلک ناز، بیگم آفتاب، آسرا اور نمرہ سے ملاقاتیں اتنی طویل رہیں کہ میں عینی اور عروج سے نہ مل سکا۔ پھر دردانہ کے گھر رات کے کھانے پر گیا۔ وہاں جو کچھ ہوا اسے میں بیان کر چکا ہوں۔ دوسرے دن وکیل اخلاق احمد کے ساتھ کاروباری معاملات میں مصروف رہا۔ بیس گھنٹے گزر چکے تھے وہ دونوں بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھیں۔

ادھر بابر کا بھی ایک مسئلہ تھا۔ وہ اپنے دفتر کی لیڈی سیکریٹری سمیرا سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ اس کے والدین' بیگم آفتاب اور فلک آفتاب' کوئی خاندانی امیر کبیر بہو لانا چاہتے تھے۔ لیکن بابر نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا تھا" ممی! اگر اپنی گود میں پوتے پوتیوں کو کھلانا چاہتی ہیں تو پھر سمیرا ہی اس گھر میں بہو بن کر آئے گی۔ ورنہ میں شادی نہیں کروں گا۔"

وہ لوگ مجبوراً سمیرا کو بہو بنانے پر راضی ہو گئے تھے لیکن دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ سمیرا بابر کی میڈیکل رپورٹ چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ بابر کا بڑا بھائی ذیشان باپ بننے کا اہل نہیں ہے۔ لہٰذا وہ شادی سے پہلے معلوم کرنا چاہتی تھی کہ بابر بھی باپ بننے کے قابل ہے یا نہیں؟

بابر نے بھابی اسما سے کہا تھا" میں آج شام سمیرا کو لا رہا ہوں۔ ممی اور ڈیڈی سے امید نہیں ہے کہ وہ خوش دلی سے اس کا استقبال کریں لیکن آپ کے بارے میں یقین ہے کہ آپ اسے گلے لگا لیں گی۔"

اسما نے خوش ہو کر کہا" میں بے چینی سے انتظار کروں گی چار بجے تک اسے ضرور لے آنا۔"

اس نے اپنی ساس اور سسر سے کہہ دیا تھا کہ ان کی ہونے والی بہو یہاں آئے تو وہ بھی اس کا خوش دلی سے استقبال کریں اور اپنے شوہر ذیشان سے بھی کہا" ڈیوٹی ضروری ہے تو جائیں لیکن چار بجے تک گھر آجائیں۔"

ذیشان نے کہا" ہاں۔ بابر کی شادی بہت اہمیت رکھتی ہے جب اولاد ہو جائے گی تو ہماری طرف سے جو محرومیاں ہیں انہیں بھی نظر انداز کر دیں گے۔"

اسماء نے اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہا" آپ کی طرف سے کوئی محرومی نہیں ہے آپ باپ بن سکتے ہیں۔ آپ نے میرے پیار کی خاطر جھوٹی میڈیکل رپورٹ بنوائی ہے۔ اپنے والدین کو سمجھا دیا ہے کہ آپ کبھی باپ نہیں بن سکیں گے۔ آپ کی محبت پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔"

بابر صبح سمیرا کو لانے کی بات کہہ کر گیا تھا تب سے وہ بے چین تھی۔ پوری کوٹھی کی صفائی کروا رہی تھی۔ سمیرا کی مدارات کے لیے تازہ مٹھائیاں تازہ پھل منگوائے تھے۔ بیگم آفتاب نے ناگواری سے کہا" بہو! میں جانتی ہوں تم کیوں اتنی خوش ہو۔ بابر کی شادی ہو گی تو ہم نئی بہو سے امیدیں وابستہ کر لیں گے اور تم اولاد پیدا کرنے کی ذمہ داری سے بری ہو جاؤ گی۔"

اسما نے کہا" بالکل یہی بات ہے۔ آپ کو تو آم کھانے سے مطلب ہے خواہ وہ کسی بھی درخت سے آئے۔ آپ کو پیڑ نہیں گننا چاہئیں۔"

"یہ نہ بھولو جتنے درخت ہوتے ہیں ان سب سے پھل کی توقع کی جاتی ہے۔ اور جو درخت پھل نہیں دیتا اسے کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔"

اسما نے مسکرا کر کہا" یہ حسرت تو آپ کے دل میں رہ جائے گی کہ آپ بڑے بیٹے کو قائل کر کے دوسری بہو لا سکیں گی۔ اگر کبھی ایسا کرنا چاہیں گی تو میں اس آنے والی کے خاندان والوں کے سامنے آپ کے بیٹے کی میڈیکل رپورٹ پیش کر دوں گی۔"

وہ جھنجلا کر بولی" میں کسی میڈیکل رپورٹ کو نہیں مانتی۔"

"لیکن بہت سے لڑکی والے مانتے ہیں' جیسا کہ اب سمیرا مانتی ہے۔ وہ شادی سے پہلے ہی بابر سے کہہ چکی ہے کہ میڈیکل رپورٹ دیکھ کر ہی شادی کرے گی۔ آپ سمیرا کا کیا بگاڑ لیں گی؟"

ساس نے منہ پھیر کر جاتے ہوئے کہا" اونہہ! میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔"

اسما ہنسنے لگی۔ شام کو بابر سمیرا کے ساتھ آیا تو اسے دیکھتے ہی اسما نے گلے لگا لیا" ماشاء اللہ! تم تو بہت خوبصورت ہو اتنے عرصے سے میرے دیور کی سیکریٹری ہو اور آج پہلی بار تمہیں دیکھ رہی ہوں۔ تم پہلے کیوں نہیں آئیں؟"

وہ مسکرا کر بولی" پہلے آجاتی تو فوراً ہی آپ مجھے اپنی دیورانی بنا لیتیں، اور مجھے شادی کی اتنی جلدی نہیں تھی۔"

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ پھر اس نے کہا" آؤ یہاں بیٹھو۔"

اس نے سمیرا کو ایک صوفے پر بٹھا کر کہا" میں ابھی آتی ہوں۔"

اس نے وہاں سے جاتے ہوئے سر اٹھا کر زینے کے اوپری حصے کی طرف دیکھتے ہوئے آواز دی" عینی! عروج! کہاں ہو۔ یہاں آؤ دیکھو سمیرا آئی ہے۔ اپنے بھائی جان کو بھی ساتھ لے آؤ۔"

وہ انہیں آوازیں دیتی ہوئی ساس سسر کو اطلاع دینے چلی گئی۔ عینی عروج اور ذیشان سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آنے لگے۔ بابر نے تعارف کراتے ہوئے کہا" عینی' عروج! یہ سمیرا ہے۔ بھائی جان تو اسے دفتر میں پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔"

سمیرا نے ذیشان کو سلام کیا پھر عینی اور عروج سے ملی۔ عروج نے کہا" بابر! میں تو سمیرا کو دیکھتے ہی پاس کرتی ہوں۔ تمہاری پسند واقعی لاجواب ہے۔"

سمیرا نے کچھ شرما کر کہا" تھینک یو۔"

بابر نے کہا" سمیرا! عروج نے پاس کیا تو سمجھو عینی نے بھی پاس کیا۔ یہ دونوں ہم مزاج ہیں ہم خیال ہیں۔ اب عینی کی مجال نہیں ہے کہ وہ تمہارے بارے میں کوئی تنقید کر سکے۔"

عینی اور عروج ہنسنے لگیں' سمیرا نے کہا" میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنی محبت سے میرا استقبال کیا جائے گا۔"

اتنے میں اسما اپنے ساس سسر کے ساتھ وہاں آئی۔ دونوں کے منہ بنے ہوئے تھے وہ مگر اپنی بزرگی جتانے کے خاطر سنجیدہ اور باوقار نظر آنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ اسما نے قریب آکر کہا" سمیرا یہ بابر کے ممی اور ڈیڈی ہیں۔"

سمیرا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے انہیں آداب کیا۔ بیگم آفتاب ماش کے آٹے کی طرح اکڑی رہی۔

فلک آفتاب نے آداب کے جواب میں صرف سر ہلا دیا اور وہ دونوں ایک صوفے پر آکر بیٹھ گئے۔ پھر فلک آفتاب نے ذرا بھاری بھرکم آواز بنا کر کہا" اکیلی آئی ہو؟ ماں باپ کے ساتھ آنا چاہئے تھا۔"

بابر نے کہا" ڈیڈ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں' اس کے والدین اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ یہ اپنے ماموں اور ممانی کے گھر میں رہتی ہے اور ان بزرگوں کو یہاں کیوں نہیں لایا گیا ہے یہ بھی بتا چکا ہوں۔"

ذیشان نے کہا" ڈیڈ! بابر مجھ سے تمام باتیں کھل کر کہہ چکا ہے۔ یہ شادی راز داری سے ہو گی۔ شادی کے بعد اس کے ماموں اور ممانی کو اطلاع دی جائے گی۔ اگر انہیں پہلے سے معلوم ہو گیا تو وہ طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کریں گے۔"

بیگم آفتاب نے کہا" بیٹے یہ شادی تو نہ ہوئی چوری ہوئی' جیسے کوئی جرم کیا جا رہا ہو۔"

اسما نے کہا" جب شرعی طور پر نکاح پڑھایا جائے تو اسے دنیا کا کوئی قانون جرم نہیں کہے گا۔"

بیگم آفتاب نے چڑ کر کہا" تم تو بیچ میں نہ بولو ہمیں بات کرنے دو۔"

ذیشان نے بھی کہا" اسما تم خاموش رہو۔ ممی کو بولنے دو۔"

بیگم آفتاب نے اپنے میاں کو دیکھ کر کہا" میں کیا بولوں؟ آپ کو بولنا چاہئے۔"

فلک آفتاب نے کہا" ہمیں اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن ہونے والی بہو کو شادی سے پہلے کوئی شرط نہیں منوانی چاہئے۔"

بابر نے کہا" ڈیڈ آپ یہ سمجھ لیں کہ سمیرا کوئی شرط نہیں

منوا رہی ہے بلکہ میں خود کہہ رہا ہوں کہ بھائی جان کی طرح میرا بھی میڈیکل چیک اپ ہونا چاہیے۔"

بیگم آفتاب نے کہا" تم شادی سے پہلے ہی جورو کے غلام بن رہے ہو۔ جو بات وہ منوانا چاہتی ہے اسے تم اپنے سر لے رہے ہو اور اپنی زبان سے کہہ رہے ہو۔"

فلک آفتاب نے کہا" ایسا کسی خاندان میں نہیں ہوتا کہ شادی سے پہلے مردوں کا میڈیکل چیک اپ کرایا جائے۔"

ذیشان نے کہا" آپ درست فرماتے ہیں لیکن جب کسی خاندان میں یہ بات سامنے آئے کہ ایک بیٹا بانجھ ہے تو پھر دوسرے کے لیے بھی شک و شبہات جنم لیتے ہیں۔ لہٰذا ان شکوک کو مٹانے کے لیے میڈیکل چیک اپ کرانے میں کیا اعتراض؟"

اسی وقت میں دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ عینی مجھے فوراً ہی پہچان نہ سکی۔ کیونکہ اسے دھندلا دھندلا سا دکھائی دیتا تھا۔ عروج نے آگے بڑھ کر کہا" بھائی جان! آپ کہاں گم ہو جاتے ہیں؟ ہم کب سے آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔"

پھر وہ آہستگی سے بولی" ہم تنہائی میں آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں تم دونوں سے تنہائی میں بھی ملوں گا۔"

اسما نے آگے بڑھ کر کہا" آؤ مقدر میاں! اسے دیکھو یہ سمیرا ہے۔ اس گھر کی ہونے والی بہو......"

سمیرا نے مجھے سلام کیا تو میں نے مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا۔ اسماء اس دوران بہت خوش تھی۔ وہ سب سے سمیرا کا تعارف کرا چکی تھی پھر یہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی" میں آپ سب کا منہ میٹھا کراؤں گی۔"

میں نے مسکرا کر سمیرا اور بابر کو دیکھتے ہوئے کہا" میں تم دونوں کی شادی کی پیشگی مبارک باد دیتا ہوں۔"

یہ ایک رسمی سی مبارک باد تھی۔ میں حقیقت جانتا تھا۔ یہ شادی ہونے والی نہیں تھی۔ ذیشان نے اپنے والد سے کہا" ڈیڈی یہ کہاوت پرانی ہے مگر درست ہے کہ میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ جب سمیرا اور بابر راضی ہیں تو ہم میں سے کسی کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے آپ بابر کو میڈیکل چیک اپ کرانے دیں۔"

میں نے پوچھا" یہ میڈیکل چیک اپ کس سلسلے میں ہو رہا ہے؟"

ذیشان نے کہا" مقدر میاں! آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں بانجھ ہوں باپ نہیں بن سکتا۔ شادی سے پہلے سمیرا کے دل میں اندیشہ نہیں رہنا چاہیے کہ بابر بھی میری طرح بانجھ ہوگا۔

میڈیکل رپورٹ اگر نیگیٹو نہیں ہوئی تو انشاء اللہ ا[ن] جلد سے جلد ہو جائے گی۔"

بیگم آفتاب نے چونک کر مجھے دیکھا' سوچا! تمہیں ہاسپٹل جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے اور سمیرا کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر ماضی مستقبل کی سچی باتیں بتا سکتے ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا" بیگم! یہ تو تم نے لاکھ بات کی ہے۔ کیوں مقدر میاں ہاتھ پر شادی کے کی بھی لکیریں ہوتی ہیں؟"

میں نے کہا" بہت کچھ ہوتا ہے' ہمارے لکیروں کے پیچھے پوری کائنات چھپی ہوئی ہے۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ تم ابھی ان دونوں کے اور بتاؤ کہ شادی کے بعد اولاد ہوگی یا نہیں؟"

سمیرا اور بابر یہ باتیں سن کر کچھ پریشان ہو پھر بابر نے کہا" ڈیڈ میں علم نجوم کو نہیں مانتا۔ مقد سے ہر ایک کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ رہے ہیں لیک اپنا ہاتھ انہیں نہیں دکھایا' اور نہ ہی سمیرا کا ہاتھ دکھ گا۔"

بیگم آفتاب نے پوچھا" تمہیں اعتراض مقدر میاں تم دونوں کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ لیں قیامت آ جائے گی؟"

بابر نے کہا" ممی! سیدھی سی بات ہے۔ م صدی میں جی رہا ہوں میرا اعتماد علم نجوم پر نہیں سائنس پر ہے میری جو بھی رپورٹ ہوگی میں اسی گا۔"

فلک آفتاب نے کہا" تم ضرور اپنا میڈیکل کراؤ لیکن اپنا ہاتھ تو دکھا دو۔"

"جب میں علم نجوم کو مانتا ہی نہیں تو دکھاؤں؟"

میں نے کہا" پلیز آپ لوگ آپس میں بحث جب کوئی ایک بار اپنا ہاتھ دکھانے سے انکار کرتا۔ کبھی اس کا ہاتھ نہیں دیکھتا لہٰذا یہ بات یہیں ختم کر میں سمیرا اور بابر کا ہاتھ نہیں دیکھوں گا۔"

میرا فیصلہ کن جواب سن کر پھر کسی نے علم نجوم میں کچھ نہیں کہا۔ اسما ایک ٹرالی میں پھل اور مٹھا اسے دھکیلتی ہم سب کے درمیان لے آئی پھر ا طرف مٹھائی بڑھانے لگی۔ ذیشان نے کہا" باہر اپنا میڈیکل چیک اپ کراؤ۔"

بابر نے کہا" سمیرا کی ایک سہیلی لیڈی ڈاکٹر ہے اس کے [ہا]سپٹل میں ایک ڈاکٹر سے کل اپائنٹمنٹ ہے۔ وہاں میرا [چ]یک اپ ہوگا اور پرسوں تک رپورٹ مل جائے گی۔ چلو [سم]یرا ہم چلیں۔"

اسما نے آگے بڑھ کر کہا" خبردار میری اجازت کے بغیر [ن]ہیں جاؤ گے ابھی یہاں مٹھائی اور پھل کھاؤ اس کے بعد [چ]ائے پیو پھر جانے کی اجازت دوں گی۔"

میں نے سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا" عینی' [ع]روج آؤ ہم بیٹھ کر باتیں کریں۔"

وہ دونوں فوراً ہی اٹھ کر میرے پیچھے آ گئیں۔ عینی نے [دو]سری منزل پر پہنچ کر کہا" بھائی جان! میرے کمرے میں [چل]یں۔"

میں اس کے بیڈ روم میں آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا، عروج نے کہا" بابر اپنا اور سمیرا کا ہاتھ نہ دکھاتا کوئی بات نہیں، لیکن [ع]لوم نجوم کے خلاف تو نہیں بولنا چاہیے تھا۔"

میں نے کہا" انسان سچ بولنے اور سچ سننے سے ڈرتا ہے۔ وہ کل سے دیکھ رہا ہے کہ میں جس کا بھی ہاتھ دیکھتا ہوں [ا]ن کے منہ پر سچ کہہ دیتا ہوں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔" میں نے [ذ]را توقف سے کہا" بابر علم نجوم کے خلاف نہیں ہے۔ دراصل [و]ہ نہیں چاہتا تھا کہ میں سمیرا کا ہاتھ دیکھ کر کوئی ایسی بات کہہ [د]وں جسے سن کر وہ سب کے سامنے شرمندہ ہو جائے۔ یہ اچھی [با]ت ہے۔ سمیرا کو اپنے طور پر میڈیکل رپورٹ کے ذریعے [م]طمئن ہونے دو۔"

عینی نے کہا" بھائی جان! عام طور پر نجومی سب کے [س]امنے سچی باتیں نہیں بتاتے چھپا لیتے ہیں۔ پھر جس کا ہاتھ [د]یکھتے ہیں اسے تنہائی میں بہت کچھ بتا دیتے ہیں۔ آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟"

میں نے کہا" اس گھر میں ہر ایک کا تعلق ایک دوسرے سے ہے۔ لہٰذا ایک کا سچ دوسرے کو معلوم ہونا چاہیے۔ میں [ج]ب بھی کسی کا ہاتھ دیکھتا ہوں تو کسی لحاظ اور مروت کے بغیر [ب]تا[تا] چلا جاتا ہوں۔ جسے اپنا سچ چھپانا ہو وہ مجھے اپنا ہاتھ ہی نہ [دک]ھائے۔ جس طرح بابر نے اپنا اور سمیرا کا ہاتھ نہیں دکھایا، اور [م]یں نے اس کا برا بھی نہیں منایا۔"

عینی نے کہا" کل تو آپ نے ہمارے بارے میں ایسی [با]ت کہہ دی جسے ہم ایک عرصے تک چھپائے رکھنا چاہتی [ت]ھیں۔"

عروج نے کہا" اچانک اتنا بڑا سچ سن کر میں... تو سب کے سامنے شرمندہ سی ہو گئی تھی۔"

میں نے کہا" اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے؟ تم دونوں کوئی جرم نہیں کر رہی ہو کوئی گناہ نہیں کر رہی ہو۔ بیک وقت کسی ایک شخص کے نکاح میں نہیں آ رہی ہو دینی قوانین کے مطابق پہلے ایک کا نکاح پڑھایا جائے گا۔ پھر کچھ عرصے بعد جب وہ پہلی بیوی کی حیثیت سے دوسری شادی کی اجازت دے گی تو دوسری کی شادی اس شخص سے ہوگی۔ یہ بات چھپانے والی نہیں تھی اسی لیے سب کے سامنے ظاہر کر دی۔"

عینی نے کہا" ہم پاشا کے لیے بہت پریشان ہیں آپ اس کے بارے میں کچھ بتائیں؟"

"میں تم دونوں کی بے چینی کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم پاشا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتی ہو لیکن افسوس میں جب تک پاشا کا ہاتھ نہیں دیکھوں اس وقت تک اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں بتا سکتا۔ تم دونوں کے ہاتھ کی لکیریں جس حد تک بتائیں گی بس اسی حد تک کچھ کہہ سکتا ہوں۔"

وہ دونوں کرسیاں کھسکا کر میرے قریب آ کر بیٹھ گئیں' پھر انہوں نے اپنی اپنی بائیں ہتھیلی میری طرف بڑھا دی۔ میں نے ان کی ہتھیلیوں کو بند کرتے ہوئے کہا" میں ایک ہی بار ہاتھ دیکھتا ہوں دوسری بار دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔"

"تو پھر یہ بتائیں کہ پاشا کے بارے میں ہمارے ہاتھ کی لکیریں کیا کہہ رہی ہیں؟"

"یہی کہ وہ ایک دن واپس آئے گا مگر وہ تم دونوں کی زندگی میں دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا ہے یعنی وہ تمہاری زندگی میں ہے بھی اور نہیں بھی۔"

"کیا اس کے دل سے ہماری چاہت ختم ہو جائے گی؟"

"یہ تو اس کا ہاتھ دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ وہ تم دونوں کو آئندہ بھی چاہے گا یا نہیں؟ لیکن تم ساری عمر اسے چاہتی رہو گی اس کی محبت میں کتنی ہی الجھنوں سے اور بھول بھلیوں سے گزرتی رہو گی۔"

عروج نے کہا" آپ کی باتوں سے ایسا لگتا ہے جیسے ہماری چاہتیں اسے ملتی رہیں گی لیکن ہم اس کی چاہت میں بھٹکتی رہیں گی۔"

"ہاں...... کچھ ایسی ہی بات ہے۔"

"کیا یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ خیریت سے ہے یا خدا نخواستہ کسی مصیبت میں ہے؟"

"میں بہت کچھ جانتا ہوں لیکن اتنا ہی بتاتا ہوں جتنا بتانا چاہیے۔" میں نے کہا۔" میں لکیر کا فقیر ہوں پاشا کا ہاتھ دیکھے

بغیر اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکوں گا۔ کیا تم دونوں کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ جہاں بھی ہے زندہ ہے۔ تمہاری زندگی میں واپس آنے کے لیے سانسیں لے رہا ہے۔"

دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں تھوڑی دیر تک ان سے باتیں کرتا رہا پھر وہاں سے چلا آیا۔ نیچے ڈرائنگ روم میں وکیل اخلاق احمد آئے ہوئے تھے۔ فلک آفتاب نے ان سے فون پر کہا تھا کہ وہ اپنی بیگم اور بچوں کے ساتھ عینی کی کوٹھی چھوڑ کر جا رہا ہے اب اخلاق احمد اس فیصلے کی وجہ پوچھنے آئے تھے۔

فلک آفتاب نے کہا" میں سمجھتا ہوں اب عینی کو میری ضرورت نہیں رہی ہے۔ وہ بہت ہی خودسر اور ضدی ہے۔ ہم بزرگوں کا احترام نہیں کرتی ہے۔ لہٰذا ہمارا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہوگا۔"

اخلاق احمد نے کہا" جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ آپ سب کا احترام کرتی ہے اگر اس نے کبھی گستاخی کی ہے تو آپ کوئی مثال پیش کریں۔"

بیگم آفتاب نے کہا" کیا یہ گستاخی نہیں ہے کہ شادی جیسا اہم فیصلہ خود ہی کر لیا؟ ہمیں تو وہ کسی قابل ہی نہیں سمجھتی۔ اگر ہم سے مشورہ کر لیتی تو ہم کبھی اسے گرے پڑے ٹیکسی ڈرائیور سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ آپ نے تو دیکھا ہی ہے کہ اس کا انجام کیا ہوا؟"

"جو انجام ہوا اس کی ذمہ داری عینی پر نہیں ہے۔ پاشا حالات سے مجبور ہو کر کہیں گم ہو گیا ہے۔ عینی نے بزرگوں سے مشورہ کیے بغیر پاشا سے محبت کی ہے اور محبت کرنے کے لیے کسی سے صلاح مشورہ نہیں کیا جاتا یہ خود بخود ہو جاتی ہے۔ وہ تعلیم یافتہ ہے بالغ ہے اپنی زندگی کا اہم فیصلہ خود کر سکتی ہے اسے آپ گستاخی نہیں کہہ سکتے۔ اگر وہ ضدی اور مغرور ہے تو اس کی کوئی مثال پیش کریں۔"

"ہمیں کوئی مثال پیش نہیں کرنا بس ہم یہاں رہنا نہیں چاہتے۔ اب میں اس کا سرپرست بن کر نہیں رہوں گا۔"

اخلاق احمد نے کہا" آپ کی مرضی ہے آپ جا سکتے ہیں لیکن جانے سے پہلے پچاس لاکھ روپے کے قرض کی ادائیگی ضروری ہے۔"

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب چور نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ذیشان نے پوچھا" پچاس لاکھ کا قرضہ؟ کیوں ڈیڈی! آپ نے ہمارے مرحوم چچا جان سے پچاس لاکھ روپے لیے تھے؟"

اخلاق احمد نے کہا" انہوں نے اپنے مرحوم بھائی کو ایک کاغذ لکھ کر دیا تھا کہ یہ عینی کو کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے اس سے قطع تعلق نہیں کریں گے اور اگر ایسا کیا تو پہلے پچاس لاکھ روپے ادا کریں گے۔ جب تک یہ بزرگ اور سرپرست رہیں گے ان پر پچاس لاکھ کا کوئی قرض نہیں ہوگا۔ رشتہ توڑ کر جانے کی صورت میں یہ پرائے ہو جائیں گے لہٰذا قرض کی ادائیگی لازمی ہو جائے گی۔ اگر یہ فوری طور پر قرض ادا نہ کر سکے تو تمام کاروبار عینی کے نام گروی رکھیں گے اور عینی کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ وہ ان کے کاروباری منافع سے اپنے پچاس لاکھ روپے کی رقم قسطوں میں وصول کرتی رہے۔" فلک آفتاب نے کہا" اخلاق صاحب! آپ ہمیں غلط سمجھ رہے ہیں۔ یہاں سے جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم عینی سے رشتہ توڑ رہے ہیں۔ یہ میرے مرحوم بھائی کی بیٹی ہے، میری بھتیجی ہے۔ خون کا رشتہ بھی کبھی ٹوٹتا ہے؟"

اخلاق احمد نے کہا" آپ نے عینی سے بے زاری اور نفرت ظاہر کی، اسے اس قابل نہیں سمجھا کہ آپ اس کے سرپرست بن کر رہیں۔ اس کی نہ ماں ہے نہ باپ ہے۔ ہونے والی تھی اگر شوہر ہوتا تو آپ کا جانا مناسب ہوتا۔ شادی بھی نہ ہو سکی۔ ایسی حالت میں آپ اسے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ کیا خون کے رشتے ایسے ہوتے ہیں؟ میں آپ سے بحث نہیں کروں گا آپ پچاس لاکھ روپے ادا کریں اور یہاں سے جائیں یا پھر اپنا کاروبار عینی کے پاس گروی رکھنے کے لیے ایک اتھارٹی لیٹر تیار کریں۔"

ذیشان نے کہا" ڈیڈ آپ نے مرحوم چچا جان سے اتنی بڑی رقم ادھار لی تھی اور ہمیں بتایا بھی نہیں؟"

"بیٹے! تمہیں کاروبار سے کبھی دلچسپی نہیں رہی اس لیے میں نے تم سے ذکر نہیں کیا تھا۔ یہ بات بابر کو معلوم ہے وہ ہی کاروبار سنبھالتا ہے۔"

ذیشان نے اخلاق احمد سے پوچھا" کیا ایسی کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ ڈیڈی اپنا کاروبار گروی نہ رکھیں اور قرض کی رقم قسطوں میں ادا کرتے رہیں؟"

"انہوں نے پچھلے تین برسوں میں ایک بھی قسط ادا نہیں کی یہ عینی سے قطع تعلق کر کے اپنی ذاتی کوٹھی میں جا رہے ہیں۔ اگر یہ اپنی فیکٹری گروی رکھنا نہیں چاہتے تو پھر اپنی کوٹھی گروی رکھ دیں۔ پھر جب تک پچاس لاکھ کی ادائیگی نہ ہو یہ اس کوٹھی میں رہنے کا کرایہ ادا کرتے رہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا" یہ تو ہم پر دوہرا بوجھ ہوگا ہم قرض کی ادائیگی کے لیے قسطیں دیں اور اوپر سے کوٹھی کا کرایہ بھی ادا کرتے رہیں۔"

میں انکی باتیں سن رہا تھا فلک آفتاب نے اپنی بیگم کی باتوں میں آ کر عینی کی کوٹھی چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا یہ فیصلہ اسے مہنگا پڑ رہا تھا۔ اگر وہ اپنی فیکٹری گروی رکھتا تو جب تک عینی پچاس لاکھ روپے وصول نہ کر لیتی تب تک فلک آفتاب کو فیکٹری کی آمدنی سے بہت معمولی سی رقم ملتی اور اس ماہانہ رقم سے اس کا گزارہ نہ ہوتا۔

بیگم آفتاب نے اخلاق احمد سے کہا" آپ یہاں تشریف رکھیں، چائے پئیں، ہم ابھی آتے ہیں۔"

پھر اس نے اپنے میاں کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا، میاں صاحب اٹھ کر اس کے ساتھ وہاں سے چلے گئے۔ بیگم وہاں جا کر میاں کو یہ مشورہ دینا چاہتی تھی کہ کیوں نہ مقدر میاں سے پچاس لاکھ روپے قرض لے کر عینی کا قرض ادا کیا جائے۔ ادھر ذیشان نے اخلاق احمد سے کہا" عینی کو معلوم ہوگا تو وہ ڈیڈی پر پچاس لاکھ روپے کی ادائیگی کا بوجھ نہیں ڈالے گی۔ یہ بات ڈیڈی اور ممی کی سمجھ میں نہیں آتی کہ عینی کس قدر فراخدلی کا ثبوت دیتی رہتی ہے وہ ان سے کبھی ماہانہ ایک لاکھ روپے کے اخراجات کا حساب نہیں لیتی۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی؟"

اسما نے کہا" یہ عینی کی محبت اور نیکیاں نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اسے خودسر ضدی اور مغرور کہہ کر یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔"

عینی اور عروج اوپر بالکنی کی ریلنگ کے پاس کھڑی ہوئی تھیں وہاں سے عینی نے پوچھا" کون یہاں سے جا رہا ہے؟"

وہ عروج کے ساتھ چلتی ہوئی سیڑھیاں اترتی ہوئی ڈرائنگ روم کی طرف آنے لگی اخلاق احمد نے کہا" تمہارے بڑے ابو اور بڑی امی کو تم سے شکایتیں ہیں۔ اب وہ تمہارے سرپرست بن کر رہنا نہیں چاہتے اس لیے یہاں سے جا رہے ہیں۔"

میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا" لیکن جانے سے پہلے انہیں پچاس لاکھ روپے ادا کرنے ہونگے ورنہ اپنا کاروبار یا اپنی کوٹھی تمہارے نام گروی رکھنا ہوگی۔"

عینی نے حیرانی سے پوچھا" یہ کیا معاملات ہیں؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہے ہیں۔"

اخلاق احمد نے کہا" بیٹی تم نے وعدہ کیا تھا کہ کاروبار کے معاملے میں اور لین دین کے معاملے میں تم مداخلت نہیں کرو گی۔ جو میں بہتر سمجھوں گا اسے تسلیم کرو گی۔ تمہارے بڑے ابو نے کئی برس پہلے تمہارے ڈیڈی سے پچاس لاکھ روپے قرض لیے تھے اور تمہارے ڈیڈی نے کہا تھا کہ جب تک یہ سرپرست بن کر رہیں گے اور تم سے قطع تعلق نہیں کریں گے اس وقت تک ان پر پچاس لاکھ کا قرض نہیں رہے گا۔ اگر انہوں نے تم سے رشتہ توڑا اور تمہیں تنہا چھوڑا تو ان پر قرض کی ادائیگی لازمی ہو جائے گی۔"

اسی وقت بیگم آفتاب اور فلک آفتاب ڈرائنگ روم میں واپس آئے بیگم آفتاب نے کہا" ہم یہاں عینی کو تنہا چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔"

فلک آفتاب نے کہا" اگر ہم نے غصہ میں یہ فیصلہ کیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اس فیصلے پر عمل بھی کریں۔ کیوں بیٹی! تم چاہو گی کہ ہم یہاں سے چلے جائیں؟"

عینی نے کہا" میں حیران ہوں کہ آپ کیوں جانا چاہتے ہیں۔ میں نے تو آپ لوگوں سے جانے کو نہیں کہا تھا؟"

"ہماری عقل خبط ہو گئی تھی۔ تمہاری بڑی امی کے دماغ میں نہ جانے کیوں یہ خبط سوار ہو گیا کہ اب ہمیں تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہیے۔ میں بھی ان کی باتوں میں آ گیا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔"

بیگم آفتاب نے چور نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے ہی تو یہ بات ان کے دماغ میں ڈالی تھی کہ انہیں عینی جیسی مغرور اور ضدی لڑکی کے ساتھ یہاں نہیں رہنا چاہیے اور انہوں نے مجھ جیسے ہونے والے داماد کو خوش کرنے کے لیے یہ بات مان لی تھی۔

یہ تو سبھی جانتے تھے کہ تمام رشتے دار خودغرض اور لالچی ہیں۔ میں نے ان کے چہروں کو اور زیادہ بے نقاب کر دیا تھا۔ جب ان پر پچاس لاکھ روپے کی ادائیگی کا بوجھ پڑا تو انہوں نے عینی کو چھوڑ کر جانے کا فیصلہ واپس لے لیا۔ میں نے طنزیہ انداز میں ذیشان کو دیکھا۔ وہ اپنے والدین کی خودغرضی پر شرمندہ تھا۔

عینی نے اخلاق احمد سے کہا" انکل میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ لین دین کے معاملات میں مداخلت نہیں کروں گی، لیکن ایسا لین دین جن سے میرے بزرگوں کو نقصان پہنچتا ہو ہے... میں تسلیم نہیں کروں گی۔ اگر بڑے ابو پر پچاس لاکھ کا قرض ہے تو آپ وہ کاغذ بھی لائیں میں اسے منسوخ کرتی ہوں۔ میں ان سے رقم کی وصولی کا مطالبہ کبھی نہیں کروں گی۔ اس کے بعد بڑے ابو اور بڑی امی کی مرضی ہے کہ وہ یہاں رہیں یا مجھے چھوڑ کر چلے جائیں۔"

بیگم آفتاب تیزی سے چلتی ہوئی آئی اور عینی کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے گلے لگا کر بولی" نہیں میری بچی میں تمہاری ماں کی جگہ ہوں۔ تمہیں کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

فلک آفتاب نے اطمینان کی سانس لی اس پر سے پچاس لاکھ روپے کا بوجھ اتر گیا تھا۔ جو لوگ خود غرض ہوتے ہیں ان کے جذبات اور احساسات مردہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت فلک آفتاب کو یہ سوچ کر شرمندگی نہیں ہوئی کہ جس لڑکی کی برائیاں کی جا رہی تھیں اور جسے چھوڑ کر جانے والے تھے اسی نے ان کے سر سے اتنا بڑا بوجھ اتارا ہے۔

بیگم آفتاب نے رسمی طور پر کہا "بیٹی! تم نے اتنی بڑی رقم کی ادائیگی سے ہمیں نجات دلائی ہے ہم تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔"

"بڑی امی! ایسی باتیں نہ کریں۔ اپنوں پر احسان نہیں کیا جاتا۔ اپنے وہی ہوتے ہیں جو برے وقت میں کام آتے ہیں۔"

ہمارے اپنے خون کے رشتے ایسے بھی ہوتے ہیں جو پچاس لاکھ روپے ہضم کر لیتے ہیں اور اس کے صلے میں بددعائیں دیتے ہیں۔ وکیل اخلاق احمد نے کہا "عینی مجھے مقدر حیات نے بتایا ہے کہ تمہارا پاشا جہاں بھی ہے خیریت سے ہے اور کسی دن واپس آئے گا۔"

عروج نے کہا "بھائی جان نے یہ پیش گوئی بھی کی ہے کہ اس کی واپسی کے بعد بھی اس کا بھلا نہیں ہوگا یہ بدنصیب ہے بدنصیب ہی رہے گی۔"

عینی نے کہا "تو کونسی خوش نصیب ہے بھائی جان کی پیش گوئی کے مطابق پاشا تو تجھے بھی ملنے کے باوجود نہیں ملے گا۔ ہمیں اس کے پیچھے بھٹکتے ہی رہنا ہے۔"

اخلاق احمد نے کہا "مقدر حیات نے مجھے بتایا ہے تم دونوں ہی پاشا سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

عروج نے سر جھکا لیا عینی نے کہا "جی ہاں۔ اور ہمارے گھر والوں کو بھی اس پر اعتراض نہیں ہے، پلیز آپ بھی اعتراض نہ کریں۔"

"بے شک تمہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنی چاہئے۔ لیکن جہاں غلطی ہو رہی ہو وہاں ہمارا فرض ہے کہ تمہیں روکیں، ٹوکیں اور سمجھائیں کہ یہ سراسر نادانی ہے۔ ازدواجی زندگی وہ ہوتی ہے جسے صرف میاں بیوی انجوائے کرتے ہیں اس زندگی میں کسی تیسرے کی مداخلت نہیں ہوتی ورنہ طرح طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔"

"انکل آپ تو جانتے ہیں ہم ہمیشہ سے ایک ساتھ رہتی آئی ہیں کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوئیں۔ شادی کے بعد بھی الگ نہیں ہونا چاہتیں۔"

"یہ بچکانہ خیالات ہیں۔ عروج کسی اور سے شادی کر کے بھی تمہارے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہ سکتی ہے۔ اب تک یہ اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی تھی پچھلے پندرہ دنوں سے تمہارے ساتھ رہنے لگی ہے ورنہ کیا تم دونوں کے گھر الگ نہیں تھے؟ کیا عروج اپنی ڈیوٹی کے وقت اور تم رات کو سوتے وقت ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتی تھیں۔"

"انکل ہم نے جو فیصلہ کیا ہے اس پر ہمیں عمل کرنے دیں۔ پلیز۔ آپ اس پر تنقید نہ کریں۔"

"مجھے تنقید کرنے کا حق ہے۔ تم نے کبھی اپنے باپ کی وصیت پڑھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ اب میں اس کی ایک نقل تمہارے پاس پہنچاؤں گا تا کہ تم غور سے اسے پڑھ سکو۔ اس میں صاف طور سے لکھا ہوا ہے کہ میں تمہیں کسی بھی احمقانہ فیصلے سے روک سکتا ہوں، خاص طور پر شادی کے معاملے میں میرے مشوروں پر تمہیں عمل کرنا ہوگا۔ تم نے پاشا سے شادی کا فیصلہ کیا میں نے اعتراض نہیں کیا۔ لیکن یہ بات قابلِ اعتراض ہے کہ تمہارے بعد عروج کا نکاح بھی اسی سے پڑھایا جائے۔ میں ایسی شادی کی اجازت نہیں دوں گا اور اس اجازت کے بغیر تمہارا بزنس شیئر اور تمہاری تمام جائیداد تمہارے نام منتقل نہیں ہو سکے گی۔ اپنی شادی کے بعد بھی تمہیں صرف ایک لاکھ روپے ماہانہ اخراجات کے لیے ملتے رہیں گے، اور تم کروڑوں روپوں سے محروم رہو گی۔"

وہ بولی "آپ کا احسان ہوگا اگر آپ کروڑوں روپوں کی جائیداد اور بزنس میرے حوالے نہ کریں میں تو ایسی دولت سے بیزار ہو گئی ہوں، پریشان ہو گئی ہوں۔ یہ دولت میرے پاس نہ ہوتی تو آج پاشا کے ساتھ ایسی دشمنی نہ ہوتی۔ میں اور عروج ہر حال میں پاشا کے ساتھ خوش رہیں گی۔"

میں نے کہا "عینی! فیصلہ کن انداز میں نہ بولو، تم نہیں جانتیں تمہارے مقدر میں کیا لکھا ہوا ہے اور آئندہ کیا ہونے والا ہے۔"

عروج نے کہا "جو کچھ بھی لکھا ہے ہمیں حالات سے نمٹنا آتا ہے۔ ہم اپنی زندگی ہار جائیں گے، اپنی دنیا ہار جائیں گے لیکن پاشا کی محبت سے باز نہیں آئیں گے۔"

"انسان میں یہی ایک بڑی خرابی ہے کہ وہ مقدر کو چیلنج کرتا ہے۔ سمجھ ہی نہیں پاتا اس کے ساتھ کیا ہو جائے گا۔ بالکل ہی مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دے گا بے دست و پا ہو کر مقدر کے آگے گھٹنے ٹیک دے گا۔ تم دونوں کے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے۔"

وہ دونوں میری پیش گوئی سن کر پریشان نہیں ہوئیں ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھنے لگیں۔ ان کے انداز میں

بھرپور عزم تھا۔ پاشا کے عشق میں مر مٹنے کا حوصلہ تھا۔

☆☆☆

پاشا بیڈ پر سر جھکائے بیٹھا تھا اور اپنے گمشدہ ماضی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب اس کی یادوں میں ماضی وہی تھا۔ جو دردانہ نے پیش کیا تھا۔ فوٹو البم اور ڈائریاں کہہ رہی تھیں کہ یہی اس کی زندگی کا سچ ہے اور اب وہ بھی کسی شک و شبہ کے بغیر اسے سچ مان رہا تھا۔

ایک دم خوشبو کے ایک جھونکے نے اسے چونکا دیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور خوشبو کو اپنی سانسوں کے ساتھ اندر کھینچتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا۔ تہمینہ ایک ادائے ناز سے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ تہمینہ سے بھی اس کا تعارف ہو چکا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ وہ اس کے ڈیڈی شہباز درانی کی پرسنل سیکریٹری ہے اور پاشا کی خدمت گزاری کے لیے بھی وقف ہے۔ چونکہ وہ اس کے باس کا بیٹا تھا وہ اسے جونیئر باس کہتی تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے اس کے پاس آ کر بولی "ہائے جونیئر...... کیسے ہو؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

وہ ذرا کھسکتا ہوا بیڈ کے سرے پر آ کر بولا "نہیں...... ڈاکٹر نے کہا ہے مجھے چلنا پھرنا چاہئے، کمرے کے اندر ہی ٹہلنا چاہئے۔"

وہ سہارا دینے کے لیے آگے بڑھ کر اس سے چپک گئی اور بولی "میں اسی لیے آئی ہوں کہ تمہیں سہارا دے کر کمرے میں چلاتی پھراتی رہوں۔"

وہ بیڈ سے اتر کر کھڑا ہو گیا پھر بولا "تم تھک جاؤ گی۔"

وہ ذرا اور اس سے لگ گئی اور اپنے بدن کے کچھ حصوں کا "تعارف" کراتے ہوئے بولی "اپنا بوجھ مجھ پر ڈال کر دیکھو میں تھکنے کا نام نہیں لوں گی۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک قدم بڑھتے ہوئے بولا "تم کچھ زیادہ ہی فری ہو رہی ہو۔"

وہ بولی "یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تم تو مجھ سے بھی زیادہ فری ہو چکے ہو۔ مجھے کچھ بچا کر رکھنے ہی نہیں دیا۔ بلینک چیک کی طرح لکھتے رہے ہو کیش کرتے رہے ہو۔"

وہ اس کے سہارے ایک ایک قدم چلتے ہوئے سوچنے لگا یہ کیا کہہ رہی ہے؟ مجھے تو ذرا یاد نہیں آ رہا ہے کہ کبھی میں نے اسے دیکھا ہو یا کبھی ہاتھ بھی لگایا ہو۔

وہ کمرے کے آخری سرے تک گیا پھر وہاں سے گھوم کر قدم قدم اپنے بیڈ کی طرف آنے لگا تہمینہ نے پوچھا "چپ کیوں ہو گئے؟ کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی کہ تم کب میری زندگی میں آئی تھیں مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے آج پہلی بار میرے اتنے قریب آئی ہو۔ تمہاری قربت سے کچھ تو شناسائی ملنی چاہئے۔"

"تمہارا ذہن بری طرح متاثر ہوا ہے جب تم آئینے کے سامنے خود کو نہیں پہچانتے ہو تو بھلا مجھے کیا پہچانو گے۔ تم میرے حسن و شباب کے قدر دان تھے آج اجنبی بن گئے۔ سوچتی ہوں میں نے اپنا تن من سب کچھ نچھاور کر دیا مگر مجھے کیا ملا؟ ہر عورت چاہتی ہے کہ اسے حاصل کرنے والا مرد اس کے بدن کے ایک ایک روئیں کو یاد رکھے۔"

پھر وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "عورت اپنا سب کچھ ہار کر مرد کی توجہ جیتنا چاہتی ہے لیکن میں تو تمہاری توجہ سے بھی محروم ہو رہی ہوں۔"

"سوری تہمینہ! مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں نظر انداز کر رہا ہوں۔ میں یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، شاید ہماری قربت کا کوئی لمحہ مجھے یاد آ جائے۔"

فون کا بزر سنائی دیا پاشا اس کے سہارے بیڈ تک آیا پھر وہاں سے موبائل اٹھا کر اسے کان سے لگاتے ہوئے بولا "یس میں بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے شہباز درانی نے کہا "کہو بیٹے کیسے ہو؟"

"ڈیڈ! میں تہمینہ کے سہارے ذرا ٹہل رہا ہوں اور اچھی خاصی توانائی محسوس کر رہا ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹے! کیا تم میرے پرائیویٹ کمرے تک آ سکتے ہو؟"

"بے شک آ سکتا ہوں، ابھی آ رہا ہوں۔" اس نے فون بند کرتے ہوئے تہمینہ سے کہا "مجھے ڈیڈی کے پرائیویٹ کمرے تک لے چلو۔"

وہ بولی "چلو...... وہ کمرا یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

وہ اس کے سہارے چلتا ہوا کمرے سے باہر آیا پھر بولا۔ "کیا ممی اور ڈیڈی کو ہمارے تعلقات کا علم ہے؟"

"تمہارے ڈیڈی بڑے بڑے گھاگ لوگوں اور سیاستدانوں سے کھیلتے ہیں۔ اتنے نادان نہیں ہیں کہ ہمارے تعلقات کو نہ سمجھ سکیں۔ لیکن سمجھنے کے باوجود وہ انجان بنے رہتے ہیں۔ ہمیں ملنے ملانے کے سلسلے میں چھوٹ دیتے رہتے ہیں۔"

"میری ڈائری میں تمہارا ذکر کہیں نہیں ہے۔"

"وہ تو میں نے التجا کی تھی کہ میرے بارے میں کچھ نہ

لکھنا کیونکہ ڈائری کسی وقت بھی کسی کے ہاتھ بھی لگ سکتی ہے۔میں خواہ مخواہ بدنام ہوجاؤں گی۔''

وہ دونوں ایک بند دروازے کے سامنے آکر رک گئے تہمینہ نے کہا''اس کمرے کے اندر یا تو تم جاتے ہو یا پھر اسد عزیزی۔تم دونوں کے سوا کسی اور کو اس کمرے کے اندر جھانکنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔میں یہیں تمہاری واپسی کا انتظار کرتی رہوں گی۔''

اس نے دروازے کے پاس لگے ہوئے کال بیل کے بٹن کو دبایا۔وہاں لگے ہوئے چھوٹے سے اسپیکر سے شہباز درانی کی آواز سنائی دی''ہوں......کون؟''

تہمینہ نے کہا''باس!جونیئر آئے ہیں۔''

شہباز نے کہا''بیٹے دروازہ کھلا ہے اندر آجاؤ۔''

پاشا نے دروازہ کھولتے ہوئے تہمینہ پر ایک نظر ڈالی تو وہ مسکرائی۔پاشا نے اندر آکر دروازے کو بند کیا اور اس کمرے کو دیکھنے لگا۔شہباز درانی ایک کمپیوٹر کے سامنے ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔دیوار پر ایک بڑا سا اسکرین تھا دیواروں سے لگی ہوئی دو شیشے کی الماریوں میں سی ڈی اور کیسٹ رکھے ہوئے تھے۔موٹی موٹی فائلیں تھیں جو پاکستان سے امریکا تک اہم رازوں کی امین تھیں تحریری دستاویزات کے علاوہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں میں بڑے بڑے سیاستدانوں کی ایسی مجرمانہ حرکتیں تھیں'اپنی قوم سے غداری کے ایسے ایسے ثبوت تھے جن کی وجہ سے یہ سیاستدان امریکا کی طرف دوڑتے رہتے تھے۔اس کے حکم کے آگے گھٹنے ٹیکتے رہتے تھے۔

شہباز درانی نے اس کی طرف پلٹتے ہوئے پوچھا۔ ''کیوں بیٹے!کچھ یاد آرہا ہے؟تم یہاں بارہا آچکے ہو۔''

اسے کچھ یاد نہیں آرہا تھا اور کبھی یاد آبھی نہیں سکتا تھا۔نہ اس نے ایسی مجرمانہ زندگی گزاری تھی اور نہ ہی تہمینہ جیسی حسین عورت سے اس کا تعلق رہا تھا۔وہ تو صرف اپنی عروج کا دیوانہ تھا۔اسی کی خاطر اس نے عینی کو بھی محبتیں دی تھیں شاید ان دونوں کی صورتیں یا تصویریں دیکھنے کے بعد کچھ یاد آجاتا۔لیکن فی الوقت تو وہ اس کے خیال سے بھی دور کردی گئی تھیں۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا شہباز درانی نے کہا''میں تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہوں تم میرے دستِ راست تھے میرے دشمنوں کو ٹھکانے لگا دیا کرتے تھے لیکن اب تم خود کو بھول چکے ہو۔پتا نہیں تمہاری یہ دماغی حالت کب تک رہے گی؟''

وہ بولا''ڈیڈی مجھے افسوس ہے کہ آپ میری وجہ سے پریشان ہورہے ہیں۔''

''پریشانی صرف ایک باپ کی حیثیت سے ہے ورنہ میں تمہیں اسد عزیزی کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا ہوں۔تمہاری طرح وہ بھی میرا ایک مضبوط بازو ہے۔''

پاشا نے کہا''میں اب توانائی محسوس کرنے لگا ہوں، چلنے پھرنے لگا ہوں اور جلد ہی مکمل طور پر چاق و چوبند ہوجاؤں گا۔پھر آپ اور اسد عزیزی بھی مجھے یاد دلاتے رہئے گا کہ میں نے ماضی میں کیا کیا ہے اور آئندہ کیا کرنا ہے؟''

''آئندہ بہت کچھ کرنا ہے ایک بہت ہی خطرناک دشمن میرے لیے چیلنج بن گیا ہے۔مجھے سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر سے ہدایات ملی ہیں کہ اس دشمن کو فی الحال ہلاک نہ کیا جائے بلکہ اسے قابو میں کیا جائے اور اس کی اصلیت معلوم کی جائے اور دیکھا جائے کہ اس نے ہمارے گہرے راز کس طرح معلوم کئے ہیں؟''

پاشا نے پوچھا''کون ہے وہ دشمن؟''

''وہ مقدر حیات ہے'خود کو نجومی کہتا ہے مجھے تو زبردست بہروپیا لگتا ہے۔میں کبھی کسی کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتا، پتا نہیں اس کی آواز اور شخصیت میں ایسی کیا بات ہے کہ میں اس کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کرسکا۔میرے ذہن میں ایک ہی بات نقش ہوگئی ہے کہ وہ کوئی پُراسرار علم جانتا ہے۔وہ یہاں میری کوٹھی کے اندر آیا اور زندہ سلامت واپس چلا گیا۔''

''تعجب ہے آپ اس کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کرسکے؟''

''وہ مستقبل کی سچی باتیں بتاتا ہے۔اس نے کہا تھا کہ چالیس منٹ کے بعد میں موت کا سامنا کرنے والا ہوں او[illegible] موت سے وہی مجھے بچا سکے گا اور پھر بالکل وہی ہوا جو اس نے کہا تھا۔''

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا''دراصل میں اس کی سچی پیش[illegible] سے مرعوب ہوگیا تھا۔میں نے سوچا کہ اگر میں نے اسے[illegible] نقصان پہنچایا تو پھر اس کی پیش گوئی کے مطابق مجھ پر کو[illegible] آفت بھی آسکتی ہے۔لہٰذا میں نے اسے جانے دیا۔ میری بلیک لسٹ میں اب سب سے اوپر اس کا نام آچکا ہے[illegible] میں اسے کسی بھی وقت ختم کرواسکتا ہوں۔لیکن ہیڈ کوارٹر سے ہدایت ملی ہے کہ ابھی اسے ہلاک نہ کیا جائے۔''

پاشا نے کہا''میں ابھی یہ سوچنے کے قابل نہیں ہوں اسے کس طرح شکار کیا جائے اور اپنے قابو میں رکھ کر اس بارے میں صحیح معلومات حاصل کی جائیں۔

''اپنے دشمن کو کس طرح شکار کرنا ہے اس کی پلاننگ میں کرتا ہوں یا پھر اسد عزیزی۔تم تو میرے معاملات میں گویا موت کے فرشتے بن کر رہتے ہو۔جس دشمن کو ٹھکانے لگانا ہوتا ہے تم اسے بڑی آسانی سے جہنم میں پہنچادیتے ہو۔''

''میں نے ابھی جسمانی طور پر پوری طرح توانائی حاصل نہیں کی ہے میں چاہتا ہوں کہ جب تک بستر پر رہوں زخم بھرنے کا انتظار کرتا رہوں۔تب تک مقدر حیات کے خلاف پلاننگ کرسکوں میں بیڈ پر رہ کر بھی آپ کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ اسے تھپکتے ہوئے بولا''شاباش!دیٹ از لائک اے گڈ سن۔تم ایک رشتے دار کی حیثیت سے مقدر حیات کے قریب رہ کر کچھ کرسکو گے۔''

''میں بھلا مقدر حیات کا رشتے دار کیسے بن سکتا ہوں؟''

''تم عینی کو دل و جان سے چاہتے ہو اس سے شادی بھی کرنا چاہتے تھے لیکن عین وقت پر تم پر یہ مصیبت آپڑی۔بہر حال شادی تو ایک دن ضرور ہوگی۔وہ تمہاری بیوی بنے گی تو مقدر حیات تمہارا سالا کہلائے گا۔وہ عینی کا سوتیلا بھائی ہے نا؟''

''پھر تو یہ کھیل خوب رہے گا۔میں مقدر حیات کو نقصان پہنچا سکوں گا لیکن وہ مجھے اس لیے نقصان نہیں پہنچائے گا کہ میرے ہلاک ہونے سے اس کی بہن کا سہاگ اجڑ جائے گا۔''

''صرف اتنا ہی نہیں۔عینی اور مقدر اپنے مرحوم باپ کے بزنس میں پارٹنر ہیں مقدر ساٹھ پرسنٹ کا اور عینی چالیس پرسنٹ کی حصہ دار ہے'اس طرح تم اس کے کاروبار میں بھی مداخلت کرسکو گے اور اسے مالی طور پر بھی نقصان پہنچا سکو گے۔''

''ڈیڈ!پھر تو مجھے عینی سے پہلی فرصت میں ملنا چاہیے۔''

''ابھی نہیں بیٹے!اپنا مکمل علاج ہونے دو۔پوری طرح دماغی اور جسمانی طور پر صحت مند ہوجاؤ۔تب تک میں اس کے خلاف کارروائیاں کررہا ہوں۔اسے اغوا کراؤں گا۔قیدی بناؤں گا۔اور اس پر اتنا تشدد کروں گا کہ وہ اپنی اصلیت بیان کرنے پر مجبور ہوجائے۔''

میں مقدر ہوں اور وہ میرا مقدر بگاڑنا چاہتا تھا اور اپنا مقدر سنوارنا چاہتا تھا......بیچارا عاقبت نااندیش......!

☆☆☆

نمرہ اور آسرا کوٹھی کے ٹیرس پر تھیں۔نمرہ نے کہا۔ ''ہمارے گھر میں ایسی تنہائی نصیب نہیں ہوتی کہ ہم سکون سے کہیں بیٹھ کر اپنی باتیں کرسکیں۔اسی لیے میں نے تمہیں یہاں ٹیرس پر بلایا ہے۔''

آسرا نے کہا''میں بھی تم سے تنہائی میں ملنا اور باتیں کرنا چاہتی تھی۔ہمارے لیے یہ جگہ بہت مناسب ہے۔''

نمرہ نے کہا''اب تک میری زندگی ایک آزاد چڑیا کی طرح تھی۔میں اِدھر سے اُدھر آزادی سے اڑتی پھرتی تھی'کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔یہ تو جانتی تھی کہ زندگی میں مسائل ہوتے ہیں'لیکن میں خود کسی مسئلے سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔''

آسرا نے کہا''میں بھی اپنے مستقبل کے بارے میں بے فکر تھی۔یہ کبھی نہیں سوچا کہ میری زندگی میں کوئی چاہنے والا آئے گا اور میں بھی اسے چاہنے لگوں گی۔عشق و محبت کی باتیں مجھے کچھ اچھی نہیں لگتی تھیں۔''

''وقت سے پہلے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے مقدر میں کیا لکھا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔جب مجھے پتا چلا کہ ہمارے مرحوم چچا کا ایک اور بیٹا ہے جس کا نام مقدر حیات ہے اور وہ خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو یہ بات میں نے ایک کان سے سنی اور دوسرے کان سے نکال دی۔''

''میں نے بھی دادی اور دادا جان سے کہہ دیا تاکہ میں کسی کروڑ پتی مقدر حیات سے متاثر ہونے والی نہیں ہوں۔''

نمرہ سنجیدگی سے مسکرا کر بولی''بڑی عجیب سی بات ہے کہ ایسے وقت میں کسی اندھے سے متاثر ہوگئی۔کچھ شعوری طور پر کچھ لاشعوری طور پر میرے اندر یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ ہی میرا جیون ساتھی ہوگا۔''

''میری سالگرہ کی پارٹی میں جو مقدر حیات آیا تھا میں اس سے متاثر نہیں ہوئی۔مگر وہ نجومی بن کر آنے والا پہلی ہی ملاقات میں میرے دل اور دماغ پر چھا گیا۔''

''میں نے بھی فیصلہ کرلیا تھا کہ یہاں آکر کہہ دوں گی کہ آسرا کو مقدر حیات سے منسوب کردیا جائے میں تو ایک اندھے کو دل دے چکی ہوں۔''

''مقدر حیات نے ہمارے ساتھ عجیب تماشا کیا۔ہم دونوں انجانے میں ایک ہی شخص سے متاثر ہوگئیں۔میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہارا اندھا اور میرا نجومی ایک ہی شخص ہوگا۔''

''اب کیا ہوگا؟''

دونوں ایک دوسرے کو تکنے لگیں۔نمرہ نے کہا''مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے چاہتا ہے'میرا دیوانہ ہے لیکن یہ بھی کہتا ہے کہ ہاتھ کی لکیریں اپنا مزاج بدلتی ہیں۔جب مزاج بدلتا ہے تو

ارادے بھی بدلتے ہیں۔ تمہارے ہاتھ میں شادی کی لکیر بن سکتی ہے اور تم بھی اس کی دلہن بن سکتی ہو۔ مقدر ایک ایسا زبردست کھلاڑی ہے جس کے آگے تدبیر کے کھلاڑی ٹھہر نہیں پاتے۔"

"ہاں! انسانی زندگی میں یہی ہوتا ہے ہم سوچتے ہیں کچھ، ہو جاتا ہے کچھ۔ نہ جانے ہماری زندگی میں کیا کچھ ہونے والا ہے؟"

"کچھ بھی ہونے والا ہو میں تو اپنے مزاج کے مطابق زندگی گزاروں گی۔ کیا تم چاہو گی کہ شادی کے بعد تمہاری کوئی سوکن ہو؟"

آسرا نے انکار میں سر ہلایا "ہرگز نہیں!"

نمرہ نے کہا "میں کسی بھی عورت کو اپنا مکان دے سکتی ہوں' دولت دے سکتی ہوں لیکن اپنا شوہر کسی کو نہیں دوں گی۔"

"عورتیں حالات سے مجبور ہو کر یا کسی عورت کے خلاف حسد اور جلن میں اس کی سوکن بن جاتی ہیں ۔ ہمارے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔"

"ذرا یہ تو دیکھو کہ ثمینی اور عروج بھی مجبور نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے لیے بغض اور کینہ رکھتی ہیں' پھر وہ ایک دوسرے کی سوکن بننے کو کیوں تیار ہیں؟"

"میرا خیال ہے یہ دنیا کی پہلی دو لڑکیاں ہیں جو جان بوجھ کر ایسی احمقانہ آرزو کر رہی ہیں۔ سوچو تو کیسی بے حیائی کی بات ہے، دونوں ایک ہی شخص کو شیئر کرتی رہیں گی۔"

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئیں۔ اپنے اپنے طور پر کچھ سوچنے لگیں پھر نمرہ نے کہا "ہمیں مقدر سے بات کرنا چاہیے۔"

آسرا نے پوچھا "اس سے کیا کہیں گے؟"

"یہی کہ وہ کوئی ایک فیصلہ سنا دے وہ کسے اپنی شریکِ حیات بنانا چاہتا ہے۔"

"وہ تو تم ہی ہو گی۔"

نمرہ نے اندر سے خوش ہو کر اسے دیکھا لیکن خوشی کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ آسرا نے کہا "تم ابھی کہہ رہی تھیں کہ وہ تمہیں چاہتا ہے تمہارا دیوانہ ہے۔ اپنے بارے میں بھی میرا یہی خیال ہے۔ تم مائنڈ نہ کرنا۔ وہ شادی تم سے ضرور کرے گا لیکن محبت مجھ سے کرتا رہے گا۔"

نمرہ نے پوچھا "تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ کیا وہ مجھ سے محبت نہیں کرے گا اور یونہی شادی کر لے گا؟"

"وہ تم سے محبت کرتا ہے تب ہی تو شادی کرے گا۔ لیکن میرے لیے جو محبت ہے وہ دیرپا رہے گی، اس کی زندگی کی آخری سانس تک رہے گی۔ شادی کے معاملے میں وہ میرا مقدر نہیں ہے۔ وہ نہیں چاہے گا کہ میری شادی ہو اور میں مر جاؤں اس لیے وہ شادی تم سے کرے گا اور محبت مجھ سے..."

"میں نہیں مانتی۔ تم خواہ مخواہ اپنی برتری جتا رہی ہو۔"

"آج نہ مانو آئندہ کبھی مان لو گی۔ شادی سے پہلے مرد خواہ کتنی ہی محبت کرتا ہو وہی محبوبہ جب بیوی بن جاتی ہے تو گھر کی مرغی دال برابر والی بات ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اس محبوبہ میں زیادہ دلچسپی اور کشش ہوتی ہے جو بیوی نہیں بنتی' اسے حاصل نہیں ہوتی۔ مقدر مجھے حاصل نہیں کر سکے گا۔ میرا پیاسا رہے گا۔ یہ پیاس اس کے دل میں میرے لیے دیوانگی پیدا کرتی رہے گی۔"

اس کی باتیں نمرہ کے دل کو لگ رہی تھیں۔ مرد کی فطرت کو پیشِ نظر رکھ کر سوچا جائے تو وہ بالکل درست کہہ رہی تھی۔ ازدواجی زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ عورت شادی کے بعد اپنے مرد کو' اس کے گھر کو اور اس کے پورے خاندان کو جیت لیتی ہے۔ پھر بچوں کو جنم دے کر اپنے شوہر کو تاحیات باندھ لیتی ہے۔

ازدواجی زندگی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ شادی کے بعد عورت ایک کتاب کی طرح شوہر کے ہاتھوں میں آ جاتی ہے۔ وہ اسے کھول کر پڑھتا رہتا ہے۔ اب پڑھنے والا ایک ہی کتاب کی ایک ہی کہانی کو کب تک پڑھے؟ کتنے برسوں تک ایک ہی کتاب کے ورق الٹتا رہے؟ کوئی ایسی کتاب جو اس کے ہاتھ نہ آئے اور اس کی جھلکیاں دور ہی دور سے ملتی رہیں تو وہ اسے پڑھنے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ وہ اس کنوئیں کا پانی پینا چاہتا ہے جہاں تک پہنچ نہیں پاتا' لہٰذا پیاس بڑھتی رہتی ہے۔

مقدر ایک شوہر کی حیثیت سے نمرہ کی ذمہ داریاں پوری کرتا رہے گا لیکن وہ ایک عاشق کی طرح آسرا کی تمنا کرتا رہے گا اور وہ تاحیات اس کی تمنا کا مرکز بنی رہے گی۔

آسرا نے پوچھا "کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ چونک کر بولی "کچھ نہیں۔ تمہاری باتوں پر غور کر رہی ہوں میں اس سلسلے میں مقدر سے بات کروں گی۔ اسے کوئی ایک فیصلہ کرنا ہو گا۔ شادی کسی سے ہو اور محبت کسی اور سے' میں ایسی شادی کبھی نہیں کروں گی۔"

میں نے اسی لمحے فون کے ذریعے اسے مخاطب کیا۔ اس نے اپنے فون کو دیکھا پھر بٹن دبا کر اسے کان سے لگاتے ہوئے بولی "ہیلو......؟"

میں نے پوچھا "کہاں ہو؟ میں پوری کوٹھی میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔"

یہ بات اسے اچھی لگی کہ میں اس کا طلب گار ہوں اور اسے ڈھونڈ رہا ہوں۔ اس نے مسکرا کر آسرا کو دیکھا پھر کہا۔ "میں اس وقت ٹیرس پر ہوں اور آسرا میرے ساتھ ہے۔ تم ہی ہماری گفتگو کا موضوع بنے ہوئے ہو۔"

"پھر تو میں بہت خوش نصیب ہوں کہ دو حسین لڑکیاں مجھے گفتگو کا موضوع بنائے ہوئے ہیں۔"

"ہاں! بڑے خوش نصیب ہو۔ راجہ اندر بنے پھرتے ہو۔ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ آج رات کا کھانا ہم ساتھ کھائیں گے' اس وقت خوب باتیں ہوں گی۔"

"ابھی کیا کر رہے ہو؟ کیا ابھی نہیں مل سکتے؟"

"میں نے آسرا سے وعدہ کیا ہے اسے لے کر ایک بابا صاحب کے پاس جاؤں گا۔ اس سے کہو نیچے آ جائے۔ میں اپنی کار نکال رہا ہوں۔"

وہ ذرا بجھ سی گئی اس نے چور نظروں سے آسرا کو دیکھا پھر ٹہلنے کے انداز میں اس سے ذرا دور جاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "اسے کسی عالم کے پاس لے جانا کیا ضروری ہے؟ اور اگر ضروری ہے تو کل بھی جا سکتے ہو۔ کوئی اور دن مقرر کر سکتے ہو۔ میں ابھی تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"نمرہ میں اصولوں کا پابند ہوں۔ جس سے جو بات کہہ دی وہ پتھر کی لکیر ہو گئی۔ جب میں نے یہ کہہ دیا کہ آج رات کا کھانا تمہارے ساتھ کھاؤں گا تو تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گا ورنہ بھوکا رہوں گا۔ اسی طرح میں نے آسرا سے وعدہ کیا ہے کہ اس وقت اسے بابا صاحب کے پاس لے جاؤں گا تو پھر لے کر جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے' کتنی دیر میں واپس آؤ گے؟"

"ٹھیک رات کے نو بجے تمہارے بیڈ روم میں کھانے کے لیے پہنچ جاؤں گا۔ تمہیں رفتہ رفتہ معلوم ہو گا کہ میں اپنی زبان کا اور وقت کا کتنا پابند ہوں؟"

وہ ذرا طنزیہ انداز میں بولی "ہاں تمہارے بارے میں رفتہ رفتہ بہت کچھ معلوم کرنا ہے۔ میں آسرا کو بھیج رہی ہوں۔"

اس نے فون بند کر کے کہا "آسرا نیچے مقدر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ شاید تمہیں اس کے ساتھ کہیں جانا ہے۔"

آسرا نے گھڑی دیکھی پھر مسکرا کر کہا "وہ وقت کا بہت پابند ہے۔ واقعی میں تم سے باتوں میں بھول گئی تھی۔ اچھا جا رہی ہوں......سی یو!"

وہ وہاں سے جانے لگی۔ نمرہ اسے دیکھتی رہی جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ریلنگ کے پاس آئی اور وہاں سے نیچے دیکھنے لگی۔ کوٹھی کے احاطے میں مقدر حیات اپنی کار کے پاس کھڑا ہوا انتظار کر رہا تھا۔ آسرا آئی تو اس نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا پھر اس کے لیے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ آسرا نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو نمرہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی اسے ایسا لگا جیسے آسرا مقدر حیات کو جیتنے کے بعد سر اٹھا کر اسے دیکھنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ہی وہ پیچھے ہٹ گئی۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ آسرا اسے دیکھے اور یہ سمجھے کہ وہ حسرت سے انہیں دیکھ رہی ہے۔

جب کار کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی تو اس نے آگے بڑھ کر ریلنگ کے پاس آ کر دیکھا کار اسٹارٹ ہو کر وہاں سے جا رہی تھی۔ بڑا سا آہنی گیٹ کھلا ہوا تھا۔ میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے مین روڈ پر آ گیا۔ آسرا بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے پوچھا "تم ابھی نمرہ کے ساتھ تھیں؟"

اس نے کہا "ہاں۔"

"ہاں۔ اس نے بتایا کہ میں تم دونوں کی گفتگو کا موضوع بنا ہوا تھا۔"

"ہاں۔ ہم دونوں ہی تمہارے رویے سے اپ سیٹ ہیں۔"

"میرے رویے کو کیا ہو گیا ہے؟"

"تم نے اس سے محبت کا اظہار کیا ہے اور اسے پروپوز بھی کیا ہے' کیا یہ سچ ہے؟"

"بالکل سچ ہے!"

"اگر اس سے محبت ہے تو اس کا مطلب ہے مجھ سے فلرٹ کر رہے ہو مجھے سہانے سپنے دکھا رہے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے میں علم نجوم جانتا ہوں۔ میرے ہاتھ کی اور تم دونوں کے ہاتھ کی لکیریں جو کہہ رہی ہیں میں اس کے مطابق عمل کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہم تینوں کے ہاتھوں کی لکیریں کیا کہہ رہی ہیں؟"

"یہی کہ نمرہ کی طرح تمہیں بھی بھرپور محبت دینی چاہیے۔"

"تم بات بنا رہے ہو۔ مجھے محبت نہیں ہمدردی دینی چاہتے ہو، کیونکہ میری زندگی مختصر ہے۔ تم ہمدردی کو محبت کا نام دے رہے ہو۔"

"تم اپنے طور پر کچھ بھی سمجھ سکتی ہو ویسے لوگ مجھے الفاظ کا بازی گر کہتے ہیں میں اپنی باتوں سے کسی کو بھی اپنی طرف مائل کر لیتا ہوں اور قائل کر لیتا ہوں۔ تم یقین کر سکتی ہو تو یقین

کرلوتم دونوں میری دو آنکھیں ہو۔ اگر کوئی کہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں اور نمرہ کو اپنا لوں تو یہ ایسی ہی بات ہو گی کہ میں اپنی ایک آنکھ پھوڑ دوں اور صرف ایک آنکھ سے دیکھتا رہوں۔''

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس سے بھی محبت کرو گے اور مجھ سے بھی؟''

''ہاں۔ میں تو مقدر ہوں سب ہی کو خوش رکھتا ہوں سب ہی کو محبتیں دیتا ہوں۔ سب کو سکھ بھی دیتا ہوں دکھ بھی دیتا ہوں۔ تم دونوں کو کبھی دکھ ملیں گے مجھ سے شکایتیں بھی ہوں گی۔ لیکن سکھ کے دن پلٹ کر آئیں گے تو تمام شکایتیں دور ہو جائیں گی۔''

''تم باتیں ایسی بتا رہے ہو جیسے سچ مچ ہمارا مقدر ہو۔''

''ذرا غور کرو تو بات سمجھ میں آئے گی۔ ہم سب ایک دوسرے کا مقدر بن جاتے ہیں۔ تمہاری محبت سے میری تقدیر بنتی رہے گی۔ میرے پیار سے تمہاری تقدیر سنورتی رہے گی۔ ہم ایک دوسرے کے لیے جو کرتے ہیں ہمارا وہی عمل ایک دوسرے کا مقدر بن جاتا ہے۔''

''تم ایک سیدھی سی بات کو فلسفے کی طرف لے جا رہے ہو .... اور یہ کدھر جا رہے ہو؟ میں ساحل کی طرف جانا چاہتی ہوں۔''

''میں نے کہا تھا کہ ہم بابا انعام الحق صاحب کے سامنے حاضری دیں گے اور تمہارے بارے میں ان سے کچھ ہدایات حاصل کریں گے۔''

''مجھے کوئی ہدایت حاصل نہیں کرنی ہے میں وہاں نہیں جاؤں گی۔''

''یہ اچانک اپنا فیصلہ کیوں بدل رہی ہو؟ کل تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔''

''کل کی بات کل گئی۔ فیصلے پل بھر میں بدل جاتے ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا ہے میں کسی بزرگ ہستی سے نہیں ملوں گی۔''

''فیصلہ بدلنے کی کوئی وجہ تو ہو گی؟''

''ابھی تم نے ہی کہا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کا مقدر ہیں۔ لہٰذا میرے مقدر میں جو ہے اسے ہونے دو۔''

''یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ تدبیر سے اور اپنے بہترین عمل سے تقدیر بدلی جا سکتی ہے۔''

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں اپنا مقدر بدل دوں؟''

''ہاں۔ بدل دو۔''

''مگر یہ دل ہمیشہ کے لیے تمہارا ہو چکا ہے پھر تمہیں کیسے بدل دوں؟''

''میں اپنی نہیں مقدر کی بات کہہ رہا ہوں۔''

''تم ہی تو میرا مقدر ہو۔ بتاؤ کیسے بدل دوں؟''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''تم نے میری ہی باتوں سے مجھے الجھا دیا ہے۔''

ہم ایک ایسے مکان کے قریب پہنچے جس کے سامنے کھلا میدان تھا اور وہاں لوگوں کی بھیڑ تھی۔ بڑی بڑی قیمتی کاریں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہاں امیر بھی تھے اور غریب بھی تھے۔ میں نے ایک جگہ کار پارک کرتے ہوئے کہا ''بابا جی یہیں قیام کرتے ہیں۔''

اس نے کہا ''یہاں تو بہت بھیڑ ہے۔ پتا نہیں کتنا وقت لگ جائے گا؟''

''میں پہلے ہی ان سے وقت لے چکا ہوں۔ ابھی ملاقات ہو جائے گی۔''

ہم اس مکان میں آئے سامنے بیٹھک میں ان کے ایک مرید نے مجھے دیکھ کر کہا ''آیئے تشریف لایئے...... پانچ منٹ کے بعد آپ اندر چلے جایئے گا۔''

اندر بیٹھک میں بھی بڑی بھیڑ تھی۔ عورتیں مرد بچے اور بوڑھے سب ہی تھے۔ بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔ کتنے ہی لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ میں پانچ منٹ کے بعد اس بیٹھک سے گزر کر ایک گیلری سے ہوتا ہوا دوسرے کمرے میں پہنچا۔ با انعام الحق ایک چٹائی پر پالتی مارے بیٹھے تھے اور زیر لب کچھ پڑھ رہے تھے۔ کمرے میں اگربتی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ چاروں طرف دیواروں کے ساتھ ریک لگے ہوئے تھے او ان میں بڑی موٹی موٹی کتابیں تھیں۔ وہ ایک بہت ہی عا فاضل شخص تھے۔ مطالعہ کرتے رہتے تھے اور دوسروں کو مطال کرتے رہنے کی ہدایت فرماتے رہتے تھے۔

انہوں نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا پھر کہا ''آؤ مقدر تم مقدر والوں کے پاس ہی آتے ہو۔ یہ میری خوش نصیبی ہے آج یہاں آئے ہو۔''

ان کی باتوں سے ظاہر تھا کہ وہ میری حقیقت جا ہیں۔ میں ان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ آسرا بھی ا طرح سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا ''آپ اللہ تعالیٰ برگزیدہ بندے ہیں آپ سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔''

انہوں نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا ان کی نظر کہہ رہی تھیں ''تم سے بھی تو کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔''

وہ آسرا کی موجودگی میں میری حقیقت بیان کرنا نہ چاہتے تھے میں نے زیر لب مسکرا کر کہا ''اس کا نام آسرا یہ بہت محبت کرنے والی لڑکی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ا

ساری زندگی محبتیں ملتی رہیں اور اس کی مرادیں پوری ہوتی رہیں۔''

''تم جانتے ہو اس کی ایک مراد پوری نہیں ہو گی۔ تم سے محبتیں ملیں گے لیکن شادی کبھی نہیں ہو سکے گی۔''

وہ سر جھکا کر بولی ''حضور میں جانتی ہوں شادی میری زندگی کا آخری باب ہے اور میں اس آخری دروازے تک کبھی نہیں جاؤں گی۔''

''صرف شادی سے کتراؤ گی تو بات نہیں بنے گی تم اپنے محبوب سے جلوت میں تو مل سکو گی خلوت میں نہیں...... خلوت میں ملاقات تمہاری زندگی کا اختتام ہے۔''

وہ بدستور سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی اس نے آہستگی سے کہا ''میں خلوت میں بھی پرہیز کروں گی۔''

میں نے کہا ''یہ ضروری نہیں کہ جو ارادہ تم کرو وہ پورا ہو جائے۔ تقدیر انسان کو بہلاتی ہے اور بہلاتے بہلاتے اپنی من مانی کر جاتی ہے۔ بعد میں پتا چلتا ہے کہ وہی ہوا جو مقدر میں لکھا تھا۔''

بابا انعام الحق نے کہا ''صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور عمل صالح' یہ دو ہی ایسی چیزیں ہیں جو مقدر کے لکھے کو بدل سکتی ہیں۔''

پھر انہوں نے آسرا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''بیٹی تم چاہو تو اپنے مستحکم ایمان سے ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہو۔ میرے پاس کتنے ہی عقیدت مند آتے ہیں۔ میں ان کے دکھ بیماریوں' پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے نہ تو کوئی نسخہ لکھ کر دیتا ہوں نہ دوائیں دیتا ہوں۔ بس دو ہی باتیں سمجھاتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ نماز پڑھو اور دوسری بات یہ کہ اپنے اعمال درست کرتے رہو۔ کسی کو اپنی ذات سے تکلیف نہ پہنچنے دو۔ کوشش کرو کہ تمہاری ذات سے دوسروں کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا رہے۔ میری ان ہدایات پر عمل کرتی رہو گی تو انشاء اللہ تمہارے مقدر میں لکھی ہوئی بدنصیبی دور ہو جائے گی۔''

انہوں نے مجھے اور آسرا کو دیکھا پھر کہا ''تمہارے ساتھ یہ مقدر ہے اگر تم میری ہدایات پر عمل کرتی رہو گی تو یہ تمہیں بتائے گا کہ تمہارے ہاتھ میں شادی خانہ آبادی کی لکیر بن چکی ہے یا نہیں۔ اب تم جا سکتی ہو...... فی امان اللہ!''

ہم نے وہاں سے اٹھ کر انہیں ادب سے سلام کیا اور ان کے مکان سے باہر آ گئے۔ میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے پوچھا ''تم نے بابا صاحب سے ملاقات کی۔ تمہارے تاثرات کیا ہیں؟''

وہ بولی ''انہوں نے کہا یہ مقدر میرے ساتھ ہے گویا انہوں نے تمہیں میرا مقدر کہا۔ بس ان کی یہ بات بہت اچھی لگی۔''

میں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''انہوں نے اس سے بھی زیادہ اہم باتیں کی ہیں۔ بگڑے ہوئے مقدر کو بنانے کے سلسلے میں ہدایات دی ہیں۔''

''دنیا کے تمام بزرگ، علمائے دین، تمام ناصح ہدایات دیتے رہتے ہیں انہوں نے کوئی نئی بات نہیں کی ہے...... نئی بات صرف یہی ایک اچھی تھی کہ تم میرا مقدر ہو۔''

''چلو یہی سہی۔ میں تمہارا کامیاب مقدر اسی وقت بن سکوں گا جب تم ان کی ہدایات پر عمل کرو گی۔''

''ان کی ہدایات سننے سے پہلے ہی میں نماز پڑھتی آئی ہوں پانچ وقت کی نہ سہی ایک آدھ وقت کی ضرور پڑھتی ہوں۔ پھر یہ میری کوشش ہوتی ہے کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ میرا جہاں تک خیال ہے میں نے اب تک کسی کو جان بوجھ کر تکلیف نہیں پہنچائی۔ ہاں انجانے میں اگر کسی کو کچھ نقصان پہنچا ہے اور وہ مجھے معلوم ہو جائے تو میں اس کی تلافی ضرور کروں گی۔''

ہمارے درمیان تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے کہا ''میں بہت پہلے ایک فیصلہ کر چکی ہوں۔ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میرے ہاتھ میں شادی کی لکیر بن چکی ہے اور میں شادی کر سکتی ہوں تب بھی نہیں کروں گی۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔ جب یہ یقین ہو جائے کہ عمر بڑھتی جائے گی موت کا اندیشہ نہیں رہے گا تو پھر شادی کیوں نہیں کرو گی؟''

''میں بابا صاحب کی اس ہدایت پر عمل کروں گی کہ میری ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر تم سے شادی کروں گی تو نمرہ کو نقصان پہنچے گا وہ تمہیں دل و جان سے چاہتی ہے میں نہیں چاہتی کہ اس کا دل ٹوٹ جائے۔ کیا مجھے بابا صاحب کی ہدایات پر عمل نہیں کرنا چاہیے؟''

''کوئی ضروری نہیں کہ تمہاری شادی مجھ سے ہی ہو۔ ہو سکتا ہے لائف پارٹنر کی حیثیت سے کوئی دوسرا تمہیں پسند آ جائے۔''

اس نے پوچھا ''کیا نمرہ کو لائف پارٹنر کے لیے کوئی دوسرا پسند آ جائے گا؟''

''مقدر کی لکیر کسی کو بھی بھٹکا سکتی ہے۔ ایک سے چھڑا کر

دوسرے کے پاس پہنچا سکتی ہے۔"

"مقدر سب کچھ کرسکتا ہے لیکن محبت کرنے والوں کے ارادے نہیں بدل سکتا۔ کتنے عشق کے مارے مقدر کے ہاتھوں مارے گئے لیکن انہوں نے اپنے محبوب سے منہ نہیں پھیرا۔ اسی کے رہے اور اسی کے نام پر جان دے دی۔"

وہ درست کہہ رہی تھی ہماری دنیا میں عشق کرنے والوں کی کتنی ہی مثالیں ہیں۔ ان عاشقوں کو دنیا والے پتھر مارتے رہے۔ مقدر انہیں بچا نہ سکا اور وہ محبوب کی طلب سے باز نہیں آئے۔ انہوں نے کسی کے عشق میں جان دے دی۔

آسرا نے کہا "میں نہیں جانتی نمرہ کی محبت میں کتنی پائیداری ہے لیکن میں اپنے بارے میں جانتی ہوں کہ میں نے دل کی دکان نہیں کھولی۔ میرے پاس ایک ہی دل ہے اور وہ دل میں دے چکی ہوں۔"

میں خاموش رہا اس نے جو کہا اس کے بعد بولنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ میں نے ایک شاپنگ سینٹر کے سامنے کار روک دی اس نے پوچھا "کیا کچھ خریدنے کا ارادہ ہے؟"

"ہاں! خریدنا بھی ہے اور تمہارے ساتھ شام کی چائے بھی پینی ہے۔ تمہاری گھڑی میں کیا وقت ہوا ہے؟"

"سات بج کر پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔"

"نمرہ کے پاس نو بجے پہنچنا ہے اس سے پہلے میں تمہارے ساتھ وقت گزار سکتا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولی "اِدھر مجھے اور اُدھر نمرہ کو خوش کررہے ہو۔ دو کشتیوں پر پاؤں رکھ کر سفر کرنے والا گہرے پانی میں گر پڑتا ہے۔"

"میری پروا نہ کرو میں بہت بڑا تیراک ہوں، مخالف لہروں سے کھیلنا جانتا ہوں۔"

ہم کار سے نکل کر شاپنگ سینٹر میں آئے۔ میں ایک جنرل اسٹور میں آیا۔ آسرا نے کہا "تم یہاں خریداری کرو میں ابھی ساتھ والی دکان سے آتی ہوں۔"

وہ چلی گئی میں نے دکاندار سے ایک پرفیوم طلب کیا میں یہ جانتا تھا کہ یہ لڑکی ارادے کی پکی ہے خود کو مجھ سے منسوب کرچکی ہے کوئی دوسرا اسے کبھی متاثر نہیں کرسکے گا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی زندگی مختصر ہے اس کی معینہ عمر سے زیادہ اسے زندگی نہیں دے سکتا تھا خوشیاں تو دے سکتا تھا۔ ایک مختصر سے عرصے تک اسے محبتیں تو دے سکتا تھا۔ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ مجھے اس سے صرف ہمدردی تھی۔ نہیں مجھے محبت بھی تھی۔ جو ساتھ چھوڑنے والا ہو اس سے بہت زیادہ محبت ہوجاتی ہے۔

میں پرفیوم خرید کر اس کا انتظار کررہا تھا۔ وہ آگئی تو ہم وہیں ایک کیفے میں جاکر ایک میز پر آمنے سامنے بیٹھ گ[ئے]

میں نے پوچھا "اسنیکس لوگی؟"

"نہیں صرف چائے پیوں گی۔"

میں نے چائے کا آرڈر دیا پھر پرفیوم نکال کر اس[کی] طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ میری طرف سے پہلا [تحفہ] ہے۔"

"تم اپنی سالگرہ کی پارٹی میں پہلی بار میرے سا[منے] آئیں تو یہی خوشبو تمہارے بدن سے ابھر کر میری سان[سوں] میں سما رہی تھی۔"

وہ مسکراتے ہوئی بولی "بڑے رومینٹک انداز میں بو[ل رہے] ہو۔"

اس نے اپنا پرس کھول کر ایک گھڑی نکالی اور اسے م[یری] طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ میری طرف سے پہلا تحفہ [ہے]۔ میں چاہتی ہوں گزرتے ہوئے وقت کو اپنی کلائی سے باند[ھ لو] اور میری گزرتی ہوئی عمر کے ایک ایک لمحے کو نظروں [کے] سامنے رکھو۔"

اس کی آواز میں درد تھا۔ اس کے لہجے میں ایک کر[ب] چھپا ہوا تھا۔ میں نے اس سے گھڑی لی پھر اس کے ہا[تھ] دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا "تمہاری عمر بہت لمبی [ہے]۔ تمہارے پاس سانسوں کا خزانہ ہے۔ اتنی سانسیں لیتی ر[ہو گی] کہ یہ گھڑی چلتے چلتے تھک جائے گی، اس کا وقت تھم جا[ئے گا]۔ لیکن تمہاری عمر جاری وساری رہے گی۔"

وہ میری بات پر بڑی اداسی سے مسکرانے لگی۔ اس [کی] مسکراہٹ کہہ رہی تھی "مجھے نادان بچی سمجھ کر بہلا رہے ہ[و]۔ خوب مقدر ہو۔"

ویٹر نے چائے کی ٹرے لاکر رکھی اور وہاں سے چلا [گیا]۔ آسرا نے چائے کی دو پیالیاں بنائیں اور ایک پیالی [میری] طرف بڑھاتے ہوئے کہا "میرے پاس ہمیشہ چائے [کی] پیالیاں رہیں گی ایک تمہاری طرف بڑھاتی رہوں گی۔ [تم ایسا] نہیں کرسکو گے تمہارے پاس ہمیشہ تین پیالیاں رہا کریں [گی] ایک میری طرف بڑھایا کرو گے دوسری نمرہ کی طرف۔"

میں نے چائے کی ایک چسکی لیتے ہوئے کہا "مح[بت کی] گرمی ہو یا گرما گرم چائے کی پیالیاں ہوں، میں دونو[ں کی] طرف بڑھاؤں گا۔ جو انکار کرے گی یا پینے میں دیر کر[ے گی] اس کی چائے ٹھنڈی ہوجایا کرے گی۔"

"میں دیر نہیں کروں گی۔ میرے پاس وقت نہیں [ہے]۔ تمہاری ہر پیش کش کو فوراً قبول کرتی رہوں گی۔"

وہ پیالی اٹھا کر گرما گرم چائے پینے لگی۔ اپنے

[...]و وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کب ٹھنڈی ہوجائے گی اس لیے [...]ے ٹھنڈی نہیں کررہی تھی۔

نمرہ بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کررہی تھی۔ جب [...] آسرا کے ساتھ آیا تو وہ کوٹھی کی چھت پر تھی اور مجھے اس کے [سات]ھ جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ان لمحات میں مجھے ایسا لگ [رہا] تھا جیسے آسرا مجھے اس سے چھین کر لے جارہی ہے۔

اس گھر میں تین لڑکیاں تھیں عینی، نمرہ اور آسرا۔ پھر سہیلی [...]ی رشتے سے عروج کا اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ چاروں لڑکیاں [...]ماز ہن اچھا دل رکھتی تھیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہنستی بولتی [...]یں اور تحفے تحائف کا تبادلہ کرتی رہتی تھیں، لیکن اتنی کشادہ [...] نہیں تھیں کہ اپنے چاہنے والے کو تحفہ بنا کر کسی دوسری کو پیش [ک]ردیتیں۔ یہ کشادہ دلی صرف عروج کی تھی۔ وہ اپنے پاشا کو [...]ی کے حوالے کررہی تھی۔ نمرہ یہ نہیں کرسکتی تھی، اور نہ ہی آسرا [کا] دل اتنا بڑا تھا۔

پھر بھی آسرا نے اس حد تک سوچا تھا کہ میں نمرہ سے [ش]ادی کرنا چاہتا ہوں تو کرتا رہوں لیکن میری محبت صرف اور [صر]ف آسرا کے لیے ہو، اور حالات بتا رہے تھے کہ آسرا کی مختصر [سی] زندگی میں اسے زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کے لیے میں [...]ے نمرہ سے زیادہ توجہ دوں گا اور توجہ دینے کا مطلب یہ ہوا [ک]ہ اس کے ساتھ کچھ زیادہ وقت گزاروں اس طرح میرے [پی]ار کے معاملے میں آسرا برتری حاصل کرتی رہے گی۔

میں نے نمرہ سے کہا تھا ٹھیک نو بجے اس کے پاس پہنچ [ج]اؤں گا اور رات کا کھانا اس کے ساتھ کھاؤں گا۔ وہ بے چینی [س]ے نو بجنے کا انتظار کررہی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے تک چھت پر اِدھر [س]ے اُدھر ٹہلتی رہی۔ بار بار ریلنگ کے پاس آکر مین گیٹ کی [ط]رف دیکھتی رہی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ وقت گزرنا بھول [گ]یا ہے۔ اس نے اپنی رسٹ واچ دیکھی۔ آٹھ بج کر پندرہ [م]نٹ ہوئے تھے اسے لگا جیسے گھڑی بند ہے۔ نہ اس کی سوئی آگے بڑھ رہی ہے اور نہ ہی وقت گزر رہا ہے۔ اسی وقت [م]وبائل فون کا بزر سنائی دیا اس نے جلدی سے فون کو اٹھا کر [د]یکھا اس کا خیال تھا میں نے فون کیا ہے لیکن اسکرین پر کسی [...]ور کا نمبر تھا اس نے بٹن کو دبا کر کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو...... کون؟"

جواب میں ایک گہری سرد آہ سنائی دی "میں ہوں...... [م]وت کے گھر سے آنے والا...... تمہارا دیوانہ......!"

وہ پریشان ہوکر بولی "اوہ گاڈ! اتنے دنوں سے پیچھا چھوڑ دیا تھا پھر کیوں پریشان کرنے آگئے ہو؟"

"میں نے تمہیں نہیں چھوڑا تھا تم نے پیچھا چھڑا لیا تھا، اور میں تمہیں تلاش کرتا رہا۔ پھر یہ کہ میں تو ایک بیمار شخص ہوں۔ اب دیکھو اس بیماری میں بھی تمہیں تلاش کرتا رہا ہوں اور آخر میں نے تمہارا پتا معلوم کر ہی لیا ہے۔"

اس نے گھبرا کر پوچھا "کیسے معلوم کیا ہے؟ تمہیں کس نے میرا پتا بتایا؟"

"میرے جذبۂ عشق کی داد دو۔ کچے دھاگے سے بندھا چلا آرہا ہوں۔ تمہارا پتا معلوم کرنا کچھ زیادہ مشکل تو نہیں تھا۔ میں نے تمہیں میڈیکل کالج میں دیکھا تھا وہاں ایک طالب علم سے مجھے تگ و دو کے بعد تمہارا لاہور کا ہی نہیں کراچی کا پتا بھی مل گیا۔"

"تم نے میرا پتا کیوں معلوم کیا؟ تم کیوں مجھے پریشان کررہے ہو؟"

"پلیز میرے جذبوں کو سمجھو۔ میں موت سے لڑتا ہوا تمہاری طرف آرہا ہوں، میری کچھ تو قدر کرو۔ میں تمہیں محبت کے جواب میں محبت دینے پر مجبور نہیں کرسکتا لیکن تم خوش دلی اور خوش مزاجی تو دے سکتی ہو!"

وہ ایسے التجا آمیز لہجے میں بول رہا تھا کہ وہ خاموش ہوکر سنتی رہی۔ وہ کہہ رہا تھا "میں اپنی زندگی کے بدترین دور سے گزرتا آیا ہوں۔ اب حالات کچھ بہتر ہونے کی امید ہے۔ میرے اپنے مجھے پاگل کہتے ہیں۔ کیا پاگل ایسی محبت کرتے ہیں جیسی میں تم سے کررہا ہوں؟"

وہ ذرا دھیمی پڑ گئی۔ نرم لہجے میں بولی "اگر تم پاگل نہیں ہو تو اتنا سمجھ سکتے ہو کہ کسی بھی شریف زادی کو کسی اجنبی سے فون پر گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔"

وہ بولا "انسانی زندگی میں محبت کا رشتہ ایسا ہے جو اجنبیت سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے دو اجنبی ملتے ہیں ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں ایک دوسرے کے دل کو ٹٹولتے ہیں ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھتے ہیں۔ فی الحال تم مجھ سے محبت نہ کرو لیکن خوش دلی سے، خوش مزاجی سے مجھے سمجھنے کی کوشش تو کرو۔"

وہ اس کی باتیں سن رہی تھی اور تصور میں اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک شاپنگ سینٹر میں اپنے لیے ٹائی پسند کررہا تھا۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا۔ بہت ہی خوبرو اور قد آور جوان تھا۔ ایسی مردانہ وجاہت تھی کہ کوئی بھی لڑکی اس سے متاثر ہوسکتی تھی۔ لیکن نمرہ تو مجھ سے متاثر ہوچکی تھی اس لیے اس اجنبی عاشق کے بارے میں وہ نہ تو زیادہ سوچنا چاہتی تھی اور نہ ہی تصور میں اسے دیکھنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اگر کسی اچھی شخصیت والے کے بارے میں سوچتے رہو، اس سے باتیں کرتے رہو

اور اس سے ملتے رہو تو وہ رفتہ رفتہ متاثر کرنے لگتا ہے۔ اور نمرہ یہ نہیں چاہتی تھی۔

اس نے پوچھا ''تم چپ کیوں ہو کیا سوچ رہی ہو؟''

وہ خیالات سے چونک کر بولی ''میں ایک بات تم سے صاف صاف کہہ دوں کہ میری زندگی میں کوئی آ چکا ہے۔ میں کسی سے محبت کرتی ہوں اور بے انتہا محبت کرتی ہوں۔''

فون پر تھوڑی دیر تک خاموشی رہی جیسے اس کی باتوں نے دکھ پہنچایا ہو، پھر وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا ''وہ خوش نصیب کون ہے؟''

''وہ میرا کزن ہے' مقدر حیات۔''

''اگر وہ کزن ہے تو پھر اسے بچپن سے چاہتی رہی ہو؟''

''نہیں۔ وہ بچپن سے لندن میں پرورش پا رہا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے دور تھے۔ ابھی حال ہی میں اس سے ملاقات ہوئی ہے اور اس نے پہلی ہی ملاقات میں مجھے جیت لیا ہے۔''

''مجھ سے بھی ملاقات کرو' میں بھی تمہیں جیت لوں گا۔''

''بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔''

''اس میں بے وقوفی کی کیا بات ہے۔ تمہیں زندگی میں مختلف تجربات سے گزرنا چاہیے۔ دیکھنا چاہیے کہ تمہاری زندگی میں آنے والوں میں کون کون تمہیں متاثر کرتا ہے۔ کیا تمہارا دل کسی ایک کے لیے دھڑکتا ہے یا کسی دوسرے کے لیے بھی دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا ہو سکتا ہے؟''

''میں اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کر چکی ہوں۔ مجھے جدھر جانا تھا اُدھر جا چکی ہوں۔''

''پھر بھی میری ایک التجا مان لو۔ مجھ سے ایک بار مل لو۔ اگر میں تمہاری محبت کے قابل نہ ہوا تب بھی کوئی بات نہیں تمہاری دوستی کے قابل تو ہو سکتا ہوں۔''

وہ ٹیرس کی ریلنگ کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اسی وقت میری کار گیٹ کے اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ اس نے کہا ''سوری مسٹر......! میں گفتگو جاری نہیں رکھ سکوں گی۔ اچانک مہمان آ گئے ہیں انہیں اٹینڈ کرنا ضروری ہے۔''

''کوئی بات نہیں میں ایک گھنٹے بعد کال کروں گا۔''

نمرہ نے اس وقت بحث نہیں کی کہ اسے آئندہ کال کرنا چاہیے یا نہیں۔ اس نے فون بند کیا اور تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی ڈرائنگ روم کے راستے، میرے وہاں...... پہنچنے سے پہلے ہی، اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ وہ ابھی میرا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی بلکہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہاں پہنچنے کے بعد میں سیدھا اس کے پاس آتا ہوں یا ابھی آسرا کے ساتھ رہتا ہوں۔

اس سے نو بجے ملاقات کا وقت مقرر تھا اور ابھی منٹ باقی تھے۔ میں آسرا کے ساتھ فلک ناز کے کمرے میں وہاں وہ اپنے بیٹے عدنان سے باتیں کر رہی تھی۔ مجھے کے ساتھ دیکھ کر خوش ہو گئی۔ اٹھ کر بلائیں لیتی ہوئی بولی تمہاری جوڑی سلامت رکھے۔ مجھے تو خوشیاں ہی خوشیا رہی ہیں۔ اب میں اس گھر سے نہیں جاؤں گی۔''

آسرا نے پوچھا ''آپ تو یہاں سے جانے کی تیا کر چکی تھیں پھر ارادہ کیوں بدل رہی ہیں؟''

''بھائی جان بھی یہاں سے جانے کا ارادہ بدل ہیں۔ میں ان کی طرح خود غرض اور لالچی نہیں ہوں۔ یہاں رکنے کی وجہ کچھ اور ہے۔ ابھی میرا عدنان دوپہر کھانے کے بعد سو رہا تھا اس نے خواب دیکھا ہے خواب دیکھا ہے جلد ہی اس کی تعبیر سامنے آنے والی ہے۔

میں نے مسکرا کر پوچھا ''کیوں عدنان تم نے کیا دیکھا ہے؟''

وہ ذرا شرماتے ہوئے بولا ''میں نے دیکھا عینی ہوئی ہے' بینڈ باجے بج رہے ہیں' ناچ گانے ہو رہے میری شادی عینی سے ہو گئی ہے۔''

آسرا نے کہا ''تم تو ایسے خوش ہو رہے ہو جیسے شادی ہو چکی ہے۔''

فلک ناز نے کہا ''اے بیٹی! تم تو اپنے دادی ہاں پڑی رہتی ہو۔ تمہیں کیا پتا میرا بیٹا جب بھی کو دیکھتا ہے وہ ضرور پورا ہوتا ہے۔''

''ممی! آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں۔ یہ خوا دیکھے کہ اسے پچاس لاکھ روپے مل رہے ہیں تو کیا مل گے؟''

وہ چہک کر بولی ''ہاں بیٹی! تمہیں کیا پتا اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ اسے پچاس لاکھ روپے ملنے و اور ایک ہفتے بعد ہی پرائز بانڈ کے ذریعے پچاس ہز ملے تھے۔''

آسرا نے ناگواری سے کہا ''توبہ ہے کہاں پ روپے اور کہاں پچاس ہزار روپے؟''

فلک ناز نے کہا! آسرا یہ نہ دیکھو کہ کتنی رقم ملی.. لاکھ نہ سہی پچاس ہزار ہی سہی مگر خواب کی تعبیر تو سا

''اگر ایسی ہی تعبیر کی بات ہے تو پھر شادی کے تعبیر بھی کچھ ایسی ہی ہو گی۔ پتا نہیں عینی کس کی عدنان کو شادی کا کھانا ضرور ملے گا۔''

فلک ناز نے ناراضگی سے کہا ''تم اپنے بھائی کے بارے ایسی باتیں کرتی ہو آخر اس میں کس بات کی کمی ہے؟ مقدر ا! تم تو مستقبل کی سچی پیش گوئی کرتے ہو ذرا میرے بیٹے ہاتھ دیکھ کر بتاؤ اسے خواب کی تعبیر ملے گی یا نہیں؟''

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا ''سوری پھوپی جان! پھر کسی وقت عدنان کا ہاتھ دیکھوں گا ابھی نمرہ کے پاس بہت ضروری ہے...... او کے آسرا...... سی یو......!''

یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا نمرہ کے دروازے پر پہنچ کر سی دستک دی۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہی تھی۔ دستک کی واز پر دل تیزی سی دھڑکنے لگا۔ اس نے کہا ''دروازہ کھلا ہے۔''

میں نے دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے کہا ''ہائے...... گھڑی دیکھو میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا ہوں۔''

''تم ٹھیک وقت پر نہیں پہنچے گھڑی دیکھو پانچ منٹ لیٹ ہے۔''

میں نے اپنی کلائی کی گھڑی دکھاتے ہوئے کہا ''تم گھڑی دیکھو پورے نو بجے ہیں۔ تمہاری گھڑی پانچ منٹ آگے ہیں۔''

اس نے میری کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا پھر پوچھا ''پہلے تو تمہارے پاس یہ گھڑی نہیں تھی۔ کیا نئی خریدی ہے؟''

میں نے مسکرا کر کہا ''نہیں...... آسرا نے تحفہ میں دی ہے۔''

وہ ذرا بجھ سی گئی پھر بولی ''اسی لیے وہ تمہیں اپنے ساتھ لے گئی تھی؟''

''نہیں...... میں اسے لے گیا تھا۔''

''یعنی اس کے ساتھ تفریح کے موڈ میں تھے؟''

''نہیں میں اسے ایک بزرگ کے پاس لے گیا تھا۔ انہوں نے آسرا کو حوصلہ دیا ہے کہ اس کے بہتر اعمال کے نتیجے میں تقدیر بدل سکتی ہے۔ اگر وہ بابا صاحب کی ہدایات پر پابندی سے عمل کرے تو اس کی شادی ہو سکتی ہے اور وہ ایک اچھی ازدواجی زندگی گزار سکتی ہے۔''

''تمہیں اس کی بڑی فکر ہے۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہو اسی لیے اسے لیے لیے پھرتے ہو۔''

میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا ''اگر اپنے دل سے حسد کا جذبہ نکال دو تو میری نیک نیتی کو سمجھ سکو گی۔''

''میں حاسد نہیں ہوں۔ مجھے آسرا سے کوئی شکایت نہیں ہے شکایت تم سے ہے۔''

''مجھ سے ہزار بار شکایتیں کر لو لیکن آسرا کی طرف سے دل صاف ہے تو خود ہی سوچو کہ اس کی زندگی مختصر ہے۔ پتا نہیں وہ کتنے عرصے تک جیے گی۔ پتا نہیں وہ بابا صاحب کی ہدایات پر عمل کرتی ہے یا نہیں؟ کون جانتا ہے کہ وہ سہاگ کا جوڑا پہن سکے گی یا نہیں۔ ایسی لڑکی سے کیا ہمدردی نہیں ہونی چاہیے؟ کیا ہم اس کی مختصر سی زندگی میں اسے خوشیاں اور محبتیں نہیں دے سکتے؟''

''محبت دینے کے لیے اتنی بڑی دنیا میں صرف ایک تم ہی رہ گئے ہو؟''

''تم درست کہتی ہو اس کی زندگی میں کوئی محبت کرنے والا آ جائے تو پھر وہ میری محبت اور توجہ کی محتاج نہیں رہے گی۔''

''جب تک تم اس کے پاس رہو گے وہ کسی دوسرے کو اپنے پاس پھٹکنے بھی نہیں دے گی۔ تمہارے ساتھ چپکی رہے گی۔''

''تم کیا چاہتی ہو' میں اس سے دور ہو جاؤں؟''

''مجھ سے کیوں پوچھتے ہو' نادان بچے تو نہیں ہو' تمہیں کوئی ایک فیصلہ کرنا چاہیے' کسی ایک طرف رہنا چاہیے۔''

''میں ایک ہی طرف ہوں' تم سے محبت کرتا ہوں تم ہی سے شادی کروں گا۔''

''مجھے بیوی بنا کر گھر گرہستی کی ذمہ داریوں میں الجھا دو گے اور آسرا سے محبت کرتے رہو گے؟''

''میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ اگر کوئی اسے محبتیں دینے والا آئے گا تو میں اس سے دور ہو جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے جب تک آسرا کی زندگی میں کوئی دوسرا چاہنے والا نہ آئے اور جب تک تم اس کی طرف سے پلٹ کر نہ آؤ' تب تک میں شادی نہیں کروں گی۔''

''تمہارا یہ فیصلہ غلط ہے مجھ سے شادی کر لو گی تو آسرا مایوس ہو کر کسی دوسرے کی طرف مائل ہو سکتی ہے۔''

''تم لڑکیوں کو کیا ہے۔ کوئی ایک شخص دل و دماغ میں نقش ہو جائے تو پھر وہ کسی دوسرے کی طرف مائل نہیں ہوتیں۔ آسرا نے خود مجھ سے کہا ہے کہ وہ تم سے شادی نہیں کرے گی تو تمہارے لیے لاحاصل رہے گی اور تم اس کے حصول کے لیے بے چین رہا کرو گے اس طرح اس کی محبت میں شدت اور تڑپ پیدا ہوتی رہے گی پھر میں بھی کیوں نہ یہی کروں؟ تم سے شادی نہ کروں تم میرے حصول کے لیے....

بےچین رہو گے تو میرے لیے بھی تمہارے دل میں شدت اور تڑپ پیدا ہوتی رہے گی۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا" پھر تو میں نہ اِدھر کا رہوں گا اور نہ اُدھر کا۔ دونوں ہی مجھے اپنے پیچھے دوڑاتی رہیں گی۔"

"تم نے ہماری قسمت کا حال بتایا ہے اب جو ہم کریں گے اس سے تمہارا مقدر بنتا رہے گا۔ ہم شادی سے انکار کرتی رہیں گی تو تم بھی شادی کے لیے انتظار کی گھڑیاں گنتے رہو گے۔"

"اگر میں ہرجائی نکلا تو؟"

"تو پھر تم کسی تیسری چوتھی کے پاس جاتے رہو گے۔ ہمیں کسی ہرجائی سے دلچسپی نہیں ہوگی۔ بے وفائی کا مظاہرہ کرو گے تو تمہاری طرف سے دل پھر جائے گا۔"

"ٹھیک ہے دیکھتے ہیں آگے کیا ہونے والا ہے۔ یہ بتاؤ کہ وہ مردہ تمہیں بھولا کہ نہیں؟"

"نہیں ابھی اس نے فون کیا تھا۔ تمہارے آنے سے پہلے میں اسی سے باتیں کر رہی تھی۔"

"انسانی تاریخ میں تمہارا نام سنہرے حرفوں سے لکھا جانا چاہیے۔"

"وہ کیوں؟"

"تم دنیا کی پہلی یا شاید آخری لڑکی ہو جس پر ایک مردہ عاشق ہو گیا ہے۔"

"مردے کبھی فون پر باتیں نہیں کرتے۔"

"میں نے فلموں میں ڈریکولا کو قبر سے اٹھ کر کار چلاتے دیکھا ہے۔ کتنے ہی لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے مردوں کو قبرستان میں چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ ہماری دادی نانی ایسے ہی مردوں کے قصے سناتی رہتی ہیں اب ساری باتیں جھوٹ تو نہیں ہو سکتیں۔"

"ہمارے بزرگ سنی سنائی باتیں کرتے ہیں۔ نہ تو انہوں نے آنکھوں سے کسی بدروح کو دیکھا ہے نہ کسی مردے کو زندہ ہوتے دیکھا ہے۔ جو میرے پیچھے پڑ گیا ہے وہ مردہ نہیں زندہ ہے کوئی ایب نارمل شخص ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"ابھی وہ فون پر کہہ رہا تھا کہ اس کے اپنے اسے پاگل کہتے ہیں اور وہ کہیں زیر علاج ہے۔"

"اگر وہ مردہ نہیں ہے تو وہ اس مردہ خانے میں کیسے پہنچ گیا تھا اور تم سے یہ کیوں کہہ رہا تھا کہ تمہاری حرارت ملتے ہی اسے نئی زندگی مل گئی تھی؟"

"میں نے کہا نا... وہ کوئی ایب نارمل شخص ہے اور اسی طرح کی الٹی سیدھی باتیں کرتا رہتا ہے۔ پتا نہیں کیوں دیوانہ ہو گیا ہے۔ اتنی بڑی دنیا میں کیا میں ہی اسے ہوں؟"

"مجھ جیسے دیوانے سے نہ پوچھو۔ اتنی بڑی دنیا صرف تم ہی تم دکھائی دیتی ہو۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پھر چپ ہو گئی۔ ایک ملازم دروازے پر دستک دی اس نے کہا" آ جاؤ......"

وہ کھانے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آیا میں نے کہا آرڈر کے بغیر کھانا آ گیا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔"

"میں جانتی ہوں۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ تمہارے آتے ہی میرے کمرے میں کھانا پہنچا دیا جائے۔"

ملازم چلا گیا میں نے پوچھا" وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

"وہی جو دیوانے کہا کرتے ہیں میں نے اسے سمجھ میرا خیال دل سے نکال دے میں کسی دوسرے کو چا ہوں۔"

"اسے یہ بھی بتایا ہوگا کہ وہ خوش نصیب میں ہوں

"ہاں میں تو بڑے فخر سے تمہارا نام لیتی ہوں۔ میرے لیے فخر سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ صرف میرے ہو۔"

"یہ میری مجبوری ہے۔ میں خوشیوں سے محرو والی ایک لڑکی کا دل نہیں توڑنا چاہتا یہ بات تم سمجھنا چا سکتی ہو۔"

وہ چپ رہی ہم خاموشی سے تھوڑی دیر تک کھا۔ پھر میں نے پوچھا" جب تم نے اسے صاف صاف کہ چاہتی ہو تو اس کا ردِعمل کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ کہنے لگا وہ بہت بیمار ہے ہمدردی ہے۔ مجھ سے کہہ رہا تھا اگر میں اس سے محبت نہیں کر بات نہیں دوستی تو کر سکتی ہوں۔"

"تم نے کیا جواب دیا؟"

"جواب دینے سے پہلے تم آ گئے میں نے کر دیا۔"

"اگر وہ بیمار ہے ایب نارمل ہے تو واقعی ہمدر ہے۔ بیچارا تمہیں تلاش کرتا پھر رہا ہے۔"

"وہ مجھے تلاش کر چکا ہے۔ لاہور کے اور گھروں کا پتا اسے معلوم ہو چکا ہے میں یہ سوچ کر پر کہ کہیں وہ یہاں نہ پہنچ جائے۔"

"وہ دیوانہ تمہاری محبت سے باز نہیں آ پریشان نہیں ہونا چاہیے ایک بار تو کم از کم ا

لینا چاہیے۔"

"میں نہیں ملوں گی مجھے اس سے ڈر لگتا ہے۔"

"جب تم کہتی ہو کہ وہ مردہ نہیں ہے تو پھر ڈرتی کیوں ہو؟"

"پتا نہیں کیوں؟ جب میں اس سے سامنا کرنے کا تصور کرتی ہوں تو وہ مجھے مردہ دکھائی دیتا ہے۔"

"ایک بار ملو گی تو دل سے ڈر نکل جائے گا۔ میری بات مانو اب اگر وہ فون کرے تو اس سے کہیں ملاقات کا وقت مقرر کرلو۔"

"شاید روبرو ملاقات نہ ہو سکے۔ وہ تو لاہور میں رہتا ہے۔"

"ایک بار اسے آواز دو وہ لاہور سے تو کیا دنیا کے آخری سرے سے بھی تمہارے پاس چلا آئے گا۔"

"ایسا کہتے ہوئے تمہیں حسد اور جلن محسوس نہیں ہو رہی ہے؟ وہ تمہارا رقیب بن رہا ہے۔"

"جو کمزور دل و دماغ کے لوگ ہوتے ہیں وہ رقابت محسوس کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں میرا مال کھرا ہے اس میں ملاوٹ نہیں ہوگی۔"

وہ خوش ہو کر مسکرانے لگی ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو اس کے فون کا بزر بجنے لگا۔ اس نے فون اٹھا کر اسکرین پر دیکھا پھر کہا" وہ ہی ہے مجھے کال کر رہا ہے۔"

"اس سے پہلے کہ وہ دیوانہ وار تمہارے گھر کی طرف دوڑتا چلا آئے اس سے کسی دوسری جگہ ملاقات کا وقت مقرر کرلو۔"

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر پوچھا" کیا تم اس طرح بار بار مجھے فون کرتے رہو گے؟"

"میں دل سے مجبور ہوں۔ ایک بار مردہ خانے میں تمہیں دیکھا تھا اس کے بعد پھر دیدار نصیب نہیں ہوا۔ تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیسے ملو گے؟ میں کراچی شہر میں ہوں۔"

"میں بھی اسی شہر میں ہوں۔"

وہ حیرانی سے بولی" کیا تم یہاں چلے آئے ہو؟ دیکھو رے گھر کی طرف نہ آنا میں بدنام ہو جاؤں گی۔ کس کس کو اب دیتی پھروں گی کہ تم کون ہو اور کیوں اس طرح را پیچھا کر رہے ہو؟"

"مجھے آنا ہوتا تو بہت پہلے چلا آتا۔ تمہارے اس گھر کا پتا رے پاس ہے لیکن میں ملاقات کی رضا مندی تم سے ہتا ہوں۔

تم تو لاہور میں زیر علاج تھے۔"

"ہاں! میں نے ممی سے صاف صاف کہہ دیا کہ کراچی میں میرا علاج ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ میں علاج نہیں کراؤں گا۔ میں ان کا ایک ہی بیٹا ہوں۔ وہ بیوہ ہو چکی ہیں۔ ان کی تمام محبتوں کا مرکز میں ہی ہوں۔"

"تم کس ہاسپٹل میں ہو؟"

"میں کسی ہاسپٹل میں نہیں ہوں۔ یہاں بھی ہماری ایک کوٹھی ہے۔ میں اپنی ممی کے ساتھ یہاں رہتا ہوں اور ڈاکٹر یہیں میرا علاج کرتے ہیں۔"

"کیا اپنی ممی سے بات کرا سکتے ہو؟"

"ہاں میں نے ان سے تمہارا ذکر کیا ہے وہ بھی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے تو ان سے بات کراؤ۔"

پھر نمرہ نے فون پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" وہ اپنی ماں کے ساتھ یہاں ایک کوٹھی میں رہتا ہے ابھی ان سے بات کروا رہا ہے۔"

میں نے کہا" یہ اچھی بات ہے تم اس کی ماں کی موجودگی میں اس سے ملاقات کر سکتی ہو۔ تمہارے دل میں کوئی خوف نہیں رہے گا۔"

فون پر اس کی آواز سنائی دی اس نے پہلی بار اسے نام سے مخاطب کیا" نمرہ...... میری ممی سے بات کرو۔"

پھر فون پر ایک خاتون کی آواز سنائی دی" ہیلو نمرہ......! میں جبران کی ماں بول رہی ہوں۔"

نمرہ نے کہا" السلام علیکم...... آپ کے بیٹے نے کبھی اپنا نام نہیں بتایا آج پہلی بار آپ کی زبان سے یہ نام سن رہی ہوں۔"

خاتون نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا" یہ تو دیوانہ ہے بیٹی اسے اپنا ہوش نہیں رہتا نام کیا بتائے گا۔ اس نے تو مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ تمہیں کب اور کہاں دیکھا' تم کیسی ہو کس مزاج کی ہو۔ بیٹی! تم جیسی بھی ہو میرے لیے باعثِ رحمت ہو کیونکہ تمہیں دیکھ لینے کے بعد اس کی زندگی کا رخ بدل گیا ہے۔"

"آنٹی! آپ اپنے صاحبزادے کو سمجھائیں مجھ سے ایسی توقع نہ رکھیں جو کبھی پوری نہ ہو سکے۔"

"بیٹی! ابھی ایسی مایوس کرنے والی باتیں نہ کرو۔ پہلے ایک بار ہم سے ملاقات کرلو۔ کہو تو میں تمہارے پاس آ جاؤں یا پھر تم میرے پاس چلی آؤ۔ تم نے مجھے آنٹی کہا ہے میں تمہیں ماں کا پیار دوں گی۔ اگر تنہا نہ آ سکو تو کسی کو ساتھ لے آؤ۔"

''ٹھیک ہے میں کل کسی وقت آؤں گی۔''

''میں چاہتی ہوں کل ہمارے ساتھ لنچ کرو۔''

''نہیں آنٹی! لنچ تو نہیں کروں گی البتہ شام کی چائے آپ کے ساتھ پی لوں گی۔''

''تو پھر میں کل شام پانچ بجے تمہارا انتظار کروں؟''

''جی ہاں! میں ٹھیک پانچ بجے آپ کے گھر پہنچ جاؤں گی آپ اپنا پتا نوٹ کرادیں۔''

خاتون نے پتا نوٹ کرایا نمرہ نے کہا ''یہ تو یہیں ڈیفنس کے علاقے میں ہی ہے میں آسانی سے پہنچ جاؤں گی۔ اچھا خدا حافظ۔''

اس نے فون بند کردیا اور میری طرف دیکھنے لگی میں نے کہا ''یہ اچھی بات ہے کہ تم اس کی ماں کی موجودگی میں اس سے ملاقات کرسکو گی۔''

وہ مجھے گھور کر بولی ''تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میں وہاں اکیلی جاؤں گی۔ میں نے تمہارے بھروسے پر ان سے ملاقات کا وعدہ کیا ہے' تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔''

''نہیں نمرہ!......میری بات کو سمجھو وہ دیوانہ مجھے اپنا رقیب سمجھے گا۔ اگر تم کسی کنویں یا کھائی میں گرنے جاتیں تو میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑتا۔ میں جانتا ہوں تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ تم وہاں کسی کے ساتھ نہیں جاؤ گی۔ بالکل تنہا جاکر ان ماں بیٹے سے ملاقات کرو گی۔''

''میں نے اسے مردہ گھر میں دیکھا تھا تب سے میرے دماغ پر اس کی دہشت ہے۔''

''یہ تو طے ہے کہ وہ مردہ نہیں ہے اور تم جہاں جارہی ہو وہاں اس کی ماں بھی موجود ہوگی۔''

پھر میں نے اپنی کرسی اس کے قریب کھسکالی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا ''تم نے دیکھا ہے میں پیش گوئی کرتا ہوں اور جب میں کہہ رہا ہوں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تو تمہیں مجھ پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

اس نے بڑے اعتماد سے مجھے دیکھا پھر نظریں جھکا کر اپنا سر میرے شانے پر ٹکا دیا۔

☆☆☆

زیشان بہت پریشان تھا اپنے کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اسما دروازہ کھول کر کھانے کی ٹرالی لے آئی پھر دروازے کو بند کرتے ہوئے بولی ''دفتر کی پریشانیاں گھر میں آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ چلیں کچھ کھالیں۔ کھانے کے بعد ہم واک کے لیے چلیں گے۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے تم کھالو۔''

''کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ بھوکے ہوں اور میں کھالیا ہو؟ یوں تو ایک دانہ بھی میرے منہ میں نہیں جاسکے گا۔''

''ضد نہ کرو اسما۔ مجھے سوچنے دو۔''

''ایسی کیا پریشانی ہوگئی ہے، کیا کوئی خطرناک مجرم د سر بن گیا ہے؟''

وہ پلٹ کر بولا ''دردانہ دردِسر بن گئی ہے۔ میرے بڑی مصیبتیں کھڑی کررہی ہے۔''

اسما نے ناگواری سے کہا ''وہ عورت تو ہمارے مصیبت بنتی جارہی ہے۔ کیا ابھی تک یہی کہتی ہے کہ جو آپ نے قتل کرایا ہے؟''

''ہاں وہ مجھے ہی اپنے بیٹے کا قاتل سمجھتی ہے۔ ا لینے کے لیے بڑے بڑے سرکاری اور سیاسی عہدے دار تک پہنچ رہی ہے۔''

آپ آرام سے یہاں بیٹھ کر کھانا کھائیں اور مجھ باتیں کرتے جائیں ورنہ میں باتیں بھی نہیں سنوں گی اور رہوں گی۔''

اس نے بے بسی سے اپنی محبوب بیوی کو دیکھا پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ اس کی طرف ایک ڈش بڑھاتے ہ بولی ''آپ نے شہباز درانی کے بارے میں بتایا تھا کیا و قدر وسیع ذرائع کا مالک ہے کہ دردانہ اُس کے ذریعے والوں تک پہنچ جاتی ہے؟''

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''میرے خلاف بڑے پیمانے پر انکوائری ہورہی ہے۔ یہ ثابت کرنے کی کوش جارہی ہے کہ میں پولیس کی وردی میں چھپا ہوا ایک درندہ ہوں۔''

''جب آپ ایسے نہیں ہیں تو وہ یہ ثابت ہی نہیں گے۔''

''تم مجرمانہ ہتھکنڈے نہیں جانتی ہو۔ میرے مت مشہور ہے کہ جو مجرم ڈکیتی اور قتل وغیرہ کی وارداتوا ملوث ہونے کے باوجود عدالت سے بری ہوجاتا ہے میں کسی نہ کسی بہانے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں۔''

''آپ کے متعلق ایسا کیوں کہا جاتا ہے؟ کیا آ کرتے ہیں؟''

وہ کھاتے کھاتے رک گیا۔ اس نے اسما کو سو نظروں سے دیکھا پھر کہا ''ہاں میں ایسا کرتا ہوں۔ مجھ برداشت نہیں ہوتا کہ مجرم جرم کرے، بے گناہوں کو قتل اور پھر دولت' طاقت اور رشوت کے ذریعے عدالت ہوجائے۔ میں نے ایسے کئی مجرموں کو ٹھکانے لگایا ہے

اس نے حیرانی اور بے یقینی سے زیشان کو دیکھا پھر چھا ''کیا جواد کو بھی؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا ''میں جواد کو عبرتناک سزا دے رچھوڑ دینا چاہتا تھا تاکہ دردانہ کو کچھ نصیحت حاصل ہو لیکن ایڈ ٹارچر سیل میں اس پر کچھ زیادہ ہی تشدد ہوگیا اور وہ چاہتے ہوئے بھی مارا گیا۔''

وہ اپنا لقمہ پلیٹ میں واپس رکھتے ہوئے بولی ''میں نہیں کھاؤں گی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اتنے ظالم ہیں؟''

''پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ ظلم نہیں ہے سچا انصاف ہے۔ ہر مجرم کو اپنے کیے کی سزا ملنی چاہیے۔''

''جب عدالت اپنا فیصلہ سنا دیتی ہے تو آپ فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ یہ حق آپ کو کس نے دیا ہے؟''

''میرے ضمیر نے' اور انسانیت کے تقاضوں نے۔ مجرموں کی سرپرستی کے باعث جرائم پھلتے پھولتے ہیں۔ اب قانون کو توڑ مروڑ کر عدالت میں پیش کیا جاتا ہے اور بڑے بڑے خطرناک مجرم پھر قتل وغارت کا بازار گرم کرنے کے لیے رہا ہوجاتے ہیں۔''

اس نے اسما کو دیکھا پھر کہا ''کھاتی رہو اور میری باتیں سنتی رہو ورنہ میں کھانا چھوڑ دوں گا۔''

وہ سر جھکا کر کھانے لگی اس نے کہا ''میں تاجر برادری سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہمارے خاندان میں سب ہی بزنس کرتے ہیں صرف ایک میں ہی ہوں جس نے پولیس کی نوکری کی ہے۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ مجھ سے ناانصافی برداشت نہیں ہوتی۔ میں نے تعلیم حاصل کرنے کے دوران ہی سوچ لیا تھا کہ میں سپاہی بنوں گا ایسا سپاہی جو اپنی عدالت خود قائم کرتا ہے اور اپنے طور پر انصاف کرکے مجرموں کو قرار واقعی سزا دیتا ہے۔ میں ٹریننگ حاصل کرنے اور ترقیاں حاصل کرنے کے بعد ایک اعلیٰ افسر بن کر یہی کررہا ہوں۔ میں سب کچھ برداشت کرسکتا ہوں کسی کے ساتھ ناانصافی برداشت نہیں کرسکتا۔''

''میں مانتی ہوں آپ سچے ہیں، انصاف پسند ہیں، لیکن یہ نہیں سوچا کہ ایسا کرنے میں خطرات کتنے زیادہ ہیں؟ جن مجرموں کو آپ سزا دیتے ہیں ان کے ساتھی مجرم کیا آپ کو معاف کردیں گے، کیا آپ کے خلاف کارروائی نہیں کریں گے اور کیا اب نہیں کررہے ہیں؟''

''جو کررہے ہیں کرنے دو۔ میں دو ہی باتیں جانتا ہوں۔ وہ میرے خلاف سازشیں کرکے میری وردی اتروادیں گے اور جب میں اعلیٰ پولیس افسر نہیں رہوں گا میرے اختیارات ختم ہوجائیں گے تو وہ مجھے ایک عام آدمی کی طرح گولی ماردیں گے۔''

اسما کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی پھر وہ بولی ''آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے گولی کھانا بچوں کا کھیل ہے۔ اور یہ کھیل کھیلنے کے بعد میرا کیا ہوگا یہ آپ نے کبھی سوچا ہے؟''

اس نے کہا ''جب میں نے کمینی کے سامنے پہلی بار پولیس کی وردی پہنی تو اپنے سینے پر انگلی رکھ کر کہا تھا جب تک یہاں گولی نہیں کھاؤں گا تب تک مجرموں کو جہنم میں پہنچاتا رہوں گا۔''

اسما دم سادھے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی اس نے پوچھا ''اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ تم نادان بچی تو نہیں ہو۔ کیا اتنا بھی نہیں جانتیں کہ سپاہی مارنے یا مرنے کے لیے میدان میں آتا ہے؟ یہ ضروری تو نہیں کہ ہم ہمیشہ مجرموں پر حاوی ہوجائیں۔ کبھی مجرم بھی ہم پر حاوی ہوسکتے ہیں۔''

فون کا بزر سنائی دیا زیشان نے فون اٹھا کر دیکھا پھر کہا ''دردانہ کال کررہی ہے میں جانتا ہوں کیا کہے گی؟''

اس نے بٹن آن کیا پھر اسے کان سے لگا کر کہا ''ہاں بولو۔''

وہ ہنستی ہوئی بولی ''ہائے زیشان! تمہیں بڑا ناز تھا کہ تمہارے جیسے اعلیٰ افسر کا توڑ کوئی نہیں کرے گا۔ جو چاہو گے وہ کرتے رہو گے، اب اوپر والوں کی طرف سے جو انکوائری ہورہی ہے کیسی لگ رہی ہے؟''

''مجھ سے کیا پوچھتی ہو نتیجہ جلد ہی سامنے آجائے گا۔ میں اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتا ہوں۔''

وہ پھر ہنستے ہوئے بولی ''اینٹ اور پتھر کا زمانہ گزر چکا ہے میں تو دیکھتے ہی دیکھتے بندوق کی گولی کی طرح تمہاری کھوپڑی کے آر پار ہوجاؤں گی۔ میرا مقتول بیٹا میرے اندر چیخ چیخ کر کہتا ہے ممی دیر نہ کریں ورنہ یہ چالباز افسر اندھیرا کردے گا۔ اور میں اندھیرا ہونے نہیں دوں گی۔''

''کیا یہی ڈینگیں مارنے کے لیے فون کیا ہے؟''

''میں کچھ اور بھی کہوں گی لیکن اس سے پہلے اسما سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''جو بات کہنا ہے مجھ سے کہو۔''

''ڈرتے ہو کہ میں اس کے کانوں میں تمہارے خلاف زہر اگلنے لگوں گی؟''

''میرے خلاف ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ تم زہر اگل سکو۔ تم کچھ بھی کہو گی تو میری بیوی پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔''

''تو پھر فون اسے دیدو۔ اتنی بحث کیوں کررہے ہو؟''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسما کو دیکھا پھر فون بڑھاتے ہوئے کہا "یہ تم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔"

اسما نے فون لے کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا "ہیلو۔ آپ مجھ سے کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

وردانہ نے کہا "تمہارے گھر میں ایک نجومی آیا ہے۔ سچی پیش گوئی کرتا ہے۔ اسے اپنا ہاتھ دکھاؤ وہ تم کو بتا دے گا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اور جو کچھ وہ بتائے گا وہ میں ابھی سے کہہ دیتی ہوں کہ اپنے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ ڈالو ابھی سے ننگی کلائیوں کو دیکھنے کی عادت ڈال ہو۔"

اسما نے کہا "وردانہ تم کس سے یہ باتیں کر رہی ہو؟ ایک سپاہی کی بیوی سے؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ جب میں ذیشان کی دلہن بن کر آئی تھی تو اس وقت وہ ایک پولیس انسپکٹر تھے۔ میں نے سینے پر گولی کھانے والے ایک سپاہی سے نکاح قبول کیا تھا۔ اتنے عرصے بعد مجھے چوڑیاں توڑنے کا مشورہ دے رہی ہو؟ بہتر ہے اپنا محاسبہ کرو اب تک کتنی بار شادیاں کر چکی ہو اور کتنی بار چوڑیاں توڑ چکی ہو۔ کتنے شوہر بھگتا چکی ہو اور اب کس کی گود میں جا کر بیٹھی ہوئی ہو۔ تمہاری جیسی بے شرم عورت تو کسی سے بات کرنے کے قابل ہی نہیں ہوتی۔"

یہ کہہ کر اسما نے فون بند کر دیا ذیشان نے اس سے فون لے کر کہا "شاباش! تم نے منہ توڑ جواب دیا ہے۔ سپاہیوں کی بیویاں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔"

فون ایک بار پھر بولنے لگا۔ ذیشان نے اسکرین پر دیکھتے ہوئے کہا "اس عورت کو سکون نہیں ہے یہ مجھ سے کوئی خاص بات کہنا چاہتی ہے۔"

اس نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا "کیا اب بھی سننے کے لیے کچھ باقی رہ گیا ہے؟"

"سنانے کے لیے رہ گیا ہے۔ تم بہت چالاک بنتے ہو۔ تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ میں نے گرفتاری سے قبل حشمت کی ضمانت کیوں لی تھی؟"

"ہاں! میں تمہاری جالبازیوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔"

"اسی لیے تم نے اسے بڑی راز داری سے غائب کر دیا اس ملک سے کہیں باہر بھیج دیا؟"

"کیا تمہیں تکلیف ہو رہی ہے؟"

"نہیں۔ راحت مل رہی ہے۔ ملک سے باہر اسے ٹھکانے لگانے میں تو اور بھی آسانی ہو گی۔ تم اس کے ہمدرد ہو اس لیے واردات سے پہلے اطلاع دے رہی ہوں۔ اسے بچا سکتے ہو تو بچا لو ورنہ اس کی موت تمہارے تابوت میں آخری کیل ثابت ہو گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا ذیشان نے ناگوار سے فون کی طرف دیکھا پھر اس نے بھی اسے بند کر کے ایک طرف رکھ دیا اسما نے پوچھا! "اب کیا کہہ رہی ہے؟"

"حشمت کے پیچھے پڑ گئی ہے اسے مار ڈالنا چاہتی ہے اور اس کی موت کا الزام میرے سر لانا چاہتی ہے۔"

وہ سہم کر بولی "ذیشان! آپ کس مصیبت سے کھیل رہے ہیں۔ پتا نہیں وہ بلا آپ کے خلاف کیا کرنے وا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا "مجھے گھیر کر مارنے والی ہے۔ یہ نہ بھولو مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہے۔ وہ قادر مطلق ہمارا معبود ہے مجھے صرف اسی پر بھروسا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر پو بھروسا ہو تو دشمنوں کا خوف دل و دماغ سے نکل جاتا ہے۔"

میں نے دروازے پر دستک دی اس نے کہا "آ جاؤ۔"

میں نے دروازے کو ذرا سا کھول کر اندر جھانکتے ہو۔ پوچھا "میں مخل تو نہیں ہو رہا ہوں؟"

اسما نے مسکراتے ہوئے کہا "نہیں مقدر!...... آ جاؤ"

میں نے کمرے میں آتے ہوئے کہا "اندر روشنی دیکھ اس لیے چلا آیا۔"

ذیشان نے کہا "صحیح وقت پر آئے ہو۔ آؤ کھا میں شریک ہو جاؤ۔"

"میں ایک گھنٹا پہلے نمرہ کے ساتھ کھا چکا ہوں۔ آ دونوں کچھ دیر میں کھانا کھا رہے ہیں۔"

"ہاں تمہارے بھائی جان کچھ زیادہ ہی پریش ہیں۔ کھانا نہیں کھانا چاہتے تھے میں زبردستی کھلا رہی ہوں۔"

میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے انجان بن پوچھا "آپ پریشان ہیں؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کیا پر ہے؟"

وہ کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔ نیپکن سے ہاتھ پو ہوئے بولا "میں علم نجوم کو نہیں مانتا تھا لیکن تم نے یہاں ایک ایک کا ہاتھ دیکھا اور اتنی سچی باتیں بتائی ہیں' سوچتا تو حیران رہ جاتا ہوں کہ ہاتھ کی لکیریں اس قدر سچ بولتی اور اس قدر تفصیل سے ساری باتیں بتا دیتی ہیں؟"

میں نے کہا "آپ اس بات پر حیران نہ ہوں بلکہ ترس کھائیں مجھ سے ہمدردی کریں۔"

"کیا ہوا؟ تمہارے ساتھ کچھ ٹریجڈی ہو رہی ہے؟"

"اس سے بڑا المیہ اور کیا ہو گا کہ جس کے ہاتھ کو د سچ بولتا ہوں وہی مجھ سے ناراض ہو جاتا ہے اور دشمن بن ہے۔ میں نے یہاں آتے ہی کہا تھا کہ وردانہ بیگم میری سوتیلی ماں ہے میں ان کی عزت کرتا رہوں گا اور انہیں سگی ماں کا درجہ دیتا رہوں گا لیکن افسوس......"

میں نے بات ادھوری چھوڑی' وردانہ ان دونوں کے لیے چیلنج بنی ہوئی تھی۔ وہ دونوں مجھے دلچسپی سے اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے میں نے کہا "کل رات میں نے وردانہ بیگم اور شہباز درانی کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھیں تھیں پھر دیکھنے کے بعد سچ بولنے لگا تو وہ دونوں ہی مجھ سے ناراض ہو گئے بلکہ دشمن بن گئے۔"

اسما نے کہا "دیکھ لو...... وہ عورت کیسے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ہے۔ تمہیں بیٹا بیٹا کہہ رہی تھی اور تم اسے ماں کہہ رہے تھے لیکن اس نے رشتے کا لحاظ بھی نہیں کیا۔ سچ سن کر دشمن بن گئی۔ کیا اب بھی اس سے رشتے داری رکھو گے؟"

میں نے کان پکڑتے ہوئے کہا "میں تو اب کبھی اس عورت کی طرف رخ نہیں کروں گا۔"

ذیشان کو شہباز درانی سے دلچسپی تھی وہ اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کرسی کا رخ میری طرف کیا اور میرے روبرو ہو کر پوچھا "کیا تم نے شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا؟"

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا اس نے پوچھا "اس کے ہاتھ کی لکیریں کیا کہتی ہیں؟ تم تو ماضی، حال اور مستقبل کی سچی باتیں جان لیا کرتے ہو۔ میں بھی اس کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتا ہوں' پلیز میری مدد کرو۔"

"بھائی جان آپ اس طرح التجا نہ کریں میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں آپ کے کام نہیں آؤں گا تو اور کس کے کام آؤں گا۔ ویسے میں نے جو کچھ بھی اس کے بارے میں معلوم کیا ہے اس کا کوئی ثبوت میرے پاس نہیں ہے۔ آپ اس کی اصلیت معلوم کرنے کے بعد اپنے ڈپارٹمنٹ والوں کو اس کا اصلی چہرہ دکھانا چاہیں گے تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔"

"کوئی یقین کرے یا نہ کرے میں اس کا اصلی چہرہ دکھا کر رہوں گا۔"

"آپ مصیبت میں پڑ جائیں گے اس کے پیچھے سپر پاور ہے۔ وہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملکوں کی کایا پلٹ دیتا ہے، ہم اور آپ کیا چیز ہیں؟"

"مجھے کچھ اندازہ تو ہے کہ وہ امریکی ایجنٹ ہے۔ تم کھل کر بتاؤ۔"

"آپ وعدہ کریں کہ اس کے خلاف کھل کے کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ اسے اپنا دشمن نہیں بنائیں گے جو کرنا ہے وہ راز داری سے کرتے رہیں گے۔"

اسما نے کہا "مقدر صحیح کہہ رہے ہیں۔ آپ وعدہ کریں خواہ مخواہ اس سے دشمنی مول نہیں لیں گے۔"

اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے میں وعدہ کرتا ہوں۔ اس کے بارے میں وضاحت سے بتاؤ۔"

میں نے کہا "شہباز درانی امریکی سی آئی اے کے مرکزی دفتر کا فارن آفیسر ہے۔ اس نے وہاں کے ٹریننگ سینٹر میں کانسپریسی اور ڈپلومیسی (CONSPIRACY AND DIPLOMACY) کی باقاعدہ تربیت حاصل کی ہے۔ ہر ملک میں سی آئی اے کا ایک خفیہ ہاتھ ہوتا ہے جو اس ملک کے چھوٹے بڑے سیاستدانوں کی کمزوریوں سے کھیلتا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق وہاں سیاسی تبدیلیاں لاتا رہتا ہے۔"

ذیشان حیرت سے میری باتیں سن رہا تھا میں نے کہا "اب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ شہباز درانی جیسے خفیہ ہاتھ کو یہاں پکڑنے والا کوئی نہیں ہے۔ جس نے بھی اس ہاتھ کو پکڑنا چاہا اسے پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا گیا۔ طیارے کے حادثے میں ہلاک کرا دیا گیا یا ملک بدر کر دیا گیا۔"

اسما یہ باتیں سن کر سہم گئی تھی اس نے کہا "ذیشان آپ نے وعدہ کیا ہے شہباز درانی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔"

وہ سخت لہجے میں بولا "ہاں میں وعدہ کر چکا ہوں۔ تم چپ رہو۔"

"میں خاموش نہیں رہوں گی۔ آپ کے مزاج کو آپ کے غصے کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ آپ اپنے ملک کے کسی چھوٹے سے چھوٹے مجرم کو معاف نہیں کرتے ہیں تو بھلا شہباز درانی کو کب معاف کریں گے۔ آپ تو ضد میں آ کر اس کے خلاف کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہیں گے۔"

وہ جھنجلا کر بولا "میں کچھ نہیں کروں گا۔ اب خاموش ہو جاؤ یا یہاں سے چلی جاؤ۔"

میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا "بھابی جان آپ خاموش ہو جائیں۔ میں بھائی جان سے بات کر رہا ہوں۔"

"مقدر میاں تم اپنے علم سے مجھے مطمئن کر دو میں خاموش ہو جاؤں گی۔ ان کا ہاتھ دیکھ کر بتاؤ یہ کیا کرنے والے ہیں ان کے مقدر میں سلامتی ہے یا نہیں؟"

ذیشان' اسما کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا "تم ٹھیک کہتی ہو' مقدر میاں سے مجھے رہنمائی مل سکتی ہے یہ میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر بہت کچھ بتا سکتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنا دایاں ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میں اسما اور ذیشان کے ہاتھوں کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا بہت کچھ جانتا تھا۔لیکن فی الحال ان سے کچھ اہم باتیں چھپانا ضروری تھا۔

میں نے ذیشان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے دیکھا پھر یوں ظاہر کیا جیسے ہاتھ کی لکیروں کو توجہ سے پڑھ رہا ہوں پھر میں نے اسے اور اسماء کو دیکھا وہ گھبرا کر بولے'' کیا بات ہے مقدر میاں؟''

میں نے کہا'' فی الحال دشمن بھائی جان پر غالب آتے رہیں گے۔یہ اپنے ایک ماتحت کی غداری کے باعث مصیبت میں پڑیں گے۔''

ذیشان نے کہا'' میرے تمام ماتحت وفادار ہیں۔میرے لیے جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔تم کس ماتحت کی بات کر رہے ہو؟ کیا اس کا نام معلوم ہو سکتا ہے؟''

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا'' آپ کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر اس کا نام معلوم نہیں ہو سکتا البتہ اس کا ہاتھ دیکھ کر یہ معلوم کر سکوں گا کہ وہ آپ سے کیوں غداری کرنے والا ہے؟''

اسما نے پوچھا'' وہ کون ہو سکتا ہے ذیشان؟ تم اپنے ماتحتوں کو ٹٹولنے کی کوشش کرو۔جلد سے جلد معلوم کرو کہ وہ غداری کرنے والا کون ہے؟''

''میں محتاط رہوں گا اور اپنے ماتحتوں کو ٹٹولنے کی کوششیں کرتا رہوں گا۔''

اسما نے پوچھا'' کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ اپنے تمام ماتحتوں کو یہاں بلائیں یا مقدر میاں کو ان کے پاس لے جائیں یہ ان سب کے ہاتھ دیکھتے رہیں گے۔کسی نہ کسی کے ہاتھ کی لکیر بتا دے گی کہ کون غداری کرنے والا ہے؟''

''یہ بہت مشکل ہے' کیونکہ میرے دو چار ماتحت نہیں ہیں۔یہاں میرے ماتحت افسر اور سپاہی درجنوں کی تعداد میں ہیں۔ان کے علاوہ یہاں سے اسلام آباد تک کتنے ہی راز دار آلۂ کار ہیں جو ضرورت کے وقت میرے کام آتے ہیں۔مقدر میاں بھلا کہاں کہاں جا کر کس کس کے ہاتھ دیکھیں گے؟''

میں نے کہا'' یوں بھی میں سب ہی کے ہاتھ نہیں دیکھتا آپ لوگ میرے عزیز ہیں اس لیے دیکھ لیتا ہوں اور جو کہنا ہوتا ہے کہہ دیتا ہوں۔''

ذیشان نے کہا'' ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔شہباز درانی تو بڑے بڑے سیاسی گیم کھیلتا ہے۔میرا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔وہ پولیٹیکل نیٹ ورک کے ماہرین میں سے ایک ہے اور میں ایک معمولی پولیس افسر ہوں۔اسے مجھ جیسے معمولی افسر کے خلاف انتقامی کارروائی کرنے کی فرصت کیسے مل جاتی ہے؟''

میں نے کہا'' وہ کہتے ہیں نا کہ عشق نچائے تھیا تھیا......

دردانہ کا عشق اسے نچا رہا ہے۔وہ نوجوانی سے ہی اس کا عاشق رہا ہے۔اسی کی خاطر وہ اپنی سطح سے نیچے اتر کر آپ کے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔''

پھر میں نے قدرے توقف سے کہا'' وہ چاہے تو ایک منٹ میں آپ کی وردی اتروا سکتا ہے' اپنے آلہ کاروں کے ذریعے آپ کو ہلاک کرا سکتا ہے۔لیکن ایک تو آپ کا سروس ریکارڈ بہت مضبوط ہے۔دوسرے یہ کہ وہ ایسی کوئی حرکت کرنا نہیں چاہتا جس پر مرکزی سی آئی اے کے اعلیٰ عہدے داروں کو اعتراض ہو۔اسے تاکید کی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے معاملات میں اسے کبھی ملوث نہیں ہونا چاہیے اور ایسے معاملات میں بھی اس کا نام نہیں آنا چاہیے۔اسے تو صرف سیاسی گیمز کھیلنے کے لیے اس ملک میں رکھا گیا ہے۔''

اس نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا پھر کہا'' مقدر میاں......دل نہیں مانتا کہ تم صرف نجومی ہو۔تم معلومات کے خفیہ ذرائع رکھتے ہو۔یہاں تک جانتے ہو کہ شہباز درانی کو کیسی کیسی ٹریننگ دی گئی ہے اور یہ کہ اسے اس ملک میں صرف سیاسی گیمز کھیلنے کے لیے رکھا گیا ہے۔تم میرے بھائی ہو مجھے بھائی جان کہتے ہو کیا مجھ سے بھی اپنی حقیقت چھپاؤ گے؟''

''جب میں نے شہباز درانی کو اس کی اصلیت بتائی اور اس کے بارے میں ایک ایک تفصیل بیان کرنے لگا تو وہ بھی یہی کہہ رہا تھا کہ میں نجومی نہیں ہوں۔کسی ملک کی خطرناک تنظیم کا ایجنٹ ہوں اور اس کے بارے میں بہت سی خفیہ معلومات رکھتا ہوں۔میں اسے یقین نہ دلا سکا لیکن وکیل اخلاق احمد آپ کو یقین دلا سکیں گے۔وہ مجھے تقریباً پندرہ برس سے جانتے ہیں۔میرا تعلق صرف بزنس سے رہا ہے میں نے کبھی سیاسی معاملات میں دلچسپی نہیں لی نہ میں سیاسی بازی گروں اور انڈر ورلڈ کے مجرموں کے بارے میں کچھ جانتا ہوں لیکن جب ان کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ لیتا ہوں تو مجھے بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔''

''کیا میرے ہاتھ کی لکیروں نے صرف اتنا ہی بتایا جتنا کہ تم کہہ چکے ہو؟''

''آپ کے ہاتھ کی لکیریں بہت کچھ بتا رہی ہیں لیکن میں آگے کچھ بتانا نہیں چاہتا۔''

''کیوں بتانا نہیں چاہتے ہم سے کچھ چھپا رہے ہو؟''

''اس لیے کہ جب بھی میں کسی کے ذاتی اور گھریلو حالات بتاتا ہوں تو وہ مجھ سے ناراض ہو جاتا ہے۔''

اسما نے کہا'' ہم وعدہ کرتے ہیں تم سے ناراض نہیں ہوں گے' ہم سے کچھ نہ چھپاؤ۔''

''بھائی جان کے ہاتھ کی لکیریں کہتی ہیں کہ وہ آپ کو دل و جان سے چاہتے ہیں' ہر معاملے میں یہ آپ کو اہمیت دیتے ہیں۔ایک اہم معاملے میں یہ آپ کی خاطر اپنے ماں باپ تک سے جھوٹ بول رہے ہیں اور ساری دنیا کو دھوکا دے رہے ہیں۔''

اسما اور ذیشان نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔وہ اس اہم معاملے کو سمجھ گئے' پھر بھی ذیشان نے انجان بن کر پوچھا'' یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں بھلا اپنے ماں باپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا اور دنیا والوں کو دھوکا کیوں دوں گا؟''

میں نے کہا'' بھائی جان آپ کے ہاتھ میں اولاد کی لکیریں ہیں۔آپ باپ بن سکتے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنے اور پرائے سب ہی سے چھپا رہے ہیں۔کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟''

وہ دونوں ہی حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے' ذیشان نے کہا'' بھئی مقدر میاں' تم بہت ہی خطرناک آدمی ہو۔تم سے کوئی چھپ کر نہیں رہ سکتا۔''

اسما نے کہا'' میری توبہ میں اب اور کچھ نہیں پوچھوں گی تم بھی اپنی زبان بند رکھو گے اور گھر والوں سے اپنے بھائی جان کی یہ حقیقت بیان نہیں کرو گے۔''

میں نے اٹھتے ہوئے کہا'' میں ایک کا راز دوسرے کو نہیں بتاتا آپ میری طرف سے مطمئن رہیں۔بہرحال آدھی رات ہونے کو ہے اب میں اجازت چاہتا ہوں۔''

وہ دونوں مجھے کمرے کے باہر تک چھوڑنے کے لیے آئے اسی وقت موبائل فون کا بزر سنائی دیا ذیشان نے اپنے فون کو دیکھا پھر کہا'' بابر کی کال ہے۔''

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا اور کہا'' تم کہاں ہو اب تک گھر واپس کیوں نہیں آئے؟''

اسما نے کہا'' میں بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی ہوں۔وہ میڈیکل رپورٹ لے کر کیوں نہیں آیا؟''

بابر نے کہا'' میں بھابی کی آواز سن رہا ہوں اور بہت شرمندہ ہوں اس لیے گھر نہیں آ رہا ہوں۔''

ذیشان نے پوچھا'' ایسی کیا بات ہو گئی ہے کہ تم شرمندہ ہو؟''

''میری رپورٹ بھی آپ کی طرح نگیٹو ہے۔میں بھی باپ نہیں بن سکوں گا۔''

''او گاڈ! یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

ذیشان نے یہ کہتے ہوئے اسما کی طرف دیکھا اس نے پریشان ہو کر پوچھا'' کیا کہہ رہا ہے؟''

وہ بولا'' بیڈ نیوز......اس کی میڈیکل رپورٹ نگیٹو ہے۔''

اسما کے ذہن میں جھٹکا سا لگا وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی پھر بولی'' نہیں میں نہیں مان سکتی۔یہ نہیں ہو سکتا۔سمیرا کی سہیلی لیڈی ڈاکٹر ہے بابر اس کے ہاسپٹل میں کیوں چیک اپ کرانے گیا تھا؟''

''اسما! بات کو سمجھا کرو۔اسے سمیرا کو مطمئن کرنا تھا اور سمیرا اسی وقت مطمئن ہو سکتی تھی جب وہ اپنے اعتماد کے لوگوں کے پاس لے جا کر میڈیکل کراتی۔اگر بابر اپنے اعتماد کے ڈاکٹر کے پاس جاتا اور بابر کی رپورٹ پوزیٹیو ہوتی تو تب بھی سمیرا یقین نہ کرتی۔''

اسما گم سم سی کھڑی رہی۔اسے ایک اپنے دیور پر ہی بھروسا تھا کہ وہ شادی کرے گا دلہن کو گھر لائے گا تو اس سے اولاد ہو گی اور ساس سسر مطمئن ہو کر اس پر سوکن لانے والی باتیں کرنا چھوڑ دیں گے۔اب دیور کا سہارا بھی ختم ہو گیا اس کی نگیٹو رپورٹ اسما کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجا رہی تھی۔میں نے اب تک اسما کا ہاتھ دیکھنے سے پرہیز کیا تھا۔میں نہ تو ہاتھ دیکھنا چاہتا تھا اور نہ ہی اسے بتانا چاہتا تھا کہ اس کی زندگی میں آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھاتی اور اپنی قسمت کا حال پوچھتی' میں چپ چاپ وہاں سے چلا آیا۔

☆☆☆

دوسرے دن سمیرا ڈیوٹی پر آئی۔اس نے انٹر کام پر بابر سے پوچھا'' سر میں اندر آ سکتی ہوں؟''

اس نے کہا'' آ جاؤ۔''

اس نے اٹھتے اٹھتے پرس میں سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنے چہرے کا جائزہ لیا اور ہونٹوں پر لپ اسٹک کو درست کیا۔اس نے جینز پر بغیر آستین کا بلاؤز پہنا ہوا تھا جو اتنا چھوٹا تھا کہ پیٹ ننگا دکھائی دے رہا تھا۔وہ روز ہی ایسے لباس پہن کر آتی تھی' جیسے ڈیوٹی پر نہیں مقابلہ حسن میں شریک ہونے کے لیے آ رہی ہو۔وہ خراماں خراماں بابر کے دروازے تک پہنچی۔اس کی چال بھی ایسی تھی جیسے اسٹیج پر کیٹ واک کر رہی ہو۔آفس کا اسٹاف کام چھوڑ کر اسے دیکھنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

اس نے دروازے پر دستک دی'' مے آئی کم ان سر!''

اندر سے آواز آئی ''کم ان۔''

وہ دروازہ کھول کر مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''مورننگ سر!''

''مورننگ......بیٹھو!''

وہ اس کی میز کے سامنے والی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی پھر بولی'' آپ نے میڈیکل رپورٹ حاصل کرلی؟''

وہ فائل بند کرکے ایک طرف رکھتے ہوئے بولا'' ہاں اور میں نے گھر والوں کو بتا بھی دیا ہے کہ میری رپورٹ نگیٹو ہے۔''

وہ مسکرا کر بولی'' آپ نے شادی سے کترانے کے لیے بڑی اچھی پلاننگ کی ہے اور کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر کو تو اچھی خاصی رشوت دی ہوگی؟''

وہ دراز کھول کر بھرے ہوئے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کی طرف پھینکتے ہوئے بولا'' اسے گن لو پورے پچاس ہزار ہیں اور بھول جاؤ کہ میں نے تمہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا تھا۔''

''سر! آپ شادی سے کتراتے کیوں ہیں؟''

وہ خشک لہجے میں بولا'' یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔''

''سر جب آپ نے ایک مہنگے علاقے میں مجھے فلیٹ خرید کر دیا تو میں بہت خوش ہوئی تھی اور یہ سمجھ رہی تھی کہ آپ مجھے پسند کرنے لگے ہیں۔ لیکن آپ کبھی ایک منٹ کے لیے بھی میرے فلیٹ میں نہیں آئے۔ اس فلیٹ سے اس آفس تک ساری دنیا مجھے دیکھتی ہے لیکن آپ کبھی مجھے نہیں دیکھتے صرف کام کے وقت اور ضروری باتیں کرتے وقت مجھ سے نظریں ملاتے ہیں۔''

''ہوں......'' وہ ایک فائل اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا'' میں یہ ٹینڈر مکمل کر چکا ہوں اسے روانہ کردو اور یہ رقم اپنے پرس میں رکھو۔ میں نہیں چاہتا کوئی اسے دیکھے۔''

اس نے فائل لے کر سامنے رکھی پھر نوٹوں کی گڈی اٹھا کر پرس میں رکھتے ہوئے بولی'' سر کسی کو الجھن میں نہیں ڈلنا چاہیے۔''

''کیا؟ میں نے تمہیں کسی الجھن میں مبتلا کیا ہے؟''

''بے شک...... میں روز آئینہ دیکھتی ہوں اور اپنے آپ سے پوچھتی ہوں کہ مجھ میں کس بات کی کمی ہے۔ میں خوبصورت ہوں، پرکشش ہوں' کتنے ہی رشتے میرے لیے آتے ہیں۔ اچھا کھانے کمانے والے جوان مجھے پرپوز کرتے رہتے ہیں۔''

''تمہیں فوراً کسی سے شادی کرلینی چاہیے۔''

''میں آپ سے پوچھ رہی ہوں مجھ میں کس چیز کی کمی ہے؟''

''جب تم آئینہ دیکھتی ہو' خود کو خوبصورت اور پرکشش کہتی ہو تو پھر کمی کیسی؟ مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''جب آپ کو مجھ میں کوئی کمی نظر نہیں آتی تو پھر آپ مجھے پرپوز کیوں نہیں کرتے ہیں؟''

''میرا یہ آفس ہے۔ یہاں صرف کام کی باتیں کیا کرو۔''

''میرے لیے تو یہ بھی کام کی باتیں ہیں۔ آپ نے یہیں بیٹھ کر تو میرے ساتھ پلاننگ کی تھی کہ میں آپ کی محبوبہ بن کر آپ کے گھر جاؤں گی۔ میں کبھی شلوار قمیص نہیں پہنتی' دوپٹا مجھے بوجھ لگتا ہے' لیکن آپ کی خاطر میں نے شلوار قمیص کا سوٹ خریدا اور آپ کے گھریلو ماحول کے مطابق ایک مشرقی لڑکی بن کر گئی تھی۔''

اس نے دراز کی طرف ہاتھ بڑھایا'' تو کیا یہ کم ہیں؟''

وہ بولی'' نہیں نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔''

تو وہ رکھائی سے بولا'' تم نے میری خاطر نہیں پچاس ہزار روپے کی خاطر سب کچھ کیا اور یہ رقم تم اپنے پرس میں رکھ چکی ہو۔''

اس نے رقم نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا'' میں سمجھ رہی تھی آپ میری کارکردگی سے خوش ہو کر مجھے انعام دے رہے ہیں اور مجھے خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں' مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ مجھے معاوضہ دے رہے ہیں؟ سوری! میں یہ رقم نہیں لوں گی۔''

''میں نے تو پہلے ہی تم سے کہا تھا کہ تمہیں پچاس ہزار روپے دوں گا۔''

''میں کیسے سمجھتی کہ آپ معاوضہ دینے کی باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے معاوضہ کے لیے یہ کام نہیں کیا تھا۔ میں آپ کے دیئے گئے اس فلیٹ میں صرف یہ سوچ کر گئی تھی کہ آپ میری طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اگر آپ کو شلوار سوٹ پسند ہے تو میں ویسا ہی لباس ساری زندگی پہنتی رہوں گی۔ جو آپ چاہیں گے کروں گی۔ آپ مجھے اپنے طور پر آزما کر دیکھتے رہیں کہ میں آپ کے معیار پر پوری اترتی ہوں یا نہیں''

وہ پلٹ کر وہاں سے جانے لگی تو بابر نے ناگواری سے کہا'' رک جاؤ۔''

وہ رک گئی اس کے دھڑکتے ہوئے دل نے کہا'' اب یہ متاثر ہوا ہے۔'' اس نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ ہاتھ کے

اشارے سے اسے بلا رہا تھا۔ وہ خوش ہو کر چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اس نے کہا'' تمہارے پچاس ہزار روپے دفتری اوقات تک میرے پاس امانت کے طور پر رہیں گے۔ اگر تم اسے قبول نہ کرنا چاہو تو شام کو اپنا استعفیٰ لکھ کر لے آنا میں تمہاری چھٹی کر دوں گا۔ اس کے بعد تمہیں وہ فلیٹ بھی چھوڑنا ہوگا۔ جاؤ اور شام تک اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔''

وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کئی بار آزما چکی تھی کہ اس کے سینے میں دل نہیں پتھر ہے۔ وہ خشک لہجے میں بولا۔ ''تم جا سکتی ہو۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی'' سر میں ایک بہت ہی اہم معاملے میں آپ کی راز دار ہوں کیا آپ کو یہ اندیشہ نہیں ہے کہ میں یہ راز فاش کر سکتی ہوں؟''

بابر نے پوچھا'' کون سا راز؟''

''میں آپ کی ممی اور ڈیڈی کے پاس جا کر کہہ سکتی ہوں کہ نہ تو میں آپ کی محبوبہ تھی اور نہ ہی میں آپ سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے ایک ڈراما کیا تھا اپنے بزرگوں کو دھوکا دینے کے لیے......''

اس نے کہا'' یہ فون رکھا ہوا ہے ریسیور اٹھاؤ اور میرے گھر کے نمبر ملا کر میرے ماں باپ سے جو کہنا چاہتی ہو ابھی اسی وقت کہہ دو۔''

''میں جو کچھ کہوں گی آپ اس کے جواب میں اعتراف کریں گے کہ آپ اپنے والدین سے فراڈ کر رہے تھے؟''

''ہرگز نہیں۔ میں اعتراف نہیں کروں گا کیونکہ میں کوئی فراڈ نہیں کر رہا ہوں۔''

''وہ میڈیکل سرٹیفکیٹ جو آپ نے گھر والوں کو دکھایا ہے جھوٹا ہے۔''

''تمہیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ وہ سرٹیفکیٹ غلط نہیں ہے۔ میڈیکل رپورٹ درست ہے۔ میں نیگیٹو ہوں کبھی باپ نہیں بن سکوں گا۔''

''میں اس میڈیکل رپورٹ کو چیلنج کروں گی۔ آپ کے والدین سے کہوں گی کہ وہ اپنے اعتماد کے کسی ڈاکٹر کے ذریعے دوبارہ چیک اپ کرائیں۔''

''اور مجھے اعتراض نہیں ایک بار نہیں دس بار چیک اپ کرائیں' ہر بار میری رپورٹ نگیٹو ہی ہوگی۔''

وہ بے یقینی سے بابر کا منہ تکنے لگی وہ بولا'' میں نے ڈاکٹر کو رشوت دی تھی اس سے کہا تھا کہ میری رپورٹ پازیٹیو ہو تو اسے نگیٹو بنا دیا جائے لیکن اس نے رپورٹ دیتے ہوئے کہا تھا نگیٹو بنانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ کیونکہ وہ پازیٹیو تھی ہی نہیں۔''

وہ بے یقینی سے بولی'' آپ جھوٹ بول رہے ہیں صرف مجھ سے اپنی بات منوانے کے لیے۔''

''اسی لیے تو چیلنج کر رہا ہوں' ایک بار نہیں دس بار میرا چیک اپ کرایا جائے تب بھی رپورٹ وہی نکلے گی جو میں پیش کر چکا ہوں۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ وہ محبت سے، اداؤں سے، حکمتِ عملی سے یا پھر دھمکیوں سے اسے اپنی طرف جھکانا چاہتی تھی۔ وہ لڑکیوں کے معاملے میں پتھر تھا۔ وہ اس پتھر کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر کے اپنے قدموں میں لانا چاہتی تھی۔

اس کی آخری امید یہی تھی کہ وہ بابر کی راز دار بن رہی ہے اور وہ اپنی اس راز دار کو کسی نہ کسی دن شریکِ حیات بھی بنا لے گا۔ لیکن وہ اس راز داری کا انعام نہیں دے رہا تھا معاوضہ دے رہا تھا۔

اب آخری حربا یہی رہ گیا تھا کہ جھوٹی میڈیکل رپورٹ کے ذریعے اسے بلیک میل کیا جائے اور اپنی طرف جھکنے کے لیے مجبور کیا جائے لیکن وہ یہ کہہ کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر رہا تھا کہ وہ میڈیکل رپورٹ جھوٹی نہیں سچی ہے اور وہ سچ مچ کبھی صاحبِ اولاد نہیں ہو سکے گا۔

وہ تذبذب میں تھی۔ اس نے پوچھا'' کیا سوچ رہی ہو؟ ریسیور اٹھاؤ اور میرے والدین کو فون کرو، میرے خلاف جو بھی زہر اگل سکتی ہو اگلتی چلی جاؤ۔ لیکن اس کے بعد یہاں سے تمہاری چھٹی ہو جائے گی اور فلیٹ سے تم بوریا بستر سمیٹ کر چلی جاؤ گی میں تو اپنے گھر والوں کو مطمئن کر دوں گا، تم اپنے گھر والوں سے کیا کہو گی کہ دس ہزار روپے ماہانہ کی نوکری کیسے چھوٹ گئی؟ اور اس فلیٹ سے کیوں بے آبرو ہو کر نکلنا پڑ رہا ہے؟''

وہ بری طرح پھنس گئی تھی بابر کی کمزوری سے کھیلنا چاہتی تھی خود کمزور بن گئی تھی۔ لگی لگائی نوکری چھوٹنے والی تھی اور پچاس ہزار روپے بھی ہاتھ سے نکل رہے تھے۔ وہ سخت لہجے میں بولا'' کیوں بھولی بھالی لڑکیوں کی طرح سر جھکائے کھڑی ہوئی ہو' میرے والدین کو فون کرو کیا نمبر یاد نہیں ہے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی'' سر مجھے فون کرنا ہوتا تو میں آپ سے بحث نہ کرتی یہاں سے جاتی اور چپ چاپ آپ کے والدین کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دیتی۔ لیکن میں آپ کو دل و جان سے چاہتی ہوں۔ آپ کی عزت کرتی ہوں۔ کبھی آپ کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔''

''زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ تم میری مخالفت میں بولنے والی

تھیں لیکن میں تمہاری روزی پر لات نہیں ماروں گا۔ تمہیں ملازمت سے نہیں نکالوں گا لیکن جب کبھی تمہاری کسی سازش کا علم ہوا تو یہاں سے بڑی بے آبرو ہو کر نکلو گی...... ناؤ گیٹ آؤٹ۔"

وہ جانے لگی پھر اس نے رک کر چور نظروں سے پچاس ہزار کی گڈی کی طرف دیکھا بابر نے کہا "میں نے تمہیں راز داری کا صلہ دیا تھا لیکن تم نے ثابت کر دیا کہ انعام کی مستحق نہیں ہو پھر بھی میں دینے کے بعد واپس نہیں لیتا۔ اسے اٹھاؤ اور یہاں سے جاؤ۔"

اس نے فوراً ہی نوٹوں کی گڈی کو اٹھا کر پرس میں رکھا اور اس کا شکریہ ادا کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ وہ ناگواری سے زیر لب بڑبڑانے لگا "میں اسی لیے لڑکی ذات پر بھروسا نہیں کرتا۔ کسی کو دل سے نہیں لگاتا۔ کمبخت سب ہی مکار ہوتی ہیں۔ دولت کے پیچھے بھاگتی ہیں۔ اگر دولت حاصل نہ ہو تو فراڈ کرتی ہیں۔ مخالفت کرتی ہیں۔ کمینگی دکھانے لگتی ہیں۔ میری بھابی جیسی محبت کرنے والی وفا شعار عورتیں بہت کم ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں بھائی جان واقعی بہت خوش نصیب ہیں۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو اسما کی آواز سنائی دی وہ خوشی سے چہک کر بولا "بھابی جان آپ کی عمر بہت لمبی ہے' ابھی میں آپ ہی کو یاد کر رہا تھا۔"

"ہاں! اب جو مجھ پر سوکن کا عذاب نازل ہونے والا ہے اس سلسلے میں تم سوچتے ہو گے اور مجھے یاد کرتے ہو گے۔"

"میں آپ سے شرمندہ ہوں کہ آپ کے کسی کام نہیں آ رہا پھر بھی میرا یہ وعدہ ہے کہ آپ پر سوکن نہیں آنے دوں گا۔"

"تم کیسے روکو گے؟ کیا اپنے ماں باپ سے جھگڑا کرو گے؟"

"میرا لڑائی جھگڑا جائز ہوگا۔ کیونکہ بھائی جان کی رپورٹ بھی نگیٹو ہے۔ پھر ان کی دوسری شادی کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا ہے آپ ان کی میڈیکل رپورٹ کی موجودگی میں قانونی طور پر سوکن کو آنے سے روک سکیں گی۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا اور آپ کو تو بھائی جان کی محبت پر ناز کرنا چاہئے وہ آپ کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ وہ کبھی دوسری شادی نہیں کریں گے۔"

"تمہاری باتیں بڑا حوصلہ دیتی ہیں ویسے ایک خیال میرے دل میں پیدا ہو رہا ہے ہو سکتا ہے ڈاکٹروں سے کوئی غلطی ہوئی ہو انہوں نے توجہ سے چیک اپ نہیں کیا ہو یا تمہاری رپورٹ ٹائپ کرنے والے سے غلطی ہوگئی ہو۔ پازیٹو کی جگہ نگیٹو لکھا گیا ہو۔"

"بھابی جان! آپ بھی بس بچوں جیسی باتیں کرتی ہیں۔ جس ڈاکٹر نے میرا معائنہ کیا ہے وہ بہت ہی تجربہ کار ہے اور ہر میڈیکل رپورٹ اچھی طرح چیک کرتا ہے۔ آپ خوانخواہ پریشان ہو رہی ہیں آپ پر کبھی سوکن نہیں آئے گی۔"

"بس یہ تمہاری تسلیاں ہی رہ گئی ہیں ورنہ میں وہموں اور اندیشوں میں مبتلا رہا کروں گی۔ مجھے بتاؤ سمیرا کا ردِعمل کیا ہے؟"

"وہ مجھ سے مایوس ہو چکی ہے اور مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ آپ تو اچھی طرح جانتی ہیں میں عاشق مزاج لوگوں میں سے نہیں ہوں۔"

"شام کو آفس سے گھر آ رہے ہو یا کہیں جاؤ گے؟"

"میں سیدھا گھر آؤں گا۔"

وہ دونوں تھوڑی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر رابطہ ختم ہو گیا۔ اسما اپنے دیور کو یہ بات نہیں بتا رہی تھی کہ ذیشان کی میڈیکل رپورٹ جھوٹی ہے اور وہ باپ بن سکتا ہے لہٰذا، اندیشہ ہمیشہ دل میں رہے گا کہ ساس اور سسر مجبور کریں تو وہ دوسری شادی نہ کر لے۔ وہ اپنے دیور کو دل و جان سے چاہنے کے باوجود ذیشان کی یہ حقیقت چھپا رہی تھی اور اسے بتانا نہیں چاہتی تھی کہ اندر ہی اندر کس کرب سے گزر رہی ہے۔

اسی طرح بابر بھی اس سے جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ اپنی بھابی کو ماں کا درجہ دیتا تھا اسے دل و جان سے چاہتا تھا لیکن بات چھپا رہا تھا کہ اس نے بھی جھوٹی رپورٹ بنوائی ہے اور اپنے بھائی کی طرح ہیرا پھیری کی ہے۔

☆☆☆

ذیشان نے اپنی پولیس وین میں تراب علی شاہ کی کوٹھی آ کر کال بیل دبائی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا' تراب علی۔ اسے دیکھ کر کہا "ارے ذیشان میاں تم؟ آؤ اندر آ جاؤ خیریت ہے؟"

اس نے اندر آتے ہوئے کہا "فی الحال خیریت ہے۔ بتائیں آپ کو اپنے بیٹے کی خیریت معلوم ہو رہی ہے یا نہیں؟"

"ہاں! وہ ہر دوسرے تیسرے دن فون کرتا ہے اور ہمیں اطمینان دلاتا ہے کہ جہاں بھی ہے خیریت سے ہے۔"

"کیا وہ اپنے موبائل فون سے رابطہ کرتا ہے؟"

"ہاں! کسی دوسرے فون سے کرے گا تو کوڈ نمبر کے ذریعے معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس ملک میں ہے؟ وہ فی الوقت کہاں ہے یہ ہم سے بھی چھپا رہا ہے۔"

"یہ احتیاطی تدابیر اچھی ہیں اسے اسی طرح محتاط رہنا ہے۔"

وہ دونوں صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے تراب علی نے ملازم سے چائے لانے کو کہا" پھر ذیشان سے پوچھا "تم اچانک کیسے آئے ہو کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں! دردانہ مجھے چیلنج کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ میں حشمت کو جہاں بھی چھپاؤں گا وہ وہاں تک پہنچ کر رہے گی۔"

"سمجھ میں نہیں آتا یہ عورت ہمارے بیٹے کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے؟"

"آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ کیا آپ ابھی اس سے رابطہ کر سکتے ہیں؟ میں اس سے کچھ اہم بات کرنا چاہتا ہوں" تراب علی نے اسی وقت اپنے موبائل کے ذریعے بیٹے سے رابطہ کیا پھر اس سے پوچھا "بیٹے تم کہاں ہو خیریت سے تو ہو نا؟"

اس نے کہا "ڈیڈ......! میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ کبھی مجھ سے یہ نہ پوچھا کریں کہ میں کہاں ہوں۔ ویسے میں خیریت سے ہوں۔"

"یہ ذیشان میاں آئے ہوئے ہیں تم سے دو باتیں کرنا چاہتے ہیں لو ان سے بات کرو۔"

اس نے اپنا موبائل ذیشان کو دیا اور ذیشان فون کان سے لگاتے ہوئے بولا "ہیلو حشمت کیسے ہو؟"

"آپ کی مہربانی ہے خیریت سے ہوں۔ کیا کوئی پریشانی کی بات ہے؟"

"ہاں کسی حد تک پریشانی کی بات ہے۔ وہ دردانہ تمہارے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور چیلنج کر رہی ہے کہ تم جہاں بھی ہو وہ بہت جلد وہاں پہنچ جائے گی۔"

"اس کا باپ بھی یہاں تک نہیں پہنچ پائے گا۔"

"ایسی احمقانہ باتیں مت کرو۔ تم جہاں بھی جا رہے ہو وہاں تمہارے پاسپورٹ اور ویزا کے ذریعے تمہاری نشاندہی ہو سکتی ہے۔ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ تم پاکستان سے کس فلائٹ کے ذریعے روانہ ہوئے، کس تاریخ کو روانہ ہوئے تھے اور کہاں گئے تھے۔ شہباز درانی کا رائٹ ہینڈ اسد عزیزی بہت ہی خطرناک شخص ہے۔ وہ موت کے فرشتے کی طرح کہیں بھی پہنچ جاتا ہے۔ وہ اگرچہ پولیس والوں کی بلیک لسٹ میں ہے لیکن اتنی صفائی سے کام کرتا ہے کہ کبھی ہاتھ نہیں آتا۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"تم جہاں بھی ہو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔ تم وہاں سے کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں تمہیں اپنا پاسپورٹ اور دیگر ضروری کاغذات استعمال نہ کرنے پڑیں۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"جی ہاں! ذرا اور وضاحت چاہتا ہوں۔"

"تم یا تو جعلی نام سے جعلی پاسپورٹ بنوا لو اور وہاں سے دوسری جگہ چلے جاؤ یا پھر چور راستے سے سرحد پار کر کے کسی دوسرے ملک میں پہنچ جاؤ۔"

"شکریہ ذیشان بھائی! میں آپ کی ہدایات پر عمل کروں گا۔"

"شاباش! جتنی جلدی ہو سکے وہاں سے نکل جاؤ۔"

حشمت اپنی محبوبہ لیڈی ڈاکٹر آرزو کے ساتھ ہانگ کانگ کے ایک ہوٹل میں تھا۔ ہوٹل کی بارہویں منزل پر اس کا کمرا تھا کمرے کی بالکنی سے دور تک سمندر اور ساحلی مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے فون بند کرتے ہوئے آرزو سے کہا "ذیشان کہہ رہا ہے ہمارے لیے خطرہ ہے پاکستان اور ہانگ کانگ میں ہمارے پاسپورٹ اور ویزا کی انٹری دیکھ کر دشمن ہم تک پہنچ سکتے ہیں۔"

آرزو نے کہا "ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ تم نے اس پہلو سے غور نہیں کیا تھا؟"

"یہ بات میرے دماغ میں آئی تھی پھر خود کو یہ کہہ کر تسلی دی تھی کہ دشمن صرف ہمیں اپنے ہی ملک میں تلاش کریں گے اور ناکام ہو کر چپ چاپ بیٹھ جائیں گے۔ لیکن وہ تو پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہے۔"

"اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ ویسے ہم جہاں بھی جائیں گے پاسپورٹ اور ویزا کے بغیر تو نہیں جا سکتے نا!"

"ذیشان نے ہمیں دو راستے بتائے ہیں یا تو ہم فوری طور پر جعلی پاسپورٹ بنوائیں اور اس کے ذریعے کسی دوسرے ملک کی طرف چلے جائیں یا پھر چور راستوں سے سرحد پار کریں۔"

"چور راستوں سے خطرہ ہے ہمیں اسمگلروں کے رحم و کرم پر بھی رہنا ہوگا۔ ہمارے پاس خاصی بڑی رقم ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ کسی کے ہاتھ لگے۔"

وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا "یہاں بیٹھ کر پاسپورٹ بنوانے میں دو چار دن تو لگیں گے دن رات یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ دشمن یہاں نہ چلے آئیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ ہم سمندری راستے سے کولون چلے جائیں۔ وہاں جانے کے لیے پاسپورٹ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم وہاں آرام سے بیٹھ کر دو چار روز میں جعلی پاسپورٹ تیار کروائیں گے اور پھر کسی دوسری طرف نکل جائیں گے۔"

"جانے کے لیے خصوصی اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا

ہے وہ اجازت نامہ یہاں کے سی پورٹ والے دفاتر میں ہوگا کیا دشمن اس کے ذریعے ہمارے پیچھے کولون تک نہیں آئیں گے؟"

"تم یہاں آرام کرو میں سی پورٹ کی طرف جارہا ہوں وہاں ایسے اسپیڈ بوٹ والے بھی ہیں جو رشوت لے کر کسی اجازت نامے کے بغیر چپ چاپ کولون پہنچا دیتے ہیں۔ میں ابھی ان سے معاملات طے کرکے آتا ہوں۔"

حشمت کے جانے کے بعد آرزو دروازہ بند کرکے بیڈ پر لیٹ گئی۔ ابھی اسے لیٹے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ کال بیل کی آواز سنائی دی اس نے دروازے کے قریب آکر پوچھا۔ "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی "روم سروس۔ میڈم!"

اس نے دروازہ کھول دیا لیکن اسے کھولتے ہی ایک دم سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ سامنے ہی اسد عزیزی اپنے چند مسلح حواریوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ پہلے بھی اسد عزیزی کو اپنے کلینک میں دیکھ چکی تھی، سہم کر بولی "تم......؟ تم اور یہاں...؟"

وہ اندر آتے ہوئے بولا "موت ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔ تم اپنے عاشق کے ساتھ کہاں تک بھاگتی پھرو گی؟"

اس کے حواری باتھ روم کے اندر جاکر دیکھنے لگے پھر ایک نے کہا "باس وہ یہاں نہیں ہے۔" اسد عزیزی نے پوچھا "بولو حشمت کہاں ہے؟"

وہ سہم کر پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک دیوار سے جاکر لگ گئی۔ اسد عزیزی نے کہا "سیدھی طرح بتادو گی تو زندہ رہو گی ورنہ ہم تمہیں مار ڈالیں گے اور یہیں اس کا انتظار کرتے رہیں گے۔ وہ کبھی نہ کبھی تو واپس آئے گا۔" اسد کے ایک ساتھی نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کیا وہ سہم کر بولی "مجھے مت مارو میں مرنا نہیں چاہتی۔ وہ ابھی پندرہ منٹ پہلے بازار گیا ہے۔ ایک آدھ گھنٹے میں واپس آجائے گا۔"

اسد عزیزی نے کہا "میں نہیں چاہتا اس ہوٹل میں خون خرابا ہو۔ اپنی زندگی چاہتی ہو تو اس کا صحیح پتا بتاؤ۔" وہ کشمکش و پیچ میں تھی کہ ایک حواری اس کے بیگ کو کھول کر دیکھنے لگا وہ چیخ کر بولی "خبردار اسے ہاتھ نہ لگانا۔ اس میں میری رقم ہے۔"

اسد عزیزی نے پوچھا "کتنی رقم ہے؟"

"پانچ لاکھ روپے ہیں۔"

"صرف پانچ لاکھ روپے......؟ میں تمہیں دس لاکھ دوں گا بیس لاکھ دوں گا۔ فوراً اس کا پتا بتاؤ۔ میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ اس وقت تم اپنا مقدر چمکا سکتی ہو۔ تمہیں نہ صرف دس لاکھ روپے ملیں گے بلکہ زندگی بھی ملے گی۔ بے نہیں مرو گی۔ ادھر وہ مرتا ہے تو مرنے دو۔ تم یہاں سے خاصی رقم لے کر پاکستان واپس جاسکو گی۔"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بڑے بڑے نکالے پھر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ دس لاکھ بھی زیادہ ہیں۔"

آرزو نے ہاتھ بڑھا کر وہ رقم لے لی۔ اس وقت کے ذہن میں یہی بات سما گئی تھی کہ زندہ رہنا ہے اور کے ساتھ اسے مزید روپے بھی مل رہے ہیں۔ حشمت خط سے کھیلتا جارہا ہے کسی وقت بھی حرام موت مارا جائے میں کیوں اس کے ساتھ خوا مخواہ ماری جاؤں۔ اسد عز نے سخت لہجے میں کہا "جلدی بولو وہ کہاں ہے؟"

وہ بولی "ابھی ذیشان نے ہم سے فون پر کہا ہے یہ جگہ چھوڑ دیں۔ اپنا پاسپورٹ اور ویزا استعمال کیے بغ دوسرے ملک چلے جائیں۔ فی الحال ہمارے لیے یہی مص تھی کہ کولون کی طرف چلے جائیں۔ حشمت اسی مقص لیے پورٹ کی طرف گیا ہے تاکہ وہاں کسی ملاح سے معا طے کرے اور ہم کسی اجازت نامے کے بغیر ہی یہاں کولون پہنچ جائیں۔"

اسد عزیزی نے اپنے ایک اور حواری کو مخ کیا "زبیری، تمہارا شکار سی پورٹ ایسٹ میں ہوگا۔ وہاں ملاح رشوت لے کر ضرورت مندوں کو کولون پہنچا دیتے فوراً جاؤ حشمت وہیں ملے گا۔"

"لیس باس! میں ابھی جارہا ہوں۔"

"تمہاری واپسی تک میں اس عورت کے ساتھ رہوں گا۔ تم جب فون پر بتاؤ گے کہ اسے ٹھکانے لگا چ میں اس حسینہ کو کچھ اور انعامی رقم دے کر یہاں سے چلا گا۔"

زبیری اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا عزیزی نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا" اتارو اور جاکر شاور لو میں صاف ستھرا بدن پسند کرتا ہوں

وہ ذرا پیچھے ہٹ کر بولی "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نہیں ہوں۔"

"جو ایسی نہیں ہوتی میں اس کی ایسی کی تیسی ہوں۔ جو کہہ رہا ہوں فوراً کرو۔"

اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ سہمی ہوئی تھی ہوکر اپنے بدن سے چھلکے اتارنے لگی۔

حشمت سی پورٹ ایسٹ کے اس حصے میں پہنچا جہاں ساحل پر دور تک کشتیاں ہی کشتیاں ایک دوسر۔

تھیں۔ وہاں سے مختلف جزیروں کی طرف جانے آنے والوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ اچھی خاصی چہل حشمت نے ایک دلال سے ملاقات کی پھر اسے بتایا اجازت نامے کے بغیر کولون جانا چاہتا ہے۔ دلال "آدھے گھنٹے بعد ان کشتیوں پر آؤ، لین دین کی بات گی۔"

دلال وہاں سے چلا گیا۔ حشمت ساحلی ریسٹورنٹ کاؤنٹر پر آکر کھڑا ہوگیا اور چائے پیتے ہوئے وقت نے لگا۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ ان کشتیوں کی طرف ایک کشتی پر چڑھ کر دوسری کشتی پر جانے لگا۔ وہ کشتیاں دوسرے کے ساتھ ایسے لگی ہوئی تھیں کہ اپنی مطلوبہ کشتی پہنچنے کے لیے دوسری کشتیوں پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ کشتی پر دلال ایک ملاح کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے "یہ تمہیں کولون لے جانے کے لیے راضی ہے آدھی رات تاریکی میں جاسکو گے' کیا تم اکیلے ہو؟"

"نہیں میرے ساتھ میری بیوی ہے۔"

"ٹھیک ہے دو آدمیوں کے بیس ڈالر لگیں گے اور یہ سے تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔"

حشمت نے کہا "مجھے منظور ہے۔"

"تو پھر پانچ ڈالر ایڈوانس کے طور پر ابھی دے دو اور رات بارہ بجے یہاں چلے آؤ۔"

اس نے جیب سے پانچ ڈالر نکال کر اس ملاح کو دیے۔ موت سے بچنے کے لیے کیسے کیسے جتن کرتا ہے، دشمنوں کیسی کیسی آنکھ مچولی کھیلتا ہے پھر بھی موت کی آنکھوں پر پٹی باندھ سکتا۔ وہ اسے ہر جگہ دیکھ لیتی ہے۔ اسے اپنے پیچھے سنائی دی "ہیلو حشمت......!"

اس نے چونک کر پلٹتے ہوئے دیکھا۔ کچھ فاصلے پر تین بندوقیں لیے ہوئے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک شخص کہا "میرا نام زبیری ہے۔ میں ایس پی ذیشان کا خاص ہوں یوں سمجھ لو کہ ہم تمہارے ذیشان بھائی کی طرف سے موت کے فرشتے بن کر آئے ہیں۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے اپنی اپنی گنیں سیدھی کیں تڑا فائرنگ شروع ہوگئی۔ اسے ادھر ادھر دو گولیاں لگیں لیکن موت نہیں آئی۔ اس نے فوراً ہی گہرے پانی کی طرف چھلانگ لگا دی وہ تینوں مختلف کشتیوں پر چھلانگیں لگاتے ہوئے گہرے پانی کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ ڈوبنے کے بعد ابھر رہا تھا۔ اور تیر کر دوسری طرف نکل جانا چاہتا تھا لیکن گولیاں کھانے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ وہ تیزی سے تیر کر کشتیوں کے نیچے سے نکل کر چھپتا چھپاتا کہیں جاپاتا۔ وہ جہاں بھی کشتیوں کے نیچے جارہا تھا' وہ تینوں بھی چھلانگیں لگاتے ہوئے اس کے پیچھے تھے اور پانی میں فائر کرتے جارہے تھے۔

وہ زیادہ دیر تک پانی میں ڈوبا نہیں رہ سکتا تھا۔ سانس لینے کے لیے اس نے سر ابھارا تو ایک گولی آکر اس کی کنپٹی میں سوراخ کرتی ہوئی دوسری طرف سے نکل گئی۔ سمندر کا ساحلی پانی سرخ ہونے لگا۔

آرزو شاور لے کر کمرے میں آئی' دوسرا لباس پہننے لگی اسد عزیزی نے کہا "اس وقت تم بالکل پاک صاف ہو۔ کیا کبھی تم نے نماز پڑھی ہے؟"

وہ اس سوال پر چونک گئی۔ سوچنے لگی' جب وہ میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھی تب ایک بار نماز پڑھی تھی۔ اسد نے کہا "سوچتی کیا ہو آخری نماز پڑھ لو۔"

وہ سہمی ہوئی تھی۔ دوپٹا فرش پر بچھا کر کھڑی ہوگئی اسے کچھ پڑھنا نہیں آتا تھا اس نے زیر لب کچھ بڑبڑا کر دونوں ہاتھ باندھ لیے' جیسے نماز پڑھ رہی ہو۔ اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ یہ کونسی نماز کا وقت تھا اور اسے کتنی رکعت پڑھنی چاہئیں۔

وہ قہقہہ لگا کر بولا "مجھے بھی نماز یاد نہیں کہ کس وقت کتنی رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ ہم نہیں پڑھتے تو دوسرے ہماری آخری نماز پڑھتے ہیں۔ چلو اب دوسروں کو ہی پڑھنے دو۔"

یہ کہہ کر اس نے سائلینسر لگے ہوئے ریوالور سے نشانہ لیا اور گولی چلادی۔ ریوالور نے شور نہیں مچایا لیکن اس کے حلق سے آخری چیخ نکلی۔ اور وہ فرش پر بچھے ہوئے اپنے ہی دوپٹے پر گر پڑی۔

تقدیر میں موت لکھی تھی۔ وہ دونوں تدبیر سے بچتے آرہے تھے لیکن وہ وہیں جا پہنچے جہاں موت لکھی گئی تھی۔ ایک نے اپنے دوپٹے کو بچھا کر اس پر جان دی۔ دوسرا غرقِ سمندر ہوا۔ ایسے تماشے میں ہی دکھاتا ہوں۔ کیونکہ میں مقدر ہوں۔

اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مرجاتا ہوں
مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیش آنے والے واقعات کی آگہی نہیں دی۔ اگر آگہی کا یہ علم بندوں کو دیتا تو کیا ہوتا؟ بندہ اپنی زندگی اور موت، تکلیف و راحت اور نفع نقصان کے بارے میں معلومات کرتا رہتا۔

ویسے دیکھا جائے تو انسان کو مستقبل میں پیش آنے والی باتیں کسی حد تک معلوم ہو جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ غلطیاں کرتا ہے۔ جیسے حشمت ہی کو یہ خوف تھا کہ ذیشان کے آدمی اسے گولی مار دیں گے اس لیے وہ آرزو کے پاس جا کر چھپ گیا۔

آرزو ایک ڈاکٹر تھی۔ اچھی خاصی سمجھ دار تھی۔ وہ بھی یہ سمجھ سکتی تھی کہ ایک مفرور کو پناہ دے گی تو وہ بھی مصیبت میں پڑے گی لیکن ایک تو حشمت موٹی آسامی تھا اور اس پر ہزاروں روپے خرچ کیا کرتا تھا اور پھر اسے پناہ دینے کے صلے میں پانچ لاکھ روپے ملنے بھی تھے۔ وہ رقم کے لالچ میں بھول گئی تھی کہ حشمت کی موت اس کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔

موت کی آگہی مل چکی تھی اس لیے وہ اپنے ملک سے فرار ہو گئے تھے۔ ہر شخص موت سے بچنے کی تدابیر کرتا رہتا ہے۔ یہ دونوں بھی انہی تدابیر پر عمل کرتے ہوئے پاکستان سے ہانگ کانگ پہنچ گئے تھے اور جب وہاں بھی انہیں موت نظر آئی تو انہوں نے کولون جانے کا ارادہ کیا مگر انسان کب موت سے بچ سکتا ہے، کب تک..... اپنی تدبیریں آزما سکتا ہے۔ اسے یہ تو کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی موت کب اور کہاں واقع ہو گی؟

بعض مرنے والے اپنی موت کے بعد دوسروں کے لیے مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کر دیتے ہیں۔ اب حشمت کی موت ذیشان کے لیے طرح طرح کے مسائل پیدا کرنے والی تھی۔ میں نے ذیشان اور اسما کے پاس بیٹھ کر پیش گوئی کی تھی کہ دشمن اس پر غالب آتے رہیں گے اور آئندہ اس کے ساتھ یہی ہونے والا تھا۔

☆☆☆

نمرہ پہلی بار اس عاشق کے گھر جا رہی تھی جسے پہلے مردہ سمجھا گیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ایب نارمل ہے پھر نمرہ نے اس کی والدہ سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ اس ایب نارمل عاشق کا نام جبران ہے۔ وہ ماں بیٹے نمرہ سے ملنا چاہتے تھے اور وہ تنہا ان سے ملاقات سے گھبراتی تھی۔ میں نے اسے حوصلہ دیا کہ اسے پہلی بار جبران سے ملنے کے لیے تنہا ہی جانا چاہیے۔

اب سے پہلے میں کئی سچی پیش گوئیاں کر چکا لیے نمرہ کو یقین ہو گیا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ ضرور ہے۔ وہ جبران سے ملاقات کرنے جائے گی تو ا نقصان نہیں پہنچے گا پھر بھی اس نے کہا "تم کہتے ہو ان سے ملنے بھی جاؤں گی، لیکن تمہیں میرے ساتھ تک ضرور چلنا ہوگا۔ میں صرف آدھے گھنٹے کے جاؤں گی۔ تم باہر میرا انتظار کرنا۔"

میں نے کہا "آدھے گھنٹے کی ملاقات سے کوئی بنے گی۔ تمہارا وہ دیوانہ تمہارے ساتھ زیادہ سے زیادہ گزارنا چاہے گا۔"

"اس کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اچھا چلو سے زیادہ ایک گھنٹا وہاں رہوں گی۔"

وہ کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ میں اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کوٹھی کے قریب جا کر گاڑی ر میں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "دیکھو چھوٹا سا کیفے ہے۔ میں وہاں تمہارا انتظار کروں گا گھنٹے میں چلی آنا۔"

میں کار سے اتر گیا اور وہ اسے ڈرائیو کرتی ہوئی احاطے کے اندر چلی گئی۔ وہ ماں بیٹے بے چینی انتظار کر رہے تھے۔ ملازم نے جیسے ہی اطلاع دی گاڑی میں آئی ہے" وہ دونوں کوٹھی کے باہر جبران نے نمرہ کو ایک ہی بار مردہ خانے میں دیکھا تصور میں دن رات اسے دیکھتا رہتا تھا۔ اس کی صو میں نقش ہو گئی تھی۔ اس نے اسے دیکھتے ہی اپنی "ماما یہی ہے نمرہ!"

نمرہ نے اسے ایک بار لاہور کے شاپنگ سینٹر تھا۔ وہ اتنا خوبرو اور اسمارٹ تھا کہ اسے ایک بار بعد بھلایا نہیں جا سکتا تھا۔ نمرہ کے ذہن میں بھی اس نقش ہو گئی تھی۔ اس نے جبران کی ماں کے سامنے کر آداب کیا۔ ماں اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا ہوئے بولی "بیٹی تم نے یہاں آ کر ہمارا دل خوش آؤ اندر چلو۔"

جبران اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے بھول گیا ہو۔ اس کی نگاہوں سے بے اختیار محبت تھی۔ وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ جبر چاہتا تھا لیکن بول نہیں پا رہا تھا، بس اسے دیکھے جا کی ماں نے کہا "بیٹی! ہم تو چاہتے ہیں کہ تم کچھ اور ہمارے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارو۔

تم یہاں رات کے کھانے تک رک جاؤ؟"

مجھے افسوس ہے ابھی ایک گھنٹے کے اندر مجھے واپس ورنہ ممی اور ڈیڈی پریشان ہو جائیں گے۔ وہاں بھی نے والے ہیں۔"

جبران نے پوچھا "نمرہ تمہیں بادام کا حلوا پسند ہے؟"

"میں میٹھا زیادہ نہیں کھاتی لیکن کبھی کبھی شغل کے طور پر ہوں۔"

اں نے کہا "ایک حکیم صاحب نے جبران کی دماغی کے لیے بادام کا حلوا کھانے کا مشورہ دیا ہے۔"

جبران اٹھتے ہوئے بولا "میں ابھی کچھ اسنیکس اور لے کر آتا ہوں۔"

نمرہ نے کہا "پلیز تم تکلیف نہ کرو کسی ملازم سے کہہ دو وہ لے آئے گا۔"

"نہیں۔ جب بھی تم سامنے آؤ گی کوئی ملازم ہمارے ن نہیں آئے گا۔"

پھر وہ اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے بولا "میری ماما بھی نی نہیں کریں گی۔ صرف میں کروں گا۔ میں ابھی جائے رکے لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔ ماں اسے بڑے دکھ سے دیکھ رہی جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے کہا "بیٹی نمرہ! بڑی دنیا میں یہی میرا ایک بیٹا ہے۔ میں بیوہ ہوں پیسے کے معاملے میں کبھی کسی کی محتاج نہیں رہتی لیکن بیٹے کے پیار کی محتاج ہوں۔ یہی میری کل کائنات ہے اب......"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ نمرہ نے پوچھا "لیکن اب ......؟"

"اب میں تمہاری محتاج ہو گئی ہوں۔"

نمرہ نے حیرانی سے پوچھا "میری محتاج......؟ یہ آپ کیا رہی ہیں؟"

"ہاں...... میرا بیٹا جو بھی فرمائش کرتا ہے۔ میں اسے ی کر دیتی ہوں۔ دنیا کی مہنگی سے مہنگی چیز اس کے قدموں ڈال دیتی ہوں لیکن اس بار وہ تمہاری خواہش کر رہا ہے۔ تم غریب یا محتاج نہیں ہو۔ تمہارے ڈیڈی اچھے خاصے لت مند ہیں۔ یہ میرا اندازہ ہے کہ تم بھی خود دار ہو میں ہیں تو دولت سے نہیں خرید سکتی۔"

پھر وہ صوفے پر پہلو بدل کر بولی "میرا بیٹا کہہ رہا تھا، تم کی دوسرے کو چاہتی ہو۔ یہ بات اس کے اندر مایوسی، بے نگی اور جنون پیدا کر رہی ہے۔ میں نے اسے سمجھایا ہے کہ صبر کرنا چاہیے میں اس کے لیے کچھ کروں گی۔ جبکہ ایک عورت کی حیثیت سے جانتی ہوں کہ لڑکیاں پہلی بار کسی کو دل دیتی ہیں تو اسی کی ہو جاتی ہیں۔ پھر بھی میں پوچھوں گی۔ اگر تم اپنا راستہ بدل سکتی ہو، ارادہ بدل سکتی ہو، محبت کا انداز بدل سکتی ہو، میرے بیٹے کو خوشیاں دے سکتی ہو تو میں اپنی آدھی دولت اور جائیداد تمہارے نام لکھ دوں گی۔ میرے مرحوم شوہر نے اتنی دولت چھوڑی ہے کہ میں ہزاروں روپے روزانہ بھی خرچ کروں تب بھی یہ دولت برسوں تک ختم نہیں ہو گی۔"

نمرہ نے کہا "میرے خیال میں آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ویسے آپ کا پہلا اندازہ درست تھا کہ آپ اپنے بیٹے کے لیے مجھے خرید نہیں سکیں گی۔"

"بے شک، مجھے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں لیکن میں کیا کروں، ماں ہوں۔ اپنے بیٹے کو جنون میں مبتلا ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ وہ پاگل پن کی حد پار کر جاتا ہے۔ اب میں تم سے کیا چھپاؤں کہ وہ پچھلے ایک برس تک پاگل خانے میں تھا۔ میں اپنے مرحوم شوہر کا تمام کاروبار سنبھالتی ہوں۔ ان دنوں میں لندن میں تھی۔ جبران کے چچا نے ہمارے خلاف سازش کی اور جبران کو پاگل ظاہر کر کے اسے پاگل خانے بھجوا دیا۔ میں اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے یہاں آئی تو ڈاکٹروں نے میرے سامنے ثابت کر دیا کہ یہ بالکل پاگل ہو چکا ہے، اور وہ واقعی پاگلوں جیسی حرکتیں کر رہا تھا۔"

جبران کی روداد کچھ دلچسپ تھی۔ نمرہ توجہ سے سن رہی تھی جبران کی ماں کہہ رہی تھی "میں پہلے سمجھ نہیں سکی کی میرا دیور یعنی جبران کا چچا سازشیں کر رہا ہے۔ وہ پاگل خانے کے دو بڑے ڈاکٹروں کو رشوتیں دے رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر ہر دوسرے تیسرے دن جبران کو الیکٹرک شاک پہنچایا کرتے تھے۔ پچھلے ایک برس سے بجلی کے جھٹکے کھاتے کھاتے اس کا دماغ پتھر بن گیا ہے۔ میرا وکیل بہت ہی ذہین اور ہوشیار ہے۔ اس نے بڑی حکمت عملی سے رفتہ رفتہ یہ ثابت کر دیا کہ جبران پاگل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نارمل حالت میں بڑی ذہانت کی باتیں کیا کرتا ہے۔"

اس کی ماں نے ایک گہری سانس لی پھر کہا "جب اس کے چچا رانا مجید نے دیکھا کہ میرا وکیل اسے رہائی دلا سکتا ہے تو مجید نے دوسری سازش کی۔ اس نے میرے بیٹے کو پاگل خانے سے فرار ہونے کا موقع دیا۔ میرا بیٹا ویسے بھی بیزار اور گھبرایا ہوا تھا۔ پاگل خانے سے کسی بھی طرح باہر آنا چاہتا تھا۔ لہٰذا وہ ایک صبح وہاں سے فرار ہو گیا۔ مجید کی پلاننگ تھی کہ جب وہ باہر جائے گا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔ اس کے

بعد مجید میرے مرحوم شوہر یعنی اپنے مرحوم بھائی کی آدھی دولت کا حق دار ہو جائے گا۔"

نمرہ نے پوچھا "کیا آپ کے وکیل نے اسے یہ نہیں سمجھایا تھا کہ اسے وہاں سے رہائی ملنے والی ہے؟"

"سمجھایا تھا لیکن وہ کبھی کبھی ایب نارمل ہو جاتا ہے۔ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ سمجھ نہیں پاتا کہ کیا اچھا ہے کیا برا ہے۔ ایسے اسے فرار ہونے کا موقع ملا تو وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر وہاں سے نکل آیا۔ مجید نے اس پر جان لیوا حملے کرائے لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ میرا بیٹا ابھی تک محفوظ ہے اور اللہ نے چاہا تو اسی طرح زندہ سلامت رہے گا۔"

جبران ناشتے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا وہاں آیا۔ اس نے کہا۔ "پاگل خانے سے فرار ہونے کے بعد میرا کیا حشر ہوا۔ وہ میں نے اپنی ماما کو نہیں بتایا ہے۔ میں ان کو ٹینشن میں مبتلا نہیں کرتا۔"

اس نے بادام کے حلوے کی ڈش نمرہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اسے چکھ کر دیکھو۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔"

نمرہ نے ایک چھوٹی سی پلیٹ میں ذرا سا حلوا لیا پھر اسے چکھ کر حیرانی سے کہا "واقعی تمہاری ماما درست کہتی ہیں۔ تم بہترین پکوان جانتے ہو۔ یہ بتاؤ جب پاگل خانے سے فرار ہوئے تو تم پر جان لیوا حملے کیے گئے تھے؟"

"ہاں...... میں ان قاتلوں سے بچتا پھر رہا تھا۔ چھپنے کی کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی تو اسی مردہ گھر میں پہنچ گیا تھا جہاں پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔"

ماں نے حیرانی سے بیٹے کو دیکھا پھر پوچھا "تم مردہ گھر پہنچ گئے تھے؟ یا اللہ! میں تمہاری جان کی سلامتی چاہتی رہتی ہوں اور تم مردوں کے درمیان پناہ لینے چلے گئے تھے؟"

"میں کیا کرتا مجھے اور کوئی جگہ ہی نہیں ملی تھی۔ اس ائرکنڈیشن مردہ خانے میں اتنی ٹھنڈک تھی کہ کیا بتاؤں۔ برف جم رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا میں ٹھنڈ سے اکڑتا جا رہا ہون، مرتا جا رہا ہوں اور تب ہی میں نے نمرہ کو دیکھا۔ ایسا لگا جیسے مجھے حرارت مل گئی ہو، اور میں دوبارہ زندگی حاصل کر رہا ہوں۔"

مسز رانا نے نمرہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بولی "میں میڈیکل کالج میں ہوں۔ پروفیسر کے ساتھ پریکٹیکل کلاس اٹینڈ کرنے کے لیے دوسرے طلبا وطالبات کے ساتھ مردہ گھر گئی تھی۔ وہاں میں نے محسوس کیا کہ جبران نے ایک بار پلک جھپکائی ہے۔ میرے دل میں خوف سا گیا۔ میں تو یہی سمجھی کوئی مردہ زندہ ہو گیا ہے۔"

جبران ہنستے ہوئے بولا "حلوا کھاؤ۔ یہ اسی مر[illegible] پکایا ہے۔"

اس بات پر نمرہ ہنسنے لگی۔ وہ بولا "یہ کئی طرح[illegible] بھی میں نے ہی بیک کیے ہیں۔ انہیں بھی چکھ کر دیکھو[illegible]

وہ بسکٹ کھانے لگی اور تعریفیں کرنے لگی۔ وہ[illegible] سے بولا "میں مردہ گھر سے نکل کر سیدھا وکیل کے[illegible] تھا۔ اسی نے مجھے آپ کے پاس پہنچایا۔"

مسز رانا نے کہا "اس کے بعد ہم نے اس کے[illegible] سیکورٹی کا سخت انتظام کیا۔ اس کے چچا رانا مجید[illegible] رپورٹ درج کرائی۔ اس سے پہلے بھی اس پر فر[illegible] مقدمات درج ہو چکے تھے۔ اب وہ پولیس سے چھ[illegible] ہے۔"

نمرہ نے کہا "جبران نے کہا تھا یہ زیر علاج ہے۔"

"ہاں......! یہاں جیسا بھی علاج ہو سکتا ہے[illegible] ہوں، لیکن کامیاب علاج لندن میں ہی ہو سکتا ہے۔"

نمرہ نے کہا "جبران تمہیں علاج کے لیے فوراً[illegible] چاہیے۔"

"میں تمہارے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

وہ ایک دم سے شپٹا گئی۔ اس نے مسز رانا کو د[illegible] جھکا کر کہا "پلیز ایسی باتیں نہ کرو۔"

وہ اچانک ہی ہولے ہولے لرزنے لگا۔ ماں فو[illegible] کر اس کے پاس آئی اور اس کے شانے پر ہاتھ ر[illegible] "بیٹے! صبر کرو۔ حوصلہ کرو۔ نمرہ انکار نہیں کر رہی ہے[illegible]

وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا "ممی اس نے فور[illegible] یہ کسی اور کو چاہتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا ممی...... یہ کسی د[illegible] چاہے گی تو میں کس کو چاہوں گا؟ میں یا تو خود مر ج[illegible] اسے مار ڈالوں گا جسے یہ چاہتی ہے۔"

ماں نے اسے تھپکتے ہوئے کہا "بیٹے ایسی با[illegible] کرتے۔"

نمرہ اس کی بدلتی ہوئی حالت دیکھ پریشان ہو[illegible] صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ ایب نارمل ہو رہا ہے۔ مس[illegible] التجا آمیز لہجے میں کہا "بیٹی نمرہ اسے تسلی دو اس[illegible] تم اسے چاہتی ہو۔"

وہ پریشان ہو رہی تھی۔ سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر بولی "دیکھو جبران! جبراً محبت نہ کی جا[illegible] کرائی جاتی ہے۔ تم نے فون پر مجھ سے کیا کہا تھا یا[illegible] نے کہا تھا اگر میں محبت نہیں کر سکتی تو نہ سہی دوستی ہوں۔ تم نے کہا تھا نا......؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا تو نمرہ بولی "تو پھر مجھے [illegible]ہاری دوستی منظور ہے۔ آج سے ہم دونوں دوست ہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر وہاں سے ذرا دور چلا گیا۔ بے[illegible]ی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ [illegible]ے اس وقت کیا کرنا چاہیے؟ وہ بولا "ماما! مجھے حرارت نہیں [illegible]ارہی ہے۔ نمرہ مجھے حرارت نہیں دے رہی ہے۔ میں سرد پڑ [illegible]ا ہوں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا پیٹرول کے بغیر میری زندگی [illegible]ی گاڑی آگے نہیں بڑھے گی۔"

ماں تیزی سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "نہیں [illegible]بیٹے نہیں تم پیٹرول اور گیس کی باتیں نہ کرو۔ تمہیں نمرہ سے [illegible]زارت ملے گی پیار کی حرارت ملے گی۔"

نمرہ کی سمجھ میں یہ بات آ چکی تھی کہ وہ ایب نارمل ہے [illegible]ور ذہنی طور پر اس سے اس قدر وابستہ ہو گیا ہے کہ اس کی محبت کے بغیر اپنے اندر حرارت محسوس نہیں کرتا۔ اسے اس کا پاگل [illegible]پن کہنا چاہیے یا عشق کا جنون۔ نہیں عشق کرنے والے ایسے جنون میں مبتلا نہیں ہوتے کہ انہیں جواباً محبت نہ ملے تو وہ ایسی پاگلوں جیسی حرکت کرنے لگیں۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ نمرہ [illegible]ے محبت نہ ملنے کی صورت میں وہ پاگل پن کی حد کو چھونے والا تھا۔

وہ کہہ رہا تھا "اس سے بھی دوستی' دوستی ہر ایک سے ہوتی ہے لیکن محبت کسی ایک سے ہوتی ہے ماما...... نمرہ میرے لیے ہے۔ اس کی محبت صرف میرے لیے ہے۔ یہ کسی دوسرے کو اپنی محبت نہیں دے گی ماما......! اسے سمجھاؤ۔ اسے بتاؤ۔ جب تک یہ اپنی محبت مجھے نہیں دے گی مجھے زندگی کی حرارت نہیں ملے گی۔ میں جا رہا ہوں۔ جب تک میری خوراک مجھے نہیں ملے گی میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔"

ماں اسے پکڑ رہی تھی۔ وہ خود کو اس سے چھڑا کر تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے جانے لگا۔ مسز رانا نے تیزی سے نمرہ کے قریب آ کر اس کے بازو کو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا "بیٹی میرے بچے کو بچاؤ۔ یہ اپنی خوراک حاصل کرنے جا رہا ہے۔ تم اسے محبتیں دو گی تو پھر وہ اس خوراک سے باز آ جائے گا۔"

وہ بری طرح الجھ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ وہ کچھ سہمی ہوئی بھی تھی۔ مسز رانا نے کہا "بیٹی! تم ڈرو نہیں۔ میں بھی تمہاری ماں ہوں تمہیں نقصان نہیں پہنچنے دوں گی۔ میرے ساتھ آؤ اسے روکو وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ میرا بیٹا بہت اچھا ہے۔"

وہ بولتی جا رہی تھی اور اسے کھینچتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل کر ایک کوریڈور میں آ گئی تھی۔ نمرہ اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی، لیکن اسے ایک تجسس بھی تھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ جبران آخر کرتا کیا ہے۔ کس طرح "پیٹرول" حاصل کرتا ہے؟

وہ مسز رانا کے ساتھ اس کے بیڈ روم میں پہنچی تو اس وقت جبران کے ہاتھ میں بجلی کا تار تھا۔ اس تار کا ایک سرا سوئچ بورڈ میں لگا ہوا تھا اور دوسرے سرے پر تار ننگا تھا۔ مسز رانا نے چیخ کر کہا "رک جاؤ! خود کو شاک نہ پہنچاؤ۔ نمرہ تمہیں محبتیں دینے آئی ہے۔"

نمرہ نے حیرت سے پوچھا "کیا یہ خود کو شاک پہنچا رہا ہے؟"

"ہاں بیٹی پچھلے ایک برس سے پاگل خانے میں اسے اس قدر شاک پہنچائے گئے ہیں کہ اب یہ بجلی کے جھٹکے کھانے کا عادی ہو گیا ہے۔ ہر دوسرے تیسرے دن جب تک ایک بار بجلی کا جھٹکا نہیں کھاتا اس وقت تک اسے سکون حاصل نہیں ہوتا۔ یہ پاگلوں جیسی حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ جب اسے ایک بار جھٹکا پہنچ جاتا ہے تو پھر یہ پُرسکون ہو جاتا ہے۔"

اب نمرہ کی سمجھ میں آیا کہ جبران کی خوراک کیا ہے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی کہ وہ ایک ہاتھ میں بجلی کا ننگا تار پکڑے کھڑا تھا۔ زندگی کی وہ خوراک حاصل کرنا چاہتا تھا جو اسے پچھلے ایک برس میں جبراً دی جاتی رہی تھی اور پاگل خانے کے ظالم ڈاکٹر سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ جوان اس خوراک کا عادی ہو جائے گا۔

وہ نمرہ کی طرف دیکھ رہا تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ ابھی وہ اس کے ساتھ محبت کا اظہار کرے گی اور اسے پیار... کی حرارت پہنچائے گی۔ اسے جبران کی حالت پر ترس آ رہا تھا۔ وہ عاجزی سے بولی "جبران مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ایک کنواری لڑکی ہوں۔ ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ پہلی ہی ملاقات میں محبت کا اظہار کرنے لگوں۔"

وہ لرز رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے حرارت کے بغیر وہ بہت کمزور ہو گیا ہو اور اب حرارت نہ ملی تو گر پڑے گا۔ اس نے کہا "میں کچھ نہیں سننا چاہتا مجھے محبت کی حرارت نہیں ملے گی تو میں یہ خوراک لوں گا۔ میں اس ایندھن کے بغیر مزید سانسیں نہیں لے سکتا۔"

نمرہ نے کہا "تم حوصلہ کرو۔ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

وہ ایک دم سے گرج کر بولا "بس...... بس بہت ہو چکا۔"

یہ کہتے ہی اس نے بجلی کے ننگے تار کو اپنے سر کی طرف لے جا کر اسے کنپٹی سے لگایا۔ اس کے پورے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ وہ تار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ مسز رانا نے دوڑ کر سوئچ کو آف کر دیا۔ نمرہ ملازموں کو آوازیں دینے لگی۔

ایک ملازمہ اور دو ملازم فوراً ہی دوڑتے ہوئے آئے۔ انہوں نے اپنے مالک کو فرش پر پڑے ہوئے دیکھا تو لپک کر اسے اٹھایا اور بیڈ پر ڈال کر اس کے ہاتھ پیروں کی مالش کرنے لگے۔ اس وقت وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا اور اس کے منہ سے رہ رہ کر کراہیں نکل رہی تھیں۔

نمرہ حیران پریشان اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی "یہ کیا عجوبہ ہے؟" مسز رانا نے اس کے پاس آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "دیکھا بیٹی میرے بچے کی کیا حالت ہو جاتی ہے؟ کل اس نے فون پر تم سے باتیں کی تھیں۔ تب سے یہ بالکل نارمل تھا اور کہہ رہا تھا اسے زندگی کی حرارت مل گئی ہے لیکن آج تمہارے انکار سے یہ پھر ایسی خوراک حاصل کر چکا ہے جو اسے عارضی طور پر زندگی کی طرف لے جاتی ہے لیکن کسی وقت موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ میں اس کی ماں ہوں۔ ایسا سوچتے ہوئے بھی میرا کلیجہ ہلنے لگتا ہے۔"

نمرہ اسے ہمدردی سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا "آنٹی آپ اسے علاج کے لیے جلد سے جلد لندن لے جائیں۔"

وہ بولی "میرے ساتھ آؤ۔ اب یہ آرام سے سوتا رہے۔"

وہ دونوں پھر ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ مسز رانا نے کہا۔ "ایک تو یہ بچپن سے ہی ضدی تھا۔ پھر پاگل خانے میں اس پر جس طرح تشدد کیا گیا ہے اور جس طرح اس کے دماغ کو بجلی کے جھٹکے پہنچائے گئے ہیں اس کے بعد تو یہ پاگل پن کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ تم ابھی دیکھ چکی ہو ایسے وقت میں صرف اور صرف تمہاری محبت ہی اسے کنٹرول کر سکتی ہے۔ ورنہ دنیا کا کوئی ڈاکٹر اس کا علاج نہیں کر سکے گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "آنٹی......! میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ان حالات میں مجھے کیا کہنا چاہیے۔ آپ ایک ماں ہیں اور میں ماں کا دکھ جانتی ہوں۔ مجھے ذرا سوچنے سمجھنے کی مہلت دیں میں گھر جا کر فون پر آپ سے بات کروں گی۔"

وہ باتیں کرتی ہوئی کوٹھی سے باہر آئی۔ مسز رانا نے کہا۔ "بیٹی......! ایک بات یاد رکھو۔ یہ ہر دوسرے تیسرے دن بجلی کا جھٹکا لیا کرتا ہے' اور ڈاکٹر نے کہہ دیا ہے کہ یہ اپنی موت کے قریب جا رہا ہے اور یہ کہ جب اس پر پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے تو اسے زنجیر سے باندھ کر رکھنا چاہیے۔ تاکہ یہ بجلی کے [illegible] تک نہ پہنچ سکے۔"

پھر وہ ذرا ٹھہر کر بولی "ہم یہ بھی کر کے دیکھ چکے ہیں۔ [illegible] اس قدر چیختا ہے کہ چیختے چیختے بے ہوش ہو جاتا ہے جب ہوش میں آتا ہے تو جن زنجیروں سے بندھا ہوتا ہے۔ ان سے خود کو زخمی کرنے لگتا ہے۔ لیکن جب اسے ایک بار بجلی کا شاک لگ جاتا ہے تو دو تین روز تک نارمل رہتا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جب تمہاری باتیں کرتا ہے' تمہیں یاد کرتا رہتا ہے، تمہارے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے تو پھر اسے بجلی کے شاک کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میں یہ ماننے لگی ہوں [illegible] اسے قدرتی طور پر تمہارے پیار کی حرارت ملتی رہتی ہے [illegible] ڈاکٹروں نے اور ماہرینِ نفسیات نے یہی مشورہ دیا ہے کہ جلد سے جلد تمہاری شادی جبران کے ساتھ کر دائی جائے تو یہ ہمیشہ کے لیے نارمل ہو جائے گا۔"

وہ اپنی کار میں بیٹھتی ہوئی بولی "مجھے آپ سے اور آپ کے بیٹے سے ہمدردی ہے۔ میں بعد میں آپ سے فون [illegible] بات کروں گی۔" اور کار اسٹارٹ کر کے آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتی ہوئی احاطے سے باہر آئی اور قریب ہی کیفے کے سامنے آ کر رک گئی۔ میں وہاں اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھتے ہی [illegible] سے باہر آیا اور اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس [illegible] چہرے سے پریشانی عیاں تھی۔ میں نے کہا "تم کچھ تھکی ہوئی سی لگ رہی ہو۔ پریشان بھی دکھائی دے رہی ہو۔ بہتر ہے [illegible] اس سیٹ پر آ جاؤ میں گاڑی چلاتا ہوں۔"

وہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولی "نہیں میں ٹھیک ہوں۔"

اس نے گاڑی آگے بڑھائی۔ میں جانتا تھا وہاں [illegible] ہو چکا ہے' پھر بھی انجان بن کر بولا "چپ کیوں ہو؟ میں [illegible] سننا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی "میں کیا سناؤں؟ وہ جبران بہت ہی خوفناک ہے۔"

"جب وہ زندہ ہے مردہ نہیں ہے تو پھر خوفناک کیسے ہو سکتا ہے؟"

وہ ماں بیٹے کے بارے میں مجھے بتانے لگی۔ میں چپ چاپ سنتا رہا۔ تمام باتیں سننے کے بعد اس نے کہا "اسے خوفناک نہ کہو۔ اس نے پاگلوں جیسی حرکتیں کرنے کے باوجود تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔"

"وہ پیچھے پڑ گیا ہے کہ میں اس سے محبت کروں۔ محبت دور کی بات ہے اس سے تو دوستی بھی نہیں کی جا سکتی۔ اس سے گفتگو کرنے کے خیال سے بھی مجھے وحشت ہو رہی ہے۔"

میں خاموش رہا۔ اس وقت مسز رانا کا مقدر بنا ہوا تھا اور وہ بیٹے کو نارمل رکھنے کی خاطر فون کے ذریعے نمرہ کے والدین سے رابطہ کر رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد بیگم آفتاب کی آواز سنائی دی "ہیلو......! کون......؟"

مسز رانا نے کہا "میں مسز فلک آفتاب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے کہا "جی' میں بیگم آفتاب بول رہی ہوں۔"

"محترمہ......! آپ مجھے نہیں جانتی ہیں مگر میں چاہتی ہوں کہ ہم ایک دوسرے کو جان لیں۔ مجھے آپ کی بیٹی بہت پسند آئی ہے۔ میں اسے اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں اور اسے بہو بنانے سے پہلے کروڑوں روپے اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کرا کر آپ کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ آپ کی بیٹی کا مستقبل ہمیشہ محفوظ رہے گا۔"

بیگم آفتاب حیرانی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا "محترمہ آپ کون ہیں؟ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔ آپ پہلی بار بات شروع کرتے ہی کروڑوں روپے کے لین دین کی بات کر رہی ہیں۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں پوری طرح آپ کا اعتماد حاصل کروں گی اور آپ بھی مجھ پر بھروسا کرنے لگیں گی۔ میں ایک بیوہ ہوں۔ میرے بیٹے کا نام جبران ہے۔ آپ نے جبران انٹرپرائز کا نام سنا ہوگا۔ ہمارا کاروبار یہاں سے اوورسیز تک پھیلا ہوا ہے۔ میں نے اپنے مرحوم شوہر کے کاروبار کو اپنے بھائی کے تعاون سے سنبھالا ہوا ہے۔ آپ کی بیٹی مجھے اس قدر پسند آئی ہے کہ میں اسے اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں اور رشتہ قبول ہوتے ہی اس کے اکاؤنٹ میں دس کروڑ روپے اس کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دوں گی۔ پھر نکاح کے دوسرے دن پچاس کروڑ روپے اس کے اکاؤنٹ میں پہنچ جائیں گے۔ آپ میرے پاس آ جائیں یا پھر مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت دیں۔

یہاں آنا ہو تو اپنے شوہر کو بھی ساتھ لائیے گا۔ جب تک ہمارے درمیان معاملات طے نہ ہو جائیں کسی سے اس بات کا ذکر نہ کریں حتیٰ کہ اپنی بیٹی نمرہ کو بھی کچھ نہ بتائیں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "آپ تو مجھے حیران کر رہی ہیں۔ بہرحال اپنا پتا بتا دیں، میں ابھی اپنے شوہر سے مشورہ کرتی ہوں۔"

مسز رانا نے اپنی کوٹھی کا پتا بتا کر رابطہ ختم کر دیا۔ میں چاہتا تھا نمرہ بزرگوں کے درمیان ہونے والی باتوں سے ابھی بے خبر رہے اور جب تک اہم معاملات طے نہ ہو جائیں اس وقت تک وہ اپنی ممی اور ڈیڈی' سے سامنا نہ کرے۔ میں نے کہا۔ "تفریح کا موڈ ہے۔ اگر تم پسند کرو تو ہم سمندر کے ساحل پر چلیں......؟"

وہ بولی "تم میرے دل کی بات کہہ رہے ہو۔ اس وقت میں ذرا کھلی فضا میں جانا چاہتی ہوں۔ ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ ہوں۔"

اس نے گاڑی سی ویو کی طرف موڑ دی۔ دوسرے لفظوں میں میں نے اس کی لگام اِدھر موڑ دی۔ جدھر تقدیر اسے لے جانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

شہباز درانی بڑے سے بڑے پیچیدہ مسائل کو چٹکی بجا کر حل کر لیا کرتا تھا۔ اتنے وسیع ذرائع اور اختیارات کا مالک تھا کہ ملک خداداد پاکستان میں بیٹھ کر جو چاہتا تھا کر گزرتا تھا۔ سیاست دانوں اور حکمرانوں سے اپنی جائز اور ناجائز بات منوا لیتا تھا۔ وہ شیر بھی تھا اور تو لنے والا سیر بھی۔ ذیشان جیسے اعلیٰ پولیس افسر کو ایک ٹھوکر میں اڑا سکتا تھا' اور وہ ایسا کر رہا تھا۔ اب تک تو وہ یہی سمجھتا آیا تھا کہ اسے زیر کرنے والا ابھی کوئی اس دنیا میں پیدا نہیں ہوا ہے لیکن اب مجھ سے ٹکرانے کے بعد وہ بہت بے چین ہو گیا تھا۔ جاننا چاہتا تھا کہ میں کون ہوں؟ کیا ہوں اور اس کے خلاف میرے اندر کتنی بارود بھری ہوئی ہے؟

اس نے میرے خلاف مرکزی سی آئی اے والوں کو رپورٹ بھیجی تھی۔ جس میں یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ میں' مقدر حیات' کسی خفیہ تنظیم کا سیکریٹ ایجنٹ ہوں اور امریکی سی آئی اے کے اندرونی راز جانتا ہوں۔ اگر فوراً ہی میرا محاسبہ نہ کیا گیا اور مجھے اس ملک سے یا اس دنیا سے نکالا نہ گیا تو آئندہ الیکشن میں یہاں ان کی مرضی کی حکومت نہیں بن پائے گی۔ اس نے خدشہ ظاہر کیا کہ مقدر حیات کوئی بزنس مین نہیں ہے بلکہ بزنس کی آڑ میں ان کے خلاف سیاسی کھیل کھیل رہا ہے۔

امریکی سی آئی اے کا ساری دنیا میں ایک نیٹ ورک ہے۔ دنیا کے ہر ملک، ہر شہر اور ہر علاقے میں جہاں ان کے مفادات ہوتے ہیں وہاں ان کے جاسوس پہنچ جاتے ہیں۔ وہ جاسوس امیر کبیر بزنس مین کی حیثیت سے بھی رہتے ہیں' موچی اور بھنگی بن کر بھی اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ وہ جاسوس خود اپنے سیکریٹ ایجنٹوں کے پیچھے بھی لگے رہتے ہیں اور ان کی دن رات کی کارکردگی کی رپورٹ ہیڈ کوارٹر تک پہنچاتے

رہتے ہیں۔ایسے جاسوس شہباز درانی کے پیچھے بھی لگے ہوئے تھے اور پچھلے دنوں ان جاسوسوں نے ہیڈکوارٹر تک یہ رپورٹ پہنچائی تھی کہ شہباز درانی سیاسی گیمز کے علاوہ عوامی سطح پر آ کر سماجی معاملات میں دلچسپی لے رہا ہے۔ دو بار شادیاں کرنے والی اور بیوہ ہونے والی ایک مکار عورت دردانہ بیگم اس کے ساتھ رہنے لگی ہے۔شہباز اس عورت کا دیوانہ ہے۔اسے جو سیاسی اختیارات دیئے ہیں۔ اس نے ان اختیارات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس عورت کے بیٹے جواد کو ایک بار حوالات سے رہا کرایا تھا۔ جواد مارا گیا۔ اب وہ اپنی محبوبہ دردانہ کے دشمن ایس پی ذیشان کے خلاف بہت بڑی انکوائری کروا رہا ہے۔اس انکوائری کے پیچھے اس کا کیا مقصد ہے۔یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا ہے لیکن جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔

پھر یہ رپورٹ بھی پہنچائی گئی کہ شہباز درانی نے اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھا کر حشمت نامی ایک نوجوان کی ضمانت کورٹ سے حاصل کی ہے۔ جب شہباز درانی نے میرے خلاف اپنے ہیڈکوارٹر میں رپورٹ بھیجی تو الٹا اس سے جواب طلب کیا گیا کہ تم سیاسی گیمز کے علاوہ کسی ایس پی ذیشان کے خلاف کارروائیاں کیوں کر رہے ہو۔ کیوں وہاں کی عدالت میں اپنے اثر ورسوخ استعمال کرکے کسی کی ضمانت کراتے ہو؟

شہباز درانی نے جواب میں کہا ”یہ میرے ذاتی معاملات تھے۔ میں جس عورت سے شادی کرنے والا ہوں اس کے کچھ مسائل ہیں جنہیں میں حل کر رہا ہوں۔“

ہیڈکوارٹر سے کہا گیا ”تم اپنے ذاتی مسائل حل کرنے کا حق رکھتے ہو لیکن معاملات کو طول نہ دو۔ایس پی ذیشان کے خلاف جو کچھ بھی کر رہے ہو اس معاملے کو جلدی سے نمٹاؤ یا صرف سیاسی معاملات پر توجہ دو۔تمہاری رپورٹ کے مطابق مقدر حیات کے سلسلے میں انکوائری ہو رہی ہے۔“

پچھلے بارہ گھنٹوں میں میرے متعلق انکوائری مکمل ہو چکی تھی۔ انہوں نے میرے لندن آفس میں جا کر معلومات حاصل کی تھیں پھر یہاں بھی معلومات حال کرتے پھر رہے تھے کہ میرا بزنس کیا ہے اور کہاں تک پھیلا ہوا ہے اور یہ بھی کہ تاجروں کے علاوہ میرے تعلقات اور کن لوگوں سے ہیں؟

پتا چلا کہ یہاں سے اوورسیز تک پھیلا ہوا میرا بزنس بالکل صاف ستھرا ہے۔کوئی ہیرا پھیری ایسی نہیں ہے جو قابلِ گرفت ہو اور یہ کہ میں نہ تو سیاست سے دلچسپی رکھتا ہوں اور نہ ہی آج تک میں نے کسی چھوٹی بڑی سیاسی شخصیت سے ملاقات کی ہے۔کسی بھی خفیہ تنظیم سے میرا تعلق ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔

جس رات شہباز سے میرا ٹکراؤ ہوا تھا اس کی دوسری صبح میں اپنے دفتری کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔میری لیڈی سیکریٹری نے اطلاع دی کہ سی آئی اے کے دو افسران آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا ”انہیں اندر بھیج دو۔“

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے کہا ”کم ان......!“

دروازہ کھول کر دو اشخاص اندر آئے۔ان میں سے ایک امریکی تھا اور دوسرا پاکستانی۔ میں نے دونوں سے مصافحہ کیا۔ پاکستانی افسر نے اپنا شناختی کارڈ دکھایا پھر کہا ”یہ ہمارے مہمان سی آئی اے کے افسر ہیں۔ نیویارک سے آئے ہیں۔“

میں نے کہا ”میں یہاں آنے والے ہر شخص سے مل کر خوش ہوتا ہوں۔ آپ لوگوں سے بھی مل کر خوش ہونا چاہیے لیکن کچھ پریشان ہوں کہ سی آئی اے سے تعلق رکھنے والے مجھ سے ملنے کیوں آئے ہیں؟“

میں نے انہیں بیٹھنے کے لیے کہا پھر انٹرکام کے ذریعے کولڈ ڈرنکس کا آرڈر دیا۔امریکی افسر نے کہا ”آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہم آپ کے خلاف کسی طرح کی انکوائری کرنے نہیں آئے ہیں۔ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ بہت ہی تجربہ کار نجومی ہیں۔ ماضی' حال اور مستقبل کے بارے میں بڑی سچی باتیں بتاتے ہیں؟“

میں نے انجان بن کر پوچھا ”آپ کو میرے بارے میں یہ کیسے معلوم ہوا؟“

پاکستانی افسر نے کہا ”خوشبو کسی تعارف کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ خود ہی دور تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کی شہرت کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی ہے؟“

امریکی افسر نے کہا ”کیا آپ میرا ہاتھ دیکھ کر میرے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟“

اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے مسکرا کر کہا ”اگرچہ میں اپنا یہ وقت کاروباری مصروفیات میں گزارتا ہوں لیکن آپ ہمارے مہمان ہیں۔اس لیے میں آپ کا ہاتھ ضرور دیکھوں گا۔ آیئے ہم ادھر صوفے پر بیٹھیں۔“

ہم تینوں وہاں سے اٹھ کر صوفوں پر آئے۔ وہ امریکی جاسوس میرے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ امریکی سی آئی اے کے کتنے ہی جاسوس یہودی ہیں لیکن اسلامی ملکوں میں جاسوسی کرنے کے دوران وہ خود کو عیسائی کہتے ہیں۔اس وقت بھی میرے پاس

بیٹھا ہوا شخص یہودی تھا لیکن خود کو عیسائی ظاہر کر رہا تھا۔

ہاتھ کی لکیریں ایسی باتیں نہیں بتاتیں اور میں بھی اسے یہ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ دراصل وہ یہ دیکھنے آیا تھا کہ میں ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر کتنی گہرائی تک پہنچتا ہوں اور ایسی ایسی راز کی باتیں کیسے بتا دیتا ہوں جو ہاتھ کی لکیریں بھی نہیں بتا سکتیں۔

میں نے اس کے ہاتھ کو تھوڑی دیر تک دیکھا پھر کہا ”تم بہت محنتی ہو اپنے کام کے معاملات میں سنجیدہ رہتے ہو۔ عشق و محبت کے چکر میں نہیں پڑتے اس کے باوجود ایک بار ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ کیا یہ درست ہے؟“

وہ مسکرا کر بولا ”ایسی عام سی سطحی باتیں کوئی بھی نجومی کہہ سکتا ہے۔“

میں نے کہا ”شاید وہ یہ نہ بتا سکے کہ اس لڑکی سے تمہاری شادی نہیں ہو سکی۔تمہارے درمیان اختلافات پیدا ہوئے پھر وہ تم سے دور ہو گئی۔“

حقیقت یہ تھی کہ وہ لڑکی اس کے خفیہ معاملات میں آڑے آ رہی تھی۔اس لیے اس نے اسے بڑی رازداری سے اسے قتل کر دیا تھا۔ اس نے مجھے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا ”وہ لڑکی کیسے مجھ سے دور ہوئی؟“

”یہ ہاتھ کی لکیریں نہیں بتاتیں۔ بس جو سطحی باتیں بتاتی ہیں وہی میں اپنے سامنے والے کو بتا دیتا ہوں۔“

وہ بولا ”میرے موجودہ حالات کے بارے میں کچھ بتاؤ؟“

”موجودہ حالات یہ ہیں کہ تم اپنی ماں سے بہت محبت کرتے ہو۔ مستقبل میں اسی ماں کو تم صدمہ پہنچاؤ گے۔“

وہ پریشان ہو کر بولا ”میں اپنی ماں کو کیوں صدمہ پہنچاؤں گا۔ مجھے وضاحت سے بتاؤ۔“

”میں کیسے بتا سکتا ہوں۔ ہاتھ کی لکیریں یہی کہہ رہی ہیں۔“

میں ہاتھ کی لکیروں کے پیچھے چھپا ہوا دیکھ رہا تھا کہ آئندہ وہ ایک مقابلے میں مارا جائے گا۔ اس طرح اس کی ماں کو صدمہ پہنچے گا اور یہ بات میں اسے وضاحت سے نہیں بتانا چاہتا تھا۔ ورنہ اسے بھی شبہ ہو جاتا کہ میں نجومی نہیں ہوں کوئی پُراسرار علم جانتا ہوں یا کسی خفیہ تنظیم سے تعلق رکھنے والا سیکریٹ ایجنٹ ہوں۔ میں نے کہا ”تم اپنے وطن سے بہت محبت کرتے ہو' وطن کی خاطر ضرورت پڑنے پر اپنا نام' اپنا مذہب' سب کچھ بدل دیتے ہو۔“

میں نے اس سے صاف طور پر یہ نہیں کہا کہ وہ یہودی ہے اور یہاں عیسائی بن کر آیا ہے۔ میں نے اسی بات کو گھما کر دوسری طرح کہہ دیا۔

وہ بولا ”میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھو۔ میں دولت کمانا چاہتا ہوں۔کیا میرے ہاتھ میں دولت کی لکیر ہے؟“

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا ”تم لالچی نہیں ہو۔ دولت کے پیچھے نہیں بھاگتے موجودہ حالات میں جس طرح زندگی گزار رہے ہو۔اس سے بہت مطمئن ہو۔“

وہ میری باتوں سے مطمئن ہو رہا تھا۔تب اس نے ذرا کھل کر کہا ”تم پچھلی رات مسٹر شہباز درانی کے گھر گئے تھے؟“

میں نے کہا ”ہاں وہاں میری سوتیلی ماں دردانہ بیگم رہتی ہے۔اس نے مجھے رات کے کھانے کی دعوت دی تھی۔“

”تم نے وہاں شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ سی آئی اے کا سیکریٹ ایجنٹ ہے اور پاکستان میں امریکی مفادات کے لیے کام کر رہا ہے۔“

میں نے شدید حیرانی ظاہر کی اور کہا ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر یہ کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ کس کا ایجنٹ ہے اور کس کے مفادات کے لیے کام کر رہا ہے۔ ہاتھ کی لکیریں کبھی یہ نہیں بتاتیں۔ آپ دنیا کے کسی بھی نجومی سے پوچھ لیں۔“

ان دونوں جاسوسوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اس انداز میں سر ہلایا جیسے میری باتوں سے قائل ہو رہے ہوں۔ امریکی جاسوس نے پوچھا ”شہباز درانی تمہاری مخالفت میں کیوں بول رہا ہے؟“

میں نے کہا ”میری ایک عادت ہے۔ میں ہاتھ دیکھ کر سچ بولنے لگتا ہوں۔ میری سچائی دوسروں کے مزاج پر گراں گزرتی ہے تو وہ مجھ سے ناراض ہو جاتے ہیں' بلکہ دشمن بن جاتے ہیں۔“

”تم نے شہباز درانی کا ہاتھ دیکھ کر ایسی کیا سچی باتیں بتائی تھیں؟“

”میں نے کہا تھا وہ بہت ہی گہری اور پُراسرار شخصیت کا مالک ہے اور بڑے وسیع ذرائع رکھتا ہے۔ مقدر اس کا ساتھ دیتا رہتا ہے اور وہ بڑی کامیاب زندگی گزار رہا ہے۔تب اس نے مجھ سے کہا میں دردانہ کا ہاتھ دیکھوں۔“

پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا ”جب میں نے دردانہ کا ہاتھ دیکھ کر کہا کہ یہ اگرچہ میری سوتیلی ماں ہے لیکن قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ یہ اپنے پہلے دو شوہروں کو نقصان پہنچا چکی ہے۔اب آئندہ بھی اس کی زندگی میں جو آئے گا یہ اسے نقصان پہنچائے گی۔ بس میری یہی سچائی اسے ناگوار

گزری۔''

میں نے دونوں جاسوسوں کو باری باری دیکھا پھر کہا۔ ''میں نہیں جانتا تھا کہ شہباز درانی اس قدر دردانہ کا دیوانہ ہے کہ اس کے بارے میں بچ برداشت نہیں کرے گا۔ دردانہ بھی مجھ سے اکھڑ گئی۔ کہنے لگی کہ میں چونکہ سوتیلا بیٹا ہوں اس لیے سوتیلی ماں کے خلاف ایسی باتیں کرر ہا ہوں۔''

امریکی جاسوس نے کہا'' یہ صرف تمہارا اور اس کا ذاتی معاملہ تھا لیکن اس نے تمہارے خلاف ہمارے ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ کیوں بھیجی ہے؟''

میں نے معصومیت سے کہا'' میں کیا بتاؤں کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔ میں نے دردانہ کے لیے اس کی دیوانگی دیکھی ہے۔ وہ اس عورت کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ اسی نے کہا ہوگا کہ میرے خلاف کوئی بڑی کارروائی کی جائے۔ تبھی اس نے تم لوگوں کو میرے پاس کارروائی کے لیے بھیج دیا ہے۔''

پاکستانی جاسوس نے پوچھا'' کیا تم نے اسے یہ نہیں کہا۔ کہ وہ امریکی سیکریٹ ایجنٹ ہے؟''

'' یہ تو دنیا کا کوئی نجومی نہیں کہہ سکتا۔ مجھے اس کے ہاتھ کی لکیروں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا سیکریٹ ایجنٹ ہے اور کس کا نہیں ہے۔ آپ لوگوں نے آتے ہی اپنا تعارف کرایا ہے تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سی آئی اے والے ہیں۔ اگر نہ بتاتے تو آپ کے ہاتھ کی لکیریں مجھے یہ کبھی نہ بتاتیں۔''

کولڈ ڈرنکس آ گئی تھیں۔ وہ پی رہے تھے اور میری طرف سے ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اسی دوران انہوں نے طرح طرح کے سوالات کیے اور میں انہیں اپنے جوابات سے مطمئن کرتا رہا پھر وہ مجھ سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے۔ ایک گھنٹے کے بعد ہی شہباز درانی کی شامت آ گئی۔ ہیڈ کوارٹر والوں نے اس کا محاسبہ کیا'' تم نے مقدر حیات کے بارے میں بکواس کی ہے۔ دنیا کا کوئی نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر ایسی گہری اور راز کی باتیں نہیں بتا سکتا جن کا ذکر تم نے کیا تھا۔ وہ ایک عام سا نجومی ہے اور اس بات کی بھی تصدیق ہو گئی ہے کہ وہ صرف ایک بزنس مین ہے۔ سیاست سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی وہ کسی خطرناک تنظیم سے وابستہ ہے۔ جب تک تم نہ بتاؤ اس وقت تک کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ تم پینٹا گون یا سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے فارن آفیسر بن کر وہاں کام کر رہے ہو۔''

شہباز درانی نے کہا'' سر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ اس سے بھی گہری باتیں جانتا ہے۔ اگر وہ کسی خفیہ تنظیم سے تعلق رکھنے والا سیکریٹ ایجنٹ نہیں ہے تو پھر یقیناً پُراسرار علم جانتا ہے۔''

'' بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔ دنیا میں کتنے ہی پُراسرار علم جاننے والے ہیں۔ کیا وہ ہمارے رازوں تک پہنچ جاتے ہیں؟ تم بے تکی باتیں کر رہے ہو اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تم اس عورت دردانہ بیگم کے دیوانے ہو گئے ہو۔ اسی نے تم سے کہا کہ مقدر حیات کے خلاف کوئی بڑی کارروائی کی جائے اور تم اس طرح بڑی کارروائی کرنے لگے ہو۔ تم نے دماغ سے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔''

شہباز درانی کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس پر کوئی سوا سیر بھی آ سکتا ہے اور اس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ سکتا ہے۔ ہیڈ کوارٹر سے کہا گیا'' شہباز درانی! تم نے پچھلے چھ برسوں سے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اور ہمارے مفادات کے لیے بڑی کامیاب چالیں چلتے رہے ہو۔ اس لیے ہم تمہارے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ تمہیں محتاط رہنا ہوگا۔ بہتر ہے کہ سنبھل جاؤ۔''

پھر اس سے کہا گیا'' تم نے ایک عورت کی خاطر کسی مقدر حیات کو ٹارگٹ بنا کر ہمارا وقت ضائع کیا ہے۔ آئندہ ایسی کوئی حماقت کرو گے تو تمہیں ہیڈ کوارٹر واپس بلا لیا جائے گا۔ تمہارے سارے اختیارات تم سے چھین لیے جائیں گے۔''

شہباز کو پہلی بار ایسی سخت وارننگ ملی تھی وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اسے یہ غرور تھا کہ کوئی دشمن کبھی اس پر حاوی نہیں ہو سکے گا۔ اس کی پشت پر اتنی بڑی طاقت تھی کہ وہ انڈر ورلڈ کے بے تاج بادشاہوں کو بھی دہشت زدہ کر کے بڑے بڑے سیاسی مراحل میں کامیابیاں حاصل کرتا رہا تھا اور ناممکن کو ممکن بناتا رہا تھا۔ لیکن میں نے اچانک ہی اس کے غرور کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ وہ اٹھ کر پریشانی میں تھوڑی دیر تک ٹہلتا رہا پھر اپنے اس خفیہ کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہاں دردانہ ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسی وقت اسد عزیزی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے سلام کرتے ہوئے کہا'' سر میڈم کا کام ہو چکا ہے۔ میں ابھی ہانگ کانگ سے واپس آ رہا ہوں۔ حشمت اپنی داشتہ کے ساتھ جہنم میں پہنچ گیا ہے۔''

دردانہ خوشی سے اچھل پڑی۔ تیزی سے چلتی ہوئی شہباز کے پاس آئی اور اس کے بازو کو تھام کر بولی'' شہباز وہ مقدر حیات ہمارا دشمن ہی سہی لیکن اس نے میرا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا کہ مجھے قدم قدم پر کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں گی اور میں دشمن پر غالب آتی رہوں گی۔''

شہباز نے اسے خاموشی سے دیکھا پھر دل میں کہا۔ '' تمہیں کیا پتا ہے وہ کمبخت مقدر حیات مجھ پر غالب آ رہا ہے۔ اس نے مجھے فکر میں مبتلا کر دیا ہے؟''

دردانہ نے پوچھا! '' کیا اب ذیشان کے خلاف ہمارا کیس مضبوط ہو سکے گا؟''

'' بے شک' میں ایسی چالیں چل رہا ہوں کہ حشمت کی ہلاکت کا الزام صرف اور صرف ذیشان پر آئے گا۔''

دردانہ نے کہا! '' شہباز ہمیں اس موقع سے جلدی فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تمہارے ایک حکم سے اعلیٰ عہدے دار ذیشان کو قانونی گرفت میں لے لیں گے۔''

وہ سر جھکا کر' ہوں کہتا ہوا ایک صوفے پر بیٹھ گیا دردانہ نے پہلی بار اسے توجہ سے دیکھا پھر پوچھا'' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟''

اس نے دردانہ کو دیکھا پھر اسد عزیزی سے کہا'' سامنے بیٹھو اور میری باتیں توجہ سے سنو۔''

وہ سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گیا شہباز نے کہا! '' تم یہاں نہیں تھے۔ یہاں کوئی آیا اور قیامت کی چال چل گیا۔''

پھر وہ میرے بارے میں اسد عزیزی کو ساری باتیں تفصیل سے بتانے لگا۔ اسد عزیزی نے ساری باتیں سننے کے بعد کہا'' سر' میں آپ سے متفق ہوں۔ کوئی نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر اتنی گہری راز کی باتیں نہیں بتا سکتا۔ وہ یقیناً کوئی پُراسرار علم جانتا ہے' یا پھر سیکریٹ ایجنٹ ہے۔''

وہ بولا! '' امریکی سی آئی اے دنیا کا سب سے تیز رفتار ادارہ ہے۔ انہوں نے مقدر حیات کے بارے میں ساری معلومات حاصل کی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ صرف ایک بزنس مین ہے۔ اس کا نہ تو سیاست سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی وہ کسی خفیہ تنظیم کا ایجنٹ ہے۔''

'' اگر وہ سیکریٹ ایجنٹ نہیں ہے تو پھر یقیناً پُراسرار علم جانتا ہوگا۔''

'' ہیڈ کوارٹر والے کسی پُراسرار علم کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں اگر ایسا کوئی علم ہوتا تو کتنے ہی پُراسرار علم جاننے والے سی آئی اے کے اندرونی رازوں تک پہنچتے رہتے اور ان کا کوئی راز پھر راز نہیں رہتا۔''

'' اور ہیڈ کوارٹر والے یہ بھی نہیں مانیں گے کہ ہاتھ کی لکیریں اندرونی رازوں تک پہنچا دیتی ہیں؟''

شہباز نے انکار میں سر ہلا کر کہا'' یہ تو کوئی بھی تسلیم نہیں کرے گا۔ ہاتھ کی لکیریں صرف سطحی باتیں بتاتی ہیں میری زندگی میں یہ پہلا پُراسرار شخص ہے جس نے مجھے فکر میں مبتلا کر دیا ہے۔''

دردانہ نے تعجب سے کہا'' یہ کیا کہہ رہے ہو شہباز کیا تم مقدر سے مرعوب ہو گئے ہو؟''

'' ہرگز نہیں' مقدر کا باپ بھی مجھے مرعوب نہیں کر سکتا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پہلی بار کوئی شخص ایسی چال چل گیا ہے جس کا میں توڑ نہیں کر پایا اور ہیڈ کوارٹر سے بھی مجھے وارننگ مل گئی۔''

اسد عزیزی نے چونک کر پوچھا'' کیا؟ ہیڈ کوارٹر سے آپ کو وارننگ ملی ہے؟''

'' ہاں! میری رپورٹ نے ہیڈ کوارٹر والوں کو پریشان کر دیا تھا۔ ان کے سراغ رسانوں نے مقدر حیات کے خلاف انکوائری کی ہے۔ اب وہ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میری وجہ سے ان کا وقت ضائع ہوا۔ مقدر حیات ایک سیدھا سادا سماجی زندگی گزارنے والا شخص ہے اور میں دردانہ بیگم کا دیوانہ بن کر اس سے دشمنی کر رہا ہوں۔ مجھے وارننگ دی گئی ہے کہ آئندہ مجھے سماجی معاملات میں ملوث نہیں ہونا چاہیے صرف سیاسی گیمز پر توجہ دینی چاہیے۔''

'' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مقدر حیات اس طرح ہمارے راستے میں کانٹے بچھا دے گا۔ اس نے تو واقعی فکر میں مبتلا کر دیا ہے۔'' دردانہ نے کہا۔

اسد عزیزی نے کہا'' میں چاہوں تو اسے چند گھنٹوں میں ٹھکانے لگا دوں لیکن اسے قتل کیا گیا تو باس پر الزام آئے گا۔ یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے ہیڈ کوارٹر سے ملنے والی ہدایات کی خلاف ورزی کی ہے۔''

شہباز نے کہا'' بے شک! مجھے ابھی ایسے الزامات سے بچنا چاہیے۔ ہیڈ کوارٹر والوں کو خوش رکھنا چاہیے۔ لیکن میں مقدر حیات کو چھوڑوں گا نہیں۔ اس کی زندگی عذاب بنا دوں گا اور مجھ پر اس کا الزام بھی نہیں آئے گا۔''

دردانہ ذرا مایوس ہو کر بولی'' ہم موجودہ حالات میں ذیشان کے خلاف بھرپور کارروائی نہیں کر سکیں گے۔''

شہباز نے اسے محبت سے دیکھا پھر کہا'' آؤ میرے پاس بیٹھو۔''

وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا'' میں تمہیں کبھی مایوس نہیں ہونے دوں گا۔''

پھر اس نے اسد عزیزی سے پوچھا'' ذیشان کے خلاف انکوائری کہاں تک پہنچی ہے؟''

'' انکوائری تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ دو ایسے مجرم ہیں جو

ذیشان کے خوف سے روپوش رہتے ہیں۔ انہو نے اس کے خلاف بیان دیا ہے اور تین مجرم ایسے ہیں جو عدالت سے رہا ہونے کے بعد پراسرار طریقوں سے مارے گئے تھے۔ ان ہلاک ہونے والوں کے عزیز رشتے داروں نے ایس پی کے خلاف بیان دیا ہے۔ میڈم بھی جواد کی ہلاکت کے سلسلے میں اس کے خلاف لکھ چکی ہیں پھر حشمت کی ہلاکت کے سلسلے میں میں نے ایسی چالیں چلی ہیں کہ اس کا سارا الزام ذیشان پر آئے گا۔"

شہباز نے کہا "پھر تو اس کے خلاف کیس بہت مضبوط ہے۔ تم اس انداز میں اس کیس کو آگے بڑھاؤ اور ذیشان کے خلاف فوراً کارروائی کراؤ کہ اس سلسلے میں میرا نام نہ آئے۔ میں بظاہر ایسے تمام معاملات سے دور رہوں گا لیکن تم دونوں کو درپردہ ضروری سہولتیں فراہم کرتا رہوں گا۔"

وہ بڑی رازداری سے خود کو ظاہر کیے بغیر مجھے نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرنا چاہتا تھا۔ مقدر کے خلاف ہمیشہ تدبیر کے ہتھیار ہی آزمائے جاتے ہیں۔

☆☆☆

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈرائنگ روم کی سجاوٹ اور مہنگے آرائشی سامان کو دیکھ کر انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ جبران مقدر حیات سے بھی زیادہ دولت مند ہے۔

وہ دونوں سامنے بیٹھی ہوئی مسز رانا کی باتیں سن رہے تھے۔ حیران ہو رہے تھے اور دل ہی دل میں خوش بھی ہو رہے تھے کہ ان کی بیٹی نمرہ کا مقدر چمکنے والا ہے۔ بیگم آفتاب نے اپنی مسرتوں کو چھپاتے ہوئے کہا "بہن......! آخر ہماری نمرہ میں آپ کو ایسی کیا خوبیاں نظر آ گئی ہیں کہ آپ اسے جلد سے جلد اپنی بہو بنا لینا چاہتی ہیں؟"

"میرا بیٹا نمرہ کو بہت چاہتا ہے۔ ضد کر رہا ہے کہ جلد سے جلد شادی ہو جائے اور میں اپنے بیٹے کی ہر ضد پوری کرتی ہوں۔"

فلک آفتاب نے کہا "آپ بڑی دیر سے اپنے بیٹے کی تعریفیں کر رہی ہیں۔ وہ ہے کہاں ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں؟"

"وہ کچھ بیمار ہے۔ اس وقت سو رہا ہے آپ میرے ساتھ اس کے بیڈروم میں چلیں۔ اسے دیکھ کر تسلی کر لیں۔ اس میں کوئی جسمانی عیب نہیں ہے۔ ماشاءاللہ ذہین بھی ہے۔"

وہ ان دونوں کو ساتھ لے کر اس کے بیڈروم میں آئی۔ آہستگی سے دروازہ کھول کر اشارے سے بولی "یہ میرا بیٹا ہے۔"

وہ گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگے۔ دیکھنے میں تو بہت ہی خوب رو، قد آور اور صحت مند تھا۔ درپردہ کیا عیب تھا، کیا خامیاں تھیں یہ دیکھنا ضروری نہیں تھا۔ اتنا ہی کافی تھا کہ وہ بے انتہا دولت مند ہے۔

مسز رانا یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس کے بیٹے کی زندگی میں نمرہ آ جائے گی تو پھر وہ الیکٹرک شوک کا عادی نہیں رہے گا۔ بیٹے نے ماں کے سامنے یہ دعویٰ کیا تھا کہ نمرہ کی موجودگی سے اسے محبت کی حرارتیں ملتی رہیں گی، اس سے پیار ملتا رہے گا تو وہ پاگل خانے کی تمام باتیں بھول جائے گا۔

ایک ماہر نفسیات نے، اور دوسرے ڈاکٹروں نے بھی، یہی مشورہ دیا تھا کہ اگر بیٹا ایسا کہتا ہے اور اس طرح اس کا علاج ہو جاتا ہے تو جبران کے حق میں بہتر ہوگا، ورنہ اگر وہ اسی طرح خود کو الیکٹرک شاک پہنچاتا رہا تو جلد ہی اپنی زندگی ہار جائے گا۔

ماں اس کے علاج کے لیے ہر مہنگی دوا خرید سکتی تھی، اس لیے اب نمرہ کو خرید لینا چاہتی تھی۔ وہ تینوں ڈرائنگ روم میں واپس آ گئے۔ فلک آفتاب نے کہا "جبران انٹر پرائز کاروباری دنیا میں بہت جانا پہچانا نام ہے۔ جب آپ کے شوہر رانا حمید زندہ تھے تو ایک بار ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ مرحوم بہت زندہ دل انسان تھے۔"

"میرا بیٹا بھی بہت زندہ دل ہے۔ آپ اس سے باتیں کریں گے تو خوش ہو جائیں گے۔ میں چاہتی ہوں آپ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں۔ اس وقت تک جبران بیدار ہو جائے گا تو اس سے بھی ملاقات ہو جائے گی اور میرا دعویٰ ہے کہ آپ اسے پسند کریں گے۔"

"ہم پھر کسی دن آپ کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ ہمارے دو بیٹے ہیں، ایک بہو ہے۔ ہم ان سے بھی اس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔"

مسز رانا نے کہا "آپ اپنے بیٹوں کو اور بہو کو کسی بھی طرح راضی کر لیں کہ یہ شادی جلد سے جلد ہو جائے۔"

"آپ شادی کے لیے اتنی جلدی کیوں کر رہی ہیں؟"

اس نے ان دونوں کو دیکھا پھر ذرا ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے بیٹے کے سلسلے میں کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ آج چھپاؤں گی تو کل سب ہی جان جائیں گے۔ یہ تو آپ سمجھتی ہیں جہاں بے انتہا دولت ہوتی ہے وہاں دشمن بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جبران کا سگا چچا جو مجرمانہ ذہنیت رکھتا ہے اور

اب پولیس والوں سے چھپتا پھر رہا ہے۔ اس نے میرے بیٹے سے بدترین دشمنی کی ہے۔"

وہ انہیں بتانے لگی کہ کس طرح رانا مجید نے اپنے بھتیجے جبران سے دشمنی کی تھی اور اسے پاگل خانے پہنچا دیا تھا۔ وہ ایک برس تک پاگل خانے میں رہ کر آیا ہے۔ اس کے ذہن میں اب تک وہاں کے اثرات باقی ہیں۔ وہ اس کا علاج کر رہے ہیں مگر ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اس کی شادی جلد سے جلد ہو جائے تو یہ بالکل نارمل ہو جائے گا۔

بیگم آفتاب نے پریشان ہو کر پوچھا "کیا یہ ایب نارمل ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرا بیٹا نارمل ہی رہتا ہے لیکن اسے اس قدر بجلی کے جھٹکے پہنچائے گئے ہیں کہ یہ ان کا عادی ہو چکا ہے اور اب بھی کبھی بجلی کے جھٹکے لینا چاہتا ہے۔ ہم اسے روکتے رہتے ہیں۔ یہ کہتا ہے نمرہ سے شادی ہو جائے گی تو ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔ لندن میں اس کا کامیاب علاج ہو سکتا ہے۔ نمرہ کے بغیر وہ وہاں جانا نہیں چاہتا اس لیے آپ کی بیٹی کو جلد سے جلد بہو بنا کر ان دونوں کو لندن لے جانا چاہتی ہوں۔"

وہ دونوں سوچ میں پڑ گئے۔ مسز رانا نے کہا "دیکھیں میں کوئی دھوکا نہیں دوں گی۔ آپ کو پوری طرح مطمئن کروں گی۔ جتنے ڈاکٹروں سے علاج ہو چکا ہے وہ گواہی دیں گے اور ان کی میڈیکل رپورٹ بتائے گی کہ میرا بیٹا نہ تو پاگل ہے اور نہ ایب نارمل۔"

فلک آفتاب نے کہا "ہاں، یہ تو ضروری ہے۔ ہم ان ڈاکٹروں سے ملنا اور اس کی تمام میڈیکل رپورٹس دیکھنا چاہیں گے۔"

مسز رانا نے کہا "سب سے بڑی گواہ تو آپ کی بیٹی ہے۔ وہ ابھی یہاں آئی تھی۔ اس نے جبران کو ایسی حالت میں دیکھا جب اس پر دورہ پڑا تھا اور وہ الیکٹرک شاک لے رہا تھا۔ وہ گواہی دے گی کہ اس کی ذات سے کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے اور نہ ہی وہ کسی اور کو نقصان پہنچاتا ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "نمرہ یہاں آئی تھی؟ اس کا مطلب ہے کہ وہ اور جبران ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہیں؟"

"ہاں یہ ایک دوسرے کو جانتے تو تھے، لیکن ان کی ملاقات آج پہلی بار ہوئی تھی۔"

"کیا ہماری بیٹی شادی کے لیے راضی ہے؟"

"وہ شاید راضی ہو جائے، لیکن معلوم ہوا ہے کہ وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔ آج کے دور میں چاہت، عشق، محبت کسی کام نہیں آتی۔ میں بتا چکی ہوں کہ ہم کتنے دولت مند ہیں۔ آپ اگر یہ رشتہ قبول کر لیں تو میں کل ہی نمرہ کے اکاؤنٹ میں دس کروڑ روپے جمع کر دوں گی تاکہ آپ کو اندازہ ہو کہ مجھے اپنے بیٹے سے کتنی محبت ہے، اور میں اس کے علاج کے لیے کیا کچھ کر سکتی ہوں۔"

وہ دونوں دم سادھے سوچ رہے تھے کہ دس کروڑ کی رقم کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی۔ فلک آفتاب کا کاروبار ان کا بیٹا بابر سنبھالتا تھا۔ وہ لکھ پتی ضرور تھے لیکن ان کے اکاؤنٹ میں پورے ایک کروڑ روپے کبھی جمع نہیں ہوئے تھے اور یہاں تو ان کی بیٹی پلک جھپکتے ہی دس کروڑ کی مالک بن سکتی تھی اور شادی کے بعد تو وہ غنی سے بھی زیادہ دولت مند ہو جاتی۔

فلک آفتاب نے کہا "ہم آپ کی ممتا کو سمجھ رہے ہیں اور آپ کی دریا دلی بھی دیکھ رہے ہیں لیکن ہمیں کچھ وقت چاہیے تاکہ صلاح مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کر سکیں۔ ہم آپ سے فون پر رابطہ کریں گے۔"

وہ جانے کے لیے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ مسز رانا بھی اٹھتے ہوئے ان کے ساتھ چلتے ہوئے بولی "میں بے چینی سے آپ کے فون کا انتظار کروں گی اور آپ کی طرف سے اقرار کے لیے میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔"

وہ مسز رانا سے رخصت ہو کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نمرہ کو ساحل سمندر پر لے آیا تھا۔ وہ جبران سے کچھ سہمی ہوئی تھی اور اس سے فون پر بھی بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا "تم ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو، وہ ہمدردی کا مستحق ہے۔"

"اس سے ہمدردی کرنے کے لیے کیا ایک میں ہی رہ گئی ہوں؟" وہ چڑ کر بولی۔

"یہی تو مقدر کا کھیل ہے کہ تم ہی اس سے ہمدردی کے لیے رہ گئی ہو۔ کیونکہ اسے کسی اور کی ہمدردی اور محبت نہیں چاہیے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ وہ پاگل ہے تو کیا میں بھی پاگل بن جاؤں؟"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ وہ پاگل نہیں ہے۔ پاگل خانے میں اس کے ساتھ جو غیر انسانی سلوک کیا گیا، اس کے نتیجے میں وہ کبھی کبھی ایب نارمل ہو جاتا ہے۔"

"چلو مان لیتی ہوں وہ پاگل نہیں ہے۔ دولت مند ہے، خوب رو اور اسمارٹ ہے۔ کوئی بھی لڑکی اس سے شادی کے لیے راضی ہو سکتی ہے لیکن میں اس کے بارے میں سوچنا بھی

نہیں چاہتی۔"

"تمہیں سوچنا چاہیے۔ کیونکہ تمہارے ہاتھ کی ایک لکیر پر وہ لکھا ہوا ہے۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا "یہ کیا کہہ رہے ہو۔ تم مجھ سے کہہ چکے ہو کہ میں تو تمہارے مقدر میں لکھی گئی ہوں اور تمہاری شریکِ حیات بنوں گی؟"

"میں نے ٹھیک کہا تھا۔ لیکن یہ بھی تو کہا تھا کہ ہمارے درمیان کئی رکاوٹیں پیدا ہوں گی اور ان میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ جبران ہوگا۔"

"یعنی جبران ہمارا دشمن بن جائے گا؟"

"میں اسے دشمن نہیں کہوں گا۔ وہ تمہارا سچا عاشق ہے۔ بس اس کی وجہ سے ہم کچھ عرصے کے لیے ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے۔"

اس نے پریشان ہوکر میرے بازو کو تھام لیا اور بولی "ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تم سے ایک دن کے لیے بھی الگ ہونا نہیں چاہتی۔"

"لوگ اپنی تقدیر بدلنے کے لیے تدبیریں کرتے ہیں۔ تم بھی تدبیر کرو میں بھی کرتا ہوں۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے؟"

ہم کار میں آکر بیٹھ گئے اور گھر کی طرف چل دیے۔ ادھر بیگم آفتاب اور فلک آفتاب گھر پہنچ گئے تھے۔ ان کے دل میں کھد بد ہو رہی تھی۔ دس کروڑ روپے ان کے ذہنوں میں ہلچل مچا رہے تھے۔ وہ اگر ابھی ہاں کہہ دیں تو کل اتنی بڑی رقم ان کی بیٹی کے اکاؤنٹ میں پہنچ جائے گی۔ اس رقم سے وہ اپنے کاروبار کو اتنی وسعت دے سکتے تھے کہ عینی اور مقدر حیات کا کاروبار بھی اس کے آگے ہیچ ہو جاتا۔

انہوں نے گھر پہنچتے ہی اسما، ذیشان اور بابر کو ڈرائنگ روم میں بلایا اور انہیں جبران اور اس کی ماں کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگے۔ تمام باتیں سننے کے بعد اسما نے کہا۔ "نمرہ اور مقدر میاں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور آپ بھی مقدر میاں کو داماد بنانا چاہتے تھے پھر......"

بیگم آفتاب نے ناگواری سے کہا "تم اس معاملے میں مداخلت نہ کرو۔ تم تو جب بھی کہوگی بنتے ہوئے کام کو بگاڑنے والی بات کہوگی۔"

ذیشان نے کہا "ممی! مقدر میاں ہمارے اپنے ہیں۔ ہم نے ان سے ملنے کے بعد دو چار دنوں میں ہی اچھی طرح انہیں سمجھ لیا ہے۔ نمرہ ان کے ساتھ خوش رہے گی۔"

"یہاں سے زیادہ وہ وہاں خوش رہے گی۔ وہاں اسے بے حساب دولت مل رہی ہے۔ کوئی اس کی دولت میں حصے دار نہیں ہوگا۔ ہم اگر یہ رشتہ قبول کرلیں تو وہ کل ہی نمرہ کے اکاؤنٹ میں دس کروڑ روپے جمع کرا دیں گے۔"

اسما نے کہا "یعنی بیٹی کا سودا دس کروڑ میں کیا جا رہا ہے؟"

فلک آفتاب نے گرج کر کہا "اسما! اپنی زبان کو لگام دو۔ تمہارے خاندان میں بیٹیوں کی دلالی ہوتی ہوگی۔ ہم دینی اور دنیاوی دستور کے مطابق رشتے کی بات کر رہے ہیں۔ اپنے جوان بیٹوں سے مشورہ کر رہے ہیں۔ جبران جن ڈاکٹروں کے زیرِ علاج رہا ہے۔ ان سے ملیں گے' اس کی تمام میڈیکل رپورٹس دیکھیں گے اور پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد ہی رشتہ قبول کریں گے۔"

اسما وہاں سے اٹھ کر جاتے ہوئے بولی "میرا یہاں بیٹھنا فضول ہے۔ میری باتیں تو زہر لگتی ہیں۔ لیکن جاتے جاتے یہ ضرور کہوں گی کہ نمرہ اس رشتے کے لیے کبھی راضی نہیں ہوگی۔"

بیگم آفتاب بولی "تمہارے منہ میں خاک! وہ میری بیٹی ہے۔ جہاں اپنی بہتری دیکھے گی اسی طرف جھکے گی۔ مقدر میں کیا رکھا ہے۔ جبران کی دولت اور کاروبار کے آگے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔"

پھر اس نے ذیشان سے کہا "بیٹے! میں مقدر میاں کی دوغلی حرکتیں دیکھ رہی ہوں۔ شاید تم بھی سمجھ رہے ہوگے۔ ادھر وہ نمرہ سے شادی کی باتیں کرتا ہے۔ ادھر آسرا کو آسرا دلاتا رہتا ہے۔ میں نمرہ اور آسرا کی طرح کوئی نادان لڑکی نہیں ہوں۔ اس کے عاشقانہ مزاج کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ میں ایسے لڑکے کو اپنا دامادِ کیسے بنالوں۔"

فلک آفتاب نے بابر کو دیکھتے ہوئے پوچھا "تم خاموش کیوں ہو کچھ تو بولو؟"

"میں کیا بولوں۔ آپ والدین ہیں اپنی اولاد کی بہتری ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اگر جبران ایب نارمل نہیں ہے' ڈاکٹروں کی رپورٹس آپ کو مطمئن کرتی ہیں اور نمرہ راضی ہو جاتی ہے تو پھر ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "نمرہ اچھا برا نہیں سمجھ سکتی۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہوئی ہے۔ ہم لوگوں کو ہی اسے سمجھانا ہوگا۔ ہماری ایک ہی بیٹی' اور تمہاری ایک ہی بہن ہے۔ اس کے مستقبل کو شان دار بنانا اور اس کا گھر بنانا ہم سب کا فرض ہے۔"

باپ نے بیٹے سے کہا "ذیشان تم بڑے بھائی ہو' تم

سمجھاؤ گے تو وہ تمہاری بات مان لے گی۔"

وہ بولا "ڈیڈی! میں مقدر میاں کو بہت پسند کرتا ہوں۔ میں اسے کیسے ناپسند کروں؟ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ چند گھنٹے پہلے تک آپ کو بھی اس میں اچھائیاں ہی نظر آ رہی تھیں۔ میں اپنی بہن سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ مقدر میاں کے بارے میں وہ اپنا ارادہ بدل کے جبران سے شادی کرلے۔"

بیگم آفتاب نے پوچھا "یعنی تم ہمارے بڑے بیٹے ہوکر بھی ہماری حمایت نہیں کروگے؟"

"اگر حمایت میں نہ بولا' تو مخالفت میں بھی نہیں بولوں گا۔ اس کا فیصلہ نمرہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ بابر کا کہنا درست ہے کہ نمرہ راضی ہو جائے تو ہم میں سے بھی کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔"

اسی وقت میں نمرہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ سب ذرا دیر کے لیے چپ ہوگئے۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے مجھے دیکھ کر منہ پھیرلیا۔ گرگٹ بھی اتنی جلدی رنگ نہیں بدلتا ہوگا۔ ماں نے نمرہ سے پوچھا "کہاں گئی تھیں؟ تمہیں ہم سے پوچھے بغیر کسی کے ساتھ یوں باہر نہیں جانا چاہیے۔"

نمرہ حیرت سے ان کی طرف دیکھ کر بولی "کسی کے ساتھ......؟ یہ مقدر آپ کے لیے کسی کب سے ہوگئے؟"

اسما اوپر بالکنی کی ریلنگ سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے کہا۔ "جب سے جبران صاحب کا رشتہ گلے پڑ گیا ہے۔"

بیگم آفتاب نے غصے سے چیخ کر کہا "ذیشان اپنی اس چہیتی کا منہ بند کردو۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

ذیشان اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے بولا "اسما کمرے میں چلو۔"

بیگم آفتاب نے پوچھا "تم کہاں جا رہے ہو؟ بہن سے بات نہیں کروگے؟"

اس نے سیڑھیوں پر رک کر مجھے اور نمرہ کو دیکھا اور بولا "ممی! میں کہہ چکا ہوں' جو فیصلہ نمرہ کا ہوگا' وہی ہمارا ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ اسما سمیت اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ نمرہ نے جبران کا نام سنتے ہی سمجھ لیا کہ مسز رانا اس کی ممی اور ڈیڈی تک رسائی حاصل کر چکی ہے۔ بیگم آفتاب نے کہا "مقدر میاں آسرا تمہیں پوچھ رہی تھی۔ اپنے کمرے میں ہے۔"

میں نے مسکرا کر نمرہ سے پوچھا "کیا خیال ہے؟ کیا میں جاؤں؟"

وہ بولی "نہیں۔ ابھی تم میرے کمرے میں چلو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "بیٹی تم بعد میں مقدر میاں سے باتیں کرلینا۔ ابھی میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"آپ کچھ نہ کہیں تو بہتر ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں۔ مجھے جبران اور مسز رانا کا ذکر پسند نہیں ہے۔"

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے ذرا پریشان ہوکر ایک دوسرے کو دیکھا اور فلک آفتاب نے کہا "بیٹی! جوان ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم سمجھ دار ہو چکی ہو اور دنیا کو سمجھنے لگی ہو۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا "تم میرے کمرے میں آؤ۔ یہ تمہارے باپ کا حکم ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کوئی جواب سنے بغیر منہ پھیر کر وہاں سے چلا گیا تو بیگم آفتاب بھی اس کے پیچھے چلی گئی۔ نمرہ نے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا "تمہیں جانا چاہیے۔ دیکھو ان کے سامنے کوئی گستاخی نہ کرنا۔"

اس نے ایسی نظروں سے مجھے دیکھا' جیسے کہہ رہی ہو۔ "کیوں مجھے امتحان میں ڈال رہے ہو؟"

میں نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا "جاؤ۔"

وہ نظریں جھکا کر وہاں سے چلی گئی۔ میں اس کی پریشانیوں کو سمجھ رہا تھا۔ دراصل وہ مستقل مزاج نہیں تھی۔ پہلے تو وہ جبران کو کوئی مردہ سمجھ کر اس سے کتراتی رہی تھی۔ اس سے دور بھاگتی رہی تھی پھر جب اس سے ملاقات ہوئی تو وہ اس سے کسی حد تک متاثر بھی ہوئی۔ وہ خوب رو اور پرکشش تھا۔ بہت اچھی گفتگو کرتا تھا اور اپنی باتوں سے سامنے والے کو جیت لیتا تھا۔ وہ کسی حد تک اسے پسند بھی آیا مگر پسند کرنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ جب اس پر دورہ پڑا اور وہ الیکٹرک شاک لینے لگا تو وہ بری طرح خوف زدہ ہوگئی تھی اور پسندیدگی کا جو تاثر اس کے دل میں پیدا ہوا تھا وہ یک لخت ختم ہوگیا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ آئندہ اس سے ملاقات نہیں کرے گی' اور نہ ہی فون پر بات کرے گی۔

پھر میں نے اسے سمندر کے ساحل پر لے جا کر اچھی طرح سمجھایا کہ اسے جبران سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر وہ اس سے محبت نہیں کرسکتی نہ کرے' ہمدردی تو کرے کیونکہ وہ بیمار ہے اور اس بیمار کی مسیحا صرف وہی تھی' وہی اسے نارمل بنا سکتی تھی۔

میری باتوں سے وہ پھر کسی حد تک جبران کی طرف مائل ہوگئی تھی اور آئندہ اس سے ملاقات کرنے اور اس سے بات کرنے پر بھی راضی ہوگئی تھی۔ اب ماں باپ اسے تنہائی میں سمجھانا چاہتے تھے کہ وہ عشق و محبت کے چکر میں نہ پڑے۔ خاص طور پر میرے فریب میں نہ آئے کیونکہ میں اس کے

ساتھ ساتھ آسرا میں بھی دلچسپی لے رہا ہوں اور یہ سب کے سامنے کہہ چکا ہوں کہ ہوسکتا ہے کبھی آسرا میری دلہن بن جائے۔

یہ ایسی بات تھی جو نمرہ کو کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ پھر وہ خود بھی دیکھ رہی تھی کہ میں آسرا میں بھی دلچسپی رکھتا ہوں۔ اس کے ساتھ باہر تفریح کے لیے جاتا ہوں۔ میں نے اسے تحفہ بھی دیا۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں جو نمرہ کے دل میں میرے لیے بے اعتمادی پیدا کرسکتی تھیں۔

میں اپنے کمرے میں آ کر لباس تبدیل کر رہا تھا اور بیگم آفتاب اپنے کمرے میں بیٹی کو سمجھا رہی تھیں ''یہ مقدر بچپن سے لندن میں پرورش پاتا رہا ہے۔ وہاں کے ماحول میں کتنی بے شری ہے یہ تم جانتی ہو۔ لڑکیاں خود ہی آ کر گلے پڑتی ہیں۔ مقدر جیسے رئیس کبھی اِس کے ساتھ کبھی اُس کے ساتھ وقت گزارتے رہتے ہیں۔ وہ یہاں آ کر پارسا بنا پھرتا ہے لیکن عادت سے مجبور ہے۔ یہاں بھی اِدھر تم میں اُدھر آسرا میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ابھی خاندان کی کئی لڑکیاں آئیں گی۔ یہ ان سے متعارف ہوا تو ادھر بھی لڑھک سکتا ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''دوسری لڑکیوں کی باتیں چھوڑو۔ یہ دیکھو کہ اگر وہ تم سے شادی کر لیتا ہے اور بعد میں کہتا ہے کہ آسرا کے مقدر میں بھی اسی سے شادی کرنا لکھا ہے تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیں گے۔ وہ تمہیں ایک سوکن کے ساتھ رہنے پر مجبور کردے گا۔''

ماں نے کہا ''ہمیں مقدر میاں سے کوئی عداوت نہیں ہے۔ وہ بھی دولت مند ہے لیکن جبران کے مقابلے میں کم ہے۔ پھر یہ کہ جبران کے سائے میں تمہیں زیادہ خوش حالی ملے گی۔ ایک بوڑھی ماں ہے۔ وہ آخر کتنے دن جئے گی۔ اس کے بعد تم ہی ساری دولت اور جائداد کی مالک بن جاؤ گی۔''

نمرہ نے کہا ''آپ دونوں میری بہتری کے لیے مجھ سے یہ کہہ رہے ہیں' لیکن یہ عجیب بات ہے کہ میں مقدر کی چاہت سے باز آجاؤں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ میں اسے دل سے چاہتی ہوں۔''

''کیا اس وقت بھی اسے دل سے چاہو گی۔ جب وہ آسرا کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اسے تمہاری سوکن بنا لائے گا؟''

فلک آفتاب نے کہا ''اس کا ایک حل یہ ہے کہ تم ابھی مقدر میاں کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کیا وہ تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ تمہیں پکے کاغذ پر لکھ کر دے سکتے ہیں کہ تمہارے بعد وہ کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کریں گے؟ ہم نکاح کے وقت پچاس کروڑ کی رقم مہر کے طور پر لکھوائیں گے اور یہ کہ اگر وہ دوسری شادی کریں گے یا تم پر سوکن لائیں گے تو خود بخود طلاق ہو جائے گی۔''

''ڈیڈی یہ شادی تو نہیں کاروباری لین دین کی سی بات ہوئی۔''

''لین دین کی بات کیے بغیر تمہارے محفوظ مستقبل کی ضمانت نہیں ملے گی۔ اب یہی دیکھو کہ مسز رانا کسی شرط کے بغیر صرف رشتہ منظور کرنے پر دس کروڑ روپے تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرانے کو تیار ہے اور پھر نکاح کے دوسرے دن تمہارے اکاؤنٹ میں پچاس کروڑ روپے جمع کر دیئے جائیں گے اور ہم نے اس لیے لین دین کی بات نہیں کی تھی۔ نہ ہی ہم مقدر میاں سے ایسی باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں تو خود ہی مستقبل میں تمہارے تحفظ کی ضمانت دینی چاہیے۔''

''نمرہ ذرا خود سوچو۔ اگر وہ اس طرح کی ضمانت ایک پکے کاغذ پر لکھ دیتا ہے کہ کبھی تم پر سوکن نہیں لائے گا تو اس میں تمہاری بہتری ہے۔ آسرا کا نام ہمیشہ کے لیے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گا۔''

وہ تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ماں نے پوچھا ''کیا ہوا؟''

وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی ''میں ابھی مقدر سے اس کا فیصلہ پوچھتی ہوں۔''

ماں باپ خوش ہوگئے۔ ماں نے کہا ''ہم یہاں تمہارا انتظار کریں گے۔''

وہ سر جھکا کر کمرے سے نکل گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں نے اپنے دروازے پر دستک سن کر کہا ''آ جاؤ۔''

اس نے دروازے کو ذرا سا کھول کر دیکھا۔ میں لباس تبدیل کر چکا تھا۔ اپنی کلائی سے گھڑی اتار کر میز پر رکھ رہا تھا پہلے ہی اسے یہ بات بری لگی تھی کہ میں آسرا کے تحفے کو اپنی کلائی سے باندھے رکھتا ہوں۔

اسے دیکھ کر میں بولا ''ارے نمرہ! اندر آ جاؤ۔''

وہ اندر آ کر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ میں نے پوچھا ''کیا مجھے بیٹھنے کے لیے کہنا ہوگا؟ تم کچھ بدلی بدلی سی لگ رہی ہو۔ بات کیا ہے؟''

وہ بولی ''تم نے مجھے سمجھایا تھا کہ میں ابھی جا کر بات کروں تو والدین سے گستاخی نہ کروں۔''

''بے شک' والدین کا احترام ہر حال میں کرنا چاہیے۔''

''تم یہ مانتے ہو کہ والدین اپنی اولاد کی بہتری کے لیے سوچتے ہیں؟''

''بے شک' یہی والدین کی عظمت ہے کہ وہ ہماری پیدائش سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک ہمارے لیے بہتریں کرتے ہیں۔''

وہ بولی ''والدین دعا بھی دیتے ہیں اور اچھی تعلیم و تربیت بھی دیتے ہیں۔ ذہانت کی باتیں بھی سکھاتے ہیں اور انہوں نے ہی مجھے یہ عقل دی ہے کہ لڑکیوں کو شادی سے پہلے اپنے بہترین مستقبل کی ضمانت حاصل کر لینی چاہیے۔''

''ہوں...... بہت معقول بات سمجھائی ہے۔''

''تم مجھے کیا ضمانت دو گے؟''

میں نے ذرا تعجب سے اسے دیکھا پھر پوچھا ''ہماری شادی کب ہو رہی ہے کہ میں ضمانت دوں؟''

وہ ذرا جھینپ سی گئی پھر بولی ''ابھی نہ سہی۔ کبھی تو ہوگی۔ تم نے مجھے پروپوز کیا ہے۔''

''بے شک' میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں پھر میرے ہاتھ کی لکیریں بھی یہی کہتی ہیں کہ تم میری شریکِ حیات بنو گی۔''

''یہی بات تم نے آسرا سے بھی کی ہے کہ وہ مقدر کی پھیری سے کبھی تمہاری دلہن بن سکتی ہے۔''

''میں حقیقت سے انکار نہیں کروں گا۔ ہم سب لکیر کے فقیر ہیں۔ جو لکیریں کہہ دیتی ہیں۔ ہمیں اس پر چلنا پڑتا ہے۔''

''انسان کے پاس عقل ہے۔ اگر وہ چاہے تو تدبیر سے تقدیر کو بدل سکتا ہے۔ فرض کرو میری تم سے شادی ہوگئی۔ اس کے بعد اگر تم نے کہا کہ تقدیر تمہیں آسرا سے شادی کرنے پر مجبور کر رہی ہے تو کیا میں مان لوں گی؟''

''تمہارے نہ ماننے کے باوجود تقدیر کا لکھا پورا ہوگا۔ ہم موت نہیں چاہتے اور تدبیر بھی کرتے رہتے ہیں' لیکن ہمیں اپنے مقررہ وقت پر مرنا ہی پڑتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا دشمن ترقی نہ کرے لیکن ہمارے نہ چاہنے کے باوجود وہ ترقی کرتا ہے۔ تم سوچو گی کہ میں ہرجائی ہوں۔ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہیے لیکن ایک دن ضرور مجھ سے شادی کرو گی۔ بڑی بڑی جنگیں جیتنے والوں کو بھی مقدر سے ہارنا پڑتا ہے۔''

''میں نہیں مانتی۔ میں اپنی تدبیر سے تمہیں جیت سکتی ہوں۔ اگر تم تعاون کرو۔''

''میں تم سے بھرپور تعاون کروں گا۔ بولو کیا چاہتی ہو؟''

''میں اپنی زندگی میں سوکن کا راستہ روکنا چاہتی ہوں۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ تم شادی سے پہلے پکے کاغذ پر لکھ دو کہ مجھ سے شادی کرنے کے بعد دوسری شادی کبھی نہیں کرو گے۔''

میں نے کہا ''مختلف عورتوں کے مختلف مزاج ہوتے ہیں۔ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارا مزاج اور تمہارے ارادے بدلتے رہتے ہیں۔ اگر تمہیں یہ لکھ کر دے دوں کہ تم پر کوئی سوکن نہیں آئے گی۔ میں کوئی دوسری شادی نہیں کروں گا تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم میرے سر پر نہیں ناچو گی۔ عشق و محبت' شوہر پرستی بھول کر ایک مغرور بیوی بن جاؤ گی اور میرے لیے ہمیشہ دردِ سر بنی رہو گی۔''

''میں یہ لکھ کر دے سکتی ہوں کہ ہمیشہ تمہاری وفا شعار بیوی بن کر رہا کروں گی۔''

''کیا یہ بھی لکھ کر دو گی کہ میرے مزاج کے خلاف کوئی حرکت کرو گی تو فوراً ہی طلاق ہو جائے گی یا پھر مجھے یہ حق حاصل ہوگا کہ میں ذہنی سکون کے لیے دوسری شادی کروں؟''

''گھوم پھر کر اسی دوسری شادی پر آگئے۔ تمہارے دل و دماغ میں تو آسرا چھپی ہوئی ہے' تم اسے ضرور میری سوکن بنا کر لاؤ گے۔''

''میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔ ایک بار کہہ چکا ہوں وہ ہمدردی کی مستحق ہے' اس کی زندگی مختصر ہے۔ میں محض اسے زیادہ سے زیادہ خوشیاں دینا چاہتا ہوں۔ تم کیوں اسے اپنی سوکن سمجھنے لگی ہو؟''

''میں لمبی بحث نہیں کروں گی۔ کیا مجھے یہ لکھ کر دے سکتے ہو کہ میں ہی تمہاری شریک حیات رہوں گی اور تم کبھی دوسری شادی نہیں کرو گے؟''

''جب میں یہ جانتا ہوں کہ تم ایک دن ضرور میری شریک حیات بنو گی تو خوا مخواہ کیوں پکے کاغذ پر کچھ لکھ کر دوں۔''

وہ تھوڑی دیر تک مجھے گھورتی رہی پھر بولی ''دیکھو مقدر' ممی اور ڈیڈی میرے فیصلے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کا فیصلہ یہ ہے کہ اچھا رشتہ آ رہا ہو تو اسے ٹھکرانا نہیں چاہیے اس لیے وہ میری بہتری کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ تم مجھے لکھ کر کیوں نہیں دے دیتے کہ صرف مجھ سے شادی کرو گے۔ کوئی دوسری تمہاری زندگی میں نہیں آئے گی۔''

''میں دوسروں کی قسمت کا حال بتاتا ہوں۔ ہونی اور انہونی کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں لیکن ابھی بتا نہیں سکتا اور نہ لکھ کر دے سکتا ہوں۔''

''تم ایک سیدھا سا جواب دو۔ کیا چاہتے ہو اور مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔

''تم میں ہمت ہے تو دنیا سے بغاوت کر دو۔ ورنہ ماں باپ جہاں کہتے ہیں' شادی کرلو۔ مگر تم جا کر اپنے ممی ڈیڈی سے کہہ دو کہ وہ جہاں شادی کرنا چاہیں گے تم انکار نہیں کرو گی۔''

وہ چڑ کر بولی ''صاف کیوں نہیں کہتے کہ آسرا تمہارے حواس پر چھائی ہوئی ہے اور مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے یہ مشورہ دے رہے ہو۔''

میں نے مسکرا کر کہا ''نہ میں تمہارا پیچھا چھوڑوں گا اور نہ تم میرا پیچھا چھوڑو گی۔ ہم دونوں مقدر کی زنجیروں سے بندھے ہوئے ہیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ آج تک میری کوئی پیش گوئی غلط ثابت نہیں ہوئی۔ تم بھی آزما کر دیکھ لو۔'' وہ ذرا تذبذب سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی ''یہ تو میں مانتی ہوں کہ تم سچی پیش گوئیاں کرتے ہو۔ ایک بار پھر کہو' کیا میں اپنی ممی اور ڈیڈی کی بات مان لوں؟''

میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا ''تم خدا پر بھروسا کرو' مجھ پر بھروسا کرو اور ان کی بات مان لو۔''

وہ میری طرف تنبیہی انداز میں انگلی اٹھا کر بولی ''دیکھو اگر مجھ سے پیچھا چھڑا کر آسرا سے شادی کرو گے تو میں اپنی جان دے دوں گی۔''

''میری جان! ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ تم جاؤ۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہی کرو۔''

وہ سر جھکا کر وہاں سے جانے لگی تو میں نے کہا ''ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔''

وہ رک کر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔ ''جب مسز رانا سے ملاقات ہو تو ان سے کہنا کہ انہوں نے لندن میں ایک نجومی سے ملاقات کی تھی اور اس نجومی نے انہیں متاثر بھی کیا تھا۔'' وہ حیرت سے بولی ''تو کیا تم مسز رانا سے مل چکے ہو؟''

''ہاں۔ اب سے تین برس پہلے ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان محترمہ سے کہو کہ تم جبران کی قسمت کا حال معلوم کرنا چاہتی ہو اور یہ جاننا چاہتی ہو کہ کیا وہ نارمل ہو کر تمہارے ساتھ ازدواجی زندگی گزار سکے گا؟''

وہ چہک کر بولی ''یہ تو بڑی اچھی ترکیب ہوئی اور میں سمجھتی ہوں مسز رانا میری اس بات پر راضی بھی ہو جائیں گی۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بولی ''زندگی ایک جوا ہے اور میں تمہارے کہنے پر بہت بڑا جوا کھیلنے جا رہی ہوں۔ میں سر سے پاؤں تک صرف تمہاری امانت ہوں۔ اس اما[نت] کو کسی دوسرے کے ہاتھ نہ لگنے دینا۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹی اور باہر نکل گئی۔

☆☆☆

عینی اور عروج بجھی بجھی سی رہنے لگی تھیں۔ میری پیش گوئی نے ان کے دلوں میں امید کی کرن تو پیدا کی [تھی] ''وہ جہاں بھی ہے زندہ سلامت ہے' اور کبھی نہ کبھی ان [سے] ضرور ملے گا۔''

اگر میں یہ پیش گوئی نہ کرتا تو وہ دونوں صدمات [سے] ٹوٹ جاتیں۔ ہر آنے والا دن ان سے کہتا تھا' یا شاید آ[نے] والا ہے۔ وہ دونوں اب دن رات ساتھ رہنے لگی تھیں۔ عروج نے ہمیشہ کے لیے اپنا گھر چھوڑ دیا تھا۔ اسی دورا[ن] کے باپ سید تراب علی شاہ کو اطلاع ملی کہ اس کا بیٹا حشم[ت] شاہ ہانگ کانگ میں مارا گیا ہے۔

ہانگ کانگ پولیس کی رپورٹ کے مطابق پاکستا[ن سے] ایک میاں بیوی آئے تھے۔ بیوی کا نام آرزو تھا اور شوہ[ر] سید حشمت علی شاہ۔ آرزو کی لاش ہوٹل کے کمرے میں [ملی] ہے اسے کسی نے گولی ماری تھی۔ سی پورٹ ایسٹ کے سا[منے] حشمت کی لاش پائی گئی تھی۔ اس کے جسم پر کئی گولیاں لگی [تھیں]۔ اس کے قاتلوں کو تلاش کیا جا رہا تھا لیکن آرزو کو قتل کر[نے والا] قاتل گرفتار ہو چکا تھا۔ اس قاتل کو ان دو لاشوں کے [ساتھ] پاکستانی پولیس کے حوالے کیا جانے والا تھا۔ تراب [علی شاہ] سے کہا گیا تھا کہ ضروری قانونی کارروائیاں مکمل ہو[نے کے] بعد حشمت کی لاش اس کے حوالے کر دی جائے گی۔

بیٹے کی موت کی خبر سنتے ہی بیگم شاہ کا کلیجہ صد[مے سے] پھٹ پڑا تھا۔ تراب علی دوڑتا ہوا ذیشان کے پا[س آیا] ذیشان نے کہا ''میں نے ہی یہ اطلاع آپ کے پا[س بھیجی] ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کا بیٹا دردانہ کی درندگی [سے نہ بچ] سکا۔''

وہ روتے ہوئے غصے سے بولا ''تم کس لیے یہ[اں بیٹھے] ہو؟ اتنے بڑے افسر ہو کیا ایک عورت کو درندگی سے نہ[یں روک] سکتے؟''

''وہ کوئی معمولی عورت نہیں رہی ہے۔ ابھی تو [آپ یہ] بھی سنیں گے کہ آپ کے بیٹے کے قتل کا الزام وہ مجھ [پر عائد] کرنے والی ہے۔''

ذیشان اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آیا او[ر تسلی] دینے لگا ''جوان بیٹے کی موت کا صدمہ کیا ہوتا ہے' [میں] اندازہ کر سکتا ہوں۔ آپ پر تو قیامت گزر رہی ہو[گی۔ آپ]

[]نے دیکھا ہم سب نے اسے بچانے کے لیے کیا کیا جتن نہیں [کیے]۔ اسے ملک سے باہر تک بھیج دیا مگر آپ اس عورت کی [طاق]ت اور وسائل کا اسی بات سے اندازہ کر لیں کہ اس نے [وہ]اں بھی موت کے فرشتوں کو بھیج دیا۔ ہمارے مقدر میاں صحیح [کہ]تے ہیں کہ تقدیر سے کوئی لڑ نہیں سکتا۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور اس کی جگہ کا بھی خدا نے تعین کر رکھا ہے۔ خدا آپ کو [ص]بر اور ہمت دے۔''

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولا ''تم نے حشمت کو بچانے کے لیے بہت کوششیں کیں مگر اللہ کی مرضی۔ اب ایک احسان اور [ک]رو کہ میرے بیٹے کی لاش جلد سے جلد مجھے مل جائے تا کہ اس [کی] آخری رسومات جلد ادا کروا سکوں۔''

ذیشان نے اسے تھپکتے ہوئے کہا ''میری بھی یہی کوشش [ہو]گی۔ میں آپ کو اطلاع دوں گا۔''

[ح]شمت نے عینی کے ساتھ جو عداوت کی تھی۔ اس کے [نتی]جے میں عروج نے قسم کھائی تھی کہ اس گھر میں اب کبھی نہیں [جا]ئے گی۔ جہاں وہ بے حیا بھائی رہتا ہے لیکن جب بھائی کی [مو]ت کی اطلاع ملی تو وہ بے اختیار رونے لگی۔ عینی نے بھی [ا]سے گلے لگا کر مشورہ دیا کہ ''اب تمہیں اپنے گھر جانا چاہیے۔ [تم]ہارے ممی اور ڈیڈی بیٹے سے محروم ہو چکے ہیں۔ اب تم [ان]ہیں تسلی دو اور بیٹی سے تو محروم نہ کرو۔''

عروج نے کہا ''تم بھی بھائی جان کو معاف کر دو اور [می]رے ساتھ گھر چلو۔''

''میں ضرور چلوں گی۔ تمہارے بغیر تو میں رہ نہیں سکتی۔'' [پ]ھر وہ اپنے اپنے بیگ میں سامان رکھنے لگیں۔

اسما' نمرہ اور آسرا بھی وہاں آ گئیں اور عروج کے ساتھ [تع]زیت اور ہمدردی کا اظہار کرنے لگیں۔ اسما نے کہا ''تم [نے] گھر جانے کا فیصلہ کر کے بہت اچھا کیا ہے۔ تمہاری [مو]جودگی سے انکل اور آنٹی کو تسلی ہوگی اور تم ان کا دکھ کسی حد [تک] ہلکا کر سکو گی۔''

وہ سب باتیں کرتی ہوئی کوٹھی سے باہر آئیں اور عینی اور [عر]وج کار میں بیٹھ کر وہاں سے چلی گئیں۔ ان کے جانے کے [بعد] اسما نے نمرہ سے پوچھا ''تمہاری ممی اور ڈیڈی نیا رشتہ لے [کر] آئے تھے۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟''

آسرا بولی ''میں نے بھی سنا ہے کہ تمہارے لیے کوئی [رش]تہ آیا ہے۔ میری ممی تو خوش ہو رہی تھیں تو میں نے کہا کہ [انہ]یں خوش نہیں ہونا چاہیے۔ لڑکیاں کسی ایک کو دل دیتی ہیں [او]ر تم مقدر کو دل دے چکی ہو۔ کسی اور سے شادی کے لیے [راضی] نہیں ہو گی۔''

نمرہ نے اسما اور آسرا کو گہری سنجیدگی سے دیکھا اور بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''میں شادی کے لیے راضی ہو چکی ہوں۔''

دونوں نے چونک کر اسے دیکھا ''کیا......؟''

اسما نے حیرت سے پوچھا ''کس سے؟''

''جبران سے......''

آسرا نے مسکراتے ہوئے کہا ''کیوں مذاق کر رہی ہو؟''

''یہ مذاق نہیں ہے۔ میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ مقدر کسی ایک فیصلے پر قائم نہیں ہے۔ وہ مجھ سے بھی شادی کرنا چاہتا ہے اور تم سے بھی اور وہ سب ہی کے سامنے کہہ چکا ہے کہ تمہارے ہاتھ کی لکیر بدل سکتی ہے اور اس کا امکان ہے کہ تم اس کی دلہن بن جاؤ۔''

آسرا نے کہا ''اس نے یہ بھی تو کہا ہے کہ شادی میری موت ہے۔ میں موت کو کیوں گلے لگاؤں؟ میں مقدر سے تو کیا کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی۔''

اسما نے کہا ''نمرہ یہ باتیں ہم سب نے سنی ہیں۔ آسرا تو پہلے بھی کہہ چکی ہے کہ وہ شادی نہیں کرے گی پھر تم اس کا حوالہ کیوں دے رہی ہو؟ تم صرف اتنا بتاؤ تمہیں مقدر میاں سے محبت ہے یا نہیں ہے؟''

اس نے اسما اور آسرا کو دیکھا پھر کہا ''یہ تو میرا دل ہی جانتا ہے کہ میں مقدر کو کتنا چاہتی ہوں لیکن اس کی دوہری باتوں نے الجھا دیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ شادی آسرا کی موت ہوگی اور یہ بھی کہا ہے کہ ہاتھ کی لکیر بدل جائے تو یہ اس کی دلہن بن سکتی ہے۔''

اس نے اسما سے کہا ''بھابی جان آسرا میری بہن ہے۔ میں اسے بہن اور سہیلی بنا کر اسے گلے لگا سکتی ہوں لیکن کسی کو بھی سوکن بنا کر اپنے گلے پر چھری پھیرنے کی حماقت نہیں کر سکتی۔''

اسما نے کہا ''تمہیں اندیشہ ہے کہ مقدر میاں تم سے شادی کرنے کے بعد آسرا سے بھی شادی کر لیں گے؟ مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔ وہ ایسے تو نہیں ہیں۔''

''جو ایسے نہیں ہوتے وہ بھی مقدر کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایسے ہی ہو جاتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے' میں کوئی رسک لینا نہیں چاہتی۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگی۔ اسما نے کہا ''نمرہ سنو تو سہی' تم بہت بڑی غلطی کرنے جا رہی ہو۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور دروازہ کھول کر کوٹھی کے

اندر چلی گئی۔

عروج کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ عینی اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ اسے قریب کا منظر دھندلا دھندلا دکھائی دیتا تھا۔ ونڈ اسکرین کے باہر وہ دور تک دیکھ نہیں سکتی تھی۔ بس یونہی تک رہی تھی۔ عروج نے پوچھا۔ ''کیا سوچ رہی ہے؟''

وہ بولی ''وہی جو تو سوچتی رہتی ہے۔ میری اور تیری سوچ الگ نہیں ہے۔ سچ بول' اس وقت پاشا کے بارے میں سوچ رہی ہے نا؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''اب تو ہمارا سونا جاگنا' اوڑھنا بچھونا وہی ہو گیا ہے۔ میں دن رات یہی سوچتی رہتی ہوں کہ وہ کہاں ہوگا؟ اور کس حال میں ہوگا؟''

عینی نے کہا ''مقدر بھائی کی پیش گوئی نے بڑا حوصلہ دیا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے وہ ضرور آئے گا پھر سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ کب آئے گا' کہاں ملاقات کرے گا' کیا اطلاع دے کر آئے گا یا اچانک ہی ہمارے سامنے پہنچ جائے گا؟''

عروج نے ڈرائیو کرتے ہوئے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا ''وہ اچانک آئے یا اطلاع دے کر آئے۔ جب بھی سامنے آئے گا تو اسے دیکھ کر خوشی کے مارے سانسیں رکنے لگیں گی۔''

عینی نے کہا ''میں تو شاید سانس لینا ہی بھول جاؤں گی۔ یا اللہ! وہ وقت وہ گھڑی کب آئے گی؟''

عروج نے ایک سگنل کے سامنے گاڑی روک دی۔ ٹریفک کا اچھا خاصا ہجوم تھا۔ آگے بھی گاڑیاں تھیں اور دائیں بائیں بھی گاڑیاں آ کر رک رہی تھیں۔ عینی نے ایک گہری سانس لے کر اپنے دائیں طرف سر گھمایا تو ایک ذرا ٹھٹک گئی۔ ذرا غور سے دیکھنے لگی۔ ابھی ابھی جو ایک ٹیکسی آ کر رکی تھی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر پاشا بیٹھا ہوا تھا۔

وہ یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ پاشا ہی ہے کیونکہ دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا لیکن دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ وہ پاشا ہی ہے۔ اس نے فوراً ہی عروج کے بازو کو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا ''عروج ادھر دیکھ مجھے پاشا دکھائی دے رہا ہے۔''

عروج نے چونک کر پوچھا ''کہاں ہے؟ کہاں دکھائی دے رہا ہے؟''

''ادھر آگے کیا دیکھ رہی ہے؟ میری دائیں طرف دیکھ۔ ادھر جو گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر پاشا بیٹھا ہوا ہے۔''

سگنل کی سبز بتی روشن ہو گئی۔ گاڑیاں آگے بڑھنے لگ
عروج نے سر اٹھا کر ادھر دیکھنا چاہا تو وہ ٹیکسی آگے بڑھ
تھی۔ عینی نے کھڑکی سے سر نکال کر آواز دی ''پاشا رک
رک جاؤ...... پاشا......!''

پیچھے والی گاڑیاں ہارن بجا بجا کر انہیں آگے بڑھ
کہہ رہی تھیں۔ عروج تیزی سے گاڑی آگے بڑھا کر اس
کے قریب جانے کی کوشش کرنے لگی لیکن بیچ میں اور گا
آ گئی تھیں۔ آگے اور دائیں بائیں اتنی گاڑیاں تھیں کہ
سے آگے نکل کر ٹیکسی کے قریب نہیں پہنچ سکتی تھی۔

عینی چیخ چیخ کر آوازیں دے رہی تھی۔ عروج نے
''خاموش ہو جاؤ عینی! ٹریفک کے شور میں وہ تمہاری
نہیں سن پائے گا۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ وہ ٹیکسی نظر
سے اوجھل نہ ہو۔''

آگے پھر ایک سگنل آ رہا تھا۔ وہ ٹیکسی بائیں طرف
والے راستہ کی لین میں تھی۔ عروج بھی اپنی گاڑی اس
میں لے آئی۔ اس طرح وہ دوسری گاڑیوں سے کتراتی
دوسری سڑک پر مڑنے لگی اور دوسری سڑک پر پہنچتے ہی رفتار
کر دی۔ اس کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ صرف وہ
چلی جا رہی تھی۔ وہ دونوں لحہ بہ لحہ اس کے قریب پہنچ
تھیں۔ قریب پہنچتے پہنچتے عینی پھر چیخ چیخ کر آوازیں د
''پاشا......! گاڑی روکو...... پاشا......! گاڑی روکو......
روکو......''

وہ چیخنے کے ساتھ ساتھ کھڑکی کے باہر ہاتھ بھی
جا رہی تھی۔ ٹیکسی ذرا آگے جا کر رکنے لگی۔ عروج نے
ٹیکسی سے آگے آ کر اپنی کار روکی اور وہ دونوں اپنی
طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئیں۔ ڈرائیور اپنی
دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا۔ وہ دونوں دم سادھے
دیکھنے لگیں۔ وہ پاشا نہیں تھا۔ اس نے پوچھا ''جی......
چاہیے؟''

وہ دونوں ڈوبتے ہوئے دل سے اسے دیکھ رہی
عروج نے انکار میں سر ہلایا۔ عینی کے دل سے ایک آہ
خدایا......! میں کب تک اندھی بنی رہوں گی۔ کب تک
دھندلائی ہوئی دنیا کو دیکھتی رہوں گی۔ مجھے اتنی بینائی
کہ میں اپنے پاشا کو دیکھ سکوں' پہچان سکوں۔''

عروج کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کار چلاتی ہو
دوڑتی ہوئی' وہاں تک آئی ہے اس کے دل سے بھی
رہی تھی ''یا خدا! میں تو دنیا کے آخری سرے تک اس
دوڑتی رہوں گی مگر وہ دکھائی تو دے۔''

وہ دونوں سر جھکا کر کار کے اندر آ کر بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

گل خانم یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ اپنے یاور خان سے موبائل فون پر باتیں کر رہی ہے۔ یہ موبائل فون بڑا دھوکا دیتا ہے۔ یہ نہیں بتاتا کہ باتیں کرنے والا ہزاروں میل دور ہے یا کہیں قریب ہی سے بول رہا ہے۔ گل خانم نے یاور خان کو اس بات کا پابند کیا تھا کہ وہ کبھی اس کے گھر نہیں آئے گا بلکہ گھر سے باہر بھی اس کے روبرو کبھی نہیں آئے گا۔ ایسی پابندیوں کے بعد صرف ایک موبائل فون کا ہی سہارا رہ گیا تھا اس کے ذریعے وہ ایک دوسرے سے حالِ دل بیان کرتے کرتے جذباتی ہو جایا کرتے تھے۔

یاور خان کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا۔ پہلے تو وہ کوٹھی کے احاطے کے باہر کھڑا ہوا فون کے ذریعے اس سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے پوچھا ''آج تم بالکنی میں کیوں نہیں آ رہی ہو۔ مجھے اپنا دیدار تو کراؤ۔''

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کل رات سے بخار ہے۔ میں بالکل نڈھال ہو گئی ہوں۔''

''ایسے میں تمہیں ایک محبت کرنے والے کی ضرورت ہے۔ میں تمہاری تیمارداری کر سکتا ہوں۔''

''نہیں۔ تم بس دور ہی سے بولتے رہو۔ تمہاری آواز ہی دوا کا کام کر رہی ہے۔ مجھے بڑا آرام مل رہا ہے۔''

یاور خان کو یاد آ رہا تھا۔ جب وہ میاں بیوی تھے اور وہ بیمار ہوتی تھی تو بیماری میں اسے چھوڑتی نہیں تھی۔ لپٹی رہتی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسے اپنے پاس بلا رہی ہے۔ وہ فون پر باتیں کرتا ہوا کوٹھی کے پچھلے حصے میں آیا پھر دیوار پھاند کر احاطے کے اندر پہنچ گیا۔ کوٹھی کے سامنے والے حصے میں مسلح گارڈز رہتے تھے' وہ اسے ہرگز اندر آنے کی اجازت نہ دیتے۔ اس لیے وہ چوروں کی طرح پچھلے دروازے سے کوٹھی کے اندر آ کر بولا ''یہ تمہارے عدت کے ایام کب پورے ہوں گے۔ تم گھر سے کب نکلا کرو گی؟ جب تم گانے کی ریہرسل یا ریکارڈنگ کے لیے جایا کرتی تھیں تو کئی کئی گھنٹوں تک باہر رہتی تھیں۔ میں انہی دنوں کا انتظار کر رہا ہوں تاکہ میں ریہرسل اور ریکارڈنگ کے دوران میں تمہیں دور سے ہی دیکھتا رہوں۔''

گل خانم بولی ''تم تو شاید اس طرح بہل جاؤ' لیکن میں اپنے جذبات کو کیسے بہلا سکوں گی۔''

''میں تو دل سے چاہتا ہوں تم پھر سے میری شریکِ حیات بن جاؤ اور ہم دن رات اکٹھے رہ سکیں۔''

''تم جانتے ہو مجھے پھر سے تمہاری شریکِ حیات بننے کے لیے کن مراحل سے گزرنا ہوگا؟''

''جانتا ہوں۔ اسی لیے تو اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا ہوں۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی دوسرا تمہاری تنہائی میں آئے۔''

''میں کب ایسا چاہتی ہوں۔ ایسا سوچتے ہی مجھے شرم آنے لگتی ہے۔''

''تم چاہو تو ہم پھر میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں بتایا ہے کہ طلاق ہو چکی ہے۔''

''میں نے تو بتایا ہے۔ ایس پی ذیشان کو ہمارے بارے میں معلوم ہے۔ پولیس کے ذریعے پتا نہیں کہاں کہاں تک یہ بات پہنچی ہوگی۔ میں کوئی گمنام عورت تو نہیں ہوں' مشہور گلوکارہ ہوں۔ یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔''

وہ فون پر اس سے باتیں کرتا ہوا کوٹھی کے اندر مختلف حصوں سے گزرتا ہوا اس کے کمرے تک پہنچ گیا پھر اس نے آہستگی سے دروازے کو کھول کر دیکھا۔ وہ بستر پر نیم دراز فون کان سے لگائے اسی سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ جس سے باتیں کر رہی ہے وہ تو دروازے تک آ پہنچا ہے۔

اسے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے کسی سنگ تراش نے حسن و شباب کے مجسمے کو تراش کر بستر پر ڈال دیا ہے اور وہ دعوت دے رہی ہے ''آؤ صنم! میں تمہارے ہی لیے ہوں۔''

یاور کمرے میں آ گیا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی دوسری طرف کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ تو اس آنے والے کو تصور میں کوٹھی کے باہر دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے بستر کے قریب تھا۔ اس کی طرف جھکتے ہوئے فون پر بولا ''تم بیمار ہو۔ میں ابھی تمہارے پاس آ جاؤں اور تمہاری پیشانی پر ہاتھ رکھوں تو تمہیں کتنا سکون ملے گا۔''

وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی ''ہاں! میں تصور میں دیکھ رہی ہوں کہ تم میرے پاس آ گئے ہو اور میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر مجھے آرام پہنچا رہے ہو۔''

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کی پیشانی پر رکھ دیا۔ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ ایک سرد آہ بھر کر بولی ''آہ! یوں لگ رہا ہے جیسے تم نے سچ مچ میری پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔''

وہ بولا ''تم محسوس کرو کہ میں تم پر جھک رہا ہوں' تمہارے وجود پر چھا رہا ہوں۔''

وہ اس پر جھکنے لگا۔ وہ جذباتی انداز میں بولی ''ہاں...... میں محسوس کر رہی ہوں۔ تم میرے ہوش و حواس پر' میرے وجود پر چھا رہے ہو۔''

بولتے بولتے اسے چپ لگ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگتے ہی اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ خلاف توقع ایک چہرے کو اپنی سانسوں کے قریب دیکھتے ہی حلق پھاڑ کر چیخنے لگی۔ وہ فوراً ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا ''میں ہوں گل جاناں......! میں ہوں...... خاموش رہو۔''

اس نے دیدے پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا۔ پہلے تو حیران ہوئی پھر ایک دم سے تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل گئی اور دور ہٹتے ہوئے بولی ''تم......؟ تم یہاں کیسے آ گئے؟''

''میری جان......! دیوانے سے نہ پوچھو وہ کس عالم میں تھا اور کیسے جنون میں مبتلا ہو کر یہاں تک چلا آیا ہے۔''

وہ بیڈ کی دوسری طرف جا کر کھڑی ہو گئی پھر دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی ''چلے جاؤ۔ فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ دیکھو میں عورت ہوں۔ ازل سے کمزور سمجھی جاتی ہوں اور یہ الزام ہے کہ میں نے آدم کو بہکا کر جنت سے نکالا تھا۔ میں تمہارا تصور کرتے ہی پاگل ہونے لگتی ہوں اور تم تو اب میرے سامنے آ گئے ہو۔ خدا کے لیے چلے جاؤ۔ خدا کے لیے مجھے بہکنے نہ دو۔''

وہ بیڈ کے ایک طرف سے گھوم کر اس کی طرف آنے لگا۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر اپنے بچاؤ کے لیے دور ہونے لگی۔ اتنے میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور دو مسلح گارڈز وہاں آ گئے۔ انہوں نے کہا ''میڈم! آپ چیخ رہی تھیں۔ آر یو آل رائٹ؟''

یاور خان نے جلدی سے کہا ''ہاں...... ہاں...... میڈم بالکل ٹھیک ہیں۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ تم لوگ جاؤ۔''

دونوں گارڈز نے گل خانم کو دیکھا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''نہیں رک جاؤ...... یاور! جاؤ۔ ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔''

وہ غصہ سے پاؤں پٹخ کر بولا ''تم اپنے گارڈز کے سامنے میری بے عزتی کر رہی ہو۔ مجھے یہاں سے نکلنے کو کہہ رہی ہو۔ میں نہیں جاؤں گا۔''

وہ بھی غصے سے بولی ''میں نے تمہیں سمجھایا تھا۔ میرے قریب نہ آنا لیکن تم اپنی حد سے آگے بڑھ چکے ہو اور اگر میں نے تمہیں نہ روکا تو تم مجھے گنہگار بنا دو گے۔''

وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا ''وہ تو تمہیں بنا کر ہی رہوں گا۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کروں گا کہ کوئی دوسرا تمہاری زندگی میں آئے۔ ان گارڈز سے کہو یہاں سے چلے جائیں۔''

''نہیں یہ نہیں جائیں گے۔''

''تم اوپری دل سے کترا رہی ہو۔ ورنہ تمہارا دل بھی میری طرف کھنچا آ رہا ہے۔ ابھی یہ چلے جائیں گے تو میں تمہیں اس طرح جکڑ لوں گا کہ تم خود ہی آزاد ہونا نہیں چاہو گی۔''

وہ تیزی سے گل خانم کی طرف بڑھا۔ وہ اس سے دور جاتے ہوئے گارڈز سے بولی ''اسے پکڑو اور یہاں سے لے جاؤ۔''

دونوں گارڈز اسے پکڑنے کے لیے کمرے میں آئے۔ وہ للکارتے ہوئے بولا ''خبردار! میرے قریب نہ آنا......''

مگر انہوں نے آ کر اسے دونوں طرف سے جکڑ لیا۔ وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ ہٹے کٹے تھے۔ اسے کھینچتے ہوئے وہاں سے لے جانے لگے۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا ''تم یہ اچھا نہیں کر رہی ہو۔ یہ گارڈز تو کیا دنیا کی کوئی طاقت مجھے تمہارے پاس آنے سے نہیں روک سکے گی۔ یہ سمجھو کہ یہ مجھے تمہارے پاس آنے سے روک دیں گے۔ میں آؤں گا اور ضرور واپس آؤں گا۔''

اس کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بستر پر آ اوندھے منہ گر پڑی اور تکیے کو لے کر اپنے سینے سے بھینچنے لگی۔ یہ سینہ کیا چاہتا ہے؟ ایک دھڑکتا ہوا دل اور دل کی دھڑکنوں اسی وقت زندگی ملتی ہے جب کوئی چاہنے والا پاس ہو اور ا بازوؤں میں بھر کر زندگی کی مسرتوں سے نہال کرے۔

وہ اپنی بیماری اور کمزوری بھول گئی تھی۔ وہ اس کے ا ایسی آگ بھڑکا گیا تھا' جسے پانی سے نہیں بجھایا جا سکتا تھا۔ تھوڑی دیر تک بستر پر ادھر سے ادھر لوٹتی رہی اور تکیے کو سے لگا کر بھینچتی رہی۔ بعض عورتیں آتشی مزاج کی ہوتی ہیں شعلوں کی طرح بھڑک جاتی ہیں تو خود کو بجھا نہیں پاتیں۔

آدھے گھنٹے بعد ایک مسلح گارڈ نے آ کر کہا ''میڈم! نے اسے حوالات میں پہنچا دیا ہے۔''

وہ ایک دم سے چونک کر اٹھ بیٹھی۔ غصے سے بولی'' تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ اسے حوالات میں کیوں ہ ہے؟''

''میڈم! وہ پرابلم بن گیا تھا۔ یہاں واپس آنے لیے جھگڑا کر رہا تھا پھر اس نے اچانک ہی دوسرے گارڈ پر سے حملہ کرنا چاہا۔ اگر میں پیچھے سے وار نہ کرتا تو وہ ا کر چکا ہوتا۔''

''وہ کس تھانے میں ہے؟''

''ہمارے اسی علاقے کے تھانے میں ہے۔''

''جاؤ یہاں سے...... ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔''

وہ چلا گیا۔ گل خانم دروازے کو اندر سے بند کر کے ا

تبدیل کرنے لگی۔ اس وقت اس کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ پچھلی رات بخار میں پھنکتی رہی تھی۔ فیملی ڈاکٹر نے آ کر اس کا معائنہ کیا تھا۔ دوائیں دی تھیں۔ اس کے باوجود اب تک کمزوری تھی لیکن یہ سنتے ہی وہ اپنی کمزوریوں کو بھول گئی کہ یاور خان حوالات میں ہے۔ وہ لباس تبدیل کرنے کے بعد اپنا پرس اٹھا کر دروازہ کھول کر باہر آئی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو ڈاکٹر اندر آ رہا تھا۔ اس نے حیرت سے پوچھا ''میڈم آپ کہاں جا رہی ہیں؟ میں نے آپ کو آرام کرنے کے لیے کہا تھا۔''

وہ بولی ''آپ پریشان نہ ہوں' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس یہیں قریب ہی جا رہی ہوں۔ آدھے گھنٹے میں واپس آ جاؤں گی۔''

''جانا بہت ہی ضروری ہے تو پہلے مجھے معائنہ کرنے دیں اور ایک خوراک دوا کی لیں پھر جائیں۔''

''میرے پاس وقت نہیں ہے۔ آپ اپنے کلینک میں چلیے۔ میں آدھے گھنٹے بعد وہیں آ جاؤں گی۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی باہر آئی اور کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر ڈرائیور سے کہا ''علاقے کے تھانے میں چلو۔''

گاڑی وہاں سے چل پڑی۔ وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ سانسوں میں گرمی تھی۔ یہ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ بخار کی وجہ سے حرارت ہے یا وہ اندر سے بری طرح بھڑکی ہوئی ہے۔ بھڑکنے کا کوئی علاج نہ تھا جو تھا وہ حوالات میں پہنچا ہوا تھا اور حوالات سے باہر آ کر بھی اسے شانت نہیں کر سکتا تھا۔ اکثر عورتیں عاقبت اندیش ہوتی ہیں۔ خود کو لگام دینا جانتی ہیں۔ ذرا ہی دیر میں وہ تھانے پہنچ گئی جہاں انسپکٹر نے گل خانم کو دیکھتے ہی اٹھ کر مسکراتے ہوئے کہا ''میڈم......! آیئے تشریف لایئے۔ آپ کے گارڈز نے بتایا تھا کہ وہ شخص جبراً آپ کی کوٹھی میں گھس آیا تھا اور اس نے آپ کے ایک گارڈ پر قاتلانہ حملہ بھی کیا تھا۔''

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی ''آفیسر......! کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔ یہ شخص جبراً میری کوٹھی کے اندر نہیں آیا تھا بلکہ میں نے اسے بلایا تھا۔ ایک بات پر ہمارے درمیان جھگڑا ہو گیا گارڈز نے یہ سمجھا کہ وہ کوئی دشمن ہے اور مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ اسے پکڑ کر یہاں لے آئے۔ مجھے اس کے خلاف کوئی شکایت نہیں ہے' پلیز اسے رہا کر دیں۔''

''سوری میڈم! بات صرف آپ تک محدود نہیں ہے۔ سیکورٹی گارڈز پر حملہ کرنا ایک بڑا جرم ہے۔ سیکورٹی ڈیپارٹمنٹ کے ایک اعلیٰ عہدے دار نے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی ہے۔ اب تو کورٹ سے ہی اس کی ضمانت ہو تب ہی ہم اسے چھوڑ سکتے ہیں۔''

''آفیسر! کیا آپ میری ضمانت پر اسے رہا نہیں کر سکتے؟''

''سوری میڈم! ہم آپ کی بہت عزت کرتے ہیں۔ آپ واقعی بہت اچھی گلوکارہ ہیں' ہمارے ملک کا سرمایہ ہیں لیکن ہم قانون سے مجبور ہیں۔ آپ کل صبح کورٹ سے ضمانت حاصل کر لیں۔ اس سے پہلے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔''

وہ مایوس ہو کر بولی ''کیا میں اس سے ملاقات کر سکتی ہوں؟''

''جی ہاں!''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ گل خانم اس کے ساتھ چلتی ہوئی' آہنی سلاخوں والی ایک کوٹھری کے پاس آئی۔ یاور خان فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے گل خانم کو دیکھتے ہی اٹھ کر چیختے ہوئے کہا ''اب کیوں آئی ہو۔ پہلے تو بے عزت کر کے گھر سے نکالا اور اپنے سیکورٹی گارڈز کے حوالے کر دیا کہ وہ میرے ساتھ جو بھی سلوک کریں۔ اگر میرے پاس بھی گن ہوتی تو میں انہیں بھون کر رکھ دیتا۔''

انسپکٹر نے کہا ''اے...... کتے کی طرح کیوں بھوک رہا ہے۔ تیرے دماغ میں بہت گرمی ہے؟ جب ڈنڈے پڑیں گے تو ساری گرمی ناک کے راستے نکل جائے گی۔''

گل خانم نے عاجزی سے کہا ''یاور......! کیوں تماشا بن رہے ہو اور مجھے بھی تماشا بنا رہے ہو۔''

پھر وہ انسپکٹر سے بولی ''انسپکٹر......! پلیز میں ذرا تنہائی میں ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

انسپکٹر نے حقارت سے یاور خان کو دیکھا اور وہاں سے چلا گیا۔ وہ بولی ''ایک بات اچھی طرح میری سمجھ میں آ گئی ہے اور وہ یہ کہ مجھے اب فون پر بھی تم سے باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ میری آواز سن کر تم جذباتی ہو جاتے ہو۔ اب ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے۔ اگر تم مجھے بیوی بنانا چاہتے ہو تو دینی اصولوں کے مطابق ہماری شادی ہو سکے گی اور تم جانتے ہو کہ تم سے رجوع کرنے کے لیے مجھے کسی اور سے شادی کرنی ہو گی۔''

''نہیں...... میں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔''

''تم کون ہوتے ہو مجھے اجازت دینے والے؟ نہ تم میرے شوہر ہو' نہ میرے آقا ہو اور نہ ہی میں تمہاری کنیز ہوں۔ میں کنواری لڑکی تھی تم نے شادی کی۔ مجھے عورت بنایا میرے اندر جذبات کا آتش فشاں بھر دیا پھر مجھے اپنے بچے کی

ماں بنایا۔ میرے اندر ماتا کا جنون پیدا کردیا۔ تمہارے پاگل پن نے میرا بچہ مجھ سے چھین لیا۔ اب میں دوسری شادی کے لیے مجبور ہوں۔ مجھے ایک جیون ساتھی چاہیے۔ میں صرف ایک بیوی نہیں' ایک ماں بھی بننا چاہتی ہوں۔''

وہ اپنا غصہ بھول کر پریشان ہوکر بولا ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا مجھے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا شوہر' اپنا مجازی خدا بناؤ گی؟ کیا تمہیں شرم نہیں آئے گی؟''

''اگر تمہیں شرم ہوتی تو طلاق نہ دیتے۔ مرد جب طلاق دیتا ہے تو شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی بیوی کو اپنی زندگی سے کاٹ کر کسی دوسرے کی طرف جانے پر مجبور کردیتا ہے اور تم مجھے مجبور کر چکے ہو۔''

''ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ اتنی جلدی شادی کا فیصلہ نہ کرو اور ابھی تو تمہارے عدت کے دن بھی پورے نہیں ہوئے ہیں۔''

''ہاں پورے نہیں ہوئے ہیں۔ پورے ہونے تک سوچو' غور کرو۔ اگر تم راضی ہوئے تو میں کسی ایسے شخص سے شادی کرلوں گی جو شادی کے بعد مجھے طلاق دے۔ اس کے بعد ہی تم مجھے اپنی شریکِ حیات بنا سکو گے اور اگر تم انکار کرو گے تو میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں اپنے دوسرے شوہر سے طلاق کا مطالبہ نہیں کروں گی۔''

وہ جھنجلا کر بولا ''جس کی شامت آئے گی وہی تم سے شادی کرے گا۔ کیونکہ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ تنک کر بولی ''دنیا میں ایک تم ہی شہہ زور نہیں رہ گئے ہو۔ کوئی تمہاری ان دھمکیوں میں نہیں آئے گا۔ میں ایک معروف سنگر ہوں۔ میرے کتنے ہی پرستار ہیں۔ میں جس پر نظر ڈالوں گی وہ میری طرف کھنچا چلا آئے گا۔''

وہ پلٹ کر جانے لگی۔ اس نے کہا ''رک جاؤ۔ مجھے اس حال میں چھوڑ کر جارہی ہو؟''

وہ رک گئی۔ پلٹ کر بولی ''میں اب بھی تمہیں چاہتی ہوں۔ اس حال میں نہیں چھوڑوں گی۔ ابھی تمہاری رہائی کا انتظام کرتی ہوں۔''

وہ وہاں سے زیشان کی طرف چلی آئی جو دفتر میں بیٹھا ہوا تھا اپنے موجودہ حالات سے پریشان تھا۔ دردانہ نے پچھلے دنوں چیلنج کیا تھا کہ حشمت زیادہ عرصے تک کہیں چھپا نہیں رہ سکے گا اور نہ ہی اس جیسا پولیس افسر اسے بچا سکے گا اور یہی ہوا۔ حشمت مارا گیا۔ اس کی لاش ہانگ کانگ سے آنے والی تھی۔ اس نے ہانگ کانگ پولیس کی رپورٹ پڑھی تھی اور اس میں زبیری کا نام سن کر چونک گیا تھا۔ زبیری نے وہاں بیان دیا تھا کہ وہ پاکستان کے پولیس افسر ایس پی زیشان کا خاص آدمی ہے اور اسی کے لیے کام کرتا رہتا ہے۔

ایسے میں زیشان کو میری پیش گوئی یاد آئی۔ میں نے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک وفادار ماتحت کی وجہ سے مصیبت میں پڑنے والا ہے۔ یہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی تھی۔ اسے ابھی یہ نہیں معلوم تھا کہ آگے اور کیا ہونے والا ہے۔ اسے زبیری کا انتظار تھا جو حشمت اور آرزو کی لاشوں کے ساتھ قیدی بن کر آنے والا تھا۔ اس کے آنے پر ہی یہ تفصیلات معلوم ہوسکتی تھیں کہ دردانہ نے کیسی چالیں چلی ہیں اور وہ زبیری کو کس طرح اپنا آلہ کار بناسکی تھی۔

دروازے پر دستک سن کر وہ خیالات سے چونک گیا اور اس نے کہا ''کم ان......''

اس کے ایک خاص ماتحت نے اندر آکر سلیوٹ کرتے ہوئے کہا ''سر میڈم گل خانم آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

اس نے سوچتے ہوئے کہا ''گل خانم......؟ اچھا...... ٹھیک ہے اسے بھیج دو۔''

ماتحت پھر سلیوٹ کرکے چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ اس نے کہا ''آجاؤ۔''

دروازہ کھلا۔ گل خانم آتے آتے رک گئی اور چوکھٹ سے ٹیک لگا کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ وہ چہرے سے بیمار لگ رہی تھی۔ زیشان نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''آر یو آل رائٹ؟ تم تو بیمار اور کمزور دکھائی دے رہی ہو۔ آؤ اندر آؤ۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اندر آئی اور کرسی پر بیٹھنا چاہتی تھی کہ زیشان نے کہا ''یہاں نہیں صوفے پر آرام سے بیٹھو۔''

وہ پلٹ کر ایک بڑے صوفے کے پاس آئی اور وہاں بیٹھ گئی۔ زیشان نے ایک گلاس میں پانی لاکر اسے پیش کیا۔ اس نے گلاس لے کر شکریہ ادا کیا اور دو گھونٹ پانی پی کر بولی۔ ''میں پھر آپ کو پریشان کرنے آگئی ہوں۔''

وہ ایک کرسی اس کے قریب کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے بولا ''میری بات چھوڑو' اپنی پریشانی بیان کرو۔''

اس نے اور دو چار گھونٹ پینے کے بعد گلاس قریب پڑی سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا اور بولی ''طلاق میرے لیے مسئلہ بن گئی ہے۔''

''اب کیا مسئلہ پیدا ہوگیا؟''

''وہ میرا دیوانہ ہے۔ میری طلب میں پاگل ہوجاتا ہے۔ میں نے اس پر بڑی پابندیاں لگائی تھیں اپنے سیکورٹی گارڈز سے کہہ دیا تھا کہ میری اجازت کے بغیر کسی کو کوٹھی کے

اندر داخل نہ ہونے دیا جائے پھر سیکورٹی گارڈز نئے ہیں۔ انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ میرا شوہر رہ چکا ہے۔''

اس کے اجلے چہرے پر زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ انہیں چہرے سے ہٹاتے ہوئے بولی ''اس کی ضد مان کر میں فون پر اس سے باتیں کرلیتی تھی۔ کبھی کبھی بالکونی میں آکر کھڑی ہوتی تو وہ بھی کچھ دور کھڑا مجھے دیکھتا رہتا تھا۔''

زیشان یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ صرف یاور خان ہی نہیں' کتنے ہی دل والے اس حسینہ کے دیوانے ہیں۔ ایک تو وہ مشہور سنگر تھی۔ دوسرے یہ کہ جوانی اس پر ایسے آئی تھی جیسے پھلوں میں رس اور پھولوں میں خوشبو آتی ہے۔ اسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ مطلقہ ہے اور ایک بچے کی ماں بھی بن چکی تھی۔ اسے دیکھنے والے سب ہی اس کے طلب گار بن جاتے تھے۔

وہ بولی ''آج تو وہ پاگل ہوگیا تھا۔ میرے بیڈ روم میں گھس آیا۔ اگر میں خود پر قابو نہ پاتی تو وہ مجھے گنہگار بنادیتا۔ میرے گارڈز اسے پکڑ کر باہر لے گئے۔ اس نے باہر ان سے جھگڑا کیا۔ ایک گارڈ پر چاقو سے قاتلانہ حملہ کرنا چاہا۔ دوسرے گارڈ نے اسے زخمی کرکے تھانے والوں کے حوالے کردیا۔''

وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوگئی۔ کمزوری کے باعث دھیرے دھیرے ہانپنے لگی۔ زیشان نے پوچھا ''تم ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں؟''

وہ سر ہلا کر بولی ''ہاں میرا فیملی ڈاکٹر علاج کررہا ہے۔ میں دوائیں کھا رہی ہوں۔''

''میرا خیال ہے اس وقت تمہیں ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔''

وہ ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولی ''نہیں۔ بس ایک ذرا کمزوری ہے اور کمزوری بھی کیا ہے' حالات نے تھکا مارا ہے۔ وہ بہت ہی ضدی اور خردماغ ہے۔ میرے لیے پرابلم بنا رہتا ہے پھر بھی مجھ سے یہ برداشت نہیں ہورہا ہے کہ وہ حوالات میں رہے۔ اسی لیے آپ کے پاس آئی ہوں۔''

''کیا تم اس سے ملنے کے لیے تھانے گئی تھیں؟''

''ہاں۔ میں نے انسپکٹر سے کہا۔ مجھے یاور خاں سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اسے رہا کردیا جائے لیکن وہ کہتا ہے ایف آئی آر درج ہوچکی ہے۔ اب کورٹ سے ضمانت حاصل کرنے پر ہی اسے رہائی ملے گی۔''

''وہ تمہیں پریشان کرتا رہتا ہے تو یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے لیکن وہ اپنی خردماغی کے باعث دوسروں کے لیے بھی مصیبت بن جاتا ہے جیسے کہ اس نے ایک سیکورٹی گارڈ پر چاقو سے حملہ کیا' یہ بہت بڑا جرم ہے۔''

وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی ''آپ چاہیں تو اس معاملے کو رفع دفع کرسکتے ہیں۔''

زیشان نے نظریں جھکا کر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر دیکھا۔ اس ہاتھ کی حرارت دل' دماغ اور جانے کہاں کہاں تک پہنچ رہی تھی۔ اب سے پہلے بھی وہ بیماری کی حالت میں اس کے بہت قریب آئی تھی۔ اگرچہ ایسا انجانے میں اور غفلت میں ہوا تھا' مگر جیسے بھی ہوا تھا' وہ کسی حد تک اس کی قربت سے متعارف ہوچکا تھا۔

اس نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر تھپکتے ہوئے کہا ''میں ابھی اس تھانے کے انچارج سے بات کرتا ہوں مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کب تک اس کے پیچھے دوڑتی رہوگی؟ وہ الٹی سیدھی حرکتیں کرکے اگر حوالات میں پہنچتا رہا تو تم اسے رہائی دلانے کے لیے کب تک پولیس والوں کی خوشامدیں کرتی رہوگی؟ جیسی شہرت تم نے حاصل کی ہے۔ اس کے پیشِ نظر تو تمہیں یوں باؤلی ہوکر نہیں پھرنا چاہیے۔ اپنی عزت کا تو کچھ خیال کرو۔''

وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر وہاں سے اٹھ گیا اور اپنی میز کے پیچھے ریوالونگ چیئر پر آکر بیٹھتے ہوئے بولا ''کون سا تھانہ ہے؟''

اس نے علاقے اور تھانے کا نام بتایا۔ زیشان نمبر ملا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی رابطہ قائم ہوگیا۔ اس نے کہا ''میں ایس پی زیشان بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے آواز آئی ''یس سر! میں انسپکٹر نعیم الدین بول رہا ہوں۔ حکم سر؟''

اس نے کہا ''تمہارے حوالات میں ایک شخص یاور خان ہے...... قصہ کیا ہے؟''

وہ رپورٹ پیش کرنے لگا۔ زیشان نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا ''اس نے سیکورٹی گارڈ پر حملہ کیا۔ بے شک یہ جرم ہے۔ اسے سزا ملنی چاہیے۔ کیا ایف آئی آر درج ہوچکی ہے؟''

''نو سر! میں نے گل خانم سے جھوٹ کہا ہے۔ وہ اس کی رہائی چاہتی تھیں' وہ اتنی بڑی گلوکارہ ہیں۔ مشہور ہستی ہیں' صاف انکار تو نہیں کرسکتا تھا لیکن ٹالنے کے لیے بہانہ کردیا کہ ایف آئی آر درج ہوچکی ہے اور ضمانت اب کورٹ کے ذریعے ہوگی۔''

''ہوں...... اسے سختی سے تنبیہہ کرکے رہا کیا جاسکتا ہے۔''

''سر! آپ جو حکم دیں گے اس کی تعمیل ہوگی۔''

''اسے فون پر بلاؤ!''

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر گل خانم کو دیکھا پھر کہا ''میں تمہارے کہنے پر اسے دوسری بار رہا کر رہا ہوں۔ آخر کب تک اس کی سفارش کرتی رہو گی؟''

وہ بولی ''آج میں نے اسے اپنا آخری فیصلہ سنا دیا ہے۔ آپ اسے سختی سے کہہ دیں کہ آئندہ میری کوٹھی کے قریب بھی نہ آئے۔ عدت کے ایام گزارنے کے بعد میں ریکارڈنگ کے لیے جانے لگوں تو وہ کبھی میرا پیچھا نہ کرے۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور فون پر کہا ''ہوں...... دلاور خان؟''

دوسری طرف سے آواز آئی ''جی جناب! میں بول رہا ہوں۔''

''تم اس قابل تو نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے۔ تم سے تو صرف ڈنڈے کی زبان سے باتیں کی جانی چاہئیں۔ بہرحال گل خانم کا احسان مانو کیونکہ صرف اس کی وجہ سے تم ابھی تک خیریت سے ہو اور بولنے کے قابل ہو۔ تم نے ایک سیکورٹی گارڈ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اس کے بعد تمہاری رہائی ممکن تو نہیں ہے۔ میں پوچھتا ہوں تمہیں کس اعتماد پر رہا کیا جائے؟ کیا تم رہائی کے بعد پھر ایسی مجرمانہ حرکتیں نہیں کرو گے؟''

''سر! میں شرمندہ ہوں۔ آپ سے وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسی حرکتیں نہیں کروں گا۔''

''میں نے پہلی بار تمہیں رہا کرتے وقت وارننگ دی تھی کہ گل خانم سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں رہا ہے' تم نامحرم ہو۔ لہٰذا اب کبھی اس کے سامنے نہیں جاؤ گے پھر آج کیوں اس کے بیڈروم میں گھس آئے تھے؟''

دوسری طرف سے خاموشی رہی۔ ذیشان نے ڈانٹ کر پوچھا ''جواب دو؟ خاموش کیوں ہو؟ تم اسلامی احکامات کے خلاف حرکتیں کر رہے تھے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ تمہیں رہا نہ کروں۔ الٹا لٹکا کر رکھوں اور دن رات تم پر تشدد ہوتا رہے۔''

وہ عاجزی سے بولا ''سر! معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔''

''میں تمہیں رہا تو کر رہا ہوں لیکن میری آخری وارننگ سن لو۔ کبھی تم گل خانم کی کوٹھی کے قریب دیکھے گئے یا کبھی باہر بھی اس کا پیچھا کیا تو میں تمہیں گرفتار کر کے ٹارچر سیل میں پہنچا دوں گا۔ وہاں سے تم اپاہج بن کر نکلو گے اور کسی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر ساری زندگی بھیک مانگتے رہو گے۔''

''وہ بولا ''سر! میں گل خانم کی قسم کھا کر کہتا ہوں......''

وہ ایک دم سے گرج کر بولا ''شٹ اپ......! نان سینس...... گل خانم تمہاری کوئی نہیں ہوتی۔ اس کی قسم نہ کھاؤ۔ صرف اپنے اعمال درست رکھو۔ بداعمالی تمہیں جہنم میں پہنچا دے گی...... ریسیور تھانہ انچارج کو دو۔''

چند سیکنڈ بعد انسپکٹر کی آواز سنائی دی ''یس سر! حکم......؟''

''اسے چھوڑ دو۔ ہمارے دو سپاہی کچھ روز تک اس کی نگرانی کرتے رہیں گے۔ اگر یہ گل خانم کی کوٹھی کے قریب بھی جائے یا باہر کہیں اس کا پیچھا کرے تو پھر اسے گرفتار کر کے حوالات میں ڈلوا دینا۔''

یہ کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ گل خانم اسے بڑی عقیدت سے دیکھ رہی تھی۔ پہلی ملاقات سے ہی اس کے دوستانہ رویے نے اسے متاثر کیا تھا۔ وہ بولی ''میں بہت شرمندہ ہوں۔ میری وجہ سے آپ ایک مجرمانہ حرکتیں کرنے والے کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آیا اور کرسی پر بیٹھ کر بولا ''تم شرمندگی کا اظہار مت کرو۔ آخر اس کی وجہ سے کب تک شرمندہ ہوتی رہو گی؟ اس یاور کی بددماغی کے باعث تمہارا نوزائیدہ بچہ مارا گیا۔ اس نے تمہیں طلاق دے دی۔ جب مرد اپنی عورت کو طلاق دیتا ہے تو گویا اسے اپنی زندگی سے باہر تھوک دیتا ہے۔ اس نے بھی تم پر تھوک دیا ہے۔ کیا تم اپنی توہین محسوس نہیں کرتیں؟ کیا تمہارے اندر ایک عورت کی خودداری اور انا نہیں ہے؟''

وہ سر جھکا کر بولی ''میں محبت میں مر مٹنے والی عورت ہوں۔ ایسے وقت اپنی انا اور خودداری بھول جاتی ہوں اور یہ میری غلطی ہے۔ بہرحال اب میں اپنی زندگی کے چند اہم فیصلے کرنے والی ہوں۔''

''کیا فیصلہ کرو گی؟ میں نے تمہیں مشورہ دیا تھا کہ عدت کے ایام گزارنے کے بعد تمہیں دوسری شادی کر لینی چاہیے۔ تم ایک بچے کے لیے تڑپ رہی تھیں۔ شادی کے بعد بچے کی کمی بھی پوری ہو جائے گی۔''

وہ اپنے سر کو تھام کر صوفے کی پشت سے ٹک گئی۔ وہ پھر تھکن اور کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ اس نے کہا ''میں یاور خان کے ساتھ ایک عالم دین کے پاس گئی تھی۔ انہوں نے یاور کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ جب تک میں حلالہ کے مرحلے سے نہیں گزروں گی' تب تک وہ مجھے اپنی شریک حیات نہیں بنا سکے گا۔''

''ہوں...... میں اس خر دماغ کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ وہ اس بات کے لیے راضی نہیں ہوگا۔''

''ہاں...... اسے اپنی غیرت کا مسئلہ بنا رہا ہے۔ مجھے کسی دوسرے کی دلہن بننے کی اجازت نہیں دے رہا ہے۔''

''تم اس کی اجازت حاصل کرنے کی محتاج تو نہیں ہو۔''

وہ گہری گہری سانسیں لیتی ہوئی بولی ''یہ بات میں اس سے کہہ چکی ہوں۔''

وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا ''میں محسوس کر رہا ہوں' تم کچھ پریشان ہو' تمہاری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔''

وہ بڑی نقاہت سے بولی ''مجھے گھر جا کر آرام کرنا چاہیے لیکن میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''باتیں بعد میں ہو جائیں گی۔ چلو اٹھو میں تمہیں گھر تک پہنچا دوں۔''

''میری گاڑی ہے۔ ڈرائیور مجھے پہنچا دے گا۔ میں طبیعت سنبھلتے ہی آپ کو فون کروں گی۔ کیا آپ مجھ سے ملنے آئیں گے؟''

''میں اب تک تمہارے کام آتا رہا ہوں۔ آئندہ بھی تمہیں مناسب مشورے دینے کی کوشش کروں گا۔''

وہ آہستہ آہستہ صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اپنا پرس اٹھانے کے لیے جھکی تو سر چکرا گیا۔ وہ آگے کی طرف گرنے ہی والی تھی کہ ذیشان نے دونوں بازوؤں میں اسے سنبھال لیا۔ اس نے بھی سنبھلنے کے لیے اپنی دونوں بانہیں اس کی گردن میں حمائل کر دیں۔

گل خانم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا۔ اس نے تو اپنے سابقہ شوہر کو قریب آنے سے روک دیا تھا پھر وہ کسی غیر کے قریب کیوں جاتی؟ ان لمحات میں اس کا سر اس بری طرح چکرایا کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ایسے میں سہارا لینا ضروری ہوگیا تھا۔

لیکن ذیشان کی حالت غیر ہوگئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا' جیسے دونوں بازوؤں میں قارون کا خزانہ سمٹ آیا ہو۔ ایک غزل تھی' جو اس کے سینے سے لگی' دھڑک دھڑک کر بدن کا ایک ایک شعر سنا رہی تھی۔

وہ تاریکی میں تھی' کچھ ہوش میں تھی لیکن بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ وہ ہوش میں تھا لیکن مدہوشی کی طرف مائل تھا اور کچھ کشمکش میں تھا۔ وہ یہ فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہا تھا کہ جو مال ہاتھ آیا تھا وہ اپنا نہیں تھا۔ پرائے مال کو ہاتھ لگانا چاہیے یا چھوڑ دینا چاہیے؟

میں مسکرا رہا تھا۔ یہی تو میرے تماشے ہیں۔ کسی کو کسی سے جدا کرنے اور کسی کو کسی کے قریب لانے کا کوئی بہانہ تو ہوتا ہی ہے نا۔ بے چاری اپنے نوزائیدہ بچے سے محروم ہوگئی تھی اور وہ بے چارہ برسوں سے باپ بننے کے لیے ترس رہا تھا۔

☆☆☆

بیگم آفتاب نے فون پر مسز رانا سے رابطہ کیا ''بہن آپ نے تو اچانک اس طرح ہماری بیٹی کا رشتہ مانگا ہے کہ ہمارے بیٹے اور بہو سب حیران رہ گئے ہیں۔ سب ہی یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ پہلے جبران کی تمام میڈیکل رپورٹس پڑھی جائیں اور جو ڈاکٹر اس کا علاج کرتے رہے ہیں ان سے بھی ملاقات کی جائے۔''

مسز رانا نے کہا ''بے شک کوئی بھی آنکھیں بند کر کے اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں کرتا۔ آپ کو چھان بین کرنے کا پورا حق ہے لیکن پہلے رضامندی تو ظاہر کر دیں۔''

''اگر میڈیکل رپورٹ نے یہ ثابت کر دیا کہ پاگل خانے سے آنے کے بعد جبران نارمل رہتا ہے۔ اگر کبھی ایب نارمل ہوتا بھی ہے تو قابلِ علاج ہے، تو ہماری طرف سے ہاں سمجھیے۔''

مسز رانا نے خوش ہو کر کہا ''بہن آپ نے تو مجھے خوش کر دیا ہے۔ کیا میں ابھی ایک گھنٹے کے بعد اپنے بیٹے کے ساتھ آ سکتی ہوں؟ اس کی تمام میڈیکل رپورٹ لے کر آؤں گی۔''

''بے شک' ہم آپ کو خوش آمدید کہیں گے۔ آپ ضرور تشریف لائیں اور رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھائیں۔''

مسز رانا نے کہا ''آپ کا بہت بہت شکریہ۔ بس ہم ایک گھنٹے میں پہنچ رہے ہیں۔''

فون رکھ کر وہ خوش ہو کر بیٹے کی پیشانی کو چوم کر بولی۔ ''تمہارے من کی مراد پوری ہونے والی ہے بیٹے۔ وہ رشتے کے لیے راضی ہو گئے ہیں۔ بس وہ تمہاری میڈیکل رپورٹس دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم فوراً تیار ہو جاؤ۔ ہم ابھی وہاں جا رہے ہیں۔''

وہ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا ''ماما......! وہاں نمرہ سے بھی ملاقات ہوگی ناں؟''

''دیکھو بیٹا۔ اگر ملاقات نہ ہو تو اس سے ملنے کی ضد نہ کرنا۔ جب رشتے کے لیے ہاں کر دی جاتی ہے تو لڑکی کو پردہ کرایا جاتا ہے۔''

''ماما......! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی میں وہاں گیا اور وہ نظر نہ آئی تو پھر میرے اندر حرارت کی کمی ہوگی۔ میری زندگی کی گاڑی پیٹرول مانگنے لگے گی۔''

''بکواس مت کرو۔ میں تمہاری خاطر کروڑوں روپے

داؤ پر لگا کر تمہاری مطلوبہ لڑکی کو حاصل کرنا چاہتی ہوں لیکن اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی جس سے یہ ظاہر ہو کہ تم ایب نارمل ہو تو یہ رشتہ نہیں ہو سکے گا پھر تم کبھی نمرہ کو حاصل نہیں کر سکو گے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں اس سے ملنے کی ضد نہیں کروں گا۔''

وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر الماری کھول کر بیٹے کی میڈیکل رپورٹ کی فائلیں نکالنے لگی۔ اس وقت اندیشوں میں گھری ہوئی تھی کہ بیٹا وہاں کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر دے جس کی وجہ سے اسے ایب نارمل سمجھا جائے۔''

مسز رانا کی طرح بیگم آفتاب بھی اندیشوں میں مبتلا تھی۔ اسے اپنی بہو اسما اور اپنی نند فلک ناز کی طرف سے یہ اندیشہ تھا کہ وہ دونوں رنگ میں بھنگ نہ ڈال دیں۔ اسما نے کہا ''میں نمرہ کی دشمن نہیں ہوں۔ اس کی خوشیاں چاہتی ہوں۔ اب جب وہ شادی کے لیے راضی ہے تو میں اس رشتے کے خلاف کچھ نہیں بولوں گی۔''

فلک آفتاب نے اپنی بہن سے پوچھا ''ناز......! تمہیں کوئی اعتراض ہے تو ابھی سے بتا دو۔ ہم نہیں چاہتے کہ لڑکے والوں کے سامنے تم کوئی جلی کٹی سناؤ۔''

وہ بولی ''بھائی جان! آپ دیکھ رہے ہیں' میں کیسی بن سنور کر آئی ہوں۔ مجھے تو آپ لوگوں سے زیادہ خوشی ہے کہ نمرہ نے جبران کو پسند کر لیا ہے۔ میں تو صاف کہتی ہوں مجھے خوشی اس لیے ہے کہ میری آسرا کے لیے راستہ ہموار ہو جائے گا۔''

اسما نے کہا ''یہ کہنا چاہیے کہ اس نئے رشتے کی بدولت آپس کی رنجشیں ختم ہو رہی ہیں۔ نمرہ کی شادی سب کے لیے خوشیاں اور آسودگی لا رہی ہے۔''

بیگم آفتاب نے بہو کو پہلی بار خوش ہو کر دیکھا پھر کہا۔ ''اسما! تمہارے منہ میں گھی شکر' زندگی میں پہلی بار تم نے مجھے خوش کیا ہے۔''

ایک ملازم نے آ کر کہا ''مہمان آ رہے ہیں۔''

بیگم آفتاب فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ وہاں مسز رانا اپنے بیٹے جبران کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ ان کے پیچھے ایک ملازم کے سر پر مٹھائیوں کا بڑا سا ٹوکرا تھا۔ دوسرے ملازم نے کچھ فائلیں اٹھائی ہوئی تھیں۔ مسز رانا نے بیگم آفتاب کے گلے لگ کر کہا۔ ''آج سے آپ میری بہن ہیں۔ آپ کا منہ میٹھا کرنا چاہتی تھی۔ راستے سے تھوڑی سی مٹھائی لے آئی ہوں۔''

''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟'' بیگم آفتاب نے کہا۔

''یہ تکلف نہیں دستور بھی ہے۔ نئے رشتوں کی شروعات مٹھاس سے ہونی چاہیے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''ہم نے بھی آپ کے لیے مٹھائیاں رکھی ہیں لیکن دروازے کے باہر نہیں کھلائیں گے۔ کھانے کے لیے آپ کو اندر آنا ہوگا۔''

اس بات پر سب ہی قہقہے لگانے لگے۔ مسز رانا نے اندر آ کر اپنے بیٹے کا تعارف کرایا ''یہ میرا بیٹا جبران ہے اور بیٹے! یہ نمرہ کی ممی ہیں اور یہ ڈیڈی ہیں۔''

جبران نے انہیں سلام کیا تو بیگم آفتاب نے دعا دی ''جیتے رہو۔ خدا تمہیں خوش رکھے!''

فلک آفتاب بھی اپنی بہن فلک ناز اور اپنی بہو اسما کا تعارف کراتے ہوئے بولے ''ہمارا بڑا بیٹا ذیشان ایس پی ہے۔ اس وقت ڈیوٹی پر ہے اور ہمارا چھوٹا بیٹا بابر کاروبار کے سلسلے میں مصروف ہے۔''

وہ سب صوفوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ ملازموں نے مٹھائی کا ٹوکرا رکھا۔ فائلیں سینٹر ٹیبل پر رکھیں اور وہاں سے چلے گئے۔ مسز رانا نے کہا ''ان فائلوں میں جبران کی میڈیکل رپورٹس ہیں۔ ان میں ان ڈاکٹروں کے نام اور پتے بھی ہیں جو اس کا علاج کرتے رہے ہیں۔''

فلک آفتاب نے کہا ''ڈاکٹروں کی زبان اور ان کی رپورٹس ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اگر آپ انہیں چھوڑ جائیں تو ہم اپنے ڈاکٹر کو دکھا دیں گے۔''

''بے شک' یہ تمام فائلیں آپ کے پاس رہیں گی۔ میں اسی لیے لائی ہوں کہ آپ پوری طرح سے مطمئن ہو جائیں۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''ہم نے تو آپ کو دیکھا' آپ کے بیٹے کو دیکھا' بس اطمینان ہو گیا۔ باقی یہ انکوائری وغیرہ تو رسمی چیزیں ہیں۔''

فلک ناز نے کہا ''میں تو چاہوں گی کہ بھائی جان یہ رپورٹس جلد سے جلد دیکھ لیں اور رشتے داروں کو بھی دکھا دیں اور پھر جتنی جلدی ہو سکے شادی کی تاریخ طے کر لیں۔''

مسز رانا نے خوش ہو کر کہا ''آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔ میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی کہ شادی میں دیر نہ ہو تو اچھا ہے۔ دراصل میں اپنے بیٹے کو علاج کے لیے لندن لے جا رہی ہوں اور چاہتی ہوں کہ بہو بھی ہمارے ساتھ جائے۔'' اس پر بیگم آفتاب بولیں۔

''تمام ماں باپ بیٹی کی ذمے داریاں جلد سے جلد پوری

کرنا چاہتے ہیں' لیکن اتنی جلدی بھی مناسب نہیں ہے۔ ایسے معاملات میں عزیز و اقارب کا بھی خیال کرنا پڑتا ہے۔''

''بہر حال میں تو چاہتی ہوں کہ جلد سے جلد ہم اس ذمے داری سے سبکدوش ہو جائیں۔'' مسز رانا نے کہا' پھر بولیں ''کل میں' نمرہ کو بینک لے جاؤں گی۔ تاکہ میں نے جو رقم اس کے نام جمع کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ کل اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کرا دوں۔''

بیگم آفتاب خوش ہو کر بولیں ''اب تو وہ آپ کی ہی بیٹی ہے۔''

ادھر جبران صوفے پر بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا اور ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ آخر اس نے اپنی ماں کی طرف جھک کر کہا ''ماما......! وہ نمرہ......؟''

مسز رانا نے مسکراتے ہوئے کہا ''یہ تو نمرہ کے لیے پاگل ہو جاتا ہے۔ اس کی نظریں اسی کو ڈھونڈ رہی ہیں۔''

پھر وہ بیٹے سے بولی ''بیٹے! میں نے تمہیں سمجھایا تھا' جب رشتہ طے ہو جاتا ہے تو لڑکی کو پردہ کرایا جاتا ہے۔''

فلک ناز نے کہا ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لڑکا لڑکی کے ایک دوسرے سے ملنے' بات چیت کرنے سے انڈر اسٹینڈنگ بڑھتی ہے۔ میں ابھی اسے بلا کر لاتی ہوں۔''

وہ جانے کے لیے اٹھ ہی رہی تھی کہ نمرہ دروازے پر آ گئی۔ جبران اسے دیکھتے ہی خوش ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا ''نمرہ......! تم کہاں رہ گئی تھیں؟ میں کب سے انتظار کر رہا ہوں۔''

نمرہ نے آگے بڑھ کر سلام کیا پھر جبران کو دیکھتے ہوئے ایک صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہ پلک جھپکائے بغیر بڑے پیار سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی ماں سے کہا ''ماما......! آپ نمرہ کو بتائیں ہماری شادی ہونے والی ہے۔''

''بیٹے! نمرہ کو سب معلوم ہے۔ تم آرام سے بیٹھو۔''

ماں نے اسے پکڑ کر صوفے پر بٹھایا پھر اس کے کان کے قریب سرگوشی میں کہا ''تم نے وعدہ کیا تھا یہاں آ کر نمرہ کی باتیں زیادہ نہیں کرو گے اور نہ اس کی طرف دیکھو گے۔ خدا کے لیے خود کو کنٹرول کرو۔ ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔''

فلک ناز نے مسکرا کر پوچھا ''یہ ماں بیٹے میں کیا سرگوشیاں ہو رہی ہیں؟''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''کچھ نہیں۔ میں بیٹے کو سمجھا رہی ہوں کہ سسرال میں نظریں نیچی کر کے بیٹھنا چاہیے۔''

جبران نے نظریں نیچی کر لیں۔ بیگم آفتاب نے کہا۔ ''ماشاءاللہ بڑا ہی فرماں بردار بیٹا ہے۔''

مسز رانا نے نمرہ سے پوچھا ''بیٹی کل صبح تم میرے ساتھ بینک چل رہی ہو ناں؟''

نمرہ نے کہا ''آنٹی آپ برا نہ مانیے گا' مگر یہ بتائیں کہ آپ مجھے بہو بنانے آئی ہیں یا خریدنے آئی ہیں؟''

اس سوال پر سب ہی چونک پڑے۔ بیگم آفتاب نے ذرا سخت لہجے میں کہا ''نمرہ! یہ کیسا سوال کر رہی ہو؟''

مسز رانا نے کہا ''بہن آپ اسے بولنے سے نہ روکیں۔ اس کے دل میں جو کچھ ہے اسے زبان پر آنا چاہیے۔ نمرہ......! تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں تمہیں دل سے بہو بنانا چاہتی ہوں۔ اپنے بیٹے کی خوشیاں چاہتی ہوں۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے اتنی بڑی دنیا میں اس کے سوا میرا کوئی نہیں ہے۔ اسے نارمل بنائے رکھنے کے لیے اور اس کی طویل عمری کے لیے میں اپنی ساری دولت اور جائداد داؤ پر لگا سکتی ہوں۔''

نمرہ نے کہا ''یہ اپنے بیٹے کے لیے آپ کے احساسات اور جذبات ہیں لیکن میرے احساسات یہ ہیں کہ میں ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ ایک شریف زادی ہوں اور بکاؤ مال نہیں ہوں۔ آپ مجھے خریدنے کی بات کریں گی تو میں رشتے سے انکار کر دوں گی۔''

جبران نے تڑپ کر کہا ''ماما......! کیا یہ رشتے سے انکار کر رہی ہے؟''

ماں نے بیٹے کا بازو تھام کر کہا ''خاموش بیٹھے رہو۔ اس نے انکار نہیں کیا ہے۔ اس کی پوری باتیں سنو۔''

وہ بولی ''میری آخری بات یہ ہے کہ میں آپ سے کوئی رقم نہیں لوں گی۔ جبران......! تم سمجھ دار ہو ناں؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا ''ہاں' میں بہت سمجھ
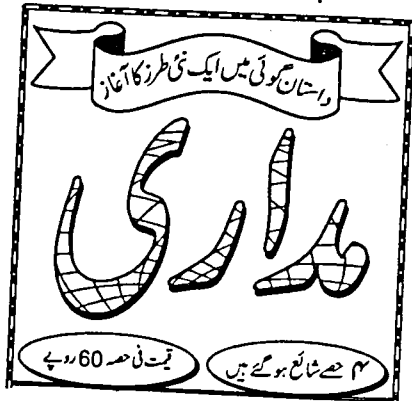
دار ہوں۔"
"تو پھر جواب دو' انسان کو انسان سے محبت کرنا چاہیے یا دولت سے؟"
"میں دوسرے انسانوں کے بارے میں تو نہیں جانتا۔ بس ایک بات جانتا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"
"کیا مجھے تمہاری ماما سے دس کروڑ روپے لینے چاہیے؟ کیا میں تم سے زیادہ دولت کو اہمیت دوں؟"
اس نے تیزی سے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں نہیں...... تم میرے سوا کسی کو اہمیت نہ دو۔"
اس نے اپنی ممی اور ڈیڈی کو دیکھتے ہوئے کہا "جبران کی میڈیکل رپورٹس پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ ان کی باتوں سے سمجھ لینا چاہیے کہ یہ پاگل خانے میں رہنے کے باوجود ایب نارمل نہیں ہیں۔ اگر ان کا پوری طرح علاج ہوتا رہا تو رہی سہی خامیاں بھی دور ہو جائیں گی۔"
مسز رانا نے خوش ہو کر کہا "نمرہ بیٹی! تم میری توقع سے زیادہ سمجھ دار ہو اور کسی لالچ کے بغیر میرے بیٹے کی حمایت میں بول رہی ہو۔"
وہ بولی "آنٹی! میں آپ سے اور آپ کے بیٹے سے صرف دو شرطیں منوانا چاہتی ہوں۔"
"بیٹی ہزار شرطیں منواؤ۔ ہم مان لیں گے۔ بولو' کیا چاہتی ہو؟"
نمرہ نے جبران کو دیکھا پھر کہا "میں اسی شرط پر شادی کروں گی کہ تم میری ایک بات مانو گے۔ آئندہ کبھی الیکٹرک شاک نہیں لو گے۔"
وہ بولا "میں اپنی ماما کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ آئندہ کبھی الیکٹرک شاک نہیں لوں گا۔"
مسز رانا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور نمرہ کے پاس آ کر اسے گلے سے لگا کر رونے لگی۔ وہ روتے روتے کہہ رہی تھی "میری بچی! آج تک کسی ڈاکٹر نے میرے بیٹے کا ایسا علاج نہیں کیا۔ جیسا تم نے بیٹھے بیٹھے کر دیا ہے۔ تم نے تو مجھے کوڑیوں کے مول خرید لیا ہے۔"
میں نے نمرہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ شادی سے انکار نہ کرے اور خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دے۔ وہ میرے مشورے پر عمل کر رہی تھی لیکن اس دوران میں محسوس کر رہی تھی جیسے سچ مچ جبران اور اس کی ماں سے قریب ہوتی جا رہی ہے۔ ان لمحات میں ایک ماں کے آنسو اسے بری طرح متاثر کر رہے تھے اور وہ فخر سے یہ سوچ رہی تھی کہ وہ ایک مسیحا بن چکی ہے اور بڑی کامیابی سے ایک بیمار کا علاج کر رہی ہے۔

تھوڑی دیر تک ڈرائنگ روم میں خاموشی طاری رہی۔ مسز رانا ابھی تک نمرہ سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ بڑا ہی جذباتی منظر تھا۔ جبران خاموشی سے یہ دیکھتا رہا پھر بولا "ماما کیا میں نے کوئی غلط بات کی ہے؟" تو وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔
"نہیں بیٹا۔ میری نمرہ کی محبت نے مجھے رلا دیا۔" پھر وہ بیگم آفتاب سے بولی "بہن! میری بات مان لیں اور اسی ہفتے کسی دن شادی کی تاریخ طے کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔"
بیگم آفتاب نے اپنے میاں کی طرف دیکھا۔ نمرہ نے کہا "آنٹی! آپ نے میری دوسری شرط نہیں سنی۔"
"ہاں...... میں تو خوشی میں بھول ہی گئی تھی۔ بولو تمہاری دوسری شرط کیا ہے؟"
وہ بولی "میں نے ایک ماہر نجومی کو اپنا ہاتھ دکھایا ہے اور چاہتی ہوں کہ جبران بھی اپنا ہاتھ اسے دکھائیں۔ وہ نجومی جو پیش گوئی کرے گا' اس کے مطابق شادی کی تاریخ مقرر کی جائے۔"
"بیٹی! تم جو کہو گی' میں وہی کروں گی لیکن پتا نہیں' وہ نجومی شادی کے سلسلے میں کیا پیش گوئی کرے؟"
"آنٹی۔ وہ بہت پہنچا ہوا نجومی ہے۔ کبھی الٹی سیدھی باتیں نہیں کرتا۔ آپ بھی اسے جانتی ہیں۔"
مسز رانا نے حیرانی سے پوچھا "تم کس کی بات کر رہی ہو؟"
"کچھ عرصہ پہلے آپ لندن میں اس سے مل چکی ہیں۔ اس نے آپ کا ہاتھ دیکھ کر سچی پیش گوئی کی تھی۔"
"اوہ...... یس...... تم کیسے جانتی ہو کہ میری اس سے ملاقات ہوئی تھی؟"
"وہ نجومی میرے کزن ہیں۔ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ اسی گھر میں رہتے ہیں' اور ان کا نام مقدر حیات ہے۔"
میرا نام سنتے ہی جبران کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
"......مقدر حیات......؟ نمرہ......! تم نے کہا تھا' تم کسی مقدر حیات کو چاہتی ہو یہ وہی میرا دشمن ہے۔ میرا رقیب ہے۔ نہیں' نمرہ......! میں اپنے اور تمہارے درمیان کسی کو نہیں آنے دوں گا۔"
مسز رانا نمرہ کے پاس سے اٹھ کر اس کے پاس گئی اور اسے پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولی "کیوں خواہ مخواہ طیش

ہا آرہے ہو۔ نمرہ اگر اسے چاہتی تو تم سے شادی کے لیے انی نہ ہوتی۔ ذرا عقل سے کام لو۔"
اس نے نمرہ کی طرف دیکھا' دونوں کی نظریں ملیں۔ وہ ے دیکھتے ہی ذرا نرم پڑ گیا۔ مسز رانا نے کہا "میں مقدر یات سے مل چکی ہوں۔ وہ بہت ہی سلجھے ہوئے ذہن کا وجوان ہے اور سب سے دوستی کرنے والوں میں سے ہے۔"
پھر اس نے نمرہ سے پوچھا "تم نے ابھی کہا ہے کہ وہ ی گھر میں رہتا ہے۔ کیا ابھی اس سے ملاقات ہو سکتی ہے؟"
فلک ناز نے بڑے فخر سے اتراتے ہوئے کہا "نہیں اس ت تو وہ میری بیٹی آسرا کے ساتھ کہیں گیا ہوا ہے۔"
نمرہ کے چہرے پر ایک سایہ سا گزر گیا۔ یہ سن کر تکلیف ہوئی کہ میں آسرا کے ساتھ کہیں تفریح کے لیے گیا ہوں۔ بیگم آفتاب نے کہا "وہ جہاں بھی گیا ہے رات کے کھانے تک آ جائے گا اور آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔"
فلک ناز نے کہا "آج تو شاید ہی ملاقات ہو۔ ہو سکتا ہے وہ دونوں رات کا کھانا کہیں باہر ہی کھائیں۔"
مسز رانا نے کہا "میں اس کا انتظار کروں گی۔ اگر ملاقات نہ ہوئی تو بڑی مایوسی ہو گی۔ نمرہ نے درست مشورہ دیا ہے کہ اسے جبران کا ہاتھ دکھانا چاہیے۔ امید ہے وہ اور بہت ی اچھی اور سچی باتیں بتائے گا۔"
نمرہ نے کہا "آنٹی! آپ فکر نہ کریں۔ اگر ابھی ملاقات ہوئی تو کل صبح میں اسے آپ کے گھر لے آؤں گی۔"
جبران نے کہا "تم اسے کیوں لاؤ گی......؟ نہیں...... تم ن سے دور رہو گی۔"
ماں نے ذرا سخت لہجے میں کہا "جبران! ایسی باتیں نہیں رتے۔"
نمرہ نے اسے دیکھ کر پوچھا "کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟"
اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا "سوری! مجھے تو بھروسا ہے۔"
نمرہ مسکرانے لگی۔ مسز رانا نے کہا "دیٹ از لائیک اے گڈ بوائے۔"
میں آسرا کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "یہ اچانک ہی تم نے باہر آنے کا پروگرام کیوں بنا لیا؟"
"بس یونہی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ جو مہمان آ رہے ہیں ان کا سامنا کروں۔"
وہ مسکرا کر بولی "میں سمجھ رہی ہوں۔ اپنی محبوبہ کو پرائی ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ تمہارا دل ٹوٹ رہا ہے۔"

"میرے نہیں' اپنے دل کی بات کرو۔ تمہارے دل میں جو پھانس ہے وہ نکل رہی ہے۔ نمرہ پٹڑی بدل رہی ہے۔ جلد ہی پرائے دیس چلی جائے گی۔"
"کیا تمہیں اس سے بے وفائی کا گلہ نہیں ہے؟"
"گلہ کرنے سے وہ آ کر میرے گلے تو نہیں لگ جائے گی اور نہ ہی میں اس سے کہوں گا کہ وہ اپنا فیصلہ بدل کر میری طرف چلی آئے۔"
"میں حیران ہوں۔ نمرہ لالچی نہیں ہے تو پھر اس دولت مند کی طرف کیوں جھک رہی ہے؟"
"سیدھی سی بات ہے۔ اسے مجھ پر اعتماد نہیں رہا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی ہے کہ میں تمہاری طرف مائل ہوں اور تم ہی سے شادی کروں گا لیکن تم بھی میرے ساتھ نمرہ جیسا ہی سلوک کرو گی۔"
"میں اس کی طرح بے وفا نہیں ہوں لیکن یہ طے ہے کہ تم سے شادی نہیں کروں گی کیونکہ میں ایک لمبی عمر جینا چاہتی ہوں۔"
"تم دونوں کے رویے مختلف ہیں لیکن میرے ساتھ تو وہی ایک جیسا سلوک ہو رہا ہے۔ اس نے جبران کی خاطر مجھے چھوڑ دیا۔ تم اپنی لمبی زندگی کی خاطر مجھ سے دور بھاگتی رہو گی۔ کیا یہ تمہاری خود غرضی اور بے وفائی نہیں ہو گی۔"
"میں شادی نہ کر کے تمہاری وفادار رہوں گی۔"
میں نے واپسی کے لیے گاڑی موڑ دی۔ اس نے پوچھا
"اب کہاں جا رہے ہو؟"
"ہم واپس جا رہے ہیں۔"
"کیا وقت ہوا ہے؟"
میں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی اور کہا "گیارہ بجنے والے ہیں۔"
میں نے کوٹھی کے سامنے پہنچ کر گاڑی روک دی پھر کہا۔
"تم اندر جاؤ۔ میں ذرا ایک کام سے جا رہا ہوں۔"
"اب اتنی رات کو کہاں جاؤ گے؟"
"کہا نا...... ضروری کام ہے۔ آ کر بتاؤں گا۔"
اس نے جانے کے لیے اپنی طرف کا دروازہ کھولا تو میں نے پوچھا "یونہی چلی جاؤ گی؟"
اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھ کر پوچھا "مجھے کیسے جانا چاہیے؟"
"بھئی! ہم ایک دوسرے کو چھو تو سکتے ہیں۔ مجھ سے مصافحہ تو کر سکتی ہو؟"
وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں' ہمارے درمیان فاصلہ

رہنا چاہیے۔"

"اچھی بات ہے۔ مجھے نہ سہی تم اپنی کسی چیز کو تو چھو سکتی ہو؟"

"ہاں۔ اپنی چیز کو چھونے میں بھلا اعتراض کیوں ہوگا؟"

میں نے اپنی کلائی اس کی طرف بڑھائی پھر کہا "یہ گھڑی تمہاری ہے۔ اسے چوم لو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "اسے چومنے سے کیا ہوتا ہے' لو چوم لیتی ہوں۔"

اس نے جھک کر اپنے ہونٹ گھڑی کی سطح پر رکھ دیئے پھر اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ میں نے وہ کلائی اپنی طرف کی پھر جھک کر اس گھڑی کی سطح پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ وہ ایک دم سے شرما کر تیزی سے دروازہ کھولتی ہوئی باہر چلی گئی۔

میں مسکرا کر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ گیٹ سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہوگئی تو میں نے کار اسٹارٹ کی اور مسز رانا کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ گیارہ بجے تک ہمارے گھر پر میرا انتظار کرتی رہی تھی پھر بیٹے کے ساتھ وہاں سے چلی آئی اور اسی وقت اس کی کار اپنی کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ میں نے بھی اپنی گاڑی اس کے پیچھے ہی کوٹھی میں داخل کر دی۔ چوکیدار نے سمجھا میں شاید ان کا مہمان ہوں اس لیے اس نے مجھے نہیں روکا۔ مسز رانا نے پورچ میں کار روک کر باہر نکلتے ہوئے میری کار کی طرف دیکھا۔ میں نے بھی گاڑی سے نکلتے ہوئے کہا "ہیلو مسز رانا! کیا آپ مجھے پہچانتی ہیں۔ میں ہوں مقدر حیات......!"

وہ خوش ہو کر بولی "ہیلو مسٹر مقدر! میں تو نمرہ کے ہاں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

اس نے آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا پھر بیٹے سے کہا "جبران! یہی مقدر حیات ہیں۔"

اس نے ناگواری سے مجھے دیکھا۔ مصافحہ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن ماں کے حکم سے مجبور ہوگیا۔ بے دلی سے مصافحہ کرنے کے بعد تیزی سے کوٹھی کے اندر چلا گیا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر کہا "آؤ اندر چلیں۔"

میں اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آیا۔ جبران وہاں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کے دماغ میں یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ نمرہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں اس کا رقیب ہوں۔ شاید اس کے راستے کا پتھر بننے آیا ہوں۔ مسز رانا بیٹے کی ذہنی حالت کو خوب سمجھتی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا "یہاں بیٹھو۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

پھر اس نے بیٹے سے کہا "جبران! آرام سے تمہیں ٹینشن میں مبتلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

وہ جھنجلا کر بولا "ماما......! یہ کیا ضروری ہے کہ ہاتھ انہیں دکھاؤں۔ نمرہ کی یہ شرط مجھے پسند نہیں آئی۔"

"بیٹا ہم نے نمرہ کو زبان دی ہے۔ وہ بچی اور کھر ہے۔ ہمیں بھی اس کے ساتھ وعدہ نباہنا چاہیے اور اس دوسری شرط پوری کرنی چاہیے۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ ماں اس کے پاس بیٹھ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی محبت سے بولی "دیکھو مقدر میاں کو نہیں جانتے۔ یہ بہت ہی سچی اور کھری بتاتے ہیں۔ ان سے ہمیں رہنمائی حاصل کرنی چاہیے سے تین برس پہلے انہوں نے میرا ہاتھ دیکھا تھا اور کہ تمہارے ڈیڈی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ وہ اپنا اپنی دولت اور جائداد سب ہمارے لیے چھوڑ کر چلے گئے اور پھر یہ پیش گوئی کی تھی کہ تمہارے چچا تم سے دشمنی کریں گے۔"

"اور میں نے تمہاری ماما سے کہا تھا کہ دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ بلکہ دماغی نقصان پہنچائیں۔

ماں نے بیٹے سے کہا "اور مقدر میاں کی ایک ایک درست ثابت ہوئی ہے۔ تمہارے ڈیڈی اللہ کو پیارے تھے۔ اس کے بعد ہی تمہارے چچا نے دشمنی کی انتہا تمہیں پاگل خانے تک پہنچا دیا۔ اس نے اس جوان گوئی کے مطابق جانی نقصان نہیں پہنچایا مگر تمہیں اس دماغی نقصان پہنچایا ہے کہ آج تک سنبھل نہیں پا رہے۔"

جبران نے مجھے بے یقینی سے دیکھ کر کہا "تعجب۔ ہاتھ کی لکیریں اس قدر سچ بولتی ہیں؟"

"میں نہیں جانتی' ہاتھ کی لکیریں کیا کہتی ہیں لیکن جوان نے جو کہا' وہ سب سچ ہوتا رہا۔"

میں نے کہا "مسز رانا میں نے ایک اور پیش گوئی جسے آپ بھول رہی ہیں۔"

اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے کریئے آپ نے اپنے بیٹے کی طویل عمری کے سلسلے میں تھا۔"

وہ بولی "ہاں یاد ہے۔ تم نے کہا تھا میرے بیٹے کی مختصر بھی ہو سکتی ہے اور طویل بھی......"

"پھر آپ نے پوچھا تھا' آپ کے بیٹے کی زندگی کس طرح ہو سکتی ہے؟"

"ہاں......! یاد آ رہا ہے......تم نے کہا تھا......تم نے کہا......" وہ بولتے بولتے ایک دم سے چونک گئی پھر چیخ کر بولی "نہیں' یہ نہیں ہو سکتا۔"

اس نے بیٹے کے بازو کو سختی سے جکڑ لیا۔ بیٹے نے پوچھا "ماما......! کیا بات ہے؟ آپ پریشان کیوں ہوگئی ہیں؟"

"بیٹے! مقدر حیات نے کہا تھا' تمہاری زندگی میں کسی ایسی لڑکی کو نہیں آنا چاہیے جس کے نام کا پہلا حرف "این" ہے۔ او خدایا......! میں تمہیں الیکٹرک شاک سے نجات دلانے کے لیے اس قدر حواس باختہ ہوگئی تھی کہ نمرہ کا نام سن کر بھی یاد نہ آیا کہ اس کے نام کا پہلا حرف "این" ہے۔"

وہ ماں کو دھکا دے کر صوفے سے اٹھ گیا "آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ اگر اس کا نام "این" سے شروع ہوتا ہے تو مجھے اس سے محبت نہیں کرنی چاہیے؟ اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے؟ یہ بہروپیا نجومی بن کر نمرہ کو مجھ سے دور کرنے آیا ہے۔ میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ یہ راستے کا پتھر ہے۔ میرے راستے میں کانٹے بچھائے گا اور یہ کانٹے بچھا رہا ہے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا میرے پاس آیا اور اس نے ایک گھونسا مجھے مارنا چاہا۔ میں نے اس کی کلائی پکڑ لی اس نے دوسرے ہاتھ سے حملہ کرنا چاہا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کی دوسری کلائی پکڑ لی۔ وہ خود کو چھڑانے کی کوششیں کرنے لگا۔ میں نے کہا "سنو! تم اس وقت مقدر کی گرفت میں ہو۔ پھڑ پھڑاتے رہو گے۔ تمہاری ماں تمہیں طویل زندگی کی طرف لے جانا چاہے گی اور تم نمرہ کے پیچھے پیچھے موت کی طرف جاؤ گے۔ میری ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔"

میں اس کے ہاتھ کی لکیروں پر چل رہا تھا۔ آگے بہت کچھ کہنے والا تھا۔ یہ میں ہی جانتا ہوں' آگے کیا ہونے والا ہے اور کیا نہیں ہونے والا ہے۔ اور میں اس لیے جانتا ہوں کہ......میں

اک بازی گر ہوں!
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں۔
تمہارا دوست بھی ہوں۔
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں......میں مقدر ہوں......
اک بازی گر ہوں......!

تقدیر اور تدبیر کی جنگ جاری رہتی ہے۔ ازل سے ابد تک یعنی اس دنیا میں آنے والے پہلے انسان حضرت آدم سے لے کر اس دنیا کے آخری انسان تک یہ جنگ جاری رہے گی۔ جبران مجھ سے ہاتھا پائی پر اتر آیا تھا۔ میں نے اس کی دونوں کلائیوں کو پکڑ لیا تھا بندے کو جب مقدر پکڑ لیتا ہے تو سمجھو جکڑ لیتا ہے۔

میرا سچ کسی سے ہضم نہیں ہوتا۔ جبران سے بھی ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ میری یہ پیش گوئی ماننے کو تیار نہیں تھا کہ نمرہ سے اس کا سنجوگ نہیں ہو سکتا اور یہ کہ وہ حرف ''این'' سے شروع ہونے والے نام کی کسی بھی لڑکی سے شادی کرے گا تو اس کی زندگی مختصر ہو جائے گی۔ وہ تو مجھے اپنا رقیب سمجھتا تھا' تو بھلا وہ رقیب کی پیش گوئی کو درست کیسے مان لیتا۔ اس کے ذہن میں یہ بات نقش ہو گئی تھی کہ میں اس کی راہ کی رکاوٹ بنوں گا۔

یہی سب سوچ کر اس نے طیش میں آ کر مجھ پر حملہ کر دیا تھا اور میں نے اس کی دونوں کلائیوں کو جکڑ لیا تھا۔ پھر اس نے اپنی لاتیں استعمال کرنی چاہیں تو میں نے اس کے حملوں کو روکا۔ اس دوران مسز رانا پیچھے سے آ کر اس سے لپٹ گئی تھی۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی'' بیٹے یہ کیا کر رہے ہو۔ تمہیں ہر بات ٹھنڈے دماغ سے سننا چاہیے۔ ہٹ جاؤ۔ چھوڑ دو مقدر کو......''

وہ عاجز آ کر بولا'' ماما......! میں کیا چھوڑوں اس نے مجھے پکڑ رکھا ہے۔''

وہ گڑگڑا کر بولی'' مقدر میاں...... پلیز اسے چھوڑ دو۔''

میں نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ اور وہ لڑکھڑاتا ہوا جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ بیٹے کے پاس آ کر دونوں بازوؤں کو پھیلا کر اس سے لپٹ گئی پھر رونے کے انداز میں بولی'' بیٹا...... تم نہیں جانتے اس کی باتیں درست ہوتی ہیں۔''

'' اگر اس نے آپ کا ہاتھ دیکھ کچھ باتیں سچ کہہ دیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ہمیشہ ہی سچی پیش گوئی کرتا ہے۔''

'' ابھی تم نے نمرہ کے گھر میں اس کے ممی اور ڈیڈی کی باتیں بھی تو سنی ہیں۔ وہاں سب ہی کہہ رہے تھے کہ مقدر میاں نے جس کا بھی ہاتھ دیکھا ہے' اس کے ماضی' حال اور مستقبل کی سچی باتیں بتائی ہیں۔''

'' آپ مجھے یہ سمجھانا چاہتی ہیں کہ میں اس کی پیش گوئی سے ڈر کر نمرہ سے دور ہو جاؤں' اسے اپنے دل سے نکال دوں؟''

'' بیٹے آرام سے بیٹھو اور میری باتیں توجہ سے سنو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں تمہاری خوشیاں پوری کرنے کے لیے ... کے اکاؤنٹ میں دس کروڑ روپے جمع کرانے والی تھی ... تمہاری خوشی کے علاوہ اس کی اور کیا وجہ تھی۔''

'' مگر آپ یہ بھی تو دیکھیے کہ نمرہ نے اتنی بڑی رقم ... سے انکار کر دیا۔ آپ کو اس کی نیک نیتی کی قدر کرنا چاہیے ... ایسی بے غرض' بے لوث' سچی اور کھری لڑکیاں صرف ... والوں کو ملتی ہیں۔ یہ شخص ہمارا مقدر بگاڑنا چاہتا ہے۔ آپ اس کی باتوں میں نہ آئیں اور جلدی سے شادی کا ... کروائیں۔''

'' بیٹا میں نادان بچی نہیں ہوں کہ کسی کی باتوں ... آ جاؤں۔ میں نے ایک کے بعد ایک سچائیاں دیکھی ہیں ... تب ہی میں مقدر میاں پر بھروسا کر رہی ہوں۔ صاف صاف کہہ دیتی ہوں میں تمہارے معاملے میں کوئی بھی خطرہ مول نہیں چاہوں گی۔ ایسی کوئی بھی لڑکی تمہاری زندگی میں ... آئے گی جس کا نام حرف ''این'' سے شروع ہوتا ہو۔''

'' اور میں صرف نمرہ سے ہی شادی کروں گا چاہے ... نام ہی بدلنا پڑے۔''

اور پھر اس نے چونک کر مجھے اور پھر اپنی ماں کو ...

'' ہاں...... ہاں...... ماما...... بات بن سکتی ہے۔ اگر نمرہ کا ... بدل دیا جائے۔ اس کے نام کے ساتھ حرف این کی نحوست ... کر دی جائے تو میری زندگی مختصر نہیں ہو گی۔''

اس کی ماں نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا ... پوچھا'' کیا یہ ممکن ہے؟ ایسی نام بدلنے والی کوئی تدبیر ... جا سکتی ہے؟''

جبران بولا'' آپ اس سے کیا پوچھ رہی ہیں۔ ... انسان کی ذہانت سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ ہم تدبیر کریں ... یقیناً تقدیر بدلے گی۔''

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا'' بے ... ہماری دنیا میں انسان کی ذہانت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ... تدبیر سے تقدیر کو بدلنے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں ... انسان اپنی ذہانت سے موت کا وقت ہرگز نہیں بدل سکتا۔ ... وقت اس کی موت لکھی ہوتی ہے ٹھیک اسی لمحے میں وہ دم ... ہے۔''

جبران نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بڑے جو... انداز میں کہا'' میں نہیں مروں گا جب تک نمرہ میری زندگی ... نہیں آئے گی۔ میں نہیں مروں گا۔ چاہے موت کا کوئی وقت مقرر ہو۔ میں موت کے وقت کو ٹال دوں گا۔''

میں نے کہا'' بعض لوگوں کو خوش فہمی ہوتی ہے کہ ...

... نہیں آئے گی۔ اگر آئی بھی تو وہ اس کے شکنجے سے بچ ... گے پھر وہ بچنے کے لیے طرح طرح کی تدابیر کرنے ... ہیں۔ بیمار ہوں تو زندگی کی طرف جانے کے لیے علاج ... ہیں۔ ممکنہ حادثات سے بچنے کی کوششیں کرتے رہتے ... ہیں۔ اگر ان کی جان کو کسی دشمن سے خطرہ ہو تو وہ اس دشمن کو ... کرنے کی تدابیر کرتے رہتے ہیں۔''

وہ غصے سے بولا'' تم ڈرا دھمکا کر مجھے نمرہ سے دور کرنے ... باتیں نہ کرو۔ اتنے ہی بڑے نجومی ہو تو میری موت کا ... رہ وقت بتاؤ۔ میں اپنی ذہانت اور تدبیر سے اس مقررہ ... کو ٹال کر دکھاؤں گا۔''

میں اس کے بچکانہ دعوے پر مسکرانے لگا۔ میں نے انکار ... سر ہلا کر کہا'' نہیں...... اگر تم اپنی زندگی کی اس منحوس گھڑی ... ٹال دو گے تو تمہیں مزید ایک برس کی زندگی ملے گی۔ اس ... برس کے بعد پھر وہی منحوس تاریخ اور منحوس وقت آئے ...''

وہ پھر اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے پُرجوش انداز میں ... '' آنے دو۔ میں پھر اس موت کے مقررہ وقت کو ٹال دوں ...''

مسز رانا نے پریشان ہو کر ہمیں دیکھا پھر مجھ سے پوچھا۔ ... کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک مقررہ وقت ٹل جائے تو دوبارہ اس ... رہ وقت پر موت پھر زندگی چھین لینے کی دھمکی دے؟''

میں نے کہا'' ہماری دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ ناممکن بھی ... ن ہو جاتا ہے۔''

جبران نے کہا'' پھر میں بھی ناممکن کو ممکن بنا دوں گا۔ میں ... منحوس گھڑی کو اپنی زندگی میں آنے ہی نہیں دوں گا جو ... رے لیے مقرر کی گئی ہو۔''

پھر وہ میری طرف چلتا ہوا آیا۔ میں نے اپنی جگہ سے ... کر پوچھا'' کیا پھر پنجے لڑاؤ گے؟''

اس کی ماں تیزی سے چلتی ہوئی ہمارے درمیان آ گئی۔ ... بولا'' ماما...... آپ پریشان نہ ہوں میں جھگڑا نہیں کروں ...''

پھر وہ اپنا دایاں ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ... اسے اچھی طرح دیکھو اور مجھے بتاؤ وہ طے شدہ وقت میری ... زندگی میں کب آئے گا؟''

ماں نے اپنے بیٹے کے ہاتھ کو تھام کر مجھ سے کہا'' مقدر ... یاں! تم یہ بھی بتا سکتے ہو کہ کیا اس کا دعویٰ درست ہو گا' کیا یہ ... اپنی ذہانت اور تدبیر سے اس منحوس گھڑی کو ٹال سکے گا؟''

میں نے دور سے اس کے ہاتھ کو دیکھا پھر کہا'' مسز رانا......! میں ایک ہی بار جو ہاتھ دیکھ لیتا ہوں اس کی لکیریں میرے ذہن میں نقش ہو جاتی ہیں۔ آپ اپنے بیٹے کے ساتھ وہاں صوفے پر بیٹھیں میں وہی کہوں گا جو سچ ہے۔''

وہ اپنے بیٹے کے ساتھ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی اور دونوں میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ میں نے اپنے صوفے پر آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا'' میں اس کی موت کا مقررہ وقت بتاتا ہوں۔'' پھر میں ایک لمحے کو چپ ہوا تو وہ ماں بیٹے اپنی اپنی جگہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگے۔ جبران موت سے خوف زدہ نہیں تھا لیکن ماں سہمی ہوئی تھی۔ میں نے کہا'' ہر سال اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے پرانا سال گزر جاتا ہے اور نیا سال آ جاتا ہے۔ پرانے اور نئے سال کے اس سنگم پر ٹھیک بارہ بجے موت جبران پر شب خون مارے گی۔''

مسز رانا کو میری یہ بات ایسے لگی جیسے میں نے ان کا کلیجا اپنی مٹھی میں بھینچ دیا ہو۔ میں نے کہا'' سوری! میرے سچ بولنے کی عادت ایک ماں کو عذاب میں مبتلا کر رہی ہے۔''

جبران دل ہی دل میں حساب کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ '' آج اگست کی پہلی تاریخ ہے۔ گویا ٹھیک پانچ ماہ بعد؟''

میں نے صرف اثبات میں گردن ہلا دی۔

ماں کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ تیزی سے صوفے پر سے اتری اور فرش پر آ کر بیٹے کے پیروں کو پکڑ کر بولی'' میرے بچے' میرے لال' اپنی ضد سے باز آ جا۔ نمرہ کا خیال دل سے نکال دے۔ میں دنیا کی حسین ترین لڑکیاں تیرے لیے ڈھونڈ کر لا سکتی ہوں۔ ہر قیمت پر......''

'' ماما......! آپ جانتی ہیں مجھے لڑکیوں سے دلچسپی نہیں۔ زندگی میں پہلی بار نمرہ نے مجھے متاثر کیا ہے' موت کے برف خانے میں مجھے زندگی کی نئی حرارت دی ہے۔ نہ میں اسے کبھی چھوڑ سکتا ہوں نہ اسے کبھی بھول سکتا ہوں۔''

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور غصے سے روتے ہوئے بولی'' یہ کیسا عشق ہے کیسی دیوانگی ہے۔ کیا تم اپنی ماں کی جان لے کر رہو گے؟''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا'' ماما......! میں صرف نمرہ کے لیے ہی نہیں آپ کے لیے بھی اپنی جان دے سکتا ہوں۔ خدا نہ کرے آپ کو کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گا۔ میں نمرہ کی خاطر آپ کو کبھی نظر انداز نہیں کروں گا اور آپ کی خاطر نمرہ کی طلب سے باز نہیں آؤں گا۔ کیا میری ایک بات مانیں گی؟''

اس نے پوچھا'' بولو میں تمہاری کون سی بات نہیں مانتی

ہوں۔ بولو اب کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''دیکھیے ماما...... ! میں مروں گا تو آپ زندہ نہیں رہیں گی۔ اپنی جان دے دیں گی اسی طرح خدانخواستہ آپ نے میری ضد سے مجبور ہو کر اپنی جان دی تو میں بھی اسی لمحے اپنی جان پر کھیل جاؤں گا۔ یہ طے ہے کہ ہم ماں بیٹے جئیں گے بھی ایک ساتھ مریں گے بھی ایک ساتھ۔ تو کیا آپ میری خاطر اپنی یہ زندگی نمرہ کے لیے داؤ پر نہیں لگا سکتیں؟ آپ مجھے نمرہ کو حاصل کرنے دیں۔ میں اپنی ماں کو زبان دیتا ہوں کہ نئی زندگی حاصل کر کے دکھاؤں گا پھر میں بھی جیوں گا آپ بھی جئیں گی۔''

اس نے بے بسی سے بیٹے کو دیکھا پھر میری طرف پلٹ کر آئی۔ میں صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اچانک ہی میرے قدموں میں گر پڑی۔ میں گھبرا کر اپنے پیروں کو چھڑا کر الگ ہوتے ہوئے بولا ''یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ آپ میری ماں کے برابر ہیں۔ پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں۔''

وہ فرش سے اٹھتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی ''مجھے ماں کہتے ہو تو پہلے ایک بیٹے کا حق ادا کرو۔ یہ بتاؤ' کیا میرا بیٹا اپنی ضد میں کامیاب ہوگا؟ کیا یہ اپنی تدبیر سے اس منحوس گھڑی کو ٹال سکے گا؟ کیا تم اس سلسلے میں اس کی کچھ مدد کر سکتے ہو؟ اس منحوس گھڑی سے اسے بچا سکتے ہو؟''

میں اس کے قریب آیا اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''آپ پریشان نہ ہوں۔ آرام سے بیٹھ کر میری باتیں سنیں۔''

میں اسے تھام کر اس کے صوفے تک لایا۔ جبران بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے ٹہلتے ہوئے دھیرے دھیرے کہا ''آپ کا بیٹا ایب نارمل نہیں ہے۔ یہ اپنی ذہانت سے موت کا وقت ٹال سکتا ہے۔''

ماں نے چونک کر بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ بیٹا بھی پہلی بار خوش ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔

''میں بظاہر ایک ناممکن سی بات کہہ رہا ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ موت کے وقت کو ٹالا جا سکے لیکن غور کیا جائے تو انسان کبھی کبھی ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ ایک مریض جو لب دم ہوتا ہے، جس کو بچنے کی امید نہیں ہوتی' اس کی موت یقینی ہو جاتی ہے اور ڈاکٹر اسے انتہائی نگہداشت والے کمرے میں رکھ کر اسے آکسیجن پہنچاتے ہیں اور ہر لمحہ اس پر توجہ دیتے ہیں تو اکثر وہ موت کی طرف سے لوٹ آتا ہے اور اسے نئی زندگی مل جاتی ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دشمن ایک جوان کو گولی مارنا چاہتے ہیں۔ اس کی موت یقینی ہو جاتی ہے۔ ایسے میں اس کی ماں سامنے آ کر ڈھال بن جاتی ہے اور اس حصے کی گولی کھا لیتی ہے اور بیٹا بچ جاتا ہے۔

''ایسے وقت میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ موت کا وقت کے لیے ہی مقرر تھا' بیٹے کی زندگی ابھی باقی تھی اس لیے مر گئی اور بیٹا زندہ رہ گیا۔ کس وقت کس کی موت کو آنا ہے کس کی موت کو ٹل جانا ہے مقدر کی یہ ہیرا پھیری کوئی جانتا۔ بظاہر بالکل لب مرگ بچ جاتے ہیں۔ اسی طرح کا بیٹا جبران بھی بچ سکتا ہے۔''

مسز رانا نے کہا ''اگر میں اپنے بیٹے کے لیے اپنی دے کر بھی اسے بچا سکتی ہوں تو مجھے صاف صاف بتاؤ سے کچھ نہ چھپاؤ۔''

''میں کچھ نہیں چھپا رہا ہوں۔ آپ کو کسی طرح کی نہیں دینی ہوگی۔ جبران صرف اپنی تدبیر سے بچ سکے گا۔

اس نے ماں کے بازو کو تھام کر کہا ''ماما میں تو مقد دشمن سمجھ رہا تھا لیکن یہ تو بڑی اچھی باتیں کر رہا ہے۔ آ میں اس پر بھروسا کر سکتا ہوں۔ آپ کو تو پہلے سے ہی بھروسا ہے۔ جب یہ کہہ رہا ہے کہ میں بچ سکتا ہوں تو مجھ پر چھوڑ دیں کہ میں کون سی تدبیر خود کو بچانے کی کرتا ہوں

مسز رانا اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اور میرے پاس صوفے پر بیٹھ کر بولی ''بیٹے تمہاری نے مجھے بڑا حوصلہ دیا ہے۔ میری فون پر تو تم سے کئی با ہوئی ہے لیکن ہماری یہ دوسری ملاقات ہے۔ میں اچھی سمجھ گئی ہوں کہ تم بہت گہرے ہو۔ بہت کچھ جانتے بھی بہت کچھ کر بھی سکتے ہو۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ کس تد میرا بیٹا محفوظ رہ سکتا ہے؟''

''آپ پریشان نہ ہوں۔ اپنے بیٹے کو خود سوچنے وہ خود کوئی تدبیر کرے گا۔ اسے یہ ثابت کرنے دیں کہ نارمل نہیں ہے' ذہین ہے اور وقت پڑنے پر اپنے تمام راستے ہموار کر سکتا ہے۔''

''بے شک میرا بیٹا ایب نارمل نہیں ہے اور مجھے ذہانت پر بھروسا ہے۔ پھر بھی میں تم سے پوچھتی ہوں معقول تدبیر نہ کر سکا تو؟''

میں نے جبران سے پوچھا ''تمہارا کیا خیال ہے تک کوئی تدبیر سوچ لو گے اور اس پر عمل کرو گے؟''

''ابھی تو اس منحوس گھڑی کو آنے میں پانچ وقت ہے میں اس عرصے میں بہت کچھ سوچ لوں گا۔'' کہا۔

مسز رانا نے کہا ''پانچ مہینے کی بات نہ کرو۔ یہ

منحوس گھڑی کے قریب لے جائے گا۔ تمہیں جلد سے جلد ...ہتا ہے اور کوئی تدبیر کرنا ہے۔ اگر ناکام ہوئے تو ہم مقدر مشورہ مانگ سکتے ہیں۔''

پھر وہ میری طرف پلٹ کر بولیں ''دیکھو مقدر میاں! میں ... ہوں۔ میرا دل نہیں مانتا۔ بس میں اسے چوبیس گھنٹے کی ...ت دے رہی ہوں۔ اگر اس دوران یہ کوئی تدبیر نہ کر سکا تو ...اری مدد کرنا۔ مجھے کسی طرح اطمینان دلاؤ کہ میرے بچے ...نقصان نہیں پہنچے گا اور یہ ایک طویل زندگی گزارے گا۔ خدا ...لیے میری ممتا کو سمجھو۔''

میں نے کہا ''اچھی بات ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں' چوبیس گھنٹے بعد آپ دونوں سے ملاقات کروں گا پھر ...ے کے بارے میں بات کریں گے۔''

مسز رانا نے کہا ''دیکھو بیٹے! تم مقدر میاں کو اپنا دشمن سمجھ ...ہے تھے مگر دیکھو انہوں نے کیسا دوستانہ رویہ اختیار کیا ہے۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گیا اور بولا ''میں ...ندہ ہوں کہ تمہیں اپنا دشمن اور رقیب سمجھ رہا تھا۔''

اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس ...مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''تمہیں اتنا تو عقل سے سوچنا ...یے تھا کہ جب نمرہ تم سے شادی کے لیے تیار ہو گئی ہے تو پھر ...ا رقیب کیسے بن سکتا ہوں۔ تم سے تعاون کرتا رہوں گا' اور ...ب تم موت کی اس منحوس گھڑی سے بچ نکلو گے تو سب سے ...، میں تمہیں نئی زندگی کی اور نمرہ سے شادی کی مبارک باد ...ں گا۔''

اس نے پوچھا ''یعنی تم پانچ ماہ بعد شادی کی مبارک باد ...گے جبکہ میں تو جلد سے جلد شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''میرا نیک مشورہ یہی ہے کہ ابھی شادی نہ کرو۔ کیا تم ...تنے خود غرض بن رہے ہو کہ موت کو سامنے دیکھ کر بھی فوراً ...دی کرنا چاہتے ہو اور اگر خدانخواستہ تم بچنے میں ناکام رہے ...کیا اسے جوانی میں بیوہ بنا کر چلے جاؤ گے؟''

وہ بڑے یقین کے ساتھ بولا ''میں موت سے بچوں گا، ...رور بچوں گا اور اپنی نمرہ کی خاطر ایک طویل زندگی گزاروں ...ا۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں اسی لیے تم سے تعاون کر رہا ...ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم بچ سکو گے۔ تمہارے ساتھ ماں کی ...دعائیں بھی ہیں پھر بھی احتیاطاً پانچ ماہ اور انتظار کر لو۔''

اس نے ماں کی طرف دیکھا تو وہ بولی ''مقدر میاں کا ...مشورہ مناسب ہے۔ تمہیں خود غرضی سے صرف اپنے بارے ...میں نہیں سوچنا چاہیے۔ اس کا بھی تو سوچو جس کو دلہن بنا کر لانا چاہتے ہو۔''

میں نے کہا ''اگر تمہارا عشق سچا ہے تو تم ضرور کامیاب ہو گے پھر بھی دانش مندی یہی ہے کہ پانچ ماہ تک شادی پر اصرار نہ کرو۔''

وہ ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ بے بسی سے کبھی اپنی ماں کو اور کبھی مجھے دیکھنے لگا پھر بولا ''میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ میں یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ میرے بعد وہ بیوہ کہلائے۔ میں کیا کروں میں اس سے دور نہیں رہ سکتا۔ مقدر...... ! تم بہت کچھ جانتے ہو' بہت کچھ سمجھتے ہو۔ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ میں اس کے قریب رہ سکوں پھر پانچ ماہ تو کیا میں پانچ برس' پانچ صدیاں بھی ایسے ہی گزار دوں گا۔''

میں نے سوچتے ہوئے کہا ''ایسی تدبیر ہو سکتی ہے۔ شادی کے بغیر بھی وہ تمہارے قریب رہ سکتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ تم دونوں کو اخلاق، تہذیب اور شرم و حیا کی حدود میں رہنا ہوگا۔''

''میں قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ایسا ہو گیا تو میں اس سے فاصلہ رکھوں گا اور ایسی کوئی حرکت یا خواہش نہیں کروں گا جو دین' ایمان اور اخلاق و تہذیب کے خلاف ہو۔''

مسز رانا نے کہا ''میں اسے جلد سے جلد علاج کے لیے لندن لے جانا چاہتی ہوں اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ نمرہ بھی ہمارے ساتھ چلے۔ کیا اس کے والدین اور خاندان والے شادی کے بغیر اسے اس کے ساتھ لندن جانے کی اجازت دے دیں گے؟''

میں نے کہا ''ہاں' کچھ حکمتِ عملی سے کام لینا ہوگا۔''

ان دونوں نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو میں نے کہا ''میں ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کروں گا کہ شادی سے پہلے جبران کو چیک کرنا چاہیے کہ وہ کس حد تک نارمل رہتا ہے' اور ایسا کرنے کے لیے نمرہ کا جبران کے قریب رہنا ضروری ہے۔ وہ اس کے علاج کے دوران میں ساتھ رہے گی تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے گی کہ یہ نارمل ہے اور آئندہ بھی نارمل رہنے کا امکان ہے۔''

مسز رانا نے کہا ''مجھے یقین نہیں کہ وہ راضی ہو جائیں گے۔''

''ایک اور راستہ ہے۔ آپ نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ نمرہ کے والدین لالچی ہیں اور وہ بیٹی کی شادی سے پہلے ہی دس کروڑ روپے آپ سے لینے کے لیے راضی ہو گئے تھے۔''

مسز رانا بولی ''لیکن نمرہ لالچی نہیں ہے۔ اس نے صاف

انکار کر دیا تھا کہ وہ ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں لے گی۔"

"ہاں نمرہ صاف دل کی اور کھری لڑکی ہے۔ وہ کبھی آپ سے اور جبران سے اس قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کرے گی لیکن اگر آپ رازداری سے نمرہ کے علم میں لائے بغیر اس کے والدین کو ایک کروڑ روپے کی پیشکش کریں اور اسے اپنے ساتھ لندن لے جانے کی خواہش ظاہر کریں تو وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"ہاں۔ تمہاری بات دل کو لگ رہی ہے۔ واقعی میں ایک کروڑ روپے میں ان کے والدین کو خرید سکتی ہوں۔ لیکن کیا نمرہ بھی شادی کے بغیر ہمارے ساتھ لندن جانے کے لیے تیار ہو جائے گی؟"

"وہ جبران کو چاہتی ہے۔ اس کی شدید خواہش ہے کہ یہ بالکل نارمل ہو جائے۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ آپ کے اور جبران کے ساتھ جانے پر راضی ہو جائے گی۔"

وہ خوش ہو کر بولیں: "میں نے وہاں دیکھا ہے تمہارے خاندان کے سب ہی لوگ تمہاری تعریف کرتے ہیں۔ تم بھی میرے بیٹے کی حمایت میں بات کرو گے تو سب ہی راضی ہو جائیں گے کہ نمرہ ہمارے ساتھ لندن چلی جائے۔"

جبران نے خوش ہو کر کہا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ہمارے ساتھ اس قدر تعاون کرو گے۔"

"میں تمہاری اور نمرہ کی خوشیاں چاہتا ہوں۔ مجھ سے جو ہو سکے گا وہ کرتا رہوں گا۔"

مسز رانا نے کہا "ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"آپ ضرور پوچھیں کیا بات ہے؟"

"تم نے میرے بیٹے کے بارے میں پیش گوئی کی ہے اور پانچ ماہ بعد اس منحوس گھڑی کا ذکر کر کے ہمیں خوف زدہ کر دیا ہے۔"

"میں نے خوف زدہ نہیں کیا ہے۔ خطرے سے آگاہ کیا ہے' تب ہی تو میں آپ اور جبران سب ہی اس خطرے سے بچنے کی کوشش کریں گے۔"

"درست کہتے ہو۔ میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کیا اس اندیشے کا ذکر نمرہ اور اس کے والدین سے بھی کرو گے؟"

میں نے انکار میں سر ہلایا "نہیں...... یہ ایک راز ہے جو ہم تینوں کے درمیان رہے گا کسی اور پر ظاہر نہیں کیا جائے گا۔"

دونوں ماں بیٹے خوش ہو کر میرے پاس آئے۔ مسز رانا نے میرے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنی طرف جھکایا اور میری پیشانی کو چوم لیا۔ جبران مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہہ نہیں پا رہا تھا۔ جب وہ کچھ کہہ نہ آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹ گیا۔

☆☆☆

سید تراب علی شاہ کا بیٹا سید حشمت علی شاہ اپنے دو... سے چلتا ہوا گھر سے گیا تھا۔ واپسی پر چار کاندھوں پر آیا... میں کہرام مچ گیا۔ اس کی ماں بیگم شاہ اور دوسری رشتے... خواتین رو رہی تھیں۔ عروج اور عینی ان خواتین کے در... سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ اپنے بیٹے کو یاد کر کے روتے ہوئے... کے قاتلوں کو کوس رہی تھیں۔

وہاں ایسی بھی خواتین تھیں جنہیں رونا تو نہیں آ... لیکن تعزیت کے لیے دکھ ظاہر کرنا ضروری تھا۔ اس لیے بار بار اپنی آنکھیں دوپٹوں سے پونچھ رہی تھیں۔ ایک خا... نے روتی ہوئی آواز میں کہا "ہانگ کانگ میں تو ... باشندے رہتے ہیں' پتا نہیں وہ کیوں حشمت کے دشمن ہو گئے... کیوں انہوں نے اسے گولی مار دی؟"

بیگم شاہ نے روتے ہوئے کہا "میرے بیٹے کو باہر... لوگوں نے نہیں اسی ملک کے لوگوں نے قتل کیا ہے۔"

"بہن اپنے لوگوں کو آخر کیا دشمنی تھی؟"

"دشمنی کیا ہو گی' میرے بیٹے کی ذہانت سے اور دو... سے جلتے تھے۔ میرا بیٹا تو کسی کے لینے میں تھا نہ دینے م... اس کی تو کسی سے دشمنی نہیں تھی۔"

ایک خاتون نے کہا: "سنا ہے وہ کسی عورت کے سا... ہانگ کانگ گیا تھا؟"

بیگم شاہ نے کہا "توبہ ہے لوگ کیسی کیسی باتیں بنا... ہیں۔ وہ لیڈی ڈاکٹر تو الگ گئی تھی۔ میرے بیٹے کا اس ... تعلق یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ میرا بچہ کبھی کسی لڑکی کی طر... آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔"

عینی نے آہستگی سے نظریں اٹھا کر بیگم شاہ کو دیکھا عروج سے نظریں ملیں۔ وہ ناگواری نے اپنی ماں کو دیکھ... تھی۔ بات تو یہیں سے بگڑی تھی کہ حشمت نیت کا کھوٹا... اس نے عینی پر بری نیت رکھی تھی اور اس کے ساتھ زیا... کرنے کی کوششیں کی تھیں۔

سید تراب علی شاہ بھی پرسا کرنے والے لوگوں درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں بھی لوگ وہی سوالات کر رہے... کہ اسے کیوں قتل کیا گیا اور کس نے قتل کیا؟

تراب علی انہیں بتا رہا تھا کہ قاتل کو گرفتار کیا گیا ہے... وہ پاکستانی ہی ہے۔ ابھی اس سے پوچھ گچھ ہو رہی...

تفصیلات تو بعد میں ہی معلوم ہوں گی۔ وہ جانتا تھا کہ دردانہ اور ذیشان کی دشمنی کے درمیان اس کا بیٹا پس کر رہ گیا تھا۔ اگرچہ ذیشان نے آخری وقت اس کے بیٹے کی سلامتی کے سلسلے میں مدد بھی کی تھی اور اسے ملک سے باہر بھیج دیا تھا اس کے باوجود تراب علی کے دل میں ذیشان کے خلاف میل تھا۔ اس کے ذہن میں یہ بات چھپی ہوئی تھی کہ ذیشان اور دردانہ کی دشمنی نہ ہوتی تو اس کا بیٹا شاید نہ مارا جاتا۔ اتنے میں تراب علی کے ایک عزیز نے آکر اس سے کہا "انکل انٹیلی جنس کے ایک افسر آپ سے ملاقات کرنے آئے ہیں۔"

اس نے کہا "انہیں یہاں بھیج دو۔"

انٹیلی جنس کا افسر اپنے ایک ماتحت کے ساتھ وہاں آیا اور تراب علی سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا "میرا نام سرفراز حسین ہے۔ آپ کے بیٹے کا کیس میرے پاس ہے اور میں اس سلسلے میں متعلقہ افراد سے ملاقاتیں کر رہا ہوں۔"

تراب علی نے کہا "آیئے۔ تشریف لایئے۔ میں آپ سے ہر طرح تعاون کروں گا۔"

سرفراز نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا "ایس پی ذیشان سے آپ لوگوں کے تعلقات کیسے ہیں؟"

"تعلقات اچھے بھی ہیں اور کچھ دنوں پہلے برے بھی رہے ہیں۔"

"ان میں برائی کیوں پیدا ہوئی تھی؟"

اس نے میرے بیٹے پر الزام لگایا تھا کہ حشمت نے اس کی بہن سے زیادتی کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ تب سے ذیشان اس کے خلاف ہو گیا تھا' اسے گرفتار کرنا اور اس پر تشدد کرنا چاہتا تھا۔ بعد میں ہمارے درمیان سمجھوتا ہو گیا اور اس کے بعد ہمیں ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہیں رہی تھی۔"

سرفراز نے کہا "ایس پی ذیشان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مجرموں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ آپ کا کیا خیال ہے کیا اس نے آپ کے ساتھ دل سے سمجھوتا کیا تھا اور آپ کے بیٹے کو دل سے معاف کر دیا تھا؟"

"میں کسی کے دل کا حال کیا جان سکتا ہوں۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے بیٹے کے قتل میں ایس پی ذیشان کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟"

"جی ہاں۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔ جو قاتل گرفتار ہوا ہے اس کا نام زبیری ہے اور وہ ذیشان کا خاص ماتحت ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ذیشان نے پہلے تو حشمت سے اور اس کے باپ سے سمجھوتا کیا اور یہ کہہ کر خوف زدہ کیا کہ اس کی کوئی دشمن دردانہ بیگم اسے قتل کرانا چاہتی ہے۔ لہٰذا اسے ملک سے باہر بھیج دیا جائے۔ بعد میں ذیشان ہی نے زبیری کو بتایا کہ حشمت ہانگ کانگ میں ہے اسے وہیں قتل کر دیا جائے۔"

تراب علی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں...... ہم نے ذیشان کے مشورے پر ہی حشمت کو ملک سے باہر بھیجا تھا۔"

سرفراز نے کہا "ایس پی ذیشان کے خلاف پہلے ہی انکوائری ہو رہی ہے۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسران اور بڑے بڑے مجرموں کا بیان ہے کہ ذیشان ایک بہت ہی درندہ صفت افسر ہے۔ وہ ایسے مجرموں کو زندہ نہیں چھوڑتا جو رشوت سے اور چالبازیوں سے قانون کی گرفت سے نکل جاتے ہیں۔ وہ ایسے مجرموں کو اپنے خاص آلہ کاروں کے ذریعے ہلاک کرا دیتا ہے اور ان آلہ کاروں میں سے ایک یہ زبیری بھی ہے جس نے آپ کے بیٹے کو ہلاک کیا ہے۔"

تراب علی نے کہا "میں اب تک یہ سنتا آیا تھا کہ ذیشان بہت خطرناک پولیس افسر ہے لیکن اب میرے بیٹے کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا ہے اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ وہی اصل مجرم ہے اسے سزا ملنی چاہیے۔"

"سزا تو اس وقت ملے گی جب اس کے خلاف ثبوت مل جائیں گے لیکن اس سلسلے میں آپ کو بھی صفائی سے بتانا ہوگا کہ آپ کے بیٹے نے آخر وہ کیا مجرمانہ حرکتیں کی تھیں کہ ایس پی ذیشان اس کا اس حد تک دشمن ہو گیا۔"

تراب علی نے ذرا ڈھٹائی سے کہا "میرے مقتول بیٹے نے کبھی کوئی مجرمانہ حرکت نہیں کی۔ خوامخواہ اس پر الزام دھرا گیا تھا۔"

"آپ اگر حقیقت چھپائیں گے تو ایس پی ذیشان سزا سے بچ جائے گا۔ آپ ہم سے تعاون نہیں کریں گے تب بھی ہم کسی نہ کسی ذریعے سے معاملہ کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔"

تراب علی پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ اپنے بیٹے کی اصلیت بتائے یا نہ بتائے۔ اگر وہ اصلیت چھپاتا تو ذیشان سزا سے بچ جاتا۔ اس کے خلاف ٹھوس ثبوت پیش کرنا ضروری تھا۔

سرفراز نے کہا "آپ کا بیٹا اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ وہ اچھا تھا یا برا' اس کے اعمال اس کے ساتھ جا چکے ہیں لیکن اگر وہ برا تھا تو بھی اب وہ دنیاوی قانون سے تو بچ ہی گیا۔ لہٰذا آپ حقیقت ہم سے نہ چھپائیں۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "میرے بیٹے میں کوئی برائی نہیں تھی۔ دراصل ذیشان نے اس پر دباؤ ڈالا تھا اور یہ بیان لکھوایا تھا کہ میرے بیٹے نے اس کی بہن عینی کو اندھا کرنے کے لیے

ضرر رساں دوا اس کے آئی ڈراپس میں ملا دی تھی۔ اگر اس سازش کا علم بروقت نہ ہوتا تو عینی اندھی ہو جاتی۔"

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کے مقتول بیٹے حشمت کا تحریری بیان ایس پی ذیشان کے پاس موجود ہے؟"

"جی ہاں! وہ بیان لکھنے کے بعد میرا بیٹا ذیشان آگے مجبور ہو گیا کہ ذیشان کے مشوروں پر عمل کرے اور اسی کے مشورے پر وہ ہانگ کانگ چلا گیا تھا۔"

"آپ کا بیٹا اس کی بہن عینی کا دشمن کیوں تھا۔ وہ کیوں اسے اندھی بنا دینا چاہتا تھا؟"

"میرا بیٹا اس کا دشمن نہیں تھا۔ یہ سراسر اس پر الزام لگایا گیا تھا اور جبراً یہ بیان لکھوایا گیا تھا۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے آپ کا بیٹا بالکل ہی فرشتہ تھا۔"

"میں ایک باپ کی حیثیت سے جانتا ہوں کہ میرے بیٹے میں کوئی برائی نہیں تھی۔ اس کے اعمال ایسے نہیں تھے جو قابلِ گرفت ہوتے۔"

سرفراز طنزیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا "اگر وہ اتنا ہی اچھا تھا تو پھر ایک لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ ہانگ کانگ کیوں گیا تھا اور اس کے ساتھ ایک ہی کمرے میں کیوں رہتا تھا؟ ہمیں یہ بھی پتا چلا ہے کہ حشمت اس لیڈی ڈاکٹر آرزو کے ساتھ یہاں بھی اس کی رہائش گاہ میں رہا کرتا تھا اور وہ دونوں شرمناک زندگی گزارتے رہے تھے۔"

تمام رشتے داروں کے سامنے تراب علی کا سر جھک گیا۔ وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ بات اب چھپی نہیں تھی کہ اس کا بیٹا لیڈی ڈاکٹر آرزو کے ساتھ ہانگ کانگ کے ہوٹل میں دیکھا گیا تھا اور وہ اس جوان عورت کے ساتھ کئی راتوں سے وہیں رہ رہا تھا۔

وہ ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا "دیکھیے آپ میرے مقتول بیٹے پر تہمت نہ لگائیں۔ جس عورت کے ساتھ وہ وہاں دیکھا گیا تھا وہ میری ہونے والی بہو تھی؟"

سرفراز نے طنزیہ انداز میں کہا "ہونے والی تھی' ہوئی تو نہیں تھی۔ مسٹر تراب علی شاہ کچھ لوگ دولت اور طاقت کے بل پر اپنے گناہ اپنی زندگی میں چھپا لیتے ہیں مگر یہ گناہ ان کے مرنے کے بعد ضرور دنیا والوں کے سامنے آتے ہیں اور ان کے بزرگوں کا سر جھکا دیتے ہیں' جیسا کہ آپ کا سر اس وقت جھکا ہوا ہے۔ بہرحال آپ کے بیان سے ایک نئی بات سامنے آئی کہ ایس پی ذیشان نے آپ کے بیٹے سے جبراً ایک جرم کا اعتراف نامہ لکھوایا تھا۔ اگر وہ اعتراف نامہ ہمیں مل جائے تو اس سے ثابت ہو جائے کہ ایس پی ذیشان نے اپنی بہن کے مجرم کو معاف نہیں کیا تھا بلکہ بظاہر سمجھوتا کیا تھا اور پھر اسے ملک سے باہر بھیج کر قتل کرا دیا۔"

تراب علی شاہ اٹھتا ہوا بولا "ہاں...... اس اعتراف نامے کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی میرے پاس ہے میں ابھی لا کر دیتا ہوں۔"

وہ وہاں سے اپنے بیڈ روم میں آیا اور اپنی بیگم کو بلا کر خفیہ پولیس کے افسر سرفراز کی گفتگو سے اُسے آگاہ کیا۔ بیگم شاہ نے روتے ہوئے کہا "ذیشان کتنا مکار ہے۔ میٹھی چھری بن کر میرے بیٹے کو مار ڈالا۔ ہم اس کے لیے ضرور سزائے موت کی اپیل کریں گے۔"

پھر بیگم نے الماری کھول کر اپنے بیٹے کے لکھے ہوئے اس اعتراف نامے کی کاپی نکالی اور بیٹے کی تحریر کو دیکھ کر اسے سینے سے لگا کر رونے لگی۔ تراب علی شاہ نے وہ تحریر اس کے ہاتھ سے لی اور باہر جاتے ہوئے بیوی کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"صبر کرو بیگم! وہ مجرم ہے۔ اسے ضرور سزا ملے گی۔"

بیگم پھر پُرسا کرنے والی عورتوں کے درمیان آ کر بیٹھ گئی۔ عینی کو دیکھ کر اپنی بیٹی عروج سے بولی "تم سانپوں کے درمیان جا کر رہتی ہو۔ تمہیں پتا بھی ہے کہ تمہارے بھائی کو کس نے قتل کرایا ہے؟"

عینی اور عروج نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بولی "انٹیلی جنس کا ایک افسر تمہارے ڈیڈی سے ملنے آیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ جس قاتل کو گرفتار کیا گیا ہے وہ ذیشان کا خاص ماتحت ہے اور اس نے بیان دیا ہے کہ ذیشان کے حکم پر اس نے ہانگ کانگ جا کر حشمت کو قتل کیا ہے۔"

عینی نے تڑپ کر کہا "یہ جھوٹ ہے میرے بھائی جان کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔"

بیگم نے کہا "تم تو ضرور اپنے بھائی کی حمایت میں بولو گی لیکن اس کے خلاف اتنے ثبوت جمع ہو رہے ہیں کہ وہ اپنے جرم سے انکار نہیں کر سکے گا۔ پھانسی کے تختے تک ضرور پہنچے گا اور ہم اسے پہنچا کر رہیں گے۔"

عروج نے کہا "چپ ہو جائیں می! قانونی طور پر جو ہو گا وہ بعد کی بات ہے۔ ابھی آپ خوامخواہ کسی کو الزام نہ دیں۔"

"میں الزام نہیں دے رہی ہوں۔ انٹیلی جنس کا ایک اعلیٰ افسر آیا ہوا ہے وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر رہا ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے۔"

وہاں بیٹھی ہوئی دوسری عورتیں اس معاملے میں دلچسپی لینے لگیں اور بیگم شاہ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگیں' وہ جواب میں ذیشان کے خلاف بولنے لگی اور رہ رہ کر عینی کو بھی طنز کا نشانہ بنانے لگی۔ عروج نے عینی کا ہاتھ پکڑ کر کہا "چلو یہاں سے میرے کمرے میں چلو۔"

وہ دونوں وہاں سے چلی گئیں۔ بیگم آفتاب پہلے تو ذیشان کے خلاف بول رہی تھی اب عینی کے خلاف بھی بولنے لگی۔ اتنے میں دردانہ بھی آ گئی جسے دیکھتے ہی بیگم شاہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور دونوں بازو پھیلا کر روتی ہوئی اس کی طرف بڑھنے لگی تو دردانہ بیگم نے تیزی سے آ کر اسے گلے سے لگایا اور وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کہنے لگی "آپ لوگوں کو میرے خلاف بہت بھڑکایا گیا ہے۔ میں سوچ رہی تھی یہاں تعزیت کے لیے آنا چاہیے یا نہیں لیکن دل نہیں مانا اس لیے آ گئی ہوں۔ جوان بیٹے کا صدمہ اٹھا چکی ہوں اور اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ اس وقت آپ کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی؟"

بیگم شاہ نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا "ہائے ہم دونوں کے جوان بیٹے مارے گئے اور ہمارے بیٹوں کا قاتل ایک ہی دشمن ہے دردانہ......! اس دشمن کے خلاف کچھ کرو دردانہ!"

دردانہ نے اسے تھپکتے ہوئے کہا "صبر کرو' ذرا صبر کرو۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تمہارے بیٹے کو ہلاک کرنے کے بعد اب اس پر میرے بیٹے کا قتل بھی ثابت ہو جائے گا۔ ہم سب عدالت میں اس کے لیے سزائے موت کی اپیل کریں گے۔" اور وہ بیگم کو تسلیاں دینے لگی پھر کچھ دیر بعد بولی "کیا عروج نہیں آئی ہے؟"

بیگم شاہ نے کہا "بھائی ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا ہے بہن کیسے نہ آتی۔ وہ ہماری دشمن عینی کے ساتھ بیڈ روم میں ہے۔"

"عینی تو آپ کی بیٹی کے گلے میں ہمیشہ پھندے کی طرح پڑی رہتی ہے' ساتھ ہی نہیں چھوڑتی۔ میں عروج سے ملنے جا رہی ہوں۔ پتا نہیں بے چاری بھائی کا صدمہ کس دل سے برداشت کر رہی ہو گی؟"

"عینی نے تو میرے بیٹے کی زندگی میں کبھی بہن بھائی کو ایک ہونے نہیں دیا عروج کے دل میں ہمیشہ بھائی کے لیے نفرتیں پیدا کرتی رہی۔ اب وہ بہن کیا خاک اپنے بھائی کا صدمہ محسوس کرے گی۔ وہ تو اب بھی عینی کے خلاف کوئی بات سننا گوارہ نہیں کر رہی اسی لیے اسے یہاں سے اٹھا کر لے گئی ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں جب ذیشان ہمارے بیٹوں کا قاتل ثابت ہو جائے گا اور اسے سزا ہو گی۔ تب عروج کو عقل آئے گی کہ وہ سانپوں سے دوستی کرتی رہی ہے۔ اچھا میں ذرا اس سے مل کر آتی ہوں۔"

وہ اٹھ کر عروج کے بیڈ روم کے سامنے آئی اور دروازے پر دستک دی۔ عروج نے دروازہ کھول کر اسے دیکھا تو ذرا حیران ہوئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ دردانہ ان کے گھر آئے گی اور اس کے کمرے میں بھی چلی آئے گی۔ مگر وہ کسی جواب کا انتظار کیے بغیر ہی کمرے میں آ گئی اور عینی کو دیکھ کر بولی "میں جانتی تھی یہاں تم سے بھی سامنا ہو گا۔ ویسے تمہارے منہ پھیرنے کا انداز بتا رہا ہے کہ تم سامنا نہیں کرنا چاہتی ہو۔"

عروج نے کہا "جب آپ جانتی ہیں کہ ہماری طرف سے آپ کو کوئی گرم جوشی نہیں ملے گی تو آپ کو آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

"بے شک' میں ابھی چلی جاؤں گی لیکن کچھ ضروری باتیں ایسی ہیں جنہیں تم دونوں کے سامنے کہنا چاہتی ہوں۔"

عینی نے کہا "ہم کوئی ضروری بات سننا نہیں چاہتیں۔ پلیز آپ چلی جائیں۔"

"میں کہے بغیر نہیں جاؤں گی تم دونوں سنو یا نہ سنو۔ دیواروں کے کان نہیں ہوتے لیکن سنانے والے دیواروں سے بھی بولتے ہیں۔"

وہ اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے بولی "یہ تو تمہیں معلوم ہو گا کہ ذیشان تمہارے بھائی حشمت کا قاتل ثابت ہو رہا ہے اس کے خلاف ٹھوس ثبوت ملتے جا رہے ہیں۔ اس کے خلاف مقدمہ چلے گا اور وہ پھانسی کے تختے تک ضرور پہنچے گا۔ میں اسے وہاں تک پہنچاؤں گی اور اس نیک کام میں تمہارے ماں باپ میرا ساتھ دیں گے۔"

پھر وہ ایک کرسی پر بڑے آرام سے بیٹھتے ہوئے بولی۔ "میں اپنے بیٹے کی ہلاکت پر تڑپتی رہی' چیختی رہی' سب سے کہتی رہی کہ میرے جواد کا قاتل صرف اور صرف ذیشان ہے۔ میں جانتی تھی کہ جب وہ حشمت کو قتل کرنے کی حماقت کرے گا تو قانون کی گرفت میں آ جائے گا اور اب یہی ہو رہا ہے۔"

عینی نے کہا "میرے بھائی جان ایسے نادان نہیں ہیں کہ آپ کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جائیں گے۔ آپ ان کے خلاف جو کرنا چاہتی ہیں کرتی رہیں اور اگر آپ اپنی بات کہہ چکی ہیں تو پلیز گیٹ آؤٹ۔"

دردانہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی "تم اپنی دانست میں میری بے عزتی کر رہی ہو۔ میں تمہیں اپنے جواد کی

دلہن بنانا چاہتی تھی لیکن تم نے اپنے بھائی جان ایس پی ذیشان کے ذریعے اسے قتل کرادیا۔" پھر وہ عینی کے پاس آ کر بڑے مستحکم لہجے میں بولی "مگر میں ارادے کی پکی ہوں۔ میرا ایک بیٹا گیا تو کیا ہوا میرا دوسرا بیٹا ہے۔ میں تمہیں اپنی بہو بنا کر رہوں گی۔"

عروج نے کہا "بہت اونچی اڑ رہی ہو دردانہ بیگم! ذیشان بھائی کو جھوٹے الزامات میں پھنسا کر سمجھ رہی ہو کہ ہم سب کو اپنی انگلیوں پر نچاتی رہو گی؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "یہ تو ہو رہا ہے اور یہی ہوگا۔ عینی......! میری سوتیلی بیٹی تم اپنی سوتیلی ماں کو ساس بنانا نہیں چاہتی تھیں لیکن میں تمہارے دروازے پر بارات لے کر آؤں گی اور جب تم اس بارات کے دولہے کو دیکھو گی تو چیخ چیخ کر بولو گی قبول ہے...... قبول ہے......"

دونوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ان کے دلوں نے دھڑک دھڑک کر کہا "بارات جہاں سے بھی آئے اس کا دولہا پاشا ہی ہونا چاہیے۔ کیا دردانہ ایسی کوئی بارات لانے والی ہے؟"

دردانہ مسکراتے ہوئے دروازے تک گئی پھر وہاں سے پلٹ کر عینی کو دیکھتے ہوئے بولی "ہائے میری بچی کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ دولہا آتے آتے گم ہوگیا۔ میری بچی...... دل چھوٹا نہ کرو میں تمہارے گمشدہ دولہے کی بارات سجا کر لاؤں گی۔ بس ایک فون مجھے کر دینا کہ تم میری بہو بننے کے لیے راضی ہو پھر دیکھو میں کیا تماشا دکھاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئی۔ عینی اور عروج ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے تک رہی تھیں۔

☆☆☆

گل خانم نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں چھت دکھائی دے رہی تھی۔ چھت کا پنکھا تیزی سے گردش کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی' اس وقت کہاں ہے؟

اس نے آہستہ آہستہ نظریں اِدھر سے اُدھر گھمائیں۔ وہ اپنے ہی کمرے میں اپنے ہی بیڈ پر پڑی ہوئی تھی۔ پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ خود سے اور ساری دنیا سے غافل ہوگئی تھی اپنا ہوش نہیں رہا تھا۔ اب ہوش میں آنے کے بعد سوچ رہی تھی "کیا میں نیند میں تھی؟"

اسے یاد آیا وہ بخار میں مبتلا تھی۔ اس نے فوراً اپنی پیشانی اور چہرے کو چھو کر دیکھا بخار نہیں تھا پھر اسے یادر خان سے فون پر بات کرنا' اس کا کمرے میں گھس آنا اور پھر چوکیداروں کے ذریعے حوالات تک جا پہنچنا اور پھر اپنا ذیشان کے دفتر جانا اور وہاں چکرا جانا یاد آ گیا۔

ذیشان کے یاد آتے ہی دل ایک بار پھر تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ایک دم سے کتنی ہی ایسی باتیں یاد آنے لگیں جو جذبات کو بھڑکا دیتی ہیں اور دل کو دھڑکانے لگتی ہیں۔ جو رنگین اور سنگین لمحات گزر چکے تھے وہ آنکھوں کے سامنے متحرک ہوگئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بڑی سی اسکرین پر خود کو ذیشان کے ساتھ دیکھ رہی ہو۔

ہائے! وہ کیسے کمزور لمحات تھے جب وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اس پر آ گری تھی اور اس نے دونوں بازوؤں میں اسے بھر لیا تھا' جیسے منہ موتیوں سے اور دامن مرادوں سے بھر لیا ہو۔

وہ یقین سے کہہ نہیں سکتی تھی کہ ان لمحات میں اس پر بے ہوشی طاری تھی یا مدہوشی غالب آ رہی تھی۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا بخار اور کمزوری کے باعث ہو رہا تھا۔ اس کی قوتِ مدافعت جواب دے گئی تھی۔ کیا اچھا ہے کیا برا ہے وہ سوچنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ آخری لمحات میں اتنا یاد آیا کہ اس نے اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا تھا پھر صوفے پر لا کر لٹا دیا تھا۔ وہ نہیں جانتی اس کے بعد کیا ہوا۔ وہ اپنے ہوش و حواس کھو چکی تھی۔ اب آنکھ کھلی تو پتا چلا کہ بہت سا وقت گزر چکا ہے۔ بخار اتر چکا ہے۔ مسیحا جا چکا ہے۔ موسم نے انگڑائی لی ہے۔ رت بدل چکی ہے اور مزاج بھی بدل چکا ہے۔

مزاج اس طرح بدل چکا تھا کہ پہلے یادر خان کے لیے اس کی محبت اس کی لگن اس کی توجہ یک طرفہ تھی۔ بے شک شوہر ایک ہی ہوتا ہے' لیکن طلاق کے بعد وہ یک طرفہ محبت نقصان پہنچاتی ہے۔ صرف اسی کی طلب ہو تو اسے گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ حالہ کا دینی قانون اسی لیے ہے کہ عورت کے لیے ایک دروازہ بند ہو تو دوسرا کوئی معقول اور مناسب دروازہ کھل جائے' جہاں اس کی شرم و حیا قائم رہے۔ دینی اور دنیاوی اجازت حاصل ہونے کے باوجود وہ اسی ایک دروازے سے چپکی ہوئی تھی جہاں سے ٹھکرائی گئی تھی۔ اب حالات نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ادھر ذیشان کی قربت نے انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اس کی سوچ بھی بدل رہی تھی۔ مزاج بھی بدل رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار ایک کے بعد دوسرا آیا تھا اور دوسرے نے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی تھی کہ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔

وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ یوں اٹھ کر بیٹھتے ہی دماغی اور جسمانی کمزوری محسوس کرنے لگی۔ اسی وقت بیڈ روم کا دروازہ کھلا۔ اس کی گورنس اسے دیکھ کر خوش ہوگئی۔ اندر آتے ہوئے

بولی "تھینکس گاڈ...... آپ اٹھ کر بیٹھ گئی ہیں۔"

اس نے گورنس کو دیکھا۔ وہ تو ایک دن کی چھٹی لے کر گئی تھی۔ اس نے پوچھا "تم کب آئیں؟"

"میڈم! میں کل شام آ گئی تھی۔ رات گیارہ بجے ذیشان صاحب آپ کو ایک ایمبولینس میں لے کر آئے تھے۔ آپ اس وقت گہری نیند میں تھیں۔"

"مجھے کیا ہوا تھا؟ انہوں نے کچھ بتایا؟"

"جی ہاں...... وہ کہہ رہے تھے آپ ان کے دفتر گئی تھیں وہاں بے ہوش ہوگئیں۔ وہ آپ کو ہاسپٹل لے گئے تھے جہاں آپ کو ہوش میں لایا گیا۔ آپ ہوش میں تو آ گئیں' لیکن اپنے حواس میں نہیں تھیں اور تھوڑی دیر بعد گہری نیند سو گئیں۔ ڈاکٹر نے کہا تھا آپ کو آرام سے سونے دیا جائے آپ خود ہی بیدار ہوں گی۔ اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟"

"بس۔ ٹھیک ہی ہوں۔" پھر اس نے پوچھا "کیا ذیشان صاحب کوٹھی کے اندر آئے تھے؟"

"جی ہاں وہ رات دو بجے تک یہاں رہے پھر یہ کہہ کر چلے گئے کہ پھر کسی وقت آئیں گے۔"

گل خانم نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ رات کے گیارہ بجے اسے یہاں لے کر آیا تھا اور رات کے دو بجے گیا تھا۔

گورنس نے کہا "انہوں نے صبح آپ کی خیریت پوچھنے کے لیے فون کیا تھا۔ میں نے بتا دیا تھا کہ آپ سو رہی ہیں۔"

وہ گورنس کی باتیں کچھ سن رہی تھی' کچھ نہیں سن رہی تھی۔ اپنے خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں بار بار یہ سوال آ رہا تھا "وہ رات دو بجے تک میرے بیڈ روم میں کیوں رہا؟ اتنی رات تک کیا کرتا رہا؟"

اس نے گورنس سے پوچھا "کیا تم بھی بیڈ روم میں تھیں؟"

"نو میڈم......! میں باہر آئی تو انہوں نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا تھا۔"

گل خانم کا کلیجا دھک سے رہ گیا۔ اس نے دروازہ کیوں بند کر لیا تھا؟

گورنس نے کہا "میڈم آپ نے کل رات سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ کیا کچھ لینا پسند کریں گی؟"

"ہاں...... میں واش روم میں جا رہی ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد کچھ لے آؤ۔"

گورنس وہاں سے چلی گئی۔ وہ بستر سے اٹھ کر ایک قد آدم آئینے کے سامنے سے گزرتی ہوئی واش روم کی طرف جانے لگی پھر ٹھٹک گئی۔ وہاں سے پلٹ کر آئینے کے سامنے آئی تو اپنے لباس کو دیکھ کر چونک گئی۔ جو لباس وہ پہن کر ایس پی ذیشان کے آفس میں گئی تھی' یہ وہ لباس نہیں تھا۔ تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کا لباس کس نے تبدیل کیا تھا؟

اس کا دل پھر تیزی سے دھڑکنے لگا۔ کتنے ہی رنگین و سنگین خیالات تیزی سے ابھرنے اور ڈوبنے لگے۔ وہ حیران حیران سی آئینے میں اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ ذیشان تو بہت ہی شائستہ اور مہذب انسان ہے۔ اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی ہوگی جو قابلِ اعتراض ہو لیکن یہ بات تو طے تھی کہ اس نے ایک لباس اتار کر اسے دوسرا لباس پہنایا ہے۔

وہ پیچھے ہٹ کر بیڈ سے ٹک گئی۔ سہارے کے بغیر کھڑی بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ پتا نہیں پچھلی رات کن حالات سے گزری تھی۔ کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ نڈھال سی ہو کر بستر پر اوندھے منہ گر پڑی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اپنا تجزیہ خود کرنا چاہیے۔ شاید وہ ایک ایسی عورت ہے جو ایک جیون ساتھی کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتی۔ اس نے یادر خان سے محبت کی اور پھر گھر والوں کی مرضی کے بغیر اس سے شادی کی۔ اس کا خیال تھا اسے یادر خان سے عشق ہوگیا ہے اور وہی اس کی زندگی کا پہلا اور آخری مرد ہے لیکن یادر خان ایک محبوب یا عاشق کے بجائے ایک روایتی ضدی اور غصہ ور شوہر نکلا اور ضد ہی کی باعث اسے طلاق دے دی۔

لیکن ایک عورت کے بیوہ یا مطلقہ ہو جانے کے بعد دوسرے مردوں کے لیے راستہ کھل جاتا ہے۔ یہ بات کل تک گل خانم کی سمجھ میں نہیں آئی تھی پھر وہ جانے انجانے میں خود ذیشان کی طرف مائل ہوئی تھی۔ بیماری اور نیم بے ہوشی تو ایک بہانہ تھی۔ میں مقدر ہوں لکیروں کی بساط پر اپنی چالیں چل رہا تھا اور ان لکیروں کے بدلے ہوئے مزاج کے مطابق اس کے اندر انقلابی تبدیلیاں لا رہا تھا۔

گورنس دروازہ کھول کر ناشتے کی ٹرالی لے آئی۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا "میرے لیے بٹر سلائس تیار کرو۔ میں باتھ روم سے ہو کر آتی ہوں۔"

اس نے واش روم میں آ کر پیسٹ اور برش لیا پھر اپنے دانت صاف کرتے ہوئے گورنس سے پوچھا "کل مجھے ہاسپٹل سے یہاں لایا گیا تو تم موجود تھیں؟"

"یس میڈم......!"

اس نے پوچھا "تم ایس پی صاحب کے ساتھ میرے بیڈ روم میں آئی تھیں؟"

''لیس میڈم......!''

وہ اس سے یہ سوالات اس لیے کر رہی تھی تا کہ وہ اس کے لباس کے بارے میں بتائے کہ وہ کیسے تبدیل ہو گیا تھا۔

وہ تولیے سے منہ پونچھتی ہوئی' واش روم سے نکل کر کمرے میں آئی ''کیا تم نے میرے کپڑے بدلوائے تھے؟'' گورنس نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پلٹ کر کہا۔

''ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا میں انہیں آپ کی خیریت سے آگاہ کرتی رہوں۔ میں انہیں فون کر کے آتی ہوں۔''

وہ ذرا جھنجلا کر بولی ''مجھ سے باتیں کرتے کرتے تمہیں فون کا خیال کیوں آ گیا؟ بات تو پوری کرو۔''

وہ بولی ''بات تو ہو گئی اور میں کیا کہوں؟''

''یہ...... یہ لباس...... میرا مطلب ہے وہ لباس کس نے اتارا اور یہ لباس کس نے پہنایا؟''

گورنس زیرِ لب مسکرائی اور بولی ''میڈم چائے ٹھنڈی ہو جائے گی پہلے ناشتا کر لیں۔''

گورنس کی مسکراہٹ نے بہت کچھ کہہ دیا تھا اسے تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہر بار بات کا رخ بدلتی جا رہی تھی۔ وہ بولی ''میں آپ کی خیریت کی اطلاع دینے جا رہی ہوں۔ ڈاکٹر سے کہہ دوں گی پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے تک گئی پھر وہاں رک کر بولی ''میڈم! آپ کے بدن پر یہ لباس دیکھ کر کچھ کہنے کی جرأت کر رہی ہوں۔''

گل خانم نے جھینپتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ بولی ''اچھا ہوا آپ کی طلاق ہو گئی۔ آپ کے ایکس ہسبنڈ آپ کے قابل نہیں تھے۔ آپ کا یہ پروپوزل قابلِ تحسین ہے۔''

اور وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ گل خانم بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ جھینپ رہی تھی اور شرما رہی تھی۔ جو بات ابھی پوری طرح اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ بات بند دروازے کے باہر پرائی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

اب ذرا ذیشان کا کچھ حالِ دل معلوم ہو جائے۔

اب تک اس کا یہی دعویٰ تھا کہ اس کا دل صرف اس کی اپنی شریکِ حیات اسما کے لیے ہے۔ بلاشبہ وہ اسے دل و جان سے چاہتا تھا۔ کبھی اسے شکایت کا موقع نہیں دیتا تھا۔ اسی لیے رات دو بجے واپس چلا آیا تھا۔ ورنہ گل خانم نے اسے سحر زدہ کر دیا تھا۔ اس نے پہلی بار دل ہی دل میں یہ تسلیم کیا کہ جب پہلی بار گل خانم سے ملاقات ہوئی تھی تب ہی سے وہ غیر شعوری طور پر اس سے متاثر ہوتا رہا تھا اور شعوری طور پر اسے نظر انداز کرتا رہا تھا۔

پچھلی شام اپنے آفس میں بند دروازے کے پیچھے وہ اسے نظر انداز نہ کر سکا۔ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ دوری مٹ گئی تھی۔ فاصلے ختم ہو گئے تھے۔ اس کی قربت ایسے دھڑک دھڑک کر اپنا تعارف پیش کر رہی تھی کہ وہ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ دماغ پر دھند چھا گئی تھی۔ اس دھند میں صرف وہی وہ تھی کبھی چھپ رہی تھی۔ کبھی جھلک رہی تھی۔ کبھی بدن سے دوپٹے کی طرح ڈھلک رہی تھی۔

وہ اسے ہاسپٹل لے گیا تھا۔ جہاں وہ ہوش میں تو آ گئی تھی لیکن تھوڑی ہی دیر بعد گہری نیند میں ڈوب گئی تھی۔

ڈاکٹر نے کہا ''میڈم کو آرام سے سونے دیں۔ آپ چاہیں تو انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔''

اسے اسپتال سے اسٹریچر پر باہر لایا گیا تھا کہ تیزی سے گزرتی ایک کار نے سڑک پر جمع پانی کے چھینٹے اس پر اڑا دیئے جس سے اس کا لباس اور جسم کچھ گندا ہو گیا۔ وہ اسے گھر لایا تو اس نے بیڈ روم میں پہنچ کر اس کی گورنس سے کہا تھا ''ان کا لباس تبدیل کر دو۔''

عمر رسیدہ گورنس نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور بولی ''الماری کھلی ہے۔ میڈم کے بے شمار ملبوسات ہیں آپ کوئی سا پسند کر لیں۔'' یہ کہہ کر وہ زیرِ لب مسکراتی ہوئی بیڈ روم سے چلی گئی۔ میں جس کے ہاتھ کی لکیروں پر چلتا ہوں' اس کے مزاج کو اس کی نیتوں کو اور اس کے ارادوں کو خوب سمجھتا ہوں اور میں سمجھ رہا تھا کہ ذیشان بدنیت نہیں ہے۔ وہ لباس بھی تبدیل کرنا چاہتا تھا اور شرافت کے تقاضے بھی پورے کرنا چاہتا تھا۔

اس نے الماری کے پاس آ کر ایک لباس نکال کر ایک کرسی پر رکھا پھر واش روم سے ایک چھوٹی بالٹی میں گرم پانی اور ایک چھوٹا تولیہ لے کر بیڈ روم میں آ گیا۔ صفائی کے اور لباس تبدیل کرنے کے تمام انتظامات کرنے کے بعد اس نے وہاں کی تمام لائٹس بجھا دیں۔ کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔

اندھیرے میں کیا ہوتا ہے؟ یہ اچھا ہے کہ کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ دھرم والے کا دھرم رہ جاتا ہے شرم والے کی شرم۔ یوں دونوں کا بھرم رہ جاتا ہے۔ وہ شکایت نہیں کر سکتی تھی کہ اس نے دیکھا ہے۔ وہ قسم کھا سکتا تھا کہ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔ البتہ چھونا ایک مجبوری تھی اس کے بغیر نہ بدن کی صفائی ہو سکتی تھی نہ لباس تبدیل کیا جا سکتا تھا۔

یہ کہاوت بڑی سچی ہے کہ تاریکی میں دکھائی نہیں دیتا لیکن سجھائی دیتا ہے۔ ایسے میں تصور کو جلا ملتی ہے۔ تجسس کو راہ ملتی ہے تاریکی میں بھٹکنا اتنا اچھا لگتا ہے کہ آنکھوں کے دیئے بجھائے رکھنے کو جی چاہتا رہتا ہے۔

ذیشان اسے اسی حالت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اسے اپنے آپ پر اعتماد تھا کہ وہ تاریکی میں اور تنہائی میں گمراہ نہیں ہو گا۔ شام کو آفس میں بھی یہی ہوا تھا۔ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں کمبل بن گئی تھی اور وہ سحر زدہ ہو گیا تھا لیکن نیت اچھی ہو اور دل و دماغ میں ہوس نہ ہو تو انسان آلودگی سے پاک رہتا ہے۔

بیڈ روم کی تاریکی میں بھی یہی حال تھا۔ کبھی بھٹک رہا تھا۔ کبھی سنبھل رہا تھا۔ وہ فرشتہ نہیں تھا بندہ گرتے گرتے ہی سنبھلتا ہے۔ اندھا ٹھوکر کھائے تو اس پر ترس آتا ہے۔ تاریکی میں آنکھ والا بھی تو ٹھوکر کھاتا ہے اس پر بھی ترس آنا چاہیے۔

اس نے بیڈ روم میں دوبارہ روشنی کی تو ایک بج کر چالیس منٹ ہو چکے تھے۔ وہ بڑے دشوار گزار مرحلوں سے گزر کر روشنی میں آیا تھا۔ ایک طرف بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ بدستور گہری نیند میں تھی۔

وہ بڑی دیر تک اسے پیار سے دیکھتا رہا۔ گہری سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچتا رہا اور دل ہی دل میں کچھ فیصلے کرتا رہا پھر اس نے دروازہ کھول کر گورنس کو بلایا اور کہا ''دو بج رہے ہیں۔ اب میں چلتا ہوں۔ صبح کسی وقت فون کر کے خیریت معلوم کروں گا۔''

گھر پر اسما اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے جب بھی واپسی میں دیر ہوتی تھی وہ اسی طرح کچھ کھائے پیے بغیر اس کا انتظار کرتی رہتی تھی۔ اس نے بیڈ روم میں آ کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا ''میں جانتا ہوں' تم نے کچھ کھایا بھی نہیں ہو گا۔''

''یہ تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں پھر کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ میں نے بھی کچھ نہیں کھایا ہے۔''

وہ حیرانی سے بولی ''آپ اتنی دیر تک کیوں بھوکے رہے' کچھ کھا لیتے۔''

''کوئی سوال نہ کرو۔ کچن میں چلو بڑی بھوک لگی ہے۔''

اسما خود کو بہت خوش نصیب سمجھتی تھی اور غلط نہیں سمجھتی تھی۔ اگر مقدر کی ہیرا پھیری سے مرد کبھی بہک جائے یا بھٹک جائے تو اسے خوش نصیب بیوی کی بدنصیبی نہیں کہنا چاہیے۔ ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ اسما کے سر پر دھوپ آنے والی تھی۔ آگے چل کر کبھی گھنا سایہ بھی مل سکتا تھا۔

وہ کچن میں کھانا گرم کرتی رہی اور کچھ نہ کچھ بولتی رہی۔ وہ محض ہوں ہاں کرتا رہا کیونکہ اس کا ذہن تو گل خانم کی طرف بھٹک رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھانا رکھتے ہوئے بولی۔

''کہاں گم ہیں۔ چلیں کھانا شروع کریں۔''

اور خود بھی دوسری طرف اس کے سامنے بیٹھ گئی اور اس کی طرف ایک ڈش بڑھاتے ہوئے بولی ''یہ آپ کی بری عادت ہے کہ دفتر سے آنے کے بعد بھی انہی معاملات میں الجھے رہتے ہیں۔ اور اب یہ دردانہ آپ کے لیے نئی مصیبتیں کھڑی کر رہی ہے۔''

وہ بولا ''بات صرف دردانہ کی نہیں ہے' اپنے کچھ ذاتی مسائل بھی ہیں۔''

''میں آپ کے دفتری مسائل کے سامنے اپنے گھریلو مسائل کو اہمیت دینا نہیں چاہتی۔''

''یہی تمہاری غلطی ہے۔ تمہیں یہاں کے مسائل سے بھی دلچسپی لینی چاہیے اور ان مسائل کو حل کرنا چاہیے۔''

''اب ایسی کون سی نئی بات ہوئی کہ آپ یہ باتیں لے بیٹھے ہیں؟''

ذیشان نے اسے دیکھا پھر کہا ''تم انجان بن رہی ہو یا پھر اس گھر کے سب سے اہم مسئلے کو نظر انداز کر رہی ہو۔''

وہ خاموش رہی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ذیشان کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس نے بات جاری رکھی۔ ''چپ کیوں ہو؟ بولو۔ میں تمہاری خوشی میں خوش رہتا ہوں تمہاری خاطر میں نے ایک جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ اپنے والدین کے سامنے پیش کیا مگر اس وقت ہمیں ایک امید تھی۔ تمہیں یاد ہے؟''

اسما نے سر اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بولا ''ہم نے سوچا تھا ہم جلد سے جلد بابر کی شادی کرائیں گے اور اس کے ہاں اولاد ہو گی تو ممی اور ڈیڈی ہمارے بارے میں پریشان ہونا چھوڑ دیں گے۔''

اسما کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ذیشان اب کیا کہنے والا ہے۔ وہ بولا ''اب تو بابر کی رپورٹ بھی نگیٹیو ہے تو اب تم ہی ایمان سے بولو' کیا میں اب بھی اپنے والدین کو اندھیرے میں رکھوں؟''

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا۔ اس نے کہا ''چپ کیوں بیٹھی ہو کم از کم کھانا تو کھاتی رہو۔''

وہ اپنا لقمہ پلیٹ میں رکھتی ہوئی بولی ''کیا خاک کھاؤں؟ میرا تو کھانا پینا حرام ہو گیا ہے۔ نیند اڑ گئی ہے ہمیشہ

یہ سوچ پتھر کی طرح میرے دماغ میں لگتی رہتی ہے کہ کسی نہ کسی دن میری سوکن ضرور آئے گی۔''

''کھانا تو کھاتی رہو۔''

''اب کیا خاک کھاؤں؟''

''پھر میں بھی نہیں کھاؤں گا۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟'' آپ تو کھایئے اور یہ آپ کھل کر نہیں کہہ رہے ہیں لیکن آپ کی باتوں کے پیچھے یہی بات چھپی ہوئی ہے کہ آپ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ آپ کے ہاں اولاد ہو۔''

''میں اپنی زبان سے ایسی کوئی بات نہیں کروں گا۔ تم ہی بولو مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔''

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ذیشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''پہلے یہ لقمہ اٹھاؤ۔ منہ میں ڈالو' اسے کھاؤ پھر بات کرو۔ ورنہ میں بھی کھانا چھوڑ دوں گا۔''

''یہ کیا زبردستی ہے۔ ایک تو میرا گلا دبوچ رہے ہیں اوپر سے کہہ رہے ہیں کہ لقمہ نگلتی رہوں۔ دوسری شادی ضروری تو نہیں ہے۔ کیا ہم کسی سے ایک بچہ گود نہیں لے سکتے؟''

''لے سکتے ہیں' لیکن وہ ہمارا اپنا نہیں ہوگا۔ میرے ڈیڈی یہی کہیں گے' میں بھی یہی کہوں گا اور ساری دنیا یہی کہے گی کہ نسل اپنے خون سے بڑھتی ہے اور اپنے خون سے پہچانی جاتی ہے۔ اب تمہاری محبت میں کب تک سب کو دھوکا دوں۔''

''میں کب کہتی ہوں کہ آپ میری محبت میں اندھے ہو جائیں۔''

''تم نے کہا ہے اور میں نے اندھا ہو کر اپنے ماں باپ کو دھوکا دیا ہے اور اب تک دھوکا دیتا آ رہا ہوں۔ یہ صرف تمہاری محبت ہے جس کی وجہ سے تم پر سوکن نہیں لانا چاہتا۔ کیا تم میرے خلوص کو میری محبت کو نہیں مانتیں؟''

وہ منہ بنا کر بولی ''بالکل مانتی ہوں اور سمجھتی ہوں۔ آپ کی محبت پر فخر کرتی ہوں۔ مگر دلی محبت اور سچی محبت تو یہ ہے کہ آپ سوکن سمیت مجھے ہر آفت سے بچائیں۔''

''اس طرح اولاد کا مسئلہ تو حل نہیں ہوگا۔''

''ہو جائے گا۔ سب کچھ ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ تم ہی کوئی صورت پیدا کرو لیکن پہلے کھانا شروع کرو۔''

وہ لقمہ منہ میں رکھ کر چباتے ہوئے بولی ''ہمارے ملک میں بڑی مہنگائی ہے۔ کتنی غریب عورتیں ہیں جو ضرورت کے وقت بک جاتی ہیں۔ اگر آپ کسی غریب ضرورت مند عورت کو دولت کا لالچ دیں تو وہ عارضی طور پر دلہن بننے کے لیے راضی ہو جائے گی اور پھر اولاد ہونے کے بعد اولاد آپ کے حوالے کر کے طلاق لے لے گی۔''

''یہ تو ایسی بات ہے' جیسے بازار سے کوئی عورت خریدی جا رہی ہے۔''

''عورت بازار سے نہیں خریدی جائے گی۔ وہ کسی شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوگی لیکن شاید حالات سے مجبور ہو کر آپ کی شرائط مان لے گی۔''

''تم کسی کی غربت اور مجبوری سے کھیلنے کی بات کر رہی ہو۔''

''میں بھی تو بہت مجبور ہو کر ایسی بات کہہ رہی ہوں۔ میں سوچ سکتی ہوں کہ اس عورت کا دکھ کیا ہوگا' جو شادی کرے' بچہ پیدا کرے پھر اس بچے کو آپ کے حوالے کر کے طلاق لے لے۔ بچے سے بھی محروم ہو شوہر کو بھی کھو دے۔ میں ایک عورت کا دکھ سمجھتی ہوں اور اپنا بھی دکھ سمجھتی ہوں پھر بھی کوئی عورت ہنسی خوشی سوکن کو برداشت نہیں کرتی۔''

''تم جس غریب اور مجبور عورت کی بات کر رہی ہو آخر وہ بھی تو سوکن ہی بنے گی؟''

''وہ مجبوری عارضی ہوگی۔ اگر چھپ کر اس سے شادی کریں اور تمام معاملات رازداری سے نطے پا جائیں تو کیا حرج ہے۔''

ذیشان نے پانی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا ''اچھی بات ہے۔ میں تمہارے اس مشورے پر غور کروں گا۔''

اسما سے یہ باتیں کرتے وقت گل خانم اس کے خیالوں میں انگڑائیاں لے رہی تھی۔ وہ غریب نہیں تھی لیکن مجبور تھی۔ اسے مجبوراً حلالہ کے مرحلے سے گزرنا تھا۔ تب ہی تو وہ اپنے سابقہ شوہر تک پہنچ سکتی تھی۔ اور اس کے لیے شاید وہ ذیشان کی شرائط مان لیتی۔

اس نے بڑے پیار سے اپنی محبوب بیوی کو دیکھا اور سوچا صرف گل خانم ہی ایسی سوکن بن سکتی ہے' جو ہمیشہ اس پر مسلط نہ رہے گی۔ اس سلسلے میں بس ایک ہی مسئلہ درپیش ہوگا۔ کیا گل خانم ذیشان سے ہونے والے بچے کو اس کے حوالے کر دے گی؟ کیا ایک بار پھر وہ اپنے بچے سے محروم ہونا گوارا کر لے گی؟

☆☆☆

میں نے مسز رانا کو مشورہ دیا تھا کہ انہیں اپنے بیٹے کی موت کو ٹالنے کے لیے اسے اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے تک انتظار کرنا ہوگا۔ یوں اس کی موت کے ٹلنے کے بعد اس کی نمرہ سے

شادی کرائی جا سکتی تھی لیکن اکتیس دسمبر کے آنے میں تو پانچ ماہ تھے اور جبران پانچ ماہ تک نمرہ سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ تو آج ہی اسے اپنی دلہن بنا کر لے آنا چاہتا تھا۔ میں نے مسز رانا کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ نمرہ کے ماں باپ کو دولت کا لالچ دے کر اس بات پر راضی کر سکتی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو شادی سے پہلے ہی مسز رانا اور جبران کے ساتھ لندن جانے کی اجازت دے دیں۔

دیکھا جائے تو ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ رشتے دار باتیں بناتے۔ جوان بیٹے بابر اور ذیشان اعتراض کرتے کہ شادی سے پہلے اپنی بہن کو غیروں کے ساتھ نہیں رہنے دیں گے۔

ادھر فلک آفتاب ضرورت مند تھا۔ اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لیے اسے ایک بڑی رقم کی ضرورت تھی اور یہ رقم مسز رانا سے ہی مل سکتی تھی۔ اصل مسئلہ تو لڑکی کا تھا۔ نمرہ شادی سے پہلے پانچ ماہ تک اپنے ہونے والے شوہر کے ساتھ رہنا پسند کرے گی یا نہیں؟ اور میں جانتا تھا وہ راضی نہیں ہوگی پھر بھی میں نے اس سلسلے میں اسے سمجھانے کا سوچا تھا۔

مسز رانا نے فون پر بیگم آفتاب کو یہ پیشکش کی تو وہ ذرا متذبذب ہوئیں مگر ایک کروڑ روپے کا سن کر وہ پھسل رہی تھیں۔ اگر بات ملک سے باہر جانے کی نہ ہوتی تو شاید وہ فوراً مان جاتیں' مگر لندن جانے کا سن کر انہوں نے کہا۔

''بہن......! آپ نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ میں فوراً کوئی جواب نہیں دے سکتی۔ مجھے سوچنے کا موقع دیں۔ میں ذرا اپنے شوہر اور بیٹوں سے بات کر لوں پھر کوئی مناسب جواب دوں گی۔''

''مجھے مناسب جواب کی ہی توقع ہے۔ کیونکہ میری درخواست ایسی نامناسب بھی نہیں ہے۔ شادی سے پہلے جبران اور نمرہ ایک دوسرے کے قریب رہیں گے تو اچھا ہے۔ ایک دوسرے کے مزاج کو بھی سمجھ لیں گے۔''

''یہ باتیں ہر ایک تو نہیں سمجھتا۔ بہرحال میں بعد میں فون کروں گی۔''

بیگم آفتاب نے رابطہ ختم کر کے اپنے میاں سے کہا ''یہ محترمہ ہمیں ایک کروڑ روپے دینے کو تیار ہیں مگر مطالبہ ذرا ٹیڑھا ہے۔ وہ شادی سے پہلے نمرہ کو پانچ ماہ تک اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہیں اور وہ بھی لندن لے جا کر......''

فلک آفتاب نے حیرت سے کہا ''ایک کروڑ روپے......؟ ہمیں کاروبار کے لیے بہت بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ ہمیں کہیں سے ایک لاکھ روپے بھی قرض کے طور پر نہیں مل رہے ہیں۔'' پھر ذرا دیر سوچنے کے بعد بولے ''ہم اللہ پر بھروسا کر کے نمرہ کو ان کے ساتھ بھیج سکتے ہیں۔ مجھے رشتے داروں کی پروا نہیں ہے لیکن اپنے بیٹوں کو سمجھانا ہوگا۔''

''آپ بھی ذیشان اور بابر کو سمجھائیں' میں بھی سمجھاؤں گی۔ اللہ نے چاہا تو بات بن جائے گی۔ کچھ بھی ہو میں یہ رقم چھوڑنا نہیں چاہتی۔''

انہیں اپنے بیٹوں کی طرف سے فکر تھی کہ شاید وہ نہ مانیں۔ ساتھ ہی نمرہ کو راضی کرنے کا بھی مرحلہ تھا۔ اسی دوران میں نے نمرہ کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے پوچھا ''کون ہے؟''

میں نے جواب دیئے بغیر پھر دستک دی۔ اس نے دروازے کے قریب آ کر پوچھا ''کون......؟''

میں نے تیسری بار دستک دی تو اس نے جھنجلا کر دروازہ کھولا۔ شاید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر مجھے دیکھ کر چپ ہو گئی اور گھور کر بولی ''یہ کیا شرارت ہے۔ منہ سے بول نہیں سکتے تھے؟''

''مقدر منہ سے نہیں بولتا' صرف دستک دیتا ہے۔ جو دروازہ نہیں کھولتا اس کی قسمت پر تالا پڑ جاتا ہے۔''

میں نے اندر آتے ہوئے کہا ''دیکھو تم نے دروازہ کھولا اور تمہارا مقدر تمہارے پاس آ گیا۔''

وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی ''پتا ہے مسز رانا اپنے بیٹے کے ساتھ آئی تھیں اور بڑی دیر تک تمہارا انتظار کرتی رہی تھیں۔''

''مجھے سب پتا ہے۔ میں ان کے گھر گیا تھا۔ ان سے ملاقات کی تھی اور جبران کا ہاتھ بھی دیکھا تھا۔''

''اف خدایا! تم تو آندھی طوفان کی رفتار سے اپنے کام نمٹا لیا کرتے ہو۔ ویسے یہ اچھا ہوا کہ تم نے جبران کا ہاتھ دیکھ لیا۔ اب بتاؤ اس کا مقدر کیا کہتا ہے؟''

''یہ بتانے کے لیے ایک بار پھر تمہارا ہاتھ دیکھنا ہوگا۔''

''تم نے تو کہا تھا ایک ہی بار ہاتھ دیکھتے ہو اور تمام ہسٹری جان لیتے ہو؟''

''ہاں کہا تھا لیکن اس وقت تمہارا ہاتھ دوبارہ دیکھنا ضروری ہو گیا ہے۔''

اس نے اپنی بائیں ہتھیلی میری طرف پھیلا دی۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر سر جھکا کر اس ہتھیلی کو چوم لیا۔ وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر بولی ''یہ کیا حرکت ہے؟''

''تم نے اس طرح ہتھیلی پھیلائی تھی جیسے کچھ مانگ رہی ہو۔ میں اس سے بہتر کیا چیز تمہیں دیتا۔''

''معلوم ہوتا ہے ان ماں بیٹوں سے مل کر تمہاری طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی ہے۔ بس خبردار' اب مجھ سے دور رہنا۔''

میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "بہت خوب رو ہے۔ قد آور ہے۔ ہینڈسم ہے۔" وہ گھور کر بولی۔

"میرے سامنے جبران کی تعریفیں کیوں کر رہے ہو؟"

"میں نے کب کہا کہ میں جبران کی تعریف کر رہا ہوں؟ یہ تو اپنے بارے میں کہہ رہا ہوں کہ خوب رو ہوں۔ قد آور ہوں۔ ہینڈسم ہوں کیا اس حقیقت سے انکار کرو گی؟ ویسے انکار کر سکتی ہو کیونکہ تمہارے حواس پر تو جبران چھایا ہوا ہے۔ ابتدائے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"مجھے کوئی عشق وشق نہیں ہوا ہے۔ فضول باتیں نہ کرو۔ کام کی بات کرو۔ مجھے بتاؤ اس کے ہاتھ کی لکیریں کیا کہتی ہیں؟"

"یہ کہتی ہیں کہ تمہاری اور اس کی شادی پانچ ماہ کے بعد ہونی چاہیے۔"

"یہ بات تو ہمارے فیور میں ہے۔ چلو پانچ ماہ کے لیے تو شادی کی بات ٹل جائے گی۔"

"آگے تو سنو......!"

"تم نے تو ایک ہی بات سے دل خوش کر دیا ہے۔ ہو سکے تو اس شادی کو مزید پانچ برس کے لیے ٹلوا دو۔"

"میں نجومی ہوں تقدیر کا حال بتاتا ہوں۔ کسی کی تقدیر لکھ نہیں سکتا۔ تم دونوں کے مقدر میں جو لکھا ہے۔ اسے بدل نہیں سکتا۔"

"آخر بتاؤ تو سہی اور کیا لکھا ہے؟"

"تم کچھ سنو تو بتاؤں۔ تم شادی سے پہلے پانچ ماہ تک اس کے ساتھ لندن جا کر رہو گی۔"

وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی "کیا......؟ میں شادی سے پہلے اس کے ساتھ پانچ ماہ تک رہوں گی' اور وہ بھی لندن میں؟ کیا میرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟"

"ذرا دھیمی آواز میں بولو۔ تمہارے چیخنے چلانے سے تقدیر نہیں بدلے گی۔ جو لکھا ہے وہی ہوگا۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں وہاں جانے کے لیے راضی ہو جاؤں گی اور اس کے ساتھ پانچ ماہ لندن میں گزاروں گی؟"

"ضروری نہیں ہے کہ یہ پانچ ماہ لندن میں گزارو۔ یہاں بھی گزار سکتی ہو لیکن اس کے ساتھ ہی گزریں گے اور یہ تم دونوں کے ہاتھ کی لکیریں کہتی ہیں۔"

"جہنم میں گئیں ہاتھ کی لکیریں۔ تم نے پہلے تو یہ نہیں کہا تھا کہ میرے ہاتھ کی لکیریں ایسی کوئی بات کہتی ہیں؟"

"میں نے یہ تو بتا دیا تھا کہ جبران کی وجہ سے میرے اور تمہارے درمیان عارضی جدائی ہوگی۔"

وہ جھنجلا کر بولی "پانچ مہینے کی جدائی کو عارضی کہہ ہو۔ پلیز تشویش میں مبتلا کرنے والی کوئی پیش گوئی نہ کرو اچھی بات کہو۔"

"اچھی بات یہی ہے کہ تمہیں اس کی ذات سے نق نہیں پہنچے گا۔ وہ عادات واطوار کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔ تمہیں اس سے محبتیں ملتی رہیں گی۔ تم رفتہ رفتہ اس متاثر بھی ہوتی چلی جاؤ گی۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں اس سے متاثر ہونے لگو اور تمہیں بھولتی چلی جاؤں گی۔ تمہارے دل میں آخر ہے کیوں تم مجھے دوسری طرف دھکا دے رہے ہو؟ آمرا کچھ سکھا پڑھا رہی ہے اور میری طرف سے تمہارا دل پھیر ہے؟ بولو یہی بات ہے نا؟"

"تم خوامخواہ مجھ پر شک کر رہی ہو۔ پلیز مجھ پر بھ کرو۔ اب تک تو تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ ہی دھوکا دیتا ہوں۔ میں تم سے ایک کہہ چکا ہوں کہ تم میری اور صرف میری دلہن بنو گی تو پھر اور تمہیں دلہن بنا کر نہیں لے جا سکے گا۔ ہاں اس سلسلے میں قباحت ہے۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا پھر پوچھا' قباحت ہے؟"

"یہ ہو سکتا ہے کہ رفتہ رفتہ تم اس سے متاثر ہو جاؤ او سے شادی پر راضی ہو جاؤ۔ تو پھر میرا مقدر بدل جائے گا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔ تمہیں شرم نہیں آتی میر بارے میں ایسی باتیں کرتے ہوئے؟"

میں اسے بتانا نہیں چاہتا تھا کہ جبران کی زندگی پا سے زیادہ نہیں لگتی لیکن کسی طرح اس کی موت ٹل گئی تو ہم کے یعنی میرے' نمرہ کے اور جبران کے مقدر میں جو کچ ہے اس میں اچھی خاصی تبدیلیاں ہونے کا امکان ہے۔ صورت میں حالات اور جذبات اسے جبران کی طرف جائیں گے اور مجھ سے دور کر دیں گے اور پھر نمرہ میرے ایک چیلنج بن جائے گی کہ میں اسے حاصل کر سکوں گا یا نہ کیا میں اپنی جان تمنا کو اتنی آسانی سے ہاتھ سے جانے گا؟ نہیں...... میں کچھ کروں گا مگر کیا؟ یہ ابھی نہیں کہہ سکتا۔

وہ بولی "چپ کیوں ہو جواب دو؟"

میں نے کہا "تم دوسری لڑکیوں کی طرح نہیں ہو۔ تم میری محبت کسی دوسرے کو نہیں دو گی۔ تم میری ہو' میری ہی گی مگر میری بات کو سمجھو۔ لکیریں بدلتی ہیں اور جب یہ

تو ساری دنیا کو بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ ہم تم کیا چیز ہیں۔"

"دیکھو مقدر۔ میں تمہارے کہنے سے یہ بات مان گئی تھی مجھے جبران سے مل لینا چاہیے۔ تم نے یقین دلایا تھا کہ ری شادی اس سے نہیں ہو سکے گی اور میں صرف تمہارے میں لکھی گئی ہوں۔ اب تم پھر الجھانے والی باتیں ر رہے ہو۔ آخر ایک ہی بار کیوں نہیں بتا دیتے کہ میرے ندر میں کیا ہے؟"

"میں تمہیں ساری باتیں تو بتا چکا ہوں۔ کوئی الجھانے لی بات نہیں ہے۔ تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔"

پھر میں نے اٹھتے ہوئے کہا "رات بہت ہو چکی ہے۔ ب سو جاؤ۔ میں بھی جا رہا ہوں۔"

"جاؤ...... لیکن کان کھول کر سن لو۔ میں جبران سے ادی نہیں کروں گی اور نہ ہی اس سے کوئی رابطہ رکھوں گی۔"

"تم میرے مشورے پر عمل کرتی رہو۔ اس سے میل ل بڑھاتی رہو۔ تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ ورنہ بہت نقصان اٹھاؤ ی۔"

یہ کہہ کر میں کمرے سے باہر آ گیا۔ میں نے اسے سوچنے ر سمجھنے کے لیے چھوڑ دیا۔ یہ جانتا تھا کہ وہ چاہے یا نہ چاہے ے کم از کم اگلے پانچ ماہ تک جبران کے ساتھ رہنا تھا۔

وہ اندر ہی اندر مجھ سے بدظن ہو رہی تھی۔ یہ خیال اس کے اندر جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ میں اس کے مقابلے میں آمرا سے زیادہ محبت کرتا ہوں اور آئندہ بھی اسی طرح باتیں بناتا ہوں گا۔ اسی طرح ہیرا پھیری کرتا رہوں گا اور ایک دن آمرا سے شادی کر لوں گا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ میں اس سے پیچھا چھڑا رہا ہوں۔

پچھلے چوبیس گھنٹوں میں اس کی ممی اور ڈیڈی نے بھی میرے خلاف خوب زہر اگلا تھا اور اسے سمجھایا تھا کہ جو شخص شادی سے پہلے ہی دوسری لڑکیوں میں دلچسپی لیتا ہو اس پر بھی بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی کہ اگر میں نے اس سے شادی کر بھی لی تب بھی میں بعد میں آمرا سے بھی ضرور شادی کروں گا۔

نمرہ بھی اب یہی سوچ رہی تھی کہ میں ناقابلِ اعتماد ہوں اس لیے اسے جبران کی طرف مائل رہنا چاہیے۔ وہ اس کا سچا عاشق اور دیوانہ ہے۔ ایسے ہی شخص کے ساتھ وہ آئیڈیل لائف گزار سکے گی۔

میں نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ رفتہ رفتہ جبران کی طرف مائل ہو جائے گی اور اب یہی ہو رہا تھا۔ وہ دل اور دماغ سے جبران کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسے تو ایسا سوچنا ہی تھا۔ مقدر کی جو لکیر کھینچی گئی تھی۔ وہ اس سے ہٹ کر کیسے چل سکتی تھی۔

میری یہ نئی پیش گوئی بھی اسے الجھا رہی تھی کہ شادی سے پہلے پانچ ماہ تک اسے جبران کے ساتھ دن رات رہنا ہوگا۔ وہ خود اگر راضی نہ بھی ہوئی تو حالات اسے مجبور کر دیں گے۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ حالات کس طرح اسے جبران کی طرف لے جائیں گے۔ بہت سی باتیں میں چھپا لیتا ہوں اور چھپانے میں یہ مصلحت ہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہوا ہے وہی چپ چاپ ہوتا چلا جاتا ہے۔

محبت انسان کو نارمل بھی رکھتی ہے اور ایب نارمل بھی بنا دیتی ہے۔ مسز رانا اپنے بیٹے کی محبت میں کبھی کبھی ایب نارمل ہو جاتی تھی۔ وہ بیٹے کی خاطر نمرہ کو حاصل کرنے کے لیے اسے دس کروڑ روپے دینے کے لیے تیار ہو گئی تھی اور یہ کوئی عقلمندی نہیں تھی لیکن اس کے اندر بیٹے کے لیے ممتا مچلتی رہتی تھی اور وہ بیٹے کی خوشیوں کی خاطر کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اس نے تو یہ تک سوچ لیا تھا کہ نمرہ کے والدین اگر جبران کا رشتہ منظور نہیں کریں گے تو وہ نمرہ کو اغوا کرا لے گی۔ وہ اپنی دولت سے بڑے بڑے مجرموں کو خرید سکتی تھی۔

قسمت کی لکیریں کہہ رہی تھیں کہ نمرہ کو ہر حال میں جبران کے ساتھ رہنا ہے۔ چاہے راضی خوشی رہے یا اس کے لیے مجبور کر دی جائے۔

دوسری صبح فلک آفتاب نے اپنے دونوں بیٹوں کو کمرے میں بلایا۔ معلوم ہوا کہ ذیشان رات دیر سے گھر آیا تھا۔ اس لیے گہری نیند میں ہے۔ بابر نے آ کر پوچھا "جی ڈیڈی...... کیا بات ہے؟"

فلک آفتاب نے اصل بات شروع کرنے سے پہلے کہا۔ "بیٹے' میں کاروبار کے سلسلے میں بہت پریشان رہتا ہوں۔ ہماری کاروباری پوزیشن کیا ہے یہ تم اچھی طرح جانتے ہو کیونکہ تم ہی سارا کاروبار سنبھال رہے ہو۔"

"یس ڈیڈ! کوئی خاص پریشانی بھی نہیں ہے کاروبار تو چل رہا ہے۔ موجودہ حالات میں ہماری آمدنی قدرے محدود ہے۔ ہاں اگر ہم کاروبار بڑھانا چاہیں تو ہمیں نئی مشینیں منگوانی ہوں گی اور یہ مشینیں کم از کم ایک کروڑ بیس لاکھ یا پچیس لاکھ تک آئیں گی۔"

بیگم آفتاب نے پوچھا "تم نے کبھی سوچا کہ اتنی بڑی رقم ہم کہاں سے لائیں گے؟"

"سوچنا سراسر حماقت ہے۔ جب اتنی بڑی رقم ہمیں کہیں سے مل ہی نہیں سکتی کیوں خوامخواہ شیخ چلی کی طرح خیالی

پلا ڈیکا ئیں؟"

"فرض کرو کسی کڑی شرط پر اتنی بڑی رقم مل جائے تو کیا اسے قبول کر لینا چاہیے؟"

بابر نے سوچتی ہوئی نظروں سے باپ کو دیکھا پھر کہا۔ "ڈیڈ اگر اپنے کاروبار کو گروی نہ رکھنا پڑے تو ہم ہر طرح کی شرط مان لیں گے۔"

باپ نے خوش ہو کر کہا "تم واقعی پکے اور کھرے بزنس مین ہو۔"

بیگم آفتاب بیٹے کو مسز رانا کے بارے میں بتانے لگی کہ وہ ایک کروڑ روپے کی آفر دے رہی ہے اور شرط یہ ہے کہ شادی پانچ ماہ بعد ہو لیکن شادی سے پہلے نمرہ ان ماں بیٹے کے ساتھ لندن میں رہا کرے۔

بابر نے کہا "ممی! یہ شرط نامناسب ہے۔ پھر یہ کہ خاندان کے بزرگ اور رشتے دار طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔"

فلک آفتاب نے کہا "خاندان کے بزرگ اور رشتے دار ہمارے کاروبار کو سہارا دینے نہیں آئیں گے۔ ان کی بات چھوڑو۔ ہمارا مسئلہ صرف یہ ہے کہ کسی طرح تمہارے بھائی جان اور نمرہ کو منایا جائے۔"

بابر اٹھ کر وہیں ٹہلنے لگا۔ وہ اندر سے بہت گھبرا تھا۔ اپنے مفاد کی باتیں پہلے سوچتا تھا پھر دوسروں کو اہمیت دیتا تھا۔ مثلاً وہ اسما کو بہت چاہتا تھا۔ اسے اپنی بھابی جان ہی نہیں اپنی ماں بھی سمجھتا تھا لیکن جب اس کی بھابی جان نے اس سے کہا کہ وہ شادی کر کے اپنی بھابی کو ایک سوکن کے عذاب سے بچالے تو وہ کترانے لگا۔

دراصل وہ شادی کر کے بیوی بچوں کے جھمیلے میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے کاروبار کو زیادہ سے زیادہ وسعت دینے کی فکر میں لگا رہتا تھا مگر اس نے اسما سے انکار نہیں کیا۔ شادی کی حامی بھر لی لیکن اپنے فائدے کے لیے ماں جیسی بھابی کو بھی دھوکا دیا اور پورے خاندان کو بھی اور یہ کہہ دیا کہ وہ نگیٹیو ہے۔ باپ نہیں بن سکے گا اس لیے شادی کی اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔

دوسری طرف اس نے اپنی سیکریٹری کو آلہ کار بنایا اور اس کے ذریعے خود کو نگیٹیو ظاہر کرنے کا ڈراما رچایا اور کام ہونے پر سمیرا کو پچاس ہزار روپے دے کر ٹرخا دیا۔

وہ صرف اپنے مفادات پر نظر رکھتا تھا۔ جہاں سے بھی منافع حاصل ہوا سے چھوڑتا نہیں تھا۔ اس بار اپنی بہن کے ذریعے سے رقم ملنے کی توقع پیدا ہوئی تھی۔ اگر وہ مسز رانا کی شرط مان لیتا تو ایک کروڑ مل سکتے تھے۔ جس سے کاروبار کو وسعت دی جا سکتی تھی اور زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جا سکتا تھا۔

ماں نے پوچھا "بیٹے! کس سوچ میں پڑ گئے ہو؟"

وہ ماں باپ کے سامنے آ کر پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ "ڈیڈی......! ایک کروڑ کم ہیں مسز رانا سے بات کریں اگر ہمیں دو کروڑ بلکہ اس سے بھی زیادہ دیں تو ہم ان کی بات مان لیں گے۔"

بیگم آفتاب نے خوش ہو کر بیٹے کی بلائیں لیتے ہوئے کہا "میرا بچہ بہت ہی ذہین ہے۔ میرے دل میں بھی یہ بات تھی کہ ایک کروڑ کم ہیں۔ جب ہم ان کی اتنی بڑی شرط مان کر اپنی بیٹی کو بغیر شادی کے ان کے حوالے کریں تو رقم بھی زیادہ ہونی چاہیے۔"

فلک آفتاب نے کہا "اس کے لیے کہ مسز رانا سے بات کر کے کم از کم تین کروڑ کا مطالبہ کرنا ہوگا۔ واقعی ہم بہت بڑا رسک لیں گے۔ خاندان والوں کی مخالفتیں بھی مول لیں گے اور پھر طرح طرح سے انہیں مطمئن کرنا ہوگا۔ بہرحال بڑے مسائل سے گزرنا ہوگا اس لیے رقم زیادہ ہونی چاہیے۔"

بابر نے کہا "قسمت ہم پر مہربان ہو رہی ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ کاروبار کو وسعت دینے کے لیے ہمیں غیبی مدد مل رہی ہے۔ آپ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ بیگم رانا سے تین کروڑ کا مطالبہ کریں۔ وہ عورت اپنے بیٹے کی خاطر راضی ہو جائے گی۔"

"وہ تو راضی ہو جائے گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذیشان اور نمرہ کو کس طرح راضی کریں گے؟" بابر ایک دم اٹھ کر ٹہلنے لگا پھر بولا "ایک تدبیر ہے۔"

ماں نے کہا "جلدی بولو بیٹے' کیا تدبیر ہے؟"

"ہم بھائی جان سے اور تمام خاندان والوں سے کہیں گے کہ نمرہ کو ہائر اسٹڈیز کے لیے لندن بھیج رہے ہیں۔"

بیگم آفتاب خوشی سے اچھل کر کھڑی ہو گئی اور آگے بڑھ کر بیٹے کے پاس آئی' اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنی طرف جھکایا' اور پیشانی کو چوم کر بولی "یہ ہے اصلی بیٹا۔ ذیشان نے تو ہمیں کبھی ایک پیسے کا فائدہ نہیں پہنچایا۔"

فلک آفتاب نے قریب آ کر بابر کو تھپکتے ہوئے کہا "شاباش بیٹے! واقعی تم مجھ جیسے بزنس مین کے بیٹے ہو۔ اپنے منافع پر نظر رکھتے ہو۔ اسی لیے میں نے اپنا کاروبار تمہارے حوالے کیا ہے' ذیشان پر بھروسا نہیں کیا۔"

بابر حیرانی سے کبھی ماں کو کبھی باپ کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا "آپ دونوں تو ایسے مجھے اپنی اولاد اپنا خون کہہ رہے ہیں جیسے بھائی جان آپ کے اپنے نہ ہوں۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو چونک کر دیکھا پھر فلک آفتاب نے جلدی سے کہا "نہیں بیٹے! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ بھی اپنا ہی ہے۔ تمہارا بڑا بھائی ہے مگر پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں' اس لیے اس کا مزاج ذرا مختلف ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "ذیشان کی بات رہنے دیں اور اپنا موبائل فون دیں۔ میں ابھی مسز رانا سے بات کرتی ہوں۔"

فلک آفتاب نے اسے فون دیتے ہوئے کہا "ذرا گھما پھرا کر بات کرنا۔ اپنی خاندانی مجبوریاں بتانا۔ تاکہ وہ رقم بڑھانے پر مجبور ہو جائے۔"

اس نے فون لے کر نمبر ملایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مسز رانا کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا "بہن......! میں بول رہی ہوں...... بیگم آفتاب......"

"نام بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو آپ کو آواز اور لہجے سے پہچاننے لگی ہوں۔ آپ سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ آپ دل اور دماغ میں نقش ہو گئی ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولی "شکریہ بہن شکریہ...... کل سے تو آپ نے ہمیں ایک نئی الجھن میں ڈال دیا ہے۔ سچ کہتی ہوں۔ ساری رات نیند نہیں آئی۔ میرے میاں بھی جاگتے رہے اور سوچتے رہے کہ کس طرح آپ کی یہ خواہش پوری کی جائے۔ کس طرح ہم اپنی بیٹی کو آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دیں۔ اب تو آپ کی خوشی ہماری خوشی ہے۔ ہمیں آپ کی کسی بات پر' کسی مطالبے پر اعتراض نہیں' لیکن بات یہیں آ کر اٹک جاتی ہے کہ ہمارا خاندان دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ بدنامی بھی دور دور تک پھیلے گی کہ شادی سے پہلے ہی ہم نے لڑکی کو سسرال والوں کے حوالے کر دیا۔"

مسز رانا نے کہا "میں آپ کی پریشانیاں سمجھ رہی ہوں اور میرے لیے آپ کے جو جذبات ہیں اس کی قدر کرتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے بزرگوں اور خاندان والوں کو قائل کرنے کی کوشش کریں گی اور مجھ پر بھروسا کر کے میری ہونے والی بہو کو میرے حوالے کر دیں گی۔"

بیگم آفتاب نے کہا "بہن! میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہمارا چھوٹا بیٹا بابر ہمارا کاروبار سنبھال رہا ہے۔ جب ہم نے آپ کا مطالبہ اس کے سامنے بیان کیا تو وہ پریشان ہو گیا۔ بے چارا یوں بھی سرمایہ کی کمی کے باعث کاروباری معاملات میں پریشان رہتا ہے۔ فیکٹری کی جو مشینیں ہیں وہ بہت پرانی ہو چکی ہیں۔ نئی مشینیں لگوانے کے لیے روپے کی ضرورت ہے۔"

مسز رانا نے کہا "میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں۔ جب آپ نمرہ کو میری بیٹی بنا رہی ہیں تو بابر بھی میرا بیٹا ہے۔ اس کی پریشانیاں میں دور کروں گی۔ اسے جتنی رقم کی ضرورت ہے' میں دوں گی۔"

"اب میں نے آپ کو بہن کہا ہے تو آپ کے سامنے منہ کھولنا نہیں چاہتی مگر بیٹا کہہ رہا تھا اسے تین کروڑ روپے کی ضرورت ہے۔"

"نو پرابلم۔ آپ نمرہ کا پاسپورٹ وغیرہ تیار کرائیں' بلکہ اس کا شناختی کارڈ اور ضروری کاغذات مجھے دے دیں۔ میں کل تک اس کا پاسپورٹ اور ویزا ابھی تیار کرالوں گی اور جہاز کی سیٹیں بھی کنفرم کروالوں گی' اور کل ہی آپ کے اکاؤنٹ میں تین کروڑ روپے جمع کر دوں گی۔"

"بہت بہت شکریہ بہن! بس یہ سمجھیے کہ آج سے ہماری بیٹی آپ کی ہو گئی۔ میں اس کا شناختی کارڈ لے کر خود آپ کے پاس آؤں گی...... خدا حافظ......!"

اس نے فون بند کر کے خوشی سے بیٹے کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "تم نے تو کمال کر دیا بابر! ہم تو ایک ہی کروڑ پر راضی ہو رہے تھے۔ تم نے اس سے تین کروڑ نکلوا لیے۔"

مسز رانا کی سخاوت سے بابر اور فلک آفتاب کی کروڑوں روپے کی ضرورت پوری ہو رہی تھی اور ان باپ بیٹے کی دولت کی ہوس سے ادھر ماں بیٹے کی ضرورتیں اور خوشیاں پوری ہو رہی تھیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے تعاون کرو' یا ناجائز طریقے سے ہیرا پھیری کرو۔ اسی طرح ایک دوسرے کی تقدیر بنتی یا بگڑتی چلی جاتی ہے۔ نمرہ بھی اب سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ صرف دل کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔ دماغ سے بھی کام لینا چاہیے۔ تب ہی وہ اپنا مستقبل بہتر بنا سکے گی اور آئندہ میرے "فریب" سے باز رہ سکے گی۔ وہ صحیح طور پر فیصلہ کرنے کے لیے صرف مجھے ہی نہیں جبران کو بھی اچھی طرح آزمانا چاہتی تھی۔

جبران کہیں باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اس کے موبائل کا بزر بولنے لگا۔ اس نے موبائل کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا "ہیلو' میں جبران بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے نمرہ تھی۔ وہ اس کی آواز سنتے ہی خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ کہہ رہی تھی "میں تم سے ملنے آئی ہوں۔"

اس نے حیرانی سے اپنے آس پاس دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا کہہ رہی ہو؟ تم کہاں ہو؟"

"باہر آ کر دیکھو۔ تمہارے دروازے پر کھڑی ہوں۔"

وہ تیزی سے دوڑتا ہوا باہر کی طرف لپکا۔ ساتھ ہی خوشی سے چیخ چیخ کر کہتا جا رہا تھا "ماما...... ماما...... نمرہ آئی ہے۔ آپ کہاں ہیں۔ جلدی آئیں نمرہ آئی ہے۔"

مسز رانا ڈرائنگ روم میں تھی۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ کہاں ہے نمرہ؟"

وہ دوڑتا ہوا دروازے تک پہنچا اور اسے کھول کر دیکھا تو وہ کھڑی ہوئی تھی۔ مسز رانا بھی اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہو گئی اور خوشی سے اس کی طرف آتے ہوئے بولی "ہائے نمرہ! تم......؟ کس قدر خوشی کی بات ہے۔ آؤ بیٹی اندر آؤ۔"

انہوں نے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے اپنے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ جبران اسے بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے ایسے کھل گیا تھا جیسے ایک بچے کو اس کا من پسند کھلونا مل گیا ہو۔ وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ مسز رانا نے کہا "ابھی ابھی تمہاری ممی سے بات ہوئی ہے۔ میں تمہارا پاسپورٹ اور ویزا بنوانا چاہتی ہوں۔ انہوں نے کہا ہے۔ ابھی تمہارا شناختی کارڈ لے کر آ رہی ہیں۔ ادھر ان سے بات ختم ہوئی ادھر تم پہنچ گئیں۔"

"میں نہیں جانتی آپ بزرگوں کے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں۔ البتہ مقدر حیات نے مجھے بتایا ہے کہ آپ مجھے لندن لے جانا چاہتی ہیں۔"

"ہاں بیٹی! اس نے شاید تمہیں اور کچھ بھی بتایا ہو اور کچھ مشورے بھی دیئے ہوں گے۔"

"وہ تو آپ کی حمایت میں ایسے مشورے دے رہے ہیں جنہیں شاید میرے ماں باپ یا میرے خاندان والے بھی تسلیم نہ کریں۔"

"بیٹی! میری ایک بات یاد رکھنا۔ منوانے کا سلیقہ ہو تو ہر بات منوائی جا سکتی ہے۔ یہ ہم بزرگوں پر چھوڑ دو۔ میں آج ہی تمہارے کاغذات وغیرہ تیار کرانا چاہتی ہوں تا کہ کل تک سیٹیں بھی کنفرم ہو جائیں۔"

جبران سامنے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اس نے کہا "نمرہ! مجھے یقین ہے کہ تم میرے ساتھ بڑی محبت سے زندگی گزارو گی۔"

"پوری زندگی گزارنے کے لیے ایک دوسرے کو سمجھنا ضروری ہے۔" نمرہ نے کہا۔

مسز رانا نے کہا "یہی تو میں بھی چاہتی ہوں۔ تم ہمارے ساتھ لندن میں رہو گی تو تم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ سکو گے۔"

"مجھے تو آپ ہی سے پتا چلا ہے کہ ممی اور ڈیڈی مجھے بھیجنے پر راضی ہو گئے ہیں۔ مجھے حیرت ہے انہوں نے ا[illegible] کیوں کیا۔ کیا انہیں یہ خیال نہیں کہ خاندان والے طرح طر[illegible] کی باتیں بنائیں گے؟"

"بیٹی! یہ بات بزرگوں پر چھوڑ دو۔ وہ ان سے نمٹ لی[illegible] گے۔ تم بس اپنا شناختی کارڈ مجھے دو۔ باقی کارروائی م[illegible] کروالوں گی۔"

نمرہ کا دل ڈوبنے لگا۔ ان کے ساتھ جانے کا مطلب ہوا کہ وہ مجھ سے دور ہو رہی ہے۔ اس کا دل تو میری طر[illegible] مائل تھا لیکن میں اس کی نظروں میں ہرجائی تھا۔ ایک بھنور کی طرح آس پاس ابھی منڈلا رہا تھا جبکہ جبران صرف ا[illegible] عاشق تھا۔ اس کی دیوانگی بتا رہی تھی کہ وہ ساری زندگی م[illegible] اسی کا ہو کر رہے گا۔

اسی اثنا میں جبران اس کے قریب آ کر صوفے کے ہتھے پر بیٹھ گیا اور بولا "نمرہ! مجھ پر بھروسا کرو۔ میری [illegible] دولت، جائداد اور میری ساری زندگی اپنے نام لکھوالو۔"

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر سر جھکا کر پرس کو کھ[illegible] ہوئے اپنا شناختی کارڈ نکالا۔

وہ شناختی کارڈ اس کے ہاتھ میں ہولے ہولے ل[illegible] تھا۔ مسز رانا نے ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا اور کہا "[illegible] بیٹی! تھینک یو۔ اب تم سارا کام مجھ پر چھوڑ دو اور جا کر تیاری کرو۔ کل انشاء اللہ ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں۔"

وہ بولی "اگر آپ اجازت دیں تو میں جبران کے کچھ وقت باہر گزارنا چاہتی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولی "بیٹی یہ تو تم ہمارے دل کی باتیں ہو کیوں نہیں! جبران چلو فوراً تیار ہو کر نمرہ کو اپنے ساتھ جاؤ۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا "[illegible] تو بالکل تیار ہوں۔" پھر نمرہ کی طرف پلٹ کر بولا "آ[illegible] چلیں۔" اور وہ دونوں باہر نکل گئے۔

نمرہ کے ہاتھ کی لکیریں وہی تھیں لیکن ان لکیر[illegible] اس کا راستہ بدل دیا تھا۔

☆☆☆

ذیشان نے کروٹ لیتے ہوئے آنکھیں کھول[illegible] نگاہوں کے سامنے اسما کا چہرہ تھا۔ وہ گہری نیند میں [illegible] رات وہ دونوں دیر تک جاگتے رہے تھے۔ ذیشان [illegible] اولاد کا مسئلہ تھا اور اسما کے لیے سوکن مسئلہ بنی [illegible]

[illegible]وں کے درمیان بڑی دیر تک بحث جاری رہی تھی۔ آخر وہ [illegible]ں کے سینے سے لگ کر روتے روتے سو گئی تھی۔ وہ بڑے پیار [illegible]ے اسے دیکھنے لگا۔ اس کا خوابیدہ چہرہ بہت پرکشش لگ رہا [illegible]ا۔ اسے چومنے کو جی چاہ رہا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا وہ اس کی [illegible]بت کی آنچ پاتے ہی آنکھیں کھول لیتی تھی۔ اس وقت [illegible]یشان نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا۔

[illegible] گل خانم اس کے حواس پر مسلط تھی۔ صبح کے سات بج [illegible]ے تھے۔ وہ اس کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔

وہ بڑی آہستگی سے بیڈ سے اٹھا۔ سرہانے کی میز پر سے [illegible] موبائل فون اٹھایا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اس [illegible]نے موبائل پر نمبر ملائے اور رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی [illegible]ر کے بعد آواز سنائی دی "ہیلو...... کون؟" یہ اس کی گورنس [illegible]تھی۔

اس نے کہا "میں ذیشان بول رہا ہوں۔ اپنی میڈم سے بات کراؤ۔"

"سر......! وہ گہری نیند میں ہیں۔ کیا انہیں جگا دوں؟"

"نہیں...... انہیں سونے دو۔ میں صرف ان کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"وہ خیریت سے ہیں۔ میرے خیال میں کئی دن بعد انہیں ایسی پرسکون نیند آئی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پھر کسی وقت فون کروں گا۔"

پھر وہ جواب سنے بغیر فون بند کر کے کمرے میں واپس آ گیا۔ اسما اسی طرح گہری نیند میں تھی۔ وہ بھی اس کے قریب لیٹ گیا۔ وہ صبح تقریباً پانچ بجے تو سویا تھا پھر سات بجے فون کرنے کے لیے اٹھ گیا۔ اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اس کی پیاری شریک حیات اسما سانسوں کے قریب تھی لیکن آنکھوں کے پیچھے گل خانم چھپی ہوئی تھی اور وہ دونوں کے خیالوں کے درمیان گہری نیند سو گیا۔

تین گھنٹے کے بعد اسما کی آنکھ کھلی۔ عین نگاہوں کے سامنے اپنے مجازی خدا کا چہرہ تھا۔ وہ مسکرانے لگی۔ یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ ہر صبح آنکھ کھلتے ہی اپنے مجازی خدا کا چہرہ دکھائی دیتا تھا لیکن پھر اچانک اس کا مسکراتا چہرہ بجھ گیا۔ اسے پچھلی رات کی باتیں یاد آنے لگیں۔

ذیشان نے صاف کہہ دیا تھا کہ اب اس کے ممی ڈیڈی کو بچوں کے لیے مزید نہیں ٹالا جا سکتا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بہت ہی دلبرداشتہ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ اس سے شکایت نہیں کر سکتی تھی کہ وہ ہرجائی ہے۔ اس نے ایک شوہر کی حیثیت سے محبت کی انتہا کر دی تھی۔ اس کی خاطر کتنا بڑا جھوٹ بولا تھا لیکن اب وہ مجبور ہو گیا تھا۔ وہ سوچتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو ذیشان بدستور گہری نیند میں تھا۔ اس کی نظر سرہانے والی میز پر گئی۔ وہاں موبائل فون رکھا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر کچھ یاد آنے لگا۔ نیند کے دوران میں تھوڑی دیر کے لیے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا تھا کہ ذیشان موبائل فون لیے کمرے سے باہر گیا تھا اور پھر وہ دوبارہ گہری نیند میں چلی گئی تھی۔

وہ میز کے قریب آ کر فون دیکھنے لگی۔ کچھ سوچ کر اسے اٹھایا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ صبح اس نے کسے فون کیا تھا؟ میموری سے پتا چلا کہ صبح سات بجے گل خانم کے نمبر پر فون کیا گیا ہے۔ ذیشان نے ایک بار گل خانم کا ذکر تو کیا تھا کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے اور اس کا نوزائیدہ بچہ بھی مر گیا ہے۔ یوں وہ مشہور و معروف گلوکارہ شوہر کے علاوہ اپنے نوزائیدہ بچے سے بھی محروم ہو چکی ہے۔

اس نے سر گھما کر ذیشان کو دیکھا۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ وہ موبائل فون لے کر باہر آ گئی۔ وہ گل خانم سے معلوم کرنا چاہتی تھی کہ ذیشان نے اتنی صبح اسے فون کیوں کیا تھا؟

اسی وقت بابر اپنے کمرے سے باہر آیا۔ اسے دیکھ کر بولا "کیا بھائی جان جاگ رہے ہیں؟"

"نہیں...... سو رہے ہیں۔ کیا بات ہے؟"

"ڈیڈی نے انہیں اور مجھے بلایا ہے۔ کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"ڈیڈی سے کہنا وہ رات بہت دیر سے آئے تھے۔ گہری نیند میں ہیں۔ ابھی انہیں جگانا مناسب نہیں ہے۔"

"اچھا...... میں ہی جا کر ڈیڈی سے بات کرتا ہوں۔"

وہ جانے لگا تو اسما نے کہا "سنو......!"

وہ رک گیا۔ اس نے کہا "پچھلی رات تمہارے بھائی جان دوسری شادی کی باتیں کر رہے تھے۔ لگتا ہے کہ مجھ پر وہی برا وقت آنے والا ہے۔ مجھے تم سے بڑی امید تھی لیکن افسوس......"

"بھابی جان! آپ تو جانتی ہیں میں پورے خاندان میں آپ سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتا۔ آپ کی خاطر جان دینے کے لیے بھی تیار رہتا ہوں لیکن قدرت کے آگے بھلا کیا کر سکتا ہوں۔"

وہ اس کے ساتھ چل کر نیچے تک آئی اور کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی "یہ تو میرے ہی نصیبوں کا کھیل ہے۔ اس

گھر میں میرے علاوہ سب نے ہی مقدر میاں کو ہاتھ دکھایا ہے۔ میں بھی مقدر میاں کو ہاتھ دکھاؤں گی۔ معلوم تو ہو کہ آئندہ میرے نصیب میں کیا لکھا ہے؟"

بابر اپنے والدین کے کمرے کی طرف جانے لگا۔ اسما کو بھوک لگی تھی۔ وہ کچن کی طرف جانا چاہتی تھی پھر سوچنے لگی کہ پتا نہیں اس کے ساس سسر اپنے بیٹوں سے ایسی کیا ضروری بات کرنا چاہتے ہیں؟

وہ تھوڑی دیر کھڑی سوچتی رہی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی فلک آفتاب کے کمرے کی کھڑکی کے نزدیک آ کر کان لگا کر سننے لگی۔ کمرے کے اندر بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اپنے بیٹے کو مسز رانا کی پیشکش کے بارے میں بتا رہے تھے۔

اسما کھڑکی کے پاس کھڑی بڑی دیر تک ان کی باتیں سنتی رہی۔ حیران ہو رہی تھی کہ ماں باپ تین کروڑ روپے کے عوض اپنی بیٹی کو شادی سے پہلے ہی اس کی سسرال والوں کے حوالے کرنے پر راضی ہو گئے تھے اور اس رقم کا مطالبہ بابر ہی نے کیا تھا۔ اسے پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ بابر بھی بہت ہی مفاد پرست' خود غرض' اور لالچی ہے۔ وہ صرف رقم کے عوض اپنی بہن کو شادی سے پہلے جبران کے حوالے کر رہا ہے بلکہ اس رقم کو اپنے بھائی یعنی ذیشان سے بھی چھپانا چاہتا ہے۔

وہ کھڑکی کے پاس سے پلٹ کر کچن میں آ گئی۔ خانساماں سے ناشتا تیار کرنے کو کہا اور وہیں بیٹھ گئی۔ اپنے ساس سسر کے بارے میں تو جانتی تھی کہ وہ نہایت ہی لالچی اور خود غرض ہیں لیکن آج پہلی بار بابر کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بھی اپنے ماں باپ سے کچھ کم نہیں ہے۔

اس نے حقارت سے سوچا "اونہہ...... میرے میاں ان لوگوں کی طرح لالچی اور خود غرض نہیں ہیں۔"

خانساماں نے اس کے سامنے ناشتا رکھا۔ وہ ناشتا کرنے کے دوران میں اپنے سسرال والوں کے بارے میں سوچتی رہی۔ سب ہی لالچی اور بے غیرت ہیں۔ پھوپی فلک ناز کو دیکھ لو۔ اسی شہر میں ان کی اپنی کوٹھی ہے۔ ایک بیوٹی پارلر بھی کھول رکھا ہے۔ ماہانہ ہزاروں روپے کماتی ہیں۔ اپنا بینک بیلنس بھرتی رہتی ہیں اور عینی کی دولت پر عیش کرتی رہتی ہیں۔

وہ سوچنے لگی "آج بابر نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔ آج مجھے اس کی اصلیت معلوم ہوئی ہے۔ مجھے بہت دکھ پہنچ رہا ہے۔ میں تو سمجھتی تھی۔ میرے میاں کی طرح یہ بھی دیانت دار اور غیرت مند ہے مگر افسوس یہ تو بڑا بے غیرت اور بددیانت نکلا۔"

وہ کچن سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ایک صوفے پر بیٹھ کر اپنے میاں کے موبائل فون کو دیکھا پھر دل میں کہا "اب ذرا دیکھا جائے کہ ہمارے میاں صاحب کیا کرتے پھر رہے ہیں؟"

اس نے گل خانم کے نمبر ملائے۔ تھوڑی دیر کے بعد گورنس کی آواز ابھری "ہیلو سر......! میڈم جاگ رہی ہیں میں انہیں ابھی فون دیتی ہوں۔"

اسما نے مسکرا کر اپنے فون کو دیکھا پھر زیر لب کہا "بڑی گہری انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ کسی نے سی ایل آئی پر میرے میاں کا نمبر دیکھ کر ہی سمجھ لیا کہ صاحب کا فون ہے۔ اس لیے میڈم ہی بات کریں گی۔"

وہ فون کو کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ ادھر سے گل خانم کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑے دھیمے لہجے میں بولی "ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔"

اسما ذرا بھاری بھرکم آواز بنا کر بولی "کیا تم گل خانم ہو؟"

دوسری طرف خانم کسی خاتون کی آواز سن کر چونک گئی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ ذیشان نے فون کیا ہے۔ اسما نے پھر پوچھا "تم نے جواب نہیں دیا۔ تم گل خانم ہی ہو ناں......؟"

وہ بولی "جی ہاں...... لیکن آپ کون ہیں؟"

"تم سوچو اور بتاؤ' میں کون ہو سکتی ہوں؟"

"ایس پی صاحب کا فون آپ کے پاس ہے۔ تو آپ ان کی وائف ہو سکتی ہیں۔"

"ایس پی صاحب کا فون اس کی ماں کے پاس بھی تو ہو سکتا ہے؟"

وہ جیسے گھبرا گئی "او...... آ...... آپ...... ان کی ممی ہیں؟"

"ہاں۔ کچھ عرصے پہلے اس نے تمہارا ذکر کیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ شوہر نے تمہیں چھوڑ دیا ہے اور ایک نوزائیدہ بچہ بھی اللہ کو پیارا ہو گیا ہے۔ تم بہت دکھ اٹھا رہی ہو۔ ہمدردی کی مستحق ہو۔ اسی لیے وہ تم سے ہمدردی کر رہا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس ہمدردی کے پیچھے محبت چھپی ہوئی ہے۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "جی...... جی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"ایسی ہی بات ہے۔ وہ آدھی رات کے بعد بھی تمہارے پاس ہی رہتا ہے۔ یہ محبت نہیں تو اور کیا ہے؟"

"وہ دراصل بات یہ ہے کہ میری طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ وہ مجھے ہاسپٹل

لے گئے تھے پھر ہاسپٹل سے انہوں نے مجھے گھر پہنچایا۔"

"پھر رات کے دو بجے تک تمہاری تیمارداری کرتے رہے؟ تم بہت خوش نصیب ہو۔ وہ اپنی بیوی کی بھی اتنی خدمت نہیں کرتا جتنی تمہاری کر رہا ہے۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اسما نے تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد پوچھا۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"جی پوچھیں۔"

"کیا میری بہو بنو گی؟"

دوسری طرف ایک گہری سانس چھوڑنے کی آواز ابھری پھر وہ بولی "یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ وہ...... وہ ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔ معذرت چاہتی ہوں۔ فون بند کرنا پڑے گا۔"

"فون بند کرنے سے پہلے میری ایک بات سن لو۔ مجھے دوست بناؤ گی تو تمہاری بات بنے گی۔ میں تم سے ایک رازداری چاہتی ہوں۔"

"کیسی رازداری؟"

"ذیشان سے اس فون کال کا ذکر مت کرنا۔ تم میری رازدار بن کر ہی مجھے اپنی ساس بنا سکو گی۔ اب جاؤ۔ میں آج رات کسی وقت تم سے پھر رابطہ کروں گی۔"

کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا پھر گہری سنجیدگی سے سوچنے لگی۔ گل خانم نے کھل کر کوئی بات نہیں کی۔ کسی سوال کا واضح جواب نہیں دیا لیکن گفتگو کا انداز ایسا تھا جیسے وہ چور جذبوں کو چھپا رہی ہو۔ بہو بننے کی بات پر ایسا لگا جیسے وہ شرما گئی ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر کی آمد کا بہانہ کر رہی تھی۔ بہرحال اتنا تو معلوم ہو گیا کہ میاں صاحب خانم کی زلفوں کے اسیر ہو چکے ہیں۔ شاید اسی کو اس کی سوکن بنانا چاہ رہے ہیں۔

وہ وہاں سے اٹھ کر سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آئی۔ ذیشان واش روم میں تھا۔ اس نے موبائل فون کو سرہانے والی میز پر رکھ دیا اور واش روم کے دروازے کے پاس آ کر دستک دے کر بولی "کتنی دیر اور لگے گی؟"

اندر سے آواز آئی "صرف دس منٹ......"

"ٹھیک ہے۔ میں ناشتے کے لیے کہتی ہوں۔"

خانساماں سے ناشتے کا کہہ کر وہ واپس کمرے میں آئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ گل خانم سے جو باتیں ہوئی ہیں۔ اس کا علم ابھی ذیشان کو نہ ہو۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ذیشان خود ہی خانم کو اس کی سوکن کی حیثیت سے کب پیش کرے گا؟ ابھی وہ خانم سے فون پر کچھ اور باتیں کرنا چاہتی تھی۔ بلکہ وہ تو اس سے ملنا بھی چاہتی تھی۔ اب وہ یہ تو سمجھ گئی تھی کہ کوئی نہ کوئی آ کر ہی رہے گی' لہٰذا وہ پہلے ہی اس سے واقف ہو جائے تو اچھا ہے۔

ذیشان ایک تولیہ لپیٹ کر باتھ روم سے باہر نکلا اور اسے دیکھ کر بولا "ارے تم تو بڑی جلدی اٹھ گئیں' اور شاید ناشتا بھی کر چکی ہو؟"

وہ الماری کے پاس آ کر اسے کھول کر بولی "جی ہاں...... آپ کے لیے بھی ناشتا آ رہا ہے۔"

اس نے الماری سے ایک لباس نکال کر ذیشان کی طرف بڑھا دیا۔ کپڑے پہنتے ہوئے بیڈ کے سرہانے والی میز کی طرف دیکھ کر بولا "تم موبائل فون باہر لے گئی تھیں؟"

"جی ہاں۔ تھوڑی سی پرابلم ہے۔ میں اپنی ڈاکٹر سے کنسلٹ کرنا چاہتی تھی۔"

"پھر کیا کہا ڈاکٹر نے؟"

"اس سے رابطہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ میں فون لے کر نیچے گئی تو وہاں دوسرے معاملے میں الجھ گئی۔"

"ایسا کیا معاملہ پیش آ گیا کہ تم ڈاکٹر سے رابطہ نہ کر سکیں؟"

"اس گھر میں ایک دوسرے کے خلاف ایسی سازشیں ہوتی ہیں کہ اپنوں پر سے اعتماد ہی اٹھ جاتا ہے۔"

ذیشان نے سوالیہ نظروں سے اپنی بیوی کو دیکھا۔ وہ بتانے لگی کہ کس طرح اس نے کمرے کے اندر ہونے والی گفتگو سنی ہے۔ ذیشان حیرانی اور بے یقینی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ تمام باتیں بتانے کے بعد بولی "آپ کی طرح مجھے بھی یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ہمارے بزرگ ایسا احمقانہ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ وہ لڑکی کو شادی سے پہلے ہی سسرال والوں کے حوالے کر رہے ہیں۔ ان کے اس شرمناک منصوبے میں بابر بھی شریک ہے۔ وہ صاف طور پر کہہ رہا تھا کہ تین کروڑ روپے والی بات آپ کو نہ بتائی جائے۔"

وہ بولا "واقعی مجھے یقین نہیں آ رہا ہے لیکن تم مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولتی ہو۔ اس لیے یہ سب سن کر حیران ہو رہا ہوں۔"

"آپ میرا ایک مشورہ مانیں گے؟"

"بولو...... کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"آپ ابھی یہ ظاہر نہ کریں کہ ان کے منصوبے کا علم آپ کو ہو چکا ہے۔ ان کی یہ باتیں خود ہی آپ کے سامنے آئیں گی۔"

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "ہاں...... نمرہ کو باہر بھیجنے کے سلسلے میں وہ میرے سامنے بھی یہی کہیں گے کہ اسے اعلیٰ

تعلیم کے لیے بھیجا جارہا ہے۔" اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ اسما نے کہا" آجاؤ......"

ملازم ایک بڑی سی ٹرے میں ناشتا لایا تھا۔ وہ اسے ایک میز پر رکھ کر وہاں سے چلا گیا۔ اسما نے کہا" مسز رانا...... آپ کے ڈیڈی کے اکاؤنٹ میں تین کروڑ جمع کرنے والی ہیں۔ کیا آپ کسی بھی طرح معلوم نہیں کرسکتے کہ وہ رقم جمع کی گئی ہے یا نہیں۔ کیونکہ میرا اندازہ ہے کہ بابر اور ڈیڈی شاید آپ کو کچھ نہ بتائیں۔"

وہ سوچنے لگا۔ لقمہ چباتے ہوئے بولا" اس بینک کا منیجر میرا احسان مند ہے۔ میں نے ایک بار اسے جھوٹے الزام سے بچایا تھا۔ میں اس سلسلے میں اس سے بات کروں گا۔"

وہ گلاس اٹھا کر پانی پینے لگا تو وہ بولی" آپ نے کچھ کھایا ہی نہیں۔ کیا ایک سلائس سے پیٹ بھر جاتا ہے؟"

"پیٹ کیا بھرا جائے۔ بھوک ہی مرگئی ہے۔ پریشانیاں پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ میری ملازمت خطرے میں ہے۔ میرا محاسبہ کیا جارہا ہے۔ طرح طرح کے الزام عائد کیے جارہے ہیں۔ دشمن مجھے کئی مجرموں کا قاتل ثابت کرکے سزا دلوانا چاہتے ہیں اور اوپر سے یہ گھریلو مسائل۔"

وہ پریشان ہوکر بولی" مقدر میاں نے بتایا تھا کہ آپ کے کئی دشمن ہیں اور وسیع ذرائع کے مالک ہیں۔ آپ ان سے تنہا کیسے نمٹ سکیں گے؟"

"اوپر میرا خدا ہے...... اور نیچے میری ذہانت' دیانت داری اور تجربات ہیں۔ اللہ مالک ہے۔ لیکن ادھر یہ گھریلو مسئلے بھی پریشان کرنے کے لیے کچھ کم نہیں ہیں۔ یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے کہ ممی اور ڈیڈی تین کروڑ روپے لے کر نمرہ کو شادی سے پہلے سسرال والوں کے حوالے کررہے ہیں۔ جیسے اسے بیچ رہے ہوں۔"

اسما نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" آپ کسی طرف بھی توجہ نہ دیں۔ جو جیسا کرے گا۔ ویسا بھرے گا۔ آپ اس شہزور دشمن سے بچنے کی کوشش کریں۔ میری بات مانیں۔ مقدر میاں سے دن رات ملتے رہیں۔ وہ آپ کے دشمنوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ ان کی کمزوریاں بتا سکتا ہے اور آپ کو بہترین مشورے دے سکتا ہے۔"

ذیشان اثبات میں سر ہلا کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

خاندان کے تمام افراد لنچ کے وقت کھانے کی میز پر جمع ہوجایا کرتے تھے مگر اس روز وہ بڑی سی ڈائننگ ٹیبل ویران ویران سی تھی۔ صرف فلک ناز' آسرا اور عدنان کے ساتھ وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ خانساماں کھانے کی ڈشیں لا کر رکھنے لگا تو ناز نے پوچھا" اور لوگ کہاں ہیں؟"

اس نے کہا" بڑے صاحب اور بڑی بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں ہیں۔ بابر میاں بھی وہیں ہیں۔"

"تم نے انہیں بتایا نہیں کہ کھانا تیار ہوگیا ہے؟"

"میں نے کہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ان کا کھانا وہیں پہنچا دیا جائے۔ آج وہ اپنے کمرے میں ہی کھائیں گے۔"

وہ کچن کی طرف چلا گیا۔ فلک ناز سوچ میں پڑگئی۔ آسرا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا" اب آپ کو فکر ہوگئی کہ وہ یہاں کیوں نہیں آرہے ہیں؟ اپنے کمرے میں کیا کررہے ہیں؟"

وہ بولی" کیا فکر نہیں ہونی چاہیے؟ تم کیا جانو' ایک عرصے بعد آئی ہو۔ یہاں تو آئے دن میرے خلاف سازشیں ہوتی رہتی ہیں۔"

"ممی......! اب بھلا کیا سازشیں ہوں گی؟ آپ مقدر کو اپنا داماد بنانا چاہتی تھیں اب آپ کا راستہ بالکل صاف ہورہا ہے کیونکہ نمرہ جبران سے شادی کے لیے راضی ہوگئی ہے۔"

"راضی ہونے سے کیا ہوتا ہے جب تک شادی نہیں ہوجاتی اور نمرہ یہاں سے چلی نہیں جاتی۔ تب تک میں ان ماں بیٹی پر تو کبھی یقین نہیں کروں گی۔ وہ رہ رہ کر پٹریاں بدلتی رہتی ہیں۔"

عدنان نے کہا" اماں کیا لڑکیوں کی شادی کرنے سے کروڑوں روپے ملتے ہیں؟"

وہ بولی" سب لڑکیوں کے نصیب ایسے کہاں ہیں۔ ہاں بعض لڑکیاں قسمت کی دھنی ہوتی ہیں۔ ان کے دام لگ جاتے ہیں۔"

اس نے ایک طرف سر گھما کر آسرا کو اور دوسری طرف سر گھما کر عدنان کو دیکھا پھر دھیمی آواز میں کہا" یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ دراصل نمرہ کی شادی نہیں ہورہی ہے اچھی خاصی رقم لے کر اسے بیچا جارہا ہے۔"

آسرا نے کہا" پلیز ممی کسی پر کیچڑ نہ اچھالیں۔ نمرہ ایسی نہیں ہے کہ دولت دیکھ کر پھسل جائے۔ کیا مقدر حیات کے پاس دولت نہیں ہے؟ پھر وہ جبران کی طرف کیوں مائل ہوگی۔ اس نے تو صاف طور سے کہہ دیا ہے شادی سے پہلے ان سے کوئی رقم نہیں لے گی۔"

"بیٹی......! یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں۔ تم ابھی بچی ہو۔ تمہیں کیا پتا۔ نمرہ اپنی ماں کے اشاروں پر چلتی ہے اس نے ماں کے کہنے پر سب کے سامنے رقم لینے سے انکار کیا ہے۔ بھابی جان بڑی چالاک ہیں۔ درپردہ رقم وصول کرلیں

گی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ انہوں نے لڑکی بیچی ہے۔"

اس نے یہ کہتے ہوئے سامنے سے کھانے کی پلیٹ ہٹادی۔ آسرا نے پوچھا" کیا ہوا؟"

"مجھ سے کھایا نہیں جائے گا۔ پتا نہیں وہاں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ آج بابر بھی اپنی ممی اور ڈیڈی کے کمرے میں گھسا ہوا ہے۔ ضرور کوئی بات ہے۔"

"ممی! آپ تو خواہ مخواہ کی فکر اپنے اوپر لاد لیتی ہیں۔ جو ہورہا ہے وہ سامنے ہی آئے گا۔"

"آسرا......! بہت دنوں کے بعد ان کی چالبازی معلوم ہوگی تو پانی سر سے گزر چکا ہوگا' پھر میں کچھ نہیں کرپاؤں گی۔"

"آپ یہ کیوں سمجھ رہی ہیں کہ وہاں آپ کے خلاف سازشیں ہورہی ہوں گی؟"

"کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے نمرہ نے اپنا ارادہ بدل لیا ہو۔ ہوسکتا ہے لین دین کے معاملے میں مسز رانا سے اختلافات ہورہے ہوں۔ پھر تو وہ پلٹ کر مقدر حیات کی طرف ہی آئیں گے۔ کیا اس طرح ہمارا نقصان نہیں ہوگا؟"

عدنان نے اپنے سامنے سے پلیٹ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میں بھی نہیں کھاؤں گا۔"

فلک ناز نے اسے گھور کر دیکھا۔ آسرا نے کہا" آپ جانتی ہیں کہ یہ آپ کو کس قدر چاہتا ہے۔ آپ بھوکی رہیں گی تو کیا یہ اپنا پیٹ بھرلے گا؟"

فلک ناز نے عدنان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا" بیٹے کھالو۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں بعد میں کھالوں گی۔"

"میری بھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں بھی بعد میں آپ کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔"

اس نے بے بسی سے بیٹے کو دیکھا پھر اس پر بڑا پیار آیا۔ وہ اس کی طرف جھک کر اسے چومتے ہوئے بولی" چلو میں کھا رہی ہوں۔"

وہ خوش ہوکر بولا" دیٹ از لائک اے گڈ......"

وہ پھر کھانے لگے۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کے کمرے میں واقعی کھچڑی پک رہی تھی۔ کھچڑی بہت گرم تھی۔ کھاتے وقت منہ جل رہا تھا۔ مسز رانا نے فون پر کہا" لندن کے لیے کل تین سیٹیں بک ہوچکی ہیں۔ کل شام پانچ بجے کی فلائٹ ہے۔"

بیگم آفتاب نے پریشان ہوکر کہا" بہن آپ نے اتنی جلدی سیٹیں کیوں کرالیں۔ ہم سے پوچھا تو ہوتا!"

"اب پوچھنے کی کیا بات تھی؟ آپ تو جانتی ہیں جبران کے ڈاکٹر بار بار کہہ رہے ہیں کہ اسے جلد سے جلد علاج کے لیے لندن لے جایا جائے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہماری بھی مجبوری سمجھیں۔ ابھی تو ہم نے اپنے بڑے بیٹے سے بات نہیں کی ہے۔"

"تو غور کرلیں۔ کل پانچ بجے کی فلائٹ ہے اس طرح آپ کے پاس ستائیس گھنٹے ہیں۔ آپ کا بڑا بیٹا بھی اپنی بہن کو ہائیر اسٹڈیز کے لیے لندن جانے سے نہیں روکے گا۔ آپ بھائی صاحب کو فون دیں۔ میں ان سے بات کرتی ہوں۔"

بیگم نے فون اپنے میاں کی طرف بڑھایا۔ اس نے اسے کان سے لگا کر کہا" السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔ بھائی صاحب' کل کی سیٹیں کنفرم ہوگئی ہیں۔ میں نمرہ کو اپنے ساتھ لندن لے جارہی ہوں اس سے پہلے آپ کے مطالبات پورے ہوجائیں گے۔ کل صبح دس بجے میں آپ کے ساتھ بینک میں جاکر آپ کی مطلوبہ رقم جمع کردوں گی۔"

"میں جانتا ہوں۔ آپ جو کہتی ہیں وہ کرتی ہیں' لیکن آپ ہمیں کچھ اور وقت دیتیں تو زیادہ مناسب ہوتا۔"

"دیکھیے بھائی صاحب......! جتنی جلدی ہماری روانگی ہوگی اتنی جلدی آپ کے اکاؤنٹ میں تین کروڑ روپے ٹرانسفر ہوجائیں گے۔ اگر ہماری روانگی میں دیر ہوگی تو پھر رقم کی ادائیگی میں بھی دیر ہوگی۔"

"اچھا میں سوچتا ہوں اور ایک گھنٹے کے اندر آپ کو کال کرتا ہوں۔"

ادھر دونوں ماں بیٹے ایک دوسرے کی طرف جھکے ہوئے کچھ کھسر پھسر کررہے تھے۔ بیٹے نے باپ کی طرف دیکھ کر پوچھا" ڈیڈ......! وہ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"کہنا تو ہمیں ہے۔ جب وہ اتنی بڑی رقم دے رہی ہیں تو اپنی مرضی سے جب چاہیں گی نمرہ کو یہاں سے لے جائیں گی۔"

بیگم آفتاب نے کہا" وہ کیسے من مانی کریں گی؟ ہم نے لڑکی بیچی نہیں ہے۔"

باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ان کی نظریں جھک گئیں۔ فلک آفتاب نے شکست خوردہ لہجے میں کہا" کسی رشتے' کسی معاہدے کے بغیر' بیٹی کو ان کے حوالے کررہے ہیں اور ان سے اتنی بڑی رقم لے رہے ہیں۔ یہ بات ہم تینوں کے درمیان اس بند کمرے میں ہے۔ بات کمرے سے باہر جائے

گی تو دنیا یہی کہے گی کہ ہم نے لڑکی کو بیچ دیا ہے۔"

بیگم نے کہا" ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارے درمیان لین دین کا شریفانہ معاہدہ ہو چکا ہے۔ ہم تحریری معاہدہ اس لیے نہیں کر رہے ہیں کہ شادی سے پہلے بیٹی کو ان کے حوالے کرنے کی بات لکھیں گے تو خود ہی گرفت میں آ جائیں گے۔ پورے خاندان میں تنقید کا نشانہ بنیں گے۔"

وہ ذرا دیر تک چپ رہے پھر بابر نے کہا "ہمیں اتنی رقم یک مشت ملنے کی کوئی اور امید نہیں ہے۔ یہ سمجھیں مقدر ہم پر مہربان ہو گیا ہے۔ اگر ہم نے یہ موقع ہاتھ سے جانے دیا تو کاروبار کو آگے بڑھانے کے لیے اتنی رقم کبھی نہیں ملے گی۔"

بیگم آفتاب نے کہا" بات صرف اتنی سی ہے کہ مسز رانا ہمیں تھوڑا وقت دے دیں۔ اتنی جلدی نمرہ کو لے جانا مناسب نہیں ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا" وہ وقت دینے کے لیے تیار ہیں' لیکن ہم جتنی دیر نمرہ کو روانہ کرنے میں کریں گے اتنی ہی دیر سے ہماری پے منٹ ہوگی۔"

بابر نے پوچھا" کیا وہ کل پے منٹ کرنے پر تیار ہیں؟"

"ہاں۔ انہوں نے کہا ہے کل صبح دس بجے ہمارے ساتھ بینک میں جا کر ہماری مطلوبہ رقم ٹرانسفر کر دیں گی۔"

"یہ تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ زبان کی پکی ہیں۔ ہم ہی حالات سے مجبور ہو کر گھبرا رہے ہیں۔"

بابر نے کہا" ممی اگر آپ بھی نمرہ کے ساتھ چلی جائیں تو کسی رشتے دار کو' خاص طور پر بھائی جان کو' کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ آپ ابھی مسز رانا سے فون پر کہیں کہ وہ آپ کے جانے کا انتظام بھی کروائیں۔"

فلک آفتاب نے کہا" بے شک ماں بیٹی ساتھ جائیں تو پھر کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔ تعجب ہے اتنی سی بات پہلے ہمارے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ بیگم! ابھی مسز رانا سے بات کرو۔"

اس نے موبائل پر مسز رانا کا نمبر ملا کر فون اپنی بیگم کی طرف بڑھا دیا۔ ذرا ہی دیر میں دوسری طرف سے مسز رانا کی آواز سنائی دی" ہیلو۔ میں بول رہی ہوں۔"

"بہن میں مسز آفتاب بول رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جبران کے علاج کی خاطر آپ کو جلد سے جلد جانا ہے لیکن اچانک ہی نمرہ یہاں سے تنہا آپ کے ساتھ گئی تو بڑی باتیں بنائی جائیں گی۔ ہمارے خیال میں اس کا ایک معقول حل یہ ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ جاؤں۔ اس لیے میرے سفر کی تیاری بھی آپ کرا لیں تو اچھا ہے۔"

مسز رانا چہک کر بولیں" نو پرابلم...... یہ بھی ہو جا[ئے گا۔] آپ بھی سفر کی تیاریاں کر لیں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ بیگم آفتاب نے فون بند کرتے ہو[ئے کہا] "نہیں کوئی اعتراض نہیں بابر تم نے بہت اچھا مشورہ دیا [ہے۔] میں سینہ تان کر بیٹی کو یہاں سے لے جاؤں گی۔ کوئی ہم [پر انگلی] نہیں اٹھا سکے گا۔ ذیشان بھی اعتراض نہیں کر سکے گا۔"

دروازے پر دستک سنائی دی۔ فلک آفتاب نے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ وہاں ملازم کھڑا ہوا تھا۔ اس نے [کہا "چھوٹے صاحب] جاگ رہے ہیں۔ میں نے ابھی ان کے کمرے میں [ناشتا] پہنچایا ہے۔ آپ نے کہا تھا میں آپ کو اطلاع دوں اس [لیے] آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ فلک آفتاب دروازہ بند کرتے ہو[ئے بولے] "ذیشان جاگ گیا ہے ناشتا کر رہا ہے۔"

بیگم نے کہا" آپ فوراً اس سے بات کریں۔ و[ہ] ناشتا کرتے ہی ڈیوٹی پر چلا جائے گا۔"

"میں اسے فون پر کہتا ہوں کہ جانے سے پہلے مج[ھ سے] بات کر لے۔"

اس نے موبائل پر ذیشان کے نمبر ملائے۔ فون [بند] چل رہا تھا" آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہے۔ آپ تھوڑی دیر بعد رابطہ کریں۔"

وہ فون کو بند کرتے ہوئے بولا" اس کا فون بند ہے [۔"] پھر وہ دوسرے فون پر اس سے رابطہ کی کوشش کر[نے لگا۔] دوسری طرف فلک ناز ڈرائنگ روم سے گزر رہی تھی۔ اس فون کی ایکسٹینشن رکھی تھی۔ ٹیلی فون پر ایسی آوازیں دیں جیسے کوئی رابطہ کر رہا ہو۔ وہ فوراً ہی ٹیلی فون کے قریب آئی اور اس نے آہستگی سے ریسیور کو اٹھا کر کان سے [لگایا۔] اسے ذیشان کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا" ڈیڈی ابھی ڈیوٹی پر جانے والا ہوں۔"

فلک آفتاب کی آواز سنائی دی" بیٹے! میں تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ جانے سے پہلے میرے [پاس] آؤ۔"

"ابھی دفتر سے فون آیا ہے۔ ایک ایمرجنسی ہے۔ جلدی جانا ہوگا۔ بتائیے کیا بات ہے؟"

"بیٹا......! فون پر کرنے والی باتیں نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے' رات کو واپس آ کر آپ سے مل لوں گا۔"

"تم تو ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہو۔ آتے ہو' کب جاتے ہو پتا ہی نہیں چلتا۔ گھر کے معام[لات میں]

بھی تو کبھی دلچسپی لیا کرو۔ ہم نمرہ کو ہائیر اسٹڈیز کے لیے لندن بھیج رہے ہیں۔ اس سلسلے میں تم سے باتیں کرنا چاہتے تھے۔"

"ڈیڈ! پہلے تو ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ اسے لندن تعلیم کے لیے بھیجا جائے گا۔ آپ نے اچانک یہ فیصلہ کیوں کیا ہے؟"

"ابھی وہاں نمرہ کے لیے بڑی سہولتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ داخلہ بھی ہو رہا ہے تو پھر ہم موقع سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں؟"

"ٹھیک ہے۔ ابھی آپ نے فیصلہ کیا ہے۔ فوراً تو نہیں بھیج رہے ہیں نا۔ میں رات کو آ کر بات کروں گا۔"

"بیٹا! وہ کل شام کی فلائٹ سے جا رہی ہے۔"

ذیشان نے شدید حیرانی سے پوچھا" کیا......؟ کل شام کو......؟ اتنی جلدی؟ یہ اتنا اہم فیصلہ اچانک کیوں ہو رہا ہے اور وہ اتنی جلدی کیوں جا رہی ہے؟"

"پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ ہم اسے تنہا نہیں بھیج رہے ہیں۔ تمہاری ماں بھی ساتھ جائیں گی۔"

"کیا وہاں رشتے داروں کے یہاں جا کر رہیں گی؟ جبکہ ہم یہ جانتے ہیں' کوئی کسی کو پوچھتا نہیں ہے۔ ہمارے درمیان صرف دکھاوے کی رشتے داری ہے۔"

"ہم سب جانتے ہیں' مگر تم یہ نہیں جانتے کہ تمہاری ممی کی سہیلی انہیں فون کر کے بلاتی رہتی ہے۔ وہ ان کے لیے سارے انتظامات کر رہی ہے لیکن اخراجات ہم خود برداشت کریں گے۔"

"آپ یہ اخراجات کہاں سے پورے کریں گے؟ ہمیشہ تو یہ ذکر ہوتا ہے کہ کاروبار مندا چل رہا ہے۔ آمدنی سے زیادہ اخراجات بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس پر آپ یہ اخراجات بڑھا رہے ہیں۔"

"بیٹے! میں نے آج تک تم سے کبھی اپنے یا گھر کے اخراجات کے لیے کوئی رقم نہیں مانگی؟ آج تم میرے اخراجات کا حساب کیوں کر رہے ہو؟"

"ڈیڈ! میں آپ کو گھر کے اخراجات کے لیے رقم نہیں دیتا ہوں۔ صرف اس لیے کہ ہم سب عینی کے گھر بیٹھ کر کھا رہے ہیں۔ کھانے پینے' پہننے اوڑھنے' گھومنے پھرنے کے سلسلے میں آپ کا ایک پیسا خرچ نہیں ہوتا ہے۔"

باپ نے کہا" اس طرح تم سمجھ سکتے ہو کہ میں کاروبار سے ہونے والی آمدنی بچا تا رہا ہوں اور اب بیٹی کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ بہت بڑے گھرانے میں اس کا رشتہ ہونے والا ہے۔"

"ڈیڈی! میں جانتا ہوں کاروبار سے اتنی آمدنی نہیں ہوتی کہ آپ نمرہ کو لندن پڑھانے کے لیے بھیج دیں اور اس کے بھاری اخراجات برداشت کریں۔ آپ مجھے صاف صاف بتائیں۔ کیا مسز رانا سے رقم لی جا رہی ہے؟"

"فضول باتیں نہ کرو۔ نمرہ نے سب کے سامنے اپنے سسرال والوں کی کروڑوں کی پیشکش ٹھکرا دی۔ ہماری بیٹی غیرت مند ہے۔ ہم غیرت مند ہیں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم ہم پر کیوں شبہ کر رہے ہو؟"

فون پر تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر ذیشان نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ آپ میرے والد ہیں میں آپ پر شبہ نہیں کرتا لیکن یہ ضرور معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ اچانک اتنی جلدی نمرہ کو لندن کیوں لے جایا جا رہا ہے اور وہ کس طرح کی ہائیر اسٹڈیز وہاں کرے گی۔ اس وقت میں جلدی میں ہوں اس لیے کوئی بحث نہیں کروں گا۔ خدا حافظ!"

رابطہ ختم ہو گیا۔ فلک ناز نے زیر لب مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ کر دل ہی دل میں کہا" میں پہلے ہی سمجھ رہی تھی کہ اس بند کمرے میں کوئی کھچڑی پک رہی ہے' بلکہ پک چکی ہے۔ بھابی جان کسی کام میں دیر نہیں کرتیں۔ اچانک بیٹی کو لے کر لندن جا رہی ہیں۔ آخر بات کیا ہے؟ وہ سوچ رہی تھی" ذیشان نے درست کہا تھا کہ وہ لندن کے اخراجات کیسے پورے کریں گے؟ لیکن باپ نے بیٹے کو کوئی معقول جواب نہیں دیا لیکن میں تو یہ معلوم کر کے رہوں گی کہ وہاں نمرہ کے اخراجات کون پورے کرے گا؟"

☆☆☆

گل خانم کو یقین تھا کہ ذیشان اسے فون کرے گا یا پھر اس کی خیریت معلوم کرنے کے لیے خود ہی چلا آئے گا۔ یہ یقین کچھ زیادہ ہی تھا کہ وہ فون کرنے کی بجائے ادھر کھنچا چلا آئے گا۔

اس نے ایک بار پھر اپنے لباس کو دیکھا۔ وہ کئی بار اسے دیکھ چکی تھی۔ اس پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔ یہ وہی لباس تھا جسے وہ پہنا گیا تھا۔

دل کہہ رہا تھا کہ پولیس کا وہ اعلیٰ افسر اس کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ ابھی آئے گا اور ضرور آئے گا۔ اتنے میں موبائل کے بزر کی آواز سنائی دی۔ اس نے فوراً ہی لپک کر موبائل فون اٹھایا۔ اس پر نمودار ہونے والا نمبر یادر خان کے موبائل کا تھا۔ وہ اسے کال کر رہا تھا۔

وہ مایوس ہوئی تھی کیونکہ اس کا دھیان تو ذیشان کی طرف

تھا۔ زندگی میں پہلی بار ذیشان نے اس کی سوچ میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ وہ پہلی بار یاور خان سے ہٹ کر ایک دوسرے شخص کے بارے میں سوچنے لگی تھی اور بڑی شدت سے سوچنے لگی تھی۔

اس نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو...... میں تم سے فون پر بھی بات کرنا نہیں چاہتی۔"

"ایسا نہ کہو گل جاناں......! اتنی بڑی دنیا میں تمہارے سوا میرا کوئی نہیں ہے۔"

"تمہارے سب ہیں۔ پورا خاندان ہے۔ اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ یا پھر یہاں کسی سے شادی کر لو مگر میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"تم آج پہلی بار پیچھا چھڑانے والی بات کر رہی ہو۔"

"ہاں' میں عاجز آ گئی ہوں۔ پریشان ہو گئی ہوں۔ تم نے میری زندگی عذاب کر دی ہے۔ کل میں شدید بخار کی اور بیماری کی حالت میں تمہارے لیے حوالات سے ایس پی صاحب کے دفتر تک دوڑتی گئی۔ جانتے ہو میرے ساتھ کیا ہوا تھا؟ میں بے ہوش ہو گئی تھی مجھے ہاسپٹل پہنچایا گیا تھا۔"

"میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا۔ تمہارے سیکورٹی گارڈز نے خوامخواہ مجھے حوالات میں پہنچا دیا تھا۔"

"بکواس مت کرو۔ تم نے چاقو سے اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ کیا وہ تمہیں چھوڑ دیتے؟ تم مجھ سے زیادتیاں کرتے رہتے ہو۔ میں تمہیں معاف کرتی رہتی ہوں۔ کیا دنیا والے بھی تمہیں معاف کر دیں گے؟"

"میری جان! مجھ سے انجانے میں غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ جب سے تم دور ہوئی ہو میں پاگل سا ہو گیا ہوں۔ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ کل حوالات سے نکلتے ہی پھر تمہیں تلاش کرتا رہا۔ تمہارا پتا نہیں چل رہا تھا۔ بار بار تمہاری کوٹھی کے چاروں طرف چکر لگاتا رہا۔"

"تم پھر میری کوٹھی کے پاس آئے تھے؟ ایس پی صاحب نے تمہیں بہت ہی سخت وارننگ دی ہے۔ اس بار تم اگر میرے قریب دیکھے گئے تو پولیس والے تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے' تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"مجھے وہ ایس پی تمہارا کچھ زیادہ ہی دیوانہ لگ رہا ہے۔ وہی تمہیں ہاسپٹل لے گیا تھا اور رات کے وقت گھر واپس لایا تھا۔"

"کیا تمہیں اس لیے برا لگ رہا ہے کہ وہ میرے برے وقت میں کام آ رہا ہے؟"

"جوان عورت کے برے وقت میں برے لوگ ہی کام آتے ہیں۔ اسے تم سے یقیناً کوئی دلچسپی ہو گی تب ہی تمہارے لیے وہ اتنا کچھ کرتا ہے۔ تمہارے کہنے پر اس نے مجھے حوالات سے رہا کرایا۔ اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر تمہیں ہاسپٹل لے گیا۔ وہاں سے ایمبولینس میں ڈال کر تمہیں گھر لے کر آیا۔ پھر......اور پھر......"

وہ غصے سے بولا "اس وقت میں انگاروں پر لوٹ رہا ہوں۔ جی چاہتا ہے اسے گولی مار دوں۔ اگر تم سچ نہیں بولو گی تو تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ مجھ سے کیا سچ اگلوانا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ وہ رات دو بجے تک تمہارے ساتھ کیا کر رہا؟"

وہ بھی غصے سے بولی "تم بہت ہی خر دماغ ہو۔ میرے ساتھ کچھ بھی کرے' تم کون ہوتے ہو' پوچھنے والے کیا رشتہ ہے تمہارے ساتھ؟"

"دیکھو گل جاناں! میں اتنا تو جانتا ہوں کہ تم بے حیا نہیں ہو۔ تم صرف اتنا بتا دو کہ وہ رات دو بجے تک تمہاری کوٹھی کے اندر کیا کرتا رہا؟"

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔ تم میرے سوال کا جواب دو۔ کیا عدت کے ایام گزارنے کے بعد مجھے اپنی شریکِ حیات بنانا چاہو گے؟"

"دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اس کا تو انتظار کر رہا ہوں کہ تم پھر کب میری زندگی میں آؤ گی۔"

"یہ مت بھولو اس کے لیے مجھے حلالہ کے مرحلے سے گزرنا ہو گا۔"

وہ ذرا دیر تک چپ رہا پھر بولا "یہ ضروری تو نہیں۔ گل جاناں......! ہم تم چاہیں تو......"

وہ بات کاٹ کر بولی "بے حیائی اور بے دینی کی باتیں مت کرو۔ ہمیں اپنے اسلامی قانون کے مطابق عمل کرنا ہو گا یہ تمہیں منظور ہے یا نہیں؟"

"تم نماز تک تو پڑھتی نہیں ہو پھر ایسی دین ایمان والی کیوں بن رہی ہو؟ صاف کیوں نہیں کہتیں کہ اس ایس پی پر دل آ گیا ہے۔ اس سے شادی کرنے کے لیے یہ بہانہ مل رہا ہے۔"

"تمہاری بد دماغی کی وجہ سے ہی یہ دن آیا ہے۔ اب مجھے وہی کرنا ہو گا جو دینی احکامات کہتے ہیں۔ تم اپنے طور پر جو چاہو سمجھو' وہ پولیس افسر ہو یا کوئی بھی ہو' کسی نہ کسی سے تو مجھے شادی کرنا ہی ہو گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ رات دو بجے تک تم ......"

"بکواس مت کرو۔ جب تک عدت کے ایام نہیں گزریں گے شادی نہیں ہو سکتی۔ تمہارے جلنے کڑھنے اور شبہ کرنے سے میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ تم سیدھی سی بات بتاؤ کہ جب میں دینی احکامات کے مطابق تمہارے پاس واپس آؤں تو کیا مجھے بیوی کی حیثیت سے قبول کرو گے؟"

وہ ذرا دیر چپ رہا پھر غصے سے بولا "مجھے یہ سوچ کر بھی غصہ آتا ہے کہ تم کسی دوسرے کی تنہائی میں جاؤ گی۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میری مجبوری ہے مجھے تو شادی کرنی ہے۔"

"میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں وہ پولیس افسر تمہارے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ اس کے آگے میں تمہیں پاؤں کی جوتی لگ رہا ہوں لیکن جب یہ جوتی تمہارے اور اس کے سر پر پڑے گی' تب معلوم ہو گا کہ میں کیا ہوں؟"

"تم کیا ہو؟ اب پولیس والوں کے ہتھے چڑھو گے تو پتا چلے گا' کیونکہ میں تمہاری سفارش نہیں کروں گی۔ ایس پی صاحب نے کہہ دیا ہے اس بار تمہیں ٹارچر سیل میں پہنچایا جائے گا۔ وہاں سے تم اپاہج بن کر نکلو گے۔ کسی کو گولی مارنا تو دور کی بات ہے کوئی ہتھیار پکڑنے کے قابل بھی نہیں رہو گے۔ بھیک مانگتے پھرو گے۔"

"تم مجھے پولیس والوں سے پٹواؤ گی؟ اپاہج کرا دو گی؟ بھیک منگا بنا دو گی؟ تمہیں یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آ رہی ہے؟"

"تمہیں طلاق دیتے ہوئے شرم نہیں آئی تھی؟ تم صرف میرے ہی نہیں' میرے نوزائیدہ بچے کے بھی مجرم ہو۔ تمہاری وجہ سے وہ بچہ مارا گیا۔ میں دوبارہ ماں بننا چاہتی ہوں اور میری گود اسی وقت بھرے گی جب میں دوسری شادی کروں۔"

"یہ نہیں ہو گا۔ دوسرے بچے کا باپ بھی میں ہی بنوں گا۔ تم صرف میرے بچوں کی ماں بنو گی۔"

"میرے پاس تمہاری بکواس سننے کا وقت نہیں ہے۔ آئندہ بھی میں تم سے بات نہیں کروں گی۔ اب یہ فون میری گورنس کے پاس رہے گا اور وہ تمہاری آواز سنتے ہی فون بند کر دیا کرے گی۔ میں تمہیں آخری بار سمجھا رہی ہوں۔ عقل سے کام لو۔ پولیس والوں سے دشمنی مول لو گے تو الٹا لٹک جاؤ گے۔ کوئی تمہیں بچانے کے لیے نہیں آئے گا۔ خدا حافظ......"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور گورنس کو بلا کر کہا "یہ فون اپنے پاس رکھو۔ جب بھی یاور خان کی آواز سنائی دے' فون بند کر دینا۔ کوئی دوسری کال آئے تو فون مجھے دے دینا۔"

گورنس وہ فون لے کر چلی گئی۔ دس منٹ بعد ہی وہ واپس آئی تو گل خانم نے پوچھا "کس کا فون ہے؟"

"میڈم فون نہیں ہے۔ ایس پی صاحب تشریف لائے ہیں۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔" گل کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ گورنس زیر لب مسکراتے ہوئے بولی "کیا یہاں بھیج دوں؟"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ اسے خود نہیں معلوم تھا کہ وہ زندگی کے کس موڑ پر پہنچی ہوئی ہے۔ ذیشان بیگانہ ہوتے ہوئے بھی اپنا ہے لیکن جو اپنائیت ہے وہ چوری چھپے قائم ہوئی ہے۔ موجودہ حالات ایسے تھے کہ شاید کچھ ایسی ڈھکی چھپی باتیں بھی ہونے لگیں۔ وہ تذبذب میں تھی مگر گورنس کچھ سمجھ گئی۔

گورنس وہاں سے جاتے ہوئے بولی "میں انہیں یہیں بھیج دیتی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ گل خانم کچھ کہتی' وہ باہر جا چکی تھی۔ بہت تیز طرار تھی۔ اپنی حرکتوں سے یہ ظاہر کر رہی تھی کہ موجودہ معاملات کو گل خانم سے زیادہ سمجھ رہی ہے۔ وہ فوراً ہی پلٹ کر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنے لگی۔ خود کو دکھانا عورت کی کمزوری ہے۔ وہ جائزہ لینے لگی۔

پچھلی رات والا لباس اس کے بدن پر تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ ذیشان کے آنے سے پہلے لباس تبدیل کر لے گی' کیونکہ وہ لباس ایک اہم واردات کی چغلی کھا رہا تھا۔

اس نے پلٹ کر الماری کی طرف دیکھا۔ دوسرا لباس پہننے کا سوچ رہی تھی کہ دروازے پر دستک سنائی دی اور گورنس نے آ کر کہا "ایس پی صاحب تشریف لائے ہیں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ذیشان دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ گورنس باہر چلی گئی اور جاتے جاتے دروازے کو بند کر دیا۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ بڑے ہی اضطراب کے عالم میں دوپٹے کے آنچل سے کھیل رہی تھی۔ ذیشان اسے بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت وہ شرمائی ہوئی سی جھینپی ہوئی سی اتنی پرکشش لگ رہی تھی کہ دل کھنچا جا رہا تھا۔

اس نے بڑے پیار سے پوچھا "کیسی ہو؟"

اس نے جھکے ہوئے سر کو ہاں کے انداز میں ہلایا۔ وہ بولا "کل بخار سے زیادہ ذہنی پریشانیوں نے تمہیں توڑ ڈالا تھا۔ تم بہت زیادہ کمزور ہو گئی تھیں۔ اسی لیے بے ہوش ہو گئی تھیں۔"

وہ خاموش رہی۔ اس نے کہا ''میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ بجائے اس کے کہ تم مجھے بیٹھنے کو کہو میں پوچھ رہا ہوں کیا تم اسی طرح کھڑی رہو گی؟''

''نہیں...... آپ...... آپ بیٹھ جائیں......''

''پہلے تم بیٹھو۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک کرسی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ذیشان بھی ایک کرسی کھسکا کر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ وہ آپ ہی آپ سمٹنے لگی۔

اس نے پوچھا ''تم نے دوا لی؟''

اس نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''لنچ کیا ہے؟''

وہ دھیمی سی آواز میں بولی ''ابھی نہیں۔''

''سہ پہر کے تین بج رہے ہیں۔ لنچ کا وقت گزر چکا ہے۔ تمہیں وقت پر کھانا پینا چاہیے۔ ورنہ توانائی بحال نہیں ہو سکے گی۔''

''میں کھا لوں گی۔''

''میرے جانے کے بعد کھانا چاہتی ہو تو میں ابھی چلا جاتا ہوں۔''

اس نے ایک دم سے سر اٹھا کر دیکھا پھر فوراً ہی نظریں جھکا لیں اور دھیمی مترنم آواز میں بولی ''میں جانے کو تو نہیں کہہ رہی ہوں۔''

''مگر میں جانے کا اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں نے بھی لنچ نہیں کیا ہے۔ کہیں باہر جا کر کھاؤں گا۔''

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا ''آپ بھوکے ہیں؟ پہلے کہنا چاہیے تھا؟''

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی ''میں ابھی کھانا منگواتی ہوں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا ''تم آرام سے بیٹھو۔ میں تمہاری گورنس سے کہتا ہوں۔''

وہ دروازے کے پاس آیا اور پھر اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا۔ گورنس ایک دم سے اچھل پڑی۔ وہ دروازے سے کان لگائے سن رہی تھی۔ چوری پکڑی گئی تھی۔ ذیشان نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا ''یہ کیا حرکت ہے؟''

وہ جھینپ کر بولی ''سوری سر! میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ ٹھنڈا لیں گے یا گرم؟''

''کسی چیز کی ضرورت ہو گی تو ہم تمہیں بلا لیں گے۔ فی الحال تو تم جاؤ اور ملازم سے کہو کھانے کے لیے جو کچھ بھی ہے یہاں لے آئے۔''

وہ ''یس سر'' کہتی ہوئی تیزی سے چل دی۔ ذیشان اسے گھور کر جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اس نے اندر آ کر دروازہ بند کر دیا اور اس کی چٹخنی چڑھا دی۔ گل خانم پریشان ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ دروازے کے پردے کھینچتے ہوئے بولا ''تم نے اپنی گورنس کو بہت سر چڑھا رکھا ہے۔ وہ ابھی دروازے سے کان لگائے ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے اسی لیے دروازے کو بند کیا ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

وہ ''نہ'' کہہ سکتی تھی۔ نہ ''ہاں'' کہہ سکتی تھی۔ دیکھا جائے تو اسے اعتراض کرنا چاہیے تھا لیکن وہ ذیشان کے دل کی باتیں سننا چاہتی تھی اور سننے کے لیے رازداری ضروری تھی۔

وہ ذرا قریب آ کر بولا ''میں تمہیں ہاسپٹل سے یہاں لایا تھا۔ تم بے ہوشی کی نیند سو رہی تھیں۔ گورنس نے تمہیں بتایا ہو گا؟''

وہ دوسری طرف گھوم کر اس کی طرف سے منہ پھیر کر بولی ''آپ نے یہ اچھا نہیں کیا۔''

وہ ذرا قریب ہو کر بولا ''میں نے برا بھی نہیں کیا۔ لباس کیچڑ آلود ہو گیا تھا۔ اس کی غلاظت بدن تک پہنچی ہوئی تھی میں نے تمہیں غلاظت سے پاک کیا تھا۔ کیا برا کیا تھا؟''

''آپ نے اچھا بھی نہیں کیا۔ میں مطلقہ ہوں۔ عدت کے ایام گزار رہی ہوں۔ آپ کو تو میرے قریب بھی نہیں آنا چاہیے کجا یہ کہ......''

وہ بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا ''گل خانم...... تم مقناطیس ہو۔ دور ہی سے کھینچ لیتی ہو۔ کجا یہ کہ کمزوری اور مدہوشی کے باعث خود ہی میری آغوش میں آ گئی تھیں۔ میں انسان ہوں' فرشتہ نہیں ہوں۔ ہاسپٹل سے لے کر یہاں تک میں اپنے جذبات سے لڑتا رہا' تم سے دور رہنے کی کوشش کرتا رہا۔ تم یقین کرو یا نہ کرو میں تمہارے قریب آ کر بھی ابھی تک تم سے دور رہوں۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟''

''میری بات کا یقین کرو۔ میں نے تمہارا لباس تبدیل کرنے سے پہلے لائٹس آف کر دی تھیں۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے اس تاریکی میں کچھ نہیں دیکھا تھا۔''

گل خانم نے ایک گہری سانس لی جیسے کچھ اطمینان سا ہو۔ انسان فرشتہ نہیں بن سکتا لیکن ایسے نازک وقت میں شرافت کے دائرے میں رہ کر فرشتوں کو مات کر سکتا ہے۔ گل خانم یہ اعتراض نہیں کر سکتی تھی کہ اسے قریب نہیں آنا چاہیے تھا۔ قریب تو وہ گئی تھی۔ ذیشان اس کے گھر نہیں آیا تھا' وہ اس کے دفتر گئی تھی۔ اسے عدت کے ایام گزارنے تک گھر سے

نہیں جانا چاہیے تھا' لیکن وہ یاور خان کی وجہ سے مجبور ہو کر گھر سے باہر ماری ماری پھرتی رہی تھی۔ ذیشان تو اس کے ساتھ ہمدردی کر رہا تھا۔ اس کے مسائل حل کر رہا تھا۔ اس پر الزام نہیں آ سکتا تھا کہ اس نے گل خانم کی قربت حاصل کی تھی۔

وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہو رہا ہے۔ تم مجھے کوئی گرا ہوا سستا جذباتی انسان سمجھ رہی ہو؟''

اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا ''یہ بات نہیں ہے۔''

''پھر کیا بات ہے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی ''وہ...... وہ ہمارے درمیان فاصلہ رہنا چاہیے۔''

''ہوں۔'' وہ ذرا دیر خاموش رہا پھر بولا ''میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ میں تمہیں چاہتا ہوں۔ تم کہو گی تو عدت کے ایام گزرنے تک تمہارے سامنے بھی نہیں آؤں گا لیکن تم مسائل سے دوچار ہو تمہیں کسی ساتھی کی ضرورت ہے۔ میں دور رہ کر بھی تمہارے کام آتا رہوں گا لیکن......''

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔ گل خانم نے اس کی طرف گھوم کر دیکھا۔ وہ بولا ''میں نے اپنی چاہت کا اظہار کیا ہے۔ تمہارے پاس ابھی بہت وقت ہے۔ سوچ سمجھ کر بعد میں جواب دے دینا۔ کیا حلالہ کے مرحلے سے گزرنے کے لیے مجھ سے شادی کر دو گی؟''

اس کے اندر کی چھپی ہوئی بات ذیشان کی زبان پر آ گئی تھی۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکی' لیکن اس کی گہری گہری سانسیں بتا رہی تھیں کہ وہ سامنے والے کو اپنی سانسوں میں اتار رہی ہے۔

اس نے کہا ''جب پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ یاور خان نے تمہیں طلاق دے دی ہے اور اس کی وجہ سے تمہارا... زائیدہ بچہ بھی مارا گیا ہے۔ تب ہی میں نے تمہیں مشورہ دیا تھا کہ عدت کے ایام گزارنے کے بعد تمہیں دوسری شادی کر لینی چاہیے۔ تب ہی بچے کی کمی پوری ہو سکے گی۔ عورت شادی نہ کر کے گزارہ کر سکتی ہے' لیکن ایک بار بچے سے محروم ہو جائے تو اس بچے کو پھر سے اپنی کوکھ میں لانے کے لیے اندر ہی اندر تڑپتی اور مچلتی رہتی ہے۔ اس کی نامراد ممتا اسے سکون سے رہنے نہیں دیتی۔ کیا میں درست کہہ رہا ہوں؟''

وہ گردن جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ وہ پھر بولا ''اپنے اندر کی ممتا کو نہ مارو۔ تم ایک تعلیم یافتہ عورت ہو اور بھرپور عملی زندگی گزار رہی ہو۔ اس لیے عورت ہونے کے تمام حقوق حاصل کرو۔''

دروازے پر دستک سنائی دی تو اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ گورنس ایک ملازم کے ساتھ کھانا لے کر آئی تھی۔ کھانے کی ٹرالی کمرے میں رکھ کر گورنس باہر جاتے ہوئے بولی۔

''میڈم کھانا گرم ہے اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو فون کے ذریعے حکم دے دیجئے گا۔''

وہ چلی گئی۔ ذیشان نے دوبارہ دروازہ بند کرتے ہوئے کہا ''تمہاری یہ گورنس بڑی پہنچی ہوئی ہے۔''

وہ ٹرالی کو کرسیوں کے پاس لاتے ہوئے بولی ''وہ تیز طرار ہے لیکن میرے لیے مخلص ہے اور ایمان دار بھی ہے۔ اس نے آج تک کسی قسم کی ہیرا پھیری نہیں کی۔ گھر میں قیمتی سامان ہے۔ وہ ان سب چیزوں کی حفاظت کرتی ہے۔ خانساماں اور ملازموں کو بھی اس نے کنٹرول کیا ہوا ہے۔''

وہ اس کے قریب آ کر بولا ''گھریلو زندگی میں دو بندے مشکل سے ملتے ہیں۔ ایک تو ایمان دار ملازم اور دوسرا محبت کرنے والا شوہر۔ ایمان دار ملازمہ تو تمہیں مل گئی' اب ایک محبت کرنے والے کا انتخاب تمہیں کرنا ہے۔''

وہ بات بدلتے ہوئے بولی ''آپ بیٹھیں۔ کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

''کھانے سے پہلے ایک بات کہہ دوں۔ میں نے کل رات بہت قریب ہونے کے باوجود شرم و حیا کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا۔ ہم قریب ہو کر بھی شرافت اور نیک نیتی سے رہ سکتے ہیں۔''

☆☆☆

مسز رانا اور جبران میرا انتظار کر رہے تھے۔ پچھلی رات گیارہ بجے ان سے ملاقات کے بعد میں نے کہا تھا کہ چوبیس گھنٹے بعد پھر ان کے پاس آؤں گا۔

کسی کو اپنی موت کا مقررہ وقت معلوم نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو جائے تو کتنے ہی کمزور دل کے لوگ وقت سے پہلے ہی ہیبت سے مر جائیں۔ میں نے مسز رانا کو جبران کی موت کا مقررہ وقت بتا دیا تھا۔ تب سے وہ تشویش میں مبتلا تھی۔ ایک ماں بیٹے کے لیے زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتی ہے؟ اپنی جان دے سکتی ہے لیکن اولاد کی جان نہیں بچا سکتی۔

ماں کے برعکس بیٹے نے دعویٰ کیا تھا کہ نمرہ اس کے ساتھ رہے گی تو وہ موت کے وقت کو ٹال دے گا اور میں نے کہا تھا۔ اگر وہ اس مقررہ وقت کو ٹالنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر اسے ایک برس کی مزید زندگی ملے گی لیکن اکتیس دسمبر کی

رات بارہ بجے کا وقت ہر سال مقرر رہے گا۔ اس کی موت نئے اور پرانے سال کے سنگم پر واقع ہوگی۔

مسز رانا نے پریشان ہو کر مجھ سے فون پر رابطہ کیا "بیٹے مقدر تم تو یہاں آنے والے تھے؟"

میں نے کہا "جی ہاں میں ابھی راستے میں ہوں۔ آپ ہی کی طرف آ رہا ہوں۔"

وہ فون بند کرتے ہوئے اپنے بیٹے سے بولی "مقدر آ رہا ہے۔ تم نے تو موت کو مذاق سمجھ لیا ہے۔ بڑے جوش اور جذبے سے کہہ رہے تھے کہ نمرہ ساتھ ہوگی تو موت کا وقت ٹال دو گے۔ یہ یقین کرنے والی بات نہیں ہے پھر بھی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے۔ بس میں تو اللہ سے ہی دعا کرتی ہوں۔ شاید کسی طرح ہونی انہونی ہو جائے۔"

وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بڑے ترنگ میں بولا "زندگی چار دن کی ہوتی ہے۔ ان چار دنوں میں کسی کی محبت مل جائے تو پانچویں دن جینے کی خواہش ہی نہیں رہتی۔ آپ نے میری خاطر واقعی نمرہ کو ساتھ چلنے پر راضی کر لیا ہے۔ آپ جیسی ماں تو دنیا میں کسی کی نہیں ہوگی۔"

"میری تعریفیں نہ کرو۔ لمبی عمر جینے کی دعا کرو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نمرہ کو اتنا چاہتے ہو کیا اپنے بعد اسے بیوہ بنا دو گے؟ اسے صدمات سے دوچار ہونے کے لیے تنہا چھوڑ دو گے؟"

"نہیں ماما......! میں اتنا خود غرض نہیں ہوں مگر مجھے مقدر حیات پر بڑا بھروسا ہے۔ میں اسے دشمن سمجھتا تھا مگر وہ دشمن سے زیادہ دوست ثابت ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں میرا دل کہتا ہے وہ میرے بچاؤ کا کوئی راستہ نکال لے گا۔"

اتنے میں میں نے کال بیل کا بٹن دبایا۔

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور بولا "مقدر آ گیا بلکہ آج میں یہ کہتا ہوں کہ میرا مقدر آ گیا ہے۔"

وہ تیزی سے دروازے کے پاس آیا اور اسے کھول کر مجھے دیکھتے ہی کہا "تم واقعی وقت کے پابند ہو۔ تھینک یو مسٹر مقدر!"

اس نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے پکڑ کر اندر لے آیا۔ مسز رانا نے خوش ہو کر کہا "آؤ بیٹے! خدا کے بعد ایک تمہارا ہی سہارا ہے۔ میں اپنے بیٹے کے لیے بہت پریشان ہوں۔"

میں نے کہا "دیکھیے' جو علم نجوم کے ماہر ہوتے ہیں۔ وہ کبھی کسی کو اس کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے جبکہ میں نے تو مقررہ وقت بھی بتا دیا ہے۔ صرف اس لیے کہ میں آپ کے بیٹے کی بہتری اور طویل عمر چاہتا ہوں۔"

"خدا تمہیں لمبی عمر دے۔ آؤ یہاں بیٹھو اور یہ بتاؤ کیا کھاؤ گے؟"

"میں کھا چکا ہوں۔ البتہ چائے کا دور چل سکتا ہے۔"

مسز رانا نے ملازم کو بلا کر چائے کا آرڈر دیا اور ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ یہاں کوئی نہ آئے ہم ضروری باتیں کر رہے ہیں۔

ملازم چلا گیا۔ میں نے جبران سے پوچھا "کیوں مسٹر تمہارا دعویٰ اپنی جگہ قائم ہے؟ کیا تم موت کا مقررہ وقت ٹال سکو گے؟"

اس نے مسکرا کر ماں کو دیکھا پھر کہا "میں نے آج تک نہ پڑھا' نہ سنا' نہ دیکھا کہ کسی نے موت کا وقت ٹال دیا ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے۔"

"تو پھر تم نے دعویٰ کیوں کیا تھا؟"

"صرف میں نے اپنی ماما کی ممتا کی وجہ سے ایسا کہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں یہ اصرار کروں کہ نمرہ میرے ساتھ رہے تو میں موت کو ٹال سکتا ہوں۔ تب ہی ماما ایڑی چوٹی کا زور لگا کر نمرہ کو ضرور میرے قریب لے آئیں گی' اور یہی ہوا ہے۔ ماما نے تو کمال کر دیا۔ نمرہ کو اور اس کے والدین سب ہی کو راضی کر لیا ہے' ہم کل شام کی فلائٹ سے لندن جا رہے ہیں۔"

مسز رانا نے مجھ سے کہا "بیٹے! یہ تو پاگل ہے۔ اسے نمرہ کے ساتھ پانچ ماہ کی زندگی بہت لگ رہی ہے لیکن میں ماں ہوں۔ میرے دل سے پوچھو۔ میں اس کی جدائی کا صدمہ کیسے برداشت کروں گی۔"

"ماما! میں دنیا کا پہلا بیٹا نہیں ہوں۔ بہت سی ماؤں کے بیٹے ان کے سامنے مرتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنے وقت پر اس دنیا سے کوچ کرنا پڑتا ہے۔ میں بھی چلا جاؤں گا تو قیامت نہیں آ جائے گی۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ماں کے پاس آیا اور اس کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے بولا "ماما......! آپ جیسی ماں کسی کی نہیں ہوگی۔ آپ مجھے آخری پانچ ماہ کی بھرپور زندگی دے رہی ہیں۔ I LOVE YOU ماما......!"

ماں ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بیٹے پر جھک کر اس کے سر کو سینے سے لگا کر بلک بلک کر کہنے لگی "مقدر......! مجھ سے میری جان لے لو۔ میری ساری دولت اور جائیداد لے لو۔ میرے بچے کو اس منحوس گھڑی سے بچا لو۔"

میں اس ماں کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے شانے پر

ہاتھ رکھ کر بولا "آپ آنسو پونچھ لیں۔ آپ کا بیٹا موت سے بچ سکتا ہے۔ اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے جو ہونی ہے اسے آپ کا بیٹا انہونی بنا سکتا ہے۔"

دونوں نے چونک کر پُرامید نظروں سے مجھے دیکھا۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی "بیٹے......! سچ کہہ رہے ہو؟ مگر یہ کیسے ممکن ہے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میں نے مقررہ وقت اسی لیے بتایا ہے کہ وقت سے پہلے تدبیر کی جا سکے اور جو تدبیر کی جائے گی۔ انشاء اللہ اس میں کامیابی ضرور ہوگی۔"

ماں نے میرے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہا "بیٹے! میں تمہارا منہ موتیوں سے بھر دوں گی۔ میں ساری عمر تمہاری کنیز بن کر رہوں گی۔"

میں نے ان کے ہاتھوں کو گھٹنوں پر سے ہٹاتے ہوئے کہا "پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں۔ آپ میری بھی ماں ہیں اور ماں کو بیٹوں کے سامنے نہیں' بیٹوں کو ماں کے سامنے جھکنا چاہیے۔"

پھر میں نے جبران کو دیکھتے ہوئے کہا "میں ایک شرط پر بچاؤ کی تدبیر بتاؤں گا۔"

وہ بولا "میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔"

"بس ایک ہی شرط ہے کہ جب تک نمرہ سے شادی نہ ہو' تب تک تم اس سے محبت تو کرو گے لیکن گنہگار نہیں بنو گے۔"

"یہ تو بہت ہی معمولی سی شرط ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ اپنی ماما کی قسم کھا کر کہتا ہوں' نمرہ کی عزت و آبرو پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

مسز رانا نے کہا "بیٹے! میں اس بات کی ضمانت دیتی ہوں۔ میرا بیٹا زبان کا دھنی ہے۔ جو کہتا ہے وہ ضرور کرتا ہے۔ خدا کے لیے تم بچاؤ کی تدبیر تو بتاؤ؟"

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ٹہلتے ہوئے ان سے ذرا دور ہو گیا' پھر پلٹ کر بولا "جبران......! دسمبر کی اکتیس تاریخ کو تم نمرہ کے ساتھ لندن میں ہو گے۔ یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ مغرب کی طرف سفر کرتے چلو تو ایک ایک گھنٹا کم ہوتا جاتا ہے۔ لندن میں جب رات کے بارہ بجنے والے ہوں گے تو اس وقت نیویارک میں شام کے چھ بج رہے ہوں گے۔ اس طرح تم وقت سے چھ گھنٹے پیچھے چلے جاؤ گے۔"

وہ ماں بیٹے بڑی توجہ سے میری باتیں سن رہے تھے۔ میں نے کہا "اسی طرح تم مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے جاپان پہنچو گے تو اس وقت تک نئے سال کی پہلی تاریخ ہو چکی ہوگی۔ یعنی جس ملک میں بھی اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجیں گے۔ تم وہاں نہیں ہو گے۔ تم دنیا کا ایک گول چکر کاٹ کر جاپان پہنچو گے۔ تمہاری زندگی کی وہ منحوس رات مغرب کی طرف آگے بڑھتے بڑھتے ایک سو اسی طول البلد تک پہنچ کر ختم ہو جائے گی۔"

میں نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا "اگر میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو دنیا کا نقشہ سامنے رکھو۔ گرینچ (GREENWICH) ٹائم کے مطابق ایک سو اسی ڈگری طول البلد (LONGITUDE) پر اکتیس دسمبر کی رات گزر جائے گی۔ یوں یہ رات آپ کے بیٹے تک کبھی نہیں پہنچے گی۔"

مسز رانا تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ خوشی کے مارے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تم کیا ہو مقدر......؟ تم کیا ہو......؟"

میں اک بازی گر ہوں!
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں۔
تمہارا دوست بھی ہوں۔
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں......
اک بازی گر ہوں......!

ذیشان دوپہر تین بجے گل خانم کے پاس یہ سوچ کر آیا تھا کہ ایک آدھ گھنٹا وہاں گزار کر ڈیوٹی پر چلا جائے گا۔ ان دنوں پولیس کی ملازمت اس کے لیے کانٹوں کا بستر بن گئی تھی۔ دردانہ اور شہباز درانی نے اس کے اردگرد ایسا جال بُنا تھا کہ ان دنوں نہ صرف پولیس کا محکمہ بلکہ سی آئی اے والے بھی اس کے خلاف انکوائری کررہے تھے۔

ادھر گل خانم کو یہ فکر تھی کہ آئندہ ان کے تعلقات کس نوعیت کے ہوں گے؟ کیا شادی کی صورت میں وہ ہمیشہ اس کی شریکِ حیات بن کر رہے گی یا کچھ عرصہ بعد طلاق لے کر اپنے پہلے شوہر یاور خان سے رجوع کرلے گی؟

ذیشان نے کہا ''مجھے ایک بہت ہی پیچیدہ مقدمے میں پھنسایا جارہا ہے میں اس سلسلے میں پریشان ہوں اس کے علاوہ کچھ گھریلو الجھنیں بھی ہیں۔ شادی کے مسئلے پر ہم پھر کبھی گفتگو کریں گے۔''

گل خانم نے کہا ''ہماری شادی کا مسئلہ اتنا زیادہ پیچیدہ نہیں ہے۔ مگر معلوم تو ہو الجھن کیا ہے؟''

''دراصل میری شریکِ حیات اسما بانجھ ہے ہماری شادی کو سات برس ہوگئے مگر ہم اولاد سے محروم ہیں۔ میرے والدین چاہتے ہیں کہ میں اولاد کی خاطر دوسری شادی کروں۔''

''آپ کے والدین کی خواہش فطری ہے۔''

ذیشان نے اسے بڑی اپنائیت سے دیکھا پھر کہا ''تم بہت اچھی ہو اور میں تمہیں چاہتا بھی ہوں مگر تم سے یہ بات نہیں چھپاؤں گا کہ میں اپنی بیوی اسما کو کس قدر چاہتا ہوں۔ میں اس سے صرف محبت نہیں بلکہ عشق کرتا ہوں اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔''

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی ''میں سمجھ رہی ہوں۔ کوئی بھی بیوی نہیں چاہتی کہ اس پر سوکن آئے۔'' اسے آج ہی آنے والی اُس کال کا خیال آیا جس میں اسما نے ذیشان کی والدہ بن کر اس سے پوچھا تھا کیا تم میری بہو بننا چاہو گی؟ گل خانم کو ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ ذیشان کی والدہ اسے یوں اچانک ہی فون کرے گی اور پہلی ہی بار اسے اپنی بہو بنانے والی بات بھی کرے گی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا مگر اسماء نے کہا تھا کہ آج ہی رات وہ دوبارہ فون کرے گی۔ ساتھ ہی اس نے ذیشان کو اس فون کال کے بارے میں بتانے سے منع کردیا تھا۔ اس لیے اس نے ذیشان کو ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی والدہ سے گفتگو ہوچکی ہے۔

ذیشان نے گل خانم کو اسما سے اپنی محبت کے بارے میں بتادیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی عورت یہ نہیں چاہتی کہ اُ... کے سامنے دوسری عورت کے پیار کو ترجیح دی جائے۔ گل خا... کو تو ذیشان کی نئی نئی محبت ملی تھی۔ وہ اس محبت کو پوری طر... سمیٹ لینا چاہتی تھی اور اسے ... کسی کی حصے داری گوارا نہ... تھی۔ وہ یہ تو جانتی تھی کہ ذیشان کی ایک بیوی ہے مگر یہ سوچ ک... مطمئن تھی کہ وہ خود اسما کے مقابلہ میں ایک نئی دریافت... اس لیے اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔ مگر اس کی توقع کے برعکس ذیشان اسی کے سامنے اسما کے گن گا رہا تھا اس کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو کس قدر دیوانگی سے چاہتا ہے۔ ذیشان نے کہا ''میں تمہیں ایک راز کی بات بتا... جارہا ہوں۔ لیکن جب تک ہماری شادی نہ ہو اس وقت تک... راز تمہارے سینے میں دفن رہے۔''

وہ بولی ''آپ مجھ پر اعتماد کررہے ہیں میں آپ ک... اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی۔''

وہ بولا ''میرے والدین پچھلے کئی برسوں سے یہ ... کررہے ہیں کہ مجھے دوسری شادی کرنی چاہیے مگر میں ا... اسما پر سوکن نہیں لانا چاہتا تھا چنانچہ میں نے ان کی زبان ... کرنے کے لیے ایک جھوٹی میڈیکل رپورٹ حاصل کی ج... کے مطابق میں کبھی باپ نہیں بن سکتا۔''

گل خانم نے بڑی حیرت سے ذیشان کو دیکھا پ... پوچھا ''آپ اپنی بیوی کو اس قدر چاہتے ہیں اور اس کی خا... اپنے والدین تک سے اتنا بڑا جھوٹ بولتے رہے ہیں۔ ا... آپ کی محبت پر فخر کرتی ہوگی؟''

وہ مسکرا کر بولا ''اسما کا میرے سوا.... اتنی بڑی دنیا م... کوئی نہیں ہے۔ جب وہ خوشی اور واقعی فخر سے سینہ تان کر چل... ہے تو مجھے بھی خوشی ہوتی ہے۔ میں اسے دنیا جہان کی خوشیا... دینے کے لیے سب کچھ کرسکتا ہوں۔''

گل خانم اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگی جیسے اس سے ... ہورہی ہو۔ ذیشان اسما کا جس طرح دیوانہ تھا اس کے سا... اب وہ خود کو غیر اہم سمجھنے لگی تھی۔

پھر اس نے پلٹ کر پوچھا ''جب آپ اس سے اس ق... ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں اور اسے دکھ نہیں پہنچانا چاہتے تو... میری طرف کیوں مائل ہورہے ہیں؟''

ذیشان سر کو جھکائے جھکائے بڑے ہی ٹھہرے ہو... انداز میں بولا ''میں نے اور اسما نے سوچا تھا کہ میرا چ... بھائی بابر شادی کرلے گا اور اس کے ہاں اولاد ہوجائے گ... میرے والدین کی بچوں کی خواہش پوری ہوجائے گی لیکن ا... یہ امید بھی ختم ہوگئی۔''

گل خانم نے پوچھا ''کیوں؟ کس طرح؟''

''میری میڈیکل رپورٹ تو جھوٹی تھی لیکن بابر نے بھی ...ٹیسٹ کروایا اور اس کی میڈیکل رپورٹ بتاتی ہے کہ وہ باپ نہیں بن سکتا۔''

''اوہ...... اب سمجھی آپ کا جھوٹ آگے نہیں چل رہا ہے۔ آپ کا بھائی بابر شادی کے بعد اولاد سے محروم رہے گا لیکن آپ اب بھی اپنی محرومیت دور کرسکتے ہیں اور اپنے جھوٹ کو آگے نہیں بڑھانا چاہتے کیونکہ آپ ہی اپنی آئندہ نسل کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔''

''ہاں، میرے لیے یہ معاملہ اس لیے پیچیدہ ہے کہ میں اولاد چاہتا ہوں لیکن اپنی اسما کو بھی دکھ نہیں پہنچانا چاہتا۔ میں نے دوسری شادی کی تو وہ رو رو کر اپنا برا حال کرلے گی، اور میں اس کے آنسو دیکھ نہیں سکتا۔''

''اولاد کی خاطر آپ کو اس کے آنسو بھی دیکھنے ہوں گے، اس کا دکھ بھی برداشت کرنا ہوگا یا پھر دوسری شادی کے خیال سے باز آنا ہوگا۔''

ذیشان کچھ دیر خاموش سر جھکائے بیٹھا رہا، پھر اس کی طرف دیکھ کر بولا ''میں یہی سوچ رہا تھا کہ یہ مسئلہ کس طرح حل ہوگا لیکن تمہیں دیکھنے اور تم سے ملنے کے بعد یہ آس بندھی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے تعاون سے اپنا اپنا مسئلہ حل کرسکتے ہیں۔''

گل خانم اس کی بات کا مطلب سمجھ رہی تھی پھر بھی انجان بن کر بولی ''وہ کیسے؟''

''تم یاور خان کو بہت چاہتی ہو اور اس سے رجوع کرنا چاہتی ہو اس کے لیے حلالہ ضروری ہے۔ میں اولاد چاہتا ہوں اور میرے لیے دوسری بیوی لازمی ہے۔''

گل خانم نے اپنی دونوں مٹھیاں سختی سے بھینچ لیں۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ ذیشان صرف اولاد کی خاطر اس کے قریب آرہا ہے۔ وہ بڑے دکھ سے بولی ''میں سمجھ رہی تھی کہ میری شخصیت میں ایسی کشش ہے کہ آپ میری طرف کھنچے چلے آرہے ہیں۔ مگر لگتا ہے میرا یہ خیال غلط تھا۔''

''مجھے غلط نہ سمجھو۔ میرا دل جانتا ہے کہ میں تمہارے اندر کتنی کشش محسوس کرتا ہوں۔ ورنہ دنیا میں بہت سی عورتیں ہیں بہت سی بن بیاہی لڑکیاں ہیں جن سے میں شادی کرسکتا ہوں، بہت سی ایسی غریب لڑکیاں ہیں جو اچھی خاصی رقم لے کر اولاد کی خاطر مجھ سے شادی کے لیے تیار ہوسکتی ہیں۔''

''تو پھر جائیں ان میں سے کسی سے شادی کرلیں۔'' گل خانم نے قدرے ترشی سے کہا۔

''ایسا کرنا ہوتا تو بہت پہلے کرچکا ہوتا۔ خواہ عارضی شادی کے لیے ہی سہی، لیکن میرا دل کبھی کسی کی طرف مائل نہیں ہوا۔ کسی نے مجھے اس طرح اپنی طرف نہیں کھینچا جیسے تم کھینچ رہی ہو۔ تمہارے اندر جو جاذبیت ہے وہ میں نے کسی دوسری عورت میں نہیں دیکھی۔ تم یقین کرو یا نہ کرو میں نے اسما کے بعد زندگی میں پہلی بار تمہارے اندر کشش محسوس کی ہے اور تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔''

اس بات سے گل خانم اندر سے لہرا گئی۔ وہ اپنی بیوی کا دیوانہ سہی لیکن پہلی بار اعتراف کررہا تھا کہ وہ اسما کی طرح اس میں کشش محسوس کررہا ہے اور اسے دل و جان سے چاہنے لگا ہے۔

وہ بولی ''آپ باتیں بنانا خوب جانتے ہیں، سچ کو جھوٹ میں لپیٹ کر بول رہے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ آپ کو میری نہیں اولاد کی ضرورت ہے۔ آپ میری طرف محبت سے نہیں ضرورت سے آرہے ہیں۔''

''گل خانم......! تم اسی بات کو دوسرے پہلو سے دیکھو اور سمجھو میں تمہاری ضرورت پوری کررہا ہوں تم دوبارہ یاور خان سے رجوع کرنا چاہتی ہو۔''

''میں نے کب کہا ہے کہ میں اس سے رجوع کرنا چاہتی ہوں؟''

ذیشان نے اسے حیران ہوکر سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا ''اس کی اور تمہاری دیوانگی بتاتی ہے کہ تم کیا چاہتی ہو اگر ایسا نہیں چاہتیں تو تم طلاق ملنے کے بعد اس سے بار بار فون پر باتیں کیوں کرتی ہو؟ وہ حوالات میں جاتا ہے تو اسے رہائی دلانے کے لیے تڑپ جاتی ہو۔ اس کی سلامتی کے لیے اپنی صحت کی پروا کیے بغیر کبھی تھانے جاتی ہو کبھی میرے پاس آتی ہو۔ تمہاری اس دیوانگی کو دیکھ کر دنیا یہی کہے گی کہ تم اس کے لیے پاگل ہورہی ہو اور اس سے رجوع کرنا چاہتی ہو۔''

اس کا سر جھک گیا۔ وہ تھکے تھکے سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ ''ایک مطلقہ عورت اور کیا کرسکتی ہے؟ جب وہ بے سہارا ہوجاتی ہے تو اسے ایک سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ عورت اپنے کسی چاہنے والے کے سائے میں رہ کر ہی محفوظ رہ سکتی ہے اور عزت سے زندگی گزار سکتی ہے۔ ایسی بہت سی باتیں ہیں، لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک شریف عورت ایک مرد کے بعد دوسرے مرد کی تنہائی میں کیوں جائے؟''

ذیشان نے کہا ''ہمارے دین میں جائز طور سے کسی دوسرے کی تنہائی میں جانے کی اجازت ہے۔ طلاق دینے

والے کو یہ سزا ملتی ہے کہ وہ پھر کبھی اپنی اس عورت سے رجوع نہیں کرسکتا اور جسے طلاق ہوجاتی ہے اسے یہ آزادی اور سہولت ہے کہ وہ اپنی پسند سے کسی دوسرے سے شادی کرسکتی ہے اور عزت آبرو سے پھر ایک بار زندگی گزار سکتی ہے۔''

''لیکن حلالہ کی پابندی کیوں ہے؟''

''اس لیے کہ عورت دوبارہ وہی غلطی نہ کرے۔''

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا ''شادی اور ازدواجی زندگی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ بڑی ذمہ داریوں سے یہ رشتہ نبھانا پڑتا ہے کیونکہ اس مقدس رشتے سے پیدا ہونے والی نسلیں اپنی اس دنیا کو پہلے سے زیادہ خوب صورت بناتی ہیں۔ تمہیں اس دینی مسئلے میں الجھنا نہیں چاہیے کوئی عالم دین ہی مجھ سے بہتر انداز میں یہ سمجھا سکتا ہے کہ حلالہ کے قوانین پر عمل کرنے میں مصلحت کیا ہے۔ ہمارے اسلامی قوانین میں بڑی باریکیاں ہیں۔ انہیں علمائے دین ہی سمجھ سکتے ہیں اور ہمیں سمجھا سکتے ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہونا چاہیے کہ دین اسلام کا ایک ایک قانون ہماری فلاح و بہبود کے لیے ہے۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی ''بے شک ہم عالم فاضل نہیں ہیں۔ ہمیں دینی مسائل پر بحث نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن یہ سوچ کر میں شدت سے توہین محسوس کر رہی ہوں کہ آپ مجھ سے صرف اولاد کی خاطر شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''گل خانم میری بات کو سمجھو۔ میں اپنی اور تمہاری ضرورت کے پیش نظر ایسا کہہ رہا ہوں ورنہ میں تمہیں دل سے چاہنے لگا ہوں۔''

''تو پھر میں ایک بات صاف صاف کہتی ہوں۔ یاور خان کے لیے میری دیوانگی تھی اب نہیں رہی۔ اس کی بد دماغی نے جو بدترین حالات پیدا کئے اس سے مجھے عقل آ گئی ہے۔ میں اس کے ساتھ کبھی سکون سے زندگی نہیں گزار سکوں گی۔''

''تم اس کی غلط حرکتوں سے بیزار ہو کر ایسا کہہ رہی ہو۔ کیا اس کی محبت کو دل سے نکال سکو گی؟''

''میں تو اس کی محبت کو دل سے نکال کر پھینک دوں گی۔ جب آپ کو اپناؤں گی تو تن من دھن سے اپناؤں گی۔ پھر میرے سامنے صرف اور صرف آپ اہم ہوں گے۔ آپ یہ نہ دیکھیں کہ میں یاور خان کو کس قدر چاہتی تھی' یہ دیکھیں کہ آپ اسما کو کس قدر چاہتے ہیں پھر بھی مجھے یقین دلا رہے ہیں کہ دل و جان سے مجھے چاہتے ہیں۔ میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گی آپ میری چاہت میں اسما کی محبت کو دل سے نکال سکتے ہیں یا نہیں۔ لہٰذا آپ بھی یہ نہ پوچھیں کہ میں آپ سے شادی کرنے کے بعد یاور خان کو دل سے نکال سکتی ہوں یا نہیں۔ یہ آپ میرے ایمان پر چھوڑ دیں۔''

یہ نئی بات ذیشان کے سامنے آئی کہ وہ یاور خان سے رجوع نہیں کرنا چاہتی۔ ذیشان اگر اولاد کی خاطر اس سے شادی کرلے گا تو وہ اس سے طلاق نہیں لے گی۔

وہ اس کے سامنے ادھر سے ادھر جاتے ہوئے بولی ''آپ اسما کو بہت چاہتے ہیں اور اس پر سوکن کو بوجھ بنانا چاہتے۔ میں آپ سے پوچھتی ہوں کیا شادی کے بعد آپ پر بوجھ بن جاؤں گی؟ اگر ایسا ہے تو پھر آپ کو شادی کا سوچنا بھی نہیں چاہیے۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی اسے کھول کر بولی ''آپ میرے لیے نامحرم ہیں۔ میں بڑے اعتماد سے اب تک آپ کی تنہائی میں تھی۔ آئندہ بھی آپ پر اعتماد کروں گی۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں' میں شادی کے بعد محبت بن کر آؤں گی بوجھ بن کر نہیں۔ آپ جائیں اور اپنے حالات کے مطابق دل سے فیصلہ کریں کہ آئندہ ہم ایک ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ یہ ضرور سوچیں کہ آپ کے لیے کیا ہے۔ لیکن یہ بھی سوچیں کہ آپ کی بھلائی سے مجھ جیسی کرنے والی کو نقصان نہ پہنچے۔''

وہ کھلے ہوئے دروازے سے گزرتے ہوئے بولا ''ٹھیک ہے پھر کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا۔''

وہ بولی ''آپ کے منصفانہ فیصلے تک ہم روبرو کبھی ملیں گے' صرف فون پر گفتگو ہوگی۔''

اس نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے جانے لگا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو گورنس نے کہا ''میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔''

اس نے رک کر کہا ''ہاں بولو۔''

''یاور خان بہت پریشان کر رہا ہے۔ آپ جب سے یہاں آئے ہیں وہ دس بار فون کر چکا ہے۔ بار بار کہتا ہے گل خانم سے بات کرائی جائے لیکن میڈم نے اپنا فون مجھے دے دیا اور سختی سے کہہ دیا ہے کہ اس کا فون اٹینڈ نہ کیا جائے...... وہ فون پر دھمکیاں دے رہا تھا۔''

اس نے کہا ''ٹھیک ہے میں اس سے نمٹ لوں گا۔''

پھر بیرونی دروازے سے باہر آ کر کار میں بیٹھ کر اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے درخواست کی تھی کہ وہ اس قاتل زبیری سے ملنا چاہتا ہے جسے ہانگ کانگ سے گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔ اس درخواست پر آئی جی نے اسے اپنے دفتر میں طلب کیا تھا اور اب وہ اسی طرف جا رہا تھا۔ لیکن گل خانم نے ادھر اپنے طور پر الجھا دیا تھا۔

وہ اولاد پیدا ہونے تک اس کے ساتھ رہے گی اور پھر
...ہو رہا تھا کہ اولاد کا مسئلہ آسانی سے حل ہو جائے گا۔ گل خانم
...شادی ہوگی تو وہ بچہ اس کے حوالے کر کے طلاق لے گی
...عدت کے ایام گزارنے کے بعد یاور خان سے رجوع
...کرلے گی۔

ذیشان نے ابھی کھل کر گل خانم سے یہ بات نہیں کی تھی
...ان دونوں کی شادی کن شرائط پر ہوگی' مگر اس سے پہلے ہی
...خانم نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ وہ طلاق حاصل کرنے
...لیے شادی نہیں کرے گی' اور وہ یاور خان کو صرف اپنی
...زندگی سے ہی نہیں اپنے دل و دماغ سے بھی نکال چکی ہے۔

اس نے اپنا یہ فیصلہ سنا کر ذیشان کو الجھا دیا تھا اور اب
...سوچتا تھا کہ آئندہ گل خانم سے اس کے تعلقات کی
...نوعیت کیا ہوگی۔ لیکن اس سے پہلے اسے اپنے دشمنوں سے
...نمٹنا تھا اور اس کے لیے حاضر دماغ رہنا ضروری تھا۔

زبیری نے اسد عزیزی کے ساتھ ہانگ کانگ جا کر
...حشمت کو قتل کیا تھا اور اسد عزیزی نے لیڈی ڈاکٹر آرزو کو
...ٹھکانے لگا دیا تھا۔ ذیشان یہ نہیں جانتا تھا کہ کس نے کس کو قتل
...کیا ہے۔ اس کے لیے یہ بات پریشان کن تھی کہ زبیری اس
...کے خاص ماتحتوں میں سے ایک تھا اور اس کا راز دار تھا' لیکن
...اچانک ہی وہ اس کے خلاف ہو گیا اور یہ بیان دے رہا تھا کہ
...اس نے ذیشان ہی کے حکم پر ہانگ کانگ جا کر حشمت کو قتل کیا
...ہے۔

وہ اس کے خلاف یہ بیان کیوں دے رہا تھا؟ یہ سوال
...پیچیدہ نہیں تھا جواب صاف طور پر سمجھ میں آ رہا تھا کہ دردانہ اور
...شہباز درانی نے اس کے اس ماتحت زبیری کو بھاری رقم سے
...خرید لیا ہوگا۔

میں نے پیش گوئی کی تھی کہ ذیشان کا ایک وفادار ماتحت
...اس سے غداری کرے گا اور اسے مصائب میں مبتلا کرے گا
...اب ذیشان یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ وفادار کیسے قابلِ
...فروخت ہو گیا؟ اسے ایسی کیا مجبوری پیش آئی تھی کہ وہ غداری
...پر مجبور ہو گیا تھا؟ یہی معلوم کرنے کے لیے وہ زبیری سے
...ملاقات کرنا چاہتا تھا۔

اس نے آئی جی کے سامنے پہنچ کر سیلیوٹ کیا۔ اس نے
...کہا ''آؤ ذیشان! بیٹھو۔''

وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر بولا ''سر آپ میرے سروس ریکارڈ
...سے واقف ہیں۔ میں دیانتداری سے اپنے فرائض انجام دیتا
...رہتا ہوں اور قانون کی بالادستی قائم رکھتا ہوں۔''

''بے شک! لیکن تم کبھی کبھی حد سے آگے بڑھ جاتے ہو اور اگر بعض مجرم قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر عدالت سے رہا ہو جاتے ہیں تو تم اپنے طور پر انہیں سزا دیتے ہو۔ ویسے ہمارے ڈپارٹمنٹ کے تمام افسران تم سے خوش ہیں۔''

''سر میں نے پولیس کی وردی پہنتے وقت قسم کھائی تھی کہ ہر حال میں قانون کی بالادستی قائم رکھوں گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہیں زبیری کو ہانگ کانگ نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔''

''سر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے زبیری کو وہاں نہیں بھیجا تھا۔ حشمت نے ایک معافی نامہ لکھ کر مجھے دیا تھا اور میں نے اسے معاف کر دیا تھا پھر میں اس کے خلاف کوئی کارروائی کیوں کرتا؟''

''یہی معافی نامہ تمہارے گلے کا پھندا بن رہا ہے۔ تم نے دردانہ بیگم کے بیٹے جواد ہاشمی سے بھی حوالات سے رہا کرتے وقت یہ لکھوایا تھا کہ اس نے تمہاری بہن کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اس کے باوجود تم اسے معاف کر رہے ہو اور رہا کر رہے ہو۔ لیکن اس رہائی کے بعد کیا ہوا؟ اسے تمہارے آدمیوں نے اغوا کیا اسے بری طرح ٹارچر کیا' حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ چند برس پہلے بھی چند ایسے مجرم مارے گئے جنہوں نے معافی نامہ لکھ کر تمہیں دیا تھا۔''

''سر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوا کہ معافی نامہ لکھنے والوں کو میں قتل کر دیا کرتا ہوں۔ کیا میرے خلاف کوئی چشم دید گواہ ہے؟''

''اب تک نہیں تھا مگر اب تمہارا خاص ماتحت ہی تمہارے خلاف گواہ بن گیا ہے اور قتل ہونے والے پچھلے تمام مجرموں کے عزیز اور رشتے دار تمہارے خلاف بیان دے چکے ہیں۔ تمہیں بری طرح شکنجے میں کس لیا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم اس شکنجے سے کیسے نکل پاؤ گے؟''

''سر! میں اپنے بچاؤ کی بھرپور کوششیں کر رہا ہوں اسی لیے زبیری سے ملنا چاہتا ہوں۔ آخر معلوم تو ہو کہ وہ میرے خلاف کیوں ہو گیا ہے؟''

''سوری ذیشان! تمہاری درخواست نامنظور ہو گئی ہے۔ تمہیں زبیری سے ملنے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔''

وہ حیرانی سے بولا ''کیوں نہیں دی جا رہی ہے؟ وہ میرا ماتحت ہے۔ آخر مجھے معلوم تو ہو کہ اسے مجھ سے کیا شکایت ہے۔ وہ کیوں میرے خلاف بول رہا ہے؟''

''یہ تو تم جانتے ہو زبیری سی آئی اے والوں کی کسٹڈی میں ہے اور تمہارے تمام مخالفین نے مشترکہ طور پر درخواست

دی ہے کہ تمہیں زبیری سے ملنے نہ دیا جائے۔ تم اس کے اعلیٰ افسر ہو، اس پر دباؤ ڈال سکتے ہو اور اسے بیان بدلنے پر مجبور کر سکتے ہو۔ اب تو عدالت میں ہی اس سے تمہارا سامنا ہوگا۔"

"سر میں نہیں مل سکتا لیکن آپ تو اپنے طور پر اس سے مل کر کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔"

"تم کیا سمجھتے ہو میں نے ایسا نہیں کیا ہوگا؟ ہم سب تمہیں بہت چاہتے ہیں تمہیں بچانے کی کوششیں کر رہے ہیں لیکن وہ کمبخت ایک ہی بات پر اڑا ہوا ہے کہ وہ تمہارے حکم پر ہانگ کانگ گیا تھا اور اس نے تمہارے ہی حکم پر حشمت کو قتل کیا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں وہ تو یہ بیان بھی دے چکا ہے کہ اس نے تمہارے ہی حکم سے جواد کو بھی اغوا کیا تھا اور اس پر اتنا تشدد کیا تھا کہ وہ ہاسپٹل پہنچ کر مر گیا۔"

ذیشان پریشان ہو کر سوچنے لگا پھر بولا "میں اس کے بیوی بچوں سے ملنے گیا تھا پتا چلا وہ یہ شہر چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں۔"

"تمہارے دشمن نادان نہیں ہیں۔ انہوں نے اس کے بیوی بچوں کو بھی تم سے دور کر دیا ہے۔"

وہ کچھ دیر تک اپنے اعلیٰ افسر کے سامنے بیٹھا اس کیس کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتا رہا پھر وہاں سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ اس وقت وہ سچ مچ خود کو شکنجے میں محسوس کر رہا تھا۔ بالکل تنہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے بچاؤ کے لیے اسے کیا کچھ کرنا چاہیے۔ اس نے اپنے وکیل کی خدمات حاصل کی تھیں اور وہ اس کا کیس تیار کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے دوستوں سے بھی صلاح مشورے کرتا پھر رہا تھا۔ دردانہ شہباز درانی کے اتنے مضبوط قلعے کے اندر تھی کہ وہ اس کی کمزوریاں معلوم نہیں کر سکتا تھا اور یہ بھی نہیں معلوم کر سکتا تھا کہ اس کے خلاف مزید کیا کیا جا رہا ہے؟

وہ اپنی کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ اب تو یہی حل تھا کہ دردانہ کے مضبوط قلعے کو توڑا جائے۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اپنا موبائل نکال کر نمبر ملائے اور رابطہ ہونے پر بولا "پھوپھا! پاکستان واپس آ جاؤ مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے۔" اور پھر فون بند کر دیا۔

☆☆☆

پاشا کے زخم تقریباً بھر چکے تھے اور وہ کسی سہارے کے بغیر کوٹھی کے اندر اور باہر گھومتا پھرتا تھا۔ وہاں کی شان و شوکت دیکھ کر وہ حیران رہ جاتا اور سوچتا تھا کہ کیا وہ واقعی اتنے رئیس ماں باپ کا بیٹا ہے؟ اسے کچھ یاد کیوں نہیں آتا۔

کوٹھی کے اندر اور باہر مسلح گارڈز موجود ہوتے تھے اسے دیکھتے ہی ایڑیاں بجا کر سیلوٹ کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر یقین ہوتا رہتا تھا کہ وہ ایک شہزادے کی طرح پیدا ہوا ہے شہزادے کی طرح زندگی گزارتا رہا ہے۔

اس نے ایک مسلح گارڈ کے پاس آ کر پوچھا "تم جانتے ہو؟ تمہیں میرا نام معلوم ہے؟"

وہ پہلے تو ہچکچایا پھر بولا "سوری میں نہیں جانتا۔ بس اتنا معلوم ہے کہ آپ اسی کوٹھی میں رہتے ہیں۔"

پاشا نے حیرانی سے پوچھا "میں اس گھر کا مالک اور تم میرے بارے میں نہیں جانتے؟"

وہ اور گھبرا گیا۔ ہچکچاتے ہوئے بولا "سر معافی چاہتا ہوں۔ میں بالکل نیا ہوں آج ہی ڈیوٹی پر آیا ہوں۔"

وہ وہاں سے پلٹ کر اپنے بیڈروم میں آیا۔ وہاں تہمینہ اس کے بیڈ پر نیم دراز تھی اسے دیکھ کر انگڑائی لینے لگی۔ اس نے پوچھا "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی "آپ ہی کا کام کر رہی ہوں۔ آپ کا پورا بیڈروم سیٹ کر دیا ہے۔ ضرورت کی ہر چیز یہاں ہے۔ میں اس لیے انتظار میں تھی کہ شاید آپ کو میری ضرورت پیش آ جائے۔"

وہ خشک لہجے میں بولا "مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"

وہ بیڈ سے اتر کر اس کے پاس آئی اور بولی "یہ تمہاری کمزور یادداشت نے میری اہمیت بالکل ہی ختم کر دی ورنہ تم تو مجھے دیکھتے ہی للچانے لگتے تھے۔"

"تم مجھے کبھی آپ کہتی ہو کبھی تم کہتی ہو۔ یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ تم یہاں ایک ملازمہ ہو؟"

"میں نہیں بھولتی۔ آپ کی ممی اور ڈیڈی کے سامنے آپ کہتی ہوں لیکن تنہائی میں نہ تم تم ہوتے ہو نہ میں ملازمہ ہوں۔"

پھر وہ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "جب بچے سبق بھولتے ہیں تو کتاب کھول کر شروع سے پڑھتے ہیں تب ہی انہیں سب کچھ یاد آتا ہے۔ میں بھی تمہاری کتاب ہوں مجھے کھولو۔ ایک ایک ورق کو الٹ کر دیکھو کچھ نہ کچھ یاد رہے گا۔ یہ تو مان ہی لوگے کہ تم نے مجھے خراب کیا ہے؟ کسی کو دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔"

وہ اسے آہستگی سے الگ کرتے ہوئے بولا "اگر میں نے ایسا کیا ہے تو مجھے افسوس ہے۔"

"افسوس نہ کرو۔ میں تم سے کبھی شکایت نہیں کروں گی۔ تمہاری زندگی داشتہ بن کر رہنے پر بھی تیار ہوں مجھے قبول تو کرو۔"

"سوری! جب تک میرا دل تمہاری طرف مائل نہیں ہوتا تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ تم میری ذہنی حالت کو سمجھو۔ میں کشمکش میں مبتلا رہتا ہوں یہاں ایک شاہانہ زندگی گزار رہا ہوں پھر بھی میرے اندر عجیب سی بے چینی رہتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے سب کچھ پانے کے باوجود میں بہت کچھ کھو رہا ہوں۔"

"تم اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں بھول چکے ہو تو بھولے ہی رہو۔ ہم جو کچھ یاد دلا رہے ہیں بس وہی یاد کرتے رہو۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "جب تک مجھے ماضی کی ایک ایک بات یاد نہیں آ جاتی میں بے چینی میں مبتلا رہوں گا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرے پیچھے اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ جس میں سے نکل کر میں اس روشنی میں آیا ہوں۔ آخر اس اندھیرے میں کیا ہے جو دکھائی نہیں دیتا؟"

"اس سوال کا جواب تو ڈاکٹر بھی نہیں دے سکتے۔ وہ تمہارا علاج کر کر کے تھک گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تمہیں پچھلی زندگی کبھی یاد نہیں آئے گی۔"

پھر وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی "تم مجھ سے دور کیوں بھاگتے ہو۔ کیا میرے اندر کوئی کشش نہیں ہے؟"

"تمہارے ان سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ تم پہلے بھی ایسے سوالات کر چکی ہو اور میں کہہ چکا ہوں تم مجھے معاف کر دو۔ اگر میں نے ماضی میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو اس کے لیے شرمندہ ہوں۔ مگر آج میں آخری بار سمجھا رہا ہوں میری تنہائی میں آئندہ کبھی نہ آنا۔" وہ مایوسی سے سر جھکا کر باہر جانے لگی۔ وہ اس کے بیڈروم سے باہر نکلی تو سامنے سے دردانہ شہباز کے ساتھ آ رہی تھی اس نے تہمینہ کو یوں دیکھ کر پوچھا "تہمینہ......! کیا بات ہے اسے کچھ یاد تو نہیں آ رہا ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں میڈم......! وہ تو اپنے آپ کو بھی بھول چکا ہے تو بھلا اسے اور کیا یاد آئے گا۔"

"پھر تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "میں نے بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح میری طرف مائل ہو جائے لیکن وہ تو کبھی میرا ہاتھ بھی نہیں پکڑتا۔ بس یہی کہتا ہے کہ جب تک اسے پچھلی باتیں یاد نہیں آ جاتیں اس وقت تک وہ یقین نہیں کرے گا کہ پہلے کبھی اس کا اور میرا جسمانی رشتہ رہ چکا ہے۔"

شہباز نے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی پچھلی زندگی یاد کرنے کے لیے بے چین ہے؟"

"یس باس!"

دردانہ نے شہباز کو دیکھتے ہوئے کہا "ڈاکٹرز سے کنسلٹ (CONSULT) کرنا چاہیے اور اسے کوئی ایسی دوا دینی چاہیے کہ وہ اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دے۔"

شہباز نے کہا "اس کمبخت کو یہاں ہر طرح کا عیش و آرام مل رہا ہے پھر بھی اپنے بارے میں بے چین رہتا ہے۔" پھر بولا "چلو ابھی تو اس سے ملتے ہیں پھر کسی وقت ڈاکٹر سے بھی بات کر لوں گا۔"

وہ بیڈروم میں آئے۔ پاشا کی پشت ان کی طرف تھی وہ کچھ پڑھ رہا تھا۔

شہباز نے پوچھا "کیوں بیٹے کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے چونک کر پلٹ کر دیکھا پھر کہا "اوہ...... ڈیڈ! آپ مجھے بلا لیتے۔"

دردانہ نے خوش ہو کر کہا "خدا کا شکر ہے اب تم جلد ہی اپنے ڈیڈی کے رائٹ ہینڈ بن کر پھر سے کام شروع کر دو گے۔"

شہباز نے کہا "نہیں میں فی الحال اس سے کوئی اہم کام نہیں لوں گا۔ اگر یہ اپنے ماضی کے بارے میں پریشان ہوتا رہا تو کوئی کام صحیح نہیں کر سکے گا۔"

پاشا بولا "آپ درست کہہ رہے ہیں۔ آپ میری یادداشت واپس لانے کے لیے کوششیں کر رہے ہیں لیکن میرا ذہن کام نہیں کر رہا ہے۔ میں موجودہ حالات کو تو سمجھ رہا ہوں لیکن پچھلی باتیں بالکل یاد نہیں آ رہیں۔"

شہباز نے کہا "یہی دیکھو کہ تمہیں رائفل شوٹنگ کی تربیت دی گئی تا کہ تمہیں یاد آئے کہ تم کتنے اچھے نشانہ باز تھے اندھیرے میں آواز کی سمت صحیح نشانہ لیتے تھے۔ لیکن اب بھی اپنے ٹارگٹ پر گولی نہیں چلاتے ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ تم اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سوچتے الجھتے رہتے ہو۔"

پھر شہباز پاشا کے شانے کو تھپک کر بولا "کوئی بات نہیں تم اپنے ذہن پر بوجھ نہ ڈالو۔ جب تک پوری طرح تیار نہ ہو تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

دردانہ نے کہا "کم از کم میرا کام تو کر سکتے ہو۔"

پاشا نے پوچھا "آپ..... کا کام......؟ آپ نے مجھے کبھی کوئی کام بتایا ہی نہیں۔"

"تمہاری ڈائری میں عینی کا ذکر بہت ہے، مگر تم تو وہ

سب کچھ بھول چکے تھے۔ میں نے ہی تمہیں یاد دلایا تھا۔''

''ہاں! یاد ہے کہ وہ آپ کی سوتیلی بیٹی ہے میں اس سے محبت کرتا تھا لیکن وہ آپ کی بہو نہیں بننا چاہتی تھی۔''

پھر بولا ''اس ڈائری میں عروج کا بھی ذکر ہے یہ نام پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے میں اس نام کو پہلے کئی بار سن چکا ہوں؟''

دردانہ نے پریشان پریشان نگاہوں سے شہباز کو دیکھا۔ پھر بولی ''عروج ایک بہت ہی مکار لڑکی ہے۔ وہ عینی کی سہیلی ہے اور وہی تمہارے اور میرے خلاف اسے بھڑکاتی رہی ہے۔ میں نے تم سے ایس پی ذیشان کا بھی ذکر کیا تھا۔ وہ عینی کا تایازاد بھائی ہے عروج اور ذیشان یہ نہیں چاہتے تھے کہ تمہاری شادی عینی سے ہو انہوں نے ہی تمہیں عینی سے دور رکھنے کے لیے تشدد کروایا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ تم کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہے ہو۔''

پاشا نے دردانہ کو دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر اس کی پیشانی کو چوم لیا اور کہا ''ممی! آپ دل برداشتہ نہ ہوں میں جلد اس دشمنی کا حساب کروں گا۔''

وہ بولی ''تم میرے مشورے کے بغیر کچھ نہیں کرو گے ورنہ وہ تمہیں پھر نقصان پہنچائیں گے۔ ابھی تم صبر کرو میں تمہیں عینی سے ملنے کا طریقہ بھی بتاؤں گی۔ وہ خود تمہیں دیکھ کر پہچان لے گی۔ مگر تم پہلی ملاقات میں یہی ظاہر کرو گے کہ تم اپنی یادداشت کھو چکے ہو۔''

وہ صرف گردن ہلا کر رہ گیا۔ دردانہ پھر بولی ''میں تمہارے لیے اس کے اندر بے چینی اور تڑپ پیدا کرنا چاہتی ہوں۔ اسے یہ چیلنج کر چکی ہوں کہ اسے اپنی بہو بنا کر رہوں گی اور بالآخر وہ تمہاری دلہن بنے گی۔''

دردانہ اور شہباز ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھنے لگے اور پاشا سوچ میں گم ہو گیا کہ ''پتا نہیں یہ عینی کون ہے' کیسی ہے اور میں نے اپنی ڈائری میں کیوں اس کا ذکر کیا ہے...... ہاں مگر اس کا نام میرے ذہن میں اچانک ہی آ جاتا ہے اور آخر یہ عروج کون ہے؟''

☆☆☆

ذیشان اکثر رات کو دیر سے آیا کرتا تھا مگر اس رات وہ آٹھ بجے ہی آ گیا۔ اسما اسے دیکھ کر خوشی سے بولی ''خدا کا شکر ہے۔ آج آپ جلدی آ گئے۔'' پھر وہ اس کے پرتفکر چہرے کو دیکھ کر بولی ''آپ خاموش ہیں لگتا ہے حشمت کے قتل کا معاملہ سنگین ہوتا جا رہا ہے۔''

وہ تھکے ہوئے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولا ''ہاں کوئی مقدمہ معمولی ہو یا سنگین پریشانیاں تو ہوتی ہیں اور پھر کچھ مقدمے ایک دلدل کی طرح ہو جاتے ہیں جن میں بے قصور لوگ بھی میری طرح دھنستے ہی چلے جاتے ہیں۔''

''یہی تو دکھ کی بات ہے کہ جو جرم نہیں کیا وہ آپ کے سر تھوپا جا رہا ہے۔ میں تو ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتی ہوں کہ یہ مصیبتیں ٹل جائیں۔''

وہ اس پر جھک گیا اس کے سر کو اپنے سینے سے لگا کر بولا ''بے شک میں دوا کر رہا ہوں تم دعا کرتی رہو۔ اور اس سے زیادہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

وہ بولی ''میرے دل میں مقدر حیات کا خیال آیا اور بات ذہن میں آئی کہ شاید وہ ہمارے لیے کچھ کر سکیں۔ آپ ان سے بات تو کریں۔''

''یہ مقدر کب آتا ہے کب جاتا ہے کچھ پتا ہی نہیں چلتا آج میں اس سے ضرور بات کروں گا۔''

اسما نے الماری سے ایک لباس نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا ''آپ لباس تبدیل کریں میں نیچے جا کر دیکھتی ہوں مقدر ہے یا نہیں؟''

اسما نیچے ڈرائنگ روم میں پہنچی تو دیکھا اچھی خاصی گہما گہمی تھی۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب بیٹھے ہوئے تھے ایک کے کان سے موبائل فون لگا ہوا تھا اور دوسری نے ریسیور کان سے لگا رکھا تھا دونوں ہی کسی نہ کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ چلا تمام رشتے داروں کو یہ خوش خبری سنائی جا رہی ہے کہ نمرہ اعلیٰ تعلیم کے لیے کل لندن جانے والی ہے۔

اس وقت فلک ناز اپنے بھائی اور بھاوج سے بھی زیادہ خوش نظر آتی تھی کیونکہ نمرہ کے جانے کے بعد اس کی اپنی بیٹی آسرا کے لیے راستہ صاف ہونے والا تھا۔ اگرچہ اس کے دل میں کھد بدی ہو رہی تھی کہ اچانک یہ لوگ اپنی بیٹی کو لندن کیوں بھیج رہے ہیں' مگر اتنا تو سمجھتی تھی کہ اس کے اس طرح اچانک لندن جانے کے پیچھے کوئی بڑا راز چھپا ہوا ہے۔

اس نے دل میں سوچا بھلے سے کوئی راز چھپا ہو میرے لیے یہی بات اطمینان بخش ہے کہ نمرہ جا رہی ہے۔''

فلک آفتاب نے اسما کو دیکھ کر کہا ''ذیشان سے کہو یہاں آئے میں اس سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

اسما میرے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی ''وہ ابھی یہیں آ رہے ہیں۔''

میں اپنے کمرے میں فون کے ذریعے نمرہ سے باتیں کر رہا تھا۔ اب وہ میرا سامنا کرنے سے کترا رہی تھی۔ کیونکہ مجھے چھوڑ کر دور جا رہی تھی' اگرچہ میں نے ہی اسے یہ مشورہ دیا تھا۔ لیکن وہ کیسی محبت کرنے والی تھی کہ اپنے محبوب کو چھوڑ کر جا رہی تھی۔ یہی ایک سوال کبھی کبھی اس کے دل میں پیدا ہوتا تھا اور وہ اسی لیے میرے سامنے نہیں آ رہی تھی۔

میں نے پوچھا ''جانے سے پہلے اپنا مکھڑا نہیں دکھاؤ گی؟''

''میں کوئی منہ تو نہیں چھپا رہی ہوں بس سفر کی تیاریوں میں معروف ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہاں کیا چھوڑنا ہے اور کیا لے جانا ہے۔''

''مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو یہی بہت ہے۔ باقی جو دل چاہے یہاں سے لے جاؤ۔''

''کیوں طعنے دے رہے ہو۔ کیا تم ہی نے مجھے جانے کا مشورہ نہیں دیا تھا؟''

''ہاں...... دل پر پتھر رکھ کر مشورہ دیا تھا مجھے کیا معلوم تھا کہ تم پتھر بن کر چل پڑو گی۔''

اسما نے دروازے پر دستک دی میں نے کہا ''کوئی آیا ہے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔ تم چاہو تو بعد میں مجھ سے بات کر لینا۔''

پھر میں نے فون بند کرتے ہوئے کہا ''اندر آ جائیں۔''

اسما نے دروازے کو ذرا سا کھول کر پوچھا ''کیا معروف ہو؟''

میں نے فوراً ہی اٹھ کر کہا ''ارے بھابی جان آپ؟ آیئے!''

وہ اندر آ کر بولی ''کیا کر رہے ہو؟''

''میں نمرہ سے بات کر رہا تھا۔''

وہ مسکرا کر بولی ''ایک ہی چھت کے نیچے رہ کر فون پر باتیں ہو رہی تھیں؟''

''ہاں! بے چاری کو ملنے کی فرصت نہیں مل رہی ہے۔ سفر کی تیاریوں میں معروف ہے۔''

''وہ اچانک جا رہی ہے تمہیں کچھ عجیب سا نہیں لگ رہا؟''

''نہیں مجھے کیوں عجیب سا لگے گا۔ اس کی اپنی مرضی ہے۔''

''نہیں تم نے اس سے محبت کا اظہار کھل کر کیا تھا اور وہ جا رہی ہے تو تمہارے دل کو دکھ پہنچنا چاہیے۔ لیکن تم بالکل نارمل ہو۔''

''بھابھی جان......! زندگی زندہ دلی کا نام ہے...... مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں؟''

''مقدر......! میں نے ایک بات نوٹ کی ہے اور وہ یہ کہ تم کچھ باتیں تو بتا دیتے ہو اور کچھ چھپا لیتے ہو۔''

''میں نے کسی سے کیا چھپایا ہے؟''

''یہی کہ تم نے نمرہ کو اپنی محبت کے بارے میں اور اس کے ماضی' حال اور مستقبل کے بارے میں پتا نہیں کیا کچھ بتایا ہو گا۔ لیکن یہ بات اس سے چھپائی تھی کہ وہ اس طرح تم سے بچھڑ جائے گی اور جبران سے شادی کرنے پر راضی ہو جائے گی۔''

''آپ یقین نہیں کریں گی میں نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ میرے اور اس کے درمیان عارضی جدائی ہو گی، اور مگر پھر ہم ضرور ملیں گے، وہ صرف میری دلہن بنے گی۔''

اسما نے حیرانی سے پوچھا ''کیا واقعی اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی اس کی شادی جبران سے نہیں ہو گی؟''

''ہاں! آپ یہ بات اور کسی کو نہ بتائیں۔ چپ چاپ دیکھتی رہیں کہ انسان کا مقدر کیسی کیسی قلابازیاں کھلاتا ہوا اسے واپس اسی مقام پر لے آتا ہے جہاں اسے ہر حال میں پہنچنا ہے۔''

''میں تمہیں بہت چاہتی ہوں اور تم پر اندھا یقین رکھتی ہوں۔ اس وقت بہت پریشان ہو کر تمہارے پاس آئی ہوں۔''

میں اس کی پریشانیوں کو سمجھ رہا تھا انجان بن کر بولا ''پریشان ہوں آپ کے دشمن۔ مجھے بتایئے کیا بات ہے؟''

''تم تو بڑی حد تک جانتے ہو ذیشان کے خلاف الزامات بہت سخت ہیں۔ دشمن بہت شہ زور ہیں میں دیکھ رہی ہوں وہ ان حالات میں بالکل تنہا ہیں۔ کوئی ان کا یار و مددگار نہیں ہے پھر بھی وہ اپنی سی کوششیں کر رہے ہیں اور میں دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔''

''اس دنیا میں خوشی ہو یا غم، کوئی چیز دائمی نہیں ہوتی۔ مصیبتیں آتی ہیں تو ہمیشہ نہیں رہتیں۔ انسان اپنی ذہانت سے اپنی کوششوں سے ان مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے۔''

''تم نے ان کا ہاتھ دیکھا ہے مجھے سچ سچ بتاؤ آئندہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

''لکیریں کہتی ہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے ویسا بھی ہو سکتا ہے یہ انسان کی کوششوں پر ہے کہ وہ کس حد تک کامیاب تدابیر سوچ سکتا ہے اور ان پر عمل کر سکتا ہے۔''

''یہی تو سوچ رہی ہوں کیا ان کی تدبیریں اور کوششیں کامیاب ہوں گی؟''

''ہاں! ہو سکتی ہیں۔ میں نے پیش گوئی کی تھی کہ ان کا

کوئی وفادار ماتحت ان سے غداری کرے گا۔''

''تم نے بالکل درست کہا تھا۔ یہی ہو رہا ہے۔ پتا نہیں کیوں وہ کمبخت تمہارے بھائی جان کا دشمن بن کر ان کے خلاف بیانات دے رہا ہے؟''

میں نے اسما کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا'' بھابی جان میں آپ کو بہت چاہتا ہوں اور ایک پیش گوئی کرتا ہوں۔ جس طرح ایک ماتحت کی غداری سے بھائی جان کو نقصان پہنچ رہا ہے اسی طرح ان کا ایک خاص ماتحت اور ہے جو بہت زبردست ہے۔ اس کی وفاداری سے بھائی جان ہارنے والی بازی جیت لیں گے۔''

وہ فوراً اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولی'' میری جان! میرے بچے......! میں کوکھ جلی ہوں میں کبھی ماں نہیں بن سکتی لیکن تمہیں اپنا بیٹا کہتی ہوں۔ بیٹے......! اپنی ماں کے سہاگ کو بچالو مجھے اس وفادار کا نام ابھی بتاؤ جو تمہارے بھائی جان کے کام آئے گا۔''

''میں اس کا نام نہیں جانتا لیکن یہ جانتا ہوں کہ اس کے نام میں تین بار حرف ''بی'' آتا ہے۔ یہ بھائی جان جانتے ہوں گے کہ ان کا ایسا کون سا ماتحت ہے جس کے نام میں تین بار حرف ''بی'' آتا ہے۔''

وہ میری پیشانی کو چوم کر بولی'' میں ابھی جا کر تمہارے بھائی جان کو بتاتی ہوں۔'' پھر وہ تیزی سے باہر چلی گئی۔ ذیشان اسی طرف آنا چاہتا تھا لیکن ڈرائنگ روم میں اس کے باپ نے اسے روک لیا'' بیٹے کبھی میرے پاس بھی آکر بیٹھا کرو اور گھر کے معاملات میں بھی دلچسپی لیا کرو۔''

وہ بولا'' ڈیڈ! فی الحال تو آپ لوگوں کا ایک ہی اہم معاملہ ہے اور وہ یہ کہ نمرہ کو یہاں سے روانہ کیا جائے۔ اب چونکہ ممی اس کے ساتھ جارہی ہیں اس لیے میں اس سلسلے میں کوئی سوال نہیں کروں گا۔ مجھے جو اعتراض ہے وہ بھی نہیں کروں گا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرے اعتراض کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔''

بیگم نے کہا'' ایسی بات نہ کرو بیٹا! اگر اعتراض معقول ہوگا تو ہم کیوں نہیں مانیں گے؟''

''معقول اعتراض ہے اور وہ یہ کہ نمرہ کو لندن نہیں جانا چاہیے۔''

''کیوں نہیں جانا چاہیے؟ جبکہ میں اس کے ساتھ جارہی ہوں۔''

''ممی! آپ اس کے ساتھ وہاں کتنے عرصے تک رہیں گی؟ دو چار دن یا دو چار ہفتے۔''

''میں اس کی رہائش کے مکمل انتظامات کر کے ہی واپس آؤں گی۔''

''یعنی وہ وہاں تنہا رہے گی؟''

''میں کہہ چکی ہوں وہاں میری ایک عزیز ترین سہیلی ہے جو سگی بہن سے بڑھ کر ہے۔ وہ نمرہ کو بیٹی کی طرح رکھے گی۔''

''ممی! آپ نے مجھے جنم دیا ہے آپ بیٹے سے جھوٹ بول سکتی ہیں لیکن ایک پولیس والے سے سچ نہیں چھپا سکتیں۔''

''میں تم سے کیوں جھوٹ بولوں گی۔ وہ میری بیٹی ہے۔ کیا میں اسے لندن لے جا کر وہاں کہیں پھینک آؤں گی؟''

اس نے گہری نظروں سے پہلے ماں کو پھر اپنے باپ کو دیکھا۔ فلک آفتاب نے صوفے پر ذرا کسمساتے ہوئے پوچھا'' یہ تم اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟''

وہ ذرا ٹھہر ٹھہر کر بولا'' جب ممی نمرہ کا وہاں انتظام کر دیں گی اور اسے تنہا چھوڑ کر چلی آئیں گی تب میں لندن جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہ وہاں کس کے ساتھ رہتی ہے۔ اگر میں نے اسے جبران اور اس کی ماں کے ساتھ دیکھا تو اسے وہیں گولی مار دوں گا۔''

بیگم اور فلک آفتاب دونوں ہی غصے سے تلملا کر کھڑے ہوگئے فلک آفتاب نے کہا'' کیا بکواس کر رہے ہو۔ تم اسے گولی مارنے والے کون ہوتے ہو؟''

''میں ایک غیرت مند بھائی ہوں۔ اگر میں نے شادی سے پہلے اسے جبران کے ساتھ دیکھ لیا تو میری غیرت گولی کی زبان سے بولے گی۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ وہ تمہاری بہن ہے تو ہماری بیٹی ہے۔ صرف تم ہی غیرت مند نہیں ہو ہم بھی غیرت مند ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہماری بیٹی کو کہاں جانا چاہیے کہاں رہنا چاہیے اور کس طرح اپنے مستقبل کو شاندار بنانا چاہیے۔''

''آپ دینی اور دنیاوی دستور کے مطابق اس کے لیے جو کریں گے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اب بھی وقت ہے آپ اعتراف کرلیں کہ جو کر رہے ہیں وہ دستور کے خلاف ہے۔''

بیگم نے اور فلک آفتاب نے ایک دوسرے کو پریشان ہو کر دیکھا پھر فلک آفتاب نے کہا'' دستور کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ماں اپنی بیٹی کے ساتھ جارہی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ یہ تو میں کہہ چکا ہوں ممی وہاں سے واپس آئیں گی تو میں یہاں سے جاؤں گا اس کے بعد جو کچھ ہوگا اسے آپ برداشت نہیں کرسکیں گے۔''

بیگم آفتاب نے کہا'' کیوں ہمارے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہو۔ تم ہمارے بیٹے ہو یا دشمن؟''

اسما تیزی سے چلتی ہوئی وہاں آئی اور ذیشان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی'' آپ یہاں آئیں۔'' وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بولا'' ٹھہر جاؤ۔ یہاں ضروری باتیں ہو رہی ہیں۔''

وہ پھر ہاتھ پکڑ کر بولی'' میں جو کہنے والی ہوں اس سے زیادہ ضروری بات کوئی نہیں ہوسکتی۔''

''پلیز اسما ......! یہاں میری بہن کے مستقبل کا معاملہ ہے۔''

''آپ اس معاملے میں کچھ نہیں کرسکیں گے کیونکہ تین کروڑ میں اس کا سودا ہو چکا ہے۔''

یہ بات سنتے ہی بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کے دماغ میں دھماکا سا ہوا۔ اسی وقت بابر بھی ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے بھی یہ بات سنی تو وہیں ٹھٹھک گیا۔ بیگم آفتاب حلق پھاڑ کر چیختی ہوئی اسما کی طرف بڑھی'' ذلیل......! کمینی......! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تو پھر گھر میں آگ لگاتی ہے۔ ہمارے بیٹے کو ہمارے خلاف بھڑکاتی ہے۔''

اسما تیزی سے ذیشان کے پیچھے جا کر کھڑی ہوگئی۔ ذیشان نے آگے بڑھ کر ماں کو روکتے ہوئے کہا'' ممی پلیز آرام سے باتیں کریں۔''

فلک آفتاب نے کہا'' تم ماں کو تو روک رہے ہو اپنی بیوی کو شر پسندی سے نہیں روک سکتے جو تمہارے سامنے ہی بکواس کر رہی ہے۔''

''ڈیڈی......ابھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اسما جھوٹ بول رہی ہے یا سچ۔''

پھر وہ اسما کی طرف پلٹ کر بولا'' تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ کسی سے تین کروڑ لے کر نمرہ کو اس کے حوالے کیا جارہا ہے؟''

اسما نے بابر کی طرف دیکھا پھر کہا'' بابر تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ کیا تم میرے سچ کی گواہی دو گے؟''

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا'' بھابی جان میں ہمیشہ آپ کو بھابی سے زیادہ ماں سمجھتا رہا ہوں لیکن آج آپ میرے ماں باپ کی توہین کر رہی ہیں۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ ہمارے یہ بزرگ تین کروڑ لے کر اپنی بیٹی کو کسی کے حوالے کر رہے ہیں؟''

اسما نے شدید حیرانی سے بابر کو دیکھا۔ وہ اسے بہت چاہتی تھی۔ دونوں دیور بھابی میں بڑی محبت رہی تھی لیکن اب رفتہ رفتہ اسما کو معلوم ہو رہا تھا کہ بابر اوپر سے کچھ ہے اور اندر سے کچھ......

اسما نے نفرت سے کہا'' بابر مجھے کل ہی معلوم ہوگیا تھا کہ تم جو دکھائی دیتے ہو وہ نہیں ہو۔ اب میں صاف صاف کہہ دوں کل تم ماں باپ اور بیٹے سے ایک غلطی ہوگئی۔ کمرے کا دروازہ ضرور بند تھا لیکن کھڑکی کا ایک پٹ کھلا رہ گیا تھا۔ میں باہر کھڑی ہوئی تمام باتیں سن رہی تھی۔''

فلک ناز وہاں سے گزر رہی تھی وہ بھی دروازے پر ہی رک کر اسما کی باتیں سننے لگی۔ بند کمرے میں ماں باپ اور بیٹے کے درمیان جو باتیں ہوئیں اور پھر جس طرح فون کے ذریعے مسز رانا سے گفتگو ہوئی ایک کروڑ کے بجائے تین کروڑ کا مطالبہ اس خاتون سے منوایا گیا ان کے درمیان جو معاملات طے ہوتے رہے اس کی ایک ایک تفصیل اسما بتا رہی تھی۔ بابر، فلک آفتاب اور بیگم آفتاب سب ہی کو چپ لگ گئی تھی پھر بیگم آفتاب نے بھڑک کر کہا'' یہ جھوٹ بول رہی ہے ہم پر کیچڑ اچھال رہی ہے اور تم خاموش کھڑے سن رہے ہو؟''

بابر نے کہا'' بھابی جان! میں نے آپ کا بہت لحاظ کیا ہے۔ آپ یہ آگ لگانے والی بھائی جان کو بھڑکانے والی اور ہمیں آپس میں لڑانے والی باتیں نہ کریں ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

اسما نے کہا آج مجھے یہ اندازہ ہوگیا ہے کہ تم سے برا واقعی کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ میں آج جو کہہ رہی ہوں کل یہ بات سچ ثابت ہو جائے گی۔''

پھر وہ فلک آفتاب کو دیکھتے ہوئے بولی'' آپ نے مسز رانا سے طے کیا ہے کہ آپ ان کے ساتھ کل بینک جائیں گے۔ جہاں وہ آپ کے اکاؤنٹ میں تین کروڑ روپے جمع کرائیں گے۔ لیکن اب وہاں آپ کے ساتھ آپ کے بڑے صاحبزادے بھی موجود رہیں گے۔''

بیگم، فلک آفتاب اور بابر تینوں نے چونک کر اور پریشان ہو کر ذیشان کی طرف دیکھا۔ وہ سر ہلا کر بولا'' یس ڈیڈ...... مجھے کل ہی یہ تمام باتیں معلوم ہو چکی تھیں۔ میں انتظار کر رہا تھا شاید مجھے سب کچھ بتا دیا جائے گا' لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلسل جھوٹ بولا جارہا ہے اور مجھے کھلا فریب دیا جارہا ہے۔ آپ سب مجھے بچپن سے جانتے ہیں۔ میں نے یہ کبھی برداشت نہیں کیا کہ کوئی میرا مذاق اڑائے اور مجھے بے وقوف بنائے۔ آپ میرے والدین ہیں میں آپ کے خلاف تو کچھ

نہیں کرسکتا' لیکن میں بھی اب ضروری کارروائی کروں گا اور تین کروڑ تو کیا کسی کو تین روپے بھی نہیں لینے دوں گا۔ میں خود چھٹی لے کر لندن جاؤں گا اور وہاں نمرہ کے ساتھ رہوں گا۔"

وہ سب اس کی باتیں سن کر پریشان ہورہے تھے کیونکہ تین کروڑ کا منصوبہ انہیں خاک میں ملتا دکھائی دے رہا تھا۔

ذیشان نے بابر کی طرف پلٹ کر کہا "اسما اس گھر کی بہو ہے اور وہ اس گھر کی بہتری اور نیک نامی چاہتی ہے اور تم اس سے کہہ رہے تھے کہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تم کیا کرلو گے اس کا۔ بولو......؟" وہ اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا "تم یہ نہ سمجھنا کہ جوان ہوگئے ہو تو میرا ہاتھ تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔ میں نے اگر ایک ہاتھ مارا تو تم زمین میں دھنس جاؤ گے۔" ماں دوڑتی ہوئی آکر بابر کے سامنے ڈھال بن گئی اور بولی "کوئی تمہاری بیوی کے خلاف بولے تو تم اس کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہو۔"

عروج اور عینی باہر سے آرہی تھیں وہ بھی دروازے پر کھڑی یہ تماشا دیکھنے لگیں۔ فلک آفتاب نے آگے بڑھ کر بابر کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کرتے ہوئے کہا "تم یہاں آؤ میرے پاس۔ یہ تو پولیس افسر بن کر اور زیادہ بددماغ ہوگیا ہے۔"

عینی نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا "یہ کیا ہورہا ہے بھائی جان......؟ کیا بابر نے کوئی غلطی کی ہے؟"

وہ بولا "صرف بابر ہی نہیں ہمارے یہ بزرگ بھی بہت بڑی غلطی کررہے ہیں اور اس غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے طرح طرح کے جھوٹ بول رہے ہیں۔"

عینی اور عروج سوالیہ نظروں سے فلک آفتاب' بیگم آفتاب اور فلک ناز کو دیکھنے لگیں...... فلک ناز نے فوراً آگے بڑھ کر کہا "مجھے ایسے نہ دیکھو۔ میرا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے میں تو خود حیران ہورہی تھی کہ اچانک نمرہ کو لندن کیوں بھیجا جارہا ہے۔ اب پتا چلا کہ اسے لندن بھیجنے کے لیے تین کروڑ روپے ان لوگوں کو ملیں گے۔"

عینی اور عروج حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ بیگم آفتاب نے غصے سے فلک ناز کو دیکھا اور اپنے میاں سے بولی "آپ اپنی بہن کا منہ بند کریں یہ اس وقت بھی ہم پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آئی۔"

عینی نے فلک آفتاب سے پوچھا "بڑے ابو کیا پھوپی جان درست کہہ رہی ہیں؟"

"یہ جھوٹ بول رہی ہے' اور یہ ہماری بہو گھر میں بیٹھے بیٹھے آگ لگاتی رہتی ہے اور ہمیں آپس میں لڑانا چاہتی ہے۔"

فلک ناز نے کہا "بھائی جان ایسی بھی کیا ڈھٹائی ہے۔ جب بات کھل ہی گئی ہے تو سچ کو تسلیم کرلیں' ورنہ ہم سب ذیشان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ جو کہہ دیتا ہے وہی کرتا ہے۔ آپ کو تین کروڑ تو کیا تین روپے بھی نہیں ملیں گے۔"

فلک آفتاب نے غصے سے گرج کر کہا "تم ہمارے معاملہ میں نہ بولو۔ ذیشان ہمارا بیٹا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ہمارے حالات اور مجبوریوں کو سمجھ جائے گا۔ آؤ بیٹا تم میرے ساتھ کمرے میں آؤ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

ذیشان نے کہا "سوری ڈیڈ......! یہ عینی کا گھر ہے اس گھر میں کیا ہوتا رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے یہ عینی کو معلوم ہونا چاہیے۔"

فلک آفتاب نے کہا "ٹھیک ہے عینی تم بھی ہمارے ساتھ کمرے میں آجاؤ۔"

وہ بولی "یہ تو آپ جانتے ہیں میں تنہا نہیں آؤں گی میرے ساتھ عروج ضرور رہتی ہے۔"

فلک ناز نے زیر لب مسکرا کر فلک آفتاب کو دیکھا اور کہا "پھر راز داری کیا رہے گی بھائی جان......؟ عینی کے ساتھ عروج جائے گی آپ کے ساتھ بھابی جان جائیں گی چونکہ اس معاملے میں بابر شریک ہے اس لیے یہ بھی جائے گا صرف میں یہاں اسما کے ساتھ رہ جاؤں گی۔"

عینی نے کہا "کسی کو کہیں نہیں جانا چاہیے۔ جو بات ہے سب کے سامنے ہونی چاہیے۔"

پھر وہ ذیشان سے بولی "بھائی جان! میں تو عروج کے ساتھ اس کے گھر تھی۔ بڑی امی نے فون پر بتایا کہ نمرہ کل کی فلائٹ سے لندن جارہی ہے۔ ہمیں یہ سن کر حیرت ہوئی کہ آج صبح تک تو نمرہ کے کہیں جانے کا ذکر نہیں تھا پھر اچانک اسے لندن کیوں بھیجا جارہا ہے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ صرف وہ لندن نہیں جارہی ہے بلکہ یہاں ہمارے بزرگوں کو کروڑوں روپے بھی مل رہے ہیں۔ آخر یہ سب کیا ہورہا ہے؟!"

ذیشان نے کہا "میں کیا بتاؤں خود مجھے اندھیرے میں رکھا جارہا ہے۔ ڈیڈی کو چاہیے کہ جو بات ہے سب کے سامنے بتائیں۔" اس بات پر سب ہی فلک آفتاب کو دیکھنے لگے۔ فلک آفتاب نے کچھ پریشان ہوکر اپنی بیگم کو اور بابر کو دیکھا پھر کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا "ایک سیدھی سی بات ہے جسے اسما توڑ مروڑ کر پیش کررہی ہے۔"

ذیشان نے سخت لہجے میں کہا "پلیز ڈیڈ......! اسما کو بیچ میں نہ لائیں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "کیوں بیچ میں نہ لائیں؟ یہی تو فساد کی جڑ ہے۔"

عینی نے کہا "پلیز بڑی امی......! آپ خاموش رہیں۔ میں کہہ چکی ہوں۔ یہاں صرف بڑے ابو بولیں گے اور کوئی نہیں بولے گا۔"

فلک آفتاب نے ذیشان کو دیکھا پھر عینی کو دیکھتے ہوئے کہا "بیٹی کوئی ایسی بات نہیں ہے لندن میں تمہاری بڑی امی کی ایک سہیلی ہے۔ اس نے وہاں نمرہ کی رہائش کا انتظام کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں نمرہ ہائیر اسٹڈیز کے لیے لندن جائے لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے جانے پر اعتراض کیوں کیا جارہا ہے؟ جبکہ تمہاری بڑی امی اس کے ساتھ جارہی ہیں۔ اور یہ تین کروڑ روپے والی بات محض ہم پر کیچڑ اچھالنے کے لیے ہے ہماری یہ بہو الزام لگارہی ہے کہ ہم جبران سے یا مسز رانا سے تین کروڑ لے کر اپنی بیٹی کو ان کے حوالے کررہے ہیں۔ کیا تم یہ بات کبھی مان سکتی ہو؟"

عینی نے اسما کی طرف دیکھا "بھابی جان! آپ اتنی بڑی بات کیسے کہہ رہی ہیں؟ اس میں کیا صداقت ہے؟"

اسما نے کہا "ہم سب کو اس چھت کے نیچے پیار محبت سے رہنا چاہیے اور ہر معاملے میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنا چاہیے۔ لیکن جب کوئی اپنی ایک الگ ٹولی بنالیتا ہے اور بند کمرے میں میٹنگ کرتا ہے تو تجسس پیدا ہوتا ہے۔ یہی تجسس مجھے ان کے بند کمرے کی طرف لے گیا اور پھر میں نے کھڑکی کے پاس کھڑے ہوکر جو باتیں سنیں وہی باتیں میں نے تمہارے بھائی جان کو بتائی ہیں۔"

ذیشان نے کہا "اسما کو مسلسل جھٹلایا جارہا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں حقیقت معلوم کروں۔ میرے پاس یہاں سے لندن تک معلومات کے ذرائع ہیں۔ جب بھی ممی ڈیڈی اور بابر کے بینک اکاؤنٹ میں کوئی بڑی رقم جمع ہوئی مجھے فوراً معلوم ہوجائے گا۔ اور اگر نمرہ لندن جاکر ممی کی سہیلی کے بجائے کسی دوسری جگہ رہے گی تو یہ بات بھی مجھ سے چھپی نہیں رہے گی۔ نمرہ کل کی فلائٹ سے جائے گی اور پرسوں تک مجھے ساری معلومات حاصل ہوجائیں گی۔"

فلک آفتاب نے کہا "بیٹے ذیشان! تم ہماری اولاد ہو بیوی کے بہکانے پر کیوں ہم پر شبہ کررہے ہو۔ کیا یہ ہماری توہین نہیں ہے؟"

"اگر آپ کی بات سچ ثابت ہوئی تو میں آپ سے معافی مانگ لوں گا اور اگر اسما سچائی پر ہے تو مجھے آپ کی توہین پر افسوس نہیں ہوگا۔"

"لیکن اگر یہ جھوٹی ہے تو اسے جھوٹ کی سزا ملنی چاہیے۔"

"آپ اسما کو جھوٹ کی جو سزا دینا چاہیں گے مجھے منظور ہوگی۔" اس پر فلک آفتاب نے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر یہ ثابت ہوجائے کہ ہم نے مسز رانا سے تین کروڑ روپے نہیں لیے ہیں تو پھر تم اسے طلاق دے دو گے۔"

اسما کے ذہن کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔ بیگم آفتاب نے مسکرا کر اپنے خاوند کو دیکھا جیسے میاں کی اس بات پر اس کا دل باغ باغ ہوگیا ہو۔

اسما اور ذیشان نے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھا پھر ذیشان نے سر ہلا کر کہا "جاؤ...... لے آؤ۔" وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی "جاتی ہوں' بزرگوں کی توہین تو ضرور ہوگی لیکن آپ وعدہ کریں کوئی گستاخی نہیں کریں گے۔"

وہ سخت لہجے میں بولا "تم جاؤ یہاں سے۔"

وہ وہاں سے اوپر کی منزل کی طرف چلی گئی۔ سب اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ وہ کیا لانے گئی ہے۔ ذیشان نے کہا "ممی......! ڈیڈ......! اسما ہمیشہ آپ کی نظروں میں کھٹکتی رہتی ہے اور آج آپ نے اپنے دل کی بات کہہ دی کہ اسے طلاق دے دی جائے۔ آپ اسے بہو سمجھتے تو کبھی اسے ایسی گالی نہ دیتے۔ آپ نے اس کے جھوٹ کی سزا بتادی۔ ٹھیک ہے جو آپ کہیں گے میں وہ کروں گا لیکن آپ بزرگوں کو......"

بیگم اور فلک آفتاب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے بابر صوفے پر بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا عینی نے کہا "بھائی جان! آپ نے بھابی جان سے وعدہ کیا ہے کہ آپ بزرگوں سے گستاخی نہیں کریں گے۔"

"نہیں کروں گا...... لیکن ان کا جھوٹ ثابت ہونے پر اپنی شرط تو منوا سکتا ہوں۔"

"ہاں! بے شک صرف آپ ہی نہیں ہم سب وہ شرط منوائیں گے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ اگر ان کا جھوٹ ثابت ہوجائے تو نہ نمرہ یہاں سے جائے گی نہ جبران سے اس کا رشتہ ہوگا۔"

فلک ناز نے پریشان ہوکر ذیشان کو دیکھا۔ اگر یہ بات مان لی گئی تو نمرہ کا رشتہ جبران سے نہیں ہوگا اور پھر آسرا کے راستے میں دوبارہ رکاوٹیں کھڑی ہوجائیں گی۔ ابھی وہ کچھ بولنا ہی چاہ رہی تھی کہ نمرہ کی آواز سنائی دی۔ وہ ڈرائنگ روم کے ایک دوسرے اندرونی دروازے پر کھڑی ہوئی تھی: "میں

بہت دیر سے آپ لوگوں کی باتیں سن کر حیران ہو رہی ہوں کہ ممی اور ڈیڈی پر تین کروڑ روپے کے لین دین کا الزام کیوں لگایا جا رہا ہے؟ جبکہ میں تو اپنی مرضی سے ممی کے ساتھ لندن جا رہی ہوں۔ بھائی جان......! کیا آپ بھابی جان کی وجہ سے میرے مستقبل کو سنورتے نہیں دیکھنا چاہتے؟"

ذیشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا "آؤ یہاں بیٹھو' ذرا صبر کرو۔ تمہیں اپنی باتوں کا جواب مل جائے گا۔"

اس وقت خاندان کے تمام افراد اس ڈرائنگ روم میں یکجا ہو گئے تھے۔ صرف میں اور آسرا اپنے اپنے کمروں میں تھے اور ایک دوسرے سے فون کے ذریعے گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے کہا "ہماری کوٹھی آج میدانِ جنگ بنی ہوئی ہے۔ تم وہاں کیوں نہیں گئیں؟"

"یہی سوال میں تم سے کروں تو؟"

"میں تو اس لیے نہیں گیا کہ تنہائی میں تم سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ کیا تم بھی ایسے ہی موقع کی منتظر تھیں؟"

"جی نہیں' میں تو اپنی اسٹڈی میں مصروف تھی' تم نے ہی مجھے فون کیا ہے۔"

"واہ! کیا انداز بے نیازی ہے میں فون نہ کرتا تو بے چینی میں مبتلا رہتیں اور بار بار اپنے موبائل فون کو دیکھتی رہتیں۔"

"جناب کو بڑی خوش فہمی ہے۔ ویسے مجھے تمہاری حالت پر ترس آ رہا ہے۔ ہائے......! نمرہ تمہیں چھوڑ کر جا رہی ہے۔"

"مجھ پر ترس نہ کھاؤ وہ کل کی فلائٹ سے جائے گی اور میں پرسوں کی فلائٹ سے جانے والا ہوں۔"

اسے ایک دم سے چپ لگ گئی جیسے ذہن کو ہلکا سا جھٹکا پہنچا ہو "تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"یہ سچ ہو سکتا ہے' اگر تم مجھے جانے کی اجازت دے دو۔"

"میں تمہیں اجازت دینے والی کون ہوتی ہوں؟"

"بہت کچھ ہوتی ہو۔ اپنے دل میں جھانک کر دیکھو میں ہی میں دکھائی دوں گا۔"

"سچ بتاؤ کیا تم بھی لندن جا رہے ہو؟ تم تو جانتی ہو میرا ایک پاؤں اگر پاکستان میں ہے تو دوسرا لندن میں رہتا ہے۔ دونوں طرف کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ دونوں طرف کے معاملات سنبھالنے پڑتے ہیں۔ نمرہ کے پیچھے جاؤں گا تو اس بہانے وہاں کے بہت سے کاروباری معاملات نمٹا کر آؤں گا۔"

وہ چپ رہی کچھ نہ بولی۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر پوچھا "چپ کیوں ہو؟ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں اجازت دو گی تو جاؤں گا۔ میرے جانے یا نہ جانے کا انحصار پر ہے۔"

پھر میں نے سرگوشی میں پوچھا "بولو چلا جاؤں؟ خاموش رہ کر اجازت دے رہی ہو؟"

وہ ذرا دیر چپ رہی پھر دھیمی سی آواز میں بولی "وہ...... مجھ سے اجازت حاصل کرنا ہے تو یہاں آؤ۔ فون بند کر رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ ادھر اسما ایک ریکارڈ اٹھائے سیڑھیاں اترتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ اسے سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔ عینی نے پوچھا "بھابی جان! یہ ہے؟"

ذیشان نے کہا "کل اسما نے ممی ڈیڈی اور بابر کی باتیں سنی تھیں۔ وہ باتیں جب مجھے معلوم ہوئیں تو میں سمجھ گیا کہ سے حقیقت چھپائی جا رہی ہے اور اگر میں نمرہ کے لندن جانے پر اعتراض کروں گا تو جھوٹ بول کر مجھے دھوکا دیا جائے گا۔"

پھر اس نے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ڈیڈی...... آپ نے دولت کمانے کے لیے ساری زندگی ہیرا پھیری کی ہے لیکن آج یہ بھول گئے کہ آپ کا بیٹا پولیس افسر ہے اور آپ مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ مجھے جب اسما نے آپ لوگوں کے منصوبے سے آگاہ کیا تو مجھے بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر میں نے حقیقت تک پہنچنے کے لیے آپ کے اور مسز رانا کے فون پر ٹیپ لگوا دیا۔ یہ اسما کی خوش قسمتی تھی کہ آپ لوگوں کی کچھ باتیں ریکارڈ ہو گئیں۔" یہ کہہ کر اس نے ٹیپ ریکارڈ کو آن کر دیا تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر مسز رانا کی آواز سنائی دی "لندن کے لیے تین سیٹیں بک ہو چکی ہیں۔ آپ نمرہ کو رخصت کرنے کی تیاری کریں۔ کل شام پانچ بجے کی فلائٹ ہے۔"

بیگم آفتاب نے آواز سنائی دی "بہن...... آپ نے اتنی جلدی سیٹیں کیوں کرا لیں؟ ہم سے پوچھا تو ہوتا۔"

مسز رانا بولیں "میں کیا پوچھتی؟ جبران کے ڈاکٹر بار بار کہہ رہے ہیں کہ اسے جلد سے جلد علاج کے لیے لندن لے جایا جائے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ ہماری بھی مجبوری سمجھیں۔ ابھی ہم نے اپنے بڑے بیٹے سے بھی بات نہیں کی ہے۔"

"تو کر لیں ابھی تو آپ کے پاس ستائیس گھنٹے ہیں۔ آپ کے بڑے بیٹے کو بھلا اپنی بہن کو ہائیر اسٹڈیز کے لیے لندن بھیجنے پر کیا اعتراض ہوگا۔ آپ بھائی صاحب کو فون

ں۔ مجھے ان سے بھی کچھ بات کرنی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد فلک آفتاب کی آواز سنائی دی انہوں نے زرانا کو سلام کیا تھا۔ مسز رانا نے کہا "وعلیکم السلام۔ بھائی ...ب کل کی سیٹیں کنفرم ہو گئی ہیں۔ میں، نمرہ اور جبران کل ...م لندن کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے آپ ...ے مطالبات بھی پورے ہو جائیں گے۔ کل صبح دس بجے میں ...پ کے ساتھ بینک میں جا کر آپ کی مطلوبہ رقم ٹرانسفر ...را دوں گی۔"

نمرہ نے چونک کر اپنی ممی اور ڈیڈی کو دیکھا اور بولی "یہ ...ی کیا بات ہے؟ میں نے تو ان سے ایک پیسا لینے سے بھی ...ار کر دیا تھا۔"

"ذیشان نے ٹیپ ریکارڈ کو بند کرتے ہوئے نمرہ کو ...موش رہنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

"نمرہ! پہلے یہ سن لو اس کے بعد بولو۔"

اس نے پھر دوبارہ ریکارڈ کو آن کیا تو فلک آفتاب کی ...واز سنائی دی "میں جانتا ہوں آپ زبان کی دھنی ہیں لیکن ...یں کچھ اور وقت دیتیں تو زیادہ مناسب ہوتا۔"

مسز رانا کی آواز سنائی دی "دیکھئے بھائی ...احب......! جتنی جلدی ہم جائیں جبران کا علاج شروع ...جائے گا اور اتنی ہی جلدی آپ کو رقم بھی مل جائے گی ورنہ ...کام میں تاخیر ہوگی۔"

"اچھا میں ذرا سوچ کر ایک گھنٹے کے اندر آپ کو کال ...رتا ہوں۔"

اس کے بعد ٹیپ ریکارڈ خاموش ہو گیا۔ ذیشان نے ...ے بند کرتے ہوئے اپنے ماں باپ کو دیکھا۔ نمرہ نے اپنی ...ہ سے اٹھ کر کہا "ڈیڈ! یہ میں نے کیا سنا ہے؟ یہ آپ کیا ...ر رہے ہیں؟ مجھے دھوکا دے رہے ہیں؟ میری لاعلمی میں ...ران اور اس کی ماں سے تین کروڑ روپے وصول کر رہے ...ہا؟"

فلک آفتاب نے سر جھکا کر چور نظروں سے اپنی بیگم کو ...یکھا بیگم آفتاب صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے دوسری طرف ...یکھنے لگی نمرہ نے کہا "ڈیڈ...... آپ نے سر جھکا لیا۔ ممی نے ...ہ پھیر لیا۔ بھائی جان نے اتنا ٹھوس ثبوت پیش کیا ہے کہ اب ...پ لوگوں کے پاس اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے بھی الفاظ ...ہیں ہیں۔"

بیگم آفتاب نے گھوم کر ذیشان کو دیکھا پھر کہا "ہم کیا اپنی ...فائی پیش کریں گے۔ یہ میرا بیٹا نہیں دشمن ہے۔ یہ اپنی بیوی ...ا بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا اس لیے ماں باپ کو بے عزت کر رہا ہے۔"

ذیشان نے کہا "آپ چاہتی ہیں کہ میں ماں باپ کی جھوٹی عزت رکھنے کے لیے اپنی بے قصور بیوی کو سولی پر چڑھا دوں؟"

"نا چڑھاؤ سولی پر اسے۔ گلے کا پھندا بنائے رکھو۔ میں نے ایسا جورو کا غلام آج تک نہیں دیکھا۔"

"ممی! آپ بات بدل رہی ہیں۔ اس وقت جو الزام لگ رہا ہے اس کا جواب دیں۔"

بیگم آفتاب نے نمرہ سے کہا "بیٹی اولاد تو اپنے ماں باپ پر اندھا اعتماد کرتی ہے کیونکہ ماں باپ جو کچھ بھی کرتے ہیں اولاد ہی کی خاطر کرتے ہیں۔ تم ہی سوچو ہم نے کبھی تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف ہونے دی؟ تمہاری کون سی ضروریات پوری نہیں کی ہیں؟ اگر تمہیں جی جان سے چاہنے والے ماں باپ نے تمہاری لاعلمی میں کسی سے کچھ رقم لی بھی ہے تو اس کے پیچھے بھی تمہاری ہی بھلائی چھپی ہوئی ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "آج سے پانچ برس پہلے جب ہم اس گھر میں نہیں آئے تھے اس وقت مرحوم سکندر حیات زندہ تھے ہم اپنا کاروبار کرتے تھے اپنے مکان میں رہتے تھے' کاروبار میں زیادہ سے زیادہ منافع کی خاطر میں بے ایمانی کرتا تھا۔ مگر یہ سب اپنی اولاد کی خاطر ہی تو کرتا تھا۔ آج اگر تین کروڑ کا محاسبہ کیا جا رہا ہے تو پھر اس کا محاسبہ کرو کہ میں نے تم لوگوں کو پال پوس کر جوان کرنے اور کسی قابل بنانے کے لیے بے ایمانی کیوں کی تھی؟"

نمرہ نے حیرت سے ذیشان ..... کی طرف دیکھا۔ وہ بولا "ڈیڈ......! تب ہم بچے تھے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ کاروبار دیانتداری سے کر رہے تھے یا بددیانتی سے۔ لیکن اب تو ہمیں اچھے برے کی تمیز ہے! آپ کو یاد ہوگا کہ جب میں انسپکٹر تھا تب میں نے آپ کی فیکٹری پر چھاپا مارا تھا اور میں نے اس فیکٹری کا تمام مال ضبط کر لیا تھا۔ اور آپ کو وارننگ دی تھی کہ آئندہ آپ اس قسم کا دھندا کریں گے تو میں باپ بیٹے کے رشتے کا لحاظ نہیں کروں گا۔ تب آپ نے مجبور ہو کر بابر کے ساتھ یہ نیا کاروبار شروع کیا ہے۔"

پھر وہ نمرہ کی طرف دیکھ کر بولا "نمرہ اس وقت تم نادان تھیں۔ جب میں نے ان کا محاسبہ کیا تھا۔ آج تم نادان نہیں ہو۔ تم ان سے پوچھنے کا حق رکھتی ہو۔"

نمرہ اپنے ماں باپ سے مخاطب ہو کر بولی "میں نے مسز رانا سے دس کروڑ روپے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ میں آپ لوگوں کے سامنے بچی ہوں لیکن مجھ میں اتنی عقل ہے کہ اگر وہ

رقم لے لیتی تو ہمیشہ کے لیے ان کی نظروں سے گر جاتی اور وہ محترمہ مجھے اپنی معزز بہو نہیں بلکہ ڈومال سمجھتی رہتیں۔"

اس نے غصے میں ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے اس نے ریسیور کان سے لگایا رابطہ ہونے پر کہا "ہیلو جبران......! میں نمرہ بول رہی ہوں۔"

وہ ادھر سے چہک کر بولا "ہائے نمرہ...... میں ابھی تمہیں ہی یاد کر رہا تھا۔"

"تمہاری ماما کہاں ہیں؟"

"یہیں ہیں۔"

"تم ابھی اپنی ماما کے ساتھ یہاں چلے آؤ۔ میں اپنے گھر میں ہوں۔"

"کوئی ضروری بات ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"میں ساری باتیں یہیں اپنے خاندان والوں کے سامنے بتاؤں گی۔ جتنی جلدی ہو سکے انہیں یہاں لے آؤ۔"

"بس ابھی لے کر آ رہا ہوں۔"

پھر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ بیگم آفتاب نے کہا "انہیں یہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ممی مجھے اپنی زندگی اپنے طور پر گزارنی ہے اور اب میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ آپ لوگوں کی انگلیاں پکڑ کر چلوں گی تو ٹھوکریں کھاتی رہوں گی۔"

"کیا تم مسز رانا کی انگلی پکڑ کر چلو گی؟" بیگم آفتاب نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

نمرہ نے ناگواری سے کہا "وہ محترمہ یہاں آ تو جائیں پھر میں اپنا فیصلہ سناتی ہوں۔"

اسما نے ذیشان سے کہا "تب تک میرا فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ کیا میں اس گھر میں رہوں یا چلی جاؤں؟"

عینی اور عروج اس کے قریب آ گئیں۔ عینی نے کہا "نہیں بھابی جان آپ کیوں جائیں گی اس گھر سے؟ آپ کا الزام غلط تو نہیں تھا...... آپ تو میرے گھر میں سچائی اور دیانت داری چاہتی ہیں۔ مجھے آپ پر فخر ہے بھابی جان۔"

اسما نے عینی اور عروج کو دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر خود سے لپٹا کر روتے ہوئے کہا "میں ابھی بہت بڑی گالی کھا چکی ہوں۔ تمہارے بزرگ ابھی مجھے طلاق دلوانا چاہتے تھے۔ اگر میرا اعجازی خدا واقعی میرے مقدر کا خدا نہ ہوتا تو میں کہیں کی نہ رہتی۔"

ذیشان نے کہا "اسما...... میں تمہیں اسی لیے دل و جان سے چاہتا ہوں کہ تم کسی کا برا نہیں چاہتیں۔"

فلک آفتاب کا سر جھکا ہوا تھا۔ بیگم آفتاب منہ لٹکائے ہوئے بیٹھی تھی۔ بابر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سے جانا چاہتا تھا لیکن ذیشان نے ڈانٹ کر پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟"

"کیا مجھے آپ سے پوچھ کر جانا ہوگا؟"

"ہاں! جب تک سب یہاں موجود ہیں تمہیں بھی ہوگا اور اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہوگا۔ تم بہن کو شادی سے پہلے ہی لندن بھیجنے کے لیے ان سے تین کروڑ روپے کا... کر رہے تھے۔"

"میں ایسا کچھ نہیں کر رہا تھا اور میرے خلاف کوئی... نہیں ہے۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"میرے متعلق مشہور ہے کہ جس کے خلاف ثبوت ملتا اور جو ہیرا پھیری کے ذریعے سزا سے بچ جاتا ہے میں کسی قیمت پر نہیں چھوڑتا۔ اور اس معاملے میں ایس پی اپنے پرائے کی تمیز نہیں کرتا۔"

ماں تڑپ کر بولی "یہ کیا بکواس کر رہے ہو ذیشان؟"

"آپ خاموش بیٹھی رہیں۔ اسے اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہوگا ورنہ آپ اور ڈیڈی اسے میری سزا سے نہیں بچا سکیں گے۔"

ماں باپ پریشان ہو کر کھڑے ہو گئے۔ باپ نے کہا "بیٹے کیوں بھائی کے دشمن بن رہے ہو۔ جو ہو چکا۔ یہ ہمارے گھریلو معاملات ہیں تم اسے قانونی میں کیوں لینا چاہتے ہو؟"

"میں آپ سے بحث نہیں کروں گا مگر آپ اسے کہیں کہ یہ حقیقت کا اعتراف کرے اور اپنی بھابی سے معافی مانگے ورنہ میں ابھی فون کرتا ہوں میرے آدمی آئیں گے اور اسے پکڑ کر لے جائیں گے۔"

بابر نے غصے سے پوچھا "آپ مجھے کس جرم میں گرفتار کریں گے؟"

"میں جب کسی کا جرم ثابت نہیں کر سکتا تو پھر اپنی عدالت قائم کرتا ہوں۔ اس عدالت کا منصف بھی میں ہوں اور میں ہی سزا سناتا ہوں تم سے جو ہوتا ہے وہ اپنے بچاؤ کے لیے ابھی کر دیکھو۔"

ماں باپ اپنے بڑے بیٹے کے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ ارادے کا پکا ہے اور جو کہہ دیتا ہے وہ کر کے دکھاتا ہے۔ وہ دونوں تیزی سے بابر کے پاس آئے اور بیگم نے کہا "بیٹا...... یہ جو کہہ رہے ہیں مان لو بحث نہ کرو کہ تم سے غلطی ہوئی تھی۔"

وہ بولا "ممی......! یہ میرے بڑے بھائی ہیں میں ان سے ہزار بار معافی مانگ سکتا ہوں لیکن بھابی جان سے معافی مانگنا میری توہین ہے۔"

فلک آفتاب نے بابر کے شانے کو تھپک کر کہا "بیٹے بات نہ بڑھاؤ۔ معافی مانگ لو تا کہ گھر کی بات گھر میں ہی رہے۔"

بابر نے بے بسی سے نمرہ، عروج اور عینی کو دیکھا پھر ذیشان کی طرف دیکھ کر رکھائی سے بولا "ٹھیک ہے بھائی جان مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی تھی۔"

پھر وہ اسما کی طرف مڑا "بھابی جان میں......"

اسما نے تقریباً چیختے ہوئے کہا "خبردار...... مجھے بھابی نہ کہنا۔ تم نے مجھے ماں کہا تھا لیکن اسی ماں کو جھوٹا کہہ دیا جب میرے لیے طلاق تک کا حکم دیا جا رہا تھا تم خاموش تماشائی بن گئے۔ تم کوئی رشتہ نہیں نبھا سکتے لہٰذا آئندہ کبھی مجھے بھابی نہ کہنا۔ تمہیں مجھ سے معافی مانگنے کی بھی ضرورت نہیں میں نے تمہیں معاف کیا۔"

بابر سر جھکا کر وہاں سے چلا گیا۔ عینی نے فلک آفتاب کو دیکھتے ہوئے کہا "بھابی جان کتنی عظیم ہیں اور آپ گھر کے بزرگ ہو کر بہو کو طلاق دینے کی بات کر رہے تھے۔ خدانخواستہ اگر ان کا سچ ثابت نہ ہوتا تو آپ تو ان کے پیچھے ہی پڑ جاتے اور انہیں گھر سے اور بھائی جان کی زندگی سے نکال کر دم لیتے۔"

ذیشان نے کہا "عینی...... تمہاری بھابی جان کی پوزیشن اب اس گھر میں پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئی ہے اب کوئی انہیں یہاں سے ہلا نہیں سکے گا اور مجھے یقین ہے یہ بڑی فراخدلی سے ان بزرگوں کو بھی معاف کر دیں گی۔"

"بھابی جان کا دل تو دریا ہے یقیناً یہ معاف کر دیں گی لیکن مجھے تو بڑے ابو پر حیرت ہے یہ میرے کیسے سرپرست ہیں جو صرف پیسے سے ہر رشتہ جوڑتے ہیں۔ یہ تو اس گھر کو ہی ہڑپ کر جا رہے تھے۔ اگر یہ پچاس لاکھ کے مقروض نہ ہوتے اور میں وہ رقم معاف نہ کر دیتی تو یہ تو مجھے چھوڑ کر جا چکے ہوتے۔ مجھے اب بھی اس پچاس لاکھ کی کوئی فکر نہیں مگر انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ میری سرپرستی کرنے کے قابل نہیں ہیں کبھی بیٹے اور بہو کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور کبھی اپنی بیٹی نمرہ کو قابل فروخت چیز بنا دیتے ہیں۔ کیا ان سے صرف اس لیے باز پرس نہیں ہونا چاہیے کہ یہ ہمارے بزرگ ہیں؟"

ذیشان نے کہا "محاسبہ ہونا تو چاہیے مگر ہمیں بزرگوں سے باز پرس کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

عینی نے کہا "ان حالات میں تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ آج سے بھابی جان اور آپ میرے سرپرست بنیں اور بڑی امی اور بڑے ابو یہاں ہمارے بزرگوں کی حیثیت سے رہیں گے لیکن گھر کے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کریں گے۔ میں بڑی امی سے درخواست کرتی ہوں کہ سیف کی اور اس گھر کی تمام چابیاں بھابی جان کے حوالے کر دیں۔"

ذیشان نے کہا "یہ مناسب فیصلہ ہے ابھی اسما کی جتنی توہین ہو رہی تھی تمہارے فیصلے سے اتنی ہی عزت اسے مل رہی ہے۔"

فلک آفتاب نے اپنی بیگم سے کہا "جاؤ اور تمام چابیاں انہیں دے دو۔"

وہ غصے سے بولی "بس ہماری بہت توہین ہو چکی میں تو اب اس گھر میں نہیں رہوں گی۔" اور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ ادھر فلک آفتاب سنجیدگی سے سر جھکائے سوچ رہا تھا کہ ہر جگہ سے مات ہو رہی ہے اب نہ وہ تین کروڑ روپے انہیں ملیں گے اور نہ گھر کے اخراجات کے ماہانہ ایک لاکھ روپے۔ اب تو ایک روپیہ بھی ان کے ہاتھ نہیں آئے گا اور وہ ہیرا پھیری سے بھی جو کچھ ہر ماہ بچا لیا کرتے تھے وہ بھی ہاتھ سے گیا۔ اپنے چھوٹے سے کاروبار میں بھلا کیا گزارا ہوگا۔ اس کے ذہن میں یہی آ رہا تھا کہ اسی گھر میں رہا جائے۔ کم سے کم روزمرہ اخراجات اور گھر کے کرائے کی رقم تو بچے گی۔ اپنے کاروبار کا منافع صرف جمع کیا جائے تا کہ کسی آڑے وقت کام آ سکے۔

ذرا سی دیر میں بیگم آفتاب نے گھر کی تمام چابیاں لا کر میز پر پٹختے ہوئے اپنے شوہر سے پوچھا "اب بھی کیا ہمیں یہیں رہنا چاہیے؟" تو اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"بیگم ہم سے کچھ غلطیاں تو ہوئی ہیں مگر اب ان کا ازالہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہم یہیں رہ کر عینی پر ثابت کریں کہ ہمیں اس سے اور اس گھر سے کتنی محبت ہے۔"

اسی دوران کال بیل کی آواز سنائی دی۔ نمرہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ باہر مسز رانا اور جبران کھڑے مسکرا رہے تھے۔ نمرہ کے چہرے پر گہری سنجیدگی دیکھ کر مسز رانا نے پوچھا "بیٹی......! خیر تو ہے؟"

نمرہ نے انہیں آداب کرتے ہوئے کہا "جی ہاں۔ آئیے تشریف لائیں۔"

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ مسز رانا بڑی جہاں دیدہ خاتون تھی۔ وہ سب کو خاموش اور سنجیدہ دیکھ کر سمجھ

رہی تھی کہ معاملہ کچھ گمبھیر سا ہے۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کے چہرے پر بھی مسکراہٹ نہیں تھی اور انہوں نے خوش دلی سے اسے خوش آمدید تک نہیں کہا تھا۔ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے مسز رانا نے پوچھا ''آپ سب اتنے خاموش کیوں ہیں؟ بات کیا ہے؟''

پھر وہ نمرہ کو دیکھ کر بولی ''بیٹی نے ہمیں اچانک بلایا 'خیریت تو ہے؟''

نمرہ نے کہا ''آپ نے پہلے رشتے کی بات کی تھی' ہم نے منظور کیا۔ پھر آپ نے یہاں آ کر دس کروڑ کی آفر کی' میں نے سب کے سامنے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا۔''

وہ بولی ''بے شک یہ کہہ کر تم نے میرا دل جیت لیا اور میرے دل میں اپنی اہمیت اور بڑھا دی۔''

نمرہ نے کہا ''لیکن اس کے بعد کیا ہوا کہ آپ نے میری اہمیت بالکل ہی ختم کر دی۔''

وہ چونک کر بولی ''یہ کیا کہہ رہی ہو میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔''

''آپ میری ممی اور ڈیڈی کو تین کروڑ روپے کس حساب میں دے رہی تھیں؟''

مسز رانا نے سر گھما کر بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کو دیکھا۔ وہ دونوں اس سے نظریں چرانے لگے۔ وہ نمرہ سے بولی ''بعض اوقات بچوں سے ہٹ کر بزرگوں کے کچھ اپنے معاملات بھی ہوتے ہیں۔ تم نے رقم لینے سے انکار کیا یہ تمہارا بڑا پن ہے۔ لیکن میں ذاتی طور پر تمہارے والدین کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی۔ جب تم سے رشتے داری ہونے والی ہے تو پھر تمہارے والدین سے بھی رشتے داری اور اپنائیت ہے۔ میں ان کے کسی کام آنا چاہوں تو تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔''

''آپ کس لیے کام آ رہی ہیں۔ کیا انہوں نے آپ سے کہا ہے کہ یہ مفلس اور محتاج ہیں ان کو کاروبار کو سہارا دینے کے لیے تین کروڑ روپے کی ضرورت ہے؟''

''بیٹی! تم کچھ بھی سمجھ لو میں ان کی ضرورت کے وقت کام آنا چاہتی ہوں۔''

''آنٹی! ہم مفلس اور کنگال نہیں ہیں۔ میری کزن عینی ہے۔ میرے دوسرے کزن مقدر حیات ہیں۔ یہ کروڑوں میں کھیلتے ہیں اور ابھی تین کروڑ ممی اور ڈیڈی کو دے سکتے ہیں۔ آپ صاف صاف بتائیں میری ممی اور ڈیڈی نے تین کروڑ کا مطالبہ کیا ہے یا آپ انہیں خیرات دے رہی ہیں؟ دونوں صورتوں میں میری بے عزتی ہے۔ آپ اپنی ہونے والی بہو کو تین کروڑ میں تول کر یہاں سے لے جانا چاہتی ہیں ا منظور نہیں ہے۔''

جبران نے پریشان ہو کر کہا ''یہ تم کیا کہہ رہی کیا منظور نہیں ہے؟''

مسز رانا نے اپنے بیٹے سے کہا ''جبران! تم خا مجھے بات کرنے دو۔''

وہ ذرا تند لہجے میں بولا ''آپ کو کیا بار دوں؟ آپ نے تین کروڑ والی بات نمرہ سے کیو تھی؟''

''بیٹے! تم میری ممتا کو نہیں سمجھو گے۔ مقدر حیا تھا کہ تمہاری شادی پانچ ماہ بعد ہونی چاہیے پھر یہ تک نمرہ کا تمہارے ساتھ رہنا بھی بہت ضروری تھ اس کے بغیر علاج کے لیے جانا نہیں چاہتے تھے۔ کرتی؟ اگر نمرہ سے کہتی کہ اس کے والدین کو تین کر دے کر اسے یہاں سے لے جانے کے لیے راضی کر تو یہ کبھی راضی نہ ہوتی۔ اگر میں اس کے والدین حل نہ کرتی تو یہ مجھ پر مہربان نہ ہوتے اور بیٹی کو لے جانے کے اجازت نہ دیتے۔ میں تو دونوں ط پھنس رہی تھی۔ میرے سامنے ایک یہی راستہ تھا سے یہ بات چھپا لوں۔''

بیٹے نے کہا ''چھپانے کا نتیجہ دیکھ رہی ہیں؟ سے دس کروڑ لینا نہیں چاہتی تھی اور آپ نے تین لیے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔''

مسز رانا نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا ''نمرہ.... لیے میری ممتا کو سمجھو۔ اس کی دیوانگی کو سمجھو۔ یہ تمہا اتنا دیوانہ ہے کہ اس نے مجھے بھی پاگل بنا دیا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو گئیں ہیں۔ میں صرف بات جانتی ہوں کہ کسی طرح اپنے بیٹے کے لیے زیادہ خوشیاں حاصل کر سکوں' اور اس کی خوشیوں کا تم ہی ہو۔''

''سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ جب میں جبران کا مرکز ہوں تو آپ نے میرے اعتماد کو ٹھیس کیوں؟''

''بیٹی! میری بات کو سمجھو۔ دنیا داری نبھانے انسان بہت سے کام کرتا ہے۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا دنیا کی مخالفت مول لے کر بھی شادی سے پہلے ہمار جانے کو تیار ہو جاؤ گی تو میں کبھی ایسی حماقت نہ کرتی لیے میری اندھی ممتا کو سمجھو۔''

نمرہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے پہلے جبران

پھر اپنی ماں کو دیکھا اور بولی ''دونوں طرف مائیں دونوں طرف ممتا ہے۔ ایک ماں اپنی تمام دولت اپنی تمام ان اور اپنی تمام زندگی ہار کر اپنے بیٹے کے لیے مجھے کرنا چاہتی ہے دوسری طرف یہ میری ممی ہیں میرے ٹھیس پہنچا کر میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر تین کروڑ حاصل کر رہی تھیں۔ ان حالات میں مجھے کیا کرنا ہے؟''

سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ مسز رانا تڑپ اپنی جگہ سے اٹھی اور نمرہ کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے ''اگر تم نے میرے بیٹے کے ساتھ جانے سے انکار کیا تمہارے قدموں میں سر پٹخ پٹخ کر اپنی جان دے دوں ''

نمرہ اور عروج نے لپک کر اسے دونوں طرف سے تھام اٹھا کر پھر صوفے پر بٹھاتے ہوئے نمرہ نے کہا ''بے آپ اپنے بیٹے کے لیے بہت کچھ کر سکتی ہیں اور میں سمجھ ہوں کہ آپ نے اندھی ممتا سے مجبور ہو کر ایسا کیا ہے آئندہ آپ میری بات مانیں گی تو میں بھی آپ کی بات ہوں گی۔''

وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی ''تم جو کہو گی میں وہ گی۔''

نمرہ وہاں سے چلتی ہوئی جبران کے پاس آئی پھر اس اس صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی ''میں جبران کے ساتھ گی۔''

جبران نے خوشی کے مارے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام س نے اپنا ہاتھ نہیں چھڑایا۔ وہ مسز رانا سے مخاطب ''آپ میرے والدین کو تین کروڑ تو کیا تین روپے بھی دیں گی۔''

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے چونک کر بیٹی کو دیکھا۔ انا نے کہا ''میں کہہ چکی ہوں تم جو کہو گی وہ کروں گی۔''

''دوسری بات یہ کہ آئندہ آپ میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں یں گی۔''

مسز رانا... اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ہوئے میری توبہ ہے آئندہ مجھ سے ایسی غلطی کبھی نہیں ہو گی۔''

بیگم آفتاب نے بیٹی کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ حال تم جو بھی فیصلہ کرو مگر میں نے طے کر لیا ہے کہ میں نہیں جاؤں گی۔''

نمرہ نے کہا ''میں ابھی آنٹی سے یہی کہنے والی تھی کہ آپ ٹ کینسل کر دیا جائے۔ آپ تو صرف دوسروں کو بہکانے کے لیے جا رہی تھیں کہ میں آنٹی اور جبران کے ساتھ نہیں آپ کے ساتھ جا رہی ہوں۔ لیکن اب تو بات کھل گئی ہے۔ اب کس بات کا پردہ ہے؟ میں آپ کے بغیر بھی جا سکتی ہوں۔''

فلک آفتاب نے کہا ''تم اتنی خود مختار نہیں ہوئی ہو کہ اپنے کسی بزرگ کے بغیر یہاں سے لندن چلی جاؤ۔''

''میں بالغ ہوں اپنے طور پر اپنی زندگی کا فیصلہ کر سکتی ہوں۔''

ذیشان نے کہا ''نہیں نمرہ ابھی تمہارے باپ اور بھائی زندہ ہیں۔ تم ایسا کوئی قدم اٹھاؤ گی تو سارے خاندان میں بدنامی ہو گی۔''

وہ عاجزی سے بولی ''بھائی جان......! آپ اعتراض کریں گے تو بڑی پرابلم ہو جائے گی۔''

''کیسی پرابلم ہو گی؟''

''میرے جانے کی کئی وجوہات ہیں۔ میرے بغیر جبران کا علاج نہیں ہو سکے گا۔ انہیں الیکٹرک شاک سے نجات دلانی ہے اور یہ صرف میں کر سکتی ہوں دنیا کا کوئی ڈاکٹر نہیں کر سکے گا۔''

ذیشان نے کہا ''وجہ کتنی ہی معقول ہو تم شادی کے بغیر ان کے ساتھ جاؤ گی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔''

فلک ناز ان کی باتیں سن رہی تھی وہ فوراً بولی ''ذیشان میاں! اگر نمرہ کا جانا اتنا ہی ضروری ہے تو جبران سے اس کا نکاح پڑھا دیں پھر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''

وہ بولا ''نکاح پڑھا دیں؟ پھوپی جان! کیا شادی بیاہ بچوں کا کھیل ہے کہ ابھی شادی کر دی جائے ابھی رخصتی ہو جائے؟''

''ایسا ہو سکتا ہے' عینی نے بھی تو چند گھنٹوں میں شادی کا فیصلہ کیا تھا اور اس کا نکاح ہونے والا تھا۔ کام جائز ہو تو کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔''

ذیشان چند لمحوں تک سر جھکائے سوچتا رہا پھر اس نے نمرہ سے پوچھا ''کیا تمہارا جانا واقعی بہت ضروری ہے؟''

''جی بھائی جان! ورنہ میں آپ کے سامنے کبھی ضد نہ کرتی۔''

''تو پھر یہی مناسب ہے کہ پہلے تمہارا نکاح جبران سے ہو اس کے بعد تم یہاں سے جا سکو گی۔''

نمرہ اور مسز رانا نے ایک دوسرے کو پریشان ہو کر دیکھا اور دونوں نے بے اختیار انکار میں سر ہلایا۔ ذیشان نے پوچھا ''کیا بات ہے؟''

''وہ بھائی جان! بات یہ ہے کہ ہماری شادی پانچ ماہ کے بعد ہی ہوسکتی ہے اس سے پہلے نہیں۔''

اس نے تعجب سے پوچھا ''ایسی کیا مجبوری ہے؟''

مسز رانا جلدی سے بولی ''وہ مقدر حیات علم نجوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتے ہیں۔ پتا نہیں آپ انہیں مانتے ہیں یا نہیں۔ مگر ہم سب آنکھیں بند کر کے یہ یقین کرنے لگے ہیں کہ ان کی بتائی ہوئی ہر بات سچ ہوتی ہے۔''

اسما نے چونک کر ذیشان کا بازو پکڑتے ہوئے کہا ''میں یہاں مقدر میاں کی بات کرنے آئی تھی۔ بہت ضروری بات ہے لیکن یہاں ان مسائل میں الجھ کر رہ گئی۔ پلیز آپ ایک طرف آئیں میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

وہ بولا ''اسما ! ذرا صبر کرو ہم مقدر میاں کی ہی بات کر رہے ہیں۔''

پھر اس نے نمرہ سے پوچھا ''کیا مقدر میاں نے کہا ہے کہ تمہیں پانچ ماہ سے پہلے شادی نہیں کرنی چاہیے؟''

نمرہ... اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی ''اور یہ بھی کہا ہے کہ میں شادی کے بغیر جبران کے ساتھ ایک طویل عرصے تک رہوں گی۔''

وہ ناگواری سے بولا ''یہ کیا بکواس ہے۔ میں ایسی بے ہودہ پیش گوئی کو تسلیم نہیں کروں گا۔''

اسما نے اس کے بازو کو جھنجوڑتے ہوئے کہا ''آپ میری بات تو سن لیں۔ میں کتنی دیر سے ان کی ایک پیش گوئی آپ کو بتانا چاہتی ہوں لیکن آپ ہیں کہ سننا ہی نہیں چاہتے چلیں ادھر آئیں۔'' وہ اسے کھینچتی ہوئی ایک طرف لے گئی اور سب سے دور ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں پہنچ کر دھیمی آواز میں بولی ''مقدر میاں نے آپ کے بچاؤ کا راستہ بتایا ہے۔''

وہ حیرانی سے بولا ''کیا کہہ رہی ہو؟''

''آپ کو یاد ہوگا انہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ آپ اپنے ایک وفادار ماتحت کی غداری کے باعث مصیبتوں میں مبتلا ہوں گے اور یہی ہو رہا ہے۔ آپ کی جھوٹی میڈیکل رپورٹ نے تمام رشتے داروں کو یقین دلا دیا تھا کہ آپ باپ نہیں بن سکتے لیکن اس نے ہاتھ کی لکیر دیکھتے ہی بتا دیا تھا کہ آپ باپ بن سکتے ہیں اور یہ حقیقت آپ سب سے چھپا رہے ہیں۔''

وہ قائل ہو کر سر ہلاتے ہوئے بولا ''ہاں یہ بات تو ہے اب اس نے کیا کہا ہے؟''

''اس نے کہا ہے جس طرح ایک وفادار ماتحت کی غداری کے باعث آپ مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں اسی طرح ایک وفادار ماتحت کے ذریعے آپ دشمنوں پر غالب آجائیں گے اور آپ پر لگے تمام الزامات ختم ہو جائیں گے۔''

ذیشان کو یکلخت یوں محسوس ہوا جیسے سر پر سے بوجھ اتر گیا ہے اس نے خوش ہو کر پوچھا ''مقدر میاں نے اور کیا کہا ہے؟''

''میں نے پوچھا تھا اس ہمدرد ماتحت کا نام کیا ہے تو اس نے اس کا پورا نام تو نہیں بتایا تھا ہاں اتنا کہ اس کے نام میں تین بار حرف ''بی'' آتا ہے۔''

ذیشان نے سوچنے کے انداز میں زیر لب کہا ''حرف بی......؟''

پھر ایک دم سے چونک کر کہا ''اوہ گاڈ...... بچھو بابا''

اسما تیزی سے سر ہلاتے ہوئے بولی ''ہاں اس میں تو تین بی آ رہا ہے...... کیا یہ آپ کا کوئی ماتحت ہے؟''

''آہستہ بولو کوئی نہیں جانتا کہ وہ خطرناک بچھو میرا تابعدار ہے۔''

گھر کے تمام افراد ان کی طرف دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے کہ وہ میاں بیوی دور جا کر ایک دوسرے سے کیا باتیں کر رہے ہیں۔ اسما نے کہا ''آپ نمرہ کے معاملے سے جلد نمٹا دیں اور مقدر سے ابھی ملاقات کریں۔ وہ اپنے کمرے میں ہے۔''

وہ ان تمام افراد کی طرف پلٹ کر آنا چاہتا تھا اسما نے پھر اسے روک کر کہا ''ایک بات اور سن لیں۔ مقدر میاں کی بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے جب اس نے کہہ دیا ہے کہ نمرہ کو پانچ ماہ بعد شادی کرنا چاہیے تو پانچ ماہ بعد ہی شادی ہوگی اور جب اس نے کہہ دیا کہ وہ شادی کے بغیر جبران کے ساتھ طویل عرصے تک رہے گی تو پھر وہ ضرور رہے گی۔ آپ خواہ مخواہ ضد نہ کریں۔ میرا مشورہ مانیں صرف اپنے دشمنوں پر توجہ دیں۔''

اس نے قائل ہو کر سر ہلایا اور سب کے درمیان آ کر نمرہ اور مسز رانا کو دیکھا اور کہا ''میں مقدر میاں سے مل کر آتا ہوں اگر اس کا وہی مشورہ ہوا جو تم کہہ رہی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگا۔ نمرہ اور مسز رانا نے خوش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا جبران نے بھی مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ نمرہ کی طرف بڑھایا۔ نمرہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ دل کی گہرائیوں سے اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے لیکن میری بات اٹل

رہے گی۔ میں نہ ماننے والوں کو بھی سر جھکانے پر مجبور کر دیتا ہوں۔

اسما نے دستک دی۔ میں نے دروازہ کھول کر دیکھا دونوں میاں بیوی کھڑے ہوئے تھے میں نے دروازے کو اچھی طرح کھولتے ہوئے کہا ''اندر آئیے۔''

ذیشان نے اندر آتے ہی میرے دونوں شانوں کو گرمجوشی سے تھام کر مجھے جھنجوڑتے ہوئے کہا ''تمہاری بھابی جو کہہ رہی ہیں تم نے بہت بڑی خوشخبری سنائی ہے، اس طرح تم میرے سر سے پہاڑ اتار رہے ہو۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''میں تو کچھ نہیں کر رہا ہوں جو کر رہی ہیں وہ ہاتھ کی لکیریں کریں گی۔''

''لکیریں جو کریں گی سو کریں گی تم تو غضب کر رہے ہو۔ مجھے تو حیران کر دیا ہے۔ کیا میرے ہاتھ کی لکیروں نے تمہیں بچھو بابا کا نام بھی بتا دیا ہے؟''

میں نے انجان بن کر پوچھا ''کون بچھو بابا؟''

''انجان نہ بنو اس نام میں تین بار حرف بی آتا ہے۔''

میں نے کہا ''اوہ اب سمجھا۔ آپ یقین کریں میں اس کا نام نہیں جانتا۔ لکیریں بس یہی بتا رہی تھیں کہ آپ کے وفادار ماتحت کا نام تین بار حرف بی سے ہوگا۔''

''یہی تو شدید حیرت کی بات ہے۔ آج ہی میں نے فون پر بچھو بابا سے کہا ہے کہ وہ فوراً پاکستان آجائے مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔ میرے اس راز دار ماتحت کے بارے میں کوئی نہیں جانتا لیکن تمہیں معلوم ہوگیا کہ وہی شخص میری مدد کر سکتا ہے۔ مقدر میاں میں حیران ہوں کہ تم کیا ہو؟''

''سب ہی حیران ہوتے ہیں کوئی یقین نہیں کرتا کہ ہاتھ کی لکیریں مجھے اتنی گہری باتیں بتا دیتی ہیں۔ اب میں کیا کروں؟ سوچتا ہوں آئندہ اپنے آپ کو قابو میں رکھوں گا اور باتیں بتانے سے پرہیز کروں گا۔''

اسما نے کہا ''خدا کے لیے ہمارے ساتھ ایسا نہ کرنا۔ جو سچ ہے ہمارے سامنے اگل دینا۔''

''یہی تو بات ہے۔ میں پورا سچ نہیں اگلتا۔ آدھا زبان پر لاتا ہوں آدھا پیٹ میں رکھ لیتا ہوں۔''

''لیکن تم ہمارے ساتھ ایسا نہیں کرو گے۔''

''میں مجبور ہوں۔ کاتب تقدیر نے ہم سب کے مقدر میں جو لکھا ہے اسے پورا ہونا چاہیے۔ میں آدھا سچ اس لیے بتا دیتا ہوں کہ اپنی قسمت کا حال سننے والا چوکنا ہو جائے اپنے بچاؤ کے لیے کوششیں کرے اور تقدیر کا لکھا بدلنے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرے۔ اپنی ذہانت سے کام لے محنت کرے جس طرح بھائی جان محنت کر رہے ہیں۔ ذہانت سے کام لے رہے ہیں میں نے تو اب کہا ہے کہ کسی بچھو بابا سے مدد لینی چاہیے لیکن میرے کہنے سے پہلے ہی بھائی جان نے سمجھ لیا تھا کہ بچھو بابا ان کے کام آسکتا ہے۔ میں ایسے انسانوں کی مدد ضرور کرتا ہوں جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔''

ذیشان نے کہا ''میں اپنے موجودہ کیس کے سلسلے میں کچھ اور باتیں کروں گا، پہلے یہ بتاؤں تم نے نمرہ سے کیا کہا ہے؟''

''میں نے کچھ نہیں کہا اس کے اور جبران کے ہاتھ کی لکیروں نے کہا ہے۔ پانچ ماہ سے پہلے ان کی شادی نہیں ہونی چاہیے اور شادی سے پہلے انہیں ایک ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔''

''مقدر میاں ذرا سوچو' کیا یہ شرمناک بات نہیں ہے؟''

''میں نے ان کی لکیریں پڑھی ہیں اور یہ یقین سے کہتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے کے قریب رہ کر بھی حیا کے تقاضے پورے کریں گے۔ نمرہ آپ کا اور اپنے والدین کا سر جھکنے نہیں دے گی۔''

''لیکن ہم رشتے داروں سے کیا کہیں گے؟ وہ تو طرح طرح کی باتیں بناتے رہیں گے۔''

''کوئی بات نہیں بنائے گا۔ یہ بہانہ معقول ہے کہ وہ ہائیر اسٹیڈیز کے لیے لندن جا رہی ہے اور اس کی ممی اس کے ساتھ ہیں۔''

''ممی کتنے عرصے تک ساتھ رہیں گی، وہ پھر واپس آجائیں گی۔''

''انہیں آنے دیں۔ کیا لڑکیاں دوسرے ممالک میں اکیلی رہ کر تعلیم حاصل نہیں کرتی ہیں؟ اسے جانے دیں۔ آپ مقدر کی بات مان لیں۔''

دونوں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' وہ جلدی سے بولا۔ ''میرا مطلب ہے اس کے مقدر میں جو لکھا ہے وہ مان لیں۔ نہیں مانیں گے تب بھی وہی ہوگا جو اس کے مقدر میں لکھا ہے آپ اسے روکنے کی اپنی سی کوشش کر لیں لیکن ہونی ہو کر رہے گی۔''

''کیا تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں اسے روک نہیں پاؤں گا؟''

''ہاں...... آپ اسے روکنے کی کوششوں میں اس کی طرف دھیان دیتے رہیں گے تو اپنے دشمنوں سے غافل ہو جائیں گے یوں آپ کو بہت بڑا نقصان ہوگا۔ وہ بچھو بابا آپ کی توجہ کے بغیر کچھ نہیں کر پائے گا۔''

اسما نے تڑپ کر ذیشان کے قریب آ کر کہا ''آپ صرف اپنے معاملات سے نمٹتے رہیں۔ نمرہ یہاں سے جیسے بھی جا رہی ہے جانے دیں۔ خدا کے لیے اس کے معاملات

میں مداخلت نہ کریں۔''

میں نے کہا''نہیں کرنا چاہیے جب میں کہہ رہا ہوں کہ نمرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، آپ کی عزت اور غیرت پر کوئی آنچ نہیں آئے گی تو پھر آپ کو مجھ پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

ذیشان نے ایک گہری سانس لے کر مجھے دیکھا پھر کہا''پتا نہیں تم کیا چیز ہو۔ میں اپنے مزاج اور اصولوں کے خلاف کسی کی بات نہیں مانتا' لیکن تم اپنی بات منوا رہے ہو۔ ٹھیک ہے جو کہتے ہو وہ ہی کروں گا۔ مجھ پر جو مقدمہ چل رہا ہے اس کی بات کرو۔''

''آپ اپنی ذہانت اور تجربات سے جتنی جدوجہد کر سکتے ہیں اور دشمن کے خلاف جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کریں انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔''

''مجھے کچھ تو اشارہ دو کچھ تو بتاؤ کہ مجھے مقدمے کے کس پہلو پر زیادہ توجہ دینی چاہیے؟''

''جرائم کی دنیا میں آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہیں. جرم کی کمزرویوں کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔ آپ کے ہاتھ کی لکیر نے مجھے بتایا تھا کہ آپ دشمن کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر غالب آجائیں گے۔ اب میں یہ نہیں جانتا کہ اس کی کمزوری کیا ہے اور آپ کس طرح اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔''

اسما نے کہا''مقدر میاں تم بڑی اچھی باتیں بتا رہے ہو لیکن اس کے ساتھ الجھا بھی دیتے ہو۔ کچھ بتاؤ تو سہی یہ دشمنوں کی کمزوریوں سے کس طرح کھیل سکتے ہیں؟''

''بھائی جان! میں ابھی کچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ یقین کریں بھائی جان مجھ سے زیادہ جانتے ہیں آپ ان پر بھروسا کریں۔ کامیابی حاصل کرنے میں ذرا دیر ہوگی، پھانسی کا پھندا گردن کے قریب آجائے گا لیکن اچانک ہی وہ پھندا گلے کا ہار بن جائے گا۔''

اسما پریشان ہو کر کچھ کہنا چاہتی تھی ذیشان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا''نہیں اسما مقدر سے کچھ نہ کہو۔ میں اس کی بات سمجھ گیا ہوں۔ واقعی مجرموں کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں اور ان کی کمزوریوں تک پہنچنا بھی جانتا ہوں۔ اب میں دردانہ اور شہباز درانی کے سلسلے میں کچھ کروں گا۔''

پھر اس نے میرے گال پر ہلکی سی چپت مارتے ہوئے کہا''مقدر مجھے تو ایسا لگتا ہے تم واقعی میرا مقدر بن کر یہاں آئے ہو! I LOVE YOU۔''

اسما نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا''آئی لو یو ٹو۔''

میں نے اسما کے سامنے سر جھکایا' اس نے میری پیشانی چوم لی۔ ذیشان نے سر پر چپت مارتے ہوئے کہا''ہماری محبتیں تمہارے لیے ہیں۔''

پھر وہ میاں بیوی ڈرائنگ روم میں آگئے سب نے سوالیہ نظروں سے دیکھا ذیشان نے کہا''ممی......! آپ کے ساتھ لندن جائیں گی۔''

نمرہ' مسز رانا اور جبران نے خوش ہو کر ایک دوسرے دیکھا۔ بیگم آفتاب نے ناگواری سے پوچھا''بند کمرے اپنی بیوی کے ساتھ کیا کھچڑی پکا کر آرہے ہو؟''

''میں نے آپ کی بیٹی اور اپنی بہن کے لیے کھچڑی پکائی ہے۔ اب آپ اعتراض نہ کریں۔''

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں سفر کرنے کے نہیں ہوں۔''

نمرہ نے کہا''ممی! آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ خوا کیوں بہانہ کر رہی ہیں؟''

ذیشان نے کہا''اس لیے کہ تم نے جو اپنی ماں کا کام بگاڑ دیا۔ آنٹی کو تین کروڑ کی ادائیگی سے روک دیا۔''

بیگم آفتاب نے چیخ کر کہا''فضول باتیں نہ کرو ز میں روپے پیسے کی لالچی نہیں ہوں۔''

''ممی آپ میری بات کا برا نہ مانیں۔ آپ بالکل ہیں اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تک آپ جانے کو تیار بھی اب کوئی بہانہ نہ کریں۔''

فلک آفتاب نے کہا''بیٹے! اگر تمہاری ممی نمرہ کے گئیں بھی تو زیادہ سے زیادہ کتنے عرصے تک رہیں گی؟ وہاں نمرہ کو تنہا چھوڑنا ہی پڑے گا۔''

''کوئی بات نہیں ڈیڈ! یہ نمرہ کے ساتھ کل چلی اور ایک ہفتے بعد واپس آجائیں۔ یہاں یہی کہا جائے گا کی رہائش کا انتظام ایک ہاسٹل میں ہو گیا ہے وہ وہاں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ پھر کوئی ہم پر انگلی نہیں اٹھائے گا''

فلک آفتاب، عینی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا'' میاں کے کہنے پر میں راضی ہو گیا ہوں تم کیا کہتی ہو؟''

''آپ کو تو میں ہمیشہ باپ کی جگہ مانتی آئی ہوں. جو کہیں گے اس گھر میں وہی ہوگا۔''

پھر وہ بیگم آفتاب سے بولی''بڑی امی! آپ پہلے جانے کے لیے راضی تھیں۔ میں آپ سے التجا کرتی ہوں نہ کریں۔ نمرہ کے ساتھ کل چلی جائیں۔''

بیگم آفتاب نے اپنے میاں کو دیکھا' میاں صاحب کہا''عینی کہہ رہی ہے تو تمہیں بات مان لینا چاہیے۔ کر کے ہی آپس کی رنجشیں دور کی جا سکتی ہیں۔''

بیگم آفتاب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر جانے لگی فلک آفتاب نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے نمرہ سے کہا''تم سفر کی تیاری کرو میں تمہاری ممی کو منا لوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ بھی چلا گیا۔ نمرہ نے ذیشان سے کہا''تھینک یو بھائی جان!''

وہ بولا''میرا نہیں مقدر میاں کا شکریہ ادا کرو۔ وہی تمہیں ہاتھ کی لکیروں پر چلا رہا ہے۔''

وہ مسکرا رہی تھی ایک دم سے سنجیدہ ہو گئی اور میرے متعلق سوچنے لگی''عجیب شخص ہے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے میرا مزاج بدل دیا' میری سوچ بدل دی میرا راستہ بدل دیا ہے۔ پتا نہیں یہ آئندہ بھی مجھے کہاں سے کہاں پہنچاتا رہے گا؟''

☆☆☆

میں نے ہولے سے دستک دی یہ رازدارانہ دستک آسرا کے لیے جانی پہچانی تھی' اس نے دروازہ کھول دیا اور مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ میں بھی جواباً مسکراتا ہوا اندر آیا وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی''تم نے دو گھنٹے پہلے آنے کو کہا تھا اور اب آرہے ہو؟''

''میں نے سوچا ڈرائنگ روم سے بھیڑ چھٹ جائے سب اپنے اپنے کمروں میں چلے جائیں تب آؤں۔''

''کیا میٹنگ ختم ہو چکی ہے؟''

''ہاں...... بڑی امی اور بڑے ابو کا پول کھل چکا ہے۔ بابر بھی تین کروڑ روپے حاصل کرنے کے لیے اپنی ممی اور ڈیڈی کا ساتھ دے رہا تھا۔''

''یہ ہمارے بزرگ کتنی بڑی غلطی کر رہے تھے؟ جہاں نمرہ کو بیاہنا ہے وہاں سے بھیک لے رہے تھے؟''

''انہیں غلطی کی سزا مل رہی ہے۔ وہ اپنی بزرگانہ قدر و قیمت کھو چکے ہیں۔ اپنے ہی بچوں کے سامنے شرمندہ ہو رہے ہیں۔''

''انہیں تو اس سے بھی بڑی سزا ملنی چاہیے۔''

''ہم جتنے بھی بڑے ہو جائیں ان کے سامنے بچے ہی رہیں گے۔ یہ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اپنے بزرگوں کو سزا دیں۔ اتنا ہی کافی ہے کہ ان کا جھوٹ کھل گیا اور وہ شرمندہ ہو گئے۔''

''کیا نمرہ کے جانے کا فیصلہ ہو چکا ہے؟''

''ہاں وہ کل جا رہی ہے۔''

وہ مسکرا کر بولی''ہائے...... ابھی تو محبت نے آنکھ کھولی تھی اور وہ تم سے آنکھ مچولی کھیلنے لیے جا رہی ہے۔ اب تمہارا کیا بنے گا مقدر؟''

میں نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا''اس کے جانے سے دنیا تاریک ہو رہی ہے میرا سر چکرا رہا ہے مجھے سہارا چاہیے۔ میں سہارا لینے کے لیے ہی یہاں آیا ہوں۔''

یہ کہتے کہتے میں اس کی طرف یوں گرنے لگا جیسے واقعی سر چکر رہا ہو۔ اس نے بے اختیار دونوں بانہیں پھیلا کر مجھے تھام لیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں میری شرارت کو سمجھ گئی۔ اس نے خود کو چھڑانا چاہا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ میں کمبل بن چکا تھا۔

''ارے...... چھوڑو مجھے......''

''ارے واہ! پہلے تم نے پکڑا تھا پہلے تم چھوڑو۔''

وہ خود کو چھڑانے کی کوششیں کرنے لگی میں نے کہا''ایک بچوں کی کہانی سناتا ہوں' جو بڑوں کے لیے ہے۔ دو دوست دریا کے کنارے جا رہے تھے۔ انہیں قریب ہی پانی میں کمبل تیرتا ہوا دکھائی دیا۔ ایک دوست نے کہا' یار مفت کا کمبل ہے میں ابھی لے کر آتا ہوں یہ کہہ کر اس نے چھلانگ لگا دی۔ جب وہ اس کمبل کے قریب پہنچا تو پتا چلا وہ ایک ریچھ ہے۔ قریب پہنچتے ہی ریچھ اس سے لپٹ گیا وہ خود کو اس سے چھڑانے کی کوششیں کرنے لگا کنارے کھڑے ہوئے دوست نے پوچھا یار کمبل کیوں نہیں لا رہا ہے؟''

اس نے کہا''یہ کمبل مجھ سے لپٹ گیا ہے میں نہ تیر سکوں گا نہ اسے لا سکوں گا نہ خود آسکوں گا۔''

دوست نے کہا''تیرا صحیح سلامت کنارے پر آنا ضروری ہے کمبل کو چھوڑ دے اور چلا آ۔''

اس نے بے بسی سے کہا''میں تو کمبل کو چھوڑ رہا ہوں لیکن کمبل مجھے نہیں چھوڑ رہا ہے۔''

آسرا نے گھور کر مجھے دیکھا پھر پوچھا''اس کہانی کی اس وقت کیا تک ہے؟''

''اس واقعے کے بعد ہی یہ روایت رائج ہو گئی کہ میں تو کمبل کو چھوڑ رہا ہوں لیکن کمبل مجھے نہیں چھوڑ رہا ہے۔ یہی تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔ تم خود ہی کمبل کی طرف آئی تھیں اب یہ تمہیں کیسے چھوڑے گا؟''

وہ کسمسانے لگی''بس سن لی تمہاری کہانی اب چھوڑو۔''

''ریچھ انسانی زبان نہیں سمجھتا۔''

اس نے اپنا منہ میرے بازوؤں میں چھپا لیا تھا۔ اس کی اجلی گردن عین نگاہوں کے سامنے تھی۔ وہ صاف محسوس کر رہی تھی کہ میری سانسوں کی گرمی وہاں اترتی آرہی ہے اور اب اتر چکی ہے اور سلگتے ہوئے انگارے کی طرح وہاں چپک گئی ہے۔

وہ اردو، پنجابی اور انگریزی زبانیں جانتی تھی۔ تینوں زبانیں بھول گئی۔ صرف اس کی خاموش ادائیں بول رہی تھیں۔ تنہائی میں سب سے زیادہ خاموشی بولتی ہے اور جب محبوبانہ اداؤں سے بولتی ہے تو دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ میں خود کو بھول رہا تھا۔ وہ تو میری پیش گوئی کو بھی بھول رہی تھی۔

اس کے ہاتھ میں اب بھی وہ لکیر تھی، جو چھپی چھپی سی دھمکی دے رہی تھی کہ وہ کبھی شادی کے مرحلے تک نہیں پہنچ پائے گی، کبھی سہاگن نہیں بن سکے گی۔

میں نے محسوس کیا وہ میرے بازوؤں میں منہ چھپائے چپکے چپکے رو رہی ہے۔ وہ ان جذباتی لمحات میں بھی میری پیش گوئی کو نہیں بھولی تھی۔ اس کا دل رو رو کر کہہ رہا تھا۔ میں اسے ٹوٹ کر چاہنے والا محبوب تو بن سکتا ہوں، لیکن مجازی خدا نہیں بن سکوں گا۔ وہ میرے قریب آ کر بھی دور رہے گی۔ میرے ساتھ ازدواجی زندگی کبھی نہیں گزار سکے گی۔

میں نے بڑی ہمدردی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ میں اس کی قسمت نہیں بدل سکتا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ ہاتھ کی لکیریں بدلتی رہتی ہیں، ہوسکتا ہے شادی کے مرحلے تک پہنچتے پہنچتے کوئی ایسی تبدیلی آ جائے جو اس کی زندگی میں آئندہ ازدواجی زندگی کا اضافہ کر دے یا پھر مجھے کوئی ایسا اشارہ ملے کہ میں اس کے کام آسکوں۔

پہلے مجھے اشارہ ملا تھا اسی لیے میں جبران کے کام آیا تھا۔ میں نے اسے موت سے بچنے کا ایک راستہ دکھایا تھا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ بچ ہی جائے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے کا وقت اس کا پیچھا کرتے کرتے اسے آدبوچے اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ اس منحوس گھڑی کو ٹال دے اور مزید ایک برس کی زندگی حاصل کر لے۔ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

آدھی رات ہونے کو تھی، کوٹھی کے اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔ میرے اور آسرا کے علاوہ اسما اپنے کمرے میں جاگ رہی تھی۔ موجودہ مسائل نے ذیشان کو تھکا دیا تھا پھر بھی میری یہ پیش گوئی اسے حوصلہ دے رہی تھی کہ اس کے بچنے کے امکانات ہیں اور وہ اپنی ذہانت سے دشمنوں پر غالب آجائے گا۔

میری باتوں نے اسے اس قدر مطمئن کیا تھا کہ وہ بستر پر آنے کے تھوڑی دیر بعد ہی سو گیا تھا۔ اسما اس کے پاس لیٹی ہوئی اسے دیکھتی رہی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ گہری نیند میں ہے تو وہ آہستگی سے بیڈ پر سے اتر کر موبائل فون کے پاس آئی اور اسے اٹھا کر دبے قدموں چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ اس نے ایک بار گل خانم سے ذیشان کی ماں بن کر فون پر رابطہ کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ آج رات کسی وقت پھر اس سے فون پر بات کرے گی۔

رات دس بجے تک گھر میں کچھ ایسے ہنگامے برپا رہے تھے کہ اسے گل خانم سے رابطہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بہرحال سارے مسائل حل ہو گئے تھے۔ نمرہ دوسرے دن جانے والی تھی۔ مسز رانا اور جبران مطمئن ہو کر چلے گئے تھے۔ فلک ناز بیگم آفتاب اور فلک آفتاب بھی اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ اس وقت ڈرائنگ روم میں سناٹا تھا۔ وہ وہاں پہنچ کر ایک صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گئی اور موبائل پر گل خانم کے نمبر ملانے لگی۔

رابطہ ہو گیا۔ گل خانم کی آواز سنائی دی "ہیلو! میں بول رہی ہوں۔"

اسما نے ذرا بھاری آواز میں کہا "میں ہوں مسز رانا آفتاب، ذیشان کی والدہ۔ میں نے کہا تھا آج رات کسی وقت فون کروں گی لیکن مصروفیات کے باعث دیر ہو گئی۔ کیا تم سو گئی تھیں؟"

"جی نہیں...... میں آپ کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔"

اسما نے کہا "تم اپنے بارے میں ذرا تفصیل سے بتاؤ میں نہیں جانتی تم کون ہو؟ کیسی ہو؟ میرا بیٹا تمہیں پسند کر رہا ہے۔ اس لیے اتنا تو سمجھ گئی ہوں کہ تم حسین اور پرکشش ہو میں تمہاری آواز اور لہجہ سن کر بھی اندازہ کر سکتی ہوں کہ تم ایک صاف ستھرے مزاج والی خاتون ہو۔"

"بہت بہت شکریہ کہ آپ مجھے دیکھے بغیر اتنی تعریفیں کر رہی ہیں۔"

"میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرا اندازہ کس حد تک درست ہے۔ کیا مجھ سے ملنا چاہو گی؟"

"مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہو گی۔"

"اگر میں تمہارے گھر آنا چاہوں تو؟"

"آپ جب چاہیں آ جائیں میں بے چینی سے آپ کا انتظار کروں گی۔"

"میں تو کل ہی آ سکتی ہوں لیکن مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ابھی تمہارے اور ذیشان کے درمیان کہاں تک بات بڑھی ہے؟"

دوسری طرف تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ بولی "بات ابھی اسی حد تک ہے کہ وہ مجھے پسند کرنے لگے ہیں۔"

"اور تم......؟"

"میں کچھ الجھن میں ہوں۔"

"کیسی الجھن......؟"

"وہ اپنی وائف (WIFE) اسما کو بہت زیادہ چاہتے ہیں۔"

اسما کا دل مسرتوں سے بھر گیا اس نے خوش ہو کر پوچھا "کیا وہ اسما کا ذکر کرتا ہے؟"

"جی ہاں، جیسی تعریفیں وہ کرتے ہیں، جتنی دیوانگی سے وہ اسما کو چاہتے ہیں اتنا تو شاید ہی کوئی شوہر اپنی بیوی کو چاہتا ہو گا۔"

خوشی کے مارے اسما کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ دھڑکتے ہوئے سینے پر رکھ لیا اگر اس وقت ذیشان موجود ہوتا تو وہ خوشی سے جھوم کر اس کی آغوش میں جا گرتی۔ وہ اوپری دل سے بولی "ذیشان کو ایک عورت کے سامنے دوسری عورت کی تعریفیں نہیں کرنی چاہئیں خوامخواہ حسد اور جلن پیدا ہوتی ہے۔"

وہ جلدی سے بولی "نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے ذیشان کی صاف گوئی اور صاف دلی نے متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی طرح نہیں ہیں جو بیوی کی برائیاں کر کے دوسری عورتوں کے دلوں میں جگہ بناتے ہیں۔ انہوں نے مجھے شادی کے لیے پروپوز کیا ہے لیکن اس سے پہلے اسما کی برتری جتا چکے ہیں۔ وہ مجھ سے شادی تو کرنا چاہتے ہیں لیکن......"

اسماء نے آگے کچھ سننے کے لیے انتظار کیا پھر پوچھا "چپ کیوں ہو گئیں؟ کیا بات ہے؟"

گل خانم نے کہا "وہ یہ نہیں چاہتے کہ اسما پر سوکن لائیں اور اس کا دل دکھائیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو ذیشان نے تمہیں شادی کے لیے پروپوز کیوں کیا؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "وہ...... وہ مجھ سے عارضی شادی کرنا چاہتے ہیں، صرف اولاد کی خاطر......"

"ہاں ہم سب اولاد کے لیے پریشان ہیں۔ اسما ماں نہیں بن سکتی۔ میں نے کتنی ہی بار ذیشان سے کہا وہ دوسری شادی کر لے لیکن وہ راضی ہی نہیں ہوتا تھا۔ جب مجھے تمہارے بارے میں معلوم ہوا تو میرا دل خوش ہو گیا کہ شاید وہ تمہیں میری بہو بنانا چاہے گا۔"

"وہ مجھے چاہتے ہیں، میری عزت کرتے ہیں، جب وہ میری طرف مائل نہیں تھے تب میں نے کہا تھا کہ حلالہ کے مرحلے سے گزرنے کے بعد اپنے سابقہ شوہر سے رجوع کروں گی۔ اب ذیشان یہی کہتے ہیں کہ مجھ سے شادی کریں گے مجھ سے اولاد ہو تو میں وہ اولاد انہیں دے کر ان سے طلاق حاصل کروں اور اپنے سابقہ شوہر سے رجوع کروں۔"

"جب تم سابقہ شوہر سے رجوع کرنا چاہتی ہو تو پھر ذیشان کا یہ فیصلہ مناسب ہی ہے۔"

"نہیں...... میں پہلے بھی حلالہ کے مرحلے سے گزرنا نہیں چاہتی تھی۔ مجھے یہ سوچ کر ہی شرم آتی تھی کہ ایک کے بعد دوسرا مرد تنہائی میں آئے لیکن آپ کے بیٹے نے رفتہ رفتہ مجھے متاثر کیا ہے ادھر سابقہ شوہر نے مایوس کیا ہے۔ میں اب اس کی طرف واپس جانا نہیں چاہتی اور دوسری شادی کے بعد طلاق لینا نہیں چاہتی۔"

وہ ذرا چپ ہوئی پھر بولی "یہ تو مجھ پر سراسر ظلم ہو گا۔ ایک بار میں شوہر کو ہار گئی پھر اپنے بچے سے محروم ہو گئی۔ دوسری بار بھی میں اپنے بچے سے محروم ہو جاؤں اور دوسرے شوہر کو بھی ہار جاؤں۔ آپ ہی بتائیں میں کیا ہوئی؟ عورت یا ایک مشین، جو شوہروں کے پاس جا کر بچہ پیدا کرتی ہے اس کے بعد اسے طلاق دے دی جاتی ہے یا اسے ریجیکٹ کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ پھر کسی اور کی طرف چلی جائے؟"

اس کے لہجے میں کتنے ہی دکھ چھپے ہوئے تھے۔ اسما عورت تھی اس کا دکھ سمجھ رہی تھی۔ پہلے تو اسے یہ سن کر اچھا لگا تھا کہ ذیشان اس پر سوکن نہیں لانا چاہتا ہے۔ گل خانم سے عارضی شادی کرنا چاہتا ہے صرف ایک بچے کے لیے۔ محبت کرنے والے شوہر کا یہ فیصلہ ایک محبوب بیوی کے لیے بہت ہی دانشمندانہ تھا لیکن گل خانم کے لیے منصفانہ نہیں تھا۔

اسما کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سامنے بیٹھی اپنا دکھڑا رو رہی ہے۔ وہ سر جھکا کر بولی "بے شک یہ تم پر سراسر ظلم ہو گا۔ میں پوتے پوتی کے لیے ایک بہو لانا چاہتی تھی۔ لیکن میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ ذیشان اپنی بیوی کا اتنا دیوانہ ہے کہ میری گود میں پوتی یا پوتا دینے کے بعد دوسری بہو کو چھوڑ دینا چاہے گا۔"

"میں بھی اپنے یاور خان کی دیوانی تھی لیکن اس کے بدترین رویے نے میرا دل توڑ دیا اور میں آپ کے بیٹے کی طرف مائل ہو گئی۔ میرا سابقہ شوہر بہت ہی بد دماغ ہے، غصے میں اندھا ہو جاتا ہے اور اسی اندھے پن میں اس نے مجھے طلاق دینے کی حماقت کی۔"

"تم حسین ہو، جوان ہو، تمہیں اور کوئی محبت کرنے والا مل سکتا ہے۔"

''میں کبھی کسی کی طرف مائل نہیں ہوتی' پتا نہیں ذیشان پر کیسے دل آ گیا؟ شاید اس لیے کہ انہوں نے بار بار مجھ سے ہمدردی کی میرے برے وقت میں کام آتے رہے۔ میں نے ان کے اندر محبت بھی دیکھی ہے اور انسانیت بھی۔''

''ذیشان جیسے اور بھی محبت کرنے والے اور انسانیت کا بھرم رکھنے والے ہیں۔''

''ہوں گے...... لیکن اب میں کسی پر بھروسا نہیں کر سکتی۔ میرا دل کسی پر نہیں آئے گا۔''

''کیا تم اپنے سابقہ شوہر سے نفرت کرتی ہو؟''

''نہیں...... اس کی ظالمانہ حرکتوں نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میں اس سے بیزار ہو گئی ہوں۔ لیکن یہ اچھی طرح جانتی ہوں اس کے جیسا محبت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ وہ آج بھی میرا دیوانہ ہے۔''

''تو پھر میرا مشورہ ہے تمہیں اس کی طرف لوٹنا چاہیے۔ اگر دیوانگی کی حد تک چاہنے والا شوہر کبھی ظلم کرتا ہے تو اس سے نفرت نہیں ہوتی۔ صرف ذرا سی بیزاری ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے لیے محبت اور بڑھتی جاتی ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''آپ ٹھیک کہتی ہیں میں کبھی کبھی اپنے اندر اسے بڑی شدت سے محسوس کرتی ہوں۔ اس کی محبتیں یاد آتی ہیں لیکن دو باتیں اس کی طرف جانے سے روکتی ہیں۔''

وہ ذرا چپ ہوئی اسما نے کہا ''ہاں بولو میں سن رہی ہوں۔''

وہ بولی ''میں بار بار شوہر بدلنا نہیں چاہتی۔ پہلے تو یاور خان کے سوا کسی کو تنہائی میں آنے کی اجازت دینا نہیں چاہتی تھی۔ اب اگر مجبوری کی حالت میں ایسا کرنا پڑے تو میری کوشش یہی ہوگی کہ جو دوسرا شوہر آئے' وہ مجھے نہ چھوڑے۔ بار بار مرد بدلنے والی بات ایسی ہے کہ مجھے توہین کا احساس ہوتا ہے۔''

''درست کہتی ہو۔ میں عورت ہوں' تمہاری بات اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ دوسری بات یا دوسری رکاوٹ کیا ہے؟''

''یاور خان بہت ہی غیرت مند ہے وہ کبھی برداشت نہیں کرے گا کہ میری دوسری شادی ہو اور میری تنہائی میں کوئی دوسرا شخص آئے۔ اگر کسی مجبوری سے وہ یہ برداشت کر بھی لے تو یہ بات ناقابلِ برداشت ہوگی کہ کسی دوسرے کا بچہ میری کوکھ میں پرورش پائے میں اسے جنم دوں پھر اسے اس دوسرے شوہر کے حوالے کرکے اس کے پاس واپس آ جاؤں۔''

''تمہارے ساتھ بڑے پیچیدہ مسائل ہیں۔ تم ان سب سے نمٹ کر اپنی منزل تک کیسے پہنچ پاؤ گی؟''

''ابھی تو میرے سامنے کوئی منزل ہی نہیں ہے میں تو تاریکی میں بھٹک رہی ہوں۔''

''یاور خان تمہاری واپسی کے لیے تڑپ رہا ہوگا وہ تمہاری ہر بات مانے گا اسے کسی طرح راضی کرو کہ تمہیں حلالہ کے مرحلے سے گزرنا ہی ہوگا۔ وہ اس بات کو برداشت کرے جب وہ اس بات پر راضی ہو جائے تو تم کسی سے شادی کرو اور پھر اس سے طلاق لے کر یاور خان کے پاس واپس چلی جاؤ۔''

''اس میں بھی ایک قباحت ہے۔''

''وہ کیا؟''

''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کوئی دوسرا مجھ سے شادی کرنے کے بعد طلاق دے دے گا؟ میں ایک مشہور گانے والی ہوں۔ میرے پاس خاصی دولت ہے۔ میں جوان بھی ہوں اور خوب صورت بھی۔ پھر کوئی مجھ سے شادی کرنے کے بعد مجھے کیوں چھوڑے گا؟''

اسما نے قائل ہو کر کہا ''واقعی تم پیچ در پیچ معاملات میں الجھی ہوئی ہو۔ مجھے تم سے صرف ہمدردی ہی نہیں' محبت بھی ہے۔ یہ ہماری دوسری بار گفتگو ہو رہی ہے لیکن ایسا لگتا ہے میں تمہیں بہت قریب سے جانتی ہوں اور تمہارے دکھ کو اپنے دل میں محسوس کرنے لگی ہوں۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ بہت اچھی خاتون ہیں۔ آپ کی ان باتوں سے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں تنہا نہیں ہوں۔ اس بھری دنیا میں مجھ سے ہمدردی کرنے والی محبت کرنے والی ایک اور ہستی ہے۔ اور وہ آپ ہیں۔''

''تم خود کو تنہا نہ سمجھو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ابھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تمہارے مسائل کو کس طرح حل کیا جائے مگر کوئی بات ناممکن نہیں ہوتی۔ انشاء اللہ ہم دونوں مل کر سوچیں گے تو کسی اچھے نتیجے پر پہنچ ہی جائیں گے کیا اب میں فون بند کر دوں؟''

''جی ہاں' بہت رات ہو چکی ہے اب آپ کو سونا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے میں کل کسی وقت فون کروں گی' شب بخیر ...... خدا حافظ۔''

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ یہ مقدر کا کمال ہے وہ کسی کو بھی نفرت کی لکیر سے ہٹا کر محبت کی لکیر پر چلا دیتا ہے۔ دو سوکنیں کبھی ایک دوسرے سے محبت کر ہی نہیں سکتیں ان کی تقدیر میں نفرتیں لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن اسما اور گل خانم اپنے اپنے ہاتھ کی

لکیر پر بھٹکتی ہوئی اس لکیر پر آ رہی تھیں جہاں دو سوکنوں کو ایک دوسرے سے محبت کرنی تھی۔

☆☆☆

عینی اور عروج کے لیے دو کام رہ گئے تھے ایک تو یہ کہ دن رات پاشا کو یاد کرتی رہیں اور دوسرا یہ کہ مختلف ذرائع سے اسے تلاش کرتی رہیں انہوں نے ذیشان کے ذریعے تمام تھانوں میں اس کی تصویریں بھیج دی تھیں۔ اس کی ٹیکسی کا نمبر اور گھر کا پتا بھی ہر جگہ لکھوا دیا تھا پھر اپنے تمام رشتے داروں سے اور دوسرے ملنے جلنے والوں سے پاشا کا ذکر کیا کرتی تھیں، اس کا حلیہ بتایا کرتی تھیں اور ان سے درخواست کرتی تھیں کہ ایسا کوئی شخص دکھائی دے تو عینی یا عروج کے نمبر پر فوراً اطلاع دیں۔

اتنا کچھ کرنے کے باوجود کہیں سے اس کی کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ جیسے جیسے دن گزرتے جاتے تھے وہ مایوس ہوتی جاتی تھیں۔ اگر میری پیش گوئی کا سہارا نہ ہوتا تو وہ پاشا کو رو دھو کر بیٹھ جاتیں۔

عروج ڈیوٹی پر جاتی تھی۔ جانے سے پہلے یا ڈیوٹی سے واپسی پر ایک آدھ گھنٹے کے لیے ماں باپ کے پاس جاتی تھی۔ پھر عینی کے پاس واپس آ کر اس کے ساتھ رات گزارتی تھی۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ ساری زندگی ایک ساتھ ایک چھت کے نیچے گزاریں گی۔ اس طرح ایک ساتھ رہ کر ایک دوسرے کی دلجوئی کرتے رہنے سے پاشا کی جدائی کا صدمہ کم ہوتا رہتا تھا۔

دوسرے دن عروج اپنی ڈیوٹی پر جانے کے لیے گھر سے نکلی تو عینی بھی اس کے ساتھ ہو گئی۔ اس نے کہا ''میں تمہارے ساتھ ہاسپٹل جاؤں گی وہاں تمہارے کوارٹر میں سارا دن گزاروں گی۔ شام کو ڈیوٹی سے واپسی پر ہم شاپنگ کے لیے جائیں گے۔''

وہ باہر آ کر عروج کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھ گئی۔ وہ کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھاتی ہوئی بولی ''پہلے ممی اور ڈیڈی سے مل لوں کیونکہ واپسی پر تم شاپنگ کرنا چاہتی ہو اس لیے شام کو تو وقت ملے گا نہیں۔''

عینی ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی ساری دنیا دھندلی دھندلی سی دکھائی دے رہی تھی اس نے کہا ''عروج! میں محسوس کرتی ہوں کہ تمہارے ممی اور ڈیڈی اپنے گھر میں میرا وجود پسند نہیں کرتے ہیں۔

عروج نے تائید میں سر ہلا کر کہا ''میں جانتی ہوں نادان نہیں ہوں۔ ممی اور ڈیڈی کے دماغوں میں یہ بات نقش ہو گئی ہے کہ تمہاری وجہ سے ہی ان کے بیٹے پر مصیبتیں آئی تھیں۔ تم نے اس کے خلاف شکایتیں کی تھیں اور تمہارے بھائی جان اس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ وہ منہ چھپاتا پھرتا رہا تھا۔ پھر ہمارے آپس کے اختلافات سے دردانہ نے فائدہ اٹھایا۔ اب بھائی جان کہتے ہیں کہ دردانہ نے حشمت کو قتل کرایا تھا ادھر دردانہ نے بھائی جان کے خلاف مقدمہ دائر کیا ہے۔ صرف حشمت کے قتل کا ہی الزام نہیں دے رہی ہے بلکہ انہیں اپنے بیٹے جواد کا قاتل بھی کہہ رہی ہے۔''

عروج نے اپنی کوٹھی کے احاطے میں کار روکی اور وہ دونوں اندر آئیں۔ جوان بیٹے کی موت کے باعث اس کوٹھی میں سوگواری چھائی رہتی تھی۔

عروج کے ممی اور ڈیڈی ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چند رشتے دار تعزیت کے لیے آئے ہوئے تھے اور رسمی طور پر مقتول حشمت کی خوبیاں بیان کر رہے تھے اور اظہار افسوس کر رہے تھے۔ عروج اور عینی نے ان سب کو سلام کیا اور ایک طرف بیٹھ گئیں۔ ایک خاتون نے پوچھا ''بیٹی عروج! تم یہاں اپنے گھر میں کیوں نہیں رہتی ہو؟ جوان بیٹا نہیں رہا ماں باپ تنہا ہو گئے ہیں تمہیں یہاں رہنا چاہیے۔''

عروج نے کہا ''آپ تو جانتی ہیں عینی کی نظر دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ میں ماہرین سے اس کا علاج کرا رہی ہوں اور اسے دن رات اٹینڈ کرتی رہتی ہوں اس لیے میرا اس کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔''

ایک بوڑھی خاتون نے کہا ''کسی مریضہ کے ساتھ دن رات رہنا ضروری نہیں ہوتا۔ تمہارا فرض ہے کہ ایسے وقت میں ماں باپ کے ساتھ رہو اور ان کی خدمت کرتی رہو۔''

''کسی بھی گھر میں ماں باپ کے ساتھ رہنے والے بچے دن رات ان کی خدمت نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی خدمت ماں باپ سے کراتے ہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے عروج، یہ تو تم خوامخواہ بحث کر رہی ہو۔''

''یہ بحث نہیں ہے زندہ مثال آپ کے سامنے ہے۔ یہ آپ کی صاحبزادی ہیں اور یہ آپ کی پوتی ہیں۔ صاحبزادی شوہر کا گھر چھوڑ کر آپ کے پاس پڑی رہتی ہیں اور یہ پوتی کیا آپ لوگوں کی خدمت کرتی ہے؟ صبح کالج کے لیے جاتی ہے تو شام کو پانچ چھ بجے واپس آتی ہے۔ رات کو پاپ میوزک سنتی ہے' ٹی وی کے پروگرام دیکھتی ہے' پھر سو جاتی ہے۔ صبح اٹھ کر پھر وہی روٹین شروع ہو جاتی ہے۔''

بوڑھی خاتون کی پوتی نے ناگواری سے کہا ''کیا آپ

ہمیں دیکھنے آتی ہیں کہ ہم اپنے گھر میں کیا کرتی رہتی ہیں؟"

"کسی کے گھر میں دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ رشتے داروں کے ذریعے ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی رہتی ہیں۔"

عروج کی ممی بیگم شاہ نے کہا" خالہ جان! آپ بحث نہ کریں اتنی بڑی دنیا میں اس کے لیے عینی سب کچھ ہے ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔"

عروج نے پوچھا" ممی! کیا میری اور عینی کی برائی کرنا بہت ضروری ہے؟"

"اے بیٹی! میں کیا برائی کروں گی، ابھی یہ خالہ جان مجھ سے ایسی باتیں کررہی تھیں کہ میں حیران رہ گئی۔ دردانہ بیگم عینی کے اور ہمارے رشتے داروں میں یہ بات پھیلاتی جارہی ہے کہ تم دونوں پاشا جانی کی دیوانی ہو اور اسی سے شادی کرنے کا ارادہ ہے۔"

بوڑھی خاتون نے کہا" دردانہ نے فون پر مجھ سے یہ بات کہی تھی۔ میں نے اس کان سے سنی اس کان سے نکال دی۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آیا کہ عروج ایسی بے حیا ہوسکتی ہے۔"

عروج نے چیخ کر کہا" اس میں بے حیائی کی کیا بات ہے؟ کیا دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں نہیں آتیں؟ آپ نے اپنی صاحبزادی کی شادی ایک شادی شدہ شخص سے کی تھی یعنی بیٹی کو اس پر سوکن بنا کر بھیجا تھا۔ کیا یہ دو عورتیں ایک مرد کے ساتھ رہ کر بے حیائی کا مظاہرہ کررہی ہیں؟"

بوڑھی خاتون ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہوگئی.....اور بولی" تم تو الٹا جوتا مارنے لگتی ہو۔ ہم نے جان بوجھ کر اپنی بیٹی کی شادی کسی بیوی والے سے نہیں کرائی تھی۔ بعد میں بھید کھلا کہ اس کی ایک شادی پہلے سے ہوچکی تھی۔"

عروج نے کہا" وجہ کچھ بھی ہو، آخر دو عورتیں ایک ساتھ رہتی ہیں نا۔ کیا ہمارے اسلام میں ایک مرد کو ایک سے زیادہ شادی کرنے اور ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں ہے؟ اگر ہے تو آپ اسے بے حیائی کیوں کہہ رہی ہیں؟"

"تم خوامخواہ لیڈی ڈاکٹر بن گئیں تمہیں تو وکیل بننا چاہیے تھا۔ اپنے بزرگوں سے بھی بے تکی بحث کرتی رہتی ہو۔ چلو شائستہ' خالدہ اٹھو' ہمیں تو یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

عروج کی ماں نے آگے بڑھ کر بزرگ خاتون کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا" خالہ جان.....! آپ اس سر پھری کی باتوں کا برا مان کر ہم سے منہ پھیر کر جارہی ہیں، یہ تو اپنی ہوتے ہوئے بھی اپنی نہیں ہے۔ اپنوں سے عداوتیں مول لیتی رہتی ہے اور غیروں کو گلے لگاتی رہتی ہے۔"

عروج نے کہا" آپ کا اشارہ میں سمجھ رہی ہوں۔ آپ کی ساری تان عینی پر آکر ٹوٹتی ہے۔"

عینی نے کہا" عروج! میں پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ تمہارے ممی اور ڈیڈی کو میرا یہاں آنا پسند نہیں ہے۔ میں یہاں آئندہ کبھی نہیں آؤں گی۔ میں باہر جاکر کار میں تمہارا انتظار کرتی ہوں۔"

وہ جانا چاہتی تھی مگر عروج نے ہاتھ پکڑ کر کہا" رک جاؤ......!"

پھر اس نے اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے کہا" ممی آپ بیٹے کو تو ہمیشہ کے لیے کھو چکی ہیں اب مجھ پر اور عینی پر بے جا تنقید کرکے بیٹی کو بھی کھو رہی ہیں۔ آپ اور ڈیڈی اچھی طرح جانتے ہیں عینی یہاں نہیں آئے گی تو میں بھی یہاں کبھی قدم نہیں رکھوں گی۔ ہمارا خون کا رشتہ ہے اس لیے کبھی فون کے ذریعے خیریت پوچھ لیا کروں گی۔ خدا حافظ۔"

یہ کہہ کر وہ عینی کے ساتھ چلتی ہوئی باہر آکر اپنی کار میں بیٹھ گئی۔ اسی وقت فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے فون پر نمبر پڑھے پھر بٹن دبا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا" ہیلو......میں ڈاکٹر عروج بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا" مس عروج! میں ڈاکٹر انور حسین بھٹی بول رہا ہوں۔ تم نے کسی سلامت پاشا کی ٹیکسی کا نمبر اور اس کے گھر کا پتا مجھے بتایا تھا۔ وہ سلامت پاشا زخمی ہوکر یہاں ہاسپٹل آیا ہے۔ ہم اسے ٹریٹمنٹ دے رہے ہیں فوراً چلی آؤ۔"

عروج نے چونک کر خوش ہوکر عینی کو دیکھا پھر پوچھا" کیا وہ سلامت پاشا ہے؟ کیا اس نے اپنا نام بتایا ہے؟ کیا وہ میرے بارے میں کچھ پوچھ رہا تھا؟"

"وہ بے ہوش پڑا ہے ہم اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرچکے ہیں ہوش میں آئے گا تو اس سے کچھ پوچھا جائے گا۔"

"میں ابھی پہنچ رہی ہوں۔"

اس نے فون بند کیا فوراً ہی کار اسٹارٹ کرکے اسے آگے بڑھاتے ہوئے احاطے کے گیٹ سے باہر آئی پھر تیز رفتاری سے ڈرائیو کرنے لگی۔ عینی خوش ہورہی تھی اور پریشان بھی ہورہی تھی پاشا جانی مل گیا تھا لیکن زخمی حالت میں تھا بے ہوش تھا اس نے عروج سے پوچھا" تمہارے اس ڈاکٹر نے پاشا جانی کو کیسے پہچانا؟"

وہ آندھی طوفان کی رفتار سے گاڑی چلاتی جارہی تھی اس

نے کہا" میں نے اسے پاشا کی ٹیکسی کا نمبر بتایا تھا اور اسی ٹیکسی کا حادثہ ہوا ہے۔"

"یہ ضروری تو نہیں اس نمبر کی ٹیکسی جو چلا رہا ہو وہ پاشا ہی ہو اور پاشا ہی کو حادثہ پیش آیا ہو؟"

عروج اس پہلو پر غور کرنے لگی پھر اس نے کہا" میں نمبر بتارہی ہوں اس پر رابطہ کرو۔"

عینی نے موبائل اٹھا کر نمبر پنچ کرتے ہوئے پوچھا" یہ کس کا نمبر ہے؟"

"اسی ڈاکٹر کا جس نے ابھی مجھے اطلاع دی ہے۔"

وہ نمبر پنچ کرنے کے بعد اسے کان سے لگا کر سننے لگی پھر بولی" ٹیپ چل رہا ہے فون بند ہے۔"

عروج نے دوسرا نمبر بتایا عینی نے اسے پنچ کرکے فون کان سے لگایا تھوڑی دیر بعد کسی کی آواز سنائی دی تو عینی نے کہا" لیڈی ڈاکٹر عروج سے بات کریں۔"

عروج نے اس سے فون لے کر کان سے لگایا ایک ہاتھ سے ڈرائیو کرتی ہوئی بولی" کیا کسی ٹیکسی ڈرائیور کو حادثہ پیش آیا ہے، اسے ہاسپٹل لایا گیا ہے؟"

دوسری طرف سے کہا گیا" میں ابھی ڈیوٹی پر آیا ہوں تھوڑی دیر انتظار کرو تو میں ابھی معلوم کرکے بتاتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے مجھے کال بیک کرو۔"

اس نے فون بند کیا پھر عینی سے کہا" اب ہم ہاسپٹل پہنچ رہے ہیں۔ پتا نہیں یہ پاشا کے ساتھ کیا ہورہا ہے۔ اگر وہ ٹیکسی چلا رہا تھا اور اسی کو حادثہ پیش آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہیں گم نہیں ہوا ہے ہم سے چھپ کر رہتا ہے۔ عینی! تم خود ہی سوچو جب وہ اس شہر میں ہی ٹیکسی چلا رہا ہے اور یہیں زندگی گزار رہا ہے تو پھر ہم سے ملنے کیوں نہیں آتا؟"

"اس کی کوئی مجبوری ہوگی۔"

"ایسی بھی کیا مجبوری ہوسکتی ہے۔ وہ فون پر تو بات کرسکتا تھا؟"

وہ ڈرائیو کرتی ہوئی ہاسپٹل کے احاطے میں داخل ہوگئی" چلو ابھی معلوم ہوجائے گا۔"

اس نے ایک جگہ کار روکی اور وہ دونوں اتر کر وہاں سے چلتی ہوئی ہاسپٹل کے اندر آئیں۔ ایمرجنسی وارڈ میں وہ ڈاکٹر موجود تھا جسے دوسری بار فون کیا تھا۔ اس نے عروج کو دیکھتے ہی کہا" میں نے ابھی آکر معلوم کیا ہے اس ٹیکسی ڈرائیور کا نام سلامت پاشا ہے۔ اس کی مرہم پٹی ہوچکی ہے اور وہ جنرل وارڈ کے بیڈ نمبر نائن پر ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اس کے ساتھ تیزی سے چلتی ہوئی ہاسپٹل کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی جنرل وارڈ میں پہنچیں۔ وہاں بیڈ نمبر نائن پر ایک جوان شخص پڑا ہوا تھا اس کے چہرے اور جسم کے مختلف حصوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

اسے دیکھ کر مایوسی ہوئی۔ وہ پاشا جانی نہیں تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے پڑا تھا۔ عروج نے ڈاکٹر سے پوچھا" کیا اس نے اپنا نام سلامت پاشا بتایا ہے؟"

"نہیں۔ جب اسے یہاں لایا گیا تو یہ بے ہوش تھا شاید اب ہوش میں ہے سو رہا ہے یا آنکھیں بند کیے پڑا ہے"

عروج نے پوچھا" کس ڈاکٹر نے اسے اٹینڈ کیا تھا؟"

"ڈاکٹر صدیق اکبر نے اس کی مرہم پٹی کی ہے۔"

وہ دونوں ڈاکٹر صدیق اکبر کے کمرے میں پہنچیں وہاں ڈاکٹر کے پاس ایک پولیس انسپکٹر بیٹھا ہوا تھا۔ عروج نے پوچھا" کیا اس ٹیکسی ڈرائیور نے اپنا نام سلامت پاشا بتایا ہے؟"

ڈاکٹر نے انکار میں سر ہلا کر کہا" نہیں وہ تو بے ہوش پڑا تھا ابھی ہوش میں آئے گا تو اس سے بیان لیا جائے گا۔"

پولیس انسپکٹر نے کہا" ہم نے اس کا نام یہاں سلامت پاشا لکھوایا ہے کیونکہ ڈرائیونگ لائسنس اور گاڑی کے دوسرے کاغذات میں یہی نام لکھا ہوا ہے۔"

"لیکن وہ سلامت پاشا نہیں ہے۔ میں ابھی اسے جنرل وارڈ میں دیکھ کر آرہی ہوں۔"

ڈاکٹر نے انسپکٹر سے کہا" یہ لیڈی ڈاکٹر عروج ہیں اور سلامت پاشا کو اچھی طرح پہچانتی ہیں۔"

پولیس انسپکٹر نے ڈرائیونگ لائسنس نکالتے ہوئے کہا" آپ درست کہہ رہی ہیں اس ڈرائیونگ لائسنس پر سلامت پاشا کی جو تصویر ہے وہ اس زخمی سے مختلف ہے۔ وہ ہوش میں آئے گا تو ہم اس کا بیان لیں گے تب معلوم ہوگا کہ وہ سلامت پاشا کا ڈرائیونگ لائسنس کیوں استعمال کررہا ہے۔"

عروج نے کہا" میں اپنے کمرے میں ہوں۔ وہ ہوش میں آئے تو مجھے بلالیا جائے۔ میں بھی اس کا بیان سنوں گی۔"

وہ عینی کے ساتھ اپنے دفتر میں آگئی۔ دونوں پریشان تھیں۔ عروج نے اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا" یہ تو اطمینان ہوا کہ پاشا کو کوئی حادثہ پیش نہیں آیا ہے۔ خدا کرے وہ جہاں بھی ہو خیریت سے ہو۔"

عینی نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا" میرا دل کہتا ہے اس زخمی کے ذریعے پاشا کا کوئی سراغ ضرور ملے گا۔"

"ہاں' یہ پاشا کے نام سے اسی کی ٹیکسی چلا رہا ہے۔"

"پاشا نے ہمیں فون پر اطلاع دی تھی کہ جب وہ ٹیکسی

چلا رہا تھا تو اس پر فائرنگ ہوئی تھی اور وہ اپنی جان بچا کر کہیں چلا گیا تھا ہو سکتا ہے اپنی یہ ٹیکسی اس نے اپنے کسی دوست کو دے دی ہو اور یہ زخمی اس کا دوست بھی ہو سکتا ہے۔"

ایک گھنٹے بعد انہیں اطلاع ملی کہ مریض ہوش میں آ گیا ہے اور اس کا بیان لیا جا رہا ہے۔ وہ دونوں اس وارڈ میں پہنچیں۔ انسپکٹر مریض کے قریب بیٹھا ہوا تھا اس کا نام اور پتا پوچھ رہا تھا۔ قریب بیٹھا ہوا ایک سپاہی اس کا بیان لکھتا جا رہا تھا۔ اس زخمی نے ایک بہت بڑے پولیس افسر کا نام بتاتے ہوئے کہا "میں اس افسر کا سالا ہوں بے روزگار تھا انہوں نے مجھے یہ ٹیکسی چلانے کو دی ہے۔"

پولیس انسپکٹر نے فوراً ہی اس اعلیٰ افسر سے فون کے ذریعے رابطہ کیا پھر اس سے کہا "سر! میں انسپکٹر جبار خان بول رہا ہوں میرے علاقے میں ایک ٹیکسی ڈرائیور بشیر احمد ٹیکسی کے ایک حادثے میں بری طرح زخمی ہوا ہے اس وقت ہاسپٹل میں ہے وہ خود کو آپ کا سالا کہہ رہا ہے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "وہ درست کہہ رہا ہے اس کے خلاف کوئی ایکشن نہ لینا۔"

"آل رائٹ سر! میں سمجھ گیا۔ صرف خانہ پری کے لیے اس کا بیان لے رہا ہوں۔"

اس نے فون بند کرنے کے بعد کہا "تم حادثے کے وقت نشے میں تھے۔ تمہارے خلاف سخت کارروائی کی جا سکتی تھی لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔"

عروج نے کہا "ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سلامت پاشا کی ٹیکسی اس کے پاس کیسے آئی۔ اگر یہ اسے جانتا ہے تو ہمیں اس کا پتا ٹھکانا بتائے۔"

وہ بولا "میں کسی سلامت پاشا کو نہیں جانتا۔"

عروج نے کہا "تو پھر اس کی ٹیکسی تمہارے پاس کیسے آئی؟ اس ٹیکسی میں تمام کاغذات سلامت پاشا کے نام سے ہیں، تم انہیں استعمال کر رہے تھے۔ میں ابھی فون پر ہونے والی بات سے اتنا تو سمجھ گئی ہوں تمہارے خلاف کارروائی نہیں ہو گی لیکن مجھ سے سچ نہ کہا گیا تو میں اس بات کو آگے بڑھاؤں گی۔ اگر بات بڑھانا نہیں چاہتے تو میرے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دو۔"

انسپکٹر نے کہا "سوال جواب کے لیے اور انکوائری کے لیے ہم موجود ہیں آپ اس معاملے میں مداخلت نہ کریں۔"

عینی نے کہا "ہماری مداخلت بہت ضروری ہے۔ سلامت پاشا ہمارا رشتے دار ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں معلوم کرنا ہے ورنہ میں ابھی ایس پی ذیشان کو فون کرتی ہوں، بتاتی ہوں وہ میرے بھائی جان ہیں۔"

انسپکٹر نے پریشان ہو کر عروج کو اور عینی کو دیکھا پھر اس زخمی سے کہا "انہیں بتاؤ کہ تم پاشا کو کیسے جانتے ہو؟"

"میں کہہ چکا ہوں اسے نہیں جانتا۔"

"پھر یہ ٹیکسی تمہارے پاس کیسے آئی؟"

"آج سے تقریباً بیس دن پہلے یہ ٹیکسی ایک سڑک کے کنارے جل رہی تھی۔ شعلے لپک رہے تھے میں نے اور میرے ساتھیوں نے آگ بجھائی۔ پتا نہیں کس کی ٹیکسی تھی۔ لوگوں میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی اس گاڑی کے قریب کوئی نہیں آ رہا تھا میں اسے وہاں سے ایک گیراج میں لے گیا پھر اپنے بہنوئی کو اطلاع دی کہ ایک ٹیکسی سڑک کے کنارے جلتی ہوئی پائی گئی ہے میں آگ بجھا کر لایا ہوں گاڑی کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا ہے۔ میں اس گاڑی کو اپنے نام کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے عروج اور عینی کی طرف دیکھا پھر کہا "میرے بہنوئی نے وہاں کے تھانیدار سے کہا کہ اس گاڑی کے کاغذات چیک کیے جائیں اور رپورٹ درج کر لی جائے کہ یہ ایک لاوارث ٹیکسی ہے اس کا مالک جب آئے گا تو اسے اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس وقت تک یہ گاڑی میرے سالے کو استعمال کرنے دی جائے۔ تب سے یہ گاڑی میرے پاس ہے۔ میرے پاس ڈرائیونگ لائسنس نہیں ہے اور پھر میں ایک اعلیٰ افسر کا سالا ہوں بھلا مجھ سے کون پوچھ سکتا ہے۔ کوئی ٹریفک پولیس والا مجھے روکتا ہے تو میں اپنے بہنوئی کا نام لے لیتا ہوں تو وہ مجھے سلام کر کے جانے دیتا ہے۔"

پولیس انسپکٹر نے عروج سے کہا "اس ٹیکسی کا مالک سلامت پاشا پتا نہیں کہاں ہے؟ اس نے کبھی آ کر ٹیکسی کی گمشدگی کی رپورٹ بھی درج نہیں کرائی۔"

عینی نے کہا "اب ہم درج کرائیں گے اور یہ ٹیکسی ہمارے پاس رہے گی۔"

انسپکٹر نے کہا "وہ ٹیکسی بری طرح تباہ ہو گئی ہے آپ کے کسی کام کی نہیں رہی ہے۔"

"وہ ہمارے کام کی ہو یا نہ ہو وہ ہمارے سلامت پاشا کی ہے اسے ہم رکھیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے فون کے ذریعے ذیشان سے رابطہ کیا اور اسے تمام حالات بتائے۔ ذیشان نے کہا "فون اس انسپکٹر کو دو۔"

انسپکٹر نے فون کے ذریعے بات کی پھر ذیشان کا نام سنتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا "یس سر! حکم سر؟"

ذیشان نے کہا "اس گاڑی کی رپورٹ درج کرو اور

ے میری کسٹڈی میں دے دو۔ میں اس اعلیٰ افسر سے بات کر لوں گا۔"

"آل رائٹ سر!"

اس نے فون عینی کی طرف بڑھا دیا عینی نے اسے کان ے لگا کر سنا پھر کہا "شکریہ بھائی جان! پاشا نہیں ہے لیکن اس کی کوئی چیز تو ہمارے پاس رہے گی۔ آپ اس کے ذریعے اس کا سراغ لگا سکتے ہیں۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو میں معلوم کروں گا کہ اس ٹیکسی کو س نے آگ لگانے کی کوشش کی تھی اور اس وقت پاشا کہاں لم ہو گیا تھا؟"

ذیشان نے اسے تسلی دی اس نے پھر ایک بار شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا اور بڑے دکھ سے عروج کو دیکھا۔ وہ بھی ے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کا دکھ بڑھتا جا رہا تھا۔ پاشا ان کے ریب آتے آتے پھر دور چلا گیا تھا۔

☆☆☆

میں نے دروازے پر دستک دی نمرہ نے دروازے کو کھول کر مجھے دیکھا پھر سر جھکا لیا۔ میں نے مسکرا کر کہا "میں کل سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں لیکن تم مجھ سے کترا رہی ہو۔ دو گھنٹے بعد ہی تمہیں جانا ہے مگر لگتا ہے تم مجھ سے نظریں چرا کر جانا چاہتی ہو۔"

"مجھے پتا ہے ہمیں ایئرپورٹ تک تم ہی لے کر جاؤ گے۔ میں نے سوچا اسی وقت ملاقات ہو جائے گی اور اسی وقت بات ہو جائے گی۔"

"کار میں تمہارے ممی ڈیڈی ہوں گے، ایئرپورٹ پر دنیا جہاں کے لوگ رہیں گے، پھر باتیں کہاں ہو سکیں گی؟"

"میرا خیال ہے اب ایسی کوئی بات نہیں رہ گئی ہے جو تنہائی میں کی جا سکے؟"

"درست کہہ رہی ہو۔ تم تو دیکھتے ہی دیکھتے پرائی ہو چکی ہو۔"

"تو تم نے ہی مجھے پرائی بنا دیا ہے۔"

"کوئی کسی کو کچھ نہیں بناتا۔ حالات اسے کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ بائی داوے، تنہائی میں کہنے والی ایک بات رہ گئی ہے یہ بات میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں پھر ایک بار کہنا چاہتا ہوں۔"

اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا میں نے کہا "ہمارے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے ہیں تم میری دلہن بنو گی لیکن اس وقت تک ہمارے درمیان بہت سی الجھنیں ہیں۔ بہت سی رکاوٹیں ہیں اور ایک عارضی جدائی ہے۔"

"ہاں۔ یہ تم پہلے بھی کہہ چکے ہو۔"

"میں نے یہ بھی کہا ہے کہ تم ارادے کی کمزور ہو۔ حالات تمہیں جدھر لے جاتے ہیں۔ ادھر چلی جاتی ہو جس طرح موجودہ حالات تمہیں جبران کی طرف لے جا رہے ہیں اور تم جا رہی ہو لیکن پھر بدلتے ہوئے حالات تمہیں میری طرف ہی لائیں گے تو تم چلی آؤ گی۔ ہمارے درمیان جدائی کے دوران تم خود کو میری امانت بنا کر رکھنا اس امانت میں خیانت نہیں ہونا چاہیے۔"

اس نے سر کو جھکا لیا۔ بیگم آفتاب کی آواز سنائی دے رہی تھی "نمرہ کہاں ہو؟ اب چلو بھی دیر ہو رہی ہے۔"

اس نے کمرے میں ایک طرف رکھے ہوئے ہینڈ بیگ کو اٹھایا پھر میرے سامنے سے گزرتے ہوئے جانے لگی میں نے ہینڈ بیگ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا "چلو۔"

کوٹھی کے باہر دو کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کار میری تھی اور دوسری فلک آفتاب کی۔ اس کار کی پچھلی سیٹ پر بیگم اور فلک آفتاب بیٹھے ہوئے تھے میری کار کی پچھلی سیٹ پر فلک ناز آ کر بیٹھ گئی تھیں اور آسرا سے کہہ رہی تھیں کہ وہ سامنے میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھ جائے۔ نمرہ میرے ساتھ کوٹھی سے باہر آئی تو آسرا اسے دیکھ کر رک گئی۔ اسا نے نمرہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا "میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ فون پر مجھ سے اور اپنے بھائی جان سے رابطہ رکھنا۔"

اس نے کہا "میں دور جا رہی ہوں لیکن دل سے دور نہیں جا رہی ہوں۔ بھائی جان کو میرا سلام ضرور کہہ دیں۔"

پھر وہ میری کار کی طرف آئی تو آسرا نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا "تم یہاں بیٹھو۔"

نمرہ نے مجھے اور آسرا کو دیکھا پھر آسرا سے کہا "نہیں تمہیں یہاں بیٹھنا چاہیے۔"

آسرا نے کہا "رخصت ہونے والوں کو آگے بٹھایا جاتا ہے۔"

"یہ کوئی رسم ہے نہ رواج ہے۔ تم ضد نہ کرو بیٹھ جاؤ۔"

فلک ناز نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر کہا "تم دونوں بحث کرتی رہ جاؤ گی مقدر میاں تم ہی فیصلہ کرو کسے تمہارے ساتھ بیٹھنا چاہیے؟"

میں نے کہا "پھوپی جان! آپ مجھے امتحان میں ڈال رہی ہیں، فیصلہ ان دونوں کو کرنا چاہیے۔"

نمرہ نے کہا "یہ کوئی امتحان میں پڑنے والی بات نہیں ہے فیصلہ تم کرو۔"

میں نے ایک نظر اسے دیکھا پھر آسرا کو دیکھا اس کے بعد کہا "میرا فیصلہ یہ ہے کہ تم دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھو آسرا ڈرائیو کرلے گی میں پھوپی جان کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤں گا۔"

فلک آفتاب کی کار پیچھے کھڑی ہوئی تھی بابر نے کہا "بھئی کار آگے بڑھاؤ دیر ہو رہی ہے۔"

نمرہ اچانک میری طرف سے منہ پھیر کر تیزی سے چلتی ہوئی اپنی ممی اور ڈیڈی کے پاس گئی پھر اس کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی آسرا نے مجھے دیکھا پھر کہا "وہ ناراض ہو کر گئی ہے اسے بلالو۔"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں...... اس نے خود ہی اس کار میں جا کر بیٹھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ چلو تم میرے ساتھ بیٹھو......!"

وہ اگلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی میں نے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی فلک ناز خوش ہو رہی تھی۔ میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ مسز رانا اور جبران ہم سے پہلے ایئر پورٹ پہنچے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ کیا۔ مسز رانا بہت خوش تھی۔ مجھے ایک طرف لے جا کر بولی "بیٹے......! تم نے میری ساتھ اور میرے بیٹے کے ساتھ جو نیکی کی ہے اسے زندگی بھر یاد رکھوں گی۔ تمہاری کوششوں کے نتیجے میں ہی نمرہ ہمارے ساتھ جا رہی ہے۔"

میں نے کہا "میں تو ہاتھ کی لکیروں پر چلتا ہوں لکیریں کہہ رہی تھیں کہ نمرہ آپ لوگوں کے ساتھ جائے گی بس اس کے لیے ذرا کوششیں کرنی تھیں جو میں نے کیں اور کامیاب ہو گیا۔"

نمرہ ایک طرف کھڑی جبران سے مسکرا کر باتیں کر رہی تھی اور کبھی کبھی چور نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ بابر اپنے ممی اور ڈیڈی کے ساتھ بیٹھا بڑی آہستگی سے کہہ رہا تھا۔ "ممی آپ جا رہی ہیں مجھے بہت ہی برا لگ رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہم شکنجے میں آ گئے ہیں اور جبراً آپ کو یہاں سے لے جایا جا رہا ہے۔"

بیگم آفتاب نے نمرہ اور مسز رانا کی طرف ناگواری سے دیکھا پھر کہا "کیا کیا جائے بیٹا! ہماری تو قسمت ہی خراب ہے۔ ہم نے بڑی رازداری سے لین دین کی بات کی تھی لیکن وہ آگ لگانے والی بہو جب تک گھر میں رہے گی ہمیں کبھی پنپنے نہیں دے گی۔ وہ یہی چاہے گی کہ ہم عینی کے گھر میں بیٹھ کر لقمے توڑتے رہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "ایک دم سے تین کروڑ ہاتھوں سے نکل گئے۔ اتنا بڑا نقصان میں کیسے برداشت کر رہا ہوں، ... ہی جانتا ہوں۔"

بابر نے کہا "بھائی جان نے حکم دیا کہ آپ کو جانا چا... اور آپ راضی ہو گئیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "بیٹے تم بھی وہاں سے اٹھ کر گئے تھے تمہیں کیا معلوم عینی نے کہا تھا تمہاری ماں کو ہر ... میں جانا چاہیے۔ اب تم ہی بتاؤ ہم اس کی چھت کے ... رہتے ہیں اس کا کھاتے ہیں اس کا دیا پہنتے ہیں پھر اس کی ... کیسے نہ مانتے؟"

بیگم آفتاب نے کہا "اب تو وہ سلسلہ بھی نہیں ر... ہمارے ہاتھ سے وہ ماہانہ ایک لاکھ روپے نکل چکے ہیں۔ ا... گھر کے اخراجات بھی ہم سے چھین لیے گئے ہیں۔ اب ا... یہ گھر سنبھالے گی۔"

فلک آفتاب نے کہا "ذیشان نے اسے ... چڑھا رکھا ہے۔ پتا نہیں کب سے وہ منصوبے بنا رہی تھی ا... کامیاب ہو گئی اور گھر کی چابیاں آخر اس نے ہم سے ... لیں۔"

بیگم آفتاب نے اپنے میاں سے کہا "ذرا مسز را... دیکھیں کتنی خوش ہے مقدر میاں کے ساتھ چہک رہی ہے۔ ... لیے دیے بغیر ہی ہماری بیٹی کو لے جا رہی ہے۔"

ادھر مسز رانا نے زیر لب مسکراتے ہوئے مجھ ... کہا "تمہاری یہ بڑی امی مجھے کھا جانے والی نظروں سے د... رہی ہیں۔"

میں نے کہا "وہ اپنے منصوبوں میں ناکام رہی ہیں ... تین کروڑ کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان ... ہاتھوں سے نکل گئی۔ صدمہ تو ضرور ہو گا۔ پھر یہ کہ انہیں یہا... سے جانے پر بھی مجبور کیا جا رہا ہے۔"

"میں کون سا انہیں راضی خوشی لے جا رہی ہوں خوا... ... کباب میں ہڈی بنی رہیں گی۔"

"یہ کباب میں ہڈی تب بنیں گی جب آپ کے سا... یہاں سے جائیں گی۔"

مسز رانا نے چونک کر مجھے دیکھا پھر حیران ہو کر پوچھا "کیا کہہ رہے ہو؟"

"یہی کہ یہ آپ کے ساتھ نہیں جائیں گی، صرف نم... جائے گی۔"

وہ شدید حیرانی سے بولی "یہ کیا کہہ رہے ہو بیٹے! ا... اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ یہاں آئی ہیں اور اب ... ہمارے ساتھ اندر جا کر بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے وا...

...یں۔"

میں نے کہا "ابھی فلائٹ میں دو گھنٹے ہیں آپ اندر ...انے میں جلدی نہ کریں پھر یہ میری بڑی امی جاتے جاتے ...ل جائیں گی۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ کیا یہ خود ہی فیصلہ بدل دیں ...ی؟"

"نہیں...... مقدر فیصلہ بدلے گا۔"

"یعنی تم انہیں جانے سے روک لو گے؟"

"بھئی میں ان کے مقدر کی بات کر رہا ہوں۔ میرا تو ...رف نام مقدر ہے۔ میرے علم نجوم نے بہت پہلے ہی بتا دیا ...ا کہ ان کی قسمت میں ابھی سفر نہیں لکھا ہے تو پھر یہ سفر کیسے ...ریں گی؟"

"تو پھر تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟"

"کیسے بتاتا۔ میں خود حیران ہوں کہ یہ بالکل تیار ہو کر ...ئر پورٹ تک چلی آئی ہیں اور ابھی تک ان کے سامنے نہ کوئی ...ادث پیدا ہوئی ہے اور نہ ہی سفر کا ارادہ تبدیل کیا ہے۔ کیا ...ھ کی لکیریں غلط کہہ رہی ہیں؟ یہی بات ابھی میں سمجھنا اور ...یکھنا چاہتا ہوں۔ آپ بھی دیکھیں کیا ہوتا ہے۔"

نمرہ اس وقت ایک طرف کھڑی جبران سے باتیں ...ر رہی تھی لیکن اندر سے پریشان ہو رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ...رڈنگ کارڈ حاصل کرنے کے لیے جلد سے جلد اندر چلی ...ئے اس طرح وہ میری نظروں سے اوجھل ہو جائے گی اور ...ایک طویل عرصے تک ہمارا سامنا نہیں ہو گا اور اس کے بعد جانے کون کدھر جائے گا، کس کی قسمت کیا گل کھلائے گی؟

جبران نے کہا "تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں ...ہے بس پہلی بار یہاں سے بہت دور جا رہی ہوں۔ پھر ڈیڈی ...ہاں تنہا رہ جائیں گے بس اسی بات کی پریشانی ہے۔"

وہ بولا "تمہارے ڈیڈی اور بابر بھائی شاید مجھ سے ...راض ہیں؟"

"نہیں...... وہ بھلا ناراض کیوں ہوں گے؟"

"پتا نہیں میں نے ان دونوں کو سلام کیا تھا بابر بھائی نے خشک لہجے میں جواب دیا مگر تمہارے ڈیڈی نے منہ پھیر لیا۔"

"تم مائنڈ نہ کرو۔ مجھے ان کے رویے پر شرمندگی ہے۔"

آسرا اور فلک ناز ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ فلک ناز نے ...ہا "ان سب نے الگ الگ ٹولی بنالی ہے ایک دوسرے ...سے دور رہ کر جانے کیا کیا باتیں کر رہے ہیں؟"

"ممی آپ کو دوسروں کی اتنی فکر کیوں رہتی ہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟"

"میں کیوں فکر کروں گی؟ میں تو بہت خوش ہوں کہ نمرہ یہاں سے جا رہی ہے۔ میرے دل کی مرادیں پوری ہونے والی ہیں۔"

"ممی......! آنکھ کھلتے ہی خوابوں کے محل چکنا چور ہو جایا کرتے ہیں۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"آپ اپنے بھتیجے مقدر حیات کی پیش گوئی بھول جاتی ہیں کہ میری شادی نہیں ہو سکے گی۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ مقدر نے یہ بھی کہا تھا کہ تمہارے ہاتھ پر شادی کی لکیر بن سکتی ہے اور تم دلہن بن سکتی ہو۔ تمہارا مقدر کس وقت کیا تماشے دکھائے گا یہ ابھی کوئی نہیں جانتا۔"

ادھر مسز رانا نے مجھ سے کہا "بیٹے......! تم نے تو میرے اندر تجسس پیدا کر دیا ہے۔ میں یہ دیکھنے کے لیے بے چین ہوں کہ کس طرح نمرہ کی ممی سفر کا ارادہ بدلتی ہیں؟"

"میں بھی بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں کہ کیا ہونے والا ہے؟"

مسز رانا نے مجھے گھور کر کہا "مقدر میاں! تم بہت گہرے ہو۔ بہت کچھ جانتے ہو مگر مصلحتاً بہت سی باتیں چھپاتے رہتے ہو۔"

"آپ مجھ پر شبہ کیوں کر رہی ہیں؟"

"کیوں نہ شبہ کروں؟ تم مستقبل کی اتنی گہری باتیں جانتے ہو کہ تم نے میرے بیٹے کی موت کا مقررہ وقت تک بتا دیا پھر کیا یہ نہیں جانتے ہو گے کہ بیگم آفتاب یہاں سے کیوں واپس چلی جائیں گی؟"

بیگم آفتاب اپنے میاں اور بیٹے کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اچانک اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے مسز رانا سے کہا "وہ دیکھیں وہ اب اٹھ گئی ہیں۔ اب وہ جانے والی ہیں۔"

مسز رانا نے سوالیہ نظروں سے بیگم آفتاب کی طرف دیکھا۔ وہ وہاں سے لیڈیز ٹوائلٹ کی طرف جا رہی تھی۔ وہ بولی "یہ تو ٹوائلٹ کی طرف جا رہی ہیں؟"

میں نے کہا "کیا ایسا نہیں ہوتا کہ بعض اوقات آدمی جاتا کہیں ہے اور پہنچتا کہیں ہے؟"

وہ بڑے اضطراب کے عالم میں حیرت سے بیگم آفتاب کو دیکھ رہی تھی مجھ سے بولی "کیا میں ان کے پیچھے جاؤں؟"

"نہیں، پلیز آپ یہیں چپ چاپ تماشا دیکھتی رہیں۔"

بیگم آفتاب ٹوائلٹ کے اندر آ گئی وہاں ایک عورت

آئینے کے سامنے کھڑی اپنا میک اپ درست کر رہی تھی۔ اس نے بیگم آفتاب کو دیکھا پھر لپ اسٹک کو پرس میں رکھتی ہوئی وہاں سے باہر نکل گئی۔ ٹوائلٹ ویران ہو گیا۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا بلکہ کوئی نہیں تھی۔ وہ آگے بڑھتی ہوئی ایک ٹوائلٹ کے دروازے پر آئی اور اسے کھول کر اندر پہنچی تو دروازے کے پیچھے کوئی عورت چھپی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً ہی دروازے کو بند کر دیا اور ایک ریوالور نکال کر اس کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا ''خبردار کوئی آواز نہ نکالنا۔''

بیگم آفتاب خوف سے لرزتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔ وہ عورت سر سے پاؤں تک سیاہ برقعے میں تھی۔ اس نے آہستگی سے پوچھا ''یہاں ٹوائلٹ میں کتنی عورتیں ہیں؟''

وہ خوف سے بول نہیں پا رہی تھی اس نے ڈانٹ کر کہا ''میری بات کا جواب دو یہاں کتنی عورتیں ہیں؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''ایک عورت تھی وہ بھی باہر چلی گئی ہے۔''

''تمہارے ساتھ کتنے لوگ ہیں؟''

''میں لندن جانے والی ہوں میرے گھر کے لوگ مجھے سی آف کرنے آئے ہیں۔''

''یہ بتاؤ زندگی چاہتی ہو یا موت؟''

اس نے ریوالور کی نال بیگم آفتاب کی پیشانی سے لگا دی۔ وہ تھر تھر کانپتے ہوئے بولی ''تم مجھے کیوں مارنا چاہتی ہو، مجھ سے کیا چاہتی ہو؟''

''اگر تم زندگی چاہتی ہو تو میرے اشاروں پر چلو جیسا میں کہوں ویسا ہی کرو۔''

اس نے جلدی جلدی ہاں کے انداز میں سر ہلایا ''وہ عورت اپنا برقعہ اتارتے ہوئے بولی۔ اسے فوراً پہن لو۔'' اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر یہاں سے نکلو تاکہ تمہارے رشتے دار تمہیں نہ دیکھ سکیں۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے رہوں گی۔ اگر تم نے ذرا بھی چالاکی دکھائی اور اپنے کسی رشتے دار کو مخاطب کرنا چاہا یا کوئی اور اشارہ کیا تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔''

اس نے اپنا سیاہ برقعہ اتار کر اس کی طرف بڑھایا وہ اسے لیتے ہوئے بولی ''تم مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو؟''

وہ غرا کر بولی ''خبردار کوئی سوال نہ کرو اور دیر نہ کرو۔ فوراً اسے پہنو ورنہ......''

اس نے پھر ریوالور کی نال اس کی پیشانی سے لگائی وہ جلدی جلدی برقعہ پہننے لگی۔ ایک چھوٹی سی اٹیچی اس کے قدموں کے پاس رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اسے اٹھا کر بیگم آفتاب کو دیتے ہوئے کہا ''اسے پکڑو اور میرے آگے آگے چلتی رہو۔ پھر ایک بار سمجھاتی ہوں۔ اگر تم نے کوئی چالاکی دکھائی تو حرام موت مرو گی۔ پولیس میرے پیچھے ہے اگر پکڑی جاؤں گی تو مجھے تو مرنا ہی ہے مگر میں تمہیں مار کر ہی مروں گی۔ اگر میں ان کی نظروں میں نہ آئی تو پھر تم بھی زندہ سلامت اپنے رشتے داروں میں واپس جا سکو گی۔ کم آن ہری اپ......''

بیگم آفتاب سیاہ برقعہ پہن چکی تھی، چہرے پر نقاب پڑا تھا اس اجنبی عورت نے چھوٹے سے اٹیچی کیس کو اس کے ہاتھوں میں تھما دیا اور وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ٹوائلٹ سے باہر آئی۔ دور ایک جگہ فلک آفتاب اپنے بیٹے بابر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ آسرا اپنی ماں فلک ناز کے ساتھ تھی۔ نمرہ جبران سے باتیں کر رہی تھی اور مسز رانا میرے ساتھ کھڑی ہوئی بار بار ٹوائلٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہاں سے ایک برقعہ پوش عورت باہر آئی اس کے پیچھے ایک بہت ہی اسمارٹ سی نوجوان عورت تھی۔ اس نے جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پرس تھا۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس پرس میں ریوالور رکھا ہوا ہے اور اس کا رخ بیگم آفتاب کی طرف ہے۔ اس ریوالور والی نے دھیمی آواز میں کہا ''کار پارکنگ کی طرف چلو۔''

ادھر جانے کے لیے بیگم آفتاب اپنے میاں اور اپنے بیٹے کے قریب سے گزرتی ہوئی جانے لگی دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ ان میں سے اسے کوئی دیکھ لے اور پہچان لے۔ شوہر اور بیٹے دونوں نے اسے دیکھا پھر ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ برقعہ پہن کر جانے والی کوئی غیر نہیں ان کی اپنی ہے۔

وہ دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئی باہر کھڑی ہوئی ایک کار کے قریب پہنچیں۔ کار کا پچھلا دروازہ کھل گیا۔ پچھلی سیٹ پر ایک شخص ریوالور لئے بیٹھا تھا۔ اس سے کہا گیا ''فوراً بیٹھو دیر نہ کرو۔''

بیگم آفتاب کو ان کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی دروازہ بند ہو گیا ریوالور والی نے پرس کے اندر سے ریوالور نکال کر اس شخص کو دیتے ہوئے کہا ''اسے رکھو اس اٹیچی میں پورا مال ہے فوراً یہاں سے جاؤ۔ میں پولیس کی نظروں میں آ کر گرفتاری پیش کروں گی۔ کل عدالت سے میری ضمانت حاصل کرا لینا۔''

اس شخص نے کہا ''فکر نہ کرو میری جان! ہم تمہیں زیادہ دیر تک نہیں ہونے دیں گے۔ صرف ایک ہی رات کی بات ہے۔ وہ تمہیں نکال لے جائیں گے۔''

وہ کار اسٹارٹ ہو کر وہاں سے جانے لگی۔ بیگم آفتاب سہمی ہوئی بیٹھی تھی اور اپنوں سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ کسی کو خبر نہیں تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور وہ کہاں سے کہاں چلی جا رہی ہے؟

مسز رانا بار بار ٹوائلٹ کے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے تقریباً پندرہ منٹ تک انتظار کیا پھر کہا ''وہ محترمہ تو اندر جا کر بیٹھ ہی گئی ہیں۔''

میں نے کہا ''انہیں آنا ہوگا تو آ جائیں گی آپ کیوں اس قدر بے چین ہو رہی ہیں؟''

''تم نے میرے اندر بے چینی پیدا کر دی ہے۔ جب وہ اپنے میاں کے پاس سے اٹھ کر جانے لگیں تو تم نے کہا تھا اب جا رہی ہیں اور تم نے یہ بھی کہا تھا کہ کوئی جاتا کہیں ہے اور پہنچتا کہیں ہے؟''

''میں تو ایک عام سی حقیقت بیان کر رہا تھا۔ اکثر لوگوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ وہ راستہ چلتے چلتے بھٹک جاتے ہیں۔''

وہ بولی ''مجھ سے اب انتظار نہیں ہوگا۔ میں ٹوائلٹ میں جا کر دیکھتی ہوں۔''

میں نے کہا ''پلیز آپ نہ جائیں۔ ذرا سنیئے اناؤنسمنٹ ہو رہی ہے آپ کا جہاز روانگی کے لیے تیار ہے۔ نمرہ اور جبران سے کہیں کہ وہ اندر چلیں۔''

اس نے پوچھا ''اور بیگم آفتاب؟''

''وہ آپ کے پیچھے آ جائیں گی۔ اگر نہیں آئیں گی تو کیا آپ اپنی روانگی ملتوی کر دیں گی؟''

''نہیں...... مگر تمہارے گھر والے کہہ رہے تھے کہ نمرہ کو اپنی ممی کے ساتھ جانا چاہیے۔''

''اگر وہ ساتھ نہیں جائیں گی تو کیا نمرہ کو آپ یہاں چھوڑ جائیں گی؟''

اس نے انکار میں سر ہلا دیا اور آگے بڑھ کر نمرہ اور جبران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''اناؤنسمنٹ ہو رہی ہے ہمیں اندر چلنا چاہیے۔''

اس نے بلند آواز سے کہا تاکہ فلک آفتاب اور بابر بھی سن لیں فلک آفتاب نے اپنے بیٹے سے پوچھا ''یہ تمہاری ممی اب تک واپس کیوں نہیں آئیں؟''

بابر نے ٹوائلٹ کی طرف دیکھا پھر نمرہ سے کہا ''تم جا کر دیکھو وہ اتنی دیر کیوں کر رہی ہیں؟''

نمرہ ادھر جانا چاہتی تھی مسز رانا نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''بیٹی تم

رک جاؤ جبران کے ساتھ اندر جا کر بورڈنگ کارڈ حاصل کرو میں جا کر دیکھتی ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ٹوائلٹ کے اندر گئی پھر تھوڑی دیر بعد واپس آ کر حیرانی سے بولی "مسز آفتاب اندر نہیں ہیں۔"

فلک آفتاب نے حیرانی سے کہا "ابھی تو وہ ہمارے سامنے ٹوائلٹ میں گئی تھیں وہاں سے وہ کہاں جا سکتی ہیں؟"

بابر نے آگے بڑھ کر پوچھا "آپ نے اچھی طرح دیکھا ہے؟"

"ہاں' میں نے ایک ایک ٹوائلٹ کا دروازہ کھول کر دیکھا ہے اندر کوئی نہیں ہے۔ باہر تین عورتیں ہیں جو منہ دھونے میں مصروف ہیں۔"

فلک آفتاب نے آگے بڑھ کر کہا "پلیز آپ پھر ایک بار جائیں اور اچھی طرح دیکھیں۔"

پھر اس نے پلٹ کر فلک ناز سے کہا "ناز تم بھی ذرا جا کر دیکھو۔"

بابر نے کہا "ٹوائلٹ کا ایک ہی دروازہ ہے۔ ممی اگر کہیں جائیں گے تو اسی دروازے سے نکل کر جائیں گی اور ہم دیکھ رہے ہیں وہ باہر نہیں آئی تھیں۔"

مسز رانا' فلک ناز اور آسرا تینوں ہی لیڈیز ٹوائلٹ کے اندر گئیں' اسے ہر جگہ تلاش کیا۔ وہ وہاں ہوتی تو نظر آتی۔ وہ تینوں پریشان ہو کر باہر آئیں۔ فلک ناز نے کہا "بھابی جان یہاں نہیں ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ یہاں سے کہاں جائیں گی؟"

وہ سب ادھر ادھر دور تک نظریں دوڑانے لگے خیال تھا شاید وہ کسی اسٹال کی طرف گئی ہو۔ بابر نے کہا "میں ٹوائلٹ کے دروازے کی طرف برابر دیکھتا رہا تھا۔ میں نے انہیں باہر نکلتے نہیں دیکھا۔"

"تمہاری نظر چوک گئی ہوگی وہ ٹوائلٹ کے اندر سے غائب تو نہیں ہو سکتیں۔ یقیناً باہر نکل کر کہیں گئی ہیں۔"

فلک ناز' آسرا' بابر اور فلک آفتاب سب ہی دور دور تک اسٹالوں کی طرف جا کر دیکھنے لگے۔ مسز رانا مجھے شدید حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا "آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

وہ سر ہلا کر بولی "بیٹے......! تم بہت خطرناک ہو۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟"

"تم جو کہہ دیتے ہو وہ بات پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے۔ مسز آفتاب ٹوائلٹ کے اندر جا رہی تھیں تو تم نے صاف لفظوں میں کہا تھا بعض اوقات کوئی جاتا کہیں ہے اور پہنچتا کہیں ہے۔ مسز آفتاب میری آنکھوں کے سامنے ٹوائلٹ کے اندر گئی تھیں پھر باہر نہیں آئیں وہ کہیں دوسری جگہ پہنچ گئی ہیں کہاں پہنچ گئی ہیں خدا کے لیے مجھے بتاؤ وہ زندہ سلامت ہیں ناں؟"

"بے شک ان کے ہاتھوں میں زندگی کی لکیر تھی۔ جہاں کہیں بھی ہوں گی زندہ سلامت ہوں گی۔"

"میں یقین سے کہتی ہوں تم اچھی طرح جانتے ہو وہ اس وقت کہاں ہیں؟"

"آنٹی! آپ مجھے بہت غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔ اس وقت آپ کے لیے یہ بہتر ہے کہ آپ مسز آفتاب کے معاملے میں پریشان نہ ہوں۔ موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اندر جا کر بورڈنگ کارڈ حاصل کر کے نمرہ اور جبران کو لے کر یہاں سے چلی جائیں ورنہ آپ دیکھ رہی ہیں حالات کو بدلتے دیر نہیں لگتی ایسا نہ ہو کہ حالات آپ کے خلاف ہو جائیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "نہیں......نہیں میں ابھی نہیں جا رہی ہوں۔"

فلک آفتاب اور بابر وغیرہ واپس آ رہے تھے مسز رانا نے پوچھا "کیا ہوا؟ وہ نہیں ملیں؟"

بابر نے کہا "ہم حیران ہیں وہ اچانک کہاں چلی گئیں؟"

"وہ جہاں بھی گئی ہیں واپس آئیں گی انہیں ہمارے ساتھ یہاں سے جانا ہے میں اندر جا رہی ہوں وہ آئیں تو انہیں بھی بھیج دیں۔"

وہ وہاں سے جانے لگی۔ جانے والوں کو کوئی روک سکتا تھا اور جو جاتے جاتے رک گئی تھی اسے بھی کوئی تلاش کر سکتا تھا۔ انہیں ہاتھ کی لکیروں نے ادھر ادھر کر دیا تھا وہ گم ہو گئی تھی۔ بن بیاہی بیٹی سسرال جا رہی تھی۔ میں تقدیر کی بساط پر ایسی ہی چالیں چلتا ہوں کیونکہ......

میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہمسفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
اور تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں

شہباز درانی کی محل نما کوٹھی میں ایک ایسا کمرا تھا جسے اس نے پرائیویٹ چیمبر بنایا ہوا تھا۔ وہاں ایسی ایسی خفیہ دستاویزات تھیں جنہیں دیکھنے سے اور پڑھنے سے پتا چلتا تھا کہ وہ اس جگہ بیٹھ کر امریکا سے پاکستان تک بڑے بڑے سیاسی گیم کھیلتا رہتا ہے۔ یہ دستاویزات تحریری بھی تھیں اور آڈیو ویڈیو کیسٹس کی شکل میں بھی۔ وہ ان کے ذریعے بڑے بڑے سیاسی رہنماؤں کو بلیک میل کرتا رہتا تھا۔ اس وقت وہ اپنے اسی پرائیویٹ چیمبر میں بیٹھا ہوا تھا۔

اس وقت وہ کوئی بڑا سیاسی گیم نہیں کھیل رہا تھا۔ اس کی مصروفیت ذاتی نوعیت کی تھی۔ میں پچھلے دنوں اس کی کوٹھی میں ایک مہمان کی حیثیت سے گیا تھا۔ وہاں میں نے اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھی تھیں اور اس کی موت کا ایک مقررہ وقت بتایا تھا جس پر اس نے یقین نہیں کیا تھا۔ میں نے کہا تھا' اس موت سے صرف میں ہی اسے بچا سکتا ہوں ورنہ وہ مارا جائے گا۔

اس نے اپنے بچاؤ کی تدبیریں کی تھیں۔ سیکورٹی کا انتظام نہایت سخت رہتا تھا۔ اس وقت وہ اور بھی زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ اپنی حفاظت اور سلامتی کے لیے جس سیکورٹی افسر پر تکیہ کر رہا ہے' وہ ہی اس کی جان لینے کی کوشش کرے گا۔

شہباز درانی جیسے شہ زور لوگ بہت ہی مغرور اور خودسر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مقابلے میں کسی دوسرے کو برداشت ہی نہیں کرتے' اسے ٹھکانے لگا دینا چاہتے ہیں۔ شہباز درانی نے پہلی بار دل ہی دل میں اعتراف کیا تھا کہ میں اس سے زیادہ شہ زور ہوں۔

اس نے فیصلہ کیا کہ وہ مجھے اپنے زیر اثر لائے گا یا مجھے ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا۔ میں اس کے وہ تمام خفیہ راز جانتا تھا جن کے بل بوتے پر وہ وسیع ذرائع اور لامحدود اختیارات کا مالک بنا ہوا تھا اور وہ مجھ جیسے رازداں کو کیسے زندہ چھوڑ سکتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ میں نے اس کے سیکورٹی افسر سے اس کی جان بچائی تھی۔ اسے تو میرا احسان مند ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے برعکس وہ سوچ رہا تھا کہ میں بہت خطرناک ہوں۔ جب سے میں نے اس کی موت کی نشاندہی کی اور پھر اس کی جان بچائی' وہ اندر ہی اندر مجھ سے بری طرح خوف زدہ تھا۔ اس نے بظاہر وعدہ کیا تھا کہ وہ سیکورٹی افسر سے انتقام نہیں لے گا لیکن بعد میں اس نے میری اور اس کی موت کا پروانہ جاری کر دیا۔

اس کا دست راست اسد عزیزی موت کا فرشتہ تھا۔ جس کے پیچھے پڑ جاتا تھا' اسے قبر تک پہنچا کر ہی دم لیتا تھا۔ اس نے شہباز درانی کے لیے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے تھے۔

وہ سیکورٹی افسر جس نے شہباز پر قاتلانہ حملہ کیا تھا' اسے موت کے گھاٹ اتارنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ وہ ڈیوٹی سے اپنے گھر جا رہا تھا۔ شہباز درانی نے اسے اس کی تنخواہ دس ہزار روپے دی تھی۔ وہ اپنی بیوی اور بچوں کے لیے بہت سی چیزیں خرید کر لے جا رہا تھا لیکن اپنے پیارے پیارے بچوں تک نہ پہنچ سکا' راستے میں ہی اسے گولی مار دی گئی۔

اسد عزیزی نے فون پر شہباز درانی کو بتایا "سر! میں نے اس سیکورٹی افسر کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔"

شہباز درانی نے کہا "وہ تو ایک چیونٹی کی طرح تھا' میں نے صرف چیونٹی کو ہی نہیں' ہاتھی کو بھی مارنے کا حکم دیا تھا۔"

"سر......! آپ جانتے ہیں' مقدر حیات کتنا زبردست ہاتھی ہے' اسے گھیرنے میں ذرا وقت لگ رہا ہے؟"

"پرابلم کیا ہے؟"

"میں اس کے معمولات کا مطالعہ کر رہا ہوں کہ وہ کب کہاں جاتا ہے اور کہاں کتنا وقت گزارتا ہے۔ میں ذاتی طور پر اس کی نگرانی کر رہا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ آخر کیا بلا ہے۔"

"اس کے بارے میں نہ سمجھنے والی بات کیا ہے؟"

"اب میں کیا بتاؤں' میں نے دیکھا کہ وہ اپنے ہیڈ آفس میں گیا ہے۔ جب میرا ایک خاص آدمی ہیڈ آفس میں گیا تو پتا چلا کہ وہ وہاں نہیں ہے۔"

"وہ کسی دوسرے دروازے سے باہر چلا گیا ہوگا۔"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ ایک بار اس کا تعاقب کیا' وہ کوٹھی کے احاطے سے باہر نکل کر کار ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔ ٹریفک کے ہجوم میں کبھی کبھی اس کی کار نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھی۔ جب وہ کار بینک کے پاس پہنچی تو میں نے حیرانی سے دیکھا کہ اس کار میں وہ موجود نہیں تھا' کوئی دوسرا شخص کار سے اتر کر بینک کے اندر جا رہا تھا۔"

"جب وہ کار نظروں سے اوجھل ہوئی تھی' تب ہی وہ کہیں اتر کر چلا گیا ہوگا؟"

"اس صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے ہمارے تعاقب کا علم ہو جاتا ہے اور وہ ہمیں جل دے جاتا ہے۔"

"ہوں......! میں شروع سے کہتا آ رہا ہوں کہ وہ شخص نجومی نہیں ہے' کوئی پُراسرار علم جانتا ہے اور اس غیر معمولی علم کے ذریعے معلوم کر لیتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ میں اس شخص کی اصلیت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بہتر ہوگا کہ

اسے فوراً قتل نہ کیا جائے۔ کسی طرح اسے اغوا کر کے ایسی جگہ قید کیا جائے جہاں سے وہ کبھی فرار نہ ہو سکے۔ وہاں ہم اس سے اس کی اصلیت اگلوا سکیں گے۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ وہ کبھی ایک جگہ زیادہ دیر تک دکھائی نہیں دیتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے ابھی تھا' ابھی کہیں گم ہو گیا ہے۔ ایسے میں نہ اسے کہیں سے گولی ماری جا سکتی ہے' نہ ہی اغوا کیا جا سکتا ہے۔ مگر آپ فکر نہ کریں، میں کوئی نہ کوئی ترکیب نکالتا ہوں' جس کے ذریعے اسے قابو میں کیا جا سکے۔"

"کچھ بھی کرو' جلد سے جلد اسے زیر کر کے مجبور اور بے بس بنا دو۔ پھر میں اس سے نمٹ لوں گا؟"

"آل رائٹ سر! میں چند گھنٹوں میں خوشخبری سناؤں گا۔"

اسد عزیزی نے رابطہ ختم کر دیا۔ فی الوقت اس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ ہمارے کوٹھی کے ملازموں کو زیادہ سے زیادہ بھاری رقم دے کر اپنا آلۂ کار بنائے گا اور ان سے حسبِ ضرورت کام لیتا رہے گا۔ اسی طرح میرے آفس اور مل کے خاص افراد کو بھی بھاری رقم دے کر خرید لے گا اور ان کے ذریعے بھی وہ میرے خلاف بہت کچھ کر سکے گا۔

میں نے فون کے ذریعے شہباز درانی کو مخاطب کیا۔

"ہیلو...... شہباز! تم بہت ہی احسان فراموش ہو۔"

وہ ناگواری سے بولا "کون ہو تم......؟"

"وہی ہوں' جس نے تمہیں موت سے بچا کر نئی زندگی دی ہے اور تم ہو کہ میرے پیچھے موت کو لگا رہے ہو؟"

"ہوں...... تم مقدر حیات ہو...... کیوں فون کیا ہے؟"

"یہ بتانے کے لیے کہ جو میرے پیچھے پڑتا ہے' موت اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر بعد تم اسد عزیزی کے بارے میں بری خبر سننے والے ہو۔"

وہ ایک دم سے پریشان ہو کر بولا "کیسی بری خبر؟ اسے کیا ہونے والا ہے؟"

"وہ بھی تمہاری طرح موت کے قریب سے گزرنے والا ہے۔"

"تم...... تم' جھوٹ بول رہے ہو۔ خوامخواہ دھمکی دے رہے ہو۔"

"جب میں نے تمہاری موت کی پیش گوئی کی تھی تب بھی تم نے یہی کہا تھا۔ یقین نہیں کرو گے تو پچھتاؤ گے۔"

"نہیں...... وہ میرا دایاں بازو ہے' اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ تم اس کے خلاف کیا کر رہے ہو؟"

"میں کیا کروں گا؟ جو کرنا ہے وہ اس کا مقدر کرے گا۔ ابھی دس منٹ کے بعد اس کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے اس کے بعد تم اس سے ایک آدھ مہینے تک کوئی کام نہیں لے سکو گے۔ وِش یو بیڈ لک۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ فون پر چیختا رہا "مقدر...... ہیلو...... ہیلو......!"

اس نے کریڈل پر انگلی رکھی پھر اسد عزیزی کے نمبر پنچ کیے' دوسری طرف بیل بجنے لگی۔ وہ بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی "یس سر! میں بول رہا ہوں۔"

"کہاں مر گئے تھے' فون اٹینڈ کرنے میں اتنی دیر کیوں کر دی؟"

"سوری سر! میں یہاں ٹریفک کے ہجوم میں گھرا ہوں۔ آپ گاڑیوں کا شور سن رہے ہوں گے' ایسی جگہ فون پر باتیں کرتا رہا تو کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے۔"

"میں نے یہی کہنے کے لیے فون کیا ہے۔ تمہارے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے یا ایسا کچھ ہو سکتا ہے جس سے تمہیں زبردست نقصان پہنچے۔ تم موت سے بھی دوچار ہو سکتے ہو۔"

"سر! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں' اتنے شور میں آپ کی باتیں پوری طرح سنائی نہیں دے رہی ہیں۔ پلیز آپ انتظار کریں میں تھوڑی دیر میں کال بیک کروں گا۔"

وہ ذرا چیخ کر بولا "نہیں...... ابھی فون بند نہ کرو' مقدر حیات نے تمہارے بارے میں پیش گوئی کی ہے کہ کوئی خطرہ پیش آنے والا ہے تم فوراً یہاں واپس آ جاؤ۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ میں نے کہا تھا کہ دس منٹ بعد وہ کوئی بری خبر سننے والا ہے۔ پانچ منٹ گزر گئے تھے اور صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اسد عزیزی ٹریفک کے ہجوم میں بری طرح پھنسا ہوا ہے' ایسے میں ڈرائیو کرتے ہوئے کوئی موبائل فون اٹینڈ نہیں کر سکتا اس لیے اس کے دستِ راست نے مجبوراً فون بند کیا ہے۔

اسد عزیزی اسٹیئرنگ سیٹ پر تھا۔ پچھلی سیٹ پر اس کے دو گن مین بیٹھے ہوئے تھے۔ آگے پیچھے' دائیں بائیں گاڑیاں ہی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے موبائل فون گن مین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "باس کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں بتاؤ کہ ہم یہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس ہجوم سے نکلتے ہی میں ان سے رابطہ کروں گا۔ کوئی ضروری بات ہے تو وہ تمہیں بتا دیں۔"

وہ آگے جا کر دوسری سڑک پر مڑنا چاہتا تھا' جہاں ٹریفک کا ہجوم زیادہ نہیں تھا۔ گن مین شہباز درانی کو صورتِ حال بتا رہا تھا' وہ اس سے کہہ رہا تھا "اب ہم چوراہے پر پہنچ گئے ہیں۔ وہاں سے دوسری سڑک پر مڑ جائیں تو پھر اسد عزیزی صاحب آپ سے بات کر سکیں گے۔"

شہباز درانی نے کہا "فون بند کر دو اور اس سے کہو' فوراً یہاں واپس چلا آئے۔ مجھے ایک ایک منٹ کی رپورٹ دو کہ تم سب کہاں ہو اور کن حالات سے گزر رہے ہو؟"

اسد عزیزی نے کار کو دوسری طرف موڑ لیا تھا۔ اس موڑ سے آگے ایک اور موڑ تھا۔ وہ تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا جب اس موڑ پر پہنچا تو اچانک ہی ایک تیز رفتار ٹرک سامنے آ گیا' ادھر وہ بھی تیز رفتاری سے کار چلا رہا تھا۔ چنانچہ دونوں کا سنبھلنا اور ایک دوسرے سے کترانا ممکن نہیں تھا۔ کار کا اسٹیئرنگ گھماتے گھماتے ایک زبردست تصادم ہوا' ایسا لگا جیسے قیامت آ گئی ہے۔ وہ اسٹیئرنگ سے ٹکرایا' آپ ہی آپ سیٹ پر سے اچھلا' ونڈ اسکرین کے شیشے چکنا چور ہو کر اس کی طرف اڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ اس کے چہرے اور جسموں میں گھس رہے تھے۔ وہ آدھا کار کے اندر اور آدھا ونڈ اسکرین کے ٹوٹے ہوئے شیشوں کے باہر پہنچ کر تھم گیا تھا۔ ہر چیز تھم گئی تھی۔ زندگی بھی جیسے آگے بڑھنے سے انکار کر رہی تھی۔ وہ ہوش و حواس سے بے گانہ ہو چکا تھا۔

دوسری طرف شہباز درانی اپنے پرائیویٹ چیمبر میں بیٹھا فون کے ذریعے اس بھیانک تصادم کی آوازیں سن رہا تھا۔ اسے اسد عزیزی اور دونوں گن مینوں کی چیخیں سنائی دی تھیں اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ فون پر انہیں مخاطب کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ میرے دیے ہوئے دس منٹ پورے ہو چکے تھے۔

اس نے فون کے ذریعے اپنے دوسرے ماتحت کا نمبر ملا کر اسے حکم دیا "تم کچھ اور لوگوں کو لے کر مختلف گاڑیوں میں مختلف شاہراہوں کی طرف جاؤ۔ کسی چوراہے پر اسد عزیزی ایک حادثے سے دوچار ہوا ہے' فوراً وہاں تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ مجھ سے موبائل پر رابطہ رکھو اور ایک ایک پل کی رپورٹ دیتے رہو۔"

پھر وہ فون بند کر کے اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ میری ایک ایک بات اس کے دماغ میں گونج رہی تھی۔ میں اس کے حواس پر مسلط ہو رہا تھا۔ وہ زیرِ لب بڑبڑا رہا تھا "یہ...... یہ مقدر حیات نجومی نہیں ہے' کوئی آسیب ہے۔ جانے کہاں سے یہ بلا مجھ پر نازل ہو گئی ہے؟"

پھر اسے یاد آیا کہ میں دردانہ کے ذریعے اس کی زندگی میں آیا تھا۔ اگر دردانہ اس کے ساتھ نہ ہوتی تو شاید میں بھی اس کے پاس سے بھی نہ گزرتا۔ اگر دردانہ کی جگہ کوئی دوسری ہستی ہوتی تو وہ اسی وقت اسے گولی مار دیتا لیکن وہ اس کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ وہ برسوں سے اسے دیوانہ وار چاہتا رہا تھا اور اب بھی اس کے لیے اپنا بہت کچھ قربان کر سکتا تھا مگر اسی دردانہ کی وجہ سے سی آئی اے کے اعلیٰ عہدے دار اس سے ناراض ہو گئے تھے اور انہوں نے تاکید کی تھی کہ آئندہ اسے کسی کے بھی ذاتی معاملات میں دلچسپی لے کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے اور یہ وارننگ آگے چل کر اس کی طاقت' دولت' شہرت' عزت اور وسیع اختیارات کی تباہی کا سبب بھی بن سکتی تھی۔

فون اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ اسے اطلاع مل رہی تھی کہ اسد عزیزی سر سے پاؤں تک بری طرح زخمی ہو گیا ہے۔ اسے بے ہوشی کی حالت میں اسپتال پہنچایا گیا ہے۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

شہباز نے کہا "ڈاکٹروں سے کہو' اسے فوراً اٹینڈ کریں۔ میں بھی ابھی آ رہا ہوں۔"

وہ فون پر باتیں کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہاں دردانہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا "کیا بات ہے' پریشان نظر آ رہے ہو؟"

وہ اسے اسد عزیزی کے بارے میں مختصر طور پر بتاتا جا رہا تھا اور فون کے ذریعے مختلف ڈاکٹروں کو مخاطب کر کے کہتا جا رہا تھا "وہ میرا خاص آدمی ہے' پوری توجہ سے اٹینڈ کرو' اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ میں ابھی آ رہا ہوں" اس نے فون بند کیا' دردانہ نے کہا "میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

وہ دونوں کوٹھی کے باہر آئے اور کار میں بیٹھ کر وہاں سے جانے لگے۔ شہباز درانی کار ڈرائیو کرتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "یہ مقدر حیات بہت ہی خطرناک شخص ہے۔ مجھے ہر حال میں اس پر قابو پانا ہو گا اور اس کی اصلیت معلوم کرنی ہو گی۔"

دردانہ نے کہا "میں نے تم سے کہا تھا اسے میٹھی چھری سے ذبح کرو' دوستی کرو۔ دوست بن کر اسے آسانی سے زیر کر سکو گے۔"

"تم نہیں سمجھو گی' یہ ایسا دشمن ہے جو دوستی اور محبت کے فریب میں نہیں آئے گا۔ تمہاری اور اس کی رشتے داری نے میرے لیے مصیبت پیدا کر دی ہے۔ نہ وہ تم سے ملنے یہاں آتا اور نہ بات اتنی بڑھتی۔"

''اس کا مطلب ہے کہ میں تمہارے لیے مصیبت بنتی جارہی ہوں؟''

''فضول باتیں نہ کرو۔ یہ تو میں جھنجلا کر کہہ گیا ہوں کہ وہ مصیبت بن گیا ہے۔ مقدر حیات سے ٹکرانے کے بعد ایسا لگ رہا ہے جیسے میں آج تک چوہے مارتا رہا تھا۔ اب پہلی بار شیر کا شکار کھیل رہا ہوں۔ تم دیکھتی رہو' میں اس شیر کو بھیگی بلی بنا کر رہوں گا۔''

''اگر میں بھی اسے ٹریپ کروں تو؟''

''تم کیا کرنا چاہتی ہو؟''

''تم دشمن بن کر اس سے نمٹ رہے ہو' میں اس کی دوست بن جاتی ہوں۔ آخر اس کے باپ کی بیوی رہ چکی ہوں۔ اس کی رشتے دار ہوں پھر سے اس کے دل میں جگہ بنا سکتی ہوں۔''

''نہیں...... میں نہیں چاہتا آئندہ تم اس کے قریب بھی جاؤ۔''

''میں اس خاندان سے اکھاڑی گئی ہوں۔ پھر سے اپنی جڑیں مضبوط کرنا چاہتی ہوں۔ ایک ایک سے گن کر بدلے لینا چاہتی ہوں۔''

''تم مقدر حیات سے دور رہ کر بھی ایسا کرسکتی ہو اور ایسا کرنے کے لیے پاشا ایک بڑا اور مضبوط مہرہ ثابت ہوسکتا ہے۔ تم اس کے ذریعے عینی کو نچاؤ گی تو پورا خاندان ناچنے لگے گا۔''

فون کا بزر سنائی دیا۔ شہباز درانی نے کار کی رفتار دھیمی کی پھر موبائل کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگا کر بولا ''ہیلو...... کون؟''

دوسری طرف سے ایک ماتحت کی آواز سنائی دی ''سر......! میں ارشد کمال بول رہا ہوں۔ پہلے تو میں نے اسد عزیزی صاحب سے رابطہ کرنا چاہا لیکن ان سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ ضروری انفارمیشن دینی تھی اس لیے آپ کو مخاطب کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں' وہ انفارمیشن کیا ہے؟''

''ثمینہ چوہدری وہ اہم ڈاکومینٹس حاصل کرکے یہاں آچکی ہے لیکن پولیس والوں کی نظروں میں مشکوک ہوگئی ہے۔''

''پولیس والوں کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ اہم ڈاکومینٹس چرا کر لائی ہے؟''

''جس سیف سے وہ ڈاکومینٹس چرا رہی تھی وہاں دو کروڑ کے ہیرے بھی رکھے ہوئے تھے۔ اس نے وہ ہیرے بھی چرالیے۔ جان محمد گبول نے چوری کی رپورٹ درج کرائی ہے اور اپنے وسیع ذرائع استعمال کر رہا ہے۔ اس نے اسلام آباد سے یہاں تک پولیس والوں کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے۔''

شہباز درانی نے ناگواری سے کہا ''شٹ...... عورت بنا بنایا کام بگاڑ رہی ہے' صرف لالچ کی وجہ سے...... تم کسی طرح اس سے وہ ڈاکومینٹس حاصل کرو۔''

''سر......! میں انہیں حاصل کرچکا ہوں لیکن یہ سارے کاغذات آپ تک پہنچانے میں دیر لگے گی۔''

''دیر کیوں ہوگی؟''

''سر! ثمینہ چوہدری نے ایک اور مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ اس نے پولیس والوں کو چکر دینے کے لیے ایک خاتون کو یرغمال بنا کر اپنی اٹیچی اس کے حوالے کی اور اسے گن پوائنٹ پر لاکر ہماری کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا ہے اور یہ کہہ کر چلی گئی ہے کہ وہ چھپتی چھپاتی پولیس والوں کو دھوکا دے کر میرے مکان میں آکر اپنے ہیرے وصول کرلے گی۔''

''پھر تو پولیس والے اس کا پیچھا کرتے ہوئے تمہارے مکان تک آسکتے ہیں؟''

''اسی لیے میں سیدھا آپ کے پاس نہیں آرہا۔ کچھ دیر کہیں چھپا رہوں گا' جب یقین ہوگیا کہ پولیس والے ثمینہ کے پیچھے نہیں ہیں اور وہ انہیں ڈاج دینے میں کامیاب ہوگئی ہے' تب میں اسے اپنے پاس بلا کر اور اس کے ہیرے اسے واپس کرکے تمام ڈاکومینٹس آپ کے پاس لے آؤں گا۔''

''ہوں...... تم ڈاکومینٹس اور ہیرے لے کر یہاں آؤ لیکن اس سے پہلے اس کا کام تمام کردو۔ میں نہیں چاہتا ایسی لالچی عورت آئندہ میرا کوئی کام کرے۔ اگر وہ گرفتار ہوگئی تو ہمارے لیے مصیبت بن جائے گی۔''

''سر! ہم کوشش کریں گے کہ جیسے ہی وہ میرے پاس آئے' ہم آپ کے حکم کی تعمیل کردیں۔ مگر سر! ایک اور پرابلم ہے۔ ثمینہ چوہدری جس عورت کو یرغمال بنا کر ہمارے پاس لائی ہے وہ ایس پی ذیشان کی ماں ہے۔''

شہباز درانی نے حیرانی سے تقریباً چیختے ہوئے پوچھا ''کیا...... کیا ایس پی ذیشان کی ماں کو یرغمال بنالیا ہے؟''

اس کے پاس بیٹھی ہوئی دردانہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا ''کیا کہہ رہے ہو؟ ذیشان کی ممی کو کیا ہوا ہے؟''

اس نے فون پر کہا ''میرا انتظار کرو۔ میں ابھی تمہیں کال کروں گا۔''

اس نے فون بند کیا' کار کو سڑک کے کنارے روکا۔

اسے بتانے لگا کہ ایک بہت بڑے سیاست داں کو بلیک میل کرنے کے لیے اس کے اہم ڈاکومینٹس چرائے گئے ہیں۔ چرانے والی ثمینہ چوہدری نے وہاں سے دو کروڑ کے ہیرے بھی چرالیے ہیں اور اس نے پولیس والوں کو چکمہ دینے کے لیے ایک عورت کو یرغمال بنا کر ہمارے آدمیوں کے پاس پہنچا دیا ہے۔ عورت ایس پی ذیشان کی ماں ہے۔''

دردانہ نے حیرانی سے کہا ''وہ تو لندن جانے والی تھی؟''

''ہاں' اسے ائرپورٹ سے ہی اغوا کرکے لایا گیا ہے۔''

''تعجب ہے' اسے ائرپورٹ سے کس طرح اغوا کیا گیا ہوگا؟''

''کسی بھی طرح کیا ہوگا۔ یہ ثمینہ چوہدری غلطیوں پر غلطیاں کر رہی ہے۔ پہلے تو اس نے دو کروڑ کے ہیرے چرا کر پولیس کو اپنے پیچھے لگالیا اور پھر اپنے ہیروں اور ہمارے ڈاکومینٹس کو بچانے کے لیے ذیشان کی ماں کو یرغمال بنا کر لے آئی ہے۔ اب تو ثمینہ کے ساتھ ساتھ ذیشان کی ماں کو بھی ٹھکانے لگانا ہوگا۔''

''ذرا ٹھہرو۔ وہ میرا شکار ہے' مجھے سوچنے دو۔''

وہ بولا ''سوچنا کیا ہے' اگر اس کی ماں کو زندہ چھوڑ دیا گیا تو وہ واپس جاکر میرے اس آدمی ارشد کمال کے خلاف رپورٹ درج کراسکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے کسی آدمی پر آنچ آئے۔''

''تم دوسرے پہلو سے سوچو' میں ذیشان کے خلاف مقدمہ دائر کرچکی ہوں' اس کے خلاف ثبوتوں اور گواہوں کو اکٹھا کر رہی ہوں' اس طرح ایک اور ثبوت اس کے خلاف مل سکتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''بیگم آفتاب بہت لالچی عورت ہے۔ اسے وہ دو کروڑ کے ہیرے گھر لے جانے دو جب پولیس والے عینی کی کوٹھی سے وہ ہیرے برآمد کریں گے تو یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ ذیشان نے اپنی ایک آلۂ کار عورت کے ذریعے وہ ہیرے چرائے تھے مگر اس وقت تک وہ عورت ثمینہ چوہدری حقیقت بیان کرنے کے لیے زندہ ہی نہیں رہے گی۔''

وہ مسکرا کر بولا ''آئیڈیا زبردست ہے لیکن مجھے ذرا سوچنے دو۔''

وہ کار اسٹارٹ کرتا ہوا بولا ''تم اس چکر میں ذیشان کی ماں کو نہ پھنساؤ۔ وہ بہت چالاک افسر ہے۔ کسی نہ کسی طرح خود کو اور اپنی ماں کو چوری کے الزام سے بچالے گا۔ وہ ہیرے جان محمد گبول کے ہیں' اس نے ثمینہ چوہدری پر چوری کا الزام لگایا ہے' اب وہ ہیرے کس طرح بیگم آفتاب کے پاس چلے آئے' اس کی ایک رام کہانی بن جائے گی اور ذیشان اپنی ماں کو بے گناہ ثابت کردے گا۔''

''میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ میں تو بس ان ہیروں کے ذریعے بیگم آفتاب کے لالچی پن سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔''

''ضرور فائدہ اٹھاؤ تم بیگم آفتاب کو بڑی خاموشی سے اور بڑی رازداری سے ٹریپ کرسکو گی۔ میری طرح سیاست اور جرائم کے میدان میں نہ آؤ گھریلو محاذ پر عینی اور ذیشان کے خلاف جنگ کرتی رہو۔''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی ''بات سمجھ میں آرہی ہے۔ اگر میں بیگم آفتاب کو ٹریپ کرتی رہوں تو وہ میرے زیر اثر رہے گی اور میں اس خاندان کی اور بہت سی کمزوریوں تک پہنچ سکوں گی۔''

کچھ دیر بعد شہباز درانی نے فون پر ارشد کمال کے نمبر ملائے اور رابطہ ہونے پر کہا ''تم بیگم آفتاب کو تھوڑا بہت نقصان پہنچا کر وہ دو کروڑ کے ہیرے اس کے حوالے کردو۔ لیکن یہ سب کچھ بڑے ہی ڈرامائی انداز میں کرنا ہوگا۔'' اور پھر چند ہدایات دے کر فون بند کردیا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں اسپتال پہنچ گئے۔ یہاں پتا چلا کہ اسد عزیزی آپریشن تھیٹر میں ہے اور اس کے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں سے شیشے کے ٹکڑے نکالے جارہے ہیں۔ اس کا ایک گھٹنا ٹوٹ گیا ہے اور پسلیوں کی ایک ہڈی بھی ٹوٹ گئی ہے۔ ایک ڈاکٹر نے آپریشن تھیٹر سے باہر آکر اسے تسلی دی کہ اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑا جارہا ہے۔ وہ بچ تو جائے گا لیکن ایک ڈیڑھ ماہ تک چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے گا۔''

اس وقت اسے میری باتیں یاد آئیں۔ میں نے فون پر کہا تھا کہ اس کا دست راست اسد عزیزی آئندہ ایک آدھ ماہ تک کسی کام کے قابل نہیں رہے گا۔

وہ غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچنے اور زیر لب مجھے گالیاں دینے لگا۔ اکثر شکست خوردہ اور جھنجلائے ہوئے لوگ اپنے مقدر کو کوستے اور گالیاں دیتے رہتے ہیں۔

☆☆☆

ثمینہ چوہدری نے بیگم آفتاب کو گن پوائنٹ پر ٹوائلٹ سے نکال کر ایک کار کی پچھلی سیٹ پر پہنچا دیا تھا۔ اس کار میں تین افراد تھے' ایک پچھلی سیٹ پر بندوق لیے بیٹھا تھا۔ دوسرا اگلی سیٹ پر تھا اور تیسرا ایک ڈرائیور تھا۔ ثمینہ نے پچھلی سیٹ پر

بندوق والے سے کہا ''تم اسے لے کر اپنے مکان پر جاؤ۔ میں پولیس والوں کو چکر دے کر وہاں آ رہی ہوں اور اگر گرفتار ہوگئی تو کل کورٹ سے میری ضمانت کرالینا۔''

ارشد کمال نے اسے یقین دلایا تھا کہ اسے صرف ایک رات حوالات میں رہنا ہوگا اور اگلے دن وہ اسے وہاں سے چھڑا لائے گا۔

پھر ثمینہ چوہدری وہاں سے کہیں چلی گئی اور کار آگے چل پڑی۔ بیگم آفتاب پریشان اور سہمی ہوئی تھی۔ بار بار کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی کہ شاید کوئی اسے پہچان کر اس کی جان بچالے لیکن کار ائرپورٹ سے دور ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ ائرپورٹ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اس نے گن مین کو دیکھتے ہوئے پوچھا ''مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ مجھ سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟''

وہ ڈانٹ کر بولا ''خاموش بیٹھی رہو۔''

''میں تو چپ رہوں گی لیکن تم سب مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں، میں ایس پی ذیشان کی ماں ہوں۔ اسے خبر ہوگی تو تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

ارشد کمال نے چونک کر اسے دیکھا پھر بے یقینی سے پوچھا ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا واقعی ایس پی ذیشان تمہارا بیٹا ہے؟''

بیگم آفتاب نے اپنا شناختی کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''اسے پڑھو، میرے شوہر کا نام فلک آفتاب ہے۔ اگر تم ایس پی ذیشان کے باپ کا نام نہیں جانتے ہو تو کسی سے بھی فون کر کے معلوم کرلو۔''

وہ پریشان ہو کر کبھی شناختی کارڈ کو کبھی بیگم آفتاب کو دیکھنے لگا۔ اس نے اپنے موبائل کے ذریعے اسد عزیزی سے رابطہ کرنا چاہا تو پتا چلا اس کا فون بند ہے۔ شہباز درانی تک اہم معلومات کی فراہمی ضروری تھی۔ تمام کارکن اسد عزیزی کے ذریعے ہی شہباز درانی سے رابطہ کرتے تھے۔ براہِ راست رابطہ کرنے کی اجازت نہیں تھی لیکن اس نے مجبور ہو کر اس سے رابطہ کیا اور اسے حالات بتائے۔

شہباز درانی نے تمام باتیں سننے کے بعد اسے حکم دیا تھا کہ بیگم آفتاب کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس کے احکامات کے مطابق وہ شہر کے ایک مضافاتی علاقے میں آ گیا اور ایک مکان کے سامنے پہنچ کر گاڑی روک دی۔ بیگم آفتاب کو کار سے اتار کر اس مکان کے اندر پہنچایا گیا۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ اس کی یہ دھمکی کام نہیں آئی تھی کہ وہ ایس پی ذیشان کی ماں ہے۔ ارشد کمال نے اسے ایک کرسی پر بٹھا کر رسیوں سے باندھ دیا تھا اور باقی دو ساتھی گاڑی لے کر کہیں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو ان کے پاس ایک ٹیپ ریکارڈر اور ویڈیو کیمرا تھا، اسی وقت ثمینہ چوہدری نے فون کے ذریعے رابطہ کیا۔ ارشد کمال نے پوچھا ''تم خیریت سے تو ہو؟''

''تھینکس گاڈ! میں بالکل محفوظ ہوں۔ میں پولیس سے بچ کر نکل گئی ہوں اور اب تمہاری طرف آ رہی ہوں۔''

''تم ضرور آؤ لیکن پولیس والوں کو اپنے پیچھے لگا کر مت لے آنا۔''

''میں اتنی احمق نہیں ہوں، اس وقت میرے لیے سب سے اہم وہ ہیرے ہیں۔ بس میں آدھے گھنٹے کے اندر پہنچ رہی ہوں۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ ارشد کمال نے فون بند کر کے ایک کرسی کھینچ کر بیگم آفتاب کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا ''تم جو اٹیچی اٹھا کر لائی ہو اس میں دو کروڑ روپے کے ہیرے ہیں۔ کیا تم یقین کرسکتی ہو؟''

اس نے حیرانی سے یہ بات سنی۔ ارشد کمال نے اٹیچی کھول کر اس میں سے ایک خوبصورت سا چرمی بٹوا نکالا اور اسے کھول کر اس میں سے کچھ ہیرے نکال کر اسے دکھائے۔

وہ بولا ''یہ دولت تمہاری ہوسکتی ہے۔''

بیگم آفتاب نے چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ پھر بولا ''جو عورت تمہیں گن پوائنٹ پر ہمارے پاس لائی تھی، وہ یہ ہیرے لینے آ رہی ہے۔ اس اٹیچی میں کچھ ضروری کاغذات ہیں، ہمیں صرف ان کی ضرورت ہے، ہیروں کی نہیں۔ اب تم بتاؤ، کیا یہ دو کروڑ کے ہیرے حاصل کرنا چاہو گی؟''

اس نے بے اختیار اثبات میں سر ہلایا، اس نے کہا ''اتنی دولت آسانی سے ہاتھ نہیں آتی۔ اس کے لیے تمہیں کچھ کرنا ہوگا۔''

اس نے پوچھا ''مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''وہ ثمینہ چوہدری ابھی آئے گی اور یہ ہیرے لے جانا چاہے گی، ہم نہیں چاہتے کہ وہ انہیں حاصل کرے۔''

یہ کہہ کر اس نے ایک ریوالور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''اسے اپنے پاس رکھو، جب ثمینہ اسے لینے آئے تو اسے گولی مار دینا۔''

وہ سہم کر بولی ''نہیں، میں کسی کو قتل نہیں کرسکتی۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ اسے کس طرح چلایا جاتا ہے؟''

''اگر قتل نہیں کرنا چاہتیں تو نہ سہی، تم صرف اسے ریوالور دکھا کر دھمکی دو، باقی کام ہم کرلیں گے۔''

اس نے سہم کر پوچھا ''کیا کرلو گے؟ اسے قتل کرو گے؟ یہ کیمرا یہ ٹیپ ریکارڈر یہ سب کیا ہے؟ کیا مجھے قتل کے الزام میں پھانسنا چاہتے ہو؟''

''یہ تو تمہیں کرنا ہوگا ورنہ ہم تمہیں مار ڈالیں گے۔''

وہ پریشان ہو کر کبھی ہیروں کو کبھی ٹیپ ریکارڈر اور کیمرے وغیرہ کو دیکھنے لگی۔ وہ بولا۔ ''ہم چاہتے ہیں تمہاری یہ کمزوری ہمارے ہاتھ میں رہے تاکہ جب تم یہاں سے زندہ سلامت واپس جاؤ تو اپنے ایس پی بیٹے کو ہمارے بارے میں کچھ نہ بتاؤ۔ جب تک تم ہمارے بارے میں اپنی زبان بند رکھو گی، اس وقت تک ہم تمہاری یہ کمزوری کسی کے سامنے نہیں آنے دیں گے۔''

وہ التجا آمیز لہجے میں بولی ''مجھ سے کوئی ایسا کام نہ کراؤ۔ چپ چاپ یہاں سے جانے دو۔ میں اپنے بیٹے کی اور اپنے شوہر کی قسم کھا کر کہتی ہوں، تمہارے خلاف کوئی بیان نہیں دوں گی۔''

''لوگ تو جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ ہم تم پر کیسے اعتماد کریں۔ کیوں نہ تمہاری کوئی کمزوری اپنے ہاتھ میں رکھیں تاکہ تم ہمارے خلاف کچھ نہ کرسکو۔''

وہ رونی صورت بنا کر بولی ''یہ تو خوامخواہ قتل کے جرم میں پھنسنے والی بات ہوگی۔''

''ہاں، یہی بات ہوگی لیکن تم زندہ سلامت رہو گی۔ ہم سے دشمنی نہیں کرو گی تو ہم بھی تم سے دشمنی نہیں کریں گے۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ ... خوامخواہ کے الزام میں خود کو ملوث کرے لیکن وہاں سے رہائی کی کوئی دوسری صورت بھی نہیں تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ''ثمینہ یہاں پہنچنے ہی والی ہے۔ جلدی فیصلہ کرو ...... اگر تم نے ہمارے مشورے پر عمل نہ کیا تو ہم ثمینہ کے ساتھ تمہیں بھی گولی مار دیں گے۔''

پھر ارشد کمال نے اسے رسیوں سے آزاد کردیا۔ اس کے سامنے ریوالور رکھتے ہوئے بولا ''یہ خالی ریوالور ہے۔ اس سے تم صرف ثمینہ کو دھمکی دو گی۔ تمہارے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو ہمارے کہنے پر عمل کرو اور اپنی جان بچا کر یہاں سے دو کروڑ کے ہیرے لے جاؤ یا پھر ثمینہ کی طرح حرام موت مر جاؤ۔ فیصلہ کرنے کے لیے تمہارے پاس صرف چند منٹ رہ گئے ہیں۔''

وہ فیصلہ کیا کرتی؟ سب سے اہم تو زندگی ہوتی ہے۔ وہ زندہ رہنا چاہتی تھی اور شان و شوکت سے زندہ رہنے کے لیے دولت بہت ضروری ہوتی ہے لہٰذا وہ دو کروڑ کے ہیرے بھی چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

ارشد کمال نے کہا ''ریوالور ابھی چھپا کر رکھو۔ جب وہ آئے اور اس تھیلی میں سے ہیرے نکال کر دیکھے، تب ہی تم ریوالور نکال کر اسے مار ڈالنے کی دھمکی دینا۔ وہ عورت بہت چالباز ہے تمہیں بہلانے پھسلانے کی کوشش کرے گی تو تم صرف ایک ہی بات کہو گی کہ ہیرے اس نے تمہارے حوالے نہ کیے تو تم اسے گولی مار دو گی۔''

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا ''یاد رکھو، اتنی دولت پانے کے لیے تمہیں تھوڑی سی تو محنت کرنی ہوگی۔''

وہ ابھی فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ ایک ساتھی نے آ کر اطلاع دی ''ثمینہ آ گئی ہے۔ کار سے اتر رہی ہے۔''

ارشد کمال نے کہا ''تم ٹیپ ریکارڈر سنبھالو اور تم کیمرا......''

پھر اس نے پلٹ کر بیگم آفتاب سے کہا ''بس ایک ذرا سی دلیری کی ضرورت ہے اور یہ تو تم جانتی ہو کہ تمہیں قتل نہیں کرنا ہے اس لیے نہ بزدلی دکھاؤ گی نہ ثمینہ سے خوف زدہ ہوگی۔''

دروازے پر دستک ہوئی۔ جس ساتھی نے کیمرا اٹھا رکھا تھا، اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ وہ اندر آ کر ان سب کو دیکھتے ہوئے بولی ''یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیمرا اور ٹیپ ریکارڈر کیوں ہے؟''

''باس کا آرڈر ہے کہ جب تم یہاں سے ہیرے لے کر جاؤ تو یہ بات ریکارڈ کرلی جائے تاکہ ہیروں کی چوری کا الزام ہم پر نہ آئے۔''

''لیکن اس کی ضرورت کیا ہے جبکہ میں باس کی وفادار ہوں؟''

''دیکھو، بحث نہ کرو۔ تم نے ان کے لیے اہم دستاویزات حاصل کیں۔ اس کا معاوضہ تمہیں مل چکا ہے۔ اب یہ ہیرے حاصل کرنا چاہتی ہو تو اس کے لیے وہی کرنا ہوگا جو باس کا آرڈر ہے۔''

وہ بولی ''ٹھیک ہے، باس از باس۔ لیکن تم اس عورت کو یہاں تک کیوں لے آئے ہو، اسے راستے میں کہیں پھینک سکتے تھے۔''

''ہاں، یہ بھی باس کا حکم ہے کیونکہ یہ کوئی معمولی عورت نہیں ہے۔ تم نے انجانے میں ایس پی ذیشان کی والدہ کو اغوا کیا ہے۔''

ثمینہ نے چونک کر بیگم آفتاب کو دیکھا پھر کہا ''اوہ گاڈ! مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہوگئی؟''

''باس کوئی ایسی غلطی معاف نہیں کرتے' جو ہم سب کے لیے مصیبت بن جائے لیکن تمہاری وفاداریوں کے پیش نظر صرف یہ حکم دیا ہے کہ تمہاری یہ ویڈیو فلم بنالی جائے۔''

ارشد کمال نے ہیروں والی تھیلی ایک میز پر رکھتے ہوئے کہا ''اب یہاں سے شوٹنگ شروع ہوگی۔'' یہ کہہ کر وہ کیمرے کے پیچھے چلا گیا پھر بولا ''تم وہ ہیرے نکال کر دیکھو پھر انہیں واپس تھیلی میں ڈال کر یہاں سے نکل جاؤ۔''

ثمینہ چوہدری نے اس کی ہدایت کے مطابق عمل کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر تھیلی کو میز پر سے اٹھایا۔ کیمرا اور ٹیپ ریکارڈر آن ہو چکے تھے۔ وہ تمام ہیرے تھیلی سے نکال کر انہیں میز پر ڈال کر دیکھتی رہی اور جب وہ انہیں اٹھا کر تھیلی میں ڈال رہی تھی تو ارشد کمال نے بیگم آفتاب کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھ کر کیمرے کی زد میں آگئی اور ثمینہ کی طرف ریوالور کرتے ہوئے بولی ''ان ہیروں کو یہیں رہنے دو' یہ ہیرے میرے ہیں۔''

ثمینہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولی ''تمہارے پاس ریوالور کہاں سے آگیا؟''

بیگم آفتاب نے کہا ''کوئی سوال نہ کرو ورنہ گولی چلا دوں گی۔ ہیرے مجھے دیتی ہو یا نہیں؟''

ثمینہ چوہدری نے بڑی پھرتی سے گھوم کر اپنے لباس سے ایک پستول نکالا لیکن اس سے پہلے کہ وہ گولی چلاتی' کیمرے کے پیچھے کھڑے ہوئے ارشد کمال نے اسے گولی ماردی۔

لیکن بیگم آفتاب کیمرے کی زد میں تھی۔ ریوالور کا رخ ثمینہ کی طرف تھا۔ اسے گولی لگی اور خون کا فوارہ سینے سے نکلا تو ایسا لگا جیسے بیگم آفتاب نے اسے گولی ماری ہے۔

ثمینہ کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گر پڑا تھا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے فرش پر گر پڑی۔ بیگم آفتاب بری طرح خوف زدہ ہوگئی تھی۔ اس نے زندگی میں پہلے کبھی کسی کو قتل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ارشد کمال نے کیمرا مین سے کہا ''کٹ......!''

کیمرا رک گیا۔ وہ بیگم آفتاب سے بولا ''تم نے اسے قتل نہیں کیا ہے پھر کیوں اتنی خوف زدہ ہو؟ کیوں اس طرح کانپ رہی ہو؟ خود پر قابو پاؤ۔ بس ایک ذرا سی شوٹنگ اور رہ گئی ہے۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''مجھے اور کیا کرنا ہوگا؟''

''کچھ نہیں' یہ ہیرے جو میز پر بکھرے پڑے ہیں انہیں اٹھا کر تھیلی میں رکھو اور یہ تھیلی لے کر دروازہ کھول کر باہر نکل جاؤ۔''

اس نے ریوالور پھینک دیا' ارشد کمال نے غصے سے کہا ''یہ کیا کر رہی ہو ریوالور اٹھاؤ۔ یہ تمہارے ہاتھ میں رہے گا۔''

وہ ریوالور اٹھا کر میز کے پاس آئی تو کیمرا آن ہوگیا میز پر بکھرے ہوئے ہیرے جگمگانے لگے۔ وہ انہیں سمیٹ کر تھیلی میں ڈالنے لگی۔ ایسے وقت ذرا دہشت سے ثمینہ چوہدری کی لاش کو بھی دیکھ رہی تھی۔ پھر تمام ہیرے سمیٹنے کے بعد وہ ثمینہ کی لاش سے بچتی ہوئی دروازے کے پاس آئی اور اسے کھول کر باہر چلی گئی۔

ارشد کمال نے کہا ''کٹ......''

کیمرا آف کر دیا گیا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آئی ارشد کمال نے ہاتھ اٹھا کر پوچھا ''تم کیا چیز ہو؟ پھر کیوں آئی ہو؟ چلو...... بھاگو یہاں سے' تمہیں رہائی مل چکی ہے۔''

وہ فوراً ہی پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی دروازے سے باہر گئی اور پھر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

ائرپورٹ پر سب ہی پریشان تھے۔ آسرا' فلک ناز' بابر اور فلک آفتاب سب ہی دور دور تک بیگم آفتاب کو تلاش کر رہے تھے اور ہر طرف جا کر دیکھ چکے تھے۔

میں بھی بظاہر پریشانی ظاہر کر رہا تھا۔ جہاں آسرا جا رہی تھی۔ وہاں میں بھی اس کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ آخر وہ تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ مجھے گھور کر دیکھتے ہوئے بولی ''تم سب جانتے تھے' تمہیں سب معلوم ہے۔''

میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا ''تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں نے ہی بڑی امی کو غائب کیا ہے؟''

''اب تم باتیں بناؤ گے اور ہم سے حقیقت چھپاؤ گے۔ کم ازکم مجھے تو بتا دو۔ میں تمہاری اپنی ہوں' کیا تمہاری رازدار نہیں بن سکتی؟''

میں نے انجان بن کر پوچھا ''تم کس راز کی بات کر رہی ہو؟ یہ کسی حد تک سچ ہے کہ میں آئندہ ہونے والی باتوں کو بڑی حد تک سمجھ لیتا ہوں لیکن سب کچھ نہیں جان پاتا۔''

وہ پھر مجھے گھورتے ہوئے بولی ''کیا تم یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک ماں اپنی بیٹی کے ساتھ نہیں جاسکے گی' جانے سے پہلے ہی بچھڑ جائے گی؟''

''ہاں...... مجھے اس بات کا اندازہ تھا مگر یقین نہیں تھا اس لیے تمہیں نہیں بتایا۔''

''تم پھر باتیں بنا رہے ہو۔''

''کیا مشکل ہے؟ آسرا! تم میری جان ہو۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپاتا ہوں۔''

''کچھ نہیں چھپاتے ہو تو پھر بتاؤ' اس وقت ممانی جان کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟''

''دیکھو! یہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ پورے گھر میں سب ہی نے اپنے اپنے ہاتھ مجھے دکھائے ہیں لیکن بڑی امی بابر اور بڑے ابو نے اپنے ہاتھ نہیں دکھائے' پتا نہیں کیوں؟ وہ اپنے ہاتھ کی لکیریں مجھ سے چھپا رہے ہیں؟ جو میرے علم نجوم کو نہیں مانتے' میں ان کا ہاتھ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔''

''تم اتنی لمبی باتیں نہ کرو۔ صرف یہ بتاؤ کہ ممانی جان کہاں ہیں؟''

میں نے الجھ کر ادھر ادھر دیکھا پھر سمجھانے کے انداز میں اس سے کہا ''دیکھو! میری باتوں کو سمجھو۔ اگر میں نے ایک بار بھی ان کا ہاتھ دیکھا ہوتا تو ابھی یہاں کھڑے کھڑے بتا دیتا کہ وہ کہاں ہیں۔ کس حال میں ہیں۔ کیا دنیا کا کوئی نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھے بغیر کسی کا ماضی' حال یا مستقبل بتا سکتا ہے؟''

لگتا تھا وہ میری باتوں سے قائل ہوگئی۔ جہاز کی روانگی کے لیے آخری بار اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی۔ ٹھیک بیس منٹ بعد وہ طیارہ وہاں سے فلائی کرنے والا تھا۔ فلک آفتاب نے میرے پاس آ کر کہا ''مقدر میاں! کیا' کیا جائے؟ جہاز روانہ ہونے والا ہے۔ نمرہ ان کے ساتھ چلی گئی ہے۔ تمہاری بڑی امی کو بھی جانا تھا۔ ایسے وقت تمہارا علم ہی کام آسکتا ہے۔ کچھ بتاؤ' آخر وہ کہاں گم ہوگئی ہیں؟''

میں اور آسرا اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے تھے۔ آسرا نے کہا ''یہ کیسے بتا سکتے ہیں؟ آپ نے اور ممانی جان نے آج تک انہیں اپنا ہاتھ نہیں دکھایا ہے۔ اگر یہ ان کا ہاتھ دیکھ لیتے تو پہلے ہی بتا دیتے کہ ان کے لیے یہ سفر مناسب رہے گا یا نہیں؟''

فلک آفتاب نے فون کے ذریعے ذیشان کو مخاطب کیا پھر کہا ''بیٹے! غضب ہوگیا۔ تمہاری ممی کہیں گم ہوگئی ہیں۔''

اس نے پوچھا ''گم ہونے سے کیا مراد ہے ڈیڈ......؟ کیا انہیں کڈنیپ کیا گیا ہے؟''

''ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ ہمارے سامنے ٹوائلٹ میں گئی تھیں لیکن وہاں سے باہر نہیں آئیں۔ اندر جا کر دیکھا گیا تو وہ وہاں موجود نہیں تھیں۔ بابر کہہ رہا ہے کہ وہ مسلسل ٹوائلٹ کے دروازے کی طرف دیکھتا رہا تھا مگر اس نے وہاں سے اپنی ممی کو نکلتے نہیں دیکھا۔ کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے؟ وہ باہر نہیں آئیں اور ٹوائلٹ کے اندر سے ہی کہیں غائب ہوگئیں؟''

''ڈیڈ! یہ یقین کرنے والی بات ہی نہیں ہے کہ وہ ٹوائلٹ کے اندر سے کہیں غائب ہوگئی ہیں۔ یقیناً وہ باہر نکلی ہوں گی۔ کسی نے انہیں دیکھا نہیں ہوگا۔ اس سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ انہیں کڈنیپ کیا گیا ہے۔ آپ فوراً ائرپورٹ کے پولیس افسر سے ملاقات کریں' میں ابھی انہیں فون کر رہا ہوں۔''

بابر اور فلک آفتاب ائرپورٹ کے پولیس افسر سے ملنے چلے گئے۔ ذیشان بھی فون کے ذریعے اس افسر کو اپنی والدہ کی گمشدگی کے بارے میں بتانے لگا۔

ادھر لندن جانے والا جہاز روانہ ہوگیا۔ جانے والے چلے گئے' رہنے والے رہ گئے۔

پولیس والے کیا کر سکتے تھے؟ رشتے داروں نے ائرپورٹ کے باہر اسے ڈھونڈا۔ پولیس والوں نے اندرونی حصوں میں تلاش کیا۔ وہ کہیں ہوتی تو دکھائی دیتی۔ آخر اس پولیس افسر نے بھی کہہ دیا کہ خاتون کو اغوا کیا گیا ہے۔

بیگم آفتاب کے گم ہونے کے بعد تقریباً تین گھنٹوں تک سب ہی اسے تلاش کرتے رہے تھے۔ اب وہ بری طرح مایوس ہو چکے تھے۔ وہاں بیٹھ کر دن رات اس کی واپسی کا انتظار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ فلک ناز نے کہا ''ہمیں گھر چلنا چاہیے۔''

بابر نے اپنے باپ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''یس ڈیڈ! ہم سب نے انہیں تلاش کرنے کے لیے اپنی سی کوششیں کرلیں' اب تو صرف دعا ہی رہ گئی ہے۔''

میں نے دوسرے تمام افراد کے ہاتھوں کو دیکھ کر ایسے ایسے اہم انکشافات کیے تھے۔ ایسے چھپے ہوئے راز بتائے تھے کہ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اندر سے سہم گئے تھے اور وہ مجھ سے دور دور رہتے تھے۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ چوبیس گھنٹے اپنے ہاتھوں پر دستانے پہنے رہتے تاکہ ان کے ہاتھوں کی لکیریں مجھے دور سے بھی نظر نہ آسکیں۔ فلک ناز نے کہا۔ ''مقدر میاں! تم نے اپنی بڑی امی کا ہاتھ نہیں دیکھا تھا تو کوئی بات نہیں' کیا بھائی جان کا ہاتھ دیکھ کر بتا سکتے ہو کہ بھابی جان آئندہ ان کی زندگی میں واپس آئیں گی یا نہیں؟''

فلک آفتاب نے چونک کر اپنی بہن کو دیکھا۔ پھر ناگواری سے کہا ''یہ تم کیا ہاتھ کی لکیروں کے پیچھے پڑ گئی ہو؟ میں نہ تو ان باتوں کو مانتا ہوں اور نہ ہی اپنا ہاتھ کسی کو دکھاؤں گا۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ ضرور واپس آئیں گی۔ ان

کے ساتھ کوئی مجبوری ہے اسی لیے فون بھی نہیں کر رہی ہیں۔"

اتنے میں اس کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے جیب سے اسے نکال کر دیکھا' نمبر پڑھا' بابر نے پوچھا "کس کا فون ہے؟"

"پتا نہیں' کوئی انجانا سا نمبر ہے۔" وہ فون کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو! میں فلک آفتاب بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے اپنی بیگم کی آواز سنتے ہی وہ خوشی سے اچھل پڑا پھر بولا "بیگم! تم کہاں ہو؟ ہم سب تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہو گئے ہیں۔"

سب ہی چونک کر آفتاب کے قریب آ گئے۔ دوسری طرف سے بیگم آفتاب کہہ رہی تھی "آپ میرے لیے پریشان نہ ہوں۔ میں خیریت سے ہوں۔ ایک پی سی او سے بول رہی ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد گھر پہنچ جاؤں گی۔"

"لیکن تم یہاں سے کیوں چلی گئیں؟"

"اب میں کیا بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ بہت لمبی کہانی ہے۔ فون پر نہیں بتا سکتی۔ آپ گھر چلے آئیں۔"

"ہم ابھی آ رہے ہیں۔"

اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا "بابر! چلو' گھر چلیں ...... تمہاری ممی وہیں پہنچنے والی ہیں۔"

وہ سب پارکنگ ایریا کی طرف جانے لگے۔ بابر نے پوچھا "ڈیڈی! انہوں نے کچھ بتایا کہ وہ یہاں سے کیسے چلی گئیں؟"

"کچھ نہیں بتایا۔ گھر جا کر ہی تفصیل معلوم ہوگی۔"

وہ سب پارکنگ ایریا میں آئے۔ آسرا میرے ساتھ تھی۔ فلک ناز نے بیٹی سے کہا "میں بھائی جان کی کار میں جا رہی ہوں۔ تم مقدر میاں کے ساتھ جاؤ۔"

وہ فلک آفتاب اور بابر کے ساتھ ان کی کار میں بیٹھ گئی اور اپنی بیٹی کو میرے ساتھ تنہا رہنے کے لیے چھوڑ دیا۔

میں نے اپنی کار اسٹارٹ کی اور اسے آگے بڑھاتے ہوئے کہا "بڑی امی پہلے ہی لندن جانے سے انکار کر رہی تھیں۔ عینی اور ذیشان بھائی نے مجبور کیا تو جانے کے لیے راضی ہو گئیں لیکن دیکھو' کتنی چالاکی سے یہاں آ کر کہیں گم ہونے کا ڈراما کیا ہے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی "ہاں۔ بڑی امی کی چالاکی اب سمجھ میں آ رہی ہے۔ انہیں مسز رانا سے مطلوبہ رقم نہیں ملی اس لیے وہ ایسی چالاکی دکھا رہی ہیں۔ توبہ ہے' یہاں اتنی دیر تک ہم سب پریشان ہوتے رہے۔"

وہ ذرا دیر کچھ سوچتی رہی پھر بولی "لیکن گھر واپس جا کر عینی اور ذیشان بھائی کو کیا جواب دیں گی؟ انہیں کیا کہیں گی' واپس کیوں آ گئی ہیں؟"

میں نے کہا "اب یہ تو گھر جا کر ہی معلوم ہوگا۔"

میں نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ کو سنبھالا۔ دوسرے ہاتھ سے موبائل نکال کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ اس نے پوچھا "کس کو فون کر رہے ہو؟"

"ہماری ممی دردانہ بیگم اور ان کے عاشق بامراد شہباز درانی نے مجھے اپنے ہاتھ دکھائے تھے۔ اب میں انہیں اپنا ہاتھ دکھا رہا ہوں۔"

"اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"وہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اس لیے میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ان کے ہاتھ کی لکیریں آگے کیا کہتی ہیں؟"

میں نے فون کو کان سے لگایا۔ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی شہباز درانی کی آواز سنائی دی "ہوں ...... تو تم بول رہے ہو؟"

"ہاں۔ میں ایک جگہ مصروف ہو گیا تھا اس لیے پوچھنا بھول گیا کہ میرے بتائے ہوئے دس منٹ کے بعد کیا ہوا؟ کیا تم نے کوئی بری خبر سنی؟"

وہ ذرا چپ رہا۔ غصے سے دانت پیستا رہا۔ پھر بڑے ہی سرد لہجے میں بولا "میں تمہیں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آخر تم کیا ہو؟ ویسے یہ کہہ دوں کہ میری زندگی میں ایک بہت ہی خطرناک جادوگر آیا تھا۔ وہ اپنی شعبدے بازی سے مجھے زیر کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے چٹکی بجا کر اسے خاک میں ملا دیا تھا۔"

میں مسکرا کر بولا "تمہاری کیا بات ہے درانی! سپر پاور کی دم سے لٹکے رہتے ہو۔ بڑے بڑوں کو خاک میں ملا دیتے ہو' اور جس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے' اس پر بندر کی طرح خوخیاتے رہتے ہو۔"

"آج تک میرے بارے میں کسی نے ایسی باتیں کرنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ میں آنکھیں ملانے والوں کی آنکھیں نکال لیتا ہوں۔ تم پہلے آدمی ہو جو میری پہنچ سے دور ہو لیکن زیادہ دیر تک دور نہیں رہ سکو گے' مجھے جلد ہی تمہاری اصلیت معلوم ہو جائے گی۔"

"چلو اچھی بات ہے۔ اس طرح تمہاری معلومات میں اضافہ ہوگا۔ اس سے پہلے میں تمہارے بارے میں ایک پیش گوئی اور کر دوں ...... اور وہ یہ کہ میری اور تمہاری موت کا ایک ہی دن اور ایک وقت مقرر ہے۔ ہم دونوں آگے پیچھے نہیں' ایک ساتھ ہی مریں گے۔"

آسرا نے پریشان ہو کر مجھے دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں نے مسکرا کر آنکھ ماری تو وہ چپ ہو گئی۔ درانی بھی اس پیش گوئی سے پریشان ہو گیا تھا۔ پریشانی کی تو بات تھی۔ وہ مجھے مارنا چاہتا تھا۔ اب تک اسے یہ معلوم نہ تھا کہ ہم دونوں ایک ہی وقت ایک ساتھ مریں گے۔

میں نے اس وقت وضاحت سے اسے یہ نہیں بتایا کہ میں وہ ہوں جو تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں اور تمہارے ساتھ مرتا ہوں۔ میری تمام پچھلی پیش گوئیوں نے اسے دہلا دیا تھا۔ اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ میں جو کہہ دیتا ہوں وہ بات پتھر کی لکیر بن جاتی ہے۔

وہ میری پیش گوئی پر بڑی توجہ سے غور کر رہا تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں آ رہی تھی کہ شاید میں نے اپنے بچاؤ کی خاطر جھوٹی پیش گوئی کی ہے تاکہ وہ مجھے قتل کروانے سے باز آ جائے۔ اس نے جھنجلا کر کہا۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو؟"

"ٹھیک ہے۔ مجھے جھوٹا سمجھ کر جو کرنا چاہتے ہو وہ کرو۔ میری پچھلی پیش گوئیوں کو بھول جاتے ہو اس لیے میں پھر اب پیش گوئی کر رہا ہوں۔ اور وہ یہ کہ تم ابھی تھوڑی دیر کے بعد پھر ایک بری خبر سننے والے ہو۔"

وہ آرام سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ ایک دم سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اب تو واقعی میری پیش گوئی اسے دہلا دیتی تھی۔ گرجتے ہوئے بولا "تم بکواس کرتے ہو۔"

"سانچ کو کیا آنچ۔ ابھی کچھ دیر کے بعد ہی معلوم ہو جائے گا۔ وش یو بیڈ لک۔"

یہ کہتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔ آسرا نے مسکرا کر کہا۔ "تم بہت زبردست ہو۔ تمہاری پیش گوئی کسی کی بھی نیندیں اڑا سکتی ہے۔ اس بے چارے کا سکون برباد ہو چکا ہوگا۔"

"تم اسے بے چارہ کہہ رہی ہو۔ وہ آج کے چند بڑوں میں سے ایک فرعون ہے۔ وہ ایسا ناقابلِ شکست ہے کہ صرف مقدر ہی اس کا ناک میں دم کر سکتا ہے۔"

"اس طرح سے دیکھا جائے تو ناقابلِ شکست وہ نہیں بلکہ تم ہو۔"

"ہاں ...... اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم دیا ہے کہ میں ہتھیار سے نہیں لڑتا۔ پیش گوئی کے حربوں سے دماغی جھٹکے پہنچاتا رہتا ہوں۔ میں اوپری حملہ نہیں کرتا بلکہ دشمنوں کو اندر سے ذہنی مریض بنا دیتا ہوں۔ اس کی بھی شامت آ گئی ہے۔ وہ آئندہ مینٹل اسپتال جائے گا یا مجھ سے منہ چھپا کر بھاگتا پھرے گا۔"

شہباز درانی کی یہی پریشانی تھی کہ اگر اس پر ہتھیاروں سے حملہ ہوتا تو وہ اس حملے کو روک سکتا تھا اور جوابی کارروائی بھی کر سکتا تھا۔ اگر ذہانت سے اسے نقصان پہنچایا جاتا تو وہ اس نقصان سے بھی بچ سکتا تھا لیکن پیش گوئی کے حملے کو روکنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ جو ہونے والا ہوتا ہے وہ تو ہو کر ہی رہتا ہے اور اب تو ایک نئی بات اس کے سامنے آئی تھی کہ میرے ساتھ وہ بھی مرے گا۔ زندگی میں ہم بہت دور دور ہیں۔ دریا کے دو کنارے ہیں لیکن موت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ جب بھی مریں گے' ایک ساتھ ہی مریں گے۔

میں کار ڈرائیو کرتا ہوا مضافاتی علاقے کی طرف جا رہا تھا۔ آسرا نے پوچھا "یہ تم گھر کے بجائے کہاں جا رہے ہو؟"

"ایک ضروری کام ہے۔ اسے نمٹا لوں' پھر ہم گھر کی طرف چلیں گے۔"

اس نے میرے بازو پر چٹکی بھر لی پھر پوچھا۔ "اے ...... ارادہ کیا ہے؟"

"نیک ارادہ ہے۔"

"اوں ...... اندھیری رات ہے۔ میں اکیلی لڑکی ہوں اور تم شہر کا راستہ چھوڑ کر ویرانے کی طرف جا رہے ہو اور نیک نیتی کا دعویٰ کر رہے ہو۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "میرے ساتھ جو لڑکی ہے' اسے کسی ویرانے میں لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے ساری دنیا والوں کے سامنے بازوؤں میں بھر کر پیار کر سکتا ہوں۔"

"اچھا جی! بڑی خوش فہمی ہے۔ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔ میری مرضی کے خلاف تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔"

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر کہا "لڑکیوں کی ایک نفسیات بتاؤں؟"

"اچھا ...... تو آپ ماہرِ نفسیات بھی ہیں؟"

"لڑکیوں کی یہ عادت ہے کہ جب وہ دیکھتی ہیں کہ انہیں کوئی چھیڑتا نہیں ہے تو وہ چیلنج کرتی ہیں کہ ہمیں تو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ اس طرح وہ درپردہ اس کی مردانگی کو للکارتی ہیں اور پھر وہ اپنی مردانگی کا بھرم رکھنے کے لیے حملہ کرتا ہے تو ایک طرف دل کی مراد پوری ہوتی ہے تو دوسری طرف دکھاوے کے لیے ہائے ہائے کرتی ہیں اور سارا الزام مرد پر دھر دیتی ہیں۔"

وہ چڑ کر بولی "اور مرد تو جیسے بڑا معصوم ہوتا ہے۔ تم نجومی ہی رہو' ماہرِ نفسیات نہ بنو۔"

میں نے کار کی ہیڈ لائٹس بجھا دیں۔ تاریکی میں ڈرائیو کرنے لگا۔ اس نے پوچھا ''لائٹس کیوں آف کر دیں؟''

''میں نے سنا ہے کہ اندھیرے میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے اس لیے یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم رہتی ہو یا ساتھ چھوڑ دیتی ہو۔''

''ارادہ کیا ہے؟ اصل بات کیوں نہیں بتاتے؟''

''یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک مکان ہے۔ میں وہاں جا رہا ہوں۔ کار کے دروازے اندر سے لاک رہیں گے۔ تم خاموشی سے بیٹھی رہو گی۔ میں ابھی واپس آ جاؤں گا۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''تم اس تاریکی اور ویرانے میں مجھے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہو؟''

''تمہیں میری پیش گوئی پر بھروسا ہے ناں؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں بولا ''تو پھر بھروسا کرو۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔''

اتنے میں میری مطلوبہ جگہ آ گئی تھی۔ میں نے کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے کہا ''کوئی مرد آئے تو اسے چیلنج نہ کرنا' میں شریف آدمی ہوں اس لیے بغیر ہاتھ لگائے جا رہا ہوں۔''

یہ کہتے ہی میں نے دروازہ بند کیا اور اسے لاک کر کے اس مکان کی طرف چل دیا۔ وہاں ثمینہ چوہدری کی لاش پڑی ہوئی تھی جو ارشد کمال اور اس کے ساتھیوں کے لیے ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ اسے ٹھکانے لگانا بھی ضروری تھا۔

میں دبے قدموں چلتا ہوا وہاں پہنچا۔ وہ مکان ارشد کے نام پر تھا۔ اگر وہاں ثمینہ کی لاش ملتی تو پولیس اسے گرفتار کر لیتی۔ وہ گڑھا کھودنے کے بعد لاش کو اٹھا کر وہاں سے لے گئے اور گڑھے میں پھینک کر اس پر مٹی ڈال رہے تھے۔

میں دوسرے دروازے سے مکان کے اندر آیا تو وہاں وہ اٹیچی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں وہ ویڈیو اور آڈیو کیسٹ رکھے ہوئے تھے جن میں بیگم آفتاب کو قیمتی ہیروں کی خاطر ثمینہ چوہدری کو قتل کرنے کا منظر اور آوازیں موجود تھیں۔

میں نے ان دونوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ وہاں اہم تحریری دستاویزات بھی تھیں۔ جو ایک بہت بڑے سیاسی رہنما جان محمد گبول سے تعلق رکھتی تھیں۔ میں نے ان تمام کاغذات کو فولڈ کر کے لباس کے اندر رکھا اور وہاں سے چلا آیا۔

مقدر کسی سے کچھ لے جاتا ہے تو کسی کے پاس کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ میں وہ دستاویزات اس لیے لے آیا تھا کہ شہباز درانی کو ایک سیاسی معاملے میں ناکام ہونا تھا۔ ویڈیو اور آڈیو کیسٹ کو اس لیے چھوڑ آیا تھا کہ آگے چل' آفتاب کو دردانہ کے زیر اثر رہنا تھا۔ مقدر کی ا' ہیرا پھیری سے کسی کی تقدیر بنتی ہے اور کسی کی بگڑ جاتی ہے

یہ بیگم آفتاب کی بہ ظاہر خوش قسمتی تھی کہ دو کروڑ' کے ہیرے اس کے ہاتھ آ گئے تھے۔ یہ رقم فلک آفتاب' بابر کے ڈوبتے ہوئے کاروبار کو نئی زندگی دے سکتی تھی ساتھ ہی یہ بدقسمتی تھی کہ وہ سب دردانہ کے شکنجے میں' والے تھے۔

بیگم آفتاب کی بازیابی کی خبر سنتے ہی ذیشان گھر' تھا۔ ڈرائنگ روم میں گھر کے تمام افراد جمع تھے۔ ذیشان' پوچھا ''آپ ائرپورٹ سے اچانک کہاں چلی گئی تھیں؟''

''میں خود کہیں نہیں گئی تھی۔ مجھے جبراً لے جایا گیا ٹوائلٹ کے اندر ایک برقع پوش عورت نے گن پوائنٹ' برقع مجھے پہنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب میں ٹوائلٹ باہر آئی تو بابر نے مجھے دیکھ کر بھی نہیں پہچانا اور نہ کسی اور مجھے دیکھا۔ اور وہ عورت مجھے گن پوائنٹ پر ایک کار تک گئی۔''

''وہ آپ کو وہاں کیوں لے گئے تھے؟''

''میں نے کہا تو ہے کہ اس نے ایک اٹیچی میرے ہا' میں تھما دی تھی۔''

''ممی! آپ نے یہ بات تو نہیں بتائی تھی۔ پوری تف' بتائیں۔ آپ نے یہ تو دیکھا ہوگا کہ اس اٹیچی میں کیا تھا؟''

ماں نے اپنے پولیس افسر بیٹے کو دیکھا۔ ایک لمحے کو' پھر جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔ ''میں کیا جانوں' اس میں' تھا؟ انہوں نے مجھے اٹیچی کھول کر نہیں دکھایا تھا۔ شاید اس' میں کوئی ایسی چیز ہوگی جسے وہ چھپا کر لے جا رہے تھے پولیس کی نظروں سے بچنے کے لیے انہوں نے مجھے استع' کیا۔''

ذیشان نے پوچھا ''وہ آپ کو کہاں لے گئے تھے؟''

اس نے پھر بیٹے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔' نے پوچھا ''یہ آپ جواب دینے سے پہلے رک کیوں' ہیں؟ کیا سوچتی ہیں' کیا آپ کی یادداشت کمزور ہو' ہے؟''

وہ اس مکان کے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتی جہاں قتل کی واردات ہو چکی تھی اور اسے بھی اس قتل میں ملو' کیا گیا تھا۔

وہ بولی ''یادداشت تو کمزور نہیں ہوئی ہے۔ میں س' رہی ہوں کہ وہ کون سا علاقہ تھا جہاں انہوں نے مجھے کار۔

'ا تھا۔''

''کیا آپ نے انہیں بتایا تھا کہ آپ ایک پولیس افسر کی' ہیں؟''

''ہاں...... بڑے فخر سے بتایا تھا۔ تب ہی تو وہ خوف زدہ' ے تھے۔ انہوں نے فوراً گاڑی روک کر مجھے رہا کر دیا' ''

اس نے ماں کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا' ں ممی! آپ کی یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی ہے کہ ان' ں کو معلوم ہوا کہ آپ میری والدہ ہیں اور انہوں نے آپ' وں زندہ سلامت چھوڑ دیا۔ کیا وہ احمق تھے؟ انہوں نے یہ' ں سوچا ہوگا کہ آپ گھر پہنچ کر ان کی نشاندہی کریں گی تو' ان کے لیے مصیبت بن جاؤں گا؟''

وہ جھوٹ بول کر ذرا گڑبڑا گئی تھی لیکن اسے جھوٹ' لنے کی عادت تھی۔ اس لیے فوراً ہی بات بنائی۔ ''شاید انہیں' ' بات کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ میں نشاندہی کر سکوں گی۔' نکہ انہوں نے ایسے ماسک پہن رکھے تھے جو اکثر بچے پہن' گھومتے رہتے ہیں۔''

ذیشان نے پریشان ہو کر سوچا پھر کہا ''اس عورت نے' اسک نہیں پہن رکھا تھا جو آپ کو گن پوائنٹ پر کار تک لے گئی' ا۔''

وہ پھر ذرا گھبرائی لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر بولی' میں اس کا حلیہ کیا بتاؤں؟ آنکھیں تو دکھائی نہیں دے رہی' یں۔ سیاہ چشمہ پہنے ہوئے تھی۔ ناک ایسی تھی جیسے طوطے کی' چ ہوتی ہے۔ دانت اتنے بڑے تھے کہ دونوں ہونٹ بند' ہیں ہوتے تھے۔ کھلے رہتے تھے' چہرے کی رنگت سیاہی مائل' کی۔''

ذیشان اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا' پھر بولا' 'میں نے ایسی بدنما عورت اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔ یہ' پ کن لوگوں کے درمیان پھنس گئی تھیں؟''

''وہ بہت چالاک تھے۔ اپنے چہرے کسی نہ کسی طریقے' ے چھپائے ہوئے تھے۔ انہیں میری طرف سے کوئی خطرہ' نہیں تھا اسی لیے تو مجھے رہا کر دیا۔''

پھر وہ اپنی پیشانی پر ایک ہاتھ رکھتے ہوئے بولی ''میں' بہت تھک گئی ہوں۔ اب ذرا آرام کروں گی۔''

وہ وہاں سے جانے کے لیے اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ فلک' آفتاب بھی اٹھ کر جانے لگا۔ ذیشان نے کہا ''ممی! یہ اچھا' نہیں ہوا۔''

وہ پلٹ کر بولی ''کیا اچھا نہیں ہوا؟''

''یہی کہ آپ نمرہ کے ساتھ نہ جا سکیں۔ وہ تنہا اپنی ہونے والی ساس کے ساتھ گئی ہے۔''

''میں نے تو ان دو بدمعاشوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ مجھے اغوا کر کے لے جائیں اور میری بیٹی سے جدا کر دیں۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ مجبور ہو گئی تھیں لیکن اب آپ کسی دوسری فلائٹ سے جا سکتی ہیں۔''

وہ انکار کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولی ''مجھے معاف کرو بیٹا! میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا ہے۔ میں اب تک اندر سے سہمی ہوئی ہوں۔ سفر کے قابل نہیں ہوں۔ تمہیں بہن کی اتنی فکر ہے تو خود ہی چلے جاؤ۔''

وہ ٹکا سا جواب دے کر اپنے میاں کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔ فلک ناز اور بابر بھی وہاں سے اٹھ کر جانے لگے۔ ذیشان سوچتی ہوئی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسما بولی ''آپ کی ممی جا چکی ہیں۔ اب وہاں کیا دیکھ رہے ہیں؟''

اس نے چونک کر اسما کو دیکھا پھر کہا ''ممی نے مجھے پیدا کیا ہے' ساری زندگی وہ مجھے نادان بچہ سمجھتی رہیں گی۔ انہوں نے اس عورت کا جو حلیہ بتایا ہے' ایسی عجوبہ ہستی کو تلاش کرنا مشکل نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس کا کوئی وجود ہو۔''

''یعنی آپ کو یقین نہیں ہے کہ ممی نے درست حلیہ بتایا ہے؟''

وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا ''یہ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔ کیا تمہاری عقل یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ ائرپورٹ جیسے بھرے پرے مقام میں کوئی چہرے پر ماسک پہن کر آئے اور وہ بھی ایک نہیں' تین تین افراد' جو بچوں والا ماسک پہنے ہوئے تھے۔ ائرپورٹ ایسی جگہ ہے جہاں پولیس اور جاسوس چوکنے رہتے ہیں۔ کیا انہوں نے ایسے ماسک والوں کو نہیں دیکھا ہوگا؟''

''آپ کی ممی ان کے بارے میں اٹک اٹک کر یوں بول رہی تھیں جیسے بہانے بنانے والے بولتے ہیں۔''

''مجھے تو یوں لگتا ہے کہ وہ اپنی مطلوبہ رقم نہ ملنے پر نمرہ کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھیں۔ اس لیے وہ اس طرح اغوا کیے جانے کی کہانی گھڑ رہی ہیں۔''

''آپ کی ممی بھی خوب تماشے کرتی ہیں۔ آخر انہوں نے نمرہ کے ساتھ نہ جانے کی ضد پوری کر ہی لی۔''

حقیقت کچھ اور تھی۔ اور وہ کچھ اور سمجھ رہے تھے۔ ذیشان بہت ہی ذہین پولیس افسر تھا۔ مجرموں کو ان کی آنکھوں سے چہرے سے اور ان کی باتوں سے پہچان لیا کرتا تھا لیکن وہ ایک بیٹا بھی تھا شاید اس لیے ماں کو نہ پہچان سکا۔

☆☆☆

شہباز درانی بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ دردانہ ایک صوفے پر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اور مجھے گالیاں دے رہی تھی۔ کیونکہ وہ میری وجہ سے ہی پریشان تھا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا پھر بولا ''اب تو مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ وہ زبردست کالا جادو جاننے والا ایک شیطان ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک آدمی جو بولے وہی ہو جائے۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے شہباز؟'' تم ایک پریکٹیکل آدمی ہو' پہلے تو کبھی روحانی اور شیطانی عمل کو نہیں مانتے تھے۔''

''میں اب بھی ان چیزوں کو نہیں مانتا ہوں لیکن کچھ پراسرار علوم ایسے ہوتے ہیں جو عارضی طور پر بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس کم بخت نے کہا ہے کہ ابھی تھوڑی دیر بعد مجھے کوئی بری خبر ملے گی۔ یا میں کوئی بڑا نقصان اٹھاؤں گا۔ پتا نہیں کیا ہونے والا ہے؟''

ایک ملازم نے آ کر کہا ''سر! ارشد کمال آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

وہ بولا ''اسے آنے دو۔''

ملازم باہر چلا گیا۔ دردانہ نے کہا ''اس نے بیگم آفتاب کی آڈیو اور ویڈیو کیسٹس تیار کی ہیں۔ وہی دینے آیا ہوگا۔''

''ہاں۔ کچھ بہت اہم کاغذات بھی لایا ہوگا۔''

اتنے میں ارشد کمال دروازہ کھول کر اندر آیا اور اس نے شہباز کو فوجی انداز میں سیلیوٹ کیا۔ اس نے پوچھا ''تم نے آنے میں اتنی دیر کیوں کر دی؟''

''سر! ثمینہ چوہدری کی لاش کو ٹھکانے لگانے میں ذرا دیر ہو گئی۔''

اس نے سینٹر ٹیبل کے پاس آ کر اس پر اٹیچی رکھا پھر اسے کھولتے ہوئے کہا ''آپ نے جو حکم دیا تھا۔ اس کی تعمیل ہوئی ہے۔ میں نے ذیشان کی ماں کے خلاف ویڈیو فلم تیار کی ہے اور اس کی آڈیو کیسٹ بھی ہے۔''

اس نے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ نکال کر شہباز کی طرف بڑھا دیں' وہ بولا ''ابھی میڈم کو دو۔''

دردانہ نے خوش ہو کر وہ دونوں کیسٹس لے لیے پھر کہا۔ ''میں ابھی جا کر دیکھوں گی۔''

شہباز نے کہا ''میں بھی دیکھوں گا۔ پہلے یہ کاغذات لے لوں۔''

ارشد کمال اٹیچی میں سامان کے اندر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ پریشان لگ رہا تھا۔ شہباز نے پوچھا ''کیا بات ہے؟''

''سر! میں نے اس میں کاغذات بھی رکھے تھے۔ وہ کہیں نظر نہیں آ رہے۔''

وہ اچھل کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا ''کیا؟ جب اٹیچی میں رکھے گئے تھے تو پھر کہاں جا سکتے ہیں؟''

''یہی بات تو سمجھ میں نہیں آ رہی۔ وہ اٹیچی کے ا[...] تھے۔ میں نے خود اپنے ہاتھ سے رکھے تھے۔ میں نے اسے چھونے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ میں [...] کاغذات اس میں رکھنے کے بعد اسے کھولا بھی نہیں [...] کہاں گئے وہ؟''

شہباز درانی نے اچانک ایک الٹا ہاتھ اسے رسید [...] وہ لڑکھڑا گیا پھر شہباز نے ریوالور نکال کر کہا۔ ''خبردار [...] دوسری بات نہ کرنا۔ وہ کاغذات کہیں سے بھی نکال کر [...] سامنے رکھ ورنہ یہاں سے تیری لاش جائے گی۔''

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا ''سر! مجھے تھوڑی سی [...] دیں۔ ذرا سوچنے سمجھنے دیں کہ آخر وہ یہاں سے کہاں [...]

ٹھائیں سے گولی چلی اور اس کے ایک گھٹنے کو [...] توڑتی ہوئی گزر گئی۔ ''کتے! مجھ سے مہلت مانگتا ہے؟ [...] گیا تھا کہ وہ کاغذات کتنے اہم ہیں۔ ابھی تو' تو اس قا[...] کہ لنگڑا کر واپس جا سکتا ہے۔ جو سچ ہے اسے فوراً اگل [...] کیا جان محمد گبول نے تجھے خرید لیا ہے؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا ''نہیں نہیں سر! میں مر سکتا [...] لیکن بک نہیں سکتا۔ آپ سے کبھی غداری نہیں کر سکتا۔''

''ثمینہ چوہدری بھی یہی دعوے کرتی تھی۔ وہ [...] وفادار تھی۔ دو برس تک جان محمد کی داشتہ بن کر رہی اور [...] ٹریپ کرتی رہی۔ پھر اس کی زندگی کے اہم راز چرا [...] آئی۔ بس اس سے ایک غلطی ہوئی کہ وہ لالچ میں آ گئی [...] وہ ہیرے چرا کر نہ لاتی تو پولیس اس کے پیچھے نہ پڑتی۔ [...] شک میری وفادار تھی لیکن اپنی غلطی کی وجہ سے ماری گئی۔ [...] میرا وفادار ہے لیکن میں اتنی بڑی غلطی معاف نہیں کرد[...] بول..... بتا! کہاں ہیں وہ کاغذات؟''

وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا لیکن پھر بھی بولا ''میرے [...] دو ماتحت تھے' وہ باہر کھڑے ہیں۔ ان سے بھی پوچھ[...] میں۔ شاید وہ کچھ بتا سکیں۔''

شہباز نے کہا ''جاؤ..... ان سے پوچھو.....''

اس کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ فرش پر [...] تھا۔ ایک پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں تھا۔ [...] گھسٹتا ہوا باہر جانے لگا۔ کوٹھی کے احاطے میں اس [...] ساتھی ایک جگہ کھڑے ایک مسلح گارڈ سے باتیں کر رہے [...] انہوں نے حیرانی سے اسے فرش پر گھسٹتے ہوئے ہا[...]

[...] فوراً ہی اس کی طرف بڑھے لیکن گارڈ نے کہا ''رک [...] آگے جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

[...] تکلیف کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ ان کی طرف ایک [...] کر بولا۔ ''میں نے اٹیچی میں وہ کاغذات رکھے تھے [...] اب وہ وہاں نہیں ہیں۔ تم میں سے کسی نے وہ کاغذات [...] ں؟''

ایک نے کہا ''میں نے تو نہیں لیے' کیا وہ کاغذات اٹیچی [...] ں ہیں؟''

وہ تکلیف سے کراہ کر بولا ''نہیں ہیں..... اگر وہ [...] ات نہ ملے تو میں بے موت مارا جاؤں گا۔ میری حالت [...] وہ کاغذات کہیں سے بھی لاؤ' مجھے سزائے موت سے [...]''

اس کے دوسرے ساتھی نے کہا ''وہ کاغذات ہمارے [...] نہیں ہیں۔ ہم نے تو اس اٹیچی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔''

اس نے پھر کراہتے ہوئے کہا ''تو پھر وہ کاغذات بند [...] اور بند کمرے سے کہاں چلے گئے؟''

ایک نے کہا ''اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ اس اٹیچی کو تو تم [...] ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتے تھے۔''

شہباز درانی کوٹھی کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا تھا۔ اس [...] موبائل فون کا بزر سن کر اسے آن کرتے ہوئے کان سے [...] ''میں نے کہا'' ہیلو..... کیا میری پیش گوئی پوری ہو گئی؟''

وہ غصے سے گرج کر بولا ''تو تم نے وہ کاغذات چرائے [...] ہیں؟''

میں نے انجان بن کر پوچھا ''تم کن کاغذات کی بات کر رہے ہو؟''

''انجان نہ بنو۔ تم نے ابھی پیش گوئی کی تھی کہ مجھے بری [...] ملنے والی ہے، مجھے کوئی بڑا نقصان پہنچنے والا ہے۔ اور تم نے [...] نقصان پہنچایا ہے۔''

''یوں گرجنے اور برسنے سے تمہارے کاغذات کبھی [...] نہیں واپس نہیں ملیں گے کیونکہ وہ تمہارے کسی آدمی کے [...] پاس نہیں ہیں۔ بلکہ وہ کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہیں۔''

''تم جانتے ہو..... سب جانتے ہو' میں تم سے نمٹ لوں گا'' وہ غصے سے چیخا اور فون بند کر دیا پھر وہ ارشد کمال کی طرف پلٹا اور بولا ''کم بخت! وہ بتا چکا ہے کہ وہ کاغذات میرے کسی آدمی کے پاس نہیں ہیں۔ اور یہ سب تمہاری غفلت اور بے پروائی سے ہوا ہے۔''

یہ کہتے ہی اس نے اسے گولی مار دی۔ اس کے دونوں ساتھی خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ اور سمجھے کہ اب ان کی باری ہے لیکن شہباز نے کہا ''اس کی لاش ٹھکانے لگا دو۔ اگر پولیس کی نظر میں آ گئے تو تم دونوں کا بھی یہی انجام ہوگا۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے کوٹھی کے اندر آ گیا۔ دردانہ وہاں صوفے کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے پوچھا ''کیا ہوا..... کاغذات ملے؟''

''نہیں..... میں نے کاغذات کھونے پر اس کتے کو جہنم میں پہنچا دیا ہے۔''

دردانہ نے پریشانی سے اسے دیکھا پھر قریب آ کر بولی۔ ''میری ایک بات مانو..... آئندہ مقدر حیات کا فون اٹینڈ نہ کرو۔ وہ جب بھی فون کرتا ہے' کسی نئے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔''

وہ بے چینی سے ٹہلتے ہوئے بولا ''دشمن سے کترانا گویا اس سے خوف زدہ ہونا ہے۔ اور میں اسے ایسا کوئی تاثر دینا نہیں چاہتا۔''

پھر وہ اس کے قریب آ کر بولا ''پہلے میں نے بھی سوچا تھا کہ اس کا فون اٹینڈ نہیں کرنا چاہیے پھر یہ خیال آیا کہ وہ بے شک ٹینشن میں تو مبتلا کرتا ہے لیکن ساتھ ہی آنے والی مصیبت سے آگاہ بھی کر دیتا ہے۔''

وہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا' پھر بولا ''اس نے پہلی بار اسد عزیزی کے بارے میں کہا تھا کہ دس منٹ کے بعد اس کے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''میں یہ نہ سمجھ سکا کہ اسد کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ فوری طور پر یہی خیال آیا کہ شاید مقدر خود اس پر حملہ کر کے اسے زخمی کرنے والا ہے۔''

وہ بولی ''تم نے اپنے طور پر کوشش کی کہ اسد عزیزی محفوظ رہے لیکن بعد میں پتا چلا کہ مقدر حیات نے براہِ راست کچھ نہیں کیا اور اسد حادثے سے دوچار ہو گیا۔''

''اس نے دوسری بار آدھے گھنٹے پہلے جو پیش گوئی کی تھی' اس کے مطابق اس نے مجھے ایک بہت بڑے سیاسی معاملے میں نقصان پہنچایا ہے۔ اگر وہ کاغذات نہ ملے تو میں جان محمد گبول کو کبھی بلیک میل نہیں کر سکوں گا اور نہ ہی اسے اپنے زیر اثر لا کر اپنی مرضی کے مطابق سیاسی کھیل کھیل سکوں گا۔''

وہ دردانہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا ''میں نے مقدر کے خلاف جو ٹھوس پلاننگ کی ہے' اس سلسلے میں مجھے چند متعلقہ افراد سے رابطہ کرنا پڑے گا۔ اس لیے میں اپنے پرائیوٹ چیمبر میں جا رہا ہوں' تم مائنڈ تو نہیں کرو گی؟''

وہ مسکرا کر بولی ''ہرگز نہیں۔ تم اپنا کام کرو' میں بھی بیڈ روم میں جا کر بیگم آفتاب کی یہ ویڈیو فلم دیکھوں گی۔''

یوں یہ دونوں ایک چھت کے نیچے عارضی طور پر بچھڑ گئے۔ وہ پرائیویٹ چیمبر کی طرف چلا گیا اور وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اپنے بیڈ روم میں تھے۔ انہوں نے کھڑکی اور دروازے اندر سے بند کر دیے تھے۔ پردے برابر کر دیے تھے تاکہ پچھلی بار کی طرح اسما کہیں چھپ کر ان کی باتیں نہ سن سکے۔

وہ دونوں بیڈ پر ایک دوسرے سے لگ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ بیگم آفتاب ہلکی آواز میں اپنے اغوا کی تفصیل بتا رہی تھی۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ بیگم نے اغوا ہونے کا فائدہ اٹھایا ہے اور دو کروڑ کے ہیرے ساتھ لائی ہے تو وہ خوشی سے اچھل پڑا ''بیگم! تم نے تو کمال ہی کر دیا۔ مجھے یقین نہیں ہو رہا۔ کہاں ہیں وہ ہیرے؟''

بیگم نے اٹھ کر الماری کی طرف جاتے ہوئے کہا ''میں نے یہاں آتے ہی انہیں اپنے سیف میں چھپا دیا ہے۔ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کوئی انہیں ہم سے چھین کر نہ لے جائے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ یہ بات اس کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔''

بیگم نے سیف سے وہ تھیلی نکالی اور اسے لا کر بیڈ کی چادر پر الٹ دیا۔ بے شمار چھوٹے چھوٹے ہیرے نکل کر بیڈ پر پھیل گئے۔ ان کی روشنی سے دونوں کی آنکھیں چکاچوند ہو رہی تھیں اور وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔

آفتاب کبھی ہیروں کو اور کبھی اپنی بیگم کو دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی شریکِ حیات نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اگرچہ اس کارنامے کے پیچھے یہ پریشانی بھی تھی کہ اس کی شریک حیات کی ویڈیو فلم تیار کر لی گئی ہے اور وہ مجرم کسی وقت بھی انہیں بلیک میل کر سکتے تھے لیکن اس وقت تو وہ ہیروں کی چکاچوند کے آگے دوسری تمام باتیں بھول رہے تھے۔

بیگم نے اپنے میاں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا ''ہم کوشش کے باوجود مسز رانا سے رقم حاصل نہیں کر سکے لیکن اب لگتا ہے' مقدر ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔ میں یہ دو کروڑ ہارنا نہیں چاہتی۔ میرا بیٹا کاروبار کے سلسلے میں بہت پریشان رہتا ہے پھر آخر ہم کب تک عینی کے ٹکڑوں پر پڑے رہیں گے۔ ہمیں اپنے کاروبار کو چمکانا ہے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ ہم اس دو کروڑ کے دس کروڑ بنائیں گے اور ہم باپ بیٹا مل کر اس کاروبار کو وسعت دیں گے۔''

''پہلے بیٹے کو اس معاملے میں رازدار تو بنائیں۔''

''میں ابھی اس کو فون کر کے بلاتا ہوں۔''

''آپ گھر کا فون استعمال نہ کریں۔ اس کا کنکشن سارے کمروں سے ہے۔ کہیں کوئی سن نہ لے۔''

''تو میں جا کر اسے بلا لاتا ہوں۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تو بیگم نے جلدی جلدی ان ہیروں کو تھیلی میں لے کر تھیلی کو مسہری کے میٹرس کے نیچے چھپا دیا۔ دروازہ کھول کر باہر نکلا اور کوریڈور سے گزر کر ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ اس وقت رات کے دس بجے تھے۔ فلک ناز اپنے بیٹے عدنان کے ساتھ ڈائننگ روم کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے پوچھا ''بھائی جان! آپ کھانا نہیں کھائیں گے؟''

''نہیں۔ مجھے ابھی بھوک نہیں لگ رہی ہے۔''

''کیا بھابی جان بھی نہیں کھائیں گی؟''

''ان کے سر میں درد ہے۔ وہ آنکھیں بند کیے پڑی ہیں۔''

بابر کھانے کے لیے ڈائننگ روم کی طرف جا رہا تھا۔ آفتاب نے کہا ''بیٹے! ذرا میرے کمرے میں آؤ' تم سے باتیں کرنی ہیں۔''

وہ پلٹ کر باپ کی طرف آنے لگا۔ اسما زینے سے اتر رہی تھی۔ فلک آفتاب نے ایک نظر اسما پر ڈالی پھر فلک کو دیکھ کر سوچا ''یہ دونوں کم بخت پکی جاسوسہ ہیں۔ اگر بابر کو ابھی اپنے کمرے میں لے گیا تو ان کے دل میں کھد بد ہونے لگے گی اور یہ چھپ کر کچھ سننے کی کوشش کریں گی۔''

بابر بولا ''ڈیڈ! کیا بات ہے؟''

''وہ کچھ کاروبار کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔''

وہ بیٹے کا بازو تھام کر باہر کی طرف جانے لگا' وہ جانتا تھا کہ اپنے کمرے کی طرف گیا تو اسما اور فلک ناز کی نظریں اسی طرف لگی رہیں گی اور وہ کسی نہ کسی طرح ان کے کمرے میں ہونے والی باتوں کو سننے کی کوشش کریں گی۔

وہ دونوں باپ بیٹا ڈرائنگ روم سے باہر چلے گئے۔ اسما اور فلک ناز نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ فلک ناز نے کہا ''کوئی بات ہے ضرور۔''

اسما بولی ''جی ہاں...... کاروباری باتیں کرنے باہر گئے ہیں۔ اب اتنی بڑی کوٹھی ان کے لیے چھوٹی پڑ گئی ہے۔''

''بھائی جان چالاک بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہیں چالاکی آتی نہیں ہے۔ اپنی باتوں اور حرکتوں سے تجسس میں مبتلا کر دیتے ہیں۔''

''پھوپی جان! آپ کا کیا خیال ہے۔ ان کے درمیان کھچڑی پک رہی ہوگی؟''

''مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ بھابی جان اور مسز رانا کے درمیان پھر بڑی رازداری سے کوئی سمجھوتا ہوا ہے۔''

''کچھ لیے دیے بغیر مسز رانا کی مراد پوری ہو رہی تھی۔ وہ نمرہ کو اپنے ساتھ لے جا رہی تھیں پھر بھلا وہ مزید سمجھوتا کیوں کریں گی؟''

ناز نے کہا ''میری عقل تو کہتی ہے کہ مسز رانا نمرہ کو تنہا ہی یہاں سے لے جانا چاہتی تھیں اور بھابی جان کو کباب میں ہڈی سمجھ رہی تھیں۔ اس لیے در پردہ لین دین کی بات کی ہوگی پھر ان کا مطالبہ بھی پورا کر دیا ہوگا۔''

اسما بولی ''آپ کی باتیں دل کو لگ رہی ہیں۔ سچ پوچھیں تو مجھے اور ذیشان کو ان کے اغوا والی کہانی کا بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔''

''میں تو وہیں ائرپورٹ پر تھی۔ جب بھابی جان ٹوائلٹ کی طرف گئی تھیں تو میرے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ وہ چالاکی دکھانے والی ہیں۔ وہ سب کے سامنے ٹوائلٹ کے اندر گئیں۔ پھر پتا نہیں کب باہر نکل کر کہیں غائب ہو گئیں؟ ہم سب انہیں گھنٹوں تلاش کرتے رہے اور پریشان ہوتے رہے۔''

وہ دونوں سوچتی ہوئی نظروں سے ڈرائنگ روم کے اس بیرونی دروازے کی طرف دیکھنے لگیں جہاں سے وہ دونوں باپ بیٹے باہر گئے تھے۔ اور اب تک واپس نہیں آئے تھے۔

عدنان نے کہا ''اماں...... مما! ڈائننگ روم میں چلیں' مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

وہ اسما سے بولی ''بھابی جان عینی اور ذیشان کے مجبور کرنے پر لندن جا رہی تھیں لیکن ائرپورٹ جاتے ہی کیسے پالیسی بدل دی۔ کیسی چالاکی دکھائی ہے؟ اب عینی اور ذیشان ان کے واپس آنے پر اعتراض بھی نہیں کر رہے اور نہ کریں گے۔ انہیں کبھی اندر کی بات معلوم نہیں ہوگی۔''

یہ کہہ کر فلک ناز اپنے بیٹے کے ساتھ ڈائننگ روم کی طرف چلی گئی۔ اسما نے سر گھما کر بیرونی دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر وہ بھی کچن کی طرف چلی گئی۔ وہ باپ بیٹے باہر لان میں کھڑے ہوئے تھے۔ وہاں نیم تاریکی تھی۔ وہ بہت ہی دھیمی آواز میں بول رہے تھے۔

بابر نے کہا ''اس میں شبہ نہیں کہ مقدر ہم پر مہربان ہے مگر کچھ گڑبڑ کا اندیشہ بھی ہے۔ یہ ہیرے ممی کے گلے کا پھندا بھی بن سکتے ہیں۔''

''ہاں بیٹے! یہی ایک فکر اور پریشانی ہے۔ ان مجرموں نے تمہاری ماں کو مجبور کر دیا تھا اور ان کی رہائی کے لیے یہی شرط رکھی تھی کہ وہ کسی ثمینہ چوہدری پر گولی چلاتے ہوئے ان کی ویڈیو فلم تیار کریں۔ اس کے بعد انہیں نہ صرف رہا کر دیا بلکہ انہیں وہ ہیرے بھی دے دیے جن کی مالیت دو کروڑ کے قریب ہے۔''

''یہی بات تو سمجھ نہیں آتی ڈیڈی! کہ انہوں نے اتنے قیمتی ہیرے ممی کے حوالے کیوں کیے؟ آپ نے ہیروں کو اچھی طرح دیکھا ہے' وہ نقلی تو نہیں ہیں؟''

''بیٹے! مجھے ہیرے جواہرات کی پرکھ ہے۔ میں دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ بہت قیمتی ہیں۔ ہو سکتا ہے ہمیں دو کروڑ سے زیادہ مل جائیں۔''

''ڈیڈ! وہ مجرم تھے' حاتم طائی کی اولاد نہیں تھے۔ کوئی دس روپے کسی کو مفت میں نہیں دیتا اور انہوں نے ممی کو اتنے قیمتی ہیرے دے دیے۔ کیا یہ بات آپ کے حلق سے اتر رہی ہے؟''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ وہ ہیرے یا تو نقلی ہیں یا کوئی ہم سے دشمنی کر رہا ہے۔ ممی کو قتل کے بہت بڑے الزام میں پھانس رہا ہے اور اتنے قیمتی ہیروں کی چوری کا الزام بھی لگا رہا ہے۔''

پھر وہ ذرا سوچ کر بولا ''یہ بات پلے نہیں پڑ رہی ہے کہ وہ ممی کے خلاف آڈیو اور ویڈیو ثبوت حاصل کرنے کے بعد انہیں ہیروں سے محروم رکھتے۔ اتنی قیمتی چیز ان کے حوالے کیوں کی؟''

''یہ باتیں واقعی سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ تمہاری ممی اپنے خلاف یہ ثبوت فراہم کر چکی ہیں کہ انہوں نے اتنے قیمتی ہیرے چرائے ہیں اور ایک عورت کا قتل بھی کیا ہے لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو وہ انہیں گولی مار دیتے۔ انہوں نے یہ سب کچھ اپنی جان بچانے کے لیے کیا ہے۔ اب ہمیں پیش آنے والے حالات سے نمٹنا ہوگا۔''

بابر نے چونک کر کہا ''ڈیڈ! ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔ وہ ہیرے ممی کے حوالے اس لیے کیے گئے ہیں کہ یہاں اچانک پولیس چھاپا مارے اور وہ ہیرے برآمد ہوں۔ پکا ثبوت مل جائے کہ واقعی ممی نے ان ہیروں کی خاطر اس عورت کو قتل کیا ہے۔''

باپ نے پریشان ہو کر کہا ''واقعی۔ میں نے تو اس پہلو پر غور نہیں کیا۔ یہ ہیرے گھر میں رہے تو ہمارے لیے مصیبت بن سکتے ہیں۔''

وہ باپ کا ہاتھ پکڑ کر بولا ''فوراً ممی کے پاس چلیں۔ ان ہیروں کو یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کرنا ہوگا۔''

وہ دونوں وہاں سے چلتے ہوئے کوٹھی کے اندر آئے۔ ڈرائنگ روم میں نہ اسماتھی اور نہ ہی فلک ناز۔ وہ دونوں مطمئن ہو کر تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے کوریڈور میں پہنچے۔ وہاں بیگم آفتاب دروازہ کھولے انتظار کر رہی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی بولی ''اتنی دیر کہاں لگا دی؟''

وہ دونوں اندر آ گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر فلک آفتاب نے کہا ''میں بابر کو تمام حالات بتا رہا تھا۔ اب یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ انہوں نے اتنے قیمتی ہیرے تمہارے حوالے کیوں کیے۔''

وہ بولی ''کیوں کیے ہیں؟''

''وہ چاہتے ہیں کہ پولیس کسی بھی وقت یہاں چھاپا مار کر ہیرے برآمد کر لے اور تمہارے خلاف ٹھوس ثبوت مل جائیں کہ تم نے ان ہیروں کی خاطر ایک عورت کا قتل کیا ہے۔''

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولی ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا یہاں پولیس کا چھاپا پڑ سکتا ہے؟''

''کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ہمیں ابھی ان ہیروں کو یہاں سے لے کر کسی محفوظ جگہ پر چھپانا ہوگا۔''

''آپ کہاں لے جائیں گے؟ کہاں چھپائیں گے؟''

''ہاں...... یہ تو سوچنا ہوگا۔ ہم انہیں کسی ایسی ویسی جگہ تو چھپا نہیں سکتے۔ ایسی کوئی محفوظ جگہ ہو جہاں ہم تینوں کے سوا کوئی نہ پہنچ سکے۔''

وہ تینوں سوچنے لگے کہ انہیں کہاں چھپایا جائے؟ آخر یہ دو کروڑ کا خزانہ تھا۔ کسی پر بھی بھروسا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بابر اپنے آفس یا فیکٹری میں بھی نہیں چھپا سکتا تھا۔ پولیس والے وہاں جا کر بھی تلاشی لے سکتے تھے۔

اسی وقت موبائل کا بزر سنائی دیا۔ فلک آفتاب نے فون نکال کر نمبر پڑھا اور کہا ''یہ دردانہ کا نمبر ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''لعنت بھیجیں اس پر۔ فون آن نہ کریں۔ پتا نہیں وہ کیوں اتنی رات کو فون کر رہی ہے؟''

فلک آفتاب نے فون کا رابطہ کاٹ دیا پھر کہا ''یہ عورت بہت ہی ڈھیٹ ہے۔ پیچھے ہی پڑی رہتی ہے۔''

فون کا بزر پھر سنائی دیا وہ نمبر پڑھتے ہوئے بولا ''وہی دردانہ ہے۔ پتا نہیں بار بار فون کیوں کر رہی ہے؟ سنیں تو کیا کہتی ہے؟''

اس نے فون آن کر کے کان سے لگایا ''ہیلو۔ میں بول رہا ہوں' فلک آفتاب!''

''آفتاب بھائی! میں دردانہ بول رہی ہوں۔ ذرا [illegible] جان سے بات کرا دیں۔''

''ان سے کیا بات کرنا ہے؟ وہ سو رہی ہیں۔''

''آپ ان کے کان میں میری ایک بات کہہ دیں [illegible] ایسا لگے گا جیسے صور اسرافیل پھونکی گئی ہے۔ وہ فوراً ہی جاگ جائیں گی۔''

وہ ناگواری سے بولا ''تمہاری ان باتوں کا مطلب [illegible] ہے؟ تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''آپ ان سے صرف یہ کہہ دیں کہ اغوا کے بعد جو وہ لے کر آئی ہیں' اس کی ویڈیو فلم میں نے ہی تیار کر[illegible] ہے۔''

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولا ''کیا......؟''

وہ طنزیہ انداز میں بولی ''کیوں؟ گھبرا گئے [illegible] صاحب! اب تو ضرور آپ ان کو فون دیں گے۔''

وہ فون پر ہاتھ رکھ کر بیگم سے بولا ''دردانہ یہ جانتی [illegible] تمہاری ویڈیو فلم تیار کی گئی ہے۔ لو اس سے بات کرو۔''

بیگم نے فون لے کر کان سے لگا کر کہا ''ہیلو۔ میں [illegible] رہی ہوں۔''

''ہائے بھابی جان! آپ تو غیر بنتی رہتی ہیں۔ [illegible] محبت اور اپنائیت دیکھیں کہ میں نے کروڑوں کے ہیر[illegible] آپ کے حوالے کر دیے۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''جو آپ کے ساتھ ہو چکا ہے' وہی کہہ رہی ہوں۔ [illegible] آپ کچھ بھی کہیں' آپ کی وہ ویڈیو اور آڈیو کیسٹس مے[illegible] پاس ہیں۔''

اس نے پریشان ہو کر اپنے میاں اور بیٹے کو دیکھا۔ [illegible] سے وہ کہہ رہی تھی۔ ''اگر کل آپ مجھ سے ملاقات کریں تو [illegible] اس کیسٹ کی ایک کاپی آپ کے حوالے کر دوں گی۔ [illegible] دیکھ کر آپ کی آنکھوں کے سامنے چودہ طبق روشن ہو جا[illegible] گے۔''

اس نے پوچھا ''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ نے مجھے اغوا کروایا تھا؟''

''یہ نہ پوچھو۔ جو ہوا اسے مقدر کا کھیل سمجھو۔ جب [illegible] شوہر یعنی عینی کا باپ زندہ تھا تب آپ مجھے بڑی محبت [illegible] بھابی جان کہا کرتی تھیں۔ میں آپ سے پھر وہی پہلے [illegible] رشتہ قائم کرنا چاہتی ہوں۔ اگر میں آپ سے محبت اور ر[illegible] کی بھیک مانگتی تو آپ کبھی نہ دیتیں۔ لیکن اب جن زنجیر[illegible]

[illegible] جکڑ گئی ہیں' اس کے بعد تو آپ میرے ساتھ گہرے [illegible]ں میں جکڑ جائیں گی۔''

اس نے پریشان ہو کر پوچھا ''آپ کہنا کیا چاہ رہی [illegible]؟ کیا کرنا چاہتی ہیں؟''

''فکر نہ کریں۔ میں آپ کو کبھی نقصان نہیں پہنچاؤں [illegible]۔ فائدہ ہی پہنچاؤں گی' جس کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے وہ [illegible] آپ کے حوالے کر دیے ہیں اور میں انہیں واپس نہیں [illegible] گی۔''

''ایک طرف تو یہ مہربانی کر رہی ہیں اور دوسری طرف [illegible] قتل کے الزام میں پھنسانا چاہتی ہیں؟''

''اگر میں پھنسانا چاہتی تو اب تک قانون کی ہتھکڑیاں [illegible]پ کے ہاتھوں میں پڑ چکی ہوتیں۔''

''تو پھر آپ نے میری وہ فلم کیوں تیار کروائی ہے؟''

''صرف آپ کی ایک کمزوری اپنے ہاتھوں میں رکھنے [illegible] لیے تاکہ آپ مجھ سے محبت کا رشتہ استوار کریں' مجھ سے [illegible]ت نہ کریں۔ مجھے کبھی دشمن نہ سمجھیں اور میری مہربانیوں [illegible] فائدہ اٹھاتی رہیں۔''

''آخر ان باتوں کا مطلب کیا ہے؟''

''ابھی نہیں' کل میرے گھر آئیں' دوپہر کا کھانا میرے [illegible]تھ کھائیں۔ اپنے میاں کو بھی ساتھ لائیں۔ اس وقت کھل [illegible]ر باتیں ہوں گی۔''

''ذرا ایک منٹ میں اپنے میاں سے بات کرتی [illegible]ں۔''

پھر اس نے فون پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''وہ ہمیں کل لنچ [illegible] بلا رہی ہے۔ وہاں میری ویڈیو [illegible]ں کا پی بھی دے گی اور [illegible]چھ باتیں بھی کرنا چاہ رہی ہے۔''

آفتاب بولا ''اس سے کہو' ہمارے ساتھ ہمارا بیٹا بابر بھی [illegible]ئے گا۔ اس سے اس کا ایڈریس بھی پوچھو۔''

وہ فون پر بولی ''ٹھیک ہے۔ کل میں لنچ پر اپنے میاں اور [illegible]پنے چھوٹے بیٹے بابر کے ساتھ آؤں گی۔''

''آپ اگر سمجھتی ہیں کہ آپ کا بیٹا بابر بھی آپ کے راز [illegible]ے واقف ہونے کے بعد یہ باتیں ذیشان سے پوشیدہ رکھے [illegible]ا تو پھر آپ اسے ساتھ لا سکتی ہیں۔ میرا پتا نوٹ کر لیں' میں [illegible] کل ٹھیک دو بجے آپ کا انتظار کروں گی۔''

اس نے اپنا پتا نوٹ کروایا اور رابطہ ختم کر دیا۔ بیگم فون [illegible]ند کر کے اپنے شوہر اور بیٹے کو دردانہ سے ہونے والی باتیں [illegible]تفصیل سے بتانے لگی۔ بابر نے تمام باتیں سننے کے بعد اپنے [illegible]پ کو دیکھا۔ پھر کہا ''ڈیڈ! دردانہ کی چال سمجھ میں آ رہی ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ بھائی جان کے خلاف ایک زبردست مقدمے کی تیاری کر رہی ہے۔ ان کے خلاف بے شمار ثبوت اور گواہوں کی فوج بھی تیار کر چکی ہے۔ اب شاید ہمیں بھی ان کے ہی خلاف استعمال کرنا چاہ رہی ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''اوہ گاڈ! اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔''

بیگم نے پریشان ہو کر بیٹے اور شوہر کو دیکھا۔ پھر کہا ''یا خدا! یہ تو بہت ہی خطرناک عورت ہے۔ پتا نہیں ایک ماں کو بیٹے کے خلاف کس طرح استعمال کرنا چاہتی ہے؟''

''ممی' آپ کی بہت بڑی کمزوری اس کے ہاتھ آ چکی ہے۔ اب تو وہ جو چاہے گی' آپ سے منوائے گی اور آپ کو ماننا پڑے گا۔''

آفتاب نے کہا ''یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ شاید وہ ماں کو بیٹے کے خلاف جھوٹی گواہی دینے کے لیے عدالت میں بلائے۔''

''کوئی زبردستی ہے؟ میں اپنے بیٹے کے خلاف کبھی گواہی نہیں دوں گی۔''

''ممی! تو پھر آپ کا وہ کیسٹ عدالت میں پہنچا دیا جائے گا۔ کیا آپ عمر قید یا سزائے موت تک پہنچنا چاہتی ہیں؟''

وہ پریشان ہو کر چیخ پڑی ''میں کیا کروں؟ کیا اپنا سر پھوڑ لوں؟''

آفتاب نے کہا ''آواز دھیمی رکھو۔ ورنہ وہ تمہاری بہو دوڑی چلی آئے گی۔''

وہ روہانسی ہو کر بولی ''یہ ہیرے تو میرے لیے کانٹے بن گئے ہیں۔ میرے دل و دماغ میں چبھ رہے ہیں۔ میں دردانہ سے ملنے نہیں جاؤں گی۔''

''آپ نہیں جائیں گی تو وہ یہاں ملنے چلی آئے گی یا پھر کسی کے ذریعے وہ کیسٹ یہاں بھیج دے گی۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ وہ کیسٹ یہاں کسی کے ہاتھ لگ جائے؟''

''کیا تم یہ پسند کرو گے کہ ایک ماں اپنے بیٹے کے خلاف گواہی دے اور اسے عدالت میں سزا دلوائے؟''

''وہ آپ کے بیٹے اور میرے بھائی ہیں مگر صرف نام کے ہیں' جب ہم پر برا وقت آتا ہے تو ہمارے لیے برے بن جاتے ہیں۔ کبھی ہمارا ساتھ نہیں دیتے۔ آپ کی بہو کے سامنے آپ کو کمتر بنا کر رکھتے ہیں۔ یاد ہے' انہوں نے ہماری فیکٹری پر چھاپا مار کر دو نمبر کا سارا مال ضبط کر لیا تھا۔ ہمیں پچیس لاکھ کا نقصان پہنچایا تھا اور یہ کہہ کر ہمارے خلاف رپورٹ درج نہیں کی تھی کہ آخری وارننگ دے رہے ہیں کہ آئندہ ہم

ایسا کوئی دھندا نہ کریں۔"

ماں نے کہا "کیا یہ اس کا اپنا پن نہیں ہے کہ اس نے تم باپ بیٹے کو عدالت سے سزا نہیں دلوائی؟"

"کون سا احسان کیا تھا؟ آخر پچیس لاکھ روپے کا نقصان بھی تو پہنچایا تھا۔ وہ اب بھی ہمارے سر پر مسلط رہتے ہیں۔ ہم ان کی وجہ سے دو نمبر کی پروڈکٹ مارکیٹ میں نہیں لا سکتے ہیں۔ مسلسل نقصان اٹھا رہے ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "یہ درست کہہ رہا ہے۔ تم ممتا کی ماری ہو۔ اس کے خلاف کچھ نہیں سوچو گی لیکن اب تمہیں سوچنا ہوگا۔ وہ کر کیا رہا ہے؟ نہ ہمیں اولاد دے رہا ہے اور نہ ہی منافع کمانے دے رہا ہے۔ وہ ہمیں اتنا غیر اہم سمجھتا ہے کہ اسما کو ہم پر مسلط کیے رکھتا ہے اور اس کے سامنے تو وہ ہماری جائز بات بھی نہیں سنتا۔"

"اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں عدالت میں جا کر اس کی دشمن بن جاؤں۔"

"تو کیا اپنے آپ سے دشمنی کرو گی؟ وردانہ کی باتوں سے انکار کرو گی اور بے قصور ہو کر ایک قتل کا الزام اپنے سر لو گی؟"

بابر نے کہا "آپ ذرا سی عقل سے سوچیں۔ ایک تو دو کروڑ کے ہیرے ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ آپ مفت میں سزا پائیں گی۔"

وہ ذرا دیر سوچنے کے بعد بولی "بیٹے! ایک اور بات میری عقل میں آ رہی ہے۔"

دونوں باپ بیٹے نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا' وہ بولی "اگر ہم ذیشان کو ساری باتیں بتا دیں تو وہ جان پر کھیل کر اپنی ماں کو اس جھوٹے الزام سے بچا لے گا۔"

آفتاب نے کہا "اس کا باپ بھی تمہیں ایسے الزام سے نہیں بچا سکے گا۔ وردانہ نے تمہیں بہت ہی مضبوط شکنجے میں کس رکھا ہے۔"

"ممی! آپ کی عقل کام نہیں کر رہی ہے۔ آپ یہ نہیں سوچ رہی ہیں کہ ایک بار تین کروڑ ہمارے ہاتھ میں آتے آتے چلے گئے۔ اب آپ بھائی جان کو راز دار بنا کر یہ دو کروڑ بھی گنوانا چاہتی ہیں۔ وہ تو بڑے ایماندار بنتے ہیں۔ یہ کہہ کر تمام ہیرے لے جائیں گے کہ یہ سب پولیس کی تحویل میں رہیں گے اور پولیس کی تحویل میں جانے والے مال کا بٹوارہ کس طرح سے ہوتا ہے' یہ آپ نہیں جانتیں۔"

اس نے باپ سے کہا "پلیز ڈیڈ! آپ ہی ممی کو سمجھائیں۔ اگر اس معاملے میں انہوں نے بھائی جان کو راز دار بنایا اور ہیرے ان کے حوالے کیے گئے تو میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر کہیں دور چلا جاؤں گا اور پھر کبھی نہیں دکھاؤں گا۔"

ماں نے غصے سے کہا "کیوں فضول دھمکیاں د[ے رہے] ہو؟"

"یہ دھمکی نہیں ہے۔ آپ نہیں جانتیں کہ مشکلات سے گزرتے ہوئے کاروبار کو سنبھال رہا ہوں۔ اسے سنبھالنے کے لیے ایک بڑی رقم مل رہی ہے تو آ[پ] بھی ڈبونا چاہ رہی ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا ممی تو میں سچ کہہ[تا ہوں] آپ اپنے اس بیٹے سے محروم ہو جائیں گی۔"

وہ پریشان ہو کر بیٹے کا منہ تکنے لگی۔ بے چاری [پہلے] سے ہی شکنجے میں پھنس چکی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بو[لا "میں] جا رہا ہوں۔ آپ فیصلہ کریں کہ دونوں بیٹوں میں [سے کون] زیادہ عزیز ہے۔ جاتے جاتے ایک بات کہہ دوں [آپ کی] گواہی سے بھائی جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ و[ہ پولیس] والے ہیں۔ بڑی ہیرا پھیری جانتے ہیں۔ اپنے بچاؤ [کا راستہ] نکال ہی لیں گے لیکن ان ہیروں کو ان کے حوالے کر[کے آپ] اپنے اس بیٹے کو ہمیشہ کے لیے کھو دیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر چلا گ[یا]۔ آفتاب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند [کیا پھر] پلٹ کر کہا "تم دردانہ کے شکنجے میں آ کر بری طرح [پھنس گئی] ہو۔ تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ ایک بات اچھ[ی طرح] ذہن نشین کر لو کہ ذیشان کبھی ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ [وہ کبھی] بھی تو تمہیں قتل کے الزام سے نہیں بچا سکے گا۔ دردانہ [نے جو] ویڈیو کیسٹ تیار کی ہے' اس کے بعد بھی وہ کیا کر رہی ہ[ے' تم] نہیں جان سکتیں۔ یہ ہیرے جہاں سے چرائے گئے [ہیں اور] جنہوں نے ان کی چوری کی رپورٹ درج کروائی ہو گ[ی' ان] سب کو تمہارے خلاف گواہوں کے طور پر پیش کرے گ[ی۔ اس] مکار عورت کی مکاری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم اسے [راز دار] بنا کر ہی جھوٹے الزام سے بچ سکتی ہو اور دو کروڑ رو[پے] حاصل کر سکتی ہو۔"

وہ بے بسی سے بولی "لیکن میں کیسے اپنے [بیٹے کے] خلاف گواہی دے سکتی ہوں؟"

"اور تم کس دل سے اپنے بیٹے بابر کی جدائی بر[داشت] کرو گی؟ وہ ہمیں چھوڑ کر کہیں چلا جائے گا۔ خود کو تباہ [کر لے] گا۔ تو کیا تم اس کی جدائی اور تباہی برداشت کر لو گی؟"

"آپ صرف اپنے بیٹے کی حمایت میں بول ر[ہے ہیں]۔ میرے بیٹے کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ کیا اس لیے نظ[ر انداز]

[کر رہے] ہیں کہ وہ آپ کا خون نہیں ہے؟"

[چند] لمحوں کے لیے دونوں کو چپ لگ گئی۔ وہ خاموشی سے [ایک دوس]رے کو تکنے لگے پھر فلک آفتاب نے بڑے ٹھہرے [ہوئے] انداز میں کہا "میں آج تک یہ بات زبان پر نہیں لایا۔ [شادی کی] پہلی رات تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری پہلی شادی اور [اس اول]اد کا ذکر کبھی کسی سے نہیں کروں گا۔ آج یہ بات تمہاری [زبا]ن پر آئی ہے۔"

[و]ہ ذرا دیر خاموش رہا پھر بولا "کیا اس وجہ سے کہ میں [تمہاری] سلامتی کے لیے اور اپنے بیٹے بابر کی بہتری کے لیے [اسے نظ]ر انداز کر رہا ہوں؟ نظر انداز کرنے کا مطلب یہ تو نہیں [کہ] میں اسے سوتیلا سمجھ کر اس سے دشمنی کر رہا ہوں۔"

"تو پھر کیوں یہ چاہ رہے ہیں کہ میں اس کے خلاف [عدالت] میں گواہی دوں؟"

"کون کم بخت ایسا چاہتا ہے؟ اور ہم کیا جانیں کہ دردانہ [کیا کرنا] چاہے گی؟ میں صرف ایک بات جانتا ہوں کہ تم نے [قتل نہ]یں کیا ہے۔ تم پر یہ الزام نہیں آنا چاہیے۔ تمہیں سزا نہیں [ملنی چا]ہیے اور سزا سے بچنے کے لیے ہم دردانہ کی ہر جائز [ناجا]ئز بات کو ماننے پر مجبور ہوں گے۔"

بیگم نے پریشانی اور بے بسی سے پوچھا "اور [ذیشا]ن......؟"

"میں کہہ چکا ہوں کہ وہ پولیس والا ہے۔ بہت ترکیبیں [جانتا ہ]ے' تمہاری جھوٹی گواہی کے باوجود وہ بچ نکلے گا۔"

"یہ تو سوچیں کہ وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے گا۔"

"کرنے دو۔ وقتی طور پر نفرت کرے گا' بعد میں ہم [اسے] سمجھا لیں گے۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ آفتاب نے اس کے بائیں [ہاتھ] کو تھام کر اس کی ہتھیلی کو پھیلایا پھر اس پر ہاتھ پھیر کر کہا "ہم[نے] مقدر حیات سے اپنا اپنا ہاتھ چھپایا ہے۔ صرف اس لیے [کہ] تمہارے ماضی پر پردہ پڑا رہے۔ دیکھا جائے تو چھپانا [ضر]وری نہیں تھا۔ کتنی ہی عورتیں بیوہ ہونے کے بعد دوسری [شا]دی کرتی ہیں لیکن تمہارے والدین تمہارے پہلے میاں سے [نفر]ت کرتے تھے اور تم بھی یہ نہیں چاہتی تھیں کہ دو شوہروں [وال]ی کہلاؤ۔ اس لیے سب نے مل کر تمہارے پہلے شوہر کے نام [و نش]ان پر خاک ڈال دی اور میں نے ذیشان کو باپ کے طور پر [اپن]ا نام دے دیا۔"

وہ ہاتھ چھڑا کر بولی "آپ احسان نہ جتائیں۔ میرے [ڈی]ڈی نے بھی آپ کو کاروبار کے لیے پچاس لاکھ روپے دیے [تھ]ے۔ آپ نے احسان مند ہو کر مجھ سے شادی کی تھی۔ آج سے ستائیس برس پہلے پچاس لاکھ بہت ہوتے تھے۔ آپ نے اتنی بڑی رقم کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔"

"بھئی! اب تم لڑنے نہ بیٹھو۔ یہ ذکر تم نے ہی چھیڑا تھا۔ اب بات سے بات نکلتی ہی چلی جائے گی۔ یہ بحث ختم کرو' جو راز ہے وہ راز ہی رہے گا۔ کسی کو معلوم نہیں ہوگا۔"

انہوں نے اپنا اپنا ہاتھ مجھ سے چھپایا تھا۔ گویا مقدر سے مقدر کی بات کو چھپایا تھا۔ اور جو کچھ وہ چھپا رہے تھے۔ میں تو اس سے آگے بھی بہت کچھ جانتا تھا۔ وہ راز بھی کھلنے والا تھا جسے فلک آفتاب اپنی بیگم سے بھی چھپاتا آ رہا تھا۔ پردہ داری کچھ تھی۔ بیرونِ پردہ کچھ اور تھا۔

☆☆☆

کسی گم شدہ چیز کو ڈھونڈ نکالنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کو پھر سے پانے کے لیے جلتے سورج کے نیچے ننگی زمین پر چلنا پڑتا ہے۔ پاؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں۔ عینی اور عروج کے پاؤں میں تو نہیں' البتہ دل میں چھالے پڑ رہے تھے۔

وہ ہر رات اس امید پر سوتی تھیں کہ دوسرے روز وہ ضرور آئے گا لیکن وہ دوسرا دن دوسری رات کی تاریکی میں ڈوب جاتا تھا۔ سچ ہے کہ دنیا امید پر قائم ہے۔ وہ بھی امید پر ہی زندہ تھیں۔

ایک بار دردانہ نے انہیں چیلنج کیا تھا کہ وہ عینی کو اپنی بہو بنا کر رہے گی۔ وہ لاکھ انکار کرے پھر بھی دردانہ کی لائی ہوئی بارات کے دولہا کو دیکھے گی تو فوراً اسے قبول کر لے گی۔

اس مکار عورت کی اس بات سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ شاید وہ پاشا تک پہنچ چکی ہے۔ شاید اس نے اسے اپنے زیر اثر رکھا ہے یا پتا نہیں کیا چکر چلا رہی ہے کہ اسے بارات کا دولہا بنا کر لانے کا دعویٰ کر رہی تھی۔

عروج نے کہا "اس نے ابھی تک دعویٰ پورا نہیں کیا ہے۔ ویسے اس عورت سے کچھ بعید نہیں ہے' وہ کچھ بھی کر گزرے گی۔"

عینی نے کہا "لعنت بھیجو اس پر...... یہ دیکھو کہ ہم اس کی دیوانگی میں کیسے کیسے فریب کھا رہی ہیں؟ ایک بار ایک شاہراہ پر ایک ٹیکسی ڈرائیور کو پاشا سمجھ لیا تھا۔ دوسری بار ایک اسپتال میں زخمی ٹیکسی ڈرائیور کو پاشا سمجھ کر دھوکا کھایا۔ پتا نہیں...... ہم کب تک اس کے سائے کے پیچھے دوڑیں گے؟"

ان کی زندگی میں پاشا کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اس کی یادیں تھیں' اس کی باتیں تھیں یا پھر اس کی واپسی اور سلامتی کے لیے دعائیں ہی دعائیں تھیں۔

وہ دونوں ایک شاپنگ سینٹر میں خریداری میں مصروف

تھیں۔ وہاں سے وہ دونوں خریداری کے بعد دکان سے باہر آ ئیں۔ چند قدم آگے جا کر عروج اس کا ہاتھ پکڑ کر رک گئی۔

عینی نے پوچھا ''کیا ہوا؟''

''وہ...... میں لپ اسٹک کا پنک شیڈ خریدنا بھول گئی۔ تم یہاں رکو' میں ابھی آتی ہوں۔''

وہ پلٹ کر اس دکان کی طرف واپس گئی۔ عینی دوسری دکان کے سامنے کھڑی اس کا انتظار کرنے لگی۔ ایسے میں بہار کا ایک خوبصورت جھونکا اس کی سماعت کو چھو کر گزر گیا۔ وہ ایک دم سے چونک گئی۔

وہ پاشا کی آواز تھی۔ اس کے دل کو دھڑکا رہی تھی۔ خواب کی تعبیر جگا رہی تھی۔ اس نے گھوم کر دکان کی طرف دیکھا۔ وہاں مختلف کاؤنٹرز پر کئی عورتیں اور مرد خریداری میں مصروف تھے۔ ان ہی میں سے کوئی پاشا بھی ہو سکتا تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی دکان کے اندر آئی۔ اسے پھر پاشا کی آواز سنائی دی۔ ''تہمینہ! میں بور ہو رہا ہوں' تم مجھے کہاں لیے لیے پھر رہی ہو؟''

عینی اس آواز کی طرف کھنچی جا رہی تھی۔ جب اس سے چند فٹ کا فاصلہ رہ گیا تو دل اور تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ پاشا ہی تھا۔ اگرچہ دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا لیکن وہ کیا کرے وہ تو پہلی ملاقات سے اب تک دھندلے پاشا کو ہی دیکھتی آئی تھی۔

وہ وہاں سے جاتے ہوئے تہمینہ سے کہہ رہا تھا ''اب چلو بھی یہاں سے۔''

وہ تیزی سے چلتا ہوا دکان سے باہر جا رہا تھا۔ عینی نے آواز دی ''پاشا...... پاشا!'' ایسے وقت میں ایک سیلز مین کسی گاہک کو گانے کا کیسٹ تیز آواز میں سنا رہا تھا۔ گانے کی آواز میں عینی کی آواز گم ہو گئی۔ اس نے پھر اونچی آواز میں پکارا ''پاشا...... رک جاؤ۔ رک جاؤ...... پاشا! میری طرف دیکھو...... میں عینی ہوں...... پاشا!...... پاشا!...... پاشا!''

اس کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہو رہی تھی۔ سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں' یہ مقدر کا کھیل تھا۔ اس وقت کیسٹ ریکارڈر کے شور نے سننے والے کو بہرہ بنا دیا تھا۔

عینی کا دل اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ ایک تو وہ پہلے ہی نیم اندھی تھی۔ اس پر اندھا دھند آگے بڑھنے لگی تو ادھر ادھر رکھے ہوئے بڑے بڑے ریکارڈر اور ٹی وی سیٹس سے ٹکرا گئی۔ ایک دھماکا سا ہوا اور وہ نیچے گری۔ اس پر دو ٹی وی سیٹ آ گرے۔ ایک بھاری سیٹ اس کے سر پر گرا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ وہ ایک دم سے ساکت ہو گئی۔

پھر اسے پتا نہ چلا کہ کتنی دیر وہ بے ہوش رہی۔ وہ ہولے کراہ رہی تھی۔ محسوس کر رہی تھی کہ آرام دہ بیڈ ... ہوئی ہے۔ اسے اپنے قریب سے عروج کی آواز ...

''عینی......! میری جان! تو خیریت سے تو ہے؟ میں ... پاس ہوں...... مجھے دیکھ۔''

اس نے آنکھیں کھول کر کمزور سی آواز میں کہا ... رات ہو چکی ہے؟''

''نہیں عینی! ابھی تو دن ہے۔''

''تو پھر اندھیرا کیوں ہے؟ تو نظر کیوں نہیں ... ہے؟''

عروج نے چونک کر اسے دیکھا ''کیا کہہ رہی ہے ...''

وہ گہری تاریکی میں ڈوب چکی تھی' دونوں ہاتھ ... ٹٹول کر چیختی ہوئی بولی ''عروج! آئی ہیولاسٹ سائٹ......''

عروج صدمے کے مارے اس سے لپٹ گئی۔ چیخ ... ڈاکٹر کو آواز دینے لگی۔ ڈاکٹر ایک نرس کے ساتھ تیز ... چلتا ہوا آیا ''عروج! کیا بات ہے؟''

''سر! یہ بینائی کھو چکی ہے' اسے دکھائی نہیں د... ہے۔''

ڈاکٹر قریب آ کر اس کا معائنہ کرنے لگا۔ کئی مہینوں ... اس کی کمزور بینائی دھمکیاں دے رہی تھی۔ آج وہ دھوکا ... ہو گئی تھی۔ اس کے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

عروج پاس ہی کھڑی اسے تھپک رہی تھی۔ اسے ... دے رہی تھی ''میری جان! میں نے تجھ سے کہا تھا کہ ا... یہ وقت آئے گا اور جب یہ وقت آئے گا' تو تجھے حوصلے ... کام لینا ہو گا۔''

ڈاکٹر نے کہا ''آئی بینک والے انہیں ترجیح د... جن کی بینائی چلی جاتی ہے۔ اب تمہیں جلد ہی آنکھوں ... مل جائے گا۔ ہم سب آئی بینک والوں سے اپیل ... گے۔''

یہ بات درست ثابت ہو گئی کہ محبت اندھی ہوتی ... اپنے محبوب کے پیچھے دوڑتے دوڑتے اندھی ہو چکی تھی ... اس کے پیچھے دوڑتی' نہ گرتی' نہ ہی سر پر چوٹ لگتی اور ... آنکھوں کی رہی سہی بینائی جاتی۔ مگر یہ تو ہونا ہی تھا۔ لوح ... پر جو لکھا ہوا تھا۔

اس کے سر پر اور بدن کے کئی حصوں پر چوٹ لگی ... پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ انجکشن اور دواؤں کے ذریعے ...

... کچھ افاقہ ہوا تھا۔ آنکھوں کے ماہر ڈاکٹر نے اس کے ... ئیں تجویز کی تھیں اور ہدایت کی تھی کہ وہ آنکھیں بند ... چپ چاپ پڑی رہے۔

... ں نے ڈاکٹر کے جانے کے بعد کہا ''اب تو میرا ... بند کرنا یا کھولنا برابر ہی ہے۔ بند آنکھوں کے پیچھے بھی ... اور کھلی آنکھوں کے سامنے بھی اندھیرا۔''

... روج نے اسے تھپک کر کہا ''یہ اندھیرا ہمیشہ نہیں رہے ... شاء اللہ جلد ہی تجھے آنکھیں مل جائیں گی۔ تیری یہ ... یشہ نہیں رہے گی۔''

''اس تاریکی میں دو چہرے پہلے سے زیادہ روشن ہو گئے ... یک چہرہ تیرا ہے اور دوسرا پاشا کا۔ میں اسے صاف طور ... رہی ہوں' وہ میرے سامنے مسکرا رہا ہے۔''

''تجھے شاپنگ سینٹر میں کیا ہوا تھا؟ اس دکان میں کیوں ... ان چیزوں سے ٹکرانے کو؟''

''میں جان بوجھ کر نہیں ٹکرائی تھی' محبت واقعی اندھا ... تی ہے۔ میں پاشا کے پیچھے دوڑتی جا رہی تھی۔ مجھے اپنے ... دائیں بائیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔''

''پاشا کے پیچھے......؟''

''ہاں' وہ اسی دکان میں موجود تھا اور کسی تہمینہ نامی عورت ... ے کہہ رہا تھا۔''

''عینی! تو پاگل ہو گئی ہے۔ تو نے اسے اس دکان میں ... سے دیکھ لیا تھا؟ تجھے تو ہر چہرہ دھندلا نظر آتا ہے۔ تجھے ... کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے تھا۔''

''تو بھول رہی ہے' میں پاشا کو پہلی ملاقات سے دھندلا ... دیکھتی آ رہی ہوں۔ وہی دھندلا چہرہ میرے دل و دماغ ... میں نقش ہے۔ وہ جب بھی سامنے آئے گا' میں اسے ... پہچاننے میں غلطی نہیں کروں گی۔''

''تو اس سے پہلے غلطی کر چکی ہے۔ ایک روز تو نے ... مال روڈ سے گزرتے ہوئے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو پاشا سمجھ لیا ... میں بھی تیرے کہنے پر اس کے پیچھے دوڑتی چلی گئی تھی۔ ... کیا ہوا؟ یہی کہ تیرے ساتھ میں بھی سائے کے پیچھے ... دوڑ رہی تھی۔''

''عروج! میری بات کا یقین کر۔ اس وقت میں نے ... اس کو صرف دیکھا ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس کی آواز بھی سنی تھی۔ ... اس کی آواز تو دل کی دھڑکنوں میں بسی ہوئی ہے۔ کیا میں ... اس سے بھی دھوکا کھاؤں گی؟''

اس نے سوچتے ہوئے عینی کو دیکھا پھر کہا ''اب میں کیا ... کہوں؟ جب تو نے اس کی آواز سنی ہے تو پھر وہ پاشا ہی ہو گا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ تو نے اسے دیکھا لیکن اس نے تجھے کیوں نہیں دیکھا؟''

''میں نے تو اسے آوازیں بھی دی تھیں لیکن وہ ٹی وی اور ٹیپ ریکارڈر کی دکان تھی' اونچی آواز میں ایک گیت گونج رہا تھا۔ اسی شور کی وجہ سے اس نے میری آواز نہیں سنی اس لیے میں اس کے پیچھے بھاگی تھی۔''

دروازے پر دستک ہوئی۔ عروج نے اسے کھولا تو وہاں ذیشان کھڑا ہوا تھا۔ اندر آتے ہوئے بولا ''عروج! تم نے بہت بری خبر سنائی ہے۔ میں تو سنتے ہی ڈیوٹی چھوڑ کر آیا ہوں۔''

پھر وہ عینی کے قریب آ کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ اس کے ایک ہاتھ کو تھام کر اسے چومتے ہوئے بولا ''عینی! میری بہن! خود کو تنہا نہ سمجھنا۔ عروج ہے' میں ہوں' تمہاری بھابی جان ہیں۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔''

عینی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا ''آپ ہمیشہ میرے اچھے برے وقت میں ساتھ رہتے ہیں۔ عروج نے خاندان کے تمام افراد کو میرے بارے میں خبر دی ہے لیکن سب سے پہلے آپ ہی آئے ہیں۔''

اسما کی آواز سنائی دی ''اور میں بھی بھاگی بھاگی چلی آئی ہوں۔''

وہ دروازے پر کھڑی ہانپ رہی تھی پھر عینی کے پاس آ کر بولی ''یا خدا! یہ تمہارے ساتھ ہو کیا رہا ہے؟''

وہ بولی ''بھابی جان! بجھتا ہوا چراغ کب تک روشن رہتا؟ آخر اسے تو بجھنا ہی تھا۔''

وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی ''مایوسی کی باتیں نہ کرو' اللہ نے چاہا تو تم جلد ہی دیکھنے لگو گی۔''

ذیشان بولا ''بے شک۔ ہم آئی بینک والوں کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ اس ادارے کو مالی امداد کی پیش کش کریں گے تو وہ بھی جلد سے جلد تمہارے لیے آنکھوں کا عطیہ دے دیں گے۔''

اسما اور ذیشان اسے پیار کر رہے تھے۔ تسلیاں دے رہے تھے۔ اتنے میں موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ عروج نے نمبر پڑھ کر ذیشان سے کہا ''دردانہ بیگم کال کر رہی ہے۔''

وہ بولا ''سنو...... وہ کیا کہہ رہی ہے' آواز کا والیوم بڑھا دو۔''

عروج نے فون کی آواز کو اس کی آخری حد تک اونچا کیا پھر بٹن دبا کر کہا ''ہیلو...... میں عروج بول رہی ہوں۔''

دردانہ نے کہا ''مجھے یہ سن کر افسوس ہو رہا ہے کہ تمہاری

سہیلی اندھی ہوگئی ہے۔"

عروج ذیشان کے قریب آ گئی تھی۔ دونوں فون سے کان لگا کر سن رہے تھے۔ عروج بولی "آپ کو کیسے پتا چلا کہ عینی کو ایسی ٹریجڈی پیش آئی ہے؟"

"میں تو یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ پاشا کے پیچھے اندھا دھند بھاگ رہی تھی لیکن افسوس' حادثے سے دوچار ہوگئی۔ بے چاری ہونے والی بہو پر ترس آرہا ہے۔"

"آپ فضول باتیں کررہی ہیں۔ نہ آپ کا کوئی بیٹا رہا ہے اور نہ ہی یہ کبھی آپ کی بہو بنے گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "میرا بیٹا تو ہے جس کے یہ خواب دیکھتی ہے اور جس کے خیالوں میں یہ گم رہتی ہے۔ آج اس کے ہی پیچھے بھاگتے بھاگتے اندھی ہوگئی۔ اس سے کہنا وہ پھر اس کے سامنے آئے گا اور پھر گم ہوجائے گا۔ میں ان دونوں کے درمیان یہ آنکھ مچولی کا کھیل کچھ عرصے جاری رکھوں گی' جب وہ مجبور ہوکر میری بہو بننے پر راضی ہوجائے گی تو آنکھ مچولی ختم ہوجائے گی۔"

"آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اس نے آپ کے کسی بیٹے کو نہیں بلکہ پاشا کو دیکھا تھا۔"

اس کا قہقہہ سنائی دیا "ہا...... ہا...... ہا' پاشا؟ ہاہاہا...... جو اس کا محبوب اور میرا بیٹا ہے اور جو میرا بیٹا ہے وہ اس کا محبوب ہے۔ آج نہیں تو کل ساس اور بہو کا رشتہ تو ہونا ہی ہے۔"

وردانہ نے رابطہ ختم کردیا۔ عروج نے اسے آواز بھی دی "ہیلو...... ہیلو۔"

اس نے اپنے فون کی طرف دیکھا پھر ناگواری سے اسے بند کردیا۔ ذیشان نے پوچھا "یہ کیا بکواس کررہی تھی؟"

عروج نے کہا "بھائی جان! ایسا لگتا ہے کہ پاشا یا تو اس کی قید میں ہے یا اس کے زیر اثر ہے۔ اس نے ایک بار پہلے بھی میرے سامنے عینی کو چیلنج کیا تھا کہ اسے بہو بنا کر لے جائے گی۔"

ذیشان نے کہا "لیکن اس کا بیٹا تو مرچکا ہے۔"

"جی ہاں! اس نے یہ نہیں بتایا کہ کس طرح بہو بنائے گی۔ بس اتنا کہا کہ جب وہ بارات لے کر آئے گی تو اس دولہا کو دیکھتے ہی عینی فوراً نکاح قبول کرلے گی۔"

اسما بولی "اس کی بات سے یہی تاثر ملتا ہے کہ وہ پاشا کو بارات کا دولہا بنا کر لائے گی۔"

"اور ابھی وہ فون پر کہہ رہی تھی کہ عینی کا جو محبوب ہے۔ وہ اس کا بیٹا ہے اور جو اس کا بیٹا ہے' وہ عینی کا محبوب ہے' اس سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ اس نے پاشا کو کہیں زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔"

عینی نے کہا "نہیں عروج! اسے اگر زنجیروں م کر رکھا جاتا تو آج وہ شاپنگ سینٹر میں دکھائی نہیں دیتا۔

ذیشان نے حیرانی سے پوچھا "کیا تم نے پاشا ک دیکھا تھا؟"

عینی نے اثبات میں سر ہلایا۔ عروج بولی "بھا جان! یہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ اس نے پاشا کو وہاں دیکھ مجھے یقین نہیں آرہا تھا لیکن اب وردانہ بیگم کی باتیں یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس نے پاشا کو وہاں دیکھا ہوگا۔"

اسما نے کہا "یہ عورت آپ سے تو دشمنی کررہی ر پھر عینی کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے؟"

ذیشان نے کہا "وہ اپنے بیٹے جواد سے عینی کو منسو چاہتی تھی۔ اس کی باتوں سے ایسا لگتا ہے کہ پاشا اس میں ہے اور وہ اسے ایک مہرے کے طور پر استعمال کر ہے۔ وہ جانتی ہے کہ عینی پاشا کی محبت میں مجبور ہوکر ا شادی کرلے گی اس لیے وہ پاشا سے آنکھ مچولی ک کھلوا رہی ہے۔ اسے اس کے پیچھے لگا کے اسے تڑپا ر آخر میں یہ ظاہر کرے گی کہ اس نے پاشا کو اپنا بیٹا بنالیا عینی کو منظور ہوگا کہ وہ اسے بہو بنا کر لے جائے۔"

☆☆☆

فلک ناز بھی اپنے بیٹے عدنان کے ساتھ اسپتال وہاں آنے سے پہلے اس نے اپنی آنکھوں میں ایک ایک گلیسرین کا ٹپکا لیا تھا' جس کے نتیجے میں آنکھوں سے آ رہے تھے۔ وہ روتی ہوئی آ کر عینی سے لپٹ گئی "ہا میری بچی کو یہ کیا ہوگیا؟"

عینی نے کہا "پھوپی جان! ایسی کوئی پریشانی ک نہیں ہے۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ انشاء اللہ میں جلد پھر دیکھنے لگوں گی۔"

ذیشان نے پوچھا "ممی ڈیڈی نہیں آئے؟"

وہ بولی "بیٹے! ان کے بارے میں تو نہ پوچھو۔ وہ رازداری سے کیا کرتے پھر رہے ہیں۔ انہوں نے تھا کہ وہ بابر کے ساتھ ایک بجے جانے والے تھے۔ سے پہلے ہی اپنی کار لے کر نکل گئی لیکن دور جا کر ان ک کرتی رہی۔ جب وہ اپنی کار میں بیٹھ کر جانے لگے تو ان کا تعاقب کیا۔"

اسما نے کہا "پھوپی جان! آپ تو جاسوسہ بن گئی"

"کیوں نہ بنوں' آخر ایس پی ذیشان کی پھوپی پتا ہے وہ تینوں کہاں گئے ہیں؟"

سب ہی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے' وہ بولی "وہ بہت ہی عالی شان کوٹھی کے اندر گئے ہیں۔ ان کے نے کے بعد وہاں سے گزرتے ہوئے میں نے نیم پلیٹ ی تو اس پر شہباز درانی لکھا ہوا تھا۔"

ذیشان نے چونک کر اپنی پھوپی کو دیکھا پھر اسما کی طرف ھا' وہ بولی "اور یہ تو ہم سب ہی جانتے ہیں کہ وردانہ اسی باز درانی کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ یہ ہیں آپ کے رین...... جو عورت آپ کے گلے میں پھندا ڈالنا چاہتی اس کے تلوے چاٹنے گئے ہیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو' کسی بات کی تصدیق کیے بغیر کسی خلاف بولنا نہیں چاہیے۔"

اس نے فلک ناز سے پوچھا "پھوپی جان' آپ نے ی طرح دیکھا تھا' اس نیم پلیٹ پر شہباز درانی کا ہی نام ؟"

"بیٹے! میری نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ اس عمر میں مجھے عینک کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کوٹھی ڈیفنس میں ہے اس کا نمبر تھری زیرو سکس ہے۔"

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ سوچنے لگا پھر اس نے موبائل پر نمبر پنچ ہ۔ اسے کان سے لگا کر رابطہ کا انتظار کرنے لگا۔ دوسری ف فلک آفتاب اپنے بیٹے اور بیگم کے ساتھ وردانہ کے ائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں فون کی گھنٹی بولی۔

وردانہ نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا یلو...... کون؟"

ذیشان نے آواز بدل کر کہا "میں آئی اسپیشلسٹ باری ں رہا ہوں۔ مسٹر فلک آفتاب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی "جسٹ اے منٹ۔"

اس نے ریسیور کو آفتاب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ آپ کا فون ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر فون کی طرف آ کر بولا "میرا فون ہے؟ یہاں کس نے فون کیا ہے؟"

وردانہ نے کہا "کوئی آئی اسپیشلسٹ ڈاکٹر باری ہیں۔"

اس نے ریسیور لے کر بے دلی سے کہا "تعجب ہے' ڈاکٹر ے فون کیوں کرے گا؟"

بیگم آفتاب نے کہا "سمجھا کریں' عینی اندھی ہوگئی ہے۔ وہ اسی سلسلے میں آپ سے کچھ کہنا چاہ رہا ہوگا۔"

وہ ریسیور لے کر اس کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ لیکن اس ڈاکٹر کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں وردانہ بیگم کی کوٹھی میں بیٹھا ہوا ہوں؟"

بیگم نے کہا "آپ سوال پر سوال کررہے ہیں۔ فون پر بات کریں۔ اس سے سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔"

وہ پریشان ہوکر ریسیور کو دیکھنے لگا۔ وردانہ نے پوچھا۔ "کیا آپ نے کسی کو بتایا تھا کہ یہاں آرہے ہیں؟"

بیگم آفتاب نے کہا "ہم نے تو اپنے سائے کو بھی نہیں بتایا تھا۔"

"میری بہن ہماری ٹوہ میں ہی رہتی ہے۔ ہم تو اسے بھی جھانسا دے کر آئے ہیں۔"

بابر نے کہا "مجھے تو بھائی جان کی طرف سے اندیشہ رہتا ہے۔ انہیں جھانسا نہیں دیا جاسکتا۔"

وردانہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی "میری تو مت ماری گئی ہے۔ مجھے سی ایل آئی پر نمبر پڑھ لینا چاہیے تھا۔"

پھر اس نے جھک کر نمبر پڑھا تو چونک کر سیدھی ہوگئی۔ ایک ذرا تشویش سے بولی "یہ تو ذیشان کا نمبر ہے۔"

بیگم آفتاب' فلک آفتاب اور بابر کے اندر دھماکے سے ہونے لگے۔ وہ شدید حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ بیگم نے پریشان ہوکر کہا "اسے کیسے معلوم ہوا کہ ہم یہاں ہیں؟"

بابر نے کہا "میں نے پہلے ہی کہا تھا' ہمیں بھائی جان کی طرف سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔"

سب کے ذہن میں ایک ہی سوال تھا۔ "اب کیا ہوگا؟"

"آپ سوچ کیا رہے ہیں؟ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ فون تو اٹینڈ کریں۔"

فلک آفتاب باپ تھا' ان لمحات میں بیٹے سے سہما ہوا تھا۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کان سے لگا کر ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہے...... ہے...... ہیلو!"

دوسری طرف سے ایک دھماکے کی توقع تھی لیکن فوراً ہی کچھ سنائی نہیں دیا۔ وہ اٹکتے ہوئے بولا "ہیلو بیٹے...... ذیشان! میں تمہیں فون کرنے ہی والا تھا۔ میرا مطلب ہے ہمیں عینی کے بارے میں معلوم ہوچکا ہے۔ ہم ابھی اسپتال جانے ہی والے ہیں' تم کہاں ہو...... لو' بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ تم ضرور ہماری عینی کے پاس ہوگے...... ہیلو' تم سن رہے ہو ناں؟"

وہ جواب کا انتظار کرنے لگا پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا "وہ خاموش ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "یہ اس کے بچپن کی عادت ہے۔ غصے میں چپ رہتا ہے۔ پہلے سنتا رہتا ہے' پھر بولتا ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر فون کی طرف آتے ہوئے بولی۔
''ریسیور مجھے دیں۔ میں اپنے بیٹے سے بات کروں گی۔''
فلک آفتاب نے ریسیور بیگم کی طرف بڑھا دیا' وہ اسے کان سے لگا کر ممتا بھرے لہجے میں بولی ''ہیلو ذیشان بیٹے! میں تمہاری ممی بول رہی ہوں۔''
پھر وہ بولتے ہی چونک گئی۔ میاں کو گھورتے ہوئے بولی۔ ''آپ بھی حد کرتے ہیں۔ لائن کٹنے کی ٹون آرہی ہے اور آپ ہیں کہ بولے جارہے ہیں۔''
بابر نے کہا ''لائن کٹی نہیں ہے' بھائی جان نے خود کاٹی ہے۔ انہیں صرف یہ تصدیق کرنی تھی کہ ہم یہاں ہیں اور وہ یہ تصدیق کر چکے ہیں۔''
بیگم نے ریسیور رکھ دیا۔ دردانہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''آپ کا بیٹا بھی کیا خوب ہے۔ ماں باپ کی جاسوسی کرتا ہے۔''
فلک آفتاب نے بیگم کو دیکھ کر ناگواری سے کہا ''یہ تو ماں باپ کو کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے۔ میں اسے صاف صاف کہہ دوں گا کہ وہ ماں باپ کے ساتھ تو پولیس افسری نہ دکھائے۔ ہم کیا کرتے ہیں، کہاں جاتے ہیں؟ وہ ہماری ٹوہ میں کیوں رہتا ہے؟''
دردانہ نے کہا ''میں اس کی بدترین دشمن ہوں۔ آپ کی اور ہماری دوستی ہوگی تو وہ آپ کا بھی دشمن بن جائے گا اور ماں باپ کے رشتے کا بھی لحاظ نہیں کرے گا۔''
بیگم آفتاب نے دردانہ کے پاس بیٹھتے ہوئے عاجزی سے کہا ''کوئی ایسا راستہ اختیار کرو کہ میرے بیٹے سے بھی دوستی ہوجائے۔''
''یہ نہیں ہوسکتا۔ اس نے میرے جوان بیٹے کو قتل کروایا ہے۔ خون کا بدلہ خون ہوتا ہے۔ میرے بیٹے کا خون پانی نہیں تھا۔ میں خارش زدہ کتے سے دوستی کرلوں گی لیکن اس سے بھی نہیں کروں گی۔''
بیگم آفتاب نے مایوس ہوکر پہلے بیٹے پھر میاں کو دیکھا۔ وہ دردانہ کے شکنجے میں بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔ اسے سمجھوتا کرنے پر آمادہ نہیں کرسکتی تھی۔ فلک آفتاب نے کہا ''دردانہ! تم ہم سے دوستی کررہی ہو مگر دشمنی کی طرح...... تم نے بیگم کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال رکھا ہے۔''
''میری دوستی کا انداز بھی دیکھیں کہ دو کروڑ کے ہیرے دے رہی ہوں۔ مجھے صرف ذیشان سے دشمنی ہے۔ آپ لوگوں سے محبت بھی ہے، ہمدردی بھی ہے اور دوستی بھی کرنا چاہتی ہوں اسی لیے یہ انداز اختیار کررہی ہوں۔ ورنہ آپ کی

بیگم کے خلاف ویڈیو فلم تیار کرنے کے بعد وہ تمام ہیرے سے چھین لیے جاتے۔ یہ خالی ہاتھ واپس آتیں تو آپ بگاڑ لیتے؟ اس وقت بھی یہ میرے شکنجے میں ہوتیں۔''
پھر وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر پاؤں پر پا رکھ کر بڑے غرور سے بولی ''آپ کا وہ افسر بیٹا بھی اپنی ما میرے شکنجے سے نہیں بچا سکے گا۔ یقین نہ ہو تو آپ اسے رازدار بنالیں۔ اس کے سامنے میرے خلاف زہر اگلیں۔ دیکھیں کہ وہ کیا کرتا ہے اور میں کیا کرتی ہوں؟''
بابر نے کہا ''اگر بھائی جان کو رازدار بنانا ہوتا تو یہاں کیوں آتے؟''
''میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اسے رازدار کیوں نہ بنایا گیا ہے۔ اسے اگر معلوم ہوتا کہ دو کروڑ کے ہیرے لا گئے ہیں تو وہ تمام ہیرے پولیس کسٹڈی میں لے لیتا۔ پھ لوگوں کو ایک آنہ بھی نہ ملتا۔''
فلک آفتاب نے کہا ''لیکن بات صرف ہیروں کی نہ ہے۔ ہمیں ذیشان سے ہمیشہ شکایت ہی رہی ہے۔ وہ کبھی ساتھ نہیں دیتا۔ پھر بھی کیا' کیا جائے ہمارا خون ہے' اس لیے نرم گوشہ رکھنا ہی پڑتا ہے۔''
پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دردانہ کے قریب ایک صو پر بیٹھتے ہوئے بولا ''میں تم سے عمر میں بڑا ہوں' تم ہمیشہ میر عزت کرتی رہی ہو۔ میں تمہیں ایک بزرگ ہوکر عاجزی کہتا ہوں۔ ذیشان سے دوستی بے شک نہ کرو لیکن سمجھوتے کوئی راستہ نکال لو۔ کوئی ذرا سی گنجائش پیدا کرلو۔''
''آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کا بدلہ نہ لوں؟''
''تم بدلہ ضرور لو لیکن کوئی دوسرا راستہ اختیار کرلو۔ قا سے قصاص لیا جاتا ہے۔ تم جان کے بدلے جان نہ لو۔ ا کے بدلے ہمیں اپنا غلام بنالو۔''
''وہ تو میں بنا چکی ہوں۔ آئندہ مسز آفتاب میر اشاروں پر چلا کریں گی۔ میرے کسی حکم سے انکار نہیں کر گی۔ ہمیشہ میری تابعدار بن کر رہیں گی۔''
بیگم آفتاب کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔ ا دوپٹے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔ دردانہ نے اسے سوچتی ہو نظروں سے دیکھا پھر اس کے قریب ہوکر اس کے شانے ہاتھ رکھ کر کہا ''مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ میں آپ کی خاط سمجھوتے کا کوئی راستہ نکال سکتی ہوں۔''
بیگم نے فوراً ہی اس کی طرف گھوم کر اپنے دونوں ہاتھ اس کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔ پھر کہا ''میں ساری زندگی تمہار کنیز بن کر رہوں گی۔ تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ تم

وہ کروں گی۔''
لک آفتاب نے پوچھا ''تم اپنے بیٹے کا خون معاف ں؟''
وہاں کے انداز... میں سر ہلا کر بولی ''کرسکتی ہوں...... ھی طرح جانتے ہیں کہ میرا بیٹا جواد جب زندہ تھا تو میں پی بہو بنانا چاہتی تھی۔ آج بھی میری یہی خواہش ہے' ے بہو بنا کر اس کے سر پر مسلط رہنا چاہتی ہوں۔''
آفتاب نے پوچھا ''آپ اسے بہو کیسے بنائیں گی؟ اتو کوئی بیٹا نہیں ہے۔''
''میرا ایک بیٹا ہے۔ سگا نہیں ہے تو سوتیلا بھی نہیں ہے لے پالک بھی نہیں ہے۔ میرا اس سے زبان کا رشتہ ہے۔ ے بیٹے کی خالی جگہ پُر کررہا ہے اور میں بہو کی خالی جگہ چاہتی ہوں۔''
بیگم آفتاب نے کہا ''بات کچھ سمجھ میں آرہی ہے' آپ ی کو بہو بنا کر اپنے زیر اثر رکھنے کے لیے کسی کو بیٹا بنالیا ''
وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی ''جی ہاں۔ بالکل یہی بات یہ تو میں جانتی ہوں کہ آپ سب اس سلسلے میں میرا دیں گے۔ بات اسی اڑیل گھوڑے کی ہے۔ وہ قابو میں آئے گا۔ میرے منصوبے کو خاک میں ملانا چاہے گا۔ اسے سمجھائیں کہ مجھ سے سمجھوتا کرلے۔ میں اپنا مقدمہ لے لوں گی۔ ساری دشمنی بھول جاؤں گی۔ پھر ہم آپس چھے رشتے دار بن کر رہ سکتے ہیں۔''
''یہ تو اچھی بات ہے کہ ہم پھر سے ایک دوسرے کے دار بن کر رہیں۔ ہم ذیشان کو اس سلسلے میں سمجھانے کی ش کریں گے لیکن تم تو جانتی ہو کہ عینی کتنی خودسر ہے۔ وہ بالغ ی ہے۔ خودمختار ہے' صرف اپنی مرضی سے شادی کرے ''
دردانہ نے بڑے فخر سے کہا ''آپ عینی کی فکر نہ کریں۔ ان کی فکر کریں کہ اسے کس طرح سے سمجھائیں گی۔ اگر وہ ی ہوگیا تو سمجھ لیں کہ مقدمہ بازی اور دشمنی ختم۔ میں آپ ویڈیو فلم بھی واپس کردوں گی اور آپ کو کبھی بلیک میل نہیں وں گی۔''
بیگم اور فلک آفتاب نے خوش ہوکر ایک دوسرے کو ھا۔ بابر نے کہا ''ایسی بات ہے تو ہم بھائی جان کو راضی نے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔''
بیگم آفتاب نے کہا ''میں اسے سمجھاؤں گی کہ تم سے ی مہنگی پڑے گی اس لیے اسے سمجھوتا کرنا چاہیے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''تم کہتی ہو کہ ہم عینی کی فکر نہ کریں۔ یعنی تم اسے راضی کرلو...گی' ہم صرف ذیشان کو راضی کریں؟''
''بے شک۔ میں یہی چاہتی ہوں۔ ذیشان راضی ہوجائے گا تو پھر عینی کو بہو بنانے میں رکاوٹ نہیں رہے گی۔''
''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ عینی کو کس طرح راضی کریں گی؟ وہ تو اس ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی کی دیوانی ہے۔''
دردانہ نے مسکرا کر کہا ''میں کچی بازی نہیں کھیلتی۔ عینی پاشا کو پسند کرتی ہے۔ اسی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ میں پاشا کو ہی اس کا دولہا بنا کر لاؤں گی۔''
''کیا......؟'' سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ فاتحانہ انداز میں مٹھی باندھ کر بولی ''پاشا میری مٹھی میں ہے۔ میری قید میں ہے۔ یہ بات صرف آپ تینوں کے درمیان ہے۔ کسی چوتھے کو علم نہ ہو۔ میں مناسب وقت پر ظاہر کروں گی کہ پاشا میرے زیر اثر رہنے لگا ہے۔ اور وہ میرا بیٹا بن کر رہے گا۔ اسی طرح عینی تمام عمر... بہو بن کر میرے قدموں میں پڑی رہے گی۔''
فلک آفتاب نے خوش ہوکر کہا ''پاشا کو آپ نے اپنا قیدی بنا کر رکھا ہے۔ پھر تو عینی اس سے شادی ضرور کرے گی اور آپ کی بہو بننے پر مجبور ہوجائے گی۔ اس طرح ہماری بات بھی بن جائے گی اور ہم پہلے سے زیادہ متحد ہوکر رہیں گے۔''
بیگم آفتاب نے پورے یقین سے کہا ''یوں سمجھو دردانہ کہ عینی تمہاری بہو بن چکی ہے۔''
دردانہ نے کہا ''آپ بھی یہ سمجھ لیں کہ ذیشان سے میری دشمنی ختم ہوچکی ہے۔ ہم دوبارہ آپس میں رشتے دار بن کر رہیں گے۔''
وہ تینوں مطمئن ہوگئے۔ بابر کو یہ اطمینان ہوگیا کہ اب دو کروڑ روپے حاصل ہوجائیں گے اور اس کی خبر ذیشان کو بھی نہیں ہوگی۔ فلک آفتاب کو اطمینان تھا کہ اس کی شریک حیات کو آئندہ بلیک میل نہیں کیا جائے گا۔ دردانہ محبت سے رشتے دار بن کر رہے گی اور بیگم آفتاب کو اطمینان تھا کہ اس کا بڑا بیٹا ذیشان' اس کا لخت جگر' آئندہ دردانہ کی دشمنی سے محفوظ رہے گا۔
بابر نے کہا ''دردانہ آنٹی! ہیروں کے سلسلے میں ایک الجھن سی ہے۔''
دردانہ نے پوچھا ''کیسی الجھن...... ؟''

''ان ہیروں کی چوری کی رپورٹ درج کروائی گئی ہے۔ ہم انہیں جہاں فروخت کرنے جائیں گے وہاں یہ اندیشہ رہے گا کہ سی آئی اے والے وہاں پہنچ جائیں گے۔''

فلک آفتاب نے بھی اثبات میں سر ہلا کر کہا ''ہاں۔ ذیشان بھی ہماری ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔ اس کی نظروں سے بچ کر ان ہیروں کو فروخت کرنا آسان نہیں ہوگا۔''

وردانہ نے کہا ''آپ درست کہتے ہیں۔ چوری کے مال کو فروخت کرتے وقت بڑی دشواری پیش آتی ہیں۔ میں آپ کے لیے کچھ کرتی ہوں۔''

اس نے موبائل کے ذریعے شہباز درانی سے رابطہ کیا۔ وہ اپنے پرائیویٹ چیمبر میں تھا' اس نے کہا ''تم بہت مصروف ہو اور میں مداخلت کر رہی ہوں۔''

''کوئی بات نہیں میری جان! تم میرے ہر معالمے میں مداخلت کر سکتی ہو۔ بولو' کیا بات ہے؟''

''ہم نے جو ہیرے بیگم آفتاب کے حوالے کیے تھے' انہیں میں رکھنا چاہتی ہوں اور اس کے بدلے نقد دو کروڑ دینا چاہتی ہوں۔''

''نو پرابلم! میں ابھی کیشئر کو فون کرتا ہوں۔ وہ پندرہ منٹ کے اندر تمہارے سامنے دو کروڑ رکھ دے گا۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''واہ......آئی لو یو!''

اس نے کہا ''آئی لو یو ٹو......''

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ فون بند کر کے بولی ''ابھی پندرہ منٹ کے اندر یہاں دو کروڑ روپے آ جائیں گے۔ آپ آج شام تک وہ ہیرے میرے پاس پہنچا دیں۔''

وہ تینوں خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ آفتاب نے وردانہ سے کہا ''تم ہم پر اتنا بھروسا کر رہی ہو کہ ہم نے ابھی ہیرے بھی نہیں دیئے اور ان کی پوری قیمت تم دے رہی ہو۔''

''میں یہ اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ مجھے دھوکا نہیں دیں گے۔ آپ لوگوں کی دکھتی ہوئی رگیں میری ایک چٹکی میں ہیں۔''

بیگم آفتاب کا سر جھک گیا۔ وہ تینوں اپنی اپنی تدبیر سے بہت کچھ پا رہے تھے اور بہت کچھ کھو رہے تھے۔ پھر بھی پانے کی خوشی زیادہ تھی۔

☆☆☆

طیارہ رن وے پر کھڑا ہوا تھا' مسافر سیڑھیوں سے اتر رہے تھے۔ ان میں ایک گیم شحیم قد آور شخص سیڑھیوں کی بلندی پر سب سے نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔ سر کے بال اور چہرے پر ہلکی سی داڑھی مونچھیں سب ہی سنہری تھی۔ اس کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا اور وہ بہترین تراش کا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو پہلی ہی نظر میں متاثر کر دیتے ہیں۔

وہ طیارے کی سیڑھی سے اترنے لگا۔ ایسا بھاری شخص تھا کہ اس کے قدموں کی دھمک سے سیڑھی کا ایک پائیدان لرز رہا تھا۔ اس کے آگے پیچھے اترنے والے بونے لگ رہے تھے' اس کے پیچھے آنے والے شخص نے کہا ''میں دعوے سے کہتا ہوں' تم یہاں چند گھنٹوں کے اندر دس لاکھ روپے کما لو گے۔''

وہ بے پروائی سے بولا ''اچھی بات ہے۔ کمالوں گا۔ اپنا راستہ لو۔''

وہ بونا شخص سیڑھی سے اتر کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا ''تم میرے تعاون کے بغیر وہ دس لاکھ حاصل نہیں کر سکو گے۔ میری رہنمائی لازمی ہے۔''

وہ بڑی بے نیازی سے چلتا ہوا امیگریشن کاؤنٹر پر آ گیا۔ وہاں تمام مسافر قطار میں کھڑے ہوئے تھے' بونے نے کہا ''مجھے تھوڑا سا وقت دو' ہم یہاں سے ریسٹورنٹ میں جائیں گے۔ میں صرف پوائنٹ ٹو پوائنٹ بات کروں گا' وقت ضائع نہیں کروں گا۔''

وہ آدھے گھنٹے بعد ائرپورٹ کے ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے' بونے نے کہا ''میرا نام پبلو ماسٹر ہے۔''

''تمہارا نام ٹیلر ماسٹر بھی ہو سکتا ہے' کام کی بات کرو۔''

''سفر کے دوران میں تم میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ نیند کے وقت تمہاری سیدھی ہتھیلی میری آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے تمہارے ہاتھ کی لکیریں پڑھی ہیں۔''

''ہوں......تو تم نجومی ہو؟''

''ایسا ویسا سڑک چھاپ نجومی نہیں ہوں۔ پورے یورپ میں میرے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ یورپ کے کسی ملک میں کسی شہر میں کسی علاقے میں جاؤ گے تو میرے نام کی گونج سنائی دے گی۔''

قد آور شخص نے اپنی سیدھی ہتھیلی کو دیکھا۔ پبلو ماسٹر نے کہا ''تم بہت پراسرار ہو۔ کوئی تمہارے اندر گھس کر بھی تمہاری اصلیت معلوم نہیں کر سکے گا لیکن تمہاری ہتھیلی ایک کھلی کتاب ہے جسے صرف مجھ جیسا دنیا کا ایک آدھ نجومی ہی پڑھ سکتا ہے۔''

قد آور شخص نے اپنے سیاہ چشمے کو اتارا پھر میز پر جھک کر اسے گھور کر دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا ''تم نے کیا پڑھا ہے؟''

وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''تم بے رحم' سفاک قاتل ہو۔ جو تمہارا راز جان لیتا ہے' اسے تم زندہ نہیں چھوڑتے۔ یہ معلوم ہوتے ہی پہلے میں نے اپنی زندگی کی لکیر توجہ سے دیکھی۔ یقین کیا کہ میری جان کو خطرہ نہیں ہے اور یہ بھی معلوم کیا کہ ہم ایک دوسرے کے تعاون سے کئی معاملات میں کامیابیاں حاصل کر سکیں گے اس لیے تمہارے سامنے بیٹھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔''

وہ غرانے کے انداز میں بولا ''تو بولتا بہت ہے' میرے سامنے صرف میری بات کر......تو نے کیا پڑھا ہے؟''

''میں نے ابھی بتایا ہے' تم ایک بے رحم سفاک قاتل ہو۔ بڑی بڑی رقمیں لے کر کسی کو بھی ٹھکانے لگا دیتے ہو۔ اگرچہ مجرمانہ زندگی گزار رہے ہو تاہم دل کے بہت اچھے ہو۔ تم نے کسی بے گناہ کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ ہوس پرست نہیں ہو۔ تم دنیا کے تمام بچوں سے پیار کرتے ہو۔ ایسی خصوصیات مجرموں میں نہیں ہوتیں۔ تم جرم کرتے ہو لیکن مجرم نہیں ہو کیونکہ صرف مجرموں کے خلاف واردات کرتے ہو۔''

وہ قد آور شخص اس کی سیدھی اور سچی باتیں سن کر ذرا نرم پڑ گیا۔ اثبات میں سر ہلا کر بولا ''واقعی' تمہارے ہاتھ کی لکیر نے درست کہا ہے' تم زندہ رہو گے لیکن میری نگرانی میں رہا کرو گے۔ میں معلوم کرتا رہوں گا کہ تم کون ہو اور یورپ سے یہاں کیوں آئے ہو؟''

''کیا تم مجھے پابندیوں میں رکھو گے؟''

''نہیں' اس شہر میں آزاد رہو گے' مجھ سے فون پر رابطہ رکھو گے۔ مجھے اطلاع دیے بغیر شہر سے باہر جاؤ گے تو حرام موت مارے جاؤ گے۔''

اس قد آور شخص نے موبائل فون پر نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر کہا ''کیا مجھ سے بات کرنے والے کو دیکھ رہے ہو؟''

اس نے دوسری طرف کی بات سنی پھر کہا ''اپنے آدمیوں سے کہہ دو' یہ ہماری نگرانی میں رہا کرے گا۔''

پھر اس نے پبلو ماسٹر سے پوچھا ''تمہارا قیام کہاں ہوگا؟''

''پرل میں میرے لیے ایک کمرا بک ہو چکا ہے۔''

''کس مقصد سے یہاں آئے ہو؟''

''میں ایک اسائنمنٹ پر آیا ہوں۔ تم اپنے ذاتی معاملات کسی سے شیئر نہیں کرتے' اسی طرح مجھ سے میرے ذاتی معاملات کے بارے میں کوئی سوال نہ کرو۔ یہ میری التجا ہے۔ پلیز!''

''ٹھیک ہے' میں تمہارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کروں گا۔ ہوٹل میں میرا ایک آدمی تمہارے پاس آئے گا' تم اپنا پاسپورٹ اور ویزا کے کاغذات اس کے حوالے کر دو گے۔''

''میں مشکل میں پڑ جاؤں گا کسی بھی وقت پولیس والے میرے اہم کاغذات طلب کر سکتے ہیں۔''

''ایسی صورت میں کاغذات تمہارے پاس پہنچ جایا کریں گے۔''

وہ بے بسی سے اس کا منہ تکنے لگا پھر مایوسی سے بولا ''میں کچھ توقعات لے کر تمہارے پاس آیا تھا مگر افسوس......!''

''افسوس نہ کرو' تم میرے سامنے دس لاکھ کا چارا ڈالنے آئے تھے۔ اگر منافع کی بات ہے تو تمہیں حصہ ضرور ملے گا۔''

''میں نہ حصہ لوں گا' نہ کمیشن لوں گا۔ جس پارٹی کا کام کرنے آیا ہوں' اس سے مجھے تگڑی رقم ملے گی' اس میں سے تمہیں دس لاکھ ادا کروں گا۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر پوچھا ''کام کیا ہے؟''

''میں ایک شخص کے ہاتھوں کی لکیریں پڑھنا چاہتا ہوں' اس طرح کہ اسے خبر نہ ہو۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ نیند کی حالت میں رہے اور تم ہاتھ کی لکیریں پڑھ لو۔''

''مجھے اس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ شخص ایک بہت ہی دولت مند تاجر ہے۔ علم نجوم میں غیر معمولی مہارت رکھتا ہے اس کے بارے میں یہ یقین کی حد تک شبہ ہے کہ وہ پراسرار علوم جانتا ہے۔ وہ ایک کاروباری اور گھریلو زندگی گزار رہا ہے۔ گھر سے باہر اس کا نہ کوئی دوست ہے' نہ وہ کسی محفل یا تقریب میں دیکھا جاتا ہے۔''

''کیا اس کے قریب پہنچنے کا مسئلہ ہے؟''

''مسئلہ ہی مسئلہ ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کی نگرانی کی جائے یا اس کا تعاقب کیا جائے تو اسے خبر ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ اندازہ لگایا جا رہا ہے کہ وہ پراسرار علم جانتا ہے۔''

''میں کسی پراسرار علم کو نہیں مانتا۔ میں ایک زبردست جادوگر کو ٹھکانے لگا چکا ہوں۔ تم اس شخص کا نام اور پتا بتاؤ۔''

''اس کا نام مقدر حیات ہے' آج مجھے اس کا پتا اور فون نمبر بتایا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میرا فون نمبر نوٹ کر لو اور اس کے بارے میں تمام تفصیلات معلوم کرنے کے بعد مجھے فون پر بتاؤ۔''

"اس نے اپنا فون نمبر نوٹ کرایا پبلو ماسٹر کے نمبر کو اپنے موبائل فون میں فیڈ کیا پھر اس سے پوچھا "ہوٹل کا روم نمبر بتاؤ۔"

"ون زیرو نائن۔(One Zero Nine)۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے بولا "اب تم جا سکتے ہو۔"

پبلو ماسٹر نے اٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا "تمہارے ہاتھ کی لکیروں نے بتایا ہے کہ اپنے معاملات میں دیانت دار رہتے ہو میں تم سے دھوکا نہیں کھاؤں گا۔ ہم آئندہ بھی ایک دوسرے کے کام آ سکتے ہیں۔"

وہ مصافحہ کر کے جانے لگا اور وہ قد آور شخص اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے موبائل فون پر کوئی نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ذیشان کی آواز سنائی دی' وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ سیلوٹ مار کر بولا "سر! آپ کی خدمت میں بچھو بابا حاضر ہے۔"

ذیشان نے پوچھا "کہاں ہو تم؟"

"سر میں ائر پورٹ پر ہوں۔ آپ نے روبرو ملاقات کرنے سے منع کیا ہے۔ جبکہ ملاقات بہت ضروری ہے۔ میں آپ کے موجودہ تمام حالات کو سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں سمجھا دوں گا' فی الحال اس بات کا خیال رکھو کہ یہاں تمہیں کوئی نہ پہچانے۔ اس شہر میں سی آئی اے کا ایک افسر اور پولیس کے دو افسران تمہیں پہچانتے ہیں۔"

"سر! آپ فکر نہ کریں' بچھو بابا پوری تیاری سے آیا ہے۔ میرا حلیہ بالکل بدل چکا ہے' آپ بھی دیکھیں گے تو پہچان نہیں سکیں گے۔"

"پھر بھی ہماری ملاقات بہت رازداری سے ہو گی۔ دشمن بہت ہی چالاک اور شہ زور ہے۔ مجھے قانونی شکنجے میں لے رہا ہے۔ اس کا توڑ صرف ایک ہی ہے کہ اس کی طاقت کو توڑنا اور اسے کمزور بنانا ہو گا۔"

"نو پرابلم سر! آپ اس کا نام' پتا اور حلیہ بتائیں۔"

"اس کا نام شہباز درانی ہے۔ وہ سیاست کا بہت بڑا کھلاڑی ہے۔ صرف اپنی معشوق دردانہ کو خوش کرنے کے لیے میرے خلاف قانونی کارروائیاں کر رہا ہے۔ مجھ پر کئی قتل کے الزامات درج کرا چکا ہے اور میرے خلاف ٹھوس ثبوت اور گواہوں کو خرید رہا ہے۔"

"اس کم بخت کی شامت آ گئی ہے۔"

"بچھو بابا! دشمن کو کمزور نہ سمجھو' تم شہباز درانی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ جس ملک میں جاتا ہے وہاں کے حکمرانوں کو اپنی انگلیوں پر نچاتا ہے۔ اس سے تم اس کی طاقت اور وسیع اختیارات کا اندازہ لگا سکتے ہو۔"

"پھر تو وہ واقعی پہاڑ ہے' اس سے ٹکرانے میں مزہ آئے گا۔"

"مجھے ایک بہت ہی ماہر نجومی نے کہا ہے کہ میں شہباز کی کسی کمزوری سے کھیلوں گا تو کامیابی حاصل ہو سکے گی۔"

"تعجب ہے' ابھی ابھی ایک نجومی مجھ سے بھی ٹکرایا تھا' میری ہاتھ کی لکیریں دیکھنے کے بعد ایسی سچی باتیں بتا رہا تھا کہ میں حیران رہ گیا۔ میں آپ کے تعاون سے اس کے بارے میں کچھ معلوم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں کس طرح تعاون کر سکتا ہوں؟"

"اس کا نام پبلو ماسٹر ہے۔ وہ پرل ہوٹل کے کمرا نمبر ون زیرو نائن میں رہے گا' میں چاہتا ہوں کہ اس کی ہر فون کال کو ٹیپ کیا جائے۔ اس طرح میں اس کے خفیہ معاملات تک پہنچ سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے' اس کی تمام کالیں ٹیپ ہوتی رہیں گی۔"

"سر! آپ کے نجومی نے جب یہ کہا ہے کہ دشمن کی کمزوری سے کھیلنا چاہیے تو مجھے بتائیں' کیا آپ اس کی کچھ کمزوریاں جانتے ہیں؟"

"ہاں' جانتا ہوں۔ تم سے روبرو ملاقات ہو گی تو اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو ہو گی۔"

"سر! ہماری ملاقات کہاں ہو گی اور کیسے ہو گی؟"

"میں آج شام چھ بجے اپنے دفتر سے پولیس وین میں بیٹھ کر گھر کی طرف جاؤں گا۔ ڈیفنس فیز ٹو کے سگنل سے پہلے اس پولیس وین میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے گی۔ اسے روک دیا جائے گا اور اس کی خرابی دور کرنے کی کوششیں کی جائیں گی۔ اتنے میں تم ٹیکسی لے کر ادھر سے گزرو گے' ایک ہارن بجاؤ گے۔ میں سمجھ لوں گا کہ تم آ رہے ہو۔ میں ہاتھ کے اشارے سے ٹیکسی روکوں گا تو تم آ کر رکو گے اور میں تمہاری اس ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں سے چل پڑوں گا۔"

"اچھا آئیڈیا ہے۔ کسی کو شبہ نہیں ہو گا کہ ہم اس رازداری سے مل رہے ہیں۔ آل رائٹ سر! میں ٹیکسی لے کر وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

ذیشان نے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ اپنے دفتری کمرے میں بیٹھا ہوا موبائل فون کے ذریعے بچھو بابا سے باتیں کر رہا تھا۔ دردانہ کی نت نئی چالیں اسے پریشان کر رہی تھیں۔ اب اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ اس کے ممی اور ڈیڈی اس مکار عورت کے گھر

ے ہوئے ہیں اور چھوٹا بھائی بابر بھی ان کے ساتھ ہے۔

یہ بات سمجھ سے باہر تھی کہ ماں باپ ایسی عورت سے تی کیوں کر رہے ہیں جو ان کے بیٹے کو پھانسی کے پھندے ک پہنچانا چاہتی ہے۔

اس نے فون کے ذریعے تصدیق کی تھی کہ وہ تینوں ردانہ کی کوٹھی میں موجود ہیں اور اس بات کی تصدیق ہوتے اس نے فون بند کر دیا تھا اور یہ طے کر لیا تھا کہ آج رات ھر کی چار دیواری میں ان تینوں کا محاسبہ کرے گا۔

وہ پولیس والا تھا' شبہ کرنا اس کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ نے ماں باپ پر بھی شبہ کرتا تھا۔ یہ بات اسے کھٹک رہی تھی کہ بیگم آفتاب نمرہ کے ساتھ لندن کیوں نہیں گئیں۔ اس نے تو اہونے والی جو کہانی سنائی' وہ من گھڑت لگ رہی تھی۔ اس کے ممی اور ڈیڈی اپنے چھوٹے بیٹے بابر کو کسی بھی معاملے میں ازدار بنا لیتے تھے لیکن اپنے بڑے بیٹے کی پولیس افسری سے رتے تھے اور اس سے بہت سی باتیں چھپاتے رہتے تھے۔

آئندہ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس سے کیا چھپایا جا رہا ہے؟

دروازے پر دستک ہوئی' اس نے کہا "کم ان۔"

دروازہ کھلا' بہار کا ایک جھونکا سا آیا۔ پرفیوم کی مہک نے ذہن کو معطر کر دیا۔ کھلے ہوئے دروازے پر گل خانم سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا "آؤ' اندر آ جاؤ۔"

پہلے اس کے ماتحت آ کر اطلاع دیا کرتے تھے کہ گل خانم ملنا چاہتی ہیں' اب وہ براہ راست اس کے کمرے میں چلی آتی تھی۔ اور جب وہ آتی تھی' ذیشان کرسی پر بیٹھا رہتا تھا۔ اب وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ادھر سے بھی کچھ بے تکلفی تھی' ادھر سے بھی استقبال کرنے کا انداز بدل گیا تھا۔

پہلے وہ اندر آ کر میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھ جایا کرتی تھی' آج وہ صوفے پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ ذیشان نے اسی صوفے پر سے اٹھا کر اسے اسپتال پہنچایا تھا اور پھر اسپتال سے اس کے بیڈ روم تک پہنچ گیا تھا۔

وہ اس کے قریب دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میں نے دو بار تم سے فون پر رابطہ کرنا چاہا لیکن ہمیشہ تمہارا فون بند تھا' بات کیا ہے؟"

گل خانم نے اسے بڑی محبت اور بڑی حسرت سے دیکھا پھر نظریں چراتے ہوئے کہا "بس یونہی بند کر دیا ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔ یاور خان تمہیں پریشان کرتا رہتا ہے اس لیے تمہیں فون بند رکھنا پڑتا ہے۔"

اس نے انکار میں سر ہلایا "یہ بات نہیں ہے۔ میری گورنس تو یاور خان کی آواز سنتے ہی فون بند کر دیتی ہے۔"

اس نے تعجب سے پوچھا "تو پھر فون بند کیوں رکھتی ہو؟"

وہ فوراً ہی جواب نہ دے سکی' صوفے پر پہلو بدلنے لگی۔ ذیشان اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا' اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟"

وہ اپنے ناخن سے کھیلتی ہوئی بولی "وہ...... وہ میں نہیں چاہتی' آپ مجھ سے فون پر باتیں کریں۔"

"اس کا مطلب ہے تم مجھ سے کترا رہی ہو؟"

"آپ سمجھ دار ہیں' آپ کو سمجھنا چاہیے۔ یوں باتوں سے کیا حاصل ہو گا' آپ کی اور میری ان ملاقاتوں کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ میں مفت میں بدنام ہوتی رہوں گی اور جس منزل تک پہنچنا چاہتی ہوں' وہاں تک کبھی نہیں پہنچ پاؤں گی۔"

"تم اپنی منزل ضرور پاؤ گی۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تم سے شادی کروں گا پھر تم......"

وہ ہاتھ اٹھا کر بولی "بس' بس! اس سے آگے کچھ نہ بولیں۔ میں عورت ہوں' میرے سینے میں دل ہے۔ میرے احساسات ہیں' میرے اپنے جذبات ہیں۔ میں طلاق کی گالی بار بار سننا نہیں چاہتی۔"

ذیشان کا سر جھک گیا۔ وہ گل خانم کو چاہتا تھا لیکن ہمیشہ کے لیے اپنی شریک حیات نہیں بنا سکتا تھا۔ وہ اسما کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے گل خانم سے کہہ دیا تھا کہ وہ صرف بچے کی خاطر اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کے بعد اسے طلاق دے دے گا تا کہ وہ اپنے سابقہ شوہر سے رجوع کر سکے۔

گل خانم کے نقطۂ نظر سے یہ بات غلط تھی۔ وہ اب دوسری شادی کرنے کے بعد اپنے شوہر کو ہمیشہ کے لیے قبول کرنا چاہتی تھی لیکن دل بڑا بے ایمان ہوتا ہے۔ وہ بھی ذیشان کی طرح اس پر مرمٹی تھی۔ اس کے ساتھ آخری سانس تک ازدواجی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔

ذیشان کی اس بات نے اس کا دل توڑ دیا تھا کہ وہ محض ایک بچے کی خاطر اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا' اس نے کہا "انسان محبت سے مجبور ہوتا ہے یا ضرورت سے مجبور ہو جاتا ہے۔ تم یقین نہیں کرو گی' میرے ساتھ دونوں ہی باتیں ہیں۔ مجھے تم سے محبت ہے اور تمہاری ضرورت بھی ہے لیکن میں اسما پر ہمیشہ کے لیے کسی سوکن کو مسلط کرنا نہیں چاہتا۔"

پھر وہ ایک ذرا توقف سے بولا "تم میری یہ بات سن کر

اپنی توہین محسوس نہ کرو۔ یہ نہ سوچو کہ میں تمہیں کمتر سمجھ رہا ہوں۔ میری جگہ بیٹھ کر سوچو اسما ایک وفا شعار بیوی ہے' بہت محبت کرتی ہے۔ بعض میاں بیوی کی محبتیں مثالی ہوتی ہیں۔ ہم ایسے ہی میاں بیوی میں سے ایک ہیں۔"

"میں یہی کہنا چاہتی ہوں۔ میں آپ کے اور اسما کے درمیان کبھی نہیں آؤں گی۔"

"تم دوبارہ کسی سے طلاق لینا نہیں چاہتیں اور یادر خان کی طرف واپس جانا نہیں چاہتیں پھر تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ مجھ جیسے کسی غرض مند سے شادی نہ کرو۔ تم اتنی اچھی ہو کہ کتنے ہی چاہنے والے تمہاری زندگی میں آئیں گے۔ تم ان میں سے کسی کا انتخاب کر کے ساری عمر اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارو۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں' میں کسی سے شادی نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں کروں گی۔"

اس نے دوپٹے سے منہ چھپالیا' اپنے آنسو چھپانے لگی۔ وہ دونوں تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر ذیشان نے کہا "میں نے اپنی محبت کا کھل کر اظہار کیا ہے کہ میں تمہیں دل سے چاہتا ہوں۔ میری زندگی میں اسما کے علاوہ کوئی لڑکی نہیں آئی تھی۔ یہ صرف تم ہو جو میرے اندر آ کر بیٹھ گئی ہو۔"

اس نے اسے سر اٹھا کر دیکھا' وہ بولا "لیکن تم اپنے دل کی بات مجھ سے چھپا رہی ہو۔ یہ کھل کر نہیں کہتیں کہ مجھے دل سے چاہنے لگی ہو۔"

وہ تھوڑی دیر چپ رہی پھر بولی "میں یادر خان کی وجہ سے آئی ہوں۔ تھوڑی دیر کے لیے فون کھلا رکھا تھا' ایک پی سی او سے کسی نے فون پر اطلاع دی کہ یادر خان کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"اور تم پھر اس کی سفارش کرنے چلی آئیں؟" وہ خاموش رہی۔

وہ اس کی طرف جھک کر بولا "تم کیا ہو گل خانم! اس سے بیزار رہتی ہو۔ حلالہ کے مرحلے سے گزر کر دوبارہ اس کے پاس جانا نہیں چاہتیں' لیکن اس کی سلامتی کے لیے دن رات دوڑتی رہتی ہو۔ تمہیں مجھ سے بھی شکایتیں ہیں' میری محبت کا یہ انداز تمہیں پسند نہیں آیا کہ میں تم سے عارضی شادی کرنا چاہتا ہوں' اس کے باوجود تم میری طرف کھنچی چلی آتی ہو۔ میں نہیں مانوں گا کہ تم صرف یادر خان کی وجہ سے یہاں آئی ہو۔"

وہ چپ رہی' کچھ بول نہ سکی۔ دو میں سے کوئی ایک بات سچ تھی۔ یا تو وہ یادر خان کی رہائی کے لیے آئی تھی یا پھر اس بہانے ذیشان سے ملنے' اسے دیکھنے اور قربت کی آنچ محسوس کرنے آئی ہے۔ اس نے چور نظروں سے ذیشان کو دیکھا' اس سے نظریں ملیں تو وہ فوراً ہی دوسری طرف منہ کر کے بولی "وہ بڑا ڈھیٹ ہے۔ میری طلب سے باز نہیں آئے گا۔ فون کرتا رہے گا' کبھی گھر کی طرف دوڑتا رہے گا۔ آپ اسے کب تک سزائیں دیتے رہیں گے؟"

"اس بار میں اسے شہر بدر کر دوں گا۔ تمام پولیس اسٹیشنوں میں اس کی تصویر لگوا دوں گا۔ وہ جب بھی شہر میں داخل ہوگا' گرفتار کر لیا جائے گا۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی "یہ مناسب رہے گا۔ اسے شہر سے باہر بھیج دیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ فون پر پریشان کرے گا' یہاں رہ کر میرا پیچھا تو نہیں کرے گا۔ مجھے بدنام نہیں کرے گا۔"

"اس کی اچھی خاصی پٹائی ہو چکی ہے۔ اب شاید باز آ جائے۔ میں اسے یہاں بلا رہا ہوں۔ اسے وارننگ دے کر پولیس کے ذریعے اسے یہاں سے حیدر آباد بھجوا کر وہاں کی پولیس کے حوالے کرا دوں گا۔ پھر وہاں کی پولیس اسے یہاں نہیں آنے دے گی۔"

"اس کو یہاں بلوا رہے ہیں مگر میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم ساتھ والے کمرے میں چلی جاؤ۔ وہ چلا جائے تو یہاں چلی آنا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنی میز پر آیا اور انٹرکام پر کہا "یادر خان کو یہاں لے آؤ۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر ساتھ والے ریکارڈ روم میں چلی گئی۔ یادر خان کی اس قدر پٹائی ہوئی تھی کہ دو سپاہی اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر لائے تھے۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ذیشان نے اسے حقارت سے دیکھا پھر سپاہیوں سے کہا "اسے یہاں چھوڑ جاؤ۔"

انہوں نے اسے فرش پر بٹھا دیا۔ وہ دونوں ہاتھ فرش پر ٹیک کر بیٹھ گیا۔ اس قدر کمزور اور بے جان ہو رہا تھا کہ سہارے کے بغیر بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ گل خانم دوسرے کمرے کے دروازے کے پیچھے چھپی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ہمدردی اور محبت کے جذبوں سے اس کا دل تڑپنے لگا۔

ذیشان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا "دیکھو' تم کس طرح زمین پر بیٹھے ہوئے ہو۔ اسی طرح فٹ پاتھ پر بیٹھے رہو گے تو تمہیں بھیک ملتی رہے گی۔ تم اسی قابل ہو کہ تمہیں اپاہج بنا کر فٹ پاتھ پر پھینک

ـ" ذرا توقف کے بعد وہ بولا "میں نے تمہیں ایک نہیں ...بار وارننگ دی مگر تم انسان نہیں پاگل کتے لگتے ہو کہ کوئی ...ہیں سمجھتے۔"

وہ ہانپتے ہوئے کمزور سے لہجے میں بولا "صاحب......! ......پاگل کتا...... ہوں تو پھر...... آپ...... آپ کیا ...آپ بھی تو...... گل خانم...... کے پیچھے......"

وہ گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے بولا "پاگل ہو رہے ...... ہم دونوں...... پاگل کتے ہیں......"

ذیشان ایک دم سے بھنا گیا' پلٹ کر اسے لات مارنا ...تھا' اچانک خیال آیا' ساتھ والے کمرے میں گل خانم ...ـ وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا "شٹ اپ! تم میں اور مجھ میں ...ن آسمان کا فرق ہے۔ تم اپنی حرکتوں سے اسے بدنام ...رہے ہو۔ وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔ میں ...ے تحفظ دے رہا ہوں۔ تمہارے جیسے پاگل کتے سے دور ...رہا ہوں۔"

"تم...... بہت بڑے...... افسر ہو مگر...... میں تم سے اب ...ڈروں گا۔"

وہ ہانپنے لگا۔ کہنے لگا "مجھے دور کر کے اس کے قریب ...تے جا رہے ہو۔ دن رات اس کے ساتھ رہتے ہو۔"

وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو کر ہانپنے لگا پھر بولا "تم ...ے اس لیے سزا دے رہے ہو کہ میں اس کے قریب جانا چاہتا ...ں مگر تمہیں کون سزا دے گا؟ تم کس رشتے سے اس کے ...تھ رہتے ہو؟ کس رشتے سے تم رات کے دو بجے تک اس ...ے ساتھ منہ کالا کرتے رہے؟"

اس کی یہ بات برداشت سے باہر ہو گئی تھی۔ ذیشان نے ...گھوم کر اس کے منہ پر لات ماری۔ وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا' ...تکلیف سے کراہنے اور تڑپنے لگا۔

وہ ایک دم سے تڑپ گئی۔ چیختی ہوئی دوڑتی ہوئی کمرے ...سے نکل کر یادر خان کے پاس آئی پھر فرش پر گر کر اس سے ...لپٹ گئی۔ اسے دونوں بانہوں میں سمیٹ کر گلے لگانے لگی۔ ...اس کے سر کو اس کے پیٹ کو سہلاتے ہوئے۔ کہنے لگی "تم ...سب پولیس والے ایک جیسے ہو۔ قصائی ہو' درندے ہو۔ کیا ...کسی کو اس طرح مارا جاتا ہے؟"

وہ اس کی طرف ایک قدم آگے بڑھ کر بولا "کیوں چیخ ...رہی ہو؟ کیا تم نے سنا نہیں' وہ تمہارا منہ کالا ہونے کی بات ...کر رہا تھا۔ ہمیں گنہگار کہہ رہا تھا؟"

وہ روتے ہوئے بولی "اس نے کیا غلط کہا ہے۔ کیا آپ ...بند کمرے میں رات دو بجے تک میرے ساتھ نہیں تھے؟ کیا آپ دنیا والوں کو یقین دلا سکیں گے کہ ہم پارسا ہیں؟"

پھر وہ یادر خان کو بڑی ہمدردی سے دیکھتے ہوئے بولی "اسے دیکھیں' کیا حالت بنا دی ہے۔ صورت پہچانی نہیں جاتی ہے۔ کیا ایسا ظلم کیا جاتا ہے؟"

وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ وہ اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھتے ہوئے بولی "یادر! آنکھیں کھولو' دیکھو...... یہ میں ہوں' میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گی۔ کوئی تم پر ظلم نہیں کر سکے گا۔"

وہ اسے جھنجوڑ کر آوازیں دینے لگی پھر گھبرا کر بولی "یہ کچھ نہیں بول رہا ہے۔ پلیز' دیکھیں اسے کیا ہو گیا ہے؟ ڈاکٹر کو بلائیں...... خدا کے لیے ڈاکٹر کو بلائیں۔"

وہ آہستگی سے اسے فرش پر لٹا کر اٹھ گئی۔ ذیشان کے پاس آ کر اس کا ہاتھ تھام کر التجا کرنے لگی۔ وہ اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے بولا "تم فکر نہ کرو' ابھی ڈاکٹر آ جائے گا۔ میں دیکھ رہا ہوں' اس کی سانسیں چل رہی ہیں' اسے کچھ نہیں ہوگا۔"

اس نے میز کے پاس آ کر انٹرکام کے ذریعے اپنے ماتحت سپاہیوں کو بلایا' فوراً ہی وہ سب اندر چلے آئے' اس نے پوچھا "اس پر ٹارچر کرتے وقت ڈاکٹر کو یہاں بلایا گیا تھا؟"

"یس سر! وہ بیٹھا ہوا ہے۔"

"اسے اٹھا کر لے جاؤ۔ ڈاکٹر سے کہو فوراً اس کا معائنہ کرے۔ اب اس پر کوئی ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

سپاہی اسے اٹھا کر لے جانے لگے۔ گل خانم بھی اس کے پیچھے جانے لگی۔ ذیشان نے اسے آواز دی "گل......!"

اس نے دروازے پر رک کر پلٹ کر اسے دیکھا پھر منہ

پھیر کر چلی گئی۔ وہ بند دروازے کی طرف دیکھ کر سوچنے لگا ''یہ عورت بھی کیا چیز ہے؟ سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟ اس کا دل سمندر سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ اس گہرائی میں وہ اپنی محبتیں چھپا کر رکھتی ہے۔ اوپر سے بےزاری ظاہر کرتی ہے' اس سے دور ہو جانا چاہتی ہے لیکن اس پر ذرا سی آنچ آئے تو اس سے لپٹ کر رونے بھی لگتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ آئندہ ازدواجی زندگی گزارنا نہیں چاہتی تھی' اس سے نفرت ظاہر کر رہی تھی مگر اسے گلے بھی لگا رہی تھی۔''

گل خانم کی یہ بات اسے پتھر کی طرح لگی تھی کہ جو غلطی یاور خان کر رہا ہے' وہ ذیشان بھی کر چکا ہے۔ وہ مطلقہ تھی' نامحرم تھی۔ جب اس کا سابقہ شوہر اس کی تنہائی میں نہیں آ سکتا تھا تو ذیشان کیوں چلا گیا تھا۔ کیوں رات دو بجے تک اس کے کمرے میں رہا تھا۔ اگر یاور خان کو ایسی غلطی کی سزا دی جا رہی تھی تو پھر اس پولیس افسر کو بھی سزا ملنی چاہیے تھی۔

وہ اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے ماتحت کو بلا کر پوچھا ''کیا وہ ہوش میں آ گیا؟''

''یس سر! ہوش میں تو آ چکا ہے مگر حالت بہت خراب ہے۔ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ آپ کو بدنام کر رہا ہے۔''

''ہوں...... ایسی حالت میں اسے رہا کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ گل خانم اسے جس اسپتال میں بھی لے جائے گی' وہ وہاں بھی ایسی ہی بکواس کرے گا۔''

''سر! علاج بھی بہت ضروری ہے' ورنہ وہ مر جائے گا۔''

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا پھر جھنجلا کر بولا ''تم لوگ بھی حد کرتے ہو' اسے اس قدر ٹارچر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''سر! وہ ہمیں بھی گالیاں دے رہا تھا۔ طیش دلا رہا تھا۔ اس لیے ہمارا ہاتھ کچھ بھاری پڑ گیا۔''

''اسے حوالات میں رکھنا ہوگا' یہیں علاج کرانا ہوگا۔ جب تک کہ اس کے زخم نہ بھریں' اسے یہاں سے باہر نہ جانے دو۔ کسی کو یہ خبر نہ ہونے دو کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا ہے۔ پریس والے ہمارے خلاف لکھنے کے لیے ایک ٹانگ پر کھڑے رہتے ہیں۔ ان کے کانوں میں اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔''

''سر! ہم تو یہ بات چھپالیں گے لیکن میڈم' پرابلم بن جائیں گی۔''

وہ درست کہہ رہا تھا۔ ذیشان نے ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ وہ یاور خان کے سلسلے میں کس قدر جذباتی ہو گئی تھی۔

وہ سر ہلا کر بولا ''ہوں...... میں اسے سمجھاؤں گا۔ پہلے تم ڈاکٹر کو یہاں لے آؤ۔''

وہ حکم کی تعمیل کے لیے گیا پھر تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر کے ساتھ اندر آیا۔ ذیشان نے پوچھا ''کیا اس کی حالت بہت تشویشناک ہے؟''

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''سر! میں نے ان لوگوں کو سمجھایا تھا کہ اب بس کریں' زیادہ ٹارچر نہ کریں۔ میں نے اس کی نبض دیکھی تھی۔ دل کی دھڑکنوں کو چیک کیا لیکن میرے منع کرنے کے باوجود اس پر تشدد کیا جاتا رہا۔''

ذیشان نے گھور کر ماتحت کو دیکھا پھر ڈاکٹر سے کہا ''جو ہونا تھا' وہ ہو چکا۔ اب یہ بتاؤ اس کی حالت کیسی ہے؟''

''وہ ہوش میں آ گیا ہے لیکن اپنے حواس میں نہیں لگتا ہے۔ وہ اپنے حواس کھو چکا ہے۔ اس کا باقاعدہ علاج ہوا تو وہ ایب نارمل ہو سکتا ہے۔''

ذیشان نے کہا ''آپ اسے مسلسل اٹینڈ کریں اور کوشش کریں کہ اس کے زخم جلد سے جلد بھر جائیں اور اس کے حواس بجا ہوتے رہیں۔ آپ کسی طرح جلد سے جلد یہ دو کام حاصل کرلیں' اس کے بعد ہمیں کسی کی طرف سے اندیشہ نہیں رہے گا۔ اب جا سکتے ہیں۔''

ڈاکٹر وہاں سے چلا گیا۔ اس نے ماتحت سے کہا ''گل خانم کو یہاں بھیج دو۔''

وہ ماتحت بھی چلا گیا۔ ذیشان سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یاور خان کو ٹارچر کرنے سے بات اتنی بڑھ جائے گی۔ اس سے پہلے بھی پھوپھا بابا نے جواد کو ٹارچر کیا تھا۔ وہ بھی اسے برداشت نہ کر سکا' اسپتال پہنچ کر مر گیا تھا۔ ڈاکٹر نے یاور کے بارے میں کوئی ایسی تشویش ظاہر نہیں کی تھی لیکن یہ بات تشویشناک تھی کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو سکتا ہے۔

ایسا ہوا تو گل خانم اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکتی تھی۔ آج اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ یاور خان سے بیزار ہونے کے باوجود اسے دیوانہ وار چاہتی ہے اور شاید اس کی خاطر ذیشان کے خلاف کچھ بھی کر سکتی ہے۔

دروازے پر دستک سنائی دی تو اس نے کہا ''آ جاؤ۔''

گل خانم دروازہ کھول کر اندر آئی' اسے گھور کر دیکھا پھر بولی ''آپ یہاں منہ چھپائے کیوں بیٹھے ہیں۔ آئیں ذرا یاور خان کی حالت دیکھیں۔ کیا اس کا جرم اتنا بھیانک تھا کہ آپ اسے موت کی سزا دے رہے تھے؟''

''گل خانم! ایسی کوئی بات نہیں تھی۔''

''ایسی ہی بات تھی' آپ یہ اچھی طرح سمجھ گئے۔ یاور خان غیرت مند ہے۔ اگر میں آپ سے شادی کے لیے راضی ہو جاؤں گی تب بھی وہ شادی نہیں ہونے دے گا۔ مجھے آپ کی تنہائی میں نہیں آنے دے گا۔ اس لیے آپ راستے کا کانٹا صاف کرنا چاہتے تھے۔''

وہ میز پر گھونسا مار کر بولا ''تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔''

وہ بھی کڑک کر بولی ''آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ آپ نے یہ دیکھا کہ ایک بیوی اپنے شوہر کے خلاف ہو گئی ہے اور اس کے خلاف شکایتیں کرنے لگی ہے تو آپ موقع سے فائدہ اٹھانے لگے۔ یہ سمجھنے لگے کہ میں سچ مچ اس سے نفرت کرنے لگی ہوں۔ جائیں دنیا کی کسی بھی وفا شعار اور محبت کرنے والی بیوی سے پوچھیں کہ وہ شوہر کی شکایتیں ضرور کرتی ہے' بظاہر اس سے نفرت بھی کرتی ہے لیکن اسے اپنے دل سے نکال کر نہیں پھینکتی کیونکہ وہ اس کا مرد ہوتا ہے۔ اس کی تنہائی کا ہمسفر ہوتا ہے۔ آج تک یاورا' صرف میرا یاورا' میری تنہائی کا رازدار رہا۔ آپ کو شرم آنی چاہیے کہ آپ چور دروازے سے میری تنہائی میں آئے تھے۔''

وہ مٹھی بھینچ کر بولا ''گل خانم! تم بہت زیادہ بول رہی ہو۔''

''ہاں' میں بولتی رہوں گی اور آپ سنتے رہیں گے' آپ نے نقب زنی کی ہے۔ قانون کے محافظ ہو کر چوروں کی طرح میری تنہائی میں آئے تھے۔ کوئی آپ کا محاسبہ نہیں کرے گا لیکن میں کروں گی۔''

''تم کیا کرو گی؟''

''کچھ بھی کروں گی۔ آج اس کی حالت دیکھ کر میرا دل کہہ رہا ہے کہ آپ اسے جان سے مار کر مجھے بیوہ بنا دینا چاہتے ہیں۔ آپ کہیں گے' میں مطلقہ ہوں' بیوی نہیں ہوں لیکن ہوں اور مرتے دم تک رہوں گی۔ وہ مجھے طلاق دے کر بھی میرے اندر کی محبت کرنے والی بیوی کو مطلقہ نہ بنا سکا۔ دینی اور دنیاوی قانون نے ہم دونوں کو الگ کر دیا ہے لیکن وہ آج بھی ہر رات میری ہر کروٹ' میری رگ جاں کے قریب رہتا ہے۔''

ذیشان نے ایک گہری سانس لے کر کہا ''جب پہلی بار تم سے ملاقات ہوئی تو تم میرے سامنے ایک طلاق یافتہ خاتون تھیں۔ ایک ایسی ماں تھیں جو اپنے نوزائیدہ بچے سے محروم ہو گئی تھیں۔ میں نے تم سے ہمدردی کی اور ہر برے وقت میں کام آتا رہا۔ معلوم ہوتا ہے یہ ہمدردی اور محبت مجھے مہنگی پڑنے والی ہے۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''ایسی کوئی بات نہیں ہے' میں اب بھی آپ کی عزت کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔ بس ایک گزارش ہے کہ آپ ایک آخری ہمدردی مجھ سے کریں۔''

ذیشان نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا' وہ بولی ''میں یاورا کو ابھی یہاں سے لے جانا چاہتی ہوں۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا ''یہ ممکن نہیں ہے' یہاں آرام سے بیٹھو اور میری باتیں سنو۔''

''میں کچھ نہیں سنوں گی' ایک بات اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ وہ یہاں رہے گا تو زندہ نہیں بچے گا۔ آپ کے آدمی اسے مار ڈالیں گے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہوگی' تم میری مجبوری سمجھو۔ اگر وہ ایسی حالت میں باہر جائے گا۔ تم اسے کسی بھی اسپتال میں لے جاؤ گی' کسی بھی ڈاکٹر سے علاج کرانا چاہو گی، وہاں پریس والے پہنچ جائیں گے۔ میرے کئی دشمن ہیں۔ انہیں میرے خلاف قانونی کارروائیاں کرنے کا موقع مل جائے گا اور میں انہیں ایسا کوئی موقع دینا نہیں چاہتا۔''

''یعنی آپ اپنے بچاؤ کے لیے یاور خان کو مار ڈالنا چاہتے ہیں؟''

''مجھے اس کا دشمن نہ سمجھو۔ وہ یہاں رہے گا ڈاکٹر یہیں اس کا علاج کرتے رہیں گے۔ تم یہاں آ کر اس سے ملتی رہو گی۔ وہ دو چار روز میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا۔''

گل خانم نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا ''کیا آپ رازداری سے اس کا علاج کرانا چاہتے ہیں؟''

''ہاں۔ مجھ پر بھروسا کرو' جس طرح وہ اپنے پیروں پر چلتا ہوا آیا تھا' اسی طرح صحیح سلامت اپنے پیروں سے چلتا ہوا یہاں سے جائے گا۔''

''اگر آپ رازداری سے اس کا علاج کرانا چاہتے ہیں تو ایک بات میں آپ کی مانوں گی کہ اس کا علاج آپ کے ہی ڈاکٹر کریں۔ لیکن دوسری بات آپ میری مانیں' وہ یہاں نہیں رہے گا۔ اس کا علاج میرے گھر میں ہوگا۔''

وہ بےچینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا ''یہ مناسب نہیں ہے۔''

''کیوں مناسب نہیں ہے؟ کیا اس لیے کہ وہ نامحرم ہے؟ آپ بھی تو نامحرم ہیں' پھر آپ میرے گھر آ کر مجھ سے کیوں ملتے رہتے ہیں؟ دیکھیے' بات بنانے سے بنتی ہے' بگاڑنے سے بگڑ جاتی ہے۔ میں اپنے یاورا کی سلامتی کے لیے کچھ بھی کر گزروں گی لیکن یہاں درندوں کے سائے میں اسے نہیں رہنے دوں گی۔''

گل خانم کی آنکھیں' اس کا چہرہ اور اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اپنے سابقہ شوہر کے لیے واقعی کچھ بھی کر گزرے گی۔ اس وقت مصلحت اندیشی یہی تھی کہ اس کی بات مان لی جائے۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

شہباز درانی اپنے پرائیویٹ چیمبر میں بیٹھا ہوا تھا' فون کان سے لگائے۔ دوسری طرف کی باتیں سن رہا تھا پھر اس نے پوچھا ''کیا تمہاری انفارمیشن بالکل درست ہے؟''

دوسری طرف سے کہا گیا ''یس باس! میں آپ کا نمک کھاتا ہوں' آپ کا وفادار ہوں۔ پولیس میں رہ کر کون سی زیادہ تنخواہ مل جاتی ہے۔ بیوی بچوں کے ساتھ گزارا نہیں ہوتا۔ آپ کے در سے ماہانہ بیس ہزار روپے ملتے ہیں اس لیے پولیس کی وردی پہن کر آپ کے لیے کام کرتا ہوں۔''

''اگر تمہاری یہ انفارمیشن درست ہوئی تو میں تمہیں پچاس ہزار روپے دوں گا۔ گل خانم کی کوٹھی کا پتا اور اس کا فون نمبر بتاؤ۔''

وہ بتانے لگا اور شہباز درانی ایک کاغذ پر نوٹ کرنے لگا پھر بولا ''ٹھیک ہے' آج شام تک تمہیں پچاس ہزار روپے مل جائیں گے۔''

وہ رابطہ ختم کر کے سوچنے لگا۔ سی آئی اے والوں نے ایس پی ذیشان کے خلاف انکوائری کرنے کے لیے ایک انویسٹی گیشن ٹیم بنائی تھی' اس ٹیم کے انچارج نے بڑی رازداری سے ایسے مجرموں کے بیانات ریکارڈ کیے تھے جو عدالت سے باعزت طور پر بری کیے گئے تھے لیکن ذیشان کی انتقامی کارروائیوں سے خوف زدہ تھے اور چھپ کر رہا کرتے تھے۔ ایسے مجرموں کے رشتے داروں کے بھی بیانات ریکارڈ کیے گئے تھے جو عدالت سے بری ہونے کے بعد ہلاک کیے گئے تھے۔ ان رشتے داروں کا بیان تھا کہ ایس پی ذیشان نے بڑی رازداری سے انہیں ہلاک کرایا ہے۔ دردانہ نے اپنے بیٹے جواد کی ہلاکت کا الزام بھی ذیشان پر لگایا تھا۔ پھر حشمت کے قاتل زبیری نے بھی ذیشان کے خلاف بیان دیا تھا۔

اب ایک اور گواہ یاور خان ہاتھ لگنے والا تھا' اس سے یہ بیان لیا جا سکتا تھا کہ حبس بے جا میں رکھ کر اس پر تشدد کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا گیا ہے' یہ سی آئی اے والے اپنے طور پر معلوم کر سکتے تھے۔

شہباز درانی نے انویسٹی گیشن Investegation ٹیم کے انچارج سے رابطہ کیا

''ہیلو...... باقر مہدی! میں شہباز درانی بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے باقر مہدی نے چہک کر

''آہا...... درانی صاحب! یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ آ نے خادم کو یاد کیا۔ حکم کریں۔''

''ذیشان کے خلاف ایک اور کیس کا اضافہ ہو سکتا ہے

''ضرور ہو سکتا ہے۔ کیا اس کے خلاف نئی معلوما حاصل ہوئی ہیں؟''

''ہاں...... آپ نے مشہور گلوکارہ گل خانم کا نام ہوگا؟''

''جی ہاں' سنا ہے اور یہ بھی سنا ہے کہ اس کے شوہر اسے طلاق دے دی ہے۔''

''میرے مخبر کی رپورٹ کے مطابق ذیشان اور گل خ کے درمیان معاشقہ چل رہا ہے۔ ذیشان نے اس کے ش یاور خان کو کئی بار حوالات میں بند کیا پھر گل خانم کی سفارش چھوڑ دیا۔ اس بار اس نے انتہا کی ہے۔ اسے حوالات میں ر کر بری طرح ٹارچر کیا گیا ہے اور اس کی حالت بہت نازک ہے۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھونے والا ہے۔''

باقر مہدی نے کہا ''یہ تو آپ بہت ہی زبردس معلومات فراہم کر رہے ہیں۔''

''جی ہاں! وہ یاور خان کو اسی حوالات میں رکھ رازداری سے اس کا علاج کرانا چاہتا تھا تاکہ بات باہر جائے لیکن گل خانم کی فرمائش پر اس نے بڑی رازداری۔ یاور خان کو اس کی کوٹھی میں پہنچا دیا ہے۔ اس وقت یاور خا زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے اور گل خانم کی کوٹھی میں اس علاج ہو رہا ہے۔''

''ہم ابھی اس کوٹھی پر چھاپا مار کر زخمی یاور خان کو ا تحویل میں لے لیتے ہیں۔ باقی دا دے' آپ کیا چا۔ ہیں؟''

''ذیشان کے خلاف فوری کارروائی یہ ہونی چاہیے جب تک اس کے اور گل خانم کے معاشقے کی بات تحریر میں آئے' اس وقت تک گل خانم کو ذیشان سے ملنے کی اجازت دی جائے اور ذیشان کو اس کوٹھی سے دور رکھا جائے۔ گل خا کے تمام ٹیلی فون وغیرہ ضبط کر لیے جائیں تاکہ وہ فون پر رابطہ نہ کر سکے۔''

''آپ نے حکم دیا' سمجھیں تعمیل ہوگئی۔ میں ابھی فورس لے کر وہاں جا رہا ہوں۔''

''میں آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔ وش یو گڈ لک۔

رابطہ ختم ہوگیا۔ شہباز درانی زیر لب مسکرا رہا تھا۔ ذیشا

کے خلاف ایک بہت بڑی کامیابی حاصل ہونے والی تھی۔ دردانہ کے لیے یہ بہت ہی خوشی کی بات ہوتی۔ وہ ابھی پرائیویٹ چیمبر سے باہر جا کر اسے آغوش میں لے کر یہ خوش خبری سنانا چاہتا تھا پھر اچانک ہی مایوس ہوگیا۔

خوشی سے جھوم جھوم کر ناچتے ہوئے مور کو جب اپنے بھدے پاؤں دکھائی دیتے ہیں تو وہ بالکل ہی مرجھا جاتا ہے۔ شہباز کو ایسے وقت میں یاد آ گیا تھا' یہ اس کی شکست بھی تھی اور توہین بھی کہ میں اس کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

اس نے میری اصلیت اور کمزوریاں معلوم کرنے کے لیے یورپ کے ایک مشہور و معروف نجومی پبلو ماسٹر کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اسے اچھی خاصی رقم دی تھی وہ اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔ پرل ہوٹل سے اس نے اطلاع دی تھی ''مسٹر درانی' میں یہاں پہنچ گیا ہوں' آپ مجھے مقدر حیات کا پتا اور فون نمبر بتائیں اور اس کے بارے میں جتنی معلومات فراہم کر سکتے ہیں کریں۔''

شہباز درانی نے اسے میرا پتا اور فون نمبر بتاتے ہوئے کہا ''میں اس کے بارے میں یہ بتا چکا ہوں کہ وہ تاجر برادری سے تعلق رکھتا ہے اور بہت دولت مند ہے۔ تم اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر ہی اس کی اصلیت معلوم کر سکو گے۔''

پبلو ماسٹر نے کہا ''اگر وہ اتنا ہی پراسرار ہے تو اپنے ہاتھ کی لکیریں پڑھنے نہیں دے گا۔ میں نے ایک ایسے شخص کی خدمات حاصل کی ہیں جو کسی کو بھی اغوا کرنے اور قتل کرنے میں مہارت رکھتا ہے۔ وہ شخص مقدر حیات کو اغوا کر لے تو اس کی بے ہوشی کی حالت میں ہی میں اطمینان سے اس کے ہاتھ کو پڑھ سکوں گا۔''

''تم کچھ بھی کرو' کسی کی بھی خدمات حاصل کرو' میں بس اس کی اصلیت اور اس کی کمزوریاں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے پراسرار علوم میں مہارت رکھنے والے ایک بہت ہی خطرناک جادوگر کو بھی یہاں بلایا ہے۔ وہ آج کل میں یہاں پہنچنے والا ہے۔ تم دونوں مل کر مقدر حیات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرو۔ فی الوقت میں دوسرے کام میں مصروف ہوں' تم سے پھر کسی وقت رابطہ کروں گا۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ پبلو ماسٹر نے ہوٹل میں پہنچتے ہی وہاں کے انفارمیشن بورڈ پر اپنا ایک پوسٹر لگوایا تھا' جس میں لکھا تھا کہ ''دنیا کا مشہور و معروف نجومی پبلو ماسٹر اس ہوٹل میں قیام پذیر ہے۔ ضرورت مند حضرات اس سلسلے میں کاؤنٹر سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔''

فون کی گھنٹی بجنے لگی' پبلو ماسٹر نے ریسیور اٹھا کر کان

سے لگاتے ہوئے کہا ''ہیلو! پبلو ماسٹر اسپیکنگ!''

دوسری طرف سے میں نے کہا ''ہیلو ماسٹر! میں نے یہاں کاؤنٹر پر معلومات حاصل کی ہیں' آپ کمرے میں موجود ہیں۔ کیا آپ میری قسمت کا حال بتانا پسند کریں گے؟''

وہ خوش ہو کر بولا ''یہ تو میرا پیشہ ہے' آپ ابھی تشریف لے آئیں۔''

میں ریسیور رکھ کر لفٹ میں آیا اور اوپری منزل کی طرف جانے لگا۔ وہ بے چارا میرا ہاتھ دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ میں اس کی بے چینی دور کرنے خود آ گیا تھا۔

میں لفٹ سے باہر آ کر اس کے کمرے کی طرف جانے لگا۔ یہ دنیا ایک گورکھ دھندا ہے۔ یہاں کوئی بینا ہے' کوئی اندھا ہے۔

میں نے اس کے دروازے پر آ کر دستک دی۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا' میں نے کہا ''ابھی میں نے نیچے کاؤنٹر سے فون کیا تھا' اپنا ہاتھ دکھانے آیا ہوں۔''

اس نے مسکرا کر کہا ''خوش آمدید۔ آیئے' اندر تشریف لایئے۔''

میں نے اندر آتے ہوئے کہا ''ویسے اردو زبان میں ہاتھ دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ دو چار کس کے جما دو یا ہاتھ کی صفائی دکھا کر مال غائب کر دو۔''

وہ مسکرا کر بولا ''میں دوسروں کا ہاتھ دیکھنے سے پہلے اپنا ہاتھ دیکھ لیتا ہوں کہ مجھ پر تو کوئی مصیبت آنے والی نہیں ہے؟''

میں نے پوچھا ''تو پھر تمہارے ہاتھ نے ابھی کیا کہا ہے؟''

''یہی کہ جو ابھی اس کمرے میں آیا ہے' اس کی ذات سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آپ تشریف رکھیں۔''

میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا' اس نے پوچھا ''ٹھنڈا پئیں گے یا گرم؟''

میں نے کہا ''ابھی یہ کمرا گرم ہونے والا ہے اس لیے ٹھنڈا منگوا لو۔''

''تم الجھانے والی باتیں کر رہے ہو' تمہاری اس بات کا مطلب کیا ہوا؟''

میں نے اپنے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''یہ جو انسانی کھوپڑی ہے' میں اسے کمرا کہتا ہوں۔ میرا نام سنو گے تو تمہارا یہ کمرا گرم ہو جائے گا۔''

''کیا نام ہے تمہارا؟''

میں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر مسکراتے ہوئے کہا ''مقدر حیات......!''

وہ ایک دم سے اچھل کر پیچھے کی طرف گیا۔ بیڈ سے ٹکرایا پھر گرتے گرتے سنبھل گیا۔ میں نے انجان بن کر پوچھا ''کیا ہوا؟ کیا کمرا گرم ہو گیا ہے؟''

وہ حیرانی اور بے یقینی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ''مجھے نہ دیکھو' میرا ہاتھ دیکھو۔''

وہ گم صم سا تھا' چونک کر بولا ''ہاں...... ہاں ابھی دیکھتا ہوں۔''

وہ میرے قریب آ کر دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے مٹھی باندھ کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''پبلو ماسٹر تم نے اپنی زندگی میں بڑے عجیب و غریب ہاتھ دیکھے ہوں گے اور اپنی پیش گوئیوں سے دوسروں کو چونکا دیا ہو گا۔ آج تمہارے چونکنے کی باری ہے۔''

یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے سامنے مٹھی کھولی' میری ہتھیلی پھیل گئی۔ وہ سر جھکا کر ہاتھ کی لکیروں کو دیکھنے لگا۔ صوفے سے اٹھ کر کبھی اس زاویے سے' کبھی اس زاویے سے ایک ایک لکیر کو پڑھنے لگا پھر میرا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے مسکرا کر پوچھا ''کیا ہوا؟''

وہ شدید حیرانی سے بولا ''یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نہیں! یہ نہیں ہو سکتا۔''

وہ پھر میرے ہاتھ کو تھام کر دیکھنے لگا۔ بے یقینی سے انکار میں سر ہلانے لگا پھر ہاتھ چھوڑ کر ذرا پیچھے چلا گیا۔ شدید حیرانی سے بولا ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بہت پہلے میں یہ ہاتھ دیکھ چکا ہوں لیکن جس کا ہاتھ دیکھا' وہ تم نہیں تھے۔ آج تم یہاں ہو لیکن یہ ہاتھ تمہارا نہیں ہے' اس کا ہے یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

میں ایک بازی گر ہوں۔
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہمسفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
ایک بازی گر ہوں۔

پبلو ماسٹر منہ تکتا رہ گیا تھا۔ ہاتھ دیکھنا بھول گیا تھا۔ ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ کسی کو اپنا مطلوبہ مقصد حاصل نہ ہو تو وہ منہ تکتا رہ جاتا ہے۔ شہباز درانی نے اسے بتایا تھا کہ میں لاکھ جتن کے باوجود اس کے ہاتھ نہیں آ رہا ہوں اور میں اس نجومی پبلو ماسٹر کے ہاتھ آ رہا تھا تو اسے اپنا مقصد حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ میری اصلیت اور میری کمزوریاں معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن جو ہاتھ میں دکھا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا تھا۔

پبلو ماسٹر نے تقریباً ایک برس پہلے شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا۔ اب میرا ہاتھ دیکھ کر حیران پریشان ہو رہا تھا۔ کیوں کہ دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں یکساں تھیں۔ میرے ہاتھ کی کوئی لکیر بھی اس کے ہاتھ کی لکیر سے الگ نہیں تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ دو انسانوں کے ہاتھوں کی لکیریں بالکل یکساں ہوں۔ کتنی ہی لکیریں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں اور اپنا مختلف مزاج دکھاتی ہیں۔

پبلو ماسٹر کو یوں لگ رہا تھا۔ جیسے اس نے ابھی شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا۔ اس کے اور میرے ہاتھ کی کسی بھی لکیر میں بال برابر بھی فرق نہیں تھا۔

میں نے کہا ''تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے؟ تم اپنی آنکھیں مل مل کر دیکھو۔ میرا ہاتھ صابن سے رگڑ رگڑ کر دیکھو۔ یہ یقین کر دو کہ میں نے یہ لکیریں خود نہیں بنائی ہیں۔ یہ قدرتی ہیں۔''

وہ پھر میرے ہاتھوں کو تھام کر میری ہتھیلی کو رگڑتے ہوئے بولا ''میں یقین کر رہا ہوں۔ یہ واقعی قدرتی ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

''جیسا کبھی نہیں ہوتا، ویسا کبھی نہ کبھی ہو جاتا ہے۔ اسی کا نام دنیا ہے۔''

وہ مجھے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی مشکل کتاب پڑھ رہا ہو۔ اس نے کہا ''مجھ سے کہا گیا تھا کہ تم بہت پُر اسرار ہو اور اب مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔ مجھے بتاؤ۔ پلیز مجھے بتاؤ یہ کیا بھید ہے: تم دونوں کے ہاتھ بالکل ایک جیسے کیوں ہیں؟''

''یہ قدرت کے بھید ہیں۔ نہ تم جان سکتے ہو نہ میں جان سکتا ہوں۔ زیادہ پُر اسرار قدرت ہے۔ میرا یہ ہاتھ قدرتی ہے۔ میں اس لیے پُر اسرار سمجھا جاتا ہوں کہ اس ہاتھ کے آئینہ میں شہباز درانی کا چہرا اور اس کے اعمال دیکھتا رہتا ہوں۔''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا ''اب کچھ بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ تم یہاں ایک ایک لکیر کو دیکھتے ہو اور اس کے ماضی، حال اور مستقبل کی ایک ایک بات معلوم کر لیتے ہو۔''

''اور اگر شہباز درانی بھی علم نجوم سے واقف ہوتا تو وہ بھی اپنا ہاتھ دیکھ کر میرے بارے میں، میرے اعمال کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔ کیوں ہے نا یہی بات؟''

اس نے پھر تائید میں سر ہلا کر کہا ''بیشک۔ وہ سیاست کا ایک ماہر کھلاڑی ہے۔ تم اس کے سیاسی کیریئر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہاتھ کی لکیریں پڑھتے ہو۔ اگر وہ بھی نجومی ہوتا تو تمہارے بزنس کیریئر کو پیش نظر رکھ کر تمہارے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔''

میں نے کہا ''گویا یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہے اور تم شہباز درانی کو یہ بات سمجھاؤ گے کہ میں پر اسرار نہیں ہوں۔ البتہ ہم دونوں کے ہاتھ پر اسرار ہیں اور یہ بات نہ میں بتا سکتا ہوں نہ شہباز درانی بتا سکتا ہے کہ ہم دونوں کے ہاتھ ایک جیسے کیوں ہیں؟''

''جب تم نے پہلی بار اس کا ہاتھ دیکھا' تب اسے یہ کیوں نہیں بتایا کہ تم دونوں کے ہاتھ ایک جیسے ہیں؟''

''میں نے بتانا ضروری نہیں سمجھا لیکن جب وہ میرے لیے موت کا فرشتہ بن گیا۔ مجھے نقصان پہنچانے کی کوششیں کرنے لگا تو میں نے اسے ایک بات سمجھا دی کہ وہ مجھے نقصان پہنچائے گا تو اسے بھی نقصان پہنچے گا۔ مجھے مارنا چاہے گا تو خود بھی مرے گا۔ ہم دونوں ایک ساتھ زندہ رہیں گے اور ایک ساتھ، ایک ہی دن، ایک ہی وقت میں مریں گے۔''

''مسٹر مقدر! تمہاری یہی باتیں تمہیں پر اسرار بناتی ہیں۔ اگر تم اسے وضاحت سے سمجھا دیتے تو وہ یہ بات سمجھ لیتا اور تم سے دشمنی کرنے سے باز رہتا۔''

میں نے مسکرا کر کہا ''یہ بات میں نے اسے نہیں سمجھائی۔ تم سمجھا دو۔ تم اس کے قابل اعتماد نجومی ہو۔ وہ تم پر بھروسا کرے گا لیکن میں پیش گوئی کر دوں کہ تمہاری بات بھی اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ وہ مجھے کبھی زندہ دیکھنا نہیں چاہے گا۔ کیوں کہ میں اس کے ایسے گہرے رازوں سے واقف ہوں' جنہیں کوئی دوسرا نہیں جانتا ہے۔ اگر میں ان رازوں پر سے پردہ اٹھا دوں تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔''

اس نے کہا ''جب دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں یکساں ہیں تو تم برسوں سے اس کے رازوں کے امین ہو۔ آج تک تم نے ایک بھی راز فاش نہیں کیا پھر وہ تم سے ڈرتا کیوں ہے؟''

''چور اپنے سائے سے بھی ڈرتا ہے پھر مجھ سے کیوں نہیں ڈرے گا؟ پہلے ہمارے راستے الگ الگ تھے۔ اب ایک ہو رہے ہیں۔ وہ میرے رشتہ داروں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس لیے اسے اندیشہ ہے کہ میں بھی جواباً اسے نقصان پہنچاؤں گا۔''

"تم وعدہ کرتے ہو کہ اگر وہ دشمنی نہیں کرے گا تو تم بھی نہیں کرو گے؟"

"میں نے تو اب تک اس سے کوئی دشمنی نہیں کی ہے۔ تم اس سے پوچھ سکتے ہو۔ جب ابھی تک نہیں کی ہے تو آئندہ کیوں کروں گا؟"

"تعجب ہے، تو پھر وہ تم سے ڈرتا کیوں ہے؟"

"میں نے کہا نا، وہ چور ہے۔ چور کو اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ دوسرا ابھی اس کے گھر میں نقب لگائے گا۔ سیدھی سی بات ہے۔ تم مجھے پتھر مارو گے تو میں تمہیں پھول نہیں ماروں گا۔ جوتے ماروں گا۔"

وہ چونک کر ذرا پیچھے ہوا پھر بولا "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"تمہیں نہیں اسے کہہ رہا ہوں۔"

وہ جھینپ کر بولا "اچھا اچھا۔ میں مسٹر شہباز کو سمجھاؤں گا کہ وہ تم سے دوستی کریں دشمنی نہیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تم تو میرا ہاتھ دیکھتے ہی چونک گئے تھے۔ لکیریں پڑھنا بھول گئے۔ اگر شہباز درانی کی لکیریں یاد ہیں تو یاد کر دیا پھر میرا ہاتھ دیکھو۔ پتا چلے گا کہ وہ دشمنی سے باز نہیں آئے گا۔"

میں نے پھر اپنی ہتھیلی اس کی طرف بڑھا دی۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑی توجہ سے پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا "تمہارے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے تم دشمنی سے باز آنے والے نہیں ہو۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "دراصل یہ اس کے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ وہ دشمنی سے باز نہیں آئے گا۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی؟"

وہ الجھ گیا تھا۔ میرے ہاتھ کو چھوڑ کر بولا "میرا دماغ بری طرح چکرا رہا ہے۔ میں تمہارے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں معلوم ہو رہا ہے۔"

"یہی بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ جو اس کے بارے میں معلوم ہو رہا ہے، وہی تمہیں میرے بارے میں معلوم ہو رہا ہے۔"

"یعنی تم مانتے ہو کہ شہباز درانی کی طرح تم بھی دشمنی سے باز نہیں آؤ گے؟"

"مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟ ابھی تم نے میرے ہاتھ کی لکیر دیکھی ہے۔ لکیریں یہی کہتی ہیں تو پھر یہی سہی۔ مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سوئچ بورڈ کے پاس جا کر پنکھے کی رفتار تیز کر دی اور کرسی کھسکا کر، پنکھے کے نیچے بیٹھ کر اپنا سر سہلانے لگا۔ میں آرام سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا اس کی حالت دیکھ رہا تھا اور زیر لب مسکرا رہا تھا۔

اس نے تھوڑی دیر بعد کہا "تمہارا نام مقدر حیات ہے۔ تم ایک بہت بڑے بزنس مین ہو۔ اب میں شہباز درانی کو اپنے دماغ سے بالکل نکال دیتا ہوں۔ صرف تمہیں اپنے ذہن میں رکھ کر تمہارے ہاتھ کی لکیریں پڑھتا ہوں تو کیا مجھے صرف تمہارے بارے میں معلوم ہو سکے گا؟"

"تم پھر مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ بھئی سانچ کو کیا آنچ؟ میرا ہاتھ تمہارے سامنے ہے۔ آؤ۔ دیکھو۔ پڑھو۔ سمجھو......"

وہ تھوڑی دیر تک گہری گہری سانسیں لیتا رہا، دور ہی سے میرے ہاتھ کو دیکھتا رہا پھر کرسی کھسکا کر قریب آ گیا۔ ہاتھ کی لکیروں کو توجہ سے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا "مجھے بتاتے جاؤ کہ کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا سمجھ رہے ہو؟"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا "تم تو ایک عام بزنس مین کی طرح ایک بہت مصروف زندگی گزار رہے ہو۔ البتہ دوسروں سے کچھ الگ ہو اور بزنس کے بہت ہی پیچیدہ معاملات کو بڑی کامیابی اور بڑی حکمتِ عملی سے سلجھاتے رہتے ہو۔"

وہ میرے نقطہ نظر سے یہ کہہ رہا تھا۔ دراصل شہباز درانی کے نقطہ نظر سے یہ بات تھی کہ وہ سیاست کی بساط پر بہت مصروف کھلاڑی ہے اور بڑے ہی پیچیدہ معاملات سے گزرتا رہتا ہے اور بڑی ہی حکمتِ عملی سے کامیابی حاصل کرتا رہتا ہے۔

میں نے پوچھا "میری ذاتی دلچسپیوں کے بارے میں بتاؤ؟"

وہ تھوڑی دیر تک پھر لکیروں کو پڑھتا رہا پھر بولا "آج کل تم کسی کے عشق میں مبتلا ہو اور تمہیں اس کی قربت حاصل ہوتی رہتی ہے۔"

میں نے تائید میں سر ہلایا۔ میرے نقطہ نظر سے یہ بات درست تھی کہ میں آج کل آسرا کے عشق میں مبتلا تھا اور مجھے اس کی قربت حاصل ہوتی رہتی تھی۔ شہباز درانی کے نقطہ نظر سے یہ بات تھی کہ وہ دردانہ کے عشق میں مبتلا تھا اور اسے اس کی قربت حاصل ہو رہی تھی۔

اس نے بتایا کہ میں کسی کا دوست نہیں ہوں۔ مفاد پرست ہوں۔ جس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے اسے فائدہ پہنچاتا ہوں۔ جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے اسے خاک میں ملا دیتا ہوں۔

چونکہ وہ میرا ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ اس لیے میرے ہاتھ کی

جھلکیاں اسے نظر آ رہی تھیں ورنہ وہ تمام لکیریں تو شہباز درانی کی تھیں۔ اس لیے وہ ایسی باتیں کر رہا تھا اور میں تائید میں سر ہلا رہا تھا۔ مجھے اس کی بات مان لینے میں کوئی تامل نہیں تھا اور وہ خوش ہو رہا تھا کہ اسے میرے ہاتھ کی لکیریں پڑھنے کا موقع مل رہا ہے۔

میرے ہاتھ کی لکیریں کیا ہیں؟

وہی ہیں جو کسی کے بھی ہاتھ کی لکیریں ہو سکتی ہیں۔ وہ شہباز درانی کے حوالے سے میرا ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ اس لیے میں شہباز کا مقدر بن گیا تھا۔ اگر وہ دردانہ کے حوالے سے میرا ہاتھ دیکھتا تو اس وقت میں دردانہ کا مقدر بن جاتا۔ میں تو ہر انسان کے ہاتھ کی لکیروں پر چلنے کے لیے پیدا ہوتا ہوں اور ان لکیروں پر چلتے چلتے ان کے ساتھ مر جاتا ہوں مگر زندہ ہاتھ کی زندہ لکیروں پر پھر بھی زندہ رہتا ہوں۔

وہ بڑی دیر تک میرے ہاتھ پر جھکا، اپنا سر کھپاتا رہا پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پریشان ہو کر بولا "ہاتھ کی یہ لکیر بتا رہی ہے کہ ابھی تم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا "اب اسی لکیر کو شہباز درانی کے حوالے سے پڑھو۔"

وہ پھر پڑھنے لگا۔ اس کے بعد سر اٹھا کر بولا "ہاں شہباز درانی تم پر حملہ کرانے والا ہے۔ او گاڈ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ تم نے اب تک اس سے کوئی دشمنی نہیں کی ہے۔ لہٰذا اسے بھی نہیں کرنا چاہیے۔"

"بے شک اسے سمجھاؤ۔"

"کیا میں ابھی فون پر اس سے بات کروں؟ اسے بتاؤں کہ میں تمہارا ہاتھ پڑھ چکا ہوں؟ اور اس ہاتھ کے حوالے سے اسے سمجھا رہا ہوں؟"

"تم جو بہتر سمجھتے ہو وہ کرو۔ میں یہاں تمہارے پاس بیٹھا رہوں گا۔"

وہ فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ اسی کو مقدر کی ہیرا پھیری کہتے ہیں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے فون کرنے کے نتیجے میں ہی مجھ پر حملہ کیا جائے گا۔ شہباز درانی کو معلوم ہو گا کہ میں اس کے پاس ہوٹل کے کمرے میں بیٹھا ہوا ہوں تو وہ اپنے کسی کارندے کو یہاں بھیجے گا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، پبلو ماسٹر کے کمرے کی تمام فون کالیں ٹیپ کی جا رہی تھیں۔ اس کے نتیجے میں ذیشان نے ابتدائی فون کالیں سنی تھیں۔ اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ پبلو ماسٹر کو شہباز درانی نے اس ملک میں بلایا ہے۔ ایسے ہی ایک فون کال کی ٹیپ سن کر ذیشان کو معلوم ہوا کہ پبلو ماسٹر کو صرف مقدر حیات کی کمزوریاں معلوم کرنے کے لیے ہی نہیں، چند اہم سیاست دانوں کی کمزوریاں معلوم کرنے کے لیے بھی بلایا گیا ہے اور ایسی معلومات حاصل کرنے کے لیے وہ پبلو ماسٹر کے علم نجوم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔

یہ ٹیپ سنتے ہی ذیشان نے بچھو بابا سے رابطہ کیا "تم نے یہاں آتے ہی انجانے میں میرا ایک اہم کام کیا ہے۔ تم نے پبلو ماسٹر کے فون کال کو ٹیپ کرانے کے لیے کہا تھا۔ ایسا کرنے سے یہ اہم بات میرے علم میں آ گئی کہ شہباز درانی نے اسے یہاں بلایا ہے۔ تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مقدر حیات میرا چھوٹا چچا زاد بھائی ہے۔"

بچھو بابا نے کہا "پھر تو آپ کے بھائی کی جان کو خطرہ ہے۔"

وہ بڑے اعتماد سے بولا "میرا بھائی ماضی، حال اور مستقبل کی بو سونگھ لیتا ہے پھر وہ اپنے آس پاس کے خطرے کو کیسے محسوس نہیں کرے گا؟ اسے سب معلوم ہو گا پھر بھی میں اسے خطرے سے آگاہ کرتا ہوں۔"

اس نے مجھ سے فون پر رابطہ کیا۔ میں پبلو ماسٹر کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ادھر پبلو ماسٹر فون پر شہباز درانی سے باتیں کر رہا تھا۔ ادھر میں نے اپنے فون پر کہا "جی بھائی جان! آپ نے مجھے کیسے یاد کیا؟"

وہ بتانے لگا کہ کس طرح اسے ذیشان اور پبلو ماسٹر کے بارے میں معلوم ہوا ہے اور وہ میرے لیے خطرہ محسوس کر رہا ہے۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا "بھائی جان! اس وقت میں پبلو ماسٹر کے کمرے میں بیٹھا ہوا ہوں۔ آپ تو جانتے ہیں کہ میں دوسروں کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ لیتا ہوں تو پھر اپنے ہاتھ کی لکیریں کیسے نہیں پڑھوں گا؟ مجھے پتا ہے تھوڑی دیر بعد مجھ پر حملہ ہونے والا ہے۔"

ذیشان نے ناراض ہو کر کہا "پھر بھی تم وہاں مرنے گئے ہو؟ چلو وہاں سے نکل آؤ۔"

"بھائی جان آپ ناراض نہ ہوں۔ میں جانتا ہوں آپ کی وجہ سے میں بچ جاؤں گا۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "میری وجہ سے کس طرح بچو گے؟"

"آپ اپنے کسی آدمی کو میری حفاظت کے لیے بھیجنے والے ہیں ناں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "سمجھ گیا۔ اب تم وہاں اطمینان سے بیٹھے رہو۔ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔"

اس نے مجھ سے رابطہ ختم کر کے بچھو بابا سے رابطہ کیا کہا۔
''میرے بھائی کو خطرہ ہے۔ تم ابھی ہوٹل پرل میں پہنچو۔ تمہیں مقدر حیات سے دور رہ کر اور دوسروں سے چھپ کر اس کی حفاظت کرنی ہے۔''

اسے دنیاوی مصروفیات کہہ سکتے ہیں۔ اس دنیا میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے معاملے میں مصروف رہتا ہے۔ شہباز درانی اپنے معاملے میں' پبلو ماسٹر اپنے معاملے میں' میں اور ذیشان اپنے اپنے معاملے میں مصروف تھے۔ کبھی ایک دوسرے کی حمایت میں یا ایک دوسرے کی مخالفت میں کچھ نہ کچھ کر رہے تھے۔ اس طرح اجتماعی مصروفیات کے نتیجے میں کسی کا مقدر بگاڑ رہے تھے، کسی کا بنا رہے تھے۔ اسی کو مقدر کا کھیل کہتے ہیں۔

پبلو ماسٹر فون پر میرے بارے میں شہباز درانی کو جو کچھ بتا رہا تھا۔ اس پر وہ حیران ہو رہا تھا اور بے یقینی سے کہہ رہا تھا ''یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے ہاتھ کی لکیریں اور اس کے ہاتھ کی لکیریں ایک جیسی ہوں؟ کہیں تو فرق ہوگا؟''

پبلو ماسٹر نے کہا ''مسٹر درانی! میں علم نجوم میں مہارت رکھتا ہوں۔ ساری دنیا یہ بات مانتی ہے۔ مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔ یقین نہ ہو تو میں مقدر حیات کے دونوں ہاتھوں کا پرنٹ آپ کو دکھا سکتا ہوں۔''

''ہاں میں دیکھوں گا۔ ضرور دیکھوں گا۔ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔ کیا وہ ابھی تمہارے پاس بیٹھا ہوا ہے؟''

''جی ہاں۔ وہ یہاں میرے پاس موجود ہے۔ میرے پاس کیمرا ہے۔ میں اس کے دونوں ہاتھوں کی تصویریں اتار سکتا ہوں۔ جسٹ اے منٹ۔''

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے کہا ''مسٹر مقدر! کیا تم مجھے اپنے دونوں ہاتھوں کی تصویریں اتارنے دو گے؟''

میں نے مسکرا کر کہا ''صرف دونوں ہاتھ کیوں؟ سر سے پاؤں تک میری تصویریں اتار کر لے جاؤ۔ میں اعتراض نہیں کروں گا۔''

وہ فون پر بولا ''مسٹر درانی! میں ابھی مسٹر مقدر کے دونوں ہاتھوں کی تصویریں اتار رہا ہوں۔ آپ بتائیں یہ پرنٹ کہاں پہنچائے جائیں؟''

''تم تصویریں اتارو۔ میرے آدمی تمہیں لینے آئیں گے۔ راستے میں کسی فوٹو گرافر کی دکان پر اسے پرنٹ کرا کے بڑا کیا جائے گا پھر اسے تم میرے پاس لاؤ گے۔ میں تم سے اور بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔''

''جسٹ اے منٹ۔ ایک اور ضروری بات دھیان سے سنو۔ اسے مزید ایک گھنٹے تک باتوں میں الجھائے رکھو۔''

''میں سمجھ گیا۔ آپ کے ہاتھ کی لکیر جو اس کے ہاتھ ہے۔ وہ بتا رہی ہے کہ آپ اس پر حملہ کرانے والے ہیں۔''

وہ غصہ سے بولا ''یو نان سنس! تم اس کے سامنے ا باتیں کر رہے ہو؟''

''مسٹر درانی! لینگویج پلیز۔ نان سنس تم ہو۔ تم یہ جانتے کہ یہ بات مسٹر مقدر کو معلوم ہے اور یہ اس نے خود ا زبان سے کہا ہے کہ اس پر حملہ کیا جانے والا ہے۔''

شہباز نے پریشان ہو کر پوچھا ''کیا وہ یہ بھی کہتا ہے حملے سے بچ پائے گا؟''

''نہ میں نے یہ پوچھا ہے۔ نہ اس نے یہ کہا ہے لیکن ایک بات اٹل ہے کہ اس نے کہا ہے کہ اس پر مصیبت آ والی ہے تو وہ مصیبت ضرور آئے گی۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا آنے والا وقت بتائے گا۔''

شہباز درانی نے رابطہ ختم کر دیا۔ سر جھکا کر سوچنے ل دشمن نشانے پر تھا۔ میں پبلو ماسٹر کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس کی ہدایت کے مطابق اسے ایک گھنٹے تک وہاں ر تھا۔ اس گدھے کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ اپنے مقد مارے گا تو خود کیسے زندہ رہے گا؟

☆☆☆

گل خانم کی کوٹھی کے باہر مین گیٹ پر دو مسلح گا موجود رہتے تھے۔ وہ گارڈز کوٹھی میں آنے والے جا پہچانے افراد کے لیے ہی گیٹ کھولتے تھے۔ وہاں آنے ڈاکٹر ان کا جانا پہچانا تھا۔ اسے کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر د ہی انہوں نے اسے سلام کیا گیٹ کھول دیا۔ ڈاکٹر کار کو ڈر کرتا ہوا اندر آیا لیکن پورچ تک نہیں گیا۔ گیٹ کے قریب اس نے گاڑی روک دی۔

ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ دونوں مسلح گارڈز نے سو نظروں سے گاڑی کی طرف دیکھا۔ اسی وقت اچانک کار دروازے ایک جھٹکے سے کھلے پھر تین گن مینوں نے باہر ہی ان دونوں کو نشانے پر رکھ لیا۔ وہ ہکا بکا سے رہ گئے۔ بھی نہیں سکتے تھے کہ اچانک ایسی افتاد آپڑے گی۔ انہیں گنیں سیدھی کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ ایک نے ڈپٹ ''ذرا بھی حرکت کرو گے تو گولیاں چل جائیں گی۔''

چوتھے گن مین نے ان کے قریب آکر ان کے ہتھ

ا لیے۔ وہ دو مسلح گارڈز سوچ بھی نہیں سکتے تھے کے ڈاکٹر کار کے اندر مسلح افراد سیٹوں کے نیچے دبک کر بیٹھے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر بھی مجبور تھا۔ گن پوائنٹ پر وہاں لایا گیا تھا۔ ایک سخت لہجے میں کہا ''ہم اندر جا رہے ہیں۔ اگر یہاں شور گے تو اندر والے خیریت سے نہیں رہیں گے۔ ان کی تی کے لیے یہاں تمہیں خاموش رہنا ہوگا۔''

انہوں نے دونوں گارڈز کو وہیں چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر کو ساتھ کر کوٹھی کے دروازے پر آئے۔ کال بیل کا بٹن دبایا۔ ڑی دیر بعد گورنس نے دروازہ کھولا۔ وہ ڈاکٹر کے آس ں اتنے سارے مسلح افراد کو دیکھ کر بوکھلا گئی۔ اس کے منہ ے آواز بھی نہ نکل سکی۔ ایک نے کہا ''تمہارے لیے خاموشی ر ہوگی۔ ہمیں میڈم کے کمرے تک لے چلو۔''

موت کے سامنے سب ہی کے منہ بند ہو جاتے ہیں۔ ورنس کے منہ سے بھی ایک آواز نہ نکلی۔ وہ چپ چاپ انہیں پنے ساتھ لے کر کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی بیڈ م کے دروازے پر آئی اور دروازے پر ہولے سے دستک ی۔ اندر سے گل خانم کی آواز آئی ''آجاؤ۔''

گورنس نہیں آئی وہ سب آگئے۔ مسلح افراد کو دیکھتے ہی ں کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ یادر خان بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ ب کر اٹھنا چاہتا تھا لیکن پوری طرح نہ اٹھ سکا۔ اس پر ایسا شدد کیا گیا تھا کہ بدن کی ہڈیاں چیخ رہی تھیں۔ وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے کمزوری آواز میں بولا ''تت۔ تم لوگ کون و؟''

گل خانم نے ہکلاتے ہوئے کہا ''دیکھو گولی نہ چلانا۔ یہاں جو کچھ ہے وہ لے جاسکتے ہو۔''

ایک نے کہا ''ہم تمہاری کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے اور نہ ہی تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ بس ہم جو کہتے ہیں اس پر عمل کرو۔''

''آپ۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''اپنا اور یادر خان کا موبائل فون ہمیں دے دو۔ باقی تمہارے گھر والے فون کے تار بھی کاٹ دیئے گئے ہیں۔''

ان دونوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر سرہانے کی میز کی طرف دیکھا۔ وہاں دو موبائل فون رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہ دونوں فون اٹھا لیے پھر ان میں سب سے معمر شخص نے جیب سے شناختی کارڈ نکال کر گل خانم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''میں سی' آئی' اے کا افسر باقر مہدی ہوں۔ اگر میں تمہیں اطلاع دے کر سیدھے راستے سے یہاں آتا تو تم میرے یہاں آنے سے پہلے ایس پی ذیشان کو ضرور خبر کرتیں۔ اسی لیے ہم اس طرح یہاں آئے ہیں۔''

گل خانم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا ''خدا کا شکر ہے۔ آپ سی' آئی' اے کے افسر ہیں۔ میں تو سمجھی تھی ڈاکو آگئے؟''

باقر مہدی نے کہا ''اگر تم دونوں میرے ساتھ تعاون کرو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''آپ چاہتے کیا ہیں؟''

وہ بولا ''تمہارے گھر میں ٹیپ رکارڈر تو ضرور ہوگا؟''

گل خانم نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بولا ''پلیز۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ یہاں لے آؤ۔''

وہ کمرے کے ایک حصے سے ایک بڑا سا ٹیپ ریکارڈر اٹھا کر لے آئی۔ باقر مہدی نے ایک ماتحت سے کہا۔ ''ریکارڈنگ کی تیاری کرو۔''

ماتحت نے اپنی جیب سے ایک کیسٹ نکال کر اس کے اندر لگایا اور مائک کو ریکارڈر کے ساتھ منسلک کرنے لگا۔ باقر مہدی نے کہا ''میں تم سے اور یادر خان سے کچھ سوالات کروں گا۔ تم دونوں کو ان کے صحیح جوابات دینے ہیں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتا۔''

گل خانم اندر ہی اندر پریشان ہو رہی تھی۔ اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ سی' آئی' اے والے ذیشان کے خلاف ہیں اور اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے آئے ہیں۔ باقر مہدی نے اس سے کہا ''آرام سے بیٹھ جاؤ۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

پھر وہ اپنے ہاتھ میں مائک لے کر بولا ''میں دیکھ رہا ہوں کہ یادر خان کو بری طرح ٹارچر کیا گیا ہے۔ اس لیے میں اسے تکلیف نہیں دوں گا۔ خود اس کے پاس جا کر باتیں کروں گا۔''

وہ مائک لے کر یادر خان کے قریب آیا۔ ماتحت نے ریکارڈر کو آن کیا۔ اس نے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''میرا نام یادر خان ہے۔''

''میڈم گل خانم سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر یادر خان نے کہا ''ہم میاں بیوی ہیں۔''

''میاں بیوی ہیں یا تھے؟''

وہ دونوں پریشان ہو گئے پھر وہ بولا ''جناب ہم میاں بیوی ہیں۔ کل بھی تھے۔ آج بھی ہیں۔ ہمیشہ رہیں گے۔''

باقر مہدی نے سخت لہجے میں کہا ”مجھ سے جھوٹ نہ بولنا۔ یہ بات اب چھپی ہوئی نہیں ہے کہ تم اپنی بیوی گل خانم کو طلاق دے چکے ہو۔ جو سچ ہے وہ بولو۔ جھوٹ بولو گے تو قانون کی گرفت میں آؤ گے۔“

یادر خان نے گل خانم کی طرف دیکھا۔ باقر مہدی نے مائک کو گل خانم کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا ”تم کیا کہتی ہو؟“

وہ سر جھکا کر بولی ”یہ سچ ہے۔ مجھے طلاق ہو چکی ہے۔“

باقر مہدی نے مائک کو یادر خان کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا ”اب تم کیا کہتے ہو؟“

وہ سر جھکا کر بولا ”اب میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ یہ سچ ہے۔ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی لیکن پچھتا رہا ہوں۔ ہم پھر ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔“

”یہ کیسے ممکن ہے۔ کیا تم اسلامی قوانین کو جانتے ہو‘ سمجھتے ہو؟“

”جی ہاں۔ ہم اسی قانون کے مطابق دوبارہ شادی کریں گے۔“

”اور جب تک شادی نہیں ہوگی۔ اس وقت تک تم نامحرم ہو۔ گل خانم کو تم سے پردہ کرنا چاہیے۔ ہمارے دین کا یہ قانون گناہوں سے اور غلطیوں سے بچانے کے لیے ہے۔ کیا تم اس قانون کے مطابق عمل کر رہے ہو؟“

یادر خان جواب نہ دے سکا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ باقر مہدی نے گل خانم سے پوچھا ”تم کیا کہتی ہو؟“

وہ چپ رہی۔ اس کے پاس بھی کوئی معقول جواب نہیں تھا۔ باقر مہدی نے پوچھا۔ ”اتنا بتا دو۔ ہم سب اس وقت کہاں ہیں؟“

وہ بولی ”آپ سب میری کوٹھی میں ہیں۔“

”کوٹھی کے کس حصے میں ہیں؟ کس کمرے میں ہیں؟“

”آپ سب میرے بیڈروم میں ہیں۔“

”یادر خان کہاں ہے؟“

وہ ایک دم سے گھبرا گئی۔ پریشان ہو گئی۔ جواب دینے سے ہچکچانے لگی۔ باقر مہدی نے کہا ”بولو۔ بولو۔ دیر نہ کرو۔ جواب تو تمہیں دینا ہی ہوگا۔“

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی ”یادر خان میرے بیڈ پر پڑا ہوا ہے۔“

”کیوں پڑا ہوا ہے؟“

”یہ بری طرح زخمی ہو گیا ہے۔“

”اسے کس نے زخمی کیا ہے؟“

وہ گھبرا کر بولی ”پلیز۔ آپ ریکارڈر بند کریں۔ آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”ریکارڈر آن رہے گا اور تم دونوں میرے سوالات جواب دیتے رہو گے۔“

یادر خان نے کہا ”گل جاناں! جو سچ ہے وہ صاف کہہ دو۔“

باقر مہدی نے مائک کا رخ اس کی طرف کیا۔ وہ

”ایس پی ذیشان نے مجھے گرفتار کیا تھا اور مجھے حبس بے جا رکھ کر اتنا تشدد کیا تھا کہ میں آپ کے سامنے پڑا ہوا ہوں آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں۔“

”ایس۔ پی۔ ذیشان نے تمہیں کس لیے گرفتار کیا تم نے یقیناً کوئی ایسا کام کیا ہوگا۔“

”جناب! میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ میں چور بدمعاش نہیں ہوں۔ ایک شریف آدمی ہوں۔ میں نے کبھی کوئی واردات نہیں کی۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں اپنی بیوی سے چاہتا تھا۔ اس کے گھر آنا چاہتا تھا لیکن ایس پی صاحب میری بیوی سے ملنے سے روکتے رہتے ہیں۔“

”وہ کیوں روکتے ہیں؟“

یادر خان نے گل خانم کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے پو رہا ہو ”کیا اصل بات بتا دوں؟“

گل خانم نے کہا ”سر! بات اصل میں یہ ہے کہ ایس ذیشان نے سمجھایا ہے‘ جب تک میں حلالہ کے مرحلے سے گزر روں۔ تب تک ہمیں ایک دوسرے سے نہ تو ملنا چا... اور نہ ہی بات کرنی چاہیے۔“

باقر مہدی نے مائک یادر خان کی طرف کرتے ہو۔ کہا ’یہ تو انہوں نے اچھی باتیں سمجھائی تھیں۔ کیا تم نے ا مشوروں پر عمل کیا؟“

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ”نہیں۔ میں اپنی گل خانم کے بغ نہیں رہ سکتا۔ یہ میرے سامنے نہیں آتی تھی تو میں فون ذریعے اس سے باتیں کرتا تھا۔ اس سے ملنے کے لیے مچلتا رہ تھا۔ میں اس کی کوٹھی کے آس پاس گھومتا تھا۔ یہ بالکونی م آ جاتی تھی۔ ہم دونوں دور سے ایک دوسرے کو دیکھ تھے۔ ایک بار میں یہاں کے سیکورٹی گارڈز کی نظریں بچا اندر گھس آیا۔ گل خانم نے اس بات پر اعتراض کیا۔ بات بڑ گئی تو مسلح گارڈز نے مجھے یہاں کے تھانے میں پہنچا دیا۔“

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ باقر مہدی نے کہا ”بولتے رہو سوچ سوچ کر بولو گے تو سچ میں جھوٹ ملاتے رہو گے۔ بو

بولتے جاؤ۔“

بولا ”مجھے گل خانم سے ملنے سے روکا جا رہا تھا۔ اس مجھے غصہ آیا تھا۔ میں نے سیکورٹی گارڈز پر حملہ کیا تھا۔ مجھے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ بعد میں گل خانم نے صاحب سے۔“

صرف ایس پی صاحب نہ کہو۔ نام بھی لیتے رہو۔“

بولا ”گل خانم نے ایس پی ذیشان صاحب سے رائی تو مجھے رہا کر دیا گیا لیکن سختی سے کہا گیا کہ آئندہ خانم کی کوٹھی کے قریب بھی دیکھا گیا تو سخت سزائیں یں گی۔“

تمہارے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایس پی ذیشان غلطیوں سے روکنا چاہتے تھے پھر کیا ہوا کہ تمہیں گرفتار اور تم پر اس قدر تشدد بھی کیا گیا؟“

وہ چپ رہا۔ کچھ نہ بولا۔ گل خانم نے کہا ”بار بار نے کے باوجود یہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہا تھا۔ بار ی کوٹھی کی طرف چلا آتا تھا اور مجھے فون پر پریشان کرتا

وہ جھنجلا کر بولا ”گل جاناں! یہ بھی تو بتاؤ کہ میں کیوں گل ہو رہا تھا؟ کیوں اس ایس پی ذیشان کے خلاف بول ا؟“

باقر مہدی نے پوچھا ”ہاں یہ بتاؤ‘ تم ایس پی ذیشان خلاف کیوں بول رہے تھے؟ کیوں پاگل ہو رہے تھے؟“

وہ طیش میں آ کر بولا ”اس لیے کہ وہ میری بیوی پر ے ڈال رہا تھا۔“

گل خانم نے جلدی سے کہا ”بکواس مت کرو۔ ایسی کی بات نہیں تھی۔“

یادر خان نے کہا ”ایسی بات نہیں تھی تو پھر وہ بار بار ہمارے پاس کیوں آتا تھا؟ ایک رات دو بجے تک وہ ہمارے ساتھ یہاں رہا۔ تمہیں پریشان کرتا رہا ہے اور تم اس کے سامنے مجبور بنی رہیں۔ اگر وہ تم پر ڈورے نہیں ڈال رہا ہے تو ہر بار تمہاری سفارش پر مجھے کیوں رہا کر دیا کرتا ہے؟ وہ اس لیے بار بار مجھے گرفتار کرتا ہے کہ تم بار بار اس کے پاس سفارش کرنے کے لیے جاؤ اور بار بار اسے تمہارے پاس آنے کا موقع ملتا رہے۔“

وہ بولی ”یادر خان! خدا کے لیے ایک شریف آدمی کو بدنام نہ کرو۔ تم غصے میں آ کر رقابت میں یہ سب کچھ کہہ رہے ہو۔ تمہیں سراسر غلط فہمی ہوئی ہے۔“

باقر مہدی نے کہا ”تم دونوں آپس میں بحث نہ کرو۔ گل خانم! تم میری بات کا جواب دو۔ ان دنوں عدت کے ایام گزار رہی ہو۔ اس دوران یعنی چار ماہ دس دنوں تک تمہیں دنیا کے ہر مرد سے پردہ کرنا چاہیے پھر ایس پی ذیشان سے پردہ کیوں نہیں کرتی ہو؟ اگر بحالتِ مجبوری اپنے شوہر کی رہائی کے لیے اس کے پاس جاتی ہو‘ تو ایس پی ذیشان کی کیا مجبوری ہوتی ہے کہ وہ تمہارے گھر میں چلا آتا ہے؟ جبکہ تمہارے سابقہ شوہر کو گھر میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔“

وہ پریشان ہو کر بولی ”دیکھیں آپ غلط نہ سمجھیں۔ میں ایک شام ان کے پاس گئی تھی۔ انہوں نے میری سفارش پر یادر خان کو رہا کرا دیا تھا لیکن میں بیماری کے باعث اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ وہاں بے ہوش ہو گئی تھی۔ وہ مجھے اسپتال لے گئے تھے پھر اسپتال سے یہاں لے کر آئے۔ کسی مجبوری کی حالت میں کسی کی جان بچانی ضروری ہو تو پردہ لازم نہیں ہوتا۔“

یادر خان نے کہا ”کیوں خواہ مخواہ اس کی حمایت میں بول رہی ہو؟ وہ تم سے کیسی ہمدردی کر رہا تھا؟ تمہیں اسپتال لے گیا‘ اسپتال سے یہاں لے کر آیا لیکن یہاں رات دو بجے تک کیا کرتا رہا؟ کیا تمہاری دیکھ بھال کے لیے یہاں کورنس اور ملازمہ نہیں ہیں؟ اور اگر طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی تو کیا ڈاکٹر اور نرس کو نہیں بلایا جا سکتا تھا؟“

وہ چیخ کر بولی ”یادر خان! میں تم سے ہمدردی کر رہی ہوں۔ وہ لوگ تمہیں رہا کرنے والے نہیں تھے۔ وہیں تمہارا علاج کرانا چاہتے۔ میں وہاں سے تمہیں یہاں لے آئی تاکہ وہ لوگ تم پر مزید تشدد نہ کریں۔ تم میری مہربانیوں کا‘ میری ہمدردیوں کا یہ صلہ دے رہے ہو کہ میرے ہی محسن کو بدنام کر رہے ہو؟“

باقر مہدی نے کہا ”گل خانم! تمہارے اور یادر خان کے بیانات میں بڑا تضاد ہے۔ یہ تو تم بھی کہہ چکی ہو کہ وہ یہاں آدھی رات کے بعد بھی رہا ہے۔ یہاں آتا جاتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود تم اسے فرشتہ اور پارسا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ تمہارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے کہ وہ رات دو بجے تک تمہارے پاس کیوں رہا؟ تم دونوں گناہ گار ہو یا نہیں ہو لیکن یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تم دونوں کے درمیان اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔

تم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہو۔ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ رات کی تنہائی میں رہتے بھی ہو۔ میں تمہیں گناہ گار نہیں کہوں گا لیکن تم دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے جگہ ہے تو مجھے صاف صاف بتا دو۔ کوئی بات مجھ سے نہ چھپاؤ۔“

اس نے سر جھکا لیا۔ وہ صاف طور سے کہہ نہیں سکتی تھی کہ اس کے دل میں ذیشان کے لیے جگہ ہے۔ کم از کم اپنے سابقہ شوہر کے سامنے اقرار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''چلو یہی بتا دو۔ کیا اپنے سابقہ شوہر یاور خان کو دل و جان سے چاہتی ہو؟''

اس نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے پوچھا ''کیا دوبارہ اپنے شوہر سے رجوع کرنے کے لیے حلالہ کے مرحلے سے گزرنا چاہتی ہو؟ کیا ایس پی ذیشان نے تمہیں ایسا کوئی مشورہ نہیں دیا ہے؟''

اس نے پھر ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ باقر مہدی نے کہا ''اس وقت خدا کو حاضر و ناظر جان کر بالکل سچ بولو' کیا ایس پی ذیشان نے تمہیں پروپوز کیا ہے؟''

وہ ذرا بے چین سی ہوئی۔ اس نے یاور خان کو دیکھا پھر سر کو جھکا لیا۔ باقر مہدی نے کہا ''خاموش نہ رہو۔ اس وقت تمہارا بیان ریکارڈ ہو رہا ہے۔ اس لیے زبان سے بولو۔ کیا ایس پی ذیشان نے تمہیں یہ مشورہ دیا ہے کہ تم اس سے شادی کرو اور پھر طلاق لے کر اپنے پہلے شوہر کے پاس چلی جاؤ؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ باقر مہدی نے سخت لہجے میں کہا ''تم پھر سر ہلا کر اقرار کر رہی ہو۔ یہی بات منہ سے بولو۔ کیا وہ تم سے شادی کرنا چاہتا تھا؟''

''جی ہاں۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن مجھے ان کی شرائط منظور نہیں ہیں۔''

''ایس پی ذیشان نے کیسی شرائط پیش کی ہیں؟''

وہ پریشان ہو کر بولی ''انہوں نے جیسی بھی شرائط پیش کی ہیں یہ میرا اور ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ پلیز آپ اس سلسلے میں کچھ نہ پوچھیں۔''

''میں ضرور پوچھوں گا۔ تم کیسی بیوی ہو کہ شوہر کی محبت کو نہیں سمجھ رہی ہو؟ اس نے غصے میں طلاق دی ہو گی' لیکن پچھتا رہا ہے۔ بار بار دیوانوں کی طرح تمہارے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ اس دیوانے شوہر کو ایس پی ذیشان بار بار گرفتار کرتا ہے، اس پر تشدد کرتا ہے مگر تم ایس پی ذیشان کو صرف اس لیے بچانا چاہتی ہو کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور تمہارے دل میں بھی اس کے لیے جگہ ہے۔ تم اس سے شادی کرنے کے لیے راضی بھی ہو لیکن اس کی شرائط تمہیں منظور نہیں ہیں۔ تمہیں بتانا ہو گا کہ وہ شرائط کیا ہیں؟''

وہ بولی ''آپ زبردستی مجھ سے بیان لینا چاہتے ہیں۔ میں بیان نہیں دوں گی۔''

''ٹھیک ہے بیان نہ دو۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ایس پی ذیشان نے یاور خان کو حبس بے جا میں رکھا [illegible] تھرڈ ڈگری آزمائی۔ اس پر بے انتہا تشدد کیا۔ اس [illegible] قانونی چارہ جوئی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ہم یا[illegible] یہاں سے لے جا رہے ہیں۔''

وہ گھبرا کر بولی ''نہیں۔ آپ اسے نہیں لے جا[illegible] بیمار ہے، کمزور ہے۔ میں اس کا علاج کرا رہی ہوں۔''

''ہم ظالم نہیں ہیں۔ ہم بھی یہاں سے لے جا[illegible] علاج کرائیں گے۔ یہ اپنی موجودہ حالت میں ایس [illegible] کے خلاف ٹھوس ثبوت اور ایک اہم گواہ ہے۔''

وہ جھاگ کے طرح بیٹھ گئی۔ ذیشان کے خلاف [illegible] نہیں دینا چاہتی تھی لیکن وہاں جتنی باتیں ہو رہی تھیں [illegible] کے خلاف جا رہی تھیں۔ کسی مطلقہ سے شادی کرنا کو[illegible] ہے۔ بلکہ نیکی ہے لیکن ایسی نیکی کرنے والا ذیشان مج[illegible] والا تھا۔ حالات یہ ثابت کر رہے تھے کہ اس جیسا پولیس افسر ایک مطلقہ عورت کو حاصل کرنے کے لیے سابقہ شوہر پر ظلم کر رہا ہے۔ چونکہ وہ سابقہ شوہر یاور [illegible] چاہتا کہ اس کی بیوی اس افسر سے شادی کرے۔

وہ بڑی بے بسی سے بولی ''دیکھئے، ایس پی [illegible] بہت اچھے انسان ہیں۔ میرے برے وقت میں [illegible] رہے ہیں۔ آپ انہیں غلط نہ سمجھیں۔ یاور خان کے د[illegible] گرمی ہے۔ یہ خواہ مخواہ رقابت محسوس کر رہا ہے او[illegible] خلاف بیان دے رہا ہے۔''

باقر مہدی نے کہا ''یہ اس کے خلاف جو بیان د[illegible] دے گا۔ تمہارے اور ذیشان کے تعلقات اس بات [illegible] ہو چکے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ رات دو بجے تک یہا[illegible] ہے اور تمہارے پاس تنہائی میں آتا جاتا رہتا ہے۔ [illegible] ایک دوسرے سے شادی کے لیے راضی ہو چکے ہو۔ [illegible] شرائط ایسی ہیں جن کی وجہ سے معاملہ رکا ہوا ہے۔ جلد [illegible] اس کی شرائط مان لو گی اور شادی کے لیے راضی ہو [illegible] صورتِ حال جو بھی ہو تب بھی یہ بات ثابت ہو ر[illegible] ایس پی ذیشان نے یاور خان پر تشدد کیا ہے اور قانون [illegible] ہو کر بے جا طریقوں سے قانون کو ہاتھ میں لیا ہے۔''

گل خانم نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا [illegible]

''تمہاری خاموشی، تمہارا جھکا ہوا سر، تمہاری پریشانی [illegible] ہے کہ ایس پی ذیشان تمہارے دل میں گہرائیوں تک [illegible] ہے۔ کیا تم چاہو گی کہ میں ابھی فون کر کے پریس رپو[illegible] فوٹو گرافرز کو بلاؤں؟''

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ نہیں نہیں کے انداز [illegible]

[illegible] وہ بولا ''تو پھر بتاؤ۔ ذیشان نے کون سی شرائط پیش [illegible]؟''

[illegible] اس کا منہ تکنے لگی۔ سوچنے لگی۔ اگر یہ کہے گی کہ وہ [illegible] خاطر شادی کرنا چاہتا تھا اور ایک بچے کی ماں بننے تک [illegible] بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔ تو یہ ذیشان سے سراسر دشمنی [illegible] کچھ بھی ہو ذیشان اپنے حالات سے مجبور ہو کر ایسا چاہتا [illegible] وہ ایک اچھا انسان تھا۔ اس نے اس کا برے وقت [illegible] ساتھ دیا تھا اور اب بھی اسے چاہتا تھا۔ کچھ بھی ہو [illegible] کے لیے اس کے دل میں جگہ تھی۔ وہ اس کے خلاف [illegible] بات نہیں کہنا چاہتی تھی۔

[illegible] باقر مہدی نے کہا ''تم خاموش ہو اور کیسٹ ریکارڈر [illegible] ہے۔ جواب دو۔ اس نے کون سی شرائط پیش کی تھیں؟''

[illegible] وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''شرائط پیش نہیں کی تھیں۔ [illegible] ایک شرط تھی اور وہ یہ کہ ہماری شادی ہو گی۔ ہمارے [illegible] ازدواجی تعلقات قائم ہو نگے۔ اس کے بعد وہ مجھے [illegible] دے دیں گے۔ جبکہ میں طلاق لینا نہیں چاہتی تھی۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔ جبکہ اپنے سابقہ شوہر سے [illegible] کرنا چاہتی ہو۔ حلالہ کے مرحلے سے گزرنا چاہتی ہو۔''

''یہ آپ کہہ رہے ہیں۔ میں نہیں کہہ رہی ہوں۔ میں [illegible] بہت سوچا کہ مجھے حلالہ کے مرحلے سے گزرنا چاہیے۔ [illegible] سابقہ شوہر سے رجوع کرنا چاہیے لیکن میرا ضمیر نہیں [illegible] میرا دل نہیں مانتا کہ میری تنہائی میں بار بار ایک مختلف [illegible] آئے۔ آئندہ میں شادی کروں گی تو صرف اسی سے جو [illegible] بھی طلاق نہ دے گا۔''

''گل خانم! تم بڑی خوبصورتی سے بات بدل رہی [illegible] کوئی بات نہیں، تمہارا اتنا ہی بیان کافی ہے۔''

اس نے اپنے ماتحت کو اشارہ کیا۔ اس نے ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔ وہ بولا ''جب تک میں قانونی کارروائی مکمل نہ [illegible] تم اور یاور خان اسی کوٹھی کے اندر میری حراست میں [illegible] میری نگرانی میں رہو گے۔ یہاں تم دونوں کو الگ الگ [illegible] میں رکھا جائے گا۔ تم ایک دوسرے سے بات بھی نہیں [illegible] سکو گے۔''

یہ کہہ کر اس نے موبائل فون پر نمبر پنچ کئے پھر بٹن دبا کر [illegible] کان سے لگایا۔ پہلے کسی پریس رپورٹر سے بات کی پھر کسی [illegible] گرافر سے بات کی۔ اس طرح ایک کے بعد دوسرے سے [illegible] دوسرے کے بعد تیسرے سے رابطہ کرتا چلا گیا۔ گل خانم [illegible] یشان ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے باتیں سن رہی تھی۔ [illegible] اپنے ڈپارٹمنٹ کے اور پولیس ڈپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسران سے بھی فون کے ذریعے ذیشان کے خلاف بہت کچھ بول رہا تھا۔ وہ بہت مجبور ہو گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کس طرح ذیشان کو ایسی منہ زور مخالفتوں سے بچائے۔ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

اس برے وقت میں وہ اپنے محبوب محسن کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

شہباز درانی سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ پہلے تو اس نے یہی سوچا تھا کہ اگر میں اس کے ہاتھ نہ آیا اور وہ مجھے زیر نہ کر سکا تو مجھے کسی طرح بھی ہلاک کرا دے گا۔

کئی دنوں سے اس کے آدمی میری نگرانی کرتے رہے اور ناکام ہوتے رہے۔ وہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتے تھے لیکن خود نقصان اٹھا چکے تھے۔ اسی سلسلے میں اس کا دستِ راست اسد عزیزی اسپتال جا پہنچا تھا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا تھا۔

شہباز درانی کو دوسرا بڑا نقصان یہ پہنچا تھا کہ اس کے بڑے ہی اہم دستاویزات گم ہو گئے تھے اور وہ یہی کہہ رہا تھا کہ میں نے ان دستاویزات کو چرایا ہے یا کسی پراسرار علم کے ذریعے انہیں غائب کیا ہے۔

اس نے نجومی پبلو ماسٹر کے علاوہ ایک ایسے خطرناک جادوگر کی خدمات بھی حاصل کی تھیں جسے کتنے ہی خطرناک پراسرار علوم میں مہارت حاصل تھی۔ وہ آج کل میں یہاں پہنچنے والا تھا تاکہ پراسرار علوم کے ذریعے میری اصلیت اور میری کمزوریاں معلوم کر سکے۔

اس وقت میں پبلو ماسٹر کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور شہباز درانی اپنے خفیہ چیمبر میں بیٹھا سوچ رہا تھا' مقدر حیات ابھی ایک بند کمرے میں ہے۔ وہاں اس پر آسانی سے حملہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی اصلیت اور کمزوری معلوم کرنے کے سلسلے میں بڑی دیر ہو رہی ہے اور وقت ضائع ہو رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے اور ابھی اسے ٹھکانے لگا دیا جائے۔

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کئے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہچکی لینے کی آواز سنائی دی پھر کہا گیا ''یس باس۔! میں ہوں۔ آپ کا خادم ہچکاک۔ حکم کریں؟''

''اسد عزیزی کی حالت بتاؤ؟''

"باس! وہ سو رہا ہے۔ ڈاکٹر اسے نیند کی دوا دیتے رہتے ہیں تا کہ زخموں کی شدید تکلیف سے نجات ملتی رہے اور وہ آرام سے سوتا رہے۔"

وہ ہچکی لے کر بولا "گھٹنوں کی ہڈی جوڑ دی گئی ہے لیکن وہ دو ایک ماہ تک چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے گا۔"

شہباز درانی بولا "تمہیں ایک ضروری کام انجام دینا ہے۔"

"میں حاضر ہوں باس!"

"تم آج تک کسی بھی واردات میں ناکام نہیں رہے۔ اس لیے میں تم پر بھروسا کر رہا ہوں۔ جسے گولی مارنا ہے وہ بہت پراسرار شخص ہے۔ وہ مستقبل کی باتیں جان لیتا ہے۔ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ اس پر حملہ کیا جانے والا ہے۔"

اس کی ہچکی سنائی دی پھر وہ بولا "شاید آپ مقدر حیات کی بات کر رہے ہیں؟"

"تم درست سمجھ رہے ہو۔ وہ اس وقت پرل کے کمرا نمبر ایک سولو میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"وہ وہاں سے چار کاندھوں پر آئے گا۔"

"تمہارے پاس صرف چالیس منٹ ہیں۔ کیا اس چالیس منٹ کے اندر اس کا کام تمام کر سکو گے؟"

"اتفاق سے میں پرل کے قریب ہوں۔"

وہ کہتے کہتے ہچکی لینے کے لیے رکا پھر بولا "ابھی وہاں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو خوشخبری سناؤں گا اور کوئی حکم؟"

"میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔"

شہباز درانی نے رابطہ ختم کر دیا۔ ہچکاک سسپنس سے بھرپور فلموں کے خالق الفریڈ ہچکاک کا نہ تو کوئی رشتہ دار تھا اور نہ ہی اس سے کوئی مشابہت رکھتا تھا۔ وہ ایک مقامی باشندہ تھا۔ اسے ہچکیاں لیتے رہنے کی بیماری ہو گئی تھی۔ ان ہچکیوں کے حوالے سے سبھی اسے ہچکاک کہا کرتے تھے۔

ذیشان نے دوبارہ مجھے فون پر مخاطب کیا اور پوچھا "کیا تم اس مجرم کی نشاندہی کر سکتے ہو جو تم پر حملہ کرنے والا ہے؟"

میں نے کہا "جی ہاں' اسے ایک عجیب سی بیماری ہے۔ وہ رہ رہ کر ہچکیاں لیتا رہتا ہے۔ یہی اس کی پہچان ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ اسے جانی نقصان نہ پہنچایا جائے۔"

ذیشان نے "ٹھیک ہے" کہہ کر فون بند کیا پھر اس نے فون پر بچھو بابا سے رابطہ کر کے اسے ہچکاک کے بارے میں بتایا۔ یہ بھی تاکید کی کہ اسے جان سے نہ مارا جائے۔ صرف اس کے حملے کو ناکام بنا دیا جائے۔

بچھو بابا اس وقت ہوٹل میں لفٹ کے قریب کھڑا اسے یہ یقین تھا کہ نویں فلور تک پہنچنے کے لیے وہ استعمال کرے گا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ایک شخص جینز اور جیکٹ م دیا۔ وہ لفٹ کی طرف آ رہا تھا۔ آتے آتے اس نے لی پھر بچھو بابا کے سامنے سے گزرتا ہوا لفٹ کے پاس ہو گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے آ گیا۔ لفٹ نیچے آئی۔ در گیا۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے پھر اس سے پہلے بند ہوتا ایک حسینہ تیزی سے چلتی ہوئی آئی اور وہ بھی داخل ہو گئی۔ بچھو بابا نے اسے ناگواری سے دیکھا۔ میں ہڈی بننے والی تھی۔

لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا اور وہ اوپر جانے دوران میں ہچکاک دو بار ہچکیاں لے چکا تھا۔ اس تصدیق ہو گئی کہ وہی شخص واردات کرنے کے لیے ایک سولو کی طرف جا رہا ہے۔ وہاں پہنچنے تک بچھو بابا کر گزرنا تھا۔ وہ اس کے بالکل قریب ہو کر آہستگی "مجھے باس نے بھیجا ہے۔ پروگرام بدل چکا ہے۔ سولو کی طرف نہیں جانا۔ وہاں تمہارے لیے خطرہ ہے۔"

اس نے بے یقینی سے بچھو بابا کو دیکھا پھر بولا " رہے ہو؟"

"یقین نہیں آ رہا ہے تو ابھی فون پر باس۔ کر لو۔"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل فون نکالا نے ریوالور نکال کر اس کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا" یقین ہو گیا کہ تم ہی میرا شکار ہو۔"

وہ حسینہ ریوالور دیکھتے ہی سہم گئی تھی۔ چیخنا چا بچھو بابا نے دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھتے ہوئے کہا آواز نکلی تو تم بھی جاؤ گی۔"

ہچکاک نے پریشان ہو کر پوچھا "تم کون ہو او رہے ہو؟"

بولتے وقت اس کا منہ کھل رہا تھا۔ بچھو بابا نے نال منہ میں ٹھونس دی پھر کہا "میں تمہارا ہاتھ دیکھ ر لباس کے اندر سے ہتھیار نکالنا چاہتے ہو۔ بچے۔! حسرت دل میں ہی رہ جائے گی۔"

اس نے جیب سے ایک کیپسول نکال کر اس ڈالتے ہوئے کہا "اسے فوراً نگلو' ورنہ گولی چل جائے یہ کہتے ہی اس نے دوسرے ہاتھ سے گردن کو

"ٹریگر دبنے ہی والا ہے۔"

اس نے ریوالور کی نال اس کے منہ سے نکالی پھر ٹریگر پر ساد باؤ ڈالا۔ وہ سہم کر "نہیں نہیں" کے انداز میں سر ہلاتے ے اس کیپسول کو نگل گیا۔ لفٹ ساتویں منزل سے گزر رہی ی۔ بچھو بابا نے پیچھے ہٹ کر کہا "اب تم کوئی سا بھی ہتھیار ل سکتے ہو۔"

ہچکاک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ کیپسول کو ے ہی اس کی کھوپڑی کے اندر سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔ سر رار رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہاتھ پاؤں سے جان نکل رہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ بیٹھ رہا تھا۔ لفٹ نویں منزل پر پہنچ کر گئی۔ وہ حسینہ باہر نکل رہی تھی۔ بچھو بابا اس کے پیچھے چلتے ے بولا "تم میرے نشانے پر ہو۔ اگر اسی فلور میں رہتی ہو تو پنے کمرے میں چلو۔"

وہ اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگی۔ لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا ا۔ ہچکاک پھر نیچے کی طرف واپس جا رہا تھا۔ بچھو بابا اس لباس کے اندر سے ریوالور اور موبائل فون نکال کر لے آیا ا۔ اگر اس کے پاس وہ ہتھیار ہوتا تب بھی وہ کچھ نہیں کر سکتا ا۔ جہاں بیٹھا تھا، وہیں بیٹھا رہ گیا تھا۔ وہ مردہ نہیں تھا۔ دہ تھا لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے بیٹھے بیٹھے زندگی کی بھیک نگ رہا ہو۔

اس حسینہ نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ بچھو بابا اسے مکا دیتے ہوئے اندر آ کر بولا "مجھے افسوس ہے کہ تم میرے ہونے سے جرم کی چشم دید گواہ ہو۔"

اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ وہ سہم کر بولی "میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔"

"ہو سکتا ہے تم سچ بول رہی ہو لیکن میں بھروسا نہیں کروں گا۔ بائی داوے، تم کون ہو؟ کیا یہاں اس کمرے میں تنہا رہتی ہو؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میں قاہرہ سے آئی ہوں۔ وہاں کے ایک کیبرے کی رقاصہ ہوں۔ یہاں کے ایک رئیس نے مجھے اپنے اخراجات پر بلایا ہے۔"

"تم دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑی ہو جاؤ۔ میں اس کمرے کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ حکم ہوا "آنکھیں بند کر دو۔"

وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی "تم میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟ میرے پاس ڈالرز ہیں، زیورات ہیں۔ تم چاہو تو یہ سب کچھ لے لو مگر مجھے جان سے نہ مارو۔"

"ہوں۔ تمہارے پاس کتنا مال ہے؟"

"میرے پاس تیس ہزار ڈالرز ہیں۔ ہیرے کا ایک نیکلس اور سونے کے زیورات ہیں۔ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ میرا سب کچھ لے لو۔ مجھے دیکھ رہے ہو' میں حسین ہوں، جوان ہوں۔ تم چاہو تو یہاں رہ کر اپنا دل خوش کر سکتے ہو۔ میں تمہاری دوست بن جاؤں گی۔"

اس نے ناگواری سے اسے دیکھا پھر کہا "آنکھیں کھولو اور میری طرف دیکھو۔"

وہ آنکھیں کھول کر اس کی طرف پلٹ گئی۔ وہ بولا "میں نے کبھی کسی بے گناہ کو نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ مجھے عورتیں زہر لگتی ہیں۔ اس لیے تمہارے حسن و شباب کا زہریلا گھونٹ نہیں پیوں گا۔ ہاں، تم پر بھروسا کر کے یہاں سے جا رہا ہوں۔ اپنی تمام نقدی اور زیورات مجھے دے دو۔"

وہ فوراً ہی اپنی اٹیچی کھول کر اس میں سے نقد رقم اور زیورات نکال کر بیڈ پر رکھنے لگی۔ بچھو بابا نے ایک ریوالور اپنے لباس کے اندر رکھا پھر دوسرے ریوالور کو بیڈ کے سرے پر رکھ کر ایک طرف گھوم کر ایک خالی شاپر کو اٹھانے لگا۔ وہ اس میں تمام نقدی اور زیورات رکھنا چاہتا تھا لیکن جب وہ پلٹا تو ریوالور اس حسینہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی "خبردار! کوئی حرکت کرو گے تو گولی مار دوں گی۔"

وہ اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولا "اسی لیے عورت مجھے زہر لگتی ہے۔ میں نے تجھے گولی نہیں ماری اور تو مجھے گولی مارنا چاہتی ہے؟"

وہ بیڈ پر جھک کر نقدی اور زیورات شاپر میں ڈالنے لگا۔ حسینہ نے ٹریگر پر انگلی رکھ کر اسے دبایا تو کھٹ کی آواز آئی۔ نہ گولی چلی، نہ فائر کی آواز گونجی۔ اس نے بار بار ٹریگر کو دبایا پھر پریشان ہو کر بچھو بابا کو دیکھنے لگی۔ وہ تمام مال شاپر میں رکھنے کے بعد بولا "تم کیبرے ڈانسر ہو۔ شراب تو پیتی ہو گی؟"

اس نے جلدی سے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا "کیا پینا چاہتے ہو؟"

وہ خشک لہجے میں بولا "بوتل نکالو۔"

اس نے فوراً ہی پلٹ کر الماری کھولی اور ایک بوتل اور دو گلاس نکال کر لے آئی۔ انہیں سینٹر ٹیبل پر رکھ کر بوتل کو کھول کر دو پیگ بنانے لگی۔ وہ بولا "پیگ نہ بناؤ۔ دونوں گلاس بھر دو۔"

وہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بولی "آؤ بیٹھو۔"

وہ اپنے لباس سے ریوالور نکال کر اسے نشانے پر رکھتے ہوئے بولا "نہیں، تم بیٹھو اور دونوں گلاس خالی کرو۔"

وہ ریوالور دیکھ کر سہم گئی۔ پیچھے ہٹ کر بولی ”میں اتنی شراب نہیں پی سکوں گی۔“

”بحث نہ کرو۔ بیٹھ جاؤ۔ جتنی پی سکتی ہو، پیتی چلی جاؤ۔“

ریوالور بالکل چہرے کے سامنے تھا۔ اس نے کرسی پر بیٹھ کر گلاس کو اٹھا کر منہ سے لگایا۔ ایک ایک گھونٹ پینے لگی۔ وہ بولا ”گلاس نیچے نہیں رکھو گی‘ پیتی رہو گی۔“

وہ عاجزی سے بولی ”میں نہیں پی سکوں گی۔ میں چار پیگ سے زیادہ پی نہیں سکتی۔“

”تم ریوالور کی گولی بھی نہیں نگل سکو گی۔ لہٰذا جو ہاتھ میں ہے اسے نگلتی رہو۔“

نیٹ وہسکی تھی۔ نہ پانی ملایا تھا نہ سوڈا اس لیے اس میں گرمی اور تیزی زیادہ تھی۔ ایک ایک گھونٹ اس پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ ایک گلاس خالی ہونے کے بعد اس کی آنکھیں نشیلی ہو گئی تھیں۔ چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ مستی میں آ گئی تھی۔ مسکرا کر نشیلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئی بولی ”کیسا مرد ہے تو؟ اتنی خوبصورت جوانی تیرے سامنے بچھی ہوئی ہے۔“

وہ صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔ بچھونے کی طرح بچھ گئی۔ وہ ڈانٹ کر بولا ”سیدھی طرح بیٹھو اور دوسرا گلاس منہ سے لگاؤ۔“

وہ نشے میں لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بولی ”ہائے‘ کیسا غصہ دکھاتا ہے۔ ابھی تیرا غصہ ٹھنڈا کر دوں گی۔“

یہ کہہ کر وہ اپنا لباس اتارنا چاہتی تھی۔ اس نے قریب آ کر ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر سیدھی بیٹھ گئی۔ نشہ ہرن ہو گیا۔ خوش فہمی ختم ہو گئی۔ ریوالور کے ساتھ پھر موت دکھائی دینے لگی۔ وہ ڈانٹ کر بولا ”اٹھا گلاس۔“

اس نے جلدی سے گلاس اٹھایا پھر ایک گھونٹ پینے کے بعد لڑکھڑاتی آواز میں بولی ”تم کیوں زبردستی پلا رہے ہو؟ میرے پینے سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟“

”میں تمہیں اس قدر مدہوش کر دوں گا کہ تم اپنے آپ سے غافل ہو جاؤ اور کسی سے کچھ بولنے کے قابل نہیں رہو گی۔ جب تک ہوش میں آؤ گی تو میں تم سے دور جا چکا ہوں گا۔ تم ہوٹل والوں کو اور پولیس والوں کو میرا حلیہ بتاتی پھرو گی مگر کوئی مجھے پا نہیں سکے گا۔ کیوں کہ میرا حلیہ بدل چکا ہو گا۔“

وہ باتوں میں وقت ضائع کر رہی تھی۔ پینا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے غصے سے کہا ”تو کتے کی بچی ہے۔ مرنا چاہتی ہے۔ جبکہ میں خوامخواہ کسی کی زندگی سے نہیں کھیلتا۔ تو نے دیکھا ہے۔ میں نے لفٹ میں بھی اپنے اس دشمن کو ہلاک نہیں کیا۔ بس اسے بے دست و پا بنا کر چھوڑ دیا۔ تیرے سا[تھ بھی]
یہی کر رہا ہوں مگر تو سیدھی طرح میری بات نہیں مانے گی[...]

اس نے بوتل کو اٹھا کر کھولا پھر اس کے بالوں کو م[ٹھی میں]
جکڑ کر ایک جھٹکا دیا تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ و[ہ]
بوتل منہ میں گھس گئی۔ اس میں سے شراب نکل کر آ[دھی اس]
کے حلق میں جانے لگی۔ آدھی باہر چھلکنے لگی۔ شراب حلق[...]
اترتے وقت سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ وہ تڑ[پ کر]
اس کی گرفت سے نکلنا چاہتی تھی۔ بچھو بابا اسے صوفے پر
چڑھ بیٹھا پھر اس کے منہ میں بوتل ٹھونس دی۔ کہنے لگا[...]
لیے عورت زہر لگتی ہے۔ سیدھی طرح بات نہیں مانتی۔[...]
بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تجھے زندہ چھوڑ رہا ہوں۔ اس[...]
کر رہا ہوں۔

بوتل خالی ہو گئی۔ وہ اوپر سے ہٹ گیا۔ وہ ابکا[ئی]
کے انداز میں تڑپ رہی تھی مگر اپنے ہوش میں نہیں تھی۔[...]
قدر حاوی ہو گیا تھا کہ آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ [...]
سے شراب رس رہی تھی۔ جتنی مقدار میں اندر پہنچا تھ[ا]
سے زیادہ پہنچ گئی تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں ساکت ہو گئی۔
حواس سے بیگانہ اور اپنے آپ سے غافل ہو کر صوفے[...]
سدھ پڑ گئی۔

وہ نقدی اور زیورات کا شاپر اٹھا کر جانے لگا۔ م[یں]
ماسٹر کے کمرے میں ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا اور ہر ایک کے
کی لکیروں پر چل رہا تھا۔ ایک ایک کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

بچھو بابا ذیشان کی کال پر پاکستان آیا تھا۔ پبلو
شہباز درانی کی کال پر آیا تھا۔ وہ مصری رقاصہ ایک رئیس
کی کال پر دل خوش کرنے آئی تھی۔ وہ ہچکیاں لینے وا[لا]
ہچکاک بھی اپنے باس کی کال پر ہوٹل پہنچا تھا۔ جب ضرو[رت]
کال کرتی ہیں تو سبھی ایک دوسرے کی کال پر کسی سے کا[م لیتے]
ہیں‘ کسی کے کام آتے ہیں‘ کسی سے فائدہ حاصل [کرتے]
ہیں اور کسی سے نقصان اٹھاتے ہیں۔

میں دو گھنٹے تک پبلو ماسٹر کے کمرے میں بیٹھا رہا
دو گھنٹوں میں میری طرف آنے جانے والوں نے کیا پا[یا اور کیا]
کھویا؟ اس کا حساب کیا جائے تو پتا چلے گا کہ ہر ایک کے
نقصان کے پیچھے میں ہی میں تھا۔

میں نے پبلو ماسٹر سے کہا ”تمہاری خدمات ح[اصل]
کرنے والے شہباز درانی نے مجھے ایک گھنٹے یہاں ر[وکنے]
کے لیے کہا تھا اور تم نے مجھے روک لیا۔ اب مجھ[ے جانا]
چاہیے۔“

وہ مجھ سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ کہنے لگا ”میں تمہا[رے ساتھ]

[...] رہنا چاہتا ہوں۔ تم سے بہت کچھ حاصل کرنا چاہتا [...]“

[...]میں نے کہا ”پھر تو مجھے تمہارا ہاتھ دیکھنا ہو گا۔ معلوم کرنا [...] تم مجھ سے کچھ حاصل کر بھی سکو گے یا نہیں؟“

[...] اس نے اپنی دائیں ہتھیلی میری طرف بڑھائی۔ میں [...]تھام کر لکیروں کو دیکھنے لگا۔ اس کے اندر تجسس پیدا ہونے [...] پتا نہیں میں اس کی لکیروں کو کتنی گہرائیوں سے دیکھ رہا [...] اور کیا کہنے والا ہوں۔

میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس نے بے چینی سے [...]ا ”کیا ہوا؟“

میں نے کہا ”شہباز درانی میری اصلیت اور میری [...]وریاں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اس نے تمہاری [...]ت حاصل کیں۔ تم نے مجھ تک پہنچنے کے لیے میرے ہاتھ [...] لکیریں پڑھنے کے لیے کسی اور کی خدمات حاصل کیں اور [...]سے وعدہ کیا کہ اسے ایک بڑی رقم ادا کرو گے۔“

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا ”بے شک، میں نے [...] خطرناک آدمی کی خدمات حاصل کی تھیں۔“

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جاتے ہوئے بولا ”وہ خطرناک [...]ی رقم وصول کرنے آ رہا ہے۔“

وہ تیزی سے چلتا ہوا میرے سامنے آ کر راستہ روکتے [...]ئے بولا ”کہاں جا رہے ہو؟ وہ کیوں آ رہا ہے؟ اس نے تو [...]کوئی کام نہیں کیا ہے۔“

میں نے اسے راستے سے ہٹاتے ہوئے کہا ”اس نے [...]م کیا ہے یا نہیں، تمہارا ہاتھ کہہ رہا ہے کہ رقم تو تمہیں ادا کرنی ہو گی۔ وہ تم سے نمٹنے آ رہا ہے۔“

یہ کہہ کر میں دروازہ کھولتے ہوئے باہر چلا گیا۔ وہ [...]یشان ہو کر کبھی بند دروازے کو تکتا کبھی ہاتھ کی لکیروں کو۔ وہ [...]ب ماہر نجومی تھا۔ اپنے ہاتھ کی لکیروں کو اتنی گہرائی تک نہیں [...]ھ سکتا تھا‘ جتنا کہ میں پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ حقیقتاً میں دھوکا [...]تا تھا۔ ہاتھ کی لکیریں بھی اتنی گہرائی تک اور دور تک اتنی [...]صیل سے نہیں بتاتیں جتنی تفصیل سے میں بتا دیا کرتا ہوں۔

پبلو ماسٹر کو اب اپنی مہارت سے زیادہ میری پیش گوئی پر [...]ین تھا۔ وہ فوراً ہی ٹیلیفون کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ریسیور اٹھا [...]ر شہباز درانی کے نمبر پنچ کیے اور رابطہ ہوتے ہی بولا ”مجھے [...]ی اور اسی وقت پاکستانی کرنسی میں دس لاکھ روپے کی [...]رورت ہے۔“

اس نے پوچھا ”ایسی ایمرجنسی کیوں ہے؟“

”میں آپ کو بتا چکا ہوں‘ میں نے مقدر حیات تک پہنچنے اور اس کا ہاتھ پڑھنے کے لیے ایک خطرناک مجرم کی خدمات حاصل کی تھیں اور اسے دس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب وہ اپنی رقم وصول کرنے آ رہا ہے۔“

”کیا اسی شخص نے مقدر کو تمہارے کمرے میں پہنچایا تھا؟“

”نہیں، مقدر حیات خود میرے پاس آیا تھا۔“

”پھر وہ کس بات کے دس لاکھ لے گا۔ تم اتنی بڑی رقم ادا کرنے سے انکار کر دو۔“

”میں اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ چکا ہوں۔ اس نے پہلے کئی قتل کیے ہیں۔ بہت ہی بے رحم ہے۔ وہ مجھے گولی مار کر چلا جائے گا۔ آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔“

”تم ڈرو نہیں، میرا ایک آلۂ کار اس ہوٹل میں پہنچا ہوا ہے۔ وہ مقدر حیات کو ٹھکانے لگانے کے بعد اسے بھی ٹھکانے لگا دے گا۔“

وہ ناگواری سے بولا ”پتا نہیں تم کیسے چوہوں سے کام لیتے ہو؟ وہ اپنے بل سے نکلتے ہی نہیں ہیں۔ تمہارے کہنے پر میں نے ایک گھنٹے تک مقدر حیات کو اپنے کمرے میں روک رکھا تھا۔ وہ ابھی یہاں سے گیا ہے۔ اس کا کچھ نہیں بگڑا۔ تمہارا وہ قاتل کہاں مر گیا ہے؟“

”میں ابھی معلوم کرتا ہوں کہ وہ کہاں ہے؟“

”آپ کی معلومات حاصل کرنے تک وہ بے رحم قاتل میرے کمرے میں پہنچ جائے گا۔“

”اگر وہ آ جائے تو اس سے وعدہ کرو کہ تم اسے ابھی رقم ادا کرو گے لیکن رقم کا انتظام کرنے میں کم از کم گھنٹا بھر تو لگے گا۔“

”ہاں۔ اتنی دیر کے لیے میں اسے روک سکتا ہوں۔“

شہباز درانی نے رابطہ ختم کیا اور ہچکاک کے موبائل کے نمبر پنچ کیے۔ بچھو بابا شاپر اٹھائے اس مصری رقاصہ کے کمرے سے باہر جا رہا تھا کہ موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ وہ رک گیا۔ اس نے جیب سے موبائل کو نکال کر نمبر پڑھے پھر اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا ”ہاں بھئی بولو! بازار کا کیا بھاؤ ہے؟ میرے بازار میں انسان ردی کے بھاؤ جا رہا ہے۔“

شہباز درانی نے ناگواری سے پوچھا ”کون ہو تم؟ ہچکاک کہاں ہے؟“

وہ بولا ”یہ ہچکاک کیا ہوتا ہے؟“

پھر چونک کر بولا ”اچھا، سمجھ گیا۔ تم اس ہچکیاں لینے والے کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔ بھئی وہ تو ردی کے بھاؤ چلا گیا۔“

وہ غصہ سے بولا ''کیا بکواس کرر ہے ہو؟''

''اگر یہ بکواس ہے تو پرل کے منتظمین سے پوچھ لو۔ وہی بتا سکیں گے کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ بہر حال زندہ ہوگا۔ ہچکیاں لے رہا ہوگا۔ میں نے اسے آخری ہچکی تک نہیں پہنچایا ہے۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ پلٹ کر دیکھا۔ مصری رقاصہ صوفے پر مدہوش سی پڑی تھی۔ بیڈ پر ہچکاک کا خالی ریوالور پڑا ہوا تھا۔ وہ اس کے موبائل کو بھی وہیں پھینک کر تیزی سے چلتا ہوا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اسی فلور پر پبلو ماسٹر کا کمرہ تھا۔ اس نے دروازے پر آ کر کال بیل کا بٹن دبایا۔ اندر بیٹھا ہوا پبلو ماسٹر اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے دروازے کی نہیں خطرے کی گھنٹی بجی ہو......

وہ سہمے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے پاس آ کر بولا ''کون ہے؟''

باہر سے آواز آئی ''روم سروس۔''

پبلو ماسٹر نے اطمینان کی سانس لی اور دروازہ کھول دیا مگر اسے کھولتے ہی ایک دم سے گھبرا گیا۔ سامنے موت کا فرشتہ کھڑا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اندر آ کر دروازہ بند کرتے ہوئے بولا ''میں نے غلط کہہ دیا تھا۔ مجھے روم سروس نہیں، لائف سروس کہنا چاہیے تھا۔''

پبلو ماسٹر نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا ''آؤ یہاں بیٹھو۔''

''میں بیٹھنے نہیں، یہ کہنے آیا ہوں کہ مقدر حیات یہاں آیا تھا۔ تم اس کا ہاتھ پڑھ چکے ہو۔ اب میری رقم ادا کرو۔''

وہ بولا ''مسٹر! میں نے ایئر پورٹ میں تمہارے ہاتھ کی لکیریں پڑھی تھیں' تمہارا ہاتھ کہتا ہے کہ تم بہت ہی انصاف پسند ہو۔ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ کسی سے جبراً کوئی رقم وصول نہیں کرتے۔ مجھ سے بھی رقم کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ مقدر حیات کو تم نے یہاں نہیں پہنچایا تھا۔ وہ خود یہاں آیا تھا۔''

''میرے ہاتھ کی لکیریں یہ نہیں بتائیں گی کہ مقدر حیات اس شخص کا عزیز ہے جس کے لیے میں کام کرتا ہوں اور تم اس کے کام آ رہے ہو جو میرے باس کا دشمن ہے۔ اس حساب سے تم بھی میرے دشمن ہوئے۔ میرا ہاتھ دیکھنے والے تمہیں معلوم ہوگا کہ میں دشمنوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہوں۔''

وہ سہم کر پیچھے ہٹا اور تھوک نگلتے ہوئے بولا ''دیکھو مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مقدر حیات تمہارے باس کا عزیز ہے پھر میں یہاں مقدر حیات سے دشمنی کرنے نہیں آیا تھا۔ صرف اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھنے آیا تھا۔''

''اور ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر اس کی کمزوریاں اپنے [illegible] کو بتانے آئے تھے؟''

''مجھے معلوم ہوتا کہ مقدر حیات کا تعلق تم سے ہے تو کبھی اس کے خلاف کوئی کام نہ کرتا اور نہ ہی آئندہ اس کے خلاف کوئی کام کروں گا۔''

''ابھی تو جرمانے کے طور پر دس لاکھ ادا کرو۔''

وہ سر ہلا کر بولا ''ٹھیک ہے۔ میں رقم دوں گا لیکن ان[illegible] کرنے میں تقریباً دو گھنٹے تو لگیں گے۔''

''ٹھیک ہے انتظام کرو۔''

اس نے فون کے پاس آ کر ریسیور اٹھا کر شہباز درانی [illegible] رابطہ کیا ''وہ دس لاکھ وصول کرنے آ پہنچا ہے۔''

شہباز درانی نے پوچھا ''کون ہے وہ جس سے تم [illegible] قدر خوفزدہ ہو؟ اس سے کہہ دو کہ ایک گھنٹے کے اندر اسے [illegible]ل جائے گی۔ وہ وہیں انتظار کرے۔ میرے آدمی آ کر اسے ٹھکانے لگا دیں گے یا اسے رقم ادا کر دیں گے لیکن آ[illegible] کے لیے اسے پہچان لیں گے۔''

پبلو ماسٹر نے کہا ''نہیں مسٹر! میں یہ خون خرابے [illegible] باتیں بالکل پسند نہیں کرتا۔ تم نے کہا تھا کہ صاف ستھرا [illegible] ہے۔ تم تو مجھے مجرمانہ معاملات میں ملوث کرر ہے ہو۔''

''ٹھیک ہے۔ آئندہ تمہیں کسی غیر قانونی معاملے [illegible] نہیں الجھایا جائے گا۔ اگر وہ شخص تمہارے سامنے موجود [illegible] اس سے میری بات کراؤ۔''

پبلو ماسٹر نے ریسیور بڑھاتے ہوئے کہا ''مسٹر! صاحب دس لاکھ ادا کریں گے۔ یہ تم سے بات کرنا چا[illegible] ہیں۔''

بچھو بابا نے سوچتی ہوئی نظروں سے ریسیور کو دیکھا [illegible] آگے بڑھ کر اسے لیتے ہوئے کان سے لگا کر بولا ''ہوں۔''

شہباز درانی نے کہا ''میرے نجومی نے بتایا ہے۔ تم بہ[illegible] کام کے آدمی ہو۔ میں ایک گھنٹے کے اندر تمہیں دس لا[illegible] روپے ادا کروں گا اور آئندہ بھی تم سے کام لینا چاہوں گا۔''

بچھو بابا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ وہ بولا ''اب[illegible] وہی ہے نا' جسے میں نے تھوڑی دیر پہلے بازار کا بھاؤ بتایا تھا؟''

شہباز درانی نے چونک کر پوچھا ''تم؟ ابھی تم ہچکاک کے فون پر بول رہے تھے۔ آخر تم ہو کون؟''

''میں جراثیم کش دوا ہوں۔ میرا باس تم جیسے کیڑے مکوڑوں پر مجھے اسپرے کرتا رہتا ہے۔''

وہ غرا کر بولا ''ہوں۔ میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ مقد[illegible]

[illegible] تمہارا باس ہے۔ تم اس کے لیے کام کرر ہے ہو۔ اسی [illegible]موت بن کر آنے والے ہچکاک کو تم نے کہیں غائب کر [illegible] ہے۔''

''تو کس مقدر حیات کو میرا باس کہہ رہا ہے۔ میں نے [illegible] اس کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ میرا باس کون ہے یہ تو [illegible] نہیں جان پائے گا۔''

وہ ریسیور پبلو ماسٹر کو دیتے ہوئے بولا ''میں صرف تجھے [illegible] ہوں۔ یہ نہیں جانتا کہ وہ دس لاکھ روپے کہاں سے آئیں [illegible] تو کہیں سے بھی ایک گھنٹے کے اندر رقم لے کر آ میں آؤں گا [illegible]ر اکوئی آدمی آ کر وہ رقم لے جائے گا۔''

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ پبلو ماسٹر نے ریسیور کان سے لگا کر [illegible] ''ہیلو مسٹر۔! مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں کچھ زیادہ ہی پیچیدہ [illegible] معاملات میں الجھ رہا ہوں۔ اگر آپ اپنے معاملات سے مجھے [illegible] نہیں رکھیں گے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ آپ سن [illegible] رہے ہیں نا؟''

اس نے جواب کا انتظار کیا پھر مخاطب کیا ''ہیلو مسٹر۔! [illegible]د۔ ہیلو۔''

اس نے ریسیور کو دیکھا پھر ناگواری سے منہ بنا کر اسے [illegible] کریڈل پر رکھ دیا۔ دوسری طرف شہباز درانی بری طرح الجھ [illegible] گیا تھا۔ اسے ناکامی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ دوسرے [illegible] پاسی معاملات میں کامیاب ہوتا رہتا تھا اور اب تو ذیشان اور [illegible]گل خانم کے معاملے میں بھی اچھی خاصی کامیابی حاصل [illegible] کرنے والا تھا لیکن میرے معاملے میں پے در پے ناکامیوں سے [illegible] واسطہ پڑ رہا تھا۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کس طرح اس کے قابو میں آؤں گا؟

فون کا بزر سنائی دیا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ سر گھما کر [illegible] دور میز پر رکھے ہوئے موبائل فون کو دیکھنے لگا پھر آہستہ آہستہ [illegible] چلتا ہوا فون کے قریب آ کر نمبر پڑھنے لگا' پتا چلا کہ میں اسے [illegible] مخاطب کرر ہا ہوں۔

اس نے موبائل کو مٹھی میں یوں جکڑ لیا جیسے میری گردن دبوچ رہا ہو۔ ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر سوچنے لگا۔ موبائل کا بزر بولتا جا رہا تھا۔ آخر اس نے بٹن کو دبا کر کان سے لگاتے ہوئے جھنجلا کر کہا ''بکو۔ کیا بکنا چاہتے ہو؟''

میں نے کہا ''اچھی باتیں ہمیشہ بکواس لگتی ہیں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا' تمہاری زندگی میری زندگی ہے' تمہاری موت میری موت ہے۔ ہم دونوں کا مقدر ایک ہے لیکن تم نے میری بات کا یقین نہیں کیا۔ یہی بات تمہارے اپنے اعتماد کے نجومی نے کہی ہے پھر بھی تمہیں یقین نہیں آ رہا؟''

وہ غصہ سے بولا ''ہاں۔ دنیا کا کوئی آدمی یقین نہیں کرے گا کہ دو انسانوں کے ہاتھ بالکل ایک جیسے ہو سکتے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کی زندگی اور موت سے جوڑ سکتی ہیں۔''

''تم ابھی یقین نہ کرو لیکن رفتہ رفتہ تسلیم کر لو گے۔ یہی دیکھ لو کہ تم نے میری موت کا ہرکارہ بھیجا تھا۔ لیکن میں کیسے مرتا؟ تمہارے مقدر میں زندگی ہے، اس لیے میرے مقدر میں بھی زندگی ہے۔ یقین نہیں آ رہا ہے تو خودکشی کر کے دیکھ لو۔ تمہارے مرتے ہی میں بھی مر جاؤں گا۔''

☆☆☆

دن کا وقت تھا لیکن عینی کے چاروں طرف رات تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی زندگی میں کب تک مسلسل رات رہے گی۔ وہ اپنے بیڈ روم میں تنہا کھڑی ہوئی تھی۔ یہ جانتی تھی کہ بیڈ کہاں ہے۔ میز، کرسیاں، الماریاں، ٹی وی، اور ریکارڈ پلیئر وغیرہ کہاں کہاں ہیں۔ اس کے باوجود وہاں تک پہنچتے پہنچتے اٹک جاتی تھی۔

اس وقت وہ کمرے میں کبھی ادھر جا رہی تھی، کبھی ادھر جا رہی تھی۔ بیڈ سے ٹی وی تک پہنچنے کے لیے قدموں کو گنتی تھی پھر ٹی وی سے الماری تک کتنے قدم ہوتے ہیں ان کا حساب رکھتی جا رہی تھی۔

ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچنے کے لیے کتنے قدم ہوتے ہیں ان کو یاد رکھنا کچھ مشکل نہ تھا لیکن جونہی پاشا کا خیال آتا تو وہ گنتی بھول کر سوچ میں پڑ جاتی تھی کہ وہ زندہ سلامت ہے اور اسی شہر میں ہے پھر اس سے ملنے کیوں نہیں آتا؟

پھر اس خیال نے ستایا کہ اگر مل نہیں سکتا تو فون کے ذریعے کیوں رابطہ نہیں کرتا؟

یہ دل توڑنے والی باتیں تھیں۔ کیا اس کا دل بھر گیا ہے؟ یا کسی نے اسے اس سے اور عروج سے بدظن کر دیا ہے؟ کوئی ایسی بات ہے جس نے اسے ان دونوں سے دور کر دیا ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس کا دل رک سا گیا تھا۔

پھر سوتیلی ماں دردانہ بیگم کا خیال آتا کہ اس نے ہی ایسا کیا ہوگا۔ پتا نہیں اس نے کیا جادو کیا ہے اور کیا پڑھ کر اسے کھلا دیا ہے کہ وہ ان کی طرف مائل نہیں ہو رہا ہے؟ اور دردانہ جس طرح چیلنج کے انداز میں بولتی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پاشا پوری طرح اس کی گرفت میں ہے۔

دماغ میں ایسے ایسے سوالات پیدا ہوتے رہتے تھے کہ دل گھبرانے لگتا تھا۔ عروج ساتھ ہوتی تو وہ ایک دوسرے کو تسلیاں دیتی رہتیں۔ اس وقت عروج بھی نہیں تھی۔ آج وہ یہ کہہ کر گئی تھی کہ بڑے بڑے ڈاکٹروں کی سالانہ میٹنگ ہے۔ وہ شام تک مصروف رہے گی۔

دروازے پر دستک سنائی دی۔ عینی نے سر گھما کر آواز کی سمت دیکھا۔ اب تو آواز سے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ دروازہ کہاں ہے اور کھڑکیاں کہاں ہیں اور آنے والا کہاں کھڑا ہوا بول رہا ہے؟ اس نے پوچھا ''کون ہے؟''

باہر سے آواز سنائی دی ''بیٹی! میں ہوں۔ تمہاری پھوپی جان۔''

اس وقت اسے اپنے خیالات میں مداخلت پسند نہیں تھی لیکن دروازے پر آنے والی بزرگ خاتون سے کترایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے بے دلی سے کہا ''آ جائیں۔''

فلک ناز دروازہ کھول کر اندر آئی پھر بولی ''میں جانتی تھی تم یہاں تنہا بور ہو رہی ہو۔ عروج اپنے اسپتال کے سالانہ فنکشن میں گئی ہوئی ہے۔''

''سالانہ فنکشن ہو یا نہ ہو۔ یوں بھی جب عروج اسپتال چلی جاتی ہے تو میں تنہا رہ جاتی ہوں۔ یہ تنہائی تو میرا مقدر بن گئی ہے۔''

''تنہا رہیں تمہارے دشمن۔ یہ تمہارا عدنان ملنے آیا ہے۔''

اس نے اپنے بیٹے کو میرا عدنان نہیں کہا۔ عینی سے منسوب کیا کہ تمہارا عدنان آیا ہے۔ وہ بولا ''ہائے عینی! تمہیں یوں الگ تھلگ نہیں رہنا چاہیے۔ اگر عروج مصروف رہتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم کمرے میں تنہا بیٹھی رہو۔ آؤ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔''

وہ بڑی مایوسی سے بولی ''میں کھلی فضا میں جا کر کیا دیکھوں گی؟ اس دنیا کے سارے نظارے میرے لیے ممنوعہ ہو چکے ہیں۔''

عدنان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اب اسے کیا کہنا چاہیے۔ ماں نے جتنا سکھایا تھا اس نے آتے ہی بول دیا تھا۔ وہ ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس نے اشارے سے سمجھایا کہ اس کا ہاتھ تھام لو۔ وہ ایک قلم اور کاپی پکڑے ہوئے تھی۔ فوراً ہی جلدی جلدی لکھنے لگی۔ عدنان عینی کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔ فلک ناز نے بیٹے کے سامنے کاپی بڑھائی۔ وہ اسے پڑھتے ہوئے عینی کا ہاتھ تھام کر بولا ''میں تمہیں مایوس نہیں ہونے دوں گا۔ تم میری آنکھوں سے دنیا دیکھو گی۔ میرے

ساتھ چلو۔ باہر جو کچھ ہوگا۔ میں تمہیں بتاؤں گا۔ جیسے سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔''

عینی نے پوچھا ''یہ تم اٹک اٹک کر کیوں بول ر

''وہ۔ دراصل جلدی میں لکھی ہوئی رائٹنگ پڑھی نہیں جاتی۔''

ماں نے اس کے سر پر چپت مارتے ہوئے کہا '' کے سامنے بدحواس ہو جاتے ہو۔ یہ پڑھنے کی بات رہی ہے۔ بولنے کی بات کر رہی ہے۔ بیٹی۔! بات یہ جب بھی تمہارے سامنے آ کر دل کی بات کہنا چاہتا۔ اسی طرح بوکھلا جاتا ہے۔''

عینی نے پوچھا ''اچھا، تو یہ تمہاری دلی خواہش۔ تمہارے ساتھ باہر چلوں؟''

''ہاں بیٹی! اچھا ہے، عروج کے واپس آنے تا وقت گزر جائے گا اور دل بھی بہل جائے گا۔''

''اچھی بات ہے۔ عدنان! تم جاؤ گاڑی نکا پھوپی جان کے ساتھ آ رہی ہوں۔''

عدنان باہر آ گیا اور گیرج سے کار نکال کر پورچ آیا پھر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر وہ کاپی کھولی جس میں ما اپنی ہونے والی بہو کو پھانسنے کے نسخے لکھے تھے۔

وہ چوبیس برس کا اچھا خاصہ جوان تھا لیکن ذہنی طو تھا۔ وہ عشق و محبت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ ما کے پیچھے پڑی رہتی تھی کہ اسے عینی کا دل جیتنا چاہیے تنہائی میں بیٹھ کر اسے ہجے کر کے سمجھایا کرتی تھی کہ کر عینی کے قریب رہنا چاہیے۔ اس کا ہاتھ پکڑنا چاہیے۔ آ نے سمجھایا تھا کہ وہ باہر چلنے پر راضی ہو جائے تو وہ ا پارک میں لے جائے اور جب وہ پیدل چلنے لگے تو اس تھام لے... اگر وہ کہیں لڑکھڑائے تو اسے اس طرح سن کہ وہ آ کر اس کے گلے لگ جائے۔

اس نے پوچھا ''اماں مما۔! اس سے کیا ہوگا؟''

''تمہیں تو کبھی کچھ نہیں ہوگا۔ تم تو اناڑی ہو لیکن و ہے۔ اس طرح اس کے جذبات بھڑکیں گے۔ وہ تم ہوگی اور تمہاری طرف مائل ہونے لگے گی۔''

''لیکن اماں مما۔! اب اسے بہو بنانے کا فائدہ کیا وہ تو اندھی ہو چکی ہے؟''

ماں نے پوچھا ''تم نے نوٹوں کی گڈیاں دیکھی ہیں

''ہاں، بہت دیکھی ہیں۔''

''کیا نوٹوں کی آنکھیں ہوتی ہیں؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''بھلا نوٹوں کی آنکھیں کیسے؟

''ہاں، دولت اندھی ہوتی ہے لیکن دنیا کی سب سے اہم تی ہے۔ سبھی اسے کلیجے سے لگائے رکھتے ہیں۔ اسی یعنی سکہ رائج الوقت ہے۔ اسے کلیجے سے لگائے رکھنا جو بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ اسے سمجھنے میں ضائع نہ کرو۔ جیسے کہتی ہوں ویسے ہی کرتے جاؤ۔ اس یں میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ تمہیں اپنی مردانگی ثابت کرنی ایک ایسی ڈرامہ بازی کرنی ہے جس سے وہ تم سے متاثر ئے۔''

اس نے کاپی میں ایک چھوٹا سا ڈرامہ لکھا تھا اور بیٹے کو کی تھی کہ اسے اچھی طرح یاد کر لے اور اس پر عمل کرے۔

اس وقت وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھا اس ڈرامے کی پٹ کو یاد کر رہا تھا کہ عینی آ گئی۔ فلک ناز نے دروازہ کراسے عدنان کے برابر والی سیٹ پر بٹھا دیا اور عینی کے ہاتھ پھیر کر کہا ''جاؤ بیٹی! خوب انجوائے کرو۔''

عدنان نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ کوٹھی کے طے سے باہر نکلتے ہوئے بولا ''کہاں جانا چاہو گی؟''

''کہیں بھی چلو۔ میں تو تاریکی میں بیٹھی ہوں۔ بس اتنا ں ہو رہا ہے کہ بند کمرے میں نہیں ہوں۔ کھلی فضا میں ۔ کھڑکی سے آنے والی ہوا مجھے بہت اچھی لگ رہی ۔''

وہ بولا ''ہم ہل پارک چلتے ہیں۔''

اس نے ہل پارک کے ایک پارکنگ ایریا میں پہنچ کر کار دی۔ وہ دونوں گاڑی سے اتر گئے۔ اس نے کار کو لاک نے کے بعد اپنی کاپی کھول کر اسے پڑھا پھر کہا ''اپنا ہاتھ ے ہاتھ میں دو۔ میں دنیا دے اس نکڑے تک تمہیں اپنے ھ لے جانا چاہتا ہوں جتھے بندہ نئی ہوندہ اور بندے دی ت دی نئی ہوندی اے۔''

''عینی نے خلا میں تکتے ہوئے پوچھا ''کیا تم فلمی گیت ر کے آئے ہو؟''

وہ بولا ''میں کند ذہن نہیں ہوں۔ ایک بار جو پڑھتا ہوں ے اچھی طرح یاد کر لیتا ہوں۔''

''میں نے ابھی ورق الٹنے کی آواز سنی تھی۔ کیا تم نے ی کتاب پکڑی ہوئی ہے؟''

''نہیں، کاپی ہے۔ اماں مما چاہتی ہیں میں کوئی غلطی نہ روں۔ میری وجہ سے تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس لیے وں نے کچھ اہم باتیں لکھ دی ہیں۔''

وہ مسکرا کر بولی ''ٹھیک ہے۔ تم پڑھتے رہو۔ میں سنتی رہوں گی۔''

اس نے دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے اس کے بازو کو تھام لیا پھر کہا ''میں تمہارے بازو کو تھام کر چلوں گی۔ ہاتھ پکڑ کر چلنا اچھا نہیں لگتا۔''

وہ باتیں کرتے ہوئے گارڈن کے ایسے حصے میں آئے جہاں ہری بھری گھاس تھی۔ اسے تازہ ہوا کے جھونکے اچھے لگ رہے تھے۔ وہ بولی ''ہم یہیں کہیں گھاس پر بیٹھتے ہیں۔'' اور وہ دونوں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ عدنان نے کاپی کھول کر ایک صفحے پر سطحی سی نظر ڈالی پھر کہا ''تم جوان ہو، حسین ہو۔ یہاں آتے جاتے لوگ تمہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔''

وہ بولی ''دیکھنے دو۔ کیا فرق پڑتا ہے؟''

وہ ذرا جذباتی انداز میں بولا ''میں چاہتا ہوں تمہیں کوئی نہ دیکھے صرف میں دیکھوں۔''

وہ مسکرا کر بولی ''ایک تدبیر ہے۔ تم اس پر عمل کرو گے تو صرف تم ہی مجھے دیکھ پاؤ گے۔ دوسرا کوئی نہیں۔''

وہ جلدی سے بولا ''ہاں۔ مجھے بتاؤ وہ تدبیر۔''

''تمام دنیا والوں کی آنکھیں پھوڑ دو پھر کوئی مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ اب میں یہی کروں گا۔ کوئی تمہیں دیکھے گا تو میں اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔''

پھر اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ کاپی کو کھول کر پڑھا پھر کہا ''وہ دیکھو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

عینی نے پوچھا ''کون ہے؟ کہاں ہے؟''

''ہمارے سامنے کچھ فاصلے پر کھڑا ہے اور تمہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ میں اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا۔''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی ''نہیں عدنان تم کسی سے جھگڑا نہیں کرو گے۔''

ماں نے کاپی میں لکھا تھا۔ ایسے وقت اسے جوشیلے انداز میں بولنا چاہیے ''لہٰذا وہ جوش میں آ کر بولا ''کیسی باتیں کر رہی ہو عینی؟ کوئی تمہیں میلی نظروں سے دیکھے اور میری مردانگی کو للکارے تو کیا میں چپ بیٹھا رہوں گا؟ ہرگز نہیں۔''

اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ للکارنے کے انداز میں بولا ''اے! یہاں سے جاتے ہو یا میں مزا چکھاؤں؟''

یہ کہتے ہی وہ چند قدم آگے بڑھ کر پلٹ گیا پھر آواز بدل کر ہنسنے لگا۔ مختصر سی ہنسی کے بعد پھر آگے بڑھ کر عینی کے قریب

آیا اور پلٹ کر بولا ''کمبخت ہنس رہا ہے۔ مذاق اڑا رہا ہے۔ مجھ جیسے مرد کو للکار رہا ہے۔ اے۔! تو یہاں سے جائے گا یا نہیں؟''

عینی پریشان ہو کر اٹھ گئی تھی۔ کھڑی ہو کر دونوں ہاتھوں سے اِدھر اُدھر ٹٹولتی ہوئی کہہ رہی تھی ''عدنان۔! واپس آجاؤ۔ واپس آجاؤ عدنان! جھگڑا مت کرو۔''

ایک شخص درخت کے نیچے کھڑا ہوا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو اس نے یہ سمجھا کہ وہ لڑکی کے سامنے کوئی تماشہ کر رہا ہے۔ اسے ہنسانا چاہتا ہے پھر غور کرنے پر معلوم ہوا کہ لڑکی اندھی ہے اور اس کی ایسی حرکتوں سے پریشان ہو رہی ہے۔'' اسے کسی کے ساتھ لڑنے سے منع کر رہی ہے۔

پھر اس نے دیکھا کہ عدنان نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی ہے اور لڑکی سے کہہ رہا ہے کہ اب وہ بھی اپنے دشمن کی قمیص پھاڑے گا اور پھر یہ کہتے ہی اس نے قمیص کے دوسرے حصے کو پھاڑ ڈالا۔

اب اس اجنبی نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ وہ نوجوان ایسی حرکتیں کر کے ایک اندھی لڑکی کو اپنی مردانگی سے متاثر کر رہا ہے۔

وہ درخت کے... پیچھے سے نکل کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا آ کر عدنان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ اپنا ہی گریبان پکڑ کر منہ سے ایسی ایسی آوازیں نکال رہا تھا اور اس طرح کراہ رہا تھا جیسے دشمن کو گھونسے مار رہا ہو۔

اجنبی نے پیچھے سے اس کے شانے کو تھپکی دی۔ وہ ایک دم سے چونک کر اس کی طرف پلٹ گیا۔ حیرانی سے اور پریشانی سے اسے دیکھنے لگا۔ اجنبی نے پوچھا ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

وہ بولا ''اے۔! تم ہمارے بیچ میں نہ آؤ۔ یہاں سے جاؤ۔''

عینی نے ایک قدم آگے بڑھ کر فضا میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا ''نہیں مسٹر! یہاں سے نہ جاؤ۔ پلیز اس جھگڑے کو ختم کر دو۔ ان کی صلح صفائی کرا دو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''کس سے صلح صفائی کراؤں؟ یہاں تو کوئی ہے ہی نہیں۔ یہ تمہارا ساتھی بہت بڑا نوٹنکی ہے.... خوامخواہ ہوا سے لڑ رہا ہے اور تمہیں تاثر دے رہا ہے کہ کسی دشمن سے تمہیں بچانے کی خاطر اسے کوئی مار رہا ہے، مار کھا رہا ہے اور اپنے کپڑے پھاڑ رہا ہے۔''

عینی نے حیرانی سے پوچھا ''عدنان! یہ میں کیا سن رہی ہوں؟''

وہ ہاتھ بڑھا کر بولی ''یہاں میرے پاس آؤ۔''

وہ جھجکتے ہوئے قریب آیا۔ وہ اسے چھو کر ٹٹولتی، کے پھٹے ہوئے کپڑے کو تھام کر بولی ''یہ قمیص کیسے پ کیا یہاں تم سے لڑنے والا کوئی ہے؟''

عدنان نے جھجکتے ہوئے اجنبی کو دیکھا۔ اس اجنب ''سچ بولو ورنہ میں ابھی لوگوں کو اکٹھا کر دوں گا تو تمہاری اس نابینا لڑکی کے سامنے کھل جائے گی۔''

وہ بے بسی سے بولا ''وہ۔ عینی۔! وہ دراصل م دل بہلا رہا تھا۔''

وہ غصے سے بولی ''دل بہلا رہے تھے یا مجھے پریشا جتلا کر رہے تھے؟ میں گھبرا رہی تھی کہ پتا نہیں کیا ہو۔ ہے۔''

وہ اجنبی کے سامنے شرمندہ سا ہو کر بولا ''سوری مجھے معاف کر دو۔''

وہ ذرا نرم لہجے میں... بولی ''تم تو بچپن سے ہی ا ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ یہاں آ کر بہت بڑی غ ہے۔'' پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی ''چلو واپس چلیں۔''

اس اجنبی نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے کہا ''م میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا تم بچپن سے ایسی ہی ہو؟''

وہ بولی ''نہیں، کچھ عرصہ پہلے میری بینائی کمزور ہ پھر رفتہ رفتہ میں اس حالت کو پہنچی ہوں۔''

''تم چاہو تو تمہیں جلد ہی نئی آنکھیں مل سکتی ہیں۔''

عینی نے پوچھا ''کیا آپ ڈاکٹر ہیں؟ یا آئی بینک سے کوئی تعلق ہے؟''

''نہ میں کوئی ڈاکٹر ہوں نہ آئی بینک والوں سے تعلق ہے لیکن میں ایک ایسی خاتون کو جانتا ہوں جو بستر پر ہے اور وہ اپنی آنکھیں عطیہ کے طور پر دینا چاہتی ہے۔''

''کیا آپ اس خاتون سے ہمیں ملا سکتے ہیں؟''

''ہاں، مگر اس سلسلے میں پہلے میں تمہارے والدین یا سرپرست سے ملنا چاہوں گا۔''

''میرے بھائی جان سپرنٹنڈنٹ آف پولیس ہیں ہی میرے سرپرست ہیں۔ آپ اپنا نام پتا اور فون نمبر دیں۔ میں بھی اپنا نام پتا اور فون نمبر بتاتی ہوں۔ اس ہمارا رابطہ رہے گا اور کوئی بات بن سکے گی۔''

اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کی ط بڑھاتے ہوئے کہا ''یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے۔ اس میں کچھ لکھا ہوا ہے۔''

عینی نے تاریکی میں ہاتھ بڑھایا اور اجنبی نے اپنا

ادیا۔ وہ اسے اپنا نام، پتا، اور فون نمبر بتانے لگی۔ وہ ایریئے میں پہنچ گئے۔ اجنبی نے کار کو دیکھتے ہوئے کہا نے ساتھی کو اپنا رِل کہہ رہی تھیں۔ اگر یہ اپنا رِل ہے تو یسے چلاتا ہے؟''

یہ اپنے طور پر زندگی گزارنے کے معاملے میں بڑی نارمل ہے۔ اس کی ماں کے بے جا لاڈ پیار نے اسے یا احمق بنا رکھا ہے۔ آپ فکر نہ کریں یہ احمق مجھے ت گھر پہنچا دے گا۔''

وہ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اجنبی نے دروازہ بند تے ہوئے کہا ''میں تمہاری فون کال کا انتظار کروں گا۔''

''آپ کا بہت شکریہ۔ میں جلد ہی بھائی جان سے آپ ت کراؤں گی۔''

عدنان نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ اس وقت یک موبائل فون کی ضرورت محسوس کر رہی تھی تا کہ جلد سے زیشان اور عروج سے اس خاتون کے بارے میں بات کر جو آنکھوں کا عطیہ دینا چاہتی تھی۔

عدنان نے ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا ''عینی۔! کیا مجھ سے ناراض ہو؟''

''کیا مجھے ناراض نہیں ہونا چاہیے؟''

وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا ''تم نے اس اجنبی کے سامنے مجھے نادان اور احمق کہا تھا۔ درست ہی کہا تھا۔''

''صرف میں ہی نہیں ساری دنیا یہی کہتی ہے۔ جب تک اپنی اماں مما کی انگلی پکڑ کر چلتے رہو گے، ایسی ہی حماقتیں کرتے رہو گے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں، آئندہ اماں مما کی کوئی بات نہیں مانوں گا۔''

''نہیں، یہ بات بھی نامناسب ہوگی۔ بزرگوں کا ادب کرنا چاہیے۔ ان کی عزت کرنا چاہیے۔ ان کی باتیں ماننا چاہئیں لیکن اپنی عقل سے بھی سوچنا چاہیے کہ کون سی بات اچھی ہے اور کون سی بری ہے۔ تمہیں عقل سے سوچنا چاہیے کہ جب میں پاشا سے محبت کرتی ہوں۔ اس سے شادی بھی کرنے والی تھی تو پھر تمہاری طرف یا کسی اور کی طرف کیسے مائل ہو سکتی ہوں؟''

''میں نہیں جانتا۔ اماں مما مجھے اس طرح سمجھاتی ہیں کہ کوئی بات مجھے اچھی اور سچی لگتی ہے اور میں اس پر عمل کرنے لگتا ہوں۔''

''آئندہ میرے بارے میں تم سے جو بھی کہا جائے اسے نہ مانو۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں تمہاری بہن ہوں اور بہن سے کبھی شادی نہیں ہو سکتی۔''

''مگر وہ کہتی ہیں کہ تم سگی بہن نہیں ہو۔ میری کزن ہو اور کزن سے شادی ہو سکتی ہے۔''

تو پھر ٹھیک ہے۔ ماں کی بات مانتے رہو اور میرے انتظار میں بوڑھے ہوتے رہو۔''

کار کوٹھی کے احاطے میں پہنچ کر رک گئی۔ عروج اسپتال کی سالانہ تقریب سے واپس آ گئی تھی۔ کار کی آواز سنتے ہی کوٹھی سے باہر آئی اور اس کا دروازہ کھول کر عینی کو سہارا دیتے ہوئے بولی ''تم کہاں چلی گئی تھیں؟ میں ایک گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں۔''

وہ عروج کے سہارے چلتے ہوئے بولی ''میرا خیال ہے میرے یہاں سے جاتے ہی تم آ گئی تھیں۔ مجھے معلوم ہوتا کہ جلدی واپس آؤ گی تو کبھی نہ جاتی۔''

وہ کوٹھی کے اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ عینی اسے اس خاتون کے بارے میں بتا رہی تھی جو آنکھوں کا عطیہ دینے کے لیے آمادہ تھی لیکن عطیہ دینے کے سلسلے میں اس کی کوئی شرط بھی تھی۔ عینی نے کہا ''میرے پرس میں اس شخص کا وزیٹنگ کارڈ ہے۔ تم اس سے فون پر رابطہ کرو۔ بھائی جان کو بھی اس سلسلے میں آگاہ کرو۔''

عروج نے اس کے پرس سے کارڈ نکال کر پڑھا پھر کہا ''اس میں کسی جاوید برقی کا نام لکھا ہوا ہے۔ کوئی بزنس مین ہے۔ میرا خیال ہے پہلے بھائی جان اس سے بات کریں تو بہتر ہوگا۔''

اس نے فون پر زیشان سے رابطہ کیا۔ وہ اپنے دفتر میں تھا۔ اب وہاں سے اپنے گھر کی طرف جانے والا تھا لیکن راستے میں ڈیفنس فیز ٹو کے سگنل پر پھوبابا سے ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ وہ دونوں دشمنوں سے نظریں بچا کر ایک دوسرے سے ملاقات کرنے والے تھے۔ اس نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے پوچھا ''ہیلو۔؟''

عروج اسے عینی اور جاوید برقی کی ملاقات کے بارے میں بتانے لگی پھر کہا ''آپ ان کا فون نمبر نوٹ کریں اور ابھی رابطہ کریں۔ وہ کسی ایسی خاتون کو جانتے ہیں جو بستر مرگ پر ہیں اور اپنی آنکھوں کا عطیہ دینا چاہتی ہیں۔''

زیشان نے نمبر نوٹ کیے پھر کہا ''ٹھیک ہے۔ میں ان سے رابطہ کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد تمہیں کال کروں گا۔''

اس نے رابطہ ختم کیا۔ پھوبابا سے ملنا ضروری تھا لیکن اس سے زیادہ اہم عینی کی بینائی کا مسئلہ تھا اور ابھی کسی رحم دل فراخ دل خاتون کے ذریعے بات بننے والی تھی۔

اس نے فون کے ذریعے جاوید برقی سے رابطہ کیا ''میں ایس۔پی۔ ذیشان بول رہا ہوں۔ میں اس نابینا لڑکی کا بڑا بھائی ہوں جس سے آپ گارڈن میں مل چکے ہیں۔''

دوسری طرف سے جاوید برقی نے کہا ''جی ایس۔پی۔ صاحب! میں سمجھ گیا۔ آپ اپنی بہن کی بینائی چاہتے ہیں اور میں اپنی بیوی کا روحانی سکون چاہتا ہوں۔''

ذیشان نے تعجب سے پوچھا ''بیوی۔؟''

''جی ہاں۔ میں نے آپ کی سسٹر سے جس خاتون کا ذکر کیا تھا وہ میری بیوی ہے اور اس وقت اسپتال میں ہے۔ مسئلہ آپ کا بھی ہے اور ہمارا بھی ہے۔ اسے جس قدر جلد حل کیا جائے اتنا ہی بہتر ہوگا۔''

ذیشان نے کہا ''میں آپ سے جلد سے جلد ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ اسپتال کا نام بتاتے ہوئے بولا ''آپ وہاں اسپیشل وارڈ کے کمرا نمبر 21 میں اپنی سسٹر کے ساتھ آجائیں۔ وہاں مجھ سے اور میری وائف سے ضروری باتیں ہوسکیں گی۔''

اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا ''میں اب سے ڈھائی گھنٹے بعد ٹھیک آٹھ بجے اپنی وائف کے ساتھ وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

ذیشان نے رابطہ ختم کردیا پھر فون کے ذریعے عروج اور اسما کو بتایا کہ وہ ساڑھے سات بجے تک گھر آئے گا اور ان کے ساتھ ہی اسپتال جاکر اس خاتون اور اس کے شوہر سے ملاقات کرے گا۔ اللہ نے چاہا تو عینی کی بینائی کے سلسلے میں خوش آئند پیش رفت ہوگی۔''

وہ ریسیور رکھ کر دفتر سے باہر آیا۔ باہر پولیس وین کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دوسرے سپاہی پچھلی سیٹوں پر آگئے پھر وہ وہاں سے گھر کی طرف جانے لگا۔ اس نے اپنے خاص ماتحت کو سمجھا دیا تھا کہ ڈیفنس ٹو کے سگنل کے قریب پہنچ کر وین کو روک دیا جائے پھر یوں ظاہر کیا جائے جیسے وین میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ خاص ماتحت نے اس کے حکم کے مطابق یہی کیا۔ سگنل کے قریب پہنچ کر گاڑی روک دی اور باہر نکل کر اس کا بونٹ اٹھا کر یوں چیک کرنے لگا۔

ذیشان گاڑی سے باہر نکل کر سڑک کے کنارے آیا پھر دور تک ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ موبائل فون کے ذریعے بچھو بابا سے کہا ''میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ ٹیکسی لے آؤ۔''

دس منٹ کے اندر ہی ایک ٹیکسی مخصوص رفتار سے چلتی ہوئی قریب آنے لگی۔ ذیشان نے ہاتھ اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ ٹیکسی رک گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بچھو بابا بیٹھا تھا۔

وہ پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہوکر وہاں سے روانہ ہوگئی۔ بچھو بابا نے کہا ''سر! میں نے آپ کے حکم کے مطابق پرل میں اس دشمن کو جانی نقصان نہیں پہنچایا۔ ناکارہ بنا دیا لیکن پبلو ماسٹر کے کمرے میں گیا تو وہاں آپ کے بھائی مقدر حیات نہیں تھے۔''

''میرا بھائی بہت ہی عجیب ہے۔ بڑا ہی باکمال ہے۔ اپنی سلامتی کے راستے خود ہی نکالتا چلا جاتا ہے۔''

''سر! آپ اپنی سلامتی کی باتیں کریں۔ یہ دردانہ اور شہباز درانی تو بہت ہی زبردست ہیں۔ وہ آپ کو طرح طرح کے الزامات کے شکنجے میں جکڑتے جارہے ہیں۔''

ذیشان نے کہا ''میں چاہتا تھا قانون کی حدود میں ان کے حملوں کا توڑ کرتا رہوں لیکن وہ بڑی مکاری سے قانون کو ہاتھ میں لے رہے ہیں اور میرے خلاف ٹھوس ثبوت اور مستند گواہ جمع کرتے جارہے ہیں۔''

بچھو بابا نے کہا ''آپ کے خلاف سب سے بڑا اور اہم ثبوت آپ کا اپنا خاص ماتحت زبیری ہے جو آپ کے خلاف بیان دے چکا ہے۔''

''میرے اپنے ڈپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسران مجھ سے تعاون نہیں کررہے ہیں۔ مجھے ایک بار بھی زبیری سے ملاقات کرنے کا موقع نہیں دیا گیا ہے۔ میرے اختیارات اور زرائع محدود کیے جارہے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں سر! ایسے ہی حالات میں آپ جیسے قانونی طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔''

ذیشان اس کی باتیں سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ اس نے کہا ''میرا بھائی مقدر حیات علم نجوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتا ہے۔ وہ کسی کے بھی ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے وہ بات پتھر کی لکیر بن جاتی ہے۔''

''وہ آپ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟''

''یہی کہ میری کامیابی ہوگی لیکن بڑی دشواریوں سے گزرنا ہوگا۔''

''ایسا تو سب ہی نجومی کہتے ہیں۔ سب ہی امید دلاتے ہیں۔ بات تو تب ہے کہ کامیابی کا کوئی ٹھوس راستہ دکھایا جائے۔''

''اس نے راستہ دکھایا ہے۔ یہ پیش گوئی کی ہے کہ میں دشمن کی کسی بہت بڑی کمزوری سے کھیلوں گا تو کامیابی حاصل ہوگی۔''

''دردانہ ماضی میں آپ کی رشتہ دار رہ چکی ہے۔ کیا آپ اس کی کسی بہت بڑی کمزوری سے واقف ہیں؟''

''ایک جوان بیٹا اپنی ماں کی بہت بڑی کمزوری بن جاتا ہے لیکن اس کا جوان بیٹا نہیں رہا۔ وہ بیٹے کو ہارنے کے بعد ہی میرے خلاف انتقامی کارروائی کررہی ہے۔''

''شہباز درانی کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''اسد عزیزی اس کا سب سے زبردست مہرہ ہے۔ اس کے ذریعے وہ بڑی بڑی واردات کرتا ہے اور بڑی بڑی سیاسی کامیابیاں حاصل کرتا ہے۔ میں نے تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ تم اسد عزیزی کو اغوا کردو گے یا ختم کردو گے۔ اس طرح میں شہباز درانی کو بڑی حد تک کمزور بنا سکوں گا۔''

''تو پھر میں پہلا قدم یہی اٹھاؤں گا۔ آپ اسد عزیزی کے خفیہ ٹھکانوں کے بارے میں کچھ جانتے ہوں تو مجھے بتائیں؟''

''اب اسے کسی خفیہ ٹھکانے میں تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ وہ اسپتال میں بڑا ہے۔''

''وہ بیمار ہے؟''

''نہیں۔ ایک کار کے حادثے میں بری طرح زخمی ہوا ہے۔ میرے خاص ماتحت نے رپورٹ دی ہے کہ اس کے ایک گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ باقی جسم کی ہڈیاں بھی چٹخ کر رہ گئی ہیں۔ وہ کم از کم مہینے دو مہینے تک اسپتال میں پڑا رہے گا۔''

بچھو بابا نے پوچھا ''اگر وہ اسپتال سے کبھی گھر نہ آئے تو؟''

اس نے میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''میں یہی چاہتا ہوں لیکن اسے قتل نہ کرو۔ دشمنوں کو موقع نہ دو کہ وہ کوئی نیا الزام میرے سر تھوپ سکیں۔''

''آپ مشورہ دیں مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''بڑی رازداری سے ڈاکٹروں کے علاج کو ناکام بناؤ۔ اس کے زخموں کو بھرنے نہ دو۔ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ اس کے زخم ناسور بنتے چلے جائیں۔''

''یہ ہو جائے گا۔ میں اس اسپتال کی نرسوں اور وارڈ بوائز کے ذریعے دواؤں میں ایسی ملاوٹ کروں گا کہ اس کے زخم کبھی بھرنے نہیں پائیں گے۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ ٹیکسی اپنی مخصوص رفتار سے چلتی رہی پھر ذیشان نے کہا ''ان گواہوں کو کمزور بنانے کی کوششیں کی جائیں جو میرے خلاف تیار کیے جارہے ہیں۔ زبیری کو بڑی سخت نگرانی میں رکھا گیا ہے۔ تم وہاں تک پہنچ نہیں پاؤ گے۔ اس کے بیوی بچے بھی اچانک ہی کہیں چلے گئے ہیں ورنہ انہیں زبیری کی کمزوری بنایا جاسکتا تھا۔''

بچھو بابا نے کہا ''پبلو ماسٹر کے فون کالز ٹیپ کرنے سے پتا چلا کہ شہباز درانی نے اسے بلایا تھا۔ اسی طرح اگر آپ شہباز درانی اور دردانہ کے فون کالز کو ٹیپ کراتے رہیں تو ہمیں ان کی بہت سی اندرونی مصروفیات کا علم ہوتا رہے گا۔''

شہباز درانی کی کوٹھی میں ایک ہی ٹیلیفون ہے۔ وہ موبائل کے ذریعے کسی سے بھی خفیہ معاملات پر گفتگو نہیں کرتا ہے۔ ویسے دردانہ کا اکاؤنٹ جس بینک میں ہے وہاں کا منیجر میرا احسان مند ہے۔ اس نے مجھے رازداری سے بتایا ہے کہ دردانہ کے اکاؤنٹ میں پچھلے دو مہینے کے اندر کروڑوں روپے کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کی آمدنی کے ذرائع نامعلوم ہیں۔ اس سلسلے میں اس کے خلاف محاسبہ کرایا جاسکتا ہے لیکن ہمیں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوگی۔ شہباز درانی کسی طرح اسے بچالے گا۔''

بچھو بابا نے کہا ''جس طرح وہ آپ پر سنگین الزامات لگا رہے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی دردانہ پر الزامات لگائیں اور اس کے خلاف ٹھوس ثبوت حاصل کریں۔''

''میں اسی فکر میں ہوں۔''

اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا ''اب مجھے گھر پہنچا دو۔''

گھر میں اسما اور عروج اسپتال جانے کے لیے تیار بیٹھی تھیں۔ عروج نے عینی سے کہا ''تم آرام کرو۔ تمہارا وہاں جانا ضروری نہیں ہے۔ جو خاتون آنکھوں کا عطیہ دینا چاہتی ہیں ان کے شوہر سے معلومات حاصل کروں گی اور جو ڈاکٹر اس خاتون کا علاج کررہا ہے میں اس سے بھی بات کروں گی کہ آخر اس خاتون کو ایسا کیا روگ لگا ہے کہ وہ زندگی سے مایوس ہوچکی ہے۔''

عینی نے کہا ''تم اپنا موبائل فون مجھے دو اور میرے لیے آج ایک نیا فون خرید کر لے آؤ۔ میں اس مسلسل تاریکی میں تنہا رہتی ہوں تو دل گھبرانے لگتا ہے۔''

ذیشان نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا ''اللہ نے چاہا تو اس خاتون سے ملاقات کے بعد بات بن جائے گی اور تم جلد ہی دیکھنے لگو گی۔''

وہ اسما اور عروج کے ساتھ ٹھیک آٹھ بجے اسپیشل وارڈ کے اس کمرے میں پہنچ گیا۔ جاوید برقی نے ان کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا۔ بیڈ پر ایک نوجوان عورت لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے تعارف کرایا ''یہ میری وائف ردمانہ ہے۔''

ردمانہ برسوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ بڑی کمزوری سے مسکرا کر آنے والوں کو دیکھا۔ ذیشان نے کہا ''یہ میری وائف اسما ہے اور یہ میری کزن ڈاکٹر عروج ہے۔''

بیڈ کے ساتھ میڈیکل رپورٹ لگی ہوئی تھی۔عروج اسے اٹھا کر پڑھنے لگی۔ اسما رومانہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ بڑے پیار سے اس کے ہاتھ کو تھام کر کہا ''آپ بہت خوبصورت ہیں۔ میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔ علاج نہیں کر سکتی لیکن دعائیں کرتی رہوں گی اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کامل عطا فرمائے۔ آمین۔''

رومانہ نے بڑی کمزوری سے مسکراتے ہوئے کہا ''ڈاکٹر مایوس ہو چکے ہیں۔ دوائیں بے اثر ہو چکی ہیں۔ میں زندگی کی اس آخری اسٹیج پر ہوں جہاں دعائیں بھی شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرتیں۔ اس دنیا کی ہر دوا، ہر دعا، ہر امید ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔''

اسما نے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا ''انسان کی آخری سانس تک اس کی آخری امید باقی رہتی ہے اور وہ آخری امید اللہ تعالیٰ سے رہتی ہے کہ اس کی طرف سے کوئی معجزہ رونما ہو سکتا ہے۔''

عروج نے رپورٹ پڑھنے کے بعد اسے پھر بیڈ سے لگا دیا۔ ذیشان نے پوچھا ''کیا مرض ہے؟''

وہ سر جھکا کر بولی ''بریسٹ کینسر۔ آخری اسٹیج ہے۔''

جاوید برقی نے بڑی مایوسی سے سر گھما کر اپنی وائف کو دیکھا پھر ذیشان سے کہا ''زندگی کے وہ آخری لمحات بڑے ہی اذیت ناک ہوتے ہیں جب معلوم ہو جائے کہ اب بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ کسی لمحے میں بھی سانسیں ساتھ چھوڑنے والی ہیں۔ میرے پاس دولت ہے، عزت ہے، شہرت ہے۔ دنیا کی ہر خوشی ہے۔ میں اپنی محبوب بیوی کو سب کچھ دے سکتا ہوں۔ صرف چند سانسیں نہیں دے سکتا۔''

عروج نے پوچھا ''شادی کو کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟''

''پانچ برس گزر چکے ہیں۔ ان پانچ برسوں میں میری رومانہ نے مجھے ایک بیٹا اور ایک بیٹی دی ہے۔ بیٹا چار برس کا ہے اور بیٹی دو برس کی۔''

وہ سر جھکا کر ایک گہری سانس لے کر بولا ''یہ تنہائی میں روتی ہے۔ بہت روتی ہے۔ میرا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتی۔ بچوں کی بہت فکر ہے۔ یوں تو ہمارے خاندان میں بے شمار افراد ہیں۔ میری سوتیلی ماں ہے۔ رومانہ نہیں چاہتی کہ اس کے بعد اس کے بچے میری سوتیلی ماں کے سائے میں پرورش پائیں یا میں اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کر کے اسے اپنے بچوں کی سوتیلی ماں بناؤں۔''

عروج نے دھیمی آواز میں کہا ''یہ آخری اسٹیج میں ہیں۔ آپ ان کا دل رکھنے کے لیے وعدہ کر لیں کہ بچوں پر کبھی سوتیلی ماں نہیں لائیں گے۔ کبھی دوسری شادی نہیں کریں گے۔''

وہ بولا ''میں نے یہ بات کہی تھی لیکن وہ چاہتی ہے کہ میں دوسری شادی کروں۔ کسی ایسی لڑکی سے کروں جو میری اور میرے بچوں کی احسان مند ہو اور وہ کوئی اندھی ہو۔''

اس بات پر سب ہی نے اسے چونک کر دیکھا۔ اس نے کہا ''بظاہر یہ بات عجیب سی ہے لیکن میری وائف کی یہ آخری خواہش ہے کہ میں کسی ایسی اندھی لڑکی سے شادی کروں جو بینائی کی محتاج ہو۔ رومانہ اسے اپنی آنکھوں کا عطیہ دینا چاہتی ہے۔ وہ کہتی ہے جب وہ اندھی اس کی آنکھوں سے مجھے دیکھے گی، میرے بچوں کو دیکھے گی تو میری طرح انہیں بھرپور محبت دیتی رہے گی۔''

عروج نے کہا ''ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ رومانہ اپنا دل کسی ضرورت مند لڑکی کو دیدے اور وہ دل اس کے سینے میں منتقل ہو جائے تو وہ لڑکی اسی کے دل سے آپ کو چاہنے لگے گی اور ویسی ہی محبت دینے لگے گی۔ دل تو محض خون پمپ کرنے کا آلہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح آنکھیں دیکھنے کا ایک آلہ ہیں۔ اگر اس کی آنکھیں کسی دوسری لڑکی کو مل جائیں گی تو یہ ضروری نہیں کہ وہ لڑکی رومانہ کی آنکھوں سے آپ کو یا آپ کے بچوں کو دیکھے۔''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا ''بے شک۔ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے ترقی یافتہ دور سے گزر رہے ہیں۔ ایسی باتیں سوچنا نہیں چاہیے لیکن انسان اپنے دل سے مجبور ہو کر، اپنے عقیدے سے مجبور ہو کر ایک روحانی جذبے سے ایسی باتیں سوچتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس کے مرنے کے بعد اسکا دل کسی دوسرے کے سینے میں دھڑکتا رہے اور اپنے محبوب کو پکارتا رہے۔ ہو سکتا ہے اس کی آنکھوں سے کوئی دوسری لڑکی مجھے، میرے بچوں کو دیکھے اور اسی طرح بھرپور محبت دیتی رہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا لیکن محبت کرنے والا دل کبھی نہیں مانتا۔ رومانہ کی محبت عقیدت اور جذبات کہتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ مرنے کے بعد بھی کسی دوسری لڑکی کے ذریعے اپنی آنکھوں سے ہمیں دیکھتی رہے گی اور محبتیں دیتی رہے گی۔''

اسما بھی جاوید برقی کی طرف متوجہ ہوئی تھی اور اس کی باتیں سن رہی تھی۔ سوالیہ نظروں سے کبھی عروج کو کبھی ذیشان کو دیکھ رہی تھی۔ رومانہ نے کمزوری آواز میں کہا ''میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کے قریب آ گئے۔ وہ بولی ''ہماری دنیا میں کتنے ہی لوگ انسانیت کے جذبے

سے ضرورت مند افراد کو اپنے دل کا، اپنی آنکھوں کا، اور اپنے گردوں کا عطیہ دیتے ہیں۔ اس کے بدلے کوئی قیمت وصول نہیں کرتے ہیں لیکن میں ایک ماں ہوں۔ اپنے بچوں کے لیے خود غرض ہوں۔ یہ چاہتی ہوں صرف اسی لڑکی کو میری آنکھوں کا عطیہ ملے جو میرے بچوں کی ماں بننا قبول کرے اور بعد میں انہیں بھرپور ممتا دیتی رہے۔''

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ گہری گہری سانسیں لینے لگی پھر ذرا ٹھہر ٹھہر کر بولی ''یہ بات کوئی مانے یا نہ مانے۔ میرا دل کہتا ہے کہ میں مرنے کے بعد بھی اپنی آنکھوں سے اپنے بچوں کو دیکھتی رہوں گی۔ جس لڑکی سے منسلک رہوں گی۔ اسے اپنے بچوں کی طرف مائل کرتی رہوں گی۔''

ذیشان نے کہا ''ہم جس کے لیے یہاں آئے ہیں وہ میری چھوٹی بہن ہے۔''

اسما نے کہا ''وہ میری بہت ہی پیاری اور لاڈلی نند ہے۔''

عروج نے کہا ''وہ میری عزیز ترین سہیلی ہے۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ بس یہی ایک بینائی ہے جس سے وہ محروم ہو چکی ہے۔''

رومانہ نے کہا ''اللہ تعالیٰ سب کچھ نہیں دیتا۔ کسی نہ کسی بات کی کمی چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ وہ کمی وہ محرومی اس بندے کو اپنے خدا کی طرف جھکنے پر مجبور کرتی رہے۔''

اسما نے کہا ''آپ درست کہتی ہیں۔ میری نند کے پاس سب کچھ ہے پھر بھی وہ مجبور ہے۔ پتا نہیں آئی بینک والوں سے کب آنکھیں ملیں گی۔ اگر اس سے پہلے کوئی بات بن جاتی تو میری عینی کے لیے بہتر ہوتا۔''

عروج نے کہا ''لیکن عینی پہلے ہی کسی سے منسوب ہو چکی ہے۔ آپ کی خواہش کے مطابق وہ بعد میں آپ کے شوہر سے شادی نہیں کر سکے گی لیکن ہم اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ آپ کے بچوں کو بھرپور ممتا دیتی رہے گی۔ وہ بچے ہماری نگرانی میں ہماری سرپرستی میں پرورش پائیں گے۔ اس پر کبھی سوتیلی ماں کا یا کسی سوتیلی دادی کا سایہ نہیں پڑنے دیں گے۔''

رومانہ نے آنکھیں بند کیں پھر تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولتے ہوئے کہا ''آپ کا پورا خاندان میرے بچوں کا سرپرست بننا چاہتا ہے اور میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔ ہمارے خاندان میں بھی بچوں کے سرپرست مل جائیں گے۔ میں تو ان بچوں کی ماں چاہتی ہوں۔ ان کے لیے ممتا چاہتی ہوں۔ جب تک میرے شوہر سے اس لڑکی کا رشتہ نہیں ہوگا وہ میرے بچوں کی ماں نہیں بنے گی۔ انہیں دن رات کمپنی نہیں دے گی۔ ان سے لاڈ پیار نہیں کرے گی۔ ان کی پرورش نہیں کرے گی تو کبھی میرے بچوں کو بھرپور ممتا نہیں ملے گی۔''

وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ پریشان ہو کر اپنے سر کو ادھر ادھر جھٹکنے لگی۔ جاوید برقی نے کہا ''ڈاکٹر نے زیادہ بولنے سے منع کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب مزید گفتگو نہ کی جائے۔''

رومانہ نے کہا ''میری آخری خواہش یہی ہے۔ یہ خواہش پوری ہو گی تو اسے میری آنکھوں کا عطیہ ضرور ملے گا۔''

یہ کہہ کر اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ خاموش ہو گئی۔ اسما، عروج، اور ذیشان ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ عروج نے جو میڈیکل رپورٹ پڑھی تھی اس کے مطابق رومانہ اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھی۔ اس وقت مقدر سے سانسیں لے رہی تھی۔ ڈاکٹر اس کی سانسیں بحال رکھے ہوئے تھے۔ وہ زیادہ سے زیادہ دو چار دنوں کی اور مہمان تھی۔

گھر واپس جاتے وقت عروج اسما اور ذیشان کو رومانہ کی حالت بتا رہی تھی۔ اسما نے اس کی باتیں سن کر کہا ''اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عینی اس کی شرط مان لے تو دو چار دنوں میں اسے آنکھوں کی روشنی مل سکتی ہے۔''

عروج نے کہا ''اور عینی کبھی نہیں مانے گی۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ شادی کرنا اور ہنستے کھیلتے اپنے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنا تو ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ شادی ہوتے ہی عینی دو بچوں کا بوجھ اٹھانا شروع کر دے۔ اپنی ذات کو بھول جائے اور ان کی ذمہ داریاں پوری کرتی رہے۔ ایک کنواری لڑکی سے اچانک ہی اماں جان بن جائے۔''

ذیشان کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے کہا ''یہ مجھے بھی پسند نہیں ہے۔''

اسما نے کہا ''ہم میں سے کسی کو پسند نہیں ہے۔ واقعی عینی بھی سنے گی تو صاف انکار کر دے گی۔''

مانا کہ انسان اپنی پسند کے مطابق کھاتا پیتا اور پہنتا اوڑھتا ہے لیکن زندگی میں ہر کام اپنی پسند کے مطابق نہیں ہوتا۔ کبھی پسند کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ لاکھ تدبیر کر و اپنی پسند کا ہم سفر نہیں ملتا۔ ہتھیلی پر جس کا نام لکھ دیا گیا ہے وہی ملتا ہے۔

ابھی عینی کی ہتھیلی پر نہ تو پاشا کا نام لکھا ہوا تھا اور نہ ہی جاوید برقی کا۔ آنکھوں کی روشنی ملنے کے بعد بھی اسے تاریکی میں کبھی ادھر کبھی ادھر بھٹکنا تھا۔

☆☆☆

فلک ناز کچھ زیادہ ہی تجسس میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس نے فلک آفتاب کو اپنی بیگم اور بیٹے بابر کے ساتھ گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ ان کا تعاقب کیا تو معلوم ہوا تھا کہ وہ تینوں شہباز درانی کی کوٹھی میں گئے ہیں۔

یہ شدید حیرانی کی بات تھی کہ دردانہ جیسی دشمن عورت شہباز درانی کے ساتھ رہتی ہے اور وہ تینوں اس سے ملنے گئے تھے۔ یہ سوال ذہن میں چیخ رہا تھا۔ کیوں گئے تھے؟ ایک ایسی عورت سے دوستی کر رہے تھے جو ان کے بیٹے ذیشان کے خلاف کھلی دشمنی کر رہی تھی۔ ان کے بیٹے کو عدالت میں پہنچا کر پھانسی کے تختے تک پہنچانا چاہتی تھی۔

اتنی بڑی بات فلک ناز کے پیٹ میں نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے یہ بات ذیشان کو بتائی۔ ذیشان نے اپنے طور پر معلومات حاصل کیں اور اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ واقعی اس کے ممی ڈیڈی اور چھوٹا بھائی بابر اس کوٹھی میں دردانہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔

ذیشان نے یہ سوچ لیا تھا کہ بعد میں اپنے بھائی اور والدین کا محاسبہ کرے گا لیکن فلک ناز کو کسی کل چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتی تھی کہ دشمن عورت سے دوستی کیوں کی جا رہی ہے؟ وہ جلد ہی عینی، عروج، اور اسما کے ساتھ گھر واپس آ گئی تھی۔ اسما بھی اپنی ساس کی ہیرا پھیری پر نظر رکھتی تھی۔ وہ بھی تجسس میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ذیشان نے اسے اور فلک ناز کو سمجھایا تھا کہ وہ اس سلسلے میں فی الحال بیگم آفتاب اور فلک آفتاب سے کوئی سوال نہ کریں۔ ان کے معاملات سے انجان بن کر رہیں۔ وہ رات کو گھر آئے گا تو ان سے بات کرے گا۔

وہ تینوں شام کو واپس آئے تو اسما اور فلک ناز ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ انہیں توجہ سے دیکھ رہی تھیں۔ فلک آفتاب کے ہاتھ میں ایک براؤن کلر کا بریف کیس تھا۔ حالانکہ گھر سے جاتے وقت ان کے ساتھ ایسا کوئی سامان نہیں تھا۔ اب اس کے اندر کیا ہے؟ یہ سوال انہیں پریشان کرنے لگا۔

وہ ڈرائنگ روم میں آتے ہی فلک ناز اور اسما کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ انہیں ایک دم سے ایسا لگا جیسے وہ دونوں ان کی چوریاں پکڑنے بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہ تینوں چند لمحات تک ان دونوں کو دیکھتے رہے۔ وہ دونوں بھی ان تینوں کو تکتے رہے پھر بیگم آفتاب نے خشک لہجے میں اپنے میاں سے کہا "اپنے کمرے میں چلیں۔"

میاں بیوی ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے، ان دونوں سے کتراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جانے لگے۔ بابر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ ذیشان نے اسما کو اور فلک ناز کو سختی سے منع کیا تھا کہ ان تینوں سے اس سلسلے میں کوئی سوال نہ کیا جائے۔ اب ذیشان کی یہ پابندی ان دونوں پر گراں گزر رہی تھی۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھی رہیں۔ فلک ناز نے کہا "تم دیکھ لینا۔ اب بھائی جان اور بھابی جان گھنٹوں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلیں گے۔ ہم سے سامنا نہ کرنے کا بس یہی ایک طریقہ ان کے پاس ہے۔"

اسما نے کہا "آخر کب تک سامنا نہیں کریں گے۔ ذیشان آ کر ان سے نمٹ لیں گے۔"

"ذیشان کو تو ڈیوٹی سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ پتا نہیں وہ کب واپس آئے گا۔ میرے اندر تو کھلبلی سی مچی ہوئی ہے۔ پتا نہیں اس بریف کیس میں وہ کیا لے کر آئے ہیں؟"

"وہ کچھ بھی لے کر آئے ہوں۔ آپ اس سلسلے میں ان سے کوئی سوال کریں گی یا کسی اور پہلو سے کوئی بات کریں گی تو وہ محتاط ہو جائیں گے۔ اصل بات چھپانے کے سو بہانے تراش لیں گے۔ انہیں فی الحال اس خوش فہمی میں مبتلا رہنے دیں... کہ ہم ان کے اور دردانہ کے تعلقات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔"

وہ دونوں بڑی مشکلوں سے صبر کرتی رہیں۔ عینی اسپتال سے آ گئی تھی اور عروج اسپتال کے سالانہ فنکشن میں شریک ہونے گئی تھی۔ اس طرح دن گزر گیا تھا پھر رات آٹھ بجے وہ لوگ جاوید برقی اور رومانہ سے ملنے گئے تھے۔ وہاں انہیں مایوسی ہوئی تھی۔ عینی کو آنکھوں کی روشنی مل سکتی تھی لیکن رومانہ کی شرط ایسی تھی جس پر نہ عینی عمل کر سکتی تھی اور نہ ہی کسی اور کے لیے وہ شرط قابلِ قبول ہو سکتی تھی۔ عروج، اسما، اور ذیشان گھر واپس آئے تو رات کے دس بج رہے تھے۔ عروج عینی سے باتیں کرنے کے لیے اس کے کمرے میں چلی گئی۔ ذیشان نے فلک ناز سے پوچھا "ممی اور ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"شام کو گھر آتے ہی اپنے کمرے میں گھس گئے تھے۔ اب تک باہر نہیں نکلے ہیں۔ ذیشان نے پوچھا "بابر کہاں ہے؟"

"وہ اپنے کمرے میں ہے۔"

اسی وقت بابر سیڑھیوں سے اترتا ہوا آ رہا تھا۔ ذیشان کو ڈرائنگ روم میں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس نے پوچھا "ممی اور ڈیڈی کہاں ہیں؟"

بابر نے کہا "اپنے کمرے میں ہیں۔"

"جاؤ انہیں یہاں بلاؤ۔ میں ان سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ چپ چاپ ان کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ فلک ناز نے اسما سے پوچھا "کیا تم نے ذیشان کو اس بریف کیس کے بارے میں بتایا ہے؟"

اسما نے کہا "ہم عینی کے معاملے میں الجھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی ساس اور سسر کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔"

ذیشان نے پوچھا "یہ کس بریف کیس کی بات کی جا رہی ہے؟"

فلک ناز نے کہا "جب یہ تینوں دردانہ کے گھر سے واپس آئے تو بھائی جان کے ہاتھ میں براؤن کلر کا ایک بریف کیس تھا۔ بہت ہی خوبصورت اور قیمتی بریف کیس ہے۔"

اسما نے کہا "معلوم ہوتا ہے وہ دردانہ کے یہاں سے کوئی تحفہ لے کر آئے ہیں۔"

فلک ناز بولی "اور تحفہ کوئی بھاری بھرکم ہے۔ بھائی جان نے اسے جس انداز میں اٹھا رکھا تھا اس سے پتا چلتا تھا کہ بریف کیس اچھا خاصہ بھاری ہے۔"

ذیشان ان کی باتیں سن رہا تھا اور انہیں سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

بابر نے ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے کہا "بھائی جان! ممی اور ڈیڈی نے رات کا کھانا کھا لیا ہے اور اب آرام کر رہے ہیں۔ ڈیڈی نے کہا ہے کل صبح آپ سے باتیں کریں گے۔"

"صبح نہیں ابھی بات ہوگی۔ جاؤ اور ان کو بلا کر لاؤ ورنہ میں تمام گھر والوں کے ساتھ ان کے کمرے میں چلا آؤں گا۔"

بابر واپس چلا گیا۔ فلک ناز نے کہا "دیکھا بیٹے کیسے کترا رہے ہیں۔ دل میں چور ہے اس لیے تمہارے سامنے نہیں آ رہے ہیں۔"

اس نے اسما سے کہا "بھوک لگ رہی ہے۔ یہاں کچھ کھانے کے لیے لے آؤ۔ ملازم سے کہو عینی اور عروج کے لیے بھی کھانا لے جائے۔"

اسما کچن میں آ گئی۔ وہ ڈرائنگ روم سے آنا نہیں چاہتی تھی۔ اپنی ساس اور سسر کی باتیں سننا چاہتی تھی لیکن شوہر کا حکم تھا۔ کھانے کا بھی وقت گزر رہا تھا۔ اس لیے اس نے جلدی سے سالن گرم کیا۔ ملازم سے کہا "فوراً گرما گرم روٹیاں پکاؤ۔ ہمیں بھی دو اور عینی اور عروج کے کمرے میں بھی لے جاؤ۔"

وہ جلدی جلدی کچن کا کام نمٹا کر کھانے کی ٹرالی لے کر ڈرائنگ روم میں آئی تو وہاں ساس سسر نہیں تھے۔ پوچھا "کیا ہوا؟ ممی اور ڈیڈی نہیں آئے؟"

ذیشان نے ناگواری سے خشک لہجے میں کہا "نہیں۔ میں کھانے تک انتظار کروں گا پھر ان کے کمرے میں چلا جاؤں گا۔"

انہوں نے وہاں کھانا شروع کیا۔ فلک ناز نے کہا "یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ بیٹے کی عدالت میں آنے سے کس طرح انکار کریں۔"

ذیشان نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "میں سمجھ رہا ہوں۔ وہ تینوں وہاں کشمکش میں ہوں گے لیکن انہیں آنا تو ہوگا ہی ورنہ میں وہاں جاؤں گا۔"

وہ کھاتے رہے اور باتیں کرتے رہے۔ بالآخر تھوڑی دیر بعد وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ فلک آفتاب نے آتے ہی بیٹے کو گھورتے ہوئے کہا "کیا تم گھر میں بھی پولیس افسر بن کر رہنا چاہتے ہو؟ تمہیں اپنے ماں باپ کی نیند کا اور آرام کا خیال نہیں ہے؟ بس آرڈر دے دیا کہ حاضر ہو جائیں۔"

ذیشان نے کہا "پولیس والوں کے بارے میں تو یہ مشہور ہے کہ جب ان کے دل میں شبہات پیدا ہو جائیں تو وہ اپنے باپ کو بھی نہیں چھوڑتے۔"

"یعنی تم مجھ پر کسی طرح کا شبہ کر رہے ہو؟"

"جی ہاں۔ آپ میرے سوالوں کے جواب دیں۔ اگر میرے شبہات غلط ہوئے تو آپ سے معافی مانگ لوں گا۔"

بیگم آفتاب نے اور فلک آفتاب نے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ کس قسم کے سوالات کیے جائیں گے۔ ذیشان نے پوچھا "آج آپ تینوں کہاں گئے تھے؟"

بیگم آفتاب نے کہا "ہم جہاں بھی گئے تھے اپنی اولاد کی بہتری کے لیے گئے تھے۔ تمہاری بہتری کے لیے گئے تھے۔"

"ممی! سیدھے سے سوال کا سیدھا سا جواب دیں۔ آپ سب کہاں گئے تھے۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولی "دردانہ سے ملنے گئے تھے۔"

"آپ یہ جانتی ہیں نا کہ وہ عورت مجھے پھانسی کے تختے تک پہنچانے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہی ہے؟"

فلک آفتاب نے کہا "ہم جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ عورت بہت ہی وسیع ذرائع اور لامحدود اختیارات

رکھتی ہے۔ اس کے پیچھے جو شخص ہے اسے آج کے دور کا فرعون کہنا چاہیے۔ تم اس کے سامنے ایک ذرا تک نہیں سکو گے۔ ایک پھونک میں اڑ جاؤ گے۔ اسی لیے ہم چاہتے تھے کہ دشمنی ختم ہو جائے اور دردانہ سمجھوتے پر آمادہ ہو جائے۔"

بیگم آفتاب نے کہا" ہم تمہارے ماں باپ ہیں۔ دشمن نہیں ہیں۔ تمہاری بہتری کے لیے وہاں گئے تھے۔"

وہ بولا" ڈیڈی یہ میرا معاملہ ہے۔ میں اس عورت سے الجھا ہوا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ عورت مر جائے گی لیکن سمجھوتا نہیں کرے گی۔ اس کے پاس جانے سے پہلے کیا آپ مجھ سے مشورہ نہیں کر سکتے تھے؟"

"ہم نے سوچا تھا پہلے دردانہ کو سمجھوتے پر آمادہ کر لیں پھر تمہیں بھی سمجھوتے پر راضی کریں گے۔"

"آپ نے اتنے بڑے معاملے میں اتنا بڑا قدم اٹھایا۔ نہ بڑے بیٹے سے مشورہ کیا نہ اسے ساتھ لے گئے۔ چھوٹے بیٹے کو ساتھ لے گئے۔ یہ بابر کب سے میرے معاملے میں دلچسپی لینے لگا ہے؟"

بیگم آفتاب نے کہا" تم بھی میرے بیٹے ہو۔ یہ بھی میرا بیٹا ہے۔ میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی اسے ساتھ لے گئی تھی۔ یہ چاہتی تھی کہ دردانہ پر ہم سب کی آمد کا اثر پڑے۔ وہ یہ سمجھے کہ پوری فیملی سمجھوتے پر راضی ہے۔ صرف تم رہ گئے ہو۔ اگر وہ راضی ہو جائے گی تو پھر ہم تمہاری اور اس کی ملاقات کرائیں گے۔"

اس نے لقمہ چباتے ہوئے پوچھا" ہوں۔ تو وہ سمجھوتے کے لیے راضی ہو گئی ہے، اس لیے تحفوں کا لین دین شروع ہو گیا ہے؟"

بیگم آفتاب نے تعجب سے پوچھا" تحفے۔؟"

"جی ہاں۔ آپ نے اسے کوئی تحفہ دیا ہوگا، تب ہی اس نے بریف کیس دیا ہے۔"

فلک آفتاب اور بابر نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ بیگم آفتاب غصے سے اسما کو اور فلک ناز کو گھور رہی تھی۔ وہ یہ سمجھ گئی تھی کہ انہی دونوں نے بریف کیس کے متعلق ذیشان کو بتایا ہے۔ فلک آفتاب نے کہا" کیسی باتیں کرتے ہو بیٹا؟ ہم وہاں سمجھوتے کے لیے گئے تھے۔ تحفوں کے لین دین کے لیے نہیں گئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر میں نے وہ بریف کیس ایک دکان سے خریدا ہے۔"

ذیشان نے فلک ناز کو دیکھا۔ وہ اپنے بھائی فلک آفتاب سے بولی" اگر آپ نے صرف بریف کیس خریدا ہے تو وہ خالی نہیں تھا۔ بھاری لگ رہا تھا۔"

بیگم آفتاب نے غصے سے کہا" کیا تم اس کے اندر گھس کر دیکھ رہی تھیں کہ اس میں سامان بھرا ہوا ہے؟ تم ہمارے بیٹے کو ہمارے خلاف کیوں بھڑکا رہی ہو؟"

فلک ناز جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی۔ ذیشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا" پھوپی جان! پلیز خاموش رہیں۔ مجھے بات کرنے دیں۔"

عینی عروج کے ساتھ بالکونی کی ریلنگ سے لگی کھڑی تھی اور نیچے ڈرائنگ روم میں ہونے والی باتیں سن رہی تھی۔ ذیشان نے پہلے اپنی ماں کو پھر اپنے باپ کو دیکھا پھر پوچھا" دردانہ کیا کہتی ہے؟"

بیگم آفتاب نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا" بیٹے! عورت منہ کی کڑوی ہے۔ دل کی بہت اچھی ہے۔ جب ہم نے اسے سمجھایا اور اپنی ممتا کا واسطہ دیا تو وہ فوراً سمجھوتے کے لیے راضی ہو گئی۔"

"تعجب ہے۔ اس نے مجھ پر کئی الزامات لگائے ہیں۔ سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ میں نے اس کے بیٹے جواد کو قتل کیا ہے۔ اگر میں اس کے بیٹے کا قاتل ہوں تو کیا وہ مجھے معاف کر دے گی؟ کتنا بڑا دل ہے اس کا؟ دل دریا ہے یا سمندر؟"

"بیٹے! طعنے نہ دو۔ اس عورت کی صلح پسندی کو سمجھو، قدر کرو۔ ہم تمہاری بہتری کے لیے دشمنی اور مقدمہ بازی کا یہ طویل سلسلہ ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ معلوم تو ہو کہ وہ اپنے بیٹے کا خون کیوں معاف کرے گی؟ کیوں مجھ سے صلح کرے گی؟"

بیگم آفتاب نے میاں کو دیکھا پھر کہا" آپ وہاں کیوں کھڑے ہیں؟ آرام سے بیٹھیں۔ بیٹے کو سمجھائیں کہ دردانہ کیا چاہتی ہے۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ فلک ناز اور اسما کو دیکھنے لگا۔ اس کے بعد کھنکھار کر گلا صاف کر کے بولا" اس کی ایک شرط ہے۔ اگر ہم مان جائیں تو وہ تمہارے خلاف جتنے الزامات ہیں، سب واپس لے لے گی۔ ہمارے درمیان آئندہ کبھی دشمنی نہیں ہوگی۔"

ذیشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا" پلیز آپ اس کی شرط بیان کریں۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے فلک ناز کو اور اسما کو دیکھا پھر کہا" بیٹے میں تنہائی میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بات ہے کہ آپ سب کے سامنے بولنا نہیں

چاہتے؟ کیا وہ کوئی ناجائز بات منوانا چاہتی ہے؟"

وہ صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے بولا" ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک بات جو جائز ہوتی ہے۔ وہ دوسرے کے نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہوتی یا اس کے مزاج کے خلاف ہوتی ہے۔ تم یہاں مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ میرے ساتھ کمرے میں چلو۔"

ذیشان نے اسما کی طرف دیکھا۔ اسما نے کہا" اگر وہ بات ہمارے گھر، ہمارے خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو وہ ہم سے نہ چھپائی جائے۔"

فلک ناز نے کہا" وہ بات ہمارے گھر سے یا گھرانے سے تعلق رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو ہم سب کو ایک دوسرے پر بھروسا کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے۔"

ذیشان نے کہا" ڈیڈی! آپ تنہائی میں کیا بات کریں گے۔ یہ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اسما سے کوئی بات نہیں چھپاتا اور جب اسما سے کوئی بات نہیں چھپے گی تو پھر ایک پھوپی جان رہ جاتی ہیں۔ ان سے کیوں بات چھپائی جائے گی؟"

فلک ناز نے کہا" دردانہ اتنی اہم ہو گئی ہے کہ صلح صفائی سے پہلے اسے سر پہ بٹھایا جا رہا ہے اور مجھے نیچے گرایا جا رہا ہے۔"

عینی کی آواز سن کر سب چونک گئے۔ سب ہی نے سر اٹھا کر بالکونی کی طرف دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی" بڑے ابو! اس کی شرط بیان کریں۔ میں بھی سننا چاہتی ہوں۔"

فلک آفتاب پریشان ہو کر اپنی بیگم کو اور بابر کو دیکھنے لگا۔ دردانہ کی شرط کا تعلق عینی سے تھا اور وہ عینی کے سامنے کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا۔

عروج نے ذیشان سے کہا" بھائی جان! جب عینی اسپتال میں تھی تو آپ نے دردانہ کا فون سنا تھا۔ اس کی باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پاشا کو اس نے قیدی بنا کر رکھا ہے یا اس کو کسی طرح اپنے زیر اثر لے آئی ہے اور عینی کو اس کے پیچھے دوڑا رہی ہے۔ وہ ایک بار یہ دعویٰ کر چکی ہے کہ عینی کو اپنی بہو بنا کر رہے گی۔"

ذیشان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بالکونی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" یہ بات تو سمجھ میں آ گئی ہے کہ وہ عینی کو پاشا کے پیچھے دوڑا رہی ہے لیکن یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ اسے اپنی بہو بنانے کا دعویٰ کیوں کر رہی ہے جبکہ اس کا بیٹا مارا جا چکا ہے اور کوئی دوسرا بیٹا نہیں ہے؟"

عینی نے کہا" اس نے ایک بار ہم سے کہا تھا کہ بارات لے کر یہاں آئے گی اور جب عینی بارات کے دولہا کو دیکھے گی تو فوراً نکاح قبول کر لے گی۔"

ذیشان نے عینی کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ عروج نے پوچھا" اس کا مطلب کیا ہوا بھائی جان؟ کیا یہ بات صاف طور سے سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ وہ پاشا کو بارات کا دولہا بنا کر لانے کا ارادہ رکھتی ہے؟"

ذیشان سر جھکا کر ٹہلنے لگا پھر پلٹ کر بولا" وہ دنیا کی بہت ہی ذلیل اور بدترین مکار عورت ہے۔ خوامخواہ میرے اور عینی کے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

پھر اس نے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھا اور کہا" میرا خیال ہے دردانہ نے ایسی ہی کوئی شرط پیش کی ہے؟"

بیگم آفتاب نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ فلک آفتاب نے کہا" ہاں۔ وہ کہتی ہے عینی کو اپنی بہو بنائے گی۔ اس سلسلے میں اگر تم اعتراض نہ کرو، اس کی حمایت کرو اور عینی کو اس کی بہو بننے دو گے تو تمام دشمنی ختم ہو جائے گی۔ وہ تم پر عائد کیے ہوئے تمام الزامات واپس لے لے گی۔"

"یہ آپ پہلے بھی بتا چکے ہیں اور میں سن چکا ہوں۔ آپ نے دردانہ سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ عینی کو بہو کیسے بنائے گی جبکہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے؟"

"ہم نے پوچھا تھا۔ اس نے کہا اس کا ایک منہ بولا بیٹا ہے۔ وہ اس کے ذریعے عینی کو بہو بنا کر لے جانا چاہتی ہے۔"

"آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ منہ بولا بیٹا کون ہے؟"

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ دردانہ نے انہیں منع کیا تھا کہ ذیشان کے سامنے پاشا کا ذکر نہ کیا جائے۔ فلک آفتاب نے انکار میں سر ہلا کر کہا" اس نے ہمیں تفصیل سے نہیں بتایا۔ بس یہ کہہ رہی تھی کہ عینی کو بہو بنانے کی حسرت ہے۔ وہ ایک منہ بولے بیٹے کے ذریعے اسے بہو بنا کر لائے گی۔"

ذیشان نے کہا" وہ بکواس کرتی ہے۔ اس کی یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی۔"

بیگم آفتاب نے کہا" بیٹے! غصہ نہ کرو۔ دردانہ سے نفرت کرتے ہو، کرتے رہو لیکن اپنی بہتری کے لیے بھی سوچو۔"

پھر وہ بالکونی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی" اور عینی تمہیں بھی اپنے بھائی جان کی بہتری کے لیے سوچنا چاہیے۔ اگر تم لوگوں کے خیال کے مطابق پاشا اس کے زیر اثر ہے یا اس کی قید میں ہے اور اس نے پاشا کو بیٹا بنایا ہوا ہے اور وہ اسے بارات کا دولہا بنا کر لانا چاہتی ہے تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ تم تو اس سے شادی کرنا چاہتی تھیں اور آج بھی اس کا انتظار کر رہی ہو۔ جب وہ ایک دشمن عورت کے ذریعے تمہیں

مل رہا ہے تو کیا تم اس کی اس شرط سے انکار کر دو گی؟"

سبھی عینی کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ بولی" میں انکار نہیں کروں گی۔ آپ لوگ جائیں اور دردانہ سے کہہ دیں کہ اس کی شرط منظور کر لی جائے گی لیکن ہماری بھی ایک شرط ہے۔ وہ یہاں بارات لانے سے پہلے میرے بھائی جان سے پاشا کی ملاقات کرائے۔"

ذیشان نے کہا:" وہ صرف ہماری ملاقات ہی نہ کرائے بلکہ یہ بھی بتائے کہ اس نے پاشا کو کہاں چھپا کر رکھا ہے؟ اور اسے دور رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟ اور اس سے جاکر کہہ دیں۔ پہلے کی طرح پاشا کو یہاں آنے جانے کی آزادی ہوگی۔ اس کے بعد ہی شادی کی تاریخ مقرر کی جائے گی۔"

عروج نے عینی کے قریب ہو کر دھیمی آواز میں کہا" یہی ہونا چاہیے۔ پاشا کو پہلے کی طرح ہمارے پاس آنا جانا چاہیے۔ اس طرح معلوم ہوگا کہ اب تک وہ ہم سے کیوں کتراتا رہا۔"

عینی نے کہا" وہ سوتیلی ماں اپنے طور پر چالیں چل رہی ہے۔ مگر ہمارے بھائی جان بھی کم نہیں ہیں۔ وہ اپنی شرط منوا رہی ہے تو یہ بھی اپنی شرط منوائیں گے۔ اس طرح واقعی پاشا ہمارے قریب آسکے گا۔"

"آؤ کمرے میں چلو۔ بھائی جان ان لوگوں سے خود نمٹ لیں گے۔"

عینی اس کا بازو تھام کر وہاں سے چلتی ہوئی کمرے میں آگئی۔ عروج نے اسے ایک کرسی پر بٹھایا پھر اس کے قریب ایک دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی" تم اسے ماں نہ کہا کرو۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے سوتیلی ماں بھی کہا جائے۔ مجھے تو لگتا ہے وہ پیدائشی چڑیل ہے۔ جادو ٹونے جانتی ہے۔ کبھی کبھی میرے دل میں یہی خیال آتا ہے کہ اس نے کسی کالے عمل سے پاشا کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔"

وہ بڑے دکھ سے بولی" یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے عروج؟ پاشا میرے قریب سے ہو کر گیا لیکن میں اسے چھو بھی نہ سکی۔ میری آواز بھی اس کے کانوں تک نہ پہنچ سکی۔ ہمیں مقدر بھائی جان سے پوچھنا چاہیے کہ وہ ہمیں کب ملے گا؟ ہم کب تک اس کے لیے بھٹکتی رہیں گی؟"

عروج نے کہا" مقدر بھائی جان نے تو کہہ دیا ہے کہ ابھی ہمارے نصیب میں بھٹکنا ہے۔ اب پاشا کہاں ہے؟ کس کے قبضے میں ہے؟ یہاں کیوں نہیں آرہا ہے؟ یہ سب معلوم کرنے کے لیے اس کا ہاتھ دیکھنا ضروری ہے۔ چونکہ بھائی جان نے اس کا ہاتھ نہیں دیکھا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتا سکتے۔

"عینی! تمہاری دنیا میں تاریکی چھا گئی ہے۔ اس تار میں پاشا تمہارے قریب سے بھی گزرے گا تو اسے نہیں د سکو گی اور میں آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھی ہوں۔ پاشا شہر میں رہتے ہوئے بھی مجھے کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ جب وہ دکھائی نہیں دے رہا ہے تو پھر میں بھی تمہاری طر تاریکیوں میں بھٹک رہی ہوں۔ ہم دونوں کا مقدر ایک ہے۔"

فون کا بزر سنائی دیا۔ عروج نے اسے ہاتھ میں لے دیکھا پھر نمبر پڑھ کر بولی" جاوید برقی کال کر رہا ہے۔"

عینی نے پوچھا" کیا اسے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ اس وائف کی شرط ہمیں منظور نہیں ہے؟"

"ہاں۔ بھائی جان نے کہہ دیا تھا۔ اس کے باوجود کہہ رہا تھا اتنی جلدی فیصلہ نہ کریں۔ گھر جاکر اس کی باتوں غور کریں۔"

"تم فون اٹینڈ کرو۔ دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔ آواز کا والیو بڑھا دو۔"

عروج نے فون کی آواز آخری حد تک بڑھا دی اور عی کے بالکل قریب آگئی۔ اپنے اور اس کے کان کے درمیا فون رکھتے ہوئے کہا" ہیلو۔ آپ کس سے بات کرنا چاہ ہیں؟"

"میں مس عینی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ میرا نام جاو برقی ہے۔"

"بھائی جان نے آپ سے کہہ تو دیا تھا کہ آپ کی وائف کی شرط قابلِ قبول نہیں ہے۔ اب آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

وہ بولا" میں مانتا ہوں میری وائف نے آنکھوں کا عطی دینے کے سلسلے میں جو شرط لگائی ہے وہ آپ کے لیے تو کیا کس کے لیے بھی قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ یوں تو کئی ضرورت من لڑکیاں راضی بھی ہو سکتی ہیں لیکن وہ ضرورت مند لڑکیاں کہاں ہیں؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ ادھر رومانہ کا یہ حال ہے کہ زندگی ایک ایک لمحہ اس پر بھاری پڑ رہا ہے۔"

عینی نے کہا" مجھے آپ کی وائف سے ہمدردی ہے۔"

جاوید برقی نے کہا" میں کسی بھی طرح اپنی بیوی کی آخری خواہش پوری کرنا چاہتا ہوں اور آخری خواہش یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اپنی آنکھوں سے مجھے اور اپنے بچوں کو دیکھتی رہے۔ زندگی مہلت نہیں دے رہی ہے۔ کسی ضرورت مند لڑکی کا انتظار کرتے رہے تو وہ اپنی آخری خواہش دل میں لیے اس دنیا سے چلی جائے گی۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ اس کی آخری خواہش ضرور پوری کروں گا۔"

"جب کوئی ضرورت مند لڑکی نہیں ملے گی تو آپ رومانہ کی آخری خواہش کیسے پوری کریں گے؟"

"میں چاہتا ہوں تم اس کی شرط مان لو۔ بعد میں مجھ سے شادی نہ کرو لیکن اس کی بینائی اپنی آنکھوں میں سجا لو۔ میں چاہتا ہوں وہ تمہاری آنکھوں کے ذریعے ہمیں دیکھتی رہے۔"

عروج نے پوچھا" آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عینی آپ سے شادی نہ کرے لیکن آپ کی وائف سے جھوٹ بولے۔ اس کی تسلی کے لیے اس کے سامنے معاہدہ کرے؟"

"ہاں۔ میں یہی چاہتا ہوں۔ میری رومانہ موت کے بعد یہ دیکھنے نہیں آئے گی کہ اس کی آخری خواہش کے مطابق عینی نے مجھ سے شادی کی ہے یا نہیں؟ اس کے بچوں کو ممتا دے رہی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں میری صرف ایک شرط ہے۔"

"آپ وہ شرط بھی بتا دیں۔"

"میں چاہوں گا کہ میری رومانہ کی آنکھیں حاصل کرنے کے بعد عینی ہفتے میں ایک آدھ روز ضرور میرے بچوں کے پاس آیا کرے۔ چھٹی کا دن ان کے ساتھ گزارا کرے اور انہیں ایک ماں کا پیار دیتی رہے۔ مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھے۔"

عروج نے کہا" آپ ایسی بات کہہ رہے ہیں جس کی ہم توقع بھی نہیں کر سکتے تھے۔"

"میں چاہوں گا کہ عینی میرے اس جذبے کی قدر کرے کہ میں اپنی محبوب بیوی رومانہ کی آخری خواہش پوری کروں گا لیکن مختلف انداز میں۔ عینی مجھ سے شادی نہیں کرے گی اور نہ ہی میں اس کو اپنی طرف مائل کروں گا۔ بس اپنے بچوں کے لیے ممتا چاہتا رہوں گا۔"

عینی نے کہا" آپ واقعی اپنی وائف سے محبت کرتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح اس کی آخری خواہش پوری کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے دل میں آپ کے لیے عزت پیدا ہوگئی ہے۔ ہم اس سلسلے میں بھائی جان سے بات کر کے آپ کو کوئی مناسب جواب دیں گے۔"

"دیکھیے وقت بہت کم ہے۔ میں چاہوں گا کہ ایک آدھ گھنٹے میں مجھے جواب مل جائے اور اگر تم راضی ہو جاؤ تو کل اپنے بھائی جان کے ساتھ اسپتال آکر میری وائف کے سامنے معاہدے پر دستخط کر دو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ایک آدھ گھنٹے میں کال کروں گی۔"

عروج نے فون بند کر دیا۔ عینی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اللہ تعالیٰ تجھ پر مہربان ہے۔ جاوید برقی ایسی بات کہہ رہا ہے جو ہم سب کے لیے قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔ بھائی جان بھی راضی ہو جائیں گے۔"

"ہمیں فوراً بھائی جان کے پاس جانا چاہیے۔"

"تم یہیں بیٹھو۔ میں ان سے بات کر کے آتی ہوں۔"

وہ اس کے شانے کو پیار سے تھپک کر کمرے سے باہر آئی۔ ریلنگ کے پاس آکر دیکھا تو ڈرائنگ روم خالی ہو چکا تھا۔ تمام افراد اپنے اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ اس نے پلٹ کر ذیشان کے کمرے کی طرف دیکھا۔ اندر روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ وہاں اسما ذیشان سے کہہ رہی تھی" آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے ڈیڈی اور آپ کا بھائی بابر بڑی سے بڑی رقم حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ وہ تین کروڑ میں نمرا کو مسز رانا کے حوالے کرنے کے لیے راضی ہو گئے تھے۔"

وہ بولا" میں جانتا ہوں۔ ڈیڈی اور بابر ان دنوں بڑی سے بڑی رقم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مسز رانا کے ساتھ غلط ڈیلنگ کی تھی لیکن میں یہ نہیں مانوں گا کہ انہوں نے دردانہ سے کوئی بڑی رقم لی ہوگی اور اس کے عوض وہ عینی کو اس مکار عورت کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔"

"آپ نہ مانیں مگر حقیقت یہی ہے۔ آپ کے ممی اور ڈیڈی یہ جانتے ہیں کہ صرف آپ کو راضی کرنا ہوگا اور وہ آپ کو راضی کرنے کے لیے یہ جھوٹ کہہ رہے ہیں کہ دردانہ آپ سے سمجھوتا کرے گی اور آپ کے خلاف جو الزامات ہیں وہ واپس لے گی۔ وہ عورت موم کی بنی ہوئی نہیں ہے۔ وہ اپنا ارادہ نہیں بدلے گی۔ آپ کی دشمن ہے دشمن ہی رہے گی اور آپ کے خلاف انتقامی کارروائیاں کرتی رہے گی۔"

"میں تمام الزامات سے بچنے کی بھرپور کوششیں کر رہا ہوں۔ اب وہ ممی اور ڈیڈی سے دوستی کر کے مجھ سے سمجھوتا کرنے کی باتیں کر رہی ہے۔ یہ بھی اس کی کوئی مکاری ہوگی۔ اسی لیے اس کی شرط کے جواب میں اپنی ایک شرط رکھی ہے۔ دیکھتا ہوں وہ کیا جواب دیتی ہے۔"

"وہ کوئی بھی جواب دے۔ آپ میری یہ بات مان لیں کہ آپ کے ڈیڈی اور بابر نے دردانہ سے کوئی بڑی رقم لی ہے۔ ان کے اس بریف کیس میں وہ رقم موجود ہے۔ آپ نے تو اس بریف کیس کو سرے سے نظر انداز ہی کر دیا ہے۔"

"تم کیا چاہتی ہو؟ میں ابھی جاکر ان کے کمرے کی اور بریف کیس کی تلاشی لوں؟ یہ سراسر حماقت ہوگی۔ اگر وہاں سے کوئی بڑی رقم نہیں نکلی تو میرے والدین کی توہین بھی ہوگی

اوران کے سامنے مجھے شرمندہ بھی ہونا پڑے گا۔"

وہ قریب آ گئی۔ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "آپ پولیس والے ہیں۔ طرح طرح کے ہتھکنڈے جانتے ہیں۔ پلیز میری بات مان لیں۔ کسی طرح معلوم کریں کہ اس بریف کیس میں کیا ہے؟"

اسما! اگر ڈیڈی نے ایسی کوئی ہیرا پھیری کی ہے تو پھر وہ نادان نہیں ہیں۔ یہاں آتے ہی انہوں نے وہ رقم بریف کیس سے نکال کر ایسی جگہ چھپا دی ہوگی جہاں وہ محفوظ رہے۔"

"اگر بڑی رقم ہے تو وہ گھر میں چھپا کر نہیں رکھیں گے۔ کل صبح ضرور بینک میں جمع کرنے جائیں گے۔"

ذیشان اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولی "کیا آپ بینک منیجر کے ذریعے معلوم نہیں کر سکیں گے کہ انہوں نے کتنی رقم جمع کرائی ہے؟"

اس نے کہا "جس بینک میں ڈیڈی کا اکاؤنٹ ہے اس بینک کے منیجر کا ٹرانسفر دوسری جگہ ہو گیا ہے۔"

وہ پاؤں پٹخ کر بولی "میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ کو کسی بھی صورت سے کل اپنے ڈیڈی اور بابر کا مال پکڑنا ہوگا ورنہ میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اس سے الگ ہو گئی اور منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں دروازے پر دستک سنائی دی۔ ذیشان نے دروازے پر آ کر پوچھا "کون؟"

عروج نے کہا "بھائی جان! میں ہوں۔ کچھ ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر آ گئی۔ اسما کو غور سے دیکھا پھر مسکرا کر بولی "لگتا ہے بھابی جان ناراض ہیں؟"

"تمہاری بھابی جان پاگل ہو گئی ہیں۔ خواہ مخواہ کہہ رہی ہیں کہ ڈیڈی نے اور بابر نے دردانہ سے کوئی بڑی رقم لی ہے۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ دردانہ خواہ مخواہ انہیں بڑی رقم کیوں دے گی۔"

عروج نے کہا "آپ برا نہ مانیں۔ بڑے ابو اور بابر قابلِ اعتماد نہیں رہے۔ وہ بڑی رقم حاصل کرنے کے لیے کسی کے ساتھ کسی طرح کا بھی لین دین کر سکتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ دردانہ کی کوٹھی سے کوئی بریف کیس لے کر آئے ہیں۔ بھابی جان کا شبہ درست ہو سکتا ہے۔"

"تم بھی ان کی حمایت میں ہی بول رہی ہو۔ اچھا مجھ سے کیا باتیں کرنے آئی ہو؟"

وہ اسے جاوید برقی کے بارے میں بتانے لگی۔ اس نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا "یہ تو اس شخص نے بڑی اچھی آفر دی ہے۔ اگرچہ ہمیں آئی بینک سے آنکھیں مل سکتی ہیں لیکن اس کی یہ بات درست ہے کہ پتا نہیں عینی کا نمبر آتے آتے وقت لگے گا۔ یہاں تو اسے آج کل میں ہی آنکھوں کا عطیہ مل سکتا ہے۔"

عروج نے کہا "ہمیں پھر جاوید برقی سے ملاقات کرنی چاہیے۔ اگر وہ یہ لکھ کر دے دے کہ عینی سے شادی نہیں کرے گا اور نہ ہی اسے اس سلسلے میں مجبور کرے گا تو پھر رومانہ کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے اس سے معاہدہ کر لیا جائے گا۔ کیا مناسب ہوگا؟"

"میں اس پہلو پر غور کرتا ہوں۔ ہمیں اس معاملے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے مگر رومانہ کی حالت بھی بہت نازک ہے اس کے پاس بھی بہت مختصر سی زندگی رہ گئی ہے۔ وہ کسی وقت بھی یہ دنیا چھوڑ کر جا سکتی ہے۔"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا "ٹھیک ہے۔ میں ابھی جاوید برقی سے فون پر بات کرتا ہوں۔"

اس نے اپنا موبائل فون نکالا۔ اسی وقت اس کا بزر بولنے لگا۔ فون پر نمبر پڑھا پھر کہا "دردانہ مجھے کال کر رہی ہے۔"

اسما ناراض ہو کر منہ پھیرے کھڑی تھی۔ اس نے چونک کر اپنے شوہر کو دیکھا "وہ مکار عورت آپ کو کیوں کال کر رہی ہے؟ آپ اس سے بات نہ کریں۔"

"ایسی باتیں نہ کرو۔ دشمن سے کسی حد تک بول چال رکھنی چاہیے۔ دیکھتے ہیں یہ کیا کہتی ہے۔"

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو۔ میں ذیشان بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے دردانہ نے کہا "اور فون پر تو تم نے میرا نمبر پڑھ ہی لیا ہوگا۔ تمہاری ممی سے ابھی میری بات ہوئی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ تم نے عینی کی شادی کے سلسلے میں ایک شرط رکھی ہے۔ وہ یہ کہ شادی سے پہلے پاشا کو تم لوگوں سے ملایا جائے اور اسے تمہارے گھر آنے جانے دیا جائے۔"

"ہاں۔ میرا یہ مطالبہ مناسب ہے۔"

"لیکن میرے لیے نامناسب ہے۔ میں تمہاری یہ شرط نہیں مانوں گی۔"

"تو پھر میں بھی تمہاری شرط نہیں مانوں گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "تمہیں میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ میں بہت جلد اپنی شرط منوا لوں گی اور عینی کو بہو بنا کر وہاں سے لے آؤں گی۔ تم منہ دیکھتے رہ جاؤ گے۔ میرا کچھ

نہیں بگاڑ سکو گے۔"

"تمہارا یہ چیلنج سن کر مجھے غصہ نہیں آ رہا ہے۔ میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ تم نے میری ممی اور ڈیڈی کو کیا گھول کر پلا دیا ہے کہ وہ تم سے دوستی کرنا چاہتے ہیں؟"

وہ پھر ہنستے ہوئے بولی "میرے پاس بڑے بڑے ہتھکنڈے ہیں۔ میں نے ایسا حربہ استعمال کیا ہے کہ تمہارے ماں باپ ساری زندگی میرے گن گاتے رہیں گے اور تمہاری حمایت کرنا بھول جائیں گے۔ دیکھتے جاؤ آگے آگے کیا ہوتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ ذیشان نے اپنے فون کو گھورا پھر اسے بند کرتے ہوئے زیرِ لب بڑبڑایا "میں نے ایسی مغرور اور بد دماغ عورت کبھی نہیں دیکھی۔ پتا نہیں یہ کیا کرتی پھر رہی ہے؟ کس طرح ممی اور ڈیڈی کو اپنی طرف مائل کر لیا ہے؟"

اسما نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "آپ بہت پریشان ہیں۔ آرام سے بیٹھ جائیں۔ میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"نہیں۔ میں چائے نہیں پیوں گا۔"

پھر اس نے عروج سے کہا "میں بہت الجھا ہوا ہوں۔ ابھی جاوید برقی سے بات نہیں کر سکوں گا۔ ایسا کرو تم اس سے بات کرو اور کہو میں کل کسی وقت اس سے فون پر بات کروں گا۔ انشاء اللہ وہ اپنی بیوی کی آخری خواہش پوری کر سکے گا اور ہماری عینی کو بھی بینائی مل جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی جا کر جاوید برقی سے فون پر بات کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر عروج وہاں سے چلی گئی۔ ذیشان نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ اسما نے پوچھا "دردانہ کیا کہہ رہی تھی؟"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسما کو دیکھا پھر قریب آ کر اسے اپنے بازوؤں میں لے کر بولا "تمہاری بات دل کو لگ رہی ہے۔ ابھی وہ کہہ رہی تھی کہ اس نے کوئی ایسا حربہ استعمال کیا ہے جس کے نتیجے میں ممی اور ڈیڈی ساری زندگی اس کے گن گاتے رہیں گے اور میری حمایت کرنا بھول جائیں گے۔"

اسما نے اپنی بانہیں اس کی گردن میں ڈالتے ہوئے کہا "میں پھر کہتی ہوں دردانہ نے آپ کی ممی ڈیڈی کو اور بابر کو خرید لیا ہے۔ بہت بڑی رقم دی ہے۔ پلیز آپ کسی بھی طرح اپنے والدین کے معاملے کی کھوج لگائیں۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا "ہاں۔ اب تو کچھ کرنا ہی ہوگا۔"

اس نے موبائل فون کو آن کیا۔ نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی بچھو بابا کی آواز سنائی دی "لیس سر! بچھو بابا حاضر ہے۔"

ذیشان نے پوچھا "تم میرے ڈیڈی اور میرے چھوٹے بھائی بابر کو پہچانتے ہو؟"

"جی ہاں۔ انہیں کئی بار دیکھ چکا ہوں۔"

"میرا اندازہ ہے کہ وہ دونوں کل صبح بینک جائیں گے۔ ان کے پاس اچھی خاصی رقم ہوگی۔ اس رقم کو لوٹ کر لے جانا ہے۔"

بچھو بابا نے حیرانی سے پوچھا "سر! آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے والد کو اور بھائی کو لوٹ لوں؟"

"میں نے ابھی فون پر یہی کہا ہے۔ میں کسی کا محاسبہ کرتے وقت رشتہ داری کا لحاظ نہیں کرتا۔"

"سمجھ گیا سر۔ کل یہ کام ہو جائے گا۔ وہ رقم بینک کے بجائے میرے پاس آ جائے گی۔"

"اور ایک بات کا خیال رکھو۔ تم خود یہ واردات ہرگز نہیں کرو گے۔ کسی سے کراؤ گے۔"

"سمجھ گیا سر!"

دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے فون بند کر کے پوچھا "کون ہے؟"

میں نے کہا "بھائی جان! میں ہوں۔"

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ میں نے اندر آتے ہوئے پوچھا "آپ لوگوں کی تنہائی میں مخل تو نہیں ہو رہا ہوں؟"

اسما نے مجھے غصے سے دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ تم کہاں اڑتے پھرتے ہو؟ نظر ہی نہیں آتے۔ ہم پر مصیبت آ رہی ہے اور تمہیں اپنے بھائی جان کی خیریت پوچھنے کی بھی فرصت نہیں۔"

میں ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے، مسکراتے ہوئے بولا "میں ایک بار کسی کا ہاتھ دیکھ لیتا ہوں تو پھر خیریت پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ میں نے ایک بار بھائی جان کا ہاتھ دیکھا ہے اور مجھے ان کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا رہتا ہے۔ ابھی تو میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں کہ آپ نے اپنے خاص آدمی کے ذریعے ہوٹل پرل میں میری جان بچائی۔"

"جان کیوں نہ بچاتا۔ تم خواہ مخواہ خطرے سے دوچار ہونے کے لیے وہاں گئے تھے۔ وہاں جانے کی ضرورت ہی

کیا تھی؟"

"بھائی جان! وہ دردانہ اور شہباز درانی صرف آپ کے ہی نہیں میرے بھی پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ میں آپ سے کچھ پوچھنے آیا ہوں۔"

"ہاں، پوچھو۔"

میں سب کچھ جانتا تھا مگر انجان بن کر بولا "آپ کا وہ خاص ماتحت کون ہے جسے آپ نے میری سلامتی کے لیے ہوٹل پرل میں بھیجا تھا۔"

"وہ میرا ایک خاص بندہ ہے۔ اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ راز داری سے میرا کام کرتا رہتا ہے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"مجھے اس کی ضرورت ہے۔ آپ مجھے اس کا نام بتائیں اور اس سے کہہ دیں کہ کل سے وہ میرے احکامات کی تعمیل کیا کرے گا۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم اسے شہباز درانی کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہو۔ میں بھی یہی کرر ہا ہوں۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے اس کی کسی بہت بڑی کمزوری سے کھیلنا چاہیے۔ بچھو بابا بہت ہی سفاک قاتل بھی ہے اور ذہین اور حاضر دماغ بھی ہے۔ میں نے شہباز کے خلاف کارروائیاں کرنے کے لیے ہی اسے یہاں بلایا ہے۔ اس کا نام کچھ اور ہے۔ میں اسے بچھو بابا کہتا ہوں۔"

وہ میرے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "تمہیں یاد ہے تم نے ہی کہا تھا کہ جس شخص کے نام میں تین بار B آتے ہیں میں اسی کے تعاون سے کامیابی حاصل کرتا رہوں گا۔"

میں نے پھر انجان بن کر کہا "اچھا تو یہ وہی بچھو بابا ہے۔ واقعی اس کے نام میں تین بار B آتے ہیں۔"

اسما نے پوچھا "کیا تم بتا سکتے ہو کہ میری ساس اور سسر دردانہ سے دوستی کیوں کرر ہے ہیں؟"

"میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اس گھر میں سب نے اپنے اپنے ہاتھ کی لکیریں دکھائیں۔ صرف بابر، بڑی امی اور بڑے ابو نے اپنے ہاتھ چھپا لیے۔ اگر میں ان میں سے کسی ایک کا بھی ہاتھ پڑھ لیتا تو مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ دردانہ سے کیوں دوستی کرر ہے ہیں؟ ابھی تو میں کچھ نہیں بتا سکوں گا۔"

پھر میں نے ذیشان سے کہا "بھائی جان! آپ آرام سے نہ بیٹھیں۔ فوراً بچھو بابا کو حکم دیں کہ وہ کل سے میرے احکامات کی تعمیل کرے گا۔"

"میں ابھی اسے فون کرتا ہوں۔ پہلے تم سے کچھ باتیں کرلوں۔"

"نہیں بھائی جان! آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔ فوراً فون کریں۔"

اس نے اور اسما نے چونک کر مجھے دیکھا پھر ذیشان نے پوچھا "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ میرے پاس وقت نہیں ہے، اس کا مطلب کیا ہوا؟"

میں کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا پھر بولا "مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے سی۔ آئی۔ اے والے آپ کو گرفتار کرنے آرہے ہیں۔"

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ اسما ایک دم سے گھبرا گئی تھی۔ میں نے پوچھا "کیا آپ کو یقین نہیں آرہا ہے؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا "تمہاری پیش گوئی ہمیشہ درست ثابت ہوتی ہے۔ تم نے مجھے پہلے یہ بات کیوں نہیں بتائی؟"

"بھائی جان! میں مجبور ہوں۔ آپ کے ہاتھ کی لکیروں نے بتایا ہے کہ آپ کو آہنی سلاخوں کے پیچھے رہنا چاہیے۔ اسی میں آپ کی بہتری ہے۔"

اسما نے غصہ سے کہا "کیا بکواس کرر ہے ہو؟ اپنے بھائی جان کو جیل بھجوانا چاہتے ہو؟"

"میں اپنے بھائی جان کا دشمن نہیں ہوں۔ انہیں تو ان کا مقدر آہنی سلاخوں کے پیچھے لے جائے گا۔"

پھر میں نے ذیشان سے کہا "بھائی جان! کیا آپ میرے مشوروں پر عمل کریں گے؟"

"ہاں۔ بولو، کیا مشورہ دیتے ہو؟"

"پہلی بات تو یہ کہ مصیبتیں آتی ہیں تو آنے دیا کریں۔ اب جو مصیبتیں آرہی ہیں وہ آپ کی بہتری کے لیے ہیں۔"

اسما نے جھنجلا کر مجھے مکا دکھاتے ہوئے کہا "اے مقدر! میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔ ایک تو مصیبتوں کی باتیں کرر ہے ہو اور اس پر کہہ رہے ہو کہ مصیبتوں کے آنے سے ان کی بہتری ہوگی۔"

میں نے اپنا منہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا "بھابی جان! آپ تو میری ماں جیسی ہیں۔ یہ لیں منہ توڑ دیں لیکن جو مشورے دے رہا ہوں ان پر بھائی جان عمل کریں گے تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔"

میں نے پھر ذیشان سے مخاطب ہو کر کہا "آپ دیر نہ کریں۔ بچھو بابا کو ابھی فون کریں۔ کل کے بعد آپ کو کسی سے ملنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ آپ بچھو بابا سے بھی کوئی کام نہیں لے سکیں گے۔"

ذیشان نے تائید میں سر ہلایا۔ میں نے کہا "اسی لیے آپ سے کہہ رہا ہوں فوراً بچھو بابا کو فون کریں اور اس سے کہیں کہ کل سے وہ میرے احکامات کی تعمیل کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم کہتے ہو تو میں اسے حکم دیتا ہوں۔ وہ تمہارے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔ میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے زیادہ دیر نہیں رہوں گا۔ جلد ضمانت پر رہا ہو کر آجاؤں گا۔"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "میں آپ کو دوسرا مشورہ یہ دینا چاہتا ہوں کہ آپ ضمانت پر رہا ہو کر نہ آئیں۔ کم از کم ایک ہفتے تک جیل میں رہیں۔"

اسما نے پریشان ہو کر ذیشان سے کہا "یہ مقدر کو کیا ہوا ہے؟ آپ کو کیسے الٹے سیدھے مشورے دے رہا ہے؟"

اس نے اسما کے شانے کو تھپک کر کہا "تم ذرا خاموش رہو۔ مجھے بات کرنے دو۔"

پھر اس نے مجھ سے کہا "تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں اگر جیل میں رہوں گا تو میرا سروس کیریئر بالکل ہی تباہ ہو جائے گا۔"

"فی الحال تو وہ تباہ ہو رہا ہے۔ جب عدالت سے آپ کی بے گناہی ثابت ہو جائے گی تب ہی آپ کو کھوئی ہوئی عزت اور شہرت حاصل ہوگی۔"

"مجھے صرف ایک سوال کا جواب دو۔ تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ مجھے کم از کم ایک ہفتے تک جیل میں رہنا چاہیے؟"

میں چند لمحوں تک خاموش رہا۔ مسکرا کر اسے دیکھتا رہا پھر بولا "ایک ہفتے کے اندر دشمنوں کے خلاف جو وارداتیں ہوں گی۔ ان کا الزام آپ پر نہیں آسکے گا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کو دشمن کی کمزوری سے کھیلنا چاہیے۔ آپ ابھی تک ایسا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اب یہ کام میں کروں گا اور یہ تب ہی کروں گا جب آپ مجھ سے تعاون کریں گے اور میرے مشوروں پر عمل کریں گے۔"

اس نے کہا "ٹھیک ہے۔ تمہاری بات سمجھ میں آگئی ہے۔ میں یہی کروں گا۔"

ذیشان نے دوبارہ فون پر بچھو بابا سے رابطہ کیا پھر اس سے کہا "بچھو بابا! ایک بری خبر ہے۔ مجھے گرفتار کیا جانے والا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ مجھے فوراً بتائیں میں اس وقت کس طرح آپ کے کام آسکتا ہوں؟"

"اسی طرح کام آسکتے ہو کہ ایک ہفتے تک مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کرو گے۔ میرے چھوٹے بھائی مقدر حیات سے تمہارا رابطہ رہے گا۔ تم اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہو گے۔"

"میں الجھ رہا ہوں۔ آپ ایک ہفتے تک مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کریں گے؟"

"مجھے کسی سے ملنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔ ایک ہفتے بعد میں واپس آ کر تمہیں ساری باتیں سمجھاؤں گا۔ فی الحال ایک بات یاد رکھو۔ کل سے مقدر حیات تمہیں اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کا حکم دے تو تم کوئی سوال کئے بغیر چھلانگ لگا دو گے۔"

"آل رائٹ سر! کل سے میں مقدر حیات کا تابعدار بن کر رہوں گا۔"

ذیشان نے فون بند کیا پھر مجھ سے پوچھا "کیا میرے خلاف کوئی سنگین الزام ثابت ہو رہا ہے؟"

میں جانتا تھا کہ اسے کس بنیاد پر گرفتار کیا جائے گا لیکن میں نے انجان بن کر کہا "یہ تو گرفتار کرنے والا ہی جانتا ہے۔ اگر میں اس کے ہاتھ کی لکیر پڑھ لیتا تو آپ کو بتا دیتا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

انٹرکام کی گھنٹی بجنے لگی۔ ذیشان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر

بیڈ کے سرہانے جا کر وہاں سے ریسیور اٹھایا پھر کان سے لگا کر بولا "ہاں۔ کیا بات ہے؟"

دوسری طرف سے فلک آفتاب کی گھبرائی ہوئی سی آواز سنائی دی "بیٹے! یہ سی۔ آئی۔ اے والے آئے ہیں۔ ان کے پاس تمہاری گرفتاری کا وارنٹ ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں نیچے آرہا ہوں۔"

اس نے ریسیور نیچے رکھ کر کہا "مقدر! تم واقعی باکمال ہو۔ تمہاری پیش گوئی کے مطابق سی۔ آئی۔ اے والے مجھے گرفتار کرنے آگئے ہیں۔ میں جارہا ہوں۔"

اسما تیزی سے آکر اس کے بازو سے لگ گئی "نہیں۔ میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا آپ اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے؟"

"اسما تم نے سن لیا ہے۔ مقدر حیات کہتا ہے کہ مجھے جیل جانا چاہیے اور ایک ہفتے تک وہاں رہنا چاہیے تو میں یہی کروں گا۔ تم ناحق پریشان ہو رہی ہو۔ میں ایک ہفتے بعد واپس آجاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر جانے لگا۔ اسما بھی اس کے پیچھے جانے لگی۔ میں بہت پہلے سے جانتا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے لیکن میں پہلے سے ذیشان کو بتا دیتا تو وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتا۔ مقدر میں جو لکھا ہے وہ پورا نہ ہوتا۔ مجھے تو ہاتھ کی لکیروں پر چلنا پڑتا ہے اور میں چل رہا تھا لیکن جو بے گناہ ہیں، جن کے اعمال درست ہیں۔ ان کے لیے میں تدبیریں بھی کرتا ہوں اور ذیشان کے ہاتھ کی لکیر کہہ چکی تھی وہ میری ہی تدبیر سے دشمنوں پر رفتہ رفتہ غالب آئے گا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے باہر آکر بالکونی کی ریلنگ کے پاس آکر دیکھنے لگا۔ نیچے ڈرائنگ روم میں سی۔ آئی۔ اے کا افسر باقر مہدی سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ ذیشان اسما کے ساتھ نیچے ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا تھا۔ وہاں فلک ناز، فلک آفتاب، بیگم آفتاب، اور باہر سب ہی موجود تھے۔

ذیشان نے باقر مہدی سے پوچھا "آپ مجھے کس الزام میں گرفتار کرنے آئے ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا "یوں تو کئی الزامات آپ پر ہیں۔ ہمارے پاس ٹھوس ثبوت اور گواہ بھی موجود ہیں لیکن موجودہ الزام یہ ہے کہ آپ نے یاور خان کو حبسِ بے جا میں رکھ کر اس پر تشدد کیا ہے۔ یاور خان نے آپ پر الزام لگایا ہے کہ آپ اس کی مطلقہ بیوی سے عشق فرماتے ہیں اور اس سے ناجائز تعلقات قائم کر چکے ہیں۔"

"وہ بکواس کر رہا ہے اور آپ اس کی بکواس پر یقین کر رہے ہیں؟"

"ایسی بات نہیں ہے ایس۔ پی۔ صاحب! میڈم گل خانم کی گورنس نے بھی یہ بیان دیا ہے کہ آپ ایک رات دو بجے تک گل خانم کے ساتھ بند کمرے میں رہے تھے اور جب اس کمرے سے باہر آئے تو گل خانم کا لباس بدل چکا تھا۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ بدکار ہیں۔ فی الحال ایک مطلقہ عورت کے ساتھ بدکاری کا الزام آپ پر ہے۔ اب آپ کو اپنی صفائی میں جو کہنا ہے وہ آپ عدالت میں کہیں گے۔ ابھی تو آپ ہمارے ساتھ چلیں۔"

وہ ان کے ساتھ جانے لگا۔ اسما یہ سن کر گم صم سی ہو گئی تھی کہ محبت کرنے والا شوہر ایک رات دو بجے تک گل خانم کے ساتھ بند کمرے میں رہا تھا اور اس پر بدکاری کا الزام ثابت ہو رہا تھا۔

وہ روتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آنے لگی پھر اوپر مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ تیزی سے قریب آکر بولی "تم ہمارے اپنے ہو یا دشمن ہو؟ کیا تم سن رہے تھے کہ تمہارے بھائی جان پر کتنا سنگین الزام لگایا گیا ہے اور وہ الزام ثابت بھی ہو رہا ہے۔ بتاؤ، تم نے تو ان کے ہاتھ کی لکیریں پڑھی ہیں، کیا وہ بدکار ہو سکتے ہیں؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں، انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ان کی نیکی ان کے لیے مہنگی پڑ رہی ہے۔"

"کیا تم اپنے بھائی جان کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکتے؟ تم تو کسی کے بارے میں بھی بہت کچھ جان لیتے ہو۔"

"بھابی جان! میں نجومی ہوں۔ ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر ماضی، حال، اور مستقبل کی باتیں بتاتا ہوں۔ میں بھلا بھائی جان کو کس طرح غلط الزام سے بچا سکتا ہوں؟ اتنا آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ مصیبتوں سے ضرور گزریں گے لیکن آگے چل کر انہیں عزت اور نیک نامی حاصل ہوگی۔"

وہ روتے ہوئے بولی "آگے کیا ہوگا یہ خدا جانتا ہے۔ ابھی تو میرے دل پر قیامت گزر رہی ہے۔"

"دکھ، مصیبتیں سب پر آتی ہیں۔ سب ہی انہیں برداشت کرتے ہیں اور صبر کرتے ہیں۔ آپ کو بھی برداشت کرنا ہوگا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"ایسے حالات میں جب انسان اپنے لیے یا اپنوں کے لیے کچھ کر نہیں پاتا تو اسے صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ صبر نہیں کرے تو کہاں جائے؟"

وہ مجھ سے منہ پھیر کر روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی دروازے کو اندر سے بند کرتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے ی۔ وہ صرف اس کا شوہر ہی نہیں تھا۔ اس کا عاشق بھی تھا۔ ہر کی عارضی جدائی برداشت ہو جاتی ہے لیکن عاشق کی ضی جدائی بھی برداشت نہیں ہوتی۔ دل اسی کے پاس نے کے لیے مچلتا رہتا ہے۔

وہ تھوڑی دیر تک روتی رہی۔ سوچتی رہی۔ یہ بات ذہن راں گزر رہی تھی کہ گل خانم کے ساتھ ذیشان پر بدکاری کا رام لگایا جارہا تھا۔

شادی کی پہلی رات سے اب تک اس نے ذیشان کو کبھی شق مزاج نہیں پایا تھا۔ وہ کسی دوسری عورت کی طرف نہ ل ہوتا تھا نہ ہی ان کا ذکر سننا چاہتا تھا پھر یہ کہ اپنی اسما سے ں قدر دیوانہ وار محبت کرتا تھا کہ ایسے دیوانے کبھی کسی دوسری ورت کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

اسما کے دل میں ایک ذرا سا شبہ تھا۔ میں نے اس شبے کو ور کر دیا۔ اسے یقین دلایا کہ ذیشان بدکار نہیں ہے۔ وہ وچنے لگی کہ اس کا شوہر بے گناہ ہے لیکن گل خانم کی گورنس نے اس پر الزام کیوں لگایا؟ اور یہ الزام سننے کے بعد گل خانم خاموش کیوں ہے؟ وہ ذیشان کی حمایت میں بیان کیوں نہیں ے رہی ہے؟

اس نے سر اٹھا کر فون کی طرف دیکھا۔ اس ٹیلیفون کے پاس ذیشان کا موبائل فون رکھا ہوا تھا۔ وہ جاتے ہوئے وہ فون وہاں چھوڑ گیا تھا۔ اسما نے اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ فون اٹھایا پھر گل خانم کے نمبر پنچ کرتی ہوئی بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد کسی مرد کی آواز سنائی دی "ہیلو۔ آپ کون ہیں اور کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟"

وہ بولی "میں مسز ذیشان ہوں اور میڈم گل خانم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

دوسرے طرف سے کہا گیا "سوری آپ براہ راست گل خانم سے اور اس کے سابقہ شوہر سے بات نہیں کر سکیں گی۔ کوئی پیغام ہو تو ہم ان تک پہنچا دیں گے۔"

اسما نے پوچھا "آپ مجھے براہ راست گفتگو کرنے سے کیوں روک رہے ہیں؟"

"میڈم گل خانم سی۔ آئی۔ اے والوں کی نگرانی میں ہیں۔ کچھ قانونی کارروائیاں ہو رہی ہیں۔ جب تک یہ کارروائیاں پوری نہیں ہوں گی آپ یا کوئی بھی ان سے براہ راست گفتگو نہیں کر سکے گا۔"

اسما نے فون بند کر دیا۔ دل برداشتہ ہو کر ذیشان کی بے گناہی کے بارے میں سوچتی رہی۔ خدا سے دعا مانگنے لگی کہ کوئی ایسا معجزہ ہو جائے کہ اچانک بے گناہی ثابت ہو جائے اور ذیشان رہا ہو کر ابھی واپس آجائے۔

ایسے وقت سب ہی یہی چاہتے ہیں کہ دعا مانگتے ہی ان کے حق میں کوئی معجزہ رونما ہو جائے لیکن یوں معجزہ رونما ہونے والی دعائیں قبول نہیں ہوا کرتیں۔ انتظار کرنا پڑتا ہے۔ کاتب تقدیر اچھے اور برے اعمال کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ دیر سے کرتا ہے مگر کرتا ہے۔ اندھیر نہیں کرتا۔

☆☆☆

پورے گھر میں ماتمی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ لوگ ذیشان کو گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ بیگم آفتاب اپنے بیٹے کے لیے روتی اور تڑپتی رہی۔ عینی اور عروج بھی رو رہی تھیں۔ عینی نے روتے ہوئے بیگم آفتاب سے کہا "بڑی امی! آپ کی وجہ سے بھائی جان گرفتار ہوئے ہیں۔ کیا ضرورت تھی کہ آپ دردانہ کے پاس جاتیں اور اس سے دوستی کرتیں؟ وہ کیسی مکار عورت ہے یہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں۔ ایک طرف آپ کا سر سہلا رہی ہے اور دوسری طرف بھائی جان کے راستے میں کانٹے بچھا رہی ہے۔"

بیگم آفتاب نے فون کے ذریعے دردانہ سے رابطہ کرنا چاہا تو پتا چلا اس کا موبائل فون بند ہے۔ اس نے دوسرے فون پر رابطہ کرنا چاہا۔ شہباز درانی کی لیڈی سیکریٹری تہمینہ نے کہا۔ "میڈم دردانہ شہر میں نہیں ہیں۔ کسی کام سے باہر گئی ہوئی ہیں۔"

دردانہ جانتی تھی کہ ذیشان کے گرفتار ہونے کے بعد اس کے ماں باپ پھر اس کی طرف دوڑیں گے اور ذیشان کی رہائی کے لیے پھر اس سے منتیں کریں گے اور وہ ایسی کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے اس نے اپنا موبائل فون بند کر دیا تھا اور تہمینہ سے کہلوا دیا تھا کہ وہ شہر میں نہیں ہے۔

گھر کے تمام افراد رات بڑی دیر تک جاگتے رہے اور ذیشان کی گرفتاری کے سلسلے میں مختلف پہلوؤں سے باتیں کرتے رہے۔ فلک آفتاب نے کہا تھا کہ وہ اگلی صبح کورٹ سے ضمانت نامہ حاصل کر کے ذیشان کو رہا کرا لے گا۔

اس بات پر ذیشان نے جاتے جاتے باپ کو باتیں سنائی تھیں اور کہا تھا "مجھ سے ہمدردی نہ کریں۔ میری ضمانت لینے کی زحمت گوارا نہ کریں۔ میں جیل میں ہی رہوں گا اور اپنی رہائی کے لیے اپنے طور پر کوششیں کروں گا۔"

بہرحال کتنی ہی مصیبتیں آجائیں انسان کھاتا پیتا اور سوتا

ضرور ہے۔ اس لیے تمام افراد ایک ایک کر کے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ دوسری صبح فلک آفتاب اور بابر اپنی عادت کے خلاف جلد ہی بیدار ہو گئے کیونکہ انہیں بینک میں ایک بڑی رقم جمع کرانی تھی۔

پہلے وہ ڈرے اور سہمے ہوئے تھے کہ صبح بریف کیس میں دو کروڑ روپے لے کر جائیں گے تو ذیشان انہیں روک کر ان کے بریف کیس کی تلاشی لے سکتا تھا۔ اب یہ اندیشہ نہیں رہا تھا۔ راستے کے سب سے بڑے پتھر کو سی۔ آئی۔ اے والے لے گئے تھے۔

وہ باپ بیٹے جب بریف کیس لے کر گھر سے نکلے تو عینی اور عروج بھی پورچ میں کھڑی ہوئی تھیں اور اپنی کار میں بیٹھ رہی تھیں۔ فلک آفتاب نے پوچھا ''بیٹی! اتنی صبح کہاں جا رہی ہو؟''

عینی نے کہا ''عروج کی ڈیوٹی صبح نو بجے سے ہے۔ میں اس کے ساتھ جا رہی ہوں۔ اسپتال والے کوارٹر میں رہوں گی۔''

وہ دونوں اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ ان کے پیچھے فلک آفتاب کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ باپ بیٹے اس میں بیٹھ گئے۔ بابر نے کار اسٹارٹ کی اور کوٹھی کے احاطے سے باہر آ گیا۔ عروج اور عینی کی کار ان سے آگے جا رہی تھی۔ کچھ دور تک دونوں کے راستے ایک ہی تھے۔ دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد عروج اور عینی کی کار ایک چوراہے سے آگے نکل گئی۔ جب وہ باپ بیٹے چوراہے کے قریب پہنچے تو سگنل سرخ ہو گیا۔ بابر نے کار روک دی۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں بھی گاڑیاں رک رہی تھیں۔ اچانک ان کی کار کے دونوں پچھلے دروازے کھلے اور تین گن مین دھڑ دھڑاتے ہوئے اندر آ کر بیٹھ گئے۔ دونوں باپ بیٹوں کو گن پوائنٹ پر رکھ کر کہا ''خبردار! ایک ذرا آواز نہ نکالنا۔''

تین تین گنیں دیکھ کر دونوں کے ہوش اڑ گئے۔ بابر نے ہکلاتے ہوئے پوچھا ''تم۔ تم لوگ کون ہو؟ ہم سے کیا چاہتے ہو؟''

''وہ بریف کیس ہمیں دے دو۔''

فلک آفتاب نے بریف کیس اٹھا کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا ''نہیں، ایسا ظلم نہ کرو۔ یہ مجھ بوڑھے کی زندگی بھر کی کمائی ہے۔ اسے لے کر نہ جاؤ۔''

''زیادہ بکواس کرو گے تو گولی چل جائے گی۔ تمہارے دائیں طرف اور بائیں طرف ہماری گاڑیاں کھڑی ہوئی ہیں۔ ہم گولی ماریں گے اور یہاں سے نکل کر ان گاڑیوں میں بیٹھ کر چلے جائیں گے۔ زندگی پیاری ہے تو بریف کیس ہمارے حوالے کر دو۔''

دوسرے شخص نے کہا ''ابے! گن رکھ کر بھیک مانگ رہا ہے۔ چھینتا کیوں نہیں ہے؟''

فلک آفتاب کے پیچھے بیٹھے ہوئے گن مین نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس بریف کیس کو چھیننا چاہا۔ وہ گڑگڑانے لگا۔ خدا رسول کا واسطہ دینے لگا۔ ایک نے شارٹ گن کی نال اس کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے کہا ''گولی چل جائے گی۔ بریف کیس چھوڑ دے۔''

بریف کیس پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ زندگی عزیز تھی۔ بریف کیس ہاتھ سے نکل گیا۔

اتنے میں سگنل سبز ہو گیا۔ ایک گن مین نے بابر کو حکم دیا ''گاڑی آگے چلاؤ۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ چپ چاپ گاڑی آگے بڑھا کر اس کی رفتار بڑھانے لگا۔ اس سے کہا گیا ''آگے بائیں طرف ایک موڑ ہے۔ گاڑی ادھر لے چلو۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ آگے جا کر گاڑی کو بائیں طرف موڑ دیا۔ صبح کا وقت تھا۔ دکانیں ابھی کھلی بھی نہیں تھیں اس لیے اکا دکا لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ آگے جا کر بابر کو گاڑی روکنے کا حکم دیا گیا۔ اس نے گاڑی روکی تو پیچھے آنے والی دو گاڑیاں بھی رک گئیں۔ انہوں نے باہر نکل کر کار کے دو پہیوں پر فائر کر کے انہیں پنکچر کیا اور اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔ فلک آفتاب اپنا سر پیٹنے لگا۔ پہلے تین کروڑ روپے ہاتھ سے نکلے تھے۔ اب دو کروڑ ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ بابر اپنی سیٹ پر گم صم بیٹھا رہ گیا تھا۔

بعض افراد کے ہاتھوں پر تقدیر کی لکیر نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی بھی ہے تو اس لکیر پر کاٹ چھانٹ بہت ہوتی ہے۔ تقدیر بنتے بنتے بگڑتی رہتی ہے۔ ان باپ بیٹے کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔

ادھر عینی کی تقدیر میں بھی کچھ خرابی لکھی ہوئی تھی۔ عروج نے ایک پرائیویٹ اسپتال کے سامنے کار کو روکتے ہوئے کہا ''تمہارے ڈاکٹر نے جو دوا لکھ کر دی ہے وہ یہاں مل سکتی ہے۔ تم بیٹھی رہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔''

عینی نے پوچھا ''کتنی دیر لگاؤ گی؟''

''جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔ وہاں ایک ڈاکٹر سے ملنا ہے۔ اسی سے وہ دوا مل سکتی ہے۔ بس سمجھو ابھی گئی اور

ں آئی۔''

وہ کار سے اترتی ہوئی دروازہ بند کرتی ہوئی وہاں سے گئی۔ عینی اپنے مقدر کے اندھیرے میں چپ چاپ بیٹھی ں کہ پاشا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ اگر آپ کہیں گی تو آج صبح میں وہاں چلا جاؤں گا۔''

عینی نقار خانے کے شور میں بھی اپنے پاشا کی آواز پہچان تی تھی۔ اس نے تڑپ کر پکارا ''پاشا! رک جاؤ۔ مجھے دیکھو۔ ں کار میں بیٹھی ہوئی ہوں۔''

پاشا کی آواز ذرا دور ہوتی جا رہی تھی۔ وہ کسی سے کہہ رہا ا ''آپ مجھے دس ہزار روپے دیں۔ میں اپنی پسند کا لباس اور وتے وغیرہ خرید کر لے آؤں گا۔''

اس کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی..... عینی تڑپ کر رواز ے کو کھول کر باہر نکل گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ راستہ کہاں ہے اور فٹ پاتھ کہاں ہے؟ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تو فٹ پاتھ کی اونچائی سے ٹکرا کر اوندھے منہ گر پڑی۔ اس کے گرتے ہی آگے جانے والا ایک شخص رک گیا۔ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا ٹیپ ریکارڈر تھا۔ اس ٹیپ ریکارڈر سے پاشا کی آواز ابھر رہی تھی۔

عینی فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ شخص پھر آگے بڑھنے لگا۔ اس کے ساتھ پاشا کی ابھرنے والی آواز بھی دور ہونے لگی۔ عینی دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر آگے بڑھتی ہوئی اسے آواز دے رہی تھی ''پاشا! تم آگے جا رہے ہو۔ میری آواز کیوں نہیں سن رہے ہو؟''

وہ ایک ایک قدم سنبھل سنبھل کر بڑھتی جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی ''تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟ ذرا چپ ہو جاؤ پہلے میری بات سن لو۔ کیا تمہیں میری آواز سنائی نہیں دے رہی ہے؟''

ٹیپ ریکارڈر کے کان نہیں ہوتے۔ ہوتے بھی ہیں تو وہ خود بولتے وقت نہیں سنتا۔ وہ بولنے والے کو دیکھ نہیں سکتی تھی، سن سکتی تھی۔ اس آواز کے پیچھے ایسے جا رہی تھی جیسے قصہ حاتم طائی کے کوہ ندا سے بلاوا آ رہا ہو ''یا اخی۔! یا اخی۔! آ جا۔ آ جا۔!''

پاشا بول رہا تھا مگر بہرا تھا۔ اس کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ عینی اس کی آواز سن رہی تھی لیکن اندھی تھی اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ اس کی ہم سفر تھی لیکن تاریک راہوں کی ہم سفر یہ نہیں جانتی تھی کہ پاشا کا بلاوا اسے کس سمت لیے جا رہا ہے؟

پندرہ منٹ بعد عروج واپس آئی تو کار خالی تھی۔ اس نے چونک کر آس پاس ادھر ادھر دیکھا پھر آواز دی ''عینی! تم کہاں ہو؟''

وہ اپنی سہیلی کی آواز سے دور پاشا کی آواز کے پیچھے کہیں جا چکی تھی۔ حدِ نظر تک کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ہتھیلی پر تقدیر کی لکیریں کتنی آڑھی ترچھی ہوتی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتیں۔ بھول بھلیاں سی لگتی ہیں۔ میں ان بھول بھلیوں والی لکیروں پر چلتا رہتا ہوں اور یہ جانتا ہوں کہ عینی اپنی تقدیر کی کس لکیر پر چلتی ہوئی کہاں جا رہی ہے؟

اور میں اس لیے جانتا ہوں کہ۔

اک بازی گر ہوں۔

ہاتھوں کی لکیروں پر،

تمہارا ہم سفر ہوں۔

تمہارا دوست بھی ہوں۔

اور دشمن بھی۔

تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں۔

تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں۔

مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں۔

اک بازی گر ہوں۔

عروج کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ عینی کی آنکھوں میں تو پہلے ہی تاریکی چھا چکی تھی اور اس تاریکی میں وہ نہ جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔ اب آنکھوں والی عروج کو وہ دکھائی نہیں دے رہی تھی اور جب دکھائی نہ دے تو آنکھوں والے بھی اندھے کہلاتے ہیں۔

وہ پریشان ہو کر عینی کو ڈھونڈتی اور لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھتی رہی۔ پھر مایوس ہو کر اس نے سوچا فوراً بھائی جان کو فون کرے پھر یاد آیا انہیں تو پچھلی رات گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اب کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کس ہمدرد کو پکارے؟

دوسری طرف فلک آفتاب اور بابر اپنی کار کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ذہن میں بھی یہی سوالات تھے کہ اب کیا کریں؟ نامعلوم افراد ان کے دو کروڑ روپے چھین کر لے گئے تھے۔ اب کسے مدد کے لیے پکاریں؟ وہ قانونی طور پر تو کسی کی مدد حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے ایس۔ پی۔ بیٹے سے بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ ایک تو وہ گرفتار ہو گیا تھا اور اگر گرفتار نہ بھی ہوتا تب بھی یہ بات اس سے چھپانی ہی تھی کہ ان کے دو کروڑ لوٹ لیے گئے ہیں۔

بابر نے کہا ''ڈیڈ کم از کم ممی کو تو بتا دیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہو چکا ہے۔''

فلک آفتاب نے موبائل پر نمبر پنچ کرنا چاہا پھر رک کر بولا۔ ''تمہاری ممی کو کیسے بتاؤں؟ وہاں تو ایک جگہ گھنٹی بجے گی تو سب کو پتا چل جائے گا کہ فون آ رہا ہے۔ پھر فلک ناز، اسما کوئی بھی ہماری بات سن سکتا ہے۔ فی الحال وہاں تمہاری ممی سے بات کرنا مناسب نہیں ہوگا۔''

ان کے ساتھ اب یہ مسئلہ تھا کہ وہ گھر بھی نہیں جا سکتے تھے کیونکہ گاڑی کے دو ٹائر بیکار ہو چکے تھے۔ فلک آفتاب نے اس سلسلے میں مدد کے لیے ایک گیراج فون کیا اور مکینک کا انتظار کرنے لگا۔ بابر نے کہا ''ڈیڈ! دردانہ کو بھی تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے ساتھ اتنی بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔''

فلک آفتاب نے دردانہ کے نمبر پنچ کیے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی ''ہیلو۔ میں بول رہی ہوں۔''

''دردانہ! میں فلک آفتاب بول رہا ہوں۔''

''ہاں بولیے۔ کل رات کو بھی آپ نے فون کیا تھا مگر افسوس کہ میں یہاں نہیں تھی اور موبائل فون بھی یہیں بھول گئی تھی۔''

وہ بڑے درد بھرے لہجے میں بولا ''دردانہ! ہم کیا بتائیں ہم پر مصیبتوں پر مصیبتیں آ رہی ہیں۔''

وہ انجان بن کر مسکراتے ہوئے بولی ''کیا ہوا! تو ہے؟''

''خیریت ہی تو نہیں ہے۔ پچھلی رات سی۔ آ ذیشان کو گرفتار کر کے لے گئے۔''

''میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا وہ مجھ نہیں کرے گا۔ بہت ہی بد دماغ ہے۔ اس نے فون پر کل رات ہی کہہ دیا تھا کہ وہ میری شرط نہیں مانے گا کیوں اس کا لحاظ کرتی؟ آپ نے نتیجہ دیکھ لیا۔ سی۔ آ والے اسے گرفتار کر کے لے گئے۔ یہ تو ابھی ابتدا ہے آگے دیکھتے رہیں، وہ اس سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہو گا۔''

فلک آفتاب نے کہا ''ہمارا کام تھا بیٹے کو سمجھانا۔ سمجھا دیا۔ وہ پھر بھی تم سے دشمنی کر رہا ہے تو واقعی نتا کے سامنے آ رہے ہیں لیکن اس معاملے سے ہٹ کر ساتھ ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔''

اس نے پھر انجان بن کر پوچھا ''بہت بڑی ٹریجڈ گئی ہے؟ آپ کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہے ہیں؟''

''پریشانی کی ہی بات ہے۔ ہمارے وہ دو کروڑ جو تم نے دیے تھے، اسے ڈاکو لوٹ کر لے گئے ہیں۔''

اس وقت دردانہ کا جی چاہ رہا تھا فلک شگاف لگائے۔ اسے ہر طرف سے کامیابی ہو رہی تھی۔ تھوڑ پہلے اطلاع ملی تھی کہ عینی کو اغوا کر کے لایا جا رہا ہے رات یہ کامیابی ہوئی تھی کہ ذیشان کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ کامیابی یہ تھی کہ شہباز کے آدمی وہ دو کروڑ روپے لوٹ رہے تھے۔

فلک آفتاب نے پوچھا ''دردانہ! تم چپ کیوں! تمہیں ہماری بات کا یقین نہیں ہو رہا؟''

وہ بولی ''ہاں۔ یقین نہیں ہو رہا ہے۔ آخر اتنی بڑ کون لوٹ کر لے جائے گا؟ اور پھر کسے معلوم تھا کہ آپ پاس اتنی بڑی رقم ہے؟''

''تم یقین کرو اس رقم کے بارے میں کسی کو معلو تھا۔ ہم بڑی رازداری سے بینک میں جمع کرنے جا تھے۔ جو لوگ ہمیں لوٹ کر لے گئے ہیں۔ لگتا ہے انہیں اتنی بڑی رقم ملنے کی امید نہیں ہوگی۔''

دردانہ نے کہا ''ہاں یہی ہو سکتا ہے۔''

''پلیز دردانہ! ہمارے لیے کچھ کرو۔''

''اب میں کیا کر سکتی ہوں؟ میں نے مفت میں اتنی رقم آپ لوگوں کو دی۔ نہ دیتی تو کیا بگاڑ لیتے؟ بہر حال

کی بیگم میری تابعدار بن کر رہنے پر مجبور ہیں اور ہمیشہ کی لیکن میں نے دوستی اور رشتہ داری قائم رکھنے کے لیے قیمتی ہیرے دیے پھر ان ہیروں کے عوض رقم دے دی۔ وہ ے میرے پاس واپس آ گئے اور رقم ڈاکو لے گئے۔ آپ واقعی بد نصیب ہیں۔ بہت ہی بد نصیب ہیں۔''

''تمہارے ذرائع بہت وسیع ہیں۔ شہباز صاحب ے لیے کچھ کر سکتے ہیں؟ ان لٹیروں کا پتا چلا سکتے ہیں؟''

''ٹھیک ہے۔ میں شہباز درانی سے کہوں گی۔ لیکن اتنی رقم لوٹنے والے نادان نہیں ہوں گے۔ شاید ہی ہمارے سکیں پھر بھی کوشش کی جائے گی۔''

اس نے رابطہ ختم کر دیا پھر دل کھول کر قہقہے لگانے لگی۔ ز درانی بیڈ روم کی طرف آ رہا تھا۔ دور سے قہقہے سن کر ن ہوا پھر آگے بڑھ کر دروازہ کھولتے ہوئے دیکھا۔ انہ وہاں تنہا مستی میں قہقہے لگا رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر ا ''کیا بات ہے۔ ایسی کیا بات ہو گئی؟''

وہ پلٹ کر لہراتے ہوئے اس کے قریب آتی ہوئی بولی۔ ل ذیشان گرفتار ہو گیا۔ آج عینی بھی میرے پاس آ رہی ،اور ادھر فلک آفتاب کو دیے گئے دو کروڑ بھی میرے پاس ں آ رہے ہیں۔''

وہ شاید شہباز درانی کے ساتھ زیادہ اظہارِ محبت کی خاطر رے کا دروازہ بند کرنا چاہتی تھی کہ وہ بولا ''ابھی تو تم رے ساتھ ڈرائنگ روم میں آؤ۔ وہاں وہ مشہور و معروف ی پبلو ماسٹر آیا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں، وہ تمہارا ہاتھ بھی یکھے۔''

وہ اپنی دونوں ہتھیلیاں بلند کرتے ہوئے فخر سے بولی۔ میرا ہاتھ اب کوئی اور کیا دیکھے گا۔ میری ہتھیلیوں پر تو خوش متی کے ستارے چمک رہے ہیں۔''

وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بولا ''تمہیں خوش رکھنے کے لیے اور مقدر کو جگائے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم پنے مقدر کا حال جانتے رہیں۔ ساؤتھ افریقا کا ایک بہت معروف وچ ڈاکٹر ژنگورارا بھی کل یہاں آنے والا ہے۔''

وہ بولی ''ژنگورارا۔ یہ کیسا نام ہے؟''

''افریقی جادوگروں کے روایتی نام کچھ اسی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ آؤ چلیں۔''

وہ بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئے۔ وہاں پبلو ماسٹر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اٹھ کر شہباز درانی سے مصافحہ کیا۔ شہباز نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''یہ میری جانِ حیات دردانہ ہے۔''

دردانہ نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مشرقی عورتیں مردوں سے مصافحہ نہیں کرتیں لیکن مجھے تم سے ہاتھ ملانے میں کوئی اعتراض نہیں کیونکہ تم تو میری قسمت کا حال بتانے کے لیے میرا ہاتھ پکڑنے ہی والے ہو۔''

پبلو ماسٹر نے ہنستے ہوئے اس سے مصافحہ کیا اور کہا۔ ''لیکن پہلے میں مسٹر درانی کا ہاتھ دیکھوں گا کیونکہ مقدر حیات کے ہاتھ کی لکیروں نے مجھے چکرا دیا ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں یکساں ہیں یا نہیں؟''

شہباز درانی اس کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا ''ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ اس کا ہاتھ دیکھتے ہی حیران ہو گیا۔ کہنے لگا ''مائی گاڈ! میں زندگی میں پہلی بار دو ہاتھوں کو ایک جیسا دیکھ رہا ہوں۔ آپ کی ہر لکیر جو بات کہہ رہی ہے وہی اس کے ہاتھ کی ہر لکیر کہہ رہی تھی۔''

''اس کے ہاتھ کی لکیریں کیا کہہ رہی تھیں؟''

اس نے ایک جگہ انگلی پھیرتے ہوئے کہا ''یہ لکیر کہہ رہی ہے کہ آپ کسی عورت سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ اس کے دیوانے ہیں۔ یہی بات اس کے ہاتھ کی لکیر بھی کہہ رہی تھی کہ وہ بھی کسی کو بہت چاہتا ہے۔ دیوانوں کی طرح چاہتا ہے۔''

شہباز درانی نے کہا ''ایسا تو کتنے ہی ہاتھوں کی لکیریں کہیں گی۔ کتنے ہی لوگ محبت کرتے ہیں۔''

''میں بحث نہیں کروں گا۔ ابھی آپ کو یقین ہو جائے گا۔ آپ کے ہاتھ کی یہ لکیر کہہ رہی ہے کہ آپ اپنے ایک دشمن کے مقابلے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ یہی ناکامیاں میں نے مقدر حیات کے ہاتھوں میں پڑھی ہیں۔''

پبلو ماسٹر درست کہہ رہا تھا۔ جب وہ میرا ہاتھ دیکھ رہا تھا تو ان لمحات میں میرے ہاتھ پر شہباز کی لکیریں نقش تھیں۔ ان میں سے ایک لکیر یہی کہہ رہی تھی کہ میں بھی کئی معاملات میں ناکام ہو رہا ہوں۔ یہ بات اس طرح درست تھی کہ میں نے سی۔ آئی۔ اے کے افسر باقر مہدی کو ذیشان کے خلاف ایکشن لینے اور گرفتاری کا وارنٹ حاصل کرنے سے نہیں روکا تھا۔ میں نمرہ کو دل و جان سے چاہتا ہوں لیکن میرا رقیب اسے اپنے ساتھ لے گیا اور میں نے اسے جانے سے نہیں روکا۔ یہ بھی میری ایک ناکامی تھی جو مصلحتاً تھی۔ ایک اور ناکامی یہ تھی کہ عینی کو اغوا کیا گیا اور میں نے اسے اغوا ہونے سے نہیں روکا تھا۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں میں کہ لکیر کا فقیر ہوں۔ ہاتھ کی لکیریں جو کہتی ہیں، اسی کے مطابق چلتا ہوں۔ کسی کی کامیابی

کے ساتھ کامیاب ہوتا ہوں۔ کسی کی ناکامیوں کے ساتھ ناکام ہوجاتا ہوں۔

پبلو ماسٹر نے اس کی مٹھی بند کرتے ہوئے کہا "ہاتھ کیا دیکھوں؟ یہ تو بالکل مقدر حیات کا ہاتھ لگ رہا ہے۔ ہاں ایک بات یاد آرہی ہے' کیا اس نے آپ سے کہا ہے کہ آپ اسے ہلاک کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ آپ کی موت نہیں آئے گی؟"

اس نے پوچھا "کیا وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہی ہم دونوں کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی ہیں؟"

"بے شک یہی کہہ رہی ہیں۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "کیا مصیبت ہے؟ کیا مقدر کا تماشا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا' وہ کیسے میری زندگی اور موت کے ساتھ جڑ گیا ہے؟"

وہ وہاں سے اٹھ کر دوسرے صوفے پر آکر بیٹھ گیا پھر بولا "یہ بات میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ علم نجوم سے مجھے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ وہ بہت سارے علوم جانتا ہے یا نہیں۔ اس لیے میں نے وچ ڈاکٹر ژنگو رارا کو یہاں بلایا ہے۔"

پبلو ماسٹر نے کہا "آپ مانیں یا نہ مانیں، آپ دونوں کے ہاتھ کی لکیریں یہ کہہ رہی ہیں کہ آپ میں سے کوئی پراسرار علم نہیں جانتا ہے۔ اس لیے آپ یہ غلط سوچ رہے ہیں کہ مقدر حیات در پردہ پراسرار علوم میں مہارت رکھتا ہے۔"

"میں تمہارے علم نجوم سے انکار نہیں کروں گا لیکن تم بھی یہ مان لو کہ وہ ضرور پراسرار علم جانتا ہے۔ تم نے دیکھا تھا کہ میرا ایک آدمی اسے ہلاک کرنے گیا تھا۔ اس سے پہلے ہی اسے معلوم ہوگیا کہ اس پر حملہ کیا جانے والا ہے اس لیے وہ حملہ کرنے والا ناکام رہا اور وہ کم بخت تمہارے کمرے سے زندہ سلامت واپس چلا گیا۔"

دردانہ نے پبلو ماسٹر کے پاس آکر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "آپ شہباز سے بے شک بحث کرتے رہیں لیکن میرا ہاتھ بھی تو دیکھیں۔"

اس نے اپنی ہتھیلی اس کے آگے پھیلا دی۔ وہ اسے توجہ سے پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا "آپ کی زندگی میں جگنو چمک رہے ہیں۔"

دردانہ نے پوچھا "اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"یہی کہ آپ کی زندگی میں جو بھی خوشیاں اور کامیابیاں آتی ہیں، وہ جگنو کی طرح ہوتی ہیں۔ چمکتی ہیں اور بجھ جاتی ہیں۔ مثلاً آپ کو ابھی کوئی خوشی مل رہی ہے تو وہ تھوڑی دیر بعد جگنو کی طرح بجھ جائے گی۔ کوئی کامیابی حاصل ہو رہی اس کے بعد آپ کو ناکامی کی بھی خبر ملے گی۔"

"میں آپ کی یہ بات کیسے مان لوں جبکہ مجھے خوشیاں مل رہی ہیں، کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں؟"

"نہ مانیں۔ میں تو وہی کہوں گا جو آپ کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ درانی نے آگے بڑھ کر فون کے پاس آکر ریسیور اٹھا اسے کان سے لگا کر کہا "ہاں۔ میں بول رہا ہوں۔"

وہ دوسری طرف کی باتیں سن رہا تھا۔ دردانہ اسے رہی تھی۔ اس کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہو رہی تھی گرج کر بولا "کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم نے کن لوگوں کو پوائنٹ پر رکھا تھا؟ کیا وہ باپ بیٹے تھے؟"

اس نے دوسری طرف کی بات سنی پھر پوچھا "وہاں باپ بیٹے نہیں تھے۔ صرف ایک جوان کار ڈرائیو تھا؟ تم لوگوں نے کس کار پر حملہ کیا تھا؟ گاڑی کا نمبر بتاؤ۔"

اس نے دوسری طرف کی بات سنی پھر دہاڑتے ہو۔ "کتے کے بچے۔ تمہیں یہ نمبر نہیں بتایا گیا تھا۔ فلک آفتا کار کا نمبر کے ایچ۔ زیرو سیون ون سیون ہے اور تم رہے ہو کے ایچ ون سیون ون۔ کیا صبح کے وقت شراب واردات کرتے ہو؟ یو ایڈیٹ میں تم سے بعد میں لوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ دردانہ پریشان ہو کر پوچھا "کیا ہوا؟"

"تم ابھی خوش ہو رہی تھیں کہ تمہارے دو کروڑ واپس آنے والے ہیں لیکن وہ گدھے کسی دوسری کار میں گئے تھے۔ وہاں انہوں نے گن پوائنٹ پر رقم نکلوا۔ کوشش کی تو کار والے کے پاس سے صرف دس ہزار ر نکلے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "ابھی تھوڑی دیر پہلے تو خود آفتاب نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے دو کروڑ روپے گن پوا پر چھین لیے گئے ہیں۔"

شہباز درانی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ وہ سوچ گیا پھر بولا "تعجب ہے۔ اگر ہمارے آدمیوں نے ایسا نہ ہے تو پھر وہ کون لوگ ہیں جو ان باپ بیٹے سے رقم چھ لے گئے؟"

دردانہ نے پریشان ہو کر اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ پبلو ماسٹر کو دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولا "میں آپ کے معاملات

لیکن میری بات درست ہو رہی ہے کہ آپ کو جو خوشی ل ہوئی تھی وہ عارضی ثابت ہوئی۔ جگنو کی طرح چمک کر ئی۔"

کچھ دیر پہلے وہ خوشی سے جھوم رہی تھی۔ قہقہے لگا رہی تھی۔ مایوس ہو کر شہباز درانی کو دیکھنے لگی۔ شہباز نے کہا "پبلو ٹھیک ہے۔ تمہاری یہ بات درست ثابت ہو رہی ہے ن ایک ناکامی سے کچھ نہیں ہوتا۔ میری دردانہ میری پناہ رہتی ہے۔ اسے مزید خوشیاں حاصل ہوں گی اور اس پر ی کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

پبلو ماسٹر نے بڑے ہی مستحکم لہجے میں کہا "آئے گی۔"

ان دونوں نے اسے چونک کر دیکھا پھر شہباز درانی نے چھا "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ بولا "میں ابھی میڈم کا ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ یہ کہنا نہیں ہتا تھا لیکن آپ کو خوش فہمی میں مبتلا رہنے نہیں دوں گا۔ آپ ہاتھ یہ ضرور کہتا ہے کہ آپ کو بہت تحفظ حاصل ہے۔ آپ پر صیبتیں آتے آتے رہ جاتی ہیں لیکن یہ ہمیشہ نہیں ہوگا۔ ایک ہت ہی زبردست دشمن آپ کے تعاقب میں ہے۔ آپ کو جلد ا کوئی نقصان پہنچنے والا ہے۔"

شہباز نے کہا "ماسٹر! تم دردانہ کو ڈرانے والی باتیں کر رہے ہو۔"

"جو سچ ہے وہ کہہ رہا ہوں۔ یہ ہفتہ میڈم کے لیے بھاری ہے۔ سات دنوں کے اندر کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا ہے۔"

دردانہ گھبرا گئی۔ وہ اٹھ کر چلتی ہوئی شہباز کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ شہباز نے اسے ایک بازو میں لے کر تھپکتے ہوئے کہا۔ "ڈونٹ وری۔ تم اس ہفتے کوٹھی سے باہر نہیں نکلو گی۔"

پبلو ماسٹر نے کہا "مسٹر درانی! گھر ہو یا باہر، آسمان ہو یا زمین، انسان کہیں بھی چلا جائے' وہاں مقدر اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ موت اور مقدر کہیں بھی اپنے حصے کی بازی کھیلنے پہنچ جاتے ہیں۔"

شہباز نے ناگواری سے پوچھا "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ دردانہ کو موت بھی آسکتی ہے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔ ان کی زندگی کو فوری خطرہ نہیں۔ میں تو صرف یہ سمجھا رہا ہوں کہ آپ انہیں گھر کے اندر بند کر دیں یا کسی تہ خانے میں چھپا دیں جو مصیبت آنے والی ہے وہ ضرور آئے گی۔"

وہ جھنجلا کر بولا "کچھ معلوم تو ہو کیسی مصیبت آنے والی ہے؟ کب آنے والی ہے؟ کیا تم وضاحت سے نہیں بتا سکتے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "میرا علم اتنا ہی ہے۔ ہاتھ کی لکیریں جتنا کہہ رہی ہیں اتنا ہی بتا رہا ہوں۔ اس سے زیادہ بتانے کے قابل نہیں ہوں۔"

وہ دردانہ کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے پریشان ہو کر بولا۔ "میں نے خواہ مخواہ تمہیں دردانہ کا ہاتھ دیکھنے کے لیے کہہ دیا۔ تمہیں یہاں نہ بلاتا تو اچھا ہوتا۔"

وہ بولا "یہی تو ہاتھ کی لکیروں اور مقدر کی باتیں ہیں۔ مجھے یہاں نہ بلانے کی بات کر رہے ہیں لیکن مقدر چاہتا تھا کہ میں یہاں آؤں۔ اس لیے آپ نے بلایا ہے۔ آپ نے ابھی کہا ہے کہ کسی وچ ڈاکٹر ژنگو رارا کو یہاں بلایا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ یہاں آجائے۔ مقدر کی مرضی ہوگی تو آپ کی اس سے ملاقات ہوگی۔"

وہ پبلو ماسٹر کی باتوں سے الجھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا وہ وچ ڈاکٹر نہیں آئے گا؟"

"جب آپ نے بلایا ہے تو وہ ضرور آئے گا۔ میں تو مقدر کی بات سمجھا رہا ہوں کہ وہ آنے والوں کو روک دیتا ہے اور رکنے والوں کو آگے بڑھا دیتا ہے۔"

پتا نہیں کیا ہونے والا تھا؟ شہباز درانی کو اس کا انتظار تھا۔ وہی اسے میری پُراسراریت کے بارے میں کچھ بتا سکتا تھا۔ پھر وہی سوال پیدا ہوتا تھا' کیا وہ آجائے گا؟ کیا میرے بارے میں کچھ بتا پائے گا؟

☆☆☆

ذیشان کی گرفتاری نے بچھو بابا کے دماغ میں گرمی پیدا کر دی تھی۔ وہ ذیشان کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سی' آئی' اے والے اتنے بڑے افسر کو گرفتار کر کے لے جائیں گے۔ وہ اس کی گرفتاری پر اپنی توہین محسوس کر رہا تھا۔

اسے اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا کہ وہ اپنے باس کو قانون کی گرفت میں جانے سے نہ روک سکا۔ وہ غصے کے باوجود موقع اور مصلحت کو سمجھ رہا تھا۔ پھر ذیشان نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے ایک ہفتے تک سلاخوں کے پیچھے رہے گا۔ لہٰذا اس کی عدم موجودگی میں مقدر حیات کے احکامات کی تعمیل کرے۔

پہلے تو اس نے ذیشان کے احکامات کی تعمیل کی۔ اس نے کہا تھا کہ اسد عزیزی کے زخموں کو بھرنا نہیں چاہیے۔ ان زخموں کو ناسور بناتے رہو۔ اس نے ایسا کرنے میں دیر نہیں

کی۔ رات ایک بجے ہاسپٹل میں پہنچا۔ آدھی رات کے بعد وہاں سناٹا اور ویرانی تھی۔ وارڈ بوائز اپنے اپنے کمروں میں جاکر سو گئے تھے۔ صرف ایک نرس مریضوں کے وارڈز کے درمیان بنے ہوئے ایک چھوٹے سے کمرے میں جاگ رہی تھی۔

بچھو بابا نے نوٹوں کی گڈیوں کے ساتھ ایک سائلنسر لگا ہوا ریوالور بریف کیس میں رکھا پھر اس بریف کیس کے ساتھ نرس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ نرس نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولا "تم مجھے نہیں جانتیں' لیکن میں تمہیں جانتا ہوں۔ تمہارا نام ماریہ ہے۔ تم بہت برے حالات سے گزر رہی ہو۔ میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔ کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

"بیٹھ جاؤ۔ تم یہ کیسے جانتے ہو کہ میں برے حالات سے گزر رہی ہوں؟"

وہ بیٹھتے ہوئے بولا "ہمارا پیشہ ایسا ہے کہ ہمیں اپنے ضرورت کے لوگوں کے بارے میں اہم معلومات حاصل کرنی پڑتی ہے۔"

وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر بولی۔ "میرے برے حالات کیا ہیں؟ کیا تم بتا سکتے ہو؟"

"تمہارا شوہر تمہیں طلاق دے کر کسی دوسری عورت کے ساتھ رہنے لگا ہے۔ تم اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لیے دن رات محنت کرتی رہی ہو۔ اسپتال سے جو تنخواہ ملتی ہے اس میں تمہارا گزارا نہیں ہوتا اس لیے تم اس اسپتال سے دوائیں چوری کرکے باہر فروخت کر دیتی ہو۔ ناجائز حمل گرانے کے سلسلے میں اچھی خاصی رقم وصول کرتی رہتی ہو۔"

وہ غصے سے بولی "تم بکواس کر رہے ہو۔ سراسر الزام لگا رہے ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ' ورنہ میں وارڈ بوائز کو بلاؤں گی وہ تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکال دیں گے۔"

اس نے بریف کیس کھول کر ریوالور دکھاتے ہوئے کہا "اس میں سائلنسر لگا ہوا ہے۔ آواز نہیں ہوگی۔ کسی کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

وہ ریوالور دیکھتے ہی سہم گئی۔ ہونٹوں کو سختی سے بند کر لیا۔

بچھو بابا نے کہا "میرے سامنے شریف اور پارسا نہ بنو۔ تمہاری طرح میں بھی الٹے سیدھے دھندے کرتا ہوں۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ میری بات مان لو گی تو ابھی اسی وقت تمہیں ایک لاکھ روپے ملیں گے۔"

ماریہ نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کھلے ہوئے بریف کیس کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے بولا۔

"دیکھو، یہ پورے ایک لاکھ روپے ہیں۔"

بریف کیس میں نوٹوں کی گڈیاں پڑی ہوئی تھیں حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان نوٹوں کو دیکھنے لگی۔ بچھو نے کہا "تم نے ملک سے باہر بھیجنے والے ایک ایجنٹ بات کی ہے کہ وہ تمہارے بیٹے کو لندن پہنچا کر وہاں ملاز دلا دے۔ ملازمت بالکل پکی ہے۔ کسی طرح کے دھو احتمال نہیں ہے لیکن بیٹے کو باہر بھیجنے کے لیے تمہیں ایک روپے کی ضرورت ہے اور وہ یہاں تمہارے سامنے ہوئے ہیں۔ میں یہ رقم تمہارے لیے لایا ہوں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میں سمجھ گئی۔ اتنی رقم کے بدلے تم مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہو۔"

"تم نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ اس لیے کچھ سے پہلے ہی سمجھ گئی ہو۔ یہاں اسپیشل وارڈ کے کمرا نمبر دو ایک زخمی ہے۔ اس کا نام اسد عزیزی ہے۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی "اس کے گھٹنے کی ہڈی گئی تھی۔ آپریشن کے ذریعے جوڑی گئی ہے۔ پسلی کی ایک ہوئی ہڈی کو بھی جوڑا گیا ہے۔ وہ بری طرح زخمی ہو کر یہا تھا۔"

"میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ اس زخم بھرنے نہ پائیں بلکہ ناسور بن جائیں۔ تم اس سلسلے م کر سکتی ہو؟"

وہ تھوڑی دیر تک اسے سوچتی ہوئی نظروں سے د رہی پھر بولی "اگر یہ رقم ابھی مجھے دے کر جا رہے ہو تو تمہارا کام ہو جائے گا۔"

"مجھے سمجھاؤ کام کیسے ہوگا؟"

"میں اسے انجکٹ کرنے والی دوائیں تبدیل کر ہوں۔ انجکشن دینے والی دواؤں کی شیشیاں وہی رہیں لیبل بھی وہی رہیں گے لیکن ان کے اندر کی دوائیں تبدیل جائیں گی اور وہ دوائیں مضر رساں ہوں گی جو رفتہ رفتہ اس زخموں کو ناسور بناتی رہیں گی۔"

"اس کے منفی نتائج کب ظاہر ہوں گے؟"

"چند گھنٹوں بعد ظاہر ہونے لگیں گے۔ ڈاکٹر دوا تبدیل کریں گے۔ دوسرے انجکشن کی شیشیاں جائیں گی۔ میں ان شیشیوں میں بھی دوائیں تبدیل کر کروں گی۔"

وہ مسکرا کر بولا "تم بہت کام کی عورت ہو۔ آئندہ میں تم سے کام لیا کروں گا۔"

وہ بریف کیس بند کر کے اسے دیتے ہوئے بولا "

خاطر خواہ نتائج ظاہر ہوتے رہے تو سمجھو تمہیں پچاس ہزار روپے اور ملیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولی "پھر تو میں ساری زندگی تمہاری کنیز بن کر رہوں گی۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا۔ "میری دوستی تمہیں فائدہ پہنچائے گی۔ دشمنی مہنگی پڑے گی۔"

اس نے ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے بیٹے کو سات سمندر پار بھیجنے میں مدد کر رہا ہوں' دشمنی کی تو اسے سات سمندروں میں ڈبو بھی سکتا ہوں۔"

وہ ریوالور کو لباس میں چھپاتا ہوا وہاں سے چلا آیا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ کی لکیروں پر چل رہا تھا۔ اگرچہ وہ ذیشان کے احکامات کی تعمیل کر رہا تھا لیکن حقیقتاً وہ اپنے ہاتھ کی لکیروں کی مطابق عمل کرتا جا رہا تھا۔

دوسری صبح اس نے فلک آفتاب کو لوٹنے کے لیے اپنے ماتحتوں کو استعمال کیا۔ دن کے دس بجے تک اس کے ماتحتوں نے اس کے پاس دو کروڑ روپے پہنچا دیے۔ میں نے فون پر اسے مخاطب کیا "ہیلو بچھو بابا! میں مقدر حیات بول رہا ہوں۔"

وہ بولا "یس سر! میں اپنے باس کے حکم کے مطابق آج سے آپ کا تابعدار ہوں۔ آپ حکم دیں مجھے کیا کرنا ہے؟"

"فی الحال تو رپورٹ دو کہ بھائی جان کی گرفتاری کے بعد اب تک کیا کرتے رہے ہو؟"

وہ رپورٹ پیش کرنے لگا کہ اس نے کس طرح اسپتال کی ایک مجرمانہ ذہن رکھنے والی نرس کو ٹریپ کیا ہے اور اس کے ذریعے کس طرح اسد عزیزی کو ہمیشہ بیمار بنائے رکھے گا۔ اس کے زخم ناسور بن کر اس انتہا کو پہنچ جائیں گے کہ وہ اپنی آخری عمر تک اپاہج بنا رہے گا۔

میں نے کہا "بھائی جان ایک پولیس افسر ہیں۔ ان کی تنخواہ اتنی نہیں ہے کہ وہ لاکھوں روپے خرچ کرتے رہیں اور اپنے آلہ کاروں اور ماتحتوں کو بڑی بڑی رقمیں ادا کرتے رہیں۔ تم نے نرس ماریہ کو ایک لاکھ روپے دیئے۔ یہ رقم تمہارے پاس کہاں سے آئی؟"

"سر! میں بھی کوئی خاندانی رئیس نہیں ہوں۔ باس کے حکم سے مجرمانہ ذہن رکھنے والوں کو ٹریپ کرتا ہوں اور ان سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتا ہوں۔ شہباز درانی نے آپ کی اصلیت اور کمزوریاں معلوم کرنے کے لیے ایک پبلو ماسٹر کو یہاں بلایا تھا۔ میں نے اس نجومی پبلو ماسٹر سے دس لاکھ روپے وصول کیے۔ ان ہی میں سے ایک لاکھ روپے میں نے نرس ماریہ کو دیے ہیں۔"

میں نے پوچھا "ان باپ بیٹے سے چھینی ہوئی رقم کہاں ہے؟"

"میرے پاس امانت کے طور پر ہے۔ آپ جہاں حکم دیں گے وہاں پہنچا دوں گا۔"

"نہیں۔ وہ رقم تم اپنے اکاؤنٹ میں رکھو۔ جب بھائی جان واپس آئیں تو انہیں دے دینا۔"

"سر! میں ان گواہوں کو ٹھکانے لگانا چاہتا ہوں جنہیں باس کے خلاف عدالت میں استعمال کیا جانے والا ہے۔"

"میں خون خرابے کی اجازت نہیں دوں گا۔ تم میری لائن آف ایکشن پر چلو گے۔ شہباز درانی اور دردانہ کو کمزور سے کمزور تر بناتے جاؤ گے۔ ہم انہیں بھی قانونی شکنجے میں لے لیں گے۔"

"شہباز درانی بڑے بڑے سیاسی جرائم کا مرتکب ہوتا رہتا ہے لیکن ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت کوئی گواہ نہیں ہے۔"

"بے شک شہباز درانی کی پشت پر اتنی بڑی طاقت ہے کہ وہ پاکستانی قوانین کی گرفت میں نہیں آتا لیکن میں اسے گرفت میں لاؤں گا۔ فی الحال ہمیں دردانہ کے خلاف محاذ آرائی کرنی ہے۔ کیا تم یہاں کے ایک سیاست دان جان محمد گبول کو جانتے ہو؟"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"پچھلے دنوں اس کے ہاں ایک بڑی ڈکیتی ہوئی۔ دو کروڑ روپے کے ہیرے چرا لیے گئے اور کچھ ایسی دستاویزات بھی چرائی گئیں' جن کے ذریعے جان محمد کی ذاتی اور سیاسی زندگی کے بہت سے شرمناک اور مجرمانہ راز ظاہر ہو سکتے ہیں۔"

میں نے اسے بتایا کہ شہباز درانی جان محمد گبول کی یہ ساری کمزوریاں اپنے ہاتھ میں رکھ کر اسے اپنے اشاروں پر نچانا چاہتا تھا۔ جان محمد ہر الیکشن میں کامیاب ہو کر قومی اسمبلی میں پہنچتا تھا اور وہاں سے کسی نہ کسی شعبہ کی وزارت ضرور حاصل کرتا تھا۔ شہباز اپنے مقاصد کے لیے اسے اسمبلی میں کٹھ پتلی بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔

بچھو بابا نے پوچھا "سر! وہ ہیرے اور دستاویزات کہاں ہیں؟"

"دستاویزات میرے پاس ہیں اور ہیرے دردانہ کے پاس۔"

"اب آپ کیا چاہیں گے؟"

"میں نے ان دستاویزات کو شہباز تک پہنچنے نہیں دیا۔

اب وہ جان محمد گبول کو نہ بلیک میل کر سکے گا' نہ اسے کٹھ پتلی بنا سکے گا۔ وہ اپنی اس ناکامی کے باعث اپنے امریکی آقاؤں کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ اس طرح میں اسے کمزور بناتا جا رہا ہوں۔"

"میں سمجھ گیا۔ آپ شہباز درانی سے نمٹ رہے ہیں۔ مجھے دردانہ سے نمٹنا ہوگا۔"

"ہاں۔ میں چاہتا ہوں تم ایک پراسرار اجنبی بن کر گبول سے فون پر باتیں کرو۔ اسے بتاؤ کہ اس کے دستاویزات تمہارے پاس محفوظ ہیں۔ شہباز درانی بلیک میل نہیں کر سکے گا۔" میں اسے سمجھانے لگا کہ آئندہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ میری تمام باتیں سننے کے بعد بولا "یس سر! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ اب کچھ عینی کا ذکر ہونا چاہیے کہ اس پر کیا گزر رہی ہے؟

☆☆☆

عینی کو خود پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں گم ہو گئی تھی؟ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ اپنے وجود سے غافل کہیں پڑی ہوئی تھی۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے انسان سانس لیتے ہوئے مردہ ہو جاتا ہے اور مردہ ہو کر بھی زندہ رہتا ہے۔ زندگی اور موت کے درمیان وہ کچھ وقت کہاں گزارتا ہے اسے خبر نہیں ہوتی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے..... ساری دنیا بجھ گئی تھی، گم ہو گئی تھی پھر بھی وہ دنیا والوں کو چھو کر اور ان کی آوازیں سن کر یہ سمجھ سکتی تھی کہ اسی دنیا میں موجود ہے لیکن بے ہوشی کی حالت میں نہ کسی چیز کو چھو سکتی تھی نہ کسی کی آواز سن سکتی تھی۔

پھر اس کے حواس آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگے۔ اس کی سماعت جاگنے لگی۔ کانوں میں دھیمی دھیمی سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

آنکھیں کھولنے سے کیا ہوتا ہے؟ اسے تو کچھ دکھائی نہیں دے سکتا تھا اور نہ ہی اس وقت کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی "مجھے کچھ دکھائی کیوں نہیں دے رہا ہے؟ میں آنکھیں کھول کر دیکھ رہی ہوں۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ کیا رات ہو چکی ہے اور میں نے لائٹ نہیں جلائی ہے؟

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات تیسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں

سرگزشت میں شائع ہونے والا سلسلہ
مقدر
3
محی الدین نواب

مقدر

انسان کے روز و شب پر مقدر کی آہنی گرفت کا دلچسپ تماشا

اس کتاب میں نواب صاحب نے معاشرے کی زہریلی کہانیوں کو بیان کرنے کے لئے ایک نیا اسلوب، نیا ڈھنگ اپنایا ہے کہ یہ کہانیاں کسی انسان کی زبانی بیان نہ کی جائیں بلکہ ان کا راوی اس بازی گر کو بنایا جائے جسے مقدر کہا جاتا ہے جو انسان کی توقع کے خلاف، اس کی سوچ کے برعکس بازی پلٹنے کا ماہر ہے۔ زیر نظر کہانی کے کردار بظاہر افسانوی ہیں لیکن درحقیقت ان کا تعلق اسی معاشرے سے ہے اور یہ اسی معاشرے کی کہانی ہے۔

پھر جلد ہی اسے یاد آیا کہ وہ اپنی بینائی کھو چکی ہے۔ اس کے لیے دن اور رات برابر ہو چکے ہیں۔ وہ ہر رات عروج کے ساتھ سوتی تھی۔ اس نے آواز دی ''عروج! تم کہاں ہو؟ جواب میں خاموشی رہی۔ اس نے ذرا اونچی آواز میں پکارا ''عروج! کیا تم واش روم میں ہو؟''

پھر بھی جواب نہ ملا۔ وہ جب واش روم میں جاتی تھی تو دروازے کو کھلا رکھتی تھی تاکہ عینی کی باتوں کا جواب دے سکے۔ اس وقت عینی کو کہیں سے جواب نہیں مل رہا تھا۔

وہ بیڈ کی چادر پر دونوں ہاتھ پھیر رہی تھی۔ تب اسے پتا چلا کہ وہ اس کا اپنا بیڈ نہیں ہے۔ وہاں پھولوں کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اس نے دونوں مٹھیوں میں پتیاں لے کر انہیں محسوس کیا۔ سانسوں کے قریب لا کر سونگھا تو وہ گلاب کی تازہ پتیاں تھیں۔

وہ پریشان ہو کر بستر کو ٹٹولنے لگی۔ سرہانے والے حصے کو چھو کر دیکھا تو پتا چلا کہ یہ اس کا بیڈ نہیں ہے۔ وہ کسی دوسرے کے بستر پر پہنچی ہوئی ہے۔ پریشانی اور خوف سے دل دھڑکنے لگا۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگی۔ تب اسے یاد آنے لگا کہ وہ تو عروج کے ساتھ کار میں تھی۔ عروج اس کی دوا لینے ایک ہاسپٹل کے اندر گئی تھی۔ اسی وقت اس نے پاشا کی آواز سنی تھی اور دروازہ کھول کر کار سے نکل آئی تھی۔

اسے یاد آرہا تھا کہ پاشا کی آواز سنتے ہی وہ کیسی پاگل سی ہو گئی تھی۔ اس آواز کے پیچھے بے اختیار چلی جارہی تھی۔ ٹھوکریں کھا رہی تھی، سنبھل رہی تھی۔ آخر وہ ایک گاڑی کے کھلے دروازے سے ٹکرا گئی تھی پھر کسی نے اسے دھکا دیا تو وہ گاڑی کے اندر پہنچ گئی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن کسی نے اس کے منہ پر کپڑا رکھ دیا۔ جس میں بے ہوشی کی دوا تھی۔ وہ دوسرے ہی لمحے میں اپنے ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئی۔

یہ باتیں یاد آتے ہی پریشانی بڑھ گئی۔ خوف طاری ہونے لگا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔ مگر کس نے کیا ہے؟

وہ رونے کے انداز میں سوچنے لگی ''میں تو اپنے پاشا کی آواز کے پیچھے جارہی تھی۔ کیا پاشا میرے آگے نہیں تھا؟ کیا اس نے مجھے اغوا ہوتے نہیں دیکھا تھا؟ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ وہ مجھ سے محبت کر رہا ہے یا مجھے تماشا بنا رہا ہے؟

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ اس تاریکی میں دردانہ کی آواز سنائی دی ''میری بیٹی کیوں رو رہی ہے؟''

عینی نے چونک کے اپنے چہرے پر سے دونوں ہاتھ ہٹائے پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے آواز سنائی دی ''میں یہاں ہوں۔ تم تاریکی میں ہو مگر

میں روشنی میں ہوں۔ یہ کمرا روشن ہے۔ تم ایک شہزادی کی طرح زندگی گزارتی آرہی ہو' اس لیے اس کمرے میں بھی تمہاری آسائش کی ہر چیز موجود ہے۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی "آپ دل جلا کر ٹھنڈک پہنچانے والی بات کررہی ہیں۔ یہ اب میں سمجھی کہ آپ نے مجھ سے یہ زیادتی کی ہے اور آپ کے غنڈے بدمعاش مجھے اٹھا کر یہاں لائے ہیں۔"

وہ قریب آتے ہوئے بولی "مجھے الزام نہ دو۔ تم خود ہی پاشا کی آواز کے پیچھے بھاگتی ہوئی یہاں تک آئی ہو۔"

"میں اپنے پاشا کے پیچھے بھاگتے بھاگتے گڑھے میں گر جاتی لیکن یہاں کبھی نہ آتی۔"

"چلو تم نہ آتیں میں تمہیں لے آئی۔ کیا کروں بیٹی؟ میں نے تمہیں پیار سے سمجھایا کہ میرے بیٹے جواد سے شادی کرلو۔ میری بہو بن جاؤ لیکن تم نے نہ صرف انکار کر دیا اور میری توہین کی۔ ایک ماں اس وقت اپنی توہین محسوس کرتی ہے' جب اس کے بیٹے کو مسترد کیا جاتا ہے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ آپ اپنے بیٹے کا رشتہ مانگنے کہیں جائیں اور وہاں سے انکار ہو جائے تو آپ اپنی توہین سمجھنے لگیں۔"

"میں ایسی ہی ماں ہوں۔ اپنے بیٹے کے لیے زمین کے اندر چھپے خزانے بھی ڈھونڈ کر لا سکتی ہوں۔"

"یہی غرور آپ کو کھا گیا۔ جس بیٹے پر ناز تھا وہ مارا گیا۔"

"تمہارا بھائی ذیشان بھی مارا جائے گا اور تم میری بہو بننے سے انکار کرو گی تو میں تمہاری بھی زندگی حرام کر دوں گی۔"

وہ جھنجلا کر بولی "آخر آپ مجھے اپنے کس بیٹے کی بہو بنانا چاہتی ہیں؟"

"میرے بیٹے کا نام ہے سلامت پاشا عرف پاشا جانی۔"

وہ گم صم سی ہو کر تاریک خلا میں تکنے لگی پھر اس نے پوچھا "کیا پاشا اپنی خوشی سے آپ کا بیٹا بن گیا ہے؟"

"کسی سے جبراً کوئی رشتہ جوڑا نہیں جاتا۔ پاشا راضی خوشی مجھے اپنی ماں تسلیم کرتا ہے۔ میں ابھی اسے یہاں بلاتی ہوں۔ تم اس سے جی بھر کے باتیں کر لینا۔ اس کی بارے میں، میرے بارے میں، اپنے بارے میں جو چاہو بات کر لینا۔"

"آپ اسے بلائیں میں پوچھنا چاہتی ہوں' وہ میرے ساتھ تماشا کیوں کر رہا ہے؟"

"وہ نہیں کر رہا ہے، تماشا میں کر رہی ہوں۔ آج تم اس کی آواز کے پیچھے دوڑتی ہوئی آئی ہو۔ دراصل اس وقت میں نے اس کی آواز ایک کیسٹ میں ریکارڈ کر لی ہے۔ میرا ایک آدمی تمہاری کار کے سامنے سے وہی کیسٹ سناتا ہوا گزرا تو تم نے یہی سمجھا کہ پاشا بولتا ہوا جا رہا ہے۔ لہٰذا تم اس کے پیچھے بھاگتی چلی آئیں۔"

"کیا وہ نہیں جانتا کہ مجھے کس طرح لایا گیا ہے؟"

"پہلے نہیں جانتا تھا۔ میں نے ابھی اسے بتایا ہے۔ وہ مجھ سے کچھ ناراض ہے۔ کہہ رہا تھا کسی شریف زادی کو اس طرح اغوا نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اگر وہ تمہیں چاہتا ہے، تم سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے میرے اشاروں پر چلنا ہوگا۔"

"کیا آپ نے اسے قیدی بنا کر رکھا ہوا ہے؟"

"نہیں۔ اب میں تمہیں سچ بتا دوں کہ اس کی یادداشت گم ہو چکی ہے۔ وہ پچھلی زندگی بھول گیا ہے۔ اپنے آپ کو بھی بھول گیا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے صرف اتنا ہی یاد دلایا کہ اس کا نام پاشا ہے۔ وہ عینی نام کی ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا اور یہ کہ میں اس کی سگی ماں ہوں اور اس کے باپ کا نام شہباز درانی ہے۔"

"میں اسے اس کی پچھلی زندگی یاد دلانے کی کوشش کروں گی۔"

"اگر تم ایسی حماقت کرو گی تو پچھتاؤ گی۔ پھر پاشا تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔"

عینی چپ رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کرنا چاہیے۔ دردانہ نے کہا "سوچو، اچھی طرح سوچ لو تمہیں اب کیا کرنا چاہیے۔ ذرا سی بھی حماقت کرو گی تو پاشا کو بھی ہمیشہ کے لیے کھو دو گی اور تم بھی یہاں سے کبھی باہر نہیں نکل سکو گی۔"

وہ رونے کے انداز میں بولی "آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ اس طرح خوا مخواہ مجھے اپنی بہو بنا کر آپ کیا حاصل کر لیں گی؟"

"میں تمہارے خاندان والوں کی ناک نیچی کروں گی۔ سب نے مجھے حقارت سے کہا تھا کہ تمہارے خاندان میں ایک سے بڑھ کر ایک نوجوان ہے۔ ان کے مقابلے میں جواد کو کبھی اس گھر کے داماد کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جائے گا۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولی "تمہارے خاندان والوں نے اپنی ضد پوری کر لی۔ تمہارے ذیشان بھائی نے میرے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا تا کہ تمہیں بہو بنانے کی میری

خواہش حسرت بن کر رہ جائے لیکن میں ہار ماننے والی نہیں ہوں۔ آج تمہیں اپنی بہو بنا کر رہوں گی۔"

عینی نے پریشان ہو کر پوچھا "آج؟"

"ہاں۔ یہاں پاشا کے ساتھ تمہارا نکاح پڑھانے کی تیاریاں ہو چکی ہیں۔ قاضی صاحب دوسرے کمرے میں موجود ہیں۔"

"میں صرف عروج اور اپنے بزرگوں کی موجودگی میں نکاح قبول کروں گی۔"

"بعد میں انہیں تمہارا نکاح نامہ دکھا دیا جائے گا۔ میں تم سے زیادہ بحث نہیں کروں گی۔ یاد رکھو اگر تم نے آج نکاح قبول نہیں کیا تو ابھی تمہارے سامنے پاشا کو گولی ماردی جائے گی۔"

عینی کے دماغ کو ایسا جھٹکا لگا جیسے پاشا کو واقعی گولی ماردی گئی ہو۔ تصور کی آنکھ سے تاریکی میں دردانہ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ طنزیہ انداز میں مسکرا رہی تھی اور کہہ رہی تھی "میں جا رہی ہوں اور ابھی پاشا کو یہاں بھیجتی ہوں۔ تم دونوں کو زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے تک باتیں کرنے کا موقع دوں گی۔ اس کے بعد پاشا نے آ کر کہہ دیا کہ تم نکاح کے لیے راضی ہو تو نکاح پڑھا دیا جائے گا۔ انکار کی صورت میں تم سمجھتی ہو کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔"

ایک ذرا توقف سے اس کی آواز سنائی دی "میں جا رہی ہوں اور ابھی پاشا کو بھیجتی ہوں۔"

وہ بولی "پلیز، ذرا رک جائیں۔ میری ایک بات مان لیں تو میں نکاح قبول کر لوں گی۔"

"بولو، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"آپ جانتی ہیں کہ میں عروج کے بغیر کوئی کام نہیں کرتی۔ بس میری ایک بات مان لیں۔ آپ صرف اسے یہاں بلائیں۔ میں اس کی موجودگی میں نکاح قبول کر لوں گی۔"

وہ بولی "سوری، تمہارا اپنا یہاں کوئی نہیں ہوگا۔ شادی کے بعد تم اپنے تمام رشتے داروں سے مل سکو گی۔"

اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ تیزی سے سوچ رہی تھی کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ اس نے اسے آواز دی "آپ موجود ہیں نا؟ عروج کو یہاں نہ بلائیں کم سے کم فون پر اس سے بات کرنے دیں۔"

وہ چپ ہو گئی۔ جواب سننا چاہتی تھی لیکن جواب نہیں ملا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ بدنصیبی کے اندھیرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔

پاشا جانی دوسرے کمرے میں ایک ایزی چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پچھلے تین دنوں سے بہت پریشان تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اجنبی ماحول میں ہے۔ یہ جو دردانہ بیگم اور شہباز درانی ہیں، اس کے ماں باپ نہیں ہیں۔ البم میں اس کے ساتھ چند تصاویر تھیں اور اس کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ڈائری تھی۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان کا بیٹا ہے' لیکن دل نہیں مان رہا تھا۔

یہ کہا جا سکتا تھا کہ اس کی دماغی کمزوری رفتہ رفتہ دور ہو رہی تھی۔ اس کی یادداشت دبے قدموں توانائی کی طرف گامزن تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے ایک بار عروج کو خواب میں دیکھا تھا۔ عروج اپنے اسپتال والے کوارٹر میں اس کے ساتھ تنہا تھی۔ اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی تھی تو عروج نے پریشان ہو کر کہا "پتا نہیں اتنی رات کو کون آیا ہے۔"

عروج نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو باہر پر ذیشان کھڑا ہوا تھا۔ پاشا نے اسے خواب میں دیکھا تو پہچان نہیں سکا۔ یادداشت نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ بس اتنی ہی بات سمجھ میں آئی کہ کوئی پولیس والا دروازے پر پہنچ گیا ہے۔

خواب وہیں تک نظر آیا تھا کہ آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ بے چینی سے سوچنے لگا تھا "کیا وہ خوبصورت سی لڑکی میری محبوبہ ہے؟"

اس کے دل نے کہا "بے شک، وہ میری محبت ہے میری جان ہے، تبھی تو میں نے اسے خواب میں دیکھا ہے۔ اور اس کے ساتھ میں تنہا وقت گزار رہا تھا ایسے میں کوئی پولیس والا آ گیا تھا۔ کیا ایسا میری پچھلی زندگی میں ہو چکا ہے؟"

اسے پچھلی زندگی یاد نہیں تھی۔ لیکن ایسا ہو چکا تھا۔ عروج اس کے دل کی گہرائیوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسی لیے اس نے خواب میں اسے دیکھا تھا۔ اس نے عینی کو نہیں دیکھا تھا۔ جو لاشعور میں چھپی ہوئی تھی' وہی خواب کی صورت میں سامنے آئی تھی۔

اس نے دوسری رات پھر عروج کو خواب میں دیکھا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا "میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم ہی سے شادی کروں گا۔ تم کیوں عینی سے شادی کرنے کی ضد کر رہی ہو؟"

عروج نے کہا "اگر تم مجھے دل و جان سے چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ میں تمہاری شریکِ حیات بن جاؤں تو پھر مجھ سے پہلے تمہیں عینی سے شادی کرنی ہوگی۔ میری یہ بات نہیں مانو گے تو میں تمہاری زندگی سے دور چلی جاؤں گی۔"

یہ کہتے ہی وہ پلٹ کر چلی گئی۔ اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ وہ ایک دم سے چونک کر، ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ آنکھیں کھلتے ہی خواب میں آنے والا حسین چہرہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تھا۔ اب وہ گہری سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا۔ اس خوبصورت سی اجنبی لڑکی سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ خواب میں وہ عینی کا ذکر کر رہی تھی اور اس سے بھی شادی کرنے کی ضد کر رہی تھی۔ عجیب محبوبہ تھی۔ اپنے اوپر سوکن لانا چاہتی تھی۔

دو بار اسے خوابوں میں دیکھنے کے بعد اس کا چہرہ ذہن میں نقش ہوگیا تھا۔ اب وہ جاگتی آنکھوں سے بھی اسے خیالوں میں دیکھنے لگا تھا۔ دردانہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ عینی کو اغوا کرکے یہاں لانا چاہتی ہے۔ وہ پاشا کے ذریعے اغوا کرنا چاہتی تھی۔ پاشا نے انکار کرتے ہوئے کہا ''نہیں ممی! یہ مناسب نہیں ہے۔ اگر وہ اندھی ہوگئی ہے تو میں اس کی مجبوری سے کھیلنا پسند نہیں کروں گا۔ اسے آوازیں دے کر اپنے پیچھے بلا کر یہاں نہیں لاؤں گا۔''

دردانہ نے کہا تھا ''ٹھیک ہے۔ تم ایسا نہ کرو لیکن میں اسے یہاں لے آؤں گی تو اس کے ساتھ نکاح سے تم انکار نہیں کروگے۔''

''آپ کیوں جبراً نکاح پڑھوانا چاہتی ہیں؟''

''میں تمہاری محبت تمہیں دینا چاہتی ہوں۔ وہ تمہاری محبوبہ ہے۔ تم خود اپنی لکھی ہوئی ڈائری میں پڑھ چکے ہو۔ جب اس سے شادی ہوجائے گی اور تم اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزاروگے تو تمہیں رفتہ رفتہ اس کے ساتھ گزاری ہوئی پچھلی زندگی بھی یاد آجائے گی۔''

وہ پریشان تھا۔ سوچ رہا تھا' اسے کیا کرنا چاہیے؟ ایک تو عینی کی طرف دل مائل نہیں تھا اور اسے نکاح قبول کرنے کے لیے کہا جارہا تھا پھر دوسری بات یہ ذہن میں آئی تھی کہ اگر اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر درست ہے تو پھر عینی اس کی محبوبہ رہ چکی ہے۔ وہ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارے گا تو اسے گزری ہوئی باتیں سچ مچ یاد آجائیں گی۔ شادی کے بعد عینی کے گھر جائے گا تو شاید اس خوبصورت حسینہ سے ملاقات ہو سکے گی جسے وہ خوابوں اور خیالوں میں دیکھتا آرہا ہے۔

وہ خیالات سے چونک گیا۔ دردانہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ مسکرا کر بولی ''اب تم جاسکتے ہو اور عینی سے مل سکتے ہو۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا ''کیا عینی مجھ سے نکاح کے لیے راضی ہے؟''

''اسے راضی ہونا پڑے گا۔ وہ تمہیں دل و جان سے چاہتی ہے۔ میں اس کی کمزوریوں کو سمجھتے ہوئے اسے دھمکی دے چکی ہوں کہ انکار کرے گی تو تمہیں گولی ماردی جائے گی۔''

اس نے چونک کر پوچھا ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

وہ قریب آکر اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''تم میرے بیٹے ہو۔ میں نے تمہیں جنم دیا ہے۔ میں تو تمہاری موت کا تصور بھی نہیں کرسکتی لیکن اس کی کمزوری سے کھیلنا ضروری تھا۔ اس لیے ایسی دھمکی دی تھی۔''

وہ آگے کی طرف جھک کر اس کی پیشانی کو چوم کر بولی۔

''تم بھی اس سے یہی کہوگے کو وہ تمہاری سلامتی کی خاطر راضی ہوجائے۔''

وہ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ دردانہ کی ممتا یہ یقین دلا رہی تھی کہ وہی اس کی ماں ہے اور اسی نے اسے جنم دیا ہے لیکن عروج کو بار بار خوابوں میں دیکھنے کے بعد وہ الجھتا جارہا تھا۔ اس کے دل میں یہ شبہات پیدا ہورہے تھے کہ اس کی زندگی کے بہت سے اہم رازوں اور واقعات کو اس سے چھپایا جارہا ہے۔

اس کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا کہ اس کی زندگی میں عینی کی نہیں' عروج کی اہمیت ہے۔ دردانہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا ''کس سوچ میں پڑ گئے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ''ممی! میرا دل عینی کی طرف مائل نہیں ہورہا ہے۔ اس سے شادی کرنا کیا ضروری ہے؟''

''بکواس مت کرو۔ تمہیں اپنی ماں کا حکم ماننا چاہیے۔ تم بہت کچھ بھول گئے ہو۔ یہ نہیں جانتے کہ اس خاندان میں تمہاری ماں کی کتنی توہین ہوچکی ہے۔ میں اس توہین کا بدلہ لوں گی۔ اسے اپنی بہو بنا کر رہوں گی۔ تم نے میرا دودھ پیا ہے' تم وہی کروگے جو میں کہوں گی۔ جاؤ وہ کمرے میں تنہا ہے۔ اس سے باتیں کرو۔ اس کی دلجوئی کرو۔ آدھے گھنٹے بعد نکاح پڑھایا جائے گا۔''

وہ اس کمرے میں آگیا جہاں عینی بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے آہٹ سن کر آواز کی سمت دیکھا۔ اس کی خالی خالی نظریں کہہ رہی تھیں کہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ اس نے دھیمی آواز میں پوچھا ''کون ہے؟''

پاشا اس کے قریب آتے ہوئے بولا '' میں ہوں، پاشا......''

وہ بالکل سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

''کیا واقعی تم میرے پاس آئے ہو یا پھر کیسٹ ریکارڈر کے ذریعے دھوکا دیا جارہا ہے؟''

اس نے کہا ''ایسی بات نہیں ہے۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔ تمہارے بالکل قریب ہوں۔''

عینی نے آواز کی سمت اپنا ہاتھ بڑھایا۔ پاشا نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کے ہاتھوں کا لمس پاتے ہی عینی نے ایک گہری سانس لی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ اپنی زندگی کی گھور تاریکیوں میں اس لمس کو اچھی طرح پہچان رہی تھی۔ اسے یاد آرہا تھا' جب پہلی بار اس نے پاشا کو اپنی کوٹھی کے احاطے سے رخصت کرتے ہوئے اس سے مصافحہ کیا تھا۔ وہ پہلا مصافحہ' ہاتھوں کا وہ لمس پھر لوٹ آیا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ کو تھام کر کہہ رہا تھا ''میں عارضی طور پر بچھڑ گیا تھا۔ اب پھر تمہارے پاس آگیا ہوں۔ مجھے پہچانو۔ مجھ پر شبہ نہ کرو۔''

اس کی آواز نے اور ہاتھوں کے لمس نے یقین دلایا کہ وہ اسے پاچکی ہے۔ وہ فوراً ہی بستر سے اتر کر کھڑی ہوگئی۔ اسے دونوں ہاتھوں سے چھونے لگی۔ اس کے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں میں لے کر بولی ''تم کہاں کھو گئے تھے؟ ہمیں کیوں بھول گئے تھے؟ کیا ہماری یاد نہیں آتی تھی؟ کیوں ہمیں دل سے نکال کر پھینک دیا تھا؟''

''میں تمہیں کیا بتاؤں کہ کن حالات سے گزر رہا ہوں۔''

''تم کیسے ہی حالات سے گزر رہے ہو مگر تمہارا دل تو دھڑک رہا ہے نا؟ اور دل کی ان دھڑکنوں میں کیا عروج نہیں ہے؟ تم تو اسے دل و جان سے چاہتے رہے ہو۔ کیا تم نے اسے بھی بھلا دیا ہے؟''

''عروج۔؟'' پاشا نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا ''کیا میری زندگی میں تمہارے علاوہ کوئی دوسری لڑکی بھی آئی تھی؟ کیا میں اسے دل و جان سے چاہتا رہا ہوں؟''

''یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم اپنی محبت کرنے والیوں کو بھلا بیٹھے ہو۔''

''مجھے غلط نہ سمجھو۔ میری یادداشت گم ہوچکی ہے۔ میں اپنی پچھلی زندگی بھول چکا ہوں۔''

عینی کو یاد آیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے دردانہ نے یہی کہا تھا کہ پاشا اپنی پچھلی زندگی بھول چکا ہے۔ اسے یہ سمجھایا گیا ہے کہ دردانہ اور شہباز درانی اس کے والدین ہیں اور وہ خود کو ان کا بیٹا سمجھنے لگا ہے۔

''اگر تم اپنی یادداشت کھو چکے ہو، سب کچھ بھول چکے ہو تو یہاں کس حیثیت سے رہتے ہو؟ کیا واقعی تم نے خود کو دردانہ بیگم کا بیٹا تسلیم کرلیا ہے؟''

''مجھے تسلیم کرنا چاہیے۔''

''نہیں' تم ان کے بیٹے نہیں ہو۔ تم ایک ٹیکسی ڈرائیور ہو۔ تمہارے والد کا نام شہباز درانی نہیں ہے۔ یہ لوگ تو بہت ہی امیر کبیر لوگ ہیں اور تم ایک غریب باپ کے بیٹے ہو۔ تمہارے والدین کا انتقال ہوچکا ہے۔''

''عینی! انہوں نے ٹھوس ثبوت فراہم کیے ہیں۔ میرے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریر بھی موجود ہے۔ میں اپنی تحریر پہچانتا ہوں۔ میری ممی کے پاس کئی البم ہیں' جن میں بچپن سے لے کر اب تک کی بہت ساری تصویریں ہیں۔ ممی اور ڈیڈی کے ساتھ جوانی کی تصویریں بھی ہیں۔ میرے شناختی کارڈ میں باپ کا نام شہباز درانی لکھا ہوا ہے۔''

''پاشا! تمہیں سمجھنا چاہیے کہ جعلی شناختی کارڈ آسانی سے تیار ہوجاتے ہیں اور مختلف انداز کی جعلی تصویریں بھی بنوائی جاتی ہیں۔''

''میں مانتا ہوں لیکن میرے ہاتھ کی جو ڈائری لکھی ہوئی ہے وہ تو غلط نہیں ہوسکتی۔ میں نے اس میں اپنی ممی اور ڈیڈی شہباز درانی کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور تمہارے بارے میں بھی لکھا ہے کہ میں تم سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔''

عینی سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دیکھ تو نہیں سکتی تھی مگر تاریکی میں اس کی طرف تک رہی تھی۔ اس نے پوچھا ''کیا تم نے اپنی اس ڈائری میں عروج کا ذکر کیا ہے؟''

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا ''نہیں۔ عروج کا ذکر ایک آدھ جگہ بس یوں ہی کیا ہے ورنہ اس ڈائری میں تم سے بھرپور محبت کا اظہار کرتا رہا ہوں۔''

''پھر تو وہ ڈائری بھی فراڈ ہے۔ پاشا! تم بھول رہے ہو کہ تم مجھ سے زیادہ عروج کو چاہتے ہو۔ تم نے اس کی محبت کی خاطر مجھے قبول کیا۔ اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ ہم دونوں سہیلیاں تمہاری شریکِ حیات بن کر رہنا چاہتی تھیں۔ تم یہ ساری باتیں بھول رہے ہو۔''

پاشا کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے خواب میں یہی دیکھا تھا۔ عروج اس سے کہہ رہی تھی کہ اسے عینی سے محبت کرنا چاہیے اور شادی بھی کرنا چاہیے۔ وہ عینی کو اپنی سوکن بنائے گی۔ وہ دونوں اس کی شریکِ حیات بن کر رہنا چاہتی تھیں اور یہ بات وہ پچھلے دن خواب میں بھی دیکھ چکا تھا۔

دیکھا جائے تو وہ خواب دراصل خواب نہیں تھا۔ اس کی یادداشت واپس آنا چاہتی تھی۔ اس لیے واپسی کا چور راستہ اختیار کر رہی تھی۔ اسے خوابوں اور خیالوں کے ذریعے اپنے

دل میں دھڑکنے والی عروج کی طرف لے جارہی تھی۔

اس وقت پاشا کا دل کہہ رہا تھا کہ عینی جس عروج کا ذکر کررہی ہے اسی کو وہ خوابوں میں دیکھتا آرہا ہے۔ اس نے کہا ''عینی! میرا دل کہتا ہے' تم سے شادی ہو جائے گی۔ ہم ازدواجی زندگی گزارنے لگیں گے۔ ہمیں یہاں سے باہر جانے کے مواقع ملتے رہیں گے اور میں تمہارے گھر جایا کروں گا تو مجھے بہت سی باتیں یاد آئیں گی پھر تم جس عروج کا ذکر کررہی ہو میں اسے دیکھوں گا تو شاید پہچان سکوں گا۔''

وہ بولی ''اگر دردانہ بیگم اور شہباز درانی تمہارے ماں باپ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان سے کہو کہ وہ تمہیں میرے ساتھ میرے گھر جانے دیں۔ وہاں تم عروج سے ملاقات کرو گے۔ ہم دونوں تمہیں بہت سی باتیں یاد دلائیں گی۔ اس طرح تمہیں اپنی پچھلی زندگی یاد آتی رہے گی۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا ''عینی! وہ چاہتی ہیں کہ پہلے ہماری شادی ہو جائے۔ ابھی یہاں نکاح پڑھایا جائے۔ ہم ازدواجی رشتہ میں منسلک ہو جائیں۔ اس کے بعد وہ ہمیں باہر جانے کی اجازت دیں گی۔''

''وہ ایسا کیوں چاہتی ہیں۔ یہ کیوں نہیں چاہتیں کہ اس شادی میں میرے اپنے رشتے دار اور بزرگ بھی شامل ہوں؟''

''وہ کہتی ہیں' تمہارے بزرگ کبھی تمہیں ان کی بہو نہیں بننے دیں گے۔ اس لیے پہلے وہ راز داری سے ہمارا نکاح پڑھوانا چاہتی ہیں۔ ہماری شادی کے بعد تمہارے خاندان والے اس رشتہ سے انکار نہیں کرسکیں گے اور مجھے اپنا داماد تسلیم کرلیں گے۔''

''پاشا! تم یہ بات بھول چکے ہو کہ میرے رشتہ دار میرے تمام بزرگ تمہیں داماد تسلیم کرچکے ہیں۔ ہماری شادی ہونے والی تھی لیکن عین شادی کے وقت تم پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ اس کے بعد تم اتنے عرصے تک غائب رہے۔ آج مل رہے ہو تو بالکل ہی بدل چکے ہو۔''

وہ پریشان ہو کر بولا ''میری اپنی زندگی مجھے الجھا رہی ہے۔ میں کسی سے کیا شکایت کروں کہ کون مجھے بھٹکا رہا ہے اور کون مجھے راہ پر لگانا چاہتا ہے؟ موجودہ مسئلے کا حل بس یہی ہے کہ ہم میاں بیوی کے رشتے میں منسلک ہو جائیں۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ ہمارا ازدواجی رشتہ قائم ہونے کے بعد وہ ہمیں یہاں سے جانے دیں گی۔ وہاں عروج سے ملنے کے بعد ہی مجھے پچھلی زندگی یاد آسکے گی۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''تم بھی یہی چاہتے ہو کہ ابھی ہمارا نکاح پڑھا دیا جائے؟ ذرا سوچو تو سہی' یہ کتنا عجیب اور نامناسب سا لگتا ہے کہ میرا یہاں اپنا کوئی نہیں ہے' کوئی بزرگ نہیں ہے۔ بھائی جان بھی نہیں ہیں۔ میری عروج بھی نہیں ہے اور مجھے اپنی زندگی کا اتنا اہم قدم اٹھانے کے لیے کہا جارہا ہے۔''

''بعض حالات میں انسان اسی طرح مجبور ہو جاتا ہے۔ تم یہ سوچو کہ ابھی مجبوری کی حالت میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے بعد ہم دونوں مجبور نہیں رہیں گے۔ تم کہہ رہی تھیں' ہماری شادی ہونے والی تھی لیکن نہ ہو سکی۔ آج ہو رہی ہے تو اسے قبول کرلو۔''

اسے قبول کرنا ہی تھا۔ نہ کرتی تو اپنی اندھیری دنیا میں کہاں جاتی؟ یہ یقین ہو گیا تھا کہ پاشا بھی مجبور ہے۔ اگرچہ اسے زنجیریں نہیں پہنائی گئی تھیں لیکن دردانہ اور شہباز اس کے ماں باپ بن کر اسے محبت کی زنجیریں پہنا کر قیدی بنائے ہوئے تھے اور اس کے گمشدہ ماضی سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔

عینی نے ایسے مشکل اور آزمائشی حالات دیکھ کر طے کیا کہ وہ شادی کرے گی اور اس کی شریکِ حیات بن کر اس کی پچھلی زندگی اسے یاد دلائے گی اور اسے دردانہ کے طلسم سے نکالے گی۔ لہٰذا اس نے نکاح قبول کرلیا۔

اس نے جو بھی کیا وہ تاریکی میں رہ کر کیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ نکاح کے وقت اس کے آس پاس کون کون ہے؟ دردانہ تہمینہ، شہباز درانی اور قاضی صاحب کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ قاضی صاحب نے نکاح قبول کرانے کے بعد اس کے ہاتھ میں قلم پکڑایا تھا پھر اس کا ہاتھ ایک جگہ رکھ کر کہا تھا۔ ''یہاں دستخط کردو۔''

اس سے کسی دستاویز یا کسی سادے کاغذ پر بھی دستخط کرایا جاسکتا تھا۔ وہ تو دیکھنے کے قابل نہیں تھی لیکن اسے پاشا پر اعتماد تھا کہ وہ سامنے بیٹھا ہوا ہے اور اسے نکاح نامے پر دستخط کرتے دیکھ رہا ہے۔ پھر پاشا کے نکاح قبول کرنے کی آواز... بھی سنائی دی۔ اس نے یہ بھی سنا کہ وہ نکاح نامے پر دستخط کررہا ہے۔ وہ صرف سنتی جارہی تھی۔ جہاں تک دیکھنے کا تعلق تھا' اس کا خدا دیکھ رہا تھا۔

دردانہ نے نکاح کے بعد عینی کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا ''آج میں نے تمہیں اپنی بہو بنا ہی لیا۔ تمہیں اپنی نئی زندگی مبارک ہو۔ اب ہم جارہے ہیں۔ تم اپنے دولھا کے ساتھ وقت گزارو۔''

وہ بولی ''میں گھر جانا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے' چلی جانا۔ ابھی تو تم اپنے دولھا کے ساتھ کچھ لمحات گزارو۔ ابھی سہ پہر کے تین بجے ہیں۔ شام کے چھ بجے تک تم پاشا کے ساتھ اپنے گھر جاسکو گی۔''

وہ وہاں سے چلی گئی۔ پاشا نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے' اس کے قریب آتے ہوئے کہا ''وہ جا چکے ہیں۔ ہم یہاں تنہا ہیں۔''

عینی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے ہاتھ کو تھام لیا۔ وہ بولی ''دردانہ ممی نے کہا ہے' ہم تین گھنٹے بعد یہاں سے جاسکتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا' انہوں نے ہمیں تین گھنٹے تک یہاں کیوں روک رکھا ہے؟''

''ان کی ایک شرط ہے۔''

عینی نے سوالیہ نشان کی طرح سر اٹھایا۔ وہ بولا ''وہ کہتی ہیں جب تک ہمارے درمیان میاں بیوی کے تعلقات قائم نہیں ہوں گے' وہ ہمیں یہاں سے نہیں جانے دیں گی۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''وہ ایسا کیوں چاہتی ہیں؟''

''ان کے نقطۂ نظر سے سمجھو۔ وہ یقین کرنا چاہتی ہیں کہ ہم واقعی میاں بیوی بن چکے ہیں۔ انہوں نے تمہیں اپنی بہو بنا لیا ہے اور تم یہ رشتہ کبھی توڑ نہیں پاؤ گی۔''

وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور اسے بازوؤں میں لے کر بولا ''اب ہم ایک مضبوط رشتے میں بندھ چکے ہیں۔ آؤ اس رشتے کو اور مضبوط کرلیں۔''

دردانہ اپنے بیڈروم میں بیٹھی بڑے سے اسکرین پر عینی اور پاشا کو دیکھ رہی تھی۔ عینی اپنے دولہے کی آغوش میں تھی اور دردانہ شہباز کے بازوؤں میں سمائی ہوئی کہہ رہی تھی ''مجھے پاشا پر شبہ ہے۔''

شہباز درانی نے پوچھا ''کیسا شبہ؟''

''یہی کہ شاید اس کی یادداشت واپس آرہی ہے۔''

وہ بولا ''میں نے یہاں بیٹھ کر عینی اور اس کی باتیں سنی ہیں۔ اس کی باتوں سے ایسا لگتا ہے جیسے وہ اپنے ماضی کی طرف لوٹ رہا ہے۔ کچھ یاد کررہا ہے۔ ویسے یہ کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ آج رات ڈاکٹر پھر اسے انجکشن لگائے گا پھر اس کا ذہن کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ تم فکر نہ کرو۔''

''آج میرا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ آج میں عینی کے خاندان میں ایسا دھماکا کروں گی کہ سب ہی کے سر جھک جائیں گے پھر کبھی کوئی میرے سامنے سر نہیں اٹھا سکے گا۔''

شہباز نے کہا ''آج کے بعد پاشا بھی ہمارے لیے غیر ضروری ہو جائے گا لیکن ابھی کچھ عرصے تک ہمیں اسے اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ عینی اور اس کے خاندان والوں کے معاملات میں پھر اسے مہرہ بنانے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔''

وہ بڑے سے اسکرین کی طرف دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی ''دیکھو شہباز! میں اسے کس طرح بے حیا بنا رہی ہوں۔ اس نے میری بہو بننے سے انکار کیا تھا۔ میرے بیٹے کو دھتکارا تھا۔ اس کی وجہ سے میرا جوان بیٹا مارا گیا اور اسے مارنے والا اسی کا ایس' پی' بھائی ہے۔ اس ایس' پی' کو تو آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا۔ اب یہ رہ گئی ہے۔ آج کے بعد یہ بدچلن لڑکی کہلائے گی۔ جہاں جائے گی اس کے ساتھ ساتھ بدنامی اور رسوائی بھی چلتی رہے گی۔''

☆☆☆

عروج اسے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ اس نے فلک ناز، فلک آفتاب اور بیگم آفتاب سب ہی کو اس کی گمشدگی کے بارے میں بتایا تھا۔ فلک ناز پریشان ہو گئی تھی۔ فلک آفتاب اور بیگم آفتاب نے بھی یوں ہی پریشانی ظاہر کی تھی۔ ان پر جو مصیبت آئی تھی اس کے پیشِ نظر وہ عینی کی گمشدگی کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ دو کروڑ ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ وہ اپنے بیڈروم میں بیٹھے ہائے ہائے کررہے تھے۔ عروج نے ذیشان تک یہ خبر پہنچانے کی کوششیں کیں لیکن ناکام رہی۔ سی' آئی' اے کے افسر باقر مہدی نے اسے ملنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

عروج نے کہا ''ایسے وقت مقدر بھائی ہمارے لیے کچھ کرسکتے ہیں لیکن پتا نہیں وہ کہاں ہیں۔ فون پر رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔''

فلک ناز نے اپنے بھائی فلک آفتاب سے کہا ''آپ ہمارے ساتھ ذیشان کے دفتر چلیں۔ اگرچہ وہ سی' آئی' اے والوں کی کسٹڈی میں ہے لیکن اس کے جان پہچان والے بہت سے افسر ہیں جو عینی کی گمشدگی کے سلسلے میں ہماری مدد کرسکتے ہیں۔''

فلک آفتاب نے کہا ''میں بہت بیمار ہوں۔ صبح سے میرا پیٹ ٹھیک نہیں ہے۔ میں گھر سے باہر نہیں نکل سکوں گا۔''

عروج نے بابر سے کہا۔ تم ہی ہمارے ساتھ چلو۔''

وہ بولا ''تمہیں میرے حالات کا علم نہیں ہے' میں اس وقت بہت بڑے نقصان سے دوچار ہو رہا ہوں۔ جن سے کاروبار کے سلسلے میں قرض لیا تھا' ان سے منہ چھپاتا پھر رہا ہوں۔ میں گھر سے باہر نہیں جاسکوں گا۔''

شام کو چار بجے مجھ سے رابطہ ہوا۔ عروج نے کہا ''بھائی جان! آپ کہاں ہیں؟ ہم پر قیامت آئی ہوئی ہے۔ عینی صبح سے گم ہے۔ معلوم ہوتا ہے اسے کسی نے اغوا کیا ہے۔ ہم نے

بھائی جان کے دوست افسران کی مدد سے عینی کے اغوا ہونے کی رپورٹ درج کرائی ہے۔ ہمیں یقین دلایا گیا ہے کہ پولیس والے اسے تلاش کر رہے ہیں لیکن صبح سے یہ وقت ہو گیا ہے اور اس کی کوئی خبر نہیں مل رہی ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟"

یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ میں نے فون پر تسلی دی "رونے سے بات نہیں بنے گی۔ تم تعلیم یافتہ بھی ہو اور عملی زندگی گزارنے والی لیڈی ڈاکٹر بھی۔ تمہیں حوصلے سے کام لینا چاہیے۔"

"حوصلہ کیسے کروں جبکہ دشمن ہمارے سامنے ہیں اور ہم ان کا کچھ بگاڑ نہیں پا رہے ہیں؟"

میں نے انجان بن کر پوچھا "تم کس کی بات کر رہی ہو؟"

"میں اسی دشمن عورت دردانہ کی بات کر رہی ہوں۔ وہ کئی بار ہمیں چیلنج کر چکی ہے اور آج اس نے اپنے چیلنج کے مطابق اتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ پتا نہیں میری عینی کو لے جا کر کہاں چھپا دیا ہے۔ ہم اس کے خلاف کیا کر سکتے ہیں؟"

"ہاں۔ فی الحال تو کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہم اسے کوئی الزام بھی نہیں دے سکتے۔ بہر حال میں فون پر اس سے بات کرتا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ وہ جواباً کیا کہتی ہے؟"

میں نے ٹیلیفون کے ذریعے دردانہ سے رابطہ کیا۔ وہ شہباز درانی کی آغوش میں پڑی ہوئی تھی۔ فون کا بزر سن کر اسے اٹھایا۔ اس کے نمبر پڑھے۔ اسے میرے نمبر یاد نہیں تھے۔ اس نے شہباز سے کہا "پتا نہیں کون کال کر رہا ہے؟"

شہباز نے نمبر پڑھے، پھر ناگواری سے کہا۔ "مقدر حیات تمہیں کال کر رہا ہے۔ اٹھو اور اسے اٹینڈ کرو۔ دیکھو وہ بدذات کیا کہنا چاہتا ہے؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اپنا لباس درست کرنے لگی پھر فون کے بٹن کو دبا کر کان سے لگایا۔ "ہیلو۔ میں بول رہی ہوں۔"

میں نے پوچھا "عینی کہاں ہے؟"

وہ مسکرا کر بولی "اوہو۔ صبح سے یہ وقت ہو گیا ہے اور اب بہن کا خیال آ رہا ہے؟"

میں نے کہا "میرے سوال کا جواب دو۔"

"تم نے تھانے وغیرہ میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ تو درج کرائی ہو گی؟"

میں نے پھر پوچھا "عینی کہاں ہے؟"

"وہ جہاں بھی ہے زندہ ہے، سلامت ہے۔ اگر پولیس والوں کو میرے خلاف کوئی بیان دیا گیا تو پھر وہ سلامت نہیں رہے گی۔"

"تمہارے خلاف کوئی بیان نہیں دیا گیا ہے۔ عینی سے میری بات کراؤ۔"

"مقدر! تم تو علم نجوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتے ہو۔ تم نے عینی کا ہاتھ بھی پڑھا ہو گا۔ کیا اس کے ہاتھ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کبھی گھر سے بے گھر ہو جائے گی اور میرے رحم و کرم پر رہے گی؟"

"میں نجومی ہوں، جادوگر نہیں۔ تمہارا یار شہباز درانی سمجھتا ہے کہ میں پراسرار علوم جانتا ہوں۔ اگر میں جانتا تو عینی کو اغوا ہونے نہ دیتا۔ تمہارے ہر منصوبے میں تمہیں ناکام بناتا رہتا۔"

وہ بولی "بے شک۔ اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ تم پراسرار علوم نہیں جانتے۔ بہر حال، تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری بہن خیریت سے ہے اور اب سے دو گھنٹے بعد گھر پہنچ جائے گی۔"

میں نے دھمکی دینے کے انداز میں کہا "اسے خیریت سے گھر پہنچنا چاہیے ورنہ تم خیریت سے نہیں رہو گی۔ میں نے تمہارا ہاتھ دیکھا تھا، لکیریں پڑھی تھیں اور تمہیں بہت سی باتیں نہیں بتائی تھیں۔ میں نے تمہاری بہت سی کمزوریوں کو سمجھا ہے۔ اگر یہ چاہتی ہو کہ تمہاری کسی کمزوری سے فائدہ نہ اٹھاؤں تو میری بہن کو خیریت سے گھر پہنچ جانا چاہیے۔"

یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ وہ پریشان ہو کر ہیلو ہیلو کہنے لگی۔ مجھے پکارنے لگی پھر اس نے فون بند کر دیا۔ شہباز درانی نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

"اس نے مجھے دھمکی دی ہے۔ کہتا ہے میرا ہاتھ پڑھنے کے بعد اسے میری بہت سی کمزوریاں معلوم ہو چکی ہیں۔ اگر عینی گھر نہ پہنچی تو وہ میری کمزوریوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ اور مجھے نقصان پہنچاتا رہے گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "پتا نہیں کس خبیث سے ہمارا پالا پڑا ہے؟ مجھے معلوم ہوتا تو میں کبھی اسے تمہارا ہاتھ نہ دیکھنے دیتا اور نہ ہی کبھی اپنا ہاتھ دکھاتا۔ ہم نے انجانے میں اپنی بہت سی کمزوریاں اسے بتا دی ہیں۔"

وہ بولی "اس میں شبہ نہیں کہ وہ ہمارے لیے مصیبت بن گیا ہے لیکن ہمیں کوئی خاص نقصان نہیں پہنچ رہا ہے۔ فی الحال تو ہم اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو رہے ہیں۔"

"ایسی بات بھی نہیں ہے۔ یہ کیوں بھول رہی ہو کہ اس کی وجہ سے اسد عزیزی ہاسپٹل میں پڑا ہوا ہے؟ ایک طرح سے میرا دایاں بازو کٹ چکا ہے۔ پتا نہیں وہ کب میرے کام کے قابل ہو گا؟"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی "ہاں۔ مقدر کی طرف سے بڑا نقصان پہنچا ہے۔"

"دوسرا نقصان بھی بھول رہی ہو۔ میں نے ایک بہت بڑے سیاست دان جان محمد گبول کے دستاویزات حاصل کیے تھے۔ وہ میرے پاس پہنچنے سے پہلے ہی کہیں راستے میں غائب ہو گئے۔ اب تک پتا نہیں چلا کہ وہ کیسے گم ہو گئے اور کس کے ہاتھ لگ گئے؟"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ شہباز درانی نے ریسیور اٹھایا اور بولا "ہیلو۔ میں بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "باس! میں آپ کا خادم فضل بول رہا ہوں۔ اس وقت ہاسپٹل میں ہوں۔ عزیزی صاحب کی حالت بہت خراب ہے۔ اچانک ان کے زخموں سے ٹیسیں اٹھنے لگی ہیں۔ ڈاکٹر بھی پریشان ہیں کہ اچانک عزیزی صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔"

شہباز درانی نے کہا "وہاں کے بڑے ڈاکٹر کو فون دو۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔"

وہ انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ڈاکٹر کی آواز آئی "یس مسٹر درانی! میں ڈاکٹر فیروز بول رہا ہوں۔"

"فیروز صاحب! آپ جانتے ہیں، اسد عزیزی میرا کتنا اہم آدمی ہے۔ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ آپ اس پر توجہ کیوں نہیں دے رہے ہیں؟ اگر آپ کی بے پروائی سے اسے کچھ ہو گیا تو آپ کو بھی بہت کچھ ہو گا اور وہ آپ کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گا۔"

"مسٹر درانی! آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں چوبیس گھنٹے کسی بھی مریض کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ یہاں جو کچھ ہوا ہے۔ میری عدم موجودگی میں ہوا ہے۔"

"میں یہی جاننا چاہتا ہوں، کیا ہوا ہے؟"

"ابھی لیبارٹری ٹیسٹ کے بعد پتا چلا ہے کہ اسے جو انجکشن دیا جا رہا ہے اس میں تبدیلی آ گئی ہے۔ یعنی کسی نے انجکشن بدل دیا ہے۔"

"کیا آپ اندھے ہیں، اسے دوا انجکٹ کرنے سے پہلے اس کا لیبل نہیں پڑھتے؟"

"میں نے لیبل پڑھا ہے۔ انجکشن کی شیشی وہی ہے لیکن اندر کی دوا تبدیل کر دی گئی ہے اور میں نہیں جانتا یہ کس نے کیا ہے۔ میں یہاں کے پورے اسٹاف سے سختی سے بازپرس کر رہا ہوں لیکن سب ہی قسمیں کھا رہے ہیں کہ انہوں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی ہے۔"

"اگر اس ہاسپٹل کے کسی شخص نے ایسا نہیں کیا ہے تو پھر باہر کا کون آدمی ایسا کر سکتا ہے؟"

"آپ سمجھدار ہیں، خود سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کے کتنے ہی دشمن ہیں۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کسی نے ایسی کوئی حرکت کی ہو۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ہاسپٹل کے اندر میرے اسٹاف میں سے کسی نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ پلیز آپ خود معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ اگر یہی ہوتا رہا تو اسد عزیزی کی جان کو خطرہ ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں ابھی کچھ کرتا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا اور غصے سے بڑبڑانے لگا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے دستِ راست پر اس طرح حملہ کیا جائے گا۔"

وہ دردانہ کی طرف دیکھ کر بولا "اسے جو انجکشن دیا جاتا تھا وہ اچانک تبدیل ہو گیا ہے۔ کسی نے بڑی رازداری سے انجکشن کی اسی شیشی میں دوا بدل دی ہے۔ اس کے منفی اثر سے اسد عزیزی ناقابلِ برداشت تکلیف میں مبتلا ہو گیا ہے۔"

دردانہ نے پریشان ہو کر پوچھا "کیا مقدر ایسا کر رہا ہے؟"

وہ جھنجلا کر بولا "اور کون کرے گا؟ وہی ایک ایسا دشمن ہے جو میرے قابو میں نہیں آ رہا ہے۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ دردانہ نے پوچھا۔ "کسے فون کر رہے ہو؟"

وہ بولا "واشنگٹن کے تمام اہم شعبوں میں میری پذیرائی ہوتی ہے۔ میں وہاں کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر سے بات کر رہا ہوں۔"

رابطہ ہو گیا۔ اس نے کہا "میں شہباز درانی بول رہا ہوں۔ اس وقت مجھے آپ کی بہت سخت ضرورت ہے۔"

"آپ حکم دیں۔"

"میرا ایک دستِ راست بری طرح زخمی ہو گیا ہے اور دشمن اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہے ہیں۔ اسے بڑی رازداری سے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ اسے فوری طور پر آپ کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ فوراً اسد عزیزی کے نام ایک اجازت نامہ یہاں کے سفارت خانے میں بھیج دیں۔ میں اسے یہاں سے روانہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہوں۔"

وہ اسد عزیزی کو امریکا بھیجنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ میں اس کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کر سکتا تھا لیکن نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ جو کچھ وہ کر رہا تھا اس کا منفی ردِعمل ہونا تھا۔ ادھر

دردانہ پاشا کو مزید قیدی بنا کر رکھنا چاہتی تھی۔ اس کا بھی منفی ردِ عمل ان دونوں کے سامنے آنے والا تھا۔ جہاں جہاں میں انہیں ڈھیل دے رہا تھا۔ وہاں وہاں آگے جا کر ان کی رسیاں بھی کھینچنے والا تھا۔ انسانی زندگی پتنگ کی طرح ہے۔ مقدر کبھی اسے ڈھیل دیتا ہے، کبھی اس کی ڈور کھینچ لیتا ہے۔

میں جان محمد گبول کی ہتھیلی پر آ گیا۔ اس کی لکیروں پر چلنے لگا۔ وہ ایک بہت ہی معروف سیاست دان تھا۔ ملک میں جب بھی انتخابات ہوتے تھے تو اسے الیکشن میں کھڑے ہونے کے لیے ٹکٹ ضرور ملتا تھا کیونکہ وہ اچھی خاصی کامیابی حاصل کر کے قومی اسمبلی میں پہنچتا تھا۔

شہباز درانی ایسے ہی کامیاب سیاست دانوں کو شکار کرتا رہتا تھا۔ وہ مختلف ہتھکنڈوں سے انہیں اپنے زیرِ اثر لاتا تھا اور ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر انہیں بلیک میل کرتا تھا۔ اپنے مقاصد کے لیے انہیں اپنے اشاروں پر چلاتا رہتا تھا۔

اس بار شہباز درانی تین بڑے سیاست دانوں کو اپنے زیرِ اثر لانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ جن میں ایک جان محمد گبول تھا۔ اس کی کمزوریوں سے کھیلنے کے لیے شہباز درانی کے آدمیوں نے اس کے اہم دستاویزات چرائے تھے جو اب میری تحویل میں تھے۔

جان محمد گبول بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی ذاتی اور سیاسی مجرمانہ حرکتیں منظرِ عام پر آئیں۔ اس نے چوری کی رپورٹ درج کرائی تھی اور اپنے ذرائع بھی استعمال کر رہا تھا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کس نے اس کی داشتہ کے ذریعے اتنی بڑی واردات کرائی ہے؟

شہباز درانی کی ایک آلہ کار پچھلے ایک برس سے جان محمد گبول کے پاس داشتہ کی حیثیت سے رہتی آئی تھی۔ اس نے موقع پا کر اس کی تجوری پر ہاتھ صاف کیا تھا اور دستاویزات کے ساتھ ساتھ دو کروڑ کے ہیرے چرا کر لے گئی تھی۔

جان محمد گبول کو یقین تھا کہ وہ داشتہ کہیں نہ کہیں پکڑی جائے گی۔ اسے ہر صوبے، ہر شہر اور ہر علاقے میں تلاش کیا جا رہا تھا لیکن وہ تو جیسے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئی تھی۔

جان محمد سے قریبی تعلقات رکھنے والے پولیس افسران کہہ رہے تھے کہ اس عورت کو مار کر اس کی لاش کہیں چھپا دی گئی ہے۔ اسی لیے وہ نظر نہیں آ رہی ہے۔

جان محمد ہیرے جواہرات کا شوقین تھا۔ ہیروں کی چوری سے اسے دکھ پہنچا تھا لیکن اس سے زیادہ پریشانی کی بات یہ تھی کہ اس کے دستاویزات چرائے گئے تھے اور یہ ابھی معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اہم کاغذات کس دشمن کے ہاتھوں میں پہنچے ہوئے ہیں۔ ایسے ہی وقت بچھو بابا نے اسے فون پر مخاطب کر کے کہا:

''ہیلو مسٹر گبول! میں ایک خدائی خدمت گار ہوں۔ لوگوں کی مشکلیں آسان کرتا ہوں۔ کیا تم میری خدمات حاصل کرنا چاہو گے؟''

اس نے پوچھا ''کون ہو تم؟ اپنا تعارف کراؤ؟''

''تم آم کھانے کی بات کرو۔ یہ نہ پوچھو کہ آم کس درخت سے آ رہے ہیں۔ کیا تم اپنے اہم دستاویزات اور ہیروں کی واپسی نہیں چاہو گے؟''

وہ ایک دم سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا پھر بولا ''ہاں یار ضرور۔ کیا تم ان کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟''

''بتا بھی سکتا ہوں اور تمہارے چوری شدہ مال تک تمہیں پہنچا بھی سکتا ہوں۔''

''ذرا ایک منٹ، میں ابھی تم سے بات کرتا ہوں۔''

تھوڑی دیر تک فون پر خاموشی رہی پھر اس نے کہا ''مسٹر! میری مدد کرو۔ میرا مال مجھے واپس مل جائے گا تو میں تمہیں منہ مانگا معاوضہ دوں گا۔''

بچھو بابا نے کہا ''میں نے تم پر مہربانی کرنے کے لیے فون کیا۔ تم نے پولیس سے اس کال کو ٹریس کرنے کا کہہ دیا۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ تم سے ہمدردی کی جائے۔''

رابطہ ختم ہو گیا۔ جان محمد گبول پریشان ہو کر فون پر چیخنے لگا۔

''ہیلو مسٹر ہیلو! فون بند نہ کرنا۔ مجھ سے بات کرو۔ دیکھو میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ ہیلو۔ ہیلو......''

اس نے جھنجلا کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا اور خود کو کوسنے لگا۔ ''میں نے فون کال کے دوران خاموشی کیوں اختیار کی؟ وہ فون کرنے والا کوئی بھی بہت ہی چالاک ہے اور یقیناً وہ جانتا ہوگا کہ میرے چرائے ہوئے ہیرے اور دستاویزات کہاں ہیں؟''

دس منٹ بعد ایک پولیس افسر نے آ کر اسے سلام کیا، کہا ''گبول صاحب! وہ شخص کسی پی سی او سے بات کر رہا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر میں معلوم ہو جائے گا کہ وہ پی سی او کس علاقے میں ہے؟''

وہ مایوس ہو کر بولا ''معلوم کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ بہت چالاک ہے۔ وہاں سے جا چکا ہوگا۔''

پولیس افسر نے پوچھا ''وہ کیا کہہ رہا تھا؟''

''وہ جانتا ہے کہ میری دستاویزات اور وہ تمام ہیرے کہاں ہیں؟''

''پھر تو وہ ضرور دوبارہ فون کرے گا کیونکہ اسے اتنی معلومات فراہم کرنے کے سلسلے میں آپ سے اچھی خاصی رقم کی توقع ہوگی۔''

''وہ جتنی بھی رقم طلب کرے گا میں دوں گا لیکن گڑبڑ ہو گئی ہے۔ پتا نہیں وہ دوبارہ فون کرے گا یا نہیں؟''

وہ افسر سے باتیں کرتا رہا اور بار بار ٹیلیفون کی طرف دیکھتا رہا۔ آدھے گھنٹے بعد گھنٹی بجی تو وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لپک کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ میں۔ میں جان محمد گبول بول رہا ہوں۔''

بچھو بابا نے کہا ''سی ایل آئی میں نمبر دیکھو۔ اب میں موبائل فون کے ذریعے بول رہا ہوں۔ پی سی او سے رابطہ ختم کرنے کے فوراً بعد میں تم سے بات کر سکتا تھا لیکن میں نے آدھے گھنٹے تک تمہیں انتظار کے کرب میں مبتلا رکھا۔ کیا تمہاری سمجھ میں آ گیا کہ مجھ سے چالاکی کتنی مہنگی پڑے گی؟''

''ہاں میں سمجھ گیا ہوں کہ تم بہت چالاک ہو۔ مجھے چور اور چوری کے مال تک پہنچاؤ۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گا۔''

''تمہیں یہ سن کر حیرانی ہوگی کہ میں تم سے کوئی رقم طلب نہیں کروں گا۔''

وہ حیرانی سے بولا ''یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں، خدائی خدمت گار ہوں۔ نیکی کرتا ہوں، دریا میں ڈال دیتا ہوں اور جو میری نیکی کی قدر نہیں کرتا اسے بھی دریا میں ڈال دیا کرتا ہوں۔''

''میں تمام عمر تمہارا مشکور رہوں گا۔''

''میرے ایک سوال کا جواب دو۔ چور تو ہیرے جواہرات اور نقدی چرا کر لے جاتے ہیں۔ کاغذات کبھی نہیں لے جاتے۔ تمہارے دستاویزات جس نے بھی چرائے ہیں وہ کون ہو سکتا ہے؟ تم نے کچھ اندازہ تو لگایا ہوگا؟''

وہ بولا ''جس نے بھی ایسا کیا ہے اس کا تعلق سیاست سے ہوگا اور میں سمجھتا ہوں میری مخالف سیاسی پارٹی کے لوگوں نے ایسا کیا ہے۔''

''مسٹر گبول! معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے آس پاس کوئی بیٹھا ہوا ہے۔ اس لیے تم اصل بات بولنے سے کترا رہے ہو۔ میں تم سے سوال کر رہا ہوں۔ تم صرف ہاں یا نہ میں جواب دو۔ کیا کسی پولیٹیکل ایجنٹ نے تمہیں خریدنے کی کوشش نہیں کی؟''

جان محمد گبول نے پولیس افسر سے کہا ''آپ مائنڈ نہ کریں۔ ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھیں۔ میں ابھی آپ کے پاس آتا ہوں۔''

پولیس افسر وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ اس نے فون پر کہا ''ہاں۔ ایک بہت ہی شاطر پولیٹیکل ایجنٹ ہے۔ وہ مجھے خریدنا چاہتا تھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ میرا انکار مجھے مہنگا پڑے گا اور اب میں دیکھ رہا ہوں کہ واقعی مہنگا پڑنے والا ہے۔''

''تم اس شاطر پولیٹیکل ایجنٹ کا نام نہیں بتا رہے۔ میں بتا دیتا ہوں۔ اس کا نام شہباز درانی ہے۔''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''ہاں، بالکل یہی نام ہے۔ تم تو بہت کچھ جانتے ہو۔ آخر تم ہو کون؟''

''خبردار! میرے بارے میں آئندہ کوئی سوال نہ پوچھنا ورنہ میں فون بند کر دوں گا۔''

وہ گھبرا کر بولا ''نہیں نہیں فون بند مت کرنا۔ وہ دستاویزات میری جان ہیں۔ میں انہیں واپس حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا وہ شہباز درانی کے پاس ہیں؟''

''وہ دستاویزات کہیں بھی ہوں۔ فی الحال تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس لیے پہلے تم ہیروں کے بارے میں بات کرو۔''

''میں ان ہیروں کی واپسی بھی چاہتا ہوں۔ تم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہو؟ پلیز، جلدی بتاؤ۔''

''ایسی جلدی بھی کیا ہے؟''

اس نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔ بچھو بابا نے کہا ''یہ تو تم جانتے ہو کہ شہباز درانی کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ اسے یہاں کا قانون اپنی گرفت میں نہیں لے سکے گا۔ تم اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکو گے۔''

''ہاں، مجھے اس بات کا اندازہ ہے۔''

''اس کی ایک داشتہ ہے جس کا وہ دیوانہ ہے۔ اس داشتہ کا نام دردانہ ہے اور وہ ہیرے اسی کے پاس ہیں۔''

وہ پریشان ہو کر بولا ''میں کسی ثبوت کے بغیر اس پر کیسے الزام لگاؤں؟''

''پہلے یہ بتاؤ، اگر وہ ہیرے اس کے پاس سے برآمد ہو جائیں تو تم کیسے ثابت کرو گے کہ وہی تمہارے چوری شدہ ہیرے ہیں؟''

''میرے پاس ان کی خاصیت، ان کے مخصوص نام اور ان کی مالیت ریکارڈ ہے۔''

''میں ابھی بتاتا ہوں کہ وہ ہیرے کہاں ہیں۔ پہلے یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارے اعتماد کے پولیس افسران بڑی رازداری سے اس جگہ چھاپا ماریں گے۔ اگر رازداری نہ برتی گئی اور دردانہ اور شہباز کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ

اپنے بچاؤ کے دس راستے نکال لیں گے۔"

"میں یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم اطمینان رکھو بڑی رازداری سے کام کیا جائے گا۔"

"دردانہ کے بینک اکاؤنٹ نمبر اور لاکر کے نمبر نوٹ کرو۔"

جان محمد نے فوراً ہی کاغذ قلم لے کر نمبر نوٹ کیے۔ بچھو بابا نے کہا "کل صبح کورٹ کھلتے ہی اس کا لاکر کھلوانے کا اجازت نامہ حاصل کرو۔ اس لاکر سے جب ہیرے برآمد ہو جائیں تب پولیس والے دردانہ کو اس بینک میں طلب کر کے باز پرس کریں۔"

"ایسا ہوگا۔ پھر تو اس شہباز درانی کی داشتہ کو چوری کے الزام میں ضرور گرفتار کیا جائے گا۔"

"صرف چوری کے الزام میں نہیں، قتل کے الزام میں بھی گرفتار کیا جانا چاہیے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "قتل؟ کس کا قتل؟"

"تم بھول رہے ہو کہ تمہاری وہ داشتہ جو یہ سب کچھ چرا کر لے گئی تھی کہیں گم ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے قتل کر کے اس کی لاش چھپا دی گئی ہے۔ میں اس جگہ کی نشاندہی کر سکتا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا "اجنبی! تم کون ہو؟ تم تو میرے لیے رحمت کا فرشتہ بن گئے ہو۔ اس طرح تو میں دردانہ کے ذریعے شہباز درانی پر بھی کسی حد تک حاوی ہو سکوں گا۔"

"وہ بہت بڑا پہاڑ ہے۔ اس سے ٹکرا نہیں سکو گے۔ تم سے جتنا کہا جا رہا ہے اتنا ہی کرو۔"

وہ بولا "اس کا مطلب ہے میری دستاویزات اس کم بخت درانی کے پاس ہوں گی۔"

"نہیں۔ اگر اس کے پاس ہوتیں تو وہ پہلی فرصت میں تمہیں بلیک میل کرنے کی کوشش کرتا۔ میں نے کہا نا دستاویزات کی طرف سے بے فکر رہو۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"کچھ بتاؤ تو سہی میرے وہ اہم کاغذات کہاں ہیں؟"

"تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گا۔ جو کہا جا رہا ہے وہ کرتے رہو۔"

"ٹھیک ہے، جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہوگا۔ اس جگہ کی نشاندہی بھی کرو جہاں اس داشتہ کو قتل کر کے لاش چھپائی گئی ہے۔"

"جب بینک کے لاکر سے ہیرے برآمد ہو جائیں گے۔ تب میں فون پر تمہیں بتاؤں گا۔ ابھی اتنا ہی کافی ہے۔ ڈیس آل۔"

اس نے فون بند کیا پھر مجھ سے رابطہ کر کے تفصیلات بتانے لگا۔ میں نے اس کی باتیں سنیں پھر فون بند کر دیا۔ میں ت جان محمد گبول کی لکیروں پر بھی تھا۔ بچھو بابا مجھے کچھ نہ بتاتا تب بھی مجھے سب کچھ معلوم ہوتا رہا تھا۔

☆☆☆

باقر مہدی نے فون پر دردانہ سے کہا "میڈم! ہم نے ذیشان کو تو آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا ہے۔ آپ گل خا اور یاور خان کو اپنی حمایت پر آمادہ کر لیں تو ذیشان کے خلاف کیس اور مضبوط ہو جائے گا۔"

وہ بولی "میں تو خود یہ چاہتی ہوں۔ آپ کا کیا خیال ہے کیا گل خانم اور یاور خان ذیشان کے خلاف میری حمای کریں گے؟"

"یاور خان کے متعلق تو میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ آ کے قدموں میں آ کر بیٹھ جائے گا۔ گل خانم کا معاملہ ذرا پیچیدہ ہے کیونکہ وہ ذیشان سے محبت کرتی ہے۔ یہ عشق معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ دیوانوں کو سمجھایا نہیں جا سکتا پھر بھی آ اس سے ملاقات کر لیں تو بہتر ہوگا۔"

"کیا آج رات آٹھ بجے اس سے ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"ضرور ہو سکتی ہے۔ میں نے اسے اور یاور خان کو ا کوٹھی میں نظر بند کر رکھا ہے۔ انہیں کسی سے ملنے کی اجازت دیتا۔ کیا آپ اس کی کوٹھی میں آنا پسند کریں گی؟"

"ٹھیک ہے۔ رات آٹھ بجے اپنے کسی ماتحت کو میر پاس بھیج دو۔ میں اس کے ساتھ آ جاؤں گی۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ شہباز درانی نے کہا "تمہار جانا مناسب نہیں ہے۔ تم پبلو ماسٹر کی پیش گوئی کو بھول ہو۔"

"مجھے یاد ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اس ہفتہ مجھ بہت بڑی مصیبت آ سکتی ہے۔ خواہ میں پاتال میں رہ سمندر کی تہ میں چھپ جاؤں۔ مصیبت کو آنا ہے تو وہ آ کر رہے گی۔"

"پھر بھی محتاط رہنا چاہیے۔ تم کہو تو میں باقر مہد کہتا ہوں۔ وہ گل خانم اور یاور خان کو یہاں لے آئے گا"

"ہاں پھر بھی میرا باہر جانا ضروری ہے۔ چھ بج میں ابھی عینی کو اس کی کوٹھی تک لے جا رہی ہوں۔ وہاں چھوڑ کر واپس آؤں گی۔ یہاں پاشا اس کے بغیر تلملا اسے سنبھالنا۔"

عینی چھ بجے اپنے گھر واپس جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ پاشا نے کہا "میں لباس بدل کر آتا ہوں۔ آج مدتوں بعد تمہارے ساتھ کھلی فضا میں نکلوں گا۔"

وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چلا گیا تھا۔ دردانہ نے دس منٹ کے بعد آ کر عینی سے کہا "اٹھو، اب ہم چل رہے ہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر بولی "پاشا کہاں ہے؟"

"وہ آ رہا ہے۔ تم میرے ساتھ چل کر گاڑی میں بیٹھو۔"

دردانہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے ساتھ باہر ایک کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس گاڑی کے آگے پیچھے دو اور گاڑیاں بھی تھیں جن میں مسلح افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ جب وہ گاڑیاں وہاں سے چلنے لگیں تو عینی نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "پاشا کہاں ہے؟"

دردانہ نے کہا "وہ بعد میں آ جائے گا۔ پہلے تم اپنے گھر پہنچو۔"

"آپ نے تو کہا تھا میں اس کے ساتھ اپنے گھر جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے، میں نے کہا تھا۔ اب میں اپنی بات بدل رہی ہوں۔ چپ چاپ بیٹھی رہو۔ زیادہ بولیں یا شور مچایا تو میں گاڑی واپس لے جاؤں گی اور تمہیں بھی پاشا کی طرح قیدی بنا کر رکھوں گی پھر تم کبھی اپنے گھر والوں سے نہیں مل سکو گی۔"

یہ بات سن کر فوراً ہی عروج کا چہرا اس کی اندھی آنکھوں کے سامنے ابھر آیا۔ وہ اس کے لیے تڑپ رہی تھی۔ بے چین ہو رہی تھی۔ اسے پکار رہی تھی "عینی تم کہاں ہو؟"

وہ عجیب دوراہے پر تھی۔ آگے عروج پکار رہی تھی، پیچھے پاشا کا ہاتھ چھوٹ رہا تھا۔ وہ ضد نہیں کر سکتی تھی۔ دردانہ سے اپنی بات نہیں منوا سکتی تھی۔ وہ ظالم عورت اسے بھی قیدی بنا سکتی۔ دانشمندی یہی تھی کہ اسے گھر پہنچایا جا رہا ہے تو پہلے گھر ہی پہنچ جائے۔

ادھر پاشا لباس تبدیل کر کے عینی کے کمرے میں آیا تو وہ کمرا خالی تھا۔ وہ وہاں سے نکل کر کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے باہر جانے لگا۔ شہباز نے اسے آواز دی "پاشا! یہاں آؤ۔"

اس نے شہباز کے پاس آ کر کہا "ڈیڈ! عینی اپنے کمرے میں نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے ممی کے ساتھ باہر گئی ہے۔ میں بھی عینی کے ساتھ اس کے گھر جا رہا ہوں۔"

"نہیں۔ تم نہیں جاؤ گے۔"

وہ حیرانی سے بولا "آپ مجھے کیوں روک رہے ہیں؟ ممی نے وعدہ کیا تھا میں شام چھ بجے عینی کے ساتھ اس کے گھر جاؤں گا۔"

"ہاں۔ وعدہ کیا تھا لیکن اب ہمارا منصوبہ بدل گیا ہے۔ تمہیں فی الحال اس کے گھر نہیں جانا چاہیے۔"

"ڈیڈ یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ وہ میری بیوی ہے۔ مجھے اتنی آزادی تو ہونی چاہیے کہ میں اس کے گھر جا سکوں اور وہ یہاں میرے پاس آ سکے۔"

"بیٹے! تمہاری ممی عینی کے خاندان والوں کے ساتھ جو گیم کھیل رہی ہیں اسے تم نہیں سمجھ سکو گے۔ ابھی صبر کرو۔ جو ہم کہتے ہیں اس پر عمل کرو۔ تمہیں رفتہ رفتہ سب کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔"

"نہیں ڈیڈ! پلیز، مجھے جانے دیں۔"

"جبراً جانا چاہو گے تو نہیں جا سکو گے۔ میرے گارڈز تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ مجھے قیدی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں؟"

"نافرمانی کی صورت میں یہی کرنا پڑتا ہے۔ تمہیں عینی کے پاس ضرور جانے دیا جائے گا لیکن ذرا صبر کرو۔"

وہ سر جھکا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ جانتا تھا کہ کوٹھی کے اندر اور باہر مسلح گارڈز کی فوج ہے اور وہ سب شہباز درانی کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ اس کی اجازت کے بغیر وہ اسے باہر نہیں جانے دیں گے۔

اسے پہلی بار معلوم ہوا کہ بیٹا بیٹا کہنے والے اسے قیدی بنا کر رکھتے ہیں۔ وہ سر جھکا کر گہری سنجیدگی سے اپنے موجودہ حالات پر غور کرنے لگا۔

گاڑی ایک جگہ رک گئی۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھل گیا۔ دردانہ نے باہر آ کر عینی سے کہا "آؤ، باہر نکلو۔ تمہارا گھر آ گیا ہے۔"

وہ گاڑی کو دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتی ہوئی باہر آئی۔ دردانہ نے کہا "اپنے دونوں ہاتھ بڑھاؤ۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ دردانہ نے ایک بڑا سا پیکٹ اس کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے کہا "یہ تمہاری شادی کا تحفہ ہے۔ یہ تحفہ اپنے گھر والوں کو ضرور دکھانا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "میرے گھر والے شادی کے سلسلے میں پوچھیں گے، انہیں یقین نہیں ہوگا کہ میرا نکاح پڑھایا گیا ہے کیونکہ میں دولہا کے بغیر گھر واپس جا رہی ہوں۔"

"گھر والوں کو یقین ہو جائے گا۔ تم جاؤ۔ وقت ضائع نہ کرو۔"

وہ پریشان ہو کر بولی ''میں کہاں جاؤں؟ مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے؟ آپ مجھے کہاں چھوڑ کر جا رہی ہیں؟''

''ٹھیک تمہارے سامنے چند قدم کے فاصلے پر تمہاری کوٹھی کا مین گیٹ ہے۔ تمہارے مسلح گارڈز تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک تمہاری طرف آ رہا ہے۔ اب میں جا رہی ہوں۔''

وہ اپنی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ تینوں گاڑیاں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ ایک گارڈ نے قریب آ کر کہا ''بی بی جی! وہ تو دردانہ بیگم تھیں جو آپ کو یہاں چھوڑ کر گئی ہیں۔''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''مجھے کوٹھی کے اندر لے چلو۔''

گارڈ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اس کے ساتھ جانے لگی۔ ادھر دردانہ نے فون کے ذریعے اس کے گھر والوں کو اطلاع دی۔ فلک آفتاب نے فون اٹینڈ کیا۔ دردانہ نے کہا ''آپ کی بھتیجی گھر واپس آ گئی ہے۔ کوٹھی کے دروازے پر ہے۔ اس کا استقبال کریں۔''

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ ادھر فلک آفتاب نے کہا ''ہیلو دردانہ! ہیلو کیا تم عینی کے بارے میں کہہ رہی ہو؟ کیا وہ واپس آ گئی ہے؟''

اسے جواب نہیں ملا۔ بیگم آفتاب، فلک ناز اور عروج نے یہ سنا تو ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہو گئیں۔ عروج تڑپتی ہوئی دروازے کی طرف جانے لگی۔ اسی وقت وہ گارڈ کے ساتھ اندر آئی۔ عروج نے اسے دیکھتے ہی چیخ کر کہا ''عینی میری جان!''

وہ دوڑتی ہوئی، روتی ہوئی آ کر اس سے لپٹ گئی۔ عینی بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ تمام گھر والے قریب آ گئے۔ کوئی عینی کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کوئی اس کے شانے کو تھپک کر تسلیاں دینے لگا۔ فلک ناز نے کہا ''بیٹی! چپ ہو جاؤ۔ خدا کا شکر ہے کہ تم گھر واپس آ گئی ہو۔''

اسما بھی زینے سے اترتی ہوئی آ رہی تھی۔ اس نے تیزی سے آ کر عینی کو عروج سے الگ کیا پھر اس سے لپٹ کر روتی ہوئی اسے تھپکنے لگی ''ہائے میری جان! تم کہاں گم ہو گئی تھیں؟ ہمارے اندر تو جان ہی نہیں رہی تھی۔ بس تمہاری واپسی کی امید میں جی رہے تھے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''پہلے اسے آرام سے بٹھاؤ تو سہی۔ سب ہی اس سے لپٹی جا رہی ہیں۔ اس بے چاری کو کھڑا کر رکھا ہے۔ آؤ بیٹی میرے ساتھ آؤ۔''

اس نے ایک طرف سے عینی کو پکڑا۔ دوسری طرف سے اسما نے اسے پکڑ رکھا تھا۔ وہ اسے صوفے کی طرف لے جا رہی تھیں۔ عینی نے رکتے ہوئے کہا ''عروج! تم کہاں ہو؟''

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی ''میں تمہارے پیچھے ہوں۔''

''میں اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔ تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

فلک ناز نے کہا ''عینی! ابھی کمرے میں جا کر بند نہ ہو جانا۔ ہماری پریشانیوں کا خیال کرو۔ صبح سے یہ وقت آ گیا ہے۔ ہم نے ایک دانہ منہ میں نہیں رکھا ہے۔ بھوکے پیاسے تمہارا انتظار کرتے رہے ہیں۔ یہاں بیٹھو۔ ہمیں بتاؤ۔ دردانہ تمہیں کہاں لے گئی تھی؟ اس نے کہاں تمہیں چھپایا تھا؟ اس سے کیا کہہ رہی تھی؟''

عروج نے سامنے آ کر اس کا ہاتھ تھام کر کہا ''تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔ یہاں تمہارے لیے سب ہی پریشان رہے ہیں۔ ان سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ تم کہاں تھیں اور تمہارے ساتھ کیا ہوا؟''

وہ اسما اور عروج کے درمیان ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ فلک ناز نے پوچھا ''یہ تمہارے ہاتھوں میں پیکٹ کیسا ہے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی ''وہ۔ وہ مجھے۔ ممی نے شادی کا تحفہ دیا ہے۔''

سب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اسما نے پوچھا ''شادی کا تحفہ؟''

بیگم آفتاب نے پوچھا ''کس کی شادی؟ کیا وہ تمہیں شادی کی تقریب میں لے گئی تھی؟''

عینی نے انکار میں سر ہلایا۔ زبان سے کچھ نہ کہا۔ ایک دم سے پلٹ کر عروج سے لپٹ گئی پھر روتے ہوئے بولی ''میری شادی ہو چکی ہے۔''

سب ہی کے دماغوں میں جیسے دھماکا سا ہوا۔ کسی کو یقین نہیں ہوا کہ جو انہوں نے ابھی سنا ہے، عینی نے وہی کہا ہے۔ عروج نے ایک دم سے پریشان ہو کر پوچھا ''یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ کیا واقعی تیری شادی ہو گئی ہے؟ تو سچ کہہ رہی ہے؟''

عینی اس سے لپٹی ہوئی روتی رہی۔ اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ اسما نے کہا ''اس کے آنسو بتا رہے ہیں۔ اس مکار عورت نے زبردستی اس کی شادی کرائی ہے۔ ہمیں بتاؤ، کس سے تمہاری شادی کرائی گئی ہے؟''

وہ رو رہی تھی۔ عروج اسے تھپک رہی تھی۔ اس نے پوچھا ''کیا تیرے ساتھ زبردستی کی گئی ہے؟''

عینی نے انکار میں سر ہلایا۔ فلک آفتاب نے کہا ''شادی کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس کا نکاح پڑھایا گیا ہے۔''

اسما نے پوچھا ''کیا باقاعدہ نکاح پڑھایا گیا ہے؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ عروج نے پھر وہی سوال کیا ''کیا زبردستی نکاح پڑھایا گیا ہے؟''

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ عروج نے پوچھا ''انکار میں سر ہلانے کا مطلب کیا ہوا؟ کیا تو نے اپنی مرضی سے نکاح قبول کیا ہے؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ سب ہی اسے شدید حیرانی سے دیکھنے لگے۔ عروج نے اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے اس کے دونوں شانوں کو جھنجوڑتے ہوئے پوچھا ''یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ تو نے کس سے نکاح قبول کیا ہے؟ کون ہے وہ؟''

اس نے پھر اس سے لپٹ کر اپنا منہ چھپاتے ہوئے کہا۔ ''پاشا......''

عروج یہ سنتے ہی دنگ رہ گئی۔ دور بیٹھنے والوں کو اچھی طرح سنائی نہیں دیا۔ بیگم آفتاب نے پوچھا ''یہ کیا کہہ رہی ہے؟''

اسما نے کہا ''اس کا نکاح پاشا سے پڑھایا گیا ہے۔''

''کیا؟''

فلک ناز نے کہا ''یہ دردانہ کیا تماشے کرتی پھر رہی ہے؟ اس کا نکاح پاشا سے پڑھوایا اور اتنی بڑی خوشی میں ہمیں شریک نہیں ہونے دیا۔ اس نے ہم سے چھپ کر ایسا کیوں کیا ہے؟''

بیگم آفتاب نے کہا ''ہم تو پہلے ہی عینی کی شادی پاشا سے کرنے والے تھے۔ اگر وہ ہمیں شریک کر لیتی تو ہم کبھی اعتراض نہ کرتے۔ چلو اس نے اچھا ہی کیا ہے۔ عینی جو چاہتی تھی، وہی کیا ہے۔''

اسما نے کہا ''اچھا ہی کیا ہے تو پھر اچھا ہی کرتی۔ اسے اغوا نہ کراتی۔ رازداری سے اس کا نکاح نہ پڑھواتی۔''

بیگم آفتاب نے دونوں کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا ''تم تو کبھی کسی کی تعریف نہیں کرو گی۔ دردانہ جیسی بھی ہے اس نے عینی کے حق میں اچھا کیا ہے۔ اس سے کوئی دشمنی نہیں کی ہے۔ کم از کم دردانہ کے اس جذبے کی قدر تو کرو کہ عینی کا کھویا ہوا پاشا اسے مل گیا ہے۔''

عروج نے جل کر پوچھا ''لیکن وہ پاشا ہے کہاں؟''

پھر وہ عینی سے بولی ''تو چپ کیوں ہے؟ بولتی کیوں نہیں؟ پاشا کہاں ہے؟''

وہ بولی ''میں کیا بتاؤں۔ وہ تو میرے ساتھ آنے والے تھے۔ لباس تبدیل کرنے کے لیے دوسرے کمرے میں گئے۔ ممی نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گاڑی میں بٹھا دیا۔ جب گاڑی چلنے لگی تو میں نے پوچھا پاشا کہاں ہے؟ انہوں نے کہا' وہ بعد میں آ جائے گا۔ ابھی مجھے گھر پہنچایا جا رہا ہے۔ میں نے ضد کی کہ میں اسی کے ساتھ گھر جانا چاہتی ہوں۔ تب انہوں نے سختی سے کہا۔ اگر میں نے ضد کی یا شور مچایا تو وہ مجھے واپس لے جائیں گی اور پھر قیدی بنا کر رکھیں گی۔''

فلک ناز نے کہا ''تعجب ہے۔ جب اس نے نکاح پڑھوا دیا تو پھر پاشا کو یہاں عینی کے ساتھ کیوں نہیں لائی؟ نکاح کے بعد دونوں کو الگ کیوں کر دیا؟''

اسما نے کہا ''وہ مکار عورت کوئی بہت ہی پیچیدہ کھیل کھیل رہی ہے۔ ہمیں اس سے پوچھنا چاہیے کہ آخر وہ عینی کے ساتھ ایسی حرکتیں کیوں کرتی رہی ہے۔''

عروج نے اپنے موبائل پر دردانہ کے نمبر پنچ کیے پھر اس کا بٹن دبا کر کان سے لگایا۔ تھوڑی دیر بعد دردانہ کی آواز سنائی دی ''ہیلو! میں دردانہ بول رہی ہوں۔''

''میں عروج ہوں، ہم یہاں عینی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ کہہ رہی ہے' پاشا کے ساتھ اس کا نکاح پڑھایا گیا ہے' کیا یہ درست ہے؟''

وہ بولی۔ ''غلط ہے۔ پاشا کے ساتھ اس کا نکاح نہیں پڑھایا گیا ہے۔ وہ اپنے یار کے ساتھ منہ کالا کر کے آئی ہے۔''

عروج نے غصے سے پوچھا ''یہ کیا بکواس کر رہی ہو۔''

دردانہ نے کہا ''تمہاری سہیلی اپنے ساتھ ایک پیکٹ لے کر آئی ہے۔ اس پیکٹ کو صرف عورتوں کے سامنے کھولو اور اسے دیکھو پھر مجھ سے بات کرو۔''

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ عروج نے اپنا فون بند کرتے ہوئے عینی کے پاس رکھے ہوئے پیکٹ کو دیکھا پھر اسے اٹھاتے ہوئے بولی۔

''دردانہ نے کہا ہے اسے صرف عورتوں کے سامنے کھولا جائے۔''

سب نے حیرانی اور سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ فلک ناز نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ''میرے کمرے میں چل کر اس پیکٹ کو کھولو۔ ہم عورتیں اسے دیکھیں گی۔''

اسما نے وہ پیکٹ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ عروج نے عینی کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ سب وہاں سے چلتی ہوئی فلک ناز کے بیڈ روم میں آ گئیں۔ انہوں نے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر

اس پیکٹ کو کھول کر دیکھا۔ اس میں ایک ویڈیو کیسٹ رکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک پرچی لگی ہوئی تھی۔ اس پر لکھا تھا ''اسے صرف عورتیں دیکھیں تو عینی کا بھلا ہوگا۔''

وہ پرچی اور وہ ویڈیو کیسٹ سب ہی کے تجسس کو بھڑکا رہا تھا۔ سب ہی یہ تو سمجھ گئے تھے کہ اب تو... اس کیسٹ میں ضرور کوئی پردے والی بات ہے۔

فلک ناز اس کیسٹ کو وی' سی' آر میں سٹ کر کے ٹی' وی آن کرنے لگی۔ عینی پوچھ رہی تھی ''کیا ہوا؟ پیکٹ میں کیا ہے؟''

عروج نے کہا ''ایک ویڈیو کیسٹ ہے۔ ہم ابھی دیکھ کر تمہیں بتاتے ہیں۔''

ٹی' وی' اسکرین آن ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد اس اسکرین پر پاشا اور عینی دکھائی دیئے۔ وہ دونوں ایک بیڈ پر تھے۔ پاشا اسے آغوش میں لے کر پیار کر رہا تھا پھر جب وہ اس کا لباس اتارنے لگا تو ان سے برداشت نہ ہوسکا۔ عروج نے چیخ کر کہا۔ ''بند کرو اسے۔''

فلک ناز نے وی' سی' آر بند کر دیا۔ عروج دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔ عینی نے ٹٹولتے ہوئے اسے چھو کر پوچھا ''کیا ہوا؟ تم کیوں رو رہی ہو؟''

اسما کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ بیگم آفتاب اور فلک ناز پریشان ہو کر ایک دوسرے کو تک رہی تھیں۔ عروج نے عینی سے لپٹ کر کہا ''وہ ذلیل عورت بہت ہی بے شرم اور بے حیا ہے۔ پاشا کے ساتھ تمہاری ایسی ویڈیو فلم تیار کی ہے جسے دیکھتے ہی شرم سے آنکھیں جھک جاتی ہیں۔ تو مجھے جواب دے۔ تو نے پاشا کے ساتھ ایسا وقت کیوں گزارا؟''

وہ حیران پریشان ہو کر تاریکی میں تکنے لگی۔ اس اندھی نے ویڈیو فلم نہیں دیکھی تھی۔ لیکن بات سمجھ میں آ گئی۔ اس نے کہا۔ ''یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ میرا ان سے نکاح ہو چکا ہے۔ وہ میرے شوہر ہیں۔''

''اس بازاری عورت نے بڑی ذلالت کا ثبوت دیا ہے۔''

''کیا اس ویڈیو فلم میں ہمارا نکاح پڑھاتے ہوئے نہیں دکھایا گیا ہے؟''

''کچھ نہیں دکھایا گیا ہے۔ صرف ایسے مناظر ہیں جو تجھے بے حیا اور بدچلن ثابت کر رہے ہیں۔''

اس نے فون کے ذریعے پھر دردانہ سے رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی ''معلوم ہوتا ہے' ویڈیو فلم دیکھی جا چکی ہے۔''

عروج نے چیخ کر کہا ''لعنت ہے تم پر' تمہیں ایسی فلم اتارتے ہوئے شرم نہیں آئی؟''

دردانہ نے پوچھا ''کیا عینی کو بے حیائی کرتے ہوئے اور اپنے یار کے ساتھ ایسا شرم ناک کھیل کھیلتے ہوئے شرم نہیں آئی؟''

''بکواس مت کرو۔ تم نے عینی کے اندھے پن سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اگر تم میں ذرا سی بھی انسانیت اور شرافت ہے تو عینی اور پاشا کا نکاح نامہ ہمیں دے دو۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا ''نکاح نامہ؟ کیسا نکاح نامہ؟ اگر وہ اندھی لڑکی یہ کہہ رہی ہے کہ پاشا کے ساتھ اس کا نکاح پڑھایا گیا ہے تو یہ سراسر غلط ہے۔''

اسما نے پوچھا ''عروج وہ کیا کہہ رہی ہے؟''

عروج نے کہا ''یہ تو صاف انکار کر رہی ہے کہ پاشا کے ساتھ عینی کا نکاح نہیں پڑھایا گیا ہے۔''

اسما نے اس سے فون چھین کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا ''دردانہ بیگم! تم کیوں خوا مخواہ ایسی گھٹیا حرکتیں کر رہی ہو؟ تمہیں عینی کو بدنام کر کے کیا ملے گا؟''

دردانہ نے چہکتے ہوئے کہا ''آہا! بیگم ذیشان بول رہی ہیں۔ کہاں ہے تمہارا وہ ایس' پی' شوہر؟ بہت غیرت مند بھائی بنتا تھا۔ میرے مقتول بیٹے پر الزام لگاتا رہا کہ وہ عینی کو اغوا کرنا چاہتا تھا۔ اس کی عزت سے کھیلنا چاہتا تھا۔ اس غیرت مند بھائی نے میرے بیٹے کو قتل کرا دیا۔ اب میں دیکھوں گی کہ وہ غیرت کے جوش میں آ کر اپنی بے حیا بہن کو قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر مجھے الزام دیا جائے گا کہ میں نے اسے بے حیا بنایا ہے تو آئے اور مجھے الزام دے اور میرا جو بگاڑ سکتا ہے بگاڑ لے۔''

وہ قہقہے لگانے لگی۔ اسما نے کہا ''چڑیل کی بچی ابھی تو تم قہقہے لگا رہی ہو مگر جلد تمہاری زندگی پوری ہونے والی ہے۔ جس دن میرا ذیشان جیل سے باہر آئے گا' وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

وہ قہقہے لگا رہی تھی۔ کچھ نہیں سن رہی تھی پھر اس نے فون کو بند کر دیا۔ اسما بھی اپنا فون بند کر کے اسے برا بھلا کہنے لگی۔ عینی اور عروج ایک دوسرے سے لپٹ کر رو رہی تھیں۔ عروج کہہ رہی تھی ''بھائی جان! یہ میری عینی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں اس سے دشمنی کی جا رہی ہے؟ ہائے! مقدر ہی اس کا دشمن بنا ہوا ہے۔ جب بھی اس کی زندگی میں خوشیاں آتی ہیں تو اس سے پہلے بدنصیبی کی ٹھوکریں لگنے لگتی ہیں۔''

وہ عینی کو تھپکتے ہوئے کہہ رہی تھی ''پہلے اس کی کمزور بینائی

سے فائدہ اٹھا کر اسے اغوا کرنے کی کوشش کی گئی۔ کبھی دردانہ کے بیٹے جواد نے اور کبھی میرے بھائی حشمت نے اس کی عزت سے کھیلنا چاہا۔ پاشا اس کی زندگی میں خوشیاں لانے والا تھا لیکن اسے بھی اغوا کر لیا گیا۔ اس بے چارے کو پتا نہیں کہاں قیدی بنا کر رکھا گیا ہے؟''

عینی عروج سے الگ ہوگئی۔ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی ''میں اندھی نہیں رہنا چاہتی۔ اس اندھے پن نے مجھے بہت دھوکا دیا ہے۔ عروج! اس جاوید برقی سے ابھی فون پر بات کرو۔ میں جلد سے جلد آنکھیں حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے اس اندھیرے سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

عروج نے کہا ''جاوید برقی نے آج صبح فون کیا تھا۔ تمہارے سلسلے میں بھائی جان سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ ہمارے ساتھ ایک کے بعد ایک ٹریجڈی ہو رہی ہے۔ پہلے ہمارے بھائی جان کو گرفتار کیا گیا ہے اور پھر تمہیں اغوا کیا گیا ہے۔ جب تمہارا کوئی سراغ ملے گا اور تم واپس آ گی تو ہم ان سے رابطہ کریں گے۔''

عروج نے اسما سے فون لے کر اس کے نمبر ملائے۔ چند لمحوں کے بعد جاوید برقی کی آواز سنائی دی۔ عروج نے کہا ''میں عینی کی سہیلی عروج بول رہی ہوں۔ عینی واپس آ گئی ہے اسی لیے میں نے آپ کو فون کیا ہے۔''

جاوید برقی نے کہا ''میں بہت پریشان ہوں۔ مایوس ہو رہا ہوں۔ یوں تو عطیہ حاصل کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے لیکن اس میں مردوں کی تعداد زیادہ ہے۔ عورتیں یا تو ادھیڑ عمر کی ہیں یا پھر شادی شدہ ہیں۔ کوئی بن بیاہی عورت نہیں ہے۔ میری بیوی کی یہ آخری خواہش پوری ہوتی نہیں لگتی کہ اس کی موت کے بعد بھی اس کی آنکھوں سے کوئی اس دنیا کو، مجھ کو اور میرے بچوں کو دیکھے۔''

عروج نے کہا ''آپ نے آخری بار فون کر کے کہا تھا' عینی کو آپ کی وائف کی آنکھیں ملنی چاہیے۔ خواہ وہ آپ سے شادی کرے یا نہ کرے لیکن وہ کبھی کبھی آپ کے بچوں سے آ کر مل لیا کرے۔''

''جی ہاں! میں اب بھی اس بات پر قائم ہوں۔ میں اس سلسلے میں حلفیہ بیان دے سکتا ہوں کہ میں عینی سے کبھی شادی کا تقاضا نہیں کروں گا۔''

''تو پھر آپ ضروری کاغذات تیار کریں۔ ہم کل صبح آ کر اس پر دستخط کریں گے۔''

''میری وائف کی آنکھیں منتقل کرنے کے سلسلے میں تمام کاغذات تیار ہیں۔ میں بھی اپنے طور پر ایک تحریر لکھ کر دے دوں گا۔ آپ کل صبح اپنے کسی بزرگ کے ساتھ عینی کو لے کر ہاسپٹل آ جائیں۔ متعلقہ ڈاکٹرز کی موجودگی میں تمام معاملات طے ہو جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ کل صبح دس بجے ہم ہاسپٹل آ جائیں گے۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ عروج نے عینی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''ان شاء اللہ بات بن جائے گی۔ تمہیں جلد ہی آنکھوں کی روشنی ملے گی۔ انہوں نے کہا ہے' کل ہم اپنے کسی بزرگ کے ساتھ ہاسپٹل آ جائیں۔''

بیگم آفتاب نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ''میں ابھی جا کر اس کے بڑے ابو سے کہتی ہوں۔ وہ کل تمہارے ساتھ ہاسپٹل چلے جائیں گے۔''

وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ اسما نے پریشان ہو کر کہا ''اس ویڈیو فلم کا کیا کیا جائے؟ ہم اسے ضائع کر دیں گے پھر بھی اس کی ماسٹر کاپی اس مکار عورت کے پاس ہوگی۔ نہ جانے وہ آئندہ عینی کے خلاف کیا کرنا چاہتی ہے؟''

عینی نے کہا ''ایسے برے وقت میں بھائی جان ہمارے ساتھ نہیں ہیں لیکن مقدر بھائی جان تو ہیں۔ میں ان سے کہوں گی میرے ہاتھ کی لکیریں پھر سے پڑھیں اور مجھے بتائیں۔ کیا میرے مقدر میں بدنامی اور رسوائی ہے؟''

میں آسرا کے ساتھ آؤٹنگ کے لیے گیا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو عینی، عروج، اسما' فلک ناز سب ہی ڈرائنگ روم میں آ رہی تھیں۔ میں نے عینی کو دیکھتے ہی خوش ہو کر کہا۔ ''خدا کا شکر ہے میری بہن واپس آ گئی ہے۔''

آسرا نے آگے بڑھ کر عینی کو گلے سے لگا لیا پھر کہا ''مجھے مقدر نے بتایا تھا کہ دردانہ نے تمہیں اغوا کیا ہے اور کہا ہے کہ شام تک تمہیں واپس بھیج دیا جائے گا۔ تھینکس گاڈ! تم واپس آ گئی ہو۔''

عینی نے خلا میں تکتے ہوئے مجھ سے کہا ''مقدر نے مجھے اندھیروں میں ڈبو دیا ہے۔ ہم پر کوئی مصیبت آتی تھی تو بھائی جان ہمارے سامنے ڈھال بن جاتے تھے۔ سوتیلی ماں کی سازشوں نے انہیں بھی ہم سے دور کر دیا ہے۔ اب ہم کس کے سہارے جئیں؟ کیا آپ ہمارے کسی کام نہیں آئیں گے؟''

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ''تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ مصیبتوں کے دن ہمیشہ نہیں رہتے۔''

وہ اپنی ہتھیلی بڑھا کر بولی ''آپ ابھی میرا ہاتھ دیکھ کر مجھے بتائیں' کیا میں ہمیشہ اندھیروں میں رہوں گی؟ بد

نصیبی ہمیشہ مجھے ٹھوکریں مارتی رہے گی؟"

میں نے اس کی ہتھیلی کو دونوں ہاتھوں میں لے کر سر جھکا کر اسے چوما پھر کہا "اپنی مٹھی بند کرلو۔ تمہیں جلد ہی روشنی ملنے والی ہے۔"

عروج نے آگے بڑھ کر کہا "بھائی جان! دردانہ نے بڑی ذلالت کا ثبوت دیا ہے۔ اس نے ایسی حرکت کی ہے کہ ہم سب کی گردنیں شرم سے جھک گئی ہیں۔"

میں نے انجان بن کر پوچھا "اس نے ایسا کیا کیا ہے؟"

عروج اس شرم ناک ویڈیو کیسٹ کے بارے میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس نے فلک ناز کی طرف دیکھا۔ فلک ناز نے کہا "مقدر! یہاں میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں اس مکار عورت کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔"

میں فلک ناز کے ساتھ وہاں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں آیا۔ وہاں فلک ناز مجھے اس ویڈیو کیسٹ کے بارے میں بتانے لگی۔ میں نے عینی اور عروج کے پاس آکر تشویش کا اظہار کیا پھر انہیں تسلی دی کہ اس سلسلے میں دردانہ سے بات کروں گا۔ اسے کسی نہ کسی طرح سمجھوتا کرنے اور اس ویڈیو کیسٹ کو کسی بھی شرط پر واپس کرنے پر آمادہ کروں گا۔"

میں انہیں تسلیاں دینے لگا۔ آئندہ ان کے ساتھ اور دردانہ کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، انہیں یہ بتانا مناسب نہیں تھا۔

☆☆☆

پاشا کا سر گھوم رہا تھا۔ دردانہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اسے اس کی دلہن عینی کے ساتھ باہر جانے دیا جائے گا لیکن اس نے دھوکا دیا تھا اور عینی کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ وہ اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر شہباز نے اسے روک لیا تھا۔ اسے سمجھایا تھا کہ عینی کے پیچھے نہیں جانا چاہیے۔ اس کی ممی دردانہ جو کچھ بھی کر رہی ہیں' وہ اس کے خاندان والوں سے انتقام لینے کے لیے کر رہی ہیں۔ اسے ابھی اس کے گھر نہیں جانا چاہیے اور اگر اس نے جانے کی ضد کی تو سیکورٹی گارڈز اسے کوٹھی سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ یہ سنتے ہی اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ یہ بات دماغ میں گونجنے لگی کہ وہ وہاں قیدی بن کر رہ گیا ہے۔ کیا ماں باپ جوان بیٹے کو قیدی بنا کر رکھتے ہیں؟ کیا یہ اپنے بیٹے کے جذبات کو نہیں سمجھنا چاہتے؟ اس کی نئی نویلی دلہن کو چھین کر اس سے دور کر چکے ہیں۔

شہباز درانی سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے حکم دینے کے انداز میں کہا "اپنے بیڈ روم میں جا کر آرام کرو۔ یہاں کچھ لوگ مجھ سے ملنے آرہے ہیں۔"

اس نے سر اٹھا کر شہباز درانی کو دیکھا پھر وہاں سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر آگیا۔ اس کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے اپنے بیڈ روم کی طرف جانے لگا۔ عینی نے اس سے کہا تھا کہ شادی کے بعد وہ اس کے ساتھ اس کے گھر جائے گا تو وہاں عروج سے ملاقات ہوگی پھر دونوں سہیلیاں اسے اس کی پچھلی زندگی کے بہت سے واقعات یاد دلائیں گی۔

وہ چلتے چلتے ایک جگہ رک گیا۔ بے چینی سے سوچنے لگا۔ "یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ مجھ سے جھوٹ بولا جا رہا ہے۔ مجھے دھوکا دیا جا رہا ہے۔ عینی نے کہا تھا' میری ماں کا نام دردانہ اور باپ کا نام شہباز درانی نہیں ہے اور میں نے ڈائری میں جو کچھ لکھا ہے وہ غلط ہے۔ میں عینی سے نہیں عروج سے محبت کرتا تھا۔"

وہ پھر اپنے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے سوچنے لگا۔ "وہ حسین لڑکی دو بار میرے خوابوں میں آچکی ہے۔ ایک بار اس نے کہا تھا کہ مجھے عینی سے شادی کرنی ہوگی۔ اگر میں نہیں کروں گا تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی، مجھ سے دور چلی جائے گی۔ پھر یہی بات عینی نے..... مجھ سے آج کہی تھی۔ اس کی باتوں سے لگتا ہے کہ اس کی سہیلی عروج ہی وہ حسینہ ہے جو میرے خوابوں میں آچکی ہے۔"

وہ اپنے بیڈ روم کے دروازے پر آکر رک گیا۔ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ جگہ جگہ رک کر سوچ رہا تھا۔ "اگر عینی کی باتیں درست ہیں تو پھر وہ ڈائری میں نے نہیں لکھی ہے۔ یہ دردانہ بیگم اور شہباز درانی میرے ماں باپ نہیں ہیں۔"

وہ اندر ہی اندر بری طرح الجھ رہا تھا۔ کیا سچ ہے کیا جھوٹ ہے اچھی طرح سمجھ میں نہیں آرہا تھا لیکن آج دردانہ اور شہباز کے رویے نے اس کے اندر باغیانہ خیالات پیدا کر دیئے تھے۔ وہ عینی کے ساتھ باہر جا کر اپنی حقیقت معلوم کر سکتا تھا لیکن اسے باہر جانے سے جبراً روک دیا گیا تھا۔

وہ سوچتا ہوا، دروازہ کھولتا ہوا اندر آیا' وہاں تہمینہ ایک کرسی پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ اس کے سامنے کچھ فاصلے پر ٹی' وی' آن تھا۔ وہ پاشا کے انتظار میں ٹی' وی' چینل بدل بدل کر دیکھ رہی تھی اور دل بہلا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ مسکرا کر بولی "نئی دلہن مبارک ہو۔ لوگ سہاگ رات مناتے ہیں۔ تم نے سہاگ کا دن منا لیا ہے۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولا "یقیناً تمہیں تکلیف پہنچ رہی

ہے۔"

وہ اس کے قریب ہو کر بولی "تکلیف پہنچے بھی تو کیا فرق پڑتا ہے؟ میں تو اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کر چکی ہوں۔ اب تمہیں جیتنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں رہا ہے۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اچانک ہی اسے ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے کہا "تہمینہ! میں ایک ایسی بات کہہ رہا ہوں جسے سنتے ہی تمہیں شاک پہنچے گا۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے پاشا کو دیکھا پھر پوچھا "کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"تمہیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میری یادداشت واپس آگئی ہے۔"

تہمینہ نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ وہ بولا "میں اپنی پچھلی زندگی کی ایک ایک بات یاد کر رہا ہوں۔"

وہ حیرانی سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے کہا "میری پچھلی زندگی کے کسی لمحے میں بھی تم میرے ساتھ نہیں ہو۔ نہ خلوت میں نہ جلوت میں۔ میرے پیچھے جو سچ چھپا ہوا تھا' وہ میرے سامنے آگیا ہے اور میں تمہارے چہرے پر لکھا ہوا جھوٹ صاف طور سے پڑھ رہا ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ تمہاری یادداشت واپس نہیں آسکتی۔"

"جو یادداشت جا سکتی ہے وہ واپس بھی آسکتی ہے۔ تمہیں یقین کیوں نہیں ہو رہا ہے؟"

"اس لیے کہ ڈاکٹر تمہیں......"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ پاشا نے پوچھا "رک کیوں گئیں؟ آگے بولو؟ ڈاکٹر مجھے کیا کر رہا ہے؟ میرا ٹریٹمنٹ کیسے کر رہا ہے؟"

وہ ہکلاتے ہوئے بولی "میں۔ میں یہی تو کہہ رہی ہوں کہ ڈاکٹر بڑی توجہ سے تمہارا علاج کر رہا ہے۔ یہ تو تم خود ہی دیکھ رہے ہو۔"

"ہاں۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ تم حیران ہو کہ ڈاکٹر اتنی توجہ سے علاج کر رہا ہے' اس کے باوجود میری یادداشت کیسے واپس آرہی ہے؟"

"یہ۔ یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

وہ پریشان ہو کر بولی "کچھ نہیں......"

وہ اتنا کہہ کر جانا چاہتی تھی۔ پاشا نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ اپنے بازو کو دیکھ کر جذباتی انداز میں سوچنے لگی "ہائے! کیسی فولادی گرفت ہے۔ کم بخت جکڑتا ہے مگر چھوڑ دیتا ہے۔"

اس نے کہا "میں کوئی نادان بچہ نہیں ہوں۔ اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ تم میرے سلسلے میں کوئی بہت اہم بات چھپا رہی ہو۔ خاص طور پر ڈاکٹر کی ٹریٹمنٹ کے بارے میں۔ جب تک تم صحیح بات نہیں بتاؤ گی میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔"

اس نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے آگے بڑھ کر، اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بہت ہی جذباتی انداز میں بولی "مجھے یوں جکڑنے کے بعد نہ چھوڑو۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں۔ تم سے کچھ نہیں چھپا رہی ہوں۔"

وہ اسے اپنے سے الگ کرنے لگا لیکن وہ جونک کی طرح چمٹتی جا رہی تھی' کہتی جا رہی تھی "مجھے الگ نہ کرو۔ میری بات سنو۔ ڈاکٹر نے کہا تھا تمہاری یادداشت کبھی واپس نہیں آئے گی۔ اس لیے میں حیران ہو رہی تھی۔ مجھے اب بھی تمہاری بات کا یقین نہیں آرہا ہے کہ تمہیں پچھلی باتیں یاد آنے لگی ہیں۔"

وہ بولتی جا رہی تھی اور کمبل بنتی جا رہی تھی۔ پاشا اسے اپنے سے الگ کرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ ایسی ہی کوششوں کے دوران میں اس کی نظریں اس کے کھلے ہوئے گریبان کی طرف گئیں۔ لپٹتے اور جھپٹتے وقت چھپا ہوا خزانہ دکھائی دے رہا تھا۔ پاشا نے چونک کر اسے دیکھا پھر فوراً ہی اپنا ہاتھ وہاں ڈالا تو وہ ہائے کہتی ہوئی بولی "یہ کیا کر رہے ہو؟ تم تو بالکل ہی فری ہو رہے ہو۔"

پاشا نے اپنا ہاتھ باہر نکال کر مٹھی کھولتے ہوئے کہا "میں یہ کر رہا تھا۔"

وہ ایک دم سے گھبرا گئی۔ اس سے الگ ہوگئی۔ پاشا کے ہاتھ میں ایک تہ کیا ہوا کاغذ تھا۔ وہ کاغذ کی طرف جھپٹتے ہوئے بولی "یہ کچھ نہیں ہے۔ مجھے دو۔"

پاشا نے ہاتھ بلند کیا۔ وہ اچھل اچھل کر اس کاغذ تک پہنچنے کی کوششیں کرنے لگی اور کہنے لگی "فار گاڈ سیک، یہ تمہارے کام کی چیز نہیں ہے۔ مجھے واپس کرو۔ مجھے دے دو۔"

پاشا نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم اسے حاصل کرنے کے لیے اس قدر بے چین کیوں ہو رہی ہو؟"

وہ ہانپتے ہوئے بولی "یہ میرا پرسنل معاملہ ہے۔ پلیز اسے کھول کر نہ پڑھنا۔ یہ بات آؤٹ آف ایٹی کیٹ ہوگی۔"

وہ اچھلتے اچھلتے تھک گئی تھی۔ ہانپتے ہوئے اس کا ایک ہاتھ تھام کر التجا کرنے لگی "یہ تمہارے کام کی چیز نہیں ہے۔ خدا

کے لیے اسے نہ کھولو۔ اسے نہ پڑھو۔ مجھے واپس کردو۔"

"تمہارا اصرار، تمہاری پریشانی کہہ رہی ہے کہ مجھے ضرور پڑھنا چاہیے۔ تم ادھر کرسی پر جا کر بیٹھ جاؤ۔"

"میں نہیں بیٹھوں گی۔"

وہ پھر کاغذ کی طرف جھپٹنا چاہتی تھی۔ پاشا نے اسے ایک دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی کرسی کے پاس گئی پھر کرسی سمیت فرش پر گر پڑی اور تکلیف سے کراہنے لگی۔ وہاں سے فوراً ہی اٹھ نہ سکی۔ کمر پکڑ کر، تکلیف برداشت کرتی ہوئی اٹھنے لگی۔ اس وقت تک پاشا اس کاغذ کو کھول کر پڑھ رہا تھا۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر پلٹ کر دیکھا تو گھبرا گئی۔ اس کاغذ کی طرف لپکنا چاہتی تھی لیکن ایک قدم آگے بڑھتے ہی پھر تکلیف سے کراہتی ہوئی فرش پر گر پڑی۔ کمر کی ہڈی پر سخت چوٹ لگی تھی۔ وہ سر اٹھا کر بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

اس نے کھلے ہوئے کاغذ کو دکھاتے ہوئے پوچھا "یہ کیا لکھا ہوا ہے؟"

وہ کراہتے ہوئے بولی "یہ میرا اپنا حساب کتاب ہے۔ تم نہیں سمجھو گے۔"

"میں ایسا اناڑی بھی نہیں ہوں۔ اتنا تو سمجھتا ہوں کہ یہ سب کوڈ ورڈز میں لکھا گیا ہے۔ تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ' یہ بتادو کہ کوڈ ورڈز اور کوڈ نمبرز کے پیچھے کیا باتیں چھپی ہوئی ہیں؟"

"جو باتیں چھپی ہوئی ہیں ان کا تعلق تم سے نہیں ہے۔ یہ جانتے ہو کہ میں باس کی رازدار سیکریٹری ہوں۔ ان کے اہم پیغامات اور اہم معاملات کو کوڈ ورڈز میں لکھا جاتا ہے پھر میں پرائیویٹ چیمبر میں جا کر انہیں کسی ریکارڈ فائل میں رکھ دیتی ہوں۔"

"تو پھر اسے ریکارڈ فائل میں کیوں نہیں رکھا؟"

"میں بعد میں رکھ دوں گی۔"

"ڈیڈی ابھی یہاں موجود ہیں۔ وہ خود اس کاغذ کو وہاں لے جا کر رکھ سکتے ہیں پھر انہوں نے تمہیں رکھنے کے لیے کیوں دیا؟ اور جب دیا ہے تو تم نے اسے گریبان کے اندر چھپا کر کیوں رکھا ہے؟"

"یہ میرا اور باس کا معاملہ ہے۔ تم نہیں سمجھو گے۔"

"میں سمجھنا چاہتا ہوں اور اگر تم نے نہ سمجھایا تو میں ابھی جا کر اسے ڈیڈی کو دکھاؤں گا اور پوچھوں گا کہ یہ ریکارڈ فائل میں کیوں نہیں ہے؟ تمہارے گریبان میں کیوں چھپا ہوا ہے؟"

وہ ایک دم سے گھبرا گئی۔ نہیں نہیں کے انداز میں سر ہلانے لگی۔ اس سے آ کر لپٹنا چاہتی تھی۔ وہ دور ہو کر ایک ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا "خبردار! مجھ سے فاصلہ رکھو۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ یہ کاغذ تمہارے لیے کتنا اہم ہے۔"

وہ بے بسی سے بولی "پاشا! کیوں میرے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہو؟"

"میری ایک بات کا جواب دو۔ اس کاغذ کو ڈیڈی کے ہاتھوں میں پہنچنا چاہیے یا نہیں؟"

وہ نہیں نہیں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی "مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔"

"ٹھیک ہے پھر میں ڈیڈی سے سوال کروں گا۔"

وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولی "نہیں۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔"

"تو تم مجھے ایسا کرنے سے روکو گی؟"

وہ ایک دم سے دوڑتی ہوئی آ کر اس کے قدموں سے لپٹ گئی "نہیں۔ خدا کے لیے یہ مجھے واپس کردو یا اسے جلا ڈالو۔"

وہ سر جھکا کر اسے اپنے قدموں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب میں کسی حد تک تمہیں سمجھ رہا ہوں۔ تم ڈیڈی سے فراڈ کر رہی ہو۔ ان کی لاعلمی میں کوئی بہت بڑا گیم کھیل رہی ہو۔"

وہ روتے ہوئے بولی "آہستہ بولو۔ اگر باہر تک آواز گئی اور باس نے سن لیا تو مجھے اپنے ٹارچ سیل میں پہنچا دیں گے۔ وہاں اتنی اذیتیں دی جائیں گی کہ میں موت کی بھیک مانگتی رہوں گی لیکن وہ مجھے مرنے نہیں دیں گے۔ پتا نہیں کتنے دن اور کتنی راتوں تک اذیتیں دینے کے بعد مجھے موت ملے گی۔"

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر بولی "اسے جلا ڈالو۔"

"کیوں جلا ڈالوں؟ تم اپنے اس باس کو دھوکا دے رہی ہو جو میرا باپ ہے۔"

وہ جلدی سے بولی "وہ تمہارے باپ نہیں ہیں۔"

اس نے طنزیہ انداز میں اسے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولا "آگے بولو؟"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی "تم میرے کام آؤ۔ میں تمہارے کام آؤں گی۔ یہ کاغذ مجھے واپس کردو۔ میں تمہارے بارے میں جتنا جانتی ہوں' تمہیں بتاؤں گی۔"

"میرے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

"میں سب کچھ بتاؤں گی۔ پہلے وہ کاغذ مجھے دے دو۔"

وہ کاغذ کو مٹھی میں بند کرتے ہوئے بولا "یہ تمہاری کمزوری ہے' میرے ہاتھ میں رہے گی۔ میرے نام نہاد ڈیڈی کے پاس نہیں پہنچے گی۔ چلو، وقت ضائع نہ کرو۔ میرے بارے میں بتاؤ؟"

وہ ٹھہر ٹھہر بولی "تمہیں بہت ہی زخمی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔ پتا نہیں تمہیں کتنی گولیاں لگی تھیں۔ تم سر سے پاؤں تک لہو میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ یہاں بڑی رازداری سے تمہارا علاج ہوتا رہا ہے۔"

"وہ دشمن کون تھے' جنہوں نے مجھے زخمی کیا تھا؟"

"یہی دردانہ بیگم' جنہیں تم اپنی ممی کہتے ہو۔ پہلے تو طے کیا گیا کہ تمہیں قیدی بنا کر رکھا جائے گا پھر تم ہوش میں آئے اور خود کو پہچان نہ سکے۔ اپنے بارے میں پوچھنے لگے' تب اندازہ ہوا کہ تمہاری یادداشت گم ہو چکی ہے۔ دردانہ اور مسٹر درانی نے فیصلہ کیا کہ تمہیں اسی طرح رکھا جائے گا۔ ڈاکٹر ایسے انجکشن لگایا کرے گا کہ تمہارا دماغ ہمیشہ کمزور رہے گا۔ کبھی تمہاری یادداشت بحال نہیں ہو سکے گی۔"

"مجھے انجکشن کب لگایا جاتا ہے؟"

"ہر سات دن کے بعد ہفتے کی رات کو۔"

"ہوں۔ تو وہ انجکشن مجھے کمزور بنانے اور قیدی بنا کر رکھنے کے لیے لگایا جاتا ہے۔ مجھے تصویروں کے البم دکھائے گئے جن میں دردانہ اور شہباز درانی کے ساتھ میری تصویریں ہیں پھر میرے شناختی کارڈ میں باپ کی جگہ شہباز درانی کا نام لکھا ہوا ہے۔"

"یہ سب جعلی تصویریں ہیں۔ جعلی شناختی کارڈ ہے۔ وہ ڈائری بھی تم نے نہیں لکھی ہے۔ تحریر کی نقالی کرنے والے ایک ماہر کو اچھی خاصی رقم دے کر وہ ڈائری لکھوائی گئی ہے۔"

"اوہ گاڈ! مجھ سے کتنا بڑا فراڈ کیا جا رہا ہے۔ میری پچھلی زندگی کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"میں تمہارے بارے میں اور کچھ نہیں جانتی کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ ایک بار میں نے دردانہ بیگم کو مسٹر درانی سے باتیں کرتے ہوئے سنا تھا کہ تمہاری شادی عینی سے ہونے والی تھی اور وہ اس شادی کو روکنے کے لیے تم پر قاتلانہ حملہ کرا چکے تھے۔ ان کے آدمی تمہیں تلاش کر رہے تھے پھر میں نے دوسرے دن دیکھا تمہیں زخمی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔"

وہ سوچتے ہوئے زیر لب بڑبڑانے لگا "عینی درست کہہ رہی تھی کہ میں اس کے ساتھ اس کے گھر چلوں گا۔ وہاں عروج سے ملاقات ہوگی تو دونوں سہیلیاں مجھے میری پچھلی زندگی کے بارے میں بہت کچھ بتائیں گی۔"

تہمینہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا "ابھی تو تم نے کہا تھا تمہاری یادداشت واپس آ گئی ہے اور تم اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سب کچھ جانتے ہو؟"

"میں نے جھوٹ کہا تھا۔ تم سے حقیقت اگلوانا چاہتا تھا۔ تھینکس گاڈ! مقدر میرا ساتھ دے رہا ہے۔ یہ کاغذ تمہارے گریبان سے نہ نکلتا اور میرے ہاتھ نہ آتا تو کبھی مجھے اصلیت معلوم نہ ہوتی اور میں ہمیشہ ان فراڈ ممی اور ڈیڈی کا قیدی بنا رہتا۔"

"اب کیا سمجھتے ہو؟ آئندہ ان کے قیدی بن کر نہیں رہو گے؟ ان کی اجازت کے بغیر یہاں سے باہر جا سکو گے؟"

وہ پریشان ہو کر اسے تکنے لگا۔ وہ بولی "تم نے اتنا عرصہ یہاں رہ کر دیکھا ہے کہ کتنے سخت حفاظتی انتظامات ہیں۔ میڈم اور باس کی اجازت کے بغیر کوئی یہاں سے باہر قدم نہیں نکال سکتا اور باہر کا کوئی بندہ یہاں قدم نہیں رکھ سکتا۔"

وہ ٹہلنے کے انداز میں اس سے ذرا دور گیا۔ سوچتا رہا پھر بولا "مجھے کچھ کرنا ہوگا۔"

"تم کچھ بھی کرلو۔ ان سے بغاوت کرو گے۔ زنجیریں توڑ کر یہاں سے جانا چاہو گے تو تمہیں گولی ماردی جائے گی۔ یہ تمہیں بیٹا کہتے ہیں لیکن انہوں نے تمہیں موبائل فون نہیں دیا ہے اور تم یہاں کے فون سے کسی سے بھی رابطہ کرو گے تو انہیں خبر ہو جائے گی۔ کیونکہ یہاں کی تمام کالوں کو ٹیپ کیا جاتا ہے۔"

اس نے کہا "ایک بار میں تمہارے ساتھ شاپنگ سینٹر گیا تھا۔ ہو سکتا ہے پھر کسی ضرورت کے تحت دردانہ اور درانی مجھے یہاں سے باہر لے جائیں۔"

"تم کیا سمجھتے ہو۔ تم میرے ساتھ شاپنگ سینٹر تک تنہا گئے تھے؟ نہیں ہمارے ساتھ آگے پیچھے مسلح افراد تھے۔ وہ تمہیں نظر نہیں آ رہے تھے لیکن میں اچھی طرح جانتی ہوں' تمہاری نگرانی کی جا رہی تھی۔"

"کچھ بھی ہو۔ میں خطرہ مول لوں گا۔ میرے سر کے بال بہت بڑھ گئے ہیں۔ میں ہیئر کٹنگ کے بہانے یہاں سے باہر جانے کی کوشش کروں گا۔"

"وہ جانے دیں گے لیکن تم سخت نگرانی میں رہو گے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں انہیں دھوکا دے کر، ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کہیں نکل جاؤں گا۔"

"کہاں نکل جاؤ گے؟ تم شہباز درانی کو نہیں جانتے' وہ یہاں سے واشنگٹن تک وسیع ذرائع اور بے انتہا اختیارات کا

مالک ہے۔ تم جہاں جاؤ گے' وہاں اس کے آلہ کار تمہیں گولی مار دیں گے۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ بولی "تم پہلے بھی ان سے بھاگ رہے تھے' انہوں نے تم پر دن کے وقت حملہ کرایا تھا۔ تم ان کے قابو میں نہیں آئے تھے۔ وہ سب تلاش کرتے رہے تھے۔ آخر پتا نہیں کہاں تم نظر آ گئے تھے اور وہ تمہیں گولیوں سے چھلنی کر کے یہاں لے آئے تھے۔"

وہ پریشانی سے سوچتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بولی "تم میرے راز دار ہو۔ میں تمہاری راز دار رہوں گی۔ انہیں یہ نہیں بتاؤں گی کہ تمہیں اپنے ماضی کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے اور تم اپنے ان ماں باپ کو فراڈ سمجھ رہے ہو۔ تمہیں بھی یہ بات چھپا کر رکھنی ہو گی۔"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولی "یہ کاغذ مجھے دے دو۔ میں تمہارے بہت کام آؤں گی۔"

اس نے کاغذ کو دیکھا پھر پوچھا "تم کس طرح میرے کام آؤ گی؟"

"مجھے ہفتے میں ایک دن کی چھٹی ملتی ہے۔ میں پورا دن اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں کے ساتھ گزارتی ہوں۔ باہر کی دنیا سے میرا تعلق رہتا ہے۔ میں تمہارا کوئی بھی پیغام بڑی راز داری سے عینی تک پہنچا سکوں گی۔ یہ یقین تو نہیں ہے کہ وہ تمہاری رہائی کے لیے کچھ کر سکے گی لیکن ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ تمہاری رہائی کے لیے کوئی راستہ نکال ہی لے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا "ہاں، مجھے فی الحال یہاں قیدی بن کر رہنا چاہیے اور عینی کے ذریعے رہائی کا کوئی راستہ نکالنا چاہیے۔"

تہمینہ نے کاغذ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ کاغذ کو اپنی طرف کھینچ کر بولا "اب اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم شہباز درانی سے کس طرح کا فراڈ کر رہی ہو؟"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی پھر بولی "آج سے دس دن پہلے ایک نامعلوم شخص نے فون پر مجھ سے رابطہ کیا پھر کہا میری چھوٹی بہن اس کے قبضے میں ہے اور وہ اس وقت تک گھر واپس نہیں آئے گی' جب تک میں اس کے احکامات کی تعمیل نہیں کروں گی۔ اس نے یہ بھی وارننگ دی کہ میں شہباز درانی سے اس کا ذکر کروں گی اور اس کی مدد لینا چاہوں گی تو میری بہن مجھے زندہ واپس نہیں ملے گی اور شہباز درانی اس اغوا کرنے والے کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"وہ نامعلوم شخص تم سے کیا چاہتا تھا؟"

"اس نے کہا کہ میں شہباز درانی کی ذاتی اور سیاسی مصروفیات کے بارے میں ایک ایک بات جانتی ہوں۔ اگر میں اسے تمام معاملات اور تمام مصروفیات کے بارے میں رپورٹ دیتی رہوں گی تو وہ میری بہن کو رہا بھی کر دے گا اور پچیس لاکھ روپے بھی دے گا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میرے ماں باپ بہت بوڑھے ہیں۔ میں اپنے بھائی بہنوں کو بہت چاہتی ہوں۔ انہیں ماں کی طرح پیار کرتی ہوں۔ میری وہ بہن جو اس نامعلوم شخص کے قبضے میں تھی' میں اس کی شادی کرنے والی تھی۔ میرے سامنے یہی ایک راستہ تھا کہ اس کی بات مان لوں اور پچیس لاکھ روپے قبول کر لوں تاکہ اپنی بہن کے اور بھائیوں کے مستقبل کو سنوار سکوں۔"

"تو تم یہاں رہ کر اس کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہی ہو؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا "وہ زبان کا دھنی ہے۔ اس نے میری بہن کو رہا کر دیا ہے۔ میرے بوڑھے باپ کے اکاؤنٹ میں پچیس لاکھ روپے جمع کرا دیے ہیں۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ میرے اکاؤنٹ میں رقم جمع ہو گی تو شہباز درانی کو اطلاع مل جائے گی کیونکہ اس کے جاسوس میری بھی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔"

اس نے اس کاغذ کی طرف دیکھا جو پاشا کی گرفت میں تھا۔ وہ بولا۔ "اطمینان رکھو۔ میں تمہارے ساتھ دشمنی نہیں کروں گا۔ آگے بولو۔"

"میں اس کے احکامات کے مطابق یہاں کی ایک ایک رپورٹ موبائل فون کے ذریعے پہنچاتی ہوں کہ وہ کس طرح دروانہ بیگم کا دیوانہ ہے۔ سیاسی معاملات کے علاوہ کس طرح دروانہ کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لیتے ہوئے عینی اور ذیشان وغیرہ کے خلاف کوئی نہ کوئی کارروائی کرتا رہتا ہے۔"

پاشا نے پوچھا "اس کاغذ پر لکھے ہوئے کوڈ ورڈز اور کوڈ نمبرز کے بارے میں بتاؤ؟"

وہ بولی "اس نامعلوم شخص نے مجھے ایک نیا کام دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اس کے عوض مزید پچیس لاکھ روپے میرے باپ کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دے گا۔ اس نے مجھے چند کوڈ الفاظ اور کوڈ نمبرز لکھوائے اور کہا کہ ان تمام کوڈز کے مطابق شہباز درانی کے پرائیویٹ چیمبر میں فائلیں رکھی ہوئی ہیں۔ میں ان فائلوں کے اندر سے تمام کاغذات چرا کر لے آؤں۔"

پاشا نے کہا "شہباز درانی اپنے پرائیویٹ چیمبر میں کسی کو

نہیں جانے دیتا۔ تم کیسے جا سکتی ہو؟"

"میں جاتی ہوں۔ ہر دوسرے تیسرے دن وہ مجھے وہاں کی صفائی کے لیے بلاتا ہے۔ اس کے مطالعے کے دوران جو فائلیں اور جو کیسٹس وغیرہ بے ترتیب ہو جاتے ہیں انہیں ترتیب سے رکھنے کو کہتا ہے۔ آئندہ ایسے وقت میں ہاتھ کی صفائی دکھانے کی کوشش کروں گی۔"

پاشا نے وہ کاغذ اس کو دیتے ہوئے کہا "میں تمہاری یہ کمزوری اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا لیکن ایسا نہیں کر رہا ہوں لیکن اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ کبھی مجھ سے فراڈ کر سکو گی۔ جب بھی کرنا چاہو گی تو میں تمہاری ایک اور کمزوری سے کھیلوں گا۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "تمہارے باپ کے اکاؤنٹ میں پچاس لاکھ روپے جمع کیے گئے ہیں۔ تم دشمنی کرو گی تو میں بھی دشمنی سے شہباز درانی کو یہ بتا دوں گا۔ پھر تم سے جواب طلب کیا جائے گا کہ اتنی بڑی رقم تمہارے باپ کے اکاؤنٹ میں کہاں سے آ گئی؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آئی پھر اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی "میں تم سے کبھی دشمنی نہیں کروں گی۔ تم میرے دل کو اور میری محبت کو کیوں نہیں سمجھ رہے ہو۔ ہم دونوں بڑی محبت سے زندگی گزار سکتے ہیں۔"

پاشا نے اپنے گھٹنوں پر سے اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا "میری فطرت میں عیاشی ہوتی تو میں پہلے ہی دن تمہاری طرف مائل ہو جاتا۔ اس بات کو اپنے دل اور اپنے دماغ سے نکال دو کہ مجھ سے کبھی جسمانی تعلقات قائم ہو سکیں گے۔ میں اپنی پچھلی زندگی بھلا چکا ہوں۔ اس کے باوجود میری فطرت میں پارسائی ہے۔ مجھے یقین ہے میں نے کبھی گناہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی آئندہ کروں گا۔ یہاں سے اٹھو اور اپنی جگہ جا کر بیٹھ جاؤ۔"

وہ سر جھکا کر اٹھ گئی۔ جس کرسی سے اٹھ کر آئی تھی وہاں بیٹھ گئی۔ جب وہ کمرے میں آیا تھا تو وہ اسی کرسی پر بیٹھی ہوئی ٹی' وی' دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹی' وی' اب تک آن تھا۔ پاشا نے سر گھما کر ادھر دیکھا پھر کہا "اسے کیوں خواہ مخواہ آن کر رکھا ہے؟ بند کرو۔"

تہمینہ نے پاس رکھے ہوئے ریموٹ کنٹرول کو اٹھایا۔ وقت پاشا اسکرین کی طرف دیکھ کر ایک دم سے چونک گیا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں اسکرین پر عروج دکھائی دے رہی تھی۔ اسی وقت تہمینہ نے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اسے آف کیا۔ ٹی' وی بند ہو گیا۔ وہ چیخ کر بولا "آن کرو۔ فوراً آن کرو۔"

تہمینہ نے اسے پھر آن کیا۔ وہ چیخ کر بولا "آواز بڑھاؤ۔"

اس نے آواز بڑھائی۔ نیوز چینل پر کہا جا رہا تھا "ہاسپٹل کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے ڈاکٹر عروج کو اس سال کی بہترین کارکردگی پر پرائیڈ آف پرفارمنس کی یہ سند عطا کی ہے اور انہیں سینئر سرجن کے عہدے پر فائز کیا ہے۔"

پاشا کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے حلق میں آ رہا ہو۔ وہاں منظر تبدیل ہو گیا تھا۔ نیوز کا دوسرا حصہ سنایا جا رہا تھا۔ عروج اسکرین سے گم ہو گئی تھی۔ وہ تڑپ کر تیزی سے چلتا ہوا ٹی' وی' کے پاس آیا پھر اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر بولا "یہی ہے۔ وہ حسینہ یہی ہے۔ میں نے اسے ہی خوابوں میں دیکھا تھا۔"

تہمینہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی دیوانگی کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی پھر آگے بڑھ کر بولی "مگر تم تو عینی کو چاہتے ہو؟ تمہاری شادی اس سے ہو چکی ہے۔"

وہ بڑے جذبے سے بولا "نہیں' میں عینی کو نہیں عروج کو چاہتا ہوں۔ خواب میں عروج نے مجھ سے کہا تھا میں عینی سے شادی کروں۔ اگر نہیں کروں گا تو وہ مجھ سے شادی نہیں کرے گی۔ مجھ سے دور ہو جائے گی۔"

اس نے کہا "عروج نے یہ بات تمہیں خواب میں کہی تھی۔ حقیقت میں نہیں کہی تھی۔"

"یقیناً اس نے کبھی سچ مچ یہ کہا ہو گا۔ یہ بات عینی نے آج مجھ سے کہی تھی کہ عروج مجھے چاہتی ہے۔ مجھ سے شادی کرنا بھی چاہتی ہے لیکن اس کی شرط یہی ہے کہ پہلے میں عینی سے شادی کروں۔ وہ عینی کو اپنی سوکن بنانا چاہتی تھی۔"

وہ بولی۔ "ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی لڑکی شادی سے پہلے کسی دوسری لڑکی کو اپنی سوکن بنانے کی خواہش کرے۔"

"اگر تم نے ایسی سرپھری سہیلیوں کو نہیں دیکھا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری دنیا میں ایسی محبت کرنے والی لڑکیاں نہیں ہوتی ہیں۔ ضرور ہوتی ہیں اور میری زندگی میں تو ہیں۔ میرے ساتھ ایسا ہو رہا ہے۔"

اس نے پوچھا "کیا عینی کی سہیلی یہی ڈاکٹر عروج ہے جو ابھی اسکرین پر نظر آ رہی تھی۔"

"میرا دل کہتا ہے، میرا دماغ کہتا ہے کہ یہی ہے۔ اسے میں نے خوابوں میں دیکھا ہے پھر اس کا ذکر عینی نے کیا۔ اس کا چہرہ میرے ذہن میں نقش ہو گیا ہے۔ اسی لیے میں نے

اسے اسکرین پر دیکھتے ہی پہچان لیا ہے۔"

"کیا یہ عجیب سی بات نہیں ہے کہ تم اپنے خوابوں اور خیالوں میں اس عروج کو چاہتے ہو لیکن تم نے عینی سے شادی کی ہے۔"

"میں نے حالات سے مجبور ہو کر ایسا کیا ہے لیکن یہ یقین سے کہتا ہوں کہ میں نے خواب کے مطابق اور عروج کی خواہش کے مطابق یہ شادی کی ہے۔ بہرحال جو بھی ہو رہا ہے' اچھا ہی ہو رہا ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں عینی سے شادی کرنے کے بعد اپنی عروج کے قریب پہنچنے والا ہوں۔"

اس نے سر اٹھا کر تہمینہ کو دیکھا پھر پوچھا "تم سنڈے کو چھٹی کرتی ہو۔ یعنی آج سے دو دن بعد اپنے گھر والوں سے ملنے جاؤ گی۔ کیا عینی اور عروج کو میرا پیغام دو گی؟"

وہ سوچنے کے انداز میں ٹہلتی ہوئی اس سے ذرا دور گئی پھر پلٹ کر واپس آتے ہوئے بولی "مجھے بہت بڑا خطرہ مول لینا ہوگا۔ میں راز داری سے عینی کو فون کروں گی تو وہ سوال کرے گی کہ میں کون ہوں؟ اور جو کچھ میں تمہارے بارے میں اس سے کہوں گی وہ یقین کرنے کی کوشش کرے گی یا نہیں؟ اگر یقین کرے گی اور یہاں کسی فون پر تم سے بات کرے گی تو راز کھل جائے گا۔ مجھ پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ شہباز درانی ایک درندہ ہے۔ اسے ذرا بھی شبہ ہوا تو وہ صرف مجھے ہی نہیں میری پوری فیملی کو خاک میں ملا دے گا۔"

"تم اس طرح ڈرتی رہو گی تو میرا کوئی کام نہیں کر سکو گی۔"

وہ بولی "تم نے یہ کاغذ مجھے واپس کیا ہے۔ میرے راز دار بن گئے ہو۔ اس لیے میں تمہارے کام ضرور آؤں گی۔ اس بار میں باہر جاؤں گی تو ایک موبائل فون خرید کر اسے چھپا کر تمہارے پاس لاؤں گی۔ تم اسے چھپا کر رکھو گے اور بڑی راز داری سے عینی اور عروج سے باتیں کر سکو گے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "تھینک یو تہمینہ! اگر ایسا ہو جائے تو میں ان دونوں سے کھل کر باتیں کر سکوں گا اور یہاں سے نکلنے کا کوئی ٹھوس منصوبہ بنا سکوں گا۔"

"اچھا میں چلتی ہوں" اس نے مسکراتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ پاشا نے خوش ہو کر اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ دونوں کے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم ہو چکا تھا۔

شہباز درانی بہت ہی وسیع ذرائع کا اور بے انتہا اختیارات کا مالک تھا۔ بڑے بڑے شہزوروں کو خواہ وہ سیاسی ہوں یا غیر سیاسی ہوں سب ہی کو کچل کر رکھ دیتا تھا۔ بے شک وہ ایک بلند و بالا پہاڑ تھا لیکن وہ پہاڑ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کھدائی کرنے والے اس کے نیچے سرنگ بناتے جا رہے ہیں۔

☆☆☆

گل خانم اپنی ہی کوٹھی میں قیدی بن کر رہ گئی تھی۔ اندر اور باہر مسلح پولیس والے تھے۔ اسے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ فون کا کنکشن کاٹ دیا گیا تھا اور موبائل فون چھین لیا گیا تھا۔ اس طرح وہ کسی سے رابطہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی گورنس کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک لیڈی کانسٹیبل کو وہاں رکھا گیا تھا۔

یاور خان کا علاج پولیس ہاسپٹل میں ہو رہا تھا۔ وہاں بھی اس کی سختی سے نگرانی کی جا رہی تھی اور کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں دی جا رہی تھی۔ گل خانم کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا کہ اس کی وجہ سے اس کا محسن ایس' پی' ذیشان مصائب میں مبتلا ہو گیا ہے۔ دوسرے دن صبح باقر مہدی نے بتایا تھا کہ اس ایس' پی' کو معطل کر دیا گیا ہے اور اب وہ جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے ہے۔

یہ ایسی خبر تھی جسے سنتے ہی گل خانم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اپنے آپ کو کوس رہی تھی، گالیاں دے رہی تھی کہ اس نے ایک ہمدرد محسن کی قدر نہیں کی۔ اسے ایک اعلیٰ عہدے سے نیچے گرا کر ذلت کی انتہائی پستیوں میں پہنچا دیا ہے۔

وہ یاور خان کے متعلق تذبذب میں مبتلا رہا کرتی تھی کہ طلاق کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہیے یا نہیں؟ وہ اس کی زندگی میں پہلی بار محبوب کی حیثیت سے آیا تھا۔ اس کی پہلی محبت' پہلا محبوب تھا۔ اس لیے دل اسی کی طرف کھنچا جاتا تھا۔ ایک عورت کی شرم کہتی تھی کہ ایک کے ساتھ تنہائی میں زندگی گزار چکی ہے تو آئندہ بھی اسی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیے۔ لیکن اس کی جہالت اور بد دماغی نے پریشان کر رکھا تھا۔ آخر انتہا یہ ہوئی کہ اس نے اپنی جہالت کے باعث غصے میں آ کر طلاق دے دی۔ صرف اتنا ہی نہیں' اس کی وجہ سے اس کا نوزائیدہ بچہ بھی مارا گیا تھا۔ وہ بہت دنوں تک اس سے نفرت کرتی رہی لیکن اندر ہی اندر اس ظالم شوہر کے لیے کشش محسوس کرتی رہی۔

ایسے حالات میں وہ ایس' پی' ذیشان کی شخصیت سے متاثر ہونے لگی۔ وہ اس کے برے وقتوں میں کام آ رہا تھا۔ ہمدردی سے اور محبت سے اس کے دل میں جگہ بنا رہا تھا۔ بہت جلد وہ ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے تھے' جس کی تو

ہیں کر سکتی تھی۔

بات شادی تک آ پہنچی تھی کہ عدت کے ایام گزارنے کے بعد وہ اس کی شریک حیات بن جائے گی لیکن ذیشان نے ایسی شرائط پیش کیں' جن کی وجہ سے اس کا دل اس کی طرف سے پھرنے لگا۔ شرائط یہ تھیں کہ وہ عارضی طور پر نکاح کرے گا تا کہ گل خانم طلاق لے کر اپنے سابقہ شوہر سے رجوع کر سکے اور وہ گل خانم کو طلاق بھی اسی وقت دے گا جب وہ اس کے لیے ایک بچے کو جنم دے گی۔

ایسی شرائط کوئی مجبور عورت ہی مان سکتی تھی اور گل خانم مجبور نہیں تھی۔ ایک تو وہ شادی کے بعد طلاق لینا نہیں چاہتی تھی۔ اگر سابقہ شوہر سے رجوع کرنا ہوتا اور طلاق لینی ہوتی تو وہ ایک ماں بننے کے بعد اپنا بچہ ذیشان کے حوالے نہیں کر سکتی تھی۔ یہ ایسی عورت کے لیے ناممکن سی بات تھی جو ایک بچے سے پہلے ہی محروم ہو چکی تھی۔ اور اب ذیشان اسے دوسرے بچے سے محروم کرنے کی بات کر رہا تھا۔

ان حالات نے اسے تذبذب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ کیا کرے کیا نہ کرے؟ ذیشان سے دل پھر گیا تھا۔ لیکن جب سے معلوم ہوا کہ وہ اس کی خاطر جیل چلا گیا ہے، ذلتیں اٹھا رہا ہے تو وہ ایک دم سے تڑپ گئی۔ دل میں چھپی ہوئی اور لاشعور میں دبی ہوئی محبت پھر سے ابھر آئی۔ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگی۔ ذیشان اس کے معاملات میں ملوث ہو کر اس انجام کو پہنچ رہا تھا۔ رہ رہ کر ایک ہی خیال آتا تھا کہ کس طرح وہ اپنے محسن کو ناکردہ گناہ کی سزاؤں سے بچائے؟

اسے اس کی ہی کوٹھی میں نظر بند کیا گیا تھا۔ اور اسے کسی سے بات کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ بالکل ہی بے دست و پا ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ اپنے اور ذیشان کے حق میں کیس لڑنے کے لیے کسی اچھے وکیل کی خدمات حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن اسے ایسا کرنے کا موقع نہیں دیا جا رہا تھا۔

وہ اپنے بیڈ روم میں تھی۔ اسے اطلاع دی گئی کہ سی' آئی' اے کا افسر باقر مہدی اس سے ملنے آیا ہے۔ وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو باقر مہدی کے ساتھ دردانہ بیگم آئی ہوئی تھی۔ اس نے تعارف کرایا "میڈم! یہ گل خانم ہے۔ یاور خان سے طلاق لے کر بیٹھی ہوئی ہے۔"

تعارف کرانے کا انداز ایسا تھا جیسے اسے بد چلنی کے باعث طلاق دے کر انتہائی پستی میں پھینک دیا گیا ہو۔ وہ ناگواری سے بولی "سوری آفیسر! میں نے طلاق نہیں لی ہے۔ میرے جاہل اور بد دماغ شوہر نے مجھے طلاق دی ہے اور میں یہاں بے بس اور مجبور ہو کر نہیں بیٹھی ہوں بلکہ آپ قانون کو ہاتھوں میں لے کر مجھے مجبور اور بے بس بنا رہے ہیں۔"

دردانہ نے حقارت سے کہا "یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تم ذیشان کے ساتھ منہ کالا کر چکی ہو۔ یہ تو تمہیں عدالت میں معلوم ہوگا کہ کون قانون کو ہاتھ میں لے رہا ہے؟"

گل خانم نے بھی اسے حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا "تو کون ہے؟ کیا اس آفیسر کے ساتھ منہ کالا کر کے آئی ہے؟"

باقر مہدی نے ایک دم سے غصے میں آ کر کہا "یو شٹ اپ نان سینس۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو گل خانم نے کلائی پکڑ لی پھر کہا "آفیسر! میں پٹھان عورت ہوں۔ اگر میرا ایک ہاتھ پڑ گیا تو تو اپنی ساری افسری بھول جائے گا۔"

وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی "بہتر ہے دور سے بات کر۔ میں دیکھوں گی تو کب تک مجھے حبس بے جا میں رکھے گا؟ عدالتی کارروائی شروع ہوگی تو مجھے اپنا وکیل کرنے کی اجازت ملے گی۔ اس کے بعد میں تجھ سے نمٹ لوں گی۔"

دردانہ اس کے تیور دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ وہ بولی "مسٹر باقر! تم نے درست کہا تھا۔ یہ بہت ہی تیز طرار عورت ہے۔ اپنے شوہر کو بد دماغ کہہ رہی ہے۔ جبکہ خود بد دماغ ہے۔"

گل خانم نے پوچھا "آفیسر! تم اس بھونکنے والی کتیا کو یہاں لائے ہو؟ آخر یہ ہے کون؟"

باقر مہدی نے دانت پیستے ہوئے اسے دیکھا پھر کہا۔ "گل خانم! اپنی اوقات میں رہ کر بات کرو۔ جانتی ہو یہ کون ہیں؟ یہ اس ملک کی بڑی بڑی ہستیوں میں سے ایک ہیں۔ ان کے سامنے حکومت کے اعلیٰ عہدے دار سر جھکاتے ہیں۔ یہ دردانہ بیگم ہیں۔ اور یہی تمہارے ایس' پی' ذیشان کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانے والی ہیں۔"

گل خانم نے غصے سے پوچھا "مگر تم اس کتیا کو یہاں کیوں لائے ہو؟"

وہ گرج کر بولا "بار بار تم اسے گالیاں دے رہی ہو۔ میں بہت برداشت کر رہا ہوں۔ اگر میرے آدمیوں نے تمہیں ٹارچر کرنا شروع کیا تو تمہیں دن میں تارے دکھائی دینے لگیں گے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "یہی تو میں چاہتی ہوں کہ مجھ پر تشدد کیا جائے تا کہ میں خود کو عدالت میں پیش کر کے تمہارے خلاف کارروائی کر سکوں۔"

دردانہ اور باقر مہدی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دردانہ

بولی ''اس سے بات کرنا فضول ہے۔ یہ ہماری بات نہیں مانے گی۔''

باقر مہدی نے کہا ''گل خانم! یہ اگرچہ ایس' پی' ذیشان کی دشمن ہیں لیکن تم سے دشمنی نہیں کرنا چاہتیں۔ اگر تم ان کا ساتھ دو تو یہ تمہیں بدچلنی کے الزام سے بچالیں گی۔''

''اگر محبت کرنا بدچلنی ہے تو پھر میں یہ الزام لیتی رہوں گی۔ پہلے تو میں تذبذب میں تھی، پریشان تھی کہ ذیشان کے متعلق کیا فیصلہ کروں۔ اب میں سمجھ گئی ہوں کہ میں دل کی گہرائیوں سے اس فرشتہ صفت انسان کو چاہنے لگی ہوں۔ مجھے اس سے عشق ہوگیا ہے۔''

وہ دونوں گھور کر گل خانم کو دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں دردانہ کے فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے پرس میں سے فون نکال کر کان سے لگایا۔ میں نے کہا ''ہائے میری پیاری سوتیلی ممی یقیناً پہچان گئی ہوں گی کہ کس کا فون ہے؟''

وہ ناگواری سے بولی ''مجھے فون کیوں کیا ہے؟''

میں نے کہا ''آج پبلو ماسٹر نے آپ سے کچھ کہا تھا مگر آپ وہ اہم بات بھول رہی ہیں۔''

اس نے پریشان ہوکر پوچھا ''کون سی اہم بات؟''

''میں یہ وضاحت سے نہیں کروں گا کہ پبلو ماسٹر نے آپ سے کیا کہا ہے لیکن میں آپ کا ہاتھ پڑھ چکا ہوں۔ میں نے بہت سی باتیں آپ کو نہیں بتائی تھیں۔ آج بتا رہا ہوں کہ اس ہفتے آپ پر بہت بڑی مصیبت آنے والی تھی۔''

وہ ذرا مطمئن ہوکر بولی ''آنے والی تھی۔ یعنی اب نہیں آئے گی؟''

''آپ نے پوری بات نہیں سنی۔ میں کہہ رہا ہوں کہ اس ہفتے آپ پر مصیبت آنے والی تھی......''

میں یہ کہہ کر جان بوجھ کر ذرا چپ ہوا پھر بولا ''وہ آچکی ہے۔''

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولی ''کیا کہہ رہے ہو؟ مجھ پر مصیبت آئی ہے اور نہ آئے گی۔ تم خوامخواہ مجھے ڈرا رہے ہو۔''

''تم بھول رہی ہو۔ پبلو ماسٹر کی پیش گوئی سن کر شہباز درانی نے تم سے کہا تھا' وہ اس ہفتے تمہیں باہر نکلنے نہیں دے گا۔ کہیں تم کسی حادثے سے یا کسی ناگہانی مصیبت سے...... دوچار نہ ہو جاؤ اور تم ایسی نادان ہو کہ گھر سے باہر نکل آئی ہو۔ اب کیا ہوگا میری پیاری سوتیلی ممی؟''

یہ کہتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔ وہ ہیلو ہیلو کہہ کر پکارنے لگی پھر جھنجلا کر فون بند کرکے سوچ میں پڑگئی۔ باقر مہدی نے پوچھا ''کیا ہوا میڈم؟''

وہ چونک کر اسے دیکھتے ہوئے بولی ''کچھ نہیں، میں گھر واپس جاؤں گی۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی سے باہر آگئی اور اپنی کا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کی کار کے آگے پیچھے مسلح افر گاڑیاں تھیں۔ باقر مہدی نے کار کی کھڑکی پر جھک کر ا

''میڈم! میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''میں گھر پہنچنے کے بعد تم سے رابطہ کروں گی۔ ابھی بہت اپ سیٹ ہوں۔''

اس نے حکم دیا ''گاڑی چلاؤ۔''

وہ گاڑیاں اس کے حکم سے آگے بڑھتی ہوئی اس کے احاطے سے باہر نکل گئیں۔ ایک گھنٹے بعد اس نے اپنی میں پہنچتے ہی شہباز درانی کو دیکھا تو دوڑتی ہوئی آکر اس لپٹ گئی پھر پریشان ہوکر بولی ''مجھے بچاؤ۔ وہ کہہ رہا ہے کہ پر مصیبت آرہی ہے۔''

شہباز درانی نے پریشان ہوکر پوچھا ''کس کی با رہی ہو؟ کون تم سے کہہ رہا ہے؟''

''وہی مقدر۔ اس نے ابھی مجھ سے فون پر کہا ہے کہ ہفتے مجھ پر جو مصیبت آنے والی تھی وہ آچکی ہے۔''

''وہ بکواس کرتا ہے۔ تم خیریت سے ہو۔ میری پناہ ہو۔ تم پر کوئی مصیبت نہیں آئی ہے۔ اس خبیث کی پیش گو اپنے دل اور دماغ سے نکال دو۔''

فون کا بزر پھر بولنے لگا۔ دردانہ نے چونک کر اپنے کو دیکھا۔ اس میں سے فون کو نکال کر نمبر پڑھا۔ پریشان بولی ''مقدر کا فون ہے۔''

شہباز درانی نے فون کی آواز کا والیوم بڑھا کر کہا '' کرو۔''

وہ اس کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگا کر بولی ''ہاں اب کیا بات ہے؟''

شہباز درانی اس کے کان کے قریب آگیا تھا اور باتیں سن رہا تھا۔ میں نے کہا ''ایک نہیں کئی بار دیکھ چکی میری پیش گوئی کبھی غلط نہیں ہوتی۔ لہٰذا گھڑی دیکھو رات دس بجے ہیں۔ ٹھیک اب سے بارہ گھنٹے بعد اسی گھر میں قیامت آنے والی ہے۔''

میں نے یہ کہتے ہی فون بند کر دیا۔ وہ چیخ چیخ کر ہیلو کہتی رہی۔ شہباز درانی نے فون اس کے ہاتھ سے آف کر دیا اور پریشانی سے سوچنے لگا۔ وہ اس کا بازو تھا بولی۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟''

اس نے تشویش بھرے لہجے میں کہا ''یہ ماننا پڑتا ہے کہ ں کی پیش گوئی درست ہوتی ہے۔ میری سمجھ نہیں آرہا ہے کہ ب سے بارہ گھنٹے بعد تم پر کس طرح مصیبت آئے گی؟ کیسے ئے گی؟ کچھ معلوم تو ہونا چاہیے۔''

کیسے معلوم ہوتا؟ پیش آنے والے خوامخواہ واقعات کا ن وعن علم بھی کسی کو نہیں ہوتا۔

وہ دونوں اپنا سر کھپا رہے تھے۔

☆☆☆

ڑنگورارا آگیا۔ وہ شہباز درانی کا دوسرا مہرہ تھا جسے رے خلاف استعمال کرنے کے لیے بلایا گیا تھا۔ اس نے ات نو بجے شہباز کو فون پر اطلاع دی۔ ''ویل مسٹر درانی! میں ہاں آگیا ہوں۔ ہوٹل شیرٹن میں ہوں۔''

''ویل کم مسٹر ڑنگورارا! میں بے چینی سے تمہارا انتظار کر ہا تھا۔ کیا ابھی ملاقات کے لیے آسکو گے؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''واقعی بے چین ہو۔ یہ تو سوچو لمبے ر سے تھکا ہوا ہوں۔ کچھ آرام کرلوں۔ آج رات ذرا عیاشی جائے۔ بھئی' یہاں آتے ہی کیا چیز دیکھی ہے۔ چاند کو پہلی زمین پر اترتے دیکھا ہے۔ آج تو مجھے معاف کرو۔ کل صبح یک دس بجے تمہارے سامنے حاضر ہو جاؤں گا۔''

''مسٹر! تم میرے کام سے آئے ہو۔ عیاشی میں پڑو گے مقدر حیات تمہیں کچا نگل جائے گا۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''میرے سامنے آکر سانسیں لینے ے قابل رہے گا' تب مجھے ہاتھ لگا سکے گا نا؟ میں سارے نظامات کرکے آیا ہوں۔ آج اس کی زندگی کی آخری رات ہے۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں تم سے کہہ چکا ہوں' اسے زندہ نا ہے۔ میں اس کی اصلیت اور اس کی کمزوریاں معلوم کرنا ہتا ہوں۔''

''ایسی معلومات کا وقت گزر چکا ہے۔ میرے ایک سرار علم نے بتایا ہے کہ اس کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ آج ت وہ حرام موت مارا جائے گا۔''

''اوہ گاڈ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''تم پریشان کیوں ہو رہے ہو؟ دشمن تمہاری نیندیں ام کر رہا ہے۔ اسے مر جانے دو۔''

ہاں' اگر مرتا ہے تو مر جائے۔ لیکن وہ بڑا ہی چالباز اور رناک ہے۔ بچ بھی سکتا ہے۔''

''موت سے آج تک کوئی شہ زور' کوئی چالباز نہیں بچ ا۔ وہ بھی نہیں بچے گا۔ میرا علم کبھی غلط پیش گوئی نہیں کرتا۔ آج رات بارہ بج کر پانچ منٹ پر میں تمہیں اس کے مرنے کی خوش خبری سناؤں گا۔''

''میں نے تمہیں پانچ لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ تمہاری پیش گوئی درست ہوئی تو میں تمہیں دس لاکھ روپے دوں گا۔''

''تو پھر دس لاکھ روپے میرے ہو چکے۔ اب بارہ بج کر پانچ منٹ پر بات ہوگی۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ وہ ڈائننگ ہال کی ایک میز سے لگا بیٹھا تھا۔ میں نے اس کے پاس آکر پوچھا ''کیا میں یہاں پانچ منٹ کے لیے بیٹھ سکتا ہوں؟''

اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر کہا ''بیٹھ جاؤ۔''

وہ ساؤتھ افریقا کا ایک سیاہ فام باشندہ تھا۔ اس کے بال بڑھے ہوئے تھے اور اس نے چوٹی گوندھ کر اس کے آخری سرے پر سرخ رنگ کی ربن باندھی ہوئی تھی۔ گیروے رنگ کا پاجامہ اور گیروے رنگ کا لبادہ پہنے ہوئے تھا۔ گلے میں سچے موتیوں کی مالا تھی اور ایک لاکٹ میں بہت ہی خوبصورت سا ہیرا جگمگا رہا تھا۔ اس کی دسوں انگلیوں میں دس انگوٹھیاں تھیں' جن میں قیمتی ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے۔

وہ ڈائننگ ہال کی بالکونی میں سب سے الگ تھلگ ایک بڑی سی میز پر بیٹھا تھا۔ اس میز کے ایک سرے پر اس کا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ میں اسی بریف کیس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ مجھے اپنے پراسرار علم کے ذریعے پہچان گیا ہے لیکن میں نے انجان بن کر کہا ''مسٹر! میں ایک پیشہ ور نجومی ہوں۔ اس بڑے ہوٹل میں آتا ہوں اور بیرونی ملکوں سے آنے والے دولت مند افراد کے ہاتھ دیکھتا ہوں۔ انہیں ماضی، حال اور مستقبل کی سچی باتیں بتاتا ہوں اور ان سے کچھ انعام حاصل کرتا ہوں۔''

''ہوں۔ تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''اگر آپ کو اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا ہے تو میں حاضر ہوں۔''

اس نے کہا ''یہ تمہارے پاس میرا لیپ ٹاپ کمپیوٹر رکھا ہوا ہے۔ اسے کھولو اور آپریٹ کرو۔''

مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کمپیوٹر کو آپریٹ کرنے سے کیسی کیسی باتیں سامنے آئیں گی۔ میں نے اس کی ہدایت کے مطابق اسے کھولا۔ اسے آن کیا اور پھر پوچھا ''کونسی فائل کھولوں؟''

اس نے جواباً کہا ''ڑنگورارا......''

میں نے فائل پر اس کا نام پڑھا پھر اسے او۔ کے کیا۔ دوسرے ہی لمحے میں مونیٹر کی اسکرین پر ایک تحریر ابھری۔ وہاں لکھا ہوا تھا "جب میں پاکستان کے ایک ہوٹل میں پہنچوں گا تو وہاں ڈائننگ ہال میں میرا وہ شکار خود ہی چل کر میرے سامنے آئے گا جسے قابو میں کرنے کے لیے شہباز درانی نے مجھے بلایا ہے۔"

یہ پڑھ کر میں زیر لب مسکرانے لگا۔ آگے لکھا ہوا تھا "وہ خود کو ایک پیشہ ور نجومی کی حیثیت سے ظاہر کرے گا اور میرے ہاتھ کی لکیریں پڑھنا چاہے گا۔ بے چارہ مقدر حیات! ابھی بچہ ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ میں پرانے زمانے کے جادوگروں کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں پر چلتا ہوا اس کے پاس آؤں گا۔ اور اسے قابو میں کروں گا۔ نہیں۔ یہ سائنسی ترقی کا انتہائی تیز رفتار زمانہ ہے۔ یہ صدی تمام انسانی ذہانت کو ایک کمپیوٹر میں سمیٹ چکی ہے۔ میں نے بھی جادو کی ہتھکنڈوں کو اور اپنے پراسرار علوم کو اس کمپیوٹر میں سمیٹ لیا ہے۔

اے مقدر حیات! میرے ہاتھوں کی لکیریں پڑھ کر تمہیں جو کچھ معلوم ہوگا وہ یہ کمپیوٹر تمہیں بتا رہا ہے۔ میں بھی کوئی معمولی نجومی نہیں ہوں۔ یوں سمجھو کہ علم نجوم بھی جانتا ہوں اور پراسرار علوم بھی۔ میرے ہاتھ کی لکیروں نے سمجھایا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان صرف دو گھنٹے تک دوستی رہے گی۔ رات کے بارے بجے مقدر اپنا آخری فیصلہ سنائے گا اور پھر ہم ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے۔"

میں نے وہ تحریر پڑھنے کے بعد اسے دیکھا۔ زیر لب مسکرایا پھر کہا "تمہاری یہ سائنٹیفک جادوگری بہت پسند آئی۔ میں بہت متاثر ہو رہا ہوں۔"

اس نے میری طرف جھکتے ہوئے پوچھا "تو پھر ہماری دو گھنٹے کی دوستی کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"جب مقدر کو یہ منظور ہے تو پھر مجھے بھی منظور ہے۔ ہم کتنی بھی سائنسی ترقی کر لیں ہمیں قدرتی حالات کی روانی میں بہنا پڑتا ہے۔ ہم دونوں مقدر کے فیصلے کے مطابق حالات کے دھارے میں بہتے رہیں گے۔"

اس نے بڑی سفاکی سے مسکراتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ اسی لمحے ایک نہایت ہی حسین دوشیزہ آ کر ہمارے سامنے کھڑی ہوگئی۔ میں اپنے بارے میں بتا چکا ہوں کہ اس دنیا کی ہر ذی روح کی ہتھیلی پر گزارا رہتا ہوں۔ اس کی ہتھیلی بھی میرے قدموں تلے تھی۔ اس کا نام عرصہ تھا۔ بڑا ہی منفرد نام تھا۔ وہ ایسی ہی تھی کہ سمجھنے والے اسے ایک عرصے میں بھی سمجھ نہیں پاتے تھے۔ ژنگورارا اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اٹھ ک اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا "ویل کم عرصہ!"

عرصہ نے اپنا ایک ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ انداز بتا رہا تھا کہ وہ سحر زدہ ہے اور حقیقت یہی تھی کہ و رارا کے کسی پراسرار عمل کے شکنجے میں تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے بولا "مسٹر مقدر! تمہارا پاکستان خوبصورت ہے۔ یہاں آتے ہی اس کے حسن و شباب مجھے دیوانہ بنا دیا تھا۔ اس سے ملو اس کا نام عرصہ حیات یہ عجیب اتفاق ہے کہ تمہارے نام کے آخر میں بھی لفظ آتا ہے۔"

میں نے کہا "ژنگورارا! اس بات کو یوں سمجھو کہ بھائی اپنے اپنے نام کے آخر میں اپنے باپ کا نام ضرور ہیں۔ میرے باپ کا نام فلک سکندر حیات تھا۔ اس کے نام بھی حیات ہی ہوگا تب ہی یہ عرصہ حیات کہلاتی ہے مقدر حیات۔ میں اسے نہیں جانتا لیکن نام کے حوالے میری بہن ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "میری تمہاری دوستی تو دو ہے۔ اس کے بعد تمہاری بہن سے صبح تک میری دو گی۔"

یہ کہہ کر وہ قہقہہ لگانے لگا۔ میں اسے گہری سنجید دیکھ رہا تھا۔ اس نے بہت ہی زہریلی بات کہی تھی۔ بات کو فی الحال برداشت کرنا تھا۔ اس نے کہا "اپنی مصافحہ نہیں کرو گے؟"

میں نے عرصہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے میرے ہاتھ میں دیا پھر ہاتھ سے ہاتھ ملتے ہی مصا ہی عرصہ کو یوں لگا جیسے اس کا مقدر جاگ رہا ہو۔ اس گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔ میں نے ہوئے کہا "ڈونٹ وری۔ تم بالکل سہی جگہ پہنچی ہو، بیٹھ

ہم سب اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ویٹر نے ہمارے سامنے رکھا۔ ژنگورارا نے کہا "میں اور عرصہ آرڈر دیتے ہیں۔ تب تک تم اس کمپیوٹر کے ذریعے بارے میں بہت کچھ معلوم کر سکتے ہو۔"

میں کمپیوٹر کو آپریٹ کرتے ہوئے عرصہ کے متعل لگا۔ وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ پسماندہ علاقے میں رہتی تھی۔ اس کی خوبصورتی کو د جا سکتا تھا کہ گدڑی میں لعل اسی طرح ہوا کرتے ہیں باپ بوڑھا اور معذور تھا۔ ماں کپڑے سلائی کرتی ٹیوشن پڑھایا کرتی تھیں۔ ایک بھائی بے روزگار

بھائی بڈ حرام تھا۔

عرصہ ایک ایسے کالج میں پڑھتی تھی' جسے ایک مل اونر لاکھوں روپے عطیہ کے طور پر دیا کرتا تھا۔ اس نے کالج کے ایک فنکشن میں عرصہ کو نعت پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس پر فریفتہ ہوگیا۔ اس نے اپنے چمچوں کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ ایک چمچے نے آ کر کہا "وہ غریب ہے اور بہت ہی حیا والی ہے۔ آپ سے ہزاروں روپے میں خریدنا چاہتے ہیں۔ وہ لاکھوں میں بھی بکنے والی نہیں ہے۔"

دولت کا کمال یہ ہے کہ وہ دولت مند کو شکار کھیلنے کی آسانیاں فراہم کر دیتی ہے۔ ژنگورارا کے کمپیوٹر نے صرف اتنا ہی بتایا کہ وہ حالات سے مجبور ہو کر بکنے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ حقیقت میں جانتا تھا کہ عرصہ اور اس کے گھر والوں پر ایک ایسی قیامت گزری تھی کہ وہ مجبور ہو کر اس مہنگے ہوٹل میں خود کو فروخت کرنے آگئی تھی۔

میں اس کی اصل ہسٹری بعد میں بیان کروں گا۔ فی الحال اتنا ہی بتا رہا ہوں جتنا کہ ژنگورارا کا کمپیوٹر مجھے بتا رہا تھا۔ اس مل اونر کا چمچہ عرصہ کو سجا سنوار کر اس ہوٹل میں لایا تھا۔ ایسے ہی وقت ژنگورارا نے اسے دیکھا تو ہزار جان سے اس پر عاشق ہوگیا۔

اس نے پراسرار عمل کے ذریعے اس مل اونر کو اپنے کمرے میں بلایا۔ وہ سحر زدہ ہو کر اس کے قدموں میں آگیا۔ اس کے ساتھ عرصہ بھی آئی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد جب وہ مل اونر اس کے کمرے سے باہر آیا تو وہ پوری طرح سحر زدہ تھا۔ ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اپنے ہوٹل والے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ کر گہری نیند میں ڈوب گیا تھا۔ عرصہ بھی سحر زدہ ہو کر ژنگورارا کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "ابھی میں تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ میں اپنے پراسرار علم پر عمل کرتے ہوئے ایک ایک لمحے کا حساب رکھتا ہوں۔ اس وقت مجھے ڈائننگ حال میں جانا ہے۔ وہاں ایسے دشمن سے ملنا ہے جس سے میری دو گھنٹے تک دوستی رہے گی۔ ہم اس کے ساتھ کہیں جائیں گے۔ اس کے بعد اس کمرے میں واپس آئیں گے۔ میں نیچے ڈائننگ ہال میں جا رہا ہوں۔ تم آدھے گھنٹے بعد چلی آنا۔"

میں نے کمپیوٹر کو آف کر دیا۔ ویٹر میز پر کھانے کی ڈشیں لا کر رکھ رہا تھا۔ عرصہ اس کی ہدایت کے مطابق وہاں آگئی تھی۔ ہم تینوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ژنگورارا نے مجھ سے کہا "کھانا شروع کرو۔ ہماری دو گھنٹے کی دوستی میں یہ ہمارا پہلا اور آخری کھانا ہے۔"

ہم سب نے کھانا شروع کیا۔ اس نے پوچھا "تم شہباز درانی سے دشمنی کیوں کر رہے ہو؟"

میں نے کہا "دشمنی میں نے نہیں' اس نے شروع کی ہے۔"

"وہ تمہاری اصلیت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ پورے یقین سے کہتا ہے کہ تم صرف نجومی نہیں ہو بلکہ پراسرار علوم میں بھی مہارت رکھتے ہو۔ اسے اپنی اصلیت کیوں نہیں بتا دیتے؟"

میں نے کہا "ہم مسلمان ہیں۔ نہ کالا علم سیکھتے ہیں نہ ایسا کوئی کالا عمل کسی پر کرتے ہیں۔ جو سچ ہے وہ میں نے اس سے کہہ دیا تھا لیکن وہ یقین نہیں کر رہا ہے۔"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا "میں مان رہا ہوں کہ تم کوئی پراسرار علم نہیں جانتے ہو۔ اگر جانتے تو مجھ سے دو گھنٹے کی دوستی کبھی نہ کرتے۔ تم بہت اچھے دوست بن سکتے ہو مگر افسوس کہ ہمارے مقدر میں یہی دو گھنٹے کی دوستی لکھی ہوئی ہے۔"

میں نے کہا "تم نجومی بھی ہو۔ تم نے اپنے ہاتھ کی لکیریں پڑھی ہوں گی۔"

"بے شک پڑھی ہیں' تب ہی میں اتنے اعتماد سے یہاں آیا ہوں اور تم سے دوستی کر رہا ہوں۔"

میں نے پوچھا "تمہاری زندگی کی لکیر کیا کہہ رہی ہے؟"

وہ کھاتے کھاتے رک گیا۔ اس نے پہلی بار مجھے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا "تم میری زندگی کی لکیر کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟"

میں نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا "تم نجومی ہو اور میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ تم میرا ہاتھ کیوں نہیں پڑھ رہے ہو؟ اپنا ہاتھ مجھے کیوں نہیں پڑھنے دیتے؟ زندگی کی لکیر مجھے الجھا رہی ہے اور میں تمہاری زندگی کی لکیر پڑھنا چاہتا ہوں۔"

وہ ہنسنے لگا پھر بولا "تمہارا ہاتھ کبھی نہیں پڑھوں گا۔"

میں نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا "کیوں نہیں پڑھو گے؟"

"میرے ایک پراسرار علم نے مجھے منع کیا ہے کہ آج میں کسی کا ہاتھ نہ پڑھوں اور کسی کی ذاتی زندگی میں جھانک کر نہ دیکھوں۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "کبھی کبھی بڑی مہارت رکھنے والوں پر بھی آگہی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔"

"میرے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھ پر کبھی آگہی کے دروازے بند نہیں ہوئے۔ البتہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ

جب میں کوئی بڑی واردات کرنے نکلتا ہوں تو میری زندگی کی لکیر ایک ذرا دھندلا جاتی ہے۔ ان حالات میں میرا پراسرار علم کہتا ہے' مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے اور میں پریشان نہیں ہوتا۔ جہاں بھی جاتا ہوں کامیابی سے واردات کر کے واپس چلا آتا ہوں اور زندہ سلامت رہتا ہوں۔"

میں نے کہا" ہاتھ کی لکیریں بڑی بے ایمان ہوتی ہیں۔ کہتی کچھ ہیں لیکن کبھی کبھی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ تب ہی انسان مانتا ہے کہ قدرت کے بدلتے ہوئے مزاج کے آگے کسی کا زور نہیں چلتا۔"

ہم کھانے سے فارغ ہو گئے۔ وہ بولا" گیارہ بج کر پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔ اب ہماری دوستی کے صرف پینتالیس منٹ رہ گئے ہیں۔ کھانے کے بعد چہل قدمی ضروری ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہم ساحل پر چلیں؟"

میں نے مسکرا کر کہا" دوستی کا تقاضا ہے کہ دوست کی بات مان لی جائے۔ آؤ چلتے ہیں۔"

ہم ہوٹل سے باہر آئے۔

میں نے کہا" میرے پاس اپنی کار ہے لہٰذا میری ہی کار میں چلو۔"

وہ میرے ساتھ اگلی سیٹ پر آ گیا۔ ایک عامل کی حیثیت سے عرصہ کو حکم دیا کہ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جائے۔ وہ بے چاری سحر زدہ تھی۔ اس کے حکم کے مطابق پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ہم سمندر کی طرف چل دیے۔

سمندر بہت گہرا ہوتا ہے لیکن ہاتھ کی لکیروں سے زیادہ گہرا نہیں ہوتا کیونکہ ان لکیروں کے پیچھے قدرت کی گہرائیاں ہوتی ہیں۔ ان گہرائیوں میں ڈوبتے رہو، الجھتے رہو، بدحواس ہوتے رہو، یا ہوش و حواس سے کام لیتے رہو' کچھ بھی کرتے رہو پھر بھی قدرت کے بھید سمجھ میں نہیں آتے۔

ہم سمندر کے ایک ویران ساحل پر پہنچ گئے۔ اس خطرناک جادوگر وچ ڈاکٹر ژنگورارا کو قدرت کے کچھ بھید سمجھانے کا وقت آ گیا تھا۔ ہم دونوں کار سے باہر نکل آئے۔ اس نے عرصہ کو بھی باہر آنے کا حکم دیا۔ چاندنی رات میں سمندر کی لہریں شور مچا رہی تھیں۔ زندگی کی طرح اچھلتی کودتی، شور مچاتی، دوڑتی ہوئی ساحل پر آ رہی تھیں پھر وہاں پہنچ کر دم توڑ رہی تھیں۔ ژنگورارا نے مجھ سے کہا" گھڑی میں وقت دیکھو۔"

میں نے وقت دیکھتے ہوئے کہا" صرف نو منٹ رہ گئے ہیں۔ نو منٹ کے بعد ہماری دوستی کی مدت ختم ہو جائے گی۔"

وہ مسکرا کر بولا" شہباز درانی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہاری اصلیت اور کمزوریاں معلوم کروں لیکن میرے علم نے بتایا کہ معلومات ضروری نہیں ہیں۔ تمہاری موت ایک لڑکی کے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے اور یہ لڑکی ہمارے درمیان کھڑی ہوئی ہے۔"

میں نے کہا" تم علم نجوم کے ذریعے اور مختلف پراسرار علوم کے ذریعے بہت کچھ معلوم کرتے رہے لیکن افسوس سب کچھ معلوم نہ کر سکے۔"

اس نے اپنے لباس میں سے ایک ریوالور نکالتے ہوئے کہا" اس کی ایک گولی چلے گی تو سب کچھ کیا' کچھ بھی معلوم کرنے کی مہلت نہیں ملے گی۔"

اس نے عرصہ کے پاس آ کر ریوالور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا" جب میں تمہیں حکم دوں تو تم اسے گولی مار دینا۔ ٹھیک بارہ بجے۔"

وہ اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے بولا" اور ابھی بارہ بجنے میں پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔"

میں نے کہا" پانچ منٹ بہت ہوتے ہیں۔ میں آخری بار کہتا ہوں کہ میرے ہاتھ کی لکیریں پڑھ لو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا" میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ میرے پراسرار علم نے سمجھا دیا ہے کہ آج کسی کا ہاتھ نہیں دیکھنا ہے اور کسی کی ذاتی زندگی میں جھانک کر بھی نہیں دیکھنا ہے۔"

میں نے کہا" یہ تمہارے پراسرار علم نے تمہیں نہیں سمجھایا ہے بلکہ مقدر نے چپکے سے تمہارے کان میں اور تمہارے دماغ میں یہ بات پھونک دی ہے کہ تمہیں کسی کا ہاتھ نہیں دیکھنا چاہیے۔ اگر دیکھ لو گے تو موت سے پہلے تمہارے ہوش جائیں گے۔"

" تمہاری دلیری کی داد دینی چاہیے۔ گن پوائنٹ پر کھڑے ہوئے ہو۔ موت آنے والی ہے پھر بھی بڑھ بڑھ کر بول رہے ہو۔"

" اور جو بول رہا ہوں اسے تم سمجھ نہیں پا رہے ہو۔ تم بے شمار علوم میں مہارت رکھنے کا گھمنڈ ہے لیکن تمہارے پراسرار علم نے یہ نہیں بتایا کہ میرے ہاتھ کی لکیریں بھی کہہ رہی ہیں کہ میں ابھی مرنے والا ہوں کیونکہ تم مرنے والے ہو۔ میں تمہارا مقدر ہوں۔ دو گھنٹے تک تمہارا دوست تھا۔ تمہارا دشمن بھی ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ جنم لیا تھا۔ اب تمہارے ساتھ مرنے والا ہوں۔"

میں نے اس کی طرف ہتھیلی بڑھاتے ہوئے کہا" تمہارے ہاتھ کی لکیریں میری اس ہتھیلی پر ہیں۔ ہم دونوں کی زندگی کی لکیریں ایک ہی ہیں اور یہ ایک لکیر کہہ رہی ہے کہ ہم دونوں کا وقت پورا ہو چکا ہے۔"

وہ حقارت سے بولا" تمہاری یہ بکواس نا قابل فہم ہے۔"

" مقدر ہوتا ہی نا قابل فہم ہے۔ تم نے عرصہ کو اپنے سحر میں گرفتار کیا تھا اور یہ نہیں جانتے تھے کہ مقدر اس سحر کو پائیدار نہیں رہنے دے گا اور اب یہی ہو رہا ہے' یہ تمہارے شکنجے سے نکل چکی ہے۔"

وہ ایک دم سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ عرصہ آہستہ آہستہ اس کی طرف گھوم رہی تھی اور ریوالور کا رخ اسی کی طرف ہو رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولا" یہ کیا کر رہی ہو؟ میں حکم دیتا ہوں مقدر حیات کو گولی مارو۔"

میں نے کہا" ٹھیک بارہ بجے ہم دونوں کی موت ہو گی اور ابھی بارہ بجنے میں ایک منٹ اور سات سیکنڈ رہ گئے ہیں۔ تم اپنے بچاؤ کے لیے منتر پڑھنا چاہتے ہو لیکن بھول رہے ہو کیونکہ موت کے سامنے حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ تم یاد کرتے رہو' تمہیں کالے علم کا کوئی منتر یاد نہیں آئے گا۔"

وہ کوئی منتر یاد نہ کر سکا۔ جھنجلا کر عرصہ سے ریوالور چھیننا چاہتا تھا۔ میں نے گھوم کر ایک کک ماری۔ اس کے منہ پر لات پڑی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ چکرانا تو تھا ہی مقدر نے اسے آخری ٹھوکر ماری تھی۔ وقت ایک ایک سیکنڈ کے حساب سے گزر رہی جاتا ہے۔ اس نے دو گھنٹے کی دوستی کا وقت مقرر کیا تھا۔ وہ وقت گزر گیا۔ اس کے باوجود ہم دونوں ہم سفر تھے۔ ہم نے ایک ساتھ جنم لیا تھا اور ایک ساتھ مرنے والے تھے۔

ان لمحات میں عرصہ کے دماغ میں یہ بات گونج رہی تھی کہ وہ جادوگر اسے سحر زدہ کر کے اس کی عزت سے کھیلنا چاہتا تھا اور اب اپنی عزت بچانے اور اس سے انتقام لینے کا موقع آ گیا ہے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔ ٹھائیں سے گولی چلی اور اس وچ ڈاکٹر کے سینے کے آر پار ہو گئی۔ سینے میں جہاں سوراخ ہوا وہاں سے خون کا فوارہ نکلنے لگا۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ میں نے اپنی ہتھیلی پھیلا دی۔ اس ہتھیلی پر اس کی زندگی کی، اس کی قسمت کی، اس کے دل کی، اس کے دماغ کی تمام لکیریں مٹ رہی تھیں۔ ادھر اس نے دم توڑا' ادھر میری ہتھیلی سے اس کی تمام لکیریں مٹ گئیں۔ اس کا جو مقدر تھا' وہ میری ہتھیلی سے ہمیشہ کے لیے مر چکا تھا۔ ہائے! میں کیا ہوں؟

اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مرجاتا ہوں
مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں۔

میری ہتھیلی کبھی خالی نہیں رہتی۔ اب اس ہتھیلی پر عرصہ کے ہاتھ کی لکیریں نقش ہوگئی تھیں کیونکہ ان لمحات میں وہ میرے ساتھ تھی۔ میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور ہم اس ویران ساحل سے واپس جارہے تھے۔

میں سست رفتاری سے کار ڈرائیو کررہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اپنے موجودہ حالات پر غور کررہی تھی۔ پریشان ہورہی تھی۔ میں نے خاموش رہ کر اسے اپنے طور پر سوچنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد اس نے سر گھما کر مجھے دیکھا پھر پوچھا ''آپ مجھے کہاں لے جارہے ہیں؟''

''تم جہاں کہو گی وہاں لے جاؤں گا۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ کوئی کسی کو کہیں نہیں لے جاتا۔ مقدر جہاں لے جاتا ہے وہیں جانا پڑتا ہے۔''

وہ بڑے دکھ سے بولی ''میرا مقدر تو برسوں سے مجھے بھٹکا رہا ہے۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یوں بن سنور کر ایک مہنگے ہوٹل میں آؤں گی اور......''

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ دیکھا جائے تو موت بڑی مہربان ہوتی ہے۔ وہ آتی ہے اور مار ڈالتی ہے۔ ہمیشہ کے لیے قصہ تمام کردیتی ہے لیکن زندگی بڑی دشمن ہوتی ہے۔ آخری سانس تک زخم دیتی رہتی ہے اور رلاتی رہتی ہے۔

وہ معاشی اور مالی بدحالی کے باوجود کالج میں پڑھ رہی تھی۔ بھائیوں اور بہنوں نے دسویں جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے بعد حالات نے انہیں تعلیم چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن ماں نے اور بھائی بہنوں نے یہ عزم کیا تھا کہ عرصہ کو آگے تک پڑھائیں گے۔ وہ تمام بہنوں اور بھائیوں میں خوبصورت بھی تھی اور سب سے زیادہ ذہین بھی۔ امید تھی کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ کسی اچھے شعبے میں اور شریفانہ ماحول میں ملازمت کرے گی تو ان کے دن پھر جائیں گے۔

اس عزم اور حوصلے کے ساتھ ماں کپڑے سیتی تھی۔ بھائی اور بہنیں ٹیوشن پڑھاتے تھے۔ باپ بوڑھا اور معذور تھا۔ وہ کوئی کام کرنے کے قابل نہیں تھا۔ ایک بیٹا بالکل ہی ہڈحرام تھا۔ کام سے جی چراتا تھا، نشہ کرتا تھا اور نشہ کرنے کے لیے چوروں اور بدمعاشوں کی صحبت میں رہنے لگا تھا۔

ایک فلور مل کا مالک امیر علی اس گرلز کالج کو لاکھوں روپوں کا عطیہ دیا کرتا تھا اور در پردہ طالبات کو تاڑتا رہتا تھا۔ جو خوبصورت ہوتی تھیں، جن پر دل آجاتا تھا، انہیں اپنے حواریوں کے ذریعے پھانسنے کی کوششیں کرتا تھا۔ زیادہ تر غریب طالبات کی مالی امداد کے بہانے وہ ان کے مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتا رہتا تھا۔

کالج کے ایک فنکشن میں عرصہ نعت پڑھنے کے لیے اسٹیج پر آئی تو امیر علی اسے دیکھ کر اس کا دیوانہ ہوگیا۔ اس کے دو خاص حواری ایسے موقعوں پر اس کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ اس نے انہیں حکم دیا ''کسی طرح اس لڑکی کو دام میں لے آؤ۔''

ان میں سے ایک حواری عرصہ کے گھر آیا۔ ان کی معاشی بدحالی کو دیکھتے ہوئے اس کی ماں سے بولا ''آپ کے بیٹے کو اور بیٹیوں کو فلور مل میں ملازمت مل جائے گی۔ جس گھر میں کرائے دار کی حیثیت سے آپ لوگ رہتے ہیں اسے خرید کر دے دیا جائے گا۔ شرط صرف اتنی سی ہے کہ اپنی بیٹی عرصہ کا نکاح امیر علی سے کردیں۔''

امیر علی ساٹھ برس کا تھا۔ عمر میں عرصہ سے تین گنا بڑا تھا۔ اس کے والدین نے کہا ''عرصہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔ ہاں اس کی بڑی بہنیں بھی ہیں۔ اگر سیٹھ صاحب ہماری بڑی بیٹی سے شادی کرنا چاہیں گے تو ہمیں منظور ہے۔''

امیر علی تو عرصہ کے لیے پاگل ہورہا تھا۔ اسے حاصل کرنے کے لیے اس سے نکاح تک کررہا تھا لیکن بات نہیں بن رہی تھی۔ اس نے کئی طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ طرح طرح کا لالچ دیا لیکن عرصہ اور اس کے والدین کسی لالچ میں نہیں آرہے تھے۔

تب اس نے اپنی دولت کا زور دکھایا۔ ایک پولیس انسپکٹر کو خرید لیا۔ چند غنڈوں کی جیبیں بھر دیں۔ انہوں نے عرصہ کی بہن کو اغوا کرلیا۔ اس کے والدین تک پیغام پہنچایا کہ عرصہ کو امیر علی کے حوالے نہ کیا گیا تو ان کی دوسری بیٹیوں کو بھی باری باری اٹھالیا جائے گا۔

دوسرے دن اس کی اغوا کی ہوئی بیٹی گھر واپس آئی تو اس کی بری حالت تھی۔ اس کے ساتھ ایسی زیادتی کی گئی تھی کہ ماں باپ کسی سے شکایت بھی نہیں کرسکتے تھے۔ ایک بیٹی کی وجہ سے دوسری بیٹیوں کے رشتے بھی نہ آتے۔ سب یہی کہتے ایک آبرو باختہ ہے تو دوسری بیٹیاں بھی ویسی ہی ہوں گی۔

انہوں نے تھانے آکر انسپکٹر سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کی۔ ان کی عزت کا خیال رکھا جائے اور یہ بات پھیلائی نہ جائے بلکہ خاموشی سے امیر علی کا محاسبہ کیا جائے۔

انسپکٹر نے کہا ''خاموشی سے محاسبہ نہیں ہوسکے گا۔ ہم امیر علی کے خلاف کارروائی کریں گے تو یہ بات دور تک پھیلے گی۔

...ں تو ضرور ہوگی۔ یا تو آپ بدنام ہونا پسند کریں اور امیر علی ...خلاف کارروائی کریں۔ یا پھر اپنی نیک نامی اور دوسری ...ں کا خیال ہے تو پھر امیر علی سے دشمنی بھول جائیں۔''

...عرصہ کی ماں نے کہا ''انسپکٹر صاحب! ہم اس کا یہ ظلم ...شت کرلیں گے لیکن اس نے دھمکی دی ہے کہ دوسری ...ں کو بھی اٹھالیا جائے گا۔ آپ اسے کھلی بدمعاشی سے ...ں۔''

''ہم قانون کے محافظ ہیں۔ اسے قانون کے ذریعے ہی ...سکتے ہیں اور جب اسے روکنے کے لیے کوئی کارروائی ...یں گے تو وہ آپ لوگوں کے حق میں نقصان دہ بھی ثابت ...ن ہے۔ آپ کی چار بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹی کو امیر علی کے ...لے کردیں۔ بات ختم ہوجائے گی۔ اور ایک دولت مند، ...آدمی آپ کا رشتہ دار بن جائے گا۔''

وہ غریب تھے۔ بڑی مشکل سے عزت آبرو بچا کر رکھے ...ئے تھے۔ ایک دولت مند سے ٹکرا نہیں سکتے تھے اور کوئی ان ...ار و مددگار نہیں تھا۔ جب قانون کے محافظ ہی ساتھ نہیں ...رہے تھے تو پھر بھلا اور کون ان کا ساتھ دیتا؟

وہ تھک ہار کر خاموش بیٹھ گئے لیکن ایک ظلم برداشت ...نے کے بعد بھی وہ سکون سے نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کو ...نک ملی کہ چوبیس گھنٹوں کے اندر عرصہ کو امیر علی کے پاس ...بجا گیا تو دوسری بیٹی کو اٹھالیا جائے گا۔

یہ وارننگ سنتے ہی ماں اور بیٹیاں سب ہی رونے لگیں۔ ...پ بوڑھا اور معذور تھا۔ وہ بھی رونے کے سوا اور کچھ نہیں کر ...تا تھا۔ دو ہٹے کٹے جوان بھائی تھے لیکن پولیس والوں اور ...ڈوں سے نہیں لڑ سکتے تھے۔ عرصہ نے ایک دم سے تڑپ کر ...ا ''بس بہت ہوچکا۔ میں اپنی کسی بہن کو داؤ پر نہیں لگنے ...ں گی۔ میں امیر علی کے پاس جاؤں گی۔''

اس فیصلے کے سامنے باپ اور بھائیوں کے سر جھک ...ئے۔ ماں اور بہنیں رونے لگیں۔ اگر جوان بیٹی کسی سے عشق ...رتی اور شادی کرنا چاہتی تو اس پر اعتراض ہوتا۔ اگر وہ اپنے ...کی عاشق کے ساتھ بھاگ جاتی تو بدچلن اور بے حیا کہلاتی ...لیکن ابھی ایسی ہی ایک جوان بیٹی بے حیائی کے لیے سب کے ...امنے گھر سے جانے والی تھی اور کوئی اسے روکنے والا نہیں ...تھا۔ سب کے جھکے ہوئے سر خاموشی سے کہہ رہے تھے ''جاؤ ...ہمیں اجازت ہے۔''

یہ تھی عرصہ کی مختصر سی روداد۔ اس نے اپنے حالات مجھے ...بتائے تھے لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ کسی کے بھی حالات ...سے چھپے ہوئے نہیں رہتے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رو رہی تھی اور میں نے اسے رونے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ میں یہی چاہتا تھا کہ اس کے اندر کا سارا غبار آنسوؤں کے ذریعے دھل جائے۔

☆☆☆

آخر میں نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا۔ ''انسان کو زندگی گزارنے کے لیے اچھے برے حالات سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ کبھی مصیبتیں پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ کبھی بدنامیاں پیچھا کرتی رہتی ہیں۔ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوگا لیکن میری ایک بات یاد رکھو کہ آنسوؤں سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا، کبھی کوئی مصیبت دور نہیں ہوتی۔ چیخنے، چلانے، رونے اور فریاد کرنے سے نیک نامی بحال نہیں ہوتی۔ تم تعلیم یافتہ لگتی ہو۔ تمہیں سمجھنا چاہیے کہ صرف ذہانت اور حوصلے سے ہی مصائب کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔''

وہ اپنے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی ''جب غریبی اور مہنگائی کمر توڑتی رہے اور مصیبت کے وقت کوئی اپنا یار و مددگار نہ ہو، کوئی ذرا سا بھی حوصلہ دینے والا اور دست گیری کرنے والا نہ ہو تو حوصلہ کیسے پیدا ہوگا؟ اگر قانون کے محافظ یہ کہہ دیں کہ جاؤ بازار میں بک جاؤ تو پھر ایک بے سہارا لڑکی کیا کرے؟''

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا ''درست کہتی ہو۔ کتنی ہی شرم والیاں حالات سے مجبور ہوکر بے حیائی کے راستے پر چل پڑی ہیں لیکن ایسی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں جو قسمت والیاں بن جاتی ہیں۔ اچانک ان کی تقدیر بدلتی ہے پھر توقع کے خلاف ایسی طاقت اور ایسا حوصلہ ملتا ہے کہ پھر وہ تمام دشمنوں کو منہ توڑ جواب دینے لگتی ہیں۔''

''پتا نہیں وہ قسمت والیاں کہاں پیدا ہوتی ہیں؟ ہمارے نصیب تو کبھی نہیں جاگیں گے۔''

''مایوسی کفر ہے۔ ہر انسان کے حالات کبھی نہ کبھی بدلتے ہیں۔ تم ذرا اپنے حالات پر غور کرو۔ کیا تمہارے حالات نہیں بدل رہے ہیں؟''

اس نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''غور کرو تمہارے ساتھ اب تک کیا ہوتا رہا؟ کیا تمہاری عزت پر آنچ آئی ہے؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر سوچنے لگی ''واقعی میں تو بالکل مایوس ہوکر امیر علی کے پاس آئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو بھول گئی تھی کہ وہ ہی اس دنیا کے فرعونوں کو ڈھیل بھی دیتا ہے اور وہ ہی ان کے گلے میں پھندا بھی ڈالتا ہے۔ آج میں کچھ ایسے حالات سے گزر رہی ہوں کہ خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب تک

میرے ساتھ کیا ہوتا رہا تھا۔"

"مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ تا کہ میں تمہیں کچھ سمجھا سکوں۔"

وہ بتانے لگی کہ امیر علی کے پاس ہوٹل میں آئی تھی۔ اس کے بعد اچانک ہی وہ اسے لے کر ژنگورارا کے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد اس کا دماغ بالکل سن ہو گیا تھا جیسے سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہا ہو۔ بس ژنگورارا ہی ایک اہم شخص نظر آ رہا تھا۔ وہ ہی اسے اپنا آقا، اپنا مالک اور اپنا حاکم دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس کے اشاروں پر چل رہی تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ امیر علی اسے ژنگورارا کے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا پھر ژنگورارا نے اسے حکم دیا کہ وہ آدھے گھنٹے بعد نیچے ڈائننگ ہال میں آئے گی۔ اس طرح وہاں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔

وہ اپنے حالات بتا رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ سحر زدہ ہونے کے باوجود وہ سمجھ رہی تھی کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسے ژنگورارا کے پاس نہیں رہنا چاہیے لیکن اپنی مرضی کے خلاف اس کے پاس رہنے پر مجبور تھی۔ پتا نہیں کون سی ایسی انجانی قوت تھی جو اسے باندھ کے رکھے ہوئے تھی۔

میں نے کہا "وہ بہت بڑا جادوگر تھا۔ میرے ایک دشمن نے اسے میری ہلاکت کے لیے بلایا تھا لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ میری زندگی تھی میں بچ گیا، اس کی موت تھی وہ مر گیا۔ تمہارے مقدر میں عزت آبرو سے رہنا تھا۔ اس لیے تمہاری آبرو سلامت رہی اور جو آبرو لوٹنے والے تھے ان میں سے ایک کو تم نے اپنے ہاتھ سے گولی مار دی اور دوسرا پتا نہیں اس وقت کہاں ہو گا اور کس حال میں ہو گا؟"

"آپ کی باتیں سن کر میرے اندر حوصلہ پیدا ہو رہا ہے اور یہ بات میری سمجھ میں آ رہی ہے کہ کس طرح میری قسمت نے میرا ساتھ دیا ہے اور میں اب تک محفوظ ہوں۔ مگر اندر سے سہمی ہوئی ہوں۔"

"تم کیوں سہمی ہوئی ہو؟"

"میں نے آج تک کبھی ایک چیونٹی نہیں ماری لیکن اتنے بڑے جادوگر کو مار ڈالا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ جادوگر پھر سے زندہ ہو کر آئے گا اور میری گردن دبوچ لے گا۔"

"یہ بچکانہ خیال ہے۔ کوئی مرنے والا کبھی دوبارہ زندہ نہیں ہوتا۔"

"پولیس والے تو مجھے گرفتار کر سکتے ہیں۔"

"کسی نے تمہیں اسے مارتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ نہ تمہارے خلاف کوئی ثبوت ہے، نہ گواہ ہے۔"

"آپ چشم دید گواہ ہیں۔"

"اور میں اس بات کا بھی گواہ ہوں کہ تم بے قصور ہو۔ اگر تم اس کی جان نہ لیتیں تو وہ تمہاری عزت لے لیتا۔ تمہارے حالات تمہیں سکھا رہے ہیں کہ کس طرح ایک حوصلے سے جینا چاہیے اور دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔"

"آپ کی باتیں میرے اندر ایک نئی زندگی توانائی پیدا کر رہی ہیں۔ ویسے آپ سچ سچ بتائیں۔ آ ساتھ کیوں دے رہے ہیں؟"

"میں تمہارا بڑا بھائی ہوں اور اپنی چھوٹی بہن کا دے رہا ہوں۔"

اس نے بڑی حیرانی اور بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ میں پہلی بار کوئی ایسا ملا تھا جو اسے اپنی بہن کہہ رہا تھا اتنی خوبصورت تھی کہ جو بھی اسے دیکھتا تھا، اس پر بری نظر تھا۔

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے جس نے ڈا نظر ڈالی۔

اسے اپنی خوبصورتی سے نفرت ہو گئی تھی۔ میں اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے پوچھا "تم مجھے اس طرح دیکھ رہی ہو؟ کیا میں کوئی عجوبہ ہوں؟"

"ہاں۔ آپ پہلے شخص ہیں جو مجھے اپنی بہن کہ ہیں۔ آج تک کسی نے مجھ سے یہ رشتہ نہیں جوڑا۔ آج پہنچتے ہی نفل پڑھوں گی۔ سجدے میں گڑگڑا کر اللہ تعا معافی مانگوں گی۔ میں اس رب عظیم کو بھول گئی تھی۔ مایوس ہو گئی تھی اور یہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی کہ کبھی ان کی طرف سے غیبی مدد حاصل ہو سکتی ہے۔"

"اتنی رات کو گھر واپس جاؤ گی تو محلے پڑوس وا کہیں گے؟"

وہ ایک دم سے اداس ہو گئی۔ سر جھکا کر بولی بھول ہی گئی تھی کہ بدنامی پہلے ہی ہمارے گھر کے ان ہوئی ہے۔ آپی کے اغوا ہونے کے بعد ہمارے محلے میں طرح کی باتیں بنائی جا رہی ہیں پھر میں گھر پہنچ کر کس یقین دلاؤں گی کہ جیسی پاک دامن گئی تھی ویسی ہی واپس ہوں۔ کون میری بات کا یقین کرے گا؟"

میں نے کہا "تمہیں بدنامی سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ سی عورتیں بدنامی کے باوجود شہرت کی بلندیوں پر پہنچتی ہیں نے کتنی ہی فلمی اداکاراؤں کو دیکھا ہو گا۔ وہ کم سے کم پہن کر ناچتی گاتی پھرتی ہیں۔ کئی کئی شادیاں کرتی اخبارات ان کے خلاف کیچڑ نہیں اچھالتے ہیں بلکہ

عزت بڑھانے کے لیے ان کی بڑی بڑی خوبصورت تصاویر شائع کرتے ہیں۔ بڑی بڑی تقریبات میں ان اداکاراؤں کا گرم جوشی سے استقبال کیا جاتا ہے۔ ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ تصویریں اتاری جائیں۔

مگر بہت سی غریب لڑکیاں گناہ گار نہ ہوتے ہوئے بھی بدنام ہو جاتی ہیں۔ وہ فلمی اداکاراؤں کی طرح عزت و شہرت حاصل نہیں کر پاتیں۔ لہذا اپنی بدنامیوں پر پردہ نہیں ڈال سکتیں۔

"یاد رکھو، دو طرح سے بدنامیوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ عورت شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جائے اور اس کی واہ واہی کرنے والے موجود ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس کے پاس بے انتہا دولت ہو۔ دولت کی چکاچوند کے سامنے اس کی برائیاں اور بدنامیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔ تم نے کوئی شہرت حاصل نہیں کی ہے لیکن تمہارے پاس دولت آ چکی ہے۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا پھر پوچھا "دولت؟ اور میرے پاس؟"

"ہاں۔ تمہارے قدموں کے پاس کپڑے کی ایک چھوٹی سی گٹھری رکھی ہوئی ہے۔"

اس نے سر جھکا کر اپنے پیروں کے پاس دیکھا۔ ژنگورارا کے پاس ایک بڑا سا رومال تھا۔ وہ رومال ایک بڑی سی گٹھری کی صورت میں بندھا ہوا وہاں رکھا تھا۔ اس نے کہا۔ "اس جادوگر کی موت کے بعد آپ نے اس کے گلے سے موتیوں کی مالا، ہیرے کا لاکٹ اور اس کی انگلیوں سے دس انگوٹھیاں نکالی تھیں۔ ان سب کو اس رومال میں باندھا تھا۔ آپ اسے دولت کہہ رہے ہیں؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "تم ہیرے موتیوں کی قیمت نہیں جانتیں، یہ بہت قیمتی ہیں۔ اگر انہیں فروخت کیا جائے تو ایک کروڑ سے زیادہ روپے ملیں گے اور وہ سب تمہارے ہوں گے۔"

اس نے چونک کر مجھے بے یقینی سے دیکھا پھر کچھ پریشان ہو گئی۔ میں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"آپ نے مجھے بہن کہا ہے اور اب اتنی بڑی رقم کا لالچ دے رہے ہیں۔ آپ مسلمان نہیں ہیں؟ کیا آپ کا ایمان اس قدر کمزور ہے؟"

میں نے مسکرا کر کہا "تم ایسے حالات سے گزرتی آ رہی ہو کہ ایک بھائی پر بھی بھروسا نہیں کرو گی۔ تمہارے دل میں جو شکوک و شبہات ہیں وہ رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گے پھر تم ساری عمر اپنے اس بھائی پر فخر کرتی رہو گی۔"

اس نے سر جھکا لیا۔ میں نے کہا "تم ہیرے جواہرات کے معاملے میں اناڑی ہو۔ انہیں فروخت کرنے جاؤ گی تو صرف چور ڈاکو ہی نہیں پولیس والے بھی پیچھے پڑ جائیں گے۔"

اس نے پھر سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اچانک ہی اتنی بڑی رقم اس کی جھولی میں آ رہی ہے۔ وہ اٹک اٹک کر بولی "آپ مجھے ایک کروڑ روپے دیں گے؟ آپ ہزار دو ہزار، لاکھ دو لاکھ کی نہیں کروڑ کی باتیں کر رہے ہیں۔ کیا یہ کوئی معمولی رقم ہوتی ہے؟"

"میری بہن کے لیے یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جب تم کروڑوں میں کھیلنے لگو گی تو یہ رقم تمہارے لیے معمولی ہو جائے گی۔"

میں نے ڈیش بورڈ پر سے موبائل فون اٹھا کر رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے آسرا کی آواز سنائی دی "ہائے مقدر! کہاں ہو؟"

میں نے کہا "مقدر کے لیے ہائے ہائے نہیں کی جاتی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "تم بات سے بات نکالنا خوب جانتے ہو۔ میرے سوال کا جواب دو۔ کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟"

"گھر آ رہا ہوں اور اپنے ساتھ اپنی ایک بہن کو لا رہا ہوں۔"

"یہ تمہاری بہن کہاں سے پیدا ہو گئی؟"

"اللہ تعالیٰ محبت کرنے والوں کو محبتیں دیتا ہے۔ اس لیے مجھے بھی آج ایک بہن دی ہے۔ میں اسے تمہارے پاس لا رہا ہوں پھر اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤں گا۔ ویسے کوٹھی کے قریب پہنچ رہا ہوں۔ تم دروازے پر آ جاؤ۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ اس نے پوچھا "آپ مجھے اپنے گھر لے جا رہے ہیں؟"

"کیا تمہیں اعتراض ہے؟"

"نہیں، مگر میرے گھر والے پریشان ہوں گے۔ وہ سمجھ رہے ہوں گے میں رات کو کسی وقت گھر واپس آؤں گی پھر اس جادوگر نے مجھے سیٹھ امیر علی سے چھین لیا تھا۔ اب وہ سیٹھ بھی جھنجلایا ہوا ہو گا۔ وہ مجھے تلاش کر رہا ہو گا اور مجھے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے وہ کسی طرح کی بھی کمینگی دکھا سکتا ہے۔ اپنے غنڈوں کے ذریعے میرے گھر والوں کو پریشان کر سکتا ہے۔"

"تم وہاں جا کر کیا کر لو گی؟ کیا غنڈوں کا مقابلہ کرو گی؟ یا پھر اس سیٹھ امیر علی کے پاس واپس جانے کے

لیے مجبور ہو جاؤ گی؟ جب اللہ تعالیٰ نے ایک بار اس کے شر سے بچایا ہے تو آئندہ بھی تمہیں بچائے گا۔ تم گھر والوں کی فکر نہ کرو۔''

میں کار ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی کے احاطے میں پہنچ گیا۔ آسرا دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ تیزی سے چلتی ہوئی کار کے پاس آئی پھر اس نے عرصہ کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ باہر آئی۔ اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میرا نام آسرا ہے۔''

وہ مصافحہ کرتے ہوئے بولی ''میرا نام عرصہ ہے۔''

آسرا نے کہا ''بہت ہی منفرد' بہت ہی خوبصورت نام ہے۔ آؤ اندر چلو۔ وہاں آرام سے باتیں ہوں گی۔''

میں نے عرصہ سے کہا ''وہ جو کپڑے کی چھوٹی سی پوٹلی رکھی ہے' اسے اٹھا لو۔''

اس نے پوٹلی کو اٹھا لیا۔ آسرا نے پوچھا ''اس میں کیا ہے؟''

میں نے کہا ''اس میں عرصہ کے ہیرے جواہرات ہیں۔ یہ غنڈوں میں پھنس گئی تھی۔ میں اسے بچا کر لایا ہوں۔''

پھر میں نے عرصہ سے کہا ''تم ہمارے گھر والوں کو یہی کہو گی جو میں کہہ رہا ہوں لیکن آسرا کے ساتھ اس کے کمرے میں جاؤ اور تمہاری جو اصل روداد ہے' اسے سناؤ۔ یہ میری راز دار ہے۔ تمہاری بھی راز دار رہے گی۔''

آسرا نے مجھے بڑی محبت سے دیکھا پھر عرصہ کا ہاتھ تھام کر وہاں سے جانے لگی۔ وہ دوسروں کے ساتھ بڑی خوش اخلاقی سے پیش آتی تھی۔ مجھے امید تھی کہ عرصہ اس کے ساتھ گھل مل جائے گی۔ اسے اتنی اپنائیت ملے گی کہ وہ خود کو گھریلو ماحول میں محسوس کرنے لگے گی۔

عرصہ نے یہ درست کہا تھا کہ سیٹھ امیر علی کے منہ سے نوالہ چھین لیا گیا ہے۔ وہ بری طرح جھنجلایا ہوا ہوگا۔ اسے دوبارہ حاصل کرنا چاہے گا۔ وہ نہیں ملے گی تو اس کے گھر والوں کے لیے مصیبت بن جائے گا۔ اس جیسے زخمی شیر کے زخموں پر نمک چھڑکنا ضروری تھا۔ اس لیے میں اس کے ہاتھ کی لکیروں پر پہنچ گیا۔

ڈرائنگ روم میں فلک آفتاب، بیگم آفتاب اور بابر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان ماں باپ اور بیٹے کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ پہلے تو تین کروڑ روپے ہاتھ سے نکل گئے تھے اور اب دو کروڑ چھین لیے گئے تھے۔ ایسے میں بھلا نیند کیسے آ سکتی تھی؟ ان کے تو ہوش اڑے ہوئے تھے۔

وہ سب ہی سے یہ بات چھپاتے پھر رہے تھے کہ صبح بینک جاتے وقت ان سے ایک بڑی رقم چھین لی گئی ہے۔ آفتاب تو اتنے بڑے نقصان کی خبر سنتے ہی بستر پر گر گئی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں سے جیسے جان نکل گئی تھی۔ باپ اور بیٹے نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا۔ آدھی رات کو لگی تو کھانا لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئے تھے اور وہیں کھا رہے تھے۔

فلک ناز نے ڈرائنگ روم میں آ کر گھڑی دیکھی۔ بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ اس نے کہا ''کیا بات ہے جان! آج اتنی رات کو کھانا کھایا جا رہا ہے؟''

بھائی نے کہا ''دن کو طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ کھانے نہیں تھا۔ اب بھوک لگی ہے تو کھا رہا ہوں۔''

''آپ کا موڈ نہیں تھا۔ کیا بھائی جان کا بھی موڈ نہیں کیا بابر کو بھی بھوک نہیں لگی تھی؟ سب ہی آج اتنی رات رہے ہیں؟''

بیگم آفتاب نے کہا ''تمہیں پریشانی کیا ہے؟ ذرا ذرا بات کی ٹوہ لیتی رہتی ہو؟''

''کیا ایک ہی گھر میں رہ کر ایک دوسرے کے دکھ نہیں سمجھنا چاہیے؟ میں صبح سے دیکھ رہی ہوں' آپ تینوں پریشان سے ہیں اور ایسا لگ رہا ہے کہ پریشانی چھپا رہے ہیں۔ دوپہر کو کھانے کے لیے ڈائننگ روم میں نہیں آئے رات کو کھانے کے لیے پوچھا تو انکار کر دیا۔ اب رات ڈیڑھ بجے جاگ رہے ہیں اور کھانا کھا رہے ہیں۔ تشویش تو ہوتی ہے اور تجسس بھی پیدا ہوتا ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''تم ہماری فکر نہ کرو تو بہتر ہے۔ اپنے کام سے کام رکھو۔''

اسی وقت آسرا' عرصہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ سب نے عرصہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ بیگم آفتاب نے پوچھا ''آسرا! یہ کون ہے؟''

وہ بولی ''ممانی جان! اس کا نام عرصہ ہے۔ مقدر اسے بہن بنا کر یہاں لائے ہیں۔''

فلک ناز نے پوچھا ''وہ اسے کہاں سے بہن بنا کر لائے ہے؟''

وہ بولی ''ممی! اس کے پاس قیمتی ہیرے جواہرات ہیں۔ یہ غنڈوں میں گھر گئی تھی۔ مقدر اسے کسی طرح بچا کر لائے ہیں۔''

فلک آفتاب، بیگم آفتاب اور بابر سب ہی نے چونک کر عرصہ کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کپڑے کی پوٹلی کو دیکھا۔ آفتاب نے پوچھا ''کیا ہیرے جواہرات اس پوٹلی میں ہیں؟ کیا یہ انہیں اس طرح لیے گھوم رہی ہے؟''

آسرا نے اپنی طرف سے بات بنائی ''ممانی جان! یہ ہیرے جواہرات میں کھیلنے والی لڑکی ہے۔ ایسی چیزوں کی ایک ذرا پروا نہیں کرتی۔ آؤ عرصہ! میرے بیڈ روم میں چلو۔''

بابر ایک ٹک عرصہ کو دیکھے جا رہا تھا۔ پلکیں جھپکانا بھول گیا تھا۔ ایک تو وہ بہت ہی حسین تھی' پھر جب یہ معلوم ہوا کہ دولت مند بھی ہے' تو اس میں اتنی کشش پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا رہا تھا۔ وہ وہاں سے آسرا کے ساتھ جانے لگی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بے خودی کی حالت میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ ماں باپ کبھی اپنے بیٹے کو کبھی عرصہ کو دیکھنے لگے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو ماں نے پوچھا ''بیٹے! کیا ہوا؟''

اس نے چونک کر ماں کو دیکھا پھر فلک ناز کو دیکھا۔ وہ زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔ اس نے جھینپ کر کہا ''کچھ نہیں۔''

فلک ناز نے مسکراتے ہوئے کہا ''کچھ تو ہے۔ میں تو چہرے سے بھانپ لیتی ہوں۔''

وہ بولا ''آ۔ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟''

''یہی کہ بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ مقدر نے اسے تمہارے لیے بھیجا ہے۔''

بیگم آفتاب نے خوش ہو کر کہا ''ناز! تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی ہے۔ سچ اتنی خوبصورت لڑکی ہے کہ دل میں اتر گئی ہے۔ معلوم تو کرو یہ ہے کون؟ کہاں سے آئی ہے؟''

''جب مقدر نے اسے بہن بنایا ہے تو پھر کسی اچھے خاندان کی ہی ہوگی۔ یہ تو آسرا نے بتا ہی دیا ہے نہایت دولت مند لڑکی ہے۔''

بیگم آفتاب کے اندر بے چینی سی بھر گئی تھی۔ وہ اٹھ کر بولی ''یہ مقدر میاں کے ساتھ آئی ہے تو وہ خود کہاں رہ گیا ہے؟ میں دیکھتی ہوں باہر ہوگا۔''

فلک آفتاب کو بھی بے چینی تھی۔ وہ بھی عرصہ کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اپنی بیگم کے پیچھے چلتا ہوا کوٹھی کے باہر آیا۔ میں وہاں نہیں تھا۔ انہوں نے نائٹ چوکیدار سے پوچھا ''مقدر میاں کہاں ہیں؟''

اس نے کہا ''وہ ابھی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں گئے ہیں۔''

وہ دونوں بجھ سے گئے۔ عرصہ کے بارے میں جو قیمتی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ انہیں نہ مل سکیں۔

☆☆☆

رات کے ٹھیک بارہ بجے ژنگورارا کی موت ہوئی تھی۔ ایسے وقت امیر علی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہوٹل کے ایک کمرے میں غافل پڑا ہوا تھا۔ ژنگورارا نے اسے سحر زدہ کر رکھا تھا۔ جب وہ فنا ہوا تو اس کا سحر بھی فنا ہوتا چلا گیا۔ امیر علی کو رفتہ رفتہ یاد آنے لگا کہ وہ ایک ہوٹل میں ہے اور ہوٹل میں ایک نہایت ہی حسین لڑکی اس کے پاس آئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں ہر طرف دیکھنے لگا مگر وہ حسینہ وہاں نہیں تھی۔

وہ اٹھ کر تیزی سے چلتا ہوا باتھ روم کے دروازے پر آیا اور اسے کھول کر دیکھا۔ باتھ روم بھی خالی تھا۔ سینٹر ٹیبل پر شراب کی بوتل اور خالی گلاس رکھا ہوا تھا۔ وہ خالی گلاس کہہ رہا تھا کہ اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا تھا۔ نہ نشے میں تھا نہ مدہوش ہوا تھا پھر یہ کیوں نہیں یاد آ رہا تھا کہ لڑکی کمرے میں آنے کے بعد کہاں چلی گئی تھی؟ اس نے اسے جانے کیوں دیا تھا؟

اس نے گھڑی دیکھی۔ رات کے بارہ بج کر پندرہ منٹ ہوئے تھے۔ عرصہ رات کے ساڑھے نو بجے اس کے پاس ہوٹل میں آئی تھی پھر پتا نہیں کیا ہوا تھا' اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

اس نے کمرے سے باہر آ کر دیکھا۔ یہاں سے وہاں تک کوریڈور ویران تھا۔ اتنی رات کو سب ہی سو رہے تھے۔ وہ لفٹ کے ذریعے نیچے آیا۔ نیچے ویزیٹرز لابی میں اس کا خاص راز دار ملازم ایک صوفے پر بیٹھا سو رہا تھا۔ اس نے جھنجوڑ کر اسے اٹھایا۔ وہ ایک دم سے چونک کر کھڑا ہو گیا پھر بولا ''حضور! معافی چاہتا ہوں ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔''

''تم کب سے سو رہے ہو؟''

''یہی کوئی پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے۔ میں تو بڑی دیر تک جاگتا رہا ہوں۔''

اس نے پوچھا ''عرصہ کہاں ہے؟''

اس نے حیرانی سے پوچھا ''عرصہ؟''

''ہاں۔ تم اسے میرے کمرے میں چھوڑ کر گئے تھے پھر وہ کہاں چلی گئی؟''

''یہ تو آپ ہی بتا سکتے ہیں۔ وہ آپ ہی کے پاس تھی۔''

''یہی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ وہ میرے پاس تھی تو آخر کہاں چلی گئی؟''

وہ بڑبڑانے لگا ''اس کے آنے کے بعد سے اب تک میرے ساتھ کیا ہوتا رہا؟ کیا اس لڑکی نے مجھ پر کوئی جادو کیا تھا؟ کیا میں سحر زدہ ہو گیا تھا؟ کیا میں بے ہوش ہو گیا تھا؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ساڑھے نو بجے سے سوا بارہ بجے تک میں کہاں تھا؟ کس حال میں تھا؟''

''حضور! آپ کو دیکھ کر یہ پتا نہیں چل رہا ہے کہ آپ

نے پی ہوگی اور نشے میں ہوں گے۔"

"میں نے بوتل کھولی بھی نہیں ہے۔ جیسی منگوائی تھی ویسی ہی رکھی ہوئی ہے۔"

"کیا آپ نے پانی یا چائے پی تھی؟"

اس نے ذرا سوچنے کے بعد کہا "ہاں' میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے ایک گلاس پانی پلائے اور میری فرمائش پر اس نے پانی اپنے ہاتھ سے پلایا تھا۔"

"پھر تو اس نے پانی میں کچھ گڑبڑ کی ہوگی۔ ہوسکتا ہے اس میں کچھ ملا کر آپ کو پلایا ہو۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر سوچنے لگا۔ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ عرصہ نے پانی میں کچھ ملا کر اسے پلا دیا ہوگا اور جب وہ بے ہوش ہوگیا تو وہ اس ہوٹل سے فرار ہوگئی۔

اس کے ملازم نے کہا "حضور! وہ لڑکی مکار نکلی۔ آپ کو دھوکا دے کر بھاگ گئی۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "اگر اسے دھوکا ہی دینا تھا تو پھر راضی خوشی کیوں آئی تھی؟ ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو اچھی طرح دہشت زدہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو یہاں بھیج دیا تھا۔ کیا انہیں اس بات کا ڈر نہیں ہوگا کہ وہ ہم سے فریب کرے گی تو بعد میں انہیں پچھتانا ہوگا؟"

"آپ مجھے حکم دیں' میں ابھی اس کے گھر جاتا ہوں اور اسے چوٹی سے پکڑ کر یہاں لاتا ہوں۔"

"نہیں' اب سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا۔ تم میرے ساتھ چلو اور ان غنڈوں کو بلاؤ' جنہوں نے اس کی بڑی بہن کو اغوا کیا تھا۔ میں چاہتا ہوں ابھی صبح سے پہلے اس کی دوسری بہن کو اٹھوالو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اس کے موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ اس نے اپنی جیب سے فون نکال کر اس کے نمبر پڑھے پھر ناگواری سے بولا "یہ کم بخت بیویاں رات کو بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

اس نے فون کو کان سے لگایا پھر سخت لہجے میں بولا "کیا بات ہے؟ کیوں اتنی رات کو فون کر رہی ہو؟ کیا قیامت آگئی ہے؟"

دوسری طرف سے اس کی بیوی نے کہا "قیامت آئی ہے تب ہی فون کر رہی ہوں۔ آپ کو کبھی اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ ہماری اور ہمارے بچوں کی خبر لیں۔"

وہ غصے سے بولا "تمہارے پاس کوٹھی ہے، کاریں ہیں، بینک بیلنس ہے۔ بچوں کے لیے کسی بات کی کمی نہیں کرتا ہوں اور کیا خبر رکھوں؟"

"بیوی بچوں کو صرف اپنی کمائی دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ان کا خیال بھی رکھنا ہوتا ہے۔ ان کے احساسات اور جذبات کو بھی سمجھنا ہوتا ہے۔ میں نے کئی بار کہا کہ اپنی بڑی بیٹی کا کچھ خیال کریں۔ اسے سمجھائیں' اس کے پر نکل رہے ہیں لیکن آپ نے ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا۔ یہ ہے وہ شام کو گھر سے گئی تھی اور اب تک واپس نہیں آئی ہے۔"

وہ پریشان ہوکر بولا۔ "کیوں نہیں آئی ہے؟ کہاں چلی گئی ہے؟ اپنے تمام رشتہ داروں کو اور اس کی سہیلیوں کو فون کرو۔ معلوم کرو وہ کہاں ہے؟"

"میں سب کر چکی ہوں۔ اس کی ایک ایک سہیلی کو فون کیا ہے۔ تمام رشتہ داروں سے پوچھا ہے۔ نہ وہ اپنی کسی سہیلی کے گھر گئی ہے اور نہ کسی رشتہ دار کے گھر میں ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ وہ کہاں جاسکتی ہے؟"

"میں کیا بتاؤں؟ میرا دل ڈوب رہا ہے۔ ہمارے دونوں بیٹے، میرا بھائی اور آپ کے دونوں بھائی سب ہی اس کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ ان سب سے فون کے ذریعے رابطہ ہے۔ پتا نہیں کیا ہونے والا ہے؟ وہ ملے گی بھی نہیں؟"

"ذرا حوصلہ کرو۔ خدا پر بھروسا رکھو۔ میں جلد ہی گھر آنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اس نے رابطہ ختم کیا پھر اپنے اس راز دار ملازم سے کہا "مجھے ابھی گھر جانا ہوگا۔ تم ایسا کرو کہ عرصہ کے گھر کی طرف جاؤ اور معلوم کرو' وہ کہاں ہے؟ مجھے دھوکا دے کر گئی ہے تو کچھ اپنے گھر میں ہی ہوگی۔ میں کل صبح اس سے اور اس کے ماں باپ سے نمٹ لوں گا۔"

فون کا بزر پھر سنائی دیا۔ اس نے نمبر پڑھے پھر سوچا "نہیں یہ کس کا فون ہے؟"

اس نے بٹن کو دبا کر اسے کان سے لگایا۔ میں نے کہا "تمہاری لاڈلی بیٹی شہناز واپس نہیں آئے گی۔ یہ ہمارے پاس ہے۔"

اس نے غصے سے پوچھا "کون ہو تم؟ شہناز تمہارے پاس کیوں ہے؟"

"حسین اور جوان لڑکیاں سیدھی طرح ہاتھ نہیں آتیں انہیں اغوا کیا جاتا ہے، پھر جبراً ان کی عزت کو کھلونا بنایا جاتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ میری بیٹی پر ذرا بھی آنچ آئے گی میں تمہارے پورے خاندان کو تباہ کردوں گا۔"

"میرا خاندان بہت چھوٹا ہے۔ وہ تباہ ہوگا تو میرا صدمہ بہت چھوٹا ہوگا۔ تمہارا خاندان تو یہاں سے اوورسیز تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں سے اوورسیز تک بدنامی پھیلے گی تو کہاں تک صدمات برداشت کرتے جاؤ گے؟ آج تم ایک بیٹی کا ماتم کرو۔ کل تمہاری دوسری بیٹی اٹھوالی جائے گی۔"

وہ جو بہت غرور سے اور اکڑ سے بول رہا تھا۔ ایک دم سہم سا گیا۔ میں نے پوچھا "کیا میں فون بند کردوں؟"

"نہیں' جسٹ اے منٹ۔ میرا خیال ہے تم نے تاوان حاصل کرنے کے لیے میری بیٹی کو اغوا کیا ہے؟ بولو کتنی رقم چاہتے ہو؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "کیا تم نے رقم حاصل کرنے کے لیے کسی لڑکی کو اغوا کرایا تھا؟ اگر نہیں تو میری طرف سے بھی نہیں۔ اگر تم شرم ناک مقصد سے ایسا کر سکتے ہو تو کیا دوسرا کوئی ایسا نہیں کرسکتا؟"

وہ پریشان ہوکر بولا "پلیز، میری بیٹی کو واپس کردو۔"

"اتنی جلدی واپسی کیسے ہوسکتی ہے؟ تم نے ایک کے بعد دوسری کو اپنے پاس بلایا۔ جب تک وہ دوسری اپنے گھر واپس نہیں پہنچے گی' اس وقت تک تمہاری بیٹی بھی اپنے گھر واپس نہیں آئے گی۔"

وہ جلدی سے بولا "وہ واپس جاچکی ہے۔ وہ مجھے دھوکا دے کر بہت پہلے ہی چلی گئی ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ وہ اپنے گھر نہیں پہنچی ہے۔ اسے گھر پہنچنا چاہیے ورنہ تم بدنامیوں اور رسوائیوں کی انتہائی بلندی پر اور ذلت کی انتہائی پستیوں میں پہنچ جاؤ گے۔"

وہ بہت زیادہ پریشان ہوگیا تھا۔ کچھ بولنا چاہتا تھا مگر بول نہیں پا رہا تھا۔ میں نے پوچھا "کیا فون بند کردوں؟"

وہ جلدی سے بولا "نہیں نہیں' ٹھہرو۔ میں ابھی عرصہ کے گھر جاؤں گا۔ وہاں معلوم کروں گا' اگر وہ وہاں نہیں پہنچی ہوگی تو میں اسے تلاش کرکے اس کے گھر پہنچاؤں گا۔"

"تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ گھڑی دیکھو۔ اس وقت تین بج رہے ہیں۔ اب سے ٹھیک بارہ گھنٹے بعد کل دن میں تین بجے تک اگر عرصہ اپنے گھر نہیں پہنچی تو تمہاری دوسری بیٹی کو اٹھوالیا جائے گا۔ تم اس کی حفاظت کے لیے کتنے ہی اقدامات کرو اگر ہم اسے نہ اٹھا سکے تو اسے موت کا فرشتہ اغوا کرکے لے جائے گا۔ میں ہر چار گھنٹے کے بعد تم سے فون پر رابطہ کروں گا۔ دیٹس آل۔"

میں نے رابطہ ختم کردیا۔ اس کے تو ہوش اڑ گئے تھے۔ ساری مستی فنا ہوگئی تھی۔ دولت کے غرور کو اور ہوس پرستی کی غلاظتوں کو بھول چکا تھا۔

ایسی بات نہیں تھی کہ میں نے اسے سزا دینے کے لیے اس کی بیٹی کو اغوا کیا تھا یا کرایا تھا۔ میں بھلا سزا دینے والا کون ہوتا ہوں؟ میں تو اس کے اور اس کی بیوی بچوں کے ہاتھوں کی لکیروں پر پہنچا ہوا تھا۔ دنیا کا ہر شخص اپنے اعمال کی سزا پاتا ہے یا اپنے مقدر کے ہاتھوں میں کھیلتا رہتا ہے۔ اس کی اغوا ہونے والی بیٹی شہناز کا مقدر یہ تھا کہ وہ اپنے ماموں کے بیٹے سے محبت کرتی تھی اور اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ چونکہ ماموں غریب تھا اور اس کا بیٹا ایک معمولی سی ملازمت کرتا تھا۔ اس لیے امیر علی اسے گری ہوئی نظروں سے دیکھتا تھا اور بیٹی کو اپنے چھوٹے بھائی کے بیٹے سے بیاہنا چاہتا تھا۔ باپ کی ضد کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیٹی نے بغاوت کی اور اپنے ماموں زاد بھائی یعنی اپنے محبوب کے ساتھ گھر سے فرار ہوگئی۔

اس نے دن کے وقت اپنے محبوب سے کورٹ میں جا کر شادی کی تھی پھر اس سے وعدہ کیا تھا کہ گھر سے اپنے زیورات اور نقدی لے کر شام کو اس سے ملے گی پھر وہ دونوں دوسرے شہر میں جا کر کچھ عرصے تک روپوش رہیں گے۔

وہ یہی کر رہے تھے۔ میں نے اس کی بیٹی شہناز کی بغاوت کو اغوا کا رنگ دے دیا تھا۔ میں جانتا تھا ابھی اسے اپنی بیٹی کی خبر نہیں ملے گی۔ تب تک میں اسے پیش آنے والی بدنامیوں اور رسوائیوں سے ڈراتا رہوں گا۔ وہ درپردہ شیطان تھا لیکن دنیا والوں کے سامنے نیک نام اور عزت دار تھا۔ اس لیے فوراً ہی میری دھمکی میں آگیا تھا۔

اس نے عرصہ کو حاصل کرنے کے لیے دھمکی دی تھی کہ ایک بہن کے بعد اس کی دوسری بہن کو اٹھالیا جائے گا۔ اسی طرح میں نے بھی اسے دھمکی دی تھی کہ بارہ گھنٹے بعد اس کی دوسری بیٹی کو بھی اٹھوالیا جائے گا حالانکہ میں ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کل اس کی بیٹی کے ساتھ بھی ایک دوسرا معاملہ ہونے والا تھا' میں اس کا ذکر بعد میں کروں گا۔

میں صبح کے چار بجے گھر واپس آیا تو بیگم آفتاب، فلک آفتاب اور بابر ڈرائنگ روم میں جاگ رہے تھے۔ عرصہ کے بارے میں جو تھوڑی سی معلومات حاصل ہوئی تھیں' اس کے بعد وہ سو نہیں سکتے تھے۔ اب عرصہ امید کی ایک نئی کرن کی طرح گھر میں آئی تھی۔ انہیں پھر سے خوش نصیبی کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ کئی بار آسرا کے کمرے کی طرف جا چکے تھے مگر اس نے دروازے کو اندر سے بند کر رکھا تھا۔ ایک بار بیگم آفتاب نے دروازے پر دستک بھی دی "بیٹی آسرا! دروازہ تو کھولو۔ ہمیں بھی تو عرصہ سے بات کرنے دو۔"

آسرا نے دروازہ نہیں کھولا۔ اندر سے کہا ''ممانی جان! مقدر اسے غنڈوں سے بچا کر لائے ہیں۔ یہ گھبرائی ہوئی ہے اور آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی ہے۔ پلیز اسے آرام کرنے دیں۔ صبح اس سے باتیں ہوں گی۔''

فلک آفتاب نے پریشان ہو کر پوچھا ''لیکن یہ مقدر میاں کہاں چلے گئے ہیں؟''

''یہیں کہیں ہوں گے۔ ابھی آتے ہوں گے۔''

میں صبح چار بجے وہاں پہنچا۔ وہ تینوں ماں باپ اور بیٹا' مجھے دیکھتے ہی یوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے جیسے دفتر کے ملازم ہوں اور اپنے باس کو دیکھ کر ادب سے کھڑے ہو گئے ہوں۔ میں نے انجان بن کر حیرانی سے پوچھا ''کیا ہوا؟ آپ لوگ اس طرح کیوں کھڑے ہو گئے ہیں؟ خیریت تو ہے؟''

فلک آفتاب نے کہا ''ہاں ہاں بیٹا! بالکل خیریت ہے۔ وہ ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔''

میں نے پھر حیرانی سے پوچھا ''میرا انتظار؟ خیریت تو ہے؟ آپ لوگ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''دراصل ہم تمہارے لیے پریشان ہو رہے تھے۔ اتنی رات ہو چکی اور تم گھر نہیں آئے تھے، یہی فکر ہمیں ستا رہی تھی۔''

فلک آفتاب نے کہا ''آؤ، یہاں آؤ نا۔ یہاں بیٹھو۔''

میں ان کے قریب ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا ''میں تو روز ہی رات کو دیر سے آتا ہوں۔ ویسے آپ لوگوں کو اپنے لیے پریشان دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ آپ لوگ میری اتنی فکر کرتے ہیں۔''

''تم میرے مرحوم بھائی کی اولاد ہو۔ ہم تمہاری فکر نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟ ویسے تم اتنی رات تک کہاں تھے؟ کیا کر رہے تھے؟''

میں نے ایک ذرا پریشانی ظاہر کرتے ہوئے گہری سانس لی پھر کہا ''کچھ نہ پوچھیں۔ یہ لڑکی بہت ہی بے وقوف ہے۔''

''کس لڑکی کی بات کر رہے ہو؟''

''یہی جسے میں نے آسرا کے ساتھ اندر بھیجا تھا۔ کیا بتاؤں بڑی امی! اس نے جو ہیرے موتیوں سے جڑے ہوئے زیورات پہنے تھے ان کی مالیت ایک کروڑ روپے سے زیادہ ہے۔''

ان تینوں نے اتنی گہری سانسیں کھینچیں جیسے ایک ہی سانس میں سارے زیورات نگل لینا چاہتے ہوں۔ میں نے کہا ''کلفٹن کے اس ویران ساحل پر چند غنڈوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ میں نے جان پر کھیل کر اس کی جان بچائی۔ مجھے بھلا اس لڑکی سے کیا لینا تھا۔ بلا سے اس کے ساتھ کچھ ہو جاتا۔ وہ تو اسے جان سے مارتے اور سارے زیورات لے جاتے۔ مگر میں نے سوچا آج ایک نیکی کر ہی ڈالوں۔ میں نے ٹھیک کیا ہے نا؟''

تینوں نے ہاں ہاں کے انداز میں زور زور سے سر ہلایا۔ بیگم آفتاب نے کہا ''تم نے اس کی جان بچا کر بہت بڑی نیکی کی ہے بیٹا! تمہیں اس نیکی کا صلہ ضرور ملے گا۔''

''صلہ تو مل گیا۔ بہن کی محبت مل گئی۔ میں نے اسے بہن بنا لیا ہے۔ پتا ہے میں نے بہن بناتے ہی کیا کیا؟''

تینوں نے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔ میں بیٹھے بیٹھے ان کی طرف ذرا جھک گیا پھر بولا ''میں نے اس کے سارے زیورات اتار لیے۔''

وہ تینوں بھی بیٹھے بیٹھے میری طرف جھک گئے۔ ایک نے کہا ''اچھا! پھر؟''

''میں نے ان تمام زیورات کو ایک رومال میں باندھا، اس کی پوٹلی بنائی پھر اسے بری طرح ڈانٹ کر کہا ''تم کتنی احمق لڑکی ہو۔ اتنی رات کو تنہا اتنے قیمتی زیورات پہن کر ویران ساحل کی طرف ٹہلنے آئی ہو۔ بڑی امی! میں نے اچھا کیا نا؟''

وہ بولی ''بہت اچھا کیا۔ تم نے بڑے بھائی ہونے کا فرض ادا کیا۔ تم نہ ہوتے تو زیورات بھی جاتے اور اس کی جان بھی جاتی۔''

میں ذرا اداس ہو گیا۔ فلک آفتاب نے پوچھا ''کیا ہوا بیٹے؟''

میں نے کہا ''میرے ڈانٹنے سے وہ رونے لگی۔ کیا بتاؤں؟ جب وہ رونے لگی تو مجھے اس پر کتنا پیار آنے لگا۔ آپ لوگوں نے تو اسے دیکھا ہی ہو گا کتنی معصوم کتنی بھولی بھالی ہے؟''

بیگم آفتاب نے کہا ''ہائے بیٹا! کچھ نہ پوچھو۔ اسے تو دیکھتے ہی جی چاہ رہا تھا اپنے کلیجے سے لگا لوں۔''

بابر اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھا ''وہ اتنی رات کو اتنے قیمتی زیورات پہنے تنہا ویران ساحل پر کیوں گئی تھی؟''

میں نے کہا ''رئیس زادی ہے بلکہ رئیس بنتِ رئیس بنتِ رئیس ہے۔ وہ آدھی رات کو کہیں بھی جا سکتی ہے۔ کیا ہم تم اسے روک سکتے ہیں؟''

سب نے انکار میں سر ہلایا۔ میں نے کہا۔ ''دراصل

بات یہ ہے کہ یہ عرصہ بہت ہی غریب ماں باپ کی بیٹی ہے۔ یہاں پسماندہ علاقے میں رہتی ہے۔ اس کے بوڑھے ماں باپ تین بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ اس کے چچا ساؤتھ افریقا میں ہیرے جواہرات کے تاجر تھے۔ وہ پچھلے مہینے یہاں آئے تھے۔ چچا سے ان کی خاندانی دشمنی تھی۔ ماں باپ نے ان سے صلح نہیں کی لیکن یہ لڑکی اپنے چچا کو اتنا چاہتی ہے کہ ماں باپ کی مرضی کے خلاف چچا کے پاس جا کر گلے لگ گئی۔ بس پھر کیا تھا۔ چچا نے نہ کبھی شادی کی تھی نہ ان کی کوئی اولاد تھی۔ انہوں نے اسے اپنی بیٹی بنا لیا۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''پھر تو عرصہ بہت ہی سمجھدار ہے اور تم اسے بے وقوف کہہ رہے تھے۔''

''کوئی سمجھدار نہیں ہے۔ جذباتی لڑکی ہے۔ بچپن سے چچا کی تصویریں دیکھتی تھی اور ان کو اپنا آئیڈیل مانتی تھی۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو جا کر گلے لگ گئی۔ ہاں ایک طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ جذباتی سہی لیکن سمجھداری سے کام لیا۔ اب اس کا فائدہ اسے پہنچ رہا ہے۔''

بابر نے پوچھا ''وہ کیسے؟''

''چچا نے ساری دولت اور جائداد اس کے نام لکھ دی ہے۔''

میں نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ''اف اللہ! اس کی دولت، اس کی جائدادیں، یہاں سے ساؤتھ افریقا تک پھیلی ہوئی ہیں۔''

ان تینوں کی سانسیں اوپر کی اوپر رہ گئی تھیں۔ پھر فلک آفتاب نے کہا ''بیٹے! ہمیں اس کے چچا سے ملاؤ۔''

میں نے اچانک ہی چہرے سے یوں ظاہر کیا جیسے صدمات سے دوچار ہو رہا ہوں۔ انہوں نے پوچھا ''کیا ہوا بیٹے؟''

میں نے رازدارانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھا پھر ان کی طرف جھک کر کہا ''ایک راز کی بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپ وعدہ کریں کہ ابھی عرصہ کو نہیں بتائیں گے۔''

تینوں نے جلدی جلدی دائیں بائیں سر ہلایا۔ بیگم آفتاب نے میرا ہاتھ تھام کر کہا ''تم ہمیں اپنا سمجھ رہے ہو۔ اپنا رازدار بنا رہے ہو تو پھر بھروسا کرو۔ جو بات بھی کہو گے' وہ ہمارے سینوں میں دفن رہے گی۔''

میں نے ان کی طرف اور ذرا جھک کر بڑی رازداری سے کہا ''اس کے چچا اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔''

انہوں نے بھی بڑی رازداری میں پوچھا ''اچھا؟''

''وہاں ساحل پر عرصہ کو پیاس لگ رہی تھی۔ چچا نے کہا تم یہاں ٹھہرو میں تمہارے لیے ٹھنڈی بوتل لے کر آتا ہوں۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر دور ایک ریستوران کی طرف گئے پھر وہاں سے واپس نہ آ سکے۔ جو غنڈے عرصہ کو گھیر کر اس کے زیورات چھین لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے پہلے عرصہ کے چچا کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ اس کی لاش کو سمندر میں پھینک دیا تھا پھر وہ عرصہ پر حملہ کرنے گئے۔ ایسے وقت عرصہ کے مقدر نے اس کا ساتھ دیا اور میں وہاں پہنچ گیا۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''خدا کا شکر ہے۔ تم اگر وہاں نہ پہنچتے تو یہ لڑکی ہمارے ہاتھ نہ آتی۔''

ان تینوں کے اندر یہ بات نقش ہو چکی تھی کہ اس لڑکی کو ہتھیانا ہے۔ اسی لیے وہ ہاتھ آنے والی بات کہہ گئی تھی پھر جلدی سے سنبھل کر بولی ''میرا مطلب ہے اگر تم اس کی جان نہ بچاتے اور یہ ہمارے یہاں نہ آتی تو ہمیں اتنی معصوم سی لڑکی کی خدمت کرنے کا موقع نہ ملتا۔''

میں نے کہا ''بڑی امی! میں چاہتا ہوں کہ ابھی دو چار روز تک اس سے چچا کے متعلق کچھ نہیں کہا جائے۔ بات چھپائی جائے ورنہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکے گی۔''

سب نے تائید میں سر ہلایا۔ بابر نے کہا ''بھائی جان! آپ درست کہتے ہیں۔ بے چاری نازک سی لڑکی ہے، نازک سا دل ہے صدمہ برداشت نہیں کر سکے گی۔ ہم اس کے سامنے اس کے چچا کا ذکر نہیں کریں گے۔''

میں نے کہا ''میں موقع دیکھ کر اسے بڑی سہولت سے بتاؤں گا کہ اس کے چچا اللہ میاں کو پیارے ہو گئے ہیں۔''

فلک آفتاب نے پوچھا ''یہاں اس کے چچا کی کوٹھی اور دوسری جائداد تو ضرور ہو گی؟''

''نہیں۔ انہوں نے یہاں کوئی جائداد نہیں بنائی تھی اور نہ ہی کوئی کوٹھی خریدی تھی۔ پچھلے مہینے سے یہاں ایک ہوٹل میں قیام تھا۔''

بابر نے مایوسی سے پوچھا ''کیا یہاں عرصہ کے چچا کا کچھ بھی نہیں ہے؟''

''بینک بیلنس ہے۔ میں نے معلوم کیا ہے فی الحال اس کے اکاؤنٹ میں چھ کروڑ روپے ہیں۔''

ایک بار پھر ان تینوں کی سانسیں اوپر کی اوپر رہ گئیں میں نے محسوس کیا کہ ان کے لالچی مزاج کے مطابق کچھ زیادہ ہی دھماکے کر رہا ہوں۔ اگر ایسے ہی دھماکے کرتا رہا تو ان کی سانسیں اوپر کی اوپر ہی رہ جائیں گی' نیچے نہیں آئیں گی۔

بابر نے اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ''کیا عرصہ اپنے غریب ماں باپ کے پاس چلی جائے گی؟''

میں نے کہا'' میں یہی بات آپ بزرگوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ وہ اپنے ماں باپ سے لڑ جھگڑ کر اپنے چچا کے پاس آئی تھی۔ لڑائی جھگڑے تو ہوتے رہتے ہیں۔ خون کے رشتے کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے۔ اسے اپنے ماں باپ کے پاس جانا چاہیے لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہم اتنی جلدی اسے اس کے ماں باپ سے نہ ملنے دیں۔''

بیگم آفتاب نے خوش ہو کر کہا'' بیٹے! تم تو میرے دل کی بات کہہ رہے ہو۔ ایسا لگتا ہے جیسے تم نے میرا ہی دودھ پیا ہے۔''

میں نے سعادت مندی سے سر جھکا کر کہا'' میں تو آپ ہی کو اپنی ممی سمجھتا ہوں اور آپ کی مرضی کے بغیر عرصہ کی زندگی کا کوئی اہم فیصلہ نہیں کروں گا۔''

بیگم آفتاب نے آگے کی طرف جھک کر دونوں ہاتھوں سے میری بلائیں لیں پھر میری پیشانی کو چوم کر واپس اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے بولیں'' بس آج سے عرصہ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری میری ہے۔''

میں نے کہا'' ایک اور بات رہ گئی ہے۔''

وہ تینوں پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے کہا '' عرصہ کو وہاں پیاس لگ رہی تھی۔ میں اسے لے کر ایک ریستوران میں آیا۔ وہاں میں نے اسے بنانا جوس پلایا۔ جوس پینے کے دوران میں میں نے اس کا ہاتھ دیکھا۔''

میں نے اچانک ہی جوشیلے انداز میں سینٹر ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا '' کیا بتاؤں کہ میں نے کیا ہاتھ دیکھا ہے؟''

میرے یوں ہاتھ مارنے سے تینوں اپنی جگہ سے اچھل کر پھر بیٹھ گئے۔ بے چینی سے پہلو بدلنے لگے۔ فلک آفتاب نے پوچھا'' بیٹے! تم نے کیا دیکھا؟''

'' میں نے اس کے ہاتھ میں شادی کی لکیر دیکھی ہے۔''

'' اچھا مگر شادی کی لکیر تو سب ہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔''

'' مگر اس کی وہ لکیر کہہ رہی تھی کہ اسی سال کے اندر اس کی شادی ہوگی۔''

فلک آفتاب نے کہا'' بیٹے! تم علم نجوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتے ہو۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ تم نے اب تک جتنی بھی پیش گوئی کی ہے' سب درست ثابت ہوتی آئی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس کی شادی کب ہوگی اور کس سے ہوگی؟''

میں نے کہا'' بڑے ابو! ہاتھ کی لکیر یہ تو نہیں بتاتی کہ جس سے شادی ہونے والی ہے اس کا نام کیا ہے؟ اس کا پتا ٹھکانا کیا ہے؟ لیکن پھر بھی میں بہت دور تک معلوم کر ہی لیتا ہوں۔''

'' بیٹے! تم نے اس کی شادی کے بارے میں جو کچھ بھی معلوم کیا ہے وہ سب ہمیں بتاؤ۔''

میں نے ان تینوں کی طرف باری باری دیکھا۔ وہ تینوں تجسس میں مبتلا ہو کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے کہا'' اس کے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ اس کی شادی اس نوجوان سے ہوگی جس کے نام میں دو عدد انگریزی حرف 'بی' (B) آتے ہیں۔''

وہ تینوں خوشی سے کھل گئے۔ میں نے ان تینوں کی خوشی کو نظر انداز کرتے ہوئے انجان بن کر کہا'' اس کے نام میں دو عدد حرف 'بی' (B) کا ہونا لازمی ہے۔ مثلاً حبیب اللہ میں دو عدد حرف 'بی' آتے ہیں۔ ہمارے ملک کے مشہور فلمساز اور ہدایت کار شباب کیرانوی گزرے ہیں۔ ان کے نام میں بھی دو 'بی' آتے ہیں۔ جیسے ایک شاعر گزرے ہیں حباب دہلوی۔ ان کے نام میں بھی دو 'بی' آتے ہیں۔''

بیگم آفتاب نے جلدی سے کہا'' ہمارے بابر کے نام میں بھی دو عدد 'بی' آتے ہیں۔''

میں نے چونک کر بابر کو دیکھا پھر خوشی سے اچھل کر کہا۔ '' ارے واہ! یہ تو کمال ہو گیا۔ میں تو بھول ہی گیا کہ بابر کے نام میں بھی دو 'بی' آتے ہیں۔ یہ تو وہی مثال ہوئی کہ بچہ بغل میں اور ڈھنڈورا شہر میں۔''

وہ تینوں دل کھول کر ہنسنے لگے۔ بیگم آفتاب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مجھے گلے سے لگا لیا۔ میرے چہرے کو، گردن کو، پیشانی کو چومنے لگی۔ میں نے جلدی سے خود کو الگ کرتے ہوئے کہا'' میں نے عرصہ کو بہن تو بنایا ہے لیکن اس کے مزاج کو ابھی اچھی طرح نہیں سمجھا ہے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ پہلے اس کے مزاج کو سمجھیں اور بہت آہستہ آہستہ پیار محبت سے اپنی طرف اسے مائل کریں۔''

وہ بولی'' بیٹے! اس بات کی تم فکر ہی نہ کرو۔ میں تو اسے اتنا پیار دوں گی اتنا پیار دوں گی کہ وہ اپنی ماں کو بھی بھول جائے گی۔''

میں ان سے ذرا دور ہو کر ایک صوفے کے پاس آیا پھر وہاں سے بابر کو دیکھ کر سوچنے لگا۔ بابر کے جھوٹ اور فریب کو کھولنے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ بولا'' بھائی جان! آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟''

میں نے کہا'' عرصہ کے ساتھ تمہارا رشتہ ہو تو سکتا ہے لیکن ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے اور اس رکاوٹ کی وجہ سے

شاید رشتہ نہ ہو سکے۔''

بیگم آفتاب نے تڑپ کر کہا'' بیٹے! ایسی کون سی رکاوٹ ہے؟''

'' میں نے عرصہ کا ہاتھ دیکھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں اولاد کی لکیر موجود ہے۔ گویا وہ ماں بن سکتی ہے۔''

بیگم آفتاب نے خوش ہو کر کہا'' یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ ہم تو پوتے پوتیوں کے لیے ترس رہے ہیں۔''

میں نے کہا'' آپ کے ترسنے سے کیا ہوتا ہے۔ بابر کی میڈیکل رپورٹ کہتی ہے کہ یہ باپ نہیں بن سکے گا اور عرصہ کا مقدر کہتا ہے کہ وہ ماں ضرور بنے گی۔ لہٰذا اس کی شادی کسی ایسے ہی ڈبل 'بی' والے سے ہوگی جو باپ بننے کے قابل ہوگا۔''

بابر بے چین ہو گیا تھا۔ وہ بے چینی سے دائیں بائیں ہلنے لگا۔ چھ کروڑ کا معاملہ تھا۔ وہ اپنا جھوٹ مزید چھپا نہیں سکتا تھا۔ اس نے مجبور ہو کر کہا'' میں باپ بن سکتا ہوں۔''

میں نے کہا'' جاؤ میاں! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ میڈیکل رپورٹ کے خلاف باپ کیسے بن جاؤ گے؟''

'' بھائی جان! وہ۔ بات اصل میں یہ ہے کہ وہ میڈیکل رپورٹ درست نہیں ہے۔ غلط ہے۔''

میں نے پوچھا'' کیا تم ڈاکٹر کو اناڑی کہہ رہے ہو؟''

'' نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ میں نے ڈاکٹر کو رشوت دے کر جعلی میڈیکل رپورٹ تیار کرائی تھی۔ دراصل میں شادی کر کے بیوی بچوں کے جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے ممی اور ڈیڈی کو دھوکا دینے کے لیے جھوٹی میڈیکل رپورٹ تیار کرائی تھی۔ اصل رپورٹ یہ ہے کہ میں پوزیٹو ہوں اور باپ بن سکتا ہوں۔''

ماں باپ نے گھور کر بیٹے کو دیکھا۔ باپ نے غصے سے کہا'' تم اب تک ہمیں دھوکا دیتے رہے۔ تمہیں شرم نہیں آئی؟''

ماں نے کہا'' ہم تمہیں اپنے ہر معاملے میں رازدار بناتے ہیں مگر تم نے شادی اور اولاد کے معاملے میں ہمیں دھوکا دیا ہے۔ میں اس غلطی کے لیے تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

وہ ماں کے قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ '' ممی! میں بہت شرمندہ ہوں۔ دراصل میں بہت سوچ سمجھ کر کسی مناسب وقت پر شادی کرنا چاہتا تھا۔ اب آپ ہی بتائیں' کیا شادی کا یہ مناسب وقت نہیں ہے؟ اگر مناسب وقت ہے تو میں مناسب وقت پر سچ بول رہا ہوں۔''

ماں باپ نرم پڑ گئے۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ اس کے دھوکا دینے اور جھوٹ بولنے کا فائدہ یہ ہوا تھا کہ انہیں ایک بے انتہا دولت مند لڑکی ملنے والی تھی۔

میں نے کہا'' بڑی امی! بابر نے جو کیا' ٹھیک ہی کیا۔ چلیں اسے معاف کر دیں۔ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ اس کی میڈیکل رپورٹ پوزیٹو ہے اور یہ باپ بن سکتا ہے۔''

وہ سب بہت خوش ہو رہے تھے اور میں انہیں خوش کرتا جا رہا تھا پھر صبح کی اذان ہونے لگی۔ میں نے کہا'' اب میں چلتا ہوں۔ ذرا نیند پوری کروں گا۔''

میں ان سے رخصت ہو کر اپنے بیڈروم میں آیا۔ وہاں آسرا اور عرصہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

میں نے عرصہ سے پوچھا'' کیا ابھی تک جاگ رہی ہو۔ نیند نہیں آ رہی ہے؟''

وہ بولی'' میں ایسے حالات سے گزر رہی ہوں کہ خوشیاں بھی مل رہی ہیں اور گھر والوں کی طرف سے پریشانیاں بھی ہیں۔''

آسرا نے کہا'' میں اسے سمجھا رہی ہوں کہ اسے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تم رفتہ رفتہ اس کی ساری پریشانیاں دور کر دو گے اور اس کے والدین اور بھائی بہنوں کو بھی تحفظ دو گے۔''

میں نے عرصہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا'' میں اسی لیے باہر گیا تھا۔ میں نے کچھ ایسے انتظامات کئے ہیں کہ آئندہ امیر علی اور اس کے غنڈے تمہارے والدین کو اور دوسرے گھر والوں کو پریشان نہیں کریں گے۔ تم اطمینان رکھو۔''

آسرا نے کہا'' ممانی جان تو عرصہ کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ ان کے اندر تجسس بھر گیا ہے کہ یہ لڑکی کون ہے اور اس کے پاس اتنی دولت کہاں سے آ گئی ہے؟ وہ کئی بار میرے بیڈروم کا دروازہ کھٹکھٹا چکی ہیں۔ میں نے اسی لیے اپنے کمرے کا دروازہ لاک کر دیا ہے اور یہاں آ کر بیٹھ گئی ہوں۔ اب وہ جب بھی وہاں جائیں گی تو یہی سمجھیں گی کہ ہم دونوں دروازہ اندر سے بند کر کے سو رہی ہیں۔''

میں نے مسکرا کر کہا'' میں نے ان کا وہ تجسس ختم کر دیا ہے اور عرصہ کی طرف سے ان کے اندر نئی بارود بھر دی ہے۔''

میں ان دونوں کو بتانے لگا کہ میں نے ان لوگوں کو عرصہ کے متعلق کس طرح کی کہانی سنائی ہے۔ آسرا نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا'' تم نے ان سے کہا ہے کہ عرصہ کی دولت اور جائداد یہاں سے ساؤتھ افریقا تک پھیلی ہوئی

ہے۔ کیا تم کچھ زیادہ ہی نہیں پھیل گئے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا'' بھئی میں کوئی اسٹوری رائٹر تو نہیں ہوں۔ اس وقت جس طرح باتیں بناتا گیا' کہانی بنتی چلی گئی۔ اب ایسی کہانی میں تھوڑا بہت جھول تو ضرور ہوگا۔ بہرحال میں بعد میں ایسی باتیں بناؤں گا کہ کہانی کا یہ جھول ختم ہو جائے گا اور بات اچھی طرح بن جائے گی۔''

ہم وہاں تھوڑی دیر تک منصوبے بناتے رہے کہ آئندہ عرصہ کے سلسلے میں کیا کیا جائے گا پھر آسرا اسے لے کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی اور میں سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ بس یوں ہی لیٹ گیا۔ میں سوتا نہیں ہوں کیونکہ مقدر بھی نہیں سوتا۔

☆☆☆

صبح کے نو بجنے والے تھے اور دردانہ کی شامت آنے والی تھی۔ پاشا نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے اندر سے پوچھا'' کون ہے؟''

''ممی! میں ہوں پاشا! آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے کہا'' آ جاؤ۔''

وہ دروازہ کھول کر اندر آیا مگر سر جھکائے دروازے کے پاس ہی کھڑا رہا۔ دردانہ نے پوچھا'' کیا بات ہے؟ اتنی صبح کیوں آئے ہو؟ کوئی خاص بات ہے؟''

وہ بولا'' آپ جہاں دیدہ ہیں۔ سمجھ سکتی ہیں۔ کل ہی میری شادی ہوئی اور کل ہی آپ نے میری دلہن کو مجھ سے جدا کر دیا۔ اسے یہاں سے لے جاتے وقت آخری بار مجھ سے ملنے بھی نہیں دیا۔''

وہ بولی'' کیا تم مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو؟''

''دشمن سمجھتا تو آپ کے پاس نہ آتا۔''

وہ مسکرا کر بولی'' میں تمہاری ماں ہوں' جو کر رہی ہوں تمہاری بہتری کے لیے کر رہی ہوں۔ عینی کے ساتھ جو سلوک کر رہی ہوں اس کے نتیجہ میں وہ بے چین ہو کر' تمہاری محبت سے مجبور ہو کر ہمیشہ کے لیے یہاں چلی آئے گی۔ اپنے کاروبار کو سنبھالنے کے سلسلے میں تمام حقوق تمہارے نام لکھ دے گی۔ تم آج کو نہ دیکھو کہ دلہن تم سے جدا ہو گئی ہے۔ آنے والے کل کو دیکھو' تم صرف دلہن پر ہی نہیں اس کے تمام کاروبار پر بھی قبضہ جماؤ گے۔''

''بے شک آپ جہاں دیدہ ہیں۔ میری بہتری کے لیے یہ سب کچھ کر رہی ہیں لیکن یہ تو بتائیں کہ میں عینی سے کب تک دور رہوں گا؟''

''زیادہ انتظار نہیں کرنا ہوگا۔ بس دو چار دنوں میں پھر عینی سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ اب تم جاؤ میں واش روم میں جا رہی ہوں۔''

وہ سر جھکا کر پلٹ گیا پھر دروازے سے باہر آ کر دل ہی دل میں اسے گالیاں دینے لگا۔ ایک کوریڈور میں تہمینہ سے سامنا ہوا۔ وہ بولی'' کہاں سے آ رہے ہو؟''

''اس مکار عورت کے پاس گیا تھا۔ اسے پرکھ رہا تھا' کم بخت ماں بن کر بڑے ٹھوس دلائل دے رہی ہے کہ جو کچھ وہ کر رہی ہے میرے مستقبل کو سنوارنے کے لیے کر رہی ہے۔''

''تمہیں صبر کرنا چاہیے۔ پرسوں سنڈے ہے۔ میری چھٹی ہے۔ میں باہر جاؤں گی تو تمہارے لیے موبائل فون ضرور لے کر آؤں گی پھر تم عینی اور عروج سے باتیں کر سکو گے۔''

وہ بولا'' میرے ساتھ بیڈ روم میں چلو۔ میں پریشان ہوں۔ تم سے باتیں کروں گا تو دل بہل جائے گا۔''

وہ بولی'' ہاں۔ ابھی میں فارغ ہوں۔ مسٹر درانی اپنے پرائیویٹ چیمبر میں ہیں۔ جب تک وہ باہر نہیں آئیں گے میں تمہارے ساتھ وقت گزارتی رہوں گی۔''

اس وقت شہباز درانی اپنے پرائیویٹ چیمبر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے نو بج کر پینتالیس منٹ پر اسے فون پر مخاطب کیا۔ اس نے فون پر میرا نمبر پڑھتے ہی ناگواری سے منہ ہٹایا لیکن مجھ سے بات کرنا بھی ضروری تھا۔ فون کو کان سے لگا کر غراتے ہوئے بولا'' کیا بات ہے؟ اب کیا کہنا چاہتے ہو؟ کب سے تمہاری بکواس سن رہا ہوں کہ بارہ گھنٹے کے اندر دردانہ پر مصیبت آنے والی ہے۔ جبکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ میری پناہ میں ہے۔ میری یہ کوٹھی فولادی قلعہ ہے۔ کوئی مصیبت اس کے اندر نہیں آ سکے گی۔''

میں نے کہا'' میری پیش گوئی کے بارہ گھنٹے ٹھیک دس بجے پورے ہوں گے اور دس بجنے میں ابھی چودہ منٹ باقی ہیں۔ گھڑی دیکھتے رہو۔''

یہ کہہ کر میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اس کے قدموں تلے انگارے بچھا دیے۔ وہ ایک جگہ ٹھہر نہ سکا۔ ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ یہ حقیقت دل کو دھڑکا رہی تھی کہ میری پیش گوئی ہمیشہ درست ثابت ہوتی ہے۔

اس نے فون کے پاس آ کر ریسیور کو اٹھایا۔ دردانہ کے نمبر پنچ کیے پھر ریسیور کو کان سے لگایا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ اس وقت دردانہ واش روم میں تھی۔ فوراً ہی فون اٹینڈ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے اندر اندیشے چیخنے لگے'' وہ فون

اٹینڈ کیوں نہیں کر رہی ہے؟ کیا کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئی ہے؟''

وہ دوسری طرف سے سنائی دینے والی بیل کی آواز سن رہا تھا اور انہیں گن رہا تھا۔ دس تک گننے کے بعد وہ بے چین ہو گیا۔ فون بند کر کے سکیورٹی افسر سے رابطہ کیا پھر بولا'' کیا باہر کوئی ملنے آیا ہے؟''

''نو سر! کوئی نہیں آیا ہے۔ آپ نے کہا تھا آج ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ ہم سب یہاں الرٹ ہیں۔ کسی کو اندر نہیں آنے دیں گے۔''

''کیا میڈم کوٹھی سے باہر گئی ہیں؟''

''نو سر! وہ کوٹھی کے اندر ہیں۔''

شہباز کو ذرا اطمینان ہوا۔ اس نے رابطہ ختم کر کے پھر دردانہ کے نمبر پنچ کیے اور ریسیور کو کان سے لگایا۔ اس بار دردانہ کی آواز سنائی دی'' ہیلو! میں بول رہی ہوں۔''

وہ جھنجلا کر بولا'' کہاں مر گئی تھیں تم؟''

وہ شدید حیرانی سے بولی'' شہباز! یہ تم میرے لیے کیسی لینگویج استعمال کر رہے ہو؟''

''سوری دردانہ! میں تمہارے لیے بہت پریشان تھا۔ تمہارے کمرے میں بیل جا رہی تھی اور تم فون اٹینڈ نہیں کر رہی تھیں۔ کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے؟ مجھے غصہ نہیں آنا چاہیے؟''

وہ مسکرا کر بولی'' مجھے تمہاری محبت اور دیوانگی پر بہت پیار آتا ہے اور میں اپنے آپ پر فخر کرتی ہوں۔''

''یہ بتاؤ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے؟ تم بالکل خیریت سے ہو نا؟''

''ہاں ہاں بالکل خیریت سے ہوں۔ مجھے بھلا کیا ہو سکتا ہے۔ چاروں طرف سخت پہرا ہے۔ اندر بھی مسلح گارڈز موجود ہیں۔ مقدر کا باپ بھی یہاں نہیں آ سکتا۔''

وہ مطمئن ہو کر بولا'' ٹھیک ہے۔ میں پھر تھوڑی دیر بعد رابطہ کروں گا۔ ابھی مصروف ہوں۔''

رابطہ ختم ہو گیا۔ دردانہ نے ریسیور رکھا۔ رکھتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر پوچھا'' ہیلو! کون؟''

میں نے کہا'' آنے والی مصیبت کو اس کی آواز سے پہچان لینا چاہیے۔ گھڑی دیکھو۔ دس بجنے میں..... صرف چار منٹ رہ گئے ہیں۔ میری پیش گوئی ٹھیک دس بجے پوری ہوگی۔''

وہ بری طرح سہم کر بولی'' تم کیا کرنے والے ہو؟ کیوں مجھے ڈرا رہے ہو؟ میں یہاں بالکل محفوظ ہوں۔ یہاں کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ تمہاری پیش گوئی درست ہوگی اور مجھ پر کوئی بڑی مصیبت آئے گی۔''

''اتنی بے چینی بھی کیا ہے' ذرا انتظار کرو۔ دیکھو وقت کتنی تیزی سے گزرتا جا رہا ہے۔ دیکھو دیکھو۔ ذرا سر گھما کر وال کلاک کی طرف دیکھو۔ صرف تین منٹ رہ گئے ہیں۔ خدا کو تو تم بھول چکی ہو۔ ان تین منٹوں میں اپنے یار کو پکارو۔''

میں نے رابطہ ختم کیا۔ اس نے جلدی سے کریڈل پر ہاتھ رکھا پھر ہاتھ ہٹا کر شہباز درانی سے رابطہ کیا۔ رابطہ ہوتے ہی چیخ کر بولی'' ابھی اس نے فون کیا تھا۔ بڑے یقین سے کہہ رہا تھا' ٹھیک دس بجے مجھ پر مصیبت آنے والی ہے۔''

وہ تقریباً روتے ہوئے بولی'' شہباز کچھ کرو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسی مصیبت ہوگی اور کس طرح یہاں آئے گی؟ شہباز! وہ بہت منحوس ہے۔ اس کی زبان بہت کالی ہے۔ اس کی پیش گوئی ہمیشہ درست ہوتی ہے۔''

وہ بولا'' ایزی دردانہ ایزی۔ دشمن کے ڈرانے سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ مجھ پر بھروسا کرو۔ میں ہوں نا تمہارے پاس؟''

''تم میرے پاس ہو تو ابھی چلے آؤ۔ دور نہ رہو۔''

''دردانہ! میری جان! ای میل پر میرا ایک اہم میسج آ رہا ہے۔ میں اسے ریسیو کرنے کے بعد ابھی آتا ہوں۔ بس ذرا صبر کرو۔''

''اگر فوراً نہیں آ سکتے تو فون پر باتیں کرتے رہو۔ مجھے یہی تسلی ہوتی رہے گی کہ تم آواز کے ذریعے میرے قریب ہو۔ مجھ پر کوئی بھی آفت آئے گی تو میں فوراً ہی تمہیں آگاہ کر سکوں گی۔''

وہ ایک دوسرے سے بول رہے تھے۔ بولتے جا رہے تھے۔ وقت کیسے گزر گیا پتا ہی نہیں چلا پھر دردانہ نے ایک دم سے چیخ ماری۔ اس نے پوچھا'' کیا ہوا؟''

وہ بولی'' گھڑی میں دس بج چکے ہیں۔''

''تو اس میں چیخنے کی کیا بات ہے۔ تم خود دیکھو دس بج چکے ہیں کیا تم پر کوئی مصیبت آئی ہے؟''

اس کی بات ختم ہوتے ہی موبائل کا بزر بولنے لگا۔ اس نے اس فون کو اٹھا کر نمبر پڑھا پھر دردانہ سے کہا'' جسٹ اے منٹ۔ سکیورٹی آفسر مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔''

اس نے یہ کہہ کر ریسیور رکھا پھر فون کا بٹن دبا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے سکیورٹی افسر نے کہا'' سر! سی آئی اے کے دو اعلیٰ افسران سپاہیوں کے ساتھ آئے

ہوئے ہیں اور میڈم کو پوچھ رہے ہیں۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا "وہ میڈم کو کیوں پوچھ رہے ہیں؟ ان سے معلوم کرو کیا بات ہے؟"

"سر! آپ جانتے ہیں کہ سکیورٹی ایکٹ کے قوانین کے مطابق ہمیں سی' آئی' اے والوں کے احکامات کا پابند رہنا پڑتا ہے۔ میں ان اعلیٰ افسران سے کوئی سوال نہیں کر سکوں گا۔ آپ انہیں اندر بلا کر خود ان سے باتیں کریں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ سی' آئی' اے والے ہیں اور کوئی بہروپئے نہیں ہیں؟"

"نو سر! میں انہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آؤ۔"

اس نے موبائل کو بند کیا۔ میں اس کے ہاتھ کی لکیروں پر تھا اور یہ جانتا تھا کہ ایسے وقت وہ ایک بہت بڑی غلطی کرنے والا ہے۔ اس وقت وہ بری طرح پریشانی اور ذہنی اضطراب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میری پیش گوئی اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھی کہ میری بات درست ہو رہی ہے اور ابھی کچھ ہونے والا ہے۔

وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں تیزی سے چلتا ہوا دروازے کو کھولتا ہوا باہر آیا پھر اس کوریڈور سے جانے لگا۔ اسی وقت پاشا تہمینہ کے ساتھ اس کوریڈور میں آیا تھا۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔ وہ پریشانی کی حالت میں تیزی سے چلتا ہوا کوریڈور سے گزرتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف مڑ کر ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

تہمینہ نے فوراً ہی پاشا کے بازو کو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا "کوئی گڑبڑ ہے۔ میں نے کبھی باس کو اتنا پریشان نہیں دیکھا۔ دیکھو پریشانی کے عالم میں اس نے پرائیویٹ چیمبر کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ لگتا ہے باس کسی بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے۔ آؤ دیکھیں وہاں کیا ہو رہا ہے؟"

وہ دونوں تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے، اس کوریڈور سے گزرتے ہوئے، اس کے آخری سرے پر ایک کمرے کے دروازے کے پاس آ کر رک گئے۔ وہاں سے ڈرائنگ روم دکھائی دے رہا تھا۔ سی' آئی' اے کے اعلیٰ افسران چند سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچے ہوئے تھے۔

تہمینہ نے کہا "پاشا! میرا اندازہ ہے ان سے لمبی گفتگو ہو گی۔ یہ میرے لیے اچھا موقع ہے۔ میں پرائیویٹ چیمبر میں جا رہی ہوں۔ جیسے ہی کوئی خطرہ پیش آئے، باس پرائیویٹ چیمبر کی طرف جانا چاہے تو فوراً مجھے آگاہ کر دینا۔"

وہ وہاں سے پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی پرائیویٹ چیمبر کی طرف چلی گئی۔ پاشا دروازے پر کھڑا رہ کر ڈرائنگ روم کی طرف دیکھنے لگا۔ سی' آئی' اے کا ایک افسر شہباز درانی کے سامنے ایک کاغذ پیش کرتے ہوئے بولا۔ "یہ میڈم دردانہ کی گرفتاری کا وارنٹ ہے۔"

شہباز نے تعجب سے اور بے یقینی سے اسے دیکھا' پھر کاغذ لیتے ہوئے بولا "آپ انہیں کس الزام میں گرفتار کرنے آئے ہیں؟"

اس افسر نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "ڈکیتی اور قتل کے الزام میں......"

"کیا؟"

شہباز درانی بڑی حیرانی سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا "میڈم پر ڈکیتی اور قتل کا الزام ہے؟ یہ آپ کوئی بچکانہ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں؟ ایک معزز خاتون کو ڈکیت کہہ رہے ہیں قاتلہ کہہ رہے ہیں۔ یقیناً آپ نے ٹھوس ثبوت حاصل کیا ہے تب ہی اتنا بڑا الزام لگایا جا رہا ہے۔"

"بے شک۔ کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر ہم گرفتاری وارنٹ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "ہم جانتے ہیں' آپ ایک بہت پاورفل شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ میڈم دردانہ کو آسانی سے گرفتار نہیں ہونے دیں گے۔ اس لیے ہم پوری تیاری سے آئے ہیں۔"

ایک نے پوچھا "کیا آپ میڈم کو یہاں پیش کر رہے ہیں یا ہم کوٹھی میں انہیں تلاش کریں؟"

شہباز درانی نے ہاتھ اٹھا کر کہا "ایزی پلیز، بی ایزی۔ جب آپ گرفتاری کا وارنٹ لائے ہیں تو میں میڈم کو ضرور پیش کروں گا۔ آپ پہلے آرام سے تو بیٹھیں۔ کچھ باتیں ہو جائیں۔ آپ میری شخصیت کے پیشِ نظر یہاں بیٹھ کر اتنی وضاحت کر سکتے ہیں کہ میڈم نے کہاں ڈکیتی کی ہے اور کس کو قتل کیا ہے؟"

وہ سب مختلف صوفوں پر بیٹھنے لگے۔ ایسے وقت دردانہ اپنے کمرے سے نکل کر آ رہی تھی۔ پاشا نے دور سے اسے آتے ہوئے دیکھا' پھر آگے بڑھ کر کہا "ممی! سی' آئی' اے والے آپ کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

وہ حیرانی اور پریشانی سے بولی "کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ابھی آپ ڈرائنگ روم کی طرف نہ جائیں۔ ڈیڈی ان لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پلیز، آپ ا

بیڈ روم میں جائیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "میں بیڈ روم میں جا کر اور پریشان ہوتی رہوں گی۔ میں چھپ کر ان کی باتیں سنوں گی۔"

وہ دونوں اعلیٰ افسران صوفوں پر بیٹھ گئے تھے۔ شہباز درانی نے پوچھا "میڈم پر اتنے سنگین الزامات کس نے لگائے ہیں؟"

ایک نے کہا "ہمارے ملک کے ایک بہت بڑے سیاست دان ہیں۔ وہ ماضی میں ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ رہ چکے ہیں۔ ان کا نام جان محمد گبول ہے۔"

یہ نام سنتے ہی شہباز درانی ایک دم سے چونک گیا۔ اس نے جان محمد گبول کے خلاف سازشیں کی تھیں۔ اس کے گھر ڈکیتی کرائی تھی۔ اس نے چشم زدن میں یہ سمجھ لیا کہ چوری کا مال دردانہ کے پاس رکھا ہوا تھا اور سی' آئی' اے والے اس مال تک پہنچ گئے ہیں۔

ایک افسر نے کہا "مسٹر درانی! یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ بہت بڑی شخصیت ہیں لیکن جان محمد گبول بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اس نے بڑی رازداری سے میڈم کے خلاف کارروائی کی ہے اور کورٹ سے گرفتاری کا وارنٹ حاصل کیا ہے۔ اب آپ میڈم کو بچانے کے سلسلے میں جو کر سکتے ہیں کریں۔ ہم آپ کو ایک گھنٹے کی مہلت دیں گے لیکن یہاں سے میڈم کو لے کر جائیں گے۔"

اس نے پوچھا "میڈم پر کس کے قتل کا الزام ہے؟"

"جان محمد گبول کی ایک پرسنل سیکریٹری ثمینہ تھی۔ میڈم دردانہ نے اس کے ذریعے مسٹر گبول کے سیف سے اہم ڈاکومنٹس اور کروڑوں کے ہیرے چوری کرائے۔ جب وہ عورت ثمینہ چوری کا مال لے کر یہاں آئی تو اسے قتل کر دیا گیا۔"

"کیا آپ کو اس کی لاش ملی ہے؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "شہر کے مضافاتی علاقے میں ایک مکان کے پیچھے گڑھا کھود کر اسے چھپایا گیا تھا۔"

وہ بولا "یہ سراسر میڈم دردانہ کے خلاف سازش ہے۔ کسی نے اس عورت کو قتل کر کے وہاں گڑھا کھود کر اس کی لاش کو چھپا دیا۔ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسے میڈم دردانہ نے قتل کیا ہے؟"

"اس لیے کہ جو مال وہ چرا کر لائی تھی وہ دردانہ بیگم کے بینک لاکر سے برآمد ہوا ہے۔ ظاہر ہے چوری کا مال تو اسی کی تحویل سے برآمد ہو گا جس نے قتل کیا ہو گا۔"

دوسرے اعلیٰ افسر نے کہا "اگر میڈم نے اسے خود قتل نہیں کیا ہے تو کسی سے قتل کرایا ہو گا۔ بہرحال یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ میڈم دردانہ نے ہیرے اور دستاویزات حاصل کرنے کے لیے اس عورت کو قتل کیا یا کرا دیا۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بینک لاکر سے ہیروں کے علاوہ دستاویزات بھی برآمد ہوئے ہیں؟"

اعلیٰ افسر نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں صرف ہیرے برآمد ہوئے ہیں۔ ہم میڈم سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ دستاویزات کہاں چھپا کر رکھے گئے ہیں۔"

اس نے کہا "وہ دستاویزات میڈم کے پاس نہیں ہیں۔"

"یہ آپ کیسے جانتے ہیں؟ پھر ہم آپ سے تو نہیں پوچھ رہے ہیں۔ ہم انہیں گرفتار کر کے لے جائیں گے اور انہیں اپنی تحویل میں رکھ کر ان سے بیان لیں گے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "ایکسکیوز می۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا ان سے دور ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں آیا پھر موبائل فون نکال کر اس پر نمبر پنچ کیے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ہوم منسٹر سے رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے شہباز درانی کا نمبر پڑھ کر پوچھا "جی مسٹر درانی! فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

وہ دھیمی آواز میں بولا "اس وقت میرے ڈرائنگ روم میں سی' آئی' اے کے دو اعلیٰ افسران بیٹھے ہوئے ہیں۔ میڈم دردانہ میری ایک فیملی ممبر ہے۔ وہ اسے گرفتار کرنے آئے ہیں اور کورٹ سے وارنٹ حاصل کیا ہوا ہے۔"

ہوم منسٹر نے کہا "تعجب ہے۔ آپ کے خلاف اتنا بڑا قدم اٹھایا گیا ہے اور مجھے خبر نہیں دی گئی۔ اس اعلیٰ افسر سے میری بات کرائیں۔"

"میں پی' ٹی' سی' ایل کے ذریعے ابھی آپ سے رابطہ کراتا ہوں۔"

وہ موبائل بند کر کے ان کے پاس آیا پھر بولا "ہوم منسٹر آپ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ ان کے قریب ٹیلیفون کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ریسیور کو اٹھانا ضروری نہیں تھا۔ اس نے ایک بٹن کو دبایا۔ اس کے بعد نمبر پنچ کیے پھر وائڈ اسپیکر کو آن کر دیا۔ دوسری طرف بیل کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر ہوم منسٹر کی آواز سنائی دی "ہیلو مسٹر درانی! آپ ان افسران سے بات کرائیں۔"

ایک اعلیٰ افسر نے فون کی طرف جھک کر کہا "سر! میرا نام مہارت خان ہے۔ میں سی' آئی' اے کا آفیسر آن اسپیشل

ڈیوٹی ہوں۔"

ہوم منسٹر نے پوچھا "معاملہ کیا ہے؟ بریفنگ دو۔"

وہ بولنے لگا "یہاں کے بہت بڑے سیاست داں اور سابقہ صوبائی وزیراعلیٰ جان محمد گبول کے سیف سے دو کروڑ کے ہیرے اور اہم دستاویزات چرائے گئے تھے۔ وہ ہیرے میڈم دردانہ کے بینک لاکر سے برآمد ہوئے ہیں۔ جو عورت انہیں چرا کر لائی تھی اسے بڑی رازداری سے قتل کر کے ایک جگہ گڑھا کھود کر دفنا دیا گیا تھا۔ اس کی لاش بھی برآمد کر لی گئی ہے۔ جان محمد گبول نے دردانہ کی گرفتاری کے لیے کورٹ سے اجازت نامہ حاصل کیا ہے۔ ہم گرفتاری کا وارنٹ لے کر یہاں آئے ہیں اور اب میڈم کو گرفتار کر کے لے جانا چاہتے ہیں۔"

"تم قانون کے مطابق اپنا فرض ادا کرنے آئے ہو لیکن اس سے پہلے مسٹر درانی کی حمایت میں کچھ کرو۔ مسٹر درانی اور گبول کے درمیان سمجھوتا کرانے کی کوشش کرو۔ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس معاملے کو یہیں دبا دو۔"

"سر، یہ معاملہ آسانی سے دبایا نہیں جا سکے گا۔ گبول نے بہت ٹھوس اقدامات کیے ہیں۔ اس نے بڑے بڑے اخبارات کے رپورٹرز اور فوٹو گرافرز کو بینک میں بلایا تھا اور جب وہاں سے ہیرے برآمد ہوئے ہیں تو ان کی تصویریں لی گئی ہیں۔ وہاں کی پوری کارروائی ریکارڈ کی گئی ہے۔ جس جیولر نے یہ تصدیق کی ہے کہ یہ وہی ہیرے ہیں' اس جیولر کے بھی بیانات لیے گئے ہیں اور تصویریں اتاری گئی ہیں۔ ان ہیروں کے سلسلے میں خریداری کی جو رسیدیں ہیں وہ بھی گبول نے پریس والوں کے سامنے پیش کی ہیں۔"

دوسرے افسر نے کہا "صرف اتنا ہی نہیں۔ مسٹر گبول پریس والوں کو لے کر اس جگہ پہنچے تھے' جہاں کھدائی کے بعد وہ لاش برآمد کی گئی تھی۔ سر! بات بہت دور تک پہنچ گئی ہے۔ جان محمد گبول نے میڈم دردانہ کے خلاف بہت ٹھوس کارروائیاں کی ہیں۔ ہم اس معاملے کو نہ دبا سکیں گے اور نہ ہی مسٹر گبول سے سمجھوتا کرا سکیں گے۔"

ہوم منسٹر نے شہباز درانی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"مسٹر درانی! آپ سن رہے ہیں۔ ہمارا وہ مخالف آپ کی بے خبری میں کیسی زبردست چال چل گیا ہے۔ جان محمد گبول اس ملک کی سب سے بڑی اور مضبوط اپوزیشن پارٹی کا بہت بڑا لیڈر ہے اور میرا تعلق برسر اقتدار پارٹی سے ہے۔ ظاہر ہے، وہ میری بات کبھی نہیں مانے گا اور میرے سمجھانے پر سمجھوتے پر راضی نہیں ہوگا۔ اگر میں اپنے اختیارات استعمال کروں اور اسے قانونی کارروائی سے روکوں تو وہ اسمبلی میں ہنگامہ برپا کرے گا، احتجاجی جلوس نکالے گا۔ دنگے فساد کرائے گا۔ شہر میں امن و امان کا مسئلہ پیدا کرے گا۔ آپ تو سیاست کے منجھے ہوئے کھلاڑی ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ آپ کی ایک میڈم کو ایشو بنا کر کیسی قیامت برپا کر سکتا ہے؟"

شہباز درانی نے کہا "میں آپ کی مجبوریاں سمجھ رہا ہوں لیکن آپ کچھ بھی کریں۔ کم از کم دردانہ کی گرفتاری سے پہلے کسی بھی طرح اسے ضمانت پر رہا کرا دیں۔"

"مسٹر درانی! آپ بہت زیادہ اپ سٹ ہو گئے ہیں۔ یہ بھول رہے ہیں کہ میں ایک سرکاری عہدے پر فائز ہوں۔ یہاں اس کرسی پر بیٹھ کر کسی بھی ایسی عورت کی ضمانت نہیں لے سکتا جس پر صرف ڈکیتی کا ہی نہیں' قتل کا بھی الزام ہے۔ ہم آپ کی میڈم کے تحفظ کے لیے جو کچھ بھی کرنا چاہیں گے۔ گبول اسے سیاسی رنگ دے کر ہنگامہ برپا کر دے گا۔"

فون پر تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر ہوم منسٹر نے کہا۔

"مسٹر درانی! بس ایک ہی راستہ ہے۔ آپ خود کسی طرح سے مسٹر گبول سے دوستی اور سمجھوتا کرنے کی کوشش کریں۔ اس سے سمجھوتا نہ ہو تو آپ موبائل پر مجھ سے رابطہ کریں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ شہباز درانی نے فون بند کیا پھر ایک اعلیٰ افسر سے کہا "آپ میرے لیے ایک زحمت گوارا کریں گے؟"

اس نے کہا "فرمائیے؟"

"آپ جان محمد گبول سے ابھی رابطہ کریں اور اس سے پوچھیں کیا وہ مجھ سے ابھی بات کرنا پسند کرے گا؟"

اعلیٰ افسر نے کہا "آپ دونوں ہی ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔ لیجیے میں ابھی رابطہ کرتا ہوں۔"

اس نے ٹیلیفون پر جان محمد گبول کے نمبر ملائے۔ رابطہ ہونے پر اس کی آواز سنائی دی "ویل مسٹر درانی! میں اپنے سی' ایل' آئی پر آپ کے نمبر پڑھ رہا ہوں۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ آپ مجھ سے گفتگو کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔"

وہ بولا "مسٹر گبول! اگر آپ کو مجھ سے کوئی شکایت تھی تو مجھ سے پہلے رابطہ کرتے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی شکایت دور کر دیتا اور اب بھی جو شکایتیں ہیں' انہیں حتی الامکان دور کرنے کی کوششیں کروں گا۔"

وہ بولا "مجھے تو آپ سے شکایت نہیں ہے۔ آپ کو شکایت ہے اسی لیے آپ نے فون کیا ہے۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "میں چاہتا ہوں' آپ میڈم دردانہ کے خلاف قانونی کارروائی نہ کریں۔"

اس نے پوچھا "کیوں نہ کروں؟"

"آپ کا جو بھی نقصان ہوا ہے' اسے میں پورا کروں گا۔"

"یہ آپ نے کام کی بات کی ہے۔ بے شک نقصان پورا ہو جائے گا تو دشمنی بھی ختم ہو جائے گی۔ جو ہیرے میرے سیف سے چرائے گئے تھے وہ تو مجھے واپس مل گئے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا نقصان پورا کریں۔ میری دستاویزات مجھے واپس کر دیں۔"

اس کے پاس دستاویزات ہوتیں تو وہ واپس کرتا۔ وہ پریشان ہو کر بولا "وہ۔ وہ ڈاکومنٹس میرے پاس نہیں ہیں۔"

"مسٹر درانی! میں نادان بچہ نہیں ہوں۔ آپ میری کمزوریوں سے کھیل کر مجھے اپنے زیر اثر لانا چاہتے تھے۔ مجھے اپنی کٹھ پتلی بنا کر اسمبلی میں رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے آپ نے ایک حرافہ کو میرے پاس بھیجا۔ وہ میرے ڈاکومنٹس چرا کر آپ کے پاس لے گئی۔ اب آپ انکار کریں گے کہ وہ ڈاکومنٹس آپ کے پاس نہیں ہیں تو میں کبھی نہیں مانوں گا۔"

"مسٹر گبول! میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ وہ عورت ہیروں کے ساتھ ڈاکومنٹس بھی لائی تھی لیکن وہ ہیرے ہمارے ہاتھ لگے اور ڈاکومنٹس کہیں غائب ہو گئے۔ کوئی انہیں چرا کر لے گیا ہے۔ اگر وہ میرے پاس ہوتے تو میں ابھی انہیں آپ کے حوالے کر دیتا۔"

"وہ ڈاکومنٹس آپ کے پاس ہیں یا نہیں ہیں! لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہیں آپ کی ایک آلہ کار نے چرایا تھا۔ آپ نے کیوں چوری کرائی تھی؟ کیوں میری کمزوریوں سے کھیل کر مجھے بلیک میل کرنا چاہتے تھے؟ آپ مجھ سے بہت بڑی دشمنی کر رہے تھے اور میں اتنی بڑی دشمنی کو پلک جھپکتے ہی بھول جاؤں؟ اگر آپ کہتے ہیں' وہ آپ کے پاس نہیں ہیں تو مجھے افسوس ہے سمجھوتا کبھی نہیں ہو سکے گا۔ آپ نے میری ان کمزوریوں کو کسی دوسرے ہاتھ میں پہنچا دیا ہے۔ اس کے لیے میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ دیٹس آل۔"

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ شہباز کی پریشانیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ سمجھوتے کا کوئی راستہ نہیں نکل رہا تھا۔ دردانہ کی گرفتاری لازمی ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر ان افسروں سے کہا "ایکسکیوزمی۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔"

وہ ایک بار پھر ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں آیا اور موبائل فون کے ذریعے ہوم منسٹر سے رابطہ کیا۔ اس نے پوچھا۔

"کہیے مسٹر درانی! کیا اس سے سمجھوتا نہیں ہو رہا ہے؟"

"نہیں' میں بہت پریشان ہوں۔ دردانہ کو گرفتار کیا گیا تو میری عزت، میرا وقار، میرا رعب اور دبدبہ سب خاک میں مل جائے گا۔"

"تعجب ہے۔ آپ مرد آہن ہو کر گبول کے سامنے بے بس ہو رہے ہیں۔ آپ واشنگٹن والوں سے رابطہ کیوں نہیں کرتے؟ یہاں کی برسر اقتدار پارٹی ہو یا اپوزیشن، سب ہی آپ کے آقاؤں کے زیر اثر رہتے ہیں۔ اگلے الیکشن میں جان محمد گبول کی پارٹی اقتدار حاصل کرنے کے لیے امریکی آقاؤں کا آشیرواد حاصل کرنا چاہے گی۔ اگر آپ کے آقا جان محمد گبول کو ابھی حکم دیں کہ وہ میڈم دردانہ کے خلاف قانونی کارروائی سے بعض آ جائے تو وہ فوراً ہاتھ اٹھا لے گا۔ کان پکڑ لے گا۔ آپ اس سے مات نہیں کھائیں گے۔ ہاری ہوئی بازی جیت لیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "آپ میرے اندرونی معاملات نہیں سمجھتے ہیں۔ مجھے واشنگٹن سے وارننگ مل چکی ہے کہ میں کبھی کسی کے ذاتی معاملات میں ملوث نہ رہوں۔ صرف اپنی سیاسی ذمہ داریاں پوری کرتا رہوں۔ یہ میڈم دردانہ کا معاملہ سراسر ذاتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ سیاسی پیچیدگیاں بھی ہیں جو میں فی الحال نہیں سمجھا سکوں گا۔ بہر حال میں پھر کسی وقت آپ سے رابطہ کروں گا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ وہ ہوم منسٹر سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ہی جان محمد گبول کی تمام دستاویزات چرائی تھیں اور ان کے ذریعے اس سیاست داں کو کمزور بنا کر اسے اپنے آقاؤں کے زیر اثر لانا چاہتا تھا۔ وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا تھا اور ناکامی محض اس لیے تھی کہ وہ دردانہ کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اسی بات پر واشنگٹن والے اس سے ناراض تھے۔

اس نے پلٹ کر ان اعلیٰ افسران کو دیکھا پھر کہا "میں ابھی میڈم کو لے کر آتا ہوں۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر کوریڈور میں آیا۔ وہاں ایک کھڑکی کے پاس دردانہ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی دوڑتی ہوئی آ کر لپٹ گئی اور روتے ہوئے بولی "یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ بہت پریشان ہیں۔ کیا یہ لوگ مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گے؟"

شہباز درانی کا سر ندامت سے جھکا ہوا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار بہت بڑی شکست سے دوچار ہو رہا تھا۔ اس کے مستحکم ذرائع کمزور ہو گئے تھے۔ نہ ہوم منسٹر اس کے کام آسکتا تھا اور نہ ہی واشنگٹن والے اس کی دست گیری کر سکتے تھے۔ وہ تھوڑی دیر پہلے تک خود کو بہت بااختیار سمجھتا تھا۔ اب بالکل ہی بے اختیار ہو گیا تھا۔

دردانہ نے پوچھا ''تم چپ کیوں ہو گئے؟ بولتے کیوں نہیں؟''

وہ بڑی مشکل سے بولا ''دردانہ! میں کمزور تو نہیں ہوں لیکن فی الحال بچاؤ کے تمام راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں' تمہارے یہاں سے جاتے ہی اپنے وکیل کے ذریعے کورٹ سے ضمانت نامہ حاصل کروں گا۔ تمہیں حوالات میں نہیں رہنے دوں گا۔''

وہ ایک دم سے روتے ہوئے بولی۔ ''کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گے اور تم تماشا دیکھتے رہو گے؟''

''دردانہ! سمجھنے کی کوشش کرو۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے' میدان جنگ میں لڑنے والے سپاہی مصلحتاً پیچھے ہٹ جاتے ہیں پھر آگے بڑھ کر کامیابی سے حملہ کرتے ہیں۔ تمہارے جانے کے بعد میں بھی یہی کرنے والا ہوں۔''

وہ اسے تھپکتے ہوئے بولا ''آؤ۔ حوصلہ کرو۔ ان کے ساتھ جاؤ اور یہ یقین رکھو کہ میں پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔''

وہ اسے تسلیاں دیتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آیا پھر ان افسران سے بولا ''آپ لوگوں نے گبول سے سمجھوتا کرانے کے سلسلے میں مجھ سے تعاون کیا۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اب ایک اور تعاون چاہتا ہوں۔''

''ہم آپ کی عزت کرتے ہیں۔ قانون کے دائرے میں آپ جو تعاون چاہیں گے' ہم آپ سے کریں گے۔''

''میں چاہتا ہوں' آپ میڈم کو ہتھکڑیاں نہ پہنائیں۔ اسی طرح اپنے ساتھ لے جائیں۔''

ان افسران نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ایک نے سر ہلا کر کہا ''ٹھیک ہے' ہم ہتھکڑیاں نہیں پہنائیں گے۔''

دوسرے نے کہا ''میڈم! آپ پریشان نہ ہوں۔ ہمارے ساتھ چلیں۔ آپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔''

وہ سب باہر آئے۔ شہباز درانی اسے باہر تک چھوڑنے آیا۔ جب وہ ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی تو وہ غصے اور بے بسی سے اپنی مٹھیاں بھینچنے لگا۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی اس بری طرح شکست نہیں کھائی تھی۔ وہ موبائل کے ذریعے وکیل سے رابطہ کر کے دردانہ کے بارے میں بتانے لگا پھر بولا ''اس کی ضمانت آج ہی ہونی چاہیے۔ میں بڑی سے بڑی رقم کی ضمانت دینے کے لیے تیار ہوں۔''

وکیل نے کہا ''جناب! میں پوری کوشش کروں گا۔ چونکہ میڈم کو قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے' اس لیے ضمانت نامنظور ہو سکتی ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ اپنے بہترین ذرائع استعمال کریں۔ اس طرح میرے لیے آسانی ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ میں اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کروں گا۔''

وہ برسر اقتدار پارٹی کے بڑے بڑے لیڈروں سے رابطہ کر کے کہنے لگا کہ میڈم دردانہ کی ضمانت کورٹ سے حاصل کرنے کے سلسلے میں اس کے وکیل کی مدد کی جائے۔ کسی بھی طرح کورٹ بند ہونے سے پہلے ضمانت نامہ حاصل کر لیا جائے۔

میں نے بجھو بابا سے فون پر کہا ''اب وقت آ گیا ہے۔ تم شہباز درانی سے معاملات طے کر سکتے ہو۔''

اس نے میرے حکم کے مطابق اس سے رابطہ کیا۔ شہباز درانی نے فون پر اس کے نمبر پڑھے پھر سوچنے لگا ''یہ کون ہو سکتا ہے؟''

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر کہا ''ہیلو! کون؟''

دوسری طرف سے بجھو بابا نے کہا ''ارے! میں بولتا ہے رے۔ تو ڈاکومنٹس کے لیے کاہے کو پریشان ہوتا ہے؟ گبول کا سارا ڈاکومنٹس تو میرے پاس ہے مگر میرے لیے تو یہ بالکل ردی کاغذ ہے۔ کسی کام کا نہیں ہے۔''

وہ چونک کر بولا ''گبول کے ڈاکومنٹس تمہارے پاس ہیں؟ تم کون ہو؟ مجھ سے فوراً معاملہ طے کرو۔ میں تمہیں ابھی بڑی سے بڑی رقم ادا کروں گا۔''

''یہ تو میں جانتا ہے تو بڑا پیسے والا ہے۔ اپنی رکھیل کے لیے اپنا خزانہ خالی کر دے گا۔''

وہ غصے سے بولا ''یو نان سنس! خبردار اسے رکھیل نہ کہنا۔''

''اے۔ اے غصہ دکھائے گا تو میں فون بند کر دوں گا۔''

وہ جلدی سے بولا ''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ تم کام کی بات کرو۔ فضول باتیں نہ کرو۔''

''میں کام کی بات بولنے کو تھا تو نے بات میں لات مار دیا۔ میں تیرے کو ایک انفارمیشن دینے کو تھا۔''

اس نے پوچھا ''کیسی انفارمیشن؟''

''وہ تیرے کو معلوم نہیں ہے۔ آج ایک بہت بڑے جج صاحب کا اچانک موت ہو گیا ہے۔ اس کا سوگ میں سب نے کام بند کر دیا ہے۔ کل تک سوگ منایا جائے گا۔ عدالت بند رہے گا اور تیری رکھیل کا ضمانت نہیں ہو سکے گا۔''

''نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔''

''تیرے کو یقین نہیں ہے تو فون کر کے معلوم کر لے۔ میں پندرہ منٹ کے بعد تیرے کو فون کرے گا۔''

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ شہباز درانی نے اپنے فون کو دیکھا پھر اسے آف کر کے دوسرے نمبر پر رابطہ کیا۔ اپنے وکیل سے پوچھا ''تم ضمانت نامہ حاصل کرنے کے لیے کیا کر رہے ہو؟''

وہ بولا ''مسٹر درانی! میں ابھی آپ کو فون کرنے ہی والا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے معلوم ہوا ہے کہ مجسٹریٹ فصیح الدین عالی عدالتی فرائض ادا کرنے کے دوران میں اچانک ہی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ عدالتیں ان کے سوگ میں بند ہو گئی ہیں۔ کل تک ان کا سوگ منایا جائے گا اور پرسوں اتوار ہے۔ اس طرح پیر سے پہلے ضمانت نامہ داخل نہیں ہو سکے گا۔''

یہ سنتے ہی شہباز درانی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ایسے وسیع ذرائع رکھنے والے ہمیشہ دھماکوں پر دھماکے کرتے ہیں۔ اپنے قدموں تلے کمزوروں کو کچلتے رہتے ہیں لیکن جب مقدر نہیں چاہتا تو پھر ان کی تمام دولت، طاقت، وسیع ذرائع اور سارا غرور خاک میں مل جاتا ہے۔ وہ بے بسی سے سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کچھ کر نہیں پاتے۔

شہباز درانی کا بھی یہی حال تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بے بسی سے شکست خوردہ انداز میں بیٹھ گیا تھا۔ بجھو بابا نے فون پر اسے مخاطب کیا۔ اس نے کہا ''ہاں۔ تمہاری انفارمیشن درست ہے۔ تمام عدالتیں بند ہو چکی ہیں۔ تم فوراً ڈاکومنٹس لے آؤ۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم ادا کروں گا۔''

''میں تیرے کو ڈاکومنٹس دے گا مگر میرے کو رقم نہیں مانگتا۔ کچھ اور مانگتا ہے۔''

''تم جو مانگو گے' وہ دوں گا۔ مجھے فوراً ان ڈاکومنٹس کی ضرورت ہے۔''

''میں جانتا ہے رے۔ جانتا ہے۔ تو وہ ڈاکومنٹس گبول کو دے گا تو گبول تیری رکھیل کا پیچھا چھوڑ دے گا۔''

''ہاں یہی بات ہے۔ تم اپنی بات کرو۔ کیا چاہتے ہو؟''

''تیرے پاس عینی اور پاشا کا ویڈیو کیسٹ ہے۔ اس کا ماسٹر کاپی مانگتا ہے۔''

وہ چونک کر بولا۔ ''تم ان کیسٹس کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟''

''زیادہ سوال نئی کرنے کا۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔''

ٹھیک ہے۔ میں وہ ویڈیو فلم ابھی تمہارے حوالے کروں گا۔''

''اور بھی کچھ مانگتا ہے۔''

''تم جو مانگو گے وہ ملے گا۔ پہلے وہ ڈاکومنٹس تو لے آؤ۔''

''ارے کاہے کو جلدی کرتا ہے؟ تیرا رکھیل کو ویڈیو فلم بنانے کا بہت شوق ہے۔ اس کے پاس ایک اور ویڈیو کیسٹ ہے۔ اس میں ثمینہ کو مرڈر کرنے والا سین ہے۔ ایک بے گناہ عورت کو مرڈر کا کیس میں پھنسانا مانگتا ہے۔ میں ایسا کرنے نہیں دے گا۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں وہ ویڈیو کیسٹ بھی تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تم وہ ڈاکومنٹس لے آؤ۔''

''ارے کاہے کو جلدی کرتا ہے رے؟ میں کچھ اور بھی مانگتا ہے۔''

وہ جھنجلا کر بولا ''اور کیا مانگتے ہو؟ ایک ہی وقت میں بولتے کیوں نہیں ہو؟''

''تم ایک ہی وقت میں تو پیدا نہیں ہوا۔ تھوڑا تھوڑا کر کے نو مہینے میں پیدا ہوا پھر دنیا میں آ کے اتنا جلدی کیوں کرتا ہے؟''

وہ جھنجلا کر بولا ''تم آخر ہو کون؟ عجیب بے تکی باتیں کرتے ہو۔ تمہارے پاس واقعی اس کے ڈاکومنٹس ہیں؟ مجھے یقین تو دلاؤ۔''

''ابھی تیرے کو یقین دلائے گا۔ تو اپنے کمپیوٹر کے پاس جا۔ میں یہاں سے ای میل کے ذریعے ڈاکومنٹس سینڈ (send) کرے گا۔ تو اس کو گھر میں بیٹھ کے پڑھ سکے گا۔''

''ٹھیک ہے، میں ابھی اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ وہ ڈاکومنٹس پڑھنے کے بعد تم سے رابطہ کروں گا۔ تمہارا نمبر میرے موبائل میں سیو (save) ہو چکا ہے۔''

اس نے فون بند کیا پھر وہاں سے تیزی سے چلتا ہوا

اپنے پرائیویٹ چیمبر کی طرف جانے لگا۔ جب دروازے پر پہنچ کر اس نے جیب سے چابی نکالی اور اسے کھولنا چاہا تو پتا چلا' دروازہ کھلا ہوا ہے۔

اس نے حیرانی سے سوچا'' یہ دروازہ کیسے کھل گیا؟''

پھر اسے یاد آیا کہ وہ بڑی بدحواسی میں چیمبر سے باہر نکل کر گیا تھا اور جاتے وقت شاید دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔ اس نے اندر آ کر پورے چیمبر کو چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھا۔ یہ اطمینان کیا کہ وہاں کوئی نہیں آیا تھا پھر اس نے دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد کمپیوٹر کو آن کیا۔

میں اپنے آفس کے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا' اس سے انٹرنیٹ کے ذریعے رابطہ کر رہا تھا اور مانیٹر پر اسے مخاطب کر رہا تھا'' مسٹر درانی! جان محمد گبول کی اہم دستاویزات کی چند جھلکیاں تمہارے سامنے پیش کی جا رہی ہیں۔ ان جھلکیوں کو دیکھ کر یقین کر لو کہ پوری کی پوری دستاویزات اس وقت میرے پاس موجود ہیں۔''

میں نے اس کے مانیٹر پر دستاویزات کے مختلف موضوعات کی چند سطریں پیش کیں۔ اس کے بعد میں نے کہا'' یقیناً تم نے ان جھلکیوں کو اپنے کمپیوٹر میں سیو (save) کیا ہوگا۔ اب ان کے پرنٹس نکال کر جان محمد گبول کے پاس بھیجو۔ وہ تصدیق کرے گا کہ یہی اس کی اہم دستاویزات ہیں۔''

اس نے جواباً کہا'' میں ایسا ہی کروں گا۔ ویسے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمہارے پاس دستاویزات ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟ میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ میں کتنے وسیع ذرائع کا مالک ہوں؟''

میں نے جواباً کہا'' تم غلط کہتے ہو۔ وسیع ذرائع کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مجھے تم سے جو وصول کرنا ہے اسے دوبارہ کہہ دوں۔ عینی اور پاشا کا شرمناک ویڈیو کیسٹ اور ثمینہ کے مرڈر سین والا ویڈیو کیسٹ دونوں ہی میرے پاس ابھی بھیج دو۔''

'' مجھے بتاؤ' یہ دونوں کیسٹس کہاں بھیجے جائیں؟''

'' میں ابھی بتاؤں گا۔ پہلے میرے مطالبات سنتے رہو۔ گل خانم اور ایس' پی' ذیشان کے خلاف بدکاری کا جو کیس بنایا گیا ہے اس کیس کے تمام کاغذات ابھی اپنے پاس منگواؤ۔''

'' تمہارے مطالبات نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ تم ذیشان کے بھائی مقدر حیات ہو۔ اسی لیے عینی اور بیگم فلک آفتاب کے ویڈیو کیسٹس بھی منگوا رہے ہو۔''

'' میں جو کوئی بھی ہوں۔ میرے تمام مطالبات پورے ہوں گے تو جان محمد گبول تم سے دشمنی سے باز آ جائے گا اور تمہاری داشتہ کو رہائی مل جائے گی۔''

'' پھر تو تم ایس' پی' ذیشان کی رہائی کا بھی مطالبہ کرو گے؟''

'' نہیں' میں یہ مطالبہ نہیں کروں گا۔ تم نے اسے جیل بھیج کر سب سے بڑی حماقت کی ہے۔ ہم یہی چاہتے تھے۔ ایس' پی' ذیشان جیل میں رہ کر تمہارے خلاف واردات کرتا رہے گا اور تم اسے ملزم ثابت نہیں کر سکو گے۔''

اس نے پوچھا'' ایس' پی' ذیشان نے آہنی سلاخوں کے پیچھے رہ کر میرے خلاف کون سی واردات کی ہے؟''

'' تمہارے دستِ راست اسد عزیزی کے زخموں کو ناسور بنانے کی سازشیں کی جا رہی ہیں۔ تم فلک آفتاب اور اس کے بیٹے بابر سے دو کروڑ روپے چھین لینا چاہتے تھے لیکن وہ روپے کسی اور نے چھین لیے۔ سوچو اور سمجھو کہ تمہاری یہ رقم کون چھین کر لے گیا ہے۔ جان محمد گبول کے دستاویزات بھی تمہارے ہاتھوں سے نکل گئے۔ آئندہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے یہ تمہیں گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ معلوم ہوتا رہے گا۔''

وہ بولا'' مقدر حیات! میں تمہارے مقابلے میں شکست تسلیم کر رہا ہوں۔ واقعی تمہاری ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ جو کہہ دیتے ہو وہ ضرور سامنے آتا ہے۔ میں تمہارے تمام مطالبات پورے کر رہا ہوں۔ ایس' پی' ذیشان کے خلاف بات اتنی دور تک پہنچ گئی ہے کہ اسے ختم کرنے میں ذرا وقت لگے گا لیکن گل خانم کا معاملہ آج ہی ختم ہو جائے گا۔ اب بتاؤ تمہارے مطلوبہ کیسٹس کہاں بھیجے جائیں؟''

'' تم نے سلامت پاشا عرف پاشا جانی کو قیدی بنا کر رکھا ہے۔ وہ تمام کیسٹس اس کے حوالے کرو اور اسے اپنی قید سے رہا کر دو۔''

'' وہ تمہاری مطلوبہ چیزیں لے کر کہاں آئے گا؟''

'' تم اسے باہر جانے دو۔ وہ اپنی کمزور یادداشت کے باعث یہ بھول گیا ہے کہ عینی کی کوٹھی کہاں ہے۔ وہ اس کوٹھی کی تلاش میں بھٹکتا رہے گا۔ میں کہیں نہ کہیں اس کی راہ نمائی کے لیے پہنچ جاؤں گا۔''

'' میں تمہارے تمام مطالبات پورے کر رہا ہوں۔ پاشا کو ابھی یہاں سے روانہ کر دوں گا اور باقر مہدی سے کہہ دوں گا کہ گل خانم کے خلاف کیس ختم کرے۔ یہ بتاؤ میری دردانہ کا کیا ہوگا؟''

'' دو گھنٹے بعد جان محمد گبول دردانہ کے خلاف کیس واپس لے لے گا۔ وہ تمہارے پاس واپس آ جائے گی۔''

'' شکریہ مقدر! یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم سے دوستی کرنا چاہوں گا تو تم نہیں کرو گے۔ میری ایک التجا ہے۔ بے شک دوستی نہ کرو لیکن دشمنی بھی نہ کرو۔ ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔ میں تمہارے راستے پر کبھی نہیں آؤں گا۔ تم بھی میرے راستے پر کبھی نہ آؤ۔''

میں نے کہا'' آج کی بات آج کرو۔ کل کیا ہوگا یہ کل دیکھا جائے گا۔ میں ویڈیو کیسٹس اور پاشا کا انتظار کر رہا ہوں۔''

میں نے انٹرنیٹ سے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ ہر طرف سے مجبور ہو گیا تھا۔ اس لیے میرے سامنے جھک رہا تھا۔ جھکنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ آئندہ سر نہیں اٹھائے گا۔ وہ بہت ہی چالباز تھا۔ نت نئے پینترے بدلنے والا تھا۔ اس کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی تھیں کہ ناکامیوں کے بعد اسے کامیابیاں بھی حاصل ہوں گی اور جب وہ کامیابیاں حاصل کرتا رہے گا تو میں اس کے سامنے بے بس ہو جاؤں گا کیونکہ میں تو لکیر کا فقیر ہوں۔ جو اس کی لکیریں کہیں گی میں انہی کے مطابق چلتا رہوں گا۔

ہر انسان کی زندگی میں ایسا ہوتا ہے۔ کبھی خوشی کبھی مایوسی۔ مایوسی کا دور بھی آنے والا تھا۔

☆☆☆

دردانہ ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ایک میز تھی۔ میز کے ایک طرف سی' آئی' اے کا افسر مہارت خان بیٹھا ہوا تھا۔ دوسری طرف جان محمد گبول بیٹھا دردانہ کو گھور رہا تھا۔ مہارت خان نے کہا'' اگر تم ہمارے سوالوں کے صحیح جوابات دیتی رہو گی تو تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا ورنہ کسی کال کوٹھری میں ڈال دیں گے۔''

جان محمد گبول نے کہا'' وہاں کال کوٹھری کے اندھیرے میں کیڑے مکوڑوں کے ساتھ رہو گی۔ کہیں کسی سوراخ سے سانپ بچھو بھی وہاں چلے آتے ہیں۔''

وہ ایک دم سے سہم کر بولی'' نہیں نہیں' جو پوچھو گے میں اس کا صحیح جواب دوں گی۔''

مہارت خان نے پوچھا'' تمہارا شہباز درانی سے کیا رشتہ ہے؟''

'' وہ میرے ہونے والے شوہر ہیں اور میں ان کی ہونے والی بیوی ہوں۔ ہم دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔''

'' شادی سے پہلے تم دونوں ایک ہی کوٹھی میں ایک ہی چھت کے نیچے کیوں رہتے ہو؟''

'' ایک پولیس افسر ایس' پی' ذیشان میرا دشمن ہے۔ اس نے میرے جوان بیٹے کو قتل کرایا ہے۔ اگر شہباز مجھے اپنے گھر میں پناہ نہ دیتا تو وہ مجھے بھی قتل کرا دیتا۔''

'' تم شہباز کے گھر میں پناہ لینے کے لیے اس کے ساتھ دن ہی نہیں رات بھی گزارتی ہو؟''

'' جی ہاں۔ جب اس کے ساتھ رہتی ہوں تو دن بھی گزارتی ہوں اور رات بھی گزارتی ہوں۔''

'' صاف صاف بولو۔ اس کے ساتھ دن بھی گزارتی ہو اور اس کے ساتھ رات بھی گزارتی ہو۔''

'' یہی تو کہہ رہی ہوں کہ اس کے ساتھ دن بھی گزارتی ہوں اور اس کے ساتھ رات بھی گزارتی ہوں۔''

'' ایک ہی کمرے ایک ہی بیڈ پر؟''

وہ جھجکتے ہوئے بولی'' آپ یہ پرسنل سوال کیوں کر رہے ہیں؟''

'' یہ سوال ہم دنیا والوں کے سامنے نہیں کر رہے ہیں۔ مسٹر درانی بہت ہی معزز ہیں اور ہم تمہاری بھی عزت رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے یہاں بند کمرے میں تنہائی میں تم سے سوالات پوچھ رہے ہیں۔''

دردانہ سر گھما کر اس کمرے میں ہر طرف دیکھنے لگی۔ اس کمرے میں صرف وہی ایک میز اور تین کرسیاں تھیں۔ باقی کمرا بالکل خالی تھا۔ کوئی سامان نہیں تھا۔ یہ اندیشہ نہیں تھا کہ خفیہ ویڈیو کیمرے کے ذریعے اس کی ویڈیو فلم اتاری جا رہی ہے۔

مہارت خان نے پوچھا'' تم خاموش کیوں ہو؟ جواب دو۔ کیا تم ایک ہی کمرے میں ایک ہی بیڈ پر شہباز درانی کے ساتھ راتیں گزارتی ہو؟''

وہ ڈھٹائی سے بولی'' سوری، میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گی۔''

'' تم شہباز درانی کے ساتھ بدکاری کے الزام سے بچنا چاہتی ہو لیکن ثمینہ کے قتل کے الزام سے نہیں بچ پاؤ گی۔''

'' نہ میں نے کسی ثمینہ کو قتل کیا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی چشم دید گواہ ہے۔''

'' ہم ثابت کر دیں گے کہ تم نے اسے قتل کیا ہے۔''

'' اور میں ثابت کر دوں گی کہ میں نے نہیں' کسی اور نے قتل کیا ہے۔''

'' اگر تم ابھی یہ ثابت کر دو تو ایک سنگین الزام سے بچ

جاؤ گی۔تم پر صرف ہیروں کی چوری کا الزام رہے گا۔"
"میں یہ بھی ثابت کردوں گی کہ ہیرے میں نے نہیں کسی اور نے چرائے ہیں۔"
"یہی تم اپنے گھر میں ثابت کردیتیں تو ہم تمہیں گرفتار کرکے نہ لاتے۔"

وہ یہ بات نہیں بتانا چاہتی تھی کہ بیگم آفتاب نے ثمینہ کو قتل کیا تھا اور وہ ہیرے یہاں سے لے گئی تھی۔ بیگم آفتاب کی وہ ویڈیو کیسٹ محض اسے دھمکیاں دینے کے لیے تیار کی گئی تھی تاکہ وہ اس کے دباؤ میں رہے اور ضرورت پڑنے پر عدالت میں پہنچ کر اپنے بیٹے کے خلاف اس کی حمایت کرے۔

اس نے ایس' پی' ذیشان کے خلاف اپنا کیس مضبوط رکھنے کے لیے ابھی اس ویڈیو کیسٹ کو چھپا کر رکھا تھا اور کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مہارت خان نے کہا "خاموش کیوں ہو؟ تمہیں تو فوراً ہی ثابت کرنا چاہیے کہ ثمینہ کو تم نے قتل نہیں کیا ہے' کسی اور نے کیا ہے۔ تمہیں ابھی یہاں سے رہائی مل جائے گی۔"

وہ بولی "میں اس سلسلے میں اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ میں نے قتل نہیں کیا ہے اور میرے خلاف نہ تو کوئی ٹھوس ثبوت ہے اور نہ ہی کوئی چشم دید گواہ ہے۔"

"میڈم! تم ایک سچ بات کہتے کہتے بات بدل رہی ہو۔ تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ جرم چھپانے کے باوجود شہباز درانی تمہیں یہاں سے نکال کر لے جائیں گے اور تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ گبول نے اپنے فون کو دیکھا پھر وہاں سے اٹھ کر اسے کان سے لگاتے ہوئے بولا "میں جان محمد گبول بول رہا ہوں۔"

بچھو بابا نے کہا "شہباز درانی سے ہمارا سمجھوتا ہوگیا ہے۔ تم دردانہ کا کیس واپس لے لو۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میرے ہیرے مجھے واپس مل چکے ہیں۔ میری دستاویزات بھی مجھے مل جائیں گی اور تم کہہ رہے ہو' میں کیس واپس لے لوں؟"

"میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں دستاویزات میرے پاس ہیں۔ اگر شہباز درانی کے پاس ہوتیں تو وہ تمہیں فوراً ہی تمام کاغذات واپس دے دیتا اور اپنی دردانہ کو بچالیتا' گرفتار نہ ہونے دیتا۔"

"میرے اتنے اہم ڈاکومنٹس تمہارے پاس ہیں اور تم ہمیں آپس میں لڑا رہے ہو۔ آخر یہ تماشا کیوں کررہے ہو؟"

"جس مقصد کے لیے تماشا کرنا تھا وہ تماشا پورا ہوچکا ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں دردانہ کے خلاف کوئی کیس نہ کرو۔ جو ہوچکا ہے اس پر مٹی ڈالی جاسکتی ہے۔ اس معاملے کو دبایا جاسکتا ہے۔ یہ کوئی پوچھنے نہیں آتا کہ کسی بڑی شخصیت کو گرفتار کیا گیا تھا تو اس کے خلاف کیس کیوں نہیں چل رہا ہے؟ بڑے بڑے سیاسی مجرم بچ نکلتے ہیں پھر یہ دردانہ کیا چیز ہے؟"

"ٹھیک ہے' میں ابھی کیس واپس لیتا ہوں۔ دردانہ کو رہائی مل جائے گی لیکن میرے ڈاکومنٹس تو مجھے واپس کرو۔"

"وہ تمہاری امانت ہیں۔ ہمارے پاس محفوظ رہیں گے۔"

"یعنی تم انہیں واپس نہیں کرو گے؟"

"فی الحال نہیں۔ تمہیں ہم پر بھروسا کرنا ہوگا۔ ہم تمہیں بلیک میل نہیں کریں گے کیونکہ ہم سیاسی لوگ نہیں ہیں۔"

"جب تمہیں سیاست سے دلچسپی نہیں ہے۔ جب تم مجھے بلیک میل نہیں کرو گے تو پھر انہیں اپنے پاس کیوں رکھنا چاہتے ہو؟"

"کوئی ملک اپنے پاس ایٹم بم کیوں رکھنا چاہتا ہے؟ اس لیے نہیں کہ وہ دوسرے ملک کو تباہ کرے گا بلکہ اس لیے کہ ایٹم بم کی دہشت طاری رہے اور کوئی ملک اس پر حملہ نہ کرے۔ تمہارا ایٹم بم ہمارے پاس رہے گا تو تم ہمیشہ ہمارے دباؤ میں رہو گے پھر سب سے بڑی بات یہ کہ مخالف پارٹی کے لوگ ہوں یا شہباز درانی جیسا پولیٹیکل ایجنٹ ہو، کوئی تمہارے گھر چوری کرنے نہیں آئے گا۔ تم چوروں سے محفوظ رہو گے۔ تمہارا سامان ہمارے پاس امانت کے طور پر رہے گا۔"

"دیکھو مسٹر! میں ابھی تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ دردانہ کے خلاف اتنی جلدی کیس ختم کرنے والی بات نہ کرو۔"

"تمہیں ابھی اور اسی لمحے میں وہی کرنا ہے جو ہم کہہ رہے ہیں۔ نہیں کرو گے تو دوسرے دن تمہارے ان ڈاکومنٹس کا ایک کتابچہ شائع کرکے متعلقہ افراد تک پہنچا دیا جائے گا۔ تم یقیناً ایسا نہیں چاہو گے۔ لہٰذا ہم جو کہہ رہے ہیں وہی کرو۔ دیٹس آل۔"

دوسری طرف سے رابطہ ختم ہوگیا۔ اس نے جھنجلا کر غصے سے دردانہ کی طرف دیکھا پھر کہا "یہ عورت بہت ہی ذلیل ہے، کمینی ہے۔ اس نے چوری کرائی۔ ہیرے اپنے پاس رکھے اور ڈاکومنٹس اپنے کسی یار کے پاس بھیج دیئے۔ وہ کم

بخت مجھے کٹھ پتلی بنا کر نچا رہا ہے۔"

مہارت خان نے پوچھا "بات کیا ہے گبول صاحب؟"

"بات کیا ہوگی؟ وہ کہہ رہا ہے اس پر سے کیس ختم کیا جائے۔ اسے رہا کردیا جائے۔ آپ بتائیں میں اسے کیسے چھوڑوں؟ اس نے میرا کتنا بڑا نقصان کیا ہے۔ مجھے کسی بلیک میلر کے جال میں پھنسا دیا ہے۔"

دردانہ یہ سن کر خوش ہورہی تھی کہ اس پر سے کیس ختم کرنے اور اسے رہا کرنے کی بات ہورہی ہے۔ مہارت خان نے کہا "کیس کیسے ختم کیا جائے گا؟ پریس رپورٹرز نے چوری کے مال کی اور اس لاش کی تصویریں اتاری ہیں۔ کل کے اخبارات میں اس کے بارے میں بہت کچھ شائع ہونے والا ہے۔"

گبول نے کہا "اخبارات میں بہت کچھ شائع ہوتا ہے۔ بڑے بڑے سیاسی مجرموں کی تصویریں بھی شائع ہو جاتی ہیں اور ان کے مجرمانہ اعمال کا کچا چٹھا بھی شائع ہوجاتا ہے۔ اس کے باوجود ان پر نہ تو مقدمہ چلتا ہے' نہ ہی سزا ملتی ہے۔ سارے معاملات کو اندر ہی اندر دبا دیا جاتا ہے۔"

مہارت خان نے کہا "اچھی بات ہے' ہم بھی یہی کریں گے۔ اب اس کیس کو اس طرح کمزور بنایا جائے گا کہ ثمینہ کے قتل کا کوئی چشم دید گواہ نہیں ہے اور جس دن قتل ہوا اس دن میڈم دردانہ بیمار تھیں اور اسپتال میں پڑی ہوئی تھیں اور میڈم نے وہ ہیرے چور بازار سے خریدے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

پھر وہ ہنستے ہوئے بولا "سچ کو چھپانے اور قانون کو کمزور بنانے کے کتنے ہی ہتھکنڈے ہوتے ہیں۔ ویسے میڈم دردانہ! آپ بہت لکی ہیں۔ ایک بات یاد رکھیں۔ آپ یہاں سے رہا تو ہوجائیں گی لیکن آپ کی ایک بہت بڑی کمزوری ہمارے ہاتھ میں رہے گی۔"

دردانہ نے حیرانی سے پوچھا "میری کون سی کمزوری آپ کے ہاتھ میں رہے گی؟"

اس نے میز کے نیچے ہاتھ لے جا کر ایک کیسٹ ریکارڈر کو نکالا پھر اسے دکھاتے ہوئے کہا "اب تک آپ کی تمام باتیں ریکارڈ ہوتی رہی تھیں۔"

وہ پریشانی سے اس ریکارڈر کو دیکھنے لگی۔ مہارت خان نے کہا "آپ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ آپ ایک مدت سے شہباز درانی کی پناہ میں ہیں۔ اس کے ساتھ ایک ہی کوٹھی میں ایک ہی چھت کے نیچے ایک ہی بیڈ روم میں ایک ہی بیڈ پر راتیں گزارتی رہی ہیں۔ وہ آپ کا ہونے والا شوہر اور آپ اس کی ہونے والی بیوی ہیں۔ یعنی ہونے والے ہیں۔ ابھی میاں بیوی کا رشتہ نہیں ہے پھر تو صاف ظاہر ہے کہ دونوں گناہ گار کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔"

وہ تھوڑی دیر تک پریشان ہوکر سوچتی رہی پھر بولی۔ "جب مجھ پر سے کیس ختم کیا جارہا ہے تو آپ یہ معاملہ بھی ختم کرسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں شہباز سے سمجھوتا کرسکتے ہیں۔"

"بے شک سمجھوتا تو کرنا ہوگا۔"

وہ ریکارڈر میں سے کیسٹ نکال کر دکھاتے ہوئے بولا۔ "جب ہم اتنی محنت کرتے ہیں تو کچھ وصول کرنے کے لیے ہی کرتے ہیں اور شہباز درانی صاحب تو بڑے دریا دل ہیں۔ وہ اس معاملے کو بھی ختم کرنے کے لیے ہمیں نہال کردیں گے۔"

دردانہ نے کہا "ضرور کریں گے۔ وہ میری رہائی کی خوشی میں آپ سب کو خوش کردیں گے۔ اب تو میں ان سے فون پر بات کرسکتی ہوں؟"

"بے شک۔ آپ میرے دفتر میں آئیں۔ میں ابھی ان سے بات کراتا ہوں۔"

وہ تینوں اس کمرے سے باہر جانے لگے۔ شہباز درانی میرے مطالبات کے مطابق وہ تمام ویڈیو کیسٹس پاشا کو دے چکا تھا پھر اسے اچھی خاصی رقم دیتے ہوئے بولا "تم یہاں سے باہر عینی کے گھر جاسکتے ہو۔"

اس نے کہا "آپ جانتے ہیں کہ میں بہت کچھ بھول چکا ہوں۔ مجھے عینی کے گھر کا پتا یاد نہیں ہے۔"

"تم ڈیفنس کی طرف جاؤ۔ راستے میں تمہیں کوئی گائیڈ ملے گا۔ وہ تمہیں عینی کے گھر پہنچا دے گا۔ وہ گائیڈ تم سے یہ پیکٹ مانگے تو اسے اس کے حوالے کردینا۔"

اس نے پاشا کے ساتھ باہر آکر سکیورٹی گارڈز سے کہا۔ "آج سے یہ ہمارا فیملی ممبر نہیں ہے۔ اسے جانے دو۔ آئندہ یہ ہماری اجازت کے بغیر یہاں قدم نہیں رکھے گا۔"

پاشا وہاں سے چلتا ہوا احاطے کے گیٹ سے باہر جا کر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اسی وقت موبائل فون نے شہباز درانی کو متوجہ کیا۔ اس نے جیب سے فون نکال کر نمبر پڑھے پھر بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے مہارت خان نے کہا "مسٹر درانی! آپ کے لیے ایک خوشخبری ہے اور وہ یہ کہ مسٹر گبول نے کیس واپس لے لیا ہے۔ میڈم دردانہ کو ابھی رہائی مل سکتی ہے لیکن کچھ معاملات طے کرنے ہیں۔ اگر آپ آسکتے ہیں تو ابھی آجائیں۔"

وہ خوش ہوکر بولا ”میں ابھی آ رہا ہوں۔“

اس نے فون بند کر کے دل ہی دل میں سوچا ”مقدر حیات زبان کا دھنی ہے۔ ادھر میں نے اس کے مطالبات پورے کئے ادھر وہ میری دردانہ کو رہائی دلا رہا ہے۔“

پاشا کوٹھی سے باہر آ کر سڑک کے کنارے چل رہا تھا۔ میں اس کے انتظار میں تھا۔ یہ یقین تھا کہ کوئی میرا یا اس کا تعاقب کرنے والا نہیں ہے۔ درانی فی الحال مجھ سے دشمنی بھول گیا تھا۔ میں کار ڈرائیو کرتا ہوا پاشا کے قریب آ کر رک گیا۔ اس نے چلتے چلتے رک کر میری طرف دیکھا۔ میں نے اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے آگے کی طرف جھک کر دروازے کو کھولا پھر کہا ”آؤ بیٹھ جاؤ۔“

اس نے پوچھا ”آپ کون ہیں؟“

میں نے کہا ”وہی گائیڈ ہوں‘ جس کے انتظار میں تم سڑک کے کنارے چل رہے ہو۔“

وہ میری ساتھ والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ میں نے کار کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ”میں تمہیں جانتا ہوں۔ تم مجھے نہیں جانتے۔ تمہارا نام سلامت پاشا ہے اور پاشا جانی کہلاتے ہو۔ میری بہن عینی سے تمہارا نکاح پڑھایا جا چکا ہے۔“

اس نے حیرانی سے پوچھا ”بہن؟“

”ہاں۔ عینی میری بہن ہے۔ میں اس کا بڑا بھائی مقدر حیات ہوں۔ تم ابھی میرے ساتھ چل کر عینی اور عروج سے ملو گے تو تمہیں بہت کچھ معلوم ہوگا۔ یہ بتاؤ اپنا نکاح نامہ لے کر آئے ہو؟“

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا ”شہباز درانی نے نکاح نامے کے علاوہ یہ پیکٹ دیا ہے۔ کیا آپ مجھ سے یہ پیکٹ لینا چاہیں گے؟“

”ہاں۔ اسے عینی اور عروج کے پاس لے جانا ہے۔ ہم وہیں جا رہے ہیں۔ فی الحال اسے اپنے پاس رکھو۔“

وہ مجھے دیکھتے ہوئے بولا ”میں اپنی یادداشت کھو چکا ہوں۔ عینی اور عروج نے شاید مجھے بتایا ہوگا کہ ان کا کوئی بھائی بھی ہے۔ مجھے بالکل یاد نہیں آ رہا ہے۔“

وہ اپنے بارے میں بتانے لگا کہ اس کی یادداشت گم ہو چکی ہے۔ دردانہ اور شہباز درانی اس سے جھوٹ بولتے رہے تھے اور انہوں نے ماں باپ بن کر محبت کی زنجیریں پہنا کر اسے قیدی بنا لیا تھا اور اس طرح عینی اور عروج سے اب تک اسے دور رکھا تھا۔

اس وقت عینی، عروج، اسما اور فلک آفتاب اسپتال میں تھے۔ عینی آنکھوں کا عطیہ حاصل کرنے کے لیے رومانہ اور جاوید برقی سے ملنے آئی تھی۔ متعلقہ ڈاکٹر کی موجودگی میں تمام معاملات طے ہو چکے تھے۔ تمام ضروری کاغذات پر دستخط بھی ہو چکے تھے۔

اس کے بعد ہی رومانہ کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ اس نے عینی کا ہاتھ تھام کر کہا ”میں اپنے بچوں کے لیے خود غرض بن گئی ہوں اور چاہتی ہوں کہ میرے مرنے کے بعد بھی میری آنکھیں انہیں دیکھتی رہیں۔“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ”میں نہیں جانتی تمہارے دل میں ان کے لیے ممتا پیدا ہوگی یا نہیں، لیکن ایک مرنے والی کی آخری خواہش سمجھ کر وعدہ کرو کہ میرے بچوں کو دیکھتی رہا کرو گی۔ خواہ کسی بھی رشتے سے دیکھتی رہو لیکن آنکھیں تو میری ہوں گی۔ ان بچوں کی ماں کی آنکھیں‘ اور مجھے یہ دلی سکون مل رہا ہے کہ ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند ہونے کے بعد بھی میرے بچے میری آنکھوں کے سامنے رہیں گے۔“

اس کے دونوں بچے وہاں موجود تھے۔ ایک بیٹا اشعر تین برس کا تھا اور دوسری بیٹی ماہم ڈیڑھ برس کی تھی۔ اسما نے اشعر کو گود میں اٹھایا۔ عروج نے ماہم کو گود میں لیا پھر رومانہ کے قریب آ کر بولیں ”ان بچوں کو صرف عینی کا ہی نہیں ہمارا بھی پیار ملے گا۔“

عروج نے ماہم کو عینی کی گود میں دیتے ہوئے کہا ”عینی یہ ان کی چھوٹی بیٹی ماہم ہے۔“

عینی نے اسے گود میں لیا۔ اپنے سینے سے لگایا۔ اسے پیار کیا۔ اسما نے اشعر کو بھی اس کی گود میں دیا۔ وہ اسے بھی پیار کرنے لگی۔ رومانہ کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ اس کے باوجود وہ اپنے بچوں کو اس کی گود میں دیکھ کر اور انہیں ایک نئی ممتا ملتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ جبراً مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن تکلیف سے بے حال ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر نے کہا ”اب آپ لوگوں کو کمرے سے جانا چاہیے۔ پلیز، مجھے اٹینڈ کرنے دیں۔“

وہ سب کمرے سے باہر آ گئے۔ قریب ہی ایک ویزیٹرز روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ اسی وقت میں پاشا کو لے کر وہاں آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی سب حیرانی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے عینی دیکھ نہیں سکتی تھی لیکن جب پاشا نے سب کو دیکھ کر اسلام علیکم کہا تو وہ ایک دم سے چونک گئی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر بولی ”یہ تو پاشا کی آواز ہے۔“

عروج اچانک ہی اپنے محبوب کو سامنے دیکھ کر سکتے

ی تھی۔ دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی اچھل کر آ جائے گا۔ عینی کی آواز سن کر وہ چونک گئی پھر بولی۔

اں۔ پاشا آئے ہیں۔“

وہ بے یقینی سے بولی ”کیا سچ کہہ رہی ہو؟“

”ہاں مگر مجھے بھی آنکھوں سے دیکھ کر یقین نہیں ہو رہا ہے۔“

ادھر پاشا کی عجیب حالت تھی۔ وہاں پہنچتے ہی اس کی سب سے پہلے عروج پر پڑی تھی اور وہ اسے مسلسل دیکھتا جا رہا تھا۔ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا رہا تھا۔ اس کی یہ وارفتگی عروج کے دل کو اور زیادہ دھڑکا رہی تھی۔

عینی نے دونوں بانہیں پھیلا کر کہا ”پاشا! کیا تم آ گئے ؟ کہاں ہو تم؟“

پاشا نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر کہا۔ میں آ گیا ہوں۔“

عینی ایک دم سے تڑپ کر آگے بڑھی پھر اپنا سر اس کے سینے پر رکھ کر رونے لگی۔ پاشا نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ تمہیں رونا نہیں چاہیے۔ میں ہمیشہ کے لیے آ گیا ہوں۔ زنجیریں ٹوٹ چکی ہیں۔ اب میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گا۔“

وہ اسے تھپک تھپک کر کہہ رہا تھا لیکن عروج کو دیکھ رہا تھا جیسے اس سے کہہ رہا ہو کہ وہ اسی کی خاطر زنجیریں توڑ کر آیا ہے۔

اسما نے پاشا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ”تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم واپس آ گئے ہو۔“

اس نے سوالیہ نظروں سے اسما کو دیکھا۔ میں نے کہا۔ ”یہ عینی کی اور ہماری بھابی جان ہیں۔“

فلک آفتاب نے آگے بڑھ کر پاشا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ”ہمیں عینی نے بتایا ہے کہ تمہاری یادداشت گم ہو چکی ہے۔ تم اپنے آپ کو بھی بھول چکے ہو۔“

اس نے فلک آفتاب کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ ”میں عینی کا تایا ہوں۔“

پاشا نے پھر عروج کی طرف دیکھا۔ وہ کسی کی طرف دیکھنے کے بعد پھر اسے دیکھنے لگتا تھا۔ اب وہ اس کی دیوانگی سے گھبرا رہی تھی۔ جھینپ رہی تھی۔ اس کی نظروں سے چھپنا چاہتی تھی لیکن وہاں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ آخر وہ فوراً ہی پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی لیڈیز ٹوائلٹ کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اندر پہنچتے ہی اپنے دھڑکتے ہوئے سینے کو دروازے سے لگا دیا۔

اسما نے مجھے دیکھا۔ ہم سب ہی جانتے تھے کہ پاشا اور عروج دونوں ہی ایک دوسرے کے دیوانے ہیں۔ میں نے اسما کو ایک طرف آنے کا اشارہ کیا۔ وہ میرے ساتھ وہاں سے ذرا دور ایک گوشے میں آئی۔ میں نے کہا ”یہ پاشا کے عشق کی انتہا ہے کہ وہ ساری دنیا کو اور اپنے آپ کو بھلا چکا تھا لیکن عروج اس کے ذہن میں نقش تھی۔ وہ اسے خوابوں اور خیالوں میں دیکھتا رہا تھا۔ آج ایک طویل جدائی کے بعد اسے دیکھ رہا ہے‘ بہت زیادہ بے چین ہو گیا ہے۔ آپ کچھ ایسا کریں کہ اسے اور عروج کو تنہائی میں ملنے اور ایک دوسرے سے کھل کر باتیں کرنے کا موقع مل جائے۔“

اسما نے کہا ”عروج جیسی دل والی لڑکیاں بہت کم ہوتیں ہیں۔ اس نے اپنی محبت عینی کے حوالے کر دی۔ اپنے دل میں پیار چھپائے رکھتی ہے لیکن عینی کی خوشیاں دیکھ کر خوش ہوتی رہتی ہے۔“

وہ وہاں سے چلتی ہوئی لیڈیز ٹوائلٹ کے دروازے پر آئی۔ اسے کھولنا چاہا تو دوسری طرف عروج دروازے سے لپٹی ہوئی تھی۔ اسے ہلکا سا جھٹکا لگا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اسما نے اندر آ کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تربتر تھا۔ وہ وہاں چھپ کر رونے کے لیے آئی تھی۔ اسما نے اسے گلے لگا لیا۔

ادھر عینی ایک صوفے پر پاشا سے لگی بیٹھی تھی۔ پاشا اس سے کہہ رہا تھا ”شہباز درانی اچانک مجھ پر مہربان ہو گیا ہے‘ پتا نہیں کیا بات ہے؟ اس نے مجھے رہائی دے دی ہے اور باہر سکیورٹی آفیسرز سے کہہ دیا ہے کہ اب میں ان کی فیملی کا ممبر نہیں ہوں۔ آئندہ مجھے اس کوٹھی میں آنے کی اجازت نہ دی جائے۔“

پاشا‘ عینی اور فلک آفتاب سے بول رہا تھا لیکن اس کی نظریں بار بار لیڈیز ٹوائلٹ کی طرف بھٹک رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ ”اب تو تم آ گئے ہو۔ دن رات عینی سے باتیں ہوتی رہیں گی۔ ابھی مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ ذرا میرے ساتھ آؤ۔“

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ عینی نے پوچھا ”بھائی جان! آپ انہیں کہاں لے جا رہے ہیں؟“

میں نے کہا ”میں دردانہ اور شہباز درانی کے بارے میں بہت سی باتیں پاشا کو سمجھانا چاہتا ہوں تاکہ آئندہ یہ ان سے محتاط رہے۔“

میں پاشا کے ساتھ چلتا ہوا ویزیٹرز روم سے باہر آیا پھر ایک کوریڈور سے گزرتے ہوئے بولا ”تم بہت سی باتیں بھول گئے ہو۔ تمہیں یہ یاد نہیں ہے کہ عروج نے اپنی سہیلی عینی

کی خاطر اپنے پیار کی قربانی دی ہے۔ کیا تم اس کی قربانی رائیگاں جانے دو گے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "نہیں' میں عروج کے جذبے کی قدر کرتا ہوں لیکن مجھے اس سے کچھ بولنے کا موقع تو ملنا چاہیے۔"

"ابھی موقع ملے گا لیکن ایک بات یاد رکھو۔ اس طرح دیوانے کی طرح بار بار اسے نہ دیکھا کرو۔ عینی کو جلد ہی بینائی ملنے والی ہے۔ جب وہ دیکھے گی کہ جسمانی طور پر تم اس کے پاس ہو لیکن دل عروج کی طرف بھٹک رہا ہے تو کیا اس لڑکی کا دل نہیں ٹوٹے گا؟ کیا عروج یہ برداشت کرے گی کہ تم اس کی سہیلی سے بے وفائی کرو اور اسے بھر پور محبتیں نہ دو؟"

"میں ابھی یادداشت کی تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں آ رہا ہوں۔ آپ سمجھا رہے ہیں تو بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ عروج کا پیار میرا پیار ہے۔ میں عینی کا دل نہیں توڑوں گا لیکن عروج سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے اسپتال سے باہر آ گئے۔ میں نے پارکنگ ایریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "دیکھو وہ 6014 نمبر والی کار عروج کی ہے۔ وہاں جا کر اگلی سیٹ پر بیٹھو۔ ابھی وہ آ جائے گی۔"

اس نے خوش ہو کر مجھے دیکھا۔ میں اس کا شانہ تھپک کر وہاں سے واپس آ گیا۔ ویزیٹرز روم کے دروازے پر پہنچا تو عروج ٹوائلٹ سے باہر آ گئی تھی اور عینی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا' میں نے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر میرے پاس آئی۔ میں نے کہا "میرے ساتھ آؤ۔ تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

ہم دونوں اسپتال کے کوریڈور سے گزرنے لگے۔ میں نے کہا "پاشا کمزور یادداشت کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا ہے۔ اسے تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہے۔ وہ تمہاری کار میں بیٹھا ہوا ہے۔ وہاں جاؤ اور اسے سمجھاؤ کہ ماضی میں کیا ہو چکا ہے۔ کس طرح تم عینی کے لیے قربانیاں دے رہی ہو اور آئندہ اپنے وعدے کے مطابق اس کی شریکِ حیات بننے والی ہو۔ لیکن اسے بڑے صبر و تحمل سے انتظار کرنا ہوگا۔"

میں اس کے ساتھ باتیں کرتا ہوا باہر پارکنگ ایریئے تک آیا پھر اسے وہاں چھوڑ کر اسپتال کے اندر چلا گیا۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے اپنی کار کی طرف دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اسٹیئرنگ سیٹ کے دروازے پر آئی پھر اسے کھول کر جھک کر اسے دیکھا۔ وہ بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سر جھکا کر سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

اس نے سوچا تھا' اپنا دل مضبوط رکھے گی۔ آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دے گی لیکن اتنی طویل جدائی کے بعد پہلی بار اسے دیکھ رہی تھی۔ تنہائی میں اسے دیکھتے ہی بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ وہ اس کی طرف گھوم کر سر جھکا کر رونے لگی۔

پاشا اسے بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا' اس کے ایک ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ان لمحات میں اسے یوں لگ رہا تھا جیسے مدتوں کی کھوئی ہوئی دولت ہاتھ آ گئی ہو۔ اس نے کہا "جب انسان سو جاتا ہے تو ساری دنیا سو جاتی ہے لیکن تم میرے سوئے ہوئے ذہن میں بھی جاگتی رہی ہو' میرے خوابوں میں آتی رہی ہو۔"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی "مجھے عینی نے بتایا ہے' تم مجھے دو بار خواب میں دیکھ چکے ہو۔"

"نہ جانے میرے دل و دماغ میں کتنی گہرائی تک اتری ہوئی ہو کہ خود کو بھلانے کے باوجود تمہیں یاد کرتا رہا۔ بھولنے والے کو میرا نام بتایا گیا۔ میری تصویریں دکھائی گئیں لیکن تمہیں تو قدرت نے خواب کے بہانے میرے سامنے پیش کر دیا۔ تب ہی سے میں تمہارے پاس آنے کے لیے تمہیں ایک نظر دیکھنے کے لیے تڑپتا رہا ہوں۔"

وہ بولی "خواب کے بہانے تم نے میرا چہرہ، میرا نام یاد کر لیا لیکن مجھ سے کیا ہوا وعدہ بھول گئے۔"

"کون سا وعدہ؟"

"میں نے کہا تھا کہ پہلے عینی سے شادی کرو گے۔"

"وہ تو میں کر چکا ہوں۔ ہمارا باقاعدہ نکاح ہو چکا ہے۔ میں نکاح نامہ لے کر آیا ہوں۔"

"دوسرا وعدہ یہ کیا تھا کہ اسے بھر پور محبتیں دو گے۔ اسے یہ احساس نہیں ہونے دو گے کہ تم جبراً اس کی طرف مائل ہو رہے ہو۔"

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے یاد نہیں ہے۔ تم کہہ رہی ہو تو پھر میں نے یہ وعدہ ضرور کیا ہوگا۔"

"ہاں۔ یہ وعدہ کیا ہے اور اب تمہیں اس پر قائم رہنا ہوگا۔ نہیں تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔"

وہ تڑپ کر بولا "نہیں عروج! ناراضگی کی بات نہ کرو۔ میں تمہاری خوشی کے لیے وہ سب کچھ کروں گا' جو تم کہو گی۔"

وہ بڑے پیار سے اسے گھور کر بولی "تم ابھی دیوانوں کی طرح صرف مجھے ہی کیوں دیکھ رہے تھے؟"

"میں مجبور تھا۔ تمہاری طرف دل کھنچا جا رہا تھا۔"

"وعدہ کرو آئندہ ایسی حرکت نہیں کرو گے۔ صرف تنہائی میں میری طرف دیکھو گے اور مجھ سے بولو گے۔ دوسروں کے سامنے ذرا دور دور رہا کرو گے اور عینی کے ہمیشہ قریب رہو گے۔"

اگرچہ اس کا اپنا دل اپنے محبوب کے لیے مچل رہا تھا لیکن وہ اسے اپنی سہیلی کے قریب رکھنے کے لیے طرح طرح سے سمجھا رہی تھی اور یہ وعدہ کرنے کے لیے کہہ رہی تھی کہ وہ دونوں سہیلیوں کے درمیان پیار کا توازن قائم رکھا کرے گا۔

میں ویزیٹرز روم میں عینی، اسما اور فلک آفتاب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ فلک آفتاب نے مجھ سے پوچھا "کیا تم دردانہ اور شہباز سے ملنے گئے تھے؟"

میں نے کہا "اللہ تعالیٰ ہم پر مہربان ہے۔ میں نہیں جانتا کہ دردانہ اور شہباز درانی کا دماغ کیسے پھر گیا ہے۔ اس نے پاشا کو رہا کیا ہے اور اسے یہ پیکٹ دیا ہے۔"

اسما نے پوچھا "اس پیکٹ میں کیا ہے؟"

"دو ویڈیو کیسٹس ہیں۔ ان میں سے ایک ویڈیو کیسٹ وہ ہے جس کے ذریعے دردانہ عینی کو بے حیا اور بدچلن ثابت کرنا چاہتی تھی۔"

عینی نے شرم کے مارے گھوم کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ میں نے اس پیکٹ کو کھول کر ایک کیسٹ نکالا پھر اسے اسما کے حوالے کرتے ہوئے کہا "بھابی جان! آپ یہاں سے گھر جانے کے بعد اسے اپنے ہاتھوں سے ضائع کریں گی۔"

وہ اسے لیتے ہوئے بولی "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میری عینی کو اب کوئی غلط نہیں سمجھے گا۔"

میں نے کہا۔ "کوئی نہیں سمجھے گا کیونکہ پاشا اپنے ساتھ نکاح نامہ بھی لے کر آیا ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "بڑی حیرانی کی بات ہے۔ وہ عورت عینی کو بلیک میل کرنا چاہتی تھی پھر اس نے پاشا کو کیسے رہا کر دیا؟ اور یہ ویڈیو کیسٹ بھی کیوں واپس کر دیا؟ آخر اس کا دل ہماری طرف سے موم کیسے ہو گیا؟"

میں نے کہا "پتھر کبھی موم نہیں ہوتا۔ شیطان کبھی انسان نہیں بنتا۔ میں نے اس کا اور شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا اور تب ہی سمجھ گیا تھا کہ ان پر کوئی بہت بڑی آفت آنے والی ہے۔ وہ اس آفت کے نتیجے میں اپنی چوکڑیاں بھول چکے ہیں۔ غرور کا سر نیچا ہو گیا ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "بے شک مقدر میاں! تمہاری کوئی پیش گوئی کبھی غلط نہیں ہوتی۔"

میں نے دوسرا ویڈیو کیسٹ دکھاتے ہوئے کہا "بڑے ابو! کیا آپ بتا سکتے ہیں اس میں کیا ہے؟"

اس نے میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ویڈیو کیسٹ کو دیکھا پھر کہا "میں بھلا کیسے بتا سکتا ہوں۔ اس میں کیا ہے؟ تم ہی بتاؤ؟"

میں نے اسما کو دیکھتے ہوئے کہا "بھابی جان! آپ اور بھائی جان نہیں جانتے کہ دردانہ ہماری بڑی امی کو بھی بلیک میل کر رہی تھی۔ اس کے آدمیوں نے بڑی امی کو مجبور کر کے ایسی ویڈیو فلم تیار کی جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک عورت کا قتل کیا تھا اور اس کے ہیرے چرا کر لے آئی تھیں۔"

فلک آفتاب پریشان ہو کر مجھے دیکھ رہا تھا اور اپنی بہو اسما کے سامنے جھینپ رہا تھا۔ اسما اپنے سسر کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ اتنی بڑی بات ہو گئی تھی اور یہ بات بیٹے اور بہو سے چھپائی جا رہی تھی۔

میں نے کہا "بھابی جان! آپ کو اور بھائی جان کو ان سے نہ تو شکایت کرنی چاہیے' اور نہ ہی ناراض ہونا چاہیے۔ بڑی امی بہت مجبور ہو گئی تھیں۔ اس لیے ہم سے یہ بات چھپائی جا رہی تھی۔ بہر حال دردانہ ہمارے ساتھ کوئی مکاری نہیں کر سکے گی اور نہ ہی بڑی امی کو بلیک میل کر سکے گی۔"

میں نے وہ کیسٹ فلک آفتاب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اسے آپ لے جائیں اور گھر پہنچتے ہی ضائع کر دیں۔ یہ سب ماسٹر کاپیاں ہیں۔ اس کے بعد دردانہ کے پاس آپ لوگوں کو بلیک میل کرنے کے لیے کچھ نہیں رہا ہے۔"

فلک آفتاب نے وہ کیسٹ لیتے ہوئے کہا "مقدر میاں! تم ہمارے گھر فرشتہ بن کر آئے ہو۔ تم نے عینی پر، اپنی بڑی امی پر اور ہم سب پر اتنا بڑا احسان کیا ہے جسے ہم ساری زندگی بھلا نہیں پائیں گے اور تمہارے اس کارنامے پر ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے۔"

عینی خاموش بیٹھی ہوئی تھی، لیکن بے چین تھی۔ اس نے پوچھا "بھائی جان! آپ ابھی پاشا کے ساتھ گئے تھے۔ وہ کہاں ہیں؟ اور عروج بھی نہیں ہے۔"

میں نے کہا "وہ دونوں ابھی آ رہے ہیں۔"

پھر میں نے فلک آفتاب سے کہا "بڑے ابو! آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

میں فلک آفتاب کے ساتھ اس کمرے سے باہر گیا۔ اسما

عینی کے قریب آ کر بولی "عینی! اس وقت تم کس کی کمی محسوس کر رہی ہو؟"

وہ جھجکتے ہوئے بولی "وہ۔ وہ پاشا اس چڑیل عورت سے رہائی پا کر آیا ہے۔ اس کے لیے پریشان ہوں کہ پھر کہاں چلا گیا ہے؟"

"کیا عروج کے لیے پریشان نہیں ہو کہ وہ بیٹھے بیٹھے یہاں سے کہاں چلی گئی ہے؟"

"وہ ضرور کسی کام سے گئی ہوگی۔ ابھی آ جائے گی۔"

"عینی! میری بات کا برا نہ ماننا۔ تم خود غرض ہو گئی ہو۔ اپنی پیاری سہیلی کو بھول کر صرف پاشا کی کمی محسوس کر رہی ہو۔ یہ بھول رہی ہو کہ وہ بھی پاشا کو دل و جان سے چاہتی ہے۔ اس نے اپنے پیار کی قربانی دی ہے۔ وہ تمہیں اپنی سوکن بنانے کے لیے راضی ہو گئی۔ اتنی طویل جدائی کے بعد آج اس نے پاشا کو دیکھا ہے۔ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی؟ کیا تم اپنی سہیلی کے جذبات کو سمجھنا نہیں چاہتیں؟"

اس نے اندھیرے میں ٹٹول کر اسما کے ہاتھ کو تھام لیا پھر کہا "بھابی جان! واقعی، میں تو اپنے ہی جذبات کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہی تھی۔ یہ بھول ہی گئی تھی کہ اتنی طویل جدائی کے بعد عروج نے بھی اسے دیکھا ہے۔ وہ بھی اس کے لیے تڑپ رہی ہوگی۔"

عینی نے ایک گہری سانس لی پھر کہا "آپ درست کہتی ہیں۔ واقعی میں خود غرض ہو گئی تھی۔ اپنی اس اندھیری دنیا میں بیٹھی صرف پاشا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اپنی عروج کو بھول گئی تھی۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ مجھے جذباتی غلطی سے روک رہی ہیں۔ ابھی اسے پاشا کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہیے۔"

"وہ دونوں باہر ہیں' باتیں کر رہے ہیں۔ ابھی آ جائیں گے۔"

فلک آفتاب میرے ساتھ کوریڈور میں کھڑا، موبائل فون کے ذریعے اپنی بیگم سے باتیں کر رہا تھا اور یہ خوشخبری سنا رہا تھا کہ وہ دردانہ کے شکنجے سے نکل گئی ہے۔ اس وڈیو کیسٹ کی ماسٹر کاپی مقدر میاں لے آئے ہیں اور آئندہ وہ کبھی ہمیں بلیک میل نہیں کر سکے گی۔"

دوسری طرف سے بیگم آفتاب نے کہا "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس چڑیل سے نجات مل رہی ہے۔ بے شک ہم مقدر میاں کا جتنا بھی احسان مانیں' کم ہے۔ یہ بتائیں کہ وہ وڈیو کیسٹ کہاں ہے؟"

"یہ میرے پاس ہے۔ میں گھر لے کر آؤں گا۔ تم اسے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے ضائع کر دینا۔"

"مقدر میاں سے میری بات کراؤ۔"

اس نے موبائل میری طرف بڑھاتے ہوئے "تمہاری بڑی امی بات کرنا چاہتی ہیں۔"

میں نے موبائل کو کان سے لگاتے ہوئے کہا " امی! آپ کو مبارک ہو۔ اس چڑیل سے نجات مل چکی ہے

وہ خوشی سے کھلی جا رہی تھی۔ کہنے لگی "بیٹے! پتا نہیں کیا ہو؟ ہمارے لیے تو رحمت کا فرشتہ ہو۔ ادھر تم نے رات عرصہ کو ہماری بہو بنانے کا وعدہ کیا اور ادھر سانپ پٹارہ لے آئے جس کے ذریعے دردانہ مجھے ڈسنا چاہتی تھی

وہ خوش ہو کر احسان مندی سے بولتی جا رہی تھی، میر جا رہا تھا پھر رابطہ ختم ہو گیا۔ عروج اور پاشا باہر سے وا آ گئے۔ عروج عینی کے پاس آ کر بیٹھی تو دونوں سہیلیاں ا دوسرے سے لپٹ گئیں۔ دونوں کو ان کا مشترکہ محبوب چکا تھا۔

جاوید برقی وہاں آیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اسا پوچھا "رومانہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

اس نے بڑے دکھ سے ہم سب کو دیکھا پھر کہا "وہ ا ہوش و حواس میں نہیں ہے۔ سانسیں چل رہی ہیں، آنکھ کھلی ہوئی ہیں لیکن وہ نہ مجھے پہچان رہی ہے، نہ اپنے کو۔"

پھر وہ عینی کو دیکھتے ہوئے بولا "ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کو یہاں داخل ہو جانا چاہیے۔ صبح تک کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

سب نے بڑے دکھ سے اور ہمدردی سے جاوید بر دیکھا۔ فلک آفتاب نے اس کے پاس آ کر اس کے سر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹے! انسان کو اچھے برے حالا سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوگا' وہی ہو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہیں اور بچوں کو تنہا نہ چھوڑیں گے۔"

عروج نے کہا "عینی! میرے ساتھ چلو۔ میں ڈاکٹر ملتی ہوں۔ اس کے مشورے کے مطابق تمہیں یہاں ایڈم کراؤں گی۔"

وہ عروج کا ہاتھ تھام کر بولی "ایڈمٹ تو ہو جاؤں گ تم مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی؟"

"پاگل ہوئی ہو؟ کبھی تمہیں تنہا چھوڑا ہے' جو آج چ دوں گی؟ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں اٹھ کر جانے لگیں۔ میں نے کہا "عرو پاشا بھی یہاں رہے گا لیکن ابھی یہ ہمارے ساتھ جائے

اپنا حلیہ درست کرے گا پھر میں اسے یہاں پہنچا دوں گا۔"

اسما نے کہا "میں بھی جا رہی ہوں۔ تم لوگوں کی ضرورت کا سامان لے آؤں گی۔"

وہ سب عروج اور عینی کو وہاں چھوڑ کر گھر روانہ ہو گئے۔ ابھی اس خاندان کے لیے حالات سازگار تھے۔ مقدر میں خوشحالی لکھی ہوئی تھی اور یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ عینی کو آنکھوں کی روشنی ملنے ہی والی ہے۔

☆☆☆

گل خانم پریشان تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح موجودہ قانونی گرفت سے نجات حاصل کرے اور اپنے وکیل سے مل کر اپنے اور ذیشان کے تحفظ کے لیے کچھ کر سکے۔

اتنے میں باقر مہدی نے وہاں آ کر کہا "گل خانم! تمہارے دن پھر رہے ہیں۔ میں یہاں سے پہرا اٹھا رہا ہوں۔ ہم جا رہے ہیں۔ اب تم اپنے تحفظ کے لیے قانونی کارروائیاں کر سکو گی۔"

وہ بولی "خدا کا شکر ہے کہ آپ میرا پیچھا چھوڑ رہے ہیں۔ میرا موبائل فون مجھے دے کر جائیں۔"

اس نے اپنی جیب سے اس کا موبائل فون نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے اسے لے کر دیکھا پھر کہا "یہ تو بند ہے۔"

"چارجر تمہارے پاس ہے۔ تم اسے چارج کر کے استعمال کر سکتی ہو۔"

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ اس نے پوچھا "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ اچانک آپ مجھ پر مہربان کیوں ہو گئے ہیں؟"

"میں نہیں مقدر مہربان ہوا ہے۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ اوپر سے حکم آیا کہ پہرا اٹھا لیا جائے۔ ہم نے اٹھا لیا۔"

وہ چلا گیا۔ گل خانم نے باہر آ کر دیکھا۔ کوٹھی کے باہر پہرا دینے والے سپاہی بھی اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر جا رہے تھے۔ اس نے ملازم سے کہا "فوراً جاؤ۔"

ملازم چلا گیا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے اندر آئی پھر بیڈ روم میں پہنچ کر اپنے موبائل فون کو چارجر سے لگا دیا۔ وہ جلد از جلد اپنے وکیل سے رابطہ کرنا چاہتی تھی اور یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کس طرح ذیشان سے ملاقات کی جا سکتی ہے اور اس کے تحفظ کے لیے کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔

گورنس نے بیڈ روم میں آ کر کہا "میڈم! آپ کو آزادی مبارک ہو۔ وہ کم بخت سی' آئی' اے والے چلے گئے۔"

گل خانم نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا "اب تم بھی جاؤ۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟"

"کیا ناراض نہیں ہونا چاہیے؟ تم نے اس سی' آئی' اے کے افسر کو میرے اور ذیشان کے خلاف بیان دیا تھا۔"

وہ کان پکڑ کر بولی "میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ جو آنکھوں سے دیکھا تھا وہی کہا تھا۔"

"کیا تم اتنی بھولی ہو؟ نادان بچی ہو؟ اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پولیس والوں کے سامنے آنکھوں سے دیکھی ہوئی سچائی بھی چھپالی جاتی ہے؟ اگر تم یہ نہ کہتیں کہ ذیشان صاحب میرے ساتھ آدھی رات تک یہاں رہے تھے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا؟"

"میں سچ کہتی ہوں ان سے بری طرح ڈر گئی تھی۔ وہ بڑے رعب اور دبدبے والے تھے۔ مجھ سے کہہ رہے تھے۔ لباس اتار کر میری پٹائی کریں گے۔ اس قدر ہیرا پھیری سے سوالات کر رہے تھے کہ میں بالکل ہی بدحواس ہو گئی تھی۔"

"کیا تم نے آنکھوں سے مجھے گناہ کرتے دیکھا تھا؟ کیا اس فرشتہ صفت انسان کو گناہ گار بنتے دیکھا تھا؟ اگر ایک جوان مرد ایک جوان عورت کے ساتھ کمرے میں تنہا رہ جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ گناہ کر رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں، ہماری دنیا میں، ہمارے معاشرے میں ایسے مرد ہیں جو عورت کے ساتھ تنہا رہنے کے باوجود اسے داغ دار نہیں کرتے۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی الماری کے پاس گئی۔ اسے کھول کر اس کے سیف میں سے سولہ ہزار روپے نکالے پھر اسے لا کر اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا "یہ تمہاری دو ماہ کی تنخواہ ہے۔ جاؤ یہاں سے نکل جاؤ۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ گل خانم نے غصے سے چیخ کر کہا۔ "نو مور آرگومنٹس۔ ناؤ گیٹ آؤٹ۔"

وہ سر جھکا کر وہاں سے چلی گئی۔ ٹیلیفون کے تار کو باہر سے کاٹا گیا تھا۔ ملازم نے آ کر کہا "میڈم! تار جوڑ دیا گیا ہے۔ آپ فون چیک کر لیں۔"

گل خانم نے ریسیور اٹھا کر چیک کیا اور اس نے سب سے پہلے اپنے وکیل سے رابطہ کیا "مظفر صاحب! میں گل خانم بول رہی ہوں۔ کیا آپ ابھی میرے لیے کچھ وقت نکال سکتے ہیں؟"

"جی ہاں۔ آج اور کل فرصت ہی فرصت ہے۔ آپ

فرمائیں۔ کیا مجھ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں؟"

"جی ہاں۔ آپ فوراً یہاں چلے آئیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی ایک گھنٹے کے اندر آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ ادھر باقر مہدی نے جیل میں آکر ذیشان سے ملاقات کی۔ اس سے کہا "بھئی ہم مانتے ہیں آپ بھی ہماری طرح پہنچے ہوئے ہیں۔ یہاں میں نے پابندیاں لگائی تھیں کہ کوئی ملاقاتی نہیں آئے گا اور آپ کسی باہر والے سے رابطہ نہیں کرسکیں گے پھر بھی آپ اپنے بچاؤ کے لیے پتا نہیں کیا کرتے رہتے ہیں؟ مجھے بھی کچھ کر سکھائیں۔ میں آپ کو گرو مان لوں گا۔"

ذیشان خاموش تھا۔ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرا کر بولا "بھئی اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں؟ آپ پر سے پابندیاں اٹھالی گئی ہیں۔ آپ سے کوئی بھی آکر ملاقات کرسکتا ہے۔ اب آپ بتائیں کس سے ملنا پسند کریں گا؟"

ذیشان نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں کسی سے ملنے ملانے کے لیے تمہارا احتاج نہیں ہوں۔"

"جب آپ پر سے پابندیاں ہٹ گئی ہیں تو آپ اپنے بچاؤ کے لیے اور یہاں سے باہر جانے کے لیے کچھ تو کریں گے۔ کسی وکیل کی خدمات تو حاصل کریں گے؟"

"میں یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔ کچھ روز یہیں آرام کروں گا۔"

وہ حیران ہوا پھر بولا "تعجب ہے۔ پنچھی کے لیے پنجرہ کھولنے کی سہولت دی جارہی ہے اور پنچھی ہے کہ اڑنا نہیں چاہتا۔ ہم نے گل خانم کی کوٹھی کے باہر سے بھی پہرا اٹھالیا ہے۔ اب وہ آزاد ہے خود کو اور آپ کو بدکاری کے الزام سے بچانے کے لیے کسی نہ کسی وکیل کی خدمات حاصل کرے گی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ دونوں اتنے بڑے الزام سے بچ پائیں گے؟"

ذیشان کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بولا "نہ میں جیل سے باہر جانا چاہتا ہوں، نہ کسی الزام سے بچنا چاہتا ہوں۔ یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم میری فکر میں دبلے ہو رہے ہو۔"

وہ اپنی پیشانی کو ایک انگلی سے یوں بجانے لگا جیسے دستک دے رہا ہو پھر بولا "میں سمجھا نہیں آپ یہاں کچھ روز تک سلاخوں کے پیچھے کیوں رہنا چاہتے ہیں؟ اور مسٹر رانی آپ کو سلاخوں سے باہر کیوں لانا چاہتے ہیں؟"

"تم ان کے پالتو کتے ہو۔ ان ہی سے کیوں نہیں پوچھ لیتے؟"

"وہ اپنا گیم کسی کو نہیں بتاتے۔ جب وہ آپ کو باہر نکال لائیں گے تب ہمیں پتا چلے گا کہ آپ کے باہر آنے سے انہیں کتنی زبردست کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

وہ آگے کچھ اور کہنا چاہتا تھا پھر رک گیا۔ اسسٹنٹ جیلر نے آکر کہا "مسٹر باقر! ملاقات کا وقت ختم ہوگیا ہے۔ پلیز آپ تشریف لے آئیں۔"

وہ بولا "بس اور پانچ منٹ۔ میں کچھ ضروری باتیں کر رہا ہوں۔"

"سوری مسٹر باقر! ان کی دوسری ملاقات آئی ہے۔ آپ یہاں سے چلیں۔"

ذیشان نے تعجب سے پوچھا "دوسری ملاقات؟"

باقر مہدی نے مسکراتے ہوئے کہا "میں نے کہا تھا نا کہ پابندیاں اٹھادی گئی ہیں۔ اب تو ملاقات کا سلسلہ رہے گا۔"

ذیشان نے سلاخوں کے پیچھے سے دیکھا۔ وہ دور کوریڈور میں ایک جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ سرحدی علاقے کی خواتین کی طرح ایک چادر میں چھپی ہوئی تھی۔ چہرہ بھی چھپا ہوا تھا۔ صرف دو بڑی بڑی نرالی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ خوبصورت آنکھیں اس کے پورے وجود کی پہچان تھیں۔ ان آنکھوں کے ذریعے وہ لاکھوں میں پہچانی جاسکتی تھی۔

باقر مہدی نے مسکرا کر کہا "ہائے! پابندیاں اٹھتے ہی سب سے پہلے دل کے دروازے پر دستک ہونے لگی ہے۔ اب تو یہاں سے چلنا ہی ہوگا۔"

وہ اسسٹنٹ جیلر کے ساتھ چلا گیا۔ وہ دور کھڑی اسے آہنی سلاخوں کے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ ان لوگوں کے جاتے ہی ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور ایک ایک قدم چلتی ہوئی اس کے قریب آنے لگی۔ قریب آکر اس نے چہرے پر سے چادر ہٹائی۔ آنسوؤں سے دھلا دھلایا اجلا چہرہ نگاہوں کے سامنے آگیا۔ ہلکی ہلکی گلابی رنگت یوں لگ رہی تھی جیسے گلاب کی پتی دودھ میں گھل رہی ہو۔ اس نے بڑی محبت سے پوچھا "کیوں رو رہی ہو؟"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی "میری محبت آپ کو مہنگی پڑ رہی ہے۔"

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ عشق کا سودا ہمیشہ مہنگا پڑتا ہے۔"

"لیکن آپ کے ساتھ جو ہو رہا ہے وہ محض میری نادانی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ آپ نے منع کیا تھا کہ مجھے یادر خان کو اپنے گھر لے جا کر اس کا علاج نہیں کرانا چاہیے۔ اگر میں آپ کی بات مان لیتی اور وہ آپ کی تحویل میں زیر علاج رہتا تو یہ بات باہر تک نہ جاتی۔ نہ سی۔ آئی۔ اے والے میرے گھر چھاپا مارتے اور ان کے سامنے یہ بات نہ کھلتی کہ آپ ایک رات دو بجے تک میرے کمرے میں رہ کر جاچکے ہیں۔"

"تم نے میری بات نہیں مانی۔ کوئی بات نہیں۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔ جو ہونا تھا ہو چکا ہے۔ اسے بھول جاؤ۔"

"کیسے بھول جاؤں؟ آپ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک بہت بڑے اعلیٰ افسر تھے۔ آپ کے سامنے کوئی سر اٹھا کر بات کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا اور اب یہ حالت ہے کہ آپ سلاخوں کے پیچھے کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ کی وردی اتر چکی ہے۔ آپ میری خاطر یہ ذلتیں اٹھا رہے ہیں۔ میں سوچتی رہتی ہوں اور اپنی ہی نظروں سے گرتی رہتی ہوں۔"

"میں تمہیں شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔ اگر میں باہر آجاؤں تو کیا تمہاری شرمندگی دور ہوجائے گی؟"

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں۔ کسی حد تک اطمینان ہوجائے گا۔ پھر میرا ضمیر مجھے ملامت نہیں کرے گا۔"

"جیل میں رہ کر مجھے زیادہ فائدہ ہے۔ تو کیا تم یہ نہیں چاہو گی کہ مجھے فائدہ پہنچ رہا ہے؟"

اس نے تعجب سے دیکھا پھر پوچھا "یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ جیل میں رہنے سے آپ کو بھلا کیا فائدہ پہنچے گا؟"

"تم نہیں جانتیں اور نہ ہی جان سکو گی کہ جرائم کی دنیا میں کیسی کیسی ہیرا پھیری ہوتی ہے؟ اور کیسی کیسی قلابازیاں کھائی جاتی ہیں۔ یہاں رہنے سے میرے بہت بڑے دشمن کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اب وہ مجھے باہر لانا چاہتا ہے۔ کوئی نئی سازش کر رہا ہے اور میں باہر نہیں جانا چاہتا۔"

اس نے بے یقینی سے پوچھا "کیا واقعی آپ یہاں رہ کر محفوظ ہیں؟"

"ہاں۔ میری بات کا یقین کرو اور اپنی شرمندگی کو دل سے نکال دو۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں اپنے دل کی بات کہتا ہوں کہ مجھے پہلے سے زیادہ تم پر پیار آنے لگا ہے۔"

اس اظہارِ محبت نے اسے اندر سے تڑپا دیا۔ وہ جذبوں میں ڈوب کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ آنکھوں کے ذریعے دلوں میں اترتے رہے پھر وہ بولی "میں بھی اپنے دل کی ایک بات کہتی ہوں۔ جب آپ نے کہا تھا کہ آپ بچے کی خاطر مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں پھر بچہ حاصل کرنے کے بعد مجھے سابقہ شوہر سے رجوع کرنے کے لیے چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو مجھے بہت غصہ آیا تھا۔ میں اندر سے ٹوٹ گئی تھی۔ اسی لیے میں نے آپ کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا تھا اور آپ کی محبت سے انکار کیا تھا۔"

وہ سر ہلا کر بولا "میں سمجھتا ہوں۔ وہ تمہارا غصہ تھا، انکار نہیں تھا۔ اس غصے کے پیچھے مجھے چھپا ہوا پیار دکھائی دے رہا تھا۔"

"ان لوگوں نے مجھے میری ہی کوٹھی میں قیدی بنا کر رکھا۔ حبسِ بے جا میں رہ کر پتا چلا کہ ساری دنیا سے کٹ گئی ہوں۔ ایسی مجبوری اور بے بسی کے وقت آپ ہی میرا ساتھ دے سکتے تھے لیکن میری نادانی کی وجہ سے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ میں دن رات تنہا رہ کر آپ ہی کے بارے میں سوچتی تھی۔ جتنی شدت سے سوچتی رہی اتنی ہی شدت سے آپ کی محبت میرے دل میں جڑ پکڑتی رہی۔"

"تم ابھی چلی جاؤ گی لیکن تمہاری یہ باتیں تمہاری محبتیں اور تمہارے یہ جذبات یہاں کی تنہائیوں میں یاد آتے رہیں گے۔"

ایک سپاہی نے آکر کہا "ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہے۔"

ذیشان نے اس سے کہا "ٹھیک ہے، یہ آرہی ہیں۔ تم جاؤ۔"

سپاہی وہاں سے چلا گیا۔ وہ بولی "جانے سے پہلے میری ایک خواہش ہے۔"

"ہاں بولو۔ کیا چاہتی ہو؟"

"میں تمہیں چھونا چاہتی ہوں۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو بڑے پیار سے دیکھا پھر ذیشان اپنے دونوں ہاتھ آہنی سلاخوں کے درمیان لے آیا۔ گل خانم انہیں اپنی نرم و نازک انگلیوں سے جکڑ کر رونے لگی۔ دونوں کے لیے وہ دل گداز لمحات تھے۔ ایک دوسرے کی طرف دل کھنچے جارہے تھے لیکن وقت ختم ہو رہا تھا۔

وہ پیچھے ہٹ گئی۔ الٹے قدموں جانے لگی۔ کچھ دور جا کر بولی "میں فیصلہ کرچکی ہوں۔ آپ سے شادی کروں گی۔ آپ

کی زندگی میں جو کمی ہے' اسے پورا کروں گی۔ آپ کو اولاد دوں گی۔ اس کے بعد آپ کی زندگی سے بہت دور چلی جاؤں گی۔''

یہ کہتے ہی وہ پلٹ کر تیزی سے جانے لگی۔ ذیشان اسے دیکھتا رہا۔ وہ کوریڈور کے ایک موڑ پر جا کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچی جیسے جانے والی کو دل کے اندر کھینچ رہا ہو۔ وہ جیل کے اس ماحول میں محبت کے پھول کھلا کر' خوشبو لٹا کر گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہاں کا جیلر اس کے پاس آیا پھر بولا ''آپ جیسے اعلیٰ افسران اور عہدے داران جیل میں آتے ہیں تو ہمارا آرام حرام ہو جاتا ہے۔''

ذیشان نے مسکرا کر پوچھا ''آپ نے یہاں تک آنے کی زحمت کیوں گوارا کی ہے؟''

''ہم تو اوپر والوں کے تابعدار ہیں۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہمارے ملک میں کسی بھی سیاسی پارٹی کی حکومت قائم ہو جائے۔ شہباز درانی ان حکمرانوں کے درمیان اپنی جگہ ضرور بنا لیتا ہے۔ ہمیں اس کے احکامات کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔''

''کیا کوئی نیا حکم صادر ہوا ہے؟''

جیلر نے موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''یہ مسٹر درانی نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ آپ اس کے ذریعے باہر کی دنیا سے رابطہ کر سکتے ہیں۔''

''اور کیا کہا ہے؟''

''ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ کے ساتھ وی' آئی' پی' ٹریٹمنٹ کریں۔ آپ کو اے کلاس میں بھیجا جا رہا ہے۔ وہاں سونے کے لیے آرام دہ بیڈ ہے۔ فرنیچر ٹی' وی' وغیرہ سب کچھ ہے۔ وہاں آپ کی پسند کے لذیز کھانے فراہم کیے جائیں گے۔ میں جا رہا ہوں۔ ایک گھنٹے بعد آپ کو اے کلاس میں منتقل کیا جائے گا۔''

وہ وہاں سے پلٹ کر چلا گیا۔ ذیشان سمجھ رہا تھا کہ درانی اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔ اس سے پہلے اس نے بچھو بابا کے نمبر پنچ کیے پھر رابطہ ہونے پر بولا ''میں بول رہا ہوں۔''

بچھو بابا نے حیرانی سے پوچھا ''کیا آپ جیل سے باہر آ چکے ہیں؟''

''نہیں۔ میں جیل میں ہوں۔ مجھے فون کرنے کی سہولت میسر ہے۔ تم اپنی بات بتاؤ کیا ہو رہا ہے؟''

''سر! پہلے تو میں نے آپ کے کہنے کے مطابق اسد عزیزی کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ آئندہ بھی اس کی دواؤں میں تبدیلیاں کرنا چاہتا تھا لیکن درانی بہت ہی تیز رفتار گھوڑا ہے۔ اس نے اسد عزیزی کو آج صبح کی فلائٹ سے کہیں بھیج دیا ہے۔''

''ہوں۔ اسد عزیزی اس کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اس کی حفاظت کے لیے بڑے وسیع ذرائع استعمال کر رہا ہوگا۔''

''میں نے آپ کے والد اور بھائی کو بینک جاتے وقت روکا تھا۔ ان کی تحویل سے دو کروڑ روپے نکلے' وہ میرے پاس تھے۔ میں آپ کے چھوٹے بھائی مقدر میاں کو وہ رقم دینا چاہتا تھا۔ پہلے تو انہوں نے رقم نہیں لی پھر ایک لڑکی عرصہ حیات کے نام سے ایک بینک میں اکاؤنٹ کھلوایا اور اس اکاؤنٹ میں وہ دو کروڑ جمع کروا دیے۔''

''عرصہ حیات میرے لیے ایک نیا نام ہے۔ پتا نہیں یہ لڑکی کون ہے؟ بہرحال مقدر میاں نے ایسا کیا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ وہ تم سے کس طرح کام لے رہے ہیں؟''

وہ بتانے لگا کہ اس نے کس طرح جان محمد گبول سے رابطہ کیا تھا۔ دردانہ کو کس طرح ڈکیتی اور قتل کے الزام میں گرفتار کرایا گیا تھا۔ یہ سب کچھ میری پلاننگ کی وجہ سے ہوا تھا۔

ذیشان نے کہا ''ہوں۔ اب میں سمجھا کہ شہباز درانی کے ہوش کیوں اڑے ہوئے ہیں؟ اور کیوں مجھ پر سے پابندیاں اٹھائی جا رہی ہیں۔''

بچھو بابا نے کہا ''مقدر میاں کی پلاننگ تو واقعی زبردست تھی اور میں نے اس پر عمل بھی کیا۔ دردانہ بیگم کو گرفتار بھی کر لیا گیا لیکن مقدر میاں نے پھر اس کیس کو کمزور بنا دیا اور دردانہ کو رہائی دلوا دی۔''

ذیشان نے تعجب سے پوچھا ''اچھا؟ اس نے ایسا کیوں کیا؟''

''وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں' انہوں نے مجھے نہیں بتایا ہے۔ سچ پوچھیے تو مجھے ان کا یہ طریقہ کار پسند نہیں آیا۔ نہ جانے کیوں وہ جیتی ہوئی بازی ہار گئے ہیں۔''

''وہ علم نجوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتا ہے۔ اس نے کچھ دیکھا ہوگا' سمجھا ہوگا تب ہی ایسا قدم اٹھایا ہے۔ میں ابھی اس سے رابطہ کر کے معلوم کروں گا۔ یہی سہولت ملتی رہی تو تم سے بعد میں رابطہ کروں گا۔''

اس بات چیت کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا۔ میں نے کہا ''السلام علیکم بھائی جان! مجھے اندازہ تھا کہ آپ پر سے پابندیاں اٹھالی جائیں گی۔''

اس نے پوچھا ''یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ پہلے دردانہ کو گرفتار کروایا پھر اسے رہائی بھی دلوا دی؟''

میں نے اسے بتایا کہ دردانہ نے کس طرح عینی کو اغوا کیا تھا اور پاشا کے ساتھ ایسی ویڈیو فلم تیار کی تھی جسے دیکھنے سے عینی بے حیا اور بدچلن ثابت ہوتی تھی پھر یہ بھی بتایا کہ دردانہ نے کس طرح اس کی والدہ بیگم آفتاب کو ہیروں کی چوری اور ثمینہ کے قتل کے الزام میں پھنسانا چاہا تھا اور اس کی ایک ویڈیو فلم تیار کی تھی۔ اس ویڈیو فلم کے باعث بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اور بابر دردانہ کے زیر اثر آ گئے تھے۔ آئندہ وہ عدالت میں انہیں ان کے خلاف استعمال کرنے والی تھی۔

میں نے یہ بھی بتایا کہ اس پر اور گل خانم پر جو بدکاری کا الزام لگایا گیا تھا وہ اتنا سنگین تھا کہ اس سے بچ نکلنا ممکن نہ ہوتا۔ اس لیے میں نے شہباز درانی سے سودا کیا ہے۔ اس سے وہ تمام ویڈیو کیسٹس واپس لی ہیں اور یہ مطالبہ کیا ہے کہ اس پر اور گل خانم پر سے بدکاری کا الزام اٹھا لیا جائے گا اور اس نے یہی کیا ہے۔

ذیشان نے تمام باتیں سننے کے بعد قائل ہو کر کہا ''واقعی تم نے بڑی دانشمندی سے کام لیا ہے۔ پہلے میری بہن عینی کو بے جا بدنامی اور رسوائی سے بچانا تھا پھر ممی کو دردانہ کے شکنجے سے نکالنا تھا پھر تم نے پاشا کو بھی اس کی قید سے رہائی دلائی۔ تم نے دردانہ کو عارضی طور پر گرفتار کروایا اور اس کے بدلے بڑے بڑے مطالبات منوا لیے۔ تم نے بڑی ذہانت سے کام لیا ہے۔''

میں نے پوچھا ''کیا شہباز درانی نے آپ سے رابطہ کیا ہے؟''

''اس نے ایک موبائل فون میرے پاس بھیجا ہے۔ ابھی مجھ سے رابطہ کرنے کی کوششیں کر رہا ہوگا لیکن میں نے اس فون کو مصروف رکھا ہے۔ پتا نہیں کیوں وہ اس کوشش میں ہے کہ میں جیل سے باہر نکل آؤں؟''

میں نے پوچھا ''کیا واقعی وہ ایسا چاہتا ہے؟''

''ہاں۔ اس کا ایک چمچہ میرے پاس آیا تھا۔ وہ یہی کہہ رہا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے خلاف کوئی بہت بڑی اور گہری سازش کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے مجھے جیل سے نکلوانے کی کوشش میں ہے۔''

''دراصل اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے کہ آپ کے جیل میں رہنے سے اسے نقصان پہنچ رہا ہے۔ وہ آپ پر یہ الزام عائد نہیں کر سکتا کہ آپ نے اسد عزیزی کو عذاب میں مبتلا کیا' جس کی وجہ سے اسے ملک سے باہر بھیجنا پڑا۔ وہ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ جیل میں رہ کر میرے ذریعے باہر کام کرا رہے ہیں اور آپ نے میرے ہی ذریعے دردانہ کو گرفتار کرایا ہے۔''

''میں یہ بات پوچھنا چاہتا ہوں' تم نے میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھی ہیں' کیا ایسی کوئی بات ہے کہ وہ مجھے جیل سے باہر نکال کر قتل کرانا چاہتا ہے؟''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کی زندگی کی لکیر بہت گہری ہے۔ اللہ نے چاہا تو آپ ایک طویل عمر تک زندگی گزاریں گے۔''

''درانی بہت چال باز ہے۔ وہ کسی تھرڈ پرسن کے ذریعے میری ضمانت کرائے گا اور جیل سے نکلوائے گا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

''کل اور پرسوں یہاں کی عدالتیں بند رہیں گی۔ وہاں سے ضمانت نامہ حاصل نہیں کیا جا سکے گا۔ پیر کے دن ضمانت ہو جائے' کوئی بات نہیں۔ اس وقت تک شہباز درانی کے مقدر کی ایک لکیر اپنی بات منوا چکی ہوگی۔''

ذیشان نے چونک کر پوچھا ''کیا اس کے ہاتھ کی لکیر کوئی اہم بات کہہ رہی ہے؟''

''بھائی جان! ابھی آپ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔ پیر کے دن جب آپ جیل سے باہر آئیں گے' تب میں آپ کو ساری باتیں بتا دوں گا۔''

''اچھی بات ہے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔ اسما سے کہنا میں خیریت سے ہوں اور جلد ہی واپس آنے والا ہوں۔ خدا حافظ''

اس نے فون بند کر دیا۔ اسے بند کرتے ہی بزر کی آواز سنائی دی۔ اس نے نمبر پڑھے' وہ شہباز درانی کے نمبر نہیں تھے۔ وہ بٹن دبا کر اسے کان سے لگا کر بولا۔ ''ہیلو۔ میں ذیشان بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے یاور خان نے پوچھا ''ابے او افسر کی اولاد! اب اپنے آپ کو ایس' پی' کیوں نہیں بولتا؟ تو نے میری پٹائی کی تھی نا؟ مجھے اپاہج بنا دینا چاہتا تھا۔ دیکھ میں نے تیری وردی کیسے اتروائی ہے۔ ہیلو۔ ہیلو۔ اے تو میری آواز سن رہا ہے نا؟''

ذیشان خاموش رہا۔ اس نے کہا ''تیرے چپ رہنے سے کیا میں سمجھ لوں گا کہ تو مر گیا ہے، اب نہیں بولے گا؟ ابے او اجڑے ہوئے ایس' پی! تو میری عورت کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں نے تیرے خلاف ایسا بیان دیا ہے کہ بدکاری کے الزام میں تجھے سنگسار کیا جائے گا۔ تجھے کتے کی موت مارا جائے گا۔''

ذیشان خیالوں میں گل خانم کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اسے بازوؤں میں لے کر کہہ رہا تھا ''تمہارا سابقہ شوہر تلملا رہا ہے اور دعویٰ کر رہا ہے کہ میں تمہیں حاصل نہیں کر سکوں گا۔ دیکھو، میں تمہارے پاس ہوں اور وہ ادھر کتے کی طرح بھونک رہا ہے۔''

دوسری طرف یاور خان کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ کسی سے کہہ رہا تھا ''فون سے آواز نہیں آرہی ہے۔ پتا نہیں اس نے کھلا چھوڑ دیا ہے اور کہیں چلا گیا ہے۔ میں اسے غصہ دلا رہا ہوں۔ اسے کچھ تو بولنا چاہیے۔''

باقر مہدی کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ وہ بول رہا تھا۔ ''کہیں اس نے فون بند تو نہیں کیا ہے؟ اپنا فون دیکھو۔''

چند لمحوں بعد یاور خان کی آواز سنائی دی ''فون تو کھلا ہے مگر ادھر سے آواز نہیں آرہی ہے۔''

ذیشان نے اسے یوں ہی کھلا رکھا پھر تھوڑی دیر بعد بند کر دیا۔ اسے بند کرتے ہی بزر کی آواز سنائی دی۔ اس نے نمبر پڑھے۔ اس بار شہباز درانی اسے کال کر رہا تھا۔ اس نے فون کو ایک طرف رکھ دیا۔ وہاں سے بزر کی آواز ابھرتی رہی۔ وہ ایک جگہ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ دشمن کو زچ کرنے لگا۔ دشمن نے اپنی سہولت کے لیے اسے فون کی سہولت دی تھی اور خود اس سے محروم ہو رہا تھا۔

ادھر شہباز درانی غصے سے بھڑک رہا تھا۔ برداشت کی انتہا ہو گئی تھی۔ جب سے فون اس کے پاس بھیجا تھا تب سے وہ اس سے رابطہ کرنے کی کوششیں کر رہا تھا اور ہر بار یہی معلوم ہوتا تھا کہ فون انگیج ہے۔ وہ کسی سے باتیں کر رہا ہے۔ تقریباً پون گھنٹے تک فون انگیج رہا پھر پتا چلا' دوسری طرف بیل کی آواز جا رہی ہے اور اب وہ فون اٹینڈ کرنے ہی والا ہے لیکن بیل ہو رہی تھی اور وہ اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔

دردانہ ڈرائنگ روم میں اس سے لگی بیٹھی تھی اور اس کی جھنجلاہٹ دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا ''کیا ہوا، کیا پھر رابطہ نہیں ہو رہا ہے؟''

اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا ''وہ جان بوجھ کر میری کال اٹینڈ نہیں کر رہا ہے۔ مجھے غصہ دلا رہا ہے۔''

''آج ہم جس شکست سے دوچار ہوئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں تمہیں غصہ آرہا ہے۔ پلیز برداشت کرو۔ دشمن کی چال کو سمجھو۔ وہ بہت چالاک ہیں۔ ذیشان سے زیادہ مقدر حیات خطرناک ہے۔ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھ پر مصیبت آنے والی ہے۔ ٹھیک اسی وقت مصیبت آئی تھی اور مجھے گرفتار کر لیا گیا تھا۔''

وہ دردانہ سے الگ ہو گیا۔ وہاں سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ بڑبڑانے لگا ''میں نے کبھی اس بری طرح شکست نہیں کھائی تھی۔ کبھی کسی چھوٹے معاملے میں ناکام بھی ہوا تو جلد ہی کامیابی کی صورت نکال لی۔ ابھی میری سمجھ میں بس ایک ہی بات آرہی ہے اور اب میں اس پر عمل کروں گا۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گا۔''

وہ اسے بڑبڑاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟''

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ اس کی طرف تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا پھر بولا ''تم میری بہت بڑی کمزوری بن گئی ہو۔ آج تمہیں گرفتار کیا گیا اور میں تمہیں گرفتاری سے نہ بچا سکا تو اندر سے لرز گیا۔ ایک دم سے کمزوری محسوس کرنے لگا۔ دماغ کام نہیں کر رہا تھا کہ ایسے وقت مجھے کیا کرنا چاہیے، جبکہ میں بڑے بڑے دشوار مرحلوں سے گزر جایا کرتا ہوں۔ آج تمہاری وجہ سے کمزور ہو گیا۔''

وہ بولی ''معلوم ہوتا ہے دشمن تمہاری دیوانگی کو سمجھ گئے ہیں اور تمہاری اس کمزوری سے آئندہ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔''

''یہی بات میرے اندر چیخ رہی ہے۔ جب میں کسی طرح ان کے قابو میں نہیں آؤں گا' تو وہ تمہیں قابو میں کرنا چاہیں گے۔ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔''

''تم شہزور ہو۔ تمہیں آخری سانس تک شہزور رہنا چاہیے۔ میں تمہاری کمزوری نہیں بنوں گی۔ تم سے بہت دور چلی جاؤں گی۔''

''تم جہاں جاؤ گی دشمن تمہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ تمہیں چھپا کر رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔''

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا ''میرا ایک ماتحت ماہر میک اپ مین ہے۔ لوگوں کے چہرے بدل دیتا ہے۔ میں نے ابھی اسے بلایا ہے۔ وہ تمہارے چہرے میں تبدیلیاں لائے گا۔ تمہیں جوان سے بوڑھی عورت بنائے گا۔ اس بوڑھی عورت کے چہرے کے مطابق تمہارا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کل تک تیار ہو جائے گا پھر کل ہی کی کسی فلائٹ سے تم لندن چلی جاؤ گی۔''

''تمہاری پلاننگ سن کر ایسا لگتا ہے جیسے ہم ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہیں۔ میں کبھی یہاں واپس نہیں آسکوں گی۔''

''یہاں آؤ گی۔ جب میں دشمنوں کو خاک میں ملا دوں گا۔ ہم نے ذیشان کے خلاف اچھے خاصے ثبوت اور گواہ اکٹھے کیے ہیں۔ فی الحال ہم اس معاملے کو عدالت تک

جانے کے لیے جلدی نہیں کریں گے۔ ذیشان کو ڈھیل دیں گے۔

میری کوشش ہے کہ اس کی ضمانت ہو جائے اور وہ جیل سے باہر آجائے۔ اس کے باہر آتے ہی میں الزام لگاؤں گا کہ اس نے تمہیں اغوا کیا ہے۔ وسیع پیمانے پر تمہاری تلاش جاری رہے گی مگر تم کسی کو نظر نہیں آؤ گی۔ یہ ثابت نہیں ہوگا کہ تم اس ملک سے باہر جا چکی ہو۔ کوئی یہ شبہ نہیں کرے گا کہ تم ایک بوڑھی خاتون بن کر یہاں سے گئی ہو۔ میں تمہارے اغوا کے الزام میں ذیشان کو بری طرح جکڑ دینا چاہتا ہوں۔''

وہ تعریفی انداز میں بولی ''پلاننگ تو بہت زبردست ہے۔''

''میں تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری طرف سے مقدمہ دائر کروں گا۔ اس کے خلاف جتنے ثبوت اور گواہ اکٹھے کیے ہیں' ان سب کو عدالت میں پیش کیا جائے گا پھر ایک دن اچانک ہی تمہیں عدالت میں پہنچایا جائے گا اور یہ ثابت کیا جائے گا کہ ذیشان نے تمہیں اپنے خفیہ اڈے میں چھپا کر رکھا تھا اور تم پر تشدد کرتا رہا تھا۔''

وہ پھر ٹہلنے کے انداز میں ذرا دور گیا پھر بولا ''اس بار میں بہت محتاط انداز میں چالیں چلوں گا۔ ذیشان اور مقدر حیات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بہت بڑے چالباز ہیں۔ ایک جیل کے اندر چلا گیا۔ دوسرا اس کی جگہ ہمیں نقصان پہنچاتا رہا۔ ہم اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں۔''

دردانہ نے کہا ''ساری کامیابیاں خاک میں مل گئیں۔ میں نے عینی اور بیگم آفتاب کے خلاف دو کیسٹ تیار کرائے تھے۔ دونوں زبردست تھے۔ میں ہمیشہ ان دونوں کو اپنے شکنجے میں رکھنے والی تھی لیکن وہ کم بخت مقدر میری رہائی کی شرط پر تمام کیسٹیں لے گیا۔ پاشا کو بھی ہماری قید سے نکال کر لے گیا۔ میں یہ شکست کبھی نہیں بھولوں گی۔ تم درست فیصلہ کر رہے ہو۔ مجھے تمہاری کمزوری نہیں بننا چاہیے اور یہاں سے دور چلے جانا چاہیے۔''

شہباز درانی چپ تھا۔ خلا میں تک رہا تھا۔ اس کے ذہن میں شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی۔ اب وہ اس بساط پر نئی چالیں چل رہا تھا۔ شیطان نہ کبھی مرتا ہے اور نہ شکست کھا کر پیچھے ہٹتا ہے۔ اگر کبھی دو قدم پیچھے ہٹ جائے تو آئندہ چار قدم آگے بڑھ جاتا ہے۔

☆☆☆

عینی اسپتال میں ایڈمٹ ہو چکی تھی۔ وہ اسپیشل وارڈ کے ایک کمرے میں عروج کے ساتھ تھی۔ وہاں سے قریب ہی رومانہ کا کمرا تھا۔ وہ بے چاری اپنی زندگی کے لیے موت سے آخری جنگ لڑ رہی تھی۔

وہاں کے ڈاکٹر رومانہ کو بڑی توجہ سے اٹینڈ کر رہے تھے۔ عروج بھی ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے بار بار اس کے پاس جا رہی تھی۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ وہ موت سے ہارتے ہارتے بھی آخری بار جیتنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ ڈاکٹر کا کام جھوٹی تسلیاں دینا ہے۔ وہ بھی جاوید برقی اور اس کے بچوں کو جھوٹی تسلیاں دے رہی تھی۔

وہ رومانہ کے دونوں بچوں اشعر اور ماہم کو عینی کے کمرے میں لے آئی۔ عینی کو بھی ان بچوں سے ہمدردی اور محبت ہو گئی تھی۔ وہ بے چارے ماں کے قریب تھے۔ ماں کا سینہ بچوں کے لیے ہوتا ہے لیکن وہ ماں آخری سانسوں میں پرائی ہو گئی تھی۔ بچوں کو سینے سے لگانے کے لیے سینے کے سرطان سے زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔

عینی نے تاریکی میں ٹٹول کر ان بچوں کو سینے سے لگایا پھر عروج سے کہا ''اگر اللہ تعالیٰ میری رضا پوچھے کہ آنکھ کی روشنی چاہیے یا ان بچوں کی ماں کی زندگی؟ میں ان معصوم بچوں کے لیے ماں کی زندگی چاہوں گی۔ مجھے ایسی بینائی نہیں چاہیے' جو ان بچوں کو ماں سے محروم کر دے۔''

عروج نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''میں بھی اس بے چاری کی زندگی چاہتی ہوں۔ زیادہ نہ سہی' بچوں کے لیے تھوڑی سی اور زندگی مل جائے لیکن افسوس! ہم اپنی ہر سوچی ہوئی تدبیر سے لڑ سکتے ہیں، تقدیر سے نہیں لڑ سکتے۔''

ان لمحات میں عینی کو یوں لگا جیسے رومانہ اس کے اندر کہہ رہی ہے ''میں مرنے والی نہیں ہوں۔ مقدر سے لڑنے والی ماں ہوں۔ جب تمہاری یہ آنکھیں تاریکی سے روشنی کی طرف کھلیں گی تو تم صرف تم نہیں رہو گی۔ تمہارے ساتھ میں بھی رہوں گی۔ تمہاری بینائی میں میری ممتا کوٹ کوٹ کر بھری ہو گی۔''

یہ عینی کے احساسات اور جذبات تھے ایک مرنے والی کے لیے شدید ہمدردی تھی' جس کے نتیجے میں وہ دم توڑنے والی رومانہ کو اپنے اندر محسوس کر رہی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ماں اب اپنے بیڈ پر نہیں ہے۔ وہاں سے اٹھ کر اس کے اندر چلی آئی ہے۔ اس کے دل و دماغ میں نقش ہو رہی ہے۔

عینی اور رومانہ کے کمروں میں بڑی سوگواری تھی۔ گہری خاموشی اور سناٹا تھا۔ اس سناٹے میں یوں لگ رہا تھا جیسے

رات رو رہی ہو۔ معصوم بچوں کی ماں کے لیے نوحہ کر رہی ہو۔

کوئی پوچھے کہ میں کیا ہوں؟

میں مقدر ہوں۔ رحم دل بھی ہوں اور سنگدل بھی۔ جب دوستی کرتا ہوں تو ایک دم توڑتے ہوئے بچے کو نئی زندگی دے کر ماں کے کلیجے سے لگا دیتا ہوں اور جب دشمنی کرتا ہوں تو ماں کی گود میں بلکتے ہوئے بچے کو مار ڈالتا ہوں۔ یہ واضح کر دوں کہ لکیروں کی صورت میں جو تقدیر لکھ دی گئی ہے۔ میں اسی کے مطابق عمل کرتا ہوں۔ انہی لکیروں پر چلتے ہوئے میں رحمت کا فرشتہ بھی بن جاتا ہوں اور جلاد بھی۔

صبح ہوتے ہوتے میں جلاد بن گیا۔ میں نے ان معصوم بچوں سے ان کی ماں کو چھین لیا۔ اس کا سرطان زدہ سینہ سانسوں سے خالی ہو گیا۔ مرنے والوں کے لیے ماتم تو ہوتا ہی رہتا ہے لیکن طے شدہ عطیہ کے لین دین کے مطابق فوری آپریشن لازمی تھا۔ اس لیے عینی کو بھی آپریشن تھیٹر پہنچا دیا گیا۔

وقت گزرنے لگا۔ رات سے صبح ہو گئی۔ صبح سے شام ہو گئی۔ انسان اپنی ذہانت اور حوصلے سے تدبیر کرتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔ رومانہ کے مقدر میں لکھی ہوئی موت ٹل نہیں سکتی تھی لیکن اس نے اپنی زندگی میں ایسی تدبیر کی تھی کہ اپنی موت کے بعد بھی زندہ رہ سکتی تھی۔

عینی کو آنکھیں مل گئیں۔ وہ آنکھیں ابھی بند تھیں۔ پٹیاں کھلنے والی تھیں۔ میں مقدر ہوں۔ مانتا ہوں جو ذہین اور مضبوط ارادوں کے مالک ہوتے ہیں' وہ اپنی تدبیر سے تقدیر بدل دیتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ مرنے والا اپنی تدبیر سے دوبارہ زندہ ہو جائے۔

کیا رومانہ پھر اس دنیا میں واپس آ سکتی تھی؟

ماں کی ممتا تو عرش کو ہلا دیتی ہے، تو پھر موت کے قدم کیوں نہیں اکھاڑ سکتی؟

عینی بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے پٹی کھولنے سے پہلے پوچھا ''تم پہلے کسے دیکھنا چاہو گی؟''

وہاں فلک ناز، بیگم آفتاب، فلک آفتاب، بابر وغیرہ سب ہی موجود تھے لیکن اس وقت اہمیت عروج اور پاشا کی تھی۔ وہ دونوں عینی کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ وہ بھی وہاں موجود تھے۔

سب ہی عینی کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جاوید برقی اپنے معصوم بچوں کے ساتھ وہاں سوگوار بیٹھا ہوا تھا۔ پاشا سوچ رہا تھا ''یہ میری دیوانی ہے اور مجھے ہی پہلے دیکھنے کی فرمائش کرے گی۔''

عروج اپنی سہیلی کی دیوانہ وار محبت کو خوب سمجھتی تھی۔ جانتی تھی کہ ابھی پٹی کھلنے سے پہلے وہ اسی کو پکارے گی۔ پٹی آہستہ آہستہ کھل چکی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ سب سے پہلے اپنی محبوب ہستی کو دیکھنے کے لیے اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ وہ بولنا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر نے کہا ''اپنے سامنے کسی کو بلاؤ اور آنکھیں کھولو۔''

آنکھوں سے پہلے اس کے ہونٹ کھلے پھر وہ جس آواز اور لہجے میں بولی' اسے سن کر سب ہی چونک گئے۔ وہ بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں بول رہی تھی ''میرے سامنے میرے بچوں کو لاؤ۔ پہلے میں اپنے اشعر اور اپنی ماہم کو دیکھوں گی۔''

آواز عینی کی ہی تھی لیکن اس آواز میں ایسا استحکام ایسا اعتماد تھا جیسے اس کے اندر سے ماں اپنے بچوں کو پکار رہی ہو۔ ایک زندگی ہارنے کے بعد دوسری زندگی پاتے ہی سب سے پہلے اپنے بچوں کو دیکھنا چاہتی ہو۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ نگاہوں کے سامنے دو معصوم سے خوبصورت پھول کھلے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی دونوں بانہیں پھیلا کر اپنی آغوش میں سمیٹ لیا، اپنے سینے سے لگا لیا پھر دونوں کو جگہ جگہ سے چومنے لگی۔ کبھی گلے سے لگانے لگی اور کبھی سینے سے۔ اب وہ سینہ سرطان زدہ نہیں تھا۔ ایک ماں کینسر کو کچلتی ہوئی' اسے روندتی ہوئی اپنے بچوں تک پہنچ گئی تھی۔

میں وہاں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کیا عجیب کھیل ہوتے ہیں مقدر کے۔ اب وہ صرف عینی نہیں رہے گی۔ اس کی ہتھیلی پر یہ لکیر بہت واضح ہو گئی تھی اور کہہ رہی تھی ''وہ ٹوان دن ہو گئی ہے۔ ایک وجود کے اندر عینی بھی ہے اور بچوں کی ماں بھی۔''

ایسے ہی وقت سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں کیا ہوں؟

اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں۔

عینی نے ایک بازو سے اشعر کو اور دوسرے بازو سے ماہم کو سمیٹ لیا تھا۔ اپنے سینے سے لگا کر وہ کبھی انہیں چوم رہی تھی، کبھی انہیں جی بھر کے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چاروں طرف رشتہ داروں کا ہجوم تھا۔ وہ سب اس کی ممتا پر حیران تھے۔ جب وہ بچوں کو چوم کر انہیں نظر بھر کر دیکھتی تھی تو ایسا لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں سے ان کی ماں جھانک رہی ہے اور وہ منوں مٹی تلے ابدی نیند سونے کے باوجود اپنے بچوں کو دیکھ رہی ہے۔

دنیا کے ہر جاندار کو ایک ہی بار زندگی ملتی ہے۔ جب موت آ جائے تو مرنے والا دوبارہ اس دنیا میں کبھی نہیں آتا۔ ان بچوں کی ماں بھی اپنے پورے وجود کے ساتھ تو اس دنیا میں واپس نہیں آئی تھی لیکن ایک اور ماں بچوں کی نگرانی کرنے والی آنکھیں واپس لے آئی تھی۔

ان کی ماں نے کینسر کے عذاب میں مبتلا رہ کر جان دی تھی۔ وہ دم توڑنے سے پہلے اپنے بچوں کے لیے تڑپتی رہی تھی، ترستی رہی تھی۔ وہ انہیں چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی موت نے عینی کو متاثر کیا تھا۔ بچوں کے لیے ان کی ماں کی جو تڑپ اور بے چینی تھی' وہ اس کے ذہن میں نقش ہو گئی تھی۔ اس کی ممتا اس پر حاوی ہو گئی تھی۔ اگر ماہرینِ نفسیات سے پوچھا جاتا تو وہ یہی کہتے کہ ان حالات میں وہ دوہری شخصیت میں مبتلا ہو گئی ہے۔ آئندہ وہ صرف عینی نہیں رہے گی، بلکہ ان بچوں کی ماں رومانہ بھی اس کے اندر رچی بسی رہے گی۔

عروج اور پاشا دور کھڑے اس کی ممتا کو دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ عارضی طور پر مرنے والی سے متاثر ہو کر ان بچوں کو پیار دے رہی ہے۔ اسما، فلک ناز، بیگم آفتاب اور فلک آفتاب سب ہی اس کے بیڈ کے قریب آ گئے۔ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ کسی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ سب ہی اسے بینائی حاصل کرنے پر مبارک باد دینے لگے۔ جاوید برقی بھی یہ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا کہ وہ اس کے بچوں کو اس قدر محبت دے رہی ہے۔

عروج نے پاشا کو دیکھا پھر سر جھکا کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔ وہ اسے کن انکھیوں سے دیکھ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ سائے کی طرح ساتھ لگا رہا۔ وزیٹرز روم میں آ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر آہستگی سے پوچھا ''تم یہاں کیوں آ گئے؟''

اس نے پوچھا ''تم کیوں آئی ہو؟''

''پلٹ کر سوال نہ کرو۔ وہ ابھی تمہیں پوچھے گی۔''

''وہ تمہیں پوچھے گی۔ تم اس کی سب سے عزیز سہیلی ہو۔ بچپن سے دن رات اس کے ساتھ رہتی آئی ہو۔''

''لڑکیاں بچپن سے اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہیں لیکن جب ان کی زندگی میں ان کا جیون ساتھی آتا ہے تو وہ ماں باپ کو بعد میں اور جیون ساتھی کو پہلے پوچھتی ہیں۔ جب ماں باپ کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے تو پھر ایک سہیلی کی کیا بساط ہے۔''

''جب سے اس گھر میں آیا ہوں۔ تم دونوں سہیلیوں کی بے مثال محبت اور قربانیوں کے واقعات سن رہا ہوں' اس لیے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ابھی مجھے نہیں تمہیں ڈھونڈے گی۔''

''پاشا! میں ڈاکٹر ہوں اور علم نفسیات سے بھی بڑی حد تک لگاؤ رکھتی ہوں۔ خاص طور پر لڑکیوں کی فطرت جانتی ہوں کہ جوان ہوتے ہی وہ سارے رشتے بھول کر صرف اپنے جیون ساتھی کے رنگ میں رنگ جاتی ہیں۔''

''یہاں بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ چلو وہاں چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے کس کی طرف دیکھے گی، کسے اپنے پاس بلائے گی؟''

''کمرے میں رشتے داروں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ سبھی اسے مبارک باد دے رہے ہیں، دعائیں دے رہے ہیں۔ جب بھیڑ چھٹ جائے گی تب میں جاؤں گی۔''

اسے بینائی ملی تھی۔ مبارک باد دینے والوں کی بھیڑ کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ وہاں جاوید برقی کے والدین بھی عینی سے ملنے آئے۔ ان کے ساتھ ایک جوان اور خوبصورت لڑکی تھی۔ جاوید نے کہا ''عینی ان سے ملو۔ یہ میرے والد ہیں اور یہ میری والدہ ہیں۔''

پھر اس نے جوان لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ میری بہن شکیلہ ہے۔''

شکیلہ نے جلدی سے کہا ''مجھے بہن تو نہ کہو۔ ہم ایک ہی باپ کی اولاد نہیں ہیں' تمہیں کزن کہنا چاہئے۔''

شکیلہ کی ماں جاوید برقی کی سوتیلی ماں تھی اور اس کا نام بی پاشا تھا۔ اس نے انڈیا میں ایک شوہر کو چھوڑ کر یہاں جاوید برقی کے باپ صمد بیوپاری سے شادی کی تھی۔ شکیلہ اس کے پہلے شوہر کی بیٹی تھی۔

ان سب کی مختصر سی ہسٹری یہ تھی کہ جاوید برقی اکلوتا بیٹا تھا۔ صمد بیوپاری کے تمام کاروبار اور جائداد کا وارث تھا۔ بی پاشا کی یہ خواہش رہی تھی کہ جاوید اس کی بیٹی شکیلہ سے شادی کر لے لیکن وہ رومانہ کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا اور اس نے رومانہ سے شادی کی تھی، جس کے نتیجے میں اس کے دو بچے

اشعر اور ماہم پیدا ہوئے تھے جواب عینی سے لگے بیٹھے تھے۔

جاوید اپنی سوتیلی ماں بی پاشا سے متنفر تھا پھر بھلا اس کی بیٹی کو کیسے پسند کر سکتا تھا؟ ان کے خاندان میں سوتیلوں کی روائتی جنگ اور سازشیں جاری رہتی تھیں۔ بی پاشا اور شکیلہ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ وہ کسی طرح رومانہ کو طلاق دیدے، اسے اپنی زندگی سے نکال دے یا رومانہ کو موت آجائے۔ کسی کے کوسنے سے کوئی نہیں مرتا لیکن بی پاشا کی زبان کالی تھی' جو بات زبان سے نکلی تھی، پوری ہوگئی۔ رومانہ اللہ کو پیاری ہوگئی تھی۔

جب رومانہ موت کی دہلیز پر تھی تب بی پاشا کو یہ امید ہو گئی تھی کہ اس کے مرتے ہی شکیلہ جاوید کی دلہن بن سکے گی۔ وہ اپنے شوہر صمد بیوپاری کے پیچھے پڑ گئی تھی کہ آئندہ اس کی بیٹی اس گھر کی بہو بن کر رہے گی۔

صمد بیوپاری نے کہا۔ ''شکیلہ تمہاری ہی نہیں' میری بھی بیٹی ہے' میں اسے ضرور بہو بنانا چاہتا ہوں لیکن ہمارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے' رومانہ بسترِ مرگ پر ہے اور یہ وصیت لکھ چکی ہے کہ اس کی آنکھیں صرف اسی ضرورت مند لڑکی کو دی جائیں جو جاوید سے شادی کرنے اور اس کے بچوں کو پیار سے رکھنے پر تیار ہو۔

بی پاشا دعائیں مانگ رہی تھی اور یہ کوشش کر رہی تھی کہ ایسی کوئی ضرورت مند لڑکی نہ ملے جو آنکھوں کا عطیہ لینے کے لیے جاوید سے شادی کرنے پر راضی ہو جائے۔ شکیلہ ان معصوم بچوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی مگر وہ معصوم بھی ایسے تھے کہ اس سے دور بھاگتے تھے۔

جاوید اپنے بچوں کو ان ماں بیٹی سے دور رکھتا تھا۔ اسی لیے اس نے عینی سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اس سے شادی کرے یا نہ کرے لیکن بچوں کو ممتا دینے پر راضی ہو جائے۔ اس نے یہ لکھ کر دیا تھا کہ عینی کو رومانہ کی آنکھیں مل جائیں گی تو وہ عینی سے شادی کرنے کا تقاضا نہیں کرے گا۔

وہ تقاضا بھی کیسے کرتا؟ پاشا جب دردانہ کی قید سے رہائی پا کر آیا تو جاوید برقی کو بتایا گیا کہ عینی اس کی شریکِ حیات ہے۔ یہ بات بی پاشا اور شکیلہ کو بھی معلوم ہوئی' انہیں کسی حد تک اطمینان ہوا۔ بی پاشا نے اپنے شوہر سے کہا ''اب جاوید اور میری بیٹی کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ رومانہ کے چالیسویں کے بعد ان کی شادی ہو سکتی ہے۔''

صمد بیوپاری نے کہا۔ ''بی پاشا! میں اپنے بیٹے کو تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ وہ کبھی شکیلہ سے شادی کے لیے راضی نہیں ہوگا۔''

''آپ ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنا چاہیں گے تو نکل آئے گا۔ میری بات مانیں' اسے یہ دھمکی دیں کہ اس نے آپ کی بات نہ مانی اور شکیلہ سے شادی نہ کی تو آپ اسے عاق کر دیں گے۔ اپنے کاروبار اور تمام جائداد سے محروم کر دیں گے۔ آپ کی اس دھمکی کا ضرور اثر ہوگا۔''

صمد بیوپاری نے اپنی جوان بیوی کو خوش کرنے کے لیے بیٹے کو سمجھایا کہ اب رومانہ نہیں رہی' لہٰذا اسے شکیلہ سے شادی کر لینی چاہیے۔ اس نے کہا ''ڈیڈی! آپ ابھی شادی کی بات نہ کریں۔ میں اتنی جلدی رومانہ کا غم بھلا نہیں سکوں گا۔''

''ہماری دنیا میں کوئی کسی کے لیے ساری زندگی نہیں روتا۔ اپنوں کی موت کا یقیناً دکھ ہوتا ہے لیکن یہ دکھ رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے۔''

وہ بولا ''میرا دکھ میرا صدمہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ رومانہ نہ ہونے کے باوجود میری آنکھوں کے سامنے زندہ رہے گی۔ جب بھی میں عینی کی آنکھوں میں اپنے بچوں کے لیے ممتا دیکھوں گا تو وہ میرے سامنے جی اٹھے گی۔ بس میں یہی دیکھ دیکھ کر بہلتا رہوں گا اور اپنے بچوں کی خوشیوں میں خوش رہوں گا۔ مجھے اب کسی شریکِ حیات کی ضرورت نہیں ہے۔''

باپ نے کہا ''ہمیں تو ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں ہمارے گھر میں اور اولاد پیدا ہو، تاکہ ہمارا پھیلا ہوا کاروبار اور پھیلی ہوئی جائداد سنبھال سکے۔''

''ڈیڈ! آپ اپنے کاروبار اور جائداد کو سنبھالنے کے لیے میری تمنا کرتے رہے، میں پیدا ہو گیا۔ میرے بعد آپ کی کوئی اولاد زندہ نہ رہ سکی۔ پھر میں نے شادی کی۔ آپ کے لیے ایک اور وارث پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس پوتے اشعر کو سلامت رکھے۔ ہماری آئندہ نسلوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اب اور کیا چاہتے ہیں آپ؟''

لیکن بی پاشا چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی گھر کی بہو بنے اور ان کی دولت اور جائداد کے لیے وارث پیدا کرے۔ وہ جو وارث اشعر پیدا ہو چکا تھا وہ ایک کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ وہ ماں بیٹی اس کانٹے کو کسی بھی وقت اپنے راستے سے ہٹا سکتی تھیں۔

یہ جاوید برقی اور اس کے دو بچوں کی مختصر سی گھریلو کہانی تھی۔ عینی دوہری شخصیت اختیار کر کے ان کے گھریلو معاملات میں مداخلت کرنے آگئی تھی۔ بی پاشا اپنے شوہر کو گھر سے یہ سبق سکھا پڑھا کر لائی تھی۔ ''ان بچوں کو عینی کے پاس نہیں رہنا چاہیے۔ اشعر آپ کا ایک ہی جانشین ہے۔ اس کی پرورش ہمارے گھر میں اور ہماری نگرانی میں ہونی چاہیے۔''

وہ اپنے میاں کو اچھی طرح سے سکھا پڑھا کر عینی کے ...رے میں آئی تھی۔ جاوید برقی نے عینی سے ان کا تعارف ...رایا۔ وہ سب بظاہر اسے بینائی حاصل کرنے پر مبارک باد ...رہے تھے اور بڑی توجہ سے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھ ...ہے تھے۔

عینی کی آنکھوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ عام سی ...نکھیں تھیں لیکن بی پاشا اور شکیلہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے ان ...نکھوں کے پیچھے سے رومانہ انہیں دیکھ رہی ہے اور نفرت سے ...ور رہی ہو۔ رومانہ جب تک زندہ رہی ساس بہو میں جھگڑا ...تا رہا۔ اسی لیے عینی کی آنکھیں بی پاشا کو اپنے دماغ میں ...بھتی ہوئی سی لگ رہی تھیں۔

صمد بیوپاری نے مسکرا کر عینی سے کہا ''بچے تم سے مانوس ...گئے ہیں۔''

بی پاشا نے کہا ''بچوں کا ذہن تو کچا ہوتا ہے۔ انہیں ...ھر موڑ دو وہ مڑ جاتے ہیں۔''

وہ آگے بڑھ کر ننھی ماہم سے بولی ''بیٹی ماہم! میرے ...س آؤ۔ میں تمہاری دادی ہوں۔''

ماہم انکار میں سر ہلا کر عینی سے چپک گئی۔ شکیلہ نے ...عر سے کہا ''میں تمہارے لیے نئے ویڈیو کارٹون لے کر آئی ...ں۔ میرے ساتھ آؤ' ہم کارٹون دیکھیں گے۔''

وہ عینی کے بازو سے لگ کر بولا ''نہیں۔ یہ ہماری امی ...ہیں۔ ہم ان کے پاس رہیں گے۔''

جاوید برقی نے بی پاشا سے کہا ''بچوں کا ذہن کچا ہوتا ...ہے لیکن آپ پچھلے تین برسوں سے انہیں اپنی طرف نہ موڑ ...سکیں۔ عینی نے ایک ہی دن میں انہیں اپنی طرف مائل کر لیا ...ہے۔''

شکیلہ نے پریشان ہو کر ماں سے کہا ''ممی! یہ اشعر عینی کو ...اپنی امی کہہ رہا ہے۔''

بی پاشا نے ناگواری سے کہا ''امی کہہ دینے سے ماں ...بیٹے کا رشتہ نہیں ہو جاتا۔ خون کا رشتہ ہم سے ہے' ہم سے ہی ...رہے گا۔''

جاوید برقی نے کہا ''سوری ممی! میرا اور میرے بچوں کا ...آپ سے خون کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔''

بی پاشا نے سبکی محسوس کی۔ فلک آفتاب، بیگم آفتاب اور ...ملک ناز کی طرف دیکھا پھر اپنے میاں سے بولی ''دیکھیں، یہ ...سب کے سامنے میری انسلٹ کر رہا ہے۔ میرے رشتے سے ...انکار کر رہا ہے۔''

صمد بیوپاری نے کہا ''جاوید! یہ کیا گستاخی ہے؟ تم اپنی ماں کے رشتے سے انکار کر رہے ہو؟''

بی پاشا نے پوچھا ''کیا آپ نے مجھ سے نکاح نہیں پڑھایا ہے؟ کیا میں کہیں سے بھاگ کر آئی ہوں؟''

''میرے ڈیڈی نے بے شک آپ سے نکاح پڑھایا ہے۔ رشتے سے آپ میری امی ہیں لیکن آپ نے مجھے جنم نہیں دیا ہے۔ لہٰذا آپ سے میرا خون کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔''

باپ نے کہا ''جاوید! فضول بحث نہ کرو۔ یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے کہ عینی میری پوتی پوتے کو ماں کا پیار دے رہی ہے لیکن یہ بچے میرے سائے میں، میری چھت کے نیچے پرورش پائیں گے۔''

''ڈیڈ! مرحومہ کی لکھی ہوئی آخری وصیت میرے پاس ہے۔ اس کے مطابق عینی اور رومانہ کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے کہ عینی اس کی آنکھوں کے عطیہ کے ساتھ اس کے بچوں کو بھی قبول کرے گی' انہیں ماں کی ممتا دے گی۔ لہٰذا میں اپنی مرحوم بیوی کی آخری وصیت پر عمل کروں گا۔ بچے بے شک آپ کے سائے میں رہیں گے لیکن عینی کے پاس بھی زیادہ سے زیادہ رہا کریں گے۔''

عینی نے کہا ''بچے کبھی میرے گھر میں رہیں' کبھی آپ کے، یہ مناسب نہیں ہوگا۔ میں چاہتی ہوں آپ انہیں میرے پاس ہی رہنے دیں۔ آپ چاہیں تو ان کے ساتھ میرے گھر میں رہ سکتے ہیں۔ ان کے دادا، دادی سب ہی میرے گھر آ کر ان بچوں سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ میں ہر ہفتے اتوار کے دن انہیں آپ کے گھر لے آیا کروں گی۔ یہ دادا دادی کے ساتھ بھی چند گھنٹے گزار لیا کریں گے۔''

بی پاشا نے کہا ''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ یہ ہفتے میں ایک بار آئیں گے اور ہمارے پاس چند گھنٹے رہ کر چلے جائیں گے۔ تم تو خواہ مخواہ ان بچوں پر قبضہ جما رہی ہو۔''

عینی نے کہا ''میں جاوید صاحب سے رسمی طور پر اجازت لے رہی ہوں ورنہ رومانہ سے جو میرا معاہدہ ہو چکا ہے اس کے مطابق یہ دونوں بچے میرے ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں صرف ان کے باپ کی رضامندی مجھے حاصل ہو جائے تو یہ ہمیشہ میرے ہی پاس رہیں گے۔''

صمد بیوپاری نے کہا ''صرف باپ کی نہیں، دادا کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ جاوید! میرے ساتھ گھر چلو۔ یہ ہمارا معاملہ ہے۔ ہم آپس میں بیٹھ کر بچوں کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ میں گھر جا رہا ہوں۔ وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔''

یہ کہہ کر وہ بی پاشا اور شکیلہ کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب پہلے ہی وہاں سے جا چکے تھے۔ فلک نازرہ گئی تھی۔ اس نے کہا ''مسٹر جاوید! بہتر ہے کہ گھر جا کر اپنے بزرگوں سے بچوں کے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ بزرگوں کے درمیان اختلافات رہیں گے تو ان کی تعلیم و تربیت پر برا اثر پڑے گا۔''

وہ بولا ''میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ میرے بچے عینی کے پاس رہیں گے۔ میں روزانہ صبح یا شام ایک بار آ کر ان سے مل لیا کروں گا اور ہفتے میں ایک دن ان کے دادا سے انہیں ملایا جائے گا۔''

ڈاکٹر نے آ کر عینی سے کہا ''اب ذرا آرام سے لیٹ جاؤ۔ میں تمہاری آنکھوں کا معائنہ کروں گا۔''

جاوید برقی نے آگے بڑھ کر ماہم کو گود میں لیا پھر اشعر سے کہا ''آؤ، میں تم دونوں کو آئسکریم کھلا لاؤں۔''

اشعر بیڈ سے اتر گیا پھر اپنے باپ کی انگلی پکڑ کر جاتے ہوئے بولا ''ممی! میں ابھی آؤں گا۔''

عینی نے مسکرا کر کہا ''ہاں بیٹے! ضرور آنا۔ ابھی جاؤ، آئسکریم کھاؤ۔ انجوائے کرو۔''

وہ بیڈ پر لیٹ گئی۔ ڈاکٹر اس کی آنکھوں کا معائنہ کرنے لگا پھر اس کی آنکھوں میں دوا ڈال کر چلا گیا۔ عینی آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ بند آنکھوں کے اندھیرے میں اسے پاشا کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ دھندلا دھندلا سا چہرہ تھا۔ بینائی ملنے کے بعد اس نے پاشا کو نہیں دیکھا تھا۔ بچوں کی ممتا نے اسے سب ہی کی طرف سے غافل کر دیا تھا۔ ان لمحات میں اس نے حیرانی سے سوچا ''یہ مجھے کیا ہو گیا تھا؟ میں نے پاشا کو کیسے بھلا دیا؟ مجھے تو بینائی ملتے ہی سب سے پہلے اسے دیکھنا چاہیے تھا۔ اب تو میں اسے بالکل واضح طور پر دیکھ سکوں گی۔ سر سے پاؤں تک جی بھر کے دیکھتی رہوں گی' تب بھی دل نہیں بھرے گا۔''

پھر اسے عروج کی یاد آئی۔ وہ حیرانی سے بولی ''یا خدا! مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں نے اپنی جان سے زیادہ عزیز سہیلی کو بھی بھلا دیا ہے۔ اب اس کی یاد آ رہی ہے۔ وہ اسی کمرے میں تھی۔ پتا نہیں کہاں چلی گئی ہے؟''

اسے فلک ناز کی آواز اپنے قریب سنائی دی ''عینی تم کچھ سوچ رہی ہو؟''

وہ بولی ''پھوپی جان! وہ۔ میں پاشا اور عروج کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ دونوں کہاں ہیں؟''

''یہیں کہیں ہوں گے۔ میں انہیں بلا کر لاتی ہوں۔''

فلک ناز وہاں سے چلتی ہوئی وزیٹرز روم میں آئی عروج اور پاشا کو دیکھ کر بولی ''عینی تم دونوں کو یاد کر رہی ہے۔''

اس نے پاشا کو دیکھا پھر عروج سے طنزیہ انداز میں بولی۔ ''تعجب ہے آج اتنی بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ تمہاری سہیلی کو بینائی ملی ہے اور تم یہاں انجوائے کر رہی ہو؟''

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ فلک ناز نے کہا ''پاشا میاں تمہیں بھی جانا چاہیے۔ وہ تم دونوں کو یاد کر رہی ہے۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اور عروج نے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھا پھر وہاں سے چلتے ہوئے عینی کے کمرے کے سامنے پہنچے۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے پاشا سے کہا ''تم جاؤ۔''

''تم اس کی بچپن کی سہیلی ہو۔ تمہیں پہلے جانا چاہیے۔''

''تم اس کے مجازی خدا ہو۔ تمہیں جانا چاہیے۔ میں بعد میں آؤں گی۔''

''تم سہیلی کی محبت میں مجھے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئیں۔ آج میاں بیوی کو ملانے کی خاطر سہیلی سے بھی دور ہو رہی ہو۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ ہم دونوں کو آگے بڑھا کر خود پیچھے جاؤ۔''

''ہم خواہ مخواہ بحث کر رہے ہیں۔ دروازہ کھولو۔ ساتھ ہی چلیں گے۔''

پاشا نے دروازہ کھولا۔ اس وقت عینی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ اس نے آہٹ سن کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دونوں اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ عروج نے آہستگی سے کہا ''جاؤ' فوراً اس سے ملو۔ اسے مبارک دو۔''

وہ بھی آہستگی سے بولا ''تم آگے بڑھو پھر میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

عینی نے انہیں دیکھ کر تعجب سے پوچھا ''وہاں کیوں رک گئے ہو؟ یہاں آؤ۔''

وہ بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گئی پھر اس نے دونوں کے لیے باہیں پھیلائیں۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے اس کے پاس آئے۔ پاشا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ عروج نے اس کی پیشانی کو چوم لیا۔ دونوں اسے مبارک باد دینے لگے۔ وہ عروج کے ساتھ بچپن سے رہتی آئی تھی لیکن پاشا کو پہلی بار واضح طور پر دیکھ رہی تھی۔ اسی لیے دیر تک اسے ہی دیکھتی رہی۔

اسے پاشا کے ساتھ گزارے ہوئے سہاگ کے لمحات یاد آ رہے تھے۔ وہ اس قدر قریب تھا کہ اس سے رہا نہ گیا۔ آگے کی طرف جھک کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ خوشی کے مارے رونے لگی۔ پاشا نے جھجکتے ہوئے عروج کو دیکھا۔ عروج نے اس کے شانے کو تھپک کر اشارے سے سمجھایا کہ

ابھی اسے اپنی شریک حیات کے ساتھ رہنا چاہیے۔

پھر وہ عینی سے ذرا دور ہوئی۔ اس نے آتے ہوئے دیکھا تھا کہ عینی نے دونوں کے لیے باہیں پھیلائی تھیں لیکن بینائی ملنے کے بعد عروج کو نہیں دیکھا۔ پاشا کو ہی دیکھتی رہی پھر اس کا ہاتھ چھوڑ کر پاشا کے سینے سے لگ گئی اور اسے یاد نہ رہا کہ اس کی عزیز ترین سہیلی بھی وہاں موجود ہے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر جانے لگی۔ دونوں سہیلیوں نے کتنی ہی بار تنہائی میں پاشا کے متعلق باتیں کی تھیں اور یہ طے کیا تھا کہ شادی کے بعد دونوں ہی پاشا سے برابر کی محبت کریں گی اور پاشا کو بھی مجبور کریں گی کہ دونوں کو برابر کی محبت دیا کرے۔ وہ تینوں ازدواجی زندگی کے دوران محبت کا توازن قائم رکھیں گے۔

وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ عینی نے پوچھا تک نہیں کہ تم مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو؟ یہ وہی عینی تھی جو دن رات اس کے ساتھ رہتی تھی اور کبھی ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ عروج صرف اس کی سہیلی ہی نہیں تھی، ڈاکٹر بھی تھی۔ اسے بینائی واپس دلانے کے سلسلے میں آئی بینک والوں سے بھی رابطہ کرتی رہی تھی۔

آج بینائی ملنے پر وہ اسے دیکھنا بھی بھول گئی۔ صرف پاشا کو ہی دیکھتی رہی۔ اس کے سینے سے لگ کر صرف بیوی بن گئی۔ سہیلی کے وجود کی نفی کر دی۔

وہ کوریڈور کی ایک بینچ کے پاس آ کر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ یہ سچ ہے اپنا دل دیدو' اپنی جان دیدو لیکن اپنے پیار کو کسی کے آنچل کی ہوا نہ لگنے دو۔ وہ دوسری ہوا دینے والی اسے آنچل سے باندھ کر ہوا ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

شہباز درانی دشمنوں پر جھپٹ کرنا کام ہو کر پلٹ آیا تھا۔ اب پھر پلٹ کر دوبارہ جھپٹنے کے نئے منصوبے بنا رہا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں اچھی طرح آ گئی تھی کہ میں لوہے کا چنا ہوں' کوئی سوچے سمجھے بغیر مجھے چبائے گا تو دانت ٹوٹ جائیں گے۔ لہٰذا وہ اچھی طرح سوچ رہا تھا، سمجھ رہا تھا اور ایک نئی بساط پر نئی چالیں چلنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

نئی چال کے مطابق سب سے پہلے اسے اپنی کمزوری دور کرنی تھی اور اس کی کمزوری دردانہ تھی۔ میں نے اس عورت کو گرفتار کرانے کے بعد اسے یہ اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ آئندہ بھی اس کی محبوبہ پر آفت آ سکتی ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے اسے اپنی محبوبہ کی حفاظت کرنی چاہیے۔

وہ دردانہ کو ملک سے باہر بھیجنے کی تیاریاں کر چکا تھا۔ ایک تیر سے دو شکار کھیلنا چاہتا تھا۔ ایک تو اسے کہیں دور بھیج کر زیشان کو جیل سے باہر نکلوانا چاہتا تھا' اس پر یہ الزام عائد کرنا چاہتا تھا کہ اس نے دردانہ کو اغوا کیا ہے۔ اس نے زیشان کے خلاف اب تک کتنے ہی ثبوت اور گواہ جمع کیے تھے۔ اب یہ آخری ٹھوس ثبوت تیار کر رہا تھا۔

اس مقصد کے لیے وہ دردانہ کو اپنے پرائیویٹ چیمبر میں لے کر آیا۔ وہ وہاں آ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''آج پہلی بار تم مجھے اس کمرے میں لے کر آئے ہو۔''

''ہاں۔ اس خفیہ کمرے میں بیٹھے بیٹھے میں واشنگٹن پہنچ جاتا ہوں۔ میں نے یہاں سے وہاں تک کے بڑے بڑے اہم راز یہاں چھپا کر رکھے ہیں۔ یہ راز بھی چھپا رہے گا کہ تمہیں اغوا نہیں کیا گیا ہے لیکن تم اغوا ہو چکی ہو۔ یہاں مائک کے سامنے بیٹھ جاؤ۔ میں نے کاغذ پر جو کچھ لکھ دیا ہے اسے پھر ایک بار اچھی طرح پڑھو اور یاد کرو۔''

وہ ایک کرسی پر مائک کے سامنے بیٹھ گئی۔ ایک کاغذ کھول کر اس میں لکھے ہوئے فقروں کو پڑھنے لگی۔ شہباز درانی ریکارڈنگ مشین کی آواز کو کچھ اس طرح سیٹ کرنے لگا جیسے ٹیلیفون کے ذریعے باتیں ہو رہی ہوں پھر اس نے پوچھا۔ ''تیار ہو؟''

دردانہ نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولا ''اپنا موڈ بناؤ۔''

اس نے گلیسرین کی چھوٹی سی شیشی کھول کر اس میں سے ایک ایک قطرہ لے کر اپنی دونوں آنکھوں کے گوشوں میں لگایا۔ اس دوا کے اثر سے آنکھیں جلنے لگیں اور آنسو بہنے لگے۔

وہ ریکارڈنگ مشین کو آن کرنے کے بعد بولا ''ہیلو۔ کون ہو تم؟''

پھر اس نے خود ہی آواز میں تبدیلی کی۔ اپنی آواز اور لہجے کو بھاری بھرکم بنایا اور ہنستے ہوئے بولا ''تیری داشتہ غائب ہو گئی ہے۔ تو اسے تلاش کر رہا ہے مگر وہ تجھے نہیں ملے گی۔''

شہباز نے پھر اپنی آواز اور لہجے میں کہا ''میری کوئی داشتہ گم نہیں ہوئی ہے۔ البتہ میری شریک حیات دردانہ بیگم لاپتا ہو گئی ہے۔ میں اسے تلاش کر رہا ہوں۔''

پھر وہ آواز اور لہجہ بدل کر بولا ''میں اسی داشتہ دردانہ کی بات کر رہا ہوں۔''

''خبردار! آئندہ اسے داشتہ نہ کہنا۔ وہ میری منکوحہ ہے۔ ثبوت کے طور پر میرے پاس نکاح نامہ موجود ہے۔''

''اس نکاح نامہ کو تعویذ بنا کر گلے سے لٹکا لے' کیونکہ اب میں اسے گلے لگا رہا ہوں۔''

''بکواس مت کرو۔ کیا واقعی میری دردانہ تمہارے پاس ہے؟ اگر ہے تو تم مجھ سے دشمنی کیوں کر رہے ہو؟''

''دشمنی کی ابتدا تم نے کی ہے۔''

''مجھے معلوم تو ہو کہ تم کون ہو اور میں نے تم سے کیا دشمنی کی ہے؟''

''تم خود سوچو کہ تم نے ایس' پی' ذیشان کے خلاف کیا کیا ہے اور اب تک کیا کرتے آرہے ہو؟''

''اوہ۔ اچھا۔ تو تم ذیشان ہو۔ آواز بدل کر بول رہے ہو یا پھر تم اس کے کوئی خاص ماتحت ہو۔''

''میں کوئی بھی ہوں۔ یہ بتاؤ اپنی چیز واپس چاہتے ہو یا نہیں؟''

''ہاں، میں ہر حال میں اپنی دردانہ کی واپسی چاہوں گا۔''

''ہمارے مطالبات پورے کرو گے تو یہ تمہارے پاس واپس آجائے گی۔''

''میں ابھی تمہارے مطالبات پورے کردوں گا۔ بولو کتنی رقم چاہتے ہو؟''

اس نے پھر آواز بدل کر قہقہہ لگایا اور کہا ''کیوں بھولے بادشاہ بن رہے ہو؟ تم سے رقم لے کر ہمیں کیا حاصل ہوگا؟''

''تو پھر کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟ جلدی بولو۔''

''ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ آرام سے سنو۔ تم نے ذیشان کے خلاف جو کیس بنایا ہے اور جتنے ثبوت اور گواہ اکٹھے کئے ہیں وہ تمام ثبوت اور گواہوں کے بیانات ہمارے حوالے کردو اور ان سے ذیشان کی حمایت میں نئے بیانات تحریر کراؤ۔ اس کے خلاف عدالت میں جو کارروائیاں کرانے والے ہو' ان سب سے باز آجاؤ۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بھاری بھرکم آواز میں پوچھا گیا ''خاموش کیوں ہو؟''

شہباز درانی نے اپنی آواز میں کہا ''میں سوچ رہا ہوں۔ کیا دردانہ واقعی تمہاری قید میں ہے؟ میں یقین کرنا چاہتا ہوں۔ میری اس سے بات کراؤ۔''

''بے شک تمہیں یقین کرنا ہی چاہیے۔ اپنی چہیتی کی آواز سننے کے بعد تم ہمارے مطالبات پورے کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔''

ذرا دیر تک خاموشی رہی۔ شہباز درانی نے دردانہ کو رونے کا اشارہ کیا۔ وہ بڑے ہی ڈرامائی انداز میں روتے ہوئے اسے مخاطب کرتے ہوئے بولی ''شہباز!''

وہ اتنا کہہ کر چپ ہوئی اور بلک بلک کر رونے لگی۔

شہباز نے پوچھا ''دردانہ! میری جان! تم خیریت سے تو ہو؟ کیوں رو رہی ہو؟ مجھے بتاؤ کیا یہ لوگ تم پر ظلم کر رہے ہیں؟''

وہ روتے ہوئے اور گڑگڑاتے ہوئے بولی ''مجھے یہاں سے لے چلو۔ میں یہاں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ مرجاؤں گی۔ یہ لوگ مجھ پر بہت ظلم کر رہے ہیں۔ میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی ہوں۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتی لیکن یہ لوگ مجھے مرنے بھی نہیں دے رہے ہیں۔''

شہباز نے تڑپ کر کہا ''تمہیں زندہ رہنا ہے۔ تم میرے لیے زندہ رہو گی۔ میں تمہیں ان کی قید سے نکال لاؤں گا۔ ان کے تمام مطالبات پورے کردوں گا۔ بلا سے ہم ذیشان جیسے قانون کا محافظ کہلانے والے مجرم کو سزا نہ دلا سکیں' اس کے خلاف مقدمہ نہ چلا سکیں' کوئی بات نہیں۔ مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے۔ میں تمہیں ہر قیمت پر دشمنوں سے نجات دلاؤں گا۔ تم بے فکر رہو۔ تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ میں تمہیں ان ظالموں کی قید میں مرنے نہیں دوں گا۔''

اچانک آواز بند ہوگئی پھر شہباز نے بھاری بھرکم آواز اور لہجے میں کہا ''سن لی اپنی چہیتی کی آواز؟ اب بولو ہمارے مطالبات کب پورے کر رہے ہو؟''

''میں جلد سے جلد پورے کردوں گا لیکن جتنے ثبوت ہیں وہ سب سی آئی اے والوں کے پاس ہیں۔ انہیں واپس حاصل کرنے میں کچھ دیر لگے گی۔ پھر مختلف گواہ مختلف شہروں میں ہیں۔ ان سے رابطہ کرنا ہوگا۔ انہیں یہاں بلانا ہوگا۔ ان کے بیانات تبدیل کرانے ہوں گے۔''

''تم کچھ بھی کرو۔ جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ تم نے وہ ثبوت حاصل کر لیے ہیں اور انہیں ہمارے حوالے کر رہے ہو اور گواہوں کے بیانات بدل چکے ہو اور اس کیس کو کمزور کر چکے ہو تو پھر تمہاری دردانہ کو تمہارے پاس بھیج دیا جائے گا۔''

''یہ وعدہ کرو کہ جب تک میں مطالبات پورے نہ کروں۔ تم میں سے کوئی میری دردانہ کو ہاتھ نہیں لگائے گا اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔''

وہ پھر بھاری بھرکم آواز بدل کر بولا ''اب ہم اسے ایسا پیار دیں گے جیسا کہ مرد حضرات مالِ غنیمت کو دیا کرتے ہیں۔''

یہ کہہ کر شہباز نے ایک دشمن کی طرح قہقہہ لگایا پھر کہا ''ہم تمہاری کارروائیاں دیکھتے رہیں گے کہ تم ہمارے مطالبات پورے کر رہے ہو یا نہیں۔ اس کے بعد پھر کسی وقت رابطہ کریں گے۔ ہماری دوسری کال کا انتظار کرتے رہو۔''

اس کے بعد شہباز نے ریکارڈنگ مشین بند کردی۔ دردانہ جو رو رہی تھی ہنستی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ شہباز نے بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''میری جان! تم تو غضب کی اداکارہ ہو۔ ہم نے ایسی ٹیلیفون کال ٹیپ کی ہے جس پر کوئی شبہ نہیں کر سکے گا۔ اسے عدالت میں پیش کیا جائے گا تو یہ ذیشان کے خلاف ٹھوس ثبوت ہوگا۔ یہ تسلیم کیا جائے گا کہ واقعی تمہیں اغوا کیا گیا ہے اور ذیشان کے آدمیوں نے تمہیں کہیں چھپا کر رکھا ہے۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''اس کے تو ہوش اڑ جائیں گے۔ بھری عدالت میں اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ مجھے وہاں پیش کیا جائے اور وہ پیش نہیں کر سکے گا۔ قسمیں کھا کر اپنی بے گناہی کا یقین دلانا چاہے گا لیکن اس کی قسمیں جھوٹی سمجھی جائیں گی۔''

وہ بولا ''ہم جو ڈرامہ پلے کر رہے ہیں اس کے مطابق اغوا کرنے والا ذیشان کا آدمی دوسری بار کال کرے گا۔ دوسری بار تمہارے مطالبات پورے کرنے اور تمہاری واپسی کی باتیں ہوں گی۔ ابھی یہ باتیں بھی ریکارڈ کی جائیں گی۔''

وہ کاغذ اٹھا کر بولی ''ہاں۔ اس کے دوسری طرف وہ فقرے لکھے ہوئے ہیں کہ اس کے بعد مجھے کیا بولنا ہے۔''

''اسے بھی ایک بار پڑھ لو اور اچھی طرح یاد کرلو۔ اس بار تمہیں پہلے سے زیادہ رونا، چیخنا اور گڑگڑانا ہے اور اس طرح جنون میں مبتلا ہو کر کہنا ہے جیسے تمہاری عزت بری طرح لوٹی گئی ہے اور تم اب مرجانا چاہتی ہو۔''

''اطمینان رکھو۔ ایسی زبردست ایکٹنگ کروں گی۔ ایسے زبردست انداز میں بولوں گی کہ عدالت میں سننے والے لرز جائیں گے۔ ذیشان کو گالیاں دینے لگیں گے۔ اس پر تھوکیں گے مگر تم میری ایک بات مان لو۔''

''میری جان! ایک نہیں ہزار باتیں منواؤ۔ بولو کیا چاہتی ہو؟''

''تم مجھے ایک بوڑھی عورت کے روپ میں یہاں سے بھیجنا چاہتے ہو' یہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ میں کیوں خواہ مخواہ بوڑھی بن جاؤں۔ میں جوان ہوں جوان رہنا چاہتی ہوں۔ آئینہ میں اپنا بڑھاپا دیکھوں گی تو خود سے خوفزدہ ہو جاؤں گی۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''اچھی بات ہے۔ میں تمہیں دوسری فائلیں دکھاتا ہوں۔ اس میں کتنی ہی جوان لڑکیوں اور عورتوں کی تصویریں ہیں۔ تم ان میں سے جسے پسند کرو گی میرا ماہر میک اپ مین تمہارا چہرہ ویسا ہی بنادے گا۔''

اسی وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔ اس نے کہا ''تم اس الماری کے پاس جاؤ۔ اسے کھول کر اس کے دوسرے خانے میں رکھی فائلوں میں سے ایک ایک فائل نکال کر دیکھو۔''

وہ الماری کے پاس گئی۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور کان سے لگاتے ہوئے بولا ''ہیلو، میں شہباز درانی بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے آواز آئی ''سر! میں آپ کا خادم میک اپ مین ہوں۔ آپ نے مجھے یاد کیا ہے۔ مجھے کس وقت آنا چاہیے؟''

''میں ابھی تمہیں فون کرنے ہی والا تھا۔ تم ایک گھنٹے بعد یہاں پہنچ جاؤ۔ یہ بتاؤ کیا ہو بہو صورت تبدیل کرنے کے لیے پلاسٹک سرجری کی ضرورت ہوگی؟''

''نو سر! میک اپ کی جدید تکنیک نے اتنی سہولتیں پیدا کردی ہیں کہ ایک گھنٹے کے اندر چہرہ بالکل تبدیل ہو جاتا ہے لیکن یہ تبدیلی عارضی ہوتی ہے۔ چوبیس گھنٹے کے بعد میک اپ کمزور پڑ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ میک اپ واش ہونے لگتا ہے۔''

''چوبیس گھنٹے بہت ہوتے ہیں۔ تم ابھی ایک گھنٹے بعد چلے آؤ۔''

اس نے سوچ رکھا تھا کہ جب دردانہ کے باہر جانے کے لیے کسی فلائٹ میں سیٹ کنفرم ہو جائے گی تو اس سے ایک گھنٹا پہلے میک اپ کرائے گا۔ جس سے اس کا چہرہ تبدیل ہو جائے گا اور وہ آٹھ گھنٹے کے اندر لندن یا یورپ کے کسی شہر پہنچ جائے گی۔ وہاں اپنا میک اپ واش کرے گی اور اپنے اصلی چہرے کے ساتھ رہے گی۔

اس نے ریسیور رکھنے کے بعد پلٹ کر دردانہ کو دیکھا پھر چونک کر بولا ''ارے! یہ تم نے کون سی الماری کھولی ہے؟ وہ فائلیں اس میں نہیں ہیں۔''

وہ وہاں سے چلتا ہوا الماری کے پاس آیا۔ ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ''اس الماری کو کھولو۔''

وہ ادھر گئی۔ یہ ادھر اس الماری کو بند کرنے کے لیے آگے بڑھا پھر رک گیا۔ کھلی ہوئی الماری کے اندر جھانک کر توجہ سے دیکھنے لگا۔ دردانہ سے بولا۔ ''کیا تم نے فائلیں الٹ پلٹ کی ہیں؟''

وہ بولی ''میں نے تو کسی فائل کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔''

اس نے فوراً ہی ایک فائل کو اٹھا کر اسے کھول کر دیکھا تو ایک دم سے ذہن کو جھٹکا پہنچا' اس فائل کے کئی کاغذات غائب تھے۔ صرف دو چار کاغذات رہ گئے تھے۔

وہ دوسری فائلوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگا۔ ایک اور فائل

سامنے آئی جس کے کئی کاغذات غائب تھے۔ اس میں چند اہم تصاویر تھیں، وہ بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ شدید حیرانی سے کبھی الماری کو دیکھ رہا تھا اور کبھی پلٹ کر اس دروازے کو دیکھ رہا تھا جسے وہ لاک رکھتا تھا اور اس کے سوا اس دروازے کو کوئی کھول نہیں سکتا تھا۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں آ سکتا تھا۔

دردانہ دوسری الماری سے ایک فائل نکال کر اس میں سے ایک نوجوان عورت کی تصویر دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا ''یہ میری طرح لگ رہی ہے۔ اس کے فیس کی آؤٹ لائن اور اس کی جسامت بھی میری طرح ہے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے شہباز درانی کی طرف دیکھا پھر چونک کر بولی ''کیا بات ہے' تم پریشان لگ رہے ہو؟''

وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ قریب ہو کر بولی ''کیا بات ہے؟ مجھے کیوں اس طرح دیکھ رہے ہو؟ کچھ بولو تو سہی؟''

وہ شدید حیرانی اور پریشانی سے بولا ''کئی فائلوں سے اہم کاغذات اور تصویریں غائب ہیں۔''

اس نے تعجب سے پوچھا ''غائب ہونے کا مطلب کیا ہوا؟ کیا یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ تصویریں اور کاغذات کسی نے چرائے ہیں؟''

''بے شک چرائے ہیں ورنہ اس الماری سے اور میرے اس کمرے سے بھلا ایک تنکا بھی کہاں جا سکتا ہے؟''

''اگر تم یہ کہتے ہو کہ چرائے گئے ہیں تو پھر یہاں کوئی آیا تھا ورنہ یہ دروازہ اس طرح لاک رہتا ہے کہ اسے تمہارے سوا کوئی دوسرا کھول نہیں سکتا۔ اسے تم ہی کھول کر اندر آتے ہو اور باہر جا کر خود ہی اسے لاک کرتے ہو۔''

وہ کہتے کہتے رک گئی پھر بولی ''یہاں تہمینہ آیا کرتی ہے۔ تم خود اسے بلاتے ہو۔''

''وہ میرے سامنے آتی ہے۔ تمام بکھرے ہوئے سامان کو ترتیب سے رکھتی ہے پھر میرے سامنے ہی چلی جاتی ہے۔ وہ جب یہاں ہوتی ہے تو میں اس پر کڑی نظر رکھتا ہوں۔ میں نے کبھی اسے ایک تنکا بھی باہر لے جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

وہ کہتا جا رہا تھا اور دوسری الماریوں کو بھی کھول کر دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ ٹھٹک گیا۔ ایک خانے میں پلاسٹک کا ایک بڑا ڈبا کھلا ہوا تھا۔ اس پلاسٹک کے ڈبے میں بہت اہم مائیکرو فلمیں رکھی ہوئی تھیں مگر اب ان میں سے چار مائیکرو فلمیں غائب ہو چکی تھیں۔

اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے پلٹ کر دردانہ کے شانوں پر دونوں ہاتھ یوں رکھ لیے جیسے گرتے گرتے سنبھل رہا ہو۔ دردانہ نے اسے دونوں بانہوں میں سمیٹ لیا ''شہباز! میری جان! تم تو بہت زیادہ پریشان ہو گئے ہو۔ یہاں آؤ۔ آرام سے بیٹھو۔''

وہ کمزور نہیں تھا۔ بس چند لمحوں کے لیے دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔ وہ پھر سنبھل گیا۔ کھڑا ہو گیا۔ خلا میں تکتے ہوئے سوچنے لگا ''یہ کیا ہو گیا؟ کیسے ہو گیا؟ اس پرائیویٹ چیمبر میں کیڑے مکوڑے بھی نہیں آ سکتے پھر کوئی چور کیسے آ سکتا ہے؟''

وہ تیزی سے سوچ رہا تھا۔ باہر کا کوئی شخص اندر نہیں آیا ہے۔ یہ کوٹھی میں رہنے والے اسٹاف میں سے کسی نے کیا ہے۔ کوٹھی کے اندر اس کا جو ایک خاص اسٹاف تھا' اس میں سب سے اہم تہمینہ تھی جو اس کی پرسنل سیکریٹری تھی۔ اس کے بعد ایک کیشئر تھا۔ چار باڈی گارڈ تھے جو ہمیشہ مسلح رہتے تھے اور اس کے حکم کی تعمیل کے لیے ہمیشہ مستعد رہا کرتے تھے۔ گھر کے اندر جو افراد تھے ان میں پاشا کا اضافہ ہوا تھا۔

وہ سوچتے سوچتے چونک کر بولا ''اوہ گاڈ! میں نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔''

دردانہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا ''آج صبح جب سی۔ آئی۔ اے والے تمہیں گرفتار کرنے آئے تو میں بری طرح بدحواس ہو گیا تھا۔ یہاں سے باہر جاتے وقت دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔ کئی گھنٹوں کے بعد جب واپس آیا تو پتا چلا کہ دروازے کا تالا لگا ہوا نہیں تھا۔''

وہ بولی ''تمہیں اسی وقت ان الماریوں کو چیک کرنا چاہیے تھا۔''

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ الماریوں کے اندر گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ میں باہر ہی باہر دیکھتا رہا' مجھے یہاں سب کچھ ترتیب وار دکھائی دیا۔ کسی طرح کا شبہ نہیں ہوا۔''

''ڈرائنگ روم میں چلو۔ وہاں تمام اسٹاف کو طلب کرو۔ یہ معلوم کرو کہ ان چند گھنٹوں میں کون ادھر آیا تھا؟''

''سیدھی سی بات ہے۔ میرے چار مسلح گارڈز اور کیشئر کوٹھی کے اس حصے میں نہیں آتے ہیں۔ میں ہوں، تم ہو، تہمینہ ہے اور پاشا۔ ہم چار افراد ایسے ہیں جو ادھر سے گزرتے ہیں۔''

''آپ تہمینہ کو بلا کر پوچھیں۔''

''تم بھول رہی ہو۔ کل اتوار ہے اور وہ ہفتے کی شام کو یہاں سے چلی جاتی ہے۔ میں اس پر شبہ نہیں کروں گا۔ وہ تقریباً چھ برس سے میری خدمت کر رہی ہے۔ میں اسے کئی بار مختلف طریقوں سے آزما چکا ہوں۔ وہ لالچی نہیں ہے۔ کوئی اسے میرے خلاف خرید نہیں سکتا۔''

وہ درست کہہ رہا تھا۔ تہمینہ لالچی نہیں تھی اور نہ ہی کبھی اس کے اعتماد کو دھوکا دینے والی تھی لیکن حالات نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ کسی نامعلوم شخص نے اس کی بہن کو اغوا کر کے اسے چوری کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''اگر تمہیں تہمینہ پر اس قدر اعتماد ہے تو اس کا مطلب ہے پاشا نے چوری کی ہے۔''

وہ اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا ''ہنڈرڈ پرسنٹ اسی نے چوری کی ہے۔ ہم یہی سمجھتے رہے کہ اس کی یادداشت گم ہو چکی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بھول چکا ہے۔ اسے ہمارے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے اس پہلو پر دھیان ہی نہیں دیا کہ تمہاری رہائی کی شرائط پیش کرنے والا اس کی رہائی بھی کیوں چاہتا ہے؟''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹہلتے ہوئے بولا ''مائی گاڈ! تم میری کتنی بڑی کمزوری بن گئی ہو۔ تم پر ذرا سی آنچ آئی تو میں بدحواس ہو گیا اور اتنی سی بات پر دھیان نہ دے سکا کہ مجھے پر دہ مقدر حیات بلیک میل کر رہا تھا اور یہاں کے راز چرانے کے لیے اس نے پاشا کی بھی رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔''

وہ دردانہ کے قریب آ کر بولا ''تم نے اپنی ضد پوری کرنے کے لیے عینی کو اپنی بہو بنا لیا۔ آئندہ اس خاندان کو ذلت کی پستیوں میں لے جانا چاہتی تھیں۔ تم نے ایک طرح سے پاشا کو اس گھر کا داماد بنا دیا تھا۔ وہ مقدر حیات کا بہنوئی بنا گیا تھا اور مقدر حیات اس سے کوئی بھی کام لے سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے کام لیا اور یہاں سے چوری کرائی۔''

دردانہ بری طرح پریشان ہو گئی تھی۔ اٹھ کر کھڑی ہونا چاہتی تھی۔ اس نے کہا ''بیٹھو۔''

وہ بیٹھ گئی۔ وہ بھی اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا ''ماننا پڑتا ہے کہ ہاتھ کی لکیریں درست کہتی ہیں۔ پبلو ماسٹر نے ہمارے ہاتھ دیکھنے کے بعد کہا تھا۔ ہم کامیابیاں تو حاصل کر رہے ہیں لیکن کامیابیوں کے پیچھے ناکامیاں بھی چھپی ہوئی ہیں اور اب یہ پیش گوئی درست ثابت ہو رہی ہے۔''

وہ شہباز کو دیکھتے ہوئے بولی ''تم میری اس بات کا برا نہ ماننا۔ مقدر حیات تمہارے مقابلے میں فولاد ثابت ہو رہا ہے۔''

''میں تمہاری بات کا برا نہیں مانوں گا لیکن یہ وضاحت کر دوں کہ میں بھی لوہے کا چنا ہوں۔ مقدر حیات مجھے کبھی چبا نہیں سکا لیکن میری ایک کمزوری نے اسے شہزور بنا دیا ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''بے شک میں تمہاری بہت بڑی کمزوری بن چکی ہوں۔ جتنی جلدی ہو سکے مجھے اس ملک سے باہر بھیج دو یا مجھے مار کر کہیں پھینک دو لیکن اس کمبخت کے سامنے کمزور نہ بنو۔''

''بے شک مجھے سب سے پہلے یہی کرنا ہے۔ کیا تم نے وہ فائل دیکھی؟ کوئی چہرہ پسند آیا؟''

اس نے وہ فائل آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''یہ دیکھو۔ یہ عورت بہت خوبصورت ہے۔ مجھ سے بڑی حد تک مشابہت رکھتی ہے۔''

شہباز نے وہ فائل لے کر اس عورت کی تصویر دیکھی۔ سرسری طور پر اس کی فائل پڑھی پھر کہا ''یہ نیلماں دامودر روسی ایجنٹ تھی۔ ماسکو سے یہاں آئی تھی۔ کچھ روز یہاں رہ کر انڈیا جانے والی تھی۔ یہ امریکا کے خلاف اس مشن پر آئی تھی کہ مجھے بے نقاب کرے۔ میں کون ہوں؟ میرا نام کیا ہے؟ اسے معلوم تھا کہ میں اس ملک میں امریکی سی۔ آئی۔ اے کا سیکریٹ ایجنٹ ہوں اور خفیہ ہاتھ کے طور پر کام کرتا ہوں۔''

''پھر تو یہ عورت خطرناک ہے۔ مجھے اس کا چہرہ اپنانا نہیں چاہیے۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولا ''اب یہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ ایک برس پہلے آئی تھی اور میرے خلاف بہت سی اہم معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اسد عزیزی نے اسے اغوا کیا۔ اس کے یہ تمام ڈاکومنٹس حاصل کئے جو ابھی ہمارے پاس ہیں۔ پھر اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد روسی جاسوس اسے یہاں کئی ماہ تک تلاش کرتے رہے۔ آخر مایوس ہو گئے۔ ایک برس گزر چکا ہے۔ اب تو اس کا فائل بند کر دیا گیا ہوگا۔''

وہ اس فائل پر نظر ڈالتے ہوئے بولا ''نیلماں دامودر کا باپ روسی ایجنٹ تھا۔ بھارتی حکومت اسے ایک سنگین جرم کے الزام میں گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ وہ فرار ہو کر ماسکو چلا گیا تھا۔ نیلماں دامودر اس وقت دس برس کی بچی تھی۔ اس کے بعد وہ کبھی انڈیا نہیں گئی اور نہ ہی اس کے ہندوستانی رشتہ دار اور وہاں کے جاسوس اسے چہرے سے پہچانتے ہیں۔''

''کیا میں اس کے میک اپ میں جا سکتی ہوں؟''

''بے شک جا سکتی ہو۔ یوں بھی تمہارا میک اپ عارضی ہوگا۔ انڈیا پہنچتے ہی تم اس میک اپ سے نجات حاصل کر لو گی۔''

سکیورٹی افسر نے اسے باہر سے فون پر اطلاع دی۔ ''ایک شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اپنا نام حامد پردیسی بتا رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ میں آتا ہوں۔''

اس نے ریسیور رکھا اور کہا ”میک اپ مین آ گیا ہے۔ میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔“

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ کسی سے رابطہ ہونے پر اس نے کہا: ”ابھی یہاں آؤ۔ ایک ارجنٹ شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور ویزا تیار کرنا ہے۔ یہ کل صبح گیارہ بجے تک مجھے مل جانا چاہیے پھر اسی پاسپورٹ کے مطابق انڈین ائرلائن کی فلائٹ میں ایک سیٹ ریزرو کراؤ۔ یہاں آؤ گے تو میں اس پاسپورٹ کے سلسلے میں تفصیلی معلومات فراہم کروں گا۔“

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ دردانہ اس کے پیچھے آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ اس سے لپٹ کر بولی ”تم اپنے معاملے میں بہت پریشان ہو۔ تمہارے قیمتی راز چوری ہو گئے ہیں۔ اس کے باوجود تم میرے لیے بھی پریشان ہو۔“

وہ بولا ”یہ پریشانی صرف تمہاری سلامتی کے لیے ہے۔ تم یہاں سے انڈیا جاؤ گی۔ وہاں اپنا میک اپ اتار دو گی۔ تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا' پھر تم یورپ کے جس شہر میں جا کر رہنا چاہو گی' وہاں میں تمہاری رہائش کے انتظامات کرادوں گا۔ مجھے یہ اطمینان رہے گا کہ اب ذیشان اور مقدر حیات میری اس کمزوری سے کبھی نہیں کھیل سکیں گے بلکہ تمہاری عدم موجودگی ذیشان کے لیے عذابِ جان بن جائے گی۔“

وہ اسے تسلیاں دے رہا تھا لیکن اندر سے بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جو راز چوری ہو چکے ہیں ان کے سلسلے میں کسی وقت بھی واشنگٹن سے باز پرس ہو سکتی ہے اور سختی سے اس کا محاسبہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ ان کے اہم رازوں کا امین تھا۔ ان رازوں کی چوری سے واشنگٹن کی سیاست کو نقصان پہنچ سکتا تھا اور اس نقصان کے نتیجے میں بڑی رازداری سے اسے موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا۔

میں نے اسے ایسے راستے پر پہنچا دیا تھا جہاں ہر طرف کانٹے ہی کانٹے تھے۔ وہ دردانہ کو یہاں سے غائب کرنے کے بعد اپنے بھی بچاؤ کی تدبیر کرنے والا تھا۔

☆☆☆

عینی نے بینائی حاصل کرنے سے پہلے جب بھی پاشا کو دیکھا تو دھندلا دھندلا سا ہی دیکھا۔ اس کے دل میں حسرت تھی کہ وہ پوری وضاحت سے اس کے ناک نقشے کو دیکھے لیکن یہ حسرت دل میں رہ گئی تھی اور وہ اس سے بچھڑ گیا تھا۔

اب اس کے واپس آتے ہی اسے بینائی مل گئی تھی۔ وہ پہلی بار اپنے محبوب شوہر کو دیکھ رہی تھی اور اس پر قربان ہو رہی تھی۔ ان لمحات میں وہ ساری دنیا کو بھول گئی تھی۔ ان بچوں کو بھی وقتی طور پر بھول گئی تھی جن کی ماں کی آنکھوں سے پاشا دیکھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے بچپن کی عزیز ترین سہیلی عروج کو بھی بھول چکی تھی۔

اپنے مرد کا پیار اور اس کی قربت ایسی ہی ہوتی ہے۔ چاہنے والی دنیا کو تو کیا اپنے آپ کو بھی بھلا دیتی ہے۔ ان لمحات میں اس کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا: ”بس تو ہی ہے۔ تو ہے تو میرا یہ وجود ہے، میری یہ دنیا ہے۔ میں نے اپنا تن من تجھ پر نچھاور کیا تو پتا چلا کہ میں تیرے لیے ہی پیدا ہوئی تھی۔“

اس مرحلے پر عورت صرف اپنے حوالے سے ہی نہیں مرد کے حوالے سے بھی سوچتی ہے کہ جب میں تیرے لیے پیدا ہوئی تو تو بھی صرف میرے لیے پیدا ہوا ہے۔ میرے بدن کی کائنات صرف تیرے لیے ہے تو پھر تو بھی کسی اور کے لیے نہیں ہوگا۔ تیری آنکھیں صرف مجھے دیکھنے کے لیے ہوں گی۔ تیری زبان صرف میرے لیے غزل گنگنائے گی۔ عورت کی خواہش یہ مطالبہ بالکل جائز ہوتا ہے کہ جب وہ اس کے نام ہو چکی ہے تو مرد کو بھی اسی کے نام ہونا چاہیے۔

پاشا کی قربت اسے ساون کی ہریالی میں لے گئی تھی۔ مستی میں آئے ہوئے مور کی طرح اپنے پنکھ پھیلائے رقص کر رہی تھی اور ایسا تو ہوتا ہی ہے' مستی میں آئے ہوئے مور ناچتے ناچتے اپنے بھدے پاؤں دکھائی دیتے ہیں تو وہ ایک دم سے مرجھا جاتا ہے۔ ان رنگین لمحات میں اسے عروج یاد آئی۔ اس لیے یاد آئی کہ وہ اس کے پیار میں اور ازدواجی زندگی میں حصے دار بننے والی تھی۔ شادی سے پہلے وہ اس کے آدھے شوہر کی حقدار ہو گئی تھی۔

اس نے مدہوشی سے ہوش میں آتے ہوئے پاشا کو دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کچھ گم صم سا ہے۔ اس نے ایک شوہر کی حیثیت سے اسے آغوش میں تو لیا ہے' لیکن خود کہیں لاپتا ہے۔ اس سے پیار تو کر رہا ہے' لیکن ایسے کر رہا ہے جیسے بچی کو ٹافی دے کر بہلا رہا ہو اور خود کہیں اور جا کر منڈلا رہا ہو۔

اس نے پوچھا ”کیا سوچ رہے ہو؟“

وہ ایک دم سے چونک گیا اور اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔“

”کچھ تو ہے۔ تم کچھ نہ کچھ ضرور سوچ رہے ہو۔“

وہ جھجکتے ہوئے بولا ”ہاں' وہ عروج تم سے ملنے آئی تھی۔“

”ہاں' آئی تھی۔ اس نے میری پیشانی کو چوما تھا۔ پتا نہیں کب یہاں سے چلی گئی۔“

”وہ یہاں سے گئی اور تمہیں خبر نہیں ہوئی؟ آج ہم سب کے لیے بہت ہی خوشی کا دن ہے۔ تمہیں بینائی حاصل ہوئی ہے۔ وہ پتا نہیں کتنے جذبات لے کر تمہارے پاس آئی تھی۔ پتا نہیں کس طرح اپنی مسرتوں کا اظہار کرنے والی تھی لیکن تم نے میری طرف متوجہ ہو کر اسے نظر انداز کر دیا۔ وہ کیا سوچ رہی ہو گی؟“

”وہ کچھ نہیں سوچے گی' میری بچپن کی سہیلی ہے۔ مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔ اس نے جان بوجھ کر ہمیں یہاں تنہا چھوڑا ہے۔“

”میاں بیوی کی تنہائی کے لیے رات ہوتی ہے۔ اپنے گھر کے بیڈ روم کا ماحول ہوتا ہے اور یہ تو اسپتال ہے۔ یہاں سب ہی محبت اور ہمدردی سے مزاج پرسی کے لیے آتے ہیں۔ وہ بھی آئی تھی۔ سوچو کہ اگر اسے جانا ہی تھا تو آئی کیوں تھی؟ صاف سمجھ میں آتا ہے' سہیلی کی چاہت میں آئی تھی لیکن اس لیے چلی گئی کہ نظر انداز کی جا رہی تھی۔“

عینی نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ سوچ یہ تھی کہ پاشا اس کی حمایت میں کیوں بول رہا ہے؟ کیا اسے یاد آ گیا ہے کہ یہ عروج کو ٹوٹ کر چاہتا تھا؟ کیا عروج نے اسے اس کے ماضی کے بارے میں اور اپنی چاہت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے، اسے بہت کچھ یاد دلا دیا ہے؟

وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی ”کیا تمہیں پچھلی باتیں یاد آ رہی ہیں؟“

”جیسے جیسے مجھے یاد دلایا جا رہا ہے میں یاد کرتا جا رہا ہوں۔“

”کیا عروج یاد دلا رہی ہے؟“

”مجھے اب تک عروج سے ملنے اور فرصت سے باتیں کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ تمہاری بینائی کے سلسلے میں بہت مصروف رہی تھی۔ وہ چاہتی تو تمہیں نظر انداز کر کے میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزار سکتی تھی لیکن وہ تمہارے سلسلے میں ڈاکٹروں سے ملتی رہی اور ان سے تمہارے ہی بارے میں بات چیت کرتی رہی۔“

”تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ کل سے اب تک میرے معاملے میں مصروف رہی۔ مجھے نظر انداز نہیں کیا۔ میری خاطر تم سے دور رہی۔ لہٰذا مجھے بھی اس کی خاطر تم سے دور رہنا چاہیے؟“

”مجھ سے دور نہ رہو لیکن اسے تو قریب رکھو۔“

وہ زبان سے کچھ نہ بولی لیکن دل ہی دل میں کہنے لگی۔ ”ایسی رنگین اور رازدار تنہائی میں کسی اور کی بات کر رہے ہو؟ کیسے ہرجائی ہو؟ کیا اسے تھوڑی دیر کے لیے بھلا نہیں سکتے؟“

وہ تھوڑی دیر کے لیے بھول گئی تھی کہ پاشا کی پہلی محبت عروج تھی۔ پہلے ان دونوں میں پیار ہوا تھا اور یہ پیار انتہائی دیوانگی تک پہنچ گیا تھا۔ اس دیوانگی کے باوجود عروج نے یہ شرط لگائی تھی کہ پاشا کو عینی سے محبت کرنی ہو گی۔ عینی سے شادی کرنی ہو گی۔ اس کے بعد ہی وہ اس سے شادی کرے گی۔ یہ عروج کا بڑا پن تھا جسے وہ ان لمحات میں بھول رہی تھی۔

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی ”ٹھیک ہے' اسے بلاؤ۔ جب سے بینائی کمزور ہوئی ہے میں نے اسے بھی دھندلی دھندلی سی دیکھا ہے۔ آج میں اسے جی بھر کے دیکھوں گی۔ کیا وہ یہاں وزیٹرز روم میں ہے؟“

”میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں اور اسے بلا کر لاتا ہوں۔“

وہ فوراً ہی اس سے الگ ہو گیا۔ عینی کو ایسا لگا جیسے پیچھے سے عروج نے اسے کھینچ لیا ہو۔ وہ کمرے سے ایسے تیزی کے ساتھ جا رہا تھا جیسے رہائی پا کر فرار ہو رہا ہو اور واقعی وہ کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا تھا۔ دردانہ کی قید سے رہائی پانے کے بعد جب اس نے پہلی بار عروج کو دیکھا تو اس سے تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ میری مہربانی سے وہ دونوں پارکنگ ایریا میں کار کے اندر ملے تھے۔ مگر یہ بہت ہی مختصر سی ملاقات تھی۔ اس کے بعد ردمانہ کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے وہ اب تب میں دم توڑنے والی ہو۔ ڈاکٹر نے عینی سے کہہ دیا تھا کہ اسے اسپتال میں ایڈمٹ ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ عروج عینی کے معاملے میں اور زیادہ مصروف ہو گئی تھی۔ پاشا انتظار کرتا رہا کہ کوئی موقع ملے تو وہ تنہائی میں اس سے کچھ باتیں کرے۔

بہرحال تب سے اب تک، یعنی عینی کے بینائی حاصل کرنے تک، اس کے ساتھ بیٹھنے کا اور اس سے دو گھڑی باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اگر وہ خود غرض بن جاتی تو پھر موقع ہی موقع ملتا رہتا۔ یہی دیکھ کر پاشا کو کوفت ہو رہی تھی کہ وہ عینی کے لیے جان دیتی جا رہی ہے لیکن ایک عرصے سے بچھڑے ہوئے محبوب کو دل نہیں دے رہی ہے۔ عینی کے لیے فرض ادا کر رہی ہے۔ اپنے چاہنے والے کا قرض ادا نہیں کر رہی ہے۔

وہ عینی کے کمرے سے باہر کوریڈور میں آیا۔ وہاں عروج نہیں تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا ویزیٹرز روم میں پہنچا۔ وہاں کتنی ہی عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے بیٹھے ہوئے تھے لیکن وہ نہیں تھی۔ وہ اسے اسپتال کے مختلف حصوں میں تلاش کرتا ہوا

باہر آیا۔ جاوید برقی ماہم کو گود میں اٹھائے اور اشعر کی انگلی پکڑے آ رہا تھا۔ اس نے پوچھا ''کیا آپ نے عروج کو دیکھا ہے؟''

''جی ہاں۔ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنی کار میں بیٹھ کر کہیں گئی ہیں۔''

وہ مایوس ہو کر دور احاطے کے کھلے ہوئے گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ گیٹ اس کی بانہوں کی طرح کھلا ہوا تھا۔ وہ کھلی ہوئی بانہیں کہہ رہی تھیں ''آ جاؤ۔ میں اسپتال کے باہر اسی دنیا میں ہوں اور دنیا تو بہت چھوٹی سی ہے۔ مجھے ڈھونڈو گے تو پا لو گے۔ آؤ، میری کھلی ہوئی بانہوں میں آ جاؤ۔''

وہ بے اختیار ادھر ہی چل دیا۔ پیچھے بھی عینی کی بانہیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ بڑی محبت سے اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی لیکن اس کے پاؤں میں تو عشق کی زنجیریں پڑی تھی اور وہ زنجیریں اسے عروج کی طرف کھینچے لیے جا رہی تھیں۔

اور وہ عشق کے آزمائشی دور سے گزر رہی تھی۔ ایک طرف پاشا کی محبت اسے کھینچ رہی تھی۔ دوسری طرف عینی کے لیے جو فرائض تھے' وہ چیخ رہے تھے کہ اس نئی دلہن کے حقوق اسے ملنے چاہئیں' وہ اپنے شوہر کی بھرپور محبت کی مستحق ہے اور ایک سہیلی ہی اپنی سہیلی کو یہ حق دلا سکتی ہے۔

وہ یہی کر رہی تھی۔ اس اسپتال سے بہت دور جا رہی تھی تا کہ عینی اور پاشا کو زیادہ سے زیادہ تنہائی میں وقت گزارنے کا موقع ملتا رہے۔ وہ جانتی تھی کہ عینی کو اس کی کمی محسوس نہیں ہو گی لیکن یہ خوب جانتی تھی کہ وہ اسپتال میں رہے گی تو پاشا اسے پکڑ کر عینی کے پاس لے جائے گا۔ وہ خواہ مخواہ کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا وہ اسی طرح پاشا کو عینی کے پاس تنہا چھوڑتی رہے گی، اس سے ملنے کا موقع دیتی رہے گی تو وہ رفتہ رفتہ اس کی طرف مائل ہوتا رہے گا۔

وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی کوٹھی کے احاطے میں پہنچی۔ وہاں گاڑی روک کر سوچنے لگی۔ اب وہ عینی کے ساتھ دن رات نہیں گزار سکے گی۔ اس کے ساتھ دن رات گزارنے والا جیون ساتھی آ گیا ہے۔ اصولاً اسے آئندہ عینی کے گھر میں نہیں رہنا چاہیے۔

وہ اپنی کار سے اتر کر کاٹھی کے اندر آئی۔ ڈرائنگ روم سے گزر کر سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر عینی کے کمرے کی طرف جانے لگی۔ زینے کے اوپری حصے میں اسما کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا ''عروج! آج ہم سب کے لیے بہت ہی خوشی کا دن ہے۔ ہماری عینی کو آنکھوں کی روشنی مل گئی ہے۔''

وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آ کر بولی ''ہاں۔ اب اس کے بدنصیبی کے دن گزر چکے ہیں۔ پہلے بچھڑا ہوا پاشا اسے ملا اور اب آنکھوں کی روشنی مل گئی ہے۔''

''کیا پاشا اس کے پاس ہے؟''

''ہاں۔ میں ان دونوں کو وہاں تنہا چھوڑ کر آئی ہوں۔''

''تم دو دن اور دو راتوں سے عینی کے لیے بھاگ دوڑ میں مصروف رہیں۔ تمہاری ہی محنت اور لگن کے باعث اسے بینائی ملی ہے۔ یقیناً تم بہت تھک گئی ہو۔ تم کچھ دیر یہاں آرام کرو۔''

''نہیں بھابی جان! اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔ اپنا سامان لے کر جا رہی ہوں۔''

اسما نے چونک کر پوچھا ''یہ کیا کہہ رہی ہو؟''

''آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں' مجھے اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔''

''میں نے تو کیا گھر کے سب ہی لوگوں نے تمہارے لیے پاشا کی دیوانگی کو محسوس کیا ہے۔ تمہارا یہ فیصلہ مناسب ہے۔ کیا تم اپنے گھر جاؤ گی؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''اسپتال کے کوارٹر میں پچھلے دو برس سے رہتی آئی ہوں' وہیں رہوں گی۔''

وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی عینی کے کمرے میں آئیں۔ عروج اپنی ایک اٹیچی نکال کر اس میں اپنا ضروری سامان رکھنے لگی۔ میں اس وقت اپنے کمرے میں تنہا تھا اور عرصہ کے دشمن امیر علی کے ہاتھوں کی لکیروں پر پہنچا ہوا تھا۔ میں مقدر ہوں اور ہر انسان کے مقدر کی باتیں بتاتا رہتا ہوں۔ اس لیے امیر علی کے بارے میں بھی کچھ بتانا ضروری ہے۔

اس نے عرصہ کو حاصل کرنے کے لیے اس کی بڑی بہن نجمہ کو اغوا کرایا تھا پھر اس کی عزت کو کھلونا بنایا تھا۔ اس کے بعد دھمکی دی تھی کہ عرصہ اس کے پاس نہیں آئے گی تو اس کی دوسری بہن کو بھی اغوا کر لیا جائے گا۔ میں نے اس کے جواب میں امیر علی کے ساتھ وہی چال چلی تھی۔ اسے بھی اسی طرح دھمکی دی تھی۔ اس کے مقدر کے مطابق اس کی بڑی بیٹی گھر چھوڑ کر اپنے عاشق کے ساتھ چلی گئی تھی۔ میں نے اس سے جھوٹ کہا تھا کہ اسے میں نے اغوا کیا ہے اور اگر وہ راہ راست پر نہ آیا اور اس کے پاس ہوٹل میں آنے والی عرصہ اس کے گھر نہ پہنچایا تو اس کی دوسری بیٹی کو بھی اغوا کر لیا جائے گا اور اگر میں اس کی دوسری بیٹی کو نہ اٹھوا سکا تو پھر موت کا فرشتہ اسے اٹھا کر لے جائے گا۔

میری اس دھمکی نے امیر علی کو پریشان کر دیا تھا۔ اس کی نیند حرام ہو گئی تھی۔ وہ آدھی رات کے بعد بھی عرصہ کو تلاش کر رہا تھا۔ اس کے گھر والوں کے پاس گیا تھا۔ پتا چلا وہاں بھی عرصہ اب تک نہیں پہنچی ہے۔ گھر والے بھی پریشان تھے۔

پہلے اس نے پولیس اور غنڈوں کو ان کے خلاف استعمال کیا تھا' اب ان کی حمایت میں انہیں استعمال کرنے لگا۔ ان کی بیٹی عرصہ کو تلاش کرنے کے سلسلے میں سب ہی کو لالچ دے رہا تھا کہ جو اسے ڈھونڈ لائے گا اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

میں امیر علی اور اس کی بیٹیوں کے بارے میں نہایت اختصار سے بیان کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی دوسری بیٹی کی موت کا وقت مقرر ہو چکا تھا۔ وہ سہ پہر تین بجے اپنی آخری سانسیں پوری کرنے والی تھی۔ امیر علی میری دھمکیوں کے پیشِ نظر یہی سمجھ رہا تھا کہ میں اسے اغوا کر کے لے جانے والا ہوں۔ اس نے اپنی دوسری بیٹی کے اطراف سخت پہرہ لگا دیا تھا۔ اسے کوٹھی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ خاندان کے تمام افراد کو اس کے کمرے کی طرف جانے سے منع کیا گیا تھا۔ دروازے کو باہر سے لاک کر دیا گیا تھا تا کہ وہ نہ باہر آ سکے نہ کوئی اندر جا سکے۔

اس کی اس دوسری بیٹی کا نام شبانہ تھا۔ وہ اپنے کالج کے ایک طالب علم ساتھی سے محبت کرتی تھی۔ جبکہ اس کا باپ امیر علی اپنے بھائی کے دوسرے بیٹے سے اس کی شادی کرانا چاہتا تھا۔ وہ باہر چوری چھپے اپنے عاشق سے ملتی رہی تھی' جس کے نتیجے میں اس کے پاؤں بھاری ہو گئے تھے۔ اب بدنامی کا خوف تھا۔ اس کا عاشق کالج کی تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے گاؤں واپس چلا گیا تھا۔ اس کی کوئی خبر نہیں تھی اور نہ ہی وہ جانتی تھی کہ وہ کب تک واپس آئے گا۔ اس کے انتظار میں بات کھلنے والی تھی۔

اس شریف زادی نے بدنامی اور رسوائیوں سے بچنے کے لیے ٹھیک تین بجے زہر پی کر خودکشی کر لی۔ یوں تقدیر کا لکھا پورا ہو گیا اور میری دھمکی بھی پوری ہوئی کہ میں اسے اٹھوا نہ سکا تو موت کا فرشتہ اسے اٹھا کر لے جائے گا۔

امیر علی بری طرح دہشت زدہ ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں کوئی بہت بڑا چالباز ہوں۔ اس کی دوسری بیٹی کو اغوا نہ کر سکا تو اسے کسی طرح زہر دے کر اپنی دھمکی پوری کر دی ہے۔ میں نے کس طرح زہر دیا ہے؟ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن میری دھمکی امیر علی کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

جب وہ دوسری بیٹی کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو گیا تو میں نے فون پر اسے مخاطب کیا۔ وہ گڑگڑا کر بولا ''میرے حال پر رحم کرو۔ تم نے میری دوسری بیٹی کو کھا لیا۔ بڑی بیٹی کو کہیں گم کر دیا۔ اب اور کیا چاہتے ہو؟''

میں نے کہا ''بہت کچھ چاہتا ہوں۔ تم نے ایک غریب خاندان کی شریف زادی کو اغوا کرایا اور اس کی عزت کو کھلونا بنا دیا۔ تمہیں اس جرم کی تلافی کرنی ہو گی۔''

''اب میرے پاس نقصان اٹھانے کے لیے کیا رہ گیا ہے جو تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟''

''ابھی تمہاری تیسری بیٹی گھر میں ہے اور وہ بھی جوان ہے اور یہ بتا دوں کہ میں نے تمہاری بڑی بیٹی کو اغوا نہیں کیا ہے۔ اس نے باقاعدہ اپنے ماموں زاد بھائی سے نکاح کیا ہے اور اس کے ساتھ جائز ازدواجی زندگی گزار رہی ہے۔ تم نے اس غریب خاندان کے ساتھ جو ظلم کیا ہے اس کی تلافی نہیں کرو گے تو میں تمہاری بڑی بیٹی کو بھی مار ڈالوں گا اور تمہاری تیسری بیٹی کا جو انجام ہو گا اسے دیکھ کر تو تم خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔''

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا ''ٹھیک ہے' تم جس طرح کہو گے اس طرح میں تلافی کروں گا۔''

میں نے طنزیہ انداز میں کہا ''جب تمہاری اپنی جوان بیٹیوں پر بات آئی ہے تو اس غریب خاندان کی بیٹی کے سلسلے میں تلافی کے لیے تیار ہو۔ تمہارے جیسے دولتمند ہوس پرست لوگوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جانا چاہیے' جیسا میں کر رہا ہوں۔''

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ فون کو کان سے لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کہا ''تم نے عرصہ کی بڑی بہن نجمہ کو اغوا کرایا۔ اس کی عزت کو خاک میں ملایا۔ اب اس کا رشتہ کہیں سے نہیں آئے گا۔ اگر تم اس سے شادی کر لو تو اس کی نیک نامی واپس آ جائے گی۔ یوں عرصہ کے خاندان والوں کی نیک نامی بحال ہوتے ہی اس کی دوسری بہنوں کے لیے بھی رشتے آنے لگیں گے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں اس سے شادی نہیں کر سکوں گا۔ ہم خاندانی لوگ ہیں۔ ہمارے یہاں رشتہ داری صرف اپنی برادری میں ہوتی ہے۔''

''دوسری برادری کی شریف زادیوں کی عزت سے کھیلتے وقت تمہیں اپنی برادری یاد نہیں آتی؟ بہتر ہے مجھ سے بحث نہ کرو۔ جو کہہ رہا ہوں وہی کرو ورنہ تمہارا برا انجام بہت جلد تمہارے سامنے ہی آئے گا۔''

''مجھے اس سلسلے میں سوچنا ہو گا اور اپنے خاندان والوں کو راضی کرنا ہو گا۔ ایک دوسری برادری کی لڑکی کو اس بڑھاپے میں دلہن بنا کر لانے کی بات ایسی ہے کہ سب کے سامنے مذاق بن جاؤں گا۔ میری بیوی اور اس کے میکے

والے میری اس شادی پر اعتراض کریں گے۔ ان سب کو راضی کرنے کے لیے مجھے دو چار مہینوں کی مہلت دو۔"

"میں دو چار دنوں کی بھی مہلت نہیں دوں گا۔ صرف دو گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔ اگر دو گھنٹے کے بعد تم عرصہ کے گھر جا کر ان کی بیٹی کا رشتہ طلب نہیں کرو گے اور دوسرے دن اس سے نکاح پڑھانے کا وقت مقرر نہیں کرو گے تو اپنی تیسری بیٹی سے بھی جاؤ گے۔ میں تمہاری بیوی اور اس کے میکے والوں کو تمہاری ذلالت کی روداد سناؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ تمہارے ساتھ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟"

میں نے رابطہ ختم کیا۔ امیر علی چاروں طرف سے پریشانیوں میں گھر گیا تھا۔ ایک تو بڑی بیٹی گھر سے بھاگ گئی تھی۔ دوسری بیٹی نے خودکشی کر لی تھی۔ اس خودکشی کی وجہ سے پولیس کیس ہو گیا تھا۔ اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرایا گیا تو پتا چلا کہ وہ حاملہ تھی۔ پولیس والے شبہ کر رہے تھے کہ اس کا حمل چھپانے کے لیے گھر والوں نے ہی اسے زہر دے کر مار ڈالا ہے۔

آخر اس نے مجبور ہو کر اپنی بیوی کے سامنے ساری حقیقت بیان کی کہ اس پر کس طرح آفتیں نازل ہو رہی ہیں۔ اس کی شریکِ حیات ساری باتیں سننے کے بعد رونے لگی۔ اسے طعنے دینے لگی۔ ایک ایک بات دہرانے لگی۔" اس بڑھاپے میں عیاشی کا یہ نتیجہ سامنے آ رہا ہے۔ میری بڑی بیٹی شہناز تو میرے بھائی کے بیٹے سے نکاح پڑھا کر جہاں کہیں گئی ہے امید ہے واپس آ جائے گی لیکن میری دوسری بیٹی کیسے واپس آئے گی؟ پولیس والے ہمارے خلاف کیس بنا رہے ہیں کہ ہم نے اس کا حمل چھپانے کے لیے اسے زہر دے کر مار ڈالا ہے۔ کیا آپ کو احساس ہے کہ ہم مصائب میں بھی گرفتار ہو رہے ہیں اور ذلتیں بھی اٹھا رہے ہیں؟"

امیر علی نے کہا "اس کی فکر نہ کرو۔ میں بڑی سے بڑی رقم دے کر اس کیس کو ختم کرا دوں گا۔ ہمیں اپنی تیسری بیٹی مہناز کی حفاظت کرنی ہے۔ وہ کمبخت بلیک میلر مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔ میں اب تک اس کی دھمکیوں کے مطابق نقصان اٹھاتا آ رہا ہوں۔ تیسری بیٹی کے سلسلے میں نقصان نہیں اٹھانا چاہتا۔"

اس کی شریکِ حیات نے روتے ہوئے کہا "کیا میں اپنی تیسری بیٹی کا نقصان چاہوں گی؟ میں اس بلیک میلر سے ہاتھ جوڑ کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ تمہیں معاف کر دیا جائے اور میری بیٹی کی جان بخش دی جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے کسی شریف زادی کی عزت لوٹی ہے تو پھر آپ کی بیٹی کے لیے میں کسی سے کیسے معافی مانگوں؟ کیسے التجا کروں کہ اس کی جان بخش دی جائے؟ اس کی عزت سے نہ کھیلا جائے؟ یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ جو دوسروں کے ساتھ کیا وہی آپ کی بیٹیوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا "تم طعنے ہی دیتی رہو گی تو مسئلہ حل نہیں ہو گا۔"

"جانتی ہوں۔ مسئلہ تو بس اسی طرح حل ہو سکتا ہے کہ آپ نے جس کی عزت لوٹی ہے اسے اپنی شریکِ حیات بنا کر عزت دیں۔ وہ بلیک میلر جیسا بھی ہے ایک اصولی بات کہہ رہا ہے کہ ہم اس آبرو باختہ لڑکی کو عزت دیں گے تو اس کی دوسری بہنوں کے لیے بھی رشتے آئیں گے۔ جائیں اور آپ اس سے نکاح پڑھا کر اسے یہاں لے آئیں۔"

یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کسی کے رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہونا تو وہی تھا جو لکیریں کہتی ہیں۔

دو گھنٹے بعد امیر علی اس پسماندہ علاقے میں عرصہ کے باپ سے ملنے آیا۔ اس کے ماں باپ نے اسے بڑی عزت سے ایک کمرے میں بٹھایا پھر روتے ہوئے کہا "آپ نے ہماری بیٹی کو کہاں چھپا دیا ہے؟ وہ گھر کیوں نہیں آ رہی ہے؟ آپ کیوں ہم پر ظلم کر رہے ہیں؟"

وہ جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا۔ میں نے فون پر اسے مخاطب کیا پھر کہا "اس کے ماں باپ سے کہو، عرصہ بخیریت ہے اور ابھی ان سے بات کرنا چاہتی ہے۔ تم فون انہیں دو۔"

وہ فون عرصہ کے باپ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "اپنی بیٹی سے بات کریں۔"

میں نے اپنا فون عرصہ کو دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی "ہیلو ای! ابو! میں آپ کی بیٹی عرصہ بول رہی ہوں۔"

باپ نے تڑپ کر پوچھا "بیٹی! تم کہاں ہو؟ یہاں کسی نے آ کر ہمیں کہا تھا کہ ہم تمہارے لیے پریشان نہ ہوں تم خیریت سے ہو اور جلد ہی ہم سے رابطہ کرنے والی ہو۔ ہمیں کسی حد تک اطمینان ہوا تھا لیکن تم گھر کیوں نہیں آ رہی ہو؟"

"ابو! میں گھر آؤں گی تو تمام باتیں آپ کو بتاؤں گی۔ فون پر لمبی باتیں نہیں کر سکتی۔ فی الحال تو اتنا سمجھ لیں کہ میں اس مغرور امیر علی کو سزا دے رہی ہوں۔ وہ بہت مجبور ہو کر آپ کے پاس آیا ہے۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ جس طرح میری آپی کی عزت سے کھیلا گیا ہے اب اسی طرح ان کی عزت رکھنے کے لیے ان سے شادی کرے۔ وہ آپی کا رشتہ مانگنے آیا ہے۔ آپ اس رشتے کے لیے راضی ہو جائیں۔"

"بیٹی! مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگتا۔ ہم کیسے راضی ہو جائیں؟"

"آپ خود کو ٹاٹ نہ کہیں، خود کو گرا ہوا نہ سمجھیں۔ ہم اس سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ آپی نیک نامی سے بیاہ کر اس کے ساتھ جائیں گی تو آپ کی دوسری بیٹیوں کے رشتے آنے میں بھی آسانی ہو گی۔"

"بیٹی! تم کہہ رہی ہو تو ہم ہاں کہہ دیں گے۔"

"اور ایک بات یاد رکھیں۔ میرے ایک بھائی جان ہیں۔ آپی کی شادی کے سلسلے میں ابھی فون پر امیر علی سے معاملات طے کریں گے۔ آپ فون امیر علی کو دیں۔"

اس کے باپ نے فون اسے دیا۔ اس نے اسے کان سے لگا کر کہا "ہیلو؟"

عرصہ نے کہا "کیا میری آواز پہچان رہے ہو؟ میں وہی عرصہ ہوں جس کی عزت کو کھلونا بنانے کے لیے تم نے ہوٹل میں بلایا تھا۔ تم نے میری آپی کے ساتھ جو سلوک کیا اس کے نتیجے میں تمہیں خوب ذلیل کرنا چاہیے لیکن تم آپی کا رشتہ مانگنے آئے ہو۔ انہیں عزت سے بیاہ کر لے جانا چاہتے ہو اس لیے تمہیں معاف کر رہی ہوں۔ چلو، ان سے رشتے کی بات کرو۔ اس کے بعد پھر میرے بھائی جان تم سے شادی کے سلسلے میں معاملات طے کریں گے۔"

اس نے فون کو آن رکھتے ہوئے عرصہ کے باپ سے کہا۔ "میں آپ کی بڑی بیٹی سے نکاح پڑھوانا چاہتا ہوں۔ اسے اپنی عزت بنا کر گھر لے جانا چاہتا ہوں۔"

اس کے باپ نے کہا "میری بیٹی عرصہ نے بھی یہی کہا ہے کہ تم میری بڑی بیٹی کا رشتہ مانگو تو میں اسے قبول کر لوں لیکن تم رشتہ مانگنے کے لیے اکیلے کیوں آئے ہو؟ کیا تمہاری بیوی کو دوسری شادی پر اعتراض نہیں ہو گا؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "میری وائف کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کل میں نکاح پڑھانے کے لیے یہاں آؤں گا تو میری بیوی اور دوسرے رشتہ دار بھی ساتھ ہوں گے۔ یہاں سادگی سے نکاح پڑھایا جائے گا پھر میں اسے دلہن بنا کر اور اپنی عزت بنا کر یہاں سے لے جاؤں گا۔"

عرصہ کے باپ نے اس سے فون لے کر اسے کان سے لگا کر کہا "بیٹی! تم سن رہی ہو؟"

میں نے کہا "میں سن رہا ہوں۔ میں عرصہ کا بڑا بھائی ہوں۔ آپ کا بیٹا۔"

وہ بولا "بیٹے! تم ایک بھائی بن کر میری بیٹی کو تحفظ دے رہے ہو اور ہماری عزت بڑھا رہے ہو۔ ہم تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔"

"اس وقت آپ احسان مندی کی باتیں نہ کریں۔ اس سے کل نکاح پڑھانے کا وقت مقرر کریں۔ شادی کے سلسلے میں اتنی جلدی جتنی دھوم دھام کر سکتے ہیں ضرور کریں۔ آپ کی بیٹی عرصہ ایک آدھ گھنٹے میں اچھی خاصی رقم لے کر آنے والی ہے۔"

عرصہ کے باپ نے امیر علی سے پوچھا "کل آپ کس وقت قاضی صاحب کو لے کر آئیں گے؟"

"میں مغرب کی نماز کے بعد قاضی صاحب کو لے کر آ جاؤں گا۔"

میں نے عرصہ کے باپ سے کہا "میں نے سن لیا ہے۔ اب آپ فون اسے دیں۔"

وہ فون امیر علی کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے کہا "یہ شادی چوری چھپے نہیں ہو گی۔ دھوم دھام سے ہو گی کیونکہ ایک شریف زادی بیاہی جا رہی ہے۔ تم اپنے زیادہ سے زیادہ رشتہ داروں کو لے کر ایک میرج ہال میں آؤ گے۔ وہاں سے نکاح پڑھا کر دلہن کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔ تمہاری شادی کی باقاعدہ ویڈیو فلم تیار ہو گی۔"

وہ بے بسی سے بولا "اتنی دھوم دھام کی کیا ضرورت ہے؟ سادگی سے بھی نکاح پڑھایا جا سکتا ہے۔"

میں نے کہا "فضول بحث نہ کرو۔ جو کہہ رہا ہوں وہی ہو گا۔ کل نکاح کے وقت ہی مہر کی رقم پچاس لاکھ روپے کا چیک بھی دلہن کو دو گے۔ سوسائٹی کے علاقے میں تم نے ایک نئی کوٹھی بنوائی ہے۔ تم اپنی دلہن کو وہاں لے جاؤ گے اور ایک ہفتے کے اندر وہ کوٹھی اس کے نام کر دو گے۔ شادی کے دوسرے دن دلہن کے ماں باپ اور بہن بھائی اسی کوٹھی میں آ کر رہا کریں گے۔"

وہ مجبور تھا۔ اسے جو کہا جا رہا تھا وہی کرنا تھا۔ میں نے عرصہ کو سمجھا دیا تھا کہ وہ گھر جا کر اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں سے ملاقات کرے۔ اپنے ساتھ دس لاکھ روپے لے جائے۔ میرج ہال بک کرائے اور دھوم دھام سے بہن کی شادی کرے۔ ماں باپ اور بھائی بہنوں کو اچھی طرح سمجھا دے کہ دنیا والوں کے سامنے ایک جھوٹی کہانی بیان کرنی ہے کہ ان کا ایک چچا جو ساؤتھ افریقا میں ہیرے جواہرات کا بیوپار کرتا تھا اس کا انتقال ہو چکا ہے لہٰذا اس کی دولت اور جائیداد سب ہی عرصہ کے نام ہو چکی ہے۔

میں نے تمام باتیں عرصہ کو اچھی طرح سمجھا کر آسرا کے ساتھ اس کے گھر روانہ کر دیا پھر وہاں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ پاشا ایک ٹیکسی میں آیا تھا۔ وہ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے کوٹھی کے اندر آیا تو مجھ سے سامنا ہوا۔ میں نے پوچھا "یعنی

کیسی ہے؟''

اس نے کہا ''اسے تو بینائی مل گئی ہے۔ آپ اس سے ملنے نہیں آئے؟''

''میں بہت مصروف تھا۔ کسی وقت اس سے ملنے جاؤں گا لیکن تم اسے اسپتال میں چھوڑ کر یہاں کیوں آئے ہو؟''

وہ جھجکتے ہوئے، بات بناتے ہوئے بولا ''وہ جاوید برقی کے بچوں کے ساتھ مصروف تھی۔ میں ادھر آ گیا۔''

اسماء زینے سے اترتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ رہی تھی۔ اس نے کہا ''پاشا! اچھا ہوا تم آ گئے۔ میں سوچ رہی تھی عینی کے لیے گھر کا پکا ہوا کھانا لے جاؤں۔ اب میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔''

اس نے ہچکچاتے ہوئے مجھے دیکھا پھر اسما سے پوچھا۔ ''عروج کہاں ہے؟''

''اس کی ڈیوٹی کا وقت ہو گیا ہے۔ وہ اسپتال گئی ہوگی۔ تم یہاں بیٹھو۔ میں عینی کے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔''

وہ بولا ''بھابی جان! آپ عینی کے لیے کھانا لے جائیں۔ میں ابھی اسپتال سے آیا ہوں بعد میں وہاں آ جاؤں گا۔''

وہ بولی ''تعجب ہے۔ تمہاری نئی شادی ہوئی ہے۔ تمہاری دلہن کو نئی آنکھیں ملی ہیں۔ تم اسے چھوڑ کر کیا یہاں رہو گے؟''

وہ پھر جھجکتے ہوئے بولا ''نہیں۔ وہ دراصل بات یہ ہے کہ عینی عروج سے ملنا چاہتی تھی۔ میں اسے لینے یہاں آیا تھا۔ اب وہ اپنی ڈیوٹی پر گئی ہے تو میں وہیں چلا جاتا ہوں۔ جب اس کی ڈیوٹی ختم ہوگی تو میں اسے لے کر عینی کے پاس آؤں گا۔''

''اس کی ڈیوٹی رات گیارہ بجے ختم ہوگی۔ کیا اس وقت تک تم وہاں بیٹھے رہو گے اور عینی کو تنہا چھوڑ دو گے؟''

''آپ تو جا رہی ہیں۔ پھر وہ بچے بھی اس کے پاس ہیں۔ وہ تنہا نہیں رہے گی۔''

''پاشا! کچھ عقل کی بات کرو۔ تم اس کے شوہر ہو۔ تمہیں زیادہ سے زیادہ اس کے قریب رہنا چاہیے۔''

وہ سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ میں نے کہا ''بیٹھ جاؤ۔'' وہ چپ چاپ بیٹھ گیا۔ میں نے کہا ''تم اپنے دل کی بات چھپا رہے ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم عینی سے کترا کر عروج سے ملنے آئے ہو۔''

وہ جھجکتے ہوئے بولا ''نن۔ نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

اسما نے کہا ''ایسی ہی بات ہے۔ عروج کے لیے تمہاری دیوانگی ہے اسے سب ہی سمجھ گئے ہیں۔ اگر وہ عینی کا دل رکھنے کے لیے اپنے پیار کی قربانی دے رہی ہے تو کیا تم عینی کا دل رکھنے کے لیے ایسا نہیں کر سکتے؟ وہ معصوم ایک طویل عرصے تک اندھیروں میں بھٹکتی رہی ہے۔ آج اسے روشنی ملی ہے تو کیا تم اسے اب بھی بھٹکانا چاہتے ہو؟ اس کا دل توڑنا چاہتے ہو؟''

''میں ایسا کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ جب میں نے عینی سے شادی کی ہے تو اس رشتے کو آخری وقت تک نباہوں گا لیکن جب سے میں یہاں آیا ہوں عروج سے اچھی طرح ملنے اور باتیں کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا ہے۔ حالات نے مجھے دو کشتیوں میں سوار کر دیا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کسی وقت بھی میں ان دو کشتیوں سے گروں گا اور ڈوب مروں گا۔''

میں نے کہا ''ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ تم تینوں کے درمیان پیار کا جو ایک مثلث قائم ہو گیا ہے اس میں توازن برقرار رکھنا ہوگا۔''

''مقدر بھائی! میں نے سنا ہے' آپ بہت بڑے ماہر نجومی ہیں۔ آپ جو پیش گوئی کرتے ہیں وہ درست ثابت ہوتی ہے۔ پلیز، میرا ہاتھ دیکھیں اور میرے بارے میں بتائیں۔ کیا میں ساری زندگی عینی اور عروج کے درمیان بھٹکتا رہوں گا؟''

میں نے یوں ہی دکھاوے کے لیے اس کی ہتھیلی دیکھی پھر کہا ''میں نے عینی اور عروج کے ہاتھ دیکھے ہیں۔ اب تمہارا ہاتھ بھی دیکھ رہا ہوں۔ تم تینوں ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے ہو۔ جس طرح عینی کی مرادیں پوری ہو رہی ہیں اور تم اسے مل رہے ہو۔ اسی طرح تمہاری بھی مرادیں پوری ہوں گی اور عروج تمہیں ملے گی۔ لیکن اس کے لیے صبر کرنا ہوگا، انتظار کرنا ہوگا۔ اگر تم محبت میں توازن برقرار نہیں رکھو گے اور دیوانہ وار عروج کے پیچھے بھاگو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ وہ تم سے بچھڑ جائے گی تو کیا تم اس کی جدائی برداشت کر سکو گے؟''

وہ نفی میں سر ہلا کر بولا ''آپ ایسی پیش گوئی نہ کریں۔''

''میں پیش گوئی کر رہا ہوں تو تمہیں راستہ بھی بتا رہا ہوں کہ صبر کرنا ہوگا اور مناسب وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔ نہیں کرو گے تو پچھتاؤ گے۔''

اسما وہاں سے کچن کی طرف چلی گئی تھی اور ایک ٹفن کیریئر میں عینی کے لیے کھانا لے آئی تھی۔ میں اس وقت تک پاشا کو سمجھاتا رہا۔

اس وقت وہ ہمارے سامنے مجبور تھا۔ عروج کے پیچھے

بھاگنا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے اسما کے ساتھ اسپتال چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میرے فون کا بزر بولنے لگا۔ میں نے دیکھا شہباز درانی کے نمبر تھے۔ میں نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا پھر کہا ''ہاں بولو؟''

وہ بڑے نرم لہجے میں بولا ''مقدر! ہمارے درمیان سمجھوتا ہو گیا تھا۔ تم نے جتنے مطالبات کیے۔ وہ میں نے پورے کیے اور تم نے بھی دردانہ کو رہائی دلا دی لیکن تم نے اس لین دین اور سمجھوتے کے دوران میں مجھے زبردست دھوکا دیا ہے۔''

میں سمجھ رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا۔ ''تمہاری ساری زندگی جھوٹ بولنے اور دھوکا دینے میں گزر رہی ہے۔ تم پوری پاکستانی قوم کو دھوکا دے رہے ہو۔ یہ ایک الگ سی بات ہے۔ میرے خاندانی معاملات کا جہاں تک تعلق ہے تو تم نے اور دردانہ نے میری بڑی امی کو ثمینہ کے کیس میں پھانسنا چاہا اور میری بہن عینی کو بے حیا اور بدچلن ثابت کرنا چاہا۔ پاشا سے اس کا نکاح پڑھا کر اسے اس کے شوہر سے جدا کرنے کی کوشش کی۔ میں جانتا ہوں آئندہ بھی تم بہت کچھ کرنے والے ہو۔ اگر میں نے تمہیں دھوکا دیا ہے اور تمہارے کچھ اہم راز وہاں سے چرائے ہیں تو شکایت کیوں کر رہے ہو؟''

وہ تمام اہم راز تہمینہ نے چرائے تھے اور اس عورت نے بہت مجبور ہو کر ایسا کیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ راز کھلے اور وہ درندہ تہمینہ کو اور اس کے سارے خاندان کو خاک میں ملا دے۔

اس نے کہا ''میرے ان تمام اہم کاغذات اور مائیکرو فلمز کی واپسی کی بات کرو اور ان کی قیمت بتاؤ۔ میں تمہاری منہ مانگی رقم فوراً ادا کروں گا۔''

''ان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ کوئی لین دین نہیں ہوگا۔ تمہاری یہ چیزیں میرے پاس امانت کے طور پر رہیں گی تاکہ تم آئندہ مجھ سے اور میرے خاندان والوں سے کسی قسم کی شرارت کرنے کی جرأت نہ کر سکو۔''

''تم سمجھوتا نہیں کرو گے تو مجھے اپنے بچاؤ کے لیے جرأت کرنی ہی پڑے گی۔ جب کوئی مجھے ایک طرف سے مات دیتا ہے تو میں اسے کئی طرف سے مات دینے کا ہنر جانتا ہوں۔''

''کیا تم نے یہی جتانے کے لیے فون کیا ہے؟''

''نہیں، سمجھانے کے لیے فون کیا ہے۔ سمجھوتا کر لو تو دونوں کے لیے بہتری ہوگی۔''

''تم صرف اپنی بہتری کے لیے سوچو۔ میری بہتری کی فکر میں اپنی صحت خراب نہ کرو۔''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ جو راز اس کے پرائیویٹ چیمبر سے چرائے گئے تھے وہ ان کے لیے بہت پریشان تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ واشنگٹن والے اس سلسلے میں بڑی سختی سے اس کا محاسبہ کریں گے۔ اس سے پہلے کہ چوری کی یہ خبر وہاں تک پہنچے وہ ان رازوں کو واپس حاصل کر لینا چاہتا تھا۔

اس نے پھر مجھے فون کیا۔ میں نے فون پر اس کے نمبر دیکھ کر پوچھا ''اب کیا کہنا چاہتے ہو؟''

وہ بولا ''کیا تمہیں پتا ہے کہ میں نے تمہارے بھائی ذیشان کے خلاف کس طرح گھیرا تنگ کیا ہے؟ اتنے ٹھوس ثبوت اور اتنے مستند گواہ ہیں کہ اسے سزائے موت ضرور ہوگی۔ کئی قتل کے الزامات اس پر ثابت ہو جائیں گے۔''

میں نے پوچھا ''تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''اسی لیے کہتا ہوں سمجھوتا کر لو۔ میں ذیشان کے خلاف کیس واپس لے لوں گا۔ جمع شدہ تمام ثبوت اور گواہوں کو غلط ثابت کر دوں گا۔''

میں خاموش رہا۔ وہ بولا ''تمہیں یقین نہیں ہے تو میرے وکیل سے کسی وقت بھی ملاقات کر سکتے ہو۔ وہ تمہیں اس کیس کی فائل کھول کر دکھائے گا کہ کتنے ٹھوس ثبوت اور کتنے مستند گواہ ہیں۔ کوئی تمہارے بھائی ذیشان کو موت کی سزا سے بچا نہیں سکے گا۔ پھانسی کا پھندا اس کا مقدر بن جائے گا۔''

''شہباز! تم اپنے طور پر بڑی زبردست چالیں چل رہے ہو۔ تم نے میری بڑی امی کے خلاف ایک ویڈیو کیسٹ بنائی۔ اس ویڈیو کیسٹ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ میری بڑی امی نے ثمینہ کو قتل کیا اور اس کے دو کروڑ کے ہیرے بھی چرا کر لے گئیں۔ یعنی میری بڑی امی پر بھی ڈکیتی اور قتل کا الزام تھا۔ انہیں بھی کوئی پھانسی سے نہیں بچا سکتا تھا لیکن میں نے بچا لیا۔ تمہاری وہ چال ناکام رہی۔''

پھر میں نے ایک ذرا توقف سے کہا ''تم نے میری بہن عینی کے خلاف ایک ویڈیو کیسٹ تیار کی۔ جس کے ذریعے اسے بے حیا اور بدچلن ثابت کیا جا سکتا تھا۔ وہ اپنے خاندان اور اعلیٰ سوسائٹی میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی لیکن تمہاری اس چال کا بھی کیا بنا؟ میں نے اسے بھی ناکام بنا دیا۔''

''بے شک تم نے میری ان چالوں کو ناکام بنا دیا۔ میں کیا کروں۔ دردانہ میری جان ہے، میری کمزوری ہے۔ تم نے اس کمزوری پر ہاتھ ڈالا اور کامیاب ہو گئے۔ آئندہ میں اس پر تمہارا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا پھر دیکھوں گا کہ تم کس طرح

اپنے بھائی کو پھانسی کے پھندے سے بچا سکو گے۔"

میں ذرا چپ رہا۔ وہ بولا "ہاں، چپ رہ کر ذرا سوچو۔ ٹھنڈے دماغ سے غور کرو۔ صرف مجھ سے سمجھوتا کر کے ہی اور میرے چرائے ہوئے راز واپس کر کے ہی اپنے بھائی کو پھانسی کے تختے سے واپس لا سکتے ہو۔"

میں پھر چپ رہا۔ اس نے کہا "میں چاہتا ہوں اسی طرح خاموش رہ کر تم سنجیدگی سے حالات پر غور کرو۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہیں فون کروں گا۔"

میں نے کہا "نہیں۔ فون بند نہ کرنا۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں۔ اگر تم دانشمندی سے فیصلہ کر چکے ہو تو بولو۔ میں تمہاری ہر بات، ہر مطالبہ مان لوں گا۔ بس وہ راز واپس کر دو۔ مجھ سے دوستی کر لو۔"

میں نے کہا "میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں، ضرور کہو۔"

"میں نے اپنے ذیشان بھائی کے ہاتھ کی لکیریں بھی پڑھی ہیں اور اپنے ہاتھ کی لکیروں کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہ میری پیش گوئی لکھ لو کہ بھائی جان کو نہ تو پھانسی ہوگی نہ ہی عدالت سے سزا ہوگی مگر ہاں۔ میرے ہاتھ پر جو زندگی کی لکیر ہے وہاں سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ میں طبعی موت نہیں مروں گا۔ مجھے گولی ماری جائے گی۔ گویا میں حرام موت مارا جاؤں گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "پھر تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ کون تمہیں گولی مارے گا؟ کس کے ہاتھوں حرام موت مارے جاؤ گے؟ کیا تم یہ نہیں مانتے کہ تدبیر سے تقدیر بدلی جا سکتی ہے؟ اور تم اپنی تدبیر سے ذہانت سے سمجھوتا کر کے آنے والی موت کو ٹال سکتے ہو؟"

"ہاں۔ یہی بات میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں۔ تم اپنی تدبیر سے، ذہانت سے کام لو گے اور ذیشان بھائی سے دشمنی نہیں کرو گے تو کوئی گولی تمہاری طرف نہیں آئے گی۔ تم حرام موت نہیں مرو گے۔ یہ میرے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے اور جو میرے ہاتھ کی لکیر ہے وہی تمہارے ہاتھ کی لکیر ہے۔ کیا پبلو ماسٹر نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ ہمارے ہاتھ ایک جیسے ہیں؟ ہمارے ہاتھ کی ایک ایک لکیر ایک جیسی ہے اور ایک ہی بات کہتی ہے؟ اگر یہ کہتی ہے کہ مجھے گولی ماری جائے گی اور میں حرام موت مارا جاؤں گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی گولی کھا کر حرام موت مرنے والے ہو۔"

اسے ایک دم سے چپ لگ گئی۔ میں نے کہا "تمہیں یقین نہیں ہے تو پبلو ماسٹر سے ملو اور اس سے پوچھو کہ اس نے تمہاری موت کے بارے میں یہ پیش گوئی کیوں نہیں کی۔ تمہیں یہ کیوں نہیں بتایا کہ میرے ہاتھ کی لکیر یہ کہہ رہی ہے کہ میں گولی کھا کر حرام موت مروں گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے؟ جاؤ اور اپنے ماہر نجوم پبلو ماسٹر سے بات کرو پھر بات سمجھ میں آئے تو اپنی ذہانت اور تدبیر سے اپنی تقدیر کو بدلنے کی کوشش کرو۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ آسرا نہیں تھی۔ وہ عرصے کے ساتھ اس کے گھر گئی ہوئی تھی۔ اس کے متعلق یہ بیان کر چکا ہوں کہ وہ یوں تو کتنے ہی معاملات میں خوش نصیب تھی لیکن شادی کے معاملے میں بدنصیب تھی۔ اس کے ہاتھ میں شادی کی لکیر نہیں تھی۔ میں نمرہ کے بارے میں بھی بتا چکا ہوں کہ وہ میری پہلی محبت ہے اور میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اس کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی تھیں کہ فی الحال میں اس کے مقدر میں نہیں ہوں۔ ایک طویل جدائی کے بعد وہ مجھے ملے گی۔ آگے چل کر اس کا ذکر کروں گا۔ فی الوقت آسرا کی باتیں کر رہا ہوں۔

وہ میرے ساتھ دن رات رہنے لگی تھی۔ مجھے اس سے ہمدردی اور محبت تھی۔ ہمدردی اس لیے تھی کہ وہ بے چاری کبھی کسی جیون ساتھی کے ساتھ ازدواجی زندگی نہیں گزار سکے گی۔ زندگی کی لکیر کہہ رہی تھی کہ وہ بہت عرصے تک جیے گی اور مقدر کی لکیر کہہ رہی تھی کہ وہ شادی کرے گی تو زندگی کی لکیر درمیان سے ٹوٹ جائے گی۔

اسی لیے مجھے اس سے ہمدردی تھی اور میں اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ یہ وضاحت کر دوں کہ محبت کسی بھی انسان سے کی جا سکتی ہے۔ عشق صرف ایک سے ہوتا ہے اور میرا عشق صرف نمرہ کے لیے تھا۔

میں آسرا کو بھرپور محبتیں دے رہا تھا۔ وہ صرف رات کو سوتے وقت مجھ سے دور ہو جاتی تھی۔ ہم دریا کے دو کنارے بن جاتے تھے پھر صبح اٹھ کر ایک ہو جاتے تھے۔ گھر میں تو ساتھ رہتا ہی تھا۔ وہ اکثر دفتری اوقات میں بھی میرے پاس چلی آیا کرتی تھی۔ ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیتے تھے۔ ایک دوسرے کو چھو لیتے تھے۔ میں اس کی پیشانی کو چومتا تھا۔ ہماری قربت کی انتہا یہی تھی۔ اس کے آگے لائن آف کنٹرول کھنچی ہوئی تھی۔ اس کے آگے جو محبت ہوتی ہے وہ میاں بیوی کے رشتے کی طرف لے جاتی ہے اور یہ رشتہ آسرا کے نصیب میں نہیں تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی طویل زندگی درمیان ہی سے ٹوٹ جائے۔ اس لیے میں بھی لائن آف کنٹرول تک

ہمدرد بنا تھا۔

اگر نمرہ موجود ہوتی تو شاید میں آسرا کے اتنے قریب نہ ہوتا۔ دور ہی دور سے اسے محبتیں دیتا، تسلیاں دیتا اور سوچتا کہ ایسی کیا تدبیر کی جائے کہ اسے شادی اور ازدواجی زندگی کی مسرتیں مل سکیں؟

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اس کے ہاتھ میں تبدیلی آ سکتی ہے۔ شادی کی لکیر بن سکتی ہے۔ ایسا ممکن ہے یا نہیں؟ یہ معلوم کرنے کے لیے میں آسرا کو ایک بہت ہی عبادت گزار بزرگ، عالم دین نعیم الحق کی رہائش گاہ پر بھی لے گیا تھا۔ وہ بہت ہی پہنچے ہوئے باکمال بزرگ تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ میں انسانوں کا مقدر ہوں۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ جب میں آسرا کو اس کے مستقبل کی سچی باتیں نہیں بتا رہا ہوں تو انہیں بھی نہیں بتانا چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے آسرا سے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اسے نماز کی پابندی کرنی چاہیے۔ اپنے دن رات میں سے کچھ وقت عبادت کے لیے نکالنا چاہیے اور اپنے اعمال کو بہتر سے بہتر بنانا چاہیے۔

جہاں تک اعمال کا تعلق تھا، آسرا صرف خوبصورت ہی نہیں، خوب سیرت بھی تھی۔ اس نے اپنے کسی عمل سے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ وہ اپنے ہوں یا پرائے، سب ہی کے دکھ سکھ میں شریک ہوتی تھی۔ بیماروں کی عیادت کرتی تھی۔ جو ضرورت مند اس کے پاس آتے تھے وہ انہیں مالی امداد دیتی تھی۔ مختصر یہ کہ وہ سب ہی سے محبت کرتی تھی۔ کبھی کسی سے عداوت نہیں رکھتی تھی لیکن......

میری محبت میری قربت اس کی روح کی گہرائیوں میں اترتی جا رہی تھی۔ میں اس کے اندر اتنی گہرائیوں سے نقش ہو رہا تھا کہ اب اس کے اندر نمرہ کے لیے عداوت پیدا ہونے لگی تھی۔ یہ جانتی تھی کہ نمرہ جبران سے شادی کرنے والی ہے۔ اس کے ساتھ لندن چلی گئی ہے لیکن میں نے آسرا کو یہ بتا دیا تھا کہ نمرہ جبران کے ساتھ ازدواجی زندگی نہیں گزار سکے گی۔ اس سے کبھی شادی نہیں ہوگی اور ایک دن وہ میری زندگی میں واپس آئے گی۔

میری یہ پیش گوئی آسرا کے دماغ میں چبھتی رہتی تھی۔ اب اس کی زندگی کی پہلی اور آخری خواہش یہی تھی کہ نمرہ میری زندگی میں واپس نہ آئے۔ اس کے ذہن میں میری یہ پیش گوئی نقش ہو گئی تھی کہ کاتبِ تقدیر نے ہاتھوں کی لکیروں میں بڑی لچک پیدا کی ہے۔ وہ انسان کے بہترین اعمال کے سبب بدل جاتی ہیں اور وہ یہ عزم کر چکی تھی کہ اپنے اعمال سے اور اپنی تدابیر سے ہاتھ کی اس لکیر کو بدل دے گی جو اسے میری طرف آنے اور میرے ساتھ زندگی گزارنے سے روک رہی ہے۔

میں مقدر ہوں۔ ایک بازی گر ہوں۔ اپنی بازی گری دکھاتا ہوں اور ساتھ ہی یہ یقین سے کہتا ہوں کہ انسان اپنے عزم، حوصلے اور تدابیر سے تقدیر کا لکھا بدل سکتا ہے اور اب یہ پیش گوئی کر دوں کہ آسرا اپنی تدبیر سے تقدیر بدلنے والی تھی۔

☆☆☆

مسز رانا اپنے بیٹے جبران اور ہونے والی بہو نمرہ کو لے کر لندن آ گئی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی وہ بیمار ہو گئی۔ پہلے ایک ڈاکٹر سے علاج ہوا پھر دوسرے ڈاکٹر سے ہونے لگا۔ اس سال لندن میں شدید سردی پڑ رہی تھی۔ دوسرے ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ بوڑھی خاتون کے لیے یہاں کی سردی ناقابلِ برداشت ہے۔ انہیں پاکستان واپس لے جائیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔

بیٹا ذہنی طور پر کچھ ابنارمل تھا۔ ماں اس کے علاج کے لیے لندن آئی تھی۔ اب ڈاکٹر مشورہ دے رہا تھا کہ ماں کو وہاں کی شدید سردی سے بچنے کے لیے پاکستان واپس جانا چاہیے۔ جبران نے کہا "مما! ہم واپس جائیں گے۔"

نمرہ پریشان ہو گئی۔ کبھی جبران کو کبھی اس کی ماں کو تکنے لگی۔ مسز رانا اس کے چہرے پر لکھی ہوئی پریشانی کو پڑھ رہی تھی۔ اس نے کہا "بیٹے! کسی اور ڈاکٹر سے میرا علاج کراؤ۔ مجھے واپس نہیں جانا چاہیے۔"

وہ بولا "کیوں نہیں جانا چاہیے؟ وہاں آپ کا علاج ہو جائے گا۔ آپ ایسی شدید سردی سے بھی محفوظ رہیں گی۔"

"بیٹے! سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم بڑی مشکلوں سے نمرہ کو یہاں لائے ہیں۔ اس کے خاندان والے راضی نہیں تھے۔ ہم نے اس کے والدین کو کوئی رقم نہیں دی ہے۔ ان کے مطالبات پورے نہیں کیے ہیں۔ اب نمرہ وہاں جائے گی تو دوبارہ یہاں نہیں آ سکے گی۔ وہ طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کریں گے۔"

"وہ رکاوٹیں پیدا کریں گے تو ہم یہاں نہیں آئیں گے۔ ہم نمرہ کے ساتھ وہیں رہیں گے۔ ہمارے ملک میں بہترین اور تجربہ کار ڈاکٹر ہیں۔ میرا علاج وہاں بھی ہو سکے گا۔ میں تو صرف اس لیے یہاں آیا تھا کہ نمرہ اس بہانے اپنے تمام رشتہ داروں سے دور میرے ساتھ وقت گزارا کرے گی لیکن یہ میرے لیے جتنی اہم ہے اتنی ہی آپ بھی میرے لیے اہم ہیں۔ میں آپ کی خاطر واپس جاؤں گا۔"

نمرہ اس فیصلے سے اور زیادہ پریشان ہو رہی تھی۔ دراصل وہ آہستہ آہستہ شعوری یا غیر شعوری طور پر جبران کی طرف مائل

ہو رہی تھی اور ان حالات میں پاکستان واپس جا کر میرا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

پھر میں نے نمرہ سے کہا تھا کہ میرے اور اس کے درمیان ایک طویل جدائی ہوگی اس کے بعد ہی ہم ملیں گے۔ جبکہ اسے لندن پہنچے ہوئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا۔ کیا طویل جدائی ایسی ہی ہوتی ہے؟ کیا وہ واپس آئے گی تو مجھ سے سامنا ہوگا؟ جب سامنا ہوگا تو میری طویل جدائی والی پیش گوئی غلط ثابت ہوگی۔ جبکہ میری ہر پیش گوئی آج تک سچ ثابت ہوتی آئی تھی۔ مسز رانا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا "بیٹی! تم کچھ پریشان ہوگئی ہو؟"

"جی۔ وہ بات یہ ہے کہ میں آپ کے علاج کی خاطر واپس تو چلی جاؤں گی لیکن اپنے گھر نہیں جاؤں گی۔"

جبران نے کہا "یہ درست کہہ رہی ہے۔ اگر یہ گھر جائے گی تو اس کے گھر والے اسے ہمارے ساتھ دن رات رہنے کی اجازت نہیں دیں گے اور میں اپنی نمرہ کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔"

مسز رانا نے کہا "بیٹے! میں تمہارے لیے خود غرض بن جاتی ہوں۔ میں بھی اپنی ہونے والی بہو کو اس کے میکے نہیں جانے دوں گی لیکن یہ ایک ہی شہر میں رہ کر کب تک چھپی رہے گی؟ کسی نہ کسی کو تو خبر ضرور ہوگی۔"

نمرہ نے کہا "ہم کراچی نہیں جائیں گے۔ لاہور والی کوٹھی میں رہیں گے۔"

"لاہور میں تمہارے ننھیال والے ہیں ان سے چھپ کر رہ سکو گی؟"

جبران نے نمرہ کو دیکھتے ہوئے کہا "ہاں، یہ ایک مسئلہ ہے۔ کیا ہم وہاں باہر سیر و تفریح کے لیے نہیں نکلیں گے؟"

وہ بولی "ضرور نکلیں گے۔ میں باہر نکلتے وقت عبا پہن لیا کروں گی۔ چہرے کو اسکارف سے ڈھانپ لیا کروں گی۔ اس طرح وہاں مجھے کوئی نہیں پہچانے گا۔ میرے ننھیال والے یہ نہیں جانتے کہ میں تمہارے اور ممی کے ساتھ رہنے لگی ہوں۔ سب کو یہی بتایا گیا ہے کہ میں مزید تعلیم کے لیے لندن گئی ہوئی ہوں۔"

مسز رانا اٹھ کر بیٹھ گئی پھر بولی "جبران! میں سامان پیک کرتی ہوں۔ تم ابھی جا کر کسی بھی پہلی فلائٹ میں ہمارے لیے تین سیٹیں کنفرم کرالو۔"

نمرہ نے کہا "مما! آپ آرام سے لیٹی رہیں۔ میں تمام سامان پیک کروں گی۔ آپ کو اٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بیٹی! میں کل سے بستر پر لیٹی ہوئی ہوں۔ مجھے کچھ چلنا پھرنا بھی چاہیے۔ تم جبران کے ساتھ جاؤ۔ آؤٹنگ بھی ہو جائے گی اور سیٹیں بھی کنفرم ہو جائیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں لباس تبدیل کر کے آتی ہوں۔"

نمرہ وہاں سے دوسرے کمرے میں آئی۔ جبران بھی اس کے پیچھے پیچھے آ گیا۔ وہ مسکرا کر بولی "تم تو ہمیشہ سائے کی طرح لگے رہتے ہو۔ کبھی تو مجھے تنہا چھوڑا کرو۔"

"سایہ اپنے وجود سے کبھی الگ نہیں ہوتا پھر میں تمہارے بغیر کیسے رہ سکتا ہوں؟"

پھر وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا "یہ سایہ رات کو مجبور ہو جاتا ہے۔ تم اسے الگ کر دیتی ہو۔ اپنے اس کمرے میں تنہا بند ہو جاتی ہو۔ میں اپنے کمرے میں تڑپتا رہتا ہوں۔ کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔ آخر ایسا کب تک ہوتا رہے گا؟"

وہ مسکرا کر بولی "دسمبر کی آخری رات تک صبر کرو۔ جنوری کے پہلے ہفتے میں مجھے اپنی شریکِ حیات بنا سکو گے۔"

اس نے قریب ہو کر اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے پھر کہا "ہم ایک دوسرے کی دھڑکنوں سے لگ سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دلوں میں اتر کر کسی حد تک تو جذبوں کو تسکین دے سکتے ہیں۔"

نمرہ نے اپنے شانوں پر سے اس کے ہاتھوں کو نہیں ہٹایا۔ بس ذرا کسمسا کر کہا "یہ مناسب نہیں ہے۔"

"تمہیں تو ہر بات پہلے نامناسب لگتی ہے پھر تم راضی ہو جاتی ہو۔ یاد ہے۔ پہلی بار جب میں تمہارا ہاتھ پکڑنا چاہتا تھا تم انکار کرتی رہیں۔ تمہیں دو دنوں تک مناتا رہا اس کے بعد تم نے مجھے ہاتھ پکڑنے کا موقع دیا تھا۔"

نمرہ کو بہت کچھ یاد آنے لگا۔ جب اس نے پہلی بار جبران کو چھونے کی اجازت دی تھی تو وہ اس کے ایک ہاتھ کو تھام کر ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بیمار اور سہارے کے لیے اس کا ہاتھ تھام کر سنبھل رہا ہو۔ ایسے میں نمرہ کو یاد آیا۔ وہ سوچنے لگی میں نے پہلی بار بڑی مضبوطی سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔ میری گرفت اسے ایسے لگی تھی جیسے شکنجے میں آ گئی ہو۔ اگر پیار ایسے ہی ہوتا ہے تو پھر اسے یہ منظور تھا۔

اس وقت جبران اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ حالانکہ ایسے وقت میں چاہنے والا تو اپنی عورت کے سامنے چٹان کی طرح کھڑا رہتا ہے۔ ان لمحات میں بھی نمرہ کو میرا چٹانی وجود یاد آ رہا تھا۔

پہلے تو جبران لرز رہا تھا پھر یوں گہری گہری سانسیں لینے لگا جیسے ہانپ رہا ہو۔ وہ ہانپتے ہانپتے کہہ رہا تھا "میں تمہیں اپنے سینے سے لگانا چاہتا ہوں۔ میں، میں تمہیں پا لینا چاہتا ہوں۔"

وہ ایسے التجا کر رہا تھا جیسے بچہ کھلونا مانگ رہا ہو۔ جبکہ چاہنے والا یا تو پیار سے مانگتا ہے یا پھر چھین لیتا ہے۔ جبران کے لہجے میں بڑی بے بسی، بڑی بے چارگی تھی جیسے مانگنے والے کو یقین تھا کہ بھیک نہیں ملے گی۔ اگر ملے گی تو وہ اس خیرات کو پوری طرح وصول نہیں کر سکے گا۔

پہلے تو نمرہ اس کی قربت سے شرما رہی تھی اور سنبھلنے کے باوجود جذبات میں بہنے والی تھی پھر اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ وہ اس بری طرح لرز رہا تھا کہ اپنی چاہنے والی کو پوری طرح گرفت میں لینے کے بھی قابل نہیں رہا تھا۔ وہ اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر بولی "جبران! یہ۔ یہ تمہیں کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ۔ کچھ نہیں وہ۔ وہ۔ وہ۔ زن۔ زندگی میں پہلی بار......"

نمرہ کی سمجھ میں یہی آیا کہ وہ پھر ابنارمل ہو رہا ہے۔ اس نے اسے سہارا دیتے ہوئے ایک کرسی پر بٹھایا۔ وہ حیران ہو رہی تھی کہ لندن کی شدید سردی میں بھی وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔ نمرہ نے سمجھا کہ جذبات سے سرخ ہو رہا ہے لیکن اب وہ غصے میں آ رہا تھا۔ اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لی تھیں اور تھر تھر کانپتے ہوئے کہہ رہا تھا "میں۔ میں ایسا نہیں ہوں۔ پہلے بھی ایسا نہیں تھا۔"

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی "تم کیسے نہیں تھے؟ اور اب کیسے ہو؟ آخر تمہارے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ غصے سے کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ضرور ٹھیک ہو جاؤں گا۔ میرا علاج ہو رہا ہے۔ تم پریشان تو نہیں ہو؟ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی "ٹھیک ہے۔ تم خاموش رہو۔ آرام سے بیٹھو۔ تمہیں بالکل نارمل رہنا چاہیے۔"

وہ اپنے غصے کو دبا رہا تھا۔ پریشانی اور بے بسی سے بولا۔ "تم مجھ سے مایوس تو نہیں ہو؟"

"مایوس؟ مجھے بھلا کیوں مایوسی ہوگی؟ ایسا تم نے کیا کیا ہے کہ میں مایوس ہو جاؤں گی؟ میں کہہ رہی ہوں ناں تمہیں اس وقت کچھ نہیں سوچنا چاہیے۔ خاموش رہنا چاہیے۔ تم نے وعدہ کیا تھا میری ہر بات مانتے رہو گے۔ اس لیے اس وقت بالکل چپ چاپ بیٹھے رہو۔"

اس نے سر جھکا لیا۔ کرسی کے دونوں ہتھوں کو اپنی گرفت میں لے کر یوں دبانے لگا جیسے انہیں دبوچ رہا ہو۔ نمرہ نے کہا۔ "دیکھو میں تمہاری یہ حرکت سمجھ رہی ہوں۔ تم اپنے اندر کے غصے کو دبا رہے ہو۔"

وہ اس کے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں میں لے کر بولی۔ "میں تمہارے پاس ہوں۔ تم کیوں مایوس ہو رہے ہو؟ میں تمہیں چھوڑ کر تو نہیں جا رہی ہوں۔"

اس نے بڑی التجا آمیز نظروں سے نمرہ کو دیکھا۔ وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی "میں تمہیں کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ شرط یہی ہے کہ بالکل نارمل رہنے کی کوشش کرو۔"

جبران آہستہ آہستہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

وہ ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ اس کے شانے کو تھپکنے لگی "دیکھو جبران! میں تمہاری خاطر اپنے والدین کو اور اپنے پورے خاندان کو چھوڑ کر آئی ہوں۔ اگر کسی بھی ٹینشن کے وقت تم خود کو کنٹرول نہیں کرو گے اور نارمل رہنے کی کوشش نہیں کرو گے تو مجھے کتنی مایوسی ہوگی؟"

وہ اسے بڑی محبت سے اور احسان مندی سے دیکھتے ہوئے بولا "تم بہت اچھی ہو۔ میرے لیے بڑی قربانیاں دے رہی ہو مگر میں تمہیں کیا دے رہا ہوں؟ اپنا نیم پاگل پن اور پریشانیاں......"

"ایسی باتیں نہ کرو ورنہ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ اپنے دماغ سے الٹی سیدھی باتیں نکالو اور مسکراؤ۔"

اس نے پھر نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرانے لگا۔ وہ دونوں تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر اس نے کہا "اب تم کپڑے بدلو۔ ہمیں باہر جانا ہے۔ سیٹیں کنفرم کرانی ہیں۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہ دونوں آدھے گھنٹے میں تیار ہو کر مسز رانا کے پاس آئے۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ نمرہ نے کہا "مما! ہم جا رہے ہیں۔ آپ دروازہ اندر سے بند کر لیں۔"

"ٹھیک ہے بیٹی! تم دونوں جاؤ اور سیٹیں کنفرم کروا کے کچھ سیر بھی کرتی آنا۔ میری فکر نہ کرو۔ میں یہاں آرام سے ہوں۔"

جبران نے کہا "ہم جلد سے جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے۔"

یہ کہہ کر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ باہر ہلکی ہلکی برف باری ہو رہی تھی۔ دروازہ لگا ہوا تھا۔ اسے اٹھ کر بند کرنا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی "ابھی اٹھوں گی اور بند کر دوں گی۔"

اس وقت وہ ذرا کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ کچھ آرام

آنے کے بعد اٹھنا چاہتی تھی۔ دس منٹ کے بعد ہی اچانک وہ دروازہ کھلا جیسے اسے لات مار کر کھولا گیا ہو۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ کھلے ہوئے دروازے پر اس کا دیور یعنی مرحوم شوہر کا چھوٹا بھائی سلطان احمد رانا کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ دو گن مین بھی تھے۔ وہ پریشان ہو کر بولی ''تم؟ تم یہاں لندن میں ہو؟''

وہ مسکراتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا ''ہاں بھابی جان! یہ آپ کی مہربانی ہے۔ آپ نے مجھ پر جبران کو اغوا کرنے اور اس پر ٹارچر کرنے کے الزامات لگائے۔ یوں بھی پاکستان کی پولیس میرے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ مجھے انڈر گراؤنڈ جانا پڑا۔ میرا کچھ نہیں بگڑا۔ میں تو جرائم کی دنیا میں پھل پھول رہا ہوں لیکن جب تک یہ سانسیں چلتی رہیں گی۔ میں تمہارے بیٹے کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ پریشانی اور غصے سے بولی ''تم کیوں میرے بچے کے پیچھے پڑ گئے ہو؟''

''اگر بھائی جان یعنی آپ کے مرحوم مجازی خدا میرا حصہ مجھے دے دیتے تو اس دشمنی کی نوبت نہ آتی۔ اگر جبران میری بیٹی سے شادی کر لیتا تو آج میرا داماد بن کر عیش و آرام سے زندگی گزار رہا ہوتا لیکن اس کے انکار نے میری بیٹی کو خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آپ نے اور آپ کے بیٹے نے دشمنی کی آگ بھڑکائی ہے اور اب یہ آگ بھڑکتی ہی رہے گی۔''

''اپنی بیٹی کے بارے میں سوچو۔ کیا وہ اس قابل تھی کہ کسی گھر کی بہو بنائی جاتی؟ وہ بد دماغ اور پاگل تھی۔''

''اسی لیے تو میں نے آپ کے بیٹے کو پاگل خانے پہنچا کر تقریباً پاگل بنا ہی دیا۔ اسے ہر دوسرے دن دماغی جھٹکے پہنچائے جاتے تھے۔ پتا نہیں کیسا ڈھیٹ بیٹا پیدا کیا ہے کہ اتنے جھٹکے کھانے کے باوجود زندہ ہے۔''

مسز رانا نے ان دو گن مینوں کی طرف دیکھا پھر کہا ''تم نے اپنی بیٹی کی موت کا انتقام لے لیا ہے۔ میرے بیٹے کے ساتھ اتنی زیادتی کے بعد تو اب تمہیں دشمنی سے باز آ جانا چاہیے۔''

وہ سر ہلا کر بولا ''ہاں، میں دشمنی سے باز آ گیا تھا کیونکہ پاگل خانے کے ڈاکٹر نے یقین کے ساتھ کہا تھا۔ شدید جھٹکوں کی وجہ سے اس کے اندر کا جسمانی نظام ہل کر رہ گیا ہے۔ اس کے اندر بہت سی کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں اور جو بنیادی کمزوری میں چاہتا تھا وہ تمہارے بیٹے کے اندر ہمیشہ قائم رہے گی۔''

مسز رانا نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا ''میں جانتی ہوں۔ تمہارے زر خرید ڈاکٹروں نے اس پر اتنے ظلم ڈھا[ئے] ہیں کہ اس کا دماغ پتھر کا ہو گیا ہے۔ اس کے اندر ایسی کمزور[ی] پیدا ہو گئی ہے کہ وہ کبھی شادی نہیں کر سکے گا اور کسی کے سا[تھ] کبھی ازدواجی زندگی نہیں گزار سکے گا۔''

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا ''اس کے باوجود تم ایک بہ[و کا] انتظام کر رہی ہو اور اس بہو کو اپنے ساتھ یہاں بھی لے [آئی] ہو۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے [بولا] ''ایک بات اچھی طرح کان کھول کر سن لو۔ تمہارے یہاں کبھی شادیانے نہیں بجیں گے اور نہ ہی کبھی تمہارے گھر میں وار[ث] پیدا ہوگا۔ وارث تو میری بیٹی کے ذریعے پیدا ہونا تھا۔ ا[سے تم] لوگوں نے مار ڈالا۔''

وہ ٹہلتا ہوا مسز رانا کے سامنے آیا پھر رک کر بولا ''[تم] نے تمہارے بیٹے کو جیتے جی مار ڈالا ہے۔ وہ زندہ رہے گا ایک مردے سے بدتر جب بھی اس کی شادی کرو گی تو وہ [اپنی] عورت کے سامنے شرمندہ ہوگا۔''

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی ''میں تمہارے سامنے [ہاتھ] جوڑتی ہوں۔ اب عداوت سے باز آ جاؤ۔ جتنا بدلا لینا [تھا] جتنا ظلم کرنا تھا وہ کر چکے۔''

''میری پیاری بھابی جان! اتنی جلدی ہتھیار نہ ڈالی[ے] ابھی آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ فی الحال مجھے [ا]خاصی رقم کی ضرورت ہے۔ آپ کی وجہ سے میں یہاں [آیا] ہوں۔ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بار بار یہاں نہیں آ سکوں گا۔ [آپ] کو بیٹے کے ساتھ پاکستان میں رہنا ہوگا تاکہ میں تمہا[رے] بیٹے کی نگرانی کرتا رہوں۔''

وہ التجا آمیز لہجے میں بولی ''میں یہاں اس کا [علاج] کرانے آئی تھی۔ اسے شادی کے قابل بنانا چاہتی ہ[وں۔] ڈاکٹروں نے یقین دلایا ہے کہ علاج ہو جائے گا لیکن [تمہاری] بیماری کے باعث بیٹا مجھے جبراً واپس لے جا رہا ہے۔ [مجھے] یقین ہے کہ میں اپنے بیٹے کا وہاں بھی علاج کرا سکوں گی۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''یہی تو میں نہیں ہونے دوں گا [کہ بات] ادھر کی ادھر ہو جائے۔ تمہارے بیٹے کو ایک وارث پیدا ک[رنے] کے قابل ہونے نہیں دوں گا۔ بہرحال پہلے رقم کی بات [کرو] اور ابھی چیک لکھ کر دو۔ ابھی تو بینک کھلے ہیں۔ وہ چیک کیش ہوگا اور میں رقم لے کر چلا جاؤں گا۔''

''یہاں کے بینک میں میری زیادہ رقم نہیں ہے۔ [کتنی] رقم چاہتے ہو؟''

''میں جانتا ہوں۔ تم نے سوئٹزرلینڈ اور نیویارک [میں] ڈالر کی صورت میں دولت جمع کی ہے۔ یہاں صرف پاؤنڈ کی صورت میں کچھ نہ کچھ رقم تو ضرور ہوگی۔ فی الحال مجھے ایک لاکھ پاؤنڈ دے دو۔''

''یہاں میرے پاس صرف اسی ہزار پاؤنڈ ہیں۔ میں تمہیں پچاس ہزار دے سکوں گی۔''

''کوئی بات نہیں فوراً چیک لکھو۔ میں پاکستان پہنچ کر تم سے منہ مانگی رقم وصول کر لوں گا۔''

وہ بیڈ سے اتر کر اپنی اٹیچی کے پاس آئی پھر اسے کھول کر اس نے چیک بک نکالی اور پچاس ہزار کا چیک لکھ کر اسے دیا۔ اس نے اپنے ایک گن مین کو وہ چیک دیتے ہوئے کہا ''ابھی جاؤ اور فوراً اسے کیش کرا کے رقم لے آؤ پھر ہم یہاں سے چلیں گے۔''

وہ گن مین وہاں سے چلا گیا۔ مسز رانا بیڈ پر آ کر کمبل لپیٹ کر بیٹھ گئی۔ سلطان احمد رانا نے کہا ''میں پاکستان میں روپوش رہتا ہوں۔ انڈر ورلڈ کا مجرم بن چکا ہوں۔ آپ کو اور جبران کو ہلاک کروں گا تو پولیس کبھی مجھ تک نہیں پہنچ پائے گی لیکن میں آپ ماں بیٹے کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں اور یہ بے بسی دیکھنا چاہتا ہوں کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے آپ اپنے خاوند کی نسل آگے نہیں بڑھا سکیں گی اور ہر ماہ اپنی دولت میں سے مجھے اچھا خاصا حصہ دیا کریں گی۔''

وہ چپ چاپ اسے بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔ نہ اس کے خلاف کچھ کر سکتی تھی اور نہ ہی کچھ کہہ سکتی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا ''یہ لڑکی کہاں سے پکڑ لائی ہو؟ کیا یہ بھی کوئی مالدار آسامی ہے؟''

وہ نہیں چاہتی تھی کہ سلطان احمد رانا نمرہ اور اس کے خاندان والوں کے پیچھے پڑ جائے۔ اس لیے وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''یہ ایک غریب لڑکی ہے۔ میں نے اس کے ماں باپ کو اچھی خاصی رقم دے کر اسے اپنے بیٹے کے لیے خرید لیا ہے۔ یہ کوئی مالدار آسامی نہیں ہے۔''

وہ بے پروائی سے بولا ''مجھے اس لڑکی سے کیا لینا ہے۔ میں تو تم ماں بیٹے سے استفادہ کرتا رہوں گا اور اپنی بیٹی کی روح کو سکون پہنچاتا رہوں گا۔''

وہ چپ رہی۔ وہ تو بس یہ چاہتی تھی کہ وہ جلد سے جلد چلا جائے۔ نمرہ اور جبران اس کی موجودگی میں یہاں نہ آئیں۔ وہ نمرہ کو بہت چاہتی تھی کیونکہ اس کا بیٹا اس کا دیوانہ تھا اور اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ بیٹے کو بہلانے کے لیے وہ کروڑوں روپے خرچ کرنے کے لیے تیار ہو گئی تھی لیکن نمرہ نے اس سے رقم لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس بات نے بھی مسز رانا کو متاثر

کیا تھا اور وہ اپنی ہونے والی بہو کو دل و جان سے چاہنے لگی تھی۔

اس کے باوجود وہ نمرہ سے ایک بڑی حقیقت چھپاتی آ رہی تھی کہ اس کا بیٹا شادی کے قابل نہیں ہے۔ اس نے صرف اتنا بتایا تھا کہ بیٹے پر کبھی کبھی دورہ پڑتا ہے اور وہ ابنارمل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے علاج کے لیے اسے لندن لے جا رہی ہے لیکن وہ بیٹے کی کسی اور کمزوری کو دور کرنے اور علاج کرنے کے لیے اسے یہاں لائی تھی۔ اب یہ سلطان احمد رانا پھر ان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اب بیٹے کا علاج وہاں نہیں ہو سکتا تھا۔ پاکستان پہنچ کر ہی وہ رازداری سے بیٹے کا علاج کرا سکتی تھی۔

وہ گن مین بینک سے رقم لے آیا۔ سلطان احمد رانا نے رقم گننے کے بعد کہا ''شکریہ بھابی جان! یہ بتائیں کہ یہاں سے کب روانہ ہو رہی ہیں؟ آپ یہاں زیادہ دنوں تک رہیں گی تو مجھے بھی رہنا ہوگا۔ یوں آپ کو میرے اخراجات بھی برداشت کرنے ہوں گے۔''

وہ بولی ''میں کل کی کسی فلائٹ سے جانے والی ہوں۔''

وہ خوش ہو کر بولا ''دیٹس لائک اے گڈ بھابی جان۔ گڈ بائی۔ اب پاکستان میں ملاقات ہوگی۔''

وہ اپنے دونوں گن مینوں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ ان لمحات میں مسز رانا مجھے یاد کر رہی تھی۔ سوچ رہی تھی مقدر حیات نے میرا ہاتھ دیکھ کر پوری باتیں نہیں بتائی تھیں۔ کاش یہ بتا دیتا کہ یہ مصیبت مجھ پر آنے والی ہے تو میں بچاؤ کا راستہ اسی سے پوچھتی۔ وہ بہت ذہین ہے۔ اس نے بڑی ذہانت سے یہ تدبیر بتائی تھی کہ میرا بیٹا اپنی مقررہ موت کے وقت سے کیسے نکل سکتا ہے اور کس طرح اپنی موت کو ٹال سکتا ہے؟

یہ ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ میں نے جبران کے متعلق پیش گوئی کی تھی کہ وہ اس سال دسمبر کی آخری رات بارہ بجے اپنی زندگی کی تمام سانسیں پوری کر لے گا۔ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا لیکن وہ تدبیر کرے گا تو بچ سکے گا۔ پھر میں نے ہی بچاؤ کی تدبیر بتائی تھی۔ میں ان ماں بیٹے کے ہر مشکل وقت میں کام آیا تھا۔ اس لیے وہ اس مشکل وقت میں بھی مجھے یاد کر رہی تھی۔

اس کے لیے یہ بات پریشان کن تھی کہ وہ پاکستان جائے گی تو وہاں بھی سلطان احمد رانا اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا اور اس کے بیٹے کے لیے مصیبت بنتا رہے گا۔ اس نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی پھر رابطہ ہونے پر بولی ''بیٹے مقدر! میں مسز رانا بول رہی ہوں۔''

میں نے کہا" ہیلو آنٹی! آپ کیسی ہیں؟ وہاں جاتے ہی بھول گئیں۔ اتنے دنوں بعد مجھے یاد کر رہی ہیں۔"

"کیا بتاؤں بیٹے اپنے تو مصیبت کے وقت ہی یاد آتے ہیں۔ اسی لیے تمہیں یاد کر رہی ہوں۔"

"اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ کیا مسئلہ ہے؟"

"میرے دیور سلطان احمد رانا کے بارے میں جانتے ہو؟ اس بد بخت نے میرے بیٹے کو پاگل خانے بھیجا تھا اور اسے پاگل بنا ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"جی ہاں۔ آپ نے اس کے بارے میں مجھے بتایا تھا۔ وہ تو قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے کہیں فرار ہو گیا تھا؟"

"کہیں فرار نہیں ہوا تھا۔ وہیں پاکستان میں روپوش رہتا ہے۔ انڈر ورلڈ کے مجرموں میں اس کا شمار ہونے لگا ہے۔"

"اب اس کی طرف سے کیا پرابلم ہے؟"

وہ ذرا چپ رہی۔ یہ بتانا نہیں چاہتی تھی کہ نمرہ کو لے کر پاکستان آ رہی ہے اور وہاں رہے گی تو سلطان احمد رانا اس کے بیٹے کے لیے مصیبت بن جائے گا۔ وہ اپنے بیٹے کا جیسا علاج کرانا چاہ رہی ہے اس علاج کے سلسلے میں رکاوٹ بنتا رہے گا۔

وہ اصل حقیقت چھپاتے ہوئے بولی" میں نے یہ معلوم کرنے کے لیے فون کیا ہے کہ وہ آئندہ ہمارے لیے کیسے مسائل پیدا کرے گا، کس طرح مصیبت بنتا رہے گا؟"

"میں نے آپ کے دیور سلطان احمد رانا کا ہاتھ نہیں دیکھا ہے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ آئندہ کیا کرنے والا ہے؟ آپ کے بیٹے کا ہاتھ دیکھا ہے اور یہ جانتا ہوں کہ اس پر مصیبتیں آتی رہیں گی اور جاتی رہیں گی۔ ہر انسان کی زندگی میں دکھ سکھ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

وہ مجھ سے حقیقت چھپا رہی تھی اور میں بھی اسے ایسا جواب دے رہا تھا جس سے اس کی تسلی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے دوسرے انداز سے پوچھا" یہ مشورہ دو کہ ہمیں پاکستان واپس آنا چاہیے یا نہیں؟"

اگر میں کہتا کہ اسے اپنے بیٹے اور ہونے والی بہو کے ساتھ واپس نہیں آنا چاہیے تو وہ مجھ سے مشورہ طلب کرتی کہ ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟

میں نے بھی گول مول سا جواب دیا" آپ بیٹے کے علاج کے لیے گئی ہوئی ہیں۔ اگر آپ کے حالات کہتے ہیں کہ آپ کو وہاں علاج نہیں کرنا چاہیے تو پھر چلی آئیں۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ مجھے یہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ نمرہ کو لے کر واپس آ رہی ہے۔ ماں بیٹے اور ہونے والی بہو میں یہ بات طے پا چکی تھی کہ نمرہ کے خاندان والوں سے بات چھپائی جائے گی۔ اس لیے وہ چھپا رہی تھی اور پریشان رہی تھی کیونکہ مجھ سے جھوٹ بولنے، دھوکا دینے اور مجھ سے بات چھپانے سے اسے نقصان پہنچنے والا تھا۔

میں نے کہا" آپ بولتے بولتے چپ ہو جاتی ہیں۔ سوچنے لگتی ہیں۔ آخر بات کیا ہے؟ کیا آپ اپنی کوئی پریشانی مجھ سے چھپا رہی ہیں؟"

"نہیں۔ کوئی پریشانی نہیں ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ میں... میں پھر کسی وقت تمہیں کال کروں گی۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ میں نے مسکرا کر اپنے موبائل فون کو دیکھا۔ بے چاری اپنی ممتا سے مجبور تھی۔ ایک طرف سلطان احمد رانا اس کے بیٹے کے لیے مصیبت بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف بیٹے کے لیے نمرہ بہت لازمی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ نمرہ پاکستان پہنچتے ہی اپنے خاندان والوں میں جائے اور اس کا بیٹا اس سے محروم ہو جائے۔ وہ اپنی ہونے والی بہو کے سلسلے میں بہت سوچ سمجھنے کے بعد مجھے اپنا رازدار بنانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

پاشا ایک طویل عرصے تک دردانہ کی قید میں رہا پھر آزاد ہو کر عینی اور عروج کے درمیان چلا آیا۔ چار دیواری سے نکل کر کھلی فضا میں آنے کے بعد بھی وہ خود کو قیدی محسوس کرتا تھا۔ ہر طرف سے ایسی پابندیاں تھیں کہ وہ آزادی سے عروج سے مل نہیں پا رہا تھا۔

وہ نکاح کے بعد تقریباً دو گھنٹے تک عینی کے ساتھ رہا عینی اس سے بچھڑ گئی۔ بعد میں اسے آزادی ملی اور وہ عینی کے پاس پہنچا تو اس وقت اس کی بینائی حاصل کرنے کا مسئلہ روبانہ کی حالت بہت نازک تھی۔ اسپتال میں سب مصروف اور پریشان تھے اور سب سے زیادہ عروج مصروف تھی۔ وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتا رہا اور باتیں کرنے کے لیے ترستا رہا۔

میں نے اسپتال میں اسے ایک بار موقع دیا تھا۔ عروج کی کار میں بیٹھ کر اس سے جی بھر کے باتیں کرنے کے بعد عینی کی بینائی حاصل کرنے تک عروج سے تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔

عروج عینی کے لیے اپنی محبت کی جو قربانی دے رہی تھی اس پر قائم رہنا چاہتی تھی۔ اس لیے بینائی حاصل کرنے کے بعد جب عینی پاشا سے ملنے لگی تو وہ انہیں اسپتال میں چھوڑ کر عینی کی کوٹھی میں آ گئی پھر وہاں سے بھی اپنا سامان لے

گئی۔ وہ اپنے عاشق کی دیوانگی کو خوب سمجھتی تھی۔ اسی لیے اس دیوانے سے دور رہ کر اسے عینی کی طرف مائل کرنے کی کوششیں کر رہی تھی۔

پاشا نے عینی کو احساس دلایا کہ اسے عروج کے جذبات کا پاس رکھنا چاہیے۔ بینائی حاصل کرنے کے بعد اسے سب سے پہلے اپنی اس عزیز ترین سہیلی سے ملنا چاہیے تھا لیکن وہ نظر انداز کر رہی ہے۔

عینی کے ساتھ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ دوہری شخصیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ادھر جاوید برقی کے دونوں بچوں کی ماں اس کے ذہن پر مسلط ہو گئی تھی اور وہ ان دو بچوں کے لیے بھرپور ممتا محسوس کرنے لگی تھی۔ دوسری طرف پاشا ایک مجازی خدا کی حیثیت سے اس کی زندگی میں آیا تھا اور یہ ایک پاکیزہ اور پُرکشش رشتہ تھا کہ وہ اسی کی طرف کھنچی چلی جا رہی تھی اور ایسے میں عروج کو فراموش کر رہی تھی۔ بہرحال اس نے پاشا سے کہا تھا کہ عروج کو بلا کر لائے۔ وہ اس سے ملنا چاہتی ہے۔

پاشا کو تو جیسے عینی سے دور ہو کر عروج کے پاس جانے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ فوراً ہی اس کے کمرے سے نکل کر باہر آیا۔ اسے تلاش کرنے لگا۔ پتا چلا وہ کہیں چلی گئی ہے۔ وہ اسے تلاش کرتا ہوا کوٹھی میں پہنچا تو اسما بھابی نے بتایا کہ وہ ڈیوٹی پر گئی ہے اور رات گیارہ بجے سے پہلے واپس نہیں آئے گی۔

وہ عروج کے پاس جانا چاہتا تھا۔ اسما نے کہا یہ بات غلط ہے۔ عینی اس کی نئی نویلی دلہن ہے اور اس نے آج ہی بینائی حاصل کی ہے۔ لہٰذا اسے اپنی دلہن کے پاس رہنا چاہیے۔ اسما نے کہا میں عینی کے لیے کھانا لے جا رہی ہوں۔ میرے ساتھ چلو اور اسپتال میں عینی کے ساتھ وقت گزارو۔ اس کی دل جوئی کرو۔

وہ اسپتال عینی کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا لیکن میرے اسما کے سامنے مجبور ہو گیا تھا۔ دل پر جبر کر کے اسما کے ساتھ اسپتال گیا۔ اندر ہی اندر یہ سوچ کر جھنجلانے لگا کہ وہ تو عروج سے ملنے کی کوشش کر رہا ہے مگر اس سے زیادہ سے زیادہ فاصلہ پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی نہ کوئی اس کے اور عروج کے درمیان رکاوٹ بنتا جا رہا ہے۔

عینی گھر سے لایا ہوا کھانا کھا رہی تھی اور اس سے بھی کہہ رہی تھی کہ کھانے میں اس کا ساتھ دے لیکن اس نے بیزاری سے کہا" مجھے بھوک نہیں ہے۔"

عینی نے پہلے اسما کو پھر پاشا کو دیکھا۔ اسما نے کہا" پاشا! بڑی محبت سے کھانے کے لیے کہہ رہی ہے۔ اس کے ساتھ دو لقمے کھا لو۔"

وہ بولا" نہیں۔ میں کچھ پریشان ہوں۔ ابھی نہیں کھاؤں گا۔"

عینی نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ بات صاف طور سے سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ کس لیے پریشان ہے پھر بھی عینی نے انجان بن کر پوچھا" اپنی پریشانی مجھے بتاؤ میں دور کروں گی۔"

"میں اپنی زندگی اپنے طور پر گزارنا چاہتا ہوں۔ میری شادی تم سے ہو چکی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے جیون ساتھی ہیں لیکن میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں اپنی بیوی کو کہیں لے جا کر رکھ نہیں سکتا۔ میرا کوئی روزگار نہیں ہے۔"

عینی نے کہا" ایسی باتیں کیوں سوچ رہے ہو۔ تمہارے پاس کس بات کی کمی ہے۔ میرے پاس اتنی دولت ہے اور میرا کاروبار اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اسے تمہیں ہی سنبھالنا ہے۔"

"مجھے کاروبار کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ میں کوئی رسک نہیں لوں گا۔ تمہارے کاروبار میں ہاتھ ڈال کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

اسما نے کہا" کون تم سے کہتا ہے کہ پوری ذمہ داریاں سنبھالو؟ پہلے اس کاروبار کو سمجھو۔ مقدر میاں تمہیں گائیڈ کریں گے۔ کاروبار کرکے دکھائیں گے۔"

"اب تک عینی کا کاروبار کون سنبھال رہا ہے؟"

"مقدر میاں سنبھال رہے ہیں۔"

"تو پھر وہی سنبھالتے رہیں گے۔ پلیز مجھے یہ بتائیں کیا یادداشت گم ہونے سے پہلے میں بالکل کنگال تھا؟ میرے پاس نہ کوئی رقم تھی نہ روزگار تھا؟"

"تمہارے پاس اچھی خاصی رقم بھی تھی اور روزگار بھی تھا۔ بینک میں تمہارے تقریباً آٹھ لاکھ روپے ہیں اور ان کے تمام کاغذات ہمارے پاس رکھے ہوئے ہیں۔ جب تم گم ہو گئے تھے تو تمہارے بھائی جان اپنے سپاہیوں کو لے کر تلاش کرنے کے لیے تمہارے گھر گئے تھے۔ وہاں سے تمہارے بینک کے کاغذات اور دوسری اہم چیزیں جو بھی ملیں وہ گھر لے آئے تھے۔"

"وہ تمام اہم چیزیں آپ لوگوں کے پاس امانت کے طور پر ہیں۔ پلیز آپ وہ مجھے واپس کر دیں۔ میں فوراً ہی اپنے لیے روزگار کا سلسلہ شروع کروں گا۔"

"کسی بھی کاروبار کے لیے آٹھ لاکھ روپے کم ہوتے ہیں۔ تم کیا کرو گے؟"

''مجھے عینی اور عروج نے بتایا ہے کہ میں ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ ٹیکسی چلایا کرتا تھا۔ آئندہ بھی یہی کروں گا۔ آٹھ لاکھ میں ایک ٹیکسی خرید سکوں گا۔''

عینی نے کہا ''پاشا! تم اپنی موجودہ حیثیت کو سمجھو۔ تم ایک کروڑ پتی ہو اور ٹیکسی چلانے کی باتیں کرر ہے ہو؟''

''سوری عینی! کروڑ پتی تم ہو میں نہیں ہوں۔ میں تم سے محبت کروں گا۔ تمہارے ساتھ ازدواجی زندگی گزاروں گا لیکن تمہاری دولت پر عیش نہیں کروں گا۔ میرا اپنا ایک الگ چھوٹا سا گھر ہوگا۔ میں اپنی محنت کی کمائی کھایا کروں گا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم میری کوٹھی میں نہیں رہو گے؟ کسی الگ گھر میں رہنے کی بات کرر ہے ہو؟ کیا میرے ساتھ زندگی نہیں گزارو گے؟''

''تم میرے ساتھ زندگی گزارنا چاہو گی تو میرے گھر میں آ کر رہو گی۔ کبھی تم مجھے اپنے گھر بلایا کرو گی تو میں آجایا کروں گا لیکن یاد رکھو۔ بیوی کا گھر وہی ہوتا ہے جو مرد کی کمائی سے بنتا ہے۔''

اسما نے کہا ''تم عینی کے کاروبار میں دل لگاؤ گے، محنت کرو گے تو وہاں سے بھی تمہیں اپنی ہی محنت کی کمائی حاصل ہوگی۔''

''سوری بھابی جان! مجھے جس کام کا تجربہ ہے میں وہی کروں گا۔''

عینی اور اسما نے ایک دوسرے کو پریشان ہو کر دیکھا۔ اسما نے کہا ''بہتر ہے ابھی یہ بحث نہ کی جائے۔ تمہارے بھائی جان جلد ہی آنے والے ہیں۔ وہ اور مقدر میاں پاشا سے باتیں کرلیں گے اور مل کر اس بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔''

پاشا کے موجودہ فیصلے سے اس کا دل ٹوٹ رہا تھا۔ اس سے کھایا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ایک لقمہ چھوٹ کر اس کے لباس پر گر پڑا اور وہاں سالن کا اچھا خاصا دھبّا پڑ گیا تھا۔ اسما نے اسے پینے کے لیے پانی دیتے ہوئے کہا ''کوئی بات نہیں۔ کھانے کے بعد لباس تبدیل کرلینا۔''

عینی نے کہا ''عروج میرے لیے دو ہی جوڑے لے کر آئی تھی۔ ایک جوڑا میلا ہو چکا ہے۔ دوسرا پہنے ہوئے ہوں۔''

''فکر نہ کرو۔ میں ابھی گھر سے لے آؤں گی۔''

پاشا نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسما کو دیکھا پھر کہا۔ ''بھابی جان! آپ بار بار کہاں آنا جانا کریں گی؟ آپ یہاں عینی کے پاس بیٹھیں۔ اس سے باتیں کریں۔ میں گھر جا کر اس کے دو چار جوڑے لے آتا ہوں۔''

''تم کہاں گھر جا کر الماری کھولو گے اور اس کے کپڑے نکالو گے؟ میں جاؤں گی تو ان کپڑوں کو پریس کر کے لاؤں گی۔''

''مجھے بھی پریس کرنا آتا ہے۔ میں اپنی بیوی کے جوڑے اپنی پسند سے لاؤں گا۔''

یہ ایسی بات تھی جسے سن کر عینی خوش ہوگئی۔ اسما سے بولی ''بھائی جان! انہیں جانے دیں۔ میں ان کی پسند کا لباس پہنوں گی۔''

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اسما سے کار کی چابی لے کر بولا ''بس میں یوں گیا اور یوں آیا۔''

وہ دوسری چابیاں دیتے ہوئے بولی ''الماری کی چابیاں تو لے لو۔ لباس کیسے نکالو گے؟''

اس نے الماری کی بھی چابیاں لیں پھر تیزی سے باہر جا کر ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اس کے بعد تو بس اوجھل ہی ہو کر رہ گیا۔ سیدھا عروج کے پاس اسپتال میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ایک مریض سے باتیں کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر حیرانی سے بولی ''تم؟ اور اس وقت؟''

وہ خاموش تھا لیکن ایسی جذباتی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ مریض کے سامنے گھبرا گئی۔ ایک کاغذ پر کچھ دوائیں لکھ کر اسے دیتے ہوئے بولی ''اسے باقاعدگی سے استعمال کرو۔ آرام آجائے گا پھر کل آ کر مجھ سے ملو۔''

وہ نسخہ لے کر سلام کر کے چلا گیا۔ وہ بولی ''تم عینی کو اسپتال میں چھوڑ کر آئے ہو؟''

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا ''ہاں۔ اب تم پوچھو گی اسے وہاں تنہا چھوڑ کر کیوں آگیا؟ میں پوچھوں گا۔ تم مجھے چھوڑ کر کیوں آئی ہو؟''

''میں تمہیں چھوڑ کر نہیں آئی ہوں۔ ڈیوٹی پر آئی ہوں۔ کیا میں اپنا فرض ادا کرنا بھول جاؤں؟''

''کیا میں تم سے محبت کرنا بھول جاؤں؟''

''تمہیں محبت کا پہلا فرض عینی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔''

''نہیں۔ وہاں میرا کوئی فرض نہیں ہے۔ مجھ پر جبر کیا جا رہا ہے۔ میری یادداشت گم نہ ہوتی تب بھی تم جبراً عینی سے میری شادی کراتیں۔ تم نے میرے ساتھ وہی سلوک کیا جو دردانہ جیسی دشمن عورت مجھ سے کر چکی ہے۔ جہاں میرا دل کھنچا جاتا ہے وہاں مجھے جانے سے سب ہی روک رہے ہیں؟ کیا میں انسان نہیں ہوں؟ میرے سینے میں محبت کرنے والا دل نہیں ہے؟ اور یہ دل تمہارے لیے دھڑک نہیں رہا ہے؟ دردانہ نے مجھے قیدی بنا کر رکھا تھا۔ اس قید سے رہائی پانے کے بعد ایسا لگ رہا ہے جیسے عینی کے پاس پہنچا کر مجھے حبسِ بے جا میں رکھا جا رہا ہے۔''

اس کی باتوں سے اس کے لہجے سے اور اس کے اندر سے پھوٹ پڑنے والی بے چینی سے عروج بے حال ہو رہی تھی۔ اس کی طرف کھنچی جا رہی تھی لیکن بڑے صبر اور استحکام سے اپنی جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ التجا آمیز لہجے میں بولی ''پاشا! ذرا دھیمی آواز میں بولو۔ تمہاری آواز باہر تک جا رہی ہوگی۔''

''میں اپنی آواز کو دنیا کے آخری سرے تک پہنچاؤں گا اور ہر ایک سے پوچھوں گا کہ یہ لڑکی جو مجھ سے محبت کرتی ہے تو پھر مجھے اپنے سے دور کیوں کرتی ہے؟ کیوں مجھ پر ظلم کرتی ہے؟''

''مجھے غلط نہ سمجھو۔ میں تم پر ظلم نہیں کر رہی ہوں۔ تم پچھلی باتیں بھول چکے ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا جب تم عینی سے شادی کرلو گے، اس کے ساتھ پیار بھری ازدواجی زندگی گزارو گے تو اس کے بعد میں تم سے شادی کروں گی۔''

''تو پھر کرو مجھ سے شادی۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے اور عینی کو اپنی دلہن بنا چکا ہوں۔''

''صرف دلہن بنانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تمہیں اس کے ساتھ بھرپور ازدواجی زندگی گزارنی ہوگی۔ بھرپور محبتیں دینی ہوں گی۔ اگر تم اس کو بوجھ سمجھو گے اور گلے کا پھندہ سمجھ کر اس سے نجات حاصل کرنا چاہو گے تو یہ سراسر تمہاری وعدہ خلافی ہوگی۔''

''کیسا وعدہ؟ کہاں کا وعدہ؟ مجھے تو کچھ یاد نہیں ہے۔ تم جو کہہ رہی ہو میں یقین کرر ہا ہوں اور جب یقین کرر ہا ہوں تو عینی کے ساتھ نباہ بھی کرر ہا ہوں۔''

''کیا میاں بیوی کا رشتہ اس طرح نباہتے ہیں؟ وہ بے چاری اسپتال میں پڑی ہے اور تم اسے چھوڑ کر میرے پاس آگئے ہو۔ اگر تمہارا دل میری طرف کھنچا جاتا ہے تو بھی تمہیں ایک شوہر کی حیثیت سے اپنا فرض تو ادا کرنا چاہیے۔ ابھی مجھ سے ملاقات کرنا کیا ضروری تھا؟ کیا کل کسی وقت ہماری ملاقات نہیں ہو سکتی تھی؟''

''کل۔ کل۔ کل۔ جب سے رہائی پا کر تم دونوں سہیلیوں کے درمیان آیا ہوں تب سے کل نہیں آرہا ہے۔ میں بے کل ہوں اور تم اپنے رویے سے مجھے بے کل بنا رہی ہو۔ جب تک اسے بینائی نہیں ملی تھی تم اس کے معاملے میں مصروف رہی تھیں۔ مجھ سے کتراتی رہی تھیں۔ جب اسے بینائی مل گئی تو مجھے اس کے پاس چھوڑ کر یہاں بھاگ کر چلی آئیں۔''

''پاشا! میرے خلوص کو میری نیت کو سمجھو۔ میں میاں بیوی کے درمیان زیادہ سے زیادہ محبتیں پیدا کرنا چاہتی ہوں۔ ابھی نئی شادی ہوئی ہے۔ تم دونوں کو زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب رہنا چاہیے بلکہ ہنی مون منانے کے لیے ملک سے باہر جانا چاہیے۔''

''بس۔ زیادہ نہ بولو۔ میں تو تمہیں ایک کمرے میں تنہا چھوڑ کر اس کے پاس دوسرے کمرے میں نہیں جانا چاہتا اور تم دوسرے ملک میں جانے کی باتیں کر رہی ہو۔''

تم عینی سے بیزار کیوں ہو؟ کیا وہ خوبصورت نہیں ہے؟ جوان نہیں ہے؟ پرکشش نہیں ہے؟''

''وہ سب کچھ ہے۔ حسینۂ عالم ہے لیکن جب دل کسی پر آتا ہے تو وہ حسن و شباب نہیں دیکھتا۔ بس کسی کی کوئی ایک ایسی ادا بھا جاتی ہے کہ وہ اس کا دیوانہ ہو جاتا ہے اور ساری دنیا کو بھول جاتا ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''دیکھو پاشا! میں چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرو لیکن اپنا فرض بھی ادا کرو۔''

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اپنا فرض ادا کروں گا۔ عینی سے محبت کروں گا۔ اس کے لیے وقت نکالا کروں گا لیکن شرط یہی ہے کہ تم اپنا فرض ادا کرو گی۔ مجھ سے ملو گی۔ میرے لیے وقت نکالا کرو گی۔''

''تم خواہ مخواہ ضد کرر ہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تمہیں کیسے سمجھاؤں۔''

''مجھے نہیں تمہیں اور عینی کو سمجھنا چاہیے۔ تم سہیلیاں مل بیٹھ کر یہ فیصلہ کرو کہ تم دونوں میرے ساتھ انصاف کرو گی۔ مجھے برابر کی محبتیں دو گی۔ اگر تم مجھے عینی کی طرف دھکا دے کر کہیں بھاگنا چاہو گی تو میں تمہارے ہی پیچھے بھاگتا رہوں گا۔''

وہ بڑی محبت سے اور بڑی بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا ''ابھی میں اسما بھابی کے سامنے عینی سے کہہ چکا ہوں کہ اس کی کوٹھی میں نہیں رہوں گا اور اس کی دولت پر عیش نہیں کروں گا۔ میں ایک بے غیرت کی طرح عورت کی کمائی نہیں کھا سکتا۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''یہ تم نے نئی بات کہاں سے نکال لی؟ کیوں خواہ مخواہ مسئلہ پیدا کرر ہے ہو؟''

''یہ میری غیرت کا تقاضا ہے۔ میرے اکاؤنٹ میں آٹھ لاکھ روپے ہیں۔ میں ٹیکسی خرید کر چلایا کروں گا۔ روزی

حاصل کروں گا اور ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لوں گا عینی وہاں میرے ساتھ رہ سکتی ہے اور میں کبھی کبھی عینی کے گھر جا سکتا ہوں۔"

وہ اسے بتانے لگا کہ عینی اسے اپنا کاروبار سنبھالنے کے لیے کہہ رہی ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا۔ اس کے گھر بار کو نہ سمجھنا چاہے گا نہ سنبھالنا چاہے گا۔

عروج نے پوچھا "تم ایسا کیوں نہیں چاہتے؟"

"اس لیے کہ عینی کے بعد میں اس کے کاروبار میں الجھتا جاؤں گا۔ اس طرح میں عینی اور اس کے کاروبار کا ہو کر رہ جاؤں گا۔ تم مجھ سے دور ہوتی چلی جاؤ گی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔"

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں اس کا کاروبار سنبھال لوں اور اس کے ساتھ کوٹھی میں رہوں تو میری ایک ہی شرط ہے۔"

اس نے جھکی جھکی نظروں سے پاشا کو دیکھا پھر بولی "کیا شرط ہے؟"

"جب تم مجھ سے شادی کرلو گی تب ہی میں اس کے کاروبار کو سمجھنے اور سنبھالنے کی کوشش کروں گا۔ اس سے پہلے میں نہ تو اس کے کاروبار کی طرف جاؤں گا اور نہ اس کی کوٹھی کی طرف۔ میں کل ہی ایک مکان کرائے پر لوں گا۔ عینی کو میرے ساتھ بیوی کی حیثیت سے زندگی گزارنی ہوگی تو وہ میرے پاس آ کر رہے گی۔"

"یہ تو خواہ مخواہ پریشانیاں بڑھانے والی باتیں کر رہے ہو۔ تم نہیں جانتے وہ بڑی نازک سی لڑکی ہے۔ شہزادیوں کی طرح زندگی گزاری ہے اس نے۔ اتنے دنوں بعد اسے بینائی حاصل ہوئی ہے۔ اسے عالیشان کوٹھیوں میں رہ کر عیش و عشرت کی زندگی گزارنا چاہیے۔ تمہارے ساتھ کہیں ملک سے باہر جانا چاہیے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اس کی نئی آنکھوں سے اسے ساری دنیا دکھاؤ۔"

"تم جو کہو گی وہ کروں گا مگر پہلے تم مجھ سے شادی کرو۔"

"خواہ مخواہ ضد نہ کرو۔ شادی اتنی جلدی نہیں ہوگی۔"

"جلدی نہیں ہوگی تو پھر دیر سے کیوں ہوگی۔"

"میں یہ دیکھوں گی کہ تم اسے انصاف سے محبتیں دے رہے ہو یا نہیں؟"

"تمہیں کیسے معلوم ہوگا کہ میں اسے انصاف سے محبتیں دے رہا ہوں یا نہیں؟"

"اس طرح معلوم ہوگا کہ وہ تمہارے بچے کی ماں بنے گی اور جب ماں بن جائے گی تب میں تم سے شادی کروں گی۔"

"کیا میں تمہیں پاگل یا احمق دکھائی دیتا ہوں۔ بچہ برس بعد بھی ہو سکتا ہے اور دس برس بعد بھی۔ کیا میں اس تک تم سے شادی کرنے کے انتظار میں تڑپتا رہوں گا؟ ہو کر پاگل ہو کر کپڑے پھاڑ کر 'ہائے عروج، ہائے ع' کہتا پھروں گا۔ خود بھی تماشا بنوں گا اور تمہیں بھی تماشا رہوں گا؟"

"کیوں تماشا بنو گے اور بناؤ گے۔ کیا تمہارے عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہے؟"

"نہیں، ساری عقل تو تمہارے حصے میں آگئی ہے۔ اپنی محبت کو، اپنے محبوب کو عینی کے حوالے کرنا اور اپنے پر کلہاڑی مارنا عقلمندی ہے تو ایسی عقل تمہیں ہی مبارک مجھے میری دیوانگی عزیز ہے۔"

اسی وقت فون کا بزر سنائی دیا۔ عروج نے اپنے پرس سے موبائل فون نکال کر نمبر پڑھے پھر بولی "یہ جاوید صاحب کا فون ہے۔"

پاشا نے پوچھا "وہ تمہیں کیوں کال کر رہے ہیں؟"

"میرا خیال ہے عینی مجھے کال کر رہی ہے۔ اس کے موبائل فون نہیں ہے۔ وہ جاوید صاحب کے فون کے ذر تمہیں تلاش کر رہی ہے۔"

"فون مجھے دو۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔"

"نہیں۔ اسے معلوم ہوگا کہ تم اتنی رات گئے میر پاس بیٹھے ہوئے ہو تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ وہ خواہ غلط فہمی میں مبتلا ہوگی۔ میں بات کر رہی ہوں۔ تم با خاموش رہو گے۔"

یہ کہہ کر اس نے بٹن دبایا اور فون کو کان سے لگا کر

"ہیلو۔ میں عروج بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے عینی کی آواز سنائی دی "عروج! عینی بول رہی ہوں۔ کیا تو مجھ سے ناراض ہے؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہے؟ میں تجھ سے نارا کیوں ہوں گی؟"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ بولی "مجھے بینائی ملی میں نے بس ایک نظر تجھے دیکھا۔ اس کے بعد پاشا کی طرف متوجہ ہوگئی۔ مجھے غلطی کا احساس ہو رہا ہے تو میں تجھ سے کے لیے بے چین ہو رہی ہوں۔ بھابی جان نے بتایا ہے کہ اسپتال جا چکی ہے۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ مجھ سے نارا ہو گئی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میری ڈیوٹی کا وقت ہو تھا۔ اس لیے یہاں آگئی ہوں۔ یہ بتا تو کیسی ہے؟ آنکھو

ں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کل صبح اسپتال سے گھر لی جاؤں گی۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ جب تو اسپتال سے گھر ئے گی تب میں تجھ سے ملنے آؤں گی۔"

"عروج! میں پھر کہتی ہوں، تو مجھ سے ناراض ہے۔ ہی معلوم ہوا ہے کہ تو اپنا سامان لے کر میرے گھر سے چلی گئی ہے۔"

"یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ اب تیری شادی ہوگئی ہے۔ س بیڈروم میں ہم سویا کرتی تھیں اب وہ تیرے مجازی خدا کا وگیا ہے۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ تو میرے ساتھ والے کمرے ں رہ سکتی تھی۔ گھر چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"عینی! سمجھنے کی کوشش کر۔ مجھے فی الحال تجھ سے اور پاشا سے دور رہنا چاہیے۔ کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہیے۔ میں جو کر رہی ہوں تیری بہتری کے لیے کر رہی ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر عینی نے جھجکتے ہوئے پوچھا "کیا پاشا وہاں تیرے پاس آئے ہیں؟"

عروج نے پاشا کی طرف دیکھا پھر وہ بھی جھجکتے ہوئے لی "وہ یہاں تو نہیں ہیں۔ کیا تیرے پاس اسپتال میں نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ وہ تجھے تلاش کرنے کے لیے میری کوٹھی میں گئے تھے۔ بھابی جان انہیں پکڑ کر پھر میرے پاس اسپتال لائی ہیں۔ یہاں میں نے اپنے ساتھ کھانے کے لیے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ ایسی دل توڑنے والی باتیں کر رہے ہیں کہ ں کیا بتاؤں۔"

یہ کہتے کہتے وہ رونے لگی۔ فون پر اسما کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ عینی کو تسلی دیتے ہوئے کہہ رہی تھی "چپ ہو جاؤ ینی۔ حوصلہ کرو۔ پاشا تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا۔ تم روج سے بات کرو۔"

وہ روتے ہوئے بولی "پاشا کہہ رہے تھے وہ میری کوٹھی یں نہیں رہیں گے اور نہ ہی میرا کاروبار سنبھالیں گے۔ وہ پھر ٹیکسی چلانا چاہتے ہیں۔ ذرا سوچ وہ میرے شوہر ہو کر ٹیکسی چلائیں گے تو میں اپنے خاندان میں، رشتہ داروں میں، سوسائٹی میں کسی کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ کسی سے کیا کہوں گی کہ مجھ جیسی دولت مند لڑکی کا خاوند ٹیکسی کیوں چلا رہا ہے؟"

"عینی! میں تیری باتیں سمجھ رہی ہوں۔ واقعی معاشرے میں اور تیری اعلیٰ سوسائٹی میں تیرے وقار اور تیری نیک نامی کا سوال ہے۔ میں پاشا کو سمجھاؤں گی۔"

وہ پھر روتے ہوئے بولی "تیرے سمجھانے سے کیا ہوگا؟ وہ تو مجھ سے بیزار نظر آتے ہیں۔ مجھ سے دور دور بھاگ رہے ہیں۔"

"نہیں عینی! تجھے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

"مایوسی کی تو بات ہے۔ ابھی میں لباس تبدیل کرنا چاہتی تھی۔ بھابی جان نے کہا کہ وہ گھر جا کر میرے لیے لباس لے آئیں گی تو پاشا نے کہا نہیں وہ گھر جائیں گے اور اپنی پسند کا لباس لے کر آئیں گے۔ میں خوش ہوگئی کہ وہ مجھے اپنی پسند کا لباس پہنانا چاہتے ہیں لیکن وہ یہاں سے گئے ہیں تو اب تک ان کی کوئی خبر نہیں ہے۔"

عروج نے گھور کر پاشا کو دیکھا پھر کہا "تم ذرا صبر کرو۔ وہ لباس لے کر آ رہے ہوں گے۔"

"کچھ معلوم تو ہونا چاہیے کہ وہ ہیں کہاں؟ بھابی جان کی گاڑی لے کر گئے ہیں۔ گھر فون کیا تو پتا چلا کہ وہاں ابھی تک نہیں پہنچے ہیں۔ تم کہتی ہو کہ تمہارے پاس بھی نہیں آئے ہیں۔ وہ کہاں جا سکتے ہیں؟ اس طرح تو پریشانی اور بڑھتی رہے گی۔"

عروج نے میٹھی ناراضگی سے پاشا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو واقعی پریشانی کی بات ہے۔ تم تھوڑی دیر بعد مجھے فون کرو کہ وہ واپس آئے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں آئے ہوں گے تو میں ڈیوٹی چھوڑ کر تمہارے پاس آؤں گی۔"

عینی نے تھوڑی دیر بعد فون کرنے کا وعدہ کیا پھر رابطہ ختم ہوگیا۔ عروج نے اپنا فون بند کرتے ہوئے اسے میز پر پٹختے ہوئے کہا "یہ کیسی حرکتیں کر رہے ہو؟ وہ بیچاری لباس چینج کرنے کے لیے بیٹھی ہوئی ہے اور تم اسے دھوکا دے کر یہاں چلے آئے ہو۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اک ذرا شرمندگی سے بولی "میں نے اس سے جھوٹ بولا کہ تم یہاں نہیں ہو۔ مجھے اپنی عزت رکھنی ہے اور اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ عینی کے دل میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ ادھر بھابی جان کیا سوچیں گی۔ تم ان کی گاڑی لے کر یہاں آگئے ہو۔ تمہیں فوراً یہاں سے کوٹھی جانا چاہیے اور وہاں سے عینی کا لباس لے کر اسپتال پہنچنا چاہیے۔"

وہ وہاں سے چلتی ہوئی اس کے پاس آئی پھر اس کے بازو کو تھام کر بولی "بیٹھے کیا ہو؟ چلو اٹھو؟"

اس نے اٹھ کر اچانک ہی پلٹ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور بازوؤں میں جکڑ لیا۔ وہ کسمسانے لگی۔ اس کی سانسیں رک رہی تھیں۔ وہ ہانپتے ہوئے بولی "کیا کر رہے ہو؟ کوئی

آجائے گا۔ چھوڑو مجھے چھوڑو۔"

اس نے دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگنے کی تھوڑی سی محنت وصول کی پھر اسے چھوڑ دیا۔ وہ الگ ہو کر ذرا دور جا کر ہانپنے لگی۔ اپنے لباس کو اور اپنے بالوں کو درست کرنے لگی پھر سر جھکا کر دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولی "آؤ۔ دیر نہ کرو۔"

وہ اس کے ساتھ کمرے سے باہر آتے ہوئے بولا "تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ میں ابھی اس کا لباس لے کر جاؤں گا اور دیر سے آنے کی وجہ بیان کر دوں گا کہ گاڑی میں خرابی ہو گئی تھی۔ اسے درست کرانے کے بعد آیا ہوں۔"

"تم خود کو عقلمند اور دوسروں کو بیوقوف نہ سمجھو۔ تمہیں بھابی جان کی گاڑی لے کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہ بھائی جان کی گاڑی ہے۔ اسے صرف پولیس والے ہی نہیں بلکہ اور بہت سے لوگ بھی جانتے ہیں۔ پتا نہیں یہاں اسپتال کے باہر کتنوں نے اس گاڑی کو دیکھا ہو گا اور اس کے بعد کتنی باتیں بنائی جائیں گی۔ دیکھو، ایک بات یاد رکھو۔ تمہیں بدنام نہیں ہونا ہے اور عینی کے دل میں غلط فہمی پیدا نہیں کرنی ہے۔ اس لیے جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلے جاؤ۔"

وہ باہر گاڑی کے پاس آئے۔ وہ اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا "میں صرف تمہاری پریشانی دیکھ کر جا رہا ہوں ورنہ یہاں آنے کے بعد واپس جانے والا نہیں تھا۔ میں پھر کسی وقت موقع دیکھ کر آؤں گا۔"

"دیکھو، یہاں نہ آنا۔ میں بدنام ہو جاؤں گی۔"

"نیک نامی سے میری نہیں بنو گی تو تمہیں بدنام کر کے اپنا بناؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ گاڑی کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور سوچتی رہی "دیوانہ ہے۔ جو کہتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔ اسے کسی طرح سمجھانا ہو گا۔ اگر نہیں سمجھے گا تو مجھے اس کی دنیا سے دور جانا ہو گا۔"

☆☆☆

بیگم آفتاب، فلک آفتاب، میں اور بابر سب ہی کھانے کی میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ فلک ناز اور اسما اسپتال گئی ہوئی تھیں۔ چونکہ محاذ آرائی کرنے والی خواتین موجود نہیں تھیں اس لیے بیگم آفتاب بہت مطمئن تھی۔ مجھ سے کھل کر عرصہ کے بارے میں باتیں کر رہی تھی۔

اس گھر میں عرصہ کے آتے ہی میں نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ اسے اپنی بہو بنا سکیں گی لیکن ذرا صبر سے انتظار کرنا ہو گا۔ محترمہ نے بڑے پیار بھرے انداز میں مجھ سے کہا کی "بیٹے! تم عرصہ کی بہت سی باتیں ہم سے چھپاتے ہو۔"

میں نے تعجب سے پوچھا "ایسی کیا بات ہے جو میں نے چھپائی ہے؟ میں تو ساری باتیں آپ لوگوں کے سامنے کر دیتا ہوں۔"

"ایسا ہے تو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ عرصہ کی بہن کی شادی ہونے والی ہے؟ ہمیں تو آج ہی شام کو پتا چلا کہ کل اس کا نکاح ہے اور وہاں بڑی دھوم دھام ہو رہی ہے۔"

میں نے کہا "آپ بھول رہی ہیں۔ میں نے کہا تھا عرصہ اپنے اس گھر سے دور ہو چکی تھی۔ اپنے چچا کے پاس تھی۔ خود اسے نہیں معلوم تھا کہ کل اس کی بہن کا نکاح پڑھا جانے والا ہے۔ آج مجھے معلوم ہوا تو میں نے عرصہ کو آسرا کے ساتھ بھیجا ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "بیگم! تمہاری یادداشت کمزور ہے۔ مقدر میاں ہم سے کچھ نہیں چھپاتے ہیں۔ واقعی انہوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ عرصہ اپنے ماں باپ سے الگ ہو کر چچا کے ساتھ رہنے لگی ہے۔"

میں نے بابر سے پوچھا "کیوں بابر! عرصہ سے کچھ بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "جی ہاں۔ پہلے تو میرا خیال تھا کہ وہ مغرور لڑکی ہے۔ شاید مجھ سے بات نہیں کرے گی لیکن وہ تو بہت ہی ملنسار ہے۔ گفتگو سے پتا چلتا ہے کہ بہت ذہین ہے۔ اسے جگجیت سنگھ، پنکج ادھاس اور غلام علی کی غزلیں پسند ہیں۔"

"پھر تم نے اپنی پسند کیا بتائی؟"

"میں نے بھی کہہ دیا کہ مجھے بھی ان سب کی گائیکی پسند ہے اور میں آج شام کو ان کے کیسٹس لا کر سناؤں گا۔"

"اور وہ شام سے پہلے ہی چلی گئی۔ کیا تم نے کسی طرح اس سے رابطہ کیا؟"

"میں رابطہ کیسے کرتا؟ عرصہ کے پاس موبائل فون نہیں ہے۔"

"میاں! اس طرح تو تمہارا عشق لنگڑاتے لنگڑاتے چلے گا۔ ذرا عقل سے کام لینا چاہیے۔ آسرا سے بات کرتے تو وہ عرصہ سے تمہاری بات ضرور کرا دیتی۔"

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب یہ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ میں ان کے بیٹے کو عرصہ کے قریب سے قریب تر کرنے کی کوششیں کر رہا ہوں۔ میں نے بیگم آفتاب سے کہا "بڑی امی!

آپ کا یہ بیٹا بہت ہی بھولا ہے۔"

وہ نہ تو بھولا تھا نہ باؤلا تھا لیکن ماں باپ یہ سن کر خوش ہو رہے تھے اور میری ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ فلک آفتاب نے کہا "مقدر میاں! ہم نے تو بابر کو تمہارے حوالے کر دیا ہے۔ تم ہی اسے گائیڈ کرو۔"

"گائیڈ کیا کرنا ہے۔ وہاں عرصہ کے گھر میں شادی ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بابر کو کوئی قیمتی تحفہ لے کر وہاں جانا چاہیے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "واقعی، یہ تو زبردست آئیڈیا ہے۔ موقع محل کے مطابق ایک تو قیمتی تحفے کی اہمیت ہوگی۔ دوسرے یہ کہ عرصہ میرے بیٹے سے متاثر ہوگی۔"

بابر نے کہا "پھر تو میں ابھی جاؤں گا لیکن یہ بتائیں کہ کون سا قیمتی تحفہ دیا جائے؟"

فلک آفتاب نے کہا "تم لڑکی والوں کی طرف سے ہو۔ اس لیے تمہیں لڑکی کے جہیز کے لیے کوئی معقول چیز دینا چاہیے یا پھر زیور کا ایک سیٹ دینا چاہیے۔"

"ڈیڈ! رات کے دس بجنے والے ہیں۔ جیولرز کی دکانیں اب بند ہوں گی۔ لہٰذا زیورات کا سیٹ خریدا نہیں جا سکتا۔"

بیگم آفتاب نے کہا "تم فکر نہ کرو۔ میں نے ایک ماہ پہلے زیورات کا ایک بہت ہی خوبصورت سیٹ خریدا تھا۔ وہ میرے پاس رکھا ہوا ہے۔ عرصہ اور اس کی بہنوں کو وہ بہت پسند آئے گا۔"

"ممی! وہ سیٹ قیمتی ہونا چاہیے۔"

"بیٹے! وہ ستر ہزار کا ہے۔"

میں نے کہا "عرصہ کی زندگی میں داخل ہونے کے لیے ستر ہزار کا سیٹ کافی ہے۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا "ممی! بس ابھی وہ سیٹ نکالیں میں جا رہا ہوں۔"

میں نے کہا "بیٹھو۔ پہلے میری چند باتیں توجہ سے سنو۔"

بیٹے سے زیادہ ماں باپ توجہ سے سننے لگے اور مجھے دلچسپی سے اور محبت سے دیکھنے لگے۔ میں نے کہا "وہاں جا کر فوراً واپس نہ آجانا۔ عرصہ کے ساتھ لگے رہنا۔ وہاں شادی کے سلسلے میں بہت زیادہ مصروفیات ہوں گی اور کتنے ہی کام ہوں گے۔ تم عرصہ تمام کاموں میں ہاتھ بٹانا۔ اس طرح اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رہنے کا موقع ملے گا۔"

بیگم آفتاب نے خوش ہو کر بیٹے سے کہا "یہ ہوتے ہیں کسی کے دل میں جگہ بنانے کے طور طریقے۔ تم اپنے بھائی جان سے یہ سب کچھ سیکھتے رہو اور ان کے مشوروں پر عمل کرو تو بڑے کامیاب رہو گے۔"

میں نے بابر سے کہا "تم عرصہ پر کس طرح اثر انداز ہوتے رہو گے۔ اس سلسلے میں ایک اہم بات سنو۔ اس کے پاس جو ہیرے جواہرات تھے وہ میں نے اس کی اجازت سے فروخت کر دئیے ہیں۔ وہ ایک کروڑ بیس لاکھ روپے میں فروخت ہوئے ہیں۔"

بیگم آفتاب نے ایک گہری سانس کھینچی۔ وہ سب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ تم عرصہ سے کہو گے "مقدر بھائی نے وہ ہیرے جواہرات تمہیں فروخت کرنے کے لیے دئیے تھے اور اب تمہارے پاس اک کروڑ بیس لاکھ روپے ہیں۔ کل تم اسے لے کر بینک میں جاؤ گے اور اس کے اکاؤنٹ میں یہ رقم جمع کراؤ گے۔"

بیگم آفتاب اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میرے پاس آ کر میرے سر کو اپنے سینے سے لگا کر بڑی ممتا سے سہلاتے ہوئے بولی "پھر تو عرصہ ہماری بہو ضرور بنے گی۔ بیٹے! تم ہمارے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو۔"

میں نے کہا "بڑی امی! ابھی تو آپ اسے وہ زیورات کا سیٹ دیں پھر یہ کل صبح یہاں آئے گا اور مجھ سے ایک کروڑ بیس لاکھ روپے لے کر جائے گا۔"

بیگم آفتاب، فلک آفتاب اور بابر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح مجھے محبت سے اپنے دلوں کے اندر گھسا لیں۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ سب مجھے اپنے سروں پر بٹھا کر ناچنے لگتے۔ وہ زیورات کا سیٹ لینے کے لیے اپنی ماں کے ساتھ چلا گیا۔

ادھر عرصہ کے گھر میں بڑی رونق تھی۔ تمام گھر والے جتنے خوش تھے اتنے ہی پریشان بھی تھے۔ پریشان اس لیے تھے کہ کم سے کم وقت میں عرصہ کی بڑی بہن کو دلہن بنا کر رخصت کرنا تھا۔ دنیا جہان کی تیاریاں کرنی تھیں۔ کم سے کم وقت میں میرج ہال بک کرایا گیا تھا۔ رشتہ داروں کو دعوتیں دی جا رہی تھیں اور جہیز کا سامان خریدا جا رہا تھا۔ کیا مرد اور کیا عورتیں، سب ہی بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے تھے۔

انسان اپنے بہترین اعمال سے، ذہانت سے اور تدابیر سے شیطان کو شکست دیتا رہتا ہے پھر بھی وہ اپنی شیطانی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔ میں نے امیر علی کو اچھی طرح کچل کر رکھ دیا تھا اور وہ عرصہ کی بڑی بہن سے شادی کرنے پر مجبور ہو گیا تھا لیکن وہ در پردہ انہیں نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔

اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ عرصہ کی بڑی بہن کو دلہن بنا کر تو لے آئے گا لیکن رفتہ رفتہ ایسی چالیں چلے گا کہ آنے والی

دلہن موت کی طرف جانے لگے گی اور اس طرح اس کی موت واقع ہوگی کہ کوئی اس پر شبہ نہیں کر سکے گا۔

امیر علی یہ سوچ کر بھی حیران ہو رہا تھا کہ عرصہ اور اس کے والدین پسماندہ علاقے میں رہتے ہیں، نہایت غریب ہیں پھر ان کے پاس اتنی دولت کہاں سے آگئی ہے کہ وہ ایک بڑے سے میرج ہال میں بڑی دھوم دھام سے بیٹی کی شادی کرر ہے ہیں۔ میں نے امیر علی کو بھی دھمکی دی تھی کہ اگر دھوم دھام سے بارات لے کر نہیں آیا اور اس کی بارات میں سیکڑوں باراتی شامل نہیں ہوئے تو پھر وہ مصیبت میں پڑ جائے گا اور میری دشمنی اسے مہنگی پڑ رہی تھی۔ اس لیے وہ بھی دھوم دھام سے بارات لانے کی تیاریاں کرر ہا تھا۔

اس نے اس پسماندہ علاقے کے تھانے دار فیروز خان سے رابطہ کیا ''میں امیر علی بول رہا ہوں۔ میں نے افضل حیات کی بڑی بیٹی نجمہ کو اغوا کرایا تھا۔ آپ نے اس سلسلے میں مجھ سے بھرپور تعاون کیا تھا۔ اب میں کچھ مشکلات میں پڑ گیا ہوں۔ جس لڑکی نجمہ کو اغوا کرایا تھا اسی سے شادی کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔''

فیروز خان نے پوچھا ''ایسی مجبوری کیا ہے؟ آپ ہمیں ساری باتیں بتائیں۔ اگر کوئی آپ پر دباؤ ڈال رہا ہے۔ کوئی بدمعاشی کرر ہا ہے تو ہم اس سے نمٹ لیں گے۔''

''وہ ایک نامعلوم شخص ہے۔ نہ اپنا نام پتا بتاتا ہے اور نہ ہی مجھ سے بڑی رقم کا مطالبہ کرتا ہے۔ بس اس کی شرط یہی ہے کہ جس لڑکی کو میں نے اغوا کرایا تھا اسی سے شادی کر کے اسے عزت اور نیک نامی دوں اور میں ایسا کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں کیونکہ اس نے مجھے بہت نقصان پہنچایا ہے اور آئندہ بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

''وہ شخص جو اس غریب خاندان کی پشت پناہی کرر ہا ہے وہ کل ان کی شادی میں ضرور آئے گا۔''

''چوبیس گھنٹے کے اندر شادی کی جارہی ہے۔ لاکھوں روپے خرچ کیے جارہے ہیں۔ آپ کسی طرح یہ معلوم کریں کہ آخر وہ کون ہے جو انہیں تحفظ بھی فراہم کرر ہا ہے اور ان پر لاکھوں روپے بھی خرچ کرر ہا ہے۔ ہاں۔ مجھے یاد آیا۔ وہ لڑکی عرصہ فون پر اس شخص کو بھائی جان کہہ رہی تھی اور اپنے باپ سے کہہ رہی تھی کہ اس شخص نے اسے اپنی بہن بنایا ہوا ہے۔''

''پھر تو وہ شخص کل شادی میں ضرور آئے گا۔ ویسے میں ابھی ان کے گھر جا کر ان کی اچھی طرح کھنچائی کرتا ہوں۔''

وہ اپنی گاڑی میں چند سپاہیوں کو لے کر عرصہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہاں گھر میں اچھی خاصی چہل پہل تھی۔

ڈھولک پر سہاگ کے گیت گائے جارہے تھے۔ محلے پڑوس کی عورتیں اور مرد پہلے ان کے گھر والوں سے دور دور رہتے تھے نجمہ کے اغوا ہونے کے بعد سب ہی اس گھر کی لڑکیوں کو بدنام کرر ہے تھے اور سب ہی نے ان کے ہاں جانا بند کر دیا تھا لیکن جب عرصہ کے والدین نے گھر گھر ان لوگوں کو دعوتیں دیں اور بتایا کہ بہت دھوم دھام سے شادی ہورہی ہے تو سب حیران رہ گئے تھے۔ سب ہی کے دلوں میں یہ تجسس پیدا ہو گیا تھا کہ اتنی جلدی شادی کیسے ہو رہی ہے؟ کہاں ہورہی ہے؟ اور اتنی دھوم دھام کے لیے ان کے پاس اتنی بڑی رقم کہاں سے آگئی ہے؟''

اس علاقے کی کتنی ہی عورتوں اور مردوں نے ان کے ہاں اس لیے آنا جانا شروع کر دیا کہ باتوں باتوں میں اندر کا بھید معلوم کریں کہ علی بابا کو چالیس چوروں کا خزانہ کہاں سے مل گیا ہے؟

جب انسپکٹر فیروز خان سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچا تو کھلبلی سی مچ گئی۔ اتنے میں بابر اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں آیا۔ وہ ایک اور گاڑی ڈرائیور سمیت لے آیا تھا تاکہ شادی والے گھر میں سب ہی کو آنے جانے کی سہولت رہے۔

عرصہ کے باپ افضل حیات نے گھر سے باہر آکر انسپکٹر فیروز خان کو سلام کیا پھر پوچھا ''فرمایئے، آپ کیسے آئے ہیں؟ ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں؟''

انسپکٹر فیروز خان نے کہا ''کیا باہر ہی کھڑے کھڑے سوالات کرو گے؟ اندر بیٹھنے کے لیے نہیں کہو گے؟''

اس نے کہا ''جی ہاں، آیئے، تشریف لایئے۔''

آمرا اور عرصہ بھی باہر آگئی تھیں۔ عرصہ نے کہا ''پتا نہیں یہ پولیس والے پھر کیوں آئے ہیں؟''

آمرا نے کہا ''فکر نہ کرو۔ بابر بھائی آگئے ہیں۔ معاملہ سنبھال لیں گے۔''

بابر نے زیورات کا ڈبہ عرصہ کو دیتے ہوئے کہا ''اسے رکھو۔ میں تھانے دار سے نمٹنے کے بعد تم سے بات کروں گا۔''

وہ بیٹھک والے کمرے میں آیا۔ وہاں عرصہ کا باپ تھانے دار سے کہہ رہا تھا ''جناب! ہم بے شک غریب ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کبھی ہمارے دن نہیں پھریں گے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے دن پھر گئے ہیں۔''

تھانے دار نے کہا ''یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ اچانک دن کیسے پھر گئے؟''

بابر نے کمرے میں آکر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا کر کہا ''انسپکٹر! میرا نام فلک بابر حیات ہے۔ میں ایس پی ذیشان کا چھوٹا بھائی ہوں۔''

انسپکٹر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے رک گیا پھر طنزیہ انداز میں بولا ''اوہ! تو آپ ایس پی صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔ بھئی وہ تو ہمارے اعلیٰ افسر رہ چکے ہیں۔ ہم نے ان کی بڑی تابعداری کی ہے لیکن وہ جو کہتے ہیں ناکہ بادشاہ کے سر سے تاج گر جائے اور بادشاہ تخت سے نیچے گر جائے تو پھر کوئی اسے سلام نہیں کرتا۔ اس سے ہاتھ ملانا بھی پسند نہیں کرتا۔ تمہارے بھائی کو اب کبھی پولیس کی وردی نصیب نہیں ہوگی۔ بائی دا وے، آپ اس گھر میں کیا کرر ہے ہیں؟''

بابر نے کہا ''شناسائی، دوستی اور رشتہ داری کے بغیر کوئی کسی کے گھر آتا جاتا نہیں ہے۔ میں یہ پوچھنے کی جرأت کرر ہا ہوں کہ آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیوں.... گوارا کی ہے؟''

وہ مسکراتے ہوئے بولا ''میرے علاقے میں کوئی راتوں رات امیر ہوجائے تو انکوائری کرنا میرا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کے ہاتھ کہاں سے خزانہ لگ گیا ہے؟''

''کوئی ڈاکوؤں، قاتلوں اور اسمگلروں سے یہ نہیں پوچھتا کہ وہ راتوں رات کس طرح امیر بن جاتے ہیں۔ یہ بزرگ اپنی صاحبزادی کی شادی خانہ آبادی چاہتے ہیں۔ اس کے لیے کچھ رقم خرچ کرر ہے ہیں تو آپ انکوائری کے لیے پہنچ گئے۔''

اس نے ایک ذرا توقف سے کہا ''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم انہیں لاکھوں روپے دے رہے ہیں۔ آپ میرے بھائی جان کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ ان کے سر سے تاج گر گیا ہے اور وہ تخت سے نیچے گر چکے ہیں لیکن پولیس کی وردی اترنے کے باوجود وہ کروڑپتی تھے اور رہیں گے۔ ہم سکندر حیات انٹر پرائیز گروپ آف انڈسٹریز کے مالکان میں سے ہیں۔ ہم دل کھول کر کسی کی بھی مالی امداد کر سکتے ہیں۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟''

وہ بڑی شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ بولا ''ہاں۔ میں یہ ثابت کردوں گا کہ اس بڈھے کے پاس حرام کی اور ذلالت کی کمائی ہے۔ یہ بیٹیوں سے دھندا کراتا ہے۔''

بابر نے گرج کر کہا ''انسپکٹر! مائنڈ یور لینگوج۔ آپ کی بھی جوان بیٹیاں ہوں گی۔ پلیز ایک غریب کی بیٹیوں پر کیچڑ نہ اچھالیں۔''

وہ غصے سے بولا ''اتنی گرمی کسے دکھا رہے ہو۔ کیا ان کی جوان بیٹیوں سے تم بھی فیض حاصل کرتے ہو؟''

بابر دونوں مٹھیاں بھینچ کر غصہ برداشت کرنے لگا۔ وہ پولیس کی وردی میں تھا۔ اس پر ہاتھ بھی اٹھایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر موبائل فون نکال کر نمبر پنچ کیے پھر مجھ سے رابطہ ہوتے ہی بولا ''بھائی جان! یہاں عرصہ کے گھر میں اس علاقے کے تھانے دار آئے ہیں اور وہ انتہائی گندی باتیں کرر ہے ہیں اور اس کے خاندان والوں پر کیچڑ اچھال رہے ہیں لیکن ہم ان کے خلاف کچھ کر نہیں سکتے کیونکہ انہوں نے قانون کی وردی پہن رکھی ہے۔''

میں نے کہا ''وہ کیچڑ اچھالتا ہے تو اچھالنے دو۔ تمہیں غصے میں نہیں آنا چاہیے۔ اسے کچھ دیر تک باتوں میں الجھائے رکھو۔ اس کا خاطر خواہ علاج ہوجائے گا۔''

میں نے رابطہ ختم کیا۔ بابر نے فون بند کرتے ہوئے انسپکٹر کو مسکرا کر دیکھا پھر کہا ''سوری! میرے بھائی جان نے ابھی مجھے سمجھایا ہے کہ آپ جتنی بھی کیچڑ اچھالیں میں آپ کی عزت کروں۔''

میں جانتا تھا کہ امیر علی اپنی شیطانی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا اور اپنے جیسے شیطانوں کو عرصہ کے گھر والوں کے پیچھے لگا دے گا۔ اسی لیے میں نے بابر کے ہاں جانے سے پہلے ہی جان محمد گبول سے رابطہ کیا تھا اور اس سے کہا تھا۔ ''تمہارے تمام اہم ڈاکومنٹس میرے پاس حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں۔ اب تمہیں ہمارا ایک اور کام کرنا ہے۔''

اس نے پوچھا ''اب کیا چاہتے ہو؟''

میں نے کہا ''ایک علاقے کے پولیس انسپکٹر کی وردی اتروانی ہے۔ ابھی ایک گھنٹے کے اندر۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟ پتا نہیں وہ انسپکٹر کیسا ہے؟ اگر اس کا سروس ریکارڈ اچھا ہوا تو اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکے گی۔''

''میں جانتا ہوں اس کا سروس ریکارڈ بہت ہی خراب ہے۔ وہ کئی بار قانون کو ہاتھوں میں لیتا رہا اور قانونی ہتھکنڈوں سے بچتا رہا۔ اس کے خلاف انکوائری ہوتی رہی اور وہ تمام انکوائری کو مختلف ذرائع سے دباتا رہا۔ اس کے خلاف تمام فائلیں پولیس ہیڈکوارٹر میں موجود ہیں۔ تم ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کے خلاف ایکشن لو۔''

میں نے اسے بتایا تھا کہ اس وقت انسپکٹر فیروز خان کس علاقے کے کس مکان میں بیٹھا ہوا ہے اور اسے وہیں گرفتار کرنا ہے۔

میں نے انسپکٹر فیروز کے وہاں آنے سے پہلے ہی جان

محمد گبول کو فون کیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ انسپکٹر عرصہ کے گھر ضرور آئے گا کس طرح انہیں پریشان کرے گا اور اسی لیے پہلے ہی میں اس کے خلاف ایکشن لے چکا تھا۔

ادھر جان محمد گبول نے ایمرجنسی کال کر کے اعلیٰ افسران کو حکم دیا تھا کہ ابھی انسپکٹر فیروز خان کی فائلیں کھولی جائیں۔ وہ جہاں بھی ہے وہیں اسے حراست میں لے کر اس کی وردی اتاری جائے۔ یہ کام ابھی ایک گھنٹے کے اندر ہونا چاہیے۔

کوئی معاملہ خواہ کتنا ہی پیچیدہ ہو اگر اسے اعلیٰ سطح پر نمٹایا جاتا ہے تو پلک جھپکتے ہی اس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آجاتے ہیں۔

عرصہ کے گھر والے پریشان ہو رہے تھے۔ محلے پڑوس کی عورتیں اور مرد جتنے بھی آئے تھے وہ تماشائی بنے دیکھ رہے تھے کہ انسپکٹر کس طرح ان پر کیچڑ اچھال رہا ہے۔ محلے کے جو لوگ بھید لینے آئے تھے وہ ہنس رہے تھے، مذاق اڑا رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا ''انسپکٹر صاحب! میں تو ان کا پڑوسی ہوں اور ان کی بیٹیوں کے رنگ ڈھنگ اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ یہ راتوں رات امیر کیسے بن گئے؟''

ایک عورت نے ہاتھ نچا کر کہا ''سنا ہے بیٹی کو جہیز میں دینے کے لیے صرف فرنیچر ایک لاکھ پچیس ہزار روپے کا آیا ہے جبکہ ان کا کوئی بیٹا کماتا نہیں ہے۔ یہ تو کبھی کبھی پڑوسیوں کے ہاں جا کر آٹا، دال، چاول ادھار مانگتے رہتے ہیں۔''

ایک اور عورت نے بابر کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا ''یہ امیر زادہ اپنی قیمتی گاڑی نمائش کے لیے یہاں لایا ہے۔ اب اس گاڑی میں ان کی کسی بیٹی کو بٹھا کر یہاں سے لے جائے گا۔''

عرصہ اور اس کی بہنوں نے بابر کو دیکھا پھر ایک بہن روتی ہوئی اپنا منہ چھپاتی ہوئی وہاں سے مکان کے اندر چلی گئی۔ وہ عرصہ کے سامنے اپنی بہت ہی انسلٹ محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا تھا کہ غصے میں نہیں آنا اور دانشمندی بھی یہی تھی کیونکہ عرصہ کے گھر والوں کے خلاف صرف پولیس والے ہی نہیں تھے پورا محلہ بھی تھا۔ اگر وہ کسی ایک سے بحث کرتا یا جھگڑا کرتا تو سب ہی اس پر پل پڑتے۔

اسی وقت سی۔ آئی۔ اے والے ایک گاڑی میں وہاں پہنچ گئے۔ گاڑی کی اگلی سیٹ سے مہارت خان نے اترتے ہوئے سپاہیوں کی طرف دیکھا پھر انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ''کیا تم انسپکٹر فیروز خان ہو؟''

وہ فخر سے سینہ تان کر بولا ''ہاں میں ہوں فیروز خان۔ تم کون ہو؟''

مہارت خان نے اپنے ڈپارٹمنٹ کا شناختی کارڈ دکھاتے ہوئے کہا ''میں ہوں مہارت خان سی۔ آئی۔ اے آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔''

فیروز خان ذرا ڈھیلا پڑ گیا۔ مصافحے کے لیے بڑھاتے ہوئے بولا ''آپ نے یہاں آنے کی زحمت کی؟ مجھے بلا لیا ہوتا۔''

مہارت خان نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر کہا ''میں صرف ان افسران سے ہاتھ ملاتا ہوں جو ڈیوٹی پر ہوتے ہیں۔ افسوس تم ڈیوٹی پر نہیں رہے۔ تمہیں معطل کیا جا چکا ہے۔''

فیروز خان کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''میرے پاس تمہاری گرفتاری کا وارنٹ ہے۔ یہ وردی والے لوگوں کی سلامتی کے لیے ہوتے ہیں۔ ان کی یہ وردی قابل قدر ہوتی ہے۔ اس لیے میں اس وردی میں تمہیں ہتھکڑی نہیں پہناؤں گا۔ اپنا یہ بیلٹ اتار دو۔''

فیروز خان کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ وہ اپنی بے عزتی محسوس کرتے ہوئے تمام لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ محلے کی عورتیں اور مرد دور دور تک کھڑے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ سب ہی خاموش تھے اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ سب ہی کی نظریں پوچھ رہی تھیں ''کیا وہ پولیس آفیسر بیلٹ اترتے ہی دو کوڑی کا ہو جائے گا؟''

فیروز خان نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے ہر اچھے برے وقت میں کام آتے تھے لیکن ان کے سامنے سی۔ آئی۔ اے کا بہت بڑا افسر کھڑا ہوا تھا۔ اس افسر کے ماتحت نے آگے بڑھ کر فیروز خان کی کمر سے بیلٹ اتار لیا۔

بابر نے آگے بڑھ کر مہارت خان سے کہا ''آفیسر! میرا نام فلک بابر حیات ہے۔ میں ایس۔ پی ذیشان کا چھوٹا بھائی ہوں۔''

مہارت خان نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ فرمایئے آپ یہاں کیسے؟''

بابر نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''میں اسی طرح انسپکٹر سے مصافحہ کرنا چاہتا تھا تو اس نے کہا کہ میرا بھائی ہے۔ ان کی وردی اتر چکی ہے۔ لہٰذا جو بادشاہ اپنے تخت سے نیچے گر جاتا ہے اس سے کوئی ہاتھ نہیں ملاتا۔''

مہارت خان نے کہا ''آپ کے بھائی جان کے ا...

...ساتھ ہیں۔ انہوں نے اچھا کیا ہے یا برا اس کا فیصلہ ...الت میں ہوگا لیکن آپ سے نفرت کرنا اور آپ کے گھر ...لوں کا مذاق اڑانا سراسر کم ظرفی ہے۔''

بابر نے کہا ''یہ سارے محلے کے لوگ تماشائی بن کر ...ڑے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے یہ اس بوڑھے غریب ...کی بیٹیوں پر کیچڑ اچھال رہا تھا۔ جبکہ ان کی بڑی صاحب ...ادی کل عزت آبرو سے دلہن بن کر رخصت ہونے والی ...ہے۔ اس نے اس بات کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ اس دلہن بننے والی ...کی پر بھی کیچڑ اچھالتا رہا۔''

بابر نے تمام محلے والوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''میں ...ن افسر کے سامنے آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ بہت سے ...ڈے بدمعاش فیروز خان کی طرح پولیس کی وردی پہن کر ...ریبوں اور لاچاروں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان پر بے جا کیچڑ ...اچھالتے ہیں۔ انہیں بدنام کرتے ہیں۔ افسوس اس بات کا ...ہے کہ آپ لوگ بھی ایسے شرپسند پولیس والوں کا ساتھ دیتے ...ہیں۔''

آسرا نے کہا ''اب آپ کے سامنے دودھ کا دودھ اور ...پانی کا پانی ہو گیا ہے۔ جو ذلیل کمینہ تھا اور شیطانی فطرت رکھتا ...تھا وہ آپ لوگوں کے سامنے گرفتار ہو کر جا رہا ہے اور جو نیک ...نام تھے وہ نیک نام ہیں اور رہیں گے اور ایک شریف زادی ...نیک نامی کے ساتھ یہاں سے دلہن بن کر جائے گی۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکے گی۔ جو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں، اڑاتے رہیں اور اپنے گھروں میں جا کر آرام کریں۔ آئندہ اگر کسی نے ہم پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی تو ہم اس کے خلاف بھی اسی طرح قانونی کارروائی کریں گے۔''

انسپکٹر فیروز نے کہا ''پلیز آپ مجھے ابھی ہتھکڑی نہ لگائیں۔ میں فون پر کسی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہماری کارروائی مکمل ہونے کے بعد تم کسی سے بھی فون پر بات کر سکو گے۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اب تک تمہارے خلاف جتنی انکوائری ہوتی رہی اور تم انہیں دباتے رہے وہ ساری فائلیں کھل گئی ہیں۔ تمہیں اتنی مضبوطی سے شکنجے میں لیا گیا ہے کہ تم کسی بڑے سے بڑے حمایتی کی فون کال سے بھی نہیں بچ پاؤ گے۔''

اسے ہتھکڑی پہنا دی گئی۔ وہ سب کے سامنے سر جھکا کر ان کے سامنے گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

جو لوگ انسپکٹر فیروز کی موجودگی میں انہیں طعنے دے رہے تھے اور بدنام کر رہے تھے وہ اب منہ چھپا کر وہاں سے جانے لگے۔ جو سیدھے سادے اور شریف لوگ تھے ان میں سے کسی نے آگے بڑھ کر عرصہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ کسی بوڑھے نے اس کے باپ کو گلے لگا کر کہا ''اچھائی اور سچائی کی قدر دیر سے ہوتی ہے مگر ضرور ہوتی ہے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد ہی اس گھر میں پھر ڈھولک بجنے لگے۔ سہاگ کے گیت گائے جانے لگے۔ ہنسنے بولنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ میں نے آسرا سے فون پر کہہ دیا تھا کہ اسے اور عرصہ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ جو برا ہے وہ اپنے انجام کو ضرور پہنچے گا۔ میں نے سارے انتظامات کر دیے ہیں۔

جب مہارت خان انسپکٹر فیروز کو گرفتار کر کے لے گیا اور

بدنام کرنے والے سر جھکا کر اور منہ چھپا کر چلے گئے اور اس گھر میں پھر سے شادی بیاہ کے گیت گائے جانے لگے تو آسرا نے فون کے ذریعے مجھے مخاطب کیا پھر کہا ''میرے دل کی کائنات کو لوٹ لینے والے تو ہے کیا چیز؟ پتا ہے اس وقت میرا دل کیا کہنا اور کیا کرنا چاہتا ہے؟''

پھر وہ ہنستے ہوئے بولی ''میرا بلما چھیل چھبیلا، میں تو ناچوں گی......''

میں ہنسنے لگا۔

☆☆☆

دردانہ قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ خود کو ہر زاویے سے دیکھ دیکھ کر خوش بھی ہو رہی تھی اور حیران بھی ہو رہی تھی۔ شہباز درانی اور اس کا میک اپ مین ایک طرف بیٹھے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

وہ اپنے چہرے کو ادھر ادھر سے چھو کر بولی ''میں تو پہلے سے زیادہ خوبصورت اور جوان لگ رہی ہوں۔ اور خود کو پہچان نہیں پا رہی ہوں۔''

میک اپ مین نے کہا ''میڈم! میرا دعویٰ ہے کہ آپ کو آپ کے ماں باپ بھی دیکھیں گے تو پہچان نہیں پائیں گے۔''

وہ الماری کے پاس آئی اور اس میں سے دس ہزار روپے نکال کر میک اپ مین کو دیتے ہوئے بولی ''تم نے میری عمر پہلے سے کم کر دی ہے۔ یہ اس کا انعام ہے۔'' وہ خوش ہو کر شکریہ ادا کرتا ہوا چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی شہباز نے دردانہ کو پکڑ کر اپنی آغوش میں کھینچا اور بولا۔

''آج میرے بازوؤں میں ایک نئی بھرپور جوان عورت آ گئی ہے۔ اس بات کی تو خوشی ہے کہ تم پہلے سے جوان اور خوبصورت ہو کر بہت خوش نظر آ رہی ہو لیکن میری دردانہ کہیں گم ہو گئی ہے۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''میں تو تمہاری دھڑکنوں سے لگی ہوئی ہوں۔ تمہارے دل میں بسی ہوئی ہوں۔ میں بھلا کہاں جا سکتی ہوں۔ البتہ تبدیلی آ گئی ہے۔ مرد یکسانیت سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی چہرہ دیکھنا نہیں چاہتے اسی لیے میں تمہارے لیے بدل چکی ہوں۔''

وہ تھوڑی دیر تک اس کے نئے رنگ روپ اور اس کے نئے بہروپ سے بہلتا رہا پھر گھڑی دیکھ کر بولا ''ٹھیک دو گھنٹے بعد تمہاری فلائٹ ہے۔ کیا تمام ضروری سامان پیک کر چکی ہو؟''

''تمام پیکنگ ہو چکی ہے۔ بس یہاں سے چلنا ہے۔''

''میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا۔''

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا ''ائر پورٹ چلو۔ اس کے بعد تو جدا ہونا ہے پھر پتا نہیں ہم ملیں گے؟''

''مجھ پر بھروسا کرو۔ اگر حالات سازگار نہ ہوئے یہاں نہ آ سکیں تو میں تمہارے پاس چھپ کر آؤں گا۔''

وہ اس پر قربان ہونے لگی۔ کہنے لگی ''میں جانتی میرے بغیر نہیں رہ سکو گے۔ ضرور میرے پیچھے آؤ گے۔''

وہ اس کے سحر میں ڈوب گیا پھر ابھر کر بولا ''تم آؤ گی۔''

''میں جانتی ہوں۔ جب تم بہت پریشان ہوتے میں تمہارا سر اپنے سینے پر رکھ کر سہلاتی ہوں۔ تمہیں خود دیتی ہوں اور تمہارا ذہن بھٹکا دیتی ہوں۔ تم فکر و پریشا وقتی طور پر نجات حاصل کر لیتے ہو لیکن اب تمہیں کون گا؟ کون پیار کرے گا؟''

''میں تمام پریشانیاں پہلے سے دور کرنے کی کوشش رہا ہوں۔ اسد عزیزی میرے لیے بہت اہم ہے۔ جان کے لیے خطرہ تھا اسی لیے میں نے اسے واشنگٹن بھیج وہاں اس کا علاج ہو رہا ہے۔ آج تم جا رہی ہو۔ اس کوئی دشمن میری کسی کمزوری سے نہیں کھیل سکے گا۔''

''تم روز صبح شام موبائل پر مجھ سے رابطہ رکھنا خیریت بتاتے رہنا۔''

''ہاں۔ اطمینان رکھو۔ جہاں تم جا رہی ہو وہا میرے آدمی ہوں گے۔ میرا ایک جاسوس تمہارے سا کرے گا مگر تم سے دور دور رہ کر تمہاری نگرانی کرتا ر ممبئی میں اور کئی مسلح گارڈز ہوں گے جو دور ہی دور سے نگرانی کرتے رہیں گے۔ کبھی تم پر کسی طرح کی آنچ نہیں دیں گے۔''

ایک مسلح گارڈ نے آ کر کہا ''باس ٹیکسی آ گئی ہے۔''

وہ بولا ''ٹھیک ہے۔ میڈم کا تمام سامان لے رکھو۔''

وہ اس کا سامان لے جا کر رکھنے لگا۔ وہ دونوں کرتے ہوئے باہر آئے پھر اس نے کہا ''تم ٹیکسی میں میں تمہارے پیچھے اپنی گاڑی میں رہوں گا۔ ائر پورٹ تمہیں دور ہی دور سے دیکھتا رہوں گا۔ جب تک فلائٹ روانہ نہیں ہو جائے گی تب تک میں وہیں رہوں''

وہ خوش ہو کر بولی ''آئی لو یو شہباز۔''

وہ بولا ''آئی لو یو ٹو۔''

وہ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور وہ اپنی کار بیٹھ گیا اور اسے اسٹارٹ کر کے اس ٹیکسی سے کچھ فاصلہ

اپنی محبوبہ کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔ مقدر سے دولت اور طاقت ملتی ہے لیکن کمزوری بھی ملتی ہے۔ جو شہزور ہوتے ہیں ان کی کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے اور آج وہ اپنی تمام کمزوریوں کو خود سے دور کر رہا تھا۔

وہ دونوں ائر پورٹ پہنچ گئے۔ وہ وزیٹرز لابی میں ادھر سے ادھر گھومتی پھرتی رہی۔ شہباز نے فون کے ذریعے اسے مخاطب کیا۔ وہ خوش ہو کر بولی ''ہائے! تم کہاں ہو؟''

''یہیں ائر پورٹ پر ہوں۔ تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ تم بک اسٹال کے پاس کھڑی ہوئی ہو۔ ادھر ادھر سر گھما کر مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہو۔''

''ہائے شہباز! مجھ جیسی عورتیں بہت خوش نصیب ہوتی ہیں جن کے پیچھے ان کے چاہنے والے مرد دیوانے کی طرح لگے رہتے ہیں۔''

''تم اس نئے روپ میں کیا محسوس کر رہی ہو؟''

''کچھ نہ پوچھو۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے ایڈونچرس لائف گزار رہی ہوں۔ بہت پراسرار بن گئی ہوں۔ کوئی مجھے نہ جان سکتا ہے، نہ پہچان سکتا ہے۔ پتا ہے ابھی ایک جیولر سے سامنا ہوا۔ میں اس سے کئی بار جیولری خرید چکی ہوں۔ وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے لیکن وہ بھی مجھے پہچان نہ سکا۔ میں کیا بتاؤں کہ مجھے کتنی خوشی ہو رہی تھی۔''

''میری جان! اسی طرح خوش ہوتی رہو۔ تم مسرتوں میں مست رہتی ہو تو مجھے ذہنی سکون حاصل ہوتا رہتا ہے۔''

وہ خوش ہو کر بول رہی تھی پھر ایک دم سے چونک گئی۔ اس کی ساری خوشیاں ہرن ہو گئیں۔ شہباز نے پوچھا۔ ''اچانک چپ کیوں ہو گئیں؟''

''وہ۔ شہباز! وہ تمہارا ماہر نجومی پبلو ماسٹر مجھے دیکھ رہا ہے۔ شاید مجھے پہچان رہا ہے۔''

شہباز درانی نے اپنی نظریں ادھر ادھر دوڑائیں تو دیکھا کہ وہ پبلو ماسٹر وہیں دردانہ سے تھوڑے فاصلے پر بک اسٹال کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ وہ بولا ''تم کیوں خواہ مخواہ گھبرا رہی ہو؟ وہ تمہیں نہیں پہچانے گا۔''

''اگر نہیں پہچانے گا تو پھر وہ کیوں مجھے اس طرح دیکھ رہا ہے؟''

''اسے دیکھنے دو۔ اپنے آپ پر اعتماد رکھو۔ یہ اچھا ہے کہ جان پہچان والوں سے سامنا ہو رہا ہے۔ اس طرح موجودہ میک اپ کی آزمائش بھی ہوتی رہے گی کہ کوئی تمہیں کسی بھی طرح پہچان سکتا ہے یا نہیں؟''

وہ دھیمی آواز میں بولی ''شہباز! وہ میری طرف آ رہا ہے۔''

''آنے دو۔ فون کو آن رکھو۔''

وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے یوں دیکھنے لگا جیسے انتظار کر رہا ہو کہ وہ فون پر ہونے والی باتیں ختم کرے تو پھر اسے مخاطب کرے۔ دردانہ نے اسے گھور کر دیکھا پھر پوچھا ''یس؟ کیا بات ہے؟''

وہ جھجکتے ہوئے بولا ''دیکھیے میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ پہلے آپ فون پر باتیں کر لیں۔''

''میں باتیں کر لوں گی۔ تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''وہ۔ میں کیا بتاؤں؟ آپ پر نظر پڑتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میں آپ کو پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔ آپ کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ہے جو مجھے آپ کی طرف کھینچ رہی ہے۔''

اس نے تجسس میں مبتلا ہو کر پوچھا ''ایسی کیا بات ہے۔ مجھ میں کس طرح کی کشش ہے۔ ذرا وضاحت کرو۔''

''یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔''

''کیا میری صورت تم نے پہلے بھی دیکھی ہے؟''

''نہیں۔ میں پہلی بار آپ کو دیکھ رہا ہوں لیکن ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میں پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں۔''

پھر وہ ایک دم سے چونک کر بولا ''لعنت ہے میری یادداشت پر۔ اب مجھے یاد آ رہا ہے۔''

اس بار دردانہ اور شہباز دونوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ وہ میک اپ کے باوجود اسے پہچان گیا ہے۔ وہ ہنسنے لگا۔ دردانہ نے پوچھا ''کیوں اس طرح ہنس رہے ہو؟ تمہیں کیا یاد آ گیا ہے؟''

''وہ دراصل بات یہ ہے کہ یہ جو آپ نے لباس پہن رکھا ہے یہ بالکل یونیک ہے، منفرد ہے۔ اس کا کلر اور اس کے گلے میں اور آستینوں میں بنے ہوئے بیل بوٹے کچھ ایسے ہیں کہ انہیں میں نے پہلی بار ایک رئیس خاتون کے بدن پر دیکھا تھا۔''

وہ بولی ''تم نے کس خاتون کو ایسا لباس پہنے دیکھا تھا؟''

''وہ بہت ہی امیر کبیر خاتون ہیں۔ میں ان کا ہاتھ دیکھنے کے لیے ان کی کوٹھی میں گیا تھا لیکن ایسا لباس دیکھتے ہی میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ میں ایسا پاکستانی لباس کسی ٹیلر ماسٹر سے سلواؤں گا۔ یہ میری محبوبہ کے لیے بہترین تحفہ ہوگا۔''

وہ بولی ''تھینکس گاڈ! تمہیں یاد آ گیا۔ اب میرا پیچھا چھوڑ دو اور مجھے فون پر بات کرنے دو۔''

وہ بولا ''سو سوری میڈم! میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے پلٹ کر چلا گیا۔ دردانہ نے فون کو کان سے لگایا۔ شہباز نے کہا ''اس کمبخت پبلو ماسٹر نے تو ہمیں پریشان ہی کر دیا تھا۔ اس نے وضاحت کی تو مجھے یاد آیا کہ جب وہ ہماری کوٹھی میں آ کر تمہارا ہاتھ دیکھ رہا تھا اس روز تم نے یہی لباس پہنا ہوا تھا۔''

وہ حیرانی سے بولی ''مائی گاڈ! میں چہرے سے نہیں صرف اپنے لباس سے پہچانی جانے والی تھی۔''

وہ بولا ''پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ جرمنی سے آیا ہے۔ اس کے لیے یہاں کے ملبوسات کچھ نئے اور عجیب سے ہیں اسی لیے اسے تمہارا یہ لباس یاد رہ گیا۔ کوئی دوسرا اس لباس کی وجہ سے تم پر شبہ نہیں کرے گا۔ دیکھو، اناؤنسمنٹ ہو رہی ہے۔ اب بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے کے لیے جاؤ۔''

''جا رہی ہوں مگر جاتے جاتے تم مجھے ایک بار تو نظر آ جاؤ۔''

''تم وہاں سے آگے بڑھو۔ میں ابھی تمہارے سامنے سے گزروں گا۔''

وہ اپنے سامان کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی جانے لگی۔ اسی وقت شہباز ایک طرف سے چلتا ہوا آیا۔ اس کے سامنے سے گزرنے لگا۔ وہ بے اختیار مسکرانے لگی لیکن وہ بہت ہی سنجیدہ تھا۔ ایسے گزر رہا تھا جیسے اسے پہچانتا نہ ہو۔

بہر حال وہ گزر گیا۔ وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر چلی گئی۔ وہاں اس نے سامان لگیج میں دیا۔ بورڈنگ کارڈ حاصل کیا پھر مقررہ وقت پر طیارے کے اندر آ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ انسان جب بھی کچھ سوچتا' وہ پورا ہو جاتا۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ مقدر ساتھ نہ دے تو آدمی سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ طیارے کے اندر دو ائر ہوسٹس مسافروں کی ان کی سیٹوں کی طرف رہنمائی کر رہی تھیں۔ ان مسافروں کی بھیڑ میں پبلو ماسٹر بھی تھا۔ دردانہ اسے دیکھتے ہی چونک گئی اور پریشان ہو گئی۔ ائر ہوسٹس پبلو ماسٹر کا بورڈنگ کارڈ دیکھ کر دردانہ کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

وہ وہاں سے چلتا ہوا جب اس کے قریب آیا تو اسے دیکھ کر ایک دم سے چونک گیا پھر بولا ''ارے آپ؟ آپ بھی اسی فلائٹ سے جا رہی ہیں؟''

وہ اپنا بریف کیس سامان والے اوپر کے خانے میں رکھ کر اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دردانہ پریشان تھی۔ سوچ رہی تھی ''یہ تو شہباز درانی کے کام سے پاکستان آیا تھا۔ اب ہندوستان کیوں جا رہا ہے؟''

وہ یہ سوال اس سے نہیں کر سکتی تھی۔ پریشان ہو کر سوچ رہی تھی ''اس کی موجودگی سے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟''

وہ چاہتی تھی شہباز درانی کو فون کرے۔ اسے بتائے کہ پبلو ماسٹر بھی اس کے ساتھ اسی طیارے میں سفر کر رہا ہے لیکن وہ فون نہیں کر سکتی تھی۔ جہاز کے اندر موبائل فون استعمال کرنے کی ممانعت ہوتی ہے۔ ماسٹر اسے غور سے دیکھ رہا تھا پھر بولا ''آپ کچھ سوچ رہی ہیں اور پریشان لگ رہی ہیں۔''

وہ بولی ''میں پریشان نہیں ہوں اور آپ سے یہ کہہ دوں کہ سفر کے دوران میں خاموش رہنا پسند کروں گی۔ پلیز آپ گفتگو سے پرہیز کریں تو بہتر ہوگا۔''

وہ مسکرا کر بولا ''ایز یو لائک۔ میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گا۔''

وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ فی الحال دردانہ کی طرف سے تجسس نہیں تھا۔ وہ کراچی میں دو چار روز رہ کر یہ دیکھ چکا تھا کہ ایسا لباس عام طور پر یہاں کی عورتیں پہنتی ہیں۔ صرف اس میں کڑھائی کا کام کچھ ایسا مختلف تھا کہ اسے یاد رہ گیا تھا۔

جہاز اپنے مقررہ وقت پر پرواز کرنے لگا۔ مسافر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے اور کچھ اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر سوچنے لگے تھے یا سونے لگے۔ دردانہ بھی آرام سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ سیٹ کے ہتھے پر تھا اور دوسرا زانوں پر رکھا ہوا تھا۔ وہ ہاتھ اس طرح کھلا ہوا تھا کہ پوری طرح دکھائی دے رہی تھی۔

پبلو ماسٹر کی نظر ادھر گئی تو وہ اپنی عادت اور پیشے کے مطابق اسے دیکھنے لگا۔ پہلے تو وہ سرسری طور پر اسے دیکھ کر اپنی نظریں ہٹا لینا چاہتا تھا لیکن جیسے جیسے ایک ایک لکیر کو دیکھتا گیا اس کی حیرانی بڑھتی گئی۔ وہ ایک دم سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

یہ بات نہیں تھی کہ ان لکیروں نے دردانہ کو بے نقاب کر دیا تھا۔ نہیں۔ لکیریں نام اور پتا نہیں بتاتیں۔ لیکن وہ حیران ہو رہا تھا پریشان ہو رہا تھا۔ کبھی اس کی ہتھیلی کو اور کبھی اس کے چہرے کو دیکھتا تھا۔ دردانہ اس کے اس انداز سے چونک کر سیدھی ہو کر بیٹھتی ہوئی بولی ''کیا بات ہے؟ تم مجھے کیوں اس طرح دیکھ رہے ہو؟''

''میں حیران ہو رہا ہوں۔''

''کس بات پر حیران ہو رہے ہو؟''

''یہ پاکستان کیسا ملک ہے؟ کیا یہاں بھی ایسے

ہیں؟''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''میں نے پاکستان آتے ہی ایک شخص کا ہاتھ دیکھا۔ اس کا نام مقدر حیات ہے اور اس سے ایک برس پہلے میں نے مسٹر شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھ بالکل ایک جیسے ہیں۔ ان دونوں کے ہاتھوں کی ایک ایک لکیر ایک جیسی ہے۔ جو ایک کے ہاتھ کی لکیر کہتی ہے وہی دوسرے کے ہاتھ کی لکیر بھی کہتی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی دو افراد کے ہاتھوں کی لکیروں کو یکساں نہیں دیکھا۔ ہر ہاتھ کی لکیریں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔''

''تم یہ باتیں مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو؟''

''اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مسٹر شہباز درانی کی کوٹھی میں میں نے جس خاتون کا ہاتھ دیکھا تھا' اس کے ہاتھ کی لکیریں بالکل آپ کے ہاتھ کی لکیروں کی جیسی ہیں۔ آپ کے اس ہاتھ میں اور اس خاتون کے ہاتھ میں بھی فرق نہیں ہے۔''

دردانہ نے فوراً ہی دونوں مٹھیاں بند کر لیں اور اپنی ہتھیلیاں چھپانے لگی۔ گھر سے وہ اپنا چہرہ چھپا کر آئی تھی۔ اب ہاتھ چھپانے لگی۔

انسان کی زندگی میں ہر چیز بدل جاتی ہے۔ حتیٰ کہ چہرہ بھی بدل جاتا ہے لیکن ہاتھ کبھی نہیں بدلتا اور ہاتھ کی لکیریں کبھی نہیں بدلتیں۔ صورت بدلنے سے سیرت نہیں بدلتی، تقدیر نہیں بدلتی۔

شہباز درانی اس کا چہرہ بدل کر ساری دنیا کو دھوکا دے سکتا تھا لیکن مجھے دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ اس کا ہاتھ نہیں بدل سکتا تھا۔ یہ کبھی نہیں جان سکتا تھا کہ جس سے دشمنی کر رہا ہے وہ ہاتھ کی لکیروں پر ہی زندہ رہتا ہے اور زندگی بھر تدبیر اور تقدیر کے تماشے دکھاتے رہتا ہے۔

وہ کبھی نہیں جان سکتا تھا کہ میں کیا ہوں۔
میں اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں۔

دردانہ پریشان ہو کر پبلو ماسٹر کا منہ تک رہی تھی۔ اس کے ذہن میں یہ سوال گونج رہا تھا" کیا اس نے مجھے پہچان لیا ہے؟"

پھر اس نے خود ہی انکار میں سر ہلا کر سوچا" نہیں...... مجھے کیسے پہچان سکتا ہے؟ ایک ماہر میک اپ مین نے بڑی مہارت سے میری شکل بدل دی ہے۔ اس کے باوجود یہ میرا ہاتھ دیکھ کر پریشان ہو گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے اس ہتھیلی کے آئینے میں میرا اصل چہرہ دیکھ رہا ہے۔"

وہ پریشان ہو رہی تھی اور دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔ "میں اور شہباز کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ کم بخت نجومی میرا ہاتھ دیکھ لے گا اور شبہے میں مبتلا ہو جائے گا۔"

پھر اس نے انکار میں سر ہلا کر سوچا" لیکن شبہ کیسا؟ یہ مجھے دردانہ نہیں سمجھ رہا ہے۔ بلکہ یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے اب سے پہلے بھی دو آدمیوں کے ایک جیسے ہاتھ دیکھے ہیں۔ اسی طرح آج دو عورتوں کے ہاتھ ایک جیسے دیکھ رہا ہے۔"

اس نے سوچا" باتیں بنا کر اس نجومی کو ٹالنا چاہیے۔ اسے اپنے بارے میں زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ ورنہ یہ ہاتھ کی لکیروں پر بھٹکتا ہوا کہیں میری اصلیت تک نہ پہنچ جائے۔"

اس نے کہا" تم کسی مقدر حیات اور شہباز درانی کی باتیں کر رہے ہو۔ کیا واقعی ان دونوں کے ہاتھ ایک جیسے ہیں؟"

"ہاں...... میں نے ان دونوں کے ہاتھ دیکھے ہیں۔ اپنی ان ہی آنکھوں سے میں نے میڈم دردانہ کا ہاتھ بھی دیکھا ہے اور اب تمہارا ہاتھ بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"جب تم دیکھ چکے ہو اور تمہارے تجربے میں یہ بات آ چکی ہے کہ دو افراد کے ہاتھ ایک جیسے ہو سکتے ہیں تو پھر تم حیران کیوں ہو رہے ہو؟"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا" ہاں، مجھے اب حیران نہیں ہونا چاہیے لیکن میں نے یہ حیرت انگیز چیز پاکستان میں ہی آ کر دیکھی ہے۔ دنیا کے کسی اور ملک میں مجھے دو ایسے افراد نہیں ملے جن کے ہاتھوں کی لکیریں ایک جیسی باتیں بولتی ہوں۔"

"چلو۔ پاکستان میں آ کر تمہیں ایک انوکھا تجربہ تو ہوا۔ اس سے تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی بات ناممکن نہیں ہے۔"

"میں مانتا ہوں۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں نے پاکستان میں آ کر عجیب و غریب ہاتھ دیکھے ہیں۔ پلیز...... آپ مجھے اپنا ہاتھ دکھائیں۔"

اس نے ابھی تک اپنی دونوں مٹھیاں بند کر رکھی تھیں۔ وہ انکار میں سر ہلا کر بولی" نہیں۔ میں ہاتھ دکھانا ضروری نہیں سمجھتی۔"

"کیا تم اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ معلوم کرنا نہیں چاہتیں؟"

"سیدھی سی بات ہے' میں علم نجوم کو نہیں مانتی۔ یہ مانتی ہوں کہ جو ہونا ہوتا ہے وہ ضرور ہوتا ہے۔ ہمارے روکنے سے ہونی انہونی نہیں ہو سکتی اور جو ہمارے لیے انہونی ہے اسے ہم ہونی نہیں کر سکتے۔"

"تمہاری یہ سوچ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و حوصلے کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ اپنے عزم سے ذہانت اور تدبیر سے ہونی کو انہونی اور انہونی کو ہونی بنا سکتا ہے۔"

اس نے بے زاری ظاہر کرتے ہوئے کہا" پلیز' میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ میں سفر کے دوران خاموش رہنا چاہتی ہوں۔"

"بے شک خاموش رہو لیکن ایک بات کہہ دوں' تمہارا ہاتھ اور اس میڈم دردانہ کا ہاتھ بالکل ایک ہے اور میں وہ ہاتھ پڑھ چکا ہوں۔ لہٰذا اس ہاتھ کی لکیروں کے ذریعے تمہارے مقدر کا حال معلوم کر سکتا ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی" کیا تمہیں یاد ہے کہ میڈم دردانہ کے ہاتھ کی لکیریں کیسی تھیں؟ اور کیا کہہ رہی تھیں؟"

"ہاں...... وہ ہاتھ دیکھے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں۔ اس لیے مجھے وہ باتیں بھی یاد ہیں جو میں انہیں بتا چکا ہوں اور وہ باتیں بھی یاد ہیں جو میں نے بتائی نہیں ہیں' چھپائی ہیں۔"

یہ سن کر اس کے اندر تجسس پیدا ہوا۔ سوچنے لگی" پتا نہیں اس نے مجھ سے متعلق کون کون سی باتیں چھپائی ہیں۔"

اس نے پوچھا" کیا تم بتانا چاہو گے کہ اس کی کون سی باتیں تم نے چھپائی ہیں؟"

"سوری۔ میں جس کا ہاتھ دیکھتا ہوں۔ اسی کو اس کی باتیں بتاتا ہوں۔ کسی دوسرے کو کبھی نہیں بتاتا۔ میں تمہارا ہاتھ دیکھ کر صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جو باتیں میں نے ان سے چھپائی ہیں۔ وہی باتیں تمہارے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ لکیریں مجھے یاد نہیں ہیں۔ میں انہیں دوبارہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

دردانہ کے اندر کھلبلی سی مچ گئی تھی" پتا نہیں۔ اس نے کون سی اہم باتیں چھپائی ہیں؟ اس نے شہباز کی موجودگی میں کہا تھا کہ ہم عارضی طور پر کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں

لیکن ان کامیابیوں کے پیچھے ہماری ناکامیاں چھپی ہوئی ہیں اور اس کی یہ باتیں سچ ثابت ہو چکی ہیں۔"

وہ اپنے نقصان کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ پہلا نقصان تو یہی ہوا تھا کہ وہ قانون کی گرفت میں آ گئی تھی پھر شہباز نے چند شرائط مان کر اسے رہائی دلائی تو بیگم آفتاب کے شکنجے سے نکل گئی۔ عینی کی ویڈیو فلم بھی اس کے پاس نہ رہی۔ اس کے بعد پاشا اس کی قید سے نکل گیا۔ ایک کے بعد ایک نقصان پہنچتا رہا پھر سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ شہباز کے بہت اہم کاغذات اس کے پرائیویٹ چیمبر سے چرا لیے گئے۔

اب دردانہ کے ذہن میں یہ سوال چبھ رہا تھا' کیا آئندہ بھی اسے مزید نقصانات اٹھانے ہیں؟ ان حالات میں کیا یہ دانش مندی ہو گی کہ وہ اپنا ہاتھ پبلو ماسٹر سے چھپائے؟

وہ بڑی بے بسی سے بولی" مسٹر......! تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ چاہو تو مجھے بتا سکتے ہو کہ تم نے میڈم دردانہ سے کون کون سی باتیں چھپائی ہیں؟ ہو سکتا ہے ان باتوں کا تعلق میرے ہاتھ کی لکیروں سے ہو؟ اور میرے ہاتھ کی لکیریں بھی وہی کہہ رہی ہوں۔"

"اس لیے تو میں تمہارے ہاتھ کی لکیریں پڑھنا چاہتا ہوں لیکن اگر تم اپنا ہاتھ نہیں دکھاؤ گی تو پھر میں اس سلسلے میں کوئی بات نہیں بتا سکوں گا۔"

وہ منہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ دردانہ نے اپنی مٹھی کو دیکھا پھر مجبور ہو کر مٹھی کھول دی۔ اپنی ہتھیلی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی" لو...... تم ہاتھ دیکھ سکتے ہو۔"

اس نے سر گھما کر اسے دیکھا پھر اس کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا' ہتھیلی پر لکیروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ وہ ایک ایک لکیر کو پڑھنے لگا۔ شدید حیرانی سے بولنے لگا" مائی گاڈ......! بالکل وہی ہاتھ ہے۔ ایسا لگ رہا ہے۔ جیسے میں میڈم دردانہ کا ہاتھ دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم نقاب پہن لو اور میں تمہاری صورت نہ دیکھوں تو یہی سمجھوں گا کہ تم میڈم دردانہ ہو۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے سامنے ہوں اور تم دیکھ رہے ہو کہ میں دردانہ نہیں ہوں۔ میں ایک ہندو عورت ہوں اور میرا نام نیلماں دامودر ہے۔"

"تمہارا نام کچھ بھی ہو لیکن تمہارا ہاتھ وہی کہہ رہا ہے جو دردانہ کا ہاتھ کہہ رہا تھا۔"

وہ جھنجلا کر بولی" بس یہی کہہ رہے ہو۔ یہ نہیں بتاتے کہ اس کا ہاتھ کیا کہہ رہا تھا اور اب میرا ہاتھ کیا کہہ رہا ہے؟"

"اس وقت میڈم کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی تھیں کہ وہ ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں پھنسنے والی ہیں اور اب تمہارے ہاتھ کی لکیر بھی یہی کہہ رہی ہے۔ تم ایک بڑی مصیبت سے نجات حاصل کر کے دوسری بڑی مصیبت کی طرف تیزی سے جا رہی ہو۔"

اس نے گھبرا کر پوچھا" میں کس مصیبت کی طرف جا رہی ہوں؟ پلیز مجھے جلدی بتاؤ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟"

"میڈم نیلماں......! یہ بتاؤ' کیا میری یہ بات درست ہے کہ تم ایک بہت بڑی مصیبت سے نکل کر آ رہی ہو؟"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی" ہاں میں ایک بڑی مصیبت سے نکل کر آ رہی ہوں مگر مجھے جلدی سے بتاؤ کہ اب میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟"

"سوری۔ ہاتھ کی لکیریں صرف اتنا ہی بتاتی ہیں کہ زندگی میں بہت الجھنیں ہیں لیکن وہ الجھنیں اور مصیبتیں کس نوعیت کی ہوں گی۔ کس طرح سے آئیں گی اور کس طرح پریشان کریں گی۔ یہ ہاتھ کی لکیریں کبھی نہیں بتاتیں۔"

"پھر تم کیسے نجومی ہو کہ اندر کی باتیں وضاحت سے نہیں بتا سکتے۔ مقدر حیات تو دور تک بہت سی باتیں بتا دیتا ہے۔"

اس نے چونک کر پوچھا" کیا تم مقدر حیات کو جانتی ہو؟"

وہ گڑبڑا گئی۔ جلدی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔ نہیں میں اسے نہیں جانتی لیکن ایک سہیلی اس کا ذکر کر رہی تھی۔ وہ بہت ہی عجیب و غریب شخص ہے۔ علم نجوم میں ایسی حیرت انگیز مہارت رکھتا ہے کہ اندر کی باتیں دور تک بتاتا ہے۔ پلیز میرے ہاتھ کی لکیروں کو توجہ سے پڑھو اور کسی طرح مجھے بتاؤ مجھ پر کیسی مصیبتیں آنے والی ہیں؟ یا پھر یہی بتا دو کہ میں ان مصیبتوں سے خود کو کس طرح بچا سکتی ہوں؟"

"ہاتھ کی لکیریں بچاؤ کی تدبیر نہیں بتاتیں۔ یہ تو اپنی ذہانت سے تدبیر سوچنی پڑتی ہے اور اس تدبیر پر ذہانت سے عمل کرنا ہوتا ہے۔"

جب برا وقت آنے لگتا ہے تو انسان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اپنی ذہانت کو کیسے استعمال کرے؟ وہ مسائل اور مصائب سے فرار کا راستہ ڈھونڈتا ہے۔ اس وقت دردانہ کے سامنے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ نہ زمین پر تھی نہ آسمان پر۔ آسمان اور زمین کے بیچ لٹکتی جا رہی تھی۔ اسے تو یہی لگ رہا تھا کہ سولی پر لٹک رہی ہے اور اسے بچانے والا شہباز بھی اس کے آس پاس نہیں ہے۔

اسے یاد آیا' شہباز نے کہا تھا کہ اس کا ایک جاسوس اس

کی نگرانی کے لیے اسی کے ساتھ جہاز میں سفر کرے گا اور ممبئی پہنچ کر کچھ مسلح گارڈز بھی اس کی حفاظت کے لیے آ جائیں گے۔

وہ بے اختیار اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اب آگے پیچھے بیٹھے ہوئے مسافروں کو دیکھنے لگی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کی نگرانی کرنے والا جاسوس کہاں ہے؟ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ کون ہے تو وہ اس کے پاس جا کر کہتی کہ مجھ پر مصیبتیں آنے والی ہیں، تم محتاط رہو۔

پبلو ماسٹر نے پوچھا "کھڑی کیوں ہو گئی ہو؟ کسے دیکھ رہی ہو؟"

وہ بیٹھتے ہوئے بولی "میرے شوہر نے کہا تھا کہ میں یہاں سے ممبئی پہنچنے تک تنہا نہیں رہوں گی۔ ان کا کوئی آدمی میری حفاظت کے لیے جہاز میں بھی موجود رہے گا۔"

"کیا تمہارے شوہر کو پہلے سے معلوم تھا کہ تم کسی مصیبت میں گرفتار ہونے والی ہو؟"

"اور اگر معلوم تھا تو اسے چاہیے تھا تمہارے باڈی گارڈ کو تمہارے ساتھ رہنے کی ہدایت کرتا۔"

"وہ میرے ساتھ نہیں ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے آس پاس ہی کہیں ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو بہت اچھی بات ہے لیکن اتنی سی بات تو عقل سے بھی سوچی جا سکتی ہے کہ مصیبت کے وقت کوئی دوسرا کام نہیں آتا۔ یہ تو سنا ہوگا تم نے کہ برے وقت میں اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔"

"تم مجھے ڈرا رہے ہو؟"

"میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ بہرحال مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

اس نے پریشان ہو کر اسے دیکھا اور کہا "دیکھو! تم نے تھوڑی دیر پہلے کہا تھا کہ تم نے میڈم دردانہ کو آدھی بات بتائی تھی۔ تم اب میرے ساتھ بھی یہی کر رہے ہو۔ پلیز...... مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ اگر تم تمام باتیں مجھے بتا دو گے تو میں تمہیں منہ مانگا معاوضہ دوں گی۔ میں تمہیں تمہاری ماں کی قسم دیتی ہوں کہ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ نہیں تو میں ہیبت سے مر جاؤں گی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو آگاہی کا علم نہیں دیا ہے۔ اسے مستقبل کی باتیں پہلے سے نہیں معلوم ہوتیں۔ اگر معلوم ہونے لگیں تو وہ ایک پل بھی زندہ نہ رہے۔ دہشت سے ہی مر جائے۔ اس وقت تمہاری بھی یہی حالت ہے تم بری طرح دہشت زدہ ہو۔ جبکہ تمہیں اس وقت پُرسکون رہ کر اپنے تمام خیالات کو ایک جگہ کر کے ذہانت سے سوچنا چاہیے کہ آنے والے حالات کا کس طرح مقابلہ کرو گی۔"

اس نے الجھ کر کہا "کچھ معلوم تو ہو کہ وہ حالات کیا ہوں گے؟ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس وقت تک میں اپنے بچاؤ کی تدبیر کیسے کروں؟"

"تم نے مجھے قسم دی ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو ضرور بتا دیتا۔ میں خود نہیں جانتا کہ تم پر کس قسم کی مصیبت آئے گی؟"

وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ کسی حد تک جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے لیکن وہ نہیں بتا رہا تھا۔ اگرچہ اس نے ماں کی قسم دی تھی لیکن اسی ماں نے بیٹے سے کہا تھا کہ بیٹا جب کسی کا ہاتھ دیکھو تو اسے ایسی باتیں نہ بتانا جنہیں سن کر اس کی زندگی اس کے لیے عذاب بن جائے۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ دردانہ ہے۔ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محافظ جہاز میں موجود نہیں۔ مگر ہاں یہ جانتا تھا کہ جو عورت اس کے ساتھ سفر کر رہی ہے اور جس کا ہاتھ ابھی اس نے دیکھا ہے۔ اس کی مصیبت کے وقت کوئی اس کے کام نہیں آ سکے گا۔

وہ اس حد تک درست سمجھ رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کا محافظ اس کے ساتھ سفر کر رہا تھا اور وہ کسی بھی مشکل میں اس کے کام آ سکتا تھا لیکن ایسے ہی وقت تو تقدیر کا کھیل پڑتا ہے۔ شہباز کی تدبیر یہ تھی کہ سفر کے دوران میں دردانہ کی نگرانی کے لیے ایک محافظ موجود رہے گا پھر ممبئی پہنچنے پر مسلح گارڈز وہاں موجود ہوں گے۔ وہ چاروں گارڈز دردانہ کو نہیں پہچانتے تھے۔ اس کا ہم سفر محافظ ہی انہیں اس کے بارے میں بتانے والا تھا کہ وہ کس بہروپ میں ہے اور انہیں کس طرح دن رات اس کی نگرانی کرنی ہے؟

بہت ہی ٹھوس تدبیر تھی اور بڑی مستعدی سے عمل ہو رہا تھا۔

لیکن... لیکن...... ہاں لیکن یہ ہوا کہ وہ محافظ جو جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ اس کے پیٹ میں گڑبڑ ہونے لگی تھی۔ اس لیے وہ بار بار ٹوائلٹ کی طرف جا رہا تھا۔ جب طیارہ ممبئی پہنچا اور تمام مسافر امیگریشن کاؤنٹر سے گزرنے کے بعد لاؤنج میں پہنچے تو اس وقت بھی وہ اپنے حالات سے مجبور ہو کر تیزی سے دوڑتا ہوا ٹوائلٹ کے اندر گیا اور وہاں بڑی دیر تک بیٹھا رہا۔

دردانہ نے جہاز سے اترنے کے بعد ائرپورٹ کی

عمارت میں آتے ہی فون کے ذریعے شہباز درانی کو مخاطب کیا اور پریشان ہو کر بولی "میں بڑی مصیبت میں پڑ گئی ہوں۔"

وہ اس کی بات سن کر پریشان ہو گیا "کیا ہوا میری جان......! یہ خلافِ توقع تم وہاں پہنچتے ہی کس مشکل میں پڑ گئی ہو؟"

وہ بولی "پبلو ماسٹر میرے ساتھ ہی اسی فلائٹ سے یہاں ممبئی آیا ہے۔"

"مائی گاڈ! اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ تین دنوں کے لیے کہیں جا رہا ہے واپس آ کر مجھ سے رابطہ کرے گا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بھی اسی فلائٹ سے تمہارے ساتھ ہندوستان پہنچ گیا ہے۔ کیا اس نے تمہیں پہچان لیا ہے؟"

"وہ مجھے پہچاننے والا ہی تھا لیکن میں اسے الو بنا رہی ہوں اور وہ مجھے نیلماں سمجھ رہا ہے۔"

پھر وہ شہباز کو بتانے لگی کہ کس طرح اس نے اس کا ہاتھ دیکھ لیا تھا؟ اور اس بات پر حیران ہو رہا تھا کہ شہباز درانی اور مقدر حیات کے ہاتھوں کی طرح میڈم دردانہ اور نیلماں دامودر کے ہاتھ بھی ایک جیسے ہی ہیں۔

دردانہ نے کہا "میرے ہاتھ کی لکیریں چغلی کھانے والی تھیں لیکن میں نے اس معاملے کو سنبھال لیا ہے۔ تم جانتے ہو پبلو ماسٹر کی پیش گوئی بھی کس قدر درست ثابت ہوتی رہی ہے۔ اس نے ابھی پیش گوئی کی ہے کہ مجھ پر بڑی مصیبتیں آنے والی ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔ میرا آدمی تمہارے ساتھ ہی سفر کر رہا تھا۔ وہ ابھی تم سے رابطہ کرے گا۔"

"وہ مجھ سے کب رابطہ کرے گا؟ میں تو پریشان ہو رہی ہوں۔ لیج ہال سے باہر جا کر کہاں بھٹکتی پھروں گی؟ یہاں تمہارے جو ماتحت ہیں نہ میں انہیں پہچانتی ہوں اور نہ ہی وہ مجھے پہچانتے ہیں۔"

اس نے پریشان ہوتے ہوئے کہا "تعجب ہے۔ میرا وہ ماتحت کہاں چلا گیا؟ میں نے خود اسے تمہارے بعد اندر جا کر بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ یقیناً طیارے میں بھی سوار ہوا ہوگا پھر وہاں کیوں نہیں پہنچا؟ اور اگر پہنچا ہے تو تم سے رابطہ کیوں نہیں کر رہا ہے؟"

"کوئی مصیبت آنے والی ہو تو اسی طرح آتی ہے۔ ہم اپنے طور پر بچاؤ کی تدبیریں کرتے رہ جاتے ہیں لیکن ہونے والی بات تو ہو کر ہی رہتی ہے۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ میں کہاں جاؤں؟ کس کے پاس جاؤں؟"

"جسٹ اے منٹ...... تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ فی الحال یہ کرو کہ پبلو ماسٹر کا سہارا لو۔ وہ یقیناً کسی ہوٹل میں جا کر رہے گا۔ تم بھی اس کے ساتھ رہو اور مجھ سے برابر فون کے ذریعے رابطہ رکھو۔ میں بھی تھوڑی دیر بعد پبلو ماسٹر کو فون کروں گا۔ یہ ظاہر نہیں کروں گا کہ تم دردانہ ہو اور مجبور ہو کر اس کا سہارا لے رہی ہو۔"

"یہاں ممبئی میں جو تمہارے آدمی ہیں۔ انہیں تو میرے پاس بھیج سکتے ہو؟"

"ہاں ہاں پہلے تم ہوٹل پہنچو تاکہ تمہارا کوئی پتا ٹھکانا تو ہو...... پھر میں اپنے آدمیوں کو بتا سکوں گا کہ تم کہاں ہو۔ تب ہی تو میرے آدمی تم سے رابطہ کر سکیں گے۔"

"تم کہتے ہو تو پبلو ماسٹر کا سہارا لے لیتی ہوں مگر میں بہت گھبرائی ہوئی ہوں۔ پتا نہیں مجھ پر کیسی مصیبتیں آنے والی ہیں؟"

"میری جان......! میں تم سے دور تو ہوں لیکن یوں سمجھو جیسے بالکل تمہارے پاس ہوں۔ تم ہوٹل پہنچتے ہی مجھے فون کرنا۔ آدھے گھنٹے کے اندر میرے ماتحت تمہارے پاس ہوں گے اور تم پر کسی طرح کی آنچ نہیں آنے دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں فون بند کر کے پبلو ماسٹر سے بات کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر کے ادھر ادھر دیکھا۔ ماسٹر ٹرالی میں اپنا سامان رکھ رہا تھا۔ وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی اس کے قریب آئی پھر اس کے بازو کو ایسے تھام لیا۔ جیسے گرتے گرتے سہارا لے رہی ہو۔

اس نے اپنے بازو پر اس کی گرفت محسوس کی تو پلٹ کر پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ عاجزی سے بولی "تم تو میری پریشانیوں کو سمجھ ہی رہے ہو۔ میں اکیلی اور بے یار و مددگار ہوں۔ پلیز...... تم میرے ساتھ رہو۔"

"سوری...... میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ یہاں ایک اسائنمنٹ پر آیا ہوں۔ جن لوگوں کی دعوت پر میں آیا ہوں وہ لوگ باہر میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"میں کسی بھی طرح تم پر بوجھ نہیں بنوں گی اور نہ تمہارے معاملات میں مداخلت کروں گی۔"

وہ جانتی تھی کہ ایسے میں مرد کو کس طرح لبھا کر اپنا مطلب نکالنا چاہیے۔ وہ تقریباً اس کے بازو سے چپکتے ہوئے بولی۔ "میں نہیں جانتی کہ تم میری حفاظت کر سکو گے یا نہیں؟ لیکن ڈوبنے والے کے لیے تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے اور پھر تم تو بڑی حد تک مضبوط سہارا ہو۔ تم آگے کی بہت سی

باتیں جان لیتے ہو۔ اگر تم مجھے میرے مستقبل کے بارے میں پہلے سے بتاتے رہو تو میں بھی اپنے بچاؤ کی کوششیں کرسکوں گی۔"

پھر وہ ذرا اور قریب ہوکر بولی "پلیز۔ میری مدد کرو۔"

اس نے دردانہ کو دلچسپی سے دیکھا۔ کچھ سوچا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ چلو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر تمہارے شوہر کا بھیجا ہوا وہ محافظ کہاں ہے؟"

"پتا نہیں وہ کہاں مرگیا ہے؟ میں نہ اسے چہرے سے پہچانتی ہوں نہ اس کا نام جانتی ہوں۔ اس کی کوئی شناخت بھی میرے پاس نہیں ہے۔"

"تم اپنے شوہر سے تو فون پر رابطہ کرسکتی ہو۔"

"میں نے رابطہ کیا ہے اور اسے بتا دیا ہے کہ میں ایک بہت ہی ماہر نجومی کے ساتھ جارہی ہوں۔ جہاں پہنچوں گی' اسے اطلاع دے دوں گی تو اس کے ماتحت وہاں آکر مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا "ہاں...... یہ ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔"

وہ اپنے سامان کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اس کے ساتھ لگیج ہال سے باہر آگئی۔ وہاں لوگوں کی بھیڑ تھی۔ سب ہی اپنے رشتے داروں اور دوستوں کا استقبال کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ چند افراد پلے کارڈز اٹھائے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک پر پبلو ماسٹر کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس نے اس پلے کارڈ کی طرف دیکھا پھر آگے بڑھ کر اپنا تعارف کروایا۔ استقبال کرنے والے نے خوش ہوکر اس سے مصافحہ کیا۔ اس کے پیچھے دو گن مین کھڑے ہوئے تھے۔ وہ پبلو ماسٹر اور دردانہ کی ٹرالیاں دھکیلتے ہوئے باہر آگئے۔

وہاں ایک بڑی اور خوب صورت کار کھڑی ہوئی تھی۔ ان کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا گیا۔ دردانہ اس نجومی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ وہ گھر سے کہیں اور جانے کے لیے نکلی تھی اور تقدیر اسے کہیں اور پہنچا رہی تھی۔ اس قیمتی کار کے آگے پیچھے بھی دو گاڑیاں اور تھیں۔ جن میں گن مین بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ اہتمام دیکھ کر پتا چل رہا تھا کہ ماسٹر کو جس شخص نے بلوایا ہے۔ وہ واقعی زبردست ہے۔ دولت مند بھی ہے اور وسیع اختیارات کا مالک بھی ہے۔ تب ہی تو اس کے درجنوں ماتحت ہتھیار لیے بھرے پرے شہر میں یوں گھوم رہے تھے۔ کوئی انہیں روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔

وہ جس کار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی اگلی سیٹ پر دو نہایت ہی خوش لباس افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے لباس اور ظاہری رکھ رکھاؤ سے یا تو سیاست داں لگ رہے بہت بڑے تاجر۔

ان میں سے ایک نے عقب نما آئینے کے زاویے کو طرح بدل دیا کہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی دردانہ اسے نظر آ لگی۔ اسے دیکھتے ہی وہ شخص چونک گیا پھر پچھلی سیٹ کی طر سر گھما کر دیکھتے ہوئے ماسٹر سے بولا "آپ تو اکیلے آ والے تھے؟"

ماسٹر نے کہا "جی ہاں۔ میں اکیلا ہی آیا ہوں لیکن خاتون ذرا مشکل میں پڑگئی ہیں۔ انہیں جو ریسیو کرنے لیے آنے والے تھے۔ وہ نہیں آئے تھوڑی دیر کے بعد آجائیں گے۔ ان سے رابطہ ہوجائے گا تو یہ چلی جائیں گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ اور یہ خاتون ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔"

"جی ہاں۔ سفر کے دوران ہی ملاقات ہوئی ہے۔ میں نے انہیں مشکلات میں دیکھا تو اس بات پر راضی ہوگیا کہ تھوڑی دیر کے لیے ان کا سہارا بن جاؤں گا۔"

اس شخص نے دردانہ سے کہا "میڈم......! آپ مائنڈ نہ کریں تو اپنا تعارف کرادیں۔ پتا نہیں...... آپ کتنی دیر تک ہماری مہمان رہیں گی۔ اس لیے ہمارے درمیان اجنبیت نہیں رہنی چاہیے۔"

وہ بولی "میرا نام نیلماں دامودر ہے۔ میرے ماں باپ روس میں رہتے ہیں۔ میں کتنے ہی ٹی وی چینلز پر انڈیا کے پروگرام دیکھتی رہتی ہوں۔ دل چاہتا رہتا تھا کہ یہاں آؤں اور اپنے دیس کے لوگوں کے ساتھ انجوائے کروں۔"

"لیکن تم تو پاکستان سے آئی ہو؟"

"ہاں...... میں ماسکو سے پاکستان آئی۔ وہاں میری طبیعت بہت ہی خراب ہوگئی تھی۔ لہٰذا مجھے علاج کے لیے رکنا پڑا۔ اب صحت یاب ہوکر یہاں آئی ہوں۔"

"یہاں تمہارے رشتے دار تو ضرور ہوں گے؟"

"ہاں...... ہیں تو...... لیکن میں انہیں نہیں جانتی۔ ویسے انہیں اطلاع دے دی گئی ہے۔ وہ مجھے لینے کے لیے... ائیرپورٹ آنے والے تھے۔ پتا نہیں کیوں نہیں آئے؟"

اس شخص نے کہا "تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تم ہماری پناہ میں ہو۔ اپنے رشتے داروں کو ہمارا فون نمبر بتاؤ۔ وہ ہم سے رابطہ کرلیں گے اور آکر تمہیں لے جائیں گے۔"

دردانہ نے اس کے بتائے ہوئے نمبر کو اپنے موبائل میں فیڈ کیا پھر شہباز سے رابطہ کرکے کہا "میں پبلو ماسٹر کے

ساتھ ہوں اور ان کے جو میزبان ہیں... وہ ہمیں اپنے ساتھ کہیں لے جارہے ہیں۔ انہوں نے اپنا فون نمبر دیا ہے۔ تم ان سے فون پر رابطہ کرلینا۔ یہ تمہیں بتائیں گے کہ میں کہاں ہوں تاکہ تمہارے آدمی مجھے آکر لے جائیں۔"

شہباز درانی نے پوچھا "یہ کیسے لوگ ہیں؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "میں کیا بتا سکتی ہوں؟"

"کیا تم ان کی موجودگی میں میرے سوالوں کے جواب نہیں دے سکو گی؟"

اس نے مختصر سا جواب دیا "نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں جو بھی سوال کروں۔ اس کا جواب صرف ہاں یا ناں میں دو۔ ماسٹر کا میزبان ایک ہے یا ایک سے زیادہ؟"

اس نے صرف "ہاں" کہا۔

"ہاں کا مطلب یہ ہے کہ ایک سے زیادہ ہیں؟ اب بتاؤ پانچ ہیں۔ دس ہیں یا بارہ پندرہ؟"

وہ بولی "ہاں۔"

"یعنی بارہ یا پندرہ افراد ہیں۔ تعجب ہے پبلو ماسٹر کے استقبال کے لیے اتنے افراد کیوں آئے ہیں؟ کیا وہ سیدھے سادے شہری لباس میں ہیں اور نہتے ہیں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں۔"

"یعنی وہ نہتے نہیں ہیں۔ مسلح ہیں؟"

اس نے کہا "ہاں۔"

اگلی سیٹ پر بیٹھا شخص کان لگائے سن رہا تھا۔ وہ دردانہ کی باتوں سے اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ دوسری طرف سے بولنے والا اسے کیا کہہ رہا ہے؟ لیکن وہ بڑی دیر تک ہاں یا ناں میں ہی جواب دیتی رہی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ وہ دونوں بڑی رازداری سے گفتگو کررہے ہیں۔

پھر دردانہ نے اپنا فون بند کرکے اس شخص سے کہا "میں آپ کے گھر پہنچ کر اپنے اس رشتے دار کو فون کرکے آپ سے بات کرداؤں گی۔"

شہباز درانی فوراً ہی ان اجنبی افراد سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ پہلے یہ جاننا چاہتا تھا کہ دردانہ کن لوگوں کے درمیان پہنچ گئی ہے۔

وہ پریشان ہوکر ٹہلنے لگا۔ سوچ رہا تھا "پتا نہیں کن لوگوں نے پبلو ماسٹر کی خدمات حاصل کی ہیں اور وہ کہاں پہنچا ہوا ہے؟ اس کے ساتھ دردانہ بھی وہیں پہنچ گئی ہے۔ یہ کیا چکر چل گیا ہے؟"

مقدر کا چکر تھا۔ جسے نہ کوئی سمجھ سکا ہے اور نہ ہی وہ سمجھ سکتا تھا۔ اس نے تو اپنی عقل سے کام لے کر دردانہ کو نیلماں دامودر بنا کر بھیج دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ نیلماں کی موت کو ایک برس گزر چکا ہے۔ روسی انٹیلی جنس والوں نے اس کی فائل بند کردی ہے اور ہندوستان والوں سے نیلماں دامودر کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ لہٰذا دردانہ وہاں نیلماں بن کر بھی رہ سکتی ہے اور اپنا میک اپ تبدیل بھی کرسکتی ہے۔

لیکن اسے تو میک اپ تبدیل کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی حالات بدل گئے تھے۔ شہباز نے جس شخص کو دردانہ کی نگرانی کے لیے بھیجا' وہ بھی اپنے فرائض انجام دینے میں ناکام رہا تھا۔ میں مقدر ہوں۔ میں نے اس شخص کو فرائض کی انجام دہی سے نہیں روکا تھا اور نہ ہی اسے کسی حادثے سے دوچار کیا تھا۔ اس کی تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ وہ دردانہ کی نگرانی نہیں کرسکے گا۔ لہٰذا تقدیر کے لکھے کے مطابق اس کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ ٹوائلٹ میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔

اسی طرح پبلو ماسٹر نے سفر کے دوران دردانہ کا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا کہ وہ مصیبتوں سے دوچار ہونے والی ہے اور اب یہی ہو رہا تھا۔ شہباز درانی نے اپنی عقل اور تجربے کے مطابق زبردست پلاننگ کی تھی لیکن وہ نیلماں دامودر کی پرائیویٹ لائف کے بارے میں یہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے درپردہ کسی دامودر نامی شخص سے عشق کیا تھا جس کا پورا نام آکاش دامودر تھا۔ وہ ہندوستان سے ماسکو آیا کرتا تھا۔ اس سے ملاقاتیں ہوتی تھیں پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اتنے ضروری ہوگئے کہ شادی تک بات پہنچ گئی۔ روسی انٹیلی جنس والے آکاش دامودر کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ کون ہے اور ہندوستان میں کیا کرتا ہے۔

نیلماں خود بھی یہی معلوم کرنے کے لیے پچھلے سال ماسکو سے ہندوستان جارہی تھی لیکن اس کا پاکستان میں رکنا بھی ضروری تھا۔ کیونکہ وہ شہباز درانی کے بارے میں چند حقائق معلوم کرنا چاہتی تھی لیکن کسی بھی طرح کی معلومات حاصل کرنے سے پہلے ہی اسے اسد عزیزی نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس کے کاغذات اور دوسرے ذرائع سے پتا چلا تھا کہ اس کا نام نیلماں دامودر ہے۔ وہ دس یا بارہ برس کی عمر میں ماسکو چلی گئی تھی۔ وہیں اس کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں اور بہت کچھ معلوم ہوا تھا لیکن اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں اسد عزیزی اور شہباز درانی کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کسی آکاش دامودر سے عشق کرتی تھی اور چھپ کر اس سے شادی بھی کرلی تھی۔ انٹیلی جنس والوں کو بھی اس کی خفیہ شادی کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔

اس طرح شہباز درانی کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ نیلماں دامودر کا عاشق اور شوہر ہندوستان میں ہی رہتا ہے۔ یہ درست تھا کہ نیلماں کے دوسرے رشتے دار جو ہندوستان میں تھے۔ وہ اسے چہرے سے نہیں پہچانتے تھے۔ کیونکہ وہ دس برس کی عمر میں ہندوستان سے گئی تھی اور اب وہ جوان ہونے کے بعد بائیس برس کی عمر میں واپس آرہی تھی۔

ایسے میں اسے صرف اس کا شوہر آکاش دامودر ہی پہچان سکتا تھا۔

اور وردانہ اس وقت پہچانی جارہی تھی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص اسے عقب نما آئینے میں دیکھ رہا تھا۔ اس شخص کا نام اجے ملہوترا تھا۔ وہ اپنے سیکنڈ باس آکاش دامودر کا خاص ماتحت تھا۔ پچھلے برس جب نیلماں پاکستان پہنچنے کے بعد کہیں گم ہوگئی تھی اور جب ہندوستان نہیں آئی تو آکاش دامودر نے اپنے ماتحت اجے ملہوترا کو اس کی تصویر دے کر پاکستان بھیجا تھا تاکہ وہ اسے تلاش کرے۔ وہ تو اوپر پہنچ چکی تھی۔ نیچے ڈھونڈنے والوں کو نہیں مل سکتی تھی۔ لہٰذا وہ ناکام ہوکر واپس آگیا تھا۔ اب وہ اسے عقب نما آئینے میں دیکھ رہا تھا پھر اگلی سیٹ سے پلٹ کر بھی اسے دیکھا تھا اور وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی اور اس بات پر حیران تھی کہ وہ اسے کیوں نہیں پہچان رہی ہے؟

آکاش دامودر ماسکو جایا کرتا تھا۔ اس نے نیلماں کو اپنے خاص ماتحت اجے ملہوترا کی تصویر دی تھی اور کہا تھا کہ جب وہ ہندوستان آئے گی تو اس کا یہ خاص ماتحت ہی اس کے استقبال کے لیے ائرپورٹ پر موجود ہوگا۔

اجے ملہوترا نے فون کے ذریعے آکاش دامودر سے رابطہ کرکے کہا ''باس......! میں اس وقت مصلحتاً تامل زبان میں بول رہا ہوں۔ آپ نے کہا تھا کہ میڈم نیلماں تامل زبان نہیں جانتی ہیں۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ وہ واپس آگئی ہیں اور اس وقت میری گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہیں۔''

آکاش نے حیرانی سے خوش ہوکر پوچھا ''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ کیا میری نیلماں واپس آگئی ہے؟ کیا تم اسے میرے پاس لے کر آرہے ہو؟''

''نو سر......! پہلے آپ یہ سن لیں کہ وہ مجھے نہیں پہچان رہی ہیں اور یہ بھی نہیں بتارہی ہیں کہ یہاں کس سے ملنے آئی ہیں۔ ابھی میری موجودگی میں انہوں نے فون پر کسی شخص سے بات کی ہے۔ باتیں کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے رازداری برت رہی ہوں اور مجھ سے بات چھپا رہی ہوں۔''

اس نے کچھ سوچ کر کہا ''ہوں' پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ تمہیں نہیں پہچان رہی ہے۔ اگر پہچان لیتی تو تم سے اجنبی بن کر نہ رہتی اور کسی شخص سے یوں رازدارانہ انداز میں گفتگو نہ کرتی۔''

''باس......! یہ یقیناً آپ کا فون نمبر اور پتا جانتی ہوں گی۔ یہ آپ کو اپنے آنے کی اطلاع دے سکتی تھیں لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کو اطلاع دیئے بغیر یہاں کیوں آئی ہیں؟''

''تم درست کہتے ہو۔ تم اب اگلے فون کا انتظار کرو۔ دیکھو کہ وہ مزید کیا کہتا ہے اور نیلماں کو وہاں سے لے جانے کے لیے اس کے کن رشتے داروں کو تمہارے پاس بھیجتا ہے؟''

پھر وہ ذرا توقف سے بولا ''تم اس نجومی پہلو ماسٹر کو لے کر دانیال صاحب کے پاس جارہے ہوناں؟''

''یس سر......! میں وہیں جارہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں بھی وہاں پہنچ رہا ہوں۔''

ادھر سے شہباز درانی نے فون پر ماسٹر کو مخاطب کیا ''ہیلو ماسٹر......! میں شہباز درانی بول رہا ہوں۔''

وہ بولا ''ہیلو مسٹر درانی! کیسے ہیں آپ؟''

وردانہ درانی کا نام سن کر چونک گئی۔ ماسٹر کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ دوسری طرف کی باتیں سن رہا تھا پھر اس نے کہا۔ ''مسٹر درانی! میں نے تو آپ سے کہا تھا کہ تین دن کے لیے باہر جارہا ہوں۔ بے شک میں نے یہ نہیں بتایا کہ ہندوستان جارہا ہوں اور میں نے یہ کچھ ضروری بھی نہیں سمجھا پھر آپ شکایت کیوں کررہے ہیں؟''

درانی نے کہا ''کیا مجھے شکایت نہیں کرنا چاہیے؟ تم ایک ملک سے دوسرے ملک چلے گئے۔ جبکہ میں نے تمہیں اپنے کام کے لیے بلایا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ نے اپنے کام کے لیے بلایا تھا لیکن نہ تو میں آپ کا ملازم ہوں اور نہ ہی کسی کی پابندی میں رہ کر کام کرتا ہوں۔ اس ہاتھ سے لیتا ہوں۔ اس ہاتھ سے کام کرتا ہوں۔ میں نے آپ سے تین دن کی بات کی ہے۔ تو میں تین دن کے بعد آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ آپ مطمئن رہیں۔''

''مجھے تو اطمینان ہے لیکن کیا یہ بتا سکتے ہو کہ ہندوستان میں تم کہاں ہو اور کس کے کام سے گئے ہوئے ہو؟''

''سوری...... یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اس لیے میں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔''

''ٹھیک ہے۔ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے لیکن میں تو دوستانہ انداز میں پوچھ رہا ہوں۔ پلیز انکار نہ کرنا۔ تم یہاں واپس آؤ گے تو میں معاوضے کی رقم اور بڑھا دوں گا۔ بس تم دوستانہ انداز میں ہی مجھے بتادو کہ اس وقت کس کے کام سے ہندوستان گئے ہوئے ہو؟''

وہ چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بولا ''مسٹر ڈی کے دانیال ایک بہت ہی دولت مند بزنس مین ہیں۔ دنیا کے تمام بڑے ملکوں کے تمام بڑے شہروں میں ان کے فائیو اسٹار ہوٹلز ہیں۔ میں دو دنوں تک ان کا مہمان رہوں گا۔ تیسرے دن واپس آجاؤں گا۔''

''پلیز۔ میرے ایک اور سوال کا جواب دو۔ کیا تم یہاں سے اکیلے گئے ہو؟ یا کوئی تمہارے ساتھ ہے؟''

''میں فرینکفرٹ سے اکیلا تمہارے پاس آیا تھا اور اب اکیلا ہی یہاں آیا ہوا ہوں۔''

شہباز درانی دراصل کرید کرید کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وردانہ اس کے ساتھ ہے یا نہیں۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور کہنے لگا ''ماسٹر! بھئی آخر تم مرد ہو۔ تمہارے سینے میں بھی دل دھڑکتا ہے۔ کسی کو تو عارضی طور پر ساتھی بنایا ہی ہوگا؟''

''مسٹر درانی! تم ایسے سوالات کررہے ہو جیسے تمہیں شبہ ہو کہ میں کسی عورت کو اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے۔ ہاں اتفاقاً میری ایک ہم سفر مشکل میں پڑ گئی تھی۔ وہ ضرور میرے ساتھ ہے۔ ابھی اس کا کوئی رشتے دار آکر اسے لے جائے گا۔''

پھر وہ ایک دم سے چونک کر بولا ''ہاں...... یاد آیا۔ بڑی عجیب سی بات ہے۔ تمہیں یاد ہوگا۔ میں مقدر حیات کا ہاتھ دیکھ کر چونک گیا تھا۔ کیونکہ تمہاری اور اس کی' دونوں کی لکیریں ایک جیسی تھیں؟''

شہباز درانی سمجھ گیا کہ وہ آگے کیا کہنے والا ہے۔ اس نے انجان بن کر پوچھا ''تم میرے اور مقدر حیات کے ہاتھوں کی بات کیوں کررہے ہو؟''

''اس لیے کہ میں نے ایک خاتون کا ایسا ہی ہاتھ دیکھا ہے۔ وہ خاتون میرے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان کا ہاتھ اور آپ کی میڈم وردانہ کا ہاتھ بالکل ایک جیسا ہے اور ان دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں بھی ایک ہی جیسی ہیں۔''

اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا اجے ملہوترا بڑی توجہ سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس بات نے اسے چونکا دیا کہ جو نیلماں دامودر پیچھے بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے ہاتھوں کی لکیریں کسی میڈم وردانہ کی ہاتھوں کی لکیروں سے ملتی ہیں۔ وہ نجومی نہیں تھا لیکن اتنا تو جانتا تھا کہ دو انسانوں کے ہاتھوں کی لکیریں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔

شہباز درانی نے کہا ''یعنی اس خاتون نیلماں کے ہاتھوں کی لکیریں وہی کہہ رہی ہیں جو وردانہ کے ہاتھوں کی لکیریں کہہ رہی تھیں؟''

''مسٹر درانی۔ اس سوال کا جواب بہت طویل ہوگا۔ جو میں ابھی نہیں دے سکتا۔ پھر کسی وقت رابطہ کریں تو آپ کو بتاؤں گا۔''

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کردیا۔ شہباز درانی جھنجلا کر اسے گالیاں دینے لگا۔ جبکہ گالیوں کا مستحق وہ خود تھا۔ اس نے وردانہ کے اغوا کا الزام ذیشان کے سر تھوپنے کے لیے اسے ملک سے باہر بھیج دیا تھا لیکن وہ کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ مشکلات میں پڑ جائے گی اور واقعی اغوا ہونے والی راہ پر ہی چل پڑے گی۔

وہ شکست خوردہ انداز میں ایک صوفے پر گر پڑا۔ اس کے سامنے ایک زبردست چیلنج تھا کہ وہ اپنی دل نواز محبوبہ کو ان لوگوں کے درمیان سے کس طرح نکال سکے گا؟

اس نے خود ہی اسے اپنے گھر سے اٹھا کر دوسروں کی جھولی میں پھینکا تھا۔ اب اس جھولی سے نکال لانا گویا جوئے شیر نکال لانے کے مترادف تھا۔

☆☆☆

جاوید برقی کا باپ صمد بیوپاری ساٹھ برس کا تھا۔ اس نے بی پاشا سے شادی کی تو اس وقت وہ اٹھارہ برس کی جوان بیٹی کی ماں تھی۔ اس نے شادی کے وقت صمد کو اپنی عمر تیس برس بتائی تھی اور کہا تھا ''میری شادی تو پندرہ برس کی عمر میں ہی

ہوگئی تھی۔ ایک سال بعد ہی میری بیٹی شکیلہ پیدا ہوگئی جواب چودہ برس کی ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ صمد سے شادی کے وقت وہ چالیس برس کی تھی اور اس کی بیٹی شکیلہ اٹھارہ برس کی۔

صمد بیوپاری بوڑھا تھا۔ بیمار بھی رہتا تھا۔ بی پاشا دلہن بن کر آئی تو وہ خوش ہوگیا کہ ایک حسین اور جوان بیوی مل گئی ہے۔ اس جوان بیوی نے طرح طرح کے چونچلوں سے اس بوڑھے کو اپنے قابو میں کرلیا تھا۔ اپنی ہر بات منوالی تھی لیکن یہ بات نہ منوا سکی کہ اس کی بیٹی شکیلہ کو گھر کی بہو بنالیا جائے۔

جاوید برقی اکلوتا بیٹا تھا۔ پورے کاروبار اور تمام جائداد کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ بس! اتنی سی کمی تھی کہ باپ نے ابھی بیٹے کے نام سب کچھ لکھا نہیں تھا۔

بی پاشا اپنے بوڑھے شوہر سے یہ نہیں منوا سکتی تھی کہ جائداد کا کچھ حصہ اس کے اور اس کی بیٹی کے نام لکھ دیا جائے اور تمام دولت و جائداد پر قبضہ جمانے کا بس یہی ایک طریقہ تھا کہ اس کی بیٹی شکیلہ کسی طرح جاوید کی شریکِ حیات بن جائے۔

اس کی یہ حسرت اس کے دل میں ہی رہ گئی کیونکہ جاوید برقی نے رومانہ سے شادی کرلی تھی اور دو بچوں کا باپ بھی بن گیا۔ بی پاشا صبر تو کر رہی تھی مگر سازشیں بھی کر رہی تھی کہ کسی طرح رومانہ اس کی زندگی سے نکل جائے۔

آخر وہ نکل ہی گئی۔ بی پاشا پھر اپنے شوہر صمد کے پیچھے پڑگئی۔ اس نے کہا "اب تو آپ کے بیٹے کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اسے اپنے لیے ایک شریک حیات اور بچوں کے لیے ایک ماں کی ضرورت ہے اور ہماری شکیلہ سے بہتر کوئی لڑکی کبھی مل ہی نہیں سکے گی۔"

جاوید برقی اپنی سوتیلی ماں اور اس کی بیٹی سے نفرت کرتا تھا۔ اس نے پہلے بھی اس کے ساتھ شادی سے انکار کیا تھا اور بعد میں بھی وہ اس پر راضی نہ ہوا۔

بی پاشا کے سامنے اپنے شوہر کی سلطنت جیتنے کے لیے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ ایک تو یہ کہ کسی طرح جاوید کے بچوں کو اپنی طرف مائل کرکے انہیں اپنے گھر میں رکھا جائے۔ تاکہ وہ اس کی بیٹی شکیلہ سے مانوس ہوں اور اسے اپنی ماں تسلیم کرنے لگیں اور اگر ایسا نہ ہوا تو دوسرا راستہ جارحانہ تھا۔ دشمنی کا تھا۔ وہ آخر میں مجبور ہوکر ایسا راستہ اپنانے والی تھی۔

شکیلہ نے اپنی ماں کے بیڈ روم میں آکر بیزاری سے کہا۔ "ممی! آپ کیوں اس مغرور شخص کے پیچھے پڑگئی ہیں؟ مجھے تو وہ زہر لگتا ہے۔"

"بیٹی......! تمہیں گھر بیٹھے قارون کا خزانہ حاصل کرنے کے لیے یہ زہر کا گھونٹ پینا ہی ہوگا۔"

"ہم انڈیا میں ہی خوش تھے۔ میرے پاپا کے پاس بھی مال و دولت کی کمی نہیں تھی۔ آپ نے ان سے طلاق کیوں لی؟ کیوں مجھے یہاں لے آئیں؟ میرے ڈیڈی کتنے اچھے ہیں۔ یہاں آنے کے بعد بھی وہ میرے لندن کے بینک اکاؤنٹ میں بڑی بڑی رقمیں جمع کرتے رہتے ہیں۔"

"آہستہ بولو۔ میں نے یہاں تمہارے سوتیلے باپ کو نہیں بتایا ہے کہ تمہارا باپ ہمیں اب بھی بہت کچھ دیتا رہتا ہے۔ میں یہاں جو بھی کر رہی ہوں تمہاری بہتری کے لیے ہی کر رہی ہوں۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولی "اپنے باپ کی تعریفیں میرے سامنے نہ کیا کرو۔ تم اس کی حقیقت نہیں جانتی ہو۔"

"میرے پاپا کی حقیقت یہی ہے کہ وہ ایک نہایت شریف انسان ہیں لیکن آپ نے ان کی قدر نہیں کی۔"

"دیکھو شکیلہ! میں نے تمہارے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں اس کی اصلیت کبھی نہیں بتاؤں گی لیکن جب تم مجھے برا سمجھ کر اور اس کی تعریفیں کرکے مجھے مجبور کر رہی ہو کہ اس کا اصلی چہرہ تمہیں دکھاؤں۔ جس باپ کو فرشتہ سمجھ رہی ہو۔ اس کے اندر شیطان چھپا رہتا ہے۔ وہ انڈر ورلڈ کا بہت بڑا مجرم ہے۔ ہاں...... یہ ضرور ہے کہ وہ شیطان ہونے کے باوجود تمہیں دل و جان سے چاہتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ تم ایک مجرم کی بیٹی کہلاؤ پھر یہ کہ نہ صرف پولیس بلکہ انڈر گراؤنڈ کے دوسرے مجرم بھی اس کے دشمن بن گئے تھے۔ وہ ان سے ڈرتا تو نہیں تھا لیکن یہ کہتا تھا کہ کسی دن بھی مارا جائے گا اس لیے میں تمہارے ساتھ ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلی جاؤں۔ یہاں وہ میرے اخراجات برداشت کرے گا۔"

پھر وہ ایک ذرا توقف سے بولی "ہندوستان میں ہماری کروڑوں کی جائداد ہے۔ میں وہ سب کچھ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس نے کہا کہ اگر تم سیدھی طرح یہاں سے نہیں جاؤ گی تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا اور تم میری تمام دولت و جائداد سے محروم ہوجاؤ گی۔"

بی پاشا نے اپنی بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا "میں یہ سمجھ رہی تھی کہ تمہارا باپ مجھے صرف دھمکی دے رہا ہے۔ وہ مجھے کبھی طلاق نہیں دے گا لیکن وہ تمہاری سلامتی کے لیے اور بہتری کے لیے کچھ بھی کرسکتا تھا۔ اس لیے اس نے مجھے طلاق دے دی اور کہا اب میری بہتری اسی میں ہے کہ میں تمہیں لے کر پاکستان چلی جاؤں۔ جہاں وہ میرے لیے پیسا بھیجتا رہے گا

[او]ر تمہارے لندن کے بینک اکاؤنٹ میں بھی بڑی بڑی رقمیں [جم]ع کرواتا رہے گا۔"

شکیلہ نے کہا "جب پاپا یہاں بھی ہمارے اخراجات [بر]داشت کررہے تھے تو پھر آپ کو اس شخص صمد سے شادی [ک]رنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

"تو ایک دولت مند بوڑھے کی ہاتھ آئی دولت کو کیا میں [ا]یسے آسانی سے چھوڑ دیتی؟"

"آپ کے ہاتھ کچھ نہیں آرہا ہے۔ آپ یہاں..... [خوا]مخواہ ذلیل و خوار بھی ہورہی ہیں اور دوسری شادی کرکے میرے پاپا کو بھی ناراض کردیا ہے۔"

"وہ مجھ سے ناراض ہوسکتے ہیں لیکن تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گے اور تمہاری ہی خاطر وہ مجھ سے بھی سمجھوتا کریں گے۔ میں جیسی بھی زندگی گزاروں گی وہ مجھ پر اعتراض نہیں کرسکیں گے۔ ان کی یہی ایک شرط ہے کہ میں تمہاری زندگی تمہارا مستقبل بہتر سے بہتر بناؤں اور تمہارا مستقبل بہتر بنانے کے لیے ہی میں تمہیں جاوید سے منسوب کرنا چاہتی ہوں۔"

شکیلہ مایوسی سے سوچنے لگی۔ ماں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا "ایک بات سچ سچ بتاؤ۔ کیا واقعی جاوید تمہیں زہر لگتا ہے؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بی پاشا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے دنیا دیکھی ہے۔ تمہارے مزاج کو خوب سمجھتی ہوں۔ تم دل ہی دل میں اسے بہت چاہتی ہو۔"

وہ رونی صورت بنا کر بولی "میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ وہ تو میری صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ جب وہ مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا تو پھر مجھے اپنی توہین کا احساس ہوتا ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ کیوں اسے اپنے دل میں جگہ دے رہی ہوں؟"

وہ اسے تھپکتے ہوئے بولی "بیٹی......! میری ایک بات یاد رکھو۔ جب کسی کو جیتنے کا عزم کرلو تو پھر ہارنے کی بات نہ سوچو اور ہر حال میں اسے جیت لینے کی کوشش کرو۔ تمہاری پشت پر مجھ جیسی جہاں دیدہ ماں ہے اور تمہیں دل و جان سے چاہنے والا باپ ہے۔ وہ باپ تمہارے دل کی مراد پوری کرنے کے لیے زمین آسمان ایک کرسکتا ہے۔ ان باپ بیٹے کو تگنی کا ناچ نچا سکتا ہے لیکن ابھی میں ایسا کچھ نہیں کر رہی ہوں۔ سیدھی انگلی سے گھی نکالنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اگر کامیابی نہ ہوئی تو پھر ٹیڑھی بھی کرنا پڑے گی۔"

رات کو کھانے کے وقت جاوید برقی گھر آیا۔ وہ سب کھانے کی میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے باپ نے ناراضگی سے کہا "میں نے تمہیں صبح یہاں آنے کو کہا تھا اور تم اب آرہے ہو۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "ڈیڈ......! آپ جانتے ہیں کہ اشعر اور ماہم کو وہاں ایڈجسٹ کرنے کا مسئلہ ہے۔ میں وہاں سارا دن رہ کر دیکھ رہا تھا کہ وہ دونوں عینی سے مانوس ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور خدا کا شکر ہے کہ وہ اسے بالکل اپنی ماں سمجھنے لگے ہیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ وہ بچے ایک ہی دن میں کیسے کسی کو اپنی ماں مان لیں گے۔ وہ لڑکی عینی بہت موقع پرست ہے۔ اس نے اوپری دل سے ایسی محبت کا مظاہرہ کیا ہے کہ بچے اس کی طرف جھکنے لگے ہیں۔"

بی پاشا نے فوراً اپنے شوہر کی تائید کی "آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ ان کے پاس اتنی عقل کہاں ہے کہ وہ کسی کی مکاریوں کو سمجھ سکیں۔"

جاوید نے بی پاشا سے پوچھا "آپ مجھے یہ بتائیں کہ وہ مکاری کیوں دکھائے گی؟ اسے تو آنکھیں حاصل کرنی تھیں۔ اس نے وہ حاصل کرلیں۔ میرے بچے اس کی طرف مائل ہوں یا نہ ہوں اس کی بلا سے۔ وہ انہیں ٹھکرا کر اپنے گھر کی راہ لے سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے رومانہ سے وعدہ کیا تھا کہ بچوں کو بھرپور ممتا دے گی اور وہ اپنا وعدہ وفا کر رہی ہے۔"

صمد نے کہا "بیٹے! میں مانتا ہوں کہ تم بہت سمجھدار ہو۔ میرا پورا کاروبار سنبھال رہے ہو پھر بھی تم مجھ سے زیادہ تجربہ تو نہیں رکھتے۔ انسانوں کے بدلتے ہوئے چہرے اور بدلتے ہوئے مزاج کو سمجھتے سمجھتے ہی ایک عمر گزر جاتی ہے۔ اس نے ابھی تمہاری بیوی کی آنکھیں حاصل کی ہیں۔ ابھی وہ دنیا والوں کو دکھانے کے لیے ان بچوں سے ممتا ظاہر کر رہی ہے۔ میری ایک بات لکھ لو کہ جب وہ اسپتال سے گھر جائے گی تو وہاں تنہائی اور گھر کی چار دیواری میں انہیں پلٹ کر بھی نہیں دیکھے گی۔"

"جب ایسا ہوگا تو مجھے بچوں سے معلوم ہوجائے گا اور اس کے بعد میں عینی پر بھروسا نہیں کروں گا۔ میری رومانہ نے اس پر بھروسا کیا۔ اسے اپنی آنکھیں دیں تو فی الحال مجھے بھی اس پر اعتماد کرنے دیں۔"

"بیٹے......! تمہاری عقل کو کیا ہوگیا ہے؟ میں تمہارا باپ ہوں۔ ان بچوں کا دادا ہوں۔ وہ ہم باپ بیٹے کے پاس بڑی محبت اور بڑی حفاظت سے رہیں گے۔ تمہاری مرحوم بیوی نے اسے آنکھیں دیں۔ اس کے ساتھ نیکی کی۔ اس کی

نیکی اس کے ساتھ جانے دو۔ ان بچوں کو کسی آزمائش میں نہ ڈالو۔ تم بچپن سے ہمیشہ میرا حکم مانتے آئے ہو۔ صرف رومانہ کے معاملے میں تم نے اپنی من مانی کی۔ میرا دل دکھایا۔ میں نے تمہاری محبت میں اسے برداشت کرلیا لیکن اب اپنے پوتے اور پوتی کی جدائی برداشت نہیں کروں گا۔ تم ابھی جاؤ اور انہیں یہیں لے آؤ۔''

''ڈیڈی......! آپ مجھ پر حیران ہو رہے ہیں کہ مجھے کیا ہوگیا ہے؟ اور میں آپ پر حیران ہوں کہ آپ کو کیا ہوتا جارہا ہے؟ آپ کبھی مجھے بھوکا پیاسا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ابھی میں کھانے کے لیے بیٹھا ہی ہوں تو مجھے یہاں سے جانے کا حکم دے رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ آرام سے کھاؤ پھر اس کے بعد جاکر بچوں کو یہاں لے آؤ۔''

وہ کھانا شروع کرتے ہوئے بولا ''میں آپ کے حکم پر عمل کروں گا۔ پہلے وہاں جاکر دیکھوں گا۔ اگر بچے عینی سے مانوس لگے اور انہوں نے یہاں آنے سے انکار کیا تو پھر میں انہیں جبراً یہاں نہیں لاؤں گا۔''

وہ باپ کے حکم کے مطابق کھانے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ بی پاشا نے صمد سے کہا ''آپ ابھی لکھ لیں۔ یہ صرف دکھاوے کے لیے یہاں سے گیا ہے۔ آپ کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ آپ سمجھ رہے ہیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل کرنے گیا ہے لیکن دیکھ لیجئے گا۔ یہ بچوں کے بغیر ہی واپس آئے گا۔''

وہ سب اس کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ باپ آدھی رات کے بعد سوگیا صبح پتا چلا کہ وہ رات کے دو بجے آیا تھا پھر صبح اٹھ کر دفتر چلا گیا ہے۔ صمد نے فون پر پوچھا ''جاوید کیا ہوا؟ بچے کہاں ہیں؟''

''بچے اپنی ماں کے پاس ہیں۔ ڈیڈ پلیز...... آپ میری بات مان لیں ضد نہ کریں۔ انہیں وہیں رہنے دیں۔ وہ بہت خوش ہیں۔ وہ اپنی ماں کا دکھ بھولے ہوئے ہیں۔ انہیں بھولنے دیں۔ دوبارہ ماں کا صدمہ نہ اٹھانے دیں۔''

بی پاشا اپنے میاں کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا ''کیا کہہ رہا ہے؟''

صمد نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا ''بچے وہاں سے آنا نہیں چاہتے اور وہ انہیں جبراً لانا نہیں چاہتا۔ اب میں کیا کروں؟ جوان بیٹا ہے۔ اتنا بڑا کاروبار سنبھال رہا ہے۔ میں اسے لعن طعن بھی نہیں کرسکتا۔''

''آپ چاہیں تو بہت کچھ کرسکتے ہیں۔ آپ دھمکی دیں کہ اسے جائداد سے عاق کردیں گے۔ کاروبار سے ہٹادیں گے پھر دیکھیے گا اس کے ہوش اڑ جائیں گے۔''

''اس کے تو نہیں میرے ہوش اڑ جائیں گے۔ میں اپنے بیٹے کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ رومانہ کا دیوانہ تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کے بچوں کو اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہے۔ ان کی خوشی کے لیے وہ میری دولت و جائداد سب کچھ چھوڑ دے گا۔''

''کروڑوں کی جائداد ہے۔ ہر ماہ لاکھوں کا منافع ہوتا ہے۔ وہ بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہا ہے۔ اس گنگا کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔ آپ میری بات مانیں۔ اسے دھمکی دیں میں بھی نہیں چاہتی کہ آپ سچ مچ اسے عاق کردیں۔ میں اس کی دشمن نہیں ہوں۔ اسے اپنا بیٹا سمجھتی ہوں۔ تب ہی تو اپنا داماد بنانا چاہتی ہوں۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے بی پاشا کو دیکھا پھر تائید میں سر ہلا کر فون پر بولا ''جاوید...... تم روز بروز نافرمان ہوتے جارہے ہو۔ میں تمہیں آخری بار کہتا ہوں' آج بچوں کو گھر لے آؤ' وہ ہمیشہ اپنے دادا کے پاس رہیں گے۔ اگر تم انہیں یہاں نہیں لاؤ گے تو پھر میں بہت ہی سخت قدم اٹھاؤں گا۔''

''ڈیڈ......! وہ سخت قدم کیا ہوگا؟ یہ بھی بتادیں۔''

''سیدھی سی بات ہے۔ تم نافرمانی کرو گے۔ میرے پوتے اور پوتی کو مجھ سے چھین لوگے تو میں تمہیں عاق کردوں گا۔ اپنے کاروبار سے الگ کردوں گا۔ اپنی جائداد میں سے ایک پیسا بھی نہیں دوں گا۔''

''ڈیڈ! آپ نے بچپن میں ایک بار کہا تھا کہ اگر کوئی محبت سے کچھ دے تو لے لیا کرو مگر ہاتھ پھیلا کر کبھی نہ مانگو۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہوکر اپنے زور بازو سے زندگی کی مسرتیں کماؤ۔ لہٰذا آپ محبت سے کچھ دیں گے تو لوں گا۔ نہیں دیں گے تو ہاتھ پھیلا کر نہیں مانگوں گا۔''

''ایسی جذباتی باتیں نہ کرو۔ جب تم سے سب کچھ چھین لیا جائے گا اور تم کوڑی کوڑی کو محتاج ہوجاؤ گے۔ تب پتا چلے گا کہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ بلکہ کانٹوں کا بستر ہے۔ میں تمہیں سوچنے کا موقع دیتا ہوں۔ اچھی طرح سوچ لو۔''

''میری شریک حیات نہیں رہی۔ مجھے یقین ہے میرے دونوں بچے عینی کے پاس اچھی طرح سے پرورش پائیں گے پھر میں تو اکیلا رہ جاؤں گا اور ایک اکیلے کی زندگی ہوتی ہی کیا ہے؟ ملی تو روزی۔ نہیں تو روزہ۔ مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے۔ سوچنا مجھے نہیں ہے آپ کو ہے کہ آپ میری سوتیلی ماں کے فریب میں آکر کس طرح اپنے جوان بیٹے کی

حق تلفی کررہے ہیں۔''

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ صمد نے اپنے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کریڈل پر رکھ کر بی پاشا سے کہا ''میں پہلے ہی کہتا تھا۔ وہ بہت ہی ضدی اور خودسر ہے۔ وہ پہلے اپنے بچوں کی بہتری چاہے گا اور بچے عینی جیسی دولت مند لڑکی کے پاس ہیں۔ اسے بچوں کی طرف سے کوئی فکر پریشانی نہیں ہے اور وہ خود کاروبار کا اتنا وسیع تجربہ رکھتا ہے کہ میرے ہاں سے دھتکارا جائے گا تو ہماری تاجر برادری میں سب ہی اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور وہ تنہا اپنی زندگی عیش و عشرت سے گزار لے گا۔''

بی پاشا جھنجلا کر بولی ''آپ کو اس بات کا ڈر ہے کہ جوان بیٹا چلا جائے گا تو اتنا بڑا کاروبار کون سنبھالے گا؟''

''یہی تو اصل مسئلہ ہے۔ میں بوڑھا ہوچکا ہوں۔ بیمار رہتا ہوں۔ میں اب کاروبار پر پوری توجہ نہیں دے سکتا۔''

''آپ پوری توجہ نہ دیں۔ آدھی تو دے سکیں گے۔ آدھی میں دوں گی۔ جاوید جیسے ہزاروں قابل جوان بے روزگار پھرتے ہیں۔ ہم کسی بہت ہی ذہین اور باصلاحیت جوان کی خدمات حاصل کرلیں گے۔ وہ آپ کے زیر سایہ رہ کر چند مہینوں میں سارے کاروبار کو سنبھال لے گا۔''

''تم فضول باتیں کیوں کررہی ہو؟ میں اپنے خون کو اپنے جوان بیٹے کو الگ کردوں اور کسی دوسرے پر بھروسا کروں اور وہ میرے کاروبار میں کیسی ہیرا پھیری کرے گا۔ مجھے کیسے دھوکے دے گا۔ میں سمجھ بھی نہیں سکوں گا۔''

''آپ کا جوان بیٹا جو ابھی ہیرا پھیری کررہا ہے اور آپ کو دھوکا دے رہا ہے تو کیا آپ سمجھ پارہے ہیں؟''

''وہ میرا بیٹا ہے۔ میرا خون ہے۔ ہیرا پھیری کرکے اگر لاکھوں روپے چوری چھپے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرتا رہے گا تو کیا، آخر وہ میرا بیٹا ہی ہے نا۔ میں ساری زندگی اپنے بیٹے کے لیے ہی تو محنت کرتا رہا ہوں اور کاروبار کو اتنا پھیلاتا رہا ہوں۔ یہ سب اسی کا ہے۔ وہ چوری کرے یا ایمانداری سے کاروبار چلائے۔ دونوں صورتوں میں یہ سارا کاروبار اور اس کی ساری آمدنی اسی کی ہے۔''

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی اور ناکامی اور نامرادی کے باعث اندر ہی اندر تلملانے لگی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیڈ پر جاکر بیٹھ گیا پھر بولا ''تم خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو کہ میرا وہ ایک ہی بیٹا ہے اور وہ آئندہ شادی کرنا نہیں چاہتا۔ نہ وہ دوسری شادی کرے گا نہ اور کوئی اولاد ہوگی۔ لہٰذا میرا ایک ہی پوتا اشعر ہے۔ اگر بیٹا میرے گھر سے جائے گا تو میرا پوتا بھی مجھ سے جدا ہوجائے گا۔ کیا تم چاہتی ہو کہ میری دولت اور جائداد کا وارث جاوید نہ ہو تو میرا پوتا اشعر بھی نہ ہو؟''

وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی لیکن اوپر سے اپنی ناکامی اور غصے کو دبا رہی تھی۔ اس نے بڑے صبر اور ضبط سے کہا۔ ''میں یہاں آپ کا گھر برباد کرنے نہیں آئی ہوں۔ آپ کو اپنا بیٹا اور پوتا مبارک ہو۔ اب بھی میں یہ نہیں کہوں گی کہ میری بیٹی کو آپ اپنی بہو بنائیں۔ میں نے آپ کی خانہ آبادی کے لیے شادی کی ہے۔ آپ کا گھر برباد نہیں کروں گی۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے اپنے بیڈ روم میں چلی آئی۔ وہاں شکیلہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی غصے سے بڑبڑانے لگی۔ ''بس...... اب بہت ہوگیا۔ یہاں محبت اور شرافت سے کوئی سمجھنے والا نہیں ہے۔ جب ٹیڑھی انگلی سے گھی نکلتا ہے تو پھر میں بھی ٹیڑھی ہوکر ہی دکھاؤں گی۔''

شکیلہ نے کہا ''آپ نے تو کہا تھا کہ آخری راستہ یہی ہے۔ اب آپ بتائیں کس طرح ٹیڑھے پن سے انہیں سیدھا کریں گی؟''

''تم اپنے باپ سے فوراً رابطہ کرو اور مجھ سے بات کراؤ۔''

شکیلہ کے باپ کا نام یوسف جان تھا۔ جب یوسف جان بائیس برس کا تھا تو پولیس والوں نے اسے ایک مجرم نانا بھائی کے دھوکے میں گرفتار کرلیا تھا۔ وہ چیختا چلاتا رہا تھا کہ وہ نانا بھائی نہیں ہے۔ اس کا نام یوسف جان ہے لیکن پولیس والوں کو تو اپنی خانہ پری کے لیے کسی کو پکڑنا ہی تھا۔ لہٰذا اسے پکڑ کر اس کا نام نانا بھائی رکھ کر جیل میں پہنچادیا تھا۔

تین برس کے بعد جب وہ جیل سے باہر نکلا تو اصل مجرم نانا بھائی نے اسے گلے لگا کر کہا ''جرم میں نے کیا۔ سزا تجھے ملی تو نے میرے لیے سزا کاٹی ہے۔ اس لیے آج سے تو میرے گینگ میں ہی رہے گا۔''

یوسف جان اس پر خار کھایا ہوا تھا۔ اس کے گینگ میں رہ کر دو ماہ کے بعد ہی اس نے اسے اس طرح قتل کیا کہ گینگ والوں کو اس پر شبہ نہیں ہوا۔ انہوں نے اس کے قتل کے بعد اسے نانا بھائی بنالیا۔

ممبئی کے بڑے بڑے غنڈوں کو بھائی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اصلی نانا بھائی کے قتل کے بعد اس کا نام نانا بھائی پڑ گیا۔ وہ تعلیم یافتہ تھا۔ سیاست کو خوب سمجھ سکتا تھا اس لیے بڑے بڑے سیاست دانوں کے لیے مجرمانہ خدمات انجام دینے لگا۔ جرائم کی دنیا میں سرنگ بناتا ہوا وہ انڈر ورلڈ کی

وسیع دنیا میں پہنچ گیا اور وہاں دوسرے بڑے بڑے زبردست مجرموں کے لیے چیلنج بننے لگا۔ فی الحال یوسف جان عرف نانا بھائی کا یہ مختصر سا تعارف کافی ہے۔ آگے اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔

اس نے فون کے ذریعے رابطہ ہونے پر شکیلہ سے کہا۔

''میری بچی میری جان! کیسی ہو تم؟''

''پاپا......! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کی یاد آرہی تھی۔ اس لیے فون کیا ہے۔ کیا آپ بہت مصروف ہیں؟''

''بیٹی......! تمہارے لیے دنیا کی کوئی مصروفیت آڑے نہیں آسکتی۔ تم کبھی سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تمہیں کتنا یاد کرتا ہوں۔ کبھی ہندوستان آ کر میرے کمرے کو دیکھو۔ وہاں چاروں طرف تمہاری ہی بڑی بڑی تصاویر لگی ہوئی ہیں۔ میں جدھر دیکھتا ہوں۔ ادھر تم ہی تم دکھائی دیتی ہو۔''

''او پاپا...... آئی لو یو...... آپ جیسا باپ تو دنیا میں کسی کا نہیں ہوگا۔''

''باپ کی جان! میرا دل میری دولت سب کچھ تمہارے لیے ہی تو ہے۔ پتا ہے انڈین کرنسی کے مطابق تمہارے اکاؤنٹ میں دس کروڑ جمع ہوچکے ہیں اور یہاں انڈیا میں پچیس کروڑ کی جائداد بھی ہے۔ وہ تمام جائداد تمہاری صرف تمہاری ہے۔''

''او پاپا......! میرے پاس اتنی دولت ہوگئی ہے پھر بھی ممی دولت حاصل کرنے کے لیے اپنے سوتیلے بیٹے جاوید برقی کے پیچھے پڑگئی ہیں اور چاہتی ہیں کہ میں اس سے شادی کروں اور اس کی تمام دولت اپنے قابو میں کرلوں۔''

''بیٹی! جس طرح میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اسی طرح تمہاری ماں بھی تمہیں چاہتی ہے اور تمہارے مستقبل کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے دنیا جہان کی دولت سمیٹ لینا چاہتی ہے۔ اگر وہ جاوید سے تمہاری شادی کرنا چاہتی ہے تو اس میں برائی کیا ہے؟''

''برائی تو کوئی نہیں ہے لیکن وہ جاوید بہت مغرور ہے۔ مجھ سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا ہے۔''

''میری جان......! جو تمہارا دل ذرا سا بھی دکھائے گا اور تم سے سیدھے منہ بات نہیں کرے گا۔ میں اسے سیدھا اوپر پہنچادوں گا۔ تم صرف اتنا بتاؤ۔ کیا اسے پسند کرتی ہو؟ اور تمہاری خواہش ہے کہ تمہاری شادی اس سے ہوجائے؟''

وہ ذرا چپ رہی پھر بولی ''آپ اس سلسلے میں ممی سے بات کریں۔''

اس نے ریسیور بی پاشا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی ''ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔''

''کوئی دوسری بات نہ بولو۔ صرف اتنا بتاؤ کہ کیا م[illegible] بیٹی جاوید برقی کو چاہتی ہے؟''

''ہاں...... اسے چاہتی ہے۔ اس سے شادی کرنا چا[illegible] ہے لیکن وہ لڑکا بہت ہی ضدی اور خودسر ہے۔ میں نہیں چا[illegible] کہ میری بیٹی کا دل ٹوٹ جائے۔ کیا تم چاہو گے؟''

''ہرگز نہیں۔ اس خودسر کا سر میری بیٹی کے آگے [illegible] جھکے گا۔ وہ میری بیٹی کو محبت اور دنیا جہان کی مسرتیں دے[illegible] ورنہ اس کا پورا خاندان خاک میں مل جائے گا۔''

''پورے خاندان کو خاک میں ملانے کی ضرورت [illegible] ہے۔ صمد بیوپاری کو اطمینان ہے کہ اس کے بعد اس کا جاوید اور جاوید کے بعد اس کا بیٹا اشعر خاندان کی [illegible] بڑھائیں گے۔ بس اس کی یہ خوش فہمی ختم ہونی چاہیے۔''

''ہاں...... میں تمہاری بات سمجھ گیا۔ ہم جرم کی دنیا [illegible] یہی کرتے ہیں۔ اپنے دشمنوں کی کمزوریوں سے کھیلتے ہیں میں ان باپ بیٹے کی کمزوری سے کھیلوں گا۔ تم شکیلہ کو کہو کہ مایوسی چھوڑ دے۔ اس کی شادی اسی جاوید برقی سے ہوگی ہر حال میں ہوگی۔''

وہ شکیلہ کی طرف فون بڑھا کر بولی ''تمہارے پاپا [illegible] رہے ہیں کہ تمہاری شادی ہر حال میں جاوید سے ہی ہوگی تمہارا باپ کیسا فولاد ہے۔ یہ تم نہیں جانتیں۔ اس کی ہر بار پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ اب تم مایوس ہونا چھوڑ دو۔ خوش رہو [illegible] پاپا سے باتیں کرو۔''

وہ فون لے کر کان سے لگا کر باتیں کرنے لگی اور خو[illegible] ہونے لگی۔ باپ اسے یقین دلا رہا تھا۔ اسے بتا رہا تھا کہ [illegible] بڑے بڑے سیاست دانوں کو ان کی کرسیوں سے گرا د[illegible] ہے۔ جب چاہتا ہے کسی بھی دشمن کا مقدر بدل دیتا ہے۔ لہٰ[illegible] وہ جاوید برقی کا مقدر بھی بدل دے گا اور مزاج بھی۔

☆☆☆

اسما اسپتال کے اسپیشل وارڈ میں عینی کے ساتھ تھی اور [illegible] دونوں پاشا کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ عینی کے کپڑے لینے کے لیے گیا تھا اور تقریباً تین گھنٹے گزرنے کے بعد بھی واپس نہیں آیا تھا۔

اسما پریشان ہورہی تھی۔ وہ پاشا کے مزاج کو سمجھ رہی تھی کہ وہ کہیں عروج کی تلاش میں اسپتال نہ گیا ہو۔ اس نے عینی سے کہا تھا کہ عروج سے فون پر بات کرے اور اس نے بات کی تھی۔ عروج سے پوچھا تھا کہ پاشا کیا وہاں آیا ہوا ہے؟

پاشا عروج کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا لیکن بے چاری

[illegible] پڑ گئی تھی۔ نہ عینی کا دل توڑنا چاہتی تھی اور نہ ہی [illegible] بدنام ہونا چاہتی تھی کہ وہ اس کے نئے دولہا کو اپنی طرف [illegible] رہی ہے۔

وہ دولہا بھی ایسا دیوانہ ہے کہ اپنی دلہن کو چھوڑ کر اس [illegible] پاس آ کر بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے پہلی بار عینی سے کہا تھا پاشا اس کے پاس نہیں آیا ہے۔ یہ کہنے کے بعد اس نے [illegible] جبراً عینی کے پاس بھیجا تھا۔

ادھر عینی کو شبہ تھا کہ پاشا عروج کے پاس گیا ہوگا لیکن [illegible]رنے کے بعد اطمینان ہوگیا کہ وہ عروج کے پاس نہیں [illegible] اسے پاشا کی فکر تھی کہ وہ کہاں جا کر گم ہوگیا ہے؟

لیکن وہ ان دو بچوں اشعر اور ماہم سے بھی بہل رہی [illegible] وہ پاشا کے بارے میں بھی سوچ رہی تھی۔ پریشان [illegible]ی تھی لیکن ان بچوں سے بہلتی جارہی تھی۔ اس کے اندر ہونے والی ایک نئی ممتا اس کا سہارا بن گئی تھی۔ وہ ان [illegible]دم بچوں کی موجودگی میں پاشا کے ہرجائی پن کو بھول رہی [illegible]

اسما نے اسے بہلانے کے لیے کہا ''جب تمہارے بھائی [illegible]ے میری شادی ہوئی تھی تو وہ بھی ابتدائی دنوں میں مجھ [illegible] دور رہتے تھے۔ کتراتے رہتے تھے۔''

عینی نے پوچھا ''بھائی جان آپ سے کیوں کتراتے [illegible]؟''

''یہ مردوں کی عادت ہوتی ہے۔ پہلے پہل اپنی بیویوں [illegible]یسے ہی رعب جماتے ہیں۔ بڑے ریزرو رہتے ہیں۔''

''آپ درست کہہ رہی ہیں۔ پاشا کو دیکھیں۔ پہلے [illegible]کس قدر چاہتے تھے۔ اب شادی ہوتے ہی ریزرو رہنے [illegible] ہیں۔ مجھ سے کترا رہے ہیں۔ یہاں سے جا کر واپسی کا [illegible]ہی نہیں لے رہے۔''

''تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اپنی ذہانت اور محبت [illegible] میاں کو ہینڈل کرتی رہو گی تو وہ تمہارا ہی دیوانہ بن کر [illegible]ے گا۔''

عینی نے ایک گہری سانس لی۔ اسما کو دیکھا پھر پوچھا۔ [illegible]کیا وہ صرف میرے دیوانے بن کر رہ سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں رہ سکتا؟ وہ تمہارا مجازی خدا ہے۔ جب تم سب کچھ اس کے حوالے کرسکتی ہو تو پھر اسے بھی اپنا سب [illegible] تمہارے حوالے کر دینا چاہیے۔ اس کا دل، دماغ، من، [illegible] اس کے احساسات اور جذبات سب کچھ تمہارے لیے [illegible] ہونا چاہیے۔''

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی پھر اسما نے کہا ''دیکھو عینی......! میں برسوں سے تم دونوں سہیلیوں کی محبت دیکھتی آرہی ہوں۔ شادی سے پہلے یہ محبت قابلِ تعریف تھی اور ہم سب دعائیں مانگتے تھے کہ تم دونوں سہیلیوں کی محبت اسی طرح قائم رہے لیکن شوہر کے معاملے میں اسے قائم نہیں رہنا چاہیے۔ میں عروج کی دشمن نہیں ہوں۔ عروج کو بھی سمجھاؤں گی۔ تمہیں بھی سمجھاتی ہوں۔ تم نے کنوارے پن میں سہیلی کی محبت میں یہ سوچ لیا تھا کہ اسے سوکن کے طور پر برداشت کرلو گی لیکن دنیا کی کوئی عورت کسی دوسری عورت کو اپنے مرد کی حصے دار نہیں بناتی ہے۔''

''لیکن کتنی ہی عورتیں ایک تو کیا دو دو تین تین سوکنوں کو برداشت کرلیتی ہیں؟''

''وہ مجبوراً برداشت کرتی ہیں۔ تمہارے آگے کوئی مجبوری نہیں ہے۔ مجھے دیکھو...... میں پچھلے چھ سات برس سے بانجھ ہوں۔ میرے میاں مجھ پر سوکن لاسکتے ہیں لیکن وہ نہیں لا رہے ہیں۔ جانتی ہو کیوں؟''

عینی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی ''اس لیے کہ میں نے اپنے میاں کو اتنی محبت دی ہے۔ اس قدر پیار دیا ہے کہ وہ میرے سوا کسی دوسری کے بارے میں سوچتے ہی نہیں ہیں اور انہوں نے وعدہ کیا ہے، قسم کھائی ہے کہ وہ کبھی مجھ پر سوکن نہیں لائیں گے۔ تمہیں بھی یہی کرنا ہوگا۔ پاشا کو اتنا پیار اور محبت دو کہ وہ صرف تمہارے بارے میں ہی سوچے۔ عروج تو کیا ساری دنیا کی عورتوں کو بھول جائے۔''

وہ اسما کا ہاتھ تھام کر بولی ''بھابی! سچ تو یہ ہے کہ میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ عروج کی طرف سے بہت الجھی ہوئی ہوں۔ اس کا دل بھی توڑنا نہیں چاہتی۔ سوچتی ہوں کہ میں اسے پاشا سے دور رکھنا چاہوں گی تو وہ مجھے بے وفا سہیلی سمجھے گی اور میں نے جو وعدہ کیا ہے اس کے حوالے سے وہ مجھے طعنے دے گی۔''

''اسے طعنے دینے دو۔ یہ نہ سوچو کہ اس کا دل ٹوٹے گا۔ یہ سوچو کہ پاشا نے تمہارے حصے کی محبت اسے دی اور اسے تمہاری سوکن بنادیا تو تمہارا دل بھی ٹوٹ جائے گا۔''

''بھابی جان! آپ کی باتوں سے مجھے بڑا حوصلہ مل رہا ہے۔ میں عروج سے خود کچھ نہیں کہوں گی۔ اس کے سامنے میرا منہ نہیں کھلے گا۔ پلیز...... آپ ہی اسے کچھ اس طرح سمجھا دیں کہ اس کے دل میں میرے لیے میل پیدا نہ ہو۔''

اسما نے اسے تھپکتے ہوئے کہا ''میں اسے سمجھاؤں گی۔ تمہارے بھائی جان بھی رہائی پا کر آنے والے ہیں۔ وہ بھی اسے سمجھائیں گے۔ بلکہ تمام گھر والے سمجھائیں گے تو اسے

سمجھنا ہی ہوگا۔ وہ تمہیں دل و جان سے چاہنے والی سہیلی ہے۔ سمجھ دار بھی ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ہماری بات مان لے گی اور پاشا سے شادی کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لائے گی۔"

اس وقت پاشا نے دروازے کو ذرا سا کھول کر اندر جھانکتے ہوئے پوچھا "کیا میں آ سکتا ہوں؟"

اسما نے اسے دیکھا پھر مسکرا کر کہا "اپنی شریکِ حیات کے پاس آنے کی اجازت مانگ رہے ہو؟"

"جب دو خواتین بیٹھی باتیں کر رہی ہوں تو ان کے درمیان مداخلت نہیں کرنا چاہیے۔"

اسما نے کہا "اب باتیں نہ بناؤ۔ یہ بتاؤ اتنی دیر تک کہاں تھے؟ ہم تمہارے لیے پریشان ہو رہے تھے۔"

"اور آپ کی گاڑی مجھے پریشان کر رہی تھی۔ اچانک گیئر باکس بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی کو دھکے دیتا ہوا ایک ورکشاپ میں لے گیا تھا۔"

"کیا گیئر بکس صحیح کروانے میں اتنی دیر لگتی ہے؟"

"دیر نہیں لگتی مگر میں لائن میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ سے پہلے بھی وہاں چار گاہک موجود تھے۔ وہ انہیں نمٹائے بغیر میرا کام نہیں کرنا چاہتے تھے اور میں ان سے زبردستی کام نہیں کروا سکتا تھا۔"

وہ عینی کی طرف ایک شاپنگ بیگ بڑھا کر بولا "اس میں تمہارے دو جوڑے ہیں۔ میں اپنی پسند سے لایا ہوں۔ پتا نہیں تمہیں پسند آئیں گے یا نہیں؟"

وہ مسکرا کر بولی "تمہاری پسند میری پسند ہے۔ تم جو پہناؤ گے وہی پہنوں گی جو کھلاؤ گے وہ کھاؤں گی۔ جو کہو گے وہ کروں گی۔ تمہارے مزاج کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کروں گی۔"

اسما نے کہا "تم کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھنے لگا تو اس نے کہا "یہ کیا؟ ادھر کیوں بیٹھ رہے ہو؟ کیا اپنی دلہن کے پاس نہیں بیٹھ سکتے؟"

اس نے سر کھجاتے ہوئے عینی کو دیکھا۔ وہ شرما رہی تھی۔ مسکرا رہی تھی۔ وہ اس کے پاس آ کر بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے پیچھے بیڈ پر دونوں بچے سو رہے تھے۔ پاشا نے سر گھما کر انہیں دیکھا پھر عینی سے کہا "یہ اپنے باپ کے ساتھ گھر نہیں گئے؟"

اسما نے کہا "میں ان کے لیے ابھی میٹریس منگوا کر فرش پر بچھا کر ان کو اس پر سلا دوں گی۔ تمہیں رات گزارنے کی پریشانی نہیں ہوگی۔"

وہ جلدی سے بولا "مجھے...... میں یہاں...... میں رات گزاروں گا؟ یہ ہمارا کوئی گھر تو نہیں ہے؟ والے کیا کہیں گے؟"

"کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ یہ اسپیشل کمرا ہے۔ میا بیوی کی دیکھ بھال کے لیے یہاں دن رات رہ سکتا ہے"

"نہیں بھابی جان! اسپتال میں رہنا مناسب ہے۔ بس آج ایک رات کی ہی تو بات ہے۔ کل عینی کو سے چھٹی ملنے والی ہے اور کل میں اپنے لیے ایک کرائے پر لے لوں گا۔"

عینی نے چونک کر اسے دیکھا۔ مکان کرائے پر کیوں؟ میری اتنی بڑی کوٹھی اب صرف میری نہیں تمہاری بھی ہے۔"

"سوری عینی......! مرد وہ ہے جو اپنی عورت کو اپنے گھر لے جاتا ہے۔ اس کے گھر نہیں جاتا۔"

اسما نے کہا "خواہ مخواہ مردانگی والی بات نہ کرو۔ جو کچھ بھی ہے وہ تمہارا ہی ہے۔"

"میرا وہ ہوگا۔ جو میری محنت سے حاصل کیا گیا۔"

عینی نے کہا "بے شک تم محنت تو کرو گے۔ کاروبار کو سنبھالو گے اور میری دولت و جائداد کی دیکھ بھال کرو گے تو کیا اس میں تمہارا حصہ نہیں ہوگا؟ کیا اس میں تمہاری محنت ساتھ نہیں ہوگی؟"

"سیدھی سی بات ہے' مجھے کاروبار کا کوئی تجربہ نہیں اور میں اتنی بڑی ذمے داری قبول کر کے تمہارے کاروبار کو ڈبونا نہیں چاہوں گا۔"

"ایسی باتیں نہ کرو پاشا۔ تمہیں کاروبار کو سنبھالنے کی باقاعدہ ٹریننگ دی جائے گی تعلیم یافتہ ہو' سمجھ دار ہو میرے مجازی خدا ہو۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی بیوی کی دولت و جائداد کو ہاتھ سے بے ہاتھ نہ ہونے دو۔"

"تم درست کہتی ہو۔ میں رفتہ رفتہ تمہارے کاروبار کو سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ ٹریننگ کے دوران کسی کو تنخواہ دی جاتی۔ اس لیے میں بھی تنخواہ نہیں لوں گا۔ تم سے کو حاصل نہیں کروں گا۔ اس وقت تک میں ٹیکسی چلاؤں گا۔"

اس نے بڑے دکھ سے کہا "پاشا......! تم میرا دل رہے ہو۔ یہ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ ٹیکسی چلاؤ گے تو خاندان میں میری کتنی سبکی ہوگی؟ سب ہی طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ میرا مذاق اڑائیں گے۔"

"تمہارے خاندان والوں کو بہت پہلے ہی معلوم ہوگا کہ میں ایک ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ اب انہیں معلوم ہو

میں غیرت مند بھی ہوں۔ لہٰذا جب تک تمہارے کاروبار کو سنبھالنے کے قابل نہیں ہو جاؤں گا اس وقت تک میں اپنا کام کروں گا اور اس سلسلے میں کسی کی بات نہیں مانوں گا۔"

اسما نے کہا "ٹھیک ہے۔ تم اپنا کام ضرور کرو اور عینی کے کاروبار کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے رہو لیکن الگ گھر تو نہ لو۔ تم زندگی بھول چکے ہو۔ اس لیے عینی کے بارے میں نہیں جانتے۔ یہ بچپن سے شہزادیوں کی طرح زندگی گزارتی آئی ہے۔ تم کوئی سستا سا چھوٹا سا مکان لو گے تو یہ وہاں کس طرح گزارہ کرے گی؟"

عینی نے جلدی سے کہا "بھابی جان! آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ یہ مجھے جہاں لے کر جائیں گے۔ میں ان کے ساتھ رہ جاؤں گی۔"

پاشا نے اسما سے کہا "آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ عینی کے بینک کے اور دوسرے ضروری کاغذات آپ کے پاس ہیں۔ پلیز...... ابھی گھر چل کر وہ مجھے دے دیں۔ میں ان سے اپنی ضرورت کے مطابق رقم نکال کر ایک اچھا سا مکان کرائے پر لوں گا اور ایک ٹیکسی بھی خرید دوں گا۔ اس طرح روزگار کا ذریعہ حاصل ہوگا۔"

اسما نے کہا "ہم تمہاری تمام باتیں مان رہے ہیں۔ تم بھی ایک بات مان لو۔ عینی کو اسپتال میں تنہا نہ چھوڑو۔ رات یہیں گزارو یہ تمہارا فرض ہے۔"

"بھابی جان! میں آپ سے کہہ رہا ہوں صرف ایک رات کی بات ہے۔ کل مکان ضرور کرائے پر حاصل کر لوں گا۔ آپ ایک رات کی بات کر رہی ہیں۔ میں عینی کے ساتھ زندگی کی ساری راتیں گزاروں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی "بھابی جان! یہ ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ یہ میرے لیے اپنا ایک مکان کرائے پر لے رہے ہیں اور وہاں میرے ساتھ ایک گھر بسانا چاہتے ہیں۔ عورت کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے؟"

اسما نے کہا "دیکھو پاشا......! محبت کرنے والی وفا شعار بیویاں ایسی ہوا کرتی ہیں۔ ساری لڑکیاں جھونپڑیوں میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھتی ہیں لیکن یہ محل میں رہنے والی لڑکی تمہارے ساتھ کہیں بھی گزارہ کرنے کو تیار ہے۔ اسے لکھ لو کہ ایسی وفا شعار بیوی کوئی دوسری نہیں ملے گی۔ کوئی بھی دوسری لڑکی تم سے محبت کا دعویٰ تو کرے گی لیکن عینی کی طرح اپنا وقار اپنا سوسائٹی دھن دولت سب کچھ چھوڑ کر تمہارے پاس نہیں آئے گی۔"

وہ کھل کر نہیں کہہ رہی تھی لیکن اس کی گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عروج کے مقابلے میں عینی کو بہتر اور برتر ثابت کر رہی ہے۔

پاشا یہ ڈھکی چھپی باتیں خوب سمجھ رہا تھا لیکن وہ خاموش رہا۔ اسما نے کہا "اب رات بہت ہو چکی ہے۔ مجھے گھر جانا چاہیے۔ پاشا...... میں پھر ایک بار کہتی ہوں۔ آج رات یہاں رہ جاؤ۔ کل تم اپنا مکان لے لو گے تو عینی کو ساتھ لے جانا۔ آج اسے تنہا نہ چھوڑو۔"

وہ بولا "بھابی جان! صرف ایک رات کی تو بات ہے۔ آپ بھی تو رات یہاں رہ سکتی ہیں۔"

اسما نے مایوسی سے پاشا کو دیکھا۔ اتنے میں عینی بولی۔ "آپ میری فکر نہ کریں۔ میں یہاں اکیلی رہ جاؤں گی۔ بس ایک ہی رات کی بات ہے۔ کل صبح تو چھٹی مل ہی جائے گی۔"

اسما نے پاشا کو دیکھا' پھر طنزیہ انداز میں کہا "عینی......! میں ایسی بے حس نہیں ہوں کہ تمہیں تنہا چھوڑ دوں۔ میں یہاں تمہارے ساتھ رہوں گی۔" پھر وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "پاشا......! تم بہت ضدی ہو۔ اپنے بزرگوں کی بات رکھنا بھی نہیں جانتے۔ بہر حال میں آدھے گھنٹے کے لیے جا رہی ہوں۔ اتنی دیر یہاں رکو۔ میرے آنے کے بعد چلے جانا۔"

اور وہ کوئی جواب سنے بغیر اس کمرے سے باہر چلی گئی۔ دروازے کو بند کر دیا۔ وہ عینی کے پاس بیڈ کے سرے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا "بھابی جان ناراض ہو گئی ہیں۔ گھر کے دوسرے افراد بھی ناراض ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ ماضی میں میرا تمہارا تعلق کس نوعیت کا تھا۔ وردانہ نے ہمارا نکاح پڑھوا دیا۔ ہم نے نکاح قبول کر لیا۔ اگر اس سلسلے میں مجھے فیصلہ کرنے کی آزادی دی جاتی تو اس وقت یہی کہتا کہ پہلے میں کوئی روزگار حاصل کر لوں' اپنا گھر حاصل کر لوں پھر شادی کروں گا۔"

پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا "اب بحث کرنا فضول ہے۔ ہماری شادی ہو چکی ہے۔ اب میرا فرض ہے کہ میں اپنی غیرت اور حالات کے مطابق عمل کروں۔ میری کوشش ہوگی کہ کل ہی کرائے کا کوئی مکان مل جائے اور میں تمہیں وہاں لے جاؤں۔ اس کے بعد تم اپنے طور پر فیصلہ کرنا کہ میرے ساتھ وہاں مستقل رہ سکو گی یا اپنی عالی شان کوٹھی میں ہی رہو گی۔"

"جب میں تمہاری ہر بات مانوں گی تو پھر تم کو بھی میری معقول باتیں ماننی پڑیں گی اور ایک معقول بات یہ ہے کہ تم کاروبار سنبھالنے کی ٹریننگ حاصل کرو گے۔ دو چار مہینوں

میں ہی بہت کچھ سیکھ لو گے۔ مقدر بھائی بہت اچھے ہیں۔ وہ بہت جلد تمہارے اندر اتنا اعتماد پیدا کر دیں گے کہ تم ان کے ساتھ مل کر میرا کاروبار سنبھال سکو گے۔"

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "اس کے بعد میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گی کہ تم میرے ساتھ میری کوٹھی میں رہو۔ کیونکہ جب میرا کاروبار تمہارا ہو جائے گا اور تم اسے سنبھال لو گے تو پھر میری کوٹھی کو اور میری تمام جائداد کو سنبھالو گے اور مجھے یقین ہے تم اس وقت انکار نہیں کرو گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا "اگر میں ٹریننگ حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ تم چاہتی ہو تو..."

وہ خوش ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی "تم بہت اچھے ہو۔"

وہ دونوں بیڈ کے سرے پر قریب قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بہت دیر سے انتظار کر رہی تھی کہ پاشا اس کا ہاتھ پکڑے' اسے اپنے بازوؤں میں لے لے لیکن وہ ایسا کچھ نہیں کر رہا تھا۔ آخر عینی نے ہی اس کا ہاتھ تھام کر کہا "تم بہت اچھے ہو۔ بس کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے مجھ سے کترا رہے ہو۔ جیسے تمہارے دل میں میرے لیے محبت نہیں ہے۔"

وہ آہستہ سے عینی کا ہاتھ سہلاتا ہوا بولا "مجھے بتایا گیا تھا کہ میں پہلے تم سے محبت کرتا تھا لیکن میں ایسی کوئی بات محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ البتہ ایک شوہر کی حیثیت سے اپنی ذمے داریوں کو سمجھ رہا ہوں اور تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے خود کو تیار کر رہا ہوں۔ ہم ایک ساتھ رہیں گے' ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں گے تو محبت بھی ہو جائے گی۔"

وہ اپنے طور پر درست کہہ رہا تھا لیکن عینی کا دل یہ سن کر بجھ گیا تھا کہ اسے محبت نہیں ہے اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ آئندہ ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے سے شاید محبت ہو جائے گی۔

وہ اس وقت بھی اس کا ہاتھ تھام کر اس انتظار میں تھی کہ شاید وہ کچھ آگے بڑھے گا لیکن وہ باتوں میں وقت ضائع کر رہا تھا۔ اس نے بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ بچے دولت مند باپ دادا کی اولادیں ہیں۔ کیا یہ تمہارے ساتھ میرے چھوٹے سے گھر میں رہ سکیں گے؟"

"تم اپنی حیثیت کے مطابق میری ذمے داریاں پوری کرو گے اور میں اپنی حیثیت کے مطابق ان بچوں کی ذمے داریاں پوری کروں گی۔ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔ یہ ابھی بچے ہیں' چھوٹا اور بڑا گھر نہیں دیکھتے۔ صرف ماں کی محبت اور اس کی ممتا کو سمجھتے ہیں۔"

اس نے سر جھکا کر اپنے ہاتھ کو عینی کے ہاتھ دیکھا۔ وہ اندر اندر پریشان ہو رہا تھا' سوچ رہا تھا کہ عینی کا ہاتھ تھام لینا چاہیے۔ کم از کم اپنے سینے سے لگا پیار کرنا چاہیے۔ وہ اس کی شریکِ حیات ہے۔ اسے اس کا فرض ہے۔

لیکن وہ مجبور تھا۔ اس کا دل ادھر مائل نہیں ہو اس کا دھیان تو عروج کی طرف لگا ہوا تھا۔ سوچ رہا از جلد یہاں سے نکل کر اس کے پاس پہنچے۔ اس رات گیارہ بجے ان کی ڈیوٹی ختم ہو جائے گی اور بجنے والے تھے۔ عینی نے آہستہ سے نظریں اٹھا کر پھر پوچھا "ایک بات کہوں؟"

وہ بولا "ہاں...... ہاں کہو......"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ ہم میاں بیوی دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں گے۔ کیا تم ابھی ادا کر رہے ہو؟ ہم اس وقت بالکل تنہا ہیں۔ کیا تم میر کی محبت مجھے دے رہے ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "وہ...... وہ بات یہ ہے کہ صرف بند ہے۔ اندر سے لاک نہیں ہے۔ بھابی وقت بھی آ سکتی ہیں۔ اس لیے میں نے یہ فاصلہ رکھا۔"

وہ بڑی شکایت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ دل میں بولی "دروازہ لاک نہیں ہے' لیکن تم اسے اندر کر سکتے ہو۔"

اس کے سینے سے ایک سرد آہ نکلی "ہائے! بدنصیب سہاگن ہوں' میری شادی ہوئی' میں نے ایک دن اپنے اس خاوند کے ساتھ گزارا ہے لیکن رات نصیب نہیں ہوئی۔ آج یہ رات نصیب ہو سکتی میرا مجازی خدا بے حس ہے۔ میرے احساسات کو نہیں ہے۔ میں اسے کیسے سمجھاؤں؟ کیسے اس کے دل جاؤں؟"

وہ یکبارگی دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر لگی۔ کمرے کی خاموشی میں اس کی سسکیاں ابھرنے وہ نادان نہیں تھا۔ ایک دلہن کے جذبات کو سمجھ سکتا تھا انجان بن کر بولا "یہ تم اچانک کیوں رو پڑیں؟"

وہ سسکتے ہوئے بولی "مجھے نئی آنکھیں ملی ہیں زندگی رونے کے لیے ہیں۔"

یہ بات اس کے دل کو لگی۔ وہ اسے بڑی ہمدردی دیکھنے لگا۔ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سر جھکا کر آہستہ آہستہ ہوا دروازے کے پاس آیا۔ اس کے ضمیر نے اسے

اس کا ہاتھ لاک کی طرف گیا پھر وہ دروازہ اندر سے بند ہو گیا۔

اس کمرے سے باہر اسما کوریڈور کے ایک بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ آدھے گھنٹے کے بعد واپس آئے گی لیکن وہ وہیں بیٹھی رہی۔ آدھا گھنٹا گزر گیا۔ وہ چاہتی تھی کہ دولہا دلہن کو زیادہ سے زیادہ تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملے۔ شاید اس طرح وہ اپنی دلہن کی طرف مائل ہو جائے۔

ایسے وقت فلک ناز وہاں آگئی۔ اس نے اسما کو دیکھ کر پوچھا "تم یہاں باہر بیٹھی ہوئی ہو؟"

"ہاں...... آپ بھی یہاں بیٹھ جائیں۔ یہ پاشا اڑیل ٹٹو ہے۔ قابو میں نہیں آ رہا ہے۔ عینی سے کترا رہا ہے۔ اس سے دور رہنے کے لیے طرح طرح کے بہانے بنا رہا ہے۔"

وہ فلک ناز کو پاشا کے بارے میں بتانے لگی کہ وہ کس طرح گھر کرائے پر لے کر عینی کو وہاں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ خواہ مخواہ غیرت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اپنا روزگار حاصل کیے بغیر عینی کے گھر کی روٹی بھی کھانا نہیں چاہتا۔

فلک ناز نے کہا "میں تو پہلے دن سے ہی جانتی تھی کہ پاشا اور عروج کے درمیان ہمیشہ کھچڑی پکتی رہی ہے۔ یہ عینی کے گھر کی روٹی کھائے یا نہ کھائے لیکن عروج اس کے ذریعے عینی کی دولت پر قبضہ جمانا چاہتی ہے۔"

اسما بولی "عروج کی نیت جو بھی ہو۔ ہم سب کو یہ کوشش کرنی ہو گی کہ وہ پاشا سے شادی نہ کرے۔ عینی کی سوکن نہ بنے۔ ہم سب مل کر اسے سمجھائیں گے۔"

"ہم تو سمجھائیں گے لیکن اب عینی کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک سہیلی کی محبت میں اندھی بن کر نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھوں کی روشنی دی ہے۔ اب وہ اپنی سہیلی کا اصل چہرہ پڑھ سکتی ہے۔"

وہ باتیں کرتے کرتے چپ ہو گئیں۔ دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔ اندر سے ماہم کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ اسما نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا "عینی نے بہت بڑی ذمے داری اپنے سر لے لی ہے۔ ایک نہیں دو بچے ہیں۔ پتا نہیں انہیں کیسے سنبھالے گی؟"

فلک ناز نے کہا "دو نہیں...... تین بچے ہیں۔ پاشا تو سب سے بڑا ضدی اور ناسمجھ بچہ ہے۔ وہ اسے کیسے سنبھالے گی؟"

وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئیں پھر اسما نے ہولے سے دستک دی۔ دروازے سے لگ کر کہا "عینی......! ماہم کو میرے پاس بھیج دو۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔"

اندر سے عینی نے کہا "ایک منٹ بھابی جان......! میں ابھی دروازہ کھول رہی ہوں۔"

ایک منٹ گزر گیا پھر دوسرا منٹ گزر گیا۔ دروازہ نہ کھلا۔ اسما اور فلک ناز دونوں ہی تجربہ کار تھیں۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ عینی پتھر کو پگھلا چکی ہے۔ اسی لیے دروازہ کھولنے میں دیر ہو رہی ہے۔

تین منٹ کے بعد عینی نے دروازہ کھولا۔ ماہم اس کی گود میں تھی اور اس کے شانے پر سر رکھے سو رہی تھی۔ اس نے ذرا شرماتے ہوئے کہا "یہ رو رہی تھی۔ میں اسے تھپک رہی تھی۔ اس لیے دروازہ کھولنے میں دیر ہو گئی۔"

دونوں نے اندر آ کر دیکھا۔ پاشا کمرے میں نہیں تھا۔ وہ دس منٹ کے بعد باتھ روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ تولیے سے منہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا "اب مجھے چلنا چاہیے۔"

فلک ناز نے چونک کر کہا "ہائے اسما......! میں تمہیں بہت بڑی خوش خبری سنانے آئی تھی لیکن دوسری باتوں میں بھول گئی۔ ذیشان کے وکیل نے ابھی فون کیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ کل صبح دس بجے ذیشان کو رہائی مل جائے گی۔"

اسما نے خوش ہو کر کہا "خدا کا شکر ہے پھوپی جان......! آپ کے منہ میں گھی شکر۔ آپ نے واقعی بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے۔ میں ابھی گھر جا کر شکرانے کے نفل ادا کروں گی۔"

پھر وہ چونک کر پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اوہو۔ پاشا تو جا رہے ہیں۔ مجھے یہاں رہنا ہو گا۔"

فلک ناز نے کہا "میں یہاں رہنے آئی ہوں۔ تم گھر جا کر اپنے میاں کے استقبال کی تیاریاں کرو۔"

"شکریہ پھوپی جان......! میں ابھی جا رہی ہوں۔"

پاشا نے کہا "بھابی جان......! میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ آپ مجھے گھر جا کر بینک وغیرہ کے ضروری کاغذات دے دیں۔ میں کل ضرورت کے مطابق رقم نکالنا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی "ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

پاشا نے عینی کے قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "اچھا جا رہا ہوں۔ مکان وغیرہ کے سلسلے میں مصروف رہوں گا لیکن فارغ ہوتے ہی تمہیں اپنے ساتھ نئے گھر میں لینے کے لیے آؤں گا۔"

وہ بہت خوش تھی۔ مسکرا کر بولی ’’ہاں جاؤ۔ میں کل صبح کسی وقت یہاں سے چلی جاؤں گی پھر کوٹھی میں ہی ملاقات ہوگی۔‘‘

وہ اسے بڑے پیار سے رخصت کرنے دروازے تک آئی پھر دروازے سے باہر آ کر اسے کوریڈور میں دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ کوریڈور کے آخری سرے پر پہنچ کر نظروں سے اوجھل ہونے والا تھا۔ اسما نے رک کر اسے دیکھا پھر پوچھا ’’کیا تم محبت کرنا نہیں جانتے ہو۔‘‘

پاشا نے حیرانی سے پوچھا ’’آپ یہ سوال کیوں کر رہی ہیں؟‘‘

’’اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چلے جا رہے ہو۔ یہ نہیں سوچتے کہ عینی تمہیں ہی دیکھ رہی ہوگی۔ لہٰذا تمہیں بھی پلٹ کر اسے دیکھنا تو چاہیے۔ ہاتھ ہلا کر وش کرنا چاہیے۔‘‘

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ عینی اپنے کمرے کے دروازے کے پاس کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ اب اسے آنکھوں کی ایسی روشنی ملی تھی کہ وہ دور تک اپنے پاشا کو صاف طور پر دیکھ سکتی تھی۔ پاشا نے ایک ہاتھ اٹھا کر اسے وش کیا پھر وہاں سے آگے بڑھ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

گھر کی طرف جاتے ہوئے اسما کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے کہا ’’تم عجیب سر پھرے ہو۔ تم سے اسپتال میں رہنے کو کہا تو وہاں نہیں رہے اور عینی کی کوٹھی میں بھی رہنا نہیں چاہتے۔ اتنی رات کو کہاں بھٹکنے جاؤ گے؟‘‘

وہ ونڈ اسکرین کے پار نیم تاریکی اور نیم روشنی میں دیکھ رہا تھا۔ اسے عروج دکھائی دے رہی تھی۔ اسما نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا پھر مخاطب کیا ’’پاشا......! میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں؟‘‘

وہ چونک کر بولا ’’جی...... آپ کیا کہہ رہی ہیں؟‘‘

’’میں پوچھ رہی ہوں۔ اتنی رات کو کہاں بھٹکنے جاؤ گے؟ عینی کا بیڈ روم خالی ہے۔ ایک رات دلہن کے گھر رہ جاؤ۔ تمہاری مردانہ غیرت کو ٹھیس نہیں پہنچے گی۔‘‘

’’اگر میں آج کی رات کہیں گزار لوں گا تو میری غیرت کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ انشاء اللہ کل میرا اپنا گھر ہوگا۔‘‘

’’کیا آج رات کسی ہوٹل میں گزارو گے؟ یا......‘‘

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ پاشا نے جلدی سے کہا۔ ’’نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بھلا اور کہاں جا سکتا ہوں؟ ریلوے اسٹیشن کے قریب بہت سے ہوٹل ہیں جو ایک چارپائی کے دس روپے لیتے ہیں۔ وہاں گزارہ ہو جائے گا۔‘‘

’’میرا خیال ہے۔ اتنی جلدی تمہیں نیند نہیں آئے گی ابھی ادھر ادھر گھومتے پھرتے رہو گے۔‘‘

’’جی ہاں...... جب نیند آنے لگے گی تو میں کسی میں چلا جاؤں گا۔‘‘

’’رات کو خواہ مخواہ پیدل گھومتے رہو گے۔ مجھے گھر کر یہ گاڑی لے جاؤ۔‘‘

’’نہیں...... مجھے اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔‘‘

’’یعنی اس کے پاس ہے؟‘‘

’’جی ہاں۔‘‘

پھر اس نے چونک کر اسما کو دیکھا۔ وہ ونڈ اسکرین پار دیکھتے ہوئے ڈرائیو کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی ’’میں ذہین پولیس افسر کی بیوی ہوں۔ باتوں باتوں میں کسی اندر کی بات کو نکالنا خوب جانتی ہوں۔‘‘

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ’’آپ...... دیکھیں...... آ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔‘‘

’’میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ بس ایک بات کہ گی۔ تم مسلمان ہو اور مسلمان کتنا ہی بے ایمان اور کیوں نہ ہو۔ اپنے خدا سے ضرور ڈرتا ہے۔ جب بھی تم سے کبھی ناانصافی کرنے یا اس کی حق تلفی کرنے لگو تو خدا ضرور ڈرنا۔‘‘

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے کوٹھی کے بڑے گیٹ کے سا پہنچ گئی۔ چوکیدار نے اسے دیکھ کر سلام کیا پھر گیٹ کھول د اسما نے گاڑی کوٹھی کے پورچ میں روکی پھر اسے سوالیہ نظر سے دیکھنے لگی۔

وہ بولا ’’عینی بہت اچھی ہے۔ میں جب دردانہ کی میں تھا۔ تب پہلی بار اس سے ملاقات ہوئی۔ اس سے پہلے باتیں مجھے یاد نہیں تھیں لیکن اس پہلی ملاقات سے اب میں نے یہی دیکھا ہے کہ وہ دل و جان سے مجھے چا ہے۔‘‘

’’کیا تم اس کی چاہت کی قدر نہیں کرو گے؟‘‘

’’ہم انسان ہیں۔ ہمیں جانوروں سے بھی پیار ملتا۔ ہم انہیں محبت سے پالتے پوستے ہیں اور عینی تو پھر ایک انس ہے۔ ایک بہت ہی محبت کرنے والی پیاری سی ہستی ہے۔ اس کی محبت کا جواب ہمیشہ محبت سے دیتا رہوں گا۔‘‘

وہ دونوں کوٹھی کے اندر آئے۔ اسما اسے لے کر ا کمرے میں آ گئی۔ وہاں اس نے الماری کھول کر ایک چ سا چرمی بیگ نکالا اور اسے دیتے ہوئے کہا ’’اسے کھول دیکھو۔ اس میں تمہارے تمام کاغذات موجود ہیں۔‘‘

وہ اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ اس میں سے بہت اہم کاغذات نکل رہے تھے۔ چند ایسے خطوط تھے۔ جو اس نے اپنے والدین کو لکھے تھے۔ انہیں پڑھ کر معلوم ہو سکتا تھا کہ ماضی میں اس کے ماں باپ کون تھے اور پہلے وہ لاہور میں تھا۔ وہاں سے پھر کراچی آیا تھا۔ اسکول کالج کے سرٹیفکیٹ بھی تھے۔ بینک کے کچھ کاغذات اور چیک بک بھی تھی۔

اس نے تمام کاغذات کو بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔ ’’شکریہ بھابی جان۔ کیا یہ بیگ میں لے جا سکتا ہوں؟‘‘

’’یہ تمہارا ہی ہے۔‘‘

وہ مسکرا کر بولا ’’پتا نہیں میں کب تک اپنے آپ کو اور اپنی چیزوں کو بھولتا رہوں گا؟ اچھا اب میں چلتا ہوں۔‘‘

وہ گھڑی کی طرف دیکھ کر بولی ’’بارہ بج کر بیس منٹ ہوئے ہیں۔ دیکھو...... آدھی رات گزر چکی ہے۔ کہاں بھٹکنے جاؤ گے؟ یہاں ساتھ ہی عینی کا کمرا ہے۔ وہاں آرام سے رات گزار سکتے ہو۔‘‘

’’بھابی جان۔ آپ بہت ہی محبت کرنے والا دل رکھتی ہیں۔ یہ نہیں چاہتیں کہ میں باہر جا کر کہیں بھٹکتا پھروں لیکن آپ اطمینان رکھیں۔ یادداشت کم ہونے کے باوجود ہوش و حواس میں رہتا ہوں۔ میں راستہ نہیں بھولوں گا۔ کل عینی کے پاس واپس آؤں گا۔‘‘

وہ خدا حافظ کہتا ہوا اس کے کمرے سے باہر آیا پھر سیڑھیاں اتر کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ میں وہاں موجود تھا۔ ریسیور کو یونہی کان سے لگائے بیٹھا تھا۔ کسی سے فون پر بات نہیں کر رہا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ پاشا ابھی یہاں سے گزرے گا۔

اس نے مجھے دیکھ کر سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دے کر کہا ’’آؤ بیٹھو، تمہیں تو عینی کے پاس اسپتال میں ہونا چاہیے تھا؟‘‘

وہ بیٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے عروج کے پاس پہنچنے کی جلدی تھی لیکن مجبوراً بیٹھتے ہوئے بولا ’’میں ابھی عینی کے پاس سے ہی آ رہا ہوں۔‘‘

میں نے اس کے بیگ کو دیکھ کر پوچھا ’’یہ اتنی رات کو بیگ لے کر کہاں جا رہے ہو؟‘‘

’’جی...... کہیں نہیں...... اس میں ضروری کاغذات ہیں اور چیک بک ہے۔ صبح بینک سے کچھ رقم نکلوا کر ایک مکان وغیرہ کا انتظام کروں گا تاکہ عینی کو اپنے ساتھ وہاں لے جاؤں۔‘‘

وہ مجھے بتانے لگا کہ اپنا روزگار حاصل کرنا چاہتا ہے اور اپنی چھت کے نیچے عینی کو رکھنا چاہتا ہے۔ یہاں رہ کر بیوی کی دولت پر عیش کرنا نہیں چاہتا۔ جب وہ میرے تعاون سے کاروبار کو پوری طرح سمجھ لے گا اور سنبھال لے گا۔ تب یہاں آ کر عینی کے ساتھ رہے گا۔

میں نے اس کی تمام باتیں سننے کے بعد کہا ’’مجھے یہ سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ تم اپنے بل پر زندگی گزارنا چاہتے ہو اور عینی کا احسان اٹھانا نہیں چاہتے۔ اس کے کسی کام آؤ گے۔ اس کے کاروبار کی ذمے داری سنبھالو گے۔ تب یہاں آ کر رہو گے۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔‘‘

وہ مسکرا کر بولا ’’کیا آپ عینی کے کاروبار کے سلسلے میں مجھے ٹریننگ دیں گے؟‘‘

’’ہاں...... تم کل ہی سے ٹریننگ شروع کر سکتے ہو...... لیکن......‘‘

اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا پھر پوچھا ’’آپ کچھ کہتے ہوئے کیوں رک گئے؟‘‘

’’تمہیں عینی نے شاید بتایا ہو کہ میں ہاتھ کی لکیریں پڑھتا ہوں اور مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرتا ہوں؟‘‘

’’جی ہاں...... مجھے عینی اور عروج دونوں نے یہ باتیں بتائی ہیں۔‘‘

’’میں نے تمہارا ہاتھ نہیں دیکھا ہے لیکن عینی اور عروج کی لکیریں اپنی شادی و محبت کے سلسلے میں ایک جیسی باتیں بتاتی ہیں۔‘‘

وہ ذرا شرما کر بولا ’’جی ہاں...... اب میں اپنے منہ سے کیا کہوں؟ ان دونوں نے بہت پہلے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ایک دوسری کی سوکن بن کر رہیں گی۔‘‘

’’انسان تو فیصلے کرتا ہے لیکن مقدر انہیں بدل دیتا ہے۔‘‘

وہ ذرا پریشان ہو کر بولا ’’کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی سوکن نہیں بن سکیں گی؟ عروج سے میری شادی نہیں ہو سکے گی؟‘‘

’’میں ایک نجومی ہوں۔ اپنے طریقے کے مطابق یہ کہہ سکتا ہوں کہ انسانوں کے درمیان ان کے عمل اور ردِعمل سے ایک دوسرے کی تقدیر بنتی اور بگڑتی ہے۔ تم تینوں کے درمیان ابھی بہت سے عمل اور ان کے ردِعمل ہونے ہیں۔ ابھی تم ان دونوں کے درمیان بھٹک رہے ہو۔ بھٹکنے کے دوران میں غلطیاں کر سکتے ہو۔ ادھر دونوں سہیلیوں کے احساسات اور جذبات میں بھی تبدیلیاں آ سکتی ہیں۔‘‘

وہ ہنستے ہوئے بولا ’’یہ ضروری تو نہیں ہے کہ آپ جو کہہ

رہے ہیں وہ بالکل درست ہو؟''

میں نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا ''ہاں...... کوئی ضروری نہیں ہے۔ بہر حال' تم ابھی کہاں جا رہے ہو؟''

وہ میرے سوال پر ذرا چپ ہوا پھر ہچکچا کر بولا ''اور کہاں جاؤں گا؟ ہر انسان کی طرح اپنی منزل کی طرف جانا ہے۔''

''لیکن تمہاری تو ایک نہیں دو منزلیں ہیں؟ میں ابھی کہہ چکا ہوں۔ دونوں کے درمیان بھٹکتے رہو گے تو غلطیاں کرتے رہو گے۔ دانش مندی یہ ہوگی کہ دونوں کے بیچ محبت کا توازن رکھو۔ کسی سے ناانصافی نہ کرو۔ اس وقت عینی کو تمہاری ضرورت ہے۔ ایک تو اسے آنکھوں کی روشنی ملی ہے۔ دوسرے یہ کہ تم اس کی زندگی میں آئے ہو۔ ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ اسے تمہاری ضرورت ہے اور تمہیں بھی اس کی ضرورت ہونی چاہیے۔''

''جی ہاں۔ آپ درست کہہ رہے ہیں۔''

میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا ''تو پھر کہاں جا رہے ہو؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ''وہیں...... وہیں عینی کے پاس جا رہا ہوں۔''

وہ یہ کہتے ہی اٹھ کھڑا ہو گیا پھر وہاں سے جاتے ہوئے بولا۔ ''اچھا اب چلتا ہوں۔ خدا حافظ......!''

میں نے دل میں کہا ''خدا ہی حافظ ہے۔''

چونکہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اس لیے مجھ سے منہ پھیر کر' گویا منہ چھپا کر' جا رہا تھا۔ یہ سب ہی جانتے تھے کہ اگر وہ عینی کے پاس نہ ہوا تو پھر عروج کے پاس ضرور ہوگا۔

ملا کی دوڑ مسجد تک ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ گھر میں نہیں ہوگا تو اپنے محبت کے معبد میں ضرور ہوگا۔ وہ رات کے ڈیڑھ بجے اسپتال پہنچا تو ایک نرس نے کہا ''ڈاکٹر عروج کی ڈیوٹی گیارہ بجے ختم ہو چکی تھی۔ وہ جا چکی ہیں۔''

وہ اسپتال سے نکل کر ڈاکٹروں کے کوارٹرز کی طرف آیا۔ ایک دروازے پر ڈاکٹر عروج کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ اندر گہری خاموشی اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ جالیوں کے پاس کھڑے ہو کر غور سے اندر دیکھنے لگا۔ پتا چلا کسی اندرونی کمرے میں دھیمی دھیمی سی روشنی ہے۔ شاید زیرو پاور کا بلب آن تھا۔ وہ سو رہی تھی۔

اس نے سوچا ''کیا وہ سو رہی ہے؟ کیا اسے جگانا مناسب ہوگا؟''

اس نے اپنے دل کو سمجھایا ''نہیں...... وہ سو نہیں رہی ہے۔ میری یاد میں کروٹیں بدل رہی ہے۔ میں ایک بار بیل بجاؤں گا۔ اگر وہ جاگ رہی ہوگی تو دروازہ کھولنے آئے گی۔ سو رہی ہوگی تو میں دوسری بیل بجا کر اس کی نیند خراب نہیں کروں گا۔''

اس نے ایک انگلی اٹھا کر بٹن پر دباؤ ڈالا پھر جیسے اس انگلی کو وہاں سے ہٹانا بھول گیا۔ اس نے یہ تہیہ کیا تھا کہ ایک ہی بیل بجائے گا۔ اگر وہ انگلی ہٹا لیتا تو مختصری بیل اندر سنائی دیتی پھر خاموشی چھا جاتی لیکن اب اندر مسلسل گھنٹی سنائی دے رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد برآمدے میں عروج کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی ''کون ہے؟''

انگلی بٹن سے ہٹ گئی۔ وہ بولا ''میں ہوں۔''

عروج کا دل دھک سے رہ گیا۔ یوں لگا' جیسے کوئی حملہ آور شب خون مارنے پہنچ گیا ہو۔ دل دھڑکا تو' لیکن پیار سے دھڑکا۔

دھڑکا لگا کہ کیوں آیا ہے؟

دھڑکن نے کہا ''اری پگلی! دیوانہ اور کس لیے آتا ہے؟''

وہ خاموش تھی۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر دھڑکنوں پر قابو پانا چاہتی تھی۔ اس نے کہا ''تم نے شاید مجھے آواز سے نہیں پہچانا؟ میں پاشا ہوں۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کے قریب آئی پھر ہلکے سے بولی ''اتنی رات کو کیوں آئے ہو؟''

''یہ سب جانتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو بھول چکا ہوں۔ تمہارے پاس یاد کرنے آیا ہوں۔''

''تمہیں اس وقت نہیں آنا چاہیے۔ کیا کل سورج نہیں نکلے گا؟ صبح نہیں ہوگی پلیز۔ ابھی چلے جاؤ۔ کل ملاقات ہوگی۔''

''میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ تب سے یہی دیکھا ہے کہ میری تو کیا کسی بھی انسان کی زندگی میں کل نہیں آتا اور تم کل آنے کو کہہ رہی ہو؟''

''پلیز۔ باتیں نہ بناؤ۔ اس وقت میری دہلیز پر قدم رکھو گے تو میں بدنام ہو جاؤں گی۔''

''اگر میں اسی طرح باہر کھڑا رہا اور کسی نے دیکھ لیا تو دونوں ہی بدنام ہوں گے۔ مجھے اندر بلا لو۔ بڑے پیار سے چھپا لو پھر کسی کا ڈر نہیں رہے گا۔''

''دیکھو...... سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہاں میں تنہا رہتی ہوں۔ کسی نے تمہیں اندر آتے دیکھ لیا تو میری نیک نامی

خاک میں مل جائے گی۔''

''کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟''

''ہے...... مگر بدنامی مول لینے والی محبت نہیں کرنا چاہتی۔''

''اور میں محبت میں نیک نامی اور بدنامی کا حساب نہیں کرنا چاہتا۔ میں محبت سے آیا ہوں۔ یہ بتاؤ دروازہ کھولو گی یا نہیں؟''

وہ تھوڑی دیر چپ رہی پھر بولی ''اسپتال واپس جاؤ۔ میرے رشتے دار بن کر یا مریض بن کر کسی وارڈ بوائے کے ساتھ واپس آؤ پھر میں دروازہ کھولوں گی۔ اس طرح کوئی ہمارے خلاف باتیں نہیں بنا سکے گا۔''

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اسپتال سے آنے والا وارڈ بوائے یہاں موجود رہے گا اور اس کی وجہ سے مجھے جلدی واپس جانا ہوگا۔''

''تو کیا یہاں سے جانے کے لیے نہیں رہنے کے لیے آئے ہو؟''

''میں کچھ ضروری باتیں کرنے آیا ہوں اور باتوں میں کچھ وقت بھی لگ سکتا ہے۔ تم ڈر کیوں رہی ہو؟ کوئی بدنامی نہیں ہوگی۔ دروازہ کھولو۔''

''نہیں۔ میں ایسے دروازہ نہیں کھولوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ نہ کھولو۔ میں یہیں دھرنا دے کر بیٹھا رہوں گا۔''

''پاگل ہو گئے ہو؟ چوکیدار گشت کرتا ہے۔ ابھی یہاں سے گزرے گا تو تمہیں دیکھ کر کیا سوچے گا؟''

''تم میرے بارے میں سوچو۔ میں کس طرح اپنے آپ کو بھولا ہوا ہوں۔ اندھیروں میں بھٹک رہا ہوں۔ تمہارے کہنے پر میں یہاں آ کر واپس چلا گیا تھا۔ عینی کو اس کی ضرورت کے کپڑے لے جا کر دیئے۔ اس کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزارا۔ تم نے جیسا کہا۔ میں نے ویسا ہی کیا۔ اب واپس یہاں آیا ہوں مگر میں جو کہہ رہا ہوں وہ تم نہیں کر رہی ہو۔''

''تم غلط وقت پر غلط ضد کر رہے ہو۔ دن کی روشنی میں آؤ۔ میرا دروازہ تمہارے لیے کھلا رہے گا۔''

''تم ضدی ہو تو میں بھی ضدی ہوں۔ کل دن نکلنے تک یہیں کھڑا رہوں گا اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرتا رہوں گا۔''

اس نے پریشان ہو کر سوچا۔ وہ اس کی ضد کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ کبھی محبت اور کبھی جبر سے اپنی بات منوانے کا عادی تھا۔ اسی وقت نائٹ چوکیدار نے وہاں سے گزرتے ہوئے پاشا کو دیکھا تو پوچھا ''آپ کون ہیں؟ اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

پاشا بولا ''میں ڈاکٹر عروج کے گھر سے آیا ہوں۔ ان کے لیے ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔ شاید وہ سو رہی ہیں۔ میں پھر بیل بجاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے بٹن پر انگلی رکھی۔ عروج کے دل میں گھنٹی بجنے لگی۔ اب تو مجبوری تھی یہ نہیں چاہتی تھی کہ نائٹ چوکیدار کسی طرح کا شبہ کرے۔ اس نے کھنکارتے ہوئے پوچھا ''کون ہے؟''

پاشا نے کہا ''میں ہوں پاشا۔ آپ کے گھر سے آیا ہوں۔''

اس نے سوئچ کا بٹن دبایا تو اندر روشنی ہو گئی۔ عروج کو اطمینان ہوا کہ پاشا چوری چھپے اندر نہیں آ رہا ہے۔ چوکیدار اس بات کا گواہ ہے کہ اس کے گھر سے کوئی آیا ہوا ہے۔

ویسے پاشا کی ضد دل و دماغ پر حاوی ہو رہی تھی اور دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا کہ بڑا ہی منہ زور عاشق ہے۔

چوکیدار وہاں سے چلا گیا۔ عروج نے دروازہ بند کیا پھر پلٹ کر اسے گھور کر دیکھتے ہوئے بولی ''یہ کیا ضد کی ہے؟ محبت کرنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ تم اپنی چاہنے والی کو بدنام کر دو؟''

وہ اس کے آگے سے گزر کر کمرے میں جاتے ہوئے بولا ''پلیز۔ اب کوئی بدنامی کی بات نہ کرو۔ تم یہی چاہتی تھیں کہ اسپتال کا کوئی بندہ مجھے یہاں تمہارے رشتے دار کی حیثیت سے آتے ہوئے دیکھ لے سو اس چوکیدار نے دیکھ لیا ہے۔ اب تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔''

''چوکیدار نادان نہیں ہے۔ وہ دوسری بار راؤنڈ کے وقت یہاں سے گزرے گا۔ اگر تمہیں میری عزت کا ذرا سا بھی خیال ہے تو یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔''

وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر بولا ''نہیں جاؤں گا۔ تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟ میں نے محبت کی ہے۔ تمہاری غلامی نہیں کی ہے۔ اگر میں نے تمہاری بات مان کر عینی سے محبت کی اور اس سے شادی کر لی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اسی کے ساتھ مجھے زنجیروں میں باندھ کر رکھ دو۔''

وہ غصے میں کبھی اس سے دور جا رہا تھا۔ کبھی اس کے پاس آ رہا تھا اور کہہ رہا تھا ''مجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میں صرف تم سے محبت کرتا تھا۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں عینی سے بھی محبت کروں اور شادی کروں تو پھر تم بھی میری شریک زندگی بن جاؤ گی۔ میں نے تمہاری ہر بات مانی ہے لیکن تم

جھوٹی ہو۔ مجھے دھوکا دے رہی ہو مجھ سے کترا رہی ہو۔ میں تمہارے پاس آتا ہوں تو تم مجھ سے دور ہو جاتی ہو۔"

"تم مجھے جھوٹی اور فریبی کہہ لو لیکن میرا خدا جانتا ہے کہ میں تمہاری کتنی قدر کرتی ہوں۔ تمہاری محبت پر فخر کرتی ہوں لیکن پاشا...... ہمارے پاس عقل ہے۔ علم ہے ہمیں سوچ سمجھ کر محبت کرنا چاہیے۔"

"ہاں...... جیسے تم سوچ سمجھ کر کر رہی ہو۔ تم نے محبت کو لین دین کی چیز سمجھ لیا ہے۔ اپنی چاہت کو کسی دوسری کی جھولی میں ڈال دیا۔ واہ کیا خوب سوچ سمجھ کر محبت کر رہی ہو۔ خود تو میری محبت سے محروم ہو رہی ہو اور چاہتی ہو کہ میں بھی ساری زندگی تمہاری محبت سے محروم رہوں۔"

"میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم عینی کو محبت دو۔ اس کے ساتھ بہترین ازدواجی زندگی گزارو۔"

"یعنی تم سے محبت کرنے کی یہ شرط ہے کہ میں عینی سے محبت کرتا رہوں؟ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا رہوں؟ عینی کے بچوں کا باپ بنوں۔ خوشی ہو یا غم...... عید ہو یا محرم۔ عینی کے ساتھ ہی مناؤں اور ساری عمر "ہائے عروج ہائے عروج" کرتا رہوں۔"

"تم میری بات سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟"

"تمہارے پاس کوئی سمجھنے والی بات ہوگی تو سمجھ میں آئے گی۔ چلو...... یہی بتا دو کہ تمہیں اپنی دلہن بنانے سے پہلے مجھے عینی کے ساتھ کتنے عرصے تک ازدواجی زندگی گزارنی ہوگی؟ آج اپنے دلہن بننے کا کوئی دن اور تاریخ مقرر کر دو۔"

"دن اور تاریخ اس وقت مقرر ہوگا جب تم دل سے عینی کو محبت دینے لگو گے اور اس کے بچوں کے باپ بن کر محبت کا ثبوت پیش کر دو گے۔"

تڑاخ سے اس کے منہ پر ایک طمانچہ پڑا۔ ایک دم سے منہ گھوم گیا۔ وہ دوسری طرف پلٹ گئی۔ اس نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر کہا "کیا تم مجھے الو کا پٹھا سمجھتی ہو؟ اگر اس سے بچے نہ ہوئے تو میں بچے ہونے کا انتظار کرتا رہوں۔ اگر ایک ہی ہوا تو مزید کے لیے دو چار برس اور انتظار کروں۔ ساری دنیا والوں کے سامنے یہ ثبوت پیش کرتا رہوں کہ میں عینی سے بچے پیدا کرنے والی محبت کر رہا ہوں۔"

اس کی ریشمی زلفیں مٹھی میں جکڑی ہوئی تھیں۔ وہ تکلیف سے کراہ رہی تھی۔ اس نے ایک دھکا دیا...... وہ لڑکھڑاتی ہوئی سینٹر ٹیبل سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑی۔ روتے ہوئے بولی "تم جانور ہو۔ درندے ہو۔ میں تم سے محبت نہیں نفرت کرتی ہوں۔"

وہ اس کے پاس آ کر فرش پر گھٹنے ٹیک کر جھک گیا پھر اس کے جبڑوں کو اپنی ہتھیلی کے شکنجے میں لے کر بولا "عینی تمہاری جان سے زیادہ عزیز سہیلی ہے۔ میں کچھ نہیں ہوں۔ تم اس کے لیے قربانی دے رہی ہو' میرے لیے نہیں دے سکتیں۔ مجھ سے نفرت کر رہی ہو تو سن لو۔ میں بھی جواباً عینی سے نفرت کروں گا۔ تم مجھے یہاں سے جانے کا کہہ رہی تو میں بھی عینی کی زندگی سے دور چلا جاؤں گا۔ بلکہ جا رہا ہوں۔ اب تم جاؤ اور سہیلی کو گلے سے لگا کر ساری زندگی اس کے آنسو پونچھتی رہو۔"

وہ اسے دھکا دے کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پلٹ کر جانا چاہتا تھا۔ عروج ایک دم سے تڑپ کر آگے بڑھی پھر اس کے قدموں سے لپٹ کر بولی "نہیں...... تم اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ تم نہیں جانتے کہ وہ دولت مند تو ہے لیکن بہت ہی بدنصیب ہے۔ اسے زندگی میں کبھی سچی محبت نہیں ملی۔ وہ محبت کے لیے بھٹکتی ہوئی تمہارے پاس آئی ہے۔ تم اسے یوں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔"

اس نے اس کے دونوں بازوؤں کو اپنی گرفت میں لے کر فرش سے اٹھایا پھر کہا "میں تمہیں خوب سمجھ گیا ہوں۔ تم کبھی مجھ سے شادی نہیں کرو گی۔ بس محبت کا جھوٹا فریب دیتی رہو گی اور جھوٹے وعدے کرتی رہو گی۔"

وہ ایک دم سے تڑپ کر اس سے لپٹ گئی۔ ہچکیوں سے روتے ہوئے کہنے لگی "نہیں...... میں تمہیں چاہتی ہوں۔ دل و جان سے چاہتی ہوں۔ میں نے صرف تم سے محبت کی ہے۔ میں صرف تمہارے نام سے جیوں اور مروں گی۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ پاشا نے اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ ان لمحات میں دل کی مراد پوری ہو رہی تھی۔ اس کی محبت اس کی زندگی اور آخری سانس تک پوری ہونے والی ساری مسرتیں دل کی دھڑکنوں سے آ کر لگ گئی تھیں۔

اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اسے پا لینے کا یقین کر رہا تھا۔ وہ اس کے بازوؤں میں آ کر کمزور پڑ گئی تھی۔ ہارے ہوئے سپاہی کی طرح ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ وہ پہلا شخص تھا۔ جسے وہ لیڈی ڈاکٹر دل و جان سے چاہنے لگی تھی۔

رات دن اسی کے بارے میں سوچتی تھی لیکن ایسے وقت بھی وہ صرف اپنے لیے ہی نہیں بلکہ عینی کے لیے بھی سوچتی تھی۔ پہلے تو فیصلہ جذباتی تھا کہ وہ دونوں اس سے شادی کریں گی اور

ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہیں گی لیکن اب عروج کی سوچ بدل رہی تھی۔ وہ عقل سے سوچ سمجھ رہی تھی کہ سہیلی کی سوکن بن کر ہمیشہ کے لیے سہیلی کو کھو دے گی۔ دو سوکنیں کبھی سہیلیاں نہیں بن سکتیں اور دو سہیلیاں کبھی سوکنیں بن کر نہیں رہ سکتیں۔

جب اس کی سہیلی پاشا کی دلہن بن گئی۔ تب اس نے فیصلہ کیا کہ رفتہ رفتہ پاشا کو اسی کی طرف مائل کر دے گی۔ عینی بھی اپنی محبت اور خدمت گزاری سے اس کا دل جیت لے گی۔ اس کے بچوں کی ماں بن جائے گی تو پھر پاشا بھی اس کی دنیا میں رہ کر اپنی پہلی محبت کو بھول جائے گا۔

لیکن ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ اگرچہ ابھی ابتدا تھی لیکن پاشا کے مزاج سے اور اس کی حرکتوں سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ عینی سے محبت نہیں کر رہا بلکہ سمجھوتا کر رہا ہے کہ وہ اسے شوہر کی محبت اور توجہ دے گا تو پھر عروج بھی اس کی شریکِ حیات بن جائے گی۔ گویا عروج ایک انعام کے طور پر اس کے سامنے رکھی ہوئی تھی کہ وہ اس کی باتوں اور ہدایات پر عمل کرتا رہے تو یہ انعام اسے ایک دن ضرور ملے گا مگر وہ اسے حاصل کرنے کے لیے طویل آزمائشوں سے گزرنا نہیں چاہتا تھا۔

اس وقت تو وہ دونوں یک جان دو قالب ہو گئے تھے۔ ایک دوسرے کی دھڑکنوں کو محسوس کر رہے تھے پھر عروج نے کہا۔ "میں تمہاری دیوانگی کو خوب جانتی ہوں لیکن پاشا تمہیں میری قسم ہے۔ دیوانگی سے باز آ جاؤ۔ ہوش و حواس میں رہ کر محبت کرو۔ میں صرف تمہاری ہوں اور تمہاری ہی رہوں گی۔"

"جھگڑا تو اسی بات کا ہے کہ میری ہونے کا دعویٰ کرتی ہو لیکن میری بنتی نہیں ہو۔ تم ابھی میری زندگی میں آ جاؤ تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔"

"پلیز...... اس معاملے میں جلدی نہ کرو۔ یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے کہ آج عینی سے شادی کی' کل مجھ سے کر لو۔ ہمیں اپنے خاندان اپنی سوسائٹی میں رہنا ہے۔ دوسروں کا لحاظ کرنا ہے' انہیں یہ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہیے کہ ہم دونوں سہیلیاں ایک ہی مرد کی دیوانی ہیں۔ ہم دونوں کی محبت اور شادیوں کو مذاق بنایا جائے گا۔ ہمیں مذاق بن کر نہیں رہنا ہے۔ کچھ ایسا کام کرنا ہے کہ بات بھی بن جائے اور کسی کو کچھ کہنے کا موقع بھی نہ ملے۔"

"میں یہ سب نہیں جانتا، دنیا والوں کا لحاظ کرتے کرتے نہ جانے کتنی مدت گزر جائے مگر میں سمجھ گیا ہوں کہ تم عینی کو مجھ پر ترجیح دیتی ہو۔ اس کی حمایت اور محبت میں مجھے اپنے سے دور کرنے لگی ہو۔ میں تمہارے ارادوں کو خوب سمجھ رہا ہوں۔ تم چاہتی ہو' میں اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا رہوں اور اس کے بچوں کا باپ بنتا رہوں۔ اس طرح سے میں اسی کا ہو کر رہ جاؤں اور تمہیں بھول جاؤں لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا۔ میں مر جاؤں گا لیکن تمہیں نہیں بھولوں گا اور اسے چھوڑ کر تمہارے پیچھے دوڑتا رہوں گا۔"

وہ بڑی عاجزی سے بولی "کیا تم میری بات نہیں مانو گے؟"

"میں تمہاری ہر بات مانوں گا۔ تم جو کہو گی وہ کروں گا لیکن تم صرف ایک بات مان لو۔"

"ٹھیک ہے۔ بولو میں مانوں گی۔"

"تم دنیا والوں سے ڈرتی ہو' عینی کی سوکن نہیں بننا چاہتیں۔ ٹھیک ہے نہ بنو لیکن میری ایک بات مان لو۔"

"کہہ تو رہی ہوں' مان لوں گی' بولو کیا چاہتے ہو؟"

"ہم چپ چاپ رازداری سے نکاح پڑھوا لیں گے۔ تم میری شریکِ حیات بن کر رہو گی۔ ہم یہ رشتہ دنیا والوں پر ظاہر نہیں کریں گے۔"

وہ پیچھے ہٹ کر بولی "نہیں' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر میں تم سے شادی کر لوں تو تم میرے اور بھی دیوانے ہو جاؤ گے اور عینی سے بے اعتنائی برتو گے۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ تم دونوں کے ساتھ محبت میں توازن رکھوں گا۔"

وہ اسے بے بسی سے دیکھتے ہوئے بولی "نہیں پاشا...... ! میں نے اگر تمہارے ساتھ شادی کر لی تو بہت ہی کمزور پڑ جاؤں گی۔"

"ہاں...... یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ جب تم میری بیوی بن جاؤ گی تو پھر عینی کے لیے قربانیاں نہیں دے سکو گی۔ اب تک عینی کے لیے جتنی باتیں مجھ سے منواتی رہی ہو اپنی شادی کے بعد نہیں منوا سکو گی۔"

"خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھ پر بھروسا کرو۔ میں جلد ہی تم سے شادی کر لوں گی۔"

"میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کب مجھ سے شادی کرو گی؟ بس ایک بات کہتا ہوں جب تک تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی۔ تب تک میں عینی کے ساتھ ایک رات بھی نہیں گزاروں گا۔ میں تو آج اس سے اور بھائی جان سے یہ کہہ کر آیا تھا کہ کل اپنا مکان حاصل کرنے کے بعد عینی کو وہاں لے جاؤں گا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں اسے جھوٹ کہتا رہوں گا کہ ابھی اچھا مکان نہیں مل رہا ہے اور جب تک مکان نہیں ملے گا اس وقت تک عینی کو اپنے ساتھ گھر نہیں لے جاؤں گا

اور جب گھر ہی نہیں لے جاؤں گا تو وہ میرے ساتھ راتیں بھی نہیں گزار سکے گی۔"

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ تم نے وعدہ کیا ہے تو کل ہی کرائے کا مکان حاصل کر کے اسے وہاں لے جاؤ۔"

وہ اپنا چرمی بیگ اٹھا کر بولا "میں جا رہا ہوں۔ اب اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمہاری سہیلی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزاروں تو کل میرے ساتھ چل کر کورٹ میں نکاح پڑھوا لو۔"

"نہیں پاشا......! مجھے ایسا کام کرنے کے لیے نہ کہو جو میرے لیے ناممکن ہو۔ میری مجبوری کو سمجھو۔ میں بڑی مشکل میں پڑ جاؤں گی۔ عینی مجھ سے بدظن ہو جائے گی۔ اس کے خاندان والے سب ہی مجھے ایک دھوکے باز سہیلی کہیں گے۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ میں رفتہ رفتہ سب کی رضامندی حاصل کر کے عینی کو اپنے اعتماد میں لے کر پھر تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں؟"

وہ وہاں سے چلتا ہوا دروازے تک گیا پھر پلٹ کر بولا۔ "یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ کل صبح دس بجے تمہیں فون کروں گا۔ تم سے پوچھوں گا کہ میرے ساتھ کورٹ چلنے کے لیے تیار ہو یا نہیں۔ اگر تم نے انکار کیا تو پھر میں عینی کے لیے مکان حاصل نہیں کروں گا۔ تم جس طرح مجھے دھوکا دے رہی ہو۔ اسی طرح میں بھی عینی کو دھوکا دیتا رہوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا اور وہاں سے چلتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئی تو وہ باہر کا دروازہ کھول کر جا رہا تھا۔ وہ بولی "پاشا......! رک جاؤ۔"

لیکن وہ رکنے والا نہیں تھا۔ وہ تو آندھی کی طرح آیا تھا اور طوفان کی طرح اسے بکھیر کر چلا گیا تھا۔

☆☆☆

گل خانم بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ یاور خان نے اپنی بدماغی اور حماقت کے باعث اسے کئی بار نقصان پہنچایا تھا۔ اب وہ اس پر کسی پہلو سے بھی بھروسا نہیں کر سکتی تھی۔ پہلے کبھی سوچتی تھی کہ واپس اس کی زندگی میں چلی جائے گی لیکن اب ایسی کوئی سوچ نہیں تھی۔ اس نے اسے اپنے دل سے نکال کر پھینک دیا تھا۔ وہ طلاق لینے کے بعد کئی بار برے حالات سے گزری تھی اور ہر بار ذیشان نے اس کی مدد کی تھی۔ اپنے خلوص اور محبت سے اسے متاثر کیا تھا لیکن اس دوران میں ایسا کچھ ہوا تھا کہ وہ اس سے بھی بدظن ہو گئی تھی اور اس کی ایک غلطی کے باعث ذیشان پر بدکاری تک کا الزام عائد کیا گیا اور اسے جیل جانا پڑا تھا۔

وہ اب بھی آہنی سلاخوں کے پیچھے تھا اور گل خانم خود کو لعنت ملامت کر رہی تھی' کیونکہ اسی کی وجہ سے ایک عزت دار اعلیٰ عہدے پر فائز ایس پی مجرم کہلانے لگا تھا اور اپنی وردی سے محروم ہو گیا تھا۔ عدالت میں کسی دن اس کی پیشی تھی۔ گل خانم کا خیال تھا کہ اس نے ذیشان سے محبت کر کے اس سے بہت بڑی دشمنی کی ہے۔

وہ خیالات سے چونک گئی۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے ٹیلی فون کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھ کر ریسیور اٹھایا "ہیلو......کون؟"

دوسری طرف سے ذیشان کی آواز سنتے ہی دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی پھر بولی "آپ......؟ کیا آپ کو رہائی مل گئی ہے؟"

"نہیں...... لیکن کل صبح دس بجے تک باہر آ جاؤں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میں کل دس بجے سینٹرل جیل کے سامنے رہوں گی۔"

"نہیں گل خانم ...... جذباتی ہو کر نہ سوچو۔ دشمنوں نے ہم پر بڑا ہی شرمناک الزام لگایا تھا۔ میری رہائی کے بعد بھی وہ اسی تاک میں رہیں گے کہ ہم دونوں کب ملتے ہیں؟ کہاں ملتے ہیں اور کیوں ملتے ہیں؟"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔ میں آپ کی رہائی کی خوشی میں یہ بھول گئی تھی کہ ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔ آپ ضمانت پر رہائی حاصل کر رہے ہیں؟"

"ہاں...... یہی بات ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ ہمارے خلاف جو کیس بنایا گیا تھا اسے اب کمزور بنا دیا گیا ہے۔ اب دوسرے الزامات کے حوالے سے تو مجھ پر مقدمہ چلایا جائے گا لیکن اب مجھے بدکاری کا الزام نہیں دیں گے۔"

"کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے؟ دشمن آپ پر کئی طرح کے الزامات عائد کر رہے ہیں لیکن بدکاری کا الزام واپس لے رہے ہیں؟"

"بے شک یہ حیرانی کی بات ہے۔ اب یہ تو باہر آنے کے بعد ہی معلوم کروں گا کہ یہ سب کیا چکر ہے۔"

"ذیشان صاحب! کیا ہم کہیں روبرو بھی نہیں مل سکتے؟ میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"فی الحال نہیں۔ ہمیں کچھ دن محتاط رہ کر جائزہ لینا ہو گا اور دشمن کی چالوں کا اندازہ لگانا ہو گا۔ اس کے بعد حالات نے اگر اجازت دی تو کہیں نہ کہیں ضرور ملیں گے۔"

"اگر ہم گھریلو ماحول میں ملاقات کریں تو......؟"

"کس گھریلو ماحول میں؟ یہاں تمہاری تو کوئی فیملی نہیں ہے اور میرے خاندان والے ابھی تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔"

"جانتے ہیں......"

وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا......؟ میرے خاندان والے تمہیں جانتے ہیں؟"

"جی ہاں...... میں نے آپ سے یہ بات چھپائی تھی کہ آپ کی والدہ سے میری فون پر باتیں ہوتی رہی ہیں۔"

اس نے حیرانی سے کہا "یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میری ممی نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ تم سے فون پر باتیں کرتی ہیں؟"

"ہاں۔ انہوں نے مجھے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر میرا بیٹا کسی مصلحت کے تحت اپنے والدین سے یہ بات چھپا رہا ہے تو اسے چھپانے دو۔ آپ کی ممی بہت اچھی ہیں۔ مجھے بہت چاہتی ہیں۔"

"وہ تو پوتی پوتوں کو گود میں کھلانے کے خواب دیکھتی رہتی ہیں۔ یقیناً یہ سمجھ گئی ہوں گی کہ میں تم میں دلچسپی لے رہا ہوں اور تم سے شادی کر سکتا ہوں۔ اس لیے وہ بھی تمہیں چاہ رہی ہیں۔"

"جب میں آپ کے گھر میں اجنبی نہیں رہی ہوں اور آپ کی ممی سے باتیں ہوتی رہی ہیں تو کیا میں وہاں نہیں آ سکتی؟ وہاں آپ کے فیملی ماحول میں ہماری ملاقات ہو گی تو کوئی دشمن ہمیں بدنام نہیں کر سکے گا۔"

"تم درست کہہ رہی ہو لیکن بات صرف میری ممی اور ڈیڈی کی پسند کی نہیں ہے۔ مجھے اس سلسلے میں اسما کو قائل کرنا ہو گا۔ میں اسے سمجھاؤں گا کہ تمہیں اس کی سوکن بنا کر گھر نہیں لاؤں گا۔ جب اسے یقین ہو جائے گا کہ تم اس کی سوکن نہیں بنو گی تو تب ہی وہ تمہیں دل سے خوش آمدید کہے گی۔"

ذیشان کی زبان سے یہ سن کر گل خانم کو دکھ پہنچا کہ وہ اسے اپنی بیوی کی سوکن بنانا نہیں چاہتا ہے۔ یعنی اس سے شادی کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔

ذیشان نے پوچھا "تم چپ کیوں ہو گئیں؟"

"میں یہ سوچ رہی ہوں' جب آپ کی ممی کا دل جیت سکتی ہوں تو آپ کی وائف کا دل بھی جیت لوں گی۔ بس ایک بار اسما سے ملاقات کرنے دیں۔ مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت تو دیں۔"

وہ تھوڑی دیر چپ چاپ سوچتا رہا پھر بولا "گل خانم......! تم اس بھری دنیا میں تنہا رہ گئی ہو۔ پتا نہیں۔ ہمارے تعلقات آئندہ کیسے رہیں گے؟ لیکن جیسے بھی رہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے خاندان والوں سے گھل مل جاؤ۔ میرے گھر آتی جاتی رہو۔ اس طرح تمہاری تنہائی بھی ختم ہو جائے گی۔ میں کوشش کروں گا کہ میرے گھر والوں کا پیار تمہیں ملتا رہے۔"

"خدا کرے ایسا ہو جائے۔ تو آپ مجھے آنے کی اجازت دے رہے ہیں؟"

"ہاں...... مگر کل تک انتظار کرو۔ میں باہر آنے کے بعد اسما سے بات کروں گا' پھر اس کے خیالات تمہارے بارے میں جو بھی ہوئے۔ ان سے میں تمہیں آگاہ کروں گا۔"

"آپ کی یہ باتیں سن کر میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو رہا ہے۔ میرا ضمیر بار بار مجھے ملامت کرتا ہے کہ میری وجہ سے آپ کے ساتھ اتنی زیادتی ہوئی اور آپ کو ایک غلط الزام میں جیل جانا پڑا۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا ہے۔ تمہارے اس خردماغ سابقہ شوہر نے ہمارے خلاف ایسے بیانات دیئے تھے اور اس افسر نے تمہاری اور اس کی باتیں ریکارڈ کر کے ایسی چال چلی تھی کہ میں گرفت میں آ جاؤں۔"

"شہباز درانی وردانہ بیگم اور نی آئی اے کے افسر نے جیسی بھی چالیں چلی ہوں لیکن ایک بات میں اچھی طرح جانتی ہوں' میری ہی وجہ سے آپ کو یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ آپ نے میری مدد کرنے اور میرے کام آنے کی انتہا کر دی۔ میں بھی انتہا کر دوں گی۔ آپ کے ہاں ایک وارث ضرور پیدا ہو گا اور اسے میں جنم دوں گی۔"

ذیشان نے ایک ذرا چپ ہو کر کچھ سوچا پھر کہا "گل خانم......! یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ تمہارے اور میرے راستے میں ابھی اچھی خاصی رکاوٹیں ہیں۔"

"میں تمام رکاوٹوں کو توڑ کر آپ کے پاس آؤں گی۔ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ میں نے آپ جیسا شخص نہیں دیکھا۔ آپ نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ میں آپ کے بازوؤں میں آخری سانس لینا چاہتی ہوں۔"

"زندگی کی باتیں کرو' موت کی نہیں۔ بہرحال اب میں کل کسی وقت فون کروں گا۔ اچھا خدا حافظ......!"

رابطہ ختم ہو گیا۔ گل خانم نے ریسیور کو دیکھا۔ اسے دونوں ہاتھوں سے یوں تھام لیا۔ جیسے ذیشان کو ہاتھوں میں لے رہی ہو۔ اس بکھرے ہوئے شخص کو سمیٹ رہی ہو۔

وہ اس کے حواس پر چھایا ہوا تھا۔ صرف ایک پہلو تکلیف دہ تھا اور وہ یہ کہ وہ صرف اولاد کی خاطر اس سے

قریب آنا چاہتا تھا اور اولاد ہونے کے بعد بچے کو لے کر اس کی زندگی سے نکل جانا چاہتا تھا۔

اس نے جب پہلی بار ایسا کہا تھا تو وہ صدمے سے ٹوٹ گئی تھی۔ وہ تو اسے دل و جان سے چاہنے لگی تھی اور محبت کرنے والی عورت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی اس کے وجود سے کھیلے اور پھر اسے چھوڑ کر اولاد کی صورت میں سارا لہو نچوڑ کر لے جائے۔

اسے ذیشان پر بہت غصہ آیا تھا۔ وہ اس سے بدظن ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے اس نے سی آئی اے کے افسر باقر مہدی کے سامنے سچ کہہ دیا تھا کہ وہ رات دو بجے تک اس کے پاس تنہائی میں رہ چکا تھا۔ اگرچہ اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتی رہی کہ انہوں نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس کے نتیجے میں سر شرم سے جھک جاتے ہیں اور وہ دونوں آدھی رات کے بعد تنہا رہنے کے باوجود گنہگار نہیں ہیں۔

لیکن یہ بات ماننے والی نہیں تھی۔ گل خانم اور یاور خان کا یہ بیان ہی ذیشان کو پھانسنے کے لیے بہت تھا۔

پھر جب وہ دشمنوں کے شکنجے میں پھنس گیا اور جیل چلا گیا۔ تب گل خانم کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوا۔ شرمندگی ہوئی ضمیر نے ملامت کی کہ ہر برے وقت میں کام آنے والے شخص کے خلاف بیان دینے کا یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ وہ بے چارہ ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔

ان حالات میں گل خانم کا مزاج بدلا۔ اس کا دل پھر ذیشان کی طرف کھنچنے لگا۔ وہ ضمیر کے ملامت کرنے پر سوچنے لگی کہ اس سے جو غلطیاں ہوئی ہیں وہ ان کی تلافی کرے گی۔ وہ ذیشان کی وردی تو واپس نہیں دلا سکتی لیکن اسے بھرپور پیار دے کر اور اس کی خواہشات پوری کر کے اسے ایک اولاد دے کر اس کی بہت بڑی ذاتی اور خاندانی محرومی دور کر سکتی ہے۔

اس نے ریسیور کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر دیکھا پھر کریڈل پر ہاتھ رکھا۔ اس کے بعد نمبر پنچ کرنے لگی۔

دوسری طرف ڈرائنگ روم میں فون کی بیل بجنے لگی۔ اسما وہاں سے گزر رہی تھی گھنٹی کی آواز پر رک گئی۔ دور رکھے ہوئے فون کی طرف دیکھنے لگی۔ اس فون کا کنکشن دوسرے کمروں میں بھی تھا۔ بیگم آفتاب کے بیڈ روم میں بھی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ فلک آفتاب سو رہا تھا۔ وہ بھی سونا چاہتی تھی۔ ایسے وقت گھنٹی کی آواز نے اسے متوجہ کیا۔

اس نے فون کی طرف دیکھا پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی۔ دوسری طرف سے اسما کی آواز سنائی دی۔ وہ خوش ہو کر بول رہی تھی "اوگل خانم...... تم ہی ہو؟ کتنے دنوں کے بعد فون کیا ہے کہاں رہ گئی تھیں؟"

گل خانم نے کہا "اوہ ممی......! میں کیا بتاؤں؟ صرف آپ کے بیٹے پر مصیبت نہیں آئی مجھ پر بھی آئی تھی۔ آپ کے ذیشان کو تو دشمنوں نے جیل بھیج دیا اور مجھے میری ہی کوٹھی میں نظر بند رکھا گیا۔"

اسما نے کہا "دشمنوں پر خدا کی لعنت ہو۔ انہوں نے میرے بچے کو جیل میں بھیج دیا مگر میرا بیٹا کمزور نہیں ہے۔ ان سے زیادہ شہ زور ہے۔ کل رہائی پا کر یہاں آ رہا ہے۔"

بیگم آفتاب فون پر یہ باتیں سن رہی تھی۔ حیرانی سے دیدے پھیل گئے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ یہ اسما میرے بیٹے کی بیوی ہے تو پھر اس وقت ماں بن کر کیوں بول رہی ہے۔

گل خانم نے کہا "ممی......! میں نے آپ کو دیکھا تو نہیں ہے۔ اب تک آپ سے فون پر باتیں ہوتی رہی ہیں لیکن باتوں سے ہی اندازہ لگایا ہے کہ آپ ایک بہت ہی ممتا بھرا دل رکھنے والی خاتون ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ ساس ہونے کے باوجود اپنی بہو کو بھی ماں کا پیار دیتی ہوں گی۔"

اسما نے کہا "ہاں...... اصل بات یہ ہے کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ وہ بہو ہو کر میری بیٹی کی طرح تابعدار بن کر رہتی ہے تو میں بھی اس پر ممتا نچھاور کرتی رہتی ہوں۔ ہم دونوں ساس بہو کو تو پورے خاندان میں ماں بیٹی کہا جاتا ہے۔"

"آپ کی گفتگو سن کر آپ سے ملنے کے لیے دل مچلنے لگتا ہے۔ کیا آپ مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت دیں گی؟ مجھ سے ملنا پسند کریں گی؟"

اسما ذرا چپ ہوئی۔ سوچنے لگی کہ اسے کس طرح یہاں آنے کی اجازت دے؟ پہلے تو اپنے میاں ذیشان کو حقیقت بتانی ہوگی کہ وہ بیگم آفتاب بن کر گل خانم سے باتیں کرتی رہی ہے۔ اولاد کی محرومی کا جو مسئلہ ہے اسے تو حل کرنا ہی ہوگا۔ اس مسئلے سے فرار حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

اسما یہ بات خوب سمجھ رہی تھی کہ آئندہ کبھی گل خانم اس کی سوکن بن سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے سوکن بن کر آئے یا عارضی طور پر، بہرحال یہ تو ایک دن ہونا ہے تو پھر کیوں نہ اس سے کہیں ملاقات کی جائے۔

گل خانم نے پوچھا "ممی......! آپ خاموش کیوں ہو گئیں؟"

"کچھ نہیں...... میں یہ سوچ رہی ہوں کہ کل ذیشان رہا ہو کر گھر آنے والا ہے۔ پہلے میں اس سے اس سلسلے میں بات کروں گی پھر تم سے ملاقات کا وقت مقرر کر کے میں تمہیں خوش آمدید کہوں گی۔"

"ممی......! میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ آپ ناراض تو نہیں ہوں گی؟"

"ایسی کیا بات ہے کہ تمہیں میری طرف سے ناراضگی کا اندیشہ ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "دراصل بات یہ ہے، آپ نے کہا تھا کہ میری اور آپ کی یہ فون پر ہونے والی گفتگو راز میں رہے۔ کسی کو بتایا نہ جائے لیکن آج میں نے ذیشان کو یہ بات بتا دی ہے۔"

اسما نے پریشان ہو کر پوچھا "کیا بات بتا دی ہے؟ ذرا وضاحت کرو۔"

"یہی کہ آپ سے میرا بڑی رازداری سے فون پر رابطہ رہتا ہے۔"

اسما نے حیرانی سے پوچھا "تم نے ذیشان سے فون پر کہاں رابطہ کیا تھا۔ وہ تو جیل میں ہے؟"

"ہاں انہوں نے مجھے فون پر بتایا تھا کہ کل انہیں رہائی ملنے والی ہے۔ آپ کو بھی تو فون پر بتایا ہوگا؟"

"ہاں...... یہاں اس نے فون کیا تھا لیکن میں اس وقت گھر میں نہیں تھی۔ یہ خوش خبری مجھے مل چکی ہے اور میں کل کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے...... پھر میں کل کسی بھی وقت فون کروں گی۔"

"تم نہ کرنا۔ میں خود تمہیں کال کروں گی۔ اب آرام سے سو جاؤ۔ شب بخیر!"

اس نے ریسیور رکھا۔ بیگم آفتاب صوفے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آئی تو اسما ایک دم سے گھبرا گئی۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اسے گھورتی ہوئی بولی "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

اسما بری طرح گھبرا گئی تھی۔ اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر بولی "وہ...... وہ...... وہاں ایک خاتون ہیں۔ گل خانم آپ نے نام سنا ہوگا؟ ٹی وی اسکرین پر انہیں گاتے ہوئے سنا ہوگا؟ بہت اچھی خاتون ہیں۔ میں ان سے باتیں کر رہی تھی۔"

"وہ تو میں بھی سن رہی تھی لیکن یہ بتاؤ کہ تم میرے بیٹے کی شریکِ حیات ہو یا اماں جان ہو، کل تمہارا شوہر رہائی پا کر آ رہا ہے یا بیٹا......؟"

اس نے ہچکچا کر کہا "وہ ممی......! بات یہ ہے کہ ذیشان

اولاد کی خاطر اس خاتون سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر میں فون پر یہ کہہ دوں کہ ذیشان کی وائف ہوں تو وہ مجھے ہونے والی سوکن سمجھ کر شاید گفتگو نہ کرے۔ اس لیے میں آپ کے حوالے سے بول رہی تھی۔"

"میرے حوالے سے بول رہی تھیں لیکن مجھ سے باتیں نہیں کروا سکتی تھیں۔ جب وہ میرے بیٹے سے شادی کے لیے راضی ہے اور ہمارے لیے اولاد پیدا کر سکتی ہے تو کیا میں اس سے بات نہیں کر سکتی؟ کیا میں اس سے دشمنی کروں گی؟"

"پہلے میں اپنے اطمینان کے مطابق اس سے باتیں کر لینا چاہتی تھی پھر آپ سے ملوانا چاہتی تھی۔"

"تم اپنا اطمینان کیا کر رہی ہو؟ اطمینان تو ہمیں کرنا ہے کہ وہ ہونے والی دوسری بہو ہے کیسی اور وہ ہمارے خاندان میں ایڈجسٹ ہو سکے گی یا نہیں؟"

"بہو کیسی بھی ہو۔ اگر ساس سے محبت ملتی رہے تو وہ ایڈجسٹ ہو جاتی ہے۔ یہ تو میرا ہی حوصلہ ہے کہ میں آپ کو بھگت رہی ہوں۔"

"تم ہی نہیں بھگت رہی ہو، ہم بھی تمہیں بہو بنا کر پچھتا رہے ہیں۔ یہ بات لکھ لو کہ ذیشان سے تمہارا میاں بیوی کا رشتہ نہیں رہا ہے۔ ٹوٹ چکا ہے۔"

وہ ایک دم سے چونک کر بولی "خدا نہ کرے ایسا ہو۔ کیوں زہر اگل رہی ہیں؟ آپ کی تو یہ دلی آرزو ہے کہ میں کسی بھی طرح اپنے ذیشان سے الگ ہو جاؤں۔ وہ مجھے چھوڑ دیں اور آپ سجدۂ شکر ادا کریں۔"

"زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ میں کل ہی کسی اچھے عالم دین سے معلوم کروں گی کہ جو بیوی اپنے آپ کو شوہر کی ماں کہتی ہے اور شوہر کو اپنا بیٹا کہتی ہے۔ کیا اس سے نکاح قائم رہ سکتا ہے؟"

اسما کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی "آپ تو بات کا بتنگڑ بنانے میں مہارت رکھتی ہیں۔ اب آپ اس بات کو غلط انداز میں پھیلائیں گی لیکن میں جانتی ہوں یا میرا خدا جانتا ہے نہ میں نے دل سے انہیں بیٹا کہا اور نہ ہی خود کو ان کی اماں جان کہا ہے۔"

"دل سے نہ کہا ہو۔ زبان سے تو کہا ہے۔ جس زبان سے تین بار قبول کہہ کر میرے بیٹے کو مجازی خدا بنا لیا۔ اسی زبان سے اسے بیٹا بھی کہا۔ تمہارے اس دوغلے پن کے بارے میں جو بھی سنے گا یہی کہے گا کہ اب تم اس کی شریکِ حیات نہیں رہی ہو۔"

پھر بیگم آفتاب نے ایک مٹھی کو بھینچتے ہوئے کہا۔ ”بڑے عرصے کے بعد میرے شکنجے میں آئی ہو۔ میں نے کسی عالم دین سے تمہارے خلاف فتویٰ حاصل نہ کیا تو میرا بھی نام نہیں۔“

وہ بڑے فاتحانہ انداز میں وہاں سے پلٹ کر جانے لگی۔ اسما کے ہوش اڑ گئے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی ساس کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ دل تھا کہ بری طرح ڈوب رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کھڑے کھڑے گر پڑے گی پھر وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

بیگم آفتاب دروازہ کھول کر اندر آئی تو فلک آفتاب کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے پوچھا ”کہاں گئی تھیں؟ پتا نہیں کتنی رات ہو چکی ہے۔ اب تمہیں سو جانا چاہیے۔“

”اس گھر میں کیا خاک نیند آئے گی؟ یہاں تو طرح طرح کے تماشے ہوتے رہتے ہیں۔“

”اب کیا ہو گیا ہے؟“

”رشتے بدل رہے ہیں جو شوہر تھا وہ بیٹا بن گیا ہے اور جو بیوی تھی وہ اماں جان کہلانے لگی ہیں۔“

فلک آفتاب نے اسے حیرانی سے دیکھا پھر کہا۔ ”بیگم......! میرے پاس آؤ۔“

اس نے بیگم کی پیشانی کو چھو کر پوچھا ”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

بیگم نے اس کا ہاتھ جھٹک کر کہا ”کیا میں مذاق کر رہی ہوں یا پاگل ہو گئی ہوں؟ آپ کی وہ بہو اسما میرے بیٹے کو بیٹا کہہ رہی ہے اور میرے بیٹے کی ماں بن رہی ہے۔“

وہ اسے اسما اور گل خانم کی فون پر ہونے والی گفتگو تفصیل سے بتانے لگی۔ اس نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ ”بیگم......! یہ تو ہمارے لیے اچھی خبر ہے کہ ذیشان اولاد کے لیے دوسری شادی کے لیے راضی ہو گیا ہے اور کسی کو پسند بھی کر رہا ہے۔“

”آپ ابھی یہ بات رہنے دیں۔ کل ذیشان رہا ہو کر آئے گا تو میں گل خانم کا پتا پوچھ کر وہاں جاؤں گی۔ اس سے خود بات کروں گی۔ جب بیٹا اور گل خانم دونوں راضی ہیں تو جلد سے جلد ان کا نکاح پڑھوا دوں گی لیکن کیا وہ تہذیب کے خلاف رشتے کے خلاف اور دین کے خلاف اپنے شوہر کو بیٹا کہہ کر ازدواجی رشتے سے خارج نہیں ہو گئی ہے؟“

فلک آفتاب نے سوچنے کے انداز میں تائید کی ”ہاں اس سلسلے میں ہمیں کسی عالم دین سے رجوع کرنا چاہیے۔“

”کل صبح ہوتے ہی پہلا کام یہی کریں کسی بھی عالم دین سے ملاقات کر کے اس سے فتویٰ حاصل کریں۔ اس ز کمینی کو تو اب میں ایک منٹ کے لیے بھی اس گھر برداشت نہیں کروں گی۔“

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اس قدر طیش میں کیوں آ ہو؟ تمہیں تو غصہ کرنے کی بجائے خوش ہونا چاہیے۔ سے ایک موقع ہاتھ آیا ہے۔ ہم کل ہی اس بہو سے نج حاصل کرنے کے لیے اس کے خلاف فتویٰ حاصل کر گے۔ چلو...... لائٹ آف کر کے یہاں آ کر سو جاؤ۔“

بیگم نے لائٹ آف کر دی۔ کمرے میں اندھیرا ہو اسما کے کمرے میں روشنی تھی لیکن آنکھوں کے سامنے اند چھا رہا تھا۔ وہ بری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔ اسے سکون ملا رہا تھا۔ ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔ کبھی رو رہی تھی۔ آنسو صاف کر کے سوچ رہی تھی کہ میں نے دل سے ا شوہر کو بیٹا نہیں کہا ہے۔ یوں بیٹا کہہ دینے سے تو میں ا ماں نہیں بن جاؤں گی۔ یہ میری خوش دامن صاحبہ تو بس آ لگانا چاہتی ہیں۔ وہ تو میرا اور ذیشان کا رشتہ ہمیشہ کے لیے دینا چاہتی ہیں مگر میں اس دشمن عورت کو ہرگز ایسا نہیں کر دوں گی۔

وہ لائٹ آف کر کے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اسے صبح بجے سے پہلے سینٹرل جیل کے سامنے گاڑی لے کر پہنچنا ذیشان کے وکیل نے کہا تھا کہ وہ وہاں موجود رہے گا اور ا اللہ ذیشان کو ضرور رہائی حاصل ہو جائے گی۔

وہ بیڈ پر لیٹ گئی پھر سوچنے لگی کہ ذیشان کے جیل نکل کر کار میں بیٹھتے ہی وہ اسے اپنی یہ روداد سنائے گی۔ سے رو رو کر کہے گی کہ ہمارا رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ میں نے سے ایسا نہیں کہا تھا۔ صرف زبان سے کہا تھا اور زبان سے ہوئی سب باتیں سچ نہیں ہوتیں۔

وہ سوچتی رہی اور کروٹیں بدلتی رہی۔ اسے ہر لمحہ لگ رہا تھا جیسے اندر سے اس کی ساس کلیجہ نوچ رہی ہو۔

اسے پتا نہ چلا کہ کب تک انگاروں پر لوٹتی رہی؟ کانٹوں کے بستر پر بھی آ جاتی ہے۔ آخر اسے بھی آ گئی اس پر اتنی بڑی قیامت آنے والی تھی کہ نیند میں بھی پُرسکون نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے دیکھا کھٹ کھٹ کی آ سنائی دے رہی ہے پھر عدالت میں بیٹھے ہوئے جج نے لکڑی کا ہتھوڑا مارتے ہوئے کہا ”آرڈر...... آرڈر......“

سب خاموش ہو گئے۔ اس خاموشی میں جج نے سنایا ”مسماۃ اسما بانو زوجہ فلک ذیشان حیات نے چونکہ بوجھ کر رشتہ تبدیل کیا ہے اپنے ہوش و حواس میں رہ کر ا

شوہر کو بیٹا کہا ہے اور خود کو شوہر کی ماں کہا ہے۔ لہٰذا مسماۃ اسما بانو اپنے شوہر کے ازدواجی رشتے سے خارج ہو چکی ہے۔ آئندہ یہ ذیشان کے ساتھ ایک چھت کے نیچے زندگی نہیں گزارے گی۔“

وہ رو رو کر کہہ رہی تھی ”خدا کے لیے ایسا فیصلہ نہ سناؤ۔ میں اپنے ذیشان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ مر جاؤں گی مگر اس رشتے کو ٹوٹنے نہیں دوں گی۔“

اسے بیگم آفتاب دکھائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی ”رشتہ تو ٹوٹ چکا ہے۔ اب تمہاری جگہ خالی ہو چکی ہے۔ تمہاری جگہ اب گل خانم بہو بن کر آئے گی۔“

یہ کہہ کر بیگم آفتاب قہقہے لگا رہی تھی۔ اس کے پیچھے فلک آفتاب اور دوسرے رشتے دار اس پر چھی چھی تھو تھو کر رہے تھے۔ وہ روتی ہوئی دوڑتی ہوئی ذیشان کے پاس آئی پھر بولی ”یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ دنیا میرے ساتھ کیسا سلوک کر رہی ہے۔ آپ فیصلہ کریں۔ کیونکہ آپ کے فیصلے سے میری زندگی سنور سکتی ہے۔“

ذیشان نے ناگواری سے کہا ”میں تمہاری زندگی کیسے سنواروں؟ جبکہ تم نے اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری ہے خود اپنی زبان سے رشتے کو بدل دیا ہے۔“

”نہیں...... میں مر جاؤں گی مگر آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔“

”تمہیں تو جانا ہی ہوگا۔ نہیں جاؤ گی تو تمہیں ٹھوکریں ماری جائیں گی۔“

یہ کہہ کر ذیشان نے ایک طمانچہ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ گہری گہری سانسیں لے کر کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ بیڈ پر تنہا تھی۔ اس نے اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر خود کو تسلی دی کہ خدا کا شکر ہے یہ ایک خواب تھا۔

یہ خواب تھا کہ آگاہی تھی۔ کبھی کبھی خواب کے ذریعے بھی پیش آنے والی کسی بات کی آگاہی مل جاتی ہے۔

☆☆☆

دردانہ پبلو ماسٹر اور راجے ملہوترا کے ساتھ ایک محل کے سامنے پہنچ گئی۔ اس محل کے بڑے سے آہنی دروازے پر نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا ”دانیال پیلس“ وہ بڑا سا آہنی گیٹ کھلتا چلا گیا۔ اس کی کار اس محل کے اندر داخل ہوئی۔ آگے پیچھے مسلح گارڈز کی گاڑیاں تھیں۔

دردانہ کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بادشاہ وقت کے شاہی محل میں جا رہی ہو۔ جب وہ محل کے اندر پہنچی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سچ مچ کسی بادشاہ کا محل ہو۔ ایسے قیمتی ساز و سامان سے آرائش کی گئی تھی کہ آنکھیں ایک جگہ نہیں ٹھہرتی تھیں۔ وہ کبھی ادھر دیکھتی کبھی ادھر۔

شہباز درانی کے محل کی طرح وہاں بھی باہر اور اندر ہر طرف مسلح گارڈز الرٹ کھڑے تھے۔ حتیٰ کہ وہاں دیگر ملازمین اور خادماؤں کی کمر سے بھی ریوالور لگے دکھائی دے رہے تھے۔

راجے ملہوترا نے محل کے ایک حصے میں پہنچ کر دردانہ سے کہا۔ ”مسز دامودر آپ اپنا موبائل فون مجھے دے دیں۔“

وہ پریشان ہو کر بولی ”آپ مجھ سے موبائل فون کیوں لے رہے ہیں؟ مجھے ابھی اپنے ایک آدمی سے بات کرنا ہے۔“

”آپ ایک ہی خاص آدمی سے کیوں۔ ہزاروں خاص آدمیوں سے بات کریں۔ ہم اپنے فون پر باتیں کرائیں گے۔ پلیز...... کوئی بحث نہ کریں۔ موبائل فون مجھے دے دیں۔“

اس نے پریشان ہو کر سہارے کے لیے پبلو ماسٹر کی طرف دیکھا تو وہ بولا ”اپنا فون انہیں دے دو۔ جب تم یہاں سے جانے لگو گی تو میں تمہارا فون تمہیں واپس دلا دوں گا۔“

اس نے مجبوراً پرس میں سے موبائل فون نکال کر راجے ملہوترا کی طرف بڑھا دیا۔ اسے دیتے وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے شہباز درانی کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ رہا ہو۔ وہی ایک سہارا تھا جس کے ذریعے وہ اس سے رابطہ کر کے اس سے مشورے لے سکتی تھی۔ اب سے پہلے یہ آسرا تھا کہ شہباز کا کوئی آدمی اس کی نگرانی کر رہا ہے وہ اس کی حفاظت کرتا رہے گا لیکن تقدیر نے وہ آسرا بھی ختم کر دیا تھا۔

اچانک وہاں کھڑے ہوئے مسلح گارڈز الرٹ ہو گئے۔ ایک چھوٹے قد کا آدمی وہاں آیا تھا۔ وہ پانچ فٹ کا ہوگا لیکن اتنا موٹا تھا کہ اور بھی چھوٹا لگتا تھا۔ وہ جب کمرے میں آیا تو ایسا لگا جیسے فٹ بال لڑھکتا ہوا آ رہا ہے۔ جسم پر ریچھ کی طرح بال ہی بال دکھائی دے رہے تھے لیکن سر گنجا تھا۔ وہ سر منڈوانے کا عادی تھا پھر اس پر کچھ ایسا لوشن لگا تھا کہ اس وقت وہ مرکری کے بلب کی طرح چمک رہا تھا۔

راجے ملہوترا بھی اسے دیکھ کر بالکل الرٹ ہو گیا تھا پھر اس نے آگے بڑھ کر کہا ”باس...... یہ پبلو ماسٹر ہیں۔“

پھر وہ پبلو ماسٹر کی طرف پلٹا ”یہ ہمارے باس ڈی کے

دانیال ہیں۔“

دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ دانیال نے مسکراتے ہوئے کہا ”ماسٹر......! میں نے آپ کی بڑی تعریفیں سنی ہیں۔ یورپ اور امریکا کے ٹاپ میگزین میں آپ کے انٹرویو شائع ہوتے رہے ہیں۔ میں نے آپ کو ٹی وی چینلز پر بھی دیکھا ہے۔“

پبلو ماسٹر نے کہا ”میرے آپ جیسے قدردان ہیں اسی لیے میری اتنی قدر کی جاتی ہے اور مجھے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بلایا جاتا ہے۔“

”آپ ابھی سفر سے آرہے ہیں۔ تھکے ہوئے ہوں گے۔ گھنٹے دو گھنٹے آرام کرلیں پھر باتیں ہوں گی۔“

پھر وہ دردانہ کی طرف گھوم کر بولا ”یہ کون ہیں؟“

اجے ملہوترا نے کہا ”باس......! یہ پبلو ماسٹر کے ساتھ آئی ہیں۔“

ڈی کے دانیال نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر دردانہ کو دیکھا پھر کہا ”اچھا اچھا سمجھ گیا۔ انہیں ان کے کمرے میں بھیج دو اور تم میرے پاس آؤ۔“

وہ وہاں سے پلٹ کر چلا گیا۔ اجے ملہوترا نے دو خادماؤں سے کہا ”مہمانوں کو ان کے کمرے میں پہنچا دو۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

دردانہ پبلو ماسٹر کے ساتھ ایک کمرے کی طرف چلی گئی۔ اجے ملہوترا وہاں سے پلٹ کر دوسرے کمرے میں آیا۔ وہاں ڈی کے دانیال اور آکاش دامودر بڑی بے تکلفی اور آرام دہ کرسیوں پر شاہانہ انداز سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اجے ملہوترا نے آکاش دامودر کے سامنے اٹینشن ہو کر کہا ”باس......کیا آپ نے اسے دیکھا؟“

آکاش دامودر نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا ”میں یہاں سے چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ نیلماں چوبیس برس کی تھی لیکن یہ تو عمر میں مجھ سے زیادہ لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے پتا چل رہا تھا کہ وہ پریشان ہے اور سہمی ہوئی بھی ہے۔“

دانیال نے کہا ”ابھی پتا چل جائے گا کہ یہ کون ہے؟ تم ریکارڈنگ مشین اس فون سے منسلک کردو اور اسے کہو کہ وہ اپنے کسی خاص آدمی سے بات کرلے۔“

اجے ملہوترا اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگا۔ دردانہ ایک بیڈ روم میں ماسٹر کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ وہ محسوس کررہی تھی کہ کسی مصیبت میں پھنسنے والی ہے۔ پبلو ماسٹر اسے دیکھ رہا تھا اور اس کی پریشانیوں کو سمجھ رہا تھا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے اس کے سامنے رک گئی پھر بولی ”مجھے لگتا ہے، تمہاری پیش گوئی درست ثابت ہو ہے۔ میں کسی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔“

وہ بے بسی سے ہاتھ ہلا کر بولا ”میں کیا کرسکتا ہوں؟ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مصیبتیں نازل ہونے والی ہیں۔ کب نازل ہوں گی اور کیسے نازل ہوں گی؟ یہ میں بھی نہ جانتا تھا۔ تم نے میرا سہارا مانگا اور میں نے سہارا دے د میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم یہاں آکر کسی مصیبت میں پھنس گئی ہو ویسے خدا بہتر جانتا ہے۔“

”میں اپنے آدمی سے بات کرنا چاہتی ہوں مگر انہو نے موبائل لے لیا ہے۔ کیا میں یہ فون استعمال کرسک ہوں؟“

”جب ہم اس کمرے میں ہیں اور انہوں نے یہ ک ہمیں دیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ فون بھی ہم استعمال کرسکیں گے تمہیں کرنا چاہیے۔“

دردانہ نے فون کی طرف دیکھا پھر ہچکچا کر کہا ”لیکن ا فون کا کنکشن دوسرے کمروں میں بھی ہوسکتا ہے۔“

اسے اجے ملہوترا کی آواز سنائی دی ”یہاں ہر کمرے فون الگ الگ ہے۔ کسی کا کنکشن ایک دوسرے سے نہیں ہے۔ آپ جس سے چاہیں بات کرسکتی ہیں۔“

پھر اس نے پبلو ماسٹر سے کہا ”ماسٹر! آپ کو دانیا صاحب نے یاد کیا ہے۔“

ماسٹر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ”تمہیں یہا فون کرنے کی آزادی ہے۔ جس سے چاہو باتیں کرو۔ م ابھی آتا ہوں۔“

وہ اجے ملہوترا کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر فون کی طرف دیکھنے لگی۔ اگرچہ ابھی یہ کہا تھا کہ اس فون کا کنکشن کسی دوسرے کمرے سے نہیں ہے تاہم وہ یقین نہیں کرسکتی تھی۔ دھوکا بھی ہوسکتا تھا۔

مگر وہ کیا کرے؟ فون تو کرنا ہی تھا۔ شہباز سے کسی طرح رابطہ کرنا تھا۔ اسے اپنی آواز سنائی تھی۔ اس سے مشورے لینے تھے۔ دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ ایسا لگ ر تھا۔ جیسے کسی شکنجے میں کسی جارہی ہے۔

اس نے پھر فون کی طرف دیکھا۔ بس وہی ایک بیسا تھی۔ جس کے سہارے وہ کھڑی ہوسکتی تھی۔ یہ بیساکھی ٹو بھی سکتی تھی۔ اسے گرا بھی سکتی تھی اور ہوسکتا ہے کہ ا سنبھال بھی لے۔

وہ شاید ہی کبھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی تھی لیکن جب وقت آتا ہے تو کافر بھی خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اس نے اللہ

ٹھ کر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے پھر رابطے کا انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف فون کی بیل بج رہی تھی۔ تیسری بیل پر ہی اسے شہباز کی آواز سنائی دی ”ہیلو......کون؟“

وہ جلدی سے بولی ”میں بول رہی ہوں۔ میں......“

وہ بولا ”تم نے موبائل بند کیوں رکھا ہے؟ میں کتنی دیر سے کوشش کررہا ہوں اور تم موبائل چھوڑ کر اس فون سے بات کیوں کررہی ہو؟“

”میں مجبور ہوں۔ میرے میزبان نے مجھ سے موبائل لے لیا ہے۔“

وہ چونکنے کے انداز میں بولا ”او...... آئی سی...... اس وقت تم کہاں ہو؟“

”میں ایک بہت بڑے محل میں ہوں۔ مسٹر ڈی کے دانیال کوئی بہت ہی امیر کبیر شخص ہے۔ بہت ہی بااختیار معلوم ہوتا ہے۔ ان کی کوٹھی کے اندر باہر مسلح گارڈز موجود رہتے ہیں۔ میں نے پہلی بار یہاں کے ملازموں کو بھی اپنے ساتھ گن رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں تو یہاں پہنچتے ہی مسٹر دانیال سے متاثر ہوگئی ہوں۔“

”تمہاری باتوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر دانیال بہت ہی سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ تم نے جو فون نمبر مجھے دیا ہے وہ شاید ان کا ہی ہے۔ میں ابھی ان سے بات کروں گا۔“

”اور میرے لیے جہاں رہائش کا بندوبست کیا ہے۔ مجھے وہاں پہنچا دو۔“

”تم فکر نہ کرو۔ ابھی سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میں تم سے دوبارہ اسی نمبر پر رابطہ کروں گا۔“

دوسرے کمرے میں آکاش دامودر ٹیلی فون کے پاس بیٹھا ریکارڈنگ مشین کے ذریعے دردانہ اور شہباز کی ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ ادھر فون کا رابطہ ختم ہوا تو اس نے بھی ریکارڈنگ مشین بند کردی۔

دانیال نے کہا ”یہ تمہاری نیلماں ہے یا نہیں؟ جلد ہی معلوم ہوجائے گا۔ فی الحال اس کے ساتھ کوئی لمبا چکر ہے اور جو شخص اس سے ابھی بول رہا تھا۔ وہ بہت ہی چالاک ہے اور تمہاری یہ نیلماں بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اس نے باتوں باتوں میں ہی یہ کہہ دیا کہ میں بہت ہی بااختیار ہوسکتا ہوں۔ میرے محل کے باہر اور اندر صرف مسلح گارڈز ہی نہیں بلکہ ملازم بھی مسلح رہتے ہیں۔“

آکاش دامودر نے ہنستے ہوئے کہا ”اور وہ کم بخت اتنا کچھ سننے کے بعد بھی کہہ رہا تھا کہ تم کوئی سلجھے ہوئے انسان ہو۔ یعنی ہمیں الو بنا رہا تھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا ہوگا کہ ہم اس کی اور نیلماں کی گفتگو ضرور سن رہے ہیں۔“

اس کے فون کا بزر سنائی دیا۔ دانیال نے کہا ”وہی تمہیں فون کررہا ہوگا۔“

اس نے موبائل کو نکال کر اس میں نمبر پڑھے پھر ہاں کے انداز میں سر ہلا کر اسے آن کرکے کان سے لگایا پھر کہا۔ ”ہیلو......کون......؟“

شہباز نے کہا ”میں نیلماں دامودر کا کزن بول رہا ہوں۔ اسی نے مجھے یہ نمبر دیا تھا کہ میں آپ سے رابطہ کروں۔“

آکاش نے کہا ”اچھا...... سمجھ گیا لیکن یہ میرے باس کا فون ہے اور وہ اس وقت میٹنگ میں ہیں۔ آپ آدھے گھنٹے کے بعد فون کریں۔“

اس نے رابطہ ختم کیا پھر وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ”دانیال......! تم پبلو ماسٹر سے باتیں کرو۔ میں ابھی نیلماں کی حقیقت معلوم کرتا ہوں۔“

وہ وہاں سے نکل کر اس کمرے سے باہر آیا پھر محل کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا اس کمرے میں آیا۔ جہاں نیلماں پریشان بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ دونوں چند لمحوں تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر آکاش دامودر نے کہا ”تم مجھے دیکھ کر نہ حیران ہورہی ہو نہ خوشی کا اظہار کررہی ہو؟ کیا میں تمہارے لیے اجنبی بن گیا ہوں؟“

اس کی اس بات نے دردانہ کو اور زیادہ پریشان کردیا۔ وہ بولی ”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کیا ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں؟ آپ کا مطلب ہے میں آپ کو جانتی ہوں اور اس وقت اجنبی سمجھ رہی ہوں؟“

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا ”تمہیں کیا ہوگیا ہے نیلماں......! تم نیلماں دامودر ہو اور اپنے آکاش دامودر کو نہیں پہچان رہی ہو؟“

اس نے حیران ہو کر پوچھا ”آکاش! دامودر! کیا......؟ کیا میں تمہیں پہچانتی ہوں؟ او گاڈ...... یہ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے؟“

وہ اچانک ہی اپنی عادت کے مطابق مکاری پر اتر آئی۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولی ”میرا سر چکرا رہا ہے۔ پلیز......ایک گلاس پانی پلائیں۔“

یہ کہہ کر وہ کرسی پر دھپ سے بیٹھ گئی۔ ایسے وقت اس کے مکار ذہن نے پاشا کے متعلق سوچا کہ وہ اپنی یادداشت کھو چکا تھا۔ اس کے ساتھ فراڈ کیا جارہا تھا اور وہ اس فراڈ کو

سچ سمجھ رہا تھا۔ شہباز اور دردانہ کو اپنے والدین سمجھ رہا تھا۔

اب اس کی مکاری اسے سمجھا رہی تھی کہ اسے بھی یادداشت کے گم ہوجانے کا ناٹک کرنا چاہیے۔ آکاش دامودر اس کے لیے ایک گلاس میں پانی لے آیا۔ وہ آنکھیں بند کیے دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بولا ''نیلماں...... پانی پیو۔''

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا پھر گلاس کو لے کر اسے منہ سے لگایا اور یوں پانی پینے لگی جیسے اندر سے بالکل خالی ہوگئی تھی اور اب مدتوں کے بعد خود کو سیراب کررہی ہو۔

وہ گلاس خالی کرنے کے بعد گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا ''نیلماں...... تمہیں کیا ہوگیا ہے؟''

وہ پریشان ہوکر بولی ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے۔''

''تمہارے ساتھ کیا ہورہا ہے؟ یہی میں سننا اور سمجھنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے کیوں نہیں پہچان رہی ہو؟''

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا ''پلیز...... مجھے پانچ منٹ کے لیے خاموش رہنے دو پھر میں بات کروں گی۔''

آکاش خاموش رہا۔ اس کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ان پانچ منٹ میں دردانہ نے سوچا ''یہ اپنا نام آکاش دامودر بتا رہا ہے اور میرا نام نیلماں دامودر ہے۔ یہ مجھ سے اپنائیت بھی ظاہر کررہا ہے اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میں اسے کیوں نہیں پہچان رہی ہوں؟ اس کا مطلب ہے کہ اس کا اور نیلماں دامودر کا کوئی گہرا رشتہ تھا۔''

وہ سوچ رہی تھی۔ نیلماں کے اندرونی حالات کا علم شہباز کو بھی نہیں تھا۔ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ دامودر اس کے باپ کا نام ہوگا اور اس لیے وہ خود کو نیلماں دامودر کہتی ہے لیکن یہ جو میرے سامنے ہے یہ باپ کی عمر والا نہیں ہے یا تو نیلماں کا عاشق ہے یا پھر اس کا شوہر ہے۔ تب ہی وہ اپنے نام کے ساتھ اس کا نام لگاتی ہے اور خود کو نیلماں دامودر کہتی ہے۔''

وہ تیزی سے سوچ رہی تھی ''ایک بات اور بھی میری سمجھ میں آرہی ہے۔ جس طرح شہباز درانی پاکستان میں بہت ہی وسیع ذرائع اور بے انتہا اختیارات کا مالک ہے۔ اسی طرح یہ ڈی کے دانیال اور آکاش دامودر بھی بھارت میں وسیع ذرائع اور وسیع اختیارات کے مالک ہیں۔ شہباز کی طرح یا تو بہت بڑی سیاسی طاقت کے ایجنٹ ہیں یا پھر انڈر ورلڈ کے بہت بڑے مجرم ہیں۔''

وہ تیزی سے سوچنے لگی کہ اسے اب کیا کہنا چاہیے؟ کیا کرنا چاہیے؟

ایسے وقت اسے پیشانی پر ایک مردانہ سخت ہاتھ محسوس ہوا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ آکاش اس پر جھک کر کہہ رہا تھا ''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بیڈ پر لیٹ جاؤ۔''

وہ بولی ''بیڈ پر لیٹنے یا سونے سے میری پرابلم حل نہیں ہوگی۔''

''یہی تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری پرابلم کیا ہے؟''

''شاید تم یقین نہ کرو۔ میں اپنے آپ کو بھول گئی ہوں مجھے کچھ یاد نہیں آرہا ہے میں کون تھی؟ کہاں تھی اور کہاں۔ پاکستان پہنچ گئی تھی؟''

وہ بولا ''اوہو...... اب میں سمجھا۔ اسی لیے تم مجھے پہچان نہیں پارہی ہو۔''

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی ''اگر تم مجھے پہچان گئے ہو تو بتاؤ میں کون ہوں؟''

''تم میری دھرم پتنی ہو۔ میں تمہارا پتی ہوں۔ ہم نے ماسکو میں کورٹ میرج کی تھی۔''

دردانہ اسے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ خواہ مخواہ حیران ہورہی تھی پھر وہ سوچنے کے انداز میں بولی ''ماسکو......؟ ہاں مجھے یاد آرہا ہے۔ پتا نہیں کتنے دن گزر گئے۔ جب ایک دن میری آنکھ کھلی تو ایسا لگا جیسے میں بہت لمبی نیند کے بعد جاگی ہوں۔ جاگنے کے بعد معلوم ہوا کہ مجھے اپنے بارے میں کچھ یاد نہیں ہے۔ تب میرا علاج کرانے والے ایک شخص نے کہا کہ میرا نام نیلماں دامودر ہے اور میں ماسکو سے پاکستان آئی تھی۔ وہاں بیمار ہوگئی تھی۔ اس لیے میرا علاج کروایا جارہا تھا۔''

وہ حیرانی سے بولا ''لیکن تم تو ایک برس پہلے ماسکو سے پاکستان گئی تھیں؟ اس کے بعد کہیں گم ہوگئی تھیں؟ کیا تم اس وقت کی باتیں کررہی ہو؟''

''مجھے کیا پتا کہ ایک برس گزر چکا ہے یا دس برس گزر چکے ہیں؟ مجھے تو یہ کل ہی کی بات لگ رہی ہے۔ جس نے میرا علاج کرایا تھا۔ اس نے مجھے میرا پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات دیئے پھر کہا کہ مجھے ممبئی جانا چاہیے۔ وہاں میرے رشتے دار ہیں اور وہ مجھے لینے کے لیے ائرپورٹ آئیں گے۔''

وہ ایک ذرا توقف سے بولی ''میں خود کو پہچانتی نہیں تھی۔ تنہا سفر کرنے سے ڈر رہی تھی۔ اس نے کہا کہ جہاز میں میرا ایک نگرانی کرنے والا شخص ہوگا۔ وہ دور ہی دور سے میری نگرانی کرتا رہے گا اور ممبئی پہنچنے کے بعد میرے رشتے داروں سے مجھے ملوا دے گا لیکن یہاں پہنچ کر میں بھٹک رہی ہوں۔ ابھی تک اس شخص کا کوئی آدمی میرے پاس نہیں آیا ہے۔''

آکاش اس کی باتوں سے متاثر ہورہا تھا۔ وہ جھوٹ کو اس طرح سچ بنا کر بول رہی تھی کہ وہ اس کی باتوں کا یقین کرتے ہوئے بولا ''ہاں...... وہ شخص بہت چالاک ہے۔ اس نے تمہیں بھٹکانے کے لیے بھیج دیا ہے لیکن بھگوان کی کرپا سے تم ٹھیک جگہ پہنچی ہو۔ یہ بتاؤ اس آدمی کا نام کیا تھا؟''

اسے جلدی میں کوئی اور نام یاد نہیں آیا۔ وہ بولی ''اس کا نام سلطان راہی تھا۔''

آکاش نے حیران ہوکر پوچھا ''سلطان راہی......؟ یہ تو پاکستانی فلموں کا بہت ہی مشہور ہیرو تھا۔ گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں اس کا نام درج ہے لیکن وہ تو مر چکا ہے؟''

''میں اس سلطان راہی کی نہیں۔ بلکہ اس آدمی کی بات کررہی ہوں جس نے مجھے اپنا نام سلطان راہی بتایا تھا۔''

آکاش نے کہا ''وہ کوئی چالباز ہے۔ اب میں تمہیں سچ بتاتا ہوں۔ ابھی تم نے تھوڑی دیر پہلے اس شخص سے رابطہ کیا تھا تو ہم نے تمہاری اور اس کی باتیں سنی تھیں۔ اس کی باتوں سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ بہت بڑا چالباز ہے اور تمہارے ذریعے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ تم کہاں پہنچی ہوئی ہو؟''

دردانہ اسے دیدے پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ سن کر اطمینان ہورہا تھا کہ فون کال سننے کے باوجود شبہ نہیں کیا جارہا ہے۔ صرف شہباز کو چال باز سمجھا جارہا ہے۔

پھر وہ پریشانی ظاہر کرتے ہوئے بولی ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کسے سچا سمجھوں اور کسے جھوٹا؟ تم کہہ رہے ہو کہ میں تمہاری دھرم پتنی ہوں اور تم میرے پتی ہو۔ ادھر وہ سلطان راہی بھی کہہ رہا تھا کہ وہ میرے باپ بلراج دامودر کا دوست ہے۔ چونکہ میں بلراج دامودر کی بیٹی ہوں۔ اس لیے نیلماں دامودر کہلاتی ہوں۔''

آکاش دامودر نے اپنی ران پر ہاتھ ملتے ہوئے کہا ''وہ جھوٹا اور چالباز ہے۔ وہ نہیں جانتا ہے کہ میں نے اور تم نے بڑی رازداری سے کورٹ میرج کی تھی۔ میں آکاش دامودر ہوں۔ اس لیے تم شادی کے بعد نیلماں دامودر کہلاتی ہو۔ اب دیکھو...... میں اس شخص کو کیسے الو بناتا ہوں۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا ''میرے پاس آؤ۔''

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر اس سے کتراتے ہوئے بولی ''مجھے اپنے قریب نہ بلاؤ۔ پہلے مجھے یقین ہونے دو کہ تم سچ بول رہے ہو اور میں واقعی تمہاری دھرم پتنی ہوں۔ دیکھو......! میری بات کا برا نہ ماننا میں پہلے بھی دھوکا کھا چکی ہوں۔''

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا ''تم درست کہہ رہی ہو۔ میں تمہیں یقین دلانے کی کوشش کرتا رہوں گا کہ ہم دونوں پتی پتنی ہیں۔ بہرحال میرے ساتھ آؤ۔''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے جانے لگا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگی کہ دشمنوں میں پھنسنے کے باوجود آزاد ہے اور بھید کھلنے کے بعد جو جان کا دشمن بن سکتا تھا وہ اس کی باتوں میں آکر اس پر اعتماد کررہا ہے۔

پبلو ماسٹر نے کہا تھا کہ مصیبت کے وقت کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ صرف اپنی ذہانت اور تدبیر کام آتی ہے اور واقعی اس نے بڑی ذہانت سے یا مکاری سے کام لیا تھا۔ حاضر دماغی سے فوراً ہی ترکیب سوچی تھی اور عمل کیا تھا' جس کے نتیجے میں وہ بڑی حد تک محفوظ ہوگئی تھی۔

وہ تدبیر کے ہتھیار سے تقدیر کو مات دینے کی کوشش کررہی تھی لیکن پوری طرح نتیجہ سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ خود اندر ہی اندر گھبرا رہی تھی کہ جو چال چل رہی ہے۔ اس میں آئندہ کہاں تک کامیاب رہے گی؟ کیا وہ اپنا بچاؤ جب تک کرتی رہے گی تب تک شہباز درانی اسے وہاں سے بچا کر لے جائے گا؟

پبلو ماسٹر ایک کمرے میں ڈی کے دانیال کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ رہا تھا۔ ڈی کے دانیال نے پہلے بھی کسی دوسرے نجومی سے اپنا زائچہ بنوا کر رکھا تھا۔ پبلو ماسٹر نے اس زائچے کو پڑھا تھا اور اس کے ذریعے اس نے یہ معلوم کیا تھا کہ دانیال اپنے مزاج کے خلاف کوئی بھی بات برداشت نہیں کرتا ہے۔

اب وہ اس کا ہاتھ پڑھتے ہی سوچ رہا تھا کہ اسے کیا بتائے؟ کیونکہ ہاتھ کی لکیریں دانیال کے مزاج کے خلاف بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ اس نے پوچھا ''کیا ہوا ماسٹر......! اتنی دیر سے چپ ہو۔ کچھ بولو تو سہی۔''

وہ کھنکار کر گلا صاف کرکے بولا ''آپ ملک سے باہر جانے والے تھے لیکن آپ نے اچانک ارادہ بدل دیا۔''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ ماسٹر نے کہا

"آپ کو یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔ آپ نے یہاں رک کر اچھا نہیں کیا۔"

"کیوں اچھا نہیں کیا؟ کیا مجھے کوئی نقصان پہنچنے والا ہے؟"

پبلو ماسٹر نے ایک گہری سانس لی اور دل ہی دل میں کہا۔ "اب تو بتانے کا وقت گزر چکا ہے۔ میں اس شخص کو کیا بتاؤں؟ لیکن بات تو بنانی ہی ہوگی۔"

اس نے کہا "یہاں آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ دشمن آپ کو چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "یہ کون سی نئی بات بتا رہے ہو؟ میری تو زندگی ہی دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے گزر رہی ہے۔"

"آپ دشمنوں سے جنگ کرتے رہتے ہیں۔ وہ الگ بات ہے لیکن اس بار آپ کو دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور آپ پر جان لیوا حملہ ہونے والا ہے۔"

"تمہاری اس بات میں کس حد تک سچائی ہے؟"

"اس حد تک کہ آپ بچ بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی بچ سکتے۔"

"میں کس طرح بچ سکتا ہوں؟"

ایسے وقت دردانہ آکاش دامودر کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہو رہی تھی اور ماسٹر دانیال سے کہہ رہا تھا "آپ اس طرح بچ سکتے ہیں کہ آپ کی بلا دوسرے کے سر آ جائے۔ آپ پر ہونے والا حملہ دوسرے پر ہو جائے۔ یعنی گولی آپ کی طرف چلائی جائے مگر وہ کسی دوسرے کو لگ جائے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک زوردار دھماکا سا ہوا۔ بہت بڑی کھڑکی کے شیشے ٹوٹ کر کمرے کے اندر بکھرتے چلے گئے۔ دردانہ کھڑکی کے قریب تھی۔ اس لیے سب سے زیادہ وہی متاثر ہوئی۔ اسے تو یوں لگا جیسے اس کے چہرے اور بدن پر نوکیلے تیر پیوست ہو رہے ہوں۔ وہ چیخیں مارتی ہوئی فرش پر گر پڑی۔ اس کے بعد اسے ہوش نہیں رہا۔

باہر سے تڑاتڑ فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کمرے کے اندر جہاں جہاں گولیاں لگ رہی تھیں۔ وہاں کی چیزیں ٹوٹ رہی تھیں۔ بکھر رہی تھیں۔ جس طرح موت سے پہلے انسان آخری بار چیخیں مارتا ہے۔ اسی طرح ٹوٹنے والی چیزیں ٹوٹ رہی تھیں۔ چیخ رہی تھیں۔ آرائش کے تمام قیمتی سامان آخری ہچکیاں لے رہے تھے۔

وہ سب فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ آکاش دامودر اور ڈی کے دانیال لڑھکتے ہوئے مختلف دیواروں سے جا کر لگ گئے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی اپنے اپنے موبائل فون کے ذریعے رابطہ کر رہے تھے اور چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے "یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہمارے تمام گارڈز کہاں ہیں؟ یہ حملہ کرنے والے اندر کیسے گھس آئے ہیں؟"

دوسری طرف سے آکاش کہہ رہا تھا "انہیں بھون کر رکھ دو۔ زندہ جانے نہ دو لیکن دو چار کو زندہ گرفتار کر لو۔ ہم ان سے بہت کچھ اگلوا سکیں گے۔"

دوسری طرف سے کہا جا رہا تھا کہ وہ حملہ آوروں کو پسپا کر رہے ہیں۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد خاموشی چھا گئی۔ دوسری طرف سے بتایا گیا کہ جو بھی زندہ بچے تھے وہ فرار ہو گئے ہیں۔ ان میں سے چار مر چکے ہیں۔ دو زخمی پڑے ہیں اور دو کو فرار ہونے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا ہے۔

جب اطمینان ہوا کہ حملہ آور فرار ہو چکے ہیں اور اب حملہ نہیں ہوگا تو وہ دونوں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ تب انہوں نے پبلو ماسٹر اور دردانہ کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کے لباس لہو سے تربتر ہو رہے تھے۔ پہلی نظر میں لگ رہا تھا کہ وہ حملہ آوروں کی گولیوں کا نشانہ بن چکے ہیں اور شاید آخری سانسیں بھی لے چکے ہیں۔

ڈی کے دانیال نے پبلو ماسٹر کے قریب پہنچ کر جھک کر اسے دیکھتے ہوئے کہا "اوہ گاڈ! یہ اپنے علم کا سچا ہے۔ اس نے ابھی کہا تھا کہ مجھ پر حملہ کیا جائے گا۔ اگر میری بلا کسی اور کے سر چلی جائے۔ میری طرف آنے والی گولیاں کسی دوسرے کی طرف چلی جائیں تو میں بچ جاؤں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میں بچ گیا ہوں اور جو میری موت کی پیش گوئی کرنے والا تھا۔ وہ نیم مردہ حالت میں پڑا ہوا ہے۔"

آکاش دامودر نے دردانہ کی کلائی تھام کر نبض ٹٹولتے ہوئے کہا "یہ ابھی زندہ ہے۔ ماسٹر کا کیا حال ہے؟"

دانیال کا ہاتھ پبلو ماسٹر کے سینے پر رکھا ہوا تھا۔ اس نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ہی از نو مور۔"

وہ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا "یہ نجومی کیا ہوتے ہیں؟ دوسروں کی زندگی اور موت کی تو پیشگوئی کرتے رہتے ہیں مگر اپنی موت کا علم انہیں نہیں ہوتا۔"

میں پبلو ماسٹر کے بارے میں جانتا تھا۔ اس سے پہلے بھی دو بار ایسا ہو چکا تھا ہاتھ کی لکیر نے کہا تھا کہ اسے موت آ سکتی ہے لیکن وہ بچ بھی سکتا ہے۔

بشرطیکہ اس کی طرف آنے والی موت اپنا رخ بدل کر دوسرے کی طرف چلی جائے۔ اسی طرح دانیال کے ہاتھ کی لکیر بھی پبلو ماسٹر کو یہی کہہ چکی تھی کہ اس کی موت آ سکتی ہے اور ٹل بھی سکتی ہے۔ اس کی آئی ہوئی کسی دوسرے کو آ سکتی ہے۔ اور یہی ہوا بھی تھا کہ پبلو ماسٹر کو آئی ہوئی دانیال کو نہیں آئی لیکن دانیال کو آئی ہوئی پبلو ماسٹر کو آ گئی۔ کیا تماشے ہیں یہ مقدر کے؟

محل میں رہنے والے ڈاکٹر اور نرس کو فوراً طلب کیا گیا۔ دردانہ کو ایک اسٹریچر پر ڈال کر دہیں محل کے ایک چھوٹے سے کلینک میں پہنچایا گیا۔ وہاں اکثر خون خرابے ہوتے رہتے تھے۔ اس لیے آپریشن کا بھی اچھا خاصا انتظام تھا۔ ڈاکٹر اور نرس دردانہ کو چھوٹے سے آپریشن تھیٹر میں لے گئے تھے۔

دوسری طرف شہباز درانی بہت بے چین تھا۔ اسے کسی کل چین نہیں آ رہا تھا۔ دردانہ کو وہاں سے نکال لانے کی خاطر آکاش کے فون پر اس نے رابطہ کیا تھا اور آکاش نے آواز بدل کر کہا تھا کہ باس ابھی میٹنگ میں ہیں آدھے گھنٹے کے بعد رابطہ کیا جائے۔

تب سے وہ انتظار کر رہا تھا۔ اس نے آدھے گھنٹے کے بعد فون کیا تو ایک دم سے چونک گیا۔ دوسری طرف سے تڑاتڑ فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ آکاش دامودر نے چیخ کر کہا۔ "بند کرو اپنا فون!"

اس کے بعد ہی رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ مسلسل فائرنگ کی آوازیں سننے کے بعد شہباز درانی کو سکون کیسے مل سکتا تھا؟ وہ تو اور زیادہ پریشان ہو گیا تھا کہ پتا نہیں اس کی دردانہ کہاں جا کر پھنس گئی ہے؟

اس نے پھر اس سے فون پر رابطہ کیا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی لیکن وہ بھی بند ہو گئی۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اس کا فون نمبر پڑھ کر دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا ہے۔

یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ وہاں بہت زبردست گڑبڑ چل رہی ہے اور خون خرابا ہو رہا ہے۔ فائرنگ ہو رہی ہے۔ سب کو اپنی اپنی جان کی پڑی ہوگی۔ اس لیے اس کا فون اٹینڈ نہیں کیا جا رہا ہے لیکن پریشانی تو یہ تھی کہ اس کی دردانہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ بس وہ اپنے ان سوالات کے جواب چاہتا تھا' اس کی آواز سننا چاہتا تھا' یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ جہاں قیامت کی فائرنگ ہو رہی ہے۔ وہاں وہ زندہ سلامت ہے یا نہیں؟

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی دردانہ کی خیریت کیسے معلوم کرے؟ اس نے زندگی میں پہلی بار نوجوانی کی عمر میں دردانہ سے عشق کیا تھا۔ اس کے بعد اس سے بچھڑ گیا تھا پھر ایک طویل مدت کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اس کا ایسا دیوانہ تھا کہ اس کے بعد اس نے کسی سے شادی نہیں کی تھی۔

وہ اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اور اس کی جان کی سلامتی کے لیے اور دشمنوں کو اپنی سازش کے جال میں پھانسنے کے لیے ہی اسے پاکستان سے ہندوستان کی طرف روانہ کیا تھا۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تقدیر کے خلاف اپنی تدبیر کرے گا اور بدنیتی سے کرے گا تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا جو اب سامنے آ رہا تھا۔

اس نے ذیشان کے خلاف سازش کی تھی۔ دردانہ کو چھپا کر اس کے اغوا کا الزام ذیشان پر عائد کرنا چاہتا تھا۔ اب وہ سچ مچ اغوا ہو چکی تھی۔ پہلے مہمان دشمنوں کے درمیان پہنچ گئی تھی۔ اس کے بعد پتا چلا کہ وہاں بھی وہ محفوظ نہیں ہے اور دشمنوں پر بھی آفت آئی ہوئی ہے۔ مسلسل فائرنگ ہو رہی ہے اور اس کے نتیجے میں اس کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے۔

پہلے نامعلوم دشمنوں نے اسے اغوا کیا تھا۔ اب موت اسے اغوا کرنے والی تھی۔

تقدیر اور تدبیر کی اس جنگ میں اس نے ذیشان کے لیے جو گڑھا کھودا تھا۔ اس میں خود گر رہا تھا۔ اب اس گڑھے سے دردانہ کے ساتھ نکلنا چاہتا تھا لیکن کیسے نکلے؟

دوسری بار اس نے پبلو ماسٹر کے فون پر رابطہ کیا۔ وہاں بزر کی آواز ابھر رہی تھی۔ ڈی کے دانیال نے اسے آن کر کے کان سے لگا کر پوچھا "ہیلو......کون......؟"

شہباز نے کہا "میں پبلو ماسٹر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"سوری......اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔"

وہ گھبرا کر بولا "اسے کیا ہوا؟ وہ کیسے مر گیا؟ وہ ابھی تو زندہ تھا؟"

"کیا ہماری دنیا میں ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی ابھی زندہ دکھائی دیتا ہے اور ابھی مر جاتا ہے؟ یہ جو نجومی ہوتے ہیں۔ یہ نیوز ریڈر کی طرح ہوتے ہیں۔ ساری دنیا کو زندگی اور موت کی خبریں سناتے سناتے خود بے خبری میں اپنی موت کی خبر بن جاتے ہیں۔"

شہباز نے جلدی سے پوچھا "ماسٹر کے ساتھ ایک عورت بھی تھی وہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔ نہ جانے اس کا کیا بنے گا؟"

ڈی کے دانیال نے فون بند کر دیا۔ ادھر سے شہباز چیخنے لگا "ہیلو......ہیلو......"

اس نے فون کو دیکھا پھر دوبارہ رابطہ کیا۔ پتا چلا کہ ادھر سے فون بالکل ہی بند کر دیا گیا ہے۔ اس کی جھنجلاہٹ کی انتہا نہ رہی۔ وہ پیر پٹخ کر ادھر سے ادھر جانے لگا۔ جی چاہتا تھا کہ موبائل فون کو دیوار پر دے مارے لیکن اسے مار دیتا تو اپنی دردانہ کی زندگی یا موت کی خبر نہ ملتی۔

بے چین ہو کر ایک بار پھر فون پر رابطہ کیا۔ آکاش دامودر آپریشن تھیٹر کے باہر بے چینی سے انتظار کر رہا تھا اور ڈاکٹر سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ دردانہ کے بچنے کی امید ہے یا نہیں؟

ایسے ہی وقت اس نے اپنے فون پر شہباز درانی کے فون نمبر پڑھے۔ اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا ''تمہیں شرم نہیں آتی۔ سلطان راہی کا نام بدنام کرتے ہو۔ تم جھوٹے سچے نام بتا کر میری نیلماں کو اب تک دھوکا دیتے رہے اور خود یہ سمجھتے رہے کہ وہ کسی دامودر کی بیٹی ہے۔ جب کہ یہ میری پتنی ہے۔ میرا نام آکاش دامودر ہے اور میرے ہی نام پر یہ نیلماں دامودر کہلاتی ہے۔''

شہباز درانی حیرانی اور پریشانی سے اس کی یہ باتیں سن رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ ایک برس پہلے اس نے جس نیلماں دامودر کو قتل کروایا تھا۔ اسی کا شوہر اس وقت اس سے فون پر باتیں کر رہا ہے اور یہ سمجھ رہا ہے کہ ایک برس کی طویل جدائی کے بعد اس کی نیلماں اس کے پاس پہنچ گئی ہے۔

شہباز کو ایک طرف سے یہ اطمینان ہوا کہ نیلماں پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا رہا ہے اور اسے دشمن نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ اس نے کہا ''مسٹر آکاش دامودر! آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں کوئی سلطان راہی نہیں ہوں۔ شاید کسی نے نیلماں سے فراڈ کیا ہوگا۔ میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ وہ میری مریضہ تھیں۔ اس لیے میں ان کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''اوہ سوری۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ ڈاکٹر ہیں۔ اب میں اس کی خیریت کیا بتاؤں؟ اس وقت ہمارے چھوٹے سے آپریشن روم کا دروازہ بند ہے۔ ڈاکٹر پتا نہیں کیا کر رہے ہیں؟ وہ بے چاری زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔''

ایسے ہی وقت اس آپریشن روم کا دروازہ کھل گیا۔ آکاش دامودر نے کہا ''اوہ دروازہ کھل گیا ہے۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں کہ میری نیلماں خیریت سے ہے یا نہیں؟''

وہ ادھر سے چیخ کر بولا ''فون بند نہ کرنا پلیز۔ میں بھی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

ڈاکٹر نے کہا ''مسٹر دامودر! آپ آسکتے ہیں۔ بھگوان نے آپ کی نیلماں کو بچا لیا ہے۔''

شہباز نے فون کے ذریعے ہونے والی بات سن[illegible] اطمینان کی ایک گہری سانس لی لیکن دوسرے ہی لمحے میں[illegible] کا اطمینان ختم ہوگیا۔ ڈاکٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی ''آ[illegible] ذرا یہاں آئیں اور ان کا چہرہ دیکھیں۔ شیشے کی کرچیاں ان کے چہرے پر چبھی ہوئی تھیں۔ وہ ایک ایک کر کے ہم نکال دی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی پتا چلا ہے کہ یہ اصلی [illegible] نہیں ہے۔ یہ جو نظر آ رہی ہیں وہ نہیں ہیں۔ ان کا اصلی [illegible] میک اپ کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔''

شہباز درانی کے ہوش اڑ گئے۔ یہ اطمینان غارت ہ[illegible] کہ دردانہ دشمنوں کے درمیان پہنچ کر بھی خیریت سے [illegible] اب اس کی خیریت نہیں تھی۔ بھید کھلنے ہی والا تھا۔

تدبیر یقیناً کام آتی ہے۔ جیسا کہ دردانہ کی تدبیر [illegible] آ رہی تھی۔ اس نے یادداشت کے گم ہونے کا ناٹک کیا اور آکاش دامودر کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔

تقدیر کی لکیر اسے مصیبت کی طرف لے جا رہی تھی لی[illegible] وہ اپنی تدبیر سے اسے کاٹ رہی تھی۔ کامیاب ہو رہی تھی [illegible] اس تدبیر میں نیک نیتی ہوتی تو شاید کامیابی دائمی ہوتی۔

جھوٹ بہرحال جھوٹ ہوتا ہے۔ کبھی نہ کسی چور را[illegible] سے سامنے چلا آتا ہے۔

اس وقت وہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ شیشے کی کرچیو[illegible] کے باعث اس کا چہرہ جگہ جگہ سے چھلنی ہو گیا تھا' ادھڑ چکا ت[illegible] جھوٹ کے چیتھڑے اڑ چکے تھے۔ اگر وہ ہوش میں ہوتی ا[illegible] اس وقت اپنے چہرے کو دیکھ لیتی تو اس کے ہوش اڑ جاتے۔

بہرحال کب تک بے ہوش رہے گی۔ ہوش میں آ[illegible] گی آنکھیں کھولے گی اور جب اپنے آپ کو دیکھے گی تو [illegible] اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں جھانک کر مقدر سے پوچھے گی ک[illegible] میں کیا ہوں؟

میں اک بازی گر ہوں۔
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں......!

''پردہ کیا ہے؟''

چشم بددور ہے، حسن کو چھپانے کے کام آتا ہے، کبھی غربت کو ڈھانپنے کے لیے غریب نواز بن جاتا ہے، کبھی الیکشن میں ہونے والی دھاندلی کے لیے سیاسی نقاب بن جاتا ہے، کبھی موقع پرستوں کا... ثواب بن جاتا ہے، اور بہت زیادہ چالاک بننے والوں کے لیے عذاب بن جاتا ہے، دردانہ بہت زیادہ چالبازی دکھانے کے لیے پردے میں گئی تھی اور عذاب میں مبتلا ہوگئی تھی پردے میں زردہ ہوگیا تھا۔

ویسے یہ پردہ ہے بڑی کام کی چیز، ہو تو اچھا، نہ ہو تو اچھا، عوام کی آنکھوں پر ہو تو صاحبِ اقتدار کے لیے اچھا، شوہر کی عقل پر ہو تو بیوی کے لیے اچھا، ہوس پرستوں کی آنکھوں پر ہو تو حوا کی بیٹی کے لیے اچھا۔

شہباز درانی اور دردانہ نے تقدیر کی آنکھوں پر تدبیر کا پردہ ڈالنا چاہا تھا، لیکن مقدر کے پھیر کون جانتا ہے؟ وہ پردہ ان کے لیے جال بن گیا تھا اور وہ اپنے ہی ہاتھوں سے بنے ہوئے جال میں الجھتے چلے جا رہے تھے۔

فون کا رابطہ ختم ہو چکا تھا مگر وہ اب تک اسے کان سے لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ کانوں میں ڈاکٹر کی آواز گونج رہی تھی۔ ''آپ ذرا یہاں آئیں اور ان کا چہرہ دیکھیں۔ شیشے کی کرچیاں جو ان کے چہرے پر چبھی ہوئی تھیں، وہ ایک ایک کر کے ہم نے نکال دی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی پتا چل رہا کہ یہ اصلی چہرہ نہیں ہے۔ یہ جو نظر آ رہی ہیں وہ نہیں ہیں۔ ان کا اصلی چہرہ میک اپ کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔''

شہباز کے کانوں میں ڈاکٹر کی یہی باتیں گونج رہی تھیں۔ اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟

پھر وہ جیسے ایک دم سے چونک گیا۔ اپنی دردانہ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے آکاش کے نمبر پنچ کرنے لگا مگر مایوسی ہوئی۔ اس کا فون آف تھا۔ اس نے جھنجلا کر اپنے فون کو دیکھا پھر اسے صوفے پر پٹخ کر ٹہلنے لگا، فی الحال وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ان لمحات میں اسے یوں لگ رہا تھا، جیسے اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مار کر تلملاتے ہوئے ادھر سے ادھر ٹہل رہا ہو۔ کوئی دوسرا غلطی کرے تو اسے گالیاں دی جاتی ہیں، جوتے مارے جاتے ہیں۔ کوئی خود کو جوتے نہیں مارتا، خود کو الزام نہیں دیتا، مقدر کو کوستا ہے۔

وہ بھی یہی کر رہا تھا۔ جب کہ میں وقت سے پہلے ہی اسے پیش آنے والے مصائب سے آگاہ کر چکا تھا۔ اپنے اور اس کے ہاتھ کی یکساں لکیروں کا حوالہ دے چکا تھا لیکن شیطانی ارادے رکھنے والوں کو یہ زعم ہوتا ہے کہ وہ اپنی تدبیر سے مخالف ہواؤں کا رخ بدل دیں گے۔

اب وہی ہوائیں آندھی طوفان کی طرح اس کے ہوش اڑا رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دردانہ جس دلدل میں جا گری ہے، وہاں سے اسے کیسے نکال لائے گا؟

دوسری طرف آکاش دامودر ڈاکٹر کے ساتھ آپریشن تھیٹر میں آیا، میک اپ مکمل طور پر واش کیا جا رہا تھا، دردانہ پر نیم بے ہوشی طاری تھی وہ اس کے واش ہوتے ہوئے اور بدلتے ہوئے چہرے کو اس دکھ سے دیکھ رہا تھا کہ وہ اس کی نیلماں نہیں ہے اور اگر نہیں ہے تو پھر یہ کون ہے؟

سیاہ رات کے بعد روشن صبح طلوع ہوتی ہے مگر وہاں اس کی نیلماں کا سورج غروب ہو رہا تھا اور اجنبی سا اندھیرا پھیلا رہا تھا۔

وہ سوچتا ہوا، اس اجنبی چہرے کو دیکھتا ہوا ایک صوفے پر بیٹھ گیا، فریب ایسا ہوتا ہے، سامنے آتا ہے تو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا، نیلماں کی ڈمی کو سامنے لا کر اس کے جذبوں کا مذاق اڑایا گیا ہے، صبح کے بھولے کو گھر کا راستہ یاد دلایا گیا ہے اور جب وہ گھر آیا تو گھر کا دروازہ کھولنے والی بدل چکی ہے۔

اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچتے ہوئے سر گھما کر بیڈ کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر نے پلٹ کر کہا۔ ''چہرہ واش ہو چکا ہے، تعجب ہے، یہ کچھ دیر پہلے کوئی اور تھیں، اب کوئی اور ہیں۔ ہماری دنیا میں عجیب عجیب تماشے ہوتے ہیں۔''

پھر وہ جاتے ہوئے بولا۔ ''میں جا رہا ہوں یہ ابھی ہوش میں آ جائیں گی۔''

وہ چلا گیا، وہ گہری نظروں سے بے ہوش پڑی ہوئی دردانہ کو دیکھنے لگا۔

شمع جلتی ہے تو پروانہ اس کی سمت لپکتا ہے۔ وہ بھی اپنی نیلماں کی طرف لپکا تھا، مگر اس کی تپش تک رسائی حاصل ہونے والی ایک دم سے بجھ گئی تھی۔ اس نے ایک عرصے کے بعد اسے دیکھا تھا لیکن وہ تو جیسے ایک جھلک دکھا کر اس اجنبی چہرے کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

اب وہ اس کی نیلماں نہیں تھی، نہ جانے کون تھی؟ وہ گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ ''یہ جو کوئی بھی ہے، بہت ہی مکار ہے، نیلماں بن کر میرے پاس آئی تھی، یادداشت گم ہو جانے کا ڈراما کر رہی تھی۔ ایک ہی جھٹکے میں اصلیت سامنے آ گئی ہے۔ پتا نہیں کیا مقصد لے کر آئی تھی؟ آدھی حقیقت

کھل چکی ہے، آدھی اس کے ہوش میں آنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گی۔"

اس بے ہوش ہونے والی نے دشمنوں کے درمیان محفوظ رہنے کے لیے بڑی شاطر دماغی سے کام لیا تھا، یادداشت گم ہونے کا بہت ہی زبردست ڈراما رچایا تھا مگر مقدر میں ناکامی ہو تو زبردست، زیردست ہو جاتا ہے۔

وقت اپنی رفتار سے رینگنے لگا، موبائل فون کا بزر سنائی دیا، آکاش نے نمبر پڑھ کر اسے آن کیا پھر کان سے لگا کر خاموش بیٹھا رہا۔ دوسری طرف شہباز جواب کا انتظار کر رہا تھا، اپنی دردانہ کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے بے چین ہو کر پوچھا۔ "اب کیسی ہے وہ......؟"

وہ دردانہ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ جیسی بھی ہے مگر میری نیلماں جیسی نہیں ہے۔"

"پلیز......اس سے میری بات کراؤ۔"

"باتیں تو مجھے بھی بہت سی کرنی ہیں لیکن ذرا انتظار کرو۔"

اتنا کہہ کر اس نے فون آف کر دیا۔ ادھر وہ "ہیلو ہیلو" کرتا رہ گیا۔ جیسے وہ اپنی دردانہ کا دیوانہ تھا ویسے ہی آکاش اپنی نیلماں کا دیوانہ تھا۔ اس دیوانے کو بیٹھے بٹھائے تنگ کیا گیا تھا۔

کچھ عرصے پہلے نیلماں اس سے بچھڑ گئی تھی۔ تلاش کا ہر ممکن راستہ اختیار کرنے کے باوجود نہیں مل رہی تھی، ملتی بھی کیسے؟ شہباز نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ آکاش اب تک دوسرے معاملات میں الجھ کر اسے بھلانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

لیکن اب وہ قریب آ کر دور ہو گئی تھی، اس دیوانے کو تڑپا گئی تھی، تھپک تھپک کر سلائے گئے جذبے ہڑبڑا کر بیدار ہو گئے تھے۔ فریب کے جھٹپٹے میں سہی وہ ریشمی آنچل کی طرح لہرائی تھی اور جذبوں کو گدگدا گئی تھی۔ ایسے میں اس دیوانے کی دیوانگی شدت اختیار کر گئی تھی۔

تدبیر سے ہی تقدیر بدل جاتی ہے بشرطیکہ اس تدبیر میں نیک نیتی شامل ہو۔ شہباز نے تدبیر کی تھی مگر نیک نیتی سے نہیں کی تھی۔ دردانہ کو نیلماں کا روپ دینے اور اسے راز داری سے ہندوستان بھیجنے کے پیچھے یہ شیطانی منصوبہ بنایا گیا تھا کہ جب ذیشان جیل سے رہا ہوگا تو اس پر دردانہ کے اغوا کا الزام لگایا جائے گا۔

مگر افسوس! میری چال کے آگے کسی کی نہیں چلتی، بڑے بڑوں کی چالیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور ا[illegible] کے ساتھ یہی ہو رہا تھا، وہ نیلماں کے پردے میں جا[illegible] والی بے نقاب ہو چکی تھی۔ سچ ہے، بلی کی غلاظت چھپا[illegible] نہیں چھپتی۔ وہ پاکستان سے جا کر ہندوستان میں مہک ر[illegible] تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں[illegible] نگاہوں کے عین سامنے آکاش کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ ذرا د[illegible] سوچتی رہی کہ اس وقت کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ پھ[illegible] اسے فوراً ہی یاد آ گیا کہ وہ نیلماں دامودر ہے، سامنے بیٹھ[illegible] ہوئے آکاش دامودر کی محبوبہ اور دھرم پتنی ہے۔

وہ دھیرے سے مسکرائی پھر آہستگی سے بولی۔ "مجھے پیاس لگ رہی ہے۔"

اس نے بڑے ہی سپاٹ انداز میں اسے دیکھا پھر ایک گلاس میں پانی بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔ وہ کہنی کے بل ذرا اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کے ہاتھوں سے گلاس لے کر پانی پینے لگی۔ ایسے ہی وقت اس کی نظر پیروں کی طرف رکھے ہوئے قدآدم آئینے پر پڑی، وہ اپنا عکس دیکھ کر ایک دم سے چونک گئی۔ گلاس ایسے چھوٹ گیا جیسے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ہوں، منہ میں پانی بھرا ہوا تھا وہ اسے پینا بھول گئی وہ حلق میں اترنے کے بجائے فوارے کی طرح منہ سے ابل پڑا، ایک زور کا ٹھسکا لگا، وہ بری طرح کھانسنے لگی۔

کھانسی کا ٹھسکا ہوتا تو وہ کچھ دیر بعد ہی سنبھل جاتی مگر اسے تو مقدر کا ٹھسکا لگا تھا، میں گلے میں ہڈی بن گیا تھا۔

چور چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ ا[illegible] کھانس کھانس کر دہری ہو رہی تھی لیکن اصل میں کھانسی کے بہانے سوچنے کی مہلت حاصل کر رہی تھی۔ کچھ لوگ بڑے ہی ڈھیٹ ہوتے ہیں، ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی سنبھلتے نہیں ہیں۔ اپنی شاطر دماغی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔

اسے مقدر کی ٹھوکر لگی تھی، دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے اور ان دھماکوں کے درمیان ہی وہ سوچ رہی تھی۔ [illegible] ایک منصوبہ ناکام ہوا تھا تو اس نے فوراً ہی بات گھما دی تھ[illegible] مقدر میں چکر ہو تو انسان چکرا کر رہ جاتا ہے، وہ بھی چکرا ر[illegible] تھی، کچھ دیر پہلے بنائی ہوئی بات بگڑتی ہوئی نظر آ رہی تھی تصویر کا دوسرا رخ سامنے آ گیا تھا۔

آکاش نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "آئینہ عورت کی س[illegible] سے محبوب چیز ہوتا ہے۔ وہ اپنے عاشق کے سامنے جا[illegible] سے پہلے بھی اسی کا دیدار کرتی ہے اور اس کے دیدار کے ب[illegible] دیدار کرتی ہے۔ میں نے اسے یہاں اسی لیے رکھوایا ہے کہ [illegible]

[illegible]ب تم ہوش میں آؤ تو تمہاری نظر سب سے پہلے اپنی محبوب [illegible]ز پر پڑے مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اسے دیکھ کر پریشان [illegible]و گئی ہو۔"

وہ ہانپنے کے انداز میں گہری گہری سانسیں لے رہی تھی [illegible]ر آئینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "میں اسے [illegible]ے......دیکھ کر پریشان نن......نہیں ہو رہی ہوں، بلکہ اس [illegible]یں دکھائی دینے والے عکس کو دیکھ کر پریشان ہو رہی ہوں [illegible]یہ......یہ کون ہے؟"

اس کی بات سن کر آکاش نے ایک ذرا تعجب سے اسے [illegible]یکھا پھر تیز لہجے میں کہا۔ "تمہاری اصلیت سامنے آ گئی ہے۔ یہ تم ہو۔"

وہ ایک دم سے چیخ پڑی۔ "نہیں......یہ مم......میں نہیں ہوں۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو چھو رہی تھی، آئینے میں اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "نہیں یہ میرا چہرہ نہیں ہے۔ یہ میں نہیں ہوں، میں نہیں ہوں......"

وہ ہذیانی انداز میں چیختی ہوئی، دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیڈ پر گر پڑی۔ آکاش اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا فوراً ہی ڈاکٹر کو بلا کر لے آیا، دردانہ بہت ہی شاطر دماغی کا مظاہرہ کر رہی تھی اس نے سانس روک کر کنپٹیوں کی رگیں پھلا ڈالی تھیں۔

ڈاکٹر اس کا معائنہ کرتے ہوئے بولا۔ "انہیں نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔ میں انجکشن لگا رہا ہوں، یہ کچھ دیر بعد نارمل ہو جائیں گی لیکن ان سے زیادہ باتیں نہ کی جائیں۔ میرا مطلب ہے، ان کے دماغ پر کوئی دباؤ نہ ڈالا جائے تو بہتر ہوگا۔"

سوئی چبھنے سے تکلیف ہوئی مگر بڑی مصیبت سے بچنے کے لیے تھوڑی بہت تکلیف تو اٹھانی ہی پڑتی ہے وہ کچھ دیر کے لیے پرسکون ہو گئی۔ نئی منصوبہ بندی کرنے کے لیے ایسے ہی سکون کی ضرورت ہوتی ہے۔

دوسری طرف آکاش یہی سن کر اور دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا کہ وہ اجنبی عورت خود کو پہچان نہیں رہی تھی، اپنے چہرے کو اپنا نہیں کہہ رہی تھی۔ وہ ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا، اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگا۔ پہلے اس سے سچ اگلوانے کا انتظار تھا، اب یہ جاننے کی بے چینی تھی کہ وہ کون ہے جو اپنے ہی چہرے سے انجان ہے؟

اس نے سوچا۔ "ہو نہ ہو اس کے ذریعے میں اپنی نیلماں کا سراغ لگا سکوں گا۔ وہ ضرور اس اجنبی دشمن کی قید میں ہے جس نے اس عورت کو نیلماں کا روپ دے کر یہاں بھیجا ہے۔"

ادھر وہ ٹہل رہا تھا، سامنے آنے والی نئی صورتِ حال پر غور کر رہا تھا۔ ادھر شہباز درانی رابطہ نہ ہونے پر جھنجلا رہا تھا۔ غصے سے اپنے فون کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اسے اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا، کان سے لگا کر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی آکاش کے کسی ملازم کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو......! ڈی کے دانیال پیلس۔"

وہ بولا۔ "مسٹر آکاش دامودر سے بات کراؤ۔"

"یور نیم پلیز؟"

"میں نام نہیں بتا سکتا، ان سے صرف اتنا کہہ دو کہ آپریشن تھیٹر میں جو خاتون ہیں میں ان کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

ملازم "او کے سر۔" کہہ کر چلا گیا۔ وہ بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی ملازم کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ "سوری سر! صاحب ابھی مصروف ہیں، کسی سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ کچھ دیر کے بعد رابطہ کریں۔"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر فون سے انگیج ٹون سنائی دینے لگی، دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔ وہ ایک دم سے بپھر گیا، فون کو گھور کر یوں دیکھنے لگا، جیسے اس اجنبی دشمن کو گھور رہا ہو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی دردانہ سے کیسے رابطہ کرے؟ دل کہہ رہا تھا، چاہے اس کی آواز نہ سنے مگر اس کی خیریت تو معلوم ہو جائے۔

کبھی کبھی طاقتور بے بس ہو جاتے ہیں۔ یہ قدرت کا نظام ہے۔ اس طرح خدائی دعوے داروں کو خدا یاد رہتا ہے۔ وہ بھی طاقتور تھا لیکن اس وقت اس کی تمام شہ زوری اور شاطر دماغی دھری کی دھری رہ گئی تھی، اسے دردانہ کی جدائی تڑپا رہی تھی اور خدا کی خدائی یاد آ رہی تھی۔

عجب بے بسی تھی، وہ ایسے وقت اپنے ناخداؤں کو یاد نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب ذاتی معاملات میں الجھنے کی خبر اوپر والوں تک پہنچے گی تو اس بار وارننگ نہیں ملے گی بلکہ نتیجے میں ایک اندھی گولی ملے گی، جو پلک جھپکتے میں اس کا کام تمام کر دے گی۔

دوسری طرف وہ بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی، اپنے نئے حالات پر غور کر رہی تھی۔ یادداشت گم ہونے کا ڈراما کسی حد تک کامیاب ہو رہا تھا مگر وہ اسے مزید نکھارنے اور اس میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے نئی منصوبہ بندی کر رہی تھی۔

کچھ دیر کے بعد اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں، آکاش فوراً ہی اس کے قریب آ گیا، بیڈ کے سرے پر ہتھیلیاں ٹیک کر جھکتے ہوئے بولا۔ ''آر یو اوکے؟''

دشمن کی خیریت نہیں پوچھی جاتی۔ لیکن ایسے وقت وہ بہت اہمیت اختیار کر گئی تھی۔ وہ دشمن سہی مگر اسے اس کی نیلماں تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکتی تھی۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر بڑی افسردگی سے کہا۔ ''پتا نہیں میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟''

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''آئینے میں اپنا آپ دکھائی دیتا ہے، اپنا چہرہ دکھائی دیتا ہے مگر میں کیسی بدنصیب ہوں، اپنے چہرے کو نہیں پہچان رہی ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے، میرے سامنے کسی اجنبی عورت کی تصویر رکھ دی گئی ہے۔''

اس نے کہا۔ ''پہچاننے کی کوشش کرو، یہ تم ہی ہو۔''

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''نہیں میں تو نیلماں دامودر ہوں، تمہاری دھرم پتنی ہوں، ابھی کچھ دیر پہلے ہی تم نے مجھے بتایا تھا۔''

''نہیں۔ تم میری نیلماں نہیں ہو، خود کو پہچانو، یاد کرنے کی کوشش کرو، تم کون ہو؟ تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟ کیوں بھیجا ہے؟''

وہ انگلیوں کے پوروں سے اپنے چہرے کو ایسے ٹٹول رہی تھی جیسے ان نقوش کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہوں، آکاش بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا، پُرامید نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ چہرے پر ایسے تاثرات سجا رہی تھی، جیسے ذہن پر زور ڈال رہی ہو اور ایسے وقت بڑے کرب سے گزر رہی ہے، پھر ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

آکاش نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''کیا ہوا؟ کچھ یاد آیا؟''

وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔ ''میں کیا کروں، مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا ہے ایک پہچان ملی تھی وہ بھی گم ہو گئی ہے کوئی بتائے کہ اب میں کون ہوں؟ کسی کی دھرم پتنی ہوں یا کسی کی بیوی ہوں؟ ہندو ہوں، مسلمان ہوں، عیسائی ہوں، کون ہوں میں؟''

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی بعض اوقات انسان کو اپنی اوقات کے مطابق مگرمچھ کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔ وہ ب بھی ایسے ہی آنسو بہا رہی تھی۔

آکاش اسے ہمدردی سے دیکھ رہا تھا لیکن ایسا کرنے سے نیلماں نہیں ملنے والی تھی۔ اس نے کہا۔ ''کوئی ا دشمن ہے جو میری نیلماں سے دشمنی کر رہا ہے۔ اس نے م اسے اپنی قیدی بنا کر رکھا ہوا ہے اور یہ دشمن وہی ہو سکتا جس نے تمہیں نیلماں بنا کر یہاں بھیجا ہے اور جو بار بار سے رابطہ کر رہا ہے۔''

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، یہ جاننے کی بے چ ہو گئی تھی کہ شہباز نے اس سے رابطہ کیا تھا تو ان دونوں درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں؟

اس نے پوچھا۔ ''تو اب وہ تم سے رابطہ کیوں نہیں کر ہے؟''

''کیونکہ میں نے اپنا موبائل فون آف کر رکھا ہے میں ابھی اسے آن کر کے اس سے بات کرتا ہوں۔''

پھر وہ اسے آن کرتے ہوئے بولا۔ ''تم اپنے آپ نہیں پہچانتی ہو، پتا نہیں وہ تمہیں یہاں بھیج کر تمہاری کمزو یادداشت سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا؟''

وہ بے چینی سے فون کو دیکھ رہی تھی، اپنے شہباز کی آوا سننا چاہتی تھی، اسے کسی طرح یہ بتانا چاہتی تھی کہ اس نے کیس حکمتِ عملی اختیار کی ہے؟ آکاش نمبر پنچ کر کے فون کو کا سے لگائے رابطے کا انتظار کر رہا تھا۔

دوسری طرف شہباز اپنے فون کا بزر سنتے ہی چونک گیا۔ نمبر پڑھ کر فوراً ہی اسے کان سے لگا کر بولا۔ ''ہیلو۔ میں بول رہا ہوں۔''

آکاش نے کہا۔ ''تمہیں تو ابھی بہت کچھ بولنا پڑے گا۔ پہلے اپنا تعارف کراؤ۔''

ادھر دردانہ نے فوراً ہی فون کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر! تم جو کوئی بھی ہو پہلے مجھے یہ بتاؤ تمہاری مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ تم میری کمزور یادداشت سے کون سا فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو؟ تم نے مجھے نیلماں کا روپ دے کر یہاں کیوں بھیجا ہے؟''

اس نے بڑی چالاکی سے اپنے محبوب تک یہ بات پہنچا دی کہ وہ یادداشت گم ہونے کا ڈراما رچا رہی ہے لہٰذا اب اسے اسی کے مطابق آگے بات بنانی ہے۔ دوسری طرف شہباز اس کی آواز اور اس کی بات سن کر کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔

وہ بول رہی تھی۔ ''کون ہو تم اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

آکاش نے اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''میں یہی پوچھ رہا ہوں، تم خاموش رہو۔ پہلے مجھے اپنی نیلماں کے بارے میں پوچھنے دو۔''

وہ پیچھے ہٹ گئی، اس نے فون پر کہا۔ ''ہاں تو مسٹر! بتاؤ تم کون ہو اور یہ عورت کون ہے جسے تم نے نیلماں کا روپ دے کر ہندوستان بھیجا ہے؟ اور جب اسے اس کا روپ دیا گیا ہے تو یقیناً میری نیلماں تمہارے پاس ہے۔ تم میرے ایسے کون سے دشمن ہو، جسے میں نہیں جانتا۔''

''دیکھیں! میری آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے میں نے اسے کسی غلط ارادے سے وہاں نہیں بھیجا ہے آپ کون ہیں یہ نیلماں کون ہے، میں نہیں جانتا پھر دشمنی کیوں کروں گا؟''

''انجان بننے کی کوشش نہ کرو، تم مجھے نہیں جانتے، نیلماں کو نہیں جانتے تو پھر تم نے اس کے چہرے پر اس کا چہرہ کیسے چڑھا دیا؟ اس کے پاس اس کے اہم کاغذات کہاں سے آئے؟ دیکھو، مجھ سے کچھ چھپانے کی غلطی نہ کرنا، میں اپنی نیلماں کو حاصل کرنے کے لیے تمہیں زمین کی تہہ سے بھی نکال لاؤں گا۔''

''آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں، نیلماں کے اہم کاغذات یہاں کے ایک بارڈر پار کرانے والے دلال نے مجھے دیے تھے اور اسی نے اس کا چہرہ تبدیل کیا تھا۔ پلیز، آپ میری اس سے بات تو کرائیں۔''

''تم اس سے بات کرنا چاہتے ہو جب کہ یہ تمہیں جانتی تک نہیں ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر افسردہ لہجے میں بولا۔ ''ایک حادثے میں اس کی یادداشت گم ہو چکی ہے۔ وہ سب کچھ بھول چکی ہے، اپنے آپ کو بھول چکی ہے، اپنے شمشیر خان کو بھول چکی ہے۔''

''یہ شمشیر خان کون ہے؟''

دردانہ اس کی باتیں سن رہی تھی اور کسی حد تک سمجھ بھی رہی تھی، یہ اجنبی نام سن کر ایک ذرا چونک گئی۔ دوسری طرف شہباز نے کہا۔ ''میں شمشیر خان ہوں اور جو اس وقت آپ کے پاس ہے وہ میری جانِ حیات دردانہ ہے۔ میں اسے کبھی اپنے سے دور نہ کرتا۔ لیکن اس کی سلامتی اسی میں تھی کہ وہ اس ملک سے اور اپنے دشمنوں سے دور ہو جائے۔''

آکاش نے دردانہ کو دیکھا پھر فون پر کہا۔ ''اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا ہوں اس لیے یادداشت گم ہونے والی بات پر یقین کر رہا ہوں۔ تم مجھے اس دلال کا نام، پتا اور فون نمبر بتاؤ، جس طرح تمہیں اپنی دردانہ سے بات کرنے کی بے چینی ہے اسی طرح مجھے اپنی نیلماں کے بارے میں جاننے کی جلدی ہے۔''

کوئی دلال ہوتا تو وہ اس کا نام پتا بتاتا اس نے کہا۔ ''آپ سمجھ دار ہیں یہ اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ دو نمبر کام کرنے والے اپنی اصل شناخت کسی کو نہیں بتاتے۔''

''اس نے اپنی شناخت چھپائی ہو گی، لیکن تم اسے چہرے سے تو پہچانتے ہو گے؟''

''سیدھی سی بات ہے، جب وہ دوسروں کے چہرے تبدیل کر سکتا ہے تو اپنا چہرہ بھی تبدیل کرتا ہو گا۔ آپ پلیز، دردانہ سے میری بات تو کرائیں۔''

''میں نے کہا نا، ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، جو بے چینی تمہیں ہے وہی مجھے ہے۔ جب تک میری نیلماں نہیں مل جاتی تب تک تم اپنی دردانہ کے لیے ترستے رہو گے۔''

اس کی بات سن کر وہ ایک دم سے پریشان ہو گئی، یہ جانتی تھی کہ نیلماں اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔ شہباز اسے کہاں سے لائے گا؟

دوسری طرف وہ بھی پریشان ہو گیا تھا، الجھ کر بولا۔ ''یہ آپ کیسی شرط لگا رہے ہیں؟ آپ کی نیلماں کہاں ہے، کس کے قبضے میں ہے۔ اس سے ہمارا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟''

''ہو سکتا ہے نہیں، ہے، بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ تم اپنی دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے مجھے نیلماں تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکتے ہو۔''

''میں نے آپ کو اپنی مجبوری بتا دی ہے۔ میں اس دلال کو تلاش نہیں کر سکوں گا۔''

اس نے گہری نظروں سے دردانہ کو دیکھتے ہوئے فون پر کہا۔ ''اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے اسے ڈھونڈنا کون سی بڑی بات ہے؟ وہ تمہارے ہی شہر میں کہیں ہو گا۔ اسے تلاش کرو پھر اس کے ذریعے نیلماں کا سراغ لگاؤ۔ تب تک تمہاری امانت میرے پاس رہے گی لیکن میرے معاملے میں دیر کرو گے تو میں امانت میں خیانت کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔''

دردانہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئی تھی۔ وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے اسے خود سے الگ کرنے کا فیصلہ کیا تھا، گزرے ہوئے وقت کو کوسنے سے کیا حاصل ہونا تھا؟ اب تو یہ پریشانی حواس پر چھا رہی تھی کہ وہ کسی دلال کو کہاں سے پیدا کرے گا اور اگر کر بھی لے گا تو نیلماں کو کیسے زندہ کرے گا؟

اس نے ناگواری سے کہا۔ ''یعنی تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو؟''

وہ بے پروائی سے بولا۔ ''جو بھی سمجھ لو لیکن ایک بات یاد رکھو جب تک میری نیلماں مجھے نہیں مل جائے گی، تب تک تم بھی اپنی دردانہ کے لیے ترستے رہو گے۔''

وہ پہاڑ تھا، لیکن دردانہ کمزوری بن رہی تھی، آکاش کے سامنے اسے ریزہ ریزہ کر رہی تھی، دیوانہ اپنی دیوانگی سے مجبور تھا، مزاج کے خلاف جھک رہا تھا۔ اس نے عاجزی سے کہا۔ ''میں اپنی سی کوشش کروں گا مگر تم وعدہ کرو، دردانہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔''

''اس کی ذمہ داری تم پر ہے۔''

آکاش نے اتنا کہا پھر رابطہ ختم کر دیا۔ وہ ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا، فون کو یوں گھورنے لگا جیسے اس اجنبی دشمن کو گھور رہا ہو۔ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے، بشرطیکہ زنگ آلود نہ ہو، وہ لوہا تھا آکاش جیسے لوہے کو کاٹ سکتا تھا لیکن دردانہ کی چاہت اسے زنگ آلود کر رہی تھی، شہزور سے کمزور بنا رہی تھی۔

یہی مقدر کے پھیر ہوتے ہیں، کبھی شہزور کمزور ہوتے ہیں کبھی کمزور شہزور بن جاتے ہیں۔ دنیا میں بڑے بڑے تماشے ہوتے ہیں۔ اب یہ تماشا دیکھنا تھا کہ وہ دیوانہ اپنی دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے آنجہانی نیلماں دامودر کو کیسے زندہ کرنے والا تھا؟

☆☆☆☆

عورت کے لیے جتنا سنگار ضروری ہوتا ہے، اتنا ہی آئینہ ضروری ہوتا ہے۔ وہ اس کے روبرو آ کر سب کو بھول جاتی ہے، اپنے آپ میں گم ہو جاتی ہے، سولہ سنگار کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوتی کبھی اس زاویے سے کبھی اس زاویے سے اپنا سراپا دیکھتی رہتی ہے۔

وہ بھی آئینے کے روبرو تھی، اپنے سراپے میں گم تھی، خیالوں کی اڑان میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ رہی تھی؟ ذیشان کو رہائی ملنے والی تھی اور وہ اس کے استقبال کے لیے سنور رہی تھی۔ حسن کے ہتھیار میں سنگار کا بارود بھر رہی تھی۔

شریر جھمکے نے کان میں سرگوشی کی۔ ''ہمیں پہن تو تم رہی ہو، اتارے گا کون؟''

اس کی شرارت بھری سرگوشی سن کر وہ لہرا گئی، آئینے سے منہ پھیر کر شرمانے لگی۔ ایسے ہی وقت زلفوں نے چھیڑ خانی کی، چہرے کو چھو کر یوں گزرتی چلی گئیں جیسے ذیشان کی انگلیاں اس کے چہرے کی سرخیاں پڑھتی چلی گئی ہوں۔

وہ لاج سے یوں سمٹ گئی، جیسے حسن کے اخبار کو مفت میں پڑھنے والے کی نظر سے بچا رہی ہو، سپاہی میدان جنگ میں اترنے سے پہلے اپنے ہتھیار تیار کرتا ہے۔ وہ جلوؤں کی تلوار چمکا رہی تھی، اپنے روپ کو چار چاند لگا رہی تھی، حسن گھاتیں عجیب ہوتی ہیں، اپنے ہی محبوب کو نشانہ بناتی ہیں آج نشانہ بننے والے کی خیر نہیں تھی۔

وہ ایک بار پھر اپنے عکس کو دیکھنے لگی، سولہ سنگار کی نوک پلک درست کرنے لگی۔ ایسے ہی وقت اس کی نظر ناک کی لونگ پر پڑی، سہاگ کی نشانی یوں جھلملا رہی تھی، جیسے ذیشان اشارے کر رہا ہو۔ مسکرا کر کہہ رہا ہو۔ ''عورت بھی خوب ہوتی ہے، ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتی لیکن سہاگ کی مکھی کیسے فخر سے بٹھائے پھرتی ہے؟''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''یہ مکھی نہیں ہے، سہاگ کی نشانی۔ سہاگن کا اصل سنگار ہے۔ اس کے بغیر عورت ادھوری رہتی ہے۔ آپ نے اسے پہنا کر میرے ادھورے پن کو دور کر دیا ہے۔''

وہ ایک ادا سے مسکراتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئی، ایک طرف رکھے ہوئے دوپٹے کو اٹھا کر شباب کی چکا چوند پر ڈالنے لگی۔

خزانہ چھپ گیا لیکن پہلے سے زیادہ پرکشش ہو گیا۔ اس کی تجلی دوپٹے کی اوٹ سے شعاعیں بن کر پھوٹنے لگی، ایسی تجلیاں نظر نظر میں حیرانیاں بھر دیتی ہیں۔

وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی، ایسے ہی وقت نسوانی ہنسی سنائی دی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا، آئینے پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گئی۔ وہاں ساس صاحبہ دکھائی دے رہی تھیں۔

اس نے ذرا ناگواری سے اسے دیکھا۔ یہ ساس بھی خوب ہوتی ہے، خوابوں میں تو آ کر ڈراتی ہی ہے، اب آئینے میں بھی آسیب کی طرح اپنا چہرہ دکھا رہی تھی۔

بیگم آفتاب نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''اے بیوقوف عورت! کیوں خوش فہمیوں میں مبتلا ہو رہی ہے؟ تو نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ اب تو سہاگن نہیں رہی ہے۔''

وہ پریشان ہو کر بولی۔ ''یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ خدا نہ کرے کہ میرے سہاگ کو کچھ ہو۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''سہاگ کو کچھ نہیں ہوا ہے۔ ہاں، سہاگن کی موت ہو چکی ہے۔ تو نے میرے بیٹے کو اپنا بیٹا کہہ کر رشتہ بدل ڈالا ہے۔ اب وہ تیرا شوہر نہیں رہا ہے، میاں بیوی کا رشتہ ختم ہو چکا۔''

''نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ میرے سر تاج ہیں اور ہمیشہ میرے سر کا تاج بنے رہیں گے۔''

''تو نے سر کے تاج کو پیروں تلے روند ڈالا ہے۔ اب

سنگار کس کے لیے ہے؟ اپنے ارمانوں کو کفن پہناؤ اور یہاں سے جاؤ۔''

''خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں۔ آپ تو رائی کا ...ت بنا رہی ہیں۔ آپ حقیقت سے واقف ہیں، میں نے ...نہیں دل سے بیٹا نہیں کہا تھا۔ گل خانم سے جھوٹ بولا تھا۔''

''میاں بیوی کا رشتہ جتنا مضبوط ہوتا ہے اتنا ہی کمزور ...تا ہے۔ ایک ذرا سی غلطی یا ایک چھوٹا سا طلاق کا لفظ چٹکی ...جاتے ہی اس رشتے کو خاک میں ملا دیتا ہے اور تم نے رشتہ ...لنے کی غلطی کی ہے۔ ہمارے دینی معاملات بہت نازک ...تے ہیں، علمائے دین بھی یہی فتویٰ دیں گے کہ میاں بیوی ...ا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ تم میرے بیٹے کے نکاح سے خارج ...چکی ہو۔''

وہ دونوں کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ''شٹ ...پ۔ ہمارا رشتہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ میں ذیشان کو سمجھاؤں ...، وہی میری بات سمجھیں گے۔''

وہ ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔ ''تم نے میرے بیٹے سے ...ی باتیں منوائی تھیں، وہ منوا چکی ہو۔ اب وہ تمہاری باتوں ...میں نہیں آئے گا۔ تم نے نئی بہو کے لیے اپنے ہاتھوں سے اس ...ر کے دروازے کھول دیے ہیں۔ اب کوئی رکاوٹ نہیں ...ا ہے، ذیشان پہلے سے گل خانم کی طرف مائل ہے۔ تم ...ں سے ٹلو گی تو میں فوراً ہی اسے بہو بنا کر لے آؤں گی۔''

وہ پریشان ہو کر ساس کو دیکھنے لگی، اسے کیا معلوم تھا کہ ...، چھوٹا سا جھوٹ اس کی ازدواجی زندگی میں آگ ...ے گا بلکہ رشتہ ازدواج کو ہی جلا کر راکھ کر ڈالے گا۔

ساس آئینے کی سطح پر قہقہے لگا رہی تھی، طنزیہ انداز میں ...رہی تھی۔ ''گھر کا پرانا سامان پھینک کر نیا سامان لایا جاتا ...ہے، میں پرانی بہو کو پھینک کر نئی بہو لاؤں گی۔ تم نے تو ...میرے من کی مراد پوری کر دی ہے...... ہاہاہا......''

ساس کے قہقہے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر ...ہے تھے۔ وہ ایک دم سے چیختی ہوئی آگے بڑھی، آئینے کی سطح ...کو دونوں ہاتھوں سے یوں پکڑنے لگی، جیسے ساس کا گلا دبوچ ...رہی ہو۔ ساس ویمپائر بن گئی تھی، جانے کا نام نہیں لے رہی ...تھی۔

اسما نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں پھر ایک گلدان اٹھا ...کر پوری قوت سے آئینے پر یوں دے مارا جیسے ساس کو منہ ...توڑ جواب دے رہی ہو۔ آئینہ ایک زوردار آواز کے ساتھ ...کرچی کرچی ہو گیا۔ اسے ایسا لگا جیسے اس نے ساس کو زمین بوس ...کر ڈالا ہو۔

اس کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ گہری سانسیں لینے لگی۔ ایک جنگ اختتام پذیر ہوئی تو دوسری شروع ہو گئی۔ دل میں یہ اندیشہ جنم لینے لگا۔ ''کیا واقعی علمائے دین نکاح ٹوٹنے کا فتویٰ دیں گے اور ذیشان ان کے مطابق اسے اپنی زندگی سے نکال دے گا؟''

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے زیر لب کہا۔ ''نہیں میرے ذیشان ایسا نہیں کریں گے۔ وہ ایسا کبھی نہیں کریں گے۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، روتے روتے بیڈ سے اتر کر زمین پر بیٹھ گئی، سائیڈ ٹیبل پر ذیشان کی تصویر رکھی ہوئی تھی۔ اس نے سر گھما کر ادھر دیکھا پھر ذرا کھسک کر اس کے قریب آ گئی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ یہ رو رہی تھی، دو مختلف تیور روبرو آ گئے تھے۔

وہ تصویر کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے ذیشان! میں آپ سے الگ ہو کر کہاں جاؤں گی؟ اس بھری دنیا میں سوائے آپ کے میرا کوئی نہیں ہے۔ اس فرش سے اس عرش تک اور اس دنیا سے عاقبت تک جو راستہ گیا ہے اس پر آپ ہی میرے واحد ہم سفر ہیں۔ آپ کا ہاتھ چھوٹے گا تو میں دنیا سے بھی جاؤں گی اور عاقبت سے بھی۔''

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی، آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ زبان نے ساتھ چھوڑا تو دل بولنے لگا۔ ''آپ میرے مجازی خدا ہیں، خدا نے مجھے آپ کی خدائی میں بھیج دیا ہے لیکن سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ کوئی نہیں جانتا، آپ بھی نہیں جانتے کہ میں محبت اور عقیدت کے جنون میں آپ کے نام سے سجدہ کرتی رہتی ہوں۔''

اس کا سر دھیرے دھیرے جھکتا ہوا تصویر کے قدموں میں آ کر ٹک گیا، اکثر عورتیں کبھی بے بس ہو کر اور کبھی چاہت میں ڈوب کر اپنے مجازی خدا کے سامنے ایسے ہی سجدے کرتی ہیں۔

کچھ دیر بعد ہی وہ چونک گئی، سر اٹھا کر دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھنے لگی۔ صبح کے نو بجنے والے تھے، اسے ذیشان کے استقبال کے لیے جیل کے سامنے پہنچنا تھا۔

اس نے حلیہ درست کرنے کے لیے سنگار میز کی طرف دیکھا پھر یاد آیا کہ وہ اسے اپنے ہی ہاتھوں سے چکنا چور کر چکی ہے اور اس کی کرچیوں میں اپنی ساس کو دفن کر چکی ہے۔

اس نے پلٹ کر پھر ذیشان کی تصویر کی طرف دیکھا۔ ذرا غور کرنے سے اس کے شیشے پر اپنا عکس دکھائی دینے لگا۔

شوہر آئینہ بن گیا۔ وہ اس کے اندر اپنا آپ دیکھ ہی رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی روح میں اتر رہی ہے۔

وہ سوچوں کے سمندر میں کبھی ڈوبتی کبھی ابھرتی سینٹرل جیل کے سامنے پہنچ گئی۔ ذیشان اپنے وکیل کے ساتھ بڑے سے آہنی گیٹ کے ضمنی دروازے سے باہر آرہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ذیشان نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں تم کیوں رو رہی ہو؟ مجھے وکیل صاحب نے بتایا ہے کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے جیل میں آنا چاہتی تھیں لیکن اجازت نہیں ملی۔''

وہ اس کی بات سن کر اور زیادہ آنسو بہانے لگی، یہ سوچ ڈسنے لگی کہ جیل میں جا کر نہ مل سکی، اب وہ رہائی پا چکا ہے، جیل سے باہر آچکا ہے تب بھی جی بھر کر نہیں مل پائے گی۔ گھر پہنچتے ہی ساس یہ زہر گھول دے گی کہ نکاح ٹوٹ چکا ہے، ازدواجی رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ ماں کی بات سنتے ہی ذیشان اسے ٹھکرا دے گا۔

یہ خیال آتے ہی اس نے نظریں اٹھا کر ذیشان کو یوں دیکھا جیسے وہ کوئی فیصلہ سنانے والا ہو، ابھی اسی وقت اسے اپنی زندگی سے نکالنے والا ہو۔ اس کے برعکس وہ بڑی محبت سے اپنی محبوب بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے لیے آنسو بہا رہی تھی اور ایسے وقت بہت پُرکشش ہوگئی تھی۔ وہ بڑی چاہت سے اس کا شانہ تھپکنے لگا۔

وکیل جہاندیدہ تھا، میاں بیوی کے احساسات کو سمجھ سکتا تھا، زیادہ دیر تک کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا تھا، ذیشان سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا ''ویل مسٹر ذیشان! مجھے اجازت دیں۔ کل آفس میں آپ سے ملاقات ہوگی۔''

وہ مصافحہ کر کے رخصت ہوگیا۔ ذیشان نے اسما کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی کیا مقام ہے کبھی یہاں کسی کے بچھڑنے پر آنسو بہائے جاتے ہیں اور کبھی ملنے پر، لیکن تم شاید بھول رہی ہو، میں جیل کی طرف نہیں اپنے گھر کی طرف جانے والا ہوں۔''

وہ اس کا ایک ہاتھ تھام کر گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ''آپ یہاں آئیں، گھر جانے سے پہلے میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوا فرنٹ سیٹ پر آگیا۔ وہ دوسری طرف سے آکر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی، ذیشان نے پوچھا۔ ''ایسی بھی کیا باتیں ہیں، کیا یہ باتیں گھر میں نہیں ہوسکتیں؟''

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی، کچھ کہنے کے لیے الفا[ظ] تلاش کر رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک اس کے بولنے کا انت[ظار] کرتا رہا پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''کیا بات [ہے] اسما؟''

اس کا لمس محسوس کرتے ہی جیسے وہ چونک گئی، سر گھما[کر] اسے دیکھنے لگی پھر اس کے شانے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ [کر] رو پڑی۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ ج[ب] سے ملی ہو روئے چلی جا رہی ہو۔ غم کے بادل چھٹ چکے ہ[یں] پھر یہ برسات کیسی؟''

وہ اس سے الگ ہوگئی، آنچل سے چہرے کو پونچھ[تے] ہوئے بولی۔ ''ذیشان! مجھے معاف کر دیں، مجھ سے ای[ک] بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''تم تو میری جان ہو، ہزار غلطیاں ب[ھی] کرو گی تو تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس نے یوں سسکی لی جیسے اس کا محبت بھرا لہجہ سن کرا[س] کی آرزو میں سسک رہی ہوں، بچھڑنے سے پہلے آہیں [بھر] رہی ہوں۔ اس نے سر جھکا کر کہا۔ ''پتا نہیں معافی ملے گی یا نہیں؟ اس غلطی کے نتیجے میں، میں کبھی سزا پانے کے [لیے] آپ کی زندگی سے دور بھی جا سکتی ہوں؟''

اس نے اسے ایک ذرا تشویش سے دیکھتے ہو[ئے] پوچھا۔ ''آخر بات کیا ہے؟''

وہ ایک بار پھر رونے لگی، ہچکیوں کے درمیا[ن] بولی۔ ''ذیشان! میں نے آپ سے یہ بات چھپائی تھی کہ م[یں] آپ کی لاعلمی میں گل خانم سے فون پر باتیں کرتی رہ[ی] ہوں۔''

اس نے تعجب سے پوچھا۔ ''تم باتیں کرتی رہی ہو، لیکن گل خانم نے تو مجھے بتایا تھا کہ ممی اسے فون کرتی ہیں؟''

وہ ذرا ہچکچا کر بولی۔ ''ممی نہیں، میں ممی بن کر اس سے باتیں کرتی رہی ہوں۔''

وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا پھر ہنستے ہوئے بولا۔ ''تم ممی بن کر اسے فون کرتی رہی ہو؟ کمال ہے تم اسے دھوکا دی[تی] رہیں اور وہ بڑے مزے سے دھوکا کھاتی رہی، یہی سمجھتی رہ[ی] کہ ممی اسے مخاطب کر رہی ہیں۔''

وہ اسے گھور کر دیکھتے ہوئے بولی۔ ''آپ ہنس رہے ہیں؟ آپ کو یہ سن کر غصہ کیوں نہیں آرہا ہے کہ میں فون [پر ممی] بن کر آپ کو بیٹا کہتی رہی ہوں، رشتہ بدلنے کی بہت [بڑی] حماقت کرتی رہی ہوں۔''

''اس میں غصہ کرنے والی کیا بات ہے؟ مجھے تو ب[ہت]

[بہت] خوشی ہو رہی ہے کہ تم ایک اچھی بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ غضب کی اداکارہ بھی ہو۔''

''آپ میری اداکاری پر چہک رہے ہیں، یہ نہیں سوچ رہے ہیں کہ میری یہ حماقت دینی احکامات کے منافی ہے۔ [یہ] سوچیں، کیا ایسی حماقت کے بعد ہمارا رشتہ قائم رہے گا؟''

اس نے ایک ذرا ٹھٹک کر اسے دیکھا پھر [پو]چھا۔ ''کیوں نہیں رہے گا؟''

اس نے حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بھیگی [ہوئ]ی آواز میں کہا۔ ''ممی کہتی ہیں...... ممی کہتی ہیں......''

''کیا کہتی ہیں؟''

وہ اٹک اٹک کر بولی۔ ''ممی کہتی ہیں کہ م...... میں آپ [کے] نکاح سے خا...... خارج ہو چکی ہوں۔''

اس نے اتنا کہا پھر اس کے شانے پر سر رکھ کر بلک بلک [کر] رونے لگی۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے [ہوئ]ے بڑی محبت سے بولا۔ ''پاگل ہوئی ہو؟ کیا ہمارا رشتہ اتنا [کمز]ور ہے کہ ممی کے کہہ دینے سے ٹوٹ جائے گا؟''

وہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''انہوں نے [کہا] ہے کہ وہ کسی عالم دین سے فتویٰ لیں گی تو یہی بات [سا]منے آئے گی کہ ہمارا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ ممی کے تو من کی پوری ہونے والی ہے۔''

وہ سر جھٹک کر بولا۔ ''رشتہ نہ ہوا کچا دھاگا ہوگیا، تم بھی [ان] باتوں میں آگئیں، جو ہوا وہ سب ایک ڈراما تھا، ناٹک [تھا۔ ت]م نے فون پر اسما کی حیثیت سے نہیں ممی کی حیثیت سے [بات] کی تھی۔ ایسے وقت تم حقیقتاً ماں نہیں تھیں، ایک اداکارہ [تھیں] اور اداکارہ کبھی کسی کی ماں بنتی ہے، کبھی کسی کی بہن اور [ک]سی کی بیوی بنتی ہے، جب ڈراما یا فلم ختم ہوتی ہے تو پھر [ک]سی سے کوئی رشتہ نہیں رہتا۔''

وہ قائل ہونے کے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ [اس] کے چہرے کو ہاتھوں کے کٹورے میں لیتے ہوئے [بولا۔ '']تم نے صرف فون پر ہونے والی گفتگو کی حد تک خود کو [م]اں کہا اور ایسا کہتے وقت تمہارے خواب و خیال میں [یہ] بات نہیں ہوگی کہ تم کوئی غلطی کر رہی ہو۔''

وہ اپنی سیٹ پر سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''آپ [سمج]ھ رہے ہیں لیکن دینی معاملات بڑے نازک ہوتے [ہیں۔'']

''[ا]یسی بات نہیں ہے، ہمارے دین میں اتنی لچک ہے [کہ اگر کسی] سے نادانستگی میں کوئی غلطی ہو جائے اور پھر وہ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے توبہ کر لے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے تو اسے معافی مل جاتی ہے۔''

وہ قائل ہو کر سن رہی تھی اور کسی حد تک مطمئن ہو رہی تھی۔ وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے بڑے میٹھے لہجے میں بولا۔ ''تمہارے آنچل سے تو میرا مقدر بندھا ہے، تم تو میری زندگی ہو، میری جان ہو اور بھلا کوئی اپنی جان سے بچھڑ کر زندہ رہ سکتا ہے؟''

وہ اس کے قریب آگیا تھا، سرگوشیاں کر رہا تھا۔ وہ اس کی قربت سے دہکنے لگی تھی۔ ایسے ہی وقت ساس کی آواز سلگتے ہوئے ارمانوں پر اوس بن کر گرنے لگی۔ ''عالم دین بھی نکاح ٹوٹنے کا ہی فتویٰ دے گا اور ذیشان اس کے مطابق تمہیں اپنی زندگی سے نکال پھینکے گا۔''

اس نے ذیشان سے کہا۔ ''آپ مجھے بہلا رہے ہیں۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔ ''ارے بابا کہا ناں، کچھ نہیں ہوگا۔ خواہ مخواہ ...... اندیشوں میں مبتلا ہو رہی ہو۔ تم میری ہو اور ہمیشہ میری ہی رہو گی۔''

اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا پھر دھیرے سے کہا۔ ''اور وہ فتویٰ؟''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''عورت کا دوسرا نام وہم ہے۔ کوئی بات نہیں میں تمہاری تسلی کے لیے خود کسی عالم دین سے رجوع کروں گا۔ تمہیں اپنی زندگی سے نکلنے نہیں دوں گا۔''

اس کی بات سن کر وہ ایک دم سے کھل گئی، خوشی سے لہرا کر آگے بڑھی اور اس سے لپٹ گئی۔ دو دل ساتھ ساتھ دھڑکنے لگے۔ وہ جذبوں میں ڈوب کر بولی۔ ''میں جانتی تھی آپ کا پیار میرا حق ہے اور آپ کسی کو میرا یہ حق چھیننے نہیں دیں گے۔''

وہ سرگوشی میں بولا۔ ''ہم دونوں ایک دوسرے کے حقدار ہیں، پچھلے ایک ہفتے سے میرا حق تم پر ادھار ہے گھر پہنچتے ہی سود کے ساتھ وصول کروں گا۔''

وہ اس کی بات سن کر جھینپ گئی، اس کے سینے میں منہ چھپا کر شرمانے لگی پھر ایک دم سے چونک گئی فوراً ہی اس سے الگ ہوگئی۔ ذیشان نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

اس نے ایک ذرا ہچکچا کر اسے دیکھا پھر تشویشناک لہجے میں کہا۔ ''پتا نہیں، ہمارا اس طرح ملنا مناسب بھی ہے یا نہیں؟''

اس کی بات سنتے ہی ذیشان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا پھر اسے کھینچ کر بازوؤں میں بھر لیا۔

یہ دنیا عجیب ہے، یہاں کا دستور عجیب ہے، پھول کی قسمت میں کھل کر بکھرنا لکھا ہوتا ہے اور انسان کی قسمت میں مل کر بچھڑنا......

وہاں ان کی محبت کا پھول کھل رہا تھا، وہ ایک دوسرے سے مل رہے تھے، کیا آج محبت کھلتا ہوا پھول کل بکھر جائے گا' آج ملنے والے کل بچھڑ جائیں گے؟

ان سوالوں کے جواب مشکل سے ہی ملتے ہیں۔ میں ان کا مقدر تھا اور اس وقت ان کے ہاتھوں کی لکیروں پر ان کا ہم سفر تھا۔ وہ انجان تھے لیکن میں خوب جانتا تھا کہ ان لکیروں کی رہ گزر انہیں کہاں لے جانے والی ہے؟

☆☆☆☆

زندگی میں ٹھوکریں لگتی ہی ہیں۔ کبھی پیار سے ٹھوکر لگتی ہے، کبھی عداوت سے، کبھی دل کی دنیا میں ٹھوکر لگتی ہے، کبھی دنیا ٹھوکر مار کر اوندھے منہ گراتی ہے۔

سوتیلی ماں عداوت سے ٹھوکر مار رہی تھی، اسے اپنی بیٹی کے سامنے اوندھے منہ گرانا چاہتی تھی۔ شکیلہ کوئی گئی گزری نہیں تھی، بھرپور جوان تھی، لبالب بھرے ہوئے کنویں کی طرح تھی جسے وہ پیاسا کسی وقت بھی منہ لگا سکتا تھا۔

لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پیاسا نہیں ہے اور وہ تھی کہ بس چھلکے جا رہی تھی۔ اس اپنی طرف کھینچنے کے لیے سیلاب بلا بننے سے بھی انکار کرنے والی نہیں تھی۔

ماں اسے کیلے کا چھلکا بنا رہی تھی، جس پر سے وہ کسی وقت بھی پھسل سکتا تھا۔ ایسے میں وہ کبھی سنبھل رہا تھا، کبھی ڈگمگا رہا تھا۔ بیوی کا غم غلط کرنے کے لیے شراب کا سہارا لے رہا تھا۔ رات گئے تک نائٹ کلب میں رہنے لگا تھا۔ دل میں سلگنے والی رومانہ کی یادوں کو ایک ذرا تھپکنے کے لیے انگور کی بیٹی سے پیاس بجھانے لگا تھا۔

اس رات موسم کے تیور بگڑے ہوئے تھے، بادل گرج گرج کر احتجاج کر رہے تھے۔ اس کی گڑگڑاہٹ ایسی لگ رہی تھی' جیسے کوئی فریادی گڑگڑا رہا ہو، زنجیر عدل کھینچ رہا ہو۔

اس وقت شکیلہ ماں کے کمرے میں تھی، دونوں بڑے راز دارانہ انداز میں گفتگو کر رہی تھیں۔ ایسے ہی وقت بادل زور سے گرجا، بجلی کڑک دار آواز کے ساتھ کسی ناگن کی طرح ادھر سے ادھر لہرائی پھر اس کے ساتھ ہی پوری کوٹھی میں اندھیرا چھا گیا۔ بیٹی نے گھبرا کر ماں کا ہاتھ تھام لیا، بجلی کی چمک کھڑکی کے راستے کمرے میں فلیش لائٹ کی طرح آئی۔ روشنی ایک ذرا جھلکی، بیٹی کا پریشان چہرہ دکھائی دیا پھر اندھیرا چھا گیا۔ روشنی ہوئی، ماں کا مسکراتا چہرہ دکھائی دیا پھر اندھیرا چھا گیا۔

بجلی یوں جھماکے کر رہی تھی جیسے کوئی شوخ محبو[ب] محبوب کو ستا رہی ہو، کبھی گھونگٹ الٹ کر مسکرا رہی ہو [کبھی] گھونگٹ گرا کر جلوؤں کی پیاس جگا رہی ہو۔

ان دونوں کی راز دارانہ گفتگو سرگوشیوں میں بد[ل گئی]۔ ماں نے سرگوشی کی۔ ''یہ اچھا موقع ہے خدا بھی ہم پر [مہربان] ہو رہا ہے اور بجلی سپلائی کرنے والے بھی مہربان ہیں [۔] وہ کچھ ہی دیر میں ڈگمگاتا، لڑکھڑاتا سوکھے پتے کی [طرح] یہاں آئے گا تو تم اسے اپنی بانہوں کے گلدان میں [پھول کی] طرح سجاؤ گی۔''

وہ اس کے قریب جانے کا سوچ کر اندر ہی اندر [۔۔۔] اس نے شمع روشن کر دی تھی۔ اس کی روشنی میں چہرہ [۔۔۔] لگا۔ ایسے ہی وقت اسے جاوید کا رویہ یاد آیا۔ وہ ا[س] سے کتراتا جاتا تھا۔ بات کرنا تو درکنار وہ اسے مسکرا کر [بھی نہیں] دیکھتا تھا اور وہ اپنی چاہت سے مجبور تھی نظر انداز [ہونے] کی ذلت اٹھانے کے باوجود اسے اپنے دل سے نہیں [نکال پا] رہی تھی۔

ماں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ ''جو سمجھ[ایا ہے] وہی کرنا۔''

موم بتی کی تھرتھراتی ہوئی روشنی میں یہ اندیشہ کپکپا[نے لگا] کہ اس سنگ دل پر آج بھی جادو نہ چلا تو کیا ہوگا؟

وہ ذرا مایوسی سے بولی۔ ''ممی! مجھے بہت ڈر [لگ رہا] ہے۔ میں اس کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ لیکن با[ت نہ بنی] تو آج کے بعد اس کا ری ایکشن کیا ہوگا؟''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''اس کے تو ہاتھوں سے ط[وطے اڑ] جائیں گے۔ سب کچھ ہماری پلاننگ کے مطابق ہ[وگا۔] دیکھو گی کہ وہ... مغرور کیسے مکھن کی طرح پگھل کر [تمہارے] قدموں میں آئے گا؟''

وہ بولی۔ ''آپ تو ماں کے دل سے سوچ رہی [ہیں] ماں کی زبان سے تسلیاں دے رہی ہیں۔ خدانخوا[ستہ یہ] منصوبہ ناکام رہا تو میں اس کے لیے بالکل ہی صفر [ہو جاؤں] گی۔''

''تم خواہ مخواہ اندیشوں میں مبتلا ہو رہی ہو [۔۔۔] سے سوچو، وہ نشے کی حالت میں ہوگا اور ایسے میں [وہی ہوگا] جو تم اسے سمجھاؤ گی۔ بے فکر رہو، کوئی گڑبڑ ہو [گی تو] تمہارے پیچھے تمہاری ماں ہے۔''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی، سرگوشیاں تھم گئیں [۔۔۔] کا منہ تکنے لگی، موم بتی کی زرد روشنی میں ان کے چ[ہرے ۔۔۔]

[۔۔۔] ہو رہے تھے، سامنے والی دیوار پر دونوں کے سائے کسی آسیب کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

[۔۔۔] مگر اندیشے تھے کہ شکیلہ کی جان ہی نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ماں اس کی حالت کو سمجھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے بولی۔ ''مایوسی کی باتیں مت سوچو، بس اتنا سمجھ لو تم جو چاہتی ہو وہ ضرور ہوگا، آج کامیابی تمہارے مقدر میں لکھی گئی ہے۔''

[میں] اس وقت میں ان کی ہتھیلیوں پر تھا، مسکرا کر ان تدبیر کرنے والیوں کو دیکھ رہا تھا۔ جاوید کو جھکانے اور اسے اپنے زیر اثر لانے کا منصوبہ بہت زبردست تھا مگر اس میں کس حد تک کامیابی حاصل ہونے والی تھی یہ میں ہی جانتا تھا۔

[۔۔۔]لی پاشا نے اپنے طور پر پیش گوئی کر دی تھی، وہ [د]رست بھی ہو سکتی تھی اور غلط بھی، انسان خوش فہم نہ ہو تو پھر دنیا کا کھیل ختم ہو جائے گا۔ یہ خوش فہمیاں ہی ہوتی ہے جو انسان کو آگے قدم بڑھانے پر مجبور کرتی ہیں۔ شکیلہ بھی قدم بڑھا [رہ]ی تھی۔ اب نہ جانے آگے کھائی میں گرنے والی تھی یا [ک]امیابی کی بلندی تک پہنچنے والی تھی؟

بجلی کے جھماکوں سے کوٹھی پل بھر میں روشن ہوتی تھی [او]ر پلک جھپکتے ہی اندھیروں میں ڈوب جاتی تھی۔

رات گئے کوٹھی کا بیرونی دروازہ کھلا، وہ اندھیرے میں [لڑ]کھڑاتا ہوا، چیزوں سے ٹکراتا ہوا، کوٹھی کے مختلف حصوں [س]ے گزر کر اپنے کمرے میں پہنچا تو دروازہ کھولتے ہی ٹھٹک گیا' [۔۔۔]دی ریشمی آنچل تھا جو اس کے چہرے کو چھو کر گزرتا چلا گیا [تھ]ا۔

بیرونی کھڑکی کھلی ہوئی تھی، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اندر [آ ر]ہے تھے، کھڑکی کے پردے یوں لہرا رہے تھے، جیسے کوئی [۔۔۔]ینہ ریشمی بانہیں پھیلائیں اپنے محبوب کو بلا رہی ہو۔

وہ نشے میں چور تھا دھندلائی ہوئی آنکھوں سے کمرے کو [دیکھ ر]ہا تھا۔ ایسے ہی وقت وہ ذرا چونک گیا، دھندلائی ہوئی [آن]کھوں کو پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا، کھڑکی کے پاس رومانہ [دکھ]ائی دے رہی تھی۔

ہاں، وہ رومانہ ہی تھی، بھلا اس کے کمرے میں اور کون [آ سک]تی تھی؟ وہ کھڑکی کی طرف منہ کیے کھڑی تھی، باہر سے آنے [وا]لے ہوا کے جھونکے اس کی زلفوں سے الجھ رہے تھے، [۔۔۔]ے پر گیسوؤں کی چلمن بنا رہے تھے اور جاوید کو الجھا رہے [تھے]۔ چہرہ واضح نہیں ہو رہا تھا لیکن وہ رومانہ ہی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا، وہ اس کی آمد سے [بے] نیاز رہی، بہ دستور کھڑکی سے باہر جھانکتی رہی۔ وہ آگے بڑھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ ''کیا میری آہوں میں اتنا اثر ہے کہ وہ دنیا سے منہ پھیر کر جانے والی میری تڑپ اور بے چینی دیکھ کر واپس چلی آئی ہے؟''

نشے کے باوجود ذہن چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ ''نہیں، مرنے کے بعد کوئی دنیا میں واپس نہیں آتا، ہزاروں افراد مرتے ہیں اور اپنے پیچھے ماتم کرنے والوں کو چھوڑ جاتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ مرنے والا ان ماتم کرنے والوں کی آہیں سن کر عرش سے فرش پر چلا آئے۔ یہ نظر آنے والی رومانہ نہیں ہے، فریب ہے، تم اسے ہاتھ لگاؤ گے تو یہ غائب ہو جائے گی۔''

وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا، ایک ہاتھ اٹھا کر دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھانے لگا۔ ایسے وقت دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ بڑھتے ہوئے ہاتھ میں ایک ذرا لرزش پیدا ہو گئی تھی، وہ بزدل نہیں تھا مگر اس خدشے سے خوف زدہ تھا کہ وہ قریب آنے والی ہاتھ لگاتے ہی کہیں گم ہو جائے گی۔

وہ اسے دور ہی دور سے دیکھ سکتا تھا لیکن اپنے دل سے مجبور ہو گیا تھا، پاس آ کر چھونے کو مچل گیا تھا، وہ لرزتا ہوا ہاتھ خدشے کی انگلی تھام کر آگے بڑھا اور اس کے شانے پر ٹک گیا۔ پل بھر کو یوں لگا، جیسے ابھی کوئی دھماکا ہوگا اور یہ خوابناک سا منظر نظروں سے اوجھل ہو جائے گا لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ وہ اس کا لمس محسوس کر کے ایک ذرا چونک گئی تھی۔

جاوید نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔ ''رو...... رومانہ! تم؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بڑی آہستگی سے اس کی طرف پلٹ گئی۔ چہرے پر اب بھی زلفوں کے بادل چھائے ہوئے تھے، بجلی کا جھماکا پل بھر کو اسے روشن کر رہا تھا۔ وہ اسے بہ غور دیکھنے لگا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

اس نے پھر پوچھا۔ ''رومانہ! یہ تم ہی ہو؟''

وہ سر اٹھا کر بڑی آہستگی سے بولی۔ ''دل کی آنکھوں سے دیکھو گے تو رومانہ ہوں۔''

اس کا لہجہ سن کر وہ ایک دم سے چونک گیا، فوراً ہی اس سے دور ہو کر ناگواری سے بولا۔ ''تت...... تم؟ تم یہاں کک...... کیا کر رہی ہو؟''

اس کا لہجہ سن کر وہ ذرا بجھ سی گئی پھر بھی آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ ''تمہیں سنبھالنے آئی ہوں، کیوں شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتے کی طرح ادھر ادھر ڈولتے پھرتے ہو؟ آؤ۔ میری پناہ میں آ جاؤ۔''

وہ ڈگمگاتے قدموں سے پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ ''دور

رد ہوم...... مجھ سے......"

نشے کے باعث قدم ڈگمگا رہے تھے اور زبان لڑکھڑا رہی تھی وہ ہوش اور مدہوشی کے درمیان بھٹک رہا تھا۔ وہ بے بسی سے بولی۔ "پلیز جاوید! ایسی سنگدلی تو نہ دکھاؤ۔ مجھے نظر بھر کر دیکھو تو سہی، مجھ میں کس چیز کی کمی ہے؟ کیا میں جوان اور خوبصورت نہیں ہوں؟"

اسے اپنی رومانہ یاد آنے لگی، وہ بڑے کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔ "تت...... تم جیسی بھی ہو...... لے...... لیکن میری رو...... رومانہ جیسی نہیں ہو۔ اس جیسی کوئی دو...... دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔"

وہ جیتا جاگتا حسن کا شاہکار بنی ہوئی تھی، جلوؤں سے بھرپور مجسمے کی طرح سامنے کھڑی تھی، ایک نظرِ عنایت اس مجسمے میں جان ڈال سکتی تھی مگر وہ نشے کے باوجود اسے دھتکار رہا تھا وہ یہ ذلت برداشت کر رہی تھی لیکن یہ بے عزتی برداشت نہ کر سکی کہ وہ سانس لیتے ہوئے جلوؤں کو ٹھکرا کر مردہ ہو جانے والے حسن کے قصیدے پڑھے۔

اس نے بڑی حقارت سے پوچھا۔ "ایسا کیا تھا اس بیاری کی پوٹلی میں جو مجھ میں نہیں ہے؟"

وہ مرحومہ کی برائی سنتے ہی بھنا گیا، غرا کر بولا۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ تم میری رومانہ کی جگہ نہیں لے سکو گی۔"

"تم دل میں جگہ دو گے تو مجھے اس کی جگہ مل جائے گی۔"

وہ کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھنے لگی، وہ انکار میں سر ہلاتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ "نن...... نہیں میرے قریب مت آ...... آؤ...... یہاں سے چلی جاؤ...... چل...... چلی جاؤ...... جاؤ......"

اس سے پہلے کہ وہ اسے ہاتھ لگاتی، وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا، بیڈ سے ٹکرایا اور کسی جھنڈے کی طرح لہراتا ہوا سرنگوں ہو گیا، دھپ سے بستر پر چاروں شانے چت گر پڑا۔ وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی اسے ڈگمگاتے اور پھر گرتے دیکھتی رہی تھی۔

"گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں۔"

لیکن وہ تو ایسا شہسوار تھا جو سوار ہونے سے پہلے ہی میدانِ جنگ میں چاروں شانے چت ہو گیا تھا۔

بیرونی کھڑکی اب بھی کھلی ہوئی تھی، بجلی اب بھی جھماکے مار رہی تھی، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اب بھی اندر آ رہے تھے لیکن اب ان جھونکوں میں شکیلہ کو اپنے ارمانوں کی اڑتی ہوئی دھول دکھائی دے رہی تھی، ہر طرف دھند ہی دھند چھا رہی تھی اور اس دھند میں رومانہ کا چہرہ واضح ہو رہا تھا۔

وہ طنزیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی پھر ناگواری سے بولی۔ "تمہاری خوش فہمی ختم ہو گئی؟ جاوید صرف میرے اور ہمیشہ میرے ہی رہیں گے۔ تم اداؤں کے تیر چلاؤ، جلوؤں کی تجلی دکھاؤ، یہ کبھی گھائل نہیں ہوں گے۔ میں خوش نصیب ہوں، مرنے کے بعد بھی اپنے شوہر کی یادوں میں، تنہائیوں میں بسی ہوئی ہوں مگر تم کیسی بدنصیب ہو کہ مقناطیس ہوتے ہوئے بھی لوہے کو اپنی طرف کھینچ نہیں سکتی ہو۔ اب بھی ایسی کوئی خوش فہمی ہے تو جاؤ انہیں حاصل کر کے دکھاؤ۔

تمہاری اس سے زیادہ اور کیا انسلٹ ہوگی کہ جاوید نے تمہیں منہ لگانے کے بجائے شراب جیسی لعنت کو منہ لگایا ہے۔"

اس کا طنزیہ لہجہ آگ پر تیل کا کام کر رہا تھا وہ اس کی بات سن کر آگ بگولا ہو گئی۔ بڑی حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "اب یہ میرا ہے اور میں اسے حاصل کر کے رہوں گی۔"

اتنا کہہ کر وہ میدانِ جنگ میں اترنے کی تیاری کرنے لگی۔ اپنے نیم عریاں لباس سے بغاوت پر اتر آئی، دیکھتے ہی دیکھتے تہذیب اسی طرح برہنہ ہوتی ہے۔

کھڑکی کا پردہ ہٹا کر جھانکنے والی ماں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی پھر وہاں سے پلٹ کر اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔

ماؤں کی آنکھیں ایسے وقت حیا سے جھک جاتی تھیں لیکن اب معاشرہ بدل چکا ہے، زمانہ بدل چکا ہے، اکیسویں صدی میں سانس لینے والی تہذیب بھی بدل چکی ہے۔

رات دھیرے دھیرے یوں گزرنے لگی جیسے شکیلہ کو ٹھہر کر دیکھ رہی ہو اور انگشت بدنداں ہو رہی ہو۔ یہ اکثر ہی اپنے اندھیرے میں اندھیر مچانے والوں کو دیکھتی رہتی ہے اور ایسا منظر بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ سوکھی ندی دریا کے کنارے آ کر بھی پیاسی رہ جاتی ہے، امنگوں کی گھٹائیں، امنڈ امنڈ کر آتی ہیں، مگر ساون ایسا ہوتا ہے کہ برسنے کا نام نہیں لیتا۔

پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا، شاید صبح ہونے والی تھی جاوید نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں، نشے کا خمار ڈھل چکا تھا ذہن کا بوجھل پن کم ہو رہا تھا لیکن سینے پر اب بھی کچھ بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے ذرا سر اٹھا کر دیکھا تو ایک دم چونک گیا۔

اس کے سینے پر سر رکھے گہری نیند میں تھی، ادھر سے ادھر تک کھلی کتاب کی طرح بکھری پڑی تھی۔

ایک ایک باب کی ایک ایک سطر واضح ہو رہی تھی اور ہر سطر میں قیامت کے فقرے تھے۔ ان فقروں نے بڑی بڑی تباہیاں پھیلائی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ فقرے اپنے وقت کے بادشاہوں اور شہنشاہوں کو فقرا بنا چکے ہیں انہیں پڑھنے والے تو جنت سے بھی نکالے جا چکے ہیں۔

اس نے بے یقینی سے پلکیں جھپک کر اسے دیکھا، وہ کوئی خیال نہیں تھی کہ پلک جھپکتے ہی غائب ہو جاتی۔ وہ ایک دم سے اچھل کر بیڈ پر بیٹھ گیا، کچھ حیران سا، کچھ پریشان سا ہو کر بولا۔ "یہ...... یہ کیا بے...... بے ہودگی ہے؟ تم یہاں میرے پاس کیسے آ گئیں؟"

اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں، وہ سوالیہ نظروں سے اسے گھور رہا تھا، وہ جھجکتی ہوئی، شرماتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی پھر نظریں جھکا کر بولی "بھلا یہ کیا سوال ہوا؟ مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو؟ ہارنے والیوں کے سر جھک جایا کرتے ہیں۔ بولنے کے لیے کچھ نہیں رہ جاتا۔ تم خود ہی سمجھ لو۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "کیا بکواس کر رہی ہو؟"

وہ ایک ادائے ناز سے دونوں ہاتھ اٹھا کر بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹنے لگی، زلفیں سمٹ رہی تھیں اور بدن کی کائنات بکھر رہی تھی۔ ایسے میں فرشتوں کا ایمان بھی ڈول جاتا ہے اور وہ تو پھر انسان تھا۔

وہ جلوؤں کی تاب نہ لا سکا۔ منہ پھیر کر بیڈ سے اتر گیا۔ فرش پر سے اس کا لباس اٹھا کر اس کی طرف اچھالتے ہوئے بولا۔ "اسے پہنو اور یہاں سے چلی جاؤ۔"

وہ بیڈ سے اترتے ہوئے بولی۔ "کیوں چلی جاؤں؟ کیا مطلب کے پجاری ہو؟ ضرورت کے وقت پوچھتے ہو پھر منہ پھیر لیتے ہو۔"

حسن کی کتاب کو ان پڑھ بھی پڑھ لیتے ہیں، وہ تو پھر پڑھا لکھا تھا، ہر سطر کو اس کے معنی و مفہوم کے ساتھ پڑھ سکتا تھا لیکن اس کھلی ہوئی کتاب کو بند کرنا چاہتا تھا۔ وہ الزام دے رہی تھی اور وہ انکار کر رہا تھا۔

اس نے تنک کر کہا۔ "میں جانتی ہوں، مطلب نکل جائے تو مردوں کے تیور بدل جاتے ہیں لیکن تم تو گرگٹ سے بھی تیز نکلے بڑی جلدی رنگ بدل رہے ہو۔"

وہ ایک دم سے بپھر کر بولا۔ "تم ہوش میں تو ہو۔ یہ کیا فضول بک رہی ہو؟"

وہ بڑے پختہ لہجے میں بولی۔ "میں تو رات کو بھی ہوش میں تھی اور اب بھی ہوں، بک نہیں رہی ہوں، حقیقت بیان کر رہی ہوں لیکن تمہیں تو کچھ یاد ہی نہیں ہے۔"

وہ بڑی حقارت سے بولا۔ "مجھے خود پر پورا یقین ہے، میں ہوش و حواس میں تو کیا نشے میں بھی اپنی رومانہ کی جگہ کسی اور کو نہیں دے سکتا۔"

"اونہہ، کسی کو نہیں دیتے، اور دے بھی چکے ہو۔ میں تمہاری رومانہ کی جگہ لے چکی ہوں۔"

بات ختم ہوتے ہی ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر پڑا اس کا منہ دوسری طرف گھوم گیا، باچھوں سے لہو کی ننھی سے دھار بہنے لگی۔ وہ اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے بولا۔ "میں نہیں جانتا کہ تم یہ کون سا ڈراما پلے کر رہی ہو مگر ایک بات کان کھول کر سن لو، میں تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا۔"

بی پاشا رات بھر بیٹی کی خیریت معلوم کرتی رہی تھی، کھڑکی کا پردہ ہٹا کر جھانکتی رہی تھی، اس وقت بھی اپنے بیڈ روم سے نکل کر جاوید کے کمرے کی طرف آ رہی تھی لیکن اندر سے آنے والی آوازیں سن کر رک گئی، فوراً ہی سمجھ گئی کہ شیر جاگ چکا ہے اور دھاڑ رہا ہے۔ وہ آگے بڑھنے کے بجائے تیزی سے پلٹ کر اپنے میاں کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

شکیلہ تکلیف سے کراہ رہی تھی، اپنے بالوں کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "یہ کیا جہالت ہے؟ مجھے چھوڑو، میں کوئی ڈراما نہیں کر رہی ہوں جو سچ ہے وہی بتا رہی ہوں۔"

اس نے غصے سے گھور کر اسے ایک زور کا دھکا دیا وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے گئی اور بیڈ سے ٹکرا گئی۔ وہ ٹکرانے کا عزم کر کے ہی آئی تھی۔ وہاں سے پلٹ کر پھر اس سے ٹکرا گئی۔

ادھر بیٹی جونک بنی ہوئی تھی، ادھر ماں اپنی اداکاری کا مظاہرہ کرنے لگی، میاں کا شانہ جھنجوڑ کر روتے ہوئے بولی۔ "اس گھر میں یہ کیسا اندھیر ہو رہا ہے؟ آپ بے خبر پڑے سو رہے ہیں، ذرا اٹھ کر دیکھیں! آپ کے بیٹے نے میری بچی کو اپنے کمرے میں بند کر رکھا ہے، پتا نہیں کیا ظلم ڈھا رہا ہے؟ میں دروازے پیٹ پیٹ کر تھک گئی ہوں خدا کے لیے چلیں، اس دروازے کو کھلوائیں۔"

اس نے پریشانی سے اور بے یقینی سے اپنی چہیتی بیگم کی باتیں سنیں پھر فوراً ہی بیڈ سے اتر کر اس کے ساتھ چلتا ہوا بیٹے کے دروازے پر پہنچا۔ اندر سے جھگڑے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ باپ نے دستک دے کر بلند آواز میں پوچھا۔ "جاوید! یہ کیا ہو رہا ہے؟ دروازہ کھولو......"

باپ کی آواز سنتے ہی وہ چونک گیا، الماری سے ایک چادر نکال کر شکیلہ کی طرف اچھالتے ہوئے بولا۔ ''اسے لپیٹو، میں دروازہ کھولوں گا۔''

''کیوں لپیٹوں؟ تمہارا دوسرا روپ کیا ہے تمہارے باپ کو معلوم ہونا چاہیے۔''

اس نے ایک نظر اس پر ڈالی، اس کے تیور سمجھا رہے تھے کہ بحث کرنا فضول ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا، پہلے بی پاشا اندر آئی، بیٹی کی حالت دیکھ کر ایسا ظاہر کرنے لگی، جیسے سکتے میں آگئی ہو، صمد بیوپاری بھی چونک گیا تھا۔ شکیلہ اپنے بدن کو چادر میں لپیٹتی ہوئی ماں کے قریب آئی پھر روتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

باپ نے غصے سے پوچھا۔ ''جاوید! یہ سب کیا ہے؟''

''میں کیا بتاؤں، میری تو خود سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔ یہ میرے کمرے میں کب آئی کیسے آئی میں نہیں جانتا۔''

شکیلہ نے روتے ہوئے کہا۔ ''ممی! یہ جھوٹ بول رہے ہیں، میں خود نہیں آئی تھی، انہوں نے ہی مجھے بلایا تھا۔''

وہ غصے سے دھاڑا۔ ''جھوٹ مت بولو۔''

باپ نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''جاوید! یہ بات کرنے کا کیا انداز ہے؟''

''ڈیڈ! آپ بھی میری جگہ ہوتے تو اسی انداز میں بات کرتے۔ یہ جھوٹ پر جھوٹ بول رہی ہے، مجھ پر الزام لگا رہی ہے۔''

''میں صرف اتنا پوچھ رہا ہوں کہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے؟''

بی پاشا نے روتے ہوئے کہا۔ ''آپ بھی خوب ہیں، آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی پوچھ رہے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟''

اس نے بیٹے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا، وہ بولا۔ ''ڈیڈ! میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں، آپ جو سوچ رہے ہیں ویسا کچھ نہیں ہوا ہے۔''

ماں نے بیٹی کے بکھرے ہوئے بال اور ہونٹ سے رستے ہوئے خون کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا۔ ''ہاں اس کا حلیہ بتا رہا ہے کہ تم نے اسے چھوا نہیں ہے۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے سوتیلی ماں کو دیکھا پھر کہا۔ ''آپ کی بیٹی کوئی نادان بچی نہیں ہے اگر میں نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا تو یہ میرے بلاوے پر کیوں چلی آئی؟''

صمد بیوپاری نے اس بار شکیلہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ایک ذرا گڑبڑائی پھر سنبھلتے ہوئے بولی۔ آپ تو جانتی ہیں، رات تیز بارش کی وجہ سے بجلی کا ڈاؤن ہوا تھا مجھے اندھیرے میں ڈر لگ رہا تھا میں اسٹینڈ ہاتھ میں لیے آپ کے بیڈ روم کی طرف آرہ ایسے ہی وقت جاوید نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے انہیں ماچس نہیں مل رہی ہے، ذرا یہ کینڈل اسٹینڈ میرے کمرے میں آجاؤ۔''

اتنا کہنے کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ نے بیٹے کو دیکھا۔ شکیلہ نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔ '' معلوم تھا کہ میں ان کے کمرے میں روشنی کرنے جا اور یہ میری زندگی میں اندھیر مچادیں گے؟''

وہ بولا۔ ''یہ سراسر مجھ پر الزام لگا رہی ہے۔''

باپ نے کہا۔ ''اپنی حرکت پر پردہ ڈالنے کی کو کرو، کوئی لڑکی بھلا جان بوجھ کر بدنام کیوں ہونا چاہے

وہ الجھ کر بولا۔ ''یہی بات میری سمجھ میں نہیں ہے۔''

پھر اس نے بی پاشا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر م آپ کی بیٹی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو یہ اپنے بچ لیے چیخی ہوگی، چلائی ہوگی۔ آپ کا کمرا یہاں سے دور ہے پھر بیٹی کی چیخ دپکار کیوں نہ سن سکیں؟''

اس نے خاموش نظروں سے جاوید کو یوں دیکھا کوئی بہانہ تلاش کرنے کے لیے مہلت حاصل کر رہی کہا۔

رات بارش کا بہت شور تھا، ایسے میں مجھے کیے ہوسکتا تھا کہ میرے کمرے کے باہر دوسرے کمرے ہو رہا ہے؟''

پھر وہ اپنے شوہر سے بولی۔ ''آپ کا بھی کمرا سے دور نہیں ہے۔ کیا آپ نے بارش کے شور میں بی کی چیخیں سنی تھیں؟ کیا آپ نے آنکھیں کھولی تھیں؟ اگر اب آپ کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیوی کو دیکھا سے کہا۔ ''بہتر ہے، تم اپنا جرم تسلیم کرلو۔''

''جو جرم میں نے کیا ہی نہیں ہے۔ اسے کیا کروں؟ آپ اپنے بیٹے کا یقین نہیں کر رہے ہیں۔''

''کیسے کروں، جب کہ سچائی اپنی آنکھوں سے ہوں۔''

اس نے بے بسی سے باپ کو دیکھا۔ بی پا کہا۔ ''میں تو خوشی خوشی اپنی بیٹی کا ہاتھ تمہار

میں دے رہی تھی پھر یہ ڈاکا ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟''

وہ حقارت سے بولا۔ ''میں نے کوئی ڈاکا نہیں ڈالا ہے۔ مجھے کل بھی انکار تھا اور آج بھی انکار ہے۔''

وہ تڑپ کر اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ ''کل کی بات اور تھی، آج میری بیٹی پر ظلم ہوا ہے۔ میں نے بیٹی کی عزت آبرو کی خاطر ہی تمہارے باپ سے شادی کی ہے۔ یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ اسی گھر میں میری بیٹی کی عزت لٹ گئی۔ اب اسے عزت ملے گی تو اسی گھر میں اور اگر نہ ملی تو میں تم باپ بیٹے کے سامنے اسے زندہ جلا ڈالوں گی۔''

یہ کہتے کہتے وہ رونے لگی اور روتے روتے اس کے قدموں میں بیٹھنے لگی۔ اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی لیکن یہ ہوس بڑی ظالم شے ہے، زیادہ سے زیادہ کے لالچ میں کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے، لوگ خدا کے سامنے جھکیں، نہ جھکیں لیکن ایک دوسرے کے سامنے ضرور جھکتے ہیں۔

وہ بھی جھک رہی تھی مگر اس کے قدموں کو چھونے کے لیے نہیں بلکہ اس خزانے کو حاصل کرنے کے لیے جو اس کے پیروں تلے دفن تھا۔

صمد بیوپاری اسے شانوں سے تھام کر اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ یہ شکیلہ سے شادی کرے گا اور ضرور کرے گا۔ پہلے میں دباؤ نہیں ڈال رہا تھا مگر اب میرا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ جو رشتے میں میری بیٹی ہے، اس کی عزت میرے ہی گھر میں لٹ گئی۔ اف خدایا! میرے بیٹے نے اسے میری بہو نہ بنایا تو میں اپنی جان دے دوں گا۔''

شکیلہ کا دل امیدوں سے تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ماں کی پلاننگ بڑی کامیابی سے اپنے صحیح انجام تک پہنچ رہی تھی۔ دوسری طرف جاوید انکار تو کر رہا تھا لیکن اندر ہی اندر الجھ رہا تھا، ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود کوئی لمحہ یاد نہیں آرہا تھا جس کے باعث وہ خود کو خطاوار ٹھہراتا۔

اس نے باپ کو دیکھتے ہوئے بڑی عاجزی سے کہا۔ ''آپ کسی ثبوت کے بغیر مجھے مجرم ٹھہرا رہے ہیں۔''

شکیلہ دھاڑیں مار کر روتی ہوئی ماں سے لپٹ گئی۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ رونے کے انداز نے سمجھا دیا کہ وہ جھوٹی نہیں ہے، جاوید اسے جھٹلا رہا ہے، بی پاشا نے غصے سے کہا۔ ''تم نے تو ڈھٹائی کی حد کردی۔ آخر سچائی کو کب تک جھٹلاتے رہو گے۔''

جاوید نے حقارت بھری نظروں سے اسے گھورا پھر بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ سچ ہے تو اسے ثابت کیا جائے۔''

ماں بیٹی نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''ایک ماں سے اس کی بیٹی کے سلسلے میں بے حیائی کا ثبوت مانگ رہے ہو۔ تمہارے پاس ذرا سی بھی شرم وحیا ہے کہ نہیں؟''

وہ باپ سے بولا۔ ''یہ باتیں ہی بناتی رہیں گی۔ مجھے گناہ گار ثابت نہیں کرسکیں گی۔''

''ثابت کیا کرنا ہے؟ اس کی حالت تمہارے گناہوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔''

''یہ سارے بناوٹی ثبوت ہیں۔''

باپ نے غصے سے کہا۔ ''تم خواہ مخواہ بکواس کیے جارہے ہو۔ بے حیائی کے کھیل ایسی چال بازی سے کھیلے جاتے ہیں کہ ان کا کوئی چشم دید گواہ نہیں ہوتا اور تم ہو کہ ثبوت مانگ رہے ہو؟ سراسر سچ سے انکار کیے جارہے ہو۔''

وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''میں ثابت کرسکتا ہوں کہ یہاں گناہ کا کوئی کھیل نہیں کھیلا گیا ہے۔''

ماں بیٹی نے ذرا پریشان ہو کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ انہیں چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ ''ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔ ابھی اس لڑکی کا میڈیکل چیک اپ کرایا جائے۔''

ماں بیٹی کے دماغوں میں ایک دھماکا سا ہوا، بیٹی نے ایک دم سے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا، وہ ایسی زرخیز زمین تھی جس میں ابھی بیج نہیں بویا گیا تھا پھر بھلا کاشتکاری کی رپورٹ کیسے ملتی؟

بی پاشا نے ایک دم سے بھڑک کر کہا۔ ''بڑی دور کی کوڑی لا رہے ہو۔ میری بیٹی کو دو کوڑی کا بنا دینا چاہتے ہو۔ پہلے اسے گھر کی چار دیواری میں تماشا بنایا اب دنیا والوں کے سامنے تماشا بنانا چاہتے ہو؟''

باپ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''یہ میری بیٹی تھی اب بہو بننے والی ہے۔ میں گھر کی عزت کو تماشا نہیں بناؤں گا۔ اس کا میڈیکل چیک اپ نہیں ہوگا۔''

وہ بولا۔ ''کوئی تماشا نہیں ہوگا۔ میڈیکل چیک اپ راز داری سے ہوسکتا ہے۔ اگر یہ ہوگا اور ڈاکٹر کی رپورٹ مجھے گناہ گار ثابت کرے گی تو میں اس سے ضرور شادی کروں گا۔''

صمد بیوپاری اور بی پاشا نے ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ وہ شادی کے لیے راضی ہو رہا تھا لیکن پہلے اپنی بات منوانا چاہتا تھا اور یہ بات ماں بیٹی کو بری طرح الجھا رہی تھی، شکیلہ انکار میں سر ہلا کر منہ چھپا کر رونے لگی،

سسک سسک کر کہنے لگی۔ ''میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ ایسی بے حیائی سے بہتر ہے کہ اپنی جان دے دوں۔''

جاوید نے کہا۔ ''یہ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہے۔ اسے تو اطمینان ہونا چاہیے کہ رپورٹ اس کے حق میں ہوگی پھر میں اسے اپنی شریکِ حیات بنالوں گا۔''

صمد بیوپاری نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ''سانچ کو آنچ کیا؟ اگر راز داری سے گھر میں بات بن جائے اور تماشا بننے والی کوئی بات نہ ہو تو ہمیں تمہارا فیصلہ منظور ہے۔''

شکیلہ نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا، وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی پھر سر اٹھا کر بولی۔ ''ٹھیک ہے، میں اسے اپنی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔ اس کا معائنہ کراؤں گی لیکن تم وعدہ کرو، زبان سے نہیں پھرو گے۔''

وہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''اپنی لیڈی ڈاکٹر کے پاس۔؟ اپنے تو پھر اپنے ہی ہوتے ہیں، اپنی مرضی سے چیک اپ کرتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق رپورٹ تیار کرتے ہیں۔''

بی پاشا نے ناگواری سے اسے دیکھا، وہ اس کے اندر کی چھپی ہوئی بات کہہ رہا تھا۔ اس کی پلاننگ یہی تھی کہ جھوٹی رپورٹ حاصل کی جائے پھر اس رپورٹ کے مطابق شکیلہ کو اپنی شریکِ حیات بنانے پر اسے مجبور کیا جائے۔

وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ ''معائنہ آپ کے اعتماد کی لیڈی ڈاکٹر سے نہیں بلکہ میرے کسی قابلِ اعتماد ڈاکٹر سے کرایا جائے گا۔''

وہ بولی۔ ''جو شبہ تم مجھ پر کر رہے ہو وہی شبہ میں بھی تم پر کر سکتی ہوں۔ ہو سکتا ہے، اپنی جان چھڑانے کے لیے تم اپنے ڈاکٹر سے ساز باز کرلو۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔''

''یہ تو میں بھی کہہ سکتی ہوں۔''

صمد بیوپاری نے الجھ کر کہا۔ ''آپس میں بحث مت کرو، شکیلہ کا معائنہ میں اپنے اعتماد کے ڈاکٹر سے کراؤں گا۔''

جاوید نے کہا۔ ''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

بی پاشا نے سوچتی ہوئی نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھا پھر ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ ''ٹھیک ہے، مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر شرط یہی ہے رپورٹ کے مطابق یہ میری بیٹی کو ضرور اپنائے گا۔''

شکیلہ پریشان ہو کر کبھی صمد بیوپاری کو دیکھ رہی تھی اور کبھی اپنی ماں کو، اس کا ایسا امتحان لیا جانے والا تھا جس کا نتیجہ اسے پہلے سے ہی معلوم تھا۔

بعض اوقات انسان ایسا قدم اٹھاتا ہے جس کا اسے معلوم نہیں ہوتا پھر بھی وہ عقل کے اندھے کی طرح ج ہوتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔ شکیلہ کے ساتھ یہی ہو رہا تھا نے رات کو جو قدم اٹھایا تھا اس کے نتیجے کا علم نہیں تھا مگر انجام صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ میڈیکل رپو سے پہلے ہی پاؤں تلے سے زمین کھسک رہی تھی۔

☆☆☆☆

افلاطون مر گیا مگر اپنی اولاد چھوڑ گیا، شہباز درانی ہی میں سے ایک تھا۔ اس نے بڑی ذہانت سے اپنی دردا انڈیا پہنچایا تھا لیکن وہ ایسی پتنگ بن کر رہ گئی تھی جو اپنی ڈ سے کٹ کر اپنے یار سے دور، آکاش کے پیڑ میں اٹک تھی۔

اس وقت شہباز اپنے پرائیویٹ چیمبر میں تھا، دردان رہائی کے بارے میں سوچ رہا تھا، کمرے میں ادھر سے ا یوں ٹہل رہا تھا جیسے دیواروں سے سر ٹکرا رہا ہوں۔ وہ تا پر چل رہا تھا اور میں اس کے ہاتھ کی لکیر پر اس کے سا رواں دواں تھا۔

زندگی میں پریشانیاں دستک دیے بغیر گھسی چلی آر تھیں۔ پہلے دردانہ پر مصیبت آئی تھی پھر اس کے ا کاغذات، تصویریں اور مائیکرو فلمیں چوری کرلی گئی تھ جن کا شبہ پاشا پر کیا جا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ آکاش وا نئی مصیبت کے روپ میں سامنے آ گیا تھا۔

زندگی میں جیت کے ساتھ ساتھ ہار کا منہ بھی دیکھنا پڑ ہے۔ لیکن ہر طرف سے ملنے والی شکست نے اسے بری طر توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ مضبوط ذہن کا مالک تھا، اپنے چیمبر م بیٹھ کر نہ جانے کیسے کیسے حکمرانوں کو اپنی انگلیوں پر نچاتا ر تھا۔

اب میں اسے نچا رہا تھا اور ایسا تگنی کا ناچ نچا رہا تھا کہ وہ پل بھر کے لیے کسی ایک جگہ ٹک کر بیٹھ نہیں پا رہا تھا۔

میرا چکر تھا اور وہ چکرا رہا تھا۔ ہاتھ کی لکیریں بہ باریک ہوتی ہیں اور بدنصیبی کی چکی میں بہت باریک پس رہتی ہیں۔ بندہ کیسا ہی پہاڑ کیوں نہ ہو، اسے ہتھیلی کی چھلن میں چھان کر رکھ دیتی ہیں۔ ایسے وقت بندے کی سمجھ میں نہ آتا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہیے؟

وہ ٹہل رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ سوچا تھا کیا اور کیا ہو گیا وہ چاہتا تھا کہ ذیشان کے جیل سے باہر آتے ہی اس پ دردانہ کے اغوا کا الزام عائد کرے گا۔ اب وہ رہائی پا کر آ

تھا، اس پر الزام لگانے کا وقت آ چکا تھا لیکن جھوٹا الزام کسی اور پہلو سے سچ ہو رہا تھا۔ اسے کسی اور نے سچ مچ اغوا کرلیا تھا۔

وہ پبلو ماسٹر کو اس کی رہائی کا ذریعہ بنا سکتا تھا، وہ شہباز کا ایک بڑا سہارا بن سکتا تھا لیکن سہارا بننے سے پہلے ہی ٹوٹ گیا تھا۔ فی الحال دردانہ کو واپس لانے کی ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی اور وہ تھی نیلماں دامودر......

وہ نیلماں کو آکاش کے حوالے کر کے اپنی محبوبہ کو حاصل کر سکتا تھا مگر ایسا ممکن نہیں تھا۔ اگرچہ وہ ناممکن کو ممکن بنانے والوں میں سے تھا لیکن قدرت کے سامنے مجبور ہو گیا تھا۔ جس نیلماں کو مردہ بنا چکا تھا، اس میں جان نہیں ڈال سکتا تھا۔

وہ سر پکڑ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ مقدر خراب ہو تو دماغ بھی خراب ہونے لگتا ہے۔ ایسے وقت موبائل فون کا بزر سنائی دیا، اس نے چونک کر اسے دیکھا، سی ایل آئی میں میرا نمبر پڑھ کر جھنجلا گیا۔ اسے تو میرا نام سن کر ہی غصہ آ جاتا تھا۔ اس وقت اس بری طرح الجھا ہوا تھا کہ کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے سوچا کہ فون بند کر دے پھر یہ بات ذہن میں آئی کہ شاید وہ کوئی پیشن گوئی کرے گا۔ اس سے باتیں کر کے پیش آنے والے اچھے برے حالات سے آگاہی مل سکتی ہے۔

اس نے فون کو کان سے لگایا پھر ذرا ناگواری سے کہا۔ ''کیوں فون کیا ہے؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''مجھے تم سے ہمدردی ہے اسی لیے فون کیا ہے۔''

''ہمدردی کس سلسلے میں جتا رہے ہو؟''

''اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں پر کلہاڑی مار کر لوٹ پوٹ رہے ہو، تکلیف سے کراہ رہے ہو۔ تمہاری آہیں مجھ تک پہنچ رہی ہیں۔''

وہ غصے سے تلملا کر بولا۔ ''میں کن حالات سے گزر رہا ہوں، یہ تم کیسے جانتے ہو، اب تو میرے ہاتھ کی لکیریں بھی نہیں دیکھ رہے ہو۔''

''تم بھول رہے ہو، پبلو ماسٹر نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم دونوں کے ہاتھوں ...... کی لکیریں بالکل ایک جیسی ہیں، میں جب بھی اپنا ہاتھ دیکھتا ہوں تو گویا تمہارا بھی ہاتھ دیکھتا ہوں۔''

وہ میری بات سن کر ایک ذرا چپ ہو گیا، یہ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ جو حالات اس کے ساتھ پیش آ رہے ہیں کیا وہی حالات میرے ساتھ بھی پیش آ رہے ہیں؟

اس نے ایک ذرا توقف کے بعد پوچھا۔ ''میری جانِ حیات بدنصیبی سے پرائی ہو گئی ہے، کیا تمہاری محبوبہ بھی کسی کے پاس چلی گئی ہے؟''

اس کے سوال نے مجھے نمرہ کے پاس پہنچا دیا۔ وہ میری چشمِ تصور میں یوں ابھرنے لگی جیسے کوئی پھول اپنی شاداب پنکھڑیاں کھول رہا ہو۔

میں نے ایک سرد آہ بھر کر فون پر کہا۔ ''مسٹر شہباز! ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، ایک جیسی لکیروں کے حامل ہیں، ہمارا مقدر بھی ایک ہی ہے، میری محبوبہ پرائی ہوئی تھی تو میں فوراً ہی سمجھ گیا کہ تمہاری دردانہ کا بھی کباڑا ہو رہا ہوگا۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''نہیں اسے کچھ نہیں ہوگا۔ میں اسے جلد ہی وہاں سے نکال لاؤں گا۔ بائی داوے۔ تم بھی اپنی محبوبہ کو واپس لانے کی تدبیر تو کر رہے ہوگے؟''

''ہاں، جیسے تم تدبیریں سوچ رہے ہو، پریشان ہو رہے ہو۔ ویسے ہی میں بھی ہو رہا ہوں۔''

ہم دونوں ایک جیسے حالات سے گزر رہے تھے اور وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ ہم آئندہ بھی اسی طرح ایک دوسرے کے مقدر سے جڑے رہیں گے۔

اس نے ٹوہ لینے کے انداز میں میں پوچھا۔ ''تم کیا سمجھتے ہو، تم جو تدبیر کر رہے ہو اس میں کامیاب رہو گے؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''ہاں۔ میں اسے واپس لانے میں کامیاب رہوں گا۔''

وہ میری بات سن کر ایک دم سے خوش ہو گیا، سیدھی سی یہ بات سمجھ میں آئی کہ جب مجھے کامیابی حاصل ہوگی تو بے شک وہ بھی اپنی دردانہ کو لانے میں کامیاب رہے گا۔

میں نے کچھ دیر تک اسے خوش ہونے دیا پھر بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں کامیاب رہوں گا لیکن تم اپنی والی کو حاصل کرنے میں ناکام رہو گے۔''

اس نے چونک کر پوچھا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں ناکام کیوں رہوں گا اور تم کامیاب کیوں رہو گے؟''

''کیونکہ میری نیت اچھی ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟ ہمارے ہاتھ کی لکیریں ایک جیسی ہیں، ہمارا مقدر ایک ہے، جو تمہارے ساتھ ہوتا ہے وہی میرے ساتھ ہوتا ہے تو پھر میں تمہاری طرح کامیاب کیوں نہیں رہوں گا؟''

''ہمارے ہاتھ کی لکیریں ایک ہیں لیکن نیتوں میں فرق

ہے۔ میری نیت میں خیر ہے اور تمہاری نیت میں شر ہے۔''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ مجھے کوئی تدبیر کرنے اور دردانہ کو واپس لانے کے راستے سے بھٹکا رہے ہو۔''

''میں کیا بھٹکاؤں گا؟ تمہیں تو تمہارا مقدر بھٹکا رہا ہے۔ پہلے دردانہ بھٹک کر کہیں سے کہیں پہنچ گئی، اب تم بھٹکنے والے ہو۔''

وہ غصے سے بولا۔ ''یوشٹ اپ۔ کیا یہی بکواس کرنے کے لیے فون کیا ہے؟''

میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''نہیں ...... ایک نئی مصیبت کی اطلاع دینا چاہتا ہوں۔''

اس پر تو پہلے ہی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے، میری بات سن کر وہ ایک دم سے گھبرا گیا، صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ ہمیشہ سے ہی دیکھتا آیا تھا کہ میں جو بھی پیش گوئی کرتا ہوں وہ ضرور سچ ثابت ہوتی ہے۔ اب یہ سوچ ڈس رہی تھی کہ نہ جانے میں کون سی نئی مصیبت کی اطلاع دینے والا ہوں؟

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''کیا میرے ساتھ کچھ ہونے والا ہے؟''

''کچھ نہیں بہت کچھ ہونے والا ہے۔''

میں مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ دیر تک میرے بولنے کا انتظار کرتا رہا پھر بے چین ہو کر بولا۔ ''میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

''پہلے دردانہ کو اس ملک سے بھاگنا پڑا، اب تم جلے پاؤں کے بلے کی طرح ادھر سے ادھر بھاگنے والے ہو۔''

اس نے پریشان ہو کر اپنے فون کو یوں دیکھا جیسے مجھے دیکھ رہا ہو، آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھ رہا ہو۔ ''میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور جو ہونے والا ہے، کیا میں اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر کر سکتا ہوں؟''

تدبیریں تو وہ کرتا ہی آ رہا تھا لیکن ہر تدبیر الٹی ہو رہی تھی۔ ہر سمت سے ناکامی کا سامنا ہو رہا تھا۔ ایسے وقت میں نے اسے مزید الجھا دیا تھا۔ نئی آفت اسے در بدر کرنے والی تھی۔

اسے تو جیسے چپ لگ گئی تھی۔ میں نے کہا۔ ''او کے مسٹر شہباز! میں رابطہ ختم کرتا ہوں، ابھی کچھ ہی دیر میں تمہارے اسی فون پر ایک اہم کال آنے والی ہے۔''

میں نے یہ کہتے ہی رابطہ ختم کر دیا وہ فون کان سے لگائے گم صم بیٹھا ہوا تھا۔ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ نئی آفت کس سمت سے آنے والی ہے؟

کچھ ہی دیر بعد اس کے کان میں ایک زور کا دھماکا ہوا، وہ ایک دم سے اچھل پڑا۔ موبائل فون کان سے لگا ہوا تھا اس کا بزر چیخ رہا تھا۔ وہ فوراً ہی اسے کان سے ہٹا کر سی ایل آئی میں نمبر پڑھنے لگا۔ وہ امریکی سی آئی اے کے ایک ایجنٹ کا فون نمبر تھا۔

اس کی چھٹی حس نے خطرے کا الارم بجایا، کانوں میں میرے کہے ہوئے جملے گونجنے لگے۔ ''پہلے دردانہ کو اس ملک سے بھاگنا پڑا، اب تم جلے پاؤں کے بلے کی طرح ادھر سے ادھر بھاگنے والے ہو۔''

وہ سہما ہوا سا اپنے فون کو دیکھ رہا تھا، اس کا بزر ایسے چیخ رہا تھا جیسے نئی آفت کے آنے سے پہلے اس کی منادی کر رہا ہو اس نے فون کا ایک بٹن دبا کر اسے آن کیا پھر کان سے لگا کر کہا۔ ''ہے۔ ہیلو!''

دوسری طرف سے امریکی سی آئی اے کے چیف کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ''ہیلو مسٹر شہباز! میں رابرٹ بونینزا بول رہا ہوں۔ الیکشن قریب ہیں اپنی مصروفیات بتاؤ، اس سیاست دان جان محمد گبول کی اہم خفیہ دستاویزات حاصل کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہو؟''

اس نے پریشان ہو کر سوچا۔ ''وہ دستاویزات تو ہاتھ آنے کے بعد گیلے صابن کی طرح پھسل گئی ہیں۔ اب اسے کیسے بتاؤں کہ میں کامیاب ہو کر بھی ناکام رہا ہوں۔''

اس نے فون پر کہا۔ ''سر! اس سلسلے میں میری کوششیں جاری ہیں، ہمیں جلد ہی کوئی کامیابی حاصل ہو گی۔''

رابرٹ نے کہا۔ ''وہ ایک اہم سیاست دان ہے۔ ہم اسے بلیک میل کر کے آئندہ بھی اپنی پسند کی حکومت قائم کر سکیں گے۔ کیا اس بات کی اہمیت کو سمجھ رہے ہو؟''

''یس سر! میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ اس کے راز چرانے کی سر توڑ کوششیں کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد کامیابی حاصل ہو گی۔''

رابرٹ نے سخت لہجے میں کہا۔ ''باتیں بنانا خوب جانتے ہو۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم کسی کی باتوں میں نہیں آتے، تم جھوٹ کا رٹا ہوا سبق سنا رہے ہو، صاف کیوں نہیں کہتے کہ کامیابی حاصل ہوئی تھی مگر تمہاری نااہلی نے اسے ناکامی میں بدل دیا ہے؟''

وہ ایک دم سے پریشان ہو کر بولا۔ ''یہ ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر؟''

''ہم بے خبر نہیں رہتے، وہ اہم دستاویزات تمہارے

ہاتھوں سے نکل چکی ہیں۔ اب جان محمد گبول ہمارے قابو میں نہیں آئے گا۔'' وہ صوفے سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بات بناتے ہوئے بولا۔ ''نو سر! آپ کو غلط انفارمیشن ملی ہے۔''

''تم اچھی طرح جانتے ہو، ہمارے ذرائع کمزور نہیں ہیں، ہمیں کبھی کوئی غلط انفارمیشن نہیں ملتی۔ تم اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے جھوٹ مت بولو۔''

وہ جھاگ کی طرح صوفے پر بیٹھ گیا، تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''سر پلیز! مجھے ایک اور موقع دیں۔ اس بار کوتاہی نہیں ہو گی۔''

''مسٹر شہباز! ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ایک عورت کی وجہ سے اپنے ساتھ ساتھ ہمارا بھی نقصان کر رہے ہو۔ جان محمد گبول کا معاملہ بہت اہم تھا لیکن تم نے اس میں بھی کوتاہی کی ہے۔ تم ناقابلِ اعتماد ہوتے جا رہے ہو۔''

وہ عاجزی سے بولا۔ ''سر! کسی عورت کا میرے معاملات سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ بس مقدر کی خرابی ہے۔ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

''تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے، بہر حال کل صبح دس بجے ہمارا ایک جونیئر آفیسر جوزف مارٹن تمہارے پاس آئے گا، تم فائل نمبر پی تھری اور ایس نائن کے علاوہ زیرو فور کی چار مائیکرو فلمیں اس کے حوالے کرو گے۔''

رابرٹ بونینزا نے اتنا کہہ کر رابطہ ختم کر دیا اس کے ہاتھ سے موبائل فون چھوٹ گیا، اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا، رابرٹ نے جن فائلوں اور مائیکرو فلموں کا حوالہ دیا تھا وہ بہت اہم تھیں، پچھلے دنوں یہی تمام چیزیں چرائی گئی تھیں، چوری تو تہمینہ نے کی تھی لیکن اس کا شبہ پاشا پر تھا۔

چوری کسی نے بھی کی ہو، شبہ کسی پر بھی ہو لیکن وہ تمام اہم چیزیں کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح تھیں، واپس نہیں آ سکتی تھیں۔

وہ اپنی حد سے پرے اور امکان سے بھی اونچی پرواز کر رہا تھا، سورج کی بلندی تک پرواز کرنے والوں کے پر جل جاتے ہیں پھر بلندی اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور پستی اسے تمام ذلتوں سمیت اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

☆☆☆

''اترا نہ گریباں میں مقدر کا ستارہ
ہم لوگ لٹاتے رہے اشکوں کے گوہر بھی''

بازی غیر متوقع طور پر پلٹ گئی تھی۔ وہ اپنی ناکامی پر آنسو بہا رہی تھی۔ محبت کے معاملے میں تو جیسے اس کا مقدر گہری نیند سو گیا تھا۔ وہ جس کے نام پر آہیں بھرتی تھی، وہ اسے نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔

بی پاشا نے بیٹی کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ہماری پلاننگ بہت زبردست تھی مگر یہ جاوید بہت ہی شاطر نکلا۔ تم فکر نہ کرو، میں اسے منہ توڑ جواب دوں گی۔''

وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے رو رہی تھی، ہچکیوں کے درمیان بولی۔ ''ممی! میں اسے بے انتہا چاہتی ہوں اور چاہتی رہوں گی لیکن اپنی انسلٹ کبھی نہیں بھولوں گی۔ آج میرے ساتھ جو ہوا ہے، اس کا بدلہ ضرور لوں گی۔''

''تم دیکھتی جاؤ کہ میں کیسے تمہاری میڈیکل رپورٹ کو اس کا اعمال نامہ بنا دوں گی؟ وہ چالاکی دکھا سکتا ہے تو میں بھی اپنی مکاری دکھا سکتی ہوں۔ سوتیلی ہی سہی لیکن اس کی بھی ماں ہوں۔ اسے تمہارے قدموں میں نہ گرایا تو میرا نام بی پاشا نہیں۔''

وہ سر اٹھا کر بیزاری سے بولی۔ ''نہیں ممی! اب میں تماشا نہیں بنوں گی۔ کسی میڈیکل چیک اپ سے نہیں گزروں گی۔ یہ اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ وہ کبھی میرا نہیں ہو گا میں ایک سائے کے پیچھے بھاگ رہی ہوں۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میڈیکل چیک اپ سے انکار کا مطلب یہی ہو گا کہ ہم ماں بیٹی جھوٹ بول رہی تھیں۔ مجھے ہر حال میں اس کے باپ کی حمایت حاصل کرنی ہے۔ تب ہی وہ تمہیں اپنی بہو بنائے گا۔ ہماری عزت اور بہتری جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں ہی ہے۔''

''کچھ بھی ہو، میں چیک اپ نہیں کراؤں گی۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔ وہ میدانِ جنگ میں اترنے کے بعد ہتھیار ڈال رہی تھی۔ جنگ کے اختتام سے پہلے ہی شکست تسلیم کر رہی تھی۔

ماں نے کہا۔ ''یوں ہار مان لو گی تو پھر اپنی انسلٹ کا بدلہ کیسے لو گی؟''

وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بولی۔ ''فی الحال میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ پلیز مجھے تنہا چھوڑ دیں۔''

''کیسے تنہا چھوڑ دوں؟ صمد تمہیں کلینک لے جانے والے ہیں اور تم ہو کہ چیک اپ سے انکار کر رہی ہو۔ میری بات مانو، اس نامراد کو حاصل کرنے کے لیے اس آخری امتحان سے بھی گزر جاؤ، فکر نہ کرو تمہاری میڈیکل رپورٹ ہماری مرضی کے مطابق ہو گی۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''ہم تو اپنی مرضی کے مطابق بہت کچھ سوچتے ہیں لیکن ہوتا وہی ہے جو مقدر میں لکھا ہوتا

ہے۔ کل رات میں اس کی محبت میں دیوانگی کی حدوں کو چھو رہی تھی۔ مگر اس نے ایک بار بھی میری پذیرائی نہیں کی۔ کیا میں اتنی گئی گزری ہوں؟"

وہ اسے پیار سے چمکارتے ہوئے بولی۔ "نہیں میری جان! تم گئی گزری نہیں ہو، وہ کم بخت ہی تمہارے پیار کے قابل نہیں ہے۔ میں نے تمہاری محبت کو دیکھتے ہوئے اسے ٹریپ کرنے کا یہ پلان بنایا تھا۔ کامیابیاں اور ناکامیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ اپنی ناکامی کو کامیابی میں بدلنے کے لیے تمہیں وہی کرنا ہوگا جو حالات سمجھا رہے ہیں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں ممی! گھر کی چار دیواری میں میری جو بے عزتی ہونی تھی وہ ہو چکی، اس کی محبت میں جتنا گر سکتی تھی گر گئی لیکن اب نہیں جھکوں گی۔ آپ اپنے شوہر سے کہہ دیں کہ میں چیک اپ سے انکار کر رہی ہوں۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو، اس طرح جاوید کبھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"آج جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد میں یہ سمجھ گئی ہوں کہ وہ کبھی میرے ہاتھ نہیں آئے گا اور میں جبراً اسے حاصل کرنا چاہوں گی تو ایسی ہی ذلتیں اٹھاؤں گی۔ ویسے بھی میں محسوس کر رہی ہوں کہ میرے اندر اس کی شریکِ حیات بننے کی حسرت دم توڑ رہی ہے۔"

ماں بڑی محبت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بول رہی تھی اور آنسو بہا رہی تھی۔ ایسے وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جاوید کو ابھی گریبان سے پکڑ کر لائے اور بیٹی کے قدموں میں گرا دے۔

اس نے سر گھما کر ماں کو دیکھا پھر اس کے شانے پر سر ٹکاتے ہوئے کہا۔ "میں اسے تمام عمر نہ سہی، مگر کیا ایک پل اپنے سامنے نہیں گرا سکتی؟"

وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "کیوں نہیں میری جان! لیکن یہ تو اسی وقت ممکن ہوگا جب تم میری بات مانو گی۔"

وہ ماں کے شانے سے الگ ہو گئی، اپنی جگہ سے اٹھ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ ماں نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ ایک جگہ رک کر بولی۔ "میری سوچ بدل گئی ہے، پہلے میں اسے اپنانا چاہتی تھی۔ لیکن اب صرف گرانا چاہتی ہوں۔ آپ ذرا اس پہلو سے سوچیں کہ ہم اسے کیسے ٹریپ کر سکتے ہیں؟"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹی کو دیکھا پھر کہا۔ "کوئی نئی پلاننگ کرنی ہوگی مگر پہلے یہ بتاؤ کہ میں ممی سے کیا کہوں؟"

وہ ناگواری سے بولی۔ "ان سے کہہ دیں، میں میڈیکل چیک اپ نہیں کراؤں گی، وہ مجھے اپنانا ہے تو اپنائے ورنہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ میں اب شادی کا مطالبہ نہیں کروں گی۔"

"کسی نئی پلاننگ کے بغیر اتنا بڑا فیصلہ مت کرو۔"

اس نے خاموش نظروں سے ماں کو دیکھا پھر فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "کوئی پلاننگ ہو یا نہ ہو لیکن میرا فیصلہ اٹل ہے۔"

وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خاموش ہو گئیں۔ عورتیں بڑی مشکل سے خاموش ہوتی ہیں یا تو سوتے وقت یہ کرم کرتی ہیں یا پھر سوچتے وقت۔ وہ ماں بیٹی سو نہیں رہی تھیں بلکہ خاموش رہ کر اپنے سوئے ہوئے مقدر کو جگانے کی تدبیر سوچ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد ہی بی پاشا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ایسی زبردست تدبیر سوچی ہے کہ وہ خودسر اپنی خودسری بھول جائے گا۔ نہ صرف تمہارے قدموں میں گرے گا بلکہ تمہارے سامنے ناک بھی رگڑے گا۔"

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی، خوش ہو کر ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ایسی کیا تدبیر ہے؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "بتاتی ہوں لیکن پہلے میڈیکل چیک اپ کے معاملے کو تو ختم کر دوں۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ شکیلہ نے بے چین ہو کر کہا۔ "کچھ تو بتا کر جائیں، آخر آپ نے کیا سوچا ہے؟"

وہ دروازے پر رک کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں نے کہا تھا نا، زندگی میں تمہیں کبھی شکست نہیں کھانے دوں گی فی الحال اتنا جان لو کہ گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی ہی پڑتی ہے اور اب میں یہی کرنے والی ہوں۔"

وہ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ شکیلہ بے چین سی ہو کر دروازے کو تکنے لگی، اپنے طور پر قیاس آرائیاں کرنے لگی۔ بہت دیر تک الجھتے رہنے کے بعد بھی سمجھ نہ پائی کہ آخر ماں نے ایسی کیا تدبیر سوچی ہے جس کے نتیجے میں جاوید اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا؟

وہ سوچتی رہی اور الجھتی رہی۔ بی پاشا کی نئی تدبیر کیا تھی اس سے میں بہ خوبی واقف تھا لیکن وہ اپنی تدبیر کے انجام

سے واقف نہیں تھی۔ یہی قدرت کا اصول ہے وقت سے پہلے کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ میں اس کا انجام جانتا تھا لیکن اسے باخبر نہیں کر سکتا تھا۔ اگر ایسا ہونے لگے تو انسان تدبیریں کرنا ہی چھوڑ دے۔

میں اس کی ہتھیلی پر تھا، مقدر کی لکیر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا آگے جا کر دو شاخہ ہو گئی تھی یعنی اس کے مقدر میں کامیابی بھی تھی اور ناکامی بھی، اب یہ اس کی تدبیر پر منحصر تھا کہ وہ بامراد رہے گی یا نامراد......

کچھ دیر بعد وہ دروازہ کھول کر اندر آئی شکیلہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی، ماں کو دیکھتے ہی لپک کر اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ "کہاں رہ گئی تھیں؟ یہاں بیٹھیں اور مجھے جلدی سے وہ تدبیر بتائیں، جس پر عمل کرتے ہی جاوید میرے قدموں میں آ جائے گا؟"

وہ اسے بازو سے تھام کر بیڈ پر لے آئی پھر مسکرا کر بولی۔ "تدبیر بہت زبردست ہے لیکن اس کے لیے تمہارے پاپا سے رابطہ کرنا ہوگا۔"

"آپ اپنی تدبیر تو بتائیں۔"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بیٹی کو دیکھنے لگی پھر بولی۔ "اس دنیا میں ہر انسان کی کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے۔ ہم سب ہی جانتے ہیں کہ جاوید اپنے بچوں سے بہت محبت کرتا ہے یعنی وہ بچے اس کی کمزوری ہیں۔"

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی، شکیلہ سوچ رہی تھی اور اسے دیکھ رہی تھی۔ بات کچھ سمجھ میں آ بھی رہی تھی اور نہیں بھی آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "یعنی آپ اس کی کمزوری سے کھیلنا چاہتی ہیں؟"

اس نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں، اس فولاد کو پگھلانے کے لیے یہی کرنا پڑے گا۔ وہ بچے اس اجنبی لڑکی کے پاس ہیں، اس کی ذمے داری ہیں ایسے میں انہیں کوئی نقصان پہنچے گا تو اس لڑکی پر ہی الزام آئے گا۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا آپ ان بچوں کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میں انہیں اغوا کرانا چاہتی ہوں۔"

اس نے ایک دم سے چونک کر ماں کو دیکھا پھر کہا۔ "لیکن اس سے مجھے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "بہت بھولی ہو، بھئی اب وہ بچے ہی اس کی کل کائنات ہیں، وہ اغوا ہوں گے تو وہ پریشان ہوگا انہیں حاصل کرنے کے لیے ہمارا ہر مطالبہ پورا کرے گا۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ جاوید کو بلیک میل کرنے کی یہ تدبیر اچھی تھی۔ ماں نے پوچھا۔ "بات کچھ سمجھ میں آئی؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا پھر مسکرا کر کہا۔ "بہت زبردست پلاننگ ہے۔ اب میں اپنی انسلٹ کا ایسا بدلہ لوں گی کہ وہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔ اپنے بچوں کو حاصل کرنے کے لیے مجھ سے شادی کرنا چاہے گا اور میں اسے ٹھکراتی رہوں گی، وہ گڑگڑائے گا، التجائیں کرے گا تو مجھے سکون ملے گا۔"

اس نے ماں کو دیکھا پھر خوش ہو کر اس سے لپٹتے ہوئے کہا۔ "ممی! یو آر سو گریٹ، آئی لو یو۔"

وہ اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے بولی۔ "تم میری بیٹی ہو ممبئی کے نامی گرامی نانا بھائی کا خون ہو پھر جاوید جیسے شخص سے کیسے مات کھا سکتی ہو؟"

وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔ "ہمیں ابھی اسی وقت ان سے رابطہ کرنا چاہیے۔"

"ہاں، ان کا نمبر ملاؤ۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس آ گئی، ریسیور اٹھا کر یوسف جان کے نمبر پنچ کرنے لگی، کچھ دیر بعد ہی رابطہ ہو گیا۔ اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔"

شکیلہ نے چہک کر کہا۔ "ہائے پاپا! میں بول رہی ہوں۔"

وہ بیٹی کی آواز سن کر خوش ہو گیا۔ بڑے پیار سے بولا۔ "میں نمبر دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ میری جان مجھے مخاطب کر رہی ہے، کیسی ہو؟"

بی پاشا نے آگے بڑھ کر فون کا وائڈ اسپیکر آن کر دیا۔ شکیلہ نے کہا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟"

"آئی ایم فائن ٹو۔ یہ بتاؤ آج اپنے پاپا کو کیسے یاد کر لیا؟"

وہ ذرا خفگی سے بولی۔ "میں نے تو یاد بھی کر لیا لیکن آپ کو اپنی بیٹی بالکل یاد نہیں آتی۔ ملنا تو دور کی بات ہے، آپ فون بھی نہیں کرتے۔ کبھی رابطہ کر کے پوچھ لیا کریں کہ آپ کی اکلوتی اولاد زندہ بھی ہے یا نہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اوہو، تو آج ہماری بیٹی شکایت کرنے کے موڈ میں ہے؟"

"تو کیا مجھے شکایت نہیں کرنی چاہیے؟ پچھلی بار بھی میں نے ہی رابطہ کیا تھا اور اس وقت سے اب تک آپ کے فون کا انتظار کرتی رہی مگر آپ کی طرف سے مسلسل مایوسی ہی رہی۔ سچ بتائیں پاپا! کیا آپ کو اپنی بیٹی یاد نہیں آتی؟"

وہ ماؤتھ پیس پر بوسہ دیتے ہوئے بولا۔ "تم تو میری

جان ہو، بھلا کوئی اپنی جان سے کیسے غافل ہو سکتا ہے؟ ہاں، تمہاری یہ شکایت بجا ہے کہ میں نے تم سے رابطہ نہیں کیا لیکن وعدہ کرتا ہوں آئندہ شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔“

اس نے خوش ہو کر کہا۔ ”تھینک یو پاپا! یہ پرومس کریں کہ اپنا وعدہ یاد رکھیں گے۔“

”او کے مائی ڈارلنگ! میں نہیں بھولوں گا۔ اب بتاؤ، اپنے پاپا کو کیسے یاد کیا؟“

”پہلے آپ یہ بتائیں، ابھی کیا کر رہے ہیں؟“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”اپنی جان سے باتیں کر رہا ہوں۔“

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”او نو پاپا! میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ اس وقت مصروف تو نہیں ہیں؟ یا کسی کام میں الجھے ہوئے تو نہیں ہیں؟“

وہ بولا۔ ”مصروفیت تو معمول کا کام ہے لیکن تمہارے لیے فارغ ہی فارغ ہوں، کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟“

اس نے ایک نظر ماں پر ڈالی پھر فون پر کہا۔ ”پاپا! بات تو آپ سے ممی کریں گی میں صرف اتنا کہنا چاہوں گی کہ آج آپ کی بیٹی کو آپ کی ضرورت ہے۔“

”ہاں بولو میری جان! کیا بات ہے؟“

اس نے ماں کو دیکھا، بی پاشا نے فون کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ”مجھے آپ سے طویل گفتگو کرنی ہے، کیا ابھی آپ بات کر سکتے ہیں؟“

”تم دونوں بڑی تمہید باندھ رہی ہو، آخر معاملہ کیا ہے؟“

”معاملہ شکیلہ کا ہے۔“

اس کے سامنے چند فائلیں کھلی ہوئی تھیں، وہ فوراً ہی انہیں بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ ”کیا ہوا میری بیٹی کو؟“

وہ مسکرا کر بیٹی کو دیکھتے ہوئے فون پر بولی۔ ”آپ تو جانتے ہی ہیں کہ اسے اس خردماغ سے محبت ہو گئی ہے۔ میں نے جاوید کے بارے میں آپ کو بتایا تھا۔“

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ ”ہاں اور وہ......؟“

”وہ بے لگام گھوڑا ہے، اب اسے لگام ڈالنے کا وقت آ گیا ہے اور اس سلسلے میں مجھے آپ کی مدد چاہیے۔ آپ کی لاڈلی بیٹی ہر حال میں اسے اپنے سامنے جھکانا چاہتی ہے اور میں بھی یہی چاہتی ہوں۔“

”وہ میری بیٹی ہے، جسے چاہے اپنے سامنے جھکا سکتی ہے۔“

”میں نے اپنے طور پر کوشش کرنے کے بعد آپ سے رابطہ کیا ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ گئی ہوں، وہ لوہا ہے آسانی سے نہیں جھکے گا۔ جھکانے سے پہلے اسے گرم کرنا ہوگا تب ہی وہ نرم ہوگا۔“

اس نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہوں، میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں، اب یہ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟“

اس نے بیٹی کی طرف دیکھا پھر فون پر کہا۔ ”اس کی ایک بہت بڑی کمزوری سے ہم واقف ہیں اور اسی کے ذریعے اسے ٹریپ کرنا چاہتے ہیں۔“

اس نے کہا۔ ”ہاں، تم اس کے بچوں کا ذکر پچھلی بار کر چکی ہو۔“

”بیوی کے انتقال کے بعد دو بچے ہی اس کی کل کائنات ہیں، اس کی سب سے بڑی کمزوری ہیں۔ ہم اس کمزوری کو ہاتھ میں لے کر اسے اپنی بیٹی کے سامنے جھکا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کیا کر سکتے ہیں؟“

”تم بتاؤ کیا چاہتی ہو؟“

”آپ ان بچوں کو اغوا کرائیں۔ وہ ہمارے قبضے میں رہیں گے تو ان کا باپ ہماری بیٹی کے سامنے ناک رگڑتا رہے گا۔“

شکیلہ نے ماں سے پوچھا۔ ”پاپا! اس ملک میں نہیں ہیں سرحد کے اس پار ہیں پھر ان بچوں کو کیسے اغوا کرائیں گے؟“

باپ نے اس کی باتیں سن کر کہا۔ ”ہم انڈر ورلڈ والوں کے درمیان کسی ملک کی کوئی سرحد نہیں ہوتی۔ تمہارا باپ پاکستان نہیں آ سکتا، لیکن اتنا پاورفل ہے کہ یہاں بیٹھے بیٹھے وہاں کے کسی بھی شخص کا کباڑا کر سکتا ہے۔“

بی پاشا نے کہا۔ ”میں اپنی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی، آپ بھی اس کے دیوانے ہیں۔ میں جانتی ہوں آپ جلد ہی اس کم بخت کو بیٹی کے قدموں میں لا گرائیں گے۔“

”تم فکر نہ کرو۔ یہ بتاؤ کیا ان دونوں کو اغوا کرنا ضروری ہے؟ کسی ایک بچے کے ذریعے بھی بلیک میل کیا جا سکتا ہے۔“

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ”ہاں۔ کسی ایک سے کام چل جائے گا۔ اس سلسلے میں اس کے بیٹے اشعر کو اہمیت دینی چاہیے۔“

”بے شک وہ اس خاندان کا جانشین ہے۔ جاوید اس کی رہائی کی خاطر ہماری ہر بات ماننے پر مجبور ہو جائے گا۔“

بی پاشا نے ایک گہری سانس لے کر خلا میں تکتے ہوئے کہا۔ ”میں جلد از جلد اسے اپنی بیٹی کے سامنے مجبور اور بے بس دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس کے جگر کا ٹکڑا اس سے دور رہے گا تب ہی وہ میرے جگر کے ٹکڑے کو گلے لگائے گا۔“

وہ بولا۔ ”ٹھیک ہے، میں فون بند کرتا ہوں اس معاملے کو نمٹانے کے لیے ابھی مجھے پاکستانی انڈر ورلڈ والوں سے رابطہ کرنا ہوگا۔“

اس نے ریسیور رکھ دیا، رابطہ ختم ہو گیا۔ بیٹی اس کی کمزوری تھی وہ اس کی زندگی میں خوشیاں بھرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ بیٹی کا معاملہ بہت اہم تھا، وہ اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر اس کے بارے میں سوچنے لگا۔

دنیا کے تمام بڑے مجرموں کے درمیان ایک مضبوط نیٹ ورک قائم رہتا ہے۔ وہ پاکستانی انڈر ورلڈ والوں کے بارے میں سوچ رہا تھا، کسی ایسے شہ زور کا انتخاب کرنا چاہتا تھا جو اس کے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔

ایسے وقت اس کی یادداشت نے سگنل دیا، ایک ایسے شخص کا نام یاد آیا جس کا تعلق انڈر ورلڈ سے نہیں تھا۔ وہ سپر پاور کے لیے کام کرتا تھا اور انڈر ورلڈ کے مجرموں سے کہیں زیادہ پاورفل تھا۔ وہ ریوالونگ چیئر پر سے اٹھ کر ٹہلنے لگا، سوچنے لگا۔

وہ اپنے پرائیویٹ چیمبر میں ٹہل رہا تھا اور میں اس کی سوچوں پر چہل قدمی کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا لیکن میں سوچ رہا تھا۔ وہ اپنے طور پر اپنی پلاننگ کے انجام سے باخبر تھا اور میں اس کے مستقبل میں پیش آنے والے حالات سے باخبر تھا۔

☆☆☆☆

شہباز درانی کا ستارہ گردش میں تھا۔ اس پر تو جیسے مصائب کا آتش فشاں پھٹ پڑا تھا اور بدنصیبی کا لاوا ابل ابل کر اس کی تمام تدابیر کو جلاتا جا رہا تھا۔ وہ جدھر دیکھ رہا تھا۔ اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ ابھی دردانہ کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا کہ ایک اور بڑا مسئلہ سامنے آ گیا تھا۔

امریکا سی آئی اے کے چیف آفیسر رابرٹ بونینزا کے آدمی نے تو جیسے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے تھے وہ سوچ رہا تھا اور الجھ رہا تھا کہ کل صبح وہ مطلوبہ دستاویزات اس آفیسر کے حوالے نہیں کرے گا تو کیا ہوگا؟

پاکستان کی سیاست میں ہونے والی قلابازیوں کے متعلق ان فائلوں اور مائیکرو فلموں میں بہت سے اہم راز چھپے ہوئے تھے، پاشا جیسے ٹیکسی ڈرائیور کو ان رازوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔ شہباز کو یقین تھا کہ اس نے مقدر کے اشارے پر اتنی بڑی چوری کی واردات کی ہے۔

اس شہ زور کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ مقدر سب ہی کا کچھ نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے لیکن مقدر کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ان دستاویزات کے ذریعے امریکی سی آئی اے کی منفی چالبازیوں کا پول کھل سکتا تھا۔ اتنے اہم رازوں کے گم ہو جانے کے نتیجے میں شہباز کو گولی ماری جا سکتی تھی، اسے کسی حادثے میں ہلاک کیا جا سکتا تھا۔ ایسا ہوتا ہے۔ سپر پاور اپنے ناکام ہونے والوں کو ان کے ہی ملک میں پھانسی پر چڑھا دیتا ہے یا ہوائی جہاز کے حادثے میں ہلاک کرا دیتا ہے یا پھر کسی آلۂ کار کے ذریعے گولی مار دیتا ہے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ سوچ کے گھوڑے کبھی امریکی سی آئی اے والوں کی طرف دوڑ رہے تھے اور کبھی دردانہ کی طرف دوڑے چلے جا رہے تھے۔ صبح دس بجے آنے والا آفیسر خالی ہاتھ جائے گا تو فوراً ہی شہباز درانی کو واشنگٹن کے ہیڈ کوارٹر میں طلب کیا جائے گا اور اس طلبی کی وجہ سے دردانہ کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ جھنجلائے ہوئے ذہن میں بچاؤ کی کوئی تدبیر سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسے وقت میں موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے چونک کر اسے یوں دیکھا جیسے کوئی نئی آفت آ رہی ہو وہ فون تو اس کے لیے منحوس ہو گیا تھا، جب بھی اسے آن کر کے کان سے لگاتا تھا ایک نیا دھماکا ہی سنتا تھا۔

اس نے صوفے پر بیٹھ کر اسے اٹھایا، سی ایل آئی میں میرا نمبر دکھائی دے رہا تھا، وہ زیر لب بڑبڑایا۔ ”پتا نہیں اب یہ منحوس کون سی منحوس خبر سنانے والا ہے؟“

”اس نے فون کو آن کر کے کان سے لگایا پھر کہا۔ ”ہاں بولو! اب کیسی خبر سنانا چاہتے ہو؟“

میں نے مسکرا کر کہا۔ ”واقعی تم چٹان کی طرح مضبوط ہو۔ اتنا سب کچھ سہنے کے بعد بھی مزید بری خبریں سننے کا حوصلہ رکھتے ہو۔“

طعنے نہ دو۔ ٹو دی پوائنٹ بات کرو کس لیے فون کیا ہے؟“

میں اپنی پھیلی ہوئی ہتھیلی کو دیکھ رہا تھا، مسکرا کر بولا۔ ”اس وقت میں اپنے ہاتھ پر زندگی کی لکیر کو دیکھ رہا ہوں؟“

”کیا یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے؟“

”ہاں، میں تمہیں انفارم کرنا چاہتا تھا کہ میری زندگی کی لکیر اچانک ہی دھندلی ہو گئی ہے۔“

''تمہاری زندگی کی لکیر دھندلی ہوئی ہے تو میں کیا کروں؟ اس سے میرا کیا تعلق......''

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''شاید بھول گئے تھے، اب یاد آ گیا ہے کہ میرا اور تمہارا مقدر اور ہاتھوں کی لکیریں ایک جیسی ہیں۔ جو میرے ساتھ ہوگا وہی تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔''

وہ ایک دم سے پریشان ہو کر بولا۔ ''تم...... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ میری زندگی کی لکیر کچھ دھندلی پڑ رہی ہے تو تمہاری لکیر کے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہوگا۔''

اس نے بے اختیار اپنی ہتھیلی کو دیکھا، وہ کوئی نجومی نہیں تھا پھر بھی لکیروں کو یوں دیکھنے لگا جیسے انہیں پڑھ رہا ہو۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟ کچھ سمجھ میں آیا؟''

میں نے ایک ذرا بے پروائی سے کہا۔ ''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ میں خواہ مخواہ تمہیں پریشان کر رہا ہوں تو آئندہ تمہارے پاس آ کر کبھی پیش گوئی نہیں کروں گا اور جہاں تک تماشائی بننے کی بات ہے تو میں صرف تمہاری پریشانیوں کا ہی نہیں موت کا بھی تماشا دیکھوں گا۔''

وہ بڑی بے بسی سے بولا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟ کبھی کہتے ہو، ہمارا مقدر ایک ہے۔ کبھی کہتے ہو، ہماری زندگی کی لکیر ایک ہے اور وہ مٹ رہی ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو صرف میں ہی کیوں؟ تم بھی تو مرو گے۔''

تقدیر کے لکھے کو بدلنے کے لیے تدبیر سے کام لینا پڑتا ہے۔ ہماری موت قریب ہے مگر ہم اپنی موت کو ٹال بھی سکتے ہیں۔ میں یہی کروں گا اس لیے زندہ سلامت رہوں گا، تم بھی چاہو گے تو اپنی طبعی عمر تک جی سکو گے۔''

پہلے وہ جھنجلا رہا تھا پھر میری یہ بات سن کر ذرا نرم پڑتے ہوئے بولا۔ ''کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں ایسی کیا تدبیر کروں گا کہ آنے والی موت ٹل جائے گی۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''مجھے دشمن سمجھتے ہو اور دشمن ہی سے سلامتی کا راستہ پوچھ رہے ہو۔''

وہ ایک ذرا کھسیانے انداز میں بولا۔ ''جب دو دشمن ڈوبنے والی ایک ہی کشتی پر سوار ہوں تو کنارے تک پہنچنے کے لیے جس تدبیر پر ایک عمل کرتا ہے تو دوسرے کو بھی اسی تدبیر پر عمل کرنا چاہیے۔ موت ہم دونوں کو آنے والی ہے لہٰذا بچاؤں کا راستہ بھی ایک ہی ہوگا۔''

میں نے کہا۔ ''ہمارے بچاؤ کے راستے الگ الگ ہیں وہ اس لیے کہ میرا کوئی دشمن نہیں ہے اور تمہارے ہزاروں ہیں۔ میں کسی کی دشمنی سے نہیں مارا جاؤں گا لیکن تمہیں ب[...] بڑی دشمن طاقت دبوچنے والی ہے۔''

وہ ایک ذرا پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ ''مقدر صحیح کہ[...] ہے۔ کل مطلوبہ چیزیں نہ ملنے کی صورت میں امریکی سی[...] اے والے مجھے موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔''

اس نے کہا۔ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے ام[...] آقاؤں کا عتاب مجھ پر نازل ہوگا۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ تم اپنے حالات کے آئینے [...] بہت کچھ دیکھ سکتے ہو اور بہت کچھ سمجھ سکتے ہو۔ تم پاکس[...] سیاستدانوں کو شکار کرنے میں مہارت رکھتے ہو لیکن بع[...] اوقات ماہر شکاری کو بھی جنگل کے خونخوار بادشاہ سے [...] کے لیے کسی غار میں پناہ لینی پڑتی ہے۔''

وہ میری باتوں سے قائل ہو رہا تھا، میں نے ایک [...] توقف کے بعد کہا۔ ''تاش کے کھیل میں غلام ہمیشہ باد[...] سے مات کھاتا ہے۔ مات کھانے سے پہلے ہی فرار کا را[...] ڈھونڈ لو۔ اپنے اوپر والوں کے ہاتھ نہ آؤ، جتنی جلدی ہو[...] ان کی گرفت سے پھسل جاؤ۔''

اس نے ایک ذرا ناگواری سے کہا۔ ''مجھ پر یہ آف[...] تمہاری وجہ سے آ رہی ہے۔ پہلے تم نے میرے اہم ڈ[...] مینٹس چرائے اور اب بچاؤ کے راستے بتا رہے ہو۔ اگر [...] بھلا چاہتے ہو تو پاشا کے ذریعے چوری کرائے گئے دوا[...] کاغذات مجھے لوٹا دو۔ میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔''

میں نے کہا۔ ''تم اپنے آقاؤں کے ہتھکنڈے ا[...] طرح سمجھتے ہو پھر بھی مجھے الزام دے رہے ہو۔ تمہا[...] اطلاع کے لیے یہ بتا دوں کہ امریکا سی آئی اے والوں [...] ہی تمہارے خفیہ چیمبر سے وہ تمام فائلیں اور مائیکرو فلمیں چ[...] ہیں، جن کا مطالبہ وہ تم سے کر رہے ہیں۔''

وہ میری بات کا یقین نہیں کر رہا تھا۔ ''میں یقین ن[...] کروں گا۔ امریکی سی آئی اے والے اپنی ہی چیزیں کی[...] چرائیں گے، پھر پلٹ کر مجھ سے کیوں مطالبہ کریں گے؟ ا[...] شاطرانہ چال تمہارے سوا اور کوئی نہیں چل سکتا، تم [...] دھیان اپنی طرف سے بھٹکانے کے لیے دوسروں کو خو[...] الزام دے رہے ہو۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''تم ہر بار اپنی ایک غلطی کو د[...] ...... ہو اور نقصان اٹھاتے ہو۔ اور وہ غلطی یہ ہے کہ تم و[...] گزرنے کے بعد میری بات کا یقین کرتے ہو اس وقت [...] یہی کر رہے ہو، سلامتی چاہتے ہو تو بحث کرنے کے بجا[...]

[...]بچاؤ کا راستہ تلاش کرو۔ تمہارے پاس وقت کم سے کم [...]رہا ہے۔''

[...]اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا صبح کے [...]رہے تھے، ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد جونیئر آفیسر جوزف [...]وہ اہم دستاویزات وصول کرنے اس کے پاس آنے [...]اور اس کی سلامتی اسی میں تھی کہ وہ اس کے آنے سے [...]روپوش ہو جائے۔

[...]میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اپنے فون کو [...]انگیج نہ رکھو۔ میں رابطہ ختم کر رہا ہوں۔ کوئی ہے جو تم [...]کرنے کے لیے بے چین ہو رہا ہے۔ او کے، وش یو [...]''

[...]میں نے ریسیور رکھ دیا، فون کا رابطہ ختم ہو گیا، لیکن [...]کا رابطہ منقطع نہ ہوا۔ میں اس کی مٹھی میں تھا، ہتھیلی پر [...]وئی لکیروں کے جال کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جال اسے [...] میں الجھا بھی سکتا تھا اور وہی جال محافظ کے طور پر [...]ے بچاؤ کا ذریعہ بھی بن سکتا تھا۔

[...]فون بند کرنے کے بعد الجھ رہا تھا، میری یہ بات [...]میں گونج رہی تھی کہ کوئی ہے جو اس سے بات کرنے [...]بے چین ہے۔ وہ سوچ رہا تھا اور اندازہ لگانے کی [...]کر رہا تھا کہ ابھی جو اسے فون پر مخاطب کرنے والا ہے [...]ہو سکتا ہے؟

[...]ت سوچنے کے بعد ایک ہی نام ذہن میں ابھر رہا تھا [...]آ کاش دامودر اس سے رابطہ کرنے والا ہے۔ کچھ دیر [...]وبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے فوراً ہی اسے اٹھا [...]لی آئی میں نمبر دیکھا۔ وہ نیا نمبر تھا۔ کوئی اجنبی اسے [...]کر رہا تھا۔ اس نے ایک ذرا سوچنے کے بعد اسے آن [...]کان سے لگایا پھر کہا۔ ''ہیلو!''

[...]سری طرف سے بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو۔ [...]ائی ٹو اسپیک ود مسٹر شہباز درانی۔''

[...]میں شہباز درانی بول رہا ہوں۔ آپ کون ہیں؟''

[...]سری طرف سے آواز سنائی دی۔ ''میں ہندوستان [...]ف جان عرف نانا بھائی بات کر رہا ہوں۔''

[...]دونوں ایک دوسرے کو غائبانہ طور پر جانتے تھے آج [...]نانا بھائی نے اسے مخاطب کیا تھا، شہباز اس کا نام سن [...]ذرا چونک گیا، ہر طرف سے بری بری خبریں سننے کو [...]مل۔

[...]پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ ''یہ ہندوستان میں ہے [...]دانہ بھی وہیں ہے۔ کہیں اس نے اس کے بارے میں کوئی بری خبر سنانے کے لیے فون تو نہیں کیا ہے؟''

نانا بھائی کچھ دیر تک جواب کا انتظار کرنے کے بعد بولا۔ ''کیا بات ہے مسٹر شہباز! میرا نام سن کر آپ چپ کیوں ہو گئے ہیں؟''

وہ خیالات سے ایک ذرا چونک کر بولا۔ ''آں، ہاں میں سوچ رہا ہوں، ہندوستان کے مہان گینگسٹر نے آج مجھے کیوں مخاطب کیا ہے؟''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''مہان تو آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں جو سپر پاور کے زیر اثر رہ کر ہر اعتبار سے سپر بن جاتے ہیں۔''

وہ ایک ذرا مایوسی سے سوچنے لگا۔ طاقت کا نشہ کسی حد تک ہرن ہو گیا تھا۔ اب تو بچاؤ کی تدبیر کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ سپر پاور جس نے اسے سپر بنایا تھا اب وہی اس کے لیے عذاب جان بننے والی تھی۔ اسے اس کی تمام صلاحیتوں اور وفاداری سمیت نگلنے والی تھی۔

نانا بھائی نے پوچھا۔ ''آپ کم بولتے ہیں؟''

اس نے مسکرا کر کہا۔ ''ہم میں اور آپ لوگوں میں یہی فرق ہوتا ہے۔ ہم بولتے کم ہیں لیکن سوچتے زیادہ ہیں۔''

وہ بھی مسکرا کر بولا۔ ''ہم لوگوں میں یہ خاصیت بھی ہوتی ہے کہ آپ جیسے حضرات کو سوچنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔''

وہ بولا۔ ''آپ درست کہہ رہے ہیں لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کون سی بات؟''

''یہی کہ آپ مجھے ایسا موقع فراہم کیوں کر رہے ہیں؟''

''آپ جہاندیدہ ہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ پیاسا کنویں کے پاس کیوں آتا ہے؟''

''یعنی آپ کو پیاس لگی ہے؟''

''جی ہاں، اسی لیے آپ کے کنویں پر آیا ہوں۔''

اس سے باتیں کر کے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دردانہ کے تعلق سے کوئی بات نہیں کرے گا۔ اس نے کہا۔ ''آپ یہ تو جانتے ہوں گے کہ ہمارے کنویں کی گہرائی سے پانی نکالنا آسان نہیں ہے۔ اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے، والا معاملہ ہوتا ہے۔''

وہ بولا۔ ''انڈر ورلڈ سے تعلق رکھتا ہوں۔ ان اصولوں کو خوب جانتا ہوں، تالی دونوں ہاتھوں سے بجے گی۔''

''سنا ہے تم ہندوستانی انڈر ورلڈ والوں کے بھائی ہو، سب کے گرو؟ پھر کیا وجہ ہے کہ اس پاکستانی بھائی سے کام

لینے آئے ہو؟''

''چاند پر رہنے والے کی حکومت صرف چاند پر ہی ہوسکتی ہے۔شکار سورج پر ہوتو وہاں کے صاحبِ اقتدار سے رابطہ کرنا پڑتا ہے اور میں یہی کررہا ہوں۔''

اس کا دھیان اپنی دردانہ کی طرف گیا۔ نانا بھائی چاند پر رہ کر سورج والے سے ساز باز کررہا تھا، کسی معاملے میں اس کی مدد چاہتا تھا۔ وہ سمجھنے لگا کہ کیا میں اس کی مدد کرنے کے صلے میں اپنا الوسیدھا نہیں کرسکتا؟ ہاں اپنی دردانہ کو آکاش دامودر کی قید سے نکالنے کے سلسلے میں نانا بھائی سے سودا کیا جاسکتا ہے۔''

شہباز نے کہا۔''تم جو چاہو گے۔ وہ یہاں ہو جائے گا۔لیکن میرا بھی ایک مسئلہ ہے، جسے تم حل کرسکتے ہو۔''

نانا بھائی نے کہا۔''چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ پھر تو دونوں کی کشتی پار لگے گی۔ آپ اپنا مسئلہ بتائیں پھر میں اپنا مسئلہ پیش کروں گا۔''

اس نے کہا۔''میں تمہارے علاقے سے اپنی بہت ہی قیمتی چیز حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

''سمجھیں کہ وہ آپ کے قدموں میں پہنچ گئی ہے۔''

شہباز نے کہا۔''سرحد کے اس طرف تمہارے اختیارات بے معنی ہوجاتے ہیں اور سرحد کے اس پار میری طاقت کسی حد تک کمزور ہوجاتی ہے، ہم ایک دوسرے کے تعاون سے اپنے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔''

نانا بھائی نے کہا۔''ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ آپ پر تو سپر پاور کی چھپر چھایا ہے، آپ کے لیے کسی بھی ملک کی سرحد کوئی معنی نہیں رکھتی ہوگی۔ پھر مجھ سے تعاون حاصل کرنے کی وجہ کیا ہے؟''

شہباز نے کہا۔''دراصل بات یہ ہے کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں پرسنل معاملات میں اپنے اوپر والوں کو نہیں الجھاتا۔''

وہ دونوں شیطانی سوچ رکھنے والے شاطر تھے۔ نانا بھائی اپنی بیٹی کی خوشیاں پوری کرنے کے لیے ایک باپ کے جگر گوشے کو اغوا کرانا چاہتا تھا اور دوسرا اپنی محبوبہ کی سلامتی اور اس کی بہ خیریت واپسی چاہتا تھا۔ اور اسے جس کی قید سے نکلوانا چاہتا تھا اس بے چارے کی محبوبہ کو اوپر بہت اوپر پہنچا چکا تھا۔

نیلماں دامودر کی واپسی ممکن نہیں تھی مگر دردانہ کو آکاش کی قید سے نکالنے کا راستہ نانا بھائی کی صورت میں مل رہا تھا۔ دونوں ہی بیٹھے بٹھائے اپنا مسئلہ حل کرنے والے تھے۔

مسائل یوں بیٹھے بٹھائے حل ہونے لگیں تو پھر کیا بات سراب نما خوشیاں زندگی میں اسی طرح دھوم مچاتی ہو ہیں اور اس دھوم دھڑا کے میں پتا ہی نہیں چلتا کہ م کیسے دبے قدموں زندگی میں گھسے چلے آتے ہیں؟

ان دونوں کے درمیان تمام معاملات طے ہوگئے کے باوجود ابھی انہیں بہت سے مرحلے طے کرنے تھ وہ عقل کی دہلیز پر تدبیر کے پاپڑ بیلنے والے تھے۔

رابطہ ختم ہوگیا تھا۔ شہباز موبائل فون آف کرکے آ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ اب تک بڑی کامیابی کہ کر اسے بیوقوف بناتا آرہا تھا کہ اس کی نیلماں زند اور شاید کسی کی قید میں ہے۔

آکاش اس کی بازیابی کے بعد ہی دردانہ کو رہا کر والا تھا لیکن اب اسے دوسرا راستہ مل گیا تھا۔ اس دو راستے سے اس کی دردانہ واپس آنے والی تھی۔

وہ اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اپنے دستاویزات اور دوسرا ضروری سامان ایک بیگ میں جارہا تھا۔ یہ طے کرچکا تھا کہ اسے ایک غیر معینہ مدت لیے کہیں روپوش ہوجانا ہے۔ میں ایسے وقت اس کے ہوئے مقدر پر نہ ہنسنا چاہتا تھا، نہ افسوس کرنا چاہتا تھا ہنسنے اور افسوس کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔ خوشیوں کی دھام میں آخر دھماکا ہو ہی گیا۔

وہ پیکنگ میں مصروف تھا۔ ایسے ہی وقت میں فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے اٹھا کر سی ایل آئی م دیکھا، آکاش کال کررہا تھا۔ اس نے ایک ذرا سوچنے بعد بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر کہا۔''ہیلو، آکاش!''

دوسری طرف سے خلافِ توقع دردانہ کی آواز دی۔ وہ روتے ہوئے بولی۔''شہباز! میں مرجاؤں گ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔''

اس نے پریشان ہوکر پوچھا۔''ایسی کیا بات ہوگئی کون لوگ تمہیں مار ڈالیں گے؟ آکاش سے تو میرا ہوچکا ہے میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اس کی نیلم سراغ لگاؤں گا، اسے کسی بھی طرح اس کے پاس پہ گا۔ اس نے بھی مجھ سے وعدہ کیا ہے، وہ تمہیں میری ا سمجھ کر تمہاری حفاظت کرتا رہے گا۔ کیا وہ وعدے سے ہے؟''

وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔''ہاں، یہی بات اچانک آکاش کے تیور بدل گئے ہیں۔ اس نے آخر

ات کرنے کے لیے اپنا یہ فون دیا ہے......

''فون اسے دو، میں اس سے بات کروں گا۔''

وہ اپنا فون کان سے لگائے انتظار کرنے لگا بڑی بے ے''ہیلو، ہیلو۔'' کہہ کر مخاطب کرنے لگا۔ دوسری ے دھیمی دھیمی سی باتیں کرنے کی آوازیں آرہی الفاظ واضح نہیں تھے اس لیے باتیں سمجھ میں نہیں تھیں۔

بڑے کرب سے گزرنے کے بعد آکاش کی آواز سنائی ''تمہاری رکھیل درست کہہ رہی ہے، میرے تیور بدل ہیں۔ ہمارے درمیان جو سمجھوتا ہوا تھا اسے ختم سمجھو۔''

اس نے پریشان ہوکر پوچھا۔''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا نیلماں کی واپسی نہیں چاہتے ہو؟ جب کہ میں تن من سے یہاں اس کا سراغ لگارہا ہوں؟''

''تم بکواس کررہے ہو۔ مجھے جھانسا دے رہے ہو۔ رکھیل کو میری گرفت سے نکال لے جانے کے لیے کچھ حاصل کررہے ہو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے، تم خواہ مخواہ مجھ پر شبہ کررہے ہو میں تمہیں دھوکا نہیں دے رہا ہوں۔ یقین کرو، تمہاری نیلماں تک تقریباً پہنچ چکا ہوں۔''

''میں کیسے یقین کروں؟''

''میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں؟''

''بہت آسان ہے، میں تمہاری دردانہ کی آواز فون پر سنا رہا ہوں، تم میری نیلماں کی آواز سنا سکتے ہو۔''

وہ بوکھلا گیا، بات نہیں بن رہی تھی۔ آکاش کسی بہانے کو مانتا دکھائی نہیں دے رہا تھا اس نے کہا۔''وہ ابھی یہاں نہیں ہے میں تمہیں اس کی آواز سنا دیتا اس وقت وہ ایک دوسرے علاقے میں ہے۔ میرے آدمی کل تک اسے یہاں لے آئیں گے۔''

وہ غرانے کے انداز میں بولا۔''اس وقت تم بول نہیں رہے ہو۔ ایک خارش زدہ کتے کی طرح بھونک رہے ہو۔ اب کوئی بات نہیں بنے گی، تمہارا کوئی جھوٹ کام نہیں آئے گا کیونکہ سچ مجھے معلوم ہوچکا ہے۔ میری نیلماں اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔''

وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔''یہ...... یہ......تم سے کس نے کہا؟ یہ جھوٹ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ......''

''سچ یہ ہے کہ تمہارے ایک دست راست اسد عزیزی نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔''

فون پر ایک درد بھری سرد آہ سنائی دی۔''آہ! نیلماں! میری جان! میں تیری آتما کو شانتی پہنچاؤں گا، تیرے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لوں گا۔''

پھر وہ غصے سے لرزتے ہوئے بولا۔''شہباز! تیری رکھیل بھی اسی طرح سسک سسک کر تڑپ تڑپ کر اس دنیا سے جائے گی جیسے میری نیلماں گئی ہے۔ اپنے مقدر کو آواز دے کہ وہ آئے اور اسے بچالے......''

شہباز کے دیدے پھیل گئے تھے۔ اسے دن میں تارے نظر آرہے تھے اور میں یاد آرہا تھا۔

میں تو بس ایسا ہی ہوں، ایسے ہی وقت یاد آتا ہوں۔

میں اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مرجاتا ہوں
مقدر ہوں، میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں

شہباز درانی عقلِ افلاطون لے کر پیدا ہوا تھا۔ چٹکی بجاتے ہی ہر مسئلے کا حل ڈھونڈ لیتا تھا۔ پھر سپر پاور کی سرپرستی نے تو اسے خدائی دعوے دار بنا دیا تھا۔ مگر دردانہ بیگم کا معاملہ اس کے تخت کا تختہ کر رہا تھا۔ اس کے حوالے سے پیش آنے والے مسائل کا منہ بند کرتے کرتے اس کا اپنا منہ کھل گیا تھا، وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔

ہر انسان کے اندر ایک حیوان چھپا ہوتا ہے۔ یہ حیوانیت وقتاً فوقتاً اپنا لوہا منواتی رہتی ہے، ایسے ہی حالات میں انسانیت پر حیوانیت حاوی ہو جاتی ہے اس وقت وہ سپر پاور کی ٹھنڈی چھاؤں میں تھا۔ اس کے باوجود حالات کے لات جوتوں کی دھوپ اور گرمی میں جھلس رہا تھا، جانور بن گیا تھا، کتے کی طرح منہ کھول کر زبان نکال کر ہانپ رہا تھا۔

جانور کے پاس عقل نہیں ہوتی۔ اس وقت وہ بھی کچھ خالی خالی سا ہو گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، دردانہ کو ہندوستان بھیج کر اپنے بیٹے کا ستیاناس کر چکا ہے۔ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ اپنی جانِ حیات کی رہائی کے سلسلے میں اسے کیا کرنا چاہیے؟

وہ تو شروع ہی سے کچھ نہ کچھ کرتا آ رہا تھا۔ آکاش کی کال سے پہلے اس نے دردانہ کی واپسی کا راستہ ہموار کر لیا تھا۔ ہندوستانی انڈر ورلڈ کے نامی گرامی یوسف جان عرف نانا بھائی سے یہ سودا کر چکا تھا کہ وہ اس کی دردانہ کو آکاش کی قید سے نکال لائے گا اور شہباز جاوید برقی کے بیٹے اشعر کو اغوا کر کے نانا بھائی کے حوالے کرے گا۔ یوں دردانہ کا معاملہ بڑی آسانی سے حل ہونے والا تھا۔

لیکن مقدر میں خرابی ہو تو انسان تدبیر کے راستے پر ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے وہ زمانے بھر کو اپنے سامنے جھکانے والا اب میری (مقدر) ٹھوکروں میں توازن کھو رہا تھا اور بار بار اوندھے منہ گر رہا تھا۔

میں جان بوجھ کر خواہ مخواہ کسی کو ٹھوکر نہیں مارتا۔ لوگ اپنے کرتوتوں کے باعث آپ ہی ٹھوکروں میں آ جاتے ہیں۔ پھر ٹھوکریں کھانے کے بعد ہی خدا یاد آتا ہے۔ ہر موقع پر سپر پاور کو یاد کرنے والے کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ اسے اسی طرح لات جوتوں میں رکھا جائے۔ کبھی تو اسے بھی خدا یاد آئے گا۔

یہ سن کر اس کے اندر دھماکا سا ہوا تھا کہ آکاش دامودر کو نیلماں کی موت کی اطلاع مل چکی ہے۔ وہ دیدے پھیلائے یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا یہ اطلاع اس تک کیسے پہنچ گئی؟

نیلماں کو تو بڑی رازداری سے ابدی نیند سلایا گیا تھ اطلاع کسی ذریعے سے بھی پہنچی ہو، لیکن یہ اب اس کے بارے میں سوچنے سے کچھ حاصل نہیں تھا۔ سوچ کے گھوڑے بڑبڑا کر ایک ہی سمت تھے کہ دردانہ کا کیا بنے گا؟ آکاش کھلے لفظوں مر کہ وہ اس کی رکھیل کو تڑپا تڑپا کر اس دنیا سے رخص گا۔ وہ سپر پاور کی چھتر چھایا میں رہ کر بھی آکاش بگاڑ سکتا تھا۔

میں جب بھی اس سے رابطہ کرتا تھا۔ کوئی خبر ہی سناتا تھا۔ میرے معاملے میں وہ دوہری گزر رہا تھا۔ اسے میری ذات سے وحشت ہو بے چین کر دینے والی کشش بھی تھی کہ بے شک بری خبر سناتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی بچاؤ دکھاتا ہوں۔

فی الحال وہ تدبیر سے ہی اپنی بگڑی تقدیر بنا مجھ سے خود رابطہ کر کے، میری سامنے جھک کر کرنا چاہتا تھا کہ وقت اور حالات اس پہاڑ کو جھکا بدنصیبی اور ناکامی کے تھپیڑے اسے نہ معلوم چور را ریزہ ریزہ کر رہے ہیں۔

لاکھ جتن کے باوجود وہ بکھر رہا تھا۔ اور ا رکھنے والی اس سے بہت دور اپنی جان سے جا اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے زیر لب کہ میری جان! میں تمہیں جان سے نہیں جانے دوں کرو، میں جلد ہی کوئی تدبیر کروں گا، تمہیں آکا سے یوں نکال لاؤں گا، جیسے مکھن سے بال نکالا جا

وہ واقعی مکھن کا بال بن گئی تھی۔ بال کو چٹکی نکالنے کی جتنی کوشش کرو۔ وہ مکھن میں اتنا ہی ہے۔ وہ ہاتھ آتے آتے پھسل رہی تھی۔ اس کی ہو رہی تھی۔

وہ اپنے پرائیویٹ چیمبر میں تھا۔ ایسے ذہنی مبتلا تھا جیسے چیمبر میں نہیں، کسی کال کوٹھری میں نانا بھائی سے معاملہ طے ہو جانے کے بعد اسے اطمینان حاصل ہوا تھا اور وہ امریکی سی آئی ا آفیسر جوزف مارٹن کی آمد سے پہلے کہیں روپوش تیاریاں کر رہا تھا۔

سی آئی اے والوں کے ہاتھ آنے کا مطلب وہ اپنی جان سے جاتا۔ وہ اہم دستاویزات جو اس

ے پھڑ پھڑاتی ہوئی مچھلیوں کی طرح پھسل چکی تھیں، اس کے گلے کا پھندا بننے والی تھیں۔ دوسری صبح دس بجے آنے والے جوزف آفیسر سے کترانا، اس سے منہ چھپانا یا کسی طرح باتیں بنا کر اسے ٹالنا ضروری ہو گیا تھا جبکہ وہ ٹلنے والا بندہ نہیں تھا۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے بہت سی ضروریات بیک وقت سر پر مسلط ہو جاتی ہیں، پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس ضرورت کو پہلے اہمیت دی جائے اور کسے پسِ پشت ڈال دیا جائے؟ وہ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اپنے تحفظ کے ساتھ ساتھ دردانہ کا معاملہ بھی نمٹانا چاہتا تھا۔

اس نے ہاتھ میں تھامے ہوئے موبائل فون کو دیکھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس سے رابطہ کرے؟ مدد کے لیے کس ناخدا کو پکارے؟ آکاش نے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی دردانہ کے بچاؤ کے لیے مجھے یعنی اپنے مقدر کو آواز دے۔

مجھے اس کے بلاوے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو بن بلائے کسی جیب خرچ کے بغیر ہی سب کی زندگی میں گھسا چلا آتا ہوں۔ اس وقت بھی اس کے پاس تھا، اس کی ہتھیلی پر ہمہ وقت موجود رہتا تھا لیکن کچھ لوگ پچھتاوے کے وقت دونوں ہاتھ ملتے ہیں۔ اپنی ہتھیلیاں رگڑتے رگڑتے اپنے مقدر کو بھی پیس ڈالتے ہیں۔

وہ نانا بھائی سے رابطہ کرنا چاہتا تھا اور نئی صورتِ حال کے مطابق دردانہ کے معاملے کو ہنگامی طور پر حل کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس سے پہلے آکاش سے اہم باتیں کرنی تھیں۔ موبائل فون کا ایک بٹن دباتے ہی رابطہ ہو سکتا تھا لیکن وہ پہلے سوچنے لگا، ہر پہلو پر غور کرنے لگا کہ دردانہ کی سلامتی کے لیے شطرنج کی بساط پر کس مہرے کو آگے بڑھائے؟ ایسی کون سی چال چلے کہ آکاش کی طرف سے کچھ مہلت مل جائے؟

اس نے ایک ذرا سوچنے کے بعد آکاش کے فون نمبر ڈائل کیا پھر اسے کان سے لگا کر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف بزر چیخ رہا تھا۔ آکاش نے سی ایل آئی پر پڑھے پھر حقارت بھرے لہجے میں دردانہ سے کہا۔ ”کتے کی دم پر پاؤں پڑ جائے تو وہ تلملا کر چیخنے لگتا ہے، کاٹ کھانے دوڑتا ہے اس وقت تمہارے عاشقِ نامراد کی حالت بھی ایسی ہی ہے۔“

وہ اس کے محبوب کو کتا کہہ رہا تھا، لیکن وہ مجبور تھی، اس کا نہیں نوچ سکتی تھی۔ یہ سن کر بے چین ہو گئی تھی کہ شہباز کال کر رہا ہے۔ اس نے ایک ذرا بے بسی سے کہا۔ ”پلیز فون تو اٹھا لو، اس سے باتیں کرو، نیلماں کے معاملے میں تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، وہ اسی کو دور کرنے کے لیے کال کر رہا ہوگا۔“

وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ ”میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں۔“

فون کا بزر چیختے چیختے یوں بند ہو گیا جیسے اپنی جانِ حیات کو پکارتے پکارتے شہباز کا حلق خشک ہو گیا ہو۔ وہ پریشان ہو کر فون کو دیکھ رہی تھی پھر التجا آمیز لہجے میں بولی۔ ”تم کیسے دیوانے ہو، اپنی محبوبہ کے بارے میں کچھ سننا نہیں چاہتے۔ ہو سکتا ہے، نیلماں زندہ ہو اور شمشیر خان اس کے بارے میں کچھ بتانے کے لیے کال کر رہا ہو۔“

آکاش نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ ”تم اپنے ذرائع کے مطابق نیلماں کو مردہ تسلیم کر رہے ہو۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمہیں غلط انفارمیشن دی گئی ہو؟ تمہیں بھٹکایا جا رہا ہو۔ تمہارا کوئی دشمن نیلماں تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہو؟“

وہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا، ماتھے پر ایک انگلی سے یوں لکیریں کھینچ رہا تھا جیسے اپنی میموری میں کسی دشمن کا نام تلاش کر رہا ہو۔ خاموشی نیم رضامندی ہوتی ہے۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس کی باتوں سے کسی حد تک قائل ہو رہا ہے۔

لوہا گرم ہو رہا تھا اور وہ برابر ضربیں لگا رہی تھی۔ کہتی جا رہی تھی۔ ”میں نہیں جانتی، شمشیر خان سے میرا کیا تعلق ہے، لیکن اس کی چاہت مجھے سمجھا رہی ہے کہ وہ میرا دیوانہ ہے، اور مجھے حاصل کرنے کے لیے نیلماں کو تمہارے پاس لانے والا ہے مگر تمہاری ایک ذرا سی بے اعتمادی صرف ہمیں ہی نہیں تمہیں بھی نقصان پہنچائے گی۔“

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ ”مجھے مار کر تمہیں کیا ملے گا؟ وہ انجانے دشمنوں سے تمہاری محبوبہ کو چھین کر لانے والا بپھر جائے گا۔ جب میں اسے نہیں ملوں گی تو وہ بھی نیلماں کو تم تک نہیں پہنچائے گا۔ میں موت سے نہیں ڈرتی لیکن تم غور کرو، مجھے موت کے گھاٹ اتارنے سے تمہیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے اور زندہ رکھنے سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟“

وہ سن رہا تھا اور قائل ہو رہا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ اگر نیلماں زندہ ہے تو وہ دردانہ کو مار کر اس کی واپسی کا آخری راستہ بھی بند کر دے گا۔ فی الحال اسے یہی کرنا چاہیے۔ دردانہ کو اپنے قبضے میں رکھ کر شمشیر خان کی کمزوری

سے فائدہ اٹھانا چاہیے سرحد کے اس پار وہ دیوانہ اس کے کام آسکتا ہے۔

دوسری طرف شہباز جھنجلایا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار پھر ریڈائل کا بٹن دبایا۔ رابطہ ہونے پر آکاش کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو!''

وہ بولا۔ ''تم نے صرف اپنی باتیں کیں اور فون بند کر دیا۔ میں رابطہ کر رہا ہوں تو کوئی جواب نہیں دے رہے ہو مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع تو دینا چاہیے۔''

اس نے ایک نظر دردانہ پر ڈالی پھر کہا۔ ''موقع دینا چاہتا ہوں، اسی لیے فون ریسیو کر رہا ہوں۔''

وہ بولا۔ ''نیلماں کے بارے میں تمہیں غلط انفارمیشن ملی ہے نہ میرا کوئی دستِ راست ہے اور نہ میں نے تمہاری محبوبہ کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ میں تو تمہیں جانتا بھی نہیں ہوں پھر دشمنی کیوں کروں گا؟''

''یہی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ لہٰذا سمجھنے کے لیے ہی تمہارا یہ فون اٹینڈ کر رہا ہوں۔ فی الوقت یہ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں شائد کوئی انجانا دشمن، ہمیں الجھا کر اپنا کوئی مفاد حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

شہباز نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ بات بنتی دکھائی دے رہی تھی۔ ادھر دردانہ بھی خوش ہو کر آکاش کو دیکھ رہی تھی، تیر نشانے پر لگا تھا۔ شہباز نے کہا۔ ''تم ایک ذرا سی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بہت بڑا اقدام اٹھانے جارہے تھے جب تک ہم ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کریں گے تب تک اپنے کسی انجانے دشمن کو سمجھ نہیں پائیں گے۔''

وہ بولا۔ ''اعتماد تو میں اپنے باپ پر بھی نہیں کرتا۔ تم پر بھی نہیں کروں گا۔ فی الحال سمجھوتا کر رہا ہوں۔ ہمارے درمیان اِس ہاتھ لے، اُس ہاتھ دے والا سودا ہوگا۔ تمہیں ایک مقررہ وقت تک میری نیلماں کو یہاں پہنچانا ہوگا تاخیر کی صورت میں یہ سودا ختم ہو سکتا ہے۔''

اس کی ضرورت کے مطابق مہلت مل رہی تھی۔ وہ جلدی سے بولا۔ ''تم فکر نہ کرو، بس یوں سمجھو کہ میں تقریباً تمہاری نیلماں تک پہنچ چکا ہوں۔''

وہ بولا۔ ''تم نے کہا تھا کہ وہ وہاں کے ایک سرحدی علاقے میں ہے اور کل تک تمہارے پاس پہنچنے والی ہے۔ میں تمہیں چوبیس گھنٹوں کی مہلت دے رہا ہوں۔ اس کے پہنچتے ہی مجھے اس کی آواز فون پر سناؤ گے پھر یہاں تمہاری دردانہ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

چوبیس گھنٹے بہت ہوتے ہیں۔ اس عرصے میں دنیا ادھر سے ادھر ہو جاتی ہے۔ دردانہ بھی ادھر سے ادھر ہو سکتی تھی۔ انڈیا سے پاکستان پہنچ سکتی تھی۔ شہباز نے ... کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے منظور ہے ... مقررہ مدت سے پہلے ہی نیلماں کی آواز تمہیں سناؤں گا۔''

اس کی ایک کشتی ساحل کی طرف بڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن دوسری ابھی منجدھار میں تھی۔ وہ امریکی ... اے کا جونیئر آفیسر جوزف مارٹن آنے والا تھا، اسے کنارے لگانا تھا۔

آکاش سے رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ ایک بلا عارضی طور ... گئی تھی۔ اس نے اپنے بیگ کو دیکھا۔ کچھ دیر پہلے وہ اس ... ضروری کاغذات بھر رہا تھا۔ اس جونیئر آفیسر کے آنے سے پہلے کہیں روپوش ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں، جو بھی ... دستاویزات نظر آئی تھیں، انہیں بیگ میں رکھ لیا پھر اس ... زِپ بند کرنے کے بعد موبائل فون پر نانا بھائی سے کہا۔ ''... میں درانی بول رہا ہوں۔ کیا ابھی تم سے تفصیلی گفتگو ... ہے؟''

وہ بولا۔ ''ہاں ہاں بالکل ہو سکتی ہے۔ ہمارے در... ایک دوسرے سے تعاون کا معاہدہ ہوا ہے اور اس ... سے ہمیں زیادہ سے زیادہ وقت ایک دوسرے ... چاہیے۔''

''ہمارے درمیان جو معاملہ طے ہوا ہے اس ... تیزی سے عمل درآمد ہونا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں، کل ... آج اور آج کا کام ابھی ہو جائے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میں بھی کسی کام میں ... پسند نہیں کرتا۔ آپ کے علاقے سے اپنی مطلوبہ چیز ... کرنے کے لیے بے چین ہوں۔ جتنی تیزی آپ دکھائیں گے اتنی ہی پھرتی میں بھی دکھاؤں گا۔ اس طرح تالی ... ہاتھوں سے بجے گی اور خوب بجے گی۔''

اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ ''میں چار ... اندر اس مطلوبہ بچے اشعر کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

''ادھر آپ اس بچے کو میرے مقررہ مقام پر ... گے۔ ادھر میں آپ کی مطلوبہ خاتون کو آکاش کے ... نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دوں گا۔''

وہ دونوں معاملات طے کر رہے تھے۔ اپنے طور ... کو کامیابی کی بھرپور ضمانت دے رہے تھے۔ ایسے ... میں بھی ان کے درمیان تھا، دونوں کی ہتھیلیوں پر کھڑا ... رہا تھا، ہونے والا سودا انہیں سودائی بنانے والا تھا۔

☆☆☆

وہ گھٹنوں پر دونوں کہنیاں ٹیکے ہتھیلیوں کے کٹوروں ... منہ چھپائے، سر جھکائے گم صم سی اپنے کوارٹر میں بیٹھی ... تھی۔ کبھی کبھی زندگی میں ایسے حالات سامنے آتے ہیں کہ ... انسان تنہائی میں بھی منہ چھپانے لگتا ہے پاشا کی جو دیوانگی ... کے لیے تھی، وہ اس کے لیے مسائل پیدا کرتی جارہی ... تھی۔ وہ فی الحال کہیں دور جا کر اس سے چھپ نہیں سکتی تھی۔ ... لیے منہ چھپائے بیٹھی ہوئی تھی

یہ سب ہی کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی اس کا دیوانہ ہو۔ ... ٹوٹ کر چاہنے والا ہو۔ عروج کے اندر بھی پاشا سے ... چاہے جانے کی خواہش مچلتی تھی اور وہ دیوانہ اس کی طلب ... سے زیادہ اس کی خواہش پوری کر رہا تھا لیکن اس کے لیے ... ناقابل حل مسئلہ بھی بنتا جارہا تھا۔

وہ اپنے، عینی کے اور پاشا کے درمیان بننے والی مثلث ... میں جکڑ کر رہ گئی تھی۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ ایک ... طرف جان سے عزیز سہیلی تھی اور دوسری طرف منہ زور عاشق ... تھا۔

اس نے اسے جھوٹی محبت کا طعنہ دیا تھا۔ ''میں تمہیں ... خوب سمجھ گیا ہوا تم کبھی مجھ سے شادی نہیں کرو گی، محبت کا جھوٹا ... فریب دیتی رہوں، جھوٹے وعدے کرتی رہو گی۔''

پاشا نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ مر جائے گا لیکن اس کی محبت سے باز نہیں آئے گا، عینی کو چھوڑ کر اسی کے پیچھے بھاگتا رہے گا۔ اگر وہ چاہتی ہے کہ وہ اس کی سہیلی کو بھرپور محبت اور توجہ دیتا رہے، اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا رہے تو اسے بھی اس سے شادی کے لیے راضی ہونا پڑے گا۔

یہ بات ماننے سے وہ کترا رہی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ شادی سے پہلے ہی اس کا دیوانہ ہے، اسے چھوڑ کر عینی کے قریب نہیں جاتا ہے۔ جبراً اس کی طرف دھکیلا جاتا ہے تو اس بے چاری سے رسمی سی محبت کرتا ہے پھر فوراً ہی جان چھڑا کر اس کی طرف چلا آتا ہے۔ ایسے میں وہ اس کی شریکِ حیات بن جائے گی تو وہ اسی سے چپک کر رہ جائے گا۔ عینی کو بالکل ہی نظر انداز کر دے گا۔

وہ اپنی سہیلی کی سوکن نہیں بننا چاہتی تھی، لیکن پاشا نے ایک نئی الجھن پیدا کر دی تھی کہ جب تک وہ اس سے شادی نہیں کرے گی، تب تک وہ عینی کے ساتھ ایک رات بھی نہیں گزارے گا اور اگر وہ اپنی سہیلی کی خوشیاں چاہتی ہے تو دوسرے دن اس کے ساتھ کورٹ میرج کرتی ہوگی۔

ایک محبوب شوہر بن کر زندگی میں آنا چاہیے تو لڑکی مسرتوں کی برسات میں بھیگنے لگتی ہے، جذبوں کی تکمیل کے مرحلے سے گزرنے کا سوچ سوچ کر شرماتی رہتی ہے لیکن وہ الجھ رہی تھی۔ پاشا نے کہا تھا۔ ''ہم چپ چاپ رازداری سے نکاح پڑھوا لیں گے۔ تم میری شریکِ حیات بن کر رہو گی۔ ہم یہ رشتہ دنیا والوں پر ظاہر نہیں کریں گے۔''

اس نے کہا تھا وہ صبح دس بجے اسے فون کرے گا۔ اس کا فیصلہ سنے گا۔ وہ شادی سے انکار کرے گی' آئندہ بھی اسے محبت کا فریب دینا چاہے گی تو وہ انتقاماً عینی کو دھوکا دیتا رہے گا۔ اسے ایک شوہر کی محبت کے لیے ترساتا رہے گا۔

موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ وہ ایک دم سے چونک گئی۔ دل و دماغ پر پاشا حاوی تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے فون کو اٹھایا۔ سی ایل آئی پر میرا نمبر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر اسے آن کیا پھر کان سے لگا کر کہا۔ ''ہیلو۔ مقدر بھائی! کیسے یاد کیا؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''بہنیں مشکل میں ہوں تو بھائیوں کو یاد کرتی ہیں۔ تم نے مجھے یاد کیوں نہیں کیا؟''

وہ ایک ذرا گڑبڑا گئی پھر بولی۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

وہی جو تم چھپا رہی ہو۔ یہ بھول رہی ہو کہ میں تمہارے اور عینی کے ہاتھوں کو پڑھ چکا ہوں۔ اور یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اپنی زندگی کے ایک اہم مسئلہ میں الجھی ہوئی ہو۔''

وہ خاموش رہی۔ میں ایک ذرا توقف کے بعد بولا۔ ''تم دونوں سہیلیاں ایک ہی سورج کے نیچے جل رہی ہو۔ ایک ہی سایہ دار درخت ہے، اس کی چھاؤں ایک کو نصیب ہوتی ہے تو دوسری دھوپ میں پہنچ جاتی ہے۔''

اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''مقدر بھائی! کسی کو خوشیاں دینا اتنا مشکل کیوں ہوتا ہے؟ میں عینی کی خاطر بڑی سے بڑی قربانیاں دینا چاہتی ہوں مگر تقدیر ساتھ نہیں دے رہی ہے۔''

''تقدیر سے جنگ لڑنی ہو تو تدبیر کے ہتھیار کو خوب تیز کرنا پڑتا ہے۔''

''میری تدبیر کا ہر ہتھیار میرا ہی گلا کاٹ رہا ہے۔''

میں اس کی پریشانیوں کو سمجھ رہا تھا پھر بھی انجان بنتے ہوئے بولا۔ ''لگتا ہے تم میری توقع سے کچھ زیادہ ہی پریشان

ہو؟ کیا اپنی الجھنوں میں مجھے شیئر کرنے دو گی؟ ہوسکتا ہے، میرا کوئی مناسب مشورہ تمہارے کام آجائے؟''

وہ جبراً مسکراتے ہوئے بولی۔ ''شکریہ مقدر بھائی! میں جانتی ہوں، آپ کے مشورے میری مشکل آسان کرسکیں گے۔''

اس کے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی تھی کہ اس کی زندگی میں کسی کی مدد، کسی کا سہارا کام نہیں آئے گا جیت ہو یا ہار۔ وہ اپنی جنگ خود لڑتی رہے گی۔ سہیلی کو خوشیاں دینے کے لیے اور اپنے دیوانے کو خود سے دور رکھنے کے لیے حد سے گزرتی رہے گی۔

میں نے کہا۔ ''تم بہت اچھی ہو۔ دوسروں کے لیے قربانیاں دینا چاہتی ہو لیکن مقدر سے خوشیاں مل رہی ہوں تو ان خوشیوں کو دوسروں پر قربان نہیں کرنا چاہیے۔''

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''میرا مسئلہ یہی ہے۔ میں کچھ لینے کے لیے نہیں، دینے کے لیے اپنے آپ سے لڑ رہی ہوں، میری ناکامی ہی میری کامیابی ہوگی۔''

میں ذرا خاموش رہا پھر بولا۔ ''تم مضبوط قوتِ ارادی رکھتی ہو۔ اس کے باوجود کبھی کسی لمحے میں کمزور پڑ جاتی ہو۔ اپنے ارادوں سے ہٹ کر مخالف سمت میں بہنے لگتی ہو۔ اپنا محاسبہ کر کے دیکھو! کیا تمہارا دل تمہارے ارادوں کے خلاف بہکتا نہیں ہے؟''

وہ میری بات سن کر ذرا ٹھٹک گئی۔ اسے وہ کمزور لمحات یاد آنے لگے جب وہ تڑپ کر پاشا کی دھڑکنوں سے لگ گئی تھی وہ صرف اس کا محبوب ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی لیکن عینی کے حوالے سے یہ سوچ آتی تھی کہ اس نے سہیلی کے شوہر کے سینے سے لگ کر، امانت میں خیانت کی ہے۔

وہ خاموشی سے اپنا محاسبہ کر رہی تھی۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال تمہاری زندگی ایسے کمزور لمحات سے بھری پڑی ہے۔''

اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا ''کیا میں کسی کمزور لمحے پر قابو نہیں پاسکوں گی؟''

''مقدر کے لکھے کو بدلا جاسکتا ہے اپنی تقدیر سے جنگ لڑی جاسکتی ہے لیکن جنگ ہمیشہ جیتی نہیں جاتی، ہاری بھی جاتی ہے۔ تم جذباتی لمحات میں فرار کا راستہ بھول جاتی ہو۔''

اسے چپ سی لگ گئی اس نے خاموشی سے اپنی ایک کمزوری کا اعتراف کرلیا۔ میں خوب جانتا تھا کہ وہ کن حالات سے گزرنے والی ہے لیکن پیش گوئی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر میں اسے مشورہ دیتا کہ وہ پاشا کی بات مان لے اور اس سے چوری چھپے کورٹ میرج کرلے تو وہ راضی نہ ہو[illegible] اس کے مقدر میں پریشانیاں اور الجھنیں لکھی ہوئی تھیں ا[illegible] مقدر کا لکھا پورا کرنے والی تھی۔

میں نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''وقت اور حا[illegible] کے مطابق اپنے اصولوں میں، اپنے فیصلوں میں لچک کرنی پڑتی ہے۔ میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ موجودہ حا[illegible] میں قربانی کا جذبہ تمہیں مہنگا پڑے گا۔''

وہ پریشان ہو کر بولی۔ ''آپ بھی خوب ہیں، کبھی ا[illegible] مشوروں سے حوصلے بڑھاتے ہیں اور کبھی ایک دم سے ما[illegible] کر دیتے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''تمہاری اور عینی کی زندگی اس جھولے [illegible] طرح ہے جو ایک کو بلندی پر لے جاتا ہے تو دوسری لامحالہ [illegible] میں چلی جاتی ہے۔ تم ایک دوسرے سے مربوط ہونے [illegible] باوجود نہ ایک ساتھ چھاؤں میں رہ سکتی ہو اور نہ دھوپ [illegible] اسی لیے میرے مشورے کبھی حوصلہ بڑھاتے ہیں اور کبھی مایو[illegible] کر دیتے ہیں۔''

پھر میں نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ ''تم، عینی ا[illegible] پاشا ایک مثلث کے تین کونے ہو، ایک دوسرے سے جڑ[illegible] ہوئے ہو۔ کسی ایک کا غلط قدم باقی دو کو کسی کھائی میں گرا [illegible] تھا۔ آیندہ غلطی کس سے ہوگی؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا[illegible] گا۔''

اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی سوال کرتی، میں نے راب[illegible] ختم کر دیا۔ اس نے الجھی ہوئی نظروں سے اپنے فون کو دیکھ[illegible] بات کتنی ہی اچھی ہو، سچی ہو، مگر وہ مقدر کی خرابی کے باعث سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ بھی سمجھنے سے قاصر تھی عینی اور پاشا کے درمیان الجھی ہوئی تھی۔ صبح کے دس بجنے والے تھے پاشا کی وارننگ یاد آرہی تھی۔ وہ ٹھیک دس بجے اسے مخاطب کرنے والا تھا۔ شادی کے سلسلے میں اس کا آخری فیصلہ سننے والا تھا۔ ایسے وقت اس کا جی چاہا تھا، اپنے موبائل فون کو آف کر دے۔

لیکن ایسا کرنے سے وہ منہ زور عاشق طیش میں آکر نہ جانے کیا کر بیٹھتا؟ وہ سوچ رہی تھی، ہر پہلو پر غور کر رہی تھی۔ اس دیوانے کو اپنی باتوں سے قائل کرنا مشکل نظر آرہا تھا۔ پھر بھی ایک امید تھی کہ شائد رات سے صبح ہونے تک اس کی سوچ میں کچھ تبدیلی آئی ہو۔ اس نے اپنے فیصلے میں کچھ لچک پیدا کی ہو۔

اس نے سر گھما کر اپنے ہینڈ بیگ کو دیکھا پھر اس کی زپ کھول کر موبائل فون کو اس کے اندر یوں رکھ دیا جیسے پاشا کی

کال سننا نہ چاہتی ہو۔ عینی اسپتال سے ڈسچارج ہو چکی تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دوسری صبح اس سے ملنے کوٹھی میں آئے گی۔ اس نے ایک نظر دیوار گیر گھڑی پر ڈالی۔ فون کو چھپا دینے کے باوجود دل باغی ہو رہا تھا، اس کی آواز سننے کے لیے مچل رہا تھا۔

دس بجنے میں پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ اسے جانے کی تیاری کرنی تھی۔ شاور لینا تھا، لباس تبدیل کرنا تھا۔ اس نے الماری کو کھول کر ایک سوٹ نکالا پھر کن انکھیوں سے اپنے بیگ کو دیکھتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔ لباس کو ایک کھونٹی پر لٹکانے لگی۔ ایسے لمحات میں وہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بنی ہوئی تھی۔ وجود واش روم میں تھا، دماغ عینی کی طرف بھٹک رہا تھا اور دل فون کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔

اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ تولیہ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کمرے میں جانے کا ایک معقول بہانہ سجھائی دینے لگا، وہ فوراً ہی واش روم سے نکل کر کمرے میں آگئی گھڑی پر نظر پڑی دس بج کر پانچ منٹ ہو چکے تھے اس نے بے چین ہو کر اپنے بیگ کو دیکھا وہ یہی چاہتی تھی کہ پاشا رابطہ نہ کرے تو بہتر ہے لیکن اب فون کی خاموشی اسے الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر دھیرے دھیرے آگے بڑھ کر بیگ کی زپ یوں کھول دی، جیسے اس کے لیے دل کے دروازے کھول رہی ہو جبکہ کوئی دستک کوئی آہٹ نہیں تھی۔ اور کیسے ہوتی؟ جسے آنا تھا وہ تو ازل سے اس کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔

یکبارگی اس کے اندر دھماکا سا ہوا، موبائل ایسے چیخنے لگا، جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ سی ایل آئی پر پاشا کے نمبر سے پکار رہے تھے اس نے فوراً ہی ہاتھ بڑھا کر فون کو بیگ سے نکالا پھر اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ 'ہیلو......!''

پاشا کی آواز سنائی دی۔ ''کیا فون ہاتھ میں لیے بیٹھی تھیں، پہلی ہی بیل پر اٹینڈ کرلیا؟''

وہ اس کے سوال پر گڑ بڑا گئی۔ ''نن۔ نہیں۔ وہ مَیں......''

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ''تمہاری چوری پکڑی گئی ہے تم مجھے چاہتی ہو، اس وقت بھی بے چینی سے میرے فون کا انتظار کر رہی تھیں۔ تم اپنا سچ مجھ سے چھپانے لگی ہو۔''

وہ خاموش رہی وہ بڑی محبت سے بول رہا تھا۔ ''عروج! کیوں مجھ سے دور بھاگ رہی ہو؟ تم جو چاہتی تھیں وہ تو ہو چکا ہے، عینی میری منکوحہ بن چکی ہے۔ اب تمہارے پاس کوئی معقول بہانہ نہیں رہا ہے پھر کیوں ہمارے ذاتی معاملے کو طول دے رہی ہو؟''

وہ اس کا محبت بھرا لہجہ سن کر اندر ہی اندر لہرا گئی۔ پھر سنبھلتے ہوئے بولی۔ ''میں نہ بہانے بنا رہی ہوں، نہ تم سے دور بھاگ رہی ہوں۔ پلیز...... ہتھیلی پر سرسوں نہ جماؤ۔ آج تو کورٹ میرج ممکن نہیں ہے۔ میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔''

وہ ایک دم سے پھٹ پڑا گرجتے ہوئے بولا۔ ''تمہاری کوئی مجبوری نہیں ہے۔ ہر لڑکی کے اندر کسی ایک کے لیے محبت کا جذبہ ہوتا ہے اور تمہارا وہ جذبہ عینی کے لیے ہے، کسی کے لیے دل و جان قربان کر دینے کا ایک جنون ہوتا ہے اور وہ جنون عینی کے لیے ہے۔ میرے لیے کیا ہے؟ میرے لیے تمہارا جھوٹ ہے اور تمہارے جھوٹے بہلاوے ہیں۔''

وہ جیسے تھوکنے کے انداز میں ایک جھٹکے سے بولا۔ ''لعنت ہے تم پر! اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ تم مجھے اپنی سہیلی کی زندگی میں پہنچانے کے لیے محبت کا یہ ناٹک کر رہی تھیں لیکن میں فریب کھا کر چپ رہنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں تمہارے دن رات کا سکون برباد کر دوں گا۔''

''تم میرا گلا دبا کر مجھے مار ڈالو۔ میں تمہارے ہاتھوں مر جاؤں گی لیکن شادی فی الحال میرے لیے ممکن نہیں ہے۔''

''میں آخری بار کہہ رہا ہوں، سول کورٹ کے سامنے دوپہر ایک بجے تک تمہارا انتظار کرتا رہوں گا اگر تم نہ آئیں تو......''

عروج کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ پتا نہیں وہ کیا کہنے والا ہے، کیا کرنے والا ہے؟ اس نے کہا۔ ''تو میں اسے ٹھکرا دوں گا جس کے لیے تم مجھے ٹھکرا رہی ہو۔''

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ پاشا کا یہ چیلنج اس کے اندر دھماکے کرنے لگا۔ اس نے آج تک عینی کے لیے جتنی قربانیاں دی تھیں وہ پاشا کی ایک ٹھوکر سے خاک ہونے والی تھیں۔

اس نے فوراً ہی اس کے نمبر پنچ کیے لیکن رابطہ نہ ہو سکا۔ پاشا نے اپنا فون بند کر دیا تھا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ ''پتا نہیں وہ عینی کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرے گا؟ خدا جانے وہ کیا کرنے والا ہے؟''

وہ غسل کرنا بھول گئی، فوراً ہی لباس تبدیل کر کے ہینڈ

بیگ اٹھاتی ہوئی کوارٹر سے باہر آئی وہ جلد سے جلد عینی کے پاس پہنچنا چاہتی تھی۔ اسے اپنے موجودہ حالات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی۔ اسے یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ پاشا کا رویہ اس کے لیے بدلنے والا ہے۔

وہ کوارٹر کے دروازے کو لاک کر کے اپنی کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر آ گئی اسپتال کے پارکنگ ایریا میں چند ٹیکسیوں کے درمیان پاشا کی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھا اپنی جان حیات کو پریشان حال دیکھ رہا تھا۔ وہ جلد بازی میں تھی۔ بڑے اضطرابی عالم میں اپنی کار ڈرائیو کرتی ہوئی وہاں سے جا رہی تھی۔ اس نے بھی اپنی ٹیکسی اسٹارٹ کی پھر اسے پارکنگ ایریا سے نکالتے ہوئے اس کی کار سے بہت فاصلہ رکھتے ہوئے ڈرائیو کرنے لگا وہ آگے کار ڈرائیو کرتی ہوئی ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ ''وہ دیوانہ سول کورٹ کے سامنے میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں کتنی بدنصیب ہوں، اس چاہنے والے کی قدر نہیں کر رہی ہوں۔''

دوسری طرف وہ ٹیکسی ڈرائیو کرتا ہوا ونڈ اسکرین کے پار دور جاتی ہوئی کار کو دیکھ رہا تھا۔ مقناطیس کے پیچھے لوہے کی طرح کھنچا جا رہا تھا۔ سوچ رہا تھا۔ ''یہ میری طرف کیوں کھنچی نہیں آتی؟ یہ راستہ سول کورٹ کی طرف نہیں جا رہا ہے۔ یہ میری طرف نہیں آ رہی ہے۔ یقیناً عینی سے ملنے جا رہی ہے۔''

وہ بڑے دکھ سے سوچ رہا تھا اور گہری سنجیدگی سے پلاننگ کر رہا تھا وہ دور جانے والی اس کی جان حیات تھی، وہ اسے تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن کبھی کبھی علاج کے لیے سنگ دلی سے آپریشن کرنا ضروری ہو جاتا ہے' عینی کے معاملے میں وہ دیوانی تھی، اس دیوانے پن کو کسی حد تک کم کرنے کے لیے وہ کسی جراح کی طرح اسے ایک اذیت ناک منصوبے سے گزارنے والا تھا۔

اس کی کار عینی کی کوٹھی میں داخل ہو رہی تھی۔ اس نے ذرا فاصلے پر اپنی ٹیکسی روک دی۔ وہ دور دور سے اپنے پیچھے لگائے رکھنے والی، نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

عروج کار سے اتر کر کوٹھی کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ میں ایسے ہی وقت دروازہ کھول کر باہر آ رہا تھا۔ اس نے سلام کرتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر کہا۔ ''سب ہی کہیں نہ کہیں جا رہے ہیں۔ لگتا ہے، ہر ایک کے مقدر میں گردش لکھی ہوئی ہے۔ تم اپنے مقدر کا لکھا پورا کرنے کے لیے یہاں چلی آئی ہو اور عینی کہیں اور جا رہی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں تو اس سے ملنے آئی تھی۔ وہ کہاں جا رہی ہے؟''

میں نے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''کبھی کبھی انسان اپنے ہاتھوں سے خود کو بھٹکانے کے راستے ہموار کرنے لگتا ہے وہ شاید یہی کرنے جا رہی ہے تم بھی یہی کر رہی ہو اور فی الوقت میں بھی یہی کرنے جا رہا ہوں۔''

اس نے تعجب سے مجھے دیکھا پھر کہا۔ ''ہم تو عام سے انسان ہیں، آپ کی طرح قابل نجومی نہیں ہیں۔ قیاس آرائیوں کے سہارے قدم بڑھاتے ہیں۔ آگے ہمارا نصیب کہ وہ قدم ہمیں کہاں لے جاتا ہے؟ لیکن آپ جان بوجھ کر بھٹکنے کیوں جا رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟''

میں نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم بھی تو جان بوجھ کر بھٹک رہی ہو۔ میری پیش گوئی کے خلاف چل رہی ہو اور دیکھ رہی ہو، تمہاری بے وقوفی تمہیں کیسے حالات سے دوچار کر رہی ہے؟''

وہ نظریں چرانے لگی، مجھ سے کترا کر جانے لگی۔ میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ ''ایک آخری بات سمجھاتا ہوں، تم اپنی سی کوشش کرتی رہو، منہ زور طوفان کا رخ پھیرتی رہو۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا۔ وہ دیوانہ اسپرنگ کی طرح ہے۔ اسے جتنا دباؤ گی وہ اتنا ہی اچھلے گا۔''

میں اس کے قریب سے گزرتا ہوا اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا پھر اسے اسٹارٹ کر کے کوٹھی کے احاطے سے باہر آیا باہر ایک جانب دور ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی میں انجان بن کر آگے بڑھتا گیا عینی کوٹھی کے اندر تھی، عروج کوٹھی کے احاطے میں تھی اور پاشا احاطے کے باہر تھا۔

ان کا بھی خوب سنگم تھا۔ وہ تینوں ایک دوسرے کے قریب بھی تھے اور دور دور بھی تھے، آپس کے معاملات میں الجھ رہے تھے اور ایک دوسرے کو الجھا رہے تھے۔ آدمی دلدل میں پاؤں رکھ کر نکلنا چاہے تو اور زیادہ دھنستا چلا جاتا ہے'' تینوں اپنے دلدلی حالات میں ابھی اور زیادہ دھنسنے والے تھے۔

عروج کوٹھی کے اندرونی دروازے پر کھڑی میری باتوں پر اپنے حالات پر غور کر رہی تھی۔ ایسے ہی وقت چونک گئی، عینی کی آواز سنائی دی۔ وہ اشعر اور ماہم کے ہاتھ تھامے اندرونی دروازے سے باہر آتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''عروج! تو کب آئی؟ میں تیرا ہی انتظار کر رہی تھی۔''

وہ دونوں بچوں سے ہاتھ چھڑا کر تیزی سے چلتی ہوئی

آ کر اس سے لپٹ گئی۔ اسے دونوں بازوؤں کی گرفت میں جکڑتے ہوئے بولی۔ ''اسپتال سے جانے کے بعد کیا مجھے بھول گئی تھی؟ فون پر بھی خیریت نہیں پوچھ سکتی تھی؟ میں رات بھر رابطہ کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن تیرا موبائل آف تھا۔ اور اب صبح سے انگیج جا رہا ہے مجھے آنکھیں مل گئی ہیں، پھر بھی مجھے تیری ضرورت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔''

عروج اس کے رخسار کو چومتے ہوئے بولی۔ ''تیری شکایت اپنی جگہ، مگر کوئی اپنی جان سے غافل رہ سکتا ہے؟ کبھی بھولے سے بھولنا بھی چاہوں گی تو تجھے بھول نہیں پاؤں گی رات ایمرجنسی وارڈ میں گزری تھی۔ آپریشن تھیٹر میں آنا جانا لگا ہوا تھا اسی لیے فون آف کر رکھا تھا۔''

وہ ایک دوسرے کے سینے سے لگی ہوئی تھیں، دونوں کے دل ساتھ ساتھ دھڑک رہے تھے لیکن کبھی کبھی ایک ساتھ ہونے کے باوجود جانے انجانے میں دوریاں قائم ہو جاتی ہیں۔ وہ اوپر سے مسکرانے والیاں اندر سے ٹوٹی ہوئی تھیں۔ پاشا ان کے درمیان دیوار بنا ہوا تھا اور وہ اس دیوار سے سر پھوڑ رہی تھیں۔ ایک اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور دوسری اسے اپنی سہیلی کی طرف دھکیل رہی تھی۔

عروج نے الگ ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''اب تو بتا۔ اسپتال سے آ کر بیڈ ریسٹ کرنے کے بجائے کہاں جا رہی ہے؟''

اس نے مسکرا کر بچوں کو دیکھا پھر انہیں اشارے سے اپنے پاس بلاتے ہوئے عروج سے کہا۔ ''انہیں پلے لینڈ لے جانا ہے پھر واپسی میں کچھ شاپنگ بھی کرنی ہے تجھ سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا ہم ابھی تیرے کوارٹر جانے والے تھے۔ پھر وہاں سے آؤٹنگ کے لیے نکلتے۔ یہ اچھا ہوا کہ تو خود ہی آ گئی۔''

وہ تو ٹھیک ہے، لیکن میں تجھ سے کچھ ضروری باتیں کرنے آئی ہوں۔''

وہ اس کا ہاتھ تھام کر اپنی کار کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ''باتیں باہر بھی ہو سکتی ہیں۔ میں کچھ دیر کھلی فضا میں رہنا چاہتی ہوں۔ بچے بھی ذرا بہل جائیں گے۔''

وہ عروج اور دونوں بچوں کے ساتھ چلتی ہوئی گاڑی کے پاس آ کر ڈرائیور سے بولی۔ ''عروج بی بی آ گئی ہیں، یہی ڈرائیو کریں گی۔ تم جاؤ۔''

ڈرائیور گاڑی سے اتر گیا۔ عینی اشعر اور ماہم کو پچھلی سیٹ پر بٹھا کر فرنٹ سیٹ پر آ گئی۔ عروج نے اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''آنکھوں کے اندھیرے ختم ہو گئے ہیں، ایک عرصے بعد دنیا کو دیکھ رہی ہے۔ کیسا لگ رہا ہے؟''

وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی بات سن کر ایک دم سے سنجیدہ ہو گئی، گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ ''میں اندھیروں میں ہی رہتی تو اچھا تھا۔ یہ روشنی بڑی ظالم ہے، جب سے ملی ہے، اس کے دیدار کے لیے تڑپا رہی ہے۔''

وہ اس کا مایوس لہجہ سن کر مایوس ہو گئی۔ اسے خوشیاں دینے کی خاطر وہ اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹ رہی تھی اور مستقل ناکام ہو رہی تھی۔ کامیاب ہوتی بھی کیسے؟ تالی تو دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ وہ اپنا ہاتھ بڑھا رہی تھی لیکن پاشا کے ہاتھ کے بغیر تالی بجانا ممکن نہ تھا۔ وہ ڈرائیو کر رہی تھی اور ونڈ اسکرین کے پار نہ جانے کہاں بھٹک رہی تھی؟

عینی بھی دوسری طرف منہ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ان لمحات میں وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے کترا رہی تھیں پاشا نے ان کے درمیان ایسا ان دیکھا فاصلہ پیدا کر دیا تھا جو غیر محسوس طور پر انہیں ایک دوسرے سے دور کر رہا تھا۔

عینی نے سر گھما کر اسے دیکھا پھر کہا۔ ''پاشا رات سے غائب ہے۔ نہ خود آ رہا ہے، نہ فون پر اپنی خیریت بتا رہا ہے۔ کیا اس نے تجھے فون کیا ہے؟''

وہ اس سوال پر گڑبڑا گئی، اسٹیرنگ بہک گیا، گاڑی ایک ذرا سی یوں لہرائی، جیسے پاشا کا نام سن کر دل کے چور جذبے لہرا گئے ہوں وہ فوراً ہی سنبھلتے ہوئے بولی۔ ''نن۔ نہیں تو...... میں تو خود اس کے بارے میں تجھ سے پوچھنے والی تھی۔ تیرا میاں بھی عجیب ہے۔ اچانک ہی کہیں گم ہو جاتا ہے میں سمجھ رہی تھی وہ تیرے پاس ہوگا۔''

''اور میں سمجھ رہی تھی۔ وہ تیرے پاس ہوگا۔''

عروج نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا پھر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی ایک طرف حالات اسے اپنی طرف کھینچ رہے تھے دوسری طرف زندگی پکار رہی تھی کہ حادثات سے بچو۔

کوئی کیسے بچے؟ حادثہ تو پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ وہ ٹیکسی ڈرائیو کرتا ہوا دور جاتی ہوئی کار کو دیکھ رہا تھا اور جذباتی انداز میں سوچ رہا تھا۔ ''عروج اس وقت میرے ساتھ، میری گاڑی میں ہوتی۔ اب تک ہم کورٹ میرج کے مرحلے سے گزر چکے ہوتے۔ یہ کتنی عجیب سی غصہ دلانے والی بات ہے کہ وہ اپنے سر سے دلہن کا گھونگٹ نوچ کر سہیلی کے ساتھ کہیں جا رہی ہے۔''

وہ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے چلتی ہوئی فن فیئر پارک

کے احاطے میں آ کر رک گئیں۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ عروج ان تینوں کے ساتھ ہنستی بولتی ہوئی پارک میں جا رہی تھی۔

اشعر نے کہا۔ ''ممی! میں اسپیڈ کار چلاؤں گا۔''

عینی نے اسے پیار سے پچکارتے ہوئے کہا۔ ''ہاں میری جان! میں ابھی ٹوکن لیتی ہوں۔''

وہ سب کاؤنٹر پر آئے۔ اشعر نے کہا۔ ''میں دیر تک کار چلاؤں گا۔''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''میں ایک نہیں چار ٹوکن لے رہی ہوں۔ خوب جی بھر کے گاڑی چلاتے رہو۔''

ماہم اس کی گود میں تھی۔ وہ بولی۔ ''ممی! پانی......''

عروج نے کہا میں ابھی اسنیکس اور بوتلیں لے کر آتی ہوں۔''

وہ وہاں سے پلٹ کر چلی گئی۔ عینی بچوں کو لے کر اسپیڈ کار کے پاس آئی۔ اشعر کی جیب میں تین ٹوکن رکھتے ہوئے بولی۔ ''انہیں ایک کے بعد ایک استعمال کرتے رہو۔ ہم وہاں بیٹھے رہیں گے۔''

اسی وقت ایک بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک بچہ اس کے پیچھے کھڑا رو رہا تھا۔ اس نے تشویش بھری نظروں سے دیکھا پھر جھک کر پوچھا۔ ''کون ہو تم؟ کیوں رو رہے ہو؟''

وہ روتے ہوئے، آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔ ''ممی۔ میری ممی......''

عینی نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کہاں ہیں تمہاری ممی؟''

وہ کچھ بتا نہیں پا رہا تھا۔ وہ اشعر سے بولی۔ ''تم انجوائے کرو میں ابھی آتی ہوں۔''

اس نے ماہم کو گود میں اٹھایا پھر اس بچے کا ہاتھ تھام کر وہاں سے چلتی ہوئی کاؤنٹر کے پاس آئی کاؤنٹر کلرک سے بولی۔ ''یہ اپنی ماں کے لیے رو رہا ہے کیا آپ نے اس کے کسی سرپرست کو دیکھا ہے؟''

اس نے بچے کو دیکھا پھر کہا۔ ''یہ ایک خاتون کے ساتھ تھا۔ وہ خاتون پلے لینڈ کے باہر کسی دکان کی طرف گئی ہیں۔''

عینی نے سر گھما کر دور اشعر کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے مزے میں کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے بچے کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ تمہاری ممی ادھر کہیں ہوں گی۔''

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی پلے لینڈ سے باہر آئی۔ دکانوں کے درمیان ایک کوریڈور سے گزرنے لگی ایسے ہی وقت ایک شخص اچانک اس کے سامنے آ گیا وہ ایک دم سے ٹھٹک کر بولی۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟''

پیچھے سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ''حرکت یہ ہے کہ تمہاری پشت سے ریوالور کی نال لگی ہوئی ہے۔''

عینی نے گھبرا کر اپنے پیچھے دیکھا۔ ایک شخص ہاتھ میں پستول تھامے کھڑا تھا۔ ماہم اور وہ اجنبی بچہ ان مسلح افراد کو دیکھ کر رونے لگے۔ آگے والے شخص نے کہا۔ ''اور یہ بچہ میرے نشانے پر ہے۔''

عینی نے دیکھا اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا، وہاں سے پستول کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ پیچھے والے نے کہا۔ ''اس کارنر والی دکان کی طرف دیکھو!''

اس نے سر گھما کر ادھر دیکھا۔ وہاں ایک شخص چادر میں لپٹا ہوا کھڑا تھا۔ اس نے ایک ذرا سی چادر ہٹائی تو اس کے ہاتھ میں ایک شاٹ گن دکھائی دینے لگی۔ پیچھے والے شخص نے کہا۔ ''ہم اس بچے کو لے جا رہے ہیں۔ تم ذرا بھی شور مچاؤ گی تو بچے کے ساتھ اس بچی سمیت بے موت ماری جاؤ گی۔''

عینی بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ اسے اپنے ساتھ ماہم کی بھی فکر تھی۔ سوچ رہی تھی۔ ''نہ جانے یہ بچہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ ہمارے لیے تو وبالِ جان بن گیا ہے۔''

ان میں سے ایک نے ڈپٹ کر کہا۔ ''اپنی اور بچے کی سلامتی چاہتی ہو تو ادھر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑی رہو کوئی چالاکی نہ دکھاؤ چلو، جلدی کرو۔''

اس نے دیوار کی طرف منہ کیا۔ دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد کرنے لگی۔ ماہم اس کے سینے میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ ان مسلح افراد کے بھاری بوٹوں کے ساتھ اس اجنبی بچے کے رونے کی آوازیں بھی دور ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی لیکن دور ہوتے ہوئے قدموں کی آواز یہ اطمینان دلا رہی تھی کہ موت کے فرشتے وہاں سے جا رہے ہیں اب اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

پتا نہیں وہ کب تک وہاں کھڑی رہتی؟ عروج کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ ''تو یہ دیوار کی طرف منہ کئے کیا پڑھ رہی ہے؟''

عروج کی آواز سنتے ہی جیسے جان میں جان آ گئی۔ اس نے گھوم کر پہلے اسے دیکھا۔ وہ ہاتھوں میں اسنیکس کے پیکٹ اور شاپر میں بوتلیں لیے کھڑی تھی۔ پھر اس نے دور تک نظریں دوڑائیں۔ وہ اسلحہ بردار غنڈے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ عروج نے پوچھا۔ ''تجھے ہوا کیا ہے؟ کیسے دبک رہی ہے؟ ماہم بھی پریشان لگ رہی ہے۔ آخر بات کیا

وہ پریشان ہو کر بولی۔ ''یہاں ایک بچہ اپنی ماں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ بدمعاش اسے اٹھا کر لے گئے ہیں۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا ''اتنی بڑی واردات ہو گئی۔ تو نے شور کیوں نہیں مچایا؟''

''انہوں نے گولی مارنے کی دھمکی دی تھی، مجھے دیوار کی طرف منہ کرنے کو کہا تھا۔ اگر ذرا بھی منہ سے آواز نکالتی تو اس وقت میں تجھے زندہ نظر نہ آتی۔''

عروج نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر پوچھا۔ ''اشعر کہاں ہے؟''

''وہ پلے لینڈ میں ہے۔''

''کیا اسے وہاں چھوڑ کر یہاں آنا ضروری تھا؟''

وہ فوراً ہی پلے لینڈ کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے کیا معلوم تھا، یہاں آ کر مصیبت میں پڑ جاؤں گی؟''

وہ دونوں تیزی سے چلتی ہوئی پلے لینڈ میں آئیں۔ دور ہی سے اسپیڈ کار کی طرف دیکھا تو کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اشعر وہاں نہیں تھا۔

وہ دیوانہ وار اسے تلاش کرنے لگیں۔ ذہن چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اشعر کو بھی اس اجنبی بچے کی طرح اغوا کیا گیا ہے۔ وہ دونوں اس کا حلیہ بتا کر وہاں موجود افراد سے اس کے بارے میں دریافت کرنے لگیں۔ ہر طرف سے مایوسی ہو رہی تھی، عینی کا دماغ گھومنے لگا۔ مقدر میں چکر ہو تو انسان اسی طرح چکرا کر رہ جاتا ہے۔ وہ اسپیڈ کار چلانے والا بڑی اسپیڈ کے ساتھ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

بیگم آفتاب ڈرائنگ روم میں تھی۔ ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی اور سر اٹھا اٹھا کر ذیشان کے کمرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ دونوں میاں بیوی اس کمرے میں گئے تھے۔ بیٹے کے آتے ہی بہو نے اپنا سحر پھونک دیا تھا۔ وہ بہو کی بہت بڑی غلطی کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ محبت بھرے لمحات گزار رہا تھا۔

وہ غصے سے سوچ رہی تھی۔ ''پتا نہیں کیا جادو چلاتی ہے۔ وہ بڑے بڑے مجرموں کو اپنی انگلیوں پر نچانے والا اس کے اشاروں پر ناچتا رہتا ہے۔ نکاح ٹوٹ جانے کے اتنے اہم معاملے کو بھی اہمیت نہیں دے رہا ہے۔ لیکن میں بھی اسماء کو سکون سے نہیں رہنے دوں گی۔ اسے اس گھر سے نکال کر ہی رہوں گی۔''

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی، ایک صوفے پر بیٹھ کر سوچتی ہوئی نظروں سے ٹیلی فون کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کئے۔

دوسری طرف ذیشان اپنے موبائل فون کو کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ ''زبیری میرے لیے بہت اہم ہے۔ مجھے اس سے ملاقات کی اجازت نہیں دی جا رہی ہے۔ معاملے کی تہ تک پہنچنے کے لیے اس سے ملنا ضروری ہے۔ میں اس کا محاسبہ کر کے ہی شہباز درانی کی چالوں کو کمزور بنا سکتا ہوں۔''

وہ دونوں صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسما کبھی اس کے چہرے کو سہلا رہی تھی اور کبھی بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ ایسے ہی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ کچھ دیر تک انتظار کرتی رہی کہ آنے والی کال کو شاید کوئی ریسیو کر لے۔

ذیشان نے اسے اشارے سے ریسیور اٹھانے کو کہا پھر باتوں میں مصروف ہو گیا۔ اسے زبیری سے ملاقات کرنے کی بے چینی تھی اس کی جھوٹی گواہی کو کسی بھی طرح سچ بیانی میں بدلنا تھا۔

اسما نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا پھر اسے کان سے لگا کر کہا۔ ''ہیلو۔!''

دوسری طرف سے ساس صاحبہ نے بہو کی آواز سن کر ناگواری سے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''ریسیور میرے بیٹے کو دو۔''

اس نے بھی جواباً ناگواری ظاہر کرتے ہوئے۔ ''کچھ دیر پہلے وہ آپ ہی کے پاس تھے۔ کیا زہر گھولنے سے جی نہیں بھرا؟''

''میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔ میرے بیٹے کو بلاؤ۔''

اس نے پلٹ کر ذیشان کو دیکھا۔ وہ باتوں میں مصروف تھا۔ اس نے مسکرا کر ریسیور کے ماؤتھ پیس کے بالکل قریب ہو کر دھیمی ہائے کے ساتھ کہا۔ ''یہ تو زلفِ گرہ گیر میں الجھے ہوئے ہیں۔ پلیز اپنی جوانی یاد کریں اور ہمارے رنگ میں بھنگ نہ ڈالیں۔''

نیچے ڈرائنگ روم میں بیگم آفتاب جل بھن کر رہ گئی۔ غصے سے بولی۔ ''بکواس مت کرو۔ میں اس کی آواز سن رہی ہوں۔ وہ کچھ کہہ رہا ہے۔''

''ساسو صاحبہ! سمجھا کریں بیٹے صاحب سدا بہار بہو کا قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔ ایسے وقت کسی بھی ماں کی آواز کسی بھی بیٹے کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔''

''بکواس مت کرو۔ ریسیور ذیشان کو دو۔''

''توبہ کریں۔ کیا ایسے وقت کبھی آپ کی ساس نے آپ

کوڈسٹرب کیا تھا؟"

"بہت چہک رہی ہو۔ مستی میں ناچنے والی مورنی کو جب اپنے بھدے پاؤں نظر آتے ہیں تو وہ پھر ناچنا بھول جاتی ہے۔ جب تمہارے خلاف فتویٰ حاصل ہوگا، تب میں دیکھوں گی کہ کس طرح چہکتی ہو؟"

اسے چپ لگ گئی۔ کسی عالم دین کا فتویٰ اسے عرش سے فرش پر پھینکنے والا تھا۔ اپنے ذیشان پر اسے مکمل اعتماد تھا کہ وہ کبھی اسکا ساتھ نہیں چھوڑے گا، لیکن دینی معاملات پر ہر مسلمان کو سر جھکا کر عمل کرنا پڑتا ہے۔ اگر فتویٰ اس کے خلاف ہوگا تو ذیشان بھی رشتہ توڑنے اور ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔

ساس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "کیا ہوا اسا بیگم! چپ کیوں ہو؟ میں صرف دکھتی رگ پر انگلی ہی نہیں رکھتی، اس رگ کو ہی کاٹ کر پھینک دیتی ہو۔ بوریا بستر باندھو۔ تمہارے چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے۔"

وہ ساس کا چیلنج سن کر تڑپ گئی۔ ایک مٹھی بھینچ کر بولی۔ "آپ کی یہ حسرت دل میں ہی رہ جائے گی۔ خدا میری نیت جانتا ہے۔ میں نے انجانے میں غلطی کی تھی۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کی تلافی آپ کی سوچ کے مطابق ہی ہو۔"

باتوں میں مصروف ہونے کے باوجود ذیشان کی توجہ اسما کی طرف تھی۔ کسی حد تک سمجھ میں آگیا تھا کہ فون کے دوسری طرف کون ہے؟ ساس بہو میں تکرار ہو رہی تھی۔ اس نے رابطہ ختم کرتے ہوئے کہا۔ "اسما! لاؤ۔ ریسیور مجھے دو۔"

اس نے ریسیور میاں کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ "کیا بات ہے ممی! میں ابھی آپ کو سمجھا کر آیا تھا کہ کسی عالم دین سے ملنے اور فتویٰ حاصل کرنے تک اس معاملے پر بحث نہ کی جائے پھر کیوں جھگڑا ہو رہا ہے؟"

وہ بولی۔ "جھگڑا کرنے کی تو بات ہے۔ تمہاری عقل پر بیوی کی دیوانگی چھائی ہوئی ہے۔ اس کی محبت میں اندھے ہو کر گناہ ثواب کو بھول گئے ہو۔ اس کے ساتھ وقت گزار رہے ہو۔ ہم اس گھر کے بزرگ ہیں، یہاں ہونے والی اچھی بری بات پر تنقید کرنے کا حق رکھتے ہیں۔" اسما نے ہاتھ بڑھا کر فون کا وائڈ اسپیکر آن کر دیا تھا۔ ذیشان نے کہا۔ "آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"ماں ہونے کے ناتے تمہاری بھلائی چاہتی ہوں، تمہیں گناہوں سے بچانا چاہتی ہوں۔ تمہارا اسما کے ساتھ ایک کمرے میں، ایک چھت کے نیچے رہنا مناسب نہیں ہے۔ سراسر دینی احکامات کے خلاف ہے۔"

وہ بیزار ہو کر بولا۔ "وہی مرغی کی ایک ٹانگ۔ آپ تو ایک بات کو پکڑ کر بیٹھ گئی ہیں۔ یہ نہیں سوچ رہی ہیں کہ میں کیسے مسائل میں الجھا ہوا ہوں؟ جیل کی آہنی سلاخوں سے باہر آیا ہوں پھر بھی سر پر تلوار لٹک رہی ہے۔ آپ کو میری فکر نہیں ہے۔ یہی بے چینی ہے کہ بہو کو اس گھر سے کتنی جلدی نکالا جا سکتا ہے؟"

اسما نے جل بھن کر کہا۔ "پتا نہیں یہ آپ کی امی کیا ہیں؟ ایسی آزمائش کی گھڑیوں میں آپ کی پریشانیاں کم کرنے، حوصلہ بڑھانے اور آپ کو سلامتی کی دعائیں مانگنے کے بجائے مسائل بڑھا رہی ہیں پریشانیوں میں اضافہ کر رہی ہیں۔"

ادھر سے بیگم آفتاب نے چیخ کر کہا۔ "دادی اماں بننے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے اپنے بیٹے سے بات کرنے دو۔"

ذیشان نے جھنجلا کر کہا۔ "میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اس وقت بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔ اس وقت میرے لیے کوئی دوسرا مسئلہ اہم نہیں ہے۔"

اس نے اتنا کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ انٹیلی جنس والے زبیری سے ملاقات کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ حشمت اور اس کی داشتہ کے قتل کے بارے میں زبیری سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ زبیری کا بیان تبدیل کرا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے ایک بار ملاقات ہو جائے اور وہ ملاقات کے سلسلے میں ناکام ہو رہا تھا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا، اپنی ہتھیلی کو دیکھنے لگا پھر اسماء سے بولا۔ "مقدر حیات کہاں ہے؟"

وہ لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ "پتا نہیں۔ صبح سامنا ہوا تھا۔ مجھ سے کہہ رہا تھا آج ایک بہت اہم معاملہ نمٹانا ہے، کسی کی ہسٹری معلوم کرنی ہے شاید وہ اسی سلسلے میں کہیں گیا ہے۔"

وہ ٹہلنے کے انداز میں ادھر سے ادھر گیا پھر خلا میں تکتے ہوئے بولا۔ "مقدر بہترین مشیر ہے۔ وہی میرے لیے کچھ کر سکے گا۔"

وہ درست کہہ رہا تھا۔ یہ آزماتا آیا تھا کہ میرے مشوروں پر چل کر وہ بہت سے معاملات میں کامیابیاں حاصل کرتا رہا ہے۔ اس وقت بھی اسے میری ضرورت تھی۔ لیکن میں کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

☆☆☆

زبیری آہنی سلاخوں کے پیچھے سر جھکائے گہری سوچ ں ڈوبا ہوا تھا۔ چہرے سے الجھا الجھا، پریشان سا دکھائی ے رہا تھا۔ جیل کے ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا تھا اور اس ے پوچھا۔ "تمہیں وہ میڈیکل رپورٹ کس گدھے ڈاکٹر نے دی کہ تم بلڈ کینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہو؟"

اس نے ایک ڈاکٹر کا نام بتاتے ہوئے کہا۔ "ایک ماہ لے ہی میں نے اپنا مکمل چیک اپ کرایا تھا اور یہ افسوسناک پورٹ ملی تھی۔"

"تم کسی فراڈ ڈاکٹر سے اپنا علاج کراتے رہے ہو۔ ں نے اچھی طرح تمہارا معائنہ کیا ہے۔ کسی دوسرے مستند ر تجربہ کار ڈاکٹر سے بھی معائنہ کروالو، سب یہی کہیں گے کہ بلڈ کینسر میں مبتلا نہیں ہو۔ کسی نے تم سے بھیانک مذاق کیا ہے یا کوئی دشمن تمہیں فکر مندی کے عذاب میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے۔"

جیل کے اس ڈاکٹر نے جو میڈیکل رپورٹ سنائی، اس نے زبیری کو چونکا دیا ایک طرف یہ خوشی بھی ہوئی کہ وہ بلڈ ینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ وچ بھی ستانے لگی کہ پہلے ڈاکٹر نے اسے جھوٹی رپورٹ ے اندھیرے میں کیوں رکھا؟ ایسے اندھیرے میں جہاں گم کر وہ ایک نہیں دو دو قتل کا مرتکب ہو گیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا، اس جھوٹی رپورٹ کے د سے اب تک کا حساب کرنے لگا۔ شہباز درانی کے دست ست اسد عزیزی نے ایک ماہ کے اندر ہی اندر اس کی دگی کا نقشہ بدل دیا تھا۔ وہ ایس پی ذیشان کا وفادار ماتحت الے ایک قاتل بنا دیا گیا تھا۔ اس نے ذیشان جیسے مہربان محسن افسر سے غداری کی، اس پر یہ جھوٹا الزام لگایا کہ اس نے اپنے اسی اعلیٰ افسر کے حکم سے حشمت اور اس کی داشتہ کو ل کیا ہے۔ ایسی غلط بیانی کے باعث ذیشان کو معطل کر دیا یا تھا اور اس پر قتل کا مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔

وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اسد عزیزی جس اکٹر سے اس کا علاج کراتا رہا تھا، اس ڈاکٹر نے خواہ مخواہ ے کینسر کا مریض کیوں ظاہر کیا تھا؟

اس جھوٹی رپورٹ کے بعد ہی اسد عزیزی نے اس سے ہا تھا۔ "کینسر ایک لاعلاج مرض ہے تمہیں آج نہیں تو چند بعد مرنا ہی ہے مرنے کے بعد تمہارے ڈپارٹمنٹ والے ہمارے گھر والوں کو پچیس یا پچاس ہزار روپے دیں گے کیا ں رقم سے تمہاری بیوی اور دو بچوں کی زندگی گزر جائے گی؟"

زبیری سوچ میں پڑ گیا۔ اسد عزیزی نے کہا۔ "تم نے اپنے ڈپارٹمنٹ میں ایک جاسوس کی حیثیت سے کتنے ہی مجرموں کو زخمی بھی کیا ہے اور قتل بھی کیا ہے۔ تمہارے بعد اتنی جانفشانی کا معاوضہ کیا ملے گا، صرف پچاس ہزار روپے؟"

وہ سر جھکا کر بولا۔ "کچھ تو ملے گا۔ میرے بچوں کا کچھ تو آسرا ہوگا۔"

"اگر میرے کہنے سے صرف دو قتل کرو گے تو تمہیں فی قتل کے دس لاکھ روپے ملیں گے۔"

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم اپنے بعد بیوی بچوں کو مالا مال کر سکتے ہو۔ کینسر کے آخری اسٹیج پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرو گے تو تمہارے بچے بھیک مانگیں گے ایسی موت سے پہلے دو قتل کرو گے تو وہی بیوی بچے ساری عمر تمہیں یاد کرتے رہیں گے، تمہیں دعائیں دیتے رہیں گے، تمہاری قبر پر پھول چڑھاتے رہیں گے۔"

وہ گہری سنجیدگی سے بیس لاکھ کی آفر کرنے والے کو دیکھ رہا تھا۔ محبت کرنے والی بیوی اور دو پیارے پیارے بچوں کے بارے میں دور تک سوچ رہا تھا۔ وہی بولا۔ "زیادہ نہ سوچو۔ تم نے قانون کی بالادستی کے لیے کئی مجرموں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ کیا اپنی اولاد کی بہتری کے لیے صرف دو قتل نہیں کرو گے؟ جب کہ وہ قتل ہونے والے کوئی شریف لوگ نہیں ہیں۔"

"اگر وہ مجرم ہیں تو میں انہیں ضرور ٹھکانے لگاؤں گا۔ میرے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

"بہت بڑی بات ہوگی۔ اسی لیے ایک قتل کے دس لاکھ دیئے جائیں گے۔ ہم بیس لاکھ روپے یونہی تمہاری جھولی میں نہیں پھینکیں گے۔ اس واردات کے پیچھے ہمارا ایک بہت بڑا مقصد ہے۔"

"آپ مجھ سے کھل کر بات کریں۔ کیا چاہتے ہیں؟"

"قتل کے بعد تم فرار ہونے کا ناٹک کرو گے لیکن گرفتار ہو جاؤ گے۔"

"اپنی گرفتاری کے بعد تم ہماری مرضی کے مطابق بیان دے سکو گے۔"

"آپ جو کہیں گے وہی بیان دوں گا لیکن گرفتاری کے بعد رہائی ممکن نہیں ہوگی۔"

وہ بے پروائی سے ہاتھ گھما کر بولا۔ "تو کیا ہوا؟ ویسے بھی تمہیں کینسر سے مرنا ہے۔ کینسر سے ایک کنگال زبیری مرے گا اور قتل کی واردات کے بعد ایک لکھ پتی زبیری کی

موت ہوگی۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔"میں تھوڑی دیر کے لیے بھول گیا تھا کہ ایک مہلک مرض مجھے مار رہا ہے۔ مجھے تو ایسے بھی مرنا ہے اور ویسے بھی۔ تو پھر ایسی موت کیوں نہ مروں۔ جس کے بعد میرے بیوی بچے کسی کے محتاج نہ رہیں بلکہ لاکھوں میں کھیلتے رہیں۔ آپ بتائیں۔ مجھے کیا بیان دینا ہوگا؟"

"واردات کے بعد یہ بیان دو گے کہ تم نے وہ دو قتل اپنے اعلیٰ افسر ایس پی ذیشان کے حکم کے مطابق کئے ہیں۔"

وہ ایک دم سے چونک کر بولا۔"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں ان کا ماتحت ہوں، وفادار ہوں۔"

"وفاداری بھول جاؤ۔ صرف اپنا مفاد دیکھو۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اب تو اسے اپنے بارے میں نہیں، اپنے پیچھے رہ جانے والے لہو کے رشتوں کے بارے میں سوچنا تھا۔ وہ ذیشان سے وفاداری کرے یا غداری۔ موت تو دونوں صورتوں میں آنے والی تھی۔ وہ اعلیٰ افسر نہ اسے موت کے منہ سے بچا سکتا تھا اور نہ ہی مرنے کے بعد لاکھوں کا فائدہ پہنچا سکتا تھا۔

یہ مفاد پرستی ہی ہوتی ہے جو پہلے ذہن کو خراب کرتی ہے اور پھر عاقبت کو۔ وہ سوچنے والا ہر پہلو پر غور کرتا ہوا میدان عمل میں آ گیا۔ بیس لاکھ کی موٹی پٹی آنکھوں پر بندھی ہوئی تھی۔ انسانی جانوں کا بہتا ہوا لہو دکھائی نہیں دیا۔ اس نے اپنی عاقبت خراب کرنے کے ساتھ ساتھ ذیشان کا سکون بھی برباد کر ڈالا۔

اس سے کہا گیا تھا کہ قتل سے پہلے اس کے بیوی بچوں کو دس لاکھ دیئے جائیں گے پھر جب وہ گرفتار ہونے کے بعد ذیشان کے خلاف بیان دے گا تو باقی دس لاکھ کی بھی ادائیگی ہو جائے گی۔

پہلی بار تو دس لاکھ روپے اس کے ہاتھوں پر رکھے گئے تھے۔ دوسری بار جب اس نے ذیشان کے خلاف بیان درج کرایا تو ادائیگی جیل میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اسد عزیزی نے کہا۔"باقی دس لاکھ تمہاری بیوی کو دیئے جا چکے ہیں۔ انٹیلی جنس والے تمہاری سخت نگرانی کر رہے ہیں۔ تمہارے گھر والوں کو بھی تم سے ملنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ ورنہ تمہاری بیوی آ کر ہماری پے منٹ کی تصدیق کر دیتی۔"

زبیری کو یقین تھا کہ باقی رقم کی ادائیگی ہو چکی ہوگی لیکن اب اس کے اندر کھلبلی سی پیدا ہو گئی تھی۔ جب سے معلوم ہوا تھا کہ وہ کینسر کا مریض نہیں ہے اور آئندہ اپنی طبعی عمر تک جینے والا ہے تب سے بیوی بچوں کے ساتھ زندہ رہنے کی امنگیں مچل رہی تھیں۔

اب ایک ہی بات اس کے دماغ میں گونج رہی تھی جیل سے رہائی مل جائے۔ کسی طرح اس کا مقدمہ کو[illegible] ہو جائے لیکن ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ وہ جائے واردات پر ر[illegible] ہاتھوں پکڑا گیا تھا موت ہر حال میں اس کا مقدر بن گئی تھی۔

ایسے وقت اسد عزیزی پر غصہ آ رہا تھا۔ یہ بات سمجھ آ رہی تھی کہ وہ فراڈ ڈاکٹر اور فراڈ میڈیکل رپورٹ کے ذریعے اسے اُلو بنا تا رہا ہے۔ پہلے اس نے اس رپورٹ کے اندھیرے میں اسے زندگی سے مایوس کیا پھر بیس لاکھ روپے کا لالچ دے کر قتل کرنے اور ذیشان کے خلاف بیان دینے کے لیے راضی کر لیا۔"

وہ غصہ سے مٹھی بھینچ کر سوچنے لگا۔"میں مرنے والا نہیں تھا۔ ایک طویل ہنستی کھیلتی زندگی گزارنے والا تھا، اس کی مکاری نے مجھے سزائے موت تک پہنچا دیا۔"

اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت......اب آہنی سلاخوں سے سر پھوڑنے کے سوا اسے کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ جب مقدر پھوٹ رہا ہو تو سر پھوڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ ویسے جس طرح زنجیر کی کڑی سے کڑی جڑی ہوتی ہے اسی طرح خدا نے ایک انسان کے مقدر کو دوسرے کے مقدر سے جوڑ رکھا ہے۔

ذیشان کا مقدر زبیری سے جڑا ہوا تھا۔ وہ پھانسی کے تختے پر پہنچنے والا ذیشان کی تقدیر سنوار سکتا تھا۔ اپنا ایک بیان دے کر اسے پھانسی کے پھندے سے بچا سکتا تھا۔ کیسے......؟

نہ ذیشان اسے سچ بولنے پر مائل کرنے کے لیے جیل کے اندر جا سکتا تھا اور نہ ہی وہ سچ بولنے والا تھا۔ اسے کیا غرض تھی کہ وہ اپنا بیان بدلتا؟ ہاں۔ اگر سچ بولنے سے سزائے موت سے نجات ملنے کا یقین ہوتا تو وہ سچا مسلمان بن جاتا ہے لیکن رہائی کسی صورت ممکن نہیں تھی۔

چونکہ ذیشان کے مقدر میں ایک طویل زندگی لکھی تھی۔ اس لیے مجھے ایکشن میں آنا تھا۔ میں زبیری کے پاس پہنچ گیا۔

میں اس کے لیے اجنبی تھا مگر میرے لیے کوئی اجنبی نہیں ہوتا۔ میں اس کی ہسٹری سے اچھی طرح واقف تھا ماضی سے لے کر مستقبل تک کا حال جانتا تھا۔

اس نے آہنی سلاخوں کے پیچھے سے مجھے دیکھا میں نے ذرا سنجیدگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔"ہیلو مسٹر زبیری!"

[illegible] جانتے لیکن میں تمہیں جانتا بھی ہوں اور پہچانتا بھی ہوں۔"

وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر بولا۔"سوری میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔"ہر شخص جانا پہچانا نہیں ہوتا۔ ملنے کے لئے جان پہچان ہوتی ہے۔ میرا نام مقدر حیات ہے۔ بتاؤ تو [illegible] مقدر کو جان لیتے ہیں مگر جاننے کے بعد بھی پہچان نہیں پاتے۔"

وہ بولا۔"آپ نام بتا رہے ہیں یا پہیلی بجھوا رہے ہیں؟"

"اپنی ہتھیلی دیکھو! اس پر تقدیر کی لکیریں ایک پہیلی کی طرح الجھی ہوئی ہیں۔ ہر شخص مقدر کے اس جال میں الجھا ہوا ہے تم بھی الجھے ہوئے ہو میں ایک نجومی ہوں۔ اگر اپنا ہاتھ دکھاؤ تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تم کہاں کہاں الجھے ہوئے ہو؟"

اس نے اپنی دائیں ہتھیلی کو دیکھا پھر مجھے دیکھا۔ میں نے پوچھا"کیا تم نہیں چاہو گے کہ تمہاری کوئی الجھن دور ہو جائے؟"

کون نہیں چاہتا کہ الجھن دور ہو جائے؟ اس نے فوراً ہی اپنا ہاتھ سلاخوں کے درمیان سے میری طرف بڑھا دیا مجھے دیکھنا ہی کیا تھا؟ میں تو سب ہی کی خط تقدیر پر چلتا رہتا ہوں۔ اسے تو محض یہ تاثر دینا تھا کہ میں ایک نجومی ہوں۔

میں اس کا ہاتھ تھام کر کبھی اس کی ہتھیلی کو اور کبھی اس کے منہ کو تکنے لگا۔ میرا انداز اسے تجسس میں مبتلا کر رہا تھا کہ میں ان لکیروں کے پیچھے کیا دیکھ رہا ہوں؟ کیا جان رہا ہوں؟ اور کیا کہنے والا ہوں؟

وہ بولا۔"مسٹر مقدر! میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔ آپ کی خاموشی اور پریشان کر رہی ہے۔ کچھ تو بولیں۔"

میں نے افسوس ظاہر کرنے کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا۔"تمہاری عمر بہت طویل تھی، مگر تم نے اسے نادانی سے مختصر کر دی۔ اپنے اعلیٰ آفسر سے غداری کی۔ تمہاری جو اچھائیاں تھیں انہیں تم خود ہی برائیوں میں بدلتے چلے گئے۔ کیا میں درست کہہ رہا ہوں؟" اس نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔"بے شک۔ آپ درست کہہ رہے ہیں۔"

"میں نے یہاں کے جیلر سے بہت کچھ معلوم کیا ہے اور اب ہاتھ کی یہ لکیریں کہہ رہی ہے کہ لوگ اپنی زندگی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، تم نے کینسر سے ہونے والی موت سے فائدہ اٹھانا چاہا تمہیں لاکھوں روپے ملنے والے تھے۔ لاکھوں روپے دینے والوں کی شرط یہ تھی کہ تم کینسر سے نہیں مرو گے، پھانسی کے تختے پر جان دو گے۔"

اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا، پھر انکار میں سر ہلا کر کہا۔"میں نہیں مانتا کہ ہاتھ کی لکیریں دماغ میں چھپے ہوئے راز بھی بتاتی ہیں۔ تمہارا تعلق یقیناً انٹیلی جنس والوں سے ہے۔ یہاں نجومی بن کر آئے ہو۔ میرے اندر کی کچھ اور باتیں اگلوانا چاہتے ہو۔"

"تمہارے اور اسد عزیزی کے درمیان جو لین دین رازداری سے ہوا ہے، اسے کوئی تیسرا شخص نہیں جانتا، پھر میں کیسے جانتا ہوں؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے کہا۔"میں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔ نہ ہی ٹیلی پیتھی جانتا ہوں۔ تمہارا ہاتھ آگے اور جو کچھ کہہ رہا ہے، اسے تم نہیں جانتے کہ اپنی نادانی اور نادانستگی کے باعث تم فی الوقت کتنا بڑا دھوکا کھا رہے ہو؟"

وہ مایوسی سے ایک گہری سانس لے کر بولا۔"اب تو تختہ دار ہے اور موت ہے، اب دھوکا کھانے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟"

بیوی بچوں کو نہ بھولو، وہ دھوکا کھا رہے ہیں جس طرح اسد عزیزی نے جھوٹی میڈیکل رپورٹ کے ذریعے تمہیں دھوکا دیا، اسی طرح تمہاری بیوی بچوں سے بھی فراڈ کر رہا ہے۔"

وہ بے یقینی سے بولا"نہیں ہمارا لین دین تو ہو چکا ہے۔ میں نے اس کا کام کیا، اس نے میری تمام رقم ادا کر دی۔ اب وہ کیا فراڈ کرے گا؟"

"اس نے واردات سے پہلے دس لاکھ تمہیں دیئے۔ اس کے بعد تم گرفتار ہو گئے ان آہنی سلاخوں کے باہر کیا ہو رہا ہے، تم نہیں جانتے۔ تمہارے بیوی بچے باقی دس لاکھ روپے کی ادائیگی سے اب تک محروم ہیں ادائیگی کے سلسلے میں تم سے جھوٹ کہا گیا ہے تم یہاں سے ان کے سچ اور جھوٹ کی تصدیق نہیں کر سکتے اور تمہاری بیوی یہاں آ کر فریاد نہیں کر سکتی کہ اسے دس لاکھ روپے تو کیا دس پیسے بھی نہیں دیئے گئے ہیں۔"

وہ ایک دم سے تڑپ کر بولا۔"نہیں......وہ مجھ سے اتنا بڑا فراڈ نہیں کریں گے۔"

"جو اپنا کام نکالنے کے لیے ہمیں کینسر کا مریض بنا سکتے ہیں، وہ اپنے باقی دس لاکھ روپے بچانے کے لیے کیا تم سے ادائیگی کے سلسلے میں جھوٹ نہیں کہہ سکتے؟"

وہ پھر سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے کہا۔"اس سے آگے

اور بہت کچھ ہو رہا ہے۔ سنو گے تو دل دہل جائے گا۔"

وہ تڑپ کر بولا۔ "اور کیا ہو رہا ہے؟ مجھے بتاؤ اور کیا ہو رہا ہے؟"

"انٹیلی جنس والے شبہ کر رہے ہیں کہ تمہاری بیوی اچانک لکھ پتی کیسے بن گئی ہے؟ اسد عزیزی یہ نہیں چاہتا کہ انٹیلی جنس والوں کو حقیقت معلوم ہو۔ اس سے پہلے ہی وہ تمہاری بیوی کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہے۔"

اس کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ بیوی بچوں کو لکھ پتی بنانے والا یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچنے کے بعد گھر والوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا۔ جو شخص بھاری رقم دے کر اس سے قتل کرا سکتا ہے، وہی بھاری رقم بچانے کے لیے وہ اس کے گھر والوں کو بھی قتل کرا سکتا ہے۔ جھوٹی میڈیکل رپورٹ نے اسے اسد عزیزی کی کمینگی کا یقین دلا دیا تھا۔

وہ جیل میں رہ کر اپنی بیوی اور بچوں کے تحفظ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ غصہ اور بے بسی سے لرز رہا تھا۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "میرے بیوی بچے محفوظ تو ہیں نا؟"

"وہ اپنی سلامتی کے لیے چھپتے پھر رہے تھے۔ میں نے انہیں پناہ دی ہے۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے میرے ہاتھ کو تھام کر بولا۔ "میں نہیں جانتا تم کس حد تک سچ بول رہے ہو، لیکن اسد عزیزی کی دوغلی چالوں کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ مجھے کسی طرح یقین دلاؤ کہ میرے بیوی بچے تمہارے پاس محفوظ ہیں؟"

میں نے مسکراتے ہوئے اپنے لباس کے اندر سے ایک چھوٹا سا کیسٹ ریکارڈر نکالا، پھر اسے اس کے قریب کرتے ہوئے آن کیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس کی بیوی کی آواز ابھری۔ زبیری! میں تمہاری گھر والی کلثوم بول رہی ہوں۔ تمہیں اپنا اور بچوں کا حال کیا سناؤں؟ پتا نہیں، وہ کون دشمن ہے؟ ہمیں کیوں مار ڈالنا چاہتا ہے؟ اگر بھائی مقدر رعین وقت پر نہ آتے، ہمیں نہ بچاتے اور ہمیں پناہ نہ دیتے تو تم میری اور بچوں کی آواز کبھی سن نہ پاتے۔ لو پہلے بچوں کی باتیں سنو......"

اس ریکارڈر سے پہلے ایک بچے نے کچھ کہا پھر دوسرے نے کچھ پیار بھری باتیں کیں۔ زبیری سن رہا تھا اور رو رہا تھا۔ وہ سنگ دل قاتل تھا مگر اپنے لہو کی پکار سن کر تڑپ رہا تھا۔ زار و قطار رو رہا تھا۔ بچوں کے بعد پھر بیوی کی آواز سنائی دی۔ اس نے میری اس بات کی تصدیق کی کہ کسی اسد عزیزی نامی شخص نے باقی دس لاکھ روپے ادا نہیں کیے ہیں۔

آخر میں اس نے کہا۔ "میں اپنے ہاتھ سے ایک خ[...] رہی ہوں۔ تم میری تحریر پہچانتے ہو۔ بھائی مقدر یہ خط [...] پڑھیں گے۔ میں نے کچھ ایسی باتیں لکھی ہیں جنہیں م[...] ہم میاں بیوی ہی جانتے ہیں۔ اور زیادہ کیا بولوں؟ ب[...] بہت ہیں، لیکن بھائی مقدر کہتے ہیں، جیل میں ملاقا[ت کا] وقت کم ملتا ہے۔ یہ کیسٹ تمہارے پاس نہیں رہ سکے گا، البتہ [...] چھپا کر رکھ سکو گے۔ میں تمہارے لیے دعا کرتی رہتی ہو[ں...] کرتی رہوں گی۔ اللہ حافظ۔"

میں نے اس سے کیسٹ ریکارڈر لے لیا پھر جیب [سے] ایک بند لفافہ نکال کر اسے دیا۔ اس نے بڑی بے صبری [سے] اسے لے کر چاک کیا، پھر خط نکال کر پڑھنے لگا۔ میں [نے] خط اس کی بیوی کلثوم سے لکھوایا تھا تاکہ وہ اس کے ہا[تھ کی] تحریر بھی پڑھ لے۔ ریکارڈر کے ذریعے اس کی آواز بھ[ی سن] لے یوں مکمل یقین ہو جائے کہ میں دشمن نہیں دوست [ہوں] اور اس کے بیوی بچوں کا محافظ بھی ہوں۔

اس نے پڑھنے کے بعد بھیگی آنکھوں سے اور ا[حسان] مندی سے مجھے دیکھا، پھر کہا۔ "تمہارے احسانات کا [بدلہ] چکانے کے لیے میرے پاس زندگی نہیں رہی ہے۔ بس: [یہاں] سے پھانسی کے تختے تک زندگی کا سفر رہ گیا ہے۔ پھر بھ[ی بتا] دو۔ مجھ سے کوئی کام لے سکتے ہو تو ضرور لو۔"

"تم میرا ایک ہی کام کر سکتے ہو اور وہ کام [...] بولو۔ تم نے اپنے محسن افسر کے خلاف جو جھوٹ کہا ہے، [اسے] سچ میں بدل دو۔"

"یہ تو تم میرے دل کی، میرے ایمان کی بات کہ[ہ رہے] ہو۔ میں اپنے ایمان کو بھول گیا تھا، اندھا ہو گیا تھا۔ ذ[یشان] صاحب جیسے محسن افسر سے غداری کی انہیں جھوٹے الزا[م میں] پھنسا دیا۔ اب میں اپنی غلطی کی تلافی کروں گا اپنا بیان ذ[یشان] صاحب کے حق میں تبدیل کروں گا اور اس کی وضا[حت] کروں گا کہ پہلے میں نے غلط بیان کیوں دیا تھا؟"

میں جو چاہتا تھا وہی وہ کرنے والا تھا۔ شہباز درا[نی کی] چالیں ذیشان کے خلاف چل رہا تھا، انہیں میں کمزو[ر کیا] جا رہا تھا۔ اس نے دو قتل کے الزام میں اسے پھانسا [تھا] میں نے زبیری کے پاس پہنچ کر اسے ذیشان کا حامی [بنا دیا] اس نے دردانہ کو انڈیا بھیج کر اس کے اغوا کا الزام بھی ذ[یشان] پر لگانا چاہا میں نے اس کے کھودے ہوئے گڑھے میں [اسے] ہی گرا دیا اس کی چہیتی بچ بچ اغوا ہو چکی تھی۔

اس کے مقدر میں خواری لکھی تھی۔ اس لیے وہ

[...] آقاؤں کا اعتماد بھی کھو چکا تھا۔ پاکستان کی زمین اس [کے] لیے تنگ ہو چکی تھی۔ اب وہ یہاں سے فرار ہونے کے [لیے] پر تول رہا تھا۔

☆☆☆

نمرہ، جبران اور مسز رانا کے ساتھ لندن سے واپس آ گئی [تھی۔] انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ فی الحال نمرہ کے گھر والوں کو [اس کی] آمد کی اطلاع نہیں دیں گے۔ جب تک جبران کا اعلاج [مکمل] نہیں ہوگا، تب تک یہ راز داری ضروری تھی۔ اسی لیے وہ [کر]اچی نہیں گئے، لاہور والی کوٹھی میں چپ چاپ رہائش [اختی]ار کر لی۔

نمرہ ان سے بھرپور تعاون کر رہی تھی۔ یہ جانتی تھی کہ [اس] کے گھر والوں کو معلوم ہوگا تو ان ماں بیٹے کے ساتھ رہنے [پر ط]رح طرح کے اعتراض اٹھائے جائیں گے شادی سے [پہلے] سسرال میں رہے گی تو باتیں بنائی جائیں گی۔ اسے [کر]اچی بلا لیا جائے گا۔ ایسے میں جبران ذہنی انتشار میں مبتلا [ہو ج]اتا۔ ایک طرف گھر والوں کی محبت اور کشش تھی، دوسری [طر]ف انسانی ہمدردی تھی۔ یہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ جبران کو [پاگل]پن سے بچائے رکھنے کے لیے اس کے ساتھ رہنا ہی [تھ]ا۔ وہ ذرا دیر کے لیے بھی دور ہوتی تو وہ بے چین ہو جاتا [تھا]۔ ایسی دیوانگی سے اسے ڈھونڈتا پھرتا تھا، جیسے زندگی کو [تلا]ش کر رہا ہو۔ وہ اس کے لیے آکسیجن بن گئی تھی۔

فی الحال یہ بات تسلی بخش تھی کہ اب وہ نارمل زندگی [گز]ار رہا تھا۔ اس روز وہ راوی کے کنارے آئے بوٹنگ کا [شو]ق ہو رہا تھا۔ نمرہ نے کہا۔ "میں کشتی چلاؤں گی۔"

اس نے کہا۔ "دریا کی لہروں سے لڑنا اور چپو چلاتے [رہ]نا آسان کام نہیں ہے۔"

"مخالف لہروں سے لڑنا ہی زندگی ہے۔ ہم یہاں سے [...] دوری تک جائیں گے پھر وہاں کچھ وقت گزار کر واپس [آ] جائیں گے۔"

"سوچ لو...... تھک جاؤ گی۔"

"ایسا کچھ ہوا تو ملاح کشتی سنبھال لے گا۔"

وہ ایک کشتی پر آ کر بیٹھ گئے۔ جبران نے ملاح سے کہا۔ "چپو میری وائف کو دے دو۔ انہیں کشتی چلانے کا شوق ہے۔"

نمرہ نے اسے پیار سے گھور کر دیکھا۔ پھر انگریزی میں کہا۔ "تم نے مجھے وائف کیوں کہا؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اپنی چیز پر وقت سے پہلے ہی قبضہ [جما]نا اچھا لگتا ہے۔"

کشتی کنارے سے گہرے پانی میں آ گئی۔ لہریں منہ زور نہیں تھیں راوی کبھی ماں کی ممتا کی طرح مہربان ہوتا ہے اور کبھی سنگ دل باپ کی طرح غضب ناک ہو جاتا ہے۔ اس وقت راوی کی موجیں مہربان تھیں۔ وہ آسانی سے کشتی کھینے لگی۔

جبران اسے بڑے پیار سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ملاح کی موجودگی کے باعث پھر انگریزی میں بولی۔ "ایسی بے باکی سے کیوں دیکھ رہے ہو؟ کچھ تو سوچو ہمارے درمیان ایک اجنبی ہے۔"

"دیواریں تو درمیان آتی ہی رہتی ہیں۔ نظریں بچا کر دیکھنے کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔"

"اس بوڑھے بابا نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوگا۔ تمہاری نظروں کا مفہوم سمجھ رہا ہوگا۔"

"یہ کیا سمجھے گا، ابھی تم بھی نہیں سمجھ رہی ہو کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں اور کیا سوچ رہا ہوں؟"

"تم ایسا کیا سوچ رہے ہو؟"

"سوچ رہا ہوں، میں ایک کشتی کی طرح زندگی کے دریا میں ڈول رہا ہوں تم میری ناخدا ہو۔ میری مخالف لہروں سے لڑتی ہوئی مجھے کنارے کی طرف لے جا رہی ہو۔"

وہ اس کا فلسفہ سن کر مسکرانے لگی پھر بولی۔ "مجھ سے زیادہ تمہاری قوت مدافعت تمہیں نارمل بنا رہی ہے، تمہیں کنارے لگا رہی ہے۔"

"تمہاری مسیحائی نہ ہوتی تو میری قوت ارادی کسی کام نہ آتی۔ تم نے اپنی ہر سانس میرے نام کر دی، تم نے مجھے بڑا حوصلہ دیا ہے۔ اگر تم نہ ہوتیں تو شاید میں اب تک اس دنیا سے اٹھ چکا ہوتا۔"

"پلیز...... مرنے کی باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے ہی ساتھ رہوں گی۔ تمہیں چھوڑ کر جانا ہوتا تو یہاں پاکستان میں رہتے ہوئے بھی میں اپنے والدین سے دور کیوں رہتی؟"

اس نے اچانک محسوس کیا کہ کشتی آگے نہیں چل سکے گی، دونوں بازو دکھنے لگے تھے۔ چپو نہیں چلا سکے گی۔ لیکن اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "ہمارے درمیان... فی الحال کوئی رشتہ نہیں ہے پھر بھی میں تمہیں اپنے ہر رشتے پر فوقیت دے رہی ہوں۔ کیا اس سے تمہیں اپنی اہمیت کا اندازہ نہیں ہو رہا ہے؟"

وہ تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہو رہا ہے۔ پھر بھی نہ جانے کیوں ایسا لگتا ہے، جیسے ہمارا یہ ساتھ عارضی ہے کسی

دن تم اچانک ہی کہیں گم ہو جاؤ گی۔"
ایسے ہی وقت کشتی ڈگمگانے لگی، وہ گھبرا کر بولا۔"ذرا سنبھل کے......"

کشتی لہروں پر ذرا گھوم گئی تھی۔ ایسے وقت وہ چپو چلا کر لہروں کو نہ کاٹ سکی۔ کشتی اپنے قابو میں رہے تو دریا کی لہریں منہ زوری بھول جاتی ہیں۔ اگر کنارے لگانے والا ذرا بھی کمزور پڑ جائے تو اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبتا ہے۔

ملاح نے فوراً ہی دوسرا چپو اٹھا کر لہروں کو کاٹنا شروع کیا جیسے منہ زور گھوڑا اپنے شہسوار سے مان جاتا ہے، اسی طرح کشتی مان گئی۔ دونوں نے اطمینان کی سانس لی بات سمجھو تو سمجھ میں آتی ہے۔ بیشک جبران ڈولتی ہوئی کشتی کی طرح تھا۔ نمرہ صرف چپو چلا کر اسے کنارے نہیں لگا سکتی تھی۔ ملاح کا تعاون لازمی ہوتا ہے۔ زندگی کی منہ زور لہروں کے آگے میں ......صرف میں ہی ناخدا بنتا ہوں۔

ان لمحات میں جبران کے ضمیر نے کہا۔"یہ زندگی کی کشتی جھوٹ اور فریب کا بوجھ سنبھال نہیں پائی۔ نمرہ ہم سے کتنی مخلص ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ کیا واقعی میں اور میری ممی نیک نیت ہیں؟ اگر ہیں تو میری ایک بہت بڑی کمزوری اس سے کیوں چھپائی جا رہی ہے؟"

ایسے وقت ڈاکٹر کی یہ بات دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگی کہ مسلسل الیکٹرک شاک نے صرف ذہن کو ہی نہیں اس کے پورے وجود کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ وہ ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ اگر وہ ماں بیٹا نیک نیت ہوتے تو نمرہ سے اتنی اہم بات کبھی نہ چھپاتے۔ لیکن وہ چھپا رہے تھے اور اس نیکی کرنے والی کو دھوکا دے رہے تھے۔

جبران گھر واپس آنے تک سوچتا رہا، غور کرتا رہا یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہا کہ ماں بیٹے کا جھوٹ اور اس کی کمزوری سامنے آئے گی تو نمرہ کا ردِعمل کیا ہوگا؟

اس نے گھر پہنچتے ہی اپنی ماں سے کہا۔"ممی! آپ میری شادی کیوں نہیں کر رہی ہیں؟"

اس نے مسکرا کر پوچھا۔"یہ اچانک ہی شادی کی بات تمہارے دماغ میں کیوں آ گئی؟"

"نمرہ دن رات ہمارے ساتھ رہتی ہے، گھر کے ایک فرد کی طرح ہے۔ ہر معاملے میں ہم سے تعاون کرتی ہے، پھر بھی وہ ہماری کچھ نہیں لگتی۔ کوئی رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے ہی ہم اس کے گھر والوں سے چھپ کر یہاں رہتے ہیں۔ وہ اپنی ہوگی تو اپنی چیز پر دھونس جمائی جا سکے گی۔ یہ اندیشہ نہیں رہے گا کہ اس کے گھر والے جب چاہیں گے اسے ہم سے چھین کر لے جائیں گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔"یہ تو ہے۔ پھر بھی تمہارے معاملے میں مقدر کی پیش گوئی کو اہمیت دوں سب ہی مانتے ہیں کہ اس کی پیش گوئی ہمیشہ درست ہوتی ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔"کوئی ضروری نہیں کہ اس کی ہر بات درست ہو۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اکتیس دسمبر کی رات بجے میری موت واقع ہوگی۔ میں یہ بات بھی نہیں مانتا مانتے ہوئے بھی اس لیے مان رہا ہوں کہ مجھے نمرہ کی قربت حاصل ہو رہی ہے۔"

وہ غصے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہوئے "موت کا وقت نہ کبھی ٹلتا ہے، نہ ٹالا جا سکتا ہے۔ صرف نمرہ کی خاطر اس کی پیش گوئیوں کو درست مان لیکن اس کا یہ مشورہ سراسر غلط ہے کہ مجھے اکتیس دسمبر گزرنے سے پہلے شادی نہیں کرنی چاہیے۔"

وہ پاؤں پٹخ کر بولا"آپ نہیں سمجھ رہی ہیں مقدر دل میں کھوٹ ہے۔ وہ نمرہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایسی الٹی سیدھی پیش گوئیاں کر رہا ہے۔"

"تم کچھ بھی کہہ لو۔ میں خدا کے بعد مقدر ہوں۔ اگر تم جذباتی نہ بنو اور موٹی عقل سے بھی سوچ عجلت میں شادی کرنا سراسر نادانی ہوگی۔ اکتیس دسمبر شادی کرو گے تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔"قیامت آ سکتی ہے۔ وہ سلطان احمد رانا میرے خلاف کسی وقت کچھ بھی کر سکتا نمرہ تک یہ بات پہنچا سکتا ہے کہ میں شادی کے قا ہوں۔"

نمرہ ڈرائنگ روم میں آ رہی تھی۔ جبران کی با ہی ٹھٹک گئی، ایک قدم پیچھے ہٹ کر دروازے کی آڑ میں ہوگئی۔ بات ایسی تھی کہ کان میں پڑتے ہی دل دھک گیا تھا، مسز رانا نے بڑی اداسی اور مایوسی سے کہا بخت سلطان رانا تمہاری یہ کمزوری جانتا ہے پاگل خا ڈاکٹر نے اسے بتا دیا تھا کہ مسلسل الیکٹرک شا تمہارے جسمانی نظام کو بری طرح مسمار کر دیا ہے۔ کرنے اور ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل نہیں ہو۔"

وہ بول رہی تھی، جیسے دھماکے کر رہی تھی۔ نمرہ تھام لی، اعتماد کا شیش محل چکنا چور ہو گیا تھا۔ اسے نیک نیتی کے صلے میں فریب مل رہا تھا وہ دیوار تھا۔

نی، بے یقینی سے ڈرائنگ روم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ران نے کہا۔"مگر ممی! اس میڈیکل رپورٹ کو ایک عرصہ زر چکا ہے اس دوران میں بہت کچھ بدل گیا ہے، بھرپور اج اور نمرہ کا ساتھ مجھے آسودگی بخش رہا ہے اور آپ دیکھ ہی ہیں کہ میں نارمل ہوتا جا رہا ہوں۔"

"تمہارے کہہ دینے سے کیا ہوتا ہے؟ تمہاری یہ بیاری اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوگی۔ میں تمہاری ہر خواہش ری کر سکتی ہوں لیکن شادی کی بات نہ کرو۔ جب تک ڈاکٹر رٹیفائی نہیں کرے گا۔ میں اسے تمہاری دلہن نہیں بننے دوں لی۔"

وہ غم و غصے سے لرز رہی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی رائنگ روم میں آئی تو دونوں ماں بیٹے کو چپ سی لگ گئی۔ وہ ر نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ نمرہ کی چبھتی ری نظریں کہہ رہی تھیں کہ چوری پکڑی گئی ہے۔ وہ اس سے ظریں چرانے لگے۔ اس نے بڑے دکھ سے کہا۔"میں نے پ دونوں کی خاطر اپنے گھر کو اور اپنے والدین کو چھوڑ دیا۔ پ کے بیٹے کو نارمل بنائے رکھنے کے لیے کیا اتنی بڑی رہانی کوئی لڑکی دے سکتی ہے؟"

ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ پھر مسز رانا نے ہچکچاتے وئے کہا۔"وہ...... بات یہ ہے بیٹی......!"

وہ تڑخ کر بولی۔"پلیز۔ مجھے بیٹی نہ کہیں۔ آپ ماں ہی کے رشتے کا احترام کھو چکی ہیں۔"

"خدا گواہ ہے، میں تمہیں اپنی سگی بیٹی مانتی ہوں......"

"یہ محض لفاظی ہے۔ ورنہ سگا صرف وہی ہے جسے آپ نے کوکھ سے جنم دیا ہے۔ اس سگے کی ایک ننھی سی خوشی کے لیے آپ مجھے بیٹی بناتی رہیں گی اور مجھے کانٹوں میں گھسیٹتی رہیں گی۔"

"موجودہ حالات میں تمہاری ہر بات درست ہوگی۔ مجھے اپنی صفائی میں صرف اتنا کہنے دو کہ ہم ماں بیٹے نے جو بھی رازداری برتی ہے اس کے نتیجے میں نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچ رہا ہے اور نہ کبھی پہنچے گا۔"

"یہی تو دکھ کی بات ہے کہ مجھ سے رازداری برتی گئی، مجھے غیر سمجھا گیا۔ اگر میں آپ کی باتیں نہ سنتی تو اب بھی اندھیرے میں ہی رہتی اور اسی اندھیرے میں اندھی بن کر آپ کی بہو اور آپ کے بیٹے کی بیوی بن جاتی۔ یوں اپنی زندگی تباہ کر لیتی۔"

"تم نے ہماری باتیں سنی ہیں تو یہ بھی سنا ہوگا کہ میں جبران کو شادی سے روک رہی ہوں۔"

"بے شک، روک رہی ہیں لیکن بیٹے کی ضد کے آگے آپ کی ممتا ہار جایا کرتی ہے۔ جب آپ اس کی خوشی کی خاطر میرے والدین سے مجھے دور کر سکتی ہیں تو آئندہ بھی بہت کچھ کر سکتی ہیں۔"

جبران اس کی باتیں سن رہا تھا اور ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن زبان گنگ ہو گئی تھی۔ مسز رانا نے کہا۔"بیشک میں اس کی خاطر بہت کچھ کر سکتی ہوں، لیکن خدا کی قسم تمہاری زندگی کو کبھی داؤ پر نہیں لگاؤں گی۔ اس کا علاج ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر نے یقین سے کہا ہے کہ یہ جلد ہی نارمل زندگی گزارنے کے ساتھ ازدواجی زندگی بھی گزارنے کے قابل ہو جائے گا۔ بس! ذرا انتظار کرنا ہوگا۔"

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔"میں کتنے معاملات میں انتظار کروں؟ ایک طرف علاج ختم ہونے کا انتظار ہے، دوسری طرف مقدر کی پیش گوئی کے مطابق اکتیس دسمبر کی رات جبران کے لیے منحوس ہے۔ نئے سال کی ابتدا ان کی زندگی کی انتہا بننے والی ہے۔ یہ اپنی تدبیر سے آنے والی موت کو ٹال سکتے ہیں۔ تدبیر اور تقدیر کے درمیان ہونے والی جنگ کا کیا انجام ہونے والا ہے؟ میں اس کا بھی انتظار کر رہی ہوں۔ ایسے میں ایک نیا مسئلہ سامنے آ گیا ہے۔ اب یہ مسئلہ کب حل ہوگا، اس کا انتظار بھی کرنا ہوگا۔"

مسز رانا نے افسردگی سے کہا۔"اس ماں کے دل سے پوچھو۔ اپنے بیٹے کو مسائل میں گھرا دیکھ کر کیسے کڑھتی رہتی ہے؟ اندر ہی اندر مرتی رہتی ہے۔ میں ماں ہوں لیکن اس کی زندگی میں تمہاری اہمیت مجھ سے زیادہ ہے۔ اور جو چیز اہم ہو، عزیز ہو اس سے فریب نہیں کیا جاتا۔ ہم نے تم سے ایک بات چھپائی مگر یقین جانو۔ ہم تمہیں کھونا نہیں چاہتے تھے۔ ڈرتے تھے کہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ جاؤ گی۔ میں دعائیں مانگتی رہتی تھی کہ تمہارا اعتماد کھونے سے پہلے جبران ایک خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے۔"

وہ منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ مسز رانا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔"بیٹی! ہم ماں بیٹے نے مصلحتاً ایک بات چھپائی۔ تمہارے دل کو ٹھیس پہنچائی۔ ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں لیکن خدا کے لیے ہمیں غلط نہ سمجھو۔"

"آپ کی طرح میں نے بھی غلطی کی۔ آپ پر اندھا اعتماد کیا۔ سب ہی اپنی اپنی غلطی کی تلافی کرتے ہیں۔ آپ بھی کر رہی ہیں۔ میں بھی کروں گی۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔"تم کیا کرو گی؟"

"وہی، جو میرے اختیار میں ہے۔ میں اپنی مرضی سے

آپ کے پاس آئی تھی۔ اپنی مرضی سے واپس چلی جاؤں گی۔"

یہ سنتے ہی جبران ایک دم سے تڑپ گیا۔ مسز رانا نے پریشان ہوکر بیٹے کو دیکھا۔ وہ سر سے پاؤں تک بری طرح لرز رہا تھا۔ اس نے ڈگمگاتے، لڑکھڑاتے ہوئے نمرہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "نن...... نہیں، تم...... تم نہیں جاؤ گی، کک...... کہیں نہیں جاؤ گی۔ مم...... مجھے......"

ماں اسے سنبھالنے کے لیے آگے بڑھی لیکن اس سے پہلے ہی وہ میز سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑا۔ شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتے کی طرح نمرہ کے قدموں میں آگیا۔ وہ فوراً ہی ذرا پیچھے ہٹ گئی۔ اسے ہمدردی اور بے بسی سے دیکھنے لگی۔ وہ اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "مم...... مجھے مار ڈالو پھر...... پھر چلی جاؤ۔"

ماں فرش پر جھک گئی۔ اس سے لپٹ کر کہنے لگی۔ "بیٹے خود کو کنٹرول کرو۔ میں اسے سمجھا رہی ہوں۔ یہ تمہیں چھوڑ کر نہیں جائے گی۔"

وہ بیٹے کو سنبھال رہی تھی، سمجھا رہی تھی اس کی حالت دیکھ کر صدمے سے ٹوٹ رہی تھی۔ اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اسے سمجھانے اور سنبھالنے کے لیے کچھ نہ کچھ کہتی جا رہی تھی۔

نمرہ پریشان ہوکر انہیں دیکھ رہی تھی۔ اندر ہی اندر الجھ رہی تھی، ایک طرف ہمدردی کا جذبہ حاوی ہو رہا تھا اور دوسری طرف اس تڑپنے والے سے شکایتیں بھی تھیں۔ وہ ایک ہی وقت میں دوہری کیفیت سے گزر رہی تھی۔ بعض اوقات حالات بری طرح الجھا دیتے ہیں۔ ایسے وقت عقل میں یہ بات آئی کہ اسے وقتی طور پر دلاسا دینا چاہیے۔ بیمار اگر تکلیف میں ہے تو مسیحا کو منہ پھیر کر نہیں جانا چاہیے۔ وہ بیمار کو آرام پہنچا کر، گہری نیند سلا کر جا سکتی ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس کے قریب فرش پر بیٹھ کر بولی۔ "کنٹرول یور سیلف۔ تم نے وعدہ کیا تھا، آئندہ دماغی کمزوری کو خود پر حاوی نہیں ہونے دو گے۔ پھر یہ سب کیا ہے؟"

وہ لرزتے ہوئے بولا۔ "میں...... میں اپنے سر پر پہاڑ برداشت کرسکتا ہوں۔ میرے جسم سے کھال اتار لی جائے، میں اُف نہیں کروں گا، لیکن تم نظروں سے اوجھل ہوگی تو میں ایک کے بعد دوسری سانس نہیں لے سکوں گا۔"

وہ اسے خاموش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ایسے وقت وہ ایک چھوٹا سا بچہ دکھائی دے رہا تھا جو ماں کے پہلو سے دور ہونے کی بات سنتے ہی تڑپ گیا تھا۔ وہ عجیب سی دوہری کیفیات سے دوچار ہو رہی تھی۔ اس کے لیے ممتا محسو کر رہی تھی۔ آخر اسے تھپکتے ہوئے بولی۔ "اچھی بات ہے میں...... میں نہیں جاؤں گی۔ خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔"

وہ جانا چاہتی تھی، نہ جا سکی۔ کیوں کہ میں نہیں چاہتا تم مجھے یہ بھی منظور نہیں تھا کہ وہ ایک نارمل زندگی گزارتا رہے اور مجھے یہ بھی منظور نہیں تھا کہ نمرہ اسے چھوڑ کر کراچی جائے۔ لہٰذا اس بیمار کی حالت دیکھ کر وہ مصلحتاً پیچ گئی تھی ویسے یہ پھانس بڑی گہرائی تک چبھ گئی تھی کہ اس سے فرار جا رہا تھا۔ اور یہ کہ جبران کسی بھی وقت اپنی ضد منوا کر اس لیے پرابلم بن سکتا ہے۔

ایسے وقت وہ کشتی نہیں بن رہی تھی۔ ڈوبنے والے لیے محض تنکے کا سہارا بن رہی تھی۔ گرنے سے پہلے ہی کہ نظر آگئی تھی۔ آئندہ اسے محتاط رہنا تھا۔ خوب سوچ کر کھائی کی سمت بدل کر کوئی محفوظ راستہ اختیار کرنا تھا۔

رات بڑی خاموشی سے گزرنے لگی۔ وہ تینوں اپنے کمرے میں تھے۔ نمرہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ بار دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے نیند اڑ تھی۔ اب اس چھت کے نیچے اسے نیند آنے والی نہیں تھی۔

رات کے ایک بجے اس نے آہستگی سے دروازہ کو کوریڈور میں ویرانی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ اپنی اٹیچی اٹھ کمرے سے باہر آگئی۔ نیم تاریکی میں چلتی ہوئی دروازے سے گزر کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔ وہاں بھی تاریکی تھی۔ باہر جانے کا دروازہ دوسری طرف تھا۔

اسے جبران سے لگاؤ تھا۔ وہ بڑے پیار سے ایک بن کر اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر کے اپنے سے آئی تھی۔ اب اسی فیصلے کے خلاف دوسرا فیصلہ اسے وا گھر کی طرف لے جا رہا تھا۔ فریب کھانے کے بعد عقل تھی کہ دورہ کر بھی ہمدردی اور محبت سے مسیحائی کی جا ہے۔

وہ دبے قدموں ڈرائنگ روم کی نیم تاریکی سے رہی تھی۔ کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ ایسے وقت نے روک دیا کیوں کہ وہ تقدیر کی لکیر پر نہیں چل رہی اچانک ہی وہ نیم تاریک ڈرائنگ روم روشن ہوگیا۔ وہ کر ٹھٹک گئی۔ سر گھما کر سوئچ بورڈ کی طرف دیکھا، وہاں رانا سر جھکائے کھڑی تھی۔

اس معمر خاتون نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس کی بھیگی آنکھوں میں التجا بھی تھی اور شکایت بھی۔ نمرہ جھینپ تھی۔ اس بار جھوٹ بول کر، دھوکا دے کر ساتھ چھو

اس کی چوری پکڑی گئی تھی۔

وہ شکست خوردہ ماں ایک قدم آگے بڑھ کر بولی "میں ے قدموں سے لپٹ کر بھی تمہیں نہیں روک سکوں گی بیٹے کو سنبھالتے سنبھالتے تھک گئی ہوں۔ تمہیں کیسے ں؟"

"تم نے بہت دور تک ساتھ دیا ہے۔ منزل اب دو چار کے فاصلے پر رہ گئی ہے۔ ایسے وقت ساتھ چھوڑ کر اپنی نیکی نہ کرو ڈاکٹر نے پورے یقین سے کہا ہے، ہمارا جبران طور پر صحت مند ہوجائے گا۔ پھر اس میں کوئی خامی نہیں ہے گی۔"

"میں یہی دعائیں مانگتی ہوئی جارہی ہوں۔ جبران مکمل صحت مند ہوں گے تو میں رسم و رواج کے مطابق دلہن یہاں آؤں گی۔ یہی مناسب اور مہذب طریقہ ہے۔"

"بیشک۔ ہماری تہذیب یہی کہتی ہے، تمہیں اپنے گھر دلہن بن کر آنا چاہیے، لیکن تم محبت، ہمدردی اور مسیحائی جذبات سے سرشار ہوکر یہاں آئی تھیں۔ ہماری ایک ی کی سزا دینے کے لیے یوں ناراض ہوکر نہ جاؤ۔"

میں کسی کو سزا نہیں دے رہی ہوں۔ عقل اور تہذیب تقاضے پورے کر رہی ہوں۔ یہ وعدہ کر کے جا رہی ہوں روز آپ کے بیٹے سے ملوں گی۔ اور اس کی دل جوئی کرتی ں گی۔"

یہ کہہ کر اس نے منہ پھیر لیا۔ اپنے ضمیر کو سمجھاتی ہوئی نے لگی وہ ایک ماں کا دل نہیں توڑ رہی ہے، ایک دانشمندانہ پر عمل کر رہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازہ کھول باہر آئی۔ سر جھکا ہوا تھا، لیکن ایک قدم آگے بڑھتے ہی ں میں زنجیر پڑ گئی۔

جبران برآمدے کے زینے پر سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ طرح سر جھکائے اس کے قدموں کی طرف دیکھتے ہوئے "آج مجھ پر دورہ پڑا تو تم نے مجھے تھپک تھپک کر دلاسا یہ وعدہ کیا کہ مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔ گویا وہ طفل یاں تھیں۔"

وہ سمجھانے کے انداز میں بولی۔ "تمہیں مایوس نہیں ہونا بیٹے، میں یہ وعدہ کر کے جا رہی ہوں کہ ہم روز ملیں گے۔ تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی تمہارے صحت مند ہونے کا نتظار کرتی رہوں گی۔"

"کوئی وعدہ نہ کرو۔ ہم سب نے ایک دوسرے کا اعتماد وڑ دیا ہے۔ اب تو ایک ہی اٹل فیصلہ کرو، کیا ابھی میرا ساتھ ازر ہی ہو؟"

یہ کہتے ہی اس نے لباس کے اندر سے ایک چاقو نکالا۔ وہ چاقو کھٹاک کی آواز کے ساتھ کھل گیا بلب کی روشنی میں اس کا پھل موت کے اشارے کی طرح چمکنے لگا۔ وہ سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "کیا چاہتے ہو تم؟"

"زندگی یا موت۔ تمہارا ساتھ زندگی ہے اور تمہاری جدائی موت۔ میں تمہیں جانے سے نہیں روکوں گا، مگر تم میری موت کا تماشہ دیکھ کر جاؤ گی۔"

وہ پریشان ہوکر اسے تک رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں ایک دم سے خود کو ختم نہیں کروں گا۔ اپنے وجود کے ایک ایک حصے کو موت دوں گا۔"

اس کے ایک ہاتھ کی گرفت میں چاقو تھا۔ دوسرا ہاتھ برآمدے کے فرش پر رکھا ہوا تھا۔ اچانک ہی چاقو والا ہاتھ بلند ہوا، پھر اس کی نوک آکر اس کی ہتھیلی میں پیوست ہوگئی۔

نمرہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ پیار مانگنے والی ہتھیلی سے لہو پھوٹ پڑا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ "بجلی کے جھٹکے مجھے ایسی اذیتیں پہنچاتے رہے ہیں کہ اب کوئی اذیت اذیت نہیں رہی۔ مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں......"

چاقو دوسری بار فضا میں بلند ہوا، پھر اس کی نوک کلائی کے قریب گوشت میں پیوست ہوگئی۔ جب باہر آئی تو خون کا پتلا سا فوارہ ابل پڑا۔

جب بھی خنجر تلے ہم آئیں گے
کوئی بسمل کی طرح تڑپے گا

وہ ایک دم سے لرز گئی۔ ہاتھ سے اٹیچی چھوٹ گئی، چیخ کر بولی۔ "کیا پاگل ہوگئے ہو؟"

"پانی جب سر سے گزر جائے گا تو یاد آئے گا۔ یہ دیوانہ بہت......"

چاقو پھر فضا میں بلند ہوا، مگر اس سے پہلے کہ اس کی نوک وجود کے کسی حصے تک پہنچتی، وہ ایک دم سے آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی۔ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ "نہیں جاؤں گی۔ میں مر جاؤں گی، مگر تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ نہیں جاؤں گی......"

وہ اس سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ اس بار اسے چھوڑ کر نہ جانے کی جو بات کہہ رہی تھی، اس میں صداقت تھی۔ کچھ فاصلے پر ایک ماں اپنے بیٹے اور اپنی مسیحا بہو کو دیکھ رہی تھی اور دروازے سے لپٹ کر مسرتوں کے آنسوؤں میں بھیگ رہی تھی۔

☆☆☆

بیگم آفتاب کی ایک ہی دلی مراد تھی۔ اور وہ پوری نہیں ہو رہی تھی۔ اس نامراد اسما سے پیچھا نہیں چھوٹ رہا تھا۔ ایک آس بندھی تھی کہ اسما نے اپنے شوہر کو بیٹا کہنے اور خود کو اپنے شوہر کی ماں کہنے کی جو فاش غلطی کی تھی۔ اس کے نتیجے میں نکاح ٹوٹ سکتا ہے۔

نکاح ٹوٹنے کا مطلب یہ ہوتا کہ آئندہ اسما اس گھر کی بہو نہیں رہے گی۔ اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر خاندان سے باہر پھینک دیا جائے گا۔ بیگم آفتاب کئی بار خیالوں کی دنیا میں پہنچ کر بہو کو دھکے دے کر گھر سے نکال چکی تھی۔ ذیشان کے سر پر پھر سے سہرا باندھا تھا اور اپنی پسند کی بہو لے کر آئی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں وہ خیال ہی خیال میں کتنی ہی پوتیاں پوتے نئی بہو کے ذریعے پیدا کرا چکی تھی۔

اس بات کا انتظار تھا کہ بیٹا جیل سے رہا ہو کر آئے گا تو کسی عالم دین سے اسما کے خلاف فتویٰ حاصل کیا جائے گا لیکن بیٹا تو بہو کا دیوانہ تھا۔ اس کی اتنی بڑی غلطی کو اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ اس کی جورو پرستی نے بیگم آفتاب کے تن بدن میں آگ لگا دی۔

فلک آفتاب نے سمجھایا۔ ''کیوں انگاروں پر لوٹ رہی ہو؟ یہ بیٹے اور بہو کا معاملہ ہے۔ انہی پر چھوڑ دو۔''

''جب نکاح ٹوٹ چکا ہے تو دونوں کا ساتھ رہنا سراسر دینی اور دنیاوی اصول کے خلاف ہے۔''

''مانتا ہوں لیکن ذرا صبر کرو، بیٹے نے کہا ہے کہ کسی عالم دین سے رجوع کرے گا۔''

وہ اپنے میاں کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی پھر بولی۔ ''تو ٹھیک ہے، جب تک وہ کسی عالم دین سے فتویٰ حاصل کرے تب تک اسما کو ہمارے بیٹے سے دور رہنا چاہیے۔ وہ ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہو چکے ہیں۔ اسما کو اس سے پردہ کرنا چاہیے۔''

فلک آفتاب نے کہا۔ ''ہم ابھی ذیشان سے اس مسئلے پر بحث نہیں کر سکتے۔ اس پر مصیبتیں آئی ہوئی ہیں۔ دشمنوں نے طرح طرح کے الزام عائد کر کے اسے سخت سے سخت سزائیں دلانے کی ٹھان لی ہے ہم پیچیدہ قانونی معاملات میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے لیکن اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اسے کسی نئے مسئلے میں نہ الجھائیں۔''

وہ بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولی۔ ''میں تو دن رات اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتی رہتی ہوں کہ میرے بچے پر جو الزامات عائد کئے گئے ہیں وہ جھوٹے ثابت ہو جائیں لیکن اس پر نحوست سوار رہے گی۔ دعاؤں سے بھلا نہیں ہوگا۔ جب سے یہ کم بخت بہو بن کر آئی ہے تب سے میرے [illegible] کوئی نہ کوئی مصیبت آتی ہی رہتی ہے۔ میں دعوے [illegible] ہوں، منحوس میرے بیٹے کی زندگی سے نکل جائے گی تو تمام مصیبتیں خود بہ خود دور ہو جائیں گی۔ اس پر لگائے تمام الزامات جھوٹے پڑ جائیں گے۔''

''میں ایک بات اچھی طرح جانتا ہوں ذیشان اپنے تمام مسائل سے نمٹے گا۔ اس کے بعد اس گھریلو [illegible] توجہ دے گا۔''

''وہ ادھر توجہ نہیں دے سکتا ہم تو دے سکتے۔ ہم [illegible] دین سے ملاقات کر کے اس کے خلاف فتویٰ حاصل [illegible] ہیں۔ جب ذیشان وہ تحریری فتویٰ پڑھے گا تو اس کی آ[illegible] کھل جائیں گی۔ اسما اس گھر کی دہلیز سے باہر جا[illegible] میرے بیٹے کے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔''

''میں مانتا ہوں۔ تم درست کہہ رہی ہو لیکن [illegible] شوہر ہے خود اسے جا کر فتویٰ حاصل کرنا چاہیے۔''

''کوئی ضروری نہیں ہے۔ جب وہ مسائل میں [illegible] ہے اور اسے فرصت نہیں ہے تو یہ کام ہم بھی کر سکتے ہیں''

فلک آفتاب نے بے بسی سے ایک گہری سانس [illegible] بیگم کو دیکھا پھر کہا۔ ''تم بہو کو اس گھر سے نکال کر ہی د[illegible] ٹھیک ہے۔ ہم آج شام کو کسی عالم دین کے پاس [illegible] گے۔''

شام کو کیوں؟ ابھی کیوں نہیں؟ کل کرے سو آج [illegible] آج کرے سو اب۔ اس لیے ہم ابھی جائیں گے۔

وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں ابھی [illegible] کے آتی ہوں۔''

ایسے ہی وقت دروازہ کھلا عینی روتی ہوئی اند[illegible] عروج ماہم کو گود میں لیے اس کے ساتھ تھی۔ بیگم اور [illegible] نے اسے دیکھا۔ آفتاب نے پریشان ہو کر پوچھا۔ [illegible] ہے بیٹی...؟ تم کیوں رو رہی ہو؟''

بیگم آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی [illegible] نے کہا۔ ''اشعر کہیں گم ہو گیا ہے۔''

دونوں نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا؟ گم ہو گیا؟ [illegible] کیسے؟''

بیگم عینی کو تھام کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسے تھپکتے [illegible] بولی۔ ''بیٹی! حوصلہ کرو۔ ابھی ذیشان کو فون کرتے [illegible] کے ایک حکم سے شہر کے تمام پولیس والے اشعر کو تلا[illegible] گے اور اسے یہاں لے آئیں گے۔''

فلک آفتاب نے کہا۔ ''ذیشان اب پولیس کی [illegible]

[illegible] نہیں رہا ہے۔ ہم سب کو اشعر کی تلاش میں نکلنا ہوگا۔''

عینی نے روتے ہوئے کہا۔ ''میں نے بھائی جان کو فون [illegible] بتایا ہے انہوں نے تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ [illegible] درج کرائی ہے اور کہا ہے کہ وہ خود اسے تلاش کرنے جا رہے ہیں۔ ہم بھی اسے پچھلے چار گھنٹوں سے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔''

فلک آفتاب نے پوچھا۔ ''کیا اشعر کے باپ کو اطلاع [illegible] دی گئی ہے؟''

عروج نے کہا۔ ''میں تو اطلاع دینا چاہتی تھی۔ مگر عینی نے منع کیا ہے۔ یہ شرمندہ ہو رہی ہے۔ کہہ رہی ہے، جاوید صاحب کو کیا منہ دکھائے گی؟ یہ دونوں بچے یہاں امانت کے طور پر ہیں اور ایک امانت اس سے گم ہو گئی ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا۔ ''اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے؟ اس نے جان بوجھ کر اسے کہیں نہیں چھوڑا ہے.... [illegible] خواستہ وہ نہ ملا تو جاوید کو اطلاع دینی ہوگی۔ آخر یہ بات کب تک چھپائی جائے گی؟''

عروج نے زینے کے اوپری حصے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''بھابھی جان کہاں ہیں؟''

بیگم آفتاب نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''اس کی بات ہی نہ کرو۔ اچھا ہے اس کی تو اب چھٹی ہونے والی ہے۔''

عروج نے حیرانی سے پوچھا۔ ''چھٹی ہونے والی ہے۔؟''

''ہاں اب میرے بیٹے ذیشان سے اس کا کوئی رشتہ نہیں رہا ہے، نکاح ٹوٹ چکا ہے۔''

عروج اور عینی دونوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر عینی نے کہا۔ ''بڑی امی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

فلک آفتاب نے بیزاری سے اپنی بیگم کو دیکھا وہ بولی۔ ''بیٹی......! تم نہیں جانتیں۔ اس نے اپنے شوہر کو بیٹا کہا ہے۔ اور خود کو ذیشان کی ماں کہتی رہی ہے۔''

عینی نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟ بھابھی جان ابنارمل نہیں ہیں۔ وہ ایسی باتیں کیوں کریں گی؟''

''اس نے ایسی باتیں کی ہیں۔ اپنی ہونے والی سوکن سے صاف صاف کہہ رہی تھی کہ ذیشان اس کا بیٹا ہے اور وہ خود ذیشان کی ماں ہے۔ یہ باتیں میں نے خود اپنی آنکھوں سے سنی ہیں۔''

''آنکھوں سے؟''

عینی اور عروج نے اسے حیرانی سے دیکھا پھر عینی نے کہا۔ ''آپ کچھ ابنارمل سی لگ رہی ہیں۔''

وہ سنبھل کر بولی۔ ''بیٹی......! زبان پھسل گئی۔ میں نے آنکھوں سے نہیں کانوں سے سنا ہے۔''

عروج نے پوچھا۔ ''یہ ہونے والی سوکن کون ہے؟''

بیگم نے کہا۔ ''ذیشان نے کسی کو پسند کیا ہے۔ اس سے شادی کرنے والا ہے لیکن یہ یہاں سے ٹلے گی تو دوسری آئے گی۔ ہم کسی مفتی صاحب سے فتویٰ لینے جا رہے ہیں۔ اس نے جس زبان سے میرے بیٹے کے ساتھ نکاح قبول کیا تھا۔ اسی زبان سے اسے بیٹا کہا ہے اور خود کو ماں کہا ہے۔ اب تو یہ نکاح کسی صورت سے قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ مفتی صاحب یہی فتویٰ دیں گے۔''

عینی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر غصے سے بولی۔ ''بس بہت ہو چکا بڑی امی ......! آپ تو بھابھی جان کے پیچھے پڑ جاتی ہیں انہوں نے خود کو ماں اور بھائی جان کو بیٹا کہا ہے یا نہیں یہ خدا بہتر جانتا ہے۔ اور اگر کہا ہے تو بھائی جان خود ان سے نمٹ لیں گے لیکن آپ بھی یہ بات زبان پر نہ لائیں کہ نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ بھابھی جان سے بھی نکاح نہیں ٹوٹ سکتا۔ وہ اس گھر میں سہاگن بن کر آئی ہیں۔ ہمیشہ سہاگن بن کر رہیں گی۔''

پھر وہ فلک آفتاب سے بولی۔ ''بڑے ابو۔! یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہاں اشعر گم ہو گیا ہے۔ میں نے بہت بڑی ذمے داری اپنے سر لی تھی۔ میں جاوید کو کیا جواب دوں گی؟ اس کے بچے کو کہاں تلاش کروں؟ ان حالات میں آپ سب بھابھی جان کے خلاف فتویٰ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں اس گھر سے نکالنا چاہتے ہیں میں کبھی ایسا نہیں ہونے دوں گی۔''

فلک آفتاب نے قریب آ کر اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے بیٹی! ٹھیک ہے۔ تم جو کہو گی وہی ہوگا۔ ہم اسما کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔''

بیگم آفتاب نے گھور کر بے بسی سے اپنے شوہر کو دیکھا وہ عینی کے سامنے اسما کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔

ایسے ہی وقت اسما باہر سے آئی عینی نے اسے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھا تو دوڑتی ہوئی اس سے آ کر لپٹ گئی۔ وہ اسے تھپکتے ہوئے بولی۔ ''مجھے تمہارے بھائی جان نے فون پر بتایا ہے کہ اشعر کہیں گم ہو گیا ہے حوصلہ کرو اور خدا پر بھروسا رکھو۔ تمہارے بھائی جان اسے ڈھونڈ کر لے آئیں گے۔ اب تو وہ پولیس افسر نہیں رہے پھر بھی ان کے تعلقات

ایسے ہیں کہ کتنے ہی پولیس افسران ان سے تعاون کر رہے ہیں تم اطمینان رکھو۔ اشعر کو بڑے پیمانے پر تلاش کیا جا رہا ہے۔ وہ ہمیں ضرور ملے گا۔''

عروج نے کہا۔''یہ اشعر کے لیے تو روتی ہی رہے گی لیکن اس وقت آپ کے لیے رو رہی ہے۔''

اسما نے حیرانی سے پوچھا۔''میرے لیے؟''

''جی ہاں۔ ابھی پتا چلا ہے کہ آپ کی ازدواجی زندگی کے خلاف فتویٰ حاصل کیا جا رہا ہے۔''

اسما نے اپنی ساس کو طنزیہ نظروں سے دیکھا، پھر کہا۔''او...... سمجھ گئی......''

پھر وہ عینی کو تھپکتے ہوئے بولی۔''یہ آنسو میرے لیے ہیں تو انہیں پونچھ لو۔ میں جب سے اس گھر میں آئی ہوں، مجھے یہاں سے نکالنے کی تدبیریں کی جا رہی ہیں، لیکن میں موم کی بنی ہوئی بہو بیگم نہیں ہوں کہ ساس صاحبہ کی گرم آہوں سے پگھل کر بہتی ہوئی اس گھر سے نکل جاؤں گی۔''

بیگم آفتاب نے جل کر کہا۔''شادی اور ازدواجی زندگی بچوں کا کھیل نہیں ہوا کرتی۔ یہ کوئی ایسا ویسا معاملہ نہیں ہے، ٹھوس دینی مسئلہ ہے۔''

بیگم نے عینی کو مخاطب کیا۔''بیٹی! ابھی تمہاری شادی ہوئی ہے۔ ابھی تم نے ازدواجی زندگی کی ابتدا کی ہے۔ تمہیں رفتہ رفتہ معلوم ہوگا کہ میاں بیوی کا رشتہ کتنا نازک ہوتا ہے۔ اس رشتے میں نکاح قبول کرنے والی زبان کی کتنی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ زبان بدل جائے تو رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ میں تو فتویٰ حاصل کر کے ہی رہوں گی۔''

وہ چیلنج کرنے کے انداز میں پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ وہاں تمام افراد اپنے اپنے مسئلے میں الجھے ہوئے تھے۔ بیگم آفتاب کا ایک ہی مسئلہ رہ گیا تھا کہ کسی بھی طرح بہو کو گھر سے ذلیل کر کے نکال دے۔

اسما کے لیے یہ کوئی فکر میں مبتلا کرنے والا مسئلہ نہیں تھا وہ مطمئن تھی۔ اسے اپنے ذیشان پر مکمل اعتماد تھا کہ وہ کبھی اسے اپنی زندگی سے الگ نہیں کرے گا۔ اس کی پریشانی یہ تھی کہ ذیشان کو ایک نہیں دو دو قتل کے سنگین الزامات میں پھانسا جا رہا تھا۔ اس کے سر کا تاج، اس کا مجازی خدا ان الزامات سے بچ پائے گا یا نہیں؟ یہ سوچ سوچ کر اس کی جان نکلتی رہتی تھی۔

میری پیش گوئی سے ان کی ڈھارس بندھی ہوئی تھی۔ میں نے کہا تھا، ان کی زندگی میں مصیبتیں آئیں گی، وہ دونوں ذہنی الجھنوں میں مبتلا رہیں گے، پھر رفتہ رفتہ ساری مصیبتیں ٹل جائیں گی۔

عروج اپنے، عینی کے اور پاشا کے معاملے میں بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ آج وہ پاشا کے بلاوے پر سول کورٹ چلی جاتی تو اب تک اس کی دلہن بن چکی ہوتی۔ ایک جوان لڑکی کو ازدواجی زندگی کی جو مسرتیں ملتی ہیں، اس نے انہیں اپنی سہیلی کی خاطر ٹھکرا دیا تھا۔ دل کہہ رہا تھا، بہت بڑی نادانی کی ہے۔ اس نادانی کے نتیجے میں سہیلی کو بھی ازدواجی مسرتیں نصیب نہیں ہوں گی۔

وہ ان ہی معاملات پر گفتگو کرنے کے لیے عینی کے پاس آئی تھی اور یہ بھی دیکھنا چاہتی تھی کہ پاشا ایک شوہر کی محبت اور توجہ اسے دے رہا ہے یا نہیں؟ لیکن یہ سب کچھ معلوم ہونے سے پہلے ہی اشعر کی گمشدگی نے سب کو ایک نئے مسئلے میں الجھا دیا تھا۔

عینی کا بھی یہی مسئلہ تھا کہ پاشا اس سے کیوں کترا رہا ہے؟ وہ اس کی نئی نویلی دلہن ہے نہ تو وہ کوٹھی میں آ کر ازدواجی رشتہ قائم کر رہا ہے اور نہ ہی اسے اپنے کسی کرائے کے مکان میں لے جا رہا ہے۔

وہ بے چاری دلہن اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ایسے وقت جاوید کی دی ہوئی امانت میں خیانت ہوگئی تھی۔ یہ پریشانی تھی کہ اشعر کو کہاں سے ڈھونڈ کر لائے؟ اس کے باپ کو کیا منہ دکھائے؟ نہ جانے وہ بچہ کہاں ہوگا؟ کس حال میں ہوگا؟

میں اس کی ننھی سی ہتھیلی پر تھا، وہ جہاں تھا میں اس کے ساتھ تھا۔

☆☆☆

ہمیشہ مقدر کی انگلی پکڑ کر نہیں چلنا چاہیے۔ یہ تکیہ کرنا کہ تقدیر میں جو لکھا ہے وہی ہوتا ہے تو پھر وہی ہوتا ہے جو جدوجہد اور عمل نہ کرنے والوں کا انجام ہوا کرتا ہے، ناکامی، نامرادی اور ذلت بھری زندگی......

عمل سے زندگی بنتی ہے لیکن عمل منفی ہو اور ارادے شیطانی ہوں تو پھر زندگی کانٹوں کا بستر بن جاتی ہے۔

شہباز درانی کے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔ اس نے امریکی آقاؤں کے سائے میں رہ کر بڑی فرعونیت دکھائی تھی۔ اب وہی امریکی آقا اس کے دشمن ہو گئے تھے۔

وہ ایک وسیع و عریض محل نما کوٹھی میں رہتا تھا۔ پاکستانی کرنسی کے حساب سے لندن اور سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں اس کے کروڑوں روپے تھے۔ یو کے اور اسٹیٹس میں اس کے ذاتی بنگلوز تھے۔ جب وہ اپنی رہائش گاہ سے باہر آتا جاتا تھا تو محافظ اس کے آگے پیچھے یوں رہتے تھے جیسے حکومت کی طرف سے اسے پروٹوکول دیا جا رہا ہو۔ اب وہ ایسی شاہانہ زندگی

سے محروم ہو رہا تھا۔

وہ دردانہ کے ساتھ جس محل نما کوٹھی میں رہتا تھا، اسے چھوڑ چکا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ کسی لمحے میں بھی سپر پاور کی طرف سے آنے والی گولی اس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دے گی۔ دردانہ بھی گئی، دولت اور جائداد بھی گئی اور سلامتی بھی خطرے میں پڑ گئی۔

سی آئی اے کے جونیئر آفیسر جوزف مارٹن نے کہا تھا کہ صبح دس بجے اس سے ملنے آئے گا اس نے چند اہم فائلوں اور مائیکرو فلموں کا مطالبہ کیا تھا۔ جن کا تعلق پاکستان کی سیاست سے تھا۔ اگلے الیکشن سے پہلے ان اہم دستاویزات کی سخت ضرورت تھی۔ اور یہ تمام دستاویزات شہباز کے پرائیویٹ چیمبر سے چرالی گئی تھیں۔

اس کی یہ غفلت اور بے پروائی سپر پاور کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ کچھ ایسے پاکستانی سیاست دان تھے جو امریکا کے زیر اثر نہیں تھے۔ ایسے سیاستدانوں کو بلیک میل کرنے اور انہیں امریکا کے زیر اثر لانے کے لیے کچھ جھوٹی سچی تحریری دستاویزات اور کچھ تصویری مائیکرو فلمیں تھیں۔ اس کی لیڈی سیکرٹری تہمینہ کے ذریعے ان تمام اہم چیزوں کو چرالیا گیا تھا۔ اس میں بھی امریکی سی آئی اے والوں کی چال تھی۔

وہ جانتا تھا کہ فوراً ہی روپوش نہ ہوا تو اسے معافی نہیں ملے گی۔ وہ ان کے بے شمار رازوں کا امین تھا۔ اس لیے اس کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ ہر حال میں موت اس کا مقدر بن گئی تھی۔

جب وہ آدھی رات کے بعد اپنی کوٹھی کے چور دروازے سے نکلا تو اس کا حلیہ بدلا ہوا تھا، چہرے پر داڑھی مونچھیں تھیں، ریڈی میڈ میک اپ کے ذریعے چہرہ تبدیل ہوگیا تھا۔ دوست ہو یا دشمن۔ کوئی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنے وفادار ملازموں میں سے کسی کو بھی اپنا راز دار نہیں بنایا تھا۔ چپ چاپ وہاں سے نکل کر اپنی ایک خفیہ پناہ گاہ میں چلا آیا تھا۔

وہاں بھی وہ ایک رات سے زیادہ ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ مکان وہ شہر، وہ ملک چھوڑ کر جانے میں ہی اس کی بہتری تھی۔ وہ اس پناہ گاہ میں تھوڑی دیر تک ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتا رہا، کھڑکیوں سے جھانک کر باہر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے موبائل فون کو آن کر کے نمبر پنچ کیے رابطہ ہونے پر کہا۔''میں درانی بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے کسی نے کہا۔''یس باس! ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ بچے کا کیا کیا جائے؟''

شہباز نے پوچھا۔''کیا وہ پرابلم بن رہا ہے؟''

''ہاں۔ جب تک جاگتا رہا اپنی ماں کے پاس جانے کی ضد کرتا رہا۔ ہم نے اسے اچھی طرح کھلایا پلایا ہے مگر وہ ضد سے باز نہیں آ رہا تھا، سونا بھی نہیں چاہتا تھا تو ہم نے اسے نیند کی دوا کھلا دی ہے۔ اب وہ بے خبر سو رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ اسے کل تک اسی طرح قابو میں رکھو۔ پرابلم بنا چاہے تو اسی طرح نیند کی دوا کھلا کر سلا دیا کرو۔ کل کسی وقت کوئی خاتون اسے لینے آئے گی۔ تم اسے اس کے حوالے کر دو گے۔''

''میں اس خاتون کو کیسے پہچانوں گا؟''

''اس کا نام لیلی پاشا ہے۔ وہ تمہارے پاس آ کر فون پر مجھ سے بات کرے گی۔ اور تم سے بھی بات کرائے گی۔ اس طرح تم اس عورت کو پہچانو گے اور بچے کو اس کے حوالے کر دو گے۔''

''آل رائٹ باس! میں یہی کروں گا۔''

وہ فون بند کر کے سوچنے لگا بچے کو دن کے وقت اغوا کیا گیا تھا۔ تب سے اسے چھپا کر رکھنا ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ شہباز خود سی آئی اے کے انجانے قاتلوں سے چھپنے کی فکر میں تھا۔ اس نے اس دوران میں تین بار نانا بھائی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ اس نے خفیہ پناہ گاہ میں پہنچ کر رابطہ کیا تو نانا بھائی کی آواز سنائی دی۔''ہاں...... میں بول رہا ہوں۔''

شہباز درانی نے کہا۔''میں پچھلے بارہ گھنٹوں سے بول رہا ہوں لیکن میری آواز تم تک نہیں پہنچ رہی ہے۔ تمہارا فون آف تھا۔''

''مجھے افسوس ہے، میرا فون عارضی طور پر ناکارہ ہوگیا تھا۔ کچھ دوسرے معاملات نے بھی الجھا رکھا تھا۔ بہر حال یہ بتائیں، کیا ہو رہا ہے؟''

''ہونا کیا ہے؟ میں زبان کا دھنی ہوں۔ جو کہتا ہوں، وہ کر گزرتا ہوں۔ بچہ اس وقت میری کسٹڈی میں ہے۔''

''کیا واقعی؟ آپ نے بچے کو حاصل کر لیا ہے؟''

''ہاں۔ میں اپنا کام کر چکا ہوں۔ تم کیا کر رہے ہو؟''

''مجھے بھی کامیابی حاصل ہونے والی ہے۔ میں کل دن کے بارہ بجے تک خوشخبری سناؤں گا۔''

''صرف خوشخبری نہیں، میں اپنی دردانہ کی آواز بھی سننا چاہوں گا۔ اس سے باتیں کر کے یقین کرنا چاہوں گا کہ وہ آکاش کے چنگل سے نکل چکی ہے۔''

''میں آپ کو ہر طرح سے مطمئن کروں گا۔ ابھی یہ چاہتا

ہوں کہ آپ میری سابقہ بیوی بی پاشا کو مطمئن کر دیں۔ اسے بچے کے پاس پہنچا دیں۔"

"سوری...... نانا بھائی ! یہ سراسر اصول کے خلاف ہوگا۔ لین دین وہی اچھا ہوتا ہے جس میں اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے والا معاملہ ہوتا۔ اس طرح کسی کو کسی سے شکایت نہیں ہوتی۔ اور آیندہ بھی تعلقات مستحکم رہتے ہیں۔"

"میں بھی اصولوں کی پابندی کرتا ہوں۔ یہ بات بس یوں ہی کہہ دی تھی کہ بی پاشا کو اطمینان رہے۔ ویسے کوئی بات نہیں، ہمارے درمیان اصول کے مطابق لین دین ہوگا۔ میں کل بارہ بجے فون کروں گا۔ فی الحال خدا حافظ!"

رابطہ ختم ہوگیا۔ یہ یقین ہوگیا کہ کل دن کے بارہ بجے تک دردانہ آکاش کی قید سے رہائی پالے گی۔ اس نے اشعر کو اغوا کر کے نانا بھائی کو یقین دلا دیا تھا کہ لین دین میں کھرا ہے بچہ اس کے پاس اس کی امانت ہے۔ وہ اس ہاتھ دردانہ کو اس کے حوالے کرے اور اس ہاتھ بچے کو لے جائے۔

اس نے اپنی دردانہ کو خوش کرنے کے لیے ذیشان سے دشمنی مول لی تھی۔ اسے قتل کے سنگین الزام میں پھنسایا تھا۔ اور آیندہ بھی دردانہ کے اغوا کا جھوٹا الزام اس پر عائد کرنے والا تھا۔ لیکن خود ہی کئی طرح کے مسائل میں گرفتار ہوگیا تھا۔ جس کے اغوا کا الزام ذیشان پر لگانا چاہتا تھا وہ سچ مچ اغوا ہوکر آکاش کی گرفت میں آگئی تھی۔ اب اگر آکاش کو اس کی نیلماں نہ ملتی تو شہباز کو بھی دردانہ نہ ملتی۔

ذیشان ضمانت پر جیل سے رہا ہو چکا تھا۔ اب وہ اس پر یہ الزام لگا سکتا تھا کہ اس نے جیل سے رہائی پاتے ہی دردانہ کو اغوا کرلیا ہے۔ اور اسے مجبور کر رہا ہے کہ وہ ذیشان کو اپنے بیٹے کے قتل کے الزام میں ملوث نہ کرے۔ اس نے قتل کے سلسلے میں ذیشان پر جو مقدمہ دائر کیا ہے اسے واپس لے لے یا کمزور بنا دے۔

وہ ذیشان کو دو قتل کے الزام میں سزائے موت تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اب سپر آقاؤں کی طرف سے آنے والی موت سے بچنے کے لیے خود روپوش ہوگیا تھا۔ دل کو دھڑکا سا لگا ہوا تھا کہ جس مکان میں چھپا ہوا ہے اس کے آس پاس دشمن اس کی تاک میں ہو سکتے ہیں اگر وہ انہیں ڈاج دینے میں کامیاب ہوگیا ہے تو یہ کامیابی کب تک رہے گی؟

وہ بالکل ہی بے دست و پا نہیں ہوا تھا۔ امریکی سی آئی اے کے عتاب سے بچنے کے لیے ایک دوسرے زبردست آقا کی پناہ حاصل کر رہا تھا، جرائم کی دنیا میں بہت ہی خطرناک تنظیم تھی۔ جس کا آشر وارد اسے مل رہا تھا۔ جب وہ اس تنظیم کی گود میں پہنچ جائے گا تب میں اس تنظیم کا تفصیلی ذکر کروں گا۔

اس وقت میں نے فون کے ذریعے اسے مخاطب کیا۔ اپنے فون کا بزر سن کر ایک دم سے چونک گیا سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر غصے سے دانت پیسنے لگا۔ اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ میں پھر کسی نئی مصیبت کی پیش گوئی کرنے والا ہوں اور اسے مزید الجھانے والا ہوں۔

وہ مجھ سے کتراتا تھا، فون پر بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا پھر سوچتا تھا، بات نہیں کرے گا آنے والی مصیبتوں کے بارے میں آگاہی حاصل نہیں کرے گا تو ایک اندھے کی طرح اندھی راہوں میں مارا جائے گا۔

اس نے فون آن کیا پھر اسے کان سے لگا کر جھنجلاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کیوں اتنی رات کو نیند حرام کر رہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم پھر بھول رہے ہو۔ ہمارے ہاتھوں کی لکیریں یکساں ہیں۔ جو مجھ پر گزرتی ہے، وہی تم پر گزرتی ہے۔ میری حالت یہ ہے کہ کچھ انجانے دشمن میرے تعاقب میں ہیں۔ مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں اور میں چھپتا پھر رہا ہوں۔ میری آنکھوں سے نیند اڑی ہوئی ہے۔ ایسے وقت میں نے سوچا کہ تمہارے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہوگا۔ جھوٹ مت بولو کہ میں نے تمہاری نیند حرام کی ہے ہم دونوں کے مقدر میں آج رت جگا ہے۔"

وہ میری باتوں سے قائل ہوکر سوچنے لگا کہ جب ہاتھ کی لکیریں یکساں ہیں، مقدر ایک جیسا ہے تو پھر میرے ساتھ بھی وہی ہو رہا ہوگا جو اس کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اس نے پوچھا۔ "میں کیسے یقین کرلوں کہ تمہارے بھی جانی دشمن ہیں اور تم ان سے چھپتے پھر رہے ہو۔ تم تو ایک پرامن شہری کی طرح زندگی گزار رہے ہو۔ بھلا تمہارا کون دشمن ہوگا؟"

"تم پھر بھول رہے ہو۔ میں سچی پیش گوئیاں کرتا ہوں۔ جسے سننے والے میری جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ خود اپنی مثال لو۔ میری سچی پیش گوئی سنتے سنتے تم مجھے اپنا دشمن سمجھنے لگے ہو۔ اگر کبھی موقع ملے تو تم مجھے گولی مار دو گے۔"

"تم درست سمجھ رہے ہو۔ تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ بری طرح الجھاتے رہتے ہو، میرا بس چلے تو میں ابھی اسی وقت تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم پھر بھول رہے ہو، ہمارے ہاتھوں کی لکیریں یکساں ہیں۔ میں مروں گا تو تم بھی مرو گے۔ کیا ابھی تمہاری عقل یہ نہیں سمجھا رہی ہے کہ ہم دونوں

اپنے قاتلوں سے چھپتے پھر رہے ہیں؟"

میری باتیں ایسی ٹھوس ہوا کرتی تھیں کہ وہ قائل ہو جایا کرتا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "تم اپنے بچاؤ کے لیے کیا کر رہے ہو؟"

"یہی سوال میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں جو تدبیر تم کرو گے وہی میں کروں گا اور جو میں کروں گا وہی تم کرو گے۔ میں نے اپنا زائچہ دیکھا ہے۔ گویا وہ زائچہ تمہارا بھی ہے میں... میں اپنے بچاؤ کے لیے بارڈر پار کرنا چاہتا تھا، انڈیا جانا چاہتا تھا لیکن میرا مقدر کہہ رہا ہے کہ مجھے مشرق کی طرف سفر نہیں کرنا چاہیے۔"

شہباز نے پریشان ہوکر کہا۔ "میں بھی بالکل یہی سوچ رہا تھا۔ انڈیا جانا چاہتا تھا، وہاں اپنی دردانہ......"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اسے خیال آیا کہ دردانہ کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی یہ بتانا ہے کہ وہ اس کی رہائی کے سلسلے میں کیا کر رہا ہے؟ میں نے کہا۔ "ارے ہاں۔ یہ پوچھنا تو میں بھول ہی گیا، وہ دردانہ صاحبہ کہاں ہیں؟ اس سلسلے میں بھی ہمارا مقدر ایک ہے۔ میری محبوبہ کسی دوسرے کے پاس ہے۔ وہ اس کے ساتھ فرار ہو گئی تھی پھر پتا نہیں اب کہاں ہے؟ تمہاری دردانہ بھی شاید ابھی تمہارے پاس نہیں پہنچی ہوگی۔"

میں اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ رہا تھا۔ وہ بولا۔ "میں کبھی کبھی حیران ہوکر بے یقینی سے سوچتا ہوں کہ ہمارا مقدر بالکل ایک جیسا کیوں ہے؟ جو میرے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ، اور جو تمہارے ساتھ ہوتا ہے وہ میرے ساتھ کیوں ہوتا ہے؟"

میں اس کی جھنجلاہٹ پر مسکرا کر بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری دردانہ تم سے ابھی تک بچھڑی ہوئی ہے اور انڈیا گئی ہے۔ تب ہی تم انڈیا جانے کی بات کر رہے تھے۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "باتوں ہی باتوں میں اندر کا بھید لے لیتے ہو۔ میں تم سے زیادہ بولنا نہیں چاہتا۔ بس اتنا بتا دو، کیا دشمن تم پر غالب آجائیں گے، تمہیں مار ڈالیں گے؟"

"یہ سوال اس لیے کر رہے ہو کہ اگر دشمن مجھ پر غالب آئیں گے، مجھے مار ڈالیں گے تو تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ ویسے میں یہ بتا دوں ہم دونوں کو مشرق کی طرف سفر نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی ہمیں انڈیا نہیں جانا چاہیے۔ تم اپنی دردانہ کی طرف جاؤ گے تو نئی نئی مصیبتوں میں گرفتار ہوتے رہو گے۔"

وہ تھوڑی دیر تک چپ رہا، سوچتا رہا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ بولا۔ "میں ایسی بات سوچ رہا ہوں جو مجھے سوچنا نہیں چاہیے میں کبھی کسی کے آگے نہیں جھکتا لیکن اب حالات سے، مجبور ہوکر تمہارے معاملے میں جھکنا چاہتا ہوں۔"

"کھل کر بولو۔ کیا چاہتے ہو؟"

میں سوچ رہا ہوں، جب ہمارا مقدر ایک ہے ہمارے حالات ایک ہیں اور ہم ایک ہی کانٹوں بھرے راستے سے گزر رہے ہیں تو پھر کیوں نہ ایک دوسرے کے ساتھ ہو جائیں۔ اس طرح میرے لیے آسانی یہ ہوگی کہ جب کوئی مصیبت آنے والی ہوگی تو تم فوراً ہی مجھے بتا دیا کرو گے۔"

"وہ تو میں فون پر بھی بتاتا رہتا ہوں۔ اگر ساتھ رہو گے اور زیادہ آسانی ہوگی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میں اپنی بہتری اور بچاؤ کے لیے جو کرتا رہوں گا وہی تم بھی کرو گے۔"

"یہ امریکی سی آئی اے والے موت کے ہرکارے ہیں۔ مجھے ہر طرف موت ہی موت نظر آرہی ہے۔ موجودہ حالات میں تو میں وہی کروں گا جو تم کرتے رہو گے۔"

میں نے کہا۔ "میرا ایک دشمن بزنس مین تھا۔ میں نے اسے مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔ اسے پانچ سو کروڑ کا نقصان پہنچانے والا تھا۔ ایسے وقت میرے ہاتھ کی لکیر نے سمجھایا کہ اپنا رویہ بدلنا ہوگا۔ اپنے دشمن بزنس مین کو نقصان نہیں پہنچانا ہوگا تب میں اپنے ارادے سے باز آگیا۔ آیندہ اسے میری ذات سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تمہیں بھی یہی کرنا ہوگا۔"

وہ ذرا الجھتے ہوئے بولا۔ "مجھے کیا کرنا ہوگا؟ میں تو کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا ہوں۔"

جھوٹ مت بولو۔ تمہاری کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے تم نے ذیشان کو قتل کے جھوٹے مقدمے میں پھنسایا ہے۔ اسے سزائے موت تک پہنچانا چاہتے ہو۔ اگر اپنی بہتری چاہتے ہو تو جس طرح میں نے اپنے دشمن کو نقصان نہیں، فائدہ پہنچایا ہے۔ اسی طرح تم بھی ذیشان کو نقصان نہیں فائدہ پہنچاؤ۔"

"ان لمحات میں میری عقل کہہ رہی ہے کہ تم میرے خلاف کوئی چال چل رہے ہو۔ ذیشان تمہارا رشتہ دار ہے۔ چچا زاد ہے، تم اس کے بچاؤ کے لیے اور بہتری کے لیے مجھے مقدر کے جال میں الجھا رہے ہو۔"

"تم مقدر کے جال کو کیا سمجھو گے؟ ایک کا مقدر دوسرے سے اور دوسرے کا تیسرے سے جڑا ہوتا ہے میں اپنے دشمن بزنس مین سے دوستانہ رویہ اختیار کر چکا ہوں۔ اسے فائدہ پہنچا رہا ہوں تو آیندہ تم بھی ذیشان کو فائدہ

پہنچاتے رہو گے۔ اگر تم ابھی ایسا نہیں کرو گے تو آگے چل کر حالات تمہیں مجبور کر دیں گے۔ اور تم ذیشان پر چلنے والے مقدمے کو خود ہی کمزور بنا دو گے۔"

"میں ایسا نہیں کروں گا۔"

"تمہارا باپ بھی کرے گا۔ کیوں کہ جب میں ایسا کر چکا ہوں اور ہمارا مقدر ایک ہے تو تم حالات سے مجبور ہو کر ایسا ضرور کرو گے۔ آزمائش شرط ہے۔ تم دیکھ لینا۔ آگے کیا ہوتا ہے؟"

یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ اس نے اپنے فون کو دیکھا پھر سوچا۔ "کیا میں مجبور ہو جاؤں گا؟ ذیشان کے خلاف مقدمہ کمزور پڑ جائے گا؟ لیکن کیسے؟"

حالات اسے سمجھانے لگے۔ ابھی اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس ملک میں رہ کر ذیشان پر دردانہ کے اغوا کا الزام لگا سکتا ہے اور دردانہ انڈیا سے پتا نہیں کتنے عرصے بعد واپس آسکے گی؟ مقدمے کی سماعت جاری رہے گی۔ وہ مدعی کی حیثیت سے عدالت میں پیش نہیں ہو سکے گی تو مقدمہ خود بہ خود کمزور ہوتا چلا جائے گا۔

اس نے قائل ہو کر سوچا۔ "مقدر کی ہر بات درست ہوتی ہے۔ اس نے میرے حالات کے مطابق صحیح پیش گوئی کی ہے ذیشان کے خلاف جو مقدمہ چلنے والا ہے وہ آپ ہی آپ کمزور ہوتا چلا جائے گا، میرے لیے بہتری یہ ہو گی کہ میں اس مقدمے کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ کروں۔ اور جس طرح مقدر نے اپنے دشمن کو نقصان نہیں پہنچایا ہے اسی طرح میں بھی آئندہ ذیشان کو نقصان نہ پہنچاؤں۔"

اس نے کبھی کسی سے نیکی نہیں کی تھی۔ اس لیے ذیشان سے نیکی کرنے کے لیے دل راضی نہیں تھا، لیکن دماغ میں میری یہ بات نقش ہو گئی تھی کہ اس کا اور میرا مقدر ایک ہے اگر میں نے اپنے کسی دشمن سے نیکی کی ہے اور اس طرح میری بلا ٹل رہی ہے تو وہ بھی نیکی کر کے اپنی بلاؤں کو ٹال سکتا ہے۔

وہ اسی تذبذب میں جاگتا رہا۔ ایسے وقت انسان کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے لیکن وہ نہیں کرتا۔ کانٹوں کے بستر پر بے چین رہتا ہے۔ پھر بھی اپنی غلطیاں سمجھ میں نہیں آتیں۔

آخر وہ صبح تک کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد سو گیا۔

یوسف جان عرف نانا بھائی اگرچہ انڈر ورلڈ سے تعلق رکھتا تھا لیکن بہ ظاہر بہت ہی شریف اور پر امن شہری کی طرح زندگی گزارتا تھا۔ صوبہ بہار کے شہر پٹنہ میں اس کی عالیشان کوٹھی تھی۔ وہ وہاں کا رئیس اعظم کہلاتا تھا۔ ہندو اور مسلمان سب ہی کے لیے فلاح و بہبود کے ایسے ایسے کام کرتا تھا کہ ہندو اسے دیوتا اور مسلمان فرشتہ کہنے لگے تھے۔

قومی اور صوبائی الیکشن کے وقت وہ جن امیدوار کو ووٹ دیتا تھا۔ ہزاروں ہندو اور لاکھوں مسلمان بھی ووٹ دیتے تھے۔

بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں کے لیڈر اس کے درواز آ کر ہاتھ جوڑتے تھے لیکن وہ پچھلے دس برسوں سے ای سیاسی پارٹی کی حمایت کر رہا تھا اور اسی کے حق میں ووٹ تھا۔ مختصر یہ کہ وہ صرف جرائم کی دنیا کا ہی نہیں سیاست کا بھی بے تاج بادشاہ تھا۔ جس کی طرف جاتا تھا وہی پارٹی اس صوبے سے کامیابی حاصل کرتی تھی۔

نانا بھائی نے شہباز درانی سے معاملہ طے کرنے اپنے صوبے کے سیاسی لیڈر جگت نارائن سے ملاقات اس نے بڑی گرمجوشی سے نانا بھائی کا استقبال کرتے کہا۔ "آپ نے یہاں آنے کا کشٹ کیا۔ مجھے حکم دیتے چلا آتا۔"

نانا بھائی نے کہا۔ پیاسا ہی کنویں کے پاس آتا اس لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ نانا بھائی! آپ اور پیاسے نہیں مانتا پھر بھی میرے لیے بڑے فخر کی بات ہو گی اگر آپ کی پیاس بجھا سکوں۔ حکم کریں، کیا چاہتے ہیں؟"

نانا بھائی نے کہا۔ "اگلے الیکشن میں آپ کی پا ایک لیڈر کامیابی حاصل کرنے والا ہے۔ اس کا نام داموور ہے۔ اور آپ کی پارٹی آئندہ اسے کچھ منتری گی۔ کیا میری یہ معلومات درست ہے؟"

"آپ کی کیا بات ہے؟ آپ تو کسی کے بھی اندر اس کے بھید معلوم کر لیتے ہیں۔ ویسے یہ معلومات درست ہیں۔"

وہ بولا۔ "آپ کے اس پارٹی لیڈر پرکاش دا ایک بھائی ہے۔ اس کا نام آکاش داموور ہے۔ اس کے میری ایک چیز ہے۔ میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

جگت نارائن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بس، اتنی سی ہے۔ میں ابھی فون کرتا ہوں۔ آپ جو چیز چاہتے ابھی آپ کے چرنوں میں آ جائے گی۔"

نانا بھائی نے کہا۔ "وہ ایک عورت ہے۔"

جگت نارائن نے چونک کر پوچھا۔ "عورت؟"

"جی ہاں۔ وہ پاکستان سے آئی تھی۔ آکاش دا نے اسے قیدی بنا لیا ہے۔ اس عورت کا نام دردانہ ہے۔"

"نام کچھ بھی ہو، آپ نے حکم دیا ہے تو وہ ابھی حاضر ہو جائے گی۔ اگر وہ کہیں دور ہے تو ہم جلد سے جلد اسے یہاں لے آئیں گے۔"

"آکاش داموور ممبئی میں ہے اور وہ عورت بھی وہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ کل صبح تک میرے پاس پہنچ جائے۔ اگر کسی فلائٹ میں جگہ نہ ملے تو اس کے لیے طیارہ یا ہیلی کاپٹر چارٹرڈ کرایا جائے لیکن اسے ہر حال میں صبح میرے پاس پہنچنا چاہیے۔"

"میں آپ کی آگیا کا پالن کرنا اپنا دھرم سمجھتا ہوں۔ آپ گھر جائیں۔ کل صبح وہ عورت آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔"

نانا بھائی وہاں سے چلا آیا۔ جگت نارائن نے فوراً ہی راجدھانی میں پارٹی لیڈر سے رابطہ کیا۔ پھر اسے نانا بھائی کا مطالبہ سنایا۔ پارٹی لیڈر نے کہا۔ "یہ تو کوئی بڑا مطالبہ نہیں ہے۔ صبح تک مطلوبہ عورت اس کے پاس پہنچ جائے گی۔"

جگت نارائن نے کہا۔ "ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے لیڈر پرکاش داموور جی کے بھائی آکاش داموور انڈر ورلڈ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر آکاش نے کسی دردانہ نامی عورت کو قیدی بنا کر رکھا ہے تو اس کے پیچھے کوئی گہری بات ہو گی۔ اگر وہ عورت آکاش کے لیے اہم ہو گی تو کیا ہم اسے حاصل کر سکیں گے؟"

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

اس پارٹی لیڈر نے پرکاش داموور سے رابطہ کیا۔ اسے نانا بھائی کا مطالبہ سنایا پھر کہا۔ "آپ کے بھائی آکاش داموور جی اس عورت کو ہمارے حوالے کرنے سے انکار کر سکتے ہیں۔ ان کا کوئی پیچیدہ معاملہ ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ یہ یاد رکھیں کہ ہم صوبہ بہار کی بڑی اور اہم سیٹیں نانا بھائی کی مدد سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کے پیچھے لاکھوں ووٹرز ہیں۔ اگر ان کا مطالبہ پورا نہ ہوا تو وہ اپنے لاکھوں ووٹرز کے ساتھ دوسری پارٹی کی جھولی میں چلے جائیں گے۔"

پرکاش نے کہا۔ "آپ اطمینان رکھیں، میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ آکاش یہاں دہلی آیا ہوا ہے، میرے بنگلے میں ہی ہے۔ میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔"

وہ فون بند کر کے بیڈ روم سے ڈرائنگ روم میں آیا۔ آکاش وہاں اپنی بھابھی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ پرکاش نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہارے انڈر ورلڈ کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن آج کل تم نے کسی عورت کو قیدی بنا کر رکھا ہے۔ اس کا نام دردانہ ہے۔"

آکاش نے حیرانی سے پوچھا۔ "بھیا! آپ یہ کیسے جانتے ہیں؟"

"ہمارے آئندہ الیکشن سے اس عورت کا گہرا تعلق ہے۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ میرا ایک مہرہ آپ کے کام آئے گا لیکن آپ اس عورت کو اپنی راج نیتی میں کیسے استعمال کریں گے؟"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ بتاؤ...... وہ عورت کہاں ہے؟"

"میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ وہ میرے لیے بھی بہت اہم ہے۔ میں نے اسے اپنے پرائیویٹ بنگلے میں رکھا ہے۔ میرے مسلح گارڈز اس کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔"

پرکاش نے فون کے ذریعے اپنے پرسنل سیکرٹری سے کہا۔ "پٹنہ جانے والی فلائٹ میں دو سیٹیں ابھی کنفرم کراؤ۔ ہمارے بھروسے کا کوئی آدمی دردانہ نامی عورت کو یہاں سے پٹنہ لے جائے گا اور اسے نانا بھائی کے پاس پہنچائے گا۔"

اس نے فون بند کیا۔ آکاش نے چونک کر پوچھا۔ "آپ دردانہ کو نانا بھائی کے پاس کیوں بھیج رہے ہیں؟"

"وہ اس عورت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ تم تو جانتے ہو۔ صوبہ بہار کی سیٹیں ہم اسی کی مدد سے جیتتے آئے ہیں۔ اگلے الیکشن میں بھی اس کے لاکھوں ووٹرز ہمیں ہی ووٹ دیں گے۔ دیکھا جائے تو وہ ہمیں راج سنگھاسن پر بٹھاتا ہے۔ اس لیے ہم اس کے چھوٹے بڑے مطالبات پورے کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ تو بہت ہی معمولی سا مطالبہ ہے۔"

آکاش نے کہا۔ "آپ کے لیے معمولی ہو گا۔ آپ نہیں جانتے ہیں۔ میری نیلماں اس شخص کے قبضے میں ہے جو دردانہ کا عاشق ہے۔ وہ دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے میری نیلماں کو میرے پاس پہنچائے گا تو میں اس کی دردانہ کو اس کے پاس پہنچاؤں گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے کہنے لگا۔ "مجھے ایسا لگتا ہے، اس شخص نے میری نیلماں کو مار ڈالا ہے اس کے بدلے اپنی دردانہ کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ اس لیے نانا بھائی کے ذریعے اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

پرکاش نے کہا۔ "اگر نانا بھائی اس آدمی کی مدد کر رہا ہے اس کے لیے دردانہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو کرنے دو۔ اگر نیلماں مر چکی ہے تو اسے بھول جاؤ۔ راج نیتی میں بڑی بڑی

قربانیاں دی جاتی ہیں۔

''راج نیتی کا شوق آپ کو ہے، مجھے نہیں ہے، میں دردانہ کو نانا بھائی کے پاس نہیں جانے دوں گا۔ آپ ان سے میری بات تو کرائیں میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ معاملہ کیا ہے؟''

پرکاش نے بہار کے سیاسی جگت نارائن سے رابطہ کیا پھر اس کے ذریعے نانا بھائی سے اپنے بھائی آکاش کے درمیان رابطہ کرایا۔ آکاش نے کہا۔ ''مسٹر نانا بھائی! آپ کا ہر مطالبہ ہمارے سیاسی لیڈر پورا کرتے آئے ہیں۔ اس بار آپ اس عورت کا مطالبہ کیوں کر رہے ہیں جو میری کسٹڈی میں ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے لیے کیوں ضروری ہے؟''

نانا بھائی نے کہا۔ ''میرے ذاتی معاملات بہت اہم ہوتے ہیں اور اسے میں دوسروں تک پہنچنے نہیں دیتا۔ بس ایک بات جانتا ہوں مجھے دردانہ کی ضرورت ہے اور اسے صبح تک میرے پاس پہنچ جانا چاہیے۔ میں اس سے آگے کوئی بات نہیں کروں گا۔ کوئی بحث نہیں کروں گا سوسوری۔''

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ آکاش نے جھنجلا کر اپنے بھائی کو دیکھا پھر بولا۔ ''بھیا! میں دردانہ کو اس کے حوالے نہیں کروں گا وہ میرے قبضے سے نکلے گی تو میں اس کے عاشق سے نیلماں کا انتقام نہیں لے سکوں گا۔''

''انتقام کو بھول جاؤ، تم سیاسی کامیابیوں کو پیش نظر رکھو۔ جب ہم اقتدار میں ہوتے ہیں تو تمہارے لیے بھی کتنے فائدہ مند ہوتے ہے۔ انٹیلی جنس والے جانتے ہیں کہ تمہارا تعلق جرائم کی دنیا سے ہے لیکن وہ تمہیں گرفتار نہیں کرتے بلکہ جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔''

''بھیا! جب آپ اقتدار میں نہیں تھے۔ آپ کی حکومت نہیں تھی تب بھی میں ان پولیس اور انٹیلی جنس والوں کو تگنی کا ناچ نچایا کرتا تھا۔ میں آپ کی سیاست کا محتاج نہیں ہوں۔ آخری بات کہتا ہوں، دردانہ نانا بھائی کے حوالے نہیں کی جائے گی۔ اس کے بعد آپ کوئی بحث نہ کریں۔''

پرکاش دامودر بڑی گہری نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی باتیں سن رہا تھا پھر وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب آیا۔ اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے بولا۔ ''ارے تو اتنا گرم کیوں ہوتا ہے؟ تجھے یہ منظور نہیں ہے تو کوئی بات نہیں۔ دردانہ تیرے ہی پاس رہے گی۔ جا تو اپنی بھابھی کے ساتھ ہنستا بولتا اچھا لگتا ہے۔''

پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ ''رکمنی! اپنے دیور کا خیال رکھ، اس کا دماغ گرم ہو رہا ہے کوئی ٹھنڈی چیز پلا دے۔''

وہ وہاں سے چلتا ہوا اپنے بیڈروم میں آیا۔ سوچتی ہوئی نظروں سے دور دروازے کے باہر دیکھا، پھر اس نے دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد موبائل فون پر کسی کے نمبر پنچ کیے۔ رابطہ ہونے پر کہا۔ ''میں پرکاش دامودر بول رہا ہوں۔ تم ہمارا پرائیویٹ بنگلا جانتے ہو؟''

دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''یس سر! جانتا ہوں۔''

''تو ابھی مسلح سپاہیوں کو لے کر وہاں جاؤ۔ اس بنگلے کو چاروں طرف سے گھیر لو۔ سیکورٹی گارڈز کو اپنے قابو میں کرو۔ وہاں ایک دردانہ نامی عورت ہے۔ اسے وہاں سے لے جاؤ اور میرے اگلے حکم کا انتظار کرو۔''

اس نے فون بند کیا، پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد پرسنل سیکرٹری سے رابطہ کر کے پوچھا۔ ''کیا سیٹیں کنفرم ہو گئیں؟''

''جی ہاں۔ کنفرم ہو چکی ہیں۔''

''یہ بات میرے بھائی آکاش کو معلوم نہ ہو۔ اس سے یہ بات چھپائی جائے کہ دردانہ کو یہاں سے پٹنہ روانہ کیا جا رہا ہے۔''

''یس سر! یہ بات راز میں رہے گی۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ سیاست میں یہی ہوتا ہے بھائی بھائی کو اور باپ بیٹے کو دھوکا دیتا ہے، جھوٹ بولتا ہے۔ پرکاش بھی اپنے بھائی آکاش کے ساتھ یہی کر رہا تھا۔

☆☆☆

صبح پانچ بجے شہباز کی آنکھ لگی تھی۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ تین گھنٹے بعد ہی صبح آٹھ بجے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اسے ایسا لگا، جیسے اس پر فائرنگ کی جا رہی ہو۔ آنکھیں کھلنے کے بعد پتا چلا کہ فائرنگ کی آواز نہیں تھی اس کے فون کا بزر بول رہا تھا۔

اس نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے غصے سے فون کی طرف دیکھا۔ اسے اٹھا کر نمبر پڑھے۔ پھر آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو۔ نانا بھائی! میں بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے نانا بھائی نے کہا۔ ''میں نے کہا تھا، آج بارہ بجے تک تمہیں خوشخبری سناؤں گا۔ اب مقررہ وقت سے چار گھنٹے پہلے تمہیں خوشخبری بھی سنا رہا ہوں اور تمہاری دردانہ کی آواز بھی سنا رہا ہوں۔ لو، بات کرو......''

چند سیکنڈ کے بعد ہی اسے دردانہ کی آواز سنائی دی۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے فوراً ہی پوچھا۔ ''کیا تم آکاش کے چنگل سے نکل آئی ہو؟''

وہ بولی۔ ''ہاں...... خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ یہاں نانا بھائی کی پناہ میں ہوں۔ یہ بہت مہربان ہیں، بہت ہی نفیس انسان ہیں۔ تم نے ان سے جو معاملہ طے کیا ہے، پہلے اس کے بارے میں باتیں کر لو پھر میں تم سے بات کروں گی۔''

تھوڑی دیر بعد نانا بھائی کی آواز سنائی دی۔ ''میں ابھی اپنی ایکس وائف بی پاشا کو تمہارے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم کہاں ہوں اور بچہ کہاں ہے؟''

''میں یہ ایک ایڈریس اور فون نمبر بتا رہا ہوں۔ نوٹ کرو اور اپنی ایکس وائف کو وہاں بھیج دو۔ بچے کو ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔''

اس نے ایڈریس اور فون نمبر نوٹ کرایا۔ نانا بھائی نے فون دردانہ کو دے دیا۔ وہ خوش ہو کر شہباز سے باتیں کرنے لگی۔ وہ اسے اپنے موجودہ بدترین حالات کے بارے میں بتا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ بھی انڈیا آنا چاہتا ہے۔ آج شام تک کوئی حتمی فیصلہ کرے گا۔ اگر وہاں نہ آ سکا تو اس کے ساتھ مڈل ایسٹ کے کسی ملک میں جا کر اس کے ساتھ زندگی گزارے گا۔

وہ دونوں تقریباً ایک گھنٹے تک فون پر باتیں کرتے رہے پھر نانا بھائی کی آواز سنائی دی۔ ''مسٹر شہباز! یہ کیا مذاق ہے؟ بی پاشا تمہارے بتائے ہوئے پتے پر پہنچی ہوئی ہے، وہاں اس نے اس بچے کو دیکھا ہے۔ وہ ہمارا مطلوبہ بچہ نہیں ہے۔''

شہباز نے حیرانی سے کہا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم نے مجھے بتایا تھا کہ وہاں ایس پی ذیشان کی بہن عینی کے پاس جو بچہ ہے، اس کا نام اشعر ہے اور میرے آدمیوں نے اسی اشعر کو اغوا کیا ہے جسٹ اے منٹ۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔ پہلے اپنے آدمیوں سے معلوم کرتا ہوں کہ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے؟''

اس نے فون بند کیا پھر اپنے ان ماتحتوں سے رابطہ کیا جو بچے کو اپنی کسٹڈی میں رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ''باس! یہ خاتون کہہ رہی ہیں کہ یہ ان کا مطلوبہ بچہ نہیں ہے۔''

شہباز نے پوچھا۔ ''کیا تم نے اس بچے کو عینی کے ساتھ دیکھا تھا؟''

''جی ہاں۔ میں نے پلے لینڈ میں اسی بچے کو عینی کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس کی گود میں ایک چھوٹی بچی بھی تھی اور یہ بچہ عینی کی انگلی تھامے ہوئے تھا۔''

وہ جھنجلا کر بولا۔ ''تو اسے وہی مطلوبہ بچہ ہونا چاہیے۔ کیا اس کا نام اشعر نہیں ہے؟''

''ہم نے ایک آدھ بار اس کا نام پوچھا تھا۔ لیکن یہ روتا رہا تھا اور اپنی ماں کے پاس جانے کے لیے مچلتا رہا تھا پھر ہم نے اسے نیند کی دوا پلا دی تھی۔ تب سے یہ سوتا رہا تھا۔''

شہباز نے اس سے رابطہ ختم کیا پھر نانا بھائی سے رابطہ کرنے کے بعد کہا۔ ''اس بچے کو اغوا کرنے کے سلسلے میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔ پتا نہیں میرے آدمی کس بچے کو اٹھا کر لے آئے ہیں؟ حالانکہ غلطی ان کی بھی نہیں ہے۔ انہوں نے اس بچے کو عینی کے ساتھ دیکھا تھا۔ اور اسے اشعر سمجھ لیا تھا۔''

نانا بھائی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''گڑبڑ کچھ بھی ہوئی ہو، میرے مطالبے کے مطابق میری ایکس وائف کے پاس اشعر کو پہنچنا چاہیے تھا اور وہ نہیں پہنچا ہے۔ تم بھی اصول پسند ہو۔ میں بھی اصول پسند ہوں۔ ہمارے درمیان کھرا لین دین ہونا چاہیے۔ اگر وہ بچہ بی پاشا کے پاس نہ پہنچا تو تمہاری دردانہ بھی تمہارے پاس نہیں پہنچے گی۔''

شہباز درانی کے ہوش اڑ گئے۔ وہ کامیاب ہوتے ہوتے ناکام ہو رہا تھا۔ دردانہ آکاش دامودر کے چنگل سے نکل کر نانا بھائی کے شکنجے میں آ گئی تھی، ایک بار پھر آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئی تھی۔ وہ تقدیر کے جال میں الجھتا جا رہا تھا۔

پلے لینڈ سے دو بچے اغوا کیے گئے تھے۔ اس اجنبی بچے کے علاوہ اشعر کو بھی کوئی اٹھا کر لے گیا تھا۔

کون لے گیا تھا؟ اس سوال کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے۔ مقدر ہی کسی کو کہیں سے کہیں لے جاتا ہے۔

آخر میں کیا ہوں؟
میں اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں، مقدر ہوں
ایک بازی گر ہوں

ہر مرد کی کامیابی کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے، لیکن شہباز کے ساتھ بڑی زیادتی ہو رہی تھی۔ اس کے پیچھے جس عورت کا ہاتھ تھا وہ اسے مسلسل ناکامیوں اور نامرادیوں کی طرف گھسیٹ رہا تھا۔

کہتے ہیں، عقل آتی ہے انسان کو ٹھوکریں کھانے کے بعد......

مگر وہ عجیب دیوانہ تھا۔ اپنی جانِ حیات کو حاصل کرنے کے لیے نہ جانے کیسی کیسی ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ سنبھل رہا تھا لیکن ٹھوکروں بھرے راستے سے بچاؤ کا راستہ نہیں نکال پا رہا تھا۔

سچ ہے، یہ عورت جنت سے لے کر آخرت تک جب تک دنیا قائم ہے اپنے پیچھے دوڑاتی رہی تھی، رہی ہے اور رہے گی۔ وہ بھی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور اندھا دھند دوڑ رہا تھا۔"

اندھا دھند دوڑنے کا انجام یہی ہوتا ہے۔ جو شہباز درانی کا ہو رہا تھا۔ وہ ہاتھ آتے آتے پھسل رہی تھی، ہاتھ سے نکل رہی تھی۔ شہباز کے آسمان سے گر کر آکاش دامودر کے کھجور میں اٹک گئی تھی اور اب وہاں سے لڑھک کر نانا بھائی کی دلدل میں دھنس رہی تھی۔

شہباز نے اپنی دردانہ تک پہنچنے اور اسے حاصل کرنے کے لیے نانا بھائی کو وسیلہ بنایا تھا۔ وہ راہِ نجات بن سکتا تھا، لیکن قدرت کو منظور نہیں تھا، چونکہ قدرت کو منظور نہیں تھا لہٰذا مجھے بھی منظور نہیں تھا۔ لکیروں کا مزاج بدل گیا تھا اور مجھے ان کے مطابق ہی چلنا تھا۔ اس لیے میں نے فوراً ہی بازی پلٹ دی تھی۔

"تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا......"

وہ دردانہ کے عشق میں ناچ نہیں رہا تھا لیکن اس وقت اپنی خفیہ پناہ گاہ میں اِدھر سے اُدھر ایسے ٹہل رہا تھا، جیسے تھیا تھیا کر رہا ہو۔ کچھ دیر پہلے وہ اپنی جانِ حیات کی آواز سن رہا تھا۔ بڑی رومانی گفتگو ہو رہی تھی، ایک دوسرے سے ملنے اور گلے لگنے کے دن آ رہے تھے۔ ایسے ہی وقت وہ ہو گیا، جو اس کی زندگی میں نہیں ہونا تھا، لیکن مقدر سے ہونا ہی ہونا تھا۔

نانا بھائی نے یہ انکشاف کر کے اس کے ہوش اڑا دیے تھے کہ وہ اس کا مطلوبہ بچہ نہیں ہے۔ کوئی اور ہے اگر اشعر اس کی ایکس وائف بی باشا کے پاس نہ پہنچا تو اس کی دردانہ بھی اس کے پاس نہیں پہنچے گی۔

وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ ہاتھ پاؤں ایسے ڈھیلے پڑ گئے جیسے جسم سے جان نکل گئی ہو۔ وہ پہلے کی طرح وسیع ذرائع اور بے شمار اختیارات کا مالک نہیں رہا تھا۔ جس مکان میں چھپا ہوا تھا وہاں سے سوچے سمجھے بغیر فوراً باہر نکل کر اصل بچے کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا۔ بڑی مجبوری تھی۔

صرف تین آلہ کار رہ گئے تھے، جنہوں نے غلط بچے کو اغوا کیا تھا۔ وہ انہی سے کام لے سکتا تھا۔ اس نے فوراً ہی انہیں عینی کی کوٹھی کی طرف جانے اور بچے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا حکم دیا۔ کچھ دیر بعد ہی یہ چونکانے والی خبر ملی کہ وہ اشعر نامی بچہ واقعی اغوا ہوا ہے۔ ایک آلۂ کار نے شہباز کو فون پر اطلاع دی۔ "سر! اس کوٹھی کے تمام لوگ پریشان ہیں۔ اغوا ہونے والے بچے کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔"

اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر بچہ اغوا کیا گیا ہے تو اسے ہمارے پاس ہونا چاہیے۔ اور وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہاں اس کوٹھی میں بھی نہیں۔ پھر کہاں ہے؟ اسے کون لے گیا ہے؟"

وہ سوچ رہا تھا، پریشان ہو رہا تھا، بچے کے اغوا اور دردانہ کی واپسی کا منصوبہ بڑی رازداری سے بنایا گیا تھا۔ کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی پھر وہ کون تھا جو بچے کو چھین کر اس سے دشمنی کر رہا تھا؟ وہ اپنی میموری کو کھنگالنے لگا، ذہن پر زور ڈالنے لگا لیکن موجودہ حالات میں اسے میرے سوا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا، دیوار پر ایک زوردار مکا مارتے ہوئے بڑبڑایا۔ "کیا مصیبت ہے، جو تدبیر کر رہا ہوں الٹی ہو رہی ہے۔ میری دردانہ مجھ سے دور کیا گئی، میرا تو مقدر پھوٹ گیا ہے۔"

وہ سوچتے سوچتے ناگواری سے زیرِ لب بڑبڑایا۔ "مقدر......!"

اسے میری باتیں یاد آنے لگیں۔ میں نے کہا تھا، اگر وہ میرے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا تو میں اس کے ساتھ رہوں گا، اس سے تعاون کروں گا، آنے والے اچھے برے حالات سے آگاہ کرتا رہوں گا۔ لیکن شرط یہی ہے کہ وہ ذیشان کے مقدمے کو کمزور بنا دے۔ میری یہ شرط سن کر وہ بپھر گیا تھا۔ میں نے یہ کہہ کر رابطہ ختم کر دیا تھا کہ حالات اسے مجبور کر دیں گے، وہ چاہنے کے باوجود ذیشان کے خلاف کچھ نہیں کر سکے گا۔

اور اب وہ دیکھ رہا تھا، اپنے حالات پر غور کر رہا تھا۔ حالات کا دھارا اسے ذیشان کی مخالف سمت بہائے لیے جا رہا تھا۔ دردانہ کے جھمیلے سے نجات نہیں مل رہی تھی، دوسری طرف امریکی سی آئی اے والوں سے چھپ کر رہنا بہت ضروری تھا۔ ایسے میں ذیشان کے خلاف محاذ آرائی مشکل ہو رہی تھی۔

وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر موبائل فون پر نمبر پنچ کرنے لگا۔

میں اس وقت ہائی وے سے گزر رہا تھا۔ زبیری بیان دینے کے لیے پر راضی ہو گیا تھا۔ میں جیل میں ملاقات کرنے کے بعد اس کے بیوی بچوں کو اس کی خیریت بتانے کے لیے حیدرآباد گیا تھا۔ ذیشان کا معاملہ کافی حد تک سلجھتا دکھائی دے رہا تھا اور اب میں اسے یہ خبر سنانے کے لیے گھر کا رخ کر رہا تھا۔ ایسے ہی وقت موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ میں نے فون اٹھا کر نمبر پڑھے۔ شہباز کال کر رہا تھا۔

میں نے زیرِ لب مسکرا کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھا پھر اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے......؟ یا حیرت! مجھ سے دور بھاگنے والا، میری کال پر جھنجلانے والا آج مجھے مخاطب کر رہا ہے؟"

اس نے ناگواری سے دل میں کہا۔ "وقت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بنا لیا جاتا ہے۔"

پھر وہ بولا۔ "جب ہماری لکیریں ایک ہیں، مقدر ایک ہے، تم جب چاہتے ہو مجھ سے رابطہ کر لیتے ہو تو پھر میں کیوں نہیں کر سکتا؟"

میں نے کار کی رفتار سست کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "کیوں نہیں؟ لیکن رابطے کے انداز میں فرق ہوتا ہے۔ میں کسی کے کاندھے پر بندوق رکھ کر گولی نہیں چلاتا۔ اپنے مسائل اپنی ذہانت سے حل کرتا ہوں۔ جبکہ تمہاری فطرت ہے ہر مشکل وقت میں اپنے ناخداؤں کو یاد کرتے ہو۔"

وہ ذرا چپ رہا پھر بولا۔ "مجھ سے دوستی کرو گے؟"

"تو ہمارے درمیان دشمنی کب تھی؟"

"دشمنی نہیں ہے، غلط فہمیاں ہیں۔ جنہیں دور کر کے ہم ایک دوسرے کے کام آ سکتے ہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہر طرف سے سہمے بیٹھے ہو، بھلا تم کیا میرے کام آؤ گے؟ صاف کیوں نہیں کہتے، میرا تعاون چاہتے ہو۔"

"مردہ ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ فی الحال میں صاحبِ اقتدار نہیں ہوں، میرے تخت کا تختہ ہو گیا ہے لیکن روپوش رہ کر بھی میں تمہارے کام آ سکتا ہوں۔"

میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "اچھا......؟ وہ کیسے؟"

"ذیشان کے معاملے کو نہ بھولو۔ میرا تعاون اس کے مقدمے کو کمزور بنا سکتا ہے۔"

"اور اس کے صلے میں کیا چاہو گے؟"

"تمہارا ساتھ...... تم نے کہا تھا، جس طرح تم نے اپنے ایک دشمن کو معاف کیا ہے، اسی طرح میں بھی ذیشان کو معاف کر دوں، اس کا کیس کمزور بنا دوں تو تم میرے ساتھ رہو گے۔ اور مجھے آئندہ پیش آنے والے اچھے برے حالات سے آگاہ کرتے رہو گے۔ جب ہم ایک جیسے حالات سے گزرتے رہتے ہیں تو ہمیں ایک ہو جانا چاہیے۔"

حالات نے اسے مجبور اور بے بس بنا دیا تھا۔ وہ اپنی فطرت کے خلاف جھک رہا تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا ساتھ اسے کہاں کہاں اور کن کن حالات میں بھرپور فائدہ پہنچا سکتا تھا۔

اس نے کہا۔ "میں اپنے برے حالات سے عارضی طور پر مات کھا رہا ہوں۔ ہمیشہ شکست خوردہ رہنے کا عادی ہوں۔ زیادہ عرصے تک کمزور بن کر نہیں رہوں گا۔ راستے نکال رہا ہوں، جلد ہی اپنی کھوئی ہوئی طاقت حاصل کر لوں گا۔ مسٹر مقدر! ہمارا ساتھ ہم دونوں کو ناقابلِ شکست بنا سکتا ہے۔"

میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "مسٹر شہباز! مقدر ہمیشہ کسی کے ساتھ نہیں رہتا۔ کبھی ساتھ دیتا ہے۔ کبھی اچانک ہی ہاتھ چھڑا لیتا ہے۔ جب میں تمہارا ساتھ دینا چاہتا تھا، تب تم نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ وہ وقت گزر چکا ہے۔ لکیروں کا مزاج بدل گیا ہے۔ لہٰذا اب انتظار کرو، ہمارے مقدر میں ایک ہونا ہو گا تو ہم قدرتی حالات کے مطابق ہی ایک ہوں گے۔"

وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ تقدیر کبھی ہم دونوں کو ایک کرے گی؟"

"فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا......

البتہ میری ایک لکیر کہہ رہی ہے کہ میں بہت جلد کسی ایسے شخص سے ملاقات کروں گا جو مجھے حوصلہ دے گا اور پہلے کی طرح میرے ذرائع اور اختیارات میں اضافہ کرے گا۔

اس نے فوراً ہی پوچھا۔ "تم کسی شخص سے ملنے والے ہو تو اس کا مطلب ہے، میں بھی کسی سے ملنے والا ہوں؟ میرے بھی ذرائع اور اختیارات میں اضافہ ہونے والا ہے؟"

"ہاں......" میں مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو گیا۔

وہ خوش ہوکر ہواؤں میں اڑنے لگا۔ میں نے کہا۔ ”لیکن ایک قباحت ہے۔“

”کیسی قباحت......؟“

میں نے خواہ مخواہ اسے الجھانے کے لیے کہا۔ ”یہی کہ وہ شخص یا وہ وسیلہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو ملے گا۔ یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ کسے ملے گا؟“

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ سپر پاور کے قہر سے بچ کر جہاں جانا چاہتا تھا۔ میں نے وہاں جانے سے پہلے ہی اسے الجھا دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کسی خفیہ تنظیم سے رابطہ کر رہا ہے اور بہت جلد اس کی پناہ میں جانے والا ہے۔ اس طرح اسے کھوئی ہوئی قوت حاصل ہونے والی ہے۔

وہ دردانہ کے معاملے میں مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کب تک اس سے دور رہے گی؟ اس نے بات گھما کر پوچھا۔ ”تمہاری محبوبہ کا کیا بنا؟“

اس کی بات سنتے ہی مجھے نمرہ یاد آنے لگی۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ”وہ میرے پاس آتے آتے رک گئی ہے۔ یہ رکاوٹیں وقتی ہیں، آخر اسے میرے ہی پاس آنا ہے۔“

میری اس بات سے اسے حوصلہ ملا۔ میں نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ ”لیکن تمہاری والی نہ جانے کب تک آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکی رہے گی؟“

اس نے پریشان ہوکر پوچھا۔ ”یہ کیا بات ہوئی؟ جب تمہاری محبوبہ تمہیں مل جائے گی تو لامحالہ میری دردانہ بھی مجھے ملے گی۔ تم مجھے الجھا کیوں رہے ہو؟“

”میں نہیں الجھا رہا ہوں، تمہاری تدبیریں تمہیں الجھا رہی ہیں۔ تم دوسروں پر تکیہ کرتے ہو اور میں ہاتھ کی لکیروں پر چلتا ہوں اور لکیریں کہہ رہی ہیں کہ ہماری محبوبائیں ملیں گی، مگر دیر سے......“

یہ ذرا اطمینان ہوا کہ دردانہ ملے گی، مگر یہ پریشانی تھی کہ کب ملے گی؟ میں نے کہا۔ ”یہ لکیریں بڑی ظالم ہوتی ہیں۔ اپنی ہی ڈگر پر چلاتی ہیں۔ میں ان کے مطابق ہی پیش گوئیاں کرتا ہوں۔ یہ کہہ رہی ہیں کہ ہمیں مشرق کی طرف سفر نہیں کرنا چاہیے۔

”یعنی تم مجھے انڈیا جانے سے روک رہے ہو؟“

”میں بھلا روکنے والا کون ہوتا ہوں؟ صرف اتنا سمجھا رہا ہوں کہ مقدر کے اور دریا کے بہاؤ کے خلاف تیرنا نہیں چاہیے۔ آگے تمہاری مرضی......“

اس نے کہا۔ ”تم کبھی الجھاتے ہو، کبھی راستہ بتانے والے رہبر بن جاتے ہو۔ کیا اپنے خاندان والوں کے ساتھ بھی یہی رویہ رکھتے ہو؟ سنا ہے تمہارے گھر سے ایک بچہ اغوا کرلیا گیا ہے؟ کیا اس کے سلسلے میں بھی اسی طرح اٹکھیلیاں کر رہے ہو؟“

”تم پوچھنا کیا چاہتے ہو؟“

”تمہیں تو وقت سے پہلے خبر ہو جاتی ہے۔ مشرق کی طرف ہمارے لیے خطرہ ہے۔ تم وقت سے پہلے مجھے باخبر کر رہے ہو تو پھر اس بچے کو اغوا ہونے سے کیوں نہ بچا سکے؟ کیا اس کے معاملے میں تمہارے علم نے ساتھ چھوڑ دیا تھا؟“

”ہونی ہوکر رہتی ہے۔ اس کے مقدر میں اغوا ہونا لکھا تھا، سو لکھا ہوا پورا ہو گیا۔ میں کسی کو مشورے دیتا ہوں، کسی کو نہیں دیتا، جیسا کہ میں نے اپنے گھر والوں کے سامنے بچے کے سلسلے میں نہ پیش گوئی کی نہ ہی انہیں کوئی مشورہ دیا۔ کیونکہ ہونی کو ہونا تھا اس لیے اشعر کہیں گم ہو گیا۔“

”تم بہت کچھ جانتے ہو۔ یہ بھی جانتے ہو۔۔۔کہ وہ کہاں گم ہوا ہے۔ گھر والوں سے یہ بات چھپا رہے ہو۔ پلیز مجھ سے نہ چھپاؤ۔ مجھے بتا دو، وہ کہاں ہے؟“

”سوری، مجھے معلوم ہوتا تو اسے ابھی گھر لے آتا۔“

وہ کسی بھی طرح اشعر کو حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ میری خوشامدیں کرنے لگا۔ میں یہی سمجھاتا رہا کہ ہاتھ کی لکیریں جاسوسی نہیں کرتیں۔ گمشدہ چیزوں کا سراغ نہیں لگاتیں۔ میں اس معصوم بچے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

وہ مایوس ہوکر بولا۔ ”تم بہت گہرے ہو۔ باتیں بناتے رہو گے، مگر سچ نہیں بولو گے۔“

”تمہیں اس بچے کی اتنی فکر کیوں ہے؟ میں سچ بولوں جھوٹ تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟“

وہ مجھ سے سچ نہیں بول سکتا تھا کہ دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے اشعر کا حصول کتنا ضروری ہے؟ وہ میرے سامنے بے بس تھا۔ مجھے دھن دولت کا لالچ نہیں دے سکتا تھا۔ شہ زوری کر، میری گردن دبوچ کر اشعر کے سائے تک بھی نہیں سکتا تھا۔

اس کے دماغ میں میری یہ پیش گوئی گردش کر رہی تھی کہ کوئی فائدہ پہنچانے والا شخص ہماری زندگی میں آنے والا ہے۔ لیکن ہم میں سے کوئی ایک اس وسیلے تک پہنچ سکے گا اور وہ کون ہوگا؟ یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

وہ خاموش تھا۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے

کہا۔ ”سوری مسٹر شہباز! ایک اہم کال آنے والی ہے۔ میں اپنے فون کو زیادہ دیر تک انگیج نہیں رکھ سکتا۔ تم بھی نہ رکھو۔ کیونکہ جب کوئی مجھ سے رابطہ کرنے والا ہے تو تم سے بھی کوئی رابطہ کرنے کے لیے بے چین ہوگا۔“

میں نے اتنا کہا پھر کال ڈسکنیکٹ کردی۔ وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا، غور کرتا رہا کہ وہ کون ہے جو ابھی اسے کال کرنے والا ہے؟ یہ تجسس زیادہ دیر تک قائم نہ رہا۔ موبائل کا بزر بولنے لگا فون کی ننھی سی اسکرین پر جونیئر آفیسر جوزف مارٹن کے نمبر دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے پریشان ہوکر سوچا۔ ”او گاڈ! دردانہ کے معاملے میں الجھ کر مجھے اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ اگر ذرا بھی یاد رہتا تو میں اپنا فون کچھ دیر کے لیے آف کر دیتا۔ عارضی طور پر سہی یہ بلا ٹل تو جاتی۔“

اس نے مجبوراً فون کو آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”ہیلو......!“

دوسری طرف سے جوزف نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ”میں یہاں تمہاری کوٹھی میں پہنچا ہوا ہوں۔ آج ہماری ملاقات ڈن تھی۔ لیکن یہاں آکر پتا چل رہا ہے کہ تم نہ جانے کہاں روپوش ہو گئے ہو؟ سیکورٹی گارڈز بھی لاعلمی ظاہر کر رہے ہیں۔ تمہاری پرسنل سیکریٹری تہمینہ سے رابطہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تمہاری ملازمت چھوڑ چکی ہے۔ آخر یہ سب کیا معاملہ ہے؟ تم ہم سے منہ کیوں چھپا رہے ہو؟“

”میں آپ لوگوں سے منہ نہیں چھپا رہا ہوں۔ حالات نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ میرا ایک جانی دشمن ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ اتنا زبردست ہے کہ میری کوٹھی میں گھس کر مجھے بے دست و پا بنا سکتا ہے۔“

”سیدھی سی بات کرو۔ مجھے وہ دشمن سمجھ رہے ہو۔ کیونکہ مطلوبہ دستاویزات نہ ملیں تو میں پلک جھپکتے ہی تمہیں بے دست و پا بنا سکتا ہوں۔“

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ ”مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تم کن حالات سے گزر رہے ہو؟ ہیڈ کوارٹر سے جو مطالبہ کیا جا رہا ہے، اسے پورا کرو۔ میں تنہا نہیں ہوں۔ ہمارے اور تین ایجنٹس بھی تمہاری اس کوٹھی میں ہیں۔ ہم نے یہاں آتے ہی تمہارے پرائیویٹ چیمبر کی تلاشی لی ہے۔ ہماری مطلوبہ دستاویزات یہاں نہیں ہیں۔“

شہباز نے کہا۔ ”میں ان کی اہمیت سمجھتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ کسی کے ہاتھ لگیں۔ لہذا میں انہیں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔“

”تو پھر بتاؤ، تم کہاں ہو؟ جہاں بھی ہو، ہم وہاں آکر وہ تمام چیزیں وصول کرلیں گے۔“

”میں کہہ چکا ہوں، میرا دشمن بہت زبردست ہے۔ وہ تمہارے پیچھے یہاں تک آسکتا ہے۔ سوری ٹو سے! میرا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئے گا تو میں اسے یہاں کا پتا نہیں بتاؤں گا۔“

”کیسے بتاؤ گے؟ جبکہ وہ تمام ڈاکومنٹس تمہارے پاس ہیں ہی نہیں۔ اب ہم تمہاری بہانے بازیوں میں وقت ضائع نہیں کریں گے۔ فار یور کائنڈ انفارمیشن! وہ تمام دستاویزات بہت پہلے ہی ہمارے پاس پہنچ چکی ہیں۔“

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”جو کبھی نہیں ہو سکتا، وہ ہماری سی آئی اے کے ایک اشارے پر ہو جاتا ہے۔ تہمینہ بظاہر تمہاری پرسنل سیکریٹری تھی لیکن درحقیقت ہمارے ادارے کی تربیت یافتہ ایجنٹ ہے۔ اس نے ہمارے حکم سے وہ تمام ڈاکومنٹس چرائی تھیں۔“

”اس کا مطلب ہے، تم لوگوں نے میرے ہی گھر میں چوری کروائی اور اس کی بازیابی کے سلسلے میں مجھے ہی پریشان کر رہے ہو؟“

”تہمینہ تمہارے خلاف بہت عرصے سے یہ رپورٹ دے رہی تھی کہ تم ایک عورت دردانہ کی خاطر اپنے اہم فرائض کو پس پشت ڈال رہے ہو۔ تمہاری غفلت کے باعث اس ملک کے ایک بہت بڑے سیاستدان جان محمد گبول کی چرائی ہوئی اہم دستاویزات تمہارے ہاتھوں سے نکل گئیں۔“

پھر وہ دانت پیس کر بولا۔ ”یو بلڈی فول! ہم ان اہم دستاویزات کے ذریعے جان محمد گبول کو بلیک میل کر سکتے تھے۔ آئندہ الیکشن میں وہ ہمارے لیے ایک اہم مہرہ ثابت ہوتا۔ ہم وسیع ذرائع رکھنے کے باوجود اب تک یہ معلوم نہیں کر پائے کہ وہ دستاویزات کس کے ہاتھ لگ گئی ہیں؟ جان محمد گبول اب ہم سے نہیں، کسی دوسرے سے بلیک میل ہو رہا ہے۔“

اس کے لہجے میں بڑی ناگواری تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”تم کبھی بڑے کام کے آدمی تھے۔ لیکن عشق نے تم کو نکما کر دیا۔ تمہیں بار بار وارننگ دی گئی کہ صرف ہمارے سیاسی مقاصد کے لیے کام کرتے رہو لیکن تم نے اس عورت کے عشق میں ایک نہایت ہی اہم دستاویزات سے ہمیں محروم کر دیا...اور اب بھی اسی عورت کی خاطر یہاں کے ایک ایس پی ذیشان سے مقدمہ بازی میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ اور اس گمشدہ

عورت کو حاصل کرنے کے لیے در بدر ہو رہے ہو۔"

شہباز اس کی باتیں سن رہا تھا اور دل ہی دل میں یہ اعتراف کر رہا تھا کہ دردانہ کا عشق اسے اپنے اہم فرائض سے غافل بناتا رہا ہے۔ وہ اس قدر بے پروا ہو گیا تھا کہ اپنے ہی سی آئی اے والوں کو اپنے خلاف ہوتے نہ دیکھ سکا۔ نہ سمجھ سکا۔

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "میں مانتا ہوں، اپنے فرائض کی ادائیگی میں مسلسل کوتاہی کرتا رہا۔ بہر حال وہ تمام مطلوبہ ڈاکومنٹس تمہارے پاس پہنچی ہوئی ہیں۔ اب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تمہاری حاضری۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر ہیڈ کوارٹر میں حاضر ہو جاؤ۔"

"میں نے جان محمد گبول کے معاملے میں بہت بڑا سیاسی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ اچھی طرح جانتا ہوں، میرے نام موت کا پروانہ جاری ہو چکا ہے۔ مجھے معافی کبھی نہیں ملے گی، صرف موت ملے گی۔ سوری! اب تم لوگ کبھی میرے سائے تک بھی نہیں پہنچ پاؤ گے۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کتنی خوش فہمی ہے تمہیں؟ یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم پلک جھپکتے ہی دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتے ہیں۔ تم جہاں جاؤ گے، وہاں تم سے پہلے ہی ہماری بھیجی ہوئی موت پہنچ چکی ہوگی۔"

"موت کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ وقت میرے مقدر کے مطابق آئے گا۔"

وہ میری بات کر رہا تھا اور میں اس سے کہہ چکا تھا کہ میں صرف خدا پر بھروسا کرتا ہوں اور تم دوسروں پر تکیہ کرتے ہو۔ اب میری یہ بات اسے درست لگ رہی تھی۔ ایک تو وہ امریکی آقاؤں کے بھروسے پر خود کو بے تاج بادشاہ سمجھنے لگا تھا۔ دوسرا یہ کہ دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے نانا بھائی پر تکیہ کرنا پڑا تھا۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے......

اب نانا بھائی کی طرف سے بھی گرم ہوا چل رہی تھی۔

جب تک وہ اشعر کو کسی طرح حاصل نہ کرتا اور اسے بی پاشا کے حوالے نہ کرتا تب تک دردانہ کی طرف سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے والے نہیں تھے۔

جونیئر آفیسر جوزف مارٹن نے کہا۔ "تم مقدر پر بھروسا کرو۔ ہمارا لائن آف ایکشن سانپ کو اس کے بل سے نکالنا جانتا ہے۔ جاؤ! روپوش رہو۔ اور انتظار کرو کہ کس طرح ہم تمہاری شہ رگ تک پہنچتے ہیں؟"

رابطہ ختم کر دیا گیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ "وہ سپر پاور کہلاتے ہیں۔ آسمان کے چاند سے لے کر ہماری دنیا کی مٹی تک ان کے اختیار میں رہتی ہے۔ اسی لیے وہ جب چاہتے ہیں مٹی کو سونا اور سونے کو مٹی بنا ڈالتے ہیں۔ کسی کو زندگی دیتے ہیں اور کسی کو موت...... پتا نہیں وہ کس طرح میری موت کی پلاننگ کر رہے ہیں؟"

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ "وہ کسی بھی طرح میری اس خفیہ پناہ گاہ تک پہنچیں گے اور ضرور پہنچیں گے ان کے وسیع ذرائع کو سمجھنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے مجھے اس مضبوط تنظیم کی پناہ میں چلے جانا چاہیے۔"

بین الاقوامی مافیا کی مختلف تنظیمیں ہماری دنیا میں سیاسی اور مالیاتی سازشوں میں مصروف رہتی ہیں۔ سپر پاور امریکا اور دوسرے بڑے ممالک کے لیے درد سر بنی رہتی ہیں۔ ان بڑے ممالک کی کمزوریاں حاصل کرتی ہیں اور انہیں بلیک میل کرتی رہتی ہیں۔

ان میں ایک انتہائی خطرناک صیہونی تنظیم۔ پی۔ ٹو ہے۔ یہ یہودیوں کی ایسی زبردست خفیہ تنظیم ہے کہ امریکا اور دوسرے بڑے ممالک کے ریکارڈز روم میں بھی اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ یہ دنیا کے تمام اخبارات اور مشتہر کرنے والے تمام میڈیا کو ہر قیمت پر خرید لیتی ہے یا پھر ایسی احتیاطی تدابیر کرتی ہے کہ کوئی صحافی، کوئی جاسوس ان کے چھوٹے بڑے اجلاس تک پہنچ نہیں پاتا اور جو پہنچنا چاہتا ہے وہ بے موت مارا جاتا ہے۔

پی ٹو کے ریکارڈز روم میں بدنام زمانہ مجرموں، انتہائی چالاک اور خطرناک سیکرٹ ایجنٹس کی کارکردگی اور کارناموں کی ہسٹری موجود رہتی ہے۔ شہباز درانی کی ہسٹری بھی ان کے ریکارڈز میں موجود تھی۔ وہ اس کی خدمات حاصل کرنے کے لیے ایک بار اس سے رابطہ کر چکے تھے۔ اور یہ کہہ چکے تھے کہ انکی تنظیم میں جسے خوش آمدید کہا جاتا ہے اسے زیادہ سے زیادہ معاوضہ، مراعات اور مکمل تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔

شہباز درانی پچھلی رات اپنی محل نما کوٹھی چھوڑنے سے پہلے اس خفیہ نمبر پر رابطہ کر چکا تھا جو پی ٹو والوں نے اسے دیا تھا۔ اس نے انہیں اپنے مختصر سے حالات سنائے تھے۔ اور ان کی پناہ میں رہ کر ان کی خدمات انجام دینے کے لیے رضامندی ظاہر کی تھی۔

جواباً کہا گیا تھا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اسے تحفظ فراہم

کیا جائے گا۔ اور اس کے موجودہ مسائل بھی حل کیے جائیں گے۔ اس جواب سے اس کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی اور وہ اس سلسلے میں...... ان کے عملی اقدامات کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ مقدر کی خرابی سے ڈوبتے ڈوبتے پھر ابھرنے والا تھا۔ اگر ابھر جاتا تو پھر جرائم کے حوالے سے پہلے کی طرح بے تاج بادشاہ بن جاتا۔ اس کے بعد دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے نانا بھائی کا بھی محتاج نہ رہتا۔ فی الوقت اس کے بدترین حالات سمجھا رہے تھے کہ نانا بھائی سے بنا کر رکھنا چاہیے۔ جب تک وہ اپنے قدم مضبوطی سے نہ جمالے، تب تک مصلحت اندیشی سے کام لیتا رہے۔

وہ نانا بھائی کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ فی الحال تو ملا کی دوڑ مسجد تک تھی...... سی آئی اے سے تعلق رکھنے والے موت کے ہرکارے اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ ایسے وقت بھی دردانہ اس کے لیے اہم تھی وہ ذرا دیر کے لیے بھی اس سے غافل نہیں ہو رہا تھا۔ میرے سمجھانے کے باوجود اس کے معاملے میں جذباتی ہو رہا تھا۔

رابطہ ہونے پر نانا بھائی کی آواز سنائی دی۔ شہباز نے کہا۔ "میں نے مکمل معلومات حاصل کی ہیں۔ اس اشعر نامی بچے کو کسی اور نے اغوا کرلیا ہے۔ اس لیے میرے آدمی دھوکا کھا گئے۔"

نانا بھائی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "اچھا۔ کیا یہی کہنے کے لیے فون کیا ہے؟"

"نہیں۔ فون تو میں نے یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ میں اغوا کرنے والوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جلد ہی مطلوبہ بچہ تمہاری ایکس وائف تک پہنچ جائے گا۔"

نانا بھائی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "جب کامیابی حاصل ہو، تب فون کرنا۔"

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ شہباز نے چونک کر فون کو دیکھا۔ وہ اسے مطمئن کر کے دردانہ سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے اچانک ہی ایسے رابطہ ختم کر دیا تھا جیسے اس کے منہ پر تھوک رہا ہو۔ زبانِ بے زبانی سے طعنہ دے رہا ہو، وہ ایک بچے کو اغوا نہ کر سکا جبکہ وہ اپنا وعدہ پورا کر چکا ہے۔ ایک سالم عورت کو آکاش کے شکنجے سے ایسے نکال لایا جیسے مکھن سے بال نکالا جاتا ہے۔

وہ فون کو بستر پر پٹخ کر سوچنے لگا۔ "وہ بچہ میرے پاس نہیں ہے، عینی کے پاس نہیں ہے تو پھر کہاں ہے؟ اسے کس نے اغوا کیا ہے؟"

اس نے جس فون کو بستر پر پھینکا تھا وہ ایسے چیخنے لگا جیسے پھینکے جانے پر تکلیف سے تلملا رہا ہو۔ اس نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔ اسکرین پر نمبر دیکھے۔ اس کا ایک آلۂ کار کال کر رہا تھا۔

وہ فون کو آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ "ہاں...... کیا بات ہے؟ اصل بچے کا پتا چلا؟"

"باس! اصل تو کیا، تم نقل سے بھی گئے۔ پولیس نے اس مکان پر چھاپا مارا تھا۔ ہماری قسمت اچھی تھی کہ ہم وہاں موجود نہیں تھے ورنہ پکڑے جاتے۔"

"پولیس وہاں کیسے پہنچ گئی؟"

"پتا نہیں باس! ہمارا خیال ہے، وہ جو بی پاشا نام کی عورت بچہ لینے آئی تھی۔ اسی نے ناکام ہو کر مخبری کی ہوگی۔"

"پولیس والوں سے دور رہو اور کسی بھی طرح اشعر کو تلاش کرو۔"

وہ فون بند کر کے سوچنے لگا۔ سوچ کے گھوڑے جس سمت دوڑائے جائیں وہ اسی سمت دوڑتے ہیں لیکن موجودہ حالات میں اس کی کوئی ایک سمت نہیں رہی تھی۔ گھوڑے بے راہ روی سے دوڑ رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دلہا راجا کس گھوڑے پر بیٹھ کر اپنی دلہن تک پہنچے گا......؟

☆☆☆

امانت میں زبردست خیانت ہوئی تھی۔ عینی کا رو رو کر برا حال تھا۔ دوپہر سے شام، شام سے رات اور اب رات سے صبح ہو گئی تھی لیکن اشعر کی اب تک کوئی خیر خبر نہیں ملی تھی۔

ذیشان فلک آفتاب، بابر اور عدنان سب ہی اس کی تلاش میں بھٹک رہے تھے۔ عروج اور عینی دوسری صبح اس فن لینڈ میں گئی تھیں جہاں اشعر لاپتا ہوا تھا۔ کافی دیر بھٹکنے کے بعد بھی اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔

اسما نے انہیں فون پر کہا۔ "تم دونوں کیوں خواہ مخواہ ہلکان ہو رہی ہو؟ گھر کے سارے مرد اشعر کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ انشا اللہ! وہ جلد ہی مل جائے گا۔ واپس آ جاؤ، گھر میں رہو۔"

عینی نے کہا۔ "نہیں بھابی جان! مجھے گھر میں سکون نہیں مل رہا ہے۔"

"تو کیا یوں بھٹکنے سے سکون مل جائے گا؟"

وہ دور تک نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔ "نہیں وہ تو اشعر کے ملنے سے ہی حاصل ہوگا۔ فی الحال تو یہ سوچ کر دل ڈوب رہا ہے کہ جاوید صاحب اچانک بچوں سے ملنے گھر

آ گئے تو کیا ہوگا؟“

اسما نے کہا۔”اول تو دعا کرو، بات پھیلنے سے پہلے ہی اشعر مل جائے، اور اگر ایسا نہیں ہوگا تو مجبوراً انہیں حقیقت سے آگاہ کرنا پڑے گا۔ اینی وے، تم دونوں گھر آ جاؤ۔“

وہ مزید کچھ دیر تک اِدھر اُدھر بھٹکتی رہیں پھر گھر آ گئیں۔ اسما نے کھانے کی ٹرالی لاتے ہوئے کہا۔”ہاتھ دھولو اور کھانا شروع کرو، ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔“

عینی نے پوچھا۔”ماہم نظر نہیں آ رہی ہے؟“

”تمہارے کمرے میں ہے۔ کھانا کھا کر سو رہی ہے۔ جب تک جاگتی رہی اشعر کا نام لیتی رہی۔“

عروج نے کہا۔”پتا نہیں وہ کون دشمن ہیں جو اس معصوم کو لے گئے ہیں؟“

”یہ بھی تو کنفرم نہیں ہے کہ اسے کوئی لے گیا ہے یا وہ خود ہی کہیں بھٹک گیا ہے۔“

اسما نے کہا۔”اگر اغوا کا معاملہ ہوتا تو اب تک تاوان کا مطالبہ کیا جا چکا ہوتا۔“

فلک ناز نے وہاں آتے ہوئے کہا۔”تم نے نہ رات کھانا کھایا ہے۔ نہ صبح ناشتا کیا ہے۔ اب بھی کھانا سامنے رکھ کر باتیں کیے جا رہی ہو۔ کھانا تو شروع کرو۔“

عینی نے کہا۔”مجھے بھوک نہیں ہے۔ عروج! تو کھا لے۔“

وہ بولی۔”بھوک تو مجھے بھی نہیں ہے لیکن تیری وجہ سے کھاؤں گی۔ رات سے اب تک تو نے کوئی دوا بھی نہیں لی ہے۔ چل تھوڑا سا کھا لے۔“

وہ مجبوراً کھانے لگی۔ دوسرا نوالہ توڑتے ہی اشعر کا چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا۔ اس نے تڑپ کر کہا۔”پتا نہیں، میرے بچے نے کھانا کھایا ہے یا نہیں؟“

ان تینوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ پہلی بار اشعر کو اپنا بچہ کہہ رہی تھی، لہجے میں ممتا کی تڑپ تھی۔ چہرے پر کرب کے ایسے تاثرات تھے جیسے واقعی ایک پیدا کرنے والی ماں سے اس کے بچے کو چھین لیا گیا ہو۔

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔”میں ماہم کے پاس جا رہی ہوں۔ اسے دیکھتی رہوں گی تو دل کسی حد تک بہلتا رہے گا۔“

عروج بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ ماہم بیڈ پر ہاتھ پاؤں پھیلائے سو رہی تھی۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ بھیگی بھیگی آنکھوں سے اس کے چہرے کو تکنے لگی۔ ان لمحات میں عروج کو ایسا لگ رہا تھا جیسے ان آنکھوں کے پیچھے سے رو جھانک رہی ہو، اپنے بچے کے لیے آنسو بہا رہی ہو۔

وہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔”آنسو بہانے سے کبھی کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ دعا کر! اسے تلاش کرنے وا میں سے کوئی تو کامیاب لوٹے۔“

ایسے ہی وقت اسما دروازہ کھول کر اندر آتے ہو بولی۔”مقدر حیات کل سے نہ جانے کہاں ہیں؟ اس و ان کی سخت ضرورت ہے۔ وہ ہوتے تو عینی کا ہاتھ دیکھ دیتے کہ اس کی یہ پریشانی عارضی ہے یا......“

میرا نام سنتے ہی عینی ایک دم سے چونک گئی۔ ا بات کاٹتے ہوئے بولی۔”ہاں وہ بتا سکیں گے کہ اس م سے کون دشمنی کر رہا ہے؟ پلیز بھابی جان! مقدر بھائی موبائل پر رابطہ کریں۔ ان سے کہیں، جہاں بھی ہیں، فورا چلے آئیں۔“

اسما ریسیور اٹھا کر میرے نمبر پنچ کرنے لگی۔ میں سے رابطہ ختم کرنے کے بعد کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ ای وقت موبائل کا بزر بولنے لگا۔ میں نے اسے آن کر کے سے لگایا۔ دوسری طرف سے ذیشان کی آواز سنائی دی۔ مقدر میاں! کہا ہو؟“

”ایک کام کے سلسلے میں حیدر آباد گیا تھا۔ اس وقت دے پر ہوں۔ سوری! آپ نے جیل سے رہائی پائی اا اب تک آپ سے ملاقات نہ کر سکا۔“

”کوئی بات نہیں۔ ویسے تمہارا نمبر کافی دیر سے کیوں جا رہا تھا؟“

میں نے مسکرا کر کہا۔”بات ذرا لمبی ہے۔ گھر بتاؤں گا۔ ویسے آپ اس وقت کہاں ہیں؟“

”ایک مسئلہ پوری طرح ختم نہیں ہوتا ہے، کہ دوسر ہو جاتا ہے۔ اشعر کو کسی نے اغوا کیا ہے۔ اسی کی تلاش بھٹک رہا ہوں۔“

میں نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔”اولو۔ و ہمارے پاس بطور امانت تھا۔ کیا اغوا کرنے والوں نے کیا ہے؟“

”ہم اسی انتظار میں ہیں کہ وہ تاوان کے طور پر رقم کے لیے رابطہ کریں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ ہم میں گھر جا رہا ہوں تم بھی پہنچو۔ وہیں اس مسئلے پر ہو گی۔“

اس سے رابطہ ختم ہوتے ہی موبائل کا بزر پھر بو

میں نے اسے آن کر کے کان سے لگایا۔ اسما کی آواز سنائی دی۔”کل سے کہاں غائب ہو؟ نہ گھر آ رہے ہو، نہ فون پر رابطہ ہو رہا ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ اشعر......“

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔”جی...... مجھے اطلاع مل گئی ہے۔“

”اطلاع مل چکی ہے تو گھر کیوں نہیں آ رہے ہو؟“

”گھر ہی آ رہا ہوں۔ راستے میں ہوں۔ آپ فون بند کریں۔“

رابطہ ختم ہو گیا۔ عینی نے پوچھا۔”کیا ہوا؟ وہ آ رہے ہیں ناں؟“

”ہاں راستے میں ہیں۔“

ایسے ہی وقت عروج کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھے تو ایک دم سے گھبرا گئی۔ پاشا کال کر رہا تھا۔ عینی نے پوچھا۔”کون ہے؟“

وہ فوراً ہی کال ریجیکٹ کرتے ہوئے بولی۔”وہ۔ ہاسپٹل سے فون ہے۔ یقیناً مجھے بلایا جا رہا ہوگا لیکن میں تجھے ان حالات میں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی۔“

اس کی بات ختم ہوتے ہی موبائل کا بزر پھر بولنے لگا۔ اس نے گھبرا کر سی ایل آئی میں نمبر دیکھا، وہی دیوانہ تھا۔ فون کے ذریعے پکار رہا تھا۔ سہیلی کا شوہر اپنی بیوی کے بجائے اسے کال کر رہا تھا۔ وہ چور سی بن گئی تھی۔ دوسری بار بھی کال ریجیکٹ کرتے ہوئے بولی۔”میں ریسیو نہیں کروں گی تو یہ خود ہی خاموش ہو جائیں گے۔“

عینی اور اسما اس کی گھبراہٹ کو نوٹ کر رہی تھیں اور سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ بزر ایک بار پھر بولنے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ رابطہ منقطع کرتی، اسما نے لپک کو فون لیتے ہوئے کہا۔”لاؤ میں بات کرتی ہوں۔ کہہ دوں گی کہ تم مصروف ہو۔“

فون جھپٹنے کی کارروائی ایسی آناً فاناً ہوئی تھی کہ عروج کوئی مزاحمت نہ کر سکی۔ پریشان ہو کر اسما کا منہ تکنے لگی۔ بھانڈا پھوٹنے والا تھا۔ دوسری طرف اسما پاشا کا نمبر دیکھ کر ایک ذرا ٹھٹک گئی۔ شکایتی انداز میں عروج کو دیکھنے لگی پھر کچھ سوچ کر فون آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولی۔”ہیلو......!

پاشا خلافِ توقع اسما کی آواز سن کر چونک گیا۔ فوراً ہی فون بند کر کے سوچنے لگا۔”عروج مجھ سے بات کرنا بھی گوارہ نہیں کر رہی ہے۔ پہلے رابطہ ختم کرتی رہی اور اب فون اسما کو تھما دیا ہے۔ عینی کے سامنے مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی ہے۔ یعنی سہیلی کے جذبات کے سامنے میرے جذبات کو کچل رہی ہے۔ لیکن میں بھی اپنی اہمیت منوا کر رہوں گا۔“

وہ دوبارہ اس کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ دوسری طرف اسما نے فون عروج کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔”اسے آف ہی کر دو تو بہتر ہے۔“

اس نے فوراً ہی فون کو آف کر کے اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ لیا۔ عینی کچھ سمجھنے اور کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ کسی حد تک اندازہ ہوا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اسما کچھ دیر تک خاموش بیٹھی رہی پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی”عروج! ذرا میرے ساتھ آؤ۔ اپنی دواؤں کے سلسلے میں کچھ کنسلٹ کرنا ہے۔“

وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گئی۔ عینی ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پھر عروج کے بیگ کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔

اسما نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔”عینی کے ساتھ بہت زیادتی ہو رہی ہے۔ مانا کہ وہ تمہیں چاہتا ہے لیکن محبوبہ سے زیادہ بیوی کی اہمیت ہوتی ہے۔ کیا تم اسے سمجھا نہیں سکتیں؟“

وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔ آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی، پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولی۔”میں کیا کروں بھابی جان! جہاں تک میرے اختیار میں ہے میں عینی کو خوشیاں دینا چاہتی ہوں مگر اس دیوانے کو سمجھانا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔“

وہ اسے تھپکنے لگی۔ عروج نے کہا۔”کوئی نہیں جانتا، میں کن حالات سے گزر رہی ہوں۔ پاشا کو خود سے دور کرنے اور عینی کے قریب لانے کے لیے کیسے کیسے عذاب سہہ رہی ہوں۔“

وہ اسے ایک صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولی۔”تم بتاؤ گی تو ہمیں تمہارے حالات معلوم ہوں گے۔“

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔”آپ پاشا کی دیوانگی سنیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔ صبح اس نے مجھے وارننگ دی تھی کہ اگر میں نے آج اس کے ساتھ نکاح نہ پڑھوایا تو وہ میرے دن رات کا سکون برباد کر دے گا۔ عینی کو ہمیشہ ایک شوہر کی محبت اور توجہ کے لیے ترساتا رہے گا اور آپ دیکھ رہی ہیں، کل سے اب تک اس نے عینی سے کوئی رابطہ نہیں کیا

ہے۔"

اسما نے ناگواری سے کہا۔" پہلی شادی کو خوش اسلوبی سے نباہ نہیں پارہا ہے۔ دوسری کی فکر ہے۔ عینی اس وقت کتنی پریشانیوں سے گزر رہی ہے ایسے وقت ہر بیوی کو اپنے شوہر کی محبت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن وہ جاہل اس کے احساسات کو نہیں سمجھ رہا ہے۔"

"میں عینی سے پاشا کے سلسلے میں باتیں کرنے آئی تھی مگر اشعر کا معاملہ ایسا ہے کہ کسی دوسرے مسئلہ پر کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔"

عینی پہلے ہی اس کی بے اعتنائی پر دل گرفتہ ہے۔ ایسے میں اس کے ارادے سن کر بالکل ہی ٹوٹ جائے گی، حوصلہ ہار جائے گی۔ ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں کہ وہ اس پر سوکن لانا چاہتا ہے۔"

"میں عینی کو کوئی دکھ نہیں پہنچانا چاہتی۔ اسی لیے اس کی سوکن نہیں بننا چاہتی لیکن پاشا مجھے الجھا رہا ہے۔"

دوسری طرف عینی سوچتی ہوئی نظروں سے عروج کے بیگ کو دیکھ رہی تھی پھر دروازے کی طرف دیکھتی ہوئی بیڈ سے اترنے لگی۔

اسما نے کہا۔" فی الحال عینی سے اس مسئلے پر کوئی بات نہ کی جائے تو بہتر ہوگا۔ تمہارے بھائی جان اور مقدر حیات پاشا کو سمجھائیں گے۔"

وہ پریشان ہوکر بولی۔" اگر وہ نہ سمجھا تو کیا ہوگا؟ اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جب تک میں اس سے نکاح نہیں پڑھواؤں گی، اس کی شریکِ حیات نہیں بن جاؤں گی، تب تک وہ عینی سے دور رہے گی۔ اس کے لیے کرائے کے مکان کا بھی بندوبست نہیں کرے گا۔"

اسما نے ناگواری سے کہا۔" عجیب شخص ہے۔ نہ بیوی کے جذبات کو سمجھ رہا ہے اور نہ اپنی ذمے داریوں کو۔ محبت کے معاملے میں بھی سراسر خود غرضی دکھا رہا ہے۔ چاہت کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن اس چاہت کی آڑ میں مسلسل تمہیں پریشان کررہا ہے۔"

وہ سر جھکائے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسما اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔" سچ بتاؤ عروج! کیا پاشا کی ایسی دیوانگی تمہیں اچھی لگتی ہے؟ اگر عینی بیچ میں نہ ہوتی تو کیا تم ایسے چاہنے والے کی شریکِ حیات بننے کی تمنا نہ کرتیں؟"

دل نے ایک دم سے دھڑک کر کہا۔" کیوں نہیں......؟"

اس نے گھبرا کر اسما کو یوں دیکھا جیسے وہ اس کے دل کی آواز سن رہی ہو۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے کترانے لگی، نظریں چرانے لگی، خاموشی کی زبان میں اعتراف کرنے لگی۔ اسما نے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔" ایک بیوی کے حوالے سے عینی کے جذبات کو اور محبوبہ کے حوالے سے تمہارے جذبات کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں۔ وہ دیوانہ لاکھ الجھاتا رہے لیکن یہ الجھنیں بھی تمہیں اچھی لگتی ہوں گی۔"

وہ اس سے لپٹ کر بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔" نہیں بھابی جان! میں جذبات کی آندھیوں میں الجھ کر اپنی عینی سے ناانصافی نہیں کرنا چاہتی لیکن یہ پاشا......"

اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ اسما تسلی دینے کے انداز میں اس کی پشت سہلانے لگی۔ وہ آنکھیں بند کئے اس سے لپٹی ہوئی تھی۔ بند آنکھوں کے پیچھے سے پاشا دکھائی دینے لگا۔ عروج نے بڑی حسرت سے اسے دیکھا پھر شکایت بھرے لہجے میں کہا۔" تم نے مجھے پیار کے بھنور میں لاکر چھوڑ دیا ہے۔ اب ڈوب رہی ہوں تو دور کنارہ بن گئے ہو۔ کنارہ تو پھر کنارہ ہوتا ہے۔ ڈوبنے والوں کا تماشا دیکھا رہتا ہے۔"

وہ مسکرا رہا تھا، دونوں بازو پھیلاتے ہوئے بولا۔" میں تو تمہاری منزل تھا۔ تم نے مجھے ایک کنارے کردیا ہے۔ آؤ میری پناہ میں آجاؤ! میں زندگی بچانے والی ناؤ بن جاؤں گا۔"

وہ جیسے اس کے بلاوے کا انتظار کررہی تھی، فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کے بازوؤں کی پناہ میں جانے لگی۔ مگر جا نہ سکی۔ اچانک ہی میری آواز اسے تصور کی دنیا سے کھینچ کر حقیقی دنیا میں لے آئی۔ میں نے کمرے میں داخل ہوکر کہا۔" یہاں کیا ہورہا ہے؟"

عروج فوراً ہی الگ ہوکر اپنے آنچل سے چہرے کو پونچھنے لگی۔ میں نے اسما کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی۔" سب کی الگ الگ کہانیاں ہیں۔ اس کی کہانی پر بھی بحث ہوگی۔ فی الحال عینی کے پاس چلو۔ وہ بے چینی سے تمہارا انتظار کررہی ہے۔"

میں ان دونوں کے ساتھ چلتا ہوا اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں جانے لگا۔ دوسری طرف عینی محتاط نظروں سے بیرونی دروازے کو دیکھتی ہوئی اس بیگ کی طرف بڑھ رہی تھی جس میں عروج کا موبائل فون رکھا ہوا تھا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے نکالنا چاہتی تھی۔ ایسے ہی وقت ٹھٹک گئی۔

ہمارے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

وہ فوراً ہی بیگ سے دور ہوگئی، سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے جگ کو اٹھا کر ایک گلاس میں پانی انڈیلنے لگی۔ میں اسما اور عروج کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو وہ مجھے دیکھتے ہی میری طرف لپکتے ہوئے بولی۔" اوہ مقدر بھائی! آپ کہاں غائب تھے؟ پلیز اشعر کے بارے میں کچھ بتائیں، وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ میرے پاس کب آئے گا؟"

میں اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر ایک صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا۔" میں غیب کا علم نہیں جانتا۔ لکیریں جو بتاتی ہیں۔ اسی کی روشنی میں پیش گوئیاں کرتا ہوں اس وقت اشعر کہاں ہے، اس کا پتا ٹھکانا تو نہیں بتا سکتا۔ ہاں اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ فی الحال تمہارے مقدر میں پریشانیاں لکھی ہوئی ہے۔"

اس نے پریشان ہوکر اسما اور عروج کو دیکھا، پھر اپنی ہتھیلی میرے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔" پلیز بتائیں۔ میں کب تک ان پریشانیوں میں گھری رہوں گی؟ اشعر مجھے کب ملے گا؟"

میں نے کہا" امانت میں خیانت ہوئی ہے مقدر کا لکھا پورا ہورہا ہے یہ پریشانیاں عارضی ہیں۔ بچے کی زیادہ فکر نہ کرو وہ جلد ہی تمہیں ملے گا۔"

اس نے ایک دم سے خوش ہوکر مجھے دیکھا۔ اسما اور عروج کو بھی میری بات سے حوصلہ ملا تھا۔ اسما نے کہا" تم کل ہی آجاتے تو اشعر کی واپسی کا اطمینان ہوجاتا۔"

عروج نے کہا۔" کچھ بھی ہو۔ ہمیں اس کی کوئی خیر خبر تو ملنی چاہیے۔ مقدر بھائی! کیا آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ اس سے دشمنی کی جارہی ہے یا وہ کہیں بھٹک گیا ہے؟"

"اس کے ساتھ کیا ہورہا ہے، یہ میں نہیں بتا سکتا۔ میں نے اس کا ہاتھ نہیں دیکھا ہے۔"

عینی نے کہا۔" میرے لیے یہ اطمینان ہی کافی ہے کہ وہ بہت جلد مجھے مل جائے گا۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ عروج نے ایک دم سے گھبرا کر ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔ دل میں اندیشہ پیدا ہوا کہ وہ دیوانہ موبائل سے رابطہ نہ ہونے کے باعث اب دوسرے فون پر اسے مخاطب کررہا ہے۔ اسما فوراً ہی آگے بڑھ کر ریسیور اٹھانا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی عینی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا پھر اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔" ہیلو......!"

اسما اور عروج چور نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ عینی دوسری طرف کی آواز سن کر ایک ذرا گھبرا گئی۔ پریشان ہوکر ہم تینوں کو دیکھنے لگی۔ پھر اٹکتے ہوئے لہجے میں بولی۔" جی۔ جا۔ جاوید صاحب! میں عینی بول رہی ہوں۔"

اسما اور عروج نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ عینی نے بیڈ پر سوئی ہوئی ماہم کو دیکھ کر فون پر کہا۔" جی......جی ہاں۔ دونوں بچے یہاں بڑے مزے میں ہیں۔ مجھے بالکل پریشان نہیں کررہے ہیں۔"

دوسری طرف بی پاشا اور صمد بیوپاری ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جاوید ریسیور کان سے لگائے دوسری طرف کی باتیں سن رہا تھا۔ بی پاشا نے اپنے میاں کو ٹہوکا دیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔" اس سے کہیں، اشعر کے بارے میں پوچھے۔ اسے فون پر بلائے۔ ابھی ڈھول کا پول کھل جائے گا۔"

صمد نے بیٹے سے کہا۔" ماہم اور اشعر کو فون پر بلاؤ۔ میں اپنے پوتے پوتی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک دم سے گڑبڑا گئی، پریشان ہوکر ہمارا منہ تکنے لگی پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولی۔" وہ بچوں سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں کیا کہوں؟"

اسما نے سرگوشی میں کہا۔" کہہ دو، وہ دونوں سو رہے ہیں۔"

میں نے کہا۔" ان کے بچے کا معاملہ ہے۔ یہ بات چھپی نہیں رہے گی۔ نہ جانے اشعر کی واپسی کب ہوگی؟ ہم کب تک جھوٹ بولتے رہیں گے؟"

عینی نے پریشان ہوکر کہا۔" کیا مطلب؟ کیا میں انہیں حقیقت سے آگاہ کردوں؟"

دوسری طرف سے جاوید نے پوچھا۔" ہیلو مس عینی!"

وہ ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔" سوری! وہ، میں بچوں کو دیکھنے چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ کھیل رہے تھے۔ اب گہری نیند میں ہیں۔ آپ کہیں تو میں انہیں جگا دیتی ہوں۔"

جاوید نے بی پاشا کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر فون پر کہا۔" نہیں۔ انہیں سونے دیں۔ ہم کچھ دیر بعد دوبارہ رابطہ کرلیں گے۔"

اس نے "خدا حافظ" کہہ کر ریسیور رکھا۔ بی پاشا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔" بس، اب میری بات کا یقین آگیا؟ میں پہلے ہی جانتی تھی۔ ضرور کوئی بہانہ کرکے ہمیں ٹالا جائے گا اور وہی ہوا۔"

جاوید اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ عینی کے لہجے کی گھبراہٹ اسے کسی حد تک سمجھا چکی تھی کہ وہاں ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ لیکن ذہن میں یہ سوال کلبلا رہا تھا کہ بی پاشا کو وہاں کے حالات کا کیسے علم ہوا؟ اس نے کہا۔ ''آپ تو کبھی اس کوٹھی میں میرے بچوں کا حال پوچھنے نہیں گئیں۔ ان سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں رکھا پھر اشعر کے بارے میں آپ کو یہ خبر کیسے ہوئی کہ اسے اغوا کرلیا گیا ہے؟''

وہ اس سوال پر گڑبڑا گئی۔ پھر سنبھلتے ہوئی بولی۔'' وہ سوتیلے ہی سہی مگر میرے پوتے پوتی ہیں۔ ان کے جانے سے اس گھر میں سناٹا ہوگیا ہے تم نہ جانے کیا مطلب نکالو۔ اس لیے میں ان سے ملاقات نہیں کرتی لیکن دور ہی دور سے انہیں دیکھ کر اپنی تسلی کرتی رہتی ہوں۔''

صمد نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''خبر کسی بھی ذریعے سے ملی ہو لیکن اس کی تصدیق کرو کہ یہ اطلاع غلط ہے یا صحیح؟ وہاں میرے پوتے پر مصیبت آئی ہوئی ہے اور تم ان کا محاسبہ کرنے کے بجائے آپس میں الجھ رہے ہو۔ ابھی دوبارہ فون ملاؤ۔ میں ان سے بات کروں گا۔ اگر بی پاشا غلط بیانی سے کام لے رہی ہے تو اس کا بھی محاسبہ کیا جائے گا۔''

وہ بولی۔ ''ہاں...... ہاں فون کرو۔ ابھی دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجائے گا۔ یہ تو سیدھا سیدھا پولیس کیس ہے۔ اگر بچہ لاپتا ہوا ہے تو وہ اس کے سرپرست یعنی ہم سے کوئی رابطہ کیوں نہیں کررہے ہیں؟ غلط بیانی سے کام کیوں لے رہے ہیں؟''

جاوید نے اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پلیز۔ آپ ذرا خاموش رہیں۔ اس کے معاملے میں زیادہ پریشانی ظاہر نہ کریں۔ وہ میرا بچہ ہے اور آپ سے زیادہ مجھے اس کی فکر ہے۔''

صمد نے کہا۔ ''فکر ہے تو ان سے رابطہ کرکے پوچھتے کیوں نہیں ہو؟ اور اگر کوئی قباحت محسوس کررہے ہو تو لاؤ فون مجھے دو۔ میں اپنے پوتے کے بارے میں خود ہی تفتیش کرتا ہوں۔ وہ میرا لہو ہے تمہارے بعد میری نسل کو آگے بڑھانے کا واحد سہارا ہے۔ اور تم اس کے معاملے میں نہ جانے کیوں غفلت برت رہے ہو؟''

وہ بولا۔ ''میں نادان نہیں ہوں۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ وہاں کچھ گڑبڑ ہے۔ اور یہ بھی سمجھ رہا ہوں کہ انہوں نے جان بوجھ کر اشعر کے معاملے میں غیر ذمے داری نہیں دکھائی ہوگی۔''

بی پاشا نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''واہ بھئی واہ۔ کیسے باپ ہو؟ بیٹے کی فکر کرنے کے بجائے ان کی طرف سے صفائیاں پیش کررہے ہو۔ وہ اس خاندان کا تنہا وارث ہے۔ ایسی موٹی آسامی دیکھ کر کسی کے بھی منہ میں پانی آسکتا ہے۔''

''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟''

وہ منہ بنا کر بولی۔ ''وہی جسے تم سمجھ کر بھی نہ جانے کیوں انجان بن رہے ہو؟''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ آپ ہر ایک کو اپنی طرح کیوں سمجھتی ہیں؟''

وہ غصے سے تلملا کر بولی۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ کیا میں ان لوگوں کی طرح لالچی ہوں؟ کڈنیپر ہوں؟''

پھر وہ اپنے میاں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔ ''آپ چپ چاپ بیٹھے سن رہے ہیں۔ یہ مجھے ان گھٹیا لوگوں سے ملا رہا ہے۔ آپ کچھ کہتے کیوں نہیں؟''

وہ جھنجلا کر بولا۔ ''کیا کہوں؟ معاملہ کہیں سے شروع ہوکر کہیں پہنچ جاتا ہے۔ خدا کے لیے تم ہی یہاں سے چلی جاؤ۔ ہم باپ بیٹے کو باتیں کرنے دو۔''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

جاوید نے کہا۔ ''ڈیڈ! اشعر کے اغوا کا معاملہ اہم ہے لیکن یہ بات بھی اہم ہے کہ آپ کی وائف محترم کو اس معاملے کی خبر کیسے ہوئی؟''

وہ سوچنے کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں...... یہ بات تو میرے حلق سے بھی نہیں اتر رہی ہے کہ بی پاشا کو تمہارے بچوں سے کوئی لاگ ڈانٹ ہوسکتی ہے۔ بہرحال تم عینی وغیرہ سے رابطہ کرکے معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش تو کرو۔''

وہ بولا۔ ''میں فون کے بجائے خود ہی وہاں جاتا ہوں۔ تب ہی وہاں کے حالات کا صحیح علم ہوسکے گا۔''

صحیح علم تو کسی کو بھی نہیں تھا۔ سوائے میرے، وہ بچہ اچانک ہی کہاں غائب ہوگیا تھا اس کے بارے میں فی الحال کوئی انکشاف ہونے والا نہیں تھا۔ یہی کہا جاسکتا تھا کہ عینی کے مقدر میں لکھی ہوئی پریشانیاں اس بچے پر بھی اثر انداز ہو رہی تھیں اور اسے گھر سے بے گھر کیے ہوئے تھیں۔

☆☆☆

اس وقت میں ذیشان کے کمرے میں تھا۔ وہ مجھے اپنے بدترین حالات کے بارے میں بتا رہا تھا۔ زبیری کے جھوٹے بیان کے باعث بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی ہتھیلی

میرے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''خدا کے لیے مقدر میاں! مجھے بتاؤ، کیا زبیری سے میری ملاقات ہوسکے گی؟ کیا میں اپنے اوپر لگے ہوئے قتل کے جھوٹے الزام کو دھو پاؤں گا؟''

میں نے زیرِ لب مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر اس کی ہتھیلی کو بند کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ ملاقات کی بات کررہے ہیں جبکہ میں اس کے ضمیر کو بیدار کرچکا ہوں آئندہ وہ سچ بولے گا۔''

اس نے ایک دم سے چونک کر مجھے دیکھا پھر بے یقینی سے پوچھا۔ ''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''

میں نے مسکرا کر تائید میں سر ہلایا پھر اسے زبیری سے ہونے والی ملاقات کی تفصیل بتانے لگا وہ حیرت اور بے یقینی سے میری باتیں سن رہا تھا۔ پھر خوش ہوکر مجھ سے لپٹتے ہوئے بولا۔ ''اوہ مقدر! تم نے واقعی بھائی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ تمہاری محبت اور فرض شناسی سے مجھے نئی زندگی مل رہی ہے۔ میں تمہارا جتنا بھی احسان مانوں، کم ہے۔''

ایسے ہی وقت اسما دروازہ کھول کر اندر آئی، ہمیں دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ پھر قریب آتے ہوئے بولی۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

ذیشان مجھ سے الگ ہوکر اسے دونوں بازوؤں سے تھامتے ہوئے بولا۔ ''ہمارے مقدر نے تو کمال کردیا ہے پلک جھپکتے ہی ایک بہت بڑا مسئلہ حل کردیا ہے۔ سنو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔''

وہ بولی۔ ''آپ کے ردِ عمل سے اندازہ ہو رہا ہے کہ مقدر میاں نے کوئی کمال کیا ہے۔''

وہ بولا۔ ''میرے جس ماتحت نے مجھ پر قتل کا جھوٹا الزام لگایا تھا مقدر میاں نے اسے سچا بیان دینے پر راضی کرلیا ہے۔ وہ عدالت کے سامنے اصل حقائق پیش کرنے والا ہے۔''

وہ بے یقینی سے چیخ پڑی۔ ''یعنی...... آ...... آپ......''

مسرتوں کی یلغار ایسی تھی کہ وہ اپنی بات بھی پوری نہ کرسکی، میری موجودگی کو نظر انداز کرتی ہوئی ذیشان سے لپٹ گئی اس کے سینے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ وہ اسے تھپکتے ہوئے بولا۔ ''مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے؟ شہباز اور دردانہ میرے لیے گڑھے کھودتے رہے۔ میرے راستے میں کانٹے بچھاتے رہے لیکن اب وہ خود ہی اپنے بچھائے ہوئے کانٹوں پر سے گزر رہے ہیں۔''

شوہر کو نئی زندگی کی نوید مل رہی تھی، میں ایسے وقت ایک بیوی کے جذبات کو سمجھ سکتا تھا۔ وہاں سے اٹھ کر جانے لگا۔

اسما نے میرا ہاتھ تھام کر روکتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

پھر وہ ذیشان سے الگ ہوکر آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ ''کبھی کبھی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہمارے لیے کیا ہو؟ اس وقت تو تم ایسی مسرتوں بھری نئی زندگی دے رہے ہو جو صرف خدا سے یا خدا کی رضا سے ہی ملتی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ ذیشان بھائی کے مقدر میں طویل زندگی لکھی ہوئی ہے۔ اور جو لوحِ مقدر پر لکھا ہو تو اسے شہباز جیسے فرعون بھی مٹا نہیں سکتے۔''

''کچھ بھی ہو لیکن ذیشان کے بچاؤ کا وسیلہ تو تم ہی ہو۔ ہم خدا کے بعد ہمیشہ تمہارے احسان مند رہیں گے۔''

''خدا جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت کی پستیوں میں میں گرا دیتا ہے۔ آپ کو رسوا کرنے والا، آپ کا عہدہ چھیننے والا آج دربدر ہو رہا ہے۔ اس کے تخت کا تختہ ہو رہا ہے۔''

پھر میں اسے شہباز درانی کے حالات بتانے لگا۔ وہ تمام باتیں سننے کے بعد بولا۔ ''یعنی وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو رہا ہے؟''

اسما نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''دیکھ لیں! یہ عورت ذات کتنی طاقتور ہوتی ہے؟ مرد کتنا ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ اسے چٹکیوں میں زیردست بنا دیتی ہے۔ آپ سنبھل کر رہیں۔ میں بھی ایک عورت ہوں۔''

ہم تینوں ہی اس کی بات پر ہنسنے لگے۔ پھر اسما نے بڑی سنجیدگی سے اپنی ہتھیلی میرے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''مقدر میاں! تم نے کہا تھا، ہمارے مقدر میں عارضی پریشانیاں لکھی ہوئی ہیں اور ہم دیکھ بھی رہے ہیں کہ پہاڑ جیسے مصائب سامنے آتے ہیں لیکن جلد یا بہ دیر ٹل جاتے ہیں جیسے ابھی ذیشان کو ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات مل رہی ہے۔''

وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی اور میں اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی کو دیکھ رہا تھا۔ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اس کے حالات سے بہ خوبی واقف تھا وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولی۔ ''محبت کرنے والے چاہے شادی کے مضبوط بندھن میں بندھ جائیں، پھر بھی دنیا والے انہیں ستانے سے باز نہیں آتے۔ ان کی زندگی میں زہر گھولنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔''

وہ سر جھکا کر بول رہی تھی۔ میں اور ذیشان خاموشی سے سن رہے تھے اور یہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ وہ بات کا رخ کس طرف لے جانا چاہتی ہے؟ اس نے اچانک ہی سر اٹھا

کر مجھے دیکھا، آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ پھر ذیشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مقدر! کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں اور ذیشان کبھی جدا ہو جائیں گے؟ ہمارے رشتے کو توڑنے کی جو سازشیں کی جا رہی ہیں وہ کامیاب رہیں گی؟''

میں نے اس کی ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی رکھتے ہوئے مختصر سا جواب دیا۔ ''ہاں......''

ان دونوں نے ایک دم سے چونک کر مجھے دیکھا۔ اسما نے پریشان ہو کر کہا۔ ''نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''میں نے یہ کب کہا کہ آپ جدا ہو جائیں گے؟''

انہوں نے الجھی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا پھر ذیشان نے کہا۔ ''ابھی تو تم نے کہا ہے کہ سازشیں کرنے والے کامیاب رہیں گے۔''

''ہاں۔ سازشیں کرنے والے کامیاب رہیں گے لیکن آپ کے مقدر میں جدائی نہیں ہے۔''

اسما نے الجھ کر کہا۔ ''یہ کیسی پیش گوئی کر رہے ہو؟ جب دشمنوں کو کامیابی حاصل ہو گی تو لامحالہ ہمیں الگ کر دیا جائے گا۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ سمجھ نہیں رہی ہیں۔ دشمن وقتی طور پر اپنی سازشوں میں کامیاب ہوں گے۔ جیسے ذیشان بھائی کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ شہباز ان پر سازشوں کے جال پھینکتا رہا اور یہ الجھتے رہے لیکن پھر کیا ہوا؟ دشمن اپنے ہی جال میں الجھ کر رہ گیا۔''

ان دونوں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لے کر مجھے دیکھا۔ اسما نے کہا۔ ''ایسی الجھی ہوئی پیش گوئی کر رہے تھے کہ میرا تو خون ہی خشک ہو گیا تھا۔''

میں نے زیرِ لب مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر وہاں سے جاتے ہوئے کہا۔ ''میری پیش گوئیاں حوصلے بڑھاتی ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ کبھی کبھی لکیروں کا مزاج بدل جاتا ہے۔''

میں دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ اسما نے سوچتی ہوئی نظروں سے ذیشان کو دیکھا۔ پھر دروازے کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔ ''مقدر! ٹھہرو، تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ بات تو پوری کرو......''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آپ تو ذرا سی بات پر گھبرا جاتی ہیں۔ جب میں نے کہہ دیا ہے کہ مصیبتیں آئیں گی مگر ٹلنے کے لیے تو پھر گھبرانا کیسا؟''

میں مسکراتے ہوئے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے وہاں سے چلا آیا۔

☆☆☆

آکاش دامودر بڑے اطمینان سے کار ڈرائیو کرتا ہوا اپنے پرائیویٹ بنگلے میں پہنچا تو ذرا ٹھٹک گیا۔ وہاں اس کے سیکورٹی گارڈز دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ چوکیدار تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ آکاش نے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ تمام گارڈز کہاں مر گئے؟''

وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''سرکار! کیا آپ نہیں جانت ہیں؟ یہاں چھاپا پڑا تھا۔ پھوجی آئے تھے۔ وہ اس مہیلا کو اور ان کے ساتھ ہمارے آدمیوں کو لے گئے ہیں۔''

اس بات نے اسے چونکا دیا کہ فوجی دردانہ کو لے گئے ہیں۔ وہ غصے سے غرا کر بولا۔ ''یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ فوجی یہاں کیوں آئیں گے؟''

وہ بولتا ہوا، تیزی سے چلتا ہوا بنگلے میں اندرونی حصوں میں جانے لگا۔ ایک ایک کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھنے لگا۔ چوکیدار اس کے پیچھے پیچھے تھا اور کہتا جا رہا تھا۔ ''سرکار! آپ کہاں کہاں ڈھونڈ رہے ہیں۔ اندر کوئی نہیں ہے۔ وہ سب کو لے گئے ہیں۔''

''کیا وہ اس مہیلا سے کچھ کہہ رہے تھے؟''

''سرکار! آپ تو جانت ہیں، پھوجی جیادہ بولتے نہیں ہیں۔ وہ مہیلا کو دموک (بندوق) دکھا کر بولے۔ چپ چاپ چلو نہیں تو گولی سے اڑا دیں گے۔ وہ بے چاری ڈر کے مارے ان کے ساتھ چلی گئی۔''

وہ جھنجلا کر بولا۔ ''وہ سب کو لے گئے پھر تمہیں کیوں چھوڑ گئے؟''

''میں کا جانوں سرکار! ان کو میری جرورت نہیں تھی۔ میرے کو کچرا سمجھ کر چھوڑ گئے۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا ''بھیا، دردانہ کا مطالبہ کر رہے تھے میں نہیں مانا تو میرے ساتھ راج نیتک برتاؤ کر رہے ہیں۔''

وہ فوراً ہی پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ پھر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے پرکاش کی کوٹھی کی طرف جانے لگا۔ زیرِ لب بڑبڑانے لگا۔ ''بھیا! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔''

کچھ دیر بعد ہی وہ اس کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اندر آ کر اونچی آواز میں اسے پکارنے لگا۔ ''بھیا!...... بھیا! کہاں ہیں آپ؟''

اس کی بھابی رکمنی نے ایک کمرے سے نکلتے ہوئے

[...]چھا۔ ''کیا بات ہے، اس طرح کیوں چلا رہے ہو؟''

''بھیا کہاں ہیں؟''

وہ اس کے تیور دیکھ کر ذرا ٹھٹک گئی۔ پیچھے ہٹتے ہوئے [...] ''وہ فون پر کسی سے بات کر رہے ہیں۔ لیکن تمہیں کیا ہوا [...]؟ اتنے غصے میں کیوں ہو؟ ابھی تو یہاں سے ہنستے بولتے [...] تھے؟''

وہ غرا کر بولا۔ بھیا نے مجھے جنتا سمجھ لیا ہے۔ انہوں نے [...]ٹارلا سا دے کر میری آنکھوں میں دھول جھونک دی ہے۔ [...]ہے، سیاست میں آنے کے بعد کسی سے کوئی رشتہ نہیں [...]۔ بھائی، بھائی کو دھوکا دینے لگتا ہے۔''

[...] پرکاش کی آواز سنائی دی۔ ''ارے کاہے کو چلا رہا [...]؟''

اس نے سر اٹھا کر دیکھا، وہ زینے کی بلندی پر کھڑا مسکرا [رہا] تھا۔ پھر ایک ایک پائدان پر قدم رکھتا ہوا نیچے آتے ہوئے [...]نے لگا۔ ''ایک عورت کے لیے باؤلا ہو رہا ہے۔ عورت تو [...] مل جاتی ہیں لیکن راج گدی صرف ایک ہوتی ہے۔ ایک [بار] نیچے سے کھسک جائے تو پھر بڑی مشکل سے ہاتھ آتی [...]''

آکاش کو شبہ تھا کہ شاید پرکاش نے فی الحال اسے اپنے [...] میں رکھا ہے۔ اس نے پوچھا۔ دردانہ کہاں ہے؟''

''عورت اور راج نیتی کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ آج [تیر]ے پاس۔ تو کل کسی اور کسی پاس...... اور تو تو انڈرورلڈ کا [...]رما ہے۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ تیرے قبضے سے ایک [عور]ت نکل گئی۔''

اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پھر پوچھا۔ [''د]ردانہ کہاں ہے؟''

''ارے مجھ سے کیا پوچھ رہا ہے؟ اپنے نکمے پہریداروں [سے] پوچھ کہ اسے کون لے گیا ہے؟''

''اسے کسی اور نے نہیں، آپ نے اٹھوایا ہے۔ فوجی [...]ن آپ کے سوا بھلا اور کون لے سکتا ہے؟''

پرکاش نے قریب آ کر اس کے گال پر ایک چپت لگاتے [ہو]ئے کہا۔ ''ارے تو تو بڑا سیانا ہو گیا ہے۔ بڑے بھائی کی [چا]لوں کو سمجھنے لگا ہے۔''

''بھیا! دردانہ کو میرے حوالے کر دو۔''

''یعنی ایک عورت کی وجہ سے میں الیکشن ہار جاؤں؟ نانا [بھائی] کو اس کی ضرورت تھی اور ہمیں صوبہ بہار کے لاکھوں [ووٹ]وں کی ضرورت ہے۔ کیا تو نہیں جانتا، بہار میں نانا بھائی کا کیسا دبدبہ ہے؟ ایک عورت کے بدلے پورے صوبے کے ووٹ ہماری جھولی میں آنے والے ہیں۔''

''آپ اپنے سیاسی معاملات میں مجھے نہ گھسیٹیں۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں، وہ عورت میرے لیے کتنی اہم ہے۔ میں اس کے بدلے اپنی نیلماں کو حاصل کرنے والا ہوں۔''

''کبھی ہمری بدھی (عقل) سے بھی کام لیا کر، وہ چھوکری نیلماں ایک برس سے غائب ہے۔ ہمری یہ بات اپنی کھوپڑی میں لکھ لے، وہ مر چکی ہے۔ دوسرا جنم لے کے آ سکتی ہے مگر اس جنم میں کبھی نہیں آئے گی۔''

''آپ اپنی بدھی اپنے پاس رکھیں۔ کسی سے یہ سودا ہو چکا ہے میں دردانہ کو اس کے حوالے کروں گا، وہ میری نیلماں کو میری پاس بھیج دے گا۔''

''کوئی تیرے کو الو بنا رہا ہے۔ پہلے اس کو بول کہ وہ فون پر نیلماں سے تیری بات کرائے۔ پہلے اس کی زندگی کا ثبوت اس سے مانگ......''

''میں نے اس کو چوبیس گھنٹے کا ٹائم دیا تھا۔ بیس گھنٹے بیت چکے ہیں۔ وہ ایک آدھ گھنٹے میں اس کی آواز بھی سنائے گا اور اسے میرے پاس بھی پہنچائے گا۔ اس سے دردانہ نہیں ہو گی تو تبادلہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ وہ نیلماں کو مار ڈالے گا۔''

''جو مر چکی ہے، اسے اور کیا مارے گا؟ ارے مورکھ! تو نے کس چالباز سے سودا کیا ہے؟ وہ ادھر تیرے کو جھانسا دے رہا ہے ادھر نانا بھائی کے کندھے پر بیٹھ کر اپنی دردانہ کو یہاں سے لے جانا چاہتا ہے۔ بالکل گھاٹے کا سودا کر رہا ہے۔''

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے بھائی کو دیکھنے لگا۔ بھائی نے کہا۔ ''میں وچن دیتا ہوں، اگر وہ فون پر نیلماں کی آواز سنا دے گا تو میں دردانہ کو یہاں واپس لے آؤں گا۔ چل ابھی اس کو فون کر......''

''آپ مجھے بہلا رہے ہیں۔ کیا اسے نانا بھائی سے چھین کر الیکشن میں ہار جانا چاہیں گے؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''ہاریں گے ہمرے دشمن۔ ہم نے تو نانا بھائی کا مطالبہ پورا کر دیا۔ وہ عورت اس کے پاس پہنچا دی۔ اب وہ اس عورت کو سنبھال کے نہ رکھے، کوئی اسے اٹھا کر لے جائے تو نانا بھائی کس منہ سے شکایت کرے گا؟ وہ ہم پر کبھی شبہ نہیں کرے گا کہ ہم نے اس عورت کو اٹھوایا ہے۔''

آکاش نے قائل ہو کر سر ہلایا، پھر اپنے موبائل فون پر شہباز کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ جلد ہی رابطہ ہو گیا۔ شہباز کی آواز

سنائی دی۔ ''ہیلو آکاش! میں شہباز بول رہا ہوں۔''

وہ بولا۔ ''صرف بولتے ہی رہو گے یا میری نیلماں کی آواز بھی سناؤ گے؟ میں نے چوبیس گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ اکیسواں گھنٹا گزر رہا ہے۔ میں اور کتنا انتظار کروں؟''

نانا بھائی فون پر شہباز کو دردانہ کی آواز سنا چکا تھا۔ وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''تمہارے انتظار کی گھڑیاں ختم ہو چکی ہیں۔ اب ہم ایک دوسرے کو محبوباؤں کی رس بھری آوازیں سنوا سکتے ہیں۔ ابھی تم اپنی نیلماں کی آواز سنو گے۔ اس سے پہلے میں اپنی دردانہ کی آواز سنوں گا۔''

اس نے پریشان ہو کر اپنے بڑے بھائی کو دیکھا۔ پھر فون پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''وہ ابھی نیلماں کی آواز سنانے والا ہے۔ مگر پہلے دردانہ کی آواز سننا چاہتا ہے۔''

اس کا بھائی پرکاش بھی پریشان ہو گیا۔ پھر انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''مجھے یقین نہیں آتا۔ اس سے بولو۔ پہلے وہ نیلماں کی آواز سنائے۔''

اس نے فون پر سے ہاتھ ہٹا کر شہباز سے کہا۔ ''تمہاری دردانہ واش روم میں ہے۔ اس کے آنے تک نیلماں سے بات کراؤ۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''عجیب اتفاق ہے، تمہاری نیلماں بھی واش روم میں ہے۔ ایسا کرو کہ ابھی فون بند کر دو۔ جب وہ واش روم سے آجائے تو اس سے میری بات کراؤ۔ تب تک نیلماں بھی واش روم سے آجائے گی۔''

شہباز نے فون بند کیا۔ آکاش جھنجلا گیا۔ پرکاش نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

''ہونا کیا ہے؟ وہ بہت چالاک ہے۔ پہلے دردانہ کی آواز سننا چاہتا ہے۔ میں کیسے سناؤں؟ کیا آپ ابھی اسے نانا بھائی کے پاس سے لا سکتے ہیں؟ کسی طرح اس کی آواز اسے سنا سکتے ہیں؟''

پرکاش اپنے ٹیلی فون کے پاس آکر بیٹھ گیا پھر ریسیور اٹھا کر نانا بھائی کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں رابطہ ہو گیا۔ وہ بولا۔ ''نانا بھائی! میں دہلی سے پرکاش دامودر بول رہا ہوں۔ آپ نے جس عورت کو ہم سے مانگا، ہم نے اسے آپ کے حوالے کر دیا۔ ابھی ایک ارچن (رکاوٹ) آپڑی ہے۔''

نانا بھائی نے کہا۔ ''ایسی کیا بات ہو گئی ہے؟ حکم کریں میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''میں آپ کو ایک پاکستانی آدمی کا فون نمبر دیتا ہوں۔ آپ اس نمبر پر ابھی دردانہ سے اس کی بات کرا دیں۔ درد... صرف اتنا کہہ دے کہ وہ یہاں خیریت سے ہے اور آکاش... ابھی نیلماں کی آواز سنا دی جائے۔''

''یہ کون سا مشکل کام ہے؟ آپ نمبر بتائیں۔''

بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے شہباز کا نمبر پوچھ... فون پر بتایا۔ نانا بھائی نے کہا۔ ''یہ نمبر تو میں جانتا ہوں۔ ا... آدمی سے میرا سودا ہو چکا ہے۔ اس نے پاکستان میں ہمار... خاندان کے ایک بچے کو اغوا کیا ہے۔ اس بچے کی واپسی... شرط یہ ہے کہ میں دردانہ کو اس کے حوالے کر دوں۔''

''یہ پاکستانی بہت ہی فراڈ ہوتے ہیں۔ اس نے میر... بھائی کی محبوبہ کو بھی اغوا کیا ہے۔ اور اس کے بدلے دردا... مطالبہ کر رہا ہے۔''

نانا بھائی نے کہا۔ ''پھر تو بات نہیں بنے گی۔ مجھے عورت کے بدلے اس بچے کو حاصل کرنا ہے۔ آپ ا... بھائی کو سمجھائیں کہ وہ اپنی محبوبہ کو بھول جائے۔ ہمیں ا... بچے جیسا دوسرا بچہ نہیں ملے گا۔ اسے محبوبہ جیسی درجنوں عور... مل جائیں گی۔''

''نانا بھائی کوئی ایسا راستہ نکالیں کہ میرے بھائی کا کام بن جائے۔ آپ اس آدمی کو ٹالنے کے لیے دردانہ اس کی بات کرا دیں۔ اس کے بدلے وہ نیلماں کی آ... میرے بھائی کو سنائے گا۔''

''سوری مسٹر پرکاش! اسے یہ معلوم ہوگا کہ دردانہ... کے بھائی کے پاس بخیریت ہے اور یہ میرے پاس نہیں۔ وہ ہمارے بچے کو واپس نہیں کرے گا۔ مجھے افسوس ہے، آپ کے اس حکم کی تعمیل نہیں کر سکوں گا۔''

نانا بھائی نے فون بند کر دیا۔

بڑے بھائی نے پریشان ہو کر چھوٹے بھائی کو د... آکاش فون کے وائڈ اسپیکر سے نانا بھائی کی باتیں سن رہا... جھنجلا کر بولا۔ ''یہ ہے آپ کی راج نیتی۔ پندرہ منٹ گزر... ہیں۔ وہ جب تک دردانہ کی آواز نہیں سنے گا۔ نیلماں کی... مجھے نہیں سنائے گا۔ اگر اسے ذرا بھی شبہ ہوگا کہ اس کی ع... میرے پاس نہیں ہے تو وہ میری عورت کو مار ڈالے گا۔''

''غصہ کرنے اور جھنجلانے سے بات نہیں بنے گی ا... نمبر بتاؤ میں بات کروں گا۔''

اس نے نمبر بتائے۔ پرکاش نے رابطہ کیا شہباز منتظ... ہوا تھا۔ اس نے اپنے موبائل پر نئے نمبر پڑھے۔ پھر... آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ ''ہیلو۔ کون...''

''

...ن کا وائڈ اسپیکر آن تھا۔ پرکاش نے کہا۔ ''میں آکاش ...بھائی پرکاش دامودر بول رہا ہوں۔ آکاش ابھی کچھ ...یا ہے۔ دردانہ سے تمہاری بات نہیں کرا سکے گا۔ کیا تم ...گھنٹے کا ٹائم دے سکتے ہو؟ یہ ٹائم پورا ہونے سے پہلے ...ش دردانہ سے تمہاری بات کرائے گا۔ تم ابھی نیلماں ...ت کرا دو۔''

''ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ جب میں اپنی عورت کی آواز ...ے لیے بارہ گھنٹوں تک انتظار کروں گا تو اتنی دیر تک ...ں انگاروں پر لوٹنا چاہیے۔''

آکاش نے فون کے قریب آکر چیختے ہوئے ...پلیز۔ میری مجبوری سمجھو۔ جب بھیا کہہ رہے ہیں تو ...بارہ گھنٹے کے بعد میرے پاس ہوگی اور تم سے بات ...گی۔ فار گاڈ سیک۔ ابھی میری نیلماں کی آواز مجھے سنا...

''تم یوں سمجھو کہ میری دردانہ کے ہونے سے سب کچھ ...ر وہ تمہارے پاس نہیں ہے تو نیلماں بھی میرے پاس ...ہے۔ تمہارے فون سے اس کی آواز میرے پاس آئے ...ہی میرے فون سے نیلماں کی آواز تمہارے کانوں ...پہنچے گی۔''

...وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''تم ابھی نیلماں کو فون دے کر ...ایک ذرا سی آواز کیوں نہیں سنا سکتے؟ اتنی سی بات کے ...ں مجھے ٹال رہے ہو؟''

''اس لیے کہ تم مجھ سے حقیقت چھپا رہے ہو۔ دردانہ ...ے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ یوسف جان عرف نانا بھائی ...ا کے سائے تک بھی تمہیں پہنچنے نہیں دے گا۔''

''تم بھی مجھ سے یہ حقیقت چھپا رہے ہو کہ دردانہ کو ...شکنجے سے چھڑانے کے لیے تم نے نانا بھائی سے سودا کیا ...

''چلو یہی سہی۔ سچائی دونوں کے سامنے آگئی ہے اور ...ہے کہ مجھے دردانہ نانا بھائی کے ہاتھوں سے ملے گی تو ...ن کا مطلوبہ بچہ ملے گا۔ اور اگر وہ تمہارے ہاتھوں سے ...لے گی تو پھر تم اپنی نیلماں کو مجھ سے حاصل کر سکو گے۔''

''تم خواہ مخواہ اس معاملے کو الجھا رہے ہو۔''

شہباز نے کہا۔ ''میں نہیں، ہمارا تمہارا مقدر الجھا رہا ...تر ہے، فون پر وقت ضائع نہ کرو۔ نانا بھائی سے دو دو ...ر اور دیکھو کہ مقدر میں کیا لکھا ہے؟ اسے بچہ ملے گا یا تمہیں نیلماں ملے گی......؟''

شہباز نے فون بند کر دیا۔ اس کے پاس نہ تو نیلماں تھی اور نہ ہی اشعر تھا۔ وہ خود نہیں جانتا تھا کہ اسے بھی دردانہ ملے گی یا نہیں؟ آگے کیا ہونے والا تھا؟ یہ میں ہی جانتا تھا۔

☆☆☆

کوٹھی کے بڑے سے کچن میں ایک بڑا سا بل بٹا تھا۔ جس کا وزن پندرہ کلو ضرور ہوگا۔ بیگم آفتاب کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اسے اٹھا کر بہو کے سر پر دے مارے۔ وہ اس وزنی سل بٹے کو نہیں اٹھا سکتی تھی۔ بہو کا قلع قمع کرنے کے لیے طلاق کا پہاڑ اٹھانا چاہتی تھی۔ اس سے جلد از جلد نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے بوڑھے حسن کی سلوٹوں کو میک اپ سے یوں ڈھانپ رہی تھی جیسے کھردرے پہاڑوں کو سفید برف اپنے اجلے پن میں چھپا لیتی ہے۔ فلک آفتاب نے پیچھے سے آکر اس کی خضاب لگی زلفوں کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ ''گھر کس کے جائیں گے جو وہ کرتے ہیں یوں سنگار......''

بیگم نے ایک ذرا شرما کر آئینے میں اس کے عکس کو دیکھا۔ وہ بولا۔ ''آج کس کی شامت آئی ہے؟ کس پر بجلیاں گرانے کا ارادہ ہے؟''

وہ بالوں کو لپیٹ کر جوڑا بناتے ہوئے بولی۔ ''ساس کی سلطنت میں بہو کے علاوہ اور کس کی شامت آسکتی ہے؟ اسی پر بجلی گرانے کا ارادہ ہے۔''

''کیوں اس کے پیچھے پڑی ہو؟ جب ایک بات طے ہو گئی ہے کہ وہ میاں بیوی اپنے معاملے سے خود ہی نمٹیں گے تو پھر تمہیں کیا بے چینی ہے؟''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں اس گھر میں دین کے خلاف چلنے والی کوئی بات کبھی برداشت نہیں کروں گی۔ ادھر بیٹے کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی ہے۔ ادھر آپ بے حس بنے ہوئے ہیں۔ وہ ذیشان کو کھلم کھلا گناہ گار بنا رہی ہے۔ آپ نے تو آنکھیں بند کر لی ہیں لیکن میں اندھی بن کر نہیں رہوں گی۔ جب تک وہ اس گھر سے نہیں نکلے گی، میں چین سے نہیں بیٹھوں گی۔''

وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر وہاں سے جانے لگی۔ فلک آفتاب نے پوچھا۔ ''کہاں جا رہی ہو؟''

وہ دروازے پر رک کر بولی۔ ''میں جانتی ہوں، آپ اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اس گھر سے نحوست کو بھگانے کے لیے مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔''

''مگر تم جا کہاں رہی ہو؟ کچھ تو بتا کر جاؤ۔''

وہ باہر آتے ہوئے بولی۔'' جس معاملے کو خواہ مخواہ طول دیا جا رہا ہے اس کا دوٹوک فیصلہ حاصل کرنے جا رہی ہوں۔''

وہ تیز قدم اٹھاتی ہوئی سیڑھیاں اترتی ہوئی کوٹھی کے بیرونی دروازے سے باہر چلی گئی۔ اسما ستون کی آڑ سے نکل کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی، پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ بات صاف طور پر سمجھ میں آ گئی تھی کہ ساس صاحبہ اسے اس گھر سے نکلوانے کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے جا رہی ہیں۔ اسما کے کانوں میں میری پیش گوئی گونج رہی تھی۔'' سازش کرنے والے وقتی طور پر کامیاب ہوں گے۔ یہ پریشانیاں عارضی ہیں، آپ کے مقدر میں جدائی نہیں ہے لیکن کبھی کبھی لکیروں کا مزاج بدل جاتا ہے۔''

وہ پریشان ہو کر اپنی ہتھیلی کو دیکھنے لگی۔ دوسری طرف بیگم آفتاب بہت خوش تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ بہت بڑی جنگ جیتنے جا رہی ہے۔ وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی بہت آگے تک پلاننگ کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی ڈرائیور نے ایک مسجد اور دارالعلوم کی بڑی سی عمارت کے سامنے گاڑی روک دی۔

وہ چادر کو سر سے لپیٹتی ہوئی کار سے اتر کر عمارت کے ایک حصے میں آئی۔ وہاں انتظار گاہ میں پہلے چند خواتین بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگی۔ اس انتظار میں بھی ایک عجیب سا لطف تھا۔ وہ خیالوں کی اڑان بھرتی ہوئی اسما کے روبرو پہنچ گئی۔ فتوے کا کاغذ اس کے منہ پر پھینکتے ہوئے بولی۔'' اس گھر میں تم ایک کاغذ کے بل بوتے پر آئی تھیں۔ اب دوسرے کاغذ کے بل پر اس گھر سے نکل جاؤ۔''

اسما نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا۔'' خدا کے لیے! یہ ظلم نہ کریں۔ میں مر جاؤں گی مگر اس گھر سے اور ذیشان کی زندگی سے کہیں نہیں جاؤں گی۔''

'' کیسے نہیں جاؤ گی؟ اس فتوے کے مطابق طلاق ہو چکی ہے۔ شرعی اور قانونی طور پر تم میرے بیٹے کی زندگی سے خارج ہو چکی ہو۔ اب تو تمہیں اس گھر سے جانا ہی ہوگا۔''

تصور کی آنکھ سے بیٹا دکھائی دینے لگا۔ وہ بولا۔'' اسما! تمہیں اپنی غلطی کی سزا مل رہی ہے۔ اب بحث کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ سامان سمیٹو اور یہاں سے چلی جاؤ۔''

ماں نے خوش ہو کر بیٹے کو دیکھا۔ اسما اس کے قدموں سے لپٹ کر گڑگڑانے لگی۔ بیگم نے اسے دونوں شانوں سے تھام کر اٹھاتے ہوئے کہا۔'' سنا نہیں تم نے؟ سامان سمیٹو اور یہاں سے چلی جاؤ۔''

وہ ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ ہٹاتے بولی۔'' نہیں جاؤں گی۔ میں نہیں جاؤں گی۔''

'' خود سے نہیں جاؤ گی تو دھکے دے کر نکالی جاؤ

وہ اسے دھکے دینے لگی۔ پھر ایسے ہی وقت چو برابر بیٹھی ہوئی عورت اس کے دونوں بازو تھام کر تھی۔'' ارے! کیا پاگل ہو گئی ہو؟ ساری جگہ گھیر نے بھی مجھے دھکے دے رہی ہو؟''

وہ خیالوں سے چونک گئی تھی۔ بری طرح جھینپ عورت کو دیکھ رہی تھی پھر بولی۔'' معاف کرنا بہ دھیان کسی دوسری طرف چلا گیا تھا۔''

وہ عورت منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ بیگم آفتاب نے توقف کے بعد اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا'' سنو کس سلسلے میں آئی ہو؟''

وہ بولی۔'' ایک ذرا سی بات پر میری بیٹی کا گھ والا ہے۔''

'' ایسی کیا بات ہو گئی ہے؟''

عورت نے کہا۔'' ایک ڈاکٹر نے کہا تھا، میری ہو گئی ہے ... ابھی ابتدا ہے، علاج ہو سکتا ہے۔ لیکن ساس نے اسے اپنے بیٹے سے الگ کر دیا ہے۔ بیٹے ہے، بیوی کو طلاق دے ورنہ اسے بھی تپ دق کا م ہو جائے گا۔ اب تم ہی بتاؤ بہن! یہ ساس بننے والیا بیٹیوں کو بہو بنا کر کیوں ظلم کرتی ہیں؟''

بیگم آفتاب نے کہا۔'' یہ ظلم تو نہ ہوا۔ ایک ماں کو بہو کے موذی مرض سے بچانا چاہتی ہے۔''

اس عورت نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا۔'' سمجھے بغیر میری بیٹی کے خلاف بول رہی ہو۔ کیا تم ساس ہو؟''

بیگم آفتاب نے منہ پھیر لیا۔ اس عورت نے کہا پہلے کبھی موذی اور جان لیوا مرض تھا۔ اب تو ڈاکٹر جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے۔ میری بیٹی جڑ سے ختم ہو گیا ہے۔''

تو پھر مسئلہ کیا ہے؟''

'' مسئلہ یہ ہے کہ داماد نے اپنی ماں کے مجبور میری بیٹی کو اس طرح شرطیہ طلاق دی کہ اگر اس لاعلاج ہے تو میں طلاق دیتا ہوں۔ اگر قابلِ علاج یہ طلاق نہیں ہوگی۔''

نے منہ بنا کر کہا۔'' یہ لو! ایک بار طلاق دے دی، تو دی۔ بہو کو بیٹے سے الگ کر دیا تو پھر سمجھو ہمیشہ کے ہو گئی۔ میری مانو بہن! اپنی بیٹی کو گھر لے آؤ۔ اب کا شوہر رہا ہے اور نہ تمہارا داماد......''

عورت نے جل کر کہا۔'' تم اپنی کالی زبان بند رکھو تو ورنہ ابھی منہ سے زبان کھینچ کر ہتھیلی پر رکھ دوں گی۔ کر دوسروں کو فتویٰ دے رہی ہو۔ تو پھر اپنے لیے کیوں آئی ہو؟''

خاتون نے کہا۔'' کیوں آپس میں جھگڑ رہی ہو؟ تو میں کرنی ہے تو باہر چلی جاؤ۔'' دوسری خواتین بھی کر دیکھ رہی تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے منہ بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد اس خاتون کو طلب کیا گیا جو کی حمایت میں فتویٰ حاصل کرنے آئی تھی۔ وہ اپنی جگہ مفتی صاحب کے حجرے میں چلی گئی۔

آفتاب نے دوسری خاتون کی طرف جھک کر آہستگی '' دیکھ لینا! اس کی بیٹی کو طلاق ہو جائے گی۔''

خاتون نے گھور کر کہا۔'' کیا تم دماغی مریضہ ہو؟ کیا کا گھر اجاڑنا اچھا لگتا ہے؟''

آفتاب کھسیانی سی ہو کر ایک طرف سمٹ گئی۔ وہ جلد ہی حجرے سے باہر آ گئی۔ وہاں بیٹھی ہوئی ایک نے پوچھا۔'' کیا ہوا بہن؟''

عورت نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' خدا کا شکر ہے، داماد نے شرطیہ طلاق دی تھی۔ میری بیٹی کا مرض قابل ا۔ وہ مکمل طور پر صحت مند ہو چکی ہے اس لیے طلاق ی۔''

اس عورت نے بیگم آفتاب کو ناگواری سے دیکھتے کہا۔'' میری بیٹی کا گھر آباد رہے گا۔ خدا ایسی عورتوں کو رے۔ جو ساس بننے کے بعد چڑیل بن جاتی ہیں۔''

بیگم آفتاب کے پاس سے گزرتی ہوئی، حقارت سے کہتی ہوئی چلی گئی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد بیگم آفتاب کی آئی۔ اس نے حجرے میں آ کر مفتی صاحب کو سلام ان سے کچھ فاصلے پر دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ ایک کاغذ بہو کا اعمال نامہ لکھ کر لائی تھی۔ اس نے بڑے ادب کاغذ پیش کیا۔ مفتی صاحب اسے لے کر پڑھنے لگے۔ اب نے لکھا تھا۔

محترم مفتی صاحب!

میں بصد احترام اسلامی قوانین کی روشنی میں ایک مسئلے کا حل چاہتی ہوں۔

مسئلہ یہ ہے کہ ذیشان اور اسما عرصہ چھ سال سے ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں اور تادمِ تحریر اولاد سے محروم ہیں ذیشان اولاد کی خاطر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ اسما اپنی ہونے والی سوکن کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس نے بڑی رازداری سے فون پر ہونے والی سوکن سے گفتگو کی۔ اس سوکن سے جھوٹ کہا کہ وہ اس کی ہونے والی ساس یعنی ذیشان کی ماں ہے۔

ذیشان اسما کا شوہر ہے۔ جبکہ اسما نے فون پر خود کو ذیشان کی ماں کہہ دیا۔ یعنی دوسرے پہلو سے ذیشان کو بیٹا کہہ دیا۔

مسئلہ یہ ہے کہ اسما نے جس زبان سے ذیشان کے ساتھ نکاح قبول کیا تھا، اسی زبان سے اس نے شوہر کو بیٹا کہہ دیا اور خود کو اپنے شوہر کی ماں کہہ دیا۔ ایسا فون پر دو چار بار کہا گیا ہے۔

خاندان کے بزرگ معترض ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسما اپنے شوہر کے نکاح سے خارج ہو چکی ہے۔ لیکن ذیشان اپنی بیوی کی اندھی حمایت میں کہتا ہے کہ بیوی نے دل سے اپنے شوہر کو بیٹا نہیں کہا تھا۔ وہ فون پر محض ٹوہ لینے کی غرض سے خود کو ماں اور شوہر کو بیٹا کہتی رہی تھی۔

کسی بات کا سراغ لگانے کے لیے عارضی طور پر بیوی اپنے شوہر کو بیٹا کہہ دے تو کیا وہ اپنے شوہر کی بیوی رہے گی؟ یا اس کے نکاح سے خارج ہو جائے گی؟

کیا ہمارے دین اسلام میں اس بات کی گنجائش ہے کہ بیوی ایسی مذکورہ بالا غلطی کر بیٹھے اور بعد میں توبہ کرے اور معافی چاہے تو کیا اسے معافی مل جائے گی؟ کیا میاں بیوی کا رشتہ بحال رہے گا؟

اللہ تعالیٰ آپ کے دینی علوم میں اضافہ فرماتا رہے۔ آمین۔

آپ سے گزارش ہے کہ اسلامی قوانین کی روشنی میں مشورہ دیں۔ کیا اسما کی اتنی بڑی غلطی کو معاف کیا جا سکتا ہے؟ کیا اس کے لیے رحم کی گنجائش ہے؟ ویسے تو وہ توبہ کر رہی ہے اور اس سلسلے میں کفارہ ادا کرنا چاہتی ہے۔

ہم تو اس کی بھلائی چاہتے لیکن وہ اپنے لئے برائی کر چکی ہے۔ ہم آپ کا فیصلہ چاہتے ہیں۔

راقم الحروف

فلک آفتاب حیات

اور

بیگم آفتاب حیات"

اس عرضی کو پڑھنے کے بعد مفتی صاحب نے اپنی عینک درست کرتے ہوئے بیگم آفتاب کو دیکھا۔ وہ سر کا آنچل درست کرتے ہوئے ایسی طمانیت محسوس کرنے لگی، جیسے مفتی صاحب اس کی دلی مراد پوری کرنے والے ہوں۔ عینک کے پیچھے سے دیکھنے کا انداز کچھ ایسا ہی لگا، جیسے اسما کی غلطی انہیں بھی گراں گزری ہو۔

پھر وہ قلم اٹھا کر اس عرضی کے پیچھے لکھنے لگے۔

"محترمہ نیز محترم!

سوال مذکورہ میں جو مسئلہ اٹھایا گیا ہے، اس میں مسمات اسما نے جس زبان سے نکاح قبول کیا تھا اسی زبان سے اپنے شوہر کو بیٹا کہہ دیا۔ اور خاندان والے کہتے ہیں کہ اسما ذیشان کے نکاح سے خارج ہو چکی ہے۔

جبکہ یہ درست نہیں ہے۔ مسئلہ مذکورہ میں اگر چہ عورت نے جھوٹ کہا تا ہم وہ اپنے شوہر ذیشان کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی۔

مسئلہ مذکورہ کا جواب یہ ہے کہ طلاق عورت کی جانب سے نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کے کہنے پر اس کا شوہر بھی اس کا بیٹا نہیں بن سکتا۔

ویسے جھوٹ پھر جھوٹ ہے اور گناہ ہے۔ اسما کو اپنے جھوٹ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے اور آئندہ ایسی غلطی سے پرہیز کرنا چاہیے۔"

مفتی صاحب نے اپنی اس تحریر کے نیچے دستخط کیے اپنے نام کی مہر لگائی پھر اسے بیگم آفتاب کے حوالے کیا۔ وہ بے چینی سے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے لپک کر اس کاغذ کو لیا پھر اسے جلدی جلدی پڑھنے لگی۔ جیسے جیسے پڑھتی گئی، مایوس ہوتی گئی۔

اس نے شکایت بھری نظروں سے انہیں دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ انسان کی زبان کی اہمیت ہوتی ہے۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے اور عبادت کی جاتی ہے۔"

انہوں نے فرمایا "زبان محض ایک وسیلہ ہے اللہ تعالیٰ کا نام دل سے لیا جاتا ہے اور دل سے عبادت کی جاتی ہے۔"

"لیکن جو زبان تین بار نکاح قبول کرتی ہے، وہی زبان شوہر کو بیٹا کہہ دے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ اسما نے یہ بات زبان سے کہی۔ دل سے نہیں کہی۔ اور ایسا کہتے وقت اس کی نیت شوہر سے رشتہ بدلنے کی نہیں تھی۔ اس سے محض ایک غلطی ہوئی، وہ معافی چاہتی ہے۔"

انہوں نے عینک درست کرتے ہوئے کہا۔ "اہم بات یہ ہے کہ عورت کی زبان اس کی عقل کی طرح ہوتی ہے۔ اسی لیے عورت کی جانب سے کبھی طلاق نہیں ہوتی۔ اگر یہی بات شوہر کہتا اور رشتہ بدلتا تو طلاق ہو جاتی۔ اب آپ جائیں۔ دوسرے اپنی باری کے منتظر ہیں۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر آپ مطمئن نہیں ہیں تو حضرات سے رجوع کریں۔"

بیگم نے ناگواری سے منہ بنایا پھر وہاں سے چپ چاپ اٹھ کر چلی آئی۔ چلتے وقت قدم من من بھر کے لگ رہے تھے۔ جو جواب اس نے سوچا بھی نہیں تھا، وہ جوتے کی طرح پڑا تھا۔ اس کے اندر اسما قہقہے لگا رہی تھی۔ اس کے قہقہوں کے باعث بیگم کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ وہ ہارے ہوئے کی طرح رک رک کر تھم تھم کر چل رہی تھی۔

وہ اس دارالعلوم کی عمارت سے کیسے باہر آئی، کار تک پہنچی یہ وہی جانتی تھی۔ ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھولا۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں وہاں آ کر ڈرائیور نے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "چلیں گی؟"

وہ کمزور سی آواز میں بولی۔ "ذرا رک جا کولڈ ڈرنک لے آؤ۔"

وہ چلا گیا۔ کار ائیر کنڈیشنڈ تھی، لیکن وجود کے ہوا چل رہی تھی۔ پیاس کے مارے حلق میں کانٹے تھے اور شکست خوردگی دماغ میں کانٹے چبھو رہی تھی کر توہین کے احساس سے مری جا رہی تھی کہ بہو کا منہ سے کرے گی؟

ایک ضد پیدا ہونے لگی کہ گھر نہیں جائے گی۔ گی مگر بہو کی نظروں سے نہیں گرے گی۔ بقول شاعر یہ سوچ رہی تھی کہ مر جائے گی، مر کے بھی چین نہ پا جائے گی؟

اسما ہر معاملے میں سبقت لے جاتی تھی۔ اس کا دل اور دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "مجھے شکست نہیں چاہیے۔ ہاری ہوئی بازی جبراً جیتی نہ جا سکے تو فریب سے جیتی جا سکتی ہے۔"

مگر کیسے؟ ایسی کیا تدبیر کرے کہ دینی قانون

ب کا فیصلہ بدل جائے؟

ڈرائیور کولڈ ڈرنک لے آیا۔ وہ اسے لے کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ حلق سے کلیجے تک ٹھنڈک پہنچنے لگی۔ دماغ کام کرنے لگا۔ ذہن میں ایک تدبیر پکنے لگی۔ اس نے واپس کرتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔ "چلو......!"

وہ دکاندار کو بوتل دے کر اسٹیئرنگ سیٹ پر آ گیا۔ اسٹارٹ کرنے لگا۔ وہ موبائل فون پر ایک نمبر پنچ کرنے لگی۔ کار دھیمی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ رابطہ ہونے پر بولی۔ "ہائے شیریں! کہاں ہو؟ کیا کر رہی ہو؟"

اس کی سہیلی شیریں کی آواز سنائی دی۔ "میں تو گھر میں ہوں۔ تم کہاں اڑتی پھر رہی ہوں ابھی گھر میں فون کیا تو تمہارے میاں نے کہا، کہیں بن سنور کر بجلی گرانے گئی ہو۔"

"میرے میاں کی عادت ہے مذاق کرنے کی۔ تم گھر پر ہو تو میں ابھی آ رہی ہوں۔ تم سے ایک ضروری کام ہے۔"

"یو آر موسٹ ویلکم......"

وہ فون بند کر کے ڈرائیور سے بولی۔ "میڈم شیریں کے گھر چلو۔"

شیریں گل ان زمانے سے اس کی سہیلی تھی جب وہ دونوں لندن میں جونیئر کیمبرج کی اسٹوڈنٹ تھیں۔ دونوں اپنے کھٹے میٹھے افیئرز ایک دوسرے سے شیئر کرتی تھیں۔ شادی کے معاملے میں ان کا مقدر ایک تھا۔ دلہن بننے کے بعد لندن کے رنگین ماحول سے نکل کر پاکستان آنا پڑا۔

یہاں بھی وہ ہائی سوسائٹی مینٹین کرتی تھیں۔ آل پاکستان وومنز آرگنائزیشن اور وومنز کلب میں بہ ظاہر خواتین کی فلاح و بہبود کا چرچا کرتی تھیں۔ لیکن اپنی فطرت کے مطابق کم حیثیت کی خواتین کو تنقید کا نشانہ بناتی تھیں۔ رمی کھیلتی تھیں۔ بڑی بڑی رقمیں کبھی جیتی تھیں، کبھی ہارتی تھیں۔ یوں اپنی اونچی حیثیت کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

شیریں گل نے اسے دیکھتے ہی مسکرا کر کہا۔ "ہائے سوئٹی! میں نے تمہارے انتظار میں لنچ نہیں کیا ہے کم آن ہم ڈائننگ ٹیبل پر ٹاک کریں گے۔"

"وہاٹس رانگ ود یو؟"

اس کے ساتھ جو رانگ ہو رہا تھا، وہ اس کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگی۔ شیریں نے اس کی روداد سننے کے بعد کہا۔ "تم کہاں دین مذہب کے چکر میں پڑ گئی ہو؟ یہ فتویٰ دینے والے اس بہو کو گھر سے نکلنے نہیں دیں گے۔ اسے تمہارے سر پر مسلط رکھنے کی باتیں کرتے رہیں گے۔"

"پھر میں کیا کروں؟ ہم کس ملک میں آ پھنسیں ہیں؟ یہاں تو ہر بات دین اسلام کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ مفتی صاحب نے تو میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے ان کا فیصلہ مان لیا جائے۔ سیدھی انگلی سے گھی نہ نکلے تو ٹیڑھی انگلی سے نکال لیا جاتا ہے۔ رانگ از ناٹ آل ویز رانگ۔ سم ٹائمز اٹ بی کمس رائٹ......"

بیگم آفتاب نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "تم رانگ کو رائٹ کرنا جانتی ہو۔ اسی لیے آئی ہوں۔ تم نے اپنے میاں کے دماغ میں اپنی سوکن کے خلاف زہر بھر دیا تھا۔ سوکن کی مخصوص تحریر میں ایک ایسا جعلی خط لکھوایا تھا جسے پڑھتے ہی میاں صاحب نے اسے طلاق دے دی تھی۔"

وہ شیریں کی طرف ذرا جھک کر بولی۔ "کیا میں جعلی فتویٰ حاصل نہیں کر سکتی؟"

دونوں سہیلیاں مکاری سے مسکرانے لگیں۔ دونوں کے دل، دماغ، ارادے اور نیتیں ایک ہوا کرتی تھیں۔ بیگم آفتاب نے پوچھا۔ "تم نے وہ جعلی خط کس سے لکھوایا تھا؟"

وہ اپنے پرس سے مفتی صاحب کا دیا ہوا کاغذ نکال کر اسے دکھاتے ہوئے بولی۔ "کیا وہ ہو بہو مفتی صاحب کی تحریر کی نقل کر سکے گا؟"

شیریں گل نے اس کاغذ کی تحریر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت بڑا جعلساز ہے۔ فراڈ کے کیس میں جیل بھی جا چکا ہے۔ وہ صرف تحریر کی ہی نقل نہیں کرے گا، اس عالم دین مفتی کے نام کی اور اس دارالعلوم کی ایسی ہی ہو بہو مہر بھی تیار کر دے گا۔ کوئی اس جعلی فتوے کو عدالت میں بھی چیلنج نہیں کر سکے گا۔"

بیگم آفتاب نے اطمینان کی اتنی گہری اور لمبی سانس لی جیسے پیدا ہونے کے بعد پہلی بار سانس لے رہی ہو۔ یہ مشرقی معاشرے کا چلن ہے۔ بہو کی لاش پر کھڑے ہونے سے ہی ساس کو عروج حاصل ہوتا ہے۔

☆☆☆

لی پاشا ایک صوفے پر بیٹھی پریشان ہو کر اپنی بیٹی شکیلہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ موبائل فون کان سے لگائے اپنے باپ نانا بھائی سے رابطہ کرنے کی بار بار کوششیں کر رہی تھی اور رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جھنجلا کر بولی۔ "پتا نہیں پاپا دن رات کہاں مصروف رہتے ہیں۔ بیٹی سے باتیں کرنے کا وقت بھی نہیں نکال سکتے۔"

بی پاشا نے بڑے پیار سے کہا۔ ''تم اپنے پاپا کی مصروفیات کو اچھی طرح سمجھتی ہو۔ ان کا فون اکثر انگیج رہتا ہے۔ کوشش کرتی رہو، رابطہ ہو جائے گا۔''

پھر وہ زیرِ لب بڑبڑانے لگی۔ ''پتا نہیں وہ کم بخت اشعر کہاں مر گیا ہے؟ کس کی قبر میں جا کے گھس گیا ہے؟ نہ اغوا کرنے والوں کے پاس ہے نہ ہی اپنے گھر میں ہے۔ اللہ کرے کہیں مر ہی گیا ہو۔''

''ممی! سوچ سمجھ کر بددعا دیں۔ وہ مر جائے گا تو آپ کسے اغوا کرائیں گی؟ اس خودسر جاوید کو کیسے بلیک میل کریں گی اور اسے کس طرح میرے قدموں میں گرائیں گی؟''

''میں تو جھنجلا کر اس کے مرنے کی بات کر رہی ہوں۔ ورنہ وہ بچہ خزانے کی کنجی ہے۔ ہمارے لیے سب سے اہم ہے۔''

شکیلہ باتیں کرنے کے دوران وقفے وقفے سے ری ڈائل کا بٹن دبا رہی تھی۔ پھر خوش ہو کر بولی۔ ''ممی! بیل جا رہی ہے۔''

اس نے فون کو کان سے لگایا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی نانا بھائی کی شفقت بھری آواز سنائی دی۔ ''میری بیٹی! میری جان! خیریت سے ہو؟''

وہ روٹھنے کے انداز میں بولی ''میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔ میں خیریت سے ہوں یا نہیں آپ کو کیا پروا ہے؟''

''اوہو میری بیٹی ناراض ہو گئی ہے۔ میری جان! تم سمجھدار ہو گئی ہو۔ یہ جانتی ہو کہ میں جرائم کی دنیا میں کیسے کیسے خطرناک گیمز کھیلتا ہوں۔ مجھے سانس لینے کی ذرا بھی فرصت ملتی ہے تو میں فوراً ہی تمہیں کال کرتا ہوں۔''

''آپ خطرات سے کھیلتے ہیں۔ لیکن میرے لیے ایک معمولی سا گیم نہیں جیت رہے ہیں۔ پتا نہیں کس ناکارہ شخص سے کام لے رہے ہیں؟ اسے آم چرانے کو کہا تھا اور امرود چرا کر لے آیا تھا۔''

''ایسے معاملات میں بڑے بڑوں سے بھول چوک ہو جاتی ہے۔ تم ذرا صبر کرو۔ تمہارا باپ اس بچے کو پاتال سے بھی نکال کر لے آئے گا۔''

ایک ملازمہ نے کمرے میں آ کر بی پاشا سے کہا۔ ''صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''تم باتیں کرو، میں آتی ہوں۔''

وہ وہاں سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ صمد بیوپاری ایک صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اس نے آہٹ سن کر آنکھیں کھول دیں۔ بی پاشا نے پوچھا۔ ''کیا جاوید بیٹے کو دیکھنے وہاں گیا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''وہ اپنے کمرے میں گیا ہے۔ چینج کر کے بعد ابھی جائے گا۔''

وہ ناگواری سے بولی۔ ''اونہہ، بچے کو ہاتھ سے ہاتھ کر دیا اس اندھی کو اپنی بیوی کی آنکھیں بھی دیں اور بچہ بھی دے دیئے۔ خود اندھا بن کر بیٹھ گیا ہے۔ جب میں کہہ رہی ہوں کہ اس بچے کو کہیں لے جا کر پھینک دیا گیا۔ جاوید کو دوڑتے ہوئے وہاں جانا چاہیے۔ ان کا محاسبہ کرنا چاہیے۔''

صمد بیوپاری نے کہا۔ ''میں کہہ چکا ہوں، وہ ابھی جائے گا۔ ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہیں اشعر کی گمشدگی کے بارے میں کس سے خبر ملی؟''

''آپ کا بیٹا اور پوتے پوتی میرے سوتیلے ہیں مگر میں ان کے لیے سوتیلی نہیں ہوں۔ وہ یہاں سے چلے گئے، پھر بھی ان کی خبر رکھتی ہوں۔ عینی کی کوٹھی میں جو ملازمہ ہے، اسے کچھ دیتی دلاتی رہتی ہوں۔ اسی نے مجھے یہ خبر دی ہے۔''

صمد بیوپاری نے مطمئن ہو کر اسے دیکھا۔ ایسے ہی وقت جاوید اپنے کمرے سے نکل کر وہاں آیا۔ بی پاشا کو دیکھ کر رک گیا۔ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''آپ کو بڑی بے چینی ہے کہ میں عینی کے گھر حقیقت معلوم کرنے کیوں نہیں جا رہا ہوں؟ یور کائنڈ انفارمیشن، مجھے عینی پر بھروسا ہے۔ وہ میرے بچوں کو کبھی نقصان نہیں پہنچنے دے گی۔ پھر بھی......''

اس نے باپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ڈیڈی کے حکم سے وہاں جا رہا ہوں۔ میں نے ابھی آپ کی باتیں سنی ہیں۔ وہاں جا کر یہ ضرور معلوم کروں گا کہ آپ کے لیے جاسوسی کرنے والی وہ ملازمہ کون ہے؟''

بی پاشا نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ جاوید کے وہاں جانے سے بھانڈا پھوٹنے والا تھا۔ وہاں اس کے لیے جاسوسی کرنے والی کوئی ملازمہ نہیں تھی۔ وہ ذرا سنبھل کر بولی۔ ''تمہارے سامنے کوئی ملازمہ یہ نہیں اگلے گی کہ عینی سے غداری کرتی اور میری تابعداری کرتی ہے۔ کوئی اپنی اصلیت بتا کر ملازمت سے نہیں جائے گی۔''

پھر وہ صمد بیوپاری سے بولی۔ ''آپ اسے سمجھائیں وہاں جا کر خواہ مخواہ کسی غریب کے پیٹ پر لات نہ مارے۔''

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''سوتیلوں کے درمیان یہی تو تُو تُو میں میں ہوتی رہتی ہے۔ میں روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ پلیز جاوید! میرے پوتے کے پاس جاؤ۔''

وہ بی پاشا کو نفرت سے دیکھتا ہوا جانے لگا۔ دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی کال بیل کی آواز سنائی دی۔ اس نے دروازے کو کھولا۔ کھلے ہوئے دروازے پر ایک پولیس انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا اس نے کہا۔ سوری فار ڈسٹربنگ یو۔ ایک بچے کو اغوا کیا گیا تھا۔ میں اس سلسلے میں کچھ باتیں کرنے آیا ہوں۔''

جاوید نے چونک کر کہا۔ ''آپ کا بہت بہت شکریہ ہم اس بچے کے لیے بہت پریشان ہیں۔ آئیں تشریف لائیں۔''

وہ ایک سپاہی کے ساتھ اندر آیا۔ باقی باہر کھڑے رہے۔ صمد بیوپاری پولیس انسپکٹر کو سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ جاوید نے اپنے باپ سے کہا۔ ''یہ اشعر کے اغوا کے سلسلے میں آئے ہیں۔''

صمد بیوپاری نے بڑی بے قراری سے پوچھا۔ ''کہاں ہے میرا پوتا؟''

انسپکٹر نے بی پاشا پر ایک نظر ڈالی پھر کہا۔ ''بچے کو اغوا کر کے ایک مکان میں چھپایا گیا تھا۔ اس کوٹھی سے ایک خاتون اس بچے کے پاس گئی تھیں۔''

دوسری طرف بی پاشا کو یکلخت یوں محسوس ہوا جیسے بدن کا تمام خون خشک ہو گیا ہو۔ وہ پریشان ہو کر کبھی جاوید کو اور کبھی اپنے بوڑھے شوہر کو دیکھنے لگی۔ جاوید نے حیرانی سے پوچھا۔ ''اس گھر سے ایک خاتون......؟ اس بچے سے ملنے گئی تھیں؟''

صمد بیوپاری نے بی پاشا کو دیکھتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔ ''یہاں سے کون جا سکتی ہے؟''

جاوید نے انسپکٹر سے پوچھا۔ ''کیا آپ اس خاتون کو پہچانتے ہیں؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''میں اسے نہیں پہچانتا لیکن وہ جس کار میں بیٹھ کر وہاں گئی تھی اس کا نمبر KA4301 ہے۔ اور اس نمبر کی کار یہاں کوٹھی کے پورچ میں کھڑی ہوئی ہے۔''

جاوید اور صمد بیوپاری نے چونک کر بی پاشا کو دیکھا۔ پھر صمد بیوپاری نے کہا۔ ''یہ کار تو تمہاری ہے۔ کیا تم اشعر سے ملنے کہیں گئی تھیں؟''

جاوید نے غصے سے سوتیلی ماں کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ ''میرے بیٹے کو کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے؟ تم نے اسے اغوا کرایا ہے اور یہاں آ کر عینی کے خلاف بکواس کر رہی ہو؟''

وہ دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچتے ہوئے بولا۔ ''کہاں ہے میرا بیٹا......؟''

صمد بیوپاری نے بی پاشا کو اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ ''بیٹے! غصہ نہ کرو۔ سہولت سے پوچھو، ابھی معلوم ہو جائے گا۔''

جاوید اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ بی پاشا گلے پر ہاتھ رکھ کر کھنکارتی ہوئی بولی۔ ''کل میں ڈرائنگ روم میں تنہا تھی، کسی نے فون پر کہا۔ تمہارے گھر کے بچے کو اغوا کیا گیا ہے۔ اسے زندہ سلامت لے جانا چاہتی ہو تو ایک لاکھ روپے لے کر آ جاؤ۔ میں وہ رقم لے کر اس کے بتائے ہوئے پتے پر گئی تھی۔ لیکن اس مکان میں جس بچے کو اغوا کر کے رکھا تھا وہ ہمارا اشعر نہیں تھا۔ میں وہاں سے چپ چاپ چلی آئی۔''

صمد بیوپاری نے پوچھا۔ ''کسی نے فون پر اشعر کے اغوا ہونے کی اطلاع تمہیں دی اور تم جھوٹ بول رہی تھیں کہ عینی کی کسی ملازمہ نے تمہیں خبر کی تھی۔''

وہ پریشان ہو کر جواب سوچنے لگی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اچانک کہیں سے پولیس والے آ جائیں گے۔ اور بھید یوں کھلنے لگے گا۔ وہ تدبیر کرتے وقت بھول گئی تھی کہ مقدر بھی اپنی من مانی کرتا رہتا ہے۔

صمد بیوپاری نے کہا۔ ''تمہیں اشعر کے اغوا ہونے کی اطلاع فون پر ملی اور تم اتنی بڑی بات کل سے چھپا رہی ہو۔ تم ایسی حرکتیں کیوں کر رہی ہو؟''

جاوید نے غصے اور نفرت سے کہا۔ ''یہ پوچھیں، ان کے ارادے کیا ہیں؟ ان کی نیت کیا ہے؟''

بی پاشا مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہوئے بولی۔ ''میں اپنی شکیلہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں، میری کوئی بری نیت نہیں ہے۔ میں چاہتی تھی، پہلے چپکے چپکے اشعر کو تلاش کروں گی پھر آپ کو یہ بات بتاؤں گی۔''

جاوید نے گرج کر کہا۔ ''بکواس کر رہی ہو تم...... میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا، تم آستین کا سانپ ہو۔ اسی لیے بچوں کو عینی کے حوالے کیا تھا۔ لیکن تم وہاں بھی انہیں ڈس رہی ہو۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں، میرے بیٹے کو تم نے اغوا کرایا ہے۔''

انسپکٹر نے کہا۔ ''جسٹ اے منٹ۔ یہ کہہ رہی ہیں وہ اغوا ہونے والا بچہ اشعر نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ آپ بھی اس

بچے کو دیکھیں۔ ہو سکتا ہے، ان محترمہ کا بیان غلط ہو۔"

پھر اس نے سپاہی سے کہا۔ "جاؤ بچے کو لے آؤ۔"

سپاہی چلا گیا۔ انسپکٹر نے کہا۔ "وہ بچہ ہماری گاڑی میں ہے۔ بہت سہما ہوا ہے۔ خدا کرے کہ وہ آپ ہی کا ہو۔"

سپاہی اس بچے کو لے آیا۔ جاوید اور صمد بیوپاری اسے دیکھ کر مایوس ہو گئے۔ جاوید نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "یہ میرا بیٹا اشعر نہیں ہے۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "تعجب ہے، اس بچے کے والدین یا سرپرستوں نے اس کی گمشدگی کی رپورٹ کسی تھانے میں درج نہیں کرائی۔ آپ حضرات تعلیم یافتہ ہیں، آپ نے بھی یہی کیا ہے۔ پولیس کی مدد کے بغیر گمشدہ بچے کو تلاش کر رہے ہیں۔ کیا اسے اغوا کرنے والے نے کسی طرح کی دھمکی دی ہے؟"

صمد بیوپاری نے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میری..... وائف نے اس کی گمشدگی کی بات چھیڑی تھی۔"

جاوید نے کہا۔ "میں ابھی وہاں حقیقت معلوم کرنے جا رہا تھا جہاں میرے بچوں کو امانت کے طور پر رکھا گیا ہے۔ میں وہاں جاؤں گا تو اصل معاملے کا پتا چلے گا۔"

انسپکٹر نے بی پاشا کو دیکھا پھر جاوید سے کہا۔ "آپ نے خاتون سے جو جارحانہ سلوک ابھی کیا تھا، اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہ محترمہ ناقابلِ اعتماد ہیں۔ انہیں تھانے چل کر بیان دینا ہوگا کہ یہ ایسی جگہ کیوں گئی تھیں، جہاں ایک بچے کو چھپا کر رکھا گیا تھا؟ میرا تجربہ کہتا ہے، اغوا کنندگان سے ان کا کوئی تعلق ہے۔"

بی پاشا نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں...... نہیں...... میرا کسی مجرم سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ خواہ مخواہ مجھ پر شبہ نہ کریں۔"

انسپکٹر نے بچے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "اس عورت کو پہچانتے ہو؟ یہ وہاں ان بدمعاشوں کے پاس آئی تھی؟"

وہ بچہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "آئی تھی......"

وہ جلدی سے بولی۔ "میں کہہ تو رہی ہوں، وہاں اپنے اشعر کو لینے گئی تھی، پھر اس بچے کو دیکھ کر، اپنے اشعر کو نہ پا کر وہاں سے آ گئی۔"

"سوری، آپ کو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔ ہم وہاں اچھے اچھوں سے سچ اگلوانا جانتے ہیں۔"

بی پاشا نے صمد بیوپاری کے پاس آ کر کہا۔ "میں نہیں جاؤں گی۔ آپ یہیں بیان لینے پر انہیں راضی کریں۔"

جاوید نے کہا۔ "نجات اسی وقت ملے گی، جب سچ بولو گی تو پھر یہیں سچ بول دو۔"

وہ عاجزی سے بولی۔ "میں اپنی شکیلہ کی قسم کھا کر کہتی......"

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ انسپکٹر کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ میں ہاتھوں کی لکیروں کا لکھا ہوا پورا کرتا ہوں، اس وقت بی پاشا کی ہتھیلی پر چل رہا تھا۔ انسپکٹر فون کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے۔ اسے فوراً یہاں لے آؤ۔"

اس نے فون بند کر کے طنزیہ انداز میں بی پاشا کو دیکھا پھر کہا۔ "تم ان تین بدمعاشوں سے ملنے گئی تھیں۔ ان میں سے ایک گرفتار ہو گیا ہے۔"

بی پاشا کا خون پھر خشک ہونے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اسے یہاں لایا جا رہا ہے۔ اب تمہارا کیا خیال ہے؟ اس کے آنے سے پہلے سچ بول دو۔ ورنہ وہ اپنے ساتھ تمہارا بھی کچا چٹھا بیان کرنے والا ہے۔"

وہ بری طرح پھنس رہی تھی۔ کوئی اسے مصیبت سے نکالنے والا نہیں تھا۔ ایسے وقت بوڑھا شوہر بھی اس کا ساتھ نہ دیتا کیونکہ وہ اس کے پوتے کو نقصان پہنچانے والا کام کر رہی تھی۔

ایسے وقت یہی بات سمجھ میں آئی کہ اپنے سابقہ شوہر نانا بھائی سے مدد حاصل کرنی چاہیے۔ وہ بولی۔ "میں نہیں جانتی، کس بدمعاش کو گرفتار کر کے یہاں لایا جا رہا ہے؟ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ مجھ پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔"

پھر وہ اپنے شوہر سے بولی۔ "میں واش روم جا رہی ہوں۔ ابھی آ جاؤں گی۔"

وہ پلٹ کر جانا چاہتی تھی۔ انسپکٹر نے کہا۔ "جسٹ اے منٹ۔ یہ سپاہی ساتھ جائے گا۔ واش روم کے باہر کھڑا رہے گا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میرا کوئی جرم ثابت نہیں ہوا ہے۔ آپ مجھ پر ایسی پابندی کیوں لگا رہے ہیں؟"

وہ خشک لہجے میں بولا۔ "میں بحث نہیں کرتا۔ اپنی ڈیوٹی کرتا ہوں......"

اس نے منہ پھیر لیا۔ واش روم نہیں گئی۔ شکیلہ ڈرائنگ روم کے باہر دروازے کی آڑ میں کھڑی ہوئی تمام باتیں سن رہی تھی۔ اپنی ماں کو قانون کی گرفت میں آتے دیکھ رہی تھی۔

وہاں سے پلٹ کر جانے لگی۔ اس وقت جو ماں نہیں کر سکتی تھی، بیٹی بہ آسانی کر سکتی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد دو سپاہی ایک بدمعاش کو ہتھکڑیاں پہنا کر وہاں لائے۔ بی پاشا نے دور ہی سے اسے پہچان لیا۔ اس سے منہ چھپانے کے لیے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

ایک سپاہی نے انسپکٹر سے کہا۔ "سر! جہاں بچے کو چھپایا گیا تھا، وہاں کے ایک پڑوسی نے اس کی نشاندہی کی تھی۔ ہم اسے جوئے کے ایک اڈے سے پکڑ کر لا رہے ہیں۔"

انسپکٹر نے اس مجرم سے پوچھا۔ "تم کس کے لیے کام کر رہے تھے؟ بچے کو وہاں کیوں لے گئے تھے؟"

اس نے ہچکچاتے ہوئے بی پاشا کی طرف دیکھا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "مجھے کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا میں نے اسے اغوا کرنے کو کہا تھا؟"

انسپکٹر نے اس بدمعاش کی طرف تنبیہ کے انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اگر جھوٹ بولو گے، کوئی بات چھپاؤ گے تو جانتے ہو۔ تھانے میں کس طرح ڈنڈے برسیں گے؟"

وہ بولا۔ "حضور! ایک بہت ہی زبردست اور دولت مند آدمی ہے۔ ہم جیسوں سے کام لینے کے لیے پیسا پانی کی طرح بہاتا ہے۔ کبھی ہمارے سامنے نہیں آتا۔ میں اسے صورت سے نہیں پہچانتا۔ وہ فون پر حکم دیتا ہے۔ ہم تابعداری کرتے ہیں۔"

انسپکٹر نے بی پاشا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "اسے تو پہچانتے ہو۔ یہ تمہارے پاس آئی تھی۔"

"جی حضور! اس آدمی نے حکم دیا تھا، بچے کو اغوا کرنے کے بعد اسے اس عورت کے حوالے کر دیا جائے۔"

بی پاشا نے جلدی سے کہا۔ "میں اس بچے کو اشعر سمجھ کر گئی تھی۔ پہلے بھی کہہ چکی......"

انسپکٹر نے ڈانٹ کر کہا۔ "یو شٹ اپ۔ جب تک کچھ پوچھا نہ جائے۔ تم خاموش رہو گی۔"

پھر اس نے اس مجرم سے پوچھا۔ "کیا اس نے اس آدمی سے فون پر یہ کہا تھا کہ وہ بچہ اشعر نہیں ہے؟ اور کیا یہ ایک لاکھ روپے لے کر آئی تھی؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "وہاں رقم کا کوئی لین دین نہیں تھا۔ اس نے اپنے فون سے انڈیا میں کسی آدمی سے بات کی تھی۔ اس سے شکایت کر رہی تھی کہ ہم اسے غلط بچہ دے رہے ہیں۔"

بی پاشا کٹے ہوئے شہتیر کی طرح دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ کبھی خواب میں بھی یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ بات اس طرح کھلتی چلی جائے گی۔

جاوید اور صمد بیوپاری اسے گھور کر دیکھ رہے تھے۔ صمد نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ کیسی کمینگی دکھا رہی ہو؟ ابھی کہہ رہی تھیں، اشعر کو لانے کے لیے یہاں سے ایک لاکھ روپے لے کر گئی تھیں۔ جبکہ وہاں رقم کا کوئی لین دین نہیں تھا۔ تم ان تمام معاملات کو ہم سے چھپاتی رہیں لیکن کسی انڈیا والے سے اشعر کے معاملے میں بولتی رہیں۔ وہاں کون تمہارا سگا بیٹھا ہے؟"

جاوید نے کہا۔ "ڈیڈ! اس سے کیا پوچھتے ہیں؟ کیا آپ نہیں جانتے، وہاں اس کا سابقہ شوہر یوسف جان ہے۔ اسے نانا بھائی بھی کہتے ہیں۔"

صمد نے بھولی ہوئی باتیں یاد کرنے کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "اوہ خدایا! اس نے بتایا تھا۔ وہ نانا بھائی وہاں مجرمانہ زندگی گزارتا ہے۔ کیا تم یہاں بیٹھ کر بارڈر پار اس سے ساز باز کرتی رہتی ہو؟ میرے پوتے کو اغوا کرانے کے لیے اپنے سابقہ شوہر سے کام لے رہی ہو؟"

جاوید غصّے کے مارے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اس نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "ڈیڈ! آپ نے اس ذلیل عورت سے شادی کر کے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ اپنے ساتھ بیٹے کی اور پوتے پوتی کی زندگیوں کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ اگر آپ میری اور آیندہ نسل کی بہتری چاہتے ہیں تو اسے ابھی لات مار کر پولیس کے حوالے کریں۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "یہ یہاں آدھا بولے گی۔ آدھا پیٹ میں رکھے گی۔ حوالات میں بدترین سلوک کیا جائے گا تو یہ سارا سچ اگل دے گی۔"

صمد بیوپاری نے حقارت سے کہا۔ "بے شک، آپ اسے لے جائیں۔ سارا سچ سامنے آتے ہی میں اسے طلاق دے دوں گا۔"

بی پاشا نے التجا آمیز لہجے میں۔ "فار گاڈ سیک۔ میرے خلاف کوئی فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں۔ میں تنہائی میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"میں تنہائی میں کچھ بولنے اور سننے والا رشتہ ختم کر رہا ہوں۔ تم میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔ پلیز۔ انسپکٹر! آپ اپنا فرض پورا کریں۔"

ایسے ہی وقت شکیلہ ہاتھ میں فون لیے صمد بیوپاری کے پاس آئی پھر فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے

بولی۔ ''میرے پاپا آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ پلیز، ان کی بھی کچھ سن لیں۔''

صمد نے غصے سے فون کی طرف دیکھا۔ پھر شکیلہ کو دھتکارنے کے انداز میں کہا۔ ''جاؤ یہاں سے۔ میں کسی سے بات نہیں کروں گا۔''

بی پاشا نے فوراً ہی ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''آپ کو اپنے پوتے پوتی کا واسطہ۔ ایک بار ان سے بات کرلیں۔''

اس نے گھور کر بی پاشا کو دیکھا پھر چھیننے کے انداز میں شکیلہ سے فون لے کر اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں بھونکو۔ کیا بھونکنا چاہتے ہو؟''

دوسری طرف سے نانا بھائی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ابھی ایک منٹ کے بعد تو بھونکے گا۔ تیرے بیٹے کا پلا میری کسٹڈی میں پیاؤں پیاؤں کررہا ہے۔ اگر اپنے پوتے کی زندگی چاہتا ہے تو بی پاشا کو پولیس کے حوالے کرنے کی بھول نہ کرنا۔''

صمد بیوپاری نے پریشان ہوکر بیٹے کو دیکھا۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے ڈیڈ؟''

وہ ڈوبتی ہوئی آواز میں فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''ہمارا اشعر اس کے پاس ہے۔''

جاوید نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس فون کو باپ سے لیا پھر اسے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا میرا بیٹا تمہارے پاس ہے؟''

''یقیناً تم جاوید بول رہے ہو۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ اپنے بیٹے کو پورے شہر میں پورے پاکستان میں ڈھونڈلو۔ وہ نہ ملے تو جواب مل جائے گا کہ میرے پاس ہے۔''

''یہ تم سب ہم سے کیوں دشمنی کررہے ہو؟ میں اپنے بیٹے کی آواز سننا چاہتا ہوں۔''

نانا بھائی نے کہا۔ ''ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ آواز بھی سنو گے، اسے گلے بھی لگاؤ گے لیکن پہلے بی پاشا کو پولیس والوں سے نجات دلاؤ۔ وہ گھر کی چار دیواری میں پہلے کی طرح عزت سے رہے گی۔ اگر اسے حوالات میں پہنچاؤ گے تو میں اشعر کو بہت اوپر پہنچادوں گا۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ فون بی پاشا کو دو۔''

جاوید نے فون بی پاشا کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے کان سے لگا کر دوسری طرف کی باتیں سننے لگی۔

وقفے وقفے سے، ہاں ہاں۔ ہوں ہوں، کہنے لگی۔ پھر خوش ہوکر بولی۔ ''او یوسف جان! یو آر ونڈرفل۔ آئی ریلی لو یو۔ میں ہر ایک گھنٹے بعد اپنی خیریت کی اطلاع دیتی رہوں گی۔''

اس نے دوسری طرف کی بات سنی پھر فون کو بند کردیا۔ فاتحانہ انداز میں ان باپ بیٹے کو دیکھنے لگی۔ اس کی نظروں میں چیلنج تھا۔ ''کرو۔ اب کیا کرتے ہو؟ بگاڑو میرا کیا بگاڑ سکتے ہو......؟''

مقدر میں جو لکھا تھا، اس کے مطابق بی پاشا کو اس کے برے اعمال کی سزا ملنی چاہیے لیکن وہ ہر بار سزا کی دلدل میں دھنستے دھنستے پھر نکل آتی تھی۔

پہلی بار اس پر شبہ ہوا کہ وہ اشعر کے اغوا کے متعلق کچھ جانتی ہے۔ اس وقت اس کی مکاری ظاہر ہوسکتی تھی لیکن بات بنا کر نکل گئی۔ دوسری بار پولیس والوں نے آکر بتایا کہ وہ اغوا کرنے والے تین بدمعاشوں سے ملنے گئی تھی۔ اس وقت اس محلے کے یا پڑوس کے کسی شخص نے اس کی کار کا نمبر نوٹ کیا تھا۔ اس طرح پولیس والے اس کا محاسبہ کرنے وہاں پہنچ گئے تھے۔ اس وقت بھی بھید کھل سکتا تھا۔ اس اغوا ہونے والے دوسرے بچے نے بھی اس کی شناخت کی تھی لیکن اس نے بڑی چالاکی سے خود پر الزام نہیں آنے دیا تھا۔

تیسری بار اغوا کرنے والوں میں سے ایک بدمعاش کو گرفتار کرکے وہاں لایا گیا تھا۔ اس نے پوری طرح بھید کھول دیا کہ وہ اشعر کے اغوا کے سلسلے میں کسی ہندوستانی شخص سے فون پر باتیں کررہی تھی۔

اب تو پوری طرح جرم ثابت ہوگیا تھا کہ وہ اشعر کو اغوا کرانے کی سازشیں کرتی رہی ہے۔ اب وہ گھر سے تھانے، تھانے سے عدالت اور عدالت سے جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے جانے والی تھی۔

مکافاتِ عمل کے مطابق سزا پانے والے بڑی ذہانت سے مکاری سے اور طرح طرح کی تدابیر سے تقدیر کا لکھا بدل دیتے ہیں۔ مقدر کو ٹھینگا دکھاتے ہیں اور مدبر کہلاتے ہیں۔

میں اسے سزا کی طرف لارہا تھا اور وہ جزا کی طرف جارہی تھی۔ جرم ثابت ہونے کے باوجود سزا سے بچنے کا راستہ نکال چکی تھی۔ نانا بھائی قانون کے مکھن سے ایک بال کی طرح اسے نکال رہا تھا۔

ان باپ بیٹے نے شکست خوردہ انداز میں بی پاشا کو دیکھا۔ پھر صمد بیوپاری نے انسپکٹر سے کہا۔ ''آپ اس معاملے کو یہیں ختم کردیں۔ ہمارا بچہ کہیں گم ہوا ہے یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے، ہم آپس میں نمٹ لیں گے۔''

وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ ''یہ آپ کے گھر کا معاملہ نہیں ہے بیگم صاحبہ واردات کرنے والے بدمعاشوں سے ملنے جاتی ہیں۔ اغوا کے سلسلے میں فون پر کسی ہندوستانی سے باتیں کرتی ہیں۔ ہم حوالات میں ان سے اور بھی بہت کچھ اگلوا سکتے ہیں۔''

پھر وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ ''آپ ہی بتائیں، اتنا سنگین معاملہ کس طرح رفع دفع ہوسکتا ہے؟ ہمیں بھی اوپر جواب دینا پڑتا ہے۔ آپ ہماری مشکل آسان کریں گے تو ہم آپ کی مشکل آسان کریں گے۔''

صمد بیوپاری اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''آپ میرے ساتھ آئیں۔''

وہ دونوں وہاں سے بیڈروم کی طرف گئے۔ جب انسپکٹر وہاں سے واپس آیا تو جیب گرم ہوچکی تھی اور کیس ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ وہ سپاہیوں کے ساتھ چلا گیا۔

صمد بیوپاری نے بی پاشا سے کہا۔ ''میں اپنے پوتے کی خاطر تمہیں تھانے، پولیس کی ذلتوں سے بچارہا ہوں۔ تمہاری اصلیت سامنے آچکی ہے۔ تم اشعر کو ہمارے حوالے کرو اور اپنی بیٹی کو لے کر یہاں سے دفع ہوجاؤ۔''

بی پاشا نے مسکراتے ہوئے اپنی بیٹی شکیلہ کو دیکھا پھر کہا۔ ''اس کے پاپا بڑے پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے اگلے فون کا انتظار کریں۔ لین دین کے سلسلے میں کچھ معاملات طے ہوں گے۔ اس کے بعد اشعر یہاں آئے گا۔''

شکیلہ نے بڑے غرور سے کہا۔ ''اور لین دین کے وہ معاملات میرے اور جاوید کے درمیان طے ہوں گے۔''

وہ جاوید کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''منظور ہے تو میرے پیچھے چلے آؤ۔''

وہ ایک ادائے ناز سے لچکتی ہوئی پلٹ گئی اور وہاں سے جانے لگی۔ جاوید بڑی بے بسی سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اپنے گمشدہ بیٹے کو جلد سے جلد حاصل کرنا تھا۔ بعض اوقات حالات مجبور کردیتے ہیں۔ وہ جسے منہ نہیں لگانا چاہتا تھا۔ اب اس کے پیچھے جانے پر مجبور ہوگیا تھا۔

وہ سر جھکائے وہاں سے چلتا ہوا شکیلہ کے بیڈروم میں آیا۔ وہ ایک بڑے سے کیسٹ ریکارڈر کے پاس کھڑی ہوئی تھی، اپنے بدن سے ڈوپٹے کو نوچ کر پھینکتے ہوئے بولی۔ ''میں ایک رات تمہارے بیڈروم میں آئی تھی۔ تم نے مجھے دھتکار دیا تھا۔ بیٹے کی واپسی چاہتے ہو تو دروازہ بند کرو۔ اور تھوکی ہوئی چیز کو چاٹو۔''

وہ پریشان ہوکر بولا۔ ''یہ کیا بکواس کررہی ہو؟''

وہ ایک انگلی انکار کے انداز میں ہلاتے ہوئے بولی۔ ''غصے سے نہیں، پیار سے بولو۔ مجھ سے محبت کے بھرپور مکالمے بولو۔ تمہاری ایک ایک بات یہاں کیسٹ میں ریکارڈ ہوتی رہے گی۔''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''کیا اس طرح تم میرا دل جیت لو گی؟''

وہ ایک آہ بھرتی ہوئی بولی۔ ''میں نے تمہیں جیتنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن تم نے مجھے پیار کے قابل نہیں سمجھا۔ میں ایک بہت خطرناک باپ کی بیٹی ہوں۔ ہارنا نہیں جانتی، جسے جیت نہیں سکتی اسے چھین لیتی ہوں۔ ممی تمہاری دولت اور جائداد میں سے آدھا حصہ چاہتی ہیں۔ مجھے یہ لالچ نہیں ہے۔ میں صرف تمہیں جھکانا چاہتی ہوں۔ تمہارے ساتھ چند راتیں گزار کر اپنے پاپا کے پاس انڈیا چلی جاؤں گی۔''

وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولا۔ ''تم بہت اچھی ہو، خوبصورت ہو اگر میں نے تم سے فاصلہ رکھا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم پیار کے قابل نہیں ہو۔ میں تو......''

''پیار کے قابل ہوں تو آجاؤ۔ آگے کچھ نہ بولو۔ بس چلے آؤ۔''

وہ پریشان ہوکر بولا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا، تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ ایک آخری بات کہتا ہوں میرے بیٹے کی واپسی کی شرط پر میری جان لے لو، مگر مجھ سے گناہ نہ کراؤ۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

''دوسرے لفظوں میں یہ کہہ رہے ہو کہ بیٹا تمہیں واپس نہ ملے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''میں اپنے بیٹے کو خدا پر چھوڑتا ہوں......''

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ شکیلہ نے شدید حیرانی سے اسے دیکھا پھر اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم سمجھتے ہو۔ اشعر تمہیں زندہ سلامت ملے گا؟''

''میں صرف اتنا سمجھتا ہوں کہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔''

وہ تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔ ماں بیٹی نے بڑی تدبیریں کیں۔ بڑا میدان مارا۔ اب مجھے (مقدر) بھی کچھ کرنا تھا۔ جاوید فون کے پاس رک گیا۔ اس نے پیچھے آتی ہوئی شکیلہ کو دیکھا، پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو۔ کون؟''

دوسری طرف سے ایک شخص کی آواز سنائی دی۔ ''میں مسٹر جاوید سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی، میں جاوید بول رہا ہوں۔فرمایئے؟''

''میں نے آپ کی ایک بہت بڑی پریشانی دور کرنے کے لیے فون کیا ہے۔آپ کا بیٹا میرے پاس ایک امانت کے طور پر خیریت سے ہے۔''

جاوید نے چونک کر سامنے کھڑی ہوئی شکیلہ کو دیکھا، پھر فون پر پوچھا۔ ''آپ کون ہیں؟ کیا نانا بھائی ہیں؟''

''سوری، میں کسی نانا بھائی کو نہیں جانتا۔ آپ کو یہ اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ اشعر میرے پاس پوری طرح محفوظ ہے۔آپ اپنے بیٹے سے بات کریں۔''

چند سکینڈ کے بعد ہی اشعر کی معصوم سی ننھی سی آواز سنائی دی۔ ''ڈے۔ڈی۔! میں آپ کا بیٹا ہوں۔یہ انکل کہتے ہیں، آپ میرے پاس آئیں گے۔ میں آپ کے ساتھ ممی کے پاس جاؤں گا۔''

''ہاں بیٹے! میں ابھی تمہارے پاس آؤں گا۔تمہیں ممی کے پاس لے جاؤں گا۔فون انکل کو دو۔''

وہ بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔شکیلہ پریشانی سے اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔فون پر اسی اجنبی کی آواز سنائی دی۔ ''کیا یقین ہوگیا کہ اشعر میرے پاس ہے؟''

وہ بڑے جذبے سے بولا ''خدا آپ کو نیکی اور سلامتی دے۔ مجھے فوراً اپنا پتا بتائیں میں ابھی آرہا ہوں۔''

''آپ ذرا صبر کریں۔ میں نے آپ کو اشعر کی خیر خیریت کا پورا یقین دلایا ہے۔خدا کو حاضر و ناظر جان کر وعدہ کرتا ہوں کہ اسے جلد ہی آپ کے پاس پہنچا دوں گا۔ فی الوقت آپ کا بیٹا میرے لیے بہت ضروری ہے۔ مجھے اپنا بھائی سمجھ کر اسے ابھی میرے پاس رہنے دیں۔''

''میں حیران ہوں کہ میرا بیٹا آپ کے لیے ضروری کیوں ہے؟ آپ اسے اپنے پاس کیوں رکھنا چاہتے ہیں؟''

''میں وضاحت کروں گا تو یہ ایک لمبی کہانی ہوجائے گی۔فی الحال اتنا ہی کہوں گا کہ پہلے خدا پر بھروسا کریں، پھر میری شرافت کو سمجھیں کہ میں نے اشعر کے تحفظ اور سلامتی کا یقین دلا کر آپ کی پریشانی کم کی ہے۔''

اس نے شکیلہ کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا، پھر پوچھا۔ ''ایک بات سچ بتائیں، کیا میرے بیٹے کے ذریعے کسی طرح کا مالی منافع حاصل کرانے والے ہیں؟''

''اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں آپ سے لاکھوں روپے کا مطالبہ کرتا۔ میرے پاس ایمان اور سچائی کی دولت ہے۔پلیز، مجھ سے اور کوئی سوال نہ کریں۔یہ سمجھ لیں کہ آپ حالات سے مجبور ہیں اور آپ کو ہر حال میں مجھ پر بھروسا کرنا ہی ہوگا۔آپ کی طرح اشعر کی ماں بھی بہت پریشان ہوگی، اسے بھی مطمئن کریں۔''

جاوید نے غرانے کے انداز میں شکیلہ کو دیکھا۔یہ یقین ہو چکا تھا کہ وہ اجنبی کوئی بھی ہے لیکن اس کا باپ نانا بھائی نہیں ہے۔ اس نے ریسیور رکھتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ ''اچھا...... تو میرا بچہ تمہارے باپ کے پاس انڈیا میں ہے؟''

وہ اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر سہم گئی۔دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''ہاں...... ہا...... نن...... نہیں۔''

بوکھلاہٹ ایسی تھی کہ زبان خشک ہوئی جارہی تھی۔اس سے بولا نہیں جارہا تھا۔ وہ ایک دم سے پلٹ کر وہاں سے بھاگتے ہوئے، روتے ہوئے چیخنے لگی۔ ''ممی......! ممی......!''

صمد بیوپاری نے وہاں آکر پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟''

اس نے باپ کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''آپ میرے ساتھ آئیں۔''

وہ اسے کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے جانے لگا۔باپ نے پوچھا۔ ''بات کیا ہے؟ مجھے کہاں لے جارہے ہو؟''

وہ اسے بی پاشا کے بیڈروم میں لے آیا۔وہاں بیٹی ماں کو حقیقت بتارہی تھی۔وہ باپ بیٹے کو دیکھ کر چونک گئیں۔اٹھ کر کھڑی ہوگئیں۔ جاوید نے باپ سے کہا۔ ''یہ جس ذلیل عورت کو آپ عزت سے شریکِ حیات بنا کر لائے ہیں۔یہ اپنی بیٹی کے ساتھ لات جوتے کھانے کے قابل ہے۔اس کا یار بارڈر پار بیٹھا ہمیں الو بنا رہا تھا، ہمارا اشعر ان کے پاس نہیں ہے۔''

صمد بیوپاری نے بے یقینی سے پوچھا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''ڈیڈ! میں نے ابھی اپنے بیٹے کی آواز فون پر سنی ہے۔وہ کسی نیک اور شریف آدمی کے پاس خیریت سے ہے۔میں نے پوری طرح اطمینان کیا ہے۔اشعر غلط ہاتھوں میں نہیں ہے۔ہم اس کی بات بعد میں کریں گے۔ پہلے آپ ان دونوں کو دھکے مار کر یہاں سے نکالیں۔''

بی پاشا بیٹی کے ساتھ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''ہم کچھ کہنا سننا نہیں چاہتیں۔ابھی یہاں سے جارہی ہیں۔''

صمد بیوپاری نے کہا۔ ''ایک گھنٹے کے اندر جتنا سامان ...ٹ کر جاسکتی ہو چلی جاؤ۔ میں نے تمہیں طلاق دی...... ...نے تمہیں طلاق دی...... میں نے تمہیں طلاق دی......''

وہ باپ بیٹے ڈرائنگ روم میں آگئے جاوید مختصر طور پر ...اجنبی فون کرنے والے کی باتیں بتانے لگا۔ پھر ریسیور ...ر نمبر پنچ کرنے لگا۔

عینی، اسما اور فلک ناز کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ...تھی۔عروج سیڑھیاں چڑھتی ہوئی بیڈروم میں جارہی ...۔عینی نے سر اٹھا کر کہا۔ ''تم جاتی ہو تو گھنٹوں شاور لیتی ...ہو۔ذرا جلدی آجانا۔''

''میں آدھے گھنٹے میں آجاؤں گی۔''

وہ کہتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ...نے ریسیور کو اٹھا کر کان سے لگایا پھر جاوید کی آواز سنتے ...کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ''ہیلو! میں جاوید بول رہا ہوں۔ ...سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسما اور فلک ناز ...کہا۔ ''جاوید ہیں۔''

اسما نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''کب تک بھاگتی رہوگی؟ ...منا تو کرنا ہی ہوگا۔بات کرو۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ''جی میں۔ میں بول رہی ...ں۔''

جاوید نے کہا۔ ''میں نے تم پر اندھا اعتماد کیا، بچوں کو ...شہ کے لیے تمہارے پاس چھوڑ دیا ہے۔دکھ سکھ تو ہر ایک کی ...رگی میں آتے جاتے رہتے ہیں۔اگر میرے بچوں کو کوئی ...پہنچے گا یا وہ کسی مصیبت میں ہوں گے تو کیا تم مجھ سے ...یقت چھپاؤ گی؟ میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤ گی؟''

وہ ندامت سے بولی۔ ''میں...... میں آپ کو یہ بتانے ...والی تھی کہ......''

''بتانے کا وقت گزر چکا ہے۔ مجھے تمہاری ندامت اور ...یشانیوں کا اندازہ ہے۔خدا پر بھروسا رکھو۔ ہمارا اشعر جہاں ...ی ہے۔خیریت سے ہے۔''

وہ چونک کر بولی۔ ''کہاں ہے میرا بیٹا؟ کیا آپ کے ...ں ہے؟ میں ابھی آرہی ہوں۔''

''وہ میرے پاس نہیں ہے۔ایک اجنبی نے فون پر مجھے ...ں کی آواز سنائی ہے، میں نے اس سے بات کی ہے۔''

''کیا آپ نے معلوم کیا ہے، وہ اجنبی کون ہے؟ کہاں ہے؟ ہم ابھی وہاں جائیں گے۔''

''میں نہیں جانتا، وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ ہمیں اشعر کی طرف سے اطمینان رکھنا چاہیے۔اس اجنبی نے خدا کو حاضر و ناظر جان کو وعدہ کیا ہے کہ اشعر کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔وہ آج کل میں اسے ہمارے پاس پہنچادے گا۔''

وہ بے چین ہو کر بولی۔ ''آج کل کیوں؟ ابھی کیوں نہیں؟''

''میں اس سے بحث نہیں کرسکتا تھا۔ہم مجبور ہیں۔اس پر بھروسا کرنا ہی ہوگا۔ میں نے تمہاری پریشانی کم کرنے کے لیے فون کیا ہے۔پھر ایک آدھ گھنٹے میں رابطہ کروں گا۔ابھی اپنے ایک گھریلو معاملے میں معروف ہوں۔ پریشان ہونا چھوڑ دو۔او کے، سوفار......''

اس نے رابطہ ختم کردیا۔اسما اور فلک ناز وائڈ اسپیکر کر کے ذریعے وہ تمام باتیں سنتی رہی تھیں۔ فلک ناز نے کہا۔ ''خدا کا شکر ہے۔آدھا بچہ مل گیا ہے۔''

دونوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ جلدی سے بولی۔ ''میرا مطلب ہے، خیر خیریت کا خط آتا ہے تو کہتے ہیں، آدھی ملاقات ہوگئی۔اشعر کی خیریت معلوم ہوچکی ہے۔ اللہ اسے سلامتی سے یہاں لے آئے۔''

اسما نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔وہ اجنبی دشمن نہیں ہے، کسی بڑی رقم کا مطالبہ نہیں کررہا ہے، خدا کو حاضر و ناظر جان کر اسے ہماری امانت کہہ رہا ہے تو پھر اسے ہمارے پاس کیوں نہیں پہنچا رہا ہے؟''

ابھی یہ بات کسی کو سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔صرف میں ہی سمجھ سکتا تھا۔ میں عروج کی ہتھیلی پر آگیا۔اسی وقت موبائل کا بزر بولنے لگا۔ ہر آہٹ پر، ہر آواز پر اسی کا گمان ہوتا تھا۔

اس نے فوراً ہی فون کو اٹھا کر نمبر پڑھے۔وہی نمبر تھے۔ جنہیں عینی کے سامنے پڑھتے ہی فون بند کرتی رہی تھی۔وہاں کوئی نہیں تھا۔تنہائی تھی۔اس نے بٹن کو دبا کر اسے کان سے لگایا پھر دھڑکنوں کے شور میں کہا۔ ''میں بول رہی ہوں۔''

''جب میں بولتا ہوں تو نہیں بولتیں۔فون بند کردیتی ہو۔میری بھگوڑی دلہن! کہاں تک بھاگتی رہوگی؟''

''تمہاری دلہن عینی ہے۔یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ کل سے نہ اس کے پاس آرہے ہو، نہ اسے اپنے پاس بلا رہے ہو۔تمہیں اس کے دکھ درد کا احساس ہونا چاہیے۔وہ کل سے رو رو کر بے حال ہو رہی ہے۔''

اس نے پوچھا۔ ''کیا وہ میرے لیے رو رہی ہے؟''

''اور کس کے لیے روئے گی؟''

''جھوٹ مت بولو۔ وہ میرے لیے نہیں۔ کسی اور کے لیے پریشان ہے۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ اشعر کہیں گم ہو گیا ہے؟''

''کیوں نہیں؟ وہ میری بیوی ہے۔ تمہاری ضد نے مجھے اس سے دور کر دیا ہے۔ اس کے باوجود مجھے اس گھر میں ہونے والی ٹریجڈی کا علم ہے۔''

''معلوم ہوتے ہوئے بھی تم اس کی دل جوئی کے لیے نہیں آئے۔''

وہ بولا۔ ''تم نے فرمائش کی تھی کہ میں اس کا دل نہ دکھاؤں۔ اسے اپنی ذات سے محروم نہ رہنے دوں اور تم دیکھ رہی ہو کہ میری دوری کے باوجود اسے اپنی محرومی کا شدت سے احساس نہیں ہے۔ اس کی ساری توجہ اور سارے جذبات اس بچے کے لیے وقف ہو چکے ہیں۔ یوں سمجھو کہ میں نے تمہاری فرمائش پوری کی ہے۔ اسے اپنی ذات سے محرومی کے احساس میں مبتلا نہیں ہونے دے رہا ہوں۔''

پاشا کان سے فون لگائے بول رہا تھا اور کھڑکی سے کمرے کے اندر دیکھ رہا تھا۔ اشعر فرش پر بیٹھا ریموٹ کنٹرولر کے ذریعے ایک چھوٹی سی کار کو چلا رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا۔

پاشا نے کھڑکی کی طرف سے پلٹ کر فون پر کہا۔ ''عروج! میری جان! میں ثابت کر رہا ہوں عینی کے جذبات بچے کے لیے ہوں یا کسی کے لیے ہوں۔ وہ بدل سکتے ہیں۔ لیکن میرے جذبات صرف تمہارے لیے ہیں اور تمہارے لیے ہی رہیں گے۔''

وہ ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''جب تک تم دلہن بننے کے لیے میرے پاس نہیں آؤ گی تب تک تمہاری وہ دلہن سہیلی ایک بچے کے معاملے میں الجھی رہے گی۔ اگر سہیلی سے محبت ہے اور چاہتی ہو کہ اس کی الجھن ختم ہو جائے تو دلہن بن کر میری زندگی میں آ جاؤ۔ بچہ اسے مل جائے گا۔''

وہ ایک دم سے چونک کر بولی۔ ''یہ۔ یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا اشعر تمہارے پاس ہے؟''

''ہاں۔ اگر یہ بات کسی سے کہو گی تو میں اغوا کرنے والا مجرم کہلاؤں گا۔ اگر چاہتی ہو کہ مجرم کہلاؤں تو ابھی سب سے کہہ دو۔ اور اگر یہ چاہتی ہو کہ میری بدنامی نہ ہو اور بچہ عینی کو مل جائے تو کل صبح دس بجے میری دلہن بننے کے لیے سول کورٹ کے سامنے پہنچ جاؤ۔ نو مور آرگومنٹس۔ ڈیم آل......''

پاشا نے فون بند کرنے کے لیے اس کا بٹن یوں د[ـبایا] جیسے عروج کی آواز دبا رہا ہو۔

☆☆☆

آکاش کے پاؤں تلے جیسے انگارے بچھ گئے تھے۔ ایک جگہ ٹھہر نہیں پا رہا تھا۔ شہباز کی یہ یقین دہانی اسے تڑپا ر[ہی] تھی کہ نیلماں بارڈر کے اس پار زندہ ہے اور شمشیر خان (شہباز) کی کسٹڈی میں ہے۔

جب آکاش کا پلڑا بھاری تھا تب وہ شہباز کو دردانہ [کی] آواز نہیں سناتا تھا، اسے ترساتا تھا۔ تڑپاتا تھا۔ اب شہباز [کا] پلڑا بھاری ہو گیا تھا۔ وہ آکاش کو اس کی نیلماں کی آواز نہی[ں] سنا رہا تھا۔ اسے ترسا رہا تھا، تڑپا رہا تھا۔

اس نے غصے سے ایک گلدان اٹھا کر کھڑکی کے شیشے [پر] دے مارا۔ شہباز کو گالی دیتے ہوئے کہا۔ ''وہ کتے کا بچہ اس[ـے] ایک ذرا سی آواز سنا دیتا تو اس کا کیا بگڑ جاتا؟ مجھے ایک [نئی] زندگی مل جاتی۔ پورا یقین ہو جاتا کہ وہ اس دنیا میں ہے او[ر] میرے لیے سانسیں لے رہی ہے۔''

شیشے کے ٹوٹنے کی آواز دور تک گئی تھی۔ بڑا بھا[ئی] پرکاش تیزی سے چلتا ہوا کمرے میں آیا۔ کھڑکی کے ٹو[ٹے] ہوئے شیشے کو اور بھائی کے بگڑے ہوئے تیور کو دیکھ [کر] بولا۔ ''کیا پاگل ہو گیا ہے؟ کیا اس طرح نیلماں تجھے [مل] جائیگی؟''

وہ چیخ کر بولا۔ ''پھر کیسے ملے گی؟ اسے فون پر کہا [گیا] ہے کہ ہم بارہ گھنٹے کے اندر دردانہ کی آواز سنائیں گے۔ [اور] سات گھنٹے گزر چکے ہیں۔''

وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا ادھر سے ادھر جاتے ہو[ئے] بول رہا تھا۔ ''اگلے پانچ گھنٹوں کے اندر میں نے اس کتیا [کی] آواز اسے نہ سنائی تو وہ میری نیلماں کے ساتھ بہت [برا] سلوک کرے گا۔ اس کی عزت سے اور اس کی زندگی سے کھیل سکتا ہے۔''

پرکاش پریشان ہو کر اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس [نے] کہا۔ ''پرابلم یہ ہے کہ تو نیلماں کو زندہ سمجھ رہا ہے۔ اور د[شمن] دشمن اس کی زندگی کا کوئی ثبوت نہیں دے رہا ہے۔ تجھے الو [بنا] رہا ہے اور تو بن رہا ہے۔''

''مجھے وہ نہیں، آپ الو بنا رہے ہو۔ آپ نے کہا تھا بارہ گھنٹے کے اندر دردانہ میرے پاس آ جائے گی۔ کہاں [ہے]

......؟''

''ہمارے آدمی اسے لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نانا [بھائ]ی بہار صوبے کا بپھرا ہوا شیر ہے۔ شیر کے منہ سے لقمہ چھین [لا]نا آسان نہیں ہوتا۔ تھوڑا بہت سمے تو لگے گا۔''

''میں پوچھتا ہوں، اسے واپس لانے میں ناکامی ہوئی [تو ک]یا ہوگا؟''

پرکاش فون کے پاس آ کر بیٹھ گیا پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ [کر]تے ہوئے بولا۔ ''نانا بھائی کے سامنے یہاں کے غنڈوں [اور] موالیوں کی نہیں چلے گی۔ مجھے وہاں کے پولیس والوں کو [ب]ا رازداری سے کام میں لانا ہوگا۔''

وہ صوبہ بہار کے ایسے پولیس والوں سے رابطہ کرنے لگا [جو] در پردہ غیر قانونی طور پر اس کے کام آتے تھے اور اس کی [م]انہ ضرورتیں پوری کرتے تھے۔

موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ نانا بھائی نے سی ایل آئی پر [شہ]باز درانی کے نمبر پڑھے پھر برا سا منہ بنا کر اسے کان سے [لگا]تے ہوئے کہا۔ ''ہاں...... بولو! کیا میرا کام ہو گیا؟''

''کام کرنے یا کرانے کے لیے ذرا صبر سے کسی کی کال [سننی] چاہیے۔ پچھلی بار تم نے مجھے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا اور [فو]ن بند کر دیا۔''

''میں دو ٹوک بات کرنے کا عادی ہوں۔ کام ہوا یا [نہیں]......؟ اگر نہیں ہوا تو میں وقت ضائع نہیں کرتا۔''

''ہونے اور نہ ہونے کے درمیان بھی کچھ اہم باتیں [ہو]تی ہیں۔''

['']اگر کوئی اہم بات ہے تو بولو؟''

''آکاش اور اس کے بھائی نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ [بارہ] گھنٹے کے اندر اپنے گھر سے دردانہ کی آواز مجھے سنائیں [گے]۔ ایک ذرا عقل سے سوچو! وہ ایسا کرنے کے لیے دردانہ کو [تم س]ے چھین لانے کی سازشیں کر رہے ہوں گے۔ میں نہیں [چا]ہتا کہ تم غفلت میں دھوکا کھا جاؤ۔''

''مجھے ان کی سازشوں سے آگاہ کرنے کا شکریہ۔ کوئی [میر]ے خفیہ اڈے سے ایک تنکا بھی لے جانے کی جرأت نہیں [رکھ]تا۔ تم دردانہ کی فکر نہ کرو۔ میں نے زبان دی ہے۔ اسے [تمہا]رے پاس پہنچاؤں گا۔ تم اپنی زبان کا پاس رکھو۔ بچہ کب [میر]ے حوالے کر رہے ہو؟''

شہباز نے کہا۔ ''وہ بچہ میرے لیے اور اپنے گھر والوں [کے] لیے بھی ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔ کوئی سمجھ نہیں پا رہا ہے کہ [اسے] کس نے اغوا کیا ہے؟ اپنی ایکس وائف کو سمجھاؤ کہ موجودہ حالات میں ذرا صبر کرے۔ بچہ اسے ضرور ملے گا۔''

''ٹھیک ہے، میں اسے سمجھاؤں گا۔ وہ صبر کرے گی مگر یہ عورت میرے پاس تمہاری امانت ہے۔ میں اس امانت کا بوجھ اٹھاتا نہیں پھروں گا۔ جتنی جلدی ہو سکے لین دین کا یہ معاملہ ختم کرو۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ شہباز پریشان ہو کر اپنے فون کو تکنے لگا۔ اس وقت ایک ہی فکر لاحق تھی کہ دردانہ نانا بھائی کی پناہ سے نکل کر پھر آکاش کے شکنجے میں چلی جائے گی تو کیا ہوگا؟

وہ رات کانٹوں میں بسر ہو رہی تھی۔ وہ اپنی دانست میں ایک محفوظ جگہ پر تھا۔ پورے یقین کے ساتھ وہاں کچھ وقت گزارنے آیا تھا کہ کوئی دشمن اس کے سائے تک بھی نہیں پہنچ پائے گا۔ اس یقین کے باوجود اس کی آنکھوں سے نیند اڑی ہوئی تھی۔

اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ سوئے گا تو بدترین حالات اسے ہمیشہ کے لیے سلا دیں گے۔ چھٹی حس ہمیشہ درست کہتی ہے۔ اچانک ہی اس کا موبائل فون چیخنے لگا۔ اس نے سی ایل آئی میں نمبر دیکھے فون کی ننھی سی اسکرین پر نئے نمبر دکھائی دے رہے تھے۔ کوئی پہلی بار اسے کال کر رہا تھا۔ اس نے فون کو آن کر کے کان سے لگا کر پوچھا۔ ''ہیلو! کون؟''

ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ''میں سی آئی اے کا ایک مقامی ایجنٹ بول رہا ہوں۔ ہیڈ کوارٹر نے تمہاری زندگی کی بقیہ سانسوں کو میرے نام کر دیا ہے۔ اس لمحے سے تمہاری کوئی بھی سانس آخر سانس ہو سکتی ہے۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولا ''ڈرامائی مکالمے بڑے اچھے انداز میں بول لیتے ہو۔ اپنی دے، میں جہاں ہوں۔ وہاں تم اپنی آخری سانس تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔''

''ہم موت کے ہرکارے تقریباً پہنچ چکے ہیں۔ تم اس وقت شہر کے ایک پسماندہ علاقے سرجانی ٹاؤن میں ہو۔''

شہباز کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ فوراً ہی ایک ہاتھ سے ریوالور نکال کر تیزی سے چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ اس کے ایک پٹ کو ذرا سا کھول کر رات کی تاریکی میں حدِ نظر تک دیکھنے لگا۔

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ ''چپ کیوں ہو؟ کیا ہوش اڑ گئے؟''

وہ بولا۔ ''بڑی خوش فہمی ہے تم لوگوں کو، جہاں تم کہہ رہے ہو۔ میں اس علاقے میں نہیں ہوں۔''

دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''کھڑکی بند کردو گولیاں چلنے والی ہیں۔''

اس نے ایک دم سے گھبرا کر زوردار آواز کے ساتھ کھڑکی بند کردی۔ فون سے آواز ابھری۔ ''شاباش! اچھے بچوں کی طرح بات مان لیتے ہو۔ اب دوسری بات مانو۔ دروازہ کھولو اور باہر نکل آؤ۔ چار دیواری کے اندر مروگے تو گھٹن سی ہوگی۔''

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بند دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ رات کے سناٹے میں ایک فائر کی آواز گونجی۔ دروازے کو جیسے دھچکا سا لگا۔ وہاں گولی آکر لگی تھی۔ فون سے آواز ابھر رہی تھی۔ ''آؤ۔ آجاؤ...... آخری بار کھلی فضا میں ایک سانس لے لو۔ چلو ہم تمہیں باہر نکلتے ہی بھاگنے کا موقع دیں گے۔ اس آخری موقع سے فائدہ اٹھالو۔ آؤ باہر آجاؤ......''

وہ فون کو بند کرکے اسے جیب میں رکھتے ہوئے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں دوڑتا ہوا آیا یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ پچھلے دروازے سے فرار ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ادھر پہنچتے ہی متواتر تین چار گولیاں چلیں۔ چند سیکنڈ تک پچھلا دروازہ لرزتا رہا۔ اسے یقین ہوگیا کہ مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔

وہ جیسے پنجرے میں بند ہوگیا تھا۔ یقین ہونے لگا کہ آخری وقت آگیا ہے نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن......

وہ نہیں جانتا تھا کہ دشمن کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ دروازہ کھول کر بھاگتا تو اندھی گولیاں آکر اس کی زندگی کو چاٹ جاتیں۔ وہاں چار دیواری میں رہتا، تب بھی مارا جاتا۔ بس اتنا ہوتا کہ اندر رہ کر کچھ دیر تک جوابی فائرنگ کرتا رہتا۔ کچھ دیر تک جی لیتا۔ انجام آخرکار موت تو تھی ہی تھی۔

وہ مکان کی اندرونی سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت پر آگیا۔ وہاں پہنچتے ہی دو سمتوں میں دو فائر کیے۔ جواباً آگے پیچھے دائیں بائیں سے گولیاں چلنے لگیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا کہ منظم حملہ ہورہا ہے۔ اس کے پاس محدود تعداد میں گولیاں تھیں۔ یہ گولیاں چند منٹوں میں ختم ہونے والی تھیں۔

اس کے بعد کیا ہوتا؟

وہی ہوتا جو ایسے وقت میں ہوتا ہے۔ وہ موت کا یقین ہونے کے باوجود زندگی کے لیے لڑ رہا تھا۔ یہ امید تھی کہ فائرنگ کی آواز سن کر علاقے کے تھانے والے مدد کو آسکتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ایسے منظم حملے کے وقت تھانے والوں کو بھی خرید لیا جاتا ہے۔

وہ ٹھہر ٹھہر کر فائر کررہا تھا تاکہ دشمن مکان کے قریب نہ آسکیں۔ ایسے وقت اسے اپنی ایک بہت بڑی غلطی سمجھ آرہی تھی۔ وہ بھول گیا تھا کہ سی آئی اے والے محکمہ مواصلاتی اور الیکٹرانک آلات کے ذریعے فون پر ہونے والی گفتگو کیچ کرکے ریکارڈ کرلیتے ہیں۔

بظاہر یہ بات ناقابلِ یقین لگتی ہے کہ جاسوسی آلات کے ذریعے موبائل فون سے ہونے والی گفتگو ریکارڈ کرلی جاتی ہے۔ لیکن، یہ موجودہ دور کی ناقابلِ انکار سائنسی حقیقت ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ موبائل فون میں جی ایس ایم ٹیکنالوجی استعمال ہوتی ہے۔ سی آئی اے نے تمام موبائل فون ٹیکنالوجی کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کے لیے موبائل فون ہر سیٹ میں ایسے باریک آلات نصب کرائے ہیں جن کے ذریعے کسی بھی جی ایس ایم موبائل فون پر ہونے والی گفتگو سی آئی اے کے ریکارڈ روم میں سنی جاسکتی ہے اور ریکارڈ کی جاسکتی ہے۔

فائرنگ کا تبادلہ ہورہا تھا۔ وہ اپنی بہت بڑی غلطی کے بارے میں سوچ رہا تھا اور جواباً فائر کررہا تھا۔ اسے یہ باتیں یاد آرہی تھیں کہ فون سے ہونے والی گفتگو کس طرح ریکارڈ کی جاتی ہے؟ ایک اور اہم آلے کا نام ٹی ایکس (TX) ہے۔ اس چھوٹے سے آلے کو مطلوبہ ٹیلی فون کے تار سے کہیں بھی نزدیک منسلک کردیا جاتا ہے۔ اس ننھے سے آلے کے ذریعے اس کمرے میں ہونے والی کسی کی بھی گفتگو سنی جاتی ہے، جہاں وہ ٹیلی فون رکھا ہوتا ہے۔

امریکا کی جانب سے بے شمار ایسے مصنوعی سیارے خلا میں بھیجے گئے ہیں جن میں سماعتی آلات نصب کیے گئے ہیں۔ ان سیاروں کے ذریعے دنیا کے کسی حصے سے بھی فون پر ہونے والی گفتگو کو باآسانی مطلوبہ ریکارڈ روم تک پہنچایا جاتا ہے۔ اب تو اتنی آسانیاں فراہم ہوگئی ہیں کہ جس مقام سے موبائل فون کے ذریعے گفتگو کی جاتی ہے اس مقام کا سراغ مل جاتا ہے۔

اسی طرح سی آئی اے والوں کو شہباز درانی کی خفیہ پناہ گاہ کا سراغ مل گیا تھا۔ دشمنوں کو اس طرح اپنے دروازے تک پہنچانے میں شہباز کی اپنی غلطی تھی۔ نہ وہ دروانہ کے میں آکاش اور نانا بھائی سے فون پر گفتگو کرتا اور نہ سی آئی اے والوں کو اس کی شہ رگ تک پہنچنے میں اتنی آسانی ہوتی۔

ایک فائر کی آواز گونجی، ایک سنسناتی ہوئی گولی آئی اس کے بازو کے گوشت میں سوراخ کرتی ہوئی گزر گئی۔

حلق سے ایک کراہ نکلی۔ ریوالور ہاتھ سے چھوٹ کر چھت کی منڈیر سے ٹکراتا ہوا نیچے چلا گیا۔

وہ ریوالور ایسے چھوٹ گیا جیسے وفا کا فریب کرنے والے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اب مقابلہ کرکے تھوڑی دیر زندگی حاصل کرتے رہنے کی امید بھی ختم ہوگئی تھی۔ ...نے والوں سے پہلے ہی امید نہیں تھی۔ علاقے کے لوگ ...لسل فائرنگ سے دہشت زدہ ہوکر اپنے اپنے گھروں میں ...کے ہوئے تھے۔

آخری وقت کوئی یار و مددگار نہیں تھا۔ نگاہوں کے ...منے دروانہ دکھائی دے رہی تھی۔ وہی اس کی زندگی کی اول ...اور وہی آخر تھی۔ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔ کہہ رہی ...''آؤ! میرے زانو پر سر رکھو۔ آسانی سے دم نکل جائے ...''

اس نے منڈیر سے ذرا سر اٹھا کر دیکھا مسلح دشمن محتاط ...از میں مکان کی طرف آرہے تھے۔ ان میں سے ایک نے ...ن پر پڑے ہوئے ریوالور کو اٹھا کر کہا۔ ''یہ اس کا ہتھیار ...۔ وہ نہتا ہو چکا ہے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''اب ہم اندر جاسکتے ہیں۔''

تیسرے نے کہا۔ ''نہیں...... پہلے اسے باہر بلاؤ۔ نہیں ...ے گا تو اندر جاکر گولی ماریں گے۔''

پھر ایک نے چھت کی طرف منہ اٹھا کر آواز دی۔ ''ابے ...ی کتے! اب تو تجھے باہر آنا ہی ہوگا۔ نہیں آئے گا تو......''

اس نے اپنی گن کا رخ چھت کی طرف کرتے ہوئے ...ی چلائی۔ اس کے ساتھ ہی رات کی تاریکی میں دوسری ...ی آئی چھت کی طرف فائر کرنے والے کے حلق سے ایک ...نکلی وہ اچھل کر زمین پر گرا پھر وہاں سے اٹھ نہ سکا۔

اس کے تمام ساتھی بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ موت ...ا ہے تو سانس لینے کی مہلت نہیں دیتی۔ اچانک ہی کئی ...راف سے تڑاتڑ فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں۔ مکان ...س پاس کھڑے ہوئے دشمن چیخنے لگے۔ کچھ گولی کھا کر ...رنے لگے۔ کچھ اپنی سلامتی کے لیے بھاگنے لگے۔

شہباز کبھی کبھی منڈیر کے پیچھے سے سر اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ ...انی سے سوچ رہا تھا کہ اتنے سارے مددگار کون ہیں؟ ...انک کہاں سے آگئے ہیں؟

وہ اپنے زخم کی تکلیف بھول گیا تھا۔ وہ آنے والے جو ...لا تھے۔ اس کے دشمنوں کے دشمن تھے۔ اس کی موت بن کر آنے والوں کی موت بن رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان صاف ہوگیا۔ مکان کے اطراف پانچ چھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ باقی حملہ آور دم دبا کر بھاگ گئے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے فائرنگ کی جس قدر آوازیں گونجتی رہی تھیں اب اسی قدر سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ منڈیر سے سر اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ دور تک تاریکی، خاموشی اور ویرانی تھی۔ نہ کوئی بندہ تھا، نہ بندے دی ذات تھی۔ اس کی مدد کرنے والے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا، فرشتوں نے آسمان سے فائرنگ کرتے ہوئے اس کے دشمنوں کو بھگا دیا ہے۔

پھر آسمان کی بلندی سے آواز گونجنے لگی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک ہیلی کاپٹر کی سگنل لائٹ جلتی بجھتی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر اوپر سے ایک سرچ لائٹ روشن ہوگئی۔ گردش کرتے ہوئے پنکھے سے دور تک آندھی طوفان کی طرح ہوائیں چلنے لگیں۔

مکان کے قریب ایک کھلا میدان تھا، ہیلی کاپٹر آہستہ آہستہ وہاں اتر رہا تھا۔ موبائل فون کا بزر چیخنے لگا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے نکالا، چھوٹی سی اسکرین پر نمبر پڑھے، وہ یہودیوں کی خطرناک تنظیم پی ٹو کے خفیہ نمبر تھے۔

وہ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر خوشی سے چیخ پڑا۔ ''آئی ہیودن......''

اس نے فون کو کان سے لگایا۔ وہاں سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ''مسٹر شہباز درانی! وی آر فرام دی گریٹ پی ٹو۔ کم آن، ہری اپ......''

اس کے اندر جیسے بجلی بھر گئی تھی۔ خوشی کے مارے سیڑھیاں اترنا بھول گیا۔ وہیں چھت کی منڈیر سے چھلانگ لگا کر نیچے آیا پھر دوڑتا ہوا ہیلی کاپٹر کی طرف جانے لگا۔

وہ اپنے مقدر کی لکیر پر دوڑتا جارہا تھا۔ میں کیا ہوں؟

اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں

وہ شخص دھوپ سے بچاتا ہے
اپنے سائے میں پھر جلاتا ہے

عروج اس شخص کی دیوانگی میں جل رہی تھی۔اس دیوانے کی دھوپ ایسی تھی کہ دور دور تک سایہ نہیں مل رہا تھا۔وہ عینی کو اس کی خوشیاں اس کے حقوق دینے کے لیے اس منہ زور لہر کا رخ سہیلی کی طرف پھیرتی رہتی تھی۔

دروازے اور کھڑکیاں بند کر دینے سے ہوا رکتی نہیں ہے' اور دیوانی ہو کر بند دروازوں اور دریچوں کو جھنجوڑتی رہتی ہے۔ رکاوٹوں سے سر ٹکرانے لگتی ہے۔وہ بھی عروج کی طرف سے مسلسل نظر انداز کیے جانے پر بپھر گیا تھا۔یہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ عینی عروج کی دکھتی رگ ہے۔اس پر ایک انگلی بھی رکھے گا تو عروج تڑپ جائے گی اور اس نے یہی کیا تھا۔عینی کو اشعر کے معاملے میں الجھا دیا تھا۔

عروج سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ دیوانہ ایسی جارحیت پر بھی اتر سکتا ہے۔اس وقت وہ موبائل فون ہاتھ میں لیے گم صم کھڑی تھی۔کانوں میں ابھی تک پاشا کی آواز ابھر رہی تھی۔

''جب تک تم دلہن بننے کے لیے میرے پاس نہیں آؤ گی' تب تک تمہاری سہیلی کو اشعر کی جدائی کچوکے لگاتی رہے گی۔ اگر سہیلی کو اس عذاب سے نجات دلانا چاہتی ہو' اس کی تمام الجھنیں ختم کرنا چاہتی ہو تو دلہن بن کر میری زندگی میں آجاؤ۔ بچہ اسے مل جائے گا.....''

محبوب کتنے غلط طریقے سے لیکن کتنی دیوانگی اور پیار کی سچائی سے اپنے پاس بلا رہا تھا؟ وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔محبوب کی بانہوں میں جانا چاہتی تھی مگر عینی کی خاطر اپنا من مار رہی تھی۔ آیندہ اپنے آپ کو بھی مار سکتی تھی سب کچھ ہار کر بھی سہیلی کا حق نہیں مارنا چاہتی تھی۔یہ بھی کیسی ناکامی تھی کہ ایسی قربانیوں کے بعد بھی وہ عینی کو ایک سہاگن کی بھرپور خوشیاں نہیں دے پا رہی تھی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔فون کا رابطہ بڑی دیر پہلے ختم ہو چکا تھا لیکن پاشا کی آواز رہ رہ کر کانوں میں گونج رہی تھی۔''اشعر میرے پاس ہے۔اگر یہ بات کسی سے کہو گی تو میں اغوا کرنے والا مجرم کہلاؤں گا۔اگر چاہتی ہو کہ مجرم کہلاؤں تو ابھی سب سے کہہ دو اور اگر یہ چاہتی ہو کہ میری بدنامی نہ ہو اور بچہ عینی کو مل جائے تو کل صبح دس بجے میری دلہن بننے کے لیے سول کورٹ کے سامنے پہنچ جاؤ۔ٹو مورو آر گو منٹس۔دیٹس آل.....''

اس نے ایکدم سے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔پھر بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بنانے لگی۔دماغ خالی خالی سا لگ رہا تھا۔

جب سے عینی کی شادی ہوئی تھی' وہ پاشا کو خود سے دور کرنے کے لیے سو جتن کر چکی تھی۔اس وقت بھی اس سے کہیں جانے کے لیے فرار کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ کے رویے نے سمجھا دیا تھا کہ چت بھی اسی کی ہے اور پٹ اسی کی.....

اگر وہ اس کے مطالبے کے مطابق کل صبح دس بجے کورٹ نہ پہنچتی تو عینی کو نہ اشعر ملتا اور نہ ہی شوہر ملتا۔اگر وہ کی خوشیوں کی خاطر اس کا مطالبہ پورا بھی کر دیتی تو مطلب یہ ہوتا کہ عینی کو بچہ تو مل جاتا لیکن وہ اس کی سوکن بن جاتی۔اور وہ مرتے دم تک ایسا نہیں کر سکتی تھی۔اس کے شوہر کو چھین لینے کا الزام اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔کوئی مجبوری سی مجبوری تھی۔پاشا نے جس طرح اسے الجھایا تھا اس کا حل صرف صرف شادی تھا۔

اس نے موبائل فون اٹھا کر پاشا کے نمبر پنچ کیے۔دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔

''بولو.....''

اس نے بڑی افسردگی سے کہا۔''کیا بولوں؟ تم نے مجھے کچھ کہنے سننے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔کیا میرے بغیر نہیں رہ سکتے؟''

''کیا تم عینی کے بغیر نہیں جی سکتیں؟''

عروج کوئی جواب نہ دے سکی۔وہ بولا۔''کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا۔لیکن میں مر جاؤں گا اور سوچو۔جب میں نہیں رہوں گا تو اپنی سہیلی کو کیسے خوشیاں دو گی؟ اس کی خوشیاں مجھ سے منسوب ہیں اور میری تم سے.....ہم مثلث کے تین کونے ہیں۔ایک دوسرے سے جڑے ہیں۔جدا نہیں ہو سکتے۔''

وہ تھکے ہوئے انداز میں بولی۔''تم مجھے کیوں الجھاتے رہتے ہو؟''

''الجھنیں چٹکی بجاتے ہی دور ہو جائیں گی۔تم مجھ سے محبت کرو۔میں نے کی۔تم نے کہا اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارو۔میں نے گزاری۔مگر تم رکاوٹ بن رہی ہو۔تمہاری ایک ہاں سے سہیلی کو اس کا گم شدہ شوہر مل سکتا ہے۔''

''محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور بلیک میلنگ کر رہے ہو؟''

''مجھے یہ سب کرنے پر کس نے مجبور کیا ہے؟ اس بازی تمہارے ہاتھ میں ہے۔تم چاہو تو سہیلی کو خوشیاں دے سکتی ہو۔تم چاہو تو مجھے مجرم ٹھہرا سکتی ہو۔تم چاہو تو ہم تینوں خوشحال زندگی گزار سکتے ہیں۔''

''مجھے کٹھ پتلی بنا کر ڈور اپنے ہاتھ میں رکھ کر کہہ رہے ہو کہ سب میرے ہاتھ میں ہے؟'' پھر ذرا توقف سے بولی۔ ''میرے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں ہے پاشا.....!''

وہ سمجھانے کے انداز میں بولا۔''کیوں خالی ہاتھ رہنا چاہتی ہو؟ جب تک میرے نام سے منسوب نہیں ہو گی۔تمہاری قربانی کسی کام نہیں آئے گی۔سہیلی اپنی زندگی گزار رہی ہے۔تمہیں بھی اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔''

''اپنے لیے تو سب ہی جیتے ہیں۔''

وہ جلدی سے بولا۔''یہی بات تو میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں۔تم بھی اپنے لیے جی رہی ہو۔اپنے طور پر فیصلے کرتی رہتی ہو۔سہیلی کی حمایت میں سوچتی رہتی ہو۔میں پوچھتا ہوں' کیا اسے میرا اس کا شوہر بنا دینے سے تمہارے دل سے میری محبت ختم ہو گئی ہے؟''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔وہ بولا۔''دیکھو عروج! مجھے عینی سے نفرت نہیں ہے۔وہ اچھی ہے۔میری بیوی ہے۔میں تم سے کیا ہوا وعدہ نبھاؤں گا۔اسے محبتیں دیتا رہوں گا بشرطیکہ تم میری ہو جاؤ۔''

''میں تمہاری بات مانوں گی' مگر تم نے مجھے اپنانے کے لیے بہت ہی غلط راستے کا انتخاب کیا ہے۔جنگ میرے اور تمہارے درمیان ہے۔پلیز اشعر کو عینی کے پاس پہنچا دو۔''

''یہ دیکھ رہی ہو کہ میں نے ایک بچے کو اغوا کیا ہے۔یہ نہیں سوچ رہی ہو کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ میں کس کی وجہ سے ایسی مجرمانہ حرکت کر رہا ہوں؟ کسے پانے کے لیے ایسے راستے پر چل رہا ہوں؟''

''وہ سب ٹھیک ہے۔مگر.......''

''اگر مگر کچھ نہیں۔ایک بات کہہ چکا ہوں۔تم میری زندگی میں آؤ گی تو میں عینی کی زندگی میں جاؤں گا۔ورنہ اسی طرح اسے بھٹکاتا رہوں گا۔ایک شوہر کی محبت' اپنائیت اور توجہ کے لیے تڑپاتا رہوں گا۔''

وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی رہی۔وہ بولا۔''کل صبح ہماری شادی ہونے والی ہے۔ہمیں اچھی باتیں کرنی چاہئیں۔تمہارا سہاگ کا سرخ جوڑا اس وقت میری نظروں کے سامنے ہے۔اس کا شوخ رنگ تمہاری زندگی میں شوخیاں بھر سکتا ہے۔خود کو ایک سہاگن کی خوشیوں سے محروم نہ کرو۔عروج!''

وہ ایسے بول رہا تھا کہ سیدھا دل میں اتر رہا تھا۔ان لمحوں میں وہ تھوڑی دیر کے لیے عینی کو بھول گئی۔''سہاگ۔ سہاگن۔ازدواجی خوشیاں.....''

دل جذبوں کے ہجوم میں ڈانواں ڈول ہونے لگا تھا۔وہ کہہ رہا تھا۔''ایک بے جان تصویر بھی تکمیل کے مرحلوں سے گزر کر شاہکار بنتی ہے۔تمہاری تکمیل میں کروں گا..... میں.....''

وہ آنکھیں بند کیے اس کی باتیں سن رہی تھی۔تصور میں کتنے ہی پھول کھلنے لگے تھے۔پھولوں کے ساتھ کانٹے تو ہوتے ہی ہیں۔اسے جیسے کسی کانٹے نے چھو لیا۔اس نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں۔گہری گہری سانسوں کے درمیان کہنے لگی۔''پلیز پاشا! مجھے مت بہکاؤ.......''

اس نے کہا۔''جب تک بہکاؤں گا نہیں۔تم سیدھے راستے پر نہیں چلو گی۔میری جان! خوشیاں بانٹو لیکن ایسے کہ اپنا دامن بھی خالی نہ رہے۔میں تمہیں مسرتیں دوں گا اور تمہارے توسط سے عینی کو بھی ایک شوہر کی بھرپور محبت ملتی رہے گی۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔''میں جانتی ہوں' تم میرے ہو کر سب کچھ بھول جاؤ گے۔''

''ایسا نہیں ہو گا.....''

وہ آگے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ایسے ہی وقت دروازے پر دستک ہونے لگی۔عینی کی آواز سنائی دی۔''عروج...! عروج! دروازہ کھول.....''

وہ ایسے گڑبڑا گئی۔جیسے سہیلی نے اس کی چوری پکڑ لی ہو۔وہ پاشا کو کوئی جواب دیے بغیر فون آف کر کے اسے بیگ میں رکھتے ہوئے زور سے بولی۔''ہاں۔آرہی ہوں۔ابھی دروازہ کھولتی ہوں۔''

اس نے فوراً ہی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے بالوں کو ہلکا سا گیلا کیا پھر آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔عینی کمر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔''آدھے گھنٹے کا کہہ کر گئی تھی۔ایک گھنٹا لگا دیا اور یہ تیرے چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟ کیا بات ہے؟''

وہ فوراً اس کی طرف سے پلٹ کر تولیے سے منہ پونچھتے ہوئے بولی۔''وہ۔کچھ نہیں۔ہاں۔وہ میں اپنی گولڈ رنگ کہیں رکھ کر بھول گئی ہوں۔اسے ہی ڈھونڈ رہی تھی۔''

اس کے ہاتھ تولیے کے اندر چھپے ہوئے تھے۔اس نے فوراً ہی اپنی انگوٹھی اتار کر مٹھی میں دبا لی۔عینی نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔''اوہو۔سونے کا گم ہونا اچھا نہیں ہوتا۔اگر یہیں اتاری تھی تو یہاں سے کہاں جائے گی؟ یاد کر۔تو نے پہنی بھی تھی یا نہیں؟''

وہ بولتی جا رہی تھی اور واش روم کے اندر آکر اسے تلاش کر رہی تھی۔عروج نے اس سے آنکھ بچا کر انگوٹھی کو واش بیسن پر رکھ دیا۔پھر تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے کہا۔''اتنی پریشان نہ ہو۔وہ ابھی نہ سہی' بعد میں مل جائے گی۔میں تجھ سے

ے لوں گی۔"

عینی مسکراتے ہوئے بولی۔"اور اگر میری نیت بدل گئی تو......؟"

اس نے اسے بڑی محبت سے دیکھ کر کہا۔"تو وہ تیری انگلی میں سج جائے گی۔"

عینی ایک دم سے سنجیدہ ہوگئی۔اس کی طرف سے منہ پھیر کر بولی۔"ایسا نہیں ہوتا۔پرائی چیز پرائی ہی رہتی ہے۔ اب دیکھ ناں۔تیرا محبوب میرا شوہر بن گیا ہے۔مگر میری زندگی میں فٹ نہیں ہو رہا ہے۔کیسا اَن فٹ شوہر ملا ہے۔"

عروج نے بڑے صدمے سے اسے دیکھا۔ایسے ہی وقت وہ واش بیسن کی طرف دیکھ کر بولی۔"مل گئی......"

وہ آگے بڑھ کر انگوٹھی اٹھا کر عروج کی انگلی میں پہناتے ہوئے بولی۔"کبھی کبھی چیزیں بھی آنکھ مچولی کھیلتی ہیں۔نظر کے سامنے ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آتیں۔میرا شوہر بھی مجھ سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہے۔"

عروج اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔"کب تک کھیلے گا؟ وہ پتنگ کی طرح ہے۔تیری ڈور سے بندھا ہے۔ تیرے پاس ہی آئے گا۔"

عینی نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔پھر کہا۔ "ڈور کٹ جائے تو پتنگ ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔لگتا ہے' میرے ہاتھ کی ڈور کٹنے ہی والی ہے۔"

وہ سہیلی سے نظریں چرانے لگی۔عینی تھوڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر اس کے ساتھ واش روم سے باہر آتے ہوئے بولی۔"پاشا کی بے مروتی تو روٹین بن گئی ہے۔میں تجھے یہ بتانے آئی تھی کہ نیچے جاوید صاحب آئے ہوئے ہیں۔"

عروج نے ایک دم سے چونک کر اسے دیکھا پھر پریشانی سے کہا۔"جاوید صاحب.....؟ کیا وہ اشعر سے ملنے آئے ہیں؟ کہیں انہیں شبہ تو نہیں ہوگیا ہے کہ اشعر.....؟"

"انہیں شبہ نہیں یقین ہے کہ اشعر کل سے غائب ہے۔"

وہ چونک کر بولی۔"یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"پتا ہے۔اشعر کو اغوا کرنے والے نے یہاں کوئی فون نہیں کیا۔جبکہ یہاں کرنا چاہیے۔اس نے جاوید صاحب کو فون پر کہا ہے کہ اشعر اس کے پاس محفوظ ہے۔اس نے اشعر کی جاوید صاحب سے بات بھی کرائی ہے۔"

عینی اور بھی بہت کچھ بتاتی رہی لیکن عروج تو جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔خیالوں ہی خیالوں میں پاشا کے پاس پہنچ گئی تھی۔بے شک وہ اس کی سہیلی کو پریشانیوں میں مبتلا کر رہا تھا لیکن ساتھ ہی مطمئن بھی کر رہا تھا۔عینی کے چہرے کا سکون بتا رہا تھا کہ اسے اشعر کی طرف سے اطمینان حاصل ہ[...] ہے۔

عروج نے بڑے پیار سے سوچا۔"وہ دل کا بہت ا[...] ہے' میری وجہ سے برا بن گیا ہے۔"

پھر اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔"چلو ا[...] حد تک تو اطمینان ہوا۔ورنہ میری تو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جاوید صاحب کا سامنا کیسے کریں گے؟"

عینی افسردگی سے بولی۔"پتا نہیں۔پاشا میرا سامنا کرے گا؟ کب تک مجھ سے دور بھاگتا رہے گا؟ لڑکی آنکھوں میں شادی کے خواب سجاتی ہیں تو ہر وقت ایک گھر شوہر کے ساتھ خود کو دیکھتی رہتی ہیں مگر میں کیسی سہاگن ہو[ں] شادی کے بعد بھی اپنے گھر اپنے شوہر سے محروم ہوں۔"

عروج اس سے نظریں چرا کر آئینے کے سامنے بناتے ہوئے بولی۔"وہ مجھ سے بھی رابطہ نہیں کر رہا ہے۔ا[...] میں ہی اسے سمجھاتی۔"

"نکاح نامہ زندگی بھر کا ایگریمنٹ ہوتا ہے۔یعنی دلہن عمر بھر ایک ساتھ رہنے اور زندگی کے ہر موڑ پر ہر فیصلے ایک دوسرے کو اہمیت دینے کا عہد کرتے ہیں۔میں اچھی سمجھ رہی ہوں۔پاشا کا یہ عہد صرف تحریری طور پر تھا۔[...] مجھے دل سے قبول نہیں کریں گے۔"

وہ جلدی سے بولی۔"تو ایسا نہ سوچا کر۔"

"میں سوچ نہیں رہی ہوں۔شکایت کر رہی ہوں۔ بتا! مجھ میں کیا کمی ہے؟ میں کس پہلو سے کمزور ہوں؟ ایک وہ بھی دور ہوگئی۔اندھیرے چھٹ چکے ہیں۔مگر پاشا[...] مجھے اندھیروں میں رکھنا چاہتے ہیں۔میں بیوی ہوں۔[...] کرنے کا بھی حق رکھتی ہوں اور لڑنے کا بھی......"

عروج الجھ کر بولی۔"یہ پاشا پتا نہیں کب اپنی[...] داریوں کو سمجھے گا؟"

"ذمہ داریاں صرف سمجھی نہیں جاتیں' سنبھالی بھی[...] ہیں۔تو نہیں سمجھ سکتی عروج! جب کسی ایک کی وجہ سے د[...] نظروں سے گرایا جاتا ہے تو دل پر کیسی چوٹ لگتی ہے؟ م[...] میں ہی سمجھتی ہوں۔"

عروج نے ایکدم سے سر گھما کر اسے دیکھا۔اس[...] اس کی باتیں سمجھا رہی تھیں کہ اب وہ صرف سہیلی نہیں ہے[...] کی بیوی بھی ہے۔ان لمحات میں جیسے اس کے اندر کی[...] بول رہی تھی۔اس نے صاف طور سے نہیں کہا' پھر بھی کہ[...] اب وہ عروج جیسی ہمدرد سہیلی کو اپنے اور پاشا کے معا[...] برداشت نہیں کر رہی ہے۔

[...]وہ اس کے جذبات سمجھ رہی تھی۔اس نے ایک گہری [...]ں لے کر بالوں کو سمیٹتے ہوئے کہا۔"اشعر کی طرف سے تو [...]ان ہو گیا ہے۔اب مجھے جانا چاہیے۔"

"اچھی بات ہے۔لیکن کھانا کھا کر جانا۔"

"نہیں۔مجھے بھوک نہیں ہے۔یوں بھی اسپتال سے بار [...]ن آرہا ہے۔"

[...]ینی نے کہا۔"پہلے اشعر کے معاملے میں الجھی رہی۔ [...]ے ساتھ پریشان ہوتی رہی۔اب اسپتال جا کر ڈیوٹی دے [...]وری......میں نے تجھے تھکا دیا۔"

"سوری.......؟ یہ میرے تیرے درمیان سوری کا لفظ [...]ہاں سے آگیا؟"

[...]ینی نے بات بدلتے ہوئے کہا۔"ابھی اشعر کا معاملہ نمٹا [...] سمجھ میں آرہا ہے۔میں پاشا کی وجہ سے بہت اپ سیٹ [...]۔تیرے جانے کے بعد تنہا رہوں گی۔اپنے حالات پر غور [...]ں گی۔شاید اپنے لیے کوئی بہتر فیصلہ کرسکوں۔"

عروج اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی، پھر اپنا [...]یگ اٹھاتے ہوئے بولی۔"سوچنا تو مجھے بھی بہت کچھ [...]"

وہ تینوں اپنی اپنی تقدیر میں الجھے ہوئے تھے۔ایک [...]ے سے منسوب تھے۔اس لیے ایک دوسرے کی تقدیر پر [...]راز ہو رہے تھے۔

☆☆☆

یہ بہت ہی گھسی پٹی کہاوت ہے کہ تدبیر سے تقدیر بدلی جا[تی] ہے۔بہو کو گھر سے نکالنے کا راستہ ہموار ہوتے ہوتے رہ [گیا] تھا۔اس کی تقدیر میں آبادی تھی لیکن بیگم آفتاب اپنی تدبیر [سے ا]س آبادی کو بربادی میں بدلنے والی تھی۔

اس کی سہیلی شیریں گل اسے ایک جعل ساز کے پاس لے [گئ]ی۔وہ تحریر کا ماہر نقال تھا۔لیکن جب بیگم آفتاب کا مسئلہ [سامن]ے آیا تو اس نے گھبرا کر کہا۔"او گاڈ! آپ فتویٰ بدلوانے [آئی ہ]یں۔میں نے اپنی پوری زندگی میں آج تک کبھی کسی دینی [معاملے] میں ہاتھ نہیں ڈالا۔"

بیگم آفتاب نے شیریں گل کو دیکھا پھر اس شخص سے [...] "میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گی۔"

وہ بولا۔"دیکھیے بیگم صاحبہ! یہ دینی اور شرعی معاملات [...]حساس ہوتے ہیں۔یہ مانا کہ میں ماہر جعل ساز ہوں۔ [...]ست نقال ہوں۔کسی کے بھی تخت کا تختہ کرسکتا ہوں۔ [...]ت بدل کر کسی کو کوٹھی میں اور کسی کو فٹ پاتھ پر لا سکتا [...]مگر فتویٰ بدلنا......"

بیگم آفتاب نے منہ بنا کر شیریں گل سے کہا۔"یہ تم مجھے کس کے پاس لے آئی ہو؟ میں پرس میں ایک بھاری رقم کا چیک لیے پھر رہی ہوں۔یہ نہ سہی کوئی اور سہی۔چلو اٹھو۔"

شیریں گل نے اس شخص کو دیکھتے ہوئے کہا۔"کیوں دروازے پر آئی روزی کو لات مار رہے ہو؟ وصیت ہو یا فتویٰ۔ تمہیں تو اپنے کام سے مطلب ہونا چاہیے۔"

وہ بولا۔"آپ کسی بھی جعل ساز کے پاس جائیں گی۔ اگر اس کا ضمیر زندہ ہوگا تو وہ مسلمان ہونے کے ناتے ضرور گھبرائے گا۔"

بیگم آفتاب نے ذرا تن کر کہا۔"تم مجھے نہیں جانتے لیکن ایس پی ذیشان کو تو جانتے ہو گے؟"

وہ ایس پی ذیشان کا نام سن کر چونک گیا۔سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔وہ بولی۔"وہ میرا بیٹا ہے۔"

وہ ایک دم سے گڑبڑا کر بولا۔"کیا....؟"

"ہاں۔تم میرا کام نہیں کرو گے تو میں تمہارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دوں گی۔میرے بیٹے کے ایک اشارے پر تم جیل کی ہوا کھا رہے ہو گے۔دوسروں کے تخت کا تختہ کرتے ہو۔میرا ساتھ دو۔ورنہ میں تمہارا تختہ کردوں گی۔"

وہ گھبرا کر بولا۔"میں نے کچھ کیا نہیں ہے اور نہ کر کے پھنسنے والا ہوں۔"

"اب تو حالات یہ ہیں کہ نہ کر کے پھنسو گے اور کر کے بچو گے۔"

شیریں گل نے اس سے کہا۔"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ انہیں یہاں سے مایوس نہ جانے دو۔"

وہ ہتھیار ڈالنے کے انداز میں بولا۔"ٹھیک ہے۔میں ان کا کام کردوں گا لیکن کوشش کریں کہ میرے دیے ہوئے فتوے کو کوئی چیلنج نہ کرے۔ورنہ کسی نے اسے پڑھ کر بال کی کھال نکالی تو میں بری طرح مارا جاؤں گا"

بیگم آفتاب نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے کہا۔"اسے کوئی چیلنج نہیں کرے گا۔تم بے فکر ہو کر اپنا کام دکھاؤ۔"

کبھی کبھی تقدیر اتنا ظلم نہیں ڈھاتی جتنا انسانی تدبیر ڈھاتی ہے۔دو گھنٹے کے اندر اندر اس جعل ساز نے بڑی مہارت کے ساتھ جعلی فتویٰ تیار کر کے بیگم آفتاب کے ہاتھ میں تھما دیا۔اس کے مطابق اسما اور ذیشان کا ازدواجی رشتہ ختم ہو چکا تھا۔بیگم آفتاب نے اس جعلی فتوے کو بڑے پیار سے اپنے پرس میں رکھ لیا اور اصلی فتوے کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔دل بہو کو دھکے دینے کے لیے مچلنے لگا تھا۔وہ ہواؤں میں اڑتی ہوئی اپنی کوٹھی میں چلی آئی۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر بڑے فاتحانہ انداز میں ذیشان کے کمرے کی طرف دیکھنے لگی۔ فلک آفتاب بھی وہاں چلا آیا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ اور اطمینان کو دیکھ کر کسی حد تک سمجھ گیا تھا کہ وہ ساس اور بہو کی جنگ میں میدان مار کر آئی ہے۔

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے بولی۔ ''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

وہ دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے چہرے کا اطمینان دیکھ رہا ہوں۔ لگتا ہے' بہو کے قدم اکھاڑنے کے تمام ہتھیار تیز کر کے لائی ہو۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ ''بہو......؟ جب کوئی مر جاتا ہے تو اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے۔ بہو کا رشتہ پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ اسے مٹی میں ملنا تھا' وہ مل چکی ہے۔ میں تو آج فاتحہ پڑھانے آئی ہوں۔''

وہ اپنے پرس سے اس جعلی فتوے کی فوٹو کاپی نکال کر اسے دیتے ہوئے بولی۔ ''لو۔ اسے پڑھو۔''

وہ اسے لے کر پڑھنے لگا۔ وہ بولی۔ ''آج کل کی نوجوان نسل بزرگوں کے تجربوں کو نہیں سمجھتی ہے۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا' یہ رشتہ ختم ہو چکا ہے لیکن میری کوئی نہیں مان رہا تھا۔ اب سب سنیں گے اور سب مانیں گے۔''

وہ اس فتوے کو پڑھنے کے بعد بولا۔ ''تعجب ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا' یہ تمہاری مرضی کے مطابق ہو گا تو تم آتے ہی واویلا مچاؤ گی۔ اسما کو ایک منٹ کے لیے بھی اس گھر میں ٹکنے نہیں دو گی۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں' تم بڑے اطمینان سے بیٹھی ہوئی ہو؟''

وہ اے سی کی ٹھنڈک کو سانسوں میں جذب کرتے ہوئے بولی۔ ''بہو کا پہاڑ اتر رہا ہے۔ میری ساری بے چینی ختم ہو گئی۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے آفتاب! میں اس وقت خود کو کتنا ہلکا پھلکا اور پُرسکون محسوس کر رہی ہوں؟''

''بیگم! میرا خیال ہے' ہمیں ذیشان کو بلا کر بات کرنی چاہیے۔''

''کیا وہ گھر میں ہے؟''

''ہاں۔ اشعر کے معاملے میں سب ہی پریشان تھے لیکن اب کسی حد تک سکون ہو گیا ہے۔''

وہ اسے جاوید برقی کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔ فلک ناز نے وہاں آتے ہوئے کہا۔ ''بھا۔ بی! آپ کہاں تھیں؟ دوپہر کے کھانے پر بھی انتظار کروایا۔''

وہ بالوں میں بڑے اسٹائل سے انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ ''ہماری اسما بیگم بڑی اونچی اڑانیں اڑ رہی تھیں۔ ا[illegible] کے پر کاٹنے گئی تھی۔''

اس نے فلک آفتاب سے وہ فتویٰ لے کر فلک ناز [illegible] طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے پڑھنے کے بعد بھا۔ بی اور بھائی [illegible] سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ فلک آفتاب نے اپنی بیگم [illegible] کہا۔ ''ذیشان کو خبر کر دینی چاہیے۔ ابھی وہ اسما کے ساتھ [illegible] کمرے میں ہے۔ اب ان کا ایک ساتھ رہنا سراسر بے [illegible] ہے۔''

فلک ناز نے کہا۔ ''ذیشان میاں اپنے کمرے میں [illegible] ہیں۔ اسما کو تو میں نے مقدر کے ساتھ کہیں باہر جاتے ہو[illegible] دیکھا تھا۔''

بیگم آفتاب نے پوچھا۔ ''وہ کہاں جا سکتی ہے اور [illegible] مقدر حیات کے ساتھ....؟''

فلک آفتاب نے کہا۔ ''وہ نہیں ہے تو کیا ہوا؟ ہمار[illegible] لیے ہمارا بیٹا اہم ہے۔ اس کو بلاؤ۔''

ذیشان کو بلایا گیا۔ وہ ان کے درمیان آ کر بیٹھتے ہو[illegible] بولا۔ ''امی! آپ کہاں تھیں؟ میں آپ کو ایک بہت [illegible] خوشخبری سنانے کے لیے بے چین تھا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر [illegible] میرے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار ہٹ چکی ہے۔ اصل قاتل اپنا [illegible] قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس کا سچا بیان مجھے پھانسی [illegible] پھندے سے بچا رہا ہے۔''

بیگم آفتاب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''دیکھا فلک [illegible] اس کاغذ نے نحوست کے سائے ختم کر دیے ہیں۔''

ذیشان نے کاغذ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''[illegible] ہے.....؟''

فلک ناز نے وہ فتویٰ اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ا[illegible] پڑھنے لگا۔ بیگم آفتاب نے کہا۔ ''تم اپنی ماں کی باتوں کا [illegible] نہیں کر رہے تھے۔ دیکھو! مفتی صاحب نے کیا لکھا ہے؟''

وہ تحریر پڑھ کر ذیشان جیسے ٹوٹ سا گیا۔ اسما خواب [illegible] سی نظر آنے لگی۔ اس نے بے یقینی سے کہا۔ ''نہیں۔ ایسا [illegible] ہو سکتا۔''

بیگم آفتاب نے ناگواری سے کہا۔ ''کیوں نہیں ہو[illegible] مفتی صاحب نے دینی اور شرعی احکامات کی روشنی میں یہ [illegible] دیا ہے۔ کیا تم بیوی کی محبت میں اسے جھٹلانا چاہتے ہو؟''

اس تحریر کے نیچے مفتی صاحب کی مہر اور دستخط دکھائی [illegible] رہے تھے۔ وہ تصدیق شدہ کاغذ تھا۔ ذیشان اسے جھٹلا نہیں [illegible] تھا۔ اس کے دماغ میں جیسے دھواں سا بھر گیا تھا۔

اس نے بڑی افسردگی سے سوچا۔ ''اسما کی ایک غلطی

یہ کیا کر دیا؟ کیا میاں بیوی کا رشتہ اس قدر نازک ہوتا ہے؟ ہمارے دین میں تو بڑی لچک ہے۔ نیک نیتی ہو تو توبہ اور معافی کے در کھل جاتے ہیں۔ خدا تو اپنے بندوں کی بڑی سے بڑی غلطی معاف کر دیتا ہے۔ کیا ایک عالم صاحب اسما کی ایک چھوٹی سی غلطی کو معاف نہیں کر سکتے؟''

بیگم آفتاب نے بیٹے کے سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟''

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ ''میں اس فتوے کو جھٹلا تو نہیں سکتا۔ مگر پتا نہیں کیوں مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔''

''ایسا ہوتا ہے بیٹے! جب رشتے ٹوٹتے ہیں تو یقین نہیں آتا۔''

وہ بولا۔ ''آپ تو بہت خوش ہوں گی؟ بہو کا کانٹا نکل رہا ہے۔''

''کیوں نہیں ہوں گی؟ سب ہی اپنی اولاد کی بہتری چاہتے ہیں اور تم دیکھ ہی رہے ہو کہ یہاں اسما سے رشتہ ختم ہوا' وہاں تمہاری ساری مشکلیں حل ہو گئیں۔''

فلک ناز نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں۔ یہ تو ہے۔''

فلک آفتاب نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''تم مانو یا نہ مانو یہ رشتہ ٹوٹتے ہی تمہاری مشکلیں آسان ہو رہی ہیں۔ تمہیں اب تمہارا عہدہ بھی واپس ملنے والا ہے اور نیک نامی بھی........''

وہ بولا۔ ''جنہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔''

ماں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''تم ان سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟ کیا اس فتوے کو غلط سمجھ رہے ہو؟''

وہ بولا۔ ''صحیح اور غلط کا فیصلہ تو وہ کر چکے ہیں۔ میں تو ان سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

بیگم آفتاب تنک کر بولیں۔ ''فضول باتیں نہ کرو۔ پہلے اسما کا بوریا بستر گول کرو۔ پھر مفتی صاحب سے بھی مل لینا۔''

وہ بولا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے' جب اسما اپنی غلطی کی معافی مانگ چکی ہے تو پھر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟''

فلک آفتاب نے ناگواری سے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے تم اپنی ماں پر شبہ کر رہے ہو؟''

''میں کسی پر شبہ نہیں کر رہا ہوں۔ ایک سیدھی سی بات کہہ رہا ہوں۔ ہماری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کیا گیا ہے۔ میں ان مفتی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں اور بس.....''

بیگم آفتاب نے تیز لہجے میں کہا۔ ''میں نے کہا ناں.... ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ تم پہلے اسما کو نکالنے کی بات کرو۔''

''اس فتوے کے مطابق اسے تو جانا ہی ہے۔''

عینی نے وہاں آتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا بات ہے ذیشان بھائی........!''

بیگم آفتاب نے جلدی سے عینی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''آؤ۔ بیٹی! آؤ۔ تم ہی اسے سمجھا سکتی ہو۔''

وہ دونوں ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔ عینی نے پوچھا۔ ''آخر معاملہ کیا ہے؟''

بیگم آفتاب نے وہ کاغذ ذیشان سے لے کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں ایک مفتی صاحب کے پاس گئی تھی۔ انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ اس کے مطابق اسما اور ذیشان کا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔''

عینی نے ایکدم چونک کر تمام افراد کو دیکھا۔ پھر بے یقینی سے پوچھا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

وہ کاغذ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نہیں کہہ رہی ہوں' مفتی صاحب کا فیصلہ کہہ رہا ہے لیکن اپنے بیٹے کا کیا کروں؟ بیوی کی محبت میں ایسا اندھا ہو رہا ہے کہ دینی احکامات کو بھی نظر انداز کر رہا ہے۔''

ذیشان نے الجھ کر کہا۔ ''امی! بات کا بتنگڑ نہ بنائیں۔ میں اسے غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ صرف ان مفتی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ کیوں کترا رہی ہیں؟''

عینی اس تحریر کو پڑھنے کے بعد بولی۔ ''یا خدایا! یہ تو بھا۔ بی جان کے ساتھ بہت برا ہوا۔ ایک چھوٹی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا......؟

پھر وہ ذیشان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر روتے ہوئے بولی۔ ''بھائی جان! یہ کیا ہو گیا؟ اب کیا بھا۔ بی جان ہم سب کی زندگی سے دور چلی جائیں گی؟''

وہ اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے بولا۔ ''میں ایک نہیں کئی علمائے کرام سے ملوں گا۔ شاید وہ دینی احکامات کی روشنی میں مزید کوئی مشورہ دے سکیں۔''

بیگم آفتاب نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔ پھر میاں سے کہا۔ ''سن رہے ہیں آپ...! بیوی کی محبت کیسے سر چڑھ کر بول رہی ہے؟''

فلک ناز نے کہا۔ ''ہم سب ہی جانتے ہیں' ذیشان میاں اسما کو بہت چاہتے ہیں۔ اسی لیے...''

بیگم آفتاب نے چڑ کر کہا۔ ''تم تو چپ رہو۔ رشتہ ختم ہو گیا۔ چاہت بھی ختم ہو جانی چاہیے۔''

ذیشان نے کہا۔ ''آپ سے بحث کرنا ہی فضول ہے۔

یہاں مہر پر مفتی صاحب کا نام اور ایڈریس لکھا ہوا ہے۔ میں خود ہی جا کر ان سے ملاقات کر لوں گا۔“

بیگم آفتاب گھبرا کر رونے لگی۔ فلک آفتاب نے پوچھا۔ ”تمہیں کیا ہوا؟“

اس نے روتے ہوئے کہا۔ ”بیٹا ماں کا اعتبار نہ کرے تو کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ یہ صاف طور پر نہیں کہہ رہا ہے مگر میں سمجھ رہی ہوں۔ یہ مجھ پر شبہ کر رہا ہے۔ اپنی ماں پر.....“

عینی نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”بھائی جان ایسا کچھ نہیں کہہ رہے ہیں۔“

وہ بولی۔ ”یہ بیٹا ہو کر ضد کر رہا ہے تو میں بھی ایک بات کہہ دیتی ہوں۔ پہلے اسما کو اس گھر سے نکالا جائے گا پھر یہ مفتی صاحب سے ملنے جائے گا۔“

ایسے ہی وقت اسما میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل .... ہوتے ہوئے بولی۔ ”مجھے میرے گھر سے کون نکال سکتا ہے؟“

سب نے چونک کر ہمیں دیکھا۔ عینی نے فوراً اسما کے قریب آتے ہوئے کہا۔ ”بھا۔بی جان! یہ.... یہ بڑی امی.... ابھی مفتی صاحب سے فتویٰ لے کر آئی ہیں۔ اس کے مطابق۔“

وہ اس سے آگے کچھ نہ بول سکی۔ اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔ اسما اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔ ”اس گھر میں میری جڑیں بہت مضبوط ہیں۔“

بیگم آفتاب نے تن کر کہا۔ ”کس خوش فہمی میں ہو بی بی! تمہاری ہی غلطی تمہاری جڑیں کاٹ چکی ہے۔“

اسما عینی کو الگ کر کے بیگم آفتاب کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ”کہاں ہے آپ کا فتویٰ.....؟“

ذیشان نے خاموشی سے وہ کاغذ اسما کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے پڑھنے کے بعد بولی۔ ”اوہ.... اس کے مطابق تو واقعی میرا ذیشان سے اور اس گھر سے رشتہ ختم ہو چکا ہے۔“

بیگم آفتاب اسے فاتحانہ انداز سے دیکھ رہی تھی۔ اسما نے اپنے بیگ سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ ”اگر آپ کا فتویٰ سچ ہے تو پھر یہ کیا ہے؟“

سب نے سوالیہ نظروں سے اس دوسرے کاغذ کی طرف دیکھا۔ وہ اسے ذیشان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ”ذرا اس فتوے کو بھی پڑھ لیں....“

بیگم آفتاب پریشانی سے بہو کو دیکھ رہی تھی۔ بیٹا اس کا لایا ہوا فتویٰ پڑھ رہا تھا اور ماں کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ جسم کے روم روم سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ بیٹے نے وہ تحریر پڑھ کر باپ کی طرف بڑھا دی۔ بیگم آفتاب ایسی بوکھلائی ہوئی تھی کہ میاں کے ہاتھ سے اس تحریر کو چھین کر بولی۔ ”مجھے بھی تو دکھائیں..... ایسا کیا لکھا ہے اس میں.....؟“

ذیشان نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”اس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ ہمارا رشتہ ختم نہیں ہوا ہے۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ اسما نے اپنی غلطی کی معافی مانگ لی۔ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ اس معبود کا لاکھ لاکھ شکر ہے' یہ آج بھی سہاگن ہے۔“

بیگم آفتاب ایکدم سے گھبرا گئی پھر سنبھلتے ہوئے بولی۔ ”خوب اندھی حمایت کرتے ہو۔ یہ اپنی مرضی کا فتویٰ کسی سے بنوا کر لے آئی اور تم نے یقین کر لیا؟“

اسما نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ”یہ شبہ تو میں آپ پر بھی کر سکتی ہوں۔ آپ بھی تو مجھے اس گھر سے نکالنا چاہتی ہیں۔ اسی لیے اپنی مرضی کا فتویٰ لے آئی ہیں۔“

بیگم آفتاب کی گھبراہٹ کو سب ہی نوٹ کر رہے تھے۔ فلک آفتاب اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فلک ناز نے کہا۔ ”بیٹا ذیشان! یوں آپس میں الجھتے رہنے سے بہتر ہے کہ اس مسئلے کا کوئی حل نکالو۔“

بیگم آفتاب نے پریشان ہو کر ایک ایک چہرے کو دیکھا۔ ذیشان نے کہا۔ ”یہ دو مختلف فتوے الجھن میں مبتلا کر رہے ہیں۔ ان کی تصدیق کرائی جائے گی۔“

ماں نے بیٹے کو بازو سے تھام کر کہا۔ ”تم مجھ پر شبہ کر رہے ہو؟“

ذیشان نے الجھ کر کہا۔ ”نہیں۔ میں کسی پر شبہ نہیں کر رہا ہوں۔ کہیں کوئی غلطی بھی تو ہو سکتی ہے۔ اس کو درست کرایا جا سکتا ہے۔“

عینی چبھتی ہوئی نظروں سے بیگم آفتاب کو دیکھ رہی تھی۔ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ”بڑی امی! اگر آپ سچی ہیں اور آپ کا فتویٰ بھی سچا ہے تو اس قدر گھبرا کیوں رہی ہیں؟“

وہ ایکدم سے سنبھل کر بولی۔ ”نن۔ نہیں۔ میں کیوں گھبرانے لگی؟“

اسما نے کہا۔ ”تو پھر ٹھیک ہے۔ پہلے امی کے مفتی صاحب کے پاس چلتے ہیں پھر میں آپ سب کو ان کے پاس لے جاؤں گی' جنھوں نے میرے سہاگ کو قائم رکھنے کا فیصلہ سنایا ہے۔“

بیگم آفتاب کو چکر آنے لگے تھے۔ اس نے دینی اور شرعی معاملات میں مداخلت کی تھی۔ بلکہ دینی احکامات کی نفی کی تھی۔ بہو کو گھر سے نکالنے کے لیے ناقابلِ معافی جرم کیا تھا۔ اس کے کانوں میں اس جعل ساز کی آواز گونج رہی تھی۔ ”پلیز۔ کوشش کریں کہ میرے بنائے ہوئے فتوے کو کوئی چیلنج نہ کرے۔“

جھوٹ تو کھلنا ہی تھا۔ گھر سے باہر کھلتا تو بڑی سبکی ہوتی۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ ”باہر جا کر بدنام اور رسوا ہونے سے بہتر ہے' گھر کی بات گھر ہی میں ختم ہو جائے۔ ہو سکتا ہے۔ وہ مفتی صاحب مجھ پر کیس کر دیں۔ اخبارات میں میری خبریں شائع ہوں گی۔ میڈیا کے ذریعے بھی اس بات کو اچھالا جائے گا کہ ایک ساس نے اپنی بہو سے نجات حاصل کرنے کے لیے دینی احکامات کو اپنے طور پر بدلنے کی بدترین مجرمانہ کوشش کی ہے۔“

وہ ایکدم سے تڑپ کر بیٹے کے قدموں پر گرتے ہوئے بولی۔ ”بیٹا! مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو.....“

تمام افراد نے چونک کر اسے دیکھا۔ ذیشان دو قدم پیچھے ہٹ کر اسے شانوں سے تھام کر اٹھاتے ہوئے بولا۔ ”یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟“

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے معاف کر دو۔ یہ ممتا کا جذبہ بڑا اندھا ہوتا ہے۔ میں تم پر چھائی ہوئی نحوست کے سائے دور کرنے کے لیے اندھی ہو گئی تھی۔ اسی لیے......“

سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ذیشان نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ ”اسی لیے کیا.....؟“

وہ روتے ہوئے۔ گڑگڑاتے ہوئے بولی۔ ”اسی لیے ..... اسی لیے میں نے یہ۔ یہ......“

وہ بیٹے کے بازو کو مضبوطی سے تھام کر بولی۔ ”خدا کے لیے بیٹا! اپنی ماں کی عزت رکھ لو۔ میرے لائے ہوئے اس کاغذ کو چیلنج نہ کرو۔“

تمام افراد نے چونک کر بے یقینی سے بیگم آفتاب کو دیکھا۔ بیٹے نے ان کے ہاتھ کو جھٹک کر بڑی ناگواری سے کہا۔ ”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اسما سے نفرت کرتے کرتے اس حد تک پستی میں گر سکتی ہیں۔“

فلک آفتاب غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بیگم کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کرتے ہوئے بولا۔ ”تمہیں شرم نہیں آئی؟ تم نے صرف بہو کی ہی نہیں دینی احکامات کی بھی نفی کی ہے۔ جانتی ہو۔ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے دین کو اپنی مرضی سے موڑنے توڑنے والا کافر کہلاتا ہے اور بدترین سزا کا مستحق ہوتا ہے۔“

فلک ناز نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ”یہ دین خدا اور اس کے رسول ﷺ کو کیا جانیں؟ لندن کی پیداوار ہیں۔“

فلک آفتاب نے گرج کر کہا۔ ”مسلمان تو ہے۔“

عینی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”بڑی امی! بڑے افسوس کی بات ہے۔ آپ کا یہ کارنامہ سن کر ہمارا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ اگر بھا۔بی جان نے اپنے طور پر سچا فتویٰ حاصل نہ کیا ہوتا تو کیا ہوتا؟“

وہ روتے ہوئے بولی۔ ”میں تم سب سے معافی مانگتی ہوں۔“

اسما نے تیز لہجے میں کہا۔ ”معافی.....؟ یاد کریں وہ دن ... میں نے بھی جھوٹ بولا تھا اور اپنی غلطی کی معافی مانگی تھی۔ کیا آپ نے مجھے معاف کیا تھا؟ میرے ارادے نیک تھے۔ لیکن آپ..... آپ ایک بسی بسائی سہاگن کو اجاڑنا چاہتی ہیں۔“

ذیشان نے ماں کی طرف سے منہ پھیر کر تیز لہجے میں کہا۔ ”یہ آپ کو اتنی ہی بری لگتی ہے تو ٹھیک ہے۔ میں اسے آپ کی زندگی سے دور کر دیتا ہوں۔ ہم الگ گھر میں رہیں گے۔“

عینی نے فوراً ہی آگے بڑھ کر کہا۔ ”نہیں! آپ یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے۔ اگر کسی کو جانا ہوگا تو وہ بڑی امی جائیں گی کیونکہ میں دین کا مذاق اڑانے والوں کو اپنے گھر میں جگہ نہیں دوں گی۔“

وہ کچھ دیر پہلے فاتح بن کر آنے والی ایسی مات کھا رہی تھی کہ دن میں تارے نظر آنے لگے تھے۔ وہ بہو کو گھر سے نکالنے کے چکر میں نہ گھر کی رہی تھی' نہ گھاٹ کی۔

وہ فوراً ہی عینی کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ”بیٹی! مجھے معاف کر دو۔“

فلک آفتاب نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔ ”تم معافی کے لائق نہیں ہو بیگم! میں اس عمر میں تمہیں طلاق نہیں دے سکتا۔ اپنی زندگی سے کاٹ کر الگ نہیں کر سکتا۔ اس لیے چپ چاپ اوپر چلو اور اپنا سامان باندھو۔ تمہاری غلطی کی سزا مجھے بھی ملے گی۔ میں اب ان بچوں کا سامنا نہیں کر سکتا۔ ہم ابھی اور اسی وقت یہاں سے جائیں گے۔“

وہ گھبرا کر بولی۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم یہاں سے نکل کر کہاں جائیں گے؟ آپ عینی کو منائیں۔“

وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ”میں نے کہا ......اپنا سامان باندھو......“

پھر وہ اس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا اوپر لے جانے لگا۔ اسما کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ دامن جیسے خوشیوں سے بھر گیا تھا۔ ہر طرف سے..... ہر پہلو سے کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔

وہ بڑی سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ اس سارے جھمیلے کی ابتدا کہاں سے ہوئی تھی؟ کیوں ہوئی؟ گل خانم ہماری زندگی

میں کیوں آئی؟

اس کے اندر جواب سنائی دیا۔ ''میرے ماں نہ بننے کی وجہ سے..... کیا یہ وجہ۔ کیا یہ محرومی ختم ہو سکتی ہے؟''

دماغ نے کہا۔ ''ہاں۔ ذیشان تمہیں بہت چاہتا ہے۔ تم وہ شاخ ہو جس پر کبھی کوئی پھول نہیں کھلے گا پھر بھی وہ تمہیں اپنے آنگن میں سجائے رکھنے کے لیے دنیا والوں سے لڑتا رہتا ہے۔ اس کی چاہت کا یہی ثبوت ہے کہ تم بانجھ ہونے کے باوجود اب تک سہاگن ہو۔ تم پر کوئی سوکن نہیں لائی گئی ہے۔ کیا ذیشان کی محبت کا ایک ذرا سا حق ادا کر سکتی ہو؟ اس کی بنیادی ضرورت کو کسی بھی طرح سے..... کسی بھی راستے سے پورا کر سکتی ہو؟''

اس کے دل و دماغ میں گل خانم کا نام گونجنے لگا۔ وہ بڑے عزم سے ذیشان کی طرف بڑھنے لگی۔ پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''خدا مجھ سے راضی ہے۔ میرا گھر اجڑتے اجڑتے اور شوہر بچھڑتے بچھڑتے مل گیا ہے۔ اتنی ڈھیر ساری خوشیاں مل رہی ہیں کہ دامن چھوٹا پڑ رہا ہے۔ میں اپنی خوشیاں آپ سے شیئر کرنا چاہتی ہوں۔ بہت سے جھمیلوں اور جھگڑوں سے گزرنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ اولاد جیسی بنیادی ضرورت صرف دوسروں کے لیے ہی نہیں۔ آپ کے لیے بھی ضروری ہے۔ بلکہ حق ہے۔ میں آپ کو اولاد کی خوشیاں دینا چاہتی ہوں۔''

ذیشان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ سر جھکا کر بولی۔ ''آپ کا انتخاب مجھے منظور ہے۔ میں گل خانم کو سوکن کی حیثیت سے قبول کرتی ہوں۔''

تمام افراد نے چونک کر اسے دیکھا۔ ذیشان نے کہا۔ ''دیکھو اسما! یہ بہت بڑا اور اہم فیصلہ ہے۔ اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔''

''میں آپ کو اور آپ کی محبت کو سمجھتی ہوں اور کچھ سمجھنا نہیں چاہتی۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ذیشان بھائی! آپ تو بڑے خوش نصیب ہیں' بھا۔ بی جان شاید اس دنیا کی پہلی عورت ہیں جو اتنی محبت سے میاں کو دوسری شادی کی اجازت دے رہی ہیں۔''

فلک ناز نے کہا۔ ''اسما نے یہ فیصلہ کر کے سمجھداری کا ثبوت دیا ہے۔ اس گھر اور اس خاندان کو ایک وارث کی ضرورت ہے۔ بابر تو نہ جانے کب شادی کرے گا؟ کرے گا بھی یا ایسے ہی گل چھرے اڑاتا پھرے گا۔''

عینی سوچتی ہوئی نظروں سے اسما کو دیکھ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی۔ ''گل خانم بھا۔ بی جان کی کوئی عزیزہ نہیں ہے۔ پھر بھی یہ اپنی مرضی سے اسے سوکن بنانے کا فیصلہ کر رہی ہیں۔ شوہر کی خوشی پوری کرنے کے لیے سوکن کو قبول کر رہی ہیں۔ وہ گل خانم کو نہیں جانتیں لیکن میں تو عروج کو بچپن سے جانتی ہوں۔ کیا پاشا کی خوشی پوری کرنے کے لیے اسے اپنی سوکن نہیں بنا سکتی؟''

دل نے ایکدم سے دھڑک کر کہا۔ ''نہیں۔ بھا۔ بی جان اپنی ایک بہت بڑی کمزوری کی وجہ سے جھک رہی ہیں۔ میرے اندر کوئی کمی نہیں ہے۔ پھر میں سوکن کے رشتے کو اپنے اوپر مسلط کیوں کروں؟ یہ مانا کہ اس نے اپنا محبوب مجھے دیا ہے لیکن میں اپنا شوہر اسے نہیں دے سکتی۔''

اس نے دل ہی دل میں کہا۔ ''عروج! میں تجھ سے نفرت نہیں کر رہی ہوں۔ کر بھی نہیں سکتی۔ تو آج بھی مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن کیا کروں؟ یہ بیوی کا رشتہ بڑا خود غرض ہوتا ہے۔''

وہ سوچوں میں الجھی ہوئی تھی لیکن ان الجھنوں کا کوئی حل نہیں ڈھونڈ پا رہی تھی۔ ذیشان اور اسما کا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ میں ان کے درمیان سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اپنی پیاری نمرہ سے دور ہوتے ہوئے بھی دور نہیں تھا۔ اس کی لکیروں پر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

چار ماہ پہلے میں نے جبران کے لیے ایک پیش گوئی کی تھی کہ پانچ ماہ کے بعد اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے پرانے اور نئے سال کے سنگم پر موت اسے اپنے شکنجے میں لے لے گی۔ میری ایسی پیش گوئی سن کر وہ ماں بیٹا دونوں ہی سہم گئے تھے پھر میں نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ جبران موت سے بچ بھی سکتا ہے۔ اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے جو ہونی ہے اسے انہونی بنا سکتا ہے۔

مسز رانا نے تڑپ کر پوچھا تھا۔ ''بیٹے! کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ مگر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟''

میں نے وہ پیش گوئی اسی لیے کی تھی کہ وقت مقررہ سے پہلے تدبیر کی جا سکے۔ تقدیر اور تدبیر کی جنگ میں کبھی جیت تقدیر کی ہوتی ہے اور کبھی تدبیر کی...... میں نے چار ماہ پہلے جبران کو جو تدبیر بتائی تھی۔ اب اس پر عمل کرنے کا وقت قریب آ گیا تھا۔

میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ دسمبر کی تیس تاریخ کو نمرہ کے ساتھ لندن میں ہوگا۔ لیکن حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا تھا کہ وہ اپنے چچا کی وجہ سے واپس پاکستان آ گیا تھا۔ نمرہ اور مسز رانا کے ساتھ شہر لاہور میں رہائش پذیر تھا۔

اس وقت وہ موت سے بچنے کے لیے دوبارہ لندن جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ تم مغرب کی طرف سفر کرتے رہو گے تو ایک ایک گھنٹا کم ہوتا چلا جائے گا۔ جب لندن میں رات کے بارہ بجنے والے ہوں گے تو اس وقت نیویارک میں شام کے چھ بج رہے ہوں گے۔ اس طرح وہ وقت سے چھ گھنٹے پیچھے چلا جائے گا۔ پھر مغرب کی طرف سفر کرتا ہوا جاپان پہنچے گا تو اس وقت نئے سال کی پہلی تاریخ شروع ہو چکی ہو گی۔ یعنی جس ملک میں بھی اکتیس دسمبر کی رات کے بارہ بجیں گے۔ وہ وہاں نہیں ہوگا۔ اس طرح وہ دنیا کا ایک گول چکر کاٹ کر جاپان پہنچے گا اور اس کی زندگی کی وہ منحوس رات مغرب کی طرف آگے بڑھتے بڑھتے ایک سو اسی طول بلد تک پہنچ کر ختم ہو جائے گی۔''

وہ ماں بیٹا میری تدبیر سن کر کسی حد تک الجھ گئے تھے۔ میں نے کہا تھا۔ ''اگر میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو دنیا کا نقشہ سامنے رکھیں۔ گرینچ GREENWICH ٹائم کے مطابق ایک سو اسی ڈگری طول بلد LONGITUDE پر اکتیس دسمبر کی رات گزر جائے گی۔ یوں یہ رات جبران تک کبھی نہیں پہنچے گی۔''

ایسی تدبیر سن کر اور سمجھ کر انہیں بڑا حوصلہ ملا تھا۔ جبران موت کو مات دینے کے لیے بے چین تھا لیکن ایک ماں کا دل مطمئن ہونے کے باوجود کسی حد تک سہما ہوا تھا۔ میرے مشورے کے مطابق یہ بات نمرہ سے چھپائی گئی تھی۔ وہ آنے والے وقت اور حالات سے بے خبر تھی۔

اس نے جبران سے پوچھا۔ ''ہم ورلڈ ٹور پر جا رہے ہیں۔ لیکن تمہارا پلان کچھ عجیب سا ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''کیوں سمجھ میں نہیں آ رہا ہے؟''

''بھئی! کوئی بھی کسی دوسرے ملک میں جاتا ہے تو وہاں کچھ وقت گزارتا ہے۔ لیکن تم تو کسی ملک میں چھ گھنٹے کسی میں دو گھنٹے اور کسی میں تو صرف ایک گھنٹا گزارنے کی بات کر رہے ہو۔ یعنی ہم ائیرپورٹ سے ہی کسی دوسری فلائٹ سے کسی دوسرے ملک میں فلائی کر جائیں گے؟''

''وقت کم ہو اور مقابلہ سخت تو یہی ہوتا ہے۔''

''یہ کیا بات کہی تم نے؟ ہمارے پاس وقت کی کیا کمی ہے؟''

وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ ''وقت کی کمی کو دور کرنے کے لیے ہی تو میں مقدر حیات کی تدبیر پر عمل کرنے جا رہا ہوں اور آئندہ ہر سال کرتا رہوں گا۔ نمرہ! میں تمہارے ساتھ رہنے اور زندگی گزارنے کے لیے ہر سال کی اکتیس دسمبر کی رات موت سے لڑتا رہوں گا۔''

وہ اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتے ہوئے بولی۔ ''کہاں پہنچ گئے؟ آنٹی کی طبیعت ٹھیک رہتی تو ہم انہیں بھی لے چلتے۔ ویسے یوں لگ رہا ہے' جیسے ہم تفریح کے لیے نہیں جا رہے بلکہ سفر کرنے جا رہے ہیں۔ میں تو تمہارا ساتھ دے سکوں گی مگر وہ بے چاری تھک جائیں گی۔''

''اسی لیے میں انہیں ساتھ نہیں لے جا رہا ہوں۔''

مسز رانا نے وہاں آتے ہوئے پوچھا۔ ''یہاں کیا میٹنگ ہو رہی ہے؟''

نمرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آنٹی! ہمارا ورلڈ ٹور ایسا نہیں لگ رہا' جیسے کوئی جانی دشمن ہمارے پیچھے لگ گیا ہے اور ہم اس سے دور بھاگتے پھر رہے ہیں۔ ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف دوڑتے جا رہے ہیں؟''

وہ ماں بیٹا ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ وہ بے خبری میں سچی بات کہہ رہی تھی۔ موت سے بڑا اور زبردست دشمن اور کون ہو سکتا ہے لیکن بچانے والا اس سے بھی زبردست ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو مقدر کا لکھا بدل دیتا ہے اور نہ چاہے تو انسان کی بڑی سے بڑی تدبیر دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

جبران میری پیش گوئی اور تدبیر کی روشنی میں قدم اٹھانے والا تھا مگر میں بھی تو عجیب ہوں۔ اچانک ہی کسی کا بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔ فی الحال اس کے ساتھ تھا اور شاید ساتھ چھوڑ بھی سکتا تھا۔

تیس دسمبر کی رات گزر رہی تھی۔ دوسرے روز شام سات بجے کی فلائٹ سے وہ دونوں پاکستان سے لندن کے لیے روانہ ہونے والے تھے۔ جبران بیڈ پر نیم دراز تھا۔ ماں اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

وہ بولا۔ ''ماما! میں آپ کا بہادر بیٹا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ جنگ جیت کر ہی آؤں گا۔''

مسز رانا کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ وہ ڈوپٹے کے آنچل سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔ ''بیٹا! مجھے ایک ایک پل کی خبر دیتے رہنا۔ میں تمہاری طرف سے بہت بے چین رہوں گی۔''

''میں صرف دوران پرواز ہی مجبور رہوں گا۔ ویسے تو فون کے ذریعے آپ سے رابطہ ہوتا رہے گا۔''

وہ بڑی شفقت سے اس کی پیشانی کو چوم کر بولی۔ ''کاش میں بھی لندن اور یورپ کا موسم برداشت کر پاتی پھر اپنے بیٹے کے ساتھ ضرور جاتی۔''

''آپ مجھے جان سے زیادہ چاہتی ہیں۔آپ کی جگہ تو کوئی نہیں لے سکتی۔لیکن نمرہ بھی مجھے بہت چاہتی ہے۔آپ کو مطمئن رہنا چاہیے۔''

ہاں۔نمرہ کا احسان ہے کہ وہ ہم سے تعاون کر رہی ہے۔''

ایسے ہی وقت نمرہ دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے بولی۔''ارے آنٹی! آپ رو رہی ہیں؟''

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔''تم دونوں کے جانے کے بعد یہ گھر ویران ہو جائے گا۔تنہائی کا سوچ کر دہشت ہو رہی ہے۔''

وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔''وہ کام کرنے والی ماسی بہت باتونی ہے۔ہمارے جانے کے بعد آپ کا دل بہلاتی رہے گی۔''

مسز راناتو بس بیٹے کونظر بھر بھر کر دیکھ رہی تھی۔جب تک وہ رخصت نہ ہوتا۔اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتی تھی۔تیس دسمبر کی رات اور اکتیس دسمبر کا دن آنکھوں ہی آنکھوں میں گزر گیا۔جبران ایک ایک پل کا حساب کر رہا تھا۔لاہور میں شام کے سات بجنے والے تھے۔اس حساب سے لندن میں اکتیس دسمبر کی دوپہر کے دو بجنے والے تھے۔

چار گھنٹے بعد پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق لاہور میں رات کے بارہ بجنے والے تھے۔یعنی چار گھنٹے بعد موت اسے اپنی آغوش میں لینے والی تھی۔

اس سے پہلے ہی وہ نمرہ کے ساتھ شام سات بجے کی فلائٹ سے لندن کے لیے روانہ ہو گیا۔بیٹے کو رخصت کرتے وقت اس کی کیفیت کچھ عجیب سی تھی۔

وہ اپنے دل کو بہلا رہی تھی۔یہ سوچ سوچ کر خود کو مطمئن کر رہی تھی کہ مقدر حیات کی پیش گوئی کبھی غلط ثابت نہیں ہوتی تھی۔مسلمان ہونے کے ناتے یہ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہی تھی کہ صحیح اور غلط کا فیصلہ تو صرف خدا کی ذات کرتی ہے۔اس معبود کی رضا سے ہی بیٹا کامیاب یا ناکام لوٹنے والا تھا۔

☆☆☆

خدا گنہگاروں کی اور ظالموں کی رسّی ہمیشہ دراز رکھتا ہے۔شہباز درانی کی رسّی بھی دراز تھی۔جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے....؟

وہ بہت پہلے ہی اپنے بچاؤ کے راستے ہموار کر چکا تھا۔یہودیوں کی وہ خفیہ تنظیم پی ٹو ایسی زبردست تھی کہ شہباز درانی کو سپر پاور کا شکار بننے سے پہلے ہی ان کے درمیان سے اڑا کر لے گئی تھی۔چاروں طرف سے موت کا یقین ہو جانے کے بعد اچانک ہی شہباز درانی کو اس تنظیم کی طرف سے نئی زندگی کی نوید ملی تھی۔وہ اتنی بڑی خوشخبری مجھے سنانے کے لیے بے چین تھا۔مجھ سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔میں تو یوں بھی ہر ایک کے رابطے میں رہتا ہوں۔میرے موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔فون کی ننھی سی اسکرین پر نیا نمبر شہباز کو ملنے والی نئی زندگی کی طرح جگمگا رہا تھا۔

میں نے اسے کان سے لگا کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔''ہیلو! کون......؟''

وہ بڑے ہی فاتحانہ انداز میں بولا۔''کیا مجھے آواز سے پہچان رہے ہو؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔''محفوظ پناہ گاہ میں چھپنے کے بعد چوہا بھی شیر ہو جاتا ہے۔لگتا ہے تمہیں کوئی فولادی قلعہ مل گیا ہے۔''

وہ قہقہہ لگا کر بولا۔''میں شیر ہوں۔شیروں کی طرح ہی جیتا ہوں۔کبھی کبھی وقت اور حالات پچھاڑ دیتے ہیں۔لیکن جو زبردست ہوتے ہیں وہ زیادہ دیر تک زیردست نہیں رہتے اور تم سمجھ سکتے ہو کہ سپر پاور کے قہر سے بچنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔''شیطان کی عمر بہت طویل ہوتی ہے۔وہ موت کے ہاتھ آتے آتے گیلے صابن کی طرح پھسل جاتا ہے۔تم سپر پاور کے عذاب سے بچ گئے۔واقعی خوش نصیب ہو

''میں تو پار لگ گیا۔اپنی سناؤ......؟''

''کیا سننا چاہتے ہو؟''

''تم نے پیش گوئی کی تھی کہ ایک شخص ہے' جو راہِ نجات بن کر ہمیں ہماری مشکلات سے نجات دلا سکتا ہے؟''

''میں اپنی پیش گوئی کبھی نہیں بھولتا۔''

''پھر تو یہ بھی یاد ہوگا' بقول تمہارے وہ ہم دونوں میں سے کسی ایک ہی کو فائدہ پہنچائے گا اور تم دیکھ رہے ہو۔مجھے نئی زندگی مل رہی ہے۔''

میں نے پوچھا۔''کیا تمہیں یقین ہے؟''

''کیا تمہیں کوئی شبہ ہے؟''

''میری زندگی تو میری محبوبہ ہے۔کیا تمہاری محبوبہ تمہاری زندگی نہیں ہے؟''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ ابھی تمہاری زندگی تم سے دور ہے۔بے چاری انڈیا میں قیدی بنی ہوئی ہے۔کیا اسے حاصل کر چکے ہو؟''

''کیا تمہیں تمہاری محبوبہ مل گئی ہے؟''

''ملنے والی ہے۔فی الحال اس کے مقدر میں سفر لکھا ہوا ہے۔لیکن وہ جہاں بھی جائے گی واپس میرے پاس ہی آئے گی۔''

''جب تمہاری محبوبہ تمہارے پاس آئے گی تو میری بھی میرے پاس آجائے گی۔کیونکہ ہمارا مقدر ایک ہے۔''

''ہاں۔ہماری تقدیر ایک ہے۔لیکن ہماری تدبیریں مختلف ہوتی ہیں۔اک ذرا سی غفلت تمہاری محبوبہ کو کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے۔''

''اگر میری محبوبہ بھٹکے گی تو لامحالہ تمہاری محبوبہ بھی بھٹکے گی۔''

''نہیں۔کیونکہ تمہاری والی دشمنوں کے درمیان گھری ہوئی ہے۔جبکہ میری والی اپنوں کے درمیان محبت کی زنجیروں سے بندھی ہوئی ہے۔''

وہ جھنجلا کر بولا۔''کبھی کبھی تم پکے فراڈیے لگتے ہو۔بات کو گھمانا خوب جانتے ہو۔''

''اگر میں فراڈ ہوں تو میرا خیال ہے' ہمیں رابطہ ختم کر دینا چاہیے؟''

''ہاں۔بالکل کیونکہ اب مجھے اپنی جانِ حیات سے رابطہ کرنا ہے۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ اس سے رابطہ ہو سکے گا؟ کیونکہ میں اپنی محبوبہ سے رابطہ نہیں کر سکتا۔اس کی آواز نہیں سن سکتا۔''

''لیکن میں سنوں گا اور اسے دشمنوں کے شکنجے سے بھی نکال لاؤں گا۔''

''کیوں خوش فہمی میں مبتلا ہو؟ جب میں اپنی والی کی آواز نہیں سن سکتا تو تم کیسے سن سکتے ہو؟''

''تم مجھے الجھاتے رہتے ہو۔مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے معاملے میں تم نے دوہری پیش گوئی کی تھی۔اب میں دردانہ کے معاملے میں تم پر یقین نہیں کروں گا۔''

میں نے شانے اچکا کر ایک ذرا بے پروائی سے کہا۔''میں کسی پر دھونس نہیں جماتا۔آنے والا وقت اور حالات سمجھاتے رہتے ہیں کہ میری پیش گوئیاں کہاں تک درست ہوتی ہیں۔تم بھی سمجھتے ہو۔بہرحال اپنی جانِ حیات سے رابطہ کرو۔اس کی آواز سنو اور میری پیش گوئی کو جھٹلا دو۔ایسا نہ ہو کہ تیر کمان سے نکل جائے۔وہ جہاں ہے' ہمیشہ وہاں نہیں رہے گی۔اس کی زندگی کا سفر شروع ہو رہا ہے۔''

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔وہ الجھ کر اپنے فون کو دیکھنے لگا۔میری پیش گوئی پر یقین نہ کرنے کے باوجود اسے ماننا پڑتا تھا کہ میں جو کہتا ہوں۔جیسا کہتا ہوں۔ویسا ہی ہوتا ہے۔

وہ نانا بھائی کے نمبر پنچ کر کے رابطے کا انتظار کرنے لگا۔تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔''ہیلو؟''

شہباز درانی نے کہا۔''ہاں۔میں بول رہا ہوں۔''

''اچھا تو تم ہو؟ بڑے دنوں بعد یاد کر رہے ہو؟''

''میری امانت تمہارے پاس ہے۔''

''ہاں۔وہ تو ہے۔کیونکہ میں زبان کا کھرا ہوں جو کہتا ہوں۔اس بات پر قائم رہتا ہوں۔بائی دا وے۔تم نے بھی دعویٰ کیا تھا کہ زبان کے دھنی ہو۔مجھے کیا معلوم تھا کہ تم بھگوڑے ہو؟''

''برے حالات تو جنگل کے بادشاہ پر بھی آتے ہیں۔وہ بھی اپنے تحفظ کے لیے کسی نہ کسی پناہ گاہ میں جاتا ہے۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کی بادشاہت اور شہنشاہیت ختم ہو جاتی ہے۔''

اس نے مسکرا کر کہا۔''باتیں بہت بناتے ہو۔یہ کیسی بادشاہت ہے کہ ایک چھوٹے سے بچے کو اغوا نہ کر سکے؟''

''مگر اپنی دردانہ کو حاصل کر کے رہوں گا۔تمہیں اسی لیے فون کیا ہے۔''

''کیا بچہ تمہارے پاس ہے؟''

شہباز درانی نے کہا۔''میں وہ سودا ختم کر رہا ہوں۔''

''مرد کی ایک زبان ہوتی ہے اور جب سودا ہی ختم ہو گیا تو پھر نہ میں بچے کا تقاضا کر سکتا ہوں اور نہ تم اپنی عورت کا......''

شہباز نے پریشان ہو کر کہا۔''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ جب سودا نہیں تو رابطہ نہیں ... کوئی تقاضا نہیں......''

''میری امانت ابھی تمہارے پاس ہے۔میں نہ تم سے رابطہ ختم کر سکتا ہوں اور نہ معاملات۔ہمارے درمیان کوئی نئی ڈیل ہو سکتی ہے۔''

''سوری۔میں آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمانے کے نادانی نہیں کرتا۔وہ عورت میرے پاس تمہاری نہیں آکاش دامودر کی امانت ہے اور میں جلد ہی اسے لوٹانے والا ہوں۔اب تمہارے معاملات پرکاش اور آکاش کے ساتھ رہیں گے۔''

وہ رابطہ ختم کرنا چاہتا تھا۔شہباز نے پوچھا۔''کیا اس وقت دردانہ تمہارے پاس نہیں ہے؟''

''فی الحال تو میرے پاس ہے۔لیکن کچھ دیر کی مہمان ہے۔اگلے چند گھنٹوں کے بعد یہ آکاش کے شکنجے میں ہوگی۔''

شہباز درانی غصے سے بولا۔''تم مجھ سے دشمنی مول لے کر بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔ایک عورت کے بدلے میں

تمہارے وارے نیارے کرسکتا ہوں۔ مجھ سے سودا کرو۔"

"تم نے دیر کر دی دوست! اس عورت کے معاملے میں میرا اور آکاش کا سودا ڈن ہو چکا ہے۔ چونکہ زبان کا دھنی ہوں۔ اس لیے اب تم سے کوئی ڈیل نہیں کر سکتا۔"

نانا بھائی نے رابطہ ختم کر دیا۔ شہباز اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اسے میری باتیں یاد آ رہی تھیں۔ میں نے کہا تھا کہ میری محبوبہ کہیں بھی جائے گی لوٹ کر میرے ہی پاس آئے گی۔ میری اس بات سے اسے بہت اطمینان ہوا تھا۔ لیکن دوسری بات نے پریشان کر دیا تھا کہ شہباز کی ایک ذرا سی غفلت اس کی دردانہ کو کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے۔

اب نانا بھائی سے رابطہ کرنے کے بعد اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ فٹ بال کی طرح لڑھکنے والی دردانہ پہلے آکاش اور پرکاش کے ہاتھوں میں تھی۔ پھر وہاں سے لڑھکتی ہوئی نانا بھائی کی طرف آ گئی تھی۔ اب دوبارہ ان بھائیوں کے شکنجے میں جا رہی تھی۔ میری یہ پیش گوئی بھی درست ثابت ہوئی تھی کہ شہباز اپنی دردانہ کی آواز نہیں سن سکے گا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے سوچنے لگا۔ "یہ کم بخت مقدر کچھ زیادہ ہی سچی پیش گوئیاں کرتا ہے۔ میں اپنی دردانہ کی آواز نہ سن سکا۔ مگر اسے حاصل کر کے رہوں گا۔"

وہ فون اٹھا کر اپنے کسی نئے ناخدا کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ وہ دنیا کی ایسی خطرناک تنظیم میں پہنچا ہوا تھا جہاں سب کچھ ممکن ہوتا ہے۔ لیکن جب تک مقدر میں نہ لکھا ہو۔ ممکن نا ممکن ہی رہتا ہے۔ وہ خواب ہو جانے والی دردانہ ایک نہ ایک دن تعبیر بن کر اس کے پاس پہنچنے والی تھی۔ میری ثمرہ بھی میرے لیے خواب بن کر رہ گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ آنے والی ہے۔ میں جانتا تھا کہ دردانہ بھی شہباز کو ملنے والی ہے۔ لیکن کب.....؟

اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت ہی کر سکتا تھا۔

☆☆☆

عینی اپنے کمرے میں تھی۔ کچھ بے چین سی تھی۔ کبھی بیٹھ رہی تھی۔ کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی تھی۔ دل و دماغ میں یہ سوال گونج رہا تھا کہ آخر پاشا اس سے رابطہ کیوں نہیں کر رہا ہے؟

اس کے اندر ایک ہی جواب گونج رہا تھا۔ وہ عروج کی وجہ سے اسے نظر انداز کرتا رہتا ہے۔ عینی کی اپنی کوئی اہمیت... کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پاشا کی زندگی میں اگر کسی کی اہمیت ہے تو صرف عروج کی......

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔ سوچتی ہوئی نظروں سے ٹیلی فون کو دیکھنے لگی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس سے رابطہ کرے؟ اس نے کچھ سوچ کر ریسیور اٹھایا پھر ایک ایک نمبر پنچ کرنے لگی۔ "زیرو تھری زیرو زیرو......"

وہ نمبر پنچ کرتے کرتے رک گئی۔ پاشا اور عروج کا نمبر اس کوڈ کے بعد ہی شروع ہوتا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی کہ کس سے رابطہ کرے؟ دل شوہر کی آواز سننے کے لیے بے چین تھا۔ دھڑک دھڑک کر پوچھ رہا تھا کہ کیا پاشا سے بات ہو سکے گی؟ کیا اس کا فون آن ہو گا؟ اگر آن ہو گا تو کیا وہ اس کی کال ریسیو کرے گا؟

وہ اس کا شوہر تھا لیکن اس سے بات کرنے کے لیے یا اسے اپنے پاس بلانے کے لیے ہمیشہ عروج کی سفارش کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ سہیلی کی محبت اپنی جگہ لیکن ایک بیوی کے جذبات اس کے اندر بولتے تھے کہ وہ اپنے شوہر کی محبت پانے کے لیے دوسری عورت کی محتاج ہے۔ دنیا کی کوئی بیوی اپنے اور شوہر کے رشتے کے درمیان کسی بھی عورت کو برداشت نہیں کرتی لیکن ان تینوں کا تو معاملہ ہی کچھ عجیب تھا۔

پاشا ایک کا شوہر تھا تو دوسری کا محبوب تھا۔ بیوی اسے اپنی طرف کھینچتی تھی اور وہ محبوبہ کو پانے کے لیے اس سے دور بھاگتا رہتا تھا۔ اب یہ بھاگ دوڑ تینوں کے لیے ہی ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک ٹہلتی رہی، سوچتی رہی۔ پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔

رابطہ ہونے پر بولی۔ "ہیلو۔ عروج....! میں بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے عروج کی آواز سنائی دی۔ "ہاں۔ بول کیا بات ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "وہ۔ وہ میں نے اس لیے فون کیا ہے.....

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ عروج نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"وہ اسما بھابی اور بھائی جان کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ ایک مفتی صاحب کے فتوے کے مطابق ان کا رشتہ نہیں ٹوٹا ہے۔"

عروج خوش ہو کر بولی۔ "یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے۔ بے چاری اسما بھابی سولی پر لٹک رہی تھیں۔ اب وہاں کی صورت حال کیا ہے؟"

"صورت حال تو بہت بگڑی ہوئی تھی بلکہ مزید بگڑنے والی تھی۔ اگر بھابی جان عقل مندی سے کام نہ لیتیں تو رائی کا پہاڑ

بنا تا۔"

وہ اسے بیگم آفتاب کی حرکت کے بارے میں تفصیل سے ...نے لگی۔ اس کی باتیں سننے کے بعد عروج نے کہا۔ "یہ تو بہت ...وس کا مقام ہے۔ یقین نہیں آتا کہ کوئی کسی سے اتنی شدید ...ت کر سکتا ہے کہ اپنے ہی دین کا مذاق اڑانے لگے؟"

عینی نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ "نفرت اور محبت ...ی عجیب سے جذبے ہیں۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ یہ ...ے اندر کب کیسے اپنی جڑیں مضبوط کرتے چلے جاتے ...؟ جب ان کی شدت ظاہر ہوتی ہے تب احساس ہوتا ہے کہ ...تک ہمارے اندر نفرت کا لاوا پکتا رہا ہے یا محبت کے پھول ...رہے ہیں۔"

"...فلسفہ بول رہی ہے؟"

"کچھ لوگ تمہارے جیسے ہیں تو شاعری کرتے ہیں اور کچھ ...تنہائی فلسفہ سکھا دیتی ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ...ہے۔"

عروج اس کے لہجے سے اس کے اندر کی محرومی کو سمجھ رہی ... عینی نے پوچھا۔ "پاشا سے رابطہ ہوا؟"

وہ اک ذرا اگڑ بڑا گئی پھر سنبھل کر بولی۔ "یہ سوال تو مجھے ...اچاہیے؟ وہ تیرا میاں ہے۔ تیرے رابطے میں ہو گا۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "ہائے۔ ایسا خوشیوں بھرا ...جانے کب آئے گا؟ آئے گا بھی یا نہیں.... شاید میں ...مقدر میں محرومیاں لکھوا کر آئی ہوں۔"

وہ تڑپ کر بولی۔ "خدا کے لیے.... ایسی مایوسی کی باتیں ...کر۔"

"اور کیا کروں؟ پہلے آنکھوں کے اجالوں کے لیے ترستی ...ی۔ اب شوہر کی محبت اور توجہ کے لیے ترستی رہتی ہوں۔"

"وہ کھونٹے سے بندھا ہے۔ کب تک دور بھاگتا رہے..."

"میں تو یہ سوچتی ہوں کہ وہ کب میرے پاس آئے گا؟"

عروج کو ایسا لگا جیسے عینی اس سے پوچھ رہی ہو کہ وہ کب ...اس کی طرف بھیجے گی؟ عروج نے ہچکچاتے ہوئے ...ا۔ "اس کا مطلب۔ پاشا نے اب تک تجھ سے رابطہ نہیں کیا..."

"میں نے یہی پوچھنے کے لیے فون کیا ہے۔ وہ مجھ سے ...تجھ سے ضرور رابطہ کرے گا۔"

وہ ایک دم سے چور سی ہو کر بولی۔ "مجھ ...؟ نن... نہیں ابھی تک تو کوئی رابطہ نہیں کیا۔"

"اس نے نہیں کیا تو تو کر لے۔"

"مم... میں کیوں کروں؟ تو خود اس سے بات کر لے۔"

عینی نے کہا۔ "ڈرتی ہوں' کہیں وہ میرا نمبر پڑھ کر کال رجیکٹ نہ کر دے۔ یا اس کا فون آف ہوا تو بڑی مایوسی ہو گی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ شوہر تو میرا ہے۔ مگر اس تک پہنچنے اور بات کرنے کے لیے مجھے تیری سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

عروج تذبذب میں پڑ گئی۔ عینی نے کہا۔ "میں فون بند کر رہی ہوں۔ تو پاشا سے رابطہ کر کے یہ کہہ دے کہ میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ پھر میرے نمبر پر مجھے مطلع کر دے۔ میں اسے فون کر لوں گی یا وہ مجھے فون کر لے گا۔"

عروج کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ہی عینی نے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ اپنے فون کو دیکھ کر سوچنے لگی۔ یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ رابطہ ہوتے ہی وہ دیوانہ صرف اپنی ہی دیوانگی ظاہر کرتا رہے گا۔

عروج نے سوچا۔ "میں عینی کو فون کر کے یہ کہہ دیتی ہوں کہ پاشا کا نمبر آف ہے۔"

وہ عینی سے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔ پھر رک گئی۔ یہ خیال آیا اگر عینی نے پاشا سے خود ہی رابطہ کر لیا اور اس کا نمبر آن ملا تو وہ جھوٹی پڑ جائے گی۔ اس نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد مجبوراً پاشا کے نمبر پنچ کیے۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ اس کا فون آن تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو میری جان!"

عروج نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے۔ تمہارا فون آن ہے۔"

"صرف تمہارے لیے ہے۔ ابھی بڑی زوروں کی ہچکیاں آ رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا۔ تم رابطہ کرنے والی ہو۔"

"عینی تمہارے لیے پریشان ہے۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

"مگر میں تو تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی تمہیں یاد کر رہا تھا۔"

وہ سخت لہجے میں بولی۔ "کبھی اپنی بیوی کو بھی یاد کر لیا کرو۔"

"تم سے فرصت ملے تو کسی اور کو یاد کروں۔"

وہ اس دیوانے کو قائل کرنے کے لیے ایک ذرا عاجزی سے بولی۔ "پلیز پاشا! وہ تمہاری بیوی ہے۔ اسے تمہاری خیر خیریت معلوم ہونی چاہیے۔"

"میں مانتا ہوں کہ وہ میری بیوی ہے۔ مگر جو ہونے والی ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ کشش ہوتی ہے۔ بے شک۔ دنیا کے

کسی بھی شخص سے پوچھ لو۔"

عروج سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ بولا۔ "کل صبح دس بجے سول کورٹ پہنچنا ہے۔ یاد ہے ناں؟"

وہ الجھ کر بولی۔ "میں اس وقت اپنی نہیں۔ عینی کی بات کر رہی ہوں۔ میری طرف سے تمہیں کسی حد تک اطمینان ہو گیا ہو گا۔ عینی کے پاس جانا نہیں چاہتے۔ کم از کم اس سے فون پر تو بات کر سکتے ہو۔ وہ تمہارے لیے بہت پریشان ہے۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "بہت خوب..... وہ اشعر کی طرف سے مطمئن ہو گئی ہے۔ اس لیے اب شوہر یاد آ رہا ہے۔"

"کیسی بے تکی باتیں کر رہے ہو؟ وہ بچہ امانت ہے۔ اس کی گمشدگی پریشان کن تھی لیکن ایسے وقت بھی عینی تمہاری کمی محسوس کرتی رہی تھی۔"

"تم اس کی حمایت سے باز نہیں آؤ گی۔"

"یہی سمجھ لو..... لیکن پلیز۔ اس سے بات کر لو۔"

"شوہر کی اتنی ہی پروا ہے تو اس نے مجھے خود فون کیوں نہیں کیا؟ کیا اس کے پاس میرا نمبر نہیں ہے؟"

"وہ تم سے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ڈر رہی تھی کہ کہیں تم اس کا نمبر دیکھ کر کال ریجیکٹ نہ کر دو۔ اس لیے میں تم سے کہہ رہی ہوں۔ اس سے بات کر لو۔"

"اوہو۔ یعنی تم اس کی سفارش کر رہی ہو؟"

"یہ تو تمہیں سوچنا چاہیے کہ وہ بیوی ہو کر اپنے شوہر سے بات کرنے کے لیے میرا سہارا تلاش کرتی ہے۔"

"وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے تم سے رابطہ کرتی ہے اور تم اپنی سہیلی کو خوشیاں دینے کے لیے مجھ سے بات کرتی ہو۔ تم دونوں سہیلیاں ایک دوسرے کے لیے جی رہی ہو۔ جب ایسے ہی جینا تھا تو میری زندگی کیوں برباد کی.....؟"

"پلیز۔ میں ابھی اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتی۔ ایک بات کہتی ہوں۔ ابھی عینی سے رابطہ کرو۔"

"تم جانتی ہو۔ میں تمہاری ہر بات مانتا آیا ہوں۔ لیکن جب تک میرا مطالبہ پورا نہیں ہو گا۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس سے رابطہ نہیں کرو گے؟"

وہ ذرا دیر کے بعد بولا۔ "بیوی کو اپنے شوہر کی خیر خیریت معلوم ہونی چاہیے۔ وہ جب بھی رابطہ کرے گی میں اس کی کال ریسیو کروں گا۔"

اس نے خوش ہو کر کہا۔ "تھینک یو پاشا! میں ابھی عینی کو بتاتی ہوں۔"

اس نے فوراً ہی اس سے رابطہ ختم کر کے عینی کے نمبر پنچ کیے۔ دوسری طرف سے اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو عروج! کہاں رہ گئی تھی؟ کافی دیر سے ٹرائی کر رہی تھی۔ تیرا نمبر مسلسل بزی جا رہا تھا۔"

"تو میرے نمبر کو چھوڑ۔ پاشا کا نمبر آن ہے۔ اس پر رابطہ کر۔"

عینی نے یہ سنتے ہی اس سے رابطہ ختم کر کے پاشا کے نمبر پنچ کیے۔ اس کا فون آن تھا۔ بیل جا رہی تھی۔ ادھر عینی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو.....!"

اتنی ڈھیر ساری باتیں تھیں۔ اتنے ڈھیر سارے سوال تھے جو پاشا سے پوچھنے تھے لیکن ان لمحات میں عینی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا کہے اور کیا نہ کہے؟

پاشا کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ "ہیلو۔ عینی.....! یہ تم ہو ناں...؟"

"ہاں۔ میں ہی بول رہی ہوں۔"

"ابھی عروج کا فون آیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ تم مجھ سے بات کرنا چاہتی ہو؟"

اس نے پوچھا۔ "تم کہاں ہو؟ کوئی رابطہ بھی نہیں کر رہے ہو؟ میں تمہارے لیے پریشان ہوں۔"

"ہاں۔ عروج نے مجھے بتایا ہے۔ تمہیں میری طرف سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میں خیریت سے ہوں۔"

وہ ہر بات کے جواب میں عروج کا حوالہ دے رہا تھا۔ ایک بیوی کے دل پر چوٹ لگ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "میرے پاس کب آؤ گے؟"

"جب عروج چاہے گی۔"

وہ چڑ کر بولی۔ "کیا مطلب.....؟ عروج کیا چاہے گی؟ ہمارے درمیان اتنے دنوں کے بعد رابطہ ہو رہا ہے اور تم عروج عروج کیے جا رہے ہو۔ تم نے مجھ سے نکاح پڑھوایا ہے یا عروج سے.....؟ یہ مانا کہ وہ میری جان سے عزیز سہیلی ہے۔ لیکن میں اپنے شوہر کے منہ سے اپنا ذکر سننا چاہتی ہوں۔ تم نے ایک بار بھی میرا حال پوچھا؟ میں کیسے جی رہی ہوں؟ تمہاری غیر موجودگی میں کیسے کیسے حالات سے گزر رہی ہوں؟"

"میں تمہاری طرف سے غافل نہیں رہا ہوں۔ ایک ایک پل کی خبر ملتی رہی ہے۔"

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "تمہیں میری خبر کون پہنچا تا رہا ہے؟"

"دیکھو عینی! میں اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہوں۔"

"چلو۔ تمہاری ہی بات کرتی ہوں۔ تم کن مسائل میں الجھے ہوئے ہو جنہیں اپنی بیوی سے شیئر نہیں کر سکتے؟"

"میرا مسئلہ تم اچھی طرح سمجھتی ہو۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "سمجھ گئی۔ کرائے کے مکان کے لیے پریشان پھر رہے ہو۔"

"مجھے تمہارا یہ طنز کرنے کا انداز بہت ہی برا لگا ہے۔ اس لیے صاف اور سیدھی بات کہتا ہوں' میری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ عروج ہے۔"

"تو پھر تمہاری زندگی میں میری کیا حیثیت ہے؟ سنا تھا' بیوی سب کچھ ہوتی ہے۔ محبوبہ کچھ نہیں ہوتی۔"

"یہ سوچو کہ تمہیں بیوی کا رشتہ کس کے توسط سے ملا ہے؟ کیا عروج کے احسان کو بھول رہی ہو؟ اس نے اپنا سہاگ تمہاری جھولی میں ڈال دیا ہے۔"

"کیسا احسان.....؟ بھول تو تم رہے ہو۔ یاد کرو۔ ہمارا نکاح کہاں ہوا تھا؟ کس نے کرایا تھا؟ کیا اس وقت عروج موجود تھی؟ مجھے تو دردانہ بیگم کا احسان مند ہونا چاہیے۔ لیکن تمہارے سمیت سب ہی عروج کے گن گاتے ہیں جبکہ دیکھا جائے تو اس نے کوئی قربانی نہیں دی ہے۔"

وہ ذرا سخت لہجے میں بولا۔ "یہ تم کیا بکواس کر رہی ہو۔ عروج کے خلاف بول رہی ہو؟ جس کے خلاف کبھی کسی کی زبان سے کچھ سن نہیں سکتی تھیں؟"

"وہ تو میں آج بھی نہیں سن سکتی۔ لیکن اس وقت میرے اندر ایک بیوی بول رہی ہے۔ وہ اپنا حق مانگتی ہے۔"

"تمہارے اندر بیوی کا جذبہ بولتا ہے تو سوچو..... اس کے اندر محبوبہ کا جذبہ بولتا ہو گا۔ تم اپنا حق مانگ رہی ہو۔ وہ اپنا حق کب مانگتی ہو گی۔ وہ اپنے جذبوں کا گلا تمہاری خوشیوں کے لیے گھونٹ رہی ہے اور تم کہتی ہو کہ وہ کوئی احسان نہیں کر رہی ہے۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو پاشا! ہماری شادی کے معاملے میں اس کا کوئی احسان نہیں ہے۔"

"بکواس نہ کرو۔ وہ ایک اشارہ کرے تو میں تمہیں اپنی زندگی سے نکال سکتا ہوں۔ لیکن وہ تمہاری محبت میں اندھی ہے۔ تمہارا گھر اجاڑنا تو دور کی بات..... وہ تمہاری سوکن بھی بننا نہیں چاہتی اور تم اس کے بارے میں اتنے غلط انداز سے سوچنے لگی ہو؟"

وہ روتے ہوئے بولی۔ "تو پھر تم ہی بتاؤ۔ میں کیا کروں؟ تم سے شادی کر کے میں صرف تم سے ہی نہیں اپنی عروج سے بھی دور ہوتی جا رہی ہوں۔"

"اس کا ایک ہی حل ہے۔"

عینی نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔ "وہ کیا.....؟"

"اسے اپنی سوکن بننے پر راضی کر لو۔ اس سے شادی کے بعد میں وعدہ کرتا ہوں۔ سارے فاصلے مٹ جائیں گے۔ وہ میری نہیں سنتی۔ لیکن تمہاری بات ضرور مانے گی۔"

اس نے بڑے دکھ سے پوچھا۔ "ایک بیوی سے کہہ رہے ہو کہ اپنی سوکن کے لیے راستہ ہموار کرو؟"

"کوئی بات نہیں۔ وہ بھی تو مجھے تمہارے قریب لانے کے لیے راستے نکالتی رہتی ہے۔ کیا تم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتیں؟"

"مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دو۔"

"دیکھو عینی! نہ میں تم سے نفرت کر سکتا ہوں اور نہ عروج کو بھول سکتا ہوں۔ جس طرح میں تمہارے لیے ضروری ہوں۔ اسی طرح عروج میرے لیے ضروری ہے۔ ہم میاں بیوی ہیں۔ ایک دوسرے کے تعاون سے اپنی اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔"

وہ چپ چاپ اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ بولا۔ "میرا یہ نمبر آن رہے گا۔ سوچتی سمجھتی رہو اور مجھ سے مشورہ کرتی رہو۔ بلکہ اس دوران میں عروج سے بھی رابطہ رکھو۔ اسے قائل کرتی رہو۔ ہو سکتا ہے' تمہاری رضامندی سے اسے بھی حوصلہ ملے۔"

عینی کا سر چکرانے لگا تھا۔ اسے اسما یاد آ رہی تھی۔ اس نے بھی اپنی سوکن کو لانے کا راستہ خود ہموار کیا تھا۔ لیکن اس کے اندر تو خامی تھی۔ اسی لیے وہ سوکن کے رشتے کو برداشت کرنے والی تھی۔

وہ فون بند کر کے سوچ میں پڑ گئی۔ "اگر عروج میری جگہ ہوتی تو کیا وہ مجھے سوکن کے روپ میں قبول کرتی؟ اسے پاشا کی زندگی میں لانے کا مطلب تو یہ ہو گا کہ مجھے ہمیشہ شوہر کی محبت بطور خیرات ملتی رہے گی۔ وہ آج اس کے پیچھے بھاگتا ہے۔ کل بھی اسی کے پیچھے بھاگتا رہے گا اور مجھے اپنے پیچھے دوڑاتا رہے گا۔"

وہ سوچ رہی تھی۔ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔ پاشا کی یہ بات دماغ میں ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی کہ عروج اک اشارہ کرے تو وہ عینی کو اپنی زندگی سے نکال سکتا ہے۔

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے فون کو دیکھنے لگی۔ پھر ریسیور اٹھا کر عروج کے نمبر پنچ کر کے رابطے کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی

دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔"ہیلو عینی! کیا ہوا؟ پاشا سے بات ہوئی.....؟"

وہ روہانسے لہجے میں بولی۔"ہاں۔ہوئی ہے۔سوچتی ہوں' نہ ہوتی تو اچھا ہوتا۔بیٹھے بٹھائے دل کا بوجھ مزید بڑھ گیا ہے۔وہ تیرا دیوانہ ہے عروج! تیرا ہی رہے گا۔"

"تو کچھ زیادہ ہی مایوس لگ رہی ہے؟"

"پاشا نے ابھی مجھ سے کہا ہے کہ میں تجھے.....میں تجھے اس سے شادی کے لیے قائل کردوں۔"

"وہ تو پاگل ہوگیا ہے۔"

"ہاں۔وہ تیرے لیے پاگل ہے۔مجھے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ میری محبت یکطرفہ ہے۔"

"ازدواجی زندگی کی شروعات میں ایسے مسائل پیدا ہوتے ہی ہیں۔پھر رفتہ رفتہ میاں بیوی ایک دوسرے سمجھوتا کرلیتے ہیں۔اجنبیت دور ہونے لگتی ہے۔وہ تیرا شوہر ہے تیری طرف ہی جھکے گا اور میں اسے جھکاؤں گی۔"

جو جھکنا نہیں جانتے وہ ٹوٹ جاتے ہیں۔

عروج اور پاشا کے درمیان دل کا معاملہ تھا۔وہ دونوں ہی اپنے اپنے فیصلے پر اٹل تھے۔نہ عروج اس کی بات ماننا چاہتی تھی اور نہ ہی پاشا اس کی بات ماننے پر تیار تھا۔

خدا جانے کس کا دل ٹوٹنے والا تھا؟

☆☆☆

میری ایک بات شہباز کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔میں نے دردانہ کے حوالے سے کہا تھا کہ وہ اس کے معاملے میں اک ذرا سی غفلت دکھائے گا تو وہ کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔

شہباز درانی نے مجھ سے رابطہ ختم کرنے کے بعد نانا بھائی سے بات کی تھی اور یہ پتا چلا تھا کہ نانا بھائی دردانہ کو آکاش کے حوالے کررہا ہے۔تب سے شہباز درانی پی ٹو تنظیم کے ایک افسر سے رابطہ کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا لیکن دوسری طرف سے مسلسل یہی جواب آرہا تھا کہ پی ٹو تنظیم کے تمام اعلیٰ افسران اور عہدے دار ایک بہت اہم میٹنگ میں مصروف ہیں۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اس افسر سے رابطہ ہوا تو اس نے کہا۔"سر! میں بہت پریشان ہوں۔آپ نے وعدہ کیا تھا' مجھے اور میری فیملی کو بھرپور تحفظ دیا جائے گا۔"

اس افسر نے کہا۔"ہم اپنے وعدے کبھی نہیں بھولتے۔ابھی تمہارے ہی سلسلے میں یہاں میٹنگ ہو رہی تھی۔پی ٹو تنظیم میں تمہاری شمولیت کی تمام کارروائیاں مکمل ہو چکی ہیں۔مبارک ہو۔تم اب ہمارے کنفرم ممبر بن چکے ہو۔"

شہباز نے کہا۔"شکریہ.....! لیکن اس وقت میں [illegible] الجھا ہوا ہوں۔یہ الجھن دور ہو جائے گی تو میری خوشیاں [illegible] ہو جائیں گی۔"

"ہاں ہاں۔کہو! کیا مسئلہ ہے؟"

وہ اسے دردانہ کے بارے میں تفصیل سے بتا[نے] لگا۔اس افسر نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔"ٹھیک ہے [ہم] ابھی معلومات حاصل کرتے ہیں۔اس عورت کو فوراً ہی تح[فظ] فراہم کیا جائے گا۔تم ہمیں نانا بھائی کا نمبر بتاؤ۔"

شہباز نے نانا بھائی کے ساتھ ساتھ آکاش اور پر[کاش] دامودر کے نمبر بھی نوٹ کروائے۔پھر رابطہ ختم ہوگیا۔وہ [ا]یک صوفے پر نیم دراز ہوکر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔اس [افسر] سے بات کرنے کے بعد بڑی آسودگی مل رہی تھی۔

لیکن دوسری طرف دردانہ بیگم پریشان تھی۔اسے [ا]یک گھنٹے بعد ایک فلائٹ کے ذریعے آکاش دامودر کے پاس [لے] جا رہا تھا اور اب تک شہباز کی طرف سے کوئی حوصلہ [افزا] کارروائی نہیں ہوئی تھی۔نانا بھائی کی اس اطلاع نے اسے پریشان کردیا تھا کہ اس کا مجنوں اپنا ملک چھوڑ کر کہیں فرار [ہوگیا] ہے۔اسے جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ایسے م[یں وہ] اپنی لیلیٰ کے لیے کچھ نہیں کرسکے گا۔

دردانہ سوچ رہی تھی۔"آکاش کو بڑی حد تک یقین [ہو گیا] ہے کہ اس کی نیلماں اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔شہباز اس سے جھوٹ بولتا آرہا ہے۔اسی نے اس کی نیلماں [کو مارا] ہے اور وہ بدلے کے طور پر ضرور مجھے موت کے گھاٹ اتا[رے] گا۔

دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لے رہے تھے۔ [بچاؤ] کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔یہ بات صاف طور [پر سمجھ] میں آرہی تھی کہ وہ دشمنوں کے درمیان بری طرح پھن[سی ہوئی] ہے۔

شہباز درانی نے پی ٹو تنظیم میں پہنچنے کے بعد نانا بھائی [سے] رابطہ کیا تھا۔لیکن اس نے یہ بات دردانہ کو نہیں بتائی تھی کہ [اس کا] دیوانہ اس سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔

دردانہ کو شہباز کی کوئی خیر خبر نہیں مل رہی تھی۔وہ [نیم دراز] ہو کر سوچنے لگی۔"نہ جانے میرے ساتھ کیا ہو[نے والا] ہے؟ شہباز سے بھی بات نہیں ہو رہی ہے۔پتا نہیں وہ [مجھے] چھوڑ کر کہاں گیا ہے؟ میرے بچاؤ کے لیے کیا کررہا [ہے یا کچھ] کر بھی رہا ہے یا اپنے ہی مسائل میں الجھا ہوا ہے؟"

دوسری طرف نانا بھائی اپنے کمرے میں تھا۔موبا[ئل] کے ذریعے آکاش دامودر سے بات کررہا تھا۔ان کے [درمیان دردانہ]

[...] کے سلسلے میں معاملات طے ہو رہے تھے۔

[...] نانا بھائی نے ہنستے ہوئے کہا۔"اس فراڈیے کا فون آیا تھا۔ [...]پی محبوبہ سے بات کرنے کے لیے بڑا بے چین ہے۔لیکن [میں] نے اسے اس کی آواز نہیں سنائی ہے۔"

آکاش نے کہا۔"میرے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک [رہی] ہے۔ذرا اس عورت کو میرے شکنجے میں آنے دو۔گن گن [کر بد]لے لوں گا۔شہباز نے پہلے شمشیر خان بن کر مجھے دھوکا [دیا۔پھر] ایک بچے کے معاملے میں تم سے فراڈ کیا۔اس کی حرکتوں [سے مجھے] یقین ہوگیا ہے کہ اسی نے میری نیلماں کا مرڈر کیا [ہے۔]اب میں اس کی عورت کو تڑپا تڑپا کر موت کے گھاٹ [اتار]وں گا۔"

"شہباز تو اب بھی فون پر ڈینگیں مار رہا تھا۔مجھ سے سودا [کرنا] چاہتا تھا لیکن میں نے انکار کردیا۔وہ اپنی عورت کو [ہمار]ے درمیان سے اڑا لے جانے کی باتیں کررہا تھا۔رسی جل [گئی لیکن] بل نہیں گئے۔وہ سرپا در کی چھتر چھایا سے محروم ہو چکا [ہے۔]بے یار ومددگار ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا ہے۔"

آکاش نے کہا۔"پھر بھی ہمیں اس عورت کے معاملے [میں ہوشی]ار رہنا چاہیے۔"

"تم فکر نہ کرو۔میں تمہاری امانت میں خیانت نہیں [ہون]ے دوں گا۔یہاں سیکورٹی کے بہت سخت انتظامات کیے [گئے ہ]یں۔طیارے میں ہمارا ایک بندہ اس کے ساتھ ساتھ [رہے]گا۔پٹنہ ایرپورٹ پر اترتے ہی وہ تمہاری ذمہ داری بن [جائے] گی۔"

"یہاں بھی اسے ریسیو کرنے کی تمام تیاریاں مکمل [ہیں۔]وہاں اس کے سوار ہوتے ہی مجھے فون پر اطلاع دو۔"

"آدھے گھنٹے بعد فلائٹ ہے۔ہم اسے پندرہ منٹ کے [بعد] یہاں سے لے جائیں گے۔تاکہ ایرپورٹ پر اسے زیادہ [وقت] نہ گزارنا پڑے۔وہاں سیکورٹی کی پریشانی ہوسکتی [ہے۔]بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے کے بعد وہ بالکل محفوظ ہو [جائے] گی۔"

ان کے درمیان رابطہ ختم ہوگیا۔کچھ دیر بعد دردانہ کو مسلح [گارڈ]ز کے ساتھ ایرپورٹ پہنچایا گیا۔وہاں فلائٹ کی روانگی کی [اناؤنسم]نٹ ہو رہی تھی۔دردانہ کے ساتھ جو شخص سفر کرنے والا [تھا] اس نے فوراً ہی بورڈنگ کارڈز حاصل کیے۔کچھ دیر کے [بعد و]ہ طیارے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آئے تو [درواز]ے پر کھڑی ہوئی ایرہوسٹس نے ان کے بورڈنگ کارڈز [چیک] کرتے ہوئے دردانہ کو گہری نظروں سے دیکھا۔پھر مسکرا [کر ان]ہیں اندر جانے کا اشارہ کیا۔

دردانہ اس شخص کے ساتھ چلتی ہوئی اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔طیارے میں سفر کے دوران بڑے بڑے افراد بھی بے دست و پا ہو جاتے ہیں۔اس شخص کے پاس نہ تو کوئی اسلحہ تھا اور نہ ہی وہ فون کے ذریعے کسی سے رابطہ کرسکتا تھا۔پھر بھی وہ مطمئن تھا۔یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ دورانِ سفر دردانہ اس کے ہاتھ سے نکل کر کہیں نہیں جاسکتی۔

کچھ دیر بعد انہوں نے ہدایت کے مطابق اپنی اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔طیارہ رن وے پر دوڑتا ہوا آہستہ آہستہ بلند ہوتا چلا گیا۔ان لمحات میں دردانہ کو ایسا لگ رہا تھا' جیسے وہ واقعی دنیا سے دور ہو رہی ہے۔آکاش کے پاس نہیں جارہی ہے' بلکہ اپنی موت کی طرف بڑھ رہی ہے۔وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے جہاز کی چھوٹی سی کھڑکی سے باہر اڑتے پھرتے بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔

ایسے ہی وقت ایک ایرہوسٹس کی آواز سنائی دی۔

"ایکسکیوز می پلیز....."

اس نے سر گھما کر دیکھا۔وہ وہی ایرہوسٹس تھی جس نے انہیں دروازے پر ریسیو کیا تھا۔اس کے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک سے بھرے ہوئے گلاسوں کی ایک ٹرے تھی۔وہ ان میں سے ایک گلاس اٹھا کر اس شخص کو دے رہی تھی۔پھر دردانہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔"آپ لیں گی....؟"

دردانہ نے تائید میں سر ہلا کر اس سے ایک گلاس لے لیا۔ایسے وقت وہ محسوس کررہی تھی کہ اس ایرہوسٹس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی ہے۔وہ گھونٹ گھونٹ پینے لگی اور اسے دیکھنے لگی۔وہ ان کی طرف سے پلٹ کر دوسرے مسافروں کو اٹینڈ کررہی تھی۔پھر وہاں سے چلتی ہوئی طیارے کے اندرونی حصے کی طرف جانے لگی۔لیکن دروازے پر پہنچ کر رک گئی۔سر گھما کر دردانہ کو دیکھنے لگی۔وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔دونوں کی نظریں ملیں مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا پھر وہ پردے کے پیچھے جا کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

دردانہ کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں اس طرف دیکھتی رہی پھر کولڈ ڈرنک ختم کرکے سیٹ پر نیم دراز ہوگئی۔کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے اپنے برابر بیٹھے ہوئے شخص سے بولی۔"ہم کتنی دیر میں پہنچیں گے؟"

اس شخص کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔اس نے سر گھما کر اسے دیکھا تو وہ جیسے گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔دردانہ بڑی حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔پھر اس کے شانے کو ہلاتے ہوئے آہستگی سے بولی۔"سنو.....! سو گئے کیا.....؟"

وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔دردانہ نے فوراً ہی

ایر ہوسٹس کو بلانے کے لیے جہاز کی چھت پر لگے ہوئے ایک بٹن کو پریس کیا۔ کچھ دیر بعد وہی ایر ہوسٹس پردے کے پیچھے سے نکل کر اس کے قریب آ کر بولی۔ ''جی میڈم......!''

پھر اس سے پہلے کہ دردانہ کچھ کہتی اس ایر ہوسٹس نے ایک تہ شدہ کاغذ اس کی گود میں ڈال دیا۔ دردانہ نے اس کاغذ کو اٹھا کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ایر ہوسٹس نے آہستگی سے کہا۔ ''ریڈ اٹ....''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ دردانہ اس کاغذ کو کھول کر پڑھنے لگی۔ وہاں لکھا ہوا تھا۔ ''گھبراؤ نہیں۔ اسے سونے دو۔ یہ سوئے گا اور تمہیں کھوئے گا۔ میں اپنا تعارف پیش نہیں کروں گی۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے اطمینان کے لیے شہباز درانی کا نام ہی کافی ہے۔''

وہ پڑھتے پڑھتے ایکدم سے چونک گئی۔ سر اٹھا کر خوشی سے اس پردے کی طرف دیکھنے لگی۔ جس کے پیچھے وہ ایر ہوسٹس گئی تھی۔ پھر دوبارہ اس تحریر کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''میری طرف سے مطمئن ہو تو ایر ہوسٹس کال کا بٹن پریس کرو۔ میں تمہارے پاس آؤں گی تو تم اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر باتھ روم کی طرف جاؤ گی۔ باقی باتیں وہاں ہوں گی۔''

تحریر ختم ہو گئی۔ دردانہ نے سر اٹھا کر کال بٹن کی طرف دیکھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اسے پریس کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ایر ہوسٹس پردے کے پیچھے سے مسکراتی ہوئی نمودار ہوئی۔ اس کے پاس آ کر بولی۔ ''جی میڈم!''

دردانہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے واش روم جانا ہے۔ آپ کی ذرا سی ہیلپ چاہیے۔''

وہ بدستور مسکراتی ہوئی آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ ''آیئے میڈم!''

وہ دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئی واش روم کے قریب آ گئیں۔ دردانہ نے پوچھا۔ ''تم نے بیگ لانے کا مشورہ کیوں دیا ہے؟''

ایر ہوسٹس نے ایک طرف بنے ہوئے کیبنٹ میں سے ایک پیکٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ''اس میں سوٹ ہے۔ آپ چینج کر لیں۔ تمام مسافر یہی سمجھیں گے کہ آپ اپنے بیگ میں سوٹ رکھ کر لائی تھیں اور اب چینج کر کے واپس آئی ہیں۔''

وہ بولی۔ ''مجھے شہباز کے بارے میں بتاؤ۔ وہ اس وقت کہاں ہے؟ کیا اس سے ابھی رابطہ ہو سکتا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''سوری میڈم! مجھے جو احکامات جاری کیے گئے ہیں۔ میں صرف ان کی پابند ہوں۔ اس سے زیادہ نہ کچھ جانتی ہوں اور نہ آپ سے بات کر سکتی ہوں۔''

دردانہ وہ پیکٹ لے کر واش روم کے اندر جانے لگی۔ ایر ہوسٹس نے کہا۔ ''بیس منٹ بعد طیارہ لینڈ کرنے والا ہے۔ جب تک میں نہ کہوں آپ طیارے سے نہیں اتریں گی۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ وہ واش روم میں جا کر لباس تبدیل کرنے لگی۔ پھر واپس اپنی سیٹ پر آ گئی۔ وہ شخص ابھی تک بے ہوش تھا۔ کچھ دیر بعد اناؤنسمنٹ ہونے لگی کہ طیارہ لینڈ کرنے والا ہے۔ مسافر حضرات اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔

دردانہ نے پہلے اپنے برابر بے ہوش پڑے ہوئے شخص کی بیلٹ باندھی۔ پھر اپنی حفاظتی بیلٹ باندھنے کے بعد بے چینی سے طیارے کے اترنے کا انتظار کرنے لگی۔ وہ کبھی کبھی اس بے ہوش پڑے ہوئے شخص کو بھی دیکھ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد جہاز رن وے پر دوڑتا ہوا اپنی مخصوص جگہ پر جا کر رک گیا۔ مسافر ایک ایک کر کے بیرونی دروازے سے باہر جانے لگے۔ وہی ایر ہوسٹس اپنی ایک ساتھی کے ساتھ مسافروں کو رخصت کر رہی تھی۔ کبھی کبھی مسکرا کر دردانہ کی طرف بھی دیکھ رہی تھی۔

دھیرے دھیرے طیارہ مسافروں سے خالی ہو گیا۔ ایر ہوسٹس نے اس کے پاس آ کر کہا۔ ''آپ میرے ساتھ آئیں۔''

دردانہ نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اس کا کیا ہوگا؟''

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ ''اسے چھوڑ دیں۔ یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔''

دردانہ اس کے پیچھے چلتی ہوئی طیارے کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تو وہاں وہ گاڑی کھڑی ہوئی تھی جس میں ایر ہوسٹس اور جہاز کے دوسرے عملے کو لایا اور لے جایا جاتا ہے۔ دردانہ اس ایر ہوسٹس کے ساتھ اندر آ کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ گاڑی اسٹارٹ ہو کر ایئر پورٹ کی عمارت کی طرف جانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس ایر ہوسٹس کے ساتھ ایک کمرے میں آ گئی۔ دردانہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''شہباز یہاں ہیں؟''

اس نے کہا۔ ''پلیز۔ آپ بیٹھیں میں ابھی آتی ہوں۔''

پھر وہ دروازہ کھولتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے امید تھی کہ یہاں پہنچتے ہی شہباز سے سامنا ہوگا۔ لیکن ابھی تک صورت حال طور پر سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ ایر ہوسٹس اندر آتے ہوئے بولی۔ ''پلیز میڈم! اپنا پاسپورٹ مجھے دیں۔''

''تم میرا پاسپورٹ کیوں مانگ رہی ہو؟''

''پلیز میڈم! کوئی سوال نہ کریں۔ مجھے آرڈر کے مطابق کام کرنے دیں۔''

''میں تمہاری خاموشی سے الجھ رہی ہوں۔ آخر کچھ تو بتاؤ تم کون ہو؟ شہباز کہاں ہے؟''

''پلیز۔ وقت ضائع نہ کریں۔ اپنا پاسپورٹ مجھے دیں۔ یہ سب جو ہو رہا ہے آپ کے بھلے کے لیے ہی ہو رہا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں آپ کو تمام سوالوں کے جواب بھی مل جائیں گے۔ پلیز۔ مجھ پر بھروسا کریں۔''

دردانہ نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر اپنا پاسپورٹ نکال کر اسے تھما دیا۔ وہ فوراً ہی اسے لے کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ دردانہ سوچنے لگی۔ ''شہباز! یہ تم میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے ہو؟''

وہ سوچ رہی تھی اور کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب شہباز اس ایر ہوسٹس کو ہدایت دے رہا ہے تو اپنی دردانہ سے رابطہ کیوں نہیں کر رہا ہے؟

تقریباً بیس منٹ گزرنے کے بعد وہ ایر ہوسٹس کمرے میں آئی تو اس کے ایک ہاتھ میں پاسپورٹ اور ویزا دکھائی دے رہا تھا اور دوسرے ہاتھ میں موبائل فون تھا۔ وہ ویزا اور پاسپورٹ دردانہ کو دیتے ہوئے بولی۔ ''ایک گھنٹے بعد آپ کی فلائٹ ہے۔ آپ روس جا رہی ہیں۔''

اس نے چونک کر پوچھا۔ ''روس....؟''

وہ ایر ہوسٹس موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''یہ لیں۔ آپ کی کال آنے والی ہے۔'' میں ایک گھنٹے بعد آؤں گی اور آپ کو آپ کی مطلوبہ فلائٹ تک پہنچا دوں گی۔''

وہ پلٹ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ دردانہ سوالیہ نظروں سے کبھی موبائل فون کو اور کبھی ویزا کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت فون کا بزر بولنے لگا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ ''ہیلو۔ کون....؟''

دوسری طرف سے شہباز کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو۔ دردانہ! میری جان! میں شہباز بول رہا ہوں۔''

دردانہ نے مارے خوشی کی تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ ''شہباز! تم....؟ کہاں ہو؟ فون پر کیوں بول رہے ہو؟ ملنے کیوں نہیں آئے؟''

''میں تمہارے پاس نہیں آؤں گا' تم میرے پاس آؤ گی۔ تمہیں ویزا مل گیا ہوگا؟''

وہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے ویزا کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کیا تم روس پہنچے ہوئے ہو؟''

''ہاں۔ موت کو شکست دے کر یہاں تک پہنچا ہوں۔''

وہ بولی۔ ''تم سے تو بات نہیں ہوتی تھی۔ نانا بھائی کے ذریعے پتا چلا تھا کہ تم بڑے مسائل میں الجھے ہوئے ہو پاکستان چھوڑ کر کہیں روپوش ہو گئے ہو۔ میں تو تمہاری طرف سے بالکل ہی مایوس ہو گئی تھی۔ یہ سمجھ رہی تھی کہ تم مجھے بھول گئے ہو گے۔''

وہ بولا۔ ''تم تو میری جان ہو۔ میں تمہیں بھول کر کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ پہلے بھی تم مجھ سے دور ہو گئی تھیں لیکن پھر اچانک ہی مل گئی تھیں۔ اب بھی یہی ہو رہا ہے۔ ہم ایک بار پھر بچھڑ کر ملنے والے ہیں۔''

وہ بولی۔ ''میں تو دعا مانگ رہی ہوں کہ اب کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔''

''تم سوچ بھی نہیں سکتیں' میں پہلے سے زیادہ پاور فل ہو گیا ہوں۔ میرے پاس آؤ گی تو تفصیل سے بتاؤں گا۔ فون پر لمبی بات نہیں کر سکتا۔ بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

''بے چینی تو مجھے بھی ہے۔ اس بار تم سے ملوں گی تو کبھی الگ ہونے کی بھول نہیں کروں گی۔''

بھول کبھی جان بوجھ کر نہیں ہوتی۔ بھول سے ہو جاتی ہے۔ وہ ایسی بھول کرنے والے دشمنوں کی بھول بھلیوں سے گزرنے کے بعد اپنے شہباز سے ملنے والی تھی۔

☆☆☆

پاکستان اور انگلینڈ کے درمیان پانچ گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے۔ نمرہ اور جبران آٹھ گھنٹے کا سفر طے کرتے ہوئے لندن پہنچے تو وہاں رات کے نو بج رہے تھے۔ جب لاہور میں رات کے بارہ بجے اور موت وہاں شب خون مارنے آئی تو اس وقت وہ طیارے میں سفر کر رہا تھا۔ پاکستان سے بہت دور نکل چکا تھا۔

اب لندن سے انہیں نیویارک جانا تھا۔ جبران نے فون کے ذریعہ ایک ٹریول ایجنسی سے رابطہ کر کے نیویارک کے لیے دو سیٹیں او کے کرانا چاہیں۔ پتا چلا کہ مطلوبہ فلائٹ میں اسے کوئی سیٹ نہیں مل سکتی۔

اس نے گھبرا کر پوچھا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہمارا نیویارک سٹی جانا بہت ضروری ہے۔ پلیز۔ آپ کچھ کریں۔''

ایجنٹ نے کہا۔ ''سر! ہم مجبور ہیں۔ اُس فلائٹ کی تمام سیٹیں ریزرو ہو چکی ہیں۔ ایک گھنٹے بعد دوسری فلائٹ نیویارک جائے گی۔ اگر کہیں تو اس میں آپ کی سیٹیں او کے ہو

سکتی ہیں۔"

"ابھی تو اس فلائٹ کے جانے میں ڈیڑھ گھنٹا باقی ہے۔ دوسری فلائٹ کا مطلب دو ڈھائی گھنٹے لندن میں رہنا ہوگا۔ بہت دیر ہو جائے گی۔ یہاں رات کے بارہ بجنے والے ہوں گے۔ پلیز' کوئی صورت نکالیں۔ مجھے اسی فلائٹ میں سیٹ چاہیے۔"

"آپ کو انتظار کرنا ہوگا شاید چانس پر جگہ مل جائے۔"

دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ جبران پریشان ہوکر اپنے فون کو تکنے لگا۔ نمرہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا.....؟"

وہ اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "بات نہیں بن رہی ہے۔ ہمیں یہاں آتے ہی سیٹیں او کے کرا لینی چاہیے تھیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ دوسری فلائٹ میں سیٹیں مل رہی ہیں۔ انہیں تو ڈن کرلو۔ ایسا نہ ہو' وہ بھی ہاتھ سے نکل جائیں؟"

"دوسری نہیں.... ہمیں اسی فلائٹ میں جانا ہے۔ تمہاری بات نہ مان کر شاپنگ سینٹر جانے کے بجائے پہلے ٹریول ایجنسی جاتا تو یہ پرابلم نہ ہوتی۔"

"سوری بابا...! شاپنگ کے بعد سے اب تک تمہارا موڈ ٹھیک نہیں ہوا ہے۔ اتنی تو شاپنگ بھی نہیں کی ہے' جتنی معافیاں مانگ چکی ہوں۔ پلیز۔ تھوڑا سا مسکرا دو۔"

"جب تک سیٹوں کی کنفرمیشن نہیں ہوگی۔ میرا موڈ ٹھیک نہیں ہوگا۔"

"ٹریول ایجنٹ نے کیا کہا ہے؟"

"اگر کوئی مسافر اپنا ٹکٹ کینسل کرائے گا تو وہ ہمیں اطلاع دے گا۔"

"اور اگر ایسا نہ ہوا تو.....؟"

جبران کے ہاتھوں میں ایک ذرا لرزش سی ہونے لگی۔ نمرہ نے پریشان ہوکر اسے دیکھا۔ "آر یو آل رائٹ....؟"

وہ اس کے ہاتھوں کو تھام کر بولا۔ "پلیز نمرہ! کچھ کرو۔ ہمارا نیویارک جانا بہت ضروری ہے۔"

"او کے ریلیکس ..... میں اس ایجنٹ سے بات کرتی ہوں۔"

وہ موبائل فون اس کے ہاتھ سے لے کر ٹریول ایجنسی سے رابطہ کرنے لگی۔ دوسری طرف سے ایک بار پھر مایوس کن جواب ملا۔ جبران سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ نمرہ اس کا بازو تھپکتے ہوئے بولی۔ "میری مانو... دوسری فلائٹ میں سیٹیں ریزرو کرا لو۔ ہم ڈیڑھ گھنٹے بعد نہ سہی۔ تین گھنٹے بعد نیویارک پہنچ جائیں گے۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "میں تمہیں نہیں سمجھا سکتا۔ یہاں میرے لیے ایک ایک پل بھاری ہو رہا ہے اور تم تین گھنٹے گزارنے کی بات کر رہی ہو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ کیا مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بھلا تم سے کیا چھپاؤں گا؟"

پھر وہ بات بدلتے ہوئے بولا۔ "پلیز۔ کافی منگوا دو۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

وہ اس کے پاس سے اٹھ کر انٹرکام کے ذریعہ کافی کا آرڈر دینے لگی۔ ایسے ہی وقت جبران کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے لپک کر سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔ وہ ٹریول ایجنسی کا نمبر تھا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگا۔ ہوئے پوچھا۔ "ہیلو... کیا سیٹوں کا بندوبست ہو گیا...؟"

ایجنٹ نے کہا۔ "مسٹر جبران! ابھی ایک لیڈی نے اپنی سیٹ کینسل کرائی ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو ہم اسے آپ کے لیے ریزرو کر دیتے ہیں۔"

اس نے نمرہ کی طرف دیکھتے ہوئے فون پر کہا۔ "ایک سیٹ....؟ مگر ہم تو دو ہیں۔"

"فی الحال تو ایک ہی ہے۔ ممکن ہے' کچھ دیر بعد ایک سیٹ اور مل جائے۔"

جبران سوچ میں پڑ گیا۔ اگر دوسری سیٹ کا انتظام نہ ہوا تو....؟ میں نمرہ سے بات کروں گا۔ اگر ایسا ہوگا تو وہ دوسری فلائٹ سے نیویارک آ جائے گی۔ فی الحال میرا لندن سے جانا ضروری ہے۔

اس نے فون پر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ آپ ایک سیٹ او کے کر دیں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ نمرہ نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔ "ہم دو ہیں۔ یہ ایک سیٹ کس کے لیے او کے کرائی ہے؟"

وہ اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولا۔ "ابھی دوسری کا انتظام بھی ہو جائے گا۔"

"میں پوچھ رہی ہوں' ایک سیٹ کس کے لیے او کے کرائی ہے؟ اگر دوسری کا بندوبست نہ ہوا تو میں تنہا نیویارک جاؤں گی؟ یا تنہا لندن میں رہوں گی؟"

"اگر ایسا ہوا تو پہلے میں جاؤں گا۔ تم دوسری فلائٹ سے میرے پاس چلی آؤ گی۔"

وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی۔ "مجھے تمہاری پرابلم سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ اگر ایسے تیتر بٹیر ہو کر ہی سفر کرنا تھا تو مجھے

ساتھ کیوں لائے ہو؟ پتا نہیں' یہاں ایسی کون سی قیامت آنے والی ہے' جس سے تمہارا بچنا بہت ضروری ہے؟ اتنا ضروری کہ مجھے تنہا چھوڑ کر جانا چاہتے ہو۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "میں تمہیں چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "باتیں مت بناؤ۔ یہ سیٹ کینسل کرو۔ ورنہ میں پاکستان کے لیے اپنی سیٹ او کے کرا لوں گی۔ تنہا یہاں رہوں گی اور نہ نیویارک جاؤں گی۔"

وہ اٹھ کر اسے سمجھانا چاہتا تھا۔ مگر اٹھتے اٹھتے ایکدم سے ڈگمگا گیا۔ دھپ سے صوفے پر بیٹھ کر ہانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "پ.... پلیز نم... نمرہ! مجھے چھوڑ کر جا... جانے کی بات نہ کرو۔"

"میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا رہی ہوں۔ تم جانا چاہتے ہو۔"

وہ بے بسی سے بولا۔ "میں مجبور ہوں۔"

"کیا مجبوری ہے؟ تم ضرور مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔"

وہ آہستہ آہستہ لرز رہا تھا۔ وہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "میں تمہارے ہر معاملے میں تعاون کر رہی ہوں۔ مجھے تم پر اتنا بھروسا ہے کہ اپنے والدین اور گھر والوں کو چھوڑ کر یہاں پردیس آ گئی ہوں۔ کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟ اپنی پرابلم مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

وہ بے بسی سے اس کا منہ تکنے لگا۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "ہمارے درمیان ایک ذرا سی بے اعتمادی علیحدگی کا سبب بن سکتی ہے۔ بولو! کیا میں پاکستان چلی جاؤں؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ کو جکڑتے ہوئے بولا۔ "نہیں...."

"تو پھر بتاؤ۔ تنہا نیویارک کیوں جانا چاہتے ہو؟ مجھ سے کیا چھپا رہے ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "م..... میرے پیچھے موت لگی ہوئی ہے۔"

نمرہ نے چونک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "مقدر حیات نے پیش گوئی کی ہے کہ اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے نئے اور پرانے سال کے سنگم پر موت آ کر مجھے دبوچ لے گی۔"

وہ ایکدم سے پریشان ہو کر بولی۔ "یہ... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ مقدر حیات نے پیش گوئی کی ہے۔"

نمرہ اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔ وہ بولا۔ "اور سب ہی جانتے ہیں' اس کی پیش گوئی کبھی جھوٹی نہیں ہوتی۔"

نمرہ کی آنکھوں میں بے پناہ ہمدردی کے جذبات سمٹ آئے۔ وہ بڑی محبت سے بولی۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ تم نے اتنی بڑی بات مجھ سے کیوں چھپائی؟"

"ایک تو مقدر حیات نے منع کیا تھا۔ دوسرے میرے دل کو یہ دھڑکا تھا کہ کہیں تم مجھے چھوڑ کر نہ چلی جاؤ۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو؟ یہ حقیقت جاننے کے بعد تو دل تمہاری طرف اور کھنچنے لگا ہے۔ بائی داوے.... کیا آنٹی کو اس بات کا علم ہے؟"

وہ بولا۔ "ہاں۔ میں' مقدر حیات اور ماما ہم تینوں ہی اس حقیقت سے واقف ہیں۔"

نمرہ کو ان لمحات میں واقعی جبران پر بڑا پیار آ رہا تھا۔ سینے میں ہمدردی کا طوفان امڈ رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے حوصلہ دے؟ وہ اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔ "اب تو مجھے چھوڑ کر تم پاکستان واپس جانے کی بات نہیں کرو گی؟"

"بالکل نہیں..... اب تو میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ رہوں گی۔ مگر پوری دنیا کا چکر کاٹنے کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"مقدر حیات نے کہا تھا' تدبیر سے تقدیر کو بدلا جا سکتا ہے اور میں اسی کی تدبیر پر عمل کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب.....؟ کیا تم موت کو ٹال سکو گے؟"

"ہاں۔ مقدر حیات کی تدبیر کے مطابق میں موت کو دھوکا دیتا ہوا نئی زندگی حاصل کروں گا اور ضرور کروں گا۔"

پھر وہ اسے تفصیل سے تمام باتیں بتانے لگا۔ وہ توجہ سے سننے کے بعد خوش ہو کر بولی۔ "بڑی زبردست تدبیر ہے۔"

"بشرطیکہ تمہارا تعاون رہے۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔ اب تو ایک لمحے کے لیے بھی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔"

"تھینک یو نمرہ...! تم نہیں جانتیں' میں صرف تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے موت سے لڑ رہا ہوں۔"

وہ اسے بڑے پیار سے دیکھ رہا تھا۔ نمرہ نے موبائل فون اٹھا کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "ابھی ٹریول ایجنسی سے رابطہ کرو۔ اگر میری سیٹ کا بندوبست نہیں ہو رہا ہے تو کوئی بات نہیں..... میں دوسری فلائٹ سے نیویارک پہنچ جاؤں گی۔"

اس نے ایجنسی سے رابطہ کر کے سیٹ کے بارے میں پوچھا۔ ایجنٹ نے کہا۔ "سوری سر! فلائٹ کا ٹائم کم ہو رہا ہے۔

سیٹ کا چانس بھی کم ہے۔آپ دوسری فلائٹ میں ریزرویشن کرالیں۔"

اس نے نمرہ کے لیے دوسری فلائٹ میں ایک سیٹ حاصل کی۔پھر رابطہ ختم کرکے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"فلائٹ کا وقت ہوگیا ہے۔ہمیں چلنا چاہیے۔"

وہ ایک بیگ میں جبران کا ضروری سامان رکھ کر اس کے ساتھ ایرپورٹ آگئی۔ساڑھے دس بجے طیارہ وہاں سے نیویارک کے لیے روانہ ہوا۔یعنی جبران موت سے صرف ڈیڑھ گھنٹا پہلے لندن سے نکل گیا۔اسے رخصت کرتے ہوئے دل اس کی طرف کھنچا جارہا تھا۔اگر سیٹ کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ کبھی اسے تنہا نہ چھوڑتی۔

وہ ایرپورٹ کی عمارت سے باہر ایک پی سی او میں آگئی۔مسز رانا سے رابطہ کرنے لگی۔

دوسری طرف جبران طیارے کے پُرسکون ماحول میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے سوچ میں گم تھا۔پاکستان سے سفر کا آغاز کرتے ہوئے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یوں اچانک ہی نمرہ کا ساتھ چھوٹ جائے گا۔عارضی طور پر ہی سہی....وہ اسے پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

وہ آیندہ سفر کے بارے میں سوچنے لگا۔"نیویارک پہنچتے ہی برٹش کولمبیا جانے کے لیے سیٹیں ریزرو کرالوں گا۔اس طرح پھر موت سے ساڑھے چار یا پانچ گھنٹے آگے نکل جاؤں گا۔ایسے وقت میری نمرہ بھی میرے ساتھ ہوگی۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر طیارے میں ادھر ادھر دیکھا۔وہاں ملکی اور غیر ملکی چہرے دکھائی دے رہے تھے۔تین ایر ہوسٹس اپنی اپنی خدمات انجام دے رہی تھیں۔اس نے ایک کپ کافی طلب کی'پھر بڑے اطمینان سے نیم دراز ہوکر سوچ میں گم ہوگیا۔اس کی پلاننگ تھی کہ نیویارک سے برٹش کولمبیا کے شہر فورٹ گراہم پہنچ کر جاپان کے لیے سیٹیں ریزرو کرائے گا۔یوں وہ موت کو شکست دیتا ہوا جب جاپان پہنچے گا تو وہاں نئے سال کی پہلی تاریخ ہوگی۔

انسان جو سوچے'وہ ہوجائے تو پھر تقدیر پر کون یقین کرے گا؟ وہ تدبیر کے ہتھیار سے اپنی تقدیر پر وار کررہا تھا۔مگر قدرت کو کیا منظور ہے؟ یہ وقت آنے پر ہی معلوم ہوتا ہے۔

وہاں پُرسکون انداز میں بیٹھے ہوئے مسافر سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پائلٹ کیبن میں کیسی کھلبلی مچی ہوئی ہے؟ طیارے کا عملہ اس وقت ہکا بکا رہ گیا' جب ایک مضبوط جسامت والے شخص نے اپنے دو گن مین کے ساتھ اچانک ہی وہاں آکر کو پائلٹ کو گن پوائنٹ پر رکھتے ہوئے کہا۔"تمام مسافروں کی خیریت چاہتے ہو تو طیارے کو افریقا کے مغربی ساحل کی طرف موڑ دو۔یہ نیویارک نہیں....ماریشس جائے گا۔"

پائلٹ اور کو پائلٹ نے پریشان ہوکر اسے دیکھا۔جلد ہی یہ بات سمجھ میں آگئی کہ طیارہ ہائی جیک کیا جارہا ہے۔کو پائلٹ نے پوچھا۔"تم کون ہو؟ ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

"ہم تم سے کچھ نہیں چاہتے۔ہمارے کچھ سیاسی مطالبات ہیں۔تم اس بحث میں نہ پڑو۔جو کہا جارہا ہے'اس پر عمل کرتے رہو۔مسافروں کے درمیان ہمارے کئی مسلح ساتھی موجود ہیں۔میرے حکم سے انکار کروگے تو ہم وقفہ وقفہ سے ایک ایک مسافر کو گولی مارتے رہیں گے۔"

وہ افریقی باغی تھے۔ان کے چند ساتھیوں کو برطانوی حکومت نے قیدی بنالیا تھا۔وہ اس طیارے کو ہائی جیک کرکے ان ساتھیوں کی رہائی کے سلسلے میں اپنے مطالبات منوانا چاہتے تھے۔اسی لیے اسے ماریشس لے جانے کا حکم دے رہے تھے۔

جبران اپنی موت کو پیچھے چھوڑ کر جارہا تھا۔مگر وہ ہائی جیکر اسے واپس اسی طرف لے جانے والے تھے۔طیارے کا عملہ ان لوگوں سے بحث نہیں کرسکتا تھا۔لہٰذا اسے ماریشس کے لیے موڑ دیا گیا۔

بے چارے مسافر ابھی بے خبر تھے۔ان لمحات میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ طیارہ واپس نہیں جارہا تھا بلکہ جبران کی موت اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور وہ بے خبری میں کھنچا چلا جارہا تھا۔

جب طیارے کو واپسی کے لیے موڑا جارہا تھا' تب وہ دنیا کے سب سے وسیع و عریض سمندر بحر اوقیانوس پر پرواز کررہا تھا۔آگے پیچھے دور تک کسی ملک کی زمین یا جزیرہ نہیں تھا۔طیارے کی کھڑکی سے دور دور تک اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے رہا تھا اور اندازہ تھا کہ تقریباً دو تین گھنٹے تک وہ لوگ ایسے ہی اندھے سفر میں رہیں گے۔

مگر جبران اور دوسرے چند مسافر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے چونک گئے۔ایک دوسرے سے کہنے لگے۔"ارے....یہ روشنیاں کیسی ہیں؟"

ایک نے کہا۔"انسانی آبادی لگتی ہے۔"

دوسرے نے کہا۔"میرے حساب سے طیارے کو اس وقت بحر اوقیانوس پر سے گزرنا چاہیے۔یہاں انسانی آبادی کہاں سے آگئی؟ جبکہ دور دور تک کوئی جزیرہ بھی نہیں ہے۔"

"نہ انسانی آبادی ہوسکتی ہے' نہ کوئی جزیرہ۔تو پھر یہ روشنیاں کیسی ہیں؟"

ایک ایر ہوسٹس کو روک کر پوچھا گیا۔وہ ایک ذرا پریشان ہوکر تمام مسافروں کو دیکھنے لگی۔ایسے وقت اس کی نظر ایک

مشکوک شخص پر پڑی۔وہ اسے گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔

ایر ہوسٹس نے مسافروں سے ایکسکیوز کرتے ہوئے کہا۔"جسٹ اے منٹ....میں ابھی معلوم کرتی ہوں کہ ہم اس وقت کہاں سے گزر رہے ہیں؟"

وہ وہاں سے چلتی ہوئی طیارے کے اس حصے میں آگئی جہاں دو اسٹیوارڈ موجود تھے۔ایر ہوسٹس نے کہا۔"مسافر حضرات پریشان ہیں۔معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ طیارہ کہاں سے گزر رہا ہے؟"

اس نے کہا۔"میرا خیال ہے' مسافروں کو حقیقت سے آگاہ کردینا چاہیے۔"

دوسرے نے کہا۔"اس طرح مسافروں میں بے چینی پھیل جائے گی۔"

ایر ہوسٹس نے کہا۔"بے چینی تو اب بھی پھیلی ہوئی ہے۔"

ایک اور ایر ہوسٹس نے وہاں آتے ہوئے کہا۔"مسافر حضرات طرح طرح کے سوالات کررہے ہیں۔ہم کیا جواب دیں؟"

وہاں ہائی جیکرز کا ایک بندہ عملے کی نگرانی پر مامور تھا۔وہ بولا۔"جواب کیا دینا ہے؟ کہہ دو' طیارے کو ماریشس پہنچایا جارہا ہے۔"

ایر ہوسٹس نے کہا۔"ہمیں پائلٹ حضرات سے مشورہ کرنا چاہیے۔"

وہ ہائی جیکر ایک اسٹیوارڈ کے ساتھ پائلٹ کیبن میں آگیا۔وہاں پائلٹ اور کو پائلٹ کو بتایا گیا کہ مسافروں میں بے چینی پھیل رہی ہے۔انہیں حقیقت سے آگاہ کرنا ہوگا۔وہ سب آپس میں مشورے کرنے لگے۔

دوسری طرف جبران پریشان ہورہا تھا۔بار بار رسٹ واچ کی طرف دیکھ رہا تھا۔لندن کے وقت کے مطابق رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔اسے یہ جاننے کی بے چینی تھی کہ وہ طیارہ لندن کی حدود سے نکل چکا ہے یا نہیں....؟

ایسے ہی وقت اسپیکر کے ذریعے اعلان ہونے لگا۔"خواتین و حضرات! ایک اعلان سماعت فرمائیں۔زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔لیکن کبھی کبھی ہم اپنے ہی جیسے انسانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتے ہیں۔اس وقت ہمارے ساتھ بھی یہی صورتحال ہے۔"

مسافروں کی بے چینی اور بڑھ گئی۔کہا جارہا تھا۔"ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑرہا ہے کہ اس طیارے کو ہائی جیک کیا گیا ہے۔اب یہ نیویارک نہیں جارہا ہے۔واپس ماریشس جارہا ہے۔"

مسافر پریشان ہوکر ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ کہنے لگے۔بات پریشانی کی تھی لیکن جبران کی تو زندگی اور موت کا سوال تھا۔ماریشس جانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ موت کی آغوش میں جانے والا ہے۔وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولا۔"یہ....یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

کو پائلٹ کے ساتھ کھڑے ہوئے ہائی جیکر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔"آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔"

جبران کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔"فار گاڈ سیک....اس طیارے کو ماریشس نہ لے جاؤ۔میں بے موت مرجاؤں گا...."

وہ غرّا کر بولا۔"زیادہ بولو گے تو ابھی اڑا کر رکھ دوں گا۔بیٹھ جاؤ...."

کو پائلٹ نے جلدی سے کہا۔"پلیز.....آپ سب کا اور ہمارا تعاون ہی ہمیں محفوظ رکھ سکے گا۔یہاں سب ہی مسافر اپنی اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے بے چین ہوں گے۔لیکن ہم مجبور ہیں۔بے بس ہیں۔"

جبران کے پسینے چھوٹنے لگے تھے۔وہ بولا۔"آپ کی یہ بے بسی کسی کی جان لے سکتی ہے۔"

کو پائلٹ نے کہا۔"زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔پلیز....انتظار کریں۔جلد ہی نجات کا راستہ نکالا جائے گا۔آپ ہائی جیکرز کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ کریں' کوئی حرکت نہ کریں۔"

وہ ہائی جیکر تمام مسافروں کو گھورتے ہوئے بولا۔"خاموشی سے اپنی اپنی جگہ بیٹھنے میں ہی تم لوگوں کی سلامتی ہے۔"

وہ گن کے ذریعہ جبران کو اشارہ کرتے ہوئے بولا۔"اے! بیٹھ جاؤ...."

وہ حیران پریشان سا اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔وہ زمین اور آسمان کے درمیان سفر کرنے والا' زندگی اور موت کے درمیان لٹک کر رہ گیا تھا۔ایسے وقت کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنے بچاؤ کے لیے کیا کرے کیا نہ کرے؟

طیارے کے اندر' باہر' اوپر اور نیچے ہر طرف موت ہی موت تھی۔اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں اپنے برابر بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا۔"کیا لندن اور ماریشس کی ٹائمنگ ایک جیسی ہے؟"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب....مطلب یہ کہ ابھی لندن میں رات کے بارہ بجیں گے تو کیا ماریشس میں بھی عین اسی وقت بارہ بجیں گے؟"

اس شخص نے کہا۔ ’’ہاں۔ شاید کچھ منٹوں کا فرق ہے۔‘‘

جبران نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ وہ شخص بولا۔ ’’کبھی سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اس بار بھی نیو ایر ہائی جیکرز کے ساتھ ہوگا۔ مقدر کے تماشے ہیں کیا کہیے.....؟‘‘

جبران نے تھوک نگلتے ہوئے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔ دس منٹ گزر چکے تھے۔ لندن کے وقت کے مطابق رات کے بارہ بجنے میں صرف بیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ یعنی موت اس سے بیس منٹ کے فاصلے پر تھی۔ اس نے چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک ہائی جیکر ہاتھ میں گن لیے مسافروں کی نگرانی کر رہا تھا۔

جبران کی عقل ایسی خبط ہوگئی تھی کہ وہ نمرہ سے رابطہ کرنے کے لیے بے چین ہوگیا تھا۔ اپنے بیگ میں سے موبائل فون نکال کر اسے آن کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس مسلح ہائی جیکر کی موجودگی میں ایسا کرنا ناممکن تھا۔

وہ ہائی جیکر ایک ایک مسافر کی حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ جبران کی بے چینی کو بھانپ گیا تھا۔ اس پر خاص توجہ دے رہا تھا۔ مگر جبران کے دل و دماغ میں تو جیسے اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا تھا۔ وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ہائی جیکر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

جبران نے کہا۔ ’’وہ..... مجھے واش روم جانا ہے۔‘‘

وہ قریب آکر اپنی گن اس کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے بولا۔ ’’واش روم جانا ہے یا اوپر جانا ہے؟ فون ادھر دے.....‘‘

تمام مسافر انہیں دیکھ رہے تھے۔ جبران نے گھبرا کر کہا۔ ’’فون....؟‘‘

اس سے پہلے کہ وہ باتیں بناتا۔ ہائی جیکر نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ پھر اس کی ایک جیب میں سے فون نکالتے ہوئے کہا۔ ’’اسے ساتھ لے کر کیا کرنے جا رہا تھا؟‘‘

’’کچھ نہیں... یہ تو ہمیشہ میری جیب میں ہی رہتا ہے۔‘‘

وہ اسے دھکا دیتے ہوئے بولا۔ ’’طیارے کے اترنے تک کوئی کہیں نہیں جائے گا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ ہم لوگ جتنی نرمی دکھائیں گے‘ تم لوگ اُتنی ہی مکاری دکھاؤ گے۔‘‘

وہ بولتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ جبران کے برابر بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔ ’’بھائی! تمہاری پرابلم کیا ہے؟ سب ہی اس ناگہانی آفت سے پریشان ہیں۔ اپنی اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے بے چین ہیں۔ تم کچھ زیادہ ہی پریشانی ظاہر کر رہے ہو۔‘‘

ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تیسرے شخص نے کہا۔ ’’یہ لوگ ابھی نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں۔ کسی سے کوئی بدتمیزی نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن تمہاری نادانیوں سے بپھر سکتے ہیں۔ کیوں خواہ مخواہ اپنے ساتھ ہماری زندگی بھی خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو؟ آرام سے بیٹھے رہو۔‘‘

وہ بڑی بے بسی سے بولا۔ ’’آپ لوگ سمجھ نہیں رہے ہیں۔ اس طیارے کا واپس جانا میری زندگی کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ خدا کے لیے ...میرا ساتھ دیں۔ ہم سب مل کر ہائی جیکرز سے درخواست کریں گے کہ طیارے کو ماریشس نہ لے جائیں۔ ہائی جیک کریں۔ مگر کسی دوسرے ملک میں لے جائیں۔ نیویارک میں بھی تو ہمیں یرغمال بنا کر رکھا جا سکتا ہے۔‘‘

’’وہ لوگ یہاں تمہارے مشورے پر نہیں ... اپنے منصوبے پر عمل کرنے آئے ہیں۔‘‘

اس ہائی جیکر نے ان کے قریب آتے ہوئے غرّا کر کہا۔ ’’اے...! کیا ہو رہا ہے؟‘‘

وہ تینوں فوراً ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ جبران نے کن انکھیوں سے کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا۔ مزید دس منٹ گزر چکے تھے۔ آیندہ دس منٹ بعد رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ نئے سال کی ابتدا ہونے والی تھی اور شاید جبران کی زندگی کا اختتام......

جو چیز کم رہ جائے تو اس کے لیے انسان کی طلب اور تڑپ بڑھ جاتی ہے۔ کینسر کے مریض کی موت یقینی ہوتی ہے۔ لیکن وہ تھوڑا اور جینے کے لیے اپنی سی کوششیں کرتا رہتا ہے۔ آخری سانس تک موت سے لڑتا رہتا ہے۔ کوششیں ہمیشہ ناکام نہیں ہوتیں۔ کبھی کبھی کوئی خوش نصیب موت کی دہلیز سے پلٹ آتا ہے۔

ہر گزرتا ہوا لمحہ اس کے اندر ایک جوش‘ ایک ولولہ بھر رہا تھا۔ جینے کی اُمنگ...... نمرہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا جذبہ ....اور بارہ بجنے میں تین منٹ باقی رہ گئے تھے۔ یعنی وہ موت سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں بری طرح کپکپا رہے تھے۔ پورا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ صرف یہ خیال ابھر رہا تھا ’’موت آنے والی ہے۔ کہاں سے آئے گی؟ کھڑکی سے..... چھت سے .... دروازے سے.... کیا بیٹھے بیٹھے اچانک ہی میری سانس رک جائے گی؟‘‘

ایک منٹ اور گزر گیا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ اس کے ننھے سے ڈائل پر نمرہ کا کتابی چہرہ مسکرانے لگا۔ دل میں جیسے جینے کا جذبہ لاوا بن کر ابلنے لگا۔ وہ نگرانی کرنے والا

ہائی جیکر ایسے وقت اس کی سیٹ کے پاس سے گزر رہا تھا۔ جبران گہری گہری سانسیں لیتا ہوا ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اچانک ہی اس پر حملہ کر کے اس کی گن چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔

آس پاس بیٹھے ہوئے مسافر ایکدم سے پریشان ہوگئے۔ وہاں سیٹوں پر صرف مسافر نہیں تھے۔ ان ہائی جیکرز کے کچھ ساتھی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر ایک نے فوراً ہی اپنی گن نکالی‘ پھر...وہی ہوا جو ہونے والا تھا۔ جو ہونی ہے‘ وہ ہو کر رہتی ہے۔ اس نے جبران کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔

جبران ایکدم سے ٹھٹک گیا۔ پورے وجود کے اندر جیسے آگ سی بھر گئی۔ اس کے دیدے پھیل گئے۔ وہ ڈگمگاتا ہوا‘ چکراتا ہوا فرش پر گر پڑا۔ سب اپنی اپنی جگہ سہمے ہوئے تھے۔ کوئی اس کے قریب نہیں گیا۔ اس کی طرف جانے والا بھی مارا جاتا اس کے سینے سے لہو پھوٹ رہا تھا۔ گھڑی کا کانٹا ٹک ٹک کی آواز کے ساتھ ایسے آگے بڑھ رہا تھا۔ جیسے موت ایک ایک قدم اس کی طرف بڑھ رہی ہو۔ وہ گہری گہری سانسیں کھینچ رہا تھا۔ جیسے جینے کی مہلت مانگ رہا ہو۔

ان لمحات میں طیارہ جب طول البلد اور عرض البلد کے درمیان سے گزر رہا تھا‘ وہاں بارہ بج چکے تھے۔ ایک آخری ہچکی کے ساتھ ہی وہ ایکدم سے ساکت ہوگیا۔ ایسے وقت اس کا دم ٹوٹا‘ جب دنیا نئے سال کی خوشیاں منا رہی تھی۔ نئے اور پرانے سال کے سنگم پر اس کا ہاتھ صرف زندگی سے ہی نہیں‘ نمرہ سے بھی چھوٹ گیا تھا۔

☆☆☆

صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ عروج پانچ بجے سے جاگ رہی تھی۔ یا شاید رات بھر سوئی نہیں تھی۔ پاشا کے حکم کے مطابق ٹھیک دس بجے اسے سول کورٹ پہنچنا تھا۔ وہ اس کا دلہا بن کر وہاں پہنچنے والا تھا۔ نکاح کی رسم ادا کی جانے والی تھی۔

وہ چائے کا کپ ہاتھ میں لیے ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔ پاشا سے کچھ مہلت حاصل کرنا چاہتی تھی۔ وہ ہمیشہ اس کی طرف سے مایوس ہوتا آیا تھا۔ یہ امید نہیں تھی کہ وہ اسے ایک منٹ کی بھی مہلت دے گا۔ اب تو وہ اس کی باتوں میں آنے والا نہیں تھا۔ اس نے موبائل فون اٹھا کر پاشا کے نمبر پنچ کیے پھر رابطہ ہونے پر کہا۔ ’’میں بول رہی ہوں۔‘‘

وہ خوش ہو کر نیند بھری آواز میں بولا۔ ’’اوہ عروج! آنکھ کھلتے ہی تمہاری آواز سن رہا ہوں۔ مت پوچھو مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے؟ یہ ہماری زندگی کی پہلی یادگار صبح ہے۔‘‘

’’میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ کیا مجھ سے ملاقات کر سکتے ہو؟‘‘

وہ وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ’’ابھی چار گھنٹے بعد تو ہماری ملاقات ہونے والی ہے۔ سول کورٹ پہنچنے کی تیاری کر رہی ہو نا......؟‘‘

’’میں وہاں نہیں ....اس سے پہلے کہیں اور ملنا چاہتی ہوں۔‘‘

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سنجیدگی سے بولا۔ ’’بات کیا ہے؟‘‘

’’لمبی بات ہے۔ فون پر نہیں کر سکتی۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔ ہم کہیں باہر مل سکتے ہیں۔ مگر ایک بات اچھی طرح یاد رکھنا‘ اس بار شادی سے کتراؤ گی تو عینی کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔‘‘

’’دھمکی نہ دو۔ میں آدھے گھنٹے بعد طارق روڈ کے مکڈونلڈ میں پہنچ رہی ہوں۔ فوراً چلے آؤ۔‘‘

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ مطلوبہ ریسٹورنٹ جانے کی تیاری کرنے لگی۔ دوسری طرف پاشا الجھا ہوا تھا۔ یہ سوچنے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ عروج نے اسے ایسی ایمرجنسی میں کیوں بلایا ہے؟

وہ لباس تبدیل کر کے کمرے میں آیا تو بیڈ پر بیٹھے ہوئے اشعر نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ ’’انکل! کہاں جا رہے ہو؟‘‘

وہ اکثر کسی نہ کسی کام سے باہر جاتا تھا۔ ایسے وقت اشعر کو وہاں لاک کر کے جاتا تھا۔ اس نے میز پر رکھے ہوئے دودھ کے گلاس اور ڈبل روٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ’’یہ ناشتا رکھا ہوا ہے۔ کھا لینا۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گا۔‘‘

وہ رونے کے انداز میں بولا۔ ’’میں بھی جاؤں گا۔‘‘

وہ قریب بیٹھ کر اسے تھپکتے ہوئے بولا۔ ’’میں ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ سوئی لگاتا ہے۔ تم ساتھ رہو گے تو تمہیں بھی لگائے گا۔ کیا انجکشن لگواؤ گے؟‘‘

وہ سہم کر بولا۔ ’’نہیں! اس سے بہت درد ہوتا ہے۔‘‘

’’اسی لیے تمہیں ساتھ نہیں لے جا رہا ہوں۔ واپسی پر تمہارے لیے بہت ساری چاکلیٹ اور کھلونے لاؤں گا۔ تم یہاں ویڈیو گیم کھیلتے رہنا۔ میں بس ابھی گیا اور ابھی آیا۔‘‘

’’تم سوئی لگوانے جا رہے ہو؟ بہت درد ہوگا۔‘‘

وہ عروج کے بارے میں سوچ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ ’’ہاں۔ یہ تو ہے۔ مگر کیا کروں؟ بیمار ہوں جانا تو پڑے گا۔‘‘

اشعر نے دودھ کے گلاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’یہ ٹھنڈا ہے۔ میں نہیں پیوں گا۔‘‘

وہ الجھ کر بولا۔ ’’جانتا ہوں میرے باپ! تم ٹھنڈا دودھ

نہیں پیتے۔ ابھی گرم کر کے لاتا ہوں۔"

وہ گلاس لے کر وہاں سے جانے لگا۔ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دیر ہو رہی ہے۔ لیکن اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہی بچہ عروج کو میرے پاس لانے والا ہے۔"

اس مکان کا بیرونی دروازہ لکڑی کا تھا۔ وہ اس کے لاک کے بٹن کو اندر سے دبا کر دروازے کو بند کرتا ہوا باہر جاتا تھا تو دروازہ لاک ہو جاتا تھا۔ اس طرح اس کی واپسی تک اشعر وہاں محفوظ رہتا تھا۔

موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ اس نے نمبر پڑھتے ہوئے زیر لب کہا۔ "آ رہا ہوں بابا!"

پھر کال ریسیو کر کے فون کو کان سے لگا کر کہا۔ "بس ابھی نکل رہا ہوں۔ ذرا انتظار کرو۔"

"میں یہاں پہنچ گئی ہوں۔"

"بس اشعر کو ناشتا دے کر آ رہا ہوں۔ او کے بائے.....!"

وہ دودھ گرم کر کے فوراً ہی اسے گلاس میں انڈیل کر کمرے میں آ گیا۔ اشعر سے بولا۔ "یہ لو لاٹ صاحب! کھاؤ۔ پیو۔ عیش کرو۔ اب میں چلا..."

وہ جلدی جلدی کنگھی کر کے دروازے کو بند کرتا ہوا مکان سے باہر چلا گیا۔ اشعر گرم دودھ میں ڈبل روٹی بھگو بھگو کر کھا رہا تھا۔ وہ جانے والا اس بچے کو اپنے طور پر محفوظ کر کے گیا تھا مگر مقدر کے کھیل کون جانے....؟

سچ کہا ہے کسی نے.... جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔ وہ آناً فاناً نکلنے والا اپنے پیچھے راستے کھلے چھوڑ آیا تھا۔ تیزی سے جاتے وقت لاک کا بٹن دبانا بھول گیا تھا۔ انسان سے بھول چُوک ہو ہی جاتی ہے اور ایسی بھول چُوک ہی مقدر میں خرابی یا اچھائی پیدا کرتی ہے۔ میں تو خواہ مخواہ بدنام ہوں۔ جبکہ انسان اپنا مقدر آپ بناتا اور بگاڑتا ہے۔

اس نے اشعر کو اغوا کر کے اپنا مقدر بنانا چاہا تھا۔ لیکن دروازے کو مقفل نہ کر کے ناکامی کے راستے ہموار کر چکا تھا۔

میں اس گلی کے کونے پر اپنی گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے نمرہ اور جبران کا بنتا بگڑتا مقدر دیکھ رہا تھا۔ یہ پہلے سے جانتا تھا کہ جبران کے ساتھ یہی ہونے والا ہے۔ مگر اسے یا اس کی ماں کو جھوٹے دلاسے دے رہا تھا۔ یہی دنیا کا دستور ہے۔ ڈاکٹر اور رشتے دار بھی مرنے والے مریض کو دواؤں اور دعاؤں سے تسلیاں دیتے ہیں کہ وہ مسیحائی سے اور اپنے حوصلوں سے نئی زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ میں نے بھی دستور کے مطابق یہی کیا تھا۔

وقت گہرے زخموں کو بھی بھر دیتا ہے۔ مسز رانا رو پیٹ کر صبر کرنے والی تھی۔ ماں' بیٹے کی زندگی میں اس کے لیے چاہے جتنی قربانیاں دیتی رہے' اس کے ساتھ کبھی مرتی نہیں۔ نمرہ نے اس دیوانے کے ساتھ ہمدردی اور محبت کی انتہا کر دی تھی۔ اسے بہت صدمہ پہنچ رہا تھا۔ اب اسے بھی گھر واپس آنا تھا اور وہ میرے پاس ایک ہی چھت کے نیچے آنے والی تھی۔

بہر حال اب عروج' عینی اور پاشا کا مسئلہ رہ گیا تھا۔ ان تینوں کو بھی ایک کنارے لگانا تھا۔ اس لیے میں پاشا کے اس مکان کے سامنے پہنچا ہوا تھا' جہاں اس نے اشعر کو چھپا رکھا تھا۔ میں اپنی کار میں بیٹھا ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہا تھا۔ اس وقت پاشا مکان سے نکل کر اپنی ٹیکسی میں وہاں سے جا رہا تھا۔ جب وہ گلی سے گزرتا ہوا مین روڈ پر پہنچ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا تو میں اپنی کار سے اتر کر اس مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس کے ہینڈل پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

سامنے ایک کمرے میں اشعر بیٹھا ہوا تھا۔ ناشتے میں مصروف تھا۔ میری طرف اس کی پشت تھی۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دیکھ بھی لیتا تو پہچان نہ پاتا۔ میرے چہرے پر گھنی داڑھی تھی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا ہوا تھا۔ میں نے اندر آ کر دروازے کو بند کرتے ہوئے اسے پکارا۔ "اشعر...!"

وہ کھاتے کھاتے چونک گیا۔ پلٹ کر مجھے سوالیہ نظروں سے اور ذرا سہمی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! میں تمہاری ممی کا ملازم ہوں۔ تمہارا ہی نام اشعر ہے نا....؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ پھر کہا۔ "ممی...؟"

"ہاں۔ کیا تمہیں اپنی ممی یاد نہیں آتیں؟"

وہ بڑی معصومیت سے بولا۔ "میری ممی تو مر گئی ہیں۔"

میں اپنی جیب سے عینی اور عروج کی مشترکہ تصویر نکال کر اسے دکھاتے ہوئے بولا۔ "میں اس ممی کی بات کر رہا ہوں۔"

وہ عینی کی تصویر دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "ہاں۔ یہ میری نئی ممی ہیں۔ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ مجھے اور ماہم کو بہت پیار کرتی ہیں۔"

"میں تمہیں ان کے پاس لے جانے آیا ہوں۔ کیا میرے ساتھ چلو گے؟"

وہ جلدی سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہاں"

پھر میں عروج کے چہرے پر انگلی رکھتے ہوئے بولا۔ "انہیں جانتے ہو؟"

"ہاں۔ یہ ڈاکٹر ہیں۔ ہم ان کے ساتھ فن فیئر گئے تھے۔"

"میں تمہیں ان کے پاس لے جاؤں گا۔ پھر یہ تمہاری ممی کے پاس تمہیں لے جائیں گی۔ ٹھیک ہے.....؟"

وہ قائل ہونے کے انداز میں اپنے سر کو دائیں بائیں جھٹک کر بولا۔ "ٹھیک ہے۔"

میں نے دودھ سے بھرے ہوئے گلاس اور ڈبل روٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "پہلے ناشتا ختم کرو۔ پھر چلیں گے۔"

میں ابھی اسے لے کر وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ عروج اور پاشا کے درمیان لمبی بحث ہو گی۔ نہ وہ جلدی واپس آنے والا تھا اور نہ عروج فی الحال اپنے کوارٹر جانے والی تھی۔ لہٰذا میں وہاں بیٹھ کر اسے کھلانے پلانے لگا۔

دوسری طرف عروج پاشا کے سامنے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمہارا جھکا ہوا سر بتا رہا ہے' پھر کوئی نیا بہانہ تراشنے والی ہو۔"

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "میرا کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ اشعر کو تم نے اپنے بس میں رکھ کر مجھے بے بس کر دیا ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟ یہاں کیوں بلایا ہے؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"کہنا نہیں چاہتی۔ سمجھانا چاہتی ہوں۔"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔ "مجھے شادی سے انکار نہیں ہے۔ لیکن شادی کے طریقے پر اعتراض ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"جب مجھے دلہن بننا ہی ہے تو چوروں کی طرح کیوں بنوں؟ میں اعلانیہ شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "یعنی ...یعنی تم عینی اور اس کے گھر والوں کی موجودگی میں نکاح پڑھوانا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔ کیا تم اعتراض کرو گے؟"

"بالکل نہیں۔ تم ڈنکے کی چوٹ پر میری شریکِ حیات بننا چاہتی ہو۔ مجھے تمہارا یہ فیصلہ سن کر خوشی ہو رہی ہے۔"

"مگر یہ خوشی ابھی پوری نہیں ہو گی۔ عینی اور اس کے گھر والوں کو قائل کرنے میں تھوڑا سا وقت لگے گا۔ کیا مجھے مہلت دو گے؟"

"تم دل سے راضی ہو۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ جتنا وقت چاہو' لے سکتی ہو لیکن ایک دو روز میں بات بن جائے۔ کیونکہ اشعر کی دیکھ بھال میرے لیے مسئلہ بن گئی ہے۔"

"میں تمہاری بات مان رہی ہوں۔ ایک اچھے ماحول میں شادی کی بات ہو رہی ہے۔ کیا تم میری ایک بات مانو گے؟"

وہ جھک کر بولا۔ "ہزار باتیں مانوں گا۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "وہ...اشعر کو پلیز عینی کے پاس پہنچا دو۔"

وہ ایکدم سے سنجیدہ ہو کر بولا۔ "وہ بہت اہم مہرہ ہے۔ تمہیں میری بات بری لگے گی مگر سچ یہی ہے کہ تم اس بچے اور عینی کی پرابلم کی وجہ سے مجبور ہو گئی ہو۔ تب ہی مجھ سے شادی کا فیصلہ کر رہی ہو۔ میں جیتی ہوئی بازی ہارنا نہیں چاہوں گا۔"

"کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

"سوری... عینی کے معاملے میں تم بہت خود غرض ہو۔ میں تم پر بھروسا نہیں کر سکتا۔"

"خود غرضی تو تم دکھا رہے ہو۔ اُس معصوم کو اپنی غرض کے لیے استعمال کر رہے ہو۔"

"میں جو کر رہا ہوں۔ اپنے حساب سے ٹھیک کر رہا ہوں۔ تم اس بحث میں الجھنے کے بجائے جلد از جلد گھر میں شادی کی بات کرو۔ جتنی جلدی تم میری زندگی میں آؤ گی۔ اتنی ہی جلدی اشعر عینی کے پاس پہنچے گا۔"

عروج اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ عینی کی پریشانی دور کرنے کے لیے اسے جلد ہی کوئی راستہ نکالنا تھا اور وہ مہلت ملتے ہی ایسا راستہ نکالنے والی تھی' جس کی توقع پاشا کبھی کر نہیں سکتا تھا۔

وہ وہاں سے اپنے کوارٹر میں آ گئی۔ سر پر لٹکتی ہوئی کورٹ میرج کی تلوار عارضی طور پر ہی سہی مگر ہٹ گئی تھی۔

میں نے موبائل فون پر عروج کے نمبر پنچ کیے۔ پھر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو! مقدر بھائی! کیسے یاد کیا؟"

"زندگی کی مصروفیات اتنی بڑھ گئی ہیں کہ کسی کو یاد کرنے کے لیے بھی کام کا بہانہ تلاش کیا جاتا ہے۔"

"کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟"

"ہاں۔ بہت ضروری کام ہے۔ تم اس وقت کہاں ہو؟"

"اپنے کوارٹر میں ہوں۔ بائی داوے کام کیا ہے؟"

"لمبی باتیں ہیں۔ فون پر نہیں کر سکتا۔ کوارٹر میں ہی رہو۔ بس میں پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ چلے آئیں۔ میں انتظار کروں گی۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اشعر کے ساتھ کار میں بیٹھ کر

اسپتال کی طرف جانے لگا۔ اس نے پوچھا۔ ''انکل! ہم کہاں جارہے ہیں؟''

''میں نے تمہیں ڈاکٹر آنٹی کی تصویر دکھائی تھی۔ ہم ان کے پاس جارہے ہیں۔ پھر وہ تمہاری نئی ممی کے پاس تمہیں لے جائیں گی۔''

وہ مطمئن ہوکر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ہی ہم اسپتال پہنچ گئے۔ کار سے اتر کر میں عروج کے کوارٹر کی طرف بڑھنے لگا۔ گلی کے کونے پر پہنچ کر میں نے اشعر سے کہا۔ ''یہاں سے چوتھا دروازہ ڈاکٹر عروج کا ہے۔ تم وہاں جاکر زور زور سے دستک دو گے۔ ان کا نام لو گے تو وہ دروازہ کھول دیں گی۔''

''آپ نہیں چلیں گے؟''

''نہیں۔ تم جاؤ۔ میں یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔''

وہ ننھے ننھے قدم اٹھاتا ہوا عروج کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ میں نے اشارے میں سمجھایا کہ وہی دروازہ ہے۔ وہ دستک دے سکتا ہے۔

وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے دروازے کو پیٹتے ہوئے کہنے لگا۔ ''عروج آنٹی...! عروج آنٹی....!''

عروج اپنے کمرے میں تھی۔ اشعر کی آواز سنتے ہی چونک گئی۔ بے یقینی سے سننے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ آواز اشعر کی ہی تھی۔ اسے پہچانتے ہی وہ دوڑتی ہوئی دروازے پر آئی۔ اسے کھول کر دیکھا تو نظروں کے سامنے اشعر کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ دور تک گلی میں نظریں دوڑانے لگی۔ یہاں سے وہاں تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پوری گلی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ فوراً ہی جھک کر اسے شانوں سے تھام کر بولی۔ ''تم...؟ تم یہاں کیسے آئے؟''

وہ سر گھما کر گلی کے کونے کی طرف دیکھنے لگا۔ میرا کام پورا ہوگیا تھا۔ میں وہاں سے چلا آیا تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر اپنا حلیہ بدل رہا تھا۔ میں نے ڈبل شرٹس پہنی ہوئی تھیں۔ اوپری شرٹ کو اتار کر نئی شرٹ میں آگیا تھا۔ اب وہ بچہ میرے حلیے سے اور لباس سے مجھے نہیں پہچان سکتا تھا۔

اشعر اس گلی کے کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ داڑھی والے انکل وہاں تھے۔ وہ مجھے لائے ہیں۔''

وہ باہر آکر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کون داڑھی والے انکل....؟''

اشعر متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ''یہاں تو کوئی نظر نہیں آرہا ہے۔''

وہ بولا۔ ''وہ ابھی یہاں تھے۔ انہوں نے کہا ہے' آپ مجھے میری ممی کے پاس لے جائیں گی۔''

وہ گلی سے نکل کر دور تک نظریں دوڑانے لگی۔ ایسے ہی وقت میں اپنی کار سے اتر کر اس کی طرف آرہا تھا۔ اس کے ساتھ اشعر کو دیکھ کر حیرانی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔ ''ارے عروج.....! یہ تمہارے پاس ہے؟''

''ابھی ابھی کوئی اسے یہاں پہنچا کر گیا ہے۔ یہ بتا رہا ہے وہ کوئی داڑھی والا تھا۔ مگر مجھے تو کوئی نظر نہیں آرہا ہے۔''

عروج کو پاشا پر شبہ تھا۔ لیکن اس کی یہ بات بھی یاد آرہی تھی کہ وہ اس بچے کو بہت اہم مہرہ سمجھتا ہے۔ اسی کی وجہ سے عروج جھکنے والی تھی۔ پاشا کبھی اشعر کو واپس کرنے کی نادانی نہیں کرسکتا تھا۔ پھر بھی اس نے پوچھا۔ ''یہ بتاؤ' اس داڑھی والے انکل نے ہی تمہیں اپنے گھر میں بند کر کے رکھا ہوا تھا؟''

وہ انکار میں سرہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں۔ وہ تو دوسرے انکل تھے۔''

میں نے کہا۔ ''تم آم کھاؤ' پیڑ نہ گنو اور خدا کا شکر ادا کرو۔ یہ بیٹھے بیٹھے تمہیں مل گیا ہے۔''

میں نے اشعر کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''اسے یہاں پہنچا کر غائب ہوجانے والا کوئی فرشتہ ہی ہوسکتا ہے۔''

میں اس کے ساتھ کوارٹر میں آگیا۔ دوسری طرف پاشا اپنے مکان میں پہنچا تو کھلے ہوئے دروازے کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا اندر آتے ہوئے بولا۔ ''اشعر....! اشعر....!''

اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ کچن میں۔ باتھ روم۔ کمرے میں چارپائی کے نیچے بچہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ دیوانہ وار اسے تلاش کرتا ہوا مکان سے باہر آگیا۔ گلی میں ادھر سے ادھر دور تک اس کا کہیں نام ونشان نہیں مل رہا تھا۔

وہ پریشان ہوکر مکان کے دروازے کو دیکھنے لگا۔ ''میں تو اسے لاک کر کے گیا تھا۔ پھر اشعر کیسے باہر نکل گیا؟ وہ کہاں جا سکتا ہے؟ او گاڈ! میں کیا کروں؟ اسے کہاں تلاش کروں؟''

وہ بوکھلایا ہوا سا کبھی گلی کے ایک کونے کی طرف آرہا تھا' کبھی دوسرے کونے پر جاکر اسے تلاش کررہا تھا۔ پڑوسیوں کے دروازے کھٹکھٹا کر پوچھ رہا تھا کہ انہوں نے کسی بچے کو دیکھا ہے؟

ہر طرف سے مایوسی ہورہی تھی۔ وہ سر پکڑ کر مکان کی دہلیز پر بیٹھ گیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے ڈھونڈنے کے سلسلے میں کیا کرے کیا نہ کرے؟

اشعر عروج کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے کہا۔ ''عروج! اب تم بلیک میل نہیں ہو

ئیں۔''

اس نے ایکدم سے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر ہچکچاتے ئے پوچھا۔ ''جی....؟ میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھی۔''

''تمہارے سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں جانتا ں اشعر کو کس نے اغوا کیا تھا؟''

وہ بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ ''آ....آپ ے جانتے ہیں؟''

''جیسے تم جانتی ہو۔ تمہیں پاشا نے بتایا تھا اور مجھے ہاتھ کی ریں بتاتی ہیں۔''

وہ جلدی سے بولی۔ ''پلیز مقدر بھائی! اگر آپ حقیقت ے واقف ہیں تو خدا کے لیے اس راز کو اپنے سینے میں ہی دبا کر ں۔ ورنہ پاشا بری طرح بدنام ہوجائے گا۔''

''میں اس کی بدنامی نہیں چاہتا۔ لیکن اب اس کی دیوانگی کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔''

''کیا مطلب....؟''

''وہ اس بچے کو کمزوری بنا کر تمہیں مجبور کرنے والا تھا۔ ن اب خود کمزور ہوگیا ہے۔ تمہیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا ہے۔''

''مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''فی الحال تو اسے فون کرو اور دیکھو کہ وہ بچے کے معاملے ا کیا کہتا ہے؟''

وہ موبائل فون پر اس کے نمبر پنچ کر کے رابطے کا انتظار رنے لگی۔ دوسری طرف پاشا کے موبائل فون کا بزر بولنے ۔ وہ سی ایل آئی پر عروج کے نمبر دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ پھر ذرا بھل کر اسے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''ہیلو....!''

عروج نے کہا۔ ''میں چاہتی ہوں' اشعر کے معاملے میں ا کی پریشانی جلد سے جلد ختم ہوجائے۔ تم نے ہی کہا ہے کہ دی جتنی جلدی ہوگی' اشعر اتنی ہی جلدی عینی کے پاس پہنچ ے گا؟''

''آں۔ ہاں۔''

''میں ابھی عینی سے اور اس کے گھر والوں سے بات رنے جارہی ہوں۔ تم تیار رہو۔ ہوسکتا ہے آج شام ہی ہمارا ح پڑھادیا جائے؟''

وہ اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے بولا۔ ''ایسی جلدی بھی یا ہے؟ اشعر میرے پاس محفوظ ہے۔ تم آرام سے سب کو رام رو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری شادی کے موقع پر کوئی ایک بھی ناراض رہے۔''

وہ حیرانی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھ سے زیادہ جلدی

تو تمہیں تھی۔ تم تو آج صبح مجھ سے کورٹ میرج کرنے والے تھے۔ اب کہہ رہے ہو کہ جلد بازی نہ دکھاؤں؟ یہ اچانک ہی تمہاری سوچ کیوں بدل گئی؟"

"میں جذبات میں اندھا ہو گیا تھا۔ مگر اب تمہارا یہ فیصلہ سن کر سمجھ میں آرہا ہے کہ شادی میں تمام افراد کی رضامندی اچھی بات ہوگی۔ جلد بازی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم سہولت سے سب کو سمجھاؤ۔ میں بعد میں بات کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی جارہی ہوں۔ کل تک ہماری شادی خانہ آبادی کے لیے انہیں راضی کرلوں گی۔"

اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "کل تک....؟"

پہلے تو اسے بڑی جلدی تھی۔ اب وہ بری طرح بوکھلا رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا' عروج نے نکاح سے پہلے اشعر کا مطالبہ کیا تو وہ کیا جواب دے گا؟

اس نے فی الوقت ٹالنے کے لیے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ کک...کل کے لیے گھر والوں کو راضی کرو۔ میں پھر تم سے رابطہ کروں گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ عروج نے مسکرا کر مجھ سے کہا۔ "وہ بری طرح بدحواس ہو گیا ہے۔ اشعر کی گمشدگی کو مجھ سے چھپا رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "تم دونوں سہیلیوں کے نصیب اچھے ہیں۔ اب وہ تمہیں سوکنیں بننے پر مجبور نہیں کر سکے گا۔ یہ بتاؤ' اس سلسلے میں کیا کرنے والی ہو؟"

"میری سوچ کا' میری محبتوں کا مرکز عینی ہے۔ میں سب سے پہلے اشعر کو اس کے پاس پہنچا کر بے انتہا خوشیاں دینا چاہتی ہوں۔"

"سب ہی تم سے سوال کریں گے کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آگیا؟"

"ہاں۔ اس کا جواب مشکل ہوگا۔ پاشا نے مجھے حاصل کرنے کے لیے ایک بچے کو اغوا کرنے کا جرم کیا ہے۔ ذیشان بھائی تو کبھی اسے معاف نہیں کریں گے اور میں اسے کسی کے سامنے شرمندہ نہیں کرنا چاہتی۔"

میں نے کہا۔ "پھر تو سیدھی سی بات ہے۔ ان سے بھی یہی کہو کہ اشعر کو کوئی تمہارے دروازے پر پہنچا گیا ہے۔"

"ہاں۔ یہی کہنا ہوگا۔ میں ابھی اسے لے کر جاتی ہوں۔ آپ میرے ساتھ رہیں گے تو سب ہی میری بات کا یقین کریں گے۔ آپ یہاں بیٹھیں۔ میں چینج کر کے آتی ہوں۔"

"ایک بات کہوں عروج....!"

"جی۔ کہیں..."

"اشعر کی واپسی کے بعد بھی پاشا تمہاری طلب سے باز نہیں آئے گا۔ وہ ساری عمر تمہارے پیچھے بھاگتا رہے گا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا' میں کیا کروں؟ پلیز۔ آپ کوئی مشورہ دیں۔"

"تم جب تک کسی کے نام سے منسوب نہیں ہوگی' تب تک وہ یہی سمجھتا رہے گا کہ تم صرف اس کے لیے شادی نہیں کر رہی ہو۔ اگر تم کسی کی منکوحہ بن جاؤ گی تو وہ یوں ڈنکے کی چوٹ پر تمہیں طلب نہیں کرے گا۔ تہذیب اور شرم و حیا آڑے آئے گی۔"

"لیکن آپ نے تو پیش گوئی کی تھی کہ ہم دونوں سہیلیاں پاشا کی زندگی میں رہیں گی۔"

"بے شک۔ میں نے کہا تھا کہ تم بھی اس کی زندگی میں رہو گی۔ لیکن شریکِ زندگی نہیں کہا تھا۔"

عروج نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "مقدر کی ہیرا پھیری عملی طور پر بھی ہوتی ہے اور لفاظی سے بھی... ایک لفظ کے ہیر پھیر سے پوری زندگی بدل کر رہ جاتی ہے۔"

"خدا جانتا ہے' میں پاشا سے دور ہونے کی تدبیر سوچتی رہتی تھی' مگر یہ سوچ کر تھک جاتی تھی کہ آپ کی پیش گوئی کے مطابق مجھے اس کی شریکِ حیات بننا ہی ہے۔ لیکن اب ...آپ کی باتوں سے حوصلہ مل رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "حوصلہ کرو۔ اگرچہ پاشا تمہارا دیوانہ ہے۔ ضدی ہے۔ مگر ایک اچھا انسان ہے۔ وہ تمہیں حاصل کرنے کے لیے عینی سے دور بھاگ رہا ہے لیکن اس سے نفرت نہیں کرتا ہے۔ جب تم حاصل نہیں ہو سکو گی تو وہ پلٹ کر اسی ایک شریکِ حیات کے ساتھ زندگی گزارے گا۔"

"بے شک۔ مجھے یہی کرنا ہے اور میں یہ کروں گی۔"

وہ لباس بدلنے کے لیے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

پاشا کی پریشانی قابلِ دید تھی۔ ایک تو عروج اس کی مٹھی میں آتے آتے پھسل رہی تھی۔ پھر یہ کہ اشعر کے گم ہونے کے بعد وہ خود کو شدت سے ایک مجرم تسلیم کر رہا تھا۔ اگر وہ اپنے منصوبے کے مطابق اس بچے کو عروج کے ذریعے عینی تک پہنچا دیتا تو اس کے لیے یہ محض ایک حکمتِ عملی ہوتی اور عروج مل جاتی۔ لیکن نہ وہ ملی' نہ وصالِ صنم ہوا۔ نہ وہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا اور سچ مچ ایک مجرم بن گیا۔

عروج نے لباس تبدیل کرنے کے دوران اس سے رابطہ کیا۔ "ہیلو.....! میں عینی اور ذیشان بھائی کے پاس جارہی ہوں۔ ابھی میرے پاس مقدر بھائی موجود ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں' کل میرے مقدر میں دلہن بننا لکھا ہوا ہے۔ تمہارا نام ... پاشا ہے۔ لیکن میرے ہونے والے دلہا کا نام نہ سین سے شروع ہوتا ہے' نہ پے سے....."

"میں نہیں مانتا۔ تمہاری شادی میرے ساتھ ہی ہوگی۔"

"کوئی اپنی تقدیر سے نہیں لڑ سکتا۔ انہوں نے کہا ہے' میرے لائف پارٹنر کا نام الف سے شروع ہوتا ہے اور کل میں اسی کی منکوحہ بنوں گی۔"

"پلیز۔ عروج! یہ علمِ نجوم اور مقدر والی باتیں نہ کرو۔ میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔"

"ہم سب نے اور ذیشان بھائی جیسے پریکٹیکل لائف گزارنے والے پولیس افسر نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ مقدر بھائی کی پیش گوئی کبھی جھوٹی نہیں ہوتی۔ جب انہوں نے کہہ دیا ہے کہ کل میں ہر حال میں کسی کی منکوحہ بنوں گی تو پھر یہ پیش گوئی پتھر کی لکیر ہے۔ اب تم اشعر کے ذریعے بھی مجھے بلیک میل نہیں کر سکو گے۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولی۔ "کیا تمہیں اشعر کے سلسلے میں مقدر بھائی کی بات درست لگ رہی ہے؟"

وہ اور پریشان ہو گیا۔ بات بالکل درست تھی۔ اب وہ اشعر کے ذریعے بلیک میل نہیں کر سکتا تھا۔ میری پیش گوئی چیلنج کر رہی تھی کہ کل سے عروج اس کے لیے پرائی ہو جائے گی۔

عروج کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "تم چپ کیوں ہو؟ کیا مقدر بھائی کی پیش گوئی سے قائل ہو رہے ہو؟ کچھ بھی ہو پاشا! تم مجھے حاصل کر سکو یا نہ کر سکو۔ مگر انسانیت کے ناتے اشعر کو عینی کے پاس پہنچا دو۔ میں پھر کسی وقت رابطہ کروں گی۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ پاشا اپنے فون کو دیکھنے لگا۔ ان لمحات میں وہ فون اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

ایک گھنٹے بعد عینی کی عید ہو گئی۔ وہ اشعر کو دیکھتے ہی خوشی سے چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔ اسما اور ذیشان نے خوش ہو کر عروج سے پوچھا۔ "یہ کہاں تھا؟"

عروج انہیں بتانے لگی کہ اشعر اس کے دروازے تک کیسے پہنچا؟ میں اس کے بیان کی تائید کرتا رہا۔ عینی نے بڑے جوش سے عروج کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "میری ماں اور کوئی سگی بہن بھی ہوتی تو وہ میرے لیے اتنا نہ کرتی جتنا تُو کرتی آرہی ہے۔ تُو نے میرے لیے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں اور آج اس بچے کو یہاں پہنچا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے' میں اس کا صلہ کبھی نہیں دے سکوں گی۔"

عروج نے کہا۔ "غیروں کی طرح باتیں نہ کر۔ ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔"

عینی نے الگ ہو کر کہا۔ "میں ابھی پاشا کو خوشخبری سناتی ہوں۔ وہ مجھ سے دور ہو گئے ہیں مگر میری خوشی میں خوش ہوتے ہیں۔"

وہ موبائل پر نمبر پنچ کرنے لگی۔ میں نے اور عروج نے خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اچھا خاصا ڈراما چلے ہو رہا تھا۔ ایک بچہ ادھر سے ادھر ہو گیا تھا تو حالات کچھ سے کچھ ہو گئے تھے۔

عینی نے فون پر کہا۔ "ہیلو پاشا! میں عینی بول رہی ہوں۔"

پاشا کی سمجھ میں آیا کہ عروج وہاں پہنچ گئی ہے اور شادی کے سلسلے میں باتیں کر رہی ہے۔ لیکن عینی نے اپنے طور پر خوشخبری سنائی کہ اشعر اسے واپس مل گیا ہے۔ اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے فوراً ہی پوچھا۔ "وہ تمہارے پاس کیسے پہنچ گیا؟"

"میرے پاس نہیں۔ عروج کے پاس پہنچا تھا۔ عروج اور مقدر بھائی اسے یہاں لائے ہیں۔"

اسے پھر ایک ذہنی جھٹکا پہنچا۔ وہ جس عروج کو بلیک میل کرتا رہا تھا۔ وہی اشعر کو عینی کے پاس لے گئی تھی اور یہ بات اب تک اس سے چھپائی رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "عینی! عروج کو فون دو۔ میں اشعر کے سلسلے میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

عینی نے فون عروج کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "وہ تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ فون لے کر کان سے لگاتے ہوئے ان سب سے دور جاتے ہوئے بولی۔ "ہاں۔ میں بول رہی ہوں۔"

"اشعر تمہارے پاس کیسے پہنچا؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ جیسے تمہارے پاس پہنچا تھا' ویسے ہی میرے پاس پہنچ گیا۔ مقدر کے تماشے ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ویسے میں نے کسی سے یہ نہیں کہا ہے کہ اسے تم نے اغوا کیا تھا۔"

"نہ کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ایک تو وہ بچہ مجھے وہاں دیکھتے ہی پہچان لے گا۔ پھر یہ کہ احساسِ جرم اتنا شدید ہے کہ میں اپنے کیے پر پچھتا رہا ہوں۔"

تم نہ پچھتاؤ۔ غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔ میرا ایک مشورہ مانو گے؟"

"ہاں بولو....."

"ابھی فون پر ذیشان بھائی سے بات کرو۔ انہیں بتاؤ کہ

تم نے بچے کو کیوں اغوا کیا تھا؟ ابھی تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے تو تم اسے میرے کوارٹر کے دروازے پر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ تاکہ میرے ذریعے وہ بچہ یہاں پہنچ جائے۔"

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "پاشا! خدا کے لیے اپنی غلطی کی تلافی کرو۔ عینی کی قدر کرو۔ وہ دل کی گہرائیوں سے محبت کرنے والی شریک حیات ہے۔ تمہیں یہاں آنا ہے۔ اپنی عینی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ حالات سے سمجھوتا کرو۔ اسی طرح ایک بہت بڑی غلطی کی تلافی ہو سکے گی۔"

"عروج...! تم جو کہو گی۔ وہ کروں گا۔ لیکن تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔"

"رہنا ہوگا۔ مقدر بھائی کی پیش گوئی اٹل ہے۔ میں خود نہیں جانتی' کل کیا ہونے والا ہے؟ اتنا جانتی ہوں' جو بھی ہونا ہے' وہ یہیں عینی کے گھر میں ہوگا۔ پلیز۔ عینی کے پاس آ جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ذیشان بھائی سے بات کرتا ہوں۔"

اس نے عروج سے رابطہ ختم کر کے ذیشان کو فون پر مخاطب کیا۔ "ہیلو بھائی جان! میں پاشا بول رہا ہوں۔ میں عینی کا اور قانون کے حوالے سے آپ کا مجرم ہوں۔ اشعر کو میں نے ہی اغوا کیا تھا۔"

ذیشان نے بے یقینی سے پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"جیسا کہ سب ہی جانتے ہیں' میں عروج سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ راضی نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اسے طرح طرح سے منانے کی کوشش کی۔ آخر اسے بلیک میل کرنے کے لیے میں نے اشعر کو عینی سے چھین لیا۔ اس کی تکلیف عروج سے برداشت نہیں ہوتی۔ میں اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ بچے کی واپسی چاہتی ہے تو مجھ سے کورٹ میرج کرے۔ لیکن میں اسے اپنے سامنے نہ جھکا سکا۔ میرے ضمیر نے کہا کہ میں نے اغوا کا بہت بڑا جرم کیا ہے۔ لہٰذا میں نے چپ چاپ اشعر کو عروج کے کوارٹر تک پہنچا دیا۔ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔ آپ کے پاس آ رہا ہوں۔ آپ معاف کریں یا سزا دیں۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ابھی چلے آؤ....."

ذیشان نے فون بند کرتے ہوئے عینی کو بتایا کہ پاشا نے اغوا کا جرم کیا تھا۔ اب وہ شرمندہ ہے اور سزا پانے کے لیے یہاں آ رہا ہے۔

عینی نے تمام باتیں سننے کے بعد ذیشان کے پاس آ کر اس کے بازو کو تھام کر کہا۔ "بھائی جان! وہ بہت اچھے ہیں۔ آپ خود کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہیں۔ ابھی آ رہے ہیں۔ آپ کو میری قسم ہے۔ انہیں اور شرمندہ نہیں کریں گے۔ پولیس افسر بن کر سزا نہیں دیں گے۔"

ذیشان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "جو کہو گی' وہی ہوگا۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا کہتے ہیں مگر معاف کر دیتے ہیں۔"

☆☆☆

صبح کا بھولا لوٹ آیا تھا۔ سب نے اسے خوش آمدید کہا۔ ذیشان نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "تم نے عینی کو بڑے دکھ دیے ہیں۔ اس کے باوجود میں اس کے کہنے پر تمہیں معاف کر رہا ہوں۔ آیندہ تم اسے چھوڑ کر' اس کا دل توڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔"

پاشا نے وعدہ کیا کہ وہ ایک ذمہ دار شوہر کی حیثیت سے عینی کے ساتھ زندگی گزارے گا۔ لیکن دل اسی محبوبہ کے لیے مچل رہا تھا۔ وہ پچھلی رات ہی کہیں چلی گئی تھی۔ عینی اور ذیشان وغیرہ سے کہہ گئی تھی کہ شام کو ان سب سے ملنے آئے گی۔

پاشا نے بڑی رازداری سے فون پر رابطہ کرنا چاہا تو پتا چلا کہ اس نے فون کو مستقل بند رکھا ہے۔ وہ اسپتال میں ڈیوٹی پر بھی نہیں تھی۔ عینی اور ذیشان وغیرہ نے معلوم کیا۔ اس کے کوارٹر کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔

اس نے دوسری صبح عینی سے کہا۔ "میری جان! تمہاری سہیلی زندہ ہے۔ پریشان نہ ہونا۔ میں شام کو آ رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ عینی ہیلو ہیلو کہتی رہ گئی۔ عروج نے پاشا کو بھی فون پر مخاطب کیا۔ "ہیلو پاشا...! کیا ڈھونڈ رہے ہو؟ بس اب یہ سلسلہ ختم کرو۔ مقدر بھائی کی پیش گوئی کبھی غلط نہیں ہوتی۔ تم دیکھو گے کہ یہ کیسے سچ ثابت ہوتی ہے؟ میں شام پانچ بجے آ رہی ہوں۔"

بس اتنی سی بات کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ وہ بھی ہیلو کہتا رہ گیا۔ اس نے گم ہو کر سب سے رابطہ توڑ کر سب کے دلوں میں تجسس پیدا کر دیا تھا کہ آخر وہ کہاں ہے اور کیا کرتی پھر رہی ہے؟

وہ شام کو آنے والی تھی۔ سب ہی کو وہ دن پہاڑ جیسا لگ رہا تھا۔ کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ یہ بات پاشا کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی کہ وہ کسی کی منکوحہ بننے والی ہے اور مقدر بھائی کی پیش گوئی درست ہونے والی ہے۔

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے.... ٹھیک شام کے پانچ بجے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور وہ ایک اجنبی کے ساتھ اندر آئی۔ سب ہی اس کے انتظار میں وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ پاشا سب سے زیادہ بے چین تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف

بڑھنے کا ارادہ تھا لیکن اس اجنبی کو اس کے ساتھ دیکھ کر اسے اندر سے میری آواز سنائی دی۔ "میری پیش گوئی کبھی غلط نہیں ہوتی....."

عینی فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر عروج کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "کہاں گم ہو گئی تھی؟ کل سے ہمارے لیے... پراسراریت بنی ہوئی ہے۔"

عروج نے کہا۔ "تمام اسراریت ختم کرتی ہوں۔ ان سے ملو۔"

وہ اس اجنبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "یہ احسان علی ہیں۔ میرے مجازی خدا......"

یہ سنتے ہی جیسے دھماکا سا ہوا۔ سب ہی نے چونک کر اس کو دیکھا۔ وہ کوئی گیا گزرا نہیں تھا۔ عروج کی پسند ایسی ویسی نہیں ہو سکتی تھی۔ چونکہ خبر چونکا دینے والی تھی۔ اس لیے سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

پاشا تو جیسے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ عروج کیا کہہ رہی تھی؟ اپنے مجازی خدا کے بارے میں کیا بتا رہی تھی؟ شادی کب تک کیسے ہو گئی تھی؟ یہ سب کچھ پاشا کو سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ تمام افراد کے سامنے اور خاص طور پر ذیشان کی موجودگی میں عروج سے کوئی شکایت نہیں کر سکتا تھا۔

پھر یہ کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ آئی تھی۔ اس کے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا۔ "تم میری محبوبہ تھیں۔ تم نے بے وفائی کی ....."

وہ ایک شوہر کے سامنے اس کی توہین نہیں کر سکتا تھا۔ اخلاقی تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ زبان بند رکھتا۔ عینی تو جیسے خوشی سے جھوم رہی تھی۔ بڑی محبت سے شکایتیں کر رہی تھی کہ کورٹ میرج کے وقت اس نے اپنی عزیز ترین سہیلی کو کیوں نہیں بلایا؟

سب ہی دلہا دلہن کو مبارکباد دے رہے تھے۔ ذیشان نے احسان علی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ دونوں نے اچانک شادی کر کے ہمیں چونکا دیا ہے۔ آئیں ہمارے ساتھ بیٹھیں۔ ہم آپ کا منہ میٹھا کریں گے۔"

اسما نے کہا۔ "صرف منہ میٹھا نہیں کرایا جائے گا۔ اس گھر میں چھوٹی سی تقریب ہونی چاہیے۔ کیوں عینی...!"

وہ چہک کر بولی۔ "بالکل... میں اپنی عروج کو دستور کے مطابق دلہن بناؤں گی۔"

وہ سب ہی چہک رہے تھے۔ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پاشا گم صم بیٹھا ہوا تھا۔ عروج کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ذیشان سے بولی۔ "تقریب ضرور ہوگی۔ فی الحال انہیں ضروری کام سے جانا ہے۔ میں آپ لوگوں سے ملوانے آئی تھی۔ ہم پرسوں کی فلائٹ سے لندن جا رہے ہیں۔ بس کل کا ایک دن اپنی عینی کے ساتھ گزاروں گی۔ ابھی ہمیں اجازت دیں۔"

اسما نے کہا۔ "یہ کیا عروج...! اچانک اتنی بڑی خوشخبری سنانے آئیں اور ہماری خوشیاں ادھوری چھوڑ کر میاں کے ساتھ بھاگ رہی ہو؟ شادی کے پہلے ہی دن یہ حال ہے۔ جانے زندگی بھر کیا ہوگا؟"

اس بات پر سب ہی ہنسنے لگے۔ عروج عینی کے گلے لگتے ہوئے بولی۔ "چلتی ہوں۔ کل آؤں گی۔"

وہ عینی کے گلے لگ رہی تھی اور دل پاشا کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ اس کے لیے اندر سے دکھی ہو رہی تھی۔ پھر اسما سے بھی گلے مل کر احسان علی کے ساتھ جانے لگی۔

پاشا کا سر جھکا ہوا تھا۔ سب اسے دیکھ رہے تھے اور اس کی دلی کیفیات کو سمجھ رہے تھے۔

میں مقدر ہوں۔ ہر انسان کی زندگی کے پہلے لمحے سے لے کر آخری لمحے تک اس کے ساتھ رہتا ہوں۔ اس کی زندگی کی کہانی کے تانے بانے بنتا رہتا ہوں۔ اسے مختلف نشیب و فراز سے گزارتا رہتا ہوں۔

میں اسما کو بانجھ بنا کر اسے مشکلات میں ڈالتا رہا۔ آخر اس نے یہ تسلیم کر لیا کہ اپنے شوہر ذیشان کی نسل کو آگے بڑھانے کے لیے اولاد ضروری ہے اور آیندہ کسی سوکن سے ہی اولاد ہو سکتی ہے۔ لہٰذا وہ گل خانم کو اپنی سوکن تسلیم کر چکی ہے۔ اس کی زندگی کا باب اس حد تک مکمل ہو چکا ہے۔

دردانہ اور شہباز درّانی کا باب یوں ختم ہو چکا ہے کہ وہ یہودیوں کی ایک تنظیم پی۔ ٹو کی گود میں بیٹھ کر اس ملک سے باہر جا چکے ہیں۔

نمرہ پہلے مجھ سے متاثر ہوئی تھی لیکن انسانی ہمدردی کے تحت جبران کی طرف مائل ہو گئی تھی۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا وہ میرے پیار کے کھونٹے سے بندھی ہوئی گائے ہے۔ رسّے کی لمبائی تک جائے گی پھر میری طرف پلٹ آئے گی.... اس رسّے کی لمبائی ختم ہو چکی تھی۔ یہ طے ہے کہ وہ میری اور صرف میری ہے۔

ایک ذہین اور خوبصورت کزن آسرا کا ذکر ہوا۔ وہ ساتھ چلتے چلتے حالات کی دھند میں گم ہو چکی ہے۔ میں دنیا کے تمام انسانوں کے درمیان رہتا ہوں۔ وہ گم ہو جانے والی انسانوں کے میلے میں پھر کہیں ملے گی۔

میں نے عروج اور عینی کے سامنے یہ پیش گوئی کی تھی کہ وہ دونوں ہی پاشا کی زندگی میں رہیں گی۔ لیکن یہ وضاحت نہیں

کی تھی کہ کس کا ساتھ کتنے عرصے تک رہے گا؟

اور اب مقدر کا لکھا سامنے آچکا تھا۔ عروج نے شادی کر کے اپنے اور پاشا کے درمیان جدائی کی اخلاقی دیوار کھڑی کر دی تھی۔

وہ عینی اور پاشا سے رخصت ہو کر کوٹھی سے باہر آ گئی۔ احسان علی کے ساتھ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگی۔ وہ ہنگامی حالات میں شوہر بننے والا احسان علی اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا' جیسے ایک بہت عظیم ہستی کو دیکھ رہا ہو۔ وہ بولا۔ ''تم نے اپنے گھر والوں کو میرے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ لیکن سب کچھ نہیں بتایا۔''

''میں نے ضروری نہیں سمجھا۔''

وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی کوٹھی کے احاطے سے باہر آ گئی۔

تھوڑی دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ پھر وہ بولا۔ ''تم نے کل شام اچانک ہی مجھ سے شادی کی درخواست کی اور اب دیکھتے ہی دیکھتے ہم ازدواجی رشتے میں منسلک ہو گئے۔ یہ عجلت.... یہ جلد بازی میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ''اور سمجھ کر بھی کیا کروں گا؟ میں تو چند مہینوں کا مہمان ہوں۔''

اسٹیئرنگ پر عروج کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ کار کی رفتار بڑھ گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھے بلڈ کینسر ہے۔ تم نے مجھ سے شادی کی ہے۔''

عروج نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ وہ کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بولا۔ ''سوری.... میں نے وعدہ کیا تھا' تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔ ہاں۔ نہیں کروں گا۔ تم ایک مرنے والے کو شادی کے نام پر زندگی کی آخری خوبصورتی دکھا رہی ہو۔ تمہارا شکریہ.....''

وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہی تھی۔ وہ بھی خاموش ہو گیا تھا۔ آج نہیں تو کل اسے ہمیشہ کے لیے خاموش ہونا تھا۔

مقدر کے تماشے کچھ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ عروج کے پاس بیٹھا ہوا دولہا ایسا لگ رہا تھا' جیسے اس کے ساتھ ہڈیوں کا ڈھانچا بیٹھا ہوا ہو۔

عروج ڈرائیو کرتے ہوئے ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ ایک طرف زندگی سے ٹوٹنے والا بیٹھا ہوا تھا۔ دوسری طرف پاشا کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دے رہا تھا اور اس کا دل کہہ رہا تھا۔ ''میں تیرے سنگ کیسے چلوں ساجناں...تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا....''

ختم شد